إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۱۲

لغات القرآن

قرآنی مطالب کا انسائیکلوپیڈیا

جس میں قرآنِ کریم کے تمام الفاظ کے معانی و مطالب
مستند کتبِ لغت کی بنیاد پر اس انداز سے متعین کئے گئے ہیں
کہ قرآن جو تصورات پیش کرتا ہے، اُن کا مکمل نقشہ
سامنے آجائے اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی اُلجھاؤ پیدا نہ ہو

پرویز

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) جلد اول ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب لغات القرآن (اول)

مصنف غلام احمد پرویز

ایڈیشن چہارم اکتوبر 1998

ناشر طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

25بی گلبرگ II لاہور پاکستان

فون :5753666,5764484

مطبع زاہد بشیر پرنٹرز

طلوع اسلام ٹرسٹ کی کتب سے حاصل شدہ جملہ
آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

فہرست مشمولات

	صفحہ از	تا
(۱) پیش لفظ	....	۴—۳۴
(۲) مبادیات	....	۱—۷۳
(یعنی عربی گرامر کے ابتدائی قواعد)		
(۳) فہرست الفاظ قرآنی	....	۷۴—۱۸۵
(جن کے سامنے مادے دئے گئے ہیں)		
(۴) اغلاط نامہ مبادیات و فہرست	....	۱۸۶

لغات

	صفحہ از	تا
ا	....	۱۸۹—۲۹۱
ب	....	۲۹۲—۳۷۰
ت	....	۳۷۱—۳۹۳
ث	....	۳۹۴—۴۱۱
ج	....	۴۱۲—۴۶۰

جلد اول — کل صفحات ۵۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ (پہلا ایڈیشن)

خاک ما خیزد کہ سازد آسمانے دیگرے
ذرہ ناچیز و تعمیر بیابانے نگر

قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور نوع انسان کے لئے واحد اور مکمل ضابطہ حیات ہے ۔ یہ ایسے ابدی حقائق پر مشتمل ہے جن پر زمانہ کے تغیرات اثر انداز نہیں ہو سکتے ، اور جو اسقدر عالمتاب اور ہمہ گیر ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے اور تاریخ کے ہر دور میں انسانی فکر کی امامت کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ جس کتاب کی کیفیت یہ ہو اسکی زبان کو کسقدر جامع ، ہمہ گیر ، وسیع ، بلند اور عمیق ، اور اسکے ساتھ ، کسقدر صاف ، واضح اور متعین ہونا چاہئے ۔ ایک مغربی مفکر نے—جو عیسائیت سے برگشتہ ہو کر ایک ایسے مذہب کی تلاش میں ہے جو انسانی عقل و بصیرت کی تسکین کرسکے ۔ کہا ہے کہ وہ جس مذہب کی تلاش میں ہے اسکی کتاب کی زبان ایسی ہونی چاہئے :

> جو ایک طرف ایسی سلیس اور سادہ ہو کہ عام سطح کے انسان بھی اس سے مستفید ہو سکیں اور دوسری طرف اسقدر عمیق اور پر معنی کہ ایک بلند پایہ مفکر بھی اس سے مطمئن ہوجائے* ۔

قرآن کریم کی زبان اس معیار پر بھی صحیح طور پر پوری اترتی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب مشیت ایزدی نے قرآن کے انقلابی پروگرام کو عملاً متشکل کرنے کے لئے عربوں جیسی قوم کا انتخاب کیا تو ، نزول قرآن سے صدیوں پہلے ، اس قوم کے ذہن یہ فریضہ عائد کر دیا کہ وہ اپنی زبان کو بتدریج ارتقائی منازل طے کراتے اس مقام تک لے جائے کہ وہ قرآن کے عظیم حقائق کی متحمل ہوسکے ۔ جب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کو دو شاخوں میں تقسیم کیا گیا ، تو ایک شاخ (بنی اسرائیل) کے حصے میں نبوت اور حکومت آئی اور دوسری شاخ (بنی اسمٰعیل) کو حجاز کی وادی غیرذی زرع میں بسایا گیا ، جہاں ان کے ہاں (حضرت اسمٰعیلؑ کے

* Julian Huxley-N.Y. Times 22.8.52.

بعد) نہ کوئی نبی مبعوث ہوا ، نہ انھیں بادشاہت ملی - لیکن یہ شاخ ، رفتہ رفتہ ایک ایسی قوم بن گئی جو دایۂ فطرت کے آغوش میں پل کر جوان ہوئی اور نبی آخرالزماں ؐ کے پیغام کی اولین مخاطب بننے کی اہل قرار پائی - اسکے ساتھ ہی اس نے اپنی زبان کو اسقدر جلا دی کہ وہ اپنے آپ کو بجا طور پر ، عرب (یعنی فصیح البیان) اور دوسروں کو عجم (یعنی گونگے) کہا کرتے تھے - لفظ ''عربی'' کے معنے ہی صاف ، واضح اور بیّن کے ہیں - اسوقت عربی زبان کی اصل (Origin) اور اسکے ارتقائی مراحل کے متعلق کوئی تحقیقانی بحث میرے پیش نظر نہیں - مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ جہاں بنی اسرائیل صدیوں تک تمدن و حضارت کے بلند اور پر شکوہ محلات تعمیر کرنے میں مصروف رہے ، اور سطوت داؤدی ؑ اور شوکت سلیمانی ؑ کے حامل بنے ، ان کے بھائی - بنی اسمٰعیل - اس تمام عرصہ میں ، شعوری یا غیرشعوری طور پر ، ایک ایسی زبان کی ترتیب و تہذیب میں کوشاں رہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی زبان نہیں کرتی تھی - ماہرین علم الالسنہ کے پیش کردہ نظریات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر تاریخ کے کسی خاص دور میں ، کسی قوم کی ذہنی سطح کا اندازہ لگانا ہو تو دیکھنا یہ چاہئے کہ اس دور میں اس قوم کی زبان میں کتنے الفاظ ایسے تھے جو تصورات (Concepts) کے مظہر تھے - اس ضمن میں انکی تحقیق یہ ہے کہ ہندی - یورپی (Indo - European) زبانوں میں جسقدر الفاظ مروّج ہیں ان کے تصوراتی مشتقات (Root - Concepts) کی تعداد زیادہ سے زیادہ ایک سو اکیس تک پہنچتی ہے - اور تو اور ، جس زمانے میں سنسکرت ایک زندہ زبان تھی ، اور سورج اور آگ کو دیوتا مانا جاتا تھا ، اس زمانے میں اس زبان میں سورج کے لئے کل سینتیس (۳۷) الفاظ تھے اور آگ کیلئے پینتیس (۳۵) - اسکے برعکس عربوں کو دیکھئے تو ان کے ہاں شہد کیلئے اسّی الفاظ - سانپ کیلئے دو سو - شیر کیلئے پانچسو - تلوار کیلئے ایک ہزار - اور اونٹ کیلئے پانچہزار سات سو چوالیس الفاظ موجود تھے* - اس سے عربوں کے تخیل کی وسعت اور ان کی زبان کی جامعیت کے متعلق اندازہ ہو سکتا ہے

یہ تھی وہ زبان جسمیں قرآن کریم نازل ہوا -

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ - بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (۲۶/۱۹۲-۱۹۵)

* Cosmic Consciousness-Richard Maurice Bucke pp 30-31

اور یہ (قرآن) کائنات کے نشوونما دینے والے کی طرف سے
اتارا گیا ہے ۔ روح الامین اسے لیکر تیرے قلب پر نازل
ہوا ہے تاکہ تو زمرۂ انبیاء میں شامل ہوجائے جو
لوگوں کو ان کی غلط روش کے عواقب سے متنبہ کرتے تھے ۔
(یہ قرآن) عربی مبین (بات کو کھول کر بیان کرنے والی
عربی زبان) میں (نازل ہوا ہے) ۔

یہ تو اس زبان کے متعلق تھا جس میں قرآن نازل ہوا۔ خود قرآن کے متعلق ہے ۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۱۲/۲)
ہم نے اس (قرآن) کو صاف اور واضح کتاب بنا کر نازل
کیا ہے تاکہ (تم بات کو اچھی طرح) سمجھ سکو۔

دوسری جگہ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (۴۳/۳) کہا ہے ۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا کے معنی ”قرآن بزبان عربی“ بھی ہوسکتے ہیں ، اور یہ بھی کہ واضح اور کھول کر بات کرنے والا قرآن ۔ اس حقیقت کو قرآن نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے ۔ مثلاً سورۃ الرعد میں ہے کہ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (۱۳/۳۷) ”اور اس طرح ہم نے اسے کھلے اور واضح فیصلے کے طور پر نازل کیا ہے“ ۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (۲۰/۱۱۳) ”اور اس طرح ہم نے اسے واضح کتاب (کی شکل میں) نازل کیا ہے“ ۔ (نیز ۴۱/۳ ؛ ۳۹/۲۸) ۔ سورۃ زمر میں قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا کے ساتھ غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (۳۹/۲۸) کہکر یہ بتا دیا کہ یہ قرآن اسقدر صاف اور واضح ہے کہ اس کے مطالب میں کوئی پیچ و خم نہیں ۔ سورۃ کہف میں ہے وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (۱۸/۱) ”اور اس میں کوئی پیچ و خم نہیں رہنے دیا“ ۔ دوسرے مقام پر کہا گیا ہے كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۴۱/۳) ”یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات الگ الگ کر کے ، نکھار کر ، بیان کی گئی ہیں۔ (اسطرح) یہ قرآن صاف اور واضح (ہوگیا ہے) ان لوگوں کے لئے جو علم و بصیرت سے کام لیں“ ۔

قرآن کے حقائق نہایت بلند اور اس کے مطالب غایت درجہ عمیق ہیں ، لیکن اس کے ساتھ اس کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ اس کا انداز بیان بڑا آسان ہے ۔ سورۃ دخان میں ہے فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۴۴/۵۸) ”اے رسول! ہم نے اسے تیری زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں“ ۔ سورۃ قمر میں اس حقیقت

کو ان الفاظ میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ" (۵۴/۱۷) "یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے۔ تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟"

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا تھا اور اپنے مطالب میں بڑا صاف، واضح اور آسان ہے۔ اس سے انسان (عام طور پر) اس نتیجہ پر پہنچیگا کہ جس شخص کو عربی زبان آتی ہو وہ قرآنی حقائق کو بآسانی سمجھ لیگا۔ یعنی قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کا جاننا کافی ہوگا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے عربی زبان کا جاننا ضروری ہے ——— دنیا میں کوئی کتاب بھی سمجھی نہیں جا سکتی جب تک انسان اس زبان سے واقف نہ ہو جس میں وہ کتاب لکھی گئی ہے — لیکن اگر صرف عربی زبان جاننے سے قرآنی حقائق سمجھ میں آسکتے تو عرب (جن کی مادری زبان عربی ہے) قرآنی حقائق کے ماہر ہوتے۔ لیکن عرب کس حد تک قرآن کریم کی تعلیم کو سمجھتے ہیں اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ عربوں سے مراد صرف ان کے عوام نہیں۔ اس میں ان کا پڑھا لکھا (علماء کا) طبقہ بھی شامل ہے۔ جب اس باب میں خود عربوں کی یہ حالت ہے تو غیر عربوں کے متعلق اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اس سے ایک اہم سوال ہمارے سامنے آتا ہے، اور وہ یہ کہ ایک طرف قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ عربی زبان کی آسان کتاب ہے اور دوسری طرف کیفیت یہ ہے کہ نہ صرف عربی جاننے والوں میں سے، بلکہ خود ان میں سے جن کی مادری زبان عربی ہے، بہت کم ہیں جو قرآنی تعلیم کو کما حقہ سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ سوال بڑا بنیادی اور اہم ہے اور اس کا اچھی طرح سمجھ لینا ضروری۔

عربی زبان کی وسعت و جامعیت کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ زمانہ نزولِ قرآن سے پہلے ہی یہ زبان بہت منجھ چکی تھی۔ لیکن یہ معلوم کر کے غالباً آپ کو حیرت ہوگی کہ قرآن کریم نثر کی سب سے پہلی کتاب ہے جو اس زبان میں لکھی گئی*۔

* بعض لوگوں نے قرآن کریم سے پہلے، عربی زبان میں نثر کی ایک آدھ غیر معروف سی کتاب کی نشاندہی کی ہے۔ لیکن اس کے متعلق حتمی اور یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں۔ عام تحقیق کا رخ اسی طرف ہے کہ قرآن کریم اس زبان میں نثر کی اولین کتاب ہے۔

عربوں کے ہاں شعر و شاعری کا زیادہ رواج تھا اس لئے ان کی زبان کا تمام تر ذخیرہ اشعار کی شکل میں تھا جو نسلاً بعد نسلٍ (زبانی) آگے منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا ۔ جسے آج عربی لٹریچر کہا جاتا ہے وہ بیشتر عباسیوں کے زمانے میں مرتب ہوا ۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں کتب احادیث و سیر اور تاریخ و آثار مرتب ہوئیں ۔ قرآن کریم کی تفاسیر لکھی گئیں ۔ عربی ادب کی کتابیں تالیف ہوئیں ۔ اس زبان کی صرف و نحو کے قواعد مدون ہوئے ۔ لغت کی کتابیں مرتب ہوئیں ۔ اس کے ساتھ یہ بھی عجیب ماجرا ہے کہ جن حضرات نے یہ کتابیں مرتب کیں وہ (باستثنائے معدودے چند) سب غیر عرب (یعنی عجمی) تھے ۔ یہی کتابیں عربی زبان کا اولین سرمایہ ہیں ۔

تاریخ کا طالب العلم اس حقیقت سے واقف ہے کہ عباسیوں کے زمانے میں ، عجمی تصوراتِ حیات ساری فضا میں پھیل چکے تھے ۔ انہوں نے سلطنت انہی کی مدد سے حاصل کی تھی اس لئے اس دور کی سیاست پر بھی انہی کا اثر غالب تھا ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس گروہ کا سیاست پر اثر ہو، اس کا زندگی کے ہر شعبے پر اثر چھا جاتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان لوگوں کے قلم سے جو کچھ نکلا اس کے الفاظ تو عربی تھے لیکن ان الفاظ کے پیکروں میں تصورات عجمی تھے ۔ یوں عربی زبان ، تصنیف و تالیف کے پہلے دور میں ہی ، غیر عربی تصورات کی حامل بن گئی ۔ یہ تبدیلی کس کس انداز سے ہوئی ، اس کی تفصیل علامہ احمد امین مصری (مرحوم) نے اپنی مایہ ناز تصنیف فجر الاسلام میں شرح و بسط سے دی ہے ۔ اس بحث کے آخر میں وہ لکھتے ہیں ۔

> یقیناً آپ اس بارے میں مجھ سے متفق ہونگے کہ ایرانی لٹریچر نے عربی لٹریچر کو ایک نئے رنگ میں رنگ دیا ۔

ظاہر ہے کہ جب عربی زبان پر خارجی (غیر عربی) اثرات اس طرح مرتب ہوئے اور اس کے الفاظ کے حقیقی مفہوم میں تبدیلی پیدا ہو گئی تو اس زبان کے جو الفاظ قرآن کریم میں آئے تھے ان کے مفہوم میں بھی فرق آ گیا ۔ چونکہ ہماری کتب تفاسیر بھی اسی فضا میں مرتب ہوئی تھیں اس لئے وہ بھی عجمی تصورات سے متاثر ہوئیں ۔ یوں قرآنی الفاظ کے اس مفہوم میں فرق آ گیا جو ان سے زمانہ نزولِ قرآن میں لیا جاتا تھا ۔ اس کے علاوہ اس فرق کی ایک اور وجہ بھی ہوئی جو آئندہ سطور میں آپ کے سامنے آئیگی ۔

ہمارے ہاں جب تفاسیر لکھنے کی ابتدا ہوئی (یعنی تیسری چوتھی صدی ہجری میں) تو ان کا انداز یہ رکھا گیا کہ قریب قریب ہر اہم آیت کے متعلق یہ کہا گیا کہ اس کی ''شانِ نزول،، یہ ہے - یعنی فلاں واقعہ یوں ہوا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی - اس طرح قرآن کریم کی آیات کا مفہوم ان کے الفاظ کی رو سے نہیں ، بلکہ ان واقعات کی رو سے متعین کیا گیا جن کے متعلق سمجھا گیا کہ وہ ان کے نزول کا سبب تھے - پھر اسی مفہوم کے مطابق قرآنی الفاظ کے معانی متعین کئے گئے - جو تفاسیر ان کے بعد لکھی گئیں ان میں متقدمین کا اتباع ہوتا چلا گیا - اس طرح متعلقہ آیات کا وہ مفہوم مسلّمہ کی حیثیت اختیار کر گیا - اور چونکہ شان نزول کی روایات کا انتساب خود نبی اکرمؐ یا صحابہ کبارؓ کی طرف کیا گیا تھا اسلئے آیات کی وہ تفسیر خود نبی اکرمؐ یا صحابہ کبارؓ کی تفسیر سمجھ لی گئی - اسطرح قرآن کریم کے اس مفہوم کو مقدس ترین سند بھی حاصل ہو گئی ، حالانکہ تفسیری روایات کی کیفیت یہ ہے کہ ان میں بیشتر ضعیف اور وضعی ہیں - حتی کہ بعض اکابر ائمہ نے سرے سے ان کا انکار ہی کر دیا ہے مثلاً امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ تین کتابیں ہیں جنکی کوئی اصلیت نہیں - مغازی - ملاحم اور تفسیر* - لیکن اس کے باوجود ہماری کتب تفاسیر کا مدار بیشتر انہی روایات پر ہے - اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی ضعیف یا وضعی روایات کی بنا پر قرآنی آیت کی تفسیر کی جائیگی اور اس تفسیر کی روشنی میں قرآنی الفاظ کا مفہوم متعین کیا جائیگا تو وہ مفہوم قرآن کریم کا صحیح صحیح مطلب بیان نہیں کریگا - یہ بات ایک مثال سے زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھ میں آسکیگی - سورۃ النساء کی چونتیسویں آیت ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ .... عَلِیًّا کَبِیْرًا (۴/۳۴) اسمیں ابتدائی چار الفاظ کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے

مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے (ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ)

یہاں ''قوامون،، کا ترجمہ ''حاکم'' کیا گیا ہے حالانکہ لغت کی رو سے اس کے معنی ہیں ''روزی مہیا کرنے والے،، جس کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم عمل کی رو سے مردوں کا فریضہ کسب معاش ہے - اب یہ دیکھئے کہ اس لفظ (قوّام) کا ترجمہ ''حاکم'' کسطرح ہو گیا - اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے -

* تذکرۃ الموضوعات الشیخ محمد طاہر - بحوالہ مقدمہ معارف القرآن صفحہ ۲۸ از علامہ اسلم جیراجپوری مرحوم -

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (اسکا) مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑیگی۔ حضرت حسن بصریؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہؐ کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے مجھے تھپڑ مارا ہے۔ اس پر آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا جو یہ آیت اتری اور بدلہ نہ دلوایا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری اپنی بیوی صاحبہ کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ اس عورت نے حضورؐ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ میرے خاوند نے مجھے تھپڑ مارا ہے جسکا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے (اسکا) حق نہ تھا۔ وہیں یہ آیت اتری کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اور چاہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اور چاہا۔ . . . . ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کی لونڈیوں کو مارو نہیں۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ آئے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہؐ! عورتیں آپکے اس حکم کو سنکر مردوں پر دلیر ہو گئیں۔ اس پر حضورؐ نے انہیں مارنے کی اجازت دے دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑ مار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لیکر آنحضرتؐ کے پاس آئیں تو آپ نے لوگوں سے فرمایا۔ سنو! میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی ہے۔ یاد رکھو جو تم میں سے اپنی عورتوں کو زد و کوب کرتے ہیں وہ اچھے آدمی نہیں ہیں۔

حضرت اشعثؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کا مہمان ہوا۔ اتفاقاً میاں بیوی میں اس روز ناچاقی ہو گئی اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا۔ پھر مجھ سے فرمانے لگے۔ اشعث! تین باتیں یاد رکھو جو میں نے رسول اللہؐ سے سن کر یاد رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد سے پوچھا نہ جائے کہ اس نے اپنی عورت کو کس بنا پر مارا۔ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت۔ اور تیسری بات راوی کے ذہ

سے نکل گئی (نسائی)۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا ۔ اگر میں کسی کو حکم کرسکتا کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے* ۔

ان تفسیری روایات کی رو سے مرد کی پوزیشن حاکم ، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ کشاف میں ''قَوّٰمُوْنَ'' کا مطلب ''نسیطرین'' قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ''داروغے'' ۔ اور تفسیر جلالین میں ' متسلطین '' ۔ یعنی عورتوں پر غلبہ و تسلط رکھنے والے ۔ اس لفظ کا یہی مفہوم کتب لغت میں بھی آگیا اور اسی سے ہمارے ہاں اسکا ترجمہ ''حاکم'' اور ''داروغہ'' ہوگیا ۔ یہی تفاسیر تمام ممالک اسلامیہ کے مذہبی مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں اور انہی کی تعلیم عوام کو دی جاتی ہے ۔ یہ وجہ ہے کہ عربی جاننے والے، حتکہ خود عرب (اہل زبان) بھی قرآن کریم کے حقیقی مفہوم تک بہت کم پہنچ پائے ہیں ۔

اس سے ایک اور اہم سوال سامنے آتا ہے ۔ اور وہ یہ کہ

(۱) جب عربی زبان عباسیوں کے دور میں عجمی اثرات سے ملوّث ہوگئی تھی ۔ اور

(۲) ہمارے ہاں عربی زبان کا جسقدر اولین تحریری سرمایہ ہے وہ بیشتر اسی دور کا پیدا شدہ ہے — خواہ یہ کتب تفاسیر ہوں یا لغت کی کتابیں ، کتب تاریخ ہوں یا ادبی تصانیف — اور کتب تفاسیر میں بھی ، ضعیف یا وضعی روایات کی وجہ سے قرآنی آیات (و الفاظ) کا مفہوم اپنی اصل سے ہٹ چکا ہے ۔ تو

(۳) آج اسکی کونسی صورت باقی ہے کہ قرآنی الفاظ کا وہ مفہوم متعین کیا جاسکے جو ان سے نزول قرآن کے زمانہ میں سمجھا جاتا تھا ۔

اس میں شبہ نہیں کہ اگر یہ بات کسی اور زبان (اور کسی اور کتاب) سے متعلق ہوتی تو یہ دشواری ایسی تھی جسکا غالباً کوئی حل نہ مل سکتا ۔ لیکن عربی زبان (اور قرآن کریم) کےسلسلے میں بعض عناصر ایسے ہیں جنکی موجودگی میں یہ مسئلہ ایسا نہیں رہتا جسکا حل ناممکن ہو ۔ سب سے پہلے یہ کہ (جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے) نزول قرآن سے پہلے عربی زبان کا تمام تر ذخیرہ ان کے شعراء کے کلام میں محفوظ تھا ۔ عربوں کے معاشرہ میں شعراء کو خاص

*تفسیر ابن کثیر ۔ المترجم مولانا محمد جوناگڑھی (مرحوم) پارہ پنجم صفحہ ۱۶-۲۰

مقام حاصل تھا۔ نیز انکی شاعری بھی زیادہ تر مختلف قبائل کے محاسن و خصائص اور ان کے متقابل قبائل کے معائب و ذمائم سے متعلق ہوتی تھی، اسلئے یہ اشعار بچے بچے کی زبان پر چڑھ جاتے تھے۔ نثر کو اگر ضبط تحریر میں نہ لایا جائے تو اسکا علیٰ حالہٖ آگے منتقل ہونا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن شعر کی کیفیت یہ نہیں۔ اسے جب بھی زبانی یاد کیا جائیگا اور دہرایا جائے گا تو اسکے الفاظ، اور الفاظ کی ترتیب اسی حالت میں رہیگی۔ یعنی شعر بالفاظہٖ آگے منتقل ہوتا ہے، اسکا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاتا۔ یہ وجہ تھی کہ زمانہ قبل از اسلام کے شعراء کا کلام بلفظہٖ اور بجنسہٖ آگے منتقل ہوتا رہا تاآنکہ وہ (عباسیوں کے عہد میں) ضبط تحریر میں آگیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس دور میں بہت سے وضعی اشعار بھی شعرائے جاہلیہ کی طرف منسوب کرکے ان کے کلام میں شامل کردئے گئے، لیکن اس سے اس مقصد پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا جس کے لئے ہم نے اس مقام پر اس حقیقت کو پیش کیا ہے۔ وضعی اشعار کی زبان لامحالہ وہی رکھنی پڑتی تھی جو اصل اشعار کی زبان تھی۔ ایسا نہ کیا جاتا تو اصل اور نقل میں فوراً تمیز ہو جاتی۔ بہرحال، شعرائے جاہلیہ کے کلام کا بیشتر حصہ اپنے اصلی الفاظ میں عربی ادب کی کتابوں میں مدّون اور محفوظ ہو گیا۔ یعنی عربی زبان کے وہ الفاظ جو زمانہ نزول قرآن میں مروج تھے، عربی ادب کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور چونکہ وہ اشعار بھی موجود ہیں جن میں وہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس لئے (ان اشعار کی مدد سے) ان الفاظ کا وہ مفہوم بھی متعین کیا جا سکتا ہے جو ان سے زمانۂ نزول قرآن میں لیا جاتا تھا۔ یہ الفاظ قرآن کریم میں بیشتر انہی معانی میں استعمال ہوئے ہیں جن معانی میں وہ ان اشعار میں استعمال ہوئے تھے اور جن سے زمانہ نزول قرآن کے عرب اچھی طرح واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں قرآن کریم کے سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئی۔ یہ اشعار (ادب کی کتابوں کے علاوہ) عربی زبان کی مستند لغت کی کتابوں میں بھی آچکے ہیں اور ان میں، ان کے الفاظ کے معانی سے بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ معانی، بعد میں مرتب ہونے والی کتب لغت نے، اول الذکر کتابوں کی سند سے اپنے ہاں درج کرلئے ہیں۔ ان الفاظ کے ان معانی سے، قرآن کریم کے الفاظ کے وہ معانی سامنے آسکتے ہیں جو زمانہ نزول قرآن میں مروج تھے۔

(۴) یہ تو رہا وہ خارجی عنصر جس کے ذریعے یہ متعین کیا جا سکتا ہے کہ فلاں لفظ سے، زمانۂ نزول قرآن میں، کیا مفہوم لیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی زبان کی ایک داخلی خصوصیت ایسی ہے جو خاص اسباب

سے اثر پزیر نہیں ہو سکتی اور جس پر غور و فکر سے اسکے الفاظ کے صحیح مفہوم تک پہنچنا مشکل نہیں رہتا ۔ عربی زبان کے ہر لفظ کا ایک مادہ (Root) ہوتا ہے جو اپنے بنیادی معنی رکھتا ہے ۔ گرامر کے قواعد کی رو سے اس مادہ کی شکلیں خواہ کیسے ہی بدلتی رہیں ، اسکے بنیادی معنی کی جھلک ہر شکل میں موجود رہیگی* ۔ مادہ کے بنیادی معنی تو ایک طرف ، اس سلسلہ میں یہانتک بھی متعین ہے کہ اگر مادہ میں فلاں حروف (مثلاً ح اور ب) اکٹھے آئیں تو فلاں مفہوم پایا جائیگا اور فلاں حروف (مثلاً ص اور ر) اکٹھے آئیں تو فلاں مفہوم ۔ لہٰذا ، اگر مرور زمانہ سے کسی لفظ کے مفہوم میں فرق بھی آجائے تو بھی اس کے مادہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابتداءً وہ لفظ کس مفہوم کے لئے استعمال ہوتا تھا ۔ اس طریق سے بھی یہ متعین کیا جا سکتا ہے کہ جو الفاظ قرآن کریم میں آئے ہیں زمانۂ نزولِ قرآن میں ان سے بالعموم کیا مفہوم لیا جاتا تھا ۔

(ہ) اس باب میں تیسرا عنصر یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانے کے عرب نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ سر پر کھلا ہوا آسمان جس میں چمکتے تارے اور جگمگاتے چاند سورج ، سامنے وسیع و عریض صحرا جس میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے اور کہیں کہیں پہاڑیاں ، پانی کے چشمے زندگی کے مراکز ان کے ارد گرد ہری ہری گھاس ، سروقامت کھجوروں کے جھنڈ ، کہیں کہیں انگوروں کی بیلیں اوراناروں کے پیڑ ۔ ان کے آس پاس ان صحرانشینوں کے خیمے ۔ خیموں کے اندر نہایت مختصر ساسامان زیست ۔ ان میں سب سے زیادہ قیمتی متاع ان کے ہتھیار ۔ تلوار ۔ تیر ۔ کمان ۔ نیزہ ۔ ڈھال ۔ خنجر ۔ سامنے چراگاہ میں انکے مویشی ۔ اونٹ ، گھوڑے ، بھیڑیں ، بکریاں ۔ بس یہ تھی ان کی کل کائنات جس کے گرد ان کی زبان کے تمام مشتقات و مصادر گھومتے تھے ۔ چونکہ یہ تمام اشیاء محسوس و مرئی تھیں اسلئے ان کے متعلق جسقدر الفاظ استعمال میں آتے تھے ان کا مفہوم نہایت آسانی سے ذہن میں (بلکہ آنکھوں کے سامنے) آجاتا تھا ۔ الفاظ کے صحیح مفہوم کے تعین میں دقت وہاں پیش آتی ہے جہاں وہ الفاظ فلسفہ اور مابعدالطبیعیاتی مسائل سے گفتگو میں استعمال ہوئے ہوں ۔ یعنی جہاں بات تجریدی (Abstract) امور کے متعلق ہو ۔ خانہ بدوشوں اور

* اس زبان کی یہی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اس سے ہر زمانے کی نئی نئی ضرورتوں کے ماتحت نئے نئے الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں ۔ اس کے لئے مادہ کے بنیادی معنی اور مختلف ابواب کے خواص سامنے ہونے چاہئیں ' پھر کوئی نیا تصور ایسا نہیں رہتا جس کے لئے موزوں لفظ نہ بن سکے ۔

صحرانشینوں کے ہاں تجریدی مسائل کا کیا کام؟ انہی لوگوں کی صاف ستھری ، اُجلی ، نکھری زبان تھی جسے عربوں کے ہاں سند مانا جاتا تھا ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب (بہت دور جا کر نہیں) حضرت عمرؓ کے زمانے میں عربوں کا غیر عربوں سے خلا ملا بڑھنے لگا تو آپ اہل مدینہ سے کہا کرتے تھے کہ قرآن سمجھنا چاہتے ہو تو صحرا کے بدوؤں میں جا کر کچھ دن گذارو ، کیونکہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے وہ زبان ان کے ہاں اپنی اصلی شکل میں موجود ہے ۔

(۶) سادہ کے بنیادی مفہوم اور ان صحرانشینوں کے ہاں انؑ الفاظ کے عملی استعمال سے الفاظ کا صحیح مفہوم کسطرح سامنے آ جاتا ہے ، اسکا اندازہ ایک مثال سے لگائیے۔ قرآن کریم میں ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (۲/۱۵۳) ''یہ حقیقت ہے کہ خدا صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے'' ۔ لفظ صبر کے جو معنی ہمارے ہاں مروّج ہیں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ۔ جب کسی پر ایسی مصیبت آ پڑے جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو ۔ جہاں انسان یکسر بے چارہ اور بے کس و بے بس ہو کر رہ جائے ۔ جہاں کوئی تدبیر کارگر نہ ہو ، وہاں ہم کہتے ہیں کہ میاں صبر کرو۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔ حتّٰی کہ جب کوئی کمزور و ناتواں مظلوم کسی کے ظلم و زیادتی کے خلاف کچھ نہ کرسکے تو وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کہہ دیتا ہے کہ ''اچھا ! میرا صبر'' ۔ لیکن عربی مبین میں اس سادہ (ص۔ب۔ر) کے بنیادی معنی ہیں ، کسی شخص کا مطلوبہ شے کے حصول کے لئے مسلسل جد و جہد کرنا ، جم کر کھڑے ہو جانا ، ثابت قدم رہنا ۔ اب دیکھئے کہ صحرانشین عرب اس سادہ کو کن معنوں میں استعمال کرتے تھے ۔ بادل کا وہ ٹکڑا جو چوبیس گھنٹے ایک ہی جگہ کھڑا رہے اور ادھر اُدھر نہ ہو، اَلصِّبِیْرُ کہلاتا تھا ۔ اَلصَّبِیْرَۃُ ان اونٹوں یا بکریوں کو کہتے تھے ، جو صبح جنگل میں چرنے کیلئے چلے جائیں اور شام کو ٹھیک انہی قدموں پر واپس آ جائیں ۔ نہ کوئی ادھر اُدھر ہو ، نہ پیچھے رہے* ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان (عربوں) کے ہاں صَبْرٌ کے معنے تھے استقامت ، استقلال ، استواری ، ثابت قدمی ، ایک اصول اور روش پر جم کر کھڑے رہنا ، عمل میں دوام و استمرار۔ یہ ہے صبر کی وہ کیفیت جو انسان کے اپنے اندر پیدا ہوتی ہے ۔ اب اس سے آگے بڑھئے ۔ اگر کبھی بوجھ یا سواریوں کی کمی بیشی سے کشتی کا توازن بگڑ جائے اور وہ ڈگمگانے لگے تو ملاح ایک بڑا سا پتھر کشتی میں رکھدیتے تھے جس سے اسکا وزن ہموار ہوجاتا

* تاج العروس ۔

تھا ۔ (ہمارے ہاں تانگے والے اکثر ایسا کرتے ہیں) ۔ اس پتھر کو اَلصَّابُوْرَۃُ کہتے ہیں**۔ لہذا صبر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جب کسی کے پاؤں ڈگمگانے لگیں تو ''صبر،، سے اس کا توازن برقرار ہو جاتا ہے اور اسکے پاؤں میں لغزش نہیں آتی ۔ چونکہ اس قسم کے عملِ پیہم اور ثبات و قرار کا نتیجہ کامرانیاں اور کامیابیاں ہوتا ہے اس لئے اَلصَّبْرَۃُ غلے کے اس ڈھیر کو کہتے ہیں جس کی ناپ اور تول نہ کی گئی ہو*۔

اس لفظ (صبر) کے طریق استعمال کی ان محسوس مثالوں سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ زمانہ نزول قرآن میں عربوں کے ہاں اس کا مفہوم کیا تھا ۔ اس مفہوم کی رو سے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم بھی آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ '' اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ،، ۔

(۷) مذکورہ بالا عرسہ عناصر عربی زبان کی وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر اسکے الفاظ کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں زیادہ دشواری نہیں رہتی ۔ لیکن، بایں ہمہ ، صرف اتنی خصوصیات سے قرآن کریم جیسی کتاب کے الفاظ کے صحیح صحیح معانی متعین نہیں کئے جاسکتے ۔ اسلئے کہ یہ کتاب زندگی کے ان اصولوں کا ضابطہ ہے جن میں تغیروتبدل نہیں ہو سکتا اور جن کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے ۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ اسکا صحیح مفہوم یقینی طور پر ہمارے سامنے آجائے ۔ تنہا لغت سے یہ نہیں ہو سکتا ۔ لغت انسانی کوششوں کا نتیجہ ہے جس سے سہو و خطا اور خارجی اثرات کا امکان بہر حال باقی رہتا ہے ۔ علاوہ برین قرآن کریم نے بعض الفاظ کو اصطلاحات کے طور پر استعمال کیا ہے ۔ یہ اصطلاحات اسقدر جامع ہیں کہ تنہا لغت سے وہ عظیم تصورات سامنے نہیں آسکتے جنہیں قرآن نے ان الفاظ میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے ۔ مثلاً صلٰوۃ ۔ زکٰوۃ ۔ تقویٰ ۔ ایمان ۔ اسلام ۔ کفر ۔ فسق ۔ فجور ۔ دنیا ۔ آخرت وغیرہ ۔ ان اصطلاحات میں قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات بڑی جامعیت سے سمو دئے گئے ہیں ۔ ان کی اس جامعیت کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ جوں جوں انسانی علم کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے ان کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے ۔ ان اصطلاحات کا مفہوم خود قرآن کریم ہی سے سمجھا جا سکتا ہے ۔

قرآن کا انداز یہ ہے کہ اسمیں اگر ایک مقام پر ایک بات کہی گئی ہے تو دوسرے مقام پر اسکی وضاحت اس انداز سے کر دی گئی ہے کہ اس سے مقام

* تاج العروس ۔ **محیط المحیط ۔

اول کی بات خود بخود واضح ہوجاتی ہے ۔ اس انداز کو قرآن نے '' تصریف آیات '' سے تعبیر کیا ہے ۔ یعنی آیات کو مختلف مقامات پر لوٹا کر لانا اور اسطرح مطالب کی وضاحت کر دینا ۔ سورۃ انعام میں ہے وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَ لِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۶/۱۰۶) '' اور اسطرح ہم آیات کو لوٹا کر لاتے ہیں تاکہ یہ لوگ کہیں کہ تو نے بات ذہن نشین کرادی ہے اور تاکہ ہم اسے ان لوگوں کے لئے واضح کر دیں جو علم و بصیرت سے کام لیں '' ۔ قرآن حکیم کا یہ وہ خصوصی انداز ہے جس سے اس کے مطالب واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں اور اسکے الفاظ کا مفہوم متعین کرنے میں دقت نہیں ہوتی ۔ مثلاً لفظ (صبر) کے جو لغوی معنی اوپر دئیے گئے ہیں انہیں پیش نظر رکھئیے اور پھر قرآن کریم کی طرف آئیے ۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۲/۱۵۳) ۔ '' یقیناً اللہ صابرین کے ساتھ ہے '' ۔ یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ الصابرین کن لوگوں کو کہتے ہیں ۔ دوسری جگہ ہے وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (۳/۱۴۵) '' کتنے ہی انبیاء (ایسے گذرے) ہیں جن کی معیت میں بہت سے ربانی لوگوں نے (مخالفین کے مقابلے میں) جنگ کی ۔ پھر ان تکالیف کی وجہ سے جو انہیں اس طرح اللہ کی راہ میں پیش آئیں نہ وہ سست گام ہوئے ۔ نہ ان میں کمزوری آئی ۔ اور نہ ہی وہ مخالفین سے مغلوب ہوئے ۔ (یہی وہ) الصابرین ہیں جنہیں اللہ دوست رکھتا ہے '' ۔ اگلی آیت میں ان کی اس کیفیت کو ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا (۳/۱۴۶) دعاء سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یعنی یہ دعا کہ '' ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ '' ۔ عین میدان جنگ کی حالت میں کہا ہے فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ .... (۸/۶۶) '' اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائینگے '' ۔ ان آیات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح اور متعین طور پر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کریم میں صبر سے مفہوم کیا ہے اور صابر کسے کہتے ہیں ۔

یہی کیفیت قرآنی اصطلاحات کی بھی ہے ۔ قرآن کریم ان کے مفہوم کی وضاحت بھی تصریف آیات کی رو سے کر دیتا ہے ۔ لہذا کوئی عام لفظ ہو یا قرآنی اصطلاح ، اگر وہ تمام آیات بیک وقت سامنے رکھ لی جائیں جن میں قرآن کریم نے انہیں استعمال کیا ہے ، یا ان کے مفہوم کو بیان کیا

ہے ، تو ان الفاظ و اصطلاحات کے معانی متعین کرنے میں دشواری نہیں رہتی۔ ان مقامات پر غور و فکر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ''قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے''۔

۸ - جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کے معانی متعین کرنے کا طریق یہ ہے کہ

(ا) - سب سے پہلے متعلقہ لفظ کے مادہ کو دیکھا جائے کہ اس کا بنیادی مفہوم کیا ہے اور خصوصیت کیا - اس مادہ کی شکلیں کتنی ہی کیوں نہ بدلیں ، اس کی خصوصیت کی روح بالعموم ہر پیکر میں جھلکتی رہیگی -

(ب) - اس کے بعد دیکھا جائے کہ صحرا نشین عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال کس کس انداز سے ہوتا تھا - ان کے استعمال کی محسوس مثالوں سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ ان کے ہاں اس مادہ کا تصور (Concept) کیا تھا - واضح رہے کہ جب تک تصورات (Concepts) کا تعین نہ کیا جائے ، الفاظ کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آ سکتا - یہ وہ بنیادی اصول ہے جس پر دور حاضرہ میں (Semantics) نے بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے - علم اللسان کے اس شعبہ کا مطالعہ ، الفاظ کی روح تک پہنچنے میں بڑا ممد و معاون ثابت ہوتا ہے -

(ج) - اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئیے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کس کس مقام پر آیا ہے اور اس نے اسے کس کس رنگ میں استعمال کیا ہے - ان مقامات سے اس لفظ کا قرآنی تصور (Quranic Concept) سامنے آ جائیگا -

(د) - سب سے بڑی چیز یہ کہ قرآن کریم کی پوری تعلیم کا مجموعی تصور سامنے ہونا چاہئیے - اور اس بنیادی اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اس کے مفردات اور اصطلاحات کا مفہوم اسکی مجموعی تعلیم کے خلاف نہ جائے - اس لئے کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں - یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ذہن کو خارجی اثرات سے الگ رکھکر قرآن کا مطالعہ خود قرآن کی روشنی میں کیا جائے - اللہ تعالےٰ نے قرآن کو نور (روشنی) کہا ہے اور روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے خارجی مدد کی محتاج نہیں ہوتی -

یہ ہے وہ طریق جس سے قرآن کے الفاظ اور آیات کا صحیح مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس ضمن میں، علامہ جمال الدین افغانیؒ کے شاگرد رشید—اور سید رشید رضاؒ کے استاد—امام شیخ محمد عبدہ، (علیہ الرحمۃ) نے تفسیرالمنار کے مقدمہ میں قرآن فہمی کے اعلیٰ مراتب کے سلسلہ میں بعض اہم امور بیان کئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی چیز یہ ہے کہ قرآن میں استعمال ہونے والے مفرد الفاظ کے حقیقی معنی سمجھے۔ یعنی یہ معلوم کرے کہ ان الفاظ کو اہل عرب کیونکر استعمال کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں کسی دوسرے کے قول و فہم پر بھروسہ نہ کرے۔ نہ اس پر اکتفا کرے۔ اسلئے کہ بہت سے الفاظ زمانۂ نزول قرآن میں کسی خاص مطلب و معنی کو ادا کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ بعد میں، تھوڑا یا زیادہ عرصہ گذرنے پر، ان کے دوسرے معنی کئے جانے لگے۔ مثلاً لفظ ''تاویل'' ہے جو ''تفسیر'' کے معنوں میں مشہور ہوگیا ہے۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ دوسرے معنوں میں آیا ہے۔ یعنی ''انجام کار''۔ ''عاقبت''۔ ''قرآن کے وعدہ وعید کا نتیجہ ظاہر ہونا''*۔

اس ضمن میں قرآن کریم میں غور و فکر کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ملت میں بعد میں پیدا ہونے والی اصطلاحات کی تحقیق کرے۔ اور پھر ان میں اور قرآن میں آنے والے الفاظ میں فرق کرے۔ اکثر مفسرین قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ ان اصطلاحات کی رو سے کرتے ہیں جو پہلی تین صدیوں میں ملت میں رائج ہوچکی تھیں۔ قرآن پر غور کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ کے وہی معنی لیں جو زمانۂ نزول

* سید رشید رضاؒ نے اس سلسلہ میں لفظ ''الولی'' کی مثال دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قرآن میں اس لفظ کے معنی ناصر و مددگار، حمایتی اور دوست کے ہیں۔ ''اولیاء اللہ'' کے معنی ہیں وہ اہل ایمان و تقویٰ جو اللہ کے دین کے حامی و مددگار بنیں۔ لیکن بعد میں یہ اصطلاح چل پڑی کہ وہ لوگ جو کرامات و خوارق کا مظاہرہ کریں اور ظاہری اسباب سے ماوراء قوانین فطرت میں تصرف کریں انہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے، حالانکہ صحابہ کبارؓ ''اولیاء اللہ'' کے یہ معنی جانتے ہی نہیں تھے (المنار)۔

قرآن میں لئے جائے تھے - اس سلسلہ میں بہتر طریق یہ ہے کہ الفاظ کے معانی کے تعین میں خود قرآن سے مدد لے اور مکرر آنے والے الفاظ کا قرآن میں مطالعہ کرے- بعض اوقات وہ دیکھیگا کہ ایک ہی لفظ متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے - مثلاً " ہدایت " وغیرہ - ان مقامات پر غور و فکر سے معلوم ہوجائیگا کہ فلاں مقام پر اس لفظ کے صحیح معنی کیا ہیں- اسلئے کہا گیا ہے کہ اَلْقُرْآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بعضاً - قرآن کا ایک مقام دوسرے کی تفسیر کرتا ہے - اسیطرح کسی لفظ کے خاص معنی کو ترجیح دینے کیلئے قانون یہ ہوگا کہ وہ معنی سابقہ عبارت سے مطابقت اور موافقت رکھتے ہوں - پورے موضوع و مطالب سے اتفاق رکھتے ہوں اور قرآن کے مجموعی مقصد سے ہم آہنگ ہوں - (مقدمہ تفسیر المنار)

(۹) میں قرآن کریم کا طالب علم ہوں - میری زندگی، بچپن سے لیکر اسوقت تک، اس کتاب عظیم کے ساتھ متمسک رہی ہے - ابتداءً میں نے بھی (جیسا کہ ہمارے ہاں کا معمول ہے) اسکا مطالعہ تقلیدی اور رواجی انداز سے کیا - لیکن اس سے کچھ بات نہ بنی - بعد میں جب میرے شعور میں انقلاب آیا اور میں نے ان راستوں پر تنقیدی نگاہ ڈالی تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ

منزل و مقصود قرآں دیگر است - رسم و آئین مسلماں دیگر است

یہ میرے بخت کی یاوری تھی کہ عین اسوقت جب میں اس ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا علامہ اقبالؒ کی بصیرتِ قرآنی سے (من جملہ دیگر امور) یہ اہم نکتہ میری سمجھ میں آیا کہ قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریف آیات کی رُو سے سمجھنا چاہئے ، اور اس پر خارجی عناصر کو اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہئے - " تصریف آیات " کی رُو سے قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے تبویب القرآن کی ضرورت تھی - یعنی ایک موضوع سے متعلق ، قرآن کریم کی تمام آیات کو یکجا کرکے انہیں مربوط مضمون کی شکل میں مرتب کرنا - اگرچہ تبویب القرآن کے متعلق اس سے پہلے بھی کوششیں ہوئی تھیں لیکن جو خاکہ علامہ اقبالؒ کے پیش نظر تھا ، اور جسکی تفصیل انہوں نے مجھے بتائی تھی ، اس کے مطابق کوئی کتاب مجھے نہ مل سکی - اس کے لئے ایک نئی کتاب کی تدوین کی ضرورت تھی - میں نے بڑی کوشش کی

کہ کوئی جماعت ، یا مجھ سے زیادہ موزوں فرد، اس اہم کام کے لئے تیار ہوجائے، لیکن ایسا نہ ہوسکا ۔ آور بالآخر یہ اہم کام مجھے خود ہی کرنا پڑا ۔ اس کے لئے میں نے سینکڑوں عنوانات کے ماتحت قرآنی آیات کی تبویب (Classification) کی ۔ اس میں کئی برس لگ گئے ۔ پھر ہر موضوع کو، انسائیکلو پیڈیا کے انداز پر، مربوط مقالہ کی شکل میں مرتب کیا ۔ اسکے بعد ان مقالات کو مختلف مجلدات میں تقسیم کیا ۔ اسطرح ''معارف القرآن'' کا طویل سلسلہ وجود میں آیا ۔ اس میں سے، من و یزدان ۔ ابلیس و آدم ۔ جوئے نور ۔ برق طور ۔ شعلہ مستور ۔ معراج انسانیت ، شائع ہوچکی ہیں ۔ باقی جلدیں اپنے وقت پر شائع ہوتی جائینگی ۔ وبیدہ التوفیق ۔

(۱۰) ''معارف القرآن،، اور میری دیگر تصانیف و مقالات کی اشاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے نوجوان ، تعلیم یافتہ (بالخصوص '' مذہب گزیدہ،،) طبقہ کے دل میں قرآن کریم کی قدر و منزلت آور عظمت و عقیدت کے جذبات بیدار ہوگئے ۔ میری (سالہا سال کی) محنت آور کوشش کا مقصد ہی یہ تھا کہ ہمارا نوجوان طبقہ (جو انسانوں کے خود ساختہ مذہب سے گھبرا کر، خدا کے عطا فرمودہ دین ہی سے دور بھاگ رہا تھا) کسی طرح قرآن کریم کے قریب آجائے آور اس پر براہ راست غور و فکر کرنا شروع کردے ۔ میری ان حقیر سی کوششوں سے (بتوفیق خداوندی) جو نتیجہ برآمد ہوا وہ میری توقعات سے کہیں بڑھکر تھا ۔ ان نوجوانوں کی کثیر تعداد قرآن کریم کے قریب آگئی ۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔

یہ طبقہ قرآن کے قریب تو آگیا لیکن جب ان سے کہا گیا کہ وہ اس کتاب عظیم کی تعلیم کو براہ راست سمجھنے کی کوشش کریں تو ان کا جواب یہ تھا کہ قرآن کریم نہ موجودہ تراجم سے ان کی سمجھ میں آتا ہے ، نہ تفاسیر سے ۔ (وہ ایسا کہنے میں حق بجانب تھے) اسلئے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ وہ طریق بتایا جائے جس سے وہ قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے لگ جائیں ۔ اس مطالبہ میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو عربی زبان سے ناواقف تھے اور وہ بھی جو اسے جانتے تھے ۔ اس کی وجہ وہی تھی جسے تفصیل سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے ۔ ایک مدت کے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس دشواری کا حل اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآن کریم کا ایسا لغت ہو جس میں قرآنی الفاظ اور تصورات کا مفہوم اس انداز سے متعین کیا گیا ہو جسکی تصریح پہلے کی جا چکی ہے ۔ میںنے بہت تلاش کیا لیکن اس قسم کا کوئی لغت مجھے نہ مل سکا ۔ اس قسم کا لغت تو ایک طرف، مفردات امام راغبؒ

کے علاوہ، نظر سے کوئی ایسی کتاب نہیں گذری جسے خالص قرآنی الفاظ کا لغت کہا جا سکے۔ (حال ہی میں لغات القرآن کے عنوان سے بعض کتابیں شائع ہوئی ہیں لیکن وہ ہمارے پیش نظر مقصد کو پورا نہیں کرتیں۔ علامہ حمیدالدین فراہیؒ نے اس طرز پر قرآن کریم کے افہام و تفہیم کی طرح ڈالی تھی۔ اور کچھ الفاظ کے معنی بھی اس انداز سے متعین کئے تھے۔ اگر وہ قرآن کریم کا پورا لغت اس نہج پر مرتب فرما جاتے تو وہ بڑے کام کی چیز ہوتا۔ میں نے اپنے ظرف کے مطابق ان کی قرآنی بصیرت سے بھی استفادہ کیا ہے)۔ اندریں حالات، چارہ کار اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس قسم کا لغت مرتب کیا جائے۔ قرآن کریم کا لغت مرتب کرنا، اور وہ بھی اس انداز کا جسکا ذکر اوپر آچکا ہے، جسقدر مشکل کام ہے اس کا اندازہ اہل علم حضرات بخوبی لگا سکتے ہیں۔ میں نے (جسطرح اس سے پہلے تبویب القرآن کے سلسلہ میں کیا تھا) بڑی کوشش کی کہ اس عظیم اور مشکل کام کے لئے کوئی جماعت تیار ہو جائے، لیکن (جسطرح پہلے ناکامی ہوئی تھی) اس میں (بھی) ناکامی ہوئی۔ ادھر یہ دشواری تھی اور ادھر ان ارباب ذوق کا (جنہیں میں قرآن سے قریب لے آیا تھا) یہ تقاضا کہ انہیں بتایا جائے کہ وہ قرآن کو براہ راست کسطرح سمجھیں، شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں جب اپنی طرف نگاہ ڈالتا تھا تو ایسے مشکل اور اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لینے کی نہ اپنے اندر کماحقہ اہلیت پاتا تھا، نہ ہمت۔ ایک مدت تک یہ کشمکش جاری رہی۔ اور آخرالامر، اسکے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ، بھلی بری جیسی بھی ہو، اس کام کی بنیاد رکھ دینی چاہئیے۔ جب ایک دفعہ اسکی طرح پڑ گئی اور اس نے مفید نتائج مرتب کئے تو پھر دوسرے (اور مجھ سے زیادہ اہلیت رکھنے والے) حضرات اس پر بہتر عمارت استوار کر دینگے۔ یہی تھے وہ حالات جن سے مجبور ہو کر میں نے اس لغت کی ترتیب کا فیصلہ کیا۔ سالہا سال کی مسلسل محنت کے بعد، جیسا کچھ یہ مرتب ہو سکا ہے، آپ کے سامنے ہے۔ اس دشوار گزار سفر میں مجھے بعض اچھے رفقاء کی معیت بھی نصیب ہو گئی۔ نیز کٹھن منازل پر میں نے ان حضرات سے مشورے بھی کئے جو ان مشوروں کے اہل تھے۔ اور آمادہ بہ تعاون۔ جی نہیں چاہتا کہ میں اس مقام پر، حبیب مکرم، (سابق سفیر مصر) ڈاکٹر عبدالوہاب عزام (نوراللہ مرقدہ) کا ذکر کئے بغیر آگے بڑھ جاؤں۔ انہیں عربی زبان پر جسقدر عبور اور قرآن سے جسقدر عشق تھا اس کا ان احباب کو بخوبی علم ہے جنہیں ان کو قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ کلام اقبال کی شرح اور ترجمہ کے سلسلہ میں میرے ان کے ساتھ برسوں تک

گہرے تعلقات رہے۔ عربی ادب کے سلسلہ میں میںنے ان کے تبحر علمی سے جسقدر استفادہ کیا اس کی قدر و قیمت کا اندازہ میں ہی لگا سکتا ہوں۔ لغات کے مرتب ہو جانے کے بعد میں نے اسکا مسودہ ایسے ذی علم احباب کو بھی دکھا لیا جن کی عربی زبان کی استعداد اور قرآنی ذوق کا مجھے اندازہ تھا۔ میں ان تمام احباب کا بصمیم قلب شکر گزار ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ، اس حقیقت کا اعلان میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس لغت میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسکی ذمہ داری میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ وہ تنہا مجھپر عائد ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ علامہ اسلم جیراجپوری ؒ لغت کی تکمیل سے پہلے انتقال فرما گئے۔ اگر وہ اسے ایک نظر دیکھ لیتے تو میرا پورا اطمینان ہو جاتا۔ اس انداز سے قرآن کو سمجھنے والا (جس کا اوپر ذکر آچکا ہے) مجھے آج کہیں نظر نہیں آتا۔ میرا فہم قرآن ان کی بصیرت فرقانی کا جسقدر رہین کرم ہے اسکے لئے میرا ایک ایک سانس انکا سپاس گذار ہے۔

(۱۱) زیر نظر لغت کی ترتیب و تدوین میں سب سے پہلا فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ عربی زبان کے کون سے لغت کو بطور اساس و بنیاد سامنے رکھا جائے۔ مروّجہ کتب لغت میں تین کتابوں کو بڑی شہرت حاصل ہے — یعنی لسان العرب۔ تاج العروس۔ اور قاموس۔ (ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب لغت بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اور خاص خاص شعبوں میں وہ ان سے بھی زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں بہ ہیئت مجموعی ان تین کتابوں کو خاصی شہرت حاصل ہے)۔ ان تینوں کے محاسن و خصوصیات کے تقابلی مطالعہ کے بعد یہی طے پایا کہ تاج العروس کو بنیاد قرار دیا جائے۔

تاج العروس، قاموس کی شرح ہے۔ اور چونکہ لسان العرب کے بعد مرتب ہوئی ہے اسلئے اس میں لسان کی ضروری تفصیلات بھی آگئی ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو تاج العروس آخری (Latest) مفصل اور مستند لغت ہے جس میں اس سے پہلے کی شائع شدہ قریب قریب تمام مستند کتب لغت کا خلاصہ آگیا ہے۔ لسان العرب ابن مکرّم* کی تالیف ہے جن کی وفات ۷۱۱ھ میں ہوئی۔ قاموس کے مولف علامہ فیروز آبادی ہیں جن کی وفات ۸۱۶ھ میں ہوئی۔ تاج العروس کے مولف کا پورا نام محب الدین، ابن الفیض، السید محمد مرتضٰی الحسینی الواسطی الزبیدی الحنفی ہے۔ ان کی وفات ۱۲۰۵ھ (مطابق ۱۷۹۱ء) میں ہوئی۔ انہوں نے اپنی معرکہ آرا لغت کو مصر میں مدوّن کیا۔ یہ دس ضخیم جلدوں میں چھپی ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ مصر کے مطبع الخیریہ کا طبع شدہ ہے جس پر سن

* انہیں ابن منظور بھی کہا جاتا ہے۔

طباعت ۱۳۰۶ ھ (بار اول) درج ہے۔ لین کے قول کے مطابق، تاج العروس میں لسان العرب کے علاوہ، ایک سو مستند کتب لغت سے استفادہ کیا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں عربی کا مشہور لغت (Lane's Lexicon) تاج العروس ہی پر مبنی ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے یہ لغت بڑا سائنٹیفک ہے۔

(۲) تاج العروس کے ساتھ جس کتاب کو ہم نے بنیادی طور پر سامنے رکھا ہے وہ امام راغب اصفہانی (متوفی قریب ۵۰۲ ھ) کی مشہور تصنیف "المفردات فی غریب القرآن" ہے۔ یہ قرآنی الفاظ کا لغت ہے اور اسدرجہ مقبول اور مشہور کہ اسکے تفصیلی تعارف کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ کتاب بڑی مختصر ہے۔ ہمارے سامنے جو نسخہ ہے وہ مطبع میمنیہ (مصر) میں ۱۳۲۴ ھ میں چھپا تھا۔

(۳) تیسری اہم کتاب، ابن فارس (المتوفی ۳۹۵ ھ) کی مقاییس اللغۃ ہے جس میں ہر لفظ کا مادہ اور مادہ کے بنیادی معنی دئے گئے ہیں۔ چونکہ ہمارے لغت کا مرکزی نقطہ، مادہ کے بنیادی معنی ہیں اسلئے اس میں ابن فارس سے نمایاں استفادہ کیا گیا ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ چھ جلدوں میں مصر میں (۱۹۵۲ ء میں) چھپا تھا۔

(۴) اس کے بعد جس کتاب سے زیادہ استفادہ کیا گیا وہ بطرس بستانی کی محیط المحیط ہے۔ یوں تو یہ کتاب مختصر ہے۔ (دو جلدوں میں مکمل ہوئی ہے)۔ لیکن اس کی افادی حیثیت بہت زیادہ ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ بیروت میں، (۱۸۷۰ ء میں) چھپا تھا۔

یہ وہ کتب لغت ہیں جنکے حوالے آپ کو زیر نظر لغت میں بالعموم ملینگے۔ ان کے علاوہ اکثر مقامات پر حسب ذیل کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

(الف) فقہ اللغۃ۔ ابو منصور الثعالبی کی مشہور کتاب ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑی مستند خیال کی جاتی ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ ۱۹۳۸ میں مصر میں چھپا تھا۔

(ب) اقرب الموارد۔ لغت کی مشہور کتاب ہے جسے سعید الخوری الشرتونی اللبنانی نے مرتب کیا تھا۔ ہمارے پیش نظر نسخہ بیروت میں (۱۸۸۹ ء میں) چھپا تھا۔

(ج) منتہی الارب۔ عربی۔ فارسی کا مشہور لغت ہے۔ ہمارے سامنے وہ نسخہ ہے جو مطبع اسلامیہ لاہور میں (۱۹۲۵ ء میں) چھپا تھا۔

(د) کتاب الاشتقاق۔ یہ ابن درید کی تصنیف ہے (جنکی وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی تھی) لغت میں ابن درید کا مقام بہت بلند ہے اور انکی یہ کتاب مادہ کے بنیادی معنی معلوم کرنے کے لئے بڑی مفید ہے' اگرچہ مقاییس اللغۃ جیسی مفصل نہیں۔ اسکے علاوہ، ابن درید کی لغت کی مشہور اور مستند کتاب جمہرۃ اللغۃ سے بھی بعض مقامات میں استفادہ کیا گیا ہے۔

(ر) العلم الخفاق فی علم الاشتقاق۔ یہ نواب صدیق حسن خان کا مختصر سا رسالہ ہے لیکن اسمیں مادوں کے حروف کی بنیادی خصوصیات عمدگی سے بیان کی گئی ہیں۔

(س) الالفاظ المترادفۃ۔ یہ علی ابن عیسیٰ الرمانی (متوفی ۳۸۴ء) کا رسالہ ہے جس میں مرادفات کے لطیف اور دقیق فرق کو عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔

(ش) لطائف اللغۃ۔ یہ احمد بن مصطفےٰ اللبابیدی (دمشقی) کی کتاب ہے جسمیں الفاظ کی لغوی باریکیوں سے بحث کی گئی ہے۔

(ص) کتاب القرطین۔ یہ امام ابن قتیبہ الدینوری (المتوفی ۲۷۶ھ) کی مشہور کتابوں—مشکل القرآن و غریبہ—پر مشتمل ہے اور مصر میں ۱۳۵۰ء میں چھپی ہے۔ ابن قتیبہ کا مقام علمی دنیا میں بہت بلند ہے۔

(ط) البستان۔ شیخ عبداللہ البستانی اللبنانی (المتوفی ۱۹۳۰ء) کا یہ لغت ۱۹۲۷ء میں چھپا تھا۔ اسکا مقدمہ خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔

ان کتب لغت کے علاوہ زمخشری کی تفسیر (کشاف) تفسیر جلالین اور علامہ محمد عبدہٗ کی شہرہ آفاق تفسیر المنار، سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ زیر نظر لغت میں ان کتابوں کے حوالے میں یا تو کتاب کا (پورا یا مخفف) نام دیا گیا ہے یا مصنف کا۔ مثلاً تاج۔ راغب۔ محیط۔ ابن فارس۔ لین۔ العلم الخفاق وغیرہ۔ علاوہ ازیں بعض مقامات پر دیگر کتب سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ ان کا حوالہ متعلقہ مقام پر دے دیا گیا ہے۔

(۱۲) اس لغت میں ترتیب (بالعموم) یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے مادہ کے بنیادی معنی دئے گئے ہیں۔ پھر عربی زبان میں اسکے استعمال کی مثالیں۔ ان مثالوں میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ یہ حتی الامکان محسوس اشیاء کی مثالیں ہوں تاکہ ان سے زیر بحث لفظ کا مفہوم محسوس طور پر سامنے آ جائے۔ اسطرح متعلقہ لفظ کا لغوی مفہوم متعین کرنے کے بعد، قرآن کریم

کی ان آیات کو درج کیا گیا ہے جن میں وہ لفظ (اپنی مختلف شکلوں) میں آیا ہے ۔ ان آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے ۔ اس کے بعد اہم الفاظ اور اصطلاحات کے ضمن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس لفظ کے استعمال سے قرآن کس قسم کا تصور (Concept) پیش کرتا ہے ، اور وہ تصور قرآن کریم کی مجموعی تعلیم میں کیا مقام رکھتا ہے ۔ اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ کتاب محض قرآنی الفاظ کا لغت نہیں بلکہ اس میں قرآنی تصورات پیش کئے گئے ہیں ۔ چنانچہ جن دوستوں نے اس لغت کا مسودہ (پورا یا اسکا بعض حصہ) دیکھا ، ان کی رائے یہ ہے کہ اسکا بغور مطالعہ کرلینے کے بعد قرآن کا طالب علم کسی تفسیر کا محتاج نہیں رہ سکتا ۔ اس خصوصیت کے پیش نظر ہم چاہتے تھے کہ اس لغت کا نام کچھ اور رکھا جائے جس سے اسکی یہ خصوصیت نمایاں طور پر سامنے آ جائے ، لیکن اس سے اسکی بنیادی خصوصیت (یعنی قرآنی الفاظ کے معانی) کے نظر سے اوجھل ہو جانے کا امکان تھا ، اسلئے اسکا نام لغات القرآن ہی تجویز کیا گیا ہے ۔

اس مقام پر اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ ، قرآن کریم کے الفاظ (مفردات) کا لغت ہے ، پوری عربی زبان کا لغت نہیں ۔ اسلئے نہ تو اس میں عربی زبان کے تمام الفاظ آئے ہیں اور نہ ہی الفاظ کی تشریح میں ادبی بحثوں کو چھیڑا گیا ہے ۔ اس میں ہر لفظ کے متعلق صرف اس حد تک بحث کی گئی ہے جس حد تک اسے قرآن نے لیا ہے ۔ نیز قرآن کریم کی آیات بھی تمام کی تمام نہیں دی گئیں ۔ مثلاً اگر ایک لفظ قرآن کی بیس آیات میں (ایک ہی مفہوم میں) آیا ہے تو ان میں سے ایک آیت دی گئی ہے ۔ البتہ جہاں مختلف آیات میں اس لفظ کو جداگانہ مفہوم کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہاں وہ تمام آیات درج کر دی گئی ہیں ۔ جہاں کسی آیت کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی وہاں اس کے حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے ۔ ان تمام آیات کو قرآن کریم سے نکال کر خود دیکھ لینا چاہئے ۔ اس سے بات واضح ہو جائیگی ۔

(۱۳) اس ضمن میں ایک اور اہم نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے ۔ جیسا کہ ہر زبان میں قاعدہ ہے ، الفاظ کے ایک معنی " حقیقی " ہوتے ہیں اور ایک " مجازی " ۔ مثلاً جب ہم کہیں کہ " وہ تو شیر ہے " تو اس سے مراد وہ (شیر) جانور نہیں جو جنگل میں رہتا ہے ۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ شیر جیسا بہادر ہے ۔ لفظ " شیر " کے حقیقی معنی " جنگل کا ایک طاقتور جانور " ہیں اور (مندرجہ بالا فقرہ میں) مجازی معنی " بڑا بہادر " ۔

"حقیقی اور مجازی معانی" کی یہ صرف ایک مثال ہے۔ بلند پایہ تصانیف میں اور بھی بہت سے طرق و اسالیبِ بیان ایسے ہوتے ہیں جن میں الفاظ کے مجازی معنی مقصود ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ انداز بیان، تشبیہات اور استعارات پر مشتمل (Symbolical) ہوتا ہے*۔ لیکن یہ بھی کوئی ضروری شرط نہیں۔ اس ضمن میں ابن قتیبہ نے لکھا ہے۔

> عرب کے لوگ کلام میں مجازی معنی بھی لیتے ہیں۔ یعنی ان کے ہاں بات کہنے کے کئی طریقے اور کئی اسلوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ استعارہ، تمثیل، قلب، تقدیم، تاخیر، حذف، تکرار، اخفاء، اظہار، تعریض، افصاح، کنایہ، ایضاح، واحد کو جمع کے صیغے سے خطاب کرنا اور جمع کو واحد کے صیغے سے۔ خاص لفظ سے عام معنی مراد لینا اور عام لفظ سے خاص۔ غرضیکہ بہت سے اسلوب ہوتے ہیں جو آپکو مجاز کے ابواب میں مل سکتے ہیں۔ . . قرآن کا نزول ان تمام اسالیبِ کلام کے مطابق ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ترجمہ کرنے والا، قرآن کریم کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں نہیں کرسکتا۔ . . کیونکر عجمی زبانوں میں مجاز کی وہ وسعت نہیں جو عربی زبان میں ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی ایک آیت ہے فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا (۱۸/۱۱)**۔ اگر آپ چاہیں کہ اس مضمون کو کسی دوسری زبان کے الفاظ میں منتقل کرلیں تو اس سے وہ مفہوم نہیں سمجھا جاسکیگا جو ان الفاظ سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر آپ یوں کہیں کہ اسکا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں چند سال تک سلائے رکھا، تو اب بھی آپ نے مفہوم کا ترجمہ تو کردیا، الفاظ کا ترجمہ نہیں کرسکے۔
> (قرطبی جلد ۲ - صفحہ ۱۶۳)

---

* اس قسم کے اسلوب بیان کے متعلق مشہور انگریز ادیب (Chesterton) کہتا ہے۔
Not literally true, but only really true. (Quoted by W. H. Urban—in Humanity and Deity—P. 117)

** یہ آیت اصحاب کہف کے متعلق ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ اس کا لفظی ترجمہ یوں کرتے ہیں "پس پردہ مارا ہم نے اوپر کانوں ان کے بیچ غار کے برس کئی ایک"۔

یہ انداز بیان عام کتابوں میں بھی ہوتا ہے ۔ لیکن جس کتاب عظیم کی یہ کیفیت ہو کہ اس کے حقائق کو تمام نوع انسان کے لئے ، ہر زمانے میں مشعل ہدایت بننا ہو ، اسکا وہ حصہ اسی انداز کا ہونا چاہئے جس کا تعلق حقائق سے ہو ۔ اس سے ہر دور کے ارباب علم و بصیرت اور اصحاب فکر و تدبر ، اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق ، الفاظ کے مجازی معانی سے ، قرآنی حقائق کو سمجھتے چلے جائینگے ۔ اور یوں ، جوں جوں انسانی عقل کی سطح بلند ہوتی جائیگی ، قرآنی حقائق بے نقاب ہو کر سامنے آتے جائینگے ۔

لہذا قرآنی الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے لئے ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ متعلقہ آیت میں فلاں لفظ کے معنی حقیقی لئے جانے چاہئیں یا مجازی ۔ زیر نظر لغت میں اسکا بھی التزام کیا گیا ہے ۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ جن مقامات پر ہم نے کسی لفظ کے مجازی معنی لئے ہیں وہاں (بالضرور) اسکے مجازی معنی لئے جائیں ۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ ان الفاظ کے حقیقی معنی کیا ہیں ۔ اسکے بعد متعلقہ آیت میں جو معنی (حقیقی یا مجازی) زیادہ موزوں نظر آئیں انہیں اختیار کر لینا چاہئے ۔ یہی کیفیت ان مقامات کی بھی ہے جہاں ہم نے قرآنی آیات سے کوئی خاص مفہوم مستنبط کیا ہے ۔ قارئین میں سے جنہیں ہمارے مفہوم سے اختلاف ہو وہ اپنے لئے خود مفہوم متعین کرسکتے ہیں ۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ زیر نظر لغت میں جو حصہ الفاظ کے لغوی معانی سے متعلق ہے وہ مستند کتب لغت سے ماخوذ ہے ، اس لئے مستند ہے ۔ لیکن جو کچھ ہم نے اپنی طرف سے کہا ہے اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو تو وہ اپنی قرآنی بصیرت کے مطابق اس کا مفہوم خود متعین کرسکتے ہیں ۔

بعض الفاظ کے سلسلہ میں یہ بھی ممکن ہے کہ جو معانی اس لغت میں دیئے گئے ہیں وہ قرآن کریم کے ان تراجم سے مختلف ہوں جو ہمارے ہاں عام طور پر مروّج ہیں (اسکی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں) ۔ ایسی صورت میں آپ اس حقیقت کو سامنے رکھئے کہ ہم نے ہر لفظ کے لغوی معانی کی سند میں اس کتاب کا حوالہ دے دیا ہے جہاں سے وہ معانی لئے گئے ہیں ۔ اور جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے ، ارباب علم کے نزدیک ان کی حیثیت مستند ہے ۔ ان کتابوں میں البتہ بعض اوقات ان کے مؤلفین نے (لغوی معانی کے علاوہ) قرآنی تعلیم کے بارے میں خود اپنی رائے بھی دی ہے ۔ ہم نے بعض مقامات پر ان آراء سے اختلاف کیا ہے ۔ اسلئے کہ اشخاص کی آراء ان کی ذاتی استعداد ، رجحانات و میلانات ، نیز خود اس زمانے کی علمی سطح اور

عام فضا کا نتیجہ ہوتی ہیں جس میں وہ تربیت پاتے ہیں ، اسلئے دوسروں پر ان آراء کی پابندی لازم نہیں ہوتی ۔ ایسے مقامات پر ہم نے اپنے فہم وبصیرت (اور اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق) جو بہتر سمجھا ہے لکھ دیا ہے ۔ لیکن ہم نے ہر مقام پر اس کا التزام کیا ہے کہ جو کچھ لکھا جائے وہ (ہماری بصیرت کے مطابق) قرآن کریم کی بہ ہیئت مجموعی تعلیم کے خلاف نہ ہو ۔ یہی اصول ہمارے اس لغت کی اصل و بنیاد ہے ۔

اردو زبان میں عربی کے بہت سے الفاظ داخل ہیں لیکن یہ الفاظ اردو میں ان معانی سے مختلف معانی میں استعمال ہوتے ہیں جن معانی میں وہ بنیادی اور اصولی طور پر عربی میں استعمال ہوتے ہیں ۔ زیر نظر لغت میں جب اس قسم کے الفاظ (ہماری) اردو زبان کی عبارت میں آئیں تو ان کے وہی معانی سمجھے جائیں جن معانی میں وہ اردو میں استعمال ہوتے ہیں ۔

اس سلسلہ میں ایک لفظ کا ذکر خصوصیت سے کرنا ضروری ہے جو آپ کو زیر نظر لغت میں بکثرت ملیگا ۔ وہ لفظ ہے " قانون " ۔ ہمارے ہاں قانون سے عام طور پر مفہوم وہ (Laws) لئے جاتے ہیں جن کے مطابق عدالتوں میں فیصلے ہوتے ہیں ۔ لیکن لفظ قانون کا مفہوم اس سے کہیں وسیع ہے ۔ قانون سے مراد ایسے محکم اصول ہیں جن میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا ۔ مثلاً " قانون فطرت " سے مراد ہیں وہ لگے بندھے اصول وضوابط جن کے مطابق خارجی کائنات کا محیرالعقول سلسلہ اس نظم وضبط سے چل رہا ہے ۔ "قوانین خداوندی" سے مراد ہیں انسانی زندگی سے متعلق وہ اصول وضوابط جو قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ ہیں ۔ وقس علیٰ ذالک ۔ لہٰذا اس لغت میں جہاں یہ لفظ (قانون) آئے سیاق وسباق کے مطابق اسکا مفہوم سمجھ لینا چاہئے ۔

بعض اوقات آپ دیکھینگے کہ لغت کی رو سے ایک ہی لفظ کے متعدد معنی دئے گئے ہیں ۔ ہم اسوقت اس امر کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتے کہ ایک ہی لفظ کے متعدد (اور بعض وقت متضاد) معانی کیوں ہوجاتے ہیں ۔ (یہ علم الالسنہ کا ایک اہم مسئلہ ہے اور ہمارے موضوع سے خارج) ۔ بالعموم یہ اختلاف معانی ان الفاظ کے طریق استعمال کی بنا پر ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں اس قسم کا لفظ جس مقام پر آئیگا ، یا تو سیاق وسباق بتا دیگا کہ اسکا صحیح مفہوم کیا ہے ، یا تصریف آیات سے یہ مقصد حاصل ہوجائیگا ۔ یعنی قرآن کریم کی ان متعدد آیات کو سامنے لانے سے جہاں وہ لفظ آیا ہے ۔ ہم نے اپنے لغت میں یہی طریق اختیار کیا ہے ۔

(۱۴) ان اہم امور کے علاوہ ذیل کے مختصر نقاط بھی پیش نظر رہنے ضروری ہیں۔

(ا) لغت میں حروف مقطعات کے معانی نہیں دئے گئے۔ یہ قرآنی مفردات نہیں بلکہ مخففات ہیں۔ انکے متعلق ہم اپنا نقطہ نظر، مفہوم القرآن میں بیان کرینگے اور وہیں انکا مفہوم بھی دینگے۔ (مفہوم القرآن کا تعارف ذرا آگے چل کر آتا ہے)۔

(ب) عربی زبان میں حروف کو بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن ان کی تفصیلی بحث ایک مستقل موضوع ہے جو اس قسم کی لغت کی کتاب میں جو آپ کے پیش نظر ہے ضمنی طور پر نہیں کی جا سکتی۔ بنا بریں اس لغت میں حروف کی بحث کو صرف اس حد تک محدود رکھا گیا ہے جہانتک یہ بحث قرآنی آیات کے سمجھنے میں مفید تصور کی گئی ہے۔

(ج) بعض حروف کے متعلق لکھا گیا ہے کہ فلاں آیت میں یہ "زائد" ہے۔ زائد کے یہ معنی نہیں کہ وہ بلا ضرورت استعمال کیا گیا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اس حرف کے (اس مقام میں) الگ معنی کچھ نہیں لیکن اہل زبان اسے ایسے مواقع پر استعمال کرتے ہیں اور اس سے کلام میں خاص وزن پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس موقع پر قرآن اسے استعمال نہ کرتا تو قرآن کا انداز غیر فصیح ہو جاتا۔

(د) عربی الفاظ کے مادے بالعموم سہ حرفی (ثلاثی) ہوتے ہیں لیکن بعض مادے چار حرفی (رباعی) بھی ہوتے ہیں۔ عام کتب لغت میں رباعی کو ثلاثی کے تابع دے دیا جاتا ہے۔ ہم نے بھی اس باب میں اسی طریق کا اتباع کیا ہے بجز ان مقامات کے جہاں رباعی مادہ کا الگ دیا جانا ضروری سمجھا گیا ہے۔

(ر) حضرات انبیائے کرام ؑ اور اقوام سابقہ کا تعارف الگ عنوانات کے تحت کرایا گیا ہے۔ لیکن یہ تعارف (لغت کی مناسبت سے) اجمالی ہے۔ تفصیلی تعارف میری دوسری تصانیف (مثلاً جوئے نور، برق طور، شعلۂ مستور، معراج انسانیت) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(س) قرآنی آیات کا حوالہ اسطرح دیا گیا ہے کہ اوپر سورۃ کا نمبر ہے اور نیچے آیت کا۔ مثلاً (۹۲/۷) سے مراد ہے ساتویں سورۃ (سورۂ اعراف) کی آیت ۹۲۔ چونکہ قرآن کریم کے مختلف نسخوں میں آیات کے نمبروں میں دو ایک کا فرق ہوتا ہے،* اسلئے اگر زیر نظر لغت میں کوئی آیت حوالہ کے مطابق نہ

* آیات کے نمبروں کے لحاظ سے، ساری دنیا کے لئے قرآن کریم کے ایک اسٹینڈرڈ (Standard) نسخہ کی بڑی ضرورت ہے جو کتابت کی غلطیوں سے بھی بالکل پاک ہو

ملے تو ایک دو آیات آگے پیچھے دیکھ لیں - لغات میں درج شدہ آیات کو اگر آپ قرآن کریم کے نسخہ سے ملا لیں تو بہتر ہوگا تاکہ اگر ان میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اسکی تصحیح ہو جائے - قرآنی آیات میں صحت کا بالخصوص خیال رکھنا چاہئے -

(ص) لغت میں عندالضرورت حوالہ کے ساتھ قرآنی آیات بھی درج کر دی گئی ہیں - لیکن جہاں آیت درج نہ کی گئی ہو اور صرف حوالہ دیا گیا ہو وہاں آپ متعلقہ آیت قرآن کریم سے خود نکال کر دیکھ لیں - اس سے بات واضح ہو جائیگی -

(ط) بعض اوقات "قرآن کریم" یا "قرآن مجید" کے بجائے صرف "قرآن" لکھا ہوا ملیگا - اسے عدم احترام پر محمول نہ کیا جائے - قرآن کریم بہرحال و بہر نوع واجب الاحترام ہے خواہ اسکے ساتھ احترام کا لفظ آئے یا نہ آئے - جہاں ایسا لفظ موجود نہ ہو وہاں آپ اسکا اضافہ خود کر لیں -

(۱۵) یہ لغت اوّلاً واساساً ان حضرات کے لئے مرتب کیا گیا ہے جو عربی زبان سے واقف نہیں - اسلئے

(۱) اس میں علمی اصطلاحات سے اجتناب کیا گیا ہے اور بات عام فہم الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے - نیز کوشش کی گئی ہے کہ اسکا انداز سلیس اور سادہ ہو تاکہ عام پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں - البتہ جہاں گفتگو ہی کسی علمی یا فنی مسئلہ کے متعلق ہو وہاں اسلوب بیان کا فنی یا نسبتاً مشکل ہو جانا ناگزیر ہو جاتا ہے -

(۲) لغت سے پہلے، قریب ستّر صفحات میں 'عربی زبان کے گرامر کے قواعد، آسان اور غیر فنّی زبان میں دئے گئے ہیں - یہ عربی زبان کی پوری گرامر (صرف و نحو) نہیں، صرف مبادیات ہیں جن سے مقصود یہ ہے کہ جو حضرات عربی زبان سے ناواقف ہوں انہیں عربی الفاظ کی مختلف شکلوں اور عربی فقروں کی مختلف ترکیبوں سے شناسائی ہو جائے اور وہ اسطرح لغت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں - اگر آپ نے ان مبادیات کا غور سے مطالعہ کیا تو آپ دیکھینگے کہ ان کی مدد سے آپ عربی زبان سے کافی حد تک شناسا ہو جائینگے -

(۳) عربی زبان کے اصول کے مطابق لغت کی ترتیب الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ مادوں کے اعتبار سے رکھی گئی ہے - مثلاً لفظ "متقین" آپ کو (م - ت - ق) کے تحت نہیں ملیگا - اس لفظ کے مادہ (و - ق - ی) کے ماتحت

ملیگا۔ لیکن عربی زبان نہ جاننے والوں کے لئے یہ مشکل (بلکہ بعض اوقات ناممکن) ہوگا کہ وہ معلوم کر سکیں کہ فلاں لفظ کا مادہ کیا ہے، اور جب وہ مادہ ہی معلوم نہیں کر سکینگے تو وہ اس لفظ کو لغت میں تلاش کیسے کرینگے؟ اس دقت کے پیش نظر ہم نے تمام قرآنی الفاظ کی ایک فہرست مرتب کی ہے۔ اس فہرست کو حروف تہجی (ا۔ ب۔ ت۔ ث) کے مطابق ترتیب دیا ہے، اور ہر لفظ کے سامنے وہ مادہ دے دیا ہے جس کے ماتحت وہ لفظ ملیگا۔ مثلاً فہرست میں لفظ ''متقین — م — کے ماتحت (بہ ترتیب۔ م۔ ت۔ ق) دیا گیا ہے، اور اس کے سامنے لکھا گیا ہے — و۔ ق۔ ی — اس کے معنی یہ ہیں کہ لفظ ''متقین،، لغت میں ''و۔ ق۔ ی'' کے عنوان کے تحت ملیگا۔ یہ فہرست تربیب سو صفحات سے زیادہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ یہ مکمل ہو، لیکن اس میں پھر بھی سہو و خطا کا امکان ہے۔ اگر آپ کو اس میں کوئی سہو یا غلطی نظر آئے تو اس سے مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اڈیشن میں مناسب اصلاح کر لی جائے۔

مبادیات اور فہرست میں، کوشش بسیار کے باوجود، چند ایک طباعت کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ انہیں فہرست کے آخر میں ''اغلاط نامہ،، میں درج کر دیا گیا ہے۔ آپ متعلقہ الفاظ کی تصحیح کر لیں۔

۱۶۔ جیسا کہ شروع میں کہا جا چکا ہے، اس لغت کی تدوین کا محرک جذبہ یہ تھا کہ جن حضرات کے دل میں قرآن کریم کا ذوق پیدا ہو چکا ہے وہ براہ راست اسے سمجھنے کے قابل ہو سکیں۔ یہ مقصد بڑی حد تک زیر نظر لغت سے پورا ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے۔ لیکن اکثر احباب کا خیال تھا (جس سے غور و فکر کے بعد مجھے بھی متفق ہونا پڑا) کہ اس کے باوجود (یا یوں کہئے کہ اس کے ساتھ) قرآن کریم کے ایک رواں ترجمہ کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ جیسا کہ ابن قتیبہ نے کہا ہے (اور ابن قتیبہ ہی نے نہیں، اب یورپ کے اکثر فاضل مستشرقین بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ) قرآن کریم کا ترجمہ کسی زبان میں بھی نہیں ہو سکتا۔ (اس کی تفصیل ''مفہوم القرآن،، میں ملیگی)۔ یہ بالکل درست ہے۔ میرے مدت العمر کے مطالعہ اور تدبر فی القرآن نے خود مجھے بھی اسی نتیجہ پر پہنچایا ہے۔ چنانچہ میں نے اس مشکل مسئلہ پر ایک عرصہ تک غور کیا اور ایک ایسا اسلوب وضع کیا جو ترجمہ اور تفسیر کے بین بین ہے۔ یہ کچھ اس سے ملتا جلتا ہے جسے انگریزی زبان میں (Paraphrasing) کہتے ہیں۔

اردو زبان میں اسے ''مفہوم،، کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی قرآن کا مفہوم اپنے الفاظ میں۔ میں نے قرآن کریم کے بعض مقامات کا ''مفہوم،، اس انداز سے متعین کیا اور اسے تجربۃً مختلف احباب کے سامنے پیش کیا۔ یہ تجربہ بڑا مفید رہا۔ ان کی رائے تھی کہ اس سے قرآن کریم کا مفہوم سمجھنے میں دقت نہیں رہتی۔ اس تجربہ کے بعد میں نے، قرآنی الفاظ کے ان معانی کے رو سے جو زیر نظر لغت میں دئے گئے ہیں، قرآن کریم کا مفہوم مرتب کیا ہے۔ اسی کا نام ''مفہوم القرآن،، ہے جو ابتدائی مسودہ کی شکل میں اس وقت موجود ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ زیر نظر لغت اور مفہوم القرآن کی اشاعت سے وہ دشواریاں رفع ہو جائینگی جو قرآن مجید کے سمجھنے میں عام طور پر پیش آتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ (لغت نہیں تو کم از کم) مفہوم القرآن انگریزی زبان میں بھی شائع ہو جائے تا کہ بیرونی دنیا (بالخصوص یورپ اور امریکہ) خدا کی اس عظیم کتاب کو جو تمام نوع انسانی کی رہنمائی کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے، براہ راست سمجھ لے اور اس طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ اس کا یہ دعویٰ کسقدر مبنی بر صداقت ہے کہ جو نظام اس نے عطا کیا ہے وہ نوع انسان کی تمام مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ میں علیٰ وجہ البصیرت محسوس کرتا ہوں کہ مغربی ممالک اس نظام کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں لیکن یہ نظام ان کے سامنے نہیں آ رہا۔ یہ اسی صورت میں سامنے آ سکیگا جب قرآن کریم کو، اس کی اصلی شکل میں، دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

۱۷۔ لغت (اور اس کے ساتھ مفہوم القرآن) سالہا سال کی دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے مرتب تو ہو گئے لیکن اتنی ضخیم کتابوں کے چھپوانے کی مجھ میں کہاں استطاعت تھی؟ یہ وہ مقام تھا جہاں میں بے بس تھا۔ میری تصانیف سے جو کچھ (تھوڑا بہت) منافع حاصل ہوتا ہے وہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں صرف ہو جاتا ہے (بلکہ یوں کہئے کہ وہ اس کے لئے بھی کفایت نہیں کرتا۔ اس عظیم مشن کے متعدد گوشے ایسے ہیں جو سرمایہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے) اس بے بسی نے مجھے عرصہ تک وقف اضطراب رکھا تا آنکہ میرے ان قرآنی احباب نے جو میرے مشن سے متفق ہیں، از خود آگے بڑھ کر میرا یہ بوجھ ہلکا کر دیا، اور یوں میرے لئے اس دشوار گذار مرحلہ کو آسان بنا دیا۔ میں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں اور میرا دل ان احباب کے لئے جذبات شکر و امتنان سے لبریز ہو رہا ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ نہ شکریہ

کے خواہاں ہیں، نہ ستائش کے متمنی — قرآن کا رشتہ بھی دنیا میں عجیب رشتہ ہے۔

اس کے بعد، طباعت کی عملی دشواریاں سامنے آئیں۔ آجکل لیتھو کی چھپائی جس بری طرح سے کتاب کو مسخ کر دیتی ہے اس کا مجھے تلخ تجربہ ہے۔ میں اس تجربہ کو، کم از کم لغت جیسی اہم کتاب کے سلسلہ میں، دہرانے کے لئے قطعاً تیار نہیں تھا۔ اوفسٹ کی چھپائی کے متعلق معلوم کیا تو وہ ہماری بساط سے کہیں زیادہ تھی۔ اب لے دے کے ٹائپ کی چھپائی رہ جاتی تھی۔ اس میں دشواری یہ تھی کہ ہمارے ہاں ابھی ایسا ٹائپ رائج نہیں ہوا جس کے ساتھ اعراب ہوں، اور اعراب الگ لگانے سے وہ اپنے صحیح مقام سے ادھر ادھر ہٹ جاتے ہیں۔ اس کے لئے کئی ایک مطابع میں تجربے کئے گئے۔ ایک پریس میں مبادیات اور فہرست کو چھپوا کر بھی دیکھ لیا۔ اس تمام تگ و تاز کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ لغت کی طباعت کی اطمینان بخش صورت اسی نہج سے ہو سکتی ہے کہ پریس اپنے زیر اہتمام ہو۔ اس کے لئے کافی عرصہ تک انتظار کرنا پڑا۔ بہرحال اب خدا خدا کر کے اس کا انتظام ہوا ہے اور میں اس قابل ہوا ہوں کہ لغت کی پہلی جلد احباب کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ اس کی طباعت اب بھی میرے معیار کے مطابق نہیں (اس میں بھی بعض اوقات اعراب اپنے ٹھیک مقام پر نہیں لگ سکے۔ لیکن میں نے اسے اس لئے گوارا کر لیا ہے کہ "معیار" کی تلاش میں، وقت کی اشد ضرورت کو بالآخر کب تک التوا میں ڈالا جا سکتا ہے؟ احباب کے تقاضوں کا تو یہ عالم ہے کہ — سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا — اس لئے اپنی طرف سے جسقدر بھی اچھے سے اچھا ہو سکا، اسے چھاپ دیا گیا ہے۔

اندازہ یہ ہے کہ لغات القرآن، چار یا پانچ جلدوں میں تکمیل تک پہنچ جائیگی۔ اس کے بعد "مفہوم القرآن" کی طباعت کی باری آئیگی۔ "مفہوم القرآن" کے لئے بھی احباب کے تقاضے جسقدر شدید ہیں اس کا مجھے احساس ہے۔ لیکن چونکہ اس مفہوم کی سند، صرف لغت زیر نظر میں مل سکیگی، اس لئے اسے لغت کی تکمیل سے پہلے شائع نہیں کیا جا سکتا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

واضح رہے کہ زیر نظر لغت میں قرآنی آیات کا اردو ترجمہ لغوی مفہوم کی رعایت سے دے دیا گیا ہے۔ مفہوم القرآن کا انداز اس سے الگ ہے۔ اس میں قرآن کریم کا ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم پیش کیا گیا ہے۔

(۱۸) عام کتب لغت اسوقت مکمل ہوتی ہیں جب ان کی تمام جلدیں چھپ کر سامنے آجائیں ۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے زیر نظر لغت بھی اسی طرح مکمل ہوگا۔ لیکن یہ صرف لغت کی کتاب نہیں ۔ اس میں قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات بھی آ گئے ہیں ۔ اس لحاظ سے اسکی ہر جلد اپنی جگہ مکمل اور خود مکتفی ہے ۔ لہذا آپ اس کا انتظار نہ کیجئے کہ تمام جلدیں چھپ جائیں تو اس سے فائدہ اٹھایا جائے ۔ آپ ہر جلد سے الگ الگ استفادہ کرسکتے ہیں ۔ آپ اسے لغات کیطرح نہ دیکھئے ، کہ جب کسی خاص لفظ کے معانی معلوم کرنے ہوں تو کتاب کھول کر وہ معانی دیکھ لئے اور پھر کتاب رکھ دی ۔ آپ اسکا مسلسل مطالعہ کیجئے ۔ اس طرح قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات ایک ایک کر کے آپ کے سامنے آتے جائینگے ۔

(۱۹) اگرچہ لغت کا پورا مسودہ طباعت کے لئے تیار رکھا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ طباعت کے دوران ، مزید غور و فکر سے بعض اہم چیزیں اس وقت سامنے آئیں جب متعلقہ جلد چھپ چکی ہو، یا قارئین کی طرف سے مفید مشورے، تجاویز یا وضاحت طلب امور سامنے آئیں ۔ اگر ایسا ہوا تو آخری جلد کے ساتھ ایک تکملہ شائع کر دیا جائیگا جس میں یہ تمام امور آجائینگے۔

(۲۰) جیسا کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے، میں اپنی کسی تحریر کو نہ سہو و خطا سے منزہ سمجھتا ہوں ، نہ اس موضوع پر حرف آخر ۔ میری دیگر تصانیف کی طرح یہ لغت بھی بہر حال انسانی کوشش ہے جس میں سہو و خطا کا امکان اور حک و اضافہ کی گنجائش ہے ۔ جو احباب مجھے میری غلطیوں سے مطلع اور اپنے مشوروں سے مستفید فرمائینگے میں انکا شکر گذار ہونگا بشرطیکہ یہ بغرض تعاون ہو ، نہ کہ بحث و جدل کی خاطر ۔ میں بحث میں الجھا نہیں کرتا ۔

اگر میری اس کوشش ناتمام سے کچھ احباب بھی قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے کے قابل ہو گئے تو میں سمجھونگا کہ مجھے میری محنت کا صلہ مل گیا ۔ یہی میری زندگی کا مقصد اور یہی میری کاوشوں کا منتہیٰ ہے ۔ ربّنا تقبّل منّا انّک انت السّمیع العلیم ۔

۲۵ - بی - گلبرگ
لاہور (پاکستان)

غلام احمد پرویز
مارچ ۱۹۶۰


لغات القرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لغات القرآن کی تدوین ، ترتیب اور طریق استفادہ کے متعلق ''پیش لفظ'' میں تفصیل سے لکھا جاچکا ھے ۔ لیکن چونکہ ''پیش لفظ'' بہت پیچھے رہ گیا ھے اس لئے ھوسکتا ھے کہ اس ضمن میں ضروری نکات آپ کے ذھن میں مستحضر نہ ھوں ۔ بنابریں مناسب سمجھا گیا ھے کہ ان میں سے اھم نکات کو دوبارہ پیش کر دیا جائے ۔ مثلاً :

۱ ۔ قرآن کریم کے جس لفظ کے معانی معلوم کرنے ھوں ، اُس لفظ کو ''فہرست الفاظ قرآنی'' میں دیکھئے جو صفحہ ۴۷ تا ۱۸۵ پر چھپی ھے ۔ فہرست میں اُس لفظ کے سامنے جو ''مادہ'' دیا گیا ھے ، لغات میں وہ لفظ اُس ''مادہ'' کے تحت ملیگا ۔

۲ ۔ عربی زبان میں الفاظ مختلف شکلیں بدلتے رھتے ھیں ۔ یہ ضروری نہیں کہ لغات میں ھر لفظ کی تمام شکلیں دی گئی ھوں ۔ اگر کسی لفظ کی کوئی خاص شکل لغات میں نہ ملے تو ، باب اول ''مبادیات'' میں دیکھئے کہ اُس شکل میں پہنچکر لفظ کے معنی کیا ھو جاتے ھیں ۔ اس کے مطابق معنی متعین کر لیجئے ۔

۳ ۔ قرآنی حوالوں کی صورت یہ ھے کہ اُوپر سورت کا نمبر ھے اور نیچے آیت کا ۔ مثلاً $(\frac{۳}{۷۸})$ سے مراد ھے سورۂ آلِ عمران (تیسری سورت) کی آیت ۷۸ ۔

۴ ۔ قرآن کریم کے مختلف نسخوں میں آیات کے نمبروں میں تھوڑا بہت فرق ھوتا ھے ۔ اگر آپ کے نسخے میں کوئی آیت اُس نمبر کے سامنے نہ ملے جو لغات میں دیا گیا ھے ، تو ایک دو نمبر اوپر یا نیچے دیکھ لیجئے ۔ وھاں آیت مل جائیگی ۔

۵ ۔ لغات میں جہاں آیت درج نہیں کی گئی بلکہ اسکا صرف حوالہ دیا گیا ھے ، اُس آیت کو قرآن سے نکال کر دیکھ لیجئے ۔ یہ ضروری ھے ۔ اس سے بات صاف ھو جائیگی ۔

۶ ۔ لغات میں جن کتابوں کے حوالے دئے گئے ھیں ان کا تعارف ''پیش لفظ'' میں کرایا جاچکا ھے ۔ اگر آپ ان میں سے کسی کتاب کو خود دیکھنا چاھیں تو ''پیش لفظ'' سے اس کی تفصیل معلوم کر لیں ۔

۷ ۔ اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی گئی ھے کہ لغات میں طباعت کی غلطی نہ رھے ۔ لیکن اسکے باوجود غلطیاں رہ جانے کا امکان ھے ۔ اگر آپ کو کوئی غلطی نظر آئے تو اُس سے مطلع فرمائیں ۔

خدا کرے یہ لغات ، قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے میں آپ کی ممد و معاون ثابت ھو ۔ اس سے یہی مقصود ھے ۔ والسلام ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ء

أ

أَ (حرف)

أَ - یہ حرف استفہام بھی ہے اور حرف ندا بھی - یعنی کسی بات کے دریافت کرنے کے لئے بھی آتا ہے اور کسی کے پکارنے کے لئے بھی - ذیل کی مثالوں سے اس کے استعمال کے مختلف انداز واضح ہو جائیں گے -

۱ - کسی سے کوئی بات دریافت کرنے کے لئے - جیسے أَ زَیْدٌ قَائِمٌ؟ (کیا زید کھڑا ہے) - اسکا جواب ہاں (نَعَمْ) یا نہ (لَا) میں آئیگا - یا أَ زَیْدٌ قَائِمٌ أَمْ عَمْرٌو (کیا زید کھڑا ہے یا عمرو) - قرآن میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قصہ میں ہے - أَ أَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِآلِهَتِنَا (۲۱/۶۲) - کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کچھ تو نے کیا ہے ؟ دوسری قسم کی مثال أَ أَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ (۷۹/۲۷) - کیا تخلیق میں تم زیادہ سخت ہو یا آسمان ؟

۲ - ایسا استفہام جس کے بعد نفی آئے اور اس نفی سے اقرار میں تاکید اور زور مقصود ہو - أَلَیْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ (۹۵/۸) - کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ؟ یعنی وہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے - یہاں أَ - استفہام کے بعد لَیْسَ (نفی) ہے ، لیکن اس نفی سے مراد اُس بات کا انکار نہیں جو آگے کہی جا رہی ہے بلکہ اس کا اقرار مقصود ہے - اور اقرار بھی تاکید اور شدت کے ساتھ -

۳ - ایسا استفہام جس میں توبیخ (ڈانٹنے) کا مفہوم پایا جائے - جیسے - أَفَغَيْرَ دِينِ اللّٰهِ يَبْغُونَ (۳/۸۳)! کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہیں؟ یعنی - ہیں! کیا یہ ایسا چاہتے ہیں -

۴ - ایسا استفہام جس میں استحقار آمیز تعجب اور طنز کا پہلو ہو۔ مثلاً قوم شعیب کا حضرت شعیب (علیہ السلام) سے کہنا کہ : اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (۱۱/۸۷) - کیا تیری صلوٰۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ اپنے آباء و اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ اس میں حقارت، طنز اور تعجب کی تمام کیفیات موجود ہیں -

۵ - تعجب کے لئے - مثلاً - اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ (۲۵/۴۵)- کیا تو نے اس پر غور نہیں کیا کہ تیرا رب کسطرح سایہ کو لمبا کرتا ہے ؟ مزید براں دیکھئے صفحہ ۱۸۰۵ جلد چہارم عنوان أ۔

۶ - کسی بات میں تاخیر ہو جانے پر تنبیہ کرنے کے لئے - مثلاً - اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا . . . . . (۵۷/۱۶) - کیا ایمان والوں کے لئے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ . . . . . یعنی وہ وقت آ چکا ہے -

۷ - ایسا استفہام جس میں در حقیقت حکم دیا جانا مقصود ہو - جیسے ہم کہتے ہیں کہ بتاؤ ! تم ایسا کرتے ہو یا نہیں؟ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ تمہیں ایسا کرنا ہوگا - اگر ایسا نہ کرو گے تو . . . حضرت ابراہیم(۴) کے والد نے ان سے کہا اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ (۱۹/۴۶)- کیا تو میرے معبودوں سے کنارہ کشی کرتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ایسا مت کرو - اگر تم نے ایسا کیا تو لَاَرْجُمَنَّکَ - میں تجھے ذلت آمیز سزا دونگا -

۸ - دو باتوں کو برابر قرار دینا - لیکن یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب یہ سَوَاءٌ - کے بعد آئے - مثلاً - سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ (۲/۶) - تم اُنہیں (ان کی روش کے تباہ کن نتائج سے) متنبہ کرو یا نہ کرو - اُن کے لئے یکساں ہے -

۹ - ندا (پکارنے) کے لئے کہتے ہیں اَزَیْدٌ اَقْبِلْ (اے زید آگے بڑھو) قرآن کریم میں اس کا استعمال نہیں آیا -

۱۰ - اَ ہمیشہ جملہ کے شروع میں آتا ہے - حتی کہ واؤ عطف سے بھی پہلے - اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا - اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا - بعض اوقات اسے حذف بھی کر دیا جاتا ہے - خواہ اس سے پہلے - اَمْ - آ رہا ہو یا نہ آ رہا ہو* - جیسے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قصہ میں ہے کہ جب رات کے وقت ستارہ نمودار ہوا تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے پوچھا -

*محیط -

قَالَ هٰذَا رَبِّیْ (۶/۷۶) ۔ کیا یہ میرا رب ہے؟ یعنی تم کہتے ہو کہ میں اس کی پرستش کروں؟ یہاں حرف استفہام (اَ) محذوف ہے ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ (هٰذَا رَبِّیْ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نہیں بلکہ ان کے باپ (آزر) کا قول ہے اور اس کے بعد کا ٹکڑا (فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (۶/۷۶) حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا جواب ہے ۔ (یعنی یہ سب باہمی مکالمہ ہے) اس صورت میں قَالَ هٰذَا رَبِّیْ میں (اَ) کو محذوف ماننے کی ضرورت نہیں رہتی ۔

نوٹ :۔ جب اس ہمزہ کے بعد کوئی ایسا لفظ آئے جس کے شروع میں بھی ہمزہ ہو تو یہ دونوں ہمزہ مل کر "آ" بن جاتے ہیں جیسے آٰلْئٰنَ (۱۰/۹۱) جو دراصل اَ اَلْئٰنَ (کیا اب؟) ہے ۔

ا ب ب

اَلْاَبُّ ۔ گھاس خواہ خشک ہو یا تر ۔ چراگاہ ۔ یہ لفظ ہر اس گھاس کے لئے استعمال ہوتا ہے جسے جانور کھاتے ہیں* ۔ قرآن میں ہے ۔ فَاکِهَةً وَّ اَبًّا (۸۰/۳۱) مجاہد نے کہا ہے کہ فَوَاکِهَ وہ میوے اور پھل ہیں جنہیں آدمی کھاتے ہیں اور اَبٌّ ۔ جانوروں کے کھانے کی چیزیں ہیں ۔ اس میں سبز گھاس ۔ چارہ ۔ بھوسہ سب شامل ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی (۱) چراگاہ اور (۲) قصد و ارادہ کے ہیں ۔ غالباً اس لئے کہ جانور چراگاہ کی طرف قصد و ارادہ سے جاتا ہے ۔

صاحب مفردات نے کہا ہے کہ مویشیوں کے لئے اَبٌّ کی وہی حیثیت ہے جو انسانوں کے لئے فَاکِهَةٌ کی ہے ۔ فَاکِهَةٌ اس کھانے کی چیز کو کہتے ہیں جسے لذت کے لئے کھایا جائے ۔ اس لئے اَبٌّ ان کھانے کی چیزوں کو کہینگے جنہیں مویشی خوشی سے کھائیں ۔

ا ب د

اَلْاَبَدُ ۔ غیر محدود زمانہ ۔ ہمیشہ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے طولِ مدت اور توحش کے ہوتے ہیں ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اَبَدٌ سے مراد وہ طویل زمانہ ہے جسکا تجزیہ نہ کیا جاسکے ۔ یعنی جسے حصوں میں تقسیم نہ کیا جاسکے ۔ اس کے برعکس زَمَانٌ اس مدت کو کہتے ہیں جس کا تجزیہ کیا جاسکے ۔ اس اعتبار سے اَبَدٌ کا تثنیہ یا جمع نہیں آنی چاہئے تھی

*تاج

لیکن اس کے باوجود اس کی جمع آبَاد* آتی ہے ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ لفظ (آبَاد*) عرب عرباء کے کلام میں کہیں نہیں آیا* ۔

اَلْاَوَابِدُ ۔ وحشی جانوروں کو کہتے ہیں ۔ (کیونکہ عربوں کا خیال تھا کہ) وہ اپنی موت نہیں مرتے ، ہمیشہ کسی آفت سے مرتے ہیں ۔ غیرمانوس قوافی کو بھی اَوَابِدُ کہتے ہیں اور مصائب کو بھی* ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش ، نفرت ، بُعد اور جدائی کا مفہوم ہوتا ہے ۔ اَبَدَا لْوَحْشُ کے معنی ہیں جنگلی جانور بدک کر بھاگ اُٹھے ۔

قرآن میں اَبَدٌ کا لفظ یا تو اس معنی میں آیا ہے جس معنی میں ہم کہتے ہیں کہ وہ کبھی ایسا نہ کریگا ۔ مثلاً وَ لَنْ یَتَمَنَّوْهُ اَبَدًا (۲/۹۵) وہ کبھی اس کی آرزو نہیں کرینگے ۔ اور یا جنت وغیرہ کے لئے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا (۴/۵۷) میں ۔ ”وہ اس میں ابدی طور پر رہینگے“ ۔ ابدی اور ازلی اصطلاحات قرآنی نہیں ۔ (اَزَلٌ کا تو لفظ ہی قرآن میں نہیں آیا) لہذا اَبَدٌ کے معنے زمانہ دراز کے ہونگے ۔ چنانچہ اہل جہنم کے متعلق جہاں یہ آیا ہے کہ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا (۴/۱۶۹) ۔ وہاں ان کے متعلق لَا یَبْغُوْنَ فِیْهَا اَحْقَابًا (۷۸/۲۳) بھی آیا ہے جس کے معنے زمانہ دراز کے ہیں (دیکھئے عنوان ح ۔ ق ۔ ب) اس کی تشریح مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ (۱۱/۱۰۶) سے بھی کر دی گئی ہے ۔ یعنی جب تک آسمان اور زمین ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اَبَدٌ سے مراد غیر مختتم (نہ ختم ہونے والا) زمانہ نہیں ۔ مزید دیکھئے صفحہ ۱۸۰۵ جلد چہارم عنوان زب د

زمان (TIME) کی فلسفیانہ بحث بڑی عمیق اور فنّی ہے اس لئے ہم اس میں نہیں الجھنا چاہتے ۔ اس مقام پر ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ جن معنوں میں ہم خدا کے لئے ازلی اور ابدی بولتے ہیں وہ مفہوم صرف خدا کیلئے مخصوص ہے ۔ کسی اور کے لئے نہیں ۔

ابراهیم (علیہ السلام)

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ، ترتیب زمانی کے اعتبار سے حضرت نوح (علیہ السلام) ۔ حضرت ہود (علیہ السلام) اور حضرت صالح (علیہ السلام) کے بعد آئے ہیں (ان حضرات کے تذکار جلیلہ کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے) لیکن ملت ابراہیمی کے مؤسس اور معمار کعبہ کی حیثیت سے قرآن میں آپ کا ذکر بڑی شرح و بسط سے آیا ہے ۔ تورات کا بیان ہے کہ حضرت نوح (علیہ

*العلم الخفاق ۔

السلام) کی آٹھویں پشت میں نحور پیدا ہوئے۔ ان کے بیٹے تارح (آزر) اور آزر کے بیٹے حضرت ابراھیم (علیہ السلام)۔ آزر کا خاندان کلدانیوں کے شہر اُور میں آباد تھا۔ اس زمانے میں کلدانیوں (بابل) کا تمدن اپنے اوجِ کمال پر تھا۔ اس تاریخی قیاس کے مطابق آپ کا زمانہ قریب ۲۲۰۰ ق۔م قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ کی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی میں مشہور تھی۔ خود آپ کے والد ایک بہت بڑے پجاری (آذار) تھے۔ آپ نے اپنی دعوت توحید کا آغاز خود اپنے گھر (والد) سے شروع کیا (۶/۱۹)۔ باپ نے اس کی سخت مخالفت کی (۱۹/۴۶)۔ پھر آپ نے قوم کو مخاطب کیا اور واضح الفاظ میں انہیں بتایا کہ وہ کس ضلالت میں مبتلا ہیں (۲۱/۵۴) یہ کشمکش اس حد تک بڑھی کہ آپ نے ایک دن اُن کے مندر میں جا کر بتوں کو توڑ دیا (۲۱/۵۸) اس دوران میں خود بادشاہ کے ساتھ بھی آپ مکالمہ ہوا جس میں آپ نے اُسے دلائل و براھین سے لاجواب کر دیا (۲/۲۵۸)۔

ان پے درپے شکستوں سے قوم کے دل میں آتش انتقام بھڑک اُٹھی اور وہ آپ کی جان کے لاگو ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالٰی نے ان کی تمام تدابیر کو ناکام کر دیا اور آپ (اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کے ساتھ) اس مقام سے شام کی طرف ہجرت کر گئے (۲۱/۷۱) اور فلسطین میں اقامت پذیر ہو گئے۔

آپ نے اپنے بیٹے (حضرت) اسحٰق (علیہ السلام) کو فلسطین میں بسایا اور دوسرے بیٹے (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) کو ساتھ لیکر خدا کے حکم سے وادی غیرذی زرع (حجاز) میں خانہ کعبہ کو تعمیر کیا (۲/۱۲۵) اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے سپرد اس کی تولیت کی۔

حضرت اسحاق (علیہ السلام) کی شاخ میں تمام انبیائے بنی اسرائیل مبعوث ہوئے اور شاخ اسماعیل (علیہ السلام) کے گلِ سرسبد نبی اکرمؐ وجہ شادابی عالم ہوئے۔

یہ تھے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) جن کے متعلق اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيْفًا۔ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۶/۱۲۰) "بلاشبہ۔ ابراھیم (اپنی شخصیت میں ایک فرد نہیں بلکہ) پوری امت تھا۔ اللہ کے حضور جھکا ہوا۔ اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھا"، نیز دیکھئے صفحہ ۱۸۰۵ جلد چہارم عنوان ابراہیمؑ۔

ا ب ق

اَبَقَ الْعَبْدُ اَبْقًا وَ اِبَاقًا۔ غلام کا (اپنے فرائض کو چھوڑ کر) بھاگ جانا۔ یعنی نہ اس سے کوئی سخت کام لیا جا رہا ہو اور نہ ہی اسے کسی قسم

تاج۔ راغب۔ محیط۔

کا خوف ہو۔ اس کے باوجود اس کا چپکے سے بھاگ جانا* ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں بَا اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش۔ نفرت۔ بُعد اور جدائی کا مفہوم ہوتا ہے۔ اَبَقَ میں یہی کیفیت ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی غلام کا بھاگ جانا نیز کسی معاملہ میں تشدد برتنا ہیں۔

اَلْاٰبِقُ ۔ اپنے فرائض منصبی سے احتراز کر کے بھاگ جانے والا یا چھپ جانے والا ۔ تَاَبَّقَ الشَّیْءَ ۔ وہ کسی شے کو ناگوار سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کش ہو گیا۔ عَبْدٌ اٰبِقٌ ۔ بھاگ جانے والا غلام* ۔

قرآن نے حضرت یونسؑ کے متعلق اَبَقَ کا لفظ استعمال کیا ہے (اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگا (۳۷/۱۴۰) رسول کو خاص مشن دیکر اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا ۔ اُسے اس مشن کی تکمیل میں ہزار مشقتیں اٹھانی پڑتیں ، وہ کسی حالت میں بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑتا تھا ۔ لیکن جب مشیت خود دیکھتی کہ اس کا اس جگہ زیادہ عرصہ کیلئے رہنا اس مشن کیلئے مفید نہیں تو اسے اس مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کا حکم مل جاتا ۔ اسے ہجرت کہتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس (علیہ السلام) نے جب دیکھا کہ ان کی قوم سرکشی سے باز نہیں آتی تو انہوں نے خود ہی فیصلہ کر لیا کہ یہ ماحول پیغام خداوندی کے لئے سازگار نہیں رہا ۔ اسلئے وہ قوم کو چھوڑ کر چلے گئے ۔ چونکہ ان کا یہ فیصلہ مشیت کے پروگرام سے قبل از وقت تھا (اور انہوں نے خدا کے حکم کا انتظار کئے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی تھی) اسلئے ان کے اس عمل کیلئے اَبَقَ کہا گیا ۔ یعنی اپنے فریضہ منصبی کو چھوڑ کر چلا گیا ۔ واضح رہے کہ یہ خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں تھی ۔ اپنا اجتہادی فیصلہ تھا ۔ لیکن چونکہ یہ فیصلہ مشیت کے پروگرام کی رو سے ذرا قبل از وقت تھا اس لئے خدا نے اسے پسند نہیں کیا ۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ایک رسول کی زندگی کسقدر احکام خداوندی کے تابع ہوتی تھی اور جن معاملات میں فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہوتا تھا ان میں رسول اپنی طرف سے ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا تھا ۔ دوسرے معاملات میں البتہ اسے آزادی ہوتی تھی کہ وہ وحی کے دیئے ہوئے اصولوں کی روشنی میں اپنا پروگرام آپ مرتب کرتا جائے ۔

*تاج ۔ راغب ۔ محیط ۔

ا ب ل

آ'لا ِبِلٌ و آلْا ِبِلٌ - اونٹ - یہ کثیر تعداد میں اونٹوں کیلئے آتا ہے اور اس کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا (۶/۱۴۵) - بادل کو بھی اونٹ سے تشبیہ دیتے ہیں - چنانچہ قرآن میں جو ہے آفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (۸۸/۱۷) ''کیا یہ لوگ ابل کی طرف نہیں دیکھتے کہ انہیں کسطرح پیدا کیا گیا ؟،، اس میں آ'لا ِبِلِ کے معنے بادل بھی ہو سکتے ہیں* -

ابِلٌ آبَابِیْلٌ - گلہ در گلہ اونٹ - طَیْرًا اَبَابِیْلَ (۱۰۵/۳) جھنڈ در جھنڈ پرندے** - آ'لا ِبِلَۃٌ - آ'لا ِبْیِلٌ - آ'لا َبُوْلٌ - آلْا ِبْبَالٌ - پرندوں، گھوڑوں اور اونٹوں کی ٹکڑی جو پے در پے یکے بعد دیگرے آتی ہے* -

اَبَلَ - وہ متوحش ہو گیا - جن الفاظ میں با اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش، نفرت، بُعد اور جدائی کا مفہوم مضمر ہوتا ہے'' - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تین ہیں - اونٹ - کافی ہو جانا - اور بوجھ اور غلبہ -

ا ب و

آبَاءٌ - آبٌ کی جمع ہے - آبٌ اصل میں اَبَوٌ تھا - آ'لا َبٌ - باپ - وہ شخص جس سے اس کی نوع کا کوئی دوسرا شخص پیدا ہو یا وہ شخص جو کسی شے کی ایجاد، اصلاح یا ظہور کا موجب ہو - مربی - وصی - چچا وغیرہ کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے - نیز عمر اور مرتبہ کے لحاظ سے ہر بڑے آدمی کو بھی آبٌ کہدیتے ہیں - آبَوْتُہٗ اَبْوًا - میں نے اس کی تربیت کی - تَاَ بَّاہُ اس کو باپ بنا لیا ***

قرآن میں آبَاءٌ کا لفظ آبا و اجداد (اسلاف) کے لئے آیا ہے - مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا (۲/۱۷۰) ''جس پر ہم نے اپنے اسلاف کو پایا،، - اور باپ چچا اور دادا کیلئے بھی - چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے کہ جب حضرت یعقوب ؑ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبودیت اختیار کروگے ، تو انہوں نے کہا کہ نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ (۲/۱۳۳) '' ہم تیرے الٰہ - اور تیرے آباء ابراھیم - اسماعیل اور اسحٰق کے الٰہ کی عبودیت اختیار کرینگے'' - حضرت اسحاق ؑ حضرت یعقوب ؑ کے والد تھے - حضرت اسماعیل ؑ ان کے چچا اور حضرت ابراھیم ؑ ان

* تاج - راغب ** اس کے قرآنی مفہوم کیلئے دیکھئے عنوان ف ی ل -
*** العلم الخفاق *** محیط -

کے دادا تھے۔ ان سب کے لئے آباء کا لفظ آیا ہے۔ سورۂ یوسف میں اَبَوَیْہِ آیا ہے جس کے معنی ماں باپ (والدین) ہیں (۱۲/۹۹)۔ باپ کو پکارتے وقت یَا اَبَتِی کی بجائے یَا اَبَتِ بھی کہتے ہیں* (مثلاً ۱۲/۴ میں)۔ اَلاَ با۔ اَلاَب کی ایک لغت ہے۔ اس کے معنی ہیں باپ۔

ا ب ی

اَبَی الشَّیْءَ یَأْبَاہُ۔ کسی چیز کو ناپسند کرنا۔ کسی چیز سے رکنا۔ باز رہنا۔ شدت سے انکار کرنا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ اَخَذَہٗ اِبَاءٌ مِنَ الطَّعَامِ۔ اسے کھانے سے کراہت ہوگئی۔ رَجُلٌ اَبِیَانٌ۔ وہ شخص جو کھانا کھانے سے باز رہے۔ اَلاِبَاءُ۔ کراہت۔ نفرت۔ امتناع۔ تکبر۔ نخوت کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی بات کو اپنے شایانِ شان نہ سمجھتے ہوئے اسے پائے استحقار سے ٹھکرا دینا اور پھر اپنی اس روش پر بضد قائم رہنا۔ اَلاَبِی شیر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی مرضی کرتا ہے اور کسی کے کہنے پر نہیں چلتا**۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش۔ نفرت۔ بُعد اور جدائی کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ اَبٰی میں یہی کیفیت ہے۔ قرآن میں سجدہ (اطاعت) کے مقابلہ میں اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ (۲/۳۴) آیا ہے۔ یعنی ابلیس حکم خداوندی کی اطاعت سے رکا اور اس نے اس سے سرکشی برتی۔ دوسرے مقام پر ہے وَلَا یَاْبَ الشُّہَدَاءُ اِذَا مَا دُعُوْا (۲/۲۸۲)۔ ''جب گواہ بلائے جائیں تو وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ رکیں نہیں'' قرآن میں اس کا استعمال ایک اور انداز سے بھی ہوا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ ہم نے قرآنی حقائق کو مختلف انداز سے پیش کیا ہے لیکن فَاَبٰی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا (۱۷/۸۹ نیز ۲۵/۵۰) ''اکثر لوگ ایسے ہیں جو کفر و انکار کے سوا ہر چیز سے اباء کرتے ہیں۔ یعنی وہ اس پر غور و فکر کرنے اور اسطرح اس سے راہ نمائی حاصل کرنے سے رکے رہتے ہیں اور اس کے حقائق سے انکار کئے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ توبہ میں ہے وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ (۹/۳۲) ''اللہ کسی بات کو قبول نہیں کرتا بجز اس کے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کرکے رہے''۔ ان مثالوں سے واضح ہے کہ اِلَّا کے ساتھ اس لفظ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کے سوا اور کچھ مقصود و مطلوب نہیں۔ سورۃ کہف میں حضرت

* محیط ** تاج۔

موسیٰؑ اور ان کے رفیق سفر کے قصہ میں ہے فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا (۱۸/۷۷) ''بستی والوں نے (انہیں حقیر سمجھتے ہوئے) ان کی مہمانداری کرنے سے انکار کر دیا''۔

ا ت ی

آتیٰ ۔ یَاْتِیْ ۔ کے معنے ہیں آنا* ۔ راغب کے نزدیک اِتْیَانٌ ۔ سہولت کے ساتھ آنے کو کہتے ہیں* ۔ صاحب محیط نے آتَتِ الْسَّمَاءُ کی مثال دی ہے جس کے معنے ہیں پانی کا راستہ آسان کر دیا**۔ مَاْتِیًّا ۔ ضرور آنے والا (گویا آچکا ہے) (۱۹/۶۱) ۔ مَاْتِیًّا اصل میں مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی اُس چیز کے ہیں جس کے پاس آیا جاتا ہے یا وہ چیز جو آئی ہوئی ہو۔ اس اعتبار سے اس کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ خدا نے جو قانون مقرر کر دیا ہے ہر شے اس تک پہنچ کر رہتی ہے ۔

آتیٰ اِلَیْهِ الشَّیْءَ ۔ کے معنی ہیں اس کی طرف کوئی چیز بھیج دی ۔ آتیٰ فُلَانًا شَیْئًا ۔ اس نے اسے وہ چیز دیدی*۔ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ اِیْتَاءٌ ۔ اِعْطَاءٌ کے معنوں میں بکثرت آتا ہے مگر اِیْتَاءٌ کے معنے در حقیقت حاضر کرنے کے ہیں ۔ راغب نے اسی لئے کہا ہے کہ قرآن میں صدقات وغیرہ کے لئے اِیْتَاءٌ ہی کا لفظ آیا ہے ۔ اِعْطَاءٌ کا لفظ نہیں آیا ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صدقات سہولت سے دیے جا سکیں اور اس کی ضرورت نہ پڑے کہ اس کی تفتیش کی جائے کہ فلاں آدمی نے کیا دیا ہے*۔ (اس کی وضاحت کے لئے دیکھئے صَدَقَاتٌ ۔ عنوان ص ۔ د ۔ ق) ۔ صاحب تاج العروس نے مختلف اقوال سے بتایا ہے کہ اِعْطَاءٌ اور اِیْتَاءٌ میں فرق یہ ہے کہ اِعْطَاءٌ میں دینے والے کی پوزیشن اُس سے ذرا بلند ہوتی ہے جسے دیا جائے لیکن اِیْتَاءٌ میں یہ بات نہیں ہوتی ۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جسے دیا جائے اس کی پوزیشن دینے والے سے ذرا بلند ہی ہو ۔ یا کم از کم برابر ہو* (لیکن اسے ہم قاعدہ کلیہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ قرآن میں بعض جگہ اِیْتَاءٌ اور اِعْطَاءٌ کے الفاظ مرادف معنوں میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً سورۃ توبہ میں ہے فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا ..... وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ .... (۹/۵۸-۵۹) ۔ ''سو اگر انہیں ان (صدقات) میں سے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں ..... اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیا تھا''۔

---

* تاج ۔ ** محیط ۔

قرآن میں مالِ فَیٔ کی تقسیم کے ضمن میں ہے کہ "وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (۵۹/۷)"۔ جو کچھ تمہیں رسول دے اُسے لے لو اور جس کے لینے سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ اس کی تشریح (۵۹/۶) میں ہے جہاں فرمایا۔ "وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مالِ فَیٔ اور مالِ غنیمت کے متعلق اصول یہ نہیں کہ جس نے جو لوٹ لیا وہ اس کی ملکیت ہو گیا۔ یہ سارا مال نظامِ خداوندی کی ملکیت ہوتا ہے اور اس کی تقسیم مرکز نظام کی طرف سے ہوتی ہے۔

سورۃ آلِ عمران میں یہ لفظ نزع کے مقابلے میں آیا ہے جس کے معنی لے لینے کے ہیں۔ "تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ (۳/۲۶)"۔ "تو جسے چاہتا ہے ملک دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے"، (اس کی تفصیل "مشیت" کے ماتحت عنوان ش۔ ی۔ أ میں دیکھئے)۔ "اَتَی الرَّجُلُ"۔ اس نے کوئی کام کیا۔ عمل کیا*۔ قرآن میں ہے "لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی (۲۰/۶۹)"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ساحر خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یا مثلاً سورۃ الشعراء میں ہے "اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ (۲۶/۱۶۵)" ** "تم دنیا جہان سے الگ مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو"۔

صاحب تاج العروس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِیْتَآءٌ اور اِعْطَآءٌ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اِیْتَآءٌ کے معنی یہ ہیں کہ جسے کچھ دیا جائے وہ اس تک پہنچ جائے اور وہ اسے قبول بھی کرے۔ برعکس اس کے اِعْطَآءٌ کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ کسی کو دیا جائے ضروری نہیں کہ وہ اس تک پہنچ بھی جائے یا وہ اسے حاصل بھی کرے۔ اس اعتبار سے قرآن میں جو کہا گیا ہے کہ "کُلًّا نُّمِدُّ ھٰٓؤُلَآءِ وَھٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ۔ وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا (۱۷/۲۰)"۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے جو کچھ عطا ہوا ہے وہ عام ہے۔ لیکن خدا اسے ہر ایک تک براہ راست نہیں پہنچاتا۔ اسے حاصل کر لینے کے لئے خود جد وجہد کرنی پڑتی ہے۔ نیز یہ کہ کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان بخشائشوں کو عام انسانوں تک نہ پہنچنے دے اور راستے میں روک بن کر کھڑا ہو جائے۔

تاج العروس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِتْیَانٌ کے معنی ہلاک کر دینے کے بھی ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہے "فَاَتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا

* تاج۔

(۵۹/۲) ۔ ”اللہ نے انہیں ایسے انداز سے ہلاک کر دیا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا“۔

ا ث ث

اَلْاَثَاثُ ۔ ہر چیز کا بڑا حصہ ۔ مال کثیر ۔ گھر کا سامان ۔ ہر قسم کا مال مثلاً ۔ اونٹ ۔ بکریاں ۔ غلام وغیرہ ۔ اَثَاثَۃٌ اس کا واحد ہے ۔ اَثَاثٌ گھر کے نئے سامان کو کہتے ہیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ ہر اس سامان کیلئے استعمال ہوتا ہے جو گھر کی ضروریات کیلئے بنایا جائے ۔ نہ کہ تجارت کی غرض سے“ ۔ ابن درید نے لکھا ہے کہ اَثَاثُ الْبَیْتِ سے مراد ہوتی ہے اَلْمَتَاعُ الْجَیِّدُ ۔ گراں قدر سامان“ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اجتماع اور نرمی کے ہوتے ہیں اور اَثَّ النَّبْتُ اُثُوْثًا کے معنی ہوتے ہیں، پودے بہت کثیر ہو گئے ۔

قرآن میں اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا آیا ہے (۱۶/۸۰) ۔ یعنی ساز و سامان ۔

ا ث ر

اَلْاَثَرُ ۔ کسی کھنڈر وغیرہ کا باقی رہ جانے والا حصہ ۔ اَلْاَثَرُ ۔ زخم کا نشان جو اس کے اچھا ہو جانے کے بعد باقی رہ جاتا ہے ۔ اَلْاَثِیْرَۃُ ۔ وہ جانور جس کے چلنے سے زمین پر بڑا سا نشان بن جائے ۔ اَلتَّوْرُ وَالْمِئْثَرُ ۔ لوہے کا ایک آلہ جس سے اونٹ کے تلوے میں خاص نشان بنا دیتے ہیں کہ اگر وہ کہیں گم ہو جائے تو اس نشان قدم سے اسے تلاش کر لیا جائے ۔***

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَثَرٌ کے چار معنی ہوتے ہیں ۔ (۱) نتیجہ جو کسی چیز سے حاصل ہو ۔ (۲) علامت ۔ (۳) خبر ۔ (۴) حکم جو کسی چیز پر مرتب ہو“ *۔

قرآن میں ہے فَانْظُرْ اِلٰی آثَارِ رَحْمَتِ اللّٰہِ (۳۰/۵۰) ۔ یہاں آثار کے معنے نشانیاں یا علامات ہیں ۔ سورۃ فتح میں اَثَرِ السُّجُوْدِ (۴۸/۲۹) آیا ہے ۔ یعنی اطاعتِ خداوندی سے جو قلبی سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے اس کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہیں ۔ سورۃ مومن میں ہے اَشَدَّ مِنْھُمْ قُوَّۃً وَّآثَارًا فِی الْاَرْضِ (۴۰/۲۱) ۔ دوسری جگہ سورۃ یٰسین میں قَدَّمُوْا کے مقابلہ میں آثَارَھُمْ آیا ہے (۳۶/۱۲) یعنی جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور جو پیچھے چھوڑتے ہیں ۔ سورۃ کہف میں ہے عَلٰی اٰثَارِھِمْ (۱۸/۶) ۔ ان کے

* تاج و محیط ۔ ** کتاب الاشتقاق ۔ *** تاج *” محیط ۔

پیچھے - اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے - فَارْتَدَّا عَلٰی آثَارِهِمَا قَصَصًا (۱۸/۶۴) - اپنے نقوش قدم پر پیچھے کی طرف لوٹے - سورۃ حدید میں ہے- ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰی آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا (۵۷/۲۷) - پھر ہم نے ان کے نقش قدم پر ان کے پیچھے اور رسول بھیجے - اس سے اس کے معنے مسلک و مشرب کے آتے ہیں (یعنے کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے) ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْاَثَرُ کے معنے پیچھے چلنے اور پیروی کرنے کے ہوتے ہیں- اس میں اَثَرٌ اور اَثْرٌ دونوں آتے ہیں- سورۃ طٰہٰ میں سامری کا قول ہے کہ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ (۲۰/۹۶) میں نے رسول (حضرت موسیٰ۴) کے مسلک و مشرب سے تھوڑا سا حاصل کیا تھا - اسی طرح حضرت موسیٰ۴ کا قول ہے - هُمْ اُولَاءِ عَلٰی اَثَرِیْ (۲۰/۸۴) - وہ میرے نقش قدم (مسلک) پر ہیں - سورۃ احقاف میں ہے اَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ (۴۶/۴) - اس کے معنی علمی دلیل کے ہیں - (یعنی جو کچھ علم میں سے باقی رہ جائے)

اَثَرَ - نشان زدہ کرکے اپنے لئے مخصوص کر لینا یا کسی دوسرے کے لئے مختص کر دینا - اسی سے اِیْثَارٌ ہے جس کے معنی ہیں کسی کو اپنے اوپر ترجیح یا فوقیت دینا- ابن فارس نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے - پہلے معنوں میں سورۃ اَعْلٰی میں ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (۸۷/۱۶) - یہ قریبی مفاد - صرف طبعی زندگی کے انفرادی مفاد - کو اپنے لئے ترجیح دیتے ہیں - نیز (۷۹/۳۸)- اور دوسرے معنوں میں سورۃ حشر میں ہے يُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ (۵۹/۹) - وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں - سورۃ یوسف میں ہے لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا (۱۲/۹۱) - خدا نے تمہیں ہم پر فضیلت دی ہے - سورۃ طٰہٰ میں ہے لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا (۲۰/۷۲) - جو ہمارے پاس آ چکا ہے تجھے ہم اس پر ترجیح نہیں دینگے -

حَدِيْثٌ مَا ثُوْرٌ - ایسی بات جس کی لوگ ایک دوسرے کو خبر دیتے چلے آرہے ہوں * ابن فارس نے لکھا ہے کہ اَلثَّمَاثُوْرَةُ اس کنویں کو کہتے ہیں جو پہلے بنا ہوا ہو پھر زمین کے نیچے دب گیا ہو لیکن جب کوئی وہاں پہنچے تو ڈول اور رسی کے نشانات پائے -

ا ث ل

اَلْاَثْلُ - جھاؤ کا درخت - * وہ درخت جسکی جڑ خوب مضبوط ہو ** ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی اصل اور اس کے

* تاج - ** راغب

مجتمع ہونے کے ہیں - یعنی پختہ بنیاد ہونا - قرآن میں آثْلٍ (۳۴/۱۶) جھاؤ کے معنوں میں آیا ہے -

ا ث م

آ'لاثِیمَۃٌ - اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو تکان کی وجہ سے مضمحل ہو چکی ہو اور اسلئے بہت آہستہ آہستہ چلے - آلْمُؤَاثِمٌ - وہ اونٹ جو اضمحلال کی وجہ سے چلنے سے جواب دے جائے * - لہذا اِثْمٌ کے بنیادی معنوں میں اضمحلال- افسردگی - توانائی کا کم ہو جانا- سست روی اور شکستگی کا پہلو ہوتا ہے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دیر ہونا اور پیچھے رہ جانا ہیں - قرآن میں جرم کیلئے اِثْمٌ اور عُدْوَانٌ کے الفاظ آئے ہیں - ان کے صحیح مفہوم کیلئے (ع-د-و) کا عنوان دیکھئے جہاں عُدْوَانٌ کے مقابلہ میں اِثْمٌ کے مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے - مقصد اس سے وہ تمام اعمال ہیں جن سے انسانی ذات میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جائے - جن سے اسکی قوت عمل میں کمزوری واقع ہو جائے - جن سے وہ سفر حیات طے کرنے میں سست گام ہو جائے - جن سے وہ دوسروں کے مقابلہ میں پیچھے رہ جائے - اس کے لئے قرآن نے خَمْرٌ اور مَیْسِرٌ کی مثال دی ہے جہاں کہا ہے کہ ان میں فائدہ تو ضرور ہے لیکن ان سے انسان کے قوائے عملیہ میں جو اضمحلال پیدا ہوتا ہے اسکے نقصانات اس فائدہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں- وَ اِثْمُھُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا(۲/۲۱۹)- خَمْرٌ (نشہ آور اشیاء) کے ان اثرات سے کون نا واقف ہے جن سے انسان کی قوتیں آہستہ آہستہ مضمحل ہو جاتی ہیں - اسی لئے ''جنت کی شراب'' کے متعلق کہا ہے کہ اس میں تَاْثِیمٌ نہیں ہوگی (لَا لَغْوٌ فِیْھَا وَلَا تَاْثِیْمٌ ۵۲/۲۳)- یعنی اس سے قویٰ مضمحل نہیں ہونگے بلکہ ان کی کمی پوری ہو جائیگی- لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا -اِلَّا قِیْلًا سَلَامًا سَلَامًا (۵۶/۲۵،۲۶) باقی رہا مَیْسِرٌ- سو یہ لفظ یُسْرٌ سے ہے (دیکھئے عنوان ی-س-ر) یسر کے معنی ہیں آسانی (بائیں ہاتھ کا کھیل) لہذا یُسْرٌ ہر اس آمدنی اور دولت کو کہینگے جو بغیر محنت کئے حاصل ہو جائے - اس قسم کی دولت سے جسطرح انسان کے قوائے عملیہ میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے اور انسان محنت کرکے کمانے کے قابل نہیں رہتا وہ بھی کسی سے مخفی نہیں - اس لئے سود خوار کو بھی آثِیْمٌ کہا گیا ہے - (۲/۲۷۶) -

(ع-د-و) کے عنوان میں عُدْوَانٌ کے معنے یہ بھی بتائے گئے ہیں کہ ان سے مراد ایسے جرائم ہیں جن کے اثرات متعدی ہوں - یعنی ان سے معاشرہ کے دوسرے افراد بھی اثر پذیر ہوتے ہوں - اس بنا پر اِثْمٌ کے معنی ہونگے ایسے جرائم جن کا اثر انسان کی اپنی ذات تک ہی محدود رہتا ہو - مثلاً ایک

* تاج -

شخص افیون کھا کر چپکے سے لیٹے رہتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اسکے اس عمل کا اثر اسکی اپنی ذات تک محدود ہے ۔ لیکن قرآن کی رو سے یہ بھی جرم ہے ۔ اسلئے کہ اسکے نزدیک زندگی کا مقصود انسانی ذات کا نشو و نما ہے لہذا ہر وہ کام جس سے انسانی ذات میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جرم ہوگا خواہ وہ انسان کے اپنے ہاتھوں سے ہی پیدا کیوں نہ ہو ۔ قرآن کی رو سے انسان کا خود اپنے آپکو نقصان پہنچانا بھی جرم ہے ۔ خودکشی بھی قتل نفس میں شامل ہے اور اسلئے اِثْمٌ میں داخل ۔ اور زنا کے وجہ اثم ہونے کے لئے تو کسی ثبوت اور شہادت کی بھی ضرورت نہیں ۔ اسلئے قتل نفس اور زنا کے لئے کہا گیا ہے کہ مَنْ یَّفْعَلْ ذَالِکَ یَلْقَ اَثَاماً ۔ (۲۵ : ۶۸) ۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو بغیر محنت کئے مفت میں دولت حاصل ہوجائے (خواہ وہ کسی طریق سے ملے) اور وہ کسی کو نقصان بھی نہ پہنچائے ۔ تو وہ بھی اِثْمٌ ہے ۔ اسلئے کہ محنت نہ کرنے سے اسکے قوائے عملیہ مضمحل ہو جائیں گے اور یہ چیز قرآن کی رو سے جرم ہے ۔

یہ ہیں اِثْمٌ کے بنیادی معنی ۔ اسکے بعد یہ لفظ عمومی حیثیت سے عام جرائم (گناہوں) کے لئے بھی استعمال ہونے لگا ۔ قرآن کے متعدد مقامات میں یہ لفظ ان معنی میں آیا ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے بالخصوص ایسے افعال مراد ہوتے ہیں جو اپنے نتائج مرتب کرنے میں دیر لگائیں * (یہ چیز بھی اسکے بنیادی معنوں میں داخل ہے ۔ یعنی سست روی ۔ نتائج پیدا کرنے میں تاخیر ۔ آہستہ آہستہ نتائج مرتب کرنے والے ۔ جیسے خمر یعنی نشہ آور چیزوں کا استعمال) ۔ راغب کے نزدیک اِثْمٌ اور ذَنْبٌ میں فرق یہ ہے کہ ذَنْبٌ عَمْداً اور سہواً دونوں طریق پر ہو سکتا ہے لیکن اِثْمٌ صرف ارادۃً ہوتا ہے ۔ لیکن اس لفظ کے مفہوم میں بُطْؤٌ (دیر لگانے) کے معنے ضرور شامل ہوتے ہیں **

اِثْمٌ کیلئے (ب ر ر) کا عنوان بھی دیکھئے کیونکہ قرآن میں یہ لفظ بِرٌّ کے مقابلہ میں بھی آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۵ : ۲) بر اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور اثم و عدوان میں تعاون مت کرو ۔

ا ج ج

اَلْاَجَّۃُ ۔ اَلْاَجِیْجُ ۔ آگ کا بھڑکنا ۔ مشتعل ہونا ۔ آگ کی اواز کو بھی کہتے ہیں ۔ اَجَّ ۔ یَؤُجُّ ۔ اَجًّا ۔ وہ تیز چلا ۔ سَمِعْتُ اَجَّتَھُمْ ۔ میں نے انکے چلنے کی آواز یا مخلوط سا شور سنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی

* تاج ۔ ** راغب ۔

معنی آھٹ اور شدت کے ھیں۔ اَلاَجَّۃُ ۔ اختلاط و اضطراب ۔ گرمی کی شدت ۔ مَاءٌ اُجَاجٌ ۔ سخت کڑوا پانی ۔ وَھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ اور یہ سخت کھاری پانی ھے ۔ (۲۵/۵۳ و ۵۶/۷۰)۔ اَجَّجَ فُلَانٌ ۔ اس نے دشمن پر حملہ کیا * (نیز دیکھئے صفحہ ۱۸۸ جلد چہارم عنوان ۲۰۷)

قرآن میں یَاْجُوْجُ ۔ مَاْجُوْجُ کے الفاظ دو مقام پر آئے ھیں۔ (۲۱/۹۶) اور (۱۸/۹۴) میں ۔ اول الذکر ذوالقرنین کے قصہ کے ضمن میں ھے جہاں ایک قوم نے اس سے فریاد کی کہ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ آکر تباہ کاریاں مچا دیتے ھیں اسلئے آپ ھمارے لئے ایک ایسی دیوار بنا دیں جو انکے حملوں کے لئے روک ثابت ھو۔چنانچہ ذوالقرنین نے وہ دیوار تعمیر کردی جسکا ذکر سورۃ کہف میں (۱۸/۹۴) آتا ھے ۔ دوسرا حوالہ سورۃ انبیاء کا ھے جس میں کہا گیا ھے کہ وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۔ حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ (۲۱/۹۵-۹۶)۔

یاجوج وماجوج کا نام تورات میں ملتا ھے ۔ چنانچہ حزقیل نبی کی پیشگوئی میں ھے (واضح رھے کہ حزقیل نبی کو بخت نصر بیت المقدس کی تباھی کے بعد گرفتار کرکے بابل لے گیا تھا جہاں وہ ایران کے بادشاہ سائرس ۔ جسے قرآن میں ذوالقرنین کہا گیا ھے ۔کے زمانہ تک زندہ تھے)''اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا ۔ اس نے کہا اے آدم زاد تو جوج کی طرف منہ کرکے اسکے خلاف نبوت کر۔ جوج کی طرف جوماجوج کی سرزمین کا ھے اور ارس ۔ مسک۔ اور توبال ۔کا سردار ھے''۔ اسکے بعد یہ الفاظ عہد نامہ جدید (یوحنا کے مکاشفات) میں ملتے ھیں جہاں لکھا ھے ''جب ھزار سال پورے ھو چکینگے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائیگا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ھونگی یعنے یاجوج وماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑانے کیلئے جمع کرکے نکلیگا ۔ انکا شمار سمندر کی ریت کے برابر ھوگا اور وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائینگی''۔ یاجوج وماجوج یورپ کی زبانوں میں گاگ (Gog) میگاگ (Magag) کے نام سے متعارف ھیں ۔ کہا جاتا ھے کہ یہ یونانی زبان کے نام ھیں اور وھیں سے یورپ کی دیگر زبانوں میں آئے ۔ یاجوج و ماجوج کونسی قومیں تھیں،اس کے متعلق محققین کی آراء مختلف ھیں ۔ لیکن اکثریت کا رخ جس سمت کو گیا ھے وہ یہی ھے کہ یہ منگولیا کے علاقہ کے وحشی اور صحرا نورد قبائل تھے جن کا کام لوٹ مار تھا ۔ یہ آندھی کے طوفان کی طرح اٹھتے اور اس سیلاب بلا کے سامنے جو کچھ آتا اسے خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتے ۔ چنگیز خاں

تاج ۔ محیط و راغب

اور ہلاکو خاں کے ہلاخیز جھکڑوں سے کون واقف نہیں ۔ منگولیا کا قدیم نام ''موگ،، تھا جو یونان میں میگاگ اور عبرانی میں ماجوج ہوگیا ۔ اس علاقہ میں دوسرا قبیلہ ''یواچی،، کے نام سے مشہور تھا جس نے عبرانی میں یا جوج کی شکل اختیار کرلی* ۔ انہی کے حملوں سے بچنے کیلئے قومیں اپنے ملکوں کے گرد دیواریں تعمیر کیا کرتی تھیں ۔ یہی وہ سطح مرتفع تھی جہاں سے یہ وحشی قبائل بپھرے ہوئے دریاؤں کی پر شور طغیانیوں اور تلاطم انگیزیوں کی طرح ملحقہ اقوام کو تباہ و برباد کر دیتے (مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ) ۔ اگر ان الفاظ کو اجّ سے مشتق مانا جائے تو انکی خصوصیات میں آگ کی شعلہ انگیزیاں، طوفانی دریاؤں کی تلاطم خیزیاں اور تند و تیز ہواؤں کی تباہ کاریاں سب آ جاتی ہیں ۔ اشتقاق کی رو سے دیکھا جائے تو ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ سورۃ انبیاء میں اگرچہ نام یا جوج و ما جوج ہی کا لیا گیا ہے لیکن اس سے مفہوم ''یا جوجیت و ماجوجیت،، ہے خواہ وہ کسی قوم میں پائی جائے۔ قرآن نے کہا یہ ہے کہ جو اقوام قعر مذلت میں گر جائینگی ان کے دوبارہ ابھرنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی ۔ بجز ایک صورت کے ۔ اور وہ یہ ہے کہ جب دنیا کی ایسی قومیں جن میں اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ممالک پر چھا جانے کی صلاحیت ہوگی ان پسماندہ اقوام کے ملکوں میں پہنچینگی تاکہ وہاں اپنی استعماریت قائم کریں تو ان کے اس تصادم سے ان کمزور قوموں کی قوتیں بیدار ہو جائینگی اور انہیں دوبارہ زندگی حاصل ہو جائیگی ۔ ہمارا دور اس پر شاہد ہے کہ یورپ کی اقوام کس طرح کمزور اقوام (بالخصوص مسلمانوں کے ممالک) میں پہنچیں تاکہ ان کا خون پیا جائے ۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ کمزور اقوام انہی سے سبق سیکھکر ان کے مقابلہ میں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس طرح دوبارہ زندگی سے متمتع ہو گئیں۔ اس حقیقت کو اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ۔ نیز دیکھئے صفحہ ۱۸۰۶ جلد چہارم عنوان ج ج ج

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

اسی طرح ان ''یا جرج و ما جوج،، اقوام کی تلاطم انگیزیاں ان مردہ اقوام کیلئے حیات نو کا باعث بن گئیں اور یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (۲۱/۹۵،۹۶) لیکن اگر ہم یا جوج و ما جوج کو ان کے علاقہ کے ساتھ مخصوص سمجھیں تو اس سے یہ بھی اشارہ نکل سکتا ہے کہ روس کا موجودہ سیلاب

* بحوالہ ترجمان القرآن ۔ ابوالکلام آزاد ۔ جلد دوم ۔ ۹۴

جس کی رو سے وہ ساری دنیا پر چھا جانا چاہتا ہے مسلمانوں کے ممالک کی بیداری کا باعث بن سکتا ہے۔ لیکن یہ اُسی صورت میں ممکن ہوگا جب مسلمانوں کے ممالک قرآن کا معاشی نظام اپنے ہاں رائج کر لیں۔

نوٹ :۔سورۃ انبیاء کی مندرجہ بالا آیات (۲۱/۹۵-۹۶) میں حتیٰ کا ترجمہ '' یہاں تک،، کیا گیا ہے - لیکن بعض اوقات یہ حرف محض ابتدائے کلام کے لئے بھی آتا ہے اور اس کے کچھ معنی نہیں ہوتے - دیکھئے حرف حتیٰ -

ا ج ر

اَلاَجْرُ - کام کا بدلا - اَلاَجْرَۃُ - جو کچھ کام کا معاوضہ دیا جائے - کرایہ * - اِسْتِئْجَارٌ - کسی کو اجرت پر ملازم رکھنا - جیسے سورۃ قصص میں ہے۔یٰاَبَتِ اسْتَاْجِرْہُ (۲۸/۲۶) '' اے میرے باپ - اسے اجرت پر ملازم رکھ لے،، -

اَجْرٌ - کنایۃً اس تحفے کو بھی کہتے ہیں جو بیوی کو شادی کے وقت دیا جاتا ہے (جسے عرف عام میں مہر کہتے ہیں) قرآن میں ہے اٰتَیْتُمُوْہُنَّ اُجُوْرَھُنَّ (۶۰/۱۰) - یہ مفہوم لین نے قاموس کے حوالے سے دیا ہے (دیکھیں صفحہ ۱۸۰۶ جلد چہارم)

قرآن کریم نے اس قانونِ محکم کو بیان کیا ہے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے (اس دنیا میں یا اس کے بعد کی زندگی میں) وہ اس کے اعمال (کاموں) کا بدلہ ہوتا ہے - جو کام نہیں کرتا اسے معاوضہ بھی کچھ نہیں ملتا - یہ جہانِ سعی و عمل ہے جس میں مفت خوروں کا کوئی مقام نہیں - جس معاشرہ میں کسی شخص کو بغیر کام کئے کچھ مل جاتا ہے (بجز اس کے کہ وہ کام کرنے کے قابل ہی نہ رہا ہو) وہ معاشرہ خدائی قوانین کے مطابق متشکل نہیں ہوتا -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اُجرت (مزدوری) اور ٹوٹی ہوئی ہڈی کے جوڑنے کے ہیں - مزدور کی اجرت کو بھی اس لئے اَجْرٌ کہتے ہیں کہ اس سے اس کی مشقت کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں - اس کی چٹخ جانے والی ہڈیاں جُڑ جاتی ہیں -

[آیت لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (۴۲/۲۳) کے سلسلہ میں دیکھئے عنوان (ا - ل - ل) اور (ق - ر - ب) بالخصوص (ق - ر - ب)] -

---

* تاج -

ا ج ل

آ'لاَ جَلٌ ۔ کسی بات کی مدت مقررہ - آلتَّا' جِیْلٌ ۔ مدت کا تعین کرنا ۔ مدت مقرر کرنا ۔ مُؤَجَّلٌ ۔ وہ جس کے لئے مدت مقرر کی گئی ہو۔ تَا' جَّلَ اس نے تاخیر کی ۔ اَجِلَ آجْلاً ۔ وہ پیچھے ہوا، موخر ہوا - آلا' جِلٌ ۔ عاجل کی ضد ہے* ۔ آجْلٌ ۔ باعث ۔ وجہ ۔ مِنْ' آجْلِ ذَالِکَ (۵/۳۲) اسی وجہ سے ..... اَجَلٌ مدتِ معینہ کو بھی کہتے ہیں اور اس آخری حد کو بھی جہاں وہ مدت ختم ہو جاتی ہے۔ (دیکھیں ضمیمہ جلد چہارم)

قرآن میں ہے لِکُلِّ اُمَّةٍ آجَلٌ (۷/۳۴) ۔ ہر ایک قوم کیلئے (عروج و ترقی کی) ایک مدت ہوتی ہے ۔ لیکن یہ اَجَلٌ (مدت) ایک قانون کے مطابق مقرر ہوتی ہے ۔ لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ (۱۳/۳۸) ''ہر مدت کے لئے ایک قانون ہے'' اور وہ قانون یہ ہے کہ مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۷) یعنی جو قوم جسقدر نوع انسانی کے لئے منفعت بخش کام کریگی اسی قدر اسے بقا نصیب ہوگی ۔

قرآن نے اقوام عالم کے استخلاف و استبدال کے متعلق تفصیلی پروگرام دیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں قوموں کا عروج و زوال محض اتفاقیہ نہیں ہو جاتا بلکہ ایک محکم قانون کے مطابق ہوتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ ہر ایک عمل کا نتیجہ تو اُسی وقت مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن وہ محسوس شکل میں ایک مدتِ معینہ کے بعد سامنے آتا ہے ۔ عمل اور اس کے نتیجہ کے اسطرح محسوس شکل میں سامنے آنے کے درمیانی وقفہ کو بھی اجل سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اسے مہلت کا وقفہ بھی کہا جائیگا ۔ یہ وقفہ بھی قانونِ خداوندی کے مطابق متعین ہوتا ہے جیسے بیج کے درخت بننے تک کی مدت ۔

موت کے متعلق سورۃ آل عمران میں ہے کہ یہ خدا کے قانون کے مطابق وارد ہوتی ہے اور یہی قانون اس کے لئے مدت مقرر کرتا ہے ۔ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کِتَابًا مُؤَجَّلًا (۳/۱۴۵) کوئی ذی حیات خدا کے قانون کے بغیر نہیں مرتا (موت اُس کے قانون طبعی کے مطابق واقع ہوتی ہے) ۔ اور یہی قانون انسان کی عمر کی مدت کا تعین کرتا ہے ۔ یہ قانون، قانون طبعی ہے جس کے مطابق (مثلاً صحت خراب کر لینے سے) عمر کم ہو جاتی ہے اور (صحت کا خیال رکھنے اور ہلاکتوں سے بچنے سے) عمر بڑھ جاتی ہے ۔ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ (۳۵/۱۱) ''کسی بڑی عمر والے کو عمر نہیں دی جاتی اور نہ

* تاج ۔

ھی کسی کی عمر میں سے کمی کی جاتی ھے مگر (یہ سب کچھ) ایک قانون کے مطابق ھوتا ھے،، ۔ یعنی عمر کا بڑھنا اور گھٹنا سب خدا کے قانون طبعی کے مطابق ھوتا ھے ۔

عورت کی عدت کی میعاد کو بھی آجَلٌ کہا گیا ھے (۲/۲۳۱)۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ .. (۲/۲۳۱) جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت (عدت) کے قریب پہنچنے لگیں .....

ا ح د

اَلْاَحَدُ ۔ایک۔ پہلا عدد۔اَحَدٌ کوئی ایک ۔ اس کا مؤنث اِحْدٰی ھوتا ھے۔اَلْاَحَدُ اللہ کی صفت ھے اور اس معنی میں کسی اور کیلئے یہ لفظ نہیں بولا جاتا ۔(اَحَدٌ اور وَاحِدٌ میں فرق کیلئے دیکھئے عنوان وح د)۔ اَحَدٌ میں دراصل یگانہ ھونے (Uniqueness) کا پہلو نمایاں ھوتا ھے ۔ چنانچہ کہتے ھیں فُلَانٌ اَحَدُ الْاَحَدَیْنِ ۔اُسکی کوئی مثل و نظیر نہیں۔ یہ کسی کی بلیغ ترین تعریف ھو سکتی ھے *۔اِتِّحَدَ ۔مجتمع ھونا۔ متفق ھونا۔ اِتِّحَادٌ اسی کا مصدر ھے۔ اِسْتَاْحَدَ ۔ منفرد اور تنہا ھوا ۔**

قرآن میں ھے ۔ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ (۲/۱۰۲) اس کے معنی ھیں ،،کسی کو بھی،،۔اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱۱۲/۱) میں،اَحَدٌ کے معنی یگانہ۔ بے مثل و بے نظیر (Unique) ھیں ۔ ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت اسکی انفرادیت (Uniqueness) ھوتی ھے اور چونکہ خدا کی ذات ، مکمل ترین ھے اس لئے اس میں یہ صفت بھی اپنے انتہائی کمال تک پہنچی ھوئی ھے (نیز دیکھئے عنوان وحد)

ا خ ذ

اَلْاَخْذُ ۔یہ عطا (دینا) کی ضد ھے ۔ یعنی لینا ۔کسی شے کا احاطہ کر لینا ۔ بعض علمائے لغت نے کہا کہ اَخْذٌ کے معنوں میں دراصل قہر اور غلبہ کا مفہوم ھوتا ھے اور ھلاک کر دینے اور استئصال (بیخکنی کر دینے) کے معنوں میں یہ لفظ استعمال ھوتا ھے۔ نیز سزا دینے (مُؤَاخَذَةٌ) کے معنوں میں بھی ۔ * ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو احاطہ میں لے لینا ۔ وصول کرنا اور جمع کرنا ھیں ۔ ابو عبیدہ نے کہا ھے (بحوالہ ابن فارس) کہ اَلْاِخَاذُ حوض جیسی جگہ کو کہتے ھیں جہاں پانی جمع ھو

* تاج ۔ ** محیط ۔

جائے ۔ اَلْاَخِیْذُ ۔ قیدی کو کہتے ہیں ۔ اَلْاَخِیْذَۃُ ۔ غصب کی ہوئی چیز کو ۔* مَاْخَذٌ ۔ مسلک و منہاج کو ۔**

قرآن میں یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے ۔ مثلاً سورۃ آل عمران میں ہے اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ (۳/۸۱) ۔ یہاں اسکے معنی ''قبول کرنا'' ہیں ۔ سورۃ یوسف میں یہ لفظ روک لینے یا گرفتار کرلینے کے معنوں میں آیا ہے ۔ فَخُذْ اَحَدَنَا مَکَانَہٗ (۴۴/۷۸) ۔ ''تو ہم میں سے ایک کو اسکی جگہ روک لے،، سورۃ ہود میں یہ لفظ اس گرفت کے معنوں میں آیا ہے جو اعمال کے نتیجہ میں خدا کے قانون مکافات کی رو سے ہوتی ہے ۔ وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ (۱۱/۱۰۲) ''اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہوا کرتی ہے جب وہ ان بستیوں کو پکڑتا ہے جو ظالم ہوں ۔ یقیناً اسکی گرفت الم انگیز اور شدید ہوتی ہے،، ۔ سورۃ المؤمن میں ہے وَھَمَّتْ کُلُّ اُمَّۃٍ بِرَسُوْلِھِمْ لِیَاْخُذُوْہُ (۴۰/۵) ۔ یہاں اَخْذٌ کے معنی ہر قسم کی مخالفت کے ہیں جس سے اس رسول کا مشن آگے نہ بڑھنے پائے ۔ سورۂ اَنْفَال میں ہے فِیْمَا اَخَذْتُمْ (۸/۶۸) ۔ اس کے معنی ہیں جو کچھ تم نے کیا تھا یا جو کچھ لیا تھا ۔*** سورۂ کہف میں تَتَّخِذَ فِیْھِمْ حُسْنًا (۱۸/۸۶) میں اسکے معنی اچھے سلوک کرنے کے ہیں ۔ یعنی حسن کا رائہ روش اختیار کرنا ۔

ا خ ر

اٰخِرٌ (اس کا مونث اٰخِرَۃٌ ہے) ۔ اٰخِرٌ ۔ اَوَّلٌ کا مقابل ہے ۔ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ (۵۷/۳) ۔ صاحب محیط کے الفاظ میں یہ ایسی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی پہلے آنے والی چیز کے بعد آ رہی ہو لیکن اس کے بعد پھر اس جیسی کوئی اور چیز نہ آ رہی ہو ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اٰخِرٌ ایک سلسلہ کی آخری کڑی ہوتا ہے ۔ یعنے اس کے بعد پھر اس جیسی اور کڑیاں نہیں آتیں ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس زندگی کے بعد دوسری زندگی (اٰخِرَۃٌ) کو خَلْقٌ جَدِیْدٌ سے تعبیر کیا ہے ۔ (۱۳/۵ ، ۵۰/۱۵ ، ۵۶/۶۱) یعنی وہ زندگی، اس موجودہ زندگی کے تسلسل میں (اس سے ملے ہوئے) آئیگی، اس لئے اس لحاظ سے وہ اس کی آخری کڑی ہوگی ۔ لیکن اس سے موجودہ طبعی زندگی کی کڑیوں کا خاتمہ ہو جائیگا اور ایک نئے انداز کی زندگی کا آغاز ہوگا ۔ اس اعتبار سے وہ ایک نئی زندگی کی پہلی کڑی ہوگی ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** لسان العرب ۔

اسی طرح قرآنی انقلاب کے بعد انسانوں کی جو تمدنی زندگی شروع ہوتی ہے وہ بھی اگرچہ سابقہ تمدن سے متصل ہی ہوتی ہے لیکن وہ اس تمدن کی آخری کڑی ہوتی ہے۔اس سے ایک نئے انداز کا انسانی تمدن شروع ہوتا ہے۔

لہذا آخِرَۃٌ کسی سلسلہ کی آخری کڑی کو کہتے ہیں جس کے بعد نئے سلسلہ کا آغاز ہو۔ آخِرَۃُ الرَّحْلِ کجاوہ کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں جو قَادِمَۃُ الرَّحْلِ کی ضد ہے۔ آخِرَۃُ الْعَیْنِ آنکھ کے اس کونے کو کہتے ہیں جو رخسار سے متصل ہوتا ہے اور قَادِمَۃُ الْعَیْنِ اس حصے کو جو ناک سے متصل ہوتا ہے۔

"اخْرٌ" قُدُمٌ" کی ضد ہے"۔ قُدُمٌ کے معنے ہیں آگے ہونا - لہذا اُخُرٌ کے معنے ہیں پیچھے ہونا۔ تَاَخَّرَ، تَقَدَّمَ کی ضد ہوتا ہے۔ مُتَقَدِّمٌ اور مُتَاَخِّرٌ کے معنے اس سے واضح ہیں۔ قرآن میں مَا تَسْبِقُ کے مقابلہ میں مَا یَسْتَاْخِرُوْنَ (۱۵/۵) بھی آیا ہے۔ مُسْتَقْدِمِیْنَ کے مقابلہ میں مُسْتَاْخِرِیْنَ بھی (۱۵/۲۴)۔

آخَرُ (خا کی زبر کے ساتھ) غیر کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے - یعنے جو دوسرے سے مختلف ہو۔ جیسے رَجُلٌ آخَرُ۔دوسرا آدمی۔ [دوسرے کے معنے (Second) نہیں بلکہ (Another) یا (Other Than) ہیں] اسی طرح اگر ایک لائن میں کچھ آدمی کھڑے ہوں تو پہلے کے بعد دوسرا آدمی آخَرُ ہوگا۔ اور دوسرے کے بعد تیسرا آخَرُ ہوگا۔ اسی طرح یہ سلسلۂ اخیر تک چلا جائیگا۔*

اس کے بعد یہ لفظ آخَرُ مغایرت کے معنوں میں استعمال ہونے لگا*** مغایرت کے معنے ہیں جو اپنی پہلی کڑیوں سے مختلف ہو۔ سورۃ المؤمنون میں اس لفظ کے یہ معانی بڑی عمدگی سے سامنے آتے ہیں۔اس میں انسانی پیدائش کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ اس کی ابتدا مٹی کے خلاصے سے ہوئی - پھر نطفہ بنا اس سے حمل قرار پایا- پھر نطفہ سے لوتھڑا بنا۔ لوتھڑا گوشت کے ٹکڑے میں تبدیل ہوا - پھر اس میں ہڈیاں بنیں۔ ہڈیوں پر گوشت چڑھا۔ یہاں تک پیدائش کے وہ مراحل ہیں جو قانون طبعی کے مطابق سلسلہ وار چلے آتے ہیں۔ اس میں کوئی ایسی کڑی نہیں آتی جو اس قانون کی رو سے سابقہ کڑی سے الگ ہو۔

---

* آخَرُ کی تانیث اُخْریٰ ہے جس کی جمع اُخَرُ ہے (۳۹/۴۲)۔
** ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں۔
*** ناج

(حتیٰ کہ اس منزل تک حیوان کے بچے اور انسانی جنین میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا) ۔اس کے بعد ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ (۲۳/۱۴) "پھر ہم نے انسان کو ایک بالکل نئی تخلیق میں اٹھا کھڑا کیا"۔ یہاں خَلْقًا آخَرَ کے معنی یہ ہیں کہ سلسلہ تخلیق کی یہ کڑی سابقہ کڑیوں سے یکسر مختلف ہے - اس میں انسانی ذات کی طرف اشارہ ہے جو طبعی قوانین کی پیداوار نہیں ہوتی - اسے دور حاضر کی اصطلاح میں فجائی ارتقاء (Emergent Evolution) کہتے ہیں - یعنے جس میں اچانک ، غیر متوقع طور پر ایک ایسی تخلیق سامنے آ جاتی ہے جو اپنی سابقہ کڑیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے -

لہذا آخَرُ اور آخِرٌ کے معانی کے اعتبار سے انسانی زندگی کا یہ تصور سامنے آیا کہ انسانی پیکر میں آکر زندگی نے اپنی سابقہ کڑیوں سے ایک بالکل مختلف شکل اختیار کر لی - اب یہ سلسلہ اس کی طبعی موت تک جاری رہیگا - اس کے بعد ایک دوسری زندگی ہوگی جو اگرچہ اس زندگی سے بالکل متصل ہوگی لیکن اس سے موجودہ کڑیوں کا خاتمہ ہو جائیگا اور اس کے بعد زندگی ایک نیا اسلوب اختیار کریگی - جو لوگ اس زندگی کے متعلق موجودہ زندگی کے قوانین (Physical Laws) کے مطابق سوچتے ہیں انہیں اس پر یقین پیدا نہیں ہو سکتا - لیکن جو دل و دماغ ، قدرت کے اچانک انقلابات کی تخلیقی کارفرمائیوں پر نگاہ رکھتے ہیں وہ آخرت پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتے - آخرت ، اس مستقبل کا نام ہے جو انقلاب آفرینی کے ذریعے ظہور میں آتا ہے ، نہ کہ گردش دولابی (کولہو کے بیل کی حرکت) کے ذریعے - یہ انقلاب اس زندگی میں (قرآن کے ذریعے) پیدا ہوتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی بھی ایک نئے انقلاب سے ظہور میں آتی ہے -

قرآن ، اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کے مقابل قِيٰمَةٌ اور اٰخِرَةٌ کے الفاظ لاتا ہے - مثلاً خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ ..... (۲/۸۵) - اور اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ (۲/۸۶) - دنیا کے معنی ہیں قریبی (دیکھئے عنوان د - ن - و) اسی طرح وہ هٰذِهِ الْعَاجِلَةَ کے مقابلہ میں آخِرَةٌ بھی لاتا ہے - مثلاً (۷۵/۲۰) : (۷۹/۲۵) میں - یعنے پیش پا افتادہ بمقابلہ مستقبل - آخِرَ الْاَمْر - اسی طرح تَعْجَلَ اور تَاَخَّرَ بھی ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوئے ہیں (۷۵/۲۰) - نیز آخِرَةٌ بمقابلہ اُولٰى (۹۳/۴) بھی - جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے، سورۃ حجر میں مُسْتَقْدِمِيْنَ کے مقابل مُسْتَاْخِرِيْنَ کا لفظ آیا ہے (۱۵/۲۴) - یعنی پہلے چلے جانے والے اور بعد میں آنے والے - اسی

کی تشریح دوسری جگہ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ (۱۵/۵) نے کر دی ہے ۔ سورۃ شعراء میں فِی الْاٰخِرِیْنَ (۲۶/۸۴) کے معنے آنے والی نسلیں ہیں ۔

لہٰذا ''آخرت،، کے مفہوم میں، پیش پا افتادہ مفاد کے بجائے مستقبل کی خوشگواریاں ، موجودہ نسل کے بجائے آنے والی نسلیں (انسانیت عامہ)، انقلاب آفرینی کے ذریعہ ایک نئی زندگی کی نمود ، اور اس طبعی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی کے تصورات ، سب شامل ہیں ۔

اَخَّرَ ۔ یُؤَخِّرُ ۔ کسی کام کو بعد میں کرنا ۔ ملتوی کرنا ۔ موقوف کرنا (عن) ۔ مہلت دینا (اِلٰی)۔ تَاَخَّرَ پیچھے رہ جانا ۔ دوسرے کے بعد آنا۔ وَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ ..... وَمَنْ تَاَخَّرَ ..... (۲/۲۰۳) ۔ ''اور جو جلدی کر کے دو دن میں (چلا جائے) .... اور جو پیچھے رہ جائے،،

قرآن کریم نے جماعت مومنین کے متعلق کہا ہے کہ وہ آخرت (مستقبل) پر یقین رکھتے ہیں ۔ یعنے وہ مفاد عاجلہ (پیش پا افتادہ مفاد) پر گر نہیں پڑتے بلکہ ہمیشہ اپنے سامنے مستقبل کا مفاد رکھتے ہیں ۔ جو کسان بیج کے لئے رکھے ہوئے گیہوں کو چکی میں پسوا کر اس کی نرم نرم روٹیاں کھا لیتا ہے اس کی آج کی بھوک تو مٹ جاتی ہے ۔ لیکن مستقبل (آخرت) میں اس کے لئے مستقل بھوک ہوتی ہے ۔ لیکن جو کسان اس بیج کو زمین میں ڈال کر چھ سات ماہ تک برابر محنت کرتا ہے اور نہایت ثبات و تحمل سے فصل پکنے کا انتظار کرتا ہے اس کا مستقبل روشن ہو جاتا ہے اور جب یہ سلسلہ ایک چکر باندھ لیتا ہے تو اس کا حال بھی خوشگوار ہو جاتا ہے اور مستقبل بھی ۔ یہ اس لئے کہ اسے مستقبل (آخرت) پر یقین تھا اس لئے وہ مفاد عاجلہ پر لپک نہیں پڑا ۔ غور کیجئے ۔ دنیا میں وہی قوم زندہ رہتی اور آگے بڑھتی ہے جس کے سامنے مستقبل کی بہبودی ہو ۔ مومن کو مستقبل پر یقین رکھنے والا کہا گیا تھا ۔ لیکن آج اس آسمان کے نیچے جماعت مومنین (مسلمان) سب سے زیادہ عاقبت فراموش (مستقبل سے بے نیاز) ہے اور اس لئے سب سے پیچھے ۔ حالانکہ اس کا مستقبل اس قدر حدود فراموش تھا کہ اس کا احاطہ اس دنیا کی چار دیواریوں تک محدود نہیں تھا ۔ وہ موت کے بعد بھی برابر آگے چلتا تھا ۔

واضح رہے کہ ایک فرد کی زندگی میں ہر آنے والا سانس مستقبل ہے ۔ ایک قوم کی زندگی میں آنے والی نسل اس کا مستقبل ہے ۔ نوعِ انسانی کے

لئے آنے والے زمانے کی انسانیت (Humanity) اس کا مستقبل ہے، اور ان سب کے لئے اس دنیا کی طبعی زندگی کے بعد، اگلی زندگی (حیاتِ آخرت) مستقبل ہے ۔ اس کے بعد سوچئے کہ جب قرآن کریم نے مفادِ عاجلہ کے مقابلے میں آخرت پر یقین رکھنے کی تاکید کی تھی تو اس کا مفہوم کیا تھا ؟ یہی کہ فرد ہو یا قوم ۔ وہ

(۱) صرف اپنے حال ہی کو نہ دیکھے ۔ مستقبل پر بھی نگاہ رکھے۔
(۲) موجودہ نسل کی بہبود ہی پر قناعت نہ کرے۔ آنے والی نسلوں کی خوش حالی کو بھی پیش نظر رکھے ۔ اور
(۳) زندگی اس دنیا کی طبیعی زندگی کو نہ سمجھ لے ۔ موت کے بعد کی زندگی پر بھی یقین رکھے ۔

(اس کے ساتھ (د ۔ ن ۔ و) کا عنوان بھی دیکھئے) ۔

ا خ و

آ'لا'خٌ ۔ یہ لفظ آخِیَّۃٌ سے مشتق ہے ۔ رسّی یا آہنی تار کے دونوں سرے زمین میں دبا کر باقی حصے کا جو حلقہ بن جاتا تھا اسے آخِیَّۃٌ کہتے تھے۔ اس کے ساتھ جانوروں کو باندھ دیا جاتا تھا ۔ لہذا آخ کے معنے ہوئے ایک حلقہ میں بندھے ہوئے یا ایک کھونٹے کے ساتھ بندھے ہوئے ۔ یہ لفظ بھائی اور ہر اس شخص کیلئے بولا جاتا ہے جو کسی دوسرے شخص سے قبیلہ یا دین یا صفت یا معاملہ یا محبت میں مشترک ہو* ۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ 'وخی' ہے جس کے معنے قصد کے ہیں ۔ لہذا آخٌ کے معنے ہونگے ہم مقصد** ۔ اس کا مؤنث 'اخْتٌ' ہے ۔

قرآن کریم میں اِخوَانٌ بمقابلہ آعْدَاءٌ آیا ہے ۔ اِذْ کُنْتُمْ آعْدَاءً ..... فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَاناً ۔ ''تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے اپنی نعمت سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا،، (۳/۱۰۳) ۔ آعْدَاءٌ انہیں کہتے ہیں جن کے درمیان پچر (Wedge) لگ رہی ہو ۔ لہذا اِخْوَانٌ وہ ہونگے جن کے مابین کوئی چیز حائل نہ ہو۔ قرآن کے الفاظ میں فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ (۳/۱۰۳) ۔ ''اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی،، ۔ اس اعتبار سے مومن وہ ہیں جن کے قلوب ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مل چکے ہوں جس طرح بادل کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کے ساتھ گھل مل جاتا ہے *** ۔ قرآن نے تمام مومنین کو اِخْوَۃٌ

* محیط ** تاج *** (دیکھئے عنوان ا ۔ ل ۔ ف)

قرار دیا ہے ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ۔ ''یقیناً سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں،، (۴۹/۱۰) جو قرآن کی رسی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا (۳/۱۰۳) '' تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو،،۔ یہ ہے جماعت مومنین کے افراد کا باہمد گر صحیح رشتہ ۔

قرآن میں ہم قبیلہ افراد کیلئے بھی یہ لفظ آیا ہے ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صَالِحًا (۲۷/۴۵) ۔ '' ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا،، اور ہم مشرب لوگوں کے لئے بھی ۔ جیسے مُبَذِّرِیْنَ کو اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ کہا گیا ہے (۱۷/۲۷) ۔ اسی طرح اُخْتٌ ہم قبیلہ ہورت کو کہا گیا ہے ۔ جیسے حضرت مریم کو یَا اُخْتَ ھَارُوْنَ کہا گیا ہے (۱۹/۲۸) ۔ اور مثیل اور ہم مشرب کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے ، جیسے (۳۸/۲۳) میں ہم مشرب اقوام کو ایک دوسرے کی اُخْتٌ کہکر پکارا گیا ہے ۔

ا د د

اَلْاَدُّ ۔ تعجب ۔ گھبرا دینے والا معاملہ ۔ اچنبھا * ۔ اَلْاَدِیْدُ چیخنے چلانے اور پانی گرنے کی آواز کو کہتے ہیں** ۔ ہر ناخوشگوار بات جس میں شور و غوغا ہو *** ۔ یعنی ایسی بات جو لوگوں کو اسقدر ناگوار گذرے کہ اس سے اختلافی خلفشار پیدا ہو جائے اور لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگ جائیں ۔ اَدَّ الْبَعِیْرُ ۔ اونٹ بڑ بڑایا ۔ اَدَّتِ النَّاقَۃُ ۔ اونٹنی کا آہین بھرنا اور رونے کی آواز بلند کرنا ۔ اَدَّتْہُ الدَّاھِیَۃُ ۔ مصیبت نے اسے پریشانی میں ڈال دیا * ۔ تَاَدَّدَ الْاَمْرُ ۔ معاملہ سنگین ہو گیا** قرآن کریم نے عیسائیوں سے کہا ہے کہ تم نے یہ عقیدہ وضع کرکے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں ۔ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا (۱۹/۸۹) ۔ ایک نہایت افسوس ناک اور کرب انگیز بات کردی ۔ تم نے ایک بڑا ہی خطرناک اور حقیقت سوز عقیدہ ایجاد کر لیا ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا بڑا ہونا (امرِ عظیم) شدید ہونا اور بار بار ہونا ۔ نیز بدک کر بھاگ جانا ہیں ۔

اِدْرِیْس علیہ السلام

قرآن کریم نے حضرت ادریسؑ کا ذکر انبیاء کرامؑ کے زمرہ میں کیا ہے ۔ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْسَ ۔ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا (۱۹/۵۶) ۔ '' اور تو کتاب میں ادریس کا ذکر کر ۔ یقیناً وہ سچا نبی تھا،، ۔ نیز (۲۱/۸۵)

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

لیکن آپ کا تفصیلی تذکرہ کہیں نہیں آیا ۔ قیاس یہ ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت نوحؑ سے بھی پہلے کا ہے ۔ اور آپ کا نام تورات میں حنوک یا اخنوخ ہے ۔ اگر آپ حنوک ہی ہیں تو آپ حضرت نوحؑ کے اجداد میں چوتھی پشت پر آتے ہیں ۔ کیونکہ تورات نے حضرت نوحؑ کا نسب نامہ یوں لکھا ہے ۔ نوح ۔ بن لمک ۔ بن متوسلح ۔ بن حنوک ۔ (پیدائش ۔ ۵/۲۱-۲۹) ۔

ا د م

"اُدْمَۃٌ" کے معنے ہیں قرابت ۔ موافقت ۔ مل جل کر رہنے کی صلاحیت ۔ یا خود میل جول ۔ آدَمَۃٌ اور اُدْمَۃٌ کے معنے ہیں مخلوط ہونا ۔ موافق ہونا ۔ ایک دوسرے میں میل محبت ہونا ۔ اَدَمَ اللّٰہُ بَیْنَہُمْ یَأْدِمُ کے معنی ہیں خدا نے ان کے درمیان موافقت سازگاری اور ہم آہنگی پیدا کر دی ۔ اَلْاِدَامُ ہر موافق چیز کو کہتے ہیں* ۔ یعنے جو مل جل کر رہ سکے ۔ اصل میں یہ اُس چیز کو کہتے ہیں جس سے روٹی لگا کر کھائی جائے (مثلاً سالن ۔ ترکاری وغیرہ) ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں ۔ یعنی موافقت ۔ محبت ۔ مودت ۔

اَلْاُدْمَۃُ گندم گون رنگ کو کہتے ہیں** ۔ اَدَمَۃٌ ۔ اندرونِ جلد کو بھی کہتے ہیں (ابن فارس) ۔ اَدَمٌ ۔ کسی خاندان کا ایسا مثالی فرد جس سے اس کے قبیلہ کو پہچانا جائے* ۔ آدَمِیٌّ ۔ جس کی نسبت آدَمؑ کی طرف ہو ۔ انسان* ۔

ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ "آدم" *** جن کے جنت سے نکلنے کا قصہ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں آیا ہے (مثلاً ۲/۳۵) نبی تھے ۔ قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی ۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قصۂ آدم کی جو تفاصیل بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے نکلنے والا آدم کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا ۔ بالفاظِ دیگر، قصہ آدم کسی خاص فرد (یا جوڑے) کا قصہ نہیں بلکہ خود "آدمی" کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے ۔ اس داستان کا آغاز انسان کی اس حالت سے ہوتا ہے جب اس نے قدیم (Primitive) انفرادی زندگی کی جگہ پہلے پہل تمدنی زندگی شروع کی ۔ اُدْمَۃٌ کا لفظ خود اس تمدنی زندگی (Social Life) کی طرف اشارہ کر رہا ہے ۔ لہذا "آدمیت" انسانی زندگی کی اس حالت کا نام ہے جس میں اس نے مل جل کر رہنا شروع کیا ۔ اس طرح مل جل کر رہنے سے باہمی مفادات

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** مزید برآں دیکھئے تتمہ صـ۱۸۰ جلد چہارم عنوان آدم

کا تصادم ہؤا۔ اس تصادم کا حل تنہا عقل انسانی کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کا حل وحی کے ذریعے دیا گیا۔ (تفصیل ان امور کی میری کتاب ''ابلیس و آدم'' میں ملیگی)۔

قرآن کریم میں البتہ ایک مقام ایسا ہے جس میں آدم کا لفظ اس انداز سے آیا ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ کسی فرد کا نام ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ..... (۳/۳۳) ''یقیناً اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران کو (ان کی ہم عصر اقوام پر) فضیلت دی تھی .....''۔ یہاں آدم کا ذکر حضرت نوحؑ کے ساتھ آیا ہے جس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس سے مفہوم کوئی خاص فرد ہے اور وہ (حضرت نوحؑ کی طرح) نبی تھے (اگرچہ اصْطَفٰی کا لفظ قرآن میں غیر نبی کے لئے بھی آیا ہے۔ مثلاً حضرت مریم کے متعلق۔ دیکھئے (۳/۴۲)۔ اور خود اُمتِ محمدیہؐ کے متعلق۔ دیکھئے (۳۵/۳۲)۔ بہرحال جس آدم کا ذکر سورۃ آلِ عمران کی مندرجہ بالا آیت (۳/۳۳) میں آیا ہے وہ ''جنت سے نکلنے والے آدم'' سے مختلف تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نبی ہوں (اور ان کا نام آدم ہو) قرآن نے ان کا مزید تعارف نہیں کرایا۔ اس نے سلسلہ نبوت کا آغاز عام طور پر حضرت نوحؑ کے ذکر ہی سے کیا ہے۔ مثلاً سورۃ نساء میں ہے اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ (۴/۱۶۳) بے شک ہم نے تیری طرف وحی کی ہے جس طرح ہم نے نوحؑ اور اس کے بعد کے انبیاء پر وحی کی ....''۔ اگرچہ قرآن کریم سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ قوم نوحؑ میں حضرت نوحؑ سے پہلے اور انبیاء بھی آ چکے تھے (دیکھئے ۲۵/۳۸۔ و ھنوان نوحؑ)۔

ادی (ادو)

اَدَوْتَ تَفْعَلُ کَذَا۔ تو ایسا کرنے کی تدبیر کرتا رہا * اسکی اصل آدَاۃٌ ہے جس کے معنی ایسی تدبیر یا ذریعہ کے ہیں جس سے کسی تک پہنچا جاسکے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو کسی چیز تک پہنچانے یا کسی چیز کے دوسری چیز تک خود بخود پہنچ جانے کے ہیں۔

اَدّٰہُ۔ تَاْدِیَۃٌ۔ اسکو پہنچا دیا۔ اَدّٰی دَیْنَہٗ اس نے اپنا قرض ادا کر دیا۔ اَلْاَدَاءُ اسم ہے** ۔ قرآن میں ہے وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ (۲/۱۷۸)۔ ''اور احسان کے ساتھ اسکی ادائیگی کی جائے''۔

* راغب ** تاج

نیز اس کے معنی ہیں کسی کے سپرد کر دینا ۔ (جیسے امانت واپس کر دی جاتی ہے ۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا تھا أَدُّوٓا إِلَيَّ عِبَادَ اللهِ (۴۴/۱۸) ''اللہ کے بندوں کو میرے سپرد کر دے ۔'' ادائے امانت کے لئے یہ لفظ (۲/۲۸۳) میں آیا ہے جہاں کہا گیا ہے فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ ۔ ''جس کا اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہئیے کہ اپنی امانت ادا کر دے'' ۔

إِذْ

إذْ ۔ جب ۔ جسوقت ۔ جس جگہ ۔ کے معنوں میں آتا ہے ۔ یہ عموماً زمانہ ماضی (گذرے ہوئے زمانے) کے لئے آتا ہے ۔ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ (۲/۳۰) ۔ ''جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا'' ۔ یا إِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ (۲/۱۲۷) ۔ ''جب ابراہیمؑ (اس گھر کی) بنیادیں اٹھا رہا تھا'' ۔ بعض اوقات یہ ''کیونکہ'' یا ''اس لئے کہ'' کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔ مثلاً لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ (۴۳/۳۹) ''آج یہ تمہیں کچھ فائدہ نہیں دیگا کیونکہ تم زیادتیاں کیا کرتے تھے'' ۔

لین نے صحاح کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض اوقات (إذْ) زائد بھی ہوتا ہے ۔ مثلاً وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً (۲/۵۱) ۔ اس کے معنی ہیں، یہ واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو چالیس راتوں کا حکم دیا ۔ ایسے مقامات پر إذْ سابقہ واقعہ میں فصل پیدا کر دیتا ہے ۔ یعنی اس سے ایک نئی بات شروع ہو جاتی ہے ۔

يَوْمَئِذٍ ۔ اُس دن ۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (۹۹/۴) ۔ ''اس دن وہ اپنی تمام خبریں بیان کردیگی ۔''

حِينَئِذٍ ۔ اُس وقت ۔ وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ ۔ (۵۶/۸۴) اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو ۔

إِذَا

إذَا ۔ یہ کئی معنوں میں آتا ہے ۔ مثلاً :

(۱) کبھی یہ ''اچانک'' کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ۔ یعنی اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی واقعہ دفعتاً ظہور میں آ جائے ۔ خَرَجْتُ فَإِذَا الْأَسَدُ بِالْبَابِ ۔ میں باہر نکلا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے کے سامنے شیر کھڑا ہے ۔ قرآن میں ہے فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ (۲۰/۲۰) ۔ ''تو اس نے یکایک کیا دیکھا کہ وہ سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے'' ۔

(۲) کبھی اِذَا کے معنی ''پس،، کے بھی آتے ہیں۔ یعنی کسی بات کے نتیجہ میں کچھ واقعہ ہونا۔ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ (۳۰/۳۶) اور جب ان پر خود انکے اپنے ہاتوں کی لائی ہوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔

(۳) کبھی یہ شرط کے مفہوم کے ساتھ 'جب، کے معنوں میں زمانہ ماضی اور زمانہ مستقبل دونوں کے لئے آتا ہے۔ مثلاً اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱۱۰/۱) ۔ جب خدا کی مدد اور فتح آگئی (یعنی زمانہ ماضی) ۔ اور زمانہ مستقبل کی مثال فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (۳/۱۵۹) جب تو پختہ ارادہ کرلے تو اللہ (کے قانون) پر پورا پورا بھروسہ رکھ

اِذْ ۔ یہ ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں ہم اپنے ہاں کہتے ہیں کہ اگر یوں ہؤا تو اس صورت میں بات یوں ہوگی۔ سورہ مومنون میں ہے وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (۲۳/۳۴) اگر تم اپنے ہی جیسے ایک انسان کی اطاعت کروگے تو (یاد رکھو) اس صورت میں تم یقیناً سخت نقصان اٹھاؤ گے۔

اِذَا مَا ۔ جب۔ جس وقت ۔ سورہ شوریٰ میں ہے۔ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (۴۲/۳۷) اور جب کبھی غصہ میں آئیں تو دوسروں کو اپنے غصہ کے نقصان رساں اثرات سے محفوظ رکھتے ہیں۔

اذن

اُذُنٌ ۔ اُذْنٌ ۔ کے معنے ہیں کان (جسکی جمع اٰذَانٌ ہے) ۔ اَذُنٌ ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جسکے کان بڑے بڑے ہوں اور اَذُنٌ اسے کہتے ہیں جو ہر شخص کی بات سن لے اور اسے قبول کرلے* ۔ قرآن کریم میں ہے وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۔ (۹/۶۱) مخالفین، رسول کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تو کانوں کا کچا ہے ۔ اَذَانٌ کے معنے اعلان کے ہیں ۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ (۹/۳) میں اس کے معنے اعلان ہی کے ہیں ۔ اَذِنَ اِلَيْهِ وَلَهٗ کے معنے ہیں کان لگا کر سننا ۔ پسندیدگی کے ساتھ ۔ لیکن بعض کے نزدیک اسمیں پسندیدگی اور غیر پسندیدگی کی کوئی شرط نہیں ۔ خالی سننے کے لئے بھی ایسا کہا جاتا ہے ۔* لیکن بعض علمائے لغت کے نزدیک اس میں سننے کے ساتھ اطاعت کرنے کا مفہوم بھی

* تاج ۔

پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ ان کے نزدیک وَ آذِنَتْ لِرَبِّهَا (۸۴/۵) ۔ میں صرف سننا ہی مراد نہیں بلکہ اطاعت کرنا بھی ہے ۔ تَاَذَّنَ کے معنی اعلان کرنے (یا کسی کو خبر دینے) کے ہوتے ہیں ۔ لیکن بعض کے نزدیک اسکے معنے قسم کھانے کے بھی ہوتے ہیں ۔** در اصل اس میں قسم اور یقین کا پہلو نمایاں ہوتا ہے ۔ یعنی کہنے والا کہتا ہے کہ میں یقیناً ایسا کرونگا ۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں جہاں ہے وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ (۷/۱۶۷) ۔ تو اسکے معنی یا تو یہ ہیں کہ جب تیرے رب نے اعلان کیا، یا یہ کہ جب تیرے رب نے کہا کہ میں یقیناً ایسا کرونگا ۔ (خدا کے اعلان کرنے یا یقینی طور پر کہنے سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا نے اس بات کے لئے ایسا قاعدہ یا قانون بنا رکھا ہے ۔) آذِنَ بِالشَّیْءِ کے معنے ہیں کسی بات کا علم حاصل کرلینا ۔ اس سے آگاہ ہو جانا ۔ چنانچہ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ (۲/۲۷۹) کے معنے ہیں تم آگاہ اور خبردار ہو جاؤ کہ تمہارے خلاف خدا نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے ۔**

آذِنَ لَهٗ فِی الشَّیْءِ ۔ کے معنی ہیں اجازت دیدینا اور اِسْتِئْذَانٌ کے معنے ہیں اجازت طلب کرنا ۔**

اِذْنٌ کے معنے ہیں اجازت ۔ اعلان اور علم (اجازت و اعلان کا ذکر اوپر آگیا ہے ۔ علم کے ضمن میں) فَعَلَهٗ بِاِذْنِیْ کے معنے ہیں اس نے اس کام کو میرے علم سے کیا ہے ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے کان اور علم دونوں ہیں ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اِذْنٌ اور عِلْمٌ میں فرق یہ ہے کہ اِذْنٌ وہیں بولا جاتا ہے جہاں صاحب علم کا ارادہ اور مشیت بھی اسکے ساتھ شامل ہو لیکن عِلْمٌ میں اسکی شرط نہیں ۔ لہذا اِذْنُ اللّٰهِ کے معنی ہونے اللہ کا علم اور مشیت *** ۔ اس چیز کو عام اصطلاح میں ''خدا کا قانون'' کہتے ہیں ۔ (اسکی تفصیل ''مشیت'' عنوان شمی ۔ اُسکے تحت ملیگی) ۔ لہذا قرآن کریم میں جہاں اِذْنُ اللّٰهِ آئیگا اسکے معنے سیاق وسباق کے اعتبار سے خدا کے قانون کے ہونگے جسمیں اسکا علم اور مشیت دونوں آجاتے ہیں ۔ مثلاً سورۂ اعراف میں ہے وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ (۷/۵۸) ۔ ''اور اچھی زمین سے اسکی پیداوار خدا کے اذن (قانون) کے مطابق نکلتی ہے'' ۔ ظاہر ہے کہ زراعت کے متعلق خدا نے ایک قانون مقرر کر دیا ہے اور فصلیں اس قانون کے مطابق پیدا ہوتی ہیں ۔ اسی طرح سورہ الحج میں ہے ۔ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (۲۲/۶۵)

* لین ** تاج *** راغب

''وہ بادلوں (بارش) کو تھامے رکھتا ہے کہ اس کے اذن کے بغیر زمین پرنہ گرے''۔ یہاں بھی اذن سے مراد قانون خداوندی ہے جس کے مطابق مینہ برستا ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۳/۱۴۵) اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ عرف ذی حیات کی موت خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت وَمَا هُمْ بِضَارِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲/۱۰۲) پر بحث کرتے ہوئے صاحب مفردات نے لکھا ہے کہ اللہ نے انسان کے اندر یہ خصوصیت رکھدی ہے کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے وارد کردہ نقصان سے اثر پذیر ہوسکے۔ پتھر میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔ یہی خدا کا اِذْنٌ ہے* ۔ اسی کو قانون خداوندی کہا جاتا ہے۔ یعنی مختلف اشیاء میں مختلف قسم کی خصوصیات جن کی رو سے ان کا دوش زندگی متعین ہوتی ہے۔ خارجی کائنات میں اللہ کا یہ اِذْنٌ قانون کائنات کی شکل میں کارفرما ہے۔ اور جہانتک انسانوں کی تمدنی دنیا کا تعلق ہے، یہ اِذْنٌ کتاب اللہ (قرآن) کے اندر ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ (۲/۲۱۳) کے معنے ہیں اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں ان امور کے بارے میں جن میں انسان اختلاف کرتے ہیں اپنی کتاب (ضابطہ قانون) کے مطابق حق کے ساتھ صحیح راستہ کی طرف راہ نمائی کردیتا ہے۔ یہاں بِاِذْنِهٖ کے معنے ہیں کتاب اللہ (قرآن) کے مطابق یا قرآن کے ذریعے۔ اور اگر اسکے معنی عام قانون لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اپنے قانون ہدایت کے مطابق لوگوں کی راہ نمائی کر رہا ہے اور قانون ہدایت یہ ہے کہ ہدایت اسکو ملتی ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاہے۔ جو ہدایت حاصل کرنا نہ چاہے وہ گمراہ رہتا ہے (تفصیل اسکی ش-ی-أ کے عنوان میں ''مشیت'' کے تحت ملیگی) بہرکیف ''اِذْنٌ اللہ'' کے معنی ہیں خدا کا قانون خواہ وہ قانون کائنات ہو یا قانون ہدایت جو قرآن کے اندر ہے۔

أ ذ ی

اَلْاَذِيَّةُ۔ کسی چیز کا طبیعت پر ناگوار گزرنا۔ ناخوشگوار سی بات۔ خفیف سی تکلیف۔ یہ جب ذرا آگے بڑھ جائے تو ضَرَرٌ کہلاتی ہے۔ جس کے معنے سخت تکلیف، نقصان یا مصیبت کے ہیں**۔

اٰذٰی۔ یُؤْذِیْ ۔ ایذا پہنچانا۔ یعنے ایسی باتیں کرنا جو دوسرے کو ناگوار گزریں** ۔ صاحب تاج نے لکھا ہے کہ اگرچہ قیاسی طور پر اس کا مصدر اِیْذَاءٌ آسکتا ہے لیکن کلام عرب میں یہ لفظ دیکھا نہیں گیا۔

* راغب **تاج

نَاقَةٌ آذِيَةٌ ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو طبعاً ایسی ہو کہ کسی ایک مقام پر چین سے نہ بیٹھے*۔

قرآن کریم نے عورت کے حیض آنے کے متعلق کہا ہے کہ قُلْ هُوَ اَذًى (۲/۲۲۲)۔ اس میں گھناؤنا پن ۔ ناگواری ۔ ناخوشگواری اور ذرا سی بے چینی کا پہلو پایا جاتا ہے ۔ اسی لئے اس حالت میں عورتوں سے الگ رہنے کے لئے کہا گیا ہے ۔ اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (۲/۲۶۴) ۔ دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کیلئے جو کچھ تم دو اس کے بعد ایسی صورت نہ پیدا کر دو کہ تم ان کے سر پر سنگِ گراں بنکر بیٹھ جاؤ یا کوئی ایسی بات کرو جو انہیں ناگوار گزرے ۔ ایسا کروگے تو تمہاری یہ امداد تعمیری نتائج پیدا کرنے کے بجائے تخریبی نتائج پیدا کریگی ۔ یہ عمل، باطل ہو جائیگا ۔

سزا دینے کے معنوں میں یہ لفظ (۴/۱۶) میں آیا ہے ۔ جہاں کہا گیا ہے وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۔ ”اور تم میں سے جو دو اس کا ارتکاب کریں تو انہیں سزا دو“ ۔

بیماری کی تکلیف کے لئے سورۃ بقرہ میں ہے ۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ (۲/۱۹۶) ۔ ”پھر جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو“ ۔

ا ر ب

اَلْاَرْبُ ۔ اَلْاِرْبَةُ ۔ اَلْاَرْبَةُ ۔ چالاکی ۔ معاملات کی بصیرت ۔ تیز ذہانت ۔ پورا مکمل عضو جس میں سے کچھ کم نہ ہو ۔ عقل ۔ کشادگی ۔ اَرِبَ بِالشَّيْءِ ۔ کسی چیز کا ماہر ہونا ۔ اَرِبَ اِلَيْهِ ۔ اس نے شدت سے کسی چیز کی ضرورت محسوس کی یا اس کا محتاج ہوا ۔ اَلْاَرْبُ ۔ وہ فاصلہ (یا کشادگی) جو انسان کی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے مابین ہوتا ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چار ہیں (۱) ضرورت ۔ (۲) عقل ۔ (۳) حصہ اور ۔ (۴) گرہ باندھنا اور سخت کرنا ۔

اَرَّبَ الشَّيْءَ ۔ چیز کو مضبوط کر دیا ۔ مکمل کر دیا** ۔ اَلْاَرَبُ ۔ شدتِ احتیاج، ضرورت ۔ اَلْاِرْبَةُ ۔ اَلْمَاْرَبَةُ ۔ حاجت ۔ ضرورت ۔ غرض ۔ اَرَابٌ ۔ وہ اعضاء جن کی شدید ضرورت ہوتی ہے***۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى (۲۰/۱۸) ۔ اس سے میری دیگر بہت سی ضرورتیں پوری ہونگی ۔ یا میں اس سے دیگر بہت سے معاملات کو

*تاج ۔ نیز ابن فارس ۔ ** محیط *** راغب

سلجھاؤنگا۔ میں اس سے ایسی بصیرت حاصل کرونگا جس سے مشکل معاملات میں میری عقدہ کشائی ہوتی جائے۔ میں مختلف اہم اور ضروری امور میں اس سے مدد لونگا۔

سورۃ نور میں ہے غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (۲۴/۳۱) "مردوں میں سے ایسے (نوکر) جنہیں نکاح کی ضرورت نہ ہو۔ نیز دیکھئے تتمہ ص۱۸۰۷، ص۱۸۰۸ جلد چہارم۔

ا ر ض

اَرْضٌ۔ زمین۔ ہر وہ چیز جو نیچے ہو، اَرْضٌ کہلاتی ہے۔ (برعکس سَمَاءٌ کے)۔ چنانچہ اَرْضُ النَّعْلِ جوتے کے تلے کو کہتے ہیں۔ نیز ٹانگوں کا وہ حصہ جو گھٹنے سے نیچے ہو اَرْضٌ کہلاتا ہے۔ زمین کو بھی اَرْضٌ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ پاؤں کے نیچے رہتی ہے*۔

چونکہ انسانی معاش کا بنیادی ذریعہ اَرْضٌ (زمین) ہے اس لئے اَلْاَرَاضَةُ خوش حالی اور شادابی کو کہتے ہیں*۔ اَرُضَتِ الْاَرْضُ کے معنے ہیں: مین عمدہ ہو گئی۔ اس میں بہت پیداوار ہونے لگی اور اس لئے آنکھوں کو بھلی معلوم ہونے لگی*۔ جَدْيٌ اَرِيْضٌ کے معنے ہیں بکری کا موٹا اور فربہ بچہ**۔ اَلْاَرَضُ دیمک کو کہتے ہیں***۔

چونکہ اَرْضٌ نیچی چیز کو کہتے ہیں اس لئے اَرَاضَةٌ کے معنے ہیں کسی کا منکسرالمزاج یا مطیع و فرمانبردار ہو جانا**۔ اَرِيْضٌ کے معنی ہیں خلیق آدمی۔ یا نرم اور عمدہ زمین۔ اس میں خیر کا پہلو غالب ہوتا ہے (ابن فارس)۔ قرآن میں جِبَالٌ کے ساتھ اَرْضٌ کا لفظ آیا ہے۔ (مثلاً يَوْمَ تُسَيِّرُ الْجِبَالُ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (۱۸/۴۷) "جس دور میں ہم جبال کو (اپنے غلبہ اور قوت سے) ان کی جگہ سے ہلا کر الگ کر دینگے اور ارض ابھر کر سامنے آ جائیگی"۔ ان مقامات میں جِبَالٌ کے مجازی معنے ہونگے بڑے بڑے لوگ (قوم کے اکابر) اور اَرْضٌ کے مجازی معنے چھوٹے طبقے کے لوگ۔

اَرْضٌ وَسَمٰوٰتٌ کے معنی کائنات کی پستیاں اور بلندیاں ہونگے۔ اور جہاں ان الفاظ کا تعلق زندگی کے کسی پہلو سے ہوگا تو سَمَاءٌ کے معنی خدا کا کائناتی قانون اور اَرْضٌ کے معنے انسان کی معاشی زندگی ہونگے۔ قرآن نے اَرْضٌ کے متعلق کہا ہے کہ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (۷/۱۰)

* تاج۔ ** لین۔ *** راغب۔

"ہم نے تمہارے لئے زمین میں سامانِ معیشت رکھے ہیں"۔ اگر آپ غور کرینگے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ سامانِ زیست کا اصلی سرچشمہ ارض ہی ہے۔ اس لئے یہ لفظ وسائل و ذرائع رزق کے لئے استعمال ہوا ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان س - م - و)۔ اگر معاشی زندگی کو خدا کے کائناتی قانون (یا قرآن کے ضابطہ حیات) سے الگ کر لیا جائے تو وہ نہایت پست سطح کی (حیوانی) زندگی ہو جاتی ہے جس میں طبعی زندگی سے متعلق مفاد عاجلہ تو حاصل ہو جاتے ہیں لیکن انسانی زندگی کا بلند نصب العین حاصل نہیں ہوتا۔ اس قسم کی معاش کو قرآن نے عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی (۹/۶۹) ۔ "اس قریبی زندگی کی متاع" کہکر پکارا ہے۔ اور اسے رفعت (بلندی) کے مقابلہ میں پستی قرار دیا ہے۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (۷/۱۷۶) "ہم چاہتے تھے کہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق اسے (انسان کو) بلندی عطا کر دیں لیکن وہ پستی کے ساتھ چمٹ گیا"۔ اسی کو جذبات پرستی۔ خود غرضی یا نفسانیت اور مفاد پرستی کہا گیا ہے۔ یعنی صرف طبعی زندگی کے مفاد کو مقصدِ حیات قرار دے لینا۔ قرآن کے الفاظ میں وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (۷/۱۷۶) "اس نے اپنی خواہشات کا اتباع کر لیا"۔ توحید یہ ہے کہ خدا کا جو قانون خارجی کائناتی زندگی میں کارفرما ہے اسی قانون کو انسان کی معاشی زندگی کا مدار بنایا جائے۔ (یہ قانون وحی کے ذریعے ملتا ہے اور اب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے)۔ اس توحید کے معنے یہ ہیں کہ اَرْضٌ اور سَمَآءٌ میں ایک ہی قانون کو تسلیم کیا جائے۔ هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ (۴۳/۸۴) "ارض و سماء میں وہی صاحب اقتدار ہے"۔ اگر انسان اپنی معاشی زندگی کو (قانونِ خداوندی کے بجائے) اپنے خود ساختہ قوانین کے تابع رکھے تو معاشرہ میں ناہمواریوں کا جہنم پیدا ہو جاتا ہے۔ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۲۱/۲۲) "کیا انہوں نے اپنی معاشی زندگی کے لئے اور قوتوں کو صاحب اقتدار تسلیم کر رکھا ہے جن کے متعلق انکا خیال یہ ہے کہ وہ ان کی معاشی زندگی کو حیات نو عطا کر دینگے۔ اگر ارض و سماء میں اللہ کے سوا اور صاحب اقتدار ہستیاں ہوں تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اَرْضٌ (زمین) نوع انسانی کے لئے رزق کا سرچشمہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کسی فرد کی ملکیت میں نہیں جا سکتی۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (۵۵/۱۰) کے یہی معنی ہیں (یعنی ارض کو مخلوق کے فائدے کے لئے بنایا ہے) ۔ دوسری جگہ ہے مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (۷۹/۳۳) ''تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان زیست ۔ متاعِ حیات،، ۔ نہ صرف زمین بلکہ دیگر عناصر طبعی جن کے امتزاج و تعاون سے زمین سے رزق پیدا ہوتا ہے، ان سب کے متعلق فرمایا کہ یہ متاعاً لِّلْمُقْوِيْنَ ہیں (۵۶/۷۳) یعنی بھوکوں کے لئے سامان زیست ۔ لہذا کوئی نظام جس میں ارض تمام نوع انسانی کے مشترکہ فائدہ کی بجائے کسی خاص گروہ یا افراد کے فائدے کا موجب بن کر رہ جائے، قرآنی تعلیم (یعنی منشائے خداوندی) کے خلاف ہے ۔ اس لئے قرآن نے کہا ہے کہ اس رزق کے سرچشمے (یعنی زمین کی پیداوار) کو تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رکھنا چاہئیے ۔ سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ (۴۱/۱۰) ۔ وسائل پیداوار اور سامانِ زیست (مثلاً روشنی ۔ ہوا ۔ پانی ۔ زمین، قرآنی معاشرہ کی تحویل میں رہنے چاہئیں تاکہ وہ ایسا انتظام کرے جس سے تمام افراد کی ضروریات پوری ہوتی رہیں ۔ یہ وہ انقلاب ہے جسے قرآن چھٹی صدی عیسوی میں اس وقت لایا جب دنیا جاگیر داری اور زمینداری کو ہیں ''مطابق فطرت،، سمجھے ہوئے تھی ۔ دنیا نے اسوقت اس انقلاب کی اہمیت کو نہ سمجھا (اور بعد میں خود مسلمانوں نے بھی اسے پس پشت ڈال دیا) لیکن اب وہی دنیا، زمانے کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس کی طرف کشاں کشاں چلی آ رہی ہے ۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے یہ کہکر اشارہ کیا ہے کہ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ..... (۱۳/۴۱) ۔ ''کیا یہ اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ ہم کسطرح زمین کو بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھ سے چھین کر کم کرتے چلے جا رہے ہیں،، ۔ اس طرح بتدریج وہ وقت آ جائیگا جب زمین کسی فرد کے ہاتھ میں نہیں رہیگی بلکہ تمام افراد انسانیہ کی پرورش کا ذریعہ بن جائیگی ۔ یہ وہ دور ہوگا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (۳۹/۶۹) ۔ ''زمین اپنے نشو و نما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھیگی،، ۔

ا ر ک

اَلْاَرِيْكَةُ ۔ (جمع اَرَائِكُ) ۔ تخت یا مسہری جس پر پردے پڑے ہوئے ہوں ۔ یا ہو وہ چیز جس پر ٹیک لگائی جائے ۔ راغب نے کہا ہے کہ چھپر کھٹ کو اَرِيْكَةٌ کہتے ہیں ۔ اس لئے کہ وہ بالعموم اَرَاكٌ

(پیلو) کی لکڑی سے بنایا جاتا تھا۔ اَلْاَرَاکُ ایک قسم کے ترش چارہ کو بھی کہتے ہیں* ۔ قرآن میں ہے مُتَّکِئِیْنَ فِیْھَا عَلَی الْاَرَائِکِ (۷۶/۱۳) ''وہ گدے دار تختوں یا مسہریوں پر تکیہ لگائے ہونگے''۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قیام کرنے کے ہیں۔ نیز اَرَاکٌ (درخت) کے۔ علاوہ ازیں، جب زخم مندمل ہو کر باقی جسم کی سطح کے برابر ہو جائے تو اسے بھی اَرَکَ۔ یَاْرِکُ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہو جاتا ہے۔ مزید برآں دیکھئے تتمہ صـ۱۸۰۸ جلد چہارم۔

ا ر م

اَلْاَرَامُ۔ (واحد اَرَمٌ) نشاناتِ راہ۔ یا کسی چیز پر کوئی نشان بنا دینا تاکہ وہ پہچانی جا سکے* ۔ پتھروں کو اَرَمٌ کہتے ہیں**۔

قرآن میں قوم عاد کے متعلق ہے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۸۹/۷)۔ اِرَمٌ اس مقام کا نام ہے جہاں وہ رہتے تھے۔ (ذَاتِ الْعِمَادِ کے لئے دیکھئے عنوان ع ـ م ـ د)۔ راغب نے کہا ہے کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ سے وہ بلند ستون مراد ہیں جن پر نقش و نگار ہوتے تھے**۔ بعض محققین کا یہ خیال بھی ہے کہ قوم عاد کے مورثِ اعلیٰ کا نام اَرَم تھا جو سَام کا بیٹا تھا۔ اس اعتبار سے عاد اور اَرَم ایک ہی قوم کا نام ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عاد)۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَلْاَرُوْمَۃُ درخت کی جڑ یا انسان کے حسب نسب کو کہتے ہیں***۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں چیزوں کا اوپر تلے رکھتے چلے جانا۔ اس میں ترتیب اور بلندی (دونوں) کا مفہوم آ جاتا ہے۔

ا ز ر

اَلْاَزْرُ۔ پشت۔ قوت* ۔ قرآن میں ہے۔ اشْدُدْ بِہٖ اَزْرِیْ (۲۰/۳۱)۔ اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے۔ میری قوت کو مستحکم کر دے۔ اَلْاِزْرُ۔ اصل و بنیاد۔ اَلْاِزَارُ۔ پہرہ چیز جو تمہارے بدن کیلئے ستر کا کام دے۔ اَلْمُؤَازَرَۃُ۔ آمنے سامنے ہونا۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ کھیتی کا ایک دوسرے کے ساتھ گتھ جانا اور اس طرح بڑے پودوں کا چھوٹے پودوں کو تقویت دینا*۔ آزَرَ کے معنی ہیں جڑ اور بنیاد کو مضبوط کرنا۔ سورۃ فتح

* تاج۔ ** راغب۔ *** محیط۔

میں (شجر اسلام کے متعلق) ہے فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ (۴۸/۲۹) ۔ (اس کھیتی کی طرح جو پہلے اپنی سوئی نکالتی ہے) پھر اپنی جڑ کو مضبوط کرتی ہے ۔ اسطرح وہ موٹی ہوتی چلی جاتی ہے ۔

آزَرُ ۔ ایک بت کا نام تھا جس کے محافظ حضرت ابراہیمؑ کے باپ تارخ تھے ۔ اس بت کی نسبت سے انکا لقب آزَرُ تھا ۔ بعض نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے چچا کا نام تھا، یا کسی اور بزرگ کا ۔ لیکن قرآن میں لِاَبِیْہِ آزَرَ (۶/۷۴) آیا ہے ۔ چونکہ اس مقام پر کوئی اور معنی لینے کا قرینہ نہیں اس لئے یہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ ہی تھے ۔ بعض کہتے ہیں کہ تارخ ہی کو معرب کرکے آزر بنا لیا گیا* ۔ لیکن یہ بڑی ضعیف سی بات ہے ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آزَرُ کے معنے ضَالٌّ (گمراہ) کے ہوتے ہیں** ۔ لیکن قرآن نے اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال نہیں کیا ۔ (نیز دیکھئے عنوان ابراھیم) ۔

ا ز ز

اَلْاَزِیْزُ ۔ تیزی اور حدت ۔ گرج ۔ اَزَّ النَّارُ یَؤُزُّ ہَا ۔ اس نے آگ کو روشن کر دیا اور بھڑکا دیا ۔ اَزَّتِ الْقِدْرُ ۔ ہانڈی میں سخت ابال آ گیا ۔ اَزَّتِ السَّحَابَۃُ ۔ بادل زور سے گرجا ۔ اَلْاَزُّ ۔ رگ کا پھڑکنا ۔ ہر انگیختہ کرنا ۔ بھڑکانا* ۔ سورۃ مریم میں ہے تَؤُزُّہُمْ اَزًّا (۱۹/۸۳) ۔ وہ (شیاطین) کفار کو اکساتے اور بھڑکاتے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تحرک ۔ تحریک ۔ اور کسی چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑ دینا ہیں ۔ نیز اس کے معنی کسی کو کسی دوسرے کے خلاف اسطرح اکسانا ہیں کہ جسے اکسایا جائے اسے محسوس تک نہ ہو کہ اس سے کیا کام لیا جا رہا ہے ۔

ا ز ف

اَزِفَ التَّرَحُّلُ ۔ روانگی کا وقت قریب آ گیا ۔ اَزِفَ الرَّجُلُ ۔ آدمی نے جلدی کی ۔ اَلْاٰزِفَۃُ ۔ قریب قریب اور یکساں قدم رکھنا ۔ اَلْاَزِفُ ۔ جلد ہونے والی چیز ۔

قرآن میں ہے اَزِفَتِ الْاٰزِفَۃُ (۵۳/۵۷) آنے والی ساعت قریب آ پہنچی ۔ یعنے اعمال کے ظہور نتائج کا وقت ۔ اسی کو دوسری جگہ ۔ یَوْمَ الْاٰزِفَۃِ

* تاج ۔ ** راغب

(۴۷ : ۱۸) کہا گیا ہے ۔ یعنی وہ ''آنے والی ساعت،، ۔ انقلاب کی گھڑی ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں زا کے ساتھ ہمزہ آئے ان میں سختی اور تنگی کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی قریب اور نزدیک ہونے کے لکھے ہیں ۔

استبرق

اِسْتَبْرَقٌ ۔ موٹے ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایسا دبیز ریشمی کپڑا ہوتا ہے جس پر سونے کا کام کیا گیا ہو* ۔ قرآن میں سُنْدُسٌ اور اِسْتَبْرَقٌ (۱۸ : ۳۱) ۔ اہل جنت کے عمدہ لباس کے لئے آئے ہیں ۔

صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ جوہری نے اس لفظ کا مادہ برق بتایا ہے۔ اگر یہ برق سے ہے تو ممکن ہے اس میں بجلی کی چمک کا استعارہ ہو۔

اسحٰق علیہ السلام

حضرت ابراہیم ؑ کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے ۔ فرزند اکبر حضرت اسمعیل ؑ حضرت ہاجر کے بطن سے تھے ۔ اور چھوٹے بیٹے (حضرت اسحٰق ؑ) حضرت سارہ کے بطن سے ۔ حضرت اسمعیل ؑ حجاز کی وادی غیر ذی زرع میں بسے اور حضرت اسحٰق ؑ کے حصہ میں فلسطین کی سرداری آئی ۔ اللہ تعالےٰ نے انبیائے کرام ؑ کے زمرہ میں آپ کا ذکر کیا ہے .... مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ..... (۲ : ۱۳۶) ۔ ''اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیم ۔ اسماعیل اور اسحٰق کیطرف،، ۔ انبیائے بنی اسرائیل آپ ہی کی اولاد میں سے تھے ۔ (نیز دیکھئے عنوان ابراہیم)

ا س ر

اَلْاِسَارُ ۔ وہ تسمہ یا رسّی وغیرہ جس سے کسی چیز کو باندھ لیا جائے ۔ اَلْاَسْرُ کسی چیز کو رسی وغیرہ سے باندھ لینا ۔ نیز بندش ۔ ساخت اور خلقت ۔ اَلْاَسِیْرُ ۔ قیدی ۔ باندھا ہوا (آدمی) ۔ اسکی جمع اُسَارٰی اور اَسْرٰی آتی ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی روک دینے اور قید کر دینے کے ہیں ۔

* تاج و محیط ۔

باندھنے کے مفہوم سے اس کے معنے مضبوط اور مستحکم ہونے کے بھی آتے ہیں* ۔ قرآن میں اَسَارٰی کا لفظ قیدیوں کے لئے آیا ہے ۔ وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی ''اور اگر وہ قید ہو کر تمہارے پاس آئیں'' ۔ (۲/۸۵) ۔ سورۃ الدھر میں ہے نَحْنُ خَلَقْنٰھُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَھُمْ (۷۶/۲۸) ۔ ''ہم نے انہیں (انسانوں کو) پیدا کیا اور ان کے اَسْرٌ کو مضبوطی سے جکڑ دیا'' ۔ اَسْرٌ کے معنے انسانی جسم یا ہیئت (Form) کے ہیں ۔ دور حاضرہ کی علمی تحقیقات کی روشنی میں نظر آتا ہے کہ یہ لفظ حقیقت کے ایک بہت بڑے گوشے کو بے نقاب کرتا ہے ۔ ہم کسی چیز کو محسوس نہیں کر سکتے جب تک اسکی کوئی (Form) نہ ہو ۔ سائنس کی تحقیق نے بتایا ہے کہ مادہ (Matter) در حقیقت کسی ٹھوس چیز کا نام نہیں ۔ یہ (Atoms) کا مجموعہ ہے جو ایک خاص نظام کے ماتحت ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوتے ہیں ۔ اگر ان میں یہ باھمی جکڑ بندی نہ رہے تو کسی شے کی (Form) باقی نہیں رہ سکتی ۔ لہذا یہ اَسْرٌ (باھمی جکڑ بندی) ہی ہے جس سے اشیاء کا وجود قائم ہے ۔ سرجیمز جینس نے اسے ''مقیّد لہروں'' (Bottled-up Waves) سے تعبیر کیا ہے ۔ اسی کو قرآن نے شَدَدْنَآ اَسْرَھُمْ کے جامع الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سین کے ساتھ ہمزہ آئے ان میں قوت اور شدت کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ اس اعتبار سے اس مادہ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔

اسرائیل علیہ السلام

حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا ۔ (۳/۹۳) ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''یعقوب'' ۔ بنی اسرائیل کیلئے عنوان ''بنی اسرائیل'' دیکھئے ۔

ا س س

اَلْاَسُّ ۔ اَلْاَسَاسُ ۔ عمارت کی بنیاد جہاں سے تعمیر شروع ہوتی ہے ۔ جمع اَسَاسٌ ۔ اَلْاَسِیْسُ ۔ ھر چیز کی اصل ۔ اَلتَّاْسِیْسُ ۔ عمارت کی بنیادیں ڈال دینا ۔ ** نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سین اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں قوت اور شدت کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اپنی جگہ پر ثابت اور قائم ہونا ۔ سورۃ توبہ میں ہے اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی (۹/۱۰۸) (وہ مسجد) جس کی بنیاد تقوٰی پر رکھی گئی تھی ۔

* تاج ۔ **تاج و محیط

آلاسُّ ۔ انسان کے دل کو بھی کہتے ہیں ۔* اور اس راکھ کو بھی جو کاروان کے منزل سے کوچ کر جانے کے بعد پیچھے رہ جاتی ہے ۔ اس سے اسکے معنے کسی چیز کے اثر یا نشان کے لئے جاتے ہیں ۔ خُذْ آسَّ الطَّرِیْقِ کسی سے اس وقت کہتے ہیں جب اس سے صحیح راستہ تک پہنچنے کے لئے دیگر نشانات و قرائن سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے کہا جائے ۔

ا س ف

آلاَسَفُ ۔ کسی چیز کے کھو جانے پر شدید ترین حزن کو کہتے ہیں*۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سین اور ہمزہ حاتھ آئیں ان میں شدت اور قوت کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف آئے غَضْبَانَ آسِفاً (۷/۱۵۰) ۔ ''غصہ میں بھرے ہوئے ۔ افسوس کرتے ہوئے'' ۔ راغب نے کہا ہے کہ آسَفُ سے مطلب انتقام کے جذبہ کے ماتحت خونِ دل کا جوش کھانا ہے ۔ اگر یہ کیفیت اپنے سے کمتر کے لئے پیش آئے تو غَضَبٌ کہلاتی ہے اور اگر اپنے سے برتر کے لئے پیش آئے تو حُزْنٌ کہلاتی ہے*۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق فرمایا ہے فَلَمَّا اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ (۴۳/۵۵) ۔ جب انہوں نے ہمیں ''ناراض کیا ، تو ہم نے انہیں ان کے جرموں کی سزا دی ۔ (اللہ کے ''ناراض ہونے'' کے لئے عنوان (غ ۔ ض ۔ ب) دیکھئے) ۔

سورۃ یوسف میں حضرت یعقوبؑ کا قول ہے یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ (۱۲/۸۴) ۔ وائے افسوس! یوسف!!۔ لہذا عام حالات میں اس کے معنے حزن و تاسف کے ہونگے ۔ اَرْضٌ آسِیْفَةٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کچھ پیدا نہ ہو ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی فوت (یعنی ہاتھ سے نکل جانا) اور حسرت و تاسف بتائے ہیں ۔ اَلْجَمَلُ الْاٰسِیْفُ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو فربہ نہ ہوتا ہو (ابن فارس) ۔ آسِیْفٌ غلام کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی آزادی پر ہمیشہ محزون رہتا ہے ۔ نیز جلد غمگین ہو جانے والے رقیق القلب آدمی کو بھی*۔

اسمٰعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے ۔ حضرت ہاجر کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ ۔ اور حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحٰقؑ ۔ حضرت اسمٰعیلؑ بڑے بیٹے تھے ۔ انہی کو حضرت ابراہیمؑ ، اپنے خواب کو

* تاج ۔

حکم خداوندی سمجھ کر خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے لے گئے تھے (۳۷/۱۰۲) لیکن خدا نے انہیں وقتی قربانی کے بجائے، عمر بھر کی قربانی کے لئے زندہ رکھا (۳۷/۱۰۷) ۔یہ بڑی قربانی (ذبح عظیم)تھی ، بیت اللہ کی تولیت۔خانہ خدا کی پاسبانی۔ چنانچہ ان دونوں باپ بیٹوں (حضرت ابراھیم ؑ اور حضرت اسمٰعیل ؑ) نے ملکر کعبہ کوتعمیر کیا (۲/۱۲۷) اور اس کے بعد حضرت اسمٰعیل ؑ اسکی پاسبانی کے لئے وھیں بس گئے ۔ خدا نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا (۱۹/۵۴)۔ اور صَادِقَ الْوَعْدِ (۱۹/۵۴) کہکر پکارا ۔ ''اسمٰعیل'' عبرانی لفظ شماع (سماع سننا) اور ایل (خدا) سے مرکب ھے۔چونکہ آپ کی پیدائش حضرت ابراھیم ؑ کی دعاؤں کا نتیجہ تھی اس لئے آپ کا نام اسمٰعیل (اللہ کا سننا) رکھا گیا ۔ آپ کی اولاد میں حضور خاتم النبیین ؐ پیدا ھوئے ۔

ا س ن

آسَنَ الْمَاءُ یَاْسِنُ ۔ پانی کی بو، رنگ یا مزے کا بگڑ جانا ۔آ لْاَسِنِ وہ پانی جو دیر تک ٹھہرا رھنے کی وجہ سے متغیر ھوگیا ھو*۔قرآن میں جنت کی انہار کے متعلق ھے مِّنْ مَّاءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ (۴۷/۱۵) ''ایسے پانی کی نہریں جو بگڑتا نہیں'' ۔ اسلئے کہ جنتی معاشرہ میں کسی چیز کو روک کر نہیں رکھا جاتا ۔ استعمال کی ھر شے گھومتی پھرتی اور رواں دواں جاری رھتی ھے۔ یہ تو جہنمی معاشرہ ھے جس میں یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷/۷) کی کیفیت پیدا ھوتی ھے ۔ یعنی رزق کے جن چشموں کو بہتے رھنا چاھئیے انہیں ارباب قوت و اقتدار اپنے ذاتی مفاد کے لئے روک رکھتے ھیں اور اسطرح رکنے سے ان میں تغیر واقع ھوجاتا ھے ۔

[آخرت کی جنت کی کیفیات کو ھم اس دنیا میں نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن قرآن صرف آخرت کی جنت و جہنم ھی کے متعلق گفتگو نہیں کرتا ۔ وہ اس دنیا کی جنت اور جہنم کا بھی ذکر کرتا ھے ۔ تفصیل جنت (ج۔ن۔ن) اور جہنم کے عنوانوں میں ملیگی]۔ اس دنیا کے جنتی اور جہنمی معاشرہ کو ھم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ھیں ۔ آخرت کی جنت اور جہنم پر ھمارا ایمان ھے ۔ قرآن کریم میں ان کا بیان تمثیلی ھے ۔ (۴۷/۱۵ ؛ ۱۳/۳۵)

ا س ی**

آسِیْتُ عَلَیْہِ ۔ میں اس پر غمگین ھوا ۔ رَجُلٌ اٰسٍ وَاٰسِیَانٌ وَاٰسُوَانٌ ۔ غم کرنے والا آدمی ۔ اٰسٍ (اَلْاَسِیُ) طبیب و معالج کو کہتے

* تاج و راغب و محیط ** اس میں مادہ (ا۔س۔و) بھی شامل ہے ۔

ھیں)۔ اِمْرَاَۃٌ اٰسِیَۃٌ ۔ غم کرنے والی عورت*۔ قرآن میں ہے فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (۵/۲۶) ۔ ”تو قوم فسقین (کی تباہی) پر غمگین نہ ہو“ ۔

آسَاہُ بِمُصِیْبَۃٍ تَاْسِیَۃً ۔ اس کی مصیبت میں اس کو تسلی دی۔ فَتَاَسّٰی ۔ پس اسے تسلی ہو گئی*۔ لہذا آسَی کے معنے (راغب کے الفاظ میں) غم کے ہوئے اور تَاْسِیَۃٌ کے معنی غم کو دور کرنے کے ۔ چنانچہ اَلْاَسْوُ زخم کی دوا کرنے کو کہتے ہیں ۔ اَلْاَسِیَّۃُ ۔ دوائیں۔ یہ الاَسْوُ کی جمع ہے ۔

اَلْاَسِیُّ ۔ جس کی دوا کی جائے **۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اسو کے بنیادی معنی دوا دارو کرنا ہیں اور اسی کے معنی رنج و غم ہیں ۔

راغب نے کہا ہے کہ اُسْوَۃٌ و اِسْوَۃٌ کے معنے وہ حالت ہیں جس پر کوئی شخص کسی کا اتباع کرتے وقت ہوتا ہے، خواہ وہ اچھی ہو یا بری، مسرت بخش ہو یا تکلیف دہ ۔ نیز وہ چیز جس سے غمگین آدمی تسلی حاصل کرے۔ جس سے اس کا غم زائل ہو جائے ۔ جس سے اس کے دکھوں کا مداوا ہو جائے***۔اَسْوَتُہٗ بِہٖ ۔ میں نے اسے اس کے لئے قابل تقلید نمونہ قرار دیا ۔ جنگ احزاب میں جن لوگوں نے دون ہمتی اور عدم استقلال کا ثبوت دیا تھا ان سے کہا گیا کہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (۳۳/۲۱) تمہیں وہی کچھ کرنا چاہئے تھا جو رسول اللہ نے کیا ۔ جس طرح وہ ہمت و استقلال سے قانون خداوندی سے کامل ہم آہنگی کے ساتھ تمام مصائب کا مقابلہ کرتے رہے تمہیں بھی اسی طرح کرنا چاہئے تھا ۔ ان کی مثال تمہارے لئے نہایت عمدہ نمونہ تھی ۔ اس سے تمہیں اپنی مشکلات میں تسلی حاصل کرنا چاہئے تھی ۔ اسی طرح دوسری جگہ حضرت ابراہیم کا ذکر ہے کہ انہوں نے کس طرح نظام خداوندی کے مخالفین سے علانیہ کہدیا کہ ہمارا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں ۔ اس ضمن میں کہا گیا کہ قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ (۶۰/۴) ۔ ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی یہ روش تمہارے لئے قابل تقلید نمونہ ہے ۔ اس سے تمہارے دکھوں کا مداوا ہوگا ۔ چنانچہ قرآن میں کئی مقامات پر مومنین سے کہا گیا ہے کہ تم اس نظام کے مخالفین سے کبھی دوستی کا رشتہ نہ رکھو۔ انہیں راز دار نہ بناؤ ۔ مثلاً (لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ (۳/۱۱۸) ۔ ”تم اپنوں کے سوا کسی کو راز دار نہ بناؤ“

* تاج ۔ ** تاج و راغب *** محیط ۔

آلْمُوَاسَاۃُ ۔ کا مفہوم یہ ہے کہ تم دوسرے کو اپنی جگہ پر سمجھو اور جس قدر اپنے لئے نفع حاصل کرنے اور مضرات کو دفع کرنے کی کوشش کرو اتنی ہی اس کے لئے کرو ۔ اور اِیْثَارٌ یہ ہے کہ تم اسے اپنے آپ پر بھی ترجیح دو*** ۔ قرآن کریم اِیْثَارٌ کی تعلیم دیتا ہے یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ ۔ ''وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔'' (۵۹/۹) ۔ اسی اصول پر قرآن کریم کے نظام ربوبیت کی بنیاد ہے * ۔

ا ش ر

آشِرَ ۔ یَاْشَرُ ۔ اَشْرًا ۔ بہت زیادہ اترانا اور اکڑنا ۔ خود پسندی کے ساتھ خوش ہونا ۔ در اصل اَشَرُ الْمِنْجَلِ درانتی کے دندانوں کو کہتے ہیں ۔ اور اَلْمِئْشَارُ ۔ آرے کو ۔ اس لئے اَشِرٌ ایسی خود پسندی اور اکڑفوں ہے جو دوسروں کو کاٹتی چلی جائے ۔ یعنے شدت کی خود پسندی اور تکبر جس میں انسان عقل کی حدود سے نکل جائے ** ۔

قرآن کریم میں ہے بَلْ ھُوَ کَذَّابٌ اَشِرٌ (۵۴/۲۵) ۔ یہ اَشِرَ ۔ یَاْشَرُ سے ہے اور اس کے معنے انتہائی متکبر اور خود پسند کے ہیں ۔ ''وہ سخت جھوٹا اور بڑا خود پسند ہے'' ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی حدت اور تیزی کے لکھے ہیں ۔

اَصْحَابُ الْاُخْدُوْد

قوم تُبَّع کے حاکم ذونواس کا وہ لشکر جس نے بڑی بڑی خندقوں میں آگ جلا کر عیسائیوں کو اس میں جھونک دیا تھا ۔ (۸۵/۴) ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ت ۔ ب ۔ ع) اور (خ ۔ د ۔ د) ۔

اصحابُ الْاَیْکَہ

وہ قوم جس کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے اَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ کے نام سے پکاری گئی ہے ۔ (۱۵/۷۸) ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''شعیبؑ'' ۔

---

* تفصیل کے لئے دیکھئے میری ''کتاب نظام ربوبیت'' ** تاج و راغب *** محیط

اَصْحَابُ الْحِجْرِ

حضرت اسمٰعیلؑ کے بڑے بیٹے کا نام نَبایط تھا ۔ ان کے خاندان کو نبط (جمع انباط) کہا جاتا ہے ۔ شام و عرب کی حدود پر ان کی حکومت کے آثار ملتے ہیں ۔ تورات میں (حزقیل نبی کے صحیفہ میں) نبط کا ذکر آیا ہے ۔ پہلے ان کا دارالسلطنت رَقیم تھا ۔ لیکن جب اس پر رومیوں نے قبضہ کر لیا تو یہ وادی قریٰ میں شہر حِجر کیطرف منتقل ہو کر آ گئے ۔ اسی نسبت سے انہیں اَصْحَابُ الْحِجْرِ کہا گیا ہے ۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ انہوں نے خدا کے رسولوں کی تکذیب کی اور عذاب میں ماخوذ ہو گئے (۱۵/۸۰-۸۴) ۔

چونکہ ان سے پہلے قوم ثمود کا مرکز بھی حجر کا شہر رہ چکا تھا اس لئے بعض مورخین کا خیال اسطرف بھی گیا ہے کہ قرآن کریم کی محولہ بالا آیات میں اصحاب الحجر سے مراد قوم ثمود ہی ہے ۔ لیکن قیاس غالب یہی ہے کہ ان سے مراد قوم نبط ہے جس کے عروج و زوال کی داستانیں آج بھی حجر کے کھنڈرات کی اینٹوں پر منقوش ملتی ہیں ۔

اَصْحَابُ الرَّسِّ

حضرت اسمٰعیلؑ حجاز میں سکونت پذیر ہوئے تھے ۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے جو اپنے اپنے خاندانوں کے رئیس تھے ۔ ان میں سے ایک کا نام قیدماہ تھا ۔ اصحاب الرَّسِّ انہی کی اولاد میں سے قیاس کئے جاتے ہیں ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ قوم ثمود کا ایک قبیلہ تھا ۔ قرآن کریم نے تکذیب رسل کے سلسلہ میں دو مقامات پر ان کا نام لیا ہے ۔ یعنی (۲۵/۳۸) اور (۵۰/۱۲) میں ۔

اَصْحَابُ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ

وہ نوجوان جنہوں نے آسمانی انقلاب کے سلسلہ میں ایک غار میں جا کر پناہ لی اور وہاں اس انقلاب کی تیاریاں کرتے رہے ۔ قرآن کریم میں ان کا ذکر سورۂ کہف میں آیا ہے (۱۸/۹-۲۶) ۔ تفصیل ان امور کی میری کتاب ''شعلہ مستور'' میں ملیگی ۔

زمانۂ قدیم میں نبطی حکومت کا دارالسلطنت رقیم کا شہر تھا ۔ جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا علاقہ فتح کیا تو اس شہر کو شہرت حاصل

ہوئی ۔ لیکن رقیم کے نام سے نہیں بلکہ پیٹرا کے نام سے ، جسے عربوں نے اپنے ہاں بطرا کہکر پکارا ۔ دور حاضر کی اثری تحقیقات نے اس شہر کے کھنڈرات کا سراغ لگا لیا ہے جہاں سے پرانے غاروں کے اندر خانقاہوں کے آثار ملے ہیں ۔ یہ شہر اس شاہراہ پر واقع تھا جو حجاز سے شام کیطرف جاتا تھا ۔ اسلئے نزول قرآن کے وقت عرب، اصحاب کہف (غاروالوں) یا اصحاب الرقیم (بطرہ والوں) کے قصہ سے آشنا تھے، لیکن انہی تفاصیل کے ساتھ جو لوگوں میں عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں ۔ قرآن کریم نے (جزئیات میں گئے بغیر) اصل حقیقت سے پردہ اٹھایا اور بتایا کہ ان نوجوانوں کے پیش نظر مقصد کیا تھا اور بعد میں لوگوں نے کیا سمجھ لیا اورانہیں کیا سے کیا بتا دیا ۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ر ۔ ق ۔ م)

ا ص د

اَلصَّد ۔ اس نے بند کیا (دروازہ وغیرہ)۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے اندر شامل ہو جانا ہیں ۔ اس سے اَلاَصِیْدُ باڑے کو کہتے ہیں جس میں جانور بند کئے جاتے ہیں ۔ قرآن کریم میں مُّؤْصَدَةٌ آیا ہے (۱۰۴/۸) ۔ جس کے معنی ہیں بند کی ہوئی یا مشتمل ۔

اہل لغت کا کہنا ہے کہ یہ وصد کا ایک لغت ہے * ۔ اس لئے ہم نے احتیاطاً اسے وہاں (و ۔ ص ۔ د میں) بھی لکھ دیا ہے ۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ بھی ایک مستقل مادہ ہے ۔

ا ص ر

اَلاَصْرُ ۔ کسی چیز کو باندھ دینا ۔ زبردستی روک دینا ** ۔

اَلاَصِیرَةُ ۔ چھوٹی سی رسی جس سے خیمے کا نچلا حصہ باندھ دیا جائے *** ۔

اَلاِصْرُ ۔ محکم عہد جس سے انسان بندھا ہوا ہو ۔ نیز اس کے معنے بوجھ کے ہیں *** ۔ سورۃ اعراف میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ (۷/۱۵۷) ۔ وہ اس بوجھ کو اتار دیگا جس کے نیچے نوع

*تاج و اقرب الموارد ۔ ** راغب *** محیط ۔

انسانی دبی چلی آ رہی ہے - اور ان گراں بار پابندیوں کو اٹھا دیگا جو انسانوں کے لئے نا قابل برداشت ہوں - اور اس طرح انسانیت کو صحیح حریت فکر و عمل عطا کر دیگا - یہی وہ اِصْرٌ ہے جس سے آزاد رہنے کی آرزو ہمیں سکھائی گئی ہے "وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا (۲/۲۸۶)-" اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال،، یہی وہ حقیقی آزادی ہے جسے قرآن عطا کرتا ہے - یعنے اطاعت صرف خدا کے قانون کی ہوگی ، اس کے علاوہ دنیا میں کسی اور کے حکم کی اطاعت نہیں ہوگی، خواہ وہ مذہبی پیشوا ہوں یا دنیاوی ارباب اقتدار (۳/۷۸) - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی روکنے اور جھکانے کے لکھے ہیں - یعنی کسی کو محکوم بنا لینا - راغب نے کہا ہے کہ اَلْاِصْرُ سے مراد وہ امور ہیں جو بھلائیوں اور نیکیوں کی راہ میں مانع اور حائل ہوتے ہیں اور ان تک پہنچنے نہیں دیتے۔

ا ص ل

اَلْاَصْلُ - کسی چیز کا سب سے نچلا حصہ - اَصْلٌ - کسی چیز کی بنیاد یا جڑ * - قرآن کریم میں یہ لفظ فَرْعٌ کے مقابلہ میں آیا ہے - اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (۱۴/۲۴) - جس کے معنی شاخ کے ہیں۔

اِسْتَاْصَلَهُ - اس کو جڑ سے اکھیڑ دیا* - یا کاٹ دیا** -

اَلْاَصِيْلُ (جمع اَصَالٌ) عصر سے مغرب تک کا وقت* - قرآن کریم میں ہے بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (۷/۲۰۵) - صبح اور شام - ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے معنی شام کے بعد کا وقت ہیں - غالباً رات کے نچلے حصے کی جہت سے اسے ایسا کہتے ہیں - راغب نے کہا ہے کہ اَصْلٌ کسی چیز کے اس بنیادی حصے کو کہتے ہیں کہ اگر اسے مٹا دیا جائے تو وہ ساری چیز ختم ہو جائے - اس اعتبار سے عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کو اَلْاَصِيْلُ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے چلے جانے سے دن ہی ختم ہو جاتا ہے -

ا ف ف

اَلْاُفُّ - ہر گندی مکروہ اور حقیر چیز کو کہتے ہیں - میل کچیل - ناخن کی کترن - ناخن یا کان کا میل - نیز کپڑے پر پڑی ہوئی مٹی یا راکھ وغیرہ کو پھونک مار کر صاف کرنے کے لئے اُفٍّ بولا جاتا ہے - غالباً پھونک مارنے کی آواز کی جہت سے ، اَلْاُفَّةُ بزدل کو کہتے ہیں - یا اُسے جس کے پاس کچھ نہ ہو - جس کے پاس کم مال ہو - گندا آدمی - اَلْاَفَفُ - اُکتا جانا - اَلْاَفُّ - بد بو - اَفَّ - يَؤُفُّ - بے چینی ، اُکتاہٹ یا تکلیف

* تاج - ** محیط -

کی وجہ سے "اُفٍّ" کہنا۔ کسی سے نفرت و بیزاری یا "اکتاہٹ کے اظہار کے لئے، نیز تحقیر کے موقع پر "اُفٍّ لَہٗ" کہا کرتے ہیں"۔

قرآن کریم میں والدین کے متعلق ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا "اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ هُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (۱۷/۲۳) "ان کی تحقیر نہ کرو۔ انہیں جھڑکو نہیں بلکہ نرمی سے بات کرو"۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے ناپسندیدہ ہونے کے ہیں۔ (نیز موجودہ وقت کو بھی کہتے ہیں۔ لیکن قرآن میں اس معنی میں یہ لفظ نہیں آیا)۔

ا ف ق

آلْاُفُقُ۔ آلْاُفْقُ۔ کنارہ۔ جمع اٰفَاقٌ۔ یعنی جو کچھ زمین اور آسمان کے اطراف سے نظر آتا ہے۔ "اُفُقُ الْبَيْتِ خیمے کا اگلا چھجا یا سائبان۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اطراف و جوانب کے درمیان وسعت اور انتہائی بُعد کے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ (۴۱/۵۳)۔ "ہم انہیں اپنی نشانیاں دنیا کے اطراف و جوانب میں اور خود ان کے اپنے اندر دکھائینگے"۔ یعنی قومی اور بین الاقوامی حوادث۔ نیز اس کے معنی خارجی کائنات اور انسانی دنیا کے ہو سکتے ہیں۔

فَرَسٌ "اُفُقٌ"۔ خوشنما اور حیرت انگیز رفتار والا گھوڑا۔ اَفِقَ الرَّجُلُ۔ وہ علم وفضل اور کرم و شرافت اور دیگر فضائل میں انتہا تک پہنچ گیا۔ فَهُوَ اَفِقٌ وَ اَفِيْقٌ"*۔

انتہائی وسعت اور بلندی کے اعتبار سے نبی اکرمؐ کے متعلق ہے۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (۸۱/۲۳)۔ "اور اس (رسول) نے اپنے آپ کو نہایت بلند مرتبہ پر دیکھا"۔ (یا خدا نے رسول کو سیرت و کردار کے بلند مقام پر دیکھا)۔ سورۃ نجم میں ہے وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى (۵۳/۷)۔ "وہ رسول (شرف انسانیت اور علم و حقائق کے) بلند ترین مقام پر ہے"۔

ا ف ک

اَفَكَ۔ يَاْفِكُ۔ جھوٹ بولنا۔ جھوٹی بات بنانا**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو الٹ دینا اور اسکی جہت سے

* تاج۔ محیط۔ راغب۔ ** تاج

پھیر دینا ہوتے ہیں ۔ قرآن کریم میں عصائے کلیمی کے متعلق ہے فَاِذَا ھِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ (۲۶/۴۵) ۔ ''اس نے ان سب چیزوں کو نیست و نابود کر دیا (نگل لیا) جنہیں وہ جھوٹ موٹ بناتے تھے،، ۔ سورۃ صٰفّٰت میں جھوٹے کفار کے متعلق ہے اَئِفْکًا (۳۷/۸۶) ۔ ''کیا تم صحیح راستہ سے ہٹ کر،، سورۃ شعراء میں ہے اَفَاَکْثَرُ اَثِیْمٍ (۲۶/۲۲۲) ۔ قرآن کریم نے اس کی تشریح سورۃ جاثیہ میں ان الفاظ سے بھی کی ہے یَسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتْلٰی عَلَیْہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا (۴۵/۸) ۔ ''وہ قوانین خداوندی کو جو اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں سنتا ہے ۔ پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنی ہی بات پر) اڑے رہتا ہے، گویا اس نے قوانین خداوندی کو سنا ہی نہیں،، ۔

اِفْکٌ ۔ کسی چیز کو پلٹ دینا ۔ الٹ دینا ۔ جس طریق پر کسی چیز کو ہونا چاہئیے اسے اس سے پھیر دینا ۔ راغب کے نزدیک بھی اِفْکٌ کا یہی مطلب ہے ** ۔

پھیر دینے کے معنوں میں سورۃ ذٰریٰت میں ہے ۔ یُّؤْفَکُ عَنْہُ مَنْ اُفِکَ (۵۱/۹) ۔ ''اس سے اس کو پھیرا جاتا ہے جو خود اس سے پھر جاتا ہے،، ۔ یہ اٰیت ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف دلالت کرتی ہے ۔ یعنی خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا ۔ انسان خود ہی گمراہ ہوتا ہے ۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ جو گمراہ ہونا چاہے اسے صحیح راستے پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا ۔ یہاں ابتداءِ کار (Initiative) انسان کے ہاتھ میں ہے ۔ جو کچھ یہ کرتا ہے اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے ۔ اگر یہ اپنے اندر پتھر جیسی سختی پیدا کر لے تو ہر شیشہ اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیگا اور اگر یہ شیشے جیسا نازک بن جائے تو پتھر کی چھوٹی سی کنکری بھی اسے پاش پاش کر دیگی ۔ غرضیکہ وہ جدھر اپنا رخ کر لے اسی سمت کی منزل اس کے سامنے آجائیگی ۔ خدا زبردستی کسی انسان کا رخ نہیں پھیرتا ۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ (۶۱/۵) ''جب وہ ٹیڑھے چلے تو خدا (کے قانون مکافات) نے ان کے دل ٹیڑھے کر دئے ۔ ۔ ۔ ،،

اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ (۴۰/۶۲) ''کس طرح یا کدھر الٹے پھیرے جاتے ہیں،، ۔ اَلْمُؤْتَفِکَاتُ (۹/۷۰) ۔ وہ بستیاں جنہیں الٹ دیا گیا تھا [1]

اَلْاَفِکَۃُ ۔ قحط والے سال کو کہتے ہیں *** ۔ اَلْمَاْفُوْکُ ۔ جہاں بارش نہ ہوتی ہو اور اس لئے وہاں گھاس وغیرہ کچھ نہ ہو *** ۔

---

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** تاج و محیط ۔ [1] مزید برآں دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۰۹/۱۸۱۰ جلد چہارم

ا ف ل

اَفَلَ الْقَمَرُ ا فُوْلاً ۔ چاند (نیز اجرام فلکی) کا غائب ہو جانا اور غروب ہو جانا ۔ اَلْمَفْوفَلُ ۔ ناقص ۔ ضعیف ۔ رَجُلٌ مَافِلٌ فُوْلٌ اَلتَّرْاِی ۔ ضعیف العقل آدمی ۔* راغب نے کہا ہے کہ اَلْاُفُوْلٌ روشن ستاروں کے غروب ہو جانے کو کہتے ہیں ۔** ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی غروب ہو جانا بھی ہیں اور چھوٹا اور دھندلا ہو جانا بھی ۔

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ انہوں نے کائناتی نظام پر بڑی دقتِ نظر سے غور و فکر کیا ۔ اسکی قوتوں کا اچھی طرح سے مشاہدہ کیا ۔ وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ ''اور اسطرح ہم نے ابراھیم کو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں اپنی قدرت دکھائی'' ۔ (۶/۷۵) اور ان سے ذات باری تعالیٰ پر ایمان کے دلائل کو علی وجہ البصیرت محکم کیا ۔ چنانچہ انہوں نے ستاروں کو دیکھا ۔ چاند پر غور کیا سورج کا اچھی طرح مشاہدہ کیا ۔ ان کی قوم ان اجرام سماوی کی پرستش کیا کرتی تھی ۔ لیکن انہوں نے ان پر غور و فکر کے بعد کہا کہ ان کی حالت یہ ہے کہ ایک وقت میں نہایت آب و تاب سے نمودار ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں تاریکی کے پردے میں جا چھپتے ہیں ۔ لہذا اس قسم کی تغیر پذیر چیزیں کبھی معبود نہیں بن سکتیں ۔ صاحب اقتدار خدا وہی ہو سکتا ہے جو تغیرات سے ماوراء ہو ۔ اسلئے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (۶/۷۶) ''میں تغیر آشنا چیزوں کو معبود ماننے کیلئے تیار نہیں ہوں'' *** ۔ میں اس ہستی کو خدا مانتا ہوں جو ان سب کی خالق ہے ۔ (الَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۶/۸۰) ۔

یہ اعلان کہ ایک تغیر پذیر شے معبود نہیں ہوسکتی ، بہت بڑی حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے ۔ ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خارجی حوادث سے تغیر پذیر نہیں ہوتی ۔ اس کی تعریف ، برگسان کے مفہوم کے مطابق ، یہ ہے کہ (Changelessness in Change) ''تغیرات کی دنیا میں عدم تغیر'' ۔ اسلئے خدا جو مکمل ترین ذات (The most complete and Perfect Personality) ہے تغیرات سے یکسر ماوراء ہوگا ۔ لہذا ، جو آفل

---

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیات (۶/۷۶-۷۹) میں حضرت ابراھیمؑ کے والد (آزر) اور حضرت ابراھیمؑ کا مکالمہ ہے ۔ یعنی قال ھذا ربی ۔ آزر کا قول ہے اور قال لا اُحب الافلین ۔ حضرت ابراھیمؑ کا قول ۔ اسی طرح دوسری آیات میں بھی ۔

ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا ۔ ''آفلیت'' ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت کے منافی ہے۔ جس انسان کی ذات کی نشو و نما ہو جائے اس میں بھی یہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے اصولوں کا پکا ہوتا ہے اور خارجی احوال وظروف کے ساتھ (مرغ باد نما کی طرح) ہر آن بدلتا نہیں رہتا ۔ اسی کو ایمان کی پختگی اور عمل کی استقامت کہتے ہیں ۔ ایسے ہی انسان ہیں جن کی بات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ جن کا خدا ''آفل،، نہیں وہ خود بھی ''افیل'' نہیں ہوتے ۔ جیسا کسی انسان یا قوم کا ''خدا،، ویسا ہی وہ انسان یا قوم ۔ خدا کے تصور کا انسان کی ذات یا قومی خصوصیات پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ قرآن کریم نے خدائے حقیقی کا جو تصور پیش کیا ہے، اس پر ایمان رکھنے والی قوم کا دنیا میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا — نہ قوت و ثبات میں ۔ نہ شرف و سعادت میں ۔

اکل

اَکَلَ ۔ کے معنے ہیں کسی چبانے کی چیز کو چبا کر کھا لینا ۔ پینے والی چیز یا جس چیز کو چبائے بغیر نگل لیا جائے اسے مَاْکُوْلٌ نہیں کہا جاتا ۔ اَلسَّبُعُ اَکُوْلٌ ۔ وہ جانور جسے کوئی درندہ کھا جائے (سورۃ فیل میں عَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ (۱۰۵/۵) کے معنے ہیں کھایا ہوا بھس یا وہ چارہ اور پتے وغیرہ جنہیں کیڑوں نے کھا لیا ہو ۔ کرم خوردہ) اس اعتبار سے اَلْاَکِیل بادشاہ کو کہتے ہیں ۔ اور اَلسَّبُعُ اَکُوْلٌ رعیت کو۔ اَلْاُکُلٌ ۔ کا استعمال عام طور پر پھلوں کے لئے ہوتا ہے لیکن درحقیقت درختوں اور پودوں سے جو کچھ بھی کھایا جائے اَلْاُکُلٌ کہلاتا ہے ۔ قرآن کریم میں جنت کے متعلق ہے ۔ اُکُلُهَا دَائِمٌ (۱۳/۳۵) ۔ ''اس کے پھل ہمیشہ رہینگے،، ۔ نیز وسیع رزق ۔ عقل اور رائے اور وزنی عقل کو بھی اَلْاُکُلٌ کہتے ہیں* ۔

اَکَلَ کے حقیقی معنی تو کھانے کے ہیں لیکن اسکے مجازی معنے کسی چیز کے لینے کے بھی آتے ہیں۔ لَا تَاْکُلُوْا الرِّبٰوا (۳/۱۳۰) کے معنے ہیں ۔ سود مت لو۔ اگرچہ ہمارے ہاں بھی ''سود کھانا،، ہی کہتے ہیں اور سود لینے والے کو سود خوار ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اکل مال سے مراد انفاق مال ہے اس لئے کہ مال کا بیشتر مصرف کھانے پینے اور معاشی ضروریات سے متعلق ہوتا ہے۔

سورۃ مائدہ میں حرام چیزوں کی فہرست میں وَمَا اَکَلَ السَّبُعُ (۵/۳) آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ جانور جسے درندوں نے پکڑ کر تھوڑا بہت

* تاج ۔

کھا لیا ہو اور اس میں جان باقی ہو۔ کیونکہ اس کے بعد ہے اِلاّ مَا ذَکَّیْتُمْ ۔ ہاں اگر تم اسے ذبح کر لو تو پھر ٹھیک ہے ۔ اگر درندوں نے سارے کا سارا کھا لیا ہو تو پھر اس کی حلت و حرمت کے متعلق کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ اور اگر وہ مر چکا ہو تو پھر ''مردار'' ہو جائیگا جو حرام ہے ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ''بتدریج کم ہونا'' ہیں ۔ جس چیز کو کھایا جائے وہ کم ہوتی جاتی ہے ۔

اَلْ (حرف)

اَلْ ۔ یہ اسم کو معرفہ بنانے یعنی متعین کرنے کے لئے آتا ہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے انگریزی زبان میں (The) آتا ہے ۔ رَجُلٌ ۔ کوئی آدمی ۔ اور اَلرَّجُلُ ۔ وہ خاص آدمی ۔ (The Man) ۔ ذیل کی مثالوں سے اس کے استعمال کے اسالیب واضح ہو جائینگے ۔

(۱) پہلے کسی کا عمومی ذکر کرنا ۔ اور اس کے بعد جب پھر اس کا ذکر آئے تو اَلْ بڑھا دینا ۔ مثلاً فَعَصَیٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (۷۳/۱۵) ۔ ''جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا ۔ سو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی'' ۔ یہاں اَلرَّسُوْلَ کے معنی ہیں وہ رسول جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے ۔

(۲) کسی ایسی چیز کا ذکر کرنا جس سے سننے والا پہلے ہی متعارف ہو۔ یعنی وہ جانتا ہو کہ یہ کس چیز کا ذکر ہو رہا ہے ۔ مثلاً اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ (۹/۴۰) ۔''جب وہ دونوں غار میں تھے'' ۔ یہاں پہلے کسی غار کا ذکر نہیں آیا ۔ پہلی مرتبہ ہی اسے الغار کہا گیا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سننے والوں کو معلوم تھا کہ اس سے کونسا غار مراد ہے ۔

(۳) جب وقت یا زمانہ متعین کیا جائے ۔ مثلاً اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (۵/۳) ''آج کے دن ۔ یا اس دور میں ۔ ہم نے تمہارا غلبہ (یا دین) مکمل کر دیا ہے'' ۔

(۴) استغراق ۔ جب کسی پوری کی پوری نوع کا ذکر ہو۔ یعنی کُلٌّ کے معنوں میں ۔ مثلاً خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (۴/۲۸) ۔ انسان کی خلقت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ یہ جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے ۔ یہاں یہ خصوصیت تمام نوع انسانی کی بتائی گئی ہے ۔

(۵) جب کسی چیز میں اس نوع کی تمام خوبیاں جمع ہو جائیں تو اسے بھی اَل سے مخصوص کر دیتے ہیں ۔ (محیط المحیط) ۔ جیسے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ (۲/۲) ۔ یہاں اَلْکِتٰبُ سے مراد یہ ہے کہ اس کتاب میں تمام آسمانی کتابوں کی خصوصیات یک جا جمع ہو گئی ہیں ۔ لیکن ہمارے خیال میں الکتاب مشار الیہ ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے ۔ البتہ ھُوَ الْحَقُّ کے اَل میں یہ خصوصیت ہے کہ اس نوع کی تمام خوبیاں اس میں جمع ہو گئی ہیں ۔

(۶) مضاف الیہ کی بجائے جب کسی چیز کی نسبت کسی معین شخص کی طرف کرنی ہو تو اَل لگا دیتے ہیں ۔ مثلاً اَلْمَدِیْنَۃُ سے مراد ہے مَدِیْنَۃُ الرَّسُوْلِ ۔ رسول اللہ کا شہر ۔ (اس نسبت سے اس شہر کی عظمت کو چار چاند لگ گئے) ۔

(۷) بعض وقت یہ اَلَّذِیْ کے معنی دیتا ہے ۔ مثلاً اَلضَّارِبُ کے معنی ہیں اَلَّذِیْ یَضْرِبُ ۔ وہ شخص جو مارتا ہے ۔

اَلَا ۔ (حرف)

اَلَا ۔ یہ دو حرفوں (یعنی ہمزہ استفہام اور لام نفی) کا مجموعہ ہے (ء+لا) ۔ اس کا ترجمہ ہوگا ۔ ''کیا نہیں ؟'' ۔ ان معنوں میں قرآن کریم میں ہے اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ (۲۴/۲۲) ''کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری حفاظت کا سامان کر دے؟'' یا مثلاً اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَھُمْ (۹/۱۳) ۔ ''کیا تم ان لوگوں کے خلاف جنگ نہ کروگے جنہوں نے اپنے عہد کو توڑ دیا ہے ؟'' ۔

(۲) یہ حرف تنبیہ بھی ہے ۔ یعنی اس کا استعمال کسی کو متنبہ (آگاہ) کرنے یا کسی بات کے متعلق یقین دلانے کے لئے بھی ہوتا ہے ۔ مثلاً اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (۲/۱۲) ۔ ''تم آگاہ رہو کہ یہی لوگ مفسد ہیں'' (یا) ''یہ واقعہ ہے کہ یہی لوگ مفسد ہیں'' ۔ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے ۔ یعنی اِعْلَمُوْا ..... یاد رکھو کہ .....

ا ل ف

اَلْفٌ ۔ ایک ہزار (جمع آلَافٌ وَاُلُوْفٌ) ۔

چونکہ چار ہندسوں کے اکھٹا ہونے سے ایک ہزار کا عدد بنتا ہے اس لئے اَلْاِلْفُ کے معنی ہیں ہم آہنگی اور پیوستگی ۔ یا گھل مل جانے

والا ساتھی ۔ (یا اَلْفٌ کا لفظ اِلْفٌ سے ہے)۔ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ ۔ ان میں ہم آہنگی پیدا کر دی ۔ ایسی ہم آہنگی جیسے بادل کے ٹکڑے آپس میں مل کر ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں (..... سَحَاباً ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَہٗ ۲۴/۴۳) ۔ اَلْمُؤَلَّفٌ ۔ وہ چیز جسکے اجزاء کو مرتب کرکے ایک دوسرے کے ساتھ جمع کردیا گیا ہو ۔ اَلْاُلْفَۃُ ۔ باہمد گر پیوست ہو جانا۔ اَلْمُؤَلَّفَۃُ قُلُوْبُھُمْ ۔ جن کے دلوں میں محبت اور الفت پیدا کرنا مقصود ہو۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مل جانا اور منضم ہو جانا ہیں ۔ اَلْاِیْلَافٌ ۔ مانوس کرنا اور الفت دلانا، ۔ (لِاِیْلَافِ قُرَیْشٍ ۱۰۶/۱) عہد و پیمان ۔ وہ اقرار نامہ جس سے دو فریق ایک دوسرے سے پیوست رہیں ۔ یہ وہ عہد نامے تھے جو قریش نے ہمسایہ ممالک کی حکومتوں سے لے رکھے تھے کہ ان کے قافلوں کو کوئی نہ لوٹے کیونکہ وہ کعبہ کے متولی تھے* ۔

قرآن کریم میں جماعت مومنین کے متعلق ہے اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا (۳/۱۰۳) ۔ ''تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ خدا نے تمہارے دلوں میں ہم آہنگی پیدا کر دی اور اس طرح تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے'' ۔ یہاں سے اِئْتِلَافٌ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں ۔ اِئْتِلَافٌ درحقیقت تعاون اور اجتماع سے اگلا درجہ ہے ۔ اس میں جماعت کے افراد بالکل ایک دوسرے سے گھل مل جاتے ہیں اور دلوں میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے ۔ اگر کسی معاشرہ میں افراد کے باہمی تعلقات ایسے نہیں تو وہ مومنین کا معاشرہ نہیں ۔ ایمان کا فطری تقاضا یا لازمی نتیجہ ہم آہنگی، فکر و عمل ہے ۔ جب مختلف افراد کے سامنے نصب العین حیات ایک ہو۔ منزل ایک ہو۔ راستہ ایک ہو۔ ضابطہ، زندگی ایک ہو تو پھر ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے پیوستگی کیوں نہیں ہوگی ؟

أ ل ک

مَلٰئِکَۃٌ ۔ بعض کا خیال ہے کہ اس لفظ کا مادہ اَلْکٌ ہے جسکے معنے پیغام رسانی کے ہیں ۔ اَلِکْنِیْ اِلٰی فُلَانٍ (اصل میں اَلْئِکْنِیْ تھا) اسکو میری طرف سے پیغام پہنچا دو ۔ اَلْمَلَاکَۃٌ ۔ پیغام رسان ۔

* تاج ۔

فرشتہ ۔ جو اَلْمَاْلُکْ سے مقلوب ہے ۔ اَلْاَلُوْکَۃُ وَالْمَاْلُکَۃُ وَاَلْاَلُوْکُ وَالْمَاْلُکُ ۔ پیغام ۔ (اَلَکَ کے معنے ہوتے ہیں کسی چیز کو منہ میں چبانا ۔ پیغام کو اسلئے اَلْاَلُوْکَۃُ کہتے ہیں کہ اسے منہ میں چبا کر باہر نکالا جاتا ہے) ۔* ابن فارس نے اسکے یہی بنیادی معنے لکھے ہیں ۔ یعنی پیغام رسانی ۔

لیکن دوسرے محققین کا قول ہے کہ اسکا (مَلٰئِکَۃٌ کا مادہ مَلْکٌ ہے جس کے معنی قوت کے ہیں (دیکھئے عنوان م-ل-ک) راغب نے کہا ہے کہ مَلَائِکَۃٌ دراصل مَاْلَکٌ ہے ۔ فرشتوں میں سے جن کے سپرد انتظامات کئے جاتے ہیں ان کو مَلَکٌ کہتے ہیں اور انسانوں میں سے جو تدبیر امور کرتے ہیں انہیں مَلِکٌ کہا جاتا ہے ۔**

مفتی محمد عبدہ نے اپنی تفسیر المنار میں لکھا ہے کہ ''یہ امر ثابت ہے کہ کائنات کی ہر شے کے اندر ایک قوت ایسی ہے جس پر اس چیز کا دار و مدار ہے اور جس کے ساتھ اس شے کا قوام و نظام قائم ہے ۔ جو لوگ وحی پر ایمان نہیں رکھتے وہ ان قوتوں کو طبیعی قوتیں (Physical Forces) کہتے ہیں، اور شریعت کی زبان میں انہیں مَلَائِکَۃٌ کہا جاتا ہے ۔ لیکن انہیں مَلَائِکَۃٌ کہئے یا کائناتی قوتیں ۔ حقیقت ایک ہی ہے اور عقلمند آدمی وہ ہے جسکے لئے ''رکھے ہوئے نام،، اصل مسمیات سے حجاب نہ بن جائیں،، ۔

قرآن کریم میں مَلَائِکَۃٌ کو پیغام رساں کہا گیا ہے ۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ .... (۲۲/۷۵) ''اللہ ملائکہ میں سے پیغام رساں چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی،، لیکن یہ چیز (پیغام رسانی) ملائکہ کے فرائض میں سے صرف ایک فریضہ ہے ۔ جامع طور پر انہیں مُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (۷۹/۵) اور مُقَسِّمٰتِ اَمْرًا (۵۱/۴) کہا گیا ہے ۔ یعنی ''تدبیر امور اور تقسیم امور کرنے والی قوتیں یا جماعتیں،، ۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ مختلف اسکیمیں کارفرما ہیں ۔ جو ملکوتی قوتیں خدا کے قانون کے مطابق ان تدبیرات کو بروئے کار لاتی ہیں انہیں مَلَائِکَۃٌ کہکر پکارا گیا ہے ۔ اس اعتبار سے مَلَائِکَۃٌ کا مادہ اَلْمَاْلُکُ کی بہ نسبت مَلْکٌ زیادہ صحیح ہوگا ۔ یعنے قوتیں ۔ ان قوتوں کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں (اختیار و ارادہ خدا کے بعد صرف انسان کو حاصل ہے) اسلئے یہ قوتیں بلا چون وچرا قانونِ خداوندی کے مطابق سرگرم عمل رہتی ہیں ۔ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۱۶/۵۰) ۔ ''جو کچھ ان سے کہا

* تاج و محیط ۔ ** تاج ۔ تاج میں یہ مادہ (م ل ک) کے تحت آیا ہے ۔

جاتا ہے وہ وہی کچھ کرتی ہیں" ۔جس قانون کے مطابق یہ قوتیں مادی کائنات میں کارفرما رہتی ہیں اسکا علم انسان کو دیدیا گیا ہے۔* (یعنی انسان میں اس امر کی امکانی صلاحیت موجود ہے کہ وہ کائناتی قوتوں کی کارفرمائی کے قانون کا علم حاصل کرلے) اسلئے یہ قوتیں انسان کے تابع تسخیر آسکتی ہیں۔ (ملائکہ کے سجدۂ آدم سے یہی مفہوم ہے۔**) اسی کو تسخیر فطرت کہتے ہیں۔

لیکن مَلَائِکَۃ* صرف انہیں قوتوں کو نہیں کہا گیا جو خارجی کائنات میں تدبیر امور کرتی ہیں بلکہ ان قوتوں کو بھی کہا گیا ہے جو انسان کی داخلی دنیا (نفسیاتی زندگی) پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلَائِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا .... (۴۱/۳۰) "یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ اللہ کی ربوبیت پر یقین رکھتے ہیں اور پھر اس ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم کسی قسم کا غم اور اندیشہ مت کرو"۔ اس میں "نزول ملائکہ" سے مراد وہ نفسیاتی تغیر ہے جو خدا کی ربوبیت پر یقین محکم سے انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ (اسکے برعکس جو قوتیں انسان کے دل میں خوف و ہراس اور یاس و نا امیدی پیدا کرتی ہیں (خواہ وہ خارجی قوتیں ہوں یا خود انسان کی داخلی قوتیں) انہیں ابلیس اور شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان ب-ل-س اور ش-ط-ن) یہی وہ "ملائکہ" تھے جو بدر و حنین کے میدان میں مجاہدین کیلئے تسکین خاطر اور تثبیت قلب کا موجب بنے تھے (۸/۱۲ ؛ ۹/۲۶) اسی قسم کی قوتیں ان تغیرات کا بھی موجب بنتی ہیں جو انسان کے طبعی جسم میں رونما ہوتے رہتے ہیں اور آخرالامر موت تک منتج ہوتے ہیں۔ (۳۲/۱۱ ؛ ۴/۹۷) نیز ملائکہ اعمال انسانی کے "رجسٹرار" (لکھنے والے۔محفوظ رکھنے والے) ہوتے ہیں یعنے قانون مکافات کو بروئے کار لانے کا موجب بنتے ہیں۔ (۸۲/۱۰ ؛ ۴۳/۸۰۔ ان آیات "کتابت اعمال" کو ملائکہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ لیکن دوسری جگہ ہے کہ ان امور کو اللہ تعالیٰ خود لکھ لیتا ہے (۱۹/۷۹) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اعمال نامہ خود انسان کے اپنے گلے میں لٹکا رہتا ہے (۱۷/۱۳-۱۴)۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ملائکہ وہ ملکوتی قوتیں ہیں جو خدا کے قانون مکافات کے مطابق ہر عمل کا نتیجہ مرتب کرتی رہتی ہیں اور وہ نتیجہ انسان کی ذات پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔

---

* و علم آدم الاسماء کلھا (۲/۳۱)۔ ** (۲/۳۴)

چونکہ ملائکہ، کائنات کی غیر مرئی قوتیں ہیں اس لئے ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ تم ان کے لشکروں کو دیکھ نہیں سکتے (۷۴/۳۱، ۳۶/۹)۔ باقی رہا وہ نظام جس کے مطابق ملائکہ، انبیاء کرام ؑ کیطرف وحی لاتے تھے تو اسکے متعلق ہم کچھ نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وحی کی حقیقت و ماہیت ہمارے حیطۂ ادراک سے باہر کی چیز ہے۔ ہم اس پر ایمان لانے کے لئے مکلف ہیں اور اسکے مطابق عمل کرنے پر مامور۔ البتہ وحی کی رو سے دئے ہوئے حقائق کی صداقت اور عظمت کو علم کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے (مزید تفصیل وحی کے عنوان میں ملیگی۔ نیز میری کتاب "ابلیس وآدم" میں جہاں ملائکہ اور وحی کے متعلق شرح وبسط سے گفتگو کی گئی ہے)۔ وحی ہی نہیں، بلکہ پورے کے پورے عالم امر میں یہ قوتیں کسطرح کام کرتی ہیں ہم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ ہماری عقل کا دائرہ محسوسات تک محدود ہے۔ یعنی جو قوتیں محسوس کائنات میں کام کرتی ہیں ہم صرف ان کے متعلق تحقیق کرسکتے ہیں۔

قرآن کریم نے ملائکہ پر ایمان کو "اجزائے ایمان" میں سے قرار دیا ہے (مثلاً ۲/۲۸۵)۔ یعنی ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ۔ کتب۔ رسل۔ آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ملائکہ پر بھی ایمان لائے۔ سوال یہ ہے کہ ملائکہ پر ایمان کے معنی کیا ہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ ملائکہ کے متعلق وہ تصور رکھا جائے جو قرآن نے پیش کیا ہے اور انہیں وہی پوزیشن دی جائے جو قرآن نے ان کے لئے متعین کی ہے۔ ملائکہ کے متعلق قرآن میں ہے کہ انہوں نے آدم کو سجدہ کیا۔ (۲/۳۴) یعنی وہ آدم کے سامنے جھک گئے۔ جیسا کہ آدم کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے آدم سے مراد خود آدمی (یا نوع انسان) ہے۔ لہذا ملائکہ کے آدم کے سامنے جھکنے سے مراد یہ ہے کہ یہ قوتیں وہ ہیں جنہیں انسان مسخر کر سکتا ہے۔ انہیں انسان کے سامنے جھکا ہوا رہنا چاہئے۔ کائنات کی جو قوتیں ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئیں۔ انہیں چھوڑئیے۔ جو قوتیں ہمارے علم میں آچکی ہیں ان کے متعلق صحیح ایمان یہ ہوگا کہ ان سب کو انسان کے سامنے جھکنا چاہئے۔ اب ظاہر ہے کہ جس قوم کے سامنے کائناتی قوتیں نہیں جھکتیں وہ قوم (قرآن کی رو سے) صف آدمیت میں شمار ہونے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ اسے جماعت مومنین کہا جائے۔ (کیونکہ مومن کا مقام، عام آدمیوں کے مقام سے کہیں اونچا ہے)۔

اب آپ سوچئے کہ جس قوم کے ایمان میں یہ چیز داخل تھی کہ کائناتی قوتوں کو آدمی کے سامنے جھکنا چاہئے۔ وہ قوم اگر ان قوتوں کے سامنے جھکی

ہوئی ہو (ان قوتوں کے سامنے ہی نہیں بلکہ ان قوموں کے سامنے جنہوں نے ان قوتوں کو اپنے سامنے جھکایا ہوا ہے) تو اس قوم کی پستی کی کوئی انتہا ہو سکتی ہے ؟ یاد رکھئے۔ ''مقام آدم،، یہ ہے کہ کائنات کی تمام قوتیں اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ اور مقام مومن یہ ہے کہ ان تمام قوتوں کو مسخر کرکے ان کے ماحصل کو قوانین خداوندی کے مطابق نوع انسان کی فلاح وبہبود کے لئے صرف کیا جائے۔ بادنیٰ تدبر یہ حقیقت ابھر کر سامنے آسکتی ہے کہ ہمیں مقام مومن تو کجا ، مقام آدم بھی نصیب نہیں۔

ا ل ل

آلالِ ۔ ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس کا کچھ احترام ہو اور اسکا کچھ حق ہوتا ہو۔ یعنی وہ چیز واجب الاحترام ہو اور اس کا حق ادا کیا جانا ضروری ہو ۔ جیسے قرابت داری ۔ رحم ۔ پڑوس ۔ عہد ۔ * ہر وہ کھلی ہوئی بات جسکا انکار نہ کیا جا سکتا ہو۔** اس لفظ کے اصلی معنے چمکنے کے ہیں ۔* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حرکت کے ساتھ چمک کے ہیں ۔ اور آواز کے۔ نیز اُس ذریعہ یا سبب کے جس کی حفاظت کی جائے ۔ آلالِ معاشرہ کی ایسی باتوں کو کہا جائے گا جو بالکل واضح ۔ صاف ۔ نکھری اور کھلی ہوئی ہوں ۔ جن کے ثابت کرنے کیلئے کسی دلیل یا سند کی ضرورت نہ ہو۔ جو سب کے نزدیک مسلم اور قابل احترام ہوں ۔ پڑوسی یا قرابت دار کے ساتھ حسن سلوک ، یہ ہر معاشرہ کی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے جسکے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ قرآن کریم میں مخالفین (قریش) کے متعلق ہے لَا یَرْقُبُوْا فِیْکُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً (۹/۸) ''یہ اپنی مخالفت میں اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ معاشرہ کے وہ مسلم اصول جن کا ہر شخص خیال رکھتا ہے، تمہارے معاملہ میں یہ ان تک کا بھی خیال نہیں کرتے ۔ نہ ہی کسی حق اور حرمت کا پاس کرتے ہیں،، ۔ اُن لوگوں کی یہی روش تھی جس کیطرف اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرمؐ نے ان سے کہا تھا کہ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (۴۲/۲۳) ۔ میں تم سے اپنی پیغام رسانی کا کوئی اجر نہیں مانگتا لیکن تم میری مخالفت میں اس حد تک تو نہ بڑھ جاؤ کہ جو عام رشتہ داروں کے حقوق ہوتے ہیں انہیں بھی نظر انداز کر دو! واضح رہے کہ نبی اکرمؐ اس چیز کو بھی بطور اجر رسالت نہیں مانگتے ۔ (اجر مانگنے سے تو تمام انبیاءؑ انکار کرتے رہے ہیں) بلکہ ان کی توجہ عام معاشرتی حقوق و واجبات کیطرف دلاتے ہیں ۔

* تاج ** راغب

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر تم باہم (ایک دوسرے سے) صلہ رحمی اور رشتہ داری کے حقوق کا لحاظ رکھو گے تو یہی چیز میری رسالت کا اجر ہو جائے گی۔ اس لئے کہ دوسری جگہ ہے۔ مَا سَاَلْتُکُمْ مِنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَکُمْ (۳۴/۴۷)۔ ''میں جو اجر تم سے مانگتا ہوں وہ خود تمہاری ہی بھلائی کے لئے ہے''۔

(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ق۔ ر۔ ب اور حرف اِلاَّ)

اَلاَّ - [حرف]

اَلاَّ۔ (اَنْ - لاَ)۔ قرآن کریم میں ہے۔ اَلاَّ تَعْلُوْا عَلَیَّ (۲۷/۳۱) (بات یہ ہے) کہ تم میرے خلاف سرکشی نہ کرو۔ کبھی اسکے پہلے ل۔ آجاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں تاکہ۔ مثلاً۔ لِئَلاَّ یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْکُمْ حُجَّةٌ (۲/۱۵۰)۔ تاکہ لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی دلیل و حجت نہ رہے۔

اِلاَّ [حرف]

اِلاَّ۔ اس کے معنی عام طور پر بجز۔ علاوہ۔ سوا۔ مگر۔ لیکن۔ کے آتے ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے مفہوم واضح ہو جائیگا۔

(۱) قَامَ الْقَوْمُ اِلاَّ زَیْدًا۔ زید کے علاوہ اور سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زید بھی قوم (لوگوں) کے اندر شامل تھا لیکن وہ کھڑا نہیں ہوا۔ قرآن کریم میں ہے۔ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلاَّ قَلِیْلاً مِنْهُمْ (۲/۲۴۹) ان میں سے چند لوگوں کے سوا باقی سب نے پانی پی لیا۔ ایسے استثناء کو اصطلاح میں استثناء متصل کہتے ہیں۔

(۲) قَامَ الْقَوْمُ اِلاَّ حِمَارًا۔ تمام لوگ کھڑے ہو گئے لیکن گدھا نہیں کھڑا ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گدھا لوگوں میں شامل نہیں ہے۔ یعنی قَوْمٌ۔ ایک الگ شے ہے۔ اور حِمَارٌ۔ ایک الگ۔ یہ پہلی مثال (نمبر ۱) کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن کریم میں ہے اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلاَّ اِبْلِیْسَ (۲/۳۴)۔ جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کر دیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ یعنی ابلیس ملائکہ

سے الگ جنس تھا ۔ وہ ملائکہ میں شامل نہیں تھا ۔ اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ باقی ملائکہ نے تو سجدہ کر دیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا ۔ (ابلیس کو سجدہ کا حکم دینا قرآن کے دوسرے مقام سے ثابت ہے ۔ دیکھئے ۷/۱۲) ۔ اس قسم کے استثناء کو اصطلاح میں استثنائے منقطع کہتے ہیں ۔

اسی طرح قرآن کریم میں ہے ۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (۴۲/۲۳) ۔ ان سے کہو کہ میں اس تبلیغ کے بدلے تم سے قطعاً کوئی اجر نہیں مانگتا ۔ میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ (یا باہمد گر، ایک دوسرے کے ساتھ) رشتہ داری کے تعلقات کا لحاظ کرو ۔ یعنی یہ چیز بھی بطور اجر کے نہیں مانگتا ۔ (اردو میں اس کا ترجمہ ..... ہاں البتہ ..... کیا جائے تو مفہوم واضح ہو جائیگا ۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ا ۔ ل ۔ ل) اور (ق ۔ ر ۔ ب) ۔

اسی طرح سورۃ یونس میں ہے ۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ (۱۰/۹۸) ۔ " تو کیوں کوئی بستی ایسی نہ ہوئی (یعنی کوئی بستی ایسی نہ تھی) کہ وہ (عذاب دیکھنے کے بعد) ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا ۔ ہاں البتہ یونس کی قوم ایسی تھی " ۔

(۳) کبھی یہ واؤ ۔ (عاطفہ) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۔ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ ۔ (۲۷/۱۱) ہمارے حضور ہمارے رسول ڈرا نہیں کرتے ۔ اور نہ ہی (وَلَا) وہ لوگ ڈرا کرتے ہیں جو کبھی زیادتی کر بیٹھیں لیکن بعد میں اس برائی کو نیکی سے بدل لیں ۔

(۴) قرآن کریم میں ہے اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ (۳۸/۱۴) ان تمام نے رسولوں کی تکذیب کی ۔ ان میں سے کوئی قوم بھی ایسی نہ تھی جس نے تکذیب نہ کی ہو ۔ سب کے سب نے ایسا کیا ۔ یعنی اِنْ كُلٌّ اِلَّا کے معنے ہیں " سب کے سب " ۔

(۵) کبھی یہ " اگر نہیں " (اِنْ ۔ لَا) کے معنوں میں آتا ہے ۔ مثلاً اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ..... (۹/۴۰) اگر تم نے اس کی مدد نہ بھی کی (تو بھی کیا ہے) یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے اس کی مدد کی ۔

(۶) مفتی عبدہ، (اور ان کے شاگرد سید رشید رضا مرحوم) نے تفسیرالمنار (جلد نمبر ۱ ص ۳۱۹ - ۳۱۴) میں لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جب اِلاّ مشیتِ خداوندی کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہمیشہ بالکل نفی کے ہوتے ہیں - سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی - اِلاّ مَاشَاءَاللّٰہُ (۸۷:۶) ہم تجھے (قرآن) پڑھائینگے تو تو اس میں سے کچھ نہیں بھولیگا - الا ما شاء اللہ - یعنی بالکل کچھ نہیں - یعنی خدا نے ایسا چاہا ہی نہیں - اس کی تائید - (۸۶:۸) سے بھی ہوتی ہے جہاں کہا گیا کہ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ..... "اگر ہم چاہتے تو جو کچھ ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے اسے لے جاتے" اس سے ظاہر ہے کہ یہ مشیتِ خداوندی میں تھا ہی نہیں کہ قرآن میں سے کچھ غیر محفوظ رہ جاتا -

المنار میں اس قسم کی اور مثالیں بھی دی گئی ہیں - مثلاً خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ - عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (۱۱:۱۰۸) - اہل جہنم اس میں رہینگے جب تک آسمان اور زمین ہیں - اور اہل جنت اسی میں رہینگے - ان میں سے کوئی نکل کر دوسری طرف نہیں جا سکیگا - (مزید تشریح کے لئے دیکھئے عنوان (ن - س - ی) -

اَلَّذِی (اَلَّتِی) (اسم موصول)

اَلَّذِیْ - جو، جس - هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (۵۹:۲۲) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں - اَلَّذَانِ - (مذکر - تثنیہ) یعنی دو (مذکر) کے لئے - اَلَّذِیْنَ (جمع - مذکر) اَلَّتِیْ - (واحد مونث) اَلَّتِیْ و اَلَّائِیْ - (جمع مونث) -

یعنی :-
اَلَّذِیْ - وہ ایک (مذکر) جو
اَلَّذَانِ - وہ دو (مذکر) جو
اَلَّذِیْنَ - وہ (دو سے زیادہ مذکر) جو
اَلَّتِیْ - وہ ایک (مؤنث) جو
اَلَّتَانِ - وہ دو (مؤنث) جو
اَلَّاتِیْ - اَلَّائِیْ وہ (دو سے زیادہ مونث) جو

ا ل م

اَلَمٌ اور اَیْلَمَۃٌ ۔ درد کو کہتے ہیں ۔ اَلِیمٌ کے معنے درد پہنچانے والا ۔ یا درد ناک ۔ اَلِیْمٌ اَلْعَذَابِ اس تکلیف کو کہتے ہیں جو اپنی درد انگیزی میں انتہا تک پہنچی ہوئی ہو* صاحب محیط کے نزدیک زندگی کی ناخوشگواریوں کو اَلَمٌ کہتے ہیں ۔ اس کے مقابل لَذَّۃٌ ہے** ۔

اَلْوَمَۃٌ کے معنے خسّت اور کمینگی کے بھی آتے ہیں* ۔

قرآن کریم میں عَذَابٌ اَلِیْمٌ متعدد مقامات پر آیا ہے ۔ اس کے معنے غلط اعمال انسانی کے درد انگیز عواقب ہیں ۔ اس دنیا میں ذلت آمیز زندگی اور تباہی ۔ اور آخرت میں رسوا کن عذاب ۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اگر تم نے قوانین خداوندی سے سرکشی برتی تو اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ (۱۱/۲۶) ”تو میں تم پر ایک درد انگیز دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں“ ۔ ان پر یہ عذاب سیلاب عظیم کی شکل میں آیا تھا جس سے وہ تباہ ہو گئے تھے ۔ سورۃ بقرہ میں منافقین کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۲/۱۰) ”ان کے لئے دردناک عذاب ہے“ ۔

ا ل ہ

اَلِہَ اِلَیْہِ یَاْلَہُ کے معنے ہیں گھبرا کر اس کی پناہ ڈھونڈنا ۔ نیز اَلِہَ کے معنے ہیں متحیر ہونا ۔ اور اَلَہَ ۔ یَاْلُہُ ۔ کے معنی ہیں کسی کو پناہ دینا ۔ امان میں لینا ۔ چنانچہ اَلِہَ بِاْلْمَکَانِ کے معنے ہیں امن و سکون سے کسی مکان میں سکونت اختیار کر لینا* ۔ ان معانی کے اعتبار سے اِلٰہٌ کے معنے ہونگے ایسی ہستی جس سے خطرات میں پناہ حاصل کی جائے ۔ جس سے مشکلات دور کرنے کی استدعا کی جائے اور جس کی عظمت و بلندی کے تصور سے انسان متحیر ہو جائے ۔

بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ لفظ لَاہَ یَلِیْہُ سے مشتق ہے جسکے معنے بلند مرتبہ ہونا اور نگاہوں سے پوشیدہ ہونا ہیں* ۔

بعض کہتے ہیں کہ اَلَہَ کے معنے ہیں وہ شخص غلام بن گیا اور اَلَّھَہُ کے معنی ہیں اس نے اسے غلام بنا لیا ۔ اس سے تَاْلِیْہٌ کے معنے تَعْبِیْدٌ (غلام بنانا) آتے ہیں ۔ اور اِلٰہٌ اسی سے ہے جو در اصل بمعنی مفعول

* تاج ۔ ** محیط ۔

مَألُوْہٌ ہے** ۔ (جیسے کِتابٌ بمعنی مَکْتُوْبٌ ہے) ۔ اس اعتبار سے اِلٰہٌ کے معنے ایسی ہستی ہونگے جس کا غلبہ و اقتدار قبول کیا جائے ۔ جس کے قانون کی اطاعت کی جائے ۔ جس کے حکم کا اتباع کیا جائے ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی تَعَبُّدٌ کے لکھے ہیں ۔ یعنی کسی کی محکومیت اختیار کرنا ۔ چنانچہ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰھًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ (۲۶/۲۹) (اگر تو نے میرے سوا کسی کو اِلٰہ تسلیم کیا تو میں تجھے قید کر دونگا) تو وہاں اِلٰہٌ کے معنے صاحب اقتدار ہی کے ہیں ۔ اسی طرح جہاں کہا گیا ہے اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰىہُ (۴۵/۲۳) ”کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جس نے اپنے جذبات ہی کو اپنا اِلٰہ بنا لیا“ ۔ تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ اپنے جذبات ہی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے ۔ انہی کا اقتدار تسلیم کرتا ہے ۔ وہ اپنے جذبات کا بندہ بن چکا ہے ۔ اسی طرح جہاں اللہ تعالیٰ کیلئے ہے ۔ وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ (۴۳/۸۴) ۔ ”وہی ہے جو کائنات کی بلندیوں میں بھی اِلٰہ ہے اور پستیوں میں بھی“ ۔ (یا جو کائناتی اور معاشی دنیا میں اِلٰہ ہے) ۔ تو اس کے معنے بھی صاحب اقتدار کے ہیں ۔ یعنی کائنات میں بھی اقتدار و اختیار اسی کا ہے اور انسان کی معاشی اور معاشرتی دنیا میں بھی اسی کا ۔

چونکہ توہم پرستی کے زمانہ میں لوگ چاند سورج وغیرہ کو بھی بڑی بڑی قوتوں کا مالک مان کر ان کی پرستش کرتے تھے اس لئے اِلٰھَۃٌ کے معنی چاند ہیں اور اِلٰھَۃٌ کے معنی سورج ۔ اسی نہج سے ہر معبود کو اِلٰہٌ کہتے ہیں ۔ حتیٰ کہ بتوں کو بھی جن کی پرستش کی جاتی ہے (۷/۱۳۸) ۔

ایک خیال یہ ہے کہ اَللّٰہٌ جامد لفظ ہے (کسی دوسرے لفظ سے نکلا نہیں) لیکن دوسرا خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ لفظ اَلْاِلٰہُ تھا (اَلْ + اِلٰہٌ) ۔ کثرت استعمال سے اِلٰہٌ کا ہمزہ گر گیا اور پہلا لام دوسرے لام میں مدغم ہو گیا ۔ اس طرح یہ لفظ ”اَللّٰہٌ“ بن گیا* ۔

قرآن کریم میں ”اَللّٰہٌ“ خدا کی ذات کیلئے استعمال ہوا ہے ۔ باقی تمام اَسْمَاء (نام) اسکی صفات ہیں ۔

---

* تاج ۔ ** لین ۔

لہذا، اَللّٰہُ، (قرآنی اِلٰہٌ) وہ بلند و بالا ہستی ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ جسکی عظمتوں کے سامنے انسانی عقل و ادراک متحیر رہ جاتے ہیں۔ جسکا اقتدار تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے۔ جسکی اطاعت نہایت ضروری ہے۔ لیکن ہم اسکی اطاعت اسکے اس قانون کی رو سے کر سکتے ہیں جو اسنے اپنی طرف سے (بذریعہ وحی) ہمیں دیا ہے (اور جو اب قرآن کریم میں محفوظ ہے)۔ لہذا اَطِیْعُوا اللّٰہَ کے معنے ہونگے خدا کے قانون کی اطاعت کرو۔ اسی طرح کائنات میں بھی جو کچھ ہوتا ہے سب اُسی کے قانون کے ماتحت ہوتا ہے۔ لہذا قرآن کریم میں جہاں یہ آئیگا کہ'' اللہ یوں کرتا ہے،، تو اسکا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کے قانون کے مطابق اسطرح ہوتا ہے۔ عالم امر میں بھی اسی کا قانون کارفرما ہے اور عالم خلق میں بھی یہ قوانین اسنے اپنی مشیت سے بنائے ہیں اور اسی کی قدرت (کنٹرول۔ قبضہ۔اختیار) سے یہ قوانین نافذ العمل اور کارفرما ہیں۔ یہی وہ سُنَّۃُ اللہ ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ (اسکی تفصیل ش ی ء کے عنوان میں دیکھئے)

تمام قرآن، اللہ تعالٰے کی صفات، اس کے قوانین، احکام، حکمت بالغہ، ہدایات کا مجموعہ ہے۔ اسکی ساری تعلیم کا نقطۂ ماسکہ اللہ کی وحدانیت ہے۔ یعنی اس حقیقت کا اعلان و ایمان کہ کائنات میں اقتدار و اختیار صرف اسی کا ہے۔ اس کے سوا کسی کا نہیں۔

جہانتک اللہ تعالٰی کی ذات کا تعلق ہے، ہم اس کی ماہیت اور کیفیت کے متعلق کچھ نہیں جان سکتے۔ محدود (Finite) کسی لا محدود (Infinite) کا ادراک نہیں کر سکتا۔ البتہ قرآن کریم نے اللہ تعالٰی کی جن صفات (الاسماء الحسنٰی) کا ذکر کیا ہے ہم ان سے خدا کے متعلق (اپنی حدود ذہنی کے اندر رہتے ہوئے) اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ پر وہی ایمان قرآن کریم کی رو سے صحیح ایمان ہے جو قرآن میں بیان کردہ صفات کے مطابق ہو۔ اس لئے دنیا میں جو لوگ اپنے اپنے طور پر خدا کو مانتے ہیں انہیں قرآن کی رو سے ''اللہ پر ایمان رکھنے والے،، نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بڑی اہم حقیقت ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ ''خدا پرستی اور نیک عملی،، وہی درست ہے جو قرآنی تعلیم کے مطابق ہو۔ نہ وہ جو مختلف افراد۔ قوم یا مذہب کے اپنے اپنے تصور کے مطابق ہو۔

ا ل و (ا ل ی)

آ لَا۔ یَاْلُوْ۔ اَلْوًا وَّ اَلِیَّا۔ کوتاہی کرنا۔ تاخیر کرنا۔ سستی کرنا۔ باز رہنا۔ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا (۳/۱۱۸) ۔ ''یہ لوگ تمہاری تخریب میں بالکل کوتاہی نہیں کرینگے،، ۔ آلَا لِیَقْسَمُ۔ تَسَمَّ۔ اِیْلَاءٌ۔ باز رہنے کی

قسم - عورت کے پاس نہ جانے کی قسم * - لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِسَآئِهِمْ (۲۲۶) - "جو لوگ اپنی بیویوں سے باز رہنے کی قسم کھا لیتے ہیں" - سورۃ نور میں ہے وَلَا يَأْتَلِ ..... (۲۴) - دوسروں کی مدد کرنے سے باز رہنے کی قسم نہ کھائیں - ان مقامات سے ظاہر ہے کہ یہ قسم اس قسم کی ہے جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے - راغب نے اسکی یہی خصوصیت بتائی ہے -

مَا آلَوْتُهُ - میں اس کی وسعت اور طاقت نہیں رکھتا - ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ آلَوٌ اضداد میں سے ہے - یعنے اس کے معنے کوتاہی کرنے کے بھی ہیں اور قدرت اور طاقت رکھنے کے بھی - روکنے کے بھی اور عطا کرنے کے بھی** - اس لئے آلَاءٌ (جو آلَوٌ کی جمع ہے) کے معنی قدرت اور طاقت کے بھی ہیں* اور عطیہ اور نعمت کے بھی - قرآن کریم میں جہاں آتا ہے فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (۵۵/۱۳) تو وہاں اس کے معنے یہ بھی ہیں کہ تم اپنے نشو نما دینے والے کی کس کس قدرت اور طاقت کو جھٹلاؤ گے - اور یہ بھی کہ تم اس کی کس کس نعمت اور عطیہ کو جھٹلاؤ گے - ہر مقام پر معنی سیاق و سباق کی رو سے کئے جائینگے - مزید برآں دیکھئے تتمہ صفحہ ۸۱۱ جلد چہارم -

نوٹ - آلَاءٌ کا واحد آلَوٌ تاج العروس کے علاوہ اور کہیں نہیں ملا - دیگر کتب لغت و تفاسیر میں اس کا واحد إِلًى - أَلًى اور إِلْىٌ آیا ہے - البتہ اس کے معنی نعمت اور قدرت دونوں آتے ہیں -

اِلٰی (حرف)

إلى - تک - کی طرف - یہ زمان (وقت) کے لئے بھی آتا ہے - اور مکان (جگہ) کے لئے بھی - جیسے ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ (۲/۱۸۷) پھر تم رات تک روزہ پورا کرو - اور مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى (۱۷/۱) مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک -

اس مقام پر ایک بات قابل غور ہے - ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ میں إِلَى اللَّيْلِ کے معنی ہیں آغاز شب تک - یعنی جب دن ختم ہو کر رات شروع ہو جائے - اس میں لَيْل (رات) شامل نہیں - یعنی یہ مراد نہیں کہ ختم شب تک روزہ رکھو - لیکن وضو کے احکام میں ہے فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ (۵/۶) - اپنے چہروں اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو - اس میں (إِلَى الْمَرَافِقِ) سے مراد ہے کہنیوں سمیت - یعنی الْمَرَافِقِ اس کے اندر داخل ہیں - لہذا إلى (بمعنی تک) کے استعمال کا یہ فرق ملحوظ رکھنا چاہئے -

* تاج و محیط - ** محیط -

(۲) مَعَ - (ساتھ) کے معنوں میں بھی آتا ہے - جیسے وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ (۴/۲) - اور ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ -

(۳) ان معنوں میں بھی جن میں ہم اپنے ہاں کہتے ہیں - ''میرے نزدیک'' یا ''میرے لئے'' - جیسے رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ (۱۲/۳۳) - اے میرے پروردگار! میرے نزدیک قید خانہ اس سے کہیں بہتر ہے (جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں) -

(۴) ان معنوں میں جن میں ہم کہتے ہیں ''اس کے لئے'' جیسے وَالْاَمْرُ اِلَيْكَ (۲۷/۳۳) اور معاملہ کا آخری فیصلہ تیرے لئے ہے - یعنی تجھے ہی آخری فیصلہ کرنا ہے -

(۵) بعض اوقات یہ عَلٰی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے (جس کا مطلب ہوتا ہے کسی کے خلاف کوئی بات کرنا - جیسے وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ (۱۷/۴) - اور ہم نے بنی اسرائیل کے خلاف یہ فیصلہ کر دیا تھا - لیکن اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اس کی خبر دے دی تھی - اس صورت میں اس جگہ اِلٰی بمعنی عَلٰی نہیں ہوگا - بلکہ اس کے معنی ''کی طرف'' ہونگے - ان معنوں میں یہ حرف عام طور پر استعمال ہوتا ہے -

(۶) بعض اوقات یہ - فی (میں) کے معنوں میں بھی آتا ہے - جیسے لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (۴/۸۷ : ۶/۱۲) وہ تمہیں یوم القیامۃ میں اکٹھا کریگا -

(۷) بعض اوقات یہ مِنْ (سے) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے - (لیکن قرآن کریم سے اس کی کوئی مثال ہمارے سامنے نہیں) -

الیاس علیہ السلام

قرآن کریم نے آپ کا تذکرہ بہ سلسلہ انبیائے کرام کیا ہے (۶/۸۵) - اور خصوصیت سے کہا ہے کہ اِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (۳۷/۱۲۳) ''یقیناً الیاس رسولوں میں سے تھا'' - اسی سورت میں آپ کو اِلْ يَاسِيْنَ بھی کہا گیا ہے (۳۷/۱۳۰) - اور یہ بتایا گیا ہے کہ جس قوم کیطرف آپ مبعوث ہوئے تھے وہ بَعْلٌ کی پرستش کرتی تھی (۳۷/۱۲۵) - قیاس یہ ہے کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کا نام تورات میں ایلیا نبی آیا ہے - بعض کا خیال ہے کہ حضرت ادریس کا

دوسرا نام الیاس ہے۔ لیکن (جیسا کہ عنوان ادریس میں کہا گیا ہے) اگر حضرت ادریسؑ، حضرت نوحؑ کے اجداد میں سے تھے تو آپ حضرت الیاسؑ نہیں ہوسکتے۔ اسلئے کہ آیت (۶/۸۵) میں حضرت الیاسؑ کو حضرت نوحؑ (یا حضرت ابراھیمؑ) کی ذریت میں سے بتایا گیا ہے۔ آپ غالباً انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔

اِلْ یَاسِیْنَ

حضرت الیاسؑ کا دوسرا نام ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''الیاس''۔ قرآن کریم میں آپ کا یہ نام (۳۷/۱۳۰) میں آیا ہے۔

اَلْیَسَعُ

یہ وہی نبی ہیں جنہیں تورات میں (Elisha) کہا گیا ہے۔ قرآن کریم نے زمرہ انبیائے کرام میں ان کا ذکر کرنے کے بعد (۶/۸۶) کہا ہے کہ ان سب کو کتاب دی گئی تھی (۶/۸۹)۔ نیز ان کا نام (۳۸/۴۸) میں آیا ہے۔ تفصیلی تعارف قرآن کریم نے نہیں کرایا۔

أَمْ ۔ (حرف)۔

أَمْ۔ یا۔ حسب ذیل مثالوں سے اس کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔

(۱) ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ (۷۹/۲۷) کیا پیدائش میں تم زیادہ سخت ہو یا آسمانی کرّے؟

(۲) سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ (۲/۶) ان کے لئے برابر ہے خواہ تم انہیں آگاہ کرو یا نہ کرو۔

(۳) قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ (۱۳/۱۶) ان سے پوچھو کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوسکتے ہیں یا (بلکہ یہ کہ) کیا اندھیرا اور روشنی برابر ہوسکتے ہیں؟

(۴) بعض اوقات یہ زائد بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ ..... (۴۳/۵۲) میں اس سے بہتر ہوں۔ لیکن اسکے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں۔ ''یا (کیا) میں اس سے بہتر نہیں ہوں''۔ اس صورت میں اَمْ زائد نہیں ہوگا۔

علم محسوسات کی دنیا تک محدود ہے اور یہ امور' عالم محسوسات سے آگے کی باتیں ہیں۔ مشہور مفکر (Pringle Pattison) کہتا ہے کہ یہ انگریزی زبان کی کوتاہ دامنی ہے جس میں تخلیق کے لئے صرف ایک لفظ (Creation) ہے۔ حالانکہ محسوس کائنات کی تخلیق اور غیر مرئی وغیر محسوس کی تخلیق میں جو اہم فرق ہے اس کے اظہار کے لئے ضروری تھا کہ دو الگ الگ الفاظ ہوتے* قرآن نے اس کے لئے خلق اور امر الگ الگ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

امر کا دوسرا حصہ' جس سے مفہوم وہ قانون خداوندی ہے جو کائنات کے رگ و پے میں کارفرما ہے' ہمارے سامنے ہے اور اسکے متعلق ہم علم حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ بھی صرف اس حد تک کہ فلاں چیز کس قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ وہ قانون ایسا کیوں ہے؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ یہ اسکا قانون ہے۔ لیکن پانی کو کیوں ایسا بنایا گیا ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آمرٌ (یعنے قانون کائنات) کی شہادتوں سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ (۵۴/۷) سورج۔ چاند۔ ستارے۔ خدا کے امر (قانون) کی زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں۔ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ (۲۲/۶۵) کشتی سمندر میں اس کے امر (قانون) کے مطابق چلتی ہے۔ آیت (۳۴/۱۲) میں إِذْنٌ اور أَمْرٌ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ (اذن کے معنے بھی قانون خداوندی ہیں۔ دیکھئے عنوان اذن)

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ جسطرح طبیعی کائنات (Physical World) میں تمام اشیاء ایک خاص قانون کے تحت سرگرم عمل رہتی ہیں اور ہر نتیجہ اس قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے' اسی طرح انسانوں کی تمدنی دنیا میں بھی (اقوام کا) عروج و زوال اور زندگی اور ہلاکت ایک خاص قانون کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔ یہ مکافاتِ عمل کا قانون ہے اور اسے بھی أَمْرٌ ہی کہا گیا ہے۔ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۚ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (۸/۴۲)۔ ''(یہ سب اسلئے ہے کہ) خدا کا امر پورا ہوکر رہے۔ یعنی جسے ہلاک ہونا ہے وہ بھی دلیل و برہان کی رو سے ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے'' وہ بھی دلیل و برہان کے مطابق زندہ رہے'' یہ أَمْرٌ (قانون مکافات عمل) وہ ہے جس کی نتیجہ خیزی میں کسی انسان کو

* خطبات اقبال Reconstruction of Religious Thoughts in Islam, p. 97.

ا م ر

اَلْاَمَرَۃُ والتَّاْمُوْر ۔ چھوٹے پتھروں سے بنایا ہوا نشان جو صحراء میں بنا دیا جاتا ہے تاکہ اس سے علاقہ کے حدود یا راستہ کا پتہ لگ سکے، ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معانی میں ''نشان،، کو شامل کیا ہے ۔ لہذا اس کے بنیادی معنے ہیں علامت ۔ نشان ۔ راہ نمائی ۔ یہیں سے اس کے معنے مشورہ کرنے کے آتے ہیں ۔ اَلْاِئْتِمَارُ کے معنے ہیں مشورہ کرنا* ۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں ہے کہ فرعون نے اپنے سرداروں سے حضرت موسیٰؑ کے معاملہ کے متعلق گفتگو کی اور ان سے کہا کہ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ (۷/۱۱۰ ؛ ۲۶/۳۵) ''سو تم کیا مشورہ دیتے ہو (نیز دیکھئے ۶۵/۶) ۔ اسی طرح سورۃ قصص میں ہے کہ شہر کے دوسری طرف سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ (۲۸/۲۰) ''سرداران قوم تیرے بارے میں باہمی مشورے کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیا جائے،، لیکن تاج العروس میں ہے کہ یہاں اس کے معنی عزم اور ارادہ کر لینے کے ہیں ۔ مَؤْتَمَرٌ اسی سے اسم ظرف بصیغہ اسم مفعول ہے ۔ مشورہ گاہ ۔ آجکل یہ لفظ کانفرنس کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے ۔ اَمِیْرٌ ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس سے مشورہ لیا جائے ۔ نیز اندھے کی راہ نمائی کرنے والے کو بھی کہتے ہیں* ۔

اَمَرٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا بہت زیادہ ہو جانا* ۔ اَمِرَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں اس شخص کے جانور بکثرت ہو گئے ۔ اَلْاَمِیْرُ ۔ برکت والا آدمی ۔ ان معانی کے اعتبار سے، فراء نے کہا ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل میں جہاں آیا ہے اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا (۱۷/۱۶) تو اس کے معنے ہیں ''ہم مترفین کو کثرت سے مال و دولت دے دیتے ہیں*،، ۔ مزید برآں دیکھئے ص ۱۸۱ جلد چہارم۔

اَمْرٌ کے معنی حکم کے بھی ہیں اور حالت ۔ معاملہ ۔ کام یا بات کے بھی ۔ (ابن فارس) ۔ جب اس کے معنے حکم کے ہوں تو اس کی جمع اَوَامِیْرُ آتی ہے (اوامر و نواہی ۔ جہاں امر، نہی کی ضد ہے) اور جب اس کے معنے معاملہ ۔ حادثہ ۔ یا واقعہ یا حالت کے ہوں تو اس کی جمع اُمُوْر آتی ہے ۔ لیکن قرآن کریم میں اَوَامِیر کا لفظ نہیں آیا ۔

* تاج ۔

ان معنوں کی رو سے اَلاَ مِیْرٌ حاکم کو کہتے ہیں ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ (۴/۵۸) کے معنی ہیں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے ۔ عَلَی اَمْرٍ جَامِعٍ (۲۴/۶۲) کے معنی ہیں اجتماعی معاملہ ۔ اَلاِمْرَۃُ کے معنے ہیں حکومت* ۔ اِمَارَۃٌ کے بھی یہی معنی ہیں* ۔ اَمْرٌ عَظِیْمٌ کے معنے ہیں حادثۂ عظیم* ۔ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّکَ (۱۶/۳۳) کے معنے ہیں فیصلہ کن مرحلہ ۔ اِمْرًا ۔ سخت نا پسندیدہ بات (۱۸/۷۱) ۔ اَلاَمَّارَۃُ کے معنی ہیں بہت حکم دینے والا ۔ برانگیختہ کرنیوالا (۱۲/۵۳) ۔ رائے ، مرضی اور خواہش کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے ۔ وَمَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِیْ (۱۸/۸۲) ۔ ''میں نے اسے اپنی مرضی سے نہیں کیا'' ۔

قرآن کریم میں خَلْقٌ کے مقابلہ میں اَمْرٌ کا لفظ آیا ہے (۷/۵۴) ۔ اور اس کا ایک خاص مفہوم ہے جس کے سمجھنے کے لئے اس لفظ کے بنیادی معانی کو سامنے رکھنا ضروری ہے ۔ یعنی علامت ۔ اشارہ ۔ راہ نمائی ۔ نیز ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نشو و نما کے بھی ہیں ۔ اور (جیسا کہ عنوان ۔ خ ۔ ل ۔ ق ۔ میں لکھا گیا ہے) خَلْقٌ کے معنی ہیں مختلف عناصر میں نئی نئی تراکیب سے نئی نئی چیزوں کو پیدا کرنا ۔ خَلْقٌ پیدائش کا یہ وہ مرحلہ ہے جب اشیاء بالعموم اپنی محسوس شکل میں ہمارے سامنے آ جاتی ہیں ۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان اشیاء کے اس طرح وجود میں آنے سے پہلے بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے جب یہ ہنوز تدبیری حالت (In the Process of Becoming) میں ہوتی ہیں ۔ ''یہ تدبیری مرحلہ'' عالمِ امر سے متعلق ہے ۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی قابل غور ہے ۔ کائنات میں ایک تو اشیائے کائنات ہیں (مثلاً سورج ۔ چاند ۔ ستارے ۔ زمین ۔ درخت وغیرہ) اور دوسرے وہ قانون ہے جس کے مطابق یہ تمام اشیائے کائنات ایک نظم و ضبط کے ساتھ سرگرم عمل ہیں ۔ اس قانون کو بھی اَمْرٌ کہتے ہیں (اس کا تفصیلی تعارف مشیت کے ضمن میں عنوان ۔ ش ۔ ی ۔ ء ۔ کے ماتحت ملیگا) ۔

اشیا کی ''تدبیری حالت'' کے متعلق قرآن کریم میں ہے اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (۲/۱۱۷) ''جب وہ ایک تدبیر (امر) کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس امر سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے'' ۔ یہ امر کیا ہوتا ہے اور وہ کسطرح متشکل ہوتا ہے اسکے متعلق ہم کچھ نہیں جان سکتے ۔ ہمارا

* تاج و محیط ۔ ** محیط ۔

علم محسوسات کی دنیا تک محدود ہے اور یہ امور' عالم محسوسات سے آگے کی باتیں ہیں۔ مشہور مفکر (Pringle Pattison) کہتا ہے کہ یہ انگریزی زبان کی کوتاہ دامنی ہے جس میں تخلیق کے لئے صرف ایک لفظ (Creation) ہے۔ حالانکہ محسوس کائنات کی تخلیق اور غیر مرئی وغیر محسوس کی تخلیق میں جو اہم فرق ہے اس کے اظہار کے لئے ضروری تھا کہ دو الگ الگ الفاظ ہوتے* قرآن نے اس کے لئے خلق اور امر الگ الگ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

امر کا دوسرا حصہ' جس سے مفہوم وہ قانون خداوندی ہے جو کائنات کے رگ و پے میں کارفرما ہے' ہمارے سامنے ہے اور اسکے متعلق ہم علم حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ بھی صرف اس حد تک کہ فلاں چیز کس قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ وہ قانون ایسا کیوں ہے؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ یہ اسکا قانون ہے۔ لیکن پانی کو کیوں ایسا بنایا گیا ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اَمْرٌ (یعنے قانون کائنات) کی شہادتوں سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِہٖ (۷/۵۴) سورج۔ چاند۔ ستارے۔ خدا کے امر (قانون) کی زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں۔ وَالْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ (۲۲/۶۵) کشتی سمندر میں اس کے امر (قانون) کے مطابق چلتی ہے۔ آیت (۱۱/۴۰) میں اِذْنٌ اور اَمْرٌ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ (اذن کے معنے بھی قانون خداوندی ہیں۔ دیکھئے عنوان اذن)

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ جسطرح طبیعی کائنات (Physical World) میں تمام اشیاء ایک خاص قانون کے تحت سرگرم عمل رہتی ہیں اور ہر نتیجہ اس قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے' اسی طرح انسانوں کی تمدنی دنیا میں بھی (اقوام کا) عروج و زوال اور زندگی اور ہلاکت ایک خاص قانون کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔ یہ مکافات عمل کا قانون ہے اور اسے بھی اَمْرٌ ہی کہا گیا ہے۔ لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا، لِیَہْلِکَ مَنْ ہَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَۃٍ (۸/۴۲)۔ ''(یہ سب اسلئے ہے کہ) خدا کا امر پورا ہو کر رہے۔ یعنی جسے ہلاک ہونا ہے وہ بھی دلیل و برہان کی رو سے ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے'' وہ بھی دلیل و برہان کے مطابق زندہ رہے'' یہ اَمْرٌ (قانون مکافات عمل) وہ ہے جس کی نتیجہ خیزی میں کسی انسان کو

* خطبات اقبال . Reconstruction of Religious Thoughts in Islam. p. 97.

کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کوئی انسان اس میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ رسول بھی نہیں۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (۳/۱۲۸) ''اے رسول تجھے اس قانون میں کوئی دخل نہیں''۔ یہ امر (قانون) جس کا تعلق انسانی اعمال سے ہے وحی کے ذریعے (رسولوں) کو ملتا ہے اور انکی وساطت سے دوسرے انسانوں کو۔ وَاٰتَیْنٰھُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ (۴۵/۱۷) اور ''ہم نے انہیں امر کی واضح باتیں دیں''۔ یا، ذٰلِکَ اَمْرُ اللّٰہِ اَنْزَلَہٗ اِلَیْکُمْ (۶۵/۵)۔ ''یہ خدا کا امر (قانون) ہے جسے اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے''۔

لہذا خدا کے امر کے تین گوشے ہیں۔ ایک وہ جہاں ہر قانون متعین ہوتا ہے اور ہر تدبیر بنائی جاتی ہے۔ اس گوشے کی حقیقت و کیفیت کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔ دوسرا گوشہ وہ ہے جہاں خدا کا امر، قانونِ کائنات کی شکل میں کارفرما ہے۔ یہ قانون ہر شے کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ اس کا علم تجربہ، عقل، بصیرت اور مشاہدات کی رو سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور تیسرا گوشہ وہ ہے جہاں خدا کا قانون انسانوں کی دنیا سے متعلق ہے۔ یہ قانون وحی کی رو سے رسولوں کو ملتا ہے اور رسولوں کی وساطت سے دوسرے انسانوں کو۔ یہ قانون قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جس کے مطابق قوموں کی موت اور زندگی کے فیصلے ہوتے ہیں اور ہر انسان، زندگی کے ارتقائی مراحل طے کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ گوشہ اول میں خدا اپنے ارادے اور مشیت کے مطابق جسطرح کا قانون چاہتا ہے مرتب کرتا ہے۔ گوشہ دوم میں خدا اپنی اسکیم کو اپنے مرتب فرمودہ قوانین کے مطابق چلاتا ہے اور اشیائے کائنات اس قانون کی اطاعت پر مجبور ہیں۔ گوشہ سوم میں خدا کا قانون وحی کے ذریعے ملتا ہے لیکن انسانوں کو اس کا اختیار ہے کہ وہ جی چاہے تو اس کی اطاعت کریں اور جی چاہے تو اس سے سرکشی اختیار کرلیں۔ جس قسم کی روش انسان اختیار کرے گا اسی کے مطابق نتائج اس کے سامنے آ جائیں گے۔ خدا کا امر (قانون) خارجی کائنات سے متعلق ہو یا انسانی زندگی سے، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ یہ بھی خدا کا فیصلہ ہے۔

ا م س

اَمْس۔ اور اَلْاَمْس (ہمام طور پر سین کی زیر سے آتا ہے لیکن کبھی پیش سے بھی آ جاتا ہے)۔ گذشتہ کل کا دن *۔ سورۂ قصص کی آیات فَاِذَا الَّذِیْ اسْتَنْصَرَہٗ بِالْاَمْسِ (۲۸/۱۸) میں یہ لفظ انہیں معنوں میں آیا ہے۔ ''یعنی

* تاج۔

جس شخص نے کل اس سے مدد مانگی تھی،، ۔ لیکن جسطرح ہم کہتے ہیں کہ ''جو لوگ کل تک یہ دعائیں مانگتے تھے کہ .....'' تو اس سے مراد گذشتہ کل کا دن نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ کچھ دن پہلے تک ۔ یا کچھ دنوں پہلے سے **اَلْاَمْسِ** کا لفظ اس مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ چنانچہ اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَکَانَتَہٗ بِالْاَمْسِ (۲۸/۸۲) جو لوگ ابھی کل تک اسکی آرزو کرتے تھے کہ ہمیں وہ پوزیشن حاصل ہو جائے جو (قارون) کو حاصل ہے ۔

ا م ل

اَلْاَمَلُ ۔ امید یا توقع ۔ عام طور پر اس لفظ کا استعمال ایسی چیزوں کی توقع کے لئے آتا ہے جن کا حاصل کرنا مستبعد ہو ۔ چنانچہ جو شخص دور دراز سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اَمَلْتُ کہتا ہے ۔ لیکن اگر وہ شہر قریب ہو اور وہاں جانا آسان ہو تو وہ طَمِعْتُ کہیگا ۔ اس سے اَمَلٌ اور طَمَعٌ کا فرق ظاہر ہے ۔ رَجَاءٌ کا لفظ ان دونوں کے بین بین بولا جاتا ہے ۔ اَلْاَمِیْلُ ۔ ریت کا پہاڑ جو ایک دن کی مسافت کا ہو ۔ یا لمبائی میں کئی دن کی مسافت کا ہو ۔ تَاَمَّلَ الرَّجُلُ ۔ کسی معاملہ میں ٹھہرنا ۔ سوچنا اور انتظار کرنا ۔* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی انتظار کے ہوتے ہیں ۔ نیز جم کر غور کرنا ۔ اور ٹھہرنا ۔ امید رکھنا لیکن اس میں دیر تک کا پہلو ضرور شامل ہوتا ہے ۔ سورۃ حجر میں ہے کہ وَیُلْھِھِمُ الْاَمَلُ (۱۵/۳) ۔ ان کی لمبی چوڑی آرزو انہیں زندگی کے حقیقی مقصد سے غافل کئے رکھتی ہے ۔

ا م م

اُمٌّ ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ یہ لفظ جامد ہے اور بچہ کی اس آواز سے ماخوذ ہے جب وہ بولنا سیکھنے سے پہلے اُم ۔ اُم ۔ وغیرہ شروع کرتا ہے* ۔ اس سے اس کے اولین معنے والدہ (ماں) کے ہو گئے ۔ بعض لوگ اُمٌّ کو اُمَّۃٌ بھی کہدیتے ہیں اور بعض اس لفظ کو اُمَّھَۃٌ بھی کہدیتے ہیں جس کی جمع اُمَّھَاتٌ آتی ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُمَّھَاتٌ ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور اُمَّاتٌ غیر ذوی العقول کیلئے ۔

ماں کی آغوش کے اعتبار سے انسان کے مسکن کو اُمٌّ کہتے ہیں ۔ قوم اور جماعت کو بھی اُمَّۃٌ کہتے ہیں ۔ بالخصوص ہم مسلک اور ہم

* محیط ۔ ** تاج

مشرب گروہ کو۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں مختلف انبیائے کرامؑ کے تذکرہ کے بعد ہے تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ (۲/۱۳۴) ۔ '' یہ ایک اُمت تھی جو گذر چکی'' دوسری جگہ انہی کے متعلق ہے اِنَّ ھٰذِہٖ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً (۲۱/۹۲) '' یقیناً یہ تمہاری اُمت، امتِ واحدہ ہے'' ۔ نیز اس کے معنے ہر شے کی اصل اور بنیاد کے ہیں ۔ اُمُّ الْقَوْمِ ۔ قوم کا رئیس ۔ اُمُّ النُّجُوْمِ ۔ کہکشاں ۔ اُمُّ الرَّاْسِ ۔ دماغ ۔ نیز ہر وہ مرکز جہاں بہت سی چیزیں آ کر مل جاتی ہوں اُمٌّ کہلاتا ہے ۔ جیسے اُمُّ الْقُرٰی مکہ معظمہ کو کہتے ہیں ۔ اُمُّ الْکِتَابِ ۔ قانون کی اصل و بنیاد** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چار ہیں ۔ (۱) بنیاد اور اصل (۲) مرجع (۳) جماعت (۴) دین ۔

اَلْاُمَّۃُ ۔ حالت ۔ نعمت ۔ شان ۔ طریقہ ۔ سنت ۔ وقت ۔ زمانہ ۔ مدت ۔ شریعت اور دین (مدت کے معنوں میں یہ لفظ ۱۲/۴۵ میں آیا ہے) ۔ نیز اس کے معنے اِمام اور ہادی کے بھی ہیں ۔ جیسے (ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ) اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً قَانِتاً (۱۶/۱۲۰) میں اس کے معنے امام کے ہیں ۔ اگرچہ اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت ابراھیمؑ گو ایک فرد تھے لیکن اپنی شخصیت کی جامعیت کے اعتبار سے ایسے تھے کہ ایک پوری کی پوری امت ان کے اندر سموئی ہوئی تھی ۔ ابن قتیبہ نے بھی اُمَّۃٌ کے معنی دین ۔ امام اور جماعت کے لکھے ہیں*** ۔ لطائف اللغۃ میں اس کے معنی دیئے گئے ہیں ۔ '' ایسا آدمی جس میں تمام خوبیاں جمع ہوں ۔ نیز امام '' ۔ مزید برآں دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۱۲ جلد چہارم۔

(۴) اَلْاِمَامَۃُ ۔ آگے ہونا ۔ اِمَامٌ وہ شخص جو آگے ہو ۔ یہ در اصل اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے معمار دیکھتے ہیں کہ دیوار کی تمام اینٹیں ایک سیدھ میں آ رہی ہیں یا نہیں ۔ (عربی میں اس آلے کو فَادِن اور ہمارے ہاں ساھل کہتے ہیں ۔ اس سے اِمَامٌ کا صحیح تصور سامنے آ سکتا ہے) نیز وسیع راستہ کو بھی اِمَامٌ کہتے ہیں (۱۵/۷۹) ۔

(۵) اَمَامٌ ۔ آگے، سامنے ۔ مستقبل ۔ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَہٗ، (۷۵/۵) ۔

اَمَّہٗ ۔ یَؤُمُّہٗ ۔ اَمًّا ۔ قصد و ارادہ کرنا ۔ اٰمِّیْنَ (۵/۲) قصد و ارادہ کرنے والے ۔ قرآن کریم میں اُمٌّ (اور اسکے مشتقات) ان تمام معانی میں آئے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ۔ انکی مثالوں کی ضرورت نہیں ۔

---

* محیط ۔ ** تاج ۔ *** القرطین ۔ ج ۲ صفحہ ۳۳ ۔

اُمّیؐ ایک ایسا لفظ ہے جس کا صحیح مفہوم سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ اسکے بنیادی معنے ہیں ایسا شخص جو اپنی پیدائشی حالت پر ہو (جیسا ماں نے جنا تھا ویسا ہی رہے۔ اسے مادرزاد بھی کہتے ہیں۔) اور لکھنا پڑھنا نہ سیکھے** ۔ نبی اکرمؐ کو اسی اعتبار سے اُمّیؐ کہا جاتا ہے کہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن یہ چیز زمانہ قبل از نبوت کی بات ہے۔ نبوت کے بعد آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ اسکی واضح شہادت خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ سورۃ عنکبوت میں ہے وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (۲۹/۴۸) ''تو اس (قرآن کے نزول) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتا تھا''۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن سے پہلے آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن نزول قرآن کے بعد یہ کیفیت نہیں رہی تھی۔ اسی لئے قرآن نے مِنْ قَبْلِهٖ کی تخصیص کر دی۔

لیکن قرآن کریم میں خود عربوں کو بھی اُمیّینؐ کہا گیا ہے۔ اسکا مطلب ہے وہ لوگ جنہیں قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں دی گئی تھی۔ اس لئے کہ یہ لفظ اَھْلُ کِتٰبٍ کے مقابلہ میں آیا ہے (دیکھئے ۳/۱۹ و ۳/۷۵)۔ عرب میں یہود و نصاریٰ اہل کتاب کہلاتے تھے، اور وہ لوگ جو کوئی آسمانی کتاب رکھنے کے مدعی نہیں تھے ان کے مقابلہ میں ''غیر اہل کتاب'' یعنے اُمیّینؐ کہلاتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل ان پڑھ تھے۔ یہ وہاں کی اصطلاح تھی جس سے ''اہل کتاب'' ان لوگوں کو اپنے سے الگ کرکے پکارتے تھے۔* لہذا قرآن میں بعض مقامات پر اُمّیینؐ کے معنے ان پڑھ ہیں اور بعض مقامات پر اس سے مراد وہ اہل عرب ہیں جو کوئی آسمانی کتاب رکھنے کے مدعی نہیں تھے۔

نیز اُمّی کے معنی اُمّ القریٰ (مکہ) کا باشندہ بھی ہیں جیسے حضرمی۔ حضرموت کے رہنے والے کو کہتے ہیں۔

(نوٹ۔ اُمّا حرف ہے جسے الگ لکھا گیا ہے۔)

---

* واضح رہے کہ قرآن نے خود مسلمانوں کو (جنہیں قرآن کی کتاب دی گئی ہے) الذین اوتوا الکتاب کہکر پکارا ہے (۳/۱۰۰) لیکن صرف اُنہی کو جو اس کتاب کا صحیح علم رکھتے ہیں۔

** (لطائف اللغۃ)

أَمَّا (حرف) -

اَمّا - یہ عام طور پر ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں ہم کہتے ہیں ''باقی رہا یہ کہ.....،، - یا ''جہانتک اس بات کا تعلق ہے،، - مثلاً -

(۱) فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ ..... (۲/۲۶) - جہانتک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ایمان لائے سو وہ جانتے ہیں کہ..... (یا) اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی (۸۰/۵) باقی رہا وہ جو اپنے آپ کو مستغنی سمجھتا ہے تو..... (یا) جہانتک اسکا تعلق ہے..... (یا) اَمَّا السَّفِیْنَةُ ..... (۱۸/۷۹) جہانتک کشتی کا تعلق ہے..... وَاَمَّا الْغُلٰمُ ..... (۱۸/۸۰) باقی رہا وہ لڑکا.....

(۲) بعض اوقات اَمّا مرکب ہوتا ہے اَمْ + مَا، کا - اور اس کے معنی ہوتے ہیں ''یا وہ چیز جو،، - یہ وہی اَمْ ہے جو استفہامی ہمزہ (اَ) کے بعد آتا ہے - مثلاً سورۃ انعام میں ہے - قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ (۶/۱۴۴) ان سے کہو کہ کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ - یا وہ جو دونوں کے رحم میں ہے -

ا م ن

اَمْنٌ - بے خوفی - اطمینان - خوف سے محفوظ ہونے کی حالت - * سورۂ بقرہ میں ہے فَاِذَآ اَمِنْتُمْ (۲/۲۳۹) ''جب تم امن میں ہو جاؤ،، - سورۃ انعام میں ہے - فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ (۶/۸۲) - ''سو دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ امن کا زیادہ حقدار ہے -،، ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) خیانت کی ضد - (۲) اطمینانِ قلب اور (۳) تصدیق کرنے کے ہیں -

اَمَّنَ - کسی کو بے فکر اور مطمئن کردینا - دوسرے کو امن دیدینا - اسکی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر پر لے لینا -*

* تاج -

اِئْتِمَانٌ - کسی پر بھروسہ اور اعتماد کرنا - کسی کو امانت دار اور محافظ سمجھنا -*

نَاقَةٌ آمُوْنٌ - اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو قوی اور عادات کے اعتبار سے قابلِ اعتماد ہو - جس کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ پیہم سفر سے کمزور نہیں ہو جائیگی اور راستے میں ٹھوکر کھا کر گر نہیں پڑیگی -*

مُؤْمِنٌ - امن کی ضمانت دینے والا - جس پر بھروسہ کرکے انسان بے فکر اور محفوظ ہو جائے - امنِ عالم کا ضامن -*

اَمَانَةٌ - وہ چیز جو کسی کے بھروسہ پر دے دی جائے -** (حمل امانت کے معنی امانت میں خیانت کرنا ہیں - اس کے لئے عنوان ح-م-ل دیکھئے) -

اَمِيْنٌ - بے خوف - مطمئن - جسے قابل اعتماد سمجھا جائے - جو کسی کو قابل اعتماد سمجھے - جس پر بھروسہ کیا جا سکے -* بَلَدٌ اَمِيْنٌ (۹۵/۳) - جس شہر میں امن و حفاظت ہو - مَقَامٌ اَمِيْنٌ - (۴۴/۵۲) جس مقام میں پورا پورا اطمینان اور سامانِ حفاظت ہو -*** اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ (۲۶/۱۶۲) ''میں تمہارے لئے رسول آمین ہوں -،،

سورۃ نحل میں امن و اطمینان کے معنی حفاظت اور سامانِ زندگی کی فراوانی کے آئے ہیں - ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا ..... فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (۱۶/۱۱۲) ''اللہ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے - وہ امن و اطمینان کی حالت میں تھی - اس میں سامانِ زیست ہر جگہ سے با فراغت آتا تھا - پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی نا قدری کی تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کے عذاب کا مزہ چکھایا'' - سورۃ حجر میں ہے - وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ (۱۵/۸۲) - ''وہ حفاظت کی غرض سے پہاڑوں کو تراش کر مکان بنایا کرتے تھے،، - سورۃ آلِ عمران میں امن بمقابلہ غم آیا ہے - ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً (۳/۱۵۴) - ''پھر اس نے تم پر غم کے بعد امن نازل کیا،، -

قرآن میں یہ سادہ اعتماد اور بھروسہ کے معنوں میں متعدد مقامات میں استعمال ہوا ہے - مثلاً سورۃ بقرہ میں لین دین کے معاملات کے ضمن میں ہے فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (۲/۲۸۳) - ''اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اعتماد کرے،، - سورۃ یوسف میں ہے - لَا تَاْمَنَّا (۱۲/۱۱) -

* تاج - ** محیط - *** لین -

'' تو ہمارا اعتبار نہیں کرتا '' ۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا (۱۲/۱۷) ۔ '' اور تو ہماری بات کا اعتبار نہیں کریگا '' ۔ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ (۱۲/۶۴) ۔ '' میں اس کے متعلق تمہارا اعتبار نہیں کرتا بجز اس کے جس طرح میں نے (پہلے) تمہارا اعتبار کیا تھا '' ۔ ان تمام مقامات میں اٰمَنَ کا لفظ اعتبار ۔ بھروسہ اور یقین آنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔

جب اٰمَنَ کا صلہ لام ہو تو اس کے معنی بات ماننے کے ہوتے ہیں ۔ سورۃ بقرہ میں قصہ بنی اسرائیل کے ضمن میں ہے ۔ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ (۲/۵۵) ۔ '' ہم تیری بات نہیں مانینگے '' ۔ اس میں اعتبار ۔ اعتماد ۔ یقین اور اطاعت، سب کا مفہوم آ جاتا ہے ۔ جب اس کا صلہ ب ہو تو اس کے معنی ایمان لانے کے ہوتے ہیں ۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (۲/۲۸۵) '' سب ایمان لائے ہیں اللہ پر '' ۔ اٰمَنَ کے جو معانی اوپر دئے گئے ہیں، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ '' ایمان لانے '' میں ان سب کا مفہوم آ جاتا ہے ۔ یعنی ۔

(۱) یقین کرنا ۔ ماننا ۔ تسلیم کرنا ۔ یعنی انکار نہ کرنا ۔
(۲) تصدیق کرنا ۔ اس کے سچے ہونے کا اقرار کرنا ۔ یعنی تکذیب نہ کرنا ۔
(۳) اعتماد اور بھروسہ کرنا ۔
(۴) بات ماننا ۔ اطاعت کرنا ۔ سر تسلیم خم کرنا ۔

قرآن کی رو سے پانچ بنیادی حقیقتیں ہیں جن پر ایمان لانے سے انسان مؤمن ہو جاتا ہے ۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (۲/۱۷۷) ۔ '' کشاد کی راہ اس کی ہے جو اللہ پر ۔ یوم آخرت پر ۔ ملائکہ پر ۔ کتب پر اور انبیاء پر ایمان لائے '' ۔ ان کا (یا ان میں سے کسی ایک کا) انکار کفر ہے ۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (۴/۱۳۶) ۔ '' جو اللہ سے ۔ اور اس کے ملائکہ کتب ۔ رسل اور یوم آخرت سے انکار کرتا ہے تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل جاتا ہے '' ۔ اللہ پر ایمان کے معنی ہیں اسکی ہستی پر یقین ۔ اسکی ہر بات پر اعتماد ۔ اسکے قوانین پر پورا پورا اعتماد ۔ اور ان کی اطاعت کا اقرار ۔ یوم آخرت پر ایمان کے معنی ہیں خدا کے قانون مکافات عمل کی محکمیت پر یقین اور اعتماد ۔ اور موت کے بعد تسلسل حیات پر یقین ۔ ملائکہ پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ یہ ملکوتی قوتیں نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ

کے پروگرام کو بروئے کار لانے میں سرگرم عمل ہیں اور خدا نے انہیں انسان کے سامنے جھکا دیا ہے ۔ مسخر کر دیا ہے ۔ اس لئے ان میں سے کوئی قوت ایسی نہیں جس کے سامنے انسان جھکے ۔ انبیاء پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انسان ، تنہا عقل کی رو سے شاہراہِ زندگی پر چلنے کی راہ نمائی حاصل نہیں کر سکتا ۔ یہ راہ نمائی وحی کی رو سے ملتی ہے ۔ اور وحی ہر فرد کو براہ راست نہیں ملتی بلکہ خدا کے منتخب کردہ افراد کی وساطت سے ملتی ہے جنہیں انبیاء کہا جاتا ہے ۔ وحی کا یہ سلسلہ نبی اکرمؐ کی ذات پر ختم ہو گیا ۔ کتابوں پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ یہ ضابطۂ حیات، وحی کی رو سے ملا ہے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے ۔ اس کے علاوہ منزل تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ نہیں ۔ نبوت پر ایمان لانے کی عملی شہادت اس نبی کی کتاب کو ضابطہ زندگی بنانا ہے ۔ لیکن نزولِ قرآن کے بعد کوئی اور کتاب ضابطۂ حیات نہیں بن سکتی ۔

لہذا مومن (ایمان لانے والا) وہ ہے جسے خدا کے اس قانون کی محکمیت پر بھی پورا پورا بھروسہ ہو جو کائنات میں کار فرما ہے اور اس قانون پر بھی جو حضرات انبیائے کرامؑ کی وساطت سے وحی کے ذریعے انسانی راہ نمائی کے لئے ملا (اور جواب قرآن کے اندر ہے) ۔ اور انسانی اعمال کی نتیجہ خیزی پر بھی پورا پورا یقین ہو (اس دنیا میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی) ۔ ایسے افراد پر مشتمل جماعت کو قرآن '' یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا '' کہکر پکارتا ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ کہکر تنبیہ بھی کر دیتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ جماعت کا یہ نام تو باقی رہ جائے اور وہ خصوصیات باقی نہ رہیں جن کی بناء پر انہیں اس خطاب کا حامل قرار دیا گیا تھا ۔ اس لئے اس جماعت سے بھی کہدیا گیا کہ جس طرح دیگر افراد انسانیہ (یہود ۔ نصاریٰ وغیرہ) کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوانین خداوندی اور مکافاتِ عمل پر پورا پورا یقین رکھیں اسی طرح ان کے لئے بھی ضروری ہے ۔ انہیں اطمینان اور بےخوفی کی زندگی اسی طرح مل سکیگی، نہ کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو جانے سے ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ ۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲/۶۲) ۔ '' یقیناً جو لوگ اپنے آپ کو مومن کہکر پکارتے ہیں اور جو یہود اور نصاریٰ اور صابئین ہیں ۔ کسے باشد ۔ جو بھی اللہ اور آخرت

پر ایمان لائیگا اور اس کے اعمال صالح ہونگے - تو ایسے لوگوں کا اجر ان کے رب کے ہاں ہوگا - اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ حزن - (نیز دیکھئے ۲/۶۲ ۱۳۶) -

اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ تو پہلے ہی خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے انہیں ''مومن'' ہونے کے لئے نئے سرے سے ایمان لانے کی ضرورت نہیں - ان سے واضح طور پر کہ دیا کہ جب تک ان تمام امور پر اسطرح ایمان نہ لایا جائے جسطرح قرآن نے بتایا ہے (یعنی ان کی جو تشریحات قرآن نے بیان کی ہیں انہیں اسی طرح نہ مانا جائے) کسی کے (بزعم خویش) ایمان کو ایمان نہیں کہا جائیگا - فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (۲/۱۳۷) - ''اگر یہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح (اے جماعت مومنین) تم ایمان لائے ہو تو پھر سمجھا جائیگا کہ یہ لوگ صحیح راستے پر ہیں'' - ایمان وہی ایمان ہے جو قرآن کے مطابق ہے اور عمل وہی صالح ہے جسے قرآن صالح قرار دے -

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ تو مانتے ہیں کہ کائنات کو خدا نے بنایا ہے اور اس کا قانون اس میں کار فرما ہے، لیکن اپنی زندگی (یا انسانی معاملات) میں خدا کی راہ نمائی (وحی) کو ضروری نہیں سمجھتے - ایسے لوگوں کو وہ مومن قرار نہیں دیتا اس لئے کہ مومن کے معنی صرف یہی نہیں کہ وہ خدا کی ہستی پر ایمان رکھتا ہو - مومن وہ ہے جو وحی پر بھی ایمان رکھے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرے - (تفصیل کے لئے دیکھئے (۲۳/۸۳-۹۰)) -

یہ بھی یاد رہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر، یا جماعت مومنین کے غلبہ و اقتدار کے پیش نظر، ایمان لے آنا بھی ایمان نہیں کہلاتا - ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے دل کی گہرایوں میں قانونِ خداوندی کی صداقتوں کا یقین اور اس کی محکمیت پر بھروسہ رکھے - سورۃ الحجرات میں ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا - قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (۴۹/۱۴) - ''اعراب (دیہاتی بدو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں - ان سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے - یہ کہو کہ ہم نے تمہاری فرماں برداری اختیار کر لی ہے - اس لئے کہ (ابھی تک) تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا'' -

دوسری طرف اسے بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ایمان صرف ان حقائق کو مان لینے کا نام نہیں ۔ ان کے سامنے عملاً سر تسلیم خم کر دینا بھی ضروری ہے ۔ سورۃ روم میں ہے اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۳۰/۵۳) ۔ ''تو صرف انہی کو سنا سکتا ہے جو ہمارے احکام پر ایمان لاتے ہیں اور وہ ان کے سامنے جھکنے والے ہیں'' ۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں ایمان کو کفر کے مقابل رکھا گیا ہے (مثلاً ۲/۳ میں) وہاں اسے ''گریز کی راہیں نکالنے اور پھر جانے'' کے مقابل بھی لایا گیا ہے ۔ (دیکھئے ۲/۱۳۷) حتی کہ مومن اور فاسق کو بھی ایک دوسرے کی ضد بتایا گیا ہے (مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۳/۱۱۰)) ۔ اور منافقین کی ضد بھی ۔ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (۳/۱۶۶-۱۶۷) ''تاکہ وہ مومنوں کو بھی جان لے اور ان لوگوں کو بھی جو منافقت برتتے ہیں'' ۔

قرآن نے خدا کو اَلْمُؤْمِنُ (۵۹/۲۳) کہا ہے ۔ اس لئے کہ وہ تمام کائنات کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور جو اس کے قانون پر بھروسہ کرتا ہے وہ اسے تخریبی قوتوں کی تباہیوں سے محفوظ رکھتا ہے ۔ اس اعتبار سے بندۂ مومن وہ ہوگا جس پر تمام انسان اعتماد اور بھروسہ کر سکیں اور جو تمام دنیا میں امن قائم رکھنے کا ذمہ دار ہو ۔

تصریحات بالا سے اس حقیقت کو سمجھ لیجئے کہ مومن کسے کہتے ہیں ۔ اس کا مقام کیا ہے اور فرائض اور ذمہ داریاں کیا ؟

اِمَّا (حرف)

اِمّا (یا تو ۔ یا خواہ) حسب ذیل مثالوں سے مفہوم واضح ہو جائیگا :۔

(۱) اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ (۹/۱۰۶) ۔ خواہ وہ انہیں عذاب دے اور خواہ ان کی طرف متوجہ ہو ۔

(۲) قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى (۲۰/۶۵) انہوں نے کہا ۔ اے موسیٰ یا تو تو پہلے ڈال یا ہم پہلے ڈالیں ۔

(۳) بعض اوقات یہ حرف شرط (اِنْ) کے معنی دیتا ہے ۔ اس صورت میں (مَا) اس میں زائد ہوتا ہے ۔ جیسے فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا (۱۹/۲۶) ۔ پھر اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو ..... اس میں صرف اِنْ کے معنی (اگر) آئے ہیں ۔ (مَا) زائد ہے ۔

ا م و (ا م ۃ)

اَمَۃٌ ۔ باندی (حُرَّۃٌ کی ضد ہے) یہ لفظ دراصل اَمَوَۃٌ یا اَمْوَۃٌ تھا* ۔ قرآن کریم میں مذکر کے لئے عَبْدٌ اور مونث کے لئے اَمَۃٌ آیا ہے (۲/۲۲۱) ۔ اَمَۃٌ کی جمع اِمَاءٌ ہے (۲۴/۳۲) ۔

أَنْ ۔ (حرف) ۔

أَنْ ۔ عام طور پر (کہ) کے معنوں میں آتا ہے ۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰہِ (۶۱/۸) ۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں ۔

(۲) وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ ..... (۲/۱۸۴) اور یہ کہ تم روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا ۔ یعنی صِیَامُکُمْ ۔ تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے ۔

(۳) بعض اوقات یہ زائد ہوتا ہے ۔ مثلاً ۔ وَلَمَّا اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا (۲۹/۳۳) ۔ جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کی طرف آئے ۔ یہاں اَنْ زائد ہے ۔ چنانچہ (۱۱/۷۷) میں ہے وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا ۔ یعنی اس میں اَنْ نہیں ہے ۔ نیز دیکھئے (۱۲/۹۶) جہاں اَنْ زائد ہے ۔

(۴) بعض اوقات اَنْ سبب کو ظاہر کرنے کے لئے بھی آتا ہے ۔ مثلاً وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَھُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْھُمْ (۳۸/۴) ۔ اور انہیں اس بات پر تعجب آ رہا ہے کہ ان کی طرف انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آ گیا! یعنی اسکے تعجب کا سبب یہ ہے کہ ان کی طرف انہی میں سے رسول آ گیا ۔ وہ اسپر متعجب ہیں کہ ایسا کس طرح ہوگیا ۔ (لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ دراصل لِاَنْ ہے ۔ یعنی اس میں لامِ سبب، مقدر ہے ۔ یعنی وہ لام جس کے معنی ''تاکہ،، یا ''اس وجہ سے،، ہوتے ہیں لکھا نہیں گیا ۔ محذوف ہے ۔)

(۵) ''تاکہ،، کے معنوں میں ۔ وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ (۱۶/۱۵) ۔ ''اور اس نے زمین پر پہاڑ بنا رکھے ہیں تاکہ تمہیں سامان رزق عطا کرے،، ۔ ''یا تم اسی پر آرام سے بیٹھے رہو اور یہ تمہیں لیکر گھومتی رہے ۔،، (بعض کے نزدیک یہاں بھی لام سبب مقدر ہے) ۔

* تاج ۔

(۶) بعض اوقات اس کا مطلب ہوتا ہے ''یہ کہکر کہ،، ۔ و لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (۱۶/۳۶)۔اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا ۔ یہ پیغام دیکر کہ لوگ صرف اللہ کی محکومی اختیار کریں ۔

(۷) ''ایسا نہ ہو کہ،، ۔ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا (۴/۱۷۶) ۔ اللہ یہ باتیں تمہیں کھول کر بتاتا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم غلطی میں پڑ جاؤ ۔

(۸) ''تاکہ اگر ایسا ہو تو.....،، کے معنوں میں ۔ مثلاً اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا (۲/۲۸۲) ۔ تاکہ اگر ایسا ہو کہ ان میں سے کوئی ایک غلطی کر جائے تو.....

اِنْ (حرف)

اِنْ ۔ حرف شرط ہے ۔ ''اگر،، کے معنوں میں آتا ہے ۔ اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ (۸/۳۸) ۔ اگر وہ رک جائیں تو اللہ ان کی حفاظت کا سامان کردے ۔

(۲) کبھی یہ ۔ مَا (نہیں) کے معنوں میں آتا ہے ۔ وَ قَالُوْا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (۳۷/۱۵) اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں بجز اس کے کہ کھلا ہوا جھوٹ* ہے ۔ یا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَکَهُمَا ..... (۳۵/۴۱) ۔ اگر وہ ہٹ جائیں تو کوئی انہیں روک نہیں سکتا ۔

(۳) کبھی یہ اِنَّ کا مخفف ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں ۔ یقیناً ۔ بالتحقیق ۔ فَذَکِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی (۸۷/۹) ۔ سو تو انہیں قانونِ خداوندی کی یاد دلاتا جا ۔ یقیناً یہ یاد دہانی نفع دیتی ہے ۔ (بعض کا خیال ہے کہ اس آیت میں اِنْ شرطیہ ہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تذکیر صرف اسوقت کرو جب تک یہ نفع بخش ہو ۔ ورنہ صحیح موقع کا انتظار کرو ۔) **

(۴) کبھی یہ زائد ہوتا ہے ۔ یعنی کوئی معنی نہیں دیتا ۔ چنانچہ بعض کا خیال ہے کہ آیت وَ لَقَدْ مَکَّنّٰهُمْ فِیْمَآ اِنْ مَّکَّنّٰکُمْ فِیْهِ (۴۶/۲۶) میں اِنْ زائد ہے ۔ اس اعتبار سے اسکے معنی ہونگے ''اور یقیناً ہم

* دیکھئے عنوان (س-ح-ر) ۔ ** جب اِن مخفف ہو اِنَّ کا تو اسکی خبر پر اکثر لام تاکید آیا کرتا ہے ۔ جیسے وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۶۲/۲) ''اور یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے'' ۔

نے انہیں ایسا تمکن عطا کیا تھا جیسا تمہیں کیا ہے،، ۔ لیکن اگر یہاں ' اِنْ ' کے معنی مَا (نہیں) کے لئے جائیں تو معنی ہونگے ''ہم نے انہیں ایسا تمکن دیا تھا جیسا تمکن تمہیں بھی نہیں دیا،،۔

(۵) بعض اوقات اس کے معنی اِذْ کے آتے ہیں ۔ اور مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ''چونکہ تم ایسے ہو اسلئے ..... ۔ مثلاً اِتَّقُوْا اللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۵/۱۱۲) ۔ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو ۔ اس لئے کہ تم مومن ہو ۔ (نیز ۲/۲۷۸) ۔ سورۂ بقرہ میں ہے ۔ وَ اشْکُرُوْا اللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ۔ (۲/۱۷۲) ۔ اور نعمائے خداوندی کی قدردانی کرو در آنحالیکہ (جب کہ) تم اسکی محکومی اختیار کئے ہوئے ہو ۔

(۶) اِلاَّ ۔ (اِنْ + لَا) ۔ دیکھئے ۔ اِلاَّ

اَنَا (ضمیر)

اَنَا ۔ واحد متکلم کی مرفوع ضمیر ہے اور مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتی ہے ۔ اَنَا رَجُلٌ ۔ میں ایک مرد ہوں ۔ اَنَا امْرَاَۃٌ ۔ میں ایک عورت ہوں ۔ قرآن کریم میں ہے قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ (۲/۲۵۸) ''اس نے کہا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں'' ۔ اَنَا کا تثنیہ اور جمع نَحْنُ آتا ہے ۔

اَنْتَ (ضمیر)

اَنْتَ ۔ واحد مذکر حاضر کی مرفوع ضمیر ہے ۔ اَنْتَ رَجُلٌ ۔ تو ایک مرد ہے ۔ سورۃ بقرہ میں ہے ۔ اُسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ (۲/۳۵) ''تو اور تیری بیوی باغ میں رہو'' ۔

اس کا تثنیہ اَنْتُمَا اور جمع اَنْتُمْ آتی ہے ۔

اَنْتِ (ضمیر)

اَنْتِ ۔ واحد مؤنث حاضر کی مرفوع ضمیر ہے ۔ اَنْتِ امْرَاَۃٌ ۔ تو ایک عورت ہے ۔ اس کا تثنیہ اَنْتُمَا اور جمع اَنْتُنَّ آتی ہے ۔

اَنْتُمْ (ضمیر)

اَنْتُمْ ۔ جمع مذکر حاضر کی مرفوع ضمیر ہے ۔ اَنْتُم رِجَالٌ ۔ تم سب مرد ہو۔ قرآن کریم میں ہے وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ (۲/۱۳۲) ''تم مسلم ہو'' ۔ اس کا واحد اَنْتَ ہے ۔

اَنْتُمَا (ضمیر)

اَنْتُمَا ۔ تثنیہ حاضر کی مرفوع ضمیر ہے ۔ اور مذکر و مؤنث دونوں کیلئے آتی ہے ۔ اَنْتُمَا رَجُلَانِ ۔ تم دونوں مرد ہو۔ اَنْتُمَا امْرَاَتَانِ ۔ تم دونوں عورتیں ہو۔ سورۃ قصص میں ہے اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُوْنَ (۲۸/۳۵) ۔ ''تم دونوں اور جو تمہارا اتباع کرے' غالب رہوگے'' ۔

اس کا واحد اَنْتَ (مذکر کے لئے) اور اَنْتِ (مؤنث کے لئے) ہیں ۔

اَنْتُنَّ (ضمیر)

اَنْتُنَّ ۔ جمع مؤنث حاضر کی مرفوع ضمیر ہے ۔ اَنْتُنَّ نِسْوَةٌ ۔ تم سب عورتیں ہو۔ اس کا واحد اَنْتِ ہے ۔

ا ن ث

اَنْثٌ ۔ اس کے بنیادی معنے نرم کے ہیں ۔ حَدِیْدٌ اَنِیْثٌ ۔ نرم لوہا۔ اَرْضٌ اَنِیْثَةٌ ۔ نرم زمین ۔ سَیْفٌ اَنِیْثٌ ۔ نرم تلوار جو قاطع نہ ہو۔ اَنِثَ لَهٗ ۔ وہ اس کے لئے نرم ہو گیا * ۔

راغب نے لکھا ہے کہ چونکہ تمام حیوانات میں مؤنث بمقابلہ مذکر نرم اور ضعیف ہوتی ہے اس لئے اسے اُنْثیٰ کہتے ہیں ۔ لہذا ہر وہ چیز جس میں فاعلیت کی بجائے انفعال کا پہلو غالب ہو اَنِیْثٌ کہلائیگی ۔ چنانچہ اسی اعتبار سے جمادات کو بھی اَلْاِنَاثُ کہتے ہیں ۔ اور خدا کے مقابلہ میں جن چیزوں کو بھی معبود بنا لیا جاتا ہے وہ (خدا کی قوت اور فاعلیت کے اعتبار سے) اِنَاثٌ کہلاتی ہیں ۔ سورۃ النساء میں جو کہا گیا ہے کہ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلَّا اِنٰثًا (۴/۱۱۷) تو اس میں اِنَاثٌ سے مراد ضعیف و کمزور ہی ہیں خواہ وہ پتھر کی مورتیاں ہوں یا دیگر معبود ** ۔

---

* تاج ۔ ** راغب ۔

قرآن کریم میں ذَکَرٌ (نر۔ مذکر) کے مقابلہ میں اُنثیٰ (مادہ۔ مؤنث) آیا ہے (۴/۱۱) اور بَنِیْنَ (بیٹے) کے مقابلہ میں بھی اِنَاثٌ (بیٹیاں) آیا ہے (۱۷/۴۰)۔

انجیل

اَلنَّجْلُ کے بہت سے معنی ہیں۔ منجملہ ان کے، بہنے والے پانی کو بھی کہتے ہیں۔ اور تَجَلَّتِ الْاَرْضُ کے معنی ہیں زمین سرسبز ہو گئی۔ نَجَّلَ الشَّیْئَ۔ اس نے اس چیز کو ظاہر کر دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلْاِنْجِیْلُ اسی سے مشتق ہے*۔ لیکن صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ لفظ، یونانی لفظ اَوَنْجِیْلِیُوْنُ کا معرب ہے جس کے معنی مسرت انگیز خبر یا بشارت ہیں**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْاِنْجِیْلُ۔ نَجَّلْتُ الشَّیْئَ سے ہے جس کے معنی ہیں، میں نے اسے نکال لیا۔ اس کا مفہوم ہے، واضح کر دیا۔ کھول کر بیان کر دیا۔ اس لئے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں وسعت کے ہیں۔ قرآن نے یہ لفظ اس کتاب کے لئے استعمال کیا ہے جو حضرت عیسیٰ کو دی گئی تھی (۵/۴۷)۔

جو انجیل اسوقت عیسائیوں کے پاس ہے اسکی تاریخ کے لئے میری کتاب ''معراج انسانیت،، کا پہلا باب ''ظہرالفساد،، دیکھئے۔ اس سے واضح ہوگا کہ یہ کتاب اپنی اصلی شکل میں بالکل نہیں۔ حضرت عیسےٰ ؑ جو صحیفۂ ربانی (انجیل) اپنے حواریوں کو دیکر گئے تھے، اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا۔ بعد میں جب عیسائی کلیسا، یہودی اور غیر یہودی عناصر کی کشمکش کی رزمگاہ بن گیا تو مختلف الخیال فرقوں نے اپنی اپنی انجیلیں مرتب کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کی تحقیق کی رو سے اس زمانے میں قریب چونتیس اناجیل کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اناجیل درحقیقت حضرت عیسےٰ ؑ کے سوانح حیات تھے جنہیں عام روایات سے اخذ کرکے ترتیب دیا گیا تھا۔ حضرت عیسےٰ ؑ اور آپ کے حواریوں کی زبان ارامی تھی لیکن حیرت ہے کہ ان چونتیس اناجیل میں سے (سوائے ایک کے جو اب مفقود ہے) کوئی انجیل بھی ارامی زبان میں نہیں تھی۔ سب کی سب یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ نیقیہ کی مشہور کونسل (منعقدہ ۳۲۵ء) میں یہ تمام لٹریچر سامنے رکھا گیا اور ان میں سے چار اناجیل (متی۔

* تاج۔ ** محیط۔

مرقس ۔ لوقا ۔ یوحنا) کو منتخب کرکے بقایا کو جعلی قرار دے دیا گیا ۔ ان منتخب کردہ اناجیل (اور ان خطوط کو جنہیں سینٹ پال اور حواریوں کیطرف منسوب کیا جاتا ہے) عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے ۔ لیکن ان میں سے بھی کوئی کتاب اپنی اصلی شکل میں صفحہ ارض پر موجود نہیں ۔ اسوقت دنیا میں اناجیل کے صرف تین قدیمی نسخے ہیں ۔ ایک ویٹکن میں ۔ دوسرا برٹش میوزیم میں اور تیسرا وہ جسے روس نے انگلستان کے پاس فروخت کیا ہے ۔ پہلے دونوں نسخے پانچویں صدی کے اور تیسرا نسخہ چوتھی صدی کا ہے ۔ چوتھی صدی میں جیروم نے یونانی زبان سے ان کا ترجمہ لاطینی میں کیا ۔ یہی ترجمہ اس ترجمہ کا ماخذ ہے جو شاہ جیمس کے عہد میں (۱۶۱۱ ء میں) شائع کیا گیا اور جو مستند ترجمہ کہلاتا ہے ۔ ۱۸۷۰ ء میں کنٹربری میں ستائیس علمائے عیسائیت کی ایک مجلس بدیں غرض منعقد ہوئی کہ چونکہ ۱۶۱۱ ء والا ترجمہ ناقص ہے اس لئے ایک اور مستند ترجمہ شائع کیا جائے ۔ اس ترجمہ کو (Revised Edition) کہا جاتا ہے ۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اناجیل کے جو تراجم اب مروج ہیں وہ ان دو تراجم کے عین مطابق ہیں ۔ بالکل نہیں ۔ بائیبل سوسائٹیز کیطرف سے شائع ہونے والا ہر نسخہ ، پہلے نسخوں سے مختلف ہوتا ہے ۔ ایسا مختلف کہ جب جرمن ڈاکٹر میل نے عہد نامہ جدید کے چند نسخے جمع کرکے موازنہ کیا تو تیس ہزار اختلافات شمار کئے ۔ اور جان جیمس نے جب ذرا زیادہ تحقیق سے کام لیا تو دس لاکھ اختلافات سامنے آ گئے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون (Gospel) اور انسائکلوپیڈیا اوف ریلیجنز اینڈ اتھکس کا مضمون (Bible) ۔

یہ ہے مختصراً انجیل کی کیفیت جسے عیسائی دنیا آسمانی کتاب مانتی ہے ۔ واضح رہے کہ اناجیل میں یہ تحریفات سہواً نہیں کی گئیں ۔ دانستہ اور ''کارثواب'' سمجھ کر کی گئی ہیں ۔ چنانچہ (اور تو اور خود)۔سینٹ پال کا بیان ہے کہ

> اگر میرے جھوٹ کے سبب سے ، خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے ظاہر ہوئی تو پھر مجھ پر ایک گنہگار کیطرح کیوں حکم دیا جاتا ہے ؟

(رومیوں کے نام خط ۔ ۳/۷)۔

اس ''جھوٹ'' سے ''خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے'' کسطرح ظاہر ہوئی، اس کے متعلق (زیادہ نہیں) صرف ایک شہادت کافی ہوگی ۔ ڈاکٹر جوڈ اپنی کتاب (God And Evil) میں لکھتا ہے کہ

جو چیز سب سے زیادہ افسوسناک ہے وہ حضرت عیسٰے ؑ کا وہ
کیریکٹر ہے جسے اناجیل پیش کرتی ہیں ۔ (صفحہ ۳۱۹)۔

اس سے یہ حقیقت سمجھ میں آجاتیگی کہ جب قرآن نے یہ کہکر کہ انجیل محرف ہے ' حضرت مریم اور حضرت عیسٰے ؑ کے صحیح سوانح حیات پیش کئے تو یہ خود دنیائے عیسائیت پر کتنا بڑا احسان تھا۔

ا ن س

اَنِسَ ۔ مانوس ہونا ۔ (وحشت کی ضد ہے) ۔ چنانچہ اَلْحُمُرُ الْاِنْسِیَّۃُ پالتو گدھوں کو کہتے ہیں ۔ اور حِمَارٌ وَحْشِیٌّ جنگلی گدھے (گورخر) کو۔ اِسْتَانَسَ الْوَحْشِیُّ کے معنی ہیں جانور مانوس ہو گیا*۔

اِنْسٌ فُلَانٍ ۔ فلاں شخص کا خاص دوست یا اس کا خالص رفیق ۔ اِنْسٌ ۔ بشر۔ اس کا واحد اِنْسِیٌّ ہے ۔ اَلْاَنَسُ : وہ قبیلہ جو کسی جگہ مقیم ہو* ۔ اِنْسٌ کے برعکس ، وہ خانہ بدوش قبائل جو جگہ جگہ پھرتے رہتے تھے اور اس طرح عام نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے ' جِنٌّ کہلاتے تھے ۔ (دیکھئے عنوان ۔ ج ۔ ن ۔ ن) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اِنْسٌ کے بنیادی معنی ظاہر ہونے کے ہیں ۔ برعکس اَلْجِنِّ کے ، جس کے معنی پوشیدہ ہونے کے ہیں ۔ اس کی جمع اُنَاسٌ اور اَنَاسِیٌّ آتی ہے ۔ بعض کے نزدیک اَلنَّاسُ بھی اس کی جمع ہے ۔ قبیلے کے معنوں میں اُنَاسٌ سورۃ بقرہ میں آیا ہے ۔ قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ۔ (۲:۶۰) ۔ ''سب قبیلوں نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا''۔ نوع انسانی کے معنوں میں اَنَاسِیٌّ اور اَلنَّاسُ سورۃ فرقان میں آئے ہیں ۔ (دیکھئے ۲۵:۴۹ ؛ ۲۵:۵۰) ۔

لفظ اِنْسَانٌ کے متعلق بہت سی توجیہات پیش کی جاتی ہیں لیکن اکثر لوگوں کا خیال یہی ہے کہ یہ بھی اِنْسٌ سے ہی ہے۔ قرآن میں اِنْسَانٌ اور بَشَرٌ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں (دیکھئے ۱۵/۲۶:۲۸) ۔ نیز اِنْسِیًّا بھی بَشَرٌ کے ساتھ آیا ہے (۱۹/۲۶) ۔ انسان اور بشر کے فرق کیلئے دیکھئے عنوان ب ش ر

اَلنَّاسُ ۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے بعض کے نزدیک یہ اِنْسٌ کی جمع ہے ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ قَوْمٌ کی طرح اسم جمع ہے ۔ بعض کے نزدیک اَلنَّاسُ دراصل اُنَاسٌ تھا جو اِنْسٌ کی جمع ہے ۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ دراصل اَلْاُنَاسِیُّ تھا ۔ کثرت استعمال سے آخر کی یاء گر گئی ۔ اس کے بعد اَلْاُنَاسُ کا درمیانی ہمزہ بھی تخفیفاً حذف کر دیا اور اس طرح اَلنَّاسُ باقی رہ گیا** ۔

* تاج و لین و اقرب الموارد ۔ ** تاج

آنَسَ کے معنی دیکھنے اور محسوس کرنے کے ہیں ۔ تذکرہ حضرت موسیٰؑ میں جہاں انہوں نے کہا ہے اِنِّیْ آنَسْتُ نَارًا (۲۷/۷ ؛ ۲۰/۹) تو اس میں آنَسَ کے معنی دیکھنے کے ہیں ۔ اِیْنَاسٌ ۔ کسی شے کی معرفت اور ادراک حاصل کر لینے اور یقین کو کہتے ہیں** ۔ مُسْتَانِسٌ ۔ جو مانوس اور بے تکلف ہو ۔ سورۃ احزاب میں ہے مُسْتَانِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ (۳۳/۵۳) ۔ اس کے معنی ہیں بے تکلف باتوں میں لگ جانا ۔

اِسْتَانَسَ ۔ اجازت طلب کرنا ۔ سورۃ نور میں ہے حَتّٰی تَسْتَانِسُوْا (۲۴/۲۷) اس کے معنی اگلی آیت (۲۴/۲۸) سے واضح ہو جاتے ہیں ۔ اِسْتَانَسَ کے معنی در اصل معلومات حاصل کرنے کے ہوتے ہیں ۔ جو شخص کسی مکان کے باہر کھڑا ہو کر دستک یا آواز دیتا ہے وہ دریافت کرتا ہے کہ گھر میں کوئی ہے ۔ اور اگر ہے تو وہ اندر آ سکتا ہے؟ اس بنا پر یہ لفظ اِسْتِیْذَانٌ (اجازت طلبی) کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ۔ اس قسم کی اجازت طلبی سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ آنے والا گھر کے اندر داخل ہونے سے پہلے ایسا انداز اختیار کرے جس سے وہ اہل خانہ کے نزدیک اجنبی نہ رہے ۔ مانوس ہو جائے ۔

قرآن کا خدا رَبُّ النَّاسِ ۔ مَلِکِ النَّاسِ ۔ اِلٰہِ النَّاسِ (۱۱۴/۱-۳) ہے اور خود قرآن بَصَائِرُ لِلنَّاسِ (۴۵/۲۰) ۔ اس لئے یہ دعوت بلا حدودِ زمان و مکان ، تمام نوع انسانی کے لئے ہے اور خدا کی ربوبیت، ربوبیت عالمینی ہے ۔

نوٹ : ۔ قرآن میں جِنٌّ و اِنْسٌ کے الفاظ اکٹھے بھی آئے ہیں اور انسان سے پہلے جانؑ کی تخلیق کا بھی ذکر آیا ہے (۱۵/۲۷) ۔ اس کے لئے (ج ۔ ن ۔ ن) کا عنوان دیکھئے) ۔

ا ن ف

آنْفٌ ۔ ناک *۔ ہر چیز کی ابتدا اور اس کا مضبوط اور سخت ترین حصہ* ۔ آنْفٌ بِالْاَنْفِ (۵/۴۵) ۔ ''ناک کے بدلے ناک'' ۔ اِسْتِئْنَافٌ کسی کام کو از سر نو شروع کرنا * ۔ عرب ' عزت اور ذلت دونوں کی نسبت آنْفٌ کی طرف کرتے ہیں ۔ مثلاً حَمِیَ آنْفُہٗ ۔ وہ معزز ہو گیا، اور رَغِمَ آنْفُہٗ ۔ وہ ذلیل ہو گیا ** ۔ ہماری زبان میں بھی ''اونچی ناک والا'' اور ''ناک کٹ گئی'' عزت اور ذلت کے معنوں میں بولتے ہیں ۔

* تاج و راغب ۔ **محیط ۔

اٰنِفاً ۔ ابھی ابھی ۔ قرآن کریم میں ہے مَاذَا قَالَ اٰنِفاً (۴۷/۱۶) اس نے ابھی ابھی کیا کہا تھا ؟ ۔

ا ن م

اَلْاَنَامُ مخلوق کو کہتے ہیں ۔ یا صرف جن و انس کو کہتے ہیں ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان تمام چیزوں کو اَنَامٌ کہتے ہیں جو روئے زمین پر ہیں ۔ غالباً یہ نَوْمٌ سے ماخوذ ہے اور ہر اس چیز کو اَنَامٌ کہہ سکتے ہیں جس پر نیند طاری ہوتی ہو* ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اَلْاَنَامُ ہر جاندار چیز کو کہتے ہیں ۔ **

قرآن کریم میں ہے وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (۵۵/۱۰) ''زمین کو مخلوق کے فائدے کے لئے بنایا'' ۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی ایسا نظام جس میں زمین (سرچشمہ رزق) تمام مخلوق کے فائدے کے بجائے چند افراد کے مفاد کا ذریعہ بن جائے (یا بے فائدہ پڑی رہے) منشائے خداوندی کے خلاف ہوگا ۔ اس کی تشریح میں قرآن نے دوسرے مقام پر کہدیا ہے کہ ارض کو سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ (۴۱/۱۰) رہنا چاہئے ۔ یعنی اسے تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہئے ۔ (مزید تفصیل ا ۔ ر ۔ ض کے عنوان میں ملیگی) ۔

اِنَّ (حرف)

اِنَّ ۔ تاکید اور تحقیق کے لئے آتا ہے ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۲/۶) یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ (اس نظام حیات سے) انکار کرتے ہیں ۔

اِنَّمَا (اِنَّ + مَا) ۔ صرف (Only) کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔ (اسے حصر کہتے ہیں) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ (۹/۶۰) صدقات صرف فقراء کے لئے ہیں ۔ اور محض تاکید کے لئے بھی (نیز دیکھئے عنوان ۔ مَا) ۔

اِنِّيْ در اصل اِنَّ اور یٔ (متکلم کی ضمیر) سے مل کر بنا ہے ۔ اسے اِنِّيْ اور اِنَّنِيْ دونوں طرح بولا جاتا ہے ۔

اِنَّا ۔ در اصل اِنَّ اور نَا (جمع متکلم کی ضمیر) کا مرکب ہے ۔ اسے اِنَّا ۔ اور اِنَّنَا دونوں طرح بولا جاتا ہے ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔

أَنَّ - (حرف)

أَنَّ درحقیقت اِنَّ کی طرح ہے - تاکید کے لئے آتا ہے - جب اس پر کاف تشبیہ کا آجائے تو کَأَنَّ ہو جاتا ہے - (دیکھئے ''کَأَنَّ'' کے ماتحت)

أَنَّمَا کے معنی بھی أَنَّ ہی کے ہوتے ہیں - مطلب تحقیق اور تاکید ہوتا ہے - أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ (۲۱/۱۰۸) - یقیناً تمہارا اِلٰہ اِلٰہِ واحد ہے - اس پر کاف تشبیہ آجائے تو کَأَنَّمَا ہو جاتا ہے -

اِنَّ اور أَنَّ کے استعمال میں فرق یہ ہے کہ ابتدائے کلام میں اِنَّ استعمال کرتے ہیں اور درمیان کلام میں أَنَّ استعمال کرتے ہیں - البتہ قَالَ اور اس کے مشتقات کے بعد اِنَّ استعمال کیا جاتا ہے - أَنَّ استعمال نہیں کیا جاتا -

أَنّٰى (حرف)

(۱) أَنّٰى - كَيْفَ (کسطرح - کیونکر) کے معنوں میں - وَأَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (۸۹/۲۳) - اور (اُس دن) اُسکے لئے قانون کی یاد دہانی کسطرح ہو سکے گی؟

(۲) مَتٰى (کب اور جب) کے معنوں میں - قَالَ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلَامٌ (۱۹/۸) - زکریا نے کہا - اے میرے نشوونما دینے والے! میرے ہاں کب بیٹا پیدا ہوگا - (لیکن یہاں اس کے معنی ''کسطرح،، یا ''کیونکر،، بھی ہو سکتے ہیں) -

(۳) مِنْ أَيْنَ (کہاں سے) کے معنوں میں - أَنّٰى لَكِ هٰذَا (۳/۳۷) - تجھے یہ (رزق) کہاں سے ملا؟ (یہاں اسکے معنی ''کسطرح - کیسے یا کیونکر،، بھی ہو سکتے ہیں) -

(۴) ''کدھر،، کے معنوں میں - فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ (۶/۹۵) - تم کدھر الٹے پھر رہے ہو -

(۵) سورۂ بقرہ میں ہے - نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ - فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ (۲/۲۲۳) - تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں - تم اپنی کھیتیوں میں (ممنوع اوقاتِ محیض کے علاوہ) جب جی چاہے آؤ - یہاں أَنّٰى کے معنی جیسے ہیں (ضحاک) - ابن عباس کا قول ہے کہ اسکے معنی ہیں - أَنّٰى شِئْتُمْ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ -

رات اور دن میں جب تم چاهو۔ صاحب تاج العروس نے بهی اسکے معانی میں ''جب،، شامل کیا هے۔ مرزا ابوالفضل نے (غریب القرآن میں) ابو حیان کے حوالے سے لکھا هے کہ اسکے معنی ''اگر،، کے هیں۔ یعنی اگر تم چاهو۔

ا ن ی

آنَی الشَّیْئُ آنْیاً۔ کسی بات کا وقت هو جانا۔ اسکا اپنی غایت اور تکمیل تک پهنچ جانا۔ پخته هو جانا۔ بَلَغَ هٰذَا اٰنَاهُ وَ اِنَاهُ۔ یه چیز اپنی پختگی اور تکمیل کو پهنچ گئی * سورۃ احزاب میں هے۔ نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ (۳۳/۵۳)۔ کهانے کے وقت کا انتظار کرنے والے۔ یعنی جب تمهیں کهانے پر بلایا جائے اس وقت آؤ۔ یه نه کرو که یونهی آجاؤ اور پهر باتیں کرتے رهو تاآنکه کهانے کا وقت آجائے اور تم اس میں (خواه مخواه) شامل هو جاؤ۔ سورۃ الحدید میں هے اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۵۷/۱۶) راغب نے لکھا هے که اسکے معنی یه هیں که کیا مومنین کے لئے اسبات کی تکمیل اور پختگی کا وقت نهیں آیا؟ سورۃ غاشیه میں عَیْنٍ اٰنِیَةٍ آیا هے (۸۸/۵)۔ اسکے معنی هیں چشمے کا وه پانی جو اپنی حرارت میں شدت تک پهنچ گیا هو۔ کهولتا هوا۔

آلَانِیَاءُ۔ برتن * ۔ جمع آنِیَةٌ۔ (۵۶/۱۸)

آلَاٰنَاءُ جمع هے آنٌی۔ اِنْیٌ کی، جس کے معنی وقت کا کچھ حصه۔ ساعت هیں۔ آنَاءُ اللَّیْلِ۔ رات کی گهڑیاں * (۳/۱۱۲ ذ ۳/۱۱۳) ابن فارس نے کها هے که اِنْیٌ رات کے کسی وقت کے لئے هی بولا جاتا هے۔ آنَیْتُ الشَّیْئَ۔ میں نے اس چیز کو اسکے وقت سے مؤخر کر دیا **

ا ه ل

آهل۔ صاحب محیط نے لکھا هے که اس ماده کے معنے عبرانی زبان میں خیمه کے هوتے هیں۔ اس اعتبار سے اسکا مفهوم هؤا وه لوگ جو ایک خیمه میں رهتے هوں*** اسکے بعد (راغب کے الفاظ میں) یه لفظ ان لوگوں کیلئے بولا جانے لگا جو آپس میں نسب۔ دین یا پیشه۔ مکان اور شهر میں مشترک هوں۔** عام طور پر اَهْلُ الرَّجُلِ۔ آدمی کے خاندان اور قریبی رشته داروں کو کهتے هیں۔ اَهْلُ الْبَیْتِ۔ گهر میں رهنے والے۔ اَهْلُ الرَّجُلِ۔ بیوی اور

* تاج۔ ** راغب *** محیط۔

اولاد کے لئے بھی آتا ہے۔** صاحب محیط نے اس لفظ کے متعدد معنے درج کئے ہیں۔ پھر ابو حنیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک اس سے بالخصوص بیوی مراد ہوتی ہے۔ "اَھْلِیّ" اس چوپایہ کو کہتے ہیں جو مکانات سے مانوس ہو جائے * یعنی پالتو۔

بیشک قرآن کریم قرابت اور رشتہ داری کو اہمیت دیتا ہے لیکن اس کے نزدیک انسانوں کی بنیادی تقسیم کا ایک ہی معیار ہے۔ یعنی کفر اور ایمان (Ideology)۔ جو لوگ ایک دین کے رشتہ میں پروئے جائیں، وہ ایک گروہ، جماعت اور قوم کے افراد۔ لہذا اپنے۔ جو اس رشتہ سے باہر ہوں، وہ دوسری جماعت اور قوم سے متعلق۔ لہذا بیگانے۔ ان اپنوں میں سے جو قرابت دار ہوں وہ اس قرابت داری کی بنا پر قریبی ہو جاتے ہیں لیکن اگر قرابت دار دین میں مشترک نہوں تو وہ اپنوں میں سے نہیں رہتے۔ یہ وہ حقیقت تھی جسے حضرت نوح؈ پر یہ کہکر منکشف کیا گیا کہ تمہارا بیٹا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (۱۱/۴۶) وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے *** اس لئے کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (۱۱/۴۶) اسکے اعمال غیر صالح ہیں۔ اس سے پہلے بتا دیا گیا کہ وہ بیٹا جماعت مومنین میں شریک نہیں ہوا تھا۔ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ (۱۱/۴۲) لہذا حضرت ابراھیم؈ کا باپ ہو یا حضرت نوح؈ کا بیٹا۔ حضرت لوط؈ کی بیوی ہو یا نبی اکرمؐ کے قریب ترین رشتہ دار (مثلاً چچا) اگر وہ دین کے رشتہ میں منسلک نہیں ہوتے تو وہ آل؎ میں سے نہیں ہوسکتے۔ اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ جو لوگ اسطرح اپنے اہل میں سے نہ ہوں ان سے نفرت اور عداوت کا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ عدل و انصاف اور انسانیت کا سلوک کیا جائگا۔ اہل کی امتیازی خصوصیت یہ ہوگی کہ یہ اس جماعت کے افراد ہونگے جو قرآن کے نظام ربوبیت کی حامل ہوگی، یعنے جن کے ذمہ نوع انسانی کی پرورش کا اہم فریضہ ہوگا۔

هُوَ اَهْلٌ لِكَذَا۔ وہ اسکا مستحق ہے *۔ سورۃ نساء میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (۴/۵۸) "اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کی طرف لوٹا دو"۔ یہاں امانات سے اگر وہ چیزیں مراد ہیں جو کوئی شخص کسی دوسرے کے پاس بطور امانت رکھ دے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی کی امانت میں خیانت نہ کرو۔ اسے اس کے مالک کو واپس دیدو۔ اور اگر امانات سے مراد امت کی وہ چیزیں ہیں

* محیط۔ ** تاج و راغب۔ *** (بعض نے کہا ہے کہ یہاں اہل کے معنے سزاوار۔ شایان شان ہیں۔ غریب القرآن از مرزا ابوالفضل)

جو ارباب بست و کشاد کے پاس بطور (Trust) ہوتی ہیں۔ مثلاً اختیارات وغیرہ، تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ چیزیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں۔ نا اہلوں کے سپرد مت کرو۔

قرآن کریم میں اَھْلُ الْکِتَابِ کا ذکر بڑی کثرت سے آیا ہے۔ اس زمانے کے عربوں میں دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو کسی نہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے۔ یہ اَھْلُ الْکِتَابِ کہلاتے تھے۔ اور دوسرے وہ جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتے تھے۔ انہیں بالعموم مُشْرِکِیْنَ کہکر پکارا گیا ہے۔ (اگرچہ جہانتک شرک کا تعلق ہے ان اہل کتاب میں بھی شرک کے عقائد پائے جاتے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ش۔ ر۔ک) عرب کے غیر اہل کتاب کو اُمِّیِّیْنَ بھی کہا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان ا م م) ان تمام گروھوں میں سے جو لوگ رسول اللہ پر ایمان لے آتے مومنین کہلاتے تھے، اور جو اس جماعت سے باھر رہ جاتے تھے کافرین کہلاتے تھے۔

لہذا رسول کا اہل وہ ہے جو اسکی پیروی کرے (۶/۸۳)۔ نیز (جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے) اسکے معنے حقدار، مالک اور ان کے بھی ہیں جو کسی کام کی اہلیت رکھیں (۴/۵۸)۔

او (حرف)

اَوْ ۔ ''یا'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) شک کے لئے۔ مثلاً لَبِثْنَا یَوْماً اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ (۱۸/۱۹)۔ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ یعنی کہنے والے کو یقینی طور پر علم نہیں کہ ان دونوں میں سے کونسی ایک بات ہوئی ہے۔

(۲) جب دو چیزوں میں اختیار دیا جائے کہ چاہے یہ کر لو اور چاہے وہ کر لو۔ تَزَوَّجْ ھِنْداً اَوْ اُخْتَھَا۔ چاہے ھندہ سے شادی کر لو اور چاہے اس کی بہن سے۔ قرآن کریم میں اس کی متعدد مثالیں ہیں۔

(۳) جب اس کے پہلے نفی آجائے تو اَوْ سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں چیزوں میں سے ایک بھی نہیں۔ وَلَا تُطِعْ مِنْھُمْ اٰثِماً اَوْ کَفُوْراً (۷۶/۲۴)۔ تم نہ کسی آثم کی اطاعت کرو اور نہ کفور کی۔

(۴) ''بلکہ،، کے معنوں میں۔ وَاَرْسَلْنٰہُ اِلٰی مِائَۃِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ (۳۷/۱۴۷) اور ہم نے اسے ایک لاکھ کی طرف بھیجا۔ بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ تھے۔

(۵) حتّٰی (یہاں تک کہ) کے معنوں میں۔ تُقَاتِلُوْنَہُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ (۴۸/۱۶) تم ان کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ وہ تمہارے تابع فرمان ہو جائیں۔

(۶) ''کبھی یوں ہوا اور کبھی یوں ہوا'' کے معنوں میں۔ فَجَآءَہَا بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْ ہُمْ قَآئِلُوْنَ۔ (۷/۴) ۔ سو ہمارا عذاب کبھی ان پر رات کے وقت آیا اور کبھی اس وقت جب وہ دوپہر کو آرام کر رہے تھے۔ یعنی کسی قوم پر رات کے وقت اور کسی قوم پر دوپہر کے وقت۔

ا و ب

اَلْاَوْبُ۔ تیز دوڑتے وقت ٹانگوں کو لوٹا کر پیچھے لانا اور تیزی سے گھمانا۔ اَلْاَوْبَاتُ۔ ٹانگوں کو کہتے ہیں۔ اَلتَّاوِیْبُ کے معنی ہیں دن بھر سفر کر کے رات میں ٹھہرنا۔ رِیْحٌ مُؤَوِّبَۃٌ۔ اس ہوا کو کہتے ہیں جو دن بھر چلتی رہے*۔ اَوْبٌ کے معنے لوٹنے اور رجوع کرنے کے بھی ہیں۔ رُجُوْعٌ اور اَوْبٌ کے معنوں میں فرق یہ ہے کہ رُجُوْعٌ ارادہ و اختیار کے ساتھ یا بلا ارادہ لوٹنے کے لئے بولا جاتا ہے لیکن اَوْبٌ صرف صاحب ارادہ کیلئے ہوتا ہے۔ یعنے کسی کی طرف بالارادہ رجوع کرنا**۔ اَلْمَاٰبُ۔ پلٹنا اور رجوع کرنا۔ نیز مستقر۔ جہاں ٹھہرا جائے، جہاں کوئی چیز چھپ جائے۔ یا وہ جگہ جہاں کوئی چیز پلٹ کر جائے۔ چنانچہ کہتے ہیں بَیْنَہُمَا ثَلَاثَۃُ مَاٰوِبَ۔ ان دونوں (مقامات) کے درمیان تین ٹھہرنے کے مقامات (منازل یا پڑاؤ) ہیں*۔

قرآن کریم میں ہے اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَہُمْ (۸۸/۲۵)۔ ''ان کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ غلط راستے پر چل رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ یہ راستہ ہمیں زندگی کی خوشگواریوں کی طرف لے جائیگا۔ یہ ان کی بھول ہے۔ ان کا ہر قدم اس منزل کی طرف اٹھ رہا ہے جو ہم نے ان کے اعمال کے نتائج کے لئے مقرر کر رکھی ہے۔ ان کا کوئی قدم ہمارے قانونِ مکافات کے احاطہ سے باہر نہیں جا سکتا۔ یہ کشاں کشاں اسی کی طرف جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَہُمْ (۸۸/۲۶)۔ ان کے ہر عمل کا حساب ہمارے قانون مکافات کے ذمے ہے۔

* تاج۔ ** راغب۔

اس اعتبار سے حُسْنِ عمل کے نتائج کو حُسْنُ الْمَآبِ (۳/۱۴) کہا گیا ہے - یعنی خوشگواریوں کی توازن بدوش منزل - لیکن آخری مقام نہیں بلکہ راستہ میں ٹھہرنے کی منزل - اس لئے کہ قرآن کی رو سے جنت انسانی زندگی کے ارتقائی منازل میں سے ایک منزل ہے (تفصیل جنت کے عنوان میں ملیگی - دیکھئے - ج - ن - ن) -

حضرت ایوبؑ کے متعلق ہے، اِنَّهٗ اَوَّابٌ (۳۸/۴۴) - یعنی بڑی تیزی سے قانونِ خداوندی کی طرف دوڑنے والا - اطاعت گزار - انہی معانی میں حضرت داؤدؑ کی قوم کے سرداروں سے کہا گیا کہ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ (۳۴/۱۰) - ''داؤد کے ساتھ تم بھی نہایت سرگرمی سے قانونِ خداوندی کی اطاعت کرو'' - (لفظی اعتبار سے یٰجِبَالُ کے معنی ہیں ''اے پہاڑو'' - لیکن اس کے مجازی معنی سردارانِ قوم ہیں - دیکھئے عنوان - ج - ب - ل) - مزید برآں دیکھئے تتمہ صـ۱۸۱۳ جلد چہارم -

ا و د

اَلْاَوْدُ - ٹیڑھا ہو جانا - الْاَوْدُ : جھکانا اور ٹیڑھا کر دینا، گران گذرنا - شاق گذرنا - بوجھل اور گرانبار کرنا - چنانچہ اَلْاَوْدَةُ بوجھ کو کہتے ہیں - کسی چیز کا بار بن جانا - اَدَهُ الْاَمْرُ - کسی معاملہ کی گرانباری نے اسکی کمر ٹیڑھی کردی - تَاَوَّدَهُ الْاَمْرُ - اس معاملہ نے اسے جھکا دیا اور گرانبار کردیا -*

لَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا (۲/۲۵۵) - کائنات کا کنٹرول خدا پر قطعاً گران نہیں گذرتا - اسپر بوجھ نہیں بن رہا - اصل میں اسکے بنیادی معنی کسی چیز کا مڑ کر جھک جانا یا ٹیڑھا ہو جانا ہیں (ابن فارس) - یعنی بوجھ سے جھک جانا اور ٹیڑھا ہو جانا -

ا و ل

اَلَ اِلَیْهِ اَوْلًا - اس کی طرف رجوع کیا - لوٹا - اَلَ عَنْهُ - اسکی طرف سے پھر گیا - اسکے بنیادی معنے لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں - چنانچہ کہتے ہیں اَوَّلَ اللّٰهُ عَلَیْکَ ضَالَّتَکَ - خدا تیری کھوئی ہوئی چیز کو تیری طرف لوٹا دے - سآل کہتے ہیں اس نقطہ یا مقام کو جس کی طرف کسوئی بات آخرالامر لوٹ کر آئے - انجام کار - کسی بات کا آخری نتیجہ - تَاْوِیْلٌ

* تاج و محیط -

کسی بات کو اسکے صحیح رخ کیطرف پھیرنے کو کہتے ہیں ۔ اَوَّلَ الْکَلَامَ تَاْوِیْلاً ۔ اسنے بات کا نتیجہ اور اندازہ واضح کیا ۔ اسنے کلام (بات) کی ترجمانی کی ۔ *

اَلَ عَلَی الْقَوْمِ کے معنے ہیں وہ قوم کا والی اور حاکم بن گیا ۔ اَلَ الْمَالَ وَ اِئْتَالَہٗ ۔ اس نے مال کی خبر گیری کی ۔ اسکا انتظام کیا ۔ اسے درست کیا ۔ اَلاِیَالَۃٌ ۔ سیاست ۔ حدود مملکت ۔**

اَلَ کے معنی کم ہو جانا اور نجات پانا بھی ہوتے ہیں ۔*

اَوَّلٌ ۔ آخِرٌ کی ضد ہے (۵۷/۳) ۔ سب سے پہلا ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کے معنی یہ ہیں کہ میں سب سے پہلے قوانین خداوندی کے سامنے جھک کر دوسروں کے لئے نمونہ یا مقتدا بنتا ہوں ۔

قرآن میں خدا کے لئے اَلاَوَّلُ آیا ہے ۔ (۵۷/۳) اس سے اسکی وہ لامحدودیت (Infinity) مراد ہے جس کا احاطہ انسانی ذہن نہیں کرسکتا ۔

اَوِلَ الرَّجُلُ یَاْوَلُ اَوَلاً ۔ وہ سابق ہو گیا ۔ سب سے پہلے نمبر پر ہو گیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ابتدائے امر اور انتہائے امر دونوں کے آتے ہیں ۔ اُوْلٰی اس کی تانیث ہے ۔ * اَلْاٰخِرَۃُ وَالْاُوْلٰی (۹۲/۱۳) ۔ اَلٌ ۔ آدمی کے اہل و عیال ، رفقا ۔ متبعین ۔ اَلٌ کا استعمال شرفاء ہی میں ہوتا ہے ، اراذل میں نہیں ہوتا ۔ * قرآن میں اَلِ یَعْقُوْبَ (۱۲/۶ میں) اولاد کے معنوں میں آیا ہے ۔ اور رفقا اور متبعین کے معنے میں اَلَ فِرْعَوْنَ (۴۰/۴۶ میں) ۔ اَلَالَۃٌ ۔ حالت ۔ اوزار ۔ اسکی جمع اَلَاتٌ ہے ۔*

قرآن میں تَاْوِیْلٌ کا لفظ بات کے آخری نتیجہ کیلئے استعمال ہوا ہے ۔ انجام کار ۔ مآل کار ۔ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلاً (۴/۵۹) ۔ ''یہ روش سب سے بہتر ہے اور اسکا نتیجہ نہایت عمدہ نکلیگا'' ۔ ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَہٗ (۷/۵۳) ''اب انہیں صرف اسکا انتظار ہے کہ اس کتاب کے دعاوی کی صداقت ان کے سامنے آجائے'' ۔ یعنی اس کتاب نے ان کے اعمال کے جو نتائج بتائے تھے وہ انکے سامنے آجائیں ۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کے ہم سفر بزرگ کے قصے کے آخر میں ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ سَاُنَبِّئُکَ بِتَاْوِیْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَلَیْہِ صَبْرًا (۱۸/۷۸) ۔ ''میں اب تجھے ان باتوں کی حقیقت کی خبر دیتا ہوں جسے معلوم کرنے کیلئے تو

* تاج ۔ ** تاج و محیط ۔

اسقدر مضطرب و بیقرار تھا،، ۔ حضرت یوسفؑ کے متعلق حضرت یعقوبؑ نے کہا تھا کہ وَ یُعَلِّمُکَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ (۱۲/۶) ۔ خدا تجھے ایسی بصیرت و فراست عطا کریگا کہ تو بات سنکر فوراً اسکی تہ تک پہنچ جایا کریگا ۔ معاملات کے آغاز پر نگاہ ڈالکر ان کے انجام تک پہنچ جایا کریگا ۔ تمہاری فراست کی یہ کیفیت ہوگی ۔ کہ خارے دید و احوالِ چمن گفت ۔ خواب کی تعبیر کو بھی اسی لئے تَاْوِیْل کہتے ہیں (۱۲/۳۶) کہ اس سے انسان خواب کے مبہم اشارات سے اس کی حقیقت کا اندازہ لگا لیتا ہے ۔

قرآن کریم میں اٰیٰتِ متشابہات کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (۳/۷) ۔ یعنی یہ بات کہ فلاں تشبیہ اور مثال سے اصلی مقصود کیا ہے اس کا علم خدا کو ہوتا ہے یا ان لوگوں کو جو علم میں پختگی حاصل کرتے رہتے ہیں ۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ش ۔ ب ۔ ہ اور ح ۔ ک ۔ م) ۔

اُولَاءِ (اسم)

اُولَاءِ ۔ یہ سب (جمع) ۔ اس کا واحد ذَا آتا ہے (دیکھئے ذا ۔)

اُولٰئِکَ ۔ وہ سب (جمع) ۔ اس کا واحد ذَاکَ اور ذَالِکَ آتا ہے ۔ (دیکھئے ذا ۔)

اُولٰئِکُمْ ۔ وہ سب ۔ مثلاً (۴/۹۲) میں ۔ یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے آتا ہے ۔ اس پر ہائے تنبیہ بھی آتی ہے ، جیسے ھٰؤُلَاءِ بَنَاتِیْ (۱۱/۷۸) ۔ یہ میری بیٹیاں ہیں ۔

اُولُوا (اسم)

اُولُوا ۔ بمعنی ''والے،، ۔ (جمع مذکر) ۔ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳۹/۱۸) ۔ عقل و بصیرت والے (نصب اور جر میں) اُولِی الْاَلْبَابِ (۳۸/۲۹) ۔ ان کا واحد ذُوْ آتا ہے (دیکھئے ۔ ذُوْ)

اُولَاتُ ۔ جمع مؤنث ۔ (واحد ذَاتُ) ۔ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ (۶۵/۴) حمل والیاں ۔

ا ۔ و ۔ ن

آلْاٰنَ ۔ وہ وقت جسمیں تم موجود ہو* ۔ اب ۔ اسوقت ۔ اَلْاٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ (۲/۷۱) ''اب تم سچی بات لائے،، ۔

* تاج ۔

اوہ

آہٍ ۔ آوْہٌ ۔ آوِہٍ ۔ یہ تمام کلمات شکایت اور درد کے وقت بولے جاتے ہیں ۔ اَلاَوّاہٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ تَاَوُّہٌ کرتا ہو۔ تَاَوُّہٌ کے معنی ہیں آوْہ کہنا ۔ یعنے حزن اور غم کا اظہار کرنا ۔ آہیں بھرنا ۔ لہذا اس سے مراد ہوتا ہے ایسا شخص جو بہت رقیق القلب ہو اور لوگوں کی حالت پر بہت زیادہ متأسف اور ان کا غمخوار ہو* ۔ ویسے سمجھدار اور فقیہ کو بھی کہتے ہیں اور بہت دعائیں کرنے والے کو بھی* ۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے کہ وہ اَوّاہٌ حَلِیْمٌ (۹/۱۱۴) تھے۔ رحمدل ۔ غمخوار۔ دوسروں کی مصیبت پر متأسف ہونے والے ۔

اوی

آوَیْتُ مَنْزِلِیْ ۔ میں اپنے گھر میں اترا ۔ یا اس کی طرف لوٹا ۔ یا اس میں رہا ۔ یہ سب معنے آتے ہیں ۔ یہیں سے آوَی اِلَیْہِ کے معنی ہیں اس کی طرف جھکا اور مائل ہو گیا* ۔ آوَیْتُ لَہٗ ۔ مجھے اس پر رحم آ گیا ۔ یعنے رَجَعْتُ اِلَیْہِ بِقَلْبِیْ ۔ میں اس کی طرف اپنے دل سے مائل ہوا** ۔ اَلْمَاْوٰی ۔ وہ جگہ جہاں کوئی چیز رات کو یا دن کو لوٹے ۔ وہ جگہ جہاں اونٹ رات کو آرام کرنے کے لئے لوٹیں* ۔ اَلْاَوِیَّۃ ۔ ایک جھنڈ میں اکٹھے رہنے والے پرندوں کو کہا جاتا ہے ۔ اَلْمَاْوٰی ۔ اس باغیچہ کو بھی کہا جاتا ہے جہاں رات گذاری جائے ۔ آوَیْتُہٗ ۔ میں نے اسے گھر میں اتارا* ۔ (نیز دیکھئے عنوان ث ۔ و ۔ ی) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) اکٹھا ہو جانا ۔ اور (۲) رحم اور ڈر کے ہیں ۔ سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت نوحؑ کے بیٹے نے کہا سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ (۱۱/۴۳) ۔ ''میں پہاڑ کی طرف پناہ لینے کے لئے مراجعت کرونگا'' ۔ سورۃ مومنون میں ہے اٰوَیْنٰھُمَا (۲۳/۵۰) ۔ ''ہم نے (عیسی اور مریمؑ کو) پناہ دی'' ۔ سورۃ احزاب میں تُئْوِیْ بمقابلہ تُرْجِیْ آیا ہے (۳۳/۵۱) ۔ یعنی اپنے پاس جگہ دینا ۔ سورۃ انفال میں ہے ۔ فَاٰوٰکُمْ (۸/۲۶) ۔ ''اللہ نے تمہیں پناہ دی'' ۔ قرآن نے جنت کو اَلْمَاْوٰی کہا ہے (۵۳/۱۵) ۔ یعنی وہ مقام جہاں اس اطمینان سے رہا جائے کہ یہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں ۔ جہاں یہ خوف نہ ہو کہ کوئی اچک

* تاج ۔ ** راغب ۔

کر لے جائیگا (۴۵/۱۰) ۔ لیکن جہنم کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے ۔ وَمَاْوٰهُمُ النَّارُ (۳/۱۵۰) ۔ جہاں اس کے معنی مطلق رہنے کی جگہ کے ہیں ۔ اس لئے کہ مادہ کے اعتبار سے مَاْوٰی، ہر منزل ، مرجع یا مسکن کو کہینگے ۔

اِیْ (حرف)

اِیْ ۔ ہاں ۔ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (۱۰/۵۳) ۔ ان سے کہو کہ ہاں ۔ بیشک یہی بات ہے ۔ میرا رب اس پر شاہد ہے کہ یہ یقیناً حق ہے ۔ اِیْ کے بعد قسم کا آنا ضروری ہے ۔

ا ی د

اَدَ ۔ یَئِیْدُ ۔ اَیْدًا ۔ مضبوط اور قوی ہونا ۔ سخت ہونا ۔ اَلْاَدُ سختی اور قوت ۔ یہی معنے اَلْاَیْدُ کے ہیں ۔ ذَا الْاَیْدِ ۔ صاحبِ قوت ۔ اَیَّدَهٗ، تَاْیِیْدًا ۔ کسی چیز کو بہت زیادہ تقویت دینا ۔ اَلْاِیَادُ ۔ جس چیز سے کسی کو تقویت دی جائے ۔ مٹی جو خیمہ کے کنارے لگائی جائے تا کہ بارش کا پانی اس کے اندر نہ جائے ۔ بلند ٹیلہ ۔ محکم پہاڑ* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قوت اور حفاظت کے ہوتے ہیں ۔

وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (۲/۸۷) ۔ ''اور ہم نے عیسیٰؑ کو روح القدس کے ذریعہ تقویت دی'' ۔ وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ (۵۱/۴۸) ۔ ''ہم نے اجرام فلکی کو بڑی قوت کے ساتھ بنایا ہے'' ۔

(اَیْدٍ ۔ یَدٌ (ہاتھ) کی جمع ہے ۔ دیکھئے عنوان ی ۔ د ۔ ہ)

ا ی ک

اَلْاَیْکُ ۔ بہت سے گھنے درخت ۔ درختوں کا جھنڈ ۔ وہ بن جس میں بیری وغیرہ کے درخت اگتے ہوں ۔ درختوں کی کثرت، خواہ وہ کسی قسم کے درخت ہوں ۔ اَیْکَةٌ واحد ہے * ۔ قرآن کریم میں اَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ (۱۵/۷۸) اہل مدین کیلئے آیا ہے جو گھنے جنگلوں میں رہتے تھے ۔ (نیز دیکھئے عنوان اصحاب الایکة)

ا ی م

اَلْاِیَامُ ۔ دھوئیں کو کہتے ہیں اور اٰمَ یَئِیْمُ ۔ وَیَؤُوْمُ اِیَامًا کے معنے ہوتے ہیں اس نے شہد کا چھتہ اتارنے کے لئے شہد کی مکھیوں کو

* تاج ۔ محیط و راغب

دھونی دی تا کہ مکھیاں اڑ جائیں اور چھتہ خالی رہ جائے۔ اس سے اَلاَیِّمُ اس عورت کو کہتے ھیں جس کا شوھر نہو۔ اسکی جمع الاَیَامٰی ھے۔ عربوں میں محاورہ تھا کہ اَلْحَرْبُ مَا یَمَّۃٌ لِلنِّسَاءِ ۔ جنگ عورتوں کو بیوہ کر دیتی ھے"۔ قرآن کریم میں ھے وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ (۲۴/۳۲) جو تم میں مجرد ھوں (خواہ عورتیں خواہ مرد ۔ غیر شادی شدہ ھوں یا رنڈوے مرد اور بیوہ عورتیں ، اس میں سب داخل ھیں **) انکی شادی کر دیا کرو۔ اس سے واضح ھے کہ اسلامی معاشرہ کے فرائض میں سے یہ بھی ھے کہ وہ ایسے حالات اور سہولتیں پیدا کرے جن میں افراد معاشرہ ازدواجی زندگی بسر کرنے کے قابل ھو جائیں۔

أَیْنَ

أَیْنَ ۔ کہاں ، کدھر ، کس طرف ، کس جگہ ۔ اَیْنَمَا کے معنی ھیں ، جدھر ، جہاں کہیں۔ اَیْنَ الْمَفَرُّ ؟ مفر کہاں ھے (۷۵/۱۰) اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا ..... (۲/۱۴۸)۔ جہاں کہیں بھی تم ھوگے اللہ تمہیں اکٹھا کریگا۔

أَیٌّ

أَیٌّ ۔ بمعنی کون۔ کیا۔ کونسا (استفہام کے لئے)۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ (۷۷/۵۰)۔ اس کے بعد یہ لوگ اور کس بات پر ایمان لائینگے۔ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (۱۷/۱۱۰)۔ تم اسے جس نام سے بھی پکارو۔ اسماء حسنیٰ سب اس کے لئے ھیں۔

(۲) ندا (پکارنے) کے لئے۔ اَیُّھَا النَّاسُ ۔ اے لوگو!

اِیَّا ۔ (حرف)

اِیَّا ۔ اسمیں تخصیص کا مفہوم پایا جاتا ھے۔ یہ تنہا نہیں آتا بلکہ ضمیر کے ساتھ آتا ھے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ (۱/۴)۔ "ھم تیری ھی محکومی اختیار کرتے ھیں۔" فَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ (۲/۴۰)۔ "سو مجھ ھی سے ڈرتے رھو"۔ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ (۶/۱۵۲)۔ "ھم تمہیں بھی رزق دیتے ھیں اور انہیں بھی"۔

---

* تاج و محیط و راغب ۔ ** ابن فارس۔

اَیّانَ

آیّانَ (اَیٌّ + آنٌ) کب۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیّانَ مُرْسٰھَا (۷/۱۸۷)۔ یہ تجھ سے پوچھتے ھیں کہ انقلاب کی گھڑی کب آئیگی؟

ایوب علیہ السلام

حضرت اسحٰق؈ کے دو بیٹے تھے۔ حضرت یعقوب؈ اور عیسو۔ عیسو اپنے چچا حضرت اسمٰعیل؈ کے ھاں چلے گئے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کر لی۔ ان کی متعدد اولادیں ھوئیں جن میں سے عمالق اور عوض مشہور ھیں۔ عیسو کا عرف، ادوم (سرخ گوں) تھا اس لئے یہ خاندان ادومی کہلایا۔ بحرمیت اور خلیج عقبہ کا درمیانی علاقہ ان کا مسکن تھا۔ تورات میں اس کا نام کوہ سعیر آیا ھے۔ اس کا دارالحکومت رقیم (پٹرا) تھا۔ حضرت ایوب؈، عوض کے قبیلہ سے متعلق تھے۔ تورات میں سفر ایوب ان کی طرف منسوب ھے۔ یوباب، اوب اور آیوب ایک ھی نام ھے۔ ان کا زمانہ ۱۰۰۰ اور ۷۰۰ ق۔م کے درمیان سمجھئے (اگرچہ بعض ارباب تحقیق کا خیال ھے کہ آپ کا زمانہ حضرت موسٰے؈ سے پہلے کا ھے)۔ سفر ایوب میں ان کا تفصیلی قصہ مذکور ھے اور (تورات کے ھام انداز کے مطابق) اس میں زیب داستان کے لئے بھی بہت کچھ بڑھایا چڑھایا گیا ھے۔ قرآن کریم نے آپ کی زندگی کا صرف ایک واقعہ بیان کیا ھے جس میں بتایا گیا ھے کہ آپ پر ایک زمانہ سخت مصیبت اور پریشانی کا گزرا۔ لیکن آپ نے ان مصائب کو بڑی ھمت اور استقامت سے برداشت کیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (۴/۱۶۳، ۶/۸۳، ۲۱/۸۴، ۳۸/۴۱-۴۴)۔

قرآن کریم نے (دیگر مقامات میں) آپ کا نام زمرۂ انبیائے کرام؈ میں شمار کیا ھے۔ مثلاً (۶/۸۵) میں جہاں یہ بھی بتایا گیا ھے کہ آپ حضرت ابراھیم؈ کی نسل میں سے تھے۔

اَیٌ

آیۃٌ۔ ظاھری علامت یا نشانی کو کہتے ھیں۔ چنانچہ راستہ کے نشانات کو آیاتٌ کہتے ھیں۔ درحقیقت آیۃٌ ھر اس ظاھر شے کو کہتے ھیں جو کسی چھپی ھوئی شے کا لازمی خاصہ ھو اور جب کوئی شخص اس ظاھری شے کا ادراک کر لے تو وہ جان لے کہ اس نے اس پوشیدہ شے کا ادراک یا اندازہ کر

لیا ہے* ۔ خدا کی ذات، انسانی ادراک کے احاطہ کے اندر نہیں آسکتی ۔ لہذا اسکے متعلق ان ظاہری علامات ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو کائنات میں بکھری پڑی ہیں ۔ اسلئے یہ کائنات اور اسکی تمام اشیاء آیاتُ اللہِ ہیں ۔ یہ وہ نشانات راہ ہیں جس سے ہم اُس ''منزل،، کا اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ انسانوں کی دنیا میں وحی ، خدا کی سب سے بڑی نشانی ہوتی ہے اسلئے یہ بھی آیاتُ اللہِ ہے ۔ قرآن کریم کے ہر ٹکڑے کو آیۃٌ کہتے ہیں ۔ اس اعتبار سے پیغام (رِسَالَۃٌ) کو بھی آیۃٌ کہتے ہیں** ۔ حتٰی کہ جب حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ دیکھنے کیلئے کہ تم قانون خداوندی کا احترام کرتے ہو یا نہیں میں نے یہ طے کیا ہے کہ اس اونٹنی کو کھلا چھوڑتا ہوں ۔ اگر تم نے اسکی باری پر اسے پانی پینے دیا تو سمجھ لیا جائیگا کہ تم قانون خداوندی کا پاس رکھتے ہو اور اگر تم نے اسے روکا تو یہ اسکی علامت ہوگی کہ تم اس قانون کا کوئی پاس نہیں کرتے ۔ اس اعتبار سے اس اونٹنی کو آیۃ کہا گیا ۔ ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللہِ لَکُمْ آیَۃً (۷/۷۳) ''یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے،، ۔ اسی طرح حضرت نوحؑ کی کشتی کو بھی آیۃً لِّلْعَالَمِیْنَ (۲۹/۱۵) کہا گیا ہے ۔ کیونکہ وہ اس غیر مرئی حقیقت کی نشانی تھی کہ جو قوم قانون خداوندی کا اتباع کریگی وہ خطرات سے محفوظ رہیگی ۔ مختصراً یہ کہ ہر وہ محسوس شے جو انسان کی توجہ کو خدا اور اس کے قانون کی طرف منعطف کر دے آیۃُ اللہِ ہے ۔ نیز فکری دلائل بھی آیۃُ اللہ ہو سکتے ہیں ۔ کیونکہ صاحب محیط کے نزدیک معقولات پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے ۔ وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّھَارَ اٰیَتَیْنِ (۱۷/۱۲) میں انہی فکری دلائل کی طرف اشارہ ہے ۔ یعنی ان سے انسان فکری طور پر اس حقیقت تک پہنچتا ہے کہ کائنات جامد (Static) نہیں بلکہ متحرک (Dynamic) ہے ۔ سورۃ شعراء میں آیۃً کا لفظ اس عمارت وغیرہ کیلئے استعمال ہوا ہے جسے کسی کی یادگار (Memorial) کے طور پر بنایا جاتا ہے ۔ (۲۶/۱۲۸) ۔

اٰیَاتُ النَّبَاتِ ۔ پودوں کے پھول اور خوبصورتی کو کہتے ہیں** ۔ اٰیَاتُ الشَّمْسِ ۔ سورج کی کرنوں کو کہتے ہیں*** ۔

تَاَیَّا کے معنی ہیں کسی جگہ ٹھہرنا ۔ تَاَیَّاَ بِاَلْمَکَانِ وہ اس جگہ ٹھہرا اور دیر لگا دی ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) ٹھہر کر غور و فکر کرنا ۔ اور (۲) قصد و ارادہ کرنا ہیں ۔

* راغب و تاج و محیط ۔ ** لین ۔ *** تاج و محیط ۔

''ٹھہر کر غور و فکر کرنے'' کی خصوصیت سے آیۃ کے مفہوم پر بڑی بلیغ روشنی پڑتی ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں ہر ایک آیۃ اللہ ہے لیکن یہ اسی کے لئے آیت ثابت ہو سکتی ہیں جو ان پر ٹھہر کر، رک کر، غور و فکر کریگا ۔ اس غور و فکر سے اس کی توجہ ان اشیاء کے خالق کی طرف منعطف ہو جائیگی ۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیات پر بھی رک کر، غور و فکر سے انسان اصل مقصود کو پا سکتا ہے ۔ اگر کسی آیت پر رک کر، غور و فکر نہ کیا جائے تو وہ انسان کو اصل و غایت کا پتہ نشان نہیں دے سکتی ۔ یعنی وہ حقیقی معنوں میں ''آیت'' نہیں بنتی ۔

———:o:———

ب

ب (حرف)

ب ۔ حرف جر ہے ۔ ذیل کی مثالوں سے اس کا استعمال اور مفہوم واضح ہو جائیگا ۔

(۱) اردو میں کہتے ہیں ''میں نے زید کو پکڑا'' ۔ عربی میں کہینگے ۔ اَمْسَکْتُ بِزَیْدٍ ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِکُمْ (۵/۶) ''اپنے چہروں کو (پر) مسح کر لو'' ۔

(۲) اردو میں کہتے ہیں ''میں زید کے پاس سے گذرا'' ۔ عربی میں کہینگے ۔ مَرَرْتُ بِزَیْدٍ ۔ قرآن کریم میں ہے اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ (۲۵/۷۲) ''جب وہ لغو کے پاس سے گزرتے ہیں'' ۔

(۳) فعل لازم کو متعدی بنانے کے لئے ۔ مثلاً ۔ ذَهَبَ زَیْدٌ کے معنی ہیں زید گیا ۔ یہ فعل لازم ہے ۔ ذَهَبْتُ بِزَیْدٍ کے معنی ہونگے ۔ میں زید کے ساتھ گیا یعنی زید کو لے گیا ۔ اس طرح یہ فعل لازم سے متعدی بن گیا ۔ قرآن کریم میں ہے ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ (۲/۱۷) '' اللہ ان کی روشنی کو لے گیا'' ۔

(۴) سبب کو ظاہر کرتا ہے ۔ مثلاً اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ (۲/۵۴) ۔ '' تم نے بچھڑے کی پرستش کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے'' ۔

(۵) '' کے ساتھ'' کے معنوں میں ۔ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا (۱۱/۴۸) '' اے نوح ! ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اتر جا'' ۔ یا عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۹۶/۴) ۔ '' اس نے قلم کے ذریعے سکھایا'' ۔

(۶) وقت یا جگہ بتانے کے لئے بمعنی فیؔ (میں)۔ مثلاً نَجَّیْنٰھُمْ بِسَحَرٍ (۵۴/۳۴) ۔"ہم نے انہیں صبح کے وقت بچا لیا"۔ اور وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ ۔ (۳/۱۲۳) "یقیناً اللہ نے بدر کے میدان میں تمہاری مدد کی ہے"۔

(۷) "کسی چیز کے عوض" ۔ اِشْتَرَیْتُہٗ بِاَلْفِ دِرْھَمٍ ۔ میں نے اسے ایک ہزار درہم کے عوض خریدا ہے ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَشَرَوْہُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ (۱۲/۲۰) ۔ "اور انہوں نے اسے (حضرت یوسف کو) تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالا"۔

(۸) عَلٰی (اوپر) کے معنوں میں ۔ لَوْ تُسَوّٰی بِھِمُ الْاَرْضُ (۴/۴۲) ۔ "اگر (یا اے کاش) ان پر (ان کے اوپر) زمین ہموار کر دی جاتی"*۔

(۹) عَنْ (سے) کے معنوں میں ۔ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا ۔ (۲۵/۵۹) "اس کے متعلق اس سے پوچھو جو خبر رکھتا ہے"۔

(۱۰) مِنْ (سے) کے معنوں میں۔ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ (۷۶/۶) ۔ "چشمہ جس سے اللہ کے بندے پیتے ہیں"۔

بعض کا خیال ہے کہ جس طرح مِنْ تبعیض کے لئے آتا ہے ۔ اسی طرح ب بھی تبعیض کے لئے آتا ہے ۔ تبعیض کے معنی ہیں ، کسی چیز کا بعض۔ یعنی کچھ حصہ ۔ پورا نہیں ، بلکہ اس کا بعض حصہ ۔ چنانچہ اُن کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں جو آیا ہے وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ (۵/۶) تو اسکے معنی ہیں "سر کے کچھ حصہ کا مسح کر لیا کرو" ۔ لیکن یہ صرف بعض کا خیال ہے (مغنی اللبیب)۔

(۱۱) بعض مقامات پر یہ حرف زائد ہوتا ہے ۔ یعنی اسکے معنی کچھ نہیں ہوتے ۔ جیسے کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا (۴/۷۹) ۔ "اللہ کافی شاہد ہے"۔ اگر کَفَی اللّٰہُ شَھِیْدًا کہیں تو بھی وہی معنی ہونگے ۔

(۱۲) میرزا ابوالفضل نے (غریب القرآن میں) لکھا ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ میں بِ کے معنی استعانت کے ہیں ۔ یعنی مدد طلب کرنے کے ۔

(۱۳) باللہ کے معنی ہیں اللہ کی قسم۔ یعنی بِ قسم کے معنوں میں بھی آتی ہے ۔

ب ا ر

اَلْبِئْرُ ۔ کنواں ۔ اَلْمِئْبَرُ دراصل اس گڑھے کو کہتے ہیں جسکا منہ اسطرح ڈھانپ دیا جائے کہ جو شخص اسکے اوپر سے گذرے اسمیں گر

* اس کا مجازی مفہوم کچھ اور بھی ہو سکتا ہے ۔ دیکھئے عنوان (س ۔ و ۔ ی)

جائے* - قرآن کریم میں بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ آیا ہے (۲۲/۴۵) - ''اندھے (بیکار) کنویں'' -

ب أ س

بِئْسَ - (بُرا) ویسے تو فعل ماضی ہے لیکن اسکی گردان مستعمل نہیں - یہ بَئِیسَ سے اسی طرح بنا لیا گیا ہے جسطرح نَعِیمَ سے نِعْمَ - یہ دونوں فعل (بِئْسَ اور نِعْمَ) ذم اور مدح کیطرف منتقل کر لئے گئے ہیں اسلئے حروف کے مشابہ ہوگئے ہیں - بِئْسَ کے ساتھ بعض اوقات مَا بھی آتا ہے - بِئْسَمَا (۲/۹۰) -*

اَلْبَأْسُ کے معنے ہیں سخت مصیبت - جنگ میں شدت - سختی - قوت -

لَا بَأْسَ عَلَیْکَ - یعنے لَاخَوْفَ - بَؤُسَ الرَّجُلُ - آدمی بہادر ہوگیا - بَئِیسَ الرَّجُلُ بُؤْساً - آدمی سخت ضرورت مند ہو گیا - اَلْبَأْسَاءُ شدت - عَذَابٌ بَئِیْسٌ - سخت عذاب - وہ عذاب جس میں معیشت کی تنگی شامل ہو - اَلْبَأْسَاءُ کے معنے بھوک کے بھی ہوتے ہیں - * صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْبَأْسَاءُ مال و دولت کے نقصان کو کہتے ہیں اور اَلضَّرَّاءُ جسمانی نقصان کو - مثلاً بیماری - **

اَلْمُبْتَئِسُ - غمگین و حزین کو کہتے ہیں *

قرآن کریم میں بَأْساً شَدِیْداً بمقابلہ اَجْراً حَسَناً آیا ہے (۱۸/۲) - یہاں اسکے معنی غلط اعمال کے ناخوشگوار نتائج ہیں - سورۃ اعراف میں ہے فَجَاءَهَا بَأْسُنَا (۷/۴) - ''جب اس بستی پر ہمارا عذاب آیا'' - یعنے قانون مکافات کی رو سے سخت مصیبت آ گئی جو ان کی بد اعمالیوں کا نتیجہ تھی - سورۃ بنی اسرائیل میں ان طاقتور جنگجو قسم کے لوگوں کے لئے اُولِیْ بَأْسٍ (۱۷/۵) آیا ہے جو سخت مصیبتیں لاتے تھے - سورۃ حدید میں فولاد کے متعلق ہے فِیْهِ بَأْسٌ شَدِیْدٌ (۵۷/۲۵) - ''اسمیں بڑی سختی ہے'' -

اِبْتِئَاسٌ کے معنی ہیں برا ماننا - غمگین ہونا - سورۃ ہود میں حضرت نوح ؑ سے کہا گیا ہے کہ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (۱۱/۳۶) - ''یہ مخالفین جو کچھ کرتے ہیں اسکی وجہ سے تو غمناک نہ ہو'' - یا ان کےمتعلق دل گرفتہ نہ ہو (کہ یہ ہلاک ہو جائینگے - ان کے اعمال ہی ایسے ہیں) -

* تاج - ** محیط -

بَابِلُ

قدیم کلدانی تہذیب کا مرکز، شہر بابل ۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر سحر و کہانت کے ان افسانوں کے ضمن میں کیا ہے جنہیں یہودی لٹریچر میں حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور جن کی تردید قرآن نے کی ہے ۔ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ (۲/۱۰۲) ۔ ''اور بابل میں ہاروت و ماروت (مزعومہ) فرشتوں پر بھی کوئی ایسی بات نازل نہیں کی گئی تھی'' ۔ یہ سب ان شیاطین (شریر لوگوں) کے خود ساختہ افسانے تھے ۔

ب ت ر

اَلْبَتْرُ ۔ کسی چیز کو اسکی تکمیل سے پہلے ہی کاٹ ڈالنا ۔ (ابن فارس) دم کو جڑ سے کاٹ دینا ۔ سَيْفٌ بَاتِرٌ ۔ کاٹ ڈالنے والی تلوار ۔ اَلْاَبْتَرُ ۔ نامراد ۔ فقیر جسکے پاس کچھ نہ ہو ۔ بے اولاد ۔ جسکی نسل کی جڑ کٹ جائے ۔ وہ جس کی موت کے بعد اس کا نام و نشان اور ذکر خیر تک باقی نہ رہے * ۔

قرآن کریم میں ہے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۱۰۸/۳) ۔ ''تیرے مخالف کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا ۔ اس کا کہیں ذکر خیر نہیں ہوگا'' ۔ ''نام و نشان باقی نہ رہنے'' سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کی وہ قوت و شوکت جس کی بنا پر وہ اسقدر مخالفت کرتے ہیں سب ختم ہو جائیگی اور انہیں زندگی کے خیر و برکت سے کوئی حصہ نہیں ملیگا ۔

ب ت ک

بَتَكَ کے بنیادی معنے کاٹنے کے ہیں، نیز کسی کے بال یا پر وغیرہ پکڑ کر اپنی طرف اس طرح کھینچنا کہ وہ جڑ سے اکھڑ جائیں ۔ چنانچہ اَلْبُتْكَةُ ان اکھڑے ہوئے پروں یا بالوں کو کہتے ہیں ۔ اس اعتبار سے بَتَكَ کے معنے ہونگے جڑ سے اکھیڑ دینا، لیکن اسکے عرفی معنے ہیں جانوروں کے کان کاٹ کر یا چیر کر (انہیں بتوں کے نام پر) چھوڑ دینا ۔ یہ جاہلیت عرب کا رواج تھا * ۔ سورہ نساء میں ہے فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْاَنْعَامِ (۴/۱۱۹) ''سو وہ جانوروں کے کان چیریں گے'' ۔

اَلسَّيْفُ الْبَاتِكُ ۔ کاٹنے والی تلوار کو کہتے ہیں * ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی کاٹنے کے لکھے ہیں ۔

* تاج ۔ محیط ۔ راغب

ب ت ل

بَتَلَهٗ ۔ یَبْتُلُهٗ ۔ اس نے اسے قطع کر دیا ۔ فَانْبَتَلَ ۔ چنانچہ وہ جدا ہوگیا ۔ تَبَتَّلَ ۔ کے بھی یہی معنے ہیں ۔ اَلْبَتُوْلُ ۔ مردوں سے، یا از دواجی زندگی سے دور رہنے والی عورت ۔ اَلْمُبْتَلَةُ ۔ حسین عورت ۔ وہ عورت جس کے تمام اعضاء سُتے ہوئے ہوں ۔ تَبَتَّلَتِ الْمَرْاَةُ ۔ عورت نے اپنا بناؤ سنگھار کر لیا ۔ اَلْمُبْتِلُ ۔ منفرد ۔ اَلْبَتْلُ ۔ حق* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو اس کے ماسوا سے الگ کر لینے کے ہوتے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (۷۳/۸) ۔ ''سب سے کٹ کر ایک خدا کی طرف متوجہ ہوجا'' ۔ صرف اس کے نظام کے قیام کی کوششوں میں لگ جا ۔ کیونکہ اِنْبَتَلَ فِیْ سَیْرِهٖ'' کے معنے ہیں وہ کوشش کرکے تیز چلا* ۔

رسول اللہؐ کو جب نظام خداوندی کے اصول عطا کر دیئے گئے تو آپ کو حکم ہوا کہ اب اپنے مخلص رفقاء کو ایک جماعت کی شکل دے کر (دیکھئے عنوان ۔ ز ۔ م ۔ ل) اس نظام کی تشکیل میں مصروف عمل ہو جائیں ۔ ایسا کرنے میں ان مخالفین کی باتوں پر قطعاً دھیان نہ دھریں ۔ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (۶/۹۱) ۔ ''کہو ۔ اللہ ۔ اور ان مخالفین کو چھوڑ کر (..... اپنے پروگرام کی تکمیل میں لگ جاؤ)'' ۔

جب انسان اپنا نصب العین متعین کر لے تو اس کے بعد این و آن کے خیال کو چھوڑ کر اس نصب العین کو سامنے رکھکر، ہر قدم اس کی طرف اٹھانا چاہئے ۔ اور یہ سب کچھ حسن کارانہ انداز سے کرنا چاہئے کیونکہ تَبَتُّلٌ میں زیبائش و آرائش کا مفہوم بھی ہے* ۔

ب ث ث

بَثٌّ کے معنے ہیں کسی چیز کو منتشر اور پراگندہ کر دینا ۔ اس سے پھیلا دینے کے بھی معنے آ گئے ۔ اور بڑھا دینے (بکثرت پیدا کر دینے) کے بھی* ۔ صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے معنے ایجاد کرنا اور پیدا کرنا ہیں ۔ راغب نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے

* تاج ۔

اور لکھا ہے کہ بَثٌّ کے معنے کسی چھپی ہوئی چیز کے ظاہر کر دینے کے بھی ہوتے ہیں ۔ اس لئے اس سے مراد ایسی چیزوں کو نمودار کر دینا ہے جو پہلے موجود نہ تھیں*** ۔ ابن فارس نے بھی کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ظاہر کر دینا اور منتشر کر دینا ہیں ۔

بَثَّ الْغُبَارَ ۔ غبار اڑانا ۔ بَثَثْتُکَ السِّرَّ ۔ میں نے تجھ پر راز ظاہر کر دیا ۔ اَبْثَثْتُکَ ۔ میں نے تجھ پر اپنا غم ظاہر کر دیا* ۔ اسی سے اَلْبَثُّ سخت ترین غم کو کہتے ہیں جو چھپا نہ رہ سکے* ۔ سورۃ بقرۃ میں ہے ۔ وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ (۲/۱۶۴) ۔ ''خدا نے زمین میں ہر قسم کے حرکت کرنے والے جانداروں کو پھیلا دیا ۔ بکثرت پیدا کردیا'' سورۃ القارعۃ میں ہے کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (۱۰۱/۴) ۔ ''بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح'' ۔ سورۃ واقعہ میں هَبَآءً مُّنْبَثًّا (۵۶/۶) آیا ہے ۔ یعنے فضا میں منتشر ذرات ۔ سورۃ یوسف میں بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اکٹھا آیا ہے (۱۲/۸۶) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ بَثٌّ، حزن سے الگ اور شدید غم کا نام ہے ۔ ایسا غم جو چھپائے چھپ نہ سکے ۔

ب ج س

بَجَسَ الْمَآءُ ۔ پانی کا کسی چیز کو شق کر دینا اور اس میں سے پھوٹ کر بہہ نکلنا ۔ مَآءٌ بَجْسٌ ۔ اس طرح پھوٹ کر بہہ نکلنے والا پانی* ۔ قرآن کریم میں ہے فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ ..... (۷/۱۶۰) ''اس میں سے پانی کے چشمے پھوٹ بہے'' ۔ سورۃ بقرۃ میں اسے فَانْفَجَرَتْ کہا گیا ہے (۲/۶۰) ۔ راغب نے کہا ہے کہ اِنْبِجَاسٌ وہاں بولا جاتا ہے جہاں پانی کسی تنگ چیز میں سے نکل رہا ہو اور اِنْفِجَارٌ عام ہے***۔ لیکن ، جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ، قرآن کریم نے دونوں الفاظ ہم معنے استعمال کئے ہیں ۔

ب ح ث

اَلْبَحْثُ ۔ مٹی میں کسی چیز کو تلاش کرنا ۔ یا مٹی کریدنا ۔ ابن فارس کے نزدیک یہی اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ اَلْبُحَاثَةُ ۔ کرید کر نکالی ہوئی مٹی ۔ اَلْبَحُوْثُ ۔ وہ اونٹ جو دوڑتا ہوا اپنے پاؤں سے مٹی پیچھے کی طرف

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

"اڑاتا جائے" * ۔ اَلْبَحْثُ ۔ کان جس میں سونا چاندی تلاش کیا جائے ** ۔ سورۃ مائدۃ میں ہے غُرَاباً یَبْحَثُ فِی الْاَرْضِ (۵/۳۱) ۔ "ایک کوّا زمین کو کرید رہا تھا" ۔ اَلْبَحِیْثُ راز کو کہتے ہیں* ۔

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں بَاء اور حَاء ساتھ آئیں ان میں تفتیش کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ یعنی ایک چیز سے دوسری چیز نکالنا ۔

ب ح ر

اَلْبَحْرُ ۔ وسیع پیمانے پر شق کرنے ۔ پھاڑنے یا چیرنے کو کہتے ہیں ۔ چنانچہ دریا یا سمندر کو بھی اسی لئے بَحْرٌ کہتے ہیں کہ وہ زمین میں کھدا ہوا ہوتا ہے ۔ کان کے چیرنے کو بھی بَحْرٌ کہتے ہیں ۔ چنانچہ وہ اونٹنی یا بکری جو دس بچے جن چکتی تھی اسکا کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے ۔ اسے بَحِیْرَۃٌ کہتے تھے* ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور حاء ایک ساتھ ہوں ان میں تفتیش کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ یعنی ایک چیز سے دوسری چیز نکالنا ۔ ابن فارس نے (خلیل کے حوالے سے) کہا ہے کہ بَحْرٌ کو بحر اس کی وسعت کی بناء پر کہتے ہیں ۔ دریا ، جسکا پانی مسلسل بہتا رہے ، بَحْرٌ کہلاتا ہے ۔ (جیسے دجلہ یا نیل) ۔ اور سمندر کو بَحْرٌ کَبِیْرٌ کہتے ہیں ۔ کتاب الاشتقاق میں ہے کہ کثیر پانی (خواہ میٹھا ہو خواہ کڑوا) بَحْرٌ کہلاتا ہے ۔ بَحْرٌ دراصل اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بہت سا پانی جمع ہو ۔ نیز بَحْرٌ اس زمین کو کہتے ہیں جہاں کھیتی باڑی ہوتی ہو ۔ نیز شہروں کو بالخصوص ان شہروں کو جو پانی کے کنارے آباد ہوں*** ۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۳۰/۴۱) کے یہ معنے بھی ہیں کہ شہری آبادیوں اور بادیہ نشینوں، سب کے معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہوچکی تھیں ۔ اور یہ بھی کہ دنیا کے خشک و تر میں خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں ۔ خشکی اور تری (سمندر اور خشک زمین) کے معنوں میں یہ الفاظ (۶/۹۷) میں آئے ہیں ۔ (نیز دیکھئے عنوان ی ۔ م ۔ م ، کیونکہ حضرت موسٰےؑ کے دریا پار کرنے اور فرعون کے غرق ہونے کے لئے بَحْرٌ اور یَمٌّ دونوں الفاظ آئے ہیں ۲۰/۷۸ ، ۲۶/۶۳)

قرآن کریم نے صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ (۵/۹۶) "سمندر کے شکار" کو حلال قرار دیا ہے ۔ یعنی اسے بھی جسے تم خود پکڑو ۔ اور وہ بھی جسے پانی

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** تاج و لین

خود بخود باعر اچھال دے۔ یا جو پانی کے پیچھے ہٹ جانے سے خشکی پر رہ جائے (دیکھئے عنوان ط۔ع۔م)۔

ب خ س

اَلْبَخْسُ ۔ کم کرنا ۔ ظلم کرنا * ۔ (حقوق میں کمی کرنے کا نام ظُلْمٌ ہے) اسی لئے ابن السکیت نے کہا ہے کہ بَخْسٌ کے معنے حق سے کم دینا یا حق میں کمی کرنا ہیں* ۔ اَلْبَاخِسُ ۔ تھوڑی سی ناقص چیز** ۔ اَلْبَخْسُ ۔ چونگی یا محصول جو والی ملک وصول کرتا ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نقص اور کمی کے ہوتے ہیں ۔

سورۃ بقرہ میں ہے وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا (۲/۲۸۲) ۔" اور اس میں ذرا بھی کمی نہ کرے" ۔ سورۃ جن میں ہے فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (۷۲/۱۳) ۔ " اسے نہ اس کا خوف ہوگا کہ اس کے حقوق میں کمی ہوگی اور نہ ظلم و زیادتی کا ڈر" ۔ سورۃ یوسف میں حضرت یوسفؑ کے متعلق ہے شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ (۱۲/۲۰) ۔ اس کے لفظی معنی تو ہیں" اسے تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ دیا،، ۔ لیکن زجاج نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں ظلم و زیادتی سے اسے فروخت کر دیا ، کیونکہ انسان کا بیچنا ممنوع ہے ۔

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور خاء اکٹھے آئیں ان کا مفہوم آنکھ کو پھوڑ دینا یا اسی قسم کی کوئی اور بات کرنا ہوتا ہے ۔ اس سے ظلم اور زیادتی کا تصور سامنے آ جاتا ہے ۔

ب خ ع

اَلْبِخَاعُ ۔ گردن کی ایک رگ کا نام ہے جو گدی کے اندر ہوتی ہے ۔ بَخَعَ بِالشَّاةِ کے معنے ہیں اس نے بکری کو اس زور سے ذبح کیا کہ اس کی بِخَاعٌ تک کاٹ ڈالی ۔ یہ اس کے اصلی معنے ہیں ۔ اس کے بعد یہ لفظ عر مبالغہ کیلئے استعمال ہونے لگا ۔

بَخَعَ نَفْسَهُ يَبْخَعُ ۔ خود کو غم یا غصہ سے مار ڈالنا ۔ بَخَعَ الْاَرْضَ بِالزِّرَاعَةِ ۔ وہ زمین میں مسلسل کھیتی کرتا رہا جس سے زمین کی ساری قوت ختم ہو گئی* ۔

قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ (۱۸/۶) ۔ "تو اس غم میں (کہ یہ لوگ ایمان

* تاج ۔ ** راغب ۔

کیوں نہیں لاتے) اپنے آپ کو ہلاک کر لیگا'' ۔ غور کیجئے کہ ایک داعی الی الحق' طبیبِ مشفق کی طرح کسقدر غمگسار اور بہی خواہ ہوتا ہے ۔

ب خ ل

اَلْبُخْلُ ۔ اپنی حاصل کردہ چیزوں کو ان مواقع سے روکنا جہاں سے انہیں روکنا نہیں چاہیئے * راغب نے لکھا ہے کہ بُخل کی دو قسمیں ہیں. ایک تو یہ کہ انسان اپنی جمع جوڑ کے ساتھ بُخل کرے ۔ یعنی انہیں خرچ کی ضرورت پر روکے رکھے ۔ اور دوسری قسم یہ کہ انسان دوسرے کی جمع جوڑ کو ضرورت پر خرچ ہوتے نہ دیکھ سکے ۔ اور یہ زیادہ قابلِ مذمت ہے. موخرالذکر کیلئے دیکھیں آیت ۳۷:۴ ۔ ** صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بَخْلٌ اشیاء کے روک لینے کو کہتے ہیں اور شُحٌّ اس جذبہ کو کہتے ہیں جس کے ماتحت انسان ایسا کرتا ہے *** ۔ (یعنی شُحٌّ میں حرص اور بخل دونوں جذبے ہوتے ہیں) ۔

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ..... (۴/۳۷) ۔ ''وہ لوگ جو (رزق کو) روک رکھتے ہیں ۔ اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتے ہیں کہ وہ (سامانِ زیست کو) روک کر رکھ لیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہوتا ہے اسے چھپاتے ہیں'' ۔ قرآن کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ انسان پوری محنت سے کمائی کرے ۔ پھر اس میں سے صرف اپنی ضروریات کیلئے لے اور باقی سب کچھ نوعِ انسانی کی ربوبیت کیلئے کھلا رکھدے ۔ (دیکھئے عنوان ۔ ن ۔ ف ۔ ق) بُخْلٌ اس تعلیم کی عین ضد ہے جس میں انسان سب کچھ اپنے لئے روک رکھتا ہے اور دوسروں کی پرورش کے لئے دیتا نہیں ۔ اس طرح وہ معاشرہ کی ہمواریوں اور خوشگواریوں کی عملاً تکذیب کرتا ہے (۹۲/۹-۱۰) ۔ قرآن کریم اِنْفَاقٌ کی تاکید اور بُخْلٌ کی مذمت کو مختلف انداز میں پیش کرتا ہے ۔ اپنی محنت کی کمائی کو، خدا کے قانون کے مطابق، نوعِ انسانی کی ربوبیت عامہ کیلئے کھلا رکھنا اسلام کی بنیادی تعلیم ہے ۔ یہی تَقْوٰی ہے (۹۲/۱۸) ۔ اسی سے دنیا کی مشکلات حل ہوتی ہیں اور اسی سے انسان کی مستقبل کی زندگی (آخرت) سنورتی ہے ۔ قرآن کریم واضح الفاظ میں بتاتا ہے کہ جو قوم بُخْلٌ کی روش اختیار کر لیتی ہے اسے بساطِ زندگی سے الگ کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم آجاتی ہے جو اس قوم جیسی نہیں ہوتی (۴۷/۳۸) ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** محیط ۔

اس لئے کہ خدا کا غیر متبدل قانون یہ ہے کہ مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۷) ۔ ''دنیا میں بقاء اسی کے لئے ہے جو نوع انسانی کے لئے منفعت بخش ہے'' جو (نظام یا طریق زندگی) محض ایک فرد، ایک گروہ، یا ایک قوم کے مفاد کے لئے ہے (پوری انسانیت کے مفاد کے لئے نہیں) اسے بقاء اور دوام نصیب نہیں ہو سکتی ۔ جب کسی شے کی منفعت بخشی کو عالمگیر انسانیت کے لئے عام ہونے کی بجائے اس طرح روک دیا جائے تو یہ بُخْلٌ ہو جائیگا جس کا نتیجہ تباہی ہے، افراد کی صورت میں بھی اور اقوام کے لئے بھی ۔

ب د أ

بَدَأَ بِہٖ ۔ بَدْأً وَابْتَدَأَ ۔ کسی چیز کے ساتھ شروع کرنا ۔ بَدَأَ الشَّیْئَ ۔ اس چیز کو شروع کر دیا ۔ اس نے پہل کی، فُلَانٌ مَا یُبْدِیْ وَمَا یُعِیْدُ ۔ فلاں آدمی نہ از خود کوئی بات کرتا ہے ۔ (Initiate) کرتا ہے) اور نہ ہی کسی بات کا جواب دیتا ہے ۔ اَلْبَدِیُٔ ۔ سردار اول ۔ بَدَأَ مِنْ اَرْضِہٖ اِلٰی اُخْرٰی ۔ اپنی زمین سے دوسری زمین کی طرف نکل کھڑا ہوا ۔ اپنا ملک چھوڑ گیا * ۔ اَلْبَدْءُ ۔ اَلاِبْدَاءُ ۔ کسی چیز کو اس کے غیر (ماسوا) پر مقدم کرنا * ۔ بَادِیَ الرَّأْیِ وہ رائے جو ابتداءً قائم کر لی جائے ۔ یا بَادِیَ الرَّأْیِ ۔ وہ رائے جو بالکل ظاہر ہو ** ۔ (نیز دیکھئے عنوان ۔ ب ۔ د ۔ و)

قرآن کریم میں ہے وَھُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (۹/۱۳) ۔ ''انہوں نے ہی پہلی مرتبہ تمہارے ساتھ ابتداء کی ہے'' ۔ پہل ان کی طرف سے ہوئی ہے ۔ تخلیق کائنات کے سلسلہ میں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ اِنَّہٗ یَبْدَءُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ (۲۷/۳۰) ۔ ''وہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے اور پھر اسے گردش دیتا ہے'' ۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر شے کی تخلیقی ابتداء اس کے نقطہ آغاز سے ہوتی ہے ۔ پھر وہ مختلف مراحل طے کرتی ہوئی اپنی تکمیل تک پہنچتی ہے ۔ اس کا نقطہ آغاز بھی خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے اور پھر اس کی مختلف گردشیں اور گردشوں کے بعد تکمیل بھی اسی کی رو سے ہوتی ہے (نیز دیکھئے عنوانات (ف ۔ ط ۔ ر) ; (ب ۔ د ۔ ع) اور (ع ۔ و ۔ د)) ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔

سورۃ سبا میں ہے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ (۳۴/۴۹) ۔ ”ان سے کہدو کہ خدا کا اٹل تعمیری قانون آ گیا ہے ۔ اس کے مقابلہ میں تخریبی پروگرام ٹھہر نہیں سکے گا۔ اس لئے کہ تخریبی قانون میں یہ قوت ہی نہیں کہ کسی اسکیم کی ابتدا کر سکے اور پھر اسے پلٹ کر اور لوٹا کر تکمیل تک لے جائے“۔ باطل کوئی نتیجہ خیز بات کر ہی نہیں سکتا ۔

سورۃ ہود میں بَادِيَ الرَّأْيِ آیا ہے ۔ (۱۱/۲۷) اس کے لئے دیکھئے عنوان (ب ۔ د ۔ و) ۔

ب د ر

بَادَرَهُ ۔ مُبَادَرَةً ۔ بِدَارًا ۔ اس کام کے لئے جلدی کرنا جو خود کو اچھا لگے ۔* سورۃ نساء میں ہے لِسُرَا فًا وَّبِدَارًا (۴/۶) ۔ ”فضول خرچی اور عجلت کرتے ہوئے ۔ جلدی جلدی“ ۔ زجاج نے کہا ہے کہ اس مادہ کے اصلی معنے بھر جانے اور بھرپور ہو جانے کے ہیں ۔ عجلت میں بھی چونکہ انسان اپنی پوری پوری قوت صرف کر دیتا ہے اسلئے اسے مُبَادَرَةً کہتے ہیں ۔* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں ۔ (۱) کسی چیز کا کامل اور بھرا ہوا ہونا ۔ اور (۲) کسی چیز کی طرف جلدی سے جانا ۔

اَلْبَدْرُ ۔ بھرا ہوا (پورا چاند) بھرپور جوان ۔ نیز بَدْرٌ ۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے ۔* اس مقام پر مخالفین سے جنگ ہوئی تھی (۳/۱۲۳)

راغب کے نزدیک اس مادہ کی اصل ہی اَلْبَدْرُ (پورا چاند ہے) ۔** نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور دال ساتھ آئیں ان میں کسی کام کی ابتداء یا ظہور (ظاہر ہونے) کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ بَدَرَ اِلَيْهِ بِكَذَا کے معنی ہیں اس نے اس کے لئے فلاں بات کو ظاہر کر دیا ۔*** اس سے اَلْبَدْرُ کے معانی واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنی ظہورِ کامل ۔

ب د ع

اَلْبِدْعُ ۔ وہ کام جو پہلے پہل ہوا ہو اور اس سے پہلے اسکی مثال موجود نہ ہو (ابن فارس) ۔ اَلْبَدِيعُ وہ نئی رسی جسے پہلی بار نئے ریشہ سے بٹا گیا ہو ۔ رَكِيٌّ بَدِيعَةٌ نیا کھودا ہوا کنواں ۔* نواب صدیق

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** العلم الخفاق ۔

حسن جان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء کے ساتھ دال آئے ان میں ابتداء اور ظہور کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ راغب نے لکھا ہے کہ اَلاِبْدَاعُ کے معنی ہیں کسی چیز کو بغیر کسی کی تقلید کے از خود پیدا کرنا ۔ اور جب یہ لفظ خدا کیلئے بولا جائے تو اسکے معنے ہوتے ہیں کسی چیز کو بغیر آلہ بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے ایجاد کرنا ۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۲/۱۱۷) کا یہی مفہوم ہے۔** اسکے معنے (Originator) کے ہیں۔

کائنات کو عدم سے وجود میں لانا تو صرف خدا کیلئے ہے ، لیکن اس کائنات میں نئی نئی چیزیں دریافت کرنا اور ایجاد کرنا انسان میں صفت خداوندی کا منعکس ہونا ہے اور وجہ شرفِ انسانیت ۔ اس شرط کے ساتھ کہ ان ایجادات کو قانون خداوندی کے مطابق نوعِ انسانی کی تعمیر میں صرف کیا جائے، نہ کہ تخریب کے لئے۔ لیکن یہ ایجادات طبیعی دنیا کے اندر ہونگی ۔ خدا کے قوانین جو نوعِ انسانی کی راہنمائی کیلئے (قرآن کے اندر) ہیں ان میں کسی نئے قانون کو شامل نہیں کیا جائیگا۔ اس لئے کہ یہ قوانین عقل کی رو سے وضع نہیں کئے جاسکتے ، صرف وحی کی رو سے مل سکتے ہیں۔ اور وحی ، قرآن کریم کے اندر پہنچکر مکمل ہوچکی ہے۔ دین میں اپنی طرف سے کسی قسم کا اضافہ جائز نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے رہبانیت کو بدعت کہکر اسکی مذمت کی ہے (۵۷/۲۷)۔ البتہ دین کے غیر متبدل اصولوں کے اندر رہتے ہوئے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ، جزئی قوانین مرتب کئے جا سکتے ہیں ۔

رسول اللہ ؐ کے متعلق ہے قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ (۴۶/۹) "آپ کہ دیجئے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں" ۔ میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں ۔ مجھ سے پہلے بھی رسول آتے رہے ہیں۔

ب د ل

بَدَلٌ ۔ بِدْلٌ ۔ بَدِیْلٌ ۔ جو چیز کسی دوسری چیز کی قائمقام بن جائے ۔ جو کسی کا عوض یا بدل بن جائے ۔ ثعلب نے کہا ہے کہ اَبْدَلْتُ الْخَاتَمَ بِالْحَلْقَةِ کے معنے ہیں میں نے انگھوٹھی کو اتار کر اسکی جگہ چھلا پہن لیا ۔ اور بَدَّلْتُ الْخَاتَمَ بِالْحَلْقَةِ کے معنے ہیں میں نے انگھوٹھی کو پگھلا کر اسکا چھلا بنوالیا ۔ یعنے تَبْدِیْلٌ تو یہ ہے

* تاج ۔ ** محیط ۔

کہ ایک صورت سے دوسری صورت بدل دی جائے۔ جوہر (Substance) وہی باقی رہے۔ اور اِبْدَال* کے معنے ہیں ایک جوہر کو چھوڑ کر دوسرا جوہر اختیار کر لینا۔ مُبَادَلَۃ* کے معنے ہیں جیسی چیز اس سے لی اسکی مثل اسے دی۔ تَبَدَّلَ کے معنے ہیں متغیر ہوگیا۔ بدل گیا۔ نیز تَبَدَّلَہٗ و تَبَدَّلَ بہ کے معنے ہیں اسے کسی چیز کی جگہ لے لیا، بدل لیا، تَبْدِیْل* تحریف کو بھی کہتے ہیں*۔

قرآن کریم میں بَدَلاً* (۱۸/۵۰) بدل (معاوضہ) کے معنے میں آیا ہے۔ اور بَدَّلَ (۲۶/۱۱) ایک چیز کی جگہ دوسری چیز تبدیل کرلینے کے لئے۔ سورۃ روم میں ہے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللہِ (۳۰/۳۰)۔ ''خدا کا عمل تخلیق کبھی نہیں بدلتا''۔ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللہِ (۶/۳۴) ''قوانین خداوندی کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں''۔ یعنی نہ تو ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان کی جگہ کوئی اور قوانین لے سکتے ہیں۔

سورۂ تحریم میں ہے اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗ اَزْوَاجاً خَیْراً مِّنْکُنَّ (۶۶/۵) ''.....اگر وہ تمہیں طلاق دیدے تو خدا اسے تم سے بہتر بیویاں بدل کر دیدے''۔ سورۂ احزاب میں ہے وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِھِنَّ (۳۳/۵۲)۔ ''نہ یہ کہ تو ان کی جگہ دوسری بیویاں لے لے''۔ سورۃ نساء میں ہے اِسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ (۴/۲۰)۔ ''ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کی تبدیلی چاہنا''۔ استبدالِ قومی کے لئے دیکھئے (۴۷/۳۸)۔

ب د ن

اَلْبَدَنُ۔ جسم۔ سوائے سر اور ہاتھ پاؤں کے۔ لیکن ازہری نے کہا ہے کہ یہ لفظ تمام جسم کیلئے بولا جاتا ہے*۔ راغب نے کہا ہے کہ بَدَنٌ* جسم کو جثہ کے اعتبار سے کہتے ہیں اور جَسَدٌ* رنگ کے اعتبار سے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی خود کسی چیز کے ہیں۔ اسکی اطراف کے نہیں۔ قرآن کریم میں فرعون کے متعلق ہے کہ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ (۱۰/۹۲)۔ ''آج ہم تیرے بدن (لاش) کو محفوظ کر دینگے''۔ مصر میں رواج تھا کہ وہ بڑے بڑے لوگوں کی لاشوں کو ممی بنا کر محفوظ کر لیتے تھے چنانچہ فراعنۂ مصر کے قدیم مقبروں سے اس قسم کی ممی شدہ لاشیں بہت سی برآمد ہوئی ہیں۔ جس فرعون نے حضرت موسٰےؑ کا پیچھا کیا تھا وہ پانی میں غرق ہو گیا تھا۔ اسلئے اسطرف خیال جاتا تھا کہ

* تاج۔ ** راغب۔

اسکی لاش ضائع ہوگئی ہوگی۔ لیکن قرآن نے آج سے قریب چودہ سو برس پہلے بتا دیا کہ اسکی لاش بھی (پانی سے نکال کر) محفوظ کرکے رکھدی گئی تھی۔ چنانچہ جو ممی شدہ لاشیں برآمد ہوئی ہیں انمیں اسکی لاش بھی موجود ہے۔ (دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ نیز میری کتاب برق طور) ویسے بَدَنٌ زرہ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ جسم پر رہتی ہے**۔

اَلْبَادِیْ۔ اَلْمُبْتَدِیْ۔ فربہ اور جسیم شخص۔ بَدُنَ و بَدَنَ۔ وہ فربہ اور جسیم ہوا۔ اَلْبَدَنَۃُ وہ گائے یا اونٹ جو ذبح کرنے کیلئے لے جایا جائے۔ یہ اسلئے تھا کہ جن جانوروں کو ذبح کرنے کیلئے مکہ لے جاتے تھے انہیں خوب موٹا کیا جاتا تھا۔ اسکی جمع بُدْنٌ ہے۔ سورۃ حج میں اَلْبُدْنَ (۲۲/۳۶)۔ انہی اونٹوں کے لئے آیا ہے**۔

ب د و

بَدْوٌ۔ وَ۔ بُدُوٌّ کے معنے ہیں ظاہر ہونا۔ اَبْدَیْتُہٗ۔ میں نے اسے ظاہر کر دیا۔ بَدَا وَۃُ الشَّیْءِ۔ کس شے کا وہ حصہ جو سب سے پہلے ظاہر ہو*۔ قرآن کریم میں تُبْدُوْنَ (تم ظاہر کرتے ہو) کے مقابلہ میں تَکْتُمُوْنَ (تم چھپاتے ہو) بھی آیا ہے (۲/۳۳) اور تُبْدُوْا بمقابلہ تُخْفُوْہُ بھی (۲/۲۸۴)۔ سورۃ النور میں ہے وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَہُنَّ (۲۴/۳۱) ''وہ اپنی آرائش کو نمایاں نہ کریں''۔

اَلْبَدْوُ۔ اَلْبَادِیَۃُ۔ اَلْبَدَاوَۃُ۔ صحراء، دیہات، البَدَاوَۃُ۔ شہری زندگی کے مقابلہ میں دیہاتی یا صحرائی زندگی۔ صحراء کو اسلئے بادِیَۃٌ کہتے ہیں کہ وہ ظاہر اور کھلا ہوا ہوتا ہے* (۱۲/۱۰۰)۔ قرآن کریم میں اَلْبَادِیْ بمقابلہ الْحَاضِرُ آیا ہے (۲۲/۲۵) جسکے معنی ہیں باہر سے آنے والا۔ سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت نوحؑ کے مخالفین نے آپ سے کہا کہ مَا نَرَاکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیْنَ ھُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ (۱۱/۲۷)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ تیرا اتباع کرتے ہیں ان کی شکل و صورت دیکھکر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ہمارے معاشرہ کے پست درجے کے (رذیل) لوگ ہیں۔ یعنی ان کے متعلق اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے کسی دقتِ نظر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کی صورت سے ان کی حالت عیاں ہو جاتی ہے۔ (ہمارے ہاں ایسے بادی النظر کہتے ہیں)۔ بَادِیَ الرَّاْیِ (۱۱/۲۷) کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں نے تیرا اتباع کیا ہے وہ کسی غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر نہیں پہنچے بلکہ یونہی ایک بات سنی اور اسکے پیچھے لگ گئے۔

*تاج۔ نیز ابن فارس۔ ** راغب

ب ذ ر

بَذَرْتُهٗ بَذْرًا : میں نے اسے بکھیرا ، متفرق کیا ، خراب کیا ۔ اَلبَذْرُ ۔ اس غلہ کو کہتے ھیں جو بیج ڈالنے کیلئے الگ رکھ لیا گیا ھو۔ اس سے اسکے معنے کھیتی کرنے کے آتے ھیں۔ نیز کھیتی یا سبزی کا وہ پودا جو شروع شروع میں زمین سے نکلتا ھے ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ھے کہ جن الفاظ میں باء اور ذال اکھٹے آئیں ان کا مفہوم کسی چیز کو نکال دینا ھوتا ھے ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی بکھیرنے اور متفرق کر دینے کے ھیں ۔

اپنی اصل کے اعتبار سے تَبْذِیْرٌ کے معنی ھونگے اس غلہ کو بھی خرچ کر لینا جو بیج کے لئے رکھا ھو۔ مجازاً مال ضائع کر دینے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ھوتا ھے ۔ اسلئے کہ تَبْذِیْرٌ متفرق کر دینے یا بکھیر دینے کو بھی کہتے ھیں *

قرآن کریم میں ھے لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ (۱۷/۲۶-۲۷) " تم مال کو بے جا صرف مت کرو۔ اسطرح مال کو ضائع کرنے والے لوگ شیاطین کے بھائی ھیں " ۔

ب ر أ

بَرَأَ ۔ اسکے بنیادی معنے ھیں کسی چیز کا ان چیزوں سے الگ ھو جانا جو اسکی غیر ھوں ۔ بَارَاَہٗ ۔ وہ اس سے الگ اور جدا ھو گیا ۔ تَبَرَّأْنَا ۔ ھم سب جدا ھو گئے ۔ بَرِیَٔ الْمَرِیْضُ مِنْ مَرَضِہٖ ۔ مریض شفایاب ھو گیا ۔ یعنے اسکا مرض اس سے الگ ھو گیا ۔ اَنَا بَرَاءٌ مِنْہُ ۔ میں اس سے بری ھوں ۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ۔ قرآن کریم میں ھے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا (۲/۱۶۶) ۔ "جب لیڈر اپنے پیچھے چلنے والوں سے بیزار اور الگ ھو جائیں گے" ۔

سورۃ توبہ کا آغاز ان الفاظ سے ھوتا ھے ۔ بَرَاءَۃٌ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (۹/۱) ۔ "یہہ اللہ اور اسکے رسول (قرآنی نظام کے مرکز) کی طرف سے اس امر کا اعلان ھے کہ ھم ان مشرکین مکہ سے بالکل الگ ھیں جن کے ساتھ معاھدہ کیا گیا تھا" ۔ ان کے ساتھ اب ھمارا کوئی تعلق باقی نہیں رھا ۔ یہی معنی (۶۰/۴) میں ھیں ۔

---

* تاج ۔ ** راغب ۔

خدا کو اَلْبَارِیٔ کہا گیا ہے (۵۹/۲۴)۔ اس میں درحقیقت تخلیق اشیاء کے تین مراحل میں سے ایک مرحلہ کا ذکر ہے۔ یعنی اَلْخَالِقُ الْبَارِیُٔ الْمُصَوِّرُ (۵۹/۲۴) ۔ کائنات میں تمام عناصر باھمی ملے جلے رہتے ہیں ۔ اللہ کے سامنے جب کسی نئی چیز کی پیدائش کی تدبیر (اسکیم) ہوتی ہے تو وہ مختلف عناصر کو ایک نئی ترتیب دیتا ہے ۔ یہ خَلْقٌ ہے (دیکھئے عنوان خ ۔ ل ۔ ق) ۔ پھر انہیں باقی عناصر سے الگ کرتا ہے ۔ یہ بَرْأَۃٌ ہے ۔ اور اسکے بعد انہیں ایک متعین شکل (Form) عطا کر دیتا ہے ۔ یہ مُصَوِّرِیَّت ہے ۔ (دیکھئے عنوان ص ۔ و ۔ ر) ۔ اس اعتبار سے وہ خالق اور باری اور مصور کہلاتا ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ اسی نہج سے مخلوق کو اَلْبَرِیَّۃُ کہتے ہیں ۔ قرآن میں ہے اُولٰئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ (۹۸/۶) ۔ (بَرِیَّۃٌ کی اصل بَرْیٌ ہے ۔ اور یہ اَلْبَرَی سے ہے جس کے معنے مٹی کے ہیں) ۔

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے آئیں ان کا مفہوم ''ظاھر ہونا،، ہوتا ہے ۔ اس اعتبار سے کسی حادثہ کے واقع کرنے (رونما کرنے) کیلئے بھی بَرْءٌ آتا ہے (۵۷/۲۲) ۔ مُبَرَّءٌ کے معنے ہیں بَرِیٌٔ الذِّمَّۃِ (پاک) (۲۴/۲۶) ۔ اَبْرَاَ کے معنے ہیں کسی سے مرض دور کر دینا (۳/۳۸) ۔

ب ر ج

بُرْجٌ ۔ جمع بُرُوْجٌ ۔ کسی محل کے چاروں طرف جو محفوظ کوٹھڑیاں بنا دی جاتی ہیں انہیں بُرُوْجٌ کہا جاتا ہے ۔ جو کوٹھڑیاں شہر پناہ یا قلعہ کی دیوار پر بنائی جاتی ہیں انہیں بھی بُرُوْجٌ کہتے ہیں ۔ نیز اسکے معنے قلعہ کے بھی ہوتے ہیں * ۔ چنانچہ (۴/۷۸) میں اسکے یہی معنے ہیں ۔ دراصل ، ج ۔ ب ۔ ر اپنی تمام تراکیب میں شدت اور قوت پر دلالت کرتے ہیں ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے ظاہر ہونا اور جائے پناہ کے ہیں ۔

سورۃ احزاب میں ہے وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی (۳۳/۳۳) ۔ ''اپنے گھروں میں سنجیدگی سے رہو اور سابقہ جاھلیت کے طریق پر اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو'' ۔ اور سورۃ نور میں ہے غَیْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِیْنَۃٍ (۲۴/۶۰) ''اپنی زینت کو نمایاں نہ کرنے والیاں''

*تاج ۔ ** العلم الخفاق ۔

صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ "تَبَرُّج" کے معنے ہیں عورت نے اپنی زینت اور محاسن کو مردوں کے سامنے ظاہر کیا، اسطرح کہ اسکی آنکھوں میں شوخی جھلک رہی تھی۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں با اور راء ساتھ آئیں ان میں اظہار کا مفہوم مضمر ہوتا ہے، جیسے "بَرَجَ" ظاہر ہو گیا۔ اسی سے "تَبَرُّج" ہے۔** ابواسحق نے کہا کہ * "تَبَرُّج" اس اظہار زینت کو کہتے ہیں جو مردانہ شہوت کی انگیخت کا ذریعہ بن جائے۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ "التَّبَرُّج" مٹک مٹک کر چلنے کو کہتے ہیں اور "اَلْبَرَجُ" خوبصورت اور حسین چہرے والے کو کہتے ہیں۔ اور "اَلْاَبْرَجُ" حسین آنکھوں والے کو ****۔ "اَلْبَرَجُ" آنکھ کا کشادہ اور حسین ہونا ***۔ لسان میں دونوں ابروؤں کے درمیان کشادگی اور فاصلہ کو "بَرَجٌ" بتایا ہے۔
راغب نے کہا ہے کہ عورت کے "تَبَرُّجٌ" کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنے محل سے باہر نکل آئی۔ چنانچہ اس سے پہلے جو آیا ہے "وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ" اس نے بھی ان معانی کی تائید کر دی ہے ***۔

لیکن ہمارے نزدیک صحیح معنے وہی ہیں جو ابواسحق نے کہے ہیں یعنے اس انداز کی نمائش جو مردوں کے جذبات کے مشتعل ہونے کا سبب بن جائے۔ دراصل "اِبْرِیْجٌ" بلوری یا اس مشک کو کہتے ہیں جس میں دودھ بلو کر اس سے مکھن نکالا جاتا ہے ****۔ لہذا "تَبَرُّج" کے معنے ہیں حسن اور زینت کی اس انداز کی نمائش کہ عورت کی آنکھوں میں شوخی جھلک رہی ہو اور اس سے مردوں کے جذبات متحرک اور مشتعل ہو جائیں۔ ایسی نمود و نمائش جو مردوں کے سینوں میں (بلوری کی طرح) تلاطم برپا کر دے۔ اسکی ممانعت ہے۔ جنسی جذبات ازخود بیدار نہیں ہوتے۔ انسانی خیالات انہیں بیدار اور مشتعل کرتے ہیں۔ لہذا، قرآن کریم ان تمام محرکات کو روکتا ہے جن سے ان جذبات میں انگیخت پیدا ہو۔ اس نے مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط (میل جول) کے لئے جو حدود مقرر کئے ہیں ان سے یہی مقصود ہے۔

قدیم علم الافلاک کی رو سے، آسمان میں بارہ برج تسلیم کئے جاتے تھے۔ ابن درید نے (جمہرۃ اللغۃ میں) لکھا ہے کہ عرب، اِن بروج السماء (آسمانی برجوں) کو نہیں جانتے تھے۔ ان کے کلام میں "منازل قمر" کا تو ذکر ملتا ہے لیکن "بروج السّمآء" کا ذکر نہیں ملتا۔ لہذا، قرآن کریم میں جہاں "بروج السّمآء" کا ذکر آیا ہے تو اس سے وہاں مراد ستارے یا بڑے بڑے ستارے ہیں۔ مثلاً سورۃ

*تاج۔ **العلم الخفاق۔ ***راغب۔ ****محیط۔

حجر میں ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ (۱۵/۱۶)، "اور یقیناً ہم نے آسمان میں بروج بنائے ہیں اور انہیں دیکھنے والوں کے لئے خوشنما بنایا ہے" ۔ یہاں "بروج" سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں جو ابھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ نِ الْكَوَاكِبِ (۳۷/۶) "اور ہم نے قریبی آسمان کو (عجیب) زینت یعنی ستاروں سے آراستہ کیا ہے" ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے "بُرُوج" کو ستاروں کے معنی میں استعمال کیا ہے ۔

ب ر ح

اَلْبَرَاحُ ۔ کھلی وسیع زمین جہاں درخت، کھیتی، عمارت وغیرہ کچھ نہ ہو۔ اس سے یہ لفظ اس معاملہ کے لئے بولتے ہیں جو بالکل واضح، ظاہر اور کھلا ہوا ہو۔ لَا بَرَاحَ ۔ اس میں کوئی شک وشبہ یا ابہام نہیں۔ بَرِحَ الْخَفَاءُ ۔ راز فاش ہو گیا* ۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء کے ساتھ راء آئے ان کے مفہوم میں "ظاہر ہونا" پایا جاتا ہے ۔ جیسے بَرِحَ الْخَفَاءُ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) ظاہر ہو جانا ۔ زائل ہو جانا اور کھل جانا ۔ اور (۲) سخت ہونا اور بڑا ہونا ہیں ۔ راغب نے کہا ہے کہ لَا اَبْرَحُ اثبات یعنی مستقل جم کر رہنے یا کام کرنے کے لئے مخصوص ہوتا ہے** ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ بَرْحیٰ ایک کلمہ ہے جو نشانہ خطا ہو جانے پر بولتے ہیں ۔ چنانچہ اَلْبَارِحُ مِنَ الظِّبَاءِ وَالطَّيْرِ اس ہرن یا پرندے کو کہتے ہیں جو شکاری کے سامنے ایسے رخ سے آئے کہ اس کا نشانہ کرنا دقت طلب ہو*** ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ اثبات اور تاکید کے لئے آیا ہے ۔ جیسے سورۃ یوسف میں ہے فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ (۱۲/۸۰) "میں اس سرزمین کو کبھی نہیں چھوڑونگا" ۔ سورۃ کہف میں ہے لَا اَبْرَحُ حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ (۱۸/۶۰) ۔ "میں چلنا نہیں چھوڑونگا (یعنے مسلسل چلتا رہونگا) حتیٰ کہ دو دریاؤں کے سنگھم پر پہنچ جاؤں" ۔

ب ر د

اَلْبَرْدُ ۔ ٹھنڈا ہونا، یہ حَرٌّ (گرم ہونے) کی ضد ہے ۔ مَاءٌ بَرْدٌ وَبَارِدٌ ۔ ٹھنڈا پانی ۔ اَلْبَرْدُ ۔ نیند ۔ اَلْبَرَدُ ۔ اولے ۔ عَيْشٌ بَارِدٌ ۔ خوشگوار زندگی ۔ بَرَدَ السَّيْفُ ۔ تلوار اچٹ گئی* ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** محیط ۔

راغب نے لکھا ہے کہ جس طرح حَرٌّ کے ساتھ حرکت مختص ہوتی ہے اسی طرح بَرْدٌ کے ساتھ کسی چیز کا جمود و ثبات مختص ہوتا ہے۔ مثلاً بَرَدَ عَلَيْهِ دَيْنٌ کے معنی ہیں اس پر قرضہ ٹھہر گیا، یعنی ادا نہ ہو سکا** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معانی میں سکون اور ثبات کو بھی شامل کیا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں ہے يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (۲۱/۶۹)۔ "اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈ اور سلامتی ہو جا"۔ یعنی اللہ تعالٰے نے کہا ہے کہ مخالفین نے ابراہیمؑ کے خلاف تدبیریں اور سازشیں شروع کیں اور آمادہ بہ فساد ہو گئے لیکن ہم نے اسے ان کی شعلہ سامانیوں سے محفوظ رکھا اور خیریت سے نکال کر دوسرے ملک میں لے گئے۔ (فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۲۹/۲۴)۔ "انہوں نے اسے زندہ جلا دینے تک کی بھی ٹھان لی لیکن ہم نے ان کی تدبیروں کو ناکام بنا دیا اور ابراہیمؑ کو صحیح و سلامت بچا کر لے گئے" (۳۷/۹۷-۹۸)۔ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ (۲۱/۷۰)۔ "انہوں نے اس کے خلاف سازش کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انہیں ناکام بنا دیا"۔ یعنی ان کا ارادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ حضرت ابراہیمؑ بحفاظت وہاں سے نکل کر دوسرے ملک میں چلے گئے (۳۷/۹۹) ؛ (۲۱/۷۱) ؛ (۲۹/۲۶)۔ ان مقامات سے ظاہر ہے کہ یہاں آگ سے مراد ان لوگوں کی آتش انتقام تھی جسے اللہ تعالٰے نے ٹھنڈا کر دیا تھا۔ اور وہ اپنی سازش میں ناکام رہ گئے تھے۔

اولوں (ژالہ باری) کے معنوں میں یہ لفظ (۲۴/۴۳) میں آیا ہے۔ سورۃ واقعہ میں عذاب جہنم کے ضمن میں ہے لَا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ (۵۶/۴۴)۔ "نہ ٹھنڈ پہنچانے والا۔ نہ خوشگوار اور نفع بخش"۔

سورۃ النبأ میں اہل جہنم کے متعلق ہے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا (۷۸/۲۴) "وہ اس میں ٹھنڈ اور پینے کی چیز نہیں پائینگے"۔

صاحب تاج العروس نے یہاں بَرْدٌ کے معنے نیند کے کئے ہیں۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ ویسے اس سے مفہوم راحت و آرام بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہی معنی زیادہ موزوں ہیں۔ عذاب میں راحت کہاں؟ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں اضطراب اور حرکت کو بھی شامل کیا ہے۔

* تاج۔ ** راغب۔

ب ر ر

بر ر - اس مادہ کے اصلی معنے وسعت - فراخی اور کشادگی کے ہیں کیونکہ بَحْرٌ کے مقابلہ میں بَرٌّ کا لفظ خشکی کیلئے استعمال ہوتا ہے (۱۶/۱۴) - اَلْبَرٌّ بے آب و گیاہ چٹیل میدان کو کہتے ہیں اور بَحْرٌ ان مقامات اور شہروں کو جہاں پانی بھی ہو - بَرٌّ بکریوں کو (جنگل کی طرف) ہانک دینے کو کہتے ہیں - وسعت کے اعتبار سے اسکے معنے کثرت کے بھی ہو گئے - چنانچہ اَبَرَّ الرَّجُلُ کے معنے ہیں وہ آدمی کثیرالاولاد ہو گیا - اَبَرَّ الْقَوْمُ - قوم بہت زیادہ ہو گئی ہے - اس سے غلبہ و تسلط کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہونے لگا - اَبَرَّ عَلَيْهِمْ - وہ ان پر فوقیت لے گیا اور غالب آیا - اَلْمُبِيرٌ - غالب آنے والے کو کہتے ہیں* - نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے آئیں ان کا مفہوم "ظاہر ہونا" ہوتا ہے - چنانچہ بَرٌّ کے معنی ہیں وہ ظاہر ہو گیا - اس سے کشادگی اور غلبہ دونوں مفہوم واضح ہو جاتے ہیں -

نگاہ کی کشادگی اور دل کی وسعت کے اعتبار سے بِرٌّ کے معنی وسیع پیمانہ پر نیک سلوک، صلہ رحمی اور احسان کے آتے ہیں - نیز صداقت (بات پر پورا اترنا) اور اطاعت کے بھی - بَرٌّ اور بِرٌّ - قسم میں سچا ہونے کو کہتے ہیں - اَلْبَرٌّ - خدا کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے (۵۲/۲۸) - نیز سچے اور احسان کرنے والے آدمی کو بھی کہتے ہیں* -

قرآن کریم میں بِرٌّ بمقابلہ اِثْمٌ آیا ہے (۵/۲) - اِثْمٌ کے معنے ہیں کمزوری - اضمحلال - تکان - لہذا بِرٌّ کے معنے ہونگے قوت - وسعت - کثرت - کشادگی - فراخی - چونکہ اِثْمٌ جرم (گناہ) ہے اس لئے بِرٌّ نیکی (Virtue) ہے - لہذا قرآن کی رو سے "نیک کام" (بِرٌّ) وہ ہونگے جن سے کشاد کی راہیں کھل جائیں - جن سے انفرادی طور پر نگاہ میں فراخی، قلب میں کشادگی اور انسانی ذات میں وسعت پیدا ہو جائے اور اجتماعی طور پر سامان زیست میں کثرت اور وسعت آ جائے - اور معاملات میں فراخ حوصلگی کا ثبوت دیا جائے - بِرٌّ اور تَقْوٰی کے الفاظ اسی لئے اکٹھے آئے ہیں (مثلاً ۲/۱۷۷ ; ۵/۲) کیونکہ تَقْوٰی (قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنے) سے انسان سے تنگ نظری دور ہو جاتی ہے اور کشادہ ظرفی پیدا ہو جاتی ہے - اس کا بنیادی طریقہ یہ ہے کہ

* تاج -

انسان اپنی عزیز ترین متاع (مال و دولت حتی کہ جان تک کو) قوانین خداوندی کے مطابق، نوع انسانی کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھے - چنانچہ ارشاد ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۳/۹۲)- ''جب تک تم ان چیزوں کو جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہیں (نوع انسان کی ربوبیت کے لئے) کھلا نہیں رکھوگے تمہیں کشادگی اور وسعت نصیب نہیں ہو سکیگی'' - جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ''مذہبی شعائر'' کو رسمی طور پر ادا کر لینے کا نام بِرّ (نیکی) ہے وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں - قرآن واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ..... (۲/۱۷۷) - کشاد کی راہ یہ نہیں (تم معیار خداوندی پر اس طرح پورے نہیں اتر سکتے) کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف - کشاد کی راہ یہ ہے کہ تم ایمان کے بعد اپنے مال کو اس کی کشش و جاذبیت کے باوجود ضرورت مندوں کے لئے دیدو - ایسا کرنے والوں کو اَبْرَار بمقابلہ فُجَّار کہا گیا ہے (۸۲/۱۳-۱۴) - اور بَرَرَة بھی (۸۰/۱۶) -

حضرت یَحْیٰی کے متعلق ہے - بَرًّا بِوَالِدَیْهِ (۱۹/۱۴) - ''وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک (کشادہ نگہی) سے پیش آتا تھا'' - خدا کو اَلْبَرُّ الرَّحِیْمُ کہا گیا ہے (۵۲/۲۸) - ''وسعتیں عطا کرنے والا - سامان نشو و نما دینے والا'' - جس خدا نے تمام نوع انسانی کیلئے سامان ربوبیت اس وسعت و کثرت سے عطا کر رکھا ہے اس کی کشادگی اور فراخی میں کسے کلام ہو سکتا ہے؟'' - لہذا جو معاشرہ اپنے اندر خدا کی صفات کو منعکس کریگا وہ بھی علٰی حد بشریت بَرٌّ وَرَحِیْمٌ ہوگا - یعنی نوع انسانی کی ربوبیت کیلئے وسعت ظرف اور کشادگی نگاہ کا مالک - اسی کا نام بِرّ ہے جس کا ترجمہ عام طور پر نیکی کیا جاتا ہے - لیکن یہ ظاہر ہے لفظ ''نیکی'' کا عمومی تصور بِرّ (وسعت و کشادگی) کا مفہوم نہیں پیدا کر سکتا - نیک آدمی عام طور پر اسے کہا جاتا ہے جو برائیوں سے بچے - لیکن برائیوں سے بچنا سلبی پہلو (Negative Aspect) ہے - قرآن کریم اس کے ساتھ مثبت جوہروں (Positive Virtues) کا بھی مطالبہ کرتا ہے - بنا بریں جس فرد میں کشادہ نگہی اور فراخ حوصلگی نہیں اور جس قوم کو ربوبیت کا سامان وسعت و کثرت کے ساتھ نصیب نہیں اور وہ اسے اسی وسعت و کشادگی کے ساتھ نوع انسانی کی نشو و نما کے لئے صرف نہیں کرتی - وہ قرآن کی رو سے حامل بِرّ (نیک) نہیں ہو سکتی -

ب ر ز

اَلْبَرَازُ ۔ اَلْبِرَازُ ۔ وسیع اور کھلی جگہ جہاں درخت وغیرہ کچھ نہ ہوں (چونکہ لوگ قضائے حاجت کے لئے باہر کھلی جگہ کی طرف جایا کرتے تھے اسلئے اَلْبِرَازُ والبَرَازُ کے معنی پاخانہ کے ہو گئے)۔

بَرَزَ ۔ نمایاں ہو جانا ۔ ظاہر ہو جانا ۔ نکھر کر سامنے آ جانا ۔ اَلْبَارِزُ وہ چیز جو پوری طرح ظاہر ہو جائے ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے ہوں ان میں ظاہر ہو جانے کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ ابن فارس نے بھی لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معانی ظاہر ہو جانا ۔ اور کسی چیز کا اپنے جیسی اور چیزوں سے الگ ہو جانا ہیں ۔ بَارَزَ مُبَارَزَةً ۔ میدان جنگ میں جوانوں کا صفوں سے باہر نکل کر ایک دوسرے کے سامنے آنا ۔ بَرَزَ ۔ دوسروں پر فضیلت و شجاعت میں سبقت لیجانا ۔ اور آگے بڑھ جانا* ۔

سورۃ بقرہ میں ہے وَ لَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ (۲/۲۵۰) ۔ ''جب وہ جالوت کے مقابلہ میں جنگ کیلئے سامنے آئے'' ۔ سورۃ کہف میں ہے وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَةً (۱۸/۴۷) ۔ ''تو زمین کو دیکھیگا کہ وہ بالکل کھلی ہوئی ہے'' (یا وہ لوگ جنہیں استبداد زمانہ نے دبائے رکھا ہے تو دیکھیگا کہ وہ ابھر کر اوپر آ جائینگے) سورۃ ابراھیم میں ہے وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا (۱۴/۲۱) ''چھوٹے بڑے سب خدا (کے قانون مکافات کے) سامنے آجائینگے ۔ ان کے اعمال کے نتائج ابھر کر سامنے آ جائینگے ۔ یعنے لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ (۴۰/۱۶) ۔ ''ان کی کوئی شے اللہ سے مخفی نہیں ہوتی'' ۔ اسی کو دوسری جگہ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ (۷۹/۳۶) سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یعنی ظہور نتائج کے وقت جہنم ابھر کر سامنے آجائیگی ۔ لیکن اسی کے لئے جو آنکھیں رکھتا ہے ۔ لِمَنْ یَّرٰی (۷۹/۳۶) ۔ یوں تو مجرم اور جہنم اب بھی ایک دوسرے سے اوجھل نہیں ۔ (۸۲/۱۶) ۔ جہنم ہر مجرم کو گھیرے ہوئے ہے ۔ (۲۹/۵۴)** لیکن اسے دیکھ وہی سکتا ہے جو آنکھیں رکھتا ہے ۔ وہ اسی کے سامنے ابھر کر آتی ہے جسے اسکا احساس ہو ۔ (تفصیل جہنم کے عنوان میں ملیگی) ۔

برزخ

بَرْزَخٌ ۔ دو چیزوں کے درمیان روک یا حد کو کہتے ہیں ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ دراصل بَرْزَةٌ (پردہ) ہے جسے معرب بنا لیا گیا ہے* ۔ لیکن ابن فارس کا کہنا ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہے جس کا مادہ برز ہے اور

* تاج ۔ ** محیط ۔

خاء اس میں مبالغہ کے لئے بڑھائی گئی ہے ۔ معنی اسکے ہیں اتنی بڑی وسعت جو اسکے باہر کی چیزوں کے لئے اوٹ بن جائے ۔ مطلب اس سے بھی روک یا حائل ہونے کا ہوگا ۔ سورۃ رحمٰن میں ہے ۔ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ (۵۵/۲۰) ''ان دونوں دریاؤں کے درمیان ایک روک ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے'' ۔ (نیز ۲۵/۵۳) ۔

سورۂ مومنون میں ہے کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے دنیا کی طرف لوٹا دے تو میں ضرور اعمالِ صالحہ کروں ۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ ان کے کہنے کی باتیں ہیں ۔ مرنے کے بعد کوئی اس دنیا میں واپس نہیں آسکتا ۔ وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (۲۳/۱۰۰) ''ان کے پیچھے ایک روک ہے یوم بعث تک'' ۔ (نیز دیکھئے و ر ء ۔ عنوان '' و ۔ ر ۔ ی '' میں اور عنوان ''ب ۔ ع ۔ ث'')

ب ر ص

اَلْبَرَصُ ۔ سفید داغ جو بیماری کی وجہ سے بدن میں ظاہر ہوجاتے ہیں ۔ پھلبہری ۔ اَلْبِرَاصُ ۔ ریگستانی خطے جہاں کچھ پیدا نہ ہو ۔ بنجر زمین ** ۔ تَبَرَّصَ الْبَعِیْرُ الْاَرْضَ ۔ اونٹ نے تمام گھاس چرلی ۔ زمین پر کچھ بھی نہ چھوڑا* ۔

سورۃ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسٰیؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ وَاُبْرِیءُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ (۳/۴۸) ۔ ''میں پیدائشی اندھے کو نگاہ عطا کرونگا اور اَبْرَص کو اسکی بیماری سے نجات دلا دونگا'' ۔ بنی اسرائیل کی اسوقت کی حالت کو اَبْرَص سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یا تو اسکے یہ معنے ہیں کہ انکی ارضی حیات کے کسی حصہ میں بھی سرسبزی اور تروتازگی باقی نہیں رہی تھی ۔ اور یا یہ کہ وہ دنیا میں مارے مارے پھرتے تھے اور کوئی انہیں اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیتا تھا ۔ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا (۳/۱۱۲) ''وہ جہاں کہیں بھی جائیں ذلت و رسوائیاں انکے ساتھ لگی ہوئی ہیں'' ۔ دونوں معانی میں مفہوم ایک ہی ہے ۔ رسول آتا ہی اسلئے ہے کہ قوم کو ذلت و رسوائیوں سے نجات دلائے اور اسکی بنجر زمینوں میں سرسبزی و شادابی کے سامان پیدا کرے ۔

---

* تاج ** ابن فارس ۔

قرآن کریم نے اخلاق ذمائم کو بیماریوں سے تشبیہ دی ہے ۔ کہیں ایسے لوگوں کو بہرے ۔ گونگے۔ اندھے ۔ (صُمٌّ ۔ بُكْمٌ ۔ عُمْيٌ ۲/۱۷) ۔ کہکر پکارا ہے۔ کہیں کہا ہے کہ ''ان کے دلوں میں روگ ہے'' (فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔ ۲/۱۰) ۔ حتی کہ انہیں مردہ (مَوْتٰى ۔ (۲۶/۸۰) بھی کہا گیا ہے ۔ اسی اعتبار سے آسمانی تعلیم کو هُدًى وَّ شِفَآءٌ (۴۱/۴۴) ''ھدایت اور شفاء''۔ اور شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (۱۰/۵۷) ''جو کچھ سینوں میں ہے اس کے لئے شفاء'' کہا گیا ہے ۔ حضرات انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد اور زندگی کا مشن جسمانی بیماریوں کا علاج نہیں ہوتا ۔ ان کا مقصد ''انسانیت کی بیماریوں'' کا علاج ہوتا ہے ۔ حضرت عیسٰےؑ کے اَكْمَهَ (اندھے) کو بینائی عطا کرنے اور اَبْرَصَ (کوڑھی) کو اچھا کرنے سے بھی یہی مراد ہے ۔ یہ الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں ۔ (تفصیل میری کتاب ''شعلۂ مستور'' میں ملیگی)

ب ر ق

بَرْقٌ ۔ بجلی جو بادلوں میں چمکتی ہے ۔ اس کے بنیادی معنے چمک کے ہیں ۔ بَرِقَ بَصَرُهٗ کے معنی ہیں اسکی آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوگئی ۔ اور وہ حیرت و دہشت کی وجہ سے کچھ دیکھنے کے قابل نہ رہا ۔ (فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ (۷۵/۷) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی متحیر رہ جانے کے ہیں ۔ سورۃ بقرہ میں ہے يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ (۲/۲۰) قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاہوں کو اچک کر لے جائے''۔

اِسْتَبْرَقٌ ۔ دبیز ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں (۱۸/۳۱ : ۵۵/۵۴)*۔ اور اِبْرِيْقٌ (۵۶/۱۸) لوٹے یا صراحی کو کہتے ہیں ۔ یہ لفظ فارسی لفظ ''آب ریز،، کا معرب سمجھا جاتا ہے** ۔ لیکن ابن فارس کا قول ہے کہ یہ برق ہی سے ہے اور ہر چمک دار اور خوبصورت چیز کے لئے بولا جاتا ہے ۔

ب ر ک

بَرَكَةٌ ۔ کے اصلی معنی اس ثبات کے ہیں جس کے ساتھ نمو بھی شامل ہو ۔ یعنے ایک چیز اپنے مقام پر مستحکم بھی ہو اور اسکے ساتھ ساتھ بڑھ بھی رہی ہو ۔ لہذا اس میں استحکام اور کثرت ۔ ثبات اور نشو نما دونوں شامل ہوتے ہیں ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں

* تاج و محیط ۔ ** لین ۔

باء اور راء اکٹھے آئیں ان میں ''ظاہر ہونے،، کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ نشو و نما کے معنی ہی یہ ہیں کہ مضمر صلاحیتیں نمودار ہو کر سامنے آ جائیں۔ لہٰذا بَرَکَۃٌ میں ثبات۔ استحکام۔ کثرت۔ نشو و نما اور ظہور و نمود کے تمام پہلو آ جاتے ہیں۔ ابن فارس نے بھی اس کے معنی ثبات اور نشو و نما لکھے ہیں۔ مُبَارَکٌ یا فِیْہِ بَرَکَۃٌ۔ اسوقت کہتے ہیں جب کسی شے میں کثرت اور زیادتی محسوس ہو اور اسمیں ثبات و استحکام بھی ہو۔ یہ لفظ بَرَکَ الْبَعِیْرُ سے ماخوذ ہے جسکے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اونٹ جم کر بیٹھ گیا اور وہاں سے اٹھا نہیں۔ اَلْبِرْکَۃُ۔ اونٹ کے سینے کو کہتے ہیں جس پر ٹیک لگا کر وہ جم کر بیٹھتا ہے۔ اور بہت دودھ دینے والی بکری کو بھی۔ نیز حوض وغیرہ جس میں پانی ٹھہرا رہے *۔

بَرَکَۃٌ کی جمع بَرَکَاتٌ ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، بَرَکَۃٌ کے معنی ثبات۔ استحکام۔ نشو و نما۔ ہر قسم کا خیر اور فلاح ہیں۔ لیکن یہ چیزیں متعلقہ اسباب کے ذریعے ملتی ہیں اس لئے مجازاً خود ان اسبابِ خیر کو بھی بَرَکَاتٌ کہا جائیگا۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ ایمان و تقوی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس قوم کو بَرَکٰتٍ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ملتی ہیں (۷/۹۶)۔ یعنے تمام استحکام بخش اسبابِ حیات کی کثرت و فراوانی۔ آسمانی راہ نمائی بھی اور معاشی سہولتیں بھی۔ زمین کے متعلق فرمایا وَبَارَکَ فِیْہَا (۴۱/۱۰)۔ (خدا نے) اس میں اس سامان کی فراوانی رکھدی ہے جس سے نوعِ انسانی کو استحکام اور نشو و نما حاصل ہوتا ہے۔ سورۃ قٓ میں کہا کہ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا (۵۰/۹)۔ ''ہم نے آسمان سے بارش برسائی جو نوعِ انسانی کی نشو و نما اور استحکام کا ذریعہ بنتی ہے،،۔ اور قرآن کریم کو بھی کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ کہا ہے (۳۸/۲۹)۔ یعنے وہ ضابطۂ حیات جس میں ایسے اصول و قوانین ہیں جو دائمی خیر و فلاح کا موجب ہیں۔ جن سے انسان کا ثبات و استحکام اور نشو و نما وابستہ ہے۔ اور اس لیل کو بھی مُبٰرَکَۃٌ کہا جسمیں یہ نازل ہوا (۴۴/۳)۔ مکہ کو (جو قرآن کے نظام ربوبیت کا مرکز ہے) مُبٰرَکٌ کہا (۳/۹۶)۔ خود خدا بھی اپنی ربوبیت عالمینی کی وجہ سے مَبَارَکٌ ہے۔ تَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (۷/۵۴)۔ تَبَارَکَ۔ بابرکت اور ہر قسم کے خیر و برکت کا سرچشمہ ہونا۔ تَبَارَکَ الَّذِیْ... سے مراد ہے وہ ذات جس میں خیر و برکت اپنی پوری کثرت کے ساتھ انتہا تک پہنچ چکی ہو۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اصل سرچشمۂ خیر و برکت جہاں تمام خوبیاں اپنی کامل شکل میں موجود ہیں اور ان میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی ذاتِ خداوندی ہے۔ اور ربوبیت عالمینی اسی سرچشمۂ خیر و برکت سے ہوتی ہے۔ جو قوم اللہ کی صفات کو اپنے اندر منعکس کرے اسے بھی (علیٰ قدرِ بشریت) خیر و برکت اور عالمگیر انسانیت کے لئے سامانِ نشو و نما مہیا کرنے کا ذمہ دار ہونا چاہیئے۔

*تاج۔ محیط۔ راغب۔

ب ر م

اَبْرَمَ الْحَبْلَ - اسنے رسی کو مضبوطی سے بٹ لیا (دو رنگوں میں یا دو بٹوں میں) - اَلْمَبَارِمُ - چرخیاں وغیرہ جن سے رسیاں مضبوط بٹی جائیں - اَلْبَرِیْمُ - دو مختلف بٹوں والا (مثلاً سرخ و سفید) دھاگا جسے عورتیں اپنے بازو یا کمر پر بھی باندھ لیتی ہیں - ہر وہ چیز جس میں دو مختلف رنگ ہوں- رَسی یا ڈورا جس میں دو رنگ ہوں - اَبْرَمَ الْاَمْرَ - اسنے معاملہ کو محکم اور مضبوط کر دیا* - اسی سے قَضَاءٌ مُبْرَمٌ - محکم اور اٹل فیصلے کو کہتے ہیں - قرآن کریم میں ہے اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ (۴۳/۷۹) - ''کیا انہوں نے (حق کی مخالفت کیلئے اپنے) معاملہ کو مضبوط کر لیا ہے ؟ اگر ایسا ہے تو ہم بھی معاملہ کو محکم کر لینے والے ہیں'' -

چونکہ رسی کو مضبوط بٹنے میں بار بار بل دینا اور کئی بار بٹنا پڑتا ہے اس لئے اصرار کرنے اور بضد رہنے کے لئے بھی اِبْرَامٌ بولا جاتا ہے** - ممکن ہے اسی جہت سے چیچڑی کو البُرَامُ کہا جاتا ہو-

ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں (۱) کسی چیز کا محکم ہو جانا - (۲) دو مختلف رنگ - اور (۳) تھک جانا اور دل برداشتہ ہو جانا لکھے ہیں -

آخری معانی کے لئے یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا -

ب ر ہ

اَلْبَرَہُ - گورے پن کے ساتھ گدازیٔ بدن - اَلْبَرَ هْرَهَةٌ - سفید نوجوان حسینہ ، جو حسن و نزاکت کی وجہ سے لچکتی ہو، رنگ کی صفائی کے باعث جسکی جلد چمک رہی ہو، تنعم و آسودگی کی وجہ سے جو تروتازہ ہو*** - اَلْبَرْهَةُ والبُرْهَةُ - زمانہٗ طویل* -

اَلْبُرْهَانُ - خلیل نے کہا ہے کہ یہ لفظ بَرَ هْرَهَةٌ سے ماخوذ ہے (جسکے معنے اوپر لکھے گئے ہیں) یعنے روشن اور لطیف دلیل - یا بُرْهَةٌ سے ماخوذ ہے ، اپنے ثابت اور قائم ہونے کی وجہ سے - ایک اور قول ہے کہ یہ لفظ فعلان کے وزن پر ہے اور بَرَہٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنے قطع کرنے کے ہوتے ہیں - یعنے دلیل قاطع*** - بعض نے نون کو اصلی مانکر اسے رباعی تسلیم کر لیا ہے - لیکن ایسا کثرت استعمال کی وجہ سے مانا گیا ہے ورنہ ہے یہ برہ ہی سے -

*تاج و راغب - **راغب - *** محیط - **** تاج -

راغب نے کہا ہے کہ یہ فَعْلَانٌ کے وزن پر ہے اور بَرَہَ - یَبْرَہُ سے ماخوذ ہے جسکے معنے سفید ہونے کے آتے ہیں*** - نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے آئیں ان میں ''ظاہر ہونے،، کا مفہوم پایا جاتا ہے - بہرحال اس بات پر سب متفق ہیں کہ اس کے معنے ایسی دلیل کے ہیں جو ہر حال میں، ہمیشہ، سچی ہو - روشن واضح اور سچی دلیل - ایسی دلیل جو بالکل ظاہر ہو -

قرآن کریم نے اپنے آپکو بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ (۴/۱۷۴) کہا ہے - ''تمہارے رب کیطرف سے واضح دلیل،، - اسلئے کہ اسکا ہر دعوی دلیل و برہان پر مبنی ہے - یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مخالفین سے بھی دلیل و برہان ہی کا مطالبہ کرتا ہے اور علانیہ کہتا ہے کہ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (۲/۱۱۱) - ''اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اسکی تائید میں دلیل پیش کرو،، - اسے اپنے دعوے کی صداقت پر اسقدر یقین ہے کہ اس مطالبہ کے ساتھ ہی ان سے کہدیتا ہے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل قاطع نہیں ہو سکتی- لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ (۲۳/۱۱۷) - ''کسی کے پاس (شرک کی تائید میں) دلیل نہیں ہو سکتی،،-

مذہب**** کو (جسے ہمیشہ عقل کا حریف اور دلیل کا دشمن سمجھا جاتا تھا) علم و عقل اور دلیل و برہان کی رو سے پیش کرنا اور منوانا، قرآن کریم ہی کی خصوصیت ہے - وہ اپنے ہر دعوے کو علم و بصیرت اور دلیل و برہان کی رو سے منواتا ہے -

ب ز غ

بَزَغَ نَابُ الْبَعِيرِ کے معنے ہیں اونٹ کی ڈاڑھ گوشت کو شق کرکے نمودار ہوئی - اس سے چاند اور سورج کے طلوع ہو جانے کو جب انکی روشنی پھیل رہی ہو بُزُوغٌ کہتے ہیں - * ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے نکلنے اور ظاہر ہو جانے کے ہیں-

اِبْتَزَغَ الرَّبِيعُ - بہار کا آغاز ہو گیا - شگوفے پھوٹنے شروع ہو گئے - *

---

*تاج - **محیط - ***راغب - ****قرآن نے دین عطا کیا ہے - مذہب کا لفظ قرآن میں نہیں ہے - ہم نے یہ لفظ عام استعمال کے پیش نظر لکھ دیا ہے - ورنہ اسلام کو الدین کہنا چاہئے - یعنی خدا کا مقرر کردہ ضابطہ حیات - طریق زندگی - نظام معاشرہ -

قرآن کریم میں ہے اَلْقَمَرَ بَازِغاً اور اَلشَّمْسَ بَازِغَةً (۶/۷۸-۷۹) ''طلوع ہوتے ہوئے یا چمکتے ہوئے چاند اور سورج،،

نواب صدیق حسن خاں نے کہا ہے کہ جب کسی لفظ میں بَاء اور زَاء اکٹھے آئیں تو اس میں ''کسی چیز کے نکلنے اور ظاہر ہونے،، کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ بَزْغٌ میں یہی کیفیت ہوتی ہے۔

ب س ر

اَلْبَسْرُ۔ کسی چیز کا وقت سے پہلے، نا مکمل حالت میں جلدی ہو جانا۔ یہ اسکے بنیادی معنے ہیں۔ بَسَرَ الدَّمَّلَ۔ اسنے پھوڑے کو پکنے سے پہلے ہی پھوڑ دیا۔ اَلْبُسْرُ ہر تروتازہ چیز نیز کھجور جو ابھی پکی نہ ہو*۔ ان معانی کے اعتبار سے ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ (۷۴/۲۲) کے معنے ہیں اس نے منہ بگاڑ لیا۔ لیکن بَسَرَ کے معنے شدت کراہت سے کسی کی طرف دیکھنے کے بھی آتے ہیں*۔ اس اعتبار سے اسکے معنے تیوری چڑھانے اور منہ بگاڑنے کے ہونگے۔ خیال اسطرف جاتا ہے کہ چونکہ کچا پھل کھانے سے منہ بد مزہ ہو جاتا ہے اس لئے بَسَرَ کے معنی ''بد مزہ ہو گیا'' ہیں۔ بد مزگی سے منہ ضرور بگڑتا ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ وُجُوْهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ (۷۵/۲۴)۔''اس دن بعض چہرے برے بنے ہوئے ہونگے''۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی (۱) کسی چیز کی پکنے سے پہلے کی حالت۔ اور (۲) کسی چیز کی حرکت کم ہو جانا یا اس کا ٹھہر جانا ہیں۔ نیز بَسَرَ الرَّجُلُ الْحَاجَةَ کے معنی ہیں اس شخص نے اپنی ضرورت کو وہاں تلاش کیا جہاں اس کے ملنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

ب س س

ستویا خشک روٹیوں کا سفوف جو ستو کیطرح پانی میں گھول کر کھا لیا جائے۔ گھولنے، خلط ملط کرنے اور چورا چورا کرنے کے لئے بَسَّ یَبُسُّ بَسًّا بولا جاتا ہے۔ اسی طرح اسکے معنے کسی چیز کے ریزہ ریزہ کر دینے کے بھی ہیں۔

لیکن بَسَّ الْاِبِلَ بَسًّا کے معنی ہیں اس نے اونٹوں کو نرمی سے ہانکا۔ اَلْبَسُّ۔ اونٹوں کو مختلف شہروں میں بھیجدینا اور متفرق کر دینا۔ اس اعتبار سے اسکے معنے اپنی جگہ سے چلانے کے ہونگے*۔ چنانچہ اَلْبَسَّاتِ الْحَيَّاتُ کے معنے ہیں سانپ تیزی سے رینگ گئے*۔ قرآن کریم میں ہے

*تاج و راغب۔

وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (۵۶/۵) ۔ اسکے ایک معنے تو یہ ہیں کہ جبال (بڑے بڑے سرداران قوم ۔ جابر و متکبر لوگ) ریزہ ریزہ ہو جائینگے ۔ اور یا یہ کہ وہ اپنے مقام سے ہانک کر ہٹا دئے جائینگے یا وہ خود ہی رینگ کر الگ ہو جائینگے۔ انہیں معانی کیلئے دوسری جگہ ہے وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (۷۸/۲۰) یا وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (۸۱/۳)۔ یا، وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (۷۷/۱۰) ۔ نیز يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا (۲۰/۱۰۵)۔ ان تمام مقامات میں مفہوم ایک ہی ہے ۔ انکی قوت و استحکام کا ٹوٹ جانا ۔ انکے مقام کا ان سے چھن جانا ۔ انقلاب سے زیر و زبر ہوجانا۔ (عنوان ن۔س۔ف بھی دیکھئے اور ج ۔ ب۔ ل(بھی۔ واضح رہے کہ جَبَلٌ کے لغوی معنی پہاڑ ہیں ۔ اس لئے ان آیات میں اگر لغوی معنی لئے جائیں تو مطلب پہاڑوں کا اڑ جانا یا ریزہ ریزہ ہو جانا ہوگا ۔ لیکن آیات کے سیاق و سباق کے پیش نظر مجازی معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں ۔ اس لئے ہم نے مجازی معانی لکھے ہیں ۔

ب س ط

بَسَطَهُ ۔ بَسْطَةٌ ۔ پھیلانا ۔ نشر کرنا ۔ توسیع کرنا ۔ وسعت دینا** ۔ بمقابلہ قَبْضٌ (۲/۲۴۵) ۔ نیز بمقابلہ قَدَرٌ (۴۲/۲۷) ۔ قَدَرٌ کے معنے ہیں پیمانوں سے ناپ تول کر دینا، بمقابلہ مَغْلُولَةٌ بمعنی بندھا ہوا ۔ (۵/۶۴ و ۱۷/۲۹) ۔ نیز اسکے معنے حملہ کرنے ۔ ہاتھ بڑھانے ۔ دست درازی کرنے کے بھی آتے ہیں (۵/۱۱) جس کے مقابلہ میں فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ آیا ہے ۔ (۵/۱۱) ۔ یعنی ''اس نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روکا،، ۔ اور مسلط ہونے کے معنے بھی ۔ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ (۶/۹۳) ۔ ''اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلا رہے ہونگے،، ۔ یعنی مسلط ہو جائینگے۔ مَبْسُوطٌ* ۔ کشادہ**۔ (۵/۶۴) ۔ بِسَاطٌ* ۔ بچھی ہوئی یا وسیع اور پھیلی ہوئی (۷۱/۱۹)۔

قرآن کریم میں حضرت طالوت کے متعلق ہے کہ زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲/۲۴۷) ۔ اسکے عام معنے یہ ہیں کہ اسے علم اور جسمانی قوت بہت زیادہ دی ہے ۔ لیکن راغبؒ نے کہا ہے کہ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ یہ ہے کہ انسان اپنے علم سے خود بھی نفع اٹھائے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائے*** ۔ لہذا بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ تم اپنی قوتوں کو اپنی ذاتی منفعت کیلئے صرف کرتے ہو لیکن طالوت اپنے علم اور توانائی سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے ۔ یہ وجہ ہے کہ اسے ہم نے تمہارے

*تاج و راغب ۔ نیز ابن فارس ۔ **تاج ***راغب

اوپر کمان کے لئے منتخب کیا ہے ۔ کمانڈر ہونے کے لئے جسمانی اور دماغی دونوں قوتوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور اس خصوصیت کی بھی کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے ۔

ب س ق

اَلْبُسَاقُ ۔ لعاب دہن ۔ بَسَقَ ۔ اسنے تھوکا ۔ (بجائے ''س'' کے ''ص'' سے بصق بھی کہتے ہیں) ۔

بَسَقَ النَّخْلُ بُسُوْقاً ۔ کھجور کے درخت لمبے اور بلند ہوئے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔

بَسَقَ عَلَیْہِمْ ۔ وہ ان پر فضیلت میں بازی لے گیا ۔ بڑھ چڑھ گیا ۔

اَلْبَسُوْقُ وہ بکری جسکے تھن لمبے ہوں ۔

بَسَقَ الشَّیْءُ بُسُوْقاً ۔ چیز کی لمبائی مکمل ہو گئی* ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ (۵۰/۱۰) ۔ ''لمبے لمبے کھجوروں کے درخت'' ۔

صاحب محیط نے اسکے معنے باردار کھجوروں کے بھی کئے ہیں** ۔

ب س ل

بَسْلٌ کے اصلی معنی روک دینے کے ہیں یَوْمٌ بَاسِلٌ سخت دن کو کہتے ہیں ۔ اَلْبَاسِلُ شیر کو کہتے ہیں ۔ یہیں سے بَسَالَۃٌ کے معنے بہادری کے ہیں کیونکہ بہادر اپنی مدافعت کرتا ہے** ۔ اور روکنے کے مفہوم کے پیش نظر اسکے معنے ہیں کسی کو اچھی چیزوں سے محروم کر دینا*** ۔ بَسْلَلَہٗ ۔ اسے تباہی آ جائے*** ۔ اَلْبَسْلُ ۔ چھلنی میں چھاننا ۔ کسی چیز کو تھوڑا تھوڑا لینا ۔ کسی کو قید کر دینا ۔ اَبْسَلَہٗ اسے ہلاکت اور تباہی کے حوالہ کر دیا ۔ اَبْسَلَہٗ لِعَمَلِہٖ اسے اسکے عمل کے حوالہ کر دیا کہ جو کچھ اسنے کیا ہے اسکی سزا بھگتے*** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا کَسَبَتْ (۶/۷۰) ۔ ''ایسا نہ ہو کہ کوئی فرد اپنے (غلط) اعمال کی وجہ سے، (قرآن کی بخشائشوں سے) محروم رہ جائے'' ۔ اور اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا کَسَبُوْا (۶/۷۰) ۔ ''یہ وہ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے محروم کئے گئے ہیں'' ۔ اس سے مفہوم ہے قانون مکافات کی رو سے اپنے اعمال کے نتائج بھگتنا ۔ غلط اعمال کے نتیجہ میں زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جانا اور اسطرح انسانی نشوونما کا رک جانا ۔

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔ ****راغب ۔ راغب کی عبارت کے ترجمہ کے لئے دیکھیں تتمہ صفحہ ۸۱۲ جلد چہارم ۔

ب س م

بَسَمَ - یَبْسِمُ - بَسْماً - انسان کا خوشی اور مسرت میں ہلکی سی ہنسی ہنسنا ، مسکرانا - (قدرے ہونٹ کھول کر اور تھوڑے تھوڑے دانت نکال کر)- اِبْتَسَمَ وَ تَبَسَّمَ - وہ کم از کم اور حسین ترین ہنسی ہنسا - مسکرایا - مَا بَسَمْتُ فِی الشَّیْءِ - میں نے اس چیز کو چکھا تک نہیں* -

قرآن کریم میں ہے فَتَبَسَّمَ ضَاحِکاً (۲۷/۱۹) - ''وہ خوشی سے مسکرایا،، -

ب ش ر

بَشَرَۃٌ کے معنے انسان کی جلد کی اوپر کی سطح کے ہیں - چنانچہ اَلْبَشْرُ کے معنے ہیں کھال کو چھیل دینا* - (یعنی اسکے بال صاف کر دینا)- پھر البَشَرُ کے معنے خود انسان کے ہو گئے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ بَشَرٌ سے صرف انسان کی طبعی ساخت اور جسمانی بناوٹ مراد ہوتی ہے- اس اعتبار سے ہر انسانی بچہ (یا انسان) بشر ہوتا ہے- لیکن انسانیت کے جوہر اور خصوصیات ہر بشر میں مختلف ہونگے- چنانچہ قرآن کریم میں حضرات انبیاء کرام جہاں یہ کہتے ہیں کہ اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ (میں بھی تمہارے جیسا بَشَر ہوں) تو اس سے بشریت کے طبعی تقاضوں کا اشتراک مقصود ہوتا ہے - جیسا کہ سورۃ مومنون میں ہے مَا ھٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ یَاْکُلُ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ مِنْہُ وَ یَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ (۲۳/۳۳) - (انہوں نے کہا کہ) ''یہ رسول تمہارے جیسا ایک بشر ہی ہے - جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے - جو تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے،، - یعنی اگر اس وحی کو الگ کر لیا جائے جو اسے خدا کیطرف سے ملتی ہے تو نبی کی طبیعی خلقت عام انسانوں کی سی ہوتی ہے - لیکن نبوت (خدا کیطرف سے وحی پانا) ایسی خصوصیت نہیں تھی جسے ہر انسان اپنے کسب و ہنر سے حاصل کر سکتا - یہ خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتی تھی- نبی کی بشری حیثیت موت سے ختم ہو جاتی ہے - لیکن اسکی نبوت (وحی) آگے چلتی ہے -

عمومی حیثیت سے اِنْسَانٌ اور بَشَرٌ مرادف طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں - مثلاً - (۱۵/۲۶) اور (۱۵/۲۸) میں ایک جگہ اِنْسَانٌ اور دوسری جگہ بَشَرٌ

*تاج و محیط -

کہا گیا ہے ۔ بَاشَرَھا کے معنے عورت سے مجامعت کرنے کے ہیں (۲/۱۸۷) ۔ اس نہج سے کہ اس میں عورت اور مرد کی جلد سے جلد مل جاتی ہے ۔ کبھی اسکے معنے محض لپٹانے اور بوس و کنار کے بھی آتے ہیں* ۔ لیکن قرآن میں بَاشِرُوْھُنَّ (۲/۱۸۷) کے معنی مجامعت کے ہیں ۔

بِشَارَۃٌ (بالکسر) کے بنیادی معنے ایسی خبر کے ہیں جس سے انسان کے چہرے (کی رنگت) میں تغیر پیدا ہو جائے خواہ وہ خبر خوشی کی ہو یا غم کی ۔ بَشَّرَ کے معنے ہیں اس قسم کی خبر دینا ۔ چنانچہ قرآن کریم میں عَذَابٌ اَلِیْمٌ کی خبر کیلئے بھی یہ لفظ آیا ہے (۳/۲۱) اسی طرح سورۃ نحل میں ہے کہ جب ان لوگوں کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر دیجاتی ہے تو انکے چہرے کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے ۔ اسکے لئے بھی بُشِّرَ کا لفظ آیا ہے (۱۶/۵۸)۔ لیکن عام حالات میں بِشَارَۃٌ اچھی خبر کو کہتے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا حسن و جمال کے ساتھ ظاہر ہو جانا ہیں ۔

اَبْشَرَ اور اِسْتَبْشَرَ کے معنے بھی خوش ہونے کے آتے ہیں ۔ چنانچہ سورۃ زمر (۳۹/۴۵) میں اِشْمَئَزَّ کے مقابلہ میں اِسْتَبْشَارٌ آیا ہے ۔ اِشْمَئَزَّ کے معنے منقبض ہونے کے ہیں ۔

اَلْبَشَاشَۃٌ (بالفتح) کے معنے حسن و خوبصورتی کے بھی آتے ہیں ۔ اَلْبَشِیْرُ ۔ خوشخبری دینے والے کو کہتے ہیں ۔ اَلْبِشْرُ ۔ خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کو کہتے ہیں ۔ اَلتَّبَاشِیْرُ کے معنے خوشخبری کے ہیں، نیز ہر چیز کے ابتدائی حصے کے ۔ صبح کے وقت روشنی کی پہلے پہل رونما ہونے والی کرنوں کو بھی کہتے ہیں ۔

اَلْمُبَشِّرَاتُ ان ہواؤں کو کہتے ہیں جو سحاب بردوش آتی ہیں اور بارش کی خوشخبری دیتی ہیں ۔ مزید برآں دیکھئے تتمہ ص۱۸۱۵ جلد چہارم عنوان ب ش ر۔

ب ص ر

بَصَرٌ ۔ قوتِ بینائی ۔ (اس میں روشنی اور چمک کا پہلو بھی ہوتا ہے) چنانچہ تیر کے پھل پر جو تھوڑا سا خون لگ جاتا ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی شکار کے لگا ہے اسے بَصِیْرَۃٌ کہتے ہیں ۔ خون کا نشان یا ٹیکا جس کے ذریعے شکار کی نشاندہی ہوتی ہو ۔ نیز چمکدار ڈھال اور زرہ بکتر کو بھی ۔ اس زمین کو جس میں چمکدار اور نرم پتھر ہوں بَصْرَۃٌ کہتے ہیں ۔ سخت زمین نیز سفید پتھر کو بھی (تاج) ۔ راغب نے چمکدار کا اضافہ کیا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو جان لینا اور کسی چیز کا موٹا ہونا ہیں ۔

*تاج ۔ ** اقرب الموارد ۔

صاحب مصباح نے کہا ہے کہ بَصَرٌ اس روشنی کو کہتے ہیں جس سے آنکھ مُبْصَرَات (نظر آنے والی چیزوں) کا ادراک کر لیتی ہے۔ اسکے بعد آنکھ پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ نیز بَصَرٌ کے معنے کسی چیز کا دل میں اتر جانا ہیں۔ اسی وجہ سے اسکے معنے علم کے آتے ہیں۔ بَصِیْرٌ دیکھنے والے کو نیز عالم کو کہتے ہیں۔ اور بَصِیْرَۃٌ قوتِ ادراک یا ذہانت و فطانت کو کہتے ہیں۔ نیز حجت اور دلیل کو۔ اور یقین و ارادہ کو۔ اور عبرت و موعظت کو۔ بَصِیْرَۃٌ کے معنے گواہ اور شاہد کے بھی آتے ہیں*۔

قرآن کریم نے اس مادہ کو عام دیکھنے کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً سورۃ اعراف میں ہے اَمْ لَھُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِھَا (۷/۱۹۵) ''کیا انکی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں''۔ اور بَصِیْرٌ کے مقابل اَعْمٰی (اندھا) کا لفظ لاکر (۲۰/۱۲۵) ان معانی کو واضح کر دیا ہے۔ لیکن اس نے نَظَر اور بَصَر کے باریک فرق کو نہایت عمدگی سے واضح کر کے بتا دیا ہے کہ بصیرت کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے وَ تَرٰھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (۷/۱۹۸)۔ ''تو دیکھتا ہے کہ انکی آنکھیں تیری طرف ہیں (نظر) لیکن وہ درحقیقت دیکھ نہیں رہے ہوتے'' (لَا یُبْصِرُوْنَ)۔ یہاں سے نَظَر اور بَصَر کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ انہی لوگوں کو (سورۃ یونس) میں عُمْیٌ (اندھے) کہا ہے۔ یعنے جو بصیرت سے کام نہیں لیتے (۱۰/۴۳)۔ نیز (۴۳/۴۰) میں انہی جیسوں کے متعلق کہا ہے کہ بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ تیری بات سن رہے ہیں حالانکہ وہ اسوقت کسی اور خیال میں مستغرق ہوتے ہیں۔ اور (جیسا کہ ش۔م۔ع کے عنوان میں بتایا جائیگا)** بَصِیْرَۃٌ اسکی ہوتی ہے جو اپنے علم سے وحی کی راہ نمائی میں کام لے۔ (۵۰/۶) میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے*۔ مومن، صاحب بصیرت ہوتے ہیں، یعنی وحی کی روشنی میں عقل و فکر سے کام لینے والے۔

قرآن کریم میں بَصِیْرَۃٌ گواہ اور شاہد کے معنوں میں بھی آیا ہے (۷۵/۱۴)۔ مُبْصِرَۃٌ (۲۷/۱۳) کے معنے روشن اور واضح دلیل کے ہیں۔

بصیرت سے سمجھ لینے کے معنوں میں یہ لفظ (بَصِیْراً) سورۃ یوسف میں (۱۲/۹۶) میں آیا ہے۔ قرآن نے اپنے آپکو بَصَائِرُ کہا ہے (۷/۲۰۳)۔ یعنے واضح دلائل۔ کھلی ہوئی حقیقتیں۔ روشن علم۔ مزید برآں دیکھئے تتمہ ص۱۸۱۵/ص۱۸۱۶ جلد چہارم عنوان ب ص ر

*تاج۔ ** (اس مفہوم کی وضاحت کیلئے س۔م۔ع۔ ق۔ل۔ب اور خ۔ت۔م کے عنوانات دیکھئے)۔

ب ص ل

بَصَلٌ - پیاز کو کہتے ہیں* -
قرآن کریم میں یہ لفظ (۲/۶۱) میں آیا ہے -

ب ض ع

اَلْبَضْعُ - کاٹنا - بَضَعْتُ اللَّحْمَ - میں نے گوشت کاٹا - گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا - اَلْبِضْعُ - ایک حصہ - کچھ حصہ** - قرآن کریم میں ہے بِضْعَ سِنِیْنَ (۱۲/۴۲) - ''کچھ سال - چند برس،، - لیکن یہ تین سے اوپر اور دس سے کم کے لئے آتا ہے** - اَلْبِضَاعَةُ - مال کا وہ حصہ جس سے تجارت کی جائے** - سامان تجارت - پونجی - سورۃ یوسف میں یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے - وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً (۱۲/۱۹) ''انہوں نے اسے مال تجارت سمجھ کر چھپائے رکھا،، - بِضَاعَتُهُمْ ''پونجی،، - (۱۲/۶۲) و (۱۲/۶۵) -

ب ط أ

بَطُؤَ - یَبْطُؤُ - بِطَاءٌ - تاخیر کرنا - اَبْطُؤًا - ان کے جانور سست رفتار ہو گئے* - راغب نے لکھا ہے کہ اَلْبَطْؤُ کے معنے ہیں چلنے یا اٹھنے میں دیر لگانا - اس اعتبار سے اس نے سورۃ نساء کی اس آیت (وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ ۷۲) کے معنے کئے ہیں، ''وہ لوگ جو خود بھی دیر لگائینگے اور دوسروں سے بھی دیر لگوائینگے،، -

ب ط ر

اَلْبَطَرُ - کسی نا اہل کو اگر بہت سی دولت اور قوت مل جائے تو اس سے اس میں جو تکبر، اکڑ فوں، اوچھا پن اور اترانے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اسے بَطَرٌ کہتے ہیں - اصل میں بَطَرٌ - یَبْطَرُ کے معنے ہوتے ہیں پھاڑ دینا - شق کر دینا - (اَلْبَيْطَارُ وٹرنری ڈاکٹر کو کہتے ہیں جو حیوانات کی چیر پھاڑ کرتا ہے) - چونکہ کثرت مال و دولت سے تنگ ظرف انسان کا دیدہ پھٹ جاتا ہے اسلئے اس نفسیاتی کیفیت کو بَطَرٌ کہتے ہیں - اَبْطَرَهُ الْمَالُ - مال و دولت نے اس میں اوچھا پن پیدا کر دیا* -
قرآن کریم میں ہے اَلَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا (۸/۴۷) - ''جو اپنے گھروں سے اکڑتے اور اتراتے ہوئے نکلے،، - سورۃ قصص میں ہے - بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا (۲۸/۵۸) - جو قومیں اسباب زیست کی فراوانیوں پر اتراتی تھیں -

*تاج - **تاج و راغب -

ب ط ش

بَطَشَ - یَبْطِشُ - کسی چیز کو زبردستی اور طاقت کے ساتھ لے لینا - اَلْبَطْشُ - سخت گرفت - جنگ - بَطَشَ عَلَیْہِ - اس پر تیزی سے حملہ کیا - *

قرآن کریم میں ہے اَمْ لَھُمْ اَیْدٍ یَبْطِشُوْنَ بِھَا (۷/۱۹۵) "کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو گرفت میں لے سکتے ہیں" - اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ (۸۵/۱۲) - "تیرے رب (کے قانون مکافات) کی گرفت بڑی سخت ہے"، - یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَۃَ الْکُبْرٰی (۴۴/۱۶) - "جس دن ہم سب سے بڑی شدید گرفت سے پکڑینگے" (جب ظہور نتائج کا وقت آئیگا) - یہ تو قانون عدل و انصاف کی گرفت ہے - دوسری طرف ظلم و استبداد کی گرفت ہے جسے ہلاک ہونے والی قوموں کا شیوہ بتایا گیا ہے - وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ (۲۶/۱۳۰) "جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو جابرانہ انداز سے پکڑتے ہو"، - کمزور انسانوں کو اس گرفت سے چھڑانے کے لئے خدا کا نظام آتا ہے جو ظالموں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے -

ب ط ل

بَاطِلٌ - قرآن میں حَقٌّ کے مقابلہ میں بَاطِلٌ آیا ہے (مثلاً ۸/۸) - لہذا بَاطِلٌ کا صحیح مفہوم سمجھنے کیلئے حَقٌّ کا عنوان دیکھئے جہاں اسکے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے - یعنے ہر وہ چیز یا تصور یا نظریہ جو حق نہیں، وہ بَاطِلٌ ہے - مثلاً حَقٌّ کے معنے ٹھوس تعمیری نتائج کے ہیں اسلئے بَاطِلٌ کے معنے تخریبی کوششوں کے یا ایسی کوششوں کے ہونگے جن کا نتیجہ کچھ نہ نکلے - یعنے بَاطِلٌ صرف تخریبی کوششیں ہی نہیں بلکہ ہر وہ کام باطل ہے جسکا کچھ نتیجہ نہ نکلے - چنانچہ بَطَلَ الشَّیْئُ کے معنے ہیں کسی چیز کا یونہی ضائع چلا جانا** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا جاتے رہنا اور کم ٹھہرنا ہوتے ہیں - صاحب تاج العروس نے کہا ہے کہ جب کسی چیز کو کسوٹی پر پرکھا جائے اور وہ اس پر پوری نہ اترے تو اسے بَاطِلٌ کہتے ہیں - یعنی حَقٌّ وہ جو کسوٹی پر پورا اترے اور بَاطِلٌ وہ جو معیار پر پورا نہ اترے -

* تاج و محیط و راغب - ** تاج

اِبْطَالٌ کے معنے ہیں کسی چیز کو خراب کر دینا اور زائل کر دینا خواہ وہ چیز حَقٌّ ہی کیوں نہ ہو۔ بَطَلَ الْاَجِیْرُ کے معنی ہیں مزدور بیکار ہو گیا۔ *صاحب محیط کے نزدیک بَاطِلٌ ان چیزوں کو کہتے ہیں کہ جن مفادات و مقاصد کیلئے وہ بنائی گئی تھیں ان میں وہ مفادات مِنْ کُلِّ وَجْہٍ (پوری طرح) باقی نہ رہیں اور انکی صرف صورت باقی رہ جائے**۔ (چنانچہ وہ کہتا ہے کہ کوئی بعید نہیں کہ اس مادہ کے اصلی معنے خالی ہونا ہوں)**۔ اس مفہوم کو سامنے رکھنے سے مذہب کے وہ تمام اعمال باطل قرار پا جاتے ہیں جنہیں محض رسماً ادا کیا جائے اور ان سے وہ فائدے حاصل نہ ہو رہے ہوں جن کے لئے انہیں تجویز کیا گیا تھا۔ (ح۔ک۔م کا عنوان دیکھئے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا نے قرآن میں قوانین کے ساتھ یہ بھی خود ہی متعین کر دیا ہے کہ ان قوانین سے کیا کیا نتائج مرتب ہونگے)۔ اسی لئے قرآن میں نِعْمَۃٌ کے بالمقابل بَاطِلٌ آیا ہے (۲۹/۱۲ ؛ ۱۶/۷۲) اس لئے کہ حق پر عمل پیرا ہونے کا لازمی نتیجہ نعمائے حیات کا ملنا ہے۔ اور جہاں نعماً نہ ہوں ظاہر ہے وہاں حق نہیں باطل کارفرما ہے، خواہ ہم اپنے ذہن میں اسے کیسا ہی حق کیوں نہ سمجھ لیں۔ یا حَقٌّ کے معنے ہیں وہ شے جو اپنی جگہ پر اٹل ہو، محکم ہو۔ اسلئے بَاطِلٌ اس چیز کو کہتے ہیں جسمیں ثبات نہ ہو*۔ یعنے وہ بظاہر نظر آئے لیکن جب تحقیق کی جائے تو اسمیں ثبات دکھائی نہ دے*۔ چنانچہ قرآن میں ہے جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا (۱۷/۸۱)۔ ”حق آگیا اور باطل تباہ ہو گیا۔ باطل ہوتا ہی تباہ ہونے والا ہے“۔ باطل کہتے ہی اسے ہیں جو باقی رہنے والا نہ ہو۔ وہ اسوقت تک باقی رہتا ہے جب تک حق نہیں آتا۔ چراغ آیا اور اندھیرا گیا۔ لہذا باطل کو مٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ ٹھوس تعمیری نتائج مرتب کرنے والے پروگرام (حق) کو عمل میں لایا جائے۔ تعمیری کوششیں کی جائیں۔ انکے محکم نتائج سے تخریبی اور بیکار کوششیں خود بخود مٹ جائینگی۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ (۱۱/۱۱۴)۔ ہمواریوں اور خوشگواریوں سے ناہمواریاں اور ناخشگواریاں خود بخود مٹ جاتی ہیں۔ ناہموار جگہ کو ہموار کر دیجئے، اسکی ناہمواری خود بخود مٹ جائیگی۔

اسی طرح حق کے مختلف معانی کو دیکھئے اور جو چیز اسکی نقیض ہو اسے باطل سمجھئے۔ نیز دیکھئے تتمہ ص۱۸۱۶ جلد چہارم عنوان ب ط ل تحت ص۳۲۶۔

*تاج۔ ** محیط

"بُطْال" و"بَطَل" - بہت بہادر آدمی جو دوسرے کے خون کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا اور اسے یونہی ضائع کر دیتا ہے* -

ب ط ن

بَطْنٌ کے معنی پیٹ - اندرونی حصّہ - اس کی جمع بُطُوْنٌ ہے -

اَلْبَطْنُ - ظَہْرٌ کی ضد ہے* - محیط میں ہے کہ اصلی معنے اس مادہ میں خالی ہونا - فارغ ہونا ہیں** - راغب نے کہا ہے کہ ہر چیز کی نیچے کی جہت (Side) کو بَطْنٌ کہتے ہیں اور اوپر کی طرف کو ظَہْرٌ*** -

اَلْبَطْنُ - پیٹ کو کہتے ہیں - جمع بُطُوْنٌ - ہر چیز کا اندرونی حصہ - بَطْنُ الْاَمْرِ - معاملہ کی اندرونی حالت* -

اَلْبِطَانَةُ مِنَ الثَّوْبِ - کپڑے کا استر - اندرونی حصّہ - اسکی جمع بَطَائِنُ ہے (۵۵/۱۳) - یہیں سے اس کے معنے رازداں کے آتے ہیں - یعنی وہ شخص جو اندر آ جا سکے اور اندرونی معاملات پر واقفیت رکھ سکے* - قرآن میں ہے لَاتَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (۳/۱۱۸) - "اپنی جماعت کے افراد کے علاوہ کسی اور کو ایسی پوزیشن نہ دو کہ وہ تمہارے اندرونی رازوں سے واقف ہو جائے" - زجاج نے کہا ہے کہ اَلْبِطَانَةُ وہ دخیل لوگ کہلاتے ہیں جن کے ساتھ کھل کر بات کی جاتی ہو اور انہیں رازوں میں شریک کر لیا جاتا ہو - نیز اس کے معنی راز کے بھی آتے ہیں -

قرآن کریم میں اللہ کیلئے ھُوَ الظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ آیا ہے (۵۷/۳) - اس کے پورے پورے مفہوم کیلئے (ظ - ہ - ر) کا عنوان دیکھئے - جب نگہ بصیرت کائنات کے تخلیقی مظاہر پر غور کرے تو وہ خالق کائنات کے متعلق اندازہ کر سکتی ہے - یعنی اس سے انسان اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اس مخلوق کا کوئی خالق بھی ہے اور اس محیرالعقول مشنری کے پیچھے کوئی بڑی علیم و حکیم قوت کام کر رہی ہے - اس اعتبار سے خدا اَلظَّاھِرُ ہے - لیکن وہ اپنی کنہ و حقیقت کے اعتبار سے نگاہوں سے پوشیدہ ہے - لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (۶/۱۰۳) - "وہ نگاہوں کے ذریعے ہمارے ادراک میں نہیں آ سکتا" - اس لحاظ سے وہ اَلْبَاطِنُ ہے - (ظہور اور بطون کے دوسرے گوشے (ظ - ہ - ر) کے عنوان میں سامنے آئینگے - اسے بھی ساتھ ہی دیکھ لیجئے) - یاد رکھئے، ھُوَ الظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ سے یہ مراد لینا کہ جو کچھ کائنات میں ظاہر ہے وہ بھی خدا ہے اور جو اس کے باطن میں

* تاج - ** محیط - *** راغب -

ہے وہ بھی خدا ہی ہے ۔ یعنی ان محسوسات کے پردوں میں خود خدا ہے، باطل عقیدہ اور قرآن کی تعلیم کے یکسر خلاف ہے ۔ اس عقیدہ کو تصوف کی اصطلاح میں ''وحدت وجود،، یا ''ہمہ اوست،، کہا جاتا ہے جو ہندؤں کے فلسفہ و یدانت کا چربہ ہے ۔ ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (۶/۱۲۰) سے مراد ہے گناہ کی محسوس و غیر محسوس شکلیں۔ اس میں نگاہ کی خیانت اور دل میں گزرنے والے خیالات تک آجاتے ہیں۔

ب ع ث

بَعْثٌ کے بنیادی معنے ہیں وہ چیز جو کسی کی آزادانہ نقل و حرکت کی راہ میں حائل ہو اسے راستہ سے ہٹا دینا ، اس قسم کے موانع کو دور کر دینا ، اور یوں اس کی حرکت کو جاری کر دینا ۔ بَعَثَ النَّاقَةَ ۔ اس نے اونٹنی کی رسیاں وغیرہ کھول کر اسے آزاد چھوڑ دیا * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو ابھارنے اور اٹھانے کے ہوتے ہیں ۔ سورۃ تطفیف میں ہے کہ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۔ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ (۸۳/۴-۵) اس سورۃ میں قرآن کریم نظام معیشت کے ایک بنیادی اور عظیم اصول کو سامنے لایا ہے ۔ اس نے پہلے یہ کہا ہے کہ نظام سرمایہ داری میں ''تاجرانہ ذہنیت'' یہ ہوتی ہے کہ سرمایہ دار جب دوسرے سے لیتا ہے تو پورا پورا لیتا ہے اور جب (مزدور کو) دیتا ہے تو جس قدر وہ پیدا کرکے دیتا ہے ، اسے اس سے کم دیتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ داری کے نظام کی بنیاد ہی اس ذہنیت اور منہاج پر ہے ۔ لیکن خدا کا قانون یہ نہیں چاہتا ۔ وہ کسی کو اس سے کم نہیں دینا چاہتا جو وہ پیدا کرتا ہے ۔ اس سے پورے کا پورا معاشی نظام بدل جاتا ہے ۔

اس وقت صورت یہ ہے کہ نظام سرمایہ داری کے حامل یہ سمجھتے ہیں کہ جو نظام انہوں نے قائم کر رکھا ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا ۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ غلط ہے ۔ یہ نظام ضرور الٹ کر رہیگا ۔ اس لئے ان لوگوں کو جو یوں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے (اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ) تو یہ اس انقلاب عظیم تک کے لئے (لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ) ہے جس میں تمام نوع انسانی، اس غلط نظام سے تنگ آ کر، خدا کے نظام ربوبیت عالمینی کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی (يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۸۳/۶) ۔ نظام سرمایہ داری جو اس طرح بے روک ٹوک (ناقہ بے زمام کی طرح) بڑھے جا رہا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ تنگ آ کر، بہ ہیئت مجموعی، نظام ربوبیت کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے، جس میں لینے اور دینے میں کم اور بیش کا سوال ہی نہیں ہوگا ۔

* تاج و لین ۔

اَلْبَعْثُ کے معنے کسی کو بھیجنے کے بھی ہیں - ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی (۱۰/۷۵) ''پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو بھیجا'' - نیز کسی بیٹھی ہوئی چیز کو اٹھا دینا نیز یہ لفظ نیند سے جگا دینے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے*۔(دیکھئے ب ع ث) - اَلْبَعِیْثُ - راتوں کو بار بار جاگنے والا - اِنْبَعَثَ فُلَانٌ لِشَانِهٖ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص جذبہ میں بھر کر اٹھ کھڑا ہو اور اپنا کام کرنے کو چل دے۔

بَاعِثٌ کے معنی سبب یا جذبہ محرکہ کے بھی ہیں (Cause or Motive) کیونکہ وہ عمل کے راستہ کے موانع کو ہٹا کر انسان کو کام کے لئے اٹھا دیتا ہے - سورۃ بقرہ میں ہے ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ (۲/۵۶) - ''پھر ہم نے تمہیں غش کی حالت کے بعد اٹھا کر کھڑا کیا''- یعنے تمہارے ہوش کی راہ میں جو موانع تھے انہیں دور کر کے پھر سے ہوش میں لے آئے - اسی سورۃ میں آگے ہے فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (۲/۲۵۹) - ''پھر اللہ نے اسے سو سال تک موت کی حالت میں رکھا اور پھر اسے اٹھا کھڑا کیا'' - یہ قوموں کی اجتماعی موت اور زندگی کا تمثیلی بیان ہے - یہاں بَعَثَ کے معنی ان موانع کو دور کرنے کے ہیں جو کسی قوم کی نشأۃِ ثانیہ کی راہ میں حائل ہوتے ہیں - بیت المقدس کی پہلی تباہی کے بعد، بنی اسرائیل کی یہی حالت رہی تھی - (تفصیل میری کتاب ''برق طور'' میں ملیگی) -

رسول بھیجنے کے معنوں میں دیکھئے (۲/۱۲۹) اور کسی کو کسی کام کیلئے مقرر کر دینے کے معنوں میں (۴/۳۵) میں، جہاں کہا ہے فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ - ''اس کے خاندان میں سے کسی کو ثالث مقرر کر دو''-

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ (۱۷/۵) کے معنے ہیں، تم پر انہیں غالب کر دیا -

یَوْمُ الْبَعْثِ یا یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ - یَوْمِ الدِّیْنِ کی طرح قرآن کی اہم اصطلاحات ہیں جن کا صحیح مفہوم ہر مقام پر سیاق و سباق کے مطابق متعین کیا جا سکتا ہے - بنیادی معنی ان کے حیاتِ نو یا ظہور نتائج کے وقت کے ہیں - خواہ یہ حیاتِ نو اسی دنیا میں (قوموں کی اجتماعی موت کے بعد) ملے- یا مرنے کے بعد دوسری زندگی (حیاتِ آخرت کی شکل میں) -

* تاج و لین -

ب ع ث ر

بَعْثَرَہٗ ۔ اسے دیکھا اور تلاش کیا ۔ بَعْثَرَ الشَّیْئَ ۔ اس نے اس چیز کو نکال کر اسے کھول دیا ۔ بَعْثَرَ الْحَوْضَ ۔ اس نے حوض کو منہدم کر کے اس کے نچلے حصے کو اوپر کر دیا ۔ بَعْثَرَ مَتَاعَہٗ، اس نے اپنے سامان کو الٹ پلٹ کر دیا ۔ اَلْبَعْثَرَۃُ ۔ جی متلانے کو کہتے ہیں* ۔ اس میں بھی الٹ پلٹ کرنے کا تصور موجود ہے ۔

قرآن میں ہے وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (۸۲/۴) ۔ ''جب قبور کو الٹ پلٹ کیا جائیگا،، ۔ (قُبُوْرٌ کیلئے دیکھئے عنوان (ق ۔ ب ۔ ر) ۔ جب تلاش و تفتیش کے بعد دبی ہوئی چیزیں نکالی جائینگی ۔ یعنے اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ (۱۰۰/۹) ۔ جو کچھ قبور ''میں ہے جب اسے باہر نکالا جائیگا،، ۔

ب ع د

بُعْدٌ دوری، دور ہونا، یہ قُرْبٌ کی ضد ہے قَرِیْبٌ بمقابلہ بَعِیْدٌ (۴۱/۴۴) ۔ بَعِدَ ۔ یَبْعَدُ ۔ بَعَدًا وَ بُعْدًا ۔ ہلاک ہونا ۔ تباہ و برباد ہو جانا* ۔ (زندگی کی خوشگواریوں سے دور ہو جانا) ۔ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (۱۱/۴۴ و ۱۱/۶۸) ''ظالم قوم کے لئے تباہی ہے،، ۔ ان کے لئے زندگی کی خوشگواریوں سے محرومی ہے ۔ بَعِیْدٌ و بَاعِدٌ و بُعَادٌ ۔ دور ہونے والا ۔ تباہ ہونے والا* ۔ بَعْدُ ۔ قَبْلُ کی ضد ہے ۔ یعنے گزرے ہوئے زمانہ کے بعد آنے والا زمانہ* ۔

اَلْاَبْعَدُ ۔ اَقْرَبُ کی ضد ہے ۔ نیز خائن کو بھی کہتے ہیں ۔ اور اَلْبُعَدَاءُ ۔ اجنبی لوگوں کو کہتے ہیں* ۔

بَعْدُ کے معنے غَیْرٌ کے بھی آتے ہیں ۔ فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ (۴۵/۲۳) ۔ اسکے معنے ہیں ''خدا کے سوا ''مِنْ غَیْرِاللّٰہِ،، اسے کون راہ نمائی دے سکتا ہے،، ۔ صحیح راہ نمائی صرف خدا کے قانون سے مل سکتی ہے ۔

نیز اسکے معنے ''با وجود،، کے بھی ہیں ۔ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۲/۱۷۸) ۔ ''جو اسکے باوجود سرکشی اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے درد ناک عذاب ہے،، ۔

*تاج و محیط ۔

ب ع ر

اَلْبَعِیْرُ ۔ اونٹ ۔ جوان اونٹ ۔ نیز اَلْبَعِیْرُ گدھے کو بھی کہتے ھیں۔ اصل میں یہ اس جانور کیلئے بولا جاتا ھے جس پر بوجھ لادا جائے۔ بار برداری کا جانور ۔ اَلْبَعْرُ۔ مینگنی کو کہتے ھیں* ۔ سورۃ یوسف میں حِمْلُ بَعِیْرٍ (۱۲/۷۲) آیا ھے ۔ یعنے ایک اونٹ (یا گدھے) کا بوجھ ۔

ب ع ض

بَعْضٌ ۔ ھر چیز کا کچھ حصہ خواہ وہ کم ھو یا زیادہ (۲/۸۵) ۔ مثلاً آٹھ ، دس کا بعض ھے اور دو بھی دس کا بعض ھے۔ آٹھ اور دو دونوں ملکر دس ھو جاتے ھیں۔ بَعَّضَ الشَّیْءَ کے معنے ھیں چیز کو تقسیم کر دیا۔ تَبْعِیْضٌ کے معنے ھیں الگ الگ کر دینا ۔ تقسیم کر دینا* ۔

سورۃ بقرہ میں ھے اِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ (۲/۷۶) ۔''جب ان میں سے کچھ لوگ اپنے دوسرے لوگوں سے خلوت میں ملتے ھیں یا انکی طرف چلے جاتے ھیں،،۔ بَعْضُنَا ۔''ھم میں سے کوئی یا کسی نے،،۔ بعض ائمہ لغت نے کہا ھے کہ بَعْضٌ کے معنے کُلٌّ کے بھی آتے ھیں اور اسکی تائید میں قرآن کی یہ آیت پیش کی ھے ۔ یُصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ (۴۰/۲۸) ''جن باتوں کی تمہیں دھمکی دی جاتی ھے وہ سب تم پر واقع ھو کر رھینگی،،** ۔ لیکن اس کے معنی ''بعض،، بھی ٹھیک ھیں ۔ نیز (۲۳/۶۳)۔

بَعُوْضَۃٌ (جسکی جمع بَعُوْضٌ آتی ھے) مچھر کو کہتے ھیں (۲/۲۶)۔ چونکہ باقی حیوانات کے مقابلہ میں اسکا جسم بہت چھوٹا ھوتا ھے اسلئے یہ بَعْضٌ سے ماخوذ ھے*** ۔

ب ع ل

بَعْلٌ ۔ بلند زمین جس تک سیلاب کا پانی نہ پہنچ سکتا ھو ۔ ھر درخت ، پودا یا کھیتی جو بغیر آب پاشی کے اپنی جڑوں سے آپ پانی کھینچ لے ۔ بلندی اور غیر محتاجی کے اعتبار سے بَعْلٌ کے معنے مالک اور آقا کے ھو گئے ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) صاحب (۲) حیرت اور دھشت اور (۳) اونچائی لکھے ھیں۔ ''صاحب،، میں رفیق اور ساتھی بھی آجاتے ھیں۔ راغب نے کہا ھے کہ اھل عرب اپنے بتوں کا نام بَعْلٌ رکھتے تھے کیونکہ وہ

*تاج و محیط و راغب ۔ ** لین ۔ ***تاج

انہیں بلند اور برتر خیال کرتے تھے۔ اسی طرح چونکہ ان کے معاشرہ میں تصور یہ تھا کہ مرد، عورت پر غالب ہوتا ہے اسلئے وہ خاوند کو بھی بَعْلٌ کہنے لگے۔ اسکی جمع بُعُوْلَۃٌ ہے۔ نیز ہر اس چیز کو جو دوسری چیزوں پر غلبہ و استیلاء رکھتی ہو۔ لیکن چونکہ انہیں اسکا بھی احساس تھا کہ ہر مستبد اور متغلب دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے اسلئے وہ بوجھ کو بھی بَعْلٌ کہتے تھے۔ چنانچہ اَصْبَحَ فُلَانٌ بَعْلًا عَلٰی اَھْلِہٖ کے معنے ہیں فلاں شخص اپنے گھر والوں پر بوجھ بن گیا ہے*۔

چونکہ عربوں میں خاوند کیلئے بَعْلٌ کا لفظ رائج تھا اسلئے قرآن کریم میں بھی یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے (۲/۲۲۸ و ۲۴/۳۱)۔ یعنے غلبہ واستیلاء کے معنوں میں نہیں بلکہ خاوند کے معنوں میں۔ بلکہ لین نے (مختلف اسناد سے) لکھا ہے کہ زَوْجٌ کیطرح بَعْلٌ بھی خاوند اور بیوی دونوں کے لئے آتا ہے۔ نیز جسطرح زَوْجٌ سے زَوْجَۃٌ آتا ہے اسی طرح بَعْلٌ سے بَعْلَۃٌ آتا ہے۔ اس لئے اس میں غلبہ و استیلاء کا مفہوم نہیں۔ صرف میاں بیوی ہونے کا مفہوم ہے۔ قرآن کریم نے جب نکاح کو بہ طیب خاطر معاہدہ قرار دیا ہے تو اس میں کسی فریق کے غلبہ و استیلاء کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

صاحب محیط کے نزدیک بَعْلٌ اور زَوْجٌ میں فرق یہ ہے کہ زَوْجٌ تو ہر خاوند کو کہتے ہیں لیکن بَعْلٌ اسوقت کہتے ہیں جب وہ بیوی سے جنسی اختلاط کر چکا ہو***۔

حضرت الیاسؑ کی قوم اپنے بت کو بَعْلٌ کہتی تھی (۳۷/۱۲۵)۔ یہ سامی قبائل میں سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا۔ شام میں خصوصیت سے اسکی پرستش ہوتی تھی۔ تورات میں اس کا ذکر اکثر آتا ہے (مثلاً تواریخ ۲۔ ۳۳/۳)۔

ب غ ت

اَلْبَغْتُ وَالْبَغْتَۃُ۔ یکبارگی۔ اچانک۔ اَلْمُبَاغَتَۃُ۔ ایک دوسرے کے پاس اچانک پہنچ جانا*۔ راغب نے کہا ہے کہ اسکے معنے ہیں کسی چیز کا یکبارگی ایسی جگہ سے نمودار ہو جانا جہاں سے گمان بھی نہو**۔ قرآن میں ہے اِذَا جَآءَتْھُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً (۶/۳۱) ''جب ان پر الساعۃ اچانک آجائیگی''۔ (اَلسَّاعَۃُ کسطرح اچانک اور یکبارگی آتی ہے، اسکے لئے

*تاج **راغب۔ ***محیط۔

س ـ و ـ ع کا عنوان دیکھئے) ـ اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے ... اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ بَغْتَۃً اَوْ جَھْرَۃً (۶/۴۷) ـ ''تم پر خدا کا عذاب اچانک آ جائے یا اسطرح کہ پہلے اس کی علامات ظاہر طور پر تمہارے سامنے آئیں اور اس کے بعد عذاب آئے'' ـ اس سے واضح ہے کہ بَغْتَۃً اس انداز کو کہینگے جس میں کوئی واقعہ تدریجی یا ارتقائی طور پر (Bv Evolution) نمودار نہ ہو بلکہ انقلابی طور پر (By Revolution) یا دور حاضر کی تحقیق کے مطابق، فجائی ارتقاء کے طریق سے (by Emergent Evolution) واقع ہو ـ اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ ہر عمل کا نتیجہ تو اسی وقت مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن وہ محسوس شکل میں ہمارے سامنے کچھ وقت کے بعد آتا ہے ـ چنانچہ سورۃ انبیاء میں ہے فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَا ... (۲۱/۱۲) ـ ''جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا'' ... یعنی وہ عذاب غیر محسوس شکل میں تو پہلے سے مرتب ہو رہا تھا لیکن ان کے سامنے محسوس شکل میں بعد میں آیا تھا ـ بعض صورتوں میں اس آنے والے عذاب (یعنی نتائج) کی علامات ظہور سے پہلے سامنے آنا شروع ہو جاتی ہیں ـ (اسے جَھْرَۃً کہینگے) ـ اور بعض اوقات اس کا علم اس وقت ہوتا ہے جب وہ سامنے آ کھڑا ہوتا ہے (یہ بَغْتَۃً ہے) ـ یعنی فَاَتٰھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ (۳۹/۲۵) ـ ''ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جس کی انہیں خبر تک نہ ملی'' ـ جو ان کی عقل و شعور میں نہیں آ سکتی ـ سطح بین قومیں اپنی تباہی کے اسباب کا اندازہ ان واقعات اور عناصر سے لگانے کی کوشش کرتی ہیں جو تباہی واقع ہونے کے وقت محسوس طور پر ان کے سامنے آتے ہیں ـ لیکن ان اسباب کا سراغ در حقیقت بہت پیچھے جا کر لگانا چاہئے ـ

ب غ ض

اَلْبُغْضُ ـ یہ لفظ اَلْحُبُّ (محبت) کی ضد ہے ـ یعنی کسی چیز سے دل کا متنفر اور بیزار ہونا ، اَلْبَغْضَاءُ ـ شدت بغض کو کہتے ہیں* ـ (۳/۱۱۷)ـ

ب غ ل

اَلْبَغْلُ ـ خچر*ـ جمع بِغَالٌ (۱۶/۸) ـ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جسمانی قوت کے ہیں ـ خچر کو اَلْبَغْلُ اسکی مضبوطی کی وجہ سے کہتے ہیں ـ اَلتَّبَغْیُلُ جسم کا موٹا اور سخت ہونا * ـ چونکہ خچر گھوڑی اور گدھے کے اختلاط سے وجود میں آتا ہے اس لئے ہر اس جانور کو بھی بَغْلٌ کہتے ہیں جو دو مختلف جنسوں کے ملاپ سے پیدا ہو۔

*تاج ـ راغب ـ محیط ـ

ب غ ی

اَلْبَغْیُ ۔ درمیانہ روی کی حد سے بڑھ جانے کی خواہش (خواہ حد سے تجاوز کرسکے یا نہ کر سکے) ۔ اَلْبَغْیُ بہت زیادہ بارش کو کہتے ہیں جو حد سے بڑھ جائے ۔ بَغَتِ السَّمَاءُ بادل اپنی حد سے بڑھ گیا ۔ بہت زیادہ برسا ۔ یہ اس لفظ کے بنیادی معنے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے معنی (۱) کسی چیز کو طلب کرنا ۔ اور (۲) بگڑ جانا ہیں ۔

فِئَةٌ بَاغِیَةٌ اس جماعت کو کہتے ہیں جو حدود شکنی کرے اور نظام کے خلاف اٹھ کھڑی ہو ۔ اور اَلْبَغَایَا ان ہر اول دستوں کو کہتے ہیں جو لشکر کے پہنچنے سے پہلے انتظامات کرنے کے لئے چلتے ہیں ۔

بَغٰی یَبْغِیْ ۔ اسنے تکبر کیا اور اپنی حد سے بڑھ گیا ۔ تَبَاغَوْا ۔ ایک دوسرے پر زیادتی کرنا ۔

بَغَتِ الْمَرْاَةُ بِغَاءً ۔ عورت اپنی حدودِ عفت سے بڑھ گئی اور زنا کی مرتکب ہو گئی ۔ بَغِیٌّ اور بَغُوٌّ زنا کار عورت کو کہتے ہیں ۔

بَغٰی عَلَیْهِ کسی پر زیادتی کرنا ۔ ظلم کرنا ۔ دست درازی کرنا ۔ نیز حسد کرنا (کہ وہ مجھ سے آگے کیوں بڑھ گیا ہے)* ۔

اِبْتِغَاءٌ ۔ کسی چیز کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرنا ۔ اگر اچھی چیز کی طلب ہو تو یہ کوشش بھی محمود ہو جاتی ہے ۔ ورنہ مذموم* ۔

اَلْبِغْیَةُ اور اَلْبُغْیَةُ ۔ اس مطلوب چیز کو کہتے ہیں جسکے حصول کی اسطرح کوشش کی جائے ۔ اس گم گشتہ چیز کو بھی کہتے ہیں جسکی بہت زیادہ تلاش کی جائے ۔ اَلْبَاغِیْ ۔ تلاش کرنے والے کو بھی کہتے ہیں* ۔

اِنْبَغٰی الشَّیْءُ کے معنے ہیں کسی چیز کا آسان ہو جانا ، مہیا ہو جانا ، یا مناسب ہونا ۔ چنانچہ مَا یَنْبَغِیْ کے معنے ہیں ، یہ درست نہیں ۔ یہ مناسب نہیں ۔ یہ ممکن نہیں ۔ جائز نہیں* ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یَنْبَغِیْ میں دو چیزوں میں سے ایک کی طرف رجحان اور دوسری کے جواز کا پہلو مضمر ہوتا ہے** ۔ سورۃ یٰسٓ میں ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ (۳۶/۶۹) ۔ ہم نے رسول کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی

*تاج ۔ ** محیط ۔

ایک داعی انقلاب کی نفسیاتی کیفیت ایسی ہو سکتی ہے کہ اس پر حقائق کے مقابلہ میں جذبات غالب ہوں۔ (یہی شاعر کی نفسیات ہے) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَ قُرْآنٌ مُّبِيْنٌ (۳۶/۶۹) - اسے جو کچھ دیا گیا ہے وہ تاریخ کے محکم نوشتے ہیں اور زندگی کے واضح قوانین - ان میں جذباتی تلون انگیزیوں کا کیا دخل؟ (مزید تفصیل ش - ع - ر کے عنوان میں ملیگی)۔

سورۃ حج میں ہے بُغِيَ عَلَيْهِ (۲۲/۶۰) جس پر زیادتی ہوئی ہو قارون کے متعلق ہے کہ فَبَغٰى عَلَيْهِمْ (۲۸/۷۶) ''وہ ان پر زیادتی کرتا تھا''۔ یا ان سے آگے بڑھا ہوا رہنا چاہتا تھا - نیز اسکے معنے حکومت اور سلطنت طلب کرنے کے بھی ہیں* -

سورۃ النساء میں ہے وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ (۴/۱۰۴) ''دشمن کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو''۔ اسکی تلاش میں پیچھے جانے کی پوری پوری کوشش کرو - سورۃ آل عمران میں ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ (۳/۷) آیا ہے - یعنے فتنہ پیدا کرنے کی انتہائی خواہش -

سورۃ نور میں الْبِغَاءُ کا لفظ زناکاری کے لئے آیا ہے (۲۴/۳۳) - لیکن سورۃ مریم میں بَغِيًّا کا لفظ حدود شکن کیلئے (۱۹/۲۰) آیا ہے - خاص طور پر زناکار کے کے لئے نہیں - یعنی حضرت مریم نے کہا کہ میں ہیکل میں (Nun) کی زندگی بسر کر رہی ہوں اور (Nuns) کے متعلق ''قانون شریعت'' یہ ہے کہ وہ تجرد کی زندگی بسر کریں - میںنے اس قانون کو نہیں توڑا - واضح رہے کہ ہیکل کے احبار و رہبان حضرت مریمؑ کے خلاف یہ الزام عائد کرتے تھے کہ اس نے ہیکل سے نکل کر متاہل زندگی اختیار کر لی ہے اور یہ چیز شریعت خانقاہیت کے خلاف ہے - اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ تیری ماں تو ان حدود شریعت کو نہیں توڑتی تھی - (۱۹/۲۸) تو نے حدود شکنی کیسے اختیار کر لی؟ حضرت عیسٰےؑ نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ یہ حدود، تمہاری خود ساختہ شریعت کی ہیں - مجھے اللہ نے نبی بنایا ہے - اور کتاب دی ہے - اس کتاب میں ایسا کوئی قانون نہیں - اس لئے میری والدہ نے قانون خداوندی کے خلاف کچھ نہیں کیا - مزید برآں اس ضمن میں دیکھئے تفسیر ص ۱۸۱۴ جلد چہارم عنوان ب غ ی۔

سورۃ بقرہ میں ہے کہ یہودی قرآن کریم کی مخالفت محض اسلئے کرتے ہیں کہ انہیں حسد ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں سے ایک شخص کی طرف کیوں نازل ہو گیا ہے - اس کے لئے بَغْيًا آیا ہے (۲/۹۰) -

* غریب القرآن (میرزا ابوالفضل)

قرآن کریم میں کھانے پینے کی حرام اشیاء کے تذکرہ کے بعد ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ (۲/۱۷۳) - بھوک سے جس شخص کی جان پر آبنے تو اس پر کوئی جرم نہیں (کہ وہ ان حرام چیزوں کو استعمال کرلے) بشرطیکہ وہ اتنا ہی لے جتنی اسے ضرورت ہے - اور حد سے نہ بڑھے اور نہ ہی اسکی نیت قانون شکنی کی ہو- یعنی نہ تو وہ محض اس لئے کھائے کہ اس کا جی چاہتا ہے اور نہ ہی زائد از ضرورت لے -

ب ق ر

بَقَرٌ کے معنے ہیں کسی چیز کو چیرنا پھاڑنا - جیسے کسی جانور کا پیٹ چاک کرنا - اسلئے بَقَرَ الْعِلْمَ کے معنے ہیں علم کی گہری تحقیق و تجسس کرنا - بَاقِرٌ کے معنے شیر کے بھی ہوتے ہیں اور علمی محقق کے بھی*-

بَقَرٌ - گائے اور بیل (دونوں) کو کہتے ہیں * - یہ جمع ہے - اس کا واحد بَقَرَةٌ ہے - قصہ بنی اسرائیل میں یہ لفظ (۲/۶۷) میں آیا ہے - مابعد آیات میں جو کچھ مذکور ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس سے مطلب سانڈ تھا جس سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ دیوتاؤں کے نام پر ویسے ہی چھوڑ دیا جاتا ہے - مصر میں سانڈ کی پرستش ہوتی تھی اور یہی جذبہ تھا جو بنی اسرائیل کے دلوں کی گہرائی میں (شعوری یا غیرشعوری طور پر) جاگزیں ہو چکا تھا - اسی جذبہ عقیدت کو دور کرنے کے لئے ذبح بقر کا حکم دیا گیا تھا -

ب ق ع

اَلْبَاقِعُ - چتکبرا کتوا یا کتا - اس کے بنیادی معنی رنگوں کا مختلف ہونا ہیں (ابن فارس) - اَلْبَاقِعَةُ - ایک پرندہ جو بہت ہوشیار اور چوکنا ہوتا ہے اور ہر وقت ادھر ادھر دیکھتا رہتا ہے کہ کوئی شکاری اس کی گھات میں تو نہیں، وہ پانی پینے کے لئے بھی دوسرے پرندوں کی روش سے ہٹ کر کسی نامانوس جگہ پر آتا ہے* - پہلے معنوں کے لحاظ سے اَرْضٌ بَقِيعَةٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کہیں گھاس اور سبزہ ہو اور کہیں خشکی - یعنی چتکبری زمین - اَلْبُقْعَةُ زمین کا ایسا قطعہ جو اپنے آس پاس کی زمینوں سے الگ ہو* -

قرآن کریم میں ہے فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ (۲۸/۳۰) - ''درخت والے مبارک قطعہ زمین میں (جو باقی زمینوں سے الگ

*تاج و لین ** تاج و محیط - -

تھا)''۔ ویسے اَلْبَقْعَۃ ایسی جگہ کو بھی کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو گیا ہو*۔

ب ق ل

بَقَلَ الشَّیْئُ ۔ چیز ظاہر ہو گئی ۔ بَقَلَتِ الْاَرْضُ ۔ زمین پر سبزیاں نمودار ہو گئیں ۔ راغب نے کہا ہے کہ بَقْلٌ ان سبزیوں کو کہتے ہیں جن کی جڑیں اور شاخیں سردیوں میں باقی نہیں رہتیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی روئیدگی کے ہیں ۔ ابو زباد نے کہا ہے کہ جو کچھ زمین سے پہلے پہل نکلے اسے بَقْلٌ کہتے ہیں ۔ اقرب الموارد میں ہے کہ بَقْلٌ ایسی سبزی کو کہتے ہیں جو (آلو ۔ گاجر ۔ شلجم کی طرح) زمین کے اندر پیدا نہ ہوتی ہو بلکہ (میتھی ، پالک ، گوبھی ، ٹماٹر وغیرہ کیطرح) زمین کے اوپر پیدا ہوتی ہو۔

قرآن کریم میں یہ لفظ سبزی ترکاری کے معنوں میں ($\frac{۲}{۶۱}$) میں آیا ہے ۔

ب ق ی

بَقِیَ ۔ یَبْقٰی ۔ بَقَاءٌ ۔ کسی چیز کا اپنی حالت پر قائم رہنا ۔ تغیر پذیر نہ ہونا ۔ یہ فَنَاءٌ کی ضد ہے جس کے معنے تغیر پذیر ہو جانا ہیں ۔ اِبْقَاءٌ ۔ اِسْتِبْقَاءٌ ۔ باقی رکھنا* ۔ نیز اس کے معنے حفاظت اور نگہبانی کے بھی آتے ہیں* ۔

کائنات میں ہر شے تغیر پذیر ہے ۔ لیکن ذاتِ خداوندی تغیرات سے بلند ہے ۔ اسی طرح اس کا قانون بھی تغیر پذیر نہیں ہوتا ۔ یہی مستقل اقدار ہیں ۔ جو اعمال اس کے قانون کے مطابق سر زد ہوں ان کے نتائج بھی غیر متبدل ثمرات کے حامل ہوتے ہیں ۔ اس سے انسانی ذات میں بھی ایسا استحکام پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ تغیرات سے بلند ہو جاتی ہے ۔ ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تغیرات کی دنیا میں غیر متغیر رہتی ہے (Changelessness in Change) ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب '' نظام ربوبیت '' نیز من و یزداں ۔ اور معارف القرآن کی پانچویں جلد جس کا عنوان ہے '' انسان نے کیا سوچا '') ۔

*تاج و محیط ۔

ان معانی کی روشنی میں ان الفاظ کو دیکھئے جو قرآن کریم میں اس مادہ (بَقِیَ) سے آئے ہیں، بات واضح ہو جائیگی۔ سورۃ النحل میں ہے مَاعِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَاعِنْدَاللّٰہِ بَاقٍ (۹۶/۱۶)۔ ''جو کچھ تمہارے پاس تمہارے اپنے تصورات کے مطابق ہوتا ہے وہ جاتا رہتا ہے۔ لیکن جو کچھ قانون خداوندی کے مطابق حاصل ہوتا ہے (خواہ وہ زیست کی خوشگواریاں ہوں اور خواہ انسانی ذات کی نشو و نما) وہ تغیر نا آشنا ہوتا ہے''۔ سورۃ کہف میں ہے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ ''دولت۔ اولاد، یہ انسان کی فریبی (طبعی) زندگی کی زینت کی چیزیں ہیں''۔ یہ بھی بُری نہیں کہ ان سے اجتناب کیا جائے۔ لیکن وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَاباً وَّ خَیْرٌ اَمَلاً (۱۸/۴۶)۔ ''خدا کے قانون ربوبیت کی رو سے بہترین اعمال وہ ہیں جن کے صلاحیت بخش نتائج تغیر پذیر نہیں ہوتے''۔ انہی کی امید رکھنا بہترین نصب العین حیات ہے۔ اسی طرح سورۃ ہود میں بَقِیَّۃُ اللّٰہِ (۱۱/۸۶) اُس دولت اور سامان کو کہا گیا ہے جو خدا کے قانون کی رو سے حاصل کیا جائے۔ اس سے ذرا آگے اُولُوْا بَقِیَّۃٍ (۱۱/۱۱۶) اُن لوگوں کو کہا گیا ہے جو قانون خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور کَلِمَۃً بَاقِیَۃً (۴۳/۲۸) توحید کی تعلیم (ضابطہ قوانین خداوندی کی اصل و بنیاد) جسے حضرات انبیاء کرام اپنے متبعین کو دیکر جاتے تھے۔ اور جو کبھی تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ ساحرین دربار فرعون نے اسی کو خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (۲۰/۷۳) کہا ہے۔ یعنی سب سے زیادہ تغیر نا آشنا۔

سورۃ الرحمٰن میں ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ (۵۵/۲۶) اس کائنات کی ہر شے تغیر پذیر ہے۔ وہ لمحہ بہ لمحہ بدل رہی ہے۔ وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (۵۵/۲۷)۔ لیکن خدا کی ذات تغیرات سے ماوراء ہے۔ اور اسکی صفت ربوبیت اور اسکا قانون ربوبیت اور اسکے نتائج و اثرات بھی تغیر نا آشنا ہیں۔ ''فَنَا'' کا جو مفہوم ہمارے ہاں رائج ہے اور جسکا مطلب معدوم ہو جانا ہے وہ درست نہیں۔ (اسکیلئے دیکھئے عنوان ف۔ ن۔ ی)۔ وَجْہِ رَبّ کے دوسرے مفہوم کے لئے عنوان (و۔ ج۔ ہ) دیکھئے۔

بَقِیَّۃُ الشَّیْءِ۔ کسی چیز کا باقی ماندہ حصہ۔ لیکن اسے اس چیز کی جنس میں سے ہونا چاہئے۔ لہذا بھائی کو بَقِیَّۃُ الْاَبِ نہیں کہہ سکتے*۔

بنی اسرائیل کے تابوت سکینت کے متعلق کہا ہے کہ اس میں بَقِیَّۃٌ مِمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَ اٰلُ ھٰرُوْنَ (۲/۲۴۸) تھا۔ یعنی جو کچھ آل موسیٰ اور آل ہارون نے چھوڑا تھا اس کا باقیماندہ حصہ۔

* محیط۔

ب ک ر

آ"لبِکْرُ" جمع اَبْکَارٌ" کنواری عورت، نیز وہ مرد جو ابتک کسی عورت کے پاس نہ گیا ہو۔ پہلا بچہ دینے والی عورت یا اونٹنی - پہلا بچہ ، ہر پہلی چیز - ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں - گائے جو ابھی حاملہ نہ ہوئی ہو یا نوجوان ہو۔ "لَا فَارِضٌ وَلَا بِکْرٌ" (۲/۶۸) "نہ بوڑھی ہے نہ نوجوان" -

آ"لْبُکْرَۃُ" - صبح - دن کا پہلا اور ابتدائی حصہ* - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ آ"لا بْکَارُ" - طلوع فجر سے چاشت کے وقت تک کی مدت کو کہتے ہیں - (۱۹/۱۲ و ۳/۳۰) نیز اسکے نزدیک بَکْرٌ کے مادّہ کے اصلی معنے شق کرنے یا قطع کرنے کے ہیں** -

ایسی چیزوں کو بھی جن کی پہلے نظیر نہ ہو، اَبْکَارٌ کہتے ہیں*** - (۵۶/۳۵-۳۶) میں یہ لفظ انہی معانی میں استعمال ہوا ہے - یعنی صحیح تعلیم و تربیت اور اعمال صالحہ سے ان میں ایسی تبدیلی ہوئی کہ وہ ایسی مخلوق بن گئیں جس کی پہلے نظیر نہ تھی - وہ عہد جاہلیہ کی عورتوں سے یکسر مختلف ہو گئیں -

ب ک ک

بَکَّہٗ - یَبُکُّہٗ - بَکًّا" - کسی چیز کو پھاڑ دینا - متفرق کر دینا - کسی پر ہجوم کرنا - مزاحمت کرنا - بَکَّ عُنُقَہٗ - اسنے اسکی گردن توڑ دی* -

مکہ مکرمہ کا نام بَکَّۃٌ بھی ہے - قرآن کریم میں ہے اِنَّ آوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا" (۳/۹۶) - "یقیناً پہلا گھر جو نوع انسان کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت" - اس نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں - بعض کا خیال ہے کہ چونکہ لوگ اسکی طرف ہجوم کر کے آتے ہیں اور طواف میں بڑا ازدحام ہوتا ہے اسلئے اسے بَکَّۃٌ کہا گیا ہے - بعض نے کہا ہے کہ چونکہ یہاں سرکشوں اور ظالموں کی گردن ٹوٹ جاتی ہے اسلئے اس کا یہ نام ہے - لیکن راغب کا خیال ہے کہ یہ مَکَّۃٌ ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے - عربی میں میم کے باء کے

*تاج - **محیط - ***قاموس -

ساتھ بدل جانے کی کئی مثالیں ملتی ہیں** ۔ مثلاً سَبَدَ اور سَمَدَ ۔ ایسے ہی لَازِبٌ اور لَازِمٌ ۔ ** ہر دو لفظ خواہ ''ب'' سے ہوں یا ''میم'' سے ایک ہی معنی رکھتے ہیں ۔

ب ک م

بَکَمٌ کے معنے ہیں گونگا ہونا ۔ ازہری نے کہا ہے کہ اَبْکَمٌ اور اَخْرَسٌ میں یہ فرق ہے کہ اَخْرَسٌ اسے کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر بول ہی نہ سکتا ہو اور اَبْکَمٌ اسے کہتے ہیں جو بولتا تو ہو لیکن حاضر جواب نہ ہو اور طریقہ سے بات نہ کرنے کی وجہ سے اسکی بات سمجھ میں نہ آتی ہو ۔ لیکن اَبْکَمٌ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر گونگا بہرا اور اندھا ہو* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَبْکَمٌ (جسکی جمع بُکْمٌ ہے) اسے کہتے ہیں جو جہالت کی وجہ سے یا دانستہ بولنے چالنے سے گریز کرے ۔ نیز جو بات کو واضح طور پر بیان نہ کر سکے ۔

قرآن کریم میں صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ آیا ہے (۲/۱۸) ۔ جہاں بُکْمٌ کے معنے صرف گونگا ہیں (کیونکہ بہرے اور اندھے کیلئے اسکے ساتھ صُمٌّ اور عُمْیٌ کے الفاظ موجود ہیں) ۔ سورۃ انفال میں اَلصُّمُّ الْبُکْمُ کے ساتھ اَلَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ (۸/۲۲) کے الفاظ لا کر بات واضح کردی کہ اس سے مراد طبعی طور پر بہرے اور گونگے نہیں ، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ۔ سورۃ نحل میں اَبْکَمٌ (۱۶/۷۶) کے بعد ہے ، جو کسی شے کی مقدرت نہیں رکھتا ۔ جو اپنے مالک پر بوجھ ہے ۔ وہ اسے جدھر بھیجتا ہے کوئی اچھا کام کر کے نہیں آتا ۔ اس کے مقابلہ میں وہ ہے جو صاحب اختیار ہے ۔ عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے ۔ اور صراط مستقیم پر چلتا ہے ۔ ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کے نزدیک صُمٌّ بُکْمٌ سے مفہوم کیا ہے ۔ یعنی وہ لوگ جو عقل و فکر سے کام نہ لیں بلکہ اندھا دھند اپنی غلط روش پر چلے جائیں ۔

ب ک ی

بُکَاءٌ ۔ غم کے ساتھ آنسو بہانا ۔ کبھی محض غم یا آنسو بہانے کو بھی کہہ دیتے ہیں** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی رونا اور (۲) چیز کا کم ہو جانا ہیں ۔ قرآن کریم میں ضَحِکَ کے مقابلہ میں بَکٰی

* تاج ۔ **تاج و راغب ۔

آیا ہے (۶/۸۲) ۔ لہذا اسکے معنے غم کرنے کے ہیں ۔ سورۃ دخان میں ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ (۴۴/۲۹)۔ ان کی تباہی پر نہ آسمان رویا نہ زمین۔ اس لئے کہ ان کی تباہی خدا کے قانون مکافات کے مطابق واقع ہوئی تھی ۔ بُكِيًّا ۔ (۱۹/۵۸) ۔ قوانین خداوندی کے سامنے دل کے پورے گداز کے ساتھ جھکنے والے ۔ لیکن اندھے اور بہرے بنکر نہیں (۲۵/۷۳) ۔ عقل و بصیرت کی رو سے قوانین خداوندی کو اختیار کرکے، دل کی گہرائیوں سے ان کی متابعت کرنے والے ۔

بَل ۔ (حرف)

بَلْ ۔ بلکہ ۔ ذیل کی مثالوں سے استعمال اور مفہوم واضح ہو جائیگا ۔

(۱) جب یہ فقرے کے درمیان آئے تو پہلی بات کی تردید اور دوسری بات کی تائید مقصود ہوتی ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ ۔ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ۔ (۲۱/۲۶) ۔ ''اور یہ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے بیٹا بنایا ہے ۔ ایسا نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جنہیں یہ اسکے بیٹے قرار دیتے ہیں وہ اس کے معزز بندے ہیں'' ۔

(۲) پہلی بات کی تردید کے بغیر دوسری بات کی تائید۔ وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۔ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِنْ هَٰذَا ۔ (۲۳/۶۳) ''ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوتی ۔ لیکن (یا اور) ان کے دل تذبذب اور جہالت میں ہیں'' ۔ یعنی دوسری بات پہلی بات سے الگ ہے (نیز ۸۶/۱۳-۱۶) ۔ ان مقامات میں بَلْ ۔ وَ ۔(اور) کے معنوں میں آیا ہے ۔ (نیز دیکھئے ۸۵/۲۰-۲۱) ۔ اسی طرح (۲۱/۲۶-۲۷) میں بھی بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ سے نیا فقرہ شروع ہوسکتا ہے۔ (تفصیل اس کی متعلقہ عنوان میں ملیگی) ۔

ب ل د

اَلْبَلَدُ ۔ زمین کا ہر وہ حصہ جسکی حد بندی کی گئی ہو۔ خواہ وہ آباد ہو یا غیر آباد ۔ مٹی ۔ زمین ۔ اسکی جمع بِلَادٌ اور بُلْدَانٌ آتی ہے ۔ اسکا استعمال قَرْيَةٌ (بستی) کے معنوں میں بعد میں ہوا ہے۔ سورۃ بقرہ میں هَٰذَا بَلَدًا (۲/۱۲۶) سے قطعہ زمین اور بستی دونوں مراد ہو سکتے ہیں* ۔ سورۃ البلد

* تاج و محیط ۔

میں بِهٰذَا الْبَلَدِ (۹۰/۱) سے مراد مکہ ہے۔ اسی کو دوسری جگہ الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ (۹۵/۳) ''امن والا شہر،، کہا گیا ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی تھی (۲/۱۲۶) کہ یہ بستی دنیا میں جورو استبداد کے ستائے ہوئے ہر انسان کیلئے امن کا مقام بن جائے ۔ نوع انسانی کے امن کی ضامن اُمت (جماعت مؤمنین) اور خدا کے عالمگیر نظام ربوبیت کے مرکز کو یقیناً عالم انسانیت کے لئے امن کا مقام ہونا چاہئے ۔ مزید تفصیل کے لئے حج اور کعبہ سے متعلق عنوانات دیکھئے ۔

زمین سے متمسک (زمیں گیر) ہونے کی جہت سے کہتے ہیں بَلَّدَ الْفَرَسُ ۔ گھوڑا دوڑ میں پیچھے رہ گیا ۔ آگے نہ نکل سکا*** ۔ اسی لئے بَلِیْدٌ کے معنے کند ذہن کے ہوتے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی سینے (چھاتی) کے ہوتے ہیں۔ اور بَلَّدَ الرَّجُلُ بِالْاَرْضِ کے معنی ہیں اس شخص نے اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیا ۔ یعنی وہ زمین کے ساتھ چپک گیا ۔

ب ل س

اَبْلَسَ ۔ کے معنے ہیں وہ ناامید ہوگیا ۔ مایوس ہوگیا ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنے یہی لکھے ہیں ۔ (اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ '' وہ ناگہاں اس میں مایوس ہو جائینگے '' ۔ ۶/۴۴) ۔ نیز دہشت زدہ اور متحیر ہو جانا* ۔ (پرانی سامی لغت میں اسکے معنے تھے '' کچل کر مار ڈالنا ۔ روند ڈالنا '' ** ۔

اِبْلِیْس ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اَبْلَسَ ہی سے مشتق ہے اور اسکے معنے ہیں رحمت خداوندی سے ابدی طور پر مایوس اور ناامید ۔ لیکن دوسرے ائمہ لغت نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ عربی لفظ نہیں بلکہ معرب ہے * ۔

قرآن کریم میں ابلیس کو سرکشی اور بغاوت کے پیکر کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے ۔ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (۲/۳۴) ۔ '' اسنے حکم خداوندی کی اطاعت سے انکار کیا ۔ خدا سے بغاوت و سرکشی اختیار کی اور کہنا نہ ماننے والوں میں سے ہوگیا '' ۔ اسکے برعکس مَلَائِكَةٌ ہیں جن کی فطرت میں اطاعت و انقیاد رکھ دیا گیا ہے (فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ '' تمام کے تمام ملائکہ نے سجدہ کر دیا '' (۱۵/۳۰) ۔ کائنات میں صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے اسکا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو قوانین خداوندی کی اطاعت کرے اور چاہے ان سے سرکشی برت لے ۔ کائنات کی

*تاج و محیط ۔ ** غریب القرآن میرزا ابوالفضل ۔ *** محیط

کسی اور شے کو معصیت (قانون خداوندی کی خلاف ورزی) کا اختیار نہیں دیا گیا۔ انسان، قانونِ خداوندی کی اطاعت سے سرکشی اسوقت اختیار کرتا ہے جب وہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ یہ جذبات اسے (عالمگیر مفاد کلی کے مقابلہ میں) ذاتی مفاد پرستی پر ابھارتے ہیں اور وہ قوانین خداوندی کو پس پشت ڈالکر ان مفادات کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ پھر اسکی عقل اسے وہ طریقے بتاتی ہے جن سے وہ ان مفادات کو حاصل کر سکے۔ قرآن کریم نے ایسے جذبات اور انکے بروئے کار لانے والے سامان وذرائع (عقل حیلہ جو کے بتائے ہوئے طرق و حیل) کو ابلیس کہکر پکارا ہے، اور اس کی سرکشی کی بنا پر اسکے متعلق کہا ہے کہ اسکی تخلیق آتش (نار) سے ہوئی ہے (۷/۱۲)۔ اور چونکہ انسانی جذبات آنکھوں سے پنہاں ہوتے ہیں اور غیر محسوس طور پر مصروف عمل رہتے ہیں اسلئے کَانَ مِنَ الْجِنِّ (۱۸/۵۰) کہا ہے (جنّ کے معنی ہیں چھپا ہوا)۔ نیز چونکہ انسان کے یہ جذبات اور اسکے یہ اختیارات جسکی رو سے یہ قوانین خداوندی سے سرکشی برت سکتا ہے، انسان کے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور جبتک انسان زندہ رہتا ہے اسوقت تک یہ ساتھ رہتے ہیں، اسلئے قرآن نے آدم کی جو سرگزشت بیان کی ہے (دیکھئے عنوان ادم) اسمیں ابلیس بھی آدم کے ساتھ ہی نمودار ہو جاتا ہے اور اسے انسانوں کے ساتھ ہی اسوقت تک مہلت دی گئی ہے جبتک انسان اس دنیا سے اٹھ نہیں جاتے۔ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (۱۵/۳۶)۔ مزید برآں دیکھئے تتمہ صفحہ ۱۸۱۸ جلد چہارم عنوان ب ل س۔

جو انسان قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کرلیتا ہے وہ ان تمام سعادتوں اور خوشگواریوں سے محروم رہ جاتا ہے جو ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اسلئے ابلیس کو محروم و ناامید کہا گیا ہے۔ اسکے برعکس جو لوگ اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں ان کے متعلق کہا ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲/۳۸)۔ ''ان پر کسی قسم کا خوف و حزن نہیں ہوگا''۔ انہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ ابلیس کا ان پر کسی قسم کا غلبہ و تسلط نہیں ہوگا (۱۵/۴۲)۔

قرآن کریم میں ابلیس اور شیطان کو ایک ہی سکے کے دو رخ، اور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو بتایا گیا ہے۔ مثلاً قصۂ آدم میں دیکھئے۔ سجدے سے انکار۔ سرکشی و تکبر۔ ذریت آدم کو بہکانے کا چیلنج۔ سب ابلیس کی طرف سے ہے۔ لیکن اس کے بعد جب آدم کی لغزش کا ذکر ہے تو اسے شیطان

کیطرف منسوب کیا گیا ہے (فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا - ۲/۳۶ - نیز دیکھئے ۷/۲۰ ؛ ۲۰/۱۲۰-۱۱۶)۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابلیس ایک خاص ذہنیت کا نام ہے اور جس انداز سے وہ ذہنیت کام کرتی ہے اسے شیطان کہکر پکارا گیا ہے۔ (شیطان کیلئے دیکھئے عنوان ش ۔ ط ۔ ن ۔ نیز ان تمام امور کی تفصیل کیلئے دیکھئے میری کتاب ''ابلیس و آدم'' جو سلسلۂ معارف القرآن کی ایک کڑی ہے) ابلیس اور شیطان (ناامیدی و سرکشی) درحقیقت وہ موانع ہیں جو انسانی خودی کی نشوونما کی راہ میں حائل ہوتے ہیں ۔ اگر انسانی خودی ان موانع پر غالب آکر اپنے استحکام کا ثبوت دیتی ہے تو سلسلہ ارتقاء میں اسکا قدم آگے بڑھ جاتا ہے ۔ لیکن اگر یہ موانع اس پر غالب آجاتے ہیں تو وہ زندگی کی نچلی (حیوانی) سطح میں دب کر رہ جاتی ہے ۔ زندگی در حقیقت ''ابلیس و آدم'' کی اسی کشمکش کا نام ہے ۔ اسلئے آدم کے ساتھ ابلیس کا وجود ناگزیر ہے ۔ مخالفت (Opposition) اور تصادمات (Clashes) کے بغیر انسانی ذات میں استحکام پیدا نہیں ہوسکتا ۔ یا یوں کہئے کہ اسکی قوت و استحکام کا امتحان (Test) نہیں ہوسکتا ۔ نہر کی مسلسل روانی کے لئے ٹھوکر (Fall) کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کیا ٹھوکر کے پتھر، نہر کے پانی کے لئے بند بنکر اسے جوئے رواں سے جوہڑ بنا دیتے ہیں ۔ یا نہر کا پانی اپنے زور دروں سے ان پتھروں کو پھاند کر آگے نکل جاتا ہے؟ ایسے راستے تلاش اور اختیار کرنا جن میں پتھر نہ ہوں (یعنی مسلک رہبانیت و خانقاہیت) اپنی روانی کو اپنے ہاتھوں ختم کرلینا ہے ۔ زندگی مسلسل جد و جہد (جہاد) کا نام ہے ۔ یعنی ابلیس و آدم کی پیہم کشمکش کا ۔

اوپر کہا گیا ہے کہ ابلیس (ناامیدی) اور شیطان (سرکشی) ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ علم النفس (سائیکالوجی) کی تحقیقات حاضرہ اس نظریہ کی تائید کرتی ہیں کہ ناامیدی (Frustration) سے سرکشی کے جذبات (Aggressiveness) پیدا ہوتے ہیں۔ جب انسان دیکھتا ہے کہ وہ کچھ نہیں ہو رہا جو کچھ وہ چاہتا ہے تو اس میں غصہ ابھرنا شروع ہو جاتا ہے ۔ اس غصے کو اگر وہ خود اپنے آپ کے خلاف نکالتا ہے تو یہ پریشانی (Worry) یا افسردگی و غمگینی (Gloominess) ہوتی ہے جس کی آخری شکل خودکشی (Suicide) ہے ۔ جب اس غصہ کا مظاہرہ اس شخص یا شے کے خلاف ہو جو اس کی مایوسی کا باعث تھی تو اسے انتقام کہتے ہیں ۔ لیکن اگر وہ اس سے انتقام نہ لے سکے تو غیر متعلقہ چیزوں کے خلاف اپنا غصہ نکالتا ہے ۔ یہ پاگل پن کی ابتدا ہوتی ہے ۔ اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ مایوسی اور سرکشی میں کسقدر گہرا تعلق

ہے' یہی تعلق ابلیس اور شیطان میں ہے ۔ یہ انسان کی نفسیاتی کیفیات ہیں۔ قرآن ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں افراد کیلئے مایوسی کے مواقع پیدا نہیں ہوتے ۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ (۳۹/۵۳)۔ ''اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو'' وہاں کا معمول ہوتا ہے ۔ اور یہ رحمت (سامانِ نشو و نما) زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہوتا ہے (وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (۷/۱۵۶)۔ لہذا اس قرآنی معاشرہ میں ابلیسیت کسی پر غالب نہیں آ سکتی۔ اسی لئے ابلیس سے کہا گیا ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (۱۵/۴۲)۔ ''یقیناً میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہوسکیگا''۔ نیز دیکھئے عنوانات (ق۔ن۔ط) اور (ی۔أ۔س)

ب ل ع

بَلِعَ ۔ یَبْلَعُ ۔ کسی چیز کو حلق سے نیچے اتار لینا ۔ اَلْمَبْلَعُ وہ جگہ جہاں سے کھانا حلق سے اتر کر مری میں جاتا ہے ۔ اَلْبَلُوْعُ پینے کی چیز ۔ اَلْبُلْعَةُ ۔ گھونٹ*۔ نیز چکی کا دھانہ جس میں اناج ڈالا جاتا ہے**۔

قرآن کریم میں طوفان حضرت نوحؑ کے متعلق ہے کہ اسکے بعد زمین کو حکم دیا گیا کہ ابْلَعِیْ مَآءَكِ (۱۱/۴۴) ۔ ''اپنا پانی نگل جا'' ۔ یعنی اسے جذب کرلے ۔

ب ل غ

بَلَغَ الْمَكَانَ بُلُوْغاً ۔ وہ اُس مقام تک پہنچ گیا ۔ مفردات میں ہے کہ بُلُوْغٌ اور بَلَاغٌ کے معنے مقصد کے آخری سرے تک پہنچ جانا ہیں خواہ یہ آخری حد مکانی ہو یا زمانی ، یا کسی اندازہ کئے ہوئے معاملہ کی ۔ لیکن کبھی محض قریب تک پہنچ جانے کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے ۔ جیسے قرآن کریم میں ہے فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ (۲/۲۳۱) ۔ یعنے جب وہ عدت ختم ہونے کے قریب تک پہنچ جائیں ۔ انکی عدت کی مدت قریب الاختتام ہو* ۔ یعنی جب وہ مقررہ مدت کی آخری حد پر پہنچیں ۔ اَلْبَلَاغُ ۔ کسی چیز کا اتنا کافی ہونا کہ اس کے ذریعہ انسان اپنے آخری مقصد تک پہنچ جائے اور اسے کسی اور سامان یا ذریعہ کی ضرورت نہ پڑے* ۔

اَلْبُلْغَةُ ۔ ہر وہ شے جس سے کسی مقصد تک پہنچا جائے ۔ ہر وہ شے جو کسی مقصد تک پہنچانے کیلئے کافی ہو جائے* ۔

* تاج ۔ **محیط ۔

عرب کے بادیہ نشین صحراؤں میں پھرتے رہتے تھے - پانی پر ان کی زندگی کا دارومدار تھا - صحراء میں کہیں کہیں کنویں ہوتے تھے جن پر ڈول اور رسی رکھی رہتی تھی - لیکن گرم مقامات کے کنووں کا پانی ہمیشہ ایک سطح پر نہیں رہتا - اکثر نیچے اتر جاتا ہے جسکی وجہ سے ڈول کی رسی پانی کی سطح تک نہیں پہنچ سکتی - اس مقصد کیلئے یہ لوگ ہمیشہ اپنے ساتھ رسی کا ٹکڑا رکھتے تھے جسے ڈول کی رسی (الرِّشَاءُ) کے ساتھ باندھ دیتے تاکہ ڈول پانی تک پہنچ جائے - اس رسی کے ٹکڑے کو التَّبْلِيغَةُ کہتے تھے - یہاں سے تَبْلِيغٌ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے - یعنے اگر ایک انسان اپنی ذاتی استعداد کی کمی کی وجہ سے کسی مفہوم تک نہیں پہنچ سکتا تو اسکی اس کمی کو اسطرح پورا کر دیا جائے کہ وہ اصل مقصد تک پہنچ جائے - لیکن اگر وہ اپنی رسی (الرِّشَاءُ) کو استعمال ہی نہیں کرنا چاہتا تو خالی تَبْلِيغَةٌ اسے پانی تک نہیں پہنچا سکتی - تبلیغ اسی کو فائدہ دے سکتی ہے جو اپنی عقل و بصیرت کو بھی کام میں لائے - مَبْلَغٌ آخری مقام جس تک کوئی پہنچ سکے (۵۳/۳۰) -

اللہ تعالٰی نے قرآن کریم کو بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ (۱۴/۵۲) کہا ہے - یعنے وہ ذریعہ جس سے انسانیت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے اور اسکے ہوتے ہوئے اسے کسی اور ذریعہ یا سامان کی ضرورت باقی نہیں رہتی - لہذا قرآن کیا ہے؟ انسانیت کو اسکی منزل مقصود تک پہنچانے کا کافی ذریعہ - لیکن یہ انہی کو منزل تک پہنچا سکتا ہے جو اسکی اطاعت اختیار کریں - جو اس کے مطابق زندگی بسر کریں - اسلئے کہ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ (۲۱/۱۰۶) - "یہ اسی قوم کیلئے بلاغ ہے جو قوانین خداوندی کی اطاعت اختیار کرے" - یہ چیز انسان کے اپنے اختیار پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ قرآن کی بتائی ہوئی صحیح روش پر چلے یا کسی دوسری (غلط) روش پر - کسی کو کسی خاص روش پر چلنے کیلئے مجبور نہیں کیا جا سکتا - اگر مجبور کرنا ہوتا تو خدا انسانوں کو پیدا ہی اس انداز سے کر دیتا کہ وہ اس روش کے سوا کوئی دوسری روش اختیار نہ کر سکتے، جسطرح کائنات کی دوسری چیزیں قوانین فطرت پر چلنے کیلئے مجبور ہیں - اسلئے رسولوں کا کام پیغامات خداوندی انسانوں تک پہنچا دینا ہے - انہیں زبردستی ان پیغامات پر چلانا نہیں - فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۱۶/۳۵) - "رسولوں کے ذمہ اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ قانون خداوندی کو نکھار کر پہنچا دیں" -

بَالِغَةٌ - پہنچنے والی (۶/۱۴۹) -

ب ل و

بَلَاءٌ - اِبتِلَاءٌ - راغب نے کہا ہے کہ اس لفظ کے دو معنے ہیں۔ (۱) کسی کا حال معلوم کرنا یعنے اسکے متعلق جو باتیں معلوم نہ ہوں انہیں معلوم کرنا اور (۲) کسی چیز کی اصلی حالت کا ظاہر ہونا - خواہ وہ اچھی ہو یا بری - جب یہ لفظ خدا کیلئے استعمال ہوگا تو وہاں صرف دوسرے معنی مراد ہونگے - کیونکہ خدا علام الغیوب ہے اسلئے اسکے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی کی حالت سے بے خبر ہے* -

لہذا اس لفظ کے بنیادی معنے حالات کا معلوم کرنا یا اصل حقیقت کا ظاہر کرنا ہیں -

بَلِیَ - یَبْلٰی - کے معنے کپڑے کا بوسیدہ ہو جانا یا پرانا ہو کر گھس جانا بھی ہیں**** - اس لئے کہ اسطرح گھس کر اسکی اندرونی حالت نمایاں طور پر سامنے آ جاتی ہے - لہذا بَلَاءٌ کے معنے ہیں مشکلات و مصائب کے وقت انسان کی حقیقی سیرت اور مضمر کیفیتوں کا ظاہر ہو جانا - لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کی اصلی حالت خراب ہی ہو - وہ حالت اچھی بھی ہو سکتی ہے - اسلئے مذکورہ صدر معنی کے برعکس بَلَاءٌ کے معنے ہونگے خوشحالی اور آسائش کے وقت انسان کی حقیقی سیرت کی نمود - انسان کی حقیقی سیرت اور اصلی ذہنیت کی نمود کے یہ دونوں مواقع ہوتے ہیں —— نامساعد حالات اور کامیابیوں اور کامرانیوں کا دور —— ہی مواقع پر اس کی ذات کی نمود ہوتی ہے -

اَلْمُبَالَاۃُ کے معنے سبقت و مفاخرت کے ہیں - یعنے ایک دوسرے کے مقابلہ میں زندگی کے جوہر پر فخر کرنا** - نیز اِبْتِلَاءٌ کے معنے انتخاب کرنا - پسند کرنا بھی ہیں*** -

سورۃ بقرۃ میں بنی اسرائیل سے کہا گیا ہے کہ قوم فرعون تمہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا رکھا کرتی تھی - ہم نے تمہیں انکے پنجۂ استبداد سے نجات دلائی - وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ (۲/۴۹) ان کے مظالم سے نجات نے تمہارے لئے یہ ظاہر کرنے کا موقع بہم پہنچا دیا کہ آزادی ملنے پر تم کیسے کام کرتے ہو - سورۂ انفال میں ہے کہ خدا نے بدر کے میدان میں جماعت مومنین کو کامیابی عطا کی - لِیَبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْہُ بَلَاءً حَسَنًا (۸/۱۷) - تا کہ وہ زندگی کی کامرانیوں سے

---

* تاج و راغب **محیط - ***تاج - ****بعض ارباب لغت نے بلو (ب-ل-و) اور بلی (ب-ل-ی) کو ایک ہی جگہ لکھ دیا ہے - لیکن ہم نے بلی کو الگ بھی لکھا ہے - اگرچہ ان دونوں میں بہت لطیف فرق ہے اور بعض اوقات ان میں تمیز بھی بمشکل ہوتی ہے -

انہیں یہ مواقع بہم پہنچادے کہ وہ دنیا کو بتا دیں کہ حکومت ملنے پر وہ کس قسم کے کام کرتے ہیں ۔ سورۃ دخان میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے کہ ہم نے انہیں اقوام عالم پر برگزیدگی عطا کی اور انہیں وہ کچھ دیا مَافِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ (۴۴/۳۳) جس میں ان کی نمود ذات کے مواقع تھے۔

ظاہر کر دینے کے معنوں میں یہ لفظ سورۃ الطارق میں آیا ہے جہاں کہا ہے يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (۸۶/۹) ''جس دن تمام چھپی ہوئی باتیں ظاہر ہو جائینگی'' ۔ سورۃ آل عمران میں ہے لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ (۳/۱۵۴) ''تا کہ اللہ ان باتوں کو ظاہر کر دے جو تمہارے سینوں میں تھیں'' ۔ سورۃ یونس میں هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ (۱۰/۳۰) ۔ ''وہاں ہر شخص اپنے ان اعمال کو سامنے موجود دیکھیگا جو اسنے اس سے پہلے کئے تھے'' ۔ سورۃ المومنون میں قوم نوح کے احوال و کوائف بیان کرنے کے بعد کہا ہے اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ (۲۳/۳۰) ''ہم (اقوام سابقہ کی ان سر گزشتوں کو اس طرح) ظاہر کرتے رہتے ہیں'' ۔

دنیا میں حق و باطل کی کشمکش جاری ہے ۔ کشمکش میں زندگی کے مختلف پہلو بدل بدل کر سامنے آتے رہتے ہیں۔ کبھی مشقتوں کے ہمت آزما پہلو اور کبھی خوشگواریوں کے سکون افزا پہلو ۔ اس طریق کو بھی قرآن نے اِبْتَلٰى کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ۔ یعنے زندگی کے مختلف پہلوؤں کا سامنے آتے رہنا ۔ سورۃ الفجر میں یہ مفہوم نمایاں طور پر سامنے آجاتا ہے (دیکھئے ۸۹/۱۵،۱۶) ۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان خود دیکھ لے، پرکھ لے کہ اسکی صلاحیتیں کس حد تک نشو و نما پا چکی ہیں ۔ کیونکہ وہ مزاحمتوں کا مقابلہ اسی حد تک کرسکیگا جس حد تک اسکی مضمر قوتیں بیدار ہو چکی ہونگی یہ حوادث جن سے اس کا مقابلہ ہوتا ہے در حقیقت اسکی نمودِ ذات کے مواقع ہوتے ہیں ۔ یہ ہے مفہوم اِبْتِلَآءٌ کا ۔ سورۃ بقرہ میں ہے۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ (۲/۱۲۴) '' جب اسکے نشو نما دینے والے (رب) نے ابراہیمؑ کیلئے مختلف قوانین کے ذریعے اسکی نمودِ ذات کے مواقع بہم پہنچائے'' ۔ جب قوانین خدا وندی کے مطابق زندگی کے مختلف حوادث اسکے سامنے آئے تا کہ وہ دیکھ سکے کہ اس کی صلاحیتیں کس حد تک نشو و نما پاچکی ہیں۔ جسطرح ابراہیمؑ نے ان حوادث کا مقابلہ کیا (اسنے Re-act کیا) اس سے واضح ہو گیا کہ اسکی صلاحیتیں تکمیل تک پہنچ چکی تھیں ۔ انکی پوری پوری نشو و نما ہوچکی تھی ۔ فَاَتَمَّهُنَّ (۲/۱۲۴) ۔

ان مقامات سے واضح ہے کہ جس چیز کو ہم اِبْتِلاء یعنے خدا کیطرف سے آزمائش کہتے ہیں وہ قرآنی تصور نہیں ۔ خدا کسی کو آزماتا نہیں ۔ وہ ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے جس سے انسان خود اپنی صلاحیتوں کو آزمائے اور دیکھے کہ وہ کس حد تک نشو و نما پا چکی ہیں ۔ اور اسطرح اپنے آپ کا اندازہ کرتا ہوا اپنی صلاحیتوں کی مزید نشو ویالیدگی کیلئے کوشش کرتا جائے ۔

سورۃ الدھر میں اِبْتَلٰی کے لفظ کو قرآن نے ایسے موقع پر استعمال کیا ہے جس سے مضمر جوہروں کے محسوس شکل میں سامنے آ جانے کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی پیدائش، مرد اور عورت کے نطفہ کے امتزاج سے ہوتی ہے ۔ نطفہ ایسے باریک جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے جو خوردبین کے بغیر نظر بھی نہیں آ سکتے لیکن انہیں جرثوموں میں پورے کا پورا انسانی بچہ چھپا ہوتا ہے ۔ اس حقیقت کی وضاحت کیلئے قرآن کہتا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (۷۶/۲)۔ ”ہم نے انسان کی پیدائش (کی ابتداء) ایک ملے جلے نطفہ سے کی اور ایسا انتظام کیا کہ رحم مادر میں اس کے مضمر جوہروں کی نمود ہوتی جائے تاآنکہ وہ ایک سنتے اور دیکھنے والا انسانی بچہ بن جائے“ ۔

یہ ہے اِبْتِلاء کا صحیح نقشہ ۔ مضمر جوہروں کا محسوس شکل میں سامنے آ جانا ۔ ان کی نمود ہو جانا ۔

بَلٰی ۔ (حرف)

بَلٰی ۔ سوال نفی میں ہو اور اس سوال کی تردید مقصود ہو تو اسوقت بَلٰی آتا ہے ۔ مثلاً اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۔ ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں“؟ یہ سوال نفی میں ہے ۔ اسکا جواب ہے قَالُوْا بَلٰی (۷/۱۷۲) ۔ ”انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں! تو ہمارا رب ہے“ ۔ یا مثلاً اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ ۔ ”کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور مخفی مشوروں کو سنتے نہیں“ ۔ بَلٰی ۔ کیوں نہیں ۔ ہم ضرور سنتے ہیں (۴۳/۸۰) ۔

(۲) یا سوال نہ بھی ہو، ویسے ہی نفی کی تردید مقصود ہو ۔ جیسے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۔ یہ

اللہ کی قسمیں اور سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اُسے زندہ نہیں کرتا ۔ بَلٰی ۔ یہ بالکل غلط کہتے ہیں ۔ وَعْداً عَلَیْہِ حَقًّا (۱۶/۳۸) ۔ یہ اس کا وعدہ (قانون) ہے (کہ مرنے کے بعد زندگی ہوگی) جسکا پورا ہونا ضروری ہے ۔ یہاں بَلٰی نے پہلے ٹکڑے کی تردید کر دی (نیز ۔ ۱۶/۲۸) ۔ اسی طرح سورۃ بقرۃ میں ہے کہ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص ان کی گروہ بندیوں میں داخل نہ ہو وہ جنت میں نہیں جا سکتا ۔ اس کے بعد ہے ۔ بَلٰی ، مَنْ اَسْلَمَ وَجْہَہٗ لِلّٰہِ ... (۲/۱۱۲) ۔ نہیں ۔ یہ غلط ہے ۔ حقیقت یہ ہے ۔ کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو قانون خداوندی (قرآن) کے سامنے جھکادے ... وہ جنت میں جا سکتا ہے ۔

ب ل ی

بَلِیَ یَبْلٰی بِلًی الثَّوْبُ ۔ کپڑا پرانا اور خستہ ہوگیا ۔ اسطرح پرانا ہوکر کمزور اور جھرّا ہو جانے والے کپڑے کو بالٍ کہا جائیگا* ۔ قرآن کریم میں ہے مُلْکٍ لَّا یَبْلٰی (۲۰/۱۲۱) ۔ ایسی حکومت جس میں زوال و انحطاط رونما نہ ہو ۔ ایسی مملکت جو ہمیشہ تازہ بتازہ رہے اور اس میں کُہنگی اور خستگی کے آثار پیدا نہ ہوں ۔

زندہ رہنے اور حیاتِ دوام حاصل کرنے کی آرزو ہر انسان میں ہے ۔ قرآن نے اپنے مخصوص تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے کہ ابلیس نے انسان کے اس جذبہ کو (Exploit) کیا اور اس سے کہا ھَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَۃِ الْخُلْدِ وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی (۲۰/۱۲۰) ۔ ''کیا میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا اور ایک ایسی حکومت کا جو کبھی پرانی نہ ہو ، پتہ نشان دوں؟'' ۔ اس کے بعد قرآن نے نہایت لطیف اشارے سے بتایا ہے کہ ابلیس نے کہا کہ حیات جاوداں اولاد کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے ۔ اس سے انسان کا نام روشن رہتا ہے ۔ لیکن یہ ابلیسی فریب ہے ۔ حیاتِ جاوید انسانی ذات کی نشوونما سے حاصل ہوتی ہے جس کیلئے قرآن نے خاص پروگرام دیا ہے (اس کو ایمان اور عمل صالح کہتے ہیں) ۔ اولاد سے افزائش نسل ہوتی ہے ۔ فرد کی ذات کی نشوونما نہیں ہوتی ۔ لیکن جو لوگ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں وہ اسی کو بقائے دوام سمجھ لیتے ہیں ۔

* تاج و راغب و اقرب الموارد ۔

ب ن ن

بَنَّ بِالْمَكَانِ - یَبِنُّ - بَنًّا - کسی جگہ اقامت کرنا - ٹھہر جانا - اَبَنَّتِ السَّحَابَةُ - بادل چند دن تک جما رہا - تَبَنَّنَ - وہ جما رہا - اَلْبَنَانُ - انگلیاں یا انگلیوں کے اطراف* (پوریں اور بالائی سرے) اسلئے کہ انگلیوں ہی سے انسان کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑتا ہے - (حقیقت یہ ہے کہ انگلیاں، بالخصوص انگوٹھا پختہ گرفت کرنے کے لئے ایک اہم اور قوی عضو ہے جو انسان کو دیا گیا ہے) - لہذا انسانی قوت، قبضہ کرنے کی طاقت اور محکم گرفت کیلئے اس لفظ کو بولا جاتا ہے - چنانچہ سورۃ انفال میں ہے وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (۸/۱۲) - ''ان کے ہر بنان پر مارو'' - اسمیں اگرچہ بَنَانٌ کے معنے انگلیاں ہیں لیکن مراد اس سے ہر وہ شے ہے جس سے دشمنوں کی طاقت اور گرفت کی قدرت وابستہ ہو - سورۃ قیامۃ میں ہے بَلٰى قَادِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ (۷۵/۴) - ''ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ انسان کے تمام اعضاء یا قوتوں کو مکمل کردیں - ہر اس چیز کو مکمل کردیں جس سے وہ دوسری چیزوں کی گرفت کرتا ہے - یعنے وہ تمام قوتیں جن سے انسانی اعمال سرزد ہوتے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ بَنَانٌ کے معنی ہاتھ پیر کے ہیں -

ب ن ی (ب - ن - و)

بِنَاءٌ کے معنی ہیں عمارت - جو چیز بھی تعمیر کی جائے - حتّٰی کہ ان خیموں کو بھی کہتے ہیں جن میں بدّو صحراؤں میں رہتے ہیں - نیز اسکے معنے چھت کے بھی ہوتے ہیں - ابو حنیفہ کا قول ہے کہ بِنَاءٌ در حقیقت اُن چیزوں کو کہتے ہیں جن میں قوتِ نمو نہ ہو - یعنے (Inorganic) مثلاً پتھر مٹی وغیرہ - بَنَّاءٌ معمار کو کہتے ہیں - نیز (Architect) کو بھی - بَانٍ بھی عمارت بنانے والے کو کہتے ہیں جسکی جمع بُنَاةٌ ہے - بَانِيَةٌ پسلی کی خمیدہ ہڈی کو بھی کہتے ہیں - بُنْيَانٌ دیوار کو کہتے ہیں (بعض کا خیال ہے کہ یہ جمع ہے) - اور بِنْيَةٌ طرز تعمیر کو - اَرْضٌ مَبْنِيَّةٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر عمارت بنائی جائے** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کے کچھ حصے کو دوسرے حصہ کے ساتھ ملا کر بنانا -

* تاج - ** تاج و لین -

اِبْنٌ* - بیٹے کو کہتے ہیں - کیونکہ وہ بھی اپنے باپ کی عمارت ہوتا ہے* - یا اس لئے کہ اس میں کچھ حصہ باپ کا بھی شامل ہوتا ہے - اسکی جمع اَبْنَاءٌ وَ بَنُوْنَ ، بَنِیْنَ ہے - بِنْتٌ بیٹی - (جمع بَنَاتٌ) - تَبَنَّاہُ کے معنے ہیں کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالینا - نیز کسی چیز سے زیادہ ربط ضبط اور لگاؤ رکھنے والے، اور اس میں دلچسپی لینے والے کو بھی اِبْنٌ کہتے ہیں - مثلاً اِبْنُ حَرْبٍ (جنگجو) - یا اِبْنُ السَّبِیْلِ (مسافر)* -

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً (۲/۲۲) "جس نے تمہارے لئے زمین کو نیچے بچھی ہوئی بنایا اور سماء کو اوپر چھایا ہوا" - یہاں بِنَآءً بمقابلہ فِراش آیا ہے - فراش نیچے بچھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اسلئے بِنَآءً کے معنے اوپر چھائی ہوئی چیز کے ہونگے - جیسے خیمہ - سورۃ نحل میں ہے فَاَتَی اللّٰہُ بُنْیَانَھُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْھِمُ السَّقْفُ (۱۶/۲۶) "اللہ نے ان کی عمارتوں کو بنیادوں سے گرا دیا سو ان کی چھتیں انکے اوپر آگریں" - یہاں بُنْیَانٌ کے معنے عمارت ہیں جن کے نیچے بنیادیں ہوں اور اوپر چھتیں -

قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے قصہ میں اَبْنَاء بمقابلہ نِسَاء آیا ہے - مثلاً (۱۴/۶) میں ہے وَ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ "وہ تمہارے ابناء کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری نساء کو زندہ رکھتے تھے" یہاں یا تو نِسَاءٌ کے معنے بیٹیاں ہونگے - لہذا اَبْنَاءٌ کے معنی بیٹے - اور اگر نِسَاءٌ کے معنے عورتیں لئے جائیں تو اَبْنَاءٌ کے معنے مرد ہونگے - ان معانی کی تائید (۱۶/۵۷) سے بھی ہوتی ہے جہاں بَنِیْنَ (Males) کے مقابلہ میں اناث (Females) آیا ہے - مجازی معنوں کے اعتبار سے اَبْنَاءٌ کے معنی قوم کے معزز افراد ہونگے (ابنائے قوم) -

(نیز دیکھئے عنوان ن - س - و)

سورۃ لقمان میں یٰبُنَیَّ آیا ہے (۳۱/۱۶) جس کے معنی ہیں "اے میرے ننھے بیٹے" - یہاں بُنَیٌّ - اِبْنٌ کی تصغیر ہے -

بنی اسرائیل

حضرت یعقوبؑ (حضرت ابراہیمؑ کے پوتے) کا لقب اسرائیل (یعنی مردِ خدا) تھا - آپ کی اولاد سے جو نسل آگے بڑھی اسے بنی اسرائیل کہتے

* راغب -

ہیں۔آپ کے چوتھے بیٹے کا نام یہودہ (Juda)تھا۔یہودہ اور بن یامین کی نسل کا قبیلہ، فلسطین کے علاقہ (Juda) میں حکمران تھا ۔ اس قبیلہ کو اسی نسبت سے یہودی کہتے تھے اور باقی قبائل کو بنی اسرائیل ۔لیکن بعد میں عام طور پر یہ تفریق باقی نہ رہی اور بنی اسرائیل اور یہودی سے ایک ہی مفہوم لیا جانے لگا۔

حضرت یعقوب؈ کا وطن کنعان (فلسطین) تھا لیکن جب حضرت یوسف؈ مصر میں صاحب اقتدار ہو گئے تو انہوں نے اپنے والد اور تمام خاندان کو مصر بلا لیا۔حضرت یوسف؈ کی وجہ سے مصر میں اس قبیلہ کی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی۔ چار سو برس تک یہ مصر میں رہے اور جو قبیلہ چند نفوس پر مشتمل تھا اس عرصہ میں ایک کثیرالتعداد قوم بن گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ انقلاب بھی آیا کہ فراعنۂ مصر نے انہیں اپنا محکوم بنا لیا اور جو برتاؤ محکوموں کے ساتھ ہوتا ہے وہی ان کے ساتھ ہونے لگا۔ جب ان کی ذلت و پستی انتہا تک پہنچ گئی تو ان کی طرف حضرت موسےٰ؈ مبعوث ہوئے جو انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر پھر فلسطین کے میدانوں کی طرف لے گئے۔یہ واقعہ قریب ۱۶۰۰ ق۔م کا ہے۔ یہاں انہوں نے بڑا عروج حاصل کیا۔ان میں حضرت داؤد؈ اور حضرت سلیمان؈ جیسے صاحب سطوت وشوکت نبی پیدا ہوئے۔ لیکن اس کے بعد اس قوم نے قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کرلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تشتت وانتشار کے عذاب میں مبتلا ہو کر دن بدن کمزور ہوتی چلی گئی۔ ۹۹۰ ق۔م میں بابل کے شاہنشاہ بنوکد نصر (بخت نصر) نے بروشلم (بیت المقدس) پر حملہ کیا اور یہودیوں کے اس ملی مرکز کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ انہیں قید کرکے بابل لے گیا اور وہاں ذلیل ترین زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔ (قرآن کریم نے یہودیوں کی اس پہلی تباہی کی طرف (۱۷/۵) میں اشارہ کیا ہے)۔قریب اسّی سال تک یہ اس عذاب میں مبتلا رہے تاآنکہ فارس کے تین بڑے بڑے شاہنشاہ خورس (ذوالقرنین) دارا اور ارتخششتا یکے بعد دیگرے ان کی امداد کے لئے آمادہ ہو گئے۔انہوں نے انہیں بابل کی قید سے رہائی دلا کر یوروشلم کی دوبارہ آبادی اور ہیکل کی تعمیر کی اجازت دے دی۔چنانچہ ۵۱۵ ق۔م میں ہیکل دوبارہ تعمیر ہو گیا اور آوارۂ وطن یہودی پھر اپنے ملی مرکز میں آباد ہو گئے۔ [قرآن نے اسکی طرف (۱۷/۷) میں اشارہ کیا ہے اور (۲/۲۵۹) میں اس سو سال کی ''مدت'' کو تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے ۔

کچھ عرصہ کے بعد یہودیوں کی پھر وہی حالت ہو گئی۔چنانچہ ۳۳۲ ق۔م میں پہلے اسکندر نے ان پر حملہ کرکے ان کا شیرازہ بکھیر دیا اور پھر ۳۲۰ ق۔م

میں بطلیموس (Ptolemy) نے یروشلم پر قبضہ کرکے ان کی رہی سہی قوت کو بھی ختم کردیا۔ انٹی گونس کے عہد میں یہ تمام علاقہ یونانیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اسکے بعد ۶۶ ق۔م میں پاپٹی (رومی) نے یروشلم کو تباہ کیا۔ ۵۰ ق۔م میں ایک اور یورش نے ان کے وقار کو یکسر ختم کردیا [قرآن کریم نے (۱۷/۷) میں اس دوسری تباہی کیطرف اشارہ کیا ہے]۔

اس مقام پر فطرت نے انہیں باز آفرینی کا ایک اور موقعہ دیا اور ان میں حضرت عیسٰے مبعوث ہوئے۔ لیکن ہیکل کے مشائخ وعلماء نے حکومت کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف سازش کی اور اسطرح اپنی تباہی پر خود اپنے ہاتھوں مہر ثبت کر دی۔ ۷۰ ء میں رومیوں کے گورنر ٹائٹس نے ان پر آخری وار کیا جس سے (مرکزی حیثیت سے) ان کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں۔

> ۷۰ ء مہینے کی دسویں تاریخ کو ایسے خوف و ہراس کے عالم میں جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی، سقوط یروشلم عمل میں آیا۔ ہیکل کو جلادیا گیا اور اسطرح یہودی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

یہودیوں کے علماء و مشائخ نے حضرت عیسٰے کی مخالفت کیوں کی تھی اس کے متعلق انجیل برنباس کا یہ بیان قابل غور ہے۔ اس کتاب کی فصل ۱۴۲ میں لکھا ہے کہ

''تب ان لوگوں نے کاہنوں کے سردار کے ساتھ مشورہ کیا اور کہا، اگر یہ آدمی بادشاہ ہوگیا تو ہم کیا کریں گے۔ ہم پر یہ بڑی مصیبت ہوگی۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی عبادت میں قدیم طریقہ کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ اسوقت تو یہ ہماری تقالید (رسومات) کو باطل کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ لیکن (اگر اسے حکومت حاصل ہوگئی تو) اس کی حکومت کے ماتحت ہمارا کیا انجام ہوگا۔ یقیناً ہم اور ہماری اولاد سب تباہ ہو جائینگے۔ اس لئے کہ ہم اپنی خدمت سے نکال دئے جائینگے تو ہم مجبور ہونگے کہ اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگیں۔ حالانکہ اسوقت خدا کا شکر ہے کہ ہمارا بادشاہ اور ہمارا حاکم دونوں ہماری شریعت سے اجنبی ہیں اور ہماری شریعت کی کوئی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں جیسا کہ ہم ان کی شریعت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اسی سبب سے ہم اسکی قدرت رکھتے ہیں کہ جو چاہے وہ کرلینگے۔ (اسوقت) اگر ہم غلطی کرتے ہیں تو ہمارا خدا رحیم ہے۔ قربانی اور روزہ

کے ساتھ اسے راضی کر لینا ممکن ہے۔ مگر جبکہ یہ آدمی ہمارا بادشاہ ہو گیا تو ہر گز راضی نہ کیا جاسکیگا مگر جب کہ اللہ کی عبادت ویسے ہی ہوتے نہ دیکھے جیسے موسٰے ؑ نے لکھی ہے''۔

جس قوم کی یہ حالت ہو چکی ہو وہ اگر تباہی اور بربادی کے رسواکن عذاب میں مبتلا نہ ہو تو اور کیا ہو؟ نبی اکرم ؐ کے دور رحمت مآب میں ان کے لئے پھر ایک موقعہ آیا تھا کہ نظام خداوندی کے اتباع سے شرف انسانیت کی سعادت حاصل کر لیں لیکن انھوں نے اپنی ضد اور قساوت قلبی کی بناء پر اس دعوت کی بھی انتہائی مخالفت کی اور بالآخر جزیرۃالعرب سے نکال دئے گئے (قرآن کریم نے اس کا ذکر (۵۹/۲) میں کیا ہے) اس کے بعد یہ قوم ''آوارہ گرد یہودی'' (Wandering Jews) کے نام سے دنیا میں مشہور ہوئی تاآنکہ اب بعض طاقتور سلطنتوں کے سیاسی مصالح نے ان کے لئے فلسطین میں ''گھر'' بنا دیا ہے۔(چونکہ یہ حصہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ہم اس مقام پر اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے)۔

اس مقام پر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ یہودیوں کے ہاں مذہب نسلی (قومی) تھا۔ یعنی یہودی وہی ہو سکتا تھا جو یہودیوں کے گھر پیدا ہو۔ کوئی غیر بنی اسرائیلی یہودی مذہب اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ صرف یہ ایک بات ہی اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ مذہب قطعاً وہ نہیں تھا جو ان کے انبیائے کرام کو خدا کیطرف سے ملا تھا۔ خدا کا دیا ہوا دین تمام نوع انسانی کے لئے ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ساحرین دربار فرعون حضرت موسٰے ؑ پر ایمان لائے ہیں تو آپ نے انہیں یہ کہکر رد نہیں کر دیا کہ خدا پر ایمان صرف بنی اسرائیل کے لئے ہے۔ تم اس دین میں داخل نہیں ہو سکتے۔ لیکن بعد میں یہودیوں نے اسے قومی دین بنا لیا۔

(بنی اسرائیل کے متعلق مزید تفصیل میری کتاب ''برق طور'' میں ملیگی)

ب ھ ت

بَھِیت ۔ حیرت زدہ ہو جانا۔ متحیر ہو کر خاموش ہو جانا۔ اَلْبَھْتُ۔ کسی کو اچانک پکڑ لینا*۔ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ (۲/۲۵۸)۔ جس نے خدا کا انکار کیا تھا وہ اس دلیل قاطع کی گرفت میں اسطرح آ گیا کہ ششدر و حیران ہو کر خاموش رہ گیا۔ فَتَبْھَتُھُمْ (۲۱/۴۰) وہ انقلاب اسطرح اچانک آئیگا کہ

*تاج۔

انہیں مبہوت کر دیگا۔ بُھْتَانٌ کسی پر ایسا الزام لگا دینا جسے سنکر وہ ششدر و حیران رہ جائے۔ (۲۴/۱۶)۔ یعنی اِفْکٌ مُّبِیْنٌ۔ جھوٹی بات (۲۴/۱۲)۔

سورۃ ممتحنہ میں یہ لفظ (بُھْتَانٌ) ہر عمل شنیع اور ناروا حرکت کے لئے آیا ہے جہاں کہا ہے وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ (۶۰/۱۲) ''اور نہ کوئی بہتان باندھ لائینگی،،۔ یعنی کسی عمل شنیع کی مرتکب نہیں ہونگی۔

ب ھ ج

اَلْبَهْجَةُ۔ حسن و جمال۔ نباتات میں تر و تازگی اور انسانوں میں خندہ روئی اور بشاشت کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اَلْاِبْتِهَاجُ۔ خوشی اور سرور۔ تَبَاهَجَ الرَّوْضُ۔ باغ میں پھول بہت کھل گئے۔ سورۃ حج میں ہے۔ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ (۲۲/۵) ''اور زمین ہر قسم کے ترو تازہ اور حسین و خوشنما پودے اگاتی ہے،،۔ سورۃ نمل میں ہے۔ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ (۲۷/۶۰)۔ ''حسین و خوشنما باغات،،۔

ب ھ ل

اَبْهَلَهٗ۔ اسے اسکی رائے اور ارادہ میں آزاد چھوڑ دیا۔ اَبْهَلَ النَّاقَةَ۔ اونٹنی کو تھن باندھے بغیر چھوڑ دیا کہ جسکے جی میں آئے اسکا دودھ دوہ کرے جائے۔ یا بغیر مہار کے چھوڑ دیا کہ وہ جہاں سے چاہے چرتی رہے۔ اِسْتَبْهَلَ الْوَالِیْ الرَّعِیَّةَ۔ حاکم نے رعایا کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ جو جی میں آئے کرے*۔ چنانچہ راغب نے کہا ہے کہ بَهْلٌ کے اصلی معنے کسی چیز کا اس حال میں ہونا ہے کہ اسکی دیکھ بھال نہ کی جائے۔ اسے اسکے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ راغب نے اَلْاِبْتِهَالُ فِی الدُّعَاءِ کے معنے کھل کر عاجزی سے دعا کرتے رہنا بھی لکھے ہیں**۔ اَلْبَهْلُ مِنَ الْمَالِ۔ کے معنے تھوڑا سا مال ہیں۔ اَلْبَهْلُ تھوڑی سی حقیر چیز*۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں پانی کی کمی کو بھی شامل کیا ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ (۳/۶۰) میں آیا ہے جہاں رسول اللہ ؐ سے کہا گیا ہے کہ اگر یہ اہل کتاب ان دلائل و براہین کے بعد بھی نہ مانیں تو ان سے کہو کہ ہم اور ہمارے اہل وعیال ایک طرف ہو جاتے ہیں اور تم اور

*تاج۔ ** راغب

تمہارے اہل و عیال ایک طرف ہو جائیں ۔ (ثُمَّ نَبْتَهِلْ) ۔ اور اسطرح فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (۳/۶۱) ۔ اسکے معنے یہ ہو سکتے ہیں کہ اس کے بعد تمہارے اور ہمارے درمیان یہ معاملہ ہونا چاہئے کہ تم ہمارے معاشرہ میں دخیل نہ ہو اور ہم تم لوگوں سے کچھ واسطہ نہ رکھیں (یعنی ایک دوسرے کو اس کی فکر ورائے میں آزاد چھوڑ دیا جائے) اور طرفین اپنی اپنی جگہ اپنا پروگرام مکمل کرتے جائیں ۔ اس کے بعد یہ پتہ چل جائیگا کہ کونسی جماعت خدا کی نوازشوں سے محروم (یعنی ملعون) ہو جاتی ہے، (لعنت کے یہی معنی ہیں) بس وہی اپنے دعویٰ میں جھوٹی ہوگی۔ یہ وہی بات ہے جسے دوسرے مقامات پر ان الفاظ میں کہا گیا ہے کہ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (۷۳/۱۰) ۔ (نیز فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ (۱۵/۸۵) ، ''نہایت عمدگی سے ان سے کنارہ کش ہوتے ہوئے انہیں چھوڑ دے،،۔ اور اسکے بعد ان سے کہدے کہ اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۶/۱۳۵) ۔''تم اپنی جگہ کام کرتے جاؤ اور میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں ۔ نتائج خود بتا دینگے کہ آخرالامر کامرانی کس کے حصہ میں آتی ہے۔ اس سے خدا کے اس قانون کی صداقت واضح ہو جائیگی کہ ظالمین کی کھیتیاں کبھی ثمر بار نہیں ہوا کرتیں،،۔ یہی لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے ۔

رسول کے انقلاب آفرینی کے پروگرام میں پہلا مرحلہ تبلیغ کا ہوتا ہے۔ دوسرا مرحلہ ان لوگوں سے حسن کارانہ انداز سے کنارہ کشی کا ہوتا ہے جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اس پیغام کی مخالفت کرتے ہیں ۔ اس مرحلہ میں ان سے صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ تم میرے پروگرام میں دخل نہ دو ، میں تمہارے معاملات میں دخل نہیں دیتا ۔ اسی کو سورۃ آل عمران میں نَبْتَهِلْ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اور تیسرا مرحلہ تصادم (ٹکراؤ) کا ہوتا ہے جب نتائج نکل کر سامنے آ جاتے ہیں ۔ یعنی فلاح اور لعنت کے بیّن طور پر سامنے آ جانے کا مرحلہ ۔

ب ھ م

اَلْبُهْمَةُ ۔ ٹھوس چٹان ۔ اس سے اَلْاَبْهَمُ ٹھوس اور بند چیز ۔ گونگا ۔ نیز غیر واضح ۔ غیر فصیح کو کہتے ہیں ۔ اور بُهْمَةٌ مشکل معاملہ کو جو سمجھ میں نہ آ سکے ۔ اَبْهَمَ الْاَمْرُ اِبْهَاماً ۔ معاملہ غیر واضح ہو

*تاج ۔ **راغب ۔

گیا اور سمجھ میں نہ آ سکا کہ اسے کسطرح حل کیا جائے ۔ حَائِطٌ مُبْهَمٌ ۔ اس دیوار کو کہتے ہیں جسمیں کوئی دروازہ نہ ہو*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اسطرح ہو جانا کہ اسکی طرف جانے کا راستہ نہ ملے ۔ یعنی غیر واضح اور مبہم ہو جانا۔

گونگے ہونے اور وضاحت سے کلام نہ کرسکنے کے اعتبار سے بَهَائِمُ (واحد اَلْبَهِيْمَةُ) تمام بے عقل اور بے زبان جانوروں کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بول نہیں سکتے یا انکی آواز میں ابہام ہوتا ہے اور اس سے بات سمجھ میں نہیں آسکتی ۔ اس میں تمام جانور شامل ہوتے ہیں خواہ وہ دریا ہی میں کیوں نہ ہوں ۔ لیکن صاحب محیط اور راغب دونوں نے لکھا ہے کہ درندے اور پرندے اسمیں شامل نہیں ہوتے* ۔ قرآن کریم نے کہا ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (۵/۱) ۔ تمہارے لئے بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال قرار دیئے گئے ہیں ، بجز ان کے جنہیں خود وحی (قرآن) کی رو سے حرام قرار دیا گیا ہے ۔ (۵/۳) ۔ اسکے مفہوم کیلئے (ن ۔ ع ۔ م کے عنوان میں اَنْعَامٌ دیکھئے)

ب و أ

بَاءَ ۔ يَبُوْءُ ۔ بَوْأً ۔ کے بنیادی معنے ہیں کسی کی طرف لوٹنا ۔ رجوع کرنا ۔ موافق و مطابق ہو جانا ۔ اقرار و اعتراف کرنا ۔ بوجھ اٹھانا ۔ برابر سرابر ہو جانا** ۔ قرآن کریم میں ہے وَ بَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (۲/۹۰) ''وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوگئے اور اسے لادے ہوئے پائے ،، وہ اپنے اعمال کی وجہ سے سزا کے مستوجب ہوگئے ۔ انکے اعمال ، اور ذلت و رسوائی کی عقوبت، ایک دوسرے کے ساتھ بالکل فِٹ (موافق) ہو گئے ۔

سورۃ المائدہ میں فرزندانِ آدم کے قصے میں کہا گیا ہے کہ مظلوم نے ظالم سے کہا اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْءَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ (۵/۲۹) ۔ ''میں چاہتا ہوں کہ تو میرے قتل کے جرم اور اپنے دیگر جرائم کا بوجھ اٹھا لے ،، ۔ انکی سزا کا مستحق بن جائے ۔

اَلْمَبَاءَةُ ۔ چھتہ کو کہتے ہیں۔ نیز اس کے معنے ہیں مکان ۔ قیام گہ** ۔ بَوَّاَ الْمَكَانَ : وہ کسی جگہ ٹھہرا ، اترا۔ بَوَّاَهُ الْمَنْزِلَ اسے کسی جگہ اتارا، ٹھہرایا ۔ (لازم و متعدی) ۔ نیز بَوَّاَهُ مَنْزِلًا کے معنی ہیں اس کے لئے کسی

* تاج ۔ راغب ۔ محیط ۔ ** تاج

جگہ کو موافق و سازگار بنایا ، ہموار اور درست کیا ***۔ راغب نے بھی اس مادہ کے معنوں میں کسی جگہ کے اجزاء کا ہموار ہونا،سازگار و مناسب ہونا بتایا ہے ۔ بَوَّأْتُ لَهٗ مَكَانًا ۔ میں نے اسکے لئے کسی جگہ کو ہموار و درست کیا** ۔سورۃ حج میں ہے ۔وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ (۲۲/۲۶) ۔ اسکے معنے یہ بھی ہیں کہ ابراہیمؑ کیلئے خانہ کعبہ کی جگہ کو متعین کیا،اسے ان کے لئے سازگار و ہموار کیا۔اور یہ بھی کہ اس مقام کو انکے لئے مرجع بنا دیا ۔ تَبَوَّأَ الْمَكَانَ : کسی جگہ اترا اور وہاں اقامت کی***۔ سورۃ حشر میں ہے وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۵۹/۹) ۔ ''جن لوگوں نے ان سے پہلے مدینہ کو قیام گاہ بنا لیا اور ایمان کو اپنے دل میں محکم جگہ دے لی،، ۔

ب و ب

بَابٌ ۔ داخل ہونے کی جگہ* دروازہ، اسکی جمع اَبْوَابٌ ہے۔ مزارعت (کھیتی باڑی) میں ان جگہوں کو بھی اَبْوَابٌ کہتے ہیں جہاں سے پانی کھولا جائے** ۔

هٰذَا بَابَتُهٗ ۔ یہ اسکے مناسب ہے ۔ اس کے لائق ہے ۔ یا اسکی شرط ہے* ۔

اَبْوَابُ السَّمَآءِ (۷/۴۰) ۔ خیر و برکت کی راہیں ۔

اَبْوَابُ جَهَنَّمَ (۱۵/۴۴) ۔ جہنم کے طبقات۔ درجات (نیز ۳۹/۷۱) ۔ اَبْوَابٌ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲/۶۷) ۔ ہر طرح کی راحت کے اسباب و سامان۔

سورۃ بقرہ میں مکان کے دروازوں (اَبْوَابٌ) کے مقابلہ میں ظُهُوْرِهَا (۲/۱۸۹) ''پچھواڑے،، آیا ہے ۔

ب و ر

اَلْبَوْرُ ۔ غیر آباد زمین جس میں کھیتی نہ کی گئی ہو۔ ناقابل کاشت زمین ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی ہلاکت اور تعطل لکھے ہیں ۔

بَارَ عَمَلُهٗ ۔ اسکا عمل بیکار گیا*** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ (۳۵/۱۰) ۔ ''انکی تدبیر بیکار جائیگی،، ۔ بے نتیجہ رہ جائیگی۔ بَارَتِ السُّوْقُ بازار سنسان پڑ گیا*** ۔ قرآن میں ہے تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ (۳۵/۲۹) ۔ ''ایسی تجارت جو مندی نہ پڑے،، ۔ جس میں خسارہ نہو ۔ اَلْبُوْرُ

*تاج ۔ **محیط ۔ *** تاج ۔ محیط ۔ راغب

نکمے، بے فیض، نقصان اٹھانے والے، تباہ و برباد ہو جانے والے* - وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا (۲۵/۱۸) - ''وہ ہلاک ہونے والی قوم تھی،، - اَلْبَوَارُ - تباہی، بربادی، منداپن - بَوَارٌ اَلْاَیِّمِ - کنواری یا بیوہ لڑکی کا اس لئے گھر میں بیٹھا رہنا کہ اس کے لئے کوئی پیغام نہ آئے - قرآن کریم میں ہے- وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (۱۴/۲۸) - وہ اپنی قوم کو ایسی جگہ لے آئے جہاں اس جنس کاسد کا کوئی گاہک نہو- جہاں کوئی اس کی بات تک نہ پوچھے- جہاں اسے کوئی ''پیغام،، نہ دے- جہاں یہ سخت خسارہ میں ہو- جہاں اسکے لئے تباہی اور ہلاکت سامانی ہو- راہنماؤں کی غلط اندیشیوں اور مفاد پرستیوں سے قومیں ایسے ہی مقام میں پہنچ جاتی ہیں - اسے قرآن نے جَهَنَّمُ کہکر پکارا ہے (۱۴/۲۹) - پوری آیات کا ترجمہ یہ ہے- ''کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر بھی غور کیا جنہوں نے نعمت خداوندی کی جگہ کفر اختیار کر لیا اور اپنے کاروانِ ملت کو اس منڈی میں جا اتارا جہاں اس جنس کا کوئی خریدار نہ ہو- یعنی جہنم میں- اور اس میں وہ داخل ہو گئے - اور وہ بہت بری جگہ ٹھہرنے کی ہے،، - جو لیڈر، نمائے خداوندی کی قدر نہیں کرتے وہ اپنی قوم کو تباہی اور بربادی کے جہنم میں لے آتے ہیں جہاں لیڈر اور ان کے متبعین، سب تباہ و برباد ہو جاتے ہیں - قرآن کریم نے ''جہنم،، میں لیڈروں اور ان کے متبعین کے باہمی مکالمات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں - یہ مقامات بڑے عبرت انگیز ہیں- (دیکھئے (۱۴/۲۱ و ۴۰/۴۷ و ۳۳/۶۷ و ۳۳/۳۲ و ۳۷/۲۹ و ۴۰/۴۷ و ۳۸/۶۰) -

ب و ل

اَلْبَالُ - وہ حالت جسکے متعلق کچھ فکر یا پرواہ کی جائے- گرانقدر اور مہتم بالشان معاملہ جس میں جی اٹکا رہے - انسان کا دل - دل میں گزرنے والا خیال - نیز آرزو اور تمنا * - سورۃ یوسف میں ہے مَا بَالُ النِّسْوَةِ (۱۲/۵۰) - ''ان عورتوں کی حالت کیا ہے،، - ان کا معاملہ کیا ہے - بَالٌ کہنے سے مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ کو خاص اہمیت حاصل تھی - حضرت یوسفؑ کو اسکی فکر تھی - سورۃ محمد میں ہے وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (۴۷/۲) - ''خدا ان کے حالات اور معاملات کو سنوار دیگا،، -

ب ی ت

بَيْتٌ - راغب نے کہا ہے کہ بَيْتٌ اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں انسان رات میں پناہ لے- لیکن اسکے بعد یہ لفظ گھر اور مکان کے معنوں میں استعمال ہونے لگا** -

*تاج - محیط - راغب - **راغب -

بَیْتُ الرَّجُلِ آدمی کی بیوی نیز اس کے بال بچوں کو کہتے ہیں۔ اور اَلْبَیْتُ شرف کو* ۔ اَلْبَیْتُ کے معنے شادی کرنا بھی ہیں* ۔

بَاتَ ۔ یَبِیْتُ ۔ رات بھر کوئی کام کرنا ۔ اسکے معنے سونا اور آرام کرنا نہیں ہیں ۔ لیکن زجاج نے کہا ہے کہ ہر وہ شخص جو کہیں رات گزارے اسکے لئے بَاتَ کہنا صحیح ہے خواہ وہ رات کو سوئے یا کام کرے۔ بَیَّتَ اَلْاَمْرَ کے معنے ہیں کام کی تدبیر رات کے وقت کرنا ۔ یا کام کو رات کے وقت کرنا ۔ بَیَّتَ الْقَوْمَ ۔ قوم پر رات کے وقت حملہ کرنا* ۔ اَلْبَیِّتُ غذا ۔ اَلْبَائِتُ ۔ باسی (جو تازہ نہ ہو)** ۔

سورۃ بقرہ میں اَلْبَیْتُ خانۂ کعبہ کیلئے آیا ہے (۲/۱۲۵) ۔ سورۃ الفرقان میں یُبَیِّتُوْنَ (۲۵/۶۴) راتوں کو مشورہ کرنے کے معنوں میں آیا ہے یا رات گزارنے کے معنوں میں ۔ اور (۲۷/۴۹) میں یہ لفظ رات کے وقت حملہ کرنے کے معنوں میں آیا ہے ۔

بَیَاتًا (۷/۴) راتوں رات ۔

ب ی د

بَادَ ۔ یَبِیْدُ ۔ کسی چیز کا جاتے رہنا ۔ ختم ہو جانا ۔ ہلاک ہو جانا ۔ بَادَتِ الشَّمْسُ بُیُوْدًا ۔ آفتاب غروب ہو گیا۔ اصل میں اَلْبَیْدَاءُ لق و دق جنگل یا صحرا کو کہتے ہیں جس میں سفر کرنا موجب ہلاکت ہو۔ بَادَ الشَّیْءُ کے معنے ہیں وہ چیز متفرق اور منتشر ہو گئی ۔ اسی سے اسکے معنے جاتے رہنے اور برباد ہو جانے کے آتے ہیں ۔ اَبَادَهُ اللّٰهُ ۔ خدا نے اسے ہلاک کر دیا*** ۔ سورۃ کہف میں ہے مَا اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ هٰذِهٖ اَبَدًا (۱۸/۳۵) ۔ ''میں گمان تک نہیں کرتا تھا کہ یہ کبھی برباد ہوگا'' ۔ اَلْبَائِدُ ہلاک ہونے والا** ۔

ب ی ض

اَلْاَبْیَضُ ۔ سفید ۔ (جمع بِیْضٌ اور مؤنث بَیْضَاءُ) ۔ اَلْبَیَاضُ ۔ سفیدی ۔ یہ اَلسَّوَادُ اور سَوَادٌ کی ضد ہے* ۔ چونکہ عربوں کے ہاں بَیَاضٌ افضل ترین رنگ تھا اسلئے وہ فضل و کرم اور عمدہ خصائل کو بیاض سے تعبیر کرتے تھے ۔ چنانچہ جو شخص کسی عیب کے ساتھ آلودہ نہو وہ اَبْیَضُ الْوَجْهِ

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و راغب ۔

کہلاتا تھا** ۔ نیز اس سے مراد زندگی کی بشاشت اور شگفتگی ہوتی ہے ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ (۳/۱۰۵) ''جس دن کچھ چہرے سفید ہونگے اور کچھ چہرے سیاہ،، ۔ اس میں تَبْیَضُّ سے مراد زندگی کی مسرتیں حاصل ہونا ہیں ، جسطرح تَسْوَدُّ سے مراد حزن و غم ہے** ۔ اَلْبَیْضَۃُ ۔ انڈا ۔ نیز ہر چیز کی اصل اور مقام اجتماع ۔ اجتماعی قوت ۔ بنیاد ۔ مقام حکومت و تسلط ۔ جماعت ۔ قبیلہ* ۔ اَلْیَدُ الْبَیْضَاءُ ۔ وہ حجت جس پر دلیل و برہان قائم ہو ۔ یعنے روشن اور واضح دلیل ۔ نیز وہ ہاتھ جو کسی کو کچھ دیکر احسان نہ جتائے ۔ جو بلا سوال دے* ۔ صاحب محیط نے اسکے معنے لکھے ہیں نعمت ۔ قدرت ۔ فخر ۔ جودت ۔ شہرت** ۔ قرآن کریم میں ، حضرت موسےٰ ؑ کے قصے میں ''ید بیضاء،، کا ذکر متعدد مقامات میں آیا ہے (مثلاً ۷/۱۰۸ و ۲۰/۲۲ و ۲۶/۳۳ و ۲۸/۳۲) اس کے مجازی معنی روشن اور واضح دلائل کے ہیں ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے ۔

قرآن کریم نے جنتی عورتوں کے متعلق کہا ہے کَاَنَّھُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ (۳۷/۴۹) یوں سمجھو جیسے وہ محفوظ رکھے ہوئے ''انڈے،، ہیں ۔ سفید ۔ شفاف ۔ بے داغ ۔ گوہر آبدار ۔ کَاَنَّھُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (۵۵/۵۸) ۔ ''گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں،، ۔ وہ عفت مآب جنہیں (شادی سے قبل) کسی نے چھوا تک نہ ہو (۵۵/۵۶) ۔ عفت و عصمت اور شرف و مجد کی مالک خواتین ۔

اِبْیَضَّتْ یا بَیَّضَتْ کے معنے ہیں بھر جانا ۔ آنکھوں میں آنسو بھر جانا ۔ اِبْیَضَّتْ عَیْنٰہُ ۔ اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں*** ۔ سورۃ یوسف میں حضرت یعقوب ؑ کے متعلق ہے وَابْیَضَّتْ عَیْنٰہُ مِنَ الْحُزْنِ (۱۲/۸۴) ۔ اسکے یہی معنے ہیں ۔ یعنی غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری رہتی تھیں ۔

ب ی ع

بَاعَ ۔ یَبِیْعُ ۔ بَیْعاً ۔ کسی چیز کو فروخت کردینا یا خرید لینا ۔ دونوں معنوں میں آتا ہے ۔

---

*تاج ۔ **محیط ۔ ***رازی ۔

سورۃ بقرۃ میں ہے یَوْمٌ لَا بَیْعٌ فِیْہِ (۲/۲۵۴) ''جس دن خرید و فروخت نہیں ہوگی'' اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے۔ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا (۲/۲۷۵) ''خدا نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربوٰ کو حرام ٹھہرایا ہے''۔ آگے چل کر (جہاں لین دین کے معاملات کے متعلق احکام دئیے گئے ہیں) کہا گیا ہے کہ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً (۲/۲۸۲) ''نقد تجارت کی صورت میں لکھنے کی ضرورت نہیں'' وَ اَشْہِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ (۲/۲۸۲) ''جب باہمی بیع کا معاملہ ہو تو اس پر گواہ ٹھہراؤ''۔ (اور لکھو بھی۔ سیاق سے مترشح ہوتا ہے کہ یہاں اس خرید و فروخت کیطرف اشارہ ہے جو نقد نہ ہو) اس سے معلوم ہوا کہ تجارت اور بیع میں فرق ہے۔ اس کی تائید سورۃ نور سے بھی ہوتی ہے جہاں کہا گیا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْہِیْہِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (۲۴/۳۷)۔ ایسے لوگ جنہیں تجارت اور بیع اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی''۔ آجکل کی اصطلاح میں ان دونوں میں فرق یہ سمجھئے کہ بَیْعٌ تو عام خرید و فروخت کو کہینگے ''تجارۃ'' اسے جسے انگریزی میں (Trade or Commerce) کہتے ہیں*۔ یا تجارت، پیشہ ورانہ سوداگری کو کہینگے اور بَیْعٌ میں عام تبادلۂ اشیاء آجائیگا۔

اس آیت کو پھر سامنے لائیے جس میں کہا گیا ہے کہ ''خدا نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربو کو حرام''۔ (۲/۲۷۵) ''ربو'' کے متعلق گفتگو متعلقہ عنوان میں کی جائیگی۔ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی رو سے ''بیع'' کسے کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں عام تصور یہ ہے (اور اسی کے مطابق عمل بھی ہوتا ہے) کہ بیع، یعنی خرید و فروخت میں جسقدر منافع لے لیا جائے وہ جائز ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ سورۂ تطفیف میں ہے۔ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ۔ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَ اِذَا کَالُوْہُمْ اَوْ وَّزَنُوْہُمْ یُخْسِرُوْنَ (۸۳/۱-۳)۔ اس کا عام ترجمہ یہ ہے۔ ''تباہی ہے ان کے لئے جو کمی کرتے ہیں۔ یعنی ان کے لئے کہ وہ جب دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا ماپ لیتے ہیں۔ اور جب دوسروں کو ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں''۔ ان آیات کا یہی مفہوم نہیں کہ ''ماپ تول پورا رکھنا چاہئے''۔ یہ آیات، قرآنی نظام معیشت کے ایک بہت بڑے اصول کو بیان کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ (مثلاً) ایک

*لین۔

کاریگر جوتا بنا کر دوکاندار کے پاس لاتا ہے۔ دوکاندار کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اسے کم سے کم دام دیکر جوتا خریدے۔ پھر جب اسی جوڑے کا گاہک آتا ہے تو دوکاندار اس سے زیادہ سے زیادہ دام وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔یہ وہ تاجرانہ ذہنیت ہے جسے قرآن کریم نے تباہی کا موجب بتایا ہے اور اس کمائی کو ''تطفیف'' کہکر پکارا ہے۔ یہ دوکاندار، کاریگر کو کم از کم دام کیوں دیتا ہے؟ یا یوں کہئے کہ کاریگر، کم از کم داموں پر اپنی چیز بیچنے پر کیوں مجبور ہوجاتا ہے؟ اس لئے کہ اس کے پاس ''سرمایہ'' نہیں۔ لہذا یہ ''منافع'' (جو اسطرح گاہک سے وصول کیا جاتا ہے) سرمایہ پر بڑھوتی ہے جو جائز نہیں ہوسکتی۔

اب سوال یہ ہے کہ دوکاندار کو کسقدر منافع لینا جائز ہے۔ اس کا جواب آسان ہے۔ دوکاندار ایک تو سرمایہ لگاتا ہے۔ اور دوسرے دن بھر دوکان پر بیٹھکر محنت کرتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے اصول یہ ہے کہ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳/۳۹) ''انسان کے لئے وہی ہے جس کے لئے وہ محنت کرے''۔ لہذا یہ دوکاندار اپنی محنت (Labour) کے معاوضہ کا حقدار ہے۔ سرمایہ پر زیادہ لینے کا حقدار نہیں۔ اس کے لئے یہ مقرر ہونا چاہئیے کہ اس دوکاندار کی دن بھر کی محنت کا معاوضہ کیا ہونا چاہئے۔ وہ اس کاروبار میں سے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ یعنی وہ گاہک سے ''رأس المال + اپنی محنت'' لے سکتا ہے۔ معاشیات میں قرآن کریم کا اصول یہ ہے کہ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ (۲/۲۷۹) ''نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ۔ نہ تمہیں نقصان پہنچایا جائے''۔ نہ تم کسی پر زیادتی کرو۔ نہ تم پر زیادتی کی جائے۔ ربوٰ میں چونکہ محنت کچھ نہیں ہوتی۔ صرف سرمایہ پر بڑھوتی لی جاتی ہے، اسلئے اس میں صرف رأس المال کا واپس لینا جائز ہے (۲/۲۷۹)۔ اور بیع میں چونکہ ساتھ محنت بھی ہوتی ہے اسلئے اسمیں رأس المال اور محنت کا معاوضہ لینا حلال ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ یہ صورت بھی اسوقت تک ہوگی جب تک قرآن کا معاشی نظام اپنی مکمل شکل میں قائم نہیں ہوتا۔ اسوقت تمام افراد کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری معاشرہ (مملکت) پر ہوگی اور اشیاء کے تبادلہ میں منافع لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

لہذا جس کاروبار میں صرف سرمایہ سے آمدنی ہو جائے اسلامی معاشرہ میں وہ جائز نہیں ہوگا۔ بیع اور ربوٰ میں فرق یہ ہے کہ بیع میں سرمایہ کے ساتھ محنت بھی ہوتی ہے اور ربوٰ میں فقط سرمایا ہوتا ہے۔ بیع میں محنت کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔

بَیْعٌ کے معنی باہمی معاہدہ کے بھی ہوتے ہیں* - قرآن کریم کی رُو سے مؤمن اور اس کے خدا کے درمیان خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (۹/۱۱۱) "بے شک اللہ نے مومنوں سے انکی جانوں اور مالوں کا سودا جنت کے عوض کر لیا ہے" - ظاہر ہے کہ اس معاہدہ کی رُو سے نہ مال افراد کی ذاتی ملکیت میں رہتا ہے، نہ وہ اپنی جان کے آپ مالک ہوتے ہیں - یہ دونوں ان کے پاس بطور امانت رہتے ہیں - ان کے معاوضہ میں انہیں اس دنیا میں بھی جنتی زندگی دیدی جاتی ہے اور آخرت میں بھی (تفصیل میری کتاب "نظام ربوبیت" میں ملیگی) - عملاً یہ معاہدہ اُس نظام کے مرکز کے ساتھ ہوتا ہے جو دنیا میں خدا کے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے مُتشکل ہوتا ہے (سب سے پہلے رسول اللہؐ کے ساتھ اور حضورؐ کے بعد خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کے ساتھ جو ہمیشہ قائم کی جاسکتی ہے) یہی وہ معاہدہ ہے جو شروع میں اسلام لاتے وقت کیا جاتا ہے، جیسا کہ سورۃ ممتحنہ میں آیا ہے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ .... (۶۰/۱۲) "اے نبی جب مومن عورتیں تیرے پاس اس معاہدہ کے لئے آئیں" - اور جس کی تجدید اسوقت ہوتی ہے جب اس نظام کو سخت مشکلات کا سامنا ہو اور جماعتِ مؤمنین کو سربکف میدان میں نکل آنا پڑے - یہ وہ بیعت تھی جو جماعت مؤمنین نے حدیبیہ کے مقام پر کی تھی اور جس کا ذکر سورہ فتح میں ان الفاظ میں آیا ہے - اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (۴۸/۱۰) - "جو لوگ تجھ سے بیعت (معاہدہ) کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے معاہدہ کرتے ہیں - ان کے ہاتھ پر (بظاہر تمہارا ہاتھ لیکن درحقیقت) اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے" - آپ نے دیکھا کہ جو معاہدہ خدا کے ساتھ کیا جاتا ہو اسکی عملی شکل کیا ہوتی ہے؟ یعنی وہ معاہدہ اس نظام کے مرکز کے ساتھ کیا جاتا ہے جو قوانین خداوندی کی بنیادوں پر قائم ہو - یہ تھی وہ بیعت جو جان اور مال، یعنی سب کچھ دیکر جنت لینے کے لئے کی جاتی تھی - لیکن جب دین، مذہبِ خانقاہیت میں بدل گیا تو بیعت سے مفہوم رہ گیا "پیری مریدی کی بیعت"!

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگہ و خدا مست
یہ مذہبِ مُلّا و نباتات و جمادات (اقبال)

* تاج

البِیْعَۃُ - یہود کا کنیسہ یا نصاریٰ کی عبادت گاہ* (۲۲/۴۰) - صاحب لطائف اللغۃ نے کہا ہے کہ کنیسہ یہودیوں کی عبادتگاہ کو کہتے ہیں اور اَلْبِیْعَۃُ نصاریٰ کی -

ب ی ن

اَلْبَیْنُ - جدائی، الگ الگ کرنا یا ہونا (لازم و متعدی) بعض لغویین کا خیال ہے کہ اس میں جدا ہونے اور ملنے کے متضاد معنی پائے جاتے ہیں، لیکن یہ خیال کمزور سا ہے - اس کا صحیح استعمال "فصل" (الگ الگ کرنے) کیلئے ہوتا ہے - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں- اَلْبَیْنُ دو زمینوں کے درمیانی فاصلہ یا حد کو کہتے ہیں - بَانُوْا بَیْناً - وہ جدا ہوگئے - بَانَ الشَّیْءُ - وہ چیز منقطع ہو گئی - ضَرَبَہٗ فَبَانَ رَأْسُہٗ - اسے مارا اور اسکا سر اس کے جسم سے الگ کردیا - طَلَاقٌ بَائِنٌ* اس طلاق کو کہتے ہیں جس کے بعد میاں بیوی کے تعلقات منقطع ہو جائیں* - (واضح رہے کہ یہ ایک فقہی اصطلاح ہے - قرآن کی رو سے طلاق رشتہ مناکحت کو منقطع کر دینے کے فیصلہ کا نام ہے دیکھئے عنوان ط - ل - ق) بَیْنَ - دو چیزوں کے وسط اور درمیان کو کہتے ہیں *

اَلْبَیَانُ کے معنے ہیں کسی چیز کا کھل کر سامنے آجانا، واضح ہو جانا، نمودار ہوجانا - (اس میں لازم اور متعدی دونوں معنے پائے جاتے ہیں)- بَیَّنَ الشَّجَرُ - درخت کے پتے نکل آئے - یا جو چیزیں سب سے پہلے نمودار ہوتی ہیں (شگوفے وغیرہ) وہ نمودار ہوگئیں - بَیَّنَ الْقَرْنُ - سینگ نکل آیا - صاحب محیط کے نزدیک وہ دلیل وغیرہ جس سے کوئی چیز آشکارا اور واضح ہوجائے بَیَانٌ کہلاتی ہے** - قرآن کریم میں تَبْیِیْنٌ بمقابلہ کَتْمٌ آیا ہے (۳/۱۸۷ ؛ ۲/۱۵۹) کَتْمٌ کے معنے ہیں کسی چیز کو چھپا دینا - لہذا تَبْیِیْنٌ کے معنے ہوئے کسی چیز کا ظاہر کر دینا - نمایاں کر دینا - دوسری جگہ یہی لفظ اِخْفَاءٌ (چھپانا) کے مقابلہ میں آیا ہے (۵/۱۵) - اسی جگہ قرآن کو کِتَابٌ مُّبِیْنٌ (۵/۱۵) کہا گیا ہے - حقائقِ مستورہ کو ظاہر کرنے والا ضابطۂ حیات - یا وہ ضابطۂ حیات جو کھلے کھلے حقائق اپنے اندر رکھتا ہے - جن حقائق کا تعلق دنیائے محسوسات سے ماوراء ہے انکا معلوم کرلینا انسان کے بس کی بات نہیں - وہ انسانی عقل کے دائرہ سے باہر ہوتے ہیں - انہیں خود خدا وحی کے ذریعے رسول پر

*تاج - ** محیط

منکشف کرتا ہے ۔ اسطرح حقیقت کو منکشف کردینے کا نام تبیان ہے ۔ اسی لئے قرآنی حقائق کو بینات کہا گیا ہے ۔ یعنے وہ حقیقتیں جنہیں خدا نے خود ظاہر کیا ہے ۔ اگر وہ انہیں بیان (ظاہر) نہ کرتا تو وہ مستور ہی رہتیں ۔

یہانتک اس مرحلہ کا ذکر ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے ان مستورہ حقائق کو بذریعہ وحی نبی اکرم پر منکشف کیا ۔ اب اگلا مرحلہ دیکھئے ۔ اور وہ بھی بہت اہم ہے ۔

قرآن کریم کی رو سے خدا کیطرف سے انسانوں پر انکشاف حقیقت کا ایک ہی طریق ہے جسے وحی کہتے ہیں ۔ اور وحی ، حضرات انبیاء کرام کے لئے مخصوص تھی ۔ لیکن انسانی ذہن نے غیر از انبیاء پر بھی انکشاف حقیقت کا تصور پیدا کر لیا اور اسے کشف والہام کا نام دیدیا (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ل ھ م) ۔ اور کشف و الہام کے متعلق یہ عقیدہ پیدا کر لیا کہ اس سے صرف وہی شخص کیف اندوز ہو سکتا ہے جس پر حقائق منکشف ہوں ۔ انہیں دوسروں تک منتقل نہیں کیا جا سکتا ۔ ''ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی ،، اور '' کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیاید ،، وغیرہ قسم کے اقوال اسی عقیدہ کے مظہر ہیں ۔ قرآن نے کہا ہے کہ یہ عقیدہ غلط ہے ۔ خدا کیطرف سے کشف حقیقت سے مقصود ہی یہ ہے کہ اسے دوسرے لوگوں پر بھی ظاہر کیا جائے ۔ یہ انکشاف حقائق ایک فرد (رسول) کے ذریعے تمام انسانوں کے لئے کیا جاتا ہے لہذا اس فرد (رسول) کا فریضہ ہے کہ اسے دوسروں پر ظاہر کرے ۔ اور جن پر اسے ظاہر کیا جائے ان کا فریضہ یہ ہے کہ غور و فکر سے اسے سمجھیں اور پھر دوسروں پر اس کا اظہار کریں ۔ یہی وہ عظیم حقیقت ہے جسے سورۃ نحل میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۱٦:٤٤) ''اور ہم نے اس ضابطہ قوانین کو تیری طرف نازل کیا ہے تاکہ جو کچھ لوگوں کیطرف نازل کیا گیا ہے تو اسے لوگوں پر ظاہر کر دے اور تا کہ وہ اس میں غور و فکر کریں ،، (نیز ۱٦:٦٤) ۔ یعنی قرآن نے یہ کہا ہے کہ ۔

(۱) خدا نے رسول کیطرف کتاب نازل کی ۔ (أَنزَلْنَا إِلَيْكَ)
(۲) لیکن یہ کتاب درحقیقت تمام انسانوں کیطرف نازل کی گئی ہے (مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ) ۔ اس لئے
(۳) رسول کا فریضہ ہے کہ اسے (اپنے تک ہی محدود نہ رکھے ، جیسا کہ

کشف و الہام کے غلط تصور کی بناء پر سمجھا جاتا تھا) بلکہ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے۔ (لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ)۔ اسے ان تک پہنچا دے (بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ... ۵/۶۷)۔

(۴) جو لوگ اسے چھپاتے ہیں ان پر خدا کی لعنت ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرۃ میں کہا گیا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (۲/۱۵۹)۔ ”جو لوگ اسے چھپاتے ہیں جو ہم نے کھلی کھلی باتوں یعنی ہدایت سے نازل کیا ہے۔ بعد اس کے کہ ہم نے اسے قرآن میں تمام لوگوں کے لئے ظاہر کر دیا ہے۔ تو ان لوگوں پر خدا کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے“ (لعنت کے لئے دیکھئے عنوان (ل۔ع۔ن)۔ اس کے بعد ہے۔ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ..... (۲/۱۶۰) ”مگر وہ لوگ جو اس روش سے باز آ گئے۔ اور انہوں نے اصلاح کر لی۔ اور ظاہر کر دیا (جو کچھ اللہ نے نازل کیا تھا)۔ تو یہ لوگ ہیں جن کی طرف میں لوٹ کر آ جاتا ہوں“۔

جو کتاب رسول اللہ ؐ کی طرف نازل کی گئی (یعنی قرآن کریم) اس کے متعلق بتا دیا کہ۔

(۱) وہ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ ہے (۱۶/۸۹)۔ یعنی جن باتوں کو بذریعہ وحی دیا جانا مقصود تھا اس نے ان سب باتوں کو ظاہر کر دیا ہے۔ کوئی بات چھپی نہیں رہی۔ دوسری جگہ ہے كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (۲/۱۸۷) ”اس طرح اللہ اپنے احکام کو لوگوں کے لئے ظاہر کر دیتا ہے تاکہ وہ ان کی نگہداشت کریں“۔

(۲) لہذا یہ کتاب تمام نوع انسانی کے لئے اظہار حقیقت ہے۔ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ (۳/۱۳۸)۔

(۳) اس میں صحیح اور غلط راستے بالکل ظاہر ہو گئے ہیں۔ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲/۲۵۶)۔

(۴) یہ كِتَابٌ مُبِينٌ (۵/۱۵) ہے۔ یعنی بالکل واضح اور ظاہر۔ کھلے اور واضح راستے کو إِمَامٍ مُبِينٍ (۱۵/۷۹) کہتے ہیں۔

(۵) یہ روشنی ہے ۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ (۵/۱۵) "یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (روشنی) یعنی واضح کتاب آ گئی"۔ روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی چیز کی محتاج نہیں ہوتی ۔ وہ خود روشن ہوتی ہے اور ہر اس شخص پر جو آنکھوں سے کام لے دوسری چیزوں کو روشن کر دیتی ہے ۔ اس سے ہر شے نکھر کر سامنے آ جاتی ہے ۔ اس لئے اسے تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲/۱۱۱) بھی کہا گیا ہے ۔ "تفصیل" کے معنی ہیں الگ الگ کر کے دکھا دینا (دیکھئے عنوان ف ۔ ص ۔ ل) ۔

یہ ہیں اس کتاب (قرآن) کی خصوصیات جسے اللہ تعالےٰ نے بوساطت نبی اکرمؐ تمام نوعِ انسانی کو دیا ۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتا دیا کہ قرآن کا اندازِ تبیین کیا ہے ۔ سورۃ انعام میں ہے وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيَاتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۶/۱۰۶) ۔"اس طرح ہم اس کی آیات کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تا کہ یہ کہیں کہ تو نے بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا ۔ اور تا کہ ہم اسے ان لوگوں پر ظاہر کر دیں جو علم سے کام لیتے ہیں"۔ یعنی قرآن تصریف آیات سے تبیانِ حقیقت کرتا ہے اور اسے علم و فکر کی رو سے سمجھا جاتا ہے ۔

اَلْبَيِّنَةُ کے معنی ہیں ایسی دلیل جو عقلی طور پر یا محسوس طور پر واضح ہو* ۔ جمع بَيِّنَاتٌ ہے ۔

قرآن کریم نے انسان کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی ہے عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (۵۵/۴) ۔ اللہ نے اسے اظہارِ خیالات کی صلاحیت دی ہے ۔ یعنی یہ صلاحیت کہ وہ زبان اور قلم کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچا سکے ۔ یہ خصوصیت انسان کو باقی حیوانات سے متمیز کرتی ہے اور انسانی تہذیب و تمدن اور عروج و ارتقاء کا بہت بڑا ذریعہ ہے ۔

بَيْنَ کے معنی ہیں درمیان ۔ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ (۲/۱۱۳) ۔ "اللہ ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے"۔ (بَيْنَ يَدَيْهِ کے لئے دیکھئے عنوان ی ۔ د ۔ ی) ۔

اِسْتَبَانَ الْاَمْرُ معاملہ کھل گیا' ظاہر اور واضح ہوا ۔ قرآن کریم میں ہے وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ (۶/۵۵) تاکہ مجرموں کی راہ کھل کر واضح ہو جائے ۔ تَبَيَّنَ الشَّيْءُ چیز واضح اور ظاہر ہوئی ۔ تَبْيِيْنَةٌ ۔ میں نے اسے کھولا' واضح کیا اور اسے سمجھا (لازم و متعدی) ۔ (۲۹/۴) ۔

*تاج و راغب ۔

ت

ت ۔ (حرف)

ت ۔ یہ حرف جر ہے جو قسم کھانے کے معنوں میں آتا ہے ۔ جیسے تَاللہِ (۱۲/۸۵) "اللہ کی قسم" ۔ الثعالبی نے (فقہ اللغہ میں) لکھا ہے کہ یہ "تاء" اللہ تعالیٰ کے اسماء کے علاوہ اور کہیں استعمال نہیں ہوتی ۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات میں یَاَبَتِ آیا ہے جس کے معنی ہیں "اے میرے باپ" (مثلاً ۱۹/۴۲) ۔ یہاں تٓ دراصل یٓ کی جگہ آئی ہے ۔ یہ صرف اَب* کے ساتھ خصوصیت ہے ۔

تَابُوْتٌ

تَابُوْتٌ* ۔ صندوق* ۔ (۲/۲۴۸) ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنے قلب اور سینے کے بھی ہیں** ۔ لسان العرب سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے ۔ اس اعتبار سے (۲/۲۴۸) میں اسکے معنی ایسے قلب کے ہونگے جو سکون و اطمینان سے لبریز ہو اور اسمیں حضرت موسیٰ* و ہارون* کی تعلیم ہو اور اسے کائناتی قوتوں (ملائکہ) کی تائید حاصل ہوتا کہ اسمیں ثبات اور استقامت رہے ۔ مراد یہ ہے کہ حضرت طالوت کو اس قسم کا قلب عطا ہوا تھا ۔ اور اگر اس کے مجازی معنی نہ لئے جائیں تو اس سے مراد وہ تابوت ہے جس کا ذکر بائیبل میں آیا ہے ۔

(بعض کے نزدیک یہ تَابَ سے ہے ۔ دیکھئے عنوان ت ۔ و ۔ ب)

ت ب ب

التَّبُّ* ۔ خسارہ ۔ اَلتَّبَابُ* ۔ التَّبِيْبُ* ۔ اَلتَّتْبِيْبُ* ۔ نقصان اور خسارہ ۔ ہلاکت اور تباہی ۔ بربادی* ۔ سورۃ ہود میں ہے وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ (۱۱/۱۰۱) ۔ "اس سے انکا نقصان یا ہلاکت ہی زیادہ ہوئی" ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔

سورۃ المومن میں ہے وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ (۴۰/۳۷) ۔ ''فرعون کی تدبیر ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ تھی''۔ تَبَّ فُلَانًا ۔ اس نے فلاں آدمی کو ہلاک کر دیا ۔ اِسْتَتَبَّ الرَّجُلُ ۔ آدمی ضعیف اور کمزور ہوگیا ۔ عاجز ہو گیا ** ۔ اَلتَّابُّ ۔ کمزور اور بوڑھا آدمی ۔ اونٹ یا گدھا جسکی کمر زخمی ہوگئی ہو اور اسطرح وہ کام کے قابل نہ رہے * ۔

قرآن کریم میں ہے تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱۱۱/۱) ۔ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوگئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوگیا'' ۔ وہ خود بھی تباہ ہوگیا اور جس قوت کے بل پر وہ نظام خداوندی کی مخالفت کرتا تھا وہ بھی ختم ہوگئی ۔ وہ مقابلہ کرنے سے عاجز آ گیا ۔ تباہ و برباد ہوگیا ۔ سخت نقصان میں رہا ۔ (راغب کے الفاظ میں) مسلسل خسارہ میں رہا *** ۔

ت ب ر

اَلتِّبْرُ ۔ سونا ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ چاندی اور دیگر معدنیات کو بھی کہتے ہیں ۔ بالخصوص اس حالت میں جبکہ انہیں کان سے نکالا جائے اور صاف کر کے ڈھالا نہ جائے ۔ اَلتَّبْرُ ۔ توڑ دینا ۔ ہلاک کر دینا * ۔ ابن فارس نے اس کے یہ دونوں معانی بنیادی لکھے ہیں ۔ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا (۲۵/۳۹) ۔ ''ان سب کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا'' ۔ ہلاک کر دیا ۔ تباہ و برباد کر دیا ۔ تَبَارًا (۷۱/۲۸) ۔ ہلاکت ۔ مُتَبَّرٌ (۷/۱۳۹) ۔ ہلاک شدہ ۔ برباد شدہ ۔ ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ۔

ت ب ع

تَبِعَ کے معنی ہیں پیچھے پیچھے چلنا ۔ بَقَرَةٌ مُتْبِعٌ اس گائے کو کہتے ہیں جس کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے رہتا ہو ۔ اور اس کے پیچھے چلنے والے بچھڑے کو تَبِيعٌ کہتے ہیں ۔ اَلتَّبَعُ ۔ پیچھے چلنے والا (یہ تَابِعٌ کی جمع بھی ہے یعنی پیچھے چلنے والے) ۔ اَتْبَعْتُهُمْ ۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چلا ۔ وہ مجھ سے آگے نکل گئے تھے لیکن میں نے انہیں جا لیا * ۔

قرآن کریم میں تَبِعَ کا لفظ عَصَى (سرکشی) کے مقابلے میں آیا ہے (۱۴/۳۶) ۔ لہذا اِتِّبَاعٌ کے معنے ہیں قوانین خداوندی کی اطاعت ۔ ان قوانین کو (Follow) کرنا ۔ اس کے برعکس وہ شخص ہے مَنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ (۳/۱۴۴) ۔ ''جو پچھلے پاؤں واپس ہو جاتا ہے'' ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

دین چونکہ ایک اجتماعی نظام کا نام ہے اس لئے قوانین خداوندی کا اتباع انفرادی طور پر نہیں ہوگا بلکہ نظام کے تابع ہوگا۔ یہ نظام سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے متشکل فرمایا تھا۔ اس لئے اتباع قوانین خداوندی آپؐ کے اتباع سے ہوتا تھا (۴/۸۰)۔ آپؐ کے بعد یہ نظام آگے چلا اس لئے اس نظام میں خلیفۃ الرسول کے اتباع نے وہی مقام لے لیا۔ یہی وجہ ہے جو قرآن نے کہا ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد تم پھر اپنی قدیم روش پر نہ چلے جانا بلکہ اس سلسلہ اتباع کو جاری رکھنا۔ دیکھئے (۳/۱۴۴)۔ واضح رہے کہ اتباع اور اطاعت میں ذرا سا فرق ہوتا ہے۔ جیسے پیروی اور فرمانبرداری میں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اطاعت بھی اس فرمانبرداری کو کہتے ہیں جو بطیب خاطر کی جائے لیکن اس میں حکم کا شائبہ یا کسی قدر قانونی تقاضا ضرور ہوتا ہے۔ لیکن اتباع میں انسان، تَبِیْعٌ کی طرح، بلاحکم و فرمان، محبانہ جذبہ اور کشش سے کسی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

اَلتَّابِعُ اور اَلتَّبِیْعُ۔ خادم کو کہتے ہیں*۔ تَابِعٌ کی جمع، اَلتَّابِعِیْنَ (۲۶/۴۱)۔ لیکن (۱۷/۶۹) میں تَبِیْعًا کے معنے ہیں کسی کے خلاف مقدمہ کی پیروی کرنے والا۔ یا باز پرس کرنے والا۔ نیز مطالبہ یا تقاضا کرتے ہوئے پیچھے لگ جانے والا۔ سورۃ الشعراء میں اِتِّبَاعٌ کا لفظ جلوس نکالنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی فاتح ساحرین کو آگے رکھکر ان کا جلوس نکالا جائے (۲۶/۴۰)۔

تَبِعَ کے معنے ہیں ایک بات کے ساتھ ہی دوسری بات لے آنا۔ یکے بعد دیگرے (مسلسل) واقع ہونا۔ پے در پے واقع ہونا*۔ اَلتُّبَّعُ یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ کیونکہ وہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے رہتے تھے*۔ قرآن کریم میں قوم تُبَّع کا ذکر آیا ہے۔ (۵۰/۱۴)۔ اسے الگ عنوان میں بیان کیا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان تُبَّعٌ)۔

کتاب الاشتقاق میں اَلتَّبَّعُ کے معنی اَلظِّلُّ (سایہ) دئے ہیں۔ شاید اس لئے کہ سایہ، روشنی کے سر چشمہ کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

تبع

سورۃ قٓ میں ہے وَاَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ۔ کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ (۵۰/۱۴)۔ "اصحاب الایکۃ اور قوم تبع، ان سب نے ہمارے رسولوں

* تاج۔

کو جھٹلایا،، ۔ دوسری جگہ قریش کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ اَھُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ (۴۴/۳۷) ''کیا (یہ قریش) بہتر ہیں یا قوم تُبَّع،، ۔

تذکرۂ حضرت سلیمانؑ میں بتایا گیا ہے کہ یمن کے مشرقی علاقہ میں سبا کی حکومت تھی۔ اسی قوم کی ایک شاخ مغربی علاقہ پر حکمران تھی جسے حمیَر کہتے ہیں۔ جب رومیوں نے اہل سبا کی تجارت کو تباہ کیا تو حمیر کا ستارۂ اقبال چمک اٹھا اور وہ بڑی زبردست قوت اور دولت کے مالک بن گئے ۔ اس خاندان کے ایک بادشاہ نے اپنا لقب تُبَّع اختیار کیا جس کے معنی(حبشی زبان میں) سلطان کے ہیں۔ یعنی غلبہ و استیلاء اور قوت و جبروت کا مالک ۔ یہ خاندان بھی (اہل سبا کیطرح) شروع میں کواکب پرست تھا لیکن بعد میں انہوں نے یہود کا مذہب اختیار کر لیا۔ جب ذونواس کے زمانہ میں عیسائیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی تو وہ سخت مشتعل ہو گیا ۔ اس نے عیسائیت کے مرکز نجران پر حملہ کر دیا ۔ پہلے تو اہل شہر قلعہ گزیں ہو گئے لیکن بالآخر شکست کھائی ۔ ذونواس کا تعصب بڑھ کر بربریت کی حد تک پہنچ گیا ۔ اس نے بڑے بڑے گڑھوں میں آگ جلائی اور عیسائیوں کو مجبور کیا کہ وہ یہودیت اختیار کریں ۔ جو اس سے انکار کرتا آگ کے گڑھے میں جھونک دیا جاتا ۔ قرآن کریم نے ذونواس کے اس سرکش لشکر کو اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ کہا ہے اور ان کے اس ظلم کی سخت مذمت کی ہے (۸۵/۴) ۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا مقصد دنیا میں ظلم کو روکنا ہے خواہ وہ کسی کے ہاتھوں سے ہو اور کسی کے خلاف ہو۔

ت ج ر

تِجَارَۃٌ ۔ (پیشہ ورانہ) خرید و فروخت۔ سوداگری۔ کاروبار کو کہتے ہیں۔ راغب نے تجارۃ کے معنے نفع کمانے کے لئے راس المال کو کاروبار میں لگانا بتائے ہیں ۔ محیط نے تجارۃ کے معنے وہ مال بھی بتائے ہیں جس سے تجارت کی جائے ۔ تَاجِرٌ پیشہ ور خرید و فروخت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ عرب شراب بیچنے والے کو بھی تاجِرٌ کہتے تھے* ۔ مجازاً کسی معاملہ میں مہارت اور ہوشیاری کو بھی تِجَارَۃٌ کہتے ہیں اور حاذق و ماہر کو تَاجِرٌ** ۔

قرآن کریم میں ہے فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ (۲/۱۶) ۔ ''انکی خرید و فروخت (ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کر لینے) نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا،، ۔

*تاج و محیط ۔

قرآن کریم نے ایمان (اسلام) کو بھی ایک قسم کی تجارت قرار دیا ہے جس میں بیع و شری (خرید و فروخت) کا معاملہ ہوتا ہے۔ سورۃ توبہ میں ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ... (۹/۱۱۱) - "یقیناً اللہ نے مومنین سے ان کی جان اور مال خرید لئے ہیں۔ اور ان کے بدلے میں انہیں جنت عطا کر دی ہے"۔ اس تجارت میں جماعتِ مومنین اپنی وہبی اور اکتسابی صلاحیتوں کے نتائج (جان اور مال) کو اس معاشرہ کے سپرد کر دیتے ہیں جو قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوتا ہے اور یہ معاشرہ ان کے لئے دنیا میں جنتی زندگی کا سامان مہیا کر دیتا ہے (اور آخرت میں بھی انہیں جنت ملتی ہے) - یہی وہ تجارت ہے جس کے متعلق دوسری جگہ کہا ہے کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ - تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ تُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ - ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۶۱/۱۰-۱۱) - "اے جماعتِ مومنین! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کا پتہ نشان دوں جو تمہیں درد ناک عذاب سے نجات دلادے؟ - (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جدو جہد کرو۔ اگر تم علم و بصیرت سے کام لوگے تو یہ حقیقت تم پر واضح ہو جائیگی کہ یہ تجارت تمہارے لئے کسقدر اچھی ہے"۔ اس تجارت کا ماحصل عام کاروبار سے کہیں زیادہ نفع رساں ہے (۶۲/۱۱) ** -

تبادلہ اشیاء (خرید و فروخت) کے معاملہ میں کسقدر منافع لیا جاسکتا ہے، اسکے متعلق عنوان (ب-ی-ع) میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اصول یہ ہے کہ منافع صرف محنت کے معاوضہ کے برابر لیا جا سکتا ہے۔ سرمایہ پر کچھ نہیں لیا جا سکتا۔ یہی اصول تجارت پر بھی صادق آئیگا۔ اس اصول کی روشنی میں قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم سمجھ میں آجائیگا جس میں کہا گیا ہے کہ لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ (۴/۲۹)۔ "تم ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے مت کھاؤ۔ سوائے اسکے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو"۔ آجکل "باہمی رضامندی سے تجارت" سے مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ تم جسقدر جی چاہے منافع گاہک سے طلب کرو اور کہدو کہ جی چاہے تو خریدو

* تاج و محیط۔ ** تجارت اور بیع میں فرق کے لئے دیکھئے عنوان (ب-ی-ع)

نہ جی چاہے تہ خریدو۔ اس کے بعد اگر وہ خرید لیتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا منافع دینے پر رضامند ہوگیا ہے ۔ ایسا سمجھنا خود فریبی ہے ۔ گاہک اپنی ضرورت سے مجبور ہوکر منہ مانگی قیمت دیتا ہے ۔ یہ تِجَارَۃٌ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ نہیں کہلا سکتی ۔ جب منافع صرف محنت کا معاوضہ ہو جسے معاشرہ متعین کردے ، تو اسے ہر شخص بہ طیب خاطر ادا کردیگا ۔ اسے تراضیٔ مابین کہا جائیگا ۔ پہلی شکل تو وہ ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے (مندرجہ بالا آیت کے ساتھ) کہا ہے کہ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (۴/۲۹) "ایک دوسرے کو قتل مت کرو" ۔ یا "اپنے لوگوں کو قتل مت کرو" ۔ دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر منہ مانگے دام لینا ، اپنے لوگوں کو قتل کرنا ہے ۔ محنت کا معاوضہ لینا ایسا اصول ہے جس میں لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (۲/۲۷۹) کی کیفیت پیدا ہوتی ہے ۔ یعنی نہ تم کسی پر زیادتی کرو ۔ نہ کوئی تم پر زیادتی کرے ۔ تبادلۂ اشیاء کا طریق کار ، معاشرہ میں ایک دوسرے کی زندگی بڑھانے کے لئے ہونا چاہئے ۔ نہ کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے ۔ اگر تجارت ، قرآن کی مستقل اقدار کے راستے میں حائل ہوتی ہے تو اسکا انجام تباہی ہے ۔ (۹/۲۴) ۔

ت ح ت

تَحْتٌ ۔ فَوْقٌ (اوپر) کی ضد ہے ۔ یعنے نیچے ۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (۲/۲۵) ۔ "جن کے نیچے نہریں جاری ہیں" ۔

اَلتُّحُوْتُ تَحْتٌ کی جمع ہے جسکے معنے ہیں رذیل اور پست درجے کے لوگ* ۔

راغب نے کہا ہے کہ تَحْتٌ کسی شے کے نچلے حصے کو نہیں کہتے بلکہ اس سے الگ اس کے نیچے کی چیز کے لئے بولتے ہیں ۔ اس کے برعکس ، اَسْفَلٌ اسی چیز کے نیچے کے حصے کو کہتے ہیں ۔ یعنی جب ایک چیز کے نیچے کوئی دوسری چیز ہوگی تو اسوقت تَحْتٌ کہینگے ۔ لیکن جب اسی چیز کا نچلا حصہ کہنا ہو تو اَسْفَلٌ کہینگے ۔

ت ر ب

اَلتُّرْبُ ۔ التُّرَابُ ۔ مٹی (عَلَيْهِ تُرَابٌ ۲/۲۶۴) ۔ اسکی جمع

*تاج ۔

آتْرِبَةً* اور تِرْبَانٌ* آتی ہے ۔ مَتْرَبَةٌ* ۔ مسکنت ۔ افلاس ۔ فاقہ ۔ ذَامَتْرَبَةٍ (۹۰/۱۶) ۔ خاک آلود ۔ حاجتمند ۔ مصیبت زدہ*

جَمَلٌ* تَرَبُوْتٌ* ۔ فرمانبردار اور سدھا ہوا اونٹ*

اَلتَّرَائِبُ ۔ سینہ کی ہڈیاں (۸۶/۷) ۔

اَلتِّرْبُ ۔ ہم عمر۔ جمع اَتْرَابٌ* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ ہمسر اور برابر کے لوگوں کو کہتے ہیں اور یہ اس کے بنیادی معنوں میں سے ہے ۔ نیز اس کے معنی رفیق ۔ حبیب ۔ دوست اور سہیلی کے ہیں ۔

قرآن کریم میں جنت کے سلسلہ میں عُرُباً اَتْرَاباً (۵۶/۳۷) ۔ یا کَوَاعِبَ اَتْرَاباً (۷۸/۳۳) کا ذکر آیا ہے ۔ اسکے معنے عام طور پر ہمعمر بیویاں کئے جاتے ہیں لیکن دراصل اس کے معنے ایسے ساتھیوں کے ہیں جو عادات و اطوار میں ایک دوسرے سے مماثل (ملتے) ہوں* ۔ ہم ِگل ۔ ایک ہی مٹی کے بنے ہوئے ۔ کَوَاعِبَ اَتْرَاباً اور عُرُباً اَتْرَاباً میں اَتْرَاباً صفت ہے کَوَاعِبَ اور عُرُباً کی ۔ اس اعتبار سے اس کے معنی ایسی عورتیں ہونگے جو ہم مزاج اور مماثل ہوں ۔ یہ ہم مزاجی اور مماثلت عورتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے ۔ یعنی ان میں ایک دوسرے کے خلاف جذبات ِ عداوت و رقابت اور بیگانگی و مغایرت نہیں ہونگے بلکہ ان میں موافقت ِ خیالات و تصورات ہوگی۔ اور میاں بیوی میں باہمی موافقت اور مماثلت بھی مراد ہو سکتی ہے ۔ یعنی ایسی حورتیں جو اپنے خاوندوں کے ہم مزاج و ہم خیال ہونگی ۔ اُخروی جنت میں ان تعلقات کی کیا کیفیت ہوگی، اس کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے ۔ لیکن اس دنیا میں ، میاں اور بیوی کا ہم مزاج و ہم خیال ہونا جسطرح گھر کو جنت بنا سکتا ہے وہ ظاہر ہے (۴۳/۷۰) ۔ نیز چونکہ اَتْرَاب* ، ہمسر اور برابر کے لوگوں کو بھی کہتے ہیں ، اس لئے اس میں برابری اور مساوات کا پہلو بھی نمایاں ہے۔(اس کے لئے عنوان ز ۔ و ۔ ج بھی دیکھئے) ۔

ت ر ف

اَلتَّرْفَةُ ۔ آسودگی اور فراخی عیش ۔ عمدہ چیز ۔ خوشگوار کھانا ۔ تَرِفَ ۔ وہ آسودہ و خوش حال ہوا ، اسے عیش و آرام کے سامان مل گئے ۔

* تاج

اَتْرَفَ - اسے خوش حال و آسودہ کیا - اَلْمُتْرَفُ - وہ شخص جو عیش و آرام کی زندگی گذار رہا ہو اور لذات و شہوات میں بڑھتا چلا جائے جسے فراخی عیش اور آسودگی نے بدمست کردیا ہو - بعض لوگوں نے اسکے معنے ایسے خوشحال کے کئے ہیں جس کے پاس کثرت سے دولت ہو اور وہ اسکی بنا پر لیڈر بن جائے ، اور جو کچھ کرے اس پر اسے ٹوکا نہ جائے - نیز وہ شخص کہ جو کچھ اس کے جی میں آئے کرتا رہے اور اسے کوئی روکنے والا نہ ہو* - جو کثرت دولت کی بنا پر سرکشی اختیار کرے - اسکی جمع مُتْرَفُوْنَ اور مُتْرَفِیْنَ ہے - اَتْرَفَ فُلَانٌ - اسنے سرکشی اختیار کرلی اور نافرمانی میں بڑھتا چلا گیا - مُتْرَفِیْنَ - قرآن کریم کی اہم اصطلاح ہے - اسنے کہا ہے کہ شروع ہی سے یہہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ خدا کی طرف سے جب بھی کوئی صحیح نظام کی طرف دعوت دینے والا آیا تو قوم کے مُتْرَفِیْن نے اس دعوت کی سخت مخالفت کی - یہہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے اور پھر ان لوگوں پر حکومت بھی کرتے ہیں - ظاہر ہے کہ صحیح نظام ربوبیت میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی - اسلئے یہ ہمیشہ اس دعوت کی مخالفت کرتے ہیں - دیکھئے قرآن کس حصر کے ساتھ کہتا ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ کٰفِرُوْنَ (۳۴/۳۴) ''ہم نے کسی بستی میں کوئی نذیر نہیں بھیجا جس کے مترفین نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تمہیں دیکر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر اور مخالف ہیں'' - اس سے اگلی آیت نے مترفین کی وضاحت کردی - قَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا (۳۴/۳۵) ''وہ کہتے تھے کہ ہمارے پاس مال و دولت اور افراد خاندان بڑی کثرت سے ہیں'' - اس لئے ہمیں کون ہاتھ لگا سکتا ہے - یہ وہی طبقہ ہے جو عصر حاضر میں سرمایہ داروں کا طبقہ کہلاتا ہے اور جو محض اپنی دولت کے زور پر قوت و اقتدار حاصل کرلیتا ہے - انہی میں وہ مذہبی پیشوا بھی شامل ہیں جو خود کوئی کام نہیں کرتے اور دوسروں کی کمائی پر تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر انہی لوگوں پر حکومت بھی کرتے ہیں جو انہیں لا لا کر کھلاتے ہیں - قرآن نے کہا ہے کہ یہہ طبقہ بھی ہمارے قوانین و نظام کی مخالفت میں پیش پیش رہتا ہے اور لوگوں کو یہہ کہکر بھڑکاتا رہتا ہے کہ دیکھو یہہ داعی انقلاب اس مذہب کی مخالفت کرتا ہے جو تمہارے آبا و اجداد سے چلا آتا ہے - (دیکھئے ۴۳/۲۳ ، ۳۴/۳۴) - یہہ سب مُتْرَفِیْن ہیں جنہیں قرآن نے

* (تاج و محیط و راغب)

انسانیت کے بدترین دشمن قرار دیا ہے ۔ اور یہی اہل جہنم ہیں ۔ (اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذَالِكَ مُتْرَفِيْنَ (۵۶/۴۵) ۔ سورۃ مومنون میں ہے وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۲۳/۳۳) "یہ لوگ ہمارے قوانین کی مخالفت اسلئے کرتے ہیں کہ انہیں سامان زندگی بڑی فراوانی سے حاصل ہے اور اسنے انہیں سرکش و متکبر بنا دیا ہے" ۔ قرآنی نظام میں نہ سرمایہ داری باقی رہتی ہے نہ مذہبی پیشوائیت ۔ اس میں ہر شخص کام کرتا ہے اور کوئی دوسرے کی محنت پر عیش نہیں اڑا سکتا ۔ (نیز دیکھئے عنوان م ۔ ل ۔ أ)

ت ر ك

تَرْكٌ ۔ کے معنے ہیں چھوڑ دینا ۔ پھینک دینا ۔ ڈال دینا ۔ خالی کر دینا ۔ تَرِكَةُ الرَّجُلِ ۔ آدمی کی میراث کو کہتے ہیں جسے وہ چھوڑ کر مرے ۔ تَرِيْكَةٌ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے کوئی شادی نہ کرے ۔ نیز انڈے کا خول جس میں سے چوزہ نکل گیا ہو * ۔

اَلتَّرِيْكُ ۔ اس خوشے کو کہتے ہیں جس کے تمام پھل کھا لئے گئے ہوں یا جھاڑ لئے گئے ہوں * ۔

بعض کا خیال ہے کہ کسی کام کو چھوڑ دینا ۔ خواہ ارادۃً ہو خواہ مجبوراً ۔ تَرَكَ کہلاتا ہے ۔ اس میں دونوں باتیں شامل ہوتی ہیں ۔ یعنی جس کام کو انسان کر رہا ہے اسے چھوڑ دینا ، یا کسی کام سے محتاط رہنا (اسے ہاتھ ہی نہ لگانا) یہ بھی تَرْكٌ ہے ۔ چنانچہ اَلتَّرِيْكُ اس باغیچہ کو کہتے ہیں جس کے مالک اس سے غفلت برتیں اور اس کی دیکھ بھال نہ کریں (ابن فارس) ۔ لیکن جس کام کے کرنے کی انسان میں قدرت ہی نہ ہو اسے نہ کرنا تَرْكٌ نہیں کہلا سکتا ** ۔

تَرَكَ ۔ جَعَلَ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے *** ۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو ایسا کر دینا ۔ نیز اس کے معنی کسی سلسلہ کو باقی رکھنے (دوام عطا کر دینے) کے بھی ہوتے ہیں *** ۔ مثلاً وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ (۳۷/۷۸) کے معنی ہیں ہم نے اس کا تذکرہ آنے والی نسلوں میں باقی رکھا ۔ اسے دوام عطا کر دیا ۔ تَارَكَهٗ کے معنی ہیں وہ جس حالت میں تھا اسے اسی حالت میں رہنے دیا *** ۔

* تاج ** محیط ۔ *** تاج و لین ۔

ت س ع

تِسْعَةُ رِجَالٍ - نو آدمی - تِسْعٌ نِسْوَةٍ نو عورتیں - تِسْعُ آيَاتٍ (۲۷/۱۲) نو نشانیاں - تِسْعَةَ عَشَرَ (۷۴/۳۰) اُنیس (داروغے) تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً (۳۸/۲۳) ننانوے بھیڑیں -

ت ع س

اَلتَّعْسُ - منہ کے بل گر پڑنا - ایسا گرنا کہ پھر اٹھا ہی نہ جائے - لغزش - ہلاکت - پست ہو جانا - انحطاط - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی الٹ دینا لکھے ہیں - تَعَسَهُ اللّٰهُ - خدا نے اسے تباہ کر دیا - فَهُوَ مَتْعُوْسٌ - وہ تباہ ہو گیا - بد دعا کے طور پر کہتے ہیں تَعْسًا لَّهٗ** - قرآن کریم میں ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ (۴۷/۸) ''جنہوں نے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی تو ان کے لئے ہلاکت اور بربادی، ذلت اور نگوں ساری ہے'' -

ت ف ث

اَلتَّفَثُ - صاحب تاج العروس نے مختلف ائمہ لغت کے حوالوں سے لکھا ہے کہ اشعار جاهلیه میں یہ لفظ کہیں نہیں ملتا اسلئے اسکے لغوی معنے متعین نہیں کئے جا سکتے - البتہ تفسیر میں ہے کہ تَفَثٌ حج کے مناسک میں سے سر منڈانے - ناخن کتروانے - بغل اور زیر ناف کے بال صاف کرنے - قربانی اور رمی (کنکریاں مارنے) کیلئے آتا ہے* - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ التَّفَثُ - بالوں کی پراگندگی و پریشانی کو کہتے ہیں - نیز ابن عباس سے منقول ہے کہ تَفَثٌ تمام مناسک حج کے لئے جامع لفظ ہے - اس اعتبار سے ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ (۲۲/۲۹) کے معنے ہونگے وہ اپنے جملہ ارکان حج ادا کریں - تَفِثَ الرَّجُلُ يَتْفَثُ - اسوقت کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنے بالوں کو صاف کرنا اور ان میں کنگھی وغیرہ کرنا چھوڑ دے اور اسطرح ژولیدہ و پراگندہ بال ہو جائے*** - جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، قرآن کریم میں حج کے اجتماع کے ضمن میں ہے ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ (۲۲/۲۹) ''پھر چاہئے کہ وہ اپنے ''تفث،، کو پورا کریں،، - اسے اگر مناسک حج تک محدود رکھیں تو اسکا مفہوم بالوں وغیرہ کی صفائی ہوگا - لیکن اگر مجازاً اسکا مفہوم وسیع کر لیا جائے تو اسکے معنے ملت کی کثافتیں دور کرنے کی تدابیر سوچنا ہوگا - حج، ملی مسائل کا حل سوچنے کے لئے عالمگیر اجتماع ہوتا ہے - (حج میں بال مونڈنے کے متعلق دیکھئے عنوان ح - ل - ق)

*تاج و راغب - **تاج - ***محیط - لہ ابن عباس کا قول یہ ہے کہ "تفث" سر کے بال مونڈنے یا ترشنے، داڑھی مونچھیں بنانے اور بغل کے بال لینے اور ذبح و رمی کو کہتے ہیں"

ت ق ن

اَلتِّقْنُ ۔ ماہر آدمی * ۔ ہر وہ چیز جس سے انسانی معاش قائم ہوتی ہے اور معاملات کی درستگی ہو جاتی ہے ۔ جیسے معدنیات وغیرہ ۔ نیز ، ہر وہ چیز جس سے کسی دوسری چیز کی درستگی ہو جائے ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) کسی کو مضبوط اور محکم بنانا اور (۲) گارا اور چکنی کالی مٹی ۔ اَتْقَنَ اَلْاَمْرَ اِتْقَاناً ۔ کسی معاملہ کو محکم کر دینا * ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کے متعلق ہے اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (۲۷/۸۸) ،، اسنے ہر شے کو نہایت درست اور محکم بنایا ہے ،، ۔

قرآن میں اللہ تعالےٰ کی صفات حسنٰی (الاسماءُ الحسنٰی) بیان کرنے سے جہاں صفاتِ خداوندی کا صحیح صحیح تصور سامنے لانا مقصود ہے وہاں یہ بتانا بھی مطلوب ہے کہ جو افراد ، قوم ، معاشرہ یا نظام قوانین خداوندی کا اتباع کریگا اس میں (تا بہ حد بشریت) یہی صفات اجاگر ہوتی چلی جائینگی ۔ مثلاً جب خدا کے متعلق کہا گیا ہے کہ صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (۲۷/۸۸) ،، یہ اس خدا کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو نہایت درست اور محکم بنایا ہے ،، تو اس سے مقصود یہ بھی ہے کہ جماعت مومنین کی بنیادی صفت یہ بھی ہوگی کہ وہ جو چیز بنائیگی محکم اور درست بنائیگی ۔ اس میں نہ کسی قسم کا جھول ہوگا نہ سلوٹ ، نہ نقص ہوگا نہ عدمِ تناسب ، نہ ہی وہ ناپختہ اور ناتمام ہوگی ۔ جسطرح کارگہ کائنات کے متعلق پورے حتم و یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (۶۷/۳) ،، تو رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کا عدم تناسب نہیں دیکھے گا ،، اسی طرح اس قوم کی مصنوعات کے متعلق بھی پورے پورے یقین اور اطمینان سے کہا جا سکیگا کہ تم ان میں کہیں تناسب و توازن کی کمی نہیں دیکھو گے ۔ دنیا میں ایسی قوم ، نہ صرف اپنے لئے بلکہ تمام نوع انسانی کے لئے جسقدر سکون و اطمینان کا موجب ہو سکتی ہے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

اور یہ تو صرف ایک صفتِ خداوندی کے انعکاس کا ذکر ہے ۔ جس قوم میں تمام صفاتِ خداوندی اسی انداز سے جھلک رہی ہوں ، اس کی نفع رسانیوں اور سکون بخشیوں کا کیا ٹھکانہ ہے ؟

*تاج و محیط ۔ **تاج

تلک

تِلْکَ ۔ اشارہ بعید کے لئے مؤنث کا صیغہ ہے ۔ یعنی ''وہ''۔ (مؤنث)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ذا ۔

ت ل ل

تَلَّ کے اصلی معنے ایسی جگہ کے ہیں جو اپنے آس پاس کی زمین سے قدرے بلند ہو ۔ اَلتَّلُّ مِنَ التُّرَابِ ۔ مٹی کا ٹیلہ۔ نیز التَّلُّ کے معنے تکیہ، گدا، ہیں۔ پھر اس سے اسکے معنے ٹیلہ پر پچھاڑ دینے یا لٹا دینے کے آتے ہیں۔ یا پھر یہ تَلِیْلٌ سے ہے جس کے معنے گردن اور رخسار کے ہیں۔ اس سے تَلَّهٗ کے معنے ہونگے اسے گردن اور رخسار کے بل گرایا ۔ تَلَّهٗ ۔ یَتِلُّهٗ ۔ تَلًّا ۔ اسنے اس کو پچھاڑ دیا ۔ قَوْمٌ تَلْتَلٌ ۔ پچھڑے ہوئے لوگ۔ تَلٌّ ۔ یَتِلُّ ۔ پچھڑ جانا ، گر پڑنا ۔ گرا دینا ۔ اَلتَّلَّةُ ۔ گرا دینا ۔ لٹا دینا (ایک مرتبہ) اَلْمِتَلُّ ۔ وہ جگہ جہاں کسی کو پچھاڑا جائے ۔ یا وہ نیزہ وغیرہ جس سے کسی کو گرایا جائے ۔ اَلتَّلْتَلِیُّ ۔ ذبح کی ہوئی بکری* ۔

قرآن کریم میں قصہ حضرت ابراہیم ؑ و اسمٰعیل ؑ میں ہے وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ (۳۷:۱۰۳)۔ ''اس نے اسے پٹ پڑی (کن پٹی) کے بل لٹا دیا''۔

ت ل و

تَلَوْتُهٗ ۔ تَلَیْتُهٗ ۔ میں اسکے پیچھے پیچھے چلا ۔ اَتْلَیْتُهٗ ایثاہ میں نے اس سے اسکی پیروی کرائی ۔ اسے اس کے پیچھے لگایا ۔ تَلُوٌّ ۔ وہ شخص جو ہمیشہ پیچھے پیچھے چلے ۔ اَلتَّلِیُّ ۔ جو چیز کسی کے پیچھے آئے ۔ اونٹ ، خچر یا بکری کا بچہ جو اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلے ۔ اَتْلَتِ النَّاقَةُ ۔ اونٹنی کے پیچھے پیچھے اسکا بچہ چلا ۔ اَلتَّوَالِیْ وَالتَّالِیَاتُ پچھلے حصے ۔ اَلتَّلِیْلَةُ اور التُّلَاوَةُ ۔ قرض وغیرہ کے باقی ماندہ حصہ کو کہتے ہیں جو پیچھے (باقی) رہ جاتا ہے ۔

راغب** نے کہا ہے کہ تِلْوٌ و تُلُوٌّ کے معنے متابعت (پیچھے چلنے۔ اتباع کرنے) کے ہوتے ہیں جو کہیں جسمانی طور پر ہوتی ہے اور کہیں احکام کا اتباع ہوتا ہے

*تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔ ** راغب کی عبارت کے پورے ترجمہ کے لئے دیکھئے تتمہ صـ۸۱۹ اجلد چہارم۔

ہے ۔ جسمانی طور پر پیچھے جانے کی مثال چاند کی ہے ۔ وَ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (۹۱/۲) جس کے معنی ہیں ، چاند سورج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور اس سے روشنی کا اقتباس کرتا ہے ۔ تَتَلَاهُ تَتْلِیاً ۔ اس نے اس کا پیچھا کیا ۔ تَتَلَّیْتُ حَقَّہٗ : میں نے اسکا پیچھا لیکر اس سے اپنا پورا پورا حق وصول کرلیا* ۔ اتباعِ احکام کیلئے تلاوت قرآن کا حکم موجود ہے ۔ راغب کے نزدیک تِلَاوَۃ بالخصوص خدا کی طرف سے نازل شدہ کتابوں کے اتباع کو کہتے ہیں ۔ چونکہ اس اتباع کیلئے ضروری ہے کہ پہلے ان احکام کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے اسلئے انہیں اسطرح پڑھنے کو بھی تلاوۃ کہتے ہیں ۔ لیکن یہ لفظ قِرَاءَۃ (پڑھنے) سے خاص ہے ۔ یعنی قِرَاءَۃ (پڑھنا) بہر حال تلاوۃ کے اندر آ جاتا ہے لیکن تلاوۃ (اتباع کرنا) قراءۃ کے اندر نہیں آتا** ۔ لہذا تلاوت قرآن کریم کے معنی ہیں قرآن پر عمل کرنے کے لئے اسے پڑھنا ۔ (نہ صرف پڑھتے رہنا) ۔

فُلَانٌ یَتْلُوْ عَلٰی فُلَانٍ وَ یَقُوْلُ عَلَیْہِ ۔ عربی محاورہ ہے جس کے معنی ہیں فلاں آدمی فلاں کے خلاف جھوٹ بولتا اور غلط بیانی کرتا ہے* ۔

تَلَاہُ کے معنی ''اسے چھوڑ دیا'' بھی آتے ہیں ۔ یعنی اسطرح چھوڑ دینا کہ وہ پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہو (ابن فارس)

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ (۲/۱۲۱) ۔ ''جن لوگوں کو ہم نے یہ کتاب دی ہے وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے ، یہی لوگ ہیں جو اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں'' ۔ ظاہر ہے کہ اسمیں تلاوت کے معنے اتباع کرنے کے ہی ہو سکتے ہیں ۔ کیونکہ ان لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہی لوگ درحقیقت اس پر ایمان رکھتے ہیں ۔ ورنہ اگر اسکے معنی فقط پڑھنے کے ہوں تو قرآن کو تو غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں جو اسپر ایمان نہیں رکھتے ۔ لہذا قرآن کی تلاوت سے مراد اسکے احکام کا اتباع ہے ۔ اسے پڑھا اسلئے جاتا ہے کہ اسے سمجھا جائے اور سمجھا اسلئے جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جا سکے ۔ قرآن کا اسطرح پڑھنا کہ وہ سمجھ میں نہ آئے یا اسے فقط سمجھ لینا اور اسپر عمل نہ کرنا ، کچھ فائدہ نہیں دے سکتا ۔ قرآن نے کہا ہے کہ مومن درحقیقت وہی ہیں جو اسکی پوری پیروی کرتے ہیں ۔

---

* تاج و محیط ۔ **راغب

قرآن مجید میں نبی اکرمؐ کے متعلق جو فرمایا ہے کہ یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ آیٰتِہٖ (۳/۱۶۴) "وہ جماعت مومنین کے سامنے خدا کے احکام پیش کرتا ہے"۔ تو اسکے ساتھ ہی کہہ دیا کہ وَیُزَکِّیْھِمْ (۳/۱۶۴)۔ وہ ان کی صلاحیتوں کی نشو و نما کا سامان بھی بہم پہنچاتا ہے (دیکھئے عنوان ز۔ک۔و) اس سے ظاہر ہے کہ تلاوتِ قرآن سے مقصود یہ ہے کہ خدا کا نظام عملاً متشکل ہو جائے جسکے تعمیری نتائج (یعنے افرادِ معاشرہ کی نشوونما) محسوس صورت میں سامنے آ جائیں۔ صرف قرآن پڑھ لینے کو تلاوت کہنا اور سمجھ لینا کہ اس سے مقصد حاصل ہوگیا ہے خود فریبی ہے۔ قرآن کو سمجھنا اور اسپر عمل کرنا ضروری ہے۔ پھر سمجھ لیجئے کہ قرآن کا پڑھنا اسلئے ضروری ہے کہ اسے سمجھ لیا جائے اور سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اگر قرآن کو سمجھا نہ جائے تو اسکا پڑھنا کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اور اگر اسپر عمل نہ کیا جائے تو اس کا سمجھنا بھی بیکار ہے۔

سورۃ صٰفّٰت میں فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا (۳۷/۳) آیا ہے۔ یعنے قرآن کا اتباع کرنے والی جماعتیں۔ سورۃ بقرۃ میں یہودیوں کے خلاف ایک الزام یہ بھی ہے کہ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ (۲/۱۰۲)۔ "یہ ان باتوں کی پیروی کرتے ہیں جو شیاطین (دین خداوندی کے دشمنوں) نے مملکتِ سلیمان کے متعلق عام کر رکھی تھیں"۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ دین خداوندی کے دشمنوں نے انبیائے بنی اسرائیل کے خلاف کیا کیا افسانے وضع کئے تھے، اور یہودی کسطرح ان افسانوں کو آسمانی تعلیم مانتے ہیں، تو اسکے لئے تورات (بائبل کا عہد نامہ عتیق) پڑھئے۔ اس میں ایسی ایسی باتیں ان انبیائے کرامؑ کے خلاف موجود ہیں جنہیں کوئی شریف آدمی سن نہیں سکتا۔

ت م م

تَمَامُ الشَّیْءِ۔ وہ چیز جس سے کسی شے کی کمی پوری ہو جائے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی پورا ہونے کے لکھے ہیں۔ بعض لوگوں نے تَمَام اور کَمَال کو مرادف قرار دیا ہے لیکن بعض نے ان میں یہ فرق کیا ہے کہ تَمَام کسی چیز کی کمی کو پورا کر دینے کو کہتے ہیں اور کَمَال اس انتہائی حد کو کہتے ہیں جس تک وہ اپنی پوری پوری نشو و نما (Devloepment) کے بعد پہنچ سکے۔ یا وہ اس مقصد کو پورا کردے

جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے۔ چنانچہ رَجُلٌ تَامٌّ الْخَلْقِ کے معنے ہوتے ہیں ایسا آدمی جس کے اعضاء میں کوئی نقص (Constitutional Defect) نہ رہ گیا ہو۔ اور کَمِیلُ الْخَلْقِ اسے کہتے ہیں جس میں حسن و خوبی اپنی انتہا تک پہنچ چکی ہو۔ یعنی یہ تَمَامٌ سے آگے ہوتا ہے *۔

تَمَّ الشَّیْءُ ۔ چیز پوری ہو گئی۔ تَمَّ عَلَیْہِ ۔ وہ اس پر مداومت سے قائم رہا۔ اس کا ہمیشہ پابند رہا۔ اَتَمَّ الشَّیْءَ : چیز کو پورا کر دیا *۔

قرآن کریم میں ہے وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ (۲/۱۲۴) ''جب اس کے نشو و نما دینے والے نے ابراھیم کے لئے نمود ذات کے مختلف مواقع بہم پہنچائے تو وہ دوام و ثبات سے ان میں پورا اترا اور اس طرح اس نے بتا دیا کہ اس میں کوئی کمی باقی نہیں رہی۔'' سورۃ المائدہ میں ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (۵/۳) ''اب ہم نے تمہارا غلبہ و اقتدار انتہا تک پہنچا دیا۔ (کوئی سرکش قوت باقی نہیں رہی) تمہارے نظام زندگی کی تکمیل ہو گئی۔ اور ہماری نعمتوں میں سے جس جس کی کمی تھی ہم نے وہ سب پوری کر دی''۔ سورۃ انعام میں ہے۔ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ (۶/۱۱۶) ''قوانین خداوندی میں سے جو کچھ باقی رہتا تھا وہ بھی سب کا سب صدق و عدل سے پورا ہو گیا، اور اب اس میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں''۔ اس طرح دین کی تکمیل ہو گئی اور نبوت ختم ہو گئی۔ اس لئے کہ جب قوانین خداوندی میں نہ کسی اضافے کی ضرورت باقی رہے نہ رد و بدل کی گنجائش، تو پھر اور نبی آئیگا کس کام کیلئے؟ آیت ۵/۳ کے مزید مفہوم کے لئے دیکھیں تتمہ ص۱۸۲۰ جلد چہارم عنوان ت م م۔

مُتِمُّ۔ پورا کرنے والا (۶۱/۸)۔

تنور

اَلتَّنُّوْرُ ۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مادہ نَارٌ ۔ نَوْرٌ ہے (دیکھئے عنوان ن ۔ و ۔ ر) لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے ۔ عربوں نے معرب بنا لیا ہے ۔ اس کے ایک معنے تو وہی ہیں جو ہماری زبان میں رائج ہیں۔ یعنی روٹی پکانے کا تنور۔ لیکن اَلتَّنُّوْرُ وادی کے اس مقام کو بھی کہتے ہیں

* تاج ۔

جہاں پانی جمع ہو جائے ۔ نیز ہر اس جگہ کو جہاں سے پانی کا چشمہ ابلتا ہو ۔ نیز بلند اور اونچی زمین کو کہتے ہیں * ۔

قرآن کریم میں حضرت نوح ؑ کے طوفان کے ضمن میں ہے فَارَ التَّنُّوْرُ (۱۱/۴۰) ۔ یہاں تنور سے مراد وادی کی وہ جگہ ہے جہاں بارش کا پانی جمع ہو رہا تھا ۔ یعنے بارش اس زور کی ہوئی (۱۱/۴۴) کہ وادی میں جہاں پانی جمع ہوتا تھا وہاں پانی میں سخت جوش پیدا ہو گیا اور اس نے طوفان کی شکل اختیار کر لی ۔

ت و ب

تَابَ ۔ تَوْبًا ۔ تَوْبَةً ۔ مَتَابًا ۔ کے معنے ہیں واپس آ جانا** ۔ آپ شاہراہ حیات پر چلے جا رہے ہیں ۔ راستہ میں ایک چوراہا آیا جہاں سے آپ ایک طرف کو مڑ گئے ۔ چند قدم آگے جا کر آپکو محسوس ہوا کہ آپکا قدم غلط سمت کو اٹھ گیا ہے ۔ صحیح راستہ یہ نہیں ۔ اب آپکو صحیح راستہ کی طرف جانے کیلئے اس مقام تک لوٹ کر آنا ہوگا جہاں سے آپکا قدم غلط سمت کو اٹھا تھا ۔ اس واپسی کو تَوْبَةٌ کہتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اسکے لئے آپکو چلکر واپس آنا ہوتا ہے ۔ وہیں کھڑے کھڑے اگر آپ عمر بھر بھی افسوس کرتے رہینگے کہ میں نے غلط سمت کیطرف کیوں قدم اٹھا لیا تو یہ تَوْبَةٌ نہیں ہوگی ۔ تَوْبَةٌ ایک عملی اقدام ہے جس سے غلط کام کو (Un-Do) کیا جاتا ہے ۔ اس کے مضر اثرات کی تلافی کی جاتی ہے ۔ تَابَ عَنْهُ اور مِنْهُ کے معنے ہیں اسنے اپنی غلطی کا احساس کر کے غلط روش کو چھوڑ دیا اور صحیح راستہ کی طرف لوٹ آیا ۔ غلطی کا احساس، احساس کے بعد غلط روش سے اجتناب اور پھر صحیح روش کا اختیار کرنا، یہ تینوں مراحل تَوْبَةٌ کے اندر شامل ہیں ۔ ایسا کرنے والے کو تَائِبٌ کہتے ہیں** ۔ اسی لئے قرآن کریم میں آیا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱/۱۱۴) ۔ ''اعمالِ حسنہ میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ غلط اعمال کے نقصان رساں نتائج کا ازالہ کر دیں'' ۔ اسی کو تَوْبَةٌ کہتے ہیں ۔ یعنی غلط کام کے نقصان رساں نتائج کی تلافی کے لئے صحیح کام کرنے ۔ اس مقام پر ایک نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے ۔ آپ نے کسی شخص کا کوئی حق دبا لیا ۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو اپنی اس غلط حرکت کا احساس ہوا ۔ آپ کے دل میں ندامت کے جذبات بیدار ہوئے ۔ آپ کی توبہ یہ ہے کہ آپ اس شخص کا حق واپس دیدیں اور

* تاج و محیط و لطائف اللغۃ ۔ **تاج

آئندہ کے لئے عہد کریں کہ آپ کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کرینگے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ نے شراب پی لی۔ کچھ وقت کے بعد آپ کو اپنی غلط کاری کا احساس ہؤا۔ اس میں توبہ کی شکل یہی ہے کہ آپ اپنے عمل پر نادم ہوں اور آئندہ کے لئے کبھی اس کے مرتکب نہ ہوں۔

شروع میں بیان کردہ مثال میں، جب آپ نے اس چوراہے سے غلط راستہ اختیار کیا تھا تو صحیح راستہ نے آپکا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ جب آپنے اپنی غلطی کے احساس کے بعد غلط راستہ کو چھوڑ دیا اور صحیح راستہ کی طرف رخ کیا تو صحیح راستہ نے بھی (جو اسوقت تک آپ سے منہ موڑے ہوئے تھا) آپکی طرف رخ کر لیا۔ رخ ہی نہیں کر لیا بلکہ آپ نے اسکی طرف ایک قدم اٹھایا تو وہ دو قدم اٹھا کر آپکی طرف بڑھ آیا۔ دو قدم اسطرح کہ ایک قدم وہ کم ہوا جو آپ پہلے مخالف سمت میں جانے وقت اٹھا رہے تھے اور دوسرا قدم وہ جو آپنے اسکی طرف اٹھایا۔ اسے تَابَ عَلَيْهِ کہتے ہیں۔ اور ایسا کرنے والے کو تَوَّاب* ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا (۴/۱۱۰) خدا کے متعلق ہے۔ اور اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ (۲/۲۲۲) بندوں کے متعلق۔ یعنے جب انسان غیر خدائی قانون کو چھوڑ کر قانون خدا وندی کی طرف رخ کرتا ہے تو یہ قانون اپنے تمام خوشگوار نتائج کو لئے ہوئے اس انسان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے (۳/۱۲۸) میں یہ لفظ عَذَاب* کے مقابلہ میں آیا ہے۔ نیز (۹/۱۰۶) میں۔ بالفاظ دیگر انسان کسی جرم کے ارتکاب سے ابدی طور پر زندگی کی خوشگواریوں سے محروم نہیں ہو جاتا۔ وہ جب بھی قانونِ خدا وندی کو اختیار کریگا اس قانون کے خوشگوار نتائج اسکی طرف لپک کر آ جائینگے۔ یعنے ہر شخص کیلئے باز آفرینی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ہر قوم کیلئے نَشْاَةِ ثَانِيَة کا امکان۔ (قوموں کی زندگی میں وہ مرحلہ کب آتا ہے جب انکی حیاتِ نو ناممکن ہو جاتی ہے اس کے متعلق ہ۔ ل۔ ک کے عنوان میں بتایا جائیگا) لیکن یہ باز آفرینی اسی وقت تک ممکن ہے جب انسان کے لئے عملِ صالح کرنے کا امکان ہو۔ جب عمل کا موقع ختم ہو جائے تو پھر باز آفرینی ناممکن ہو جاتی ہے۔ جہنم میں عمل کا موقع باقی نہیں رہتا اس لئے باز آفرینی ناممکن ہو جاتی ہے۔

توبہ اور استغفار میں کیا فرق ہے اسکے لئے (غ۔ف۔ر) کا عنوان دیکھئے۔ لطائف اللغۃ میں ہے کہ توبہ سابقہ گناہوں پر ندامت کو کہتے ہیں۔ اور انابت، مستقبل میں ترک معاصی کو۔

*تاج۔

اَلتَّابُوْتُ ۔ صندوق کو کہتے ہیں کیونکہ جو چیزیں اس سے نکالی جاتی ہیں وہ اس میں واپس ہوتی رہتی ہیں* ۔ (اس ضمن میں عنوان تَابُوْتٌ بھی دیکھئے)۔

ت و ر

اَلتَّوْرُ ۔ بہنا، جاری ہونا۔ ایلچی، سفیر ۔ اَلتَّوْرَۃُ ۔ باندی جو اپنے چاہنے والوں میں آتی جاتی رہے ۔

اَلتَّارَۃُ ۔ وقت ۔ مرتبہ ۔ جیسے جِئْتُہٗ تَارَۃً اُخْرٰی ۔ میں اس کے پاس دوسری مرتبہ گیا ۔ اَتَارَہٗ ۔ اسنے اسے یکے بعد دیگرے دھرایا ۔

اَلتَّائِرُ ۔ تھکنے کے بعد بھی برابر کام میں لگا رہنے والا* ۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے نُخْرِجَکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی (۲۰/۵۵) ۔ ''ہم تم کو دوسری مرتبہ نکالینگے،، ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ تَارَ الْجُرْحُ سے ماخوذ ہے جسکے معنے زخم کا بھر جانا اور مندمل ہو جانا ہے** ۔ بہنا ۔ جاری رہنا۔ اور تھکنے کے بعد بھی کام میں لگے رہنا کے اعتبار سے دیکھا جائے تو زندگی کی جوئے رواں کے لئے تَارَۃً کا لفظ کسقدر معنی خیز ہے۔ حیات کا سلسلہ غیر منقطع ہے ۔ اس میں صرف احوال و ظروف کی تبدیلیاں ہوتی ہیں ۔ اس کا نام تَارَۃً اُخْرٰی ہے ۔

اَلتَّوْرَاۃُ ۔ (دیکھئے عنوان تورات) ۔

تَوْرَات

بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ وَرْیٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنے روشن کرنے کے ہیں* ۔ (اس کے لئے دیکھئے عنوان و ۔ ر ۔ ی)

لیکن اصل وہی ہے جو صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ تُوْرَہٗ کا معرب ہے جو عبرانی لفظ ہے اور جسکے معنے شریعت اور حکم کے ہیں ۔ اسکی جمع تُوْرَاتٌ ہے ۔ یعنے احکام و شرائع*** ۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ تورات اس کتاب کا نام ہے جو حضرت موسٰے ؑ پر نازل ہوئی تھی۔لیکن قرآن کریم نے حضرت موسٰے ؑ کی کتاب کا نام خصوصیت سے تورات نہیں بتایا ۔ تورات کے متعلق اس نے کہا ہے کہ وہ حضرت ابراھیم ؑ کے بعد (۳/۶۵) بلکہ حضرت یعقوب ؑ کے بعد (۳/۹۳) اور حضرت

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط

عیسٰے ؑ سے پہلے (۵/۴۶) نازل ہوئی تھی۔ یہ یہودیوں کے لئے آسمانی راہنمائی تھی اور اس میں احکام خداوندی مندرج تھے۔ (۵/۴۴) ۔ اس میں ہدایت اور روشنی تھی ۔ اس کے مطابق انبیائے بنی اسرائیل اور ان کے علماء و مشائخ معاملات کا فیصلہ کرتے تھے (۵/۴۴) ۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کی رو سے تورات اُن مجموعۂ کتب کا نام ہے جو انبیائے بنی اسرائیل پر حضرت عیسٰے ؑ سے پہلے نازل ہوئیں ۔ اسی مجموعہ کو عہد نامہ عتیق (Old Testament) کہا جاتا ہے۔ اس میں انتالیس صحیفے ہیں اور ہر صحیفہ اپنے نبی کے نام سے موسوم ہے ۔ اس میں ''اسفار موسٰے'' بھی شامل ہیں جنہیں قرآن ''صحف موسٰی'' سے تعبیر کرتا ہے (۸۷/۱۹) نیز ''کتاب موسٰے'' سے بھی (۶/۹۱) ۔ اُس زمانے کے رواج کے مطابق ، یہ کتاب چند تختیوں پر لکھی ہوئی تھی (۷/۱۴۵) ۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ، موجودہ عہد نامہ عتیق کے مجموعہ میں اُنتالیس کتابیں ہیں لیکن ان میں بعض ایسی کتابوں کا حوالہ آتا ہے جو اس مجموعہ میں موجود نہیں ہیں ۔ اس قسم کی کم از کم گیارہ کتابیں گنائی جا سکتی ہیں ۔ اس سے واضح ہے کہ یہ مجموعہ نامکمل ہے ۔

اس سے آگے بڑھئے۔ ''اسفار موسٰے'' کو حضرت موسٰے ؑ کیطرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن ان میں حضرت موسٰے ؑ کی وفات اور وفات کے بعد کے حالات بھی موجود ہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کتابوں کا کم از کم کچھ حصہ حضرت موسٰے ؑ کے بعد کا اضافہ ہے ۔

عہد نامہ عتیق کی کتابوں کے متعلق اسوقت تک بالتحقیق ثابت نہیں ہو سکا کہ ابتداءً یہ کس عہد میں مدون ہوئیں اور ان کے مؤلف کون تھے ۔ البتہ اتنا ضرور متحقق ہے کہ ایک زمانہ ایسا آیا تھا جس میں ان کا وجود ناپید ہو چکا تھا ۔ یعنی جب چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کے شہنشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا ہے (دیکھئے عنوان بنی اسرائیل) ۔ تو اس نے تورات کی الواح کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا ۔ جب یہودی، بابل کی قید سے رہائی کے بعد دوبارہ بیت المقدس میں آئے تو انہیں اپنے گم گشتہ صحفِ مقدسہ کی ترتیب نو کی فکر ہوئی ۔ چنانچہ عزرا نبی نے سلسلہ اول کی پانچ کتابوں کو ازسرنو مرتب کرکے واقعات کو مؤرخانہ حیثیت سے قلمبند کیا ۔ لیکن خود عزرا نبی کے متعلق بھی یقینی طور پر معلوم نہیں کہ وہ کب یروشلم آئے تھے ۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۴۴۸ ق۔م میں ان کتابوں کو

مرتب کیا تھا۔ یہ ترتیب و تدوین کسطرح عمل میں آئی تھی اس کے متعلق خود عزرا کی زبان سے سنئے۔ وہ کہتے ہیں۔

"دوسرے روز ایک آواز نے مجھے بلایا اور کہا کہ عزرا! اپنا منہ کھولو اور وہ کچھ پیو جسے میں تمہیں پینے کے لئے دیتا ہوں۔ سو میں نے اپنا منہ کھول دیا۔ تب دیکھو اس نے مجھ تک ایک پیالہ بھیجا۔ وہ پانی سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا لیکن اس کا رنگ آتشیں تھا۔ میں نے اسے لیا اور پی گیا۔ جب میں نے اسے پی لیا تو میرے دل میں فہم و فراست اور سینے میں بصیرت پیدا ہو گئی اور میری روح نے میرے حافظہ کو قوی بنا دیا۔ اور پھر جو میری زبان کھلی ہے تو بند نہیں ہوئی اور لکھنے والے چالیس دن تک بیٹھے لکھتے رہے۔ وہ دن بھر لکھتے تھے اور صرف رات کے وقت کچھ کھاتے اور میں دن بھر لکھاتا رہتا تھا اور رات کو بھی میری زبان بند نہ ہوتی تھی۔ چالیس دنوں میں انہوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھ ڈالیں"۔ (کتاب عزرا ۲ - $\frac{۱۴}{۳۸-۴۴}$)۔

یہ بیان کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ اس پر صرف اتنا اضافہ کافی ہوگا کہ یروشلم کی تباہی ۵۸۷ ق م میں ہوئی اور عزرا نے ان کتابوں کو ۴۴۴ ق م میں لکھوایا۔ یعنی قریب ڈیڑھ سو سال بعد۔ ظاہر ہے کہ عزرا نے ان کتابوں کو خود کہیں نہیں دیکھا تھا جو انہیں حفظ یاد کرلیا ہوتا۔ اس لئے انہوں نے حفظ کردہ کتابوں کو دوبارہ نہیں لکھوایا بلکہ ان کتابوں کو انہوں نے خود تصنیف کیا۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ خود عزرا کے بیان کے مطابق انہوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھوائی تھیں لیکن اب کہا جاتا ہے کہ انہوں نے صرف پانچ کتابیں (اسفار موسےٰ) مرتب کرائی تھیں۔

عزرا کے بعد نحمیاہ نبی نے کچھ اور کتابوں کو مرتب کیا۔ لیکن ۱۶۸ ق م میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ، انٹونس نے پھر بیت المقدس کو برباد کیا اور مقدس صحیفوں کو جلا دیا۔ اس کے بعد یہودا مقابی کی ہمت سے ان صحیفوں کو ازسر نو مرتب کیا گیا۔ لیکن ۷۰ ء میں رومیوں کا طوفان اسڈا اور ٹائٹس نے بیت المقدس کو اسطرح برباد کیا کہ یہودی اسمیں پھر نہ بس سکے۔ یہ ان صحیفوں کو ہیکل سے نکال کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد یہودی علماء نے ان صحیفوں کو اپنے حافظہ کی مدد سے پھر مرتب کیا۔

پھر یہی نہیں کہ ان کتابوں کو حوادث ارضی و سماوی تباہ کر دیتے تھے۔ ان میں دانستہ تحریف و الحاق کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ مشہور مسیحی مؤرخ رینان (Life of Jesus) میں لکھتا ہے کہ

زمانہ قرب مسیح ؑ میں تورات میں بہت سی اہم تبدیلیاں کی گئیں۔ بالکل نئی کتابیں (مثل کتاب استثناء) مرتب کی گئیں۔ یہ کتابیں حضرت موسٰے ؑ کی اصل شریعت کی حامل کہی جاتی ہیں حالانکہ ان کی روح پرانی کتابوں سے بلکل مختلف تھی۔ (ص۔۴۰)

اس کے علاوہ یہودیوں نے ایک اور عقیدہ بھی وضع کیا۔ وہ یہ کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تورہ شبکتب (یعنی وحی مکتوب یا متلو) اور دوسری تورہ شبعلفہ، وحی غیر مکتوب (وحی غیر متلو)۔ یہودی علماء نے وحی غیر متلو کی روایات کو جمع کرکے اسے بھی تورات کا درجہ دیدیا۔ اس مجموعہ کو مشنا کہا جاتا ہے۔ پھر اس مجموعہ کی تشریحات و تفسیرات جمع کی گئیں۔ اس کا نام جمارا ہے۔ ان دونوں کے مجموعہ کو تالمود کہتے ہیں۔ تالمود دو ہیں۔ ایک شامی دوسرا بابلی۔ دونوں پانچویں صدی عیسوی کے مرتب شدہ ہیں اور آسمانی سمجھے جاتے ہیں۔

ان روایات کے علاوہ، یہودیوں کے ہاں "باطنی علم" کا عقیدہ بھی موجود ہے۔ اس علم کی کتابوں کو "سفریم جنوزیم" (مخفی خزانہ کی کتابیں) کہا جاتا ہے۔

اب کچھ تورات کی زبان کے متعلق بھی دیکھئے۔ یہودیوں کی قدیم زبان عبرانی تھی۔ بابل سے واپسی کے بعد ان کی زبان ارامی ہوگئی۔ لیکن یہودیوں کی کوئی کتاب نہ عبرانی زبان میں تھی نہ ارامی میں۔ ان کی سب کتابیں جن سے دنیا روشناس ہوئی یونانی زبان میں تھیں۔ اسفار موسٰے ؑ کا یونانی زبان سے عبرانی میں ترجمہ ہوا۔ یہ یونانی نسخہ اسکندریہ کی لائبریری میں تھا جسے عیسائیوں نے جلا دیا تھا۔ ۳۹۴ء میں سینٹ جیروم نے ان کتابوں کا مشہور رومی ترجمہ شائع کیا جو (Vulgate) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بھی بالتحقیق معلوم نہیں کہ سینٹ جیروم کے پاس کونسا نسخہ تھا جس کا اس نے رومی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

تورات کے جو نسخے دنیا میں آج مروج ہیں ان کے اختلافات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کا پہلا نسخہ ۱۴۸۸ء میں چھپا۔ جب اس کے دوسرے ایڈیشن کا ۱۷۵۰ء میں انتظام کیا گیا تو اس میں اور پہلے ایڈیشن میں قریب بارہ ہزار جگہ اختلاف کرنا پڑا۔ اس طبع دوم کا نسخہ اب عام طور پر تورات (عہد نامہ عتیق) کہلاتا ہے۔

مروجہ عہدنامہ عتیق کے متعلق خود یہودیوں اور عیسائی محققین کی تنقیدات کیا ہیں اس کے متعلق میری کتاب ''معراج انسانیت،، کے باب اول (ظہرالفساد) میں تورات کا عنوان ملاحظہ کیجیئے۔

یہ ہے اس تورات کی مختصر سی سرگزشت جسے یہودی اپنی آسمانی کتاب کہکر پیش کرتے ہیں اور جس کے متعلق قرآن نے چودہ سو سال پہلے کہا تھا کہ انہوں نے خدا کی کتاب کو بری طرح سے مسخ کر ڈالا ہے۔ جب قرآن کریم ہم سے کہتا ہے کہ تم پہلی آسمانی کتابوں پر بھی ایمان لاؤ تو اس کا مطالبہ فقط اتنا ہوتا ہے کہ تم مانو کہ انبیائے سابقہ پر بھی خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی تھی۔ یہ نہیں کہ جن کتابوں کو اہل کتاب آسمانی کتابیں کہتے ہیں انہیں حرفاً حرفاً خدا کی وحی سمجھو۔ قرآن ان کی کسطرح ''تصدیق'' کرتا ہے اس کے لئے عنوان (ص۔ د۔ ق) دیکھئے۔

ت ی ن

اَلتِّیْنُ ۔ انجیر یا انجیر کے درخت کو کہتے ہیں۔ نیز ایک پہاڑی کا نام ہے، جسطرح زَیْتُوْنٌ بھی ایک پہاڑی کا نام ہے *۔ اَلتِّیْنُ سے مراد وہ مقام ہے جہاں سے حضرت نوح ؑ نے اپنی دعوت کی آواز بلند کی تھی۔ جسطرح زَیْتُوْنٌ وہ مقام ہے جہاں سے دعوتِ حضرت عیسیٰ ؑ کا آغاز ہوا تھا۔ قرآن کریم نے ان مقامات (تین۔ زیتون۔ طور سینا اور مکہ) کو اس حقیقت پر شاہد ٹھہرایا ہے (۹۵/۱) کہ حق و باطل کی یہ کشمکش شروع سے اسی طرح چلی آ رہی ہے۔ یعنی آسمانی پیغام جہاں جہاں بھی آیا، مترفین نے اس کی مخالفت کی۔ وہ دعوت حضرت نوح ؑ کی تھی (التین) یا حضرت عیسٰے ؑ کی (الزیتون)۔ حضرت موسٰے ؑ کی تھی (طور سینا) یا نبی اکرم ﷺ کی (البلد الامین)۔ ہر دعوت الی اللہ کی یکساں مخالفت ہوئی۔

ت ی ہ

اَرْضٌ تِیْہٌ ۔ اس سرزمین کو کہتے ہیں جسمیں نہ پہاڑ ہوں نہ ٹیلے۔ نہ کوئی دوسری چیزیں ہوں جنہیں نشانِ راہ بنایا جا سکے اور اسطرح مسافر اس میں راستہ کھوکر حیران و سرگردان پھرے۔ تَاہَ یَتِیْہُ فِی الْاَرْضِ۔ راستہ گم کرکے زمین میں حیران و پریشان بھٹکتے پھرنا۔

*تاج و راغب۔

رجلٌ تائہٌ - بھٹکتا ہوا راہی * - اس سے تاہَ - یتیہُ کے معنے متحیر ہونے کے آتے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں - نیز تاہَ یتیہُ کے معنے خودرائی اور تکبر کرنا ہیں * - التیہُ - التوہُ مقامات حیرت ** - بنی اسرائیل کے متعلق ہے - یتیہونَ فی الارضِ (۵:۲۶) ''وہ (چالیس سال تک) حیران و سرگردان پھرتے رہینگے'' - یہہ حالت ہوتی ہے اُس قوم کی جو قوانین خداوندی سے گریز کی راہیں تلاش کرنے اور ان میں حجتیں نکالے - وہ سفر زندگی میں حیران و پریشان ماری ماری پھرتی ہے اور اسے کہیں نشانِ راہ اور سراغِ منزل نہیں ملتا - (جیسا کہ خود ہمارے ساتھ صدیوں سے ہورہا ہے) -

———:o:———

*تاج - **راغب -

ث

ث ب ت

ثَبَتَ ۔ ثابت رہنا۔ ایک حالت پر جمے رہنا ۔ اَلثَّبْتُ مِنَ الْخَیْلِ ۔ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو ایک رفتار پر دوڑتا چلا جائے ۔ اَلثَّبِیَّاتُ ۔ وہ تسمہ جس سے کجاوہ کو باندھ کر جمایا جائے ۔ اور ایسے کجاوہ کو (جسے اس تسمہ سے باندھا جائے) اَلْمُثْبَتُ کہتے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دوام شے کے ہوتے ہیں۔ سورۃ رعد میں اِثْبَاتٌ بمقابلہ مَحْوٌ (مٹا دینا) آیا ہے (۱۳/۳۹) اور سورۃ ابراھیم میں یُثَبِّتُ بمقابلہ یُضِلُّ (۱۴/۲۷) ۔ لہذا اس کے معنی ہوئے، جو رائگاں نہ جائے بلکہ نتیجہ خیز اور بارآور ہو ۔ جو مٹے نہیں، اپنی جگہ نہ چھوڑے بلکہ قائم و دائم رہے ۔ اَلْقَوْلُ الثَّابِتُ (۱۴/۲۷) محکم نظریہ حیات ۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ (۱۴/۲۴) ۔ جسکی جڑیں مضبوط جمی ہوں ۔ اس کے مقابلہ میں ہے، ایسا درخت اُجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (۱۴/۲۶) جسے زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اور اسے کچھ بھی قرار نہ ہو ۔ سورۃ نحل میں ثُبُوْتٌ بمقابلہ تَزِلَّ آیا ہے ۔ یعنی لغزش نہ کرنا اور جمے رہنا (۱۶/۹۴) ۔ اور سورۃ بنی اسرائیل میں بمقابلہ تَرْكَنَ (۱۷/۷۴) ۔ یعنی ذرا نہ جھکنا ۔ قطعاً مائل نہ ہونا ۔ یعنی وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۸/۱۱) ۔ سورۃ نساء میں ہے وَاَشَدُّ تَثْبِيْتًا (۴/۶۶) استحکام دینے میں زیادہ مضبوط ۔ دَاءٌ ثَبَاتٌ ۔ وہ بیماری جو انسان کو حرکت کرنے کے قابل نہ چھوڑے* ۔ اس اعتبار سے اَثْبَتَ کے معنے ہوتے ہیں کسی کو قید کر دینا یا ایسا کر دینا کہ وہ نقل و حرکت کے قابل نہ رہے ۔ سورۃ انفال میں لِيُثْبِتُوْكَ (۸/۳۰) کے یہی معنے ہیں ۔

جماعت مومنین کی خصوصیت یہ ہے کہ خدا کے عطا کردہ محکم نظریہ حیات (قرآن) پر جم کر کھڑی رہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر اتنی قوت پیدا کرے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کے مقام سے ہلا نہ سکے ۔

* تاج و محیط ۔ راغب ۔

ث ب ر

اَلثَّبْرُ ۔ روکنا ۔ کسی بات سے منع کرنا ۔ مَاثَبَّرَکَ عَنْ ھٰذَا ۔ تمہیں کس چیز نے اس بات سے روک دیا*۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اَلثُّبْرَۃُ اس مٹی کو کہتے ھیں جو چونے سے مشابہ ھوتی ھے اور جب کھجور کی جڑ اس مٹی تک پہنچ جاتی ھے تو اسکی نشوونما رک جاتی ھے ۔ اس سے اس کے معنی واضح ھو جاتے ھین ۔ اَلتَّبْرُ ۔ نامراد و ناکام کرنا ۔ خوشگواریوں سے محروم کر دینا ۔ چنانچہ اَلْمُتَبَّرُ اس شخص کو کہتے ھیں جس پر جرم کی وجہ سے حد (سزا) لگ چکی ھو اور وہ اسطرح آزادی سے محروم کر دیا گیا ھو** ۔ اَلْمَتْبِرُ اس مقام کو کہتے ھیں جہاں اونٹ ذبح کیا جائے ۔ اس اعتبار سے اَلتُّبُوْرُ ۔ ھلاکت اور مسلسل تباھی کو کہتے ھیں* ۔ دَعَوْا ھُنَالِکَ ثُبُوْرًا (۲۵/۱۳) ۔ ''وہ وھاں ھلاکت کو پکارینگے'' ۔ مَثْبُوْرٌ ۔ نامراد و ناکام ۔ ھلاک شدہ ۔ ناقص العقل ۔ محروم* ۔ اِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یَا فِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (۱۷/۱۰۲) ''اے فرعون! میں دیکھتا ھوں کہ تجھ میں عقل کی کمی ھے'' ۔ ثَبَرَ فُلَانٌ ۔ فلاں آدمی ھلاک ھوگیا یا اسکی نشو و نما رک گئی ۔ قرآن کی رو سے مطلب دونوں کا ایک ھی ھے ۔ (دیکھئے عنوان ج ۔ ح ۔ م)

ث ب ط

ثَبَّطَہٗ عَنِ الْاَمْرِ ۔ اسکو کسی بات سے روک دیا اور دوسرے کام میں لگا دیا ۔ دیر کرا دی ۔ قرآن کریم میں ھے فَثَبَّطَھُمْ (۹/۴۶) ۔ ''سو انہیں روک دیا'' ۔ تَثْبِیْطٌ کے معنی ھیں کسی آدمی کو اس کام سے روک دینا جو وہ کر رھا ھو ۔ بعض نے کہا ھے کہ اسکے معنے ھیں آدمی اور اسکے ارادوں کے درمیان حائل ھو جانا ۔ اَلثَّبِیْطُ اسے کہتے ھیں جو اپنے کام میں سست اناڑی اور کمزور ھو ۔ جو دیر سے حرکت کرے*** ۔

ث ب ی

اَلتَّثْبِیَۃُ ۔ ڈھیر ڈھیر جمع کرنا ۔ کسی معاملہ پر جم جانا اور مستقل مزاجی سے لگے رھنا ۔ بار بار اپنے قبیلہ کی تعریف کرنا ۔ متفرق خوبیوں کو بیان کرنا ۔ چیز کی اصلاح کرنا اور اس میں اضافہ کر دینا ۔ مکمل کر دینا ۔

* تاج و محیط و راغب ۔ ** تاج ۔ *** تاج و محیط

پورا کر دینا ۔ تعظیم کرنا ۔ آدمی کا اپنے باپ کی سیرت پر چلنا ۔ خیر اور شر کو جمع کر لینا ۔ بہت زیادہ ملامت اور نکتہ چینی کرنا ۔ ثَبَّیْتُ المَالَ ۔ میں نے مال کو جمع کر دیا ۔ مَالٌ مُثَبَّیٌ ۔ جمع کیا ہوا مال ۔ اَلثَّبِیُّ ۔ لوگوں کی بہت تعریفیں کرنے والا ۔ اَلثَّبَۃُ ۔ حوض کا درمیانی حصہ ۔ لوگوں کی جماعت ۔ سواروں کا دستہ ۔ جَاءَتِ الْخَیْلُ ثُبَاتٍ ۔ گھوڑے ٹکڑی ٹکڑی آئے ۔ ابن جنّی نے کہا ہے کہ ثُبَۃٌ کے آخر سے واؤ گرا ہوا ہے ۔ (جیسا کہ اَبٌ ۔ اَخٌ اور سَنَۃٌ اور عِضَۃٌ وغیرہ میں ہے) ابن بری نے کہا ہے کہ محققین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ اسکی اصل ثَبْوَۃٌ تھی ۔ ابو اسحٰق نے کہا ہے کہ یہ ثَابَ الْمَاءُ یَثُوْبُ سے مشتق ہے ۔ جوہری نے کہا ہے کہ ثُبَۃٌ وسط حوض کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے ۔ اور آخر کی ہاء (یا تاء مربوطہ) درمیانی واؤ کے عوض میں ہے ۔ (اس صورت میں اس کا مادہ ث ۔ و ۔ ب ہوگا ۔ لیکن) راغب نے کہا ہے کہ اس کے آخر میں سے ایک یاء محذوف ہے اور اس کا مادہ ثَبْیٌ ہے * ۔

ثَبَّی الشَّیْءَ یُثَبِّیْهِ ثَبْیًا ۔ چیز کو جمع کرنا ۔ بڑا کرنا ۔ درست کرنا ۔ اس میں اضافہ کرنا ۔ مکمل کرنا ۔ قرآن کریم میں ہے فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا (۴/۷۱) ۔ اس میں ثُبَاتٍ جمع ہے ثُبَۃٌ کی جس کے معنے ایک الگ جماعت کے ہوتے ہیں ۔ اس کے مقابلہ میں جَمِیْعًا آیا ہے ۔ یعنی تم الگ، گروہ گروہ ہو کر نکلو یا سب کے سب اکٹھے ۔ اس کی جمع ثُبَاتٍ اور ثُبُوْنَ ثُبِیْنَ آتی ہے ۔ اس میں آخری یاء محذوف ہے ** ۔ (نیز دیکھئے عنوان ث ۔ و ۔ ب) ۔

ث ج ج

ثَجَّ الْمَاءُ ۔ یَثُجُّ ۔ ثُجُوْجًا ۔ پانی کا بہنا ۔ زور سے گرنا ۔ اِنْثَجَّ ۔ پانی گر گیا ۔ اَلثَّجَّاجُ مِنَ الْمَطَرِ ۔ زور سے برسنے والی موسلا دھار بارش *** ۔ قرآن کریم میں ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا (۷۸/۱۴) ۔ "ہم نے بادلوں سے زور سے برسنے والا پانی اتارا" ۔

ث خ ن

ثَخُنَ ۔ یَثْخُنُ ۔ کسی چیز کا موٹا کثیف اور گاڑھا ہو جانا، اسطرح کہ وہ بہ نہ سکے ۔ اَثْخَنَ فِی الْعَدُوِّ ۔ اسنے دشمنوں کو بہت زیادہ قتل

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** تاج و محیط و ابن فارس ۔

اور زخمی کیا ۔ اَسْتَثْخَنَ مِنْہُ النَّوْمُ ۔ نیند اس پر غالب آ گئی ۔ اَثْخَنَ ۔ وہ غالب آ گیا ۔ اس نے تسلط پا لیا* ۔

سورۃ انفال میں ہے حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ (۸/۶۷) ۔ ''جب تک وہ تمام دشمنوں پر غالب نہ آ جائے'' ۔ اور انہیں انکی مخالفانہ کارروائیاں جاری رکھنے سے نہ روک دے ۔ سورۃ محمد میں ہے حَتّٰی اِذَا اَثْخَنْتُمُوْھُمْ (۴۷/۴) ''جب تم انہیں مغلوب کر لو'' ۔

دراصل ثَخَنَ کے بنیادی معنی ہوتے ہیں کسی چیز کا اسقدر بھاری (یا (بوجھل) ہو جانا کہ وہ اسکی وجہ سے حرکت نہ کرسکے ۔ (ابن فارس) ۔ چونکہ مغلوب یا مقتول اپنے مقام سے حرکت نہیں کرسکتا اس لئے اس کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے ۔ اس کے معنی ہونگے اس قسم کا غلبہ جو دشمن کو بے حس و حرکت اور بے دست و پا کردے اور اس طرح وہ مخالفت کے قابل نہ رہے ۔ چنانچہ ثَخِیْنٌ* اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو** ۔ محیط میں لکھا ہے کہ ثَخِیْنٌ کے معنے ہتھیار بند ہیں ۔ ممکن ہے کہ اپنی اصل کے لحاظ سے اس لفظ میں یہ دونوں معنی پیدا ہوگئے ہوں ۔ اس لئے کہ جس طرح ہتھیار بند اسلحہ کے بوجھ اور بندش کی وجہ سے آزاد نہیں رہتا اور پوری طرح تیزی سے حرکت نہیں کرسکتا ، اسی طرح نہتا بھی خوف کے باعث آزاد نہیں رہتا اور اسکی حرکت میں کمی آ جاتی ہے ۔

ث ر ب

ثَرْبٌ پتلی باریک چربی جو انتڑیوں کے ساتھ ہوتی ہے ۔ تَثْرِیْبٌ ۔ اس چربی کا ازالہ کر دینا ۔ اسے وہاں سے ہٹا دینا ۔ ثَرَّبَ الثَّوْبَ اسنے کپڑے کو لپیٹ دیا ۔ ثَرَّبَہٗ وَعَلَیْہِ یُثَرِّبُ تَثْرِیْبًا ۔ اسے اسکی غلطی پر عار دلانا یا ملامت کرنا ۔ زجروتوبیخ کرنا ۔ سرزنش کرنا*** ۔ سورۃ یوسف میں ہے ۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ (۱۲/۹۲) ۔ ''تم پر آج کوئی ملامت نہیں'' ۔ میں تمہیں زجروتوبیخ اور سرزنش نہیں کرتا ۔ تمہیں معافی ہے پچھلی لغزشوں پر ، اور آئندہ تمہیں عار نہیں دلائی جائیگی ۔

یَثْرِبُ ۔ مدینہ منورہ کا قدیمی نام ہے*** ۔ قرآن کریم میں ہے یَا اَھْلَ یَثْرِبَ ۔ ''اے یثرب کے رہنے والو'' ۔ (۳۳/۱۳) ۔

---

* تاج ۔ ** ابن فارس ۔ ***تاج و راغب و محیط ۔

ث ر ی (ث ر و)

اَلثَّریٰ - نمی - نم آلود مٹی - یعنے وہ مٹی جو گیلی ہو گئی ہو لیکن گارا نہ بنی ہو - زمین کی اوپر کی سطح خشک ہوتی ہے اور اس کے نیچے نم آلود - اس سطح کو ثریٰ کہتے ہیں - مَاتَحْتَ الثَّرَیٰ (۲۰:۶) - ''جو کچھ ثریٰ کے نیچے ہے،، - تَرِبَتِ الْاَرْضُ - زمین نم آلود ہو گئی - چونکہ زمین کی نمی کھیتی کیلئے نہایت ضروری ہے اسلئے فُلَانٌ قَرِیْبُ الثَّرَیٰ کے معنے ہیں ایسا آدمی جو آسانی سے خیر و برکت عطا کر دے - حقیقی ثروت زمین کی نمی کے ساتھ وابستہ ہے جو رزق کا سرچشمہ ہے - اَنَا ثَرِیٌّ بِہٖ - میں اس سے خوش ہوں* -

ث ع ب

ثَعَبَ الْمَاءَ - پانی بہایا - فَانْثَعَبَ - چنانچہ پانی بہہ نکلا - مَاءٌ اَثْعَبَانٌ - بہنے والا پانی - مَثَاعِبُ الْمَدِیْنَۃِ - شہر کی پانی بہنے کی جگہیں - اَلثُّعْبَانُ - سانپ (موٹا لمبا اور نر سانپ) - چونکہ سانپ زمین پر اسطرح چلتا ہے جیسے پانی کی نالی بہہ رہی ہو اسلئے اسے ثُعْبَانٌ کہتے ہیں* - اَلْاَثْعَبَانُ - بھاری بھر کم سفید اور حسین چہرہ* -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی درازی اور پھیلنے کے ہوتے ہیں - (پانی وغیرہ میں) -

قرآن کریم میں قصۂ حضرت موسےٰ کے سلسلہ میں کہا گیا ہے فَاَلْقٰی عَصَاہُ فَاِذَا ھِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ... (۷:۱۰۷) - اس کے لغوی معنی ہیں ''تب اس نے اپنا عصا ڈالا تو وہ صریح سانپ (اژدھا) تھا،، - اس کے مجازی مفہوم کے لئے عنوان (ع - ص - و) میں لفظ عصا دیکھئے -

ث ق ب

اَلثَّقْبُ - سوراخ - آر پار شگاف - ثَقَبَہٗ - یَثْقُبُہٗ - اسنے اسمیں سوراخ کر دیا - فَانْثَقَبَ - اسمیں سوراخ ہو گیا - اَلْمِثْقَبُ - سوراخ کرنے کا آلہ - ثَقَبَتِ النَّارُ - آگ بھڑک اٹھی - ثَقَبَ الْکَوْکَبُ ستارہ چمکا - شِہَابٌ ثَاقِبٌ - روشن ستارہ - گویا وہ تاریکی کی چادر میں سوراخ کر کے باہر نکل آتا ہے، یا اسکی کرنیں فضا کی تاریکی میں چھید کرتی جاتی ہیں -

*تاج - **محیط -

اَلثَّیْبُ ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بہت دودھیاری ہو ۔ جسکے دودھ کی دھاریں چھید کرتی جائیں* ۔ قرآن کریم میں شِہَابٌ ثَاقِبٌ (۳۷/۱۰)۔ اور اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ (۸۶/۳) آیا ہے ۔

ث ق ف

اَلثَّقْفُ ۔ کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کے بھانپ لینے اور پا لینے میں مہارت اور کسی کام کے کرنے میں حذاقت۔ ثَقِفْتُ کَذَا ۔ میں نے کسی چیز کو مہارت نظر کے ذریعہ تاڑ لیا۔ اسکے بعد یہ لفظ محض پا لینے کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا خواہ اسکے ساتھ نگاہ کی مہارت شامل ہو یا نہو** ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس کے معنی غلبہ پا لینے کے بھی ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْا لَکُمْ اَعْدَاءً (۶۰/۲)۔ ''اگر وہ تم پر غلبہ پالینگے تو تمہارے دشمن ہوجائیں گے'' ۔ یا وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ (۲/۱۹۱) ''جہاں تم انہیں بھانپ لو اور غلبہ پا لو انہیں قتل کر دو،، ۔

اَلثِّقَافُ کے معنے باہم جھگڑنے اور تلواریں چلانے کے ہیں ۔ نیز وہ آلہ جس سے نیزوں کو سیدھا کیا جاتا ہے*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی ٹیڑھی چیز کو سیدھا کرنے کے ہوتے ہیں ۔ چنانچہ ثَقَّفْتُ الْقَنَاۃَ کے معنی ہیں میں نے نیزہ کے خم کو سیدھا کر دیا۔ اس اعتبار سے اَلثَّقَافَۃُ میں جہاں نگاہ کی تیزی ۔ ذہانت ۔ اور حذاقت کا مفہوم ہے وہاں اس میں تلوار چلانے اور نیزہ کے خم کو سیدھا کر دینے کا مفہوم بھی ہے* ۔ قوموں کی اولین ثَقَافَت شمشیر وسناں ہوتی ہے اور آخرالامر اس سے مفہوم شعر گوئی اور افسانہ طرازی رہ جاتا ہے۔ ایک زندہ قوم کی ثقافت، نگاہ کی تیزی اور شمشیر کی خارہ شگافی (دونوں) کا مجموعہ ہوتی ہے ۔

ث ق ل

اَلثِّقَلُ ۔ خِفَّۃٌ کی ضد ہے ۔ بھاری اور بوجھل ہونا ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ دونوں مقابل کے الفاظ ہیں ۔ جب تم کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے ساتھ وزن یا اندازہ کر رہے ہو تو جو چیز بھاری ہو اسے ثَقِیْلٌ کہتے ہیں اور جو ہلکی ہو اسے خَفِیْفٌ ۔ ثَقِیْلٌ کی جمع ثِقَالٌ آتی ہے*** ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **راغب ۔ ***تاج ۔

عظیم الشان وزنی بات ۔ قَوْلاً ثَقِیْلاً (۷۳/۵) ۔ ثَقَلَیْنِ ۔ دو عظیم القدر چیزیں ۔ یا جماعتیں ۔ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ (۵۵/۳۱) ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس سے مراد عرب و عجم ہیں کیونکہ دونوں صفحہ ارض پر ثَقَلٌ ہیں** ۔

اَثْقَالٌ (ثِقْلٌ کی جمع ہے) وزن ۔ بوجھ ۔ اعمال کے نتائج ۔ (۲۹/۱۳) ۔ سورۃ زلزالٌ میں ہے وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (۹۹/۲) ۔ ''زمین اپنے اَثْقَال کو اوپر لے آئیگی ۔ باہر نکال دیگی،، ۔ اس سے مراد زمین کے چھپے ہوئے خزائن و دفائن (معدنیات وغیرہ) بھی ہیں اور بڑے بڑے لوگ بھی ۔ مِثْقَالٌ ۔ ہر وہ چیز جس سے کسی چیز کا وزن کیا جائے ۔ چنانچہ ہر باٹ کو مِثْقَالٌ کہہ سکتے ہیں* (۳۱/۳۰) ۔

ثَقُلَ ۔ بھاری ہونا* ۔ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۷/۱۸۷) ۔ ''وہ ارض و سماء میں بھاری ہے،، ۔ اَثْقَلَتِ الْحَمْلَ ۔ حمل ظاہر ہو گیا* ۔ (۷/۱۸۹) ۔ اِثَّاقَلَ ۔ بوجھل ہو کر (زمین کی طرف) جھک جانا ۔ سست ہو جانا ۔ دیر لگا دینا** ۔ (۹/۳۸) ۔

مُثْقَلٌ ۔ بوجھ سے دبا ہوا* (۵۲/۴۰) ۔ مُثَقَّلَةٌ (۳۵/۱۸) ۔

سورۃ توبہ میں ہے ۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (۹/۴۱) ۔ جب تمہیں جہاد کیلئے بلایا جائے تو تم چاہے فراخی کی حالت میں ہو یا تنگی کی حالت میں ہر حال میں جہاد کیلئے چل کھڑے ہو ۔ تاج العروس نے جوان اور بوڑھے بھی کہا ہے* ۔ نیز اس کے معنے چست اور سست بھی ہو سکتے ہیں اور سامانِ حرب سے ادھوری یا پوری طرح لیس ہونے والے بھی ۔

ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ، کے لئے دیکھئے عنوان (خ ۔ ف ۔ ف) ۔

ث ل ث

اَلثُّلُثُ ۔ الثُّلُثُ ۔ ایک تہائی حصہ (۱/۳ حصہ) فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ (۴/۱۱) ۔ ''تو اسکی ماں کے لئے ایک تہائی حصہ ہے'' ۔ اَلثُّلُثَانِ ۔ دو تہائی ۔ ثَلَّثَ ۔ گھوڑے کا دوڑ میں مُصَلِّیْ کے بعد تیسرے نمبر پر آنا ۔ (مُصَلِّی وہ ہوتا ہے جو پہلے نمبر سے متصل دوسرے نمبر پر آئے) ۔ اَلثَّلَاثَةُ ۔ تین کا عدد ، مذکر (ثَلَاثٌ مؤنث) ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ (۲/۱۹۶) ۔ ''تین دن کے روزے (بطور فدیہ)،، ۔

ثُلَاثَ ۔ تین تین ۔ مَثْنٰی وَثُلَاثَ وَرُبٰعَ ۔ (۴/۳) ''دو دو ۔ تین تین ۔ چار چار،، ۔ اَلثَّلَاثِیْنَ وَالثَّلَاثُوْنَ ۔ تیس (۳۰) ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

ث ل ل

اَلثُّلَّةُ - بہت سی بھیڑیں یا بکریاں - اصل میں اون کے ڈھیر کو کہتے ہیں - چونکہ بھیڑ بکریوں پر اون ہوتی ہے اسلئے ان کے ریوڑ کیلئے بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے - حَبْلٌ ثُلَّةٍ - اون کی رسّی - اَلثُّلَّةُ - آدمیوں کی جماعت* - قرآن کریم میں ہے ثُلَّةٌ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ (۵۶/۱۳) - ''پہلوں میں سے ایک بہت بڑی جماعت'' -

ثَلَّ اللّٰدارَ - گھر کی دیوار کی بنیاد میں سے مٹی نکال لینا اور پھر اسے دھکا دیکر گرا دینا - بَيْتٌ مَثْلُوْلٌ - منہدم مکان کو کہتے ہیں - اَلثُّلُّ - ہلاکت* - یعنی ڈھیر ہو کر رہ جانا -

ث م د

اَلثَّمْدُ - اَلثَّمْدُ - اَلثِّمَادُ - تھوڑا سا پانی جو کہیں جمع ہو جائے اور جسکا کوئی چشمہ نہو - مثلاً بارش کا پانی - اَثْمَدَ الْمَاءَ : بارش کے پانی کو گڑھوں وغیرہ میں محفوظ کیا -**

اَلثَّامِدُ کے معنے ہیں چوپایہ یا انسان کا بچہ جو تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کردے - یہ اس کی ابتدائی عمر ہوتی ہے -

ثَمُوْدُ - محققین علم الاقوام نے دنیا کی قوموں کو تین بڑی بڑی شاخوں میں تقسیم کیا ہے (۱) آریائی (۲) منگولی (۳) سامی - سامی اقوام میں عرب، آرامی، عبرانی، سریانی، کلدانی وغیرہ شامل ہیں - قرآن نے جن اقوام اور انبیائے کرام ؑ کا ذکر کیا ہے وہ سامی اقوام سے متعلق ہیں - تورات کے بیان کے مطابق سام، حضرت نوح ؑ کے ایک بیٹے کا نام تھا - ان کی اولاد سامی کہلاتی ہے - دور حاضرہ کی تحقیق کے مطابق امم سامیہ کا اولین وطن عرب تھا جہاں سے نکل کر وہ بابل، شام، مصر وغیرہ تک پھیل گئیں - ان میں سے جنہوں نے اندرون عرب میں حکومتیں قائم کیں ان میں سب سے مشہور قبیلہ ثَمُود کا تھا - ثَمْدٌ کے لغوی معنی کے پیش نظر، بعض کا خیال ہے کہ ان کا نام ثَمُوْد اس لئے تھا کہ ان کے علاقہ میں پانی کی قلت تھی اور یہ بارش کے پانی پر گزارہ کیا کرتے تھے*** - یہ قوم عرب کے شمال مغربی علاقہ پر حکمران تھی جسے وادی قریٰ کہتے تھے - حجر ان کا دارالحکومت تھا جو اس قدیم

*تاج - راغب - محیط - **تاج - ***راغب و محیط -

راستے پر واقع تھا جو حجاز سے شام کیطرف جاتا ھے ۔ وادیٔ قریٰ کے گرد و پیش کا علاقہ بڑا سر سبز ھے لیکن آتش فشاں مادہ سے لبریز ۔ یہ قوم میدانوں میں وسیع و رفیع محلات تعمیر کرتی اور پہاڑوں کے گوشوں میں مستحکم قلعے بناتی تھی جو فن سنگ تراشی کے نمونے تھے (۸۹ : ۱۵۳) ۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کیا تو اس کے ساتھ ھی اس کے لئے سامان رزق زمین کے دستر خوان پر بافراط بچھا دیا تا کہ ھر ایک اپنی اپنی ضرورت کے مطابق لے لے ۔ لیکن مستبد قوتیں رزق کے سر چشموں کو اپنی ملکیت بنا لیتی ھیں جس کا نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ کمزور انسان بھوکے مر جاتے ھیں ۔ حضرات انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد یہ بھی ھوتا تھا کہ وہ رزق کے چشموں کو مستبد قوتوں کے ھاتھوں سے چھڑا کر نوع انسانی کے لئے عام کر دیں ۔

قدیم زمانہ (اور آج بھی صحرا نورد اور بادیہ پیما اقوام) میں پانی کے چشمے اور چراگاھیں رزق کے اولیں ذرائع ھوتے ھیں ۔ قوم ثمود کے ھاں بھی یہی حالت تھی ۔ سرداران قوم نے پانی کے چشموں کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا اور کمزور انسان انکے دست نگر تھے ۔ معاشرہ کے اس فساد کو مٹانے کے لئے ان میں حضرت صالح ؑ مبعوث ھوئے (۷ : ۷۳) جنھوں نے ان سے کہا کہ وہ ملک میں اس قسم کی ناھمواریاں (فساد) پیدا نہ کریں (۷ : ۷۴) ۔ کمزور طبقے نے حضرت صالح ؑ کا ساتھ دیا لیکن دولت مند طبقہ نے ان کی سخت مخالفت کی (۷ : ۷۵) ۔ اور آپ کی دعوت کے جواب میں کہا کہ ھمارے ھاں جو مسلک ھمارے اسلاف سے چلا آرھا ھے ھم اس میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ھونے دیں گے ۔ لیکن معلوم ھوتا ھے کہ حضرت صالح ؑ کی پوزیشن مستحکم تھی اس لئے انھوں (سرداروں) نے آپ سے معاھدہ کر لیا کہ پانی کے چشموں پر جانوروں کی باریاں مقرر کر دی جائیں اور امیروں اور غریبوں (سب) کے جانور اپنی اپنی باری پر پانی پی لیا کریں ۔ حضرت صالح ؑ نے کہا کہ اس بات کے ثبوت کے لئے کہ تم اپنے معاھدہ پر قائم رھتے ھو یا نہیں میں اپنی اونٹنی چھوڑتا ھوں ۔ اگر تم نے اسے اسکی باری پر پانی پی لینے دیا تو سمجھا جائیگا کہ تم اپنی بات کے پکے ھو (۷ : ۷۳) ۔ لیکن ان مفسدین نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اسطرح اپنی بات سے پھر گئے (۷ : ۷۷) ۔ یہ اونٹنی گویا خدا کے قانون کی محسوس علامت تھی ۔ اس لئے اسے نَاقَةُ اللہِ اور آیَةً (۷ : ۷۳) کہا گیا ھے ۔ وہ لوگ عیش و آرام کی زندگی بسر کر رھے تھے کہ ایک رات آتش فشاں پہاڑوں میں دھماکا ھوا ۔ ایک چیخ ۔

ایک گرج ۔ ایک کڑک کی آواز فضا میں گونجی اور قوم ثمود کی بستیاں راکھ کا ڈھیر ہو گئیں (۵۴/۳۱)۔

[اس قوم کی فساد انگیز روش زندگی اور اس حادثہ میں باہمی تعلق کیا تھا ۔ اس کے متعلق میری کتاب ''جوئے نور،، میں (حضرت نوح ؑ کے تذکرہ کے ضمن میں) تفصیل ملیگی]

ث م ر

ثَمَرٌ ۔ درخت کے پھل ۔ ہر قسم کا مال ۔ سونا چاندی ۔ سب کو ثَمَرٌ کہتے ہیں ۔ اَلثَّمْرَۃُ خود درخت کو بھی کہتے ہیں ۔ اور اولاد کو بھی ۔ مَالٌ ثَمَرٌ ۔ کثیر مال ، (جو بہت جلد بڑھ جائے) ۔ ثَمَّرَ النَّبَاتُ کے معنے ہیں پودے نے پھول جھاڑا اور اسکی جگہ پھل نمودار ہوا ۔ ابن فارس نے اس مادہ کی اصل وہ چیز بتائی ہے جو مجتمع شکل میں کسی دوسری چیز سے پیدا ہو، پھر استعارۃً دوسری چیزوں کو بھی کہدیا جاتا ہے ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ مال و دولت کیلئے بھی آیا ہے ۔ (کَانَ لَہٗ ثَمَرٌ ۱۸/۳۴) ۔ شہد کی مکھی کیلئے کہا گیا ہے کہ وہ تمام ثَمَرَاتٌ سے رس چوستی ہے (۱۶/۶۹) ۔ راغب نے لکھا ہے کہ ثَمَرٌ درخت کے تمام ان اجزاء پر حاوی ہے جنکو کھایا اور چکھا جاسکے ۔ اس لئے ثَمَرات میں پھلوں کے علاوہ پھولوں وغیرہ کے بھی وہ اجزاء شامل ہیں جنہیں کھایا یا چکھا جاسکے ۔

ثَمَّ

ثَمَّ ۔ یہ ظرف مکان ہے ۔ اور ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں انگریزی میں (There) استعمال ہوتا ہے ۔ یعنے وہاں** ۔ سورۃ بقرۃ میں ہے ۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ* (۲/۱۱۵) ''تم جسطرف بھی اپنا رخ کروگے وہاں اس راستہ کو اپنے سامنے پاؤگے جو تمہیں خدا کی مقرر کردہ منزل کی طرف لیجائے'' ۔ قانون خداوندی زندگی کے ہر گوشے میں مل جائیگا (دیکھئے عنوان و ۔ ج ۔ ہ) ۔ سورۃ شعراء میں ہے وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ (۲۶/۶۴) ۔ ''ہم دوسروں کو بھی وہیں قریب لے آئے'' ۔ سورۃ الدھر میں ہے اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا (۷۶/۲۰) ''جب تو وہاں دیکھیگا (یا ادھر دیکھیگا) تو نعمتیں نظر آئینگی'' ۔ سورۃ تکویر میں ہے مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ (۸۱/۲۱) ''وہ مطاع بھی ہے اور اس کے ساتھ ہی امین بھی ۔''

---

* (تاج) ۔ ** تاج و لین ۔ ؎ ۔ اس آیت میں وجہُ اللہ کے معنی ذاتِ خداوندی بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن ذاتِ خداوندی ہمارے سامنے اس کی آیات کی رُو سے ہی آتی ہے۔ آیات اللہ میں قانونِ خداوندی کی حیثیت بنیادی ہے۔

(ثَمَّ - فعل بھی ہوتا ہے جسکے مختلف معانی ہیں - مثلاً درست کردینا - پاؤں سے روندنا - جمع کرنا وغیرہ -)

ثُمَّ (حرف)

ثُمَّ - عام طور پر یہ اس مقام پر آتا ہے جہاں کوئی ترتیب بیان کرنا مقصود ہو- جیسے ہم کہتے ہیں کہ پہلے اس نے کھانا کھایا پھر پانی پیا - سورۃ مومنون میں ہے - ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (۲۳/۱۴) ''پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور نسل پیدا کی،، -

(۲) لیکن ضروری نہیں کہ ثُمَّ ہر جگہ ترتیب کے معنی ہی میں استعمال ہو- یہ وَ (اور) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے - مثلاً سورۃ یونس میں ہے - ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ (۱۰/۴۶)- ''اور اللہ اس پر گواہ ہے جو یہ کرتے ہیں،، - اسکی ایک اور بیّن مثال یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (۲/۲۹)- ''اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے - (ثُمَّ) اور وہ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا - اور انہیں متعدد کُرون میں درست کیا،، - اگر یہاں ثُمَّ کے معنی ''پھر،، کئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے زمین کو بنایا اور پھر آسمانی کرون کو - لیکن سورۃ نازعات میں پہلے آسمانی کُرون کے متعلق ہے - رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا - ''اس نے آسمان کی بلندی کو اونچا کیا اور اسے ٹھیک بنایا،، - اس کے بعد ہے- وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (۷۹/۳۰) ''اور زمین کو اس کے بعد پھینکا،، - اس سے معلوم ہوا کہ پہلے آسمانی کرون کو مرتب کیا - پھر زمین کو دور پھینکا - (اسکی تائید کہ ان کُرون کو چھینٹوں کی طرح اڑایا (۷۹/۳۰) سے بھی ہوتی ہے) - اس سے ظاہر ہے کہ (۲/۲۹) میں ثُمَّ ، ترتیب کے لئے نہیں آیا - لہذا اس کے معنی ہر مقام پر ترتیب کے نہیں لئے جائینگے - کہیں وَ (اور) کے بھی لئے جائینگے -

نیز کہیں یہ زائد ہوتا ہے - مثلاً سورۃ توبہ میں ہے حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ ..... ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِ (۹/۱۱۸) - ''یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو گئی - اور وہ خود اپنے آپ سے تنگ آ گئے - اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ کی سزا سے اللہ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں - تو اللہ انکی طرف متوجہ ہوا،، - یہاں ثُمَّ کچھ معنی نہیں دیتا - اسے زائد کہتے ہیں - (''زائد،، کے متعلق کتاب کا پیش لفظ دیکھئے)-

ثُمَّ کے ایک معنی ''اس پر بھی اس کے باوجود بھی'' ہوتے ہیں مثلاً يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا (۱۶/۸۳)-

ث م ن

ثَمَنُ الشَّیْءِ ۔ وہ کچھ جسے ادا کرنے کے بعد چیز کی ملکیت حاصل ہوجائے ۔ عام طور پر ثَمَنٌ کسی چیز کی اس قیمت کو کہتے ہیں جسپر خریدار اور فروخت کرنے والا باہم راضی ہوجائیں ۔ اور ''قیمت،، اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو اس چیز کے فی الواقعہ برابر ہو ۔ مَتَاعٌ ثَمِیْنٌ ۔ قیمتی سامان* ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیَاتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (۲/۴۱) ''میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض مت بیچو،، ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انہیں زیادہ قیمت پر بیچو ۔ کم قیمت پر مت بیچو ۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی حقیقی قیمت وہی ہے جو ان پر عمل پیرا ہونے سے ان کے نتائج کی صورت میں ملتی ہے ۔ اس کے علاوہ جو قیمت بھی ہوگی وہ ثمنِ قلیل ہوگی ۔ دین کو ذاتی اغراض و مصالح کے حصول کا ذریعہ بنانا بدترین جرم ہے ۔ مذہبی پیشوائیت کا مدار ہی اس پر ہے ۔ چنانچہ قرآن، شیطان کی زبان سے کہلواتا ہے کہ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا (۴/۱۱۸) ''میں ضرور تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لونگا،، ۔ اسی کو وہ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا کہکر پکارتا ہے (۱۳/۲۶) ۔ یعنی انسان کی طبعی زندگی کے مفاد و متاع جس میں اس کی مستقبل کی زندگی کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا ۔ یہ متاع بہر حال قلیل ہوتی ہے (۹/۳۸) خواہ اسکی مقدار کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو ۔ اس لئے کہ جس متاع سے انسانی ذات کی نشو و نما نہ ہو وہ میزانِ انسانیت میں کچھ وزن نہیں رکھتی ۔ مذہبی پیشوائیت کا باہمی گٹھ جوڑ اسی متاع کے لئے ہوتا ہے ۔ (۹/۳۴) ۔ اسی لئے پیشوائیت اور اسلام متضاد تصور ہیں ۔

ثَمَانِیَۃٌ ۔ آٹھ (مذکر کے لئے) ۔ ثَمَانِیَۃَ اَیَّامٍ (۶۹/۷) ۔ ''آٹھ دن،، ۔

ثَمَانٍ یا ثَمَانِیْ ۔ آٹھ (مؤنث کے لئے) ۔ ثَمَانِیَ حِجَجٍ (۲۸/۲۷) ۔ ''آٹھ سال،، ۔

ثَمَانُوْنَ ۔ ثَمَانِیْنَ ۔ اسّی ۔ ثَمَانِیْنَ جَلْدَۃً (۲۴/۴) ۔ ''اسّی کوڑے،، ۔

اَلثُّمُنُ ۔ اَلثُّمْنُ ۔ اَلثَّمِیْنُ ۔ کسی چیز کا آٹھواں حصہ ۔

فَلَھُنَّ الثُّمُنُ (۴/۱۲) ۔ ''ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے،، ۔

---

*تاج و محیط ۔

مرزا ابوالفضل نے (غریب القرآن میں) سر سید احمد خاں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ لفظ کبھی محض فصاحت کلام کیلئے بھی بولا جاتا ہے جسمیں اسکے معنے غیر متناہی کے ہوتے ہیں - یعنی بہت سے)۔

ثمود

دیکھئے عنوان (ث - م - د)۔

ث ن ی

ثَنَاہٗ - ثَنْیاً - کسی چیز کو دھرا کرنا یا تہہ کرنا (جیسے کپڑا)۔ یا کسی چیز کو موڑ کر دھرا کرنا (جیسے درخت کی شاخ کو موڑ کر دھرا کر دیا جائے)۔

ثَنَی الشَّیْءَ - چیز کو موڑ دیا یا لپیٹ دیا - تَثَنّٰی - چیز مڑ گئی - ثِنْیُ الْحَیَّۃِ - سانپ کا بل کھانا - اَلثِّنْیُ مِنَ الْوَادِیْ - وادی کا موڑ۔ اس کی جمع اَلْمَثَانِیْ مِنَ الْوَادِیْ ہے - اَلْمَثَانِیْ مِنَ الدَّابَّۃِ - چوپایہ کے گھٹنے اور کہنیاں جو مڑ کر دھری ہو جاتی ہیں* - ثِنَاءٌ - اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کا گھٹنا موڑ کر اس کی ران سے باندھا جاتا ہے** - ثِنْیٌ - وہ چیز جسے دھرایا جائے، یکے بعد دیگرے بار بار کیا جائے* - اَلِاثْنَانِ - دو - ایک کا دگنا* - مؤنث اِثْنَتَانِ، اِثْنَتَیْنِ فَوْقَ اِثْنَتَیْنِ (۴/۱۱) - ''دو سے زیادہ'' (عورتیں)۔

اَثْنَاءُ الْکَلَامِ - وسط کلام، - فِیْ اَثْنَاءِ ذَالِکَ - اس درمیان میں -

اِسْتِثْنَاءٌ - کسی کو مستثنیٰ کرنا* - الگ نکال کر رکھ دینا - چنانچہ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس سادہ کے بنیادی معنی (۱) ایک کام کو دوبارہ (مکرر) کرنا اور (۲) ایک چیز کی دو الگ الگ چیزیں بنا دینا ہیں -

قرآن کریم میں منافقین کے متعلق ہے اَلَا اِنَّھُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھُمْ (۱۱/۵) - ''وہ اپنے سینے کو دھرا کئے ہوتے ہیں'' - ایسے تہہ کر لیتے ہیں کہ اوپر کچھ اور دکھائی دے اور نیچے کچھ اور ہو۔ (Dual Personality) - سورۃ حج میں کتاب اللہ سے اعراض برتنے والے اور گریز کی راہیں نکالنے والے کے متعلق کہا گیا ہے ثَانِیَ عِطْفِہٖ (۲۲/۹) - ''وہ

*تاج - **لین - ***محیط -

اپنی گردن موڑ کر چل دیتا ہے ۔ اعراض برتتا ہے " سورۃ القلم میں ہے کہ تباہ ہونے والے سرمایہ پرست لَا یَسْتَثْنُوْنَ (۶۸/۱۸) ۔ " دوسروں کا حق نکال کر الگ نہیں رکھتے تھے" یعنی سب کا سب اپنے لئے رکھ لیں گے ۔ اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑیں گے ۔

سورۃ الحجر میں نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے کہ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (۱۵/۸۷) ۔ "ہم نے تجھے سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِیْ اور الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ عطا کیا" ۔ اَلْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ خدا کے مقرر کردہ بنیادی اصول ہیں جن کے مطابق اعمال اپنا اپنا نتیجہ مرتب کرتے ہیں (دیکھئے عنوان ع ۔ ظ ۔ م) ۔ اور اَلْمَثَانِیْ وہ تاریخی حقائق ہیں جو اپنے آپ کو دہراتے رہتے ہیں ۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے وحی کے ذریعہ ایک تو ان بنیادی اصولوں کو بیان کر دیا جن کی رو سے قوموں کو عروج و زوال حاصل ہوتا ہے (یعنی قرآن کریم) اور اس کی تائید میں وہ متعدد تاریخی شواہد بیان کر دئے جو ہر زمانہ میں بار بار سامنے آتے ہیں ۔ قرآن کی ابدی صداقتوں کے پرکھنے کا ایک اہم طریق یہ بھی ہے کہ تاریخ میں دیکھا جائے کہ فلاں قوم نے جب وہ روش اختیار کی جسے قرآن حق کی روش قرار دیتا ہے تو اس کے نتائج کیا برآمد ہوئے اور جس قوم نے باطل کی روش اختیار کی تو اس کے عواقب کیا ہوئے ۔ (مزید تفصیل کیلئے مُحْکَمَاتٌ اور مُتَشَابِہَاتٌ کی بحث دیکھئے ۔ عنوان (ح ۔ ک ۔ م) کے تحت) ۔

سورۃ زمر میں قرآن کریم کے متعلق ہے کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ (۳۹/۲۳) ۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، مَثَانِیَ کے معنے ہیں وہ چیزیں جو ایک دوسرے کے سامنے آ جائیں ۔ (جیسے چوپاؤں کے گھٹنے اور کہنیاں جو مڑ کر ایک دوسرے کے سامنے آ جاتی ہیں) ۔ اور مُتَشَابِہًا کے معنے ہیں آپس میں ملتی جلتی ۔ قرآن کی ساری تعلیم، یہاں سے وہاں تک، ایک دوسرے سے ملتی جلتی چلی جاتی ہے ۔ اس میں کہیں تضاد نہیں ۔ تخالف نہیں ۔ لیکن اپنے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر بات صاف کر دیتا ہے ۔ مثلاً ظُلُمٰت کے مقابلہ میں نُوْر ۔ حَیَات کے مقابلہ میں مَوْت ۔ اِیْمَان کے مقابلہ میں کُفْر ۔

یعنے متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر مطلب کی وضاحت کر دینا) لہذا قرآن مُتَشَابِہٌ بھی ہے اور مَثَانِیْ بھی ۔ ایسی کتاب جس کی ایک کڑی

دوسری کڑی سے ملتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن جس کے مطالب کو متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر واضح کیا گیا ہے ۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ش ۔ ب ۔ ہ) اور (ح ۔ ک ۔ م) ۔

مَثْنیٰ ۔ دو، دو (۳۵/۱) ۔ (نیز ۲/۳) اِثْنَا عَشَرَ (مذکر) اِثْنَتَا عَشْرَۃَ (مؤنث) (۲/۱۰) بارہ ۔ کِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم پہلی کتابوں کے متشابہ ہے اور اصولاً ان کی تکرار ۔

ث و ب

ثَابَ ۔ یَثُوْبُ ۔ ثَوْبًا ۔ چلے جانے کے بعد پھر واپس آ جانا ۔ ثَابَ جِسْمُہٗ ثَوَبَانًا وَاَثَابَ ۔ اسکا جسم بیماری کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر آنے لگا، اور اسطرح ضائع شدہ توانائی اور صحت پھر عود کر آئی* ۔ ثَابَ الْمَاءُ ۔ پانی نکالے جانے کے بعد پھر اتنا ہی آ گیا ۔ بحال ہو گیا** ۔ اَلثَّائِبُ مِنَ الْبَحْرِ ۔ جزر کے بعد سمندر کا بچ رہنے والا پانی ۔ بِئْرٌ ثَیِّبٌ* ۔ وہ کنواں جسمیں دوبارہ پانی پلٹ آئے اور جمع ہو جائے* ۔ کتاب الاشتقاق میں ہے کہ ثَابَ یَثُوْبُ کے معنی رَجَعَ (واپس آ جانے) کے ہیں ۔ کُلُّ رَاجِعٍ ثَائِبٌ* ۔ ہر واپس آنے والے کو ثائب* کہا جاتا ہے ۔ ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں ۔

مَثَابَۃُ الْبِئْرِ ۔ جہاں تک کنویں کا پانی پہنچ رہا ہو ۔ اَلْمَثَابَۃُ وہ مقام جہاں بار بار رجوع ہوا جائے ۔ مرجع ۔ مکان ۔ منزل ۔ ثَابَ النَّاسُ لوگ جمع ہو گئے* ۔

اَلثَّوْبُ ۔ کپڑے کو کہتے ہیں (غالباً اسلئے کہ اسکے بُننے میں تار بار بار آتی اور جاتی ہے) اسکی جمع ثِیَابٌ* ہے ۔ ثَوَّابٌ* ۔ کپڑا بیچنے والا* ۔ عرب عام طور پر ثِیَابٌ* کے لفظ سے انسان کی شخصیت مراد لیتے ہیں ۔ یعنے خود کپڑے پہننے والا ۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں فُلَانٌ دَنِیُّ الثِّیَابِ ۔ یعنے وہ شخص بڑی خبیث فطرت کا ہے ۔ اسکی شخصیت بڑی خراب ہے* ۔

اس اعتبار سے کہ خود ثَابَ کے معنے جمع ہونے کے ہیں ۔ اور اسلئے بھی کہ عربوں میں جب لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہوتا تو ایک آدمی کسی اونچی جگہ کھڑا ہو کر کپڑا ہلاتا ، تَثْوِیْبٌ* کے معنے ہیں لوگوں کو آواز دیکر بلانا ، اکٹھا کرنا ۔ چنانچہ صبح کی نماز میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ پکارنے کو تَثْوِیْبٌ* کہتے ہیں** ،

* تاج و محیط ۔ نیز ابن قتیبہ (القرطین ج/۲ صفحہ ۱۹۰) ۔ **تاج ۔

ثَابَ یَثُوبُ ۔ کے ان بنیادی معنوں کو سامنے لائیے (جن کا شروع میں ذکر آیا ہے) ۔ اس سے ثَوَاب کا صحیح مفہوم سمجھ میں آجائیگا۔ ثَابَ کے معنے ہیں جو چیز چلی جائے اسکا پھر سے واپس آجانا ۔ آپ جو کام بھی کرتے ہیں اسمیں آپکا کچھ نہ کچھ صرف ہوتا ہے ۔ اگر اور کچھ صرف نہ ہو تو بھی آپکے جسم کی توانائی ۔ وقت اور ذہن کی صلاحیتیں صرف ہوتی ہیں۔ اگر آپکا وہ کام بیکار ہے تو آپکی یہ سب توانائیاں (جو آپنے صرف کی ہیں) ضائع چلی جاتی ہیں ۔ لیکن اگر وہ کام نتیجہ خیز اور صلاحیت بخش ہے تو آپنے جو کچھ صرف کیا ہے وہ سب آپکو واپس مل جاتا ہے ۔ اس (Restoration) کا نام ثَوَاب ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز محض ذہنی یا خیالی نہیں ہو سکتی کہ ثواب ہو اور آپ کو محسوس ہی نہ ہو کہ کچھ ہؤا ہے یا نہیں ۔ آپ جو کچھ صرف کرتے ہیں اسکا آپکو پورا پورا احساس ہوتا ہے (خواہ وہ وقت یا جسم یا ذہن کی توانائی ہی کیوں نہ ہو) اسلئے جو کچھ آپکو واپس ملے (Restore ہو) اسکا بھی آپکو احساس ہونا چاہئے ۔ ورنہ آپکو معلوم کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ واپس مل گیا ہے یا نہیں ۔ اسی لئے قرآن کریم نے جہاں ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ (۳/۱۴۸) کہا ہے ۔ یعنے وہ بازیابی (واپسی) جو انجام کار (یا بعد کی زندگی میں) ملے ، اسکے ساتھ ہی ثَوَابَ الدُّنْیَا (۳/۱۴۵) بھی کہا ہے ۔ یعنے اسی دنیا کی زندگی میں بازیابی ۔ نتیجہ خیزی ۔ اور اس خیال سے کہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے کہ یہ ثَوَاب کس شکل میں ملیگا اسکی تفصیل میں بتا دیا کہ یہ ثواب، سرداری و سر بلندی کے نشانات، دبیز اور لطیف ریشمی ملبوسات اور سر فرازیوں کی نشست گاہیں ہیں ۔ (۱۸/۳۱) ۔ قرآن نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کا حتمی اور یقینی نتیجہ اِس دنیا کی حکومت اور سطوت بھی بتایا ہے ۔ (۲۸/۵۵) ۔ اس لئے ثَوَاب (نتائجِ اعمال) سب سے پہلے اسی دنیا میں سامنے آجانے چاہئیں ۔ اس کے بعد اُخروی زندگی میں بھی ۔ چونکہ زندگی کی یہ تمام آسائشیں اور خوشگواریاں اور انسانی صلاحیتوں کی نشو و نما اور ارتقاء ، اعمال صالحہ کا نتیجہ ہوتے ہیں، اس لئے ثَوَاب کے معنے اعمال کا نتیجہ بھی ہیں ۔ یعنے قانون مکافات کی رو سے اعمالِ انسانی کا نتیجہ مرتب ہونا ۔ عام طور پر اچھے نتائج کیلئے ہی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات غلط کاموں کے خراب نتائج کیلئے بھی اسکا استعمال ہوتا ہے، (مثلاً ۳/۱۵۲ اور ۸۳/۳۶ میں) ۔ یعنے انسان نے جو کچھ کیا ہے اسکا اسکی طرف لوٹ کر آجانا ۔ اس کی (Return) ۔ ھَلْ ثُوِّبَ الْکُفَّارُ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (۸۳/۳۶) ۔ ”کفار کے اعمال ہی نتیجہ بنکر انکی طرف لوٹ کر آجاتے

ہیں،،۔ قرآن کریم نے مکافات عمل کے ضمن میں یہ بڑا باریک نکتہ بیان کیا ہے کہ اعمال خود اپنی جزا آپ ہوتے ہیں۔ خود عمل کے اندر اسکا نتیجہ مضمر ہوتا ہے ۔ آپ صبح کے وقت سیر کیلئے جاتے ہیں ۔ دو تین میل کا چکر لگاتے ہیں ۔ اس سے آپکی طاقت خرچ ہوتی ہے ۔ وقت بھی صرف ہوتا ہے ۔ لیکن اس سے آپکو صحت و توانائی، شگفتگی اور بشاشت حاصل ہوتی ہے ۔ یہ صحت اور بشاشت کیا ہے ۔ آپکی سیر کا نتیجہ ہے ۔ یعنے آپکی سیر کا عمل خود اپنا آپ نتیجہ بن گیا ہے ۔ اسے ثَوَاب* کہتے ہیں ۔ ثَوَاب* کے اس مفہوم کے بعد آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس چیز کو ایْصَالِ ثَوَاب کہتے ہیں وہ کسقدر غیر قرآنی تصور ہے ۔ کیا یہ کسی طرح بھی ممکن ہے کہ سیر تو آپ کریں اور اس سیر کا نتیجہ آپ میری طرف منتقل کر دیں ؟ یہ ناممکن ہے ۔ اگر آپ سیر کرتے ہیں تو آپ ہی کی صحت ٹھیک ہوگی ۔ اگر میں سیر نہیں کرتا تو آپکا سیر کرنا میرے کسی کام نہیں آ سکتا۔ آپ ہزار چاہیں لیکن اس سیر کا نتیجہ (ثَوَاب*) آپ کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں کر سکتے ۔ اس لئے آپکا کسی دوسرے کو ثواب پہنچانا ایک موہوم عقیدہ ہے جسکا حقیقت (قرآن) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ۔ ہر شخص کو اس کے اپنے اعمال ہی کا نتیجہ ملتا ہے ۔ ہر عمل کا اثر انسان کی اپنی ذات پر ہوتا ہے اس لئے اس کے (کسی دوسرے کی طرف) منتقل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

مَثُوْبَة* (۲/۱۰۳) بدلہ یا مکافات عمل کیلئے آیا ہے ۔

قرآن کریم میں نبی اکرم ؐ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۷۴/۴) ۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ ثِيَاب* کے معنے انسانی شخصیت اور سیرت و کردار کے ہیں ۔ (چنانچہ خود قرآن میں دوسرے مقامات پر یہ لفظ انسانی شخصیت یا قلب و دماغ کیلئے استعمال ہوا ہے ۔ مثلاً (۵/۱۱ و ۷/۲۶) ۔ اسلئے اسکے معنے یہ بھی ہیں کہ اپنی سیرت و شخصیت کو پاکیزہ رکھو ۔ اور اگر تَثْوِيْب* کے مفہوم کو سامنے رکھا جائے تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ اپنی دعوت کو ان لوگوں سے پاک اور صاف (یا دور دور) رکھو جو دل میں نفاق وغیرہ کی خباثتیں لئے ہوں ۔ لہذا اسمیں سیرت و شخصیت یا دعوت اور پکار کی پاکیزگی اور بلندی کا حکم ہے ۔ نہ کہ کپڑوں کو صاف رکھنے کا ۔ (ثَوَاب* کے ایک اور مفہوم کیلئے لفظ سُدًی* دیکھئے) ۔

ث و ر

اَلثَّوَرَانُ* ۔ ہیجان کو کہتے ہیں۔ ثَارَ الْقَتِيْ* ۔ اس چیز میں ہیجان پیدا ہوگیا ۔ ثَارَ الْغُبَارُ* ۔ غبار اوپر کو اٹھا اور پھیل گیا۔ قَدْ ثَارَ ثَائِرُهٗ

وہ شخص غضبناک ہو گیا ۔ اَثَارَہٗ وَ ثَوَّرَہٗ و اسْتَثَارَہٗ ۔ اسنے اسے بھڑکا دیا ۔ برانگیختہ کر دیا ۔ اَثَارَ الْاَرْضَ ۔ زمین میں ہل چلا کر اسکی مٹی کو الٹ پلٹ دیا* ۔ سورۃ عادیات میں ہے فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا (۱۰۰/۴) ۔ ''وہ گھوڑے اپنے سموں کو زمین پر مار کر گرد اڑاتے ہیں،، ۔

سورۃ بقرہ میں ہے لَا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ (۲/۷۱) ۔ ''اس بیل کو ابھی ہل میں نہیں جوتا گیا،، ۔ سورۃ روم میں ہواؤں کے متعلق ہے فَتُثِیْرُ سَحَابًا (۳۰/۴۸) ۔ ''وہ بادلوں میں ہیجان پیدا کر کے انہیں اوپر اٹھاتی ہیں،، ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کے اوپر اٹھنے کے ہوتے ہیں ۔

ث و ی

ثَوَی الْمَکَانَ ۔ کسی جگہ دیر تک ٹھہرا، وہاں مستقل اقامت کے لئے اترا ۔ اَلْمَثْوٰی ۔ اقامت گاہ ۔ قرار گاہ ۔ وہ جگہ جہاں مستقل طور پر رہا جائے ۔ منزل ۔ اَبُوْ مَثْوًی ۔ مہمان ، میزبان ، صاحب خانہ ۔ اَلثَّوِیَّۃُ ۔ مہمان ۔ نیز وہ کمرہ جسے مہمان کیلئے تیار کیا جائے ۔ اَثْوَاہُ ۔ اسکی مہمانی کی ، اَلثَّوَّۃُ ۔ گھر کے ارد گرد اونٹوں کے آرام کرنے کی جگہ (نیز دیکھئے عنوان ا ۔ و ۔ ی) ۔ اسے اَلثَّوِیَّۃُ بھی کہتے ہیں** ۔ سورۃ قصص میں ہے وَمَا کُنْتَ ثَاوِیًا فِیْ اَھْلِ مَدْیَنَ (۲۸/۴۵) ۔ ''تو اہل مدین میں قیام پذیر نہیں تھا'' ۔ سورۃ یوسف میں ہے ۔ اَکْرِمِیْ مَثْوٰیہُ (۱۲/۲۱) ۔ ''اسے باعزت طریق سے رکھو'' ۔ اسے اپنے ہاں عزت کی جگہ دو ۔ اس مادہ میں مستقل اقامت اور مہمانی کا مفہوم یہ بتا رہا ہے کہ عزیز مصر نے پہلے ہی حضرت یوسفؑ کو باعزت مہمان کی حیثیت دیدی تھی اور انہیں عام غلاموں کی طرح نہیں رکھا گیا تھا ۔ سورۃ آل عمران میں ہے بِئْسَ مَثْوَی الظّٰلِمِیْنَ (۳/۱۵۰) ''سرکشوں کی قرار گاہ (جہنم) کیا ہی بری ہے'' ۔

ث ی ب

اَلثَّیِّبُ ۔ اس عورت کو کہتے ہیں جو کسی وجہ سے شوہر سے الگ ہو چکی ہو (خواہ بیوگی کی وجہ سے یا طلاق کی وجہ سے) ۔ قرآن کریم میں ثَیِّبٰتٍ بمقابلہ اَبْکَارًا آیا ہے ۔ اَبْکَارٌ کے معنے کنواری عورتوں کے ہیں ۔(۶۶/۵)۔

بِئْرٌ ثَیِّبٌ ۔ وہ کنواں جس کا پانی ختم ہو جانے کے بعد اس میں دوبارہ پانی آجائے ۔

ثَیِّبَتِ الْمَرْاَۃُ و تَثَیَّبَتْ ۔ عورت بیوہ ہو گئی* ۔

*تاج ۔ **تاج و راغب ۔ نیز لطائف اللغۃ ۔

ج

ج أ ر

جُؤَارٌ ۔ اس کے بنیادی معنی زور سے پکارنے اور آواز نکالنے کے ہیں (خواہ انسان کی طرف سے ہو یا حیوان کی طرف سے) مثلاً بلند آواز سے دعا کرنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوگا اور گائے وغیرہ کے بولنے کے لئے بھی۔ الجُؤَارُ بمعنی خُوَارٌ (بیل کا ڈکارنا) بھی ہے۔ اسی سے جَأَرَ الدَّاعِیْ یَجْأَرُ کے معنے ہیں دعا کے ساتھ آواز بلند کرنا ۔ جَأَرَ الرَّجُلُ اِلَی اللہِ ۔ وہ خدا کے سامنے دعا کے ساتھ گڑگڑایا * دعا اور تضرع و زاری میں افراط کے موقع پر بولتے ہیں ** ۔

قرآن کریم میں ہے کہ جب تمہیں مصیبت پڑتی ہے تو اِلَیْہِ تَجْئَرُوْنَ (۱۶/۵۳) "تم چیختے چلاتے۔ گڑگڑاتے ہوئے خدا سے ہی فریاد کرتے ہو"۔

جَالُوْتُ

جَالُوْتُ ۔ یہ عجمی لفظ ہے *** ۔ فلسطین میں ایک سرکش سردار تھا جسے حضرت داؤدؑ نے قتل کیا تھا (۲/۲۵۱)۔ اس کا عبرانی تلفظ جَلْیَاتُ ہے **** ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ جَالَ سے ہے اور جَالَ فِی الْحَرْبِ کے معنی ہیں اس نے جنگ میں شدت سے حملہ کیا۔ انگریزی میں اسے (Goliath) کہتے ہیں ۔

ج ب ب

اَلْجَبُّ ۔ اَلْجِبَابُ اَوْ الْجُبَابُ ۔ کاٹ ڈالنا ۔ قطع کر دینا ۔
اَلْجُبُّ ۔ کنواں ۔ بہت گہرا کنواں۔ وہ کنواں جو پختہ یا لپا ہوا نہ ہو۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** تاج و راغب ۔ **** محیط ۔

یہ اس وقت جُبٌ* کہلاتا ہے جب وہ ایسی حالت میں پایا جائے کہ اسے لوگوں نے کھود کر خاص طور پر تیار نہ کیا ہو، بلکہ کھائی سی بنی ہوئی ہو یا گڑھا سا کھدا ہوا ہو*۔ (از خود بن جانے والا کنواں جسے خاص طور پر تیار نہ کیا گیا ہو)۔ اسی کنواں تھا جس میں برادران یوسف نے حضرت یوسفؑ کو ڈالا تھا (۱۲)۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ ایسے گڑھے اور کھائی کو بھی کہتے ہیں جس کی تہ اور آخری حد معلوم نہ ہو۔

راغب نے لکھا ہے کہ یہ ایسے کنوئیں کو کہتے ہیں جو سخت زمین میں کھودا جاتا ہے۔

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے دوسرے بنیادی معنی چیزوں کا جمع کرنا ہیں ۔ اس اعتبار سے اَلْجُبَّۃُ لباس کو کہتے ہیں کیونکہ وہ سارے جسم کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے ۔ لیکن صاحب تاج العروس نے کہا ہے کہ اَلْجُبَّۃُ اس لباس کو کہتے ہیں جو کپڑے کے کٹے ہوئے ٹکڑوں کو سی کر بنا لیا جائے ۔

ج ب ت

اَلْجِبْتُ ۔ تاج العروس میں اسکے معنے، بُت ۔ ساحر ۔ کاہن کے لکھے ہیں ۔ نیز شعبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اسکے معنے سحر کے ہیں ۔ اسکی اصل اَلْجِبْسُ بتائی گئی ہے جسکے معنے ہر اس چیز کے ہیں جسمیں کوئی بھلائی نہو** ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ لفظ سریانی الاصل ہے جسکے معنے مُجَوَّف (یعنی کھوکھلی شے) کے آئے ہیں ۔ اسکے بعد ہر خالی اور کھوکھلی چیز کیلئے استعمال ہونے لگا*** ۔ صاحب المنار نے بھی اسکی تائید کی ہے**** ۔

قرآن میں اہل کتاب کے متعلق ہے ۔ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (۴/۵۱) طَاغُوْت انسانوں کے خود ساختہ قوانین اور ان قوانین کو نافذ کرنے والی قوتیں ۔ اور جِبْتٌ ہر بے حقیقت اور بے معنے چیز ۔ تو ہم پرستیاں ۔ رسومات جن میں روح باقی نہ رہی ہو ۔ جو اندر سے کھوکھلی (مُجَوَّف) ہو چکی ہوں ۔ جو قوم بھی خدا کیطرف سے دئے ہوئے الدین کو چھوڑ دیتی ہے وہ جبت اور طاغوت کو اپنا ''معبود،، بنا لیتی ہے ۔

ج ب ر

اَلْجَبْرُ ۔ اس کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کی اسطرح اصلاح کرنا کہ اس میں کچھ قوت صرف کرنی پڑے ۔ چنانچہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لئے جو لکڑیاں (Splints) اوپر اور نیچے رکھی جاتی ہیں انہیں اَلْجَبَائِرُ،

*تاج و محیط ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔ ****تفسیر المنار جلد ۵ صفحہ ۱۵۶ ۔

اور اسطرح ہڈی جوڑنے کو جَبَرَا لْعَظْمَ، کہتے ہیں۔ اَلْجَبَائِرُ ۔ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے والا*۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ ج ۔ ب ۔ ر اپنی مختلف تراکیب میں قوت اور شدت کے مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ بنیادی طور پر اس کے اندر عظمت۔ بلندی اور استقامت کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔ اَلْجَبَّارُ ۔ خدا کی صفت ہے ۔ یعنے کائناتی نظام یا انسان کی ہر شکستگی کو قوانین کی (Splints) میں رکھکر جوڑنے والا ۔ اس سے اسکے معنے ضرورتوں سے بے نیاز کر دینے کے بھی آتے ہیں ۔ مثلاً کہتے ہیں جَبَرَ اَلْفَقِیْرَ مِنَ اَلْفَقْرِ۔ اسنے محتاج کو اسکی ضرورتوں سے بے نیاز کر دیا ۔ تَجَبَّرَ اَلشَّجَرُ۔ درخت سرسبز ہوگیا ۔ تَجَبَّرَ اَلْمَرِیْضُ ۔ مریض کی حالت سدھری۔ ان مثالوں سے خدا کی جَبَّارِیَّت (جَبَرُوْت) کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنے یہ بھی اسکی ربوبیت اور رحمانیت ہی کا ایک پہلو ہے البتہ اسمیں انسان کو قانون کی حدود میں گھیر کر چلانا مقصود ہوتا ہے ۔ لیکن جب انسانی قوتیں قوانین خداوندی کی حدیں توڑ کر سرکش ہو جاتی ہیں تو یہ جوئبار سیلابِ بلاانگیز بن جاتی ہے ۔ اسلئے اس حالت میں جَبْرٌ کے معنے استبداد اور جَبَّارٌ کے معنے مستبد۔ ظالم ۔ سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا ہونگے ۔ چنانچہ قرآن میں حضرت عیسٰےؑ کا قول ہے وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا (۱۹/۳۲)۔ ''خدا نے مجھے مستبد، سرکش اور بدبخت نہیں بنایا'' ۔ اور سورۃ ق میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے وَمَا اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ (۵۰/۴۵)۔ ''تو ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنے والا نہیں ہے'' ۔ جبراً کوئی بات منوانے والا نہیں ہے ۔ قوم عاد کے متعلق ہے اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ (۲۶/۱۳۰)۔ ''جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو نہایت مستبد انداز سے پکڑتے ہو۔'' ویسے عام قوی ہیکل لوگوں کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے (۵/۲۲) ۔ اسلئے کہ اَلْجَبَّارُ مِنَ النَّخِیْلِ اس لمبی کھجور کو کہتے ہیں جس تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکے ۔

آپ نے غور کیا کہ انسان کی کوئی قوت نہ بجائے خویش خیر ہے نہ شر۔ یہ اس کا مقصد استعمال ، یعنی جس مقصد کے حصول کے لئے اس قوت کو استعمال کیا جائے اسے خیر یا شر بنا دیتی ہے ۔ اگر قوت کو ٹوٹی ہوئی ہڈی کے جوڑنے کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ خیر ہے اور اگر اسے کسی مظلوم کی ہڈی توڑنے کے لئے صرف کیا جائے تو وہ شر ہے ۔ ظلم روکنے والا '' جبّار'' نوع انسان کے لئے آیۂ رحمت ہے ، اور ظلم کرنے والا '' جبّار،، موجبِ عذاب ۔

* تاج و محیط و راغب۔

جبریلؑ

جِبْرِیْلُ ۔ عبرانی لفظ ہے ۔ قرآن کریم میں اس سے مراد خدا کی وہ قوت ہے جو قلبِ نبویؐ پر وحیِ خدا وندی کا القاء کرتی تھی ۔ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲/۹۷) ۔ ''اس نے اللہ کے قانون کے مطابق اسے تیرے قلب پر نازل کیا،، ۔ اسے رُوْحُ الْقُدُسِ (۱۶/۱۰۲) ۔ اور رُوْحُ الْاَمِیْنِ (۲۶/۱۹۳) بھی کہا گیا ہے ۔ لفظ جبریل، دوبار سورۃ بقرہ میں (۲/۹۷،۹۸) اور ایک بار سورۃ تحریم میں آیا ہے (۶۶/۴)۔ چونکہ کوئی غیر نبی وحی کی ماہیت کو سمجھ نہیں سکتا (کیونکہ وحی اس علم کا نام ہے جسکا سرچشمہ انسانی ادراک سے ماوراء ہے) اسلئے ہم نہیں جان سکتے کہ جِبْرِیْلُ کی ماہیت کیا ہے ۔ ہمارا واسطہ اس وحی سے ہے جو قرآن کے اندر ہے اور اسکا مفہوم ہم سمجھ سکتے ہیں ۔ اس قوت (رُوْحٌ) کو قُدُسٌ اور اَمِیْنٌ کہنے سے مطلب یہ ہے کہ وحیِ خداوندی میں (جو قلبِ نبویؐ پر نازل کی جاتی ہے) نہ کسی قسم کی آمیزش ہوتی ہے ، نہ خیانت ۔ نہ اس میں نبی کے اپنے جذبات کا کوئی شائبہ ہوتا ہے (مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۔ ۵۳/۳) ۔ نہ وہ اس میں کسی قسم کی خیانت کرتا ہے (۳/۱۶۰) ۔ اور نہ ہی کوئی کائناتی قوت وحی میں کسی قسم کی دخل اندازی کر سکتی ہے ۔ وحی میں آمیزش اور خیانت رسول کے بعد اس کے دین کے دشمن کرتے ہیں (خواہ وہ اپنے ہوں یا بیگانے) لیکن قرآن کریم کے الفاظ میں نہ کوئی آمیزش کر سکتا ہے نہ خیانت ۔ اس لئے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خدا نے خود لے رکھی ہے ۔

ج ب ل

اَلْجَبَلُ ۔ پہاڑ ۔ قوم کا سردار یا عالم ۔ (جمع جِبَالٌ) *۔ سورۃ انبیاء میں ہے وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ (۲۱/۷۹) ہم نے اس قوم کے بڑے بڑے لوگوں کو داؤد (کے مقصدِ زندگی کی تکمیل کیلئے) تابع فرمان کر دیا ۔ یہی معنی (۳۴/۱۰) ۔ میں ہیں ۔ اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ پہاڑوں کو مسخر کرکے اپنے مصرف میں لاتے تھے *۔ سورۃ کہف میں اَلْجِبَالُ ۔ بمقابلہ اَلْاَرْضُ آیا ہے ۔ (۱۸/۴۷) ۔ اسمیں بھی جِبَالٌ سے مراد سردارانِ قوم ہیں اور اَرْضٌ سے مراد قوم کا نچلا طبقہ ۔ اَلْجَبِیْلُ و اَلْجِبِلَّةُ ۔

* تاج ۔ ** حضرت داؤدؑ کے پہاڑوں کو مسخر کرنے کے سلسلہ میں مزید دیکھیں عنوان (ل ۔ د ۔ ب) تتمہ میں صـ ۱۸۱۳ پر ، جلد چہارم ۔

انسانوں کی بڑی جماعت *۔ (۳۶/۶۲) ۔ بڑی جماعت،*۔ (۲۶/۱۸۴) ۔ الجبلۃ ۔ کسی شے کی کثرت ۔ مستحکم عادت ۔ طبیعت ۔ خلقت ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا بلند ہونا اور اس کے ساتھ ہی اس کے اجزا کا ایک دوسرے کے ساتھ مستحکم طور پر اکٹھے ہونا ہیں ۔ لہذا جبال میں بلندی و سرفرازی اور قوت و جمعیت دونوں شامل ہونگی ۔

واضح رہے کہ جبل کے لغوی معنی پہاڑ کے ہیں اور اس کے مجازی معنی سردارِ قوم کے ہیں ۔ قرآنِ کریم کے مختلف مقامات میں (سیاق و سباق کو دیکھکر) متعین کیا جاسکتا ہے کہ اسے لغوی معنوں میں کہاں استعمال کیا گیا ہے اور مجازی معنوں میں کہاں ۔

ج ب ن

اَلْجُبْنُ ۔ بزدلی ۔ دل کا کمزور ہو جانا ۔ نیز اس کے معنی پنیر بھی ہیں۔ اَلْجَبِیْنَانِ ۔ پیشانی کے دونوں طرف کے کنارے جو بھوؤں کے بعد سے شروع ہو کر سر تک چلے جاتے ہیں اور جن کے اندر پٹھے پٹڑیاں آجاتی ہیں ۔ اس کا واحد اَلْجَبِیْنُ ہے ۔ پیشانی (جَبْہَۃ) ان دونوں جبینوں کے درمیان میں ہوتی ہے *** ۔

قرآنِ کریم میں قصۂ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کے ضمن میں ہے وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ ۔ (۳۷/۱۰۳) ۔ ابراہیم نے اسمٰعیل کو پٹ پڑی کے بل لٹا دیا ۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ قصاب بکرے کو ذبح کرنے کیلئے ایک پہلو پر (یعنے کن پٹی کے بل لٹاتا ہے ۔ اس سے ذبح کرنے میں آسانی ہوتی ہے ۔ قرآن کے اس بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو اسی طرح لٹایا تھا ۔

ج ب ہ

اَلْجَبْہَۃُ ۔ پیشانی ۔ اسکی جمع جِبَاہٌ ہے ۔ جَبْہَاءُ ۔ کشادہ ، حسین اور بلند پیشانی والی عورت * ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس مادہ کے اصلی معنے بلند اور لمبا ہونا ہیں ** ۔

قرآن میں ہے جِبَاہُہُمْ (۹/۳۵) ان کی پیشانیاں ۔

* تاج ۔ **محیط ۔ *** تاج و محیط و راغب

ج ب و (ی)

جَبَی الْخَرَاجَ وَ الْمَالَ ۔ خراج اور مال جمع کیا ۔ جَبَی الماءُ فِی الحَوْضِ ۔ حوض میں پانی جمع کیا ۔ اصل معنے اس مادہ کے جمع کرنے یا جمع ہوجانے کے ہیں* ۔ سورۃ قصص میں ہے یُجْبیٰ اِلَیْہِ ثَمَرَاتُ (۲۸/۵۷) ۔ حرم کعبہ کی طرف ہر قسم کے پھل کھنچکر چلے آتے ہیں اور جمع ہو جاتے ہیں۔

جَبَّا ۔ تالیف کرنا یا جمع کرنا ۔ سورۃ اعراف میں ہے وَاِذَا لَمْ تَاْتِہِمْ بِاٰیَۃٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَہَا (۷/۲۰۳) ۔ ''جب تو انکے پاس کوئی آیت (قرآنی) نہیں لاتا تو یہ کہتے ہیں کہ تو خود ہی انہیں تالیف کیوں نہیں کرلیتا'' ۔ یعنی تو ادھر آدھر کی باتوں میں سے چن کر ایک آیت کیوں نہیں بنالیتا ۔ کفار، قرآن کے متعلق یہ تصور رکھتے تھے کہ اسے رسول اللہ نے (معاذاللہ) ادھر آدھر سے اکٹھا کرلیا ہے ۔ اب بھی مستشرقین حضور کے متعلق کچھ اسی قسم کے خیالات پیش کرتے رہتے ہیں ۔ اسکی وجہ یا تو نبوت کے متعلق ان کی بے خبری ہے یا تعصب ۔ دونوں صورتوں میں ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ پر ان کی اس قسم کی تصانیف کا بڑا برا اثر پڑتا ہے ۔

اَلاِجْتِبَاءُ ۔ جہاں سے مال مل سکتا ہو وہاں سے مال نکالنا اور جمع کرنا ۔ (یعنے خراج کے مال کو اسطرح وصول کرنا) ۔ اس سے اسکے معنے بطور انتخاب جمع کرنا ہیں ۔ یعنے چن کر اکٹھا کرنا* ۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ (۴۲/۱۳) ۔ ''اللہ چن لیتا ہے'' ۔ جبی الماء فی الحوض کے لئے مزید دیکھیں تتمہ صفحہ ۸۲۱ جلد چہارم

ج ث ث

اَلْجَثُّ ۔ درخت کو جڑ سے کاٹ دینا یا اکھاڑ لینا ۔ اَلاِجْتِثَاثُ ۔ کے بھی یہی معنے ہیں، بلکہ زیادہ شدت اور مبالغہ کے ساتھ* ۔ قرآن میں اُجْتُثَّتْ (۱۴/۲۶) آیا ہے ۔ یعنی اسکی جڑ بنیاد تمام کی تمام اکھیڑ دی گئی ۔

اَلْجُثَّۃُ ۔ زمین کا بلند حصہ جو ایک چھوٹے سے ٹیلے کی طرح ہو جائے۔ اس سے جُثَّۃُ الاِنْسَانِ آتا ہے ۔ انسانی جثہ* ۔ یہ اسوقت بولتے ہیں جب انسان بیٹھا ہوا یا سویا ہوا ہو کیونکہ اسوقت اس کا تمام جسم اکٹھا اور سمٹا ہوتا ہے** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے جمع ہونے کے ہیں ۔ درخت کو جڑ سے اکھیڑنے کیلئے یہ لفظ اسلئے استعمال ہوتا ہے کہ جس درخت کو اکھیڑا جاتا ہے اسکی جڑیں وغیرہ سب اکٹھی کی جاتی ہیں تا کہ ان میں سے کوئی چیز زمین میں باقی نہ رہ جائے ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **ابن فارس ۔

ج ث م

جَثَمَ ۔ یَجْثِمُ ۔ جَثْماً و جُثُوْماً ۔ اپنی جگہ پر چمٹ جانا اور اسے نہ چھوڑنا ۔ (پرند وغیرہ کا) سینہ کے بل بیٹھنا ۔ اس طرح جم کر یا سینہ کے بل بیٹھ جانے والا جو اپنی جگہ سے نہ ہٹے اَلْجَاثِمُ کہلائیگا ۔ اَلْجُثْمَۃُ ۔ مٹی ، گارے یا راکھ کا ڈھیر ۔ اَلْجُثُوْمُ والجَثَمَۃ ۔ ٹیلہ ۔ اَلْمُجَثَّمَۃُ ۔ اس جانور یا پرندے کو کہتے تھے جسے باندھ کر نشانہ بنا لیا جائے اور اسطرح مار دیا جائے* ۔ لہذا اس لفظ کے معنے کسی ایک جگہ جم کر بےحس و حرکت پڑے رہنے کے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چیز کے مجتمع ہو جانے کے ہیں ۔

قرآن میں ہے فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِہِمْ جٰثِمِیْنَ ۔ (۷/۷۸) ۔ ''وہ اپنے گھروں میں بےحس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے ۔ ڈھیر ہو کر رہ گئے'' ۔

ج ث و

اَلْجَثْوَۃُ (جیم کی تینوں حرکتوں ۔ زیر ۔ زبر ۔ پیش کے ساتھ) ۔ پتھروں کا ڈھیر ۔ ریت کا ڈھیر ۔ جسم ۔ جُثَی الْحَرَمِ ۔ رمی جمار کی وجہ سے حرم میں جمع ہو جانے والے پتھر یا وہ پتھر جو حرم کی حدود پر رکھ دیئے جاتے تھے ۔ تھان (انصاب) جن پر ایام جاھلیت میں جانور قربانی کے طور پر ذبح کئے جاتے تھے ۔ پتھروں کے ڈھیر کے اعتبار سے اَلْجُثَا جماعتوں کو کہتے ہیں ، اور جَثَوْتُ الاِبِلَ کے معنے ہیں میں نے اونٹوں کو جمع کیا ۔

جَثَا ۔ یَجْثُوْ ۔ جُثِیًّا ۔ (جھگڑا کرنے کیلئے) گھٹنوں کے بل بیٹھ جانا ۔ فَھُوَ جَاثٍ ۔ گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا ۔ اسکی جمع جُثِیٌّ اور جِثِیٌّ آتی ہے* ۔

سورۃ جاثیۃ میں ہے وَتَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً (۴۵/۲۸) ۔ تو ہر جماعت کو (اس وقت) گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے دیکھیگا ۔ یعنے ذلت و خواری اور عاجزی و درماندگی کی حالت میں ۔

سورۃ مریم میں ہے وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْھَا جِثِیًّا (۱۹/۷۲) ''ہم ظالمین کو اس میں گھٹنوں پر گرا ہوا چھوڑینگے'' اور لَنُحْضِرَنَّھُمْ حَوْلَ جَھَنَّمَ جِثِیًّا (۱۹/۶۸) یعنی ''ہم انہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کرینگے'' ۔ اس سے مراد ذلت و خواری یا عاجزی و درماندگی ہے ۔

*تاج ۔

ج ح د

جَحَدَ حَقَّهٗ ۔ جان بوجھکر کسی کے حق سے مکر جانا اور انکار کر دینا ۔ اَرْضٌ جَحِیْدَۃٌ خشک زمین کو کہتے ھیں ۔ اور عَامٌ جَحِیْدٌ ۔ کم بارش والے سال کو ۔ اَجْحَدَ الرَّجُلُ اسوقت کہتے ھیں جب کسی کا سب کچھ جاتا رھے اور وہ ھاتھ جھاڑ کر اٹھ کھڑا ھو* ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے معنی قلتِ خیر (یعنی اچھی چیزوں کی کمی) کے ھیں ۔ راغب اور صاحب محیط نے کہا ھے اَلْجَحْدُ کے معنے ھوتے ھیں اس چیز سے انکار کر دینا جسکا اقرار دل کے اندر ھو اور اسکا اقرار کرنا جسکا انکار دل کر رھا ھو** ۔ قرآن کریم نے حقائق کا انکار کرنے والوں کے متعلق متعدد مقامات پر کہا ھے بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ (۶/۳۳) ۔ یہ جانتے بوجھتے (محض ضد اور سر کشی کی بنا پر) قوانین خدا وندی کا انکار کرتے ھیں ۔ (''جانتے بوجھتے،، کی تشریح قرآن کریم نے خود ھی دوسری جگہ کر دی ھے ۔ جہاں کہا وَجَحَدُوْا بِھَا وَاسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (۲۷/۱۴) ۔ ''یہ محض ظلم و تکبر کی بنا پر اسکا انکار کر رھے ھیں حالانکہ ان کا دل اندر سے اسے صحیح مانتا ھے،، ۔ صاحب محیط نے کہا ھے کہ جَحَدَ النِّعْمَۃَ کے معنی ھیں اس نے نعمت کا یا تو شعور ھی نہیں کیا اور یا سمجھنے بوجھنے کے باوجود منعم کا شکر نہیں کیا ۔

ج ح م

اَجْحَمَ عَنْہُ ۔ وہ اس سے رک گیا ۔ اَلْجَحَّامُ ۔ بخیل کو کہتے ھیں جو مال و دولت کو روک کر رکھ لیتا ھے* ۔ جَحَمَ الْبَعِیْرُ ۔ اونٹ کے منہ پر ایسا چھینکا چڑھا دینا جس سے وہ کاٹنے سے رک جائے ۔ تَجَحَّمَ الْمَکَانُ وَالْقَلْبُ ۔ مکان یا دل تنگ ھو گیا*** ۔ امام الرمانی نے اَجْحَمَ کو اَمْسَکَ اور اِنْتَھٰی کا مرادف قرار دیا ھے**** ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ ان معنوں میں یہ لفظ اَحْجَمَ سے مقلوب ھے ۔

تَجَحَّمَ کے معنے ھیں بخل اور تنگ دلی کی وجہ سے جل بھن جانا ۔ اس سے جَحَمَ کے معنے ھوتے ھیں آگ بھڑکانا ۔ اَلْجَحْمَۃُ بڑی بڑی آگ کو کہتے ھیں جو کسی گہری جگہ میں ھو ۔ نیز سخت گرم جگہ کو ۔ اَلْجَاحِیْمُ

*تاج ۔ **محیط و راغب ۔ ***محیط ۔ **** الالفاظ المترادفہ،

مِنَ الْحَرْبِ ۔ سخت گھمسان کی جنگ کو کہتے ہیں * ۔ ابن فارس نے اس کے معنی حرارت اور گرمی کی شدت کے لکھے ہیں ۔ قرآن کریم میں اَلْجَحِیْمُ جہنم کیلئے آیا ہے دیکھئے (۳۷/۶۸) اور (۳۷/۵۵-۶۴) ۔ قرآن کریم میں غلط اعمال کے نتائج کو عذاب نار سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ آگ سب کچھ جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے ۔ لیکن اگر زندگی اور اسکے مقاصد کے متعلق قرآنی نقطۂ نگاہ سے غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی موجودہ زندگی اسکے سلسلۂ ارتقاء کی ایک کڑی ہے جسے ابھی بہت آگے چلنا ہے ۔ قوانین خداوندی کے مطابق عمل کرنے سے انسانی صلاحیتوں میں ایسی نشوونما آجاتی ہے جس سے وہ (مرنے کے بعد) زندگی کی اگلی ارتقائی منزل تک پہنچنے کے قابل ہو جاتا ہے ۔ لیکن اگر اسکی صلاحیتوں کی اسطرح نشوونما نہ ہو تو وہ آگے بڑھنے کے قابل نہیں رہتا ، وہیں رک جاتا ہے ۔ یہ قانونِ ارتقاء کا بنیادی اصول ہے ۔ اس رک جانے کو قرآن نے اَلْجَحِیْمُ کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے جس کے بنیادی معنے رک جانے کے ہیں ۔ لہذا جَحِیْمٌ انسانی زندگی کی وہ منزل ہے جسمیں وہ آگے بڑھنے سے رک جائے ۔ اور چونکہ اس رک جانے کا احساس شدید ہوگا اسلئے اس سے انسان کے دل میں ایسی آگ بھڑک اٹھے گی (۱۰۴/۶-۸) جو اسکی کشتِ امل (امیدوں کی کھیتی) کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیگی ۔ قرآن کریم کی رو سے فرد یا قوم ، جس مقام پر رک جائے ، وہ جحیم ہے ۔ زندگی تو ایک جوئے رواں ہے جسے رواں دواں آگے بڑھتے چلے جانا چاہئے ۔ جونہی اسکی روانی بند ہوئی ، وہ جوئے رواں نہ رہی جوہڑ بن گئی اور اس میں سڑاہند پیدا ہونی شروع ہو گئی ۔

ج د ث

اَلْجَدَثُ ۔ قبر ۔ جمع اَجْدَاثٌ و اَجْدَاثٌ ۔ قرآن کریم میں ہے فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (۳۶/۵۱) ۔ ''پس وہ ناگہاں قبروں سے (نکل کر) اپنے رب کی طرف دوڑ پڑینگے'' ۔ اس سے آگے ہے کہ وہ کف افسوس ملتے ہوئے کہینگے کہ مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (۳۶/۵۲) ''ہمیں ہماری خوابگاہ سے کس نے جگا دیا'' ۔ لہذا جَدَثٌ اور مَرْقَدٌ ہم معنی ہیں ۔ واضح رہے کہ اس سے مقصود کوئی خاص مقام نہیں ، کیفیت ہے ۔ اَلْجَدَثَةُ ۔ اونٹ کے پاؤں کی زمین پر پڑنے کی آواز** ۔

* تاج ۔ ** تاج و محیط و راغب ۔

ج د د

اَلْجَدُّ ۔ اس مادہ میں اصل معنے قطع کرنے اور کاٹنے کے آتے ہیں*۔ مثلاً ثَوْبٌ جَدِیْدٌ کے اصل معنے کاٹے ہوئے (قطع کردہ) کپڑے کے ہیں۔ پھر ہر اس چیز کو کہنے لگے جس کی پیدائش نئی نئی ہوئی ہو**۔ اَلْجَدِیْدُ ۔ وہ چیز جس کے ساتھ تمہارا کبھی واسطہ نہ رہا ہو***۔ قرآن کریم میں ہے اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ (۱۴/۲۰) ۔ ”وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق لے آئے“ (ایسی مخلوق لے آئے جس سے تمہیں کبھی واسطہ نہ رہا ہو)۔ اَلْجُدَّۃُ ۔ ہر چیز کا راستہ (جس سے اسے قطع کیا جاتا ہے یا جو اسے قطع کرتا ہوا چلا جاتا ہے) ۔ اس کی جمع جُدَدٌ آتی ہے ۔ قرآن کریم میں پہاڑوں کے متعلق ہے جُدَدٌ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ (۳۵/۲۷) ۔ سفید اور سرخ رنگ کے راستے ۔ راستہ سے یہاں مراد دھاریاں ہیں جو پہاڑوں کے مختلف قطعات اور تہوں کو متمیز کرتی ہیں ۔ چنانچہ اَلْجُدَّۃُ اس دھاری کو بھی کہتے ہیں جو گدھے کی کمر پر ہوتی ہے***۔

اَلْجَدُّ ۔ روئے زمین کو کہتے ہیں، اور بڑے نصیبہ والے آدمی کو بھی ۔ دادا اور نانا کو بھی کہتے ہیں ۔۔اسی سے اس کے معنی بڑائی، عظمت و جلال کے بھی آتے ہیں***۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَاَنَّہٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا (۷۲/۳) ۔ ”ہمارے رب کی عظمت بہت بڑی ہے“۔

اَلْجِدُّ ۔ کسی کام میں کوشش کرنا ۔ نیز جلدی اور عجلت کو بھی کہتے ہیں ۔ نیز اس لفظ کو ہر بات میں مبالغہ کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً عَالِمٌ جِدٌّ عَالِمٌ ۔ وہ عالم ہے اور بہت بڑا عالم***۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے تین بنیادی معانی ہیں (۱) عظمت ۔ (۲) نصیبہ اور (۳) کاٹ دینا ۔ تینوں کی مثالیں اوپر مذکور ہیں ۔

ج د ر

اَلْجَدْرُ ۔ اَلْجِدَارُ ۔ دیوار کو کہتے ہیں ۔ اَلْحَائِطُ ۔ دیوار کو احاطہ کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں اور اَلْجِدَارُ اسکے بلند ہونے کی وجہ سے ۔ کیونکہ اس مادہ میں اصل معنے احاطہ کرنا ۔ ابھرنا ۔ بلند ہونا ہیں ۔

* محیط ۔ ** راغب ۔ *** تاج ۔

چنانچہ جَدَرْتُ الْجِدَارَ کے معنے ہیں میں نے دیوار کو اونچا کر دیا۔ اَلْجَدْرُ ایک قسم کا پودا جو ریتلی زمین میں اگتا ہے*۔

سورۃ کہف میں جِدَارٌ (۱۸/۷۷) دیوار کے معنے میں آیا ہے۔

اَلْجَدِیْرُ۔ مناسب اور لائق۔ قَدْ جَدَرَ جَدَارَۃً۔ وہ لائق ہوا۔ اللّٰہُ مَجْدُوْرٌ اَنْ یَفْعَلَ ذٰلِکَ۔ وہ ایسا کرنے کے قابل ہے*۔ قرآن کریم میں ہے وَ اَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا (۹/۹۷)۔ "ان کی حالت اس کے زیادہ قابل ہے کہ وہ اس بات کو نہ سمجھ سکیں"۔ اَلْجَدِیْرَۃُ طبیعت کو کہتے ہیں*۔

ج د ل

اَلْجَدْلُ۔ اصل معنے اس مادہ میں بٹنے کے ہیں۔ جَدَلُ الْحَبْلِ۔ رسی کو مضبوط بٹنا۔ اَلْجَدِیْلُ۔ چمڑے کی بٹی ہوئی لگام کو کہتے ہیں۔ یا چمڑے کی بٹی ہوئی رسی کو**۔ اَلْجُدَالُ ہر مضبوط چیز کو کہتے ہیں***۔ اَلْجَدَالَۃُ۔ سخت زمین**۔ جَدَلَ الشَّیْءُ جُدُوْلًا۔ کسی چیز کا سخت اور قوی ہو جانا**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا لمبا اور مستحکم ہونا۔ جھگڑے کو جَدَلٌ گفتگو کی درازی کی وجہ سے کہتے ہیں۔

اَلْجِدَالُ۔ راغب نے کہا ہے کہ اسکے معنے ایسی گفتگو کرنے کے ہیں جسمیں طرفین ایک دوسرے سے بازی لے جانے اور غلبہ حاصل کر لینے کی کوشش کریں اور اسطرح خواہ مخواہ بات کو بڑھاتے چلے جائیں۔ اسی سے بعض نے کہا ہے کہ اسکے اصل معنے صِرَاعٌ کے ہیں، یعنے ایک انسان کا دوسرے انسان کو زمین پر گرا دینا۔ پچھاڑ دینا**۔

قرآن کریم میں احکام حج کے ضمن میں لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ (۲/۱۹۷) آیا ہے۔ اَلْجِدَالُ کے جو معنی اوپر دئے گئے ہیں ان سے مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ حج مسلمانوں کا بین المیلی اجتماع ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ اُمت کے اجتماعی مسائل کا حل باہمی مشاورت سے تلاش کیا جائے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ اس مقصد کے لئے باہمی گفتگو میں ایسی روش اختیار نہ کرو جس سے مقصد یہ ہو کہ تم فریق مقابل کو مناظرانہ شکست دیدو اور اس کے لئے خواہ مخواہ بات بڑھاتے اور اس پر اصرار کرتے چلے جاؤ۔ تم متانت اور سنجیدگی سے بات کرو اور مقصد یہ سامنے رکھو کہ کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مسائل کا تصفیہ ہو جائے۔

---

* تاج و راغب و محیط۔ ** تاج۔ *** محیط۔

سورۃ مجادلۃ میں جو آیا ہے اَلَّتِیْ تُجَادِلُکَ (۵۸/۱) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عورت رسول اللہ ؐ سے اپنے خاوند کے متعلق بار بار سوال کرتی تھی۔ خواہ مخواہ بات کو طول دئے جا رہی تھی۔ اپنی بات پر اصرار کرتی تھی اور یوں اس سے جھگڑے کا سا پہلو نکلتا تھا۔

سورۃ کہف میں ہے وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا (۱۸/۵۴)۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہر معاملہ کے متعلق بات واضح طور پر کہہ دی گئی ہے لیکن اس سے راہ نمائی حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ انسان اس ذہنیت کو لیکر قرآن کیطرف نہ آئے کہ مجھے بہرحال اپنی بات پر اڑے رہنا اور قرآن کو شکست دیدینا ہے۔ وہ خالی الذہن ہو کر قرآن پر غور و فکر کرے اور مقصد پیش نظر یہ رکھے کہ مجھے حق اور صداقت کو تلاش کرنا ہے۔ اسطرح قرآن سے صحیح راہ نمائی مل جائیگی۔

ج ذ ذ

اَلْجَذُّ۔ کسی چیز کو توڑ دینا۔ كَسَرْتُهٗ اَجُذُّهٗ جَذًّا۔ میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ دیا*۔ اَلْجُذَّةُ۔ دراصل کسی شے کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو اس سے کاٹ کر الگ کر لیا گیا ہو**۔

جُذَاذٌ۔ سونے کے ڈلے یا ٹکڑے یا ریزے***۔ سورۃ انبیاء میں ہے فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا (۲۱/۵۸)۔ "ابراہیم ؑ نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا"۔

سورۃ ہود میں جنت کے متعلق ہے عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (۱۱/۱۰۸)۔ غیر منقطع عطاء۔ ایسی عطاء جو ان سے قطع نہیں کی جائیگی۔ جو ہمیشہ رہیگی۔ یعنے اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (۶۸/۳)۔

ج ذ ع

جِذْعٌ۔ درخت (خرما) کا تنہ۔ (جمع جُذُوْعٌ)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس تنہ کو کہتے ہیں جو خشک ہو چکا ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اسے کہتے ہیں جو کاٹ لیا گیا ہو۔ لیکن دوسروں کا خیال ہے کہ اسمیں نہ خشک ہونے کی شرط ہے اور نہ کاٹ لینے کی*۔ سورۃ مریم میں جِذْعِ النَّخْلَةِ (۱۹/۲۳)۔ کھجور کے تنے کیلئے آیا ہے۔ اور (۲۰/۷۱) سے ظاہر ہے کہ

*تاج۔ **محیط۔ ***راغب

وہ سر سبز اور ثمردار کھجور تھی۔ لیکن سورۃ "طٰہٰ" میں صلیب کی لکڑیوں کے لئے جُذُوْعِ النَّخْلِ (۲۰/۷۱) آیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خشک کاٹے ہوئے تنے ہوتے تھے جن پر صلیب دی جاتی تھی۔ ویسے جَذَعْتُہٗ کے معنے ہیں میں نے اسے کاٹ لیا ****۔ جَذَعَ الدَّابَّۃَ۔ اس نے جانور کو روک دیا۔ اَلْجَذَعَۃُ۔ جوانی اور نوعمری کو کہتے ہیں ***۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) نوعمری اور تازگی۔ (۲) درخت کا تنہ اور (۳) کسی چیز کو ملنے کے لکھے ہیں۔

ج ذ و

جَذَا عَلَی الشَّیْءِ یَجْذُوْ جَذْوًا۔ وہ کسی چیز پر جم کر کھڑا ہوگیا۔ جَذَا الرَّجُلُ عَلٰی اَطْرَافِ اَصَابِعِہٖ۔ آدمی اپنے پنجوں کے بل کھڑا ہوگیا*۔ گویا اسمیں کسی چیز کے کسی ایک مقام پر جم کر ٹھہر جانے کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ اسلئے جَذْوَۃٌ لکڑی کے اس انگارے کو کہتے ہیں جس سے شعلہ ختم ہوجائے اور صرف انگارہ باقی رہ جائے*۔ یعنی اس میں شعلے کا ابھرنا اور تڑپنا باقی نہ رہے اور وہ ایک مقام پر ٹھہر جائے۔ قرآن میں جَذْوَۃٍ مِنَ النَّارِ (۲۸/۲۹) آیا ہے۔ یعنی آگ کا انگارہ۔

ج ر ح

جَرَحَ۔ کسی چیز کو حاصل کرنا۔ اکتساب کے معنوں میں آتا ہے** ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) کمانا اور (۲) کھال کو پھاڑنا (زخمی کرنا) بتائے ہیں۔ کمانے کے اعتبار سے قرآن کریم میں ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ (۲۹/۴)۔ "جو لوگ ناہمواریاں پیدا کرتے ہیں"۔ یعنی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یا سورۃ انعام میں ہے مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ (۶/۶۰)۔ "جو کچھ تم دن میں کرتے ہو"۔ اسی بنا پر اَلْجَوَارِحُ انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کو کہتے ہیں جو اس کے لئے کام کرتے ہیں**۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْجَوَارِحُ ان مصائب کو کہتے ہیں جو دن کے وقت آئیں۔ جیسا کہ رات کے وقت آنے والی مصیبتوں کو طَوَارِقُ کہتے ہیں***۔ نیز اس کے معنے شکار کرنے والے جانور ہیں۔ اس لئے کہ جَرَحَ یَجْرَحُ کے معنے زخمی کر دینے کے

*تاج۔ راغب۔ ** تاج۔ *** محیط۔ ****راغب۔

ہیں ۔ اَلْجَرَاحَۃُ ۔ نیزہ یا تلوار کے زخم کو کہتے ہیں* ۔ قرآن میں اَلْجَوَارِحِ مُکَلِّبِیْنَ آیا ہے (۵/۴) ۔ یعنی شکار کے لئے سدھائے ہوئے کتے یا دیگر جانور ۔ اَلْجُرُوْحُ زخموں کیلئے آیا ہے (۵/۴۵) ۔

ج ر د

جَرَدَ ۔ یَجْرِدُ ۔ چھیل دینا ۔ چھلکا اتار دینا ۔ جَرَدَ الْجِلْدَ ۔ اس نے کھال کے اوپر سے بال صاف کر لئے ۔ جَرَدَ زَیْدًا مِنْ ثَوْبِہٖ ۔ اس نے زید کو اس کے کپڑوں سے ننگا کر دیا ۔ فَتَجَرَّدَ ۔ پس وہ ننگا ہو گیا ۔ اَلتَّجَرُّدُ ۔ ننگا ہونا ۔ اَلْجَرَادُ (۵۴/۷) ۔ ٹڈی (کیونکہ وہ درختوں کو ننگا کر دیتی ہے) ۔ مَکَانٌ جَرِدٌ ۔ وہ جگہ جہاں گھاس نہ ہو ۔ سَنَۃٌ جَارِدٌ ۔ سخت قحط کا سال** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہوئے ہیں کسی چیز کا اس طرح صاف ہو جانا کہ وہ کھل کر نظر آنے لگ جائے ۔

ج ر ز

جَرَزَ ۔ یَجْرُزُ ۔ جَرْزًا ۔ تیزی سے کھانا ۔ قتل کر دینا ۔ کاٹ ڈالنا ۔ جڑ بنیاد سے اکھیڑ دینا ۔ اصل معنے اس سادہ میں قطع و استئصال کے آتے ہیں ۔ اَلْجَرُوْزُ ۔ بہت کھانے والا کہ جب وہ کھانے کیلئے بیٹھے تو دسترخوان پر کچھ نہ چھوڑے ۔ اَرْضٌ جُرُزٌ ۔ وہ زمین جسمیں کچھ پیدا نہ ہوتا ہو یا وہ زمین جس سے تمام گھاس وغیرہ چر کر ختم کر دیا گیا ہو ۔ اَلْجَرَزُ ۔ قحط کا سال ۔ اَلْجَارِزُ ۔ بانجھ عورت ۔ اَلْجُرَازُ ۔ تیز تلوار** ۔

قرآن کریم میں ہے لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَیْھَا صَعِیْدًا جُرُزًا (۱۸/۹) ''ہم اس زمین کو ایسی بنا دینے والے ہیں کہ اسپر سبزہ کا نام و نشان تک نہ رہے'' ۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم جو کچھ زمین پر ہے اسے مٹا کر خاک اور خشک و بے گیاہ کرتے رہتے ہیں (بہار اور خزاں کے دور جاری رہتے ہیں) ۔

ج ر ع

اَلْجَرْعَۃُ ۔ (جیم کی تینوں حرکتوں — زیر ۔ زبر ۔ پیش — کے ساتھ) گھونٹ ۔ لسان العرب میں ہے کہ جَرْعَۃٌ ایک مرتبہ گھونٹ کے نگلنے کو کہتے ہیں اور جُرْعَۃٌ اس چیز کو جسے اسطرح نگلا جائے ۔ اَلتَّجَرُّعُ کسی چیز کو اسطرح گھونٹ گھونٹ کر کے نگلنا جس سے معلوم ہو کہ اسکا

* تاج ۔ ** تاج و راغب و محیط ۔

پینا پینے والے پر سخت ناگوار گذر رہا ہے* ۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہنمی کے متعلق ہے کہ اسے جو کچھ پینے کو ملیگا یَتَجَرَّعُہٗ وَلَا یَکَادُ یُسِیْغُہٗ (۱۴/۱۷) ۔ "وہ اسے سخت ناگواری سے گھونٹ گھونٹ کرکے پیئے گا اور گلے سے نیچے نہیں اتار سکیگا" ۔ (الامان و الحفیظ! اس دنیا میں ذلت اور محکومی کی روٹی بھی کیسی تلخ ہوتی ہے ۔ کھائے بغیر گذارہ بھی نہیں اور حلق سے نیچے بھی نہیں اترتی)

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اصل معنے اس مادہ میں کسی چیز کو توڑ کر یا کاٹ کر الگ کر دینے (یا جمع کرلینے) کے ہیں** ۔ وَتَرٌ جَرِیْعٌ* کمان کے ایسے تانت کو کہتے ہیں جسکا کوئی بٹ اسقدر ٹیڑھا ہو کہ دوسرے بٹوں میں نمایاں طور پر نظر آ رہا ہو ۔ اَلْاَجْرَعُ* سخت اور سنگلاخ زمین کو بھی کہتے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی پینے کی چیز کے کم ہونے کے ہیں ۔

ج ر ف

جَرَفَ ۔ یَجْرُفُ ۔ جَرْفاً ۔ بہت زیادہ لے لینا ۔ سب کچھ لے لینا یا بڑا حصہ لے لینا ۔ جَرَفَ الطِّیْنَ ۔ اس نے زمین سے مٹی کو کھرچ لیا ۔ اس سے اَلْجَارِفُ اس تباہی کو کہتے ہیں جو قوم کے اموال کو برباد کردے ۔ طاعون اور وبا کو بھی کہتے ہیں ۔ سَیْلٌ جُرَافٌ ۔ وہ سیلاب جو سب کچھ بہا کر لے جائے ۔ اَلْجُرْفُ والجُرُفُ زمین کا وہ حصہ جو کسی دریا کے کنارے واقع ہو اور وہ کٹ کٹ کر دریا میں گرتا رہے یا سیلاب کی زد میں آکر بہ جائے*** ۔

سورۃ توبہ میں شَفَا جُرُفٍ (۹/۱۰۹) ۔ آیا ہے ۔ یعنے ایسا کنارہ جو کٹ کٹ کر گر رہا ہو ۔ اصل معنے اس مادہ میں صاف کر دینے اور نکال لینے، جڑ سے لے لینے، نیز کاٹ دینے کے ہوتے ہیں ** ۔ یا کسی چیز پر پورا پورا قبضہ کرکے اسے ہڑپ کر جانے کے**** ۔

ج ر م

جَرْمٌ* ۔ کے بنیادی معنے کسی چیز کو کاٹ دینے یا اس پر سے کسی چیز کو ہٹا کر اسے ننگا کر دینے کے ہیں** ۔ عام طور پر درخت سے پھل کاٹنے یا توڑنے کے لئے بولا جاتا ہے***** ۔ جَرَمَ النَّخْلَ ۔ کھجور کو کاٹ دیا یا اسکا پھل توڑ لیا ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** تاج و راغب ۔ ****ابن فارس ۔ ***** راغب ۔

اَلْجِرْمَۃُ - وہ لوگ جو کھجوروں کا پھل توڑتے ہیں - جَرَمَ الشَّاۃَ جَرْماً - اس نے بھیڑ کی اون کاٹ لی* - جَرَمَ اللَّحْمَ عَنِ الْعَظْمِ - ہڈی پر سے گوشت نوچ لیا اور اسطرح ہڈی کو ننگا کر دیا** - ان مثالوں سے لفظ جرم کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ہے - یعنے لوٹ کھسوٹ - سلب و نہب (Exploitation) - دوسرے کا پھل توڑ کر اپنے ہاں لے جانا - دوسروں کی محنت کا ماحصل چھین کر لے جانا اور انہیں ننگا کردینا - ایسا کرنے والوں کو مُجْرِمُوْن کہا جاتا ہے - اسی بنا پر ہر اکتساب مکروہ (ناپسندیدہ کمائی) کو جَرْمٌ*** کہاجاتا ہے - اَجْرَمَ - وہ جرم والا ہوا - *** - جرم کے اس مفہوم کو سامنے رکھئے اور سوچئے کہ جب قرآن کریم قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ (مجرم قوم) کو جہنم رسید کرتا ہے تو اس سے مقصود کیا ہے - قرآن کی رو سے بدترین نظام اور معاشرہ وہ ہے جسمیں کچھ لوگ دوسرے لوگوں کو (Exploit) کریں اور انکی محنت کی کمائی پر عیش اڑائیں - ایسا معاشرہ جہنمی معاشرہ ہے اور اسکا نتیجہ تباہی اور بربادی - سورۃ القلم میں ہے اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ (۶۸/۳۵) ''کیا ہم مسلمین کو مجرمین کے برابر کردینگے'' یہاں مسلمین کے مقابلہ میں مجرمین آیا ہے - اس سے ظاہر ہے کہ کوئی مسلم مجرم نہیں ہوسکتا - (نیز دیکھئے عنوان ج - ن - ی) -

لَا جَرَمَ - لا محالہ - ضرور* - بے شک - (جو بات واضح اور بے نقاب یعنی برہنہ ہو) - سورۃ ہود میں ہے لَا جَرَمَ اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ (۱۱/۲۲) - ''بلا شک و شبہ یہی لوگ آخر الامر سب سے زیادہ نقصان میں رہینگے'' - سورۃ مائدہ میں ہے لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ (۵/۲) - اسکے معنے آمادہ کرنے کے ہیں - یعنے اسکے اکتساب پر تمہیں آمادہ نہ کردے - ابن فارس نے کہا ہے کہ جَرَمَ کے معنی کمانے کے بھی ہوتے ہیں -

ج ر ی

جَرْیٌ وَجَرَیَانٌ - کے معنے ہیں پانی وغیرہ کا چلنا - بلا روک ٹوک بہنا - راغب نے کہا ہے کہ اَلْجَرْیُ تیزی سے چلنے کو کہتے ہیں چنانچہ جَرَیٰ الْفَرَسُ کے معنے ہیں گھوڑا تیزی سے دوڑا - کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی (۱۳/۲) ''ہر کرہ مدت معینہ کے لئے تیزی سے چل رہا ہے'' - اس کے راستہ میں کوئی روک نہیں - اَلْجَارِیَۃُ مؤنث ہے جَارٍ اور اَلْجَارِیُ کا جس کے معنی ہیں چلنے والا بہنے والا تیزی سے دوڑنے والا - جَارِیَۃٌ کی جمع جَارِیَاتٌ اور جَوَارٍ آتی ہے - قرآن مجید میں ہے اَلْجَوَارِیُ الْمُنْشَاٰتُ (۵۵/۲۴) - بننا اور پانی میں تیرتی چلے جانے کی وجہ سے کشتی

*تاج - **محیط - ***راغب -

کو بھی جَارِیَۃ کہہ دیتے ہیں۔ جمع جَوَارٍ اور جَارِیَاتٌ ہے۔ اَلْجَارِیَۃُ آفتاب کو کہتے ہیں ۔ اور اَلْجَوَارِیُ ستاروں کو۔ جَارِیَۃٌ لڑکی کو کہتے ہیں ۔ جَرَی اللّٰہُ الشَّیْءُ کے معنے ہیں وہ شے اسکے لئے ہمیشہ قائم رہی ۔ یعنے اسمیں دوام کے معنے بھی پائے جاتے ہیں *۔ (دوام کے مفہوم کیلئے ج۔ن۔ن کا عنوان دیکھئے جہاں جَنّٰت کے ضمن میں تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہَارُ کی تشریح کی گئی ہے) ۔ قرآن کریم میں مَجْرٖھَا کے مقابلہ میں مُرْسٰھَا کا لفظ آیا ہے (۱۱/۴۱) ۔ یعنی کشتی کا چلنا اور اس کا لنگرانداز ہونا ۔ اَلْجَرِیُّ ۔ وکیل اور ضامن کو بھی کہتے ہیں ** ۔ سورۃ غاشیہ میں ہے فِیْہَا عَیْنٌ جَارِیَۃٌ (۸۸/۱۲) ۔ اس میں بہتا چشمہ ہے ۔ سورۃ شوریٰ میں ہے اَلْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ (۴۲/۳۲) سمندر میں کشتیاں ۔

ج ز أ

اَلْجُزْءُ ۔ کسی چیز کا حصہ یا اس کا ٹکڑا۔ جمع اَجْزَاءٌ ۔ یعنی وہ ٹکڑے جن سے کوئی چیز مل کر بنے، جیسے اجزاءُ القِسْمَۃِ ۔ اجزاءُ الدَّوَاءِ وغیرہ ۔ بہت سی چیزوں کے مجموعہ میں سے اگر کچھ چیزیں الگ کرلی جائیں تو وہ بھی اس مجموعہ کا جُزْءٌ کہلائینگی * ۔ سورۃ زخرف میں عیسائیوں کے متعلق ہے وَجَعَلُوْا لَہٗ مِنْ عِبَادِہٖ جُزْءًا (۴۳/۱۵) ۔ ''وہ خدا کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جزء قرار دیتے ہیں'' ۔ اس سے تثلیث کے عقیدہ کا ابطال مقصود ہے جسمیں ''تین میں ایک اور ایک میں تین'' کے گورکھ دھندے سے خدا کو تین حصوں میں بانٹ دیا جاتا ہے ۔ یا ہر اس عقیدہ کا ابطال جس کی رو سے کسی انسان یا کسی قوت کو خدائی کاروبار میں شریک سمجھا جائے ۔ ابنیتِ مسیح اور وحدت الوجود جیسے عقائد بھی اسی کے ذیل میں آجاتے ہیں ۔

جَزَّءَ کے معنے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ، الگ الگ کر دینا ہیں ۔ اَلْجُزْءُ کسی چیز کے حصہ اور ٹکڑے کو کہتے ہیں خواہ وہ اپنے کل سے ملا ہوا ہو یا اس سے الگ کرلیا گیا ہو ، یہ ضروری نہیں کہ جزء کے لئے کل کے ہر فرد کو بھی توڑا یا کاٹا جائے ۔ ہوسکتا ہے کہ بہت سے فرد مل کر ایک کل کے جزء بنیں ۔ مثلاً سورۃ الحجر میں ہے کہ لِکُلِّ بَابٍ مِنْھُمْ جُزْءٌ مَقْسُوْمٌ (۱۵/۴۴) ۔ یعنے ان (جہنم میں داخل ہونے والے انسانوں) میں سے ، ہر دروازہ کیلئے ، ایک حصہ الگ کر دیا گیا ہے ۔ اس سے یہ مطلب

*تاج ۔ **تاج و محیط ۔

نہیں کہ ان انسانوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کا ایک ایک حصہ الگ کر لیا گیا ہے ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا ایک ایک گروہ الگ کر لیا گیا ہے ۔ اس سے سورۃ بقرہ کی اس آیت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے جسمیں حضرت ابراھیمؑ سے کہا گیا ہے کہ چار پرندوں کو اچھی طرح سدھا کر اور اپنی طرف مائل کرکے ۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِنْھُنَّ جُزْءًا (۲/۲۶۰) پھر انہیں الگ الگ کر لو اور ایک ایک پرندہ کو الگ الگ پہاڑیوں میں چھوڑ دو ۔ پھر انہیں آواز دو تو وہ اڑتے ہوئے تمہاری طرف آجائینگے ۔ قرآن میں اعمال کے نتیجہ کیلئے جَزَاءٌ کا لفظ آیا ہے ۔ اس کے معنے (ج-زی) کے عنوان میں دیکھئے ۔

ج ز ع

جَزْعٌ* ۔ کے اصلی معنے رسی کو بیچ سے کاٹ دینا ہوتے ہیں* ۔ پھر اسکا استعمال ہر شے کو کاٹ دینے یا قطع کر دینے کے لئے ہونے لگا ۔ جَزَعَ الْاَرْضَ وَ الْوَادِیَ ۔ اسنے زمین اور وادی کو قطع کر دیا** ۔ اصل میں جِزْعُ الْوَادِیْ ۔ وادی کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں پہنچکر وادی ختم ہو جاتی ہے یا مڑ جاتی ہے ۔ اَلْجَازِعُ اس شہتیر کو کہتے ہیں جو چھت کے وسط میں ڈالا جاتا ہے اور دونوں طرف سے شہتیریاں آآ کر اس پر مل جاتی ہیں ۔ اسطرح وہ ان شہتیریوں (یا خود کمرے) کو دو حصوں میں قطع کر دیتا ہے* ۔

اَلْجَزَعُ ۔ صَبْرٌ کی ضد ہے ۔ صَبْرٌ کہتے ہیں کسی معاملہ کی مسلسل پیروی کرنا ۔ استقامت دکھانا (دیکھئے عنوان ص ۔ ب ۔ ر) ۔ اور جب کسی معاملہ کو درمیان ہی میں چھوڑ دیا جائے ۔ یعنے انسان اسکی پیروی سے اپنے آپکو منقطع کرلے ۔ تو وہ اَلْجَزَعُ ہوگا ۔ یعنی ہمت ہار دینا ۔ استقامت چھوڑ دینا* ۔ سورۃ ابراھیم میں ہے اَجَزِعْنَا اَمْ صَبَرْنَا (۱۴/۲۱) ۔ خواہ ہم ہمت ہار دیں یا استقامت سے برداشت کریں ۔

ج ز ی

جَزَآءٌ* ۔ (نیز جَازِیَۃٌ*) کسی چیز کا بدلہ ۔ جَزَاہُ کَذَا وَبِہٖ وَ عَلَیْہِ ۔ اس نے اسے کسی بات پر ایسا بدلہ دیا** ۔ مُجَازَاۃٌ* ۔ ایک دوسرے کو بدلہ دینا ۔ (عام طور پر مُجَازَاۃٌ شر میں استعمال ہوتا ہے اور

* راغب ۔ ** تاج ۔

مُکَافَاۃٌ خیر میں)** ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایسک چیز کا دوسری چیز کے قائم مقام ہونا ہیں ۔ یہ مفہوم ایک عظیم حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے ۔ جس چیز کو عام طور پر " عمل کا بدلہ " کہا جاتا ہے وہ درحقیقت اس عمل کا فطری نتیجہ ہوتا ہے ۔ یعنی نتیجہ ، عمل کا قائم مقام ہوتا ہے ۔ آپ آگ میں ہاتھ ڈالتے ہیں یہ آپ کا عمل ہے ۔ آپ کا ہاتھ جل جاتا ہے اور اس میں سخت تکلیف ہوتی ہے ۔ یہ اس عمل کا نتیجہ ہے ۔ عمل تو فوراً ختم ہو گیا لیکن اس کے نتیجہ نے اس کی جگہ لے لی ۔ اس سے جزا اور سزا کا قرآنی تصور سامنے آ جاتا ہے ۔ اس تصور کی رو سے نہ سزا خارجی طور پر (باہر سے) ملتی ہے ۔ نہ جزا ہی کہیں باہر سے انعام ملنے کا نام ہے ۔ آپ نے کسی کو گالی دی ۔ اس نے آپ کو تھپڑ مارا ۔ گالی اور تھپڑ میں باہمی کوئی تعلق نہیں ۔ یہ سزا خارج سے ملی ہے ۔ لیکن آپ نے سنکھیا کھایا اور آپ کی موت واقع ہو گئی ۔ یہ چیز آپ کے عمل کا نتیجہ ہے ۔ یعنی عمل کی جانشین ۔ اس لئے قرآن نے کہا ہے کہ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۲۷/۹۰) ۔ اعمال خود اپنی جزا آپ ہوتے ہیں ۔ ہر عمل کا نتیجہ اس عمل کی جگہ آ جاتا ہے ۔ اس کا قائمقام بن جاتا ہے ۔

جَزَی الشَّیْئُ " یَجْزِیْ " کے معنے ہیں وہ چیز کافی ہو گئی ۔ ابن فارس نے یہی اس کے بنیادی معنی لکھے ہیں ۔ مَا یَجْزِیْنِیْ هٰذَا الثَّوْبُ ۔ مجھے یہ کپڑا کافی نہیں ہوگا ۔ هٰذِهِ اِبِلٌ مَجْزِیَۃٌ ۔ یہ اونٹ بار برداری کے لئے مجھے کافی ہیں * ۔ یَوْماً لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا (۲/۴۸) ۔ " جس دن کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی کسی دوسرے کے کسی جرم کا بدلہ نہیں بن سکیگا " ۔ اس میں سے کچھ بھی اپنے سر نہیں لے سکیگا ۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے کافی نہیں ہو سکیگا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کسی شخص کا کسی دوسرے کی طرف سے کچھ ادا کر دینا ۔

جِزْیَۃٌ ۔ (۹/۲۹) وہ ٹیکس جو غیر مسلموں سے ان کی حفاظت کے بدلے میں لیا جائے ۔ یعنے جو ان کی جان ، مال ، آبرو ، معابد وغیرہ کی حفاظت کے لئے کافی سمجھا جائے اور جس کی وجہ سے ان پر (جنگ وغیرہ میں شریک ہونے کی) ذمہ داری نہ ڈالی جائے ۔ یہ تھوڑا سا مالی معاوضہ

* تاج ۔ ** محیط ۔

ان تمام آسائشوں کے بدلے میں لیا جاتا ہے جو غیر مسلموں کو اسلامی مملکت میں حاصل ہوتی ہیں اور جن کے بہم پہنچانے کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہوتی ہے۔

امام الرمانی نے اَلْجِزْیَۃُ کو اَلْعَہْدُ۔ اَلذِّمَّۃُ۔ اَلْاَمَانُ۔ اَلْخَرَاجُ کا مرادف قرار دیا ہے*** لہذا اس کے معنی وہ معاہدہ ہونگے جس میں کسی سے کچھ خراج لیکر اسے امان کی ذمہ داری دی جائے۔

ج س د

اَلْجَسَدُ۔ انسان کے جسم کو کہتے ہیں۔ دوسرے کھانے پینے والے اجسام کو جَسَدٌ نہیں کہتے۔ البتہ جو مخلوق کھاتی پیتی نہ ہو اور ذوی العقول میں سے ہو (ہر بوں کے عقیدہ کے مطابق۔ مثلاً جنات اور ملائکہ) تو انکے اجسام کو بھی جَسَدٌ کہدیتے تھے*۔ لیکن قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے بچھڑے کو بھی جَسَداً (۷/۱۴۸) کہا ہے۔ صاحب محیط (نیز ابن فارس) نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے اصل معنے کسی چیز کا مجتمع اور سخت ہونا ہوتے ہیں۔ لہذا جَسَدٌ ٹھوس اور مرکب جسم کو کہینگے۔ گوسالۂ سامری کو جَسَدٌ کہنے کی یہ توجیہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ وہ ٹھوس بھی تھا اور مختلف زیورات کو ڈھال کر مرکب بنایا گیا تھا۔ کلیات میں ہے کہ جَسَدٌ دراصل رنگدار جسم کو کہتے ہیں**۔ سورۃ انبیاء میں انسانی اجسام کیلئے جَسَداً کا لفظ آیا ہے (۲۱/۸)۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ وہ جَسَداً ایسے نہ تھے جو کھانے پیتے نہ ہوں۔ اور حضرت سلیمانؑ کے بیٹے کو (جو جہانبانی کی اہلیت نہیں رکھتا تھا) جَسَداً کہا ہے (۳۸/۳۴)۔ یعنے محض گوشت کا لوتھڑا۔ بلکہ صرف دَابَّۃٌ (۳۴/۱۴)۔ تورات میں (حضرت سلیمانؑ کے اس بیٹے اجعام کے متعلق) ہے:—

"اور اجعام کی سلطنت کے پانچویں برس ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ سیق نے یروشلم پر چڑھائی کی اور اس نے خداوند کا خزانہ اور بادشاہ کے گھر کا خزانہ لوٹ لیا۔ (نیز) . . . . حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں ایک شخص یربعام نامی نے حیا کاہن کے ساتھ مل کر آپ کی سلطنت کے خلاف سخت سازشیں کی تھیں۔ اسوقت تو وہ اپنی سعی میں کامیاب نہ ہو سکا لیکن اجعام کے عہد میں اس نے بڑی قوت حاصل کر لی اور بنی اسرائیل کے دس اسباط کو اپنے ساتھ

*تاج۔ **محیط۔ *** الالفاظ المترادفۃ۔

ملا کر اجسام کو شکست دی۔ اس نے بیت المقدس کے ہیکل کے مقابلے میں وہ بت خانے تعمیر کرائے جہاں سونے چاندی کے بتوں کی پرستش ہوتی تھی"۔ (سلاطین ۱ - باب ۱۴ ؛ ۱۲ ؛ ۱۰)

حضرت سلیمانؑ کا یہی بیٹا (جانشین) ہے جسے قرآن کریم نے جیتے جاگتے انسان کے بجائے "جَسَدٌ" - محض گوشت پوست کا مرکب کہکر اسکی نااہلی کیطرف اشارہ کیا ہے۔ آیت (۳۸/۳۴) سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو اپنی زندگی ہی میں اس کا احساس تھا اور انہوں نے خدا سے دعا کی تھی کہ مملکت تخریبی اثرات سے محفوظ رہے۔

ج س س

جَسَّ کے اصلی معنے ہیں رگ کو چھونا اور اسطرح نبض دیکھ کر تشخیص کرنا کہ وہ تندرست ہے یا بیمار۔ یہ لفظ حَسَّ سے زیادہ خاص ہے کیونکہ حَسَّ ان چیزوں کے معلوم کرنے کو کہتے ہیں جن کا ادراک احساس کرسکے۔ اَلْجَسّ - خبریں اور اندرونی حالات تلاش کرنا اور ان کی کرید کرنا۔ بعض نے کہا ہے کہ تَجَسَّسَ (جیم کے ساتھ) اور تَحَسَّسَ (حاء کے ساتھ) ایک ہی معنی میں آتے ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ تَجَسَّسَ کسی دوسرے کیلئے خبریں تلاش کرنا ہوتا ہے (اسی سے جَاسُوْسٌ ہے) اور تَحَسَّسَ خود اپنے لئے ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ تَجَسَّسَ کے معنے چھپی ہوئی باتوں کی کرید کرنا ہوتا ہے اور تَحَسَّسَ سے مفہوم چھپ کر باتیں سننا*۔ اَلْجَاسُوْسُ بُرے راز داں کو کہتے ہیں اور اَلنَّامُوْس اور اَلْحَاسُوْسُ اچھے رازداں کو**۔

قرآن میں ہے لَا تَجَسَّسُوْا (۴۹/۱۲) پوشیدہ باتوں کی خواہ مخواہ کرید مت کرو۔ یعنی کسی کے ایسے اندرونی اور نجی حالات جنہیں وہ راز میں رکھنا چاہتا ہے اور اس سے اجتماعی فساد کا کوئی امکان نہیں، اپنے ذاتی غرض سے انہیں معلوم کرنے میں دلچسپی نہ لو۔ خواہ مخواہ اپنے قیمتی وقت کو ایسے فضول، لا یعنی کاموں میں خرچ نہ کرو۔ مندرجہ بالا معانی کے اعتبار سے اس میں ارادے کی برائی بھی شامل ہے۔ یعنی بری نیت سے (شرانگیز مقصد کیلئے) ایسا کرنا معیوب ہے۔ حکومت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ باشندگان ملک اور بیرونی دشمنوں کے اندرونی حالات تک سے باخبر ہو۔ یہ چیز اس تحسس میں نہیں آئیگی جس سے قرآن نے منع کیا ہے۔

---

*تاج و راغب۔ **محیط۔

ج س م

اَلْجِسْمُ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے جمع ہو جانے کے ہیں ۔ بدن (کی مجموعی شکل) ۔ اعضاءِ بدن* ۔ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ (۶۳/۴) یعنی انکی جسمانی ہیئت اور ڈیل ڈول ۔ سورۃ بقرۃ میں یہ لفظ جسمانی توانائی کیلئے بھی آیا ہے (۲/۲۴۷) جہاں کہا گیا ہے کہ فوج کی کمان اسے دی جاسکتی ہے جس کا علم بھی زیادہ ہو اور جسمانی توانائی بھی ، اور اس سے دوسرے بھی مستفید ہوتے ہوں ۔ غور کیجئے، قرآن نے علم کے ساتھ جسمانی توانائی کی اہمیت کو کس انداز سے اجاگر کیا ہے ۔ جو فرد یا قوم جسمانی طور پر (Physically) کمزور ہو جائے اس کا علم زیادہ نفع رساں اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا ۔ جسمانی قوت میں ہر قسم کی طبیعی قوت (Physical Force) آ جاتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مقصودِ حیات، انسانی ذات (Personality) کی نشوونما ہے لیکن زندگی کی موجودہ سطح پر یہ نشوونما جسم کے بغیر نہیں ہو سکتی ۔ اس کے لئے جسم کی پرورش ایسے ہی ضروری ہے جسطرح انڈے میں بچہ بننے کے لئے انڈے کے خول کا صحیح و سالم ہونا ضروری ہے ۔ قرآنی نظام میں جسم اور ذات دونوں کی نشوونما کا سامان بہم پہنچتا ہے ۔

ج ع ل

جَعْلٌ کے بہت سے معنے آتے ہیں اور راغب کے قول کے مطابق یہ لفظ ہر کام کرنے کے لئے بولا جاسکتا ہے ۔ نیز فَعَلَ (اسنے کیا) اور صَنَعَ (اس نے بنایا) وغیرہ کی نسبت جَعَلَ بہت زیادہ وسیع المعنی ہے** ۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا (۱۹/۳۰) ''اسنے مجھے نبی بنا دیا،، یہاں اسکے معنی خَلَقَ اور صَنَعَ سے بالکل الگ ہیں ۔ لیکن جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ (۶/۱) ''اللہ نے تاریکی اور روشنی کو بنایا،، میں جَعَلَ کے معنے تَخْلِیْق و اِیْجَاد کے ہیں ۔ اگرچہ یہاں بھی پہلے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کہا ہے اور پھر جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۔ اسی طرح وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ۔ (۲۱/۳۰) ''اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا،، ۔ اور جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ (۱۶/۷۸) ۔ ''خدا نے تمہارے لئے سمع و بصر اور قلب بنائے،، میں

*تاج ۔ **تاج و راغب ۔

بھی جَعَلَ کے یہی معنے ھیں ۔ اسکے بعد فِی آنے سے اس کے معنے ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا ھو جاتے ھیں ۔ مثلاً یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَھُمْ فِیْ اٰذَانِھِمْ (۲/۱۹)۔ ''وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ھیں''۔ نیز وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ رَاْفَۃً وَّرَحْمَۃً (۵۷/۲۷) ''ھم نے ان لوگوں کے دلوں میں جنھوں نے اس (حضرت عیسیٰؑ کی پیغمبری) کا اتباع کیا نرمی اور ھمدردی کے جذبات پیدا کر دیے''۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ھے، سیاق وسباق کے مطابق اسکے معنی کئے جائینگے ۔ ھر مقام پر ایک ھی معنے نہیں ھونگے ۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ھے، یہ لفظ (انگریزی کے To Make) کی طرح) وسیع المعنی ھے ۔ جعل کے دیگر معانی کے لئے دیکھئے تتمہ صـ۱۸۳ جلد چہارم۔

ج ف ن

اَلْجَفْنُ ۔ غلافِ چشم ۔ پپوٹا (اوپر اور نیچے کا) ۔ تلوار کا نیام ۔ اَلْجَفْنَۃُ ۔ چھوٹا کنواں ۔ بڑا پیالہ جسمیں کھانا کھایا جاتا ھو ۔ اسکی جمع جِفَانٌ آتی ھے* (۳۴/۱۳) ۔ اس آیت میں کہا گیا ھے کہ پہاڑی علاقہ کے لوگ (جن) جنھیں حضرت سلیمانؑ نے کام میں لگایا تھا، ان کے لئے علاوہ دیگر اشیاء کے، بڑے بڑے لگن بناتے تھے ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس لفظ کے بنیادی معنی ھر اس چیز کے ھیں جو کسی دوسری چیز کو محیط ھو ۔ یعنی اسے اپنے گھیرے میں لے لے ۔

ج ف و (ج ف أ)

جَفَا ۔ جَفَاءً ۔ تَجَافٰی ۔ وہ اپنی جگہ پر قائم نہیں رھا، جیسے زین جو گھوڑے کی پشت پر قائم نہ رھے ۔ اِجْتَثَثْتُہٗ ۔ میں نے اسے اس کی جگہ سے ھٹا دیا ۔ جَفَا مَالُہٗ ۔ وہ اپنے اونٹوں سے جدا ھو گیا ۔ اَلْجُفَاءُ ۔ ھانڈی کا میل کچیل جو ابال آنے سے ادھر ادھر گر جائے ۔ کہتے ھیں اَجْفَتِ الْقِدْرُ زَبَدَھَا ۔ ھانڈی نے اپنا ابال پھینک دیا** ۔ اس معنی میں راغب نے اَجْفَاتِ الْقِدْرُ بھی لکھا ھے*** ۔ اسی سے وادی کے دونوں کناروں پر رہ جانے والا کوڑا کرکٹ، نیز بیکار و بے فائدہ اور باطل شے کو جُفَاءٌ کہتے ھیں** ۔ سورۂ رعد میں ھے فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَاءً (۱۳/۱۷) ۔ ''سو جھاگ بالکل رائگاں جاتا ھے''۔ اسی مفہوم کے اعتبار سے کہتے ھیں جَفَتِ الْاَرْضُ وَ اَجْفَتَتْ ۔ زمین بے خیر اور بے برکت ھو گئی ۔ بالکل بے کار ھو گئی** ۔

* تاج ۔ راغب ۔ محیط ۔ **تاج ۔ *** راغب

(راغب نے کہا ہے کہ یہ تمام الفاظ واوی ہیں - مہموز نہیں*)
قرآن میں مومنین کے متعلق ہے تَتَجَافٰی جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (۳۲/۱۶) - ''ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں،،- خداوندی پروگرام کی تکمیل میں ان پر راتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہے-

ج ل ب

جَلَبَهٗ - یَجْلِبُهٗ اس نے اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف ہانکا**-برائے تجارت مال وغیرہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گیا***-اَلْجَلَبُ - وہ لوگ جو اونٹ بکریاں وغیرہ فروخت کرنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں - نیز خود ان اونٹ بکریوں کو بھی جَلَبٌ اور جَلَبَةٌ کہتے ہیں - عَبْدٌ جَلِیْبٌ - وہ غلام جو کسی دوسرے شہر سے لایا گیا ہو- اَلْجَلْبَةُ - زمانہ کی سختی - بھوک کی شدت - مشقت - اسی سے اَلْجَلَبُ کے معنے ہیں کسی پر ظلم اور سختی کرنا - جَلَبَ عَلَیْهِ - اس نے اس پر ظلم کیا - اَجْلَبَ الْقَوْمُ عَلَیْهِ - قوم اس کے خلاف جمع ہو گئی - اَجْلَبَ الْقَوْمُ - لوگ ہر طرف سے جنگ کے لئے جمع ہو گئے**- انہی معنوں میں قرآن کریم میں ہے وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ (۱۷/۶۴) - ''تو ان کے خلاف اپنے تمام لشکر جمع کر لا،، - ان پر چڑھ دوڑ -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے دوسرے بنیادی معنی کسی ایسی چیز کے ہیں جو دوسری چیز کو ڈھانپ لے - اس اعتبار سے اَلْجِلْبَابُ - اوڑھنی سے بڑا اور چادر سے چھوٹا کپڑا ہوتا ہے جس سے عورتیں اپنے سر اور سینے کو چھپاتی ہیں** - قرآن میں ہے یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ (۳۳/۵۹) - ''اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں،، - انصار کی عورتیں سیاہ ملبوس (اور کوٹ کی طرح) اوپر سے پہنتی تھیں - اسے بھی جِلْبَابٌ کہتے تھے - لہذا اس سے مراد اپسا کپڑا یا لباس ہے جو اوپر سے اوڑھ یا پہن لیا جائے تاکہ اس سے زینت کی چیزیں نمایاں نہ ہوں - ابن فارس نے یہ بھی کہا ہے کہ عربوں کے ہاں جِلْبَابٌ یا اسی قسم کے دیگر کشادہ لباسوں سے (بطور محاورہ) وقار اور سکون مراد لیا جاتا ہے -

ج ل د

اَلْجِلْدُ (وَالْجَلَدُ) - ہر جاندار کی کھال (۱۷/۵۰) اس کی جمع جُلُوْدٌ اور اَجْلَادٌ ہے - اَلْجِلْدُ سے کنایۃً عضو تناسل بھی مراد لیا جاتا ہے -

* تاج - **تاج و محیط و راغب - ***محیط -

اَجْلَادُ الْاِنْسَانِ سے مراد آدمی کا پورا ڈھانچہ اور جسم ہے جس پر کھال ہوتی ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قوت اور صلابت (سختی) کے ہوتے ہیں ۔ فُلَانٌ عَظِیْمُ الْاَجْلَادِ ۔ وہ قوی اعضا اور مضبوط جسم والا ہے ۔ یا مَا اَشْبَہَ اَجْلَادُہٗ بِاَجْلَادِ اَبِیْہِ ۔ اس کا جسم اور ناک نقشہ ، چہرہ ، بشرہ اور ڈیل ڈول اپنے باپ سے کسقدر مشابہ ہے*۔ اَلْجَلَدُ (بچہ کی) بھس بھری ہوئی کھال (جو اونٹنی وغیرہ کے سامنے دودھ اتارنے کے لئے رکھ دی جائے) ۔ اَلْجَلَدُ ۔ شدت اور قوت ۔ استقامت اور سختی*۔ صاحب محیط نے اس کے معنے آسمان ، کرۂ ہوائی ، اور اس پانی کے کئے ہیں جو اوپر سے گر کر زمین پر جم جائے ۔ راغب نے کہا ہے کہ جس طرح قُلُوْبٌ سے مراد نفوس ہوتے ہیں اسی طرح جُلُوْدٌ سے مراد اجسام ہوتے ہیں**۔

اَلْمِجْلَدُ ۔ چمڑے کا ٹکڑہ جسے نوحہ کرنے والیاں اپنے چہرے پر مارا کرتی تھیں ۔ جَلَدَ یَجْلِدُ ۔ کوڑوں سے مارنا* ۔ (۲۴/۴) ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں (۱) چمڑے سے مارنا اور (۲) چمڑی پر مارنا ۔ جَلَدَہٗ عَلَی الْاَمْرِ ۔ اسے اس بات پر مجبور کر دیا* ۔

سورۃ نساء میں ہے کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ (۵۶/۴) ۔ اس کے لفظی معنی ہیں ”جب ان کی جلود (کھالیں) پک جائینگی تو ہم ان کی جگہ انہیں اور جلود (کھالیں) دیدینگے ۔ مفہوم یہ ہے کہ ان مخالفین پر ذلت و رسوائیوں کا عذاب پیہم اور مسلسل آتا رہیگا ۔ جب ایک دفعہ کی شکست سے ان کی قوت ٹوٹ جائیگی تو یہ پھر مقابلہ کے لئے اٹھینگے ۔ اور پھر شکست اور ناکامی کی ذلت کا مزہ چکھینگے ۔ اسطرح پیہم شکستوں اور متواتر ناکامیوں سے ان کی سختی اور صلابت ٹوٹیگی ۔ بدر کی جنگ سے فتح مکہ تک پیہم شکستوں کا یہ سلسلہ جاری رہا اور پھر آخرالامر ان مخالفین کی شدت و صلابت ختم ہوئی ۔

سورۃ حم سجدہ میں سمع و بصر کے ساتھ جُلُوْدٌ کی شہادت کا ذکر آیا ہے (۲۰-۲۲/۴۱) ۔ یعنی مجرمین کی سماعت ، بصارت اور سارا جسم ان کے اعمال کی شہادت دینگے ۔ وہ خود اپنے اعمال کی شہادت کے مجسمے ہونگے ۔ ہر عمل کا اثر انسان کی ذات پر مرتب ہوتا ہے اس لئے انسانی اعمال کی بنیادی

* تاج و محیط ۔ ** راغب ۔

شاهد خود انسان کی ذات ہوتی ہے خواہ عقل حیلہ جو ان کے جواز میں کتنی دلیلیں کیوں نہ تراشے ۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۔ وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ (۷۵/۱۴-۱۵) ۔ '' انسان اپنی ذات کے خلاف خود دلیل ہے ۔ خواہ (ویسے) وہ (اپنے اعمال کی مدافعت میں) کتنے ہی عذر کیوں نہ پیش کرے '' ۔ یہی '' سمع و بصر و جلود '' کی شہادت ہے ۔ ظہور نتائج کا وقت بھی کیسا عبرت انگیز اور دلدوز ہوتا ہے جب انسان کا کوئی خفیہ سے خفیہ عمل بھی چھپا ہوا نہیں رہ سکتا ۔ حتیٰ کہ دل میں گذرنے والا خیال تک بھی نہیں ۔

ج ل س

جَلَسَ ۔ یَجْلِسُ ۔ جُلُوْساً ۔ مَجْلِساً ۔ بیٹھنا ۔ جُلُوْسٌ ۔ اس شخص کیلئے آتا ہے جو لیٹا ہو اور اس کے بعد اٹھ بیٹھے ۔ اور قُعُوْدٌ ۔ اس شخص کیلئے آتا ہے جو کھڑا ہو اور اس کے بعد بیٹھ جائے ۔ اَلْجَلْسُ ۔ دراصل سخت اور بلند زمین کو کہتے ہیں ۔ یہی اس کے بنیادی معنیٰ ہیں ۔ بیٹھنے کیلئے یہ لفظ اسلئے استعمال ہوتا ہے کہ اس میں انسان اپنی مقعد کو سخت زمین پر رکھتا ہے * لیکن ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بلند ہونے کے ہیں اور چونکہ لیٹا ہوا آدمی جب اٹھتا ہے تو وہ بلند ہوتا ہے اس لئے اس کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں مَجَالِسُ کا لفظ (۵۸/۱۱) میں آیا ہے ۔ اس کے معنی ہیں وہ مقامات جہاں لوگ جمع ہو کر بیٹھیں ۔

ج ل ل

جَلَّ الرَّجُلُ یَجِلُّ جَلَالَةً وَ جَلَالًا ۔ سن رسیدہ اور معمر ہو جانا ۔ قدر و منزلت کے اعتبار سے بڑا عظیم المرتبت یا جلیل القدر ہونا جَلِیْلٌ کہلائیگا ۔ جَلَّ الشَّیْءُ ۔ چیز کا بڑا حصہ ۔ اَلْجِلَّیٰ ۔ امر عظیم ۔ اَلْجُلُّ وہ کپڑا جو حفاظت کیلئے چوپایہ پر ڈال دیا جاتا ہے ۔ اَلْجَلِیْلُ ۔ بڑا آدمی ۔ اونٹ کو بھی کہتے ہیں ۔ اس کے مقابلہ میں دَقِیْقٌ بکری کو کہتے ہیں ** ۔ صاحب محیط کے نزدیک اصل معنے اس مادہ میں گول اور بلند ہونے کے ہیں *** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ جلال میں جلالت سے زیادہ کمال پایا جاتا ہے ۔

* تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔ ** تاج و راغب ۔ *** محیط ۔

قرآن کریم میں اللہ تعالے کیلئے ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (۵۵/۲۷) آیا ہے ۔ یعنی عظمت و جلالت کا مالک ۔ (اکرام کے لئے مادہ ک ۔ ر ۔ م دیکھئے) ۔

ج ل و

اَلْجَلَاءُ ۔ منتشر کر دینا ۔ علیحدہ اور الگ الگ کردینا ۔ جلا وطن کر دینا (۵۹/۳) ۔ جَلَا فُلَانٌ الْاَمْرَ ۔ اس نے فلاں کیلئے معاملہ کو کھول دیا ۔ واضح کردیا ۔ ظاہر کر دیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا (۹۱/۳) ۔ یعنے اِذَا جَلَّاهَا النَّظْلْمَةَ ۔ دن ، جب وہ تاریکی کو دور کرکے ہر چیز کو واضح اور نمایاں کر دیتا ہے* ۔

اَلْجَلِیُّ ۔ واضح امر ۔ خفی کی ضد ہے ۔ اَلْجَلَاءُ ۔ واضح امر ۔

اَلْجِلْوَۃُ ۔ وہ چیز جو دولہا کی طرف سے دلہن (عروس) کو منہ دکھائی میں دی جائے* ۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ (۷/۱۴۳) ''جب اس کا رب پہاڑ پر جلوہ بار ہوا'' ۔ جَلْوٌ کے اصل معنے ظاہر طور پر کھول دینے کے آتے ہیں** ۔

ج م ح

جَمَحَ الْفَرَسُ ۔ گھوڑے کا تیزی کے ساتھ دوڑتے جانا اسطرح کہ وہ سوار کے قابو میں نہ رہے اور سر کو اونچا کئے اسطرح دوڑتا جائے کہ سوار اسکی گردن کو موڑ نہ سکے*** ۔ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ (۹/۵۸) وہ بے قابو ہو کر دوڑے جا رہے ہیں ۔ قانون خداوندی سے سرکشی اختیار کر رہے ہیں ۔ اَلْجُمَّاحُ ۔ جنگ میں شکست کھا کر بھاگنے والے کہ جنہیں پھر میدان میں لانا ممکن نہو ۔ جَمَحَتِ الْمَرْاَۃُ مِنْ زَوْجِهَا ۔ عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو کر اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی ، بغیر اسکے کہ شوہر نے اسے طلاق دی ہو ۔ جُمَیْحٌ ۔ مرد کے عضو مخصوص کو کہتے ہیں ۔ اور اَلْجَمُوْحُ ۔ اس شخص کو جو بے قابو ہو کر اپنے جذبات کے تابع چلے اور اسے اس سے باز رکھنا ممکن نہ ہو*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا قوت اور غلبہ کے ساتھ آگے بڑھتے جانا ۔ اس کے بعد اس کے معنی عام طور پر دوڑنے یا دوڑ جانے کے ہوگئے ۔

*تاج ۔ ** راغب ۔ ***تاج و محیط ۔ راغب ۔

ج م د

جَمَدَ الْمَاءُ۔ پانی جم گیا۔ کھڑا ہو گیا۔ اَلْجَمَدُ۔ برف۔ جما ہوا پانی۔ اَلْجَمَادُ۔ سست رفتار اونٹنی جسکا دودھ نہ رہا ہو۔ جَمَادُ الْکَفِّ۔ بخیل آدمی۔ عَیْنٌ جَمُوْدٌ۔ وہ آنکھ جس سے آنسو نہ بہیں *۔ اَلْجَمَادُ۔ زمین۔ ہر وہ چیز جو نشو و نما نہ پاتی ہو۔ جو نامی نہو (Inorganic)۔ جمادی۔ جُمَادَی الْاُوْلٰی اور جُمَادَی الْاٰخِرَۃُ۔ ربیع الثانی کے بعد دونوں مہینوں کو کہتے ہیں۔ جس زمانے میں انکے یہ نام رکھے گئے تھے یہ مہینے سخت سردی میں آتے تھے (اب چونکہ حساب قمری ہے اسلئے یہ ضروری نہیں رہا کہ ہر مہینہ، ہر سال اسی موسم میں آئے) *

قرآن کریم میں پہاڑوں (یا قوم کے سرداروں) کے متعلق ہے۔ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً (۲۷/۸۸) "تو انہیں جما ہوا سمجھتا ہے"۔

ج م ع

اَلْجَمْعُ۔ متفرق چیزوں کو اکٹھا کر دینا۔ راغب نے کہا ہے، چیزوں کو ایک دوسرے کے قریب لا کر ملا دینا۔ سرخ رنگ کے ایک گوند کو بھی کہتے ہیں۔ نیز لوگوں کے گروہ کو بھی۔ اَلْجَمِیْعُ۔ لشکر۔ مجتمع قبیلہ۔ اَلْجُمَّاعُ۔ ہر چیز جس کے اجزاء باہم ملے ہوئے اور مجتمع ہوں۔ مختلف قبائل کے لوگ جو ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ نیز کسی چیز کی جڑ کے جمع ہونے کی جگہ۔ جُمْعُ الْکَفِّ۔ بندھی ہوئی مٹھی*۔

اَجْمَعُ۔ (مذکر) جَمْعَاءُ (مؤنث)۔ اَجْمَعُوْنَ (جمع مذکر) جُمَعُ (جمع مؤنث) یہ الفاظ محض تاکید کے لئے آتے ہیں *۔ یعنی جب ہم کہینگے اَجْمَعُوْنَ۔ "سب لوگ"، تو اس سے لازماً یہ مراد نہیں ہوگی کہ کوئی ایک شخص بھی باقی نہیں رہا۔ مقصد اکثریت ہوگا۔ اَجْمَعْتُ الْاَمْرَ۔ میں نے اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا (۱۰/۷۱)۔ (اس کے بعد عِنَایَۃ بھی آ جاتا ہے)۔ راغب نے کہا ہے کہ اس میں کسی بات پر غور و فکر کے بعد ارادہ کرنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ اَمْرٌ جَامِعٌ۔ عظیم الشان کام جس کے لئے لوگ جمع ہو جائیں۔ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ۔ اسلام سے پہلے قریش، ہفتہ میں ایک دن، جسے وہ یَوْمُ الْعَرُوْبَۃِ کہتے تھے، دار قُصَیٍّ کے پاس دارالندوہ (اپنے قومی دارالمشاورت) میں

* تاج۔ ** محیط۔

جمع ہوا کرتے تھے ۔ کعب بن لؤی نے اس دن کا نام یَوْمُ الْجُمُعَۃِ رکھ دیا۔ اسی حیثیت سے اَلْمُجَمِّعُ ، قُصَیّ بن کلاب کا لقب ہے جس نے دارالندوہ بنایا تھا* ۔ اس سے جمعہ کا مقصد واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنے مشورہ کے لئے اکٹھا ہونا ۔ قرآن کریم میں ہے کہ جماعت مومنین کا شیوہ یہ ہے اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (۴۲/۳۸) ''وہ صلواۃ کے نظام کو قائم کرتے ہیں اور ان کے معاملات باھمی مشورہ سے طے پاتے ہیں'' ۔ صلوٰۃ کے اجتماعات میں خدا کے حضور جھکنا اور سجدہ ریز ہونا اس حقیقت کا محسوس مظاہرہ ہے کہ ہم اس کے قوانین و احکام کی اطاعت کے لئے جمع ہوئے ہیں ۔ اور اسی مقصد کے لئے ہماری مشاورت ہوگی ۔ محیط میں ہے کہ اَلْجُمْعَۃُ ، اِجْتِمَاعٌ سے ماخوذ ہے جس طرح اَلْفُرْقَۃُ ، اِفْتِرَاقٌ سے ماخوذ ہے** ۔

قرآن کریم میں جَمِیْعاً بمقابلہ اَشْتَاتاً (۲۰/۵۲) آیا ہے جس سے اس کے معنے واضح ہو جاتے ہیں ۔ (اَشْتَاتاً کے معنی ہیں الگ الگ) سورۃ النساء میں جمیعاً بمقابلہ ثُبَاتٍ (۴/۷۱) ۔ آیا ہے جہاں اس کے معنی ہیں ایک پورا لشکر بنا کر ۔ (ثُبَاتٍ کے لئے دیکھئے ۔ ث ۔ ب ۔ ی) ۔

اَجْمَعِیْنَ کا لفظ قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے (مثلاً ۱۵/۳۰) ۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اس سے مفہوم محض تاکید ہوتی ہے نہ کہ یہ کہنا کہ اس سے کوئی ایک فرد بھی باہر نہیں رہا ۔

ج م ل

اَلْجَمَلُ ۔ اَلْجَمْلُ ۔ نر اونٹ ۔ اس کی جمع جِمَالَۃٌ آتی ہے (۷۷/۳۳) ۔ جَمَالٌ ۔ خوبصورتی* ۔ (۱۶/۶) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) اکٹھا ہونا اور خلقت میں بڑا ہونا اور (۲) خوبصورتی ہیں ۔ عربوں کے نزدیک جَمَلٌ (اونٹ) سے بڑھکر عظمت اور بلندی اور حسن و خوبصورتی اور کس چیز میں ہو سکتی تھی؟ یا خود ان کا جمال و حسن بھی اونٹوں کی وجہ سے ہوا کرتا تھا ۔ جَمِیلٌ ۔ خوبصورت انداز ۔ عمدہ چیز* ۔ فَصَبْرٌ جَمِیلٌ (۱۲/۱۸) حسن کا رانہ انداز سے صدمہ کو برداشت کرنا اور استقامت کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔

اَلْجُمَّلُ ۔ اَلْجُمْلُ ۔ اَلْجُمَلُ اَلْجُمَّلُ ۔ اَلْجَمَلُ ۔ کشتی کا موٹا رسہ*۔ قرآن کریم میں ہے حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ (۷/۴۰)۔ ''حتّٰیکہ جہاز کا رسہ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے'' ۔ اَلْجُمْلَةُ ۔ چیز کا مجموعہ*۔ یہیں سے اَلْمُجْمَلُ بھی بہت سی چیزوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔یعنی جس کی چیزیں الگ (منفصل) نہ کی گئی ہوں*۔ قرآن کریم میں جُمْلَةً وَاحِدَةً (۲۵/۳۲) آیا ہے ۔ یعنی سارے کا سارا ایک ہی بار۔ (مجمل اور مفصل کے لئے دیکھئے عنوان ف ۔ ص ۔ ل)۔

ج م م

اَلْجَمُّ ۔ ہر چیز کی کثرت ۔ مَالٌ جَمٌّ ۔ بہت زیادہ مال ۔ جُمَّةُ الْمَاءِ ۔ زیادہ مقدار میں پانی کے جمع ہونے کی جگہ**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کثرت اور اجتماع کے ہیں ۔ جَمَّتِ الْبِئْرُ ۔ کنویں میں پانی (نکلے جانے کے بعد) لوٹ آیا اور کثیر اور مجتمع ہوگیا ۔ اَلْجَمَمُ ۔ پیمانہ کو کناروں تک (لبالب) بھر دینے کے بعد جو کچھ اس کے اوپر ہو**۔ اَلْجَمَامَةُ ۔ راحت ۔ سیری ۔ ۔ جَمًّا غَفِیْرًا ۔ سب کے سب، لوگوں کی بہت بڑی تعداد جس میں چھوٹے بڑے، ادنےٰ اور اعلےٰ سب شامل ہوں***۔

قرآن میں ہے وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (۸۹/۲۰) ۔ تم بڑی شدت سے دولت سے محبت رکھتے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ جسطرح گڑھے میں ارد گرد کا پانی جمع ہو جاتا ہے*** اسی طرح سب کی دولت، وہ تھوڑی ہو یا زیادہ، سمٹ سمٹا کر تمہاری طرف آجائے۔ نظام سرمایہ داری میں ہوتا ہی یہ ہے کہ دولت سمٹ سمٹا کر چند افراد کے پاس جمع ہو جاتی ہے ۔ قرآن اس نظام کو مٹانے کے لئے آیا تھا ۔

ج ن ب

اَلْجَنْبُ ۔ پہلو** اسکی جمع جُنُوْبٌ ہے ۔ (۳/۱۹۰) ۔ اَلصَّاحِبُ بِالْجَنْبِ (۴/۳۶) ۔ ساتھی، رفیق ۔ اَلْجَارُ الْجُنُبُ (۴/۳۶) ۔ ایسا ہمسایہ جو رشتہ دار نہ ہو۔ کیونکہ اس سے پہلے اَلْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی آیا ہے ۔ کتاب الاشتقاق میں اس کے معنی اَلْغَرِیْبُ ۔یعنی اجنبی کے دئے ہیں ۔ سورۃ الزمر میں ہے مَافَرَّطْتُّ فِیْ جَنْبِ اللّٰهِ (۳۹/۵۶) ۔ ''یعنی خدا کے (حقوق ادا کرنے کے) بارے میں جو کوتاہی کی'' ۔ زجاج نے کہا ہے کہ اسکے

* تاج و راغب ۔ ** تاج ۔ *** راغب ۔ **** محیط ۔

معنے اللہ کے اس راستہ کے ہیں جسکی طرف اسنے مجھے دعوت دی* ۔ سورۃ مائدہ میں ہے وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا (۵/۶) ۔ اسکے معنے حالت جنابت کے ہیں ۔ (ہم آغوشی کی رعایت سے) ۔ جَنَابَۃٌ ۔ دوسروں سے الگ رہنا ۔ جُنُبَۃٌ ۔ وہ چیز جس سے کوئی دور رہے*** ۔

جَنَبَہٗ ۔ جَانَبَہٗ ۔ اسے دور کر دیا ۔ جَنَّبَہٗ ۔ اَجْنَبَہٗ ۔ اسے ہٹا دیا ۔ رَجُلٌ جَنِیْبٌ* ۔ کنارہ کش ، اجنبی نیز وہ شخص جو بخل کی وجہ سے عام راستہ سے ہٹ کر رہتا ہو تاکہ مہمانی نہ کرنا پڑے* ۔ سَیُجَنَّبُھَا (۹۲/۱۷) ۔ یَتَجَنَّبُوْھَا (۵۳/۱۱) ۔ اجْتَنَبَ (۳۹/۱۷) ۔ یہ سب الفاظ انہی معانی میں آئے ہیں ۔ یعنی دور رکھنا ۔ یا دور رہنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) کنارہ اور (۲) دوری کے ہیں ۔ جَنَائِبُ الْبَیْتِ (۱۹/۶۸) ۔ خشکی کا قطعہ ۔ اَلْجَنَابُ ۔ گھر کے سامنے کھلے ہوئے میدان کو کہتے ہیں* ۔ نیز کسی کے اترنے یا ٹھہرنے کی جگہ کو*** ۔

سورۃ قصص میں ہے کہ جب حضرت موسٰے کی ماں نے بچہ کو (صندوق میں رکھ کر) دریا میں بہا دیا تو بیٹی سے کہا کہ وہ صندوق کے پیچھے پیچھے جائے فَبَصُرَتْ بِہٖ عَنْ جُنُبٍ وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (۲۸/۱۱) ۔ اس مادہ کے جو معانی اوپر بیان کئے جا چکے ہیں ان کے پیش نظر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ

(۱) وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور (فرعون کے) لوگوں نے اسے محسوس نہ کیا کہ وہ اسکا پیچھا کر رہی ہے ۔ یا

(۲) وہ اسے کچھ اجنبی سا بنکر دیکھتی رہی تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اسکی تاک میں ہے ۔

ج ن ح

اَلْجَنَاحُ ۔ (جمع اَجْنِحَۃٌ) ہاتھ ۔ بازو ۔ پرندے کا بازو ۔ بغل ۔ پہلو ۔ نیز اسکا اطلاق خود نفس شے پر بھی ہوتا ہے**** ۔

اَنَا فِیْ جَنَاحِہٖ ۔ میں اس کے سائے اور حفاظت میں ہوں* ۔ اس قسم کی حفاظت جیسے مرغی اپنے بچوں کو خطرہ کے وقت اپنے پروں کے نیچے لے لیتی ہے ۔ جَنَحَ اِلَیْہِ ۔ وہ اسکی طرف مائل ہوگیا ۔ جھک گیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جھکنے کے ہیں ۔ اس سے اَلْجُنَاحُ کے معنے ہیں گناہ کی طرف میلان* ۔ لیکن محیط میں ہے کہ یہ لفظ گناہ کا معرب ہے** ۔ یہ لفظ مضائقہ یا حرج کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے* ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***لین ۔ ****تاج و لطائف اللغۃ ۔

جب نبی اکرمؐ سے کہا گیا کہ آپ مخالفین سے الگ ہٹ کر اپنی جماعت کی تنظیم کریں۔(۱۵/۹۴)۔ تو اس کیلئے ان الفاظ میں تاکید کی گئی کہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (۱۵/۸۸) ''اپنی جماعت کے افراد کے لئے اپنا بازو جھکا دے''۔ انہیں اپنے پروں کے نیچے ایسے سمیٹ لے جسطرح مرغی اپنے نوزائیدہ بچوں کو اپنے پروں کے نیچے لے لیتی ہے۔۔ سورۃ قصص میں حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا ہے کہ فرعون کے ساتھ کشمکش میں گھبرانا نہیں۔ اپنے بال و پر سمیٹ کر رکھنا۔ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ (۲۸/۳۲) خوف کے وقت پھڑپھڑانا نہیں بلکہ اپنے بال و پر سمیٹ کر رکھنا، حواس قائم رکھنا۔ یا اپنے افرادِ جماعت کی حفاظت کرنا، انکی تنظیم کرنا۔ یہ سب معانی اسمیں آجاتے ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ماں باپ کی پرورش و حفاظت کی تاکید کیلئے بھی کہا گیا ہے کہ۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (۱۷/۲۴)۔ نرمی اور رحمت سے اپنے بازو کو انکی طرف اور جھکا دو۔ انکی حفاظت اور خدمت نہایت نرم روی سے کرو کیونکہ وہ معذور ہو چکے ہیں۔

سورۃ فاطر میں ملائکہ کے متعلق کہا ہے أُولِي أَجْنِحَةٍ (۳۵/۱)۔ اس کے لفظی معنی ہیں بازوؤں (پروں) والے۔ چونکہ بازو یا پر وہ سہارا ہیں جن سے پرندے فضا میں اڑتے ہیں اس لئے مجازی طور پر أُولِي أَجْنِحَةٍ کے معنی عونگے مختلف خواص کی مالک کائناتی قوتیں۔

گناہ، حرج یا مضائقہ کے معنوں میں جُنَاحٌ کئی جگہ آیا ہے۔ مثلاً لَاجُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا (۲/۱۵۸)۔ ان پہاڑیوں (صفا اور مروہ) میں چلنے پھرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یا زیادتی نہیں۔ کیونکہ ابن فارس نے اس کے دوسرے بنیادی معنی ''زیادتی'' لکھے ہیں۔

ج ن د

اَلْجَنَدُ۔ سخت زمین۔ پتھر جو مٹی سے مشابہ ہوں۔ جُنْدٌ۔ جمع عوجانیوالے لوگ (یا اشیاء)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اکٹھا ہونے اور مدد کرنے کے ہیں۔ غلظت اور سختی کی وجہ سے لشکر کو اَلْجُنْدُ کہتے ہیں۔ (اسکی جمع جُنُودٌ آتی ہے) اور جمع ہوجانے کے اعتبار سے ہر جماعت اور انصار کو جُنْدٌ۔ سورۃ مریم میں ہے أَضْعَفُ جُنْدًا (۱۹/۷۵) اس کے معنی ہیں جس کے رفقاء اور ساتھی، اعیان و انصار، جماعت

* تاج و راغب۔

اور جتھہ کمزور ہے ۔ سورۃ فتح میں ہے لِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۴۸/۴) ۔ ''ارض و سماء کے لشکر اللہ کے لئے ہیں،، اس سے مراد کائنات کی تمام اشیاء اور قوتیں ہیں ۔ محیط میں ہے کہ اسکے معنی ایک نوع کی مخلوق کے بھی ہیں ۔ سورۃ بروج میں ہے هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ (۸۵/۱۷) ۔ ''کیا تجھے لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔'' یعنے بڑے بڑے لشکر اور قوت والوں کی داستان ۔ (اس سے اگلی آیت میں فرعون اور ثمود کا ذکر ہے) ۔

ج ن ف

اَلْجَنَفُ ۔ کسی ایک طرف جھک جانا ۔ جانبداری ۔ دل کا میلان ۔ (یہ عدل کا راستہ چھوڑ کر کسی دوسری طرف جھک جانے کے لئے آتا ہے) ۔ تَجَانَفَ عَنْ طَرِيْقِهٖ ۔ اپنے راستہ سے ایک طرف کو ہٹ گیا* ۔ قرآن کریم میں ہے فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا (۲/۱۸۲) ۔ ''جسے اسکا خدشہ ہو کہ وصیت کرنے والا کسی کی طرفداری کریگا،، ۔ یعنی وہ انصاف سے ہٹ کر کسی ایک کو زیادہ دیدیگا ۔ یاد رہے کہ مُتَجَانِفٌ اس کو کہینگے جو حق و انصاف کو چھوڑ کر کس کی طرفداری کرے* ۔

سورۃ مائدہ میں ہے غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ (۵/۳) ۔ جو گناہ (اِثْمٌ) کی طرف جھکنے والا نہو ۔

ج ن ن

جَنَّ کے معنے ہیں چھپا لینا ۔ یہی اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں (ابن فارس) ۔ راغب نے کہا ہے کہ جَنَّ کے معنے **کسی چیز کو حاسہ (نگاہ) سے پوشیدہ کر دینا ہیں** ۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا (۶/۷۶) ''جب رات کی تاریکی نے اسے چھپا لیا تو اسنے ایک ستارہ دیکھا'' ۔ ویسے بھی ہر اس چیز کے لئے جو تم سے چھپ جائے قَدْ جَنَّ عَنْكَ کہتے ہیں ۔ جَنَّتٌ قبر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ مردہ کو چھپا لیتی ہے ۔ اور خود میت اور اسکے کفن کو بھی ۔ جَنِيْنٌ جمع اَجِنَّةٌ (۵۳/۳۲) اس بچہ کو کہتے ہیں جو ہنوز ماں کے پیٹ میں ہو ۔ جُنَّةٌ ۔ اس ہتھیار کو کہتے ہیں جس سے آدمی اپنا بچاؤ کرے ۔ ہر پردہ اور آڑ ۔ جُنَّةٌ اور مِجَنَّةٌ ڈھال کو بھی کہتے ہیں* ۔ (۵۸/۱۶) ۔ لَا جِنَّ بِهٰذَا الْاَمْرِ کے معنے ہیں اس بات میں کوئی راز (پوشیدہ) نہیں ۔ جِنَّةٌ جنون

* تاج و محیط ۔

کو کہتے ہیں (۲۳/۵) ۔ دراصل عربوں کے ہاں مَجْنُوْنٌ کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ اسے جِنٌّ چمٹ گیا ہے* ۔

دورِ توہم پرستی میں تمام وہ قوتیں جو انسانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتیں اور جن کے متعلق اُس زمانے کے انسان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا، دیوی دیوتا بن جاتی تھیں ۔ انہی کو عرب (اُن کے نگاہوں سے پوشیدہ ہونے کی بنا پر) جِنٌّ کہتے تھے ۔ وہ فرشتوں کو بھی جِنٌّ کہا کرتے تھے، حالانکہ انکی پرستش بھی کرتے تھے ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْجِنّ کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے ۔ ایک تو ان تمام مخفی قوتوں (روحانیّین) کے لئے جو حواس سے پوشیدہ ہوتی ہیں ۔ اس اعتبار سے جِنّ میں فرشتے بھی شامل ہوتے ہیں ۔ دوسرا یہ کہ ان مخفی قوتوں (روحانیّین) میں سے بعض کو جِنٌّ کہتے ہیں ، اسطرح کہ جو روحانیّین نیک ہوتے ہیں وہ فرشتے کہلاتے ہیں ، جو بد اور سرکش ہوتے ہیں وہ شیاطین کہلاتے ہیں ** ۔ اور جن میں نیک و بد دونوں شامل ہوتے ہیں وہ جِنٌّ کہلاتے ہیں ۔ چنانچہ قرآن کے کئی مقامات میں جہاں جاہلیت عرب میں جِنّوں کی پرستش کا ذکر ہے وہاں جِنّة سے مراد فرشتے ہی ہیں (مثلاً ۳۷/۱۵۸) وغیرہ ** ۔

ہماری زمین ابتدا میں ایک آتشیں گولہ تھی جسے ٹھنڈا ہوکر انسانی آبادی کے قابل بننے کے لئے لاکھوں اور کروڑوں برس لگ گئے ۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب کرۂ ارض پر ہنوز انسانوں کی آبادی نہیں ہوئی تھی تو اسمیں جو مخلوق یہاں بستی تھی اسمیں حرارت برداشت کرنے کی قوت اور صلاحیت زیادہ تھی ۔ اسکے بعد وہ مخلوق ختم (Extinct) ہوگئی اور اسکا جانشین (خلیفہ ۔ دیکھئے عنوان خ ل ف) انسان ہوا ۔ چونکہ اُس (پہلی) مخلوق میں حرارت برداشت کرنے کی صلاحیت زیادہ تھی اور چونکہ اب وہ انسانوں کے سامنے نہیں ہے، ان کی نسل ختم (Extinct) ہو چکی ہے ، اسلئے قرآن نے کہا ہے کہ وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (۱۵/۲۷) ۔ انسان سے پہلے ہم نے ایک مخلوق کو جلتی ہوئی ہوا کی حرارت سے پیدا کیا تھا ۔ وہ مخلوق اب تمہاری نگاہوں کے سامنے نہیں ہے ۔ اس اعتبار سے اسے الجَانّ کہا گیا ہے ۔ اس سے یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ اشیائے کائنات مادہ کی مرئی اور محسوس شکل میں آنے سے پہلے، مخفی توانائی (Energy) کی حالت میں تھیں ۔ یہی توانائی اب مادہ کے اندر (Latent) صورت میں ہے ۔

*تاج ۔ **تاج و راغب ۔

نگاہوں سے پوشیدہ ہونے ، نیز اسکی خوئے سرکشی کی وجہ سے،ابلیس کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے کہ وہ جنّوں میں سے تھا (دیکھئے عنوان ب۔ل۔س اور ش۔ط۔ن) ۔

قرآن کریم میں جنّ اور انس کے الفاظ متعدد مقامات پر اکٹھے آئے ہیں۔ ہم (ا۔ن۔س) کے عنوان میں بتا چکے ہیں کہ عربوں میں آلِ انس ان قبیلوں کو کہتے تھے جو ایک مقام پر مستقل طور پر سکونت پذیر ہوجائیں ۔ لیکن جنّ وہ قبائل تھے جو جنگلوں اور صحراؤں میں جگہ بہ جگہ پھرتے رہتے تھے اور اسطرح شہر والوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے ۔ انہیں خانہ بدوش قبائل (Nomadic Tribes) کہا جاتا ہے۔اب بھی دنیا میں جہاں جہاں اس قسم کے قبائل پائے جاتے ہیں وہ شہر والوں سے دور دور، جنگلوں اور بیابانوں میں رہتے ہیں ۔ آجکل وسائل رسل و رسائل کے عام ہوجانے سے ، ان قبائل اور شہر والوں کی زندگی میں بہت سے امور مشترک ہوچکے ہیں ، اس لئے ان میں کوئی بنیادی بُعد محسوس نہیں ہوتا ۔ لیکن جس زمانے میں ملنے جلنے کے وسائل اور نشر و اشاعت کے طریق عام نہیں تھے ، شہر والوں اور ان خانہ بدوش ، صحرانشینوں کے تمدن و معاشرت ، عادات و اطوار ، خصائص و خصائل اور ذہنی اور نفسیاتی کیفیات وغیرہ میں اسقدر فرق تھا کہ یہ دونوں ایک نوع کے افراد نظر نہیں آتے تھے ۔ عربوں میں یہ صحرا نشین قبائل بہت زیادہ تھے (انہیں بدّو یا اعراب کہا جاتا تھا) چونکہ قرآن کا پیغام شہریوں اور صحرا نشینوں سب کی طرف تھا اس لئے اس نے جنّ و انس دونوں گروہوں کو مخاطب کیا ہے ۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ وہاں جنّ سے مراد انسان ہی ہیں ۔ یعنی وہ وحشی قبائل (Gypsis) جو جنگلوں اور صحراؤں میں رہا کرتے تھے ۔ مثلاً سورۃ انعام میں ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِنْکُمْ (۶/۱۳۰) ۔ اے گروہ جن و انس، کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے ۔ قرآن نے کسی رسول کا ذکر نہیں کیا جو جن تھا ۔ اور سورۃ اعراف میں اس کی تصریح کردی کہ رسول، بنی آدم میں سے، انہی کی طرف بھیجے گئے تھے (۷/۳۵)۔ سورۃ جن اور سورۃ احقاف میں مذکور ہے کہ جنوں کی ایک جماعت رسول اللہ ؐ کے پاس قرآن سننے کے لئے آئی (دیکھئے ۷۲/۱ ؛ ۴۶/۲۹)۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ''جنوں'' کی طرف رسول انسانوں میں سے ہی ہوتے تھے ۔ انہی سورتوں (سورۃ جن اور سورۃ احقاف) سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جو جن رسول اللہ ؐ کے پاس قرآن سننے کے لئے آئے تھے وہ انسان ہی تھے ۔

(وحشی قبائل میں سے عیسائی - یہودی اور مشرک) - سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ اگر "جن و انس" اکٹھے ہوجائیں تو بھی اس قرآن کی مثل نہ بنا سکیں - سورہ انعام میں ہے کہ "انس وجن" کے سرکش لوگ انبیاءؑ کی مخالفت کیا کرتے تھے (۶/۱۱۳) سورۃ اعراف میں ہے کہ "جن و انس" میں اکثریت ان کی ہے جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے اس لئے وہ اہل جہنم ہیں (۷/۱۷۹)- سورۃ حم سجدہ میں ہے کہ اہل جہنم کہینگے کہ ہمیں "جن و انس" میں سے بعض نے گمراہ کیا تھا (۴۱/۲۹) سورۃ انعام میں ہے کہ اِنْسٌ کہینگے کہ ہم جنوں سے فوائد حاصل کیا کرتے تھے اور جِنٌّ کہینگے کہ ہم اِنْسٌ سے فائدے اٹھایا کرتے تھے (۶/۱۲۹)- سورۃ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس جن و انس کے لشکر تھے - (۲۷/۱۷) - ان جنوں کے متعلق سورۃ سبأ میں ہے کہ وہ ہیکل کی تعمیر کا کام کرتے تھے - مجسمے تراشتے تھے - لگن اور دیگیں بناتے تھے (۳۴/۱۳) - سمندروں میں غوطہ خوری سے موتی نکالتے تھے (۲۱/۸۲) - انہیں زنجیروں میں جکڑ کر رکھا جاتا تھا (۳۸/۳۷-۳۸) - تورات میں اسکی صراحت موجود ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے صور کے بادشاہ سے صیدونی قوم کے آدمی جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کے لئے مانگے تھے - چنانچہ یہ قبائل اور "جبلیم" - پہاڑی قبائل - ان کے لئے لکڑیاں کاٹتے اور پتھر تراشتے تھے - ان کے علاوہ حضرت سلیمانؑ نے فلسطین کے پہاڑی اور جنگلی (غیر بنی اسرائیل) قبائل میں سے ستر ہزار آدمیوں کو بطور مزدور اور دس ہزار کو درخت کاٹنے اور پتھر تراشنے پر متعین کیا تھا (دیکھئے کتاب سلاطین و کتاب تاریخ الایام) -

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن میں "جن و انس" سے مراد وحشی اور متمدن انسان ہیں - اِنس جو مانوس تھے اور جن، جو وحشی اور غیر مہذب قبائل جنگلوں اور صحراؤں میں رہتے تھے - (مزید تفصیل میری کتاب "ابلیس و آدم" میں ملیگی) -

اَلْجَانُّ زرد رنگ کے سیاہ چشم سانپ کو بھی کہتے ہیں * (۲۷/۱۰) ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ جَانٌّ سے تشبیہ کی بنا پر بولا جاتا ہے - اَلْجِنُّ مِنَ النَّبْتِ شگوفوں اور پھولوں کو کہتے ہیں * - جُنَّتِ الْاَرْضُ کے معنی ہیں زمین پر سبز گھاس خوب پھیل گئی اور نگاہوں کو بھلی نظر آنے لگی * - جَنَّ النَّبَاتُ کے معنی ہیں پودے لمبے ہوگئے اور آپس میں خوب گتھ گئے - نَخْلَةٌ مَجْنُوْنَةٌ نہایت لمبا کھجور کا درخت *-

جَنَّةٌ ۔ کھجوروں اور انگوروں کے باغ کو کہتے ہیں ۔ (اگر کسی باغ میں کھجوروں اور انگوروں کے درخت نہ ہوں دوسرے درخت ہوں تو اسے حَدِیْقَةٌ کہتے ہیں ۔ جَنَّةٌ نہیں کہتے)* ۔ لیکن راغب کا قول ہے کہ جَنَّةٌ ہر اس باغ کو کہتے ہیں جسکی زمین درختوں کی وجہ سے نظر نہ آئے** ۔

قرآن کریم میں جَنَّةٌ کا لفظ بڑی جامع اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے ۔ قرآنی نظام پر عمل پیرا ہونے سے اس دنیا میں جس قسم کا فردوس بدوش معاشرہ متشکل ہوتا ہے اسے بھی جنت سے تعبیر کیا گیا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں حسن عمل کے جو خوشگوار نتائج سامنے آتے ہیں انہیں بھی جنت ہی کہکر پکارا گیا ہے ۔ قرآن پر عمل کرنے والوں (مومنین) کو اس دنیا میں جس قسم کا جنتی معاشرہ نصیب ہوتا ہے اسکی تفاصیل قرآن کے مختلف مقامات میں مذکور ہیں ۔ لیکن اسے اگر دو لفظوں میں سمجھنا چاہیں تو اس آیت کو سامنے لے آنا چاہئے جو آدم کی سرگذشت سے متعلق ہے ۔ اس جنت کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (۲/۳۵) ۔ ''اس میں سے جہاں جی چاہے نہایت فراغت سے کھاؤ لیکن اس شجر کے قریب نہ جانا'' (شجر کے لئے دیکھئے عنوان ش ۔ ج ۔ ر) ۔ یعنے جنت اس معاشرہ کا نام ہے جسمیں زندگی کی تمام آسائشیں بافراط موجود ہوں ۔ جہاں سامان زیست کی فراوانیاں ہوں ۔ (صرف غذا ہی نہیں بلکہ لباس ۔ مکان ۔ یعنی تمام بنیادی ضروریاتِ زندگی ۲۰/۱۱۹ ۔ ۱۱۸) لیکن ان کا استعمال حدود اللہ (قوانین خداوندی) کے مطابق کیا جائے ۔ اگر ایسا کیا جائیگا تو اس معاشرہ کی بہاروں پر کبھی خزاں نہیں آئیگی ۔ اسی لئے اسے تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ (۲/۲۵) کہا گیا ہے ۔ یعنے اس باغ کے نیچے آب رواں ہمیشہ جاری رہیگا ۔ قرآن نے اسکی تفسیر ان الفاظ سے کردی ہے اُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا (۱۳/۳۵) ''اسکے پھل اور دیگر آسائشیں ہمیشہ رہینگی'' ۔ باقی رہے اعمال حسنہ کے وہ نتائج جو مرنے کے بعد سامنے آئینگے، سو اگرچہ انہیں بھی جنت ہی سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہدیا گیا ہے کہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (۳۲/۱۷) ۔ ''خدا نے اعمال کے بدلے میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان چھپا کر رکھا ہے وہ کسی انسان کے

* تاج ۔ **راغب

حیطہ ادراک میں نہیں آسکتا ،، ۔ اس زندگی کی کیفیات کے متعلق ہم آج کچھ نہیں سمجھ سکتے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جنت کی اسقدر تفاصیل دینے کے باوجود یہ بھی کہدیا ہے کہ یہ سب تمثیلی بیان ہے (۱۳/۳۵) ۔

لیکن اس دنیا کی جنت ہمارے سامنے آسکتی ہے، اگر ہم اپنے معاشرہ کو قرآن کے متعین کردہ خطوط پر متشکل کرلیں ۔ اسمیں انسان کی خارجی اور داخلی زندگی کی تمام آسائشیں اور راحتیں موجود ہونگی ۔ لیکن اس سے بعد کی زندگی کی جنت کی کیفیت ہم سمجھ ہی نہیں سکتے اسلئے کہ ہمارا موجودہ شعور محسوسات کی حد سے آگے جا ہی نہیں سکتا ۔ اس کے متعلق اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ اس دنیا میں جنتی زندگی بسر کرنے سے نہ صرف طبعی آسائشیں ہی ملتی ہیں بلکہ انسانی ذات (Personality) کی بھی نشوونما ہوتی جاتی ہے ۔ اس سے انسانی ذات اس قابل ہوجاتی ہے کہ وہ اس زندگی کے بعد اگلے ارتقائی مراحل طے کرکے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکے ۔ اس قسم کی انسانی ذات مرنے کے بعد جس مرحلہ میں پہنچتی ہے اس کا نام جنت ہے ۔ وہ انسانی زندگی کی آخری منزل نہیں بلکہ آگے بڑھنے کا مقام ہے ۔ اس لئے کہ وہاں بھی ''انسان کا نور اس کے آگے آگے چل رہا ہوگا،، (۶۶/۱۲) ۔ اس کے برعکس جن کی ذات کی نشوونما (Development) رک چکی ہوگی ، جن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی وہ اہلِ جہنم ہونگے (دیکھئے عنوان جَهَنَّم و ج ۔ ح ۔ م)۔ بہر حال ، مرنے کے بعد کی جنت اور جہنم ، مقامات نہیں ہیں ، انسانی ذات کی کیفیات ہیں جن کی حقیقت ہم آج سمجھ نہیں سکتے ۔ آج ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طرح اس دنیا کی جہنم (جس میں ہم سب مبتلا ہیں) جنت سے بدل جائے ۔ یہ قرآنی نظام کی رو سے ہوسکیگا ۔

ج ن ی

جَنَى الثَّمَرَةَ يَجْنِيهَا ۔ اسنے پھل کو درخت سے توڑ لیا ۔ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ (ابن فارس) فَهُوَ جَانٍ ۔ وہ پھل توڑنے والا ہے۔ اَلْجَنَى پختہ اور تازہ کھجور ۔ چنے ہوئے پھل ۔ اَجْنَى الشَّجَرُ ۔ درخت کے پھل توڑنے کے قابل ہوگئے ۔ ثَمَرٌ جَنِيٌّ ۔ تازہ پھل جو ابھی ابھی توڑا گیا ہو* ۔ سورۃ مریم میں رُطَبًا جَنِيًّا (۱۹/۲۵) ۔ تر و تازہ کھجوروں کے لئے آیا ہے ۔ اور سورۃ رحمٰن میں جَنَى (۵۵/۵۴) پھلوں کیلئے ۔

*تاج و راغب ۔

کسی کا پھل توڑ کرلے جانا جرم ہے ۔ اس سے اَلْجِنَایَۃُ اس جرم کو کہتے ہیں جس سے سزا لازم آتی ہو۔ جَانٍ کے معنے ہیں مجرم ۔ جَانَی عَلَیْہِ مُجَانَاۃً ۔ اسنے اسکے خلاف جرم کا دعوی کردیا* ۔ غور کیجئے ، جب ایک شخص کسی دوسرے کا پھل توڑ کرلے جانے سے مجرم بنتا ہے تو جو لوگ دوسروں کی محنت کے محاصل کو غضب کرلیں وہ مجرم کیوں نہیں؟ (اس ضمن میں عنوان ج-ر-م بھی دیکھئے) ۔

ج ہ د

اَلْجَہْدُ ۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ جَہْدٌ کے معنے تکلیف اور مشقت اور کسی کام کو اسکی انتہا تک پہنچا دینے کے ہیں ۔ اور جُہْدٌ کے معنے وسعت اور طاقت کے ہیں ۔ لیکن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جَہْدٌ اور جُہْدٌ دونوں وسعت اور طاقت کے معنوں میں آتے ہیں۔لیکن مشقت کے معنوں میں صرف جَہْدٌ آتا ہے* ۔ لیکن قرآن میں جُہْدٌ بھی مشقت کے معنوں میں آیا ہے (۹/۷۹) ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اسکے بنیادی معنی ہیں۔ جِہَادٌ کے معنے ہیں کسی مقصد کے حصول کیلئے اپنی طاقت اور وسعت کو پورا پورا صرف کردینا۔ اسمیں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا ۔ اور جَہَادٌ کے معنے ہیں سخت زمین جسمیں گھاس وغیرہ کچھ نہ ہو* ۔ اَجْہَدَتْ لَکَ الْاَرْضُ ۔ زمین تیرے لئے ظاہر ہو گئی* ۔

اَلْاِجْتِہَادُ ۔ کسی ایسے مقصد کے حاصل کرنے میں اپنی پوری پوری کوشش صرف کر دینا جس میں کلفت اور مشقت لازمی ہو** ۔ یعنی اس کام کا مشکل اور کٹھن ہونا ضروری ہے ۔

اَلْمُجَاہِدُ ۔ جاگنے والا** ۔

قرآن کے ریم میں مُجَاہِدِیْنَ بمقابلہ قَاعِدِیْنَ آیا ہے (۴/۹۵) ۔ قَاعِدِیْنَ کے معنے ہیں بیٹھ رہنے والے ۔ سستی کرنے والے ۔ لہذا مُجَاہِدِیْنَ کے معنے ہوئے جد و جہد کرنے والے ۔ حصول مقاصد کیلئے پوری پوری کوشش کرنے والے ۔ خواہ اسمیں جان تک بھی کیوں نہ دینی پڑ جائے ۔ قرآن کی رو سے زندگی کا راز جد و جہد اور سعی و عمل میں ہے۔ لہذا مردِ مومن ، جو زندگی کا پیکر ہوتا ہے ، ساری عمر مجاہد رہتا ہے ۔ یعنی مصروفِ سعی و عمل ۔ (جنگ کے لئے دیکھئے عنوان ق-ت-ل) سورۃ النحل میں جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ (۱۶/۳۸) سخت قسموں کیلئے آیا ہے ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

ج ہ ر

جَہْرٌ ۔ راغب نے کہا ہے کہ اسکے اصلی معنے کسی چیز کا حد سے زیادہ زور کے ساتھ نمایاں اور ظاہر ہونا ہے، خواہ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہو یا سننے سے ۔ چنانچہ رَآہُ جَہْرَۃً کے معنے ہیں اسے کھلم کھلا اسطرح دیکھا کہ دونوں کے درمیان کوئی حجاب نہ تھا۔اورجَہَرَ الصَّوْتَ کے معنے ہیں آواز کو بلند کیا ۔ جَہَرَ الْکَلَامَ اسنے اس بات کو کھول کر بآواز بلند کہا ۔ جَہْرَاءُ الْقَوْمِ ۔ قوم کے ممتاز اور برگزیدہ افراد* ۔ جَہَرَ الْقَوْمُ الْقَوْمَ ۔ ایک قبیلے نے دوسرے قبیلہ پر صبح دم غفلت میں چڑھائی کر دی ۔ مُجَاہَرَۃً ۔ ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرنا* ۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے کہ وہ بے حجاب (جَہْرَۃً) نہیں دیکھا جا سکتا (۲/۵۵) ۔ سورۃ حدید میں اللہ کے لئے ھُوَ الظَّاھِرُ آیا ہے ۔(۵۷/۳) اس کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوانات (ظ ۔ ہ ۔ ر) و(ب ۔ ط ۔ ن)۔سورۃ انعام میں جَہْر بمقابلہ سِرّ آیا ہے (۶/۳) ۔ اور (۲۱/۱۱۰) میں یہ لفظ کَتَمَ کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں جَہْرٌ بمقابلہ خَفَتٌ آیا ہے ۔ (۱۷/۱۱۰ وَلَا تَجْہَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِہَا**) ۔ سورۃ انعام میں ہے اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ بَغْتَۃً اَوْ جَہْرَۃً (۶/۴۷) ۔ بَغْتَۃً کے معنے ہیں جسکی علامات وغیرہ پہلے سے ظاہر نہ ہوں (اچانک) لہذا جَہْرَۃً کے معنے ہوئے جسکی علامات پہلے سے نمایاں ہو جائیں ۔

سورۃ الحجرات میں ہے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْہَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَہْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ (۴۹/۲) ۔ اگرچہ اس کے ظاہری معنے یہی ہیں کہ تم نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو اور نہ ہی اس سے چلّا کر باتیں کرو جیسا کہ آپس میں کرتے ہو، لیکن اگر اسے آدابِ مجالس سے وسیع تر مفہوم میں لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ تم اسکے فیصلہ پر اپنی رائے کو غالب رکھنے کی کوشش نہ کرو ۔ اسکے فیصلوں کو دل کے کامل جھکاؤ کے ساتھ تسلیم کرو ۔ قرآنی مملکت میں ، مرکز کی پوزیشن ایسی ہوتی ہے کہ وہاں کا فیصلہ حرفِ آخر قرار دیا جاتا ہے ۔ رسول اللہ ؐ کی حیات طیبہ میں یہ حیثیت حضور کو حاصل تھی ۔ آپ ؐ کے بعد ، یہ حیثیت حضور ؐ کے جانشینان (یعنی خلافت علیٰ منہاج رسالت یا قرآنی نظام مملکت کے مرکز) کو حاصل ہوگی ۔

*تاج ۔ ** دیکھئے عنوان (ص ۔ ل ۔ و) ۔

ج ھ ز

اَلْجِهَازُ ۔ سامان سفر۔ جو سامان سواری پر لدا ہوتا ہے* ۔ ساز و سامان جو کسی کی ضرورت کا ہو** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی ایسی چیز کے ہوتے ہیں جسے خریدا اور حاصل کیا جاسکے ۔ اَلتَّجْهِيْزُ سامان سفر لادنا یا دینا * ۔ سورۃ یوسف میں ہے وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ (۱۲/۵۹) ۔ ''جب انہیں ان کا سامان دیکر سفر کیلئے تیار کر دیا'' ۔

اَلْجَهْزَاءُ مِنَ الْاَرْضِ ۔بلند زمین کو کہتے ہیں** ۔

ج ھ ل

اَلْجَهْلُ کے معنی ہوتے ہیں جو امور واضح نہ ہوں ان کی واقفیت حاصل کئے بغیر ان میں پیش قدمی کرنا ۔ راغب نے کہا ہے کہ جَهْلٌ کی تین قسمیں ہوتی ہیں (۱) انسان کے ذہن کا علم سے خالی ہونا (یہ بنیادی معنے ہیں) ۔ (۲) کسی بات کے متعلق اس کی صحیح کیفیت کے خلاف اعتقاد رکھنا اور (۳) کسی بات کو جس طرح کرنا چاہئے اس کے خلاف کرنا ۔ خواہ اس کی بابت اعتقاد صحیح ہو یا غلط*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) علم کی ضد اور (۲) ہلکا پن اور بے اطمینانی کے ہیں ۔

مَجْهَلٌ ۔ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نشانات راہ نہ ہونے کی وجہ سے صحیح راستہ نہ مل سکے* ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْجَهُوْلُ اس سادہ لوح اور نا تجربہ کار آدمی کو کہتے ہیں جو جلد دھوکے میں آجائے** ۔ صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ جَاهِلٌ کا لفظ مذمت کے لئے آتا ہے لیکن کبھی اس کے معنے نا واقف کے بھی ہوتے ہیں ۔ اس صورت میں یہ لفظ مذمت کے لئے نہیں آتا ۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ (۲/۲۷۳) ''ناواقف انہیں دولتمند سمجھتا ہے'' ۔

عربوں کے زمانہ قبل از اسلام کے لئے جَاهِلِيَّةٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن میں بھی اس لفظ کا استعمال آیا ہے (مثلاً (۳۳/۳۳) ۔ اس کے معنے یہ نہیں کہ وہ لوگ جاہل مطلق تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین سے ناواقف تھے ۔ جاہلیت سے مراد ان کی جہالت نہیں بلکہ اس دین سے ناواقفیت ہے

*تاج ۔ **محیط ۔

جو نبی اکرمؐ کے ذریعہ ان تک پہنچا ۔ لہذا رسوم جاہلیت سے مراد وہ رسوم ہی نہیں جو زمانۂ قبل از اسلام میں عربوں کے ہاں رائج تھیں ۔ اس سے مراد وہ تمام غلط اعتقادات اور غیر قرآنی اعمال حیات ہیں جو دین سے ناواقفیت کی بنا پر مسلمانوں میں پھیل رہے ہیں ۔ نیز علم ہو جانے کے بعد بھی اسی روش پر جمے رہنا (محض اس لئے کہ وہ روش اسی طرح چلی آ رہی ہے) جاہلیت ہے ۔ یہ مسلک پتھروں کا ہے جو کسی حالت میں بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتے ۔ اسی لئے بڑی چٹان کو صَفَاۃٌ جَیْہَلٌ کہتے ہیں** ۔ یہ جہالت و جاہلیت کی بد ترین قسم ہے ۔ اسی لئے صاحب تاج العروس نے اسے جَہْلٌ مُرَکَّبٌ سے تعبیر کیا ہے * ۔

احمد امین مصری (مرحوم) نے کہا ہے کہ ''سَلَامٌ کے معنے مسالمت کے ہیں جو جنگ اور مخاصمت کی ضد ہے ۔ قرآن کریم کی اس آیت وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا (۲۵/۶۳) میں جَہَالَت کے مقابلہ میں سَلَام کا لفظ لایا گیا ہے ۔ غالباً اس آیت کے ذریعہ ہم وہ وجہ معلوم کر سکتے ہیں جس کی بنا پر نبی اکرمؐ کی بعثت سے پچھلے زمانہ کو جاہلیت کا اور بعثت کے بعد کے زمانہ کو اسلام کا لقب دیا گیا ۔ یہ لفظ ''جاہلیت'' اس جَہْلٌ سے ماخوذ نہیں جس کے معنے نہ جاننے (عِلْمٌ کی ضد) کے ہوتے ہیں ۔ بلکہ یہ اس ''جَہْلٌ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنے سفاہت ، غضب ، اور حمیت کے ہوتے ہیں ۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے کسی کو اس کی ماں کے نام سے عار دلائی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا اِنَّکَ امْرُؤٌ فِیْکَ جَاھِلِیَّۃٌ ۔ ''تمہارے اندر جاہلیت کی روح ابتک موجود ہے'' ۔ اسی جہت سے عربوں کا محاورہ ہے ''اِسْتَجْھَلَہُ الشَّیْبُ'' ۔ یعنی اس چیز نے اسے عقل وخرد سے بیگانہ بنا دیا ۔ کسی شاعر کا مصرع ہے ۔ دَعَاکَ الْھَوٰی وَاسْتَجْھَلَتْکَ الْمَنَازِلُ ۔ محبت نے تجھے پکارا اور محبوب کے مکانوں نے تیرے حواس گم کر دئے ۔ عمرو بن کلثوم کے معلقہ میں ہے ۔

اَلَا لَا یَجْھَلَنْ اَحَدٌ عَلَیْنَا ۔
فَنَجْھَلَ فَوْقَ جَھْلِ الْجَاھِلِیْنَا ۔

خبردار کوئی ہمارے خلاف زیادتی نہ کرے ورنہ ہم زیادتی کرنے والوں سے بڑھکر زیادتی کرینگے ۔ ان استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جَاھِلِیَّۃٌ کا لفظ ہلکے پن،

* تاج ۔ ** محیط ۔

عقل و هوش سے بیگانگی، عصبیت، حمیّت اور مفاخرت وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا تھا جو اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی کا اہم ترین عنصر تھا۔ اسی لئے اس زمانہ کو جاهلیت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ان معانی کے بالمقابل سکون نفس، تواضع، اعمال صالحہ کی اهمیت کا احساس، اور نسلی فخر و غرور کی بے اعتباری وغیرہ رجحانات، سلامتی اور مصالحت کے ہوتے ہیں"*۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی نہجِ زندگی کیا ہے اور جاهلیت کی روش کیا ؟

قرآن کریم کی رو سے علم حاصل نہ کرنا جرم ہے اور علم حاصل ہو جانے کے بعد اپنی غلط روش میں تبدیلی نہ کرنا اس سے زیادہ سنگین جرم (مزید تفصیل ع۔ل۔م اور ع۔ق۔ل کے عنوانات میں ملیگی)۔ سورۃ بقرہ میں یہ لفظ هَزْؤٌ کے ساتھ آیا ہے (۲/۱۴) لہذا اس کے معنے ہیں وہ لوگ جو زندگی کے مسائل اور احکام و قوانین کو سنجیدگی سے (Seriously) نہ لیں۔ انہیں مذاق ہی سمجھیں۔

جهنم

جَهَنَّمٌ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ عربی لفظ ہے جسکے معنے ہیں گہرا۔ کہتے ہیں "رَکِیَّۃٌ جَهَنَّمٌ" گہری تہ والا کنواں"۔ بعض نے اسے عبرانی لفظ گَہِنَّامْ سے معرب مانا ہے **۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ عبرانی الاصل ہے اور دو لفظوں سے مرکب۔ جِیْ، جسکے معنے وادی ہیں اور هِنُّوم سے۔ هنوم ایک آدمی کا نام تھا۔ وادی هِنُّوم یروشلم کے جنوب میں ایک مشہور وادی تھی جسمیں زمانہ قدیم میں مولوک (عَمُّوْنِیِّیْن کے دیوتا) کے حضور آدمیوں کو جلا کر قربانی پیش کی جاتی تھی۔ لہذا جِیْ هِنُّوْم سے مراد تھی وہ وادی جہاں انسان ذبح کئے جاتے تھے اور انہیں جلایا جاتا تھا۔***اس اعتبار سے جَهَنَّمٌ کا ترجمہ انسانیت کی قربانگاہ ہوگا۔ خدا کے قانون ربوبیت کا منشا یہ ہے کہ انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہو۔ انسانیت برومند اور ثمر بار ہو۔ ایسا معاشرہ جسمیں انسانیت نشوونما پائے جنتی معاشرہ ہے۔ اسکے مقابلہ میں وہ معاشرہ جسمیں انسانیت ذبح ہو جائے اور جلکر راکھ کا ڈھیر بن جائے جَهَنَّمی معاشرہ ہے۔ اسکے لئے عربی لفظ جَحِیْمٌ ہے جس کے معنے روک دینا ہیں (دیکھئے عنوان ج ح م)۔ یعنے جس مقام پر انسانیت کی نشوونما رک جائے۔

* نجرالاسلام صفحہ ۶۹ - ۷۰ - **تاج - ***محیط نیز غ... القرآن ...

سورۃ بنی اسرائیل میں جَهَنَّم کے متعلق کہا ہے وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا (۱۷/۸)۔ جہنم ان لوگوں کے لئے روک کا مقام ہے جو قانون خداوندی کے خلاف زندگی بسر کرتے ہیں۔

چونکہ زندگی مسلسل آگے بڑھتی ہے اسلئے جسکی نشوونما یہاں رک جاتی ہے وہ زندگی کی اگلی منزلیں طے کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسلئے اس زندگی میں بھی وہ جَهَنَّم میں رہتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی۔ اس زندگی میں جَهَنَّم کی کیفیات کیسی ہونگی، اس کے متعلق ہم آج کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ موجودہ زندگی میں جہنم کا عذاب ہم ہر وقت محسوس کر سکتے ہیں۔ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ اجتماعی طور پر جو قوم غلط راستے پر چلتی ہے اسکی سعی وعمل ثمر بار ہونے کی بجائے جلکر خاکستر ہو جاتی ہے۔ یہ جَهَنَّم ہے۔ اور اس کا نتیجہ ذلت و رسوائی۔ اسکی تفاصیل قرآن کے مختلف مقامات میں ملینگی۔ اسی طرح اس معاشرہ میں رہنے والے افراد کے جوہر انسانیت جلکر راکھ کا ڈھیر ہو جاتے ہیں۔

اس مقام پر اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ جہنم، انسان کے اپنے اعمال ہی سے بنتی ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ (۲۹/۵۴) "یقیناً جہنم کفار کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے"۔ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ (۸۲/۱۶)۔ یہ اسکی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں۔ وہ انہیں اب بھی دیکھ رہی ہے۔ ان کے سامنے ہی ہے، لیکن ان کا عدم احساس اسے ان کی نظروں سے اوجھل کئے ہوئے ہے۔ جب ان کی آنکھیں کھل جائینگی تو وہ ابھر کر سامنے آجائیگی۔ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ يَرَىٰ (۷۹/۳۶)۔ وہ دیکھنے والے کے لئے ابھر کر سامنے آجائیگی۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اس میں "یوم الدین" میں داخل ہونگے يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ (۸۲/۱۵)۔ يَوْمُ الدِّينِ، ظہور نتائج کا زمانہ ہے، اس دنیا میں یا مرنے کے بعد۔

ج و ب

اَلْجَوْبُ۔ قطع کرنا۔ پھاڑنا۔ سوراخ کرنا۔ یہ اس مادہ کے اصلی معنے ہیں*۔ قرآن کریم میں ہے وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (۸۹/۸) اور ثمود جو وادی میں پہاڑوں کی چٹانوں کو تراش کر (اپنے مکان بناتے تھے)۔ اَلْجَوْبَةُ۔ مکانات کے پچھواڑے جو گڑھا سا بن جائے جسمیں بارش کا پانی جمع ہو جائے*۔ اَلْجَوْبُ ڈھال کو بھی کہتے ہیں*۔

*تاج۔

اَجَابَ۔ یُجِیْبُ۔ اِجَابًا و اِجَابَۃً۔ جواب دینا۔ (اس لئے کہ جواب دینے والا جب کسی کی بات کا جواب دیتا ہے تو وہ اس کے مُنہ سے نکل کر سائل کے کانوں تک کا فاصلہ قطع کرتی ہے۔ ویسے سوال بھی یہ فاصلہ طے کرتا ہے لیکن یہ لفظ جواب کے لئے خاص ہوگیا ہے۔ راغب)۔ اس سے اسمِ فاعل مُجِیْبٌ ہے۔ جواب دینے والا۔ قرآن میں ہے اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ (۱۱/۶۱)

''یقیناً میرا رب قریب ہی ہے اور بات کا جواب بھی دیتا ہے۔ سورۃ بقرۃ میں ہے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲/۱۸۶)۔ ''میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے''۔ دعا اور خدا کی طرف سے اسکے جواب کے صحیح مفہوم کیلئے (د۔ع۔و) کا عنوان دیکھئے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ دُعا سے مفہوم ہے خدا کے قوانین کا اتباع کرنا، اور اسکی طرف سے جواب کے معنی ہیں ان قوانین کا نتیجہ خیز ہونا۔ چنانچہ سورۃ المومن میں ہے وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (۴۰/۶۰)۔ ''تمہارا نشو و نما دینے والا کہتا ہے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دونگا'' اسکے بعد ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ (۴۰/۶۰)۔ جو لوگ میری اطاعت گزاری سے سرکشی برتتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے''۔ اس پوری آیت سے واضح ہے کہ دعا در حقیقت ''یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ'' کی ضد ہے۔ لہذا دعا سے مقصود خدا کی محکومیت اختیار کرنا ہے۔ اسی لئے اس سے ذرا پہلے ہے وَمَا دُعَاءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ (۴۰/۵۰)۔ ''جو لوگ قوانین خداوندی سے انکار کرتے ہیں انکی دعا کبھی نتیجہ خیز نہیں ہوتی''۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ بقرۃ میں جہاں یہ کہا ہے کہ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲/۱۸۶)۔ ''میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں'' تو اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ (۲/۱۸۶)۔ ''لہذا انہیں چاہئے کہ میرے قوانین پر ایمان رکھیں اور میری اطاعت کریں''، یہ لوگ یہ کچھ کریں اور میں انکی سعی و عمل کو نتیجہ خیز کرونگا۔ یہ ہے دعا اور اجابتِ دعا کا قرآنی مفہوم۔ یعنی جو کچھ خدا کے تقاضے ہیں انہیں تم پورا کرو۔ جو کچھ تمہارے تقاضے ہونگے خدا انہیں پورا کر دیگا۔ یہی خدا کا قانون ہے۔ جو شخص حکیمانہ انداز سے اسکے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہ اسکی محنت کو رائگاں نہیں جانے دیتا۔ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (۱۱/۱۱۵)۔ ''اور استقامت سے جما رہ۔ بیشک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔ اور کوشش کے بغیر کچھ ملتا نہیں۔ وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳/۳۹)۔ ''انسان کے لئے کچھ نہیں بجز اسکے جسکے لئے وہ کوشش اور محنت کرے''۔

* تاج۔ سوال دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو کسی بات یا مسئلہ کا دریافت کرنا اور دوسرے امداد و اعانت طلب کرنا۔ لہٰذا اس اعتبار سے جواب کی بھی دو قسمیں ہوں گی اور اجابت و استجابت' ان دونوں قسموں کے جواب کے لئے بولا جائے گا۔ یعنی کسی سوال کا جواب دینا' یا کسی مانگ اور مطالبہ کو پورا کر دینا۔

ج و د

اَلْجَیِّدُ ۔ عمدہ چیز ۔ جَوْدَۃٌ ۔ عمدہ ہونا ۔ اَجَادَ ۔ اسے عمدہ بنا دیا ۔ اَلْجَوَادُ ۔ سخی * ۔ اَلْجُوْدِیُّ ۔ اس پہاڑی یا ٹیلہ کا نام ہے جس پر حضرت نوح ؑ کی کشتی ٹھہری تھی (۱۱/۴۴) ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس سلسلۂ کوہ میں واقع ہے جو آرمینیا کو میسوپوٹیمیا سے جدا کرتا ہے ۔

جَوَادٌ ۔ اعلیٰ درجے کا گھوڑا جو نہایت تیز رفتار ہو اور دوڑنے میں اپنی ساری طاقت صرف کردے** ۔ (جمع جِیَادٌ) ۔ سورہ ص میں ہے اَلصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ (۳۸/۳۱) ۔ ''اصیل ، تیز رو گھوڑے،، ۔

ج و ر

اَلْجَوْرُ ۔ درمیانی راہ چھوڑ کر ایک طرف کو ہٹ جانا ۔ اس سے اسکے معنے ظلم و ستم اور بے انصافی کے ہوگئے ۔ اسی سے جَارَ کے معنی ہیں عدل کی راہ چھوڑی * ۔ قرآن میں قَصْدُ السَّبِیْلِ کے مقابل جَائِرٌ آیا ہے (۱۶/۹) قَصْدُ السَّبِیْلِ ، درمیانی راہ اور جَائِرٌ ، ایکطرف کو ہٹی ہوئی راہ ۔ اَلْجَارُ ۔ پڑوسی ، ہمسایہ ، نیز وہ شخص جسے تم نے کسی کے جور و ستم سے پناہ دی ہو ۔ نیز ساتھی، شریک، مددگار کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے* قرآن میں اَلْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی اور اَلْجَارِ الْجُنُبِ آیا ہے (۴/۳۶) (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ج ۔ ن ۔ ب) ۔ سورۃ احزاب میں ہے لَا یُجَاوِرُوْنَکَ فِیْهَا (۳۳/۶۰) ۔ ''وہ اس شہر میں تیرے ہمسایہ بنکر نہیں رہنے پائینگے،، ۔ سورۃ انفال میں ہے اِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ (۸/۴۸) ۔ ''میں تمہارا پناہ دینے والا یا سامی و مددگار ہوں،، ۔ اَجَارَ ۔ اسکو پناہ دیدی ۔ اسے حفاظت میں لے لیا (۲۳/۸۸) ۔ اِسْتَجَارَ ۔ پناہ طلب کرنا (۹/۶) ۔ سورۃ رعد میں ہے قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ (۱۳/۴) ۔ '' آپس میں ملے ہوئے قطعات زمین ،، ۔

ج و ز

جَازَ الْمَوْضِعَ ۔ وہ اس مقام پر سے گزر گیا ۔ اسے پیچھے چھوڑ گیا ۔ اگر دریا ہو تو اسکے معنے ہونگے اسے عبور کر گیا ۔ نیز جَاوَزَ (۱۰/۹۰ ، ۲/۲۴۹) کسی مقام سے آگے بڑھ جانا * ۔ اصل معنے اس مادہ میں قطع کرنا ۔ کاٹنا ہیں *** ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ ***محیط ۔

تَجَاوَزَ عَنْ ذَنْبِهٖ۔ اسکی خطا سے درگزر کردیا ۔ وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ (۴۶/۱۶)۔ ''ہم ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں''۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو قطع کرنا اور کسی شے کا وسط ہیں ۔ چنانچہ جَوْزُ كُلِّ شَيْءٍ ہر چیز کے وسط کو کہتے ہیں ۔ غالباً اسی وجہ سے الجَائِزُ اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کے وسط میں سے گزر جائے ۔ نیز اَلْجَائِزُ ۔ صحیح سمت کو گزرنے والا ** ۔ اَلْمَجَازُ ۔ راستہ جسے ایک طرف سے دوسری طرف کو قطع کیا جائے * ۔ یا وہ راستہ جس پر لوگ بہت زیادہ گزرتے ہوں * ۔ اَلْجَائِزَةُ ۔ عطیہ ۔ انعام ۔ وہ زاد سفر جو مسافر کو دیا جاتا ہے جس کے سہارے وہ ایک دن اور رات کی مسافت طے کر لے ۔(ممکن ہے اسی سے جائزہ انعام و عطیہ کے لئے بولا جانے لگا ہو)۔

ج و س

اَلْجَوْسُ ۔ کسی چیز کی آخری حد تک اسے تلاش کرنا ۔ چھان مارنا ۔ گھومنا پھرنا *** ۔ اَلْاِجْتِيَاسُ ۔ رات میں گھومنا * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اندر گھس جانے کے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ (۱۷/۵) ۔ ''وہ تمہارے شہروں کے اندر گھس گئے اور تمہاری کھوج میں انہوں نے گلی کوچوں کو چھان مارا'' اور اسطرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر تمہیں قتل یا گرفتار کیا ۔ محیط نے اس کے معنوں میں حملہ کرنے یا لوٹ مار کرنے میں ادھر ادھر آمد و رفت کرنا بھی بتائے ہیں ۔

ج و ع

اَلْجُوْعُ ۔ بھوک ۔ جَاعَ ۔ يَجُوْعُ ۔ جَوْعًا ۔ بھوکا ہونا ۔ عَامٌ مَجَاعَةٌ ۔ بھوک کا سال ۔ قحط سالی * ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ بھوک کیلئے آیا ہے (۲/۱۵۵) ۔ اور جنت کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ اسمیں بھوک (رزق کی تنگی) نہیں ہوگی ۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا (۲۰/۱۱۸) ۔ ''تیرے لئے یہ ہے کہ تو اس میں بھوکا نہیں رہیگا''۔ کفران نعمت (خدا کی طرف سے ملے ہوئے سامان زیست کو چھپا کر رکھنے یا غلط طور پر استعمال کرنے) کا نتیجہ لِبَاسُ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (۱۶/۱۱۲) بتایا ہے ۔ یعنے بھوک اور خوف کا عذاب ۔ لہذا کسی قوم میں سامان

* تاج ۔ ** محیط ۔ ***تاج ۔ راغب ۔

رزق کی تنگی خدا کا عذاب ہے اور اسکی فراوانی جنتی معاشرہ کی خصوصیت۔ قرآن کی رو سے جو معاشرہ قائم ہوتا ہے اس میں کوئی فرد بھوکا نہیں رہ سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جس نظام میں ہر فرد کو روٹی مل جائے اسے نظام خداوندی اور اس معاشرہ کو جنتی معاشرہ کہا جائیگا۔ نظام خداوندی اور جنتی معاشرہ کی بہت سی خصوصیات ہیں اور جب تک وہ سب موجود نہ ہوں اسے جنتی نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جس نظام یا معاشرہ میں لوگوں کو پیٹ بھر کر روٹی نہ ملے اسے نہ نظام خداوندی کہہ سکتے ہیں نہ جنتی معاشرہ۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی قوم ایسے ہنگامی حالات سے گزرے جس میں کچھ وقت کے لئے رزق کی تنگی آجائے (مثلاً جنگ کے زمانہ میں)۔ لیکن کسی قوم میں نہج زندگی ایسا قائم ہو جانا جس میں تمام افراد کو پیٹ بھر کر، باطمینان، کھانے کو نہ ملے، خدا کا عذاب ہے، اور جو قوم ایسی حالت سے نکلنا نہیں چاہتی وہ جہنم میں رہنا چاہتی ہے۔

ج و ف

اَلْجَوْفُ۔ وسیع نشیبی زمین۔ شکم (پیٹ) نیز کسی چیز کے اندرونی حصہ کو کہتے ہیں۔ جَوْفُ الْبَیْتِ۔ گھر کا اندرونی حصہ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اندرون کے ہوتے ہیں۔ جَافَهُ۔ یَجُوْفُهُ۔ جَوْفاً۔ اس نے اسے گہرا کر دیا۔ اَلْمَجْوُفُ۔ گہرائی والی چیز (مُحَدَّبٌ کے مقابلہ میں)۔ نیز وہ شخص جسکا دل نہو، (بزدل) یعنے جسکے سینے میں خلا ہو*۔

قرآن کریم میں ہے مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ (۳۳/۴) یہاں جَوْفٌ سے مراد سینہ ہے۔ یعنی اللہ نے کسی شخص کے لئے اسکے سینے میں دو دل نہیں پیدا کئے۔

ج و و

اَلْجَوُّ۔ فضا۔ زمین اورآسمان کے درمیان خلا** ۔ قرآن کریم میں ہے مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ (۱۶/۷۹)۔ اسکے معنے فضائے آسمانی ہیں۔ یعنی (پرندے) آسمان کی فضا میں مسخر کئے ہوئے ہیں۔ ویسے اَلْجَوُّ اندرون مکان کو بھی کہتے ہیں*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے اطراف کو گھیرے ہوئے ہو۔ بالائی فضا کو اَلْجَوُّ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ زمین کے اطراف کو گھیرے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔

* تاج و محیط۔ ** تاج۔ راغب۔ محیط

ج ی ا

جَاءَ - یَجِیْءُ - آنا - اَجَاءَتْہُ وَجِیْئَتْ بِہٖ - میں اسے لایا * - راغب نے اِتْیَانٌ اور مَجِیْءٌ کا فرق بتاتے ہوئے کہا ہے کہ اِتْیَانٌ کسی کام کے کرنے کے ارادہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے (خواہ وہ کام نہ ہو سکے)۔ لیکن اَلْمَجِیْءُ اسوقت بولا جائیگا جب کوئی کام رونما اور واقع ہو گیا ہو **۔ نیز اسکے معنے لیکر آنا یا مرتکب ہونا ہیں۔ حضرت مریمؑ سے لوگوں نے کہا لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا (۱۹/۲۷)۔ تو نے ایک انوکھا کام کیا ہے، تو ایک نرالی حرکت کی مرتکب ہوئی ہے۔ یہ تیری اپنی اختراع ہے۔ اسی طرح سورۃ کہف میں (قصۂ حضرت موسےٰؑ اور مرد بزرگ میں) ہے لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا (۱۸/۷۱)۔ ”تو ایک خطرناک کام کا مرتکب ہوا ہے“۔

سورۃ مریم میں ہے فَاَجَاءَہَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَۃِ (۱۹/۲۳)۔ اس کے معنے ہیں درد زہ اسے کھجور کے درخت کی طرف لے آیا۔ یعنے اسمیں مجبوری کا پہلو پایا جاتا ہے۔

ج ی ب

جَیْبٌ اَلْقَمِیْصِ - کرتے کا گریباں۔ اَلْجَیْبُ سینہ کیلئے بھی مجازاً بولا جاتا ہے جس پر گریبان ہوتا ہے نیز دل کو بھی کہتے ہیں۔ ھَوَنَا صَحِ اَلْجَیْبِ - وہ صاف دل اور صاف سینہ والا یعنی مخلص ہے *۔ سورۃ نور میں عورتوں سے کہا گیا ہے وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ (۲۴/۳۱)۔ ”انھیں چاہئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں“۔ قصۂ حضرت موسےٰؑ میں ہے وَاَدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ (۲۷/۱۲) اور اُسْلُکْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ (۲۸/۳۲)۔ ”اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر یا ڈال“۔ (ان آیات کے مفہوم کیلئے ی۔ د۔ ی اور ب۔ ی۔ ض کے عنوان دیکھئے)۔

ج ی د

جِیْدٌ - گردن یا گردن کا اگلا حصہ یا گردن کی وہ جگہ جہاں ہار لٹکا رہتا ہے۔ ایک قول کے مطابق جِیْدٌ، مقام مدح میں بولا جاتا ہے اور عُنُقٌ، مذمت میں *۔ قرآن کریم میں ابولہب کی بیوی کے متعلق ہے فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (۱۱۱/۵) ”اسکی گردن میں کھجور کے ریشوں کی رسی ہے“۔ یعنے وہ گردن جو بڑی عزت و توقیر اور سرفرازی و سربلندی کی حامل سمجھی جاتی تھی، اسطرح ذلیل ہو رہی ہے۔ اسکا تکبر خاک میں مل رہا ہے۔

جلد اول ختم شد

* تاج۔ ** تاج و راغب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ح

ح ا ش (ح ش و)

اَلْحَاشِيَةُ ۔ کنارہ (کپڑے وغیرہ کا) ۔ حَشْوَةُ النَّاسِ ۔ رذیل لوگ* (یعنی وہ لوگ جنہیں کنارے پر دور دور رکھا جائے) ۔ یہیں سے اسکے معنے دوری کے آتے ہیں ۔ حَاشَ لِلّٰهِ ۔ خدا اس سے بہت دور ہے وہ منزہ ہے ۔ یا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ۔ (کیونکہ اَلْحَاشِيَةُ ان لوگوں کو بھی کہتے ہیں جو کسی کی حفاظت میں رہتے ہوں)*

قرآن کریم میں ہے وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ (۱۲/۳۱) ۔ ''انہوں نے کہا کہ خدا تمام عیوب سے پاک ہے ۔ وہ نقائص سے مبرا ہے'' ۔ یہ تنزیہ اور استثناء کیلئے آتا ہے** ۔ یعنی عیوب اور نقائص سے منزہ ہونے کے معنوں میں۔

ح ب ب

اَلْحُبُّ ۔ اَلْمَحَبَّةُ ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے پانچ معانی ہیں۔(۱) سفیدی اور صفائی۔ یہاں سے حَبَبُ الْاَسْنَانِ لیا گیا ہے یعنی دانتوں کی چمک (۲) بلند ہونا اور ظاہر و نمودار ہونا ۔ یہاں سے حَبَابُ الْمَاءِ لیا گیا ہے ۔ یعنی پانی کا بلبلہ (۳) کسی چیز کا اپنی جگہ ٹھہرے اور جمے رہنا ۔ یہاں سے حَبَّ الْبَعِيْرُ وَ اَحَبَّ لیا گیا ہے۔ یعنی اونٹ اسطرح جم کر بیٹھ گیا کہ پھر نہ اٹھا ۔ (۴) کسی چیز کا خالص ہونا یا اس کا لب لباب اور حقیقی جوہر ۔ جیسے حَبَّةُ الْقَلْبِ سویدائے دل کو کہتے ہیں اور (۵) کسی کی حفاظت کرنا ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ لے حَاشَ کے مادہ کے بارے میں علماء لغت کا اختلاف ہے ۔ بعض حَ ش ی اور بعض حَ ش و بتاتے ہیں ۔ تاج نے حَاشَ لِلّٰهِ کے معنی مُعَاذَ اللّٰهِ کے لکھے ہیں یعنی میں اللہ کی حفاظت اور پناہ

اسے تھامے رکھنا ۔ اسی سے حَبُّ الْمَاءِ مشکا یا ٹھلیا یا مشک کو کہتے ھیں جسمیں پانی محفوظ رکھا جائے ۔ یا گھڑونچی جس پر مٹکے رکھے جاتے ھیں** ۔ حَبَّ الرَّجُلُ کے معنی ھیں آدمی ٹھہر گیا ۔ اَحَبَّ الزَّرْعُ ۔ کھیتی میں دانے پڑ گئے ۔ یعنے اسکی نشو و نما کے نتائج ابھر کر سامنے آ گئے * ۔

راغب نے لکھا ھے کہ محبت کے معنی اس چیز کو چاھنا ھیں جسے اچھا اور مفید پایا جائے ، اس کے تین پہلو ھیں ، ایک تو لذت کیلئے ۔ جیسے مرد عورت سے محبت کرتا ھے ، دوسری مفید اور نفع بخش (مادی) چیزوں کو چاھنا ، تیسرا پہلو یہ ھے کہ فضل و شرف (معنوی امور) سے محبت رکھنا ، جیسے اھل علم ، علم و فضل کی بنا پر ایک دوسرے سے محبت کرتے ھیں ۔ کبھی محبت کے معنے ارادہ کے بھی کئے جاتے ھیں ۔ لیکن محبت میں ارادہ سے زیادہ زور و قوت ھے** ۔ اِسْتَحَبَّهُ ۔ اسے چاہا ، پسند کیا ۔ اِسْتَحَبَّهُ عَلَيْهِ ۔ اسے اس پر ترجیح دی (۱۶/۱۰۷) ۔

ابن فارس نے کہا ھے کہ اَلْحَبُّ اور اَلْمَحَبَّةُ کے معنی کسی کو لازم پکڑنا ھیں ۔ اس مادہ کے بنیادی معنی لزوم اور ثبات کے ھیں ۔ یعنی کسی شے کو لازم پکڑنا اور اس کے ساتھ مستحکم طور پر رھنا ۔

قرآن کریم میں حُبٌّ کا لفظ کُرْهٌ کے مقابلہ میں آیا ھے ۔ وھاں اسکے معنے پسندیدگی کے ھیں (مثلاً ۲/۲۱۶ ؛ ۴۹/۷) ۔ یہ معانی کسی تشریح و توضیح کے محتاج نہیں ۔ لیکن جہاں قرآن میں اللہ کی محبت کا ذکر آیا ھے وہ مقامات تشریح طلب ھیں ۔ مثلاً سورۃ بقرۃ میں ھے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۲/۱۶۵) ۔ ”اور ایسے لوگ بھی ھیں جو خدا کے علاوہ اور قوتوں کو اسکا ھمسر قرار دیتے ھیں اور ان قوتوں سے اسطرح محبت کرتے ھیں جسطرح اللہ سے محبت کی جاتی ھے ۔ حالانکہ جو لوگ ایمان والے ھیں وہ اللہ کی محبت بہت بڑھکر کرتے ھیں “ ۔ (یہ وہ ترجمہ ھے جو عام طور پر کیا جاتا ھے) اسی طرح سورۃ آل عمران میں ھے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (۳/۳۱-۳۲) ”ان سے کہدو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ھو تو میرا اتباع کرو ۔ اللہ تم سے محبت کریگا ۔ اور تمہارے قصوروں

* محیط ۔ ** راغب ۔ *** اگرچہ محیط نے یہ تقریح کی ھے کہ ان معنوں میں یہ فارسی سے معرب ھے ۔

کو معاف کر دیگا ۔ اور اللہ حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے ۔ ان سے کہدو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو ۔ پھر اگر یہ لوگ اس سے پھر جائیں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا'' ۔ (یہ وہ ترجمہ ہے جو عام طور پر کیا جاتا ہے) ۔

ان آیات سے اللہ سے محبت ، اور اللہ کی محبت ، کی سند لی جاتی ہے اور پھر اس پر تصوف کی پوری عمارت استوار کر لی جاتی ہے جس کا اصل الاصول خدا کی محبت ہے ۔ اور محبت بھی ایسی شدت کی محبت کہ اس ذات میں اپنے آپ کو جذب کر دینا اسکا منتہی قرار دیا جاتا ہے ۔ یہ سارا تصور لفظِ محبت کو اُن معنوں میں لے لینے سے پیدا ہوتا ہے جن معنوں میں ہم اپنے انسانوں سے محبت کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں ۔

خدا سے اس قسم کے تعلق کا تصور غیر قرآنی ہے ۔ جہانتک خدا کی ذات کا تعلق ہے ہمارے حیطہ ادراک میں آ ہی نہیں سکتی ۔ اسلئے اس سے اس قسم کی محبت کا سوال پیدا نہیں ہوتا جس قسم کی محبت انسانی محبوب سے کی جاتی ہے (خواہ وہ کسی کی اولاد ہی کیوں نہ ہو) ۔ کسی اَن دیکھی چیز سے اس قسم کی محبت کا پیدا ہونا نفسیاتی طور پر ناممکن ہے ۔ یہی وہ دشواری تھی جسکے پیش نظر لوگوں کو خدا کو بشکل انسان (اوتاروں کے روپ میں) ڈھالنا پڑا یا اسکی مورتیاں بنانی پڑیں ۔

لفظ محبت کے اُن معانی پر غور کیجئے جنہیں شروع میں درج کیا گیا ہے ۔ ساری بات صاف ہو جائیگی ۔ حُبّ کے معنے ہیں کسی چیز پر ثابت قدمی اور خلوص کے ساتھ جمے رہنا ۔ لہذا خدا کے ساتھ انسان کی محبت کے معنے ہیں ، احکامِ خداوندی کی خلوص اور استقامت کے ساتھ اطاعت کرنا ۔ ان پر نہایت ثابت قدمی سے جمے رہنا ۔ ان سے ذرا اِدھر اُدھر نہ ہٹنا ۔ ان معانی کی تائید خود وہ آیات کر رہی ہیں جنہیں اوپر درج کیا گیا ہے ۔ سورۃ بقرہ کی آیت ($\frac{۲}{۱۶۵}$) میں دیکھئے ۔ جو لوگ خدا کے علاوہ اوروں کو بھی صاحب اقتدار و اختیار مانتے ہیں (اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ) وہ اُن کے قوانین اور فیصلوں کی اطاعت کرتے ہیں ۔ ان کے مقابلہ میں مومنین کا شیوہ یہ ہے کہ وہ صرف قوانین خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں اور نہایت شدت سے اطاعت کرتے ہیں ۔ لہذا اس آیت میں اللہ کی محبت کے معنے ہیں قوانین خداوندی کی اطاعت ۔ سورۃ آل عمران کی آیات ($\frac{۳}{۳۰-۳۱}$) میں اس مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے ۔ ان میں اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ کی تفسیر اَطِیْعُوْا اللّٰہَ نے کر دی ہے ۔ اور

اسکے مقابل میں تَوَلَّوْا (روگردانی کرنے) کے لفظ نے اسکی مزید وضاحت کر دی ہے ۔ لہذا ان آیات میں بھی خدا سے محبت سے مراد اس کے احکام کی اطاعت ہے جو اُس نظام کے مرکز کی وساطت سے کی جاتی ہے جو اُسکے قوانین کو نافذ کرنے کیلئے متشکل ہوتا ہے۔ اس کی تائید سورۃ المائدۃ کی آیات (۵/۵۴-۵۶) سے بھی ہوتی ہے ۔ ان آیات میں مومنین سے کہا گیا ہے کہ تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھر جائے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ خدا کا دین اس کی مدد کا محتاج نہیں ۔ وہ یہ نہ خیال کرے کہ اس نے اس دین کو چھوڑ دیا تو اس دین کو سنبھالنے والا کوئی نہیں رہیگا ۔ اللہ ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آئیگا يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ جن سے خدا محبت رکھیگا اور وہ خدا سے محبت رکھینگے ۔ یعنی وہ لوگ اپنوں کے سامنے نہایت نرم اور مخالفین کے مقابلہ میں غالب آنے والے ہونگے ۔ وہ اللہ کی راہ میں مسلسل جدوجہد کرینگے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرینگے ۔ اس سے اگلی آیت میں ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا . . . (۵/۵۵) ۔ ''تمہارے دوست اللہ اور اس کا رسول اور مومنین ہیں'' ۔ اس سے واضح ہے کہ ''محبت'' سے مراد ''ولی ہونا'' ہیں ۔ اس سے آگے مومنین سے کہا گیا ہے کہ تم کفار کو اپنا ولی مت بناؤ (۵/۵۷) ۔ اس سے بھی ''خدا سے محبت'' کرنے کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنی اس کی اطاعت کرنا ۔

اب رہا خدا کا بندے سے محبت کرنا ، تو اس کے لئے اس لفظ کے دوسرے معانی کو سامنے لائیے یعنی حفاظت کرنا ۔ تھامے رکھنا ۔ مضمر صلاحیتوں کا نمودار کرنا ۔ اعمال کا نتیجہ خیز ہونا ۔ لہذا خدا کی طرف سے محبت کے معنے ہیں اُن تمام ثمرات و نتائج کا حاصل ہو جانا جو قوانین خداوندی کی اطاعت کا فطری ماحصل ہیں ۔

یہ ہے قرآنی مفہوم، انسان کے خدا سے محبت اور خدا کے انسان سے محبت کرنے کا ۔ یہی مفہوم اللہ کا انسان کے ولی (دوست) ہونے یا انسان کا اللہ کا ولی ہونے سے ہے ۔ (دیکھئے عنوان و ۔ ل ۔ ی)

حَبٌّ ۔ دانہ ۔ اناج ۔ غلہ (۵۵/۱۲) ۔ حَبَّةٌ (واحد) دانہ (۲/۲۶۱) ۔

ح ب ر

اَلْحِبْرُ ۔ روشنائی (جس سے لکھا جاتا ہے) ۔ اَلْمِحْبَرَةُ ۔ دوات ۔ اَلْحِبْرِيُّ ۔ روشنائی فروش ۔ اَلْحِبْرُ* ۔ اہل کتاب کا عالم ۔ بالخصوص یہود کا عالم ۔ جمع اَحْبَارٌ (۵/۴۴) ۔ اَلْحَبْرُ ۔ حسن اور حسن کی رونق ۔

* مطلق عالم کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اس مادہ کے بنیادی معنوں کے تحفظ سے یہ ایسے عالم کو کہا جائیگا جو عبارت و کمالی سے متصف ہو۔

اَلْحَبْرُ ۔ سرور ۔ خوشی ۔ مسرت ۔ حَبْرَۃٌ ۔ کامل نعمت و آسائش ، فراوانی عیش ۔ اَلْحَبْرَۃُ ۔ جنت میں سماع ۔ موسیقی ۔ عمدہ نغمہ ۔ چنانچہ قرآن میں جو ہے فَھُمْ فِیْ رَوْضَۃٍ یُحْبَرُوْنَ (۳۰/۱۵) ۔ یا اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ (۴۳/۷۰) تو زجاج نے اسکی تفسیر موسیقی کے ساتھ ہی کی ہے ۔ اس نے کہا ہے کہ لغت میں اَلْحَبْرَۃُ عمدہ گانے کو کہتے ہیں* ۔ درحقیقت اس میں حسن و جمال اور زیبائی و رعنائی نیز خوشی اور مسرت کے تمام مظاہر آجاتے ہیں خواہ وہ جنتِ نگاہ ہوں یا فردوسِ گوش ۔ آرٹ کے شاہکار ہوں یا حیات افروز موسیقی ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایسے نشانات کے ہیں جن سے اس چیز کا حسن اور رونق نمایاں ہوں ۔

حَبَّرَ الْخَطَّ وَ الشِّعْرَ ۔ اسنے خط اور شعر کو عمدہ بنایا اور مزین کردیا ۔ تَحَبَّرَ الرَّجُلُ ۔ آدمی حسین اور مزین بن گیا** ۔ ثَوْبٌ حَبِیْرٌ ۔ عمدہ اور نیا کپڑا ۔ اَلْیَحْبُوْرُ ۔ نرم و نازک بدن والا آدمی* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْحِبْرُ نہایت عمدہ اور حسین اثر (نشان) کو کہتے ہیں ۔ اَلْحَبْرُ عالم کو اسلئے کہتے ہیں کہ اس کے علم کا اثر لوگوں کے دلوں میں باقی رہتا ہے اور اس کے عمدہ آثار قدم کی پیروی کی جاتی ہے*** ۔

قرآن ، کائنات کی ہر حسین شے کی تحسین (Appreciation) کے جذبہ کو ابھارتا ہے اور اس سے لطف اندوز ہونے کی تاکید کرتا ہے ، اس شرط کے ساتھ کہ انسان حدود اللہ سے تجاوز نہ کرے ۔ ایک جنتی معاشرہ اس قسم کے حسن کا مظہر ہوتا ہے جس میں آرٹ ۔ نغمہ وغیرہ اپنے اپنے مقام پر وجہِ شادابی قلب ونظر بنتے ہیں ۔ اور چونکہ اسمیں حدود اللہ کا ہر وقت خیال رکھا جاتا ہے اسلئے اس سے مضر اثرات مرتب نہیں ہونے پاتے ۔ حسن و زیبائی کا وہ کونسا گوشہ ہے جس کا ذکر ، قرآن نے ، جنتی زندگی کے ضمن میں نہیں کیا ؟ لیکن زندگی ، جنتی بنتی اسوقت ہے جب وہ قوانینِ خداوندی کے تابع رہے ۔

ح ب س

اَلْحَبْسُ ۔ روک لینا ۔ قید کر دینا ۔ اِحْتَبَسَہٗ ۔ اسے روک دیا ۔ فَاحْتَبَسَ ۔ پس وہ رک گیا ۔ اَلْمَحْبِسُ جانوروں کے چارہ رکھنے کی جگہ* ۔ چھلا جو انگلیوں میں پہنا جاتا ہے** ۔ حَبَسَہٗ عَنْہُ کے معنے اسے کسی چیز سے روکنے کے ہوتے ہیں ۔ اور حَبَسَہٗ عَلَیْہِ کے معنے وقف کر دینے کے** ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

قرآن کریم میں ہے - تَحْبِسُوْنَهُمَا (۵/۱۰۶) "تم ان دونوں (گواہوں) کو روک لو" -

ح ب ط

اَلْحَبَطُ - زخم کا نشان جو زخم اچھا ہو جانے کے بعد رہ جائے - اَلْحُبَاطُ - مویشیوں کی ایک بیماری ہے جس میں ان کا پیٹ اپھر جاتا ہے اور وہ مر جاتے ہیں - زمخشری اور ابن الاثیر نے کہا ہے کہ حَبِطَتِ الدَّابَّةُ حَبَطاً کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جانور کسی نہایت اچھی چراگاہ میں پہنچکر بہت زیادہ کھا جائے جسے وہ ہضم نہ کرسکے - اس سے اسکا پیٹ پھول جائے اور وہ مر جائے* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی باطل ہو جانا اور درد و الم کے ہیں -

قرآن کریم نے حَبْطِ اَعْمَال (اعمال کے رائیگاں جانے) کی اصطلاح نہایت پر معنے طریق سے استعمال کی ہے - (۲/۲۱۷) - جانور جو کچھ کھاتا ہے وہ اگر اچھی طرح ہضم ہو کر اسکا جزو بدن بن جائے تو اس سے اسکی صحت قائم رہتی ہے اور وہ فربہ و توانا ہو جاتا ہے - لیکن اگر اسکا چارہ ہضم نہ ہو تو اسکا پیٹ پھول جاتا ہے - اس سے ایسا نظر آتا ہے کہ وہ بہت فربہ ہے لیکن یہ در حقیقت فربہی نہیں ہوتی بلکہ اسکی ہلاکت کی علامت ہوتی ہے - اسی طرح انسان بہت کام ایسے کرتا ہے جو اسے بڑے خوش آئند دکھائی دیتے ہیں اور وہ ان سے بڑے خوشگوار نتائج کی توقع وابستہ رکھتا ہے لیکن وہ در حقیقت اسکی ہلاکت کا موجب ہوتے ہیں - اسے قرآن حَبْطِ اَعْمَال سے تعبیر کرتا ہے - یعنے جن اچھے نتائج کی توقع ان سے وابستہ کی گئی ہو اُن نتائج کا مرتب نہ ہونا - حقیقت یہ ہے کہ وہی اعمال خوشگوار نتائج مرتب کرسکتے ہیں جو قوانینِ خداوندی کے مطابق صحیح نظام کے اندر رہتے ہوئے سرزد ہوں - اگر ایسا نہ ہو تو انسان کی ساری محنت اکارت چلی جاتی ہے اور نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا - اُولٰئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (۲/۲۱۷) - انہی کے لئے آیا ہے - یعنی وہ جن کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں رائگاں جاتے ہیں - ان کے اعمال کے صرف نشانات رہ جاتے ہیں - نتائج کچھ نہیں نکلتے - اور وقت اور توانائی، سب ضائع ہو جاتے ہیں - لہذا اچھے اعمال وہ نہیں جنہیں ہم اپنے تصوز یا عقیدہ کے مطابق اچھے سمجھ لیں - اچھے اور برے اعمال کا معیار، اللہ کی کتاب

* تاج و محیط -

ہے ۔ جو اعمال اس کی رو سے اچھے نہیں وہ کبھی اچھا نتیجہ نہیں پیدا کرسکتے خواہ ہم انہیں کتنا ہی اچھا کیوں نہ سمجھیں اور کتنی ہی اچھی نیت سے انہیں کیوں نہ کریں ۔ کائنات کی میزان میں فیصلے انسانوں کے اپنے عقیدوں اور تصوروں کے مطابق نہیں ہوتے ۔ خدا کے اٹل معیاروں کے مطابق ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے نہ صرف اچھے اعمال کی نشاندہی کر دی ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان کا نتیجہ کیا نکلیگا تاکہ ہم قدم قدم پر اس کا محاسبہ کرتے جائیں کہ ہم صحیح راستے پر جا رہے ہیں یا نہیں ۔ اگر ہمارے اعمال کے وہ نتائج نہیں برآمد ہوتے جو قرآن کریم نے بتا رکھے ہیں تو ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اعمال قرآن کریم کے مطابق سرزد نہیں ہو رہے ۔ اگر ہم ایسا نہ کریں اور اپنی خوش فہمی کے ماتحت ان اعمال کو ویسے ہی کرتے جائیں تو یہ سب رائگاں جائینگے ۔ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۔ (۱۸/۱۰۵) ''سو ان کے اعمال بے نتیجہ رہ گئے ۔ لہذا ہم ان کے لئے ظہور نتائج کے وقت میزان تک کھڑی نہیں کرینگے'' ۔ ان کے تولنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی ۔ غور کیجئے کہ ہمارے کسقدر اعمال ہیں جو یوں بے نتیجہ چلے جا رہے ہیں اور ہم کبھی رک کر نہیں سوچتے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے، حالانکہ خدا کی کتاب (اعمال کے نتائج کی زندہ کسوٹی) ہمارے پاس ہے

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے ، ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی نہ صرف باطل ہونے کے ہیں بلکہ اس کے ساتھ الم و تکلیف کے بھی ہیں ۔ یعنی اعمال کا محض رائیگاں جانا ہی نہیں بلکہ ان کا الم و تکلیف کا موجب بن جانا بھی ۔ خود یہی احساس کیا کم الم و تکلیف کا موجب ہے کہ جن کاموں کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ ان کے نتائج ایسے خوشگوار مرتب ہونگے ، وہ آخرالامر بے نتیجہ ثابت ہوں ؟

ح ب ک

اَلْحَبْكُ ۔ کس کر باندھنا اور مضبوط کرنا ۔ اَلْحِبْكَةُ ۔ ازار باندھنے کی جگہ ۔ تَحَبَّكَ تَحَبُّكًا ۔ اسنے کمر پر ازار باندھ لیا ۔ اَلْحُبْكَةُ ۔ وہ رسی جو کمر پر باندھی جائے ۔ اَلْحُبُكِ مِنَ السَّمَاءِ ۔ ستاروں کے راستے ۔ حُبُكُ الرَّمْلِ ۔ ریت کی لہریں ۔ فراء نے کہا ہے کہ حَبَكَ کسی چیز کے بل کھا کر مڑ جانے یا ٹوٹ جانے کو کہتے ہیں ۔ چنانچہ اَلْحَبْكُ

مِنَ الشَّعْرِ ان گھونگھریالے بالوں کو کہتے ھیں جو بل کھاکر ٹوٹے پڑتے ھوں ۔ اور اَلْحَبْکُ کے معنے کاٹ ڈالنے اور گردن اڑا دینے کے ھیں* ۔

قرآن کریم میں وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُکِ (۵۱/۷) آیا ھے ۔ یعنی راستوں والا آسمان ۔ وہ بلند فضا جس میں مختلف اجرام فلکی اپنے اپنے راستوں میں چلتے اور مڑتے رھتے ھیں ۔ اور اگر اسکے معنے مضبوطی کے لئے جائیں تو اس سے مفہوم ھوگا ایسی بلند فضا جسمیں تمام اجرام اپنے اپنے دوائر میں نہایت مضبوطی سے بندھے ھوئے ھیں اور وہ ادھر ادھر نہیں ھو سکتے ۔ چنانچہ اَلْحِبَاکُ لکڑیوں کے اس گٹھے کو کہتے ھیں جسے مضبوطی سے اسطرح باندھا جائے کہ کوئی لکڑی اپنی جگہ سے ھلے نہیں** ۔ اور اگر اسکے معنے ٹوٹنے کے لئے جائیں تو مفہوم ھوگا ان اجرام فلکی والی فضا جسمیں مختلف اجرام اپنے اولین ھیولے سے ٹوٹ کر چکر کاٹ رھے ھیں ۔

ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنوں میں کسی چیز کا تسلسل، درازی اور مضبوطی شامل ھیں ۔ اس اعتبار سے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُکِ کے معنی ھونگے ایسی بلندی (فضا) جس میں اجرام فلکی کے لئے لمبے لمبے راستے ھوں ۔

ح ب ل

اَلْحَبْلُ ۔ باندھنے کی چیز ۔ رسی ۔ اسکی جمع حِبَالٌ ھے ۔ حَبَلَهٗ ۔ اسے رسی سے باندھ دیا** ۔ سورۃ طٰهٰ میں حِبَالُهُمْ آیا ھے (۲۰/۶۶) جسکے معنے ''رسیاں'' ھیں ۔ نیز اَلْحَبْلُ کے معنے عہد، ذمہ اور امان کے ھیں ۔ سورۃ آل عمران میں ھے وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا (۳/۱۰۲) ۔ ''تم سب کے سب حبل اللہ کو تھامے رکھو'' ۔ اس کے ساتھ متمسک رھو ۔ اس میں، صاحب تاج العروس کے نزدیک، حَبْلٌ کے معنے عہد کے ھیں ۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے بھی اسکی تائید کی ھے ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی کسی شے کی درازی پر دلالت کرتے ھیں ۔ راغب نے کہا ھے کہ ھر وہ چیز جس سے کسی دوسری چیز تک پہنچا جائے حَبْلٌ کہلاتی ھے ۔ اس لئے اس آیت میں حَبْلٌ اللّٰهِ کے معنے ھیں وہ چیز جو تمہیں خدا تک پہنچادے، یعنے قرآن کریم ۔ ابوعبیدہ نے کہا ھے کہ اَلْاِعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰهِ کے معنے اتباع قرآن کریم ھے ۔ ابن مسعود نے حَبْلُ اللّٰهِ کے معنے قرآن کریم

* تاج ۔ راغب ۔ محیط ۔ ** تاج ۔

ھی لئے ھیں - ابن عرفہ نے کہا ھے کہ دوسری جگہ قرآن کریم میں ھے اِلاَّ بِحَبْلٍ مِنَ اللّٰہِ وَ حَبْلٍ مِنَ النَّاسِ (۳/۱۱۲) جسکے معنے ھیں خدا کی ذمہ داری یا لوگوں کی دی ھوئی ذمہ داری - اسلئے (۳/۱۰۲) میں بھی حَبْلُ اللّٰہِ کے معنے خدا کی ذمہ داری کے ھیں* -

لیکن اسکے معنے رسّی لیں یا ذریعہ - ذمہ لیں یا عہد - بات ایک ھی ھے - خدا سے ھمارا تعلق قرآن کریم کی رو سے ھے - یہی وہ رسی ھے جو اسکی طرف سے ھم تک آئی ھے اور جس سے ھم ایک دوسرے کے ساتھ بندھے رہ سکتے ھیں (کیونکہ آیت کا اگلا حصہ ھے وَ لَا تَفَرَّقُوْا اور اس سے آگے مومنین کو ایک امت بنکر رھنے کی تاکید کی گئی ھے دیکھئے ۳/۱۰۳ ؛ ۳/۱۰۹) لہذا حَبْلُ اللّٰہِ کے معنے ھیں وہ نظامِ اجتماعی جو قرآن کریم کی بنیادوں پر قائم ھو اور جسکا مقصد ، وحدتِ ملت اور اطاعتِ قوانین الٰہیہ ھو -

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ھے وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (۵۰/۱۶) ''ھم ، انسان سے حَبْلُ الْوَرِیْدِ سے بھی زیادہ قریب ھیں'' - فراء نے لکھا ھے کہ حَبْلٌ اور وَرِیْدٌ کے ایک ھی معنے ھیں - یعنے رگِ جان - شدتِ قرب کی بناپر دونوں الفاظ آئے ھیں * - اس "قربِ خداوندی کی تشریح آیت کے پہلے حصہ میں یہ کہکر کر دی گئی ھے - وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ (۵۰/۱۶) ''ھم اسکے وساوسِ نفس تک سے بھی واقف ھیں'' - یعنے اسمیں علم الٰہی کی طرف اشارہ ھے جس پر قانونِ مکافاتِ عمل کا مدار ھے - انسان کا کوئی عمل ، حتّٰکہ اس کے دل میں گذرنے والا خیال تک بھی خدا کے قانونِ مکافات کے احاطہ سے باھر نہیں رہ سکتا - مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (۵۰/۱۷) نے اسکی مزید وضاحت کردی ھے - یعنی انسان کی ھر بات پر ایک نگہبان (چوکیدار - محاسب) موجود ھوتا ھے - یہ ھے خدا کے رگِ جان سے بھی قریب تر ھونے کا مفہوم - یعنی خدا کا قانونِ مکافات جو انسان کے دل میں گذرنے والے خیالات کو بھی محیط ھے -

ح ت م

حَتَمَہٗ و حَتَّمَ بکذا - یَحْتِمُ - حَتْماً - اس نے کسی بات کا فیصلہ کر دیا - اسے طے کر دیا - حَتَمَ عَلَیْہِ الْاَمْرَ - اس پر کوئی بات واجب اور لازم کردی - اَلْحَاتِمُ - فیصلہ کرنے والا - فیصلہ کو کسی پر واجب اور لازم کرنے والا*** -

* تاج - ** محیط - *** تاج و محیط

قرآن کریم میں ہے کانَ عَلیٰ رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا (۱۹/۷۱) "یہ تیرے رب پر لازم ہے - اس کا فیصلہ ہو چکا ہے"۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ کوئی بنیادی لفظ نہیں بلکہ اس میں تاء کاف سے بدلی ہوئی ہے - یعنی حَتَمَ اصل میں حَکَمَ تھا جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں -

حَتّٰی - (حرف)

حَتّٰی - حسب ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے -

(۱) "یہاں تک کہ" - قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰکِفِیْنَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی (۲۰/۹۱)-" انہوں نے کہا کہ ہم اس کے ساتھ چمٹے رہینگے تا آنکہ موسیٰ ہماری طرف واپس نہ آجائے"- یعنی اسوقت تک ہم ایسا کئے جائینگے جب تک.....

(۲) بعض اوقات اس کے معنی "تاکہ" بھی ہوتے ہیں - جیسے بعض کے نزدیک اس آیت میں آیا ہے - وَ لَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (۲/۲۱۷)-"اور یہ لوگ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہینگے تاکہ اگر انہیں اسکی طاقت ہو تو تمہیں تمہارے دین سے پھرا دیں" - یعنی ان کے جنگ کرنے کا مقصد یہ ہے -

(۳) بعض اوقات اِلّا کے معنوں میں بھی آتا ہے - تاج العروس اور محیط المحیط میں ابن مالک کے حوالہ سے اسکی مثال میں یہ شعر نقل کیا گیا ہے—

لَیْسَ الْعَطَاءُ مِنَ الْفُضُوْلِ سَمَاحَةً
حَتّٰی تَجُوْدَ وَ مَا لَدَیْکَ قَلِیْلُ

ضرورت سے زیادہ مال میں سے کچھ دیدینا سخاوت نہیں ہے - مگر یہ کہ تمہارے پاس جو کچھ مال ہو وہ تھوڑا ہو اور تم پھر بھی سخاوت کرو -

بعض اوقات یہ وَ (اور) کے معنوں میں بھی آتا ہے - مثلاً اس آیت میں - فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰی اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ ..... (۴۷/۴)-" سو جب تم کفار کے مقابل آؤ تو ان کی گردنیں مارو - اور جب تم ان پر غالب آ جاؤ تو....." (اس میں شبہ نہیں کہ یہاں حَتّٰی کے معنی تا آنکہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن "اور" سے بھی معنی واضح ہوجاتے ہیں) -

(۵) بعض اوقات یہ محض ابتدائے کلام (بات شروع کرنے) کے لئے آتا ہے - جیسے حَتّٰی اِذَا اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ..... (۲۷/۱۸) - "بہر حال - غرض، جب وہ وادیٔ نمل میں آئے تو ....." یعنی حَتّٰی سے ایک بالکل نئی بات شروع ہوئی ہے - سابقہ بات سے اسکا تعلق نہیں -

ح ث ث

حَثَّهٗ یَحُثُّهٗ حَثًّا - جلدی کرانا - جلدی کا تقاضا کرنا (لگاتار) حَثَّهٗ عَلَیْهِ - اسے کسی کام پر ابھارا، اکسایا، برانگیختہ کیا - اَلْحَثِیْثُ - تیز رفتار - اپنے کام میں چست* - قرآن کریم میں لیل و نہار کے متعلق ہے یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا (۷/۵۴) - یعنے وہ (دن) اس (رات) کے پیچھے نہایت تیزی سے مسلسل چلا آ رہا ہے - حریری نے خلیل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حَثٌّ اور حَضٌّ مرادف الفاظ ہیں - فرق یہ ہے کہ حَثٌّ چلنے میں جلدی کرانے اور برانگیختہ کرنے کو کہتے ہیں اور حَضٌّ دوسرے کاموں پر ابھارنے اور جلدی کرانے کو* -

ح ج ب

حَجَبَ - یَحْجِبُ - ڈھانپنا - چھپانا - اَلْحِجَابُ - وہ چیز جو بطور پردہ کے استعمال کی جائے** - وَ بَیْنَهُمَا حِجَابٌ (۷/۴۶) - "ان دونوں کے درمیان پردہ ہوگا" - لیکن راغب نے لکھا ہے کہ اسکے معنے ایسی روک کے ہیں جو ایک چیز کے دوسری چیز تک پہنچنے میں حائل ہو*** - یعنے اہل جہنم کا عذاب، جنت والوں تک نہیں پہنچ سکے گا اور اہل جنت کی لذات سے اہل جہنم محروم ہونگے - "محروم" کے معنوں میں سورۃ تطفیف میں ہے اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (۸۳/۱۵) - "وہ اس دور میں خدا کے عطایا سے محروم ہونگے" اپنے اعمال کی وجہ سے - نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں حاء اور جیم اکٹھے آئیں ان کا مفہوم منع کرنا اور روکنا ہوتا ہے - ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی روکنے کے لکھے ہیں -

اَلْحَاجِبُ مِنَ الشَّمْسِ وَ الْقَمَرِ - چاند اور سورج کا کنارہ جو پہلے پہل نمودار ہو** -

---

* تاج و محیط - ** تاج - *** راغب -

ح ج ج

اَلْحَجُّ ۔ ارادہ کرنا ۔ قصد کرنا ۔ حَجَجْتُ فُلَانًا ۔ میں نے اسکا قصد کیا ۔ بعض علمائے لغت نے کہا ہے کہ اس کے معنے کسی باعظمت شے کا قصد کرنا یا بکثرت قصد کرنا ہیں* ۔ اسی لئے مکہ معظمہ کا سفر کرنے کے قصد کو حَجٌّ کہا جانے لگا ۔ اَلْحِجَّةُ ایک سال کو بھی کہتے ہیں* ۔ اسکی جمع حِجَجٌ ہے ۔ سورۃ قصص میں ہے ثَمٰنِیَ حِجَجٍ (۲۸/۲۷) یعنی آٹھ سال ۔

اَلْحَجُّ کے معنے روکنا بھی ہیں ۔ حَجَّهٗ عَنِ الشَّیْءِ ۔ اس کو اس چیز سے روک دیا ۔ منع کر دیا ۔ اسی سے اس کے معنے جھگڑا کرنے کے آتے ہیں ۔ اَلْمُحَاجَّةُ ۔ آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا* ۔ اسکی اصل یہ ہے کہ جھگڑا کرنے والوں میں سے ہر فریق دوسرے کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے ۔ فَاِنْ حَآجُّوْكَ (۳/۱۹) ''اگر یہ تجھے تیرے ارادے سے روکیں'' ۔ نیز (۶/۸۳) ۔ حُجَّةٌ ۔ دلیل ۔ محیط میں ہے کہ دلیل کو بَیِّنَةٌ اسلئے کہتے ہیں کہ اس سے بات واضح اور صاف ہو جاتی ہے اور حُجَّةٌ اسلئے کہتے ہیں کہ اس سے فریق مقابل پر فتح حاصل ہو جاتی ہے** ۔

سورۃ انعام میں قرآنی دلائل و احکام کو اَلْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (۶/۱۵۰) کہا گیا ہے ۔ حج کعبہ کیلئے لفظ حَجٌّ (۲/۱۹۶) میں آیا ہے ۔ اسی کو (۳/۹۷) میں حِجُّ الْبَیْتِ کہا گیا ہے ۔ اَلْحَاجُّ (۹/۱۹) حج کرنے والا ۔

حج ، عالم اسلامی کا وہ عالمگیر اجتماع ہے جو اس اُمت کے مرکز محسوس (کعبہ) میں اس غرض کیلئے منعقد ہوتا ہے کہ ملت کے تمام اجتماعی امور کا حل قرآنی دلائل و حجت کی رو سے تلاش کیا جائے اور اسطرح یہ اُمت اپنے فائدے کی باتوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لے ۔ لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (۲۲/۲۸) ''تاکہ یہ اپنے فائدے کی باتوں کو اپنے سامنے محسوس شکل میں دیکھ لیں'' ۔ نظام کے قیام کے لئے مرکزی اجتماعات نہایت ضروری ہوتے ہیں ۔ غور کیجئے ۔ قرآن نے اُس زمانے میں مشاورتی نظام (۴۲/۳۸) اور اس کے لئے اجتماعات کا تصور دیا جب ساری دنیا پر بادشاہی نظام مسلط تھا اور دنیا اسے خدا کی رحمت سمجھتی اور بادشاہ کو ''ایشور کا اوتار'' اور

* تاج ۔ ** محیط ۔

خدائی اختیارات (Divine Rights) کا حامل خیال کرتی تھی ۔ صلٰوۃ کے مقامی اجتماعات سے لیکر حج کے عالمگیر اجتماع تک ہر اجتماع کی غرض یہ ہے کہ اُمت کے نمائندے باہمی مشاورت سے قرآنی نظام کے استحکام اور نوعِ انسان کی بہبود کے سامان و ذرائع پر غور کریں ۔ (مزید تفصیل ''قبلہ'' کے عنوان میں ملیگی)

ح ج ر

حَجَرٌ ۔ پتھر (جمع اَحْجَارٌ وحِجَارَۃٌ) اَلْحِجْرُ (حاء کی تینوں حرکات زیر زیر پیش کے ساتھ) منع کرنا۔ روکنا۔ حفاظت کرنا ۔ حِجْراً مَّحْجُوْراً (۲۵/۲۲) کے معنے روک کے ہیں ۔ حُجْرَۃٌ ۔ اونٹوں کا باڑہ ۔ کمرہ ۔ جمع حُجُرَات (۴۹/۴) اَلْحِجْرُ ۔ عقل جو انسان کو روکتی ہے (۸۹/۵)۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں حاء اور جیم اکٹھے آئیں ان کے معنوں میں روکنے اور منع کرنے کا مفہوم پایا جائے گا* ۔

حِجْرٌ ۔ قوم ثمود کی بستیوں کو کہتے تھے کیونکہ وہ پہاڑوں میں پتھر تراش تراش کر بنائی گئی تھیں ۔ حَنْجَرَۃٌ ۔ حلق ۔ اسکی جمع حَنَاجِرُ ہے ۔ (۳۳/۱۰ ؛ ۴۰/۱۸) ۔ حَجَرٌ ۔ سونے اور چاندی کو بھی کہتے ہیں ۔ اور ایسے آدمی کو بھی جو بہت ہوشیار اور چالاک ہو* ۔

قرآن کریم میں النار کے متعلق ہے کہ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ (۲/۲۴)۔ ''جسکا ایندھن انسان اور پتھر ہیں''۔ راغب نے کہا ہے کہ اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو حق کے قبول کرنے میں ایسے سنگدل ہوں جیسے پتھر ۔ انہی کے متعلق ذرا آگے چل کر کہا گیا ہے کہ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (۲/۷۴) ۔''پھر اسکے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے، سو وہ پتھر کی طرح ہیں بلکہ سختی میں ان سے بھی بڑھکر''۔ یعنے جن میں سمجھنے سوچنے اور اثر پذیری کی صلاحیت باقی نہیں رہی ۔ یا جن کی صلاحیتوں کی نشو و نما رک چکی ہے ۔ یا ، اَلنَّاسُ کے معنے ہونگے عام لوگ (جو بڑے بڑے لوگوں کے پیچھے چلتے ہیں) اور حِجَارَۃٌ کے معنے ہونگے وہ چالاک اور ہوشیار لوگ جو لیڈر بنکر عوام کو اپنے پیچھے لگا لیتے ہیں ۔ اس لحاظ سے آیت کے معنی یہ ہونگے کہ غلط راستے پر چلنے والے عوام اور خواص (لیڈر اور ان کے متبعین) سب جہنم میں ہونگے ۔ اس کی تائید قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے ہو جاتی ہے (مثلاً ۱۲/۲۱ ؛ ۳۳/۶۷) اور اگر اسکے معنے سونے چاندی کے لئے جائیں تو اسکے معنے ہونگے سرمایہ

*تاج و محیط ۔

پرستی جو ایک جہنمی معاشرہ پیدا کردیتی ہے ، کیونکہ سورۃ توبہ میں ہے کہ جو لوگ سونا اور چاندی (دولت) جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے نوع انسانی کی رہوبیت کیلئے کھلا نہیں رکھتے تو اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائیگا اور اس سے انکی پیشانیوں پر اور پشت پر داغ دیا جائیگا (۹/۳۴-۳۵) ۔ لہذا جہنم کا ایندھن سرمایہ پرست اور انکی وہ دولت ہے جسے وہ نوع انسانی کی منفعت کے لئے عام نہیں کرتے بلکہ انفرادی مفاد کی خاطر جمع رکھتے ہیں ۔ لیکن اگر (۲/۲۵) میں اَلنَّارُ کے معنے جنگ کے لئے جائیں (دیکھئے عنوان ن ۔ و ۔ ر)تو اَلْحِجَارَۃُ کے معنے ہونگے وہ پتھراؤ جو اُس زمانہ میں مخالفین پر کیا جاتا تھا (جیسا کہ سورۃ فیل میں ۱۰۵/۴ آیا ہے)۔ اس صورت میں آیت کے معنے یہ ہونگے کہ تم لوگ جب علم و بصیرت کی رو سے بات کا فیصلہ نہیں کرنا چاہتے تو اسکا نتیجہ جنگ ہوگی جو انسانوں کے ہاتھوں سے اور ان پتھروں کے ذریعوں سے بھڑکائی جائیگی جو فریق مخالف کی تباہی کیلئے برسائے جاتے ہیں ۔ یہ جنگ ، نظامِ خداوندی کی حامل جماعت اور مخالفین کے درمیان بھی ہو سکتی ہے اور مخالفین کی باہمی جنگ بھی (جس کیلئے دیکھئے ۶/۶۵ ؛ ۶/۱۳۶ ؛ ۲۷/۸۲-۸۳) ۔ نظام خداوندی کی حامل جماعت کو جنگ اسلئے کرنی پڑتی ہے کہ دنیا سے خود جنگ کا خاتمہ ہو جائے (۴۷/۴) ۔

سورۃ انعام میں ہے حِجْرٌ لَا یَطْعَمُھَا (۶/۱۳۹) ۔ یعنے ممنوع ۔ جسکے کھانے کی ہم اجازت نہو ۔

حُجُوْرٌ کے معنے ہیں حفاظت ۔ (۳/۲۳) ۔ حِجْرٌ کے معنی گود بھی ہیں ۔*

ح ج ز

حَجَزَہٗ ۔ یَحْجُزُہٗ ۔ حِجَازَۃٌ ۔ منع کرنا ۔ روک دینا ۔ اصل میں حَجَزَ الْبَعِیْرَ کے معنے ہوتے ہیں اونٹ کو بٹھا کر اس کی ٹانگوں کے نچلے جوڑوں کو رسی سے باندھ کر اس رسی سے اسکی کمر باندھ دینا تاکہ وہ ہل نہ سکے اور اسطرح اسکی پشت کے زخم کا علاج کیا جا سکے ۔ اَلْحِجَازُ اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کو اسطرح باندھا جائے ۔ کمر بند کو بھی کہتے ہیں ۔ حِجَازٌ کو اسلئے حِجَازٌ کہتے ہیں کہ یہ علاقہ نجد اور تہامہ کے درمیان روک ہے** ۔

* تاج و لین ۔ ** تاج و محیط و راغب

اَلْحَجْزُ ۔ دو چیزوں کے درمیان روک اور حد فاصل بنانے کو کہتے ہیں* ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی دو چیزوں کے درمیان حائل ہونا لکھے ہیں ۔

قرآن کریم میں حَاجِزاً (۲۷/۶۱) کا لفظ روک کیلئے آیا ہے ۔ دوسری جگہ حَاجِزِیْنَ (۶۹/۴۷) آیا ہے جسکے معنے روکنے والے یا منع کرنے والے، ہیں ۔

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں حاء اور جیم اکٹھے آئیں ان میں روکنے اور منع کرنے کا مفہوم پایا جائیگا ۔

ح د ب

اَلْحَدَبُ ۔ سینہ اور پیٹ کا اندر گھس جانا اور کمر کا کوب نکل آنا ۔ حَدِبَ یَحْدَبُ حَدَباً کبڑا ہوجانا ۔ اَلْحَدَبُ ۔ بلند (مرتفع) زمین** ۔ زمین کا سخت اور بلند حصہ*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے بلند ہونے کے ہیں ۔

قرآن کریم میں یاجوج و ماجوج کے متعلق ہے وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (۲۱/۹۶) ۔ ''وہ سطح مرتفع (بلند زمین) سے نہایت تیزی سے اچھل کر نکل پڑینگے'' ۔ اسکی تشریح کیلئے عنوان (ا ۔ ج ۔ ج) میں لفظ یَاجُوْجُ دیکھئے ۔

ح د ث

اَلْحَدِیْثُ ۔ قدیم کی ضد ہے ۔ نئی بات ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی عدم سے وجود میں آنے کے ہیں ۔ حَوَادِثُ ۔ نئے نئے واقعات جو سامنے آتے رہیں ۔ اَلْاَحْدَاثُ ۔ شروع سال میں ہونے والی بارشیں ۔ حَدِیْثُ السِّنِّ ۔ کم عمر نوجوان ۔ اَحْدَثَهٗ ۔ اس نے کسی کام کو (جو پہلے نہیں تھا) پہلی بار کیا ۔

اِحْدَاثٌ ۔ وجود میں لانا ۔ اَلْمُحَدَّثُ ۔ صادق اور سچا آدمی ۔ اَلْمُحَدِّثُ ۔ حدیث بیان کرنے والا***** ۔ مُحْدَثٌ ۔ جو قائم بذاتہ نہو*** ۔ نئی رونما ہونے والی بات ۔ جو بات پہلی بار وجود میں آئے ۔ جس کی پہلے نظیر نہ ہو ۔ نیز جس بات کو آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گذرا ہو ۔ قرآن میں مُحْدَثٌ کا لفظ انہی معنوں میں آیا ہے (۲۱/۲ ؛ ۲۶/۵) ۔

---

* تاج و محیط و راغب ۔ ** تاج و راغب ۔ *** محیط ۔ ****تاج ۔

سورۃ کہف میں ہے اُحْدِثَ لَکَ (۱۸/۷۰) ۔ ''میں خود ہی پہل کرکے تجھ سے بات کروں'' ۔ سورۃ طٰہٰ میں قرآن کریم کے متعلق ہے یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا (۲۰/۱۱۳) ۔ اسکے یہ معنے بھی ہیں کہ یہ قرآن کریم لوگوں کو رفعت و بلندی عطا کریگا ۔ (دیکھئے عنوان ذ ۔ ک ۔ ر) اور یہ بھی کہ یہ ان کے سامنے نصیحت کی باتیں یا اقوام عالم کے تاریخی نوشتے لائیگا جس سے ان کی سمجھنے کی قوتیں بیدار ہو جائینگی ۔ دونوں صورتوں میں اَحْدَاثٌ کے معنے وجود میں لانے کے ہیں ۔ سورۃ الضحیٰ میں ہے وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۹۳/۱۱) ۔ یہاں تَحْدِیْثٌ کے معنے ہیں عام چرچا کرنا ۔ ''تو اپنے رب کی نعمتوں کا عام چرچا کرتا رہ'' ۔ اَحَادِیْثُ ۔** (واحد حَدِیْثٌ) قصے ۔ داستانیں ۔ باتیں ۔ (۱۲/۶) ۔ افسانے (۲۳/۴۴) ۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، ابن فارس نے کہا ہے حَدَثَ کے معنی ہیں کسی ایسی چیز کا وجود میں آنا جو پہلے موجود نہ تھی ۔ اسی سے اَلْحَدِیْثُ ہے کیونکہ وہ ایسی بات ہوتی ہے جس سے ایک کے بعد دوسری بات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے بات میں سے بات نکلتی جاتی ہے ۔ افسانہ در افسانہ ۔

شرعی اصطلاح میں اَلْحَدِیْثُ اس قول یا عمل کو کہتے ہیں جسے رسول اللہ ؐ کی طرف منسوب کیا گیا ہو ۔ (واضح رہے کہ حدیث کی تفصیلی تعریف طویل ہے ۔ ہم نے اسے یہاں مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے)۔ قرآن میں یہ لفظ اس معنی میں نہیں آیا ۔

ح د د

اَلْحَدُّ ۔ اس مادہ میں اصلی معنے روکنے اور منع کرنے کے ہیں* ۔ حَدَّ الرَّجُلَ عَنِ الْاَمْرِ ۔ آدمی کو اس معاملہ سے روکا ۔ منع کیا ۔ حَدَدْتُ فُلَانًا عَنِ الشَّرِّ ۔ میں نے فلاں کو شر سے روکا ۔ اَلْحَدَّ روک ۔ رکاوٹ ۔ هٰذَا اَمْرٌ حَدَدٌ ۔ یہ امر ممنوع ہے ۔ اَلْحَدُّ ۔ ایک چیز کو دوسری چیز سے ممیز کرنا ۔ نیز وہ شے جو دو چیزوں کے درمیان فصل بن جائے تاکہ ایک چیز دوسری چیز سے مل نہ جائے ۔ یا ایک چیز دوسری چیز تک پہنچ نہ جائے اَلْحَدِیْدُ ۔ لوہا ۔ کیونکہ یہ اپنی سختی کی وجہ سے روک بن جاتا ہے (خصوصاً دشمن سے) ۔ نیز تیز یا آرپار ہو جانے والی چیز کو بھی کہتے ہیں ۔ حَدُّ ۔ دھار تیز کرنا ۔ اَلْمُحَادَّةُ ۔ آپسمیں دشمنی کرنا ، اور ایک دوسرے کی مخالفت

* محیط ۔ **فراء کے نزدیک احادیث در اصل اَحدوثہ کی جمع ہے جو قیاس کے مطابق ہے لیکن بعد میں یہ حدیث کی جمع بن گئی ۔

کرنا۔* ۔ در اصل اس کے معنی ہیں ایک دوسرے کو روکنے اور باز رکھنے کی کوشش کرنا ۔ سورۃ احزاب میں تیز زبانی (یا طعن و تشنیع) کیلئے بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ آیا ہے (۳۳/۱۹) اس میں حِدَاد، حَدِیْدٌ کی جمع ہے یعنی تیز زبانوں سے ۔ سورۃ قٓ میں ہے فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (۵۰/۲۲) ۔ جسکے معنے ایسی نگاہ کے ہیں جو حقیقت پر پڑے ہوئے پردوں سے آرپار گزرکر سب کچھ دیکھ لے ۔ جسکے سامنے چھپی ہوئی چیزیں آجائیں ۔ اس میں ظہورِ نتائج کے وقت کی کیفیت کا ذکر ہے جب نگاہیں اتنی تیز ہو جائینگی کہ وہ اعمال کے اندر چھپے ہوئے نتائج و عواقب کو بے نقاب دیکھ لینگی ۔ سورۃ الحدید میں کتاب (ضابطۂ قوانین) کی عملی تنفیذ کیلئے حَدِیْدٌ (فولاد) کے نازل کرنے کا ذکر ہے جسکے معنے نوت (یا شمشیر) کے ہیں ۔ (۵۷/۲۵) ۔ سورۃ مجادلہ میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۵۸/۵) ۔ اسکے معنے مزاحمت کرنے کے ہیں ۔ یعنی جو لوگ قانونِ مملکت کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے رہتے ہیں ۔ قرآن کریم میں قوانین خداوندی کیلئے متعدد مقامات پر آیا ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا (۲/۱۸۷) ۔ ''یہ اللہ کی حدود ہیں جن کے قریب مت جاؤ'' ۔ قوانین الٰہیہ کو حُدُوْدُ اللّٰهِ سے تعبیر کرنے میں ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ ہے ۔ قرآن کریم نے (عام طور پر) صرف اصولی احکام دئے ہیں اور یہ چیز انسانوں پر چھوڑ دی ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان اصولوں کی روشنی میں جزئی قوانین ایک نظام کے تابع خود مرتب کریں ۔ قرآن کے اصول تو غیر متبدل رہینگے لیکن ان کے اندر رہتے ہوئے جو جزئی قوانین بنائے جائینگے وہ حالات کی تبدیلی کیساتھ بدلتے رہینگے ۔ اسطرح انسان کو غیر متبدل حدود کے اندر سعی و عمل کی پوری آزادی رہتی ہے، جسطرح کھیل کے میدان میں چند لکیروں اور ضابطوں کے اندر ٹیم کو پوری آزادی ہوتی ہے کہ وہ اپنے اختیار و ارادہ کے مطابق کھیلے ۔ لہذا قرآن ایک ایسا نظامِ زندگی پیش کرتا ہے جس میں انسان ، مستقل اقدار اور تبدیل ہونے والے تقاضے، دونوں کا ساتھ دیتا ہوا آگے بڑھتا جاتا ہے ۔ وہ نہ تو انسان کی آزادی کو قاطبۃً سلب کرتا ہے کہ اس کی ہر نقل و حرکت پر غیر متبدل پابندی عائد کر دے ، اور نہ ہی اسے ایسا بے زمام چھوڑتا ہے کہ وہ مستقل اقدار کی پابندی سے بھی بے نیاز ہو جائے ۔ یہ ہے مقصد حُدُوْدُ اللّٰهِ کا ۔ لیکن ہم نے اس حقیقت کو پس پشت ڈال کر اپنے لئے ایسے جامد احکام وضع کر رکھے ہیں جس سے اسلام ایک زندہ حرکت بننے کے

* تاج ۔

بجائے منجمد اور متحجر نظریات و رسمیات کا مجموعہ بنکر رہ گیا ہے جو زمانہ کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ ہی نہیں دے سکتا۔

چند حدود (Limitations) کے اندر کھلی آزادی۔ یہ ہے قرآن کا عطا کردہ دین۔ "حدود اللہ" قوانین کی وہ آخری حدیں یا سرے ہیں جن سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔

ح د ق

اَلْحَدَقَۃُ۔ آنکھ کی سیاہی جو پتلی کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی چیز کا احاطہ کرے، اُسے اپنے گھیرے میں لے لے۔ حَدَقُوْا بِہٖ یَحْدِقُوْنَ۔ انہوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ہر وہ چیز جو کسی دوسری چیز کو اپنی گولائی کے ساتھ گھیرے میں لے لے، اسکے لئے اَحْدَقَ بِہٖ کہتے ہیں۔ آنکھ کی سیاہی کی نسبت سے حَدِیْقَۃٌ وادی کے اس گڑھے کو کہتے ہیں جو پانی کو اپنے اندر جمع کرلے۔ یا ہر نشیبی زمین کو جس میں پانی رک جائے۔ اسی طرح حَدِیْقَۃٌ اس باغ کو کہتے ہیں جسکے چاروں طرف دیوار ہو۔ جسکے گرد دیوار نہ ہو اسے حَدِیْقَۃٌ نہیں کہتے۔ نیز اس میں گھاس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر گھاس نہ ہو تو اسے رَوْضَۃٌ کہینگے *۔ اسکی جمع حَدَائِقُ ہے۔

قرآن کریم میں حَدَائِقَ ذَاتَ بَہْجَۃٍ (۲۷/۶۰) آیا ہے۔ یعنے خوشنما باغات۔ یہاں اس سے مراد عام باغات ہیں۔

ح ذ ر

حِذْرٌ۔ حَذَرٌ۔ خوف زدہ کرنے والی چیز سے بچنا۔ محتاط رہنا۔ اجتناب کرنا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بچاؤ اور چوکنا رہنے کے ہیں۔ چنانچہ رَجُلٌ حَذِرٌ، اس شخص کو کہتے ہیں جو سخت احتیاط کی وجہ سے جاگتا رہے۔ اِبْنٌ اَحْذَارٍ، اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت ہی محتاط ہو۔ حَذَارِ حَذَارِ کے معنے ہیں۔ بچو، بچو **۔ اَلْحَاذِرُ اس شخص کو کہتے ہیں جو ہتھیار لگا کر جنگ کیلئے بالکل مستعد ہو*۔ اس کی جمع حَاذِرُوْنَ ہے۔ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ (۲۶/۵۶) کے معنے اسلحہ بند لشکروں کے ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا (۱۷/۵۷) کے معنے ہیں خدا کا عذاب (یعنی انسان کی غلط روش کا تباہ کن نتیجہ) فی الواقعہ ایک ایسی چیز ہے جس سے محتاط رہنے کی بڑی ضرورت ہے۔ سورۃ

* تاج و راغب و محیط ** تاج و محیط

بقرہ میں فَاحْذَرُوْهُ (۲/۳۳۵) کے معنے ہیں قانون خداوندی کی نگہداشت اور پاسداری رکھو۔ سورۃ زمر میں بندۂ مومن کے متعلق ہے یَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ (۳۹/۹) وہ آخرت (مستقبل) کی زندگی کی نگہداشت رکھتا ہے۔ سورہ مائدہ میں فَتَحْذَرُوْهُ کے مقابلہ میں فَاحْذَرُوْا آیا ہے (۵/۴۹) جس کے معنے کسی شے سے محترز رہنے کے ہونگے۔ سورۃ بقرہ میں حَذَرَ الْمَوْتِ (۲/۱۹؛ ۲/۲۴۳) کے معنے ہیں موت سے بچنے کی خاطر۔ سورۃ نساء میں خُذُوْا حِذْرَكُمْ (۴/۷۱) میں تمام حفاظتی تدابیر آ جاتی ہیں، بیدار مغزی کے ساتھ۔

حَذَّرَهُ تَحْذِيْرًا اسے چوکنا کیا، خبردار کیا۔ محتاط رہنے کے لئے کہا۔ حَذَّرَهُ مِنْ اَمْرٍ یا حَذَّرَهُ الْاَمْرَ۔ اس نے اُسے اُس بات سے محتاط رہنے کے لئے کہا (یا تاکید کی)۔ قرآن کریم میں ہے یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (۳/۲۸) "خدا تمہیں اپنے (قانونِ مکافات کے عواقب سے) محتاط رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ یہ وہی بات ہے جو اوپر یوں کہی گئی ہے کہ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا (۱۷/۵۷) "یقیناً تیرے رب کا عذاب (غلط اعمال کے نتائج) ایسی چیز ہے جس سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے"۔

ح ر ب

اَلْحَرْبُ۔ صاحب محیط کے نزدیک اس مادہ میں اصل معنے ویرانی۔ تباہی و بربادی۔ تلف۔ سلب و نہب کے ہیں*۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں حاء اور راء اکٹھے آئیں ان میں مشقت اور سختی کا مفہوم ہوتا ہے۔ جیسے اَلْحَرْبُ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چھیننے کے ہیں۔ یہ لفظ سِلْمٌ (امن و صلح) کی ضد ہے۔ یعنے لڑائی**۔ حَارَبَهٗ۔ امن سے لڑائی کی، نیز یہ لفظ سرکشی اختیار کرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے**۔ چنانچہ لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۹/۱۰۷)۔ یا۔ اَلَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۵/۳۳) میں اسکے معنے سرکشی اختیار کرنے ہی کے ہیں**۔ حَرْبٌ۔ جنگ (۲/۲۷۹)۔ اَلْمِحْرَابُ۔ بالا خانہ۔ بلند جگہ۔ صدر مکان۔ نیز محلات (بحوالہ کتاب الاشتقاق) کیونکہ ایسی اونچی جگہیں در اصل حرب ہی کے لئے بنائی جاتی تھیں۔ جیسے قلعوں کی برجیاں وغیرہ۔ مَحَارِيْبُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ۔ بنی اسرائیل کی مساجد جن میں وہ امور حرب کے متعلق مشورے*** کیا کرتے تھے**۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے

*محیط۔ **تاج۔ ***قرآن میں مسلمانوں کے متعلق بھی اقامت صلوٰۃ کے ساتھ و امرھم شوریٰ بینھم آیا ہے (۴۲/۳۸) یعنی وہ اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ اس سے مساجد اور مشاورت کا تعلق ظاہر ہے۔

کہ میحْرَاب ہیکل میں اس مقام کو کہتے تھے جہاں قربانیاں دی جاتی تھیں۔ یعنی قربانگاہ۔ حضرت زکریاؑ کے متعلق ہے هُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ (۳/۳۸)۔ ''وہ قربانگاہ میں کھڑا مصروف صلوٰۃ تھا''۔

سورۃ سبا میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ کیلئے مَحَارِيبَ تیار ہوتے تھے (۳۴/۱۳) اسکے معنے مضبوط قلعے یا محلات بھی ہو سکتے ہیں اور ہیکل (مساجد) بھی۔

ح ر ث

اَلْحَرْثُ کے بنیادی معنے ہیں کچھ کمانا۔ کسب و ہنر کرنا۔ اسکے بعد یہ لفظ زمین پر کام کرنے کیلئے عام ہوگیا۔ چنانچہ حَرْثٌ کے معنے ہیں کھیتی باڑی کرنا۔ چونکہ کام کرنے اور کمانے کیلئے تگ و تاز اور فکر و تجسس کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے حَرَثَ الشَّيْءَ کے معنے ہیں اس نے اس بات میں تفقہ حاصل کرلیا۔ اَلْحَرْثُ کے معنے ہیں آگ کو حرکت دینا تاکہ وہ زیادہ روشن ہو جائے۔ اَلْمِحْرَاثُ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس سے آگ کریدی جائے* ۔قرآن کریم نے عورتوں کو حَرْثٌ (کھیتی) سے تشبیہ دی ہے۔ (۲/۲۲۳) اس لئے کہ وہ افزائشِ نسلِ انسانی کا بنیادی ذریعہ ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے میاں بیوی کے جنسی اختلاط سے مقصود کیا ہے۔ یعنی افزائشِ نسل۔ (مزید تفصیل ح۔ ص۔ ن اور س۔ ف۔ ح کے عنوانات میں ملیگی)

سورۃ واقعہ میں تَحْرُثُونَ (۵۶/۶۳) کے معنے ہیں تخم ریزی (یعنی زمین میں بیج ڈالنا)۔ اور اسکے بعد تَزْرَعُونَ (۵۶/۶۴) کے معنے ہیں کھیتی کا زمین سے اُگانا۔ حَرْثٌ تو انسان کے اپنے اختیار میں ہے لیکن زَرْعٌ خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ انسان زمین میں بیج ڈال سکتا ہے۔ اُس بیج کو زمین سے اگانا اس کے بس کی بات نہیں۔ یہ خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لئے جو کچھ زمین سے پیدا ہوتا ہے وہ فرد متعلقہ کی محنت اور خدا کے وہبی عطیہ دونوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس میں سے فردِ متعلقہ صرف اپنی محنت کا حقدار ہو سکتا ہے۔ وہ موہبتِ خداوندی کا مالک نہیں بن سکتا۔ تفصیل کے لئے میری کتاب نظام ربوبیت دیکھئے۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ حَرَثَ نَاقَتَهُ کے معنے ہیں اس نے اپنی اونٹنی کو لاغر کردیا۔ غالباً تگ و تاز اور محنت کی بنا پر یہ معنی لئے گئے ہیں۔

* تاج و محیط۔

ح ر ج

اَلْحَرَجُ - دراصل چیزوں کو اسطرح جمع کرنے کو کہتے ہیں جس سے تنگی نظر آنے لگے۔ بعنیر جگہ کم ہو اور چیزیں زیادہ ہوں تو وہ جگہ تنگ نظر آنے لگ جاتی ہے ۔ چنانچہ اس مقام کو بھی کہتے ہیں جہاں بہت ہی گھنے درخت ہوں*۔راغب نے کہا ہے کہ اس سے یہ لفظ اضطراب' بے اطمینانی اور شک کے معنوں میں استعمال ہونے لگا* ۔ جو کام دل کی کشاد سے نہ کیا جائے اسکے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے ۔ چنانچہ حَرَجَ الرَّجُلُ اَنْیَابَہٗ کے معنے ہیں اسنے اپنے دانت پیسے* ۔ لَا حَرَجَ عَلَیْکَ ۔ تم پر کوئی مضائقہ نہیں ۔ کوئی اعتراض نہیں** ۔ اسی سے یہ لفظ گناہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے*** ۔

اصل یہ ہے کہ جن الفاظ میں حآء اور رآء اکٹھے آئیں ان میں مشقت اور سختی کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ حَرَجٌ میں بھی یہی کیفیت پائی جاتی ہے **** ۔

سورۃ نساء میں ہے کہ مومنین کا شیوہ یہ ہے کہ وہ نظامِ خداوندی کی اطاعت اسطرح کریں کہ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِہِمْ حَرَجًا (۴/۶۵) ۔ ''وہ اس اطاعت سے اپنے دل میں ذرا سی بھی کبیدگی محسوس نہ کریں'' ۔ سورۃ نور میں یہ لفظ قابل اعتراض بات کے معنوں میں آیا ہے (۲۴/۶۱)۔ سورۃ حج میں ہے وَ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (۲۲/۷۸) ۔ ''اس نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی'' ۔ اسکے یہ معنی بھی ہیں کہ دین زبردستی قبول نہیں کرایا جاسکتا ۔ اسے بہ طیب خاطر اختیار کیا جائیگا ۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (۲/۲۵۶) ۔ اور یہ معنے بھی کہ دین میں جن قوانین کی اطاعت کرائی جاتی ہے تو یہ اسلئے نہیں کہ تم سے کوئی بیگار لی جاتی ہے ۔ بلکہ یہ اسلئے ہے کہ خود تمہاری ذات میں وسعت اور استحکام پیدا ہو ۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا (۲/۲۸۶) ۔ ''اللہ کسی نفس کو کسی کام کے لئے مکلف نہیں ٹھہراتا بجز اس کے کہ اس سے مقصد خود اس ذات (نفس) میں وسعت پیدا کرنا ہوتا ہے'' ۔ یاد رکھئے ۔ ''دین میں تنگی نہیں'' سے مراد یہ نہیں کہ آپ دین (نظام) کے اندر بھی رہیں اور اسکے بعد جن باتوں میں آسانی محسوس کریں انہیں مانیں اور جن میں کچھ گرانی نظر آئے انہیں یہ کہکر چھوڑ دیں کہ دین میں تنگی نہیں ۔ جبتک آپ اس نظام کے اندر ہیں

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغبؒ ۔ **** العلم الخفاق ۔

اسکے تمام قوانین و ضوابط کو بہ طیب خاطر ماننا ہوگا۔ جسوقت آپ اسمیں تنگی محسوس کریں اس نظام کے دائرے سے باہر نکل جائیں۔ نظام کے اندر رہتے ہوئے نظام کے ہر حکم اور ضابطہ کی پابندی لازمی ہو گی۔ یہ جبر نہیں بلکہ ایسی پابندی ہے جسے انسان خوش دلانہ اور رضاکارانہ اپنے اوپر خود عائد کرتا ہے۔ یعنی اس کا بہ طیب خاطر دین قبول کر لینا اس امر کا اقرار ہے کہ وہ دین کی عائد کردہ پابندیوں کو اپنے اوپر لازم قرار دیگا۔ دین میں تنگی نہ ہونے سے یہ مراد ہے۔

ح ر د

حَرَدَہٗ ۔ یَحْرِدُہٗ ۔ حَرْداً اس نے اسکا قصد کیا۔ اس نے اسے روکا اور منع کیا۔ اَلْحَرْوُدُ کے معنے الگ تھلگ رہنے کے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے (۱) ارادہ کرنا (۲) غصہ ہونا اور (۳) ایک طرف کو ہو جانا، ہیں۔ رَجُلٌ حَارِدٌ۔ الگ رہنے والا آدمی۔ غضبناک آدمی کو بھی کہتے ہیں*۔ قرآن میں باغ والوں کی مثال کے ضمن میں کہا ہے وَغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قَادِرِیْنَ (۶۸/۲۵)۔ اسکے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے مقصد کی تکمیل پر قادر تھے۔ اور یہ بھی کہ وہ اسکی قوت رکھتے تھے کہ غریبوں اور مسکینوں کو اپنے باغ میں آنے سے روک دیں۔ سباق عبارت کی رو سے دوسرے معنے زیادہ مناسب نظر آتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں نے کہا ہے کہ جن الفاظ میں حاء اور راء اکٹھے آئیں ان میں مشقت اور سختی کا پہلو ہوتا ہے۔ مثلاً اَلْحَرْدُ۔ غضب اور غصہ۔

ح ر ر

اَلْحَرُّ۔ اَلْحَرُوْرُ۔ اَلْحَرَارَۃُ۔ گرمی۔ اَلْحَرُوْرُ۔ (دھوپ کی) تپش (قرآن میں یہ لفظ ظِلٌّ کے مقابلہ میں آیا ہے ۳۵/۲۱)۔ اَلْحَرِیْرُ** ۔ ریشمی کپڑا (۲۲/۲۳)۔ راغب نے لکھا ہے کہ ہر باریک کپڑے کو حَرِیْرٌ کہتے ہیں۔ اس مادہ کے معنی ہیں کسی چیز کا اس انداز سے خالص ہونا کہ اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو**۔

اَلْحُرُّ۔ عَبْدٌ کی ضد ہے۔ مرد آزاد بمقابلہ غلام۔ ہر چیز کا بہترین حصہ۔ عمدہ گھوڑا۔ عام زمین اور ریتیلی زمین میں سے بہترین زمین۔

* تاج و راغب۔ ** تاج۔

حُرُّ كُلِّ اَرْضٍ - هر زمین کا بہترین حصہ - مَاهٰذَا مِنْكَ بِحُرٍّ - یہ بات تمہاری طرف سے اچھی نہیں ہے*

حَرَّ - يَحُرُّ - آزاد ہونا - اَلتَّحْرِيْرُ - (باندی اور غلام کو) آزاد کرنا - تَحْرِيْرُ الْكِتَابِ میں اگرچہ تحریر کے معنے اس اعتبار سے آزاد کرنا ہو سکتے ہیں کہ انسان اپنے خیالات کو ذہن کی قید سے آزاد کرکے صفحہ قرطاس پر لے آتا ہے لیکن صاحب تاج کے خیال میں اس سے مراد کتاب کے حروف کو خوبصورت بنانا اور اسکے اغلاط کو درست کرنا ہیں - یعنی بہتر بنانا -*

تَحْرِيْرُ النَّذَرِ - کسی بچہ کو معبد یا خانقاہ کی خدمت کے لئے وقف کر دینا - سورہ آل عمران میں ہے کہ حضرت مریم کی والدہ نے کہا تھا اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَافِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا (۳/۳۵) - ''جو کچھ میرے پیٹ میں ہے اسے میں نے معبد کی خدمت کے لئے وقف کرنے کی منت مانی ہے'' - اس میں مُحَرَّرٌ کے یہی معنے ہیں - اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ بچہ اپنی ساری عمر اس خدمت کو چھوڑ نہیں سکتا تھا - یعنی وہ عمر بھر کے لئے کنیسہ کی خدمت کے لئے وقف ہو جاتا تھا* - چنانچہ اب بھی عیسائیوں کی (Nuns) کو عمر بھر غیر شادی شدہ رہ کر اپنے آپ کو کلیسا کی خدمت کے لئے وقف رکھنا پڑتا ہے - اس حقیقت کو سامنے رکھنے سے وہ تمام مقامات واضح ہو جاتے ہیں جن میں یہودیوں نے حضرت مریم کو مورد طعن و تشنیع بنایا تھا - حضرت مریم کو کنیسہ کی خدمت کے لئے بطور(Nun) وقف کر دیا گیا تھا - معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت مریم کی والدہ نے انہیں ہیکل کی نذر کیا تھا اس وقت ابھی ہیکل کے دستور میں یہ چیز داخل نہیں تھی کہ ہیکل کی خدمت گار لڑکی کو عمر بھر تجرد کی زندگی بسر کرنی ہوگی - یہودیوں نے بعد میں یہ قاعدہ وضع کر لیا (جو پھر عیسائیوں میں بھی جاری رہا - اور اب تک جاری ہے) حضرت مریم نے خدا کے حکم کے مطابق (انسانوں کے اس خود ساختہ مستبد) قاعدے کو ٹھکراتے ہوئے شادی کر لی اور خانقاہ کو چھوڑ کر تاہل کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی - یہودیوں کے خود ساختہ ضابطۂ خانقاہیت کی رو سے ان کا یہ عمل بہت بڑا جرم تھا اور ''دین'' سے سرکشی کے مرادف - اس لئے یہودیوں کے احبار و رہبان ان کے پیچھے پڑ گئے - یہ تھا حضرت مریم کا جرم - (تفصیل ان امور کی میری کتاب ''شعلۂ مستور'' میں ملے گی)

* تاج

ح ر س

حَرَسَهٗ ۔ یَحْرِسُهٗ وَ یَحْتَرِسُهٗ ۔ اس نے اس کی حفاظت کی ۔ اَلْحَرَسِیُّ ۔ سرکاری چوکیدار اور محافظ ۔ حَرَسَ الرَّجُلُ ۔ اس آدمی نے چوری کی ۔ اَلْحَرِیْسَۃُ ۔ مسروقہ شے * ۔

قرآن کریم میں ہے حَرَساً شَدِیْداً (۷۲/۸) یعنی سخت پہرے دار ۔ حَرَسٌ اور حُرَّاسٌ ۔ حَارِسٌ کی جمع ہے جس کے معنے کسی جگہ کے محافظ کے ہیں ۔ حِرْزٌ ،، سامان کی حفاظت کو کہتے ہیں اور حَرْسٌ جگہ کی حفاظت کو ۔ **

اس میں سختی اور مشقت کا پہلو مضمر ہوگا کیونکہ اس لفظ میں حاء اور رآء اکٹھے آئے ہیں ۔ اور یہ ان کا خاصہ ہے *** ۔

ح ر ص

اَلْحَرْصُ کے معنے ہیں کسی چیز میں چھید کر دینا ۔ کسی چیز کو پھاڑ دینا یا چھیل دینا ۔ جسطرح دھوبی کپڑے کو پتھر پر مار مار کر اس میں سوراخ کر دیتا ہے یا پھاڑ دیتا ہے ۔ چنانچہ ثَوْبٌ حَرِیْصٌ اس طرح پھاڑے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں ۔ اَلْحَارِصَۃُ ۔ اس بادل کو کہتے ہیں جو اپنی بارش سے زمین میں سوراخ کر دے ۔ یا اس کی بالائی سطح کو کھرچ دے ۔ اَلْحَرْصَۃُ ۔ تھنوں کا اسطرح پھٹ جانا کہ دودھ کی دھاریں منتشر ہو کر برتن میں گریں **** ۔

ان بنیادی معانی کے پیش نظر حِرْصٌ ایسی شدید آرزو کو کہتے ہیں (خواہ وہ اچھی چیز کی ہو اور خواہ بری چیز کی) جو دل کے آر پار ہو جائے ۔ دل میں نہ ٹھہرے اور اس کا بار بار اظہار کیا جائے ۔ یعنے نہایت شدید خواہش ۔* ابن فارس نے یہ دونوں اس کے بنیادی معنی لکھے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ (۲/۹۶) ،، تو دیکھیگا کہ ان لوگوں کے دلوں میں زندہ رہنے کی خواہش بہت زیادہ ہے ،، ۔ دوسری جگہ نبی اکرمؐ کے متعلق ہے ۔ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ (۹/۱۲۸) ۔ ازہری نے کہا ہے کہ حَرِیْصٌ عَلَیْکَ کے معنے اہل عرب کے نزدیک حَرِیْصٌ عَلٰی نَفْعِکَ ہوتے ہیں * ۔ یعنے اس کے دل میں

*تاج ۔ ** راغب ۔ *** العلم الخفاق ۔ **** تاج و محیط ۔

تمہاری منفعت کی آرزو نہایت شدید ہے - یعنی عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ (۹/۱۲۸) "جو تمہیں دکھ پہنچتا ہے وہ اس پر شاق گزرتا ہے" منفیانہ پہلو ہے ، اور حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ "وہ تمہاری منفعت کی شدید آرزو رکھتا ہے" اس کا مثبت پہلو۔

ح ر ض

اَلْحَرَضُ - بگاڑ - خواہ جسم میں ہو خواہ عقل میں* - تھکا ہوا کمزور آدمی جو بالکل تباہی کے قریب ہو نیز جسے غم وعشق نے گھلا ڈالا ہو (۱۲/۸۵)** - ناقابل اعتناء چیز جسمیں کوئی خوبی باقی نہ رہ گئی ہو*** - اَلْحَرِضُ - جو شخص بیماری کی وجہ سے بہت کمزور اور نڈھال ہو چکا ہو۔ اور ازکار رفتہ*۔

راغب نے کہا ہے کہ تَحْرِیْضٌ کے معنے اِزَالَۃُ الْحَرَضِ کے ہیں - یعنے کسی کی کمزوری ، لاغری یا خرابی کو دور کر دینا - جیسے مَرَّضْتُہٗ کے معنے مرض دور کرنے کے ہوتے ہیں*** - لہذا حَرَّضَ کے معنی ہیں کسی شخص کو ایسے کام کے لئے برانگیختہ کرنا جو اس کے لئے حیات بخش ہو اور اگر وہ اسے نہ کرے تو اسکی ہلاکت کا خوف ہو۔ قرآن میں نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ (۸/۶۵) - اسکے عام معنی ہیں "تو انہیں جنگ کیلئے برانگیختہ کر" - لیکن اسکے اصلی معنے ہونگے تو ان مومنین (یعنی اپنے رفقاء) کی تمام کمزوریوں اور کمیوں کو دور کردے تاکہ وہ جہادِ زندگی میں مردانہ وار شریک ہونے کے قابل ہو جائیں - اسی کا نام تزکیہ ہے - وَیُزَکِّیْہِمْ (۶۲/۲) یعنے نشو و نما دینا - بالیدگی اور نمو پیدا کرنا - کمزوری اور کمی کو رفع کرنا اس پروگرام کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے -

ح ر ف

حَرْفٌ - کسی چیز کا سرا ، کنارہ یا حد - حَرْفُ الْجَبَلِ - پہاڑ کا اوپر کا حصہ جو ایک طرف کو نکلا ہوا ہو - فُلَانٌ عَلٰی حَرْفٍ مِنْ اَمْرِہٖ - وہ شخص اپنے معاملہ میں ایک کنارہ پر کھڑا انتظار کر رہا ہے کہ جس طرف جانے میں اسے فائدہ نظر آئے اسی طرف چلا جائے* - چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ (۲۲/۱۱) - اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ احکام خداوندی کی اطاعت کے معاملہ میں ایک

* تاج - **محیط - ***راغب -

کنارہ پر کھڑے رہتے ہیں کہ اگر ان کی اطاعت میں فائدہ ہو تو یوں کر لیا جائے اور اگر انہیں چھوڑنے میں فائدہ نظر آئے تو چھوڑ دیا جائے۔ حَرَّفَ الشَّیْئَ عَنْ وَجْهِهٖ کے معنے ہیں کسی چیز کو اس کے صحیح رخ سے پھیر دیا۔ بدل دیا۔ اَلتَّحْرِیْفُ۔ تغیر و تبدل کر دینا۔ خواہ یہ لفظی ہو خواہ معنوی۔ قلم پر ٹیڑھا قط لگانا۔ اِنْحَرَفَ۔ ایک کنارہ کی طرف جھک جانا، ٹیڑھا ہو جانا*۔ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ (۲/۷۵)۔ ''کلام اللہ کو سمجھ لینے کے بعد اس میں تغیر و تبدل کر دیتے ہیں''۔

حَرَفَ لِعِیَالِهٖ۔ اس نے اپنے اہل و عیال کیلئے کمائی کی*۔ اَلْحِرْفَةُ۔ صنعت اور پیشہ جس سے انسان اپنی معاش پیدا کرے۔ حَرِیْفُکَ کمہارا ہم پیشہ**۔ (ہم پیشہ لوگوں میں باہمی چشمک کی وجہ سے یہ لفظ ہمارے ہاں مدمقابل یا دشمن کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے)۔ اَلْمُحَارَفُ۔ وہ شخص جو حصول معاش کیلئے بڑی محنت کرے لیکن اسکے باوجود اسکی آمدنی اسکے اہل و عیال کے گذارہ کیلئے کافی نہ ہو**۔ اَلْمُحَرَّفُ۔ وہ شخص جس کا مال جاتا رہا ہو**۔ لہذا تحریف کے معنی اسطرح کی توجیہ و تاویل کرنا ہونگے جس سے اس کی وہ روح جاتی رہے جو در اصل اس کا رأس المال ہے۔ خواہ یہ تحریف، الفاظ کے رد و بدل سے ہو یا مفہوم کی تبدیلی سے۔ اہل کتاب نے اپنی آسمانی کتابوں میں جو تحریف کی ہے اس کے متعلق سورۃ نساء میں ہے یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (۴/۴۶) ''وہ کلمات کو ان کے مقامات سے ہٹا دیتے ہیں''۔ نیز (۵/۱۳)۔ اس سے تحریف لفظی بھی مراد ہو سکتی ہے اور تحریف معنوی بھی۔ اور سورۃ بقرہ میں ہے یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ . . . . (۲/۷۹) ''یہ لوگ الکتاب کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے'' اس سے تحریف لفظی مراد ہے۔ یہود و نصاریٰ دونوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں جس بری طرح سے تحریف کی ہے اس کی تفصیل میری کتاب ''معراج انسانیت'' کے پہلے باب ''ظہرالفساد'' میں ملیگی۔ ان کی کوئی کتاب اپنی اصلی شکل میں کہیں موجود نہیں۔

ح ر ق

حَرَّقَ الْحَدِیْدَ بِالْمِبْرَدِ۔ لوہے کو ریتی سے گھسا۔ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں (ابن فارس)۔ چونکہ اس سے حرارت پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کے

* تاج۔ ** تاج و محیط۔

معنے آگ میں ڈال کر جلا دینے کے ہیں۔ اَلْتَحَرَّقُ ۔ آگ کا شعلہ یا آگ۔ اَلْتَحَرْفَقُ ۔ آگ ۔ اَلْتَحِرِقُ مِنَ السَّحَابِ ۔ سخت بجلیوں والا بادل۔* اَلْتَحِرِیْقُ ۔ آگ ***۔ نیز جلنا ۔****

سورۃ آل عمران میں ہے ذُوْقُوْا عَذَابَ اَلْتَحْرِیْقِ (۳/۱۸۰)۔ ''سب کچھ جلا کر تباہ کر دینے والا عذاب چکھو،، ۔ سورۃ انبیاء میں حضرت ابراھیمؑ کے متعلق ہے قَالُوْا حَرِّقُوْهُ (۲۱/۶۸)۔ ''انہوں نے کہا کہ اسے جلا ڈالو'' ۔ اِحْتَرَقَ ۔ جل جانا (۲/۲۶۶)۔

چونکہ اس لفظ میں حاء اور راء اکٹھے آئے ہیں اس لئے اس کے مفہوم میں مشقت اور سختی کا پہلو ہوگا۔ یہی اس کا خاصہ ہے ۔**

ح ر ک

حَرَّکَ ۔ یُحَرِّکُ ۔ حَرْکًا وَحَرَکَۃً ۔ ہلا ، حرکت کی (سکون کی ضد ہے) ۔ حَرَّکْتُہٗ فَتَحَرَّکَ ۔ میں نے اسے حرکت دی ۔ پس وہ متحرک ہو گیا۔ یہ صرف مادی چیزوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لئے آتا ہے ۔ بعض اوقات تَحَرَّکَ کَذَا اس موقعہ پر بھی بولتے ہیں جب کسی چیز میں کچھ تغیر ہو جائے۔ یعنی اس کے اجزاء میں کمی بیشی ہو جائے۔*

قرآن کریم میں نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے لَاتُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ (۷۵/۱۶)۔ ''اس کے لفظی معنی ہیں تو اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت مت دے، تاکہ اسے جلدی لے لے،، اس کا مفہوم عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ حکم قرآن کریم کے متعلق ہے اس لئے کہ دوسرے مقام پر ہے ،، وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْکَ وَحْیُہٗ (۲۰/۱۱۴) یعنی جب تک (کسی ایک معاملہ کے متعلق) وحی کی پوری تعلیم سامنے نہ آ جائے اس کے عملی پروگرام میں عجلت مت کرو۔ عملی قدم اس وقت اٹھاؤ جب سارا پروگرام واضح طور پر سامنے آ جائے۔ لیکن (۷۵/۱۶) سے پہلے قرآن کا ذکر نہیں۔ انسان اور اس کے اعمال کا ذکر ہے۔ اس صورت میں ، اس آیت سے نیا مضمون شروع ہوتا ہے ۔ اگر ربط مضمون پیش نظر ہو تو یہ سمجھنا ہوگا کہ یہاں خطاب خود انسان سے ہے اور بات بھی اس کے اعمالنامہ سے متعلق ہے۔ (اس کی تشریح '' مفہوم القرآن ،، میں کی جائیگی کیونکہ وہی اس کا صحیح مقام ہے ۔)

* تاج ۔ ** العلم الخفاق ۔ *** راغب ۔ **** محیط ۔

ح ر م

حَرَمَہٗ الشَّیْئَ حَرْمًا وَ حِرْمَانًا ۔ اس سے کسی شے کو روک لینا ۔ اس شے کو اس تک پہنچنے نہ دینا۔ لہذا اس کے بنیادی معنے شدت کے ساتھ روک دینے یا ممانعت کر دینے کے ہیں ۔ (ابن فارس) اَلْحَرَامُ ۔ تمام وہ چیزیں جن کی ممانعت کردی گئی ہو ۔ جنکے کرنے سے روک دیا گیا ہو ۔ یہ اَلْحَلَالُ کی ضد ہے جسکے معنے ہیں رسیاں کھول کر رکاوٹ اور بندش کا دور کردینا ۔ اَحْرَمَ الْحَاجُّ ۔ حاجی اس حالت میں پہنچ گیا جہاں اس پر کئی ایک ایسی چیزیں ممنوع ہو گئیں جنہیں وہ پہلے کر سکتا تھا ۔ اسی کو حالت اِحْرَامٌ کہتے ہیں ۔ اَلْحَرِیْمُ ۔ ہر حرام کی ہوئی ممنوع چیز ۔ ہر جگہ جس کی حمایت و حفاظت لازمی ہو ۔ نیز ایام جاہلیت میں ان کپڑوں کو کہتے تھے جنہیں وہ لوگ طواف کعبہ کے وقت اتار دیا کرتے تھے اور ننگے حج کیا کرتے تھے ۔ یعنے ان کپڑوں کا پہننا ممنوع تھا ۔ اسی طرح اَشْھُرٌ الْحُرُمِ ۔ وہ (چار) مہینے (رجب ۔ ذوالقعدہ ۔ ذوالحجۃ اور محرم) تھے جن میں جنگ کی ممانعت تھی* ۔

روکنے کے اعتبار سے حَرِیْمُ الدَّارِ ، مکان کے اس اندرونی حصہ کو کہتے ہیں جو حدبندی کرکے مکان میں داخل کر لیا گیا ہو* ۔

اَلْمَحْرُوْمُ ۔ وہ ہے جسکی ضروریات رک جائیں ۔ جسکے پاس کچھ نہ رہے* ۔ اصل میں اس میں مشقت کا پہلو مضمر ہے ۔ اس لئے کہ حَرَمٌ میں حاء اور راء اکٹھے آئے ہیں ۔ اور ان کا خاصہ ہے کہ جس لفظ میں یہ اکٹھے آئیں اس میں مشقت اور سختی پائی جائے**۔ اسی لئے اس کے بنیادی معنی شدت کے ساتھ روکنے کے ہیں ۔ اَلْحُرْمَۃُ کے معنے ہیں وہ کام جس کا کرنا جائز نہ ہو ۔ وہ پابندی جسکے توڑنے کی ممانعت ہو ۔ نیز وہ ذمہ داری جس کی حفاظت لازمی ہو ۔ وہ کام جسکا کرنا ضروری ہو* ۔ قرآن میں جہاں ہے تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِکُوْا بِہٖ ۔ . . . . (۶/۱۵۲) ۔ تو وہاں اسکے معنے یہی ہیں کہ یہ وہ باتیں ہیں جو اللہ نے تم پر واجب قرار دی ہیں ۔ جنکی خلاف ورزی سے تمہیں روکا گیا ہے ۔

سورۃ انبیاء میں ہے وَ حَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۔ (۲۱/۹۵) ۔ جو قوم ہمارے قانون مکافات کے مطابق تباہ و برباد

*تاج و محیط ۔ ** العلم الخفاق ۔

ہو جاتی ہے اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ پھر زندہ نہ ہو سکے* - یعنے اسکی بازآفرینی اسکے لئے ناممکن ہو جاتی ہے - یہ قوموں کی وہ آخری تباہی ہے جو مہلت کے وقفہ کے بعد عمل میں آجاتی ہے اور جس سے وہ قومیں پھر ابھر نہیں سکتیں - لیکن اگر اس آیت کو اس کے بعد کی آیت سے ملایا جائے جو حتّٰی سے شروع ہوتی ہے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ انکی بازآفرینی اسوقت ممکن ہوتی ہے جب وہ صورت پیدا ہو جائے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے - یا اس آیت کے معنے یہ ہونگے کہ جب ہم نے بستیوں کو ہلاک کیا تھا تو ان پر یہ سزا اس لئے واجب ہوئی تھی (حَرَامٌ عَلٰی) کہ وہ کسی طرح بھی خدا کے قانون کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے - یعنی کوئی قوم مستحق ہلاکت اسوقت ہوتی ہے جب اس میں "رجعت الی اللہ" کی صلاحیت نہیں رہتی - (اس صورت میں اگلی آیت میں حتّٰی زائد ہوگا)

حُرُمٌ - حالت احرام میں (۵/۱) - اَلْحُرُمَاتُ - جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے (۲/۱۹۴) -

مَحْرُوْمٌ - جو کسی چیز سے روک دیا گیا ہو - جسکه اپنی محنت کے ماحصل سے بھی - (۵۱/۱۹) - جسکی ضروریات زندگی پوری نہ ہوتی ہوں (۵۶/۱۲) مُحَرَّمٌ - جو حرام یا ممنوع قرار دیا گیا ہو (۲/۸۵) - جسے واجب التحریم یا واجب الاحترام بنایا گیا ہو (۱۲/۳۶) -

حرام و حلال - چونکہ حرام اور حلال کے سوال کو مذہب (اور دین) میں بڑی اہمیت حاصل ہے - ایسی اہمیت کہ بعض اوقات یہی شے ایک مذہب اور دوسرے مذہب میں امتیازی نشان بن جاتی ہے - اس لئے اس کے متعلق تفصیلی گفتگو ضروری ہے -

اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے - اس کے ارشاد کے مطابق ہر ابن آدم - ہر انسان - محض انسان ہونے کی جہت سے واجب التکریم ہے - (وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ - ہم نے بنی آدم کو تکریم عطا کی ہے (۱۷/۷۰) اس لئے اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنا محکوم بنائے - اس پر اپنی مرضی چلائے -

* ابن قتیبہ نے بھی لکھا ہے کہ لا یرجعون میں لا زائد ہے - یا حرام کے معنی واجب کے ہیں - (القرطبین ج/۱ص ۱۳۴ ; ج/۲ص ۲۶) دوسرے معنی صحیح ہیں - لا زائد نہیں مانا جا سکتا -

اسے اپنے احکام کے تابع رکھے ۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ .... (۳/۷۹) ”کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں ، خواہ اللہ نے اسے ضابطۂ قوانین ۔ یا حکومت یا نبوت ہی کیوں نہ دی ہو ۔ کہ وہ دوسرے انسانوں سے کہے کہ تم اللہ سے ورے میری محکومیت اختیار کرو“ ۔ لہذا قرآن کریم کی رُو سے کسی انسان کو اس کا اختیار نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کی آزادی پر کسی قسم کی پابندی لگائے ۔

لیکن زندگی میں بعض پابندیوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے ۔ ان پابندیوں کی مختلف قسمیں ہیں ۔ مثلاً

(الف) ڈاکٹر مریض سے کہہ دیتا ہے کہ تم اتنے دنوں تک گوشت نہیں کھانا ۔ ظاہر ہے ڈاکٹر کے اس فیصلہ کی پابندی ، کسی کے حکم کی اطاعت نہیں ۔ یہ اس کا ایک فنی مشورہ اور مشفقانہ ہدایت ہے جسے ماننا یا نہ ماننا ہمارے اپنے بس کی بات ہے ۔ اسے ماننے سے ہمارا بھلا ہوگا ۔ نہ ماننے سے نقصان ہوگا ۔ ہم اسے بطیب خاطر مانتے ہیں ۔ اِس سے ہماری آزادی سلب نہیں ہوتی ۔

(ب) ہمارے ملک کی مجلس قانون ساز جو ہمارے نمائندوں پر مشتمل ہے ، ایک قانون بناتی ہے اور حکومت اسے نافذ کرتی ہے (مثلاً یہ قانون کہ سڑک پر بائیں ہاتھ چلو) اس قانون کی پابندی بھی درحقیقت کسی دوسرے کے حکم کی پابندی نہیں ۔ ہمارے اپنے ہی فیصلہ کی پابندی ہے ۔ لہذا اس سے بھی ہماری آزادی سلب نہیں ہوتی ۔

لیکن اس کے برعکس ، ایک شخص کہتا ہے کہ اسلام کی رُو سے فلاں چیز کا استعمال حرام ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ شخص نہ صرف اپنے زمانے کے کروڑہا مسلمانوں پر پابندی لگاتا ہے بلکہ قیامت تک آنے والی اُمّت مسلمہ کو اس حکم کی زنجیر میں اس طرح جکڑتا ہے کہ جو شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں مجرم قرار پاتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی شدید پابندی کے لئے کوئی واضح اور متعین سند (Authority) ہونی چاہئے ۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے یہ اتھارٹی کیا ہے ؟

قرآن کریم نے اس قسم کی پابندی کے لئے ”حرام“ کا لفظ استعمال کیا ہے جو ”حلال“ کی ضد ہے ۔ حلال کے معنی ہیں ، رسیاں کھول کر آزاد کر

دینا۔ اس لئے حرام کے بنیادی معنی ہوئے کسی کو کسی بات سے روک دینا۔ منع کر دینا۔ اس پر پابندی لگا دینا۔ قرآن کریم نے حرام اور حلال کے بارے میں واضح احکام دیئے ہیں۔

اس نے سب سے پہلے اصول یہ بیان کیا ہے کہ خوشگوار سامانِ رزق کی ہر شے حلال ہے بجز ان کے جنھیں اللہ نے حرام قرار دیا ہو۔ سورۂ بقرہ میں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ..... (۲/۱۷۲-۱۷۳)

اے ایمان والو! جو کچھ اللہ نے بطور رزق دیا ہے اس میں سے طیبات (خوشگوار چیزوں) کو کھاؤ۔ اور اللہ کا شکر کرو۔ اگر تم صرف اسی کی حکومی اختیار کرتے ہو۔ اس نے تم پر صرف مردار اور خون* اور سور کا گوشت اور جسے اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے پکارا جائے، حرام کیا ہے۔

یہاں صرف کھانے کی چیزوں کا ذکر ہے۔ سورۃ اعراف میں ان کے ساتھ اشیائے مستعملہ کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ فرمایا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ..... (۷/۳۲)

(ان سے) کہو کہ وہ کون ہے جس نے زینت کی چیزوں کو جنھیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور خوشگوار سامان زیست کو حرام قرار دیا ہے؟

اس سے آگے ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ..... (۷/۳۳)

ان سے کہو کہ میرے رب نے صرف بے حیائی کی باتوں کو حرام قرار دیا ہے۔ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔

---

* سورہ انعام میں دماً مسفوحاً کہہ کر اس کی تصریح کردی کہ صرف بہتا ہوا خون حرام ہے۔ (۶/۱۴۵)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ

(i) کسی شے کو حرام قرار دینے کا اختیار صرف خدا کو حاصل ہے۔

(ii) خدا کے علاوہ اس کا حق کسی اور کو حاصل نہیں۔

(iii) اس نے زینت کی کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا۔

(iv) اشیائے رزق میں سے جنہیں حرام قرار دیا ہے ان کی خود ہی تصریح کر دی ہے۔

ہم نے دیکھ لیا کہ انسانوں پر کسی شے کو حرام قرار دینے کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔ لیکن خدا ہر شخص سے براہ راست کلام نہیں کرتا اس لئے اس نے حرام و حلال کے متعلق اپنے فیصلے وحی کی رو سے دئیے جو رسول اللہؐ پر نازل ہوئی تھی۔ سورۃ انعام میں ہے۔

قُلْ لَآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ ... (۶/۱۴۶)

(اے رسول ان سے) کہدو کہ جو کچھ میری طرف وحی کیا گیا ہے میں اسمیں کسی چیز کو جو کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا۔ سوائے (مردار، بہتے خون، لحم خنزیر اور اسکے جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام سے پکارا گیا ہو)

اس سے ظاہر ہے کہ خدا نے حرام و حلال کا فیصلہ اس وحی کی رو سے کردیا ہے جو نبی اکرمؐ کی طرف نازل ہوئی تھی۔ یہ وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ سورۃ حج میں ہے۔

وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ ... (۲۲/۳۰)

اور تمہارے لئے چوپائے حلال ہیں بجز ان کے جن کے متعلق تمہیں اس وحی کی رو سے بتادیا گیا ہے جو تمہیں پڑھ کر (سنائی) جاتی ہے۔

یہ "مَا یُتْلٰی" وہ وحی تھی جو 'الکتاب' میں تھی۔ سورۃ عنکبوت میں ہے اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ (۲۹/۴۵) "اسے پڑھ جو تیری طرف کتاب میں سے وحی کیا گیا ہے"۔ یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق سورۃ آل عمران کی اس آیت میں جس کا پہلا حصہ سابقہ صفحات میں درج کیا گیا ہے

کہہ دیا کہ خدا کی محکومی اختیار کی جاتی ہے۔ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ (۳/۷۹)۔ اس کتاب کے ذریعے جس کی تم تعلیم و تدریس کرتے ہو"۔ سورۃ نمل میں واضح الفاظ میں بتادیا کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ إِنَّمَا أُمِرْتُ ..... أَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ ... (۲۷/۹۱) "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت* کروں"۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کی رو سے

(i) کسی شے کو حرام قرار دینے کا حق صرف خدا کو حاصل ہے اور
(ii) اسے جو کچھ حرام قرار دینا تھا اسے قرآن میں بتا دیا ہے۔

یہ تو رہا اس موضوع کا مثبت پہلو۔ یعنی کسی شے کو حرام قرار دینے کی اتھارٹی کون ہے؟ اب یہ دیکھئے کہ قرآن کریم نے اس حقیقت کو کس طرح واضح کیا ہے کہ یہ اتھارٹی خدا کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔

ہم سورۃ اعراف کی وہ آیت پہلے درج کر چکے ہیں جس میں پوری تحدّی سے کہا گیا ہے کہ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (۷/۳۲) "ان سے کہو کہ وہ کون ہے جو زینت کی اشیاء کو جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور خوشگوار سامانِ رزق کو حرام قرار دیتا ہے؟" اس سے ظاہر ہے کہ خدا کے علاوہ اور کسی کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ کسی شے کو حرام قرار دیدے۔ اس بارے میں، اور تو اور، خود نبی اکرمؐ سے کہا گیا کہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ..
.... (۶۶/۱)

اے نبی جس چیز کو اللہ نے تیرے لئے حلال قرار دیا ہے،
تو اسے حرام کیوں قرار دیتا ہے؟

اس وقت ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ وہ کیا چیز (یا بات) تھی جسے نبی اکرمؐ نے اپنے اوپر ممنوع قرار دے لیا تھا (اس لئے کہ یہ گوشہ ہمارے زیرِ نظر موضوع سے خارج ہے)۔ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حق نبی اکرمؐ کو بھی نہیں دیا کہ، دوسرے انسانوں پر کسی چیز کو حرام قرار دینا تو ایک طرف، خود اپنی ذات پر بھی کسی ایسی شے کو ممنوع قرار دے لیں جسے اللہ نے حلال قرار دیا تھا۔

*تلاوت کے معنی پیروی کرنے کے بھی ہیں۔

اس مقام پر ضمناً ایک نقطہ کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ قرآن میں حلال اشیاء کے ساتھ طَیِّبًا کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ بقرہ میں ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ..... (۲/۱۶۸) ''اے نوع انسانی! زمین کی پیداوار جو تم پر حلال کی گئی ہے۔ اسے طیّب انداز سے کھاؤ'' طیب کے معنی ہیں خوشگوار۔ پاکیزہ۔ مفید۔ نفیس۔ یعنی یہ نہیں کہ ہر حلال شے کا کھانا تم پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے تم اپنے ذوق اور پسند کے مطابق جسے اچھا سمجھو کھاؤ۔ جو ناپسند ہوں انہیں مت کھاؤ۔ اس میں انفرادی ذوق، میلان طبع، طبی ضرورت اور دیگر تضمنات کی رعایت رکھ دی گئی ہے۔

لیکن نبی اکرمؐ کے بارے میں اس رعایت میں بھی خاص احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے۔ یہ اس لئے کہ (مثلاً) زید کسی ایسی چیز کو چھوڑ دیتا ہے جو اسے ناپسند ہے، اس کے فیصلے کا اثر اس کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ لیکن اگر نبی کسی ناپسندیدہ چیز کو چھوڑ دیتا ہے اور اس طرح چھوڑ دیتا ہے گویا اس نے اسے اپنے اوپر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے لیا ہے، تو اس کے نتائج بہت دور رس ہوسکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حقیقت سے ناواقف، یا عقیدتمندی میں افراط کی طرف چلے جانے والے، یہ سمجھ کر کہ اُس چیز میں کوئی دینی قباحت ہوگی، اسے اپنے اوپر مستقلاً حرام قرار دے لیں اور اس طرح، بالواسطہ (Indirectly) ہی سہی، خدا کی حلال کردہ شے، لوگوں پر حرام قرار پا جائے۔ پہلی قوموں میں ایسا ہو چکا تھا۔ اس لئے نبی اکرمؐ کی توجہ اس طرف خاص طور پر مبذول کرائی گئی۔ قرآن میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے کسی شے کو اپنے لئے ممنوع قرار دے لیا۔ ان کا یہ فیصلہ محض انفرادی تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے اسے خدائی حکم سمجھ کر اس شے کو اپنے اوپر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے لیا۔ حتّٰی کہ جب انہوں نے دیکھا کہ قرآن میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے ان میں اس شے کا ذکر نہیں تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا کہ جس چیز کو پہلے (ان کے غلط خیال کے مطابق) ''خدا نے حرام قرار دیا تھا،، اسے اب قرآن میں کیوں حلال قرار دیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ (۳/۹۳) ''یہ تمام کھانے (جواب مسلمانوں کے لئے حلال قرار دئے گئے ہیں) بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھے سوائے اس کے جسے، تورات نازل ہونے سے پہلے، اسرائیل (یعقوبؑ) نے

اپنے آپ پر ممنوع قرار دے لیا تھا"۔ وہ چیز خدا کی طرف سے حرام قرار نہیں دی گئی تھی۔ حضرت یعقوبؑ نے اسے، (کسی وجہ سے) از خود اپنے آپ پر ممنوع قرار دے لیا تھا۔ یہودی یہ سمجھ بیٹھے کہ خدا کے نبی نے جو اسے اپنے آپ پر ممنوع قرار دے لیا تھا تو وہ خدا کی طرف سے حرام کی گئی ہوگی۔ اس واقعہ کے پیش نظر، اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ سے خاص طور پر کہہ دیا کہ آپ نے اس چیز کو محض ذاتی بے رغبتی یا کسی اور وجہ سے چھوڑ دیا اور اسے ایک معمولی بات سمجھا (عام حالات میں یہ بات ہے بھی معمولی سی) لیکن ہوسکتا ہے کہ (یہودیوں کی طرح) آپ کی امت کے افراط پسند لوگ اسے حرام کی فہرست میں داخل کرلیں۔ اسلئے آپ کے لئے ان معاملات میں خاص طور پر محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

اس سے بھی واضح ہے کہ اگر نبی، اپنے ذاتی میلان یا مصلحت کی بنا پر کسی حلال شے سے مجتنب رہے تو اس کے اتباع میں اس شے کو حرام سمجھ لینا، صحیح نہیں۔ حرام وہی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہو۔

یہ بحث ناتمام رہ جائے گی اگر ہم اس کے ساتھ سورۃ اعراف کی اس آیت کو بھی سامنے نہ لائیں جس کا صحیح مفہوم سامنے نہ ہونے کی وجہ سے انسان ایک بنیادی غلطی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اُس سورت میں نبی اکرمؐ کی خصوصیات کبریٰ کے ضمن میں فرمایا کہ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (۷/۱۵۷) "وہ ان کے لئے طیبات کو حلال قرار دے گا اور خبائث کو حرام ٹھیرائے گا"۔ اس آیت سے یہ استنباط کیا جاتا ہے کہ حلال و حرام قرار دینے کا اختیار نبی اکرمؐ کو بھی حاصل تھا۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ جب

(i) اللہ تعالیٰ قرآن کے متعدد مقامات میں یہ کہتا ہے کہ حلت و حرمت کا حق صرف خدا کو ہے اور

(ii) خود نبی اکرمؐ سے یہ نص صریح کہتا ہے کہ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (۶۶/۱) "جس چیز کو اللہ نے تیرے لئے حلال قرار دیا ہے تو اسے حرام کیوں قرار دیتا ہے"۔

تو اس کے بعد یہ سمجھنا بنیادی طور پر غلط ہے کہ حلت و حرمت کا اختیار نبی اکرمؐ کو بھی تھا۔ اصل یہ ہے کہ جو امور وحی کی رو سے بیان ہوئے ہیں قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ انہیں کبھی اللہ کی طرف منسوب کردیتا ہے اور

کبھی رسول کی طرف (کیونکہ لوگوں تک وہ احکام رسول ہی کی وساطت سے پہنچے تھے) اور مراد دونوں جگہ خدا کی وحی (یعنی قرآن کریم) ہوتا ہے، سورۃ بقرہ میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے جہاں ایک جگہ کہا ہے کہ وَ لَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ ۔۔۔۔ (۲/۸۹) "جب ان کی طرف اللہ کے ہاں سے ایک کتاب آئی جو ان باتوں کو سچ کر دکھانے والی تھی جو ان کے پاس تھیں"۔ اور دوسری جگہ ہے وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ (۲/۱۰۱) دیکھئے۔ الفاظ دونوں آیتوں میں وہی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک جگہ کتاب ہے اور دوسری جگہ رسول۔ اس سے ظاہر ہے کہ جہاں تک احکام و ہدایات کا تعلق ہے، خدا، وحی، کتاب، رسول۔ ایک ہی حقیقت کے مختلف گوشے ہیں۔

اس بنیادی اصول کے بعد، اب آیتِ زیر نظر کو دیکھئے یہاں رسول کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (۷/۱۵۷) یعنی رسول ان کے لئے طیبات کو حلال کرتا ہے اور خبائث کو حرام قرار دیتا ہے۔ لیکن سورۂ مائدہ میں ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللهُ لَكُمْ (۵/۸۷) "اے ایمان والو جن طیبات کو اللہ نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے انہیں حرام مت کرو۔" یہاں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ طیبات کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے۔ (اسی) سورۂ اعراف میں ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ ۔۔۔ (۷/۳۳) "اے رسول! ان سے کہہ دے کہ حقیقت یہ ہے کہ میرے رب نے تو صرف فواحش حرام کئے ہیں"۔ یہاں خود رسول اللہ ؐ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا ہے کہ کسی شے کو حرام قرار دینا خدا کا کام ہے۔ اسی طرح سورۂ بقرہ میں ہے وَاَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا (۲/۲۷۵) اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربٰو کو حرام"۔

لہٰذا، قرآن نے جہاں حلت و حرمت کو رسول اللہ ؐ کی طرف منسوب کیا ہے اس سے بھی مراد خدا کی وحی ہے جو قرآن میں محفوظ ہے۔

اس سلسلہ میں سورۂ توبہ کی اس آیت کا صحیح مفہوم سمجھ لینا بھی ضروری ہے جس میں کہا گیا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔۔۔ (۹/۲۹)

(اہل کتاب میں سے) جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے جسے حرام ٹھہرایا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے۔ ان سے جنگ کرو۔

اس آیت سے بھی یہ مستنبط کیا جاتا ہے کہ حرام قرار دینے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول دونوں کو ہے۔ اس آیت میں ،، یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ ،، سے مراد حرام قرار دینا نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حرام کا لفظ کسی بات کو واجب اور لازم قرار دینے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن باتوں کو اللہ اور اس کا رسول واجب قرار دیتے ہیں (ان کے کرنے کا حکم دیتے ہیں) یہ انہیں اپنے اوپر واجب نہیں قرار دیتے۔ یہ لوگ اسلامی نظام کے اندر رہتے ہوئے اس کے قوانین سے انحراف کرتے ہیں۔ ان سے جنگ کی جائے گی تا آنکہ یہ اپنی اس روش کو چھوڑ کر، اسلامی حکومت کی رعایا کی حیثیت سے رہنے پر رضا مند ہو جائیں۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے

(۱) حرام و حلال کا اختیار صرف خدا کو ہے۔

(۲) جن چیزوں کو یا امور کو خدا نے حرام قرار دینا تھا ان کی تصریح قرآن میں کر دی گئی ہے۔

(۳) خدا کے علاوہ یہ اختیار کسی اور کو نہیں۔

قرآن کریم نے اس بات کو سنگین جرم قرار دیا ہے کہ جن چیزوں کو خدا نے حلال قرار دیا ہے (یعنی حرام نہیں ٹھیرایا) انہیں حرام قرار دیدیا جائے۔ اس نے تاکیداً کہہ دیا کہ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (۵/۸۷)

اے ایمان والو! وہ پاکیزہ چیزیں جنہیں اللہ نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے انہیں حرام مت ٹھہراؤ۔ اور (اس طرح) حد سے نہ بڑھو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یعنی حلال کو حرام قرار دینا، انسان کا اپنے اختیارات کی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔ اس لئے کہ جیسا کہ شروع میں کہا جا چکا ہے کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کی آزادی کو سلب کرے۔ دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ تاکید کے ساتھ کہا کہ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ..... (۱۶/۱۱۶)

اور جو تمہاری زبانیں بونہی جھوٹ بیان کر دیتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تاکہ اللہ پر محض بہتان باندھو۔ ایسی بات مت کیا کرو۔

یہاں قرآن کریم نے بتایا کہ جو مذہبی پیشوا حرام و حلال کی فہرستیں تیار کرنے بیٹھ جاتے ہیں دل سے وہ بھی جانتے ہیں کہ یہ اختیار خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ (یا وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے ایسے حرام قرار دیا ہے تو لوگ ایسے مانیں گے نہیں) اس لئے وہ یہ نہیں کہتے کہ ان چیزوں کو ہم نے حرام یا حلال ٹھہرایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سب "شریعتِ خداوندی" کے مطابق ہے۔ اس طرح یہ لوگ خدا کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو اس نے کبھی نہیں کہیں۔ یہ افتراء ہے۔ کذب ہے۔ بہتانِ عظیم ہے۔ ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (۱۰/۵۹)

ان سے کہو کیا تم اس پر غور کرتے ہو کہ اللہ نے جو کچھ تمہارے لئے بطور رزق نازل کیا ہے، تم اس میں سے کسی کو حرام قرار دیتے ہو کسی کو حلال۔ ان سے پوچھو کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دے رکھی ہے (کہ جسے چاہو حرام قرار دے دو اور جسے چاہو حلال کر دو) یا تم اللہ پر افترا باندھتے ہو۔

قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ اللہ نے کسی انسان کو اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ خدا پر افترا باندھتا ہے۔

قرآن یہ بھی بتاتا ہے، کہ بعض (حلال) چیزیں یہودیوں پر بطور سزا حرام قرار دیدی گئی تھیں۔ سورۃ انعام میں ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ...
ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ..... (۶/۱۴۶)

اور ہم نے یہودیوں پر سب ناخن والے جانور (پرندے) حرام قرار دیدئے تھے۔ اور گائے اور بکریوں کی چربی بھی حرام کر دی تھی بجز اس کے جو ان کی پیٹھ کے ساتھ یا انتڑیوں کے ساتھ یا ہڈی کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے انہیں ان کی بغاوت کی سزا دی تھی۔

سورۂ نساء میں ہے

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ .... (۴/۱۶۰)

یہودیوں کی زیادتی کی وجہ سے ہم نے ان پر وہ خوشگوار چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں، حرام قرار دیدیں۔

(اس کے بعد ان کی ان زیادتیوں کی تفصیل دی گئی ہے جن کی سزا کے طور پر ان پر حلال چیزیں حرام قرار دی گئی تھیں۔ سورۂ نحل میں کہا گیا ہے کہ یہ حکم خدا کی طرف سے ظلم نہیں تھا۔ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا تھا جو اس سزا کے مستوجب قرار پا گئے (۱۶/۱۱۸)۔ اس سے ظاہر ہے کہ جن چیزوں کو خدا نے حرام قرار نہیں دیا انہیں حرام قرار دیدینا، لوگوں کو سزا دینا ہے۔ یہودیوں کو اس سزا سے نجات دلانے کے لئے حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے۔ چنانچہ آپؑ نے ان سے کہا کہ میری بعثت کا مقصد یہ ہے

وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ....
... (۳/۴۹)

تاکہ جو چیزیں تم پر حرام قرار دیدی گئی ہیں ان میں سے بعض کو حلال قرار دوں۔

یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت کی اور اسطرح اپنی سزا کی زنجیروں کو خود اپنے ہاتھوں سے مضبوط کرلیا۔ آپ کے بعد نبی اکرمؐ تشریف لائے اور اللہ تعالےٰ نے آپ کی بعثت کا مقصد بھی یہ بتایا کہ

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ..... (۷/۱۵۷)

وہ ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کریگا اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دے گا۔

لیکن انہوں نے قرآن کی بھی مخالفت کی اور اس طرح اپنی خود ساختہ زنجیروں میں جکڑے رہنا پسند کیا جن میں وہ اب تک ماخوذ ہیں۔

اہل کتاب نے اپنے علماء اور مشائخ (احبار و رہبان) کے فتاویٰ کے مطابق حرام و حلال کی فہرستیں مرتب کر رکھی تھیں جن کے لئے خدا کی کوئی سند ان کے پاس نہیں تھی۔ باقی رہے مشرکین عرب، سو ان کے ہاں حرام و حلال کے متعلق کچھ باتیں وراثتاً چلی آتی تھیں، جو محض توہم پرستی پر مبنی تھیں۔ قرآن نے ان کی بھی مخالفت کی۔ سوائبوں میں سے فلاں حرام ہے۔ کھیتی میں سے یہ منع ہے۔ سواری کے جانوروں میں سے فلاں فلاں پر چڑھنا ناجائز ہے (۶/۱۳۹)۔ فلاں چیز مردوں کے لئے حلال ہے اور عورتوں کے لئے حرام (۶/۱۳۹)۔ اونٹنی اس قسم کا بچہ دے تو وہ حرام ہے، گائے کے فلاں فلاں بچے حرام ہیں (۶/۱۴۴)۔ ان سے کہا گیا کہ یہ سب فہرستیں تمہاری یا تمہارے آباؤ اجداد کی مرتب کردہ ہیں (۶/۱۴۹)۔ تم اللہ کی طرف ان کی نسبت یونہی کرتے ہو۔ (۶/۱۴۱)۔ اس کے بعد انہیں چیلنج دیا گیا اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ خدا کی طرف سے حرام کردہ ہیں تو اس دعوے کے ثبوت میں گواہ لاؤ (۶/۱۵۰)۔

ان تصریحات سے بھی واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے حرام و حلال کے لئے سند صرف حکم خداوندی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور سند اور کوئی اتھارٹی نہیں۔

کھانے پینے کے علاوہ، قرآن نے رشتے ناطے کے متعلق بھی بالتصریح بتا دیا ہے کہ کونسا حلال ہے اور کونسا حرام۔ سورۂ نساء کی آیات ۲۴-۲۳ میں ان کی فہرست دی ہوئی ہے۔

یہ ہے قرآن کریم کی رو سے حلت و حرمت کی پوزیشن جس سے واضح ہے کہ کسی چیز کے متعلق یہ کہنے کے لئے کہ وہ حرام ہے قرآن کریم کی سند پیش کی جانی ضروری ہے۔

آخر میں اتنا اور کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی نظام، کسی ہنگامی مصلحت یا ضرورت کے ماتحت، کسی شے کا استعمال

عارضی طور پر ممنوع قرار دے دے ۔ مثلاً برسات (یا ہیضہ) کے زمانہ میں ہیلتھ اوفیسر حکم دیدیتا ہے کہ شہر میں امرود یا کھیرے کا استعمال ممنوع ہے ۔ یا جنگ کے زمانے میں حکومت فیصلہ کر دیتی ہے کہ سول آبادی کے لئے فلاں چیز کا استعمال ممنوع ہے کیونکہ فوجی ضرورت شدید ہے ۔ وقس علی ذالک ۔ ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے اسلامی نظام نے (نبی اکرمؐ اور خلافت راشدہ کے زمانے میں) بعض چیزوں کے استعمال کو اسی طرح ممنوع قرار دیا ہو ۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح کسی شے کے استعمال کو ممنوع قرار دینے ، اور کسی شے کو ابدی طور پر حرام قرار دینے میں بنیادی فرق ہے ۔ کسی شے کو ابدی طور پر حرام قرار دینے کا اختیار خدا کے سوا کسی کو نہیں ۔ (نیز دیکھئے عنوان ح-ل-ل اور ن-ع-م)

ح ر ی

التَّحَرِّیْ ۔ قصد کرنا ۔ کسی چیز کی طلب میں کوشش کرنا ۔ کسی کام کو کرنے کا خصوصیت کے ساتھ ارادہ کرنا ۔ تَحَرَّاہُ ۔ اس نے اس کا ارادہ کیا ۔ بعض نے کہا ہے کہ بہتر اور حق چیز کی طلب میں کوشش کرنے کو کہتے ہیں* ۔ قرآن کریم میں ہے فَاُولٰئِکَ تَحَرَّوْا رَشَدًا (۷۲/۱۴) ۔ ''یہ لوگ ہیں جنھوں نے رشد و سعادت کے حصول کے لئے عزیمت مندانہ قصد کر لیا'' ۔

ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) قرب و ارادہ (۲) حرارت اور (۳) لوٹ جانا یا کم ہو جانا لکھے ہیں ۔ حرا ء مکہ میں ایک پہاڑ تھا جس کے غار میں (کہا جاتا ہے کہ) حضورؐ قبل از نبوت (رشد و ہدایت کی طلب صادق میں) جایا کرتے تھے* یہ صرف تاریخ کا بیان ہے ۔ قرآن کریم میں اس کی صراحت نہیں ۔ قرآن کریم یہی بتاتا ہے کہ قبل از نبوت حضورؐ تلاشِ حقیقت میں سرگرداں رہتے تھے ۔ دیکھئے عنوان ض-ل-ل)

ح ز ب

نیز اس کے معنی وِرد یعنی تلاوت قرآن کریم وغیرہ کا ایک مقررہ حصہ

اَلْحِزْبُ ۔ پانی پر اترنے کی باری کے لوگوں کی جماعت ، فریق ، گروہ (اسکی جمع اَحْزَابٌ ہے)اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ان کے دل اور اعمال ایک دوسرے سے ملتے ہوں ۔ خواہ وہ ایک دوسرے سے کبھی ملے ہوں یا نہ ملے ہوں** ۔ راغب

* تاج و راغب ۔ ** تاج ۔

نے کہا ہے کہ اسکی ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان میں سختی اور شدت پائی جائے*۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے حِزْبُ اللّٰہِ (۵۸/۲۲) اور حِزْبُ الشَّیْطٰنِ (۵۸/۱۹) دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ حِزْبُ اللّٰہِ سے مراد وہ لوگ ہیں جو قانونِ خداوندی پر نہایت سختی سے کاربند ہوں خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہوں، اور حِزْبُ الشَّیْطٰنِ وہ ہیں جو غیر خدائی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوں، خواہ وہ کسی قوم اور کسی ملک سے متعلق ہوں۔ قرآن کریم، قوموں کی تشکیل، نظریۂ زیست یا نصب العین حیات کی بنیادوں پر کرتا ہے نہ کہ وطن، نسل یا زبان وغیرہ کے اشتراک پر۔ سورۃ مومن میں اَحْزَاب (۴۰/۳۰) ان پارٹیوں کو کہا گیا ہے جنہوں نے خدا کے رسولوں کی مخالفت کی تھی۔ سورۃ احزاب میں اَلْاَحْزَابُ (۳۳/۲۲) ان پارٹیوں کو کہا گیا ہے جنہوں نے مل کر رسول اللہؐ کے خلاف جنگ کی تھی۔

قرآن کریم نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں پھر حالت یہ ہو جاتی ہے کہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ (۳۰/۳۲)۔ ہر فرقہ مطمئن ہو جاتا ہے کہ وہ حق پر ہے (اور باقی سب فرقے باطل پر ہیں)۔ قرآن کریم نے ''کُلُّ حِزْبٍ'' (تمام فرقے) کہکر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جب دین میں فرقے پیدا ہو جائیں تو پھر یہ سمجھنا غلط ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک فرقہ حق پر ہے اور باقی باطل پر۔ فرقوں کا تو وجود ہی قرآن کریم کی رو سے شرک ہے۔ (۳۰/۳۲)۔ جب تک الدین کا نظام (یعنی اسلامی مملکت کا نظام) قائم رہے، فرقے پیدا نہیں ہوسکتے۔ جب وہ نظام باقی نہیں رہتا تو دین انفرادی چیز بن جاتا ہے جس میں فرقے پیدا ہونے لازمی ہیں۔ جب فرقے پیدا ہو جائیں تو انہیں مٹانے کی ایک ہی شکل ہے۔ یعنی اسلامی نظام مملکت کا قیام۔ اس کے سوا اس ''شرک'' سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔

ح ز ن

حُزْنٌ۔ یہ ایک جامع لفظ ہے جو ہر اس غم و فکر اور پریشانی کے لئے بولا جاتا ہے جو انسان کو کسی وجہ سے لاحق ہو۔ اس میں معاشی پریشانی خاص طور پر شامل ہے چنانچہ حَزَنَہُ الرَّجُلُ۔ انسان کے وہ متعلقین (اہل و عیال) ہیں جن کی تکلیف سے اسے پریشانی ہوتی ہو اور وہ ان کے سامانِ زیست تَ

* راغب۔

اہتمام کرے* ۔ تاج العروس میں ہے کہ سورۃ فاطر کی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (۳۵/۳۴) ۔ میں حَزَنٌ کے معنے ہیں صبح اور شام کے کھانے کی فکر ۔ راغب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں لَا تَحْزَنْ یا لَا تَحْزَنُوْا کہا گیا ہے اس سے مراد یہ نہیں کہ تم فکر مت کرو، اسلئے کہ فکر پر انسان کو اختیار نہیں ہوتا ۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ تم ان اسباب کو مت پیدا ہونے دو جن سے حُزْنٌ پیدا ہوتا ہے* ۔ یہ چیز معاشی فارغ البالی اور مرفہ الحالی سے پیدا ہوگی کیونکہ حُزْنٌ کے معنے فکر معاش سے پیدا ہونے والی پریشانی کے ہیں ۔ نیز اَلْحَزْنُ ۔ سخت پتھریلی زمین کو کہتے اس کی ضد ''سَھْل'' ہے* ۔ (غالباً اسلئے کہ اس میں اناج وغیرہ پیدا نہیں ہو سکتا) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ میں سختی ۔ شدت اور کھردرے پن کا پہلو ہوتا ہے ۔

خَوْفٌ کے عنوان میں آپ دیکھینگے کہ خَوْفٌ اس پریشانی کو کہتے ہیں جو کسی متوقع خطرہ سے پیدا ہو (یعنے اس کا تعلق مستقبل میں واقع ہونے والے حادثہ سے ہوتا ہے) ۔ جب ان معانی کے مقابل میں حُزْنٌ کا استعمال ہو تو اس سے مراد وہ غم ہوتا ہے جو اس حادثہ کی وجہ سے ہو جو گزر چکا ہے ۔ کسی نقصان سے پہلے جو کیفیت ہوتی ہے وہ خَوْفٌ ہے ۔ اس نقصان (یا حادثہ کے واقع ہو جانے) کے بعد خوف ختم ہو جاتا ہے اور غم یا حزن شروع ہو جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں ہے وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۳/۱۳۸) ۔ یہاں وَھْنٌ اور حَزْنٌ ۔ عظمت اور بلندی ۔ عروج و اقبال اور غلبہ و تمکن (علو) کے مقابلہ میں آیا ہے ۔

قصۂ آدم میں ہے کہ جب آدم سے جنت کی زندگی چھن گئی تو اسکی بازیابی کیلئے اس سے کہا گیا کہ اگر تم وحی کے تابع زندگی بسر کروگے تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲/۳۸) ۔ اس سے خوف اور حزن نہیں رہیگا ۔ جب یہ جنتی معاشرہ اس دنیا میں قائم ہوگا تو اسمیں (منجملہ دیگر اسباب اطمینان و آسائش) سامانِ معاش کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہوگی ۔ یہ حُزْنٌ کے بنیادی معنے ہیں ۔ نیز جس جنت سے آدم نکلا تھا اس کی خصوصیت بھی یہ بتائی گئی ہے کہ اُس میں بھوک ۔ پیاس ۔ لباس اور مکان کیلئے کسی کو جگر پاش مشقت نہیں اٹھانی پڑتی

* تاج ۔

تھی اور نہ ہی کوئی اس سے محروم رہتا تھا - (۲۰/۱۱۸-۱۱۹) - اس سے بھی حُزْنٌ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے - (ان امور کی تفصیل کیلئے ا - د - م، ش - ج - ر، ج - ن - ن، کے عنوانات دیکھئے) - بہرحال یہ ظاہر ہے کہ جو قوم خوف - بھوک - حزن وغیرہ کی پریشانیوں میں مبتلا ہو اُسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ خدا کی طرف سے ملی ہوئی راہ نمائی کا اتباع نہیں کر رہی - قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا لازمی اور حتمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی یہاں کی زندگی بھی مرفہ الحالی اور سرفرازی کی ہو اور آخرت کی زندگی بھی کامیابی اور کامرانی کی زندگی -

سورۃ یوسف میں حُزْنٌ کے معنے اس غم کے آئے ہیں جو کسی گزرے ہوئے واقعہ سے پیدا ہو (۱۲/۸۴) - اور لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (۱۵/۸۸) - کے معنے ہیں ان پر غم نہ کھا - تَحْزَنَّ عَلَيْهِ کے معنے ہیں وہ اس پر درد مند ہوا *-

ح س ب

حَسَبَ يَحْسِبُ حِسْبَاناً و حِسَاباً - گننا - شمار کرنا - حَسِبَ يَحْسَبُ مَحْسَبَةً و حِسْبَاناً - خیال کرنا - گمان کرنا - حَسْبٌ - وہ جو کافی ہو - جو کفایت کرے - جسکے بعد کچھ اور ضرورت نہ رہے - حَاسِبٌ - حساب کرنے والا - حُسْبَانٌ - (حِسَابٌ کی جمع) - گنتی - شمار - حَسْبُكَ دِرْهَمٌ - تمہیں ایک درہم کافی ہے - حَسْبُنَا اللّٰهُ (۹/۵۹) - ہمارے لئے اللہ (کا قانون) کافی ہے - اسکے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی - وہ ہماری تمام ضروریات کو پورا کر دینے کیلئے کافی ہے - هٰذَا بِحِسَابِ ذَا - یہ اسکے مطابق یا اسکے بقدر ہے **-

حَسِيبٌ - حساب کرنے والا - نگرانی کرنے والا - كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيباً (۱۷/۱۴) - خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے مرتب شدہ نتائج کے ظہور کے وقت کسی خارجی شاہد اور محتسب کی ضرورت نہیں ہوتی - انسان کی اپنی ذات خود اپنے خلاف زندہ شاہد ہوتی ہے - بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيرَةٌ (۷۵/۱۴) اعمال کے جو اثرات اس پر مرتب ہوئے ہیں وہ اپنے منہ سے خود بول اٹھتے ہیں کہ اس نے کس قسم کے کام کئے تھے - ظہور نتائج کے وقت کو يَوْمُ الْحِسَابِ یا يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (۱۴/۴۱) کہا ہے - یعنی ہر عمل کا نتیجہ تو اس کے ساتھ ہی مرتب ہوتا

* محیط - ** تاج و محیط -

شروع ہوجاتا ہے ۔ لیکن اسکی نمود ایک خاص وقت پر جا کر ہوتی ہے ۔ جیسے درخت میں پھل تو اسوقت سے بننا شروع ہو جاتا ہے جب اس میں پہلا شگوفہ (بلکہ کونپل) پھوٹتی ہے لیکن وہ پھل کی شکل میں کچھ عرصہ بعد سامنے آتا ہے ۔ اسے ظہور نتائج کا وقت کہتے ہیں ۔

سورۃ انعام میں ہے وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا (۶/۹۶) ۔ اسی کی تشریح دوسری جگہ ان الفاظ سے کر دی ۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ (۱۰/۵ ; ۱۷/۱۲) چاند اور سورج کو اسلئے بنایا تا کہ ان سے ماہ و سال وغیرہ کا حساب رکھا جا سکے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ کیلنڈر ، سورج کے حساب سے بھی رکھا جا سکتا ہے ۔ قمری اور شمسی میں سے جو زیادہ آسان اور ملی مفاد کے مطابق ہو اسے اختیار کیا جا سکتا ہے ۔

سورۃ کہف میں ہے وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِنَ السَّمَآءِ (۱۸/۴۰) ۔ وہ کھیتی پر آسمان سے حُسْبَان بھیجدے ۔ یہاں حُسْبَان کے معنے عام طور پر بلا کے لئے جاتے ہیں ۔ یعنے کوئی آفت سماوی جس سے کھیتی تباہ و برباد ہو جائے ۔ مثلاً بارش کا طوفان ۔ آندھی ۔ جھکڑ ۔ یا ژالہ باری ۔ یا ٹڈی دل وغیرہ* ۔ لیکن (لغت حمیر میں) اسکے معنے سخت سردی کے آتے ہیں** ۔ ابن فارس نے اس کے معنی ٹڈی اور اولے دونوں لکھے ہیں ۔

اِحْتَسَبَ ۔ کے معنی گمان کرنا یا خیال کرنا ہیں*** ۔ سورۃ طلاق میں ہے ۔ وَ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (۶۵/۳) ۔ خدا کا قانون اسے ایسے مقامات سے رزق پہنچاتا ہے جو اسکے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں ۔

سورۃ بقرۃ میں ہے وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (۲/۲۱۲) ۔ ''جو ایسا چاہتا ہے اسے اللہ بغیر حساب رزق دیتا ہے'' ۔ راغب نے اسکے مختلف معانی لکھے ہیں ۔ ان میں ایک یہ بھی ہیں کہ وہ اُسے دیتا ہے لیکن اُس سے لیتا نہیں ۔ یا لوگوں کے عام اندازے اور شمار کے مطابق نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ دیتا ہے**** ۔ جب معاشرہ خدا کے قانون کے مطابق متشکل ہوجائے تو اس میں رزق کی فراوانیاں عام اندازوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہیں ۔

ح س د

حَسَدٌ* ۔ کے اصلی معنے چھیلنے کے ہیں ۔ الحَسَدُ ۔ وہ ذہنیت جسکی رو سے تمنا کی جاتی ہے کہ دوسرے کے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے چھن کر

* تاج ۔ ** غریب القرآن ۔ مرزا ابوالفضل ۔ *** محیط ۔ **** راغب ۔

مجھے مل جائے ، اور اگر مجھے نہ بھی ملے تو کم از کم اس سے ضرور چھن جائے ۔ غِبْطَۃ* یہ ہے کہ ایسی چیز اس کے ساتھ ساتھ مجھے بھی مل جائے (اسے رشک کہتے ہیں)* ۔ راغب نے اس پر اتنا اضافہ کیا ہے کہ اس میں اس مقصد کے لئے کوشش کرنا بھی شامل ہوتا ہے ۔

سورۃ بقرۃ میں ہے کہ یہ مخالفین حَسَد کی وجہ سے اسکی انتقامی آرزو کرتے ہیں کہ تم ایمان کو چھوڑ کر پھر سے کفر اختیار کر لو ۔ یعنے ایمان کے خوشگوار نتائج تم سے ضرور چھن جائیں خواہ اس سے ان کا اپنا کچھ بھلا ہو یا نہو (۲/۱۰۹) ۔

قرآن کریم نے حَسَد کو بڑی تخریبی ذہنیت قرار دیا ہے اور اس سے، اور ایسی ذہنیت رکھنے والوں کی تخریبی کوششوں سے بچنے کی تاکید کی ہے (۱۱۳/۵) یہ بچاؤ، قانونِ خداوندی کے ساتھ گہرے تمسک (تَمَسُّک*) سے حاصل ہو سکتا ہے ۔

ح س ر

حَسَرَ ۔ یَحْسِرُ کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کو کھول دینا ۔ چھیل دینا ۔ کھال اتار دینا ۔ اَلتَّحْسِیْرُ کے معنے ہیں پرندے کے بال و پر گرجانا* ۔ یہاں سے اسکے معنے عاجز و درماندہ ہو جانے کے آتے ہیں ۔ حَسَرَ الْبَعِیْرَ ۔ اونٹ کو اتنا چلایا کہ وہ تھک کر عاجز و درماندہ ہو گیا ۔ اسی بنا پر اَلْحَسْرَۃُ اس کیفیت کو کہتے ہیں جس میں انسان کی حالت تھکے ماندے اونٹ کی سی ہو جائے ۔ اس میں عجز و ندامت دونوں پائے جاتے ہیں ۔ نیز غم و تاسف بھی* ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اَلْحَسْرَۃُ کے معنے ہیں کسی چیز کے فوت ہو جانے پر غم اور شرمندگی کی حالت ۔ گویا اس شخص سے اب وہ جہالت دور ہو گئی ہے جسکی وجہ سے اس نے یہ کام کیا تھا ، اب انکشاف حقیقت ہو گیا ہے** ۔ اسی لئے صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس مادہ کے اصلی معنے کَشْف* کے ہیں*** ۔ (یعنے کھول دینا) ۔ حَسَرَ الْبَحْرُ عَنِ السَّاحِلِ کے معنے ہیں دریا ساحل سے پیچھے ہٹ گیا اور پانی کے نیچے جو زمین تھی وہ کھل کر سامنے آ گئی* ۔ اس میں عجز اور کشف کے دونوں پہلو ہیں ۔ سورۃ بقرۃ میں ہے یُرِیْھِمُ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْھِمْ (۲/۱۶۷) ۔ اللہ ان کے اعمال کو بے نقاب کر کے انہیں دکھا دیگا اور اس انکشاف حقیقت سے ان پر بری طرح عجز و درماندگی چھا جائیگی ۔ حَسَرَتُ الْبَیْتَ کے معنی ہیں

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** محیط ۔

مینے گھر میں جھاڑو دی اور اَلْمِحْسَرَۃُ - جھاڑو کو کہتے ھیں** - اس اعتبار سے مندرجہ بالا آیت کا مفہوم یہ بھی ھو سکتا ھے کہ ان کے اعمال یکسر بے نتیجہ ھو کر رہ گئے - ان کے کئے کرائے پر جھاڑو پھر گئی -

سورۃ انبیاء میں لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ (۲۱/۱۹) آیا ھے جسکے معنے تھک جانے کے ھیں - سورۃ بنی اسرائیل میں مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (۱۷/۲۹) آیا ھے - یعنے درماندہ - ایسی حالت جس میں تمہارے پاس کچھ باقی نہ رھے، سب کچھ صاف ھو جائے اور تم کو اپنے کئے پر پشیمانی ھو - اور (۶۷/۴) میں حَسِیْرٌ آیا ھے - یعنے تھکی ماندی -

اَلْحَاسِرُ - بلاؤں اور مصیبتوں کو کہتے ھیں - حَسْرَۃٌ کے معنے سخت افسوس و ندامت اور ھاتھ سے نکل جانے والی چیز پر غم کرنے کے ھیں** - یٰحَسْرَتٰی (۳۹/۵۶) - وائے افسوس -

ح س س

اَلْحِسُّ - حرکت - خفی آواز (اس چیز کی جسے تم دیکھ نہ رھے ھو) - اَلْحَوَاسُّ اسی سے ھے - اَحَسَّ - محسوس کرنا - آگاہ ھونا* - راغب نے کہا ھے کہ جب کوئی چیز اسطرح نمایاں اور آشکارا ھو جائے کہ وہ با آسانی محسوس کی جا سکے تو اس وقت اَحَسَّ بولا جاتا ھے - فَلَمَّآ اَحَسَّ (۲۱/۱۳) - جب اس نے محسوس کیا - تَحَسَّسَ - کسی کا پتہ لگانا (۱۲/۸۷) -

حَسِیْسٌ - ھلکی سی آواز - اَھٹ - لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا (۲۱/۱۰۲) -

اَلْحَسِیْسُ - سردی جو گھاس کو جلا دے - حَوَاسُّ الْاَرْضِ - سردی - اولہ - ھوا - ٹڈی اور مویشی جو کھیتی پر تباھی لے آئیں - اس سے اس کے معنے تباھی اور بربادی کے آتے ھیں - چنانچہ اَلْحَاسُوْسُ قحط سالی کو کہتے ھیں* - سورۃ آل عمران میں ھے اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ (۳/۱۵۱) - "جب تم نہیں ھلاک اور برباد کر رھے تھے" - ابن فارس نے اَلْحَسُّ کے معنے قتل کرنے کے بھی لکھے ھیں -

ح س م

حَسَمَہٗ - یَحْسِمُہٗ - اس نے اسے قطع کر دیا - حَسَمَ الْعِرْقَ - اس نے رگ کو کاٹ دیا - اور اس پر لوھے سے داغ لگا دیا تاکہ اسکا خون نہ

* تاج - ** محیط -

ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز کو اسکی جڑ سے کاٹ دینے کے ہیں ۔ اَلْحُسَامُ ۔ تیز کاٹنے والی تلوار ۔ اَلْحَسُوْمُ ۔ بدبختی ۔ ازھری نے کہا ہے کہ ہر اس چیز کو جو دوسری چیز کے بعد فوراً آ جاتی ہو حَاسِیم* کہتے ہیں ، جسکی جمع حَسُوْمٌ* ہے ۔ لہذا اسکے معنے ہیں پے در پے اور مسلسل آنے والی چیزیں* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْحَسْمُ کے معنے کسی چیز کے اثر کو مٹا دینے کے ہیں ۔ یعنی کسی چیز کو اس طرح تباہ کرنا کہ اس کا نشان تک مٹ جائے** ۔

قرآن کریم میں ہے کہ قوم عاد پر جو آندھی کا عذاب آیا تھا سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا (۶۹/۷) ۔ ''اس نے اس (آندھی) کو ان پر سات راتیں اور آٹھ دن چلائے رکھا'' (حُسُوْمًا کا ترجمہ نہیں کیا گیا) ۔ اس میں حُسُوْمًا کے معنے مسلسل کے بھی ہو سکتے ہیں ۔ لیکن عذاب کی شدت کے اعتبار سے یہ معنے زیادہ مناسب نظر آتے ہیں کہ وہ ایسی آندھی تھی جس نے اس قوم کے نام و نشان تک کو مٹا دیا ۔ یا ان کی جڑوں تک کو کاٹ کر رکھ دیا ۔

ح س ن

اَلْحُسْنُ ۔ صاحب محیط نے (کلیات کے حوالہ سے) لکھا ہے کہ حسن سے مراد ہوتا ہے اعضاء کا صحیح صحیح تناسب اور توازن ۔ اور عرف عام میں حسین ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جو نگاہ کو بھلی معلوم ہوں*** ۔ لہذا حُسْنٌ* کے بنیادی معنے ہیں تناسب و توازن کا قائم رہنا اور یہ سُوْءٌ* کی ضد ہے ۔ نیز اس کے مقابلہ میں فَسَادٌ* کا لفظ آیا ہے (۲۸/۷۷) جس کے معنی بگڑے ہوئے توازن کے ہیں ۔ لہذا اَلْاِحْسَانُ* کے معنے ہوئے کسی کے بگڑے ہوئے توازن کو ٹھیک کر دینا ۔ یعنے اگر کسی وجہ سے افراد معاشرہ میں سے کسی کی کسی قوت و صلاحیت میں کمی واقع ہو گئی ہے تو اس کمی کے پورا کر دینے کا نام اِحْسَانٌ* ہے ۔ (دیکھئے عنوان ع ۔ د ۔ ل جسمیں عَدْلٌ* و اِحْسَانٌ* کے متعلق تفصیلی گفتگو کی گئی ہے) ۔ راغب نے کہا ہے کہ احسان دو طرح ہوتا ہے ۔ ایک تو کسی دوسرے پر انعام کرنا (یعنے اسکی کمی کو پورا کر کے اسکا توازن درست کر دینا) ۔ اور دوسرے خود اپنے کاموں (سیرت و کردار) میں توازن پیدا کرنا ۔ اس میں حسن پیدا کرنا** ۔

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط ۔

نیز راغب نے کہا ہے کہ عَدْل تو یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے ذمہ ہو وہ دیدو اور جتنا تمہارا حق ہے وہ لے لو۔ اور اِحْسَان یہ ہے کہ اس سے زیادہ دو جتنا تمہارے ذمہ ہے اور اس سے کم لو جتنا تمہارا حق ہے *۔ یعنے اِحْسَان میں نگاہ واجب (Due) پر نہیں ہوتی بلکہ مقصد، توازن برقرار رکھنے سے ہوتا ہے۔ سورۃ قصص میں حضرت موسیٰ کے متعلق ہے کہ جب وہ جوانی کو پہنچے وَاسْتَوٰی اور اسمیں ہر طرح کا اعتدال پیدا ہوگیا۔ تو ہم نے انہیں علم و حکم (قوت فیصلہ) عطا کیا۔ اسکے بعد ہے کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (۲۸/۱۴)۔ ہم اسطرح محسنین کو ان کے اعمال کا ثمرہ دیا کرتے ہیں۔ یہاں ظاہر ہے کہ مُحْسِنِیْنَ سے مراد اعتدال کے ساتھ زندگی بسر کرنے والے ہیں۔

هُوَ یَحْسِنُ الشَّیْءَ اِحْسَانًا کے معنے ہیں وہ اس چیز کو اچھی طرح سے جانتا ہے *۔ سورۃ یوسف میں ہے کہ جب قید خانہ میں ان دو نوجوانوں نے حضرت یوسف سے اپنا اپنا خواب بیان کیا اور آپ سے کہا کہ ان خوابوں کی تاویل بتائیے تو اسکے بعد ہے اِنَّا نَرٰکَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ (۱۲/۳۶)۔ یہاں مُحْسِنِیْنَ کے معنی ہیں وہ لوگ جو کسی بات کا اچھی طرح علم رکھتے ہوں *۔

قرآن کریم میں حَسَنَات (بمقابلہ سَیِّئَات) زندگی کی خوشگواریوں کیلئے آیا ہے (مثلاً ۳/۱۱۹ ؛ ۷/۱۳۱) سورۃ توبہ میں حَسَنَة کے مقابلہ میں مُصِیْبَة آیا ہے (۹/۵۰)۔ لہذا حَسَنَة ہر وہ چیز ہے جس سے انسان کو آرام ملے۔ راحت و آسائش کا سامان۔ اور چونکہ سامان راحت و آسائش کی تکمیل مملکت و حکومت میں جا کر ہوتی ہے اسلئے بنی اسرائیل کی داستان کے سلسلہ میں کہا کہ ہم نے انہیں ارض فلسطین کے مشارق و مغارب کا وارث بنا دیا اور اسطرح تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی (۷/۱۳۷)۔ ''تیرے نشو و نما دینے والے کے توازن بدوش قانون کی تکمیل (حسن کارانہ انداز سے) ہوگئی''۔ (حُسْنٰی مونث ہے اَحْسَنُ کا)۔ خدا کے اَسْمَاء کو الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (۵۹/۲۴) کہا گیا ہے۔ اسلئے کہ خدا کی ذات وہ ہے جسمیں مختلف صفات اپنے پورے پورے تناسب و توازن کو لئے، انتہائی حسن کارانہ انداز سے یک جا جمع ہیں۔ جملہ صفات اور ان میں کامل تناسب۔ یہ ہے خدا کا تصور قرآن کریم کی رو سے۔ اور چونکہ انسانی زندگی کا مقصود بہ بتایا

* تاج۔

گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے رنگ میں رنگ لے - (۲/۱۳۸) - اسمائے خدا کا "مقرب" وہ ہے جسکی ذات (Personality) کی مختلف صلاحیتیں نشوونما حاصل کرتی جائیں ، بایں نمط کہ ان میں پورا پورا توازن قائم رہے - یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں کہا ہے کہ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا - (اَسْمائے خداوندی - صفاتِ الٰہیہ - پورا پورا توازن لئے ہوتی ہیں اسلئے خدا کو انہی کے مطابق پکارو - یعنی خدا کے متعلق وہی تصور درست ہے جو ان صفات کے مطابق قائم ہو - تو اسکے ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ - (۷/۱۸۰) جو لوگ ان صفات میں سے کسی ایک میں بھی (توازن کی راہ چھوڑ کر) کسی ایک طرف نکل جاتے ہیں ، تم ان سے الگ ہو جاؤ - لہذا خدا کی صفات کا اپنے اندر منعکس کرنا (یعنی انسانی ذات کے مضمر جوہروں کی نمود اور بالیدگی) ہی مقصود نہیں بلکہ ان میں حسن و توازن قائم رکھنا بھی ضروری ہے - جس زندگی میں حسن نہیں سمجھ لیجئے کہ وہ قرآنی قالب میں ڈھلی ہوئی نہیں ہے - زندگی کا مقصود یہ ہے کہ تم اپنے اندر کسقدر حسن پیدا کرتے ہو اور کائنات میں کسقدر حسن کا اضافہ کرتے ہو - خارجی دنیا میں اس اِحْسَانٌ (حسن پیدا کرنے) کی ابتدا اپنے رفقائے سفر (دوسرے افرادِ معاشرہ) کے ساتھ حسنِ معاملہ سے ہوتی ہے - اسکے لئے کہا ہے کہ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (۲/۸۳) - لوگوں سے ایسی باتیں کرو جن سے حسن پیدا ہو - اور اسکا عملی طریقہ یہ ہے کہ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ - اپنی محنت کے ماحصل کو ربوبیت عامہ کیلئے کھلا رکھو اور اسطرح اَحْسِنُوْا (۲/۱۹۵) معاشرہ میں حسن پیدا کرتے رہو - اسی کا دوسرا نام اِحْسَانٌ ہے (۲/۸۳) -

قرآن کریم نے کہا ہے کہ تم سے جو حسن پیدا کرے (اِحْسَانٌ) کی تاکید کی گئی ہے تو اس کے متعلق یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ چیز کسی معاوضہ کی خاطر نہیں کی جائیگی - اس لئے کہ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ* (۵۵/۶۰) - حسن پیدا کرنے (احسان) کا بدلہ (یعنے نتیجہ) یہ ہے

* (ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ احسان کا بدلہ احسان ہونا چاہئے یعنے کسی آدمی پر کوئی وقت آ پڑا - وہ دوسرے کے پاس مدد کے لئے گیا - اس نے اسکی مدد کی - یہ اسکا احسان ہوا - اب یہ دوسرا شخص اس انتظار میں رہے کہ کب اس پہلے شخص پر کوئی مصیبت پڑے اور یہ اس کے احسان کا بدلہ اتارے - اور جب تک اس کا بدلہ نہ اتارے اس کا بے دام غلام بنا رہے - اگر اس نے اسکی کسی بات سے بھی اختلاف کیا تو اس نے جھٹ کہہ دیا کہ یہ کسقدر احسان فراموش ہے ؟ یہ ہے احسان سے مراد ہمارے معاشرے میں - اور وہ ہے احسان کا مفہوم قرآن کی رو سے ہیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا ! -

کہ اس سے حسن پیدا ہو جاتا ہے ۔ اور یہی مقصود بالذات ہے ۔ یعنی احسان کا بدلہ یہ ہے کہ تم احسان کرتے جاؤ اور اس کے معاوضہ کا دل میں خیال تک بھی نہ لاؤ ۔ اس لئے کہ مومنین کا شعار یہ ہے کہ وہ جب کسی کے ساتھ احسان کرتے ہیں تو ان سے برملا کہہ دیتے ہیں کہ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا (۷۶/۹) ۔ ''ہم تم سے نہ کوئی معاوضہ چاہتے ہیں نہ شکریہ کے متمنی ہیں ۔ لہذا قرآنی تعلیم کا مقصود یہ ہے کہ انسان حسن پیدا کرے۔ خود اپنی ذات میں ۔ دوسرے انسانوں میں اور خارجی کائنات میں ۔ (Make it more Beautiful) ۔ یہ چیز اپنا بدلہ آپ ہوگی اسی بنا پر قرآن کریم نے کہا ہے کہ جہاں دیکھو کہ توازن بگڑ گیا ہے ،اُسے درست کر دو ۔ اسکے درست کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہاں حسن پیدا کر دو (توازن قائم کر دو) اس سے بگاڑ خود بخود دور ہو جائیگا ۔ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ (۴۱/۳۴) ۔ پہلے خود اپنا جائزہ لو ۔ اگر تمہاری ذات متوازن (Balanced Personality) نہیں تو اس میں احسان (توازن پیدا کرنے) کی کوشش کرو ۔ اسکے بعد جب کسی دوسرے شخص کو دیکھو کہ وہ اپنا توازن کھو رہا ہے تو اس سے احسان کرو ۔ یعنے اسکا توازن قائم کرنے کی کوشش کرو ۔ جب معاشرہ کا توازن بگڑ جائے تو معاشرے میں حسن پیدا کرنے کی کوشش کرو ۔ اس طرح خارجی کائنات میں علم و تحقیق کی رو سے حسین اضافے کرتے جاؤ ۔ تمہاری یہ کوششیں اپنا بدلہ آپ ہونگی ۔ حسن پیدا کرنے کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حسن پیدا ہو جائیگا ۔ یعنی بگڑا ہوا توازن قائم ہو جائیگا ۔ زندگی کا یہی مقصود ہے ۔ یعنی تخلیقِ حسن ۔ اور خدا کی ذات وہ ہے جس میں حسن اپنی انتہا تک پہنچا ہوا ہے ۔ (اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى) ۔ اس لئے انسانی ذات کی صحیح صحیح نشو و نما اور تکمیل کے لئے خارجی معیار(Objective Standard) خدا کی ذات ہے جس کا تعارف قرآن کریم نے کرایا ہے ۔

ح ش ر

اَلْحَشْرُ ۔ (لوگوں کو) جمع کرکے ہانک کر کسی طرف لیجانا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہانکنا ، اٹھانا ۔ اٹھ کھڑا ہونا اور چل پڑنا ہیں ، اہل لغت اَلْحَشْرُ کے معنے اکٹھا کرنا اور ہانکنا کرتے ہیں ۔ اَلْمَحْشَرُ (ش کو زیر اور زبر کے ساتھ) جمع ہونے کی جگہ* ۔ محیط

* تاج ۔

میں ہے کہ عوام اس لفظ کو ہجوم اور ایک دوسرے کے لئے تنگی پیدا کرنے کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں**۔ یعنے ایسا ہجوم (اجتماع) جو دوسروں کیلئے مشکل اور تنگی پیدا کرنے کیلئے کیا جائے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ جنگ کے اجتماع کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ (۲۷/۱۷) ''سلیمان کے حکم کے مطابق اسکے لشکر جمع کرکے لیجائے گئے''۔ اور یہودیوں کے متعلق سورۃ حشر میں ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (۵۹/۲) ''اللہ وہ ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے سرکشی اختیار کی، پہلے حشر، کے لئے ان کے گھروں سے نکالا''۔ اس سے بھی مراد جنگ کا اجتماع ہے۔ یا جلاوطنی جو اسکا نتیجہ تھی۔ سورۃ آل عمران میں ہے کہ ان مخالفین سے کہدو کہ سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ (۳/۱۲) ''تم بہت جلد مغلوب ہوگے اور تباہی کے میدان میں جمع کرکے جہنم کیطرف لے جائے جاؤگے۔ اس سے اگلی آیت میں اس جنگ کی تفصیل درج ہے۔ سورۃ شعراء میں فرعون کے متعلق ہے کہ اس نے مختلف شہروں میں حٰشِرِيْنَ بھیجے (۲۶/۳۶)۔ یعنی ہرکارے جو لوگوں کو جمع کرکے لائیں۔

اَلْحَشْرُ کے معنے دھار تیز کرنے نیز جمع کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے بھی آتے ہیں۔ جیسے قحط سالی لوگوں کو دیہات سے نکال کر شہروں کی طرف لے آتی ہے*۔ اَلْحَشَرَةُ کے معنے ہیں شکار یا کھایا جانے والا شکار نیز کیڑا مکوڑا اس سے جمع حَشَرَاتٌ کیڑوں مکوڑوں اور چھوٹے چھوٹے جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے*۔ لغت یمن میں اسکے معنے بھوسی کے بھی ہیں*۔

اَلْحَشْرُ۔ موت کو کہتے ہیں۔ نیز کان کا لطیف اور باریک حصہ*۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (۲۰/۱۲۴) ''اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائینگے''۔ اسکے معنے اعمال کا بدلہ دینے کے ہیں جو نہایت لطیف انداز سے واقع ہوتا ہے۔ یعنے اعمال کے اثرات وقائع نہایت لطیف انداز سے مرتب ہوتے رہتے ہیں۔

مَحْشُوْرَةٌ۔ اکٹھا کئے ہوئے۔ (۳۸/۱۹)۔ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ (۵۰/۴۴)۔ ''یہ اکٹھا کرنا ہمارے لئے آسان ہے''۔ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ (۸۱/۵) ''جب لوگ اکٹھے کئے جائینگے''۔ ان مقامات میں جمع کرنے کے ساتھ، آگے لے جانے کا مفہوم بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔

* تاج۔ ** محیط۔

ہمارے ہاں حَشْرٌ سے مراد صرف مرنے کے بعد (قیامت کے دن) حساب کتاب کے لئے جمع ہونا لیا جاتا ہے۔ (جیسا کہ آخرت۔ قیامت۔ ساعت۔ بعث وغیرہ کے تحت لکھا گیا ہے)۔ یہ قرآن کریم کی جامع اصطلاحات ہیں جن سے مفہوم صرف مرنے کے بعد جی اُٹھنا نہیں بلکہ اس دنیا میں قوموں کی نشاۃِ ثانیہ بھی ہے۔ چنانچہ حَشْرٌ کے متعلق شاہ ولی اللہؒ (حجۃ اللہ البالغہ۔ کتاب الفتن میں) کہتے ہیں کہ ''زبانِ شریعت میں حشر کے دو معنی ہیں۔ ایک لوگوں کا ملک شام میں جمع ہونا، قیامت سے پیشتر یہ واقعہ اُس وقت ہوگا جب زمین پر لوگوں کی قلت ہو جائیگی تو بعض لوگ مختلف تقریبوں کی وجہ سے اور بعض لوگ آگ (غالباً جنگ سے مراد ہے) کی وجہ سے وہاں جمع ہونگے۔ دوسرے حشر کے معنی ہیں موت کے بعد زندہ ہونا''۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئیں متن کے اعتبار سے دیکھ لینا چاہئے کہ وہاں مراد مرنے کے بعد کی زندگی ہے یا اس دنیا میں انقلاب آفرینی۔

ح ص ب

اَلْحَصَبَۃُ۔ کنکری۔ پتھر۔ اَلْحَصَبُ۔ ایندھن۔ جو کچھ آگ میں ڈالا جائے تاکہ وہ جلے اور اس سے آگ میں اضافہ ہو اور وہ تیز بھڑکے۔ لکڑی کو بھی حَصَبٌ* اس وقت کہہ سکتے ہیں جب اس سے آگ کو بھڑکایا اور روشن کیا جائے۔ اَلْحَاصِبُ۔ وہ تیز ہوا (آندھی کا جھکڑ) جو مٹی۔ غبار اور کنکریاں اڑائے*۔ قرآن کریم میں ہے یُرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِباً (۱۷/۶۸)۔ تم پر کنکر برسانے والی آندھی بھیج دے۔ سورۃ انبیاء میں ہے اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ (۲۱/۹۹) ''تم اور تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں''۔ یہاں حَصَبٌ کے معنے ایندھن کے ہیں۔ قوم لوط پر آتش فشاں پہاڑ سے جو شعلہ آمیز آندھی چلی تھی اسے بھی حَاصِباً کہا گیا ہے (۵۴/۳۴)۔ اس میں پتھروں کی کنکریاں اور آگ کی حرارت دونوں کا امتزاج ہے۔

ح ص د

حَصَدَ۔ کھیتی یا پودوں کو درانتی سے کاٹنا**۔ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْہُ فِیْ سُنْبُلِہٖ (۱۲/۴۷)۔ ''جو کھیتی تم کاٹو اسے اسکے خوشوں ہی

* تاج و محیط۔ ** تاج

میں رہنے دو'' ۔ حَصَادٌ ۔ کھیتی کاٹنا (۶/۱۴۱) یا کھیتی کاٹنے کا وقت ۔ اَلْحَصِیْدُ ۔ کاٹی ہوئی کھیتی (۱۰/۲۴) قرآن کریم نے ہلاک شدہ قوموں کے متعلق کہا ہے کہ جَعَلْنٰهُمْ حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ (۲۱/۱۵) ''انہیں ہم نے کٹے ہوئے کھیت کی طرح بے حس و حرکت اور خاموش کر دیا ۔ انہیں نشوونما کی صلاحیت کو ختم کر دیا'' بربادی اور زندگی کی حرارت سے محرومی کا کیسا عبرت انگیز نقشہ ہے !

ح ص ر

اَلْحَصْرُ ۔ روک دینا ۔ قید کرنا ۔ تنگی پیدا کر دینا* ۔ راغب نے لکھا ہے حَصْرٌ اور اِحْصَارٌ اُس وقت بولتے ہیں جب رکاوٹ کی وجہ کوئی ظاہری سبب ہو (جیسے دشمن نے روک دیا ہو) یا باطنی سبب ہو (جیسے بیماری رکاوٹ پیدا کردے) لیکن جب رکاوٹ صرف باطنی سبب سے ہو تو اس موقع پر حَصْرٌ ہی کہتے ہیں** ۔ سورۃ نساء میں ہے اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ (۴/۹۰) ۔ ''یا وہ تمہارے پاس آئیں اس حالت میں کہ ان کے سینے بھنچے ہوئے اور دل تنگ ہوں'' ۔ حَصِیْرٌ (۱۷/۸) قید خانہ کو بھی کہتے ہیں اور تنگدل شخص کو بھی ۔ نیز وہ بخیل آدمی جو بخل کی وجہ سے شراب نہ پیے* ۔

اَلْحَصُوْرُ (۳/۳۹) رکنے والا ۔ بالخصوص وہ شخص جو عورتوں کے پاس جانے سے رکا رہے* ۔ نیز حَصُوْر اس شخص کو بھی کہہ سکتے ہیں جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو اور اپنی نفسانی خواہشات کو لگام دے سکتا ہو ۔ مُحَاصَرَةٌ ۔ دشمن کو چاروں طرف سے گھیر کر روک لینا ۔ حَصَرَ الْقَوْمُ بِفُلَانٍ ۔ قوم نے فلاں کو گھیر لیا* ۔

سورۃ بقرہ میں اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کی تفسیر لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ (۲/۲۷۳) ۔ سے کردی ۔ یعنی جو اسطرح روک لئے جائیں کہ نقل و حرکت کی استطاعت نہ رکھیں ۔ ان کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دی جائے ۔

سورۃ بنی اسرائیل میں جَهَنَّمَ کو حَصِیْرًا کہا گیا ہے ۔ (۱۷/۸) ۔ یعنے وہ مقام جہاں کسی کی نشو و نما (Development) رک جائے ۔ جہاں کسی کو آگے بڑھنے سے روک دیا جائے ۔ (جہنم کے صحیح مفہوم کیلئے دیکھئے عنوان جَهَنَّمَ اور ج ۔ ح ۔ م)

---

* تاج ۔ ** راغب ۔

ح ص ص (ح ص ح ص)

اَلْحَصُّ ۔ بالوں کو مونڈ دینا ۔ (تاکہ سر صاف ہو جائے) ۔ اَلْحَصْحَاءُ مِنَ السَّیْرِ بَسَاحٍ ۔ صاف ہوا جس میں گرد و غبار نہ ہو ۔ حَصْحَصَ الشَّیْءُ تَحْصِیْصاً وَحَصْحَصَ *** ۔ چیز ظاہر ہو گئی ۔ واضح ہو گئی (جو چیز پہلے چھپی ہوئی ہو اور پھر واضح ہو جائے اس کے متعلق کہتے ہیں* ۔

سورہ یوسف میں ہے اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ (۱۲/۵۱) ۔ "اب حقیقت واضح ہوگئی" ۔ اب اصل بات بے نقاب ہو کر سامنے آگئی ۔ لیکن صاحب محیط نے بیضاوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ حَصْحَصَ اَلْبَعِیْرُ سے ہے جس کے معنے ہوتے ہیں اونٹ نے بیٹھنے کے لئے اپنے سینہ اور گھٹنوں کو اچھی طرح زمین پر جمایا ۔ اس لئے حَصْحَصَ الْحَقُّ کے معنے ہونگے حق ثابت اور برقرار ہو گیا** ۔ حِصَّةٌ ۔ (حصہ) جو چیز اصل میں سے کاٹ کر الگ کر لی جائے ۔ مجموعہ کا ایک ٹکڑا* ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں (۱) حصہ اور (۲) واضح اور متمکن ہو جانا لکھا ہے ۔ نیز کسی چیز کا ختم یا کم ہو جانا ۔

ح ص ل

اَلْحَاصِلُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ۔ کسی چیز میں سے جو کچھ باقی رہ جائے ۔ اَلتَّحْصِیْلُ ۔ جو کچھ حاصل ہو جائے اسے الگ الگ کر دینا ۔ دراصل تَحْصِیْلٌ کے معنے چھلکے سے مغز نکالنا ہوتا ہے ۔ مثلاً بھوسے سے گیہوں کے دانوں کو یا مٹی پتھر کو، الگ کرنا ۔ تَحَصَّلَ الشَّیْءُ ۔ چیز جمع اور ثابت ہو گئی ۔ اس سے اَلْحَوْصَلَةُ ۔ پرندے کے پوٹے کو کہتے ہیں* ۔

قرآن کریم میں ہے وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ (۱۰۰/۱۰) جو کچھ سینوں میں (یا کہیں اور پوشیدہ) ہے اسے یوں الگ کر کے باہر نکال لیا جائے گا جیسے چھلکے سے مغز الگ کر لیتے ہیں ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ تَحْصِیْلٌ کے معنی سونے یا چاندی کو کان کی مٹی سے نکالنے کے ہیں ۔

---

*تاج و راغب ۔ ** محیط ۔ *** حصحص رباعی ہے لیکن ہم نے اسے الگ لکھنے کی بجائے یہیں (ثلاثی میں) لکھدینا مناسب سمجھا ہے ۔

ح ص ن

اَلْاِحْصَانُ کسی چیز کی حفاظت کرنا ۔ اسے محفوظ رکھنا ۔ یہ اس لفظ کے بنیادی معنے ہیں ۔ حَصُنَ الْمَکَانُ یَحْصُنُ ۔ جگہ کا محفوظ ہونا اس طرح کہ اس تک پہنچنے کی راہ نہ ہو ، ایسی محفوظ جگہ حَصِیْنٌ کہلائیگی ۔ حَصَّنَہٗ وَ اَحْصَنَہٗ اس نے اسے محفوظ کرد یا ۔ اَلْحِصْنُ ہر محفوظ مقام جسکے اندر تک رسائی نہ ہوسکے ۔ جمع حُصُوْنٌ ۔ (۵۹/۲) مُحَصَّنَۃٍ ۔ محفوظ کی ہوئی (۵۹/۱۴) ۔ اَلْمِحْصَنُ ۔ قفل ۔ حفاظت کرنے کے معنوں میں سورۃ انبیاء میں ہے لِتُحْصِنَکُمْ (۲۱/۸۰) ''تاکہ وہ تمہیں محفوظ رکھے'' ۔

سورۃ یوسف میں بحفاظت ذخیرہ کی ہوئی گندم کیلئے ہے مِمَّا تُحْصِنُوْنَ (۱۲/۴۸) ۔ حفاظت کے اعتبار سے ، حَصَانٌ اس عورت کو کہتے ہیں جو پاکدامن ہو اور اپنی عفت کو محفوظ رکھتی ہو * ۔ (موتی کو بھی کہتے ہیں کہ وہ سیپ میں محفوظ ہوتا ہے) ۔ عورت کی پاکدامنی دو طریق پر ہوتی ہے ۔ ایک تو یہ کہ وہ غیر شادی شدہ ہو اور اپنی عفت کو محفوظ رکھے اور دوسرے یہ کہ وہ شادی کرکے (صرف ایک کی ہو جائے) اور اسطرح اسکی عصمت (غیروں کے ہاتھوں سے) محفوظ ہو جائے ۔ اس اعتبار سے پاکدامن عورت کو مُحْصِنٌ بھی کہتے ہیں اور مُحْصَنٌ بھی ۔ (یعنے بصیغہ فاعل اور بصیغہ مفعول دونوں طرح) ۔ راغب نے کہا ہے کہ مُحْصِنٌ (حفاظت کرنے والی) اسوقت کہتے ہیں جب وہ (غیر شادی شدہ حالت میں) اپنی عفت کی حفاظت آپ کرے ۔ اور مُحْصَنٌ ۔ (جس کی حفاظت کی جائے) جب اسکی عصمت کی حفاظت شادی کے ذریعہ سے ہو جائے ۔ چنانچہ اَلْمُحْصَنٰتُ ۔ شادی شدہ عورتوں کو کہتے ہیں ۔ اَحْصَنَ ۔ کے معنے ہیں شادی کرنا ۔ لیکن تاج العروس میں (جوہری اور ثعلب کے حوالہ سے) لکھا ہے کہ پاکدامن عورت کے لئے مُحْصِنَۃٌ اور مُحْصَنَۃٌ ۔ دونوں الفاظ آئے ہیں، لیکن شادی شدہ کیلئے صرف مُحْصَنَۃٌ آتا ہے ۔ چنانچہ قرآن کریم میں پاکدامن عورتوں کیلئے اَلْمُحْصَنٰتُ آیا ہے (۴/۲۴) ۔ جسمیں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں شامل ہیں ۔ لہذا جہاں مُحْصَنَۃٌ آئیگا، وہاں سیاق و سباق کی رو سے دیکھنا ہوگا کہ اس سے مطلب غیر شادی شدہ پاکدامن عورت ہے یا شادی شدہ عورت ۔

* تاج و راغب و محیط

قرآن کریم میں یہ لفظ پاکدامن کے معنوں میں (۵/۵ ; ۲۴/۴ ; ۲۴/۲۳) میں آیا ہے ۔ سورۃ نساء (۴/۲۵) میں یہ لفظ فتیات کے مقابلہ میں آیا ہے جہاں اسکے معنے آزاد عورتوں کے ہیں (بمقابلہ لونڈیوں کے) ۔ اسی سورۃ کی چوبیسویں آیت (۴/۲۴) میں جہاں یہ لفظ آیا ہے ، وہاں اسکے معنے ''پاکدامن'' بھی ہو سکتے ہیں اور ''شوہردار'' بھی ۔ پہلے معنوں کے اعتبار سے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم پر تمام پاکدامن عورتیں حرام ہیں بجز ان کے جو تمہارے نکاح میں ہوں ۔ اور دوسرے معانی کے اعتبار سے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم پر شوہر دار عورتیں حرام ہیں ، بجز ان لونڈیوں کے جو اس سے پہلے تمہاری ملک میں آ چکی ہوں (دیکھئے عنوان م ۔ ل ۔ ک) ۔ یا بجز شوہردار عورتوں کے جن کا استثناء (۴/۲۴) میں کیا گیا ہے ۔ ہمارے نزدیک یہاں شوہردار کا مفہوم زیادہ قرین قیاس ہے ۔

قرآن کریم نے مرد اور عورت کے جنسی تعلقات کیلئے دو لفظ استعمال کئے ہیں ۔ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (۴/۲۴) ۔ (سَفْح* کے تفصیلی معنے عنوان س ۔ ف ۔ ح کے تحت دیکھئے ۔ یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ اسکے معنے ہیں اپنے مادہ کو یوں ہی بہا دینا یا گرا دینا) یعنے اگر یہ اختلاط محض مادہ کو نکالنے کیلئے ہے (جسے شہوت رانی کہتے ہیں ۔ یعنے جنسی اشتعال کی تسکین ۔ زنا کا مقصد یہی ہوتا ہے) تو یہ ناجائز ہے ۔ اور اگر اس سے مقصد یہ ہے کہ اسطرح مادہ (استقرار حمل کی رو سے) محفوظ ہو جائے اور یونہی بہکر ضائع نہ چلا جائے ۔ تو یہ اختلاط جائز ہے ۔ اسے نکاح کہتے ہیں ۔ چنانچہ عربوں میں نِكَاح* کے مقابلہ میں لفظ سِفَاح* آتا تھا ۔ نیز ان کے ہاں تیروں سے جوا کھیلا کرتے تھے ۔ ہر تیر کسی خاص حصہ کیلئے ہوتا تھا ۔ لیکن ان میں ایک تیر خالی رکھا جاتا تھا جو محض خانہ پری کیلئے ہوتا تھا ۔ اسکا نہ کوئی حصہ ہوتا تھا نہ نتیجہ ۔ اس تیر کو السَّفِيْحُ* کہتے تھے* ۔ اس سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ کے معنے کیا ہیں ۔ اَلْمَسْفُوْحُ مِنَ الزَّرْعِ ۔ اس کھیتی کو کہتے تھے جسکے پتے شدت سردی سے زرد پڑ جائیں ۔ دانے مرجھا کر پتلے ہوجائیں ۔ بالیں سیاہ پڑ جائیں ۔ اور انکے پرت گر پڑیں** ۔ اسطرح ساری کھیتی ضائع ہو جائے ۔ اس سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے جنسی اختلاط کا منشا کیا ہے ۔ اسی لئے اس نے عورتوں کو حَرْثٌ* (کھیتی) کہا ہے ۔ (۲/۲۲۳) ۔ یعنے مرد اور عورت کا جنسی اختلاط بطریق

* تاج ۔ **محیط ۔

مُحْصِنِیْنَ ہونا چاہئے ۔ یعنی ذمہ داریوں کی حفاظت کی غرض سے جو نکاح کے ذریعہ ایک دوسرے پر عائد ہوتی ہیں اور جسکا منشا تحفظ اور بقائے نسل انسانی ہے ، نہ کہ محض جنسی تسکین کی خاطر۔ " خالی تیر چلانے " کیلئے۔ " وقتی نکاح " بھی سِفْح ہی ہوتا ہے نہ کہ اِحْصَان ۔ (نیز دیکھئے عنوان خ ۔ د ۔ ن)

(مردوں اور عورتوں کے جنسی اختلاط کے حدود و ضوابط کا قوموں کے تمدن اور کلچر سے کسقدر گہرا تعلق ہے ، اس کے لئے میری کتاب " طاہرہ کے نام خطوط " ملاحظہ کیجئے) ۔

ح ص ی

اَلْحَصٰی ۔ چھوٹی چھوٹی کنکریاں ۔ سنگریزے ۔ چونکہ عرب ابتداءً چیزوں کی گنتی چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے کرتے تھے (جیسا کہ ہم انگلیوں سے گنتے ہیں) اس لئے اِحْصَاءٌ کے معنے گنتی کرنے ($\frac{۱۲}{۳۴}$) ۔ یا گنتی کر کے کسی چیز کو حاصل کر لینے اور احاطہ میں لے لینے کے ہوگئے * ۔

قرآن کریم میں ہے وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ($\frac{۷۲}{۲۸}$) ۔ " اس نے ہر چیز کو گن کر احاطہ میں لے رکھا ہے " ۔ یعنی اس میں گنتی اور اس کے بعد حفاظت سے حاصل کر لینے کے دونوں گوشے آ جاتے ہیں ۔ جیسے سورۃ مزمل میں ہے عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ ($\frac{۷۳}{۲۰}$) ۔ " وہ جانتا ہے کہ تم پابندی کے ساتھ ایسا کرنے کی طاقت نہیں رکھ سکو گے " ۔ سورۃ کہف میں ہے اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ($\frac{۱۸}{۱۲}$) " ان دونوں گروہوں میں سے کس نے اس عرصہ کا احاطہ کیا ہے " اور اس مدت کو شمار کر لیا ہے یا اسے اپنے ضبط اور کنٹرول میں رکھا ہے ۔ عموماً اس آیت میں اَحْصٰی افعل التفضیل سمجھا جاتا ہے لیکن ہمارے خیال میں بہتر یہ ہے کہ اسے فعل ماضی سمجھا جائے ۔ کشاف نے بھی یہی لکھا ہے ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنے روکنے کے لکھے ہیں ، نیز شمار کرنا اور بدقت کسی کام کی طاقت رکھنا ۔ اس سے بھی مطلب احاطہ کرنا اور ضبط کرنا ہیں ۔

ح ض ر

حَضَرَ ۔ یَحْضُرُ ۔ حُضُوْرًا ۔ حاضر ہونا ۔ موجود ہونا ۔ (غَابَ کی ضد ہے) ۔ نیز حَاضِرٌ ۔ موجود ۔ اَحْضَرَ الشَّیْءَ ۔ چیز کو حاضر کر دیا ** ۔

* تاج و راغب ۔ ** تاج

حَضَرَہٗ وَاَحْضَرَہٗ واحْتَضَرَہٗ ۔ اُسے حاضر و موجود کیا ، نیز اس کے پاس آیا اور پہنچا* ابن فارس نے اس سادہ کے معانی پہنچنا ، پہنچانا ، موجود ہونا بتائے ہیں ۔ اس اعتبار سے الاِحْتِضَارُ دم مرگ کو کہتے ہیں جب موت حاضر ہو جاتی ہے ۔ آیت (۲۳/۹۸) میں یَحْضُرُوْنِ کے معنے بتائے ہوئے اس نے کہا ہے کہ بعض نے اس کے معنے ایذا پہنچانا اور برا کرنا بھی بتائے ہیں ۔ اَلْحَضَارَۃُ ۔ شہر میں اقامت کرنا ۔ برخلاف بَدَاوَۃٌ کے، جس کے معنی دیہات میں سکونت اختیار کرنا ہیں ۔ اَلْحَاضِرَۃُ ۔ شہر ' بستیاں ' سرسبز آباد علاقے** ۔

قرآن کریم میں ہے اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ (۲/۱۳۳) ''جب یعقوب کے سامنے موت آگئی'' ۔ یعنے ان کے مرنے کا وقت آ گیا ۔

حَاضِرَۃَ الْبَحْرِ (۷/۱۶۳) دریا کے کنارے واقع ہونے والی ۔ تِجَارَۃٌ حَاضِرَۃٌ (۲/۲۸۲) نقد تجارت ۔ نقد سودا ۔ مُحْضَرُوْنَ (۳۰/۱۶) حاضر کئے ہوئے، مبتلائے عذاب ۔ مُحْتَضَرٌ (۵۴/۲۸) حاضر کیا ہوا ۔ یعنی جس کی باری ہوگی اس کے لئے گھاٹ موجود ہوگا ۔ کسی دوسرے نے اس پر قبضہ نہیں کیا ہوگا ۔

ح ض ض

اَلْحَضُّ ۔ کسی کام پر برانگیختہ کرنا ، ابھارنا ۔ خلیل کے نزدیک اَلْحَضُّ ہانکنے کے علاوہ دوسرے کاموں پر برانگیختہ کرنے کے لئے آتا ہے ۔ (بحوالہ ابن فارس) حَضَّضَہٗ ۔ یَحُضُّہٗ عَلٰی اَمْرٍ ۔ کسی کو کسی کام پر ابھارنا ۔ برانگیختہ کرنا ۔ حَضِیْضٌ ۔ نشیبی زمین کو کہتے ہیں*** ۔ (کیونکہ اس طرف انسان تیزی سے چلا جاتا ہے) ۔ اصل میں حَضٌّ کے معنے ہی جانور کو نشیب کی طرف ہانکنے کے ہوتے ہیں**** ۔ پھر اسکے معنے ابھارنے اور برانگیختہ کرنے کے آنے لگے ۔

قرآن کریم میں ہے وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (۶۹/۳۴) ''وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا'' ۔ سورۃ فجر میں وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ (۸۹/۱۸) آیا ہے ۔ ''وہ ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے'' ۔ ایسا کرنے والے دین کی تکذیب کرتے ہیں ۔ (۱۰۷/۱-۳) ۔ آپ نے غور کیا کہ قرآن کریم کی رو سے دین اور معاشیات کا کتنا گہرا تعلق ہے!

* محیط ۔ ** تاج ۔ *** تاج و راغب ۔ **** راغب ۔

ح ط ب

اَلْحَطَبُ ۔ وہ لکڑیاں جو آگ جلانے کے لئے درختوں سے کاٹی جاتی ہیں ۔ ایندھن (جب ان لکڑیوں میں آگ لگائی جائے تو پھر اس ایندھن کو وَقُوْدٌ کہا جائیگا)*** ۔ حَطَبَ یَحْطِبُ ۔ لکڑیاں جمع کرنا ۔ مَکَانٌ حَطِیْبٌ ۔ وہ جگہ جہاں بہت لکڑیاں ہوں ۔ ھُوَ حَاطِبُ لَیْلٍ ۔ وہ بری بھلی، کار آمد و بیکار، ہر قسم کی باتیں بیان کرتا ہے ۔ جیسے رات کے اندھیرے میں لکڑیاں چننے والا کبھی سانپ کو بھی لکڑی سمجھ کر اٹھا لیتا ہے* ۔ فُلَانٌ یَحْطِبُ عَلٰی فُلَانٍ ۔ فلاں آدمی فلاں کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتا ہے ۔ حَطَبَ فُلَانٌ بِصَاحِبِہٖ ۔ فلاں نے اپنے ساتھی کے خلاف چغلی کھائی** ۔

قرآن کریم میں حَطَبًا ($\frac{۷۲}{۱۵}$) ایندھن کے لئے آیا ہے ۔ اور ابولہب کی بیوی کو حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ ($\frac{۱۱۱}{۴}$) کہا گیا ہے ۔ اس کے معنے چغلخور کے بھی ہوسکتے ہیں اور دشمنی کی آگ بھڑکانے کے بھی ۔ اس کا مفہوم ''لگائی بجھائی کرنے والی'' زیادہ موزوں نظر آتا ہے ۔ یا اسباب مخالفت میں اضافہ کرنے والی ۔

ح ط ط

اَلْحَطُّ ۔ اس مادہ کے اصلی معنے اوپر سے اتارنا اور نیچے رکھنا ہیں****۔ اَلْحَطُّ وَالْاِحْتِطَاطُ کے معنے ہیں سواری وغیرہ سے سامان اتار دینا ۔ حَطَّ فِیْ مَکَانٍ ۔ وہ کسی جگہ اتر گیا ۔ اَلْمَحَطُّ ۔ منزل، قیام گاہ ۔ حَطَّۃُ الرَّجُلُ یَحُطُّ ۔ وہ آدمی اوپر سے نیچے کی طرف اترا ۔ اَلْحُطَائِیُّ ۔ چھوٹے قد کا آدمی* ۔

سورۃ بقرہ میں جہاں بنی اسرائیل سے کہا گیا ہے کہ تم اب اس شہر میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہو جاؤ، وہاں ہے وَقُوْلُوْا حِطَّۃٌ ($\frac{۲}{۵۸}$)۔ اسکے معنے یہ ہیں کہ تم اس شہر میں جا بسو، اور پھر یہ دعا کرو کہ اب ہماری دشت نوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی ختم ہو جائے ۔ ہمارا رختِ سفر ہماری سواریوں سے اتر جائے اور ہم اس قیامگاہ میں آرام سے زندگی بسر کریں ۔

* تاج ۔ ** محیط و راغب ۔ *** لطائف اللغۃ ۔ **** محیط ۔

راغب نے کہا ہے کہ حِطَّۃٌ کے معنے ہیں حُطَّ عَنَّا ذُنُوْبَنَا ۔ یعنی ہمارے گناہ ہم سے اُتار دے ۔ دور کردے* ۔ اسکا بھی مطلب یہی ہے کہ اب ہماری خطا معاف ہو اور صحرانوردی اور دشت پیمائی کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے ۔

ح ط م

اَلْحَطْمُ ۔ توڑ دینا ۔ خواہ کسی طریق سے بھی ہو ۔ خشک چیز جیسے ہڈی وغیرہ کو توڑ دینا ۔ انْحَطَمَ وہ چیز ٹوٹ گئی ۔ اَلْحِطْمَۃُ ۔ اَلْحُطَامَۃُ جو کچھ کسی چیز میں سے ٹوٹ جائے ۔ اَلْحَطِیْمُ ۔ وہ حصہ جو خانہ کعبہ کی عمارت سے الگ چھوڑا ہوا ہے ۔ اَلْحَطْمَۃُ ۔ سخت قحط کا سال ۔ اَلْحُطَمَۃُ ۔ کثیر تعداد میں اونٹ یا بکریاں جو زمین کے بالائی حصہ یا پودوں کو پامال کردیں ۔ سخت آگ جو ہر اس چیز کو جو اس میں ڈالی جائے بھسم کرکے رکھدے ۔ ایسا چرواہا جو اپنے جانوروں پر سخت ظلم کرے ۔

سورۃ نمل میں ہے لَا یَحْطِمَنَّکُمْ (۲۷/۱۸) ''وہ کہیں تمہیں کچل نہ ڈالیں'' ۔

سورۃ زمر میں ہے ثُمَّ یَجْعَلُہٗ حُطَامًا (۳۹/۲۱) پھر وہ اسے چورا چورا کر دیتا ہے ۔ کچلی ہوئی چیز کیطرح کر دیتا ہے ۔ سورۃ اَلْھُمَزَۃُ میں جہنم کیلئے اَلْحُطَمَۃُ آیا ہے (۱۰۴/۴) ۔ یعنی جس میں انسانیت کچلی جائے ۔

ح ظ ر

حَظَرَہُ الشَّیْءَ یَحْظُرُہٗ ۔ اس سے کسی چیز کو روک دینا ، بند کر دینا ، منع کر دینا ۔ جب کوئی شے تمہارے اور کسی دوسرے کے درمیان روک بن کر حائل ہوجائے تو کہتے ہیں حَظَرَہٗ عَلَیْکَ ۔ اَلْحَظِیْرَۃُ ۔ باڑ جو کھیت کے گرد لگادی جائے ۔ احاطہ ۔ کھجور کی شاخوں اور پٹھوں سے ایک دائرہ سا بنا لیتے ہیں جس میں کھجوریں توڑ توڑ کر اکٹھی کرتے جاتے ہیں ۔ نیز اونٹوں وغیرہ کا باڑہ ۔ اَلْحِظَارُ ۔ دیوار کو بھی کہتے ہیں ۔

اَلْحَظِیْرُ ۔ بخیل کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ مال کو اپنے لئے روک رکھتا ہے اور نوع انسانی کیلئے کھلا نہیں رکھتا ۔ اَلْمَحْظُوْرُ ۔ روکا ہوا ۔ محروم ۔ جسے کسی چیز کے لینے سے روک دیا ہو* ۔

---

*راغب ۔ *تاج و محیط و راغب ۔

قرآن کریم میں ہے کہ جہانتک خدا کے قانون طبعی کے ذریعہ دنیا کے مال و متاع سانے کا تعلق ہے یہ ہر شخص کو اسکی کوشش کے مطابق مل سکتا ہے ۔ اس میں کافر و مومن ، کسی کی تمیز نہیں ۔ مَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا (۱۷/۲۰) ''خدا نے اپنی عطا کردہ نعمتوں پر کوئی احاطہ بندی نہیں کر رکھی'' ۔ اسے تمام نوع انسانی کی ربوبیت عامہ کیلئے کھلا رکھا ہے ۔ لہذا انہیں اسی طرح کھلا رہنا چاہئے ۔ جو نظام ، خدا کے دیئے ہوئے رزق کے سرچشموں کو افراد کی ملکیتوں میں دیکر انہیں محظور کر دیتا ہے وہ خدا کے نظامِ رب العالمینی کی خلاف ورزی کرتا ہے ۔ اس لئے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا ۔ اسی کو يَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (۱۰۷/۷) کہا گیا ہے ۔ یعنی جس رزق کو پانی کی طرح بہتا رہنا چاہئے تھا اسے بند لگا کر روک رکھنا ۔

سورۃ قمر میں قوم ثمود کی تباہی کے ضمن میں ہے فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ (۵۴/۳۱) ۔ وہ ایسے ہوگئے جیسے پرانی باڑ کا فرسودہ چورہ ہوتا ہے ۔ (ابن فارس) یا اس بھوسہ کی طرح ہوگئے جس کو رکھنے کیلئے باڑ بنانے والا باڑ بناتا ہے ۔

ح ظ ظ

اَلْحَظُّ ۔ نصیب ۔ مقررہ حصہ ۔ بخت ۔ اَحَظُّ فُلَانٌ ۔ فلاں شخص خوش بخت اور مالدار ہو گیا ۔ اَلْحَظِيظُ ۔ خوش نصیب و آسودہ حال * ۔

قرآن کریم میں بہت بڑے نصیب والے (خوش بخت) کو ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ کہا گیا ہے (۴۱/۳۵) ۔ یہ وہ ہے جو پرائی کو حسن کارانہ انداز سے دور کرتا اور جادۂ حق پر استقامت سے چلے جاتا ہے (۴۱/۳۴-۳۵) ۔

ح ف د

حَفَدَ ۔ يَحْفِدُ ۔ کام میں پھرتی اور جلدی کرنا ۔ خدمت کرنا ۔ اَلْحَفَدُ و الْحَفَدَةُ ۔ خدام و اعوان (حَافِدٌ کی جمع ہے) جو شخص کوئی کام کرے اور اس میں اطاعت اور تیزی دکھائے تو اسے حَافِدٌ کہتے ہیں * ۔ قرآن کریم میں ہے وَ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَ حَفَدَةً (۱۶/۷۲) ''اس نے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے اولاد (بیٹے) پیدا کی ۔ اور خدمتگار بھی'' ۔ بعض نے کہا ہے کہ حِفَادُ الرَّجُلِ ۔ آدمی کی اولاد اور

* تاج ۔

اولاد در اولاد کو کہتے ہیں - بعض نے کہا ہے کہ یہ نسبتی رشتہ داروں کو کہتے ہیں - بعض نے پوتے مراد لئے ہیں *** - لیکن اکثریت اسی طرف گئی ہے کہ اس سے مراد خدمتگار ہی ہیں - اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری بیویوں سے تمہاری اولاد پیدا کی - نیز تمہارے لئے خدمتگار بنائے - پوتے وغیرہ بھی اسلئے مراد لئے جاتے ہیں کہ ان کی خدمت زیادہ صداقت آمیز ہوتی ہے ** - واضح رہے کہ '' خدمتگار،، سے مراد کام کاج میں معاون اور مددگار ہیں - ہمارے موجودہ تصور کے مطابق '' نوکر،،نہیں جنہیں انسانیت کا درجہ ہی نہیں دیا جاتا -

ح ف ر

حَفَرَ الشَّیْءَ یَحْفِرُہٗ - کسی چیز کو کھودنا - جو جگہ کھودی جائے اسے حُفْرَۃٌ کہتے ہیں اور جس چیز سے کھودا جائے اسے مِحْفَارٌ** - اَلْحُفْرَۃُ - گڑھا * (۳/۱۰۲) اَلْحَافِرُ - جانور کے سم کو کہتے ہیں ، کیونکہ وہ چلنے میں مٹی کھودتا چلا جاتا ہے - اسی سے حَافِرَۃٌ اس راستہ کو کہتے ہیں جس پر کوئی نشان بناتا گیا ہو - چنانچہ کہتے ہیں رَجَعْتُ عَلٰی حَافِرَتِیْ - میں اپنے اس راستہ پر لوٹ آیا جس پر میں گیا تھا - یعنے اپنی پہلی حالت پر واپس آجانا * - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کھودنے کے علاوہ ، اوّلِ امر کے بھی ہیں -

سورۃ نَازِعٰت میں ہے کہ جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ آنے والے انقلاب میں ان سے وہ سب قوت و دولت چھن جائیگی جو انہوں نے اسطرح سلب و نہب سے حاصل کر رکھی ہے اور اسطرح وہ اُسی حالت پر لوٹ جائینگے جس پر وہ اس دولت و قوت کے حصول سے پہلے تھے ، تو یہ اسکا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ، ذرا ان کی سننا ! یہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری پھر وہی پہلی سی حالت ہو جائیگی - یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَۃِ (۷۹/۱۰) - صاحب تاج نے لکھا ہے کہ حَافِرَۃٌ اسطرح لوٹنے کو کہتے ہیں کہ آخری حصہ بالکل پہلے حصہ پر پلٹ جائے **** - (As you were) ہو جانا - یا مرنے کے بعد جب ہڈیاں تک کھوکھلی ہو جائیں ، پھر زندگی کی حالت کیطرف لوٹ آنا - یعنی دوبارہ زندہ ہوجانا -

* تاج و راغب - **راغب - *** لطائف اللغۃ - **** تاج

ح ف ظ

حَفِظَہٗ ۔ حِفْظاً ۔ نگہبانی کرنا ۔ حفاظت کرنا ۔ بچانا * ۔ اَلْحِفْظُ کے بھی یہی معنے ہیں (۳۵/۲) ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں حاء اور فاء اکٹھے آئیں اُن میں جمع کرنے کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ محفوظ کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اُس شے کو منتشر نہ ہونے دیا جائے۔ جمع رکھا جائے۔ حَافِظٌ۔ حَفِیْظٌ۔ وہ شخص جو کسی چیز کی نگہبانی کیلئے مقرر کیا گیا ہو ۔ محافظ ۔ نگہبان * ۔ اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا حَافِظٌ (۸۶/۴) ۔ ''ہر شخص پر نگہبان مقرر ہے'' ۔ اور اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ (۱۱/۵۷) ۔ ''میرا رب ہر شے کا نگہبان ہے'' ۔ سورۃ قٓ میں مومن کو بھی حَفِیْظٌ (۵۰/۳۲) کہا گیا ہے ۔ اس کے معنے ہونگے قانون خداوندی کی نگہداشت کرنے والا ۔ حَافِظٌ کی جمع حَفَظَۃٌ ہے ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ اُن کائناتی قوتوں (ملائکہ) کیلئے بھی آیا ہے جو قانونِ خداوندی کے مطابق ہر شے پر کنٹرول رکھتی ہیں ۔ (۶/۶۱) ۔ اِسْتَحْفَظَ حفاظت کی خواہش کرنا ۔ سورۃ مائدہ میں ہے بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ (۵/۴۴) یعنے جو کتاب اللہ انکی حفاظت میں دی گئی تھی ۔ جس کی حفاظت کا ان سے مطالبہ کیا گیا تھا ۔ مَحْفُوْظٌ۔ حفاظت میں رکھا ہوا ۔ سورۃ انبیاء میں ہے وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفاً مَّحْفُوْظاً (۲۱/۳۲) ۔ ''ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا'' ۔ فتح القدیر میں ہے کہ اسکے معنے مَرْفُوْعاً اونچا ہیں ** ۔ لیکن ہمیں لغت سے اسکی تائید نہیں ملی شاید یہ معنی اس اعتبار سے لئے گئے ہوں کہ حفاظت کی غرض سے کسی شے کو اتنی بلندی پر رکھ دیا جائے جو لوگوں کی دسترس سے باہر ہو ۔ لیکن یہ معنی قیاسی ہونگے ۔ (آیت کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان س ۔ م ۔ و) ۔

نصر نے کہا ہے کہ اَلْحَافِظُ سیدھے اور واضح راستے کو بھی کہتے ہیں * ۔

ح ف ف

اَلْحِفَافُ ۔ گنجے کے سر کے ارد گرد کے بال ۔ اس سے اسکے معنے ہوتے ہیں ہر وہ چیز جو کسی چیز کے گردا گرد واقع ہو اور اسے اپنے گھیرے میں لئے ہو ۔ حَفَّفَہٗ بِالشَّیْءِ ۔ اس نے اسے کسی چیز کے ذریعہ گھیر لیا ۔

* تاج ۔ ** بحوالہ غریب القرآن میرزا ابوالفضل ۔

حَفَّفَ حَوْلَہٗ ۔ اس نے اسکے گرد گھیرا ڈال دیا * ۔ اصل میں ، جس لفظ میں حاء اور فاء اکٹھے ہوں اس میں جمع کرنے کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ** ۔

سورۃ کہف میں دو باغوں کے متعلق ہے ۔ حَفَفْنٰھُمَا بِنَخْلٍ (۱۸/۳۲) " ہم نے انکے گردا گرد کھجوریں لگائیں " ۔ سورۃ زمر میں ہے وَ تَرَی الْمَلٰٓئِکَۃَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ (۳۹/۷۵) ۔ " تو ملائکہ کو دیکھیگا کہ وہ عرش کے ارد گرد گھیرا ڈالے ہیں " ۔ عرش ، کائنات کے کنٹرول کا مرکز ہے ۔ اور ملائکہ ، عالم امر و خلق کی وہ قوتیں جو مشیت کے پروگرام کو بروئے کار لاتی ہیں ۔ یہ سب قوتیں خدا کے کائناتی کنٹرول کے مطابق سرگرم عمل رہتی ہیں ۔

ح ف ی (ح ف و)

اَلْحَفَا ۔ آدمی یا اونٹ کے پاؤں اور جانوروں کے سُم یا کھر کا زیادہ چلنے سے چھل جانا ۔ ننگے پاؤں ، بغیر جوتے یا موزے کے چلنا ۔ اِحْتَفٰی ۔ وہ ننگے پاؤں چلا *** ۔ چونکہ انسان ننگے پاؤں اس کام کے لئے اٹھ کر چل دیتا ہے جسکے متعلق اسے بڑی کاوش اور اضطراب ہو ، اس لئے اس لفظ کا استعمال شدت اور مبالغہ کے لئے ہوتا ہے ۔ حَفِیَ بِہٖ : اسکے ساتھ مہربانی و لطف سے پیش آیا ، اس کا انتہائی اکرام و احترام کیا ، اسے دیکھ کر نہایت مسرت و شادمانی کا اظہار کیا *** ۔ حَفِیَ عَنْہُ یَحْفٰی ۔ کسی کا حال بار بار ، اکثر ، با صرار پوچھتے رہنا ۔ اَحْفَی السُّؤَالَ ۔ اس نے بار بار سوال دہرایا ۔ با صرار مانگا ۔ اَلْحَفِیُّ ۔ اس عالم کو کہتے ہیں جو نہایت کاوش کے ساتھ علم حاصل کرے ۔ جو بات کی تہہ تک پہنچ جائے ۔ اِسْتَحْفَی الرَّجُلُ ۔ آدمی نے بڑی کوشش اور کاوش سے بات معلوم کی **** ۔ اَلْحَافِیْ ۔ قاضی کو کہتے ہیں جو مقدمہ کی تہ تک پہنچ کر فیصلہ دیتا ہے *** ۔ اَلْحَفِیُّ ۔ بات کو اچھی طرح جاننے والا **** ۔ وسیع معلومات اور ہمہ گیر علم رکھنے والا ۔ سورۃ اعراف میں ہے یَسْئَلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْھَا (۷/۱۸۷) یہ تجھ سے (اَلسَّاعَۃُ) کے متعلق اسطرح پوچھتے ہیں گویا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسی مسئلہ کی تحقیق کے پیچھے لگا ہوا ہے ۔ سورۃ مریم میں خدا کے متعلق ہے اِنَّہٗ کَانَ بِیْ حَفِیًّا (۱۹/۴۷) ۔ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے ، میری حاجت روا کرنے والا ہے ۔ کیونکہ حَفِیَ بِہٖ کے معنے ہیں کسی کے

* تاج و محیط ۔ ** العلم الخفاق ۔ *** محیط ۔ **** تاج ۔

اکرام میں مبالغہ سے کام لینا ۔ اصمعی نے حَفِیَ بِہٖ کے معنے کسی کی ضرورت پر اس کے کام آنا اور اسکو عزت سے ٹھیرانا کئے ہیں* ۔ سورۃ محمد میں ہے اِنْ یَّسْئَلْکُمُوْھَا فَیُحْفِکُمْ (۴۷/۳۷) اگر وہ تم سے (مال و دولت) مانگے اور اس مانگنے میں اصرار کرے تمہارا پیچھا لے اور چمٹ جائے ۔ ننگے پاؤں تمہارے پیچھے پیچھے پھرے ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) روکنا ۔ (۲) سوال کرنے میں حد کر دینا ۔ اور (۳) ننگے پاؤں ہونا ہیں ۔ اس مادہ میں کسی چیز کو جڑ سے اکھیڑ دینے کے معنے بھی پائے جاتے ہیں ۔ اسی سے اِحْفَاءُ الشَّوَارِب ہے (یعنی مونچھوں کو جڑ سے کاٹ لینا ۔) ۔ صاحب محیط نے اس کی تائید میں ابوفراس بن حمدان عدوی کا یہ شعر نقل کیا ہے ۔

اَغَایَۃُ الدِّیْنِ اَنْ تُحْفُوْا شَوَارِبَکُمْ
یَا اُمَّۃً ضَحِکَتْ مِنْ جَھْلِھَا الْاُمَمُ

کیا تمہارے نزدیک دین کی غایت یہی رہ گئی ہے کہ مونچھوں کو جڑ سے مونڈا جائے؟ اے وہ قوم کہ تیری جہالت پر دنیا کی قومیں ہنس رہی ہیں ۔

ح ق ب

اَلْحَقَبُ ۔ وہ بند جو اونٹ کے پیٹ کے نیچے سے کھینچکر کجاوہ یا کاٹھی کے ساتھ کس کر باندھا جائے ۔ (اسے ہمارے ہاں ''تنگ'' کہتے ہیں) اس کے بنیادی معنی روکنے اور قید کرنے کے ہوتے ہیں (ابن فارس) ۔ اَلْحَقِیْبَۃُ ۔ تھیلا ، بالخصوص وہ تھیلا جو پالان کے پچھلے حصہ میں لٹکا رہتا ہے ۔ اَلْمُحْتَقِبُ ۔ وہ شخص جو اپنے پیچھے کسی دوسرے آدمی کو سواری پر بٹھائے ۔ اِحْتَقَبَ فُلَانٌ ۔ فلاں آدمی نے اپنے کجاوہ یا کاٹھی کے پچھلے حصہ میں کچھ باندھ کر لٹکا لیا ۔ اِحْتَقَبَ فُلَانٌ اَلْاِثْمَ ۔ فلاں آدمی نے گناہوں کا پشتارہ اپنے پیچھے باندھ لیا ۔ اَلْحِقْبَۃُ مِنَ الدَّھْرِ ۔ زمانہ کی ایک مدت جسکی مقدار مقرر نہیں ۔ اَلْحُقْبُ وَالْحُقُبُ زمانہ ۔ اسّی(۸۰) سال کا زمانہ ۔ سال ۔ سالہاسال ، (جمع اَحْقَاب*) ۔ یہ لفظ غیر متعین مدت کے لئے بولا جاتا ہے** سورۃ کہف میں ہے اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا

* تاج ۔ ** راغب ، لطائف اللغۃ میں اس کے معنے اَلدَّھر لکھے ہیں ۔ یعنی زمانہ ۔

(۱۹/۷۸) ۔ ''سالہا سال تک چلتا رہوں'' ۔ اہلِ جہنم کے متعلق ہے لٰبِثِیْنَ فِیْھَا اَحْقَابًا (۷۸/۲۳) ۔ ''وہ اس میں زمانہ دراز تک رہینگے'' ۔ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ (۱۱/۱۰۷) تک ۔ یعنی جب تک زمین و آسمان قائم ہیں ۔

ح ق ف

اَلْحِقْفُ ۔ لمبا بلند یا بڑا گول ریتیلا ٹیلہ ۔ جمع اَحْقَافٌ ہے ۔ نیز بل کھائی ہوئی ریتیلی زمین کو بھی کہتے ہیں ۔ اَحْقَافٌ (۴۶/۲۱) ۔ یمن میں ، عمان اور حضرموت کے درمیان ٹیلے اور پہاڑ ہیں جہاں قوم عاد رہتی تھی* ۔

ح ق ق

حَقَّ کے معنے ہیں کسی چیز کا اسطرح موجود ، واقع اور ثابت ہو جانا کہ اسکے واقع ہونے یا ثابت ہونے سے انکار نہ کیا جاسکے* ۔ یعنی کسی چیز کا ٹھوس شکل (Concrete Form) میں سامنے آ جانا ۔ یا ثابت (Establish) ہو جانا ۔ جن الفاظ میں حاء اور قاف اکٹھے آئیں ان میں اثبات (ثابت ہونے) کا مفہوم مضمر ہوتا ہے** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں صحت (صحیح ہونا) اور استحکام و ثبات دونوں شامل ہیں ۔ چنانچہ کہتے ہیں عِنْدَ حَقِّ لِقَاحِیھَا ۔ یعنی اونٹنی کا حمل ثابت ہونے پر ۔ رَجُلٌ حَاقُّ الرَّجُلِ کے معنے ہیں اس شخص کی مردانگی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے ۔ رَمٰی فَاَحَقَّ الرَّمِیَّۃَ کے معنے ہیں اسنے تیر چلایا اور اس کے ساتھ ہی جانور مر گیا ۔ لہذا یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی کہ اسکا تیر نشانے پر لگا تھا ۔ یعنے یہ بات محض قیاسی اور نظری نہیں کہ تیر نشانہ پر لگا ہے یا نہیں ۔ مرے ہوئے شکار نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تیر نشانہ پر لگا تھا ۔ اِحْتَقَّتْ بِہِ الطَّعْنَۃُ کے معنے ہیں نیزے کے وار نے اسے قتل کردیا ۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ وار کاری تھا ۔ طَعْنَۃٌ مُحَقَّقَۃٌ ۔ یا مُحْتَقَّۃٌ نیزے کی اس مار کو کہتے ہیں جو سیدھی آر پار ہو جائے اور اسطرح اسکے ٹھکانے پر لگنے میں کوئی شبہ نہ رہے* ۔ لہذا حَقَّ کے معنے ہیں کسی چیز کا ٹھوس واقعہ یا حقیقت بنکر سامنے آ جانا ۔ چنانچہ سورۃ احقاف میں ہے کہ مجرمین کو عذاب کے سامنے کھڑا کرکے ان سے پوچھا جائیگا کہ اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ (۴۶/۳۴) ۔ ''کہو اسکا تمہارے عمل ایک ٹھوس حقیقت ہے یا

* تاج و راغب ۔ ** العلم الخفاق ۔

نہیں؟'' اسی طرح جب حضرت یوسفؑ کو مصر میں تمکن حاصل ہوگیا تو انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۔ ''یہ ہے مآل اس خواب کا جو میں نے بہت پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا''۔ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا (۱۲/۱۰۰) ۔ ''میرے نشو و نما دینے والے نے اسے ایک ٹھوس واقعہ کی صورت میں سامنے لاکر دکھا دیا ہے'' ۔ اسی طرح سورۃ حجر میں ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے مہمانوں نے انہیں انکی کبرسنی کے زمانہ میں بیٹے کی خوشخبری دی اور حضرت ابراہیمؑ کو اس پر تعجب سا ہوا تو انہوں نے کہا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ (۱۵/۵۵) ''ہم جو تجھے خوشخبری دے رہے ہیں وہ ایک ٹھوس واقعہ بنکر سامنے آ جائیگی'' ۔

لہذا حَقٌّ کے اولین معنے ہیں کسی چیز کا ٹھوس واقعہ یا حقیقت بنکر سامنے آجانا ۔

(۲) چونکہ کوئی شے ٹھوس واقعہ میں اسی صورت میں تبدیل ہوسکتی ہے جب اسکی نشو و نما تعمیری (Constructive) ہو ۔ اس لئے حَقٌّ، اعمال کے محکم اور تعمیری نتائج کو کہتے ہیں ۔ چنانچہ تَحْقِيْقٌ کے معنے ہیں کپڑے کو نہایت مضبوط کر کے بُننا* ثَوْبٌ مُحَقَّقٌ اُس کپڑے کو کہتے ہیں جو پختہ بُنا ہوا ہو (محیط) ۔ اَلْحِقٌّ ۔ ان اونٹوں کو کہتے ہیں جو تین سال پورے کر کے چوتھے سال میں لگ گئے ہوں اور اس قابل ہوں کہ ان سے باربرداری کا کام لیا جا سکے ۔ نیز وہ اس قابل ہوں کہ وہ اونٹنیوں کو حاملہ کر کے ٹھوس نتائج مرتب کر سکیں** ۔ اِحْتَقَّ الْفَرَسُ کے معنے ہیں گھوڑا لاغر ہوگیا، دبلا ہوگیا اور اِحْتَقَّ الْمَالُ کے معنی ہیں مویشی موٹے ہو گئے ** ۔ اِنْحَقَّتِ الْعُقْدَةُ ۔ کے معنے ہیں گرہ نہایت مضبوطی سے لگ گئی** ۔ لہذا حَقٌّ کے معنے ہوئے ٹھوس تعمیری واقعہ جو اپنی جگہ پر ثابت اور محکم ہو ۔ اسکے ضد قرآن کریم میں يُحِقُّ ۔ بمقابلہ يَمْحُ (یمحو) آیا ہے ۔ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ (۴۲/۲۴) ۔ خدا کا قانونِ کائنات، تخریبی قوتوں کے نتائج کو مٹا دیتا ہے اور تعمیری قوتوں کے نتائج کو برقرار رکھتا ہے، جو ٹھوس شکل میں موجود رہتے ہیں ۔

(۳) کوئی چیز اسی صورت مین باقی رہ سکتی ہے کہ وہ قانونِ حفظ و بقا کے عین مطابق ہو ۔ جو زمانہ کے تقاضوں کا ساتھ دے سکے ۔ جو اپنی جگہ

*لین ۔ ** تاج ۔

پر بھی فیٹ ہو اور بدلنے والے حالات سے بھی موافق رہے ۔ چنانچہ حَقٌّ کے تیسرے معنے ہیں علم و عقل ، عدل و انصاف اور واقعات و مصالح کے عین مطابق ہونا ۔ راغب نے اسے ایک مثال سے سمجھایا ہے ۔ آجکل تو دروازوں میں قبضے لگے ہوتے ہیں لیکن پرانے زمانہ میں دروازوں کے اوپر اور نیچے گلّی کی طرح لکڑی بڑھی ہوئی ہوتی تھی اور وہ لکڑی ساکٹ (Socket) میں اسطرح فیٹ آجاتی تھی کہ وہ اپنی جگہ پر قائم بھی رہتی تھی اور دروازے کے ساتھ گھومتی بھی تھی ۔ راغب کے نزدیک حَقٌّ کی یہی کیفیت ہوتی ہے ** ۔ چنانچہ حَقٌّ اس موجد کو کہتے ہیں جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق اشیاء کو ایجاد کرے ۔ اس لئے خدا کو اَلْحَقٌّ کہا گیا ہے *** ۔ نیز ہر اس موجود چیز کو حَقٌّ کہتے ہیں جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو** ۔ اَلْاَحَقٌّ مِنَ الْفَرَسِ ۔ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو اپنا پچھلا پاؤں ٹھیک اس جگہ رکھے جہاں اسکا اگلا پاؤں پڑا تھا * ۔

ان معانی کی روشنی میں حَقٌّ اور بَاطِلٌ کی قرآنی اصطلاحات کا صحیح صحیح مفہوم سمجھ میں آ جائیگا ۔

حَقَّ اَلْاَمْرُ یَحُقُّ اور یَحِیقُ کے معنے ہیں وہ امر واجب ہو گیا ۔ یعنے کسی بات کا واجب ہونا ۔ حَقِیْقَةٌ ۔ اس چیز کو کہتے ہیں جسکی حفاظت تم پر واجب ہو جائے ۔ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (۲/۱۸۰) کے یہی معنے ہیں ۔ یعنے متقین کے ذمہ اتنا ہی نہیں کہ وہ اس قانون (وصیت) پر خود ہی عمل پیرا ہوں بلکہ ان پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ اسکی حفاظت کریں ۔ نیز کسی ملک کے جھنڈے کو بھی حَقِیْقَةٌ کہتے ہیں کیونکہ اس سے اس ملک کے وجود کا اثبات ہوتا ہے اور اسکی حفاظت ہر ایک پر واجب ہوتی ہے * ۔

حَقَّ الطَّرِیْقُ ۔ کے معنے ہیں وہ سوار ہو کر راستہ کے درمیان چلا ۔ اور اسطرح نمایاں ہو کر سامنے آگیا * ۔

سورۃ یونس میں حَقٌّ کا لفظ ظَنٌّ کے مقابلہ میں آیا ہے (۱۰/۳۶) جہاں کہا گیا ہے کہ ظَنٌّ ، حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دیتا ۔ اس لئے اتباع ، حق کی کرنی چاہئے نہ کہ ظن کی ۔ دین یکسر حق ہے ۔ اس میں ظن کے لئے کوئی گنجائش نہیں ۔ خدا خود حق ہے (۱۰/۳۰) ۔ اس کا رسول حق ہے (۳/۸۵) ۔ اسکی طرف سے بھیجا ہوا قرآن کریم حق ہے (۳۳/۶) ۔ اس کے وعدے (قوانین) حق

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** راغب و تاج ۔

ھیں (۱۰/۵۵) ۔ اس کا دین حق ھے (۹/۳۳) ۔ اور یہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ھے (۳۹/۵) ۔ چونکہ حق ؓ ظن و شکوک سے بلند ھوتا ھے ۔ اور وہ ایک ٹھوس تعمیری واقعہ کی شکل میں سامنے موجود ھوتا ھے ، اس لئے ظہور نتائج کو بھی اَلْحَاقَّۃُ کہا گیا ھے ۔ (۶۹/۱) ۔

تصریحات بالا سے واضح ھے کہ حق ؓ کوئی ذھنی ، نظری ، تصوراتی ، یا محض عقیدہ کی چیز نہیں ۔ یہ عقائد اور نظریات حیات کے تعمیری نتائج کا نام ھے جو ٹھوس شکل میں سامنے آ جائیں اور جو زمانہ کے بڑھتے ھوئے تقاضوں کا ساتھ دیتے چلے جائیں اور اپنی صداقتوں کیلئے خارجی دلائل کے محتاج نہ ھوں بلکہ سورج کی طرح اپنی دلیل آپ ھوں ۔ اس دنیا سے متعلق کوئی عقیدہ حق ثابت نہیں کہلا سکتا جب تک اسکے تعمیری نتائج ایک ٹھوس حقیقت بنکر سامنے نہ آجائیں ۔

قرآن کریم میں سَمَآءٌ کے متعلق ھے کہ وہ پھٹ جائیگا اور زمین کے متعلق ھے کہ وہ خالی ھو جائیگی (ان امور کی تشریح " مفہوم القرآن " میں ملیگی) اسکے بعد فرمایا کہ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّھَا وَ حُقَّتْ (۸۴/۵) ۔ " وہ اپنے نشو و نما دینے والے کے قانون پر عمل کریگی اور اسے بنایا ھی اسکے مطابق گیا ھے " ۔ اسی طرح اعمال کے نتائج واجب ھوجانے کیلئے حق ؓ عَلَیْھِمُ الضَّلَالَۃُ (۱۶/۳۰) ۔ اور فَحَقَّ عَلَیْھَا الْقَوْلُ (۱۶/۱۶) ۔ فَحَقَّ وَعِیْدِ (۵۰/۱۴) ۔ اور فَحَقَّ عِقَابِ (۳۸/۱۴) آیا ھے ۔ یا حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۱۰/۱۰۳) ۔ " مومنین کو مخالفین کی تدابیر سے محفوظ رکھنا ھم پر واجب ھوتا ھے " ۔ حَقِیْقٌ (۷/۱۰۵) ۔ مناسب ۔ ضروری ۔ واجب ۔ لازم ۔

اِسْتَحَقَّا اِثْمًا (۵/۱۰۷) ۔ انہوں نے ارتکاب جرم کیا ھے ۔ (دیکھئے ! یہاں بھی واقعہ کے سرزد ھونے ، یعنی اس کے امر واقعہ بن جانے کے لئے یہ لفظ آیا ھے ۔ یہ حق ؓ کے بنیادی معنی ھیں) ۔

(حق ؓ کے ساتھ بَاطِلٌ کا عنوان بھی دیکھئے تاکہ دونوں کے تقابل سے مفہوم اور نکھر جائے) ۔

ح ک م

اَلْحَکَمَۃُ ۔ گھوڑے کی لگام کو کہتے ھیں** ۔ بلکہ منہ میں لگام دیکر جس چمڑے سے اسے باندھ دیا جائے کہ وہ اسکے دونوں جبڑوں کو کس لے اور

* تاج ۔ **راغب ۔

ادھر ادھر نہ ہونے دے ۔ اسے حَکَمَۃ* کہتے تھے ۔ اَحْکَمْتُ الْفَرَسَ کے معنے ہیں گھوڑے کو اسطرح کی لگام دینا* ۔ چونکہ اس لگام کا کام یہ ہے کہ گھوڑے کو سرکش اور بے راہرو ہونے سے روک دے اسلئے حَکَمْتُ الْفَرَسَ کے معنی ہیں میں نے گھوڑے کو روکا اور (لگام کے ذریعہ) قابو میں لیا ۔ اَحْکَمَہٗ عَنِ الْاَمْرِ کے معنے ہیں ، اسے اس بات سے روک دیا ۔ منع کردیا ۔* ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ روکنے اور منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو بتا دیا جائے کہ اس کی آخری حد کونسی ہے جس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا ۔ اسی کو اختلافی امور میں فیصلہ کرنا کہتے ہیں ۔ یعنی ہر ایک کے حقوق و واجبات کی حدیں متعین کر دینا اور کسی کو ان سے آگے نہ بڑھنے دینا ۔ اسی کو حُکْمٌ* کہتے ہیں ۔ یعنی فیصلہ* ۔ حَاکِمٌ* کے معنے ہیں فیصلہ کرنے والا ۔ اس قسم کا حکم دینے والا جسکا ذکر اوپر کیا گیا ہے ۔ حَکَمَ بَیْنَھُمْ کَذَالِکَ کے معنے ہیں اس نے ان کے درمیان اس طرح کا فیصلہ کیا* ۔ اَلْحُکُوْمَۃُ اسی سے اسم ہے* ۔ اَلْحَکَمُ ۔ صاحبِ اختیار ثالث یا پنچ ۔ ایسا فیصلہ کرنے والا جسے موافقت یا مخالفت میں فیصلے کا پورا پورا اختیار ہو ۔ قانون نافذ کرنے والا ۔ ($\frac{۳}{۳۵}$ و $\frac{۶}{۱۱۵}$)۔

اَلْحِکْمَۃُ کے معنے ہیں فیصلہ میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا* ۔ یعنے ہر ایک کے حقوق کی حدیں مقرر کرکے کسی کو ان سے تجاوز نہ کرنے دینا ۔ اسی لئے حَکِیْمٌ* اُس شخص کو بھی کہتے ہیں جو ہر چیز کو صحیح تناسب و توازن کے ساتھ ، ہر تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے ، نہایت حسن و اتقان کے ساتھ بنائے ، یا معاملات کو اسطرح سر انجام دے** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ حِکْمَۃٌ* کو حکمت اسلئے کہتے ہیں کہ وہ جہالت اور نادانی کی باتوں سے روکتی ہے ۔ اقبال کی اصطلاح میں حِکْمَۃٌ* ، ”رائے با قوت“ کو کہینگے ۔ یعنی فیصلہ دینے کی صلاحیت اور پھر اس فیصلہ کو نافذ کرنے کی قدرت ۔ اسی کو آجکل کی زبان میں حکومت کہتے ہیں ۔

چونکہ حَکَمَ کے معنے کسی چیز کو (ایک مقام پر) روک دینے کے ہیں ۔ اور جو چیز ایک مقام پر جم کر کھڑی ہو جائے وہ مستحکم ہو جاتی ہے ۔ اسلئے اَحْکَمَہٗ کے معنے ہیں اسکو مستحکم کردیا** ۔ اسے ایسا بنا دیا کہ وہ اپنے مقام سے نہ ہلے ۔

قرآن کریم کو حَکِیْمٌ* کہا گیا ہے ($\frac{۳۶}{۲}$) کیونکہ وہ ہر شے کا صحیح مقام متعین کر کے کسی کو ان حدود سے آگے نہیں بڑھنے دیتا ۔ وہ

* تاج (نیز کتاب الاشتقاق) ۔ ** تاج و محیط ۔ *** راغب ۔

تمام اختلافی امور میں صحیح فیصلے کرتا ہے ۔ خدا کو بھی "حکیم" کہا گیا ہے (۳/۲) ۔ کیونکہ وہ کائنات کو ٹھیک ٹھیک راستہ پر چلاتا ہے ۔ ہر شے کو صحیح صحیح اندازے اور تناسب کے مطابق پیدا کرتا ہے اور اپنے قانون کی لگام سے ہر شے کو مسخر کئے ہوئے ہے یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ (۲/۱۱۳) وہ انسانوں کے اختلافی امور میں فیصلے کرتا ہے ۔

قرآن نے کہا ہے کہ اسکی آیات "مُحْکَمٰت" اور "مُتَشَابِهٰت" ہیں ۔ یہ بڑا اہم نکتہ ہے جسکا اچھی طرح سے سمجھ لینا ضروری ہے ۔ سورۃ آل عمران میں ہے ۔ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳/۷) ۔

عام الفاظ میں اس آیت کا ترجمہ یہ ہے ۔

اللہ وہ ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب اتاری ہے ۔ اس میں ایک قسم تو ایسی آیتوں کی ہے جو "محکم" ہیں اور وہی کتاب کی اصل و بنیاد ہیں ۔ دوسری قسم "متشابہات" کی ہے ۔ سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ ان آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں جو "متشابہ" ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور انکی تاویل نکالیں ۔ حالانکہ اسکی تاویل اللہ جانتا ہے اور وہ لوگ (جانتے ہیں) جو علم میں پختہ ہوتے ہیں ۔ یہ کہتے ہوئے کہ ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں ۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے ۔ (حقیقت یہ ہے کہ) حقائق کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عقل و بصیرت والے ہیں ۔

ہم نے اس ترجمہ میں "محکم" ۔ "متشابہ" ۔ "تاویل" ۔ وغیرہ الفاظ کو اسی طرح لکھ دیا ہے ۔ اس لئے کہ انہی کے مفہوم کی وضاحت سے اس نکتے کی وضاحت ہوگی ۔

جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں ، مُحْکَم کے معنے ہیں اپنی جگہ پر قائم ۔ اٹل ۔ صاف صاف فیصلہ کرنے والا ۔ مستحکم ۔ لیکن یہاں اس کے مقابل میں مُتَشَابِهٰت کا لفظ آیا ہے اس لئے مُحْکَم کے معنے ہونگے وہ جو مُتَشَابِہ نہ ہو ۔ اور مُتَشَابِہ کے معنے ہونگے وہ جو محکم نہ ہو ۔ یعنے مُحْکَم اور مُتَشَابِہ ۔ مختلف قسم کی آیات ہیں ۔ یا آیات کی دو قسمیں ہیں ۔

مُتَشَابِہٌ کے تفصیلی معنے ش ۔ ب ۔ ہ کے عنوان میں دیکھئے ۔ مختصر الفاظ میں اسکے معنے ہوتے ہیں ، ملتی جلتی ہوئی چیزیں جن میں باہمی مشابہت اور موافقت ہو ۔ تشبیہ کو اسی لئے تشبیہ کہتے ہیں کہ اس سے ایک چیز کو اس سے ملتی جلتی چیز کے ساتھ مثال دیکر سمجھایا جاتا ہے ۔

ان معانی کے اعتبار سے مُحْکَمٌ کے اولین معنے ہونگے ایسی آیات جن کے الفاظ سے وہی مفہوم ہو جو ان الفاظ کے معنے ہیں ۔ مثلاً نکاح کے ضمن میں ارشاد ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ (۴/۲۳) ۔ تمہاری مائیں تم پر حرام ہیں ۔ اس میں اُمٌّ کے معنے ماں کے ہیں ۔ یعنے وہ عورت جسکے بطن سے کوئی پیدا ہو ۔ لیکن مُحْکَمٌ وَ مُتَشَابِہَات کی جس آیت کو اوپر نقل کیا گیا ہے ۔ یعنے (۳/۷) ۔ اس میں ھُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ میں اُمٌّ کے معنے اس قسم کی ماں نہیں ۔ اس میں اُمٌّ کا لفظ استعارۃً استعمال کیا گیا ہے اور اس سے مفہوم ہے ''اصل و بنیاد'' ۔ یہ اس لفظ کی تاویل ہے ۔ تَاْوِیْلٌ کے معنے ہیں آخری نتیجہ ۔ جو کچھ مآل کار ہو ۔ کسی شے کی آخری حقیقت (Ultimate Reality) ۔ قرآن میں انسانی راہنمائی کیلئے قوانین و ضوابط دئے گئے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ان احکام و قوانین کے الفاظ ایسے ہونے چاہئیں جن کا مطلب ان الفاظ سے محکم طور پر متعین ہو جاتا ہو ۔ جیسا کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ کی مثال میں بتایا گیا ہے ۔ اس قسم کی آیات مُحْکَمَات ہیں ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن میں ایسے حقائق کا بھی ذکر ہے جن کا تعلق اُس عالم سے ہے جو ہماری سرحدِ ادراک سے باہر ہے ۔ مثلاً اللہ کی ذات اور اسکی صفات ۔ مرنے کے بعد کی زندگی اور اُس میں اعمال کے نتائج ۔ وہاں کی جنت اور جہنم ۔ یا انسانی زندگی کا منتہیٰ اور مآل ۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے مجرد حقائق (Abstract Truths) کو جب بھی بیان کیا جائیگا تو تشبیہ و استعارہ اور تمثیلات کے رنگ میں بیان کیا جائیگا ۔ یعنی اُن کا بیان (Symbolically) ممکن ہوگا ۔ مثلاً اللہ کے متعلق کہا گیا ہے ۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (۷/۵۴) ۔ وہ عرش پر مستوی ہو گیا ۔ اور کَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَاءِ (۱۱/۷) اسکا عرش پانی پر ہے ۔ ظاہر ہے کہ ان آیات میں عَرْشٌ سے مراد لکڑی (یا کسی اور چیز کا) بنا ہوا تخت مراد نہیں ۔ نہ ہی مَاءٌ سے مراد پانی ہے ۔ یہ بیان تمثیلی یا تشبیہی ہے ۔ یعنے ان حقائق کو تشبیہ اور مثال کے ذریعے بیان کیا گیا ہے ۔ لہذا یہ آیات مُتَشَابِہَات ہیں ۔ ایسی آیات جن میں حقائق کو تشبیہ کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے ۔

یہ بھی واضح ہے کہ جو حقائق ہمارے عالمِ محسوسات سے باہر کے ہیں' اُن کی حقیقت ، کنہ ، ماہیت ، یعنی ان کی تَاْوِیْل (What they Actually are) کا سمجھنا ہمارے بس کی بات نہیں ۔ البتہ جس قسم کی مثالوں سے انہیں سمجھایا گیا ہے ان پر غور و فکر کرنے سے ہم انکے متعلق کچھ ایسا اندازہ اپنے ذہن میں لگا سکتے ہیں جو اس حقیقت کا مفہوم سمجھا دے ۔ مثلاً لفظ عَرْش سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اسکا مفہوم قوت و اقتدار (Authority or Control) ہے ۔ یا کَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَاءِ میں مَاء سے مراد زندگی کا سرچشمہ ہے کیونکہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (۲۱/۳۰) ۔ ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا ۔ لیکن خدا اپنے کنٹرول کو کسطرح عمل میں لاتا (Exercise کرتا) ہے یا اس نے خود حیات (Life) کو کسطرح پیدا کیا ۔ ان باتوں کی کنہ و حقیقت کو ہم نہیں پاسکتے ۔ ان حقائق کی اصل و حقیقت کے متعلق ہمیں علم کا بہت تھوڑا حصہ دیا گیا ہے ۔ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (۱۷/۸۵) ۔ ان کی اصل و حقیقت کا واقعی علم صرف خدا کو ہو سکتا ہے ۔ البتہ جہانتک ان کا تعلق ہماری ذات اور انسان کی تمدنی زندگی سے ہے، ہم عقل و فکر کے ذریعہ اس راہنمائی تک پہنچ سکتے ہیں جو ان سے مقصود ہے ۔ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳/۷) ۔

اس قسم کی آیات کے متعلق دو قسم کی ذہنیتوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جن کے پیش نظر فتنہ پیدا کرنا ہوتا ہے ۔ یعنے لوگوں کو زندگی کے بنیادی حقائق اور عملی نتائج سے دور ہٹا کر محض نظری تصورات میں الجھا کر ان کی قوتوں کو تخریبی راستوں میں ضائع کرتے چلے جانا ۔ یہ لوگ ان ماوراء العقل حقائق کی کنہ و حقیقت اور کیفیت و ماہیت دریافت کرنے کیلئے نظری موشگافیاں اور تصوراتی نکتہ آفرینیاں کرتے رہتے ہیں ۔ اور اسے بلند ترین سطح کا علم قرار دیتے ہیں ۔ یہ زمین کے ہنگاموں کو پست معاملات قرار دیکر ہمیشہ آسمان کی باتوں میں الجھے رہتے ہیں ۔ قرآن کریم ایسے فتنہ قرار دیتا ہے جو انسان کو عملی زندگی سے بیگانہ بنا دیتا ہے ۔ اس کے برعکس ، دوسری ذہنیت کے لوگ وہ ہیں جنہیں قرآن کریم '' رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ ،، اور '' اُولِی الْاَلْبَابِ ،، کہکر پکارتا ہے ۔ یعنے وہ جو عقل و فکر سے کام لیکر علم میں پختہ ہوتے چلے جاتے ہیں ۔ ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ اپنی فکر کی عمارت کو ایمان کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں ۔ یعنے وہ کہتے ہیں کہ یہ تمام حقائق اس خدا کی طرف سے بیان ہوئے ہیں جو ہر شے کا علم

رکھتا ہے اسلئے ان کے حقائق (Truths) ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں لیکن ہم انکی کنہ و حقیقت کو پا نہیں سکتے ۔ البتہ ان سے جو انسانی راہنمائی مقصود ہے (ذکر) ہم عقل و فکر سے اس تک ضرور پہنچ سکتے ہیں ۔ ان حقائق کے متعلق ہمارے علم کی یہی حد ہے ۔ یعنے ان حقائق کا علم خدا بھی رکھتا ہے اور یہ '' رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ '' بھی ۔ لیکن خدا انکی کنہ و حقیت تک کا علم رکھتا ہے اور یہ لوگ صرف اس حد تک ان کا علم رکھتے ہیں جس حد تک ان سے مقصود انسانی راہنمائی (ذکر) ہوتا ہے ۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر بتایا ہے کہ علم سے انسان صحیح نتیجہ تک اسی صورت میں پہنچ سکتا ہے جب وہ اپنے علم سے وحی کی روشنی میں کام لے (مثلاً دیکھئے (۲۶/۲۶ یا ۲۵/۲۳) ۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ '' ایمان والوں '' میں دو قسم کے لوگ ہونگے ۔ ایک وہ عوام جو وحی پر ویسے ہی ایمان رکھتے ہیں ۔ اور دوسرے صاحبان علم و بصیرت جو عقل و فکر کی رو سے وحی کے حقائق پر غور و خوض کرتے ہیں ۔ سورۃ مدثر میں اس دوسرے گروہ کو اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ '' کہکر پکارا گیا ہے اور ان کے برعکس عام لوگوں کو '' اَلْمُؤْمِنُوْنَ '' (۷۴/۳۱) ۔

جن دو ذہنیتوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کے متعلق سورۃ مدثر میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے ۔ وہاں سَقَرٌ (جہنم) کے متعلق کہا ہے کہ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (۷۴/۳۰) اس پر انیس (ملائکہ) مقرر ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک تمثیلی بیان ہے ۔ اس کے بعد فرمایا وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا (۷۴/۳۱) ۔ انکی یہ گنتی (یعنی اُنیس کی تعداد) ان لوگوں کے لئے وجہ '' فتنہ '' ہے جو قرآن کے حقائق کا انکار کرتے ہیں ۔ لیکن ان کے برعکس لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَ یَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا ۔ جن لوگوں کو اَلْکِتٰبُ (کا علم) دیا گیا ہے ان کے دل میں اس سے یقین پیدا ہو جاتا ہے اور (عام مومنین) کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے ۔ وَلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ بہر حال مومنین کی جماعت کے خواص ہوں یا عوام ان میں سے کسی کے لئے بھی اس قسم کا تمثیلی بیان وجہ اضطراب وشکوک نہیں ہوتا ۔ لیکن وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْکٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا (۷۴/۳۱) جن لوگوں کے دل میں مرض ہوتا ہے ، نیز وہ لوگ جو قرآن پر سرے سے ایمان نہیں رکھتے ۔ یہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے خدا کا حقیقی منشا کیا ہے ۔ اس کے بعد ہے کہ (قرآن میں یہ حقائق تمثیلی انداز میں بیان ہوئے ہیں) ۔ ان بیانات سے

جو چاھتا ھے صحیح راھنمائی حاصل کر لیتا ھے اور جو چاھتا ھے ان سے گمراہ ھوجاتا ھے۔ اسکے بعد ھے وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (۷۴/۳۱)۔ یہ خدا کے لشکر ھیں جنکی کنہ و حقیقت کا علم صرف اسی کو ھے۔ وَ مَا ھِیَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْبَشَرِ (۷۴/۳۱)۔ لیکن ان کے تمثیلی بیان سے انسانوں کی راھنمائی مقصود ھے۔ لہذا جو "رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ" ھیں وہ ان کی کنہ و حقیقت کے پیچھے نہیں پڑتے بلکہ غور و فکر سے اس راھنمائی (ذکر) تک پہنچ جاتے ھیں جو ان سے مقصود ھے۔

یہ ھے آیات مُحْکَمٰتٌ وَ مُتَشَابِھٰتٌ کا پہلا مفہوم۔

مُتَشَابِھٰتٌ میں ایسے حقائق بھی شامل ھیں جنھیں اس قسم کے ملتے جلتے الفاظ میں بیان کیا گیا ھے جن کا مفہوم ھر شخص اپنی اپنی علمی اور عقلی سطح کے مطابق یا ھر زمانہ کا انسان اپنے زمانہ کی علمی سطح کے مطابق سمجھ سکتا ھے۔ یہ ظاھر ھے کہ قرآن کریم ھر سطح کے انسانوں کیلئے راھنمائی کا ضابطہ ھے اور ھر زمانہ کے انسانوں کیلئے بھی۔ ھم دیکھتے ھیں کہ ایک ھی زمانہ میں مختلف انسان مختلف علمی اور عقلی سطح رکھتے ھیں۔ اگر قرآن کریم کسی ایک سطح کے انسانوں کو سامنے رکھکر ھی اپنے حقائق بیان کرتا تو نہ وہ عالمگیر ھو سکتا تھا نہ ابدی۔ وہ صرف کسی ایک زمانہ کے انسانوں کیلئے یا ایک سطح کے انسانوں کیلئے ھی مفید ھو سکتا تھا۔ باقی انسانوں کیلئے بیکار ھوتا۔ اس قسم کی کتاب کیلئے ضروری تھا کہ وہ ان حقائق کو ایسے ملتے جلتے الفاظ میں بیان کرے جن میں کافی وسعت اور لچک ھو تاکہ ھر سطح کا انسان اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ حقیقت یہ ھے کہ الفاظ کا اس قسم کا انتخاب بھی قرآن کریم کا وہ خاصہ ھے جو اعجاز کا مرتبہ رکھتا ھے۔ ان الفاظ میں یہ خصوصیت رکھی گئی ھے کہ یہ حقیقت کو اس کے صحیح مقام پر بھی رکھتے ھیں اور اسکے ساتھ ھی اپنے اندر ایسی لچک رکھتے ھیں کہ اس سے ھر انسان اپنی اپنی سطح علم و عقل کے مطابق مستفید ھو سکتا ھے۔ مثلاً قرآن کریم میں اجرام فلکی کے متعلق ھے کہ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (۳۶/۴۰)۔ ھر ایک اپنے اپنے دائرے میں تیزی سے تیر رھا ھے۔ اور سورج کے متعلق ھے وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا (۳۶/۳۸)۔ سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جا رھا ھے۔ اب ظاھر ھے کہ جب تک فلکیات کے متعلق (قدیم) بطلیموسی تصور رائج تھا، اجرام فلکی کی گردش سے متعلق صحیح تصور ذھن انسانی میں آ نہیں سکتا تھا۔ جب بعد میں کوپر نیکس کا

نظام سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ اجرام سماوی کسطرح اپنے اپنے دائرے میں سرگرم گردش ہیں ۔ اسی طرح جبتک ہرشل کا نظریہ سامنے نہیں آیا تھا یہ کسی کے ذہن میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ سورج اپنے پورے نظام کے ساتھ کسی مستقر کی طرف بھی بڑھ رہا ہے ۔ جبتک انسانی علم اتنی بلندی تک نہیں پہنچا تھا قرآن کریم کی یہ آیات مُتَشَابِہَات کی فہرست میں شامل تھیں ۔ جب یہ انکشافات ہوئے تو یہ آیات مُحْکَمَات کے زمرے میں شامل ہوگئیں ۔ اب بھی یہ آیات ایک خاص علمی سطح کے انسانوں کیلئے مُحْکَمَات کا درجہ رکھتی ہیں ۔ ان سے نیچے کی سطح والوں کیلئے یہ مُتَشَابِہَات ہی میں داخل ہیں ۔ جب تک یہ آیات مُتَشَابِہَات کے زمرے میں تھیں انکی حقیقت (تَاوِیْل) کا علم خدا کو تھا ۔ جب یہ مُحْکَمَات کے ذیل میں آ گئیں تو انکی حقیقت " رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ " پر بھی منکشف ہوگئی ۔ اسی بنا پر قرآن کریم کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسے اس خدا نے نازل کیا ہے جو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کے اسرار سے واقف ہے (۲۵/۶) ۔ اور اس سے کچھ آیات بعد ہے کہ اگر ان امور کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہو تو فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا (۲۵/۵۹) ۔ اس سے پوچھو جو ان اسرار سے واقف ہے ۔ جبتک انسانی علم ان حقائق کی بلندیوں تک نہیں پہنچتا ان کا واقف صرف خدا ہوتا ہے جسنے وحی کے ذریعہ ان حقائق کو بیان کردیا ہے ۔ جب انسانی علم ان کی بلندیوں تک پہنچ جائیگا تو ان حقائق کے ماہرین بھی (خدا کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق) ان کے خبیر ہو جائینگے ۔

لہذا مُحْکَمَات و مُتَشَابِہَات کا ایک مفہوم یہ بھی ہے ۔

یہ ہیں قرآنی آیات کے مُحْکَمَات وَ مُتَشَابِہَات ہونے کے مختلف مفہوم ۔ لیکن مُحْکَمَات ہوں یا مُتَشَابِہَات تمام آیات اپنی اپنی جگہ پر یکسر مستحکم ہیں ۔ قرآن کا ایک ایک لفظ ہمالیہ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر محکم ہے ۔ اسی لئے سورۃ ہود میں ہے کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ آیَاتُہٗ (۱۱/۱) ۔ یہ وہ کتاب ہے جسکی تمام آیات کو محکم بنایا گیا ہے ۔ یہ کتاب مستقل اقدار (Permanent Values) کی حامل ہے ۔ اسکے حقائق غیر متبدل اور اسکے اصول تغیّر نا آشنا ہیں ۔ جن حقائق کو تمثیلی رنگ میں بیان کیا گیا ہے انکی بھی حقیقت غیر متبدل (مُحْکَمٌ) ہے ۔ لہذا اس نقطہ نگاہ سے قرآن کریم کی تمام آیات مُحْکَمَات ہیں ۔

اسکے برعکس سورۃ زمر میں پوری کتاب کو مُتَشَابِہًا کہا گیا ہے ۔ اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُتَشَابِہًا مَثَانِیَ (۳۹/۲۳) ۔

لیکن یہاں مُتَشَابِہًا کا لفظ مُحْکَمًا کے مقابلہ میں استعمال نہیں ہوا بلکہ مَثَانِیَ کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے۔ مَثَانِیَ کے مفہوم کیلئے ث۔ن۔ی کا عنوان دیکھئے۔ یہاں مختصر طور پر یہ سمجھئے کہ مَثَانِیَ ان دو چیزوں کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑی کر دی جائیں۔ یعنے ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ قرآن کریم کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ ایک چیز کی وضاحت اسکی ضد کو سامنے لا کر کرتا ہے۔ مثلاً نور (روشنی) کے مقابلہ میں ظلمت (تاریکی) کا ذکر کرتا ہے۔ یہ دونوں (نور و ظلمت) باھمد گر مَثَانِیَ ہیں۔ اس طریق بیان سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے (چنانچہ بعض فلاسفرز کا تو خیال ہے کہ اشیاء پہچانی ہی اپنے اضداد سے جاتی ہیں)۔ لیکن اس سے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ قرآن کریم میں متضاد باتوں کا بیان ہے۔ اس کے متعلق اللہ نے کہدیا کہ نہیں۔ قرآن کریم میں کہیں تضاد نہیں (۴/۸۲)۔ اس کی تمام آیات باھمد گر ملتی جلتی (مُتَشَابِہًا) ہیں۔ مَثَانِیَ (متضاد اشیاء کو آمنے سامنے لانے) سے مقصود صرف یہ ہے کہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جائے۔ لہذا قرآن کریم کی آیات مَثَانِیَ ہونے کے باوجود مُتَشَابِہٌ ہیں۔ اسطرح قرآن کریم کِتَابًا مُتَشَابِہًا مَثَانِیَ ہے۔ یا یوں کہئے کہ متشابہ وہ اسلوب بیان ہے جس میں حقائق کو ملتے جلتے انداز میں بیان کیا گیا ہے (مثلاً نُوْرٌ و ھُدًی) اور مثانی وہ اسلوب ہے جس میں ایک چیز کے سامنے اسکی ضد لا کر بات واضح کی گئی ہے۔

(سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِی (۱۵/۸۷) کے لئے دیکھئے عنوان ث۔ن۔ی)

قرآن کریم میں کِتَابٌ کے ساتھ حِکْمَۃٌ کا لفظ بھی آیا ہے۔ وَ یُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ (۲/۱۵۱)۔ ایک چیز ہوتی ہے قانون (Law) اور ایک ہوتی ہے اس قانون کی مصلحت یا غایت و علت (The why of it) قانون کو کہتے ہیں کِتَابٌ (دیکھئے عنوان ک۔ت۔ب) اور اسکی مصلحت یا علت اور غایت کو کہتے ہیں حکمت۔ اس لئے کہ یہ حِکْمَۃٌ ہی ہے جو یہ بتاتی ہے کہ قانون کی غایت کیا ہے۔ اس کا متعین راستہ کونسا ہے۔ وہ کس روش پر انسانوں کو چلانا چاہتا ہے۔ اگر قرآن کریم کا مقصود یہ ہوتا کہ اس کے قانون کو مستبدانہ انداز سے (ڈنڈے کے زور پر) اندھا دھند منوایا جائے تو پھر خالی قانون (کتاب) کی ضرورت تھی۔ لیکن چونکہ اسکا مقصود یہ ہے کہ اس قانون کی اطاعت علٰی وجہ البصیرت اور بطیب خاطر (دل کی پوری رضامندی کے ساتھ) ہو اسلئے ضروری تھا کہ ان قوانین کی حکمت

(مقصد۔ غایت۔ مصلحت) بھی ساتھ ہی واضح کر دی جائے۔ لہذا کتاب کے ساتھ حکمت بھی دی گئی۔ یہ دونوں خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ملتے ہیں اور قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں۔ چنانچہ سورۃ نساء میں ہے وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۴/۱۱۳)۔ خدا نے تیری طرف کتاب اور حکمت کو نازل کیا۔ کہیں قرآن کریم کو صرف اَلْحِكْمَةُ کہا گیا ہے (۱۷/۳۹)۔ کہیں اسے اَلْكِتٰبُ اور اَلْحِكْمَةُ کہکر ضمیر دونوں کے لئے واحد کی استعمال کی گئی (۲/۲۳۱) تاکہ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اس سے مراد ایک ہی چیز (قرآن کریم) ہے۔ سورۃ احزاب میں اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اَلْحِكْمَةُ کی بھی تلاوت ہوتی ہے (۳۳/۳۴)۔ اس لئے حکمت وحی غیر متلو نہیں۔ ان حقائق سے واضح ہے کہ حِكْمَت قرآن کریم کے اندر ہے۔ قرآن کریم سے باہر نہیں۔

حِكْمَت کو وحی کے ذریعہ نازل کرنے میں ایک بہت بڑا مقصد تھا۔ قرآن کریم نے احکام و قوانین اسلئے دیے ہیں تاکہ ان کا نتیجہ مرتب ہو۔ یعنے اسکے قوانین مقصود بالذات نہیں بلکہ ایک نتیجہ پیدا کرنے (ایک مقصد حاصل کرنے) کا ذریعہ ہیں۔ اگر اللہ کی طرف سے صرف قوانین مل جاتے اور یہ نہ بتایا جاتا کہ ان قوانین پر عمل کرنے سے نتیجہ کیا نکلیگا تو ہو سکتا تھا کہ ہم ان قوانین پر اپنے طور پر عمل کر کے مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے کہ خدا کا منشا پورا ہو گیا ہے۔ خدا نے یہ نہیں کیا۔ اسنے قوانین دیے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ ان قوانین پر عمل کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ لہذا ہمیں ہر وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ ان قوانین سے وہ نتیجہ برآمد ہو رہا ہے یا نہیں جو خدا نے متعین کیا ہے۔ اگر ہو رہا ہے تو پھر ان قوانین پر عمل بھی ٹھیک ہو رہا ہے۔ لیکن اگر ان سے وہ نتیجہ نہیں نکلتا تو پھر ہمیں رک کر اپنا جائزہ لینا ہوگا کہ ہم سے کہاں غلطی ہو رہی ہے جسکی وجہ سے ان قوانین سے ان کا متعین کردہ نتیجہ بر آمد نہیں ہو رہا۔ مثلاً قرآن کریم میں صَلٰوۃ کے متعلق ہے کہ اَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (۲۹/۴۵)۔ اسمیں اَقِمِ الصَّلٰوةَ (صَلٰوۃ قائم کرو) حکم (كِتَاب) ہے۔ اور دوسرا حصہ (کہ صلٰوۃ سے فحشاء اور منکر کی روک تھام ہو جائیگی) اس کی حِكْمَت ہے۔ اگر صَلٰوۃ سے یہ نتیجہ مرتب نہیں ہوتا تو ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہم سے کہاں غلطی ہو رہی ہے۔ کیونکہ جب خود خدا نے کہا ہے کہ اقامت صلٰوۃ سے ایسا ہوگا (تو اگر اقامت صلٰوۃ قرآن کریم کے منشاء کے مطابق ہو رہا ہے) تو اس

ہے وہ نتیجہ لازمی طور پر نکلنا چاہئے ۔ اس لئے کہ یہ نتیجہ بھی خود خدا ہی کا بتایا ہوا ہے جو کبھی غلط نہیں ہوسکتا ۔ دین (قرآنی نظام) میں ہر حکم اپنا متعین نتیجہ مرتب کرتا چلا جاتا ہے ۔ یہ مقصد تھا کِتٰب* کے ساتھ حکمت کے مُنَزَّل مِنَ اللہِ ہونے کا (نیز دیکھئے عنوان ک ۔ ت ۔ ب)

حُکْمًا سے مراد وہ قوتِ فیصلہ (یا فہم) بھی ہے جو عام انسانوں کو حاصل ہوتی ہے، یعنی وحی کے بغیر۔ سورۃ قصص میں حضرت موسٰی* کے متعلق ہے کہ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَ اسْتَوٰٓی اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّ عِلْمًا (۲۸/۱۴) جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور اس کے قویٰ میں اعتدال آگیا تو ہم نے اسے حکم (فہم ۔ قوت فیصلہ) اور علم عطا کیا ۔ سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ یہ بات حضرت موسٰی* کو نبوت ملنے سے پہلے کی ہے ۔ اس لئے اس سے مراد وہ حِکْمَۃ* نہیں جو وحی کے ذریعے ملتی ہے۔ یہ وہ حکمت ہے جس کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے کہ خدا کے کسی حکم یا قانون کو، کب کسطرح اور کہاں ، زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق، منطبق کیا جائے اور اس کے اصولی حکم کو جزئیات پر چسپاں کرنے کے لئے کیا اندازِ تعبیر اختیار کیا جائے ۔ یا مختلف احکام میں سے کس کو مقدم اور کس کو موخر کیا جائے ، یہ ساری حکمتیں عقل ، فہم ، فراست سے تعلق رکھتی ہیں اور اس اَلْحِکْمَۃ* سے الگ ہیں جو قرآن کریم کے اندر ہیں اور جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ نبی اکرم* کے متعلق قرآن کریم میں ہے یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْہِمْ وَ یُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ (۶۲/۲) ۔ اس میں تلاوتِ آیات ۔ تزکیہ ۔ تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت، یہ چاروں الگ الگ چیزیں ہیں ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رسول ایک تو ان قوانین اور ان کی حکمت کی تعلیم دیتا ہے جو قرآن کریم کے اندر ہیں ۔ اور (اس نظام کی عملی تشکیل کے سلسلہ میں) بہت سی حکمتیں اس کے علاوہ بتاتا ہے اور اسطرح احکام خداوندی کے مناسب انطباق یا تقدیم و تاخیر وغیرہ کے فیصلے کرتا ہے ۔ اِس تعلیم حکمت سے اُمت کو یہ سکھانا مطلوب ہوتا ہے کہ وہ بھی مختلف ادوار و حالات میں اسی طرح کی حکمتیں (سمجھ کی باتیں) کام میں لائے ۔ قرآن کریم کی بیان کردہ حکمت تو (اس کے قوانین کیطرح) غیر متبدل ہوگی لیکن یہ حکمت (عقل و فراست پر مبنی فیصلے) تغیرِ حالات سے بدلتی رہیگی ۔

حکومت ۔ قرآن کریم کا اصل الاصول یہ ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں پر حکومت کرے ، خواہ اسے ضابطہ

قوانین ، قوتِ فیصلہ اور نبوت تک بھی کیوں نہ دے دی گئی ہو (۳/۷۸) ۔ حکومت (لوگوں میں فیصلہ کرنے اور اپنے فیصلے منوانے) کا حق صرف خدا کو حاصل ہے (۱۲/۴۰) ۔ خدا کی یہ حکومت ، اس کی کتاب (قرآن کریم) کے ذریعے قائم ہوتی ہے (۶/۱۱۵)۔ لیکن قرآن کریم کے فیصلوں کو عملاً نافذ کرنے کے لئے ایک زندہ اتھارٹی کی ضرورت لاینفک ہے ۔ اسے اسلامی نظام یا اسلامی مملکت کہینگے جسے سب سے پہلے رسول اللہ ؐ نے قائم کیا تھا ۔ اس نظام کے مرکز کی اطاعت ، خود خدا کی اطاعت تھی کیونکہ وہ مرکز خدا کے احکام کی اطاعت کراتا تھا اپنے فیصلوں کی نہیں (۴/۶۵ ؛ ۵/۴۸) ۔ رسول اللہ ؐ کے بعد یہ نظام علیٰ حالہ آگے چلا ۔ اسے خلافت علیٰ منہاج رسالت کہتے ہیں ۔ (۳/۱۳۳) الدین ، اپنی اصلی شکل میں صرف قرآنی مملکت کے اندر سامنے آسکتا ہے ۔ یہ انفرادی چیز نہیں ۔ ''خدا کی حکومت'' سے یہی مراد ہے ۔ یعنی قرآن کریم کے مطابق حکومت قائم کرنا ۔ جو ایسا نہیں کرتے ، قرآن کریم انہیں کافر کہتا ہے (۵/۴۴)۔ اس قسم کی حکومت ہر زمانے میں قائم ہو سکتی ہے ۔

ح ل ف

اَلْحَلْفُ والحَلِیفُ ۔ در اصل اس قسم کو کہتے ہیں جسکے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ عہد و پیمان کیا جائے ۔ اس کے بعد اس کا استعمال عام قسم کے لئے بھی ہونے لگا*۔ اَلْحِلْفُ ۔ معاہدہ جو لوگوں کے درمیان ہو ۔ دوستی نیز دوست ۔ اَلْحَلِیْفُ ۔ معاہد ۔ جس کے ساتھ عہد و پیمان کیا گیا ہو ۔ حَلَّافٌ ۔ بہت زیادہ قسمیں کھانے والا** (۶۸/۱۰) حَلَفَ ۔ یَحْلِفُ ۔ قسم کھانا ** (۹/۶۲) ۔ در اصل اس کے بنیادی معنی لزوم کے ہیں ۔ یعنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ لگے رہنا*** ۔ اس سے اس کا مفہوم پابندی کرنا ہو گیا ۔

ح ل ق

حَلْقَۃٌ ۔ ہر گول گھیرے یا دائرہ کو کہتے ہیں ۔ خواہ وہ انسانوں کا ہو یا لوہے ، چاندی ، سونے وغیرہ کا ۔ اَلْحَلْقَۃُ ۔ زرہ ۔ ہتھیار ۔ رسی ۔ گول نشان جو اونٹ پر بنایا جاتا ہے**۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں بال صاف کرنا ، سر کے بال مونڈنا بھی بتائے ہیں ۔ اس سے فعل حَلَقَ یَحْلِقُ کے معنے بال مونڈنے کے ہو گئے ** ۔ راغب نے بھی حَلْقٌ کے اصلی

* محیط ۔ ** تاج ۔ *** ابن فارس ۔

معنے بال کاٹ دینے کے کئے ھیں** ۔ اَلْحَلْقُ ۔ اس جگہ کو کہتے ھیں جہاں سے جانور کو ذبح کیا جاتا ھے* ۔ اس کے اندرونی حصہ کو حُلْقُوْم کہتے ھیں ۔

قرآن کریم میں مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ (۴۸/۲۷) آیا ھے ۔ یعنی سر منڈانے والے ۔ اور حُلْقُوْم کا لفظ (۵۶/۸۳) میں بمعنے حلق آیا ھے ۔

مولانا عبید اللہ سندھی نے لکھا ھے کہ ''سیدنا ابراھیم کی اولاد میں پیشانی کے بال مقدس سمجھے جاتے تھے جیسے سکھوں میں کیس ، اور ھندؤں کے ھاں ''بودی،، (چوٹی) رکھنی۔ اھل عرب بال رکھتے اور نہایت عزت سے ان کی پرورش کرتے تھے اور پھر ان کو حج کے ایام میں مقام منٰی میں منڈواتے تھے ۔ اور یہ منڈوانا سر کٹانے کے برابر سمجھا جاتا تھا'' *** ۔

ح ل ل

حَلَّ ۔ کے اصلی معنے گرہ کھولنے کے ھیں ۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ (۲۰/۲۷) ۔ ''میری زبان کی گرہ کھولدے'' ۔ اسی طرح جب کسی جمی ھوئی چیز کو پگھلا دیا جائے تو اسے بھی حَلَّ کہتے ھیں ۔ یعنے اس کی گرہ کھل گئی ۔ اور وہ حل ھوگئی ۔ اسکے بعد حَلَّ الْمَکَانَ کے معنے ھو گئے کسی جگہ اترنا اور قیام کرنا ۔ راغب نے کہا ھے کہ یہ دراصل حَلَّ الْاَحْمَالَ سے ماخوذ ھے جسکے معنے ھیں سامان کی رسیوں کی گرہ کھول کر اسے اونٹوں پر سے اتار لینا ۔ حَالَّهٗ کسی کے ساتھ اترنا ۔ قیام کرنا ۔ اس سے حَلِیْلٌ ھے جسکے معنے خاوند کے ھیں اور حَلِیْلَةٌ کے معنی بیوی ۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ (ایک ھی مکان میں) رھتے ھیں ۔ یا ایک دوسرے کے لئے حلال ھیں ۔ قرآن کریم میں حَلَائِلُ اَبْنَائِکُمْ آیا ھے (۴/۲۳) ۔ حَلَائِلُ جمع ھے حَلِیْلَةٌ کی ۔ یعنی تمہارے بیٹوں کی بیویاں ۔ اَلْمَحَلَّةُ ۔ محلہ ۔ قوم کی منزل ۔ اَلْحِلَّةُ ۔ اتری ھوئی قوم ۔ نیز محلہ ۔ اَلْحُلَّةُ جوڑا (کپڑوں کا) جس میں عموماً قمیص ، ازار ، چادر یا عمامہ ھوتا ھے (یہ لفظ کنایۃً بیوی کے لئے بھی بولا جاتا ھے) ۔ اَلْحِلُّ ۔ حرم کے حدود سے باھر کی جگہ ۔ اَلتَّحِلَّةُ ۔ وہ چیز جس سے قسموں کا کفارہ ادا کیا جائے (اور اسطرح قسموں کی گرہ کشائی کر لی جائے) حَلَّ اَمْرُ اللّٰهِ عَلَیْهِ ۔ اس پر خدا کا امر واجب ھوگیا ۔ عباب میں ھے کہ یَحِلُّ کے معنی واجب ھو جانے کے ھوتے ھیں اور یَحُلُّ کے معنے نازل ھونے (اترنے) کے * ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** مولانا سندھی کی تفسیر المقام المحمود ۔ ص ۱۳۶

اَلْحَلَالُ (وَالْحِلَالُ) حرام کی ضد ہے۔ یعنے جس پر رکاوٹ کی گرہ نہ ہو۔ کھلی ہوئی چیزیں، جنکی حدود بندی نہ کی گئی ہو۔ اَلْحِلُّ وَالْحَلَئِلُ کے بھی یہی معنے ہیں*۔

سورۃ مائدہ میں ہے لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (۵/۲)۔ یعنے شعائراللہ کے احترام اور تعظیم کی جو گرہیں باندھی گئی ہیں انہیں مت کھولو۔ انکا احترام کرو۔

واجب ہونے کے معنوں میں (۲۰/۸۱) میں ہے فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ "تم پر میرا غضب واجب ہو جائیگا" حج میں جانوروں کے ذبح ہونے کے مقام کے متعلق ہے ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (۲۲/۳۳) "ان کے ذبح ہونے کا مقام کعبہ ہے"۔ سورۃ البلد میں ہے وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ (۹۰/۲)۔ اسکے ایک معنے تو یہ ہیں کہ تو اس شہر میں مقیم ہے۔ لیکن اس میں حِلٌّ سے مراد حَلَالٌ بھی لی جا سکتی ہے (راغب) یعنی انہوں نے تیرے معاملہ میں اس بلد امین کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں رکھا اور یہاں بھی تجھے تکالیف بہم پہنچائی ہیں اور تیری جان تک کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ مولانا محمود الحسنؒ نے اس کے معنی لکھے ہیں "اور تجھ پر قید نہیں رہیگی اس شہر کی"۔

جہاں تک حرام و حلال کا تعلق ہے، قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ سوائے ان چیزوں کے جنہیں قرآن کریم میں حرام قرار دیدیا گیا ہے (دیکھئے عنوان ح۔ ر۔ م) کھانے پینے کی سب چیزیں حلال ہیں۔ ان پر ممانعت کی کوئی گرہ نہیں باندھی گئی۔ نہ ہی کسی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کسی شے کو حرام قرار دیدے۔ (دیکھئے ۵/۸۷ ؛ ۶/۱۴۶ ؛ ۶/۱۱۹-۲۰ ؛ ۱۰/۵۹ ؛ ۱۶/۱۱۶ ؛ ۲۲/۳۰) حتّٰیکہ رسول کو بھی اسکا اختیار نہیں دیا گیا (۶۶/۱)۔ سورۃ اعراف میں رسول اللہؐ کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (۷/۱۵۷)۔ وہ طیبات کو حلال اور خبائث کو لوگوں کے لئے حرام قرار دیگا۔ تو اس سے مراد وحی کے ذریعے ایسا کرنا ہے۔ یعنی قرآن کریم کی رو سے (۶/۱۴۶ ؛ ۵/۱)۔

لیکن قرآن کریم نے حَلٰلًا کے ساتھ طَيِّبًا بھی کہا ہے (۲/۱۶۸)۔ یعنے جتنی حلال چیزیں ہیں ان میں سے جو تمہیں مرغوب ہوں وہ کھاؤ۔ ناخوشگوار چیزیں یا مضر چیزیں مت کھاؤ۔ (حلال) کھانے کی چیزیں دیدہ زیب بھی ہوں۔

* تاج و محیط۔

خوش ذائقہ بھی اور صحت کیلئے مفید بھی۔ یعنے ہر لحاظ سے خوشگوار۔ اس میں ہر فرد کے اپنے اپنے ذوق اور پسند کی رعایت رکھدی گئی ہے۔ نیز اجتماعی مصالح اور مفاد کی گنجائش بھی۔

اس مقام پر ایک نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ قرآن کریم کی رو سے طیبات، حلال ہیں اور خبائث حرام۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے وہ سب فی ذاتہ طیب ہیں۔ یعنی پاکیزہ۔ مفید۔ منفعت بخش۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر حلال چیز کو بالضرور کھایا جائیگا۔ اگر کوئی چیز کسی کو نا پسند ہو، یا مضرت رساں، تو اسے اجازت ہے کہ وہ شے نہ کھائے۔ لیکن اسے حرام نہ سمجھے۔ اسی طرح اجتماعی مصالح کے پیش نظر، اسلامی معاشرہ، وقتی طور پر بعض چیزوں کے استعمال کو ممنوع قرار دے سکتا ہے۔

۔ ایسی پابندیاں عائد کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن کسی حلال چیز کو حرام سمجھ لینا یا اسے حرام قرار دیدینا قطعاً جائز نہیں۔ اسی طرح کسی حرام شے کو حلال قرار دیدینے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔

خدا کے نظامِ ربوبیت کے پیش نظر حلال و حرام کے معنے یہ بھی ہونگے کہ عام اشیائے فطرت جنہیں اللہ نے نوع انسانی کی پرورش کا ذریعہ بنایا ہے۔ یعنی رزق کے سرچشمے۔ انہیں کھلا (حلال) رہنے دو اور انہیں روک کر لوگوں کو اس کے استفادہ سے محروم نہ کرو۔ یہ بھی خدا کے حلال کو حرام کر دینا ہے۔ یہ قرآنی نظام معیشت کی اصل و بنیاد ہے۔ (Free Goods) کو (Economic Goods) میں تبدیل کرنا کبھی جائز نہیں قرار پاسکتا۔

(حرام و حلال کی مزید تفصیل کے لئے عنوان ح۔ ر۔ م بھی دیکھئے۔ اور عنوان ن۔ ع۔ م میں اَنْعَامٌ بھی۔ صَیْدُ الْبَحْرِ کے حلال ہونے کے لئے دیکھئے عنوان ب۔ ح۔ ر۔ آیت ۹۶/۵)۔

مُحِلٌّ۔ وہ جو حرام کی ہوئی چیز کو حلال سمجھے۔ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ (۱/۵) شکار کو حلال نہ قرار دینے والے۔ حِلٌّ۔ بمعنی حَلَالٌ (۵/۵)۔ تَحِلَّةٌ۔ قسم کا کفارہ۔ جس سے قسم کی پابندی سے رہائی مل جائے (۶۶/۲)۔

ح ل م

اَلْحُلُمُ۔ اَلْحُلُمُ۔ خواب*۔ جمع اَحْلَامٌ (۱۲/۴۴)۔ خواب میں جاگ۔ اور چونکہ یہ کیفیت بالغ ہونے کی دلیل ہے اس لئے سن تمیز و بلوغت کو بھی

* تاج

الحُلُمُ* کہتے ہیں*۔ (۲۴/۵۹) ۔ چونکہ سن تمیز کے ساتھ عقل و تمیز بھی آ جاتی ہے اس لئے اَلْحِلْمُ متانت ، وقار و سکون ، عقل و تدبر اور ضبط نفس کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا ۔ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَا (۵۲/۳۲) کیا ان کا فہم و تدبر ، ان کی متانت و سنجیدگی ، ان کی فرزانگی اور وقار انہیں اسی کا حکم دیتے ہیں ۔ اَلْحِلْمُ کے معنے ہیں طبیعت پر ایسا ضبط رکھنا کہ غیظ و غضب کے موقع پر بھی انسان بھڑک نہ اٹھے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں جلدی نہ کرنا ۔ یعنی ذرا سی بات پر جھٹ سے بھڑک نہ اٹھنا ۔ چنانچہ تَحَلَّمَ الْعَیَالُ ۔ اس وقت کہتے ہیں جب مویشی فربہ ہو جائیں ۔ (اور ان میں قوت برداشت پیدا ہو جائے) ۔ اَلْحَلِیْمُ خدا کی صفت ہے جس سے مراد یہ ہے کہ نہ اسے نافرمانوں کی نافرمانیاں بھڑکاتی ہیں اور نہ اسے غصہ جلد بازی اور اوچھے پن پر اکساتا ہے ۔ بلکہ اس نے ہر چیز کے لئے ایک پیمانہ (قانون) مقرر کر رکھا ہے جس تک وہ چیز بہرحال پہنچ جاتی ہے*۔ (یعنی ہر عمل کا نتیجہ) ۔ لہذا حَلِیْمٌ کے معنے ہیں سمجھدار ، ثقہ ۔ بھاری بھرکم ۔ پروقار ۔ ہمیشہ اصول اور قانون کے مطابق کام کرنے والا ۔ جو یونہی جذبات سے بھڑک نہ اٹھے ۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق قرآن کریم میں ہے اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ (۱۱/۷۵) ۔ ''یقیناً ابراہیم بردبار ، غمگسار اور خدا کی طرف رجوع کرنے والا تھا'' ۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے تذکرہ کے ضمن میں ہے فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (۳۷/۱۰۱) ۔ ''ہم نے ابراہیم کو ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری دی ۔

ہمارے ہاں حِلْم (حلیم الطبع) سے مراد انکسار ۔ فروتنی ۔ نرم مزاجی لی جاتی ہے ۔ یہ ہمارے اپنے لغت کے معنے ہیں ۔ محض فروتنی تو ضعف اور کمزوری کی پیدا کردہ بھی ہوتی ہے لیکن حِلْمٌ قوت اور توانائی کا مظہر ہوتا ہے جس سے انسان کو اپنے اعصاب پر پورا کنٹرول ہوتا ہے اور وہ بڑے سے بڑے اشتعال انگیز حالات میں بھی ضابطہ اور قانون کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور کوئی بات بے سمجھی کی نہیں کرتا ۔ جس میں مقابلہ کی قوت نہ ہو اس کا جھکنا شکست اور ذلت ہے ۔ سرکشی کی قوت رکھتے ہوئے ،قانون و ضوابط کے سامنے جھکنا ، شرفِ انسانیت ہے ۔

ح ل ی

اَلْحُلِیُّ ۔ زیور،سامانِ آرائش ، جو معدنیات ڈھال کر یا قیمتی پتھر وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے* ۔ جمع حُلِیٌّ ۔ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا (۷/۱۴۸) ''ان کے

* تاج ۔ **راغب

زیورات سے بچھڑا (بنایا)"۔ اَلْحِلْیَۃُ۔ آرائش کی چیز۔ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْہُ حِلْیَۃً (۱۶/۱۴)۔ تم سمندر سے آرائش کی چیزیں (موتی وغیرہ) نکالتے ہو۔ حَلَّاھَا تَحْلِیَۃً۔ اس نے عورت کو زیور پہنایا*۔ یُحَلَّوْنَ فِیْھَا.. .... (۱۸/۳۱) "انہیں وہاں آرائش و زیبائش کی چیزیں پہنائی جائینگی"۔ اس کے بنیادی معنے تحسین و آرائش کے ہیں (ابن فارس)۔

ح م أ

اَلْحَمْأَۃُ وَ الْحَمَأُ۔ سیاہ بدبو دار کیچڑ۔ خراب بگڑی ہوئی مٹی۔ حَمِیَ الْمَاءُ۔ پانی سیاہ بدبو دار کیچڑ کے ملنے کی وجہ سے گدلا اور بدبودار ہوا ایسا پانی یا ایسے پانی والی جگہ حَمِیٌ* کہلائیگی، مؤنث حَمِئَۃٌ**۔ قرآن کریم نے انسانی تخلیق کے ابتدائی مراحل کے متعلق کہا ہے کہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاءٍ مَسْنُوْنٍ (۱۵/۲۶)۔ سیاہ متغیر شدہ مٹی کے اوپر جو پپڑی سی جم جائے، تخلیق انسانی کی ابتدا خدا نے اس سے کی۔ اسی کو طِیْنٍ لَازِبٍ (۳۷/۱۱) کہا گیا ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ زندگی کے اولین جرثومہ (Life Cell) کی نمود پانی اور مٹی کے امتزاج سے ہوئی۔ (تفصیل اس اجمال کی میری کتاب "ابلیس و آدم" میں ملیگی)۔

قرآن کریم نے بحر اسود کو عَیْنٍ حَمِئَۃٍ (۱۸/۸۶) کے الفاظ سے متعارف کرایا ہے۔

نوٹ: عنوان ح۔ م۔ ی کا آخری حصہ بھی دیکھئے۔

ح م د

حَمْدٌ۔ کسی نہایت حسین۔ متناسب۔ نادر شاہکار کو دیکھ کر انسان کے دل میں تحسین و ستائش (Appreciation) کے جو جذبات پیدا ہوں، ان کے اظہار کا نام حمد ہے جس سے مقصد اس شاہکار کے خالق کی عظمت و برتری کا اعتراف کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لئے چند شرائط ہیں جنہیں صاحب محیط نے یوں بیان کیا ہے۔

(۱) جس حسن و رعنائی اور شاہکاری کی ستائش کی جا رہی ہے وہ ایک خارجی حقیقت اور محسوس شے ہونی چاہئے (جیسے افعال محمودہ۔ مقام محمود۔ صفات محمودہ وغیرہ۔) غیر محسوس اور مشاہدہ میں نہ آنے

* تاج۔ ** تاج و محیط و راغب۔

والی چیزوں کے متعلق ہمارے دل میں جذبات تحسین وستائش پیدا نہیں ہو سکتے ۔ مثلاً ہم کسی مصور کی تعریف اسکی ان تصاویر کے ذریعہ ہی کر سکتے ہیں جو مرئی طور پر ہمارے سامنے آ جائیں ۔ اسی لئے قرآن کریم نے ان نمود و نمائش کا ذوق رکھنے والوں پر طنز کیا ہے جو بغیر تعمیری اور نفع بخش کام کرنے کے اپنی ستائش چاہتے ہیں ۔ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا* بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا (۳/۱۸۷)۔ ”وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ان کاموں کی بنا پر کی جائے جنہیں وہ کرتے نہیں“ ۔

(۲) کسی کی جس بات یا جس کام کی تعریف کی جا رہی ہے وہ اس سے اختیاری طور پر سرزد ہونی چاہئے (تا کہ اس کی انفرادی خودی کے زندہ و بیدار ہونے کا اندازہ کیا جا سکے)۔ اضطراری طور پر (خود بخود یونہی میکانکی انداز سے) کسی فعل کا سرزد ہو جانا ستائش کا حق پیدا نہیں کرتا ۔ حتّٰی کہ وہ حسن جو کسی میں پیدائشی طور پر موجود ہو اسکے لئے بھی حمد کا لفظ نہیں بولا جاتا ۔ مدح کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے ۔ (مَدَحَ الْجَمَالَ) اگر کوئی مشین نہایت عمدہ چیزیں بنا رہی ہے تو وہ مشین قابل حمد نہیں ۔ بلکہ قابل مدح ہوگی اور اسکا بنانے والا مستحق حمد ۔ یہی صورت رقص طاؤس کی ہے ۔ طاؤس مستحقِ مدح ہے اور اس کا خالق (خدا) سزاوارِ حمد ۔

(۳) حَمْدٌ کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس چیز کی حمد (ستائش) کی جا رہی ہے اسے ستائش کرنے والے کا دل بھی پسند کرتا ہو ۔ کسی کے دباؤ سے اسکی تعریف کرنا حمد نہیں ، مدح ہے ۔ نہ ہی حمد میں ملمع کاری ، نمائش ، منافقت ، یا کسی کو بنانے کے لئے تعریف کرنے کا کوئی دخل ہو سکتا ہے ۔ حمد میں جذبات تحسین بے ساختہ زبان پر آجاتے ہیں ۔

(۴) جس چیز کی حمد کی جا رہی ہے اسکا ٹھیک ٹھیک علم ہونا بھی ضروری ہے ۔ محض گمان کی بنا پر حمد نہیں کی جا سکتی ۔ مبہم تصورات ، دھندلے نقوش ، اور شکوک و تذبذب پیدا کرنے والے خیالات و معتقدات کبھی حمد کا جذبہ پیدا نہیں کر سکتے ۔ حمد ، فریبِ تخیل ، توہم پرستی اور اندھی عقیدت سے نہیں ابھرتی ۔ اسکا سرچشمہ یقینِ محکم اور ایمان مکمل ہوتا ہے ۔ (مدح ظنی چیزوں کی بھی کی جا سکتی ہے مگر حمد نہیں) ۔

(۵) جن نفع بخش ، کشش انگیز باتوں اور حسن و تناسب کے شاہکاروں کی حمد کی جا رہی ہو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کمال کے درجہ تک پہنچ

* ہو سکتا ہے کہ یہاں حمد مجازاً بمعنی مدح استعمال ہوا ہو ۔

چکے ہوں اور انکی نفع بخشیاں محسوس * ہوں۔ جو آرٹ تکمیل تک نہ پہنچا ہو یا جو آرٹ انسانیت کے لئے نفع بخش نہ ہو وہ مستحق حمد وستائش نہیں ہوتا۔ (جیب کترے کی ہاتھ کی صفائی وجہِ حمد نہیں ہو سکتی)

ان شرائط کے ساتھ جذباتِ تحسین وستائش کے اظہار کا نام حَمْدٌ ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک شرط کی بھی کمی ہے تو اسکے لئے حَمْدٌ نہیں بلکہ مَدْحٌ کا لفظ بولا جائیگا۔ (قرآن کریم میں خدائی شاہکاروں کیلئے ہر جگہ حَمْدٌ کا لفظ آیا ہے۔ مَدْحٌ کا لفظ ایک جگہ بھی نہیں آیا)۔

(واضح رہے کہ ثناء کا لفظ مدح اور ذم دونوں کے لئے استعمال ہو سکتا ہے **)

لہذا جہاں قرآن کریم میں ہے کہ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ (۱۳/۱۳)۔ ''گرج، اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے ***''۔ یا وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳۰/۱۸) ''کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں حمد اسی کے لئے ہے''۔ یا وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (۱۷/۴۴) ''کوئی شے ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح نہ کرتی ہو''۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام کائناتی قوتیں، اس قسم کے تعمیری اور منفعت بخش نتائج پیدا کرنے میں مصروفِ عمل ہیں جو خدا کی حمد و تحسین کے زندہ پیکر ہیں۔ حتّٰیکہ اس مقصد کیلئے جب تخریبی قوتوں کو راستہ سے ہٹایا جاتا ہے تو یہ کام بجائے خویش وجہ ستائش ہوتا ہے۔ چنانچہ ظالم قوموں کی تباہی کے سلسلہ میں کہا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۶/۴۵)۔ ''ظلم کرنے والی قوموں کی جڑ کٹ گئی۔ اور اللہ رب العالمین کے لئے حمد ہے''۔ اسی لئے خدا کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ عَزِيْزٌ بھی ہے اور حَمِيْدٌ بھی (۱۴/۱)۔ یعنے اپنے غلبہ واقتدار سے تخریبی قوتوں کو راستے سے ہٹا کر، تعمیری پروگرام کو اسطرح کامیاب بنانے والا کہ اس کے منفعت بخش نتائج خدا کی حمد وستائش کی منہ بولتی تصویر بن جائیں۔ دوسری جگہ ہے لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ (۶۴/۱)۔ ہر طرح کا اقتدار وستائش اس کے لئے ہے۔ جلال وجمال کا سرچشمہ وہی ہے۔ مومنین کی صفات میں یہ بھی ہے کہ وہ حَامِدُوْنَ (۹/۱۱۲) حمد کرنے والے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انسان کو علم الاسماء، یعنی اشیائے کائنات کا علم۔ (علم الفطرت) دیا گیا ہے (۲/۳۱) کیونکہ

* (محیط) ** (المنار)۔ *** تسبیح کے معنی ہیں اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں پوری قوت کے ساتھ سرگرم عمل رہنا۔ دیکھئے عنوان س۔ ب۔ ح۔

جب ملائکہ (کائناتی قوتوں) نے کہا کہ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ (۲/۳۰)۔ ''ہم تیری حمد وستائش کی نمود کیلئے ہمیشہ سر گرم عمل رہتے ہیں'' تو اسکے جواب میں یہی کہا گیا کہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا (۲/۳۱) آدم کو تمام اشیائے کائنات کا علم عطا کر دیا گیا''۔ لیکن اسکا یہ علم اُسی صورت میں کائنات کو وجہِ ستائش خداوندی بنا سکتا ہے جب وہ اپنے علم کے ماحصل کو وحی کے تابع رکھے۔ اس لئے اس سے کہدیا گیا کہ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُونَ (۲/۳۸) جو قوم خدا کی راہنمائی کے پیچھے چلے گی وہی خوف و حزن سے محفوظ رہے گی۔ یہ وہ مَقَامًا مَحْمُودًا ہے۔ (۱۷/۷۹۔ ایسی پوزیشن جو سراپا وجہ حمد وستائش ہو) جس پر نبی اکرمؐ فائز ہوئے۔ وہ خود اَحْمَدُ (۶۱/۶) (بہت زیادہ حمد وستائش کرنے والے) تھے** ۔ اسلئے (جیسا آپ کا دوسرا نام تھا ویسے ہی عملاً) مُحَمَّدٌ (۴۸/۲۹) ہو گئے۔ یعنے وہ جو مسلسل و پیہم وجہِ حمد وستائش ہو* (جسکی یکے بعد دیگرے ستائش کی جائے) رسول اللہؐ کا نام اَحْمَدُ بھی تھا اور مُحَمَّدٌ بھی۔ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ (۶۱/۶)۔ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (۴۸/۲۹)۔ کتاب الاشتقاق میں ہے کہ مُحَمَّدٌ (مُفَعَّلٌ) کے معنی ہیں وہ جس کی یکے بعد دیگرے حمد کی جائے اور محمودٌ وہ ہے جس کی ایک بار حمد کی جائے۔ اَقْرب الموارد میں مُحَمَّدٌ کے معنی ہیں الذی کثرت خصاله المحمودة۔ جو بکثرت قابل ستائش خصلتیں رکھتا ہو۔

حمد کے جو معانی اوپر دیئے گئے ہیں ان کی روشنی میں قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ ۱/۱) پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ ان چار لفظوں سے قرآن کریم نے کسطرح اس عظیم حقیقت کو بے نقاب کردیا ہے کہ کائنات کا ہر حسین گوشہ اور منفعت بخش پہلو خدا کے اس عالمگیر قانونِ ربوبیت کے وجہِ حمد وستائش ہونے کی زندہ شہادت ہے جو ہر شے کو اس کے نقطۂ آغاز سے بتدریج اوجِ کمال تک لے جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حمدیت محض ایک عقیدہ کا نام نہیں بلکہ وہ جذبۂ تحسین ہے جس کا اظہار نظام کائنات پر غور و فکر سے بیساختہ ہو جاتا ہے۔ جو قوم نظام کائنات پر غور نہیں کرتی وہ اس کے خالق کے کمال کو کسطرح (Appreciate) کر سکتی ہے؟ نیز جو اس کے نظام ربوبیت کو عملاً متشکل نہیں کرتی وہ کیسے سمجھ سکتی ہے کہ اس کے نتائج کس درجہ مستحق حمد وستائش

*تاج۔ **بعض کا خیال ہے کہ اس میں فاعلی معنی نہیں بلکہ مفعولی معنی ہی ہیں۔ یعنی جو سب سے زیادہ مستحق ستائش ہو۔

ہیں ۔ ''خدا کی حمد کرنا'' ایک عملی پروگرام ہے ۔ یعنی نظام خداوندی کو عملاً متشکل کر کے ایسے محیرالعقول اور درخشندہ نتائج پیدا کرنا جنہیں دیکھکر دنیا کی ہر قوم پکار اٹھے کہ جس خدا نے ایسے قوانین عطا کئے ہیں وہ واقعی مستحق حمد وستائش ہے ۔

ح م ر

اَلْاَحْمَرُ ۔ سرخ ۔ اسکی جمع حُمْرٌ ہے* ۔

جُدَدٌ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ (۳۵/۲۷) ۔ سفید اور سرخ رنگ کی تہیں یا دھاریاں ۔

اَلْحِمَارُ ۔ گدھا ۔ (۲/۲۵۹) ۔ اس کی جمع حُمُرٌ ہے ۔ سورۃ مدثر میں ہے حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ (۷۴/۵۰) ۔ گھبرا کر بدکنے والے گدھے ۔

ح م ل

حَمَلَ ۔ یَحْمِلُ ۔ حَمْلاً ۔ بار اُٹھانا ۔ اپنے اوپر لادنا ۔ اِحْتَمَلَ ۔ اٹھانا ۔ اَلْحَمْلَةُ ۔ جنگ میں پلٹ کر حملہ بول دینا* ۔ حَمَّلَ ۔ کسی پر لادنا ، بار اٹھوانا ، کسی کے ذمہ کوئی کام لگا دینا ۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ (۶۲/۵) جن لوگوں پر احکام تورات کی بجاآوری کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی ۔ اِحْتَمَلَ ۔ اپنے اوپر بار لینا ۔ (۲/۲۸۶) ۔ حَمُوْلَةٌ ۔ باربرداری کا جانور* ۔ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا (۶/۱۴۳) ۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (۱۱۱/۴) ۔ چغلخور* ۔ لگائی بجھائی کرنے والی ۔ مخالفت کے سامان جمع کرنے والی ۔ حَمَلَ ۔ کسی کو اپنی جگہ سے اٹھا دینا** ۔ یعنے تباہ و برباد کر دینا ۔ وَ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ (۶۹/۱۴) ۔ ''اور ارض و جبال تباہ کر دئے جائینگے'' ۔

حَمَلَ الْاَمَانَةَ ۔ امانت میں خیانت کرنا*** ۔ سورۃ احزاب میں ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (۳۳/۷۲) ۔ ''ہم نے امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا ۔ اور اس (خیانت) سے ڈر گئے ۔ لیکن انسان اس میں خیانت کرتا ہے ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** تاج و محیط ۔

یہ بڑا ہی ظالم اور نادان ہے"۔ یعنی خدا نے اپنے قوانین کی اطاعت کی امانت کو خارجی کائنات کے سپرد کیا تو اس نے اس میں کسی قسم کی خیانت نہیں کی۔ تمام اشیائے کائنات اپنے فرائض مفوضہ کی تکمیل میں سرگرداں رہتی ہیں۔ لیکن یہی قانون جب انسان کو دیا تو یہ اس میں خیانت کرتا ہے۔ اسکی اطاعت نہیں کرتا۔ یہ بڑا نادان ہے اور اپنے آپ پر زیادتی کرتا ہے۔

سورۃ عنکبوت میں ہے وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا (۲۹/۶۰)۔ صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ یہاں حمل رزق کے معنی ذخیرہ اندوزی کرنے کے ہیں*۔ قرآن کریم نے یہاں ایک اہم حقیقت کیطرف توجہ دلائی ہے۔ رزق کو سمیٹ کر رکھنے کا جذبہ انسان ہی میں ہے۔ حیوانات میں نہیں (یہ جو ہم چیونٹیوں، چوہوں وغیرہ کو ذخیرہ اندوزی کرتے دیکھتے ہیں تو تحقیقات نے بتایا ہے کہ یہ محض عادۃً ایسا کرتے ہیں۔ کسی مقصد کے ماتحت نہیں۔) علاوہ ازیں ان کا جمع کردہ ذخیرہ ان کی قوم کے تمام افراد کے کام آتا ہے۔ وہ گراں فروشی یا نفع اندوزی کے لئے ایسا نہیں کرتے۔ جب ایک گائے اپنا پیٹ بھر لیتی ہے تو باقیاندہ چارے کو سنبھال کر شام کے لئے نہیں رکھ لیتی۔ یہ انسان ہی کرتا ہے۔ اور مقصد اس سے گراں فروشی اور نفع اندوزی ہوتا ہے۔ اس کی یہی ہوس ہے جو تقسیم رزق میں اس قدر فساد کا موجب بنی ہوئی ہے۔ جس کے پاس قوت ہوتی ہے وہ سب کچھ سمیٹ کر ذخیرہ کر لیتا ہے اور کمزور اور غریب بھوکے مرتے ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ اللہ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ (۲۹/۶۰)۔ اللہ ان حیوانات کو بھی رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی۔ حیوان صرف ضروریات پورا کرتے ہیں اور تم ذخیرہ اندوزی شروع کر دیتے ہو۔ یہ روش فسادِ آدمیت کا موجب ہے۔ (تفصیل میری کتاب نظام ربوبیت میں ملیگی۔)

سورۃ اعراف کی ایک آیت میں دیا گیا ہے کہ اپنے جذبات کا اتباع کرنے والوں کی مثال كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (۷/۱۷۶) ہے۔ حَمَلَ عَلَى کے معنے کسی کو چلا کر تھکا دینے کے ہیں*۔ لہٰذا آیت کے معنے یہ ہوئے کہ کتے کی یہ حالت ہے کہ اگر تو اسے چلا چلا کر (دوڑا دوڑا کر) تھکا مارے تب بھی وہ ہانپتا رہے اور اگر اسے ویسے ہی چھوڑ دے تب بھی وہ ہانپتا رہے۔ اسے کسی شکل میں بھی سکون اور اطمینان نہیں ملتا۔ یا پھر یہ حَمَلَهُ عَلَى الْاَمْرِ

* تاج و محیط۔

سے ہو سکتا ہے جسکے معنے ہیں اسے کسی کام پر اکسایا* ۔ جیسے کتے کو شکار پر لپکایا جاتا ہے ، یعنی تم خواہ کتے کو شکار پر لپکا کر دوڑاؤ یا اسے بیٹھا رہنے دو ، وہ بہر حال ہانپتا ہی رہے گا ۔ بیشتر اہل تفاسیر نے یہاں حَمَلَ عَلَیْہِ کے معنے حملہ کرنے ، ٹوٹ پڑنے اور اس کو مار کر بھگانے اور دھتکارنے کے کئے ہیں ۔

ح م م

حَمَّ التَّنُّوْرَ حَمًّا ۔ اس نے تنور میں ایندھن ڈال کر اسے گرم کیا ۔ حَمَّ الشَّحْمَۃَ ۔ اس نے چربی کو پگھلایا ۔ حَمَّ الْمَاءَ حَمًّا ۔ اس نے پانی گرم کیا ۔ اَلْحُمَامُ ۔ اونٹوں یا تمام جانوروں کا بخار ۔ حَمَّ ۔ فکر ۔ غم ۔ اِحْتَمَّ لَہٗ ۔ وہ اس کے لئے فکر مند ہوا** ۔ اِحْتَمَّ الرَّجُلُ ۔ آدمی فکر کی وجہ سے سو نہیں سکا ۔ اِحْتَمَّتِ الْعَیْنُ ۔ بغیر کسی درد کے آنکھ نہیں لگ سکی یعنی نیند نہ آئی*** ۔ اہل جہنم کے متعلق ہے لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۶/۷۰) ۔ وہ پینے کی چیز جو راحت جان ہونے کے بجائے سخت اذیت کا موجب بن جائے ۔ یعنے عذاب الیم ۔ لطائف اللغۃ میں ہے کہ اس کے معنی گرم پانی اور سرد پانی دونوں کے ہیں ۔ سورۃ واقعہ میں ہے وَ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ (۵۶/۴۳) ۔ اس کے معنے ہیں گرم سیاہ دھوئیں کا سایہ ۔

اَلْحَمِیْمُ ۔ قریبی رشتہ دار جس کی خاطر فکر مند رہا جائے ، یا جس کے دل میں تمہاری محبت ہو اور تمہارے دل میں اسکی محبت ہو ، یا وہ جو اپنے متعلقین کی حمایت کا جوش دل میں رکھتا ہو ۔ اور ان کے لئے گرمجوشی اور تپاک کا اظہار کرتا ہو* ۔ قرآن کریم نے اسے دلسوز دوست اور غمخوار رفیق کے معنوں میں استعمال کیا ہے (۴۱/۳۴) ۔ نیز حَمَّ الْاَمْرُ کے معنے ہیں اس امر کا فیصلہ ہو گیا ۔ حَمَّ ۔ حَمَّہٗ ۔ اس نے اس کا ارادہ کیا ۔ حَمَّ اللّٰہُ کَذَا وَ اَحَمَّہٗ ۔ خدا نے اس کے لئے ایسا فیصلہ کر دیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں گرم ہونا اور ارادہ کرنا شامل ہیں ۔

ح م ی

حَمَی الشَّیْءَ ۔ چیز کی حفاظت کی ۔ کَلَاٌ حَمِیٌّ ۔ حفاظت کی ہوئی گھاس ۔ اَلْحَمِیُّ ۔ وہ بیمار جسے نقصان دہ چیزوں سے روک دیا گیا ہو ۔ لہذا اَلْحَامِیَۃُ ۔ وہ ہے جو کسی کی حفاظت کرے یا اسے نقصان دہ امور سے روکے* ۔ حمایت میں یہ دونوں چیزیں آجاتی ہیں ۔

---

* تاج و محیط ۔ ** حَمَّ دراصل ھَمَّ سے اور اِحْتَمَّ لَہٗ ، اِھْتَمَّ لَہٗ سے بدل کر آئے ہیں ۔ *** تاج و محیط و راغب ۔

حَامٍ - ایام جاهلیت میں یہ رسم تھی کہ وہ نر اونٹ جو مقررہ تعداد میں اونٹنیوں کو حاملہ کر چکا ہو اسے آزاد چھوڑ دیتے تھے - (جیسے ہندؤں میں سانڈ چھوڑ دیتے ہیں) اس سے بار برداری کا کام نہیں لیتے تھے - اور وہ سانڈوں کی طرح آزاد پھرتا تھا جہاں جی چاہے جائے اور جہاں سے جی چاہے کھائے پیئے - اس میں ایک قسم کا توہم پرستانہ تقدس آجاتا تھا - قرآن کریم نے اس سے روکا ہے (۵/۱۰۳) -

حَمِيَتِ الشَّمْسُ والنَّارُ تَحْمٰى - سورج اور آگ کی گرمی سخت ہوگئی - قرآن کریم میں ہے نَارٌ حَامِيَةٌ (۱۰۱/۱۱) سخت گرم آگ - ویسے حَمِيْتُ عَلٰى فُلَانٍ کے معنے ہوتے ہیں میں فلاں پر غصہ ہوا ** - اَلْحَمِيَّا - جوش یا شدت غضب کو کہتے ہیں * - حَمِيَ الْمِسْمَارُ - میخ گرم ہوگئی * - قرآن کریم میں سرمایہ پرستوں کی دولت کے متعلق ہے يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ (۹/۳۵) - ''جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائیگا'' - اسی (گرمی) سے اَلْحَمِيَّةُ ہے جسکے معنے غیرت اور ضد کے ہیں * - اس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان جس چیز کو عزیز رکھتا ہے اس کی حفاظت کے لئے وہ گرمجوشی دکھائے - اگر وہ شے فی الواقعہ اچھی ہے تو یہ جذبہ قابل ستائش قرار پائیگا - اور اگر وہ شے مذموم ہے تو یہ جذبہ بھی مذمت کے قابل ہو جائیگا - زمانہ قبل از اسلام میں عرب اپنے معاشرہ کے رسوم و رواج کے تحفظ میں بڑی گرمجوشی دکھاتے تھے - چونکہ ان رسوم و رواج میں بیشتر مذموم تھے اس لئے قرآن کریم نے اُس جذبہ کو حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ (۴۸/۲۶) کہکر پکارا ہے -

اِحْمَوْمَى الشَّيْءُ - چیز سیاہ ہوگئی - جیسے رات اور بادل * -

ح ن ث

اَلْحِنْثُ - گناہ، معصیت، نافرمانی *** - (خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرنا) - سورۃ واقعہ میں ہے وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ (۵۶/۴۶) ''یہ لوگ بڑے بڑے سخت جرائم پر مصر رہا کرتے تھے'' - اَلْحِنْثُ - عمداً جھوٹی قسم کھانے یا قسم کھا کر اسے پورا نہ کرنے کو بھی کہتے ہیں *** - نیز حق سے باطل کی طرف رجوع کرنے کو بھی **** حَنِثَ فُلَانٌ فِي كَذَا - اس نے کسی بارے میں گناہ اور کوتاہی کی، اسی سے جب بچہ جوان ہو جائے یعنی اس میں گناہ کرنے کی قوت آجائے تو کہتے بَلَغَ الْغُلَامُ الْحِنْثَ

* تاج - ** راغب - *** تاج و راغب - **** اقرب الموارد -

یہ اس لئے کہ سن شعور کے بعد بچہ اپنے اچھے اور برے کاموں کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ یعنی اگر اس سے کسی حکم کی خلاف ورزی ہو جائے تو وہ مجرم گردانا جاتا ہے۔ (ابن فارس)۔ اور تَحَنُّثَ کے معنے گناہوں سے باز رکھنے کے ہیں *۔

قرآن کریم میں قصۂ حضرت ایوبؑ میں ہے وَلَا تَحْنَثْ (۳۸/۴۴) (تو اپنی بیماری کا علاج جڑی بوٹیوں سے کر اور جھاڑ پھونک کی توہم پرستیوں میں مبتلا ہو کر) حق سے باطل کی طرف مائل نہ ہو۔ (اس کے لئے عنوان ض غ ث۔ بھی دیکھئے)

ح ن ج ر

اَلْحَنْجَرَۃُ۔ حلق۔ *** سانس کی نالی ** جمع حَنَاجِرُ (۳۳/۱۰)۔ حَنْجَرَہٗ اس نے اسے ذبح کر دیا ***۔

ح ن ذ

اَلْحَنْذُ۔ گرم پتھروں کے درمیان گوشت بھون کر کباب بنا لینا *۔ حَنِیْذٌ۔ اس گرم گرم گوشت کو کہتے ہیں جس سے، بُھننے کے بعد ابھی پانی ٹپک رہا ہو **۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو پکا دینا۔

سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے مہمانوں کے لئے عِجْلٌ حَنِیْذٌ (۱۱/۶۹) لیکر آ گئے۔ یعنی بُھنا ہوا بچھڑا (مسلّم)۔

ح ن ف

اَلْحَنَفُ۔ پاؤں کا ٹیڑھا اور مڑا ہوا ہونا۔ رِجْلٌ حَنْفَاءُ۔ مڑا ہوا پاؤں۔ اسی سے حَنِیْفٌ اسے کہتے ہیں جو غلط راستے سے ہٹ کر (مڑ کر) سیدھی راہ پر آ جائے۔ راغب نے کہا ہے کہ حَنَفٌ، گمراہی سے ہٹ کر استقامت (صراط مستقیم) کی طرف مائل ہونے کو کہتے ہیں ****۔ اس میں یکسو ہونے کا مفہوم غالب ہے۔ تفسیر المنار میں ہے کہ حَنِیْفٌ لغت میں مائل کو کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ پر اس لفظ کا اطلاق اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کے زمانے میں لوگ طریقۂ کفر کی پیروی کرتے تھے۔ انہوں نے ان سب کی مخالفت کی اور انکے طریقہ سے ہٹ کر دین مستقیم اختیار کر لیا *****۔

* تاج و راغب۔ ** محیط۔ *** تاج۔ **** تاج و محیط و راغب۔ ***** المنار جلد (۱) صفحہ ۳۸۰۔

قرآن کریم میں رِجْس" اور قَوْلُ الزُّوْر کے اجتناب کے بعد کہا ہے حُنَفَاءَ لِلّٰہِ (۲۲/۳۱)۔ اس سے حَنِیْف" کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ہے۔ یعنی ہر غیر خداوندی قانون و روش زندگی سے منہ موڑ کر خدا کے قوانین کی طرف آجانے والا۔ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ (۲۲/۳۱) اور ان قوانین کے ساتھ کسی اور کی اطاعت کو نہ شامل کرنے والا۔ اسی کا نام اسلام ہے۔ یعنے پہلے ہر غیر خدائی طاقت سے منہ موڑا جائے (یَکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ) اور اسکے بعد اللہ کے قانون پر ایمان لایا جائے (یُؤْمِنْ بِاللّٰہِ (۲/۲۵۶))۔

یہی مطلب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ہے۔ "یعنی کوئی صاحب اقتدار ہستی نہیں بجز اللہ کے"۔ لہذا ہر مومن حَنِیْف" ہوتا ہے۔ یہی حضرت ابراہیمؑ کی روش تھی جنہیں قرآن کریم نے حَنِیْف" کہکر پکارا ہے (۳/۱۳۵)۔ ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف قوانین خداوندی کی محکومیت اختیار کرنے والا۔

ح ن ک

اَلْحَنَکُ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ منہ کے اندرونی حصہ (تالو) کو کہتے ہیں۔ لیکن دوسروں نے کہا ہے کہ یہ منہ کے نچلے حصے، یعنی ٹھوڑی کے نچلے حصہ کو کہتے ہیں۔ اسی سے کہتے ہیں تَحَنَّکَ فُلَانٌ"۔ وہ اپنی پگڑی کا بل ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر اوپر لے گیا۔ اَلْحِنَاکُ"۔ وہ بندھن جس سے قیدی کو اسطرح باندھا جاتا تھا کہ اگر وہ اسے ذرا بھی کھینچے تو اسکی ٹھوڑی کے نچلے حصہ میں تکلیف محسوس ہو**

جانور (گھوڑے گدھے وغیرہ) کے منہ میں ایک تو لگام دی جاتی ہے اور جب لگام نہ ملے تو ایک رسی لے کر اسے اسکے نچلے جبڑے میں دے کر ٹھوڑی کے نیچے بل دیدیا جاتا ہے اور اسطرح اسے پکڑ کر لے چلتے ہیں۔ اسے اِحْتِنَاک" کہتے ہیں۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں لَمْ اَجِدْ لِجَاماً فَاحْتَنَکْتُ دَابَّتِیْ۔ مجھے لگام نہیں ملی تو میں نے اپنی سواری کے منہ میں رسی ڈال دی اور اسطرح اسے لے چلا۔ اسی سے اسکے معنے کسی پر غالب آجانے کے آتے ہیں۔ اِحْتَنَکَ الْجَرَادُ الْاَرْضَ۔ ٹڈیاں زمین پر چھا گئیں اور جو کچھ پیداوار تھی اسے صفا چٹ کر دیا*۔ اِسْتَحْنَکَ الْعِضَاہُ۔ جھاڑی جڑ سے اکھڑ گئی**۔

قرآن کریم میں ہے کہ ابلیس نے یہ چیلنج دیا کہ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗ (۱۷/۶۲) میں بالضرور ابن آدم کی ٹھوڑی میں رسی باندھونگا اور

*تاج۔ محیط۔ راغب۔ ** تاج نیز ابن فارس۔

اسطرح اسے جدھر جی چاہے لئے لئے پھرونگا۔ اس میں نہ صرف یہی ہے کہ ابلیس اسے جدھر جی چاہے لئے لئے پھرتا ہے بلکہ احْتِنَاک" میں جو ذلت کا پہلو ہے وہ بھی نمایاں ہے۔ انفرادی مفاد پرستیاں جسطرح انسان کو اپنی گرفت میں لے کر ذلیل و خوار کرتی ہیں وہ سب کے سامنے ہے۔ جسطرح کتے کے پاؤں اُسکی ناک کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، اسی طرح انسان اپنے جذبات کے پیچھے لگا پھرتا ہے اور ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اگر اسکی بجائے وہ انہی جذبات کو وحی کی روشنی میں چلائے تو کونین کی سرفرازیاں اسکے حصہ میں آجائیں۔

جو کچھ انفرادی جذبات پرستیاں ایک فرد کے ساتھ کرتی ہیں، وہی کچھ طاقتور قومیں کمزور قوموں کے ساتھ کرتی ہیں۔ یعنی ان کے جبڑے میں رسی ڈال کر انہیں جدھر جی چاہے لئے لئے پھرتی ہیں۔ یہ بھی ابلیسی قوتیں ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت (۱۷/۶۲) کے بعد دیکھئے کہ قرآن کریم نے ان طاقتور قوموں کے اُن حربوں کا کسطرح ذکر کیا ہے جنہیں وہ کمزور قوموں کو پھانسنے کے لئے اختیار کرتی ہیں۔ (اسکی تشریح "مفہوم القرآن" میں ملیگی)

ح ن ن

اَلْحَنِیْنُ۔ کسی چیز کی طرف مشتاقانہ کھنچنا۔ شدت سے رونا یا خوش ہونا۔ بے تابانہ اشتیاق کی آواز خواہ غم سے ہو یا خوشی سے۔ صاحب مصباح نے لکھا ہے کہ حَنِیْنٌ" کا لفظ صرف ماں کی مامتا کیلئے بولا جاتا ہے۔ اَلْحَنَانَۃُ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو اپنے وطن سے دور اپنے بچے کیلئے بیحد مضطرب و مشتاق ہو رہی ہو۔ اَلْحَنَّانَۃُ۔ وہ عورت جسے اسکے شوہر نے چھوڑ دیا ہو اور وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے غم میں بیحد اداس اور پریشان رہتی ہو*۔

قرآن کریم میں حضرت یحییٰؑ کے متعلق ہے کہ آتَیْنٰہُ ..... حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا (۱۹/۱۳)۔ ہم نے اُسے اپنے ہاں سے رقت قلب۔ سوز و گداز۔ ماں کی سی محبت رکھنے والا دل عطا کیا۔ اسی اعتبار سے ہمارے ہاں خدا کے اسماء میں ایک نام اَلْحَنَّانُ بھی شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا۔ اس میں کچھ عیسائیت کے خدا کے تصور (رقت و سوز و گداز) کی جھلک پائی جاتی ہے۔

* تاج و راغب

حُنَیْنٌ (۹/۲۵) مکہ کے قریب ایک وادی ہے جہاں نبی اکرمؐ کی مخالفین سے جنگ ہوئی تھی۔

ح و ب

حُوْبَ۔ حِبَابٍ۔ یہ لفظ اونٹوں کو ڈانٹنے کے لئے بولا جاتا ہے*۔

اَلْحَوْبَۃُ۔ حاجت اور ضرورت کو کہتے ہیں۔ ایسی حاجت جو محتاج کو ارتکاب جرم پر آمادہ کر دے**۔ اسکے بعد گناہ کیلئے بھی اسکا استعمال ہونے لگا۔ نیز اسکے معنے ہلاکت۔ غم و فکر۔ اور درد مند ہونا بھی ہیں*۔ جو گناہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی گناہ۔ حاجت یا مسکنت کے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں یتیم کا مال کھا جانے کو حُوْبًا کَبِیْرًا کہا گیا ہے (۴/۲)۔ یعنی جرم عظیم۔ بڑی حق تلفی۔ حُوْبٌ کے معنے گناہ، وحشت، تباہی بربادی، آفت اور بیماری بھی ہیں***۔

ح و ت

اَلْحُوْتُ۔ مچھلی، لیکن بیشتر بڑی مچھلی کے لئے بولا جاتا ہے۔ جمع اَحْوَاتٌ وَ حِیْتَانٌ*۔ حَاوَتَہٗ۔ اس نے اسے ایسا دھوکا دیا جیسے مچھلی دھوکا دیتی ہے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تڑپنے اور چلتے وقت رخ بدلنے کے ہوتے ہیں۔ مچھلی کو اسی اعتبار سے حُوْتٌ کہتے ہیں۔ حَاتَ عَلَی الشَّیْءِ کے معنی ہیں کسی چیز کے گرد چکر لگانا***۔ قرآن کریم میں حضرت یونسؑ کے متعلق ہے فَالْتَقَمَہُ الْحُوْتُ (۳۷/۱۴۲)۔ لغوی اعتبار سے اس کے معنی ہیں ''سو بڑی مچھلی نے اسے لقمہ بنایا''۔

سورۃ اعراف میں حِیْتَانُھُمْ (۷/۱۶۳) آیا ہے۔ یعنی ان کی مچھلیاں۔

ح و ج

اَلْحَاجَۃُ۔ اَلْحَائِجَۃُ۔ ضرورت۔ اصل میں اس کے معنے ہوتے ہیں اپنے مطلوب و مقصود تک عدم رسائی۔ جس چیز کو حاصل کرنے کی خواہش ہو اس تک نہ پہنچ سکتا۔ پھر اس کا استعمال عام احتیاج (ضرورتمندی) کے لئے ہونے لگا*۔ اَلْحَاجَۃُ دراصل کانٹے کو کہتے ہیں۔ لہذا اَلْحَاجَۃُ اس ضرورت کو کہتے ہیں جو انسان کے دل میں کانٹے کی طرح چبھ جائے اور

* تاج۔ ** راغب۔ *** محیط۔ **** لین بحوالہ قاموس۔

اٹک جائے**۔ ابن فارس نے کہا ہے اس کے معنیٰ ہیں کسی چیز کے (حصول) کے لئے مضطرب اور مجبور ہو جانا۔

سورۃ یوسف میں ہے اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ (۱۲/۶۸)۔ یہ محض یعقوب کے دل میں ایک خلش تھی (جو اس نے پوری کرلی)۔ سورۃ مومن میں یہ لفظ مطلوب (جس چیز کی طلب ہو) کیلئے آیا ہے۔ حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِکُمْ (۴۰/۸۰) تمہارا دلی مطلوب و مقصود۔

ح و ذ

اَلْحَوْذُ۔ کسی چیز کو گھیرے میں لے لینا* نیز اس کے معنے جانور کو سختی اور تیزی کے ساتھ ہانکنے کے بھی ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں، پھرتی۔ تیزی۔ کسی معاملہ میں چستی کرنا۔ اِسْتَحْوَذَ عَلٰی کَذَا۔ کسی چیز پر تسلط جمالیا، مستولی ہوگیا۔ حَاذُ الْمَتْنِ اس لکیر کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پشت پر دُم سے گردن تک بنتی جاتی ہے۔ (یعنے ریڑھ کی ہڈی کی لکیر) یا پشت پر نمدہ رکھنے کی جگہ یا ران کے پیچھے کا وہ حصّہ جس پر دم لگتی ہو۔ ایسے دونوں کنارے حَاذَانِ کہلائینگے*۔ اسی لئے اَلْحَوْذُ کے معنے ہیں ہانکنے والے کا جانور کے پیچھے اس طرح چلنا کہ وہ اسکی دونوں ٹانگوں کے عین بیچ میں رہے اور وہاں سے سختی سے اسے ہانکے جائے***۔ اس نقشہ کو سامنے رکھئے اور پھر اس آیت کا مطلب سمجھئے جس میں کہا گیا ہے کہ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ (۵۸/۱۹)۔ یعنے مفاد پرستیوں کے سرکش جذبات ان پر غالب آگئے اور انہیں نہایت سختی سے ہانکتے رہے اور وہ انہی کے ڈنڈے سے عمر بھر چلتے رہے۔ یا کمزور قوم جو بالا دست اقوام کے ڈنڈے سے ہانکی جاتی ہے۔ (نیز دیکھئے عنوان ح۔ ن۔ ک)۔

سورۃ نساء میں ہے قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَنَمْنَعْکُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ... (۴/۱۴۱)۔ اس میں نَمْنَعْکُمْ کے معنی ہیں تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کی۔ اور نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ کے معنی ہیں ہم تم پر غالب تھے۔ یعنی جب تم حملہ کرنے کے لئے آئے تو ہم ہی نے تمہیں اسکی جرأت دلائی اور تمہیں اُن کے خلاف چڑھا لائے۔ یعنی ہم نے جماعت مومنین سے تمہاری حفاظت بھی کی اور یہ بھی ہماری جرأت افزائی کا نتیجہ تھا کہ تم ان کے خلاف آگے بڑھے۔

---

* تاج۔ ** محیط۔ *** راغب۔

ح و ر

حَار ۔ یَحُوْرُ ۔ حَوْرًا ۔ لوٹنا ۔ واپس ہونا ۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہو جانا ۔ نیز زیادتی کے بعد پھر سے کم ہو جانا (۸۴/۱۴) ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) ایک قسم کا رنگ ۔ (۲) پلٹنا (۳) گھومنا لکھے ہیں ۔ اَلْمُحَاوَرَۃُ وَالتَّحَاوُرُ ۔ ایک دوسرے کو لوٹا کر جواب دینا ۔ تبادلۂ گفتگو (جس میں بات لوٹائی جاتی ہے) (۱۸/۳۴ و ۵۸/۱) ۔ اَلْمِحْوَرُ ۔ وہ لکڑی یا لوہا جسکے گرد کوئی چیز گردش کرتی ہے ۔ اَلْحَوْرُ کے معنے تحیر اور حیرت کے بھی آتے ہیں ۔ (دیکھئے عنوان ح ۔ ی ۔ ر) ۔ اَلْحَوَرُ ۔ ایک لکڑی ہوتی ہے جسے اس کی سفیدی کی وجہ سے بَیْضَاءُ بھی کہتے ہیں ۔ صاغانی نے تصریح کی ہے کہ اس لفظ (حَوْرٌ) کی بنیاد سفید ہونے پر ہے ۔ یعنے اس کے مادہ میں سفید ہونے کا مفہوم ہے ۔ اس لئے اَلْحَوَارِیَّاتُ شہر کی عورتوں کو کہتے ہیں جن کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے اور وہ ویسے بھی اجلی رہتی ہیں ۔ اَلْحُوَّارَیٰ میدے کو کہتے ہیں جو آٹے کا لب لباب ہوتا ہے ۔ نیز کھانے کی ہر اس چیز کو جسے صاف اور سفید کر لیا گیا ہو* ۔ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھیوں کو اَلْحَوَارِیُّوْنَ (۶۱/۱۴) ۔ کہتے تھے بعض کا خیال ہے کہ وہ چونکہ دھوبی تھے اس لئے انہیں ایسا کہا جاتا تھا ۔ دوسروں کا خیال ہے کہ ان کی اپنی صفائی کی وجہ سے انہیں ایسا کہا جاتا تھا ۔ اکثریت اسطرف گئی ہے کہ ان کی نیت کی صفائی اور عمل کے خلوص کی بنا پر انہیں ایسا کہا گیا ہے ۔ شمر کا قول ہے کہ اَلْحَوَارِیُّ خیر خواہ کو کہتے ہیں** ۔ بہر حال ، یہ لفظ ان کی پاکیزگیٔ خیال ۔ خلوصِ عمل اور حسنِ رفاقت ، سب کا آئینہ دار ہے ۔ صاحب المنار کا خیال ہے کہ حُوَّارَی میدے کو کہتے ہیں جو آٹے کا خلاصہ ہوتا ہے ۔ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھیوں کو اس لئے حَوَارِیُّوْنَ کہا جاتا تھا کہ وہ لوگ قوم کے منتخب اور مخصوص افراد تھے*** ۔

حُوْرٌ ۔ یہ لفظ جمع ہے ۔ اس کا واحد اَحْوَرُ بھی ہے، جو مذکر ہے اور حَوْرَاء بھی ، جو مونث ہے ۔ اَلْحَوَرُ کے معنے ہوتے ہیں آنکھ کی سفیدی کا بہت سفید اور سیاہی کا بہت سیاہ ہونا اور جلد کا رنگ صاف ہونا ۔ یا آنکھ کی سیاہی کا اتنا زیادہ ہونا کہ آنکھ اس سے بھری ہوئی معلوم ہو ۔ ایسے مرد اور عورتیں جن میں یہ خصوصیات پائی جائیں ۔ حُوْرٌ کہلائینگے ۔

* تاج محیط و راغب ۔ ** تاج *** المنار جلد ۳ ۔ صفحہ ۳۱۴ ۔

قرآن کریم میں متقیوں کے متعلق ہے وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (۴۴/۵۴ و ۵۲/۲۰) - جس طرح حُوْرٌ مذکر اور مونث دونوں کے لئے آتا ہے اسی طرح عِيْنٌ بھی، اَعْيَنُ (مذکر) اور عَيْنَاءُ (مونث) دونوں کی جمع ہے - راغب نے لکھا ہے کہ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ کے معنے ہم نشین بنانا ہیں - (دیکھئے عنوان ز - و - ج) - اسلئے ان الفاظ کے معنے صرف میاں بیوی بننے کے نہیں بلکہ ہم نشین اور باہمدگر رفقاء بننے کے بھی ہیں* - میاں بیوی بھی باہمی رفاقت کی وجہ سے ایک دوسرے کے زَوْجٌ ہوتے ہیں - اس اعتبار سے قرآن کریم میں، جنتی معاشرہ کی پاکیزہ صفات عورتوں کو بھی حُوْرٌ کہا گیا ہے - (۵۵/۷۲ و ۵۶/۲۲) - نیز لین نے (متعدد اسناد کی تائید سے) لکھا ہے کہ اَحْوَرُ - جسکی جمع حُوْرٌ ہے - کے معنے پاکیزہ عقل (Pure or clean Intellect) کے ہیں - یعنے چالاک اور مکار عقل نہیں، بلکہ پاک اور صاف عقل - چنانچہ مَا يَعِيْشُ بِاَحْوَرَ اس شخص کے متعلق کہتے ہیں جو معاملات کا صاف نہ ہو - جو پاکیزہ عقل کے مطابق زندگی بسر نہ کرے - لہذا جنت کی زندگی میں باہمی رفقاء (حُوْرٌ عِيْنٌ) خواہ وہ عام ہمنشین ہوں یا بیویاں - کی کیفیت یہ ہوگی کہ ان کی عقل و خرد ایک دوسرے کو دھوکا دینے کے کام میں نہیں لائی جائیگی - وہ عقل ادب خوردہ دل ہوگی - یعنے پاکیزہ اور شفاف عقل نہ کہ حیلہ جو اور فریب کار -

ح و ط

حِيْطَةٌ کے معنے ہیں حفاظت کرنا - محفوظ رکھنا - نگہبانی کرنا - مدافعت کرنا - کسی کی ضروریات کو پورا کرنا - لَا زِلْتَ فِی حِيَاطَةِ اللّٰهِ - کے معنے ہیں تو ہمیشہ خدا کی حفاظت میں رہے - رَجُلٌ يَتَحَوَّطُ اَخَاهُ - وہ ایسا آدمی ہے جو اپنے بھائی کی خبر گیری کرتا ہے - اَلْحَائِطُ - دیوار کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ اندر کی چیزوں کو اپنی حفاظت میں لے لیتی ہے - اَلْمُحَاطُ - اس مقام کو کہتے ہیں جہاں مال مویشی رکھے جائیں اور وہ چاروں طرف سے محفوظ ہو** - کتاب الاشتقاق میں ہے کہ حُطْتُ الشَّیْءَ کے معنی حفاظت کرنے کے ہیں - اور اَلْاِحَاطَةُ میں شدت حفاظت پائی جاتی ہے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو اپنے گھیرے میں لے لینا - اَلْحَيْطَلَةُ - عفیف اور شریف عورت کو کہتے ہیں - یعنے جو بہت زیادہ محتاط ہو*** -

---

* راغب - ** تاج - *** محیط -

اُحِیْطَ بِالْقَوْمِ کے معنے ہیں ساری کی ساری قوم ہلاکت کے گھیرے میں آگئی * ۔ تباہیوں میں گھر گئی ۔

قرآن حکیم میں وَاللّٰہُ مُحِیْطٌ بِالْکَافِرِیْنَ (۲/۱۹) اکثر مقامات پر آیا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو سمجھ رہے ہیں کہ ہم ، جو کچھ ہمارے جی میں آئے کرتے رہیں ، ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں ۔ تو یہ خیال غلط ہے ۔ ان کے اعمال کبھی بے نتیجہ نہیں رہ سکتے ۔ خدا کا قانونِ مکافات ان کے تمام اعمال کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے ہے اور ان کے نتائج ، تباہیوں اور بربادیوں کی شکل میں ، انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور یہ ضرور ہلاک ہو کر رہینگے ۔ اسطرح ، مُحِیْطٌ میں حفاظتِ اعمال اور انکے نتائج کی وجہ سے ہلاکت کے دونوں پہلو آجاتے ہیں ۔ اسی طرح جہنم کے متعلق ہے وَاِنَّ جَہَنَّمَ لَمُحِیْطَۃٌ بِالْکَافِرِیْنَ (۲۹/۵۴) ''یقیناً جہنم ان انکار کرنے والوں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے'' ۔ دوسری جگہ ہے وَمَا ھُمْ عَنْھَا بِغَائِبِیْنَ (۸۳/۱۶) '' وہ اسکی نظروں سے اوجھل نہیں ہیں '' ۔

سورۃ کہف میں ہے وَاُحِیْطَ بِثَمَرِہٖ (۱۸/۴۲) جسکے معنی ہیں اسکا مال و متاع ۔ باغ کے پھل وغیرہ سب تباہی کی لپیٹ میں آگئے ۔ سورۃ نمل میں ہے فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ (۲۷/۲۲) '' اسنے کہا کہ میں نے ایسی بات معلوم کی ہے جسکی تجھے خبر نہیں '' ۔ یہاں اَحَاطَ کے معنے ہیں کسی چیز کی معلومات فراہم کر لینا ۔ اسے حیطہ علم میں لے لینا ۔ سورۃ البروج میں ہے وَاللّٰہُ مِنْ وَّرَائِھِمْ مُّحِیْطٌ (۸۵/۲۰) ۔ '' اللہ انکے گرد اگرد غیر مرئی طور پر گھیرا ڈالے ہوئے ہے '' ۔ اسکا مطلب وہی ہے جو مُحِیْطٌ بِالْکَافِرِیْنَ کے ضمن میں اوپر بیان ہو چکا ہے ۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ (۲/۲۵۵) '' وہ اللہ کے علم میں سے کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتے '' ۔ انکے حیطہ ادراک میں نہیں آسکتا ۔ وہ سمجھ نہیں سکتے ۔

ح و ل

حَوْلٌ کے بنیادی معنی کسی چیز کا تغیر پذیر ہونا ، ایک حالت سے دوسری میں جانا اور دوسری چیزوں سے الگ ہو جانا ہیں ۔ چنانچہ جو چیز

* محیط ۔

اپنی پہلی حالت پر نہ رہے بلکہ اس میں کوئی تغیر واقع ہو جائے اسے حَالَ الشَّیْئُ یا اِسْتَحَالَ الشَّیْئُ ۔ کہتے ہیں کیونکہ اسکی حالت میں تغیر آجاتا ہے ۔ مُسْتَحَالَۃٌ اور مُسْتَحِیْلَۃٌ ۔ ٹیڑھی کمان کو کہتے ہیں ۔ نیز اس زمین کو بھی کہتے ہیں جس میں کئی سال فصل نہ بوئی گئی ہو (اور وہ اسطرح اونچی نیچی ہو جائے ۔ یعنے اپنی پہلی حالت پر نہ رہے ۔) راغب نے کہا ہے کہ حَوَّلْتُ الشَّیْئَ فَتَحَوَّلَ کے معنی ہیں غَیَّرْتُ الشَّیْئَ فَتَغَیَّرَ ۔ اس سے حِوَلٌ کے معنے تغیر و تبدل کے آتے ہیں ۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا (۱۸/۱۰۸) میں ، حِوَلًا کے معنے تبدیلی اور تغیر کے ہیں ۔ حَوَالُ الدَّھْرِ ۔ زمانے کے تغیرات کو کہتے ہیں ۔ راغب نے کہا ہے کہ انسان کے مال ، بدن یا خود اسکے نفس میں جو بدلنے والی کیفیات ہوتی ہیں وہ اسکا حَالٌ کہلاتی ہیں ۔ نیز اَلْحَالُ ۔ زمانہ حاضر کو بھی کہتے ہیں ۔ حَوَلٌ ۔ بھینگا ہونے کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں آنکھ اپنی اصلی حالت پر نہیں ہوتی ۔ حِوَلٌ کے معنی زوال یا انتقال کے بھی ہیں * ۔ (اس میں بھی حالت کے بدلنے کا پہلو موجود ہے) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دوری حرکت کے ہیں ۔

گردش کے اعتبار سے حَوْلٌ ۔ سال کو کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین کی گردش سے واقع ہوتا ہے (۲/۲۴۰) ۔ اَحَالَ الشَّیْئُ کے معنے ہیں اس چیز پر ایک سال گزر گیا ۔ اَلْحَوْلِیُّ ۔ اس چار پائے کو کہتے جو ایک سال کا ہو جائے ۔

حَوْلٌ کے معنے ارد گرد کے بھی آتے ہیں ۔ حَوْلُ الشَّیْئِ کے معنے چیز کا کنارہ یا طرف ہیں ۔ حَوَالَیْکَ اور حَوْلَیْکَ سے مراد وہ اطراف ہیں جو تجھے گھیرے ہوئے ہوں ۔ احاطہ کئے ہوں ۔ مَاحَوْلَ الشَّیْئِ کے معنے ہیں کسی چیز کا ارد گرد * ۔ جدا ہونے کے اعتبار سے ، جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو جائے اسے حَالَ بَیْنَھُمَا کہتے ہیں (۸/۲۴) ۔ اس چیز کو جو درمیان حائل ہو جاتی ہے حِوَالٌ یا حَوَلٌ یا حَوْلٌ کہتے ہیں ۔ الگ کر دینے کی نسبت سے کسی چیز کا رخ تبدیل کر دینے نیز اسے دگرگوں کر دینے ، زائل کر دینے کو تَحْوِیْلٌ کہتے ہیں (۱۷/۵۶) * ۔ یہ لازم بھی ہے ۔ اور اس طرح اس کے معنے دگرگوں ہو جانا ، ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانا بھی ہیں ۔** اَلْتَحْوَالَۃٌ

* تاج ۔ ** محیط ۔

کے معنے ھیں ایک نہر کو دوسری نہر کی طرف موڑ دینا ۔ مُحَال" کے معنی ھیں دو متناقض چیزوں کا ایک جگہ جمع ھو جانا ۔ (جو نا ممکن ھے)* نیز باطل اور اپنے صحیح رخ سے ھٹا ھوا ۔

حَوْلَة" کے معنے قوت تصرف، غلبہ اور اقتدار کے بھی ھیں ۔ نیز گھوڑے کی پشت پر جم کر بیٹھ جانے کو بھی کہتے ھیں ۔ اپنی پیٹھ پر جو گٹھڑی وغیرہ اٹھائی جائے اسے حَمَال" کہتے ھیں ۔ نیز اس گڈیلنے کو بھی جس کے سہارے بچہ بتدریج چلنا سیکھتا ھے* ۔

حِیْلَة" ۔ مہارتِ نگاہ اور نظر کی تیزی نیز معاملات میں تصرف پر قابو اور تدبیر امور پر قدرت حاصل ھونے کو کہتے ھیں ۔ راغب نے کہا ھے کہ حِیْلَة" وہ طریقہ ھے جس سے کسی بات تک پوشیدہ طور پر پہنچا جائے** ۔ ھمارے ھاں یہ لفظ عام طور پر برے معنوں میں استعمال ھوتا ھے لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ حالات میں تبدیلی کرنے پر قدرت اور معاملات میں تصرف کرنے کی طاقت، کے لئے استعمال ھوا ھے ۔ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَة" ۔ (۴/۹۸) ۔

حَوِیْل" ۔ گواہ اور شاھد کو بھی کہتے ھیں ۔ نیز کفیل کو بھی ۔ حَاوَلْتُ لَه' بَصَرِی' کے معنے ھیں، میں نے اسکی طرف تیز نظر سے دیکھا** ۔

ح و و

اَلْحُوَّة' ۔ سبزی مائل سیاہی "گہری سبزی ۔ لوھے کے رنگ جیسا رنگ ۔ یعنے سرخی جو مائل بہ سیاھی ھو ۔ اَحْوَاوَتِ الْاَرْض' ۔ زمین سرسبز ھو گئی* ۔

قرآن کریم میں ھے وَ الَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۔ فَجَعَلَه' غُثَاء" اَحْوٰی (۸۷/۴-۵) ۔ "خدا (کا قانون) زمین سے چارہ نکالتا ھے ۔ پھر اسے خشک کرکے بالکل سیاہ رنگ کا کوڑا کرکٹ بنا دیتا ھے" ۔ راغب نے بھی اس کی تائید کی ھے*** ۔ قرّاء نے کہا ھے کہ جب گھاس خشک ھو جائے تو اسے غُثَاء" کہتے ھیں اور جب وہ پرانی بوسیدہ ھو کر سیاہ پڑ جائے تو اسے اَحْوٰی کہتے ھیں* ۔ (اس کا مؤنث حَوّاء' ھے)

(غُثَاء" کوڑے کرکٹ کو کہتے ھیں ۔ دیکھئے ھنوان (غ ۔ ث ۔ و (ی)

*تاج ۔ ** تاج و محیط ۔ ***راغب ۔

ح و ی

اَلْحَوِیَّۃُ - ہر چیز کی گولائی کو کہتے ہیں - (گول لپٹی ہوئی) آنت - جمع حَوَایَا یعنی انتڑیاں* - (۶/۱۴۶)

حَوَاہُ - یَحْوِیْہِ - کسی چیز کو جمع کرنا، اپنے اندر لے لینا ، مالک ہونا - اس کا احاطہ کر لینا - اسے نگاہ میں رکھنا* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جمع کرنے کے ہوتے ہیں -

حَیْثُ

حَیْثُ - جسطرح حِیْنَ زمانہ پر دلالت کرتا ہے (یعنے ''جب'') - اسی طرح حَیْثُ مکان پر دلالت کرتا ہے - (یعنے ''جہاں'') - لیکن اخفش کا قول ہے کہ حَیْثُ کا استعمال زمانہ کے لئے بھی ہو سکتا ہے** - یعنے حَیْثُ کے معنے ''جب'' بھی ہوسکتے ہیں -

سورۃ بقرہ میں ہے فَکُلُوْا مِنْہَا حَیْثُ شِئْتُمْ (۲/۵۸) - تم جب چاہو یا جہاں سے چاہو - کھاؤ - ''جنتِ آدم'' کے ضمن میں ہے وَ کُلَا مِنْہَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا (۲/۳۵) - ''تم جہاں سے جی چاہے با فراغت کھاؤ'' - جنتی معاشرہ کی کیفیت یہ ہوگی کہ اس میں ہر فرد کو سامانِ زیست ہر جگہ میسر ہوگا اور با فراغت میسر ہوگا -

ح ی د

حَادَ عَنِ الطَّرِیْقِ - یَحِیْدُ - وہ راستہ سے (ایک طرف کو) ہٹ گیا - اَلرَّجُلُ یَحِیْدُ عَنِ الشَّیْءِ - آدمی خوف اور نفرت کی وجہ سے کسی چیز سے رکتا اور باز رہتا ہے - حِمَارٌ حَیْدِیٌ وہ گدھا جو اپنے سایہ سے بدکتا ہو - حَیْدُ الْجَبَلِ - پہاڑ کا اٹھا ہوا کنارہ جو بلند اور آگے کو نکلا ہوا ہو - سخت ٹیڑھی پسلی** - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی راستے سے ہٹ جانا لکھے ہیں -

قرآن کریم میں ہے ذَالِکَ مَا کُنْتَ مِنْہُ تَحِیْدُ (۵۰/۱۹) - ''یہ وہ ہے جس سے تم بدکتے اور کنارہ کشی اختیار کرتے تھے'' -

---

* تاج ** تاج - صاحب محیط نے بھی اس کی تائید کی ہے -

ح ی ر

حَارَ بَصَرُہٗ ۔ یَحَارُ ۔ کسی چیز کی طرف دیکھنے سے نگاہ کا چندھیا جانا ۔ حَارَ فِی اَمْرِہٖ : وہ اپنے معاملہ کا صحیح حل نہ پا سکا ۔ حَیْرَۃٌ کے اصلی معنے ہیں چمک سے آنکھوں کا چندھیا جانا (اور اس طرح نگاہ کو ادھر سے پھیر لینا) حَارَ واسْتَحَارَ ۔راستہ نہ پانا ۔ فَھُوَ حَیْرَانُ ۔ سو وہ متحیر رہ گیا ۔ یعنے صحیح راستہ دکھائی نہ دینے کی وجہ سے مضطرب اور پریشان ہو جانے والا ۔ حَارَ الْمَاءُ فِی الْمَکَانِ ۔ اس وقت بولتے ہیں جب پانی کو آگے جانے کا راستہ نہ ملے اور وہ ایک ہی جگہ رک کر گردش کرتا رہے* ۔

اَلْمُسْتَحِیْرُ ۔ لق و دق بیابان کے عرض میں جانے والا راستہ جس کا پتہ ہی نہ چلے کہ کس طرف لے جائیگا* ۔ اس کے معنے راستہ نہ پاسکنے کی وجہ سے پریشان اور مخبوط الحواس ہوجانے والا بھی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کَالَّذِی اسْتَھْوَتْہُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ (۶/۷۱) ''اس شخص کی مانند جسکے جذبات پر شیاطین قبضہ کرکے اسے زمین میں بھٹکاتے پھریں اور وہ حیران و پریشان ہو ۔ یعنی جو اپنے جذبات کے پیچھے چلتا جائے اور اسطرح یوں راہ گم کردے کہ اسے پتہ ہی نہیں چلے کہ اب کدھر جانا ہے ۔

ح ی ز (ح و ز)

حَازَ الشَّیْءَ یَحُوْزُہٗ ۔ کسی چیز کو جمع کرنا اور اپنی جانب یا اپنے اندر لے لینا ۔ اِنْحَازَ عَنْہُ ۔ وہ اس سے ہٹ گیا ۔ اِنْحَازَ اِلَیْہِ ۔ وہ اس کی طرف مائل ہو گیا ۔ تَحَوَّزَ وَ تَحَیَّزَ ۔ سانپ کی طرح بل کھانا ۔ مڑ جانا ۔ ایک طرف کو ہٹ جانا* ۔ قرآن کریم میں ہے اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ (۸/۱۶) ۔ اپنی جماعت کی طرف پہنچنے کے لئے مڑ جانے والا ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنے ہیں حَیِّزٌ* (خالی جگہ ، کنارہ ، گوشہ) کی طرف ہونے والا ۔ اس کی اصل واو سے ہے جس کے معنے ہیں ہر وہ مجموعہ جس کے اجزا ایک دوسرے سے پیوست ہوں** ۔ لہذا مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ کے معنی ہونگے اپنی (یا کسی) جماعت کے ساتھ مجتمع ہو جانے کی غرض سے ۔

ح ی ص

حَاصَ عَنْہُ ۔ یَحِیْصُ ۔ کسی چیز سے ہٹ جانا ۔ الگ ہو جانا کسی سے بچنے کے لئے ایک طرف کو بھاگ جانا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس میں ہٹنے کے

---

* تاج ۔ **راغب ۔

ساتھ تحیر کا پہلو بھی ہوتا ہے ۔ اَلْمَحِیْصُ ۔ ہٹنے کی جگہ ۔ ایک طرف کو ہو جانے اور بھاگ جانے کی جگہ* ۔ وَلَا یَجِدُوْنَ عَنْھَا مَحِیْصًا (۴/۱۲۱) ۔ ''وہ اس سے بچکر جانے کی کوئی جگہ نہ پائینگے'' وہ فرار ہو کر پناہ گاہ نہیں پائینگے ۔

ایک طرف کو ہٹ جانے کے اعتبار سے اَلْاَحْیَصُ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ دوسری سے چھوٹی ہو ۔ (حَیِصَ یَحِیْصُ کے معنے ہیں کسی بات کا نہایت شدت سے مبہم ہو جانا** ۔ سخت الجھاؤ*) ۔

ح ی ض

حَاضَ السَّیْلُ ۔ سیلاب خوب بڑھ گیا اور اس کا پانی چڑھا اور بہہ نکلا ، ۔ دراصل اس لفظ کے معنے بہنے اور جاری ہونے کے ہیں ۔ حَاضَتِ الْمَرْاَۃُ ۔ عورت کے ماہواری خون کا جاری ہونا *** ۔ اَلْمَحِیْضُ (۲/۲۲۲) ۔ حیض کا جاری ہونا ، حیض کا خون ، حیض کے ایام یا موضع حیض (جہاں سے حیض کا خون برآمد ہوتا ہے) لیکن یہ لفظ خود حیض کے لئے بھی آتا ہے (۶۵/۴) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ ببول کے درخت سے جو سرخ رنگ کا پانی نکلتا ہے اس کے لئے حَاضَتِ السَّمُرَۃُ کہتے ہیں ۔ تاج نے بھی اس کی تائید کی ہے ۔

حَاضَتْ ، تَحِیْضُ ۔ حائضہ ہونا ۔ وَالّٰئِیْ لَمْ یَحِضْنَ (۶۵/۴) ۔ وہ عورتیں جنہیں کسی وجہ سے حیض نہ آسکا ہو (یعنی عمر کے لحاظ سے انہیں حیض آنا چاہئیے تھا لیکن کسی بیماری کی وجہ سے حیض نہیں آ سکا) ۔

ح ی ف

اَلْحَائِفُ ۔ ٹیڑھی چیز ۔ نیز راستی سے ہٹنے والے کو کہتے ہیں ۔ اَلْحَائِفُ مِنَ الْجَبَلِ ۔ پہاڑ کا ایک طرف نکلا ہوا کنارہ ۔ اَلْحَیْفَۃُ ۔ کنارہ ۔ جانب ۔ پہلو ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے جھکاؤ اور میلان کے ہیں ۔ اَلْحَیْفُ ۔ فیصلہ کرنے میں ایک طرف کو جھک جانا ۔ انصاف نہ کرنا ، ظلم و زیادتی ۔ حَافَ عَلَیْہِ ۔ اس پر ظلم و زیادتی کی**** ۔ قرآن کریم میں ہے اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَرَسُوْلُہٗ (۲۴/۵۰) ''کیا انہیں اس کا ڈر ہے کہ خدا اور اس کا رسول فیصلہ کرنے میں فریق مخالف کیطرف جھک جائیگا اور ان سے انصاف نہیں برتیگا'' ! (کس قدر غلط ہے ان کا یہ اندیشہ) ۔

---

* تاج ۔ **راغب ۔ *** تاج و محیط ۔ **** تاج و محیط و راغب

ح ی ق

حَاقَ بِهِ الشَّیْءُ یَحِیْقُ ۔ کسی چیز نے اسے گھیر لیا ۔ * وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ (۴۰/۴۵) ۔ ''بدترین عذاب نے قوم فرعون کو گھیر لیا'' ۔ انسانی اعمال کے نتائج جس طرح اُسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور وہ ان کے اثر سے بچ نہیں سکتا ، اسکے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے ۔ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (۶/۱۰) ۔ ''جو لوگ ان میں سے پیغامِ خداوندی کا تمسخر اڑاتے تھے ، اُنہیں اُس چیز نے گھیر لیا جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے'' ۔ یعنے ان کے اعمال کے نتائج نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں ایک چیز کا دوسری چیز پر چھا جانا ۔ اس کے اوپر آ کر بیٹھ جانا اور چپک جانا ۔

ح ی ن

اَلْحِیْنُ ۔ مطلقاً زمانہ اور وقت کو کہتے ہیں ۔ خواہ وہ وقت طویل ہو یا قصیر ۔ (کم ہو یا زیادہ) ۔ عربی زبان میں حِیْنٌ کا اطلاق ایک لمحہ سے لے کر لامتناہی حد تک ہوتا ہے ۔ راغب نے کہا ہے کہ حِیْنٌ اس وقت کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز پہنچے اور حاصل ہو جائے ۔ یہ وقت مبہم ہوتا ہے اور اُس وقت معین و مخصوص ہو جاتا ہے جب اس کے بعد مضاف الیہ آ جائے ۔ حَانَ الْقَوْمُ کے معنے ہیں قوم جو کچھ چاہتی تھی اس کے حاصل ہونے کا وقت آ گیا ۔ حِیْنٌ کے معنے مدت کے بھی آتے ہیں ۔ اور جب دو وقتوں کا بُعد بتانا ہو، یعنی یہ بتانا ہو کہ ایک کام کے بعد دوسرا ہوا، تو اس کے بعد اِذْ کا اضافہ کر دیتے ہیں ۔ جیسے حِیْنَئِذٍ ۔ مثلاً اَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ (۵۶/۸۳) یعنی جس وقت جان نکلنے کے لئے حلق تک پہنچتی ہے اس وقت ، اس حالت کے بعد ، تم اسے دیکھ رہے ہوتے ہو* ۔

قرآن کریم میں ہے لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ (۳۸/۳) ۔ یہاں لَاتَ کے بعد مبتدا محذوف ہے ۔ آیت کے معنے ہیں یہ وقت بھاگ نکلنے کا وقت نہیں ہے ۔

حَیَّنَهٗ ۔ اس کے لئے وقت مقرر کیا* ۔

سورۂ بقرہ میں ہے وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ (۲/۳۶) اس کے یہ معنے ہونگے کہ تمہیں زمین پر ٹھہرنا ہے اور اس سے

* تاج ۔

فائدہ حاصل کرنا ہے ایک وقت تک کے لئے جس کی مدت معین نہیں - یہ مدت مختلف افراد اور مختلف اقوام کے لئے مختلف ہوگی - جس قسم کے اعمال کسی قوم سے سرزد ہونگے اس کے مطابق اسکی مدت حیات کا تعین ہو جائیگا - باقی رہا نوعِ انسان کا اس ارض پر قیام، سو اس کی مدت کے متعلق علمِ انسانی کچھ نہیں کہہ سکتا -

اَلْحَیْنُ - ہلاکت اور موت کو بھی کہتے ہیں - اَحَانَہُ اللّٰہُ - خدا نے اسے ہلاک کر دیا - اَلْحَائِنُ - احمق کو کہتے ہیں اور اَلْحَانِیَۃُ شراب کو* -

ح ی ی

حَیِیَ (حَیِیَ) - یَحْیٰی (یَحْیَیُ) - وہ زندہ رہا - یا زندہ ہوا - حَیَاۃٌ (حَیٰوۃٌ) زندگی - اَحْیَاہُ - اس نے اسے زندہ کیا - اِحْیَاءٌ - زندگی بخشنا - تَحَیَّا مِنْہُ - وہ اس سے سمٹا سکڑا - (Shrank) - علم الحیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ زندگی کی ایک علامت سکڑنا ہے - آپ کسی جاندار چیز (مثلاً کیڑے وغیرہ) کو چھیڑئیے، اگر وہ زندہ ہے تو اس کا پہلا ردِ عمل یہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو سکیڑ لیگا - سمٹ جائیگا - اگر وہ زندہ نہیں تو علیٰ حالہٖ رہیگا - اس کا یہ سمٹنا در حقیقت اس کے جذبۂ تحفظ خویش (Preservation of Self) کا مظاہرہ ہوتا ہے - اسی سے عربوں نے اس سادہ سے سمٹنے اور سکڑنے کا مفہوم بھی لیا - یہیں سے حَیَاءٌ (شرم) ہے کیونکہ حیاء کا مظاہرہ بھی سمٹنے سے ہوتا ہے - سانپ کو بھی حَیَّۃٌ اس کے سکڑنے اور سمٹنے کی وجہ سے کہتے ہیں * -

راغب نے حَیٰوۃٌ کے معنے قوتِ حاسہ (Faculty of sensation) لئے ہیں - مَوْتٌ اس کی نقیض ہے - (دیکھئے عنوان م - و - ت) راغب کے نزدیک حَیَاۃٌ کا استعمال مختلف پہلوؤں سے ہوتا ہے - مثلاً (۱) بڑھنے کی قوت (قوت نامیہ) جو نباتات اور حیوانات میں ہوتی ہے - (۲) قوت احساس (۳) قوت عقل و عمل (۴) رنج و غم سے آزادی (۵) حیاتِ اخروی و ابدی جس تک انسان محض اُس حیات سے پہنچ سکتا ہے جو عقل و علم کی حیات ہوتی ہے - اور (۶) وہ حیات جس سے صرف خدا کی ذات متصف ہوتی ہے اور جس میں موت نہیں - (اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ)** -

اِحْیَاءٌ - زندہ کرنا - اِسْتِحْیَاءٌ - زندہ رکھنا نیز حیا کرنا - لیکن اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیِیْ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا (۲/۲۶) میں لَا یَسْتَحْیِیْ کے معنے

* تاج - ** راغب بحوالہ تاج

ھیں ، اللہ کو اس میں کسی قسم کا باک یا رکاوٹ نہیں کہ وہ اس قسم کی مثال دے** ۔ لَا حَیَّ عَنْہُ کے معنے ھیں اس سے کوئی رکاوٹ نہیں** ۔ اَلْحَیَاءُ کے معنے سر سبزی اور بارش کے بھی آتے ھیں کیونکہ ان سے زمین کی حیات وابستہ ھوتی ھے ۔ حَیَّ عَلٰی یا حَیَّ ھَلْ کے معنے ھیں اس کام کے لئے جلدی کرو''** ۔

حَیَّاہُ تَحِیَّۃً کے معنے ھیں اس کے لئے خوشگوار زندگی ، درازی عمر کی آرزو کرنا یا دعا دینا** ۔ سلام کرنا**** (۴/۸۶) تَحِیَّات کا لفظ در حقیقت حیاتِ جاوید کے لئے استعمال ھوتا ھے*** ۔ نیز ھر قسم کی سلامتی اور آفتوں سے محفوظ رھنے کے لئے** ۔ اَلْمَحْیَا کے معنے زندگی ھیں ۔ جسطرح موت کے مقابلہ میں حیات کا لفظ آتا ھے (۶/۱۲۲) اسی طرح مَمَات کے مقابلہ میں مَحْیَا آتا ھے ۔ (۶/۱۶۲) ۔ اَلْحَیَاۃُ بعض اوقات منفعت (نفع بخشی) کے معنوں میں بھی آتا ھے* ۔ اَلْحَیَاۃُ الطَّیِّبَۃُ ۔ رزق حلال یا جنت کو کہتے ھیں**** ۔ حَیِیَ الطَّرِیْقُ کے معنے ھیں راستہ ظاھر یا واضح ھو گیا ۔ اور طَرِیْقٌ حَیٌّ کے معنے ھیں واضح راستہ**** ۔

قرآن کریم میں حیاتِ اخروی کے لئے ھے وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ (۲۹/۶۴) ۔ اس آیت میں حَیَاۃٌ کے بجائے حَیَوَانٌ کا لفظ آیا ھے جسکا وزن فَعَلَانٌ ھے ۔ یہ فرق بڑا معنی خیز ھے ۔ عربی زبان میں فَعَلَانٌ کے وزن کی خصوصیت یہ ھے کہ اس میں شدت ، غلبہ ، ھنگامی طور پر کچھ نمودار ھونا اور حرکت و اضطراب کا پہلو غالب ھوتا ھے ۔ اس کا مطلب یہ ھے کہ حیات اخروی اسی سلسلہ کی ایک کڑی نہیں جو اس دنیا میں طبعی قوانین کی رو سے قائم ھے ۔ اس میں زندگی اچانک ایک نئی صورت اختیار کریگی***** ۔ اور جمود و سکون کے بجائے حرکتِ پیہم اور سعیٔ مسلسل ھوگی**** ۔ (اس فرق کے لئے آخِرَۃٌ اور قِیَامَۃٌ کے الفاظ بھی دیکھئے جو ، ا ۔ خ ۔ را ورق ۔ و ۔ م کے عنوانات میں ملینگے ۔ نیز رَحْمٰنٌ کا لفظ جو ر ۔ ح ۔ م کے تحت ملیگا) ۔

حَیَوٰۃٌ ۔ کے مختلف مفہوم جنکا ذکر اوپر آیا ھے قرآن کریم کی متعدد آیات میں مذکور ھیں ۔ لیکن اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاھئے کہ

---

* تاج ۔ **راغب بحوالہ تاج *** لین ۔ لین نے یہ بھی لکھا ھے کہ سانپ کو حیۃ اس کی درازیٔ عمر کی وجہ سے کہتے ھیں ۔ عربوں کا خیال تھا کہ سانپ صرف کسی حادثہ سے مرتا ھے ۔ طبعی موت مرتا ھی نہیں ۔ ****محیط ۔ *****اس کا مطلب یہ ھے کہ حیات اخروی دنیا کی زندگی کے تسلسل میں تو ھوگی لیکن جن طبعی قوانین کے ماتحت اس دنیا میں زندگی کی نمود اور بقا ھوتی ھے ، آخروی حیات ان قوانین کے تابع نہیں ھوگی ۔ وھاں اس کے لئے اور قوانین ھونگے ۔

جہاں تک انسانوں کا تعلق ہے قرآن کریم ان کی محض طبیعی زندگی (Physi-cal life) کو حیات نہیں قرار دیتا - اس کے نزدیک حقیقی زندگی وہ ہے جو شرفِ انسانیت کو لئے ہو - جس میں انسان قوانین خداوندی کی روشنی میں علم و عقل سے کام لے کر اپنی ذات کی نشو و نما کرتا چلا جائے - الحَیَاۃُ الدُّنْیَا سے مراد ہے مفادِ عاجلہ - پیش پا افتادہ مفاد - فوری عیش و عشرت - محض قریبی فائدے - یعنی وہ زندگی جس میں مستقبل پر کوئی نگاہ نہ ہو - طبعی زندگی جس میں انسان حیوانی سطح (Animal Level) پر دن بسر کرتا ہے - نہ اس زندگی میں مستقبل کی درخشندگی پر نگاہ رکھتا ہے اور نہ ہی مرنے کے بعد تسلسلِ حیات پر یقین رکھتا ہے، الحَیَاۃُ الدُّنْیَا ہے - قرآن کریم میں الحیاۃ الدنیا اور حیاتِ آخرت کی اہم اصطلاحات کا مفہوم سمجھنے کے لئے ان معانی کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے - نیز اس حقیقت کو بھی کہ جس طرح ہمارے ہاں (اردو میں - اور اسی طرح دنیا کی دیگر زبانوں میں) زندگی سے مراد صرف زندہ رہنا (سانس لینا) اور موت سے مراد محض مر جانا (نفس کی آمدوشد کا بند ہو جانا) نہیں بلکہ ان الفاظ کے معانی بہت وسیع ہیں- اسی طرح عربی زبان (اور قرآن کریم میں) بھی یہ الفاظ وسیع معنوں میں استعمال ہوئے ہیں - اس لئے ہر مقام پر (نفسِ مضمون کے اعتبار سے) دیکھنا چاہئے کہ وہاں کونسے معانی زیادہ موزوں ہیں - مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں قوم مردہ ہے تو اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے افراد قبروں میں دفن ہوچکے ہیں - اور جب کہتے ہیں کہ اس قوم کا شمار زندہ قوموں میں ہوتا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ اس کے افراد سانس لیتے ہیں - مردہ اقوام اور زندہ اقوام کا مفہوم واضح ہے - اسی طرح یہ الفاظ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوئے ہیں - مثلاً سورۃ انعام میں ہے اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَ جَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ ..... (۶/۱۲۲) - ''اور کیا وہ جو مردہ ہو - پھر اسے ہم زندہ کر دیں اور اسے ایسی روشنی عطا کر دیں جس سے وہ لوگوں میں چلے ....'' - ظاہر ہے کہ یہاں موت اور حیات سے مراد طبعی موت اور زندگی نہیں بلکہ گمراہی اور ہدایت ہے - موت اور حیات کے معانی کے اس فرق کو ہر مقام پر ملحوظ رکھنا چاہئے - حضرات انبیاء کرام اقوام مردہ کو ایسی زندگی عطا کرنے کے لئے آتے تھے جو انہیں دنیا بھر کی سرفرازیاں عطا کردے - (۸/۲۴) - یہ زندگی اب قرآن کریم کی رو سے مل سکتی ہے لیکن صرف اُسے جس میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہو (۳۶/۷۰) - اور جو تباہیوں سے بچنا چاہے (۲/۲) -

خ

خ ب أ

خَبَاَہٗ ۔ یَخْبَؤُہٗ ۔ خَبْأً ۔ چھپانا ۔ پردہ میں رکھنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ اِمْرَاَۃٌ خَبَاَۃٌ ۔ خانہ نشین عورت جو گھر سے باہر نہ نکلتی ہو۔ اَلْخَبِیْئَۃُ ۔ بیج کے وہ دانے جنہیں کسان زمین کے اندر چھپا دیتا ہے ۔ قدرت کے خزانے جو اس نے زمین میں چھپا رکھے ہیں ۔ اَلْخَبْءُ ۔ ذخیرہ کی ہوئی اور چھپائی ہوئی چیز* ۔

قرآن کریم میں اَلْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۲۷/۲۵) آیا ہے۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کے اندر چھپے ہوئے خزانے ۔ ان کی مستور قوتیں اور مضمر صلاحیتیں ۔ ان کے اندر پوشیدہ رزق کے خزانے ۔

خ ب ت

اَلْخَبْتُ ۔ نشیبی زمین جو وسیع بھی ہو** ۔ وسیع میدان جس میں کچھ اُگا ہوا نہ ہو ۔ (ابن فارس) اَخْبَتَ ۔ وہ نشیبی زمین میں پہنچا ، اس کے بعد یہ لفظ نرمی خشوع ، تواضع اور جُھک جانے، اطاعت کرنے نیز مطمئن ہونے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا** ۔

قرآن کریم میں مومنین کے متعلق ہے وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّھِمْ (۱۱/۲۳) ۔ ”وہ خدا کے (قانون ربوبیت کے) سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں“ ۔ یعنی فَتُخْبِتَ لَہٗ قُلُوْبُھُمْ (۲۲/۵۴) ۔ ”اس کے سامنے ان کے دل جھک جائیں یا نرم ہو جائیں“ ۔ انہی کو دوسری جگہ مُخْبِتِیْنَ (۲۲/۳۴) کہا گیا ہے ۔ دل کی نرمی اور جھکاؤ والے ۔ اس سے پہلے فَلَہٗٓ اَسْلِمُوْا (۲۲/۳۴) نے مفہوم واضح کر دیا ہے۔ قانونِ خداوندی کے سامنے جھک جانے والے ۔ اسے بطیبِ خاطر تسلیم کر لینے والے ۔

* تاج و راغب ۔ ** تاج ۔

خ ب ث

اَلْخَبِیْثُ ۔ طَیِّبٌ کی ضد ہے اس لئے اسکے مفہوم کیلئے ط ۔ ی ۔ ب کا عنوان دیکھنا ضروری ہے ۔ خُبْثٌ کے معنے گندے، گھناؤنے اور مکروہ کے ہیں خواہ وہ کھانے پینے کی چیزوں میں ہو یا کلام میں ۔ یا افعال میں ۔ یا عقائد و خیالات میں* ۔ اَلْخَبِیْثُ ۔ طَیِّبٌ کی ضد ہے ناپسندیدہ، ناگوار، خراب نیز دھوکا دینے والا ۔ اَلْخَابِثُ ۔ مکار آدمی ۔ یا ردی شے* ۔ خَبَثُ الْحَدِیْدِ وَالْفِضَّۃِ ۔ لوہے اور چاندی وغیرہ کا میل جو انہیں بھٹی میں پگھلانے سے الگ ہو جاتا ہے* ۔ ملاوٹ ۔ کھوٹ ۔ اَلْخُبْثُ ۔ زنا کو بھی کہتے ہیں* ۔

سورۃ اعراف میں خَبُثَ ۔ اس زمین کے لئے آیا ہے جو شور ہو اور وہاں کچھ پیدا نہ ہو اور اگر پیدا ہو تو بہت تھوڑا (۷/۵۸)

اسی طرح سورۃ ابراہیم میں کَلِمَۃٌ طَیِّبَۃٌ کے مقابلہ میں کَلِمَۃٌ خَبِیْثَۃٌ آیا ہے جسے شَجَرَۃٌ خَبِیْثَۃٌ سے تشبیہ دی گئی ہے (۱۴/۲۶ ۔ ۲۳)۔ اس کے معنے ہیں ایسا درخت جو پھل نہ دے ۔ غلط نظریۂ حیات دیکھنے میں بالکل صحیح نظریہ کے مطابق نظر آتا ہے لیکن اس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلتا ۔ ساری محنت اکارت جاتی ہے ۔ حالانکہ غلط نظریۂ حیات کی چمک دمک بھی بہت ہوتی ہے اور پھیلتا بھی بڑی کثرت سے ہے (۵/۱۰۰) ۔ لیکن اسے ثبات و قرار کبھی نہیں ہو سکتا ۔ اسکی جڑیں زمین کے اوپر اوپر ہوتی ہیں (۱۴/۲۶) ۔

خَبَائِثُ ۔ خَبِیْثَۃٌ کی جمع ہے چنانچہ (۷/۱۵۷) میں ہے کہ رسول طیبات کو حلال قرار دیتا ہے اور خبائث کو حرام ۔ یعنی قرآن کریم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ خبائث ہیں اور جو چیزیں حلال ہیں وہ طیبات ہیں ۔ (تفصیل کے لئے عنوان ح ۔ ر ۔ م اور ح ۔ ل ۔ ل دیکھئے)

قرآن کریم میں فحش کاری یا فحش کار لوگوں کے لئے بھی خبیث کا لفظ آیا ہے ۔ مثلاً سورۃ نور میں ہے اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ . . (۲۴/۲۶) ۔ یہاں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ خبیث باتیں خبیث لوگوں کے شایان شان ہیں ۔ اور یہ بھی کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں ۔ ثانی الذکر مفہوم کی تائید اسی سورۃ کی دوسری آیت سے ہوتی ہے جہاں کہا گیا ہے کہ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً . . . . (۲۴/۳) زانی مرد صرف زانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے . . . . . (اسکی تشریح ''مفہوم القرآن'' میں ملیگی)

* تاج و محیط ۔

خ ب ر

اَلْخَبَرُ - جمع اَخْبَارٌ ہے (۹۶/۴) خَبَرٌ اور نَبَاٌ میں فرق یہ ہے کہ نَبَاٌ کسی بہت بڑے واقعہ کے متعلق ہوتی ہے اور خَبَرٌ عام واقعات کے متعلق۔ اہل لغت نے کہا ہے کہ خَبَرٌ عرف اور لغت میں اس بات کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے سے نقل کی جائے * - لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ اس تخصیص کے ساتھ نہیں آیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے اہل سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے سَآتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ (۲۷/۷) ''میں اس سے تمہارے پاس خبر لاونگا''۔

اَلْخَبِيْرُ - خبر کو جاننے یا رکھنے والا - یا خبر دینے والا * - قرآن کریم میں یہ لفظ اللہ تعالےٰ کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۲/۲۳۴)۔ ''جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے''۔

خُبْرٌ کے معنے بھی کسی چیز کے جاننے کے ہیں * - (۱۸/۶۸)۔ محیط میں ہے کہ یہ اُس واقفیت کو کہینگے جو تجربہ کی بنا پر ہو۔

ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی علم بتائے ہیں۔ اس اعتبار سے خَبَرٌ کے لئے علم اور واقفیت ضروری ہے۔

خ ب ز

اَلْخُبْزُ - روٹی * - (۱۲/۳۶) - اصلی معنے اس مادہ میں مارنے اور دفع کرنے کے ہوتے ہیں - چنانچہ اَلْخَبْزُ کے معنے ہوتے ہیں اونٹ کا زمین پر ہاتھ مارنا - چونکہ روٹی بھی اس طرح ہاتھ مارنے سے بنتی ہے اسلئے اسے خُبْزٌ کہتے ہیں - یا اس لئے کہ روٹی سے بھوک مرتی اور دفع ہوتی ہے - کبھی کبھی اس لفظ کا اطلاق ہر اس چیز پر کر دیا جاتا ہے جسے انسان کھائے یا معیشت کیلئے اختیار کرے ** - جیسے ہمارے ہاں بھی جب کہا جائے کہ ''اصل سوال تو روٹی کا ہے'' تو اس کے معنی رزق یا معیشت ہی کے ہوتے ہیں -

خ ب ط

خَبَطَ - کسی چیز کو زور سے مارنا - پاؤں کو زور سے مار کر کسی چیز کو روندنا - درخت کو لکڑی سے مار کر اسکے پتے جھاڑنا - خَبَطَ اللَّيْلَ - رات

* تاج - ** محیط نیز ابن فارس -

کو سمت معلوم کئے بغیر یوں ہی منہ اٹھا کر چلدینا۔ تَخَبَّطَهُ الشَّيْطٰنُ۔ اسے شیطان نے پاگل بنا دیا *۔ راغب نے لکھا ہے کہ بادشاہ کے تشدد اور ظلم کو بھی خَبْطٌ کہتے ہیں۔ اور اِخْتِبَاطُ الْمَعْرُوف کے معنے ہیں کسی سے زبردستی احسان کا مطالبہ کرنا **۔

سورۃ بقرہ میں سود خوار لوگوں کی حالت کا نقشہ یہ کہہ کر کھینچا گیا ہے کہ لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (۲/۲۷۵)۔ ''یہ لوگ یوں کھڑے ہوتے ہیں جیسے انہیں سانپ نے ڈس لیا ہو''۔ اسمیں ذہنی جنون اور قلبی اضطراب کی شدت سب کی سب آجاتی ہے جو اس شخص کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی جسکے دل میں ہوس زر نے آگ لگا رکھی ہو۔ اگر اس آیت میں اَلشَّيْطٰنُ سے مراد انسان کے سرکش جذبات لئے جائیں تو اس سے مفہوم ہوگا وہ شخص جو اپنے جذبات کے ہاتھوں پاگل ہو رہا ہو۔ لیکن اس میں کمزور پہلو یہ ہوگا کہ اس شخص کی محسوس حرکات کی تشبیہ غیر محسوس شے سے ہوگی۔

خ ب ل

اَلْخَبْلُ۔ اَلْخَبَلُ۔ اس کے بنیادی معنے کسی خرابی کے پیدا ہو جانے کے ہیں۔ مثلاً انسان کے اعضاء میں کوئی خرابی پیدا ہو جانا۔ فالج گر جانا۔ جنون ہو جانا۔ زجاج نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنے کسی چیز کا جاتے رہنا ہیں۔ اسکے بعد اسکے عام معنے ہلاکت یا نقصان کے آتے ہیں۔ * رَجُلٌ مُخَبَّلٌ۔ اس شخص کو کہتے جس کے ہاتھ پیر (اعضاء) کٹ گئے ہوں *** قرآن کریم میں ہے لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (۳/۱۱۸)۔ ''تمہارے دشمن، تمہاری تخریب، میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھینگے''۔ اس میں ہر قسم کے نقصانات، شر، فساد آجاتے ہیں۔

خ ب و

خَبَتِ النَّارُ وَ الْحَرْبُ۔ آگ اور جنگ کی تیزی و تندی ماند پڑ گئی۔ پر سکون ہو گئی۔ اس کا شعلہ افسردہ ہوگیا *۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے كُلَّمَا خَبَتْ ..... (۱۷/۹۷) ''جب وہ آگ بجھنے لگے گی''..... اس کے بعد زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (ہم ان کے لئے اسے اور زیادہ بھڑکا دینگے) نے مفہوم واضح کر دیا ہے۔

* تاج۔ ** راغب۔ *** محیط۔

خِبَاءٌ* - در اصل اس پردہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو ڈھانپا جائے۔ نیز بالی میں دانہ کے اوپر کا خول** - خاکستر کا پردہ جو شعلہ پر پڑ کر اسے دبا دیتا ہے -

(خَبَّ* (۲۷/۲۵) کے لئے دیکھئے عنوان خ - ب - ا - ابن فارس نے کہا ہے کہ خَبْوٌ اور خَبٌّ* - دونوں کے معنی چھپانے کے آتے ہیں) -

خ ت ر

اَلْخَتْرُ - بدترین عہد شکنی - عہد شکنی کرنا اور فریب دینا* - در اصل یہ اس عہد شکنی اور غداری کو کہتے ہیں جسے اس قدر کوشش سے کیا جائے کہ انسان تھک کر چور چور ہو جائے - وہ تکان سے کمزور ہو جائے اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں** - اس لئے کہ اَلْخَتْرُ ، اَلْخَدَرُ کے ہم معنی ہے - یعنی ایسی غنودگی و بے حسی جو کسی زہر یا دوا کے پینے سے پیدا ہو جائے اور اعضاء میں کمزوری و اضمحلال کا باعث بنے - رَجُلٌ مُخْتَتِرٌ* - وہ آدمی جس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں - خَتَرَهُ الشَّرَابُ - شراب نے اس کے قویٰ کو مضمحل کر دیا* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی سستی اور فتور کے ہوتے ہیں -

قرآن کریم میں خَتَّارٍ كَفُوْرٍ (۳۱/۳۲) آیا ہے - اس کے معنے دغاباز، فریب کار کے بھی ہو سکتے ہیں اور ایسے آدمی کے بھی جو محنت نہ کرنے کی وجہ سے سست ہو چکا ہو - یا وہ آدمی جو احکام خداوندی کی بجا آوری میں سستی برتے - (یعنی آثِیْمٌ - دیکھئے عنوان ا - ث - م)

خ ت م

خَتْمٌ* کے معنے ہیں کسی چیز کو چھپا دینا اور ڈھانک دینا - اس طرح بند کر کے محفوظ کر دینا کہ اس کا کوئی حصہ باہر نہ نکل سکے - چنانچہ زمین میں ہل چلا کر اور بیج ڈال کر جو پہلی مرتبہ پانی دیتے ہیں اسے اہل عرب خَتَمَ الزَّرْعَ کہتے ہیں - اس لئے کہ پانی دینے کے بعد مٹی جم جاتی ہے اور بیج مٹی کے اندر بند ہو کر محفوظ ہو جاتا ہے - اسی طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتہ کے خانوں میں شہد جمع کر کے موم کا نہایت باریک سا پردہ خانوں کے منہ پر بنا دیتی ہیں جس سے شہد اندر بند اور محفوظ ہو جاتا ہے - اسے بھی عرب خَتْمٌ* سے تعبیر کرتے ہیں (اس کے بعد خود شہد، اور ان خانوں کے منہ کو بھی خَتْمٌ* کہنے لگ گئے)*** -

---

* تاج و محیط - ** راغب - *** تاج -

خَتَمَ الشَّيْءَ خَتْمًا ۔ کے معنے کسی چیز کے آخری سرے تک پہنچ جانے کے بھی ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ خَتْمٌ اور طَبْعٌ کا لفظ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے (۱) کسی چیز پر لاکھ وغیرہ لگا کر مہر سے اس پر نشان لگا دینا ۔ اور (۲) وہ نقش یا نشان جو اس طرح مہر لگانے سے بن جائے ۔ پھر قدرے مفہوم میں وسعت پیدا کر کے کسی چیز کو بند کرنے اور روک دینے کے لئے بولا جانے لگا ۔ اس لئے کہ مہر لگا کر خط یا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور اس کے اندر کی چیز باہر نہیں نکالی جاتی** ۔ خِتَامٌ اس لاکھ یا موم وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو بند کر کے اس پر مہر لگائی جاتی ہے ۔ اور خَاتَمٌ وہ چیز ہے (انگوٹھی وغیرہ) جس سے اس لاکھ پر مہر لگائی جاتی ہے ۔ ہر چیز کا انجام اور آخر خَاتَمٌ کہلاتا ہے ۔ چنانچہ خَاتَمُ الْقَوْمِ کے معنے ہیں قوم کا آخری فرد ۔ ایسے ہی ہر پینے کی چیز کا خِتَامٌ اس کا آخری حصہ ہوتا ہے ۔ (ابن فارس) ۔ فراء کا قول ہے کہ خَاتَمٌ اور خِتَامٌ دونوں قریب المعنی ہیں ۔ فُلَانٌ خَتَمَ عَلَيْكَ بَابَهٗ کے معنے ہیں ''وہ شخص تجھ سے اعراض برتتا ہے اور اپنا دروازہ تجھ پر بند کر لیتا ہے* ۔

قرآن کریم میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (یا طَبَعَ اللّٰهُ ۔ ۔ ۔ ۔) متعدد بار آیا ہے (۲/۷) ۔ دلوں پر مہر لگ جانے سے مطلب یہ ہے کہ ان میں سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی ۔ چنانچہ سورۃ انعام میں اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ نے خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ (۶/۴۶) کی وضاحت کر دی ہے ۔ یعنی علم حاصل کرنے کے دروازے ہی اس پر مسدود ہو جاتے ہیں ۔ یہ حالت ان لوگوں کی ہو جاتی ہے جو اپنے دل کی مرضی سے (برضاورغبت) غلط روش اختیار کر لیتے ہیں ، کیونکہ وہ مستقبل کی خوشگواریوں پر مفاد عاجلہ کو ترجیح دیتے ہیں (۱۶/۱۰۸) ۔ اسی طرح وہ لوگ ہیں جو صحیح بات کے سننے سے انکار کر دیتے ہیں اور جب ان کے سامنے اسکا ذکر آئے تو منہ پھیر کر چل دیتے ہیں (۱۶/۲۵) ۔ جن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ تمہاری مجلس میں بیٹھتے ہیں ۔ بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تمہاری باتیں نہایت غور سے سن رہے ہیں لیکن وہ اس وقت سوچ کچھ اور ہی رہے ہوتے ہیں ۔ یہ صرف اپنے جذبات کے پیچھے چلنا چاہتے ہیں ۔ (۴۷/۱۶) ۔ اور قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کرتے (۴۷/۲۴) ۔ ان لوگوں کے اپنے اعمال خود زنگ بن کر ان کے دلوں

* تاج ۔ ** راغب و تاج ۔ نیز ابن قتیبہ (القرطبی ج/۱ صفحہ ۱۴)

پر مہر لگا دیتے ہیں (۸۳/۱۴) * ۔ ان مقامات سے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِہِمْ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنی اللہ مہر نہیں لگاتا ۔ ان کے اپنے اعمال قوانین خداوندی کے مطابق مہر بن جاتے ہیں ۔

سورۃ تطفیف میں ''جنت میں پینے کی شے،، کو رَحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ (۸۳/۲۵) کہا گیا ہے ۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ خِتَامُہٗ مِسْکٌ (۸۳/۲۶) اس کی مہر (یا وہ ذائقہ جو منہ میں باقی رہ جائے) مشک کا ہوگا ۔ اس لئے کہ مِزَاجُہٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ (۸۳/۲۷) ۔ اس میں وہ پانی ملا ہوگا جو بڑی بلندیوں سے آرہا ہے ۔ جس سے زندگی کو بلند ترین منازل تک پہنچنے کی قوت حاصل ہو جائیگی ۔

سورۃ احزاب میں نبی اکرمؐ کو خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (۳۳/۴۰) کہا گیا ہے ۔ خَاتَمٌ کے معنے اوپر لکھے جا چکے ہیں ۔ ان کی رو سے اس کے معنے آخری نبی ہیں ۔ لہذا رسول اللہؐ کے بعد نبوت کو جاری سمجھنا قرآن کریم کی صریح تعلیم کے خلاف ہے ۔ جب قرآن کریم آخری کتاب ہے تو جس نبی پر قرآن کریم نازل ہؤا وہ آخری نبی ہے (نَبِیٌّ کے معنے ۔ن ۔ب ۔ا کے عنوان میں دیکھئے جہاں اس امر کی بھی تصریح کی گئی ہے کہ کوئی نبی بغیر کتاب کے آ نہیں سکتا) ۔ لہذا نہ قرآن کریم کے بعد کوئی اور آسمانی کتاب اور نہ ہی نبی اکرمؐ کے بعد کوئی اور نبی ۔ یہ تصور کہ نبی اکرمؐ کی مہر سے دوسرے لوگ نبی بن سکتے ہیں ، نبوت کی حقیقت سے بے خبری کی دلیل ہے ۔ نبوت خدا کی طرف سے ایک وہبی خصوصیت تھی جو بلا کسب و ہنر عطا ہوتی تھی ۔ اسے نہ کوئی اپنی محنت سے حاصل کر سکتا تھا اور نہ ہی کوئی نبی ، اسے دوسرے کو عطا کر سکتا تھا (تفصیل ن ۔ب ۔ا میں ملیگی) لہذا نبی اکرمؐ کے بعد نبوت کا دعویٰ یکسر باطل ہے ۔

لیکن ''دھوائے نبوت،، کی ایک اور شکل بھی ہے جو بڑی دقیق فلہٰذا بڑی غور طلب ہے ۔ ''نبوت،، سے مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ سے براہ راست علم حاصل کرے ۔ یعنی اس علم میں اس کی اپنی عقل و خرد کا کوئی دخل نہ ہو ۔ وہ علم اسے خدا سے براہ راست ملے ۔ ہمارے ہاں (تصوف میں) یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ ''اولیاء اللہ،، یا صوفیائے کرام ، خدا سے براہ راست حقائق کا علم حاصل کرتے ہیں ۔ اسے کشف یا الہام کہا جاتا ہے ۔ بادنےٰ تعمق یہ حقیقت سامنے آ جائیگی کہ یہ صرف الفاظ کا فرق ہے ۔ ورنہ کشف و الہام اور وحی میں ، حقیقت کے اعتبار سے ، کوئی فرق نہیں ۔ اس لئے یہ عقیدہ بجائے خویش باب نبوت کو کھول دیتا ہے ۔ قرآن کریم کی رو سے

*(دیکھئے قلب ۔ سمع ۔ بصر ۔)

صحیح بات یہی ہے کہ اللہ تعالٰی کو جو علم براہ راست دینا تھا وہ آخری نبیؐ کو دیدیا ۔ یہ علم اب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے ۔ اب کسی انسان کو خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل نہیں ہوسکتا ۔ کشف و الہام، انسان کی اپنی نفسیاتی کیفیت کے مظاہر ہوتے ہیں ، خدا کی طرف سے کشف حقائق نہیں ہوتا ۔

خ د د

اَلْخَدُّ ۔ رخسار ۔ (۳۱/۱۸) اَلْخَدُّ ۔ زمین میں کھودا ہوا مستطیل گڑھا ۔ اَلْاُخْدُوْدُ ۔ کھائی یا خندق * ۔

قرآن کریم میں ہے قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ (۸۵/۴) ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ ذونواس ، شاہِ یمن نے اہل نجران (عیسائیوں) کو مجبور کیا تھا کہ وہ عیسائیت چھوڑ دیں ۔ وہ جب اس پر آمادہ نہ ہوئے تو اُنہیں خندق کھدوا کر اس میں آگ جلائی اور انھیں اس میں ڈلوا کر جلا دیا ** ۔ صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ بخت نصر نے خدا پرست یہودیوں کو اسی طرح آگ میں جلایا تھا * لیکن قرآن کریم کے سیاق و سباق سے مترشح ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ تمام مخالفین اسلام ہیں جو رسول اللہؐ سے برسرپیکار تھے اور جنگ کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے ۔ قرآن کریم نے انہی کی تباہی کی خبر دی ہے ۔ (نیز دیکھئے عنوان اصحابُ الاُخْدُوْد اور تبّع) ۔

خ د ع

خَدْعٌ کے معنے ہیں جو کچھ دل میں ہو اسکے خلاف ظاہر کرنا ۔ کسی کے ساتھ چھپ کر برائی کرنا * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چھپانے اور مخفی رکھنے کے ہیں ۔ اصل میں خَدُوْعٌ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو کبھی تو بہت سا دودھ دیدے اور کبھی بالکل چڑھا جائے ۔ (کچھ نہ دے ***) ۔ عربوں کی شہرت اور شرافت کا مدار انکی مہمان نوازی پر تھا ۔ وہ صحراؤں میں رہتے تھے ۔ ان کے جانوروں کا دودھ (یا گوشت) ہی ہر وقت میسر آنے والی چیز ہوسکتا تھا ۔ اب ذرا سوچئے کہ اگر ایسا ہو کہ مہمان آجائیں ۔ وہ ان کے لئے اونٹنی کا دودھ دوہنے کیلئے جائیں اور اونٹنی دودھ چڑھا جائے ۔ تو اس وقت میزبان کی حالت کیا ہوگی ؟ اس قسم کی اونٹنی جسپر

* تاج **محیط ۔ ***لین ۔

بھروسہ ھی نہ کیا جا سکے خَدُوْعٌ کہلاتی ھے۔ اس سے خَدَعَ کا مفہوم اچھی طرح ذھن میں آسکتا ھے۔ چنانچہ خَیْدَعٌ سراب کو کہتے ھیں*۔ نیز غول بیابانی کو۔ اور اس راستے کو بھی جو بظاھر معلوم ھو کہ منزل کی طرف لئے جا رھا ھے لیکن درحقیقت اس کے خلاف ھو*۔ نیز کسی بڑے کمرہ کے بغل میں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی بنا لیتے تھے جس میں گھر کی قیمتی چیزیں بغرض حفاظت رکھتے تھے۔ اسے بھی خَادِعَۃٌ کہتے تھے*۔ لطائف اللغۃ میں ھے کہ اَلْخَادِعُ اور اَلْخَدُوْعُ اُس راستے کو کہتے ھیں جو کبھی نکھر کر سامنے آجائے اور کبھی گم ھو جائے۔ لہذا خَدْعٌ زندگی کی وہ روش ھے جس میں بظاھر تو کچھ بتایا جائے اور بباطن کچھ اور۔ یا جس میں توقع کے مطابق امکان تو زیادہ کا ھو اور نکلے کم۔ یا جو ایک حالت پر نہ رھے۔ یعنی کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ چنانچہ خَدَعَ الْکَرِیْمُ اسوقت کہتے ھیں جب کوئی سخی آدمی خلاف توقع بخل کا برتاؤ کرنے لگ جائے۔ خَدَعَ الْمَطَرُ اسوقت کہتے ھیں جب بارش خلاف توقع بہت کم ھو۔ سُوْقٌ خَادِعَۃٌ اس بازار کو کہتے ھیں جو ایک حالت پر قائم نہ رھے۔ اور خَدَعَتِ الْاُمُوْرُ اسوقت کہتے ھیں جب حالات دگرگوں ھوتے چلے جائیں۔ کبھی کچھ کبھی کچھ*۔ خَدَعَ کے معنی کم ھو جانے کے بھی آتے ھیں*۔ اَلسِّنُوْنَ الْخَوَادِعُ ان سالوں کو کہتے ھیں جن میں کبھی فراوانی ھو اور کبھی قحط۔ یا جن میں بارش تو بہت ھو لیکن پیداوار کم ھو* دِیْنَارٌ خَادِعٌ اُس دینار کو کہتے ھیں جو دیکھنے میں کھرا معلوم ھو لیکن پرکھنے پر کھوٹا ثابت ھو۔ (ابن فارس)۔ لہذا خَادِعٌ سے مراد یا تو وہ جذباتی شخص ھے جو معاملات کا فیصلہ سوچ سمجھ کر نہیں محض جذبات کی رو سے کرتا ھے۔ ذرا جذبات ابھر آئے تو بڑے بڑے وعدے اور دعوے کر دئے۔ ذرا ان میں کمی اور افسردگی آگئی تو سمٹ اور سکڑ کر بیٹھ گئے۔ یا ایسا مفاد پرست جو اپنی مصلحت کی خاطر، اپنے آپ کو ایسا بنا کر دکھائے جیسا (یا جتنا) وہ درحقیقت نہیں اور اسطرح معاشرہ کو دھوکے میں رکھے۔ معاشرہ کے استحکام کیلئے ایسے لوگوں پر کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا وجود معاشرہ کے لئے سخت نقصان کا باعث ھوتا ھے۔ صاحب محیط کے الفاظ میں خَدَعَ کے بنیادی معنے اس اخفاء اور پوشیدگی کے ھیں جسکا قبل ازوقت اندازہ نہ لگایا جا سکے***۔ یہ مفاد پرستانہ ذھنیت کا شیوہ ھوتا ھے، یا سطحی جذبات پرستوں کا۔

---

*تاج ** لین۔ *** محیط۔

قرآن کریم نے اس قسم کی فریب دینے والی ذہنیت کو ''دل کا مرض'' (فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ (۲/۱۰)) قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا یہ فریب درحقیقت غیر شعوری طور پر خود ان کی اپنی ذات سے فریب ہوتا ہے۔ (وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَہُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ (۲/۹)) ۔ چونکہ خدا کے قانون مکافات کی رو سے ان کی اس روش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے متعلق دھوکے میں رہتے ہیں اسلئے سورہ نساء میں اسے ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ (۴/۱۴۲)۔ ''منافق اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں لیکن (اس کے قانون مکافات سے ہوتا یہ ہے کہ) وہ اپنے متعلق دھوکے میں رہتے ہیں''۔ یعنی وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَہُمْ (۲/۹)۔ ''خدا فریبی'' خود فریبی (Self Deception) کا دوسرا نام ہے، لیکن لوگ اسے سمجھتے نہیں۔ مَا یَشْعُرُوْنَ (۲/۹)۔ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ویسے بھی جو شخص جذبات میں اندھا ہو جائے اس کا شعور بیکار ہو جاتا ہے۔

خ د ن

اَلْخِدْنُ۔ ساتھی۔ بات چیت کرنے والا۔ دوست*۔ راغب نے لکھا ہے کہ بیشتر یہ ایسے ساتھی کے لئے بولا جاتا ہے جو شہوت نفسانیہ کی وجہ سے کسی کے ساتھ رہے۔* جن الفاظ میں خاء اور دال اکھٹے آئیں ان میں اثر اندازی کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔** ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ساتھ رہنے کے ہیں۔

قرآن کریم نے مرد اور عورت کے جنسی اختلاط کیلئے کہا ہے۔ مُحْصِنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (۴/۲۵)۔ مُحْصِنٰتٍ اور مُسٰفِحٰتٍ کے معانی ح۔ص۔ن اور س۔ف۔ح کے عنوانوں کے تحت لکھے گئے ہیں۔ بالخصوص ح۔ص۔ن کے ماتحت۔ وہاں سے معلوم ہو جائیگا کہ سِفْحٌ کے معنے ہیں محض شہوت رانی کی غرض سے جنسی اختلاط۔ یہاں اسکے ساتھ اِتِّخَاذِ اَخْدَانٍ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُسَافَحَۃٌ ''کھلی ہوئی بدکاری تھی''، جسکے لئے عربِ جاہلیۃ عورتوں کو پیغام بھیجا کرتے تھے۔ یعنے وہ ان کے معاشرہ کا عام رواج تھا۔ اور خِدْنٌ۔ چوری چھپے کی آشنائی کو کہتے تھے۔ منتہا دونوں کا ایک ہی ہے۔ انہیں الگ الگ بیان کرنے سے مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے

* تاج۔ ** العلم الخفاق۔

زمانے میں (نکاح کے علاوہ) جنسی اختلاط کی جتنی صورتیں بھی مروج تھیں ان سب کی تردید ہو جائے، اور اس کی ایک ہی شکل باقی رہ جائے۔ یعنے مُحْصِنِیْنَ ۔ قلعہ بند اور حصارِ عفت میں محفوظ۔ نیز مُسَافِحِیْنَ سے مطلب ہے محض شہوت رانی کی خاطر۔ اس میں زنا کاری بھی آجاتی ہے اور وقتی طور پر یا ویسے ہی نکاح کی رسم پوری کر لینے کے بعد، نکاح کی ذمہ داریوں کو (Avoid) کرتے ہوئے جنسی تعلقات بھی۔ اور مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ کے معنی صرف زناکاری ہونگے۔ اگرچہ قرآنِ کریم نے یہ الفاظ لونڈیوں کے ضمن میں کہے ہیں (جو اُس زمانے میں عربوں کے ہاں ہوتی تھیں۔ دیکھئے عنوان م۔ ل۔ ک میں مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ) لیکن اس کا اطلاق عام ہے کیونکہ قرآن کریم کی رو سے زنا کی بہرحال ممانعت ہے خواہ اس کی کوئی شکل ہو۔

بالفاظ دیگر، سَفْح ، جنسی جذبات کی تسکین کی (قرآنی نکاح کے علاوہ) ایسی شکل ہوگی جو کسی معاشرہ میں معیوب نہ سمجھی جائے اور خِدْن وہ شکل جسے وہ معاشرہ معیوب سمجھے۔ قرآن کریم کی رو سے جنسی جذبات کی تسکین کی ہر وہ شکل ناجائز ہوگی جو قرآن کریم کی رو سے نکاح اور اس کے مقصد کے خلاف ہو، خواہ کوئی معاشرہ اسے معیوب سمجھے یا نہ سمجھے۔ جنسی اختلاط سے مقصد جائز طریق سے افزائش نسل ہے۔

خ ذ ل

خَذَلَتِ الظَّبْيَةُ ۔ ہرنی اپنے گلہ سے پیچھے تنہا رہ گئی ایسی ہرنی کو خَاذِلٌ اور خَذُوْلٌ کہتے ہیں۔ زیادہ تر ایسی ہرنی (یا گائے) اپنے بچے کی وجہ سے پیچھے رہ جاتی ہے*۔ تَخَاذَلَتْ رِجْلَاهُ ۔ اس کے پاؤں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ اس طرح پیچھے رہ گیا۔ ایسے شخص کو رَجُلٌ خَذُوْلٌ اور رِجْلٌ خَذُوْلٌ کہتے ہیں*۔ اَلْخِذْلَانُ ۔ ایسے شخص کا وقت پر ساتھ چھوڑ کر الگ ہو جانا جسکے متعلق گمان ہو کہ وہ پوری پوری مدد کرے گا**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ساتھ چھوڑ دینے اور مدد نہ کرنے کے ہیں۔

سورۃ آل عمران میں ہے اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ (۳/۱۶۰) "اگر وہ تمہیں بے مدد چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا"۔ جس قوم کا ساتھ خدا کا قانون چھوڑ دے (بمقابلہ

* تاج۔ **راغب۔

یَنْصُرُ (۳/۱۵۹) اور وہ اس طرح باقی قوموں سے پیچھے رہ جائے تو اس کی مدد کوئی نہیں کرسکتا ۔ اس طرح پیچھے رہ جانے والا ، خواہ ایک فرد اپنی جماعت سے پیچھے رہ جائے اور خواہ ایک قوم دوسری قوم سے پیچھے رہ جائے ، زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جاتا ہے (۱۶/۴۲) ۔ اسلام کے معنے ہیں تمام رفقائے سفر کا کامل ہم آہنگی سے ملکرساتھ ساتھ چلنا ۔ (دیکھئے عنوان س ۔ ل ۔ م میں تَسَالَمَ) ۔ اور آثِمَ کے معنے ہیں اپنی ذاتی کمزوری کی وجہ سے پیچھے رہ جانا (دیکھئے عنوان ا ۔ ث ۔ م) ۔ لیکن اگر کوئی شخص مختلف قسم کی کششوں سے ، جن میں اولاد کے مفاد کی کشش سب سے زیادہ ہوتی ہے***، جماعت سے پیچھے رہ جائے تو یہ خَذُلَ ہوگا ۔ بہر حال اس کا نتیجہ وہی ہوگا۔ یعنے اپنے انفرادی مفاد اور ذاتی جذبات کی وجہ سے جماعتِ مومنین سے پیچھے رہ جانا ۔ یا قرآن کریم کے نظام کو چھوڑ دینے سے اقوامِ عالم کی صف میں پیچھے رہ جانا ۔ یہ دونوں خَذُلَ ہونگے۔

سورۃ الفرقان میں ہے وَ کَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا (۲۵/۲۹) ۔ یعنی انسان کے سرکش جذبات کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ بظاہر نظر آتا ہے کہ وہ انسان کا آخری وقت تک ساتھ دینگے لیکن وہ عین وقت پر ساتھ چھوڑ دیتے ہیں ۔ یعنی ایسے جذبات ہمیشہ ہنگامی ہوتے ہیں ۔

خ ر ب

اَلْخَرَابُ ۔ ویرانی ۔ آبادی یعنی عُمْرَانٌ کی ضد ہے ۔ غیر آباد ہونا ۔ خَرِبَ ۔ غیر آباد ہو جانا ۔ اَخْرَبَ ۔ غیر آباد کر دینا ۔ ویران کر دینا ۔ اَلْخَرِبَۃُ ۔ ویرانہ ، غیر آباد جگہ ۔ اَلْخَرْبَۃُ ۔ چھلنی ۔ عیب ۔ دینی خرابی ۔ شک و تہمت ۔ ابن فارس نے اس سادہ کے اصل معنی کنارہ ٹوٹ کر خراب ہو جانا اور سوراخ ہو جانا بتائے ہیں، جیسے چاقو وغیرہ کی دھار یا کسی چیز کا کنارہ خراب ہو جانے سے دندانے پڑ جاتے ہیں ۔ (ابن فارس) الخُرْبَۃُ ۔ سوراخ کو کہتے ہیں ۔ اَلْخُرَّابَۃُ ۔ سوئی کے ناکے کو کہتے ہیں* ۔

قرآن کریم میں ہے یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ (۵۹/۲) ۔ ''وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو ویران کرتے ہیں'' ۔ سورۃ بقرہ میں مساجد کے متعلق ہے کہ جو شخص ان میں ذکراللہ کے لئے رکاوٹ کا موجب

*** یہ اس جہت سے کہا گیا ہے کہ خاذل اس ہرنی کو کہتے ہیں جو اپنے بچے کی وجہ سے پیچھے رہ جائے ۔ * تاج ۔ نیز ابن فارس

بنتا ہے ، سَعٰی فِیْ خَرَابِہَا (۲/۱۱۴) ''وہ ان کی ویرانی کی کوشش کرتا ہے''۔ لہذا مساجد کی ویرانی یہی نہیں کہ ان میں لوگوں کا اجتماع نہ ہو۔ ان کی ویرانی یہ ہے کہ ان میں قوانین خداوندی کا ذکر اذکار اور صفات الٰہیہ کے متعلق بات چیت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (۴۲/۳۸) اکٹھا آیا ہے۔ یعنی اقامتِ صلوٰۃ اور باھمی مشورہ ، لازم و ملزوم ہیں۔ دوسری جگہ ہے مشرکین مساجد کو آباد نہیں کر سکتے (۹/۱۷) ۔ اس لئے کہ وہ خالص قوانین خداوندی کی اطاعت نہیں کرتے۔

خ ر ج

خُرُوْجٌ کے معنے ہیں ابھرنا ، نکلنا۔ باہرآنا ۔التَّخْرُجُ۔ خرچ ۔ (بمقابلہ آمدنی) ۔ خَارِجٌ کُلُّ شَیْئٍ ۔ ہر چیز کے نکلے ہوئے بیرونی اور ظاہری حصہ کو کہتے ہیں ۔ اَلْخَارِجِیُّ۔ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو اپنے ماں باپ سے عمدگی میں بازی لے جائے اور آگے نکل جائے ۔ نیز ہر وہ چیز جو اپنی جنس کی چیزوں سے آگے نکل جائے* ۔ خَرَجَ فُلَانٌ فِی الصِّنَاعَۃِ کے معنے ہیں فلاں شخص اپنی کاریگری میں بہت ماہر ہوگیا** ۔ نَاقَۃٌ مُخْتَرِجَۃٌ ۔ وہ اونٹنی جو اونٹنیوں کی صفات سے نکل کر اونٹ کی ہم صفت ہو* ۔ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ۔ عید اور میلے کے دن کو کہتے ہیں جب لوگ زینت و زیبائش کے ساتھ باہر نکلیں* ۔ خَرَجَتِ الرَّعِیَّۃُ عَلَی الْوَالِیْ ۔ اس وقت کہتے ہیں جب رعیت اپنے امیر سے باغی ہو جائے اور اطاعت چھوڑ دے** ۔

قرآن کریم نے یہ کہکر کہ بارش سے کسطرح زمینِ مردہ از سرنو زندگی حاصل کر لیتی ہے، کہا کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ ۔ (۵۰/۱۲) ۔ اسی طرح ''خروج'' ہوگا ۔ یہاں خُرُوْجٌ کے معنے حیاتِ نو کے ہیں ۔ اسی کو ذرا آگے چل کر یَوْمُ الْخُرُوْجِ (۵۰/۴۲) کہا گیا ہے ۔ قرآن کریم میں قیامت ۔ ساعت ۔ بعث ۔ خروج وغیرہ الفاظ اپنا خاص مفہوم رکھتے ہیں ۔ لیکن ان سب میں حیات نو کا پہلو مضمر ہوتا ہے ۔ یہ حیات نو خواہ کسی قوم کے زوال کے بعد اس کا عروج ہو ، یا پوری انسانیت کا اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جانا ، یا انسان کی موت کے بعد حیاتِ اُخروی ۔ یہ تمام تصورات ان اصطلاحات میں شامل ہیں اور سیاق و سباق سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ فلاں مقام پر کونسا مفہوم مراد لیا جائیگا ۔

خَرْجٌ اور خَرَاجٌ کا لفظ بھی قرآن کریم میں آیا ہے (مثلاً ۱۸/۹۴ ؛ ۲۳/۷۲) ۔ اس کے معنے ہیں وہ رقم جو اپنی دولت میں سے نکال کر دوسرے کو

* تاج ۔ ** محیط ۔

دیدی جائے۔ (ہم نے خَرَاجٌ کی فقہی اصطلاح سے بحث نہیں کی کیونکہ اس اصطلاحی مفہوم میں یہ لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا)۔ اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ عربوں کے ہاں خَرَاجٌ وہ معینہ مقدار ہوتی تھی جو آقا اپنے غلام پر روزانہ یا ماہوار مقرر کر دیتا تھا کہ وہ اس قدر اسے ادا کر دیا کرے۔ اس کے بعد خَرَاجٌ کا لفظ اس ٹیکس کے لئے بولا جانے لگا جو زمین پر لگایا جاتا تھا (جو ٹیکس ذمیوں پر لگایا جاتا تھا۔ یعنے جِزْیَۃٌ اسے خَرْجٌ کہتے تھے۔ اگرچہ بعض اوقات اسے خَرَاجٌ بھی کہدیتے تھے)۔ اب ہر اس ٹیکس کو کہتے ہیں جو گورنمنٹ لوگوں کے اموال سے وصول کرے۔ دراصل شروع میں خَرَاجٌ زمین کی پیداوار کے لئے استعمال ہوتا تھا لیکن اس کے بعد جائیدادوں سے جو کچھ حاصل ہوتا تھا اس کے لئے بھی یہی لفظ بولا جانے لگا*۔

خَارِجٌ۔ وہ جو نکل پڑے۔ مَخْرَجٌ۔ نکلنے کی جگہ۔ اَخْرَجَ۔ نکالنا۔ پیدا کرنا۔ اِخْرَاجٌ۔ نکال باہر کرنا۔ پیدا کرنا۔ مُخْرِجٌ۔ وہ جو پیدا کرے۔ نکالے۔ مُخْرَجٌ۔ وہ جو پیدا کیا گیا ہو۔ یا وہ جگہ یا وقت جہاں سے یا جس میں کوئی چیز نکالی گئی ہو (۱۷/۸۰)۔ اِسْتَخْرَجَ۔ نکال لینا۔ سورۃ بقرہ میں اِخْرَاجٌ بمقابلہ کِتْمَانٌ آیا ہے (۲/۷۲)۔ یعنی ظاہر کرنا۔ اسی سورہ میں قصۂ آدم کے ضمن میں پہلے آیا ہے فَاَخْرَجَ جَھْمًا۔ اس نے ان دونوں کو وہاں سے نکال دیا۔ اور اس کے بعد ہے وَقُلْنَا اھْبِطُوْا۔ (۲/۳۶)۔ اس سے ظاہر ہے کہ خُرُوْجٌ اور ھُبُوْطٌ الگ الگ ہیں۔ خُرُوْجٌ محض نکلنا ہے اور ھُبُوْطٌ میں گراوٹ بھی شامل ہے۔ یعنی اپنے مقام سے نیچے گر جانا۔ (تفصیل میری کتاب ''ابلیس و آدم'' میں ملیگی)۔

خ ر د ل

اَلْخُرْدَلُ۔ رائی۔ خَرْدَلَ اللَّحْمَ۔ اس نے گوشت کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیئے*۔ قرآن کریم میں ہے مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ (۲۱/۴۷)۔ ''رائی کے ایک دانے کے برابر''۔

خ ر ر

اَلْخَرِیْرُ۔ پانی یا ہوا کے چلنے کی سرسراہٹ۔ اڑنے میں عقاب کے پروں کی آواز۔ سونے میں خراٹوں کی آواز۔ اَلْخَرُّ۔ دراصل یہ بلندی سے اس طرح گرنے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ہی گرنے کی آواز بھی سنائی دے

* تاج۔

پھر ہر گرنے کے لئے استعمال ہونے لگا * ۔ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا (۷/۱۴۳) ''موسیٰ کڑک سے بیہوش ہو کر گر پڑے'' ۔ یا فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ (۲۲/۳۱) ''گویا وہ آسمان (کی بلندیوں) سے گرا ہو'' ۔ (یہ مشرک کی حالت بیان کی گئی ہے) ۔

سورۃ فرقان میں مومنین کی بہت سی صفات گنائی گئی ہیں ۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا (۲۵/۷۳) ''جب ان کے سامنے آیات خداوندی پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر گر نہیں پڑتے'' (بلکہ ان پر غور و فکر کرتے ہیں) ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ خَرَّ عَلَی الشَّیْءِ کے معنے ہوتے ہیں کسی چیز پر قائم رہنا** ۔ اس سے ظاہر ہے کہ رسمی طور پر تو ایک طرف رہا، جذباتی طور پر، بلا غور و فکر تمسک با لقرآن بھی نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا ۔ مومنین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا عمل بالقرآن غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے ۔ وہ علیٰ وجہ البصیرت جانتے ہیں کہ تمسک بالکتاب سے مقصد کیا ہے ۔ ذرا سوچئے کہ جو خدا اپنی آیات کو بھی بہروں اور اندھوں کی طرح بلا سوچے سمجھے اور دیکھے بھالے ماننے اور ان پر قائم رہنے کی اجازت نہ دیتا ہو وہ غیر خداوندی باتوں کو بلا غور و فکر تسلیم کرلینے کی کب اجازت دے سکتا ہے؟ وہ مومن کی صفت ہی یہ بتاتا ہے کہ وہ بلا سوچے سمجھے کسی بات کے پیچھے نہیں لگ جاتا ۔ اُسے اس کا حکم ہے کہ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ۔ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا (۱۷/۳۶) ۔ ''جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگو ۔ یقیناً سماعت ۔ بصارت اور قلب، ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کی بابت پوچھا جائیگا ۔ علم کے لئے سمع، بصر (یعنی حواس) اور قلب (Mind) کی شہادت ضروری ہے ۔ اور مومن وہ ہے جو احکام الٰہیہ اور قوانین خداوندی کو علیٰ وجہ البصیرت مانتا ہے ۔

خ ر ص

اَلْخَرْصُ ۔ اندازہ کرنا ۔ تخمینہ لگانا ۔ یعنے غیر یقینی چیزوں میں محض ظن و گمان سے کچھ کہنا ۔ خَرْصُ النَّخْلِ ۔ کھجور کے درخت پر اندازہ کرنا کہ اسمیں کسقدر پھل ہوگا ۔ کَمْ خَرْصُ اَرْضِکَ ۔ تمہاری زمین کی پیداوار اندازاً کتنی ہوگی؟ اس اعتبار سے ہر ظنی و تخمینی بات، بلکہ جھوٹی

* تاج ۔ ** محیط ۔

بات، کو اَلْخَرْصُ کہتے ہیں * ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے اِنْ یَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ (۶/۱۱۶) "یہ لوگ صرف ظن کا اتباع کرتے ہیں اور محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں" ۔ سورۃ ذاریات میں ہے قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ (۵۱/۱۰) "محض ظن و قیاس کی اتباع کرنے والے تباہ و برباد ہو جائینگے" ۔ حقائق کی بنیاد یقین پر ہوتی ہے ۔ اسلئے دین کا سارا مدار یقین پر ہے ۔ کوئی ظنی اور قیاسی بات دین نہیں بن سکتی ۔ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ اپنی اصلی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے (خود قرآن کریم کی داخلی اور تاریخ کی خارجی شہادت اسپر دلالت کرتی ہے) اسلئے یہ یقینی طور پر دین ہے اور حق و باطل کے پرکھنے کا حقیقی معیار ۔ راغب نے کہا ہے کہ ظن و تخمین سے کوئی بات کہنا، خواہ وہ حق کے مطابق ہی کیوں نہ ہو، کذب (جھوٹ) ہے ۔ اس اعتبار سے خَرّاص کے معنی کَذّاب (جھوٹا) ہوتے ہیں ۔ ** خَرَصَ ۔ اس نے جھوٹ بولا *** ۔

قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ ظن و تخمین کا اتباع کرنے والے تباہ ہونگے ۔ لہذا دین میں ظنیات کا اتباع کرنے والے (قرآن کریم کے دعوے کی رو سے) کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے ۔ خود ہماری اپنی حالت اسکی زندہ شہادت ہے ۔

خ ر ط م

اَلْخَرْطُوْمُ ۔ ناک * یا ناک کا اگلا حصہ ۔ ہاتھی کی سونڈ کو بھی کہتے ہیں *** ۔ ثعلب نے کہا ہے کہ عام طور پر درندوں کی تھوتھنی کو خَطْمٌ اور خُرْطُوْمٌ کہتے ہیں ۔ خَرَاطِیْمُ الْقَوْمِ ۔ قوم کے سردار جو ہر معاملہ میں پیش پیش رہتے ہیں * ۔ ہماری زبان میں بھی کہتے ہیں "فلاں شخص قوم کی ناک ہے" ۔ یہ باشرف ہونے سے کنایہ ہے ۔ یا کہتے ہیں "ناک کٹ گئی" ۔ یعنی وہ بے عزت ہو گیا ۔

قرآن کریم میں ہے سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ (۶۸/۱۶) "ہم اسکی ناک پر داغ لگائینگے" ۔ مطلب ذلیل کرنے سے ہے کیونکہ چہرہ یا ناک کا داغی کر دینا انتہائی ذلت کی بات ہوتی تھی ** ۔ اس میں توہین وذلت کا ایسا پہلو ہے جو چھپائے نہ چھپے ۔

خ ر ق

اَلْخَرْقُ ۔ کسی چیز کو بلا سوچے سمجھے بے قاعدہ پھاڑ ڈالنا ۔ یہ اَلْخَلْقُ کی ضد ہے جسکے معنے کسی چیز کو اندازہ کے مطابق خوش اسلوبی

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** محیط ۔

بنانے کے ہیں *۔ خَرَقَ الثَّوْبَ ۔ اسنے بغیر اندازے کے کپڑے کو پھاڑ ڈالا **۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ (۱۷/۳۷)۔ اس کے معنے پھاڑ ڈالنے یا سوراخ کر دینے کے ہیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ اسکے معنے ایک سرے سے دوسرے سرے تک (مسافت) قطع کرنے کے ہیں **۔ سورۃ کہف میں کشتی میں سوراخ کر دینے کے لئے خَرَقَهَا (۱۸/۷۱) آیا ہے ۔

خَرَقَ ۔ اس نے جھوٹ بولا۔ خَرَقَ الْكَذِبَ ۔ اس نے جھوٹ تراشا۔ اَلتَّخْرُقُ ۔ جھوٹ بنانا ۔ اَلتَّخْرِيْقُ ۔ کثرت سے جھوٹ بولنا **۔ سورۃ انعام میں ہے وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ (۶/۱۰۰) وہ خدا کے لئے اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں جو یکسر جھوٹ ہے ۔ ان کا یہ عقیدہ غور و فکر اور قاعدے اور قانون سب کے خلاف ہے ۔ اس سے حقیقت کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں ۔

خ ز ن

اَلْخَزْنُ کے بنیادی معنے کسی چیز کے ذخیرہ کرنے کے ہیں ***۔ اَلْخِزَانَةُ والخِزِيْنَةُ والمَخْزَن وہ جگہ جہاں کوئی چیز ذخیرہ کی جائے ***۔ اَلْخَزِيْنَةُ ۔ وہ چیز جس کو حفاظت سے چھپا کر، بچا کر رکھا گیا ہو۔ اسکی جمع خَزَائِنُ ہے ۔ قرآن کریم میں ہے لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللّٰهِ (۶/۵۰)۔ ''میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں''۔ خَازِنٌ ۔ جمع کرنے والا ۔ یا محافظ (اسکی جمع خَازِنُوْنَ اور خَزَنَةٌ ہے) قرآن کریم میں ہے وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا (۳۹/۷۲) ''جنت کے محافظ اُن سے کہینگے''۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ (خَزْنٌ) کے بنیادی معنی بچا کر حفاظت سے رکھنے کے ہیں ۔ خَزَائِنُ اللّٰهِ کائنات کی وہ قوتیں اور ذخائر ہیں جو ہنوز انسان کے علم میں نہ آئے ہوں ۔

خ ز ی

خِزْيٌ کے معنے ایسی ذلت ہے جس سے شرم آجائے ۔ اسی وجہ سے یہ لفظ ذلت اور شرم دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ لہذا اسکے معنے ہونگے ذلت آمیز رسوائی ۔ یا ان عیوب کو بطور سزا ظاہر کرنا جن کا اظہار باعث شرم ہو **۔

قرآن کریم میں ضابطۂ خداوندی کے خلاف زندگی بسر کرنے کا نتیجہ خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۲/۸۵) بتایا گیا ہے ۔ یعنے اس دنیا کی زندگی میں ذلت آمیز رسوائیاں ۔ سورۃ طٰہٰ میں نَذِلُّ وَنَخْزٰى (۲۰/۱۳۴) ساتھ ساتھ آئے ہیں

* راغب ** تاج ۔ *** تاج و راغب ۔

جہاں اسکے معنے شرم و ندامت ہے ۔ یعنے خفیف اور شرمسار ہونا ۔ سورۃ الحجر میں یہ لفظ تَفْضَحُوْنِ (۱۵/۶۸) کے ساتھ آیا ہے ۔ فضیحت و رسوائی ۔ مُخْزِی الْکَافِرِیْنَ ۔ کافروں کو ذلت آمیز رسوائیاں دینے والا (۲/۱۰۶) ۔ دنیا میں عزت و شرف کی زندگی مومن کا شعار ہے ۔ ذلت و رسوائی خدا کا عذاب ہے ۔ لہذا جو قوم دنیا میں ذلیل و رسوا ہو وہ مومنین کی جماعت نہیں ہو سکتی ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ کے بنیادی معنی دور کرنے کے ہیں ۔ یعنی ایسی قوم زندگی کی خوشگواریوں سے دور (محروم) کر دی جاتی ہے ۔ اور یہ انتہائی ذلت ہے ۔

اگر کسی قوم کے متعلق یہ دیکھنا ہو کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کر رہی ہے یا نہیں ، تو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ دنیا میں سرفرازی و سربلندی ، غلبہ و تسلط اور عزت و شرف کی حامل ہے یا اقوام عالم کے مقابلہ میں ذلیل و خوار ہے ۔ اگر وہ ذلیل و خوار ہے تو وہ قوانین خداوندی کے مطابق نہیں چل رہی ۔ اس ضمن میں اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ

(۱) جو قوم ان قوانین کے مطابق تو زندگی بسر کرتی ہے جو خارجی کائنات میں کارفرما ہیں (یعنی تسخیر فطرت کرتی ہے) لیکن اپنی تمدنی زندگی کو اپنے بنائے ہوئے قوانین کے تابع رکھتی ہے ، اسے مفاد عاجلہ حاصل ہو جاتے ہیں لیکن اس کا مستقبل تاریک ہوتا ہے ۔ اقوام مغرب کا شمار انہیں میں ہے ۔

(۲) جو قوم تسخیر فطرت بھی کرتی ہے اور اپنی تمدنی زندگی بھی قوانین خداوندی (قرآن کریم) کے مطابق بسر کرتی ہے اس کی دنیاوی زندگی بھی عزت و شرف کی زندگی ہوتی ہے اور آخرت بھی درخشندہ و تابناک ۔ یہ جماعت مومنین کی خصوصیت ہے ۔ لیکن

(۳) جو قوم نہ تسخیر فطرت کرتی ہے اور نہ اپنی تمدنی زندگی قرآن کریم کے مطابق رکھتی ہے ، اسکی دنیا بھی خراب ہوتی ہے اور آخرت بھی تباہ ۔ ہم اسی زمرہ میں آتے ہیں ۔ خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰی اَشَدِّ الْعَذَابِ (۲/۸۵) " دنیاوی زندگی میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب کی طرف لوٹنا " ۔

خ س أ

الْخَسِیْءُ ۔ ردی اُون کو کہتے ہیں جسے بیکار ہونے کی وجہ سے پھینک دیا جاتا ہے ۔ اس جہت سے اس مادہ میں حقارت و نفرت کے معنے پیدا ہو گئے

* تاج ۔

ہوگئے۔ چنانچہ خَسَأَ الْکَلْبَ کے معنے ہیں اس نے کتے کو دھتکار دیا اور خَسَأَ الْکَلْبُ۔ کتا راندہ ہوا (یہ لازم و متعدی ہے)۔ اَلْخَاسِیءُ۔ ذلیل۔ کمینہ۔ دھتکارا ہوا*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دور کر دینے کے ہیں۔

قرآن کریم میں قِرَدَةً خَاسِئِیْنَ آیا ہے (۲/۶۵)۔ ''ذلیل بندر''۔ اس کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان (ق۔ر۔د) خَسَأَ الْبَصَرُ۔ نگاہ حیران ہوکر تھک گئی*۔ سورۃ الملک میں ہے یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا (۶۷/۴) ''نگاہ درماندہ ہوکر کاشانہ چشم میں لوٹ آئیگی''۔ سورۃ المومنون میں اہل جہنم کے متعلق ہے اِخْسَئُوْا فِیْهَا (۲۳/۱۰۸) ''اس میں ذلت و خواری کے ساتھ رہو''۔ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم اور دور رہو۔

خ س ر

خَسِرَ فُلَانٌ کے معنے ہیں وہ شخص راستہ سے گم ہوگیا**۔ ہلاک ہوگیا***۔ اَلْخَسْرُ وَالْخُسْرَانُ کے معنے ہیں کمی کرنا۔ نقص۔ خَسِرَ الْوَزْنَ وَ الْکَیْلَ وَ اَخْسَرَ۔ اس نے ناپ تول میں کمی کی۔ بعض ائمہ لغت نے کہا ہے کہ اَلْخَاسِرُ اس شخص کو کہتے ہیں جو دیتے وقت ناپ تول میں کمی کرے، اور لیتے وقت زیادہ لے**۔ قرآن کریم میں ہے اَوْفُوا الْکَیْلَ وَ لَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ (۲۶/۱۸۱) ''ماپ کو پورا کیا کرو اور نقصان پہنچانے والوں میں سے نہ ہوجاؤ، یعنی کسی کے حق میں کمی نہ کرو۔ سورۃ تطفیف میں ہے۔ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ (۸۳/۲-۳)۔ ''جب لوگوں سے لیتے ہیں تو ماپ تول پورا کرتے ہیں اور جب انہیں دیتے ہیں تو ماپ تول میں کمی کردیتے ہیں''۔ (یہ آیت معاشیات کا بہت بڑا اصول بیان کرتی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان، ب۔ ی۔ ع) سورۃ الرحمٰن میں ہے وَ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ (۵۵/۹)۔ ''وزن کو عدل کے ساتھ پورا رکھو اور تول میں کمی نہ کرو''۔ نیز معاشرہ کے توازن کو مت بگاڑو۔

صَفْقَةٌ خَاسِرَةٌ کے معنے ہیں غیر نفع بخش سودا جس میں نقصان ہو**۔ اَلْخَیْسَرٰی کے معنے ہیں دھوکہ۔ فریب۔ عہد شکنی۔ کمینگی، خسارہ۔ خَسَّرَهُ تَخْسِیْرًا۔ اسکو ہلاک کردیا**۔

* تاج و محیط۔ ** تاج۔ *** محیط۔

اَلْخَاسِرُ ۔ راستے سے گم ہو جانے والا ۔ ہلاک ہو جانے والا ۔ جو شخص کامیاب نہ ہو سکے** ۔ جو تجارت میں گھاٹے میں رہے ۔ راغب نے کہا ہے کہ خُسْرٌ میں مادی اشیاء میں کمی اور معنوی اشیاء کا نقصان دونوں شامل ہیں ۔ یعنی مال و دولت میں نقصان اور عقل و ایمان ، صحت و عزت میں کمی دونوں کے لئے خُسْرٌ بولا جاتا ہے*** ۔ ابن الاعرابی نے الخَاسِرُ کے معنی اس شخص کے کئے ہیں جو عقل و مال دونوں کھو چکا ہو* ۔

خُسْرٌ ۔ نقصان ۔ تباہی* ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۱۰۳/۲) ۔ اگر انسان (کو بلا وحی کے تنہا چھوڑ دیا جائے تو) یہ نقصان ہی نقصان میں رہے گا ۔ ''اس نقصان میں ہر قسم کا زیاں شامل ہے ۔ خَسَارٌ ۔ ہلاکت ۔ نقصان ۔ نقصان اٹھانے والا ۔ اَخْسَرُ ۔ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والا ۔ تَخْسِیْرٌ ۔ نقصان دینا ۔ گھاٹے میں رکھنا ۔ خیر سے دور کر دینا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی نقصان اور کمی کے ہیں ۔

خ س ف

خَسَفَتِ الْمَکَانُ ۔ یَخْسِفُ ۔ خَسْوٌفًا ۔ وہ جگہ زمین کے اندر دھنس گئی**** ۔ ابن فارس نے اس کے معنے اندر گہرائی میں جا کر چھپ جانا اور دھنس جانا بتائے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے فَخَسَفْنَا بِہٖ وَ بِدَارِہِ الْاَرْضَ (۲۸/۸۱) ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا'' ۔ نیست و نابود کر دیا ۔ خَسْفٌ کے ایک بنیادی معنی جانور کو بلا چارہ اور گھاس کے باندھے رکھنا بھی ہیں ۔ اسی سے اس کے معنے کسی پر جور و ظلم اور زیادتی کرنا ہونگے ، پھر یہ لفظ ، ذلت ، توہین اور جبر کرنے کے لئے بھی استعمال ہونے لگا ۔ اَلْخَاسِفُ ۔ لاغر ۔ کمزور ۔ بَاتَ الْقَوْمُ عَلَی الْخَسْفِ ۔ لوگوں نے بھوکے رات گزار دی ۔ سَامَہٗ خَسْفًا اس نے اسے ذلیل و خوار کیا ۔ اَلْخَسِیْفُ ۔ اندر کو دھنسا ہوا ۔ اَخْسَفَتِ الْعَیْنُ ۔ آنکھ اندھی ہو گئی**** ۔

قرآن کریم میں یَخْسِفُ اللّٰہُ بِہِمُ الْاَرْضَ (۱۶/۴۵) تباہی اور بربادی کے معنوں میں آیا ہے (یعنی اللہ انہیں زمین میں دھنسا دیگا ۔ تباہ و برباد کر دیگا ۔ خُسُوْفٌ ۔ چاند گہن کو کہتے ہیں**** ۔ بِئْرٌ مَخْسُوْفَۃٌ ۔ وہ کنواں جس کا پانی غائب ہو گیا ہو*** ۔ قرآن کریم میں (نبی اکرمؐ کے ہاتھوں آنے والے انقلاب کے سلسلہ میں ہے) خَسَفَ الْقَمَرُ (۷۵/۸) ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔ **** تاج و محیط ۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ عرب جاہلیت (جن کا نشان قمر تھا) کا زور ٹوٹ جائیگا۔ وہ کمزور اور ماند پڑ جائینگے ۔ ان کی مخالفت اور سرکشی ختم ہوجائیگی ۔ یہ مجازی معنی ہیں ۔ لیکن اگر اس کے حقیقی معنی لئے جائیں تو ترجمہ ہوگا ''چاند کو گہن لگ گیا ۔ ماند پڑ گیا'' ۔

خ ش ب

خَشَبٌ ۔ موٹی لکڑی ۔ جمع خُشُبٌ * ۔ قرآن کریم نے منافقین کو خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (۶۳/۴) سے تشبیہ دی ہے ۔ یعنے ایسی لکڑیاں جو دیوار کے آسرے کھڑی کر دی گئی ہوں ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ خَشَبَةٌ خَشْبَاءُ اس لکڑی کو کہتے ہیں جسے اندر سے گھن نے کھا لیا ہو ** ۔ یعنے نہ ان میں عقل و فکر ہے' نہ زندگی کی کوئی تازگی ۔ نہ دماغ صحیح' نہ قلب زندہ۔ ترے کندۂ ناتراش ہیں ۔ چنانچہ خَشَبَ الشِّعْرَ اُسوقت کہتے ہیں جب کوئی شخص بونہی روانی سے شعر کہہ دے اور اسے کاٹ چھانٹ کر خوبصورت نہ بنائے۔ اور فَحْلٌ خَشِيبٌ ۔ اس نئے اونٹ کو کہتے ہیں جو سدھایا نہ جا سکا ہو۔ جَبْهَةٌ خَشْبَاءُ ۔ کھردری پیشانی *** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی سخت اور کھردرا ہونے کے ہیں ۔ اَلْاَخْشَبُ پتھریلے اور سخت پہاڑ کو کہتے ہیں ۔ نیز اس تلوار کو جو تازہ بننے کی وجہ سے ہموار اور چکنی نہ ہو ۔

ان معانی سے واضح ہوجاتا ہے کہ قرآن کریم نے منافقین کو خُشُبٌ کہکر کیوں پکارا ہے ۔

خ ش ع

خَشَعَ کے معنے ہیں نگاہ یا آواز کا پست ہو جانا* ۔ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ (۲۰/۱۰۸) ''آوازیں پست ہو جائیں گی'' ۔ اور خَاشِعَةٌ اَبْصَارُهُمْ (۷۹/۹) ''ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی'' ۔ اس کے بعد ہے تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۔ (انہیں ذلت آلے گی) ۔ اس سے خَاشِعَةٌ اَبْصَارُهُمْ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنی ذلت وخواری کی وجہ سے نگاہوں کا جھک جانا ۔ خَشَعَتِ الْاَرْضُ ۔ زمین خشک ہوئی اور اس پر پانی نہ برسا * خُشُوْعُ الْكَوَاكِبِ کے معنی ہیں ستارہ کا غروب ہوتے وقت جھک جانا ۔ خَشَعَتِ الشَّمْسُ ۔ سورج کو گہن لگ گیا ۔ اِخْتَشَعَ ۔ سر جھکا کر نگاہ

* تاج ** محیط *** راغب ۔

نیچی کرنا *۔ اَلْخُشْعَةُ ۔ زمین کے سخت اور سنگلاخ قطعہ کو کہتے ہیں جس میں سبزہ نہ اُگے ۔ نیز اَلْخَاشِعُ ۔ گرد و غبار سے بھری ہوئی جگہ کو کہتے ہیں جہاں پڑاؤ نہ کیا جاسکے * ۔ قرآن کریم میں زمینِ مردہ کے لئے خَاشِعَةً (۴۱/۳۹) آیا ہے ۔ سورۃ غاشیہ میں نَاعِمَةٌ کے مقابلہ میں خَاشِعَةٌ آیا ہے (۸۸/۸-۲) ۔ نَاعِمَةٌ کے معنے شگفتہ و شاداب اور تر و تازہ ہیں اس لئے خَاشِعَةٌ کے معنے افسردہ و پژمردہ ہونگے ۔ قرآن کریم نے اس کے بعد عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ (۸۸/۳) کہکر اس کی وضاحت کردی ۔ یعنی تھکے ماندے ۔ بے رونق ۔ خَاشِعِيْنَ ۔ ان لوگوں کے لئے بھی آیا ہے جو قوانین خداوندی کے سامنے جھک جائیں ۔ قرآن کریم نے اس کے معنے کئے ہیں اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۲/۴۶) ۔ یعنی وہ لوگ جو اس کا گمان رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کا سامنا کرنا ہے ۔ یعنی وہ اپنے اعمال کے بارے میں خدا کے قانون مکافات کے سامنے جواب دہ ہیں اس لئے وہ ہر معاملہ میں اُسی کے قانون کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ یہ ہے خُشُوْعٌ سے مقصود ۔ قلب سلیم سے قوانین خداوندی کے سامنے جھک جانا ۔ سر تسلیم خم کردینا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ خَشَعَ کے معنے ہیں سر کو جھکا دیا ۔

خ ش ی

اَلْخِشِيُّ ۔ خشک پودے کو کہتے ہیں ۔ اَلْخَشَاءُ ۔ خشک پتھریلی زمین جہاں کچھ پیدا نہ ہو * ۔ عربوں کے نزدیک پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے سبزی کا خشک ہو جانا سخت خطرہ کا موجب ہوتا تھا ۔ اس لئے خَشْيَةٌ کا لفظ کسی نقصان کے احتمال سے خوف زدہ ہو جانے کے لئے استعمال ہونے لگا ۔ صاحب محیط نے (کلیات کے حوالہ سے) لکھا ہے کہ خَشْيَةٌ ۔ خَوْفٌ سے زیادہ شدید ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ وہ اہل عرب کے قول شَجَرَةٌ خَاشِيَةٌ سے ماخوذ ہے ، یعنی بالکل خشک درخت جس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہے ۔ اس کے برعکس خَوْفٌ کا لفظ صرف نقصان کے لئے آتا ہے کیونکہ وہ نَاقَةٌ خَوْفَاءُ سے ماخوذ ہے یعنی بیمار اونٹنی جو مر نہیں گئی بلکہ اس کی زندگی کی آس باقی ہے ** ۔ نیز خَشْيَةٌ میں احتمال ، امید اور توقع کے معنے بھی پائے جاتے ہیں جیسے خَشِيْتُ اَنْ يَّكُوْنَ ذَالِكَ اَسْهَلَ لَكَ ۔ مجھے امید یا توقع تھی کہ یہ تمہارے لئے زیادہ آسان ہوگا ۔ اسی طرح اس میں عِلْمٌ (جاننے) کے معنے بھی بتائے گئے ہیں (۲۰/۹۳) (خَوْفٌ

*تاج ۔ **محیط ۔

کا لفظ بھی جاننے کے معنوں میں آتا ہے دیکھئے عنوان خ ۔ و ۔ ف)۔ جب اس کے معنے خوف کے ہوں تو اس سے مراد ہوتا ہے اس قسم کا خوف جو کسی کی عظمت سے دل پر طاری ہو جائے* ۔ خَشْیَۃٌ کے معنے ہوتے ہیں کسی کام کے انجام کا علم ہونے کی وجہ سے اس سے اندیشہ کرنا (۱۸/۸) ۔ یا اُسے ناپسند کرنا* ۔ خشیت الٰہی سے عام طور پر مراد لی جاتی ہے خدا کا ڈر ۔ لیکن اس ڈر کا صحیح مفہوم خشیت کے بنیادی معنوں سے سمجھ میں آ سکتا ہے ۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ قوانین خداوندی کے اتباع کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی کوششوں کی کھیتی سر سبزوشاداب ہوتی ہے ۔ (ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲/۵) ۔ ان کی محنتوں کا بیج ایک شجر طیب بن جاتا ہے جسکی جڑیں زمین میں مستحکم ہوتی ہیں اور شاخیں آسمان کی پہنائیوں میں پھیلی ہوئی ۔ اور وہ ہر موسم میں مسلسل پھل دیتا رہتا ہے (۱۴/۲۴) ۔ یہ نتیجہ ہے قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا ۔ اس کے برعکس اگر قوانین خداوندی کے خلاف زندگی بسر کی جائے تو انسان کی کوششوں کی کھیتیاں جھلس جاتی ہیں ۔ اور اس کی محنتوں کے پودے خشک ہو جاتے ہیں ۔ اس امر کا احساس کہ اگر ہم قانون خداوندی کے مطابق نہ چلے تو ہماری کھیتی جھلس کر رہ جائیگی ، خَشْیَۃُ اللّٰہِ (خدا کا ڈر) کہلاتا ہے ۔ یعنی قوانین خداوندی سے سرکشی کے نتائج و عواقب کا احساس ۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں احتمال ، توقع ، اندیشہ ، اور علم کا پہلو مضمر ہوتا ہے ، اور ان قوانین کے غیر متبدل اور لازمی طور پر نتیجہ خیز ہونے کے یقین سے ان کی عظمت اور قوت کا پہلو بھی ۔ یہ ہے اصل مفہوم خَشْیَۃُ اللّٰہِ (خدا کے ڈر) کا ۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے خ ۔ و ۔ ف کا عنوان)۔

سورۃ توبہ میں ہے اَتَخْشَوْنَھُمْ فَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْہُ (۹/۱۳) ۔ "تم اس سے تو ڈرتے ہو کہ ان لوگوں کی مخالفت کی تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا حالانکہ تمہیں اس کا خیال کرنا چاہئے کہ اگر قانونِ خداوندی کی مخالفت کی تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا ؟ " نتائج کا ڈر" ۔ یہ ہے خَشْیَت کا صحیح مفہوم ۔ اسی سورت میں ذرا آگے چل کر ہے ۔ وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا (۹/۲۴) " وہ تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو" ۔

خ ص ص

اَلْخَصَاصُ کے بنیادی معنی ہیں خلل یا شگاف جو دو چیزوں کے درمیان واقع ہو جائے ۔ نیز چھید اور سوراخ کو بھی کہتے ہیں ۔ چونکہ شگاف

* تاج بحوالہ راغب نیز ابن فارس۔

سے چیز کمزور ہوجاتی ہے اور اس میں نقص پیدا ہو جاتا ہے اس لئے خَصَاصَۃٌ کے معنے تنگی - بد حالی - فقر و فاقہ - ضرورت اور حاجت کے ہو گئے (۵۹/۹) - انگور کی بیل سے پھل توڑ لینے کے بعد کہیں کہیں جو انگور کے چھوٹے چھوٹے خوشے باقی رہ جائیں انہیں اَلْخَصَاصَۃُ کہتے ہیں* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنوں میں شکستگی اور خلاء (کھلی جگہ) کا مفہوم ہوتا ہے - اس طرح اَلْخَصَاصَۃُ کے معنی ہوئے فقر اور حالت میں شکستگی -

یہ اس کے اولین معنے ہیں - چونکہ جن دو چیزوں کے درمیان شگاف آجائے وہ ایک دوسری سے الگ ہو جاتی ہیں ، اس لئے خُصُوْصٌ کے معنے ہیں کسی کو دوسروں سے الگ کرکے اس کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرنا - لہذا خَاصٌّ - عَامٌّ کی ضد ہے - یعنے عمومی کے مقابلہ میں خصوصی آئے گا - خَصَّہٗ وَ اخْتَصَّہٗ - اس کو باقیوں سے الگ کر کے اس کے ساتھ امتیازی سلوک کیا - یعنے ایسا برتاؤ جس میں دوسرے لوگ شریک نہ تھے* - (۵/۲۵) - خَصَّ الشَّیْءُ - کوئی چیز عام نہ ہوئی - خَصَّ الرَّجُلُ خَصَاصَۃً وہ ضرورت مند اور محتاج ہوا** -

دوسروں سے الگ کرکے ، خصوصی برتاؤ کے سلسلہ میں سورۃ بقرہ کی یہ آیت دیکھئے جس میں کہا گیا ہے وَ اللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (۲/۱۰۵) - ''اللہ اپنی رحمت کے لئے جسے چاہتا ہے مختص کرلیتا ہے'' یہاں رحمت کے معنی وحیٔ خداوندی ہیں - مطلب یہ کہ اللہ عام انسانوں میں سے ایک فرد کو منتخب (الگ) کرکے اسے وحی عطا کردیتا ہے - وحی چونکہ وہبی عطیہ ہے جو اکتسابی طور پر نہیں مل سکتی ، اس لئے وحی کسی کے چاہنے یا نہ چاہنے سے نہیں ملتی - بہ مشیت کے پروگرام کے مطابق اُسے ملتی ہے (بلکہ یوں کہئے کہ اُسے ملتی تھی . کیونکہ اب وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے) جسے خدا اپنی مشیت کے پروگرام کے مطابق دینا چاہے -

خ ص ف

اَلْخَصْفُ - وہ جوتا جس میں اوپر تلے برابر کے چمڑے ہوں - اسکا ہر چمڑا خَصْفَۃٌ کہلاتا ہے - خَصَفَ النَّعْلَ یَخْصِفُہَا - جوتے پر دو برابر کے چمڑوں کو اوپر تلے رکھ کر سی دیا - خَصْفٌ کے معنے ملانے اور جمع کرنے نیز جوڑنے ، پیوند لگانے اور گانٹھنے کے بھی آتے ہیں - خَصَفَ النَّعْرُ یَانُ الْوَرَقَ عَلٰی بَدَنِہٖ - ننگے آدمی نے اپنے بدن پر پتوں کو چپکا لیا

*تاج - **محیط -

لیا اور انہیں تو برتو رکھ لیا تاکہ ستر ڈھانپا جا سکے * ۔قرآن کریم میں قصۂ آدم کے ضمن میں ہے وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ (۲۰/۷) ۔ ''وہ باغ کے پتوں کو اوپر تلے رکھ کر اپنے آپ کو ڈھانپنے لگے'' ۔ جنسی شعور کی بیداری ، یعنی حیا کے احساس سے مراد ہے ۔ (تفصیل ان امور کی میری کتاب '' ابلیس و آدم '' میں ملیگی) ۔

اَلْتَخْصِيْفُ کے معنی ہوتے ہیں جو چیز اپنے پاس نہ ہو اسکے لئے بہ تکلف کوشش کرنا * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے ساتھ مل جانا ۔

خ ص م

اَلْخُصُوْمَةُ ۔ جھگڑا ۔ اَلْخَصْمُ ۔ جھگڑا کرنے والا ۔ (یہ واحد ۔ جمع ۔ تثنیہ ۔ سب کیلئے آتا ہے) ۔ اَلْخَصِيْمُ ۔ جھگڑا کرنے والا ۔ اَلْخُصْمُ ۔ ہر چیز کا کنارا ، گوشہ ۔ اَلْخُصُوْمُ ۔ وادیوں کے دہانے * ۔

قرآن کریم میں ہے اَلَدُّ الْخِصَامِ (۲/۲۰۴) ''سخت جھگڑالو'' ۔ سورۃ حج میں ہے هٰذٰنِ خَصْمٰنِ (۲۲/۱۹) ۔ ''یہ دو فریق ہیں جو ایک دوسرے سے جھگڑا کرتے ہیں'' ۔

سورۃ نحل میں انسان کے متعلق ہے هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ (۱۶/۴) ۔ یعنے اگر اسے وحی کی روشنی کے بغیر علی حالہ رہنے دیا جائے تو یہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا نظر آئیگا ۔ (نیز دیکھئے عنوان ج ۔ د ۔ ل) ۔ سورۃ زخرف میں ہے مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۔ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ (۴۳/۵۸-۵۹) ۔ ''یہ لوگ (ان باتوں کو) تجھ سے صرف جھگڑنے کی خاطر بیان کرتے ہیں ۔ یہ ہیں ہی جھگڑالو'' ۔ سورۂ آلِ عمران میں (ہیکل کے پجاریوں کے ضمن میں) ہے وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (۳/۴۴) ''تو اُن کے پاس نہیں تھا جب وہ آپسمیں جھگڑتے تھے'' ۔

خ ض د

خَضْدٌ ۔ کسی گیلی یا سوکھی چیز کو موڑنا یا اسطرح توڑنا کہ وہ ٹوٹ تو جائے لیکن الگ نہ ہو ۔ کبھی یہ کاٹنے کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔ خَضَدَ الشَّجَرَ ۔ اسنے درخت کے کانٹے توڑ ڈالے (اور اس طرح

* تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔

اس میں جو ایذا رساں عنصر تھا اسے ختم کر دیا)۔ اِنْخَضَدَتِ الثِّمَارُ۔ پھل پچک گئے اور رس نکل جانے سے ان کی تر و تازگی ختم ہو گئی۔ رَجُلٌ مَخْضُوْدٌ۔ وہ آدمی جس کے پاس کوئی حجت نہ رہے یا جو چلنے پھرنے سے معذور ہو جائے*۔ اِخْتَضَدَ الْبَعِیْرَ۔ اس نے قابو پانے کے لئے اونٹ کے نکیل ڈالی اور اس پر سوار ہو گیا**۔

قرآن کریم میں اہل جنت کے متعلق ہے فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (۵۶/۲۸) ایسی بیریاں جن کی شاخیں پھل کے بوجھ سے ٹوٹی پڑتی ہوں۔ یا ایسی لذتیں جن سے ہر قسم کی خلش اور کانٹا نکال دیا گیا ہو۔ اور اگر اسے استعارۃً لیا جائے (دیکھئے عنوان س۔ د۔ ر) تو اسکا مطلب ہوگا، حیرت کی فراوانی لیکن اُس میں شکوک و اضطراب کی کوئی خلش نہ ہو (۵۳/۱۴)۔

خ ض ر

اَلْخُضْرَۃُ۔ سبز رنگ۔ جمع خُضْرٌ اور خُضْرٌ۔ قرآن کریم میں ثِیَابٌ سُنْدُسٍ خُضْرٍ (۱۸/۳۱) آیا ہے۔ یعنی سبز رنگ کے ریشمی کپڑے۔ یہاں خُضْرٌ، اَخْضَرُ کی جمع ہے۔ اَلْخَضِیْرُ۔ سبزہ (۱۰۰/۶)۔ سبز کھیتی۔ اَلْخَضَرُ۔ ترم و نازک اور سبز ہونا۔ اَلْخُضْرَاءُ۔ بھلائی۔ فراخی۔ نعمت۔ سرسبزی و شادابی*۔ چونکہ سبز رنگ زیادہ گہرا ہو کر مائل بہ سیاہی ہو جاتا ہے اسلئے عربوں کے ہاں اَسْوَدُ کو اَخْضَرُ اور اَخْضَرُ کو اَسْوَدُ بھی بولتے ہیں***۔ بلکہ ابن فارس نے تو کہا ہے کہ عربوں کے ہاں جو رنگ سفید رنگ سے مختلف ہو اس میں سیاہ رنگ کا شائبہ ہوتا ہے۔ مُخْضَرَّۃٌ (۴۳/۲۲) جو سبز ہو۔

اَلْخِضْرُ۔ اَلْخَضِیْرُ۔ ”آبِ حیات والے خواجہ خضر“، جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پانیوں کے پیغمبر ہیں اور قیامت تک زندہ رہینگے۔ لیکن یہ محض ”شاعری“ ہے۔ قرآن کریم میں اسکا کوئی ذکر نہیں۔

خ ض ع

اَلْخُضُوْعُ۔ جھکنے کے معنوں میں آتا ہے۔ خَضَعَ النَّجْمُ۔ ستارہ غروب ہونے کی طرف مائل ہو گیا۔ اَلْاَخْضَعُ۔ وہ شخص جس کی گردن میں پیدائشی طور پر پستی اور جھکاؤ ہو۔ جو بے دست و پا ہو چکا ہو۔

* تاج۔ ** محیط۔ *** راغب۔

خَضَعَهٗ الْکِبَرُ ۔ بڑھاپے نے اسے جھکا دیا ۔ اَلْخَضِیْعَۃُ ۔ سیلاب کی (نرم نرم) آواز ۔ اَخْضَعَ الرَّجُلُ ۔ آدمی نے گفتگو میں لوچ پیدا کی ۔ اَلْخُضَعَۃُ ۔ وہ آدمی جو ہر ایک کے سامنے عاجزی اور انکساری کرتا ہو ۔ خَضَعَ ۔ وہ ساکن اور مطیع ہو گیا* ۔

قرآن کریم میں اُمہات المومنینؓ (نبی اکرمؐ کی ازواج مطہرات) سے کہا گیا ہے فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ (۳۳/۳۲) ''اپنی گفتگو میں نرمی اور لوچ نہ پیدا کرو'' ۔ تمکنت اور وقار سے باتیں کرو ۔

گردنیں جھک جائیں ، یعنی مطیع و فرمانبردار ہوجانے کے لئے خَاضِعٌ کا لفظ (۲۶/۴) میں آیا ہے ۔ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ ۔ ''ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں'' ۔

خ ط أ

اَلْخَطْءُ ۔ اَلْخَطَاُ ۔ اَلْخَطَاءُ ۔ غلط ۔ نادرست** ۔ اس کے معنی نشانہ خطا (Miss) کر جانا ہیں*** ۔ کہتے ہیں کہ اَلْخَطَاُ اس قصور کو کہتے ہیں جو عمداً نہ کیا جائے اور اَلْخَطِیْئَۃُ وہ قصور ہے جو عمداً سرزد ہو** ۔ لیکن صاحب محیط کے نزدیک اَلْخَطِیْئَۃُ ۔ بلا ارادہ اور بلا عمد بھی ہو سکتا ہے ۔ لیکن اِثْمٌ ہمیشہ عمداً ہوتا ہے**** ۔ خَطِیْئَۃٌ کی جمع خَطَایَا اور خَطِیْئَاتٌ ہے ۔ در اصل اس سے مراد ایسا کام ہے جو اپنا پورا پورا نتیجہ مرتب نہ کرے ۔ چنانچہ عَلَی النَّخْلِ خَطِیْئَۃٌ مِنْ رُطَبٍ ۔ کے معنے ہیں کھجور کے درخت پر تھوڑی سی رطب (کھجوریں) ہیں** ۔ قرآن کریم میں ہے بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْئَتُهٗ (۲/۸۱) ۔ جو ناہمواریوں کے کام کرتا ہے اور (اس طرح) اسکی خطائیں اسے گھیر لیتی ہیں'' ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سَیِّئَاتٌ کا نتیجہ خطاؤں میں گھر جانا ہوتا ہے ۔ یعنی اس کے بعد انسان اپنے نشانے خطا کرتا جاتا ہے ۔ اسے کوئی بات صحیح طور پر سوجھتی نہیں ۔ اس کی کھجوریں پورا پھل نہیں لاتیں ۔ لیکن اگر اس آیت میں واو کو تفسیری مانا جائے تو كَسَبَ سَيِّئَةً کے معنے ہونگے اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْئَتُهٗ ۔ آیت (۲/۲۸۶) میں نسیان اور خطا کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے ۔ لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۔ ''اگر ہم سے بھول یا خطا ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا'' ۔ لیکن (۳۳/۵) میں ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۔ ''تم پر اس بارے میں گناہ نہیں جو تم سے

* تاج و راغب ۔ **تاج ۔ ***لین ۔ ****محیط ۔

خطا ہو جائے۔ گناہ وہ ہے جو تمہارے دل کے ارادے سے ہو"۔ اس سے ظاہر ہے کہ خَطَأٌ اس غلطی کو کہتے ہیں جو سہواً ہو جائے اور اس میں دل کا ارادہ شامل نہ ہو۔ اسی قسم کی بلا عمد خطائیں (سہو) تھیں جن کے متعلق حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ خدا انہیں ان کے مضر اثرات سے محفوظ رکھیگا۔ وَ الَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (۲۶/۸۲) "وہ ذات جس سے مجھے توقع ہے کہ وہ ظہور نتائج کے وقت میری خطاؤں کے اثرات سے مجھے محفوظ رکھیگا۔

سورۃ الحاقّۃ میں خَاطِئُوْنَ کا لفظ اہل جہنم کے لئے آیا ہے (۶۹/۳۷) اور خَاطِئَۃٌ کا لفظ ظلم و سرکشی کے لئے بھی (۶۹/۹)۔ سورۃ علق میں ہے نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ (۹۶/۱۶)۔ "جھوٹی، خطا کار پیشانی"۔ ان مقامات میں خَطَأٌ کے معنی جرم ہیں جس میں قصد و ارادہ شامل ہے۔ اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں قتلِ اولاد کے سلسلہ میں ہے اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا (۱۷/۳۱)۔ "ان کا قتل یقیناً ایک بہت بڑی غلطی ہے"۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ خَطَأٌ اس غلطی کے لئے بھی آتا ہے جو سہواً ہو، اور اس کے لئے بھی جو بالارادہ ہو۔ جو بالارادہ ہو، وہ جرم ہوگی اور قابل مؤاخذہ۔ بعض اہل لغت نے خَطِیٔ کے معنے عمداً غلطی کرنا اور اَخْطَأَ کے بغیر قصد غلطی کرنا بتائے ہیں۔

خ ط ب

اَلْخَطْبُ۔ بات، مسئلہ، حالت، معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ جَلَّ الْخَطْبُ۔ بات بڑی ہوگئی۔ معاملہ بڑا ہوگیا*۔ سورۃ یوسف میں ہے قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ (۱۲/۵۱) "بادشاہ نے پوچھا کہ تمہارا معاملہ کیا تھا"۔ سورۃ حجر میں ہے قَالَ مَا خَطْبُکُمْ اَیُّھَا الْمُرْسَلُوْنَ (۱۵/۵۷) "اس نے کہا کہ اے پیغامبرو! تمہارا معاملہ کیا ہے"۔ اس میں معاملہ کے اہم ہونے کا تصور ضرور ہوتا ہے۔ خَطَبَ الْمَرْاَۃَ خَطْبًا وَ خِطْبَۃً۔ عورت کو نکاح کا پیغام دیا*۔ خِطْبَۃٌ (۲/۲۳۵) نکاح کا پیغام۔ خَطِیْبَۃٌ۔ منگیتر عورت*۔

اَلْخِطَابُ۔ ایک دوسرے سے بات چیت کرنا نیز جن الفاظ سے کسی کو مخاطب کیا جائے وہ خطاب کہلاتے ہیں**۔ فَصْلُ الْخِطَابِ۔ دو ٹوک بات یا معاملہ کا دو ٹوک فیصلہ کر دینا (دیکھئے عنوان ف۔ ص۔ ل)۔ خَاطَبَہٗ۔

*تاج۔ **محیط۔

اس سے بات کی* ۔ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (۲۵/۶۳) ۔ جب ان سے ناواقف اور جاہل لوگ (بھی) ہمکلام ہوتے (یا معاملہ کرتے) ہیں تو وہ ''سلام'' کہتے ہیں یعنی ایسی بات کہتے ہیں جس سے وہ غلطی سے محفوظ اور سلامت رہیں ۔ خَاطَبَ میں بات کرنا یا معاملہ کرنا ۔ دونوں مفہوم ہوسکتے ہیں ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں (۱) دو آدمیوں کے درمیان باتیں ہونا ۔ اور (۲) دو مختلف رنگوں کا ہونا ۔

خ ط ط

اَلْخَطُّ ۔ کسی چیز میں لمبی دھاری یا لکیر ۔ نرم زمین میں خفیف اور پتلا سا راستہ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے اس نشان کے ہیں جو لمبا ہو ۔ نیز ہر راستہ ۔ اَلْخِيطُّ ۔ وہ زمین جس کے ارد گرد بارش ہوئی ہو لیکن اس میں نہ ہوئی ہو ۔ وہ زمین جہاں تمہارے اترنے سے پہلے کوئی نہ اترا ہو ۔ اَلْخِيطَّةُ ۔ زمین کا وہ حصہ جسے آدمی نشان لگا کر اپنے لئے برائے تعمیر مخصوص کرلے ۔ خَطَّ ۔ يَخُطُّ ۔ خَطًّا ۔ لکھنا، کتابت کرنا ۔ كِتَابٌ مَّخْطُوْطٌ ۔ لکھی ہوئی کتاب* ۔

سورۃ عنکبوت میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ . . . (۲۹/۴۸) ۔ ''تو اس سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے دائیں ہاتھ سے کچھ لکھ سکتا تھا'' اس میں ''اس (قرآن کریم) سے پہلے'' کی تخصیص صاف بتا رہی ہے کہ نزول قرآن کریم سے پہلے تو حضورؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن اس کے بعد یہ صورت نہیں رہی تھی ۔ پھر آپؐ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا ۔ اس لئے یہ عقیدہ کہ حضورؐ ساری عمر اُمّی (ان پڑھ) رہے قرآن کریم کی رو سے صحیح نہیں ۔

خ ط ف

خَطْفٌ کے معنے ہیں کسی چیز کو تیزی سے اچک لینا ۔ خَاطِفٌ ظِلِّهٖ ۔ ایک پرندے کا نام ہے جو پانی میں اپنے سایہ کو دیکھ کر اُسے پکڑنے کے لئے جھپٹتا ہے** ۔ خُطَّافٌ ۔ ایک سیاہ پرند جو پرواز کرنے میں جھپٹتا ہے** ۔ اَلْخَاطِفٌ ۔ اس تیر کو کہتے ہیں جو زمین پر لگ کر گھسٹتے

* تاج و راغب ۔ ** تاج ۔

ہوئے نشانہ پر جالگے۔ گویا وہ کوئی چیز زمین سے اچک رہا ہو اسی سے آج کل اَلْخَطِیْفَۃُ۔ اس لڑکی کو کہتے ہیں جسے کوئی شخص بھگا کر لے جائے***۔

قرآن کریم میں ہے یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ (۲/۲۰)۔ ''قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی نگاہوں کو اچک کرلے جائے''۔ سورۃ حج میں ہے فَتَخْطَفُہُ الطَّیْرُ (۲۲/۳۱)۔ ''اُسے پرندے اچک کرلے گئے''۔ دوسرے مقام پر ہے اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَۃَ (۳۷/۱۰)۔ ''بجز اس کے کہ کوئی (یونہی ذرا سی) بات اچک کر لے جائے''۔ سورۃ عنکبوت میں ہے جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِھِمْ (۲۹/۶۷)۔ ''ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور (حالانکہ) ان کے گردو نواح سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں''۔

خَطِفَ الْخَطْفَۃَ (۳۷/۱۰)۔ اور اِسْتَرَقَ السَّمْعَ (۱۵/۱۸)۔ ''یونہی اچٹتی ہوئی بات لے اڑنا اور چوری چھپے کچھ سن لینا''۔ (دیکھئے عنوان س۔ ر۔ ق) یہ ان کاہنوں (نجومیوں) کے متعلق ہے جو علم غیب کی باتیں معلوم کرنے کے دعوے کرتے تھے۔ (اور اب بھی کئی جگہ کرتے ہیں جہاں ہنوز علم کی روشنی نہیں پہنچی)۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ یہ محض اٹکلیں دوڑاتے رہتے ہیں۔ کوئی بات یونہی ٹھیک نکل آئی تو اسے اچھالتے پھرے۔ جو غلط ثابت ہو گئی، اس کی تاویل کرلی۔ ورنہ غیب کے علم پر ان کی قطعاً دسترس نہیں۔ لَا یَسَّمَّعُوْنَ (۳۷/۸)۔ اِنَّھُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (۲۶/۲۱۲)۔ نزول قرآن کریم کے بعد علم و بصیرت کا دور آ گیا۔ اب توہم پرستیوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب ایسے عقائد کو علم کی بارگاہ سے آتشیں کوڑے پڑتے ہیں۔ (مزید تفصیل متعلقہ عنوانات میں ملیگی)

خ ط و

اَلْخُطْوَۃُ (وَ الْخَطْوَۃُ) جمع خَطًا و خُطُوَاتٌ۔ وہ فاصلہ جو دو قدموں کے درمیان ہو۔ پھر اس کا استعمال قدم کے لئے بھی ہونے لگا۔ یا راستے کے لئے۔ خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ (۲/۱۶۸) ''سرکش قوتوں کے یا مفاد پرستی کے جذبات کے راستے*''۔ خَطَا الرَّجُلُ یَخْطُوْ اس آدمی نے چلنے کے لئے قدم بڑھایا۔ تَخَطَّیْتُہٗ۔ میں اسے پھاند کر اس سے آگے بڑھ گیا*۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ خَطْوٌ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز سے آگے بڑھ جانا۔ اور چلے جانا۔

---

* تاج۔ ** راغب۔ *** محیط۔

خ ف ت

خَفَتَ الصَّوتُ ۔ بھوک کی شدت سے آواز میں پستی آ جانا یا آواز کا نہ نکلنا ، خَفَتَ فُلَانٌ ۔ فلاں آدمی مر گیا کیونکہ اس کی آواز منقطع ہو گئی اور وہ خاموش اور ساکت ہو گیا ۔ اَلْخَفْتُ ۔ چھپا کر بات کرنا ۔ پوشیدہ گفتگو کرنا ، * ۔ (جَہْرٌ کی ضد ہے) دیکھئے (۱۰/۱۱۰) ۔ سورہ 'طٰہٰ' میں ہے یَتَخَافَتُوْنَ بَیْنَھُمْ (۲۰/۱۰۳) ۔ '' باہم چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں،، ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے پوشیدہ رکھنے اور چھپانے کے ہوتے ہیں۔

خ ف ض

اَلْخَفْضُ ۔ رَفْعٌ (بلند کرنا) کی ضد ہے ۔ یعنے نیچے کرنا ۔ خَفَضَ رَأْسَ الْبَعِیْرِ ۔ اس نے اونٹ کی گردن نیچے کی طرف جھکا دی تاکہ اس پر سوار ہو ۔ اَلْخَافِضَۃُ ۔ پست ٹیلہ کو کہتے ہیں ۔ اَلْخَفْضُ ۔ نرم رفتاری ۔ خَفَضَتِ الْاِبِلُ ۔ اونٹ نے اپنی رفتار نرم کر دی ۔ اسی سے اس کے معنے تواضع ۔ فروتنی ۔ اطمینان ۔ سکون کے آتے ہیں ۔

عَیْشٌ خَافِضٌ ۔ پرسکون و بافراغت زندگی ۔ خَفْضُ الْعَیْشِ ۔ وسعت اور فارغ البالی کی زندگی * ۔ بغیر کسی دقت اور مشقت ۔ پابندی اور رکاوٹ کے رزق فراواں ملنا ۔ اس مادہ میں بنیادی طور پر یہ مفہوم ہوتا ہے ۔

قرآن کریم میں ہے وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (۱۵/۸۸) ۔ '' تو جماعتِ مومنین کے لئے اپنا بازو جھکا دے،، ۔ اسے نرم کردے ۔ ان سب کو اپنے بازو کے نیچے لے لے ۔ اپنے پروں کے نیچے سمیٹ لے ۔ خَفَضَ الطَّائِرُ جَنَاحَہٗ ۔ اس وقت بھی کہتے ہیں جب پرندہ اپنی پرواز کو روکنے کے لئے بازو سمیٹ لے * ۔ ان معانی کی رو سے مندرجہ بالا آیت کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تو اپنی تیز رفتاری میں کمی کر دے تاکہ دیگر افراد کارواں جو اتنے تیز رو نہیں ہیں ، تمہارے ساتھ چل سکیں ۔ ایک قائد کو اپنے پروگرام کی ترتیب میں اپنے رفقاء کی استطاعت اور استعداد کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے ۔ سورۃ واقعہ میں ہے خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ (۵۶/۳) وہ انقلاب سرکشوں اور متمردوں کو پست کر دیگا اور صحیح نظام خداوندی پر چلنے والوں کو بلند کر دیگا ۔ یہاں خَفْضٌ ضد ہے رَفْعٌ کی ۔ یعنی جو اوپر ہیں انہیں نیچے کر دیگا ۔ جو نیچے ہیں انہیں اوپر کر دیگا ۔ تہ و بالا کر دیگا (۷۹/۱۱) ۔

* تاج و راغب ۔

خ ف ف

اَلْخِفُّ و اَلْخَفِیْفُ ہلکا (ثقیل کے مقابلہ میں) ۔ اَلْخُفَافُ ۔ ہلکا ۔ بعض لوگوں نے خُفَافٌ اور خَفِیْفٌ میں یہ فرق کیا ہے کہ خُفَافٌ ' عقل و فکر میں ہلکا اور خَفِیْفٌ ' جسم میں ہلکا *۔ (خَفِیْفٌ کی جمع خِفَافٌ ہے ۔ (۹/۴۱) راغب نے کہا ہے کہ خفیف کبھی تو قابل مدح صفت ہوتی ہے اور کبھی مذموم ۔ مثلاً جس چیز کو ہلکا اور خوش آیند پایا جائے اسے خَفِیْفٌ کہتے ہیں اور جو گراں ہو اسے ثَقِیْلٌ ۔ یہ قابل مدح صفت ہے ۔ اسکے برخلاف اوچھا ' سطحیت پسند ' کم وزن خَفِیْفٌ کہلاتا ہے اور گرانبارو پروقار ثَقِیْلٌ ۔ یہاں خفیف مذموم صفت ہوگی ۔ اِسْتَخَفَّ فُلَانٌ بِحَقِّیْ ۔ اسنے میرے حق کی کوئی عزت نہیں کی اور اسے بے وقعت سمجھا ۔ تَخْفِیْفٌ ۔ کمی کر دینے کو کہتے ہیں ۔ اَلْخُفُّ ۔ اونٹ یا شتر مرغ کا پاؤں ۔ نیز چرمی موزہ جو پاؤں میں پہنا جاتا ہے ۔ *

ہلکا ہونے کی جہت سے ' تیز خرامی (جلدی چلنے) کو بھی اس سے تعبیر کرتے ہیں ۔ خَفَّ الْقَوْمُ عَنْ وَطَنِہِمْ ۔ لوگ اپنے وطن سے نکل کر تیزی سے سفر میں چلے گئے * ۔

قرآن کریم میں بدّوؤں کے خیموں کے متعلق ہے تَسْتَخِفُّوْنَہَا (۱۶/۸۰) ''تم انہیں ہلکا پھلکا پاتے ہو'' ۔ سورۃ الروم میں ہے لَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ (۳۰/۶۰) ''جو لوگ خدا کے قانون پر یقین نہیں رکھتے وہ تجھے خفیف نہ سمجھیں'' ۔ یعنی تم میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہئے جس سے مخالفین کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ تم اپنے دعوے میں ہلکے اور عزائم میں ڈھیلے ہو اس لئے تمہیں تمہارے مقام سے ہٹا کر اپنے ساتھ لے چلنا چنداں دشوار نہیں ۔

سورۃ القارعۃ میں ثَقُلَتْ بمقابلہ خَفَّتْ آیا ہے ۔ وَ اَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَہُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ۔ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُمُّہٗ ہَاوِیَۃٌ (۱۰۱/۶-۹) ۔ ''سو جس کا پلڑا بھاری ہوگا وہ خوشگوار اور پسندیدہ زندگی بسر کریگا ۔ اور جس کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ تباہی کے عمیق گڑھے میں ہوگا'' ۔ اس آیت میں ارتقاء کے ایک عظیم اصول کیطرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ طالب علموں کے لئے امتحان میں کامیابی کے لئے ''فی صد نمبروں'' کا قاعدہ مقرر ہوتا ہے (مثلاً ساٹھ فیصد)

* تاج و راغب ۔

جو طالب علم سو میں سے ساٹھ نمبر حاصل کر لیتا ہے اس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت ہے۔ اس کی چالیس فیصد غلطیوں سے در گزر کر دیا جاتا ہے اور اسے اگلی جماعت میں ترقی دیدی جاتی ہے۔ یعنی اس کی صلاحیتوں کا پلڑا جھکا ہوا ہوتا ہے اور غلطیوں کا پلڑا ہلکا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو طالب علم چالیس فیصد نمبر حاصل کرتا ہے اسے فیل کر دیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا جو ترقی کے لئے مقرر ہے۔ کائنات میں قانونِ ارتقاء کا اصول بھی یہی ہے۔ جس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اس کی تھوڑی بہت کمزوریاں اس کے راستے میں حائل نہیں ہوتیں۔ جس میں اتنی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی اس کی تھوڑی بہت صلاحیت اس کے کسی کام نہیں آتی۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہی اصول انسانی ارتقاء کا بھی ہے۔ جس کی صلاحیتوں کا پلڑا جھک جائیگا اسے زندگی کی اگلی منزل میں ترقی مل جائیگی۔ جس کا پلڑا کمزور رہیگا، وہ ترقی نہیں پا سکیگا۔ ''ترقی پانے والوں،، کو اہل جنت کہا گیا ہے اور آگے نہ بڑھنے والوں کو اہل جہنم۔ اسی حقیقت کو دوسری جگہ ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (۱۱/۱۱۵) ''یقیناً حسنات (اچھے اعمال) سیاٰت (غلط اعمال) کو دور کر دیتے ہیں،،۔ اگر حسنات (تقویت بخش) اعمالِ حیات کا پلڑا بھاری ہو تو کمزوریوں کے مضرت رساں اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انسانی اعمال کا ایک ایک ذرہ سامنے لایا جاتا ہے (۹۹/۷،۸)۔ لیکن فیصلہ اسی سے ہوتا ہے کہ حسنات کا پلڑا بھاری ہے یا سیاٰت کا۔ انسانی ذات کی نشوونما اور ضعف واضمحلال کے لئے یہی اصول کارفرما ہے۔ جو اعمال اس کی تقویت اور استحکام کا موجب بنتے ہیں، اگر ان کا وزن زیادہ ہے تو وہ اعمال جو اس کی کمزوری کا باعث تھے، نیچے دب جاتے ہیں۔ یعنی ان کے اثرات اسکی نشوونما کو روکتے نہیں۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہے' تو تقویت بخش اعمال، اس کے ارتقاء کا موجب نہیں بنتے۔ (مزید تشریح کے لئے ''ن-ج-و،، کا عنوان دیکھئے)۔

خ ف ی

اَلْخَافِیَةُ۔ عَلَانِیَةٌ کی ضد ہے۔ یعنی چھپنا۔ پوشیدگی۔ نیز چھپی ہوئی چیز۔ اَلْخَفَاءُ۔ جو چیز ہم پر مخفی رہ جائے۔ اِخْتَفٰی۔ اَخْفٰی۔ اِسْتَخْفٰی چھپ گیا۔ پوشیدہ ہو گیا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ (یعنی اِخْفَاءٌ) اِبْدَاءٌ کے مقابلہ میں آیا ہے۔ (اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ۔ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا ۔۔۔۔ ۲/۲۷۱) اِبْدَاءٌ کے معنے ظاہر کرنے کے ہیں۔ سورۃ مائدہ میں اِخْفَاءٌ

تَبْيِيْنٌ کے مقابلہ میں آیا ہے (۵/۱۵) اس کے معنے بھی ظاہر کر دینے کے ہیں۔ نِدَاءً خَفِيًّا (۱۹/۳) ۔ دھیمی آواز ۔ چھپی ہوئی آواز ۔ سورۃ طٰہٰ میں اَخْفٰی اور سِرٌّ ساتھ ساتھ آئے ہیں ۔ (۲۰/۷) ۔ سورۃ الحاقّۃ میں ہے لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ (۶۹/۱۸) ''کوئی چھپی ہوئی بات چھپی ہوئی نہ رہ سکے گی'' ۔ سورۃ النساء میں ہے ۔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ (۴/۱۰۸) ''وہ لوگوں سے چھپنا چاہتے ہیں'' ۔ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ (۱۳/۱۰) ۔ جو رات کو چھپ جائے یا چھپ جانا چاہے ۔ الخَفِيُّ ۔ پوشیدہ ۔ جو ظاہر و آشکارا نہ ہو ۔ قرآن کریم میں طَرْفٍ خَفِيٍّ (۴۲/۴۵) کنکھیوں سے دیکھنے کے لئے آیا ہے ۔

اَخْفَاهُ ۔ کسی بات کو ظاہر کر دینا ۔ اس کے خفاء (پوشیدگی) کو دور کر دینا* ۔ محیط میں ہے کہ خَفِيَ لَهُ کے معنے ظاہر ہونے کے آتے ہیں اور اس کا استعمال ان موقعوں پر ہوتا ہے جہاں کوئی چیز پہلے سے چھپی ہوئی ہو اور پھر ظاہر ہو جائے ۔ یا کسی خفیہ طریقہ سے ظاہر ہو جائے** ۔ لطائف اللغۃ میں ہے کہ یہ لفظ اضداد میں سے ہے جس کے معنی كَتَمَ (چھپا دینا) اور اَظْهَرَ (ظاہر کرنا) دونوں آتے ہیں ۔

ابن فارس نے بھی اس کی تائید کی ہے کہ یہ لفظ اضداد میں سے ہے ۔ سورۃ 'طٰہٰ' میں ہے اَكَادُ اُخْفِيْهَا (۲۰/۱۵) اس میں اگر اَكَادُ کے معنی ارادہ کرنے کے لئے جائیں اور اُخْفِيْهَا کے معنی ظاہر کرنے کے تو مطلب یہ ہوگا کہ میں اسے ظاہر کر دینے کا ارادہ رکھتا ہوں ۔ اور اگر اَكَادُ کے معنی نفی کے لئے جائیں اور اُخْفِيْهَا کے معنی پوشیدہ رکھنے کے تو بھی مطلب یہ ہوگا کہ میں اسے پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا بلکہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں ۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا ۔ اس نکتہ کی وضاحت عنوان (ک ۔ و ۔ د) میں کی گئی ہے جسے ضرور دیکھ لینا چاہئے ۔

خ ل د

خُلُوْدٌ دوام کو کہتے ہیں ۔ لیکن صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب کسی چیز میں تغیر اور فساد بہت دیر میں پیدا ہو، یعنے وہ بہت دیر تک نہ بگڑے تو اس کی اس صفت کے لئے خلود کا لفظ استعمال کر دیتے ہیں ۔ لہذا کسی چیز کے عرصۂ دراز تک علی حالہٖ قائم رہنے کو بھی خُلُوْدٌ کہتے ہیں خواہ وہ ہمیشہ رہے یا نہ رہے* ۔ چنانچہ رَجُلٌ مُخَلَّدٌ ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس میں بڑھاپا بہت دیر میں آئے ۔ کتاب الاشتقاق میں اس کے معنی طُوْلُ الْعُمُرِ (لمبے عرصہ تک رہنا) اور

* تاج ۔ ** محیط ۔

اَلْبَقَاءُ (غیر متغیر رہنا) کے لکھے ہیں۔ اَلْخَوَالِدُ۔ پہاڑوں چٹانوں اور پتھروں کو کہتے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتے ہیں۔ خانہ بدوش، صحراء میں کھانا پکانے کیلئے پتھر کھڑے کرکے چولہا بنا لیا کرتے تھے جو انکے کوچ کے بعد وہیں رہ جاتے تھے (وہ انہیں ساتھ نہیں لے جاتے تھے)۔ انہیں بھی خَوَالِدُ کہتے تھے *** ۔ خَلَدَ وَاَخْلَدَ بِالْمَکَانِ وَاِلَی الْمَکَانِ کے معنے ہیں وہ کسی جگہ مقیم ہو گیا اور کافی عرصہ تک اس میں رہا۔ اَخْلَدَ الرَّجُلُ بِصَاحِبِہٖ کے معنے ہیں وہ شخص اپنے ساتھی کے ساتھ ساتھ رہا اور اسکا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اَخْلَدَ اِلَیْہِ کے معنے ہیں وہ اسکی طرف مائل ہوا اور اسکے ساتھ ہی چمٹ کر رہ گیا *۔ سورۃ اعراف میں ہے وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰہُ بِھَا وَلٰکِنَّہٗ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ (۷/۱۷۶)۔ ''اگر ہم چاہتے تو اس کے ذریعے اسے بلندی عطا کر دیتے لیکن وہ زمین کے ساتھ چمٹ گیا''۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنے ثبات اور مستقل ساتھ لگے رہنے کے ہیں۔ یعنی غیر متغیر ہونا اور کسی کے ساتھ چپکے رہنا۔

قرآن کریم میں جنت کے ساتھ خَالِدِیْنَ فِیْھَا یا ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ (۲/۳۵) عام طور پر آیا ہے۔ اسمیں جہاں اس دنیا کا جنتی معاشرہ مراد ہے (دیکھئے جَنَّاتٌ کا لفظ۔ ج۔ن۔ن کے عنوان کے نیچے) تو اس کے خُلُوْدٌ سے مقصود یہ ہے کہ جب تک وہ معاشرہ قوانین خداوندی کے مطابق رہیگا اس میں تغیر اور بگاڑ پیدا نہیں ہوگا۔ لیکن جہاں اس سے مراد اس زندگی کے بعد کی زندگی کی کیفیات ہیں، تو اس سے وہ حیاتِ جاوید مقصود ہے جو اعمال صالحہ کا نتیجہ ہے۔ یاد رہے کہ قرآن کریم میں جنت اور جہنم دونوں کے لئے خُلُوْدٌ کا لفظ آیا ہے۔ جنت کا خلود حیات جاوید ہے۔ یعنے وہ زندگی جو اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی جائے۔ اور جہنم کے خلود سے مراد وہ حالت ہے جسمیں صلاحیتوں کی نشو و نما رک جاتی ہے اور زندگی، ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ اسلئے اس میں جمود آجاتا ہے۔ لہذا یہ خُلُوْدٌ پتھروں اور چٹانوں کا سا خلود ہے۔ (تفصیل ان نکات کی قرآن کریم کے مختلف مقامات میں ملیگی)۔

مُخَلَّدُوْنَ۔ کلائیوں اور کانوں میں زیورات پہنے ہوئے۔ ان زیورات کو خَلَدٌ (واحد خَلَدَۃٌ) کہتے ہیں۔ زیورات سے مزین **** ۔ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُوْنَ (۵۶/۱۷)۔ کتاب الاشتقاق نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے۔

اَخْلَدَ۔ ایک زمانہ دراز تک مصیبتوں اور خرابیوں سے بچانا **** ۔ قرآن کریم میں ہے کہ وہ شخص جو مال کو جمع کرتا ہے اور پھر اسے گنتا

* تاج و محیط۔ ** تاج و راغب۔ *** تاج۔ **** ۔ غریب القرآن میرزا ابو الفضل بحوالہ بحرالمحیط و لسان العرب۔

رهتا هے یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ (۱۰۴/۳) وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال زمانہ دراز تک اسے تباہیوں سے محفوظ رکھیگا یا حیات دوام عطا کر دیگا۔ یہ اس کا خیال خام ہے۔ بقا اس کے لئے نہیں جو مال جمع کرکے دوسروں کو اس کے فائدے سے محروم رکھتا ہے۔ بقا اس کے لئے ہے جو نوع انسانی کے لئے نفع رساں ہو۔ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۷)۔

اُخروی زندگی کی حیات الخلد (زندگیٔ جاوید) کے متعلق یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی ہمیشگی، خدا کی ابدیت کی طرح ہے۔ بالکل نہیں۔ خدا کی ابدیت کے مانند کوئی ابدیت نہیں۔ انسان کی حیات دوام، خدا کے قوانین کے مطابق ہوگی۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟ ذہن انسانی کی موجودہ سطح اس کے متعلق نہ کچھ سمجھ سکتی ہے نہ بتا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جنت اور جہنم کے خلود کے ساتھ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (۱۱/۱۰۷، ۱۰۸) کہکر، خدائی ابدیت (Infinity) کیطرف سے خیال کا رخ ہٹا دیا ہے۔ (ان آیات میں اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان ن۔ س۔ ی)۔

خ ل ص

خَلَصَ کے معنے ہیں کھوٹ اور میل سے الگ ہوکر صاف اور خالص ہو جانا۔ خَلَصَ مِنَ الْقَوْمِ۔ وہ قوم سے الگ اور کنارہ کش ہوگیا*۔ اَخْلَصَ الشَّیْءَ: کسی چیز کو خالص کیا، چن لیا۔*** اس لئے الْمُخْلَصُ اُسے کہتے ہیں جسے دوسروں سے الگ کرکے کسی کام کیلئے خالص اور مختص کر لیا جائے*۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ (۱۲/۲۴)۔ وہ (یوسف) عام لوگوں کی راہ پر چلنے والا نہیں تھا۔ اسے عام لوگوں سے الگ کر لیا گیا تھا۔ وہ ہماری روشِ خاص پر چلنے والا تھا۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے متعلق ہے خَلَصُوْا نَجِیًّا (۱۲/۸۰) وہ باہمی مشورہ کرنے کے لئے لوگوں سے الگ ہٹ گئے۔ اسی اعتبار سے خَالِصَةً مِنْ دُوْنِ النَّاسِ (۲/۹۴) کے معنے ہیں دوسرے لوگوں کو الگ ہٹا کر، خالص (Exclusively) ان کے لئے۔ اِسْتَخْلَصَهٗ۔ اُسے اپنے لئے خاص کر لیا (۱۲/۵۴)۔

خَالِصٌ۔ جس چیز سے آمیزش کو الگ کر دیا جائے۔ راغب نے لکھا ہے کہ اَلْخَالِصُ۔ اور اَلصَّافِیْ۔ دونوں مرادف المعنی ہیں۔ لیکن الصَّافِیْ کبھی ایسی چیز کے لئے بھی بولدیا جاتا ہے جو پہلے ہی سے

* تاج۔ ** راغب۔ *** محیط۔

صاف ہو۔ اور خَالِصٌ وہ ہوتا ہے جس سے آمیزش دور کرکے اسے صاف کر لیا گیا ہو** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو صاف کرنا اور اس کے زائد اور فالتو حصوں کو چھانٹ دینا ہیں۔

اَلْخِلَاصُ ۔ وہ مکھن یا سونا چاندی جسے تپا کر خالص کیا جائے۔ خَلَّصَ اللّٰہُ فُلَانًا ۔ خدا نے فلاں کو اس مشکل اور الجھن سے نکال دیا جس میں وہ پڑ گیا تھا۔ جسطرح اُلجھا ہوا دھاگہ سلجھایا جاتا ہے* ۔

سورۃ بقرہ میں ہے وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ (۲/۱۳۹)۔ ہم ہر طرف سے الگ ہٹ کر صرف قانون خداوندی کی راہ پر چلنے کیلئے مختص ہو چکے ہیں۔ اسکی وضاحت لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور لَهٗ عٰبِدُوْنَ نے کر دی ہے جو پہلی دو آیتوں میں آئے ہیں (۲/۱۳۸، ۲/۱۳۶)۔ یعنی صرف اس کے قوانین کی اطاعت کرنے والے۔ اس سے مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (۴۰/۶۵) کے معنے بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی اور سب قوتوں سے منہ موڑ کر، اطاعت کو صرف خدا کے لئے مختص کر دینا۔ سورۃ ص میں حضرات انبیاء کرام کے تذکرہ کے بعد فرمایا اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (۳۸/۴۶)۔ ہم نے انہیں عام لوگوں سے الگ ہٹا کر (ایک خاص گروہ بنا دیا) اس خصوصیت کی بنا پر کہ وہ ہمیشہ زندگی کے انجام و مآل کو اپنے پیش نظر رکھتے تھے۔ وہ حقیقی زندگی کے گھر کو پیش نظر رکھتے تھے (۲۹/۶۴) تاکہ جہاں اس کا تصادم طبعی زندگی سے ہو (ان دونوں میں (Tie) پڑے) حقیقی زندگی کو طبعی زندگی کے تقاضوں پر ترجیح دی جائے۔

خ ل ط

خَلَطَ اور خَالَطَ ۔ کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ ملا دینا۔ خواہ وہ اسطرح ملیں کہ پھر جدا بھی کر لی جا سکیں (جیسے اونٹوں کو بھیڑوں کے ساتھ ملا دینا) اور خواہ اسطرح کہ وہ جدا نہ ہو سکیں* ۔ صاحب محیط کے نزدیک اَلْمَزْجُ صرف سیّال چیزوں کے آپس میں ملانے کو کہا جاتا ہے اور اَلْخَلْطُ اس سے عام ہے۔*** جو شخص کاروبار میں شریک ہو اسے خَلِيْطٌ کہتے ہیں۔ لیکن جوہری نے کہا ہے کہ اس کے لئے کاروبار میں شرکت ضروری نہیں۔ جو لوگ ویسے ہی آپس میں میل جول رکھیں، مل جل کر رہیں اور اسطرح ان میں دلی تعلق پیدا ہو جائے وہ بھی خَلِيْطٌ کہلاتے ہیں* ۔ اس کے معنی ساتھ رہنے والا یا پڑوسی بھی ہیں۔ اسکی جمع خُلَطَاءُ آتی ہے۔ (ابن فارس)۔

* تاج۔ ** راغب۔ *** محیط۔

اخْتِلاَطٌ کے معنے مباشرت کے بھی ہوتے ہیں۔ رَجُلٌ خِلْطٌ مِلْطٌ۔ اس آدمی کو کہتے ہیں جو مختلط النسب ہو۔ اور الخِلْطُ ولدالزنا کو*۔

خالَطَهٗ۔ اس کے ساتھ مل کر رہا، گڈ مڈ ہوگیا۔ سورۃ بقرہ میں یتیموں کے متعلق ہے وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ (۲/۲۲۰)۔ اگر تم ان سے میل جول رکھو یا ان کے کاروبار میں شریک ہو جاؤ تو ہر وقت اسکا خیال رکھو کہ وہ تمہارے اپنے بھائی ہیں۔ سورۃ ص میں خُلَطَاءُ کا لفظ کاروباری شرکاء کیلئے آیا ہے (۳۸/۲۴)۔ سورۃ توبہ میں خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا..... (۹/۱۰۲) کے معنے ہیں، جنہوں نے اچھے کام کو برے کام کے ساتھ ملا دیا۔ سورۃ انعام میں ہے مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ (۶/۱۴۶) جو (چربی) ہڈی کے ساتھ ملی (لگی) ہو۔ سورۃ کہف میں ہے فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ (۱۸/۲۴)۔ اس (بارش) کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل جاتی ہے۔

خ ل ع

خَلْعٌ۔ کسی چیز کو اتار دینا۔ (نَزْعٌ کے معنے میں آتا ہے اس فرق کے ساتھ کہ خَلْعٌ میں مہلت اور آہستگی ہوتی ہے۔ یعنے یہ عمل فوراً نہیں ہوتا۔ اور نَزْعٌ میں جلدی اور تیزی پائی جاتی ہے۔ بعض لوگوں نے خَلْعٌ اور نَزْعٌ کو ہم معنے قرار دیا ہے۔ اَلْخَالِعُ۔ گرا ہوا، ٹوٹا ہوا درخت۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کا اُس چیز سے الگ ہو جانا جس کے ساتھ وہ پہلے شامل تھی۔ اَلْخُلْعُ۔ وہ طلاق جو عورت اپنے خاوند سے حاصل کرے**۔ (یہ فقہی اصطلاح ہے قرآنی نہیں۔)

سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰؑ سے کہا فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ (۲۰/۱۲)۔ اسکے لفظی معنے ہیں "تو اپنے جوتے اتار دے"۔ لیکن صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ تم اسی جگہ قیام کرو۔ یہیں ٹھہرو۔ جیسے تم اس شخص کو جسے تم چاہو کہ تمہارے پاس کچھ وقت ٹھہر جائے کہتے ہو کہ ذرا اپنے جوتے موزے اتار کر اطمینان سے بیٹھو**۔ لہذا آیت کے معنے یہ ہونگے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسےٰؑ سے کہا کہ تم جلدی نہ کرو۔ اطمینان سے بیٹھ کر بات سنو۔ اب تمہارا سفر (جو تم تلاش حقیقت میں کر رہے تھے) ختم ہو گیا ہے۔ اب تمہاری مسافتیں سمٹ گئی ہیں۔ (دیکھئے طُوًی) ۔ اب تمہیں وحی کے ذریعے منزلِ مقصود

* تاج۔ ** تاج و راغب۔

کا پتہ بلاکاوش و تردد مل جائیگا۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں اِخْلَعْ نَعْلَیْکَ کے معنی یہ ہیں کہ تو اپنے اہل و عیال کے مشاغل سے فارغ ہو جا یعنی ذہن سے ان کے خیال کو نکال دے۔ اس نے کہا ہے کہ عربوں کے ہاں نَعْلٌ سے مراد اہل و عیال بھی لئے جاتے ہیں۔

خ ل ف

خَلْفٌ کے معنے ہیں پیچھے۔ نیز یہ بعد کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ مثلاً خَلْفَکَ۔ تیرے بعد۔ اَلْخَلْفٌ۔ ایک قرن کے بعد دوسرا قرن (ایک نسل کے بعد دوسری نسل) نیز ان انسانوں کو کہتے ہیں جو پہلے لوگوں کے جانشین ہوں اور ان سے زیادہ ہوں۔ الخَلَفٌ۔ باپ کے بعد اس کی جانشین ہونے والی نیک اولاد، اگر اولاد بداطوار ہو تو وہ خَلْفٌ کہلائیگی۔ لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ بولدئے جاتے ہیں۔ ابن بَرّی کا کہنا ہے کہ الخَلَفٌ آدمی کے بعد اس کے پسماندہ جانشینوں کے لئے، نیز بدل و عوض کے معنوں میں آتا ہے اور الخَلْفٌ اس کے لئے جو پہلے کے بعد آئے، جیسے قرن کے بعد قرن۔ یا لوگوں کے جانشین خواہ وہ لوگ مر چکے ہوں یا زندہ ہوں۔ ہلاک ہوجانے والوں کے بعد باقی رہ جانے والے۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ خَلْفٌ ہو یا خَلَفٌ، دونوں کے معنے ایک ہی ہیں۔ یعنی گزرے ہوؤں کے بعد آنے والے، البتہ فرق یہ ہے کہ خَلَفٌ خیر میں استعمال ہوتا ہے اور خَلْفٌ شر میں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے تین بنیادی معنی ہیں (۱) ایک چیز کا دوسری چیز کے بعد آنا اور اس کی جگہ لے لینا۔ (۲) آگے کی ضد۔ یعنی پیچھے۔ اور (۳) تغیر و تبدل۔ خِلْفَةٌ ان پتوں کو کہتے ہیں جو پت جھڑ کے بعد درخت پر نکلیں۔ ایک دوسرے کے بعد آنے اور اس کی جانشینی کرنے کے لئے بھی خِلْفَةٌ بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً (۲۵/۶۲)۔ "اللہ وہ ہے جس نے رات اور دن کو اس طرح بنایا کہ ایک کے بعد دوسرا آتا ہے۔ اَلْخَالِفٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کے بعد اس کی جگہ پر بیٹھے یا جو پیچھے رہ جائے۔ ساتھ شریک نہ ہو (۹/۸۳)۔ خَلَفَ آبَاهُ کے معنے ہیں وہ اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ اَلْخَلِیْفَةٌ دوسرے کا جانشین، نیز وہ فرمانروا جو اپنے سے پہلے فرمانروا کا جانشین ہو۔ اس کی جمع خُلَفَاء اور خَلَائِفٌ ہے*۔ جب حضرت موسیٰؑ طُور پر گئے ہیں تو انہوں نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا

* تاج۔

اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ (۷/۱۴۲) - تم (میری غیبت میں) قوم میں میرے جانشین بنو - یعنے حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں ان کی جانشینی کرنا - اس میں حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی کا تصور خاص طور سے ذہن نشین کرنے کے قابل ہے - اس کے معنے یہ ہیں کہ کوئی کسی کی موجودگی میں اس کا خلیفہ نہیں ہوسکتا - اُس کی عدم موجودگی ہی میں ہوسکتا ہے - خواہ وہ زندہ ہو لیکن اُس جگہ موجود نہ ہو - اور خواہ مر چکا ہو - چنانچہ سورۃ یونس میں ہے ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِھِمْ (۱۰/۱۴) - ''ہم نے تمہیں اُن کے بعد ملک میں ان کا جانشین بنایا'' - سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم نے قوانین خداوندی سے روگردانی کی تو یَسْتَخْلِفْ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ (۱۱/۵۷) میرا رب تمہاری جگہ ایک دوسری قوم کو لے آئیگا'' - تم مٹ جاؤگے اور تمہاری جانشین ایک اور قوم ہوجائیگی - قوم عاد کے متعلق ہے جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (۷/۶۹) - ''تمہیں قوم نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا'' - اور ثمود کے متعلق ہے کہ انہیں قوم عاد کے بعد ان کا جانشین بنایا (۷/۷۴) -

قرآن کریم میں متعدد مقامات میں آدم (انسان) کے متعلق ہے - اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (۲/۳۰) - اس کے معنے عام طور پر کئے جاتے ہیں خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ - یعنے زمین پر خدا کا نائب یا قائم مقام - یہ معنے بوجوہ غلط ہیں - سب سے پہلے تو اس لئے کہ قرآن کریم میں آدم کو کہیں بھی خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ (اللہ کا خلیفہ) نہیں کہا گیا - خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ کہا گیا ہے - دوسرے اس لئے کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ خَلِیْفَۃً کے معنے ہیں کسی کے بعد یا کسی کی عدم موجودگی میں اسکی جگہ لینے والا - (انگریزی میں اسے Successor کہتے ہیں) - خدا ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے اسلئے خدا کے بعد یا خدا کی عدم موجودگی میں اسکی جانشینی کا تصور ہی باطل ہے - جو خود موجود ہو اسکا جانشین (Successor) کیسا ؟ حضرت ابوبکرؓ خَلِیْفَۃُ الرَّسُوْلِ تھے - یعنے رسول اللہؐ کی وفات کے بعد انکے جانشین - وہ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ نہیں تھے - بیعتِ خلافت کے بعد ایک شخص نے آپ کو '' یا خلیفۃ اللہ ،، کہکر پکارا - آپ نے اسے فوراً ٹوکا اور کہا کہ میں '' خلیفۃ الرسول ،، ہوں - '' خلیفۃ اللہ ،، نہیں ہوں** - انسان دنیا میں خدا کی جانشینی کرنے کیلئے نہیں آیا - خدا کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے

*تاج و محیط - **ابوبکر مصنفہ محمد حسین ہیکل (اردو ترجمہ صفحہ ۵۸۳)

اور اس کے قانون کو نافذ کرنے کیلئے آیا ہے۔ آدم (انسان) کو جو خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ کہا ہے تو اسکے معنے یہ ہیں کہ وہ دنیا میں اپنے سے پہلی مخلوق کا جانشین (Successor) ہے۔ (دیکھئے عنوان ا۔ د۔ م اور ج۔ ن۔ ن)۔ چونکہ جانشینی میں غلبہ و تسلط اور اختیار و اقتدار شامل ہوتا ہے اسلئے اِسْتِخْلَافٌ فِی الْاَرْضِ سے مراد ہے ملک کی حکومت۔ کسی دوسری حاکم قوم کی جانشینی۔ (تفصیل ان امور کی میری تصنیف ''ابلیس و آدم'' میں ملیگی جہاں آدم کے متعلق شرح وبسط سے بحث کی گئی ہے)۔

یہ نظریہ بھی کہ انسان خدا کی نیابت کرتا ہے، قرآن کریم کی رو سے صحیح نہیں۔ نیابت کے معنی ہوتے ہیں کسی کو اپنے اختیارات تفویض کر دینا۔ (Powers Delegate) کر دینا۔ خدا اپنے اختیارات کسی کو تفویض نہیں کرتا۔ دنیا میں کسی کو خدائی اختیارات (Divine Rights) حاصل نہیں۔ نہ کسی بادشاہ کو۔ نہ مذہبی پیشوا کو۔ حتٰی کہ نبی کو بھی نہیں۔ خدا نے اپنے مطلق اختیارات سے قوانین مرتب کئے ہیں۔ خدا کے بندے ان قوانین کو پہلے اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں اور پھر باقی دنیا پر۔ انسان کا فریضہ، قوانین خداوندی کی تنفیذ ہے۔ قوانین سازی کے اختیارات اسے تفویض نہیں کئے گئے۔ خدا کا رسول بھی، خدا کا دین (قانون) دنیا تک پہنچاتا اور اسے نافذ کرتا ہے۔ دین بناتا نہیں۔ اس لئے ان معنوں میں انسان خدا کا نائب نہیں۔ البتہ اس سے اگر مفہوم ''خدا کے قوانین کو نافذ کرنے والا'' لیا جائے تو اور بات ہے۔ لیکن اس کے لئے ''نائب'' کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے تفویضِ اختیارات کا باطل مفہوم ذہن میں آجاتا ہے۔

اِخْلَافٌ کے معنے ہیں وعدہ خلافی کرنا۔ اَخْلَفَ وَعْدَہٗ کے معنے ہیں اس نے وعدہ کیا اور بعد میں اسے پورا نہ کیا*۔ فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ عَہْدَہٗ (۲/۸۰)۔ ''اللہ وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔ وہ اپنے وعدے کو ضرور پورا کریگا''۔

اِخْتِلَافٌ۔ اتفاق (موافق ہونے) کی ضد ہے۔ اسکے معنے یکے بعد دیگرے آنے کے بھی ہوتے ہیں*۔ (جیسے اِخْتِلَافُ اللَّیْلِ وَالنَّہَارِ (۲/۱۶۴) رات اور دن کا یکے بعد دیگرے ادل بدل کر آنا۔ اور اختلاف یا مخالفت کرنے کے بھی*۔ جیسے فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِہِمْ (۱۹/۳۷)۔ ''پھر ان کے درمیان فرقوں نے اختلاف کیا''۔

*تاج و محیط۔

بعض کا خیال ہے کہ خَلْف اولاد صالح کو کہتے ہیں اور خَلْف غیر صالح کو۔ اور بعض نے اس فرق کو تسلیم نہیں کیا *۔ قرآن کریم میں فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (۷/۱۶۹ ؛ ۱۹/۵۹) غیر صالح کے لئے آیا ہے۔ تَخْلَفَ ۔ پیچھے رہ جانا (۹/۱۲۰)۔ مُخَلَّفُوْنَ ۔ پیچھے رہ جانے والے (۹/۸۱)۔ خَالَفَهٗ ۔ اسکی مخالفت کی۔ مُخْلِفٌ ۔ وہ جو وعدہ خلافی کرے (۱۴/۴۷)۔ مُخْتَلِفٌ ۔ الگ الگ (۱۶/۶۹)۔ اِسْتَخْلَفَ ۔ جانشین بنانا (۲۴/۵۵)۔ مُسْتَخْلَفٌ وارث (۵۷/۷)۔

اللہ تعالےٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ کا نتیجہ استخلاف فی الارض بتایا ہے (۲۴/۵۵)۔ لہذا جس ایمان اور جن اعمال کا نتیجہ اس دنیا میں غلبہ و اقتدار اور حکومت و شوکت نہیں قرآن کریم کی رو سے نہ وہ ایمان ایمان ہے نہ وہ اعمال اعمال صالحہ۔ ایمان و اعمال صالحہ کے متعلق یہ سمجھ لینا کہ ان کا نتیجہ صرف آخرت میں (مرنے کے بعد) برآمد ہوگا، اس دنیا سے ان کا کچھ واسطہ نہیں۔ یا ان سے مقصود ایک فرد کی اپنی "روحانی ترقی" ہے جسے معاشرہ کی اجتماعی زندگی سے تعلق نہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔

سورۂ ھود میں ہے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو غلط روش زندگی سے باز رہنے کی تلقین کی اور فرمایا وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ (۱۱/۸۸)۔ تاج نے لکھا ہے کہ خَالَفَهٗ اِلَى الشَّیْءِ کے معنی ہیں، کسی چیز سے منع کرنے کے بعد اس کا قصد کرنا۔ لہذا آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں جس بات سے تمہیں روکتا ہوں میرا ارادہ قطعاً یہ نہیں کہ میں خود اس کا قصد کروں۔

قرآن کریم کی رو سے کسی قوم میں باہمی اختلاف خدا کا عذاب ہے (۳/۱۰۲) اور اختلافات کا مٹ جانا اللہ کی رحمت (۱۱/۱۱۸-۱۱۹)۔ قرآن کریم، لوگوں کے باہمی اختلافات مٹانے کے لئے آیا ہے (۱۶/۶۴)۔ اور اسی لئے یہ بھی خدا کی طرف سے رحمت ہے۔ جنتی زندگی کے مستحق وہ ہیں جن میں اختلافات نہ ہوں (۳/۱۰۵-۱۰۶)۔ باہم اختلافات اور دین میں تفرقہ شرک ہے (۳۰/۳۱-۳۲)۔ مسلمانوں کے باہمی اختلافات مٹانے کا طریق یہ ہے کہ ان کے ہر متنازع فیہ معاملہ کا فیصلہ قرآن کریم کے مطابق کیا جائے (۴/۵۹)۔ لیکن یہ فریضہ امت کا اجتماعی نظام (حکومت قرآنی) سر انجام دیگا۔ (۳/۱۶۵)۔ (ان امور کی مزید تفصیل ف۔ ر۔ ق کے عنوان میں ملیگی۔ نیز دیکھئے میری کتاب، سلیم کے نام خطوط۔ جلد دوم)۔

* تاج و محیط۔

خ ل ق

خَلْقٌ کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کو بنانے یا کاٹنے کے لئے اسے ماپنا ۔ اس کا اندازہ لگانا (یہی مفہوم تقدیر کا بھی ہے دیکھئے ق ۔ د ۔ ر) اسکے تناسب و توازن کو دیکھنا ۔ یا کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے مطابق بنانا ۔ کسی چیز کو نرم و ہموار کرنا* ۔ نیز ایک چیز کو دوسری چیز سے بنانا** ۔ خَلَقَ الْاَدِیْمَ کے معنے ہیں اسنے کوئی چیز بنانے کے لئے چمڑے کو ناپا اور پہلے اس کا اندازہ لگایا ۔ رَجُلٌ تَامُّ الْخَلْقِ اس شخص کو کہتے ہیں جسکی ساخت میں اعتدال ہو ۔ جو بناوٹ اور تناسب کے اعتبار سے مکمل اور سڈول ہو ۔ اس معنے میں خَلِیْقٌ بھی کہتے ہیں ۔ اور خُلُقَۃٌ کے معنے ہیں چکنا پن ، ہمواری ، برابر ہونا ۔ الخَلَقُ کے معنی ہیں کسی چیز کا شگاف وغیرہ سے خالی اور ہموار ہونا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) کسی چیز کا اندازہ کرنا ۔ اور (۲) کسی چیز کا (استعمال کے بعد) ہموار اور صاف اور چکنا ہو جانا ۔ (اسی جہت سے پرانی چیز کو خَلَقٌ کہتے ہیں کیونکہ وہ گھس کر سپاٹ ہو جاتی ہے اور اس کا رواں زائل ہو جاتا ہے) ۔

لہٰذا خَلَقَ کے معنے ہونگے کسی چیز کا اندازہ کرنا ۔ اسکے حشو و زوائد کو دور کرنا اور پھر اسے اندازے اور پیمانے کے مطابق بنانا، اسطرح کہ اسکا توازن و تناسب بالکل درست رہے ۔ اور وہ صاف اور ہموار ہو جائے ۔ بَدَعَ اور فَطَرَ کے معنے ہوتے ہیں کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا۔ پہلی بار پیدا کرنا ۔ ایجاد کرنا ۔ اس اعتبار سے خَلَقَ کے معنے ہونگے مختلف عناصر کو نئی نئی ترکیبیں دینا اور اسطرح ان سے اور چیزیں پیدا کرتے چلے جانا ۔ جیسے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ (۱۶/۴) ۔ یا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ (۵۵/۱۴) ۔

سورۃ حج میں رحم مادر میں نطفہ اور جنین کے مختلف منازل کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ مُضْغَۃٍ میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں ۔ یعنی مُّخَلَّقَۃٍ اور غَیْرِ مُخَلَّقَۃٍ (۲۲/۵) ۔ مُخَلَّق کے معنی ہیں مکمل شدہ ۔ یا ہموار کیا ہوا یا نرم کیا ہوا (محیط)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْمُخَلَّقُ اُس تیر کو کہتے ہیں جسے سدعار کر ٹھیک کر دیا جائے ۔ اس لئے آیت سے یہ مفہوم لیا جا سکتا ہے کہ مُضْغَۃٍ یا تو پورا بچہ بن جاتا ہے اور یا نا تمام رہ کر گر جاتا ہے ۔

---

* تاج و لین ۔ ** راغب ۔

سورۃ شعراء میں ہے اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ (۲۶/۱۳۷) یعنے یہ تو وہی پہلوں کا دستور، پرانی عادت، یا طریق کہن ہے۔ بعض لوگوں نے اسکے معنے رسم و رواج کے بھی لئے ہیں*۔ اور اسی سے اسکے معنے عادات و اطوار کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ خُلُقٌ کسی کی طبیعی عادت کو کہتے ہیں*۔ اور چونکہ عادت عموماً پرانی ہوتی ہے اس لئے خَلَقٌ کے معنی کہنگی کے بھی ہیں۔ خَلَقَ الثَّوْبُ۔ کپڑا پرانا ہو گیا۔ (۳۸/۷) میں ہے اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ۔ یہ گھڑی ہوئی بات ہے۔ خِلْقَةٌ کے معنے ہیں کسی کی طبیعی ترکیب (Natural Constitution)*۔ خَلَاقٌ کے معنے ہیں انداز کے مطابق مقرر کیا ہوا حصہ۔ اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ (۳/۷۶) میں خَلَاقٌ کے یہی معنے ہیں۔ راغب نے کہا ہے کہ خَلَاقٌ کے معنی ہیں وہ فضیلت جو حسن اخلاق کی بنا پر حاصل ہو۔

(قرآن کریم میں خَلْقٌ کے مقابلہ میں اَمْرٌ بھی آیا ہے۔ (۷/۵۴)۔ اسکے متعلق ا۔ م۔ ر کا عنوان دیکھئے)۔ خَلَقَ کے معنی ٹھیک اندازہ لگا کر اس کے مطابق عزم کرنے اور منصوبہ باندھنے کے بھی آتے ہیں۔ نیز تربیت کرنے کے بھی**۔

خَلَّاقٌ اور خَالِقٌ اللہ تعالیٰ کی دو عظیم صفات ہیں (۳۶/۸۱ و ۵۹/۲۴)۔ لہٰذا جس فرد یا قوم میں صفات خداوندی کی نمود ہوگی اس کا مظاہرہ اس کی قوت تخلیق سے ہوگا۔ اولاد پیدا کرنا تخلیق (Creation) نہیں، تولید (Procreation) ہے۔ یہ وہ حیاتیاتی عمل (Biological Action) ہے جس میں حیوانات بھی انسان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ لہٰذا تولید، حیوانی سطح زندگی کا عمل ہے، انسانی سطح پر تخلیق شروع ہوتی ہے جس میں حیوان شریک نہیں ہو سکتے جس قوم میں قوت تخلیق نہیں اس میں صفات خداوندی کی نمود نہیں۔ اسی بنا پر اقبال نے کہا ہے کہ:

هر که او را قوتِ تخلیق نیست نزد ما جز کافر و زندیق نیست

یہ بھی یاد رہے کہ تخلیق محض (Duplication) نہیں۔ یعنی ایک جیسی چیز کا بار بار بنائے چلے جانا تخلیق نہیں۔ تخلیق نت نئے اضافے چاہتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ (۳۵/۱)۔ ''وہ اپنی مشیت کے مطابق خلق میں اضافے کرتا رہتا ہے''۔ اس لئے اس کے بندوں کی بھی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ اپنے تخلیقی کارناموں میں نئے نئے اضافے کرتے رہیں۔ اس کو ایجاد کہتے ہیں۔

*(تاج و لسان **غریب القرآن۔ میرزا ابوالفضل، بحوالہ صحاح

قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (۶۸/۴) ''اور یقیناً تو خلق عظیم کا حامل ہے،، - جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے ، خلق کے معانی میں اعتدال، توازن و تناسب پایا جاتا ہے - یہ چیز شرف انسانیت کی دلیل ہے - نبی اکرمؐ کی ذات گرامی میں یہ شرف اپنی بلند ترین سطح پر تھا - ہمارے ہاں جس چیز کو ''اخلاقیات،، سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ہمارے دور ملوکیت کی تمدنی زندگی کا آئینہ ہیں - قرآن کریم نے جو صفات مؤمن کی بیان کی ہیں، وہی صحیح اخلاق ہیں - اور ان صفات کی بلند ترین مظہر نبی اکرمؐ کی ذات گرامی ہے جو نوع انسانی کے لئے حسین ترین نمونہ ہے - حضورؐ کی سیرت کا یہ نمونہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے -

خ ل ل

اَلْخَلُّ - وہ راستہ جو ریگزار کے اندر تک جاتا ہو - یا جو دو ریگزاروں کے درمیان سے گذرتا ہو - اَلْخَلَلُ - دوچیزوں کے درمیان کشادگی - خِلَالٌ - درمیان کی جگہ - خِلَالُ الدِّیَارِ - گھروں کے درمیان کی جگہ ، گھروں کی حدود کے آس پاس کی جگہ - تَخَلَّلَ الشَّیْءَ چیز کے اندر گھس جانا - خَلَّ الشَّیْءَ - چیز میں سوراخ کر دیا اور اس میں سے آر پار چلا گیا - اَلْخِلَالُ - وہ چیز جس سے آر پار سوراخ کیا جائے - اَلْخَلَّةُ - احتیاج - اضطراری حالت* - فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ (۱۷/۵) وہ شہروں کے اندر گھس گئے - خِلٰلَهُمَا (۱۸/۳۳) اس کے اندر -

خُلَّةٌ - دوستی* - (۲/۲۵۴) غالباً اس اعتبار سے کہ دوست ایک دوسرے کے دلوں کے اندر گھسے ہوئے ہوتے ہیں ، یا انہیں ایک دوسرے کی احتیاج ہوتی ہے - خَلِیْلٌ (جمع اَخِلَّاءُ) - دوست (۴/۱۲۵) و (۴۳/۶۷) - خِلَالٌ - باہمی دوستی (۱۴/۳۱) -

اَلْخَلُّ - سرکہ* -

خ ل و

خَلَا الْمَکَانُ کے معنے ہیں مکینوں کے چلے جانے سے کسی جگہ کا خالی ہو جانا - خَلَا الشَّیْءُ - کسی چیز کا گذر جانا اور چلا جانا - خَلْوَةٌ کے معنے تنہائی ہیں - خَلِیَّةٌ - شہد کی مکھیوں کا چھتہ* - راغب کا قول

*تاج -

ہے کہ خَلَوٌ کا استعمال زمان اور مکان دونوں کیلئے آتا ہے۔ چونکہ زمانے میں مرور (گذرنا) پایا جاتا ہے اس لئے اہل لغت نے خَلَا الزَّمَانُ کے معنی زمانہ گذر گیا کر لئے*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں ایک چیز کا دوسری چیز سے الگ ہو جانا۔

قرآن کریم میں خَلَوْا بمقابلہ لَقُوْا کے آیا ہے (۲/۱۴ و ۲/۷۶) جہاں اسکے معنے علیحدگی اور تنہائی میں ملنے کے ہیں۔ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ (۲/۲۱۴) کے معنے ہیں وہ لوگ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ (۲/۱۳۴) ''یہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی''۔ أَلَا بِأَيَّامِ الْخَالِيَةِ (۶۹/۲۴) کے معنے ایام گذشتہ ہیں۔ سورۃ یوسف میں يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ (۱۲/۹) کے معنے ہیں تمہارے باپ کی ساری توجہ خالصتاً تمہارے لئے ہو جائیگی۔ کوئی دوسرا اسمیں شریک نہیں ہوگا۔ خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (۳۵/۲۴) جسمیں کوئی آگاہ کرنے والا (نہ) گزرا ہو۔ تَخَلَّتْ (۸۴/۳) خالی اور صاف ہو جانا۔ فَخَلُّوْا سَبِيلَهُمْ (۹/۵) ان کا راستہ چھوڑ دو۔ ان سے تعرض مت کرو۔ خَلَّا سَبِيلَ الْأَسِيرِ کے معنی ہیں قیدی کو آزاد کر دیا***۔

خ م د

خَمَدَتِ النَّارُ۔ آگ کے شعلوں کا ساکن ہوجانا اگرچہ اس کے انگارے نہ بجھے ہوں۔ اگر انگارے بھی بجھ جائیں تو اسے هَمَدَتِ النَّارُ کہینگے*۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنے حرکت کا ساکن ہوجانا نیز گر جانا بتائے ہیں۔ أَخْمَدْتُهَا۔ میں نے آگ کے شعلوں کو ساکن کر دیا۔ الْخَمُّوْدُ۔ وہ جگہ جہاں آگ کو دبا دیا جاتا ہے۔ خَمَدَ الْمَرِيضُ۔ مریض بیہوش ہوگیا یا مر گیا۔ قَوْمٌ خَامِدُوْنَ۔ وہ لوگ جن کی تم کوئی آہٹ تک نہ سنو****۔ بے حس و حرکت لوگ۔ أَخْمَدَ اللّٰهُ أَنْفَاسَهُ۔ خدا نے اسے ذلیل کیا یا موت دیدی***۔ سورۃ انبیاء میں ہے جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ (۲۱/۱۵) ''ہم نے انہیں نشو و نما کی قوت سے عاری کرکے بے حس و حرکت کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا''۔ دوسری جگہ ہے فَإِذَا هُمْ خَامِدُوْنَ (۳۶/۲۹)۔ ''سو دیکھو! وہ بجھے ہوئے انگاروں کی طرح ہوگئے''۔ زجاج نے بھی اس آیت کے معنے بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں اس کے معنے خاموش اور مردہ ہیں****۔ تباہ ہو جانے والی قوموں کے خون سے حرارت سلب ہو جاتی ہے اور

*راغب۔ **تاج و راغب ***محیط۔ ****تاج۔

ان کے پیکر راکھ کا ڈھیر بنکر رہ جاتے ہیں - یہی ان کا خمود ہے—بجھے ہوئے انگارے—نیز ان کی حیاتِ ملی کی سرسبز و شاداب کھیتیاں کٹ جاتی ہیں اور ان کے صرف نشانات باقی رہ جاتے ہیں -

خ م ر

خَمْرٌ - کسی چیز کو ڈھانپ دینا یا چھپا دینا - خَمَرَ الشَّیْءَ یَخْمِرُہٗ - اس کو چھپا دیا - ڈھانپ دیا - خَمَرَ فُلَانٌ الشَّھَادَۃَ - فلاں نے گواہی کو چھپا دیا - اَلْخَمْرُ - اوٹ ، آڑ ، پردہ - خِمَارٌ - اوڑھنی جس سے عورتیں اپنے سر کو ڈھانپتی ہیں* - (جمع خُمُرٌ - ۲۴/۳۱) - لطائف اللغۃ میں ہے کہ عورتیں پہلے اپنے سر پر اَلْغِفَارَۃُ اوڑھتی تھیں اور اس کے اوپر اَلْخِمَارُ - (غِفَارَۃٌ کے لئے دیکھئے عنوان غ - ف - ر) اَلْخَمْرُ - ہر نشہ آور چیز - کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ دیتی ہے - حضرت عمرؓ نے کہا ہے - اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ - خمر اسے کہتے ہیں جو عقل میں گڈمڈ اور فتور پیدا کر دے - بعض کا قول ہے ''لَا نَشْھَا تَخْمِرُ الْعَقْلَ '' - یعنی شراب کو خمر اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے* - عرب عام طور پر شیرہ انگور سے شراب بناتے تھے اور اسے خَمْرٌ کہتے تھے - ویسے ان کے ہاں انگور کو بھی خَمْرٌ کہتے ہیں* - تَخْمِیْرٌ کے معنے ہیں خمیر اٹھانا* - خَامَرَ الرَّجُلُ فِی الْبَیْعِ مُخَامَرَۃً - اس شخص نے خرید و فروخت میں فریب سے کام لیا اور آزاد کو غلام بنا کر بیچ دیا** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ڈھانپ لینے اور ڈھانپ لینے کے ساتھ گھل مل جانے کے ہیں - اور اَلْاِسْتِخْمَارُ کے معنے ہیں غلام بنا لینا - اس لئے کہ کسی کو غلام بنانے کے لئے اس کی عقل کو سلب کر لینا ضروری ہوتا ہے -

قرآن کریم میں خَمْرٌ اور مَیْسِرٌ *** کے متعلق ہے کہ فِیْھِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ - ''ان میں بڑا اثم ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی'' - وَ اِثْمُھُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا (۲/۲۱۹) - ''ان کا اثم ان کے فائدوں کی نسبت بہت زیادہ ہے'' - اِثْمٌ کے معنے ہیں اضمحلال - افسردگی - تکان - سستی - ایسی کمزوری جس سے انسان زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے - (دیکھئے عنوان ا - ث - م) - یعنے نشہ آور اشیاء (اور میسر یعنی آسانی سے ہاتھ آئی ہوئی دولت) سے بیشک دوران خون تیز ہو جاتا ہے - انسان میں وقتی طور پر گرمجوشی پیدا ہو جاتی ہے - لیکن اس کے بعد قویٰ اس قدر

* تاج و راغب - ** محیط - *** میسرۃ کے معنے ہیں وہ دولت جو آسانی سے ہاتھ آجائے - جوا بھی اس میں شامل ہے - (دیکھئے عنوان ی - س - ر)

کمزور ہو جاتے ہیں کہ ان میں جد و جہد اور سعی و عمل کی ہمت باقی نہیں رہتی ۔ اسی لئے انہیں رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ قرار دیکر اس سے باز رہنے کی تاکید کر دی گئی (۵/۹۰) اور بتا دیا کہ ان سے تمہارے اندر باہمی عداوت پیدا ہو جائیگی اور تم نظام صلٰوۃ کو قائم کرنے کے قابل ہی نہیں رہو گے ۔ (۵/۹۱)۔ خَمْرٌ (شراب) کے طبعی اثرات کے متعلق ڈاکٹروں کی تحقیق یہی ہے کہ اس کا پہلا اثر دورانِ خون کو تیز کرتا ہے ۔ اور یہ چیز بعض حالتوں (بیماریوں) میں اچھے نتائج مرتب کرتی ہے ۔ لیکن اس کے بعد اس کا اثر دورانِ خون کو بہت سست کر دیتا ہے ۔ اور یہ اثر بہت گہرا ہوتا ہے ۔ لہذا اس کے ابتدائی فائدے کے مقابلہ میں اس کا ثانوی نقصان کہیں زیادہ ہوتا ہے ۔

خَمْرٌ (اور مَیْسِرٌ) سے صرف انسانی جسم ہی میں اضمحلال پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس سے انسانی ذات کی توانائیاں بھی افسردہ ہو جاتی ہیں، اور یہ بہت بڑا نقصان ہے ۔

خ م س

اَلْخَمْسَۃُ ۔ پانچ - ۵ ۔ وَ یَقُوْلُوْنَ خَمْسَۃٌ (۱۸/۲۲) ۔ یَوْمُ الْخَمِیْسِ ۔ پانچواں دن (جمعرات) ۔ خَمْسُوْنَ ۔ پچاس ۔ ۵۰ ۔ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا (۲۹/۱۴) ۔ خُمُسٌ اور خَمْسٌ ۔ پانچواں حصہ ۔ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ (۸/۴۱) ۔ خَامِسٌ ۔ پانچواں ۔ اس کا مونث اَلْخَامِسَۃُ ہے (۲۴/۷)۔

مال غنیمت کا خُمُسٌ (پانچواں حصہ) اللہ اور رسول کے لئے ہے (۸/۴۱)۔ یعنے مرکز نظام خداوندی کے لئے ۔ امیر ملت اس مال کو امت کی اجتماعی ضروریات پر صرف کریگا ، اسی کو فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کہا جاتا ہے ۔

خ م ص

اَلْخَمْصَۃُ ۔ بھوک ۔ خَمِصَ الْبَطْنُ ۔ پیٹ کھانے سے خالی ہو گیا اور اندر کو پچک گیا ۔ اَلْاَخْمَصُ ۔ پاؤں کے تلوے کو کہتے ہیں جسکا قعر (Curve) اندر کی طرف ہوتا ہے ۔ چونکہ سخت بھوک میں پیٹ بھی اسی طرح کمر کے ساتھ جا لگتا ہے اسلئے اسطرح کے بھوکے آدمی کو خَمِیْصٌ کہتے ہیں ۔ اور مجازاً زَمَنٌ خَمِیْصٌ قحط سالی کے زمانہ کو*۔

قرآن میں مَخْمَصَۃٌ سخت بھوک کیلئے آیا ہے (۵/۳)۔

* تاج ۔

خ م ط

خَمَطَ اللَّحْمَ یَخْمِطُہٗ ۔ اسنے گوشت کو بھون لیا ۔ اگر اسے پانی میں ابال لیا جائے تو سَمْطٌ کہینگے ۔ اَلْخَمْطُ ۔ کھٹا ۔ ہر کڑوی چیز ۔ ہر پودا جس میں کسیلا پن اور کڑواہٹ ہو ۔ ایک قسم کا زہر قاتل یا زہریلا مہلک درخت ۔ ہر بے کانٹوں والا درخت، پیلو کے درخت کا پھل* ۔ راغب نے اس کے معنے پیلو کا درخت کئے ہیں ۔ قرآن کریم میں اہل سبا پر عذاب کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ ان کے عمدہ باغات کی جگہ ایسے باغات پیدا ہو گئے جو ذَوَاتَیْ اُکُلٍ خَمْطٍ تھے (۳۴/۱۶) ۔ یعنی کڑوے پھلوں والے ۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کی زندگی کی خوشگواریوں کو بدمزگیوں سے بدل دیا ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) ننگا اور خالی اور سپاٹ ہونا ۔ اور (۲) تسلط و غلبہ ۔ اس اعتبار سے (معنوی انداز میں) اس کا مفہوم ہوگا کسی کو جور و اکراہ اور ظلم و استبداد کی پاداش میں متاع حیات سے محروم کر دینا ۔ یہی اہل سبا کے ساتھ ہوا تھا ۔

خ ن ز ر

اَلْخَنْزَرَۃٌ ۔ موٹا ہونا ۔ بڑا موٹا ہتھوڑا جس سے پتھر توڑے جاتے ہیں ۔ اَلْخِنْزِیْرُ ۔ سؤر ۔ (جمع خَنَازِیْرُ) ۔ خَنْزَرَ ۔ اس نے خنزیر کے سے کام کئے ۔ کسی کو کنکھیوں سے دیکھنے کیلئے بھی یہ لفظ آتا ہے** ۔

قرآن کریم میں لحم خنزیر کا شمار حرام اشیاء کی فہرست میں ہوا ہے (۵/۳) ۔ نیز ان لوگوں کیلئے بھی یہ لفظ (خنزیر) آیا ہے جن کی سیرتیں مسخ ہو کر بد ترین حیوانوں جیسی ہو جائیں ۔ (۵/۶۰) ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کا استعمال مسخ صورت اور مسخ سیرت دونوں کیلئے ہو سکتا ہے*** ۔ (نیز دیکھئے عنوان ق ۔ ر ۔ د) صاحب غریب القرآن نے اسے خَنِیْزَ + نَزٌّ سے مرکب لکھا ہے جسکے معنے ہیں سڑی گلی اور ناقص چیز**** ۔

خنزیر (سؤر) کے متعلق یہ عجیب چیز ہے کہ اسے دنیا میں ہر جگہ قابل نفرت سمجھا جاتا ہے ۔ حتٰی کہ یورپ کی جو قومیں اس کا گوشت کھاتی ہیں وہ بھی اس کے نام کو بطور گالی استعمال کرتی ہیں ۔ خود بائبل میں اس کا ذکر اسی انداز سے آیا ہے ۔

---

* تاج ۔ راغب ۔ محیط ۔ **تاج ۔ ***راغب ۔ ****میرزا ابوالفضل ۔

خ ن س

خَنَسَ عَنْهُ ۔ یَخْنِسُ ۔ خَنْساً ۔ اس سے پیچھے ہٹ جانا ۔ خَنَسَهُ ۔ کسی کو پیچھے ہٹا دینا ۔ اَلْخُنَّسُ ۔ ہرنوں کے چھپنے کی جگہ ۔ (نیز دیکھئے کُنَّسٌ) ۔ خَنَسَ مِنْ بَیْنِ اَصْحَابِہٖ ۔ وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان میں سے چھپ گیا ۔ اَلْخَنَسُ فِی الْقَدَمِ ۔ پاؤں کے تلوے کا سپاٹ اور پر گوشت ہونا* ۔ اَلْخَنِّیْسُ گھات لگانے والے مکار، نیز حیلہ ساز اور چالباز کو کہتے ہیں* ۔

قرآن کریم میں ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ (۸۱/۱۵) ۔ اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو پیچھے ہٹتے ہیں ۔ اور چونکہ ستاروں کی رفتار میں آواز نہیں ہوتی اسلئے دبے پاؤں پیچھے ہٹنے کا مفہوم بھی اسمیں آجاتا ہے ۔ یہ وہی شہادت ہے جو وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی (۵۳/۱) میں بیان ہوئی ہے (نیز ۵۶/۷۵ میں) ۔ کیونکہ اس کے بعد بھی وحی و رسالت کا بیان ہے (۸۱/۲۰-۲۲) ۔

سورۃ الناس میں الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۱۱۴/۴) آیا ہے ۔ یعنے کانوں میں کچھ پھونک کر دبے پاؤں پیچھے ہٹ جانے والا ۔ چپکے چپکے غلط خیالات پھیلا کر چھپ جانے والا ۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے لکھا ہے کہ اَلْخَنَّاسُ ، چھپنے والی طاقت کو کہتے ہیں ۔ یا اسے کہ جب اس پر حملہ کیا جائے تو وہ چھپ جائے** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسی کے بنیادی معنی چھپنے اور پوشیدہ ہونے کے ہیں ۔

خ ن ق

خَنَقَ ۔ یَخْنِقُ ۔ گلا گھونٹ دینا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تنگی کے ہوتے ہیں ۔ چنانچہ اَلْخَانِقُ ۔ تنگ گھاٹی کو کہتے ہیں ۔ تنگی کی جہت سے اَلْخَنِیْقُ کے معنی گلا گھونٹنے کے آتے ہیں ۔ اَلْخِنَاقُ ۔ وہ رسی جس سے گلا گھونٹا جائے ۔ اِنْخَنَقَ ۔ اس کا گلا گھٹ گیا*** ۔ (خُنَاقٌ اسی سے ہے) اَلْمُنْخَنِقَةُ ۔ جسکا گلا گھٹ جائے (اور وہ اسطرح مر جائے) قرآن کریم نے ایسے جانور کو حرام قرار دیا ہے (۵/۳) ۔

خ و ر

خَوِرَ ۔ یَخْوَرُ ۔ خَوَرًا ۔ کمزور ہو جانا ۔ بزدل ہو جانا ۔ ٹوٹ جانا ۔ سست پڑ جانا ۔ خَارَتْ قُوَّةُ الْمَرِیْضِ ۔ مریض کی قوت کم ہو گئی

---

* تاج و راغب **تفسیر المقام المحمود صفحہ ۲۲۱ ۔ *** تاج ۔

یعنی وہ کمزور ہو گیا ۔ خَوَّرَتِ الْاَرْضُ ۔ بارش کی کثرت سے زمین کی مٹی بہ گئی* ۔

اَلْخُوَارُ ۔ گائے بیل بکری ۔ ہرن یا تیرون کی آواز ۔ دراصل یہ گائے بیل کی آواز کے لئے تھا ، پھر دوسری آوازوں کے لئے بھی بولا جانے لگا* ۔ راغب نے کہا ہے کہ خُوَارٌ خاص طور پر گائے بیل کی آواز کو کہتے ہیں پھر استعارۃً اونٹ کی آواز کے لئے بھی بول دیا جاتا ہے* ۔ قرآن کریم نے عِجْلٌ (بچھڑے) کیلئے لَهٗ خُوَارٌ کہا ہے (۷/۱۴۸) ۔ یعنی جس سے آواز نکلتی تھی ۔

خ و ض

خَاضَ ۔ یَخُوْضُ ۔ کے بنیادی معنے ہوتے ہیں پانی میں اترنا اور اسمیں چلنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے کسی چیز کے اندر چلے جانے کے ہیں ۔ اسکے بعد اسکا استعمال کسی معاملہ میں دیر تک مشغول رہنے کیلئے ہونے لگا ۔ قرآن مجید میں اس کا بیشتر استعمال فضول باتوں میں اُلجھنے کیلئے ہوا ہے*** ۔ خَاضَ ۔ اسنے بیکار بات کی (اقرب الموارد) ۔ چنانچہ سورۃ توبہ میں ہے وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْٓا (۹/۶۹) اسکے معنے فضول باتوں میں الجھے رہنا ہیں ۔ سورۃ طور میں ہے اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ (۵۲/۱۲) ۔ ''جو لوگ باطل میں منہمک اور حق سے غافل ہیں'' ۔ سورۃ مدثر میں مجرمین کی فہرست جرائم میں یہ بھی ہے کہ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ (۷۴/۴۵) ۔ یہ اس ٹائپ کے لیڈروں کا ذکر ہے جو فلاح عامہ کیلئے عملاً کچھ نہیں کرتے لیکن بیانات دھڑا دھڑ دیتے ، ریزولیشن پاس کرتے ، اسکیمیں بناتے اور ہمیشہ (Planning) میں وقت گزارتے رہتے ہیں ۔ یعنے باتیں ہی باتیں اور کام کچھ نہیں ۔ نیز ایسے علماء اور مفکرین جو نظری مسائل کی موشگافیوں اور نکتہ آفرینیوں میں لگے رہتے ہیں اور عملی نتائج مرتب کرنے والے امور کو نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ یہی لوگ قوموں کی تباہی کا موجب بنتے ہیں (۱۰/۳۳) ۔

خ و ف

خَوْفٌ ۔ قرائن اور شواہد سے کسی آنے والے خطرہ یا نقصان کا اندیشہ کرنا ۔ اسے (Apprehend) کرنا ۔ جسطرح طَمَعٌ کے معنی ہیں قرائن

*تاج و محیط ۔ **تاج ۔ ***تاج و راغب ۔

و شواهد سے کسی فائدہ کی توقع کرنا۔ اسی لئے قرآن کریم میں خَوْفًا وَ طَمَعًا اکٹھا آیا ہے (۷/۵۶)۔ اسکے برعکس حُزْنٌ بالعموم اس غم کو کہتے ہیں جو حادثہ کے گزر جانے کے بعد اسکے نقصان کی وجہ سے ہو۔ یعنے خَوْفٌ کا تعلق مستقبل (حادثہ واقع ہونے سے پہلے) کے اندیشہ سے ہے۔ اور حُزْنٌ بالعموم گزرے ہوئے واقعہ کے غم کو کہتے ہیں*۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ہے وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِہَا نُشُوْزًا (۴/۱۲۸) جسکے معنے یہ ہیں کہ اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ ہو۔ لہٰذا خوف خدا وندی کے معنے یہ ہیں کہ اس احساس سے کہ قوانین خدا وندی کو چھوڑ دینے سے میرا کسقدر نقصان ہوگا، ان قوانین کا اتباع کرنا۔ غلط روش کے تباہ کن نتائج کے احساس اور اندیشہ سے اس روش سے مجتنب رہنا۔ چنانچہ سورۃ نحل میں اشیائے کائنات، اور ملائکہ کے متعلق ہے یَخَافُوْنَ رَبَّہُمْ مِنْ فَوْقِہِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۱۶/۵۰)۔ ''یہ اپنے نشو و نما دینے والے کے غلبہ و اقتدار سے ڈرتے ہیں اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں''۔ یعنی وہ قوانین خدا وندی کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی کا نتیجہ فساد ہوگا۔ لہٰذا خدا کا خوف کسی مستبد حاکم کے خوف کے مرادف نہیں۔ اس خوف سے مفہوم ایسا ہی ہے جیسے ہم جلنے کے اندیشہ سے آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ چنانچہ اَلْخَافَۃُ اس چربی جبہ کو کہتے ہیں جسے چھتے سے شہد نکالنے والا اوڑھ لیتا ہے (تاکہ شہد تو مل جائے لیکن وہ مکھیوں کے ڈنک سے محفوظ رہے)۔ نیز تھیلہ جس میں (تلف ہونے کے خوف سے) کسی چیز کو محفوظ کیا جاتا ہے**۔

خَوَافٌ۔ شور و غل کو کہتے ہیں**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی پریشانی اور گھبراہٹ کے ہیں۔ خَوْفٌ کے معنے قتل اور جنگ کے بھی ہیں**۔ چنانچہ (۳۳/۱۹) میں خَوْفٌ کے معنے قتل و قتال کے کئے گئے ہیں۔ تَخَوَّفَ الشَّیْءَ کے معنے ہیں کسی چیز کو کم کر دینا**۔ تَخَوَّفَہٗ حَقَّہٗ اسکے حق کو کم کر دیا۔ اَوْ یَاْخُذَہُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ (۱۶/۴۷) کے معنے ہیں انہیں بتدریج کم کرتا ہوا تباہ کر دے، دفعۃً نہیں۔ نیز تَخَوُّفٌ کے معنے خوف کرنا، ڈرتے رہنا ہیں۔ اس طرح یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ باوجود ان کے خوف کرنے اور ہوشیار رہنے کے انکی گرفت کر لے۔ لیکن اول الذکر معانی زیادہ موزوں نظر آتے ہیں۔

اَلْخِیْفَۃُ۔ حالت خوف کو کہتے ہیں***۔

---

*راغب۔ **تاج۔ ***محیط۔

اتباع ہدایت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کو خوف اور حزن نہیں رہتا (۲/۳۸)۔ لہٰذا اگر کسی قوم پر خوف چھایا رہے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ ہدایت خدا وندی کا اتباع نہیں کر رہی۔ مومن اور خوف باطل دو متضاد باتیں ہیں۔ لفظ مومن کا تو مادہ ہی امن ہے۔ پھر اسے باطل سے خوف کیوں ؟

خ و ل

اَلْخَالُ۔ ماں کا بھائی ، یعنی ماموں۔ (جمع اَخْوَالٌ۔ اَخْوِلَۃٌ۔ خُؤُوْلٌ)۔ اَلْخَالَۃُ۔ ماں کی بہن یا خالہ (اس کی جمع خَالَاتٌ ہے)۔ (۴/۲۳)۔ اَخْوَالٌ (۲۲/۶۶) میں آیا ہے۔ اَلْخَالُ۔ بھلائی کا نشان جو کسی آدمی میں نظر آئے۔ فوج کا جھنڈا۔ سیاہ اونٹ۔ ھُوَ خَالٌ مَالٍ۔ وہ اونٹوں کا محافظ ہے*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی خبر گیری اور نگہداشت کرنے کے ہوتے ہیں۔ خَوَّلَ (تَخْوِیْل) کسی کو سامان حشم و خدم عطا کر دینا۔ یا ایسی چیزیں دینا جن کی نگرانی اور دیکھ بھال کی ضرورت پڑے**۔ اِذَا خَوَّلَہ، نِعْمَۃً (۳۹/۸)۔ ''جب اللہ اسے سامان آسائش عطا کرتا ہے''۔

خ و ن

اَلْخَوْنُ کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کو کم کر دینا۔ خَوَّنَہٗ۔ اس کو کم کر دیا۔ فِیْ ظَھْرِہٖ خَوْنٌ۔ اس کی کمر میں کمزوری ہے۔ نگاہ کی چندھیاہٹ کو بھی خَوْنٌ کہتے ہیں*۔

خَانَ۔ یَخُوْنُ۔ خَوْنًا سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جس شخص کو امانتدار سمجھا جائے وہ اپنی امانت اور عہد کا پاس نہ کرے۔ اس کا نام خِیَانَۃٌ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خِیَانَۃٌ دراصل اعتماد اور بھروسہ کو ضائع کر دینے کا نام ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں خَانَ الدَّلْوُ الرِّشَاءُ۔ رسی نے ڈول سے وفا نہ کی اور درمیان سے ٹوٹ گئی جس کے سبب سے ڈول کنویں میں گر گیا*۔ ہم رسّی کی مضبوطی کے بھروسہ پر ڈول کو بھر کر کھینچتے ہیں۔ اگر رسی درمیان میں پہنچ کر ٹوٹ جائے تو یہ اس کی خِیَانَۃٌ کہلاتی ہے۔ لہٰذا اَمَانَۃٌ تو یہ ہے کہ انسان کسی کی طرف سے مطمئن (امن میں) ہو جائے اور اپنے اعتماد کو نہیں کھوئے۔ لیکن خِیَانَۃٌ میں یہ اعتماد اور بھروسہ

*تاج۔ **راغب۔

باقی نہیں رہتا - یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے قوانین خداوندی کے متعلق کہا ہے کہ وہ ایسی مضبوط کڑی ہے کہ لَا انْفِصَامَ لَهَا (۲/۲۵۶) - جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی - ان پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے - یہ کبھی راستہ میں دغا نہیں دیتے - یہ درمیان میں پہنچکر ٹوٹ نہیں جاتے - صرف ٹوٹ کر نقصان پہنچانا ہی نہیں بلکہ ہر تغیر ، کمی اور تبدیلی کرنے کو تَخَوُّنٌ کہتے ہیں* - خَانَهُ الدَّهْرُ - زمانہ نے اس کے ساتھ وفا نہ کی ، یعنی اس کی حالت بگاڑ دی* -

قرآن میں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ (۲۲/۳۸) - خَوَّانٌ ہر ایسے شخص کو کہہ سکتے ہیں جس پر اعتماد اور بھروسہ نہ کیا جا سکے، اور وہ دشمن بھی جو تمہاری حالت میں خرابی پیدا کر دینے کی کوشش کرے- نیز بڑا خائن- قرآن کریم نگاہ کی خیانت تک سے منع کرتا ہے (۴۰/۱۹) -

سورۃ بقرہ میں ہے اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ (۲/۱۸۷) راغب نے لکھا ہے کہ اِخْتِيَانٌ سے مراد خیانت کا ارادہ یا تیاری کرنا ہے** - لہذا دوسروں سے تو ایک طرف ، خود اپنی ذات سے بھی خیانت نہیں کرنی چاہئے - بلکہ خیانت کا خیال تک بھی دل میں نہیں لانا چاہئے - سب سے بڑا جرم خود اپنے آپ سے خیانت کرنا ہے - یعنی جن امور کو تم صحیح اور سچا مانتے ہو ان کے خلاف عمل کرنا (خواہ اس کا علم کسی دوسرے کو ہو یا نہ ہو) - یہ انسانی خودی کی کمزوری کی دلیل ، بلکہ (Dual Personality) کی علامت ہے - یعنی اُن باتوں کو ماننے والا کوئی اور ہوتا ہے اور ان کے خلاف کام کرنے والا کوئی اور- قرآن کریم اس سے روکتا ہے .

سورۃ نساء میں ہے اَلَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (۴/۱۰۷) جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دھوکا دینے کا ارادہ کرتے ہیں - سورۃ انفال میں ہے کہ تم نہ تو نظام خداوندی کے خلاف سازش کرو- (لَا تَخُوْنُوا) - اور نہ ہی ان امور میں کسی قسم کی خیانت کرو جو تمہارے سپرد کئے جائیں (۸/۲۸) -

خ و ی

خَوَتِ الدَّارُ - گھر ویران ہو کر گر پڑا - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں خالی ہونا اور گرنا لکھے ہیں-اَرْضٌ خَاوِيَةٌ - ویران زمین* - اَلْخَوَاءُ کے معنے خالی ہونے کے ہیں**-خَوِيَ الْمَكَانُ - جگہ خالی ہوئی***-

* تاج - ** راغب - *** محیط -

سورۃ بقرہ میں ایک بستی کے متعلق ہے وَھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا (۲/۲۵۹) - برباد اور ویران' جسکے مکانات گر پڑے تھے - یا اس کے مکان، باوجود چھتوں کے قائم ہونے کے خالی تھے - سورۃ الحاقہ میں ہے اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَۃٍ (۶۹/۷) اندر سے کھوکھلے ہو کر گر پڑنے والے کھجور کے تنے - تباہ و برباد -

خ ی ب

خَابَ - یَخِیْبُ - خَیْبَۃٌ - محروم رہ جانا - نقصان اٹھانا - مایوس ہو جانا - نامراد رہ جانا* - توقعات کا منقطع ہو جانا - مطلوبہ کو حاصل نہ کر سکنا - محتاج و فقیر ہو جانا** - اَلْخَیَّابُ اس چقماق کو کہتے ہیں جس سے آگ نہ نکلے - (ابن فارس) قرآن میں ہے فَیَنْقَلِبُوْا خَائِبِیْنَ (۳/۱۲۶) - ''وہ خاسر و نامراد واپس ہو جائیں،، - قرآن کریم میں خَابَ کا لفظ اَفْلَحَ کے مقابلہ میں آیا ہے - اَفْلَحَ کے معنے ہیں کھیتیوں کا پروان چڑھنا ثمر بار ہونا - لہٰذا خَابَ کے معنے ہونگے ، بے ثمر رہ جانا - قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا - وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا (۹۱/۹-۱۰) جسنے انسانی ذات (نفس - Self) کی نشو و نما کی، اسکی زندگی کی کھیتی پروان چڑھ گئی - جسنے اسے دبائے رکھا اور ابھرنے نہ دیا اسکی کشت حیات ویران ہو گئی - اس کا شعلۂ زندگی افسردہ ہو گیا - ایسے چقماق کی مانند ہو گیا جس سے چنگاری نہ نکلے - اسی لئے سورۃ ابراھیم میں خَابَ کی تفسیر ھَلَکَ سے کر دی گئی ہے - تباہی اور بربادی (۱۴/۱۵-۱۳) - اسمیں اس زندگی کی بربادی بھی شامل ہے (بلکہ یہ تو سب سے پہلے سامنے آ جاتی ہے اسلئے انسانی ذات (Self) کی نشو و نما کا لازمی نتیجہ اس دنیا کی خوشگواریاں کا حاصل ہو جانا بھی ہے - ترک دنیا سے ''روحانی ترقی،، کا خیال غیر قرآنی ہے - انسانی ترقی تسخیر کائنات سے ہوتی ہے - وہ زندگی جس میں شعلہ نہ ہو، راکھ کا ڈھیر ہے -

خ ی ر

اَلْخَیْرُ - ہر ایسی چیز کو کہتے ہیں جو سب کو مرغوب ہو - نیز مفید چیز - یہ اَلشَّرُّ کی ضد ہے - اَلْخَیْرُ ، ہر قسم کے مال کو کہتے ہیں - عرب گھوڑوں کو بھی ان کی افادیت کے اعتبار سے خَیْرٌ کہتے تھے (۳۸/۳۲) - خَیْرَاتٌ - خوبصورت و خوش اخلاق عورتوں کو کہتے ہیں* - (یا جن میں بہت سی

*تاج - **محیط -

خوبیاں ہوں - خوبصورتی بھی ایک خوبی ہے) - خَیَّارٌ کے معنے اختیار کے ہیں - یعنے اس امر کا اختیار کہ جس چیز کو چاہے لے لے اور جسے چاہے چھوڑ دے (Choice) - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی میلان اور جھکاؤ کے ہیں - اَنْتَ بِالْخَیَارِ - تمہیں حسب مرضی کام کرنے کا اختیار ہے - خَیَّرَہٗ بَیْنَ الشَّیْئَیْنِ - اس نے اُسے اختیار دے دیا کہ وہ دو چیزوں میں سے جسے چاہے لے لے* - اِسْتِخَارَۃٌ کے معنے ہیں دو باتوں میں سے بہتر کو طلب کرنا* - چونکہ دو چیزوں میں سے جسے اختیار کیا جاتا ہے وہ بہرحال دوسری چیز سے بہتر ہوتی ہے (یا اُسے ایسا سمجھا جاتا ہے) اس لئے خَیْرٌ کا لفظ شرف و برتری ، فضیلت و کرم کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے - ھُوَ خَیْرٌ مِنْکَ - وہ تم سے بہتر ہے، یہ افعل التفضیل ہے - خَیَّرَ الرَّجُلَ عَلٰی غَیْرِہٖ وَ خَیَّرَہٗ تَخْیِیْرًا - اس نے آدمی کو دوسرے لوگوں پر فضیلت اور ترجیح دی - اِخْتَرْتُہٗ عَلَیْھِمْ - میں نے اسے ان سب پر فضیلت دے دی - خَارَہٗ - اُس کو چن لیا ، منتخب کرلیا - اَلْخِیَارُ - ککڑی کو کہتے ہیں* -

قرآن کریم میں خَیْرٌ کا لفظ مال و دولت کے معنوں میں متعدد جگہ آیا ہے - (مثلاً ۲/۱۸۰ و ۲/۲۷۲) - اَدْنیٰ کے مقابلہ میں خَیْرٌ (۲/۶۱) میں آیا ہے - مِثْلٌ - کسی چیز کے مانند - اور خَیْرٌ - اس سے بہتر (۲/۱۰۶) - سورۃ انعام میں یہ لفظ ضُرٌّ کے مقابلہ میں آیا ہے (۶/۱۷) - سورۃ حج میں فِتْنَۃٌ کے مقابلہ میں (۲۲/۱۱) اور سورۃ بقرہ میں شَرٌّ کے مقابلہ میں (۲/۲۱۶) - سورۃ نحل میں یہ لفظ ہر اچھی بات یا اچھے کام کے لئے آیا ہے (۱۶/۶۰) - سورۃ آل عمران میں اللہ تعالےٰ کے متعلق ہے بِیَدِکَ الْخَیْرُ (۳/۲۶) - اس میں اختیارات و اقتدارات اور ہر قسم کی بھلائیوں کا تصور موجود ہے - سورۃ احزاب میں خِیَرَۃٌ کا لفظ اختیار و انتخاب کے معنوں میں آیا ہے (۳۳/۷۲) - کائنات میں جو انتخاب طبعی (Natural Selection) کا عمل جاری ہے اس کے لئے یَخْتَارُ کا لفظ آیا ہے (۲۸/۶۸) - سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ کے متعلق فرمایا وَاَنَا اخْتَرْتُکَ (۲۰/۱۳) - میں نے تجھے (ایک مقصد عظیم کے لئے) چن لیا ہے - منتخب کر لیا ہے - سورۃ ص میں حضرات انبیاء کرام کے لئے اَخْیَارٌ کا لفظ آیا ہے (۳۸/۴۷) - یعنے منتخب افراد - ابن فارس نے کہا ہے قَوْمٌ خِیَارٌ اور اَخْیَارٌ کے معنی ہیں بہت سی صلاحیتوں کی مالک قوم -

* تاج -

(۵۵/۷۰) میں خَیْرَاتٌ حِسَانٌ۔ متناسب الاعضاء اور معتدل سیرت و کردار رکھنے والی عورتوں کے لئے آیا ہے ، یا متوازن اور عمدہ خوشگوار اشیاء کے لئے۔

چونکہ زندگی کی تمام خوشگواریاں اور اختیارات و اقتدارات کی وسعتیں وانین خداوندی کی رو سے حاصل ہوتی ہیں اس لئے وحی کے لئے بھی خَیْرٌ کی جامع اصطلاح آئی ہے (۲/۱۰۵) ۔ لہذا مومنین کی زندگی یہ ہے کہ انہیں وحی کے اتباع سے ساری دنیا کی مفید اور حسین چیزیں میسر ہوں اور ان کے اختیارات کی وسعتیں حدود فراموش ہوں ۔ یہ ہے خَیْرٌ جو قوانین خداوندی کی اطاعت کا لازمی نتیجہ ہے ۔ اسی لئے سورۃ نحل میں ہے کہ جب مومنین سے ان کے ، مخالفین سوال کرتے ہیں کہ ہمیں بتاؤ تو سہی کہ تمہارے رب نے تمہارے لئے کیا نازل کیا ہے تو وہ اس کے جواب میں ایک جامع لفظ کہہ دیتے ہیں ۔ قَالُوْا خَیْرًا (۱۶/۳۰) ۔ یعنی تمام دنیا کی خوشگواریاں اور خوشحالیاں اور اختیارات کی وسعتیں ۔ اس کی تفسیر اگلے الفاظ نے یہ کہکر کر دی ہے کہ لِّلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ (۱۶/۳۰) اس دنیا میں بھی ہر قسم کی خوشگواریاں ، اور مستقبل کی زندگی میں بھی خوشگواریاں ۔ لہذا ہر وہ عمل جس کا نتیجہ حال اور مستقبل (دنیا اور آخرت) کی خوشگواریاں ہوں ، خیر ہے اور جس کا نتیجہ اس کے برعکس ہو وہ شر ہے ۔ خوشگواریوں میں انسانی ذات (Personality) کی نشو و نما (Development) سب سے مقدم ہے ۔ بلکہ یوں کہئے کہ خوشگوار کہتے ہی اسے ہیں جس سے انسانی ذات کی نشو و نما ہو ۔ جس سے اس کی نشو و نما رک جائے وہ شر ہے ۔ قرآن کریم ایسا پروگرام دیتا ہے جس کا نتیجہ اس قسم کی خوشگواریاں ہوتا ہے ۔ اسے وہ اعمال صالحہ سے تعبیر کرتا ہے ۔ یعنی ایسے اعمال جن سے انسانی ذات کی صلاحیتیں بیدار ہوں اور معاشرہ میں ہمواریاں پیدا ہوں ۔ (دیکھئے عنوان ص ۔ ل ۔ ح)

سورۃ بقرہ میں حج کے سلسلہ میں کہا گیا ہے وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (۲/۱۹۷) ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم حج کے لئے زاد راہ ضرور لیا کرو ۔ اس زادِ راہ کا فائدہ یہ ہوگا کہ تم وہاں بھیک مانگنے سے بچے رہو گے ۔ (یہاں خَیْرٌ کے معنی فائدے کے ہیں اور تقویٰ کے معنی محتاجی کی ذلت سے محفوظ رہنے کے ۔)

خ ی ط

اَلْخَیْطُ ۔ دھاگہ ۔ لڑی* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے باریکی کے ساتھ دراز ہونے کے ہیں ۔ اَلْخِیَاطُ ۔ اَلْمِخْیَطُ

* تاج ۔

سوئی* ۔ فِی سَمِّ الْخِیَاطِ : سوئی کے ناکہ میں (۷/۴۰) ۔ خَاطَ الثَّوْبَ ۔ کپڑے کے ایک حصے کو دوسرے حصے کے ساتھ سی دینا** ۔ خَیَّاطٌ ۔ درزی* ۔

قرآن کریم میں روزوں کے احکام کے سلسلہ میں اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ وَ الْخَیْطُ الْاَسْوَدُ آیا ہے (۲/۱۸۷) یعنے سفید دھاگہ اور سیاہ دھاگہ ۔ اس سے مراد ہے صبح کی پھٹنے والی روشنی اور رات کی تاریکی* ۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں ہر جگہ لفظی معنے نہیں لئے جاتے بلکہ مفہوم کے اعتبار سے مطلب لیا جاتا ہے ۔ اسی بنا پر لطائف اللغۃ میں اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ کے معنی اَلنُّوْرُ (روشنی) کئے گئے ہیں ۔

اَلْخَیْطُ ۔ رنگ کو بھی کہتے ہیں* ۔ اور جماعت کو بھی* ۔

خ ی ل

خَالَ ۔ یَخَالُ ۔ گمان کرنا ۔ خیال کرنا ۔ خَیَّلَ ۔ اندازہ سے معلوم کرنا اور تاڑنا ۔ خُیِّلَ اِلَیْہِ اَنَّہٗ کَذَا ۔ اس کے وہم میں کوئی چیز ایسی معلوم ہوئی ۔ یعنی کوئی چیز جو در حقیقت ایسی نہ ہو لیکن یونہی متخیلہ میں ایسی دکھائی دے ۔ چنانچہ اَلسَّحَابَۃُ الْمُخَیَّلَۃُ اس بادل کو کہتے ہیں جسے تم دیکھنے پر برستا ہوا خیال کرو ۔ اَلْخَیَالُ (Scare - Crow) کو بھی کہتے ہیں ۔ یعنے دو لکڑیوں کے اوپر سیاہ رنگ کا کپڑا ڈال کر اسے آدمی کی شکل دیتے ہیں اور کھیت میں کھڑا کر دیتے ہیں تاکہ جانور اسے آدمی سمجھ کر کھیت کے قریب نہ آئیں* ۔ انہی معانی کے لحاظ سے سورہ طٰہٰ میں ساحرین دربار فرعون کے متعلق ہے کہ انہوں نے رسیوں کو پھینکا تو یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی (۲۰/۶۶) "ان کی نگاہ بندی کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ کے ذہن میں ایسا خیال پیدا ہوا گویا وہ دوڑ رہی ہیں" ۔ یعنے وہ در حقیقت دوڑ نہیں رہی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ متحرک ہیں ۔ آپ غور کیجئے کہ قرآن نے سحر (Magic) کے متعلق کتنی بڑی حقیقت کا انکشاف کیا ہے ۔ اس نے کہا یہ ہے کہ سحر کے زور سے اشیاء کی ماہیت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ۔ صرف دیکھنے والے کے خیال میں تبدیلی واقع ہوتی ہے جس سے اسے وہ اشیاء ایسی نظر آنے لگ جاتی ہیں ، یعنی اس کا اثر محض نفسیاتی ہوتا ہے ۔

---

* تاج ۔ ** محیط ۔

لیکن یہ مفہوم اسی صورت میں لیا جائیگا جب دربار فرعون کے مقربوں کی ''رسیوں اور لاٹھیوں'' کو حقیقی معنوں میں لیا جائے۔ اگر ان کے مجازی معنے لئے جائیں تو پھر مطلب اور ہوگا۔ تفصیل ان امور کی اپنے اپنے مقام پر ملیگی۔ (نیز دیکھئے عنوان س-ح-ر)

اسی سے خُیَلَاءُ کے معنے ہیں ایسا غرور جو انسان اپنے اندر یونہی کسی ذہنی بڑائی کی بناء پر پیدا کرلے۔ یعنے وہ بڑائی درحقیقت اس میں موجود نہ ہو لیکن وہ خود فریبی سے ایسا سمجھ لے کہ اس میں وہ بڑائی ہے اور پھر اس پر فخر کرنے لگ جائے۔ ایسا کرنے والے کو مُخْتَالٌ کہتے ہیں**۔ (۳۱/۱۸) یعنے خود فریبی میں مبتلا۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ایسی حرکت کے ہیں جس میں تلون بھی شامل ہو۔ خَیَّالٌ اسی سے ہے۔ خَیَّالٌ درحقیقت اس چیز کو کہتے ہیں جسے انسان خواب میں دیکھے۔ ایک تو خواب میں ہر شے متلون ہوتی ہے۔ ابھی کچھ ابھی کچھ۔ دوسرے انسان سمجھتا یہ ہے کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے وہ فی الواقعہ ایسا ہے۔ حالانکہ اسکی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ اس سے اس آیہ کا مفہوم اور بھی واضح ہوجاتا ہے جس میں ساحرین کی سحرطرازی کا ذکر ہے (اور جو اوپر درج کی جا چکی ہے۔ یعنی (۲۰/۶۶)۔

راغب نے کہا ہے کہ اسی سے لفظ خَیْلٌ (۳/۱۳) ہے (یعنے گھوڑے یا گھڑ سواروں کا دستہ۔ (۱۰۰/۳) کیونکہ گھوڑا بھی اپنی رفتار میں اٹھلاتا ہوا چلتا ہے۔ اور گھڑ سوار کے دل میں بھی ایک عجیب قسم کا تکبر سا ہوتا ہے*۔

خ ی م

تَخْیِیْمٌ کے معنے ہوئے ہیں خیمے نصب کر کے قیام کرنا۔ عرب اپنے قیام کیلئے جو عارضی سا گھر بنا لیتے تھے اسے خَیْمَۃٌ کہتے تھے۔ اسکی ساخت کے متعلق بہت سے اقوال ہیں لیکن عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ چار لکڑیاں کھڑی کر کے ان پر درختوں (جھاؤ وغیرہ) کے پتے ڈال دئے جاتے تھے۔ اسے خَیْمَۃٌ کہتے تھے۔ جو خیمہ کپڑے سے بنایا جاتا تھا اسے مِظَلَّۃٌ کہتے تھے۔ خَیَّمَ الشَّیْءَ کے معنے ہیں اُسنے کسی چیز کو دوسری چیز سے ڈھانپ دیا***۔ خَیْمَۃٌ کی جمع خِیَامٌ ہے۔ یہ لفظ (۵۵/۷۲) میں آیا ہے۔ حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ۔

*تاج۔ **لین۔ ***تاج و محیط۔

د

د أ ب

اَلدَّأْبُ ۔ اَلدَّاَبُ ۔ (کسی کام میں) مسلسل لگے رہنا ۔ لگا تار کوشش کرنے رہنا ۔ تسلسل اور مداومت کی وجہ سے اسکے معنے عادت مستمرہ یا حالت، دستور، طور طریق کے ہو گئے* ۔ دَاَبَ فُلَانٌ ۔ اس شخص نے لگا تار کوشش کی، تھکا اور مصروف عمل رہا**۔ کتاب الاشتقاق میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ دَاْبٌ اس کام کے لئے بولتے ہیں جو مسلسل، بلا انقطاع کیا جائے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی مداومت کے ہیں ۔

سورۃ آل عمران میں ہے کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ (۳/۱۱) ۔ قوم فرعون کی روش کے مطابق ۔ سورۃ یوسف میں دَاَبًا (۱۲/۴۷) کے معنے ہیں بہت زیادہ محنت اور کوشش کے ساتھ مسلسل۔ سورۃ ابراھیم میں ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاٰئِبَيْنِ (۱۴/۳۳) ۔ سورج اور چاند مسلسل اپنی رفتار کے مطابق چلتے رہتے ہیں ۔ وہ اپنے فریضہ کی سر انجام دہی میں مسلسل مصروف ہیں ۔

داؤد علیہ السلام

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ آپ حضرت ابراھیمؑ کی ذریت (نسل) میں سے تھے۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ (۶/۸۴) ۔ اللہ نے انہیں ایک کتاب (زَبُوْرًا ۔ ۴/۱۶۳) دی تھی ۔ (واضح رہے کہ زَبُوْرًا کے معنی ''ایک کتاب،، ہیں ۔ لیکن سورۃ انبیاء میں اَلزَّبُوْرُ بھی آیا ہے ۔ ۲۱/۱۰۵ ۔ جس کے معنے خاص کتاب کے ہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت داؤدؑ پر نازل شدہ کتاب کا نام ہو) آپ کو علم کی فراوانی عطا کی گئی تھی (۲۷/۱۵) اور محکم سلطنت (۳۸/۲۰) ۔ تا کہ آپ لوگوں میں حق کے ساتھ حکومت کریں (۳۸/۲۶)۔ پہاڑی قبائل کے بڑے بڑے سردار آپ کے مطیع و فرمان پذیر تھے اور آپ کے پروگرام کی تکمیل میں سرگرم عمل رہتے تھے (۳۸/۱۸) ۔ نیز قبیلہ طیر کے خانہ بدوش افراد بھی جن سے شہی

*راغب ۔ **تاج و محیط و اقرب الموارد ۔

رسالے (گھوڑوں کے لشکر) مرتب ہوئے تھے (۳۸/۱۹) ۔ آپ نے اس سے قبل بنی اسرائیل کے لشکر کے ساتھ جالوت کے لشکر کو شکست دی تھی اور جالوت کو قتل بھی کیا تھا (۲/۲۵۱) ۔ معلوم ہوتا ہے کہ لڑائیوں میں پہننے کا لباس (زرہ بکتر) آپ کی ایجاد تھی یا آپ کو اس میں خصوصی ملکہ حاصل تھا (۲۱/۸۰) ۔ آپ کا زمانہ اندازاً ۱۰۰۰ ق ۔ م ۔ سمجھنا چاہئے ۔ کہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ بڑے خوش آواز تھے ۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عبرانی موسیقی مدون کی اور مصری اور بابلی مزامیر (سازوں) کو ترقی دے کر نئے نئے آلات موسیقی ایجاد کئے ۔ جب وہ پہاڑوں پر بیٹھ کر اپنا مربط بجاتے تھے تو شجر و حجر جھومنے لگ جاتے تھے ۔ تورات اور ہماری تفسیری روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے** ۔

د ب ب

دَبَّ النَّمْلُ یَدِبُّ دَبًّا ۔ خاموشی کے ساتھ آہستہ آہستہ چلنا ۔ اس سے دَبَّ الشَّرَابُ فِی الْجِسْمِ کہتے ہیں ۔ یعنے شراب کا جسم میں آہستہ آہستہ سرایت کر جانا ۔ اَلدَّابَّۃُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو زمین پر چلے ۔ ہر رینگنے اور چلنے والا جاندار* ۔ الدِّبَّۃُ ۔ آہستہ رفتار ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس رفتار کو کہتے ہیں جو مَشْیٌ سے خفیف ہوتی ہے ۔

اَلدَّبَّابَۃُ ۔ کھالوں اور لکڑیوں سے بنائی ہوئی ایک بہت بڑی سی محفوظ گاڑی جس میں بیٹھکر سپاہی قلعہ کی دیوار تک پہنچ جاتے تھے تاکہ اسے توڑ سکیں* ۔ (آجکل ٹینک کو دَبَّابَۃٌ کہتے ہیں) ۔ یہ آہستہ آہستہ چلتی تھی اور اس میں بیٹھنے والا دشمن کی زد سے محفوظ رہتا تھا ۔ اَلدَّبْدَبَۃُ ۔ سخت زمین پر چلنے سے قدموں کی آواز ۔ نیز شور ۔ ڈھول بجانا اور ڈھول کی آواز کو بھی کہتے ہیں* ۔

[قاعدہ کے مطابق اس لفظ کو دب دب کے عنوان کے تحت آنا چاہئے لیکن چونکہ اسے محض ضمنی طور پر لکھا گیا ہے اور قرآن میں یہ لفظ نہیں آیا اس لئے اسے الگ لکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کیگئی ۔]

قرآن کریم میں دَابَّۃٌ کا لفظ ، رینگنے والے جانور ، دو پاؤں پر چلنے والے اور چار پاؤں پر چلنے والے جانور ، سب کے لئے آیا ہے ۔ (۲۴/۴۵) ۔ دَابَّۃٌ کی جمع دَوَابُّ ہے ۔ سورۃ حج میں یہ لفظ انسانوں کے علاوہ باقی ذی حیات کے لئے آیا ہے (۲۲/۱۸) ۔ سورۃ فاطر میں یہ لفظ انسانوں اور مویشیوں کے علاوہ دیگر ذی حیات کے لئے آیا ہے ۔ (۳۵/۲۸) ۔ سورۃ نحل میں ہے لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِہِمْ مَا تَرَکَ عَلَیْہَا مِنْ دَآبَّۃٍ (۱۶/۶۱) نیز

*تاج ۔ نیز لطائف اللغۃ ۔ **ترجمان القرآن (ابوالکلام آزاد ۔ جلد دوم صفحہ ۳۸۰)

(۳۵/۴۵) - ''اگر اللہ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ، ان کی (فوری) گرفت کرتا تو زمین پر کوئی دابۃ نہ چھوڑتا،، - اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہاں ''دابۃ،، کا لفظ خود انسانوں کے لئے آیا ہے کیونکہ انسانوں کے غلط اعمال کی وجہ سے انسانوں کو ہلاک ہونا چاہئے ، نہ کہ دیگر مخلوقات کو بھی - لیکن اگر اس کے مفہوم کی وسعت کو دیکھا جائے تو اس سے مراد ، انسان اور دیگر ذی حیات بھی ہو سکتے ہیں - سورۃ انفال میں ، عقل و خرد سے کام نہ لینے والے انسانوں کو شَرَّ الدَّوَآبِّ (۸/۲۲) کہا گیا ہے - یعنی چلنے والے جانوروں (یا ذی حیات) میں سب سے زیادہ بدتر - یعنی حیوانات سے بھی زیادہ راہ گم کردہ - (۷/۱۷۹) -

سورۃ النمل میں ہے وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ (۲۷/۸۲) - راغب نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ شریر لوگ ہیں جو جہالت میں جانوروں کی طرح ہیں - اس طرح یہ لفظ جمع ہو جائیگا* - لیکن جب قرآن نے دَابَّةٌ کا لفظ انسانوں کیلئے بھی استعمال کیا ہے تو پھر ان شریر انسانوں کی جانوروں کے ساتھ مماثلت کی بھی ضرورت نہیں رہتی - اس سے مراد جنگجو قومیں ہونگی - اسکی وضاحت تُكَلِّمُهُمْ نے بھی کر دی ہے جسکے معنے زخمی کرنے کے ہیں - لیکن اگر تُكَلِّمُهُمْ کے معنی بات کرنے کے بھی لئے جائیں تو بھی دَابَّةٌ کے مندرجہ بالا مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا - (دیکھئے عنوان ک - ل - م) - سورۃ سبا میں حضرت سلیمانؑ کے نالائق (جانشین بیٹے) کیلئے یہ لفظ آیا ہے (۳۴/۱۴) - یعنی وہ انسان نہیں تھا، محض حرکت کرنے والا پیکر تھا - (تفصیل سلیمانؑ کے عنوان میں ملیگی) سورۃ ہود میں ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (۱۱/۶) - ''اس زمین میں کوئی دَابَّةٌ ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہو،، - دَابَّةٌ سے مراد خواہ تمام حیوانات (انسان سمیت) ہوں یا صرف انسان، ان سب کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر ہے - یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے تو پھر دنیا میں لوگ بھوک سے کیوں مرتے ہیں ؟ ایک ایک قحط میں مرنے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے - اور عام حالات میں بھی کروڑوں انسان ایسے ہیں جنہیں پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا - اگر انکے رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے تو وہ ذمہ داری پوری کیوں نہیں ہوتی؟ یہ سوال بڑا اہم ہے اور نہایت غور طلب - (جیسا کہ میں

*تاج -

نے اپنی کتاب ''نظام ربوبیت،، میں تفصیل سے لکھا ھے) ایسے مقامات میں اللہ کی ذمہ داری اس نظام کی وساطت سے پوری ھوتی ھے جو قوانین خدا وندی کے مطابق متشکل ھوتا ھے ۔ یعنی یہ نظام ان تمام ذمہ داریوں کو اپنے اوپر لے لیتا ھے جنکی نسبت (قرآن میں) اللہ کی طرف کی گئی ھے اور اسی طرح وہ حقوق و واجبات بھی اسکی طرف منتقل ھو جاتے ھیں جنھیں خدا کے حقوق کہا جاتا ھے ۔ اس صورت میں خدا کی اطاعت اس نظام کی رو سے کی جاتی ھے جو خدا کے احکام کو نافذ کرتا ھے۔ اور عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا کے معنے یہ ھو جاتے ھیں کہ ان تمام انسانوں کے رزق کی ذمہ داری اس نظام کے سر پر عائد ھو جاتی ھے ۔ لہذا نظام خدا وندی میں تمام افراد کی ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا اس نظام کےذمہ ھوتا ھے ۔ رزق کے سر چشمے اصلاً اس نظام کی تحویل میں بطور امانت رھتے ھیں اور وہ نظام خدا کے دئے ھوئے رزق کی تقسیم اسطرح کرتا ھے کہ کوئی متنفس اس سے محروم نہیں رھنے پاتا ۔ اسطرح خدا کی ذمہ داریاں خود بخود پوری ھوتی رھتی ھیں ۔ لیکن جب وہ نظام قائم نہ ھو تو مستبد قوتیں رزق کے سر چشموں پر قابض ھو جاتی ھیں اور کمزور انسان ان کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرتے ھیں ۔ وہ جسے چاھتے ھیں رزق دیتے ھیں اور جتنا چاھتے ھیں دیتے ھیں ۔ آسمانی انقلاب ، رزق کے سر چشموں کو ان کے ھاتھ سے چھین کر، انسانیت کی پرورش کے لئے نظام خداوندی کی تحویل میں دیدیتا ھے ۔

سورۃ شوریٰ میں ھے وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْھِمَا مِنْ دَآبَّۃٍ ۔ وَھُوَ عَلٰی جَمْعِھِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ (۴۲/۲۹) ۔ ''اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ھے کہ اس نے ارض وسمٰوٰت، زمین اور فضائی کروں، کو پیدا کیا اور (جو) ان کے اندر اس نے ذی حیات (دابۃ) پھیلا دئے ھیں ۔ اور وہ اپنے قانون مشیت کے مطابق انھیں جمع کرنے پر قادر ھے،، ۔ اس آیت سے آسمانی کروں میں ذی حیات آبادی کا سراغ ملتا ھے۔ نیز، اب غالباً وہ زمانہ قریب آ رھا ھے جب زمین کی آبادی، آسمانی کروں کی آبادی کے ساتھ مل جائے (دونوں جمع ھو جائیں) ۔ قرآن نے انسان کے متعلق واضح الفاظ میں کہ رکھا ھے کہ ارض وسمٰوٰت میں جو کچھ ھے وہ اس کے لئے تابع تسخیر کر دیا گیا ھے ۔ اس لئے اسکی یہ کوشش کہ آسمانی کروں تک جا پہنچے، قرآنی تعلیم کے مطابق ھے ۔ ان کروں میں سے جن میں آبادی ھوگی وہ اسطرح زمین کی آبادی کے ساتھ مل جائیگی ۔ دیکھا آپ نے کہ انفس و آفاق کی نشانیاں کسطرح قرآنی حقائق کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچائے چلی جا رھی ھیں ؟ (۴۱/۵۳)۔

د ب ر

اَلدُّبُرُ - الدُّبْرُ - ہر شے کا پچھلا حصہ۔ بات کا انجام، نیز اس کے معنے پشت اور مقعد کے بھی کئے گئے ہیں۔ ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنے کسی چیز کا اخری اور پچھلا حصہ بتائے ہیں - جمع اَدْبَارٌ - سورۃ قمر میں ہے یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (۵۴/۴۵) - وہ پیٹھ پھیر دینگے - سورۃ یوسف میں ہے مِنْ دُبُرٍ (۱۲/۲۵) - پیچھے سے - سورۃ نمل میں ہے وَلّٰی مُدْبِرًا (۲۷/۱۰) - وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا -

اِدْبَارٌ - پیچھے ہٹنا، آخری وقت - اِدْبَارَ النُّجُوْمِ (۵۲/۴۹) - آخر شب میں ستاروں کے ڈوبنے کا وقت* - ستاروں کا پیچھے ہٹنا -

اَلدَّابِرُ - ہر چیز کا آخر - اصل و بنیاد* - فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ (۶/۴۵) - اس قوم کا آخری آدمی تک بھی ہلاک ہو گیا - اسکی جڑ کٹ گئی - اَلتَّدْبِیْرُ - اَلتَّدَبُّرُ - کسی معاملہ کے انجام پر نظر رکھتے ہوئے اس میں غور و فکر کرنا - آخری منزل (مقام تکمیل) کو سامنے رکھکر نظم و نسق کرنا - یُدَبِّرُ الْاَمْرَ (۳۲/۵) - وہ تدبیر امور کرتا ہے - اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (۴/۸۲) ''کیا یہ اس پر غور و فکر نہیں کرتے کہ قرآن کیا کہتا ہے'' اور کاروان انسانیت کو کس منزل کی طرف لیجاتا ہے - سورۃ ص میں ہے لِیَدَّبَّرُوْا اٰیٰتِہٖ (۳۸/۲۹) - تا کہ وہ اس کی آیات پر غور کریں -

اَلْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا (۷۹/۵) - معاملات کو تکمیل تک پہنچانے والے - تدبیر امور کرنے والے -

سورۃ ق میں ہے فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ - وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْہُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (۵۰/۳۹-۴۰) - رسول اللہ سے کہا گیا ہے کہ تمہارے مخالفین جو کچھ کہتے ہیں اس سے مضطرب و بیچین نہ ہو - اور خدا کی ربوبیت کو مظہر حمدوستائش بتانے کے لئے سرگرم عمل رہو - طلوع شمس اور غروب شمس سے پہلے - اور رات میں بھی اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے جدو جہد کرو - اور اَدْبَارَ السُّجُوْدِ میں بھی - سورۃ طور کے اخیر میں بھی یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں آیا ہے - لیکن وہاں اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ہے - اس کے معنی ستاروں کے ڈوبنے یا پیچھے ہٹنے کے ہیں - لیکن سورۃ

*تاج و محیط -

ق میں اَدْبَار آیا ہے جو دُبُرٌ کی جمع ہے ۔ دوسرا لفظ سُجُوْد ہے جو مصدر ہے اور اس کے معنی جھکنے یا مائل ہونے کے ہیں ۔ اس سُجُوْد کے اَدْبَار کیا ہیں، یہ چیز غور طلب ہے ۔ عام تفاسیر اور کتب لغت میں اس کے معنی ''نماز کے بعد،،لکھے ہیں*۔ لیکن یہ معنی جچتے نہیں ۔ بالخصوص اس لئے کہ یہاں لفظ اَدْبَار آیا ہے اِدْبار نہیں ۔ نیز دُبُرٌ کسی شے کے آخری اور پچھلے حصہ کو کہتے ہیں جو اس میں شامل ہوتا ہے ۔ اور ''بعد،، کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی واقعہ یا چیز ختم ہو جائے اور اس کے بعد کوئی اور واقعہ یا چیز شروع ہو ۔ ہم اپنی اس وقت تک کی تحقیق کے مطابق متعین طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اس سے مقصود کیا ہے ۔

د ث ر

اَلدَّثْرُ ۔ مالِ کثیر یا ہر کثیر شے کو کہتے ہیں ۔ مَالٌ دَثْرٌ ۔ بہت زیادہ مال ۔ اَلدِّثَارُ ۔ وہ کپڑا جس میں آدمی لپٹ جائے ۔ تَدَثَّرَ بِالثَّوْبِ وہ کپڑے میں لپٹ گیا ۔ دَثَرَ الشَّجَرُ دُثُوْرًا ۔ درخت نے نئے پتے نکال لئے اور اسکی سبز شاخیں پھیلیں ۔ هُوَ دَثْرُ مَالٍ ۔ وہ اونٹوں کی اچھی خبر گیری کرنے والا ہے ۔ تَدْثِيْرُ الطَّائِرِ ۔ پرند کا اپنے گھونسلے کو درست کرنا ۔ نیز اَلدَّثُوْرُ ۔ سست رفتار ۔ بوجھل ۔ اور زیادہ سونے والے آدمی کو بھی کہتے ہیں ۔ (جو کپڑوں میں لپٹا رہے) ۔ اور دَثَرَ الْاَثَرُ نشان کے مٹ جانے کو کہتے ہیں** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں چیزوں کا اوپر تلے آ جانا ۔ تہ بہ تہ جم جانا ۔ یا اوپر چڑھ جانا ۔ ان معانی کی رو سے راغب نیز ابن فارس نے اس مادہ کے مختلف استعمالات بیان کئے ہیں جن سے مفہوم کسی کے اوپر چھا جانا ہے ۔ مَنْزِلٌ دَاثِرٌ ۔ وہ منزل جس کے آثار (نشانات) مٹ گئے ہوں یا تہ بہ تہ مٹی چڑھ جانے سے چھپ گئے ہوں ۔

قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کو یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۷۴/۱) کہکر پکارا گیا ہے ۔ اَلدِّثَارُ کے اعتبار سے اس کے عام طور پر معنے کئے جاتے ہیں ۔ اے کپڑا اوڑھنے والے ۔ لیکن تَدْثِيْرُ الطَّائِرِ کے مفہوم کی رو سے اس کے معنے ہونگے، گھر کو ٹھیک کرنے والا ۔ اور دِثْرُ مَالٍ کے مفہوم کے پیش

*لسان العرب ۔ تفسیر فتح القدیر (شوکانی) ۔ تفسیر روح المعانی (آلوسی) **تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔

نظر اسکے معنے ہونگے، اچھی خبر گیری کرنے والا ۔ لہذا اسکا یہی مفہوم زیادہ مناسب نظر آتا ہے کہ اے وہ جس کے ذمہ انسانیت کے سنوارنے کا فریضہ ہے۔ یا اے وہ جو نوع انسانی کے معاملات کو حسن تدبیر سے سلجھانے کیلئے آیا ہے ۔ اور دَثَّرَ الشَّجَرُ کے اعتبار سے معنے ہونگے، اے وہ جسکی آمد سے ایک نئی دنیا وجود میں آنے والی ہے ۔ یا جسکی آمد سے چمن عالم پر بہار آنے والی ہے ۔ اس تخاطب کے بعد آپؐ سے کہا گیا قُمْ فَاَنْذِرْ (۷۴/۲) ''اٹھ اور دنیا کو غلط روش کے عواقب سے آگاہ کر دے'' ۔ اس کے بعد اس دعوت انقلاب کے مختلف اجزا کو سامنے لایا گیا ہے ۔ اس سے بھی واضح ہے کہ اَلْمُدَّثِّرُ میں انقلاب آفرینی اور نوع انسان کی خیر مگالی کا پہلو نمایاں ہے۔ یہی ایک آسمانی داعی انقلاب کی خصوصیت اور ذمہ داری ہوتی ہے ۔ راغب نے جو مفہوم بیان کیا ہے اسکی رو سے اس کے معنی باطل کے ہر تصور اور نظریہ پر چھا جانے والا ۔ (غالب آ جانے والا) بھی ہو سکتے ہیں ۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (۹/۳۳) ''تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے'' ۔ اسی مفہوم کی وضاحت کرتا ہے۔ ابن فارس نے اس مادہ کے استعمال کی مثالیں دیتے ہوئے کہا ہے کہ تَدَثَّرَ الرَّجُلُ فَرَسَهٗ کے معنی ہیں آدمی اپنے گھوڑے پر اچھل کر سوار ہو گیا* ۔ اس میں ''اچھل کر یا اچک کر'' کی خصوصیت قابل غور ہے ۔ یہ چیز بتدریج نہیں ہوتی بلکہ یک لخت ہوتی ہے ۔ جو انقلاب نبی اکرمؐ کے ہاتھوں سے رونما ہوا تھا اس کا طریق (Revolutionary) تھا ۔ یعنی انقلاب کا دفعۃً رونما ہو جانا ۔ اس کے بعد اب قرآنی تصورات حیات کا غلبہ بتدریج ہو رہا ہے ۔ اسے (Evolutionary) طریق کہتے ہیں ۔ زمانہ ایک چیز کو لیتا ہے۔ اس کا تجربہ کرتا ہے اور اپنے ناکام تجارب کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ صحیح نظریہ وہی ہے جسے قرآن نے پیش کیا تھا اور نبی اکرمؐ نے عملاً کر کے دکھا دیا تھا ۔ لہذا اب قرآنی تصورات کا باطل کے تصورات پر غلبہ تدریجاً ہو رہا ہے ۔ لیکن اگر انسانوں کی کوئی جماعت اس نظام کو لیکر اٹھے یا کوئی مملکت اسے اپنے ہاں نافذ کر کے اس کے انسانیت ساز تعمیری نتائج دنیا کے سامنے لے آئے تو یہ نظام پھر اچک کر، دوسرے نظامہائے حیات پر غالب آ سکتا ہے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ سنت رسول اللہؐ کے اتباع میں تدثّر کا یہ عمل خیر کس قوم کے ہاتھوں سر انجام پاتا ہے؟ وہی قوم اس دور میں انسانیت کی سب سے بڑی محسن ہوگی، اسی کے ہاتھوں شجر ہستی کے پھول کھلینگے اور چمن کائنات پر پھر بہار آئیگی ۔

* نیز لسان العرب ۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اَلْمُدَّثِّرُ کے معنی ہیں انسانی کمالات اور شرف نبوت سے آراستہ و پیراستہ ہونے والا ۔ نیز اس نے کہا ہے کہ اَلْمُدَّثِّرُ کے معنی کنایۃً ایسے شخص کے ہیں جس کے پاس کوئی پروگرام نہ ہو اور وہ فارغ بیٹھا ہو۔ اس مفہوم کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قُمْ فَاَنْذِرْ کہکر حضورؐ کو عظیم الشان انقلابی پروگرام عطا کر دیا ۔ تفسیر فتح القدیر (شوکانی) نے اس کے معنی لکھے ہیں ، نبوت اور اسکی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے والا۔

عام خیال یہ ہے کہ اَلْمُدَّثِّرُ دراصل اَلْمُتَدَثِّرُ تھا ۔(یعنی تَفَعُّلٌ کے خاندان سے)۔ تاء مد غم ہوگئی دال میں۔ اور اسطرح اَلْمُدَّثِّرُ بن گیا ۔

د ح ر

اَلدَّحْرُ ۔ کسی کو نکال دینا ۔ دور کر دینا ۔ دھکا دینا ۔ ذلت کے ساتھ جبراً نکال دینے کو کہتے ہیں* ۔ سورۃ صٰفّٰت میں ہے وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا (۳۷/۸-۹) ''اور ہر طرف سے ملامت کئے جاتے ہیں، دھتکارے ہوئے،، ۔ دور اور دفع کرنے کے معنوں میں، سورۃ اعراف میں ابلیس کے متعلق ہے مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا (۷/۱۸) ۔ ''ذلیل ۔ دھتکارا ہوا ۔ دور کیا ہوا،، ۔

د ح ض

دَحْضٌ ۔ اسکے اصلی معنے پھسلنے کے ہوتے ہیں ۔ پھر اسکا استعمال کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹانے، مٹانے یا باطل کر دینے، کیلئے ہونے لگا ۔ کیونکہ دَحَضَ بِرِجْلِهٖ ۔ اسوقت بولتے ہیں جب کوئی ذبح کئے ہوئے جانور کی طرح اپنے پاؤں زمین پر مارتا اور رگڑتا ہے ۔ مَكَانٌ دَحْضٌ ۔ پھسلنی جگہ کو کہتے ہیں* ۔ ابن فارس نے اس مادے کے بنیادی معنی ہٹ جانے اور پھسلنے کے لکھے ہیں ۔

سورۃ کہف میں ہے لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ (۱۸/۵۶) ۔ تاکہ وہ (باطل کے ذریعہ) حق کو اپنے مقام سے پھسلا دیں اور بیکار کر دیں ۔ سورۃ شوری میں ہے ۔ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ (۴۲/۱۶) انکی دلیل اور دعویٰ (خدا کے نزدیک) بالکل بودا اور بے ثبات ہے۔ سورۃ صٰفّٰت میں ہے فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ (۳۷/۱۴۱)۔ اسکا پاؤں پھسل گیا ۔ یا اسمیں طاقت نہ رہی ۔ وہ کمزور و ناتوان ہو گیا

*تاج و محیط و راغب ۔

د ح و (ی)

دَحٰی ۔ پھیلا دینا ۔ بچھا دینا۔ وسیع کر دینا*۔ دَحَا اَلْمَطَرُ الْحَصٰی۔ بارش نے کنکریوں کو بہا دیا ۔ دَحَی اَلْاِبِلَ ۔ اس نے اونٹوں کو ھانکا**۔ مَرَّ الْفَرَسُ یَدُحُّ دَحْوًا ۔ گھوڑا اپنے سم زمین پر لگاتا مٹی اڑاتا ہوا دوڑا*** ۔ ھُوَ یَدُحُّ بِالْحَجَرِ ۔ وہ پتھر پھینکتا ہے**** ۔ تاج نے اس معنے میں یَدُحُّ الْحَجَرَ بِیَدِہٖ لکھا ہے ۔

دَحَا کے ان معانی کو پیش نظر رکھئے اور پھر قرآن کی اس آیت پر غور کیجئے جس میں اجرام سماوی کی تخلیق کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰھَا (۷۹/۳۰) ۔ ''اور زمین کو اس کے بعد پھینکا ۔ اور ہموار کیا،، ۔ سورۃ انبیاء میں کہا ہے کہ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا (۲۱/۳۰) ۔ اجرام فلکی (ارض و سما) کا ہیولی پہلے باہمد گر پیوست تھا ۔ پھر انہیں الگ الگ کیا گیا۔ اسطرح زمین کے کرہ کا جداگانہ وجود عمل میں آیا ۔ پھر اس میں مزید تغیرات سے ہمواری پیدا کی گئی ۔ اس حقیقت کو دَحٰھَا سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یعنے اَرْضٌ (زمین) کو اس ہیولی سے یوں الگ کیا جسطرح گوپئے سے پتھر پھینکا جاتا ہے۔ یا جیسے بارش کنکریوں کو بہا کر دور لیجاتی ہے ۔ یا جیسے گھوڑا گرد و غبار اڑاتا چلا جاتا ہے ۔ ذرا سوچئے کہ آج سے قریب ڈیڑھ ہزارسال پہلے، اجرام فلکی کی تخلیق سے متعلق یہ باتیں وحی کے علاوہ اور کون بتا سکتا تھا؟ نیز بَعْدَ ذٰلِکَ اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ ارض (زمین) کی تخلیق اس ہیولی کے بعد ہوئی ۔ یعنے یہ دوسری اسٹیج تھی ۔ پہلے وہ ہیولی وجود میں آیا جو باہمد گر پیوست تھا ۔ پھر اس میں سے مختلف کرے (منجملہ ارض) تیزی سے الگ ہوئے اور اپنے اپنے ''فلک،، میں تیرنے لگے (۷۹/۳۰) ۔

د خ ر

دَخَرَ ۔ یَدْخَرُ ودَخِرَ ۔ یَدْخَرُ ۔ چھوٹا ہونا۔ مطیع ہو کر جھک جانا ۔ اَلدَّاخِرُ ۔ جھکنے والا ۔ دُخُوْرٌ ۔ ذلت اور کہتری کو کہتے ہیں ۔ اَلدَّخَرُ ۔ تحیر کو کہتے ہیں جو عقل کی بیچارگی اور عاجزی کی دلیل ہے ۔ اَدْخَرَہٗ ۔ اس نے اسے ذلیل کر دیا ۔ عاجز بنا دیا***** ۔

قرآن کریم میں اشیائے کائنات کے متعلق ہے کہ وہ دَاخِرُوْنَ ہیں (۱۶/۴۸) ۔ یعنی قوانین خدا وندی کے سامنے سجدہ ریز ۔ یہ معانی اس سے ملحقہ

*تاج **محیط ***راغب ****لسان العرب ۔ *****تاج ۔ راغب و محیط۔

آیت نے واضح کر دئے ھیں جس میں ھے کہ لِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (۱۶/۴۹) ۔ ''کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ھے اللہ (کے قانون) کے سامنے سجدہ ریز ھے،، ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان س ۔ ج ۔ د) ۔

انسانوں کے خود ساختہ مذھب نے، مظاھر فطرت (اشیائے کائنات) کو معبود قرار دیکر، انسان کو ان کے سامنے جھکنا سکھایا ھے۔ قرآن کریم نے یہ اعلان کر کے کہ تمام اشیائے کائنات ان قوانین خدا وندی کے سامنے جھکی ھوئی ھیں جن کا علم انسان کو دیدیا گیا ھے ، دنیائے انسانیت میں کتنا عظیم انقلاب برپا کر دیا ؟

د خ ل

دَخَلَ یَدْخُلُ ۔ اندر داخل ھوا ۔ خَرَجَ کی ضد ھے (۲/۱۱۱) ۔ اَدْخَلَ ۔ داخل کیا (۱۵/۸۰) ۔ دَاخِلَۃَ الْاَرْضِ ۔ وہ چیزیں جو زمین کے اندر چھپی ھوئی ھوں۔ اَلدَّخْلُ ۔ جو کچھ اپنی جائداد سے آمدنی ھو۔ اَلدَّخَلُ ۔ مکر و فریب، دھوکا، نیز عقلی یا جسمانی ابتری اور فساد کو بھی کہتے ھیں* ۔ راغب نے اندرونی ابتری اور دشمنی کے لئے بھی دَخَلٌ کا استعمال کنایۃً بتایا ھے** ۔ سورۃ نحل میں ھے تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَکُمْ دَخَلًا بَیْنَکُمْ (۱۶/۹۴) ''تم اپنی قسموں کو باھمی فساد کا موجب بنا لیتے ھو،، ۔ یہاں دَخَلٌ کے معنے فساد اور ابتری کے ھیں ۔

دَخَلَ بِالْمَرْاَۃِ کے معنی ھیں، اس نے عورت سے مباشرت کی ۔ سورۃ نساء میں ھے مِنْ نِسَائِکُمُ اللّٰتِی دَخَلْتُمْ بِھِنَّ (۴/۲۳) ۔ اسمیں اسکے معنے مباشرت کے ھیں ۔ یعنی ان عورتوں کے بطن سے جن سے تم زنا شوئی کے تعلقات قائم کر چکے ھو ۔

سورۃ توبہ میں منافقین کی ذھنیت کا ذکر کرتے ھوئے کہا گیا ھے کہ یہ لوگ طوعًا و کرھًا تمہارے ساتھ میدان جنگ میں آ تو گئے ھیں لیکن ان کی حالت یہ ھے کہ لَوْ یَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَیْہِ وَھُمْ یَجْمَحُوْنَ (۹/۵۷) اگر انہیں کوئی پناہ گاہ یا (چھپنے کے لئے) غار یا گھسنے کے لئے کوئی مقام مل جائے تو یہ بدحواسی سے اسکی طرف بھاگ نکلیں ۔ یہاں قرآن کریم نے مُدَّخَلًا کا لفظ استعمال کیا ھے ۔ یہ باب

*تاج ۔ **راغب ۔

افتعال سے ہے جس کے خواص میں کسی کام کو پورا زور لگا کر بہ مشقت کرنا داخل ہے ۔ اس باب کے انتخاب سے قرآن کریم نے ان کی بدحواسی اور میدان سے بھاگ نکلنے کی شدت آرزو کا نقشہ کھینچکر رکھ دیا ہے ۔ یعنی اگر ان کے سامنے کوئی چھوٹی سی چھپنے کی جگہ بھی آ جائے تو یہ اس میں گھسنے کی کوشش کرینگے خواہ اس میں کتنا ہی زور کیوں نہ لگانا پڑے۔

د خ ن

اَلدُّخَانُ ۔ دھواں ۔ دَخَنَ النَّبَّارُ دُخُوْنًا ۔ غبار بلند ہو گیا *۔ دَخَنَ الْفِتْنَةِ ۔ فتنہ کو ظاہر کرنا اور بر انگیختہ کرنا**۔ خُلُقٌ دَاخِنٌ ۔ خراب اخلاق ۔ اَلدُّخَانُ ۔ قحط سالی، خشک سالی، اور بھوک کو بھی کہتے ہیں کیونکہ بھوکے آدمی کو بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے اور آسمان کے درمیان دھواں سا نظر آتا ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ بھوک کو دُخَانٌ اسلئے کہتے ہیں کہ خشک سالی میں زمین سے غبار اڑ کر آسمان میں دھواں سا بن جاتا ہے ۔ اَلدُّخَانُ ۔ شر، خرابی اور ابتری کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔ یَوْمٌ دُخْنَانٌ ۔ سخت گرمی اور مصیبت کا دن** ۔

قرآن کریم میں ہے کہ اَرْضٌ کو دو مراحل میں پیدا کیا ۔ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ (۴۱/۱۱) ۔ پھر وہ دیگر اجرام فلکی کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ بالکل دھوئیں (گیس) کی حالت میں تھے ۔ سائنس کے انکشافات اس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں جسے قرآن کریم نے اتنا عرصہ پہلے بیان کیا تھا ۔ اجرام سماوی کے اولین ہیولٰی (Nebulae) کو ایسا ہی بتایا جاتا ہے ۔

سورۃ دخان میں ہے ۔ یَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ (۴۴/۱۰) ۔ جب ساری فضا میں گرد و غبار (یا دھواں) پھیل جائیگا۔ جب مصائب و آلام عام ہو جائینگے ۔ ہر طرف فتنہ و فساد پھیل جائیگا ۔ یا بھوک اور قحط کی وجہ سے آسمان دھواں ہی دھواں نظر آئیگا ۔ یہ عذاب الیم ہوگا (۴۴/۱۱) ۔

د ر أ

دَرَاَهُ ۔ يَدْرَؤُهُ ۔ دَرْءٌ ۔ دفع کرنا ۔ رد کرنا**۔ سختی سے ہٹانا***۔ دَرَاَ عَلَيْهِمْ دُرُوْءًا ۔ یکایک کسی کے سامنے نمودار ہو جانا ۔ جَاءَ

*تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔**تاج ***محیط ۔

السَّیْلُ دَرَّاً ۔ سیلاب کہیں دور سے آگیا، نہ معلوم کہاں سے یکایک آگیا*۔

دَرَأْتُہٗ عَنِّیْ ۔ میں نے اسے اپنے پاس سے ہٹایا (۳/۱۶۷)۔ مُدَارَاۃٌ ۔ کے معنے مخالفت اور مدافعت کے ہوتے ہیں* ۔

قرآن کریم میں ہے وَ یَدْرَؤُ عَنْہَا الْعَذَابَ (۲۴/۸)۔ ''یہ بات عورت سے سزا کو دفع کرسکتی ہے'' ۔ اس سے اس کی سزا رک سکتی ہے ۔ سورۃ قصص میں ہے وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ (۲۸/۵۴) ۔ حسنات کے ذریعہ سیّئات کا ازالہ کرتے ہیں ۔ یہ ایک عظیم حقیقت ہے جسے قرآن کریم نے متعدد مقامات پر، متنوع اسالیب سے بیان کیا ہے ۔ وہ کہتا یہ ہے کہ تخریب کی روک تھام دوسری قسم کی تخریب سے نہیں ہوتی ۔ اس کی مدافعت اس سے قوی تر اور مؤثر تر تعمیر سے ہوتی ہے ۔ آپ کمزور ہیں اس لئے ہر قسم کے تخریبی جراثیم آپ پر غالب آجاتے ہیں اور آپ بیمار ہو جاتے ہیں ۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنی قوتِ مدافعت بڑھائیں ۔ اس طرح آپ کی تخریب رک جائیگی اور تعمیر کا سلسلہ آگے چلیگا ۔ زندگی کے ہر گوشے میں ، تخریب کی مدافعت کا یہی صحیح طریق ہے ۔ اسی کو ''نیکیوں کا پلڑا جھکنا'' کہتے ہیں ۔

تَدَارَءُوْا فِی الْخُصُوْمَۃِ ۔ کے معنے ہوتے ہیں جھگڑے میں ایک دوسرے کو دھکا دینا یا بات کو ایک دوسرے پر ڈالنا اور اسطرح باہم اختلاف کرنا* ۔ یعنے ایسکا کہنا کہ یہ اس نے کیا ہے اور دوسرے کا کہنا کہ نہیں اس نے کیا ہے۔ ان معنوں میں یہ لفظ (۲/۷۲) میں آیا ہے ۔ یعنی فَادّٰرَءْتُمْ فِیْہَا ۔ اہل لغت کا کہنا ہے کہ یہ اصل میں تَدَارَأْتُمْ تھا ۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ ایک الگ باب ہے جسے قرآن کریم نے تو استعمال کیا ہے لیکن صرفیون نے اسے الگ شمار نہیں کیا ۔

د ر ج

دَرَجَ ۔ چلنا ۔ بہت آہستہ آہستہ ، کھسک کھسک کر چلنا* اوپر چڑھنے والے کی طرح چلنا** ۔ مَدْرَجَۃُ الطَّیْرِ بِیْضِ ۔ راستے کا واضح اور کھلا حصہ ۔ دَرَجَ الْقَوْمُ ۔ (آہستہ آہستہ) قوم ختم ہو گئی اور اس کی نسل باقی نہ رہی* ، قرآن کریم میں ہے سَنَسْتَدْرِجُہُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ (۷/۱۸۲) ۔ اس کے معنے یہی ہیں کہ ہم انہیں یوں اسطرح آہستہ آہستہ پکڑ لینگے اور ختم کر دینگے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ تباہی کہاں سے آگئی ۔

* تاج ۔ **راغب ۔

دَرَجَ الشَّیْئُ ۔ اس نے چیز کو تہ کیا اور لپیٹ لیا ۔ اَلدَّرْجُ ۔ وہ چیز جس پر کچھ لکھا ہوا ہو ۔ دَرْجُ الْکِتَابِ ۔ کتاب کی تہ* ۔

اَلدَّرَجَۃُ ۔ سیڑھی کا ایک ڈنڈا (Step) (دَرَجَاتٌ اوپر کی طرف لے جانے والے ڈنڈے (Steps) اور دَرَکَاتٌ نیچے کی طرف لانے والے**) ۔ راغب نے کہا ہے کہ مَنْزِلَۃٌ اور دَرَجَۃٌ تقریباً ایک ہی چیز ہے ۔ لیکن مَنْزِلَۃٌ (اترنے کی جگہ) کو دَرَجَۃٌ اس وقت کہتے ہیں جب اس پر چڑھا جا رہا ہو ۔ نیز دَرَجَۃٌ سے بلند منزلت بھی مراد لی جاتی ہے ۔ اسی اعتبار سے دَرَجَاتٌ کے معنی مراتب ہیں ۔ ایک دوسرے کے اوپر طبقات ۔ اَلْمَدَارِجُ ۔ پہاڑی راستوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ عام طور پر ہر موڑ کے بعد راستہ اور بلند ہو جاتا ہے ۔ ان موڑوں کو اَلْمَدَارِجُ کہتے ہیں* ۔

مجاہدین کے متعلق فرمایا کہ انہیں قَاعِدِیْنَ (بیٹھے رہنے والوں) پر دَرَجَۃٌ حاصل ہے (۴/۹۵) ۔ سورۃ توبہ میں ہے کہ مجاہدین اور مہاجرین اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ (۹/۲۰) ''اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ'' رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں مردوں اور عورتوں کے متعلق ہے کہ وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۲/۲۲۸) ۔ عورتوں کے لئے، از روئے معروف، ان فرائض کے مطابق حقوق ہیں جو ان پر عائد ہوتی ہیں ۔ یعنی جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں ۔ بلحاظ حقوق و فرائض ان میں کسی کو کسی پر افضلیت نہیں ۔ دونوں مساوی ہیں ۔ لیکن اس کے بعد ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ (۲/۲۲۸) ۔ مردوں کو ایک بات میں ان پر فوقیت حاصل ہے ۔ وہ ایک بات کیا ہے؟ اس کا ذکر خود اسی آیت میں موجود ہے ۔ طلاق کے بعد عورت کے لئے عدت کی میعاد مقرر ہے جس میں وہ کسی سے نکاح نہیں کرسکتی لیکن مرد کے لئے عدت کی کوئی قید نہیں ۔ نیز اگر طلاق مرد کی طرف سے ہو اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو وہ عدت کے دوران میں بھی مطلقہ بیوی کو پھر سے اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے ۔ وَبُعُوْلَتُھُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا (۲/۲۲۸) ۔ یہ ہے وہ بات جس میں مرد کو عورت کے مقابلہ میں رعایت یا دَرَجَۃٌ (ایک فضیلت) حاصل ہے ۔ یہ نہیں کہ مرد (Men) عورتوں (Women) کے مقابلہ میں افضل (Superior) ہیں ۔ آپ تاریخ انسانیت پر غور فرمائیے ۔ عورتوں اور مردوں کے تعلقات کے سلسلہ میں ہر جگہ

* تاج ۔ ** لین ۔ *** راغب ۔

''عَلَيْهِنَّ'' نمایاں طور پر دکھائی دیگا۔ یعنی مردوں کے حقوق ھی حقوق ھونگے اور ھورت کی ذمہ داریاں ھی ذمہ داریاں ۔ ھورت کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جائیگا۔ یعنی ھورت کسی بات کو مرد سے بطور استحقاق (As of Right)طلب نہیں کرسکیگی ۔ یہ انقلاب آفریں آواز آپ کو قرآن کریم کی عدالت سے بلند ھوتی سنائی دے گی کہ ھورت کے بھی اسی طرح حقوق ھیں جس طرح مرد کے ۔ اور اس باب میں دونوں برابر ھیں ۔ جس قسم کے مردوں کے حقوق ھورتوں پر (عَلَيْهِنَّ) اسی قسم کے ھورتوں کے حقوق مردوں پر (لَهُنَّ) ۔ انسان کی عمرانی اور معاشرتی زندگی میں کتنا بڑا انقلاب ھے جو ان چار لفظوں کی رو سے پیدا کر دیا گیا ھے ۔ اور کسقدر جامع ھیں یہ چار لفظ—وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ—اس کے بعد بِالْمَعْرُوفِ کہکر اس کی بھی صراحت کر دی کہ یہ بات کسی فرد یا معاشرہ کی مرضی پر نہیں چھوڑ دی گئی ۔ اس کی (Provision) قانونِ خداوندی میں کر دی گئی ھے ۔ اسی قانون (قرآن کریم) نے یہ بھی بتایا ھے کہ وہ ایک بات کیا ھے جس میں مرد کو ھورت کے مقابلہ میں ایک فوقیت (دَرَجَةٌ) حاصل ھے ۔

حقوق اور ذمہ داریوں کی مساوات کا یہ مطلب نہیں کہ فطرت کی طرف سے جو فرائض مرد اور ھورت پر عائد ھوتے ھیں وہ بھی یکساں ھیں ۔ تقسیم عمل کے لحاظ سے فطرت نے مرد اور ھورت کی تخلیق میں فرق رکھا ھے ۔ اس لئے جو فرائض عورت کے ذمے عائد کئے گئے ھیں انہیں ھورت کو سرانجام دینا ھوگا اور جو مرد کے ذمے ھیں انہیں مرد کو ۔ ھورت کا مختص فریضہ جسے مرد ادا نہیں کرسکتا ، اولاد کی پیدائش اور تربیت ھے ۔ اور چونکہ اس میں ھورت کا بہت سا وقت صرف ھو جاتا ھے اس لئے کسب معاش کا فریضہ مردوں کے ذمہ عائد کیا گیا ھے ۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ (۴/۳۴) ۔ کے یہی معنی ھیں ۔ (تفصیل ان امور کی اپنے مقام پر ملیگی)

د ر ر

اَلدَّرُّ ۔ دودھ (لیکن اس میں موٹی دھار کا تصور اور کثرت کا مفہوم پایا جاتا ھے) اَلدِّرَّةُ ۔ دودھ کی فراوانی ۔ اِسْتَدَرَّ اللَّبَنُ ۔ دودھ کثیر ھوگیا۔ دَرَّتِ السَّمَاءُ بِالْمَطَرِ ۔ آسمان سے بکثرت (موسلادھار) بارش برسی۔ ایسے موسلادھار برسنے والے بادل مِدْرَارٌ کہلائینگے*۔(۶/۶) ۔ دَرَّةُ السَّرَاجِ ۔ چراغ خوب روشن ھو گیا ۔ کَوْكَبٌ دُرِّيٌّ ۔ چمکدار روشن ستارہ* ۔

*تاج و راغب **محیط ۔

جسمیں سے نور کی ندیاں روان ہوں (۲۴/۳۵) ۔ یہ لفظ دُرِّیَّۃٌ (ایک موتی) میں یائے نسبتی لگا کر بنایا گیا ہے ۔ یعنی موتی جیسا ۔ صاحب محیط نے کہا ہے اَلدَّرُّ کے بنیادی معنے کسی چیز کے کسی دوسری چیز سے پیدا ہونے کے ہیں* ۔ جیسے، جانور سے دودھ ۔ چراغ سے روشنی ۔ تارے سے چمک ۔ ابن فارس نے بھی کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز سے پیدا ہونا ہیں ۔ نیز حرکت و اضطراب ۔ اس سے دودھ کی دھار اور ستارے کی جھلملاتی روشنی کا منظر سامنے آجاتا ہے ۔ اللہ نے اپنے نور ہدایت (قرآن کریم) کو ، کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ (۲۴/۳۵) سے تشبیہ دی ہے ۔ یعنی ایسا ستارہ جس سے علم و بصیرت کی کرنیں ، اس ندی کی طرح روان ہوں جس میں جمود نہ ہو بلکہ پیہم حرکت ہو ۔ یہ نور علم خداوندی سے پیدا ہو اور دنیا میں روشنی پیدا کرتا چلا جائے ۔

د ر س

دَرَسَ الشَّیْئُ کے معنے ہیں کوئی چیز پرانی ہوئی اور اس کا نشان مٹ گیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی مخفی ہونا ، پست ہونا اور مٹنا ہیں ۔ دَرَسَہُ الْقَوْمُ ۔ لوگوں نے اسکے نشان کو مٹا دیا ۔ طَرِیْقٌ مَدْرُوْسٌ اس راستے کو کہتے ہیں جو لوگوں کی کثرت آمد و رفت کی وجہ سے پٹ کر دب گیا ہو ۔ اسی طرح دَرَسَ الْحِنْطَۃَ کے معنے ہیں گیہوں کو گاہ دینا ۔ گیہوں (یا دوسرے اناج) کی بالوں کو زمین پر بچھا کر اس پر بیلوں کو مسلسل اور متواتر چلائے رہتے ہیں جس سے بھوسہ اور اناج الگ الگ ہو جاتے ہیں ۔ اسے گاہنا کہتے ہیں ۔ لہذا دَرَسَ کے معنے ہیں کسی چیز کو اس کثرت سے گھسنا یا ملنا کہ اسکا نشان مٹ جائے ۔ اسی سے دَرَسَ النَّاقَۃَ ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ اونٹنی کو اس کثرت سے چلایا جائے کہ وہ مطیع و منقاد ہو جائے ۔ اَلْمِدْرَسَۃُ کے معنے ہوتے ہیں کسی چیز کیلئے پیہم مشقت کرنا یا اسکی خبر گیری کرنا** ۔ اور دَرَسَ الْکِتَابَ یَدْرُسُہٗ، کے معنے ہیں کتاب کو اس کثرت سے بار بار پڑھنا کہ وہ ازبر ہو جائے*** ۔

سورۃ آل عمران میں ہے بِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (۳/۷۹) کتاب کو اسطرح گاہنا کہ اسکے معانی نکھر اور ابھر کر (الگ ہو کر) سامنے آجائیں ۔ اس پر مسلسل غور و فکر کرنا تا کہ الفاظ کے پردوں میں جو حقائق مستور ہیں وہ نکھر کر سامنے آ جائیں ۔ یا جو حقائق انسانی تخیلات کے پردوں میں چھپ گئے ہیں وہ بے نقاب ہو جائیں ۔

---

* محیط ۔ **تاج ۔ ***تاج و لسان ۔

سورۃ انعام میں دِرَاسَۃٌ کا لفظ آیا ہے (۶/۱۵۶) ۔ یعنے نہایت غور کے ساتھ مطالعہ کرنا ۔ وَاِنْ کُنَّا عَنْ دِرَاسَتِہِمْ لَغٰفِلِیْنَ (۶/۱۵۶) ۔ ہم ان کے مطالعہ کرنے سے یقیناً بے خبر تھے ۔

د ر ک

اَلدَّرَکُ ۔ کسی کا پیچھا کرکے اس سے جا ملنا ۔ اس تک پہنچ جانا۔ اسے جا پکڑنا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے لَا تَخَافُ دَرَکًا (۲۰/۷۷) ۔ ''تجھے اسکا ڈر نہیں ہوگا کہ فرعون تجھے پیچھے سے آکر پکڑ لیگا،، ۔ سورۃ شعراء میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں نے کہا اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ (۲۶/۶۱) ۔ ''بس ہم پکڑے گئے،، ۔ فرعون کے لشکر نے ہمارا پیچھا کرکے ہمیں پکڑ لیا ۔ تَدَارَکَ ۔ کسی سے جا کر مل جانا ۔ اسے پا لینا ۔ اس تک پہنچ جانا ۔ اس میں یکے بعد دیگرے پہنچتے رہنے کا تصور ہے ۔ مثلاً ۔ سورۃ قلم میں ہے لَوْلَا اَنْ تَدَارَکَہٗ نِعْمَۃٌ (۶۸/۴۹) ۔ اگر (اسکے رب کی) نعمت اس تک نہ پہنچ جاتی۔ یعنی اس (حضرت یونسؑ) پر مختلف واقعات گزرتے رہے لیکن خدا کی نعمت مسلسل اور متواتر اس کے شامل حال رہی ۔ اَلدِّرَاکُ ۔ ایک چیز کا دوسری چیز کے پیچھے مسلسل آنا ۔ اَلتَّدْرِیْکُ مِنَ الْمَطَرِ ۔ بارش کا یکے بعد دیگرے مسلسل گرنا* ۔ اَلدَّرْکُ و اَلدَّرَکُ ۔ کسی چیز کی گہرائی کا آخری حصہ ۔ تہ ۔ اَلدَّرْکُ ۔ دَرْجٌ کے مقابل میں آتا ہے ۔ سیڑھی کے ڈنڈوں کو اوپر چڑھنے کے لحاظ سے دَرَجٰتٌ کہتے ہیں اور نیچے اترنے کے لحاظ سے دَرَکَاتٌ* ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جنت کے مراتب و منازل کو دَرَجٰتٌ کہا ہے ۔ اس کے برخلاف جہنم کے منازل کو دَرَکَاتٌ ۔ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۴/۱۴۵) جہنم کی سب سے نچلی تہ ۔ غور کیجئے۔ سیڑھی وہی ہوتی ہے اور اس کے ڈنڈے بھی وہی ۔ جو شخص اوپر چڑھنا چاہتا ہے سیڑھی اسے بلندی تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتی ہے ۔ جو نیچے اترنا چاہتا ہے، وہی سیڑھی اسے پستی کیطرف لے جانے کا موجب ہو جاتی ہے ۔ زندگی ایک ہی ہے ۔ جو اسے جس انداز سے بسر کرنا چاہے یہ اسے اسی انداز کی منزل تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتی ہے ۔

اَدْرَکَہٗ : اسے جا لیا، پا لیا ۔ اَدْرَکْتُہٗ بِبَصَرِیْ ۔ میں نے اسے نگاہ سے پا لیا ۔ دیکھ لیا* ۔ اسی اعتبار سے اِدْرَاکٌ اس علم کو کہتے ہیں

*تاج ۔

جو محسوسات (حواس) کے ذریعہ حاصل ہو - سورۃ یونس میں ہے حَتّٰی اِذَآ اَدْرَکَہُ الْغَرَقُ (۱۰/۹۰) "جب اسے غرق ہونے نے آ لیا،، - یعنے جب اسنے اپنے غرق ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا - جب اسنے محسوس کر لیا کہ وہ غرق ہو چلا ہے -

اَدْرَکَ الشَّیْءُ - چیز اپنے وقت کو پہنچ گئی اور مکمل ہو گئی- انتہا کو پہنچی* - قرآن کریم میں ہے بَلِ ادّٰرَکَ عِلْمُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ (۲۷/۶۶) - اہل لغت نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ ان لوگوں کا آخرت کے متعلق علم ختم ہو گیا - یہ اسکی حقیقت کو نہ پا سکے - اس سے بے خبر رہے* - راغب نے ان معانی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے اس کے معنے یوں بھی کئے ہیں کہ انہیں آخرت میں جا کر اس بات کا علم ہو جائیگا** - لیکن ہمارے نزدیک ان معانی کی رو سے آیت کا مطلب واضح نہیں ہوتا - اس سے کچھ بات بنتی نہیں - اِدّٰرَاکَ کے معنی ہیں کسی چیز کا مسلسل اور پیہم اسطرح آگے چلتے آنا کہ اس کا آخری حصہ پہلے حصے سے ملا ہؤا ہو - قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ آخرت کے متعلق ان لوگوں کو مسلسل اور پیہم علم پہنچتا رہا ہے - لیکن اس کے باوجود یہ ان کے بارے میں شک و شبہ میں ہیں بلکہ اندھوں کی طرح تاریکی میں- بَلِ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْھَا - بَلْ ھُمْ مِّنْھَا عَمُوْنَ (۲۷/۶۶) -

د ر ھم

اَلدِّرْھَمُ - ایک چاندی کے سکہ کا نام ہے- اسکی جمع دَرَاھِیْمُ ہے- یہ عربی لفظ نہیں - بعض نے اسکی اصل فارسی قرار دی ہے اور بعض نے یونانی* - لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رومی لفظ (Drawbrug) کا معرب ہے - اسیطرح دینار (Dinarins) کا،اور فلس (Fails) کا -

سورۃ یوسف میں ہے دَرَاھِیْمَ مَعْدُوْدَۃٍ (۱۲/۲۰)- (انہوں نے حضرت یوسفؑ کو) چند درھموں کے عوض (بیچ دیا) -

د ر ی

دَرَیْتُہٗ - میں نے اسے جان لیا - (۲۰۱/۱۰۶) - اَدْرَاہُ بِہٖ - اس کو اس کے متعلق بتلایا* - دِرَایَۃٌ کے معنے ہیں کسی قسم کی کوشش یا تدبیر سے معلوم کرنا یا ایسی چیز کو معلوم کرنا جس میں پہلے شک ہو - یہی وجہ ہے

*تاج - **راغب -

کہ اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جاتا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں کسی چیز کا قصد کرنا اور اسے طلب کرنا ہیں ۔ نیز کسی چیز میں تیزی ۔ چنانچہ مِدْرَی کنگھی کو کہتے ہیں کیونکہ اس کے دندانوں میں نکیلا پن اور تیزی ہوتی ہے ۔ (اس سے دِرَایَۃ میں طلب و قصد کے ساتھ ، تیزی فہم کا تصور بھی ہو سکتا ہے)

راغب نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں مَا اَدْرَاکَ (تجھے کیا خبر ہے یا تجھے کس نے آگاہ کیا) آیا ہے اسکے بعد اس چیز کی بابت بیان کر دیا گیا ہے ۔ مثلاً (۱۰۱/۳) ۔ لیکن جہاں جہاں مَا یُدْرِیْکَ (تجھے کیا چیز بتاتی ہے)آیا ہے وہاں اس چیز کے بعد اس کے متعلق بیان نہیں کیا گیا** ۔ بلکہ اس کے بعد لَعَلَّ (شاید) کہکر ، پیش نظر بات کہی گئی ہے (دیکھئے ۴۲/۱۷ و ۳۳/۱۳ و ۸۰/۳) ۔ یعنی مَا اَدْرَاکَ کے بعد بات کا علم یقینی طور پر دے دیا گیا ہے لیکن مَا یُدْرِیْکَ کے بعد کہا ہے کہ شاید (یا ہوسکتا ہے) کہ یہ اس طرح ہوجائے ۔ مثال کے طور پر سورۃ القدر میں پہلے کہا گیا ہے کہ وَمَا اَدْرَاکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ (۹۷/۲) ۔ ”تجھے کیا خبر کہ لیلۃ القدر کیا ہے“ اس کے بعد باقی آیات میں لیلۃ القدر کے متعلق مزید صراحت ہے ۔ اس کے برعکس سورۃ شوریٰ میں ہے ۔ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیْبٌ (۴۲/۱۷) ”تجھے کیا خبر؟ ہو سکتا ہے کہ انقلاب کی گھڑی قریب ہی ہو“

ان مثالوں سے مَا اَدْرَاکَ اور مَا یُدْرِیْکَ کے استعمال کا فرق سامنے آجاتا ہے ۔

د س ر

دُسُرٌ ۔ دِسَارٌ کی جمع ہے ۔ دِسَارٌ کے معنے کیل یا میخ کے ہیں ۔ دَسْرٌ کے اصلی معنے سختی اور زور سے دھکا دینے کے ہیں** ۔ دَسَرَ الدِّسَارُ ۔ کیلوں کو زور سے ٹھونکا ۔ ویسے اَلدِّسَارُ کھجور کے ریشے کی رسی کو بھی کہتے ہیں جس سے کشتی کے تختوں کو آپس میں باندھا جاتا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلدِّسَارُ کے یہ معنی خلافِ قیاس ہیں ۔ دَسْرَاءُ خود کشتی کو بھی کہتے ہیں* اس لئے کہ وہ پانی کو دھکیلتی ہوئی آگے بڑھتی ہے ۔ قرآن کریم میں کشتیٔ حضرت نوحؑ کو ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ (۵۴/۱۳) کہا گیا ہے ۔ یعنے تختوں اور میخوں سے بنی ہوئی کشتی ۔ اگر دُسُرٌ

* تاج ۔ ** راغب ۔

سے مراد میخیں ہی ہیں (ریشوں کی رسی نہیں) تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کا زمانہ وہ تھا جس میں دھات کا استعمال ہونے لگ گیا تھا اور کشتیاں محض درختوں کے تنوں کو کھوکھلا کرلینے سے نہیں بنا لیتے تھے بلکہ تختوں اور میخوں سے بنائی جاتی تھیں ۔ لیکن کشتی حضرت نوحؑ کے متعلق قرآن کریم میں یہ بھی ہے کہ اسے خدا کی زیر نگرانی ، اس کی وحی کے مطابق بنایا گیا تھا (۱۱/۳۷) ۔ ممکن ہے اُس زمانہ میں اس قسم کی صنعتی نادرہ کاری کا علم بھی (پہلے پہل) وحی کے ذریعے دیا جاتا ہو اور پھر اسکا استعمال عام ہو جاتا ہو ۔

تاریخ انسانیت سے پردے اُٹھ جانے سے نہ معلوم کیا کیا حقائق سامنے آئینگے ، اور کتنی ایسی چیزیں ، جن کے متعلق آج یہی سمجھا جاتا ہے کہ ان کی ابتدا عقلِ انسانی نے کی تھی ، وحی کی رہینِ منت متحقق ہونگی؟

د س س (د س و)

الدَّسُّ ۔ کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے نیچے چھپا دینا یا دبا دینا۔ دفن کر دینا* ۔ راغب نے اس کے معنوں میں مجبور کرنے کا اضافہ کیا ہے ۔ یعنی کسی چیز کو بزور کسی چیز کے اندر داخل کر دینا** ۔ دَسَسْتُ الشَّیْءَ فِی التُّرَابِ ۔ میں نے اس چیز کو مٹی میں چھپا دیا* ۔ سورۃ نحل میں ہے کہ جب (جاہلیت عرب میں) انہیں لڑکی پیدا ہونے کی اطلاع ملتی تو وہ سوچتے کہ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ (۱۶/۵۹) ۔ ''یا وہ اسے زمین میں دفن کر دے'' ۔ سورۃ شمس میں نفس انسانی کے متعلق ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (۹۱/۱۰) ۔ ''جس نے اس کی نشو و نما کرلی وہ کامیاب و کامران ہو گیا'' اس کی کھیتی پروان چڑھ گئی ۔ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (۹۱/۱۱) ۔ ''جس نے اسے دبا دیا وہ نامراد و ناکام رہا'' ۔ کھیتی (اَفْلَحَ) کی نسبت سے بیج کی مثال کو سامنے لائیے ۔ اس کی برومندی کے لئے اسے مٹی میں ملانا پڑتا ہے ۔ اگر پانی ۔ مٹی ۔ ہوا ۔ حرارت ۔ روشنی کا تناسب صحیح صحیح ہو تو بیج کی صلاحیتیں نشو و نما پالیتی ہیں ۔ وہ شگوفہ بنکر پھوٹتا ہے ۔ کونپل بنکر ابھرتا ہے اور تناور درخت کی شکل میں فضا میں جھومتا ہے ۔ لیکن اگر اسی بیج پر مٹی زیادہ مقدار میں پڑ جائے تو اس کی تمام صلاحیتیں فنا ہو جاتی ہیں ۔ انسانی ذات میں بڑھنے پھولنے اور پھلنے کی صلاحیتیں مضمر کردی گئی ہیں ۔ لیکن ان صلاحیتوں کی نشو و نما (موجودہ سٹیج پر) مادی دنیا کے اندر ہوتی ہے۔

* تاج ۔ ** راغب ۔

اگر مادی قوتوں سے مناسب کام لیا جائے تو انسانی ذات کی مضمر صلاحیتیں برومند ہو جاتی ہیں ۔ اگر یہ مفاد پرستیوں کے بوجھ کے نیچے دب جائے تو اس کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں ۔

دَسّیٰ اصل میں دَسَّسَ تھا ۔ چونکہ تین سین کا یکجا جمع ہونا گراں گزرتا ہے اس لئے اسے دسّٰی بنا دیا ۔ فراء اور زجاج نے کہا ہے کہ اس سے مراد بخل ہے ۔ کیونکہ بخیل آدمی اپنے آپ کو چھپاتا ہے اور سخی اپنے آپ کو نمایاں اور کھلا ہوا رکھتا ہے ۔ یہ معنے اس اعتبار سے (ایک گونہ) صحیح ہیں کہ قرآن کریم نے خود نفسِ انسانی کی نشو و نما کا راز اَعْطیٰ (دوسروں کو دینے) میں بتایا ہے اور بُخل کو اس کی تباہی کا موجب قرار دیا ہے ۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطیٰ وَاتَّقیٰ . . . . فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ۔ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی . . . . . فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی (۹۲/۱۰) ۔ اسی کو ربوبیت کہتے ہیں ۔ یعنی دوسروں کی پرورش سے اپنی ذات کی نشو و نما کرنا ۔ اور یہی قرآنی تعلیم کا مقصود و منتہیٰ ہے ۔

چھپانے کے اعتبار سے اَلدَّسِیْسَۃُ اس مکر و فریب کو کہتے ہیں جو چھپا ہوا ہو ۔ مخفی طور پر داخل ہونے والی چیز** ۔

اہل لغت نے دَسّٰی میں دَسّٰی کا مادہ د ۔ س ۔ و یا د ۔ س ۔ ی بھی بتایا ہے ۔ ان مادوں کے بنیادی معنوں میں یکسانیت کی وجہ سے ہم نے دَسّٰہ اور دَسّٰہُ کو ایک ہی عنوان کے تحت دیدیا ہے ۔

د ع ع

اَلدَّعُّ ۔ سختی کے ساتھ دھکا دینا ۔ دَاعِ دَاعِ ۔ بکریوں کو ڈانٹنے کی آواز ۔ اَلدَّعْدَاعُ ۔ آدمی کے چھوٹے بال بچے* ۔ (جن کی وجہ سے اسے دھکے کھانے پڑتے ہیں ۔)

قرآن کریم میں ہے فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ (۱۰۷/۲) ۔ ''یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے'' ۔ سورۃ طور میں ہے ۔ یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَھَنَّمَ دَعًّا (۵۲/۱۳) ۔ ''جس دن یہ اتش جہنم کی طرف نہایت سختی سے دھکیلے جائینگے'' ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دھکیلنے اور اضطراب کے ہیں ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

سورۃ الماعون کی مذکورہ بالا آیت (۱۰۷/۲) پر ایک مرتبہ پھر غور کیجئے سورۃ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ (۱۰۷/۱) ''کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے؟،، کون ہے جو یہ معلوم کرنا نہ چاہیگا کہ دین کی تکذیب کون کرتا ہے؟ اس کا جواب اگلی دو آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (۱۰۷/۲-۳) - ''یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا،، - آپ نے غور کیا کہ دین اور معاشیات میں کتنا گہرا تعلق ہے؟ بلکہ صلوٰۃ اور معاش میں بھی؟ اس لئے کہ اگلی آیات میں یہ کہا گیا ہے کہ ان مصلین کے لئے تباہی ہے جو صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں - وہ نماز کے محسوس و مرئی ارکان کی تو پابندی کرتے ہیں لیکن رزق کے ان سرچشموں کو جنہیں بہتے پانی کی طرح، رواں، دواں ہر ایک ضرورت مند تک پہنچنا چاہئے، بندلگا کر روک لیتے ہیں۔ (مزید تشریح متعلقہ عنوانات میں ملیگی) -

د ع و

دَعا کے معنے کسی کو پکارنے اور بلانے کے ہیں - چنانچہ اَلدَّعْاءَۃُ - اس انگلی (سبابہ) کو کہتے ہیں جس سے اشارہ کر کے کسی کو بلایا جائے - اَلدَّاعِیَۃُ - جنگ میں گھوڑوں کی چیخ پکار کو کہتے ہیں - ھُوَ مِنِّیْ دَعْوَۃَ الرَّجُلِ کے معنے ہیں وہ مجھ سے اتنی دور ہے کہ وہاں تک آدمی کی آواز پہنچ جاتی ہے* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی کو اپنی آواز یا بات سے اپنی طرف مائل کرنا -

دَعَاہُ اِلَی الْاَمْرِ کے معنے ہیں وہ اسے امر کیطرف لے گیا - اس اعتبار سے دَاعِ صرف بلانے والے ہی کو نہیں کہتے بلکہ اسے بھی کہتے ہیں جو کسی کو کسی دوسرے کیطرف لے جائے* - اِدِّعَاءٌ - (یَدَّعُوْنَ) کے معنے تمنا کرنے کے ہیں* - یا کسی چیز کو پکار پکار کر بلانے کے (۶۷/۲۸) -

تَدَاعَوْا عَلَیْہِ کے معنے ہیں وہ اسکے خلاف جمع ہو گئے - اور تَدَاعٰی عَلَیْہِ الْعَدُوُّ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ کے معنے ہیں دشمن نے ہر طرف سے اس پر حملہ کر دیا - تَدَاعَتِ الْحِیْطَانُ کے معنے ہیں دیواریں یکے بعد دیگرے گر پڑیں* -

*تاج

دَعَوْتُہٗ زَیْدًا - میں نے اسکا نام زید رکھ دیا - اَلدَّعِیُّ - وہ لڑکا جسے متبنی بنا لیا جائے* - (اسکی جمع اَدْعِیَاءُ ہے ۳۳/۴)-

اَلدَّاعِیَۃُ - اس دودھ کو کہتے ہیں جسے تھنوں میں اسلئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اسکے سہارے باقی ماندہ دودھ نکالا جا سکے* - نیز سبب یا باعث- اَلدَّوَاعِیْ - ان چیزوں کو کہتے ہیں جو انسان کے جذبات کو ابھار دیں اور اسکے اندر ہیجان پیدا کر دیں** - (ان معانی کو اچھی طرح پیش نظر رکھنا چاہئے کیونکہ ان سے دُعَاءٌ کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے)-

وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ (۲/۲۳) کے معنے ہیں تم اپنے مددگاروں کو بلاؤ - سورۃ کہف میں نَادٰی اور دَعَا دونوں مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں (۱۸/۵۲)- سورۃ اعراف میں دَعَا کے مقابل میں صَمَتَ کا لفظ آیا ہے (۷/۱۹۳) جسکے معنے چپ رہنے کے ہیں- لہٰذا دَعَا کے معنی پکارنے یا بلانے کے ہوئے -

سورۃ بقرہ میں ہے فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ (۲/۶۱) - جسکے معنے ہیں ہمارے لئے اپنے پروردگار کو پکار - اَلدَّعْوٰی - پکار - مطالبہ - تقاضا - (۱۰/۱۰)-

اب ہمارے سامنے دُعَا کا وہ گوشہ آتا ہے جو مذہب اور فلسفہ کی دنیا میں سب سے مشکل مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور جس کا صحیح مفہوم سامنے نہ ہونے سے طرح طرح کے شکوک اور خدشات لاحق ہو جاتے ہیں- یہ گوشہ ہے "خدا سے دعا مانگنے" کا- ان شکوک و خدشات کو سمجھنے کے لئے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے ایک مثال پر غور کیجئے- کسی مقدمہ میں زید مدعی ہے اور بکر مدعا علیہ - زید خدا سے دعا کرتا ہے کہ مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے - اس سے حسب ذیل سوالات سامنے آتے ہیں -

(الف) ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کے تمام معاملات کے فیصلے خدا کے ہاں پہلے سے طے شدہ ہوتے ہیں - اگر یہ ٹھیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز بھی پہلے سے طے شدہ ہوگی کہ اس مقدمہ میں زید کو شکست ہوگی یا فتح - اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ پہلے سے طے شدہ تھا کہ زید کو شکست ہوگی تو کیا زید کے دعا کرنے سے خدا اپنے پہلے فیصلے کو بدل دیگا اور زید مقدمہ ہارنے کے بجائے جیت جائیگا؟ اگر ایسا ہو تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ خدا اپنے فیصلوں کو انسانوں کی مرضی کے مطابق بدلتا

*تاج - **محیط -

رہتا ہے ۔ یعنی خدا، انسانوں کی مرضی کے تابع چلتا ہے ۔ خدا کے متعلق یہ تصور کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا ۔

(ب) فرض کیجئے کہ زید اپنے دعویٰ میں جھوٹا تھا ۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کے دعا کرنے سے، خدا مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں کر دیگا؟ اگر ایسا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا نے جھوٹے کے حق میں فیصلہ کر دیا اور سچے کو اس کے حق سے محروم کر دیا ۔ خدا کے متعلق یہ تصور بھی غلط ہے ۔

(ج) فرض کیجئے کہ زید اپنے دعویٰ میں سچا ہے ۔ اگر زید خدا سے دعا نہ کرے تو کیا مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہوگا یا نہیں؟ اگر دعا کے بغیر فیصلہ اس کے حق میں نہیں ہو سکتا تو اس کا مطلب یہ ہؤا کہ خدا از خود سچے کے حق میں فیصلہ نہیں دیتا ۔ سچے کو اپنے حق میں فیصلہ لینے کے لئے خدا سے منت خوشامد کرنی پڑتی ہے ۔ خدا کے متعلق یہ تصور بھی غلط ہے ۔

اور اگر خدا سچے کے حق ہی میں فیصلہ کرتا ہے خواہ وہ دعا کرے یا نہ کرے، تو زید کے دعا کرنے یا نہ کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑیگا ۔ خدا کو بہرحال اس کے حق میں فیصلہ کرنا تھا ۔ اس صورت میں دعا ایک بیکار عمل ہؤا ۔

(د) یہ ظاہر ہے کہ مقدمہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے آنسان کو کوشش کرنی پڑتی ہے ۔ ناجائز نہ سہی، جائز ہی سہی ۔ کوشش تو ضرور کرنی پڑتی ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر زید صرف دعا کرے لیکن کوشش نہ کرے تو کیا وہ مقدمہ جیت جائیگا؟ اگر وہ صرف دعا سے مقدمہ جیت جائے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے عمل (کوشش کرنے) پر جو اسقدر زور دیا ہے تو وہ سب بیکار ہوگا ۔

اور اگر کوشش کے بغیر مقدمہ نہیں جیتا جا سکتا تو پھر دعا کا فائدہ کیا ہؤا؟

(س) اگر زید اپنی جگہ خدا سے دعا کرے اور بکر اپنی جگہ ۔ تو پھر مقدمہ کا فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟ خدا کس کی دعا قبول کریگا اور کس کی رد کریگا؟

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے شکوک و خدشات ہیں جو دعا کے اس مفہوم سے پیدا ہوتے ہیں اور جن کے حل کرنے کے لئے مذہب* اور فلسفہ

*مذہب سے مراد انسانوں کا خود ساختہ مسلک ہے ۔ دین خدا کی طرف سے ملتا ہے ۔

صدیوں سے (ناکام) کوششوں میں مصروف ہے۔ قرآن کریم نے بتایا کہ دعا کا یہ تصور غلط ہے اور اس دور کا پیدا کردہ جب ذہن انسانی اپنے عہد طفولیت میں تھا اور کائنات میں قانون اسباب (Law of Causality) کے تصور سے نا آشنا تھا۔ اس نے بتایا کہ۔

(۱) کائنات میں ہر شے خدا کے لگے بندھے قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ اور خدا اپنے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں کرتا۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (۳۳/۶۲)۔ ''تو قانون خداوندی میں کوئی تبدیلی نہیں پائیگا''۔

(۲) انسانی دنیا میں بھی خدا ہی کا قانون کارفرما ہے۔ جو شخص اس قانون کے مطابق جسقدر کوشش کریگا اسی قدر وہ کامیاب ہوگا۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى (۵۳/۳۹-۴۰) ''انسان کے لئے اس کے سوا کچھ نہیں جس کی وہ کوشش کرے۔ اور اسکی کوشش کا نتیجہ بلاتاخیر سامنے آ جائیگا''۔

اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہدیا کہ جو شخص خدا کے قانون کے مطابق کوشش نہیں کرتا اور محض دعا مانگنے سے سمجھتا ہے کہ مقصود حاصل ہو جائیگا، اس کا نہ تو خدا کے متعلق تصور صحیح ہے اور نہ ہی اسے کبھی کامیابی ہو سکتی ہے۔ سورۃ رعد میں ہے لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ۔ انسان کی جو دھوت تعمیری نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ جو حق پر مبنی قرار پا سکتی ہے۔ وہ وہی دعوت ہے جو خدا کے لئے (یعنی اس کے قانون کے مطابق) ہو۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ۔ اور جو لوگ خدا کے علاوہ اوروں سے اپنی طلب وابستہ کرتے ہیں۔ یعنی چاہتے ہیں کہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر، اپنی توہم پرستیوں کے زور پر کامیاب ہو جائیں، تو وہ غلطی پر ہیں۔ ان کی یہ خود ساختہ قوتیں ان کی کوئی مانگ پوری نہیں کر سکینگی۔ ایسے لوگوں کی مثال كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ۔ ہے، یعنی جیسے کوئی شخص (دریا کے کنارے) اپنے دونوں ہاتھ پانی کیطرف پھیلا کر بیٹھا رہے (اور دعا کرتا رہے کہ پانی اس کے منہ میں آ جائے تو) اسطرح پانی اس کے منہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا، وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ (۱۳/۱۴)۔ جو لوگ خدا کے قانون سے انکار کرتے ہیں ان کی دعا کبھی نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا . . . (۱۳/۱۵) ۔ کائنات کی ہر شے، طوعًا و کرہًا، خدا کے قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے ۔ سو جب ساری کائنات کا سلسلہ خدا کے قانون کے مطابق چل رہا ہے، تو انسان اس سے مستثنٰے کسطرح ہو سکتا ہے؟

لہذا، قرآن کریم کی رو سے ''خدا سے دعا،، کے معنی ہیں خدا کے قانون سے مدد چاہنا ۔ یعنی اس کی اطاعت سے اپنی کوششوں میں صحیح نتائج مرتب کرانا۔ اس حقیقت کو قرآن کریم نے متعدد مقامات پر واضح کر دیا ہے۔ مثلاً سورۃ المؤمن میں ہے وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔ تمہارا نشو و نما دینے والا کہتا ہے کہ تم مجھے پکارو ۔ میں تمہاری پکار کا جواب دونگا (اس کا مفہوم ذرا آگے چل کر بیان کیا جائیگا) ۔ اس کے بعد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (۴۰/۶۰) ۔ یقیناً جو لوگ میری محکومیت اختیار کرنے سے سر کشی برتتے ہیں، وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوتے ہیں ۔ آیت کے دونوں ٹکڑوں کے ملانے سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ''خدا کو پکارنے،، سے مراد اس کے احکام و قوانین کی محکومیت اختیار کرنا ہے ۔ اور خدا کیطرف سے اس پکار کا جواب ملنے سے مراد انسان کی سعی و کاوش کا ثمر بار ہونا ۔ دوسرے مقام پر اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (۳۲/۱۵)۔ ہمارے احکام پر ایمان لانے والے وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے وہ احکام پیش کئے جاتے ہیں تو وہ سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور اپنے نشو و نما دینے والے (کے پروگرام کو) در خور حمد و ستائش بنانے کے لئے سر گرم عمل رہتے ہیں ۔ اور وہ ان احکام سے سر تابی نہیں کرتے ۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ۔ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۳۲/۱۶-۱۵) ۔ وہ ان احکام کی تعمیل میں اسطرح سر گرم عمل رہتے ہیں کہ نیند تک کی بھی پرواہ نہیں کرتے ۔ راتوں کو بھی جاگتے ہیں۔ اور اسطرح اپنے رب کو دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے پکارتے ہیں ۔ کیونکہ انہیں علم ہوتا ہے کہ ان احکام کی تعمیل سے کیسے عمدہ نتائج مرتب ہونگے اور ان کی خلاف ورزی سے کسقدر تباہیاں آئیں گی ، جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہوتا ہے وہ اسے (نوع انسانی کی بہبود کے لئے) کھلا رکھتے ہیں ۔ سورۃ المؤمن میں ہے فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ . . . . (۴۰/۶۵)

خدا کو پکارو تو اسطرح کہ فرمان پذیری کے ہر گوشے کو خالصۃً اُسی کے لئے وقف اور مختص کردو۔ سورۃ شوریٰ میں ہے وَ یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ..... (۴۲/۲۶)۔ ''وہ ان کی پکار کا جواب دیتا ہے جو اس کے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے مطابق صلاحیت بخش کام کرتے ہیں''۔ یہاں سے بھی واضح ہے کہ ''پکار اور اس کے جواب'' سے مفہوم کیا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (۷/۵۵)۔ ''تم اپنے نشو و نما دینے والے کو دل کے پورے جھکاؤ اور سکون سے پکارو۔ اس طرح کہ یہ پکار تمہارے دل کی گہرائیوں سے نکلے۔ یاد رکھو! جو لوگ اس کے قانون سے سرکشی برتتے ہیں اور حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، وہ انہیں کبھی پسند نہیں کرتا''۔ اس سے بھی واضح ہے کہ ''خدا کو پکارنے'' سے مراد اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ اس سے اگلی آیت نے اسی مفہوم کی تشریح کردی ہے جہاں کہا ہے وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِہَا۔ وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (۷/۵۶-۵۷)۔ یعنی تم معاشرہ میں ہمواری پیدا ہو جانے کے بعد نا ہمواریاں مت پیدا کرو۔ اور خدا کو دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے پکارو۔ یاد رکھو! جو لوگ حسن کارانہ انداز سے معاشرہ کا توازن قائم رکھتے ہیں، خدا کی رحمت ان سے بہت قریب ہوتی ہے''۔

یہاں ''خدا کی رحمت'' کو قریب کہا ہے۔ سورۃ بقرہ میں خود خدا کے متعلق کہا ہے کہ وہ قریب ہے۔ وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ ''اور جب میرے بندے تجھ سے میری بابت پوچھیں تو ان سے کہو کہ میں (کہیں دور نہیں ہوں۔ ان سے بہت) قریب ہوں۔ (ان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب۔ ۵۰/۱۶)۔ میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے''۔ اس کے بعد ہے۔ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّہُمْ یَرْشُدُوْنَ (۲/۱۸۶) ''پس انہیں چاہئیے کہ میری فرمانبرداری کریں اور میرے قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں۔ تاکہ یہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کا راستہ پالیں''۔

اس سے واضح ہے کہ خدا کو پکارنے (دعا) سے مراد اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ اور دعا کا جواب دینے سے مفہوم اُس اطاعت پذیری کے نتائج مرتب ہونا۔

سورۃ نمل میں پہلے کائناتی نظام کے مختلف گوشوں کیطرف توجہ دلائی گئی ہے کہ وہاں کسطرح ہر بات خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کے بعد، اس جماعت مؤمنین کو مخاطب کیا گیا ہے جو اپنے نظام کے ابتدائی مراحل میں سخت مصیبتوں اور پریشانیوں سے گذر رہی تھی اور قدم قدم پر پکار رہی تھی کہ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ (۲/۲۱۴) ۔ خدا کی نصرت کب آئیگی؟ ان سے کہا کہ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ... (۲۷/۶۲) (خدا کے علاوہ) وہ کون ہے جو (تمہارے) قلب مضطر کی پکار کا جواب دیتا ہے اور تمہاری پریشانیوں اور مشکلات کو دور کر کے تمہیں استخلاف فی الارض عطا کر سکتا ہے! لیکن یہ استخلاف فی الارض، تمہارے اعمال کے نتیجہ میں مل سکیگا (۲۴/۵۵) ۔ اس لئے تم گھبراؤ نہیں ۔ خدا کے قانون کے مطابق عمل کرتے جاؤ۔ وہ تمہاری بیکسی اور بے چارگی کو غلبہ و تسلط سے تبدیل کردیگا۔ اگر تم اس راستے پر چلتے رہے تو ہماری کائناتی قوتیں، ان مخالفین کی ضرر رسانیوں سے تمہاری حفاظت طلب کرتی رہینگی (۲۷/۶۲) ۔ جماعت مومنین تو ایکطرف، خود حضرات انبیاء کرام ؑ سے بھی یہی کہا گیا ۔ مثلاً سورۃ یونس میں حضرت موسٰی ؑ کے قصہ کو دیکھئے ۔ حضرت موسٰی ؑ اور ہارون ؑ فرعون کا مقابلہ کرنے کے لئے دعائیں مانگتے ہیں ۔ اسکے جواب میں ان سے کہا جاتا ہے ۔ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا، فَاسْتَقِیْمَا (۱۰/۸۹)۔ تم دونوں کی ''دعاء قبول ہوگئی ہے''۔ پس اب تم اپنے پروگرام پر پوری پوری استقامت سے کاربند رہو۔ ظاہر ہے کہ اگر دعاء قبول ہو جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ جو کچھ تم نے مانگا ہے وہ تمہیں دیدیا گیا ہے (یا وہ تمہیں مل جائیگا) تو اسکے بعد اسکے لئے کسی کوشش کی ضرورت نہ تھی ۔ لیکن یہاں کہا یہ گیا ہے کہ تمہاری دعاء قبول ہو گئی ہے ۔ لہٰذا اب تم نہایت استقامت سے اس پروگرام پر کاربند رہو۔ اس سے واضح ہے کہ جو کچھ حضرت موسٰی ؑ اور حضرت ہارون ؑ سے کہا گیا تھا وہ فقط اتنا ہی تھا کہ تمہاری یہ آرزوئیں ہمارے قانون کے مطابق ہیں لہٰذا تم ان کے حصول میں نہایت مستقل مزاجی سے کوشش کرو۔ تم ضرور کامیاب ہو جاؤ گے ۔

تصریحات بالا سے یہ حقیقت واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے خدا سے دعا کرنے کے معنی اس کے احکام و قوانین کی اطاعت کرنا ہیں ۔ اسی ''دعا'' کا حکم رسول اللہ ؐ کو دیا گیا تھا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖٓ اَحَدًا (۷۲/۲۰) ۔ ان سے کہدو کہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا

ہوں اور اس میں کسی اور کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا ۔ یعنی اس کی حاکمیت میں کسی اور کو شریک نہیں کرتا (۱۸/۲۶) ۔

''دعا،، کے اس قرآنی مفہوم کے بعد ان شکوک و خدشات کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے ۔

اب ذرا آگے بڑھئے ۔ جن باتوں کو ہم اپنی اصطلاح میں ''دعا،، کہتے ہیں، قرآن کریم میں وہ بھی ہیں ۔ مثلاً رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا ۔ وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ (۳/۱۴۶) ۔ ''اے ہمارے نشو و نما دینے والے! تو ہماری کوتاہیوں ، اور معاملات میں حد سے بڑھ جانے کے مضر نتائج سے ہماری حفاظت کر ۔ ہمارے قدموں کو استقامت عطا فرما اور ہمیں قوم کفار پر کامیابی عطا کر دے،، ۔ یعنی وہ دعائیں جن میں انسان اپنی کسی آرزو کے بر آنے کی درخواست کرتا ہے ۔ یہ دعائیں در حقیقت انسان کی آرزو کی شدت کا مظاہرہ ہوتی ہیں ۔ اس شدت آرزو سے انسان کی اپنی ذات میں ایسا تغیر واقع ہوتا ہے جس سے اسکی خفیہ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور مضمر صلاحیتیں بروئے کار آجاتی ہیں ۔ انکی وجہ سے اس کا عزم راسخ اور ہمت بلند ہو جاتی ہے اور وہ موانعات کا مقابلہ کرنے اور شدائد پر غلبہ پا لینے کے قابل ہو جاتا ہے ۔ (اَلدَّاعِیَۃُ اور اَلدُّعَاءُ کے جو معنی شروع میں دئے گئے ہیں ۔ ان پر غور کیجئے) یعنی سب سے پہلے تو یہ کہ انسان وہی کچھ چاہے جو قانون خدا وندی کے مطابق ہو ۔ اور پھر اس مقصد کے حصول کے لئے آرزو میں شدت پیدا کرے ۔ اس سے اس کے اندر ایسی انقلابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتائج حیرت انگیز ہوتے ہیں (واضح رہے کہ قرآن کریم نے یہ بھی کہا ہے کہ تمہاری ہر آرزو ، قانون خداوندی کے مطابق ہونی چاہئے ، ورنہ تم وہ کچھ طلب کرنے لگ جاؤ گے جو تمہارے لئے در حقیقت مضر ہوگا ۔ ۱۷/۱۱) ۔ اس حقیقت کو علامہ اقبالؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ۔

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

کہا جا سکتا ہے کہ اگر انسان اپنے کسی مقصد کے حصول کے لئے اپنے اندر ویسے ہی شدت آرزو پیدا کر لے تو اس سے بھی اسکی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں ۔ پھر اس میں اور خدا سے دعاء کرنے میں کیا فرق ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ اسطرح بھی انسان کی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں لیکن مقصد

صرف قوتوں کی بیداری نہیں - سب سے پہلی چیز خود مقصد کا تعین ہے - یعنے وہ مقصد ہے کیا جسکے حصول کیلئے آرزو کی جا رہی ہے - اور وہ ہے کیسا ؟ - پھر اسکے حصول کیلئے طریقے کیا کیا اختیار کئے جائینگے - اور اس تمام سعی و کاوش کے ماحصل کو کس مصرف میں لایا جائیگا - ایک مرد مومن (قرآنی انسان) ان تمام امور کا فیصلہ خدا کے احکام کی روشنی میں کرتا ہے اسلئے وہ، پہلے قدم سے آخری قدم تک، خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہے - اسکی طلب و آرزو کی شدت بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہوتی ہے - اسلئے وہ اسکے لئے بھی خدا ہی کو پکارتا ہے - خدا کی طرف سے سب کچھ اسکے قانون کے مطابق ہوتا ہے - حتّٰیکہ دعاء کے نتیجہ میں انسان کی خفیہ قوتوں کی بیداری بھی اسکے قانون ہی کے مطابق ہوتی ہے - علاوہ بریں، ایک اور بھی نقطہ ہے جس کا سمجھ لینا ضروری ہے - خدا نے انسانی ذات میں ایسی صلاحیت دے رکھی ہے کہ وہ مناسب نشو و نما سے اپنے اندر (علٰی حید بشریت) ان صفات کو اجاگر کرتی جائے جنہیں (لا محدود طور پر) صفات خدا وندی یا الاسماء الحسنٰی کہا جاتا ہے - اس نقطہ نگاہ سے خدا کی ذات (یعنی ان صفات حسنٰی کی حامل ذات) انسانی ذات کی نشو و نما کے لئے معیار (Standard) بن جاتی ہے - انسان کا اپنی شدت آرزو میں خدا کو پکارنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر ان صفات خدا وندی کو اجاگر کرنا چاہتا ہے جن سے مقصد پیش نظر میں کامیابی ہو جائے - یہ ہے فرق ''خدا سے دعا مانگنے،، اور اپنے طور پر شدت آرزو پیدا کرنے میں -

(دعا کی اجابت کے لئے عنوان ج و ب بھی دیکھئے)

اب رہیں حضرات انبیاء کرام ؑ کی وہ ذاتی دعائیں جن کا ذکر قرآن میں ہے - سو نبوت کا معاملہ عام انسانی معاملات سے بالکل الگ ہے - اسکے متعلق ہم نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں نہ سمجھا سکتے ہیں - ہم ان کے لائے ہوئے پیغام کو سمجھتے ہیں اور اسی کی اطاعت ہمارا فریضہ ہے - باقی رہا ان کی دعاؤں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جسطرح خدا ان کی دعا کے جواب میں ان سے ہم کلام ہوتا تھا، اسی طرح دیگر (غیر از انبیاء) انسانوں سے بھی ہم کلام ہو سکتا ہے - تو یہ چیز وحی اور نبوت کے قرآنی تصور کے یکسر خلاف ہے - خدا، حضرات انبیاء کرام ؑ کے علاوہ کسی انسان سے ہمکلام نہیں ہوتا - اور نبی اکرم ؐ کے بعد ایسا سمجھنا ختم نبوت کی مہر کو توڑنا ہے -

نہ ہی یہ عقیدہ صحیح ہے کہ خدا ہماری دعا کو نہیں سنتا اس لئے ''خدا کے کسی مقرب،، سے درخواست کی جائے کہ وہ ہمارے لئے خدا سے

دعا کرے۔ قرآن کی رو سے خدا اور بندے کے درمیان کوئی قوت حائل نہیں ہو سکتی۔ ایسا سمجھنا شرک ہے۔ ''خدا تک پہنچنے،، یا اس تک اپنی آواز پہنچانے کے لئے کسی ذریعے اور واسطے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر انسان، اس کے قوانین کے اتباع سے ''اس تک پہنچ سکتا ہے،، اور اپنی آواز اس تک پہنچا سکتا ہے۔ (وسیلہ کے قرآنی مفہوم کے لئے متعلقہ عنوان دیکھئے) اور اس کے قوانین کا اتباع، قرآنی معاشرہ کے اندر رہ کر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جو دعائیں مومنین کے لئے بتائی ہیں وہ عام طور پر اجتماعی ہیں۔ مثلاً ۲/۱۲۷ و ۲/۲۰۱ و ۳/۱۸۶ و ۳/۳۸ و ۳/۱۴۷ و ۳/۱۹۲)۔

سورۃ بقرہ کی جو آیت اوپر درج کی گئی ہے۔ یعنی وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ (۲/۱۸۶)۔ ''جب تجھ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو (ان سے کہدو کہ) میں قریب ہوں،،۔ یا نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ (۵۰/۱۶) ''میں انسان سے اسکی رگ جان سے بھی قریب ہوں،،۔ قوان میں ضمناً خدا کے موجود فی الکائنات (Immanence) اور خارج از کائنات (Transcendence) کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ وہ ہر انسان سے، اسکی رگ جان سے بھی قریب ہے۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ خدا کائنات میں ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اسطرح موجود نہیں جسطرح کوئی چیز کسی خاص مقام میں مقید ہوتی ہے۔ چونکہ ہمارے حواس کسی ایسی شے کا تصور نہیں کر سکتے جو فضا (Space) کے اندر مقید نہ ہو اس لئے ہم اسے سمجھ ہی نہیں سکتے کہ خدا، اس کائنات میں، بغیر جگہ (Space) گھیرے کسطرح موجود ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے کہدیا ہے کہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ۔ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ (۶/۱۰۳)۔ انسانی نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ لیکن وہ انسانی نگاہوں کا ادراک و احاطہ کئے ہوئے ہے۔ لیکن اس کے قانون کا ہم ادراک بھی کر سکتے ہیں اور نتائج سے اس کا مشاہدہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے ہمارا تعلق خدا کے قانون سے بتایا ہے۔ خود خدا کی ذات سے نہیں۔ دُعَا (پکارنے) کا تعلق بھی خدا کے قانون سے ہے۔ ہم اس کے قانون کو آواز دیتے ہیں اور جب ہم اس کے مطابق عمل کرتے ہیں تو وہ ان اعمال کے مشہود نتائج کو سامنے لا کر ہماری پکار کا جواب دیتا ہے۔

باقی رہا خدا کا علم، سو جس چیز کو ہم ''ماضی۔ حال۔ مستقبل،، کہتے ہیں، علم خدا وندی کی رو سے اسکی کوئی حقیقت نہیں۔ خدا کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل سب بیک وقت (Eternal now کی شکل میں) موجود

ہوتے ہیں - یعنی ایسے ہونے والے واقعات کا اسطرح علم ہوتا ہے جیسے وہ سامنے اسوقت ہو رہے ہوں - لیکن اس چیز کا ہمارے اس اختیار و ارادے پر کچھ اثر نہیں پڑتا جو ہمیں خدا نے عطا کیا ہے - نہ ہی اس بات پر کوئی اثر پڑتا ہے کہ ہمارے لئے جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے - سب کچھ خدا کے سامنے ہو رہا ہوتا ہے (ایسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے) لیکن وہ ہمارے اختیار و ارادہ کو سلب نہیں کرتا - ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں - اور جو کچھ کرتے ہیں اس کا نتیجہ بھگتتے ہیں - اگر ہم خدا کے قانون کے مطابق کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ خوشگوار ہوتا ہے - اس کے خلاف کرتے ہیں تو نقصان اٹھاتے ہیں - کسی میں اس کی طاقت نہیں کہ خدا کے قانون کے خلاف کرے اور اس کا نتیجہ خوشگوار مرتب کرے - خدا کے قانون کے مطابق قدم اٹھانا، خدا کو پکارنا یا دعا کرنا ہے - اور اس کا خوشگوار نتیجہ مل جانا، دعا کا قبول ہو جانا -

د ف ا

اَلدِّفْءُ - حرارت اور گرمی - نیز وہ چیز جو گرمی پہنچائے - اَدْفَاَہٗ - اس نے ایسے ایسا کپڑا پہنا دیا جو اسے گرم کردے - اَلدِّفَاءُ - ہر وہ چیز جو گرمی پہنچائے - مثلاً اون وغیرہ* - قرآن کریم میں مویشیوں کے متعلق ہے لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ (۱۶/۵) - یعنی ان میں تمہارے لئے (اون وغیرہ سے) گرمی یا گرمی بہم پہنچانے والا سامان اور دیگر فائدے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ دَفٌّ** - اونٹوں کے بچوں، ان کے دودھ اور ان کی دیگر منفعت بخش اشیاء کے لئے بولا جاتا ہے -

د ف ع

دَفْعٌ - کسی چیز کو قوت سے دور کردینا - ہٹا دینا** - (۲/۲۵۱) صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلدَّفْعُ کے معنے ہیں کسی بات کو وارد ہونے سے پہلے ہی دور کر دینا اور اَلرَّفْعُ کے معنے ہیں، اسے وارد ہو جانے کے بعد دور کرنا***- بصائر میں ہے کہ جب دَفْعٌ کے بعد اِلٰی آئے تو اس کے معنے سونپنے یا ادا کر دینے کے ہونگے - جیسے فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (۴/۶) میں یعنی - "ان کے مال انہیں سونپ دو" - اور جب اس کے بعد عَنْ آئے تو اس کے معنے حمایت کرنے یا حفاظت کرنے کے ہوتے ہیں** - جیسے

*تاج و راغب - **تاج - ***محیط -

اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ آمَنُوْا (۲۲/۳۸)۔ ''یقیناً اللہ (کا قانون) ان کی حفاظت کرتا ہے جو اس کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں''۔ اَلْمُدَافَعَۃُ ۔ ایک دوسرے کو ہٹانا اور دھکے دینا*۔ دَافِعٌ ۔ ہٹانے والا (۴۰/۵)۔

د ف ق

دَفَقَ الْمَاءَ یَدْفُقُ ۔ اس نے پانی گرا دیا بہا دیا ۔ دَفَقَ الْکُوْزَ ۔ پیالہ کے پانی کو یکبارگی گرا کر منتشر کردیا ۔ دَفَقَ الْمَاءُ ۔ پانی یکبارگی ابل پڑا ۔ سَیْلٌ دُفَاقٌ ۔ وہ سیلاب جس کا پانی وادی سے اوپر اچھل جائے ۔ اَلدِّفَقُّ ۔ تیز رفتار اونٹ ۔ اَلدِّفِقَّیٰ ۔ ایک ایسی تیز رفتار جس میں جانور اچھل کر چلے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو آگے کی طرف دھکا دینا ۔

قرآن کریم میں انسانی تخلیق کے سلسلہ میں ہے خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ (۸۶/۶) ۔ ''اسے پیدا کیا گیا ہے تیزی سے اچھل کر گرنے والے پانی (مادۂ تولید) سے ۔ (یہ مَاءٌ مَدْفُوْقٌ کے معنوں میں آیا ہے)۔

د ک ک

اَلدَّکُّ ۔ کوٹنا ۔ توڑنا (دیوار یا پہاڑ کو) منہدم کر دینا ۔ دراصل یہ کسی چیز کو توڑ کوٹ کر زمین کے برابر کر دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے*** ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی پست ہوجانے اور بچھ جانے کے ہیں۔ اَلدَّکَّۃُ ۔ اَلدَّکُّ ۔ ہموار جگہ ۔ زمین کے نشیب و فراز (اونچائی نیچائی) کو ہموار کر دینا*** ۔ اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّا (۸۹/۲۱) ۔ ''جب زمین کے نشیب و فراز کو مٹا کر ہمواری پیدا کر دی جائے گی'' ۔ جب معاشی**** ہمواریاں پیدا کر دی جائینگی اور اونچ نیچ سب مٹا دی جائینگی ۔ فَدُکَّتَا دَکَّۃً وَاحِدَۃً (۶۹/۱۴) ۔ ایک ہی مرتبہ ہموار کر دی جائیگی ۔ جَعَلَہٗ دَکًّا (۷/۱۴۳) ۔ اسے ہموار کر دیا ۔ نشیب و فراز مٹا دیا ۔ جَعَلَہٗ دَکَّاءَ (۱۸/۹۸) اسے توڑ کر ہموار کردے گا ۔ (یہاں اَرْضٌ محذوف ہے جس کے لئے دَکَّاءُ مؤنث آیا ہے) ۔ تاج نے لکھا ہے کہ اَلدَّکَّاءُ مٹی کے ٹیلے کو کہتے ہیں ۔ اس اعتبار سے جَعَلَہٗ دَکَّاءَ کے معنی یہ ہونگے کہ وہ دیوار مسمار ہو کر ٹیلہ سا بن جائیگی ۔ اَرْضٌ دَکَّاءُ ۔ ہموار زمین*****۔ اَلدَّکَّانُ ۔ ایسی جگہ جسکا اوپر کا حصہ بیٹھنے کے لئے ہموار کرلیا جائے*** ۔

*تاج ۔ **تاج و راغب و محیط ۔ ***تاج و محیط ۔ ****دیکھئے عنوان ارض۔ *****راغب ۔

د ل ک

دَلَکَہٗ بِیَدِہٖ دَلْکًا ۔ کسی چیز کو ہاتھ سے ملنا اور رگڑنا ۔ دَلَکَتِ الشَّمْسُ دُلُوْکًا ۔ آفتاب کا غروب ہونا، کیونکہ اسکی طرف دیکھنے والا اپنی آنکھوں کو ملنے لگتا ہے* ۔ (لیکن ہمارے نزدیک یہ توجیہ کمزور سی ہے) دَلَکَتْ دُلُوْکًا ۔ آفتاب کا زرد ہو جانا اور زوال یا غروب کی طرف مائل ہو جانا۔ آفتاب کا ظہر کے وقت وسط آسمان سے نیچے کی طرف ڈھل جانا**۔ ازہری نے کہا ہے کہ اسکے یہی معنے صحیح ہیں کیونکہ کلام عرب میں دُلُوْک کے معنے زوال کے آتے ہیں ۔ ابن فارس نے بھی اس مادہ کے بنیادی معنے کسی چیز کا دوسری چیز سے ہٹ جانا (زوال) بتائے ہیں ۔ لیکن اس نے کہا ہے کہ دُلُوْک میں کسی چیز کا نرمی اور آسانی سے ہٹ جانا پایا جاتا ہے ۔ ملنے رگڑنے کے لئے بھی یہ لفظ اسی جہت سے استعمال ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ہاتھ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا ۔

آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے ہیں ۔ اس لئے زوال بھی دلوک ہے اور غروب بھی دلوک ہے۔ جب آفتاب نصف النہار میں زوال کر جاتا (ڈھل جاتا) ہے تو اسے دَالِکَۃ کہتے ہیں ۔ ایسے ہی جب وہ غروب ہو جائے تب بھی اسے دَالِکَۃ کہتے ہیں، **کیونکہ دونوں حالتوں میں اسے زوال ہوتا ہے۔ لیکن نوادرالاعراب میں ہے کہ اسکے معنی آفتاب کے بلند اور اونچا ہونے کے آتے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ دال (د) جہاں بھی لام (ل) کے ساتھ آئیگا تو وہ حرکت کرنے، آنے جانے، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ زوال پذیر ہونے، پر دلالت کریگا ۔ چنانچہ دَلَکَ الثَّوْبَ کے معنے ہیں کپڑے کو دھونے کیلئے ملا ۔ دَلَکَتِ الْمَرْاَۃُ الْعَجِیْنَ ۔ عورت نے آٹا گوندھا ۔ تَدَلَّکَ الرَّجُلُ ۔ آدمی نے نہاتے ہوئے اپنے بدن کو ملا ۔ اَلدِّلْوْکُ ۔ خوشبو یا دوا وغیرہ جسے ملا جائے ۔ بَعِیْرٌ مَدْلُوْکٌ ۔ اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے سفروں میں برابر کام میں لایا گیا ہو ۔ اَلدَّالِیْکُ ۔ چلنے میں بلا پاؤں جمائے تیزی سے چلنا* ۔ ان تمام معانی سے واضح ہے کہ اصل معنے اس مادہ کے حرکت کرنے ہی کے ہیں ۔ لہذا جب آفتاب طلوعِ صبح سے دوپہر تک بلند ہوتا جاتا ہے تو اسے بھی دُلُوْک کہینگے (جیسا کہ نوادرالاعراب کے حوالہ سے اوپر لکھا گیا ہے) اور جب وہ نصف النہار

*تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔ **اسکی تائید ابن درید نے جمہرۃ اللغۃ میں کی ہے ۔

تک پہنچکر نیچے کی طرف حرکت کریگا (یعنے ڈھلنا شروع ہوگا) تو اسے بھی دُلُوْک" ہی کہینگے (جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ نیز راغب نے بھی اسکے معنے سائل بہ غروب ہونے کے لکھے ہیں*) ابن دریدؒ نے جمہرۃ اللغۃ میں کہا ہے کہ دلوک کے معنی غروب اور غائب ہو جانا ہیں۔

قرآن کریم میں ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ اللَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ (۱۷/۷۸)۔ اس کا عام ترجمہ یہ ہوگا "صلٰوۃ قائم کرو دلوک شمس سے غسق لیل تک۔ اور فجر کا قرآن"۔ یہاں اگر دُلُوْک" کے معنے عام حرکت کے لئے جائیں تو اسمیں طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کا سارا وقت آجاتا ہے۔ اور قُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ طلوع آفتاب سے پہلے، اور غَسَقِ اللَّیْلِ۔ غروب آفتاب کے بعد۔ یعنے اسطرح اس آیت میں سونے کا وقت نکال کر باقی دن رات کا سارا وقت آجاتا ہے۔ مفہوم ظاہر ہے کہ صلٰوۃ کیلئے یہ سارا وقت تمہارے لئے کھلا رکھا ہے۔ اور اگر دُلُوْک" کو زوال آفتاب سے غروب تک مقید کر دیا جائے تو پھر (اوپر کے مفہوم کی رو سے) طلوع آفتاب سے لیکر اسکے نصف النہار تک پہنچنے کا وقت خارج ہو جائیگا۔ دوسری جگہ صَلٰوۃ" کیلئے طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِنَ اللَّیْلِ (۱۱/۱۱۴) کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنے دن کے دونوں کناروں اور رات کے (ابتدائی) حصوں میں۔ دن کے دونوں کنارے فجر اور مغرب ہیں اور رات کے (ابتدائی) حصے غَسَقُ اللَّیْلِ۔ سورۃ نور میں صَلٰوۃُ الْفَجْرِ اور صَلٰوۃُ الْعِشَاءِ (۲۴/۵۸) کا خصوصیت سے نام لیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن کریم (رسول اللہ ؐ) کے زمانہ میں ان دونوں اوقات میں اجتماعات صلٰوۃ ہوتے تھے۔ یہ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اور غَسَقُ اللَّیْلِ کے اوقات تھے۔ باقی وقت دُلُوْکُ الشَّمْسِ سے غَسَقُ اللَّیْلِ تک کا ہے۔ اسے صبح سے شام کہہ لیجئے یا سورج ڈھلنے سے شام تک کا وقت۔ دُلُوْک" کے عام مفہوم کے اعتبار سے پہلے معانی (صبح سے شام تک کا وقت) لغوی اعتبار سے زیادہ موزوں ہونگے۔

(غَسَقُ" ۔ ابتداءِ شب کی تاریکی کو کہتے ہیں۔ دیکھئے عنوان غ ۔ س ۔ ق)۔

صلٰوۃ سے متعلق عنوان (ص ۔ ل ۔ و) میں آپ دیکھینگے کہ صلٰوۃ سے مراد صرف وقتی اجتماعات نماز ہی نہیں۔ اس سے مراد قرآنی نظام یا قرآن کریم کے مطابق متعین کردہ فرائض زندگی بھی ہے۔ اس اعتبار سے اگر اس آیت (۱۷/۷۸) میں بھی اقامت صلٰوۃ کے معنی فرائض زندگی کی سر انجامدہی

* تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔

یا قرآنی نظام کے قیام کے لئے جائیں تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ آغاز کار سے پہلے (ہر روز، صبحدم) یہ دیکھو کہ زیر نظر پروگرام کے لئے قرآن کریم کی طرف سے کیا راہ نمائی ملتی ہے (یہ قُرْآنَ الْفَجْرِ ہوگا) اور پھر صبح سے شام تک اس پروگرام کی تکمیل میں مصروف کار رہو۔ یہ اقامت صلوٰۃ دلوک شمس سے غسق لیل تک ہوگا۔

د ل ل

دَلَّ الْمَرْأَۃِ وَدَلَالَتُھَا عَلٰی زَوْجِھَا ۔ بیوی کا اپنے شوہر سے ناز و نخرے کرنا ۔ اسکا فرط ناز میں ایسی حرکات کرنا جن سے بظاہر نظر آئے کہ وہ شوہر کی مخالفت کر رہی ہے لیکن درحقیقت ایسا نہ ہو۔ دَلَّہٗ عَلَی الشَّیْءِ ۔ اسے کوئی چیز بتائی ، اس تک رہنمائی کی۔ اَدَلَّ عَلَیْہِ ۔ وہ اس سے بے تکلف ہوا، اس پر جری ہوا، اس کی محبت پر مکمل اعتماد کی وجہ سے اس پر زیادتی کی۔ اَلدَّلَالَۃُ ۔ ناز و ادا ۔ اَلدِّلَّۃُ ۔ واضح راستے کو کہتے ہیں ۔ اور اَلدَّلِیْلُ ۔ رہنما جس سے کسی چیز کا پتہ نشان معلوم کیا جائے ۔ وہ چیز جس سے بات واضح کی جائے ۔ اَلدِّلَالَۃُ ۔ کسی کو راستہ دکھا دینے نیز علامتوں سے کسی چیز کا پتہ دینے کو کہتے ہیں۔ راغب نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس سے کسی دوسری چیز کی معرفت حاصل کی جائے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو کسی ایسی علامت کے ذریعے ظاہر کر دینا جسے تم غور و فکر کے بعد بتدریج جانو۔ یعنی معلوم علامت کے ذریعے اظہار حقیقت ۔ نیز کسی چیز میں اضطراب اور حرکت کا موجود ہونا ۔ قرآن مجید میں ہے کہ تم اپنے رب کے سایہ بڑھانے (کی حکمت) پر غور نہیں کرتے۔ اسکے بعد ہے ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْہِ دَلِیْلًا (۲۵/۴۵) ۔ سایہ کے اس طرح گھٹنے اور بڑھنے کو معلوم کرنے کا ذریعہ (یا اسکا موجب) سورج کی روشنی ہے ۔ اگر سورج کی روشنی نہ ہو تو سایہ بھی نہ ہو اور اسکا گھٹنا بڑھنا معلوم نہ ہو سکے۔ سورۃ السبا میں ہے مَا دَلَّھُمْ عَلٰی مَوْتِہٖ اِلَّا ۔۔۔ (۳۴/۱۴) ۔ کسی چیز نے انہیں (حضرت سلیمانؑ کی) موت کا پتہ نہیں دیا بجز ۔۔۔۔۔۔۔۔ یعنے وہ چیز بتدریج ، غور و فکر کے بعد ، ذریعہ بنی اس امر کا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت سلیمانؑ فی الواقعہ وفات پا چکے ہیں ۔ (اسکی تفصیل عنوان حضرت سلیمانؑ میں ملیگی)۔ لہذا دلیل وہ ذریعہ ہے جس سے کسی بات کا علم غور و فکر کے بعد بتدریج ہو سکے ۔

*تاج و محیط و راغب ۔

د ل و (ی)

اَلدَّلْوُ۔ ڈول۔ (جب ڈول پانی سے بھرا ہوا ہو تو اسے ذَنُوْب* کہتے ہیں**** لیکن یہ کلیہ نہیں ہے۔) دَلْوٌ۔ اَدْلَیْتُ۔ میں نے ڈول کنویں میں ڈالا* ۔ یا ڈول بھر کر کنویں سے نکالا** ۔ اسی سے اَدْلٰی کے معنے ہیں کسی چیز تک پہنچنے کے لئے ذریعہ یا وسیلہ فراہم کرنا۔ جیسے پانی تک پہنچنے کے لئے ڈول ڈالنا پڑتا ہے۔ اَدْلٰی اِلَیْہِ بِمَالِہٖ : اسے اپنا مال دیا* ۔ دَلّٰی حَاجَتَہٗ دَلْوًا۔ اس نے اپنی ضرورت کو طلب کیا۔ اَدْلٰی بِرَحِمِہٖ۔ اسنے اپنی رشتہ داری کو ذریعہ بنا کر چاہا کہ دوسرے تک پہنچ جائے اور اپنا کام نکال لے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں نرمی اور سہولت کے ساتھ کسی چیز کے قریب ہو جانا۔ قرآن کریم میں ہے تُدْلُوْا بِہَا اِلَی الْحُکَّامِ (۲/۱۸۸) مال کے ذریعہ (رشوت دیکر) حکام تک پہنچ کر اپنے حق میں فیصلہ لے لینا۔

ڈول کو کنویں میں لٹکانے کی جہت سے تَدَلّٰی کے معنے ہوتے ہیں لٹکنا۔ قریب ہو جانا۔ سورۃ النجم میں ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی (۵۳/۸) وہ قریب ہوا۔ (ہم رنگ ہو گیا)۔ ان حقائق کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ یہ مقام نبوت کی خصوصیات میں سے ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے فَدَلّٰھُمَا بِغُرُوْرٍ (۷/۲۲) انہیں فریب دیکر پستیوں کی طرف گرا دیا۔ دَالَۃٌ۔ مُدَالَاۃٌ۔ اس سے نرمی اور مدارات کی***۔ دَلِیَ۔ یَدْلٰی۔ متحیر ہونا*

د م د م

دَمْدَمَ الْقَوْمَ وَدَمْدَمَ عَلَیْھِمْ۔ قوم کو ہلاک و برباد کر دیا۔ دَمْدَمَ عَلَیْہِ۔ اس پر غصہ ہوا اور غصہ میں اس سے بات کی* ۔ دَمْدَمَ عَلَیْھِمْ۔ انہیں ہلاک کیا اور پریشان و بے چین کیا**** ۔ اَلدَّمْدَمَۃُ پریشان کن گفتگو۔ غضب* ۔ تباہ و برباد کرنا***** اَلدَّمْدَمُ، سوکھی گھاس* ۔ دَمْدَمَ الرَّعْدُ۔ گرج زور دار ہوئی** ۔

قرآن کریم میں ہے فَدَمْدَمَ عَلَیْھِمْ رَبُّھُمْ (۹۱/۱۴)۔ ان کے رب (کے قانون مکافات) نے انہیں اسطرح ہلاک کر دیا کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

---

* تاج ۔ **لین ۔ *** محیط ۔ **** لطائف اللغۃ ۔ ***** راغب ۔
****** ابن فارس ۔

د م ر

اَلدَّمْوُ رُ ۔ اَلدَّمَارُ ۔ ہلاک ہو جانا ۔ ہلاک کر دینا ۔ اَلتَّدْمِیْرُ ہلاک کر دینا ۔ بیخکنی کر دینا ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں تباہی و بربادی کو کسی چیز میں داخل کر دینا ۔ دَمَرَ عَلَیْھِمْ ۔ وہ بغیر اجازت ، برائی کی نیت سے ان کے پاس آیا ۔ وہ اچانک ان پر حملہ آور ہوا* ۔ قرآن کریم میں ہے وَدَمَّرْنَا (۷/۱۳۷) ہم نے تباہ و برباد کر دیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی گھر وغیرہ میں داخل ہونے کے ہیں ۔ بعض اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ داخلہ بغیر اجازت کے ہوتا ہے ۔

د م ع

اَلدَّمْعُ ۔ آنسو خواہ وہ غم کے ہوں یا خوشی کے ۔ اَلدَّمْعَۃُ ۔ آنسو کا ایک قطرہ ۔ دَمَعَتِ الْعَیْنُ ۔ آنکھ نمناک ہو گئی* ۔

دَمَعَتِ السَّحَابَۃُ ۔ بادل سے پانی برسا** ۔ سورۃ مائدہ میں ہے ۔ تَرٰی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ (۵/۸۳) ”تو دیکھیگا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں“ ۔

د م غ

اَلِدَّمَاغُ ۔ بھیجا (سر کا گودا) دَمَغَ ۔ یَدْمَغُ ۔ اس نے اسے ایسا زخم لگایا کہ وہ دماغ تک پہنچ گیا ۔ اَلدَّامُوْغُ ۔ وہ چیز جو کسی چیز کو توڑ پھوڑ کر رکھدے ۔ دَمَغَہٗ ۔ وہ اس پر غالب آ گیا* ۔ دَمَغَ الْحَقُّ الْبَاطِلَ ۔ حق نے باطل کو ختم کر دیا ۔ اسے مٹا دیا** ۔ حُجَّۃٌ دَامِغَۃٌ ۔ دماغ توڑ دلیل*** ۔

سورۃ انبیاء میں حق کے متعلق ہے فَیَدْمَغُہٗ (۲۱/۱۸) وہ باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے ۔ اسے مٹا کر رکھ دیتا ہے ۔ حق و باطل کی کشمکش میں (جو تعمیری اور تخریبی قوتوں کی شکل میں کائنات کے ذرے ذرے میں جاری ہے) حق (تعمیری پہلو) ہمیشہ باطل (تخریبی پہلو) پر غالب آتا ہے اور اسطرح یہ سلسلہ کائنات ارتقائی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے ۔ اگر تخریب غالب رہے تو ارتقاء تو ایکطرف کائنات کا وجود ہی باقی نہ رہے ۔ لہذا سنت اللہ یہ ہے کہ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُہٗ فَاِذَا ھُوَ زَاھِقٌ* (۲۱/۱۸) ۔ ”ہم حق کے ذریعہ باطل پر ضرب لگاتے ہیں ۔ سو حق ،

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

باطل کا مغز توڑ دیتا ہے ۔ سو دیکھو! وہ (باطل کسطرح) نیست و نابود ہو رہا ہے!،، ۔ اس کشمکش میں خدا کے تعمیری پروگرام کا، تخریبی پروگراموں پر غالب آنا، قانون کائنات ہے ۔ اس کے خلاف ہو نہیں سکتا ۔ لیکن اس کے غلبہ اور تسلط کی رفتار (ہمارے پیمانوں کے مطابق) بہت سست ہے ۔ خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال کا (بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا) ہوتا ہے ۔ (۳۲/۵ و ۷۰/۴) لیکن اگر انسان، خدا کے قانون کا رفیق بن جائے، تو پھر اس کے نتائج، خود انسان کے حساب و شمار کے مطابق مرتب ہونے شروع ہو جاتے ہیں ۔

د م و (ی)

دَمٌ کے معنے ہیں خون ۔ اَلدِّمَاءُ (۲/۸۴) اسکی جمع ہے* ۔ (دَمٌ ۔ در اصل دَمَوٌ ۔ یا دَمَیٌ تھا) ۔ قرآن کریم نے دَمًا مَسْفُوْحًا (۶/۱۴۶) ''بہتے ہوئے لہو'' کو حرام قرار دیا ہے ۔ (مزید تشریح س ۔ ف ۔ ح کے عنوان میں ملیگی) ۔

د ن ر

دِیْنَارٌ ۔ ایک طلائی سکے کا نام ہے ۔ اسکی جمع دَنَانِیْرُ آتی ہے ۔ غیر عربی لفظ کو عربی بنا لیا گیا ہے ۔ عرب اسے قدیم زمانہ سے بولتے چلے آ رہے تھے اسلئے یہ عربی ہو گیا* ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ (۳/۷۵) میں آیا ہے ۔

بعض کا کہنا ہے کہ یہ لفظ در اصل دِنَّارٌ تھا ۔ اسی لئے اسکی جمع دَنَانِیْرُ آتی ہے* ۔ اس کے معنی پونڈ یا گنی یا اشرفی کے ہیں جو طلائی ہوتی ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ، رومی لفظ (Dinarins) کا معرب ہے ۔ عربوں کے ہاں رومیوں کے سکوں کا زیادہ رواج تھا ۔ (تیز دیکھئے درھم) ۔

د ن و

دَنَا ۔ یَدْنُوْ ۔ دُنُوًّا ۔ دَنَاوَةٌ ۔ قریب ہونا ۔ اَلدُّنْیَا ۔ نزدیک ترین چیز (یہ مؤنث ہے ۔ اس کا مذکر اَدْنٰی ہے) ۔ دَنِیَ ۔ یَدْنٰی کے معنے ہیں کمزور اور ضعیف ہونا ۔ اَدْنَی الرَّجُلُ اِدْقَاءً ۔ اس شخص نے تنگی اور عسرت کی زندگی بسر کی ۔ اَدْنَی الشَّیْءَ کسی چیز کو قریب کیا ۔

*تاج ۔

آدْنَتِ ثَوْبَهَا عَلَيْهَا ۔ اس نے اپنا کپڑا اپنے اوپر ڈال لیا*** ۔ اسی سے ہے يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ (۳۳/۵۹) ''وہ اپنی چادریں (جلباب) اپنے اوپر ڈال لیا کریں''۔

اَلْاَدْنٰی کے معنے ہیں زیادہ قریب ، لیکن کبھی اس سے مراد اَصْغَرُ ہوتا ہے ۔ ایسی صورت میں اسکے مقابلہ میں اَکْبَرُ آتا ہے ۔ کبھی اس سے مراد اَرْذَلُ ہوتا ہے تو اسکے مقابلہ میں خَيْرٌ آتا ہے ۔ جب اس سے مراد اَوَّلُ ہوتا ہے تو اسکے مقابلہ میں آخِرٌ آتا ہے ۔ جب اس سے مراد اَقْرَبُ ہوتا ہے تو اسکے مقابلہ میں اَقْصَیٰ آتا ہے**۔

قرآن کریم میں ہے نَبِيٌّ اَدْنَى الْاَرْضِ (۳۰/۳) ۔ یعنے قریب کی سر زمین ۔ سورۃ النجم میں ہے ثُمَّ دَنَا . . . . . اَوْ اَدْنٰى (۵۳/۸-۹) ۔ اسکے معنے ہیں پھر وہ قریب ہوا . . . . . یا قریب تر ۔ سورۃ الرحمٰن میں دَانٍ (۵۵/۵۴) بمعنے قریب آیا ہے ۔ سورۃ الحاقۃ میں ہے۔ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ (۶۹/۲۳) ۔ اسکے معنے بھی قریب ہیں ۔ اَلسَّمَاءَ الدُّنْيَا (۳۷/۶ و ۶۷/۵) کے معنے ہیں قریب ترین آسمان ۔ (دیکھئے عنوان س ۔ م ۔ و کے تحت سماء) ۔

اَلدُّنْيَا (قریب تر) بمقابلہ اَلْقُصْوَىٰ (بعید تر) (۸/۴۲) میں آیا ہے ۔ اَکْبَرُ کے مقابلہ میں یہ لفظ (۳۲/۲۱) میں آیا ہے ۔ اور اَکْثَرُ کے مقابلہ میں (۵۸/۷) میں۔ خَيْرٌ کے مقابلہ میں (۲/۶۲) میں ۔

قرآن کریم میں اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۔ بمقابلہ آخِرَةٌ ۔ اکثر مقامات پر آیا ہے ۔ اور یہی وہ تقابل ہے جو زیادہ غور طلب ہے ۔ اسلئے کہ اس تقابل میں اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کو آخرت کے مقابلہ میں کم قیمت قرار دیا گیا ہے ۔

عام مذاہب عالم میں، جہاں روح اور مادہ کی ثنویت (Duality) کا عقیدہ رائج ہے، دنیا اور اسکی متاع کو بڑا ذلیل اور حقیر قرار دیا گیا ہے۔ ہندو دھرم کی رو سے دنیا ہے ہی مایا یعنے فریب ۔ اور اس فریب سے چھوٹ جانے کا نام نجات یا سکتی ہے ۔ بدھ مت میں دنیا کے متعلق ہر آرزو ایک تکلیف کا پیش خیمہ ہوتی ہے ۔ اسلئے اصل حیات ترکِ آرزو کا نام ہے ۔ یہی عقیدہ عیسائیت میں ہے جہاں نیکوکاروں کی بادشاہت آسمان میں ہے۔ چنانچہ انکے ہاں ترک دنیا سب سے بڑی ولایت ہے ۔ یہی عقیدہ تصوف کی اصل ہے اور اس سے متاثر ہو کر خود ہمارے (مسلمانوں کے) ہاں بھی دنیا کو بڑا حقیر اور قابل نفرت سمجھا جاتا ہے ۔ چنانچہ ''دنیا دار،، اور گنہگار،، قریب قریب

* تاج و محیط ۔ ** تاج و راغب ۔ *** لین بحوالہ مغنی اللبیب ۔

مرادف المعنی الفاظ ہو چکے ہیں۔ اس کے برعکس، دین اور دنیا ایک دوسرے کے مقابلے میں بولے جاتے ہیں۔ لیکن یہ تصور قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ وہ مومن کو (آخرت کے علاوہ) فِی ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃً (۱۶/۳۰) کی دعا سکھاتا ہے اور واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃٌ (۱۶/۳۰) حسن عمل کا نتیجہ (آخرت کے علاوہ) اس دنیا کی خوشگواریاں ہیں۔ اسکے مقابلہ میں وہ ذٰلِکَ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (۲/۱۵۴)۔ ''دنیا میں ذلت و خواری،، کو خدا کا غضب اور اسکی لعنت قرار دیتا ہے۔ اس قسم کی آیات متعدد مقامات پر آئی ہیں۔ لہذا قرآن کریم کی رو سے یہ تصور باطل ہے کہ دنیا قابل نفرت ہے اور اسکی آسائشیں اور آرائشیں گناہ کی آلودگیاں!

لیکن قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں جن میں متاع دنیا کو قلیل اور اسکی زندگی کو لہو و لعب قرار دیا گیا ہے۔ اس نکتہ کو سمجھنے کیلئے (ا۔ خ۔ ر) اور (ع۔ ج۔ ل) کے عنوانات دیکھئے جن میں بتایا گیا ہے کہ مَفَادِ عَاجِلَہ اور مَتَاعِ آخِرَہ سے قرآن کریم کا مطلب کیا ہے۔ وہاں آپ دیکھیں گے کہ قرآن کریم ان لوگوں کی سخت مخالفت کرتا ہے جو اپنی نگاہوں کو مفاد عاجلہ (فوری حاصل ہو جانے والے مفاد) پر مرکوز رکھتے ہیں اور مستقبل کی خوشگواریوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسی مفاد عاجلہ کو وہ مَتَاعُ الدُّنْیَا قریبی مفاد، یا پیش پا افتادہ مفاد کہکر پکارتا ہے اور ان لوگوں کو سخت مطعون کرتا ہے جو ان پیش پا افتادہ مفادات کی خاطر مستقبل کی خوشگواریوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ لہذا جو چیز قرآن کریم کی رو سے مذموم ہے وہ یہ ہے کہ انسان قریبی مفاد (Immediate Gain) کی خاطر مستقبل (Future) کی تابناکی کو نظر انداز کر دے۔ یعنی وہ زندگی اسی طبعی زندگی ہی کو سمجھ لے۔ اور یہ بھی مذموم ہے کہ انسان دنیا کو ترک کرکے صرف ''عاقبت سنوارنے،، کے خیال میں لگ جائے (اسے رہبانیت کہتے ہیں جسے قرآن کریم جائز قرار نہیں دیتا۔ دیکھئے عنوان ر۔ ہ۔ ب)۔ اسکی تعلیم یہ ہے کہ رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً (۲/۲۰۱)۔ اس دنیا میں، بھی خوشگواریاں اور اسکے بعد کی زندگی میں بھی خوشگواریاں۔ حال بھی درخشندہ اور مستقبل بھی تابناک۔ قریبی مفاد بھی اور مستقبل کے مفاد بھی۔

اس نے یہ بھی کہدیا ہے کہ جسکا حال درخشندہ نہیں وہ سمجھ لے کہ اسکا مستقبل بھی تاریک ہی ہے۔ وَ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا (۱۷/۷۲)۔ ''جو یہاں کا اندھا ہے وہ وہاں

بھی اندھا ھی ھوگا بلکہ اس سے بھی زیادہ گیا گزرا،، ۔ (اَعْمٰی کے مفہوم کیلئے دیکھئے عنوان ع ۔ م ۔ ی) ۔ لہذا ۔

(۱) یہ تصور بھی غلط ھے کہ دنیا کی خوشگواریاں قابل نفرت ھیں ۔

(۲) اور یہ بھی غلط ھے کہ زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی ھے، لہذا مفاد صرف اسی زندگی کے پیش پا افتادہ مفاد ھیں ۔

(۳) صحیح تصور یہ ھے کہ اس دنیا کے مفاد بھی حاصل ھوں اور انسانی ذات اپنی صلاحیتوں کی نشو و نما سے اس قابل ھو جائے کہ وہ اسکے بعد کی زندگی کی خوشگواریاں بھی حاصل کرے۔ نیز اِس دنیا میں نگاہ صرف اپنے ذاتی مفاد پر نہ رھے بلکہ تمام نوع انسانی اور آنے والی نسلوں کی خوشحالی پر بھی نگاہ رھے ۔ یہ مستقبل اس دنیا میں ھوگا اور دوسرا مستقبل اسکے بعد کی زندگی میں (مزید تفصیل کیلئے دیکھئے عنوان ا ۔ خ ۔ ر) ۔

حقیقت یہ ھے کہ قرآن کریم کی تعلیم کا ماحصل یہ ھے کہ وہ انسان کو اقدار (Values) متعین کر کے دیتا ھے ۔ وہ ھر شے کے متعلق بتاتا ھے کہ انسانیت کی میزان میں اسکی قدر و قیمت کیا ھے ۔ اس کے بعد وہ کہتا ھے کہ عقل اور ایمان کی رو سے صحیح مسلک زندگی یہ ھے کہ انسان، بلند قدر و قیمت کی شے کے لئے کم قدر و قیمت کی شے کو قربان کر دے۔ وہ بتاتا ھے کہ دنیاوی سامان زندگی اور اس کی خوشنمائیاں اپنی‌قدر رکھتی ھیں ۔ انہیں ضرور حاصل کرنا اور سنبھال کر رکھنا چاھئے ۔ لیکن جب کبھی ایسا ھو کہ دنیاوی زندگی (یعنی انسان کی طبعی زندگی ۔ Physical Life) کے کسی تقاضے میں اور انسانی زندگی (انسانی ذات) کے کسی تقاضے‌میں تصادم واقع ھو جائے (ان میں (Tie) پڑ جائے) تو اسوقت، انسانی ذات کے بلند تقاضہ کی خاطر طبعی زندگی کے کمتر درجہ کے تقاضہ کو قربان کر دینا چاھئے ۔ یہ ھیں وہ مقامات جہاں قرآن کریم نے (طبعی زندگی اور انسانی ذات کا مقابلہ کرتے ھوئے) دنیاوی زندگی اور اس کے سازوسامان کو کم قیمت بتایا ھے ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیاوی زندگی قابل نفرت ھے ۔ اس کے معنی یہ ھیں کہ جب طبعی زندگی اور انسانی زندگی (جسے مرنے کے بعد بھی قائم رھنا ھے) کا مقابلہ ھو تو پھر طبعی زندگی کی قیمت، انسانی زندگی کے مقابلہ میں کمتر سمجھنی چاھئے ۔ یہ ھے قرآن کریم کی صحیح تعلیم ''دنیا اور آخرت،، کے متعلق ۔

د ہ ر

اَلدَّهْرُ ۔ دراصل مُدتِ عالَم کو کہتے ہیں جو اسکی ابتداء آفرینش سے لیکر اسکے اختتام تک ہوتی ہے ۔ پھر، طویل مدت کیلئے بھی اس کا استعمال ہونے لگا ۔ برخلاف زَمَانٌ کے جسکا اطلاق مُدتِ قلیلہ اور مُدتِ کثیرہ دونوں پر ہوتا ہے* ۔ قرآن کریم میں (تخلیق انسانی کے سلسلہ میں) حِيْنٌ مِنَ الدَّهْرِ (۷۶/۱) آیا ہے ۔ یعنی ایک زمانہ ۔ یا زمانے کی ایک مدت ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی غلبہ اور زبردستی کے ہوتے ہیں ۔ زمانہ کو دَهْرٌ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر سے گزرتا اور اس پر غالب آ جاتا ہے ۔ اَلدَّهَارِيْرُ ۔ زمانہ کے حوادث اور گردشیں ۔ دَهَرَهُمْ اَمْرٌ ۔ ان پر کوئی مصیبت نازل ہو گئی**۔

قرآن کریم میں ان لوگوں کا قول نقل کیا گیا ہے جو زندگی کو اس طبعی زندگی تک محدود سمجھتے ہیں ۔ کہ وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (۴۵/۲۴) ۔ یہ صرف مرور زمانہ (Time) ہے جو ہمیں ہلاک کر دیتا ہے ۔ وقت گزرنے سے انسان کے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور اسطرح وہ (Deteriorate) ہوتا ہوا مر جاتا ہے اور زندگی کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے ۔ اسکے بعد کوئی اور زندگی نہیں ۔ یہ وہی تصور ہے جسے دور حاضر کی اصطلاح میں (Materialistic Concept of Life) مادی نظریۂ حیات کہتے ہیں ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (۴۵/۲۴) ۔ ان کا یہ عقیدہ علم پر مبنی نہیں ۔ یہ محض ظن و قیاس سے کام لیتے ہیں ۔ قرآن حکیم نے یہ بات چودہ سو سال پہلے کہی تھی ۔ اب ہمارے دور میں دھر (Time) کے متعلق جو جدید فلسفیانہ (اورسائنٹفک) تصورات قائم ہوئے ہیں ان کی رو سے زمان (Time) کی حقیقت ہی کچھ اور ہو گئی ہے ۔ اور ابھی تو اس نہایت مشکل اور نازک موضوع پر تحقیق و تفتیش اور بحث و نظر کی ابتداء ہوئی ہے ۔ آگے چلکر دیکھئے اس کے متعلق کیا کیا تصورات قائم ہوتے ہیں ۔ بہر حال یہ عقیدہ کہ زندگی محض طبعی زندگی (Physical Life) ہے اور مرور زمانہ سے اسکا خاتمہ ہو جاتا ہے، اب عہد کہن کا فرسودہ خیال سمجھا جاتا ہے ۔ اب تحقیقات کا رخ اسی طرف کو ہے کہ زندگی مسلسل آگے بڑھتی ہے ۔ (اسکے متعلق تفصیل سے معارف القرآن

*راغب ۔ **تاج ۔

کی آخری جلد میں لکھا جائیگا جو آخرت سے متعلق ہوگی ۔ لیکن ضمنی طور پر، میری کتاب ''انسان نے کیا سوچا،، میں بھی لکھا جا چکا ہے) ۔ مرور زمانہ سے انسان کا جسم مضمحل ہوتا ہے ۔ اسکی ذات (Personality) پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا ۔ وہ زمانے کے اثرات سے غیر متاثر رہتی ہے ۔ قرآن کریم کی رو سے، انسان صرف اس کے جسم سے عبارت نہیں ، جسم کے علاوہ، اسکی ذات بھی ہے ۔ اگر اس کی نشو و نما قرآن کریم کے طریق کے مطابق ہو جائے تو موت سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا ۔ وہ زندگی کے مراحل طے کرنے کے لئے آگے بڑھ جاتی ہے ۔ اسی لئے، دھر (زمانہ) کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا ۔

قرآن کریم نے اَلدَّھْرُ اس زمانے کو بھی کہا ہے جب انسان ہنوز وجود میں بھی نہیں آیا تھا ۔ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا (۷۶/۱) ۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ خود زمانہ (دھر) کو خدا مان لیا جائے ۔ بہر حال، جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ، زمانہ یا دھر (Time) کے متعلق بحث، بڑی فلسفیانہ ہے جو ہمارے پیش نظر موضوع سے خارج ہے ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ (دھر) انہی دو مقامات میں آیا ہے جن کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے ۔ اُن مقامات میں اس لفظ کا مفہوم بالکل صاف اور سیدھا ہے جس کے سمجھنے کے لئے کسی فلسفیانہ بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ۔

د ھ ق

دَھَقَ الْکَاْسَ ۔ اسنے پیالہ بھر دیا ۔ مَاءٌ دِھَاقٌ ۔ کثیر پانی ۔ کَاْسٌ دِھَاقٌ ۔ صاف پیالہ ۔ بھرا ہوا پیالہ ۔ اَلدَّھْقُ کے معنے ہوتے ہیں زور سے دبانا ۔ اَلدَّھْقُ ۔ شکنجے کو کہتے ہیں ۔ اَلْمُدَھَّقُ ۔ زور سے دبایا ہوا* ۔ (بھرے ہوئے کیلئے دِھَاقًا کا لفظ غالبًا اسلئے بولتے ہیں کہ اس میں چیز دبا دبا کر بھری جاتی ہے) ۔

قرآن کریم میں کَاْسًا دِھَاقًا ۔ (۷۸/۳۴) آیا ہے ۔ یعنے پاک اور صاف ، لبالب اور چھلکتا ہوا پیالہ ۔ لبریز بھی اور مصفا بھی ۔ یہی جنتی معاشرہ کی خصوصیت ہے ۔ صحیح زندگی ایسی ہی ہونی چاہئے ۔ بھر پور اور مصفا ۔ جس میں زندگی، پاکیزگی اور حرکت بڑھانے والے عناصر کی فراوانی ہو، سب کچھ فراوانی اور پاکیزگی سے ملے ۔ جس میں (طبعی ضروریات کے علاوہ) انسان کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشو و نما ہو جائے اور تطہیر قلب و نگاہ

*تاج ۔

بھی میسر ہو۔ زندگی کے پیالے پاکیزہ اور قوت بخش خوشگواریوں سے بھرے ہوئے ہوں۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس میں لبریز ہونے کے علاوہ چھلکنے (یعنی متحرک ہونے) کا پہلو بھی ہوتا ہے۔

د ھ م

اَلدُّھْمَۃُ۔ سیاہی۔ اِدْھَامَّ الشَّیْئُ۔ چیز سیاہ ہوگئی۔ اِدْھَامَّ الزَّرْعُ: سیرابی کی وجہ سے کھیتی سیاہی مائل ہوئی۔ حَدِیْقَۃٌ دَھْمَاءُ وَمُدٌ ھَامَّۃٌ۔ سرسبز باغ جو اپنی سرسبزی کی شدت سے مائل بہ سیاہی ہو رہا ہو۔ عربوں کے ہاں گہرے رنگ کی سبزی کو دُھْمَۃٌ کہدیتے تھے کیونکہ گہری سبزی سیاہی مائل ہوجاتی ہے۔ اور ہلکے رنگ کی سیاہی کو خُضْرَۃٌ کہتے تھے کیونکہ وہ سبز رنگ کے قریب قریب آجاتی ہے*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تاریکی کے ساتھ کسی چیز پر چھا جانا ہیں۔ بعد میں کثرت استعمال سے اس میں تاریکی کی شرط بھی نہ رہی۔ قرآن کریم نے جنتی باغات کی شادابی و سرسبزی کی شدت کی بنا پر، اُنہیں مُدْھَامَّتٰنِ (۵۵/۶۴) کہا ہے۔ ایسی زندگی جس میں تازگی، شادابی، سرسبزی، شگفتگی، اپنی انتہا تک پہنچ چکی ہو۔

د ھ ن

اَلدُّھْنَۃُ۔ چکناہٹ۔ اَلدُّھْنُ۔ تیل۔ اَلْمُدْھُنُ۔ تیل کی شیشی۔ اِدَّھَنَ۔ اس نے تیل مل لیا**۔ قرآن کریم میں زیتون کے متعلق ہے تَنْبُتُ بِالدُّھْنِ (۲۳/۲۰) وہ روغن (تیل) لیے ہوئے نکلتا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نرمی اور سہولت اور قلت کے ہوتے ہیں۔ اور اَدْھَنَ کے معنی خیانت کرنے کے۔ اَلْمُدَاھَنَۃُ۔ قریب۔ بناوٹ۔ تصنع، نمائش (چکنی چپڑی باتوں کے اعتبار سے)۔ اَلاِدْھَانُ۔ فریب دینا۔ باطن کے خلاف ظاہر کرنا۔ نرمی برتنا۔ رعایت کرنا۔ سنجیدگی اور حقیقت کا دامن چھوڑ دینا**۔ سورۃ قلم میں ہے وَدُّوْا لَوْ تُدْھِنُ فَیُدْھِنُوْنَ (۶۸/۹)۔ یہ چاہتے ہیں کہ اگر تو تھوڑا سا اپنے مقام سے ہٹ جائے تو وہ بھی اپنے مقام سے ہٹ کر تجھ سے ''مفاہمت'' (Compromise) کرلیں۔ لیکن جو شخص حق پر ہو وہ اگر اپنے مقام سے ذرا سا بھی ہٹ جائے تو وہ باطل پر

*تاج و راغب۔ **تاج و محیط و راغب۔

پہنچ جاتا ھے ۔ اس کے بر عکس، باطل اگر اپنے مقام سے ھٹ جائے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا ۔ وہ باطل کا باطل ھی رھتا ھے ۔ مثلاً زید کہتا ھے کہ تین اور تین چھ ھوتے ھیں اور بکر کہتا ھے کہ نہیں ۔ تین اور تین چار ھوتے ھیں ۔ اب ان میں ''مفاھمت،، کرانے والا کہتا ھے کہ کچھ تم گھٹو اور کچھ تم بڑھو اور دونوں یہ مان لو کہ تین اور تین پانچ ھوتے ھیں ۔ بکر کا اس سے کچھ نہیں بگڑیگا کیونکہ وہ جیسا پہلے غلطی پر تھا ویسا ھی اب رھیگا ۔ لیکن اس سے زید فوراً اپنے مقامِ حق سے باطل پر آ جائیگا ۔ یہ وجہ ھے کہ حق کسی کی خاطر اپنے مقام سے ھٹ نہیں سکتا ۔ وہ اپنے مقام پر اٹل ھوتا ھے ۔ دین کے محکم اصول اپنے اندر کسی قسم کی کمی بیشی کی گنجائش ھی نہیں رکھتے ۔ سورۃ واقعہ میں پہلے قرآن کریم کے متعلق کہا گیا ھے کہ یہ کسقدر عظیم کتاب ھے ۔ اس کے بعد ھے ۔ أَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ أَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ (۵۶/۸۱) اس کے دو معنی ھو سکتے ھیں ۔ ایک تو یہ کہ کیا تم ایسی کتاب میں خیانت کرتے ھو ۔ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس کی صحیح تعلیم میں کمی بیشی کرتے ھو ۔ اور دوسرے یہ کہ تم اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو ان کے صحیح مقام سے پھسلاتے ھو؟ مفہوم درحقیقت دونوں سے ایک ھی ھے ۔ مذھبی پیشوائیت کرتی ھی یہ ھے کہ قرآن کریم کی تعلیم میں کمی بیشی کرتی ھے اور اسطرح لوگوں کو حق کے مقام سے ھٹا دیتی ھے ۔ اور یہ سب اس لئے کہ اس سے ان کی روٹی کا سامان بہم پہنچتا رھے ۔ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (۵۶/۸۲) ۔ اس تکذیب کو تم اپنے لئے ذریعہ معاش بناتے ھو؟

اَلدِّهَانُ ۔ سرخ رنگ کی کھال ۔ تیل کی تلچھٹ* ۔ سورۃ رحمٰن میں ھے کہ آسمان وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (۵۵/۳۷) ھو جائیگا ۔ دوسری جگہ ھے كَالْمُهْلِ (۷۰/۸) ۔ پگھلی ھوئی دھات کیطرح ھو جائیگا ۔

د ھ ی (و)

دَهَاهُ ۔ دَهْيًا ۔ اس نے اس میں عیب نکالا ۔ اس کی تنقیص کی ۔ اسے سخت تکلیف پہنچائی ۔ اَلدَّاهِيَةُ ۔ امر عظیم ۔ سخت مصیبت ۔ دَوَاهِيَ الدَّهْرِ ۔ زمانہ کے ھاتھوں جو سخت مصیبتیں آتی رھتی ھیں ۔ اَلدَّهْيُ ۔ اَلدَّهَاءُ ۔ حیرت انگیز ھوشیاری اور چالاکی، نیز رائے کی عمدگی ۔ دَهِيَ ۔ اس نے نہایت درجہ ھوشیاری سے کام کیا** ۔ چنانچہ رَجُلٌ دَاهٍ ۔ انتہائی

*تاج ۔ **تاج و محیط

ہوشیار اور چالاک آدمی کو کہتے ہیں* ۔ (دنیا کی مصیبتوں کا بیشتر حصہ عقلِ فریب کار کی چالاکیوں ہی کا پیدا کردہ ہوتا ہے) ۔

قرآن کریم میں ہے وَ السَّاعَۃُ اَدْھٰی (۵۴/۴۶) ۔ وہ انقلاب کی گھڑی سخت مصائب والی ہوگی اور اچانک اور تحیر انگیز طریق سے آئیگی ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ دَھْیٌ کے بنیادی معنی ہیں کسی ایسی چیز کا سامنے آجانا جو خوشگوار نہ ہو ۔ لیکن حیرت انگیز اور اچانک طریق سے سامنے آنا جس سے انسان بھونچکا رہ جائے ۔ انقلاب کہتے ہی اسے ہیں جو اچانک نمودار ہو اور دیکھنے والے متحیر ہو جائیں ۔

د و ر

دَارَ ۔ یَدُوْرُ ۔ دَوْرًا ۔ کسی چیز کا اسطرح گھومنا کہ وہ گھوم پھر کر وہیں آجائے جہاں سے چلی تھی ۔ اَلدَّوَّارَۃُ ۔ پرکار ۔ اَلدَّائِرَۃُ ۔ حلقہ (سرکل) اس کی جمع دَوَائِرُ ہے ۔ اَلدَّارُ (جمع دِیَارٌ) ۔ مکان ۔ اس لئے کہ اس میں لوگ گھومتے پھرتے رہتے ہیں ۔ یا گھوم پھر کر وہاں آجاتے ہیں ۔ محلہ ۔ شہر ۔ علاقہ ۔ ٹھہرنے اور سکونت پذیر ہونے کی جگہ ۔ نیز ساری دنیا کو بھی کہتے ہیں ، اور زمانہ کو بھی جو گردش کرتا رہتا ہے ۔ دَارَۃٌ ۔ مصیبت گردش ۔ اَلْمَدَارُ ۔ گھومنے کی جگہ** ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں کسی چیز کا کسی دوسری چیز کو چاروں طرف سے گھیر لینا ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے عَلَیْھِمْ دَائِرَۃُ السَّوْءِ (۴۸/۶) ۔ تباہی اور بربادی نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا ۔ یہاں دائرہ کے معنے ہیں وہ چیز جو کسی کو محیط ہوجائے ۔ جو اسے ہر طرف سے گھیر لے ۔ جیسا کہ دائرہ (سرکل) ہر طرف سے گھیر لیتا ہے ۔ سورۃ توبہ میں ہے یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَائِرَ (۹۸/۶) ۔ ''وہ تم پر گردشوں کے آنے کا انتظار کرتے ہیں''

سورۃ نوح میں دَیَّارًا (۷۱/۲۶) کے معنے ہیں ، بسنے والا ۔ مکین ۔ نیز یہ نفی کے بعد، کسی ایک، کوئی ایک، کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے** ۔

دَارُ الْاٰخِرَۃِ (۲/۹۴) کی اصطلاح قرآن کریم میں متعدد بار آئی ہے ۔ اسکے معنے ہیں ''آخرت کا گھر'' ۔ یعنے مستقبل کی زندگی اور اُس زندگی کی آسائشیں ۔ (دیکھئے عنوان ا ۔ خ ۔ ر) ۔

---

* تاج و محیط ۔ ** تاج و محیط و راغب ۔

سورۃ بقرہ میں تجارت کے متعلق ہے تُدِیْرُوْنَہَا (۲/۲۸۲) - جس کا تم لوٹ پھیر کرتے ہو - یعنے آپس میں مبادلہ کرتے ہو - چیزوں کو گردش دیتے ہو -

د و ل

اَلدَّالَّۃُ - شہرت - اَلدَّوْلَۃُ - باری اور نوبت - صَارَ الْفَیْءُ دَوْلَۃً بَیْنَہُمْ - مال غنیمت ان میں منقسم ہو کر گردش کرنے لگ گیا* - دَاوَلَ - پھیرنا - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانا - قرآن کریم میں ہے تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیْنَ النَّاسِ (۳/۱۴۰) - ''یہ وہ حالات ہیں جنہیں ہم لوگوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں'' - کبھی اسکی باری کبھی اُسکی باری - تَدَاوَلُوْہُ انہوں نے اسے باری باری لیا* -

دُوْلَۃٌ اور دَوْلَۃٌ - بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں کے معنے ایک ہی ہیں - یعنے گردش کرنا - پھرتے رہنا - لیکن بعض نے کہا ہے کہ دَوْلَۃٌ کے معنے ہیں دو لشکروں کا باری باری ایک دوسرے کو شکست دینا اس طرح کہ پہلے ایک کو شکست ہو لیکن پھر شکست کھانے والا غلبہ حاصل کر لے* - اور دُوْلَۃٌ ان طور طریقوں کو کہتے ہیں جو ادلتے بدلتے رہیں - بعض نے کہا ہے کہ دُوْلَۃٌ اس چیز کو کہتے ہیں جو مختلف ہاتھوں میں گھومتی پھرتی اور آتی جاتی رہے - اور دَوْلَۃٌ اس چیز کے ادلنے بدلنے کو کہتے ہیں* -

قرآن کریم نے مال کی گردش کے متعلق کہا ہے کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ (۵۹/۷) - تاکہ وہ تم میں سے دولت مندوں کے اندر ہی نہ گھومتا پھرتا رہے - معاشیات (Economics) کا کتنا بڑا اصول ہے جسے قرآن کریم نے چار لفظوں میں بیان کر دیا ہے - معاشرہ کا فساد اسی سے ہوتا ہے کہ دولت ایک خاص (اوپر کے) طبقہ میں گردش کرتی رہتی ہے - قرآن کریم کی رو سے نہ کسی کے پاس فاضلہ دولت (Surplus Money) رہنی چاہئے، نہ دولت کو ایک خاص سرکل کے اندر گردش کرنا چاہئیے - علاوہ برین، قرآن کریم میں یہ اصول بالخصوص مالِ فے کے سلسلہ میں بیان ہوا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ حکومت کے روپیہ کو بھی اوپر کے طبقہ (یعنی ارباب حل و عقد) کے اندر صرف نہیں ہوتے رہنا چاہئیے - اسے رفاہِ عامہ کے لئے گردش کرنا چاہئیے -

* تاج -

د و م

دَوَامٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا ایک حالت پر قائم رہنا۔ دَامَ الشَّیْءُ اسوقت بولتے ہیں جب کسی چیز پر لمبا زمانہ گزر جائے*۔ اس سے اَلدَّائِمُ ۔ ٹھہرے ہوئے یا ساکن پانی کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اَلدِّمْدَامُ اُس بارش کو کہتے ہیں جو لگاتار ہوتی رہے۔ لہذا اس مادہ میں کسی چیز کا لمبے زمانے تک یا ایک حالت پر رہنے کا تصور ہوتا ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ دَامَ الشَّیْءُ کے معنے ہوتے ہیں چیز گھومی۔ نیز یہ فعل تھکنے یا ٹھہرنے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ گھومنے کے اعتبار سے، اَلدَّوَّامَۃُ لٹو کو کہتے ہیں جس سے بچے کھیلتے ہیں۔ ابن کیسان نے لکھا ہے کہ مَادَامَ میں، مَا کے معنے وقت کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب کہتے ہیں قُمْ مَادَامَ زَیْدٌ قَائِماً۔ تو اسکے معنے ہوتے ہیں جب تک زید کھڑا رہے تم بھی کھڑے رہو** ۔ سورۃ رعد میں جنت کے متعلق ہے اُکُلُھَا دَائِمٌ (۱۳/۳۵)۔ ''اس کے پھل قائم رہینگے''۔ یعنی جنت کی منفعت بخش چیزوں کا سلسلہ جاری رہیگا۔ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ وہاں رزق کی کمی نہیں ہوگی۔ اور سورۃ ہود میں ہے خَالِدِیْنَ فِیْھَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (۱۱/۱۰۸)۔ جب تک زمین و آسمان موجودہ حالت میں رہینگے۔ یعنی بہت لمبے عرصہ تک کے لئے۔ (تفصیل خ۔ل۔د کے عنوان میں دیکھئیے)

سورۃ آلِ عمران میں ہے اِلَّا مَادُمْتَ عَلَیْہِ قَائِماً (۳/۷۵)۔ سوائے اس کے کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے۔

د و ن

دُوْنَ ۔ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ فَوْقَ (اوپر) کے برخلاف نیچے کے معنوں میں۔ ھُوَ دُوْنَہٗ۔ وہ اس کے نیچے ہے۔ کبھی قریب کے معنوں میں۔ زَیْدٌ دُوْنَکَ۔ زید تجھ سے (مرتبہ وغیرہ میں) قریب ہے۔ سامنے کے معنوں میں۔ مَشٰی دُوْنَہٗ۔ وہ اس کے آگے آگے چلا۔ پرے کے معنوں میں۔ ھُوَ اَمِیْرٌ عَلٰی مَادُوْنَ جَیْحُوْنَ۔ وہ جیحون سے پرے کے علاقہ کا امیر ہے۔ علاوہ کے معنوں میں۔ وَیَعْمَلُوْنَ عَمَلاً دُوْنَ ذٰلِکَ۔ وہ اسکے علاوہ اور بھی کام کرتے ہیں۔ صاحب لطائف اللغۃ نے کہا ہے کہ یہ لفظ

* تاج و راغب۔ ** تاج۔

اضداد میں سے ہے اور اس کے معنی پیچھے اور آگے، نیچے اور اوپر' سب آتے ہیں - شَیْءٌ دُوْنٌ - ذلیل چیز کو کہتے ہیں - لیکن اس کے برعکس شریف اور اچھی چیز کو بھی کہتے ہیں * - قرآن کریم میں ہے وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِکَ (۷۲/۱۱) ہم میں سے بعض صالح ہیں اور بعض اس سے کم تر درجے پر ہیں -

علاوہ یا پہلے کے معنوں میں یہ لفظ (۳۲/۲۱) میں آیا ہے جہاں کہا ہے کہ وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ .... ہم انہیں عذاب اکبر کے علاوہ - یا اس سے پہلے عذاب ادنیٰ کا مزہ بھی چکھائینگے - مِنْ دُوْنِ کے معنے ہیں ''علاوہ،، لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۳/۲۸) - ''مومن مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں'' - یعنی ایسا کبھی نہ کریں کہ مومنوں کو بھی دوست رکھیں اور ان کے ساتھ کفار کو بھی - انہیں مومنوں کو دوست رکھنا ہوگا یا کفار کو - اگر وہ کفار کو دوست رکھیں گے تو انہی میں سے ہوجائینگے - قرآن کریم میں مِنْ دُوْنِ اللہِ بھی اکثر مقامات پر آیا ہے جس کے ایک معنے تو یہ ہیں کہ یہ لوگ خدا کے ساتھ ساتھ اور قوتوں کی بھی اطاعت اختیار کرتے ہیں اور یہ بھی کہ یہ لوگ خدا کے قانون تک نہیں پہنچتے - اس سے پہلے (یا ورے) ہی انسانوں کے خود ساختہ قانون و شریعت کو اپنے لئے واجب الاتباع مان لیتے ہیں - کتنے معبود ہیں جو انسانوں نے خدا سے ورے ہی اپنی ''پرستش،، کے لئے تجویز کر رکھے ہیں - یہ معبود مٹی اور پتھر کے بت نہیں - انسانی جذبات کے بت، ارباب اقتدار کے بت مذہبی پیشواؤں کے بت، غرضیکہ ہر آن ایک نیا بت -

می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر
رست از یک بند تا افتاد در بند دگر

یہی وہ بت ہیں جو انسان کو خالص قوانین خداوندی کے اتباع سے روکتے ہیں-

راغب نے کہا ہے کہ کسی چیز تک پہنچنے سے قاصر رہ جانے کے لئے دُوْن بولا جاتا ہے - اس اعتبار سے مِنْ دُوْنِ اللہِ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تک پہنچنے سے قاصر رہتے ہوئے اس سے ورے ہی اور چیزوں کو اپنا مقصود و منتہٰی قرار دے لینا - نزول قرآن کے بعد خدا تک پہنچنے سے قاصر رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ خدا تک پہنچنے کا ذریعہ اس کی کتاب کا اتباع ہے اور وہ کتاب ہر ایک کے سامنے ہے -

* تاج -

د ی ن

دِیْنٌ۔ یہ لفظ بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ازانجملہ، غلبہ۔ اقتدار۔ حکومت۔ مملکت۔ آئین۔ قانون۔ نظم و نسق۔ فیصلہ۔ ٹھوس نتیجہ۔ جزا و سزا۔ بدلہ، ہیں۔ دوسری طرف یہ لفظ اطاعت اور فرمانپذیری کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے*۔ صاحب لطائف اللغۃ نے بھی اس کے معانی حساب۔ غلبہ۔ تدبیر اور عادت کے لکھے ہیں۔ کتاب الاشتقاق میں اس کے معنی اطاعت۔ روش (دَاْبٌ) اور ملت کے لکھے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ان تمام معانی میں استعمال ہوا ہے۔ سورۃ بقرہ میں، اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ عالمگیرنشو و نما دینے والے کے قوانین و احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے، کو اَلدِّیْنُ کہا گیا ہے (۳/۱۳۱-۳۲)۔ اسی کو دوسری جگہ اَلْاِسْلَامُ کہا گیا ہے (۳/۱۸)۔ سورۃ واقعہ میں غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ (۵۶/۸۶) کے معنے ہیں وہ جو کسی کے ماتحت نہ ہوں۔ سورۃ توبہ میں ہے وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ (۹/۲۹)۔ وہ نظام خدا وندی کی اطاعت اختیار نہیں کرتے۔ سورۃ یوسف میں دِیْنِ الْمَلِکِ (۱۲/۷۶) کے معنے بادشاہ کا قانون ہیں۔ اور سورۃ نور میں جہاں زنا کی سزا کا ذکر ہے وہاں دِیْنِ اللّٰہِ (۲۴/۲) کے معنے خدا کا قانون یا ضابطۂ حکومت ہیں۔ اسی طرح سورۃ توبہ میں، جہاں سال کے بارہ مہینوں اور ان میں سے چار حرمت والے مہینوں کا ذکر ہے، کہا گیا ہے کہ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (۹/۳۶) اسمیں بھی دِیْنٌ کے معنے ضابطۂ قانون ہے۔ لیکن یَوْمَئِذٍ یُوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ (۲۴/۲۵) میں دِیْنٌ کے معنے اعمال کا بدلہ (جزا و سزا) ہیں۔ (اس میں دین کے معنے حساب بھی ہو سکتے ہیں**۔ اس سے بھی مطلب مکافات عمل ہی ہے۔) سورۃ صٰفّٰت میں ہے ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ (۳۷/۵۳)۔ کیا ہمیں ہمارے اعمال کا بدلہ ملیگا؟ کیا ہمارا حساب ہوگا؟۔

غلبہ و اقتدار اور قانون و اختیار کے مفہوم کے اعتبار سے قرآن کریم نے یَوْمُ الدِّیْنِ کے معنے خود واضح کر دئے ہیں جہاں کہا ہے کہ مَا اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ۔ ''تجھے کیا معلوم کہ یوم الدین کیا ہے''۔ جواب میں کہا کہ یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَّالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (۸۲/۱۹-۱۸)۔ جس دور میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کیلئے کچھ اقتدار و اختیار نہیں رکھیگا۔ اور تمام معاملات قانون خدا وندی

* تاج و محیط۔ ** ابن قتیبہ (القرطبی ج/۱ صفحہ ۴)

کے مطابق فیصل ہونگے ۔ اسی کے متعلق سورۃ فاتحہ میں مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ (۱/۳) کہا گیا ہے۔ یعنی جس دور میں انسانی زندگی آئین خدا وندی کے مطابق بسر ہوگی۔ اس کی بنیادی خصوصیت یہ ہوگی کہ اس میں کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر کوئی غلبہ و اقتدار نہیں ہوگا ۔ غلبہ و اقتدار صرف قانون خدا وندی کا ہوگا ۔ کتنی بڑی آزادی ہے جو انسان کو آئین خدا وندی کے تابع حاصل ہوتی ہے!

دِیْنٌ کے معنے عادت مستمرہ کے بھی آتے ہیں ۔ چنانچہ دِیْنٌ اس بارش کو بھی کہتے ہیں جو عادۃً ہمیشہ ایک جگہ آ کر برستی ہو* ۔ اس مفہوم میں بھی قانون اور ضابطہ کی شان جھلکتی ہے ۔ خارجی کائنات میں قوانین خدا وندی کو قوانین فطرت کہا جاتا ہے ۔ انسانوں کی دنیا میں خدا کا قانون وحی کے ذریعے (بوساطت حضرات انبیاء کرامؑ) ملتا ہے ۔ یہ قانون اپنی مکمل اور آخری شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔ اس کا نام اَلدِّیْن ہے ۔ اس کے مطابق عمل کرنے کو اَلْاِسْلَامُ کہتے ہیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں، نظام معاشرہ ۔ ضابطہ زندگی ۔ قانون حکومت آئین مملکت ۔ عدل وغیرہ کی مختلف اصطلاحات رائج ہیں لیکن قرآن کریم نے ان سب کی جگہ ایک جامع اصطلاح دی ہے ۔ اور وہ ہے الدین ۔ یہی ہمارے معاشرہ کا نظام ۔ ہماری زندگی کا ضابطہ ۔ ہماری حکومت کا قانون اور ہماری مملکت کا آئین ہے ۔ اس آئین کی رو سے، انسانوں کی آزادی اور پابندی کی حدود مقرر کرنے کا پورا اقتدار خدا کو حاصل ہوتا ہے ۔ کسی اور کو نہیں ہوتا ۔ اس لئے الدین میں اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) خدا کی ہوتی ہے ۔ اس کا یہ اقتدار اعلیٰ اس کی کتاب (قرآن کریم) کے ذریعے بروئے کار آتا ہے ۔ اس لئے اسلامی مملکت میں عملاً اقتدار اعلیٰ کتاب اللہ کو حاصل ہوتا ہے ۔ اسلامی مملکت، قرآنی اصولوں کو دنیا میں نافذ کرنے کا ذریعہ (Agency) ہوتی ہے ۔ اور چونکہ انسانی اعمال کے غلط اور صحیح ہونے کا معیار بھی یہی کتاب ہے، اس لئے جزا اور سزا (اعمال کے نتائج) بھی اس کی رو سے متعین ہوتے ہیں ۔ اس جہت سے دین کا یہ مفہوم (جزا و سزا) بھی عملاً سامنے آ جاتا ہے ۔ اسے نظام عدل کہا جائیگا جس کا دائرہ صرف عدالتی عدل تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے ۔ اسلامی مملکت کا کانسٹی ٹیوشن قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کا دوسرا نام ہے ۔ اس مملکت کا تمام کاروبار انہی اصولوں کی حدود کے اندر سر انجام پاتا ہے ۔ اور مقصود اس سے نظام عدل و توازن کا قائم رکھنا ہے ۔ اس کا نام الدین ہے ۔

---

* تاج ۔

لہذا، الدین سے مراد ہے خدا کا عطا کردہ نظام زندگی جو ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتا ہے اور جس کے مطابق ہمارے اعمال کے نتائج مرتب ہوتے ہیں ۔ جس دور میں انسان اپنے آپ کو اس نظام کے تابع لے آئینگے وہ تمام دوسرے انسانوں کی محکومی سے آزاد ہو کر صرف قوانین خداوندی کے محکوم ہونگے ۔اس لئے کہ ''مالک یوم الدین،، خدا کے سوا کوئی اور نہیں ۔ ہر وہ فیصلہ جو قوانین خدا وندی کے مطابق ہوگا، دینی فیصلہ کہلائیگا اور عدل کے محکم اصول پر مبنی ہوگا ۔ سورۃ فاتحہ میں دیکھئے ۔ خدا کی صفت ربوبیت، رحمانیت اور رحیمیت کے ساتھ ہی اس کے نظام عدل و قانون (مالک یوم الدین) کا ذکر آگیا ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو سامان زیست اور اسباب نشو و نما تو بلا مزد و معاوضہ عطا کر دیئے ہیں لیکن انسانی مدارج کا تعین، ان کے اعمال کی رو سے ہوگا ۔ اس کا نام آئین و قوانین کے مطابق عدل کی زندگی ہے۔ اور یہ چیز حیوانیت سے آگے بڑھ کر، خاصۂ انسانیت ہے ۔

مَدِیْنَۃٌ کے متعلق بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ لفظ دِیْنٌ کے اس مفہوم سے بنایا گیا ہے جسکا تعلق نظم و نسق سے ہے۔کیونکہ مَدِیْنَۃٌ وہی مرکزی مقام ہوتا ہے جو شہری نظم و نسق کے محاسن رکھتا ہو ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ اطاعت کے مفہوم کے اعتبار سے وضع ہوا ہے کیونکہ مَدِیْنَۃٌ (شہر) میں قانون اور ضابطہ کی پابندی کرنی پڑتی ہے* ۔ صاحب کتاب الاشتقاق کے نزدیک یہ لفظ در اصل مَدْیِنَۃٌ تھا ، اور دِیْنٌ سے مشتق ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ دِیْنٌ کے بنیادی معنوں میں اطاعت پائی جاتی ہے اور شہر کو مَدِیْنَۃٌ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں حکومت کی اطاعت کی جاتی ہے ۔ اور قرض کو دَیْنٌ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مقروض کو جھکنا پڑتا ہے ۔

دَیْنٌ ۔ قرضہ ۔ اور تَدَایَنْتُمْ ۔ ایک دوسرے سے قرض کا معاملہ کرنا (۲/۲۸۲) ۔ دَیْنٌ اس قرضہ کو کہتے ہیں جسکی ادائیگی کیلئے مدت مقرر کر لی جائے ۔ جس قرض کیلئے مدت متعین نہ ہو وہ دَیْنٌ نہیں بلکہ قَرْضٌ کہلاتا ہے* ۔ محیط المحیط میں ، تاج کے قول کی تائید کے ساتھ ، یہ بھی لکھا ہے کہ عرف عام میں دَیْنٌ اُس قرضے کو کہتے ہیں جو مدت معینہ کیلئے سود پر دیا جائے ۔ لیکن قرآن کریم نے چونکہ رِبوٰا کو حرام قرار دیا ہے اسلئے اسمیں مسلمانوں کے باہمی لین دین میں دَیْنٌ کا لفظ قرضہ بلا سود ہی کے لئے ہے (۲/۲۸۲) ۔

*تاج ۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، اسلام کیلئے قرآن کریم نے دِیْنٌ کا لفظ استعمال کیا ہے جسکے معنے ضابطۂ حیات کے ہیں۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (۳/۱۹) ۔ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۵/۳) ۔ یہی اَلدِّیْنُ ہے جسے دیکر نبی اکرمؐ کو بھیجا گیا تھا۔ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (۹/۳۳) ۔ نیز (۴۸/۲۸) "خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ھدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اس دین (نظام حیات) کو، دیگر تمام ادیان (نظام ہائے حیات) پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ چیز کتنی ھی ناگوار کیوں نہ گذرے"۔ مَذْھَبٌ کا لفظ قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔ اسلئے اسلام کو مذھب نہیں کہنا چاھئے۔ دِیْنٌ ھی کہنا چاھئے۔ مَذْھَبٌ اس راستے کو کہتے ھیں جو انسانوں کا وضع کردہ ھو۔ اور دِیْنٌ اس قانون یا نظام کو کہتے ھیں جو خدا کی طرف سے ملا ھو۔ (مَذْھَبٌ کے معنے کیلئے دیکھئے عنوان ذ۔ ھ۔ ب)۔ یہی وجہ ہے کہ مذھب میں مختلف فرقے ھوتے ھیں لیکن دین میں فرقہ سازی کو شرک قرار دیا گیا ہے۔ (۳۰/۳۲) ۔ جو دین خدا کی طرف سے ملا تھا وہ سب کے لئے ایک ھی تھا۔ اس میں مختلف فرقوں کا کیا سوال؟ فرقے، مختلف انسانوں کے بنائے ھوئے راستے (مذھب) پر چلنے سے پیدا ھوتے ھیں۔ اقوام سابقہ کے پاس خدا کا دین (بوساطت حضرات انبیاء کرامؑ) آتا رھا لیکن انھوں نے اپنی آسمانی کتابوں کو ضائع کر کے، ان کی جگہ انسانوں کے تراشیدہ راستوں کو اختیار کر لیا۔ اسطرح ان سے دین گم ھو گیا اور اس کی جگہ مذھب نے لے لی۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو اسکی اصلی شکل میں قرآن کریم میں عطا کر کے اسے محفوظ کر دیا۔ یہی دین تھا جو اس مملکت کا آئین (Constitution) تھا جسے نبی اکرمؐ نے متشکل فرمایا تھا۔ اس کے بعد، ھم نے، خدا کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور انسانوں کی دی ھوئی تعلیم کے پیچھے چل پڑے۔ اسطرح ھم نے بھی دین کی جگہ مذھب اختیار کر لیا۔ اس نہج سے ھم بھی اقوام سابقہ کی سطح پر آ گئے۔ لیکن ھم میں اور ان میں ایک فرق ہے۔ ان کے پاس دین اپنی اصل شکل میں موجود نہیں اس لئے وہ اپنے مذھب کو خدا کے عطا کردہ دین سے بدل نہیں سکتے۔ لیکن ھمارے پاس خدا کی کتاب اپنی اصل شکل میں موجود ہے اس لئے ھم جسوقت بھی چاھیں اپنے مروجہ مذاھب کو دین خداوندی سے بدل سکتے ھیں۔ (اسی طرح دیگر اقوام عالم بھی چاھیں تو اپنے اپنے مذھب کو چھوڑ کر، قرآن کریم میں دئے ھوئے دین کو اختیار کر سکتی ھیں)۔ جب تک ھم ایسا نہیں کرتے، زندگی کی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔

ذ

ذَا

ذَا۔ یہ ۔ اس کا مونث ذِہٖ ۔ ذِہٖ ۔ ذِہِیٖ ۔ تَا ۔ تِیٖ وغیرہ ہیں ۔ اس کا تثنیہ (دو کے لئے) ذَانِ اور ذَیْنِ ۔ (مونث کے لئے تَانِ ۔ تَیْنِ) آتا ہے ۔ اور جمع اُولَآءِ (دیکھئے عنوان اولاء) اس سے پہلے اکثر ھَا ملا ہوا ہوتا ہے ۔ جیسے ھٰذَا (اس کا مونث ھٰذِہٖ آتا ہے) یہ اشارہ قریب کے لئے ہے ۔ اشارہ بعید کے لئے ذٰلِکَ (مذکر) تِلْکَ (مونث) ۔ اس کے آخر میں مخاطب کے مطابق ضمیر بدلتی رہتی ہے ۔ مثلاً ہمارا مخاطب ایک مرد ہے اور ہم اُس سے کہ رہے ہیں کہ اُس چیز کو دیکھو ۔ تو ہم ذَالِکَ کہینگے ۔ اور اگر مخاطب دو مرد ہوں تو ذَالِکُمَا کہینگے ۔ بہت سے ہوں تو ذَالِکُمْ ۔ اسی طرح اگر مخاطب ایک عورت ہو تو ذَالِکِ کہینگے ۔ اور بہت سی عورتیں ہوں تو ذَالِکُنَّ کہینگے ۔

ذَا کے مختلف استعمال یہ ہیں ۔ ذَاکَ ۔ ذَانِکَ ۔ (ھَاتَاکَ ۔ ھَاتَیْکَ) ۔ جمع کے لئے اُولَاکَ یا اُولٰئِکَ ۔ کبھی ذَاکَ کے درمیان ل ۔ لاکر ، ذَالِکَ (مونث کے لئے تِلْکَ) بنا لیتے ہیں ۔ اس سے پہلے کاف آنے سے کَذَالِکَ ہو جاتا ہے ۔ اس کے استعمال کی مثالیں یہ ہیں ۔

(۱) مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ ..... (۲/۲۵۵) ۔ وہ کون ہے جو اس کے ہاں کسی کے ساتھ کھڑا ہوسکے ۔

(۲) یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ .... (۲/۱۲۵) ۔ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا ہے جسے کھلا رکھا جائے ۔

(۳) اِنْ ھٰذَانِ لَسٰحِرَانِ ... (۲۰/۶۳) ۔ یہ تو بس دو جادوگر ہیں ۔

(۴) ذَالِکَ الْکِتَابُ ... (۲/۲) ۔ یہ وہ کتاب ہے ... تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ (۲/۱۳۴) یہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ۔

(۵) فَذٰلِکَ بُرْهَانٰنِ . . . (۲۸/۳۲) ۔ یہ دونوں روشن دلیلیں ہیں۔
جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ذٰلِکَ اشارہ بعید (وہ) ہے لیکن یہ اشارہ قریب (یہ) کے لئے بھی آتا ہے۔ قرآن کریم میں ذٰلِکَ اشارہ قریب (یہ) کے لئے زیادہ اور اشارہ بعید (وہ) کے لئے کم آیا ہے ۔ مثلاً سورۃ روم میں فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۔ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کے بعد ہے ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (۳۰/۳۰) ۔ یہی دینِ قیم ہے ۔ یا مثلاً سورۃ بنی اسرائیل میں ساپ تول کے متعلق ضروری ہدایت کے بعد فرمایا ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (۱۷/۳۵) ''یہ بہتر اور انجام کار بہت خوبی کی بات ہے'' ۔ ان مقامات میں ذٰلِکَ اشارہ قریب کے لئے ہے ۔
اس کے برعکس سورۃ کہف میں جہاں حضرت موسیٰؑ کے ایک سفر کا ذکر ہے وہاں (اس مقام پر جہاں آپ کا ساتھی مچھلی پیچھے بھول آیا تھا) کہا کہ ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبْغِ (۱۸/۶۴) ''وہی توجگہ تھی جسکی ہمیں تلاش تھی'' ۔ یہاں ذٰلِکَ اشارہ بعید کے لئے ہے ۔
راغب نے کہا ہے کہ ذٰلِکَ آتا تو ہے بعید کے لئے لیکن اس سے بُعدِ مسافت ہی مراد نہیں ۔ جو شے بلندیٔ مرتبت کی وجہ سے اونچے مقام پر ہو اور یوں دور ہو، اس کے لئے بھی ذٰلِکَ آتا ہے خواہ وہ چیز ویسے قریب ہی رکھی ہو۔ اسی اعتبار سے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (۲/۲) کے معنے ہونگے یہ کتاب جو بڑی باعظمت اور رفیعُ الشان ہے

ذَاالْکِفْلِ

قرآن کریم نے آپ کا نام انبیاء کرامؑ کے سلسلہ میں لیا ہے (۲۱/۸۵ و ۳۸/۴۸) لیکن مزید تعارف نہیں کرایا ۔ قیاس یہ ہے کہ آپ حزقی ایل نبی ہیں جن کا صحیفہ تورات میں موجود ہے ۔ (نیز دیکھئے عنوان ک ۔ ف ۔ ل)

ذَالنُّوْنِ

حضرت یونسؑ کا لقب ہے (۲۱/۸۷)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''یونس'' اور ''نون'' ۔

ذ أ ب

اَلذِّئْبُ ۔ بھیڑیا (۱۲/۱۳) ۔ اَلذَّأْبُ ۔ ڈرانا۔ مذمت کرنا ۔ سخت آواز*۔ بدزبانی ۔ ذَأَبَ الرَّجُلُ ۔ آدمی زور سے چیخا** ۔ ابن فارس نے کہا ہے

* تاج ۔ **محیط ۔

کہ اس کے بنیادی معنے کم ٹھہرنا ، بے قراری ھیں - نیز کسی چیز کی ایسی حرکت جو ایک سمت سے نہ ھو - مثلاً تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ کے معنی ھیں ھوا ھر طرف سے آئی - بھیڑئیے کو ذِئْبٌ اسی لئے کہتے ھیں کہ وہ کبھی ایک طرف سے آتا ھے کبھی دوسری طرف سے -

ذ أ م

ذَأَمَهٗ - يَذْأَمُهٗ - کسی کو حقیر و مذموم گردانتا - نیز اسکے معنے عیب لگانے ، رسوا کرنے ، کے آتے ھیں - کسی کو جھڑک کر نکال دینے کے بھی* - راغب نے مَذْؤُوْم بمعنی مَذْمُوْم لکھا ھے -

آذْأَمَهٗ - اسے مرعوب و خوفزدہ کر دیا* -

قرآن کریم میں ابلیس کے متعلق ھے - قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا (۷/۱۸) - اسکے معنے ذلیل اور حقیر ھی کے ھیں - یا جھڑک کر نکالے ھوئے کے -

ذ ب ب

ذُبَابٌ - مکھیاں - واحد ذُبَابَةٌ - صاحب محیط نے جاحظ کے حوالے سے لکھا ھے کہ (عام مکھیوں کی جملہ اقسام کے علاوہ) عربوں کے ھاں ذُبَابٌ کا اطلاق ھر قسم کی بھڑوں، شہد کی مکھیوں اور مچھروں پر بھی ھوتا ھے** - قرآن کریم میں ھے - لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا (۲۲/۷۳) - "وہ مکھی بھی نہیں پیدا کر سکینگے" - مکھیوں کو ذُبَابٌ اس لئے کہا جاتا ھے کہ انہیں ھٹایا اور دور کیا جاتا ھے - یا اس وجہ سے کہ انہیں ایک جگہ قرار نہیں ھوتا - اس مادہ میں یہ دونوں مفہوم پائے جاتے ھیں - ابن فارس نے کہا ھے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی اضطراب و حرکت کے بھی ھیں - راغب نے لکھا ھے کہ اَلتَّذَبْذُبَةُ معلق شے کے ھلنے کی آواز کو کہتے ھیں - پھر، یہ لفظ ھر حرکت و اضطراب (تردد اور ڈھلمل یقینی) کے لئے آتا ھے*** - بَعِيْرٌ ذَابٌّ - اُس اونٹ کو کہتے ھیں جو ایک جگہ پر کھڑا نہ رھے**** -

ذَبْذَبَةٌ - اگرچہ یہ لفظ ذ ب ذ ب کے تحت آنا چاھئے لیکن بعض اھل لغت نے اسے ذ ب ب کے تحت لکھا ھے - ھر دو میں اشتراک معنی کی وجہ سے ھم بھی اسے یہاں (ذ ب ب کے تحت) درج کر رھے ھیں - قرآن کریم میں منافقین کے متعلق کہا ھے مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ (۴/۱۴۳) اور

*تاج و محیط - **محیط - ***راغب - ****تاج -

اسکی تشریح یہ کہکر کر دی ہے۔ لاَ اِلٰی ھٰؤُلاَءِ وَلاَ اِلٰی ھٰؤُلاَءِ (۴/۱۴۳) ۔ نہ یکسو ہو کر اِدھر کے اور نہ ہی یکسو ہو کر اُدھر کے ۔ انہی کے متعلق ہے مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ (۲۲/۱۱) ۔ جو کنارے پر کھڑے ہو کر (Sitting on the Fence) قوانین خداوندی کی اطاعت کرے۔ اِدھر فائدہ دیکھا تو اِدھر جھک گئے ۔ اُدھر دیکھا تو اُدھر جھک گئے ۔ مکھی کی طرح، کہ کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ جہاں وہ بیٹھی ہے اسکے بعد اڑ کر کہاں جا بیٹھیگی ۔ یہ کیفیت، ایمان اور یقین کی یکسر نقیض ہے ۔ ایمان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (۴۱/۳۰)۔ ایک مرتبہ خدا کی ربوبیت کا اقرار کر لیا تو پھر اس پر جم کر بیٹھ گئے ۔ ایمان اور استقامت، یہ ہے مومن کا شعار ۔ برعکس منافق کے جو موقع پرست (Opportunist) ہوتا ہے ۔

ذ ب ح

ذَبَحَ ۔ یَذْبَحُ ۔ اندر کی طرف سے سر اور گردن کے جوڑ سے حلق کاٹ دینا ۔ چیر دینا ۔ پھاڑ دینا ۔ شق کر دینا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ ذَبَحَتْہُ الْعَبْرَۃُ ۔ آنسوؤں نے اسکا گلا گھونٹ دیا ۔ اَلتَّذْبِیْحُ ۔ بہت زیادہ ذبح کرنا ۔ سر کو اسقدر جھکا دینا کہ وہ کمر سے نیچا ہو جائے ۔ اَلذِّبْحُ ۔ وہ چیز جو ذبح کی جائے* ۔

قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے کہ قوم فرعون یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَکُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَاءَکُمْ (۲/۴۹ و دیگر مقامات) ۔ ''تمہارے ابناء کو ذبح کر دیتے تھے اور نساء کو زندہ رکھتے تھے'' ۔ عام طور پر اس سے مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ فرعون نے حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکے پیدا ہوں انہیں پیدا ہوتے ہی مار دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے ۔ سوال یہ ہے کہ یُذَبِّحُوْنَ سے مراد سچ مچ ذبح کر دینا ہے یا اسکے معنے کچھ اور بھی ہیں ۔ سورۃ اعراف میں یُذَبِّحُوْنَ کی جگہ یُقَتِّلُوْنَ آیا ہے (۷/۱۲۷) ۔ یعنے وہ تمہارے ابناء کو قتل کر ڈالتے تھے اور نساء کو زندہ رکھتے تھے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے اس باب میں ذَبْحٌ اور قَتْلٌ کو مرادف معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ قَتْلٌ کے معنے کیا ہیں ۔ اس لفظ کے متعلق عنوان ق ۔ ت ۔ ل میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے ۔ وہاں آپ دیکھینگے کہ اسکے

* تاج ۔

معنے صرف مار ڈالنا نہیں بلکہ اسکے معنے ذلیل وخوار کرنا۔ کسی کو کمزور اور غیر مؤثر کر دینا ۔ ایسا بنا دینا کہ اسکی موجودگی اور عدم موجودگی برابر ہو۔ کسی کو حقیر کر دینا، بھی ہیں ۔ نیز اسکے معنے کسی کو علم و تربیت سے محروم رکھنا بھی ہیں ۔ (ان معانی کی اسناد ق ۔ ت ۔ ل کے عنوان میں ملینگی) ۔ قرائن سے مترشح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے معاملہ میں ذَبّح* یا قتّل* سے مراد سچ مچ قتل کر دینا نہیں بلکہ انہیں ذلیل و حقیر کرنا اور کمزور و غیر مؤثر بنا دینا ہیں۔ سچ مچ قتل کر دینے کے خلاف حسب ذیل قرائن ہیں ۔

(۱) یہ ظاہر ہے کہ حضرت موسٰی؈ کے زمانے میں بنی اسرائیل کی قوم کی تعداد بہت بڑی تھی ۔ اگر کسی قوم کی حالت یہ ہوجائے کہ اسکے تمام لڑکے مار دئے جائیں اور صرف لڑکیاں زندہ رکھی جائیں تو کچھ وقت کے بعد وہ قوم ہی ختم ہو جائیگی* ۔

(۲) حضرت موسٰی؈ کے بڑے بھائی (حضرت ہارون؈) بھی زندہ موجود تھے ۔ اور حضرت موسٰی؈ بھی پیدا ہوتے ہی مار نہیں ڈالے گئے تھے ۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مار نہیں دیا کرتے تھے ۔

(۳) سورۃ یونس میں ہے کہ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ مِّنْ قَوْمِہٖ (۱۰/۸۳) ''موسٰی پر اسکی قوم کی ذُرِّیَّتٌ ایمان لائی،، ۔ ذریت نئی پود (یا نوجوانوں) کو کہتے ہیں ۔ (دیکھئے ذ ۔ ر ۔ ر)۔ اگر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیا کرتے تو یہ ذریت موجود ہی نہ ہوتی ۔ (قوم کے نوجوانوں کے ایمان لانے کی وجہ سمجھنے کے لئے عنوان ذ ۔ ر ۔ ر۔ دیکھئے) ۔

(۴) جب حضرت موسٰی؈ فرعون کے پاس آئے ہیں تو اسنے کہا کہ ہم نے تیری پرورش کی اور تجھ پر اسقدر احسانات کئے اور تو ان احسانات کا یہ بدلہ دے رہا ہے ۔ تو اسکے جواب میں حضرت موسٰی؈ نے کہا کہ وَتِلْکَ نِعْمَۃٌ تَمُنُّھَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (۲۶/۲۲) ۔ ''یہ وہ نعمت ہے جسے تو مجھ پر جتاتا ہے کہ تونے بنی اسرائیل کو غلام (محکوم) بنا رکھا ہے،، ۔ آپ دیکھئے ۔ حضرت موسٰی؈ نے فرعون کے خلاف جو الزام عائد کیا ہے وہ بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھنے کا ہے ۔ اگر وہ ان کے لڑکوں کو قتل کرنے کا مجرم بھی ہوتا تو آپ سب سے پہلے اسکا ذکر

* بعض تفاسیر میں ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے نوے ہزار بچوں کو قتل کیا تھا ۔

کرتے کیونکہ یہ جرم، قوم کو غلام (محکوم) بنانے سے کہیں زیادہ سنگین تھا۔ لیکن آپ سارے قرآن کریم میں دیکھ جائیے۔ حضرت موسٰیؑ نے کسی جگہ بھی فرعون اور اسکی قوم کو اس جرم سے مطعون نہیں کیا۔

ان شواھد سے ظاھر ھے کہ فرعون اور اسکی قوم بنی اسرائیل کے بچوں کو سچ مچ ذبح نہیں کیا کرتے تھے۔ یعنے انہیں مار نہیں ڈالا کرتے تھے۔ کہا جائیگا کہ اگر یہ بات نہیں تھی تو پھر حضرت موسٰیؑ کی والدہ نے (خدا کے حکم سے) حضرت موسٰیؑ کو صندوق میں ڈالکر دریا میں کیوں بہا دیا تھا۔ اِس سے ظاھر ھے کہ اسوقت بنی اسرائیل کے بچوں کو پیدا ھوتے ھی مار دیا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰیؑ کو محفوظ رکھنے کیلئے یہ تدبیر کی تھی۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ خود قرآن کریم میں اسکی تصریح موجود ھے کہ فرعون نے یہ حکم (کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کر دیا جائے*) اُسوقت دیا تھا جب حضرت موسٰیؑ اپنی دعوتِ انقلاب لیکر آئے ھیں۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں ھے کہ حضرت موسٰیؑ کی انقلابی دعوت کا عالمگیر اثر دیکھکر فرعون کے امیروں اور وزیروں نے فرعون سے کہا کہ انکے خلاف کوئی سخت اقدام کیوں نہیں کیا جاتا؟ انہیں اسطرح کھلی چھٹی کیوں دے رکھی ھے کہ یہ جو جی میں آئے کرتے جائیں؟ اسکے جواب میں فرعون نے کہا کہ نہیں! میرے سامنے ایک تجویز ھے۔ اور وہ یہ کہ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَ هُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَ هُمْ (۷/۱۲۷)۔ ”عنقریب ھم ان کے لڑکوں کو قتل کر دینگے اور انکی عورتوں کو زندہ رکھینگے“۔ اس سے صاف ظاھر ھے کہ یہ تدبیر اسوقت عمل میں لائی گئی تھی جب حضرت موسٰیؑ کی دعوت پھیلی ھے۔ حضرت موسٰیؑ کی پیدائش کے وقت یہ حکم موجود نہیں تھا۔ سورۃ المومن میں اسے اور بھی واضح کر دیا گیا ھے۔ وھاں کہا گیا ھے کہ جب حضرت موسٰیؑ فرعون کے پاس دعوت لیکر گئے تو اسنے کہا کہ اُقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ (۴۰/۲۵)۔ ”جو لوگ موسٰیؑ پر ایمان لائیں انکے بیٹوں کو قتل کر دو اور انکی عورتوں کو زندہ رکھو“۔ اس سے نہ صرف یہی واضح ھے کہ یہ حکم دعوت حضرت موسٰیؑ کے زمانہ میں دیا گیا تھا بلکہ یہ بھی کہ یہ

*جبتک ان الفاظ کا صحیح مفہوم آگے جا کر واضح نہیں ھو جاتا ھم یہی الفاظ لکھتے جائینگے۔ یعنے بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرنے کا حکم وغیرہ۔

حکم تمام بنی اسرائیل کیلئے نہیں تھا ۔ صرف ان کے متعلق تھا جو حضرت موسٰی؈ پر ایمان لائے تھے* ۔

ان شواھد سے واضح ھے کہ حضرت موسٰی؈ کی پیدائش کے وقت یہ حکم نافذ نہیں تھا ۔ لہذا جب یہ حکم ھی نہ تھا تو یہ سمجھنا صحیح نہیں ۔ کہ حضرت موسٰی؈ کو اسلئے دریا میں بہا دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس تدبیر سے زندہ رکھنا چاھتا تھا ۔

حضرت موسٰی؈ کو دریا میں کیوں بہا دیا گیا تھا ۔ اسکا جواب خود قرآن کریم نے دیا ھے۔ یہ ظاھر ھے کہ بنی اسرائیل مصر میں حضرت یوسف؈ کے زمانہ میں داخل ھوئے تھے۔ اور حضرت یوسف؈ کو جو وقار مصر میں حاصل تھا اس پر قرآن کریم شاھد ھے ۔ مملکت کے خزانے کی چابیاں ان کے ھاتھ میں تھیں ۔ اس قوم کا وقار حضرت یوسف؈ کے بعد بھی کچھ عرصہ تک باقی رھا ھوگا ۔ لیکن اسکے بعد حاکم قوم نے بنی اسرائیل کو محکوم قوم کا درجہ دیدیا ھوگا ۔ اگرچہ آج بھی دنیا میں محکوم قوموں کی کوئی حیثیت نہیں ھوتی لیکن اُس زمانے میں تو محکوم قوم کی حیثیت غلاموں کی سی ھوتی تھی ۔ نہ اُنکے بچوں کیلئے تعلیم و تربیت کے کوئی مواقع ھوتے تھے، نہ بڑوں کیلئے حکومت کے کاروبار میں عمل دخل کی کوئی صورت۔ مشیت کے پروگرام کے مطابق حضرت موسٰی؈ کو فرعون کے ساتھ ٹکر لینے کیلئے پیدا کیا گیا تھا ۔ اس مقصد کیلئے ضروری تھا کہ انکی تعلیم و تربیت بھی اعلیٰ درجہ کی ھوتی اور انہیں رموز مملکت اور غوامضِ سیاست سمجھنے کے بھی مواقع حاصل ھوتے ۔ اس مقصد کیلئے تجویز یہ کیا گیا کہ انکی پرورش خود فرعون کے محلات میں ھو اور انکا ابتدائی زمانہ فرعون کے متبنّٰی کی حیثیت سے گزرے۔ یہ تھا وہ مقصد جس کیلئے انہیں دریا میں بہا کر فرعون کے محلات تک پہنچایا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ھے کہ یہ اس لئے کیا گیا تھا لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (۲۰/۳۹) ''تا کہ تیری تربیت ھماری زیر نگرانی ھو'' ۔ یعنے اس سے مقصد حسن تربیت تھا (جس پر بنی اسرائیل کے بچوں کے دروازے بند تھے)۔ اور یہ اس پروگرام کی ایک کڑی تھی جسکے مطابق حضرت موسٰی؈ کو اس مہم کیلئے تیار کیا جا رھا تھا ۔ چنانچہ اس سے ذرا آگے ھے ۔ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی (۲۰/۴۰)۔ ''اسطرح آھستہ آھستہ تم، اے موسٰی، ھمارے پیمانے پر پورے اتر آئے'' ۔

*یہ بات آگے چلکر بتائی جائیگی کہ جو لوگ حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے انکے خلاف تو فرعون نے کچھ نہیں کیا ۔ انکے بیٹوں کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا؟ اُن بچوں کا کیا قصور تھا؟ ۔

سورۃ القصص میں البتہ یہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی ماں سے کہا گیا کہ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ (۲۸/۷) ۔ ''تو اس بچہ کو دودھ پلاتی رہ ۔ اور جب تجھے اسکے متعلق خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا،، ۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہ خوف اس بات کا تھا کہ فرعون کے لوگ بچے کو قتل کر دینگے ۔ لیکن جب قرآنی شواہد سے یہ ظاہر ہے کہ قتل ابناء کا حکم حضرت موسیٰؑ کی دعوت کے زمانے کا ہے تو اس سے یہ اندازہ صحیح نہیں ہو سکتا ۔ اس خوف کا باعث کچھ اور سمجھنا ہوگا ۔ اس سے آگے فرعون کی بیوی کے متعلق کہا ہے کہ جب فرعون کے لوگوں نے صندوق پکڑ لیا تو اسنے اپنے خاوند سے کہا کہ لَا تَقْتُلُوْهُ (۲۸/۹) ''اسے قتل نہ کرو،، ۔ اسے ہم متبنّٰے بنا لیتے ہیں ۔ اس سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اُس زمانے میں بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کیا جاتا تھا ۔ لیکن یہ قیاس اس لئے صحیح نہیں کہ اس بچے کے متعلق (جسے دریا کی لہروں سے اٹھایا گیا تھا) یہ کسطرح معلوم ہو گیا کہ وہ بنی اسرائیل کی قوم کا بچہ ہے ۔ قوم فرعون میں سے کسی کا بچہ نہیں ۔ لہذا یہاں لَا تَقْتُلُوْهُ کے معنے قتل کرنا نہیں ہونگے بلکہ حقیر سمجھکر پھینک دینے کے ہونگے ۔ (دیکھئے عنوان ق ۔ ت ۔ ل) ۔

اسکے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَهُمْ کا صحیح مفہوم کیا ہے ۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ فیصلہ اُس زمانے کا ہے جب حضرت موسیٰؑ کی دعوت عام ہو رہی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو اس سے خطرہ لاحق ہو رہا تھا ۔ چنانچہ فرعون کے ارباب حل و عقد نے اس سے کہا تھا کہ اس فتنے کو کب تک اس طرح کھلا رہنے دیا جائیگا ۔ اس کا کچھ علاج کرنا چاہئے (۷/۱۲۷) تو اسکے جواب میں اس نے کہا تھا کہ اس کے متعلق میں نے ایک تجویز سوچ لی ہے ۔ ہم اس پر عمل پیرا ہونگے ۔ اور وہ تجویز یہی (قتل ابناء کی) تھی ۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس تجویز کو کَیْدٌ (۲۰/۶۵) سے تعبیر کیا ہے ، جس کے معنے ہیں ایک گہری چال ۔ یہ چال کیا تھی؟ فرعون کے متعلق سورۃ قصص میں ہے کہ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ (۲۸/۴) ۔ ''وہ اپنی رعایا میں پارٹیاں بناتا رہتا تھا اور ایک گروہ کو کمزور کرتا جاتا تھا'' ۔ اس کے بعد ہے یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ (۲۸/۴) ۔ یعنے ان کے اَبْنَآءَ کو ذبح کرتا تھا اور نِسَآءَ کو زندہ رکھتا تھا ۔ اس کی تدبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو پارٹیوں میں تقسیم

کر دیا جائے تاکہ اُس قوم میں پھوٹ پڑی رہے اور وہ باہمی آویزشوں میں الجھی رہے ۔ یہ وہ چال ہے جو ہر سیاستدان حکمران قوم، قومِ محکوم کے ساتھ کرتی رہتی ہے ۔ اس کے بعد قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اِس پارٹی بازی میں وہ کرتا یہ تھا کہ قوم کا وہ طبقہ جس میں اسے جوہرِ مردانگی نظر آتے ۔ جن کے متعلق وہ سمجھتا کہ اُن کا اُبھرنا خطرناک ہے ۔ انہیں دباتا ۔ اُنہیں ہر طرح حقیر و ذلیل رکھتا ۔ اور جس طبقہ کو دیکھتا کہ وہ مرد نہیں بلکہ عورتوں جیسے ہیں ، اُنہیں ابھار کر معزز و مقرب بنا لیتا اور ان کے ہاتھوں انہی کی قوم کا گلا گھونٹتا رہتا ۔ یہ کچھ بھی ہر ماہر سیاست حاکم قوم کرتی ہے۔ وہ ہمیشہ محکوم قوم کے ان افراد کو ذلیل و خوار رکھتی ہے جن میں انہیں جوہر مردانگی نظر آتے ہیں اور ان لوگوں کو جن سے کسی خطرہ کا امکان نہ ہو ، آگے بڑھاتی رہتی ہے ۔ قرآن کریم نے اول الذکر طبقہ کو قوم کے "اَبْنَاء" کہا ہے اور ثانی الذکر کو "نِسَاء" ۔ اور قتلِ اَبْنَاء سے مراد ہے انہیں ذلیل و حقیر رکھنا ۔ اور لِاسْتِحْیَاءِ نِسَاء سے مفہوم ہے اس دوسرے طبقہ کو ابھار کر آگے بڑھانا ۔ اس طرح وہ پوری کی پوری قومِ بنی اسرائیل کو کمزور کئے جا رہا تھا ۔

قرآن کریم کے شواہد سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ قتل یا ذَبْحِ اَبْنَاء سے یہی مراد ہے ۔ لیکن بہرحال یہ ایک اندازہ ہے جس پر مزید غور کیا جا سکتا ہے ۔ اسی سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ فرعون کے اس حکم کا مطلب کیا تھا کہ جو لوگ موسیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کے اَبْنَاء کو قتل کر دیا جائے (۴۰/۲۵) ۔ یعنے اس کی تدبیر یہ تھی کہ اس جماعت میں اس طرح سے پھوٹ ڈالی جائے کہ ان کی پارٹیاں بنا دی جائیں اور اس طرح ان میں جتنے لوگ ایسے ہیں جن سے خطرہ ہوسکتا ہے انہیں ایسا غیر موثر بنا دیا جائے کہ کوئی ان کی بات ہی نہ سنے (قتل کے یہ معنے عنوان ق ۔ ت ۔ ل میں دیکھئے) ۔ ورنہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایمان تو لائیں یہ لوگ، اور حکم یہ دیا جائے کہ ان کے پیدا ہونے والے بچوں کو قتل کر دیا جائے ۔ حالانکہ دوسری طرف جب دربارِ فرعون کے ساحرین ایمان لائے ہیں تو اس نے ان ہی کے متعلق حکم دیا تھا کہ انہیں سولی پر لٹکا دیا جائے ۔ نہ یہ کہ ان کے بچوں کو قتل کر دیا جائے ۔

بہر حال، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، ۔ قرآنی شواہد سے قیاس کا رخ اس طرف جاتا ہے کہ ذَبْحِ اَبْنَاء اور لِاسْتِحْیَاءِ نِسَاء کے الفاظ استعارۃً استعمال ہوئے ہیں ۔ سچ مچ ذبح کر دینے کے معنوں میں استعمال

نہیں ہوئے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے کہا ہے، یہ ہمارا قیاس ہے جس کے دلائل اوپر دئے گئے ہیں ۔ اگر ان دلائل کو قوی نہ سمجھا جائے تو ذَبْح اَبْنَاء کو حقیقی معنوں میں لیا جائیگا ۔ یعنی فرعون، بنی اسرائیل کے لڑکوں کو سچ مچ ذبح کر دیا کرتا تھا ۔ اسوقت تک مصر کی قدیم تاریخ سے جسقدر پردے اٹھے ہیں ان میں بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کر دینے کا کوئی واقعہ سامنے نہیں آیا ۔ ممکن ہے جب تاریخ کے مزید اوراق سامنے آئیں تو ان میں اس کے متعلق کوئی ذکر ہو ۔ اسوقت تک صرف تورات میں یہ ملتا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو مار ڈالنے کا حکم دے رکھا تھا (کتاب خروج) لیکن تاریخی نقطہ نگاہ سے موجودہ تورات کی جو حیثیت ہے وہ ارباب علم سے پوشیدہ نہیں ۔

سورۃ مائدہ میں ان جانوروں کو جو بتوں کے استھانوں پر قربانی دئے جاتے تھے مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (۵/۳) کہا ہے ۔

سورۃ صٰفّٰت میں حضرت ابراھیم[۴] اور اسمعیل[۴] کے تذکار جلیلہ میں ہے کہ جب حضرت ابراھیم[۴] اپنے بیٹے کو (اپنے خیال کے مطابق) ہماری راہ میں قربان کرنے اور حضرت اسماعیل[۴] اپنے آپکو اسطرح قربان کر دینے کیلئے تیار ہو گئے تو ہم نے انہیں آواز دیکر اس سے روک دیا اور وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (۳۷/۱۰۷) ۔ ''اسماعیل کو ایک ذبح عظیم کے بدلے میں بچا لیا،،۔ جیسا کہ قرآن کریم کے متعدد مقامات سے واضح ہے، اس ذبح عظیم سے مراد یہ ہے کہ انہیں شام کے سر سبز و شاداب علاقہ کی سرداری کی بجائے عرب کی بے برگ و گیاہ سر زمین میں خانۂ کعبہ کی تولیت کیلئے متعین کر دیا ۔ یہ وہ قربانی تھی جو ساری عمر کیلئے تھی ۔ نہ صرف اپنی ساری عمر کے لئے بلکہ اپنی آنے والی نسل کی بھی قربانی ۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ (۳۷/۱۰۸) اسلئے یہ ذبح عظیم تھی ۔ یعنی بہت بڑی قربانی ۔ (مزید تفصیل میری کتاب ''جوئے نور،، میں ملیگی ۔ اور بنی اسرائیل کے حالات ''برق طور،، میں) ۔

ذ خ ر

ذَخَرَ ۔ يَذْخَرُ ۔ کسی چیز کو لے لینا ۔ اپنا لینا ۔ کسی چیز کو اسلئے چھپا رکھنا کہ وہ بوقت ضرورت کام آئے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو محفوظ رکھنے کی غرض سے سمیٹ لینا ۔ اِدَّخَرَ اِدِّخَارًا باب افتعال سے بمعنی ذَخَرَ ہی ہے۔ (اِدِّخَارًا اصل میں

اذ تیختار تھا) ۔ السمد خیر ۔ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو دوڑنے میں اپنی پوری پوری طاقت خرچ نہ کرے بلکہ کچھ طاقت بچا رکھے* ۔ الذاخیر فربہ ۔ موٹا** ۔

سورۃ آل عمران میں ہے مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ (۳/۴۸)۔ اسکے معنے ذخیرہ کرنے کے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح ؑ (خدا کے ایک سچے داعی انقلاب ہونے کی وجہ سے) یہودیوں کی ذخیرہ اندوزی (Hoarding) سے نالاں تھے۔ اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے ۔

ذ ر أ

ذَرَأَ الْاَرْضَ ۔ زمین میں بیج ڈال دیا* ۔ ذَرَأَ اللّٰہُ الخَلْقَ ۔ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اسے بڑھایا ۔ کثیر کر دیا* ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ۔ یَذْرَؤُکُمْ فِیْہِ (۴۲/۱۱) ۔ ''وہ اسطرح تمہیں بڑھاتا اور پھیلاتا رہتا ہے،، ۔ سورۃ المومنون میں ہے ھُوَ الَّذِیْ ذَرَأَکُمْ فِی الْاَرْضِ (۲۳/۷۹) ۔ ''وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں بڑھایا اور پھیلایا ہے،، ۔

ذُرِّیَّۃٌ کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ یہ ذَرَأَ سے مشتق ہے ۔ لیکن بعض کے نزدیک یہ ذَرَّ سے مشتق ہے ۔ ہم نے اسے (ذ ۔ ر ۔ ر) کے نیچے لکھا ہے ۔

ذ ر ر

اَلذَّرُّ ۔ بہت چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں ۔ نیز وہ چھوٹے چھوٹے ذرات جو دھوپ میں منتشر نظر آتے ہیں ۔ اَلذَّرُّ کا واحد ذَرَّۃٌ ہے ۔ نہایت چھوٹی اور کم وزن چیز کو بھی اسی جہت سے ذَرَّۃٌ کہا جاتا ہے ۔ سورۃ زلزال میں مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ (۹۹/۷) آیا ہے ۔ ذرہ کے وزن برابر ۔ یعنے خفیف سے خفیف ۔ ذَرَّ ۔ کسی چیز کو چھڑکنا ۔ متفرق کرنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی باریکی اور انتشار ہوتے ہیں ۔ ذَرَّ الْمِلْحَ عَلَی اللَّحْمِ ۔ اسنے گوشت پر نمک چھڑکا ۔ ذَرَّ الْحَبَّۃَ فِی الْاَرْضِ ۔ اسنے زمین میں بیج بکھیر دیا* ۔

اَلذُّرِّیَّۃُ ۔ اَلذِّرِّیَّۃُ ۔ آدمی کی اولاد اور نسل، خواہ نر ہو یا مادہ ۔ لیکن کبھی اسکا اطلاق انسان کے والدین اور آبا و اجداد پر بھی ہوتا ہے ۔ یعنی یہ لفظ اضداد میں سے ہے* ۔ (اس کے متعلق ذرا آگے چل کر لکھا جائیگا) ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

راغب نے کہا ہے کہ اسکے اصلی معنے تو چھوٹے بچے ہیں لیکن یہ کبھی چھوٹے اور بڑے سب بچوں پر بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ ہے تو جمع ہی کیلئے لیکن پھر واحد اور جمع سب کیلئے یکساں آتا ہے۔ بعض کے نزدیک ذُرِّیَّۃٌ کا مادہ ذرأ ہے۔ جسکے معنے پیدا کرنے اور بڑھانے کے ہیں۔ (لین)۔

ذَرَّ النَّبْتُ۔ سبزی پھوٹی*۔

قرآن کریم میں ذُرِّیَّۃٌ بمعنے اولاد اور نسل (۲/۱۲۴) میں آیا ہے۔ سورۃ یٰسین میں جہاں کہا ہے کہ اِنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَھُمْ فِی الْفُلْکِ (۳۶/۴۱)۔ "ہم نے ان کی ذریت کو کشتی میں سوار کیا"۔ تو وہاں ذریت کے معنے (اس نسل کے) چھوٹے بڑے سب ہیں۔ اس آیت (۳۶/۴۱) ہی کی وجہ سے اہل لغت نے الذُّرِّیَّۃٌ میں اولاد اور آباء کے معنی تسلیم کئے ہیں اور اسی بناء پر یہ لفظ اضداد میں مانا گیا ہے، لیکن قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ کہیں بھی آباء کے لئے نہیں بولا گیا بلکہ آباء کے بالمقابل اولاد کے لئے ہی استعمال ہوا ہے (۶/۸۸)۔ مذکورۃ الصدر آیت (۳۶/۴۱) میں بھی یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ذُرِّیَّۃٌ اولاد ہی کے لئے ہے، جبکہ ھم الفُلْکُ الْمَشْحُوْنُ سے مراد حضرت نوحؑ کی ایک معین کشتی لیں جو وحی کے ذریعہ بنوائی گئی تھی اور ذریتھم سے مراد اُس زمانہ کے انسانوں کی نسل لی جائے۔ اس طرح اس لفظ میں متضاد معانی باقی نہیں رہینگے۔

سورۃ یونس میں ہے فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ مِّنْ قَوْمِہٖ (۱۰/۸۳)۔ بعض نے کہا ہے کہ اسکے معنے ہیں بہت تھوڑے لوگوں نے*** - اور بعض نے کہا ہے کہ اسکے معنے ہیں اسکی قوم کے نوجوان**** - ہمارے نزدیک دوسرے معنے زیادہ واضح ہیں۔ انقلاب آفرین پیغام پر، ابھرنے والی نسلیں جلدی ایمان لاتی ہیں۔ پرانے لوگ اپنے قدیم معتقدات اور عادات و خصائل میں پختہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ نیز بڑھاپے کی وجہ سے ان میں اپنے اندر نئی تبدیلی پیدا کرنے، یا نئے ماحول سے مطابقت، کی ہمت بہت کم ہوتی ہے۔ یہ قوم کا نوجوان طبقہ ہوتا ہے جو ظلم و استبداد کے علی الرغم، کسی قسم کا خوف نہ کرتے ہوئے، دعوت انقلاب پر لبیک کہتا اور حالات کی تلاطم انگیزیوں سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ (نیز دیکھئے عنوان ذ۔ب۔ح)۔

*تاج و محیط۔ **راغب۔ ***ابن عباس۔ ****ابو الکلام آزاد مرحوم۔

ذ ر ع

اَلذِّرَاعُ ۔ ہاتھ کا کہنی سے لیکر درمیانی انگلی کے آخر تک کا حصہ۔ کلائی کے لئے بھی بولا جاتا ہے ، نیز ایک پیمانہ جس سے ناپا جاتا ہے* ۔ سورۃ کہف میں ہے وَ کَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ (۱۸/۱۸) ۔''ان کا کتا اپنے دونوں ہاتھ (یعنے اگلی ٹانگیں) بچھائے ہوئے تھا،، ۔ ذَرْعُہٗ کَذَا ۔ اسکا طول اسقدر ہے** ۔ ذَرْعُھَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا (۶۹/۳۲) ۔ ''اسکی پیمائش ستّر ہاتھ ہے،، ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا لمبا ہونا اور آگے کیطرف حرکت کرنا ۔ مَالِیْ بِہٖ ذَرْعٌ ۔ مجھے اسکی دسترس نہیں* ۔ ضِقْتُ بِہٖ ذَرْعًا ۔ کسی کام کی دسترس نہ رکھنا ۔ سورۃ ہود میں حضرت لوطؑ کے متعلق ہے ضَاقَ بِھِمْ ذَرْعًا ۔ (۱۱/۷۷) ۔ اسنے ان کے معاملہ میں اپنے آپکو کوتاہ دست پایا ۔

اَلْقَذُوْرِیْعَۃُ ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو شکار کیلئے بطور آڑ استعمال کی جاتی ہے* ۔ نیز ہر اس شے کو کہتے ہیں جس کے توسط سے مقصد تک ہاتھ پہنچ سکے ۔

ذ ر و

ذَرَتِ الرِّیْحُ الشَّیْئَ ذَرْوًا ۔ ہوا اس چیز کو اڑا کر لے گئی ۔ ذَرَا الْحِنْطَۃَ یَذْرُوْھَا ذَرْوًا ۔ اسنے گیہوں کو بھوسے سے صاف کرنے کے لئے ہوا میں اڑایا ۔ فَتَذْرُوْہُ ۔ پس گیہوں بھوسے سے الگ ہو کر صاف ہو گیا ۔ ذُرَاوَۃُ النَّبْتِ ۔ پودے کے جھڑے ہوئے خشک اجزاء جو ہوا میں اڑ جائیں ۔

ذُرْوَۃُ الشَّیْئِ ۔ چیز کا بلند تر اور اونچا حصہ* ۔

سورۃ کہف میں ہے تَذْرُوْہُ الرِّیٰحُ (۱۸/۴۵) ۔ ''ہوائیں اسے اڑائیے اڑائیے پھرتی ہیں،، ۔ سورۃ ذاریات میں ہے ۔ وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۔ (۵۱/۱) ۔ ذَرْوٌ ۔ پھیلا دینا ۔ بکھیر دینا ۔ ذَارٍ (اَلذّٰرِیْ) بکھیر دینے والا ، پھیلا دینے والا (نشرو اشاعت کرنے والا) ۔ وہ قوتیں جو کسی پیغام (یا نظام) کی نشرو اشاعت کا ذریعہ بنتی ہیں ۔ جن سے وہ آواز دنیا میں پھیلتی ہے ۔ ذرائع رسل و رسائل و مواصلات و نشرو اشاعت ۔

---

*تاج ۔ **محیط ۔ *تاج و راغب ۔

ذ ع ن

اَذْعَنَ ۔ اطاعت میں جلدی کرنا ۔ دوڑ کر حکم کی تعمیل کرنا ۔ نَاقَةٌ مِذْعَانٌ ۔ مطیع اونٹنی ۔ مُذْعِنِیْنَ (۲۴/۴۹) لپک کر اطاعت کرنے والے* ۔ اَذْعَنَ لَهٗ ۔ اس کے لئے جھکا اور اس کا تابع فرمان ہوا** ۔

صاحب محیط نے اَلاِذْعَانُ کے اصطلاحی معنے بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ الاِذْعَانُ اعتقاد یعنی دلی عزم کو کہتے ہیں ۔ اور عزم ، تردد کے بعد ارادے کی پختگی کو کہتے ہیں ۔ اَذْعَان کے مختلف مراتب ہوتے ہیں جن میں سے ادنٰی ترین کو ظن اور اعلٰی ترین کو یقین کہا جاتا ہے ۔ اور ان دونوں کے درمیان تقلید اور جہل مرکب کا مرتبہ ہوتا ہے** ۔

ذ ق ن

اَلذَّقَنُ ۔ ٹھوڑی* ۔ جمع اَذْقَانٌ ۔ (۳۶/۸) ۔ مجازاً چہرے کو بھی کہدیتے ہیں ۔ جیسے یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا (۱۷/۱۰۷) میں منہ کے بل گرنے کیلئے یہ لفظ آیا ہے ۔

ذ ک ر

اَلذِّکْرُ وَالتَّذَکُّرُ ۔ کسی چیز کو محفوظ کر لینا ۔ کسی بات کا دل میں حاضر کر لینا ۔ یہ لفظ نِسْیٌ کے مقابلہ میں آیا ہے (۶/۶۸) ۔ نِسْیٌ کے معنے ہوتے ہیں کسی بات کو بھلا دینا ۔ لہذا ذِکْرٌ کے معنے ہوئے کسی بات کو یاد کرنا ۔

اِدَّکَرَ ۔ اِسْتَذْکَرَ ۔ تَذَکَّرَ ۔ کے عام معنے ہیں کسی بات کو یاد کر لینا ۔ لیکن ابواب کے خواص کے لحاظ سے ان کے مفہوم میں لطیف سا فرق ہے ۔ اِدَّکَرَ اصل میں اِذْتَکَرَ ہے ۔ صوتی گرانی کی وجہ سے ذال کو دال کر دیا ۔ پھر تاء کو دال میں مدغم کر دیا ۔ اسی سے مُدَّکِرٌ اسم فاعل ہے ۔

اَلتَّذْکِرَةُ ۔ جس سے کسی ضرورت کو یاد دلایا جائے ۔ (۷۶/۲۹)

اَلذِّکْرٰی (۶/۶۸) یاد دہانی ۔

ذَکَرَ حَقَّهٗ ۔ اسکے حق کی حفاظت کی اور اسکو ضائع نہیں کیا ۔

اُذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ ۔ تم پر جو خدا کے احسانات ہیں انکی حفاظت کرو اور انہیں ضائع مت کرو* ۔

---

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔

شہرت کو بھی ذِکْرٌ کہتے ہیں - نیز کسی کے متعلق اچھی بات کہنے کو بھی - اور شرف و عزت کو بھی - اور عبرت و موعظت کو بھی - ذِکْرٌ اُس کتاب کو بھی کہتے ہیں جس میں دین کی تفصیلات اور امتوں کے قوانین درج ہوں* -

اَلذَّکَرُ - قوی اور شجاع مرد - تلوار کی تیزی اور سختی کو بھی کہتے ہیں* - نیز نر ، بمقابلہ الاُنْثٰی (۳/۳۵) میں آیا ہے -

مُذَکَّرٌ - مؤنث کی ضد ہے - نیز سخت مصیبت جس کا مقابلہ مرد ہی کر سکیں* -

قرآن کریم کو الذِّکْرُ کہا گیا ہے (۱۵/۹) - کیونکہ اسمیں اقوام و ملل کے عروج و زوال کے قوانین بھی ہیں اور تاریخی یاد داشتیں بھی - اشیائے فطرت پر غور و فکر کرنے والوں کو لِقَوْمٍ یَذَّکَّرُوْنَ (۱۶/۱۳) کہا گیا ہے - نیز غیر خدائی قوتوں کے خلاف معرکہ آرائی کو ذِکْرٌ سے تعبیر کیا گیا ہے - یعنے ان قوانین خدا وندی کو سامنے لانے کی جد و جہد جنہیں اُنہوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے - (۳۸/۴۳ و ۴۳/۴۴) - اسلئے میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے اور اسطرح قوانین خداوندی کو عملاً غالب کرنے کو بھی ذِکْرٌ کہا گیا ہے (۸/۵) - اسکے معنے یہ بھی ہیں کہ زندگی کے کسی گوشہ میں ، حتٰی کہ میدان جنگ میں بھی، قوانین خداوندی کو اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دو - انہیں ہمیشہ اپنے سامنے رکھو - خود قوانین خدا وندی ذِکْرُ اللّٰہِ (۳۶/۲۳) ہیں - شرف اور عظمت کے معنوں میں یہ لفظ (۲۳/۴۳) میں آیا ہے - نیز (۲۳/۴۴) میں ، جہاں قرآن کریم کے متعلق کہا ہے کہ اِنَّهٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَ لِقَوْمِکَ کہ تمہاری اور تمہاری قوم کی عظمت اور بڑائی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ تم قرآن کریم پر عمل پیرا رہو - سورۃ قمر میں مُدَّکِرٍ آیا ہے (۵۴/۱۵) - سورۃ دھر میں جہاں آیا ہے کہ انسان پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا (۷۶/۱) - تو اسمیں مَذْکُوْرًا کے معنے ہیں ایسی چیز جو اپنی ذات سے وجود میں آ گئی ہو اور قائم ہو** - (Existing by Itself) -

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (۲/۱۵۲) - اسکے معنے یہ ہیں کہ تم میرے قوانین کو اپنے سامنے رکھو تو میں تمہارے حقوق کی حفاظت کرونگا اور تمہیں عظمت و سطوت عطا کرونگا - تم

*تاج - **لین و تاج -

ان قوانین کا اتباع کرو تو انکے خوشگوار نتائج یقیناً تمہارے سامنے آ جائینگے۔ (یہاں، علاوہ دیگر امور کے یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ ابتدا (Initiative) انسان کی طرف سے ہوتی ہے اور خدا اسکا جواب دیتا ہے ۔ جس قسم کا عمل انسان سے سرزد ہوتا ہے اسی قسم کا رد عمل خدا کی طرف سے ہوتا ہے) ۔ لہذا ذِکْرُ اللّٰہِ کے معنے قوانین خدا وندی کا اتباع ہیں (نہ کہ تسبیح کے دانوں پر اللہ اللہ گنتے رہنا) ۔ اور اس اتباع کا لازمی نتیجہ شرف و عظمت اور غیر خدائی قوتوں پر غلبہ و تسلط ہے ۔ جیسا کہ سابقہ حوالوں میں بتایا جا چکا ہے، صاحب ضرب کلیمی کا فرعون کے مقابلہ کے لئے جانا، ذکر اور تسبیح ہے ۔ (تَسْبِیْح" کیلئے دیکھئے س ۔ ب ۔ ح کا عنوان) ۔ میدان جنگ میں ثابت قدم رہنا ذکر ہے ۔ اشیائے کائنات پر غور و فکر کرنا ذکر ہے ۔ اقوام سابقہ کی تاریخ سے عبرت وموعظت حاصل کرنا ذکر ہے ۔ زندگی کے ہر شعبہ میں، ایک ایک قدم پر قانون خدا وندی کو سامنے رکھنا اور اس کے مطابق فیصلے کرنا ذکر ہے ۔ ان قوانین کا عام چرچا کرنا بھی ذکر ہے ۔ اسی کو آجکل کی اصطلاح میں نشرو اشاعت کرنا کہتے ہیں ۔ یہی وہ ''ذکر اللہ،، ہے جس سے دلوں کو سچا اطمینان حاصل ہوتا ہے (۱۳/۲۸)۔ ہم نے اطمینان کے ساتھ ''سچے،، کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ جھوٹا اطمینان انسان کو ہر طریق سے حاصل ہو سکتا ہے ۔ اگر جھوٹا اطمینان حاصل نہ ہوتا ہو تو لوگ باطل مذاہب پر جمے کسطرح رہیں؟ سچا اطمینان، علٰی وجہ البصیرت حاصل ہوتا ہے ۔ یعنی جب کسی بات پر علم و بصیرت کی رو سے غور کرنے کے بعد، یا اس کے عملی نتائج سامنے آ جانے کے بعد، ہم اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ وہ بات حق وصداقت پر مبنی ہے، تو اس سے سچا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے جو دل اور دماغ دونوں کے لئے وجہ" سکون ہوتا ہے ۔ جھوٹا اطمینان، اپنے آپ کو فریب دینے سے حاصل ہوتا ہے ۔ سچا اطمینان، جماعت مومنین کو بدر کے میدان میں حاصل ہؤا تھا جب انہیں اپنے سے تین گنا فوج پر عظیم فتح حاصل ہوئی تھی (۳/۱۲۵) ۔ یہ حجروں اور خانقاہوں میں حاصل نہیں ہوتا ۔

ذ ک و

ذ کَاءٌ ۔ کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کا مکمل ہو جانا ۔ خلیل نے کہا ہے کہ اللّٰہُ کَاءٌ فِی السِّنِّ ۔ عمر کے پختہ ہو جانے کو کہتے ہیں جب انسان کی قوتیں کمال تک پہنچ جاتی ہیں ۔ اسی اعتبار سے اَلذَّکَاءُ ذہانت اور فطانت کی تیزی اور تکمیل کو کہتے ہیں ۔ ذَکِیٌّ ۔ تیز فہم ۔

بڑا ذھین - ذَکَتِ النَّارُ - آگ بھڑک اٹھی * - ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی تیزی اور نفوذ کے ھوتے ھیں -

اَلتَّذْکِیَۃُ کے معنے جانور کو ذبح کر دینے کے ھوتے ھیں - راغب نے کہا ھے کہ اسکے معنے حرارت غریزی نکال دینے کے ھوتے ھیں * - (ذَکَتِ النَّارُ کی جہت سے) - باب تفعیل کا ایک خاصہ سلب ماخذ ھوتا ھے - یہ اسکی مثال ھے - یعنی ذَکَاءٌ کے معنی حرارت - اور ذَکّٰی کے معنی حرارت نکال لی - سلب کر لی - اسی کو سلب ماخذ کہتے ھیں - یعنی لفظ کے مادہ کی جو خصوصیت ھو اسے سلب کر لینا - قرآن کریم میں ھے اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ (۵/۳) - "بجز اسکے جسے تم ذبح کر لو" -

ذ ل ل

ذِلَّۃٌ - ذَلَالَۃٌ کے معنی ھیں کسی کی سختی اور منہ زوری کا ٹوٹ جانا اور اسکا مطیع و فرمانبردار ھو جانا - راغب نے اَلذُّلُّ - زور و قہر کی وجہ سے جھکنے کو کہا ھے اور اَلذِّلُّ اس جھکنے کو کہتے ھیں جس میں طبیعت کی تیزی و سختی ازخود مغلوب ھو جائے - اس نے یہ بھی لکھا ھے کہ جب ذُلٌّ کسی غیر کے دباؤ اور جبر سے نہ ھو تو یہ مذموم صفت نہیں رھتی - ذَلُوْلٌ - (جمع ذُلٌّ) جو تابع فرمان ھو جائے اور منہ زور نہ رھے * - سورۃ بقرہ میں ھے اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّا ذَلُوْلٌ (۲/۷۱) "وہ سانڈ ھے جسے ھل میں نہیں جوتا گیا" - عَیْرٌ اَلْمُذَلَّلَۃِ اس گدھے کو کہتے ھیں جس کے اوپر بوجھ لدا ھو اور پیچھے سے لاٹھی سے ھانکا جا رھا ھو ** - اس سے ذِلَّت کا صحیح نقشہ سامنے آجاتا ھے -

ذُلِّلَ النُّکْتُ تَذْلِیْلًا کے معنی ھیں انگور کے خوشے نیچے جھکا دیئے گئے * -

قرآن کریم میں تُذِلُّ، تُعِزُّ کے مقابلہ میں آیا ھے (۳/۲۶) - اور وھیں ان دونوں لفظوں کا مفہوم بھی بیان کر دیا گیا ھے - یعنی عِزَّت کے معنے ھیں حکومت اور مملکت مل جانا - غلبہ و اقتدار حاصل ھو جانا - اور ذِلَّت کے معنے حکومت و مملکت کا چھن جانا - غلبہ و اقتدار کا کھو جانا - سورۃ یٰسٓ میں مویشیوں کے متعلق ھے فَھُمْ لَھَا مَالِکُوْنَ - وَذَلَّلْنٰھَا (۳۶/۷۱-۷۲) - انسانوں کو ان پر غلبہ و اقتدار حاصل ھے - انہیں انسانوں کا مطیع

* تاج - **محیط -

و فرمانبردار بنا دیا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں نَتَذَلَّ وَنَخْزٰی (۲۰/۱۳۴)۔ ذلت و رسوائی کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں۔ میدان جنگ میں کمزوری کیلئے یہ لفظ (۳/۱۲۲) میں آیا ہے۔ سورۃ مائدہ میں جماعت مومنین کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (۵/۵۴)۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ یہاں اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کے معنے رُحَمَاءَ بَيْنَهُمْ (۴۸/۲۹) ہیں۔ یعنے ایک دوسرے کے ساتھ مشفق و ہمدرد۔ اور مخالفین کے مقابلہ میں سخت۔ جَنَاحَ الذُّلِّ (۱۷/۲۴) نرمی تواضع اور مہربانی کے لئے آیا ہے۔

قرآن کریم نے ذلت و مسکنت، محکومی اور کمزوری کی زندگی کو خدا کا غضب قرار دیا ہے۔ (۲/۶۱)۔ یہ ذلت اسی دنیا کی ذلت ہے جو ہر ایک کو نظر آسکتی ہے (۷/۱۵۲)۔ اسکے برعکس کہا ہے کہ مومنین کی زندگی غلبہ و اقتدار اور قوت و سطوت کی زندگی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (۶۳/۸)۔ "غلبہ و اقتدار اللہ اور اس کے رسولؐ اور جماعت مومنین کے لئے ہے"۔ مومنین کی زندگی اَعْلَوْنَ (۳/۱۳۸)۔ سب پر غالب رہنے کی زندگی ہے۔ حکومت اور سلطنت کی زندگی ہے (۲۲/۵۵)۔ لہذا جس زندگی میں غلبہ و اقتدار اور شوکت و حشمت نہیں وہ مومنین کی زندگی نہیں۔ اس دنیا میں ذلت و خواری کی زندگی خدا کا عذاب ہے۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (۲/۶۱) "ان پر ذلت و مسکنت کی مار ماری گئی۔ یعنی وہ عذاب خداوندی کے مستوجب بن گئے"۔ اس دنیا کو اغیار کے حوالے کرکے، بیکسی و بے بسی، محتاجی اور محرومی کی ذلیل زندگی بسر کرنا اور یہ سمجھنا کہ اس سے انسان کو "روحانی ترقی" حاصل ہوتی ہے، وہ فریب ہے جو مستبد قوتیں کمزوروں اور محکوموں کو دیتی ہیں۔ قرآن کریم اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس نے کھلے الفاظ میں کہا کہ اس دنیا میں عزت و اقتدار سرفرازی و سربلندی۔ شوکت و حشمت۔ دولت و قوت۔ حکومت و سطوت کی زندگی، ایمان و اعمال صالحہ کا فطری نتیجہ ہے۔ اور ذلت و خواری، محکومی و محتاجی کی زندگی خدا کا عذاب۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ جو یہاں خدا کے عذاب میں مبتلا ہے وہ عاقبت میں خدا کا مقرب نہیں ہو سکتا۔ جس کا حال تاریک ہے اس کا مستقبل بھی تاریک ہوگا۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (۲۰/۱۲۴)۔ "جو ہمارے قانون سے اعراض برتیگا تو اسکی روزی تنگ ہو جائیگی اور ہم

* تاج۔ ** محیط۔

اسے قیامت کے دن بھی اندھا اٹھائینگے''۔ یہ ایک ایسا معیار ہے جس سے ہم ہر وقت اپنے اعمال کو پرکھ سکتے ہیں۔

ذ م م

ذَمَّهٗ ۔ یَذُمُّهٗ ۔ ذَمًّا ۔ مَذَمَّةٌ ۔ مَدْحٌ کی ضد ہے۔ برائی کرنا۔ اِسْتَذَمَّ ۔ اسنے قابل مذمت کام کیا۔ بِہٖ ذَمِیْمَةٌ ۔ اسے کوئی ایسا عارضہ یا آفت لا حق ہے جسکی وجہ سے وہ باہر نہیں نکل سکتا*۔ مَذْمُوْمٌ (۶۸/۴۹) میں انہی معانی میں آیا ہے۔

ذِمَّةٌ ۔ ہر وہ ذمہ داری ۔ معاہدہ ۔ قول و قرار جسکے ضائع کر دینے سے مذمت لازم آتی ہو**۔ جس عہد وغیرہ کے توڑ دینے پر انسان کی مذمت کی جاتی ہو***۔

اَلذِّمَّةُ ۔ امان ۔ کفالت ۔ ضمانت ۔ ذِمِّیٌّ ۔ وہ آدمی جسے عہد حاصل ہو۔ جس کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی گئی ہو۔ جسے ہر طرح کی ضمانت دیدی گئی ہو۔ قرآن کریم میں ہے لَا یَرْقُبُوْا فِیْکُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً (۹/۸) ''یہ کسی حق اور حرمت ۔ عہد و پیمان کا خیال نہیں کرتے''۔ (اسکی تشریح کیلئے عنوان ا ل ل دیکھئے)۔

ذ ن ب

اَلتَّذْنَبُ ۔ دُم ۔ ذَنَبَهٗ ۔ وہ اسکے (دُم کے) پیچھے پیچھے رہا ۔ مُسْتَذْنَبٌ ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جو اونٹوں کی دموں کے پیچھے پیچھے رہے ۔ اَلذَّنَابُ ۔ ہر چیز کا پچھلا حصہ نیز اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کی دم کو کجاوہ سے باندھ دیا جائے۔ اس جہت سے اس مادہ کے معنوں میں کسی چیز کے آخری حصہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ذَنَبَةُ الْوَادِیْ ۔ وادی کے آخری حصہ کو کہتے ہیں ۔ اور اَلذَّنَابَةُ پیچھے لگنے والے کو۔ انہی معانی کے پیش نظر راغب نے لکھا ہے کہ اَلذَّنْبُ دراصل کسی چیز کے پچھلے حصے یا دم کے پکڑنے کو کہتے ہیں ۔ نیز ہر اس کام کو جس کا انجام برا ہو۔ نیز کسی کام کے نتیجہ (انجام) کو بھی ذَنْبٌ کہتے ہیں**۔ اس اعتبار سے یہ لفظ جرم اور معصیت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ (۹۱/۱۴) میں اسکے معنے جرائم کے ہیں ۔ یعنی ان کے رب نے ان کے جرائم کی وجہ سے انہیں تباہ و برباد کر دیا ۔ نیز ذَنَبٌ ۔ خسیس چیز اور رذیل اور کمینہ کو بھی کہتے ہیں*۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

چونکہ دُم ہمیشہ جانور کے پیچھے لگی رہتی ہے اسلئے ان اتہامات کو بھی ذَنُوْبٌ کہا جا سکتا ہے جو یونہی کسی کے پیچھے چپکا دئے جائیں۔ (جسطرح اَلْقَیْفُوْۃُ دُم کو کہتے ہیں لیکن اس کے معنی تہمت کے بھی ہیں۔ دیکھئے عنوان ق۔ف۔و)۔ چنانچہ سورۃ فتح میں جہاں نبی اکرمؐ کے متعلق کہا ہے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (۴۸/۲)۔ تو اسکے معنے یہ ہیں کہ یہ فتح عظیم اسلئے دی جا رہی ہے کہ ان تمام اتہامات سے تمہاری حفاظت ہو جائے جو تمہارے مخالفین تم پر لگاتے رہے ہیں یا آئندہ لگانا چاہیں۔ مخالفین کہتے تھے کہ (معاذ اللہ) آپ اپنے دعاوی میں جھوٹے ہیں۔ دیوانے ہیں۔ کسی نے ان پر جادو کر دیا ہے۔ یونہی لوگوں کو سبز باغ دکھا کر ورغلاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہ فتح مبین، جس سے مخالفین کی قوتیں ٹوٹ گئی ہیں، ان تمام اتہامات کا جواب ہے کہ دیکھ لو انجام کار کون سچا ثابت ہوا۔ (نیز دیکھئے عنوان ق۔د۔م)۔

ذَنُوْبٌ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جسکی دُم کے بال گھنے ہوں اور وہ بالوں سے بھری ہوئی ہو۔ نیز اس بڑے ڈول کو بھی کہتے ہیں جس میں پانی بھرا ہوا ہو۔ (اگر وہ خالی ہو تو اُسے دَلْوٌ کہا جائیگا)۔ نیز ایسے دن کو بھی کہتے ہیں جس کا شر بہت طویل ہو جائے، اتنا طویل کہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو۔

سورۃ ذاریات میں ہے فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحَابِہِمْ (۵۱/۵۹)۔ تاج، محیط اور راغب نے کہا ہے کہ ذَنُوْب کے معنی نصیبہ یا حصہ کے ہیں۔ اس اعتبار سے آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ ظلم کر رہے ہیں ان کا نصیبہ بھی ویسا ہی ہوگا جیسا ان لوگوں کا نصیبہ تھا جو ان کی مثل تھے۔

بعض لوگ اپنے آپ کو، ازرہ کسر نفسی، مُذْنِب (عاصی پر معاصی وغیرہ) کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ذنب یا گناہ، حکومت خدا وندی کے جرم کو کہتے ہیں۔ جب ہم اپنے آپ کو ''مجرم،، کہنا پسند نہیں کرتے تو مذنب یا عاصی وغیرہ کیوں کہلوائیں؟ اگر ہم سے واقعی کوئی جرم صادر ہو گیا ہے تو اس پر ہمیں ندامت ہونی چاہئے، نہ کہ اسے اپنے لئے نشان امتیاز یا پہچانے جانے کی علامت قرار دیدیا جائے۔

ذ ہ ب

ذَہَابٌ کے معنے ہیں چلا جانا ۔ گزر جانا ۔ ذ ہَبَ بِہٖ کے معنے ہیں لے جانا ۔ ذَہَبَ عَلَیَّ کَذَا کے معنے ہیں، میں فلاں بات کو بھول گیا ۔ اگر ذَہَبَ کے ساتھ عَنْ آئے تو اسکے معنے چھوڑ دینے کے ہوتے ہیں ۔ اور اگر اسکے ساتھ اِلٰی آئے تو اسکے معنے متوجہ ہو جانے کے آتے ہیں* ۔ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ اَذْہَبَہٗ کے معنے ہیں اسکو زائل کر دیا ۔ دور کر دیا ۔ لے گیا ۔ (۲/۲۶۴) ۔ اور ذَہَبَ بِہٖ کے معنے ہیں اسکو اپنے ساتھ لے گیا ۔ یعنے خود بھی اسکے ساتھ چلا گیا** ۔ لیکن قرآن کریم میں جہاں آیا ہے ذَہَبَ اللّٰہُ بِنُوْرِہِمْ (۲/۱۷) تو اسکے معنے لے جانے کے ہیں۔ ساتھ چلے جانے کے نہیں ۔ اَلْمَذْہَبُ ۔ جانا ، جانے کی جگہ، راستہ، طریقہ، وہ عقیدہ جس کی طرف کسی کا رجحان ہو۔نیز بیت الخلاء کو بھی کہتے ہیں جہاں قضائے حاجت کیلئے جائیں* ۔ لیکن قرآن کریم میں مَذْہَب* کا لفظ کہیں نہیں آیا ۔ اسلام کیلئے دِیْن* کا لفظ آیا ہے ۔ در حقیقت مذہب کے معنے مکتب فکر (School of Thought) کے ہیں ۔ ابتدائے اسلام میں صرف دِیْن* تھا ۔ بعد میں جب مختلف ائمہ فکر و فقہ کی نسبتوں سے مختلف طریقے پیدا ہوئے تو دِیْن کی جگہ مَذْہَب (طریقہ) نے لے لی ۔ چنانچہ ذَہَبَ فِی الدِّیْنِ مَذْہَبًا کے معنے ہیں اس نے دین کے بارے میں فلاں عقیدہ اختیار کیا ۔ اور فُلَانٌ یَذْہَبُ اِلٰی قَوْلِ اَبِی حَنِیْفَۃَ کے معنے ہیں فلاں شخص امام ابو حنیفہ کے مسلک کے مطابق چلتا ہے*** ۔ اس سے دِیْنٌ (یعنے وہ ضابطۂ حیات جو خدا کی طرف سے ملا تھا) گم ہو گیا اور مختلف شخصیتوں کی طرف منسوب کردہ مَذَاہِب آگے چل پڑے ۔ جبتک اشخاص کی طرف منسوب کردہ مَذَاہِب نہیں مٹتے دِیْن قائم نہیں ہو سکتا ۔ ''مٹنے،، کے معنے یہ ہیں کہ ان چیزوں کو صرف یہ حیثیت دی جائے کہ یہ اُن حضرات کا دین کے متعلق فہم تھا ۔ یا وہ جزئیات تھیں جنہیں انہوں نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق متعین کیا تھا ۔ انکی حیثیت ابدی نہیں ہے۔ ابدی صرف خدا کا دین ہے جو قرآن کریم کے اندر ہے ۔ لہذا، احلاف کے مختلف مذاہب کے نام سے جو کچھ ہمارے پاس چلا آ رہا ہے اسے قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے۔ جس بات کو قرآن کریم صحیح کہے وہ صحیح سمجھی جائے ۔ جسے وہ غلط قرار دے اُسے غلط ٹھہرایا جائے ۔ باقی

*تاج ۔ **محیط ۔ ***لین ۔

رہیں فقہی جزئیات ، تو ان کی حیثیت دائمی ہو ہی نہیں سکتی ۔ ہر دور کی فقہ قرآن کریم کے ابدی اصولوں کی روشنی میں اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق مرتب ہوگی ۔

مغرب میں چونکہ عیسائیت ایک (Religion) کی حیثیت رکھتی تھی اسلئے وہاں مذہبِ اسلام کا ترجمہ (Religion of Islam) ہو گیا اور اس سے دِیْن کا تصور بالکل مٹ گیا ، اور اسلام بھی دیگر مذاہب عالم میں سے ایک مذہب سمجھا جانے لگا ۔ حالانکہ اسلام، دِیْن* (ضابطۂ حیات) کا نام تھا ۔ مذہب (Religion) نہیں تھا ۔

لفظ (Religion) کے بنیادی معنوں کے متعلق علمائے لغت میں اختلاف ہے لیکن اس پر عمومی اجماع ہے کہ اسکے اصلی معنے ''دیوتاؤں کی تعظیم،، کے ہیں ۔ اسکے بعد کسی مافوق الفطرت ہستی کی پرستش کے قواعد و ضوابط کے مجموعہ کا نام ریلیجن رکھا گیا اور ان ہی معنوں میں یہ لفظ بالعموم رائج ہے (دیکھئے Century Dictionary) ۔ ظاہر ہے کہ اسلام اس معنے میں ریلیجن نہیں ۔ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات یا زندگی کا قانون ہے ۔ لہذا اسلام کو ریلیجن یا مذہب نہیں کہنا چاہئے ۔ یہ دِیْن* ہے ۔

''مذہب،، درحقیقت اُس زمانے کی یادگار ہے جب ذہن انسانی اپنے عہد طفولیت میں تھا ۔ وہ اسوقت یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ کائنات میں فطرت کے جو حوادث رونما ہوتے ہیں، وہ خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہوتے ہیں ۔ وہ چونکہ ان کی علت (Cause) کو نہیں سمجھتا تھا اس لئے ان سے ڈرتا اور لرزتا تھا اور خوشامد سے انہیں راضی کرنے کے لئے ان کے حامنے جھکتا اور گڑگڑاتا تھا ۔ ان تک اپنی درخواست پہنچانے کے لئے وسیلے تلاش کرتا تھا ۔ سفارش کرنے والے ڈھونڈتا تھا ۔ انسان کی اپنی توہم پرستیوں نے دیوی، دیوتاؤں کی تخلیق کی اور اسی سے ان کی بھگتی یا پرستش کا جذبہ پیدا ہؤا ۔ ان میں جو لوگ ذرا زیادہ سمجھدار تھے انہوں نے عوام کی اس سادہ لوحی سے فائدہ اٹھایا اور اپنے آپ کو ان دیوتاؤں کے نمائندے یا مقرب بنا کر اپنی پرستش شروع کرا دی ۔ اسطرح مذہبی پیشوائیت اور روحانی اقتدار کے ادارے وجود میں آ گئے ۔ حکمران طبقہ نے ان ''خدائی نمائندگان،، سے گٹھ جوڑ پیدا کیا توانہوں نے انہیں ''ایشور کا اوتار،، ۔ ''ظل اللہ علی الارض،، ۔ اور خدائی اختیارات کا حامل قرار دیکر، عوام کو ان کے حضور جھکنا سکھایا ۔ ان تمام تصورات کے مجموعہ کا نام ''مذہب،، (Religion) ہے جو انسانوں میں اب تک متوارث چلا آ رہا ہے ۔

مذھب کے اس باطل تصور کو مٹانے کے لئے، خدا کی طرف سے، بوساطت حضرات انبیاء کرامؑ دین ملتا رہا ۔ اس نے انسان کو، کائنات میں، اس کے صحیح مقام سے شناسا کرایا ۔ اس نے کہا کہ کائنات کا سلسلہ خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق سرگرم عمل ہے اور انسان کو ان قوانین کا علم دے دیا گیا ہے ۔ انسان کا کام یہ ہے کہ ان قوانین کی رو سے کائنات کی قوتوں کو مسخر کرے اور انہیں نوع انسان کی نشو و نما اور بہبود و ترفع کے لئے استعمال کرے ۔ اس نے (دین نے) اپنی دعاوی کو دلائل و براھین کی رو سے پیش کیا اور علم و بصیرت کی رو سے ماننے کی دعوت دی ۔ خدا کا یہ دین، اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اور ''مذھب،، کے خلاف کھلا ھوا چیلنج ہے ۔ دنیا میں چونکہ علم و بصیرت عام ہو رہا ہے اس لئے آھستہ آھستہ مذھب کا دور دورہ بھی ختم ہو رہا ہے ۔ اسطرح دین کے قیام کے لئے راستہ صاف ہو رہا ہے ۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ دنیا کسطرح ملوکیت ۔ سرمایہ داری ۔ مذھبی پیشوائیت سے بیزار ہوتی چلی جا رہی ہے؟ یہی قرائن بتا رہے ہیں کہ اب وہ دور آ رہا ہے جب خدا کا دین، اپنی تابانیوں کے ساتھ عالمتاب ہوگا ۔ اب انسان سن شعور کو پہنچ رہا ہے ۔ اب اسے نہ بچپن کی توھم پرستیاں ڈرا سکتی ہیں ، نہ کاغذ کے پھول بہلا سکتے ہیں ۔ اب اس کا اطمینان زندگی کی ٹھوس حقیقتوں ھی سے ہو سکتا ہے اور وہ قرآن کریم کے علاوہ اور کہیں نہیں مل سکتیں ۔

اَلتِّذھَبُ ۔ (۱۸/۳۱) اس سونے کو کہتے ہیں جو کان سے نکال کر صاف کر لیا گیا ہو ۔ (جو ابھی کان میں ہو اور گلا کر صاف نہ کیا گیا ہو' اسے تِبْرٌ کہتے ہیں) ۔ جس چیز پر سونے کا ملمع کیا گیا ہو یا سونے کا پترہ چڑھایا گیا ہو اسے مُذَھَّبٌ کہتے ہیں ۔ ذَھِبَ الرَّجُلُ ۔ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص ایک دم کان میں بہت سا سونا دیکھے اور اسے دیکھکر سراسیمہ و مبہوت ہو جائے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) چلے جانے اور (۲) حسن و تازگی کے ہیں ۔ سونے کو ذَھَبٌ ان دوسرے معانی کی جہت سے کہتے ہیں ۔ اَلذِّھْبَۃُ ۔ ھلکی سی بارش یا سخاوت کو کہتے ہیں* ۔

ذ ھ ل

ذَھَلَتْہُ ۔ ذَھَلَ عَنْہُ ۔ کسی چیز سے ربط و ضبط رکھنے کے باوجود اسے چھوڑ دینا ۔ یا جانتے بوجھتے چھوڑ دینا ۔ یا کسی شغل میں منہمک ہو

*تاج ۔

جانے کی وجہ سے بھول جانا ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ذُھُوْلٌ کے معنے ہیں محبوب چیز کی یاد باقی نہ رہنا اور اس کی عدم موجودگی کے باوجود دل کا خوش رہنا اور کسی قسم کی کمی محسوس نہ کرنا* ۔ صاحب محیط نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ذُھُوْلٌ کسی دہشت کی وجہ سے محبوب کو چھوڑ دینا ہے ۔ ذَھِلَ ۔ ہوش و حواس جاتے رہنا** ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں گھبراہٹ اور پریشانی وغیرہ کی وجہ سے کسی چیز سے غافل ہو جانا ۔ اسی بنا پر قرآن کریم میں انقلاب کے متعلق کہا ہے کہ یَوْمَ تَرَوْنَھَا تَذْھَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا (۲۲/۲) ۔ ''جب تم اسے دیکھو گے اس وقت ہر دودھ پلانے والی اپنے بچہ کو چھوڑ دے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دیگی'' ۔ یہ چیز اس انقلابی ساعت کی ہولناکی کے لئے کہی گئی ہے ۔ لیکن اگر اس سے مراد خود انقلابی دور ہو تو اس سے ہمارا زمانہ سامنے آ جاتا ہے جس میں مائیں بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں اور کوئی لڑکی (شادی کے باوجود) حاملہ ہونا نہیں چاہتی ۔ اور ان فطری نسوانی فرائض کو چھوڑ کر انہیں کچھ افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس سے خوش ہوتی ہیں ۔ اور مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ یہ چیزیں ان کے دوسرے مشاغل میں حارج نہ ہوں ۔ ذَھَلَ میں یہ تمام معانی آ جاتے ہیں ۔ یا ویسے ہی پریشانی اور اضطراب کا وہ عالم جس میں ہم سب گرفتار رہتے ہیں اور اسطرح اپنی ضروری ذمہ داریوں تک سے غافل ہوجاتے ہیں ۔

ذُ وْ

ذُوْ ۔ صاحب، والا (جیسے ہم، صاحب اولاد یا عقل و فکر والا، کہتے ہیں) ۔ اسکی جمع ذَوُوْنَ اور ذَوِیْنَ نیز اُولُوْ آتی ہے ۔ مونث ذَاتٌ ۔ تثنیہ ذَوَاتَانِ ۔ جمع ذَوَاتٌ ۔ قاعدے کی رو سے ذُوْ کبھی ذِیْ اور کبھی ذَا ہو جاتا ہے ۔ ذُوْعُسْرَۃٍ ۔ (۲/۲۸۰) ۔ صاحب عسرت ۔ جو تنگدستی میں پڑا ہو ۔ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ (۴۱/۵۱) ۔ لمبی چوڑی دعائیں مانگنے والا ۔ ذَوِی الْقُرْبٰی (۲/۱۷۷) ۔ رشتے دار ۔ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ (۱۸/۱۸) داٹیں اور بائیں طرف ۔ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔ (۳/۱۵۳) دلوں کے اندر کی باتیں ۔ یعنی جو کچھ دل کے اندر ہے ۔

ذَوَاتَا اَفْنَانٍ (۵۵/۴۸) ۔ مختلف علوم و فنون والے ۔

---

* تاج ۔ **محیط ۔

ذوالقرنین

ایران کا وہ خدا ترس بادشاہ جس نے یہودیوں کو بابل کی اسیری سے رہائی دلا کر یروشلم میں دوبارہ آباد کرایا تھا۔ قرآن کریم نے (سورۂ کہف میں) اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے (۱۸/۸۳-۱۰۱) (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ق۔ ر۔ ن)۔

ذ و د

اَلذَّوْدُ۔ ہانکنا۔ دفع کرنا۔ جھڑک کر نکالدینا۔ ہٹادینا۔ اَلْمِذْوَدُ۔ وہ جگہ جہاں جانوروں کو چارہ ڈالا جاتا ہے۔ بیل کے سینگ جس سے وہ اپنی مدافعت کرتا ہے، یعنے جس سے وہ دوسروں کو ہٹا کر دور رکھتا ہے *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو دوسری چیز سے الگ اور یک سو کر دینا۔

سورۃ قصص میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ مدین پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک پیاؤ (گھاٹ) پر دوسرے لوگوں کے جانور (بعد میں آ کر) پانی پیتے چلے جاتے ہیں لیکن دو لڑکیاں ہیں جو اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں (تَذُوْدَانِ ۲۸/۲۳) کہ وہ کہیں آگے بڑھ کر پانی تک نہ پہنچ جائیں۔ اس نقشے کو پھر سامنے لائیے کہ پیاسے جانور پانی کی طرف بڑھنا چاہیں اور ان کا چرواہا انہیں اُدھر جانے سے روکے۔ اسے اَلذَّوْدُ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو اس پر تعجب ہوا کہ وہ لڑکیاں اپنے جانوروں کو پانی کی طرف آنے سے روک کیوں رہی ہیں۔ انہوں نے ان سے پوچھا تو لڑکیوں نے کہا کہ لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَاءُ (۲۸/۲۳)۔ ہم اپنے جانوروں کو اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ (طاقتور چرواہے) اپنے اپنے جانوروں کو اچھی طرح پانی پلا کر واپس نہ لے جائیں۔ اسکے ساتھ ہی اسکی وجہ بھی بتائی کہ وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ (۲۸/۲۳) (ہم لڑکیاں ہونے کی وجہ سے کمزور ہیں) اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے۔ اسلئے ہم کب جرأت کر سکتی ہیں کہ ہمارے جانور پہلے پانی پی لیں۔

غور کیجئے۔ قرآن کریم نے ایک کہانی کے دو ٹکڑوں میں نوع انسانی کی پوری کی پوری داستان کس حسن و خوبی سے بیان کرکے رکھدی ہے۔ دنیا میں یہی ہوتا چلا آیا ہے اور یہی ہو رہا ہے کہ طاقتور کا جانور پہلے پانی پیتا ہے اور اس سے اگر کچھ بچ جائے تو غریب کے جانور کی باری

* تاج۔ محیط۔ راغب۔

آتی ہے ۔ اسمیں استثناء ہے تو اُنھی کی جو آسمانی انقلاب کا پیغام لیکرآتے ہیں ۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ کمزوروں کے جانوروں کو انکی باری پر پانی پلانے کا انتظام کریں ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ* نے ۔ فَسَقٰی لَهُمَا (۲۸/۲۴) (بلا مزد و معاوضہ) ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا ۔ پیغمبر یہی کچھ کرنے کے لئے آتے تھے ۔ اور ان کا لایا ہوا نظام دنیا میں یہی کچھ کریگا ۔ یعنی رزق کے جن سرچشموں پر ارباب اقتدار اپنا قبضہ جمائے ہوں انہیں نوع انسانی کے مفاد عامہ کے لئے آزاد کرا دینا تاکہ ہر فرزند آدم کی ضروریات یکساں طور پر پوری ہوتی رہیں ۔ اگرچہ حضرت موسیٰؑ اسوقت ابھی منصب نبوت پر سرفراز نہیں ہوئے تھے لیکن طبیعت کا رجحان ایسے ہی کاموں کی طرف تھا ۔

ذ و ق

ذَاقَ ۔ چکھنا ۔ مزہ معلوم کرنا* ۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ در اصل تھوڑی سی چیز کھانے کے لئے بولا جاتا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز کو کھا کر اسکی اندرونی حالت کو معلوم کرنا ہیں ۔ یہ اسکے اصلی معنے ہیں ۔ پھر اسکا اطلاق ہر تجربہ پر ہونے لگا** ۔ یعنے کسی چیز کا تجربہ ہو جانا ۔ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ (۷/۲۲) ۔ جب انہیں "شجرہ" کا تجربہ ہو گیا ۔

ذَائِقٌ* ۔ چکھنے والا ۔ جو تجربہ حاصل کرے (۳/۱۸۴) ۔ (مؤنث ذَائِقَةٌ*) ۔

اَذَاقَ ۔ مزہ چکھانا ۔ تجربہ حاصل کرانا (۱۶/۱۱۲) ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ بالعموم عذاب کے ساتھ آیا ہے (اگرچہ بعض مقامات پر رَحْمَةٌ کے ساتھ بھی آیا ہے) ۔ اسکے معنے یہ ہیں کہ انسان اپنے اعمال کے نتائج کو اسطرح محسوس کرے گویا اس نے ان کا مزہ چکھ لیا ہے ۔ اسے اسکا عملی تجربہ ہو جائے کہ فلاں کام کا نتیجہ کیا ہوتا ہے ۔

ذ ی ع

ذَاعَ ۔ يَذِيعُ ۔ پھیل جانا ۔ ظاہر ہو جانا ۔ عام ہو جانا ۔ اَذَاعَ سِرَّهُ ۔ اسنے اسکے راز کو افشا کر دیا ۔ ظاہر کر دیا ۔ اور لوگوں میں مشہور کر دیا ۔ زجاج نے کہا ہے کہ اسکے معنے لوگوں میں پکار کر کہدینا اور اعلان کر دینا ہیں*** ۔ (۴/۸۳) میں یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے جہاں کہا ہے کہ وَاِذَا جَاءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوا بِهٖ ۔ "جب ان تک کوئی امن یا خوف کی بات پہنچتی ہے تو یہ اسے خوب پھیلاتے اور اڑاتے ہیں" ۔

---

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و محیط ۔

ر

رأس

اَلرَّأْسُ۔ (جمع رُءُوْسٌ) سر۔ ہر چیز کا اعلیٰ حصہ ۔ سردار قوم۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اکٹھا ہونے اور بلند ہونے کے ہیں ۔ رَئِیْسٌ ۔ سردار قوم ۔ رَأْسُ الْمَالِ ۔ اصل مال ۔ اَلرَّائِسُ ۔ والی۔ حاکم ۔ اَلْمَرْؤُوْسُ ۔ رعیت* ۔

قرآن کریم میں مناسکِ حج کے ضمن میں ہے ۔ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ (۲/۱۹۶) ۔ اپنے سروں کو نہ منڈاؤ۔ دیکھئے (عنوان ح ۔ ل ۔ ق)۔

اصلی سرمایہ کیلئے رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ آیا ہے (۲/۲۷۹)۔ یعنی ''سرمایہ،، (تفصیل ر ۔ ب ۔ و کے عنوان میں دیکھئے)۔

رأف

اَلرَّأْفَةُ ۔ رحمت اور رافت مرادف المعنی الفاظ ہیں ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ رَأْفَةٌ تو یہ ہے کہ تم سے ان امور کو دفع کر دیا جائے جو ضرر رساں ہوں اور رَحْمَةٌ یہ ہے کہ تمہیں ایسے امور بہم پہنچائے جائیں جو راحت رساں ہوں** ۔ اسکی تائید صاحب المنار نے کی ہے جس میں لکھا ہے کہ رَأْفَةٌ کا نتیجہ دفع بلا ہے اور رَحْمَةٌ سے مراد خوشحالیوں کا زیادہ عطا کرنا ہے*** ۔ لہذا رَءُوْفٌ اور رَحِیْمٌ سلبی (Negative) اور ایجابی (Positive) دونوں پہلوؤں کو محیط ہو جاتے ہیں۔ ان اسباب و عناصر کا دفع کرنا جو کسی کی نشو و نما کے راستہ میں حائل ہوں اور اسکے ساتھ ہی اس ساز و سامان کا بہم پہنچانا جس سے اسکی نشو و نما ہوتی جائے ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***المنار جلد۲ ۔ صفحہ ۱۲۲ ۔

خدا کی رَأْفَت و رَحْمَت کسطرح ملتی ہے، اسکے متعلق سورۃ بقرہ میں کہدیا کہ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ ۔ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (۲/۱۴۳) ۔ اللہ کبھی ایسا نہیں کرتا کہ وہ کسی کے ایمان کو یونہی بلا حفاظت، چھوڑ دے اور وہ بلا نتیجہ رہ جائے ۔ وہ تو رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ہے ۔ یعنی وہ کرتا یہ ہے کہ انسان کے ایمان کے نتیجہ خیز ہونے کی راہ میں جسقدر موانع آئیں انہیں راستہ سے ہٹائے اور ایمان کے مثبت نتائج پیدا کرتا جائے ۔ لہذا اسکی رَأْفَت اور رَحْمَت ، اِیْمَان کا نتیجہ ہوتی ہے ۔ یہی انسانیت کی صحیح نشو و نما کا ذریعہ ہے ۔ ایمان کے معنے ہیں قانون خدا وندی کی صداقت پر یقین اور اعتماد رکھنا اور اسکی اطاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لینا ۔

چونکہ عام طور پر انسانوں کی تکلیف رفع کرنے کا جذبہ محرکہ، رقتِ قلب (دل کی نرمی) ہوتا ہے اسلئے رَأْفَۃ کے معنے نرمی کے بھی آتے ہیں ۔ مثلاً سورۃ نور میں زانی اور زانیہ کی سزا کے سلسلہ میں کہا ہے وَلَا تَأْخُذْکُمْ بِھِمَا رَأْفَۃٌ فِی دِیْنِ اللّٰہِ (۲۴/۲) ۔ ''قانونِ خدا وندی کے نفاذ میں نرمی سے کام مت لو،، ۔ ایسا نہو کہ اس خیال سے کہ بہ سزا اُنہیں تکلیف پہنچائیگی تم مجرمین کو جرم کی سزا ہی نہ دو یا اس میں نرمی برتو ۔ اسلئے کہ اگر ظالمین اور مجرمین کو سزا نہ دی جائے تو مظلومون کی داد رسی کیسے ہو ۔ عیسائیت نے خدا ترسی کا یہی غلط مفہوم اپنے سامنے رکھا جسکی وجہ سے ظالموں کی رسیاں دراز ہوتی گئیں اور رفتہ رفتہ مذہب کو کلیساؤں اور خانقاہوں کے اندر محبوس ہونا پڑا اور سیاست بے مہار ہو گئی ۔ قرآن کریم نے اسی لئے رہبانیت کے متعلق کہا ہے کہ یہ انکا خود تراشیدہ مسلک تھا اور جذبات رافت و رحمت کی غلط تعبیر کا پیدا کردہ (۵۷/۲۷) ۔ اسلام عدل قائم کرنا سکھاتا ہے جسکے لئے زبادتی کرنے والوں کی قوتوں کو توڑنا پڑتا ہے ۔ لہذا اسمیں رَأْفَت کے ساتھ غِلْظَت (نرمی کے ساتھ سختی) کی بھی ضرورت ہوتی ہے ۔ (دیکھئے عنوان غ ۔ ل ۔ ظ) ۔

رأی

رُؤْیَۃ ۔ کسی مرئی چیز کا ادراک کر لینا ۔ یہ لفظ آنکھوں سے دیکھنے یا عقل و بصیرت سے معلوم کرنے یا خواب و خیال میں دیکھنے اور تصور کرنے سب کے لئے آتا ہے ۔ جوہری نے کہا ہے کہ جب اس کے ساتھ صرف ایک مفعول آئے تو اس کے معنے آنکھ سے دیکھنا ہوتے ہیں اور جب دو مفعول

آئیں تو اس کے معنے جاننے یا علم حاصل کرنے کے ہوتے ہیں ۔ راغب نے کہا ہے کہ جب اسکے بعد دو مفعول آئیں تو اس میں علم کے معنے ہوتے ہیں اور جب اس کے بعد اِلٰی آئے تو اسکے معنے ہوتے ہیں اس طرح دیکھنا (یا غور و فکر کرنا) کہ اس کے بعد انسان کو عبرت و موعظت حاصل ہو* ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ رَاْی رُؤْیَۃٌ ۔ آنکھ سے دیکھنے کو ۔ رُؤْیَا خواب دیکھنے کو ، اور رَاْیًا دل سے دیکھنے اور غور کرنے کو کہتے ہیں** ۔ اَلْمَرْاٰی والمَرْآۃُ ۔ منظر ۔ اَلْمِرْآۃُ ۔ آئینہ ۔ اَلرُّؤْیَا ۔ خواب ۔ اَلرَّاْیُ ۔ رائے ۔ خیال ۔ جب کوئی بات یقینی نہ ہو ، ظنی ہو تو اس کے دو متناقض پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو اختیار کرلینا رائے کہلاتا ہے* ۔ اَرَاَیْتَکَ ۔ (۱۰۴/۱) عرب اس معنے میں بولتے ہیں جس معنے میں ہم کہتے ہیں ''بتاؤ تو سہی'' ۔ ''ذرا خبر تو دو'' ۔ اور اَلَمْ تَرَ اِلٰی ..... (۱۰۵/۱) تعجب کے موقعہ پر بولتے ہیں ''تم نے دیکھا نہیں'' ! یعنے تمہیں اس بات پر تعجب نہیں آتا؟* لیکن ایسے موقعوں پر اس میں عبرت خیز نظر ڈالنے کی دعوت بھی ہوتی ہے ۔ سورۃ آل عمران میں یَرَوْنَھُمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ۔ (۳/۱۳) ۔ تاکید اور وضاحت کے لئے آیا ہے ۔ جیسے ہم لوگ ''آنکھوں دیکھی'' وغیرہ بولتے ہیں ۔ اور سورۃ مریم میں رِئْیًا (۱۹/۷۴) منظر یا ظاہری حالت کے معنوں میں آیا ہے ۔ رِئَاءَ النَّاسِ (۲/۲۶۴) لوگوں کے دکھانے کے لئے ۔ یُرَاءُوْنَ النَّاسَ (۴/۱۴۲) لوگوں کو دکھاتے ہیں ۔ ھُمْ یُرَاءُوْنَ (۱۰۷/۶) وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں (کہ وہ نمازی ہیں) لیکن صلٰوۃ کی حقیقت کو فراموش کر چھوڑتے ہیں ۔ یعنی رزق کے جن سرچشموں کو آب رواں کی طرح کھلا رہنا چاہئے انہیں بند لگا کر روکے رکھتے ہیں (۱۰۷/۷) ۔ سورۃ مومن میں ہے مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی (۴۰/۲۹) ''میں تمہیں وہی کچھ بتاتا ہوں جو میں سمجھتا ہوں'' ۔

سورۃ شعراء میں ہے فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ ۔ (۲۶/۶۱) ''جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا'' ۔ بَادِیَ الرَّاْیِ (۱۱/۲۷) کے لئے دیکھئے عنوان (ب ۔ د ۔ و)

ر ب ب

رَبٌّ کے معنی نشو و نما دینا ہیں ۔ یعنے کسی چیز کو نئی نئی تبدیلیوں سے اسلئے گزارنا کہ وہ بتدریج نشو و نما پاتی ہوئی اپنی تکمیل تک پہنچ جائے*** ۔ جسطرح فطرت ، فطرۃُ انسان کو موتی بنانے کے لئے نئی نئی تبدیلیوں

* تاج ۔ ** محیط ۔ ***راغب ۔

سے گزارتی اور رفتہ رفتہ اسکی نشوونما کئے جاتی ہے*۔ یہ طریق نشوونما ربوبیت کہلاتا ہے۔ کہتے ہیں رَبَّہٗ وَلَدَہٗ رَبًّا وَرَبَّبَہٗ وَتَرَبَّبَہٗ۔ اس نے بچے کی پرورش و تربیت کی۔ نگرانی کی تاآنکہ وہ بالغ ہوگیا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے۔

مِنْ دُرَّۃٍ بَیْضَاءَ صَافِیَۃٍ
مِمَّا تَرَبَّبَ حَائِرَ الْبَحْرِ

یعنی (ممدوح) اس صاف اور سفید موتی سے (بھی زیادہ خوبصورت ہے) جس نے سمندر کی گہرائیوں میں پرورش پائی۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) کسی چیز کی دیکھ بھال کرنا اور اسے سنوارنا۔ اسی سے الرَّبُّ۔ مالک، خالق، کسی چیز کی نگرانی اور اصلاح کرنے والے کو کہتے ہیں (۲) کسی چیز کا جمے رہنا اور ایک جگہ قائم رہنا۔ چنانچہ کہتے ہیں اَرَبَّتِ السَّحَابَۃُ بِھٰذِہِ الْبَلْدَۃِ۔ بدلی برابر اس شہر پر ٹھہری یا برستی رہی۔ اور (۳) کسی شے کو دوسری شے کے ساتھ ملا دینا۔ لہذا تسلسل کے ساتھ نشوونما دیتے چلے جانا اور درست کرتے رہنا ربوبیت ہے۔ مجازاً بچہ کو تھپک کر سلا دینے کے لئے رَبَّتِ الْمَرْاَۃُ صَبِیَّھَا کہتے ہیں*۔ کیونکہ نیند اور آرام و سکون کا وقفہ بچہ کی نشوونما سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔

کسی معاملہ کی اصلاح اور درستگی اور اسکے استحکام کے لئے بھی رَبَّ یَرُبُّ رَبًّا کہا جاتا ہے*۔ اور کسی چیز کو جمع کرنے اور بڑھاتے چلے جانے کو بھی*۔ چنانچہ رِبَابَۃٌ اس تھیلہ کو کہتے ہیں جس میں بہت سے تیروں کو اکٹھا رکھا جائے۔ اور رَبُّ الدُّھْنِ کے معنی ہیں، اس نے تیل کی اصلاح کرکے اسے خوشبودار بنایا**۔

چونکہ نشوونما کا لازمی نتیجہ شگفتگی اور شادابی ہے اس لئے اَلرَّبِیَّۃُ اُن پودوں کو کہتے ہیں جو گرمیوں میں بھی مرجھاتے نہیں بلکہ ان کی سرسبزی و تازگی، سردی اور گرمی دونوں میں یکساں رہتی ہے*۔ اور اَلْمَرْبَبُ اُس زمین کو کہتے ہیں جہاں درخت اور پودے بکثرت پائے جائیں اور جہاں ہمیشہ سرسبزی و شادابی رہے*۔ اسی طرح اَلرَّبِیَّۃُ کے معنے ہیں بہت سے گھنے درخت۔ بہت بڑی جماعت (جو دس ہزار یا اس سے لگ بھگ ہو)۔ یا سامان عیش کی کثرت و فراوانی*۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ جماعت کو رِبِّیٌّ کہا جاتا ہے گویا یہ رِبَّۃٌ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اسکی جمع

* تاج۔ ** محیط۔

رِبِّیُّوْنَ آتی ہے* ۔ (دیکھئے ۳/۱۳۵) ۔ اَلرِّبَابَۃُ ۔ تہ بر تہ بادل کے ٹکڑے کو کہتے ہیں** ۔ اور اَلرِّبَبُ ۔ شیریں پانی جو کثرت سے ایک جگہ جمع ہوگیا ہو** ۔ اَلتَّرْبِیْبَۃُ کے معنے عہد و میثاق اور مملکت کے بھی ہیں*** ۔ کیونکہ اس سے ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ مل جاتی ہے ۔ (ابن فارس) ۔ اَلتَّرْبِیْبَۃُ (اس کی جمع رَبَائِبُ ہے (لغ)) یہ لفظ ان لڑکیوں کے لئے استعمال ہوا ہے جو بیویوں کے ساتھ آجائیں اور ان کے پہلے شوہروں سے ہوں ۔ نیز وہ بکری جسے چراگاہ میں نہ بھیجا جائے بلکہ گھریلو چارہ پر پرورش کیا جائے تاکہ جس وقت ضرورت ہو اسکا دودھ دوہ لیا جاسکے** ۔

مندرجہ بالا تصریحات کے پیش نظر رَبٌّ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنی نشوونما دینے والا ۔ پایہ تکمیل تک پہنچانے والا ۔ انتظام کرنے والا ۔ اصلاح کرنے والا ۔ اسلئے قوم کے مدبر اور منتظم سردار کو رَبُّ الْقَوْمِ کہا جاتا ہے ۔ اور گھر کے مالک کو رَبُّ الْبَیْتِ** ۔ رَبُّ الْقَوْمِ کے معنی ہیں اس نے قوم کی سیاست کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ان پر سیادت کی** رَبٌّ کی جمع اَرْبَابٌ آتی ہے (۱۲/۳۹) ۔

بڑے بھائی کو بھی رَبٌّ کہا جاتا ہے**** ۔ اس اعتبار سے جہاں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ (فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا ... ۵/۲۴) ۔ تو اسکے معنی یہ ہوں گے کہ تو اور تیرا بڑا بھائی (ہارونؑ) دونوں جاؤ اور دشمن سے جنگ کرو ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے طنزاً کہا ہو کہ تو اور تیرا رب دونوں جا کر دشمن سے جنگ کرو ۔ اَلرَّبَّانِیُّ ۔ جس کی نسبت رب کی طرف ہو ۔ یا وہ معلم جو لوگوں کو بڑے بڑے علوم سے پہلے چھوٹے چھوٹے علوم کی غذا دیکر انکی ذہنی نشوونما کرے ۔ ہر صاحب علم کو بھی رَبَّانِیٌّ کہا جاتا ہے ۔ اور راسخ فی العلم کو بھی** ۔ انہی معنوں میں رِبِّیٌّ بھی استعمال ہوتا ہے ۔

قرآن کریم کی ابتدا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (۱/۱) سے ہوتی ہے ۔ یعنی کائنات کا ہر حسین گوشہ خدا کی صفت ربوبیت کا پیکر حمد و ستائش ہے ۔ کائنات میں ہر شے اپنے منہ سے کہہ رہی ہے کہ یہاں ایک عظیم الشان پروگرام کارفرما ہے جس میں ایک ادنیٰ سا بیج اپنی نشوونما کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا اپنے نقطہ تکمیل تک پہنچ جاتا ہے ۔ اسی کو خدا کا نظام ربوبیت کہتے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ اسی لئے قابل حمد و ستائش ہے کہ وہ ہر شے کو ربوبیت عطا کرتا ہے ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ جسطرح

* القرطبی جلد ۱ صفحہ ۱۰۶ ۔ ** تاج ۔ *** محیط ۔ **** منتہی الارب ۔

خدا کا یہ نظام ربوبیت خارجی کائنات میں از خود کارفرما ہے اسی طرح انسانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی داخلی اور معاشری دنیا میں اسی نظام ربوبیت کو نافذ کریں۔ اس کا طریق یہ ہے کہ رزق کے تمام سرچشمے تمام افراد کی پرورش کے لئے عام ہو جائیں اور ہر فرد اپنی اپنی استعداد اور صلاحیت کو دوسرے افراد کی نشوونما کے لئے وقف کر دے۔ اس طرح تمام نوع انسانی کی مضمر صلاحیتیں نشوونما پاتی ہوئی اپنے نقطۂ تکمیل تک پہنچ جائینگی۔ جو لوگ اس نظام کو قائم کر دیں گے وہ رَبَّانِیُّوْنَ کہلائینگے (۳/۷۸)۔ اور اس نظام کا قیام قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے ہوگا۔ یہی قرآن کریم کی ساری تعلیم کا مقصود و منتہیٰ ہے۔ یعنی دنیا میں نظام ربوبیت کا قیام۔ اسی کے لئے وہ معاشرہ وجود میں آتا ہے جسے اسلامی مملکت کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے مملکت مقصود بالذات نہیں ہوتی۔ وہ ذریعہ ہوتی ہے افراد انسانیہ کی ربوبیت کا۔ چونکہ ربوبیت میں انسان کی طبعی (جسمانی) زندگی کی پرورش بھی شامل ہوتی ہے اور اس کی ذات کی نشوونما بھی، اس لئے اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ تمام افراد کی بنیادی ضروریات زندگی بہم پہنچائے اور ایسے وسائل و ذرائع، ہر ایک کے لئے یکساں طور پر، مہیا کرے جن سے ان کی ذات کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ جب انسانی ذات کی اسطرح نشوونما ہو جائے تو موت سے بھی اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد آگے بڑھ جاتی ہے۔ اسے حیات آخرت کہتے ہیں۔ خدا کی ربوبیت کا سلسلہ وہاں بھی جاری رہتا ہے۔

"ربوبیت عالمینی"۔ بس یہ ہے اسلامی معاشرہ کا مقصود و منتہیٰ۔ یعنی تمام نوع انسانی کی ربوبیت بلا لحاظ نسل و رنگ اور بلا امتیاز خون و وطن۔ جب تک خدا کی یہ صفت، افراد۔ اور ان کے مجموعہ معاشرہ، میں منعکس نہیں ہوتی، ان کی زندگی اسلامی نہیں کہلا سکتی۔ یہ قرآن کریم کی پہلی آیت اور اس کی تعلیم کا نقطۂ آغاز ہے۔ جس کے اندر یہ صفت خداوندی منعکس ہوتی ہے، وہ پوری پوری محنت سے کماتا ہے اور اپنی ضروریات سے زائد سب کچھ، دوسروں کی نشوونما کے لئے دیدیتا ہے۔ اسی لئے اس معاشرہ میں، نہ جائدادیں کھڑی کرنے کا تصور پیدا ہو سکتا ہے، نہ دولت اکٹھی کرنے کا خیال۔ نہ رزق کے سرچشموں پر انفرادی ملکیت کا سوال پیدا ہوتا ہے، نہ دوسروں کی محنت کو غصب کر لینے کا خیال۔ قرآن کریم کا مقصود اسی قسم کے معاشرہ کی تشکیل اور قیام ہے

اور یہی معاشرہ ہے جو دنیا کو محسوس طریق پر دکھا سکتا ہے کہ خدا کا تجویز کردہ نظام کسقدر در خور حمد و ستائش ہے۔ یہ عملی تفسیر ہے۔ الحمد للہ رب العالمین کی۔

رُبَّ (حرف)

رُبَّ۔ رُبَ۔ رُبَّمَا۔ رُبَمَا۔ یہ ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں ہم اپنے ہاں ''اکثر و بیشتر،، کا لفظ بولتے ہیں۔ ''اکثر ایسا ہوتا ہے''۔ ''عام طور پر کہا جاتا ہے''۔ ''عموماً حالت یہ ہوتی ہے''۔ وغیرہ۔ نیز یہ تاکید اور شدت کو ظاہر کرنے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں، وہ بہتیرا چاہتے رہے۔ انہوں نے اس کے لئے کتنی ہی بار کوشش کی۔ وغیرہ۔ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ (۱۵/۲)۔ انکار کرنے والے بہتیرا چاہینگے کہ اے کاش وہ بھی مسلمان ہوتے۔ یا انکار کرنے والوں کی اکثر یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ بھی مسلمان ہوتے۔ یا یہ لوگ ہمیشہ اس حسرت میں رہیں گے کہ وہ بھی مسلمان ہوتے۔ اس کے بر عکس یہ حرف ان معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں ہم کہتے ہیں ''کبھی کبھی،،۔ قرآن کریم میں سیاق و سباق سے اس کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ حرف کن معنوں میں استعمال ہؤا ہے۔

ر ب ح

رِبْحٌ۔ تجارت میں چیزوں کے تبادلے سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اسے رِبْحٌ* کہتے ہیں*۔ ابن فارس نے بھی اس مادہ کے بنیادی معنی تجارت میں زیادتی، اضافہ اور کامیابی بتائے ہیں۔ رِبْحٌ و رَبَاحٌ۔ تجارت میں اضافہ و ترقی کو کہتے ہیں**۔ اَرْبَحَ النَّاقَۃَ۔ اسوقت کہتے ہیں جب کوئی شخص صبح کے وقت بھی اونٹنی کا دودھ دوہے اور پھر دوپہر کے وقت بھی۔ لیکن تَرَبَّحَ الرَّجُلُ کے معنے ہیں آدمی حیران رہ گیا***۔

قرآن کریم میں آیا ہے فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُھُمْ (۱۶/۲)۔ ''ان کی تجارت نے انہیں کوئی نفع نہ دیا،،۔

ر ب ص

تَرَبَّصَ۔ انتظار کرنا۔ کسی پر خیر یا شر واقع ہونے کا انتظار کرنا**۔ یا سودے وغیرہ کے سستا یا مہنگا ہونے کا انتظار کرنا یا کسی بات کے واقع ہونے یا زائل ہونے کا انتظار کرنا*۔

*راغب۔ **تاج۔ ***تاج و محیط۔

سورۃ بقرہ میں یہ لفظ ایلاء کے سلسلہ میں انتظار کیلئے آیا ہے - لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ . . . (۲/۲۲۶) ''جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیں ان کے لئے چار ماہ کی مدت تک انتظار ہے،،- یعنی وہ عورتوں کو اس حالت میں غیر معین عرصہ تک نہیں چھوڑ سکتے - انہیں چار ماہ کے اندر قطعی فیصلہ کرنا ہوگا کہ انہیں نکاح میں رکھنا ہے یا آزاد کر دیتا ہے - مُتَرَبِّصٌ - انتظار کرنے والا (۲۰/۱۳۵) -

ر ب ط

رَبَطَهٗ - اسے باندھ دیا - اَلرِّبَاطُ - وہ چیز جس سے کسی چیز کو باندھا جائے - اَلرَّابِطَةُ - تعلق - بندھن- ابن فارس نے اس مادے کے بنیادی معنی پختگی سے باندھنا اور جمے رہنا دئے ہیں - اَلرِّبَاطُ - کسی کام کو مسلسل کرتے رہنا - دشمن کی سرحدوں پر مسلسل پہرہ دیتے رہنا - رِبَاطُ الْخَيْلِ - سرحد پر حفاظت کیلئے فوج کے اڈے بنانا* - (۸/۶۰) -

سورۃ آل عمران میں ہے اِصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا (۳/۱۹۶) - اس میں رَابِطُوْا کے معنی اپنی حفاظت کا مستحکم انتظام کرنا ، اور ایک دوسرے سے جڑ کر رہنا یا مسلسل مقصد کے لئے سرگرم عمل رہنا ہیں -

رَبَطَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ - خدا نے اسے صبر و ضبط کی توفیق دی اور اسکے دل کو مضبوط کر دیا *- سورۃ انفال میں ہے وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۸/۱۱) - ''تا کہ وہ تمہارے دلوں کو تقویت دے اور اس کے ذریعے تمہارے قدموں میں ثبات عطا کر دے،، -

اِرْتِبَاطٌ - ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جانا - تعلق *-

ر ب ع

اَرْبَعَةٌ - چار کا عدد (مذکر کیلئے) (۲/۲۸۲) اور اَرْبَعٌ مؤنث کیلئے (۲۴/۶) - اَرْبَعُوْنَ و اَرْبَعِيْنَ - چالیس - (۲/۵۱) اَلرُّبْعُ اور الرُّبُعُ ایک چوتھائی* (۴/۱۲) رُبَاعَ - چارچار - (۴/۳) - رَابِعٌ - چوتھا (۱۸/۲۲) - ابن فارس نے کہا ہے کہ (''چار کے عدد،، کے علاوہ) اس کے بنیادی معنی کسی چیز پر قائم رہنا اور اسے اوپر اٹھانا بھی ہیں -

*تاج -

ر ب و

رَبَا - یَرْبُوْ - زیادہ ہونا - بڑھنا - پھولنا* - لِیَرْبُوَا فِی اَمْوَالِ النَّاسِ (۳۰/۳۹) - ''تاکہ لوگوں کے اموال میں بڑھوتی ہو'' - سبزی کا بڑھنا اور پھولنا (۲۲/۵) - رَبَا السَّوِیْقُ - اس نے ستو میں پانی ملایا اور اس طرح ستو پھولا* - رَابٍ - مونث رَابِیَۃٌ - وہ چیز جو اوپر چڑھ جائے - جو اوپر آجائے - زَبَدًا رَّابِیًا (۱۳/۱۷) - وہ خس و خاشاک یا جھاگ جو اوپر آجائے - اَخْذَۃً رَابِیَۃً - سخت گرفت - بہت زیادہ (بڑھی ہوئی) گرفت* - ایسی گرفت جو انسان کے اوپر چھا جائے اور اسے مغلوب کر دے - (۶۹/۱۰) - اَرْبٰی - زیادہ کثیر - مال و دولت میں زیادہ بڑھا ہوا* - (۱۶/۹۲) - رَبْوَۃٌ - زمین کا بلند حصہ - سطح مرتفع* - (۲۳/۵۰) - رَبَّیْتُہٗ - میں نے اسے بڑھایا، اسے غذا دی - اسے پالا - پرورش کیا** - (۱۷/۲۴) - اَلرِّبَا (الرِّبٰو) - وہ سود جو قرض پر وصول کیا جاتا ہے - رأس المال پر زیادہ لینا*** (تفصیل آگے آتی ہے) -

سورۃ آل عمران میں ہے لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً (۳/۱۳۰) - سود مت کھاؤ - تم سمجھتے ہو کہ اس سے دولت میں اضافہ ہوتا ہے - حالانکہ درحقیقت اس سے قومی سرمایہ میں کمی ہوتی ہے - (دیکھئے عنوان ض - ع - ف) - قرآن کریم نے جو معاشی نظام تجویز کیا ہے اس میں سود کی کہیں گنجائش نہیں - جب اس میں دولت کا جمع کرنا ہی منع ہے تو پھر سود تو کجا، اس میں قرضہ کا بھی سوال نہیں پیدا ہوتا - اس میں فالتو سرمایہ (Surplus Money) کسی فرد کے پاس رہتا ہی نہیں - سارے معاشرے میں بٹ جاتا ہے - قرآن کریم میں قرضہ وغیرہ کے متعلق جو احکام ہیں، وہ اس عبوری دور سے متعلق ہیں جب ہنوز قرآن کریم کا معاشی نظامِ ربوبیت متشکل نہ ہوا ہو -

سود تو ایک طرف - اُس نظام میں کسی کو عطیۃً بھی کوئی چیز اس نیت سے نہیں دی جاسکتی کہ اس سے زیادہ واپس ملیگی - وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا۟ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ (۳۰/۳۹)**** - جو کچھ تم لوگوں کو ان کے واجبات سے زیادہ دو اور اس سے غرض یہ ہو کہ اس میں بڑھوتی ہو تو نظام خداوندی میں اس میں بڑھوتی نہیں ہوسکتی - اس کی تفسیر (۷۴/۶) میں یہ کہکر

---

* تاج و محیط - ** اس کے لئے عنوان ر - ب - ب بھی دیکھئے - *** راغب -
**** تاج نے اس کے معنی ''عطیہ'' کئے ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ہر اس چیز کے لئے بولا جائے گا جو کسی کے واجب سے زیادہ دی جائے -

کر دی کہ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ کسی پر اس مقصد کے لئے احسان نہ کر کہ تجھے اُس سے زیادہ واپس ملے۔ اس نظام کی تو بنیاد ہی اِیْتَائِ زَکٰوۃ پر ہے۔ یعنی دوسروں کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچانا۔ اس لئے (۳۰/۳۹) میں رِبًا کے مقابلہ میں زَکٰوۃً آیا ہے۔

قرآن کریم نے اَلرِّبٰوٰ کو یہ کہہ کر حرام قرار دیا ہے کہ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوٰ (۲/۲۷۵)۔ "خدا نے بیع کو حلال ٹھہرایا ہے اور ربوٰ کو حرام"۔ سوال یہ ہے کہ ربٰو کسے کہتے ہیں؟ اس مقام پر قرآن کریم ربوٰ کو بیع کے مقابلہ میں لایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ربوٰ، بیع کی ضد ہے۔ بیع کیا ہے، اس کی تشریح، عنوان (ب۔ی۔ع) میں کی جا چکی ہے۔ اسے ایک نظر دیکھ لیجئے۔

جو کچھ ہم کسی دوسرے سے لیتے ہیں، اسکی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً عطیہ۔ اجرت۔ سود (عام معنوں میں)۔ منافع (تجارت میں)۔ جوئے کی جیت۔ اب دیکھئے کہ ان میں فرق کیا ہوتا ہے۔

(۱) عطیہ۔ اس میں نہ محنت کرنی پڑتی ہے، نہ سرمایہ لگانا پڑتا ہے۔ دینے والا اسے کچھ واپس لینے کے خیال کے بغیر، تحفۃً دیتا ہے۔ لہذا اسے لین دین کی مد میں نہیں لایا جا سکتا۔ اسلئے یہ شکل ہمارے زیر نظر موضوع سے خارج ہے۔

(۲) اُجرت۔ یہ محنت (Labour) کا معاوضہ ہوتا ہے۔ اس میں سرمایہ (Capital) کچھ نہیں لگایا جاتا۔

(۳) سود۔ اس میں دوسرے کو سرمایہ (Capital) دیا جاتا ہے اور اس سرمایہ پر، اصل سے کچھ زائد وصول کیا جاتا ہے۔ اس میں محنت کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

(۴) منافع (تجارت میں)۔ اس میں سرمایہ بھی لگایا جاتا ہے اور محنت بھی کی جاتی ہے۔

(۵) قمار۔ اس میں نہ سرمایہ لگایا جاتا ہے۔ نہ محنت کی جاتی ہے۔

قرآن کریم نے اصول یہ بیان کیا ہے کہ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳/۳۹)۔ "انسان کے لئے وہی ہے جس کے لئے وہ محنت کرے"۔ یعنی وہ صرف محنت کا معاوضہ جائز قرار دیتا ہے۔ سرمایہ (Capital) استعمال کرنے کا معاوضہ جائز نہیں قرار دیتا۔ چونکہ یہ اصول لوگوں کی نگاہوں کے سامنے

نہیں تھا اس لئے ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ بیع کے منافع اور ربوٰ میں فرق کیا ہے؟ ایک شخص سو روپے کی چیز خرید کر ایک سو دس روپے میں بیچدیتا ہے۔ اسے دس روپے اصل سے زائد ملتے ہیں۔ دوسرا شخص کسی کو سو روپے قرض دے کر اس سے ایک سو دس روپے وصول کرتا ہے۔ اس میں بھی اسے دس روپے اصل سے زائد ملتے ہیں۔ وہ یہ کہتے تھے کہ جب یہ دونوں، اصل پر زائد ہیں، تو ان میں فرق کیا ہے؟ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا (۲/۲۷۵)۔ وہ بیع اور ربوٰ کو ایک ہی بات سمجھتے تھے۔ لیکن قرآن کریم نے کہا کہ یہ دونوں ایک نوعیت کی چیز نہیں ہیں۔ بیع میں سرمایہ اور محنت دونوں صرف ہوتے ہیں۔ سرمایہ کے بدلے میں سرمایہ واپس آجاتا ہے، اور دکاندار کو اسکی محنت کا معاوضہ سرمایہ سے الگ ملتا ہے۔ یہ حلال ہے۔ لیکن ربو میں صرف سرمایہ لگتا ہے۔ محنت کچھ صرف نہیں ہوتی۔ لہذا اس میں جو کچھ زائد ملتا ہے وہ سرمایہ کا معاوضہ ہے، جو حرام ہے۔ لہذا قرآن کریم کی رو سے اصول یہ ٹھہرا کہ

(۱) محنت کا معاوضہ لینا حلال ہے۔ اور

(۲) سرمایہ پر زائد لینا حرام ہے۔

اگر تجارت میں بھی کوئی شخص، اپنی محنت سے زائد منافع لیتا ہے تو وہ ربوٰ ہے۔ (اس بات کا تعین معاشرہ کریگا کہ اس شخص کی محنت کا معاوضہ کیا ہونا چاہئے۔ وہ اس معاوضہ سے زیادہ منافع نہیں لے سکتا)۔ لہذا، ہر وہ کاروبار جس میں انسان صرف سرمایہ لگا کر، اپنے اصل سے زائد وصول کرے، قرآن کریم کی رو سے الربوٰ میں داخل ہوگا۔ خواہ وہ زمین کی پٹائی ہو یا کاروبار میں (Sleeping Partner) کا منافع میں حصہ۔ آجکل کی اصطلاح میں اسے (Un- earned Income) کہتے ہیں۔ یعنی وہ آمدنی جو محنت سے کمائی نہ جائے۔

اور جب نہ سرمایہ لگایا جائے نہ محنت کی جائے تو وہ آمدنی جوئے کی ہے۔ (دیکھئے عنوان ی۔س۔ر)۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ بیع (تجارت) میں انسان (Risk) لیتا ہے۔ یعنی اس میں نفع یا نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اور ربوٰ میں (Risk) نہیں ہوتا۔ لیکن یہ معیار تفریق صحیح نہیں۔ اگر کسی آمدنی کو حلال قرار دینے کی شرط (Risk) ہو تو جوا عین حلال ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں ہر داؤ میں (Risk) ہوتا ہے۔ بیع اور ربوٰ میں اصل فرق وہی ہے جسے اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ بیع میں رأس المال+ محنت کا

معاوضہ (اجرت) واپس ملتے ہیں۔ اور ربوٰ میں رأس المال + رأس المال کا معاوضہ ملتا ہے ۔ اجرت حلال ہے ۔ رأس المال کا معاوضہ حرام ہے ، خواہ وہ سود کے نام سے پکارا جائے یا تجارت کے "منافع" کے نام سے ۔ قرآن کریم کے معاشی نظام میں رأس المال پر اضافہ کسی شکل میں بھی جائز نہیں ہوگا۔ اگر تجارت اُس زمانہ میں ہوگی جب ہنوز افراد معاشرہ کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری معاشرہ نے اپنے اوپر نہیں لی (یعنی عبوری دور میں) تو رأس المال کے علاوہ اتنے منافع کی اجازت ہوگی جو دکاندار کی دن بھر کی محنت کے معاوضہ کے برابر ہو ۔ اور جب دوکاندار کی ضروریات زندگی بھی معاشرہ پوری کریگا تو تجارت میں اشیاء کی فراہمی بلا منافع ہوگی ۔ معلوم نہیں انسان کو قرآن کریم کے نظام معاش تک پہنچنے میں ابھی کتنا وقت لگے ۔ لیکن جتنا وقت بھی لگے ، انسان اپنے خود ساختہ جہنم سے اسی وقت نکل سکے گا جب اس نے قرآنی نظام اختیار کیا ۔ موجودہ نظام معیشت جس میں سرمایہ کے استعمال کے معاوضہ کو حلال و طیب سمجھا جاتا ہے ، قرآنی نظام کے خلاف اعلان جنگ ہے (۲/۲۷۹) ۔

ر ت ع

رَتَعَ ۔ یَرْتَعُ ۔ رَتْعًا ۔ سرسبز مقام میں سیر ہو کر کھانا پینا اور حسب مرضی گھومنا پھرنا ۔ رَتْعٌ کا لفظ دراصل جانوروں کے کھانے چرنے کیلئے آتا ہے اور جی بھر کر کھانے کے لئے، پھر استعارۃً انسانوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے*۔ جَمَلٌ رَاتِعٌ (جمع۔ ابِلٌ رِتَاعٌ) آزادی کے ساتھ کھانے پینے والا اونٹ ۔ اَلْمَرْتَعُ ۔ چراگاہ ۔ اَرْتَعَتِ الْاَرْضُ ۔ زمین میں گھاس اور چارہ بکثرت ہو گیا* ۔

سورۃ یوسف میں ہے کہ برادران حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ یوسفؑ کو ہمارے ساتھ باہر جنگل میں جانے کی اجازت دیجئے یَرْتَعْ وَ یَلْعَبْ (۱۲/۱۲) ۔ تاکہ یہ وہاں ہنسی خوشی سے کھائے پیے اور کھیلے کودے ۔ "یَرْتَعْ وَ یَلْعَبْ" کا تقریباً وہی مفہوم ہے جو آجکل ہمارے ہاں پکنک (Picnic) کا ہے ۔

ر ت ق

رَتْقٌ ۔ شگاف کو بند کر دینا، بھر دینا، ملا دینا ۔ نیز جڑی ہوئی اور ملی ہوئی چیز ۔ اِرْتَتَقَ الشَّیْءُ ۔ چیز مل گئی اور جڑ گئی ۔ اس میں

*تاج و محیط و راغب ۔

کہیں شگاف نہ رہا* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلرَّتْقُ جوڑنا اور ملانا ہے خواہ وہ خلقی ہو خواہ مصنوعی** ۔ قرآن کریم میں ارض و سمٰوٰت کے متعلق ہے کہ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۔ (۲۱/۳۰) ۔ شروع میں اس تمام مادی کائنات کا ہیولٰی ملا جلا تھا۔ پھر اس میں سے مختلف کُرّے الگ الگ ہو گئے ۔ (۴۱/۹) ۔ غور کیجئے کہ یہ اعلان چھٹی صدی عیسوی میں ہوتا ہے ۔ جب کسی انسان کے ذہن میں اسکا تصور تک بھی نہیں آ سکتا تھا کہ یہ مختلف اجرام شروع میں ایک ہی ہیولٰی تھے اور بعد میں یہ الگ الگ ہوئے ۔ آج سائنس کی تحقیقات نے اس اعلان پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے لیکن اُسوقت اِس حقیقت کو خالقِ کائنات کے سوا اور کون بیان کر سکتا تھا ؟

ر ت ل

اَلرَّتَلُ ۔ دانتوں کا موتیوں کی لڑی کی طرح سفید، آبدار، اور نہایت خوبصورت ترتیب کے ساتھ ہونا ۔ کسی چیز کا حسنِ تناسب کے ساتھ مربوط و مرتب ہونا ، حسنِ ترتیب اور حسنِ نظم لئے ہوئے ہونا ۔ اَلتَّرْتِيْلُ ۔ ایک قسم کی مکڑی جو اپنے جالے کو نہایت عمدہ حسن اور تناسب سے تنتی ہے*** ۔

قرآن کریم کے متعلق ہے وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (۲۵/۳۲) ۔ ہم نے اسے نہایت عمدہ ترتیب، تناسب اور نظم کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اس کے اجزاء کو نہایت خوبصورتی سے باہمد گر جوڑا ہے ۔ اسکی ساری تعلیم، ایک خاص نظم کے ساتھ، اسکے مرکزی فکر کے گرد گھومتی ہے ۔ نبی اکرمؐ سے کہا گیا وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (۷۳/۴) ۔ تم بھی اسے اسی طرح حسنِ نظم و تناسب کے ساتھ عمل میں لاتے چلے جاؤ۔

ر ج ج

اَلرَّجُّ ۔ ہلانا ۔ شدت سے حرکت دینا ۔ زلزلہ ڈال دینا ۔ کسی چیز کو ہلا کر اسکی جگہ سے ہٹا دینا، بے جگہ کر دینا ۔ اِرْتَجَّ الْبَحْرُ ۔ سمندر متموج اور متلاطم ہو گیا ۔ اَلرَّجَاجَةُ ۔ شیر کی کچھار**** ۔

قرآن کریم میں ہے اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا (۵۶/۴) ۔ جب زمین سخت حرکت سے متزلزل ہو جائیگی ۔ دوسری جگہ ہے ۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (۹۹/۱) ۔ ”جب زمین کو ہلایا جائیگا اس کا ہلایا

*تاج ۔ **راغب ۔ ***تاج و محیط ۔ ****تاج و محیط و راغب

جانا،، - یعنی پوری شدت سے ہلائی جائیگی - قرآن کریم کے اس قسم کے بیانات سے، کائنات کا طبیعی انقلاب بھی مقصود ہو سکتا ہے اور تمدنی انقلاب بھی -

ر ج ز

رِجْزٌ (اور رُجْزٌ) کے بنیادی معنے اضطراب پیہم اور مسلسل حرکت کے ہیں - اَلرِّجَزُ - اونٹ کی ایک بیماری کا نام ہے جس میں اسکی ٹانگیں یا جسم کا پچھلا حصہ اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ جب وہ کھڑا ہونے لگے تو اسکی ٹانگیں اور رانیں کپکپانے لگ جاتی ہیں اور وہ دو تین مرتبہ کوشش کرنے کے بعد اٹھنے کے قابل ہو سکتا ہے* -

رِجْزٌ - وہ عذاب ہے جس میں کوئی قوم اضطراب پیہم میں مبتلا رہے اور ایسی کمزور ہوتی جائے کہ اس کے لئے اٹھنا دشوار ہو جائے - عَذَابٌ مِنْ رِجْزٍ اَلِیْمٌ (۳۴/۵) - ''وہ عذاب جو درد ناک اضطراب ہے،،- دوسری جگہ ہے - رِجْزًا مِنَ السَّمَآءِ (۲۹/۳۴) - وہ تباہیاں اور بربادیاں جو خارجی حوادث کی رو سے آئیں - سورۃ اعراف میں ان مختلف قسم کی تباہیوں کو رِجْزٌ سے تعبیر کیا گیا ہے جو قوم فرعون کو پیش آئی تھیں - (۷/۱۳۴) -

سورۃ انفال میں ہے کہ ہم نے (بدر کے میدان میں) شیطان کے پیدا کردہ رِجْزٌ کو تم سے دور کر کے تمہارے دلوں میں تقویت اور پاؤں میں استقامت پیدا کر دی (۸/۱۱) - یہاں سے رِجْزٌ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں - یعنے پائے استقلال میں لغزش آ جانا - ایسی کمزوری پیدا ہو جانا جس سے دلوں میں اضطراب اور پاؤں میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہو جائے - اسلئے سورۃ المدثر میں جب نبی اکرمؐ سے کہا گیا کہ ''اب تو اس دعوت انقلاب کو لیکر اٹھ،، - تو اسکے ساتھ ہی کہا کہ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (۷۴/۵) - اس کمزوری کو جھٹک کر الگ کر دے جو اٹھنے میں لڑکھڑاہٹ کا موجب بن جائے - تم اور تمہارے رفقاء اپنے اندر اتنی قوت پیدا کر لو کہ تم اس بار گراں کو لیکر مردانہ وار اٹھ کھڑے ہو - اس سورۃ میں تخاطب تو نبی اکرمؐ سے ہے لیکن یہ تعلیم تمام جماعت کے لئے ہے - ایسا عظیم انقلاب اسی جماعت کے ہاتھوں برپا ہو سکتا ہے جس کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئے -

*تاج -

ر ج س

اَلرَّجْسُ ۔ سخت آواز ۔ کسی بہت بڑی اور مختلف قسم کی مخلوط چیزوں کی آواز کو کہتے ہیں ۔ جیسے فوج یا سیلاب کا شور یا بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک ۔ رَجَسَتِ السَّمَآءُ ۔ بادل بڑے زور سے گرجا ۔ اِرْتَجَسَ الْبِنَآءُ ۔ عمارت اسطرح ہلی یا لرزی کہ اسکی آواز سنائی دی ۔ اَلرَّجَّاسُ ۔ سمندر کو کہتے ہیں کیونکہ اسمیں سخت اضطراب بھی ہوتا ہے اور شور بھی ۔ لہذا رِجْسٌ کے معنے ہوتے ہیں التباس ۔ شک ۔ تردد ۔ اضطراب ۔ کسی معاملہ کا صاف اور یکسو نہ ہونا ۔ هُمْ فِيْ مَرْجُوْسَةٍ مِنْ اَمْرِهِمْ ۔ وہ لوگ اپنے معاملہ میں شک ۔ اضطراب اور التباس میں ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اختلاط اور التباس کے ہیں ۔ گندگی کو بھی اَلرِّجْسُ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ لتھڑ اور چپک جاتی ہے ۔ اور خود اس میں بھی کئی آلائشیں ہوتی ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (۱۰/۱۰۰) ۔ ''جو لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے ان پر اللہ رجس ڈال دیتا ہے،، ۔ یہاں عقل سے کام نہ لینے کا نتیجہ رِجْسٌ بتایا گیا ہے ۔ لہذا معنے واضح ہیں ۔ یعنے شک ۔ التباس ۔ اضطراب ۔ نیز اسکے معنے ایسی باتیں ہیں جن کا ذکر تک بھی قبیح ہو اور ان میں بہت زیادہ قباحت ہو* ۔ نا خوش آئند امور ۔ قرآن کریم نے خَمْرٌ ۔ مَيْسِرٌ ۔ اَنْصَابٌ ۔ اَزْلَامٌ کو رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کہا ہے (۵/۹۰) ۔ اس میں قباحت اور نا پسندیدگی بھی ہے اور اضطرابی کیفیت بھی ۔ اسی طرح کھانے کی حرام چیزوں کے متعلق کہا ہے ۔ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ (۶/۱۴۶) ۔ رَجَسَهٗ عَنِ الْاَمْرِ کے معنے ہیں ، اُس نے اسے اس کام سے روک دیا* ۔ لہذا رِجْسٌ وہ کام ہیں جن سے انسانی شرف کے نشو و نما میں خلل اور رکاوٹ پیدا ہو جائے ۔ تاج نے کہا ہے کہ اس سے وہ کام مراد ہیں جو انسان کو عذاب (تباہی) کیطرف لے جائیں ۔ بات ایک ہی ہے ۔ مِرْجَاسٌ اس پتھر کو بھی کہتے ہیں جو یہ دیکھنے کے لئے کنویں میں لٹکایا جائے کہ پانی کی گہرائی کس قدر ہے* ۔

سورۃ احزاب میں اہل بیت نبویؐ کے متعلق ہے يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ (۳۳/۳۳) ۔ خدا چاہتا ہے کہ تم سے رِجْسٌ دور کر دے ۔ یعنے اضطرابات اور التباسات ۔ یا وہ موانع جو تمہاری صحیح

*تاج ۔

نشو و نما کے راستہ میں حائل ہوں - سورۃ انعام میں ایمان والوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کا سینہ اسلام کے لئے کھل جاتا ہے - اس کے بر عکس، غلط راستے پر چلنے والوں کا سینہ تنگ ہوتا ہے۔ ان کی سانس پھول جاتی ہے۔ اس کے بعد ہے کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۶/۱۲۶) - اس سے ظاہر ہے کہ رجس کے اندر دل کی تنگی - تعصب - تنگ نگہی ضد - ہٹ دھرمی - عقل و فکر سے کام نہ لینا - نیز شکوک - اضطراب وغیرہ سب کا مفہوم آ جاتا ہے - اسی بنا پر منافقین کو رجس مجسم کہا گیا ہے (۹/۹۵)۔ یعنی شکوک و اضطراب اور صحیح نظام کے راستے میں خلل اور رکاوٹ۔ بر عکس ایمان والوں کے (۹/۱۲۴-۲۵) -

ر ج ع

رُجُوْعٌ کے معنے ہیں پلٹنا - لوٹنا - واپس ہونا - اور رَجْعٌ کے معنی ہیں پلٹانا* - لیکن اس حقیقت کو شروع ہی میں سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے ہاں جس مفہوم کیلئے رجعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے وہ اس کا صحیح مفہوم نہیں - ہمارے ہاں رجعت سے مراد ہوتی ہے پسپائی - کسی کا اپنے مقام سے پیچھے ہٹ جانا - (رجعت پسند Re-actionary کو کہتے ہیں) - یعنے اسمیں تنزل - پستی اور اپنے مقام سے پیچھے ہٹ جانے کا پہلو نمایاں ہوتا ہے - بر عکس اسکے عربی زبان میں اسکے معنے یا تو اُسی پہلی حالت کی طرف رجوع کرنے کے ہوتے ہیں - اور یا اُس سے بہتر کیفیت لئے ہوئے - چنانچہ اَلرَّجْعَۃُ کسی عورت کو طلاق دینے کے بعد ، پھر ازدواجی تعلق قائم کر لینے (میاں بیوی بن جانے) کو کہتے ہیں - یعنی اُسی پہلی حالت کیطرف لوٹ آنے کو - اور لَیْسَ لِیْ مِنْ فُلَانٍ رَجْعٌ کے معنے ہیں مجھے اس شخص سے کوئی نفع نہیں پہنچا - یعنی اس کے ہاں سے کوئی چیز پلٹ کر نہیں آئی - اسی طرح عربوں کے ہاں ضرب المثل ہے مَا ھُوَ اِلَّا سَجْعٌ لَیْسَ تَحْتَہٗ رَجْعٌ - یہ نرا سجع ہی سجع ہے جسکے تحت کوئی (رجع) فائدہ نہیں - چنانچہ اَرْجَعَتِ الْاِبِلُ اُسوقت کہتے ہیں جب اونٹ لاغر ہو جانے کے بعد پھر قریب ہو جائے - اور سَفْرَۃٌ مُرْجِعَۃٌ اس سفر کو کہتے ہیں جس میں فائدہ ہو - مَتَاعٌ مُرْجِعٌ - بہت نفع بخش جنس - رَجِیْعٌ - اس رسی کو کہتے ہیں جسکے بٹ کھل گئے ہوں اور اسے دوبارہ بٹ دیا جائے* -

*تاج -

رَجْعٌ کے معنی پلٹانا ہیں - جو چیز گردش کرتی ہے وہ پلٹ کر اُسی مقام پر آتی ہے جہاں سے وہ چلی تھی - اس اعتبار سے دیکھئے تو ہر گردش میں رَجْعٌ پایا جاتا ہے - سورۃ الطارق میں ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (۸۶/۱۱) - اس کے معنی یہی معلوم ہوتے ہیں کہ کائنات کی بلند فضا یا اس کے اندر جو کرّے ہیں وہ گردش کرتے ہیں - اور جس مقام سے چلتے ہیں پلٹ کر وہیں آ جاتے ہیں - یا اس کے معنی ہیں وہ بلند فضا جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کروں کو یا دیگر اشیا کو پلٹاتی ہے - (اور انکی گردش سے کائناتی زندگی کے نئے نئے پہلو سامنے آتے ہیں) - پیچھے لوٹنے کے معنوں میں یہ لفظ (۳۶/۶۷) میں آیا ہے جہاں اس کے مقابلہ میں مُضِیًّا ہے جس کے معنی آگے چلنے کے ہیں -

رَجَعَ اِلَیْہِ کے معنے ہوتے ہیں کسی کی طرف امداد وغیرہ کیلئے رجوع کرنا - (Having a Recourse to)** - نیز رَجْعٌ کے معنے ردِ عمل (Reaction) یا نتائج مرتب ہو جانے کے بھی ہوتے ہیں - چنانچہ کہتے ہیں رَجَعَ الْعَلَفُ فِی الدَّابَّۃِ - جانور پر چارہ کا اثر نمایاں ہو گیا* - رَجَعَ کَلَامِیْ فِیْہِ - میری بات نے اس پر اثر کیا*- اَلرَّجِیْعُ مِنَ الْکَلَامِ کے معنے ہیں وہ بات جو خود کہنے والے کی طرف لوٹا دی جائے* -

ژالہ (اولے) کو بھی رَجْعٌ کہتے ہیں کیونکہ وہ اس پانی کو واپس دیدیتا ہے جو اس نے زمین سے حاصل کیا تھا - نیز بارش کو بھی* - اور اس پانی کو بھی جو سطح ارض پر بہ رہا ہو***- اس اعتبار سے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (۸۶/۱۱) کے معنی ہونگے وہ بلندی جو بخارات کو پانی (بارش) کی شکل میں پلٹا دیتی ہے -

قرآن کریم میں ہے صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (۲/۱۸)- ایسے مقامات پر یَرْجِعُوْنَ کا مفہوم سمجھنے کے لئے ایک بات کا تمہیداً سمجھ لینا ضروری ہے - جب نبی اکرمؐ نے اپنی دعوت پیش کی تو سامنے دو قسم کے لوگ تھے - ایک اہل کتاب، جو کسی وقت میں حق پر تھے لیکن بعد میں حق کے راستے سے ہٹ گئے - ان سے یہی کہا گیا کہ تم پھر حق کیطرف پلٹ کر آ جاؤ - وہ اس سے انکار کرتے تھے تو ان کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ حق کی طرف پلٹ کر نہیں آتے - لیکن دوسرا گروہ وہ تھا جن کی طرف حق پہلے پہل آیا تھا - وہ جب حق کیطرف نہیں آتے تھے تو ان کے

*تاج - **لین - ***محیط - ****کتاب الاشتقاق -

متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ حق کی طرف رجوع ھی نہیں کرتے ۔ اسکی طرف آتے ھی نہیں ۔ اسکی طرف توجہ ھی نہیں دیتے ۔ اس کے لئے بھی قرآن کریم نے لَا یَرْجِعُوْنَ کا لفظ استعمال کیا ھے ۔ ان مقامات میں صحیح ترجمہ ''رجوع کرنا،، ھوگا ۔ ویسے یہ بھی کہا جا سکتا ھے کہ وہ اپنی موجودہ غلط روش کو چھوڑ کر حق کیطرف نہیں پلٹتے ۔

سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسٰی؈ کے متعلق ھے فَرَجَعْنٰکَ اِلٰی اُمِّکَ (۲۰/۴۰) ۔'' ھم نے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹا دیا ۔،، سورۃ نور میں ھے ۔ وَ اِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا (۲۴/۲۸) ۔ ''اگر صاحب خانہ تم سے کہیں کہ واپس چلے جاؤ ۔ تو واپس ھوجاؤ'' ۔ حضرت یوسف؈ کے بھائی جب باپ کی طرف لوٹ کر آئے ھیں تو اس کے لئے فَلَمَّا رَجَعُوْا اِلٰی اَبِیْھِمْ ۔ کے الفاظ آئے ھیں (۱۲/۶۳) ۔

سورۃ النمل میں ھے کہ حضرت سلیمان؈ نے اپنے قاصد کو خط دیکر ملکۂ سبا کی طرف بھیجا تو اس سے کہا کہ خط دینے کے بعد پیچھے مڑ آنا ۔ اورپھر انتظار کرنا کہ انکا رد عمل کیا ھوتا ھے ۔ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ (۲۷/۲۸) ۔ سورۃ قٓ میں موت کے بعد دوبارہ زندگی کو رَجْعٌ کہا گیا ھے (۵۰/۳) ۔ یعنے مرنے کے بعد پھر زندگی کی طرف لوٹ آنا ۔ (اس دنیا کی طرف لوٹنا نہیں ۔ بلکہ مرنے کے بعد زندہ ھو جانا) ۔

اس مقام پر اس غلط تصور کا ازالہ ضروری ھے جو رَجْعَت اِلَی اللّٰہ کے غیر قرآنی مفہوم سے عام طور پر ذھنوں میں پیدا ھوتا ھے ۔ ھمارے ھاں کسی کی موت کی خبر سن کر کہا جاتا ھے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (۲/۱۵۶) ۔ اور اس کے معنے کئے جاتے ھیں ''ھم اللہ کے ھیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ھیں'' ۔ اس سے ذھن دو صورتوں کی طرف منتقل ھو جاتا ھے ۔ ایک تو یہ کہ ھم پیدا ھونے سے پہلے خدا کے پاس تھے اور مرنے کے بعد (حشر کے دن) ایک میدان میں جمع ھونگے جہاں اللہ تعالےٰ بھی ھونگے اور اس طرح ھم لوٹ کر اُس کی طرف چلے جائینگے ۔ یہ تصور اس لئے غیر قرآنی ھے کہ اس سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ھے کہ خدا کسی ایک مقام میں محدود ھے اور تمام انسانوں کو اس مقام کی طرف لوٹ کر جانا ھے ۔ خدا کے لئے کسی خاص مقام کا تعین باطل تصور ھے ۔ وہ ھر مقام پر ھے ۔ ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (۵۷/۵) ۔ مرنے کے بعد اگلی زندگی کی کیفیت کیا ھوگی ، اعمال کے جزا و سزا کا رنگ کیا ھوگا ۔ یہ وہ باتیں ھیں جن کی ماھیت اس زندگی میں

سمجھ میں نہیں آسکتی ۔ قرآن کریم نے اس باب میں جو کچھ کہا ہے اس کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں ۔ لیکن ایک بات بالکل واضح ہے۔ اور وہ یہ کہ مردوں کا کسی ایسے مقام کی طرف جانا جہاں خاص طور پر خدا موجود ہوگا قرآنی تصور کے مطابق نہیں۔قرآن کریم تو یہ بھی کہتا ہے کہ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (۸۹/۲۲)۔ تیرا رب اور ملائکہ صف در صف آئینگے ۔ وَجِآیٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ (۸۹/۲۳)۔ اُس دن جہنم لائی جائیگی ۔ خدا کے متعلق کسی خاص مقام یا سمت کا تصور جہاں ہم مرنے کے بعد جائینگے، قرآن کریم کی رو سے درست نہیں۔

دوسری صورت جسکی طرف ذہن (اِنَّا لِلّٰهِ ..... سے) منتقل ہوتا ہے تصوف کی پیدا کردہ ہے ۔ ویدانت (ہندؤوں کے ''تصوف'') کی رو سے یہ مانا جاتا ہے کہ انسانی روح (آتما) درحقیقت روحِ کائنات ، یعنی خدا (پر ماتما) کا ایک جزو ہے ۔ یہ جزو اپنے کل سے جدا ہوکر مادہ کی دلدلوں میں پھنس چکا ہے اور یہاں سے نکلنے کے لئے تناسخ کے چکر کاٹ رہا ہے ۔ آخر الامر یہ جزو پھر اپنے کل میں جا ملیگا جس طرح ، (اپنشد کے الفاظ میں) ''شام کو پرندے اپنے گھونسلوں میں واپس چلے جاتے ہیں'' ۔ ویدانت کا یہی تصور ہمارے تصوف میں آیا جسکی رو سے سمجھا جاتا ہے کہ '' انسانی روح*'' خدا کا ایک جزو ہے اور یہ جزو اپنے کل سے ملنے کے لئے مضطرب و بیقرار ہے ۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
از جدائیہا شکایت مے کند (رومی)

مرنے کے بعد نیک لوگوں کی روح اپنے کُل (خدا) میں جا ملیگی ۔ یہی زندگی کی کامیابی و کامرانی ہے ۔

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا (غالب)۔

'' اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ '' سے (ان کے نزدیک) مراد ہے جزو کا اپنے کل کی طرف لوٹ جانا اور اُس سے جا کر مل جانا ۔ اسی لئے یہ لوگ موت کو وصال کہتے ہیں ۔ (فلاں صاحب کا وصال ہو گیا ۔ یا فلاں بزرگ واصل بالحق ہو گئے) وصال کے معنے مل جانے کے ہیں ۔

یہ تصور بھی غیر قرآنی ہے، اسلئے کہ انسان اور خدا کا تعلق جزو اور کل کا نہیں ۔ کسی کل سے اگر کوئی جزو الگ ہو جائے تو کُل ناتمام رہ جاتا ہے ۔ اور یہ چیز ذات خداوندی میں نقص کا باعث ہے ۔ لہذا ، اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا یہ مفہوم بھی غلط ہے ۔

* '' انسانی روح '' کی ترکیب بھی غیر قرآنی ہے ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ر-و-ح)۔

سمت یا مقام کا تصور رَاجِعُوْنَ کے علاوہ اِلَیْہِ (اس کی طرف) کے لفظ سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی اسلئے کہ ہم اِلَیْہِ یا اِلَیْنَا سے خود ہی سمت مراد لے لیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں اس کا ہر جگہ یہی مفہوم نہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ۔ تو نے اس پر غور نہیں کیا کہ تیرا رب سائے کو کسطرح پھیلاتا ہے۔ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْہِ دَلِیْلًا۔ اگر وہ چاہتا تو اپنے قانون مشیت کی رو سے ایسا بھی کر سکتا تھا کہ سائے نہ گھٹتے نہ بڑھتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے سورج کو اس انداز سے بنایا ہے کہ وہ اسکے گھٹنے بڑھنے کی دلیل (موجب) بن گیا ہے۔ اسکے بعد ہے ثُمَّ قَبَضْنَاہُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا (۲۵/۴۶)۔ پھر ہم اسے (یعنے سائے) کو اپنی طرف (اِلَیْنَا) کھینچ لیتے ہیں، نہایت آسانی سے کھینچ لینا۔ اس آیت میں اِلَیْنَا کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ اس سے مراد کوئی خاص سمت نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ خدا کے قانون کائنات کے مطابق سائے سمٹ جاتے ہیں۔ لہذا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کا ایک مفہوم ''خدا کے قانون طبعی کے مطابق نقل و حرکت کرنا'' بھی ہے۔ مثلاً سورۃ آل عمران میں ہے وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ (۳/۸۳)۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اسکے قانون کے سامنے سربسجود ہے۔ طوعاً و کرہاً۔ اور اسطرح ہر شے کا قدم اُسی مرکز کی طرف اُٹھتا ہے۔ ہر شے اُسی محور کے گرد گردش کر رہی ہے۔ اُسی قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ سورۃ یٰسٓ میں ہے فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (۳۶/۸۳)۔ اللہ کی ذات (انسان کے خود پیدا کردہ غلط تصورات سے) بہت دور اور بلند ہے۔ ہر شے کی باگ ڈور اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ اس لئے ہر شے اس کے مقرر کردہ قانون کے مطابق گردش کرتی ہے۔ اس کا ہر قدم اسی قانون کیطرف اٹھتا ہے۔ اس سے وہ اِدھر اُدھر ہٹ نہیں سکتی۔ اور چونکہ ''اشیاء'' میں خود انسان بھی شامل ہیں اسلئے یہ بھی اس قاعدے سے مستثنےٰ نہیں۔ اس کا ہر عمل بھی قانونِ مکافات کی زنجیروں کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ اسلئے اس کا ہر قدم بھی اسی کی سمت اٹھ رہا ہے۔ (وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ)۔

اب یہاں سے ہم خارجی کائنات کے قانونِ طبیعی سے آگے بڑھ کر انسانی دنیا کے قانونِ مکافات کیطرف آ گئے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی متعدد آیات میں اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (یا اسی قسم کے دیگر الفاظ) آئے ہیں۔ مثلاً

ارشاد ہے کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۔ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۔ جب انسان اپنے متعلق یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں (ہر ایک سے مستغنی ہے) تو پھر سرکشی اختیار کر لیتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ لاکھ اپنے آپکو مستغنی سمجھے ۔ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى (۹۶/۸) ۔ وہ خدا کے قانونِ مکافات کے دائرے سے باہر جا ہی نہیں سکتا ۔ اسے بہرحال اسی قانون کی طرف آنا ہے ۔ اس حقیقت کو وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (۳۵/۴) سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یعنے یہاں ہر معاملہ کا فیصلہ اسی کے قانون کے مطابق ہوتا ہے ۔ سورۃ انبیاء میں ہے کہ تمام نوع انسانی ایک ہی جماعت اور ایک ہی برادری ہے لیکن لوگوں نے اپنی اپنی مفاد پرستیوں کی بنا پر اسے الگ الگ ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے ۔ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ (۲۱/۹۳) ۔ اسکے بعد ہے كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۔ اور اسکے بعد ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ (۲۱/۹۴) ۔ پس جو شخص صلاحیت بخش پروگرام پر کاربند رہتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو اسکی کوششیں بے نتیجہ نہیں رہتیں ۔ ہم ان سب کو لکھتے رہتے ہیں ۔ اس سے كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنے تمام انسانوں کے اعمال کے نتائج ہمارے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق مرتب ہوتے ہیں ۔ تمام اعمال اس محور کے گرد گردش کرتے ہیں ۔ ہر ایک کا قدم اسی کی طرف اٹھتا ہے ۔ کوئی اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا ۔ یہ لوگ ہمارے قانون کی خلاف ورزی کرکے بزعم خویش سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے دور جا رہے ہیں حالانکہ وہ ہمارے قانونِ مکافات کی طرف از خود کھنچے چلے آ رہے ہیں ۔ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۔ نیز دیکھئے (۶/۱۶۵ و ۲/۲۸۱-۸۲) جہاں مکافاتِ عمل کا مفہوم واضح طور پر سامنے آ جاتا ہے ۔

اعمال کے نتائج کے متعلق بھی ہمارے ذہن میں یہ تصور ہے کہ یہ نتائج صرف دوسری زندگی میں جا کر مرتب ہونگے ۔ یہ تصور بھی صحیح نہیں ۔ اعمال کے نتائج، عمل سرزد ہونے کے ساتھ ہی مرتب ہونا شروع ہو جاتے ہیں ۔ پھر ان میں سے بعض نتائج کا ظہور اسی دنیا میں ہو جاتا ہے اور بعض کا ظہور اسکے بعد کی زندگی میں ہوتا ہے ۔ لہذا قرآن کریم میں جہاں یہ آیا ہے کہ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۹/۹) ۔ اور جس کے معنے یہ کئے جاتے ہیں کہ ''تمہیں میری طرف لوٹ کر آنا ہے ۔ پس میں تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دونگا،،۔ تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ

جب انسان مرنے کے بعد خدا کی طرف جائیگا تو اعمال کے نتائج سامنے آئینگے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ تمہارے تمام اعمال ہمارے قانونِ مکافات کے گرد گردش کرتے ہیں ۔ اس قانون کی رو سے انکے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ تم اس کے احاطہ سے باہر نہیں رہ سکتے۔ اسی کی رو سے انکے نتائج تمہارے سامنے آجاتے ہیں ۔ چنانچہ خود نبی اکرمؐ سے کہا گیا کہ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (۴۰/۷۸)۔ ہم ان مخالفین کو جس سزا کی وعید دے رہے ہیں ہوسکتا ہے کہ اس میں سے کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ظہور میں آ جائے ۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسا تیری وفات کے بعد ہو۔ لیکن زود ہو یا بدیر۔ ان کے اعمال کے نتائج بہرحال ہمارے ہی قانون کے مطابق مرتب ہونگے ۔ یہ اس کے دائرے سے باہر جا نہیں سکتے ۔ (فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ) ۔

لیکن جن اعمال کے نتائج انسان کی اس زندگی میں سامنے نہیں آتے وہ اسکے بعد کی زندگی میں سامنے آ جاتے ہیں ۔ یہ ہے وہ مقام جہاں یہ آیا ہے کہ تم مرنے کے بعد بھی اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔ ''خدا کیطرف لوٹو گے،، ۔ یعنے تم یہ نہ سمجھ لو کہ اب تو ہم مر گئے اس لئے اب ہم پر کسی کی گرفت نہیں ۔ تم مرنے کے بعد بھی خدا کے قانون مکافات کی طرف جاؤ گے ۔ اس سے تمہارے لئے کہیں مفر نہیں ۔ یہ ہے قرآن کریم کی رو سے اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کا مفہوم ۔

بعض مقامات پر یہ لفظ ٹھیک ان معنوں میں بھی آیا ہے جن معنوں میں ہمارے ہاں رجوع کرنے کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (۳۶/۳۱) ۔ یہ لوگ اپنے رسولوں کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔

ان تصریحات کی روشنی میں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کا صحیح مفہوم سمجھئے ۔ قرآن کریم میں جہاں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ آیا ہے اس سے پہلی آیات میں یہ ذکر ہے کہ نظام خداوندی کے قیام و استحکام میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ۔ حتّٰیکہ اس میں جان تک بھی دیدینی پڑتی ہے ۔ اس اصولی حقیقت کو بیان کرنے کے بعد جماعتِ مومنین سے کہا گیا ہے کہ تمہارے سامنے بھی زندگی کے مختلف پہلو آئینگے۔ دشمنوں کی طرف سے ایذا رسانی کا خوف۔ بھوک ۔ اموال و ثمرات اور نفوس کا اتلاف۔ یہ سب کچھ ہوگا۔اسکے بعد ہے وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۔ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (۲/۱۵۶)۔تو خوشگوار نتائج کی بشارت دیدے ان لوگوں کو جن کی کیفیت یہ ہے کہ

انہیں جب بھی اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں تو وہ دل کے پورے اطمینان سے کہدیتے ہیں کہ اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں ۔ ہماری ساری زندگی خدا (کے نظام) کیلئے وقف ہے ۔ اور ہم ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کیلئے اُسی کے قانون کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ یا یہ کہ جب ہماری ساری زندگی اُسکے نظام کیلئے وقف ہے تو یہ مشکلات و مصائب ہمیں اسکے راستے سے ہٹا نہیں سکتیں ۔ ان کے علی الرغم ہمارا ہر قدم اُسی کی طرف اٹھتا ہے ۔ ہماری ہر حرکت اسی محور کے گرد گردش کرتی ہے ۔ (اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) ۔ اور ہماری اس جد و جہد کے نتائج بھی اسی کے قانون کے مطابق مرتب ہونگے جس پر ہمیں پورا پورا بھروسہ ہے ۔ جتنے موانعات آنا چاہتے ہیں آئیں ۔ جتنی رکاوٹیں کوئی ڈالنا چاہتا ہے ڈال لے ۔ ہم ان سے گھبرا کر اپنا رخ کسی دوسری سمت کو کبھی نہیں موڑینگے ۔ ہمارا ہر قدم، بہر حال و بہر طور، اسی منزل کی طرف اٹھیگا جو ہمارے خدا نے ہمارے لئے متعین کی ہے اور جو ہماری زندگی کا منتہی و مقصود ہے ۔ (اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) ۔ اس کے بعد ہے اُولٰئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَ رَحْمَۃٌ وَ اُولٰئِکَ ہُمُ الْمُہْتَدُوْنَ (۲/۱۵۵-۵۷) ۔ یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ کی طرف سے تبریک و تہنیت کے پھولوں کی بارش ہوتی ہے ۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا قدم صحیح راستے پر اٹھ رہا ہے۔ ''اُولٰئِکَ ہُمُ الْمُہْتَدُوْنَ'' خود ''اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' کی تشریح کر رہا ہے ۔

قرآن کریم کے ان مقامات سے واضح ہے کہ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے یہ معنے نہیں کہ خدا کسی خاص مقام میں ہے اور ہم لوٹ کر اُس مقام کی طرف اسکے پاس جائینگے ۔ نہ ہی یہ کہ ہماری ''روح'' اُس کل کا ایک جزو ہے اور یہ جزو آخرالامر اپنے کل سے جا ملیگا ۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ساری زندگی، نظامِ خداوندی کیلئے وقف ہے ۔ (اِنَّا لِلّٰہِ) ۔ اور دنیا بھر کی مشکلات و مصائب کے باوجود ہمارا ہر قدم اُسی نظام کی طرف اٹھتا ہے ۔ اُسی سے ہم توانائیاں حاصل کرتے ہیں اور اس کی رو سے ہمارے اعمال نتیجہ خیز ہوتے ہیں ۔ ہماری زندگی کی ہر حرکت اسی محور کے گرد گھومتی ہے ۔ وہی ہمارے دائرۂ حیات کا مرکز ہے ۔ ہماری تمام تگ و تاز کا رخ اسی قبلہ کی طرف ہے ۔ (اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) ۔ نیز یہ کہ ہمارا ہر عمل اس کے قانون مکافات کیطرف کشاں کشاں چلا جاتا ہے ۔ وہ اس سے اِدھر اُدھر کہیں ہٹ نہیں سکتا ۔ وہ نتیجہ خیز ہو کر رہتا ہے، خواہ اس کا نتیجہ اس زندگی میں سامنے آ جائے یا مرنے کے بعد دوسری زندگی میں ۔ اس لئے کہ اس کا قانون مکافات اسی دنیا تک محدود نہیں ۔

ر ج ف

اَلرَّجْفُ ۔ کسی چیز کا متحرک ہو جانا ۔ یا لرز اٹھنا۔ اس میں حرکت کے ساتھ اضطراب اور پریشانی کا ہونا ضروری ہے ۔ رَجْفُ الْقَلْبِ ۔ گھبراہٹ کی وجہ سے دل کا شدید اضطراب*۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلرَّجْفُ ۔ اضطراب شدید کو کہتے ہیں** ۔ اَلرَّاجِفُ ۔ لرزہ کے ساتھ بخار ۔ اَرْجَفَتِ الرِّیْحُ الشَّجَرَ ۔ ہوا نے درختوں کو ہلا ڈالا ۔ رَجَفَتِ الْاَرْضُ ۔ زمین متزلزل ہوئی ۔ اَلرَّجْفَةُ ۔ زلزلہ ۔ اَلرَّاجِفَةُ ۔ فتنوں کو بیدار کرنے والی، بے حقیقت، اضطراب انگیز خبریں* ۔ اس سے فعل اَرْجَفَ آتا ہے۔ اَلْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ (۳۳/۶۰) ۔ شہر میں ایسی خبریں پھیلانے والے لوگ جن سے خواہ مخواہ اضطراب پیدا ہو جائے* ۔

قرآن کریم میں قوم ثمود کے متعلق ہے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (۷/۷۸) ۔ ''انہیں زلزلہ نے آن پکڑا،، ۔ سورۃ فَازِعٰت میں ہے ۔ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (۷۹/۶) ۔ ''جس دن کانپ اٹھنے والی کانپ اٹھیگی،، ۔ دوسری جگہ ہے یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ (۷۳/۱۴) ۔ جسوقت نچلے درجہ کے لوگ (عوام) سخت اضطراب میں ہونگے ۔ یا جسدن زمین لرز اٹھیگی ۔

ر ج ل

رِجْلٌ ۔ (جمع اَرْجُلٌ) ۔ پاؤں (۳۸/۴۲) ۔ رِجَالٌ ۔ پا پیادہ چلنے والے (یہ رَاجِلٌ کی جمع ہے) بمقابلہ رُکْبَانًا (۲/۲۳۹) نیز خَیْل (رسالہ) کے مقابلہ میں رَجِلٌ بمعنی پیادہ لشکر (۱۷/۶۴)۔ رَجُلٌ ۔ مرد ۔ جمع رِجَالٌ (۲/۲۲۸) لوگ ۔ اشخاص (۷/۴۶) ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ مرد کو اس کی قوت اور بہادری کی بنا پر رَجُلٌ کہا جاتا ہے ۔ اسی بنا پر راغب نے کہا ہے کہ جَآءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰى (۳۶/۲۰) اور وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (۴۰/۲۸) میں رَجُلٌ کے معنے قوی اور بہادر آدمی کے ہونگے*** ۔ (ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بیشتر مشتقات ٹانگ کے معنوں سے مشتق ہیں لیکن الرَّجُلُ بمعنی مرد اس معنے سے جداگانہ مفہوم رکھتا ہے۔

ر ج م

رَجْمٌ کے اصلی معنی ہیں پتھروں سے مارنا (ابن فارس) ۔ پھر اس کے معنے قتل کرنے کے بھی ہوگئے ۔ نیز تہمت لگانا اور گالی دینا ۔ جھڑک کر

* تاج و محیط ۔ **راغب ۔ ***تاج و راغب و محیط ۔

نکال دینا ۔ کسی کو چھوڑ دینا یعنے قطع تعلق کر لینا* ۔ نیز اَلرَّجْمُ کے معنے ہیں کسی کو مطعون کرنا* ۔ اَلرِّجَامُ ۔ پتھروں کو کہتے ہیں ۔ اور مِرْجَامٌ (Sling) یعنی گوپھیا کو جس سے پتھر کو دور پھینکا جاتا ہے**۔

سورۃ یٰسٓ میں ہے لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ (۳۶/۱۸) ۔ ''اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دینگے''۔ یا قتل کر دینگے۔ سورۃ شعراء میں ہے لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (۲۶/۱۱۶)۔ ''تو ان میں سے ہوگا جنہیں سنگسار یا قتل کر دیا جاتا ہے'' ۔ سورۃ حجر میں شیطان کو رَجِيْمٌ کہا گیا ہے جس کی تفسیر یہ کہکر کر دی گئی اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ (۱۵/۳۵-۳۴) ۔ لہذا رَجِيْمٌ اور مَلْعُوْنٌ ہم معنے ہیں ۔ (مَلْعُوْنٌ کے لئے دیکھئے عنوان ل۔ع ۔ن) ۔ یعنے وہ جو خدا کی نوازشات سے محروم رہ جائے ۔ جو اس سے دور ہو جائے ۔ جس سے قطع علائق کر لیا جائے ۔ جس سے کچھ واسطہ نہ رکھا جائے ۔

رَجْمٌ ۔ اٹکل پچو باتیں کرنا ۔ چنانچہ حَدِيْثٌ مَّرْجُوْمٌ کے معنے ہیں ایسی ظنی بات جس کی حقیقت معلوم نہ ہوسکے* ۔ رَجَمَ الرَّجُلُ بِالْغَيْبِ کے معنے ہیں اس آدمی نے غیب کے متعلق ایسی بات کہی جسے وہ جانتا نہیں ۔ قَالَهٗ رَجْمًا۔ اس نے یونہی اٹکل پچو بات کہہ دی** ۔ سورۃ کہف میں ہے کہ یہ لوگ جو اصحاب کہف کی تعداد بتاتے ہیں یونہی رَجْمًا بِالْغَيْبِ (۱۸/۲۲) باتیں کہتے ہیں ۔ یعنی قیاس آرائیاں کرتے ہیں ۔ بے جانے بوجھے (حقیقت کا علم رکھے بغیر) اٹکلیں دوڑاتے ہیں ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے بھی اَلرَّجْمُ کے معنی اَلظَّنُّ لکھے ہیں ۔

زمانہ قدیم میں مندروں اور معبدوں میں کاہن ہوتے تھے جو لوگوں کو غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے ۔ (اب بھی مندروں کے پجاری اور خانقاہوں کے پیشوا یہی کچھ کرتے ہیں) ۔ ان کا دعویٰ یہ ہوتا تھا کہ ہم بہ باتیں ''آسمان'' سے سنکر آتے ہیں ۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر کہا ہے کہ یہ سب رَجْمًا باتیں کرتے ہیں ۔ یعنے محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں ۔ ان میں سے کبھی کبھار کوئی بات ٹھیک بھی نکل آتی ہے (جیسے دس قیاسی باتوں میں سے ایک آدھ ٹھیک نکل آیا کرتی ہے) ورنہ انہیں علم و حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ دیکھئے (۱۸/۲۲ و ۳۷/۶-۹ و ۶۷/۵ و ۷۲/۸-۹) ۔ نزول قرآن کے بعد علم و بصیرت کا زمانہ آگیا، اس لئے اس قسم کی توہم پرستیوں کیلئے اب کوئی گنجائش نہ رہی ۔ اب ان خرافات کو ''آسمان سے آتشیں کوڑے'' پڑتے ہیں ۔

---

*تاج ۔ ** لین ۔ *** محیط ۔

جیسا کہ (ل۔ ع۔ ن) کے عنوان میں بتایا جائیگا، قرآن کریم کی رو سے لَعْنَت گالی نہیں بلکہ ایک حقیقت کا بیان ہے۔ یعنی غلط روش کی بنا پر زندگی کی ان خوشگواریوں سے محرومی جو قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا لازمی نتیجہ ہیں۔ جسے اس طرح خوشگواریوں سے محروم کر دیا گیا ہو وہ مَلْعُوْنٌ کہلائیگا۔ یہی معنی رَجِیْمٌ کے ہیں۔ یعنی دور پھینکا ہوا۔ یعنی جو ان خوشگواریوں سے محروم ہو۔ اسکے متعلق ہمیں تاکید کی گئی ہے کہ اس سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ اس سے کچھ واسطہ نہ رکھا جائے۔ اس سے دور دور رہا جائے۔ ہر وہ قوت یا جذبہ جو ہمیں قوانینِ خداوندی کے خلاف سرکشی پر آمادہ کرے یا جہالت اور بے بصری کیطرف مائل کرے، اس قابل ہے کہ اس سے دور دور رہا جائے۔ اسی کو ملعون یا رجیم کہا جائیگا۔

ر ج و

الرَّجَاءُ۔ امید (یَأْس کی ضد ہے)*۔ بالعموم یہ ایسی امید کو کہتے ہیں جو موہوم نہ ہو۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ ایسے ظن کے لئے بولا جاتا ہے جس میں مسرت حاصل ہونے کا امکان ہو۔ لیکن چونکہ خوشی اور ڈر دونوں لازم ملزوم ہیں اس لئے پھر یہ ایسے ظن کے لئے بھی بولا جانے لگا جس میں خوف ہو۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَمَل اور رَجَاء میں فرق یہ ہے کہ اَمَل قوپسندیدہ امر کے لئے آتا ہے اور رَجَاء پسندیدہ اور غیر پسندیدہ دونوں کے لئے**۔ ازھری نے کہا ہے کہ رَجَاء کے ساتھ اگر حرف نفی ہو تو اسکے معنے خوف کے آتے ہیں*۔ ابن قتیبہ نے بھی لَا یَرْجُوْنَ کے معنی لَا یَخَافُوْنَ کئے ہیں (القرطبی۔ جلد ۱)۔ ابن فارس نے بھی کہا ہے کہ بعض اوقات رَجَاء کا لفظ بول کر خوف، کے معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ اَلْاِرْجَاءُ۔ موخر کرنا۔ کسی چیز کو پیچھے ہٹا دینا۔ معاملہ کو ملتوی کرنا۔ اَلرَّجَا۔ کنارہ۔ کنویں کا کنارہ، اوپر سے نیچے تک*۔ طرف۔ جمع اَرْجَاءٌ (۶۹/۱۷)۔ مَرْجُوٌّ۔ جس سے امیدیں وابستہ ہوں (۱۱/۶۲)۔ مُرْجَوْنَ۔ جنہیں انتظار میں رکھا جائے۔ جن کا معاملہ تعویق میں ڈال دیا جائے۔ (۹/۱۰۶)۔ سورۃ شعراء میں ہے قَالُوْا اَرْجِهْ (۲۶/۳۶)۔ ”انہوں نے کہا کہ اسکے معاملہ کو تاخیر میں ڈال دو“۔ (نمز ۷/۱۱۱)۔ سورۃ احزاب میں ہے تُرْجِیْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْ اِلَیْكَ مَنْ تَشَاءُ (۳۳/۵۱)۔ یہاں تُرْجِیْ کے معنی ہیں پیچھے رکھنا۔ الگ ہٹا دینا۔ کنارے کی طرف ڈال دینا۔ بمقابلہ تُؤْوِیْ۔ اپنے پاس جگہ دینا۔

*تاج۔ **محیط۔

ر خ ب

رَحُبَ الشَّیْءُ رَحْبًا ۔ وسیع ہونا ۔ اَرْحَبَہٗ ۔ اس نے اسے وسیع کر دیا ۔ ابن فارس نے بھی اس مادے کے بنیادی معنی وسعت اور کشادگی بتائے ہیں ۔ طَرِیْقٌ رَحْبٌ ۔ وسیع راستہ ۔ مَرْحَبًا بِکَ ۔ تو کشادہ جگہ میں آیا ہے ۔ تجھ سے یہاں وسعت اور کشادہ ظرفی کا سلوک ہوگا ۔ رَحْبَۃٌ ۔ مکان کا صحن * ۔ قرآن کریم میں ہے وَضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (۹/۲۵) ۔ ”زمین اپنی فراخیوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی“ ۔ سورۃ ص میں اہل جہنم کے متعلق ہے لَا مَرْحَبًا بِکُمْ (۳۸/۶۰) ۔ ”تمہارے لئے کشادگی نہیں“ ۔ تمہیں کوئی خوش آمدید نہیں کہتا ۔ یہ ہے جہنم کی زندگی جس میں کوئی ایک دوسرے کو دیکھکر خوش نہ ہو ۔ جہاں کوئی کسی آنے والے کو مرحبا نہ کہے ۔ جہاں نہ دل میں کشادگی ہو نہ نگاہوں میں وسعت ۔ نہ کسی کے لئے پیشانی خندہ ہو نہ لب متبسم ۔ اگر ہوں بھی تو محض دکھاوے کے لئے ۔ دل میں ہر ایک ، دوسرے کیلئے کہے کہ لَا مَرْحَبًا بِکُمْ ۔ یہ مصیبت کہاں سے آگئی ؟

ر ح ق

رَحِیْقٌ ۔ خالص پرانی ، عمدہ خوشبو والی ، بہترین شراب ۔ وہ شراب جس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو ۔ اسی جہت سے ہر خالص شے کو رَحِیْقٌ کہتے ہیں ۔ مثلاً حَسَبٌ رَحِیْقٌ ۔ خالص حسب ۔ مِسْکٌ رَحِیْقٌ ۔ وہ مشک جس میں کچھ ملاوٹ نہ ہو * ۔

قرآن کریم نے اہل جنت کے سلسلہ میں رَحِیْقٍ مَخْتُوْمٍ (۸۳/۲۵) کہا ہے ۔ یعنی خالص مشروب ، اور پھر اسطرح محفوظ کیا ہوا کہ بعد میں بھی اس میں کسی قسم کی ملاوٹ کا امکان نہ رہے ۔ زندگی کی پاکیزہ سرور آور خوشگواریاں ۔

ر ح ل

اَلرَّحْلُ ۔ (جمع رِحَالٌ) ۔ کجاوہ ۔ ہر وہ چیز جسے اونٹ پر اسلئے باندھا جائے کہ اس پر سوار ہو کر سفر کیا جائیگا ۔ پھر یہ لفظ خود اونٹ کے لئے ، نیز جس چیز پر بیٹھا جائے ، یا جہاں اترا جائے ، نیز مکان کے لئے بولا جاتا ہے * اس لفظ کا اطلاق ان چیزوں پر بھی ہوتا ہے جن میں سامان وغیرہ رکھکر لادا جاتا ہے ۔ مثلاً خرجیں ۔ یا بوریاں * ۔ سورۃ یوسف میں ہے فِیْ رِحَالِہِمْ (۱۲/۶۲) ۔ ”ان کی بوریوں میں“ ۔

* تاج و محیط ۔

اَلرِّحْلَةُ ۔سفر*۔ نیز وہ جگہ جہاں کا انسان سفر کرے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی سفر جاری رکھنے اور سفر کرتے رہنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (۱۰۶/۲)۔ ''گرمی اور سردی کے سفر''۔ اَلْمَرْحَلَةُ ۔ وہ مسافت جسے آدمی ایک دن میں عادۃً طے کر لیتا ہو*۔ منزل۔

ر ح م

رِحْمٌ و رَحِيمٌ ۔ بطنِ عورت کا وہ خانہ جسمیں بچہ پرورش پاتا ہے اور اس غلاف میں خارجی اثرات سے محفوظ رہتا ہے* ۔ اس معنی میں رُحْمٌ بھی بولا جاتا ہے (راغب) ۔ رَحْمَةٌ وہ عطیہ جو کسی کی ظاہر و باطن کمی کو پورا کر دے (اور جسے ضرورت کے تقاضے کے مطابق دیا جائے)* ۔ عطیہ کے معنے یہ ہیں کہ وہ چیز بغیر قیمت اور بلا مزد یا بے معاوضہ دی جائے ۔ لہذا رَحْمَت وہ سامانِ نشو و نما ہے جو خدا کی طرف سے بلا معاوضہ ملتا ہے ۔ سورۃ روم میں ہے وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ (۳۶/۳۰) ''اور جب ہم لوگوں کو رحمت سے لطف اندوز کراتے ہیں تو وہ اس پر اترا جاتے ہیں ۔ اور جب ان پر ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں،، ۔ یہاں رحمۃ بمقابلہ سیئۃ آیا ہے ۔ لہذا اس سے مراد زندگی کی تمام خوشگواریاں مراد ہیں ۔ لیکن اس سے اگلی آیت میں رزق کی بسط و کشاد کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہاں رحمۃ سے مراد رزق (سامان زیست) ہے جو خدا کیطرف سے بلا مزد و معاوضہ ملتا ہے ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں والدین کے سلسلہ میں اولاد کی آرزو بتائی گئی ہے کہ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (۱۷/۲۴)۔ ''اے میرے رب تو ان کی نشو و نما کر جیسا انہوں نے مجھے اسوقت پالا تھا جب میں چھوٹا سا تھا،،۔ سامانِ رزق جو بارش سے پیدا ہوتا ہے، یعنے فصلیں، رَحْمَت ہیں (۳۶/۳۰ و ۴۲/۲۸)۔ زندگی کی خوشگواریاں (نَعْمَاءُ) جو بلا معاوضہ ملتی ہیں، رَحْمَت ہیں ۔ (۱۱/۹۰۱۰) ۔ قصۂ حضرت موسیٰؑ میں ہے کہ دو یتیم بچوں کا خزانہ جو دیوار کے نیچے مدفون تھا، اسے اللہ کے حکم سے اسطرح محفوظ کر دیا گیا تھا کہ وہ انہیں بلوغت کے بعد ملے ۔ اس خدائی انتظام کو رَحْمَت سے تعبیر کیا گیا ہے (۱۸/۸۲)۔

*تاج ۔ **محیط ۔

نیز رَحْمَۃٌ کے معنے کسی کو ڈھانپ لینے اور سامانِ حفاظت بہم پہنچانے کے بھی ہوتے ہیں* - اسی لئے قرآن کریم میں ضَرَرٌ کے مقابلہ میں رَحْمَۃٌ آیا ہے (۱۰/۲۱ و ۳۰/۳۳) اور سَیِّئَۃٌ کے مقابلہ میں بھی (۳۰/۳۶) - اور اَھْلَکَ کے مقابلہ میں رَحِیمَ بھی (۶۷/۲۸) -

چونکہ خدا کی ربوبیت کے معنے صرف انسانی جسم کی نشو و نما نہیں بلکہ اس کے شرفِ انسانیت (انسانی ذات۔ Self) کی نشو و نما (Development) بھی ہے جو اُس ضابطۂ حیات کی رو سے ہوتی ہے جو وحی کے ذریعہ ملتا ہے، اسلئے وحی کو بھی رَحْمَتٌ کہا گیا ہے - (۲/۱۰۵ و ۳۳/۳۴) - حقیقت یہ ہے کہ وحی کی راہ نمائی سب سے بڑا ذریعہ نشو و نما ہے جو یکسر وہبی طور پر ملتا ہے،اس لئے رحمتِ خصوصی ہے -

چونکہ خدا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ہے (یعنے تمام کائنات کو نشو و نما دینے والا اور نوعِ انسانی کی صلاحیتوں کی تکمیل کرنے والا) اس لئے اسنے سامانِ نشو و نما کا وہبی طور پر عطا کرنا اپنے ذمہ لے رکھا ہے - کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (۶/۵۴)- ''تمہارے رب نے سامانِ نشو و نما کا بہم پہنچانا اپنے اوپر واجب قرار دے رکھا ہے'' - اسطرح وہ کائنات کی ہر شے کو اپنے دامنِ ربوبیت و پردۂ رحمت میں لئے ہوئے ہے (۳۰/۵) - اسی لئے سورۃ فاتحہ میں، رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کے ساتھ ہی - اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - بھی آیا ہے (۱/۱-۲) - زبان کے قاعدے کے لحاظ سے رَحِیْمٌ کے معنے ہونگے عمومی طور پر مسلسل سامانِ نشو و نما بہم پہنچانے والا - اور رَحْمٰنٌ وہ جو کسی ہنگامی ضرورت کے ر شدت اور غلبہ کے ساتھ سامانِ رحمت بہم پہنچائے** - اول الذکر طریق نشو و نما کا عام ارتقائی ذریعہ اور ثانی الذکر کو انقلابی ذریعہ کہا جا سکتا ہے- یا دَورِ حاضر کے علم الحیات (Biology) کی اصطلاح میں اول الذکر (Progressive Evolution) ہوگی - اور آخر الذکر فجائی ارتقاء (Emergent Evolution) - یہ فرق تھوڑی سی وضاحت چاہتا ہے - سورۃ الرحمٰن میں ہے یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ - کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (۵۵/۲۹) - ارض وسمٰوٰت میں جو کچھ ہے (اپنی

* تاج- **المنار- رَحْمٰنٌ کا وزن فَعْلَانٌ ہے (جیسے عَطْشَانٌ - غَضْبَانٌ) اور رَحِیْمٌ کا وزن فَعِیْلٌ ہے (جیسے عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ وغیرہ) - فَعْلَانٌ ان صفات کے لئے آتا ہے جو شدید اور ہنگامی ہوں اور فَعِیْلٌ ان کے لئے جو لازم و ثابت ہوں -

نشو و نما کے لئے) خدا (کے ذرائع ربوبیت) کا محتاج ہے - پھر، ان چیزوں کا یہ عالم نہیں کہ وہ ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتی ہیں اس لئے انہیں ایک ہی قسم کا سامانِ نشو و نما ملتا رہتا ہے - یہ چیزیں ہر آن تغیر پذیر رہتی ہیں - ان کی حالت میں ہر وقت تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے - اس لئے ان کی نشو و نما کے تقاضے بھی بدلتے رہتے ہیں - رحم مادر کے اندر جنین کی نشو و نما کا تقاضا کچھ اور - بچے کی پرورش کا تقاضا کچھ اور - بڑے کی پرورش کا تقاضا کچھ اور - جب تک کوئی شے ایک حالت میں رہتی ہے، خدا کی صفت رحیمیت کے مطابق اس کی نشو و نما ایک انداز سے ہوتی جاتی ہے - لیکن جونہی اس کی حالت بدلتی ہے اس کی صفتِ رحمانیت کے مطابق اس کی نشو و نما کے انداز و طریق میں بھی ہنگامی تبدیلی آجاتی ہے - یوں عمومی ارتقاء اور ہنگامی ارتقاء کے قوانینِ خداوندی کے مطابق ہر شے اپنے نقطۂ آغاز سے منزل تکمیل تک پہنچ جاتی ہے - یہ ہے رب - رحمٰن اور رحیم سے مراد -

رِحْمٌ کے اعتبار سے اس لفظ کا اطلاق قرابت (رشتہ داری) پر بھی کیا جاتا ہے* - چنانچہ کہا جاتا ہے - بَیْنَہُمَا رِحْمٌ (ان دونوں کے درمیان قریبی قرابت داری ہے) - اَرْحَامٌ - رِحْمٌ کی جمع ہے (۳/۵) یعنی رحم مادر- نیز اسکے معنے رشتہ داری کے آتے ہیں - (۶/۳۳) - نیز (۴/۱) - اُولُوالاَرْحَامِ کے معنے رشتہ داروں کے ہیں (۸/۷۵) -

چونکہ رِحْمٌ میں نرمی ہوتی ہے اسلئے یہ لفظ سختی کے مقابلہ میں نرمی کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے - اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَہُمْ (۴۸/۲۹) - مخالفین کے مقابل میں سخت اور باہمد گر بہت نرم - سورۃ کہف میں اَقْرَبَ رُحْمًا (۱۸/۸۱) آیا ہے - اس کے معنی ہیں رشتے داری کا زیادہ پاس کرنے والا - لیکن ابن فارس نے الرَّحِمُ اور الرَّحْمَۃُ ہم معنے بتائے ہیں- اس لحاظ سے اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ زیادہ مہربان اور ہمدردی کرنے والا ، نرم خو اور فاکیش- ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی رقت (نرمی) اور تعطف و میلان کے ہیں -

چونکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر انسانی بچہ (اپنے پہلے ماں باپ کے گناہ کی پاداش میں) گنہگار پیدا ہوتا ہے اور یہ گناہ عمل سے زائل نہیں ہوسکتا ، اس لئے ان کے نزدیک نجات صرف خدا کے رَحِمْ (Mercy) سے ملتی ہے - رَحِمْ کا یہ تصور غیر قرآنی ہے - قرآن کریم کی رو سے فلاح و فوز (کامیابی و کامرانی) اعمالِ صالحہ کا فطری نتیجہ ہے اور یہ سب کچھ خدا

*تاج -

کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتا ہے جسے قانونِ مکافات عمل کہتے ہیں۔ اس قانون کا بنیادی اصول یہ ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (۵۳/۳۹)۔ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لئے وہ جد و جہد کرے۔ البتہ اس سعی و عمل کے لئے، انسان کو مختلف صلاحیتیں، خارجی کائنات میں سامانِ نشو و نما اور عقل کی راہنمائی کے لئے وحی کی روشنی، خدا کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ ملتی ہے، اس لئے یہ سب رَحْمٌ میں داخل ہے۔ یعنی یہ تمام نشو و نما خدا کی طرف سے مفت ملتا ہے۔ اب جو شخص ان چیزوں سے فائدہ اٹھا کر خدا کے قانون کے مطابق اپنی ذات کی نشو و نما کرلیگا (جو ایک صحیح معاشرہ کے اندر دوسروں کی ربوبیت سے ہوتی ہے) وہ زندگی کی خوشگواریوں سے بہرہ یاب ہو جائیگا۔ جو ایسا نہ کریگا، وہ ان سے محروم رہ جائے گا۔ اسے خدا کا قانون مکافات کہتے ہیں۔ لہذا انسان اپنی منزلِ مقصود تک خدا کی (Grace) سے نہیں بلکہ اپنے اعمال کے نتائج کی رو سے، خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق پہنچتا ہے۔ عیسائیت اور اسلام کا یہی وہ بنیادی فرق ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ

آں بہشتے کہ خدائے بتو بخشد ہمہ ہیچ
تا جزائے عملِ تست، چناں چیزے ہست

اسی بنیادی تصور سے قرآن کریم ایسی قوم تیار کرتا ہے جو اپنی جنت کے گل و لالہ اپنے خون جگر سے کھلاتی ہے۔ اور اپنا جہانِ نو خدا کے قانون مکافات کے مطابق اپنی قوت بازو سے پیدا کرتی ہے۔

ر خ و

اَلرَّخْوُ۔ نرم چیز۔ رَخُوَ الشَّیْءُ وَ رَخِیَ۔ رَخًا۔ کسی چیز کا نرم یا ڈھیلا ہو جانا۔ اِسْتَرْخٰی کے بھی یہی معنی ہیں۔ اَرْخَاہُ۔ رَاخَاہُ۔ اسنے اسکو نرم کردیا اَرْخٰی دَابَّتَہٗ: اسنے اپنے جانور کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور اسے اسکی حسب مرضی چلنے دیا۔ اَلرُّخَاءُ۔ نرم رفتار ہوا *۔ قرآن کریم میں ہے تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ رُخَاءً (۳۸/۳۶)۔ وہ (ہوا) اُس کے حکم سے نرمی اور سبک رفتاری اور آزادی سے چلتی تھی۔ فَرَسٌ رِخْوَۃٌ۔ سبک رفتار اور نرم خو گھوڑے کو کہتے ہیں*۔

ر د أ

اَلرِّدْءُ۔ بھاری بوجھ جو ایک دوسرے کے ہم وزن ہوں۔ رَدَأَ الشَّیْءُ بِہٖ۔ اس نے کسی چیز کے ذریعے کسی چیز کو سہارا دیا۔ تقویت

* تاج و راغب و محیط۔

دی ۔ مددگار بنایا ۔ اصل میں اَلرِّدْءُ مددگار، معین اور ناصر کو کہتے ہیں * ۔ جب کسی جانور پر اسطرح بوجھ لادا جائے کہ اسکے دونوں طرف کے بوجھ ہم وزن ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو رِدْءٌ کہتے ہیں ۔ وہ اسطرح ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں *۔

قرآن کریم میں ہے فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً (۲۸/۳۴) ۔ ''اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیجدے'' ۔

رَدِی** ۔ پیچھے پیچھے آنے والے کو کہتے ہیں لیکن بعد میں اسے مذموم شے کیلئے استعمال کرنے لگ گئے ** (کیونکہ عموماً پیچھے لگنے والی چیز اگلی سے کمتر ہوتی ہے) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے دو بنیادی معنی ہیں جو ایک دوسرے سے متبائن ہیں (۱) کسی چیز کا خراب یا ردی ہو جانا ۔ اور (۲) مدد کرنا ۔

ر د د

رَدَّ ۔ یَرُدُّ ۔ کسی کو لوٹا دینا ۔ واپس کر دینا ۔ رَدَّهُ عَنِ الْاَمْرِ ۔ اسنے اسے اس بات سے لوٹا دیا ۔ رَدَّ کے بعد اگر عَلٰی آئے تو اس میں تحقیر اور اہانت کا پہلو ہوتا ہے ۔ مثلاً رَدَّ عَلَيْهِ الشَّيْءَ ۔ اس نے اسکی چیز قبول نہ کی اور حقارت کے ساتھ اسے واپس کر دیا ۔ لیکن اگر اسکے بعد اِلٰی ہو تو اسمیں عزت و اکرام کا پہلو ہوتا ہے ۔ فَرَدَدْنَاهُ اِلٰی اُمِّهٖ (۲۸/۱۳) ہم نے موسٰی کو اسکی ماں کی طرف (عزت و اکرام کے ساتھ) واپس کر دیا ۔ (لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں) اَلرَّدُّ ۔ ردی شے ۔ دِرْهَمٌ رَدٌّ ۔ کھوٹا سکہ ۔ لَامَرَدَّةَ فِيْهِ ۔ اسمیں کوئی فائدہ (Return) نہیں ۔ اِرْتَدَّ الشَّيْءُ ۔ چیز واپس ہو گئی، پلٹ گئی ۔ * راغب نے لکھا ہے کہ الاِرْتِدَادُ اسی راستہ پر پلٹنے کو کہتے ہیں جس سے کوئی آیا ہو** ۔ تَرَدَّدَ اِلَيْهِ ۔ وہ اسکے پاس بار بار آیا گیا ۔ یہیں سے تَرَدَّدَ فِی الْاَمْرِ کے معنے ہیں کسی معاملہ میں مذبذب رہنا اور کسی فیصلہ تک نہ پہنچ سکنا ** ۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ (۲/۲۲۸) ان کے خاوندوں کا زیادہ حق ہے کہ انہیں واپس لے لیں ۔ سورۃ الشوریٰ میں ہے يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ (۴۲/۴۷) وہ دن جو آکر پھر واپس نہیں جائیگا ۔ جسے ٹالا نہیں جا سکیگا ۔ (۱۳/۱۱) میں خَيْرٌ مَّرَدًّا آیا ہے ۔ اس کے معنی ہیں انجام کار کے لحاظ سے نفع بخش ۔ سورۃ شوریٰ میں ہے هَلْ اِلٰی مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ (۴۲/۴۴) ۔ ''کیا اسکے واپس چلے جانے کی کوئی سبیل ہو سکتی ہے'' ؟ [فَرَدُّوْا اَيْدِيَهُمْ فِیْ اَفْوَاهِهِمْ (۱۴/۹) کیلئے

* تاج ۔ **راغب ۔

دیکھئے عنوان ی ۔ د ۔ ی] اس لفظ میں مآل اور انجام کار کا پہلو پوشیدہ ہوتا ہے ، اسلئے اعمال کے نتائج کے لئے اس کا استعمال عام طور پر ہوتا ہے ۔

سورۃ حٰمٓ السجدہ میں ہے اِلَیْہِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَۃِ (۴۱/۴۷) انقلاب کس وقت آئیگا ' اسکا علم خدا ہی کیلئے مخصوص ہے ۔ اس کا علم اُسی سے متعلق ہے ۔ اُسی کی طرف لوٹ کر جاتا ہے ، اور کسی کی طرف نہیں جاتا ۔ اور کسی کو اس کا علم نہیں ہوسکتا ۔ اوروں کو صرف قیاس اور اندازہ ہو سکتا ہے ۔ (نیز دیکھئے عنوان س ۔ و ۔ ع)

مَرْدُوْدٌ ۔ واپس کیا ہوا ، لوٹایا ہوا (۱۰/۹۶) ۔ سورۃ ہود میں ہے عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ (۱۱/۷۶) ۔ جسے واپس نہ کیا جا سکے ۔ جو آکر رہے ۔

سورۃ نحل میں ایک آیت ہے جو قرآنی نظام ربوبیت کے بنیادی اصولوں میں سے ہے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ مختلف افراد میں اکتساب رزق کی مختلف استعداد ہوتی ہے [اسکا مقصد ۴۳/۳۲ میں بیان کیا گیا ہے ۔ یعنی اس سے معاشرہ کے چھوٹے بڑے ، ہر قسم کے کام چلتے رہتے ہیں دیکھئے عنوان س ۔ خ ۔ ر] لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ جن لوگوں کو یہ استعداد زیادہ ملی ہے وہ اسکے ماحصل (رزق) کو اپنے ہی لئے مخصوص کر لیں ۔ یعنی وہ یہ سمجھ لیں کہ چونکہ یہ ہماری ہنرمندیوں سے حاصل ہوا ہے اسلئے ہم ہی اسکے مالک ہیں ۔ یہ غلط ہے ۔ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِہِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ فَہُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ (۱۶/۷۱) ۔ '' جن لوگوں کو یہ استعداد زیادہ ملی ہے وہ اپنے رزق کو اپنے زیردستوں کیطرف نہیں لوٹاتے (اس ڈر سے کہ) اسطرح یہ سب اس میں برابر کے شریک ہو جائیں گے '' ؟ بِرَآدِّیْ کا لفظ غور طلب ہے ۔ یہ نہیں کہا کہ انہیں بطور خیرات کے دیدیں ۔ کہا یہ ہے کہ یہ مالتو رزق ، درحقیقت اُن کیلئے ہے جو ان کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں اور جنہیں اسکی ضرورت ہے ، اسلئے جسکے لئے یہ ہے اُسی کی طرف اسے لوٹا دینا چاہیئے ۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اسکے معنے یہ ہیں کہ تم اس سے انکار کرتے ہو کہ کمانے کی استعداد اور رزق کے اسباب و ذرائع خدا کی نعمتیں ہیں جو اسکی طرف سے مفت ملی ہیں ۔ اَفَبِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ (۱۶/۷۱) ۔ '' کیا یہ لوگ جو اپنی زائد از ضرورت دولت کو ان کی طرف نہیں لوٹاتے جنہیں اسکی ضرورت ہے ، خدا کی نعمت سے انکار کرتے ہیں '' ؟ یہ ہے قرآن کریم کا سوشل آرڈر ۔ عمرانی اور معاشی نظام ۔ (اسکی تفصیل میری کتاب '' نظام ربوبیت '' میں ملیگی) ۔

ردف

اَلرِّدْفُ ۔ اَلرِّدِیْفُ۔ سوار کے پیچھے جو دوسرا شخص سوار ہو وہ اس کا رَدِیْفٌ یا رِدْفٌ کہلاتا ہے ۔ ایسے ہی ہر وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے پیچھے ہو۔ رَدِفَہٗ و رَدَفَہٗ ۔ اس کے پیچھے پیچھے ہونا* ۔ قرآن کریم میں ہے عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ رَدِفَ لَکُمْ (۲۷/۷۲) ۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے پیچھے آرہی ہو'' ۔ تمہارے بالکل قریب ہو۔ ساتھ لگی ہوئی ہو۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے پیچھے لگ بھی چکی ہو۔ مُرْدِفٌ ۔ اپنے پیچھے کسی کو سوار کرنے والا نیز کسی کے پیچھے لگنے والا* ۔ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ (۸/۹) ۔ ''یکے بعد دیگرے مسلسل آنے والے'' ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْمُرْدِفُ اگلے سوار کو کہتے ہیں جو اپنے پیچھے دوسرے شخص کو بٹھالے** ۔ رَادِفٌ ۔ پیچھے (یا قریب) آنے والا ۔ تَتْبَعُھَا الرَّادِفَۃُ (۷۹/۷) ۔ ''پیچھے آنے والی اس کے پیچھے آئیگی'' ۔ یعنے جزا و سزا کی ساعت ۔ خدا کا قانون مکافات ۔ ظہور نتائج کا وقت ۔ ہر عمل کا نتیجہ جو اسکے پیچھے لگا رہتا ہے ۔

ردم

اَلرَّدْمُ ۔ کسی خلا یا شگاف کو بند کردینا ۔ سَدٌّ بھی اس کا مترادف ہے ۔ لیکن رَدْمٌ میں سَدٌّ سے کچھ زیادہ مضبوطی پائی جاتی ہے ۔ رَدَمَ الْبَابَ ۔ دروازہ بند کر دینا۔ اسکا ایک تہائی حصہ بند کردینا*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی شگاف کے بند کردینے کے ہوتے ہیں ۔ سورۃ کہف میں ہے اَجْعَلْ بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَھُمْ رَدْمًا (۱۸/۹۵) ۔ اس سے پہلی آیت میں سَدًّا کہا گیا ہے (۱۸/۹۴) ۔ یعنی اس قوم نے ذوالقرنین سے کہا کہ ہمارے لئے ایک روک سی (سَدٌّ) بنا دے ۔ اس نے کہا کہ روک سی کیوں! میں تمہارے لئے اچھی خاصی اونچی دیوار (رَدْمٌ) بنائے دیتا ہوں ۔

ردی

رَدَیٰ و تَرَدّٰی ۔ (فی البئر) وہ کنویں میں گر پڑا (اس معنی میں رَدَی کے ساتھ رَدِیَ بھی بولاجاتا ہے) ۔ نیز پہاڑ سے گر کر مر گیا* ۔ مَا یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗ اِذَا تَرَدّٰی (۹۲/۱۱) ۔ جب وہ تباہیوں کے جہنم میں سر کے بل

* تاج ۔ **راغب ۔ ***تاج و راغب ۔

گریگا تو اس کا جمع کردہ مال اس کے کسی کام نہ آسکیگا ۔ راغب نے کہا ہے کہ تَرَدّیٰ کے معنے ہیں اپنے آپ کو تباہیوں کے سامنے پیش کر دینا ۔ یعنی جو شخص مال سمیٹ کر رکھتا ہے اور اسے انسانیت کی بہبود کے لئے کھلا نہیں رکھتا وہ تباہیوں کو آواز دیکر اپنے گھر بلاتا ہے۔ اَلْمُتَرَدِّیَۃُ ۔ اس جانور کو کہتے ہیں جو گر کر مرجائے ۔ اسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے (۵/۳) ۔ اس کے بعد اس لفظ کے معنے عام ہلاکت کے بھی لئے جاتے ہیں ۔ رَدِیَ فُلَانٌ ۔ وہ ہلاک ہو گیا ۔ فَھُوَ رَدٍ ۔ وہ ہلاک ہونے والا ہے ۔ اَرْدَاہُ غَیْرُہٗ ۔ اسے کسی نے ہلاک کر دیا** ۔ اَلرَّدٰی ۔ تباہی بربادی ۔ ہلاکت* ۔ (اَلرِّدَاءُ ۔ چادر) ۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے فَتَرْدٰی (۲۰/۱۶) ۔ تو ہلاک ہوجائے ۔ سورۃ حٰمٓ السجدہ میں ہے اَرْدَاکُمْ (۴۱/۲۳) ۔ اس کے معنے تباہ و برباد کر دینا ہیں ۔ اَلْمَرْدِیُّ ۔ پھینکے ہوئے پتھر کو کہتے ہیں** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس سادہ میں بنیادی معنی پھینکنے کے ہوتے ہیں ۔ ابن فارس نے اَلتَّرَدِّیْ کے معنے لاابالی پن سے کسی ہلاکت گاہ میں گر جانا بھی لکھے ہیں ۔ رَادَیٰ عَنِ الْقَوْمِ کے معنے ہیں اس نے قوم کی مدافعت میں پتھر پھینکے** ۔ (رِدْءٌ ۔ کے لئے عنوان دیکھئے ردا) ۔

ر ذ ل

اَلرَّذْلُ ۔ وہ چیز جس سے اس کے ردی اور نکما ہونے کی وجہ سے بے رغبتی کی جائے* ۔ اَلرَّذْلُ ۔ اَلرَّذَالُ ۔ اَلرَّذِیْلُ ۔ وہ آدمی جو دوسروں سے کمتر درجہ کا ہو ۔ حقیر اور کم مرتبہ انسان** ۔ نیز ردی اور نکمی چیز جس میں سے اچھی چیزیں نکال لی گئی ہوں*** ۔

اَلْاَرْذَلُ ۔ بہت زیادہ حقیر گھٹیا اور نکما ۔ اس کی جمع اَرْذَلُوْنَ اور اَرَاذِلُ آئیگی ۔ قرآن کریم میں ہے کہ قوم نوح کے سرداروں نے حضرت نوحؑ سے کہا تھا کہ جو لوگ تیری جماعت میں شامل ہوئے ہیں "ھُمْ اَرَاذِلُنَا" (۱۱/۲۷) ۔ وہ ہمارے معاشرے کے حقیر اور رذیل لوگ ہیں ۔

اَرْذَلِ الْعُمُرِ (۱۶/۷۰) عمر کا ردی حصہ ۔ بڑھاپے کا وہ حصہ جس میں حالت یہ ہوجاتی ہے کہ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ (۱۶/۷۰) ۔ انسان ان چیزوں کو بھی بھول جاتا ہے جن کا اسے پہلے علم ہوتا ہے ۔ حافظہ جاتا رہتا ہے ۔

* راغب ۔ ** تاج ۔ *** محیط ۔

رزق

رِزْقٌ - ہر وہ چیز جس سے نفع اٹھایا جائے - یا جو غذا خدا کی طرف سے ذی حیات کو بطور سامان نشو و نما ملے - بارش کو بھی رِزْقٌ کہتے ہیں اور مقررہ آمدنی کو بھی - چنانچہ مُرَتَّبْ رِزْقَۃٌ ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کی تنخواہیں یا راشن اور روزینے مقرر ہوں - نیز رِزْقَۃٌ اس سامان خوراک کو کہتے ہیں جو فوجی کو بطور راشن دیا جاتا ہے* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو وقت مقرر پر دینا - اسکے بعد بلا قید وقت ہر عطیہ پر اس کا اطلاق ہونے لگ گیا -

قرآن کریم نے تمام کھانے پینے کی چیزوں کو رِزْقُ اللہِ (۲/۶۰) کہا ہے - سورۃ حجر میں مَعَایِشَ اور رِزْقٌ ہم معنی استعمال ہوئے ہیں - (۱۵/۲۰) - لیکن چونکہ قرآن کریم کے نزدیک انسان کی زندگی صرف طبعی زندگی نہیں بلکہ زندگی موت کے بعد بھی مسلسل آگے چلتی ہے اس لئے اس کے نزدیک سامان نشو و نما کی ضرورت صرف طبعی جسم کی پرورش ہی کے لئے نہیں بلکہ انسانی ذات کی نشو و نما کے لئے بھی ہے - اس لئے قرآن کریم نے مرنے کے بعد انسانی ذات کی نشو و نما کے اسباب و ذرائع کو بھی رِزْقٌ سے تعبیر کیا ہے (۲۲/۵۸) - اس سے یہ بھی واضح ہے کہ جنت زندگی کے ارتقائی منازل میں سے ایک منزل ہے - وہاں بھی انسانی ذات کی نشو و نما کا سلسلہ جاری رہے گا - (تفصیل ج - ن - ن کے عنوان میں ملیگی) -

لہذا رِزْقٌ سے مراد ہیں وہ تمام اسباب و ذرائع جن سے انسانی جسم اور اس کی ذات کی نشو و نما ہوتی جائے - حقیقت یہ ہے کہ اگر دنیا میں سامانِ زیست (ضروریات زندگی) کی تقسیم قانونِ وحی کے تابع ہو (جسے نظام ربوبیت کہتے ہیں) تو انسانی جسم کی نشو و نما اور اسکی ذات کی نمود و بالیدگی بلا مشقت ہوتی چلی جاتی ہے - یہ نظام ان لوگوں کے ہاتھوں متشکل ہوتا ہے جن کے متعلق فرمایا کہ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (۲/۳) - جو کچھ سامانِ نشو و نما ہم انہیں دیتے ہیں، وہ اسے ربوبیتِ عامہ کے لئے کھلا رکھتے ہیں - اسے سمیٹ کر نہیں بیٹھ جاتے، اور نہ ہی تالے لگا دیتے ہیں، بلکہ اسے کھلا رکھتے ہیں (دیکھئے عنوان ن - ف - ق) - چونکہ یہ نظام قانونِ خداوندی کے تابع متشکل ہوتا ہے اس لئے اس نظام کی وساطت سے تقسیم رزق کے متعلق

*تاج -

اللہ نے کہا ہے کہ یہ رزق ہماری طرف سے ملتا ہے ۔ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ (۶/۱۵۲ و ۱۷/۳۱) ۔ ''ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہاری اولاد کو بھی'' ۔ اس طرح خدا کی یہ ذمہ داری کہ وہ ہر متنفس (چلنے والے) کو رزق دیتا ہے (۱۱/۶) بطریق احسن پوری ہوتی چلی جاتی ہے ۔ ورنہ (اگر ایسا معاشرہ قائم نہ ہو اور رزق کی تقسیم انسانوں کے خود ساختہ نظام کی رو سے ہوتو جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں) لاکھوں انسان بھوک سے مرجاتے ہیں اور کروڑوں ایسے ہیں جنہیں پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا ۔ غلط معاشرہ میں رزق کی ذخیرہ اندوزی شروع ہو جاتی ہے اور نچلے طبقہ کے لوگ نشو و نما سے محروم رہ جاتے ہیں ۔ صحیح (قرآنی) معاشرہ میں رزق کے سرچشمے تمام ضرورتمندوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہتے ہیں (۳۰/۱۰) ۔ اس لئے کہ جو کچھ زمین سے پیدا ہوتا ہے اس میں انسان کی صرف محنت (Labour) ہوتی ہے ۔ باقی سب کچھ قانونِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے ۔ لہذا انسان صرف اپنی محنت کے ماحصل کا حقدار ہے ۔ باقی سب کچھ خدا کا ہے اور اسے اس کے احکام کے مطابق تقسیم ہو جانا چاہئے ۔ (۵۱/۱۹ ، ۶۲/۱۱) ۔ (تفصیل ان امور کی میری کتاب نظام ربوبیت میں ملیگی جس میں قرآنی معاشرہ میں تقسیم رزق کے اہم مسئلہ کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے ۔) بہر حال اسے ایک مرتبہ پھر سن رکھنا چاہئے کہ جو حکومت قوانین خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے قائم ہوتی ہے (اسے اسلامی حکومت کہتے ہیں) اس کا بنیادی منشور یہ ہوتا ہے کہ تمام افراد مملکت کی بنیادی ضروریات زندگی (سامان رزق) بہم پہنچانے کی ذمہ داری مملکت کے سر ہے ۔ اس نظام میں ، رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت میں رہنے کے بجائے اُمت کی تحویل میں رہتے ہیں اور فاضلہ دولت بھی کسی کے پاس نہیں رہتی ۔ یعنی اس میں ہر شخص پوری پوری محنت سے کام کرتا ہے ۔ اپنی محنت کے ماحصل میں سے اپنی ضروریات کے مطابق رکھکر باقی سب دوسروں کی پرورش کے لئے عام کر دیتا ہے ۔ یوں مملکت ہر فرد کے رزق کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہوتی ہے ۔ خدا کے دیئے ہوئے رزق کی، خدا کے بندوں کی ضروریات کے مطابق تقسیم ، یہ ہے اسلامی حکومت کا بنیادی مقصد ۔

سورۃ واقعہ میں ہے وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ (۵۶/۸۲) ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہاں اس کے معنے نَصِيْب* یعنے حصہ کے ہیں** ۔ لیکن اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ تم قرآن جیسی کتاب کو اس لئے جھٹلاتے ہو کہ اس سے تمہاری روٹی چلتی رہے!

**راغب ۔

ر س خ

رَسَخَ - یَرْسُخُ - رُسُوْخاً - کسی چیز کا اپنے مقام پر محکم اور جائے گیر ہو جانا - رَسَخَ الْمَطَرُ - بارش کا پانی زمین میں جذب ہوگیا * - یہ اسوقت بولینگے جب بارش کا پانی اس حد تک زمین کے اندر چلا جائے کہ وہ زمین کی نمی سے جا سکے -

قرآن کریم میں اَلرّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ آیا ہے (۳/۷) - اسکے معنے ہونگے وہ لوگ جو علم میں پختگی حاصل کر لیں اور علم کی تہہ میں اتر جائیں - راغب نے کہا ہے کہ رَاسِخ* فِی الْعِلْمِ وہ ہے جو علم میں اس حد تک تحقیق کر چکا ہو کہ اسکا کوئی شبہ باقی نہ رہا ہو** -

قرآن کریم اپنی دعوت علی وجہ البصیرت پیش کرتا ہے اور اسے غور و فکر اور علم و تحقیق کی رو سے ماننے کی تلقین کرتا ہے - لہذا رَاسِخ* فِی الْعِلْمِ وہ شخص ہے جو اپنی تحقیق کی رو سے یقینی نتائج تک پہنچ جائے اور اسطرح اسکا ایمان علی وجہ البصیرت محکم ہو جائے - (آیت ۳/۷ کے مفہوم کے لئے، عنوان ح - ک - م کے تحت ، محکمات و متشابہات کی بحث دیکھئے)-

ر س س

اَلرَّسُّ - کھودنا - دبا دینا - یہیں سے میت کے دفن کرنے کو بھی رَسٌّ کہتے ہیں - پرانا کنواں خواہ پختہ ہو یا نہو - نیز اَلرَّسُّ کسی چیز کی ابتدا کو بھی کہتے ہیں - رَسُّ الْحُمّٰی وَ رَسِیْسُہٗ - بخار کی ابتدائی علامات - جیسے انگڑائیاں آنا * - راغب نے کہا ہے کہ اسکے معنے اس تھوڑے سے اثر کے ہوتے ہیں جو کسی چیز میں موجود ہوتا ہے ** - اَھْلُ الرَّسِّ - ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ابتداءً خود ہی کوئی جھوٹ گھڑیں اور پھر اسکی تشہیر کریں - یہ دراصل رَسَّ بَیْنَ الْقَوْمِ سے ماخوذ ہے جسکے معنے فساد اور عداوت پیدا کرنے کے ہوتے ہیں * - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی جم جانے کے ہیں -

قرآن کریم میں اَصْحٰبُ الرَّسِّ (۲۵/۳۸) عاد اور ثمود کے ساتھ کسی سابقہ قوم کے لئے آیا ہے - اسکے متعلق، لغت میں بہت سے اقوال ہیں - ایک قول یہ ہے کہ اَلرَّسُّ ایک وادی کا نام ہے - ممکن ہے اس وادی میں کوئی پرانا کنواں ہو جس سے اسکا نام ایسا مشہور ہو گیا ہو - ** لیکن اگر معنوی

* تاج - ** راغب -

خصوصیت مراد لی جائے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ وہ قوم غلط باتیں وضع کرکے لوگوں میں فساد ڈلوایا کرتی تھی۔ یا ایسی قوم تھی جس میں انکے نبی کی تعلیم کا یونہی سا اثر باقی رہ گیا تھا۔

ر س ل

رِسْلٌ کے اصلی معنے ہیں (کسی چیز کے سامنے جو رکاوٹ ہو اس کا دور ہو جانا اور اسطرح اس کا) اطمینان اور نرمی و سکون کے ساتھ چل پڑنا۔* چنانچہ نَاقَةٌ رَسْلَةٌ۔ نرم رفتار اونٹنی کو کہتے ہیں۔ اِبِلٌ مَرَاسِيْلُ۔ نرم رفتار اونٹوں کو۔ اسی سے رَسُوْلٌ ہے، جس کے معنے ہیں چل پڑنے والا، روانہ ہونے والا۔ پھر کبھی صرف نرمی اور سکون کے لحاظ سے علٰی رِسْلِكَ کہہ دیتے ہیں، یعنی تم اپنے حال پر سکون اور اطمینان سے جسطرح جی چاہے رہو۔ اور کبھی صرف چل پڑنے کے لحاظ سے رَسُوْلٌ کہدیا جاتا ہے*۔ نرمی کے اعتبار سے اَلتَّرَسُّلُ۔ نرم رفتار کو کہتے ہیں۔ اَلْاِسْتِرْسَالُ کے معنے ہیں جانور کی رفتار میں آہستگی **

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی انبعاث ہیں۔ یعنی چل پڑنا۔ اسی اعتبار سے جماعت اور گلہ کو اَلرَّسَلُ کہتے ہیں۔ جَاءَتِ الْخَيْلُ اَرْسَالًا۔ گھوڑے ٹکڑی ٹکڑی آئے**۔ (اس میں تسلسل کا پہلو بھی ہے)۔ اَلْاِرْسَالُ۔ (کسی کی طرف) بھیجنا۔ اَرْسَلَهٗ عَلَيْهِ۔ اسنے اسے کسی پر مسلط کر دیا۔ اَلرَّسُوْلُ۔ جو شخص خدا کی طرف سے بندوں کی طرف بھیجا جائے۔ خود وہ شخص بھی رَسُوْلٌ کہلاتا ہے اور اسکا پیغام بھی رَسُوْلٌ کہلاتا ہے۔ یعنے لفظ رَسُوْلٌ۔ رِسَالَةٌ اور مُرْسَلٌ دونوں معنوں میں آتا ہے**۔ یعنی پیغام اور جسے پیغام دیکر بھیجا گیا ہو، وہ۔ اَلتَّرْسِيْلُ فِی الْقِرَاءَةِ کے معنی ہوتے ہیں آہستہ آہستہ سنوار کر پڑھنا**۔ لہذا اَلرَّسُوْلُ کے معنی ہوئے جو شخص اپنے بھیجنے والے کی طرف سے مسلسل، بتدریج، نہایت نرم روی سے پیغام دے۔ نیز خود اسکا پیغام بھی اَلرَّسُوْلُ ہے۔

وہ حضرات جنہیں خدا کی طرف سے وحی ملتی ہے اور اس وحی کو وہ انسانوں تک پہنچاتے ہیں خدا کے رسول کہلاتے ہیں۔ قرآن کریم نے انہیں اَلْاَنْبِيَاءُ بھی کہا ہے اور رُسُلٌ بھی۔ نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہ ایک ہی ذات کے دو منصب ہیں۔ نبوت خدا کی طرف سے وحی کا

* راغب۔ **تاج۔ ***محیط۔

ملتا ہے اور رسالت اس وحی کا آگے پہنچانا ۔ نہ نبوت بغیر رسالت کے ہو سکتی ہے اور نہ رسالت بغیر نبوت کے ۔ (تفصیل اس اجمال کی ن ۔ ب ۔ ا کے تحت ملیگی جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول صاحب شریعت ہوتا ہے اور نبی بلاشریعت، یہ خیال غیر قرآنی ہے ۔ قرآن کریم نے رسول اور نبی میں اس قسم کی کوئی تخصیص نہیں کی ۔ ہر نبی صاحب کتاب تھا (۲/۲۱۳) اور ہر رسول بھی (۵/۲۵)

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، رسول کا فریضہ یہ ہے کہ وہ خدا کے پیغامات جو اسے بذریعہ وحی ملتے ہیں انسانوں تک پہنچائے۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں خدا کیطرف سے رسول ہوں۔ اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ (۷/۶۲) ۔ ''میں اپنے نشوونما دینے والے کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں''۔ نبی اکرمؐ کے متعلق ہے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (۵/۶۷) ۔ ''جو کچھ تیرے نشوونما دینے والے کی طرف سے تیری طرف نازل ہوا ہے اسے دوسروں تک پہنچا دے''۔ لہذا رسول اللہؐ کو جو کچھ خدا کی طرف سے ملا تھا آپ اسے خود اُمت کو دیکر گئے تھے ۔ اسے دوسروں پر نہیں چھوڑا تھا ۔

رسول، جنہیں انسانوں تک پیغام پہنچانے کے لئے چنا جاتا تھا، انسان ہوتے تھے (۱۸/۱۱۰) اور انسانوں میں سے بھی مرد (۱۶/۴۳ ؛ ۱۲/۱۰۹ ؛ ۲۱/۷) ۔ رسول سب سے پہلے خود اپنی وحی پر ایمان لاتا تھا کہ وہ من جانب اللہ ہے اور صداقتوں سے معمور (۲/۲۸۵) اور سب سے پہلے اس پر عمل پیرا ہوتا تھا ۔ یعنی اس جماعت کا سب سے پہلا رکن ہوتا تھا جسے وہ قوانین خداوندی کی اطاعت اور نظام خداوندی کی تشکیل کے لئے وجود میں لاتا تھا (۳۹/۱۲) ۔ وہ خود بھی اپنی وحی کا اتباع کرتا تھا (۱۰/۱۰۹ ؛ ۶/۵۰) اور اس وحی کو ایک عملی نظام زندگی بنانے کیلئے دوسروں سے اسکی اطاعت کراتا تھا (۴/۶۴) ۔ وہ اپنے حکم کی اطاعت کسی سے نہیں کراتا تھا ۔ نہ ہی یہ چیز کسی رسولؐ کے شایان شان تھی کہ وہ انسانوں کو قوانین خداوندی کی بجائے اپنے احکام کا محکوم بنائے (۳/۷۹) ۔ اسطرح رسول کی وساطت سے قوانین خداوندی کی اطاعت، خود خدا کی اطاعت قرار پا جاتی تھی (۴/۸۰) ۔ لہذا یہ اطاعت اس نظام کی اطاعت ہوتی تھی جو رسول کے ہاتھوں قوانین خداوندی کی عملی تنفیذ کیلئے متشکل ہوتا تھا ۔

وحی کا سلسلہ نبی اکرمؐ کی ذات گرامی پر ختم ہو گیا ۔ اسکے بعد وہ نظام آگے چلا جو قرآنی قوانین کی رو سے قائم ہوا تھا ۔ اس نظام میں

خلیفۃ الرسولؐ وہ فرائض سرانجام دیتا تھا جنھیں اپنی زندگی میں رسولؐ سرانجام دیتا تھا ۔ یعنی منظم اور اجتماعی طور پر قوانین خداوندی کی اطاعت کرنا اور کرانا ۔ اسطرح ''اطاعت خدا و رسول'' کا یہ سلسلہ قائم رہا ۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک باقی نہ رہا ۔ اب اگر پھر اسی قسم کا نظام قائم ہو جائے جسمیں قرآنی قوانین عملاً نافذ ہوں تو پھر اُسی اطاعت کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے جسے ''خدا اور رسولؐ'' کی عملی اطاعت کہا جاتا ہے ۔ (ان امور کی تفصیل میری کتاب ''اسلامی نظام'' * میں ملیگی جسمیں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کے متعدد مقامات میں ''اللہ اور رسول'' کا ذکر آیا ہے لیکن اس کے بعد ضمیر یا صیغہ واحد کا استعمال ہوا ہے ۔ اسکے معنے یہ ہیں کہ ''اللہ اور رسول'' کی اطاعت دو الگ الگ اطاعتیں نہیں ہوتیں ۔ اس سے مراد ہوتی ہے قوانین خداوندی کی اطاعت جو اس نظام کی وساطت سے کی جاتی ہے جسے رسول متشکل کرتا ہے اور جو رسول کی وفات کے بعد اسکے جانشینوں کے ذریعہ آگے چلتا ہے) ۔

صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ اَلرَّسُوْلؐ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو تیر اندازی میں تمہارا ساتھی اور موافق ہو** ۔ اگرچہ لسان العرب میں ہے کہ اس معنے میں رَسِیْلؐ آتا ہے ۔ رَسُوْلؐ نہیں *** ۔ لیکن خدا اور اسکا رسول ، درحقیقت ''تیر اندازی'' میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں ۔ انسانوں کی دنیا میں خدا کے احکام رسول (اور اسکے متبعین کی جماعت) کے دست و بازو کی قوت سے عملاً نفاذ پذیر ہوتے ہیں ۔ اسی لئے بدر کی جنگ کے موقع پر خدا نے کہا تھا کہ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (۸/۱۷) ۔ ''وہ تیر تم نہیں چلا رہے تھے خود خدا چلا رہا تھا'' ۔ خدا اور رسول (اور اسکی جماعت) کی یہی باہمی رفاقت ہے جس سے دنیا میں نظام خداوندی کا قیام عمل میں آتا ہے ۔ (اسکی مزید تفصیل قَابَ قَوْسَیْنِ (۵۳/۹) میں دیکھئے ۔ عنوان ق ۔ و ۔ س)۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ، قرآن کریم کی رو سے نبی اور رسول ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہوتے ہیں ۔ ان میں کچھ فرق نہیں ہوتا ۔ اس لئے قرآن کریم نے نبی یا رسول کی جو خصوصیات بیان کی ہیں وہ نبی اور رسول کی الگ الگ خصوصیات نہیں ۔ اس اعتبار سے قرآن کریم کے مختلف مقامات کو

* نیز ''سلیم کے تام خطوط'' (جلد دوم) میں اطاعت رسول سے متعلق خطوط ہیں ۔
** تاج و محیط ۔ *** لسان العرب

دیکھئے جہاں نبی یا رسول کی خصوصیات یا تفصیلی تذکرہ آیا ہے۔ مثلاً رسول کسی سے اپنا حکم نہیں منواتا، صرف کتاب خداوندی کی اطاعت کراتا ہے (۳/۷۸)۔ وہ اگر کسی معاملہ میں غلطی کرتا ہے تو وہ اسکی ذاتی غلطی ہوتی ہے۔ صحیح راستہ وحی کے ذریعے دکھاتا ہے (۳۳/۵۰)۔ رسول خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا (۱۰/۴۹)۔ وہ کسی سے اجر رحالت نہیں مانگتا (۱۰/۷۲)۔ رسولوں کے بیوی بچے ہوتے تھے (۱۳/۳۸)۔ تمام رسول اپنے اپنے وقت پر آئے اور تشریف لے گئے (۳/۱۴۴)۔ لیکن نبی آخرالزمانؐ کی بعثت کے بعد، نجات و سعادت حضورؐ پر ایمان اور قرآن کریم پر عمل کرنے ہی سے مل سکتی ہے (۷/۱۵۸)۔ رسول ہمیشہ مرکزی مقامات میں آیا کرتے تھے (۲۸/۵۹)۔ رسول کو رحالت ملنے سے پہلے قطعاً علم و احساس نہیں ہوتا تھا کہ اسے رحالت ملنے والی ہے (۴۲/۵۲ ; ۲۸/۸۶)۔ نبی اکرمؐ نبوت ملنے سے پہلے ان پڑھ تھے (اس کے بعد نہیں)۔ (۲۹/۴۸)۔ نبی اکرمؐ خدا کے آخری نبی تھے (۳۳/۴۰)۔ اس لئے اب نہ کوئی نبی آسکتا ہے نہ رسول۔ رسول صرف خدا کا راستہ دکھاتے تھے۔ دوسروں کو اس راستے پر لگانا ان کے ذمے یا اختیار میں نہیں تھا (۲۸/۵۶)۔ بعض رسولوں پر ایمان لانا اور بعض پر نہ لانا کفر ہے (۴/۱۵۰)۔ یہ اور اس قسم کی دیگر خصوصیات، انبیاء کرام اور رسولوں کے سلسلہ میں قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ حتکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر (بفرض محال) رسول بھی مداہنت برتے یا اپنی وحی میں کسی قسم کی تبدیلی کرلے تو اس پر خدا کا عذاب آجائے (۶۹/۴۴ ; ۱۰/۱۵ ; ۱۱/۱۱۳ ; ۱۷/۷۴)۔

چونکہ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خدا نے خود لے لیا ہے اور وہ دین کا مکمل ضابطہ ہے، اس لئے نبوت کے ختم ہو جانے سے انسانی راہ نمائی کے سلسلہ میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی۔ سوال صرف اس نظام کے قائم کرنے کا ہے جسے رسول اللہؐ نے قائم فرمایا تھا۔ وہ آج بھی قائم ہو سکتا ہے۔

اِرْسَال* کے معنے چھوڑ دینے کے بھی ہیں۔ اَرْسَلَ الْخَیْلَ فِی الْغَارَۃِ۔ حملہ میں گھوڑوں کی باگیں کھلی چھوڑ دیں*۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اِمْسَاک* (روک لینے) کے مقابلہ میں آیا ہے (۳۵/۲) جہاں اسکے معنے کھلا چھوڑ دینے کے ہیں۔ اَرْسَلَ عَلَیٰ کے معنے ہیں کسی پر مسلط کرنا (۱۹/۸۳)۔

* تاج و محیط۔

ر س و

رَسَا الشَّیْءُ یَرْسُوْ ۔ اَرْسٰی ۔ اِرْسَاءٌ ۔ کسی شے کا قرار گیر ہو جانا ۔ جم جانا ۔ رَسَتِ السَّفِیْنَۃُ تَرْسُوْ ۔ کشتی لنگر انداز ہو گئی ۔ اَرْسَی السَّفِیْنَۃَ : کشتی کو لنگر انداز کیا ۔ ٹھہرایا ۔ اَلْمِرْسَاۃُ ۔ کشتی کا لنگر* ۔ مَجْرٰہا وَ مُرْسٰہَا (۱۱/۴۱) ۔ کشتی کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ۔ سورۃ اعراف میں اَلسَّاعَۃُ کے متعلق ہے اَیَّانَ مُرْسٰہَا (۷/۱۸۷) ۔ اس کا وقوع کب ہوگا ۔ وہ کب رُک کر ہمارے سامنے آئے گی ۔ مُرْسٰی اسم مفعول ہے جو ظرف کے معنوں میں بھی استعمال ہوسکتا ہے ۔ اس کے معنے رکنے کا وقت اور رکنے کا مقام دونوں ہوسکتے ہیں ۔ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (۳۴/۱۳) ۔ دیگیں جو ایک جگہ مضبوطی سے جمی ہوئی ہوں ۔ رَوَاسِیَ (۱۳/۳) ۔ جمے ہوئے پہاڑ (واحد رَاسِیَۃٌ) ۔

ر ش د

رَشَدَ ۔ یَرْشُدُ ۔ رُشْدًا ۔ نیز رَشِدَ ۔ یَرْشَدُ ۔ رَشَدًا وَّرَشَادًا ۔ معاملہ کا صحیح حل ، یا صحیح راستہ، پالینا** ۔ اَلرُّشْدُ ۔ سختی سے راہ راست پر استقامت کو کہتے ہیں** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی راستہ پر پختگی سے جم جانے کے ہیں ۔ اَلرُّشْدُ وَالرُّشْدُ ۔ غَیٌّ کی ضد ہے ۔ یہ صحیح راہنمائی اور ہدایت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے*** ۔ (۲/۲۵۶) ۔ سورۃ نساء میں رُشْدًا (۴/۶) آیا ہے جس کے معنے معاملہ فہمی کی صلاحیت یا عقل کی پختگی کے ہیں ۔ اِسْتَرْشَدَ فُلَانٌ لِاَمْرِہٖ ۔ اس شخص نے اپنے معاملہ کا صحیح حل پا لیا ۔ اَرْشَدْتُّہٗ ۔ میں نے اسے ٹھیک راہ بتائی ۔ اَلرَّشِیْدُ (۱۱/۸۷) ۔ صحیح راستہ بتانے والا ۔ نیز وہ شخص جو معاملات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگائے یا جس کے اندازہ کئے ہوئے معاملات پوری طرح بغیر کسی کی مدد اور رہنمائی کے انتہا تک پہنچ جائیں** ۔

سورۃ کہف میں ہے کہ ان نوجوانوں نے خدا سے دعا کی کہ ہماری اس انقلابی مہم میں ہمیں سامانِ رحمت و ربوبیت عطا کر دے اور ہمارے معاملہ میں ہماری راہنمائی کا سامان فراہم کردے ۔ وَ ہَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (۱۸/۱۰) ۔ اس کے بعد ہے کہ تمہارا نشو و نما دینے والا تمہیں سامانِ رحمت بھی دے گا ۔ وَ یُہَیِّئْ لَکُمْ مِنْ اَمْرِکُمْ مِرْفَقًا (۱۸/۱۶) ۔ اور تمہارے مقصد کی کامیابی کے لئے آسانیاں بھی بہم پہنچا

* تاج و محیط ۔ ** تاج ۔ *** راغب ۔

دے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ رَشَدًا صرف صحیح راستے کی طرف راہنمائی ہی نہیں بلکہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ضروری تدابیر اور انکی کامیابی کے کے لئے آسانیاں بہم پہنچانا بھی ہے۔ چنانچہ اَلْمَرَاشِدُ ان راستوں کو کہتے ہیں جو منزل مقصود تک پہنچادیں۔ قرآن کریم میں رَشَدًا۔ ضَرًّا۔ (نقصان) کے مقابلہ میں آیا ہے (۷۲/۱۰) ۔ لہذا رُشْد ایک جامع لفظ ہے جس میں ہدایت، حکمت و بصیرت سے لیکر منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے عملی تدابیر اور راستے کے خطرات اور نقصانات سے بچنے کے جملہ سب آ جاتے ہیں۔ اسی لئے انبیائے کرام (انقلاب خداوندی کی طرف دعوت دینے والوں) کو رُشْدٌ عطا ہوتا تھا (۲۱/۵۱) ۔ اور جماعت مومنین رَاشِدُوْنَ کی جماعت ہوتی ہے (۴۹/۷)۔ یہ سب کچھ قوانین خداوندی کی اطاعت سے ملتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ خدا کے سوا نہ کوئی وَلِیٌّ ہے اور نہ کوئی مُرْشِدٌ (۱۸/۱۷) ۔ لیکن ہم ہیں کہ انسانوں کو اپنا پیر و مرشد بناتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ بھی بھگت رہے ہیں!

ر ص د

رَصَدَہٗ۔ وہ اسکے انتظار میں رہا۔ اَلرَّاصِدُ۔ منتظر اور کسی کی نقل و حرکت پر نگرانی کرنے والا۔ اَلرَّصِیْدُ۔ درندہ جو حملہ کرنے کا منتظر رہے*۔ قرآن کریم میں ہے یَجِدْ لَہٗ شِہَابًا رَّصَدًا (۷۲/۹)۔ وہ ایک شعلہ کو اپنے انتظار یا گھات میں بیٹھا ہوا پائیگا۔ اِرْصَادٌ کے معنے ہیں کسی کا انتظار کرنا اور (انتظار میں) تیاری کرنا*۔ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ (۹/۱۰۷) ''خدا و رسول'' (نظام خداوندی) کے خلاف جنگ کرنے والے کے لئے گھات بنانے اور تاک میں رہنے کے لئے۔ نیز مخالفانہ کاروائیاں کرنے کے لئے۔ اَلْمِرْصَدُ۔ اَلْمِرْصَادُ (۹/۵ و ۸۹/۱۴) وہ راستہ یا جگہ جہاں بیٹھکر دشمن کی تاک لگائی جائے*۔

خدا کے مِرْصَادٌ (گھات) میں ہونے (۸۹/۱۴) کے یہ معنے ہیں کہ اس کا قانونِ مکافات ہر ایک پر نگاہ رکھتا ہے اور جب ظہورِ نتائج کا وقت آتا ہے تو اسے فوراً دبوچ لیتا ہے۔ کوئی شخص اُس قانون کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکتا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی یہ ہیں کہ جس راستے سے کسی چیز کو گذرنا ہو وہاں اس کی تاک میں بیٹھنا۔ انسان

*تاج۔

کا ہر عمل ، قانونِ خداوندی کے معین کردہ راستے سے گذر کر اپنی منزل و منتہیٰ تک پہنچتا ہے، جسے اس کا نتیجہ کہا جاتا ہے ۔ لہٰذا کوئی عمل بلا نتیجہ رہ نہیں سکتا ۔

ر ص ص

رَصَّهٗ ۔ یَرْصُّهٗ ۔ رَصًّا ۔ اس نے کسی چیز کے اجزا کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیا اور انہیں باہمد گر مضبوطی سے جوڑ کر ملا دیا، جیسے انہیں سیسہ پلا دیا گیا ہو ۔ اَلرَّصَاصُ سیسے کو کہتے ہیں* ۔

قرآن کریم میں ہے کہ مومن خدا کی راہ میں اس طرح صف بستہ لڑتے ہیں کَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ (۶۱/۴) ۔ گویا وہ ایک ایسی محکم دیوار ہیں جسے سیسہ پلا دیا گیا ہو ۔ یہ بات اسی صورت میں پیدا ہوسکتی ہے جب قلوب ایک دوسرے سے پیوست ہوں ۔ اور قلوب کی پیوستگی ، مقصدِ زندگی اور ضابطۂ حیات کے ایک ہونے سے ہوتی ہے ۔ آپ غور فرمائیے کہ جس جماعت (اُمت مسلمہ) کی کیفیت یہ ہونی چاہئے تھی وہ آج کس طرح فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو حاملِ قرآن سمجھ رہی ہے!

ر ض ع

رَضِیَ یَرْضَعُ ۔ رَضَعَ یَرْضِعُ ۔ رَضْعًا و رَضَاعًا و رَضَاعَةً ۔ بچہ کا ماں کے پستان کو چوسکر دودھ پینا** ۔ اَخَوَاتُکُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ (۴/۲۳) تمہاری دودھ شریک بہنیں (جن سے نکاح حرام ہے) ۔ اَرْضَعَ ۔ دودھ پلانا ۔ الاِسْتِرْضَاعُ ۔ دودھ پلوانا چاہا** ۔ وَاُمَّهٰتُکُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَکُمْ (۴/۲۳) ۔ تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے (ان سے بھی نکاح حرام ہے) ۔ مَرَاضِعُ ۔ دودھ پینے کی جگہ ۔ چھاتیاں*** ۔ (واحد ۔ مَرْضَعٌ) سورۃ قصص میں ہے ۔ وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ (۲۸/۱۲) ۔ یعنی ہم نے موسیٰ کو دودھ پینے سے روک دیا ۔ اس میں مَرَاضِعَ ۔ مَرْضَعٌ کی جمع بھی ہوسکتی ہے اور مُرْضِعَةٌ کی بھی ۔ پہلی شکل میں اس کا مفہوم چھاتیاں، اور دوسری شکل میں دودھ پلانے والیاں، ہوگا ۔ مُرْضِعَةٌ ۔ دودھ پلانے والی ہورت ۔ اُنثیٰ ۔ (۲۲/۲) ۔ اس کی جمع بھی مَرَاضِعُ ہے ۔ اِسْتَرْضَعَ ۔ بچے کو (انثیٰ سے) دودھ پلوانا چاہا ۔ (۲/۲۳۳) ۔

* تاج و راغب ۔ **تاج ۔ ***کشاف ۔

ر ض ی

رَضِیَ یَرْضَیٰ رِضْوَاناً و رِضاً کے معنے ہوتے ہیں کسی سے متفق ہونا۔ کسی کی بات کی تصویب کر دینا۔(Approve) کر لینا۔ لیکن اس میں دل کی رضامندی اور رغبت وخوشی کا پہلو پایا جاتا ہے جس میں کسی قسم کی کراہت اور جبر نہ ہو۔ تَرَاضَیَاہُ۔ دونوں نے کسی بات پر آپس میں برضا ورغبت اتفاق کر لیا۔ اسے باہمی (Agreement) سے کیا۔ اس پر دونوں کی رضامندی ہو گئی۔ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَہُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (۲/۲۳۲) ''جب وہ (میاں بیوی) قاعدے کے مطابق ایک دوسرے سے رضامندی کے ساتھ متفق ہو جائیں''۔* رَضِیَہُ لِہٰذَا الْاَمْرِ۔ اسے اس کام کا اہل سمجھا۔ اِرْتَضَاہُ لِصُحْبَتِہٖ وَخِدْمَتِہٖ۔ اسے اپنی صحبت اور خدمت کا اہل سمجھا اور اسکے لئے منتخب کر لیا۔ رَضِیْتُ الشَّیْءَ وَبِہٖ۔ میں نے اس چیز کو پسند کر لیا اور اسے اختیار کر لیا*۔ لَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَہُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی (۲/۱۲۰)۔ ''تجھ سے یہود اور نصاریٰ کبھی متفق نہ ہونگے''۔ تجھ سے کبھی راضی نہ ہونگے۔

قرآن کریم میں مومنین کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (۵/۱۱۹)۔ اس کا ترجمہ عام طور پر کیا جاتا ہے ''اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے''۔ چونکہ راضی ہو جانا اور ناراض ہو جانا انسانی جذبات ہیں اسلئے اس سے ذہن اسطرف منتقل ہو جاتا ہے کہ یہی جذبات خدا میں بھی ہیں۔ وہ بھی کسی بات سے خوش ہو جاتا ہے اور کسی سے ناراض ہو جاتا ہے۔ خدا خوشی اور ناراضگی کے ان انسانی جذبات سے مبرا ہے۔ اس لئے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کا مفہوم اس سے مختلف ہے۔ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ایک بات کا تمہیداً سمجھ لینا ضروری ہے۔ جب ذہن انسانی اپنے عہد طفولیت میں تھا تو اس نے دیوی دیوتا یا خدا کا تصور ایسا ہی پیدا کیا جیسا وہ اپنے سامنے بادشاہ کو دیکھتا تھا، اس لئے کہ اس کے نزدیک بادشاہ سے بڑھ کر قوت اور اقتدار کا مالک کوئی اور نہیں ہوتا تھا۔ اس کے ذہن نے خدا کو بھی (بادشاہ کیطرح) ایک تخت پر بٹھایا۔ پھر یہ سمجھا کہ بادشاہ کے امراء و وزراء کیطرح خدا کے بھی مقربین ہیں جنہیں اس کے کاروبار میں عمل دخل ہے۔ نیز اس کے حاجب و دربان بھی ہیں۔ بندے اسکی رعایا ہیں جنہیں اس

* لین و تاج۔

کے سامنے دم مارنے کی جا نہیں۔ اگر انسان نے اپنی کوئی درخواست اُس کے حضور پیش کرنی ہو تو اس کے ساتھ کوئی نذرانہ بھی پیش کرنا ضروری ہوگا۔ نیز اس درخواست کو، بادشاہ کے مقربین میں سے کسی کی وساطت سے وہاں تک پہنچانا ہوگا تاکہ وہ سفارش کرے۔ ان درخواستوں کے فیصلے (یا بادشاہ کے دیگر احکام) کسی قاعدے اور قانون کے مطابق نہیں ہوتے۔ اس کا انحصار بادشاہ کے مزاج پر ہوتا ہے۔ اگر وہ خوش ہو گیا تو گاؤں بخش دیا۔ اگر ناراض ہو گیا تو گدھوں کے ہل چلوا دیئے۔ بادشاہ کی خوشی اور ناراضگی بھی کسی اصول کے مطابق نہیں ہوتی۔ سعدی کے الفاظ میں، مزاج شاہاں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ "گاہے بہ سلامے برنجند و گاہے بہ دشنامے خلعتے بہ بخشند"۔ کبھی سلام کرنے پر ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی گالی دینے پر انعام دیتے ہیں۔ لہذا بندوں کی تمام تر کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ کسی طرح خدا کو راضی رکھیں۔ اسے خوش کر لیں۔ ایشور کی بھگتی۔ ڈنڈوت۔ پوجا پاٹ۔ اس کے چرنوں (قدموں) میں شردھا (عقیدت) کے پھول چڑھانا۔ دیوتاؤں کے استھانوں پر قربانیاں دینا سب اس غرض سے تھا کہ کسی طرح ایشور پرماتما کو خوش رکھا جائے۔ وہ اپنے بھگتوں سے راضی رہے۔

قرآن کریم نے (اور اس سے پہلے انبیاء سابقہ کیطرف وحی نے) اس توہم پرستانہ تصور کو مٹا کر، اسکی جگہ خدا کا صحیح تصور دیا۔ اس تصور کی رو سے بتایا گیا کہ خدا مستبد حکمرانوں کیطرح نہیں۔ اس نے ہر بات کے لئے قاعدہ اور قانون مقرر کر رکھا ہے اور کائنات کے تمام امور اس کے متعین کردہ قوانین و اصول کے مطابق سر انجام پاتے ہیں۔ انسانی زندگی کے لئے بھی اس نے قوانین مقرر کر رکھے ہیں (جن کا علم انسان کو انبیاء کرام کی وساطت سے دیا جاتا رہا ہے اور اب وہ قوانین قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں)۔ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ ان قوانین کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔ وہ (بادشاہوں کی طرح) یونہی خوش ہو کر نہ کسی کو انعام دیتا ہے، نہ یونہی ناراض ہو کر عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا کہ خدا نے انسانی زندگی کے سامنے ایک مقصد رکھا ہے اور اس نے جو قوانین عطا کئے ہیں وہ اس لئے ہیں کہ انسان ان کے مطابق زندگی بسر کرکے، اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ انسانوں کے لئے یہ راستہ خدا کا پسندیدہ ہے۔ یعنی اگر انسان اس راستے پر چلتا ہے تو وہ خدا کی منشاء کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر اس کے

خلاف جاتا ہے تو وہ خدا کی منشاء کے خلاف ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں ''خدا کی رضامندی،، (یا اس کے خلاف، غضب وغیرہ) کے الفاظ آئے ہیں تو وہ اسی مفہوم کے ترجمان ہیں۔ مثلاً سورۃ المائدہ میں ہے وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا(۵/۳)۔ ''میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور ضابطۂ حیات پسند کیا ہے،،۔ اگر انسان اس ضابطۂ حیات کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو وہ خدا کے پسندیدہ راستے پر چلتا ہے۔ اسے ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ،، سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسری طرف، ایک مومن کے دل کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ خدا کے پسندیدہ راستے کو محبوب رکھتا ہے اور اس کے خلاف دوسرے راستوں کو ناپسند کرتا ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۔ أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۔ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۴۹/۸) ''لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کو محبوب و مزین بنادیا ہے اور کفر و فسق وعصیان کو ناپسندیدہ۔ ایسے ہی لوگ صحیح راستے پر چلنے والے ہیں۔ یہ اللہ کیطرف سے فضل اور نعمت ہے۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے''۔ ایمان کا دلوں میں اسطرح مرغوب بن جانا، ''رَضُوا عَنْهُ'' ہے۔

اس سے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (۹/۱۰۰) کا مفہوم سمجھ میں آجائیگا۔ یعنی ''اللہ کے راضی ہونے،، سے مراد یہ ہے کہ خدا کے پسندیدہ راستہ (قرآن کریم) کے مطابق چلا جائے۔ اور انسانوں کے خدا سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا تجویز کردہ راستہ، ان کے دلوں میں محبوب و مرغوب بن جائے۔ قرآن کریم کے دیگر مقامات سے بھی اس مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ مثلاً سورۃ توبۃ میں منافقین کے متعلق ہے کہ يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ (۹/۸) ''وہ اپنے منہ سے تم کو راضی کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں،،۔ یہاں اِرْضَاءٌ بمقابلہ اَبیٰ آیا ہے۔ اَبیٰ کے معنے ہیں سختی سے انکار کرنا۔ لہذا رِضیٌ کے معنے برضا و رغبت موافقت کرنے اور دلی طور پر ہم آہنگی کے ہونگے۔ یہ مفہوم سورۃ بقرہ سے بھی واضح ہو جاتا ہے۔ پہلے منکرین کے متعلق ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اتَّقِ اللّٰهَ (۲/۲۰۶)۔ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو، تو وہ ایسا نہیں کرتے۔ اسکے بعد مومنین کا ذکر ہے کہ وہ اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (۲/۲۰۸) کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس سے آگے ہے اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (۲/۲۰۸)۔ خدا کی اطاعت شعاری میں پورے کے پورے داخل

ہو جاؤ۔ یعنی لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (۲/۲۰۸)۔ غیر خدائی قوتوں کے احکام و قوانین کا اتباع مت کرو۔ ان تمام ٹکڑوں کو سامنے رکھنے سے مَرْضَاتِ اللّٰہِ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنے خدا کے احکام و قوانین کی پوری پوری اور برضا و رغبت اطاعت۔ یہی معنے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کے ہیں۔ یعنی یہ لوگ قوانین خداوندی کے ساتھ بطیب خاطر پوری ہم آہنگی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی ان قوانین کے مطابق ہوتی ہے۔ اور قوانین خداوندی کے خوشگوار نتائج ان سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ ان کی سعادتیں اور برکتیں ان کے شامل حال ہوتی ہیں۔ اس سے ان کے دلوں میں قوانین خداوندی کی محبت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

اسی کو اِتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰہِ (۳/۱۶۲) سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے مقابلہ میں بَآءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللّٰہِ کہا ہے (دیکھئے عنوان س۔ خ۔ ط)۔ سورۃ محمد میں واضح کر دیا ہے کہ رِضْوَانَہٗ کے معنے ہیں مَا نَزَّلَ اللّٰہُ یعنے قرآن۔ پہلے کہا گیا ہے کَرِہُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ (۴۷/۲۶)۔ اور اس کے بعد ہے کَرِہُوْا رِضْوَانَہٗ (۴۷/۲۸)۔ یعنی، رِضْوَانَہٗ قرآن کریم (مَا نَزَّلَ اللّٰہُ) کا اتباع ہے اور سَخَطٌ غیر قرآنی احکام کا اتباع۔ لہذا مومنین کا شعار یہ ہے کہ وہ قرآن کریم (مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ) کا پورا پورا اتباع کرتے ہیں۔ اپنی زندگی کو اس سے پورے طور پر ہم آہنگ اور متفق رکھتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے قانون مکافات کے مطابق زندگی کی خوشگواریاں اور شادابیاں ان کے ہمرکاب ہوجاتی ہیں۔ اسی زندگی کا نام عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ (۶۹/۲۱) ہے۔

سورۃ مریم میں ہے کہ حضرت زکریاؑ نے خدا سے بیٹے کی دعا مانگی اور کہا وَاجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا (۱۹/۶)۔ یہاں رَضِیًّا کے معنے یا تو محبوب و مقبول کے ہیں۔ اور یا یہ کہ وہ تیرے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے والا ہو۔ تاج میں رَضِیٌّ کے معنے مطیع بھی لکھے ہیں۔

سورۃ توبہ میں ہے کہ اللہ نے مومنین سے جَنّٰتٍ اور مَسٰکِنَ طَیِّبَۃً کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اس کے بعد ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ ذٰلِکَ ہُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (۹/۷۲)۔ اللہ کی "رضوان" ان سب سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ ایک عظیم کامرانی (Achievement) ہے۔

یہ آیۃ جلیلہ ایک عظیم حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایمان و اعمال صالحہ سے ہوتا کیا ہے؟

انسان نام ہے اس کی طبعی زندگی (Physical Life) اور انسانی ذات (Self) کا - زندگی کی کامیابی سے مقصود یہ ہے کہ انسان کی طبعی زندگی بھی خوشگوار رہے اور اس کی ذات کی بھی نشو و نما ہو جائے - انسان کی نشو و نما سے مراد یہ ہے کہ اس میں جس قدر مضمر صلاحیتیں ہیں وہ بیدار ہو جائیں - خدا کی ذات ایک مکمل ترین ذات ہے جس میں اس کی تمام صفات بطریق احسن جلوہ فرما ہیں - وہی صفات انسان کی ذات میں بھی ہیں لیکن علٰی قدرِ بشریت - یعنی چھوٹے پیمانے پر - انسانی ذات کی نشو و نما کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ان صفات کی نمود ہوتی جائے - اب ظاہر ہے کہ انسانی ذات کو جسقدر زیادہ نشو و نما حاصل ہوگی یہ اُتنی ہی زیادہ صفاتِ خداوندی سے ہم آہنگ ہوتی جائے گی -

ایمان و اعمال صالحہ سے ہوتا یہ ہے کہ انسانی ذات کی اس طرح نشو و نما ہوتی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اُسے زندگی کی خوشگواریاں بھی ملتی چلی جاتی ہیں - قرآن کریم کہتا ہے کہ زندگی کی یہ خواشگواریاں بڑی خوش آئند اور مبارک ہیں اور ان کا حاصل ہو جانا بھی بڑی چیز ہے - لیکن حقیقی کامرانی وکامیابی یہ ہے کہ اس سے انسانی ذات، صفاتِ خداوندی سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے - ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ - ان اعمال کا بدلہ (یا نتیجہ) ایک تو اس طرح مرتب ہوتا ہے کہ انسان کی خارجی دنیا حسین وخوشگوار ہو جاتی ہے - اور دوسرے یہ کہ اس کی داخلی دنیا میں بھی ایک عظیم انقلاب آجاتا ہے - یہ انقلاب (یعنی انسانی ذات کا نشو و نما پا جانا) بہت بڑی کامرانی ہے - یہی چیز ہے جسے بانداز دگر یوں کہا گیا ہے کہ لَھُمْ مَّا یَشَآؤُنَ فِیْھَا وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ (۵۰/۳۵) ''جنت میں ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جس کی وہ خواہش کرتے ہیں - اور ہمارے پاس (اس سے بھی) بڑھ کر (کچھ اور) ہے'' - یعنی انسان کی خواہش اس کے علم و جذبات کی موجودہ سطح کے مطابق ہی ہوسکتی ہیں - لیکن جب جنت کی زندگی میں یہ سطح ہی بلند ہوجائیگی تو وہاں جو کچھ ملیگا وہ ان کی موجودہ خواہشوں اور آرزؤں سے کہیں زیادہ ہوگا - اس کی ذات کی نشو و نما بایں نمط ہوگی کہ اس کے شعور کی موجودہ سطح اس کا اندازہ نہیں کر سکتی -

لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ انسانی ذات کی یہ نشو و نما صرف اس معاشرہ کے اندر ہوسکتی ہے جو قرآن کریم متشکل کرتا ہے - خانقاہوں کی تجردگاہوں میں نہیں ہوسکتی - لہذا بات پھر وہیں آجاتی

ہے کہ رضوان من اللہ یا مرضات اللہ ، قرآن کریم کے مطابق زندگی بسر کرنے اور اس کے خوشگوار نتائج کا نام ہے ۔

سورۃ انبیاء میں ہے وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (۲۱/۲۸) ۔ اس کے لئے عنوان ش ۔ ف ۔ ع دیکھئے ۔

ر ط ب

اَلرَّطْبُ ۔ یَابِسٌ (خشک) کی ضد ہے ۔ یعنی تر و تازہ چیز جس میں نمی ہو ۔ نرم و نازک شاخ ۔ ہری بھری گھاس ۔ سرسبز زمین ۔ اَلرُّطَبُ ۔ گدری کھجور* ۔ قرآن کریم میں رُطَبًا جَنِیًّا (۱۹/۲۵) آیا ہے ۔ چنی ہوئی گدری کھجوریں ۔ سورۃ انعام میں ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (۶/۵۹) ۔ اس کے معنے تازہ اور خشک پھل کے بھی ہوسکتے ہیں، لیکن اس کا مطلب ہر تر اور خشک چیز ہے ۔ یعنی کائنات کی مختلف چیزیں ۔ اور کتاب مبین صحیفۂ فطرت یا کائناتی قوانین کا ضابطہ ہے ۔

(رَطْبٌ وَ یَابِسٌ کے لئے ی ۔ ب ۔ س کا عنوان بھی دیکھئے) ۔

آیت (۱۹/۲۵) کو سامنے لائیے ۔ اس میں کہا گیا ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کی پیدائش اس موسم میں ہوئی تھی جب درختوں پر پکی ہوئی کھجوریں لٹک رہی تھیں ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے حضرت عیسٰےؑ کی پیدائش ، دسمبر کے مہینے میں نہیں ہوئی تھی ۔ اس زمانے میں فلسطین میں سخت سردی ہوتی ہے اور تازہ کھجوروں کا موسم نہیں ہوتا ۔ اب عیسائی مورخ خود اس کے قائل ہو رہے ہیں کہ ۲۵ دسمبر حضرت عیسٰےؑ کا یوم پیدائش نہیں ۔ عیسائیوں نے بعد میں یہ عقیدہ ایرانیوں سے مستعار لیا تھا جن کے ہاں ۲۵ دسمبر متھرا کا یوم پیدائش تسلیم کیا جاتا تھا ۔ اور ۲۵ مارچ اس کے مر کر جی اٹھنے کا دن ۔ ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ متھرا آخری زمانے میں پھر دنیا میں آئے گا ۔ (دیکھئے معراج انسانیت صفحہ ۵۱)

ر ع ب

رَعَبَ الْحَوْضَ ۔ حوض کو بھر دیا ۔ رَعَبَ السَّیْلُ الْوَادِیَ ۔ سیلاب نے وادی کو بھر دیا ۔ اسکے ایک معنی تو ہیں بھر دینا اور دوسرے معنے ہیں کسی چیز کو کاٹ دینا ۔ رَعَبَ السِّنَانَ ۔ اسنے کوہان کو کاٹ لیا ۔ اَلرَّعِیْبَۃُ ۔ کوہان کا کٹا ہوا ٹکڑا* ۔

* تاج ۔

اس اعتبار سے راغب کے نزدیک اَلرُّعْبُ کے معنے ہیں خوف سے بھر جانے کی وجہ سے بول چال سے منقطع ہو جانا *۔ صرف ڈر کو بھی کہتے ہیں۔ سورۃ کہف میں ہے وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا (۱۸/۱۸)۔ ”تو ان کی وجہ سے خوف کھا جائے“۔

جماعت مؤمنین کو اسقدر قوت حاصل ہونی چاہیئے کہ میدان جنگ میں مخالفین ان کو دیکھکر رعب سے کانپنے لگ جائیں۔ لیکن یہ چیز صرف اسطرح حاصل ہوتی ہے کہ انسان دنیا میں قانون خداوندی کے علاوہ کسی اور کے سامنے نہ جھکے۔ اسی کو توحید کہتے ہیں۔ اور شرک کا لازمی نتیجہ خوف بتایا گیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں ہے سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللهِ .... (۳/۱۵۰)۔ ”ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دینگے اس لئے کہ وہ خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں“۔

ر ع د

رَعْدٌ بادل کی گرج۔ اسکے معنے کپکپانے اور تھر تھرانے کے بھی آتے ہیں۔ مجازاً زجر و توبیخ کو بھی کہتے ہیں۔ اَلرِّعْدَادُ۔ اس آدمی کو کہتے ہیں جو بہت باتیں بناتا ہو۔ زیادہ بڑ بڑ کرتا ہو۔ ** ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حرکت اور اضطراب کے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ لفظ بادلوں کی آواز کے معنوں میں آیا ہے (۲/۱۹ ؛ ۱۳/۱۳)۔ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ (۱۳/۱۳)۔ رَعْدٌ اپنے فرائض مفوضہ کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف رہتی ہے اور اپنے تعمیری نتائج سے خدا کی حمد و ستائش کی زندہ پیکر بن جاتی ہے۔ (دیکھئے عنوانات س۔ب۔ح اور ح۔م۔د)۔ کائنات کی ہر قوت اپنے اپنے فرائض کی سرانجام دھی کیلئے سرگرداں رہتی ہے۔ اور ان کی نقل و حرکت کا مجموعی نتیجہ کائنات میں تعمیری اضافے ہوتا ہے۔ ہم جب ان قوتوں کو الگ الگ دیکھتے ہیں تو ہمیں بعض قوتیں محض ڈر اور خوف کا موجب نظر آتی ہیں (جیسے بجلی کی کڑک) لیکن بہ ہیئت مجموعی ان سب کا نتیجہ تعمیری ہے۔ اور یہی چیز خدا کی حمد و ستائش کی مظہر ہے۔

ر ع ن

اَلرُّعُونَةُ = حماقت کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رُعُونَةٌ فکر کی کمی کو کہتے ہیں اور حُمْقٌ بطلانِ فکر کو***۔

* راغب۔ ** تاج۔ *** محیط

اَلاَرْعَنُ ۔ وہ شخص جس کی باتوں میں بے تکا پن ہو۔ احمق ۔ سست اور ڈھیلا ۔ رَعَنَ الرَّجُلُ ۔ وہ احمق ہے تکا اور ڈھیلا ہوا۔ رُعِنَ ۔ وہ بیہوش ہو گیا * ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) آگے کو اُبھرا ہوا اور اُونچا ہونا (۲) بے تکا پن' پریشانی اور اضطراب کے ہوتے ہیں ۔

رَاعِنَا (۴/۴۶) ۔ ایک کلمہ تھا جس سے یہودی رسول اللہ ؐ کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد رسول اللہ ؐ کو رعونت سے متہم کرنا ہوتا تھا لیکن وہ اسے اس طرح بولتے تھے جس سے یہ ابہام پیدا ہو کہ وہ رَاعِنَا کہتے ہیں جس کے معنے ہیں ہماری رعایت فرمائیے ۔ ہمارا خیال رکھئیے **۔ (یوں سمجھئیے جیسے انگریزی میں کہتے ہیں (I beg your Pardon) ۔ (رَاعِنَا کے لئے عنوان ر ۔ ع ۔ ی بھی دیکھئیے)

رعی

اَلرِّعْیُ ۔ گھاس ۔ الرَّعْیُ ۔ اَلْمَرْعٰی ۔ گھاس چرانا ۔ اَلْمَرْعٰی۔ چراگاہ نیز گھاس جو چری جائے ۔ رَعِیَ ۔ یَرْعٰی ۔ رَعْیًا ۔ جانوروں نے چرا،یا جانوروں کو چرایا اور چرنے کے لئے چھوڑا (لازم و متعدی) ۔ اَلرَّاعِیُ ۔ چرواہا ۔ اس کی ایک جمع رِعَاءٌ بھی ہے دیکھئیے (۲۸/۲۳)*۔ راغب نے لکھا ہے کہ رَعْیٌ در اصل حیوان کی دیکھ بھال نگرانی اور ہر طرح سے اس کی حفاظت کرنے کو کہتے ہیں خواہ وہ غذا دیکر اس کی زندگی کی حفاظت کرنا ہو یا دشمنوں سے بچا کر** ۔ لیکن بعد میں یہ ہر چیز کی حفاظت ، نگرانی اور خیال رکھنے کے لئے بولا جانے لگا ۔ مثلاً رَعٰی اَمْرَہٗ : اپنے معاملہ کا خیال رکھا اور اس کی حفاظت کی۔ رَعَی النُّجُوْمَ وَرَاعَاھَا : اس نے تاروں اور انکی رفتار میں غور کیا اور ان کا خیال رکھا*۔ اس سے مُرَاعَاۃٌ کے معنے ہیں کسی بات کا خاص خیال رکھنا ۔ کسی کی حفاظت و نگرانی کرنا ۔ رَاعٰی اَمْرَہٗ ۔ اس نے اپنے معاملہ کی اچھی طرح نگہداشت کی اور اس کے مآل پر نگاہ رکھی ۔ اَلرَّعِیَّۃُ ۔ وہ مویشی جن کی نگہداشت کی جائے اور انہیں چرایا جائے ۔ نیز وہ لوگ جنکے امور کا کوئی منتظم و نگران ہو اور جن پر کوئی نگہبان و فرمانروا ہو* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حفاظت اور نگہبانی کرنے کے ہیں ۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ (۲۰/۵۴) ۔ ''اپنے مویشیوں کو چارہ کھلاؤ'' ۔ اور اَلْمَرْعٰی (۸۷/۴) کے معنے ہیں گھاس یا چارہ ۔ سورۃ حدید

*تاج ۔ **راغب ۔

میں رہبانیت کے مسلک کے متعلق ہے فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (۵۷/۲۷) "وہ اس کی نگہداشت نہ کرسکے جیسا کہ اس کی نگہداشت کا حق تھا"۔ سورۃ المومنون میں ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (۲۳/۸)۔ "جو لوگ اپنی امانات کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنے وعدوں کی نگہداشت رکھتے ہیں"۔

سورۃ بقرہ میں جماعت مومنین سے کہا گیا ہے کہ تم (یہودیوں کی طرح) رَاعِنَا مت کہو (۲/۱۰۴)۔ اور (۴/۴۶) میں ہے کہ وہ لوگ (یہودی) رسول اللہ ؐ کو مخاطب کرتے وقت الفاظ کو توڑ مروڑ کر کہا کرتے تھے جس سے ان کا مفہوم بدل جائے۔ انہی الفاظ میں رَاعِنَا کا لفظ بھی شامل تھا۔ یہ ان کی دناءت کی انتہا تھی کہ جوشِ مخالفت میں عام آدابِ معاشرت کو چھوڑ کر بالکل بازاری سطح پر اتر آتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ رَاعِنَا کہدیا کرتے تھے جو رُعُوْنَت سے ہے۔ (دیکھئے عنوان ر۔ع۔ن)۔ لیکن صاحب المنار نے لکھا ہے کہ راعِنَا، مُرَاعَاۃ سے ہے (جو بابِ مفاعلہ سے ہے) اور اس باب کی خصوصیت اشتراک ہے۔ اس طرح رَاعِنَا کے معنے یہ ہوئے کہ تم ہماری رعایت کرو تو ہم تمہاری رعایت کرینگے۔ تم ہمارا خیال رکھو تو ہم تمہارا خیال رکھینگے۔ اس قسم کے کلمات رسول ؐ خدا کی شان میں استعمال کرنا کھلی بے ادبی اور گستاخی ہے** ۔ یعنی انہیں غیر مشروط طور پر اطاعت رسول کا اقرار کرنا چاہئے، جو در اصل اطاعت خدا ہے اور یہی ان کا فریضۂ حیات ہے۔ انہیں رسول سے کہنا یہ چاہئے کہ اُنْظُرْنَا آپ ہم پر نگاہ رکھئے کہ ہم بے راہ نہ ہونے پائیں۔ اور اس کے بعد ان کا فریضہ یہ ہونا چاہئے کہ آپ کے تمام احکامات کو سن کر ان کی اطاعت کریں۔ وَاسْمَعُوْا (۲/۱۰۴)۔

لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس آیت میں اہل ایمان کو ایسے قول (لہذا ایسے فعل سے بھی) روکا گیا ہے جس میں غلط اور صحیح ملتبس ہوجائیں اور حق و باطل کا امتیاز واضح نہ ہو۔ اگر کسی قول یا عمل سے اہانتِ رسول یا تنقیص توحید کا شائبہ تک بھی پیدا ہوتا ہو تو اس سے بچنا چاہئے اور محض نیک نیتی کو اس کے جواز کے لئے آڑ نہیں بنانا چاہئے۔ مسلمان کی ہر بات اور ہر عمل کو صاف، واضح اور بین ہونا چاہئے۔ ان امور میں (بالخصوص) شاعری جس قسم کا لائسنس لے لیتی ہے اس کی کبھی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

**المنار - جلد ۱ صفحہ ۴۱۰ -

ر غ ب

رَغْبَۃٌ کے اصلی معنے کسی چیز کے وسیع ہو جانے کے ہیں ۔ رَغُبَ الشَّیْئُ ۔ چیز وسیع ہوگئی ۔ حَوْضٌ رَغِیْبٌ ۔ وسیع حوض ۔ الرَّغْبَۃ و الرَّغَبُ ۔ بہت زیادہ چاہنا ، ارادہ کی وسعت * ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنے (۱) طلب کرنا ۔ چاہنا (۲) وسعت بتائے ہیں ۔ وَادٍ رَغِیْبٌ ۔ بڑی کشادہ وادی جس میں بہت زیادہ پانی سما جائے ۔ تَرَاغَبَ الْمَکَانُ ۔ جگہ وسیع ہوگئی ۔ اَرْغَبَ اللّٰہُ قَدْ رَکَبَ ۔ خدا تیرے مرتبہ کو بڑھائے ۔ اَلرِّغَابُ بہت دودھ دینے والے اور کثیر المنفعت جانور ۔ نیز ہر وسیع و کشادہ چیز کو رَغِیْبٌ کہتے ہیں** ۔ اسی سے راغب نے کہا ہے کہ جب رَغِبَ فِیْہِ یا رَغِبَ اِلَیْہِ کہا جائے تو اس کے معنے ہوتے ہیں ۔ (ارادے کی وسعت کے ساتھ) کسی چیز کو چاہنا اور اس کی حرص کرنا ۔ اِنَّا اِلَی اللّٰہِ رَاغِبُوْنَ (۹/۵۹) میں بھی یہی معنے ہیں ۔ (نیز ۶۸/۳۲) میں ۔ اور جب رَغِبَ عَنْہُ کہا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے رغبت کو اس سے پھیر لینا* ۔ جیسے وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ (۲/۱۳۰) ۔ نیز (۱۹/۴۶) میں رَاغِبٌ کے بعد عَنْ آیا ہے ۔ ان مقامات میں اس کے معنی پھر جانا ۔ رغبت ہٹا لینا ہیں ۔

سورۃ نساء میں ہے لَا تُؤْتُوْنَھُنَّ مَا کُتِبَ لَھُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ (۴/۱۲۷) ۔ یہاں تَرْغَبُوْنَ کا صلہ کوئی نہیں (نہ الی نہ عَنْ) لیکن سیاق عبارت کا تقاضا ہے کہ اس کا صلہ الٰی ہو ۔ مطلب یہ ہے کہ تم بیوہ عورتوں اور یتیم لڑکیوں کو وہ کچھ تو دینا نہیں چاہتے جو قانون خداوندی کی رو سے انہیں ملنا چاہئے اور چاہتے یہ ہو کہ ان سے نکاح کرلو ۔ تاج نے صراحت کی ہے کہ رَغِبَ فِیْہِ کے معنوں میں رَغِبَہٗ بغیر فِیْ کے بھی آتا ہے ۔ یعنی اُسے چاہا ۔ اس کا ارادہ کیا ۔

سورۃ انبیاء میں رَغَبًا بمقابلہ رَھَبًا آیا ہے (۲۱/۹۰) رَھَبٌ کے معنی خوف کے ہیں ۔

ر غ د

عَیْشَۃٌ رَغْدٌ و رَغَدٌ ۔ خوشگوار کشادہ اور فراخ روزی ۔ بافراغت روزی ۔ رَغِدَ عَیْشُھُمْ ۔ انکی زندگی خوشگوار اور روزی کشادہ ہو گئی ۔ اَرْغَدُوْا مَوَاشِیَھُمْ ۔ انہوں نے آزادی سے اپنے مویشی چرنے کے لئے چھوڑ دیے ۔

*راغب ۔ **تاج ۔

اَرْغَدُوْا : وہ سرسبز و شاداب جگہ پہنچے * ۔ اَلرَّغَدُ مال ، پانی ، گھاس ، روزی وغیرہ کا وافر ، کثیر اور بےافراط حصہ جو طبیعت میں تکدر نہ پیدا کرے اور وجہ پریشانی نہ ہو ** ۔

سورۃ بقرہ میں جنّتِ آدم کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں رزق کی کیفیت رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا (۲/۳۵) تھی ۔ یعنے جہاں سے جی چاہے نہایت فراغت سے سامان زیست مل جائے ۔ اسی کے متعلق سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ اس میں کھانے پینے کا سامان ۔ لباس اور مکان (یعنے انسان کی بنیادی ضروریات زندگی) بغیر جگرپاش مشقت کے مل جاتے تھے (۲۰/۱۱۸) ۔ وہ ان ضروریات سے محروم نہیں رہتا تھا ۔ سورۃ نحل میں ہے یَاْتِیْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ (۱۶/۱۱۲) ۔ یہ اس دنیا میں جنتی معاشرہ کی بنیادی خصوصیت ہے کہ اس میں ہر فرد کو سامان زیست نہایت فراوانی سے مل جاتا ہے ۔ ہر جگہ اور بافراط ۔ اس میں لوگ لکیریں کھینچ کھینچ کر رزق کے سرچشموں کو اپنے قبضے میں نہیں لے سکتے ۔ تمام سامان و ذرائع رزق ، نوع انسان کی پرورش اور اسکی صلاحیتوں کی نشو و نما کیلئے کھلے رہتے ہیں اور یہ اس نظام کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ دیکھے کہ کوئی فرد سامان زیست سے محروم نہ رہنے پائے اور اسے ہر شے افراط اور فراوانی سے ملے ۔ رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۔ جہاں سے چاہے نہایت فراغت سے مل جائے ۔

ر غ م

اَلرَّغْمُ ۔ (راء کی تینوں حرکتوں ۔ زبر ۔ زیر ۔ پیش کے ساتھ) ۔ ناپسندیدگی ۔ کراہت ۔ جبر ۔ اصل میں اَلرَّغْمُ ۔ اَلرَّغَامُ ۔ خاک کو کہتے ہیں ۔ اَرْغَمَهُ اللّٰهُ ۔ ذلت نے اسے خاک میں ملا دیا ۔ اس سے اسکے معنے کسی سے زبردستی اطاعت کرانے کے آتے ہیں ۔ ویسے اَلْمَرْغَمُ ناک کو کہتے ہیں ** ۔ اَلْمُرَاغَمُ ۔ وہ جگہ جہاں کوئی ، کسی سے ناراض ہوکر یا بھاگ کر چلا جائے ۔ اس کے بعد اسکے معنے قلعہ نیز راستہ اور وسعت اور فراخی کے بھی لئے جانے لگے ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے دو بنیادی معنی ہیں (۱) مٹی اور (۲) راستہ یا بھاگنے کی جگہ ۔

قرآن کریم میں ہے کہ جو شخص نظام خداوندی کے لئے اپنی جگہ سے ہجرت کرے گا ۔ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرَاغَمًا (۴/۱۰۰) ۔ اسے دنیا میں بہت سی پناہ گاہیں مل جائینگی جہاں اسے وسعت اور فراخی نصیب ہوگی *** ۔ اگر

* تاج و محیط ۔ ** تاج ۔ *** راغب ۔

دشمنوں نے اس پر ایک راستہ بند کر دیا ہے تو اسے کئی راستے کشادہ مل جائیں گے۔

ر ف ت

رُفَاتٌ ۔ بھوسہ یا سوکھی چیز میں سے جھڑ جانے والا چورا۔ بوسیدہ ٹکڑے اور ریزے۔ نیز رسّی کے ٹکڑے۔ اَرْفَتَۃُ الحَبْلُ ۔ رسی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ۔ رَفَتَہٗ ۔ یَرْفُتُہٗ ۔ کسی چیز کو توڑنا ، کوٹنا یا ہاتھ سے بُھربُھرا دینا۔ جیسے مٹی کے ڈھیلے یا بوسیدہ ہڈی کو بھر بھرا دیا جاتا ہے * ۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ہے ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا (۱۷/۴۹) ۔ کیا جب ہم مٹیاں ہو جائینگے اور ایسے بوسیدہ کہ یونہی بھر بھرا جائیں یا چورا چورا ہو جائیں (تو اسکے بعد بھی اٹھائے جائینگے)؟ ۔ عصر حاضر کے مادہ پرستوں (Materialists) کی طرح ان کا بھی یہی خیال تھا کہ زندگی صرف طبیعی عناصر کے سہارے قائم رہ سکتی ہے ۔ اگر یہ سہارے ٹوٹ جائیں تو پھر زندگی کا امکان نہیں رہتا ۔ ان کے اس خیال خام کی تردید کی گئی اور کہا گیا کہ جس خدا نے زندگی کو پہلی مرتبہ بلا طبیعی سہاروں کے پیدا کر دیا تھا وہ اس پر قادر ہے کہ اسے موجودہ طبیعی سہاروں کے بغیر (بلا سہارا یا کسی اور نوعیت کے سہاروں کے ساتھ) قائم رکھے ۔ (۵۱/۱۷) ۔ اسی کو حیات بعد الممات کہا جاتا ہے ۔

ر ف ث

اَلرَّفَثُ ۔ یہ ایک جامع لفظ ہے جو ان تمام باتوں کو محیط ہوتا ہے جو جنسی اختلاط کے سلسلہ میں سرزد ہوتی ہیں ۔ یعنی ابتدائی گفتگو سے لیکر انتہائی منزل تک کی تمام تفاصیل اس میں آجاتی ہیں ** ۔ محیط میں ہے کہ لغت میں اس کے اصلی معنے ہیں وہ گفتگو جو جماع کی طرف داعی ہو ۔ نیز مقدمات جماع ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ فحش باتیں ہیں جن کا ذکر اچھا نہیں سمجھا جاتا ۔ مثلاً جماع اور دواعی جماع کا ذکر ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ الرَّفَثُ کے اصلی معنی جماع ہیں لیکن یہ ہر اس بات کے لئے آتا ہے جس کے ظاہر کرنے سے انسان شرمائے ۔ نیز الرَّفَثُ فحش کلامی کو کہتے ہیں ۔ چنانچہ حج کے ضمن میں ہے فَلَا رَفَثَ (۲/۱۹۷) ۔ اس سے مراد یہ

* تاج و راغب ۔ ** تاج

ہے کہ حج کے اجتماع میں کوئی فحش خیال یا ایسی بات یا حرکت سرزد نہیں ہونی چاہیئے جس میں جنسی میلان پایا جاتا ہو۔ روزوں کے سلسلہ میں قرآن کریم میں ہے اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ (۲/۱۸۷)۔ ''تمہارے لئے روزوں کی رات میں اپنی عورتوں کی طرف رفث حلال کیا گیا ہے''۔ یہاں قرآن کریم نے اِلٰى نِسَآئِكُمْ کا ٹکڑا بڑھا کر واضح کر دیا ہے کہ اس سے کنایہ جماع ہے۔

ر ف د

اَلرِّفْدُ ۔ عطا۔ صلہ۔ ایسی چیز جس سے کسی کو سہارا دیا جائے۔ مدد، حصہ و نصیب۔ رَفَدَهٗ ۔ یَرْفِدُهٗ ۔ رَفْدًا۔ اسنے اسکی مدد کی۔ اسے دیا۔ اَلِارْفَادُ ۔ مدد دینا ۔ عطا کرنا ۔ اصل میں الارْفَادُ زین یا کجاوہ کے نیچے کپڑا وغیرہ (رِفَادَة) رکھنے کو کہتے ہیں تاکہ جانور کی پیٹھ زخمی نہ ہو جائے۔ اَلرِّفَادَةُ ۔ کپڑے کا ٹکڑا یا پھاہا جس سے زخم کا مداوا کیا جائے ۔ نیز وہ عطیہ اور چندہ جو (زمانۂ جاہلیت میں) قریش اکھٹا کرکے اس سے محتاج حاجیوں کے لئے کھانے پینے کا سامان خریدا کرتے تھے۔ اَلِارْتِفَادُ ۔ کسب کرنا۔ کمانا *۔

سورۃ ھود میں ہے بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (۱۱/۹۹) کتنا برا عطیہ اور صلہ ہے۔ کتنی بری مدد ہے جس سے ان کا مداوا کیا گیا ہے اور جس کا انہیں سہارا دیا گیا ہے۔

ر ف ع

رَفَعَ ۔ یَرْفَعُ ۔ بلند کرنا ۔ راغب نے کہا ہے کہ رَفْعٌ کبھی تو مادی چیز جو پڑی ہوئی ہو اسے اس کی جگہ سے اٹھا کر بلند کرنے کے لئے بولا جاتا ہے ۔ کبھی تعمیر کے وقت دیوار وغیرہ کو کھڑا کرنے اور اوپر لے جانے کے لئے ۔ کبھی ناموری اور شہرت یا ذکر بلند کرنے کے لئے اور کبھی مرتبہ بلند کرنے کے لئے آتا ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں ، اونچا کرنا اور اٹھا لینا ۔ اسی سے اس کے معنی کسی چیز کو قریب کرنے کے بھی ہوتے ہیں ۔ نیز پھیلانے اور ظاہر کرنے کے ۔

رَفَعَ ۔ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے ۔ اس کے بنیادی مفہوم میں شدت یا مبالغہ پایا جاتا ہے ۔ یعنی جو کام کرنا اسے تیزی اور شدت سے کرنا ۔

* تاج و راغب ۔

مثلاً رَفَعَ الْبَعِيْرُ فِیْ سَيْرِهٖ ۔ اونٹ نے اپنی رفتار (بہت تیز) کر دی ۔ رَفَعَ الْقَوْمُ ۔ لوگ ملک کے بلند علاقوں پر چڑھ گئے ۔ بَرْقٌ رَافِعٌ ۔ بلندی پر چمکنے والی بجلی ۔ اَلرَّ قَاعَةُ (را کی تینوں حرکتوں کے ساتھ) آواز کی سختی اور شدت ۔ رَفَعَ ۔ رِفْعَةٌ ۔ شریف اور عالی مرتبہ ہونا* ۔

قرآن کریم میں ہے رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (۲/۶۳) ۔ ہم نے تمہارے سر پر طور کا پہاڑ کھڑا کر دیا تھا ۔ یعنے تم اس کے دامن میں تھے اور پہاڑ تمہارے اوپر تھا ۔ عمارت کی بلندی کے لئے تعمیر کعبہ کے ضمن میں ہے اِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ (۲/۱۲۷) ۔ ''جب ابراہیم (اس گھر کی) بنیادیں اُٹھاتا تھا'' ۔ رَفَعَ صَوْتًا ۔ آواز بلند کی ۔ رَفَعَ صَوْتَهٗ فَوْقَ صَوْتِهٖ کے لفظی معنے تو کسی کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا ہیں لیکن اس سے مراد کسی کی رائے پر اپنی رائے کو فائق کرنا بھی ہوتا ہے (۴۹/۲) ۔ درجات کی بلندی کے لئے حضرت ادریسؑ کے متعلق ہے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (۱۹/۵۷) ۔ ''ہم نے اسے بلند درجات عطا کر دیے'' ۔ خود اللہ تعالےٰ نے اپنے آپ کو رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ (۴۰/۱۵) کہا ہے ۔ اس میں اگر رَفِيْعٌ کو مَرْفُوْعٌ کے معنے میں لیا جائے تو مطلب ہوگا مَرْفُوْعٌ عَنِ الدَّرَجٰتِ ۔ یعنی وہ بتدریج اپنے مقام بلند تک نہیں پہنچا بلکہ وہ ہے ہی اسی مقام پر مستوی ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تدریج اور ارتقاء کی منازل سے بلند اور بالاتر ہے ۔ اس سے اقتدار اعلیٰ اور بالا دستی بھی مراد ہے ۔ نیز رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ کے معنی عَالِی الدَّرَجٰت بھی ہو سکتا ہے ۔ یعنی بلند مرتبوں والا ۔ اور اگر ہم رَفِيْعٌ کو بمعنی فاعل (یعنی رَافِعٌ) لیں تو اس کے معنی ہونگے ''درجات کا بلند کرنے والا'' ۔ سورۃ واقعہ میں جہاں خَافِضَةٌ کے مقابلہ میں رَافِعَةٌ آیا ہے (۵۶/۳) وہاں بھی یہی مفہوم ہے ۔ یعنی بلند مدارج و مقام پر لے جانے والی ۔ یہاں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جہاں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہا گیا ہے کہ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (۴/۱۵۸) تو اس کے معنے بھی یہی ہیں کہ اللہ نے ان کے مدارج بلند کر دیے اور اس طرح اپنا مقرب بنا لیا ۔ ورنہ اگر رَفَعَ کے معنے جسمانی طور پر اوپر اٹھا لینے کے لئے جائیں تو اِلَيْهِ (خدا کی طرف) کے لفظ سے یہ ماننا پڑیگا کہ خدا کسی ایک مقام پر ہے ۔ اس لئے کہ جب بھی کسی جسمانی شے کے متعلق کہا جائیگا کہ وہ فلاں کی طرف گئی ہے تو جس کی طرف وہ چیز جائیگی اس کا کوئی مقام متعین کرنا ضروری ہوگا ۔ خدا کو کسی ایک مقام میں محدود سمجھنا قرآن کریم کے خلاف ہے ۔

*تاج ۔

اس لئے بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کے معنے یہی ہیں کہ اللہ نے اس کے درجات بلند کرکے اسے اپنا مقرب بنا لیا ۔ (تفصیل ان امور کی میری کتاب ''شعلۂ مستور'' میں حضرت عیسٰےؑ کے تذکرہ جلیلہ میں ملیگی) ۔ نبی اکرمؐ کے متعلق ہے وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (۹۴/۴) ہم نے تیری عظمت کو تیرے لئے بہت بلند کر دیا ۔ (رَفَعَ اور صَعِدَ کے لئے دیکھئے ص ۔ ع ۔ د ۳۵/۱۰)

ر ف ف

رَفّ ۔ کے بہت سے معنے ہیں لیکن قرآن کریم میں (۵۵/۷۶) صرف رَفْرَفٌ کا لفظ آیا ہے (جو ثلاثی نہیں رباعی ہے) اس لئے ہم رفّ کی بحث کو ضروری نہیں سمجھتے۔ رَفَّ الطَّائِرُ و رَفْرَفَ ۔ پرند نے فضا میں پر کھولے اور انہیں ہلایا ۔ الرَّفْرَفُ ۔ منتشر پتے ۔ اَلرَّفْرَفُ ۔ فرش ، بچھونے ، گدے تکیے ، نیز سبز رنگ کے گدیلے جو سونے کے لئے دری وغیرہ پر بچھائے جاتے تھے ۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد (خیمہ کے پردے وغیرہ کا) وہ زائد حصہ (جھالر) ہے جو لٹکا رہے لیکن عام طور پر اس کے معنے فرش یا بچھونے ہی کے ہیں* ۔ ابن فارس نے رَفْرَفٌ کے معنی باغیچے ، بچھونے اور سبز کپڑے کے لکھے ہیں ۔

ر ف ق

اَلْمِرْفَقُ (جمع مَرَافِقُ) کُہنی ۔ نیز نرمی و سہولت ۔ رَفَقَ النَّاقَةَ ۔ اونٹنی کے بازو (کہنی) کو باندھ دیا تاکہ وہ بھاگ نہ جائے ۔ وہ رسی جس سے اس کے بازو کو (پچھلی ٹانگ کے ساتھ) باندھا جاتا ہے رِفَاقٌ کہلاتی ہے ۔ اسی سے اَلرِّفْقَةُ کے معنے ہم سفر جماعت کے ہیں (کیونکہ چلتے وقت ان کی کہنیاں ایک ساتھ ہلتی ہیں) لیکن جب وہ جماعت ایک دوسرے سے الگ ہو جائے تو پھر ان کے لئے رِفْقَةٌ کا لفظ نہیں بولا جاتا، البتہ ان میں سے ہر ایک ساتھی کو رَفِیْقٌ کہا جاسکتا ہے ۔ اَلرُّفَاقَةُ ۔ جماعت ۔ اِرْتَفَقَ ۔ اس نے کہنی پر ٹیک لگائی ۔ اَلْمُرْتَفَقُ ۔ جس چیز پر ٹیک لگائی جائے ۔ تکیہ، سہارا*** ۔ چونکہ اس طرح ٹیک لگانے سے راحت ملتی ہے اس لئے اِرْتَفَقَ بِهٖ کے معنے ہیں اس سے فائدہ اٹھایا ۔ رَفَقَ بِهٖ یا رَفَقَ عَلَیْهِ ۔ اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی سختی اور تشدد کے بغیر ایک دوسرے کے قریب اور ہمنوا ہونے اور باہم

*تاج و راغب ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔

موافقت کرنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے حَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا (۴/۶۹)۔ ''یہ اچھے ساتھی ہیں'' ۔ ایسے رفقائے سفر جن کی رفاقت سے انسان کی خامیاں پوری ہوکر اس کی ذات کا اور معاشرہ کا توازن قائم رہے ۔ اور یہ سب کچھ بطیبِ خاطر ہو۔ کہنی کے لئے یہ لفظ (۵/۶) میں آیا ہے ۔ سورۃ کہف میں ہے یُهَیِّئْ لَکُمْ مِنْ اَمْرِکُمْ مِرْفَقًا (۱۸/۱۶) ۔ وہ تمہارے پیش نظر مقصد میں آسانیاں پیدا کر دیگا ۔ اسی سورۃ میں جہنم کو سَاءَتْ مُرْتَفَقًا (۱۸/۲۹) اور جنت کو حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا (۱۸/۳۱) کہا گیا ہے ۔ یعنے ٹیک لگانے کی جگہ ۔ جس کے آسرے سے اوپر اٹھا جائے ۔ جہنم کی زندگی ایسی ہے جس کے سہارے انسان ، زندگی کے ارتقائی منازل طے نہیں کرسکتا ۔ جنت کی زندگی ایسی ہے جو انسان کے اوپر اٹھنے اور بلندیوں کی طرف جانے کا بہترین سہارا بنتی ہے ۔ ایسا سہارا جس سے کبھی توازن نہیں بگڑتا (حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا)۔ انسان اُسی سہارے سے اوپر اٹھ سکتا ہے جو اُس کے توازن کو قائم رکھے ۔ توازن بگڑ جانے سے انسان لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے ۔ (سَاءَتْ مُرْتَفَقًا) ۔ سہارے تو جہنمی معاشرہ میں بھی ہوتے ہیں لیکن وہ بڑے ناہموار ہوتے ہیں اس لئے انسان ان کے ذریعے اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوسکتا ۔ ان سے اس کی ذات کی نشو و نما نہیں ہوسکتی۔ یہ صرف جنتی معاشرے کے سہارے ہیں جن سے افراد کی ذات کی نشو و نما ہوتی ہے اور وہ اپنا توازن قائم رکھتے ہوئے اوپر اٹھتے اور آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں ۔

ر ق ب

اَلرَّقَبَةُ ۔ گردن کو کہتے ہیں ۔ رَقَبَةٌ ۔ اس کی گردن میں رسی ڈالی* ۔ ظاہر ہے کہ جب کسی کی گردن میں رسی ڈال دی جائے تو وہ تابع و منقاد ہوجاتا ہے،چنانچہ عرف عام میں الرَّقَبَةُ غلام کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ اس کی جمع الرِّقَابُ ہے ۔ آیت (۴۷/۴) میں الرِّقَاب کے معنے غلام ہی ہیں ۔ واحد کے لئے رَقَبَةً (۴/۹۲) وغیرہ میں بمعنے غلام آیا ہے*۔

رَقَبَ ۔ یَرْقُبُ ۔ کے معنے انتظار کرنا ، اور حفاظت و نگہداشت کرنا ، دونوں آتے ہیں ۔ جیسے وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ۔ (۲۰/۹۴) میں اس کے معنے جہاں انتظار کرنے کے لئے جاسکتے ہیں وہاں نگہداشت کرنا ، پاس اور لحاظ رکھنا بھی ہوسکتے ہیں ۔ اور (۱۸/۲۸) میں یَتَرَقَّبُ کے بھی یہی معنی ہیں ، لیکن باب کی خاصیت کے لحاظ سے اس میں بار بار کوشش اور تجسس سے

*تاج ۔

کسی چیز کا انتظار کرنا اور نگہداشت کرنا مراد ہوگا۔ تاج میں اس کے معنی کسی چیز کی توقع کرنا اور اس کا انتظار کرنا لکھے ہیں ۔ راغب نے اسکے معنے انتظار کرتے ہوئے کسی چیز سے بچنا کئے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں بار بار اس کا خیال آتا تھا اور گردن اٹھا اٹھا کر دیکھتے تھے کہ کوئی آتو نہیں رہا ۔ الرَّقِیْبُ کے معنے ہیں کسی چیز کی حفاظت اور نگہداشت کرنے والا اور کسی چیز کا انتظار کرنے والا ۔ نگران اور حفاظت کرنے والا ۔ ان معنوں میں وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا (۳۳/۵۲ و ۴/۱) آیا ہے ۔ (۵۰/۱۸) میں رَقِیْبٌ بھی انہی معنوں میں آیا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی دیکھ بھال کے لئے کھڑے رہنے کے ہیں۔ گردن کو بھی الرَّقَبَۃُ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایستادہ رہتی ہے ۔

بات کا لحاظ رکھنے اور پاسداری کرنے کے لئے یہ لفظ (۹/۸) میں آیا ہے ۔ اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، (۲/۹۴) میں بھی اسکے یہ معنے ہوسکتے ہیں ۔

اِرْتَقَبَ الشَّیْءَ ۔ کسی چیز کا انتظار کیا ۔ اِرْتَقَبَ الْمَکَانَ ۔ کسی جگہ کے اوپر چڑھنا ۔ بلند ہونا۔ مَرْقَبَۃٌ ۔ چڑھنے کی جگہ ۔ اَلرِّقْبَۃُ تحفظ اور ڈرنے گھبرانے، دونوں معنوں میں آتا ہے* سورۃ دخان میں فَارْتَقِبْ آیا ہے (۴۴/۱۰ و ۴۴/۵۹) ۔ اس کے معنے انتظار کرنے کے ہیں ۔ سورۃ یونس میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ (۱۰/۲۰) ۔ ''ان سے کہو کہ تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں'' ۔

ر ق د

اَلرَّقْدُ ۔ اَلرُّقَادُ ۔ اَلرُّقُوْدُ ۔ سونا (نَوْمٌ)* ۔ قرآن کریم میں یہ مادہ یَقَظٌ (بیداری) کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ (۱۸/۱۸) ۔ ''تو خیال کرتا ہے کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں'' ۔ مَرْقَدٌ ۔ خوابگاہ (سونے کی جگہ) ۔ سورۃ یٰس میں ہے مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (۳۶/۵۲) ۔ ''ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا'' ۔

راغب نے کہا ہے کہ اَلرُّقَادُ تھوڑی سی خوشگوار نیند کو کہتے ہیں** ۔ ان معانی کے اعتبار سے سورۃ کہف کی آیت (۱۸/۱۸) کا مفہوم واضح ہو

* تاج ۔ ** راغب ۔

جاتا ہے کہ وہ لوگ زیادہ دیر تک نہیں سوتے تھے۔ تھوڑی سی نیند کر لیتے تھے اور وہ بھی اس احتیاط کے ساتھ کہ باہر سے دیکھنے والا یہی سمجھے کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ وہ اپنی حفاظت سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

ر ق ق

اَلرَّقُّ۔ اَلرِّقُّ۔ باریک جھلی یا کھال جس پر لکھا جاتا ہے۔ اَلرَّقُّ۔ سفید صحیفہ۔ سفید ورق جس پر لکھا ہوا ہو*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی پتلا پن اور نرمی ہیں۔

اَلرَّقُّ۔ اَلرَّقِیْقُ۔ پتلی اور باریک چیز۔ اَلرِّقَّۃُ۔ طبیعت کی نرمی۔ اَلرِّقُّ۔ غلامی*۔

قرآن کریم میں ہے وَکِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (۵۲/۲-۳)۔ ''لکھی ہوئی کتاب' پھیلی ہوئی باریک جھلی پر''۔

ر ق م

رَقَمَ۔ یَرْقُمُ۔ رَقْماً۔ لکھنا۔ رَقَمَ الْکِتَابَ: کتاب کو اسطرح لکھا کہ حروف، نقاط، اعراب وغیرہ کے لحاظ سے وہ واضح اور مبین ہوئی**۔ قرآن کریم میں ہے کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (۸۳/۹)۔ واضح عبارت میں لکھی ہوئی کتاب یا نشان زدہ کتاب، کیونکہ رَقَمَ الثَّوْبَ کے معنی ہوتے ہیں کپڑے پر دھاریاں بنانا اور قیمت کے تعین کے لئے نشان لگانا۔ دَابَّۃٌ مَّرْقُوْمَۃٌ۔ وہ جانور جس کے پاؤں پر داغنے کے نشانات اور دھاریاں موجود ہوں**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تحریر اور لکیریں کھینچنے کے ہیں۔ وہ خلیل کے حوالے سے لکھتا ہے کہ اَلرَّقْمُ کے معنی ہیں عبارت کو علامات کے ذریعے واضح کرنا۔ اور کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ کسی کتاب کو اسوقت کہیں گے جب اس کے حروف پر نقطوں کے ذریعے علامات لگا دی جائیں۔

قرآن کریم میں اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ (۱۸/۹) آیا ہے۔ اس کے معنی عام طور پر یہ کئے جاتے ہیں کہ ان غار والوں کے حالات ایک دھات کی تختی پر لکھکر ان کے غار کے باہر لگا دیئے گئے تھے اسلئے انہیں اَصْحٰبُ الرَّقِیْمِ کہنے لگ گئے۔ چنانچہ صاحب کتاب الاشتقاق نے بھی کہا ہے کہ اَلرَّقِیْمُ فَعِیْلٌ کے وزن پر بمعنی مَفْعُوْلٌ یعنی

* تاج و راغب۔ **تاج

مَرْقُوْمٌ آیا ہے ۔ یعنی لکھی ہوئی ۔ لیکن حال کی تحقیقات کا رخ اس طرف گیا ہے کہ یہ لفظ وہی ہے جسے تورات میں رَاقِیْمْ کہا گیا ہے ۔ یہ ایک شہر کا نام تھا جو آگے چل کر پیٹرا کے نام سے مشہور ہوا اور عرب اسے بطرہ کہنے لگے ۔ یہ جزیرہ نمائے سینا اور خلیج عقبہ کے شمال کی طرف سطح مرتفع پر واقع تھا ۔ جب دوسری صدی عیسوی میں رومیوں نے شام اور فلسطین کا الحاق کیا ہے تو اس شہر نے رومی نوآبادی کی حیثیت سے بڑی شہرت اختیار کرلی ۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد اس علاقہ کے اثری انکشافات کا سلسلہ شروع ہوا تو وہاں بڑے بڑے وسیع غار ملے ، جن کے اندر اور باہر عمارات کے نشان ملتے ہیں ۔ خیال غالب یہی ہے کہ اَصْحَابُ الْکَہْفِ والرَّقِیْمِ (۱۸/۹) انہی غاروں میں سے ایک غار میں جاکر پناہ گزیں ہوئے تھے جہاں بعد میں انکی یادگار کے طور پر معبد بنایا گیا تھا ۔ (نیز دیکھئے عنوان اصحاب الکھف والرقیم)۔

ر ق و

اَلرَّقْوٌ ۔ ریت کا چھوٹا سا ٹیلہ ۔ اَلتَّرْقُوَۃُ ۔ حلق کے نیچے سینے کا بالائی حصہ جہاں سانس پھولتا دکھائی دیتا ہے ۔ ہنسلی (کی ہڈی) ۔ اسکی جمع تَرَاقٍ اور اَلتَّرَاقِیْ آتی ہے * ۔ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ (۷۵/۲۶) قرآن کریم میں آیا ہے ۔ یعنی ” جب جان سینے کے اوپر کے حصے تک آ پہنچے گی “ ۔ آخری وقت آپہنچے گا ۔ اصل مفہوم اس میں اوپر چڑھنے کا ہے ۔ چنانچہ رَقَا الطَّائِرُ کے معنے ہیں پرندہ اپنی اڑان میں بلند ہو گیا ۔ (اس کے لئے عنوان ر ۔ ق ۔ ی بھی دیکھئے)۔

ر ق ی

رَقِیَ ۔ یَرْقٰی ۔ رَقْیاً ۔ رُقِیّاً اوپر چڑھنا ۔ نیز اِرْتَقٰی و تَرَقّٰی ۔ اوپر چڑھنا * ۔ قرآن کریم میں ہے اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَاءِ (۱۷/۹۳) ” یا تو آسمان پر چڑھ جائے “ ۔ اَلتَّرْقُوَۃُ ۔ ہنسلی ، نیز سینے کے اوپر حلق کے آگے کا حصہ جہاں سانس چڑھتا ہے ۔ جمع تَرَاقٍ اور التَّرَاقِی ** ۔ قرآن کریم میں ہے اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ (۷۵/۲۶) ۔ نیز دیکھئے عنوان (ر ۔ ق ۔ و ۔) اَلرُّقْیَۃُ ۔ جھاڑ پھونک ۔ رَقَاہُ رَقْیاً ۔ وَرُقِیّاً ۔ وَرُقْیَۃً ۔ اسنے اس پر جھاڑ پھونک کی ۔ رَاقٍ ۔ جھاڑ پھونک کرنے والا ۔ * قرآن کریم میں ہے مَنْ رَاقٍ (۷۵/۲۷) ۔

* تاج و محیط ۔ ** بعض اہل لغت نے لفظ التراقی کی ت کو اصلی مانا ہے لیکن ہمارا راجح خیال یہ ہے کہ اس میں ت زائد ہے اور اس کا مادہ ر ۔ ق ۔ و ہے ۔

کون ہے جو جھاڑ پھونک سے اسکی جان بچا لے ؟ ابن فارس نے کہا ہے کہ رَقْیٌ کے بنیادی معنی میں (۱) چڑھنا اور (۲) تعویذ منتر وغیرہ شامل ہیں۔ اَلسَّمَرُ قَاۃٌ والسَّمِرُ قَاۃٌ ۔ سیڑھی کو کہتے ہیں * ۔ اَلرَّقَّاءُ ۔ پہاڑوں پر چڑھنے والا *۔

ر ک ب

رَکِبَہٗ یَرْکَبُہٗ ۔ رُکُوْباً ۔ کسی چیز پر چڑھا ، بلند ہوا ، سوار ہوا * ۔ خواہ جانور پر ہو یا کشتی وغیرہ پر ۔ اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ (۱۸/۷۱) ۔ ”جب وہ دونوں کشتی پر سوار ہوئے“ ۔ رَاکِبٌ ۔ سوار ۔ اسکی جمع ہے اَلرَّکْبُ (۸/۴۲) اور رُکْبَانٌ (۲/۲۳۹) بمقابلہ رِجَالاً ۔ یعنی پیدل ۔ اَلرِّکَابُ ۔ وہ اونٹ جن پر سواری کی جائے (۵۶/۶) (اسکا واحد رَاحِلَۃٌ ہے جو اس سادہ سے نہیں ہے) ۔ اَلسَّمَرُ کَبٌ (جمع اَلسَّمَرُ اکِبٌ) ۔ جس پر سواری کی جائے ۔ رَکُوْبٌ ۔ سواری کا جانور (۳۶/۲)۔

رَکَّبَ ۔ ایک چیز کو دوسری چیز کے اوپر رکھنا ۔ جمانا *۔ چڑھانا** ۔ ترکیب دینا ۔ (۸۲/۸) ۔ مُتَرَاکِباً ۔ ایک کے اوپر دوسرا چڑھا ہوا (۶/۱۰۰) ۔

انسان کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ وہ مختلف ارتقائی منازل طے کرتا ہوا اس مقام تک پہنچا ہے اور اب اسکے بعد مزید ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا اور اوپر کو اٹھتا جائیگا ۔ اسکے لئے سورۃ انشقاق میں ہے لَتَرْکَبُنَّ طَبَقاً عَنْ طَبَقٍ (۸۴/۱۹) ۔ ”تم ایک حالت سے دوسری حالت پر چڑھتے ہوئے درجہ بدرجہ اوپر کو اٹھتے جاؤ گے“ ۔ انسانی زندگی کا موجودہ مقام اسکا منتہیٰ نہیں ۔ اسے ابھی بہت آگے بڑھنا اور بلند ہونا ہے ۔ اس لئے موت سے سلسلہ حیات ختم نہیں ہو جاتا ۔ خاک کے ذرے حیاتیاتی طور پر (Biologically) ارتقائی منازل طے کرتے پیکر انسانی تک پہنچے ہیں ۔ لیکن اس پیکر میں انسانی ذات طبعی ارتقاء کا نتیجہ نہیں ۔ اس کے بعد اس سلسلہ ارتقاء (Evolution) کی اگلی منزل شروع ہوتی ہے ۔ یعنی انسانی جسم کے بجائے انسانی ذات (Human Personality) کا ارتقاء ۔ یہ ارتقاء اسی زندگی میں شروع ہو کر موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے ۔ یعنی اس کے راستے میں طبیعی موت (Physical Death) کوئی رکاوٹ نہیں ۔

اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ خود انسانیت (Humanity) تہ بہ تہ اوپر کو اٹھتی چلی آرہی ہے ۔ تاریخ انہی تہوں کا ریکارڈ ہے ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔

ر ک د

اَلرُّکُوْدُ ۔ ساکن ہونا ۔ اَلرَّاکِدُ ۔ ٹھہری ہوئی ساکن چیز جو چلتی نہ ہو* ۔ رَکَدَتِ السَّفِیْنَۃُ ۔ کشتی لنگر انداز ہو گئی** ۔

اَلرَّوَاکِدُ ۔ چولھے کے تین پتھر جو خانہ بدوش عرب استعمال کرتے ہیں (کیونکہ وہ اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں)** ۔

قرآن کریم میں کشتیوں کے متعلق ہے رَوَاکِدَ عَلٰی ظَہْرِہٖ (۴۲/۳۳) ۔ ''سمندر کی پشت پر کھڑی کی کھڑی رہ جائیں'' ۔ چل نہ سکیں ۔ یعنی اگر خدا کے قانون مشیت کے مطابق ہوائیں ساکن ہو جائیں تو بادبانوں سے چلنے والی کشتیاں ساکن رہ جائیں ۔

ر ک ز

اَلرِّکْزُ ۔ دھیمی سی آواز، آہٹ، یا آواز جو زور دار نہ ہو ۔ یا انسان کی وہ آواز جو دور سے سنائی دے، جیسے شکاری کی اپنے کتوں کے لئے آواز** ۔ سورۂ مریم میں ہے اَوْ تَسْمَعُ لَہُمْ رِکْزًا (۱۹/۹۸) ۔ ''یا ان کی دھیمی سی آواز (بھنک) بھی تمہیں سنائی دیتی ہے؟'' ۔ ''خفی'' کے اعتبار سے رَکَزْتُ کَذَا کے معنی ہوتے ہیں میں نے اسے مخفی طور پر دفن کر دیا ۔ اور اَلرِّکَازُ مال مدفون کو کہتے ہیں ۔ اور معدنیات کو بھی جنہیں خدا نے زمین میں مدفون رکھا ہے*** ۔ چونکہ جس چیز کو دبایا اور گاڑ دیا جاتا ہے وہ اپنی جگہ بالکل قائم اور ثابت رہتی ہے اسلئے اِرْتَکَزَ کے معنے ہیں وہ اپنی جگہ قائم اور ثابت ہو گیا** ۔ اسی سے رَکَزَ السَّرْمَحَ کے معنے ہیں اسنے نیزہ کھڑا کرکے زمین میں گاڑ دیا ۔ اور اَلْمَرْکَزُ ۔ نیزہ گاڑنے کی جگہ کو کہتے ہیں** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) کسی چیز کو دوسری چیز میں اسطرح اتار دینا (گاڑ دینا) کہ وہ اس میں مستحکم ہو جائے ۔ (۲) آواز ۔ آہٹ ۔

ر ک س

اَلرَّکْسُ ۔ کسی چیز کو اسطرح پلٹانا یا موڑنا کہ اسکا اگلا سرا مڑ کر پچھلے سرے کے ساتھ جا ملے ۔ کسی چیز کا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا اوپر کر دینا**** ۔ رِکَاسٌ ۔ اس رسّی کو کہتے ہیں جس کا ایک سرا

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔ *** راغب ۔ ****محیط ۔

اونٹ کی نکیل میں باندھ دیا جاتا ہے اور دوسرا سرا اس کے پاؤں سے اور اسے اتنا تنگ رکھا جاتا ہے کہ اونٹ کا سر بری طرح جھکا رہے اور وہ اسطرح سخت تکلیف میں رہے۔ یہ کچھ اسے سدھانے کیلئے کرتے ہیں۔ اَرْتَکَسَ۔ اس کا سر جھک گیا۔ وہ الٹ گیا*۔

قرآن کریم میں منافقین کے متعلق ہے وَاللّٰہُ اَرْکَسَھُمْ بِمَا کَسَبُوْا (۴/۸۸)۔ "اللہ نے انکے اعمال کی وجہ سے انکا سر جھکا دیا"۔ انہیں ذلیل و خوار کر دیا۔ انہیں سخت مصیبت میں ڈال دیا۔ یا انہیں پھر کفر میں پلٹا دیا۔ یہی معنے (۴/۹۱) میں بھی ہیں۔

ر ک ض

اَلرَّکْضُ۔ گھوڑے کو تیز دوڑانے کیلئے ایڑھ لگانا۔ پرندے کا اڑنے کیلئے پروں کو متحرک کرنا۔ اَلرَّکْضُ۔ تیز دوڑنا۔ قرآن کریم میں ہے مِنْھَا یَرْکُضُوْنَ۔ لَا تَرْکُضُوْا (۲۱/۱۲-۱۳)۔ اسکے معنے تیزی سے بھاگنے کے ہیں۔ اَلرِّکْزُ رَکْضٌ۔ وہ چیز جس سے آگ کو حرکت دیکر بھڑکایا جائے**۔ سورۃ ص میں حضرت ایوبؑ کے قصہ میں ہے اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ (۳۸/۴۲)۔ اس کے معنے چلنے کے ہیں۔ اپنے پاؤں کو تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی ٹانگ کو (پانی میں ڈال کر اسے) حرکت دے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ رکض کے بنیادی معنی آگے کی طرف متحرک ہونا یا متحرک کرنا ہیں۔

سورۃ انبیاء کی آیت (لَا تَرْکُضُوْا۔ ۲۱/۱۳) ایک عظیم حقیقت کی ترجمان ہے۔ سابق آیت میں ہے کہ جو قومیں اپنے معاشی نظام کو قوانین خداوندی کے تابع رکھنے کی بجائے اپنی تدابیر کے تابع رکھتی ہیں وہ معاشرے میں فساد پیدا کر دیتی ہیں۔ اس سے دولت کی تقسیم سخت ناہموار ہو جاتی ہے جس کا آخر الامر نتیجہ تباہی ہوتا ہے۔ لیکن وہ دولت کے نشے میں بدمست اس کا احساس نہیں کرتیں کہ وہ کس تباہی کی طرف کشاں کشاں چلی جا رہی ہیں۔ تاآنکہ جب وہ تباہی محسوس طور پر ان لوگوں کے سامنے آکھڑی ہوتی ہے تو وہ اس سے بچنے کے لئے تیزی سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اس وقت خدا کا قانون مکافات انہیں آواز دیتا ہے کہ لَا تَرْکُضُوْا۔ مت بھاگنے کی کوشش کرو۔ تم اب بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ وَارْجِعُوْا اِلٰی مَا اُتْرِفْتُمْ فِیْہِ وَمَسٰکِنِکُمْ۔ چلو واپس اپنے عظیم الشان محلوں میں اور آسائش کے مقامات میں جنہیں تم نے غریبوں کے

*تاج۔ **تاج و محیط و راغب۔

خون کی رنگینی سے مزین بنا رکھا تھا۔ وھیں واپس چلو۔ لَعَلَّکُمْ تُسْئَلُوْنَ (۲۱/۱۳) تاکہ تم سے وھاں جا کر پوچھا جائے کہ یہ دولت کہاں سے آئی تھی اور ان عیش سامانیوں پر تمہارا کیا حق تھا ؟ ۔

قرآن کریم نے نظام سرمایہ داری کے انجام کا نقشہ کسقدر بین انداز میں آنکھوں کے سامنے کھینچدیا ھے ؟

رکع

رَکَعَ کے معنے ھوتے ھیں منہ کے بل جھکنا یا گر جانا ۔ خواہ اس میں گھٹنے زمین پر لگیں یا نہ لگیں ۔ البتہ سر ضرور جھک جائے ۔ راغب نے کہا ھے کہ رُکُوْعٌ کے معنے جھکنے کے ھیں ۔ یہ لفظ کبھی بالخصوص جسمانی شکل میں جھکنے کے لئے اور کبھی محض عاجزی اور انکساری کے لئے بولا جاتا ھے، خواہ وہ عبادتاً ھو یا بغیر عبادت ۔ یعنے کسی کے حکم کے آگے سر جھکا دینے کے ۔ ویسے بھی بوڑھے شخص کے لئے جو کمزور و نحیف ھو جائے رَکَعَ الشَّیْخُ کہتے ھیں ، کیونکہ ایسی کمزوری میں انسان ذرا جھک جاتا ھے ۔ یا جس شخص کی حالت سقیم و خستہ ھو جائے اس کے لئے بھی رَکَعَ فُلَانٌ بولا جاتا ھے ۔ ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی جھکنے کے لکھے ھیں صاحب تاج العروس نے لکھا ھے کہ جاھلیت کے زمانہ میں عرب ، حنیف شخص کو رَاکِعٌ کہا کرتے تھے جبکہ وہ بتوں کی پرستش نہ کرتا ھو اور کہا کرتے تھے رَاکِعٌ اِلَی اللّٰہِ ۔ زمخشری نے لکھا ھے کہ اس کے معنے تھے وہ اللہ کی طرف متوجہ ھوکر مطمئن ھوگیا* ۔ رَاکِعٌ کی جمع رُکَّعٌ آتی ھے ۔

رُکُوْعٌ وَسُجُوْدٌ (دیکھئے عنوان س ۔ ج ۔ د) در حقیقت قوانین خداوندی کے سامنے سرتسلیم خم کرنے کا نام ھے ۔ سجدہ میں رکوع کی نسبت زیادہ شدت پائی جاتی ھے ۔ یعنے کامل اطاعت ۔ سورۃ بقرہ میں یہودیوں سے کہا گیا ھے وَ اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوْا الزَّکٰوۃَ وَ ارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (۲/۴۳) ۔ یعنے جو جماعتِ مومنین ، قوانینِ خداوندی کے سامنے اپنا سر جھکائے ھوئے ھے ، تم بھی ان میں شامل ھوکر اسی طرح ان قوانین کی اطاعت کرو ۔

چونکہ انسان کے جسم کی حرکات اس کے دل کے جذبات کی ترجمان ھوتی ھیں ۔ (مثال کے طور پر جب ھم ''نہیں'' کہتے ھیں تو اس کے ساتھ ھی ھمارا سر خود بخود

*تاج ۔

دائیں بائیں ہل جاتا ہے اور جب ''ہاں،، کہتے ہیں تو اس کی حرکت خود بخود اوپر نیچے ہو جاتی ہے) ۔ اس لئے قوانین خداوندی کے سامنے سرتسلیم خم کرنے کی محسوس ترجمانی اجتماعات صلوٰۃ میں رُکُوْعٌ اور سَجْدَۃٌ کی شکل میں ہوتی ہے۔ تَرَاھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا . . . سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (۴۸/۲۹) ۔ ''تو انہیں رکوع و سجود کرتے ہوئے دیکھتا ہے . . . اطاعت کے اثر سے ان کی قلبی کیفیات ان کے چہروں پر (ظاہر) ہیں'' ۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں رکوع اور سجدہ تو کرے لیکن اپنی زندگی غیر خدائی قوانین کے تابع بسر کرے، تو اس کے یہ رکوع و سجود منشائے خداوندی کے مطابق نہیں ہونگے ۔ یعنی وہ چند منٹ کے لئے (اور وہ بھی بظاہر) خدا کے سامنے جھکتا ہے لیکن اپنی پوری زندگی میں عملاً غیر اللہ کے سامنے جھکتا رہتا ہے ۔ اس لئے اس کے یہ رکوع اور سجود خدا کی اطاعت کی علامات نہیں ہیں ۔ سچا رکوع اور سجدہ یہ ہے کہ انسان کا دل قوانین خداوندی کے سامنے جھک جائے، اور دل کے جھکنے کے ساتھ اس کا سر بھی تعظیماً جھک جائے ۔ اجتماعات صلوٰۃ کی محسوس حرکات سے یہی مقصود ہے ۔

ر ک م

اَلرَّکْمُ ۔ کسی چیز کو اوپر تلے رکھنا اور جمع کرنا، حتکہ وہ تہ بہ تہ ڈھیر کی شکل اختیار کر جائے* ۔ فَیَرْکُمَہٗ (۸/۳۷) ۔ ''وہ ان سب کو اوپر تلے ڈھیر بنا دیگا'' ۔ رُکَامٌ ۔ اوپر تلے رکھی ہوئی چیزوں کا ڈھیر* ۔ ثُمَّ یَجْعَلَہٗ رُکَامًا (۲۴/۴۳) ۔ پھر انہیں اوپر تلے رکھ کر دبیز بادل کی شکل دیدیتا ہے ۔ سورۃ طور میں ہے سَحَابٌ سَرْکُوْمٌ (۵۲/۴۴) ۔ تہ بہ تہ بادل ۔ نَاقَۃٌ سَرْکُوْمَۃٌ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بہت فربہ ہو۔ جس پر چربی کی تہیں چڑھی ہوئی ہوں* ۔

ر ک ن

رَکِنَ ۔ یَرْکَنُ (اِلَیْہِ) ۔ کسی کی طرف مائل ہونا اور سکون پانا* ۔ سورۃ ہود میں ہے وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (۱۱/۱۱۳) ۔ جو لوگ سرکش ہیں ان کی طرف مت جھکو۔ ان کی طرف مائل مت ہو۔

*تاج و محیط و راغب ۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَ لَوْلَاۤ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا (۱۷/۷۴)۔ ''اگر ہم نے تجھے ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو تو تھوڑا سا ان کی طرف جھک جاتا''۔ رسول کا مقام یہ ہوتا ہے کہ جہاں عام انسان (اپنے مشن کی خاطر ہی سہی) کچھ نہ کچھ دوسروں کی خاطر جھک جاتے ہیں، رسول ایسا کبھی نہیں کرتا۔ (دیکھئے ۶۸/۹ و ۱۰/۱۵)

اَلرُّكْنُ ۔ وہ چیز جس سے کسی کو تقویت پہنچتی ہو۔ سہارا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قوت کے ہیں۔ رُكْنٌ کسی چیز کے قوی ترین پہلو کو کہتے ہیں۔ سورۃ ہود میں ہے اٰوِیْ اِلٰی رُكْنٍ شَدِيْدٍ (۱۱/۸۰) میں ایک محکم سہارے کی پناہ لے لوں۔ ابن فارس نے رُكْنٌ شَدِيْدٌ کے معنی عزت و غلبہ بتائے ہیں جس کی وجہ سے کسی کو تاب مخالفت نہ ہوسکے۔ اَرْكَانُ الشَّيْءِ ۔ چیز کے اطراف و جوانب۔ وہ سہارے جن پر وہ چیز قائم ہو*۔

ر م ح

اَلرِّمْحُ ۔ (جمع رِمَاحٌ) ۔ نیزہ*۔ قرآن کریم میں ہے تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ (۵/۹۴)۔ ''جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکتے ہیں''۔

(مجازاً عربوں میں فقر و فاقہ کو بھی اَلرِّمْحُ کہتے ہیں**۔ تاج میں اس معنے کے لئے بجائے رُمْحٌ کے رَمَّاحٌ لکھا ہے)۔

ر م د

اَلرَّمَادُ ۔ راکھ کو کہتے ہیں۔ خاکستر*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْاَرْمَدُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا رنگ غبار آلود اور گدلا ہو، یعنی خاکستری رنگ۔ رَمَادَةٌ۔ ہلاکت۔ تباہی۔ اَرْمَدَ الْقَوْمُ ۔ لوگ خشک سالی میں مبتلا ہوئے اور ان کے مویشی تباہ ہوگئے*۔

قرآن کریم میں غلط روشِ زندگی پر چلنے والوں کے اعمال کو ایسی رَمَادٌ سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر سخت تیز ہوا چلے (۱۴/۱۸)۔ ظاہر ہے کہ ایسے جھکڑ میں اس خاکستر کا نام و نشان تک باقی نہیں رہ سکتا۔ غلط نظام اور غلط عمل، زمانے کے تند و تیز تقاضوں اور شدید حوادث کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتے، اگرچہ (راکھ کے ڈھیر کی طرح) وہ بہت بڑے اور زیادہ نظر آتے ہیں۔

*تاج و راغب و محیط۔ **محیط۔

ر م ز

اَلرَّمْزُ کے معنے جنبش و حرکت کے ہیں*۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنے حرکت و اضطراب بتائے ہیں۔ اَلرَّمِیْزُ۔ کثیر الحرکت کو کہتے ہیں۔** اسی سے اس کے معنے اشارے کے ہیں خواہ وہ ہونٹوں سے کیا جائے یا آنکھوں سے یا ابروؤں سے یا منہ، ہاتھ اور زبان سے۔ اور اس کے ساتھ آواز نہ ہو۔ اور اگر آواز ہو تو ہلکی سی، جیسے کانا پھوسی میں ہوتی ہے۔**

سورۃ آل عمران میں حضرت زکریاؑ کے متعلق ہے..... اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا (۳/۴۱)۔ ''تو تین دن تک لوگوں سے اشارے کے سوا بات نہ کرے گا''۔ شریعت یہود میں، روزے میں بات کرنا بھی منع تھا۔ یا ایسے روزے بھی رکھے جاتے تھے جن میں چپ رہنے کی نیت کی ہو (دیکھئے، ۱۹/۲۶)۔

ر م ض

اَلرَّمْضُ۔ ریت وغیرہ کا سخت دھوپ سے تپ جانا۔ اَلرَّمْضُ۔ اَلرَّمْضَاءُ۔ سخت گرمی اور تپش**۔ شَہْرُ رَمَضَانَ۔ (رمضان کا مہینہ) قدیم عربی میں اس مہینے کو نَاتِق کہتے تھے۔ جب مہینوں کے نام بدلے گئے (یہ بھی زمانہ قبل از اسلام کی بات ہے) تو چونکہ یہ مہینہ (اس تبدیلی نام کے وقت) سخت گرمی میں پڑتا تھا اسلئے اسکا نام رَمَضَانُ ہوگیا**۔ اس مہینے میں نزولِ قرآن کا آغاز ہوا تھا (۲/۱۸۵)۔

قمری مہینوں کے لحاظ سے کوئی مہینہ ہمیشہ اُسی موسم میں نہیں آسکتا۔ اسلئے اب رمضان کا مہینہ سخت سردی میں بھی آجاتا ہے۔ لیکن باین ہمہ یہ کہلاتا رمضان ہی ہے۔ (مہینوں کی تبدیلی کے سلسلہ میں دیکھئے عنوان ن۔ س۔ ا)۔

ر م م

رَمَّ العَظْمُ: ہڈی گل سڑ گئی اور بوسیدہ ہوگئی۔ رَمَّ الشَّیْءَ رَمًّا و ارتَمَّہٗ۔ اس نے اس چیز کو مکمل طور پر کھما لیا۔ اَلرِّمَّۃُ۔ بوسیدہ ہڈیاں۔ اَلرِّمَّۃُ۔ بوسیدہ رسی۔ اَلرَّمِیْمُ۔ گذشتہ سال کے پودوں میں سے جو کچھ بچ جائے۔ نیز ہر پرانی اور بوسیدہ چیز کو بھی کہتے ہیں۔ اَلرِّمُّ

*محیط۔ **تاج۔

خشک گھاس کا چورا۔ بھوسہ ۔ پانی کے اوپر بہ جانے والا کچرا ۔اَلرِّمَامُ۔ خاموش ہو جانا ۔سکوت ۔ اَلرَّمُّ ۔ بوسیدہ چیز کو درست کر دینا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چار ہوتے ہیں ۔ (۱) چیز کو درست کرنا ۔ (۲) چیز کا بوسیدہ ہو جانا ۔ (۳) خاموش رہنا۔ اور (۴) باتیں کرنا (اضداد میں سے ہے) ۔

قرآن کریم میں ہے مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ (۳۶/۷۸) ۔ "ہڈیاں جب بوسیدہ ہوجائیں تو انہیں کون زندہ کر سکتا ہے"۔ سورۃ ذاریات میں اُس تباہ کن آندھی کے متعلق ہے جو قوم عاد پر چلی تھی کہ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْہِ اِلَّا جَعَلَتْہُ کَالرَّمِیْمِ (۵۱/۴۲) ۔ "وہ کسی شے کو نہیں چھوڑتی تھی جس پر آتی تھی بجز اس کے کہ اسے چورا کرکے رکھ دیتی تھی" ۔

ر م ن

اَلرُّمَّانُ ۔ انار ۔ (درخت ہوں یا پھل ، واحد رُمَّانَۃٌ) ۔ غالباً انار کی تاثیر کی وجہ سے (جو دل کو قرار دیتی ہے) رَسَنَ بِالْمَکَانِ کے معنی ہیں وہ اس جگہ مقیم ہو گیا**۔ قرآن کریم نے انگور ۔ زیتون ۔ اور اناروں کے باغات کا ذکر کیا ہے ۔ وَ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ (۶/۱۰۰) ۔

ر م ی

رَمَی الشَّیْءَ ۔ رَمٰی بِہٖ ۔ کسی چیز کو پھینک دینا یا ڈال دینا۔ یعنی گرا دینا ۔رَمَی السَّھْمَ عَنِ الْقَوْسِ ۔ کمان سے تیر پھینکا۔اَلرِّمْیَۃُ چھوٹا تیر۔ خَرَجَ یَرْتَمِیْ ۔ وہ تیر سے شکار کرنے کے لئے نکلا ۔ اَلْمَرْمٰی ۔ وہ نشان (ھَدَفٌ) جسکی طرف تیر پھینکے جاتے ہیں*** ۔

سورۃ مرسلٰت میں ہے اِنَّھَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ (۷۷/۳۲) ۔ "وہ چنگاریاں پھینکتی ہے" ۔ سورۃ فیل میں ہے تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ (۱۰۵/۴) "تو ان پر پتھر پھینکتا تھا"۔ سورۃ انفال میں ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (۸/۱۷) ۔ جنگ بدر میں جو تیر اندازی تیری طرف سے ہو رہی تھی وہ تیری طرف سے نہیں بلکہ درحقیقت اللہ کی طرف سے تھی ۔ اس لئے کہ یہ تمام

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج و محیط ۔ ***تاج ۔

لڑائیاں خدا کے حکم کے ماتحت اس کے نظام کو بلند کرنے کے لئے لڑی گئی تھیں - کمانڈر جب حکومت کے حکم سے فوج کشی کرتا ہے تو وہ جنگ اُس حکومت کی طرف سے سمجھی جاتی ہے - یا جب فوج کمانڈر کے حکم سے حملہ کرتی ہے تو وہ حملہ کمانڈر کی طرف سے متصور ہوتا ہے -

اس آیت میں رَمَیْتَ کا کوئی مفعول بہ مذکور نہیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ رَمَی کے بعد مختلف مفعول بہ آنے سے ان کے مطابق ہر جگہ الگ معنی ہوتے ہیں - لیکن اس آیت میں میدان جنگ کا ذکر ہے اور پہلے فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ کہکر یہ واضح کر دیا ہے کہ یہاں دشمنوں کے قتل کا تذکرہ ہے - اس لئے رَمَیْتَ سے تیر اندازی ہی مراد لیا جاسکتا ہے - وبسے بھی (لین نے مختلف اسناد سے لکھا ہے کہ) جب ننھا رَامَیْتُہٗ یا مُرَامَاۃً کہا جائے تو اس کے معنی تیراندازی یا سنگ باری کے ہوتے ہیں -

رَمَاہُ بِقَبِیْحٍ - اس نے اسے برائی کے ساتھ متہم کیا* - قرآن کریم میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (۲۴/۲۳) - ''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں'' - کسی پاکدامن کے خلاف تہمت لگانا ، ''تیر اندازی'' یا ''سنگ باری،، کی بد ترین شکل ہوتی ہے - اسی لئے قرآن کریم نے اس کی سزا بھی سخت تجویز کی ہے (۲۴/۴) -

ر و ح

رَاحٌ* - رَوْحٌ* - رُوْحٌ* - رِیْحٌ* - سب ایک ہی مادہ کے الفاظ ہیں - اور انہی سے رَاحَۃٌ* - رَوْحَۃٌ* - اِسْتِرَاحَۃٌ* - تَرْوِیْحَۃٌ* - رَیْحَانٌ* - وغیرہ الفاظ آئے ہیں - رَاحَ کے بنیادی معنے ہیں ہوا کا چلنا،ہوا کا آنا ، ہوا کا محسوس کرنا* - چونکہ ہوا انبساطِ زندگی ، حرکت اور قوت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے اس مادہ سے بننے والی مختلف شکلوں میں یہ تمام مفہوم مضمر ہوگئے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی وسعت اور فراخی کے ہیں -

اَلرَّوْحُ - راحت - سرور - خوشی - رحمت - وسعت - مَکَانٌ* رَوْحَانِیٌّ - عمدہ اور پاکیزہ مکان* - اَلرِّیْحُ - ہوا - اَلرِّیْحَۃُ - ہوا کا کچھ حصہ - رِیَاحٌ* - اس کی جمع ہے - راغب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں اِرسالِ رِیَاح بیشتر مقامات میں رحمت وشادمانی کے لئے استعمال ہوا ہے اور اِرسال

* تاج -

رِیْح عذاب کے لئے* ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے لکھا ہے کہ جب ہوا (اَلرِّیْحُ) تند و تیز ہو تو اسے اَلْعاصِفُ کہا جاتا ہے ۔ جو ہوائیں بادل لاتی ہیں وہ مُبَشِّرَاتٌ کہلاتی ہیں ۔ جو بارش لاتی ہیں انہیں اَلْمُعْصِرَاتُ کہا جاتا ہے ۔ میدانوں اور صحراؤں میں ہلاکت انگیز ہوا کو بھی عَاصِفٌ کہا جاتا ہے ۔ لیکن سمندر میں طوفان لانے والی ہواؤں کو اَلْقَوَاصِفُ کہتے ہیں ۔

اَلرِّیْحُ ۔ نصرت ۔ غلبہ و قوت ۔ گردش ۔ انقلاب ۔ اور باری* ۔ وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ (۸/۴۶) ۔ تمہاری ہوا اُکھڑ جائیگی ۔ تمہاری قوت چلی جائے گی ۔ تَرْوِیْحَةٌ ۔ در اصل بہ بیٹھنے اور آرام کرنے کو کہتے ہیں یعنی سستانے کو ۔ پھر نماز تراویح کی ہر چار رکعت کو کہتے ہیں کیونکہ چار رکعتوں کے بعد تھوڑا سا راحت کا وقفہ ہوتا ہے ۔ اَلرَّوِیْحَةُ ۔ تنگی کے بعد فراخی مل جانا ۔ رَاحَةٌ ۔ شام کے وقت مویشیوں کا گھروں کو واپس آنا ۔ چنانچہ اَلرَّوَاحُ ۔ شام یا زوالِ آفتاب کے بعد سے رات تک کا وقت* ۔ سورۃ سبا میں رَوَاحٌ (شام کا سفر) بمقابلہ غُدُوٌّ (صبح کا سفر) آیا ہے ۔ (۳۴/۱۲) ۔

صاحب محیط نے اَلرَّوْحُ کے معنے فرحت و مسرت ، راحت و رحمت کے علاوہ ، بادِ نسیم ، مدد ۔ انصاف و عدل جس سے فریادی کو راحت و سکون نصیب ہو جائے ، بھی لکھے ہیں ۔ اور اَلرُّوْحُ کے معنے (عام انسانی روح کے علاوہ) رحمت ، خدا کی طرف سے وحی اور خود قرآن کریم** ۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (۱۶/۲) ۔ یہاں اَلرُّوْحُ سے مراد وحی ہے ۔ اور سورۃ شوریٰ میں ہے وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (۴۲/۵۲) ۔ یہاں رُوْحًا سے مراد خود قرآن کریم ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل میں جہاں کہا گیا ہے وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (۱۷/۸۵) ۔ ”تجھ سے اَلرُّوْحُ کے متعلق پوچھتے ہیں ۔ کہدے کہ اَلرُّوْحُ میرے رب کے امر سے ہے“ ۔ تو وہاں روح سے مراد انسانی روح (Soul) نہیں بلکہ وحی ہے ۔ اس کی وضاحت اس سے اگلی آیت نے کر دی ہے جہاں اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ کہا گیا ہے ۔ (۱۷/۸۶) ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ وحی کی ماہیت سمجھنا چاہتے ہیں ۔ ان سے کہدو کہ اس کا تعلق عالم امر سے ہے ۔ دنیائے محسوسات سے نہیں ۔ اس لئے تم اس کی ماہیت کو نہیں سمجھ

*تاج ۔ **محیط ۔

سکتے۔ اس پر ایمان لانا ہوگا۔ البتہ اس کی تعلیم کو سمجھ سکتے ہو۔ ''ماہیت'' کے معنی یہ ہیں کہ وحی کیسے ہوتی ہے ۔ خدا اور نبی کا تعلق کیا ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ ۔ یہ چیزیں غیر از نبی کی سمجھ میں نہیں آسکتیں ۔ اسی بنا پر صاحب المنار نے لکھا ہے کہ رُوْحُ الْقُدُسِ (۲/۸۷) ۔ جسکی تقویت حضرت عیسٰیؑ کو حاصل تھی ، تورات اور انجیل کے احکام تھے جو انہیں بذریعہ وحی عطا کئے گئے تھے اور جو نفوس انسانیہ کو مقدس بنا دینے کا موجب تھے ۔ بعض نے رُوْحُ الْقُدُسِ سے مراد جبریل لی ہے اور یہی مفہوم سورۃ الشعراء میں الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ (۲۶/۱۹۳) کا لیا ہے * جہاں قرآنِ کریم کے متعلق کہا گیا ہے کہ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ (۲۶/۱۹۳-۱۹۴) ۔ اور اسکی تائید سورۃ بقرہ کی اس آیت سے ہوتی ہے جس میں جبریل کے متعلق ہے فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (۲/۹۷) اس سے ظاہر ہے کہ الروح الامین جبریل ہی کا لقب ہے ۔ سورۃ نحل میں ہے قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ (۱۶/۱۰۲) ۔ لہذا روح القدس بھی جبریل ہی کو کہا گیا ہے ۔ ہم چونکہ وحی کی کنہ و ماہیت کو نہیں جان سکتے اسلئے جبریل کی حقیقت سے بھی آشنا نہیں ہوسکتے ۔ رُوْحٌ کے لفظ سے اس طرف اشارا ملتا ہے کہ وہ الوہیاتی توانائی ہے جو نبیؐ کے قلب پر انکشاف حقائق کرتی ہے ۔ اور ملائکہ وہ کائناتی قوتیں ہیں جو قانون خداوندی کو مشہود بناتی ہیں ۔ اسی لئے قرآن کریم میں مَلَائِکَۃٌ اور رُوْحٌ کا الگ الگ بھی ذکر آیا ہے (۹۷/۴ ; ۷۸/۳۸ ; ۷۰/۴) ۔

قرآن کریم میں انسانی تخلیق کے سلسلہ میں ابتدائی کڑیاں تو وہی ہیں جو عام حیوانات کی تخلیق سے متعلق ہیں ۔ لیکن اسکے بعد انسان کو دوسرے حیوانات سے یہ کہکر ممتاز کر دیا گیا ہے کہ وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ (۳۲/۹) ۔ اس میں خدا نے اپنی ''روح'' پھونکی ۔ اور اسکا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ (۳۲/۹) ۔ انسان کو سمع و بصر یعنے ذرائع علم اور قلب عطا کیا ۔ ظاہر ہے کہ اس میں ''روح خداوندی'' سے مراد وہ الوہیاتی توانائی ہے جسے انسانی ذات (Personality) یا نفس (Self) کہتے ہیں اور جس سے انسانی خصوصیات وابستہ ہیں ۔ یہ (انسانی خودی) ہر انسان کو یکساں طور پر ملی ہے ۔ اسکے بعد دیکھنا یہ ہوگا کہ انسان اسے کس حد تک نشوونما دیتا ہے ۔ اسکی کتنی

*تفسیر المنار ـــ تاج ۔

(Deyelopment) کرتا ہے ۔ روحانیت سے یہی مراد ہے اور یہ نشوونما قرآنی معاشرہ کے اندر ہوتی ہے ۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے اس ''توانائی'' یعنی'' رُوْح ،، کو'' روحنا''(ہماری روح) کیوں کہا ہے؟ کیا یہ چیز'' ذات خداوندی ،، کا جزو ہے ؟ اس سوال کا سمجھ لینا ضروری ہے ۔ کائنات میں ہر جگہ توانائی پائی جاتی ہے ۔ جانداروں میں اس کا اظہار زیادہ نمایاں اور محسوس طریق پر ہوتا ہے ۔ یہ توانائی مادی اسباب و علل کا نتیجہ ہوتی ہے (یا یوں کہیئے کہ طبیعی قوانین کے مطابق سامنے آتی ہے) اس لئے اسے ''مادی توانائی ،، کہتے ہیں ۔ انسانی جسم کی توانائی بھی اسی زمرہ میں آتی ہے ۔ لیکن انسان کے اندر ایک اور توانائی بھی ہے جس کا مظاہرہ اس کے اختیار اور ارادے کی شکل میں ہوتا ہے ۔ یہ توانائی جسم انسانی کی طبیعی توانائی سے زیادہ قوی ہوتی ہے ، اس لئے کہ طبعی توانائی ، اس خاص توانائی کے تابع کام کرتی ہے ۔ اس'' توانائی '' کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے (اسے اس نے '' روحنا '' کہہ کر پکارا ہے ۔ یعنی خدا کی روح یا توانائی) اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ توانائی ، مادی قوانین سے متعلق نہیں ۔ خدا کی طرف سے براہ راست ملی ہے ۔ یہ '' انسانی ذات ،، ہے ۔ اسی کو '' الوہیاتی توانائی ،، سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ '' الوہیاتی ،، ہمارے ہاں کی ایک قدیم اصطلاح ہے اور اس کے معنی ہیں '' اللہ (خدا) کی طرف منسوب ۔ لہذا '' الوہیاتی توانائی '' سے مراد ہے ایسی توانائی جو مادہ کی پیداوار نہیں بلکہ براہ راست خدا کی طرف منسوب ہے ۔ واضح رہے کہ خود مادی توانائی بھی '' غیر از خدا '' کی پیدا کردہ نہیں ہوتی ۔ وہ اُن قوانین کے ماتحت پیدا ہوتی ہے جو خدا نے مادہ سے متعلق متعین کر رکھے ہیں ۔'' انسانی توانائی ،، کو اس نے خاص طور پر اپنی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ یہ '' مادی توانائی ،، سے الگ اور ممتاز ہے ۔

یہ توانائی ، خدا کی ذات کا حصہ نہیں ۔ '' ذات ،، کے حصے بخرے ہو نہیں سکتے ۔ اسے ذات خداوندی سے جدا شدہ حصہ سمجھنا ، ہندوؤں کے فلسفۂ ویدانت کا پیدا کردہ تصور ہے ۔ انسانی ذات ، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ '' توانائی ،، ہے جو نہ اس کی ذات کا حصہ ہے ۔ نہ اس کا منتہٰی اس کی ذات سے جا کر مل جاتا ہے ۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے ، یہ توانائی ، غیر تشوونما یافتہ شکل (Un- Developed Form) میں ملتی ہے ۔ اور اسے تشوونما

دینا ، انسانی زندگی کا مقصود ہے ۔ اسی کے لئے قرآنی معاشرہ قائم کیا جاتا ہے ۔ انسان کے ہر عمل کا اثر اسکی ذات پر مرتب ہوتا ہے ۔ اور اس کی ذات اس کے طبیعی جسم کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی ۔

مادی تصور حیات (Materialistic Concept Of Life) اور قرآنی تصور حیات میں فرق ہی یہ ہے کہ اول الذکر کی رو سے ، انسان عبارت ہے صرف اس کے طبعی جسم سے ۔ اس جسم کی مشینری ، طبعی قوانین کے تابع سرگرم عمل رہتی ہے اور جب انہی قوانین کے مطابق وہ چلنے سے رک جاتی ہے تو اسے موت کہتے ہیں جس سے اس فرد کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔ قرآنی تصور حیات کی رو سے ، انسان عبارت ہے اس کے طبعی جسم اور اسکی ذات سے ۔ اسکی ذات ، طبعی قوانین کے تابع نہیں ہوتی اس لئے جب طبعی قوانین کے مطابق انسانی جسم کی مشینری حرکت کرنے سے رک جاتی ہے تو اس سے اس کی ذات کا کچھ نہیں بگڑتا ۔ وہ اس کے بعد بھی زندہ رہتی ہے ۔

جسطرح انسانی جسم کی نشو و نما کے لئے قوانین مقرر ہیں اسی طرح انسانی ذات کی نشو و نما کے لئے بھی اصول متعین ہیں ۔ ان اصولوں کو مستقل اقدار کہا جاتا ہے ، جو عقل انسانی کی پیداوار نہیں ۔ یہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ملتے ہیں اور اب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں ۔ جسم اور ذات کی نشو و نما کے قوانین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انسانی جسم کی پرورش ہر اس شے سے ہوتی ہے جسے انسان خود کھائے یا استعمال کرے ۔ اس کے برعکس ، انسانی ذات کی نشو و نما ان چیزوں سے ہوتی ہے جسے انسان دوسروں کی پرورش کے لئے دے ۔ قرآن کریم کے نظام ربوبیت کی عمارت اسی بنیاد پر استوار ہوتی ہے ۔ انسانی ذات جوں جوں نشو و نما پاتی جاتی ہے اس میں صفاتِ خداوندی (حدود بشریت کے اندر) منعکس ہوتی جاتی ہیں ۔ (مزید تفصیل ن ۔ ف ۔ س کے عنوان میں ملیگی) ۔

واضح رہے کہ قرآن کریم نے کسی جگہ بھی " انسانی روح " کا ذکر نہیں کیا ۔ " روح خداوندی " ہی کا ذکر کیا ہے ۔ جب یہ " روح خداوندی " (الوہیاتی توانائی) انسان کو عطا کر دی جاتی ہے تو اسے ، قرآن کریم کی اصطلاح میں ، نفس کہا جاتا ہے ۔ (۹۱/۷) ۔

اسی کو انسانی ذات (Human personality) یا خودی (Self) یا انا (I) کہتے ہیں ۔

یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ جب ہم نے یہ کہا ہے کہ انسانی زندگی کا مقصود، انسانی ذات کی نشوونما ہے تو اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ قرآن کریم کی رو سے انسانی جسم اور اسکی نشوونما کچھ قیمت نہیں رکھتے۔ قرآن کریم کی رو سے انسانی جسم کی پرورش بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ زندگی کی موجودہ سطح پر، انسانی ذات کی نشوونما، انسانی جسم کی وساطت سے ہوتی ہے۔ لہذا انسانی ذات کی نشوونما کے لئے جسم کا توانا ہونا اسی طرح ضروری ہے جسطرح انڈے کے اندر جیتا جاگتا چوزہ بننے کے لئے، انڈے کے خول کا صحیح وسلامت رہنا ضروری ہے۔ البتہ جب کبھی ایسا ہو کہ جسم کے کسی تقاضے اور انسانی ذات کے تقاضے (مستقل اقدار) میں تصادم ہو۔ ان میں (Tie) پڑ جائے، تو اسوقت، جسم کے تقاضے کو ذات کے تقاضے پر قربان کر دینا، شرط انسانیت (ایمان کا تقاضا) ہو جاتا ہے۔ جسطرح، جب انڈے کے اندر چوزے کا "دم گھٹنے لگے"، تو وہ انڈے کے خول کو چونچیں مار مار کر توڑ دیتا ہے۔ قرآنی تعلیم کا نچوڑ ہی یہی ہے۔ یعنی جب طبعی تقاضوں میں اور مستقل اقدار میں(Tie) پڑے تو مستقل اقدار کے تحفظ کے لئے طبعی تقاضوں کو قربان کر دینا۔ اسی کو کیریکٹر کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں اَلرَّیْحَانُ بھی آیا ہے۔ مثلاً سورۃ رحمٰن میں ہے وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ (۵۵/۱۲)۔ اَلرَّیْحَانُ۔ ایسی خوشبودار گھاس ہوتی ہے۔ یا ہر خوشبودار گھاس — نیز سبزی، کے تختے بشرطیکہ ان میں سے خوشبو آرہی ہو اور ان پر ابتدائی پھول آرہے ہوں۔ فراء نے کہا ہے کہ کھیتی کے تنہ کو عَصْفٌ کہتے ہیں اور اسکے پتوں کو رَیْحَانٌ۔ اَلرَّیْحَانُ اولاد کو بھی کہتے ہیں اور رزق کو بھی۔

اَرَاحَ۔ اس نے آرام کیا۔ مویشیوں کو شام کے وقت باڑے میں آرام کرنے کے لئے چھوڑا (۱۶/۶)۔

ر و د

رَوْدٌ۔ کسی چیز کی طلب میں بار بار آمد و رفت کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کی طلب میں چلتے رہنا۔ پیہم حرکت میں رہنا*۔ اَلرَّائِدُ۔ چکی کے دستہ کو کہتے ہیں۔ رَائِدُ الْعَیْنِ۔ آنکھ میں پڑ جانے والا تنکا یا کچرا جو ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر جاتا رہے۔

* تاج و محیط۔

المَرَادُ۔ وہ جگہ یا راستہ جہاں اونٹوں کی آمد و رفت ہوتی رہے، اونٹوں کی اس آمد و رفت کو رِیَادُ الاِبِلِ کہتے ہیں ۔ اَلرَّائِدُ ۔ وہ شخص جسے پانی یا چارہ کی تلاش میں قافلہ سے آگے بھیجدیا جائے* ۔ چونکہ رَوْدٌ کے بنیادی معنوں میں کسی کام کے لئے حرکت اور تگ و دو کا تصور نمایاں طور پر رہتا ہے لہذا اِرَادَۃٌ کے معنے کسی چیز کی خواہش یا طلب کے ہوگئے ، لیکن پھر اِرَادَۃٌ اور طَلَبٌ میں فرق یہ ہوگیا کہ طَلَبٌ تو انسان کی کسی بات یا عمل سے ظاہر ہوجاتی ہے اور اِرَادَۃٌ کبھی پوشیدہ ہوتا ہے اور کبھی ظاہر** ۔ اِرادۃٌ در حقیقت دل کے کسی طرف کھنچنے اور رجحانِ دروں کی وجہ سے کسی چیز کی طرف جھکنے کا نام ہے ۔ یا یہ ایسے میلان کو کہتے ہیں جس کے نتیجہ میں نفع کی توقع ہو*** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ ارادہ ایسی قوت کو کہتے ہیں جس میں خواہش، ضرورت اور آرزو کے جذبات ملے جلے ہوں ۔ پھر اس سے مراد دل کا کسی چیز کی طرف کھنچنا ہے ، اس فیصلہ کے ساتھ کہ اسے کرنا چاہئے یا نہیں کرنا چاہئے ۔ ازاں بعد یہ کبھی صرف دل کے کسی طرف کھنچنے کے لئے اور کبھی محض فیصلہ کے لئے بولدیا جاتا ہے ****۔ اس سے رَاوَدَہٗ کے معنے ہوئے اسے چاہا، بار بار کسی سے کسی چیز کو طلب کیا۔اس کے بعد عَنْ آنے سے یہ کسی کی مرضی کے خلاف اس سے کوئی چیز طلب کرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے مثلاً (۱۲/۱۱) میں جہاں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی یہ بات بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ سَنُرَاوِدُ عَنْہُ اَبَاہُ ۔ ''ہم اسے ، اس کے باپ سے اس کی مرضی کے خلاف طلب کرینگے'' ۔ یعنی ہمارا باپ تو نہیں چاہتا کہ یوسفؑ کے بھائی کو ہمارے ساتھ جانے دے لیکن ہم اس کی مرضی کے خلاف اسے اس سے مانگیں گے۔ اَرَادَ ۔ اس نے ارادہ کیا ، چاہا ۔ یُرِیْدُ ۔ وہ ارادہ کرتا ہے ۔ ان معنوں میں یہ (۳۶/۳۳) میں آیا ہے۔ یعنی اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ . . . ''اگر رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے'' ۔

رَاوَدَہٗ عَنْ نَّفْسِہٖ وَعَلَیْھَا ۔ کے معنے ہیں فریب دینا ۔ دھوکا دینا ۔ پھسلانا*۔ نیز اس کے معنے ہمبستری کی خواہش کے بھی ہوتے ہیں* ۔ اس سے قرآن کریم کی آیات (مثلاً ۱۲/۳۰ و ۵۲/۳۳) کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے ۔ پہلی آیت میں قصۂ حضرت یوسفؑ کے ضمن میں عزیز کی بیوی کے غلط ارادے کی طرف اشارہ ہے ۔ اور دوسری میں قوم لوط کی غلط روش کی طرف ۔

اَرْوَدَ فِی السَّیْرِ ۔ کے معنی ہیں وہ سفر میں پر سکون رفتار سے چلا*۔

*تاج و محیط ۔ **تاج۔ ***محیط ۔ ****راغب

یہیں سے رُوَیْدَ کے معنے مہلت دینے کے ہوگئے ۔ قرآن کریم میں رُوَیْدًا مہلت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (۸۶/۱۷) ۔ "پس تو کافروں کو مہلت دے ۔ تھوڑی سی مہلت" ۔

قرآن کریم میں جہاں "خدا کے ارادوں" کا ذکر آیا ہے ، انہیں انسانی ارادوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے ۔ انسانی ارادے بندھتے بھی ہیں ، ٹوٹتے بھی ہیں ۔ صحیح بھی ہوتے ہیں ، غلط بھی ۔ قابل عمل بھی ہوتے ہیں اور محض "شاعرانہ" بھی ۔ لیکن خدا کے ارادے درحقیقت اس کے وہ فیصلے ہیں جو عالم امر سے ، اس کے قوانینِ مشیت کے مطابق سرزد ہوتے ہیں اور جن کے مطابق کائنات سرگرم عمل ہے ۔

رو ع

اَلرَّوْعُ ۔ حیرت و دہشت جو کسی چیز کی کثرت یا جمال کو دیکھ کر پیدا ہو۔ اَلرَّوْعَةُ ۔ دہشت ، نیز حسن اور جمال کا اثر ۔ اَلرَّوْعُ ۔ دل ۔ خوف اور گھبراہٹ کا مقام* ۔

قرآن کریم میں ہے فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ الرَّوْعُ (۱۱/۷۴) ۔ جب ابراہیم کے دل سے حیرانی اور گھبراہٹ جاتی رہی ۔

رو م

اَلرُّوْمُ ۔ سلطنت روسۃ الکبریٰ (Roman Empire) ۔ سورۃ روم (۳۰/۲) میں ہے کہ رومی مغلوب ہوگئے ۔ یہ اس شکست کا ذکر ہے جو ایران کے بادشاہ ، خسرو پرویز ، کے ہاتھوں رومیوں کو پہنچی تھی ۔ جس میں رومیوں کا صوبے پر صوبہ فتح ہوتا چلا گیا تھا اور جس کا سلسلہ سنہ ۶۱۰ء تک جاری رہا تھا ۔ قرآن کریم نے عین اس وقت جب رومی انتہائی کمزوری میں تھے ، کہا کہ چند ہی سال کے عرصہ میں وہ پھر ایرانیوں پر غالب آجائیں گے ۔ چنانچہ سنہ ۶۲۴ء میں ہرقل نے نہ صرف اپنے مفتوحہ علاقے واپس لے لئے بلکہ ایران کے اندر داخل ہوکر ان کے بڑے آتشکدے کو تباہ کر دیا ۔ یہ اس سال (سنہ ۲ھ میں) ہوا جب مسلمانوں کو مخالفین عرب پر ، بدر کے میدان میں ، پہلی فتح حاصل ہوئی تھی ۔ عربوں کا قریب ترین حریف ایران تھا ۔ ایران کا اتنی قوت حاصل کرلینا کہ رومن ایمپائر بھی اس کے سامنے نہ ٹھہر

*تاج و راغب ۔

سکے ، عربوں کے لئے بڑی پریشانی کا موجب تھا ۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں ، انہی عربوں کو، قرآنیؐ نظام کی بدولت اتنی قوت حاصل ہو گئی کہ ان کے سامنے نہ ایرانی سلطنت ٹھہر سکی ، نہ رومن ایمپائر—یہ سب ''نکتہٗ ایمان کی تفسیر،، تھا ۔

ر ھ ب

رَھْبٌ ۔ رُھْبٌ ۔ رَھَبٌ ۔ رُھْبَۃٌ ۔ رَھْبَۃٌ وَرُھْبَانٌ ۔ کے معنے ہیں ایسا خوف جس میں احتیاط بھی شامل ہو ۔ (جیسے ہم جلنے کے خوف سے آگ سے محتاط رہتے ہیں) ۔ اَلرَّھَبُ ھُوْبٌ ۔ اَلرَّاھِبُ ۔ شیر کو کہتے ہیں * ۔ نیز اسکے معنے کمزور ہو جانے کے بھی آتے ہیں ۔ چنانچہ اَلتَّرْھُبُ وَالرَّھْبٰی ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو سفر میں تھک کر لاغر ہو گئی ہو ۔ رَھِبَ الْجَمَلُ کے معنے ہیں اونٹ اٹھا لیکن کمر کے کمزور ہونے کی وجہ سے پھر بیٹھ گیا ۔ * اَلرَّھْبَانِیَّۃُ ۔ (مسلک خانقاہیت) میں خوف، احتیاط، کمزوری ، کے تمام پہلو آجاتے ہیں ۔ یعنے (بزعم خویش) خوفِ خدا کی وجہ سے لذائذ دنیوی کو ترک کر دینا (اَلَا رُھَابُ ۔ اُن پرندوں کو کہتے ہیں جو شکار نہیں کرتے) * اور اسطرح کمزور اور لاغر ہو جانا ۔ اس قسم کے زاھد کو اَلرَّاھِبُ ۔ کہتے ہیں ۔ رُھْبَانٌ اسکی جمع آتی ہے (۹/۳۱) ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رُھْبَانٌ فارسی کا لفظ ہے ۔ اور یہ مرکب ہے رُہٗ اور بَان سے ، جسکے معنے ہیں صاحبِ زھد * ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ فارسی لفظ ہو کیونکہ مجوسیوں کے ہاں بھی مسلک خانقاہیت رائج تھا ۔

قرآن کریم میں ہے وَاسْتَرْھَبُوْھُمْ (۷/۱۱۶) ۔ ''انہوں نے لوگوں کو خوف زدہ کرنا چاہا ،،

سورۃ حشر میں ہے لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَھْبَۃً فِیْ صُدُوْرِھِمْ (۵۹/۱۳) ۔ ''تمہارا ڈر ان کے سینوں میں بہت زیادہ ہے ،،۔ یہاں بھی رَھْبَۃٌ کے معنے ڈر کے ہیں ۔

بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ اِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ (۲/۴۰) تم صرف مجھ سے ڈرنا ۔ خدا سے ڈرنے کے معنے یہی ہیں کہ اسکے قوانین کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے ڈر کر ان کی نگہداشت کی جائے اور ان سے سرکشی اختیار کرنے سے احتیاط کی جائے (رھب کے بنیادی معنے ڈرنے اور احتیاط

* تاج ۔

کرنے کے ہیں) - چنانچہ سورۃ انبیا میں ہے کہ حضرات انبیاء کرامؑ کا مسلک یہ ہوتا تھا کہ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَھَبًا (۲۱/۹۰) - وہ زندگی کی خوشگواریوں کو حاصل کرنے (رَغَبًا) اور اسکی ناخوشگواریوں سے بچنے (رَھَبًا) کیلئے خدا کو پکارا کرتے تھے - دونوں صورتوں میں اُسی کے قانون کی طرف رجوع کیا کرتے تھے - یہ ظاہر ہے انسان کے لئے دفع مضرت اور جلب منفعت ہی وہ بنیادی جذبات ہیں جو عمل کیلئے محرک (Incentive) بنتے ہیں - حضرات انبیاء کرام ان دونوں حالتوں میں قانون خداوندی ہی کا اتباع کرتے تھے - یہی مسلک مومنین کا ہونا چاہیئے - باقی رہا رَھْبَانِیَّت کا مسلک - یعنے ترک دنیا کا مسلک - سو قرآن کریم کہتا ہے کہ اسے عیسائیوں نے خود ہی وضع کر لیا تھا - ہم نے اسے ان کے لئے تجویز نہیں کیا تھا (۵۷/۲۷) - اس کے ساتھ ہی قرآن کریم نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ فَمَا رَعَوْھَا حَقَّ رِعَایَتِھَا (۵۷/۲۷) - پھر وہ (اپنے اس خود ساختہ مسلک) کو بھی پوری طرح نباہ نہ سکے - یہ ہے قرآن کریم کا فیصلہ مسلک خانقاہیت کے متعلق جو تصوف کی بنیاد ہے اور جسے (بدقسمتی سے) ہمارے ہاں "مغز دین" قرار دیا جاتا ہے - جب مسلمان کے ہاتھ سے قرآن کریم کا دامن چھوٹا تو وہ تمام غیر قرآنی عناصر جنہیں قرآن کریم مٹانے کے لئے آیا تھا، ایک ایک کرکے اسلام کا جزو بنتے گئے - روما کی ملوکیت - ایران کی نسل پرستی - یہودیوں کی پیشوائیت اور روایت پرستی - اور عیسائیوں اور مجوسیوں کا مسلک خانقاہیت - سب اسلام کے اجزا بن گئے - اور اب اسلام انہی کے مجموعہ کا نام قرار پا چکا ہے - یاللعجب! لیکن اس میں مایوسی کی کوئی بات نہیں - خدا کی طرف سے عطا شدہ دین، قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے - اور قرآن کریم کا ایک ایک لفظ، بغیر کسی آمیزش کے، ہمارے پاس موجود ہے - لہذا ہم دین خالص کو ان آمیزشوں سے بآسانی الگ کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ایسا کرنے کی نیت ہو -

ر ھ ط

اَلرَّھْطُ - کسی آدمی کی قوم - قبیلہ - بعض نے کہا ہے کہ رَھْطٌ اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں تین سے دس تک یا سات سے دس تک کی تعداد ہو - دوسروں نے کہا ہے اس سے کم پر بھی بولا جاتا ہے اور زیادہ پر بھی، لیکن اس میں مرد ہی ہوں، عورتیں شامل نہ ہوں* - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی انسانوں وغیرہ کے اجتماع کے لکھے ہیں - سورۃ نمل میں رَھْطٌ (۲۷/۴۸) - برادری یا قبیلہ کے لئے آیا ہے -

* تاج و راغب -

سورۃ نحل میں قوم ثمود کے سلسلہ میں آیا ہے۔ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ (۲۷/۴۸) "اور شہر میں نو افراد تھے جو ملک میں فساد کرتے تھے"۔ ظاہر ہے کہ اس سے ان اکابرین قوم کی طرف اشارہ ہے جن کے ہاتھ میں زمام اقتدار تھی۔ ہر قوم۔ ملک۔ حکومت یا مملکت میں چند افراد ایسے ہوتے ہیں جو ملک میں تباہ کاریاں پیدا کرنے کے موجب ہوتے ہیں۔ باقی ملک انہی کے ہاتھوں تباہ ہوتا ہے۔

ر ھ ق

رَهِقَهُ۔ يَرْهَقُهُ۔ رَهَقاً۔ اسے ڈھانپ لینا اور اس پر چھا جانا (راغب نے اس میں بزور وجبر چھا جانے کا اضافہ کیا ہے)۔ کسی چیز سے مل جانا۔ اسے آلینا اور اس سے لاحق ہو جانا *۔ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ (۱۰/۲۶)۔ ان کے چہروں پر ذلت اور سیاہی نہیں چھا جاتی۔ أَرْهَقَهُ۔ اسے اسکی طاقت سے بالاتر کسی کام کی تکلیف دی اور اس پر مجبور کیا، مشکل میں ڈالا**۔ سورۃ کہف میں ہے يُرْهِقَهُمَا طُغْيَاناً (۱۸/۸۰)۔ ان پر سرکشی کو چھا دے۔ یا انہیں سرکشی میں مبتلا کر دے۔

رَهَقٌ۔ بیوقوفی۔ حماقت۔ بد خلقی۔ تندی و طراری۔ شر کا ارتکاب*۔ ابن فارس نے اس کے معنے دھاندلی، جلد بازی اور ظلم بتائے ہیں۔ فَزَادُوهُمْ رَهَقاً (۷۲/۶)۔ سو انہوں نے انہیں جہالت میں بڑھایا۔ ازہری نے کہا ہے کہ یہ دراصل ارْهَاقٌ سے اسم ہے، جسکے معنے ہیں انسان کو کسی ایسے کام کے لئے مجبور کرنا جسکی اس میں طاقت نہ ہو*۔ سَأُرْهِقُهُ صَعُوداً (۷۴/۱۷)۔ میں اسے سخت مشقت میں مبتلا کرونگا۔

ر ھ ن

الرَّهْنُ۔ (جمع رِهَانٌ) وہ چیز جو بطور ضمانت تمہارے پاس، اس چیز کے بدلے میں رکھ دی جائے جسے تم سے عاریتاً لے لیا گیا ہو۔ رَهْنٌ لغت میں ثبوت اور استقرار (ٹھہرنے اور جم جانے) کے معنوں میں آتا ہے، لیکن راغب کے نزدیک رَهْنٌ و رِهَانٌ وہ چیز ہے جو قرض میں بطور ضمانت رکھ لی جائے۔ لیکن الرِّهَانُ خاص طور پر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی مقابلہ میں شرط کے طور پر رکھ لی جائے۔ یہ زیادہ تر گھوڑ دوڑ کے لئے مستعمل ہے۔

* تاج و راغب۔ ** محیط۔

اَلرَّاهِنُ ۔ ثابت اور تیار۔ موجود اور دائم ۔ رَهَنَ الشَّيْئَ ۔ چیز دائم اور ثابت رہی* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے میں کسی چیز کا ایک حالت پر رہنا،خواہ وہ حق کے عوض ہو یا نا حق ۔

رِجْلَهُ رَهِيْنَةٌ ۔ اس کا پاؤں مقید ہے* ۔ اَنَا رَهِيْنٌ بِكَذَا ۔ میں فلاں بات میں ماخوذ ہوں** ۔ قرآن کریم میں ہے كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (۵۲/۲۱) ۔ ہر شخص اپنے اعمال کے عوض گرو ہے ، یعنی اس کی زندگی کا فیصلہ اس کے اعمال کے نتائج پر ہے ۔ سورۃ بقرہ میں قرضہ کے سلسلہ میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان کے ضمن میں کہا ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور وہاں کاتب نہ ملے تو فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (۲/۲۸۳) مستعار دی ہوئی چیزوں کے عوض کچھ چیزیں بطور ضمانت اپنے قبضے میں رکھ لینی چاہئیں۔ اس سے ہمارے ہاں کے ''رھن بالقبضہ'' کا جواز نکالنا (جو سود ہی کی دوسری شکل ہے) بڑی زیادتی ہے ۔ ''رھن بالقبضہ'' کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ (مثلاً) ایک کسان نے کسی سے کچھ روپیہ بطور قرض لیا اور قرض دینے والے نے اس کی کچھ زمین بطور رھن لے لی ۔ اس کے بعد اس زمین پر قرض دینے والے کا قبضہ ہوگا اور جب تک قرض ادا نہیں ہو جائے گا وہ اس کی پیداوار کھاتا جائے گا ۔ (اور اس پیداوار کو قرض میں محسوب نہیں کرے گا) ۔ اگر یہ رہو نہیں تو اور کیا ہے؟

ر ہ و

اَلرَّهْوُ ۔ دونوں ٹانگوں کے درمیان کی کشادگی ۔ پانی کے جمع ہونے کی جگہ ، نیز سکون ، جس میں جوش و خروش نہ ہو ۔ اَلرَّهْبَاءُ ۔ ہموار اور کشادہ زمین ۔ عَيْشٌ رَاهٍ ۔ آسودہ و پرسکون زندگی ۔ اَلرَّهْوَانُ ۔ نشیبی زمین ۔ وہ گھوڑا جس کی پشت دوڑتے وقت نرم ہو*** ۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے لکھا ہے کہ یہ لفظ اضداد میں سے ہے اور ہبوط (نیچے آنا) اور ارتفاع (اوپر جانا) دونوں کے لئے آتا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں (۱) اطمینان اور سکون اور (۲) وہ جگہ جو کبھی بلند ہو جاتی ہو اور کبھی پست ۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کو لیکر چلے تو ان سے کہا گیا کہ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا (۴۴/۲۴) ۔ اس کے ایک معنے تو یہ ہیں کہ تو سمندر کو پر سکون حالت میں چھوڑ دے ۔ یعنے جب حضرت

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و راغب ۔

موسیٰؑ وہاں پہنچے ہیں تو سمندر سکون کی حالت میں تھا ۔ اس میں جوش و خروش نہیں تھا ۔ وہ اترا ہوا تھا اور اس طرح اس نے خشک راستہ چھوڑ دیا تھا ۔ چنانچہ سورۃ طٰہٰ میں ہے فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا (۲۰/۷۷) ۔ ''ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ اختیار کر'' ۔ اور اگر رَهْوًا کے معنے کشادگی کے لئے جائیں تو بھی یہی مفہوم ہوگا کہ سمندر نے (پیچھے ہٹ کر) جو راستہ کشادہ کر دیا ہے انہیں وہاں سے لے چل ۔ جس جگہ پہلے سمندر ہو وہ پست (نشیب) ہوگی اور جب وہاں سے سمندر ہٹ جائیگا تو وہ، دوسری زمین کے مقابلہ میں (جو ہنوز زیرآب ہے) بلند ہو جائیگی۔

ر و ض

رَوْضَةٌ ۔ وہ زمین جہاں خوشنما پھول ، درخت اور پانی ہو ۔ خوشنما باغ جس میں نہر ہو ۔ سرسبز و شاداب جگہ جس میں، یا جس سے متصل پانی ہو ۔ اس کی جمع رَوْضٌ و رِيَاضٌ و رَوْضَاتٌ ہے ۔ اگر پانی نہ ہو تو اسے رَوْضَةٌ نہیں کہتے ۔ نیز پانی جمع ہو جانے کی جگہ ۔ اَرَاضَ الْقَوْمَ ۔ اس نے لوگوں کو سیراب کر دیا ۔ اَلرِّيَاضَةُ ۔ کسی سے بکثرت کوئی کام لیکر اسے اس کام میں ماہر و مشاق بنانا اور سدھانا*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنوں میں (۱) وسعت اور فراخی (۲) کسی چیز کو نرم یا کسی کام کو آسان کرنا ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ (۳۰/۱۵) ۔ ''وہ سرسبز مقام میں محفل موسیقی سے لطف اندوز ہونگے'' اس کی جمع رَوْضَاتٌ (۴۲/۲۲) میں آئی ہے ۔

ر و غ

رَاغَ الرَّجُلُ رَوْغًا ۔ کسی تدبیر کی خاطر چپکے سے ایک طرف ہٹنا یا مائل ہونا اور کترانا** ۔ پھر بقول ابن فارس ، جھکنے اور ایک حالت پر نہ رہنے کے لئے بولا جاتا ہے ۔ رَاغَ فُلَانٌ اِلٰى فُلَانٍ ۔ فلاں آدمی فلاں کی طرف چھپ کر مائل ہوا ۔ فراء نے کہا ہے رَاغَ اِلٰى اَهْلِهٖ کے معنے ہیں وہ اپنے اہل کی طرف اس طرح لوٹا کہ (سامنے والوں سے) اپنی واپسی یا اس کی غرض کو پوشیدہ رکھا ۔ اَرَاغَ ۔ اِرَاغَةٌ ۔ وَارْتَاغَ ۔ اس نے ارادہ کیا اور طلب کیا ۔ رِوَاغَةٌ ۔ رِيَاغَةٌ ۔ اکھاڑہ** ۔

*تاج و راغب ۔ **تاج و محیط و راغب

قرآن کریم میں قصۂ حضرت ابراھیمؑ میں ھے فَرَاغَ اِلٰی اٰلِھَتِھِمْ (۳۷/۹۱) ۔ اور فَرَاغَ عَلَیْھِمْ (۳۷/۹۳) ۔ رَاغَ اِلٰی کے معنی ھیں اپنے ارادے کو دل میں رکھ کر کسی کی طرف متوجہ ھونا ۔ اور رَاغَ عَلٰی کے معنی ھیں غلبہ کے ساتھ کسی پر ٹوٹ پڑنا* ۔ لہذا حضرت ابراھیمؑ کی تدبیر ایسی تھی جس میں ارادے کی پوشیدگی کا پہلو بھی تھا اور قوت و غلبہ کا بھی ۔

ر ی ب

رَیْبٌ ۔ یہ اصل میں نفسیاتی الجھن اور اضطرابِ نفس کے معنوں میں آتا ھے** ۔ نیز شک وشبہ اور بےچینی کو بھی رَیْبٌ کہدیتے ھیں*** ۔ نیز گمان اور تہمت کو بھی*** ۔ اسکے علاوہ حوادثِ روزگار گردش زمانہ اور ضرورت و حوائج کے لئے بھی اس کا استعمال ھوتا ھے*** ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی شک کے ھیں یا شک اور خوف کے ۔ اَلرَّیْبُ ۔ جو چیز شک و اضطراب پیدا کردے ۔ نیز حاجت اور ضرورت کو بھی کہتے ھیں ۔ رَابَنِیِ الْاَمْرُ رَیْبًا کے معنے ھیں مجھے فلاں معاملہ نے شک و شبہ میں ڈالا*** ۔

سورۃ توبہ میں (مسجد ضرار کے ضمن میں) رِیْبَۃً فِیْ قُلُوْبِھِمْ (۹/۱۱۰) آیا ھے ۔ اس کے معنے اضطراب اور بے چینی کے ھیں ۔ سورۃ ابراھیم (۱۴/۹) اور سورۃ السبأ (۳۴/۵۴) نیز دیگر مقامات میں مُرِیْبٍ ، شَکٍّ کی صفت بن کر آیا ھے ۔ شَکٍّ مُرِیْبٍ ۔ یعنے اضطراب اور بے چینی پیدا کر دینے والا شک ۔ (۴۲/۲۱) میں مُرْتَابٍ آیا ھے ۔ یعنی شک کرنے والا ۔ اور (۲۹/۴۸) میں اِرْتَابَ بمعنی شک کیا ۔ سورۃ الطور میں رَیْبَ الْمَنُوْنِ (۵۲/۳۰) کے معنے ھیں حوادثِ روزگار یا زمانہ کی اضطراب انگیزیاں جن کا مقابلہ حقائق تو کرسکتے ھیں ، شاعرانہ جذبات پرستی نہیں کرسکتی ۔

لہذا رَیْبٌ کے بنیادی معنے شک و شبہ کی وجہ سے اضطراب نفس کے ھونگے ۔ قرآن کریم نے اپنے متعلق شروع ھی میں کہدیا ھے کہ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ (۲/۲) ۔ یہ وہ ضابطۂ حیات ھے جس میں کوئی بات ایسی نہیں جو شک و شبہ والی ھو اور اس کی وجہ سے انسان کے دل میں کسی قسم کا اضطراب اور کشمکش باقی رھے ۔ اس میں کامل سکون و اطمینان دینے والی تعلیم ھے ۔ اضطراب اور بے چینی کے لئے اس میں کوئی

*تاج و محیط و راغب **محیط ۔ لیکن اقرب الموارد میں یہ معنی الریبۃ کے دئے ھوئے ھیں ۔ ***تاج ۔

گنجائش نہیں - اس لئے کہ یہ یکسر علم و بصیرت پر مبنی اور دلائل و براہین پر قائم ہے - اور یہ ظاہر ہے کہ صحیح اطمینان علم و براہین ہی سے حاصل ہوسکتا ہے - اندھی عقیدت مندیوں اور توہم پرستیوں سے نہیں -

ر ی ش

اَلرِّیْشُ - اَلرَّاشُ - پرندے کے پر جن سے خدا ان کے جسم کو چھپاتا ہے * - انسانوں کے لباس فاخرہ اور زینت کو بھی اَلرِّیْشُ کہتے ہیں - نیز خوشحالی اور معاش کی فراخی کو - چنانچہ رَاشَ فُلَانًا کے معنے ہیں معاش کے سلسلہ میں اسکی مدد کی اور اسے تقویت پہنچائی - اسکی حالت کو درست کر دیا اور اسے نفع پہنچایا - رَاشَ الرَّجُلُ - آدمی آسودہ و مالدار ہو گیا * - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی خوش حالی کے ہیں - نیز وہ عمدہ چیزیں جنہیں انسان حاصل کرتا ہے -

قرآن کریم میں لباس کے متعلق ہے کہ وہ تمہارا ستر بھی ڈھانپتا ہے اور رِیْشًا (۷/۲۶) باعث زینت بھی ہے - قرآن کریم اشیائے کائنات کے صرف افادی پہلو (Utilitarian Aspect) ہی کی اہمیت پیش نہیں کرتا، ان کے جمالیاتی گوشوں (Aesthetic Aspects) کو بھی برابر کی اہمیت دیتا ہے - حسن فطرت کی تمام رعنائیاں اور دل ربائیاں، خالق فطرت کے اسی انداز تخلیق کی مظہر ہیں - یعنی ہر شے میں افادی اور جمالیاتی پہلو - مومن کی زندگی بھی ان دونوں گوشوں کی مظہر ہونی چاہیئے -

ر ی ع

رَیْعٌ - ہر چیز کا بڑھا ہوا اور زائد حصہ - نیز ہر چیز کا اول اور افضل حصہ - رَاعَ الطَّعَامُ وَغَیْرُہٗ - غلہ وغیرہ زیادہ ہوا، بڑھا، بکثرت ہوا - رِیْعٌ - رَیْعٌ - بلند زمین یا بلند جگہ - کَمْ رِیْعُ اَرْضِکَ - تمہاری زمین کی بلندی کسقدر ہے - ہر راستہ یا دو پہاڑوں کے درمیان کا راستہ، نیز پہاڑ - اَلرِّیْعُ - بلند ٹیلہ - وادی کی بلند جگہ جہاں سے پانی بہ کر نیچے آتا ہو - گرجا - رَیْعَانُ الشَّبَابِ - جوانی کا ابتدائی حصہ - نَاقَۃٌ رَیْعَانَۃٌ - بہت دودھ دینے والی اونٹنی * -

قرآن کریم میں ہے اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَۃً تَعْبَثُوْنَ (۲۶/۱۲۸) "کیا تم ہر بلند مقام پر (اپنی عظمت کی یادگار کے طور پر) کوئی نہ کوئی نشان

* تاج -

بنا لیتے ہو؟ اور وہ بھی بلا ضرورت" ۔ اس سے مراد بلند عمارتیں ہیں جنہیں بطور یادگار (Memorials) بنایا جاتا ہے ۔ اور جن کا مصرف کچھ نہیں ہوتا ۔ یادگار وعی بہتر ہوسکتی ہے جو آنے والوں کے لئے نفع بخش ہو۔

ر ی ن

رَیْنٌ ۔ وہ زنگ جو کسی صاف چیز پر لگ جائے* ۔ میل کچیل کو بھی کہتے ہیں** ۔ رَانَ هَوَاهُ عَلَىٰ قَلْبِهِ یَرِیْنُ ۔ اسکی خواہشات اسکے دل پر غالب آگئیں ۔ رِیْنَ بِالرَّجُلِ ۔ آدمی ایسے مخمصہ میں گرفتار ہو گیا جس سے نکلنا اسکے بس میں نہیں رہا ۔ اَلرَّیْنَةُ ۔ شراب کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ عقل پر غالب آجاتی ہے*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ڈھانکنے کے ہوتے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ (۸۳/۱۴) ۔ "اُن کے اعمال اُن کے دل پر زنگ بن کر چھا گئے" ۔ غور کیجئے ۔ دلوں پر مہریں کہیں باہر سے نہیں لگتیں ۔ انسان کے اپنے اعمال ہی زنگ اور مہریں بن جاتے ہیں ۔ اسی کو خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (۲/۷) کہا گیا ہے ۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ خدا کے قانون مکافاتِ عمل کے مطابق ہوتا ہے ۔ یعنی انسانوں کے اعمال ، جن کا نتیجہ خدا کے قانون مکافات عمل کی رو سے یہ ہوتا ہے کہ انسان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی ۔ وہ سطحی جذبات میں ایسا ڈوبتا ہے کہ غور و فکر کے راستے اس پر مسدود ہو جاتے ہیں ۔

---

* راغب ۔ ** تاج ۔ *** محیط ۔

ز

ز ب د

اَلزَّبَدُ - پانی وغیرہ کے اوپر آجانے والے جھاگ *۔قرآن کریم میں ہے زَبَدًا رَّابِیًا(۱۳/۱۷)۔ اوپر آئے ہوئے جھاگ ۔ اَلزُّبْدُ ۔ مسکہ جس سے گھی بنایا جاتا ہے ۔ تَزَبَّدَہٗ ۔ اس نے اس کا خلاصہ لے لیا* ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے ایک چیز سے دوسری چیز پیدا ہونے کے ہیں ۔راغب نے لکھا ہے کہ بطور استعارہ زبد کثیر شے کے لئے بولا جاتا ہے ۔

ز ب ر

اَلزَّبْرُ ۔ لکھنا ۔ اَلتَّزْبِیْرَۃُ ۔ لکھائی یا تحریر۔ مِزْبَرٌ ۔ قلم ۔ اَلزَّبُوْرُ ۔ بمعنے مَزْبُوْرٌ ۔یعنی لکھی ہوئی چیز ۔ کتاب *۔اسکی جمع زُبُرٌ ہے ۔

سورۃ نحل میں ہے کہ رسولوں کو اَلْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ دیکر بھیجا گیا (۱۶/۴۴) نیز (۲۶/۱۹۶)۔ یہاں زُبُرٌ کے معنے کتابیں ہیں ۔ دوسرے مقامات پر بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ (۳/۱۸۳ ؛ ۳۵/۲۵) آیا ہے ۔ یہاں زُبُرٌ کی تفسیر کتاب منیر سے کی گئی ہے ۔ سورۃ انبیاء میں ہے وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ (۲۱/۱۰۵) ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں زَبُوْرٌ سے مراد حضرت داؤدؑ کی کتاب ہے اور ذِکْرٌ سے مراد تورات ہے ۔ لیکن سعید بن جبیر کا قول ہے کہ زَبُوْرٌ ، تورات ۔ انجیل ۔ قرآن کریم ۔ ہر ایک کتاب الٰہی کو کہتے ہیں * ۔ اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورۃ نساء میں ہے وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (۴/۱۶۳) اگر زبور سے مراد وہ خاص کتاب ہوتی جو حضرت داؤدؑ کو دی گئی تھی تو

* تاج ۔

زَبُوْرًا (ایک کتاب) نکرہ نہ ہوتا بلکہ القرآن اور الانجیل کی طرح الزبور ہوتا۔ راغب نے لکھا ہے کہ ہر وہ کتاب جس کی کتابت بڑی موٹی ہو زَبُوْرٌ کہلاتی ہے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) لکھنا پڑھنا اور (۲) کسی چیز کو محکم اور مضبوط کرنا ہیں۔ اَلزُّبْرَۃُ۔ لوہے کا بڑا ٹکڑا *۔ اسکی جمع زُبَرٌ اور زُبْرٌ آتی ہے۔ (۱۸/۹۶)۔ اسی سے اسکے معنے فرقے۔ الگ الگ گروہ، کے آتے ہیں۔ (۲۳/۵۳)۔

(چونکہ زُبَرٌ۔ زَبُوْرٌ کی بھی جمع ہے اس لئے (۲۳/۵۳) میں اس کے معنی الگ الگ کتابیں بھی ہو سکتے ہیں)۔

ز ب ن

اَلزَّبْنُ۔ دھکا دینا۔ دفع کرنا۔ کسی چیز کو کسی چیز سے دور کر دینا اور ہٹا دینا۔ اَلزَّبُوْنُ۔ سخت دھکا دینے والا۔ نَاقَۃٌ زَبُوْنٌ۔ وہ اونٹنی جو دودھ دوہنے والے کو لات مار دے اور دھکا دیدے۔ حَرْبٌ زَبُوْنٌ۔ شدید جنگ جس میں سخت ٹکراؤ ہو*۔ لڑائی کو اسکی صعوبتوں کی وجہ سے زَبُوْنٌ کہتے ہیں ***۔ اَلزَّبِنِیَۃُ۔ ہر متمرد آدمی۔ سخت آدمی۔ سپاہی۔ اسکی جمع زَبَانِیَۃٌ آتی ہے *۔ (۹۶/۱۸)۔ وہ مجاہدین جو حق کی مدافعت کے لئے میدان میں نکلیں۔

ز ج ج

اَلزَّجُّ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے باریک ہونے کے ہیں۔ نیزہ کی پچھلی طرف لگا ہوا لوہا۔ نیز کہنی کا نوکیلا سرا۔ اَلزُّجَاجُ۔ کانچ اور شیشے اور ان سے بنی ہوئی چیزوں کو کہتے ہیں۔ واحد زُجَاجَۃٌ ہے ****۔ قرآن کریم میں چراغ کے متعلق ہے فِیْ زُجَاجَۃٍ (۲۴/۳۵)۔ اس سے مراد ہے شیشے کی چمنی یا فانوس۔

جب پیالہ بھرا ہوا ہو تو اسے کَأْسٌ کہتے ہیں اور جب خالی ہو تو زُجَاجَۃٌ کہلاتا ہے *****۔

ز ج ر

زَجَرَہٗ۔ یَزْجُرُہٗ۔ زَجْرًا نیز اِزْدَجَرَہٗ۔ اسنے اسکو روکا اور منع کیا اور جھڑکا۔ دراصل اسکے معنے آواز کے ساتھ کسی کو ہانک دینا اور

---

* تاج۔ ** راغب۔ *** کتاب الاشتقاق۔ **** تاج و راغب۔
***** لطائف اللغۃ نیز فقہ اللغۃ۔ (للثعالبی)۔

دھتکارنا ھیں۔ زَجَرَ الْبَعِیْرَ ۔ اسنے اونٹ کو ڈانٹ کر ھانکا۔ اَلزَّجُوْرُ ۔ وہ اونٹنی جو بلا ڈانٹ کھائے دودھ نہ دیتی ھو* ۔ اس لئے اس لفظ میں ڈانٹنے اور جھڑکنے کا پہلو ھوتا ھے ۔

قرآن کریم میں ھے فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا (۳۷/۳) ۔ اس سے مراد وہ جماعت مجاھدین ھے جو سرکش اور مستبد قوتوں کو ان کی دست درازیوں سے ڈانٹ کر روکتی ھے ۔ اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ھے فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ (۳۷/۱۹) ''وہ صرف ایک ھی ڈانٹ ھوگی'' ۔ سورۃ القمر میں ھے مَّا فِیْہِ مُزْدَجَرٌ (۵۴/۴) ۔ جس میں ایسی باتیں ھیں جو مفاسد سے روکتی ھیں ۔ اس سے ذرا آگے ھے مَّجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ (۵۴/۹) ۔ انہوں نے اسے مجنون قرار دیا اور ڈانٹ کر نکال دیا ۔ مفاد پرست گروہ اپنی قوت اور اقتدار کے نشہ میں ھر داعی الی الحق کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے ھیں ۔

زج و

زَجَاہُ ۔ یَزْجُوْہُ ۔ زَجْوًا ۔ وَاَزْجٰی اِزْجَاءٌ ۔ کسی چیز کو نرمی اور آھستگی سے ھانکنا۔ نرمی سے چلانا** ۔ قرآن کریم میں ھے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا (۲۴/۴۳) ۔ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ اللہ بادلوں کو آھستگی اور سہولت سے چلاتا ھے ۔ زَجَا الْاَمْرُ ۔ معاملہ آسان اور سیدھا ھو گیا۔ اَلْمُزْجٰی ۔ قلیل چیز** ۔

بِضَاعَۃٌ مُّزْجَاۃٌ (۱۲/۸۸) ۔ قلیل سرمایہ ۔ تھوڑی سی پونجی** ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کو بغیر کسی روک ٹوک کے پھینکنا اور چلا دینا ھیں ۔ یعنی جسے آسانی سے نکالا اور روانہ کر دیا جائے ۔ بِضَاعَۃٌ مُّزْجَاۃٌ سے مراد ھوگی ایسی پونجی جسے آسانی سے نکال کر دیا جاسکے ۔

زح زح

زَحْزَحَہٗ عَنْہُ کے معنی ھیں اسے اس سے دور کر دیا ، ھٹا دیا ، ایک طرف کر دیا ۔ ھُوَ بِمُزَحْزَحٍ مِنْہُ ۔ وہ اس سے دوری پر ھے ۔ اَلزَّحْزَاحُ دور ۔ بعید ۔*** ابن فارس نے کہا ھے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ھیں ۔

*تاج و راغب و محیط ۔ **تاج و راغب ۔***تاج

قرآن کریم میں ہے وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ (۲/۹۶) وہ (طولِ عمر) اس کو عذاب سے دور نہیں رکھ سکتا ۔ سورۃ آل عمران میں ہے فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ (۳/۱۸۴) ۔ جو تباہیوں سے دور رکھا گیا ۔

زح ف

زَحَفَ اِلَيْهِ زَحْفًا ۔ اس کی طرف آگے بڑھا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی آگے کی طرف بڑھتے چلے آنا ہیں ۔ اصل میں زَحْفٌ بچے کے کولھے کے بل گھسٹ گھسٹ کر چلنے کو کہتے ہیں* ۔ گھٹنوں کے بل چلنے کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے** ۔ زَحَفَ الْبَعِيْرُ ۔ اونٹ تھکن کی وجہ سے اپنے پاؤں کو گھسیٹ گھسیٹ کر چلنے لگا* ۔ اَلزَّحَّافَةُ ۔ وہ حیوانات جو زمین پر گھسٹ کر چلتے ہوں ۔ جیسے کچھوا وغیرہ** ۔ پھر زَحَفَ فوجوں کے چلنے کے لئے بولا جانے لگا کیونکہ وہ کثرت و گرانباری کی وجہ سے آہستہ گھسٹ گھسٹ کر آگے بڑھتی ہیں ۔ چنانچہ اَزْحَفَ لَنَا بَنُوْ فُلَانٍ کے معنے ہیں ، فلاں قبیلہ ہم سے لڑنے کے لئے مذکورہ بالا کیفیت سے آیا ۔ تَزَاحَفُوْا فِی الْقِتَالِ ۔ وہ جنگ میں ایک دوسرے کے قریب اور بالمقابل ہوگئے ۔ مَزَاحِفُ الْقَوْمِ ۔ قوم کی لڑائیوں کے مقامات* ۔ اَلزَّحْفُ ۔ جرار لشکر کو بھی کہتے ہیں جو دشمن کی طرف بڑھ رہا ہو ۔ سورۃ انفال میں ہے اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا (۸/۱۵) ۔ جب تمہارا کفار کے ساتھ آمنا سامنا ہو درآنحالیکہ وہ تمہاری طرف بڑھ رہے ہوں ۔

زخ رف

اَلزُّخْرُفُ ۔ سونا (جسکے زیورات بنتے ہیں) ۔ یہ اس کے اصلی معنے ہیں ۔ اس کے بعد زیبائش ، زینت و آرائش کو بھی زُخْرُفٌ کہنے لگ گئے ۔ اور پھر بطور تشبیہ ہر ملمع کی ہوئی جھوٹی بات کو*** ۔ محیط نے سونا یا زینت دونوں میں سے ایک کے اصلی معنی ہونے میں شک کیا ہے** ۔ زُخْرُفٌ کے معنے کسی چیز کے حسن کا کمال بھی ہیں ۔ چنانچہ قرآن کریم میں زُخْرُفَ الْقَوْلِ (۶/۱۱۳) آیا ہے ، جس کے معنے ملمع کی ہوئی باتیں ہیں ۔ اور حَتّٰى اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا (۱۰/۲۴) میں اس کے معنے سنگھار اور آرائش کے ہیں ۔ سورۃ زخرف میں زُخْرُفًا (۴۳/۳۵) کے معنے سامانِ آرائش ہیں یا خود آرائش و نقش و نگار ۔ راغب نے زُخْرُفٌ کے معنے مصنوعی زینت کئے ہیں**** ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و محیط ۔ ****راغب ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی زینت کے ہیں اور سونے کو بھی کہا جاتا ہے۔ راغب نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

زرب

اَلزَّرْبُ۔ داخل ہونے کا راستہ۔ بکریوں وغیرہ کے لئے لکڑیوں کا باڑہ۔ اَلزَّرَابِیُّ۔ (واحد زُرْبِیٌّ یا زَرْبِیَّۃٌ ہے) گدے۔ بچھونے۔ ہر وہ چیز جس پر ٹیک لگائی جائے۔ فراء نے کہا ہے کہ زَرَابِیٌّ۔ روئیں دار غالیچوں کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ معنے اَلزَّرَابِیُّ مِنَ النَّبْتِ۔ سے تشبیہ کے باعث پیدا ہوگئے ہوں جو ایسے زرد سرخ پودوں کو کہتے ہیں جن میں سبزی ہو* ۔ اَلزَّرْبِیَّۃُ۔ عمدہ بچھونا یا قالین** ۔ قرآن کریم میں زَرَابِیُّ مَبْثُوْثَۃٌ آیا ہے (۸۸/۱۶)۔ اعلیٰ درجے کے بچھائے ہوئے قالین۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ زَرْبٌ کے بنیادی معنوں میں راحت کدہ یا آرامگاہ کا تصور مضمر ہے۔

زرع

زَرَعَ۔ یَزْرَعُ۔ زَرْعًا وَ زِرَاعَۃً۔ زمین میں بیج ڈالنا۔ اَلزَّرْعُ اُگانا* ۔ ابن فارس نے خلیل کے حوالہ سے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نشو و نما دینے اور بڑھانے کے ہیں۔ لہذا، جیسا کہ ذرا آگے چل کر معلوم ہوگا، اس کے معنے بیج ڈالنے کے نہیں بلکہ کھیتی اُگانے کے ہونگے۔ انسان زمین کو تیار کرکے اس میں تخم ریزی کرتا ہے اور مناسب احتیاطیں برتتا ہے لیکن دانے میں سے کونپل پھوٹنا اور اس کا پودا اور پیڑ بن جانا، یہ سب کچھ خدا کے قانونِ ربوبیت کے ماتحت ہوتا ہے جس میں انسان کے کسب و ہنر کو کوئی دخل نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (۵۶/۶۴)۔ ''کیا کھیتی کو تم اُگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں!'' تم صرف حَرْثٌ کرتے ہو (۵۶/۶۳)۔ یعنے تم صرف کھیتی بوتے ہو۔ اُگاتے ہم ہیں۔ لہذا تم ساری کی ساری فصل کے مالک کیسے بن سکتے ہو! تم اپنی محنت کا حصہ لے لو اور ہمارا حصہ ہمیں دے دو۔ یعنے اُن لوگوں کو دے دو جنہیں اس کی ضرورت ہے (۵۶/۶۳)۔

اَلزَّرَّاعُ (۴۸/۲۹)۔ کھیتی کرنے والے۔ باغبان۔ (واحد زَارِعٌ) زَرْعٌ۔ کھیتی۔ بونے سے جو کچھ اُگ آئے* ۔ (۱۳/۴ و ۶/۱۴۲)۔

---

*تاج۔ **محیط۔

زرق

اَلزَّرَقُ - نیلا رنگ - اَلزُّرْقَۃُ : نیلاھٹ - سفیدی - آنکھ کی سیاھی میں سبزی - آنکھ کی سیاھی پر سفیدی کا چھا جانا - زَرِقَ - اس کی آنکھوں کی سیاھی پر سفیدی چڑھی - ایسا شخص اَزْرَقُ کہلائیگا - اس کی جمع زُرْقٌ ھے - اَلزَّرَقُ - اندھے پن کو کہتے ھیں - زَرِقَتْ عَیْنُہٗ تَزْرَقُ - آنکھوں کا نیلا ھو جانا* - قرآن کریم میں ھے نَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا (۲۰/۱۰۲) - (زُرْقٌ جمع ھے - اس کا واحد اَزْرَقُ ھے) - حشر میں ھم مجرمین کو اندھا اٹھائینگے ، ان کی آنکھوں کی سیاھی پر سفیدی چھائی ھوگی - راغب نے بھی لکھا ھے کہ زُرْقًا کے معنے ھیں اندھے - جن کی آنکھوں میں نور نہ رھے** - اس سے آیت کا مفہوم واضح ھو جاتا ھے - بعض اھل لغت کا خیال ھے کہ عربوں کی رومیوں سے قدیم دشمنی تھی اور انکی آنکھیں نیلی تھیں اس لئے ھر مبغوض اور دشمن کو اَزْرَقُ الْعَیْنِ کہا جانے لگا، خواہ اس کی آنکھ نیلی نہ ھو*** لیکن ھم اول الذکر توجیہ کو بہتر تصور کرتے ھیں، اس لئے کہ اسے قرآنی تائید بھی حاصل ھے - چنانچہ اسی سورت میں کچھ آیات کے بعد نَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی (۲۰/۱۲۴) ھے - یعنی ''ھم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائینگے'' -

زری

زَرَیٰ عَلَیْہِ عَمَلَہٗ - اس کے کسی کام پر اسے ملامت کرنا ، برا بھلا کہنا - عتاب کرنا - حقیر جاننا اور اس پر عیب لگانا - اِزْدَرَاہُ - اسے حقیر و بے وقعت گردانا - اَلْمُزْدَرِیُ - حقیر جاننے والا**** -

قرآن کریم میں ھے تَزْدَرِیْ اَعْیُنُکُمْ (۱۱/۳۱) - وہ لوگ جو تمہاری نگاھوں میں حقیر ھیں - (باب افتعال ھے - تاء ، دال سے بدل گئی ھے)

زع م

اَلزَّعْمُ - اَلزَّعْمُ - اَلزِّعْمُ - بات - قول - جو حق بھی ھو سکتی ھے اور باطل بھی - لیکن اکثر ان باتوں کو کہا جاتا ھے جن کے بارے میں شک کیا جاتا ھو اور وہ متحقق نہ ھوں - لیث نے کہا ھے کہ جب عرب کہتے ھیں زَعَمَ فُلَانٌ تو یہ ایسے معاملات کے متعلق بات ھوتی ھے جس کی بابت یقین

*تاج - **راغب - ***محیط و کشاف - ****تاج و محیط و راغب -

ہو کہ وہ حق ہے ۔ لیکن اگر شک ہو اور اس کا یقین نہ ہو کہ کہنے والے نے سچ کہا ہے یا جھوٹ ، تو ایسی جگہ زَعَمَ فُلَانٌ* کہتے ہیں ۔ اس لحاظ سے بعض نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ زَعْمٌ* کے معنے ہی جھوٹ ہیں ۔ اَلتَّزَعُّمُ ۔ جھوٹ گھڑنا ۔ علمائے لغت نے کہا ہے کہ زَعَمُوْا ایسی باتوں کو کہتے ہیں جن کی نہ کوئی سند ہو نہ ثبوت ، بلکہ یونہی زبانی نقل ہوتی چلی آرہی ہوں ، کہ اس نے اس سے کہا اور اس نے اس سے* ۔ اصل میں اس کے معنوں میں ظن اور توقع کا پہلو شامل ہوتا ہے ۔

صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلزَّعْمُ ۔ اکثر ان باتوں کو کہا جاتا ہے جن میں شک ہو یا جن کے جھوٹا ہونے کا عقیدہ دل میں ہو ۔ بعض لوگوں نے قول بلا دلیل کو زَعْمٌ کہا ہے ۔ بعض نے ادعائے علم (یعنی کسی بات کے جاننے کا دعویٰ کرنے) کو کہا ہے ۔ بعض کے نزدیک زعم کا تعلق اعتقاد سے ہے ، خواہ صحیح ہو یا غلط** ۔ راغب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ ہمیشہ اس موقع پر آیا ہے جہاں کہنے والے کی مذمت مقصود ہو*** ۔

قرآن کریم میں ہے زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا (۶۴/۷)۔ ''حقیقت سے انکار کرنے والے خیال کرتے ہیں کہ وہ اٹھائے نہیں جائیں گے'' ۔ سورۃ انعام میں ہے بِزَعْمِہِمْ (۶/۱۳۶) ۔ اس کے معنے گمانِ باطل کے ہیں ۔ زَعَمَ بِہٖ : اس کی ذمہ داری لی ، ضامن ہوا ۔ اسی سے اَلزَّعِیْمُ ۔ ذمہ دار اور کفیل کو کہتے ہیں (۱۲/۷۲ و ۶۸/۴۰) ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں (۱) بغیر صحت اور یقین کے کوئی بات کہدینا ۔ اور (۲) کسی چیز کا ذمہ دار اور کفیل بن جانا ۔

زفر

زَفَرَ ۔ یَزْفِرُ ۔ زَفِیْرًا ۔ سانس کو کھینچ کر نکالنا* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنے ہیں سانس کا بار بار پلٹنا تاآنکہ اس کی وجہ سے سینہ پھول جائے*** ۔ (جیسے سسکیاں بھرنے میں ہوتا ہے) اس کا بیشتر استعمال گدھے کے رینکنے کی ابتدائی آواز پر ہوتا ہے اور اس کے برعکس شہیق اس کی آواز کے آخری حصہ کو کہتے ہیں ، اس لئے کہ زفیر سانس اندر کی طرف

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

کھینچنے کو کہتے ہیں اور شَہِیْق* سانس کے باہر نکالنے کو*۔ قرآن کریم میں زَفِیْرٌ وَّ شَہِیْق* (۱۱/۱۰۶) اکٹھا آیا ہے ۔ اس کے معنے (آہیں بھرنے ، سسکنے اور واویلا کرنے ہوئے) جہنم چلانے کے ہیں (۲۱/۱۰۰) ۔ اَلزَّفِیْرٌ ۔ آگ کے بھڑکنے کی آواز کو بھی کہتے ہیں* ۔ (۲۵/۱۳) ''اور اس کا اطلاق ناگہانی مصیبت کے لئے بھی ہوتا ہے* ۔ اَلزِّقْرُ ۔ جو بوجھ کمر پر لدا ہو اسے کہتے ہیں ۔ مسافر کا سامانِ سفر ۔ مشکیزہ جس میں چرواہا اپنے لئے پانی لے جاتا ہے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی بوجھ اور آواز دونوں لکھے ہیں ۔

ز ف ف

اَلزَّفِیْفُ ۔ کے اصلی معنے ہوا کے تیز چلنے کے ہیں ۔ نیز شتر مرغ کی وہ تیز رفتار جس میں وہ چلنے کے ساتھ اڑنے کو بھی ملا دیتا ہے** ۔ زَفَّ الْبَعِیْرُ ۔ اونٹ نے چلنے میں تیزی کی ۔ اَلزَّفُّ ۔ تیز رفتار شتر مرغ ، نیز خوش رفتار اونٹنی ۔ اَلزَّفِیْفُ ۔ بجلی کی چمک کو بھی کہتے ہیں ۔ زَفَّ الْعَرُوْسَ اِلٰی زَوْجِہَا زَفًّا وَ زِفَافًا ۔ اس نے دلہن کو شوہر کے پاس پیش کیا* ۔ (اس میں پیش کرنے والوں کے شدتِ شوق کا پہلو نمایاں ہے)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہر چیز میں پھرتیلا پن اور تیز خرامی کے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے فَاَقْبَلُوْا اِلَیْہِ یَزِفُّوْنَ (۳۷/۹۴) ۔ ''وہ اس کی طرف تیزی سے آئے'' ۔ (اس میں جذبات کی شدت کا پہلو نمایاں ہے)۔

ز ف م

اَلزَّقْمُ ۔ لقمہ بنانا ۔ نگل لینا ۔ اَزْقَمَہٗ اَلشَّیْءَ ۔ اس نے اسے کوئی چیز بطور لقمہ دی اور اسے نگلوائی*۔ راغب نے لکھا ہے کہ زَقَمَ اور تَزَقَّمَ سے مراد کسی ناپسندیدہ چیز کو نگلنا ہے** اَلزَّقُّوْمُ ۔ ایک جنگلی پودہ کا نام ہے جس میں کڑوی سی تیز بو ہوتی ہے اور اس کے چھوٹے گول پتوں کے کنارے بہت بدہیئت ہوتے ہیں اور تنے میں موٹی موٹی گانٹھیں ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نے کہا ہے طَلْعُہَا کَاَنَّہٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ (۳۷/۶۵) ۔ اس کے خوشہ کا خول ایسا ہے جیسے سانپ کا پھن ہو۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ پودا ناگ پھنی تھوہر کا ہوگا ۔ لیکن پودا کوئی بھی ہو ، قرآن کریم نے جس کیفیت کے لئے تشبیہاً اس لفظ کا استعمال کیا ہے وہ ظاہر ہے ۔ ثعلب نے کہا کہ اَلزَّقُّوْمُ ہر اس کھانے کو کہتے ہیں جو زہریلا اور قاتل ہو* ۔ اور

*تاج ۔ **راغب ۔

صاحب محیط نے لکھا ہے* ۔ کہ عوام میں اسے بطور ضرب المثل اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص ایسی چیز کھا لے یا کوئی ایسا کام کرے جو اس کے لئے وبال جان بن جائے ۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ (۳۷/۶۴) ۔ وہ ایک ایسا درخت ہے جو جہنم (جحیم) کی جڑوں میں اگتا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس سے مراد کوئی سچ مچ کا درخت نہیں، کیونکہ جہنم کی جڑ میں کونسا درخت اُگ سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سے مراد اس قسم کا رزق ہے جس سے انسانیت جل کر راکھ ہو جائے ۔ اس کے خوشے بڑے بڑے سرکش و مستبد لوگوں (شیاطین) کے سروں جیسے ہونگے ۔ یعنی ظلم و استبداد سے حاصل کردہ رزق ۔ اسی کو شَجَرَةً مَّلْعُوْنَةً بھی کہا گیا ہے (۱۷/۶۰) اور طَعَامُ الْاَثِيْمِ بھی (۴۴/۴۴) ۔ یعنے ایسا رزق جس سے انسان کی قوتیں مضمحل اور صلاحیتیں افسردہ ہوجائیں اور وہ زندگی کی صحیح خوشگواریوں سے محروم رہ جائے ۔ یہ ان لوگوں کا رزق ہے جو اپنے آپ کو (بزعم خویش) بڑا صاحبِ عزت و تکریم سمجھتے ہیں (۴۴/۴۹) ۔ یعنے مُتْرَفِيْنَ کا طبقہ (۵۶/۴۵) جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت اور حکومت کرنے کے خوگر ہوں ۔ اس رزق سے پیٹ تو ضرور بھر جاتا ہے (۳۷/۶۶) لیکن انسانیت نشو و نما نہیں پاسکتی (۳۷/۶۸) ۔

سورۃ بنی اسرائیل میں جو اَلشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ (۱۷/۶۰) آیا ہے اور جس کا حوالہ ہم نے اوپر دیا ، ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ شَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ ہو جس کا ذکر (۱۴/۲۶) میں آیا ہے ۔ یعنی باطل نظریۂ حیات ۔ بہر حال یہ تمام بیانات تشبیہی ہیں ۔

زکریا علیہ السلام

قرآن کریم نے انبیائے بنی اسرائیل کے ضمن میں حضرت زکریا[۴] کا نام بھی لیا ہے (۶/۸۵) ۔ ان کے متعلق سورۃ آلِ عمران (۳/۳۷-۴۰) ۔ سورۃ مریم (۱۹/۲-۱۵) اور سورۃ انبیاء (۲۱/۸۹-۹۰) میں مذکور ہے کہ وہ خود عمر رسیدہ تھے اور ان کی بیوی عقیم ۔ لیکن ان کی بیوی میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت بیدار کر دی گئی (۲۱/۹۰) اور ان کے ہاں حضرت یحییٰ[۴] پیدا ہوئے ۔ حضرت مریم[۴] کو انہی کی کفالت میں دیا گیا تھا (۳/۳۷) ۔

لوقا کی انجیل میں ہے کہ "یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے قبیلہ میں زکریا نام ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں

*محیط ۔

سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا ۔ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی" ۔

تورات (عہد نامہ قدیم) میں ذکریاہ نام کے ایک نبی کا ذکر آیا ہے ۔ اسرائیلیوں کے ہاں ہیکل کے ایک بہت بڑے منصب دار کو نبی کہتے تھے جس کا ترجمہ کاہن کیا جاتا ہے ۔ لیکن قرآن کریم کی رو سے نبی کا تصور اس سے بالکل مختلف ہے ۔ حضرت زکریا* کو قرآن کریم نے زمرۂ انبیاء کرام میں شمار کیا ہے ۔

زک و

زَکَا الثَّمَالُ وَالزَّرْعُ ۔ یَزْکُوْ ۔ زُکُوًّا وَاَزْکٰی ۔ جانوروں کا اور کھیتی کا پھلنا ۔ پھولنا ۔ بڑھنا ۔ نشو و نما پانا ۔ اَزْکَی اللّٰہُ الثَّمَالَ وَزَکَّاہُ ۔ خدا نے مال کو نشو و نما دی ۔ بڑھایا ۔ زَکَا الرَّجُلُ یَزْکُوْ ۔ آدمی آسودہ اور خوش حال ہو گیا ۔ اسکی صلاحیتوں میں نشو و نما آگئی ۔ اسکی زندگی سرسبز و شاداب ہو گئی *۔

لہذا زَکَا کے بنیادی معنیٰ نشو و نما پانا ۔ بڑھنا ۔ پھولنا ۔ پھلنا ہیں ۔ راغب نے اس کے یہ معنے لکھکر اسکی مثال میں قرآن کریم کی یہ آیت درج کی ہے ۔ فَلْیَنْظُرْ اَیُّھَا اَزْکٰی طَعَامًا (۱۸/۱۹) یہ دیکھو کہ کونسا کھانا ایسا ہے جو حلال اور خوش انجام ہے ، یعنی جس میں نشو و نما دینے کی زیادہ صلاحیت ہے ،جو زیادہ (Nutritious) ہے ۔

اَلزَّکٰوۃُ کے معنے ہیں نشو و نما ۔ بالیدگی ۔ پھولنا ۔ پھلنا *۔ اسکے معنے پاکیزگی کے بھی آتے ہیں ۔ غالباً اسلئے کہ درختوں کی نشو و نما کے لئے ان کی شاخ تراشی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ لیکن یہ اسکے بنیادی معنی نہیں ۔ خود قرآن کریم میں (ایک ہی آیت میں) اَزْکٰی اور اَطْہَرُ کے الفاظ الگ الگ آئے ہیں ۔ اَزْکٰی لَکُمْ وَاَطْہَرُ (۲/۲۸۲) ۔ اس میں اَطْہَرُ تو پاکیزگی کے لئے ہے اور اَزْکٰی نشو و نما کے لئے ۔ پاکیزگی (طہارت) ایک سلبی صفت (Negative Virtue) ہے ۔ یعنے نقائص اور خرابیوں سے دور رہنا ۔ لیکن زَکٰوۃ ایجابی صفت (Positive Virtue) ہے ۔ یعنے بڑھنا ۔ پھولنا پھلنا ۔ نشو و نما اور بالیدگی حاصل کرنا ۔ صاحب محیط نے بیضاوی کے حوالہ سے اَلزَّکِیَّ کے معنے لکھے ہیں خیر و خوبی کے ساتھ بڑھنے والا ۔ عمدہ

* تاج نیز ابن قتیبہ (القرطبی ج/۱ صفحہ ۶۲)

صلاحیتوں کے ساتھ ایک عمر سے دوسری عمر تک ترقی کرنے والا ۔ یعنے اس میں بالیدگی اور ارتقا کا پہلو مضمر ہوتا ہے ۔ اَرْضٌ زَکِیَّۃٌ کے معنے ہیں سر سبز زمین جس میں خوب نشوونما ہو ۔ اَزْکٰی کے معنے ہیں اَنْفَعُ ۔ زیادہ منفعت بخش ** ۔ اسی اعتبار سے زَکٌا اس عدد کو کہتے ہیں جو زوج (جوڑا) ہو ** ۔

سورۃ کہف میں ہے کہ خدا انہیں ایسا بیٹا دیگا جو انکے پہلے بیٹے کے مقابلہ میں زیادہ صلاحیتوں کا حامل ہوگا ۔ خَیْرًا مِنْہُ زَکٰوۃً (۱۸/۸۱) ۔ نَفْسًا زَکِیَّۃً (۱۸/۷۴) کے معنے ہیں اچھا، عمدہ، جوان، نشوونما یافتہ لڑکا ۔ دوسری جگہ غُلٰمًا زَکِیًّا (۱۹/۱۹) آیا ہے ۔ سورۃ الشمس میں زَکّٰھَا کے مقابلہ میں دَسّٰھَا کا لفظ آیا ہے (۹۱/۱۰) ۔ تَدَسّٰی کے معنے ہوتے ہیں دبا دینا ۔ کسی کو زندہ دفن کر دینا (۱۶/۵۹) ۔ اُسکی نشوونما کو روک دینا ۔ لہذا تَزَکِّیَۃٌ کے معنے ہونگے ان تمام موانع کو دور کرکے جو کسی کی راہ میں حائل ہوں، اسکی نشوونما کیلئے حالات کو مساعد کرنا ۔

قرآن کریم میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ کے الفاظ بار بار آئے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی نظام کے بھی دو ستون ہیں ۔ اقامت صلٰوۃ کے مفہوم کے لئے (ص ۔ ل ۔ و کے عنوان میں) ''صلٰوۃ'' کا لفظ دیکھئے ۔ اس سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ اس سے مراد ہے ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا جس میں افراد معاشرہ، قوانین خداوندی کا اتباع کرتے، اپنی منزل مقصود تک جا پہنچیں ۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کا معاشرہ قائم کرنے سے مقصود کیا ہے ؟ مقصود ہے ''ایتائے زکٰوۃ'' ۔ ایتاء کے معنی ہیں دینا ۔ اور (جیسا کہ آپ اوپر دیکھ چکے ہیں) زکٰوۃ کے معنی ہیں نشوونما ۔ یعنی نوع انسان کی نشوونما (Growth) یا (Development) کا سامان بہم پہنچانا ۔ اس ''نشوونما'' میں انسان کی طبعی زندگی کی پرورش اور اس کی ذات کی نشوونما، دونوں شامل ہیں ۔ سورۃ حج میں ہے کہ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ (۲۲/۴۱) ۔ ''یہ (جماعت مومنین) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہوگا تو یہ اقامت صلٰوۃ اور ایتائے زکٰوۃ کرینگے'' ۔ یعنی اسلامی مملکت کا فریضہ ''ایتائے زکٰوۃ'' ہوگا ۔ یعنی دوسروں کو نشوونما دیتا ۔ اپنے افراد معاشرہ اور دیگر نوع انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانا ۔ اسی کے

** محیط ۔ نیز ابن فارس ۔

متعلق دوسرے مقام پر ہے کہ مومن وہ ہیں هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ (۲۳/۴) جو زکٰوۃ (یعنی نوع انسان کی نشوونما) کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مملکت اسلامی (یا نظام خداوندی) اپنے اس عظیم فریضہ (نوعِ انسان کو سامان نشوونما بہم پہنچانے کے فریضہ) کو سرانجام کسطرح سے دیگی ؟ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے (اولاً) ذرائع پیداوار مملکت کی تحویل میں رہینگے تاکہ وہ رزق کی تقسیم لوگوں کی ضرورت کے مطابق کر سکے۔ اور (دوسرے یہ کہ) افراد معاشرہ جو کچھ کمائیں وہ اسے اسطرح کھلا رکھیں کہ مملکت اس میں سے جسقدر ضرورت سمجھے، '' ایتائے زکٰوۃ ،، (دوسروں کی نشوونما) کے لئے لے لے۔ اس مقصد کے لئے قرآن کریم نے نہ کوئی شرح مقرر کی ہے نہ نصاب۔ اس میں سوال ضرورت پوری کرنے کا ہے۔ حتکہ اس ضمن میں یہ بھی کہدیا کہ جو کچھ افراد کی ضروریات پورا ہونے کے بعد بچ جائے، عندالضرورت وہ سب کا سب مملکت کی تحویل میں لیا جا سکتا ہے۔ (دیکھئے ۲/۲۱۹)۔ اس نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو مملکت اسلامی کی تمام آمدنی '' ایتائے زکٰوۃ ،، کے مقصد کو پورا کرنے کا ذریعہ ہوگی۔

لیکن اس قسم کا اسلامی نظام، بتدریج قائم ہوگا۔ جس عرصہ میں یہ ہنوز زیر تشکیل ہوگا، اس میں جماعت کے افراد سے (آج کی اصطلاح میں) چندے اور عطیے لئے جائینگے۔ یا ہنگامی ٹیکس عائد کئے جائینگے۔ ان کے لئے قرآن کریم نے '' صدقات ،، کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر '' صدقات ،، اور '' زکٰوۃ '' کو مرادف المعنی سمجھا جاتا ہے۔ حتکہ قرآن کریم نے '' صدقات '' کے خرچ کی جو مدات بتائی ہیں (۹/۶۰) انہیں بھی زکٰوۃ کے مصرف کی مدات سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے ان اصطلاسات کو الگ الگ مفہوم کے لئے استعمال کیا ہے۔

ان تصریحات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں اسلامی نظام مملکت کے شعبے ہیں۔ انفرادی چیزیں نہیں ہیں۔ انفرادی طور پر انسان جو کچھ ضرورت مندوں کو دیگا وہ خیرات ہوگی۔ اسلامی نظام میں خیرات لینے یا دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی کیونکہ تمام ضرورت مندوں کی ضروریات زندگی کا پورا کرنا مملکت کا فریضہ قرار پاتا ہے۔ نیز یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ جو کچھ حکومت لیتی ہے وہ مملکت کا ٹیکس ہوتا ہے، اور زکٰوۃ خدا کا ٹیکس ہے۔ '' قیصر اور خدا '' کی یہ تقسیم، عیسائیت کی ثنویت

(Dualism) کی پیدا کردہ ہے۔ اسلام میں اسکی قطعاً گنجائش نہیں۔ اسلام میں ، جو مملکت قوانین خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے قائم ہوتی ہے ، اسے جو کچھ دیا جاتا ہے وہ خدا ہی کو دیا جاتا ہے۔ (ان امور کی وضاحت کے لئے عنوانات '' ر ۔ ب ۔ ب '' ۔ '' ن ۔ ف ۔ ق '' اور '' ص ۔ د ۔ ق '' بھی دیکھئے)۔

سورۃ النجم میں ہے فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ ۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (۵۳/۳۲)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم خود ہی اپنے متعلق فیصلہ نہ کر لو کہ تمہارا تزکیہ نفس (ذات کی نشوونما) ہو رہا ہے۔ اس کے لئے معیار، خدا کا مقرر کردہ قانون ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى (۹۲/۱۸)۔ تزکیہ اس کا ہوتا ہے جو اپنے مال کو (نوع انسان کی پرورش کے لئے) دیتا ہے۔ یعنی مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى (۹۲/۵)۔'' جو دیتا ہے اور تقویٰ شعار بنتا ہے .... اس کے لئے راستے آسان ہو جاتے ہیں (۹۲/۷)۔

ز ل ف

اَلزَّلَفُ والزُّلْفٰى والزُّلْفَةُ ۔ قرب ۔ درجہ و مرتبہ ۔ اَلزُّلْفَةُ ۔ شروع رات یا مطلقاً رات کا ایک حصہ (چھوٹا ہوا بڑا)۔ جمع زُلَفٌ ہے۔ اَلْمَزَالِفُ ۔ سیڑھیاں ، جن سے انسان بلند بھی ہو جاتا ہے اور اپنی منزل سے قریب بھی۔ اس میں قرب اور مدارج دونوں آجاتے ہیں (دَرَجَةٌ ۔ بھی سیڑھی کو کہتے ہیں جو اوپر کی طرف لیجائے) ۔ زَلَفَ اِلَیْهِ ۔ وہ اس کی طرف قریب ہوا ۔ اَزْلَفَهٗ اسے قریب کیا ، اکٹھا کیا ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے کسی چیز سے قریب ہونے کے لئے آگے بڑھتے جانا بتائے ہیں* ۔ راغب نے کہا ہے زُلَفٌ رات کی منزلوں کو کہتے ہیں** ۔ صاحب کتاب الاشتقاق کے نزدیک اَلزُّلْفَةُ ۔ منزل کو کہتے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً (۶۷/۲۷) ۔ ''جب وہ اسے قریب دیکھینگے'' ۔ سورۃ سبا میں ہے تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى (۳۴/۳۷) ''جو مرتبہ میں تمہیں ہم سے قریب تر کر دے'' ۔ سورۃ شعراء میں ہے وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ (۲۶/۶۴) ''اور ہم وہیں دوسروں کو قریب لے آئے'' ۔ سورۃ ہود میں ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ (۱۱/۱۱۴) یعنے دن کے دونوں سرے اور رات کے کچھ حصے۔ (نیز دیکھئے عنوان د ۔ ل ۔ ک نیز ط ۔ ر ۔ ف)

*تاج ۔ **راغب ۔

ز ل ق

زَلِقَ ۔ یَزْلَقُ ۔ زَلَقَ ۔ یَزْلُقُ ۔ زَلَقًا ۔ پھسل جانا ۔ لغزش کھا جانا ۔ اپنی جگہ سے ہٹ جانا ۔ اَلزَّلَقُ ۔ سپاٹ زمین جس پر قدم پھسل جائیں ۔ جس پر کوئی پودا نہ ہو ۔ اَلزَّلْقَۃُ ۔ چکنی چٹان ۔ آئینہ* ۔ سورۃ کہف میں ہے فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا (۱۸/۴۰) ۔ ''وہ صاف اور چکنا میدان رہ جائے جس میں کوئی سبزی وغیرہ نہ ہو'' ۔ آئینہ کی طرح صاف اور چٹیل ہو جائے ۔ اَزْلَقَ فُلَانًا بِبَصَرِہٖ ۔ اس کی طرف بہت تیز (ناراضگی کی) نگاہ سے دیکھا ۔ اس طرح گھور کر دیکھنا گویا وہ آنکھوں آنکھوں ہی میں اسے اس کے مقام سے ہٹا دیگا* ۔ سورۃ القلم میں کفار کے متعلق ہے لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ (۶۸/۵۱) ۔ ''وہ تمہیں اس طرح گھور کر دیکھتے ہیں گویا اپنی نگاہوں سے تجھے اپنے مقام سے پھسلا دینگے'' ۔

ز ل ل (زلزل)

زَلَّ ۔ زَلِیْلٌ ۔ مَزِلَّۃٌ ۔ پھسل جانا ۔ لغزش کھا جانا ۔ اَلْمَزِلَّۃُ والمَزَلَّۃُ ۔ جس جگہ انسان پھسل جائے ۔ اَزَلَّہٗ : اسے پھسلایا (۲/۳۶) ۔ اَلزَّلَّۃُ ۔ لغزش کو کہتے ہیں ۔ یعنی اپنی جگہ سے ہل جانا ۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ لفظ ثَبَتَ کے مقابل میں آیا ہے (۱۶/۹۴) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ ہر وہ لفظ جس میں زاء کے بعد لام آتا ہو ، اُس کے بنیادی معنی ہٹنے کے ہوتے ہیں ۔ گفتگو میں لغزش کر جانے یا اپنی رائے سے ہٹ جانے نیز غلطی کرنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ راغب نے کہا ہے کہ زَلَّۃٌ ۔ اُس لغزش کو کہتے ہیں جو بلا ارادہ سرزد ہو ۔ اِسْتَزَلَّ کے معنے ہیں کسی کو اس کے مقام سے ہٹا دینے اور پھسلا دینے کا قصد و ارادہ کرنا (۳/۱۵۵) ۔ زَلِیْلٌ کے معنے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانے کے بھی آتے ہیں ۔ قَوْسٌ زَلَّاءُ ۔ وہ کمان جس سے تیر بڑی تیزی کے ساتھ نکل جائے ۔

زَلْزَلَۃٌ کے معنے ہیں کسی چیز کو تیزی کے ساتھ حرکت دیکر ہلا دینا یا اس کی جگہ سے ہٹا دینا** ۔ زَلْزَلَ ۔ یُزَلْزِلُ ۔ زَلْزَلَۃٌ وَزِلْزَالٌ ۔ اسے ہلایا** ۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا (۹۹/۱) ۔ ''جب زمین ہلا دی جائیگی جیسا کہ اس کا ہلانا (ہوگا)''

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔

ز ل م

اَلزَّلَمُ ۔ اَلزُّلَمُ ۔ تیر کی لکڑی جس کے پچھلے سرے میں پر نہ لگائے گئے ہوں ۔ (جمع اَزْلَامٌ) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی دبلا پتلا اور سپاٹ یعنی ہموار اور چکنا ہونے کے ہیں ۔ پھر اَزْلَامٌ سے مراد وہ تیر تھے جن سے قریش زمانۂ جاہلیت میں فال نکالتے تھے۔ تفصیل یہ ہے کہ تین مذکورہ بالا قسم کے تیر تھیلے میں ڈال دئے جاتے ۔ ان میں سے ایک پر اِفْعَلْ (کر) دوسرے پر لَا تَفْعَلْ (نہ کر) لکھ دیتے اور تیسرا خالی رہنے دیتے ۔ جب کوئی شخص کسی معاملہ کا ارادہ کرتا تو وہ کعبہ کے پجاریوں کے پاس آتا اور ان سے کہتا کہ میرے لئے یہ کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں فال نکالو۔ چنانچہ وہ اپنے قاعدے کے مطابق تیر نکالتے اور تیر کی تحریر کے مطابق فال دیکھ کر اسے بتا دیتے ۔ اگر خالی تیر آتا تو دوبارہ فال نکالتے ۔ بعض لوگ خود بھی اپنے پاس اس قسم کے تیر رکھتے اور جہاں ضرورت پڑتی ان سے فال نکال لیتے* ۔ اسی قسم کے تیروں سے قرعہ اندازی بھی ہوتی ۔ اور (جوئے کے) جانوروں کا گوشت تقسیم کیا جاتا (میسر) ۔ (قرعہ اندازی کے لئے عنوان ق ۔ ل ۔ م بھی دیکھئے) ۔ قرآن کریم نے ان سب باتوں سے منع کر دیا ۔ اس لئے کہ اس سے انسان اپنے اختیار کو چھوڑ کر جبر کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور بجائے اس کے کہ اپنی فہم و بصیرت سے کسی بات کا فیصلہ کرے اپنے آپ کو اتفاقات (Chances) کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے ۔ اس سے وہ مقام انسانیت سے گر جاتا ہے ۔ قرآن کریم انسان کی عقل و بصیرت کی تربیت کرتا اور اسے حریت و آزادی کی تعلیم دیتا ہے ۔ اس لئے اس نے ان تمام باتوں سے منع کر دیا ہے جس سے اس کی عقل و خرد دب جائے اور حریت فکر و نظر سلب ہو جائے ۔ وہ انسان کو پوری پوری آزادی دیتا ہے کہ وہ حدود اللہ (قوانین خداوندی ۔ قرآن کریم کے ضوابط) کے اندر رہتے ہوئے اپنے (انفرادی اور اجتماعی) امور کے فیصلے اپنی عقل و فکر سے کرے ۔ یہ تھی قرآن کریم کی تعلیم ۔ لیکن اب ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارے ہاں فال لینا ۔ قرعے ڈالنا ''استخارے کرنا'' (یعنی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ تسبیح کے دانوں کے سپرد کر دینا) عام روش زندگی ہو گیا ہے ۔ گری ہوئی قومیں اپنی قوت بازو ہی کو ترک نہیں کرتیں ، عقل و فکر کو بھی ساتھ ہی چھوڑ دیتی ہیں ۔ اور اس کا خمیازہ بھگتتی ہیں۔ ایک مرد مومن اچھی طرح جانتا ہے

*تاج و محیط ۔

کہ خاکِ زندہ ہوں میں تابع ستارہ نہیں - وہ اپنے آپ کو اتفاقات اور حوادث کے حوالے نہیں کرتا بلکہ اتفاقات اور حوادث کو اپنے پروگرام کے تابع لاتا ہے -

ز م ر

زَمْرٌ - آواز - اَلزَّمَّارَۃُ و اَلْمِزْمَارُ - بانسری - زَمَرَ یَزْمُرُ و یَزْمِرُ زَمْراً - بانسری بجانا -

اَلزُّمَرَۃُ (جس کی جمع زُمَرٌ ہے) منتشر فوج اور جماعت - کیونکہ کوئی جماعت شور سے خالی نہیں ہوتی* - یا انہیں یک جا کرنے کے لئے عموماً بگل (یا صور) سے کام لیا جاتا ہے - راغب نے اس کے معنے تھوڑی سی جماعت کئے ہیں** -

قرآن کریم میں ہے وَ سِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی جَھَنَّمَ زُمَرًا (۳۹/۷۱) - جنہوں نے انکار کی روش اختیار کر رکھی ہے انہیں جہنم کی طرف گروہ در گروہ لے جایا جائیگا - (زُمَرٌ کے لفظ سے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے)** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہوتے ہیں (۱) چیز کی کمی - اور (۲) آواز -

ز م ل

اَلزَّمِیْلُ - اونٹ پر بیٹھنے والا آدمی - نیز تمہارا رفیق سفر جو معاملات میں تمہاری مدد کرتا ہے - زَمَّلَہٗ - یَزَمِّلُہٗ - زَمْلاً - اس نے اسے اپنے پیچھے سوار کر لیا یا کجاوے میں اپنے ساتھ برابر کی جھولی میں بٹھا لیا - اَلزِّمْلُ - بوجھ - اس سے اِزْدَمَلَ الحِمْلَ کے معنے ہیں اس نے ایک بار میں سارا بوجھ اٹھا لیا - اَلْمُزَامَلَۃُ - اونٹ پر دونوں طرف عموزن سواریوں کا بیٹھنا یا ہموزن بوجھ لادنا -

ایک اونٹ پر بالعموم دو سواریاں بیٹھتی ہیں - ایسے سفر میں سب سے اہم اور پہلا کام یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ ایک اونٹ پر ایسی دو سواریاں بٹھائی جائیں جو ہم وزن بھی ہوں اور ہم خیال بھی تاکہ ان دونوں میں طبعی اور ذہنی، دونوں انداز سے ہم آہنگی ہو - اگر ان کا وزن برابر نہ ہو تو سفر میں اونٹ کو اور خود سواریوں کو بھی تکلیف ہوگی - اور اگر وہ ہم خیال نہ ہوں تو یہ سفر، سَقَر (دوزخ) بن جائیگا - سب سے اچھا سالارِ کارواں وہ ہوتا ہے جو زَمِیْلٌ چننے میں ماہر ہو -

*محیط و تاج - **راغب -

رسول اللہؐ کو جب وحی کے ذریعہ قرآنی نظام کا نقشہ سمجھا دیا گیا تو اس کے بعد ان کا سب سے اہم فریضہ یہ قرار پایا کہ وہ رفقائے کار کی تلاش کریں اور ان کے انتخاب میں زمینی لائحہ انداز اختیار کریں۔ اس لئے کہ ایسے عظیم پروگرام کی کامیابی کا راز رفقائے سفر کے صحیح انتخاب میں تھا۔ یہ تھا وہ فریضہ جس کی طرف آپ کی توجہ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (۷۳/۱) کہکر دلائی گئی۔ اس کے بعد جس قسم کی تزمیل رسول اللہؐ نے کی، دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔

اِزْدَمَلَ۔ تَزَمَّلَ و ازَّمَّلَ فِیْ ثِیَابِہٖ۔ کے معنے یہ بھی ہوتے ہیں کہ وہ اپنے کپڑوں میں لپٹ گیا۔ اس اعتبار سے اَلْمُزَّمِّلُ اسے کہتے ہیں جو معاملات میں لا پرواہی برتے اور کاموں میں کوتاہی کرے** ۔ ظاہر ہے کہ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ میں اَلْمُزَّمِّلُ کے یہ معنے نہیں لئے جاسکتے، اگرچہ حیرت ہے کہ راغب جیسے بالغ نظر نے بھی لکھ دیا ہے کہ یہ لفظ استعارہ کےطور پر استعمال ہوا ہے اور کنایہ ہے کوتاہی کرنے والےاور معاملات میں لا پرواہی برتنے والے سے** ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی بوجھ اٹھالینے کے لکھے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ اَلزَّمِیْلُ اس آدمی کو کہتے ہیں کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آئے تو وہ اپنے بدن پر مزید کپڑے ڈال لے اور اس طرح کپڑوں کی گٹھڑی سی بن جائے اور اَلْمُزَامَلَۃُ کے معنی ہیں اونٹ کے دونوں طرف ہم وزن بوجھ لادنا۔ اس اعتبار سے اَلْمُزَّمِّلُ کا صحیح مفہوم یہی ہوگا کہ جو فریضہ تزمیل میں بہت زیادہ احتیاط برتے اور سرگرمی دکھائے۔ اَلزِّمْلُ بوجھ کو بھی کہتے ہیں اور اِزْدَمَلَ الْحِمْلَ کے معنے ہوتے ہیں اس نے سارے بوجھ کو ایک دم لاد دیا*۔ اس اعتبار سے مُزَّمِّلٌ وہ ہوگا جو بارِ رسالت کو نہایت حسن و خوبی سے اٹھائے۔ کشاف میں عکرمہ کے حوالہ سے ہے کہ یاَیُّھَاالْمُزَّمِّلُ کے معنے ہیں اے امرِ عظیم اٹھالینے والے۔ تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب ہے نبوت اور اس کی ذمہ داریوں کا بار اٹھانے والے۔ تفسیر خازن نے بھی اسکی تائید کی ہے۔ تستری نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اَلْمُزَّمِّلُ کے معنے ہیں وہ شخص جس نے اپنے آپ کو خدا کا ہم رنگ کر لیا ہو۔ یہ رفاقت کی انتہائی شکل ہے۔ تفسیر فتح القدیر (شوکانی) میں ہے کہ اس کے معنی مُزَّمِّلٌ بالْقُرآن ہیں۔ یعنی قرآن کا بار اٹھانے والا۔ حامل قرآن۔ یہ معنی قرطبی نے بھی دئے ہیں اور کہا ہے کہ اسے حضرت ابن عباسؓ نے روایت

*تاج۔ **راغب۔

کیا ہے - بہر حال ، نبی اکرمؐ کو جو یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کہکر پکارا گیا ہے تو اس میں حضورؐ کے عظیم القدر فرائض رسالت کی طرف اشارہ ہے جن کا مقصد جماعتِ مومنین کو ساتھ لیکر دنیا میں انقلاب عظیم برپا کرنا تھا -

عام خیال یہ ہے کہ لفظ مُزَّمِّلٌ باب تَفَعَّلَ سے ہے - اصل اس کی مُتَزَمِّلٌ تھی -

ز م ھ ر

اَلزَّمْھَرِیْرُ - سردی کی شدت - نیز چاند کو بھی کہتے ہیں * - اِزْمَھَرَّالْیَوْمُ - دن سخت سرد ہو گیا - اِزْمَھَرَّالْوَجْہُ - چہرہ بری طرح بگڑ گیا اور دانت دکھائی دینے لگے -

قرآن کریم میں جنت کے متعلق ہے کہ لَایَرَوْنَ فِیْھَا شَمْسًا وَّلَا زَمْھَرِیْرًا (۷۶/۱۳) - اس میں نہ تو سخت گرمی ہوگی نہ سخت سردی - ویسے اَلْمُزْمَھِرُّ کے معنے ہیں ہنستے ہوئے دانتوں والا* - غالباً سردی سے دانت بجنے سے طنزاً لیا گیا ہے - لیکن ابن فارس نے کہا ہے " ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ زَھْرٌ سے ہو جس میں میم زیادہ کر لی گئی ہو - زَھْرٌ کے معنی چمکنے کے ہوتے ہیں - اِزْمَھَرَّتِ الْکَوَاکِبُ - ستارے چمکے " - جب سردی زیادہ ہو تو ستارے زیادہ روشن اور چمکدار ہوجاتے ہیں -

زنجبیل

اَلزَّنْجَبِیْلُ - ادرک یا سونٹھ کو کہتے ہیں - عربوں کے ہاں یہ اعلیٰ درجہ کی خوشبودار چیز شمار ہوتی تھی ** - صاحب محیط کا خیال ہے کہ یہ فارسی لفظ شَنْگَبِیْلُ کا معرب ہے *** - (یہ لفظ شَنْگَبِیْلُ نہیں بلکہ شَنْگَوِیْر ہے) -

قرآن کریم میں ہے کَانَ مِزَاجُھَا زَنْجَبِیْلًا (۷۶/۱۷) " اسکی ملونی سونٹھ کی ہوگی " - اسکے مفہوم کے لئے عنوان (م - ز - ج) دیکھئے -

ز ن م

ابن فارس نے کہا ہے کہ زَنْمٌ کے بنیادی معنی کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ لٹکا دینے کے ہیں -

* تاج و محیط - ** تاج - ***محیط -

اَلزَّنِیْمُ - وہ شخص جو کسی قبیلہ سے نسبی تعلق تو نہ رکھتا ہو لیکن اسکے ساتھ یونہی ملحق ہو* - جیسے بکری کے گلے میں جونک کی طرح دو تھن سے لٹک رہے ہوتے ہیں جنہیں زَنَمَتَا الْعَنْزِ کہتے ہیں - عربوں میں نسب کو بڑی اہمیت حاصل تھی - ظاہر ہے کہ ایسا شخص جس کا نسب کچھ اور ہو (یا معلوم ہی نہ ہو) اور وہ یونہی کسی قبیلہ کے ساتھ متمسک ہو جائے، وہ ذلیل اور کمینہ شمار ہوتا تھا - اسی لئے اَلزَّنِیْمُ کمینے آدمی کو کہتے تھے جو اپنی کمینگی اور شرارت میں بدنام ہو* - اَلزَّنْمَۃُ - ایک درخت جس پر پتے نہیں ہوتے* - قرآن کریم میں زَنِیْمٍ کا لفظ (۶۸/۱۳) میں آیا ہے -

ز ن ی

زَنٰی - یَزْنِیْ - زِنًی و زِنَاءٌ - اس نے بدکاری کی** - بلا عقدِ معروف کسی سے جنسی اختلاط کیا - قرآن کریم میں ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی (۱۷/۳۲) - "زنا کے قریب تک بھی نہ جاؤ" - یعنے یہی نہیں کہ زنا نہ کرو بلکہ مبادیات زنا تک کے بھی پاس نہ جاؤ - سورۃ فرقان میں ہے وَلَا یَزْنُوْنَ (۲۵/۶۸) - "زنا نہیں کرتے" - اَلزَّانِیْ - زنا کرنے والا مرد - اَلزَّانِیَۃُ (۲۴/۲) زنا کرنے والی عورت - ان میں سے ہر ایک کی سزا سو کوڑے ہیں - (۲۴/۲) - البتہ اگر یہ جرم ایسی شادی شدہ عورت سے سرزد ہو جو پہلے لونڈی رہ چکی ہو (زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق ***) تو اس کی سزا اس سے نصف ہے (۴/۲۵) - اس لئے کہ لونڈیوں کی پرورش اور ترتیب جس پست ماحول میں ہوتی تھی اس سے ان میں اس بلندیِ کردار کی توقع رکھنا جو بلند، شریف اور پاکیزہ ماحول میں پیدا ہوتا ہے، زیادتی تھی - اس سے اندازہ لگائیے کہ قرآن کریم انسان کی اضطراری کمزوریوں پر کسقدر نگاہ رکھتا ہے -

سنگساری (رجم) کی سزا قرآن کریم میں نہیں -

ہمارے زمانے میں اس مسئلہ پر بڑی تحقیق ہوئی ہے کہ جنسی تعلقات کا قوموں کے عروج و زوال پر کسقدر گہرا اثر پڑتا ہے اور جو قومیں مردوں اور عورتوں کی عفت کی پرواہ نہیں کرتیں وہ تہذیب و تمدن کی کس پست سطح پر آجاتی ہیں - (اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے احباب میری کتاب سلیم کے نام خطوط، جلد سوم میں متعلقہ خط ملاحظہ فرمائیں) -

---

*تاج **تاج و راغب - *** قرآن کریم نے غلام اور لونڈیوں کے وجود (Institution) ہی کو ختم کر دیا - تفصیل م - ل - ك کے عنوان میں ملیگی -

ز ہ د

زَہَدَ (فِیْ وعَنْ) یَزْہَدُ۔ زُہْدًا۔ بے رغبت ہونا *۔ کسی چیز سے اعراض برتنا اور اسے چھوڑ دینا*۔ اس سے فاعل زَاہِدٌ ہے۔ سورۃ یوسف میں ہے کہ اہل قافلہ نے حضرت یوسفؑ کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ دیا۔ اس لئے کہ وَکَانُوْا فِیْہِ مِنَ الزّٰہِدِیْنَ (۱۲/۲۰)۔ وہ حضرت یوسفؑ میں کچھ زیادہ رغبت نہیں رکھتے تھے۔ اَلزَّہِیْدُ۔ قلیل اور حقیر*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی کمی کے ہیں۔ اَلزَّاہِدُ وَالزَّہِیْدُ۔ تنگ اخلاق آدمی۔ کم خور آدمی*۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ زُہْدٌ دراصل کسی چیز کی طرف میلان چھوڑ دینے کو کہتے ہیں **۔

زُہْدٌ یا زاہدٌ کا لفظ جن معنوں میں ہمارے ہاں استعمال ہوتا ہے قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔ یہ تصوف کی اصطلاح ہے جس میں دنیا سے بے رغبتی کو بڑی فضیلت قرار دیا گیا ہے۔ یہ تصور قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ (خود تصوف ہی اسلام کی سرزمین میں ایک اجنبی پودا ہے) قرآن کریم کی رو سے مومن کا فریضہ دنیا کی تسخیر ہے اور اسکی خوش گواریوں سے متمتع ہونا اس کا حق۔ قرآن کریم واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ "ان سے کہو کہ وہ کون ہے جو ان زینت کی چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے جنہیں خدا نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے" (۷/۳۲)۔ مومن صرف ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن سے خدا نے روکا ہے۔ ان کے علاوہ، وہ دنیا کی ہر چیز سے فائدہ اٹھاتا اور انہیں اپنے کام میں لاتا ہے۔

ز ہ ر

اَلزَّہْرَۃُ۔ اَلزَّہَرَۃُ۔ پودا۔ پودے کا پھول۔ بعض نے کہا ہے کہ زَہْرَۃٌ صرف کھلے ہوئے پھول کو کہا جاتا ہے۔ اَلزَّہْرَۃُ مِنَ الدُّنْیَا۔ دنیا کی سرسبزی و تازگی۔ حسن و زیبائش۔ شگفتگی و شادابی۔ حاسان زیب و زینت۔ (۲۰/۱۳۱)۔ اَلزَّہْرَۃُ۔ سفیدی*۔ حسن۔ درخشندگی۔ اَلزَّہْرِیَّاتُ مِنَ الْاَبْقَارِ۔ بہار کے دن **۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حسن۔ روشنی۔ اور صفائی پر دلالت کرتے ہیں۔

* تاج۔ ** محیط۔

ز ھ ق

زُھُوْقٌ ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنے دشواری کے ساتھ نکلنے کے ہوتے ہیں ۔ چنانچہ زَھَقَتِ النَّفْسُ کا مطلب یہ ہے کہ جان بمشکل نکلی* ۔ اَلزَّاھِقُ ۔ ہوئے جانور کو کہتے ہیں جس میں گودا ہو** ۔ نیز اس جانور کو بھی جو بہت لاغر ہو ۔ اس طرح یہ لفظ اضداد میں سے ہے ۔ اَلزَّھُوْقُ ۔ گہرے کنوئیں کو بھی کہتے ہیں اور بلند پہاڑوں کے درمیانی راستے کو بھی ** ۔ لیکن تیزی سے ہو یا دشواری اور سستی سے ، اسکے معنے کسی چیز کے نکل جانے کے ہوتے ہیں ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی آگے بڑھنے ۔ گزر جانے اور تجاوز کر جانے کے ہوتے ہیں ۔ زَھَقَتِ الرَّاحِلَۃُ زُھُوْقاً ۔ اونٹنی گھوڑوں سے آگے نکل گئی ۔ زَھَقَ السَّھْمُ زُھُوْقاً ۔ تیر نشانے سے آگے نکل گیا ۔ زَھَقَتْ نَفْسُہٗ ۔ اسکی جان نکل گئی ** ۔ تَزْھَقَ اَنْفُسُھُمْ (۹/۵۵) ۔ " ان کی جانیں نکلیں " ۔ اَلزَّاھِقُ ۔ شکست خوردہ آدمی کو کہتے ہیں ** ۔ اَلْمُبَرِّ ھَقُ مقتول کو کہتے ہیں ۔ زَھَقَ الشَّیْءُ ۔ کوئی چیز تباہ و برباد ہوئی ، مضمحل ہوئی ** ۔

قرآن کریم میں باطل کے متعلق ہے فَاِذَا ھُوَ زَاھِقٌ (۲۱/۱۸) ۔ ہر وہ نظریہ یا پروگرام جو حق کے خلاف ، تخریبی نتائج کا حامل ہو ، ناکام و نامراد رہتا ہے ۔ مٹ جاتا ہے ۔ شکست کھا جاتا ہے ۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقاً (۱۷/۸۱) " اور کہو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ باطل ہوتا ہی مٹنے والا ہے " ۔ یہاں زَھُوْقٌ کے معنے زَاھِقٌ ہی ہیں ، لیکن مبالغہ کے ساتھ ۔ باطل اسوقت تک رہتا ہے جب تک حق (خدا کا تعمیری نتائج پیدا کرنے والا پروگرام) نہیں آتا ۔ اس کے آنے سے باطل شکست کھا کر مٹ جاتا ہے ۔ اس کے اندر حق کے سامنے ٹھہرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ۔ مزید تفصیل (ح ۔ ق ۔ ق) اور (ب ۔ ط ۔ ل) کے عنوانات میں دیکھئے ۔

اَزْھَقَتْ الْاِنَاءَ کے معنے ہیں ، میں نے برتن کو الٹ دیا** ۔ اس سے بھی اس کے معنے واضح ہیں ۔ راغب نے لکھا ہے کہ زَھَقَتْ نَفْسُہٗ کے معنی ہیں رنج و غم سے اسکی جان نکل گئی *** ۔

ز و ج

زَوْجٌ ۔ دو چیزیں جو ایک دوسرے کے مطابق ہوں (جیسے جوتے کے دونوں پاؤں) ۔ یا ایک دوسرے کے مقابل ہوں (جیسے دن اور رات) وہ زَوْجَانِ

* محیط ۔ ** تاج ۔ *** راغب ۔

کہلاتی ہیں ۔ اور ان میں سے ہر ایک ، دوسرے کی زَوْج* ہوتی ہے ۔ زَوْج* کے اصلی معنے جوڑ کے ہیں ۔ فَرْد* (اکیلا) کے خلاف ۔ لہذا زَوْج* اس فرد کو کہتے ہیں جس کا کوئی جوڑ (یا ساتھی) ہو ۔ خواہ اس کی مثل یا اسکے مقابل ۔ زَوَّجَ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ کے معنے ہیں اس نے ایک چیز کو اس جیسی چیز کے ساتھ ملا دیا (باندھ دیا) ۔ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (۸۱/۷) کے معنے ہیں جب ہر انسان اپنے ہمجماعت یا ہم مذاق کے ساتھ ملجائیگا ۔ اور زَوَّجْنٰھُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ (۴۴/۵۴) کے معنے ہیں انہیں حور عین کے ساتھ ہم آہنگ کردیا جائیگا ۔ ساتھی بنا دیا جائیگا ۔ (حَوْرٌ* کے معنے (ح ۔ و ۔ ر) کے عنوان کے تحت دیکھئے) ۔ اسی اعتبار سے ہر شے کے امثال و نظائر (یعنے ایک ہی قسم کی چیزوں کو) اَزْوَاج* کہتے ہیں* ۔ اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَھُمْ (۳۷/۲۲) کے معنے ہیں ظلم کرنے والوں کو اور ان کی ہم کار پارٹیوں کو اکٹھا کرو ۔ (یعنے ان کے مثل و نظیر اور لوگوں کو جو ان جیسے ہیں) ۔ اسی طرح قرآن کریم میں اہل جنت کے متعلق مختلف مقامات میں آیا ہے کہ لَھُمْ فِیْھَا اَزْوَاجٌ* مُّطَھَّرَةٌ* (۲/۲۵) تو اس کے معنے نیک بیویاں ہی نہیں بلکہ اس کے معنے ہیں پاکیزہ خیالات رکھنے والے ہم مشرب ساتھی ۔ جنتی معاشرہ میں قلب ونگاہ کی پاکیزگی اور ہم آہنگی ہوتی ہے ۔ چونکہ اس معاشرہ میں مرد بھی ہونگے اور عورتیں بھی، اس لئے اَزْوَاج* میں میاں بیوی بھی شامل ہونگے ۔ واضح رہے کہ جو جنتی معاشرہ دنیا میں قائم ہوگا اس میں میاں بیوی کے تعلقات میں افزائش نسل کا مقصد بھی شامل ہوگا ۔ لیکن جنتِ آخرت میں میاں بیوی کی مواصلت یا افزائش نسل کا تصور قرآن کریم سے نہیں ملتا ۔ لہذا وہاں کی (مردوں اور عورتوں کی) زوجیت ، باہمی رفاقت (Companionship) کی ہوگی ۔ حقیقت یہ ہے کہ جنت آخرت کے متعلق جو کچھ قرآن کریم میں آیا ہے وہاں کی نعمتوں کا تمثیلی بیان ہے ۔ اسے یہاں کے اندازِ زیست پر قیاس نہیں کرنا چاہئے ۔ وہاں کی حقیقت کو ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر سمجھ ہی نہیں سکتے ۔

انہی معانی کی بنا پر زَوْج* ۔ ہر شے کی قسم اور نوع و صنف (Species) کو کہتے ہیں* ۔ اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ (۲۰/۱۳۱) کے معنے ہیں قسم قسم کے ایک دوسرے سے ملتے جلتے لوگ ۔ یا طرح طرح کی چیزیں جو ایک دوسرے سے مشابہ ہوں ۔ کَمْ اَنْبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ (۲۶/۷) کے معنے ہیں ہم نے زمین میں ہر عمدہ نوع کی کتنی چیزیں پیدا کی ہیں ۔ (ویسے

*تاج و محیط ۔ **راغب و لسان العرب ۔

نباتات میں نر و مادہ کا ہونا ثابت ہے اور بعض جمادات کے متعلق بھی ایسا خیال کیا جاتا ہے) ۔ دوسری جگہ ہے ۔ وَ آخَرُ مِنْ شَكْلِهٖ اَزْوَاجٌ (۳۸/۵۸) اس کے معنے ہیں اس کے علاوہ اسی قسم کی اور رنگا رنگ سزائیں ۔ وَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (۵۱/۴۹) کے معنے بھی یہی ہیں کہ ہم نے ہر نوع کی ایسی چیزیں تخلیق کی ہیں جو ایک دوسرے سے وابستہ اور ملتی جلتی ہیں ۔ خواہ ایک دوسرے کے ہم رنگ ہوں اور خواہ ایک دوسرے کی ضد ۔ مثلاً آسمان زَوْجٌ ہے زمین کا ۔ سردی زَوْجٌ ہے گرمی کی ۔ اور جوتے کا ایک پاؤں بھی زَوْجٌ ہے دوسرے پاؤں کا ۔ زَوْجٌ کے معنے ایسے فرد کے بھی ہیں جس کا ساتھی یا نظیر و مثیل ہو ۔ یعنی یہ لفظ دو ساتھیوں میں سے ہر ایک فرد کے لئے بھی اسی طرح مستعمل ہے جس طرح ان دونوں کے لئے ۔ کبھی دونوں کے لئے زَوْجَانِ بھی بولتے ہیں* ۔

اِزْدَوَجَ ۔ اور تَزَاوَجَ ۔ وزن یا سجع بندی کے لئے کسی فقرے کے دو ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے مشابہ کرنا ، یا دو قضیوں کا ایک دوسرے سے متعلق ہونا* ۔ زَوْجٌ (جمع اَزْوَاجٌ) ۔ رفیق ۔ ایک دوسرے کے ساتھی* ۔ زَوْجٌ (جمع اَزْوَاجٌ) کے معنے شوہر یا بیوی دونوں کے ہیں ۔ شوہر بیوی کا زَوْجٌ ہوتا ہے اور بیوی شوہر کی زَوْجٌ** ان میں سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے ۔ اس کا نام ہے از دواجی زندگی ۔ قرآن کریم میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے ۔ دیکھئے عنوان (ل ۔ ب ۔ س) (۷۸/۸) میں اَزْوَاجًا کے معنے بیویاں ہیں ۔ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً کے معنے ہیں ''میں نے ایک عورت سے شادی کی'' ۔

اگر یہ دیکھنا ہو کہ قرآن کریم کی رو سے از دواجی زندگی کس قسم کی زندگی ہوتی ہے تو اسکے لئے صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ تَزَوَّجَهُ النَّوْمُ کے معنے ہیں نیند آنکھوں میں گھل مل گئی*** ۔ لہذا میاں بیوی کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے آنکھوں میں نیند گھل جائے ۔ (نیز دیکھئے عنوان ، ن ۔ ک ۔ ح) ۔ اس دنیا کے جنتی معاشرہ میں مردوں کے ساتھ حورتیں (بیویاں) بھی ہونگی لیکن وہ بھی قلب و نگاہ کی پاکیزگی کو لئے ہوئے ہونگی اور سفرِ زندگی میں ایک رفیق کی طرح ساتھ چلنے والیاں ۔ قرآن کریم نے ان رفقائے حیات کی خصوصیات کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے ۔ باقی رہی مرنے کے بعد کی جنت ، سو (جیسا کہ اجمالاً اوپر کہا گیا ہے اور تفصیلاً ج ۔ ن ۔ ن کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے) ہم اپنے ادراک کی موجودہ سطح پر

*لین ۔ ** لطائف اللغة *** تاج و محیط

اسکی کیفیات کا کچھ اندازہ نہیں لگا سکتے ۔ اسی لئے نہیں کہہ سکتے کہ وہاں کے ساتھیوں کی کیسی کیفیت ہوگی ۔ لیکن اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہم رنگ اور ہم آہنگ ساتھی کا مل جانا ، جنت ہے ۔

ز و د

اَلزَّادُ ۔ موجودہ ضرورت سے زائد چیز کو کہتے ہیں جسے دوسرے وقت کے لئے سنبھال کر رکھ لیا جائے* ۔ نیز اس کے معنے کھانے کے ہیں خواہ سفر کا ہو یا حضر کا** ۔ بالخصوص وہ کھانا جو سفر کے لئے تیار کیا جائے ، توشہ*** ۔ اَلْمِزْوَدُ ۔ توشہ دان کو کہتے ہیں** ۔ زَوَّدْتُہٗ تَزْوِیْدًا ۔ میں نے اسے زاد راہ دیا ۔ تَزَوَّدَ : اس نے توشہ ساتھ لیا** ۔

قرآن کریم میں حج کے سلسلہ میں ہے وَ تَزَوَّدُوْا (۲/۱۹۷) ۔ جانے سے پہلے اپنے زاد سفر کا انتظام کرلیا کرو ۔ (یونہی اٹھکر نہ چل دیا کرو) اس لئے کہ فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (۲/۱۹۷) ۔ جب تم زاد سفر لے کر چلوگے تو اس سے تم دوسروں کے دست نگر ہونے سے بچ جاؤگے ۔ ابن فارس نے خلیل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تَزَوَّدَ کے معنی کسی اچھی چیز کو ادھر سے ادھر لے جانا ہیں ۔

ز و ر

اَلزَّوْرُ ۔ سینے کا بالائی حصہ جہاں سینے کی تمام ہڈیاں آکر مل جاتی ہیں ۔ جو شخص کسی کو ملنے کے لئے آتا ہو اسے بھی اَلزَّوْرُ کہتے ہیں ۔ زَوَّرْتُہٗ ۔ میں نے اپنا سینہ اس کے سامنے کیا ، توجہ سے اس کا قصد کیا ، اس سے ملا ۔ اَلزَّوْرُ ۔ اَلتَّزَاوُرُ ۔ اَلْمُزَارُ ۔ ملاقات کرنا ۔ زیارت کرنا ۔ اَلزَّوَرُ ۔ سینے کا ٹیڑھا پن اور ایک طرف کو جھکا ہونا ۔ اَلْاَزْوَرُ ۔ وہ جس کے سینے میں ٹیڑھا پن ہو ۔ جو چلنے میں سینہ کو ایک طرف زیادہ جھکا کر چلتا ہو ۔ نیز کنکھیوں سے دیکھنے والے کو بھی کہتے ہیں ۔ اسی سے اس لفظ کے معنے ایک طرف جھک جانے کے آتے ہیں ۔ نیز سیدھے راستے سے ہٹ کر ایک طرف ہوجانے کے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی طرف جھک جانے اور ایک طرف کو ہٹ جانے کے ہیں ۔ سورۃ کہف میں ہے تَزَاوَرُ عَنْ کَہْفِہِمْ (۱۸/۱۷) ۔ ''سورج ان کے غار سے ایک

*راغب ۔ **تاج ۔ ***ابن فارس ۔

طرف کو ہٹ کر نکل جاتا ہے'' ۔ زَوَّرَ عَنْہُ ۔ وہ اس سے ہٹ گیا ۔ اسی سے اَلزُّوْرُ جھوٹ کو کہتے ہیں ۔ حَبْلٌ لَہٗ زُوْرٌ ۔ رسی جس میں بٹ ہو* ۔ سورۃ حج میں ہے وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (۲۲/۳۰) ۔ اس کے عام معنے تو یہی ہیں کہ جھوٹی اور بناوٹی بات سے بچو ۔ لیکن اصل کے اعتبار سے اس کے معنے ہیں سیدھے راستے سے ہٹی ہوئی حرکت ۔ انسان کا ہر وہ قدم جو صراط مستقیم سے ہٹ کر کسی دوسری طرف جا پڑے، زُوْرٌ میں آجائیگا ۔ اسلام ، حرکت کا نام ہے ۔ یہ ایک تحریک ہے ۔ لیکن یہ حرکت بلاتعین منزل نہیں کہ جس طرف جی چاہا قدم اٹھا دیا ۔ یہ حرکت ہے ایک متعین منزل کی طرف ۔ اسلئے اس میں زُوْرٌ کا کوئی کام نہیں ۔ اس کی تشریح اگلی آیت نے کر دی جہاں فرمایا حُنَفَآءَ لِلّٰہِ (۲۲/۳۱) ۔ ہر طرف سے منہ موڑ کر اُس نصب العین کی طرف چلنا جو اللہ نے مقرر کیا ہے ۔ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ (۲۲/۳۱) ۔ اس میں کسی اور خیال ، جذبہ اور میلان کی آمیزش نہ کرنا ۔ اسی کو سورۃ فرقان میں ظُلْمًا وَّ زُوْرًا (۲۵/۴) کہا ہے ۔

کَلَامٌ مُّزَوَّرٌ ۔ بنائی ہوئی اور جھوٹ کا ملمع کی ہوئی بات ۔ زَوَّرَ الشَّیْءَ کے معنے ہیں کسی بات میں جھوٹ ملا کر اسے مزین بنا دیا ۔ باب تفعیل کا ایک خاصہ سلب ماخذ بھی ہے ۔ اس لئے تَزْوِیْرٌ کے معنی زُوْرٌ کو دور کرنے کے بھی ہیں اس کو اصلاح کہتے ہیں ۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ کسی چیز کو سدھارنا ، خواہ وہ خیر ہو یا شر ، تَزْوِیْرٌ کہلائیگا** ۔ ملنے کے معنے میں یہ مادہ قرآن کریم میں (۱۰۲/۲) میں آیا ہے ۔ جہاں کہا ہے حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۔ یہاں تک کہ تم قبروں سے جا ملو ۔

زول (زی ل)

زَالَ ۔ یَزُوْلُ وَ یَزَالُ ۔ زَوَالًا ۔ کسی چیز کا جمے رہنا ۔ تبدیل ہو جانا ۔ مضمحل ہو جانا ۔ ایک طرف ہٹ جانا ۔ دور ہو جانا ۔ جدا ہو جانا ۔ باز آ جانا ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اَمْسَکَ کے مقابلہ میں آیا ہے (۳۵/۴۱) جس کے معنے روکنے کے ہیں ۔ اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۔ ''یقیناً اللہ (کا نانون) آسمانوں کو اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں ۔ الگ الگ نہ ہو جائیں'' ۔ زَیَّلَ ۔ الگ الگ کر دینا* ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔

لاَ یَزَالُوْنَ (۲/۲۱۷) ۔ وہ ہمیشہ اس حالت میں رہینگے ۔ کبھی باز نہیں آئینگے۔ لَوْ تَزَیَّلُوْا (۴۸/۲۵) ۔ اگر وہ الگ الگ ہو جاتے ۔

راغب کا کہنا ہے کہ زَوَالٌ اس چیز کی حرکت کے لئے بولا جاتا ہے جو پہلے ثابت ہو اور بعد میں ثابت نہ رہی ہو*۔ (اپنی جگہ سے ہٹ گئی ہو)۔

ز ی ت

زَیْتٌ (۲۴/۳۵) ۔ زیتون کا تیل ۔ زَیْتُوْنَۃٌ (۲۴/۳۵) ۔ زیتون کا ایک درخت ۔ یا اس کا ایک پھل ** ۔ (۹۵/۱) ۔ اسے بڑا نفع بخش اور مفید درخت سمجھا جاتا ہے *** ۔

قرآن کریم میں ہے وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ (۹۵/۱-۳) ۔ اس میں اَلزَّیْتُوْنُ ۔ زیتا نام پہاڑی ہے جو فلسطین میں واقع ہے **** ۔ وہاں حضرت عیسیٰؑ مبعوث ہوئے تھے ۔ اور اَلتِّیْنُ ۔ حضرت نوحؑ کی بعثت کا مقام ہے ۔ اللہ نے کہا ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی دعوت ۔ اور حضرت موسیٰؑ اور محمد عربیؐ کی دعوت ۔ یہ سب آسمانی دعوتیں اس حقیقت کبریٰ کی شاہد ہیں کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ ..... الخ (۹۵/۴-۶) ۔

ز ی د

زَیْدٌ کے معنے ہیں نشوونما پانا ۔ بڑھنا اور پھولنا پھلنا ۔ یعنے زیادہ ہونا ۔ نیز یہ متعدی بھی آتا ہے ۔ زَادَ اللّٰہُ خَیْرًا ۔ اور زَیَّدَہٗ کے معنی زیادہ دینا اور زیادہ کرنا ہیں ** ۔ اِزْدَادَ اِزْدِیَادًا ۔ زیادہ ہونا یا زیادہ کرنا (لازم و متعدی) *** ۔

سورۃ رعد میں اِزْدِیَادٌ کے مقابل غَیْضٌ کا لفظ آیا ہے (۱۳/۸) ۔ غَیْضٌ کے معنے کم ہوجانے یا اندر چلے جانے اور جذب ہو جانے کے ہیں ۔ سورۃ یونس میں زِیَادَۃٌ کا لفظ آیا ہے (۱۰/۲۶) ۔ اور (۳۵/۵) میں مَزِیْدٌ ہے ۔ یعنی وہ اضافہ اور زائد چیز جو کسی چیز کے پورا ہونے کے بعد اس میں بڑھائی جائے ۔ سورۃ آل عمران میں ہے ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا (۳/۸۹) ۔ اس کے معنے زیادہ ہونے ، بڑھ جانے کے ہیں ۔

---

* راغب ۔ ** تاج ۔ *** محیط ۔ **** لطائف اللغۃ نے اسے جبل الشام لکھا ہے ۔

سورۃ احزاب میں (حضرت) زَیْدؓ کا نام آیا ہے (۳۳/۳۷) ۔ یہی ایک صحابیؓ ہیں جن کا نام قرآن میں آیا ہے ۔ یہ حارثہ کے فرزند اور نبی اکرمؐ کے خادم اور محبوب متبنّیٰ تھے جن سے آپؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح کردیا تھا ۔

التّزاد کے لئے عنوان ''ز ۔ و ۔ د'' دیکھئے ۔

ز ی غ

زَاغَ ۔ یَزِیْغُ ۔ زَیْغاً ۔ ایک طرف کو جھک جانا ۔ زَاغَتِ الشَّمْسُ ۔ سورج مائل بزوال ہوا * ۔ راغب نے کہا ہے کہ اگرچہ زَالَ ۔ مَالَ اور زَاغَ قریب قریب ایک ہی مفہوم کو ادا کرتے ہیں لیکن زَاغَ صرف اس ہٹ جانے اور جھک جانے کو کہتے ہیں جو حق سے باطل کی طرف ہو * ۔ صاحب محیط نے کلیات کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں زَیْغٌ کا لفظ آیا ہے اسکے معنے ایک طرف جھک جانے کے ہیں سوائے زَاغَتِ الْاَبْصَارُ کے کہ اسمیں نگاہوں کے اوپر اٹھے یا کھلے رہ جانے کے معنے ہیں ** ۔

قرآن کریم میں ہے فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (۶۱/۵) ۔ جب وہ صحیح راستے سے ہٹ گئے تو خدا کے قانون مکافات نے ان کے دلوں کو اُسی طرف جھکا دیا ۔

یہ آیت قرآنی تعلیم کی ایک عظیم حقیقت کی پردہ کشائی کرتی ہے ۔ عام طور پر سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ ہدایت اور ضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے ۔ وہ جسے چاہے ہدایت دیدے اور جسے چاہے گمراہ کردے ۔ اس نے جنہیں گمراہ کرنا ہوتا ہے ان کے دلوں پر مہریں لگا دیتا ہے ۔ (وغیرہ وغیرہ) ۔ یہ تصور قرآن کریم کی تعلیم اور خدا کے قانون مکافات عمل کے یکسر خلاف ہے ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ انسان کو صاحب اختیار وارادہ پیدا کیا گیا ہے ۔ وہ اپنے متعلق خود فیصلہ کرتا ہے کہ اسے سیدھے راستے پر چلنا چاہیئے یا کجروی اختیار کرنی چاہیئے ۔ جس قسم کا وہ فیصلہ کرتا ہے اسی قسم کا خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے ۔ وہ اگر کجروی اختیار کرتا ہے تو اس کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں غلط طریق پر چل کر ضائع ہو جاتی ہیں ۔ دوسرے مقام پر ہے یُؤْفَکُ عَنْهُ مَنْ اُفِکَ (۵۱/۸) ''حق سے اس کو پھرایا جاتا ہے جو خود اس سے پھرنا چاہتا ہے'' ۔ خدا کا قانون یہ نہیں کہ ایک شخص حق سے پھرنا چاہتا ہے لیکن خدا اسے زبردستی حق پر قائم رکھتا ہے ۔ یا

* تاج ۔ ** محیط ۔

ایک شخص حق پر قائم رہنا چاہتا ہے اور خدا اسے حق سے پھرا دیتا ہے۔ حق سے اسی کو پھرایا جاتا ہے جو خود اس سے پھرنا چاہے۔ دل انہی کے ٹیڑھے ہوتے ہیں جو خود ٹیڑھے راستے پر چلنا چاہتے ہیں۔ یہاں ابتداء کار (Initiative) انسان کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کا قانون اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ جیسا انسان کا فیصلہ، ویسا خدا کا قانون۔ اقبال کے الفاظ میں

خاک شو نذر ہوا سازد تر سنگ شو برشیشہ اندازد ترا

جیسا انسان خود، ویسا خدا کا قانون۔ آنکھیں بند کر لو، اندھیرا ہو جائے گا۔ کھول لو، نظر آنے لگ جائیگا۔

سورۃ النجم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (۵۳/۱۷) "نہ تو آپکی نگاہ، حقیقت سے کسی اور طرف کو ہٹی اور نہ ہی حد سے تجاوز کر گئی"۔ مَاطَغٰی نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں رسولؐ کا علم (وحی) بہت وسیع ہوتا ہے لیکن علم خداوندی کے مقابلہ میں اس کا علم بھی محدود ہوتا ہے۔ جو حد خدا نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے وہ اس سے آگے نہیں جا سکتا۔ سورۃ سبا میں ہے وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا (۳۴/۱۲) - یہاں اسکے معنے حکم سے پھرنے یا حکم عدولی کرنے کے ہیں۔

عذاب کے وقت آفراتفری کے سلسلہ میں زَاغَتِ الْاَبْصَارُ کے الفاظ آئے ہیں (۳۳/۱۰)۔ اس کے یا تو یہ معنے ہیں کہ خوف کے وقت نگاہیں ایک مقام پر جمی نہیں رہتیں بلکہ ادھر اُدھر ہٹ جاتی ہیں۔ اور یا (جیسا کہ صاحب محیط نے لکھا ہے) اسکے معنے یہ ہیں کہ نگاہیں اوپر کو اٹھی کی اٹھی رہ گئیں۔ بہرحال مقصد خوف و ہراس کی کیفیت بیان کرنا ہے۔

کسی کی طرف سے نگاہیں پھر جانے کیلئے یہ الفاظ (۳۸/۶۳) میں آئے ہیں۔ اور زَیْغٌ بمعنی کجی، باطل کی طرف جھکاؤ، کجروی، (۳/۷) میں۔ یعنی قرآنی تعلیم کے نقطۂ ماسکہ پر مرتکز رہنے کے بجائے، اِدھر اُدھر ہٹ جانا۔ کسی اور طرف نکل جانا۔ اپنے میلانات اور رجحانات کے پیچھے چلے جانا۔ یہ روش زندگی بڑی تباہ کن ہے۔ صحیح روش یہ ہے کہ ہمارے قلبی اور ذہنی میلانات و عواطف کا تقاضا کچھ ہی کیوں نہ ہو ہمیں قرآن کریم کے مرکز سے ادھر ادھر کبھی نہیں ہٹنا چاہیئے۔ حق وہی ہے جو قرآن کریم کہتا ہے۔ نہ کہ وہ جو ہمارے جذبات و میلانات چاہتے ہیں۔ جو شخص پہلے سے کچھ خیالات یا عقائد ذہن میں رکھ کر قرآن کریم کی طرف اس مقصد سے جائے کہ قرآن کریم سے ان عقائد کی تائید حاصل کرے (خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں) اسے قرآن کریم سے کبھی صحیح راہ نمائی نہیں مل سکتی۔

قرآن کریم سے صحیح راہ نمائی حاصل کرنے کے لئے ادراک کا بے رنگ ہونا نہایت ضروری ہے - یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے زَیْغ* کو ہدایت کی ضد قرار دیا ہے (۳/۷) - (مزید تشریح ح - ک - م کے عنوان میں مُحْکَمٰت* کے تحت دیکھئے) -

ز ی ل

دیکھئے عنوان ''ز - و - ل'' -

ز ی ن

اَلزِّیْنَۃُ - وہ چیز جس سے آرائش کی جائے - بعض نے کہا ہے کہ خود کسی چیز کا نگاہ میں حسین معلوم ہونا بھی زینت کہلاتا ہے - زَیَّنَ - کسی چیز کو آراستہ کرنا - کسی چیز (یا بات) کو خوشنما بنا کر دکھانا* - ابلیس نے کہا تھا کہ لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ (۱۵/۳۹) - میں (انسان کو) اسکی طبعی زندگی (حیات ارضی) اسقدر خوشنما بنا کر دکھاؤنگا کہ یہ اسی کو نصب العین حیات بنا کر بیٹھ جائیگا - یعنی اسکا تصور حیات بالکل مادہ پرستانہ (Materialistic) ہو جائیگا - اِزَّیَّنَ - آراستہ پیراستہ ہونا - مزین ہونا - (۱۰/۲۴) - یَوْمُ الزِّیْنَۃِ (۲۰/۵۹) بناؤ سنگھار کا دن - تہوار - روز جشن - قصہ بنی اسرائیل میں ایک جگہ اَوْزَارًا مِنْ زِیْنَۃِ الْقَوْمِ (۸۷/۲۰) آیا ہے - یعنی وہ چیزیں جن سے وہ قوم اپنی آرائش کرتی تھی - دوسری جگہ اسی کو حُلِیِّھِمْ (۷/۱۴۸) کہا گیا ہے - یعنے ان کے زیورات -

قرآن کریم، صرف زندگی کا افادی پہلو (Utilitarian Aspect) ہی سامنے نہیں رکھتا بلکہ جمالیاتی پہلو (Aesthetic Aspect) بھی پیش نظر رکھتا ہے - اسلئے وہ انسان کو نہ صرف اجازت دیتا ہے کہ وہ زیبائش و آرائش کی چیزوں سے اپنے اور کائنات کے حسن میں اضافہ کرے بلکہ اسکا حکم دیتا ہے کہ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (۷/۳۱) - ہماری اطاعت گزاریوں میں حسن و زینت کو اختیار کرو - جو لوگ زندگی کے جمالیاتی پہلو کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے متعلق بڑی سختی سے کہتا ہے کہ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ (۷/۳۲) - ان سے کہو کہ زیبائش و آرائش کی جن چیزوں کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے وہ کون ہے جو انہیں حرام قرار دے سکتا ہے ؟ اس نے زیبائش و آرائش کی چیزوں کو کسی خاص دائرہ کے اندر محدود نہیں کیا، بلکہ فرمایا کہ

* تاج -

انّا جعلنا ما علی الارض زینۃ لّھا (۱۸/۷)۔ جو کچھ زمین میں ہے سب اسکے لئے وجہ زینت ہے ۔ اسلئے زمین میں جو کچھ بھی زینت و آرائش کا سامان ہے ، سب انسان کے حسن و زیبائش کے لئے ہے ۔ کسی چیز کی ممانعت نہیں۔ البتہ اس اہم حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ یہی چیزیں زندگی کا نصب العین نہیں بن جانی چاہئیں (۱۸/۴۶)۔ انہیں اصل نصب العین کے حصول میں مددگار کے طور پر استعمال کرنا چاہیئے ۔ یا یوں سمجھئے کہ دنیوی متاع حیات اور زیب و زینت کی اشیاء سے متمتع ہونے کی ممانعت نہیں لیکن جب کبھی ایسا ہو کہ ان چیزوں میں اور قرآن کی متعین کردہ حدود اور اقدار میں ٹکراؤ ہو، اُسوقت ان چیزوں کو، ان اقدار کے تحفظ کی خاطر قربان کر دینا ہوگا۔ یہی دین کا مغز اور قرآنی تعلیم کا ماحصل ہے ۔

قرآن کریم میں (پردے کے احکام کے سلسلہ میں) کہا گیا ہے کہ مرد اور عورتیں جب باہر نکلیں تو اپنی نگاہوں کو بیباک نہ ہونے دیں (۲۴/۳۰) ۔ اور عورتیں لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا (۲۴/۳۱) اپنی زینت کی چیزوں کو نمایاں نہ کریں ، ہاں جو ان میں سے خود بخود ظاہر ہو جائیں (تو اس کا مضائقہ نہیں) ۔ یہاں زینت سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے عورتیں اپنا بناؤ سنگار کرتی ہیں ۔ مثلاً زیورات وغیرہ ۔ اسکی تائید اگلے الفاظ سے ہوجاتی ہے ،جہاں کہا گیا ہے کہ ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن (۲۴/۳۱) ۔ وہ اپنے پاؤں کو اسطرح زمین پر نہ ماریں کہ جو کچھ وہ اپنی زینت میں سے چھپائے ہوئے ہیں وہ ظاہر ہو جائے ۔ پاؤں کو زور سے زمین پر مارنے سے ، چھپے ہوئے زیور (جھانجھن یا چھاگل وغیرہ) کی آواز نمایاں ہو جاتی ہے ۔ باقی رہی جسم کے اوپر کے حصہ کی اشیائے زینت ، سو اس کیلئے کہدیا کہ وہ اپنی اوڑھنیاں سینوں پر ڈال لیا کریں (۲۴/۳۱) یا جلباب اوڑھ لیا کریں (۳۳/۵۹) ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اشیائے زینت کی نمائش نہ کرتی پھریں ۔ البتہ افراد خاندان کے سامنے ان کی نمائش کر لیں تو اس میں حرج کی بات نہیں (۲۴/۳۱) ۔ اس فہرست پر نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہوجائیگی کہ قرآن کریم اس باب میں بھی کہاں تک احتیاط برتتا ہے۔

جنسی جذبہ (بھوک اور پیاس کی قسم کا جذبہ) نہیں جو از خود بیدار ہو جائے ۔ یہ جذبہ بیدار کرنے سے بیدار ہوتا ہے ۔ قرآن کریم ان اسباب و ذرائع کی نگرانی کرتا ہے جو اس جذبہ کی بیداری کے محرک بن سکتے ہیں ۔ عورت کیطرف سے غیروں کے سامنے نمود حسن یا اظہار زینت ، سب سے بڑا محرک ہے ۔ قرآن کریم اس پر پابندی عائد کرتا ہے ۔

س

س (حرف)

سَ ۔ یہ حرف مضارع کے شروع میں آتا ہے ۔ عربی میں فعل مضارع حال اور استقبال دونوں زمانے اپنے اندر رکھتا ہے ، جب اس سے پہلے ''س،، آ جائے تو اس میں صرف مستقبل کے معنی باقی رہتے ہیں ۔ جیسے سَیَفْعَلُ وہ کام کریگا ۔ ''س'' عموماً مستقبل قریب کے معنی دیتا ہے ۔ لیکن یہ قریب اور بعید محض اضافی چیزیں ہیں ۔ بعض کے نزدیک یہ استمرار (ہمیشگی) کا مفہوم بھی پیدا کردیتا ہے ۔ مثلاً ۔ سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ (۲/۱۴۲) یہ بیوقوف کہتے رہینگے کہ . . . ۔ بعض کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب یہ کسی ایسے فعل کے ساتھ آئے جس میں وعدہ یا وعید پایا جائے تو اس سے تاکید کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے ۔ مثلاً فَسَیَکْفِیْکَهُمُ اللّٰهُ (۲/۱۳۷) ۔ اللہ یقیناً ان کے مقابلہ میں تیرے لئے کافی ہوگا ۔

س أ ل

سَاَلْتُهُ الشَّیْئَ ۔ کے معنے ہیں میں نے اس سے وہ چیز مانگی ۔ اور سَاَلْتُهُ عَنِ الشَّیْئِ و بِهٖ کے معنے ہیں میں نے اس سے اس چیز کے متعلق دریافت کیا ۔ اَسْاَلَهُ سُؤْلَهُ ۔ اس کی ضرورت کو پورا کردیا ۔ اَلسَّائِلُ ۔ سوال کرنے والا ۔ ضرورت مند* ۔ اَلْمَسْاَلَةُ ۔ ضرورت ۔ حاجت** ۔

قرآن کریم میں ہے اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۹۳/۱۰) ۔ ضرورت مند ، صاحب احتیاج کو (ذلیل و حقیر سمجھ کر) مت ڈانٹو ۔

سورۃ الرحمٰن میں ہے یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۵۵/۲۹) ۔ کائنات میں ہر شے اپنی ضروریات کے لئے خدا کے سامنے جھولی پھیلائے ہے ۔ ہر شے اپنی نشو و نما کے لئے اس کے نظام ربوبیت کی محتاج ہے ۔ سورۃ

*تاج ۔ **محیط ۔

سجدہ میں زمین اور اس کی پیداوار کے متعلق کہا ہے کہ یہ سَوَاءً لِلسَّائِلِیْنَ (۴۱/۱۰) ہے ۔ یعنے اسے تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہئے ۔ یہ انسانی رزق کا سر چشمہ ہے اس لئے اس سے ہر شخص کی ضروریات پوری ہونی چاہئیں ۔ یہی اس کی تخلیق کا مقصد ہے ۔ نہ یہ کہ مختلف لوگ اس پر حدبندی کرکے اسے اپنی اپنی ملکیت تصور کر لیں ۔ خدا نے ان تمام چیزوں کو، جن کی انسان کو اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے ضرورت ہے ، خود مہیا کر دیا ہے ۔ وَ آتٰکُمْ مِنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ (۱۴/۳۴) ۔ یہ اس کا نظامِ ربوبیت ہے ۔ لہذا اس کی ربوبیت عامہ کو افراد کی ملکیت سمجھ لینا بہت بڑا جرم ہے ۔

باہم ایک دوسرے سے دریافت کرنے کے معنوں میں سورۃ النبأ میں ہے عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ (۷۸/۱) ۔ مَسْئُوْلُوْنَ (۳۷/۲۴) جن سے پوچھ گچھ کی جائے ۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی (۲۰/۳۶) ۔ اس میں سُؤْلَ بمعنی مسؤل ہے ۔ یعنی جس چیز کی تجھے احتیاج ہے ۔ تیری مانگ ۔ طلب ۔ تیری مانگی ہوئی چیز ۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ "سوال" کے بنیادی معنی ضرورت اور احتیاج کے ہیں ۔ جب ہم کسی سے کچھ دریافت کرتے ہیں تو اس وقت بھی ہمیں ان باتوں کے معلوم کرنے کی احتیاج ہوتی ہے جن کی بابت ہم دریافت کرتے (پوچھتے) ہیں ۔ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ کس جگہ اس کا ترجمہ دریافت کرنا ٹھیک ہوگا اور کس جگہ طلب کرنا ۔

س أ م

سَئِمَ ۔ یَسْأَمُ ۔ اکتا جانا ۔ آسْأَمَہٗ ۔ اس نے اسے اکتا دیا* ۔ بعض نے کہا ہے کہ سَأَمٌ ۔ کنایۃً کسل کو بھی کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ کسل (سستی) سے اوپر کی چیز ہے** ۔ لَا یَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَیْرِ (۴۱/۴۹) ۔ انسان مال اور دولت کی طلب سے اُکتاتا ہی نہیں ۔ اس کی یہ طلب ، اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ جذبۂ منافست کی وجہ سے ہوتی ہے ۔ یعنی ایک دوسرے سے بڑھ جانے کے جذبہ کی بنا پر ۔ اور اس طلب کا سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۱۰۲/۲) تاآنکہ یہ قبر تک پہنچ جاتا ہے ۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَ لَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَکْتُبُوْہُ (۲/۲۸۲) ۔ قرض کے لکھنے میں سستی نہ کرو ۔ اکتا نہ جاؤ ۔ دل برداشتہ نہ ہو جاؤ ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

سبأ

سَبَأٌ ۔ یمن کی ایک قدیم سلطنت کے دارالخلافہ کا نام تھا جس پر عہد حضرت سلیمانؑ میں ایک ملکہ حکمران تھی ۔ قرآن کریم میں اس قوم ، اس کے ملک اور ملکۂ سبأ کا ذکر آیا ہے ۔ (دیکھئے ۲۷/۲۲ و ۳۴/۱۵)۔اس میں اس ملک کی سرسبزی اور زرخیزی کا خاص طور پر ذکر ہے اور پھر سیلاب کی وجہ سے اس کی عبرت انگیز تباہی کا ۔ اُنہوں نے ایک بہت بڑا بند تعمیر کرکے پانی کو روکا تھا جس سے ان کا علاقہ سیراب ہوتا تھا ۔ یہ سیلاب اسی بند کے ٹوٹنے سے آیا تھا ۔ ۱۹۰۵ء میں ایک امریکن ماہر حفریات (Archaeologist) نے ان آثار قدیمہ کا ذکر کیا تھا جو اس نے جنوبی عرب ، بالخصوص یمن کے علاقہ میں دریافت کئے تھے ۔ اس کی کتاب کا نام (Qataban and Sheba) ہے اور مصنف کا نام (Wendell Phillips) ۔ ان تفاصیل سے ان امور پر روشنی پڑتی ہے جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے ۔ بالخصوص ان کے تعمیر کردہ بند اور اس کے بعد اس تباہی پر جس سے اس قوم کی صرف داستانیں دنیا میں باقی رہ گئیں ۔ (۳۴/۱۹) ۔

اَلسَّبَّاءُ ۔ شراب کے کاروبار کرنے والے کو کہتے ہیں اور سَبَأَ الْخَمْرَ کے معنی ہیں اس نے شراب خریدی* ۔ اگر سبأ کے شہر کا نام اسی نسبت سے تھا تو اس سے ذہن ان تاکستانوں کی طرف منتقل ہوتا ہے جن کی وہاں افراط تھی۔ لیکن اَلسَّبْاَۃُ کے معنے لمبے سفر کے بھی ہیں* ۔ قرآن کریم میں ہے کہ وہ لوگ چاہتے تھے کہ رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا (۳۴/۱۹) ۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں کو لمبا کر دے تاکہ ہمارا تجارتی کاروبار وسیع سے وسیع تر ہو جائے ۔ ممکن ہے اسی نسبت سے ان کے دارالسلطنت کا یہ نام ہو۔ ملکۂ سبأ اور حضرت سلیمانؑ کے روابط کے متعلق عنوان ''سلیمانؑ'' دیکھئے۔

س ب ب

سَبَّهٗ سَبْسًا ۔ اسکو قطع کر دیا ۔ کاٹ دیا ۔ اَلسَّبَبُ ۔ گالی دینا ۔ (کیونکہ اس سے ایک دوسرے کی کاٹ ہوتی ہے یا تعلقات منقطع ہوتے ہیں)** ۔

اَلسَّبَبُ اور اَلسَّبَبُ ۔ رسی ۔ مضبوط اور لمبی رسی جس سے درخت وغیرہ پر اترا اور چڑھا جائے ۔ یا جس سے پانی تک پہنچا جائے۔ اسی سے اسکے

*تاج و محیط ۔ ** تاج۔

معنے ہر اس ذریعہ کے ہو گئے جس سے کسی تک پہنچا جائے* ۔ اس جہت سے راستے کو بھی سَبَب* کہدیا جاتا ہے** کیونکہ وہ ایک منزل کو دوسری منزل کے ساتھ ملاتا ہے ۔ نیز قرابت کا تعلق ۔ رشتہ داری* ۔

قرآن کریم میں ہے وَتَقَطَّعَتْ بِہِمُ الْاَسْبَابُ (۲/۱۶۶) ۔ ''ان کے باہمی تعلقات منقطع ہو جائینگے'' ۔ وہ مفاد اور ذرائع جن سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں ختم ہو جائینگے ۔ سورۃ کہف میں ہے ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا (۱۸/۸۹) ۔ ''پھر اس نے ایک اور راستہ اختیار کیا'' ۔

سورۃ الحج میں ہے فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ (۲۲/۱۵)۔ یہاں اسکے معنے ذریعہ ، سبب ، یا سیڑھی کے ہیں* ۔ سورۃ المومن میں اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ (۴۰/۳۶) آیا ہے ۔ صاحب تاج کے نزدیک اسکے معنے آسمان کی سیڑھیاں یا دروازے ہیں ۔ ابو زید نے کہا ہے کہ اسکے معنے منازل کے ہیں* ۔ اور صاحب محیط نے اسکے معنے سیڑھیاں ، راستے ، اطراف و جوانب یا دروازے لکھے ہیں** ۔ لیکن ذرائع کا لفظ بڑا جامع ہے ۔ ہمارے ہاں بھی اسباب و ذرائع کہتے ہیں ۔ اور اس مقام پر یہی معنی زیادہ موزوں بھی نظر آتے ہیں ۔

سورۃ کہف میں ہے وَاٰتَیْنٰہُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا (۱۸/۸۴) اس کے معنے سامان و ذرائع ہی کے ہیں ۔ گالی دینے کے معنوں میں یہ سادہ (۶/۱۰۹) میں آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ کفار کے معبودانِ باطل کو گالی مت دو ، ایسا نہ ہو کہ وہ زیادتی کر کے ، جہالت کی بناء پر خدا کو گالی دیدیں ۔ اس قسم کے مظاہرے ، مذہبی مناظروں کے میدانوں میں اکثر ہوتے رہتے ہیں ۔

س ب ت

اَلسُّبَاتُ ۔ نیند ۔ اس کے اصلی معنے راحت و سکون کے ہیں ۔ (ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں) ۔ اور چونکہ راحت و سکون کا مطلب یہ تھا کہ انسان حرکت و عمل کو چھوڑ کر آرام کرے اس لئے اس کے معنے ترک عمل اور قطع کرنے کے ہو گئے* ۔

چنانچہ سَبَتَ ۔ یَسْبُتُ ۔ و یَسْبِتُ سَبْتًا ۔ کے معنے ہیں اس نے راحت و آرام کیا* ۔ راغب نے لکھا ہے کہ سَبْتٌ کے معنے کاروبار چھوڑنا

*تاج **محیط و راغب

بھی ہیں اور سنیچر کے دن میں ہونا ' سنیچر کا دن گذارنا ' سنیچر کے دن میں داخل ہونا' بھی** ۔ سَبَتَ الشَّیْئَ کے معنے ہیں اس چیز کو قطع کر دیا ۔ اَلسِّبْتُ ۔ بال مونڈنے اور سر منڈانے کو بھی کہتے ہیں ۔ اَلْمَسْبُوْتُ ۔ میت کو یا بیہوش آدمی کو کہتے ہیں ۔ نیز اس بیمار کو بھی جو آنکھیں بند کئے پڑا رہے* ۔

یَوْمُ السَّبْتِ ۔ ہفتے کا وہ دن جسے سنیچر کہتے ہیں۔خیال ہے کہ یہ نام اس لئے پڑا کہ اس میں یہودی کاروبار نہیں کرتے* ۔ اس معنے میں یہ لفظ (۴/۶۵) ۔ میں آیا ہے۔ اور راحت وآرام کے معنوں میں سُبَات (۷۸/۹) میں ، جہاں کہا ہے وَ جَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا ۔ نیند کو موجب استراحت بنایا ۔ سورۃ فرقان میں بھی یہی کہا ہے اور اس کے مقابلہ میں نُشُوْرًا (۲۵/۴۷) کا لفظ آیا ہے ، جس کے معنی چلنا پھرنا ۔ منتشر ہونا ۔ اٹھ کھڑے ہونا ہیں ۔

یہودیوں کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ ان میں سے ایک جماعت نے اپنے سَبْت کی پابندیوں کو توڑا (۴/۶۵ و ۴/۱۵۴) ۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ یہ اس دن مچھلیاں پکڑ لیا کرتے تھے (۷/۱۶۳) ۔ اس حکم کی خلاف ورزی کی بنا پر ان پر لعنت کی گئی (۴/۴۷) ۔ اور یہ وبال اس لئے آیا کہ وہ سب ایک مسلک پر چلنے کے بجائے باہمی اختلاف کرنے لگ گئے تھے (۱۰/۱۲۴) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب زندگی ایک نظام کے ماتحت بسر کی جائے تو اس نظام کی طرف سے عائد کردہ چھوٹی سے چھوٹی پابندیوں پر قائم رہنا بھی ضروری ہوتا ہے ۔ ہفتے میں ایک دن کا کاروباری ناغہ بڑی معمولی سی پابندی ہے لیکن اس سے سیرت وکردار کا امتحان ہو جاتا ہے ۔ جو لوگ اتنی سی طمع (Temptation) کا مقابلہ نہ کر سکیں اور چور دروازوں سے اس پابندی کی خلاف ورزی کرنے لگ جائیں وہ بھلا زندگی کی بڑی بڑی آزمائشوں میں کیا پورے اتریں گے؟ کیریکٹر نام ہی ضبط خویش (Self Discipline) اور ترغیبات کے مقابلہ کا ہے۔واقعہ سبت کے بیان کرنے سے قرآن کریم کا مقصود یہی ہے ۔ (اس ضمن میں بنی اسرائیل پر جو عذاب آیا تھا اس کی تفصیل ق ۔ ر ۔ د کے عنوان میں دیکھئے) ہیسٹنگز نے اپنے انسائیکلو پیڈیا*** میں، عہد نامہ عتیق اور مشنا اور تالمود کے حوالوں سے لکھا ہے کہ سبت،جمعہ کی شام سے شروع ہو جاتا تھا اور سنیچر کا پورا دن رہتا۔ اس میں کاروبار کے علاوہ ، قریب ۳۸ اور امور بھی تھے جن کا کرنا منع تھا ۔

*تاج۔ **راغب ***Encyclopaedia of Religions and Ethics (By Hastings)

س ب ح

سَبْحٌ کے معنے ہیں تیرنا ۔ سَبَحَ بِالنَّهْرِ وَ فِی النَّهْرِ سَبْحًا وَ سَبَاحَةً کے معنے ہیں نہر میں تیرا ۔ اَسْبَحَهٗ فِی الْمَاءِ ۔ اسے پانی میں تیرا دیا ۔ اَلسَّابِحَاتُ ۔ کشتیوں کو کہتے ہیں ۔ اَلسَّوَابِحُ ۔ وہ گھوڑے جو دوڑتے وقت تیرنے والے کی طرح اپنے ہاتھ پاؤں آگے بڑھاتے ہیں ۔ اَلسَّبَّاحُ ۔ اچھے پیراک کو کہتے ہیں ۔ نیز اس سے مشابہت کی بناء پر تیز رفتار گھوڑے اور اونٹ کو بھی کہتے ہیں* ۔

تلاش معاش کے لئے تگ و دو کرنے اور دوڑنے یا چلنے میں دور تک نکل جانے کو بھی سَبْحٌ کہتے ہیں* ۔ زمین میں چلنے پھرنے اور گھومنے کو بھی اَلسَّبْحُ کہتے ہیں*** ۔ چنانچہ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی دوڑ کی ایک قسم بھی لکھے ہیں ۔ لہذا سَبْحٌ کے معنے ہوئے کسی کام کی تکمیل کے لئے پوری پوری تگ و تاز کرنا ۔ امکان بھر جد و جہد کرنا ۔ ہر وقت سرگرم عمل رہنا ۔ تاج میں ابن شمیل کا خواب مذکور ہے جس میں انہوں نے دیکھا کہ کوئی شخص ان کے لئے سُبْحَانَ اللّٰهِ کی تفسیر بیان کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ تم نے گھوڑے کو نہیں دیکھا کہ وہ کسطرح اپنی تیز رفتاری میں تیر رہا ہوتا ہے ۔ یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ کے معنے ہیں خدا کی طرف تیز رفتاری سے جانا اور اس کی اطاعت میں مستعد رہنا* ۔ راغب نے بھی کہا ہے کہ سَبْحٌ اصل میں ''پانی یا ہوا میں تیزی سے گذرنا'' ہے ۔ پھر استعارۃً فلک میں تاروں کی تیز خرامی کے لئے بولا گیا ہے ۔ التسبیح خدا کی اطاعت میں تیزی کرنے کو کہتے ہیں ۔ ازاں بعد اس کا استعمال وسعت اختیار کر گیا اور اسے قولی یا عملی یا اعتقادی عبادات کے لئے بولنے لگ گئے** ۔ حتّٰی کہ اب سُبْحَةٌ اُن دانوں کو کہتے ہیں جو تسبیح میں پرو لئے جاتے ہیں حالانکہ یہ چیز عربوں میں غیر معروف ہے ۔ (تسبیح عیسائی راہبوں کے ہاں ہوتی تھی جنہوں نے اسے غالباً بدھ مت والوں سے لیا تھا) ۔

قرآن کریم میں اجرامِ سماوی کے متعلق ہے کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (۳۶/۴۰) ۔ ''وہ تمام اپنے اپنے دوائر (Orbits) میں تیزی کے ساتھ تیر رہے ہیں'' ۔ رسول اللہ کے متعلق ارشاد ہے اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا (۷۳/۷) ۔ تیرے لئے دن میں بڑا لمبا پروگرام ہوتا ہے ۔ تجھے بڑی جد و جہد کرنی ہوتی ہے ۔ پرندوں کے متعلق ہے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ (۲۴/۴۱) ۔ ان میں سے ہر ایک ، فضا کی پہنائیوں میں ، اپنے اپنے راستے**** سے بھی واقف

*تاج ۔ **راغب ۔ ***لطائف اللغة ۔ ****صلاۃ کے لئے دیکھئے عنوان ص ۔ ل ۔ و ۔

ہے ۔ (حالانکہ وہاں کوئی نشانِ راہ نہیں لگا ہوتا) یا اپنے اپنے مقاصد کے پیچھے جانے سے واقف ہے ، اور اپنی اپنی جد و جہد کے دوائر اور حصولِ معاش کے طور طریق سے بھی ۔ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۵۷/۱) کے معنے ہیں کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے وہ سب اس پروگرام کی تکمیل میں جو قانون خداوندی کی رو سے ان کے لئے متعین کیا گیا ہے پوری شدت اور تیزی سے مصروف عمل ہیں ۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے عروقت سرگرم عمل رہتے ہیں۔ خارجی کائنات کی چیزیں اس پروگرام کی تکمیل کے لئے ازخود (Instinctively) سرگرمِ عمل رہتی ہیں (اسی کو قصۂ آدم میں فرشتوں کی تسبیح کہا گیا ہے ۲/۳۰ ۔ یا مثلاً رعد کی تسبیح ۔ ۱۳/۱۳) ۔ لیکن انسان کو اس کیلئے اپنے اختیار و ارادہ سے سرگرم عمل رہنا ہے ۔ اس لئے جماعت مومنین سے کہا گیا ہے کہ سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا (۳۳/۴۲) ۔ تم صبح شام (ہمیشہ) اس پروگرام کی تکمیل کے لئے مصروفِ سعی و عمل رہو ۔ یہ پروگرام کیا ہے؟ اس کے متعلق فرمایا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ (۵۶/۹۶) اپنے نشو و نما دینے والے کی صفتِ ربوبیت عظمیٰ کو، جس پر ساری کائنات کی عمارت استوار ہے ، انسانی معاشرہ میں عملاً متشکل کرنے کے لئے سرگرم عمل رہنا ۔ اس کے راستے میں جو قوتیں مزاحم ہوں ان کے خلاف جد و جہد کو بھی ''ذکر و تسبیح'' کہا گیا ہے ۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ فرعون کی طرف جانے لگے ہیں تو انہوں نے اپنی اس مہم کے لئے بھی کہا تھا کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا وَّ نَذْکُرَکَ کَثِیْرًا (۲۰/۳۴) ۔

قرآن کریم جو نظام زندگی جماعت مومنین کے لئے تجویز کرتا ہے اس میں صلوٰۃ کے اجتماعات کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ یہ اس جماعت کے جذبہ اطاعت خداوندی کے عملی مظاہر ہوتے ہیں ۔ اور اس کا اظہار رکوع و سجود کی شکل میں سامنے آتا ہے ۔ رکوع و سجود میں ایک عبد مومن اپنے خدا سے اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی اُس کے قوانین کی اطاعت اور اُس کے بتائے ہوئے فرائض کی سر انجام دہی کے لئے جد و جہد میں صرف کریگا ۔ یہ اقرار جن الفاظ میں کیا جاتا ہے عام اصطلاح میں انہیں بھی خدا کی تسبیح کہا جاتا ہے ۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص زبان سے اس قسم کے اقرار کرتا رہے اور عملاً ایسا کرکے نہ دکھائے ، تو یہ زبانی قول و اقرار ایک بے نتیجہ رسم سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے ۔ صلوٰۃ میں حرکات و سکنات اور الفاظ ، انسان کے جذبہ عمل کے بیتابانہ اظہار کی شکلیں ہیں ۔ اگر عمل نہ رہے اور انسان ان شکلوں ہی کو مقصود و منتہیٰ سمجھ لے تو اس کا نتیجہ

ظاہر ہے ۔ بہر حال ، یہ تو ظاہر ہے کہ تسبیح کے دانوں پر خدا کا نام گننا ، قرآنی تعلیم کا مقصود نہیں ۔ قرآن کریم کی رو سے تسبیح سے مفہوم ، قوانین خداوندی کی اطاعت میں پوری پوری جد و جہد اور سرگرمیٔ عمل ہے۔

لسان العرب میں ہے کہ تَسْبِیْحٌ کے معنے تنزیہ کے ہیں ۔ نیز یہ لفظ ''سبحان اللہ'' کہنے ، یا صلوٰۃ اور ذکر اللہ ، حمد و مجد و ثنا ، کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ چونکہ اس میں شدت کا پہلو غالب ہوتا ہے اس لئے تنزیہ کے معنے ہونگے ، خدا کو بڑی شدت اور قوت کے ساتھ تمام نقائص سے دور سمجھنا ۔

اس سادہ میں تیزی ۔ مضبوطی ۔ شدت کا پہلو ہوتا ہے ۔ اسی لئے کِسَاءٌ مُسَبَّحٌ کے معنی ہیں بہت مضبوط اور سخت بُنا ہوا کمبل ۔ اس اعتبار سے فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ کے معنی ہونگے ، صفاتِ خداوندی کو نہایت تیزی ، شدت اور مضبوطی کے ساتھ اپنانا اور عام کرنا ۔ مطلب وہی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے ۔

سورۃ صٰفّٰت میں حضرت یونسؑ کے متعلق ہے کہ انہیں بڑی مچھلی نے لقمہ بنا لیا۔ فَلَوْلَآ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (۳۷/۱۴۳) اگر یہ لفظ (مُسَبِّحِیْنَ) سَبَّحٌ سے ہوتا تو اس کے معنی تیراک ہوتے ۔ لیکن سَبَّحَ کے اعتبار سے اس کے معنے ہونگے پوری قوت اور شدت سے جد و جہد کرنے والا ۔ اس میں مچھلی کے منہ سے نکلنے کے لئے پوری جد و جہد کرنے کے بعد ساحل تک پہنچ جانے میں تیرنے کا مفہوم خود بخود آ جاتا ہے ۔

اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ (۳۷/۱۶۶)۔ ہم یقیناً (اسی راہ میں) انتہائی قوت کے ساتھ جد و جہد کرنے والے ہیں۔

ان مقامات سے بھی تَسْبِیْحٌ کے معنی سمجھ میں آسکتے ہیں ۔ شدت ، مضبوطی ، تیزی کے ساتھ خدا کے پروگرام کی تکمیل میں مصروفِ جد و جہد رہنا ۔

سُبْحَانَ مِنْ کَذَا ۔ تعجب کے موقعہ پر بولتے ہیں* ۔ دوری کے اعتبار سے سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (۳۷/۱۵۹) کے معنے ہیں ، خدا ان تمام غلط تصورات سے بہت دور ہے جو یہ لوگ اس کے متعلق اپنے ذہن میں قائم کرتے ہیں ۔ نیز سُبْحَانٌ (مصدر) کے معنے ہیں ، سرگرم عمل رہنا* ۔

*تاج ۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (۳۰/۱۷) ۔ شام و پگاہ تمہارے لئے ان فرائض کی سر انجام دہی میں مصروف رہنا ہے جو تمہارے لئے اللہ نے مقرر کئے ہیں ۔

س ب ط

اس مادہ کے اصلی معنی کسی چیز میں زیادتی اور کثرت کے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے دراز ہونے کے ہیں ۔ اسی سے اَلسَّبَطُ ۔ ایک درخت یا جھاڑی کو کہتے ہیں جس کی جڑ تو ایک ہوتی ہے لیکن شاخیں بہت پھیلی ہوئی ہیں ۔ یہیں سے اس کے معنے نسل اور خاندان کے ہوگئے۔ یعنی باپ بمنزلہ جڑ کے ہے اور اولاد بمنزلہ شاخوں کے ۔ اَلسِّبْطُ ۔ پوتے اور نواسے دونوں کو کہتے ہیں ۔ یہی لفظ یہود کے قبیلہ کے لئے بولا جاتا ہے ۔ اَسْبَاطٌ کا لفظ بنو اسحٰق (حضرت اسحٰق ؑ کی اولاد) کے لئے خاص تھا اور قَبَائِلُ کا لفظ بنو اسمٰعیل کے لئے ۔ عربوں نے یہ تخصیص اس لئے رکھی تھی کہ محض ایک لفظ سے اولادِ حضرت ابراہیم ؑ کی دونوں شاخوں میں امتیاز ہوجائے**۔ قرآن کریم میں بھی قوم حضرت موسیٰ ؑ کے لئے اَسْبَاطٌ ۔ کا لفظ آیا ہے (۷/۱۶۰) ۔ نیز عرب اَلسِّبْطُ ۔ عجمی آدمی کو کہتے تھے ۔ جس طرح جَعْدٌ عربوں کو کہتے تھے** ۔

قرآن کریم میں اولادِ حضرت یعقوب ؑ کے لئے اَسْبَاطٌ کا لفظ آیا ہے (۲/۱۳۶) ۔

س ب ع

سَبْعٌ ۔ سات کے عدد کو کہتے ہیں ۔ بعض کا خیال ہے کہ اسکی اصل سَبُعَةٌ ہے جسکے معنے شیرنی کے ہیں ۔ یہ اسلئے کہ وہ شیر سے بھی زیادہ تیز حملہ کرتی ہے اور عربوں کے ہاں سات کا عدد تامہ (Perfect Number) ہوتا ہے۔

اَلسَّبُعُ ۔ یا اَلسَّبَنُ یا اَلسِّبْعُ ۔ درندہ کو کہتے ہیں (۵/۳) ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ اسلئے کہ اتفاق سے عرب میں سات جانور درندے ہوتے تھے ۔ لیکن راغب کا خیال ہے کہ انہیں سَبُعٌ اسلئے کہتے ہیں کہ ان کی قوت مکمل ہوتی ہے اور سات کا عدد بھی مکمل ہے** ۔ لین نے (بیضاوی کے حوالہ سے) لکھا ہے کہ عربوں میں سَبْعَةٌ سات ہی کو نہیں کہتے بلکہ وہ اسے ان معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں جن معنوں میں ہم کہتے ہیں ”کئی

*محیط ۔ **تاج ۔ ثعالبی نے فقہ اللغہ میں بھی اس کی تصریح کی ہے ۔

ایک" (Several) یا "متعدد" (Many) - اسی طرح سَبْعُوْنَ (ستّر) سَبْعَمِائَةٍ - (سات سو) بھی اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے** - جیسے ہماری زبان میں بیسیوں - پچاسوں - سینکڑوں - کے الفاظ بولے جاتے ہیں - اس سے مراد کوئی معین عدد نہیں ہوتا - یا جیسے ہم کہتے ہیں کہ تمہیں سو بار سمجھا چکے ہیں - اس سے مراد ٹھیک سو کی تعداد نہیں ہوتی - چنانچہ جہاں قرآن کریم میں ہے اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (۹/۸۰) تو اسکے یہ معنے نہیں کہ اگر تو ان کے لئے ستر بار مغفرت مانگے تو ہم مغفرت نہیں دینگے اور اگر ستر سے زیادہ مرتبہ مغفرت مانگے تو مغفرت دیدی جائیگی - اسکے یہ معنے ہیں کہ تو ان کے لئے چاہے کتنی مرتبہ مغفرت مانگے انہیں مغفرت نہیں مل سکے گی - ان معانی کے پیش نظر سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (۲/۲۹) کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے - یعنے متعدد اجرام فلکی - ہمارے ہاں بھی کہتے ہیں "سات سمندر پار" - (۳/۲۶) میں متعدد کے معنی واضح ہیں جہاں کہا گیا ہے کہ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ - فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ..... "ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے اپنی دولت کو کھلا رکھتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اگائے اور ایک بال میں سو سو دانے ہوں" - ظاہر ہے کہ یہاں سَبْعَ سَنَابِلَ سے مراد متعدد (کئی) بالیں ہے -

قرآن کریم میں ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (۱۵/۸۷) - اسکے لئے دیکھئے - عنوان (ث - ن - ی) میں لفظ مثانی -

س ب غ

اَلسَّبْغَةُ - وسعت - فراخی - کشادگی - سَبَغَ الشَّيْءُ سُبُوْغًا - کسی چیز (کپڑے - زرہ وغیرہ) کا لمبا اور لٹکتا ہوا ہونا - اَلسَّابِغَةُ - وہ زرہ جو ٹخنوں تک آجائے یا لمبائی کی وجہ سے زمین پر گھسٹنے لگے - (سَابِغَاتٌ اس کی جمع ہے - ۳۴/۱۱) - اَسْبَغَ شَعْرَهُ - اس نے اپنے بالوں کو لمبا کیا اور خوب بڑھایا - شَيْءٌ سَابِغٌ - بھرپور چیز*** - ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں - سَبَغَتِ النِّعْمَةُ - نعمت کا وسیع اور بھرپور ہونا***- قرآن کریم میں ہے وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ (۳۱/۲۰) - خدا نے تمہیں اپنی نعمتوں کو بھرپور، کثرت اور فراوانی سے دیا -

---

* تاج - ** لین - *** تاج - راغب - محیط -

س ب ق

سَبْق* کے بنیادی معنی ہیں دوڑنے میں آگے بڑھ جانا۔ اسکے بعد ہر شے میں آگے بڑھ جانے کیلئے اس کا استعمال ہونے لگا*۔ سَبَقَہٗ ۔ وہ اس سے آگے بڑھ گیا، بازی لے گیا۔ سَبَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَصَلّٰی اَبُوْبَکْرٍ۔ سب سے پہلے رسول اللہؐ (دنیا سے) تشریف لے گئے اور انکے پیچھے پیچھے (حضرت) ابوبکرؓ چلے گئے۔ اَلسَّبَقُ ۔ اس شرط یا انعام کو کہتے ہیں جو گھوڑ دوڑ وغیرہ میں اول آنے والے کیلئے مقرر کر دیا جاتا ہے**۔

اِسْتَبَقَا الْبَابَ (۱۲/۲۵)) وہ دونوں دروازہ کی طرف لپکے اور ہر ایک نے کوشش کی کہ وہ آگے بڑھ جائے**۔

محیط میں ہے کہ جب اسکے بعد عَلٰی آتا ہے تو آگے بڑھنے اور پہلے آنے والی چیز نقصان دہ ہوتی ہے اور جب اسکا صلہ لام آتا ہے تو اس میں پہلے آنے والی چیز فائدہ بخش ہوتی ہے***۔ سَبَقَتْ لَھُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی (۲۱/۱۰۱) ۔ ہماری طرف سے خوشگواریوں نے آگے بڑھکر ان کا استقبال کیا۔

سورۃ بقرہ میں ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ (۲/۱۴۸) خوشگواریاں پیدا کرنے والے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو۔ نفسیاتی طور پر کہا جاتا ہے کہ انسان کے لئے عمل اور جدوجہد کا جذبہ محرکہ یہ ہے کہ وہ دوسروں سے آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ مقابلہ (Competition) اور مسابقت (دوسروں سے آگے بڑھنے کا جذبہ) ہی وہ مہمیز ہے جس سے انسان دیوانہ وار مصروفِ سعی و عمل رہتا ہے۔ قرآن کریم بھی انسان کے اس جذبہ کی رعایت کرتا ہے اور اسکی پرورش چاہتا ہے۔ لیکن وہ اسکا رخ بدل دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بجائے اس کے کہ تم ذاتی مفاد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، نوع انسانی کے لئے خوشگواریاں پیدا کرنے والے امور میں سبقت کرو۔ اس سے تمہارے جذبہ مسابقت کی بھی تسکین ہو جائیگی اور معاشرہ میں وہ فساد بھی برپا نہیں ہوگا جو اپنے اپنے مفاد کی خاطر دوسروں سے آگے بڑھنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

سورۃ حجر میں ایک جگہ یہ لفظ (تَسْبِقُ) یَسْتَاْخِرُ (پیچھے رہ جائے) کے مقابلہ میں آیا ہے (۱۵/۵) اور دوسری جگہ مُسْتَاْخِرِیْنَ کے مقابلہ میں مُسْتَقْدِمِیْنَ آیا ہے (۱۵/۲۴)۔ لہذا سَبْق* ۔ اِسْتِئْخَارٌ (پیچھے رہ

* راغب۔ ** تاج۔ *** محیط۔

جانے) کی ضد اور اِسْتِبْقَدْام (آگے بڑھنے) کے مراد ف ہے۔ سورۃ واقعہ میں مَسْبُوْقِیْنَ (۶۰/۵۶) بمعنے مَغْلُوْب آیا ہے۔ یعنی جس سے کوئی آگے بڑھ جائے۔

سورۃ انبیاء میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی (۲۱/۱۰۱)۔ اسکے معنے کئے جاتے ہیں جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی آچکی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے ہی مقرر کر دیا ہے کہ فلاں آدمی اچھے کام کرے گا اور فلاں برے کام۔ یہ تصور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ قانون پہلے سے بنا رکھا ہے کہ فلاں کام کا نتیجہ اچھا ہوگا اور فلاں کا نتیجہ برا۔ اور اس کے بعد انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ جس قسم کا کام جی چاہے کرے۔ وہ جس قسم کا کام کریگا اس کے مطابق نتیجہ اس کے سامنے آجائیگا۔ سورۃ انبیاء کی مندرجہ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صحیح روش پر چلیں ان کیلئے خوشگواریاں ہیں۔ اور یہ چیز (کہ اُس روش کا نتیجہ یہ ہوگا) پہلے سے متعین ہو چکی ہے۔ ہم نے محض ان کی خاطر یہ اصول نہیں اختیار کیا۔

سورۃ حدید میں ہے سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ .... (۵۷/۲۱) اپنے رب کی مغفرت کیطرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

س ب ل

اَسْبَلَ۔ لٹکانا۔ چھوڑ دینا۔ اَسْبَلَ الْاِزَارَ۔ ازار کو لٹکا دیا۔ اَسْبَلَ دَمْعَہٗ۔ اپنے آنسوؤں کو جاری کر دیا، چھوڑ دیا تاکہ وہ آنکھوں سے بہ نکلیں۔ اَسْبَلَتِ السَّمَآءُ۔ آسمان سے موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ اَلسَّبَلُ۔ بارش۔ لیکن وہ بارش جو آسمان سے لٹک کر زمین کی طرف آرہی ہو اور ہنوز زمین پر نہ گری ہو۔ اَلسُّبْلَۃُ۔ وسیع پیمانے پر ہونے والی بارش۔ اَسْبَلَ الزَّرْعُ۔ کھیتی میں خوشے لٹکنے لگ گئے*۔ لہذا اس لفظ کے بنیادی معنی لٹکانے۔ چھوڑنے اور لمبا کرنے کے ہیں (ابن فارس)۔ اس سے اَلسَّبِیْلُ و اَلسَّبِیْلَۃُ کے معنے ہیں راستہ۔ نرم راستہ جس میں سختی نہ ہو، راستہ کا واضح حصہ۔ سَبِیْلٌ۔ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے لیکن مونث زیادہ مستعمل ہے۔ اس کی جمع سُبُلٌ آتی ہے*۔ ابن

* تاج۔

فارس نے لکھا ہے کہ لمبائی اور دور تک چلے جانے کی وجہ سے راستہ کو سَبِیْل* کہتے ہیں ۔ اَلسَّابِلَۃُ مِنَ الطُّرُقِ ۔ وہ راستہ جس پر لوگ عام طور پر چلتے رہیں یا وہ لوگ جو اپنی ضروریات کے لئے راستے پر آتے جاتے رہیں ۔ راہرو ۔ مسافر* ۔

قرآن کریم میں فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ (۲/۱۹۰) کی اصطلاح متعدد بار آئی ہے ۔ اس کے مقابلہ میں فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ (۴/۷۶) آیا ہے ۔ ''مومنین کی جماعت فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ جنگ کرتی ہے اور کفار فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ جنگ کرتے ہیں'' (۴/۷۶) ۔ اس سے فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ طاغوت وہ مستبد قوتیں ہیں جو دوسروں کو اپنے احکام کے تابع چلائیں اور دنیا میں باطل کا نظام قائم کریں ۔ لہذا سَبِیْلِ اللّٰہِ کے معنے ہوئے قوانین خداوندی کی اطاعت کے لئے ، نظام خداوندی کے قیام کی خاطر ، اس راستہ پر چلنے اور دوسروں کو چلانے کے لئے جو خدا نے مقرر کیا ہے ، ذاتی مفاد پرستیوں کے بجائے نوع انسانی کی فلاح و بہبود (رب العالمینی) کے لئے، انسانی بھلائی کے کاموں کے لئے، مخالفت کی قوتوں کا مقابلہ کرنا۔ مومنین اسی مقصد کے لئے جیتے اور اسی کے لئے اپنی جان دیتے ہیں ۔ اسی سے انفاق فی سبیل اللہ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنی حق کے اثبات اور نوع انسانی کی بہبود کی خاطر اپنا مال کھلا رکھنا ، کہ جتنا ضروری ہو اس میں سے لے لیا جائے ۔

اِبْنُ السَّبِیْلِ ۔ مسافر جو بہت سفر کرے ۔ بعض کے نزدیک اس سے ایسا مسافر مراد ہوتا ہے جس کا زادِ راہ ختم ہو چکا ہو* ۔ قرآن کریم نے اسلامی معاشرہ کے فرائض میں یہ بھی شامل کیا ہے کہ وہ ''اِبْنُ السَّبِیْلِ'' کی مدد کرے ۔ حتی کہ صدقات کا ایک مصرف یہ بھی بتایا ہے ۔ (۹/۶۰) ۔ اس میں ہر اس شخص کے لئے جو اسلامی مملکت میں سفر کرے سفر کی سہولتیں بھی آ جاتی ہیں اور جو لوگ سفر میں کسی وجہ سے نادار ہوجائیں انہیں ان کی منزل مقصود تک پہنچانا بھی ۔ محیط نے اس کے معنے مہمان کے بھی دئے ہیں ۔ دور حاضر کی سیاسی اصطلاح میں ''ابن السبیل'' وہ لوگ ہونگے جو اسلامی مملکت میں عارضی طور پر آئیں جائیں اور رہیں سہیں (Non-Citizens) ۔

سورۃ آل عمران میں اہل کتاب کے متعلق ہے کہ وہ کہتے تھے کہ لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ* (۳/۷۵) ۔ یعنی ہم ان غیر اہلِ کتاب

* تاج ۔

عربوں کے خلاف جو جی میں آئے کرلیں ہم پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ یہ وہی ذہنیت ہے جو قبائلی عصبیت کی پیدا کردہ ہوتی ہے۔ اس کے مطابق جو جرم اپنے قبیلہ کے اندر کیا جائے وہ جرم ہوتا ہے لیکن جو جرم قبیلہ سے باہر کیا جائے وہ جرم نہیں کہلاتا۔ قبائلی زندگی تو ایک طرف، خود اہل روما کے ہاں قانون موجود تھا کہ اپنی قوم کے فرد کی چوری جرم ہے اور غیر قوم والوں کے ہاں چوری، جرم نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ گروہ سازی کہیں بھی ہو (خواہ وہ مذہبی فرقہ بندی ہو یا سیاسی قومیت کی گروہ بندی) اس سے یہی ذہنیت پیدا ہوتی ہے کہ ہمدردیاں اور نفع رسانیاں صرف اپنے فرقہ اور اپنی پارٹی کے افراد تک محدود رہنی چاہئیں۔ اس سے باہر جتنے افراد انسانیہ ہیں ان سے نفرت کی جائے۔ آج بھی یہی ہو رہا ہے اور آج سے چار ہزار سال پہلے بھی یہی ہوتا تھا۔ عصر حاضر کی نیشنلزم اسی جذبہ کی پیداوار ہے۔ اور اسی نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے۔ قرآن کریم نے اس ذہنیت کے خلاف آواز بلند کی اور کہا کہ جرم بہر نوع جرم ہے خواہ اپنوں کے خلاف کیا جائے یا دوسروں کے خلاف۔ اس میں انسان اور انسان، اور قوم اور قوم میں کوئی فرق نہیں۔ اسی لئے اس کے نزدیک اچھا کام وہی ہے جو فی سبیل اللہ کیا جائے۔ یعنی اجر و معاوضہ کے خیال سے بلند ہو کر، نوع انسانی کی بہبود کی خاطر۔

قرآن کریم میں جنتی زندگی کے سلسلہ میں ہے عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا (۷۶/۱۸)۔ ''اس میں ایک چشمہ ہے جسے سَلْسَبِيْلٌ کہتے ہیں''۔ محیط نے اس کی اصل سَلٌ۔ سَبِيْلًا بتائی ہے جس کے معنی ہونگے راستہ دریافت کرنا** ۔ (پوچھتے ہوئے آگے چلتے جاؤ)۔ اسی کو دوسری جگہ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (۸۸/۱۲) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جاری چشمہ۔ ہر وقت بہتا رہنے والا چشمہ۔ یعنی خود زندگی کی جوئے رواں جو مسلسل آگے بڑھتی جاتی ہے۔ حیاتِ جاوداں جو ایمان و اعمال صالحہ کا فطری نتیجہ ہے۔ جو حرکتِ مسلسل سے عبارت ہے اور جس میں کہیں انقطاع اور حد بندی نہیں۔ کوئی روک اور رکاوٹ نہیں۔ اپنے زورِ دروں سے انسانی ذات کا مختلف مراحل طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے جانا۔ ''سَبِيْلُ اللّٰهِ'' بھی یہی راہ ہے۔ وہ راستہ جس میں انسان ''مَا يَنْفَعُ النَّاسَ'' (۱۳/۱۷) پر عمل پیرا ہوتا اور خدائی صفات کو اپنے اندر منعکس کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے۔ یہی وہ راہ تھی جس کی طرف رسول اللہ علی وجہ البصیرت دعوت دیتے تھے (۱۲/۱۰۸)۔ یہ قرآن

*تاج۔ **محیط۔

کریم کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم ہے۔ اس سے انسانی صلاحیتیں بھرپور طور پر نشو و نما حاصل کر سکتی ہیں اس لئے کہ مَتَلاَءُ الْمَاءِ اِلٰی اَسْبَالِهَا : پانی کو لبالب بھر دینے کو کہتے ہیں* ۔

سورۃ نحل میں شہد کی مکھی سے کہا گیا ہے فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (۱۶/۶۹) ۔ اپنے نشو و نما دینے والے کے راستوں پر فرمان پذیری سے چلی جا ۔ اس سے واضح ہے کہ قوانینِ فطرت بھی ''اللہ کے راستے'' ہیں جن پر اشیائے کائنات چلی جا رہی ہیں ۔ اور انسانوں کی راہنمائی کے لئے حضرات انبیاء کرام کی وساطت سے ملی ہوئی وحی صحیح راستے ہیں (۱۲/۱۲) ۔

سورۃ عنکبوت میں ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (۲۹/۶۹) ۔ اس کا سادہ ترجمہ یہ ہے کہ ''جو لوگ ہمارے لئے جد و جہد کرتے ہیں انہیں ہم اپنے راستے دکھا دیتے ہیں'' ۔ یوں تو خدا کی طرف جانے والا ایک ہی راستہ ہے جسے اس نے ''الصراط المستقیم'' کہکر پکارا ہے (۱/۵) لیکن انسان کے سامنے ، نت نئے دن ، زندگی کے نئے نئے مسائل آتے رہتے ہیں جن کا حل اسے تلاش کرنا ہوتا ہے ۔ قرآن کریم نے انسانی زندگی کے لئے اصول دیئے ہیں۔ ان اصولوں کی روشنی میں ، زندگی کے ہر پیش آنے والے معاملہ کا حل دریافت کرنا ، جماعتِ مومنین کا فریضہ ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے خارجی کائنات کے احوال و کوائف ، اقوام عالم کی تمدنی زندگی ، اپنے زمانے کے مقتضیات اور قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں پر گہرے غور و خوض اور فکر و تدبر کی ضرورت ہوگی ۔ اس طریق کار سے ، معاملات پیش نظر کے متعلق قرآنی راہ نمائی کے لئے جد و جہد کرنا ، (اصطلاح میں) اجتہاد کہلاتا ہے ۔ خدا کا وعدہ یہ ہے کہ جو لوگ اس طرح اجتہاد کرینگے ، ہم ان کے سامنے زندگی کی صحیح راہیں کشادہ کرتے چلے جائینگے ۔ انہی راہوں کو قرآن کریم نے دوسری جگہ ''سبل السلام'' یعنی امن و سلامتی کی راہیں قرار دیا ہے اور ان کا مقصد یہ بتایا ہے کہ يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ ۔ اسطرح کاروانِ انسانیت ، تاریکیوں سے روشنی کی طرف آ جاتا ہے ۔ اور آخر میں ہے وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۵/۱۶) ۔ اور یوں انہیں ''صراط مستقیم'' کی طرف راہنمائی مل جاتی ہے ۔ یعنی یہ تمام راستے اُسی صراط مستقیم میں جا کر مل جاتے ہیں ۔ یہ تمام جزئیات و تفاصیل جنہیں جماعت مومنین ، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق مرتب کرتی ہے ، قرآنی اصل کی شاخیں ہوتی ہیں اس لئے یہ تمام پگڈنڈیاں اُسی شاہراہِ مقصود میں جا کر مل جاتی ہیں ۔

* تاج ۔

س ت ت

اَلسِّتُّ ۔ اَلسِّتَّۃُ ۔ چھ ۔ اصل میں سِدْسٌ تھا * ۔ قرآن کریم میں ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ (۷/۵۴) ۔ ”زمین اور آسمانی کُروں کو چھ ادوار میں پیدا کیا“ ۔ اس میں ان ارتقائی ادوار کی طرف اشارہ ہے جن سے گزر کر ہماری زمین اور دیگر اجرام اپنی موجودہ ہیئت تک پہنچے ہیں ۔ (یَوْمٌ کے صحیح مفہوم کیلئے دیکھئے عنوان ی ۔ و ۔ م) ۔ سِتُّوْنَ اور سِتِّیْنَ ۔ ساٹھ ۔ (۵۸/۳) ۔

س ت ر

سِتْرٌ ۔ اوٹ ۔ آڑ ۔ پردہ جس سے کوئی چیز چھپائی جائے ** ۔ سورۃ کہف میں ہے لَمْ نَجْعَلْ لَّھُمْ مِّنْ دُوْنِھَا سِتْرًا (۱۸/۹۰) ۔ وہ قوم (کھلے میدان میں رہتی تھی اسطرح کہ) ان کے اور سورج کے درمیان کوئی اوٹ یا آڑ نہیں تھی ۔ اَلسِّتَارُ ۔ پردہ ۔ سَتَرَ الشَّیْءَ ۔ اس چیز کو چھپا دیا ۔ اِسْتَتَرَ ۔ چھپ جانا ** ۔ قرآن کریم میں ہے وَمَا کُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ (۴۱/۲۲) ۔ تم نہیں چھپتے تھے ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ جب تو قرآن کریم پڑھتا ہے تو تجھ میں اور ان لوگوں میں جو حیات مستقبل پر ایمان نہیں رکھتے حِجَابًا مَّسْتُوْرًا (۱۷/۴۵) حائل ہو جاتا ہے ۔ یعنے ایک ایسا پردہ حائل ہو جاتا ہے جو نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے ۔ ان کے قلب و دماغ پر ایسا پردہ چھا جاتا ہے جو آنکھوں سے تو دیکھا نہیں جا سکتا لیکن اُسے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ کیا ہے ۔ ان کی نفسیاتی کیفیت کو حِجَابٌ مَّسْتُوْرٌ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یعنی غیر مرئی پردہ ۔ نیز مَسْتُوْرٌ بمعنی سَاتِرٌ بھی ہے (چھپانے والا) جیسے مَسْحُوْرٌ بمعنی سَاحِرٌ ۔ خدا کا ایک نام اَلسَّتَّار ۔ بھی مشہور ہے ۔ لیکن یہ لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا ۔

س ج د

اَلسُّجُوْدُ کے معنی ہیں ، سر کو جھکا دینا ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی ، پست ہونا اور جھک جانا لکھے ہیں ۔ نَخْلَۃٌ سَاجِدَۃٌ ۔ جھکا ہوا کھجور کا درخت ، بالخصوص وہ جو پھلوں کے بوجھ سے جھک جائے * ۔ سَجَدَ الْبَعِیْرُ ۔ اونٹ نے اپنا سر جھکا دیا تاکہ سوار اس پر بیٹھ جائے* ۔

*تاج ۔ ** تاج و راغب و محیط ۔

لہذا اس مادہ کے معنی طبعی طور پر (Physically) انسان کے سر (یا کسی اور چیز) کے جھک جانے کے ہیں۔ لیکن انسانی جسم کی حرکات وسکنات کے پیچھے ایک فلسفہ کار فرما ہے جسے دور حاضر کی علمی اصطلاح میں متوازیت یا (Parallelism) کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے نفس (Mind) کے ارادے اور اس کے جسم (Body) کی حرکت میں گہرا تعلق ہوتا ہے اور یہ دونوں متوازی چلتے ہیں۔ مثلاً جب آپ لیٹے لیٹے کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو اس خیال کے ساتھ ہی اٹھ بیٹھتے ہیں۔ جب آپ آرام کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو بیٹھ یا لیٹ جاتے ہیں۔ یا جب آپ کسی بات پر ہاں کہتے ہیں تو ساتھ ہی سر ہلا دیتے ہیں (بلکہ یوں کہئیے کہ آپ کا سر خود بخود غیر شعوری طور پر ہل جاتا ہے) جب آپ کسی کا احترام کرتے ہیں تو آپ کا ہاتھ اٹھ جاتا ہے، اور اس سے آگے بڑھتے ہیں تو آپ کا سر جھک جاتا ہے۔ اس حقیقت کا اثر زبان پر بھی پڑتا ہے اور ان الفاظ سے جن کا بدیہی مفہوم جسم کی طبعی حرکت ہوتا ہے، اس جذبہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے جو اس حرکت کا سبب ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ اس نے میرے حکم کے سامنے ''سر جھکا دیا،، تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس نے اس حکم کو تسلیم کر لیا اور اس کی تعمیل کر دی۔ اور جب ہم کہتے ہیں کہ اس نے حکومت کے قانون سے ''سرکشی،، اختیار کی تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس نے اس قانون کے ماننے سے انکار کر دیا اور حکومت کے خلاف بغاوت اختیار کر لی۔ قرآن کریم بھی چونکہ ایک خاص زبان (عربی) میں بات کرتا ہے اس لئے اس کے ہاں بھی اظہار مطالب کا یہی انداز ہے۔ اس اعتبار سے اس نے سجدہ کا لفظ، اطاعت اور فرمانپزیری کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً سورۂ نحل میں ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (۱۶/۴۹) ''اور جو جان دار کائنات کی ہستیوں اور بلندیوں میں ہیں اور ملائکہ، سب خدا کے سامنے سر بسجود ہیں اور وہ سرکشی اختیار نہیں کرتے،،۔ یہاں يَسْجُدُ کا مفہوم لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ نے واضح کر دیا ہے۔ یعنی وہ احکام خداوندی سے سرکشی اختیار نہیں کرتے بلکہ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس کی مزید وضاحت اس سے اگلی آیت نے کر دی جہاں کہا کہ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (۱۶/۵۰) ''انہیں جو کچھ حکم دیا جاتا ہے وہ اسے کرتے ہیں،،۔ اس لئے قرآن کریم میں جہاں جہاں اس مادہ (س۔ج۔د) کی مختلف شکلیں آئیں وہاں اس حقیقت کو سامنے رکھنا چاہئیے کہ یہ لفظ حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے یا مجازی (فرمانپزیری کے) معنوں میں۔

اس کے ساتھ ہی ایک بات اور بھی غور طلب ہے ۔ جب ذہنِ انسانی اپنے عہد طفولیت میں تھا تو وہ (بچے کی طرح) محسوس اشیاء ہی کو سمجھتا تھا اور اپنے خیالات کا اظہار بھی (بیشتر) محسوس طور پر کرتا تھا ۔ آج کل کی علمی اصطلاح میں یوں کہئے کہ اس کا علم (Sense-Perceptions) ،، حواس ،، کے دائرہ میں محدود تھا ۔ وہ ہنوز تصورات (Concepts) کے ذریعے حصولِ علم یا اظہار خیالات کی منزل تک نہیں پہنچا تھا ۔ یہ وجہ تھی کہ اس کا اُس زمانے کا مذہب* ، محسوسات کے دائرے میں گھرا ہوا تھا ۔ یعنی وہ (Formalism) کی منزل میں تھا ۔ اس نے ،، خدا ،، کے لئے محسوس پیکر تراش رکھے تھے ۔ پوجا پاٹ کے طریق اور دیگر مذہبی رسوم و تقاریب میں بھی سارا زور شکل (Form) پر دیا جاتا تھا ۔ بلکہ (Form) ہی کو مقصود بالذات سمجھا جاتا تھا ۔

قرآن کریم نے اپنی تعلیم میں انسان کو بالغ تصور کیا ہے ۔ یا یوں کہئے کہ وہ اسے عہد طفولیت سے نکال کر سن شعور و بلوغت میں لانا چاہتا ہے ۔ وہ علم بالحواس (Perceptual Knowledge) کے ساتھ تصوراتی علم (Conceptual Knowledge) پر بھی زور دیتا ہے ۔ اور دین کے معاملہ میں بھی شکل (Form) کی بجائے معنویت (مقصود و مفہوم) کی اہمیت کو نمایاں کرتا ہے ۔ لیکن وہ شکل (Form) کو بالکل ترک نہیں کرتا ۔ اس کا تھوڑا سا حصہ ضرور باقی رکھتا ہے ۔ یہ اسلئے کہ (جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے) انسان کو تصورات (Ideas) کی تعبیر کے لئے (Form) کے بغیر نہ چارہ ہوتا ہے ، نہ تسکین ۔ بڑے سے بڑا تصوراتی مفکر (Idealist) بھی جب بات کرتا ہے تو اس کے لئے ہاتھ ، پاؤں ، سر ، آنکھ کی حرکات ناگزیر ہوتی ہیں ۔ وہ ان محسوس اشارات کے بغیر اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کر ہی نہیں سکتا ۔ (وہ اسیطرح مجرد حقائق (Abstract Truths) کو بھی محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے) ۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم نے (Form) سے اسقدر بلند ہو جانے کے باوجود ، بعض مقامات میں اسے باقی بھی رکھا ہے ۔ صلٰوۃ (نماز) میں قیام و رکوع وسجود کی طبعی حرکات اسی حقیقت کی مظہر ہیں ۔ مثلاً (سورۃ نساء میں جہاں جنگ کی حالت میں صلٰوۃ کی ادائیگی کا ذکر آیا ہے وہاں کہا ہے) کہ ایک گروہ رسول اللہ ؐ کی اقتداء میں کھڑا ہو جائے ۔ فَاِذَا سَجَدُوْا (۴/۱۰۲) ۔ ،، پھر جب وہ سجدہ کر چکیں ،، تو وہ پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ نماز میں کھڑا ہو جائے ۔

* مذہب اور دین کے فرق کے لئے (ذ ۔ ھ ۔ ب) اور (د ۔ ی ۔ ن) کے عنوانات دیکھئے ۔

ظاہر ہے کہ یہاں ''سجدہ'' سے مراد نماز کا وہ سجدہ ہے جس میں انسان سچ مچ اپنا سر خدا کے سامنے جھکاتا ہے، اور یہ شکل زمانہ نزول قرآن میں، نبی اکرمؐ اور جماعت مومنین میں رائج تھی۔ قرآن کریم میں، صلٰوۃ اور حج ہی وہ ''تقاریب'' ہیں جن میں محسوس ارکان (Form) کی تھوڑی سی شکل باقی رکھی گئی ہے۔ یہ دونوں چیزیں (صلٰوۃ اور حج) اجتماعی عمل ہیں اور اجتماعی عمل کے لئے ویسے بھی ضروری ہوتا ہے کہ ان کی محسوس شکل میں یک جہتی اور ہم شکلی ہو۔ اجتماعی عمل میں اگر ہر فرد اپنے اپنے طور پر جسطرح جی چاہے، حرکات و سکنات کرے تو اس سے جسقدر انتشار پیدا ہوتا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ان امور کی مزید تفصیل صلٰوۃ کے عنوان (باب ص۔ ل۔ و) میں ملیگی۔

لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ انسان کا اسطرح خدا کے سامنے سر جھکا دینا، اس کے اس جذبہ اور ارادہ کا محسوس مظاہرہ ہوگا کہ وہ قوانین خداوندی کے سامنے سرتسلیم خم کرتا ہے۔ یعنی وہ خدا کی کامل اطاعت کا عہد کرتا ہے۔ اگر اس کا محسوس سجدہ اس کے اس پر خلوص جذبہ کا بیساختہ مظہر نہیں اور محض (Form) ہی (Form) ہے، تو اس سجدے کے کوئی معنی نہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کے لئے قرآن کریم نے واضح طور پر کہدیا کہ لَيْسَ الْبِرَّ آنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ .... (۲/۱۷۷)۔ ''نیکی اور کشاد کی راہ یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ بلکہ نیکی اور کشاد کی راہ اسکی ہے جو خدا، آخرت، ملائکہ، کتب اور انبیاء پر ایمان رکھتا ہے۔ اور مال و دولت کو اس کی محبت کے باوجود، قرابتداروں، یتیموں، مساکین۔ ابن السبیل اور محتاجوں اور محکوموں کو دیتا ہے ....''۔ یعنی صلٰوۃ درحقیقت انسان کے جذبہ فرمان پذیری اور اطاعت کی محسوس مظہر ہے۔ اگر انسان خدا کی اطاعت تو نہ کرے اور صرف اس محسوس شکل کو مقصود بالذات سمجھ لے، تو خدا کی میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس، قرآن کریم کہتا ہے کہ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷/۵-۷)۔ ''ان نمازیوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز کی حقیقت کو نظرانداز کر دیتے ہیں اور نماز کے ظاہرہ ارکان کو لوگوں کے دکھاوے کے لئے ادا کرتے ہیں (اور سمجھ لیتے ہیں کہ صلٰوۃ کا فریضہ ادا ہو گیا۔ عملاً ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ) رزق کے ان سرچشموں کو جنہیں بہتے پانی کی طرح ہر ایک تک پہنچنا چاہئے،

(بند لگا کر) روک رکھتے ہیں ،، ۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی رو سے سجدہ سے کیا مفہوم ہے ۔

اَلْمَسْجَدُ ۔ پیشانی کو کہتے ہیں جو زمین پر رکھی جاتی ہے ۔ اور اَلْمَسْجِدُ اس جگہ کو جہاں سجدہ کیا جائے* ۔ یہ اسم ظرف ہے جس کے معنی سجدہ کرنے کی جگہ اور سجدہ کرنے کا وقت ، دونوں ہو سکتے ہیں ۔ سورۃ کہف میں ہے کہ لوگوں نے ان نوجوانوں کے غار کے مقام پر مسجد بنا دی (۱۸/۲۱) ۔ یعنی وہ مجاہدین تھے ۔ لیکن بعد میں لوگوں کی نگاہوں سے یہ تصور تو اوجھل ہوگیا اور (جیسا کہ اکثر ہوتا ہے) ان کی یادگار میں ایک خانقاہ یا مقبرہ تعمیر کر دیا جو سجدہ گاہ انام بن گیا ۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہودیوں کے ہیکل کو مسجد کہکر پکارا گیا ہے (۱۷/۷) ۔ سورۃ التوبہ میں نبی اکرم ؐ کے عہد مبارک کی اس مسجد کا بھی ذکر ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی (۹/۱۰۸) اور اسکا بھی جس کا مقصد مسلمانوں میں فرقہ پیدا کرنا تھا اور جسے قرآن کریم نے کفر سے تعبیر کیا ہے اور خدا اور رسول کے خلاف جنگ کرنے والوں کے لئے پناہ گاہ کہکر پکارا ہے (۹/۱۰۷) ۔ قرآن کریم نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے (۳۰/۳۱) اور واضح طور پر کہدیا ہے کہ مشرکین کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ ،، اللہ کی مسجدوں ،، کو آباد کریں ۔ اس نے اعلان کردیا کہ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا (۷۲/۱۸) ،، مسجدیں صرف اللہ کے لئے ہیں ۔ سو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو ،، ۔ فرقہ بندی شرک اس لئے ہے کہ اس میں خالص خدا کی اطاعت نہیں ہوتی ۔ خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرنے سے امت میں اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں ۔

جسطرح سجدہ سے مراد صرف سر کو زمین پر رکھنا نہیں بلکہ اس سے مفہوم قوانین خداوندی کے سامنے سر جھکا دینا بھی ہے ، اسی طرح مسجد سے مراد بھی بالخصوص وہ عمارت نہیں جس میں نماز ادا کی جاتی ہے ۔ اس سے مراد وہ مقام ہے جو اس نظام کا مرکز ہو جس کی رو سے قوانین خداوندی کی اطاعت کی یا کرائی جائے ۔ کعبے کو جو مسجدالحرام کہا گیا ہے (۲۲/۲۵) تو اس جہت سے نہیں کہ وہ ایسی عمارت ہے جس میں سجدہ کیا جاتا ہے بلکہ اس لئے کہ وہ خدا کے نظام توحید کا مرکز ہے ۔ وہ اُس اُمت کا مرکز محسوس ہے

* تاج ۔

جسکی خصوصیت مُسْلِمَةٌ لَّكَ (۲/۱۲۸) بتائی گئی ہے۔ یعنی قوانین خداوندی کے سامنے جھکنے والی۔ چونکہ نبی اکرمؐ کی مکہ سے مدینہ کیطرف ہجرت کے بعد، مدینہ کو حکومت خداوندی کا مرکز قرار پانا تھا اس لئے قرآن کریم میں (شب ہجرت کے تذکرہ کے سلسلہ میں) مدینہ کو مسجداقصیٰ (دور کی مسجد) کہکر پکارا گیا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا (۱۷/۱) "وہ ذات نقائص سے بہت دور ہے جو اپنے بندے کو ایک رات، مسجدالحرام (مکہ) سے اس مسجد کی طرف لے گیا جو (مکہ سے) بہت دور تھی۔ جس کے ماحول کو ہم نے با برکت بنایا تھا۔ تاکہ ہم اسے اپنی آیات (نشانیاں) دکھائیں"۔ اس کے بعد حضرت موسےٰؑ کا ذکر ہے۔ سورۃ 'طٰہٰ' میں جہاں حضرت موسےٰؑ کو فرعون کیطرف جانے کا حکم دیا گیا ہے وہاں بھی یہی کہا گیا ہے کہ لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی (۲۰/۲۳)۔ "تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں"۔ یہ آیات، آویزش حضرت موسےٰؑ اور فرعون میں حضرت موسےٰؑ کی کامیابی تھی۔ یہی وہ آیات خداوندی تھیں جن کا مظہر، ہجرت کے بعد، مدینہ کو بننا تھا۔ یعنی جماعت مومنین کا باطل کی قوتوں پر غلبہ اور کامرانی۔

اس سے یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ مسجد کی عمارت بھی صرف نماز پڑھنے کے کام کے لئے مخصوص نہیں۔ اس میں اسلامی مملکت کے مختلف امور سرانجام دئے جا سکتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے "عبادت" اور ہر دنیاوی امور میں فرق ہی نہیں کیا جاسکتا۔ عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں (دیکھئے عنوان ع۔ب۔د) اور دنیا کا کوئی کام جو قوانین خداوندی کے مطابق کیا جائے عبادت ہو جاتا ہے۔ اجتماع صلوٰۃ بھی چونکہ قانون خداوندی کی اطاعت ہے اس لئے وہ بھی عبادت ہے۔ "عبادت" کے لئے کسی ایسے الگ مکان کی ضرورت نہیں جس میں اور کچھ نہ کیا جا سکے۔

سورۃ اعراف میں ہے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (۷/۳۱) اس میں "مسجد" (ظرف) کو مصدری معنوں میں استعمال کیا گیا ہے *۔ یعنی اطاعت کرنا۔ اس آیت میں ایک عظیم حقیقت کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ عیسائیت (اور اسی قسم کے دیگر مذاہب) میں رہبانیت

* لسان العرب سے اسکی تائید ہوتی ہے۔

کو اطاعت و عبادت کا منتہٰی قرار دیا گیا تھا - یعنی ترک دنیا - ترک لذت - ترک زیبائش و آرائش - قرآن کریم نے اس غلط تصور کا بطلان کیا اور کہا کہ دنیاوی زیبائش و آرائش ، خدا کی اطاعت کے راستے میں حائل نہیں ہوتی اس لئے اسے ترک کرنا ، اطاعت نہیں - ان چیزوں سے ضرور متمتع ہونا چاہیئے - صرف ان حدود کا خیال رکھنا چاہئے جو خدا نے مقرر کر دی ہیں - اس آیت کے اگلے حصے ، اور اس سے ملحقہ آیت نے اس مفہوم کی وضاحت کر دی ہے - آیت کا باقی حصہ یہ ہے - وَ کُلُوْا و اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا - اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (۳۱/۷). ''تم کھاؤ پیو - لیکن حد سے تجاوز نہ کرو - خدا حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا،، - اس سے اگلی آیت میں ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ... (۳۲/۷) - ''ان سے کہو کہ اللہ کی زینت کی چیزوں کو جنہیں اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے - اور رزق طیب کو کس نے حرام قرار دیا ہے،،؟ - دو آیتیں پہلے ہے قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ..... (۲۹/۷) ''ان سے کہدو کہ اللہ نے تمہیں اعتدال پر رہنے کا حکم دیا ہے - اور تم اطاعت گزاری میں اپنی تمام توجہات کو توازن کے ساتھ (اس کی طرف) مرکوز رکھو - اور اطاعت کو خالص اسی کے لئے مختص کرتے ہوئے اسے پکارو،، - ان مقامات سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا اس باب میں صحیح مقصود کیا ہے -

سورۃ الفتح میں محمد رسول اللہ والذین معہ کے متعلق ہے تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا (۲۹/۴۸) - ''تو انہیں رکوع کرتے ہوئے - سجدے کرتے ہوئے دیکھیگا،، - یہاں رکوع اور سجود کے حقیقی معنی لئے جائیں تو مطلب اجتماع صلوٰۃ کے رکوع و سجود ہونگے - اور اگر مجازی معنی لئے جائیں تو، ذمہ داریوں کے بوجھ سے جھکے ہوئے اور اطاعت شعاری میں سرتسلیم خم کئے ہونگے - اس کے بعد ہے سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (۲۹/۴۸) - اس کے عام معنی ہیں ''ان کی نشانیاں ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات سے ظاہر ہیں'' - مطلب یہ ہے کہ قوانین خداوندی کی کامل اطاعت سے ان کے قلب میں جو اطمینان و سکون کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کے اثرات ان کے چہروں سے نمایاں ہیں - یہ نفسیات کا مسئلہ ہے کہ انسان کی داخلی کیفیات و جذبات کا اثر ، اس کے چہرے سے نمایاں ہو جاتا ہے - قرآن کریم میں ہے یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰھُمْ (۴۱/۵۵) مجرم اپنی

علامات سے پہچانے جائیں گے۔ اس میں اسی نفسیاتی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔ اطاعت خداوندی سے قلبی سکون کی کیفیت مینائے رخ سے جھلک کر باہر آجاتی ہے۔

س ج ر

سَجَرَ التَّنُّوْرَ ۔ یَسْجُرُہٗ ۔ سَجْرًا ۔ اس نے تنور جلا دیا ۔ اُسے گرم کرنے کے لئے اس میں پورا پورا ایندھن ڈال دیا۔ اسے ایندھن سے بھر دیا۔ اسی لئے سَجَرَ النَّھْرَ کے معنے ہوتے ہیں ۔ اس نے نہر کو بھر دیا ۔ اَلسَّجُوْرُ ۔ وہ چیز جس سے تنور کو جھونکا جائے ۔ اَلْمِسْجَرُ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس سے تنور میں ایندھن کو الٹا پلٹا جائے تاکہ وہ جلدی گرم ہو جائے ۔ اَلسَّاجِرُ ۔ اَلْمَسْجُوْرُ ۔ ساکن اور بھری ہوئی چیز ۔ (نیز اس کے معنے خالی چیز کے بھی آتے ہیں ۔ اس اعتبار سے یہ اضداد میں سے ہے**)۔ وہ دریا جس کا پانی اُس کے ظرف سے زیادہ ہو۔ سَجَرْتُ الْاِنَاءَ ۔ میں نے برتن کو بھر دیا ۔ اَلسَّاجِرُ ۔ وہ مقام جہاں سے سیلاب گزرے اور اسے پُر کرتا ہوا چلا جائے ۔ بِئْرٌ سَجِیْرٌ ۔ پُر کنواں* ۔

سَجَرَ الْمَاءُ ۔ پانی کا جدھر جی چاہے راستہ پھاڑ کر نکل جانا* ۔ لہذا اس لفظ کے معنے آگ بھڑکانے کے بھی ہونگے اور بھر دینے اور لبریز ہو جانے کے بھی ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی (۱) بھرنا ۔ (۲) ایک دوسرے کے ساتھ مل جانا اور (۳) بھڑکانا ، ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ (۴۰/۷۲) ۔ پھر وہ آگ میں جھونکے جائینگے ۔ سورۃ طور میں اَلْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ (۵۲/۶) آیا ہے ۔ یعنی بھرا ہوا سمندر ۔ یا ایک سے دوسرا ملا ہوا سمندر ۔ سورۃ تکویر میں ہے اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (۸۱/۶) ۔ سمندر (آمد و رفت کی کثرت سے) ہر وقت بھرے بھرے نظر آئینگے ۔ (اور اگر بِحَارٌ کے معنے کناروں کی بستیاں لیا جائے ۔ تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ بندرگاہیں آباد ہو جائینگی ۔ مقصد بہر حال دونوں کا ایک ہی ہے) ۔

س ج ل

اَلسَّجْلُ ۔ پانی سے بھرا ہوا بڑا ڈول ۔ سخی آدمی* ۔ اَلسِّجِلُّ ۔ کتاب ۔ صحیفہ ۔ نیز کاتب* ۔

*تاج ۔ **لطائف اللغۃ ۔

اَلسِّجِّیْلُ ۔ یہ لفظ معرب ہے فارسی لفظ سَنگ ِگل ُ سے ۔ یعنے وہ مٹی جو آگ میں پک کر پتھر بن جائے ۔ زمانہ قدیم میں (جب لکھنے کی ابتدا ہوئی ہے تو) مٹی کی تختیوں کو آگ میں تپا کر پختہ کرلیا کرتے تھے اور انہی پر لکھا جاتا ہے ۔ اسی کو السِّجِّلُ کہتے تھے۔ بعد میں ہر اس چیز کو جس پر لکھا جائے اَلسِّجِلُّ کہنے لگے** ۔

قرآن کریم میں ہے کہ قوم لوط پر حِجَارَۃً مِنْ سِجِّیْلٍ (۱۱/۸۲) برسائے گئے ۔ انہی کو سورۃ ذاریات میں حِجَارَۃً مِنْ طِیْنٍ (۵۱/۳۳) کہا گیا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ سنگ گل متحجر تھی ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دونوں مقامات پر انہیں مُسَوَّمَۃً عِنْدَ رَبِّکَ (۱۱/۸۳ و ۵۱/۳۴) کہا گیا ہے ۔ یعنے جو خدا کی طرف سے اس مقصد کے لئے نشان زدہ تھے***۔ لیکن اَلسِّجِلُّ میں لکھنے کا جو عنصر شامل ہے ، اس اعتبار سے بھی مُسَوَّمَۃً کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ [ہو سکتا ہے کہ یہ تہ بہ تہ (مَنْضُوْدٍ ۱۱/۸۲) تختیاں ہی ہوں جو پہاڑ پر کسی لائبریری میں رکھی ہوں اور اس کی آتش فشانی سے سب سے پہلے یہی اڑ کر ان کی بستی پر گری ہوں] ۔

سورۃ انبیاء میں ہے یَوْمَ نَطْوِی السَّمَاءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ (۲۱/۱۰۴) ۔ یہ وہ دور ہوگا جس میں بلندیوں (یا بلند طبقے کے لوگوں) کو کاغذ کے فائل کی طرح لپیٹ کر رکھدیا جائیگا کہ ان کا زمانہ ختم ہوگیا ۔ اس دور میں معاشرتی ہمواریاں پیدا ہو جائینگی ۔ (۳۹/۶۷) ۔

اگر ان آیات میں کسی کائناتی حادثہ کی طرف اشارہ ہے تو اس سے مقصود آسمانی کروں کا لپیٹے جانا ہوگا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا بھر کر الٹ جانا یا گر جانا ہیں ۔ اس سے مفہوم اور بھی واضح ہوجاتا ہے ۔

س ج ن

سَجَنَ ۔ یَسْجُنُ سَجْنًا ۔ کسی کو قید کر دینا* (۱۲/۳۵ و ۱۲/۳۳) ۔ اَلسِّجْنُ ۔ قید خانہ (۱۲/۳۳) ۔

---

*تاج ۔ **راغب ۔ ***اقوام سابقہ پر جو عذاب طبعی حوادث (سیلاب ، آندھی زلزلہ ، آتش فشاں مادہ) کے ذریعے آتا تھا ، اسے اس قوم کے اعمال زندگی سے کیا تعلق تھا ، اس کے لئے مصنف کی کتاب ''جوئے نور'' دیکھئے۔

سِجِّیْنٌ ۔ یہ لفظ سورۃ تطفیف میں آیا ہے ۔ مَا اَدْرَاکَ مَا سِجِّیْنٌ (۸۳/۸) ۔ بعض نے اس کے معنے قید خانہ کئے ہیں ۔ لیکن قرآن کریم نے کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (۸۳/۹) کہکر خود ہی اس کی تفسیر کر دی ہے ۔ یعنے نامۂ اعمال ۔ لکھی ہوئی چیز* ۔

س ج و

سَجَا اللَّیْلُ یَسْجُوْ ۔ سَجْوًا ۔۔ رات کا ساکن ہو جانا ۔ ٹھہرجانا ۔ تاریک ہوجانا ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں سکون اور بند کرنے، ڈھانکنے کا مفہوم بتایا ہے ۔ سَجَا اللَّیْلُ کے معنے ہیں رات کا شدید تاریک اور پرسکون ہونا ۔ اَلْبَحْرُ السَّاجِیْ ۔ پر سکون سمندر ۔ اَلطَّرْفُ السَّاجِیْ ۔ خاموش نگاہ ۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ سَجَی اللَّیْلُ کے معنے ہیں رات کی تاریکی بڑھ گئی* ۔

قرآن کریم میں ہے وَ اللَّیْلِ اِذَا سَجٰی (۹۳/۲) ۔ رات کی تاریکی اور اس میں فضا کا سکوت ، اور نمودِ صبح سے پہلے اس کی شدید ظلمت ، اس حقیقت پر شاھد ہے کہ (نظامِ خداوندی کے) اس پروگرام کو کامیابی تک پہنچنے میں وقت لگیگا اور وہ اپنے مدارج طے کرتا ہوا مقصود تک پہنچیگا ۔ لہذا اس وقت جو تم دیکھ رہے ہو کہ تمہاری اس قدر محنت اور مشقت کے باوجود معاشرہ کی تاریکیاں چھٹ نہیں رہیں تو اس سے اس نتیجہ پر نہ پہنچ جاؤ کہ قوانین خداوندی نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا ہے ۔ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی (۹۳/۳) ”نہ تو تیرے نشو و نما دینے والے نے تجھے چھوڑ دیا ہے اور نہ ہی (یونہی، خواہ‌مخواہ) مشقت میں ڈال دیا ہے“ ۔ وَالضُّحٰی کے ساتھ آنے سے یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ دن اور رات کے تغیرات اس پر شاھد ہیں کہ ان مخالفین کی یہ حالت ہمیشہ ایسی ہی نہیں رہیگی ۔ اس میں انقلاب آئیگا ۔

س ح ب

سَحَبَ ۔ اس نے کھینچا ۔ گھسیٹا ۔ اَلْمَرْاَۃُ تَسْحَبُ ذَیْلَھَا ۔ عورت اپنا دامن زمین پر گھسیٹتی (ہوئی چلتی) ہے ۔ اِنْسَحَبَ ۔ وہ زمین پر گھسٹ گیا ۔ اسی سے اَلسَّحَابَۃُ ہے جس کے معنے ہیں بدلی ، بادل کا ٹکڑا ؛ کیونکہ وہ پانی کو کھینچ کر لاتا ہے ۔ یا ہوائیں اسے کھینچتی ہیں ، یا وہ دامن

*تاج و راغب ۔

گھسیٹتا ہوا چلتا ہے* ۔ (اس کی جمع سَحَاب* ہے) قرآن کریم میں لفظ سَحَاب* مفرد اور جمع دونوں طرح استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً اَلسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ (۲/۱۶۴) ''بادل جو مسخر کیا گیا ہے'' اور اَلسَّحَابَ الثِّقَالَ (۱۳/۱۲) ''بھاری بھاری بادل'' ۔

کھینچنے کے معنوں میں سورۃ المومن میں ہے یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ۔ (۴۰/۷۱) ۔ وہ ''حمیم'' میں گھسیٹ کر یا کھینچکر ڈالے جائینگے ۔ سورۃ قمر میں ہے یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ (۵۴/۴۸)۔ جس دن انہیں آگ میں گھسیٹا جائیگا۔

س ح ت

اَلسَّحْتُ ۔ کسی چیز کو جڑ سے اکھیڑ دینا ۔ کسی چیز کو آہستہ آہستہ چھیل کر الگ کر دینا ۔ سَحَتَ الشَّحْمَ عَنِ اللَّحْمِ ۔ گوشت کے اوپر سے چربی کو چھیل کر الگ کر دیا* ۔ قرآن کریم میں ہے فَیُسْحِتَکُمْ بِعَذَابٍ (۲۰/۶۱) ۔ وہ ایسی سزا دے گا کہ تمہاری جڑ کٹ جائیگی ۔ یا وہ تمہیں آہستہ آہستہ مٹا دیگا ۔

اَلسُّحْتُ ۔ ہر حرام چیز جس کا تذکرہ معیوب ہو، حرام اور گندہ پیشہ جو باعث عار ہو ، ہر نا پسندیدہ اور حرام کی کمائی ۔ اس لئے کہ وہ برکت و سعادت کو جڑ سے کاٹ دیتی ہے* ۔ یہود کے متعلق ہے اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (۵/۴۲) ۔ ان کا ذریعۂ معاش بہت برا ہے ۔ عام یہودی سود خوار اور بددیانت تھے اور ان کے مذہبی راہنما دین فروشی کرتے تھے۔ اس سے بڑھکر قابل نفرت ذریعۂ معاش اور کیا ہوسکتا ہے ۔ اور ایک یہودیوں پر ہی کیا موقوف ہے ۔ سرمایہ پرستی اور پیشوائیت جہاں بھی ہو وہاں یہی حالت ہوتی ہے ۔ حَرَامٌ سُحْتٌ* ۔ سخت حرام کو کہتے ہیں ۔ صاحب محیط نے کایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سُحْتٌ* اس حرام کو کہتے ہیں جس کی حرمت میں کوئی اشتباہ نہ ہو بلکہ وہ کھلم کھلا حرام ہو** ۔ اَرْضٌ سَحْتَاءُ ۔ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کچھ پیدا نہ ہو* ۔ عَامٌ اَسْحَتُ ۔ قحط کا سال جس میں چارہ بالکل نہ پیدا ہو* ۔

س ح ر

اَلسَّحْرُ ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اسکے بنیادی معنے موڑنے اور پھیرنے کے ہیں ۔ اور اس سے مطلب ہوتا ہے باطل کو حق کی صورت میں

*تاج ۔ **محیط ۔

پیش کرنا* ۔ تہذیب میں ہے کہ اسکے اصلی معنے کسی چیز کو اصل حقیقت سے غیر حقیقت کی طرف پھیر دینے کے ہیں ۔ صاحب تاج العروس نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو ۔ یعنی ایسا دھوکا جس میں پتہ نہ چلے کہ دھوکا کسطرح دیا گیا ہے ۔ پھر یہ لفظ عام دھوکے کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا*** ۔ سَحَرَہٗ وسَحَّرَہٗ کے معنے ہیں اس کو دھوکا دیدیا ۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ (۲۶/۱۸۵-۱۵۳) کے معنے ہیں تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں دھوکا لگ گیا ہے ۔ اور بار بار مبتلائے فریب ہو جاتے ہو ۔ عَنْزٌ مَسْحُوْرَۃٌ اس بکری کو کہتے ہیں جس کے تھن تو بڑے بڑے ہوں لیکن وہ دودھ بہت کم دے ۔ اَلْمَسْحُوْرُ اسے کہتے ہیں جس کی عقل میں خرابی ہو گئی ہو* ۔

مخالفین ، رسول اللہؐ کو رَجُلًا مَسْحُوْرًا (۲۵/۸) کہتے تھے ۔ یعنے جسے دھوکا لگ گیا ہو ۔ فریب خوردہ انسان ۔ یا جس پر کسی نے جادو کر دیا ہو ۔ یا جسکی عقل ماری گئی ہو ۔ نیز اس کے معنے ساحرؐ کے بھی کئے گئے ہیں ۔ جیسے (۱۷/۱۰۱) میں ۔ سورۃ مومنون میں ہے قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ (۲۳/۸۹) ۔ ان سے پوچھو کہ تمہیں کہاں (یا کس وجہ سے) دھوکا لگتا ہے ؟ وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے تمہارا رخ حقیقت کی طرف سے مڑکر دوسری طرف پھر جاتا ہے ؟ دھوکے کے علاوہ اس کے معنے جھوٹ کے بھی ہیں ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّکُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (۱۱/۷) ۔ اگر تو ان سے کہے کہ تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ کہدینگے کہ یہ بالکل جھوٹی بات ہے ۔

اَلسَّحْرُ ۔ سینہ کے اوپر کا حصہ ۔ (پھیپھڑا ۔ دل ، کلیجی وغیرہ) ۔ ہر چیز کا کنارہ ۔ اس اعتبار سے رات کے آخری حصہ کو سَحَرٌ کہتے ہیں ۔ یا صبح (فجر) سے ذرا پہلے ۔ راغب نے آخر شب کی تاریکی کو دن کی ابتدائی روشنی میں خلط ملط ہونے کو ، نیز ایسے وقت کو سَحَرٌ بتایا ہے (۵۴/۳۴) ۔ اَسْحَارٌ اسکی جمع ہے** (۵۱/۱۸) ۔ دن کا آغاز ۔ ابتدائے کاروبار کا وقت*** ۔

تاریخ بتاتی ہے کہ انسان کی عمرانی زندگی میں ایک دور گزرا ہے جسے عہد سحر (Magic Age) کہا جاتا ہے ۔ مغربی محققین نے اس دور کے متعلق بڑی کثیر معلومات فراہم کی ہیں ۔ سحر (یا Magic) کے معنے یہ تھے کہ انسان مختلف طریقوں (جھاڑ۔

* تاج و محیط **تاج ۔ ***ابن قتیبہ (القرطین ج/۱ صفحہ ۲۵۷)

پھونک ۔ تعویذ گنڈا ۔ اوراد و وظائف) سے کائنات کی مؤثر قوتوں کو مجبور کرے کہ وہ اس کی منشاء کے مطابق کام کریں ۔ اسی کو جادو کہتے ہیں ۔ یعنی انسان کا پہلا دور پرستش کا تھا جس میں وہ کائناتی قوتوں سے عاجزی سے گڑگڑا کر مدد مانگتا تھا ۔ لیکن اس کے بعد یہ دوسرا دور آیا جس میں اس نے ان قوتوں کو مجبور کرنے کا طریق اختیار کیا ۔ ان ساحرین کا (پروہتوں کیطرح) معاشرہ میں بہت اونچا مقام تھا ۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو انسان کا ''دور پرستش'' سے ''عہد سحر'' کیطرف آنا ، فکر معقول (Rational Thought) کی طرف آنے کی پہلی اور دھندلی سی کوشش تھی ۔ ''فکر معقول'' سے مراد یہ ہے کہ ہر حادثہ کا سبب معلوم کیا جائے ۔ قانونِ علت و معلول (Cause And Effect) کے مطابق حوادث و واقعات کی وجہ معلوم کی جائے ۔ ''دور پرستش'' میں انسان سمجھتا تھا کہ (مثلاً) بخار اس لئے آتا ہے کہ کوئی دیوتا ناراض ہو جاتا ہے ۔ اسے رفع کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس دیوتا کی بھگتی سے اسے خوش کر دیا جائے ۔ اس میں علت اور معلول کا کوئی تصور نہیں تھا ۔ وہ اس سے ''عہد سحر'' کیطرف آیا ۔ یعنی اس نے یہ سوچا کہ (مثلاً) اگر فلاں منتر کو اتنی بار ، اس طریق سے دھرا لیا جائے تو اسکا لازمی نتیجہ فلاں ہوگا ۔ بالفاظ دیگر اسکے ذہن میں عمل اور اس کے نتیجہ میں خاص ربط ہونے کی ذرا سی کرن نمودار ہوئی ۔ خدا کی طرف سے عطا کردہ دین نے یہ بتایا کہ کائنات میں سب کچھ خدا کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق عمل میں آتا ہے ۔ ہر کام کا ایک متعین نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے ایک خاص قانون کے مطابق ۔ اگر انسان ان قوانین کا علم حاصل کرلے تو جب جی چاہے اس قسم کا نتیجہ پیدا کر سکتا ہے ۔ یہ وہ تصور ہے جس پر علوم سائنس کی ساری عمارت استوار ہے ، اور جس محور کے گرد انسان کی زندگی اور اس کا مستقبل گردش کرتا ہے ۔ سحر اس لئے باطل ہے کہ اس میں نتیجہ کسی خاص قانون کے مطابق مرتب ہونے کا تصور نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص طریق کچھ پڑھنے اور کرنے کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے ۔ انسان کو فکر معقول قرآن کریم نے دیا ہے ۔

قرآن کریم میں داستان حضرت موسٰے ؑ کے ضمن میں ساحرین قومِ فرعون اور ان کی سحرکاریوں کا ذکر تفصیل سے آتا ہے ۔ انہیں سے حضرت موسٰے ؑ کا مقابلہ ہوا تھا ۔ اگر ان مقامات میں سِحْرٌ سے مراد جادو ہے تو ان تمام واقعات (رسیوں کا چلنا وغیرہ) کو انہی معانی میں سمجھا جائے گا ۔ لیکن اگر اس کے معنی ''باطل پرستی'' ہے تو پھر ان آیات کے مجازی معانی لئے جائینگے ۔ (تفصیل میری کتاب برق طور میں ملیگی) ۔

سِحْرٌ (جادو) کا مفہوم لینے سے ایک اہم چیز سامنے آتی ہے۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ ان جادوگروں نے سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (۷/۱۱۶)۔ لوگوں کی آنکھوں کو دھوکا دیا۔ یعنی وہ رسیاں سچ مچ چلنے نہیں لگ گئی تھیں۔ انہوں نے (ہاتھوں کے کرتب یا نفسیاتی قوت سے) ایسا کیا کہ لوگوں کو ایسا محسوس ہوا گویا وہ رسیاں چل رہی ہیں۔ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (۲۰/۶۶)۔ ''موسےٰ کو ایسا خیال ہوا گویا وہ دوڑ رہی ہیں''۔ یعنی سحر سے صرف دیکھنے والے کی قوت متخیلہ اثر پذیر ہوتی ہے۔ وہ چیزیں فی الواقعہ ایسی نہیں بن جاتیں۔ ساحر دیکھنے والے کی قوت متخیلہ کو متاثر کر دیتا ہے، اور بس ہمارے زمانے میں نفسیات (Psychology) کی تحقیقات نے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ یہ سب انسان کی قوت متخیلہ کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ غور کیجئے کہ قرآن کریم نے آج سے کتنا عرصہ پہلے اس حقیقت کو واشگاف کیا تھا۔ (نیز دیکھئے عنوان خ۔ی۔ل)

یہودیوں کا سارا مذہب سحر و ساحری کا مرقع اور ان کے معبد اس قسم کی کرشمہ سازیوں کی آماجگاہیں تھے۔ وہ ان باتوں کو حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ''اسم اعظم اور نقوش سلیمانی'' ان کی خاص چیزیں تھیں۔ قرآن کریم نے ان سب کی تردید کی اور واضح الفاظ میں بتایا کہ خدا کے نبی ان توہم پرستیوں اور فریب سازیوں سے بہت دور ہوتے ہیں۔ (۲/۱۰۲)۔

قرآن کریم نے تو یہ کہا، لیکن قرآن کریم کی حامل قوم (مسلمانوں) نے گنڈے۔ تعویذ۔ ورد۔ وظائف، غرضیکہ ان تمام توہم پرستیوں کو ایک ایک کرکے اپنے ہاں جمع کر لیا اور اسے ''روحانیت'' قرار دیکر باطل کو حق کا لباس پہنا دیا۔ یا للعجب!

اوپر بتایا گیا ہے کہ کفار، نبی اکرمؐ کے متعلق کہتے تھے کہ وہ رجل مسحور ہے (۱۷/۴۷)۔ یعنی اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ قرآن کریم نے اس کی تردید کی ہے (۲۵/۹)۔ نبی کی ذات اسقدر نشو و نما یافتہ اور مستحکم ہوتی ہے اور اسکی قوت ایمانی اسقدر مضبوط کہ اس کے مقابلہ میں ساحرین کی نفسیاتی قوت ایک ثانیہ کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتی، چہ جائیکہ وہ نبی کو متاثر کر دے اور وہ ان کے فریب سحر میں آجائے۔ یہ ناممکن ہے۔ حضرت موسےٰؑ کے قصے میں (جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے) اتنا ہی کہا

ہے کہ انھوں نے خیال کیا کہ گویا وہ رسیاں چل رہی ہیں ۔ لیکن یہ چیز اور ہے اور کسی کا جادو کے اثر سے مسحور ہوکر بہکی بہکی باتیں کرنے لگ جانا اور بات ۔ نبی پر اس قسم کا اثر کبھی نہیں ہوسکتا ۔

(قصۂ حضرت موسٰے میں اگر سحر کے معنی باطل پرستی لئے جائیں تو پھر بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے) ۔

س ح ق

سَحَقَہٗ ۔ یَسْحَقُہٗ ۔ سَحْقاً ۔ اسنے اسے کوٹ کر، پیس کر، باریک کر دیا ۔ اِنْسَحَقَ ۔ وہ پیس گیا ۔ سَحَقَتِ الرِّیْحُ الْاَرْضَ ۔ ہوا نے زمین کے نشانات مٹا دئے ۔ وہ اس تیزی سے چلی جیسے زمین کی مٹی کو پیس رہی ہو ۔ سَحَقَتِ الدَّابَّۃُ ۔ جانور تیز دوڑا ۔ اسی سے اَلسُّحْقُ ۔ اَلسُّحُقُ کے معنے ہیں دور ہونا ۔ اَسْحَقَ فُلَانٌ ۔ اس نے اسے دور کردیا ۔ ہلاک کر دیا * ۔ ابن فارس نے اسکے بنیادی معنے (۱) بُعد اور دوری (۲) کسی چیز کو اسقدر کمزور کر دینا کہ وہ خستہ ہو جائے، بتائے ہیں ۔ اَسْحَقَ الضَّرْعُ : تھن دودھ سے خشک ہوئے اور مرجھا گئے ۔ راغب نے سَحْقٌ کے معنے کسی چیز کو ریزہ ریزہ کرنا کئے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے فَسُحْقاً لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (۶۷/۱۱) ۔ اہل جہنم کے لئے (زندگی کی خوشگواریوں سے) بُعد اور محرومی ہے ۔ مَکَانٌ سَحِیْقٌ (۲۲/۳۱) ۔ دور دراز جگہ ۔

س ح ل

سَحَلَہٗ یَسْحَلُہٗ ۔ سَحْلاً ۔ اسنے اسے چھیل دیا اور کھرچ دیا، ریتا ۔ اَلرِّیَاحُ تَسْحَلُ الْاَرْضَ ۔ ہوائیں زمین (کی سطح) کو کھرچ دیتی ہیں ۔ اَلسَّاحِلُ ۔ دریا یا سمندر کا کنارا جسے پانی چھیلتا اور کھرچتا رہتا ہے ** ۔

قرآن کریم میں ہے فَلْیُلْقِہِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ (۲۰/۳۹) ۔ دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا ۔

س خ ر

سَخِرَ ۔ یَسْخَرُ سَخْرًا وَ سَخَرًا وَ سُخْرًا وَ سُخْرًا کے معنے مذاق کرنا اور بیوقوف سمجھتے ہوئے ہنسی اڑانا ہیں ۔ رَجُلٌ سُخَرَۃٌ

* تاج و محیط ۔ ** تاج و راغب

وہ آدمی جو بہت زیادہ لوگوں سے مذاق کرے اور انکی ہنسی اڑائے ۔ اس سے اسم السُّخْرِیَّة و السُّخْرِیّ و السِّخْرِیّ آتا ہے* ۔ یعنی ٹھٹھول ، مذاق ۔ سَخَرَہٗ ۔ یَسْخَرُہٗ سِخْرِیًّا و سُخْرِیًّا ۔ و سَخَّرَہٗ تَسْخِیْرًا ۔ کسی کو کسی خاص مقصد کی طرف زبردستی لے جانا ۔ کسی کو مجبور کرکے کسی کام پر لگا دینا ۔ کسی سے کوئی کام بلا معاوضہ (بیگار کے طور پر) کرالینا ۔ کسی کو تابع فرمان کرنا ۔ اپنے حکم کے مطابق چلانا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حقیر سمجھنے اور ذلیل کرنے کے ہیں ۔

محیط نے (کلیات کے حوالہ سے) لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں یہ مادہ مجرد ثلاثی سے آیا ہے اس سے مراد استہزاء ہے سوائے سورۃ زخرف کے کہ وہاں لِیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا (۴۳/۳۲) ۔ میں سُخْرِیًّا کا لفظ تسخیر کے معنوں میں ہے** ۔

سورۃ زخرف کی یہ آیت ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مختلف افراد میں کسب و ہنر کی استعداد میں جو فرق ہے وہ اس لئے ہے کہ معاشرہ کے مختلف کام مختلف افراد کرسکیں ۔ اگر تمام افراد کی استعداد ایک جیسی ہوتو کوئی شخص کسی دوسرے کے تجویز کردہ پروگرام کے مطابق کام ہی نہ کرے ۔ یا تمام افراد ایک ہی قسم کا کام کرنے لگ جائیں ۔ اس طرح معاشرہ کا نظام قائم ہی نہیں رہ سکتا ۔ لیکن اختلاف استعداد کا مطلب یہ نہیں کہ زیادہ استعداد والے لوگوں کو اجازت دے دی جائے کہ وہ کم استعداد والے لوگوں کو اپنا محکوم اور تابع فرمان بنا کر انہیں اپنی اغراض کے حصول کا آلہ کار بنا لیں ۔ اختلافِ استعداد صرف تقسیم کار کے لئے ہے ورنہ قرآن کریم کی رو سے ہر ابن آدم واجب التکریم ہے ۔ (تفصیل اس کی میری کتاب ''نظام ربوبیت'' میں ملیگی) ۔

قرآن کریم میں ہے سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ (۴۵/۱۳) ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کی ہر چیز کو ایک لگے بندھے قانون کے مطابق چلنے کے لئے پیدا کر رکھا ہے اور وہ اسی کے مطابق چل رہی ہے ۔ یہ اس لئے ہے تاکہ انسان اس قانون کا علم حاصل کر کے (جسے قانون فطرت کہتے ہیں) ان اشیائے کائنات سے اپنے فائدے کے کام لے سکے ۔ لہذا جو قوم ، قوانین فطرت کا زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرکے اشیائے فطرت کو اپنے کام میں لائیگی وہی ان کی

*تاج ۔ **محیط ۔

تخلیق و تسخیر کے منشا کو پورا کریگی ۔ آپ غور کیجئے کہ قرآن کریم نے اس اعلان سے انسانی دنیا میں کس قدر انقلاب عظیم برپا کر دیا ۔ انسان ، کائنات کی قوتوں سے ڈرتا تھا ۔ انہیں اپنا معبود بناتا تھا ۔ ان کے حضور گڑگڑاتا تھا ۔ اپنے آپ کو ان سب کے سامنے کمزور و ناتواں سمجھتا تھا۔ قرآن کریم نے بتایا کہ یہ تصور یکسر باطل ہے ۔ خدا نے کائنات کی تمام قوتوں کو انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھا ہے ۔ یہ قوتیں اس کی معبود نہیں ، اسکی خادم ہیں ۔ ''ملائکہ'' آدم کے سامنے سجدہ ریز ہیں ۔ اس سے انسان کا مقام کائنات کی ہر چیز سے بلند ہو گیا اور اس کے سامنے اشیائے فطرت کی تسخیر کے دروازے کھل گئے ۔ دنیا میں جو قوم بھی قوانین فطرت کا علم حاصل کریگی یہ قوتیں اس کے تابع فرمان ہو جائینگی ۔ اس میں مومن اور کافر کا بھی کچھ فرق نہیں ۔ البتہ مومن ان قوتوں کو قوانینِ خداوندی کے مطابق انسانیت کی نشوو نما کے لئے صرف کریگا اور کافر انہیں اپنی مفاد پرستیوں کے کام میں لائیگا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ

(۱) مقام آدم (آدمی کا مقام) یہ ہے کہ وہ کائناتی قوتوں کو مسخر کرکے اپنی مرضی کے مطابق ان کا استعمال کرے ۔

(۲) مقام مومن یہ ہے کہ وہ ان قوتوں کو مسخر کرکے منشائے خداوندی کے مطابق ان کا استعمال کرے ۔

(۳) جو ان قوتوں کو مسخر ہی نہ کرے ، اسے مقام مومن تو ایک طرف مقام آدم بھی نصیب نہیں ۔

آج کا مسلمان خود سمجھ لے کہ قرآن کریم کی رو سے اس کا مقام کیا ہے؟

سَخِرَ (مذاق اور استہزاء کے معنوں میں) قرآن کریم کے متعدد مقامات پر آیا ہے (مثلاً ۲۱/۴۱ و ۳۸/۱۲ و ۴۹/۱۱) ۔ سورۃ مومنون میں لفظ سِخْرِیًّا (۲۳/۱۱۰) انہی معانی میں آیا ہے ۔

س خ ط

اَلسُّخْطُ ۔ اَلسَّخَطُ ۔ ناپسندیدگی ، کراہت ، ناراضمندی ، غضب ، غصہ ۔ سَخِطَ عَلَیْہِ ۔ وہ اس پر ناراض ہوا۔ سَخِطَ ۔ اس نے ناپسند کیا ، کراہت کی ۔ اَسْخَطَہٗ ۔ اس نے اسے ناراض کر دیا ۔ غصہ دلادیا ۔ اَلْمَسْخُوْطُ ۔ مکروہ ۔ ناپسندیدہ*۔ راغب نے کہا ہے کہ سَخَطٌ اس شدید غصے کو کہتے ہیں جو سزا کا مقتضی ہو** ۔

*تاج ۔ **راغب ۔

لیکن جب یہ لفظ خدا کی طرف منسوب ہوگا تو اس کے معنے غصے یا ناراضگی کے نہیں ہونگے۔ اللہ تعالیٰ ان انسانی جذبات سے بہت بلند ہے۔ اس کے معنے سورۃ محمد کی اس آیت سے واضح ہو جاتے ہیں جہاں کہا گیا ہے ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰہَ وَکَرِھُوْا رِضْوَانَہٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ (۴۷/۲۸)۔ ان کی ہلاکت اور تباہی اس لئے ہے کہ یہ لوگ ان باتوں کی پیروی کرتے ہیں جو احکام خداوندی کے مطابق نہیں ہیں۔ جو باتیں ان احکام کے مطابق ہیں یہ انہیں ناپسند کرتے ہیں (کَرِھُوْا رِضْوَانَہٗ) یعنے کَرِھُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ (۴۷/۲۶)۔ وحی خداوندی کو نا پسند کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اعمال بلا نتیجہ رہ جاتے ہیں۔ یعنی وہ خوشگوار نتائج مرتب نہیں کرتے جن کی یہ توقع لگائے رہتے ہیں۔ لہذا مَآ اَسْخَطَ اللّٰہَ کے معنے ہوئے وہ امور جو قوانین خداوندی کے مطابق نہیں اور جن کا نتیجہ حبطِ اعمال ہے۔ اس میں غصے اور ناراضگی کا کوئی سوال نہیں۔ (۳/۱۶۱) میں بھی سَخَطٌ بمقابلہ رِضْوَانٌ آیا ہے۔ سورۃ مائدہ میں اَنْ سَخِطَ اللّٰہُ کی تفسیر مَا قَدَّمَتْ لَھُمْ اَنْفُسُھُمْ (۵/۸۰) نے کر دی۔ یعنے مکافات عمل۔ (مزید تفصیل کے لئے عنوان ر۔ ض۔ ی اور غ۔ ض۔ ب دیکھئے)۔

س د د

اَلسَّدُّ۔ روک۔ ہر حائل ہونے والی چیز۔ پہاڑ۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلسَّدُّ (س پر زبر سے) وہ روک ہے جو انسانوں کی بنائی ہوئی ہو اور اَلسُّدُّ (س پر پیش سے) وہ پہاڑ یا روک ہے جو قدرتی طور پر بنی ہوئی ہو*۔ لیکن بعض اس فرق کو نہیں مانتے۔ خود قرآن کریم میں پہاڑ کے لئے بھی اَلسَّدُّ آیا ہے (۱۸/۹۳) اور انسانوں کی بنائی ہوئی روک کے لئے بھی (۱۸/۹۴)۔ سورۃ یٰسٓ میں یہ لفظ ایسے اسباب اور عناصر کے لئے آیا ہے جو انسان کی عقل و بصیرت کے راستے میں حائل ہو جائیں۔ (۳۶/۹)۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کے شگاف کو بھر دینا اور اسے ہموار کر دینا۔ سَدَّدَ الرُّمْحَ۔ نیزے کو سیدھا کر دیا۔ درست کر دیا۔ سَدَّدَ الثَّلْمَ۔ شگاف بھر دیا*۔ رَجُلٌ سَدِیْدٌ۔ سیدھی راہ پر چلنے والا آدمی۔ اَمْرٌ سَدِیْدٌ۔ ایسی بات جو ہر اس خلا کو بھر دے جو حقیقت کے بارے میں رہ گیا ہو۔ متوازن اور درمیانہ بات جس میں

*تاج۔

نہ افراط ہو نہ تفریط* ۔ قرآن کریم میں قَوْلاً سَدِیْداً آیا ہے (۴/۹ و ۳۳/۷۰) نہایت متوازن ، سیدھی ، صاف بات ۔ جس بات سے کوئی خلا باقی نہ رہے ۔ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ کبھی مبہم ، پُر پیچ و خم ، ذو معنے ، ٹیڑھی میڑھی بات نہ کرو ۔ ہمیشہ سیدھی ، صاف ، واضح ، محکم ، متوازن اور ٹھیک ٹھیک معنے بتا دینے والی بات کرو ۔ ایسی بات جس کا تعلق براہ راست صحیح مقصد سے ہو ۔ لایعنی اور بے فائدہ نہ ہو ۔ سَهْمٌ سَدِیْدٌ اس تیر کو کہتے ہیں جو ٹھیک نشانے پر جا کر لگے* ۔ ڈپلومیسی کی باتیں قرآن کریم کی سیدھی اور واضح تعلیم کے خلاف ہیں ۔

(سَدٌّ اور رَدْمٌ کے فرق کے لئے دیکھئے عنوان ردم)

س د ر

اَلسِّدْرُ ۔ بیری کے درختوں کو کہتے ہیں ۔ (واحد سِدْرَةٌ) ۔ جب بیری کا درخت بہت گھنا ہو جائے تو اس کا سایہ بہت عمدہ ہوتا ہے اور عرب، صحرا کی سخت گرمی کے ستائے ہوئے اس کے سایہ میں آرام کرتے ہیں ۔ اس اعتبار سے جنت کے آرام اور نعماء کے لئے اسے بطور مثال بیان کیا گیا ہے* ۔ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (۵۶/۲۸) ۔ ایسے درخت جو پھل سے لدے ہوئے ہوں اور جن کے سایے نہایت گھنے ہوں ۔ یا ایسے درخت جن کا سایہ تو ہو لیکن کانٹے نہ ہوں ۔ بلا خلش آرام و راحت ۔ سایہ کے اعتبار سے دوسری جگہ ہے ۔ وَ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا (۴/۵۷) ۔ اس میں آرام اور خوشحالی ، دونوں پہلو مضمر ہیں ۔ بیری کا درخت ریگستانی اور سخت گرمی کے خشک علاقہ میں بھی سرسبز رہتا ہے لیکن بقول راغب، اس کا پھل زیادہ مفید غذائیت نہیں رکھتا ۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب سبا کا علاقہ سیلاب کے بعد بنجر ہو گیا تو وہاں سرسبز و شاداب باغات کی جگہ کچھ بیر کے درخت اُگ آئے ۔ وَ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ (۳۴/۱۶) ۔ سَدِیْرٌ النَّخْلِ کھجوروں کے جھنڈ کو کہتے ہیں** ۔

سَدِرَ ۔ وہ متحیر ہوا ۔ سخت گرمی کی وجہ سے اسے دکھائی نہ دیا ۔ اَلسَّادِرُ ۔ اُس شخص کو کہتے ہیں جو شدت گرمی کی وجہ سے متحیر ہو جائے ۔ سَدِرَ بَصَرُهٗ سَدَرًا ۔ شدت گرمی کی وجہ سے اس کی نگاہیں حیران و ششدر رہ گئیں** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حیرت اور اضطراب رائے کے ہیں ۔ اَلسَّادِرُ ۔ متحیر کو کہتے ہیں ۔

---

*راغب ۔ **تاج ۔

سورۃ النجم میں مقام نبوت کی کیفیات کو مثالی انداز میں بیان کیا گیا ہے ۔ (واضح رہے کہ وحی کی کیفیت صرف مثالاً اور تشبیہاً ہی بیان کی جاسکتی ہے ، کیونکہ کوئی غیر نبی ، وحی کی کیفیت اور ماہیت کو جان اور پہچان نہیں سکتا ۔ وہ صرف اس کے پیغام کو سمجھ سکتا ہے) ۔ اس سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ نبی کو جس مقام سے وحی ملتی ہے وہاں انسانی عقل و فکر کے لئے سوائے انتہائی حیرت کے اور کچھ نہیں ہوتا ۔ عقل انسانی اُس مقام کی ماہیت کو قطعاً نہیں سمجھ سکتی ۔ اسے وہاں حیرت ہی حیرت ہوتی ہے ۔ اس کے لئے قرآن کریم نے عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى (۵۳/۱۴) کے الفاظ استعمال کئے ہیں ۔ یعنے وہ مقام جہاں تحیر اپنی انتہا تک پہنچ جائے ۔ اس کی تشریح ان الفاظ سے کردی کہ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى (۵۳/۱۶) ۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا ۔ یعنی یہ تمہارے (غیر از نبی انسانوں کے) لئے ممکن نہیں کہ تم جان سکو کہ وہ کیا کیفیت تھی ۔ تمہاری نگاہ کے لئے وہ تحیر کی فراوانی تھی جس نے ساری فضا کو ڈھانپ رکھا تھا ۔ لیکن اس کے باوجود مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (۵۳/۱۷) ۔ نبی کی آنکھ کسی قسم کا دھوکا نہیں کھاتی ۔ وہ حقائق کو بالکل واضح اور غیر مبہم طور پر دیکھتی ہے ۔ لیکن صرف انہی حقائق کو جو اسے دکھائے جاتے ہیں ۔ وہ ان کی حد سے آگے نہیں بڑھتی ۔ بڑھ سکتی ہی نہیں ۔ کیونکہ اسے یہ چیزیں اس کے ذاتی کسب و ہنر سے نہیں ملتیں کہ وہ جس قدر زیادہ محنت کرتا جائے آگے بڑھتا جائے ۔ اس پر حقائق منکشف کئے جاتے ہیں ، جس قدر منکشف کئے جانے مقصود ہوں ۔ انسانوں کے مقابلہ میں تو علم نبوت (وحی) لاانتہا ہوتا ہے لیکن علم خداوندی کے مقابلہ میں اس کی ایک حد ہوتی ہے جس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا ۔ راغب نے اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى (۵۳/۱۶) کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس میں اس مکان کی طرف اشارہ ہے جہاں رسول اللہ کو افاضۂ الٰہیہ سے نوازا گیا تھا ۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وہی درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ نے بیعت لی تھی (۴۸/۱۸) ۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس میں مکان کے مقابلہ میں کیفیت کا مفہوم زیادہ موزوں ہے ۔ ویسے اَلسِّدْرُ پانی کے منبع ، نہر اور دریا کو بھی کہتے ہیں* ۔ السِّدْرُ ۔ سمندر کو کہتے ہیں* ۔ اس اعتبار سے بھی اس کا مفہوم علم الٰہی کا سرچشمہ (وحی) زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ لہذا سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى وحی کا سرچشمہ ہے جہاں عقل انسانی کے لئے تحیر ہی تحیر ہوتا ہے لیکن چشم نبوت اسے صاف طور پر دیکھتی ہے ۔

*تاج ۔

س د س

آلسُّدْسُ ۔ السُّدُسُ ۔ چھٹا حصہ (۴/۱۱) ۔ آلسِّتُّ ۔ اصل میں سِدْسٌ تھا ۔ آخری سین کو تاء سے بدل کر سِدْتٌ کر لیا ۔ پھر درمیانی دال کو تاء سے بدل کر ادغام کرکے سِتٌّ بنا لیا ۔ یعنی چھ ۔ سِتُّوْنَ ۔ سِتِّیْنَ ۔ ساٹھ * ۔ (۵۸/۳) سَادِسٌ چھٹا (۱۸/۲۲) ۔ (نیز دیکھئے عنوان س ۔ ت ۔ ت)

س د ی

آلسُّدَیٰ ۔ کپڑے کے تانے کو کہتے ہیں ۔ قَدْ آسْدَیَ الثَّوْبَ وَسَدَّاہُ ۔ اس نے کپڑے کا تانا سیدھا کر دیا ۔ آلسُّدَیٰ ۔ وہ اونٹ جنہیں بغیر چرواھے کے چھوڑ دیا جائے کہ وہ جدھر جی چاھے خود ھی منہ اٹھائے چرتے پھریں * ۔ ذَھَبَ کَلَاُ مُسَدًّی ۔ اسکی بات بیکار چلی گئی ** ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ سدی کے معنی کسی چیز کو بے قید چھوڑ دینا اور جدھر اس کا منہ اٹھے ادھر چلے جانا ھیں ۔ خلیل نے کہا ھے کہ سَدْوٌ ۔ بچوں کے گولیوں اور اخروٹوں سے کھیلنے پر بولا جاتا ھے جس میں وہ ان چیزوں کو اپنے ھاتھوں سے پھینکتے اور چھوڑ دیتے ھیں ۔

قرآن کریم میں ھے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی (۷۵/۳۶) ۔ اس مادے کے بنیادی معنوں پر غور کیجئے ۔ کپڑا بُننے کے لئے تانے اور بانے دونوں کی ضرورت ھوتی ھے ۔ تنہا تانا سو گز لمبا بھی کیوں نہ ھو وہ بیکار ھوتا ھے ۔ جب تک اس میں بانا نہ بُنا جائے وہ کپڑا نہیں بن سکتا ۔ تاریخ عالم پر نگاہ ڈالئے ۔ انسان نے جو نظام بھی بنایا وہ یا تنہا تانا تھا یا تنہا بانا ۔ وہ کبھی ”روحانیت“ حاصل کرنے کیلئے خانقاھوں، تجرد گاھوں، اور سماد ھیوں کی طرف چلا گیا ۔ اور کبھی خالص دنیا دار بن کر حکومت وسلطنت کی طرف آ گیا ۔ اس نے روح اور مادہ ۔ آتما اور پراکرتی ۔ دین اور دنیا ۔ مذھب اور سیاست کو ھمیشہ الگ الگ رکھا ۔ نتیجہ اس کا یہ کہ اسکی کوششیں کبھی کامیاب نہ ھو سکیں ۔ یا وہ تانا رھیں اور یا بانا ۔ وہ ثَوْبٌ (کپڑا) کبھی نہ بن سکیں ۔ قرآن کریم نے آکر کہا کہ یہ غلط ھے کہ انسان کی زندگی تانا ھی تانا ھے ۔ اس میں بانے کی بھی ضرورت ھے ۔ تانے اور بانے کے امتزاج سے ثَوْبٌ بنیگا ۔ (ثَوَابٌ اور ثَوْبٌ کا مادہ ایک ھی ھے ۔ دیکھئے ث ۔ و ۔ ب) لیکن اس کیلئے ضروری ھے کہ وہ سمجھے کہ اس کے سامنے زندگی کا کوئی عظیم مقصد ھے ۔ وہ یونہی شتر بے مہار نہیں

* تاج ۔ ** محیط

کہ اس پر کسی کی گرفت ہی نہ ہو۔ اس پر خدا کے قانون مکافات کی کڑی گرفت ہے۔ وہ اسکے احاطے سے باہر نہیں جا سکتا۔

لہذا صحیح زندگی دین اور دنیا کے تانے اور بانے سے خدا کے مقرر کردہ ڈیزائن کے مطابق کپڑا بُننے میں ہے۔ یہی ثواب کا کام ہے۔ تنہا عقل انسانی کبھی کامیابی تک نہیں پہنچا سکتی۔ یہ صرف تانا ہی تانا رہتی ہے۔ جب اس سے وحیِ الٰہی کی روشنی میں کام لیا جائے تو پھر اس سے صحیح تعمیری نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

اب دوسرے معنوں پر غور کیجئے۔ یعنی اونٹوں کو بغیر چرواہے کے چھوڑ دینا۔ خدا نے انسان کو اسطرح شتر بے مہار نہیں چھوڑ دیا۔ اسکی راہ نمائی کے لئے اپنی طرف سے وحی کا ضابطہ بھیجا ہے۔ لہذا، اسکی زندگی کی صحیح روش یہ ہے کہ اُس ضابطہ کے مطابق چلے۔ اگر یہ اس کے مطابق نہیں چلے گا تو اسکی کوششیں بیکار چلی جائینگی۔ کائنات میں، انسان کے علاوہ دیگر تمام مخلوق کی یہ حالت ہے کہ ان کے لئے جو قوانین خدا نے بنائے ہیں، وہ ان پر چلنے کے لئے مجبور ہیں۔ اسی کو ان اشیاء کی فطرت (یا جبلت) کہتے ہیں۔ خدا نے انسان کے لئے بھی قوانین بنائے ہیں لیکن اسے اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرے اور چاہے ان کے خلاف چلا جائے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ان قوانین کے خلاف جا کر اپنے اعمال کا نتیجہ اپنی مرضی کے مطابق مرتب کرے۔ وہ ان قوانین کی پرواہ کرے یا نہ کرے، اس کے اعمال کے نتائج بہرحال ان قوانین کے مطابق مرتب ہونگے۔ وہ اس باب میں آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا۔ اس پر خدا کے قانون مکافات کی گرفت بڑی سخت ہے۔

س ر ب

اَلسَّرْبُ۔ چرنے والا اونٹ۔ مویشی اور چوپائے۔ اَلسَّرِبُ۔ بہتا پانی۔ اَلسَّرْبَۃُ۔ راستہ۔ جانے کی جگہ۔ اَلسَّارِبُ۔ زمین میں آزادی سے اپنی مرضی پر چلا جانے والا *۔ سورۃ رعد میں ہے سَارِبٌ بِاللَّیْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّہَارِ (۱۳/۱۰) دن میں چلنے والا *۔ سورۃ کہف میں ہے فَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا (۱۸/۶۲)۔ اس (مچھلی) نے دریا میں اپنا راستہ بنا لیا۔ اس نے دریا کی راہ لی۔ اس لفظ میں کھلم کھلا آزادی سے چلنے کا تصور ہوتا ہے۔ چنانچہ ازہری نے کہا ہے سَرَبَتِ الْاِبِلُ کے معنے ہیں اونٹوں کا کھلم کھلا جدھر

* تاج و راغب۔

چاہے آزادی سے چلے جانا *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ میں وسعت وکشادگی اور زمین پر چلنے کا مفہوم ہے۔ السَّرَبُ اور السَّرِبُ اس پانی کو کہتے ہیں جو مشکوں وغیرہ سے بہ نکلے۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں ٹپکنے والا پانی۔

سَرَابٌ۔ وہ چمکتی ہوئی ریت جو صحرا میں بہتے پانی کی طرح دکھائی دیتی ہے اور جوں جوں پیاسا اسکی طرف بڑھتا ہے وہ آگے آگے سرکتی چلی جاتی ہے۔ پیاسا چلتے چلتے تھک جاتا ہے لیکن اسے پانی کا گھونٹ تک نہیں ملتا*۔ قرآن کریم نے غلط روشِ زندگی پر چلنے والوں کے اعمال کو سَرَابٌ سے تشبیہ دی ہے۔ (۲۴/۳۹) ۔ وہ دور سے، بہتے ہوئے پانی کی طرح دکھائی دیتے ہیں (بڑے دلفریب اور خوشنما نظر آتے ہیں)۔ لیکن جب پیاسا ان کے پاس آتا ہے تو وہ اسکی تسکین کا سامان بننے کی بجائے الٹا ہلاکت کا موجب بن جاتے ہیں۔ راغب نے کہا ہے کہ السَّرَبُ نشیب کی طرف جانے کے لئے بولا جاتا ہے۔ نیز نشیبی جگہ کے لئے بھی ** ۔ اس میں بھی آزادی سے چلنے کا پہلو موجود ہے، کیونکہ نشیب کی طرف پانی بلا رکاوٹ بہے جاتا ہے۔

س ر ب ل

سَرَابِیْلُ (جمع ۔ اس کا واحد سِرْبَالٌ ہے)۔ کرتہ ۔ یا زرہ یا ہر وہ لباس جو (بدن کے بالائی حصہ میں) پہنا جائے۔ مثلاً قمیص***۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ لفظ دونوں معنی میں آیا ہے۔ وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ (۱۶/۸۱) ”اس نے تمہارے لئے پوشاک بنائی جو تمہیں گرمی سے محفوظ رکھتی ہے اور زرہیں بنائیں جو جنگ میں تمہاری حفاظت کرتی ہیں“۔ سورۃ ابراہیم میں سرکش مخالفین اسلام کے متعلق آیا ہے کہ جب ان کی قوتیں ٹوٹ جائینگی تو سَرَابِيْلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ (۱۴/۵۰) ۔ ان کی زرہیں تارکول کی بن جائینگی۔ یعنی وہ زرہیں جو انہیں دشمن کے حملے سے محفوظ رکھنے کے لئے تھیں تارکول کی طرح ان کے جسم سے چمٹ کر وبال جان بن جائینگی۔

س ر ج

اَلسِّرَاجُ۔ چراغ کو کہتے ہیں اور ہر اس چیز کو جو روشنی دے*۔ (بعض کے نزدیک یہ درحقیقت فارسی لفظ چراغ کا معرب ہے)۔ اَلسِّرَاجُ۔

*تاج و راغب ۔ **راغب ۔ ***تاج و محیط۔

آفتاب کو بھی کہتے ہیں * ۔ قرآن کریم میں ہے جَعَلَ فِیْهَا سِرَاجاً (۲۵/۶۱) ۔ بمعنے سورج ۔ اور سورۃ نوح میں ہے وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجاً (۷۱/۱۶) ۔ سورج کو چراغ بنایا ۔ خود نبی اکرمؐ کو بھی سِرَاجاً مُّنِیْرًا (۳۳/۴۶) کہا گیا ہے ۔ اَلسَّرْجُ ۔ زین ۔ اَلسَّرَّاجُ ۔ زین ساز ۔ نیز بہت جھوٹ بولنے والا * ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حسن ، زینت اور جمال کے ہوتے ہیں ۔ چراغ کو اَلسِّرَاجُ اسکی روشنی اور خوبصورتی کی وجہ سے کہتے ہیں ۔ زین کو بھی اَلسَّرْجُ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے جانور کی زینت ہوتی ہے ۔ سَرَّجَ وَجْهَهٗ ۔ اس نے اپنے چہرے کو حسین بنایا ۔

س ر ح

اَلسَّرْحُ ۔ اَلتَّسْرِیْحُ ۔ جانوروں کو صبح کے وقت چراگاہ میں چرنے کیلئے کھلا چھوڑ دینا ** ۔ (حِیْنَ تَسْرَحُوْنَ (۱۶/۶) ۔ سَرَاحٌ اور تَسْرِیْحٌ کے معنے ہیں قیدِ نکاح سے آزاد کر دینا ۔ طلاق دےکر رخصت کر دینا ** ۔ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا (۳۳/۲۸) ۔ ”اور تمہیں حسن کا رانہ انداز سے رخصت کردوں“ ۔ سورۃ بقرہ میں یہ لفظ اِمْسَاکٌ (روک رکھنے) کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ (۲/۲۲۹.۲۳۱) ۔ یعنے قاعدے کے مطابق (نکاح کے ذریعے) روک رکھنا یا قیدِ نکاح سے آزاد کر دینا ۔ طلاق دیکر رخصت کر دینا ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کھل جانے اور چل پڑنے کے ہوتے ہیں ۔

س ر د

اَلسَّرْدُ ۔ چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل جوڑتے چلے جانا (ابن فارس) ۔ جیسے زرہ کے حلقوں کو ایک دوسرے میں داخل کرتے ہیں ۔ چنانچہ زرہ بنانے اور جوتے یا دوسرے چمڑے کے سینے کیلئے بھی یہ لفظ آتا ہے ۔ اَلسَّرْدُ ۔ سوراخ ۔ اَلْمِسْرَدُ ۔ سوراخ کرنے کا اوزار ۔ اَلسَّرِیْدَةُ ۔ چمڑے کا تسمہ جس سے جوتے وغیرہ کو سیا جائے ** ۔

قرآن کریم میں زرہ بنانے کیلئے وَقَدِّرْ فِی السَّرْدِ (۳۴/۱۱) آیا ہے ۔ یعنے اسکا اندازہ رکھو کہ سوراخ بالکل ٹھیک ہوں اور ان میں زرہ کی کڑیاں درست آتی جائیں ۔

---

* تاج و راغب ۔ ** تاج ۔

س ر د ق

اَلسُّرَادِقُ ۔ وہ شامیانہ یا سائبان جو گھر کے صحن کے اوپر کھینچ دیا جائے ۔ یا ہر وہ دیوار ، قنات یا اور ایسی ہی چیز جو کسی چیز کے گردا گرد کھینچدی جائے اور وہ اسے اپنے احاطہ میں لے لے ۔ اسی بنا پر ، اس دھوئیں کو بھی کہتے ہیں جو بلند ہو کر کسی جگہ چھا جائے اور اسطرح اسے گھیر لے * ۔ ابن فارس نے اَلسُّرَادِقُ کے معنے غبار بتائے ہیں ۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ فارسی لفظ ہے جو معرب بنا لیا گیا ہے ** ۔

قرآن کریم میں ہے نَاراً اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا (۱۸/۲۹) ۔ جہنم کی آگ جسکے سائبان انہیں چاروں طرف سے گھیر لینگے ۔ جہنم ان پر چاروں طرف سے محیط ہو جائیگی ۔

س ر ر

اَلسِّرُّ ۔ جو بات دل میں چھپائی جائے* ۔ اس مادہ کے بنیادی معنی چھپانے کے ہیں لیکن کبھی اس کے معنے اس کی ضد (یعنی ظاہر کرنے) کے بھی ہوتے ہیں*** ۔ السُّرُوْرُ وَ الْحُبُوْرُ وَ الْفَرَحُ ۔ ملتے جلتے الفاظ ہیں لیکن اَلسُّرُوْرُ اس خوشی کو کہتے ہیں جو دل ہی دل میں پوشیدہ رہے اور الْحُبُوْرُ اُس خوشی کے لئے آتا ہے جس کے اثرات چہرے پر نمایاں ہو جائیں ۔ یہ دونوں قابل تعریف صفات ہیں ، مگر فَرَحٌ اس خوشی کو کہتے ہیں جس سے انسان میں اکڑفوں پیدا ہو جائے ۔ اس لئے یہ مذموم ہوتی ہے**** ۔ سَرَّهُ ۔ اسے خوش کیا (۲/۶۹) مَسْرُوْرٌ ۔ خوش (۸۳/۱۳-۹) ۔

اَلسِّرُّ ۔ ہر چیز کی اصل و بنیاد ۔ نیز اس کا خالص حصہ ، اندرونی مغز ۔ اس لئے عمدہ زمین کے لئے بھی یہ لفظ آتا ہے ۔ سَرَارَةُ الوَادِیْ ۔ وادی کا بہترین حصہ ۔ اَلْمَسَرَّةُ ۔ پھولوں کا تختہ ۔ اَلسَّرَّاءُ ۔ آسودگی و خوش حالی ۔ عیش و عشرت کی فراوانی* ۔ بمقابلہ اَلضَّرَّاءُ (۶/۹۵) ۔ اَلسُّرِّيَّةُ ۔ وہ لونڈی جس سے جنسی تعلقات قائم کئے جائیں ۔ اَلسَّرِيْرُ ۔ حکومت و سلطنت ۔ تخت ۔ پلنگ* ۔ کیونکہ یہ آسودہ حال لوگوں ہی کے پاس ہوتا ہے ۔

سورۃ انعام میں سِرٌّ بمقابلہ جَهْرٌ آیا ہے (۶/۳) ۔ لہذا وہاں سِرٌّ کے معنے محض راز ہیں ۔ سورۃ بقرۃ میں مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (۲/۷۷) آیا ہے ۔ وہاں بھی اس کے معنے پوشیدہ طور پر باتیں کرنے کے ہیں ۔

---

* تاج ۔ ** راغب ۔ ***لطائف اللغۃ نیز ابن فارس ۔ ****محیط ۔

سورۃ ابراھیم میں ہے وَ یُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً (۱۴/۳۱) ۔ خدا نے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے ، خواہ وہ ان کی غیر مرئی صلاحیتیں ہوں اور خواہ وہ سامان زندگی جو سامنے نظر آ جاتا ہے ، وہ ان سب کو نوع انسان کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھتے ہیں ۔ (یا اس کا مطلب ہوگا) اعلان کرتے ہوئے اور خاموشی سے ۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفَی (۲۰/۷) ۔ وہ راز کو بھی جانتا ہے اور اس سے بھی زیادہ چھپی ہوئی چیز کو بھی ۔

سورۃ یونس میں ہے وَ اَسَرُّوْا النَّدَامَۃَ (۱۰/۵۴) ۔ وہ (عذاب کو دیکھ کر) ندامت کو چھپائینگے ۔ بعض اھل لغت نے کہا ہے کہ یہ اضداد میں سے ہے اور اس کے معنی ظاھر کرنے کے بھی آتے ہیں ۔ لیکن ہمارے نزدیک اس مقام پر چھپانے کے معنی زیادہ موزوں ہیں ۔

سُرُرٌ کا لفظ تختوں کے لئے آیا ہے جن پر بیٹھتے ہیں (۵۶/۱۵) ۔ اس کا واحد سَرِیْرٌ ہوتا ہے ۔ اور سَرَائِرُ کے معنے ہوتے ہیں رازکی باتیں ۔ (۸۶/۹) اس کا واحد سَرِیْرَۃٌ ہوتا ہے ۔ اِسْرَارٌ ۔ رازکی بات کرنا ۔ دوسروں سے چھپا کر خفیہ بات کرنا (۷۱/۹) ۔

س ر ع

اَلسَّرَعُ ۔ اَلسُّرْعَۃُ ۔ اَلسُّرْعَۃُ ۔ تیز ہونا ۔ جلد واقع ہونا ۔ تیزی ، جلدی ۔ سَرُعَ ۔ وہ تیز ہوا ۔ اس نے جلدی کی ۔ اَلسَّرَعَانُ مِنَ الْخَیْلِ ۔ آگے نکل جانے والے گھوڑے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جلدی کرنے کے ہوتے ہیں ۔

قرآن کریم میں اکثر مقامات پر آتا ہے اللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (۲/۲۰۲) ''اللہ جلد حساب لینے والا ہے'' ۔ خدا کے قانون مکافات کی رو سے انسان کا ہر عمل اسی وقت اپنا اثر پیدا کرنا شروع کردیتا ہے لیکن اس کے اس اثر اور نتیجہ کا ظہور ایک خاص وقت پر جا کر ہوتا ہے ۔ جیسے بیج میں نشو و نما تو اسی وقت شروع ہو جاتی ہے لیکن وہ درخت ایک وقت کے بعد جا کر بنتا ہے اور اس میں پھل بھی ایک وقت کے بعد جا کر لگتا ہے ۔ عمل کا فوراً اثر مرتب کرنے لگنا ، قانون مکافات کے سَرِیْعُ الْحِسَابِ ہونے کا نتیجہ ہے ۔ اس سے انسان کی ذات اُسی وقت متاثر ہونا شروع ہو جاتی ہے ۔ اس میں قطعاً دیر نہیں لگتی ۔

*تاج ۔

سورۃ قٓ میں سیرًا عنًا (۵۰/۴۴) آیا ہے ۔ جس کے معنی تیزی سے (واقع ہو جانے کے) ہیں ۔ سَارِعٌ ۔ مُسَارَعَۃٌ و سِرَاعًا ۔ جلدی کرنا ۔ ایک دوسرے سے سبقت کرنا ۔ وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ (۳/۱۳۲) ۔ ''حفاظت کی طرف (جانے میں) جلدی کرو،، ۔

س ر ف

اَلسَّرَفُ ۔ جو حد مقرر کی گئی ہو اس سے آگے بڑھ جانا ۔ زیادتی کرنا* ۔ نادانی کرنا (ابن فارس) ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے ۔ فَلَا یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ (۱۷/۳۳) ۔ وہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے ۔ یعنے قانون نے جو حدود مقرر کی ہیں ان کے اندر رہے ۔ یا وہ نادانی سے از خود ہی قاتل کو قتل نہ کر دے ۔ بلکہ معاملہ عدالت کے سپرد کرے ۔ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا سے یہ واضح ہو جاتا ہے ۔ سورۃ الفرقان میں انفاق کے ضمن میں یہ لفظ قَتَرَ کے مقابلہ میں آیا ہے (۲۵/۶۷) ۔ قَتْرٌ* ۔ بخل اور خرچ میں تنگی کو کہتے ہیں ۔ لہذا اسراف ، تفریط کے مقابلہ میں افراط ہوگی ۔ یعنے جس مقام پر جسقدر ضرورت ہو وہاں اس سے زیادہ خرچ کر دینا ۔ اس لئے کہتے ہیں سَرَفَتِ الْاُمُّ وَلَدَھَا ۔ ماں نے اپنے بچے کو بہت زیادہ دودھ پلا پلا کر اس کی صحت خراب کر دی* ۔ اس سے اس کے معنے ہوتے ہیں کسی چیز کا اس طرح ضائع ہو جانا کہ جو فائدہ اس سے حاصل ہونا تھا وہ حاصل نہ ہو ۔ چنانچہ سَرَفُ الْمَتَاعِ ۔ اُس پانی کو کہتے ہیں جو زمین پر اس طرح بہ جائے کہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہو اور وہ بیکار چلا جائے* ۔ اسی لئے کسی چیز کو اس مقام میں نہ رکھنا جس کے لئے وہ بنی ہے اِسْرَافٌ کہلاتا ہے ۔ اور ایسا کرنے والے کو مُسْرِفٌ کہا جاتا ہے ۔ قوم لوط کو اسی لئے قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (۷/۸۱) کہا گیا ہے ، کیونکہ وہ افزائشِ نسل کے سادہ کو اسجگہ (لواطت میں) صرف کرتے تھے جس کے لئے وہ بنا نہیں اور اس طرح سے اس کا مقصد حاصل نہیں ہوتا تھا ۔ وہ پانی کھیتوں (حَرْثٌ*) کو سیراب کرنے کے بجائے دوسری جگہ ضائع ہو جاتا تھا ۔ زمین میں فساد برپا کرنے والوں کو بھی مُسْرِفِیْنَ کہا ہے (۲۶/۱۵۱) ۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ اسراف ، صرف بیجا (فضول خرچی) ہی کو نہیں کہتے ۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ انسانی توانائی ، وقت ، دولت یا کسی اور صلاحیت کا ایسے مقصد کے لئے نہ خرچ کرنا جس سے تعمیری نتیجہ مرتب ہو ، بلکہ اسے تخریبی مقصد کے لئے یا بے فائدہ ضائع کر دینا ۔

(اِسْرَافٌ اور تَبْذِیْرٌ کے فرق کے لئے ب ۔ ذ ۔ ر کا عنوان بھی دیکھئے) ۔

*تاج ۔

س ر ق

سَرِقَۃٌ ۔ کسی دوسرے آدمی کی محفوظ چیز کو خفیہ طریقہ سے لے لینا ۔ اگر اسے کھلے بندوں لے لیا جائے تو یہ عمل اِخْتِلَاسٌ ۔ اِسْتِلَابٌ اِنْتِهَابٌ کہلائیگا ۔ اور اگر مالک اپنی چیز کی حفاظت کے لئے مدافعت کرے لیکن پھر بھی وہ چیز اس سے بزور لے لی جائے تو اسے غَصْبٌ کہینگے* ۔ سَرَقَ الشَّیْئَ ۔ چیز مخفی ہوگئی ۔ هُوَ یَسْتَارِقُ النَّظَرَ اِلَیْهِ ۔ وہ اس کی طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھ رہا ہے ۔ اِنْسَرَقَ عَنْهُمْ ۔ چپکے سے کھسک جانا* ۔

سورۃ یوسف میں ہے اِنَّ ابْنَکَ سَرَقَ (۱۲/۸۱) ۔ ''تیرے بیٹے نے چوری کی ہے'' ۔ اَلسَّارِقُ ۔ (۵/۳۸) چوری کرنے والا ۔ اِسْتَرَقَ السَّمْعَ ۔ چوری چھپے سننے کی کوشش کرنا* (۱۵/۱۸) ۔ اسی کو (۳۷/۱۰) میں خَطِفَ الْخَطْفَۃَ کہا گیا ہے ۔ یعنی اڑتی ہوئی بات کو اچک لینا ۔ (ذرا سی بات کہیں سن پانا اور اس پر قیاس آرائیوں کی عمارت تعمیر کر دینا) ۔

(سَارِقٌ کی سزا قَطْعِ یَد (۵/۳۸) کے لئے دیکھئے عنوان ق ۔ ط ۔ ع) ۔

س ر م د

اَلسَّرْمَدُ ۔ دائم ۔ وہ ہمیشہ رہنے والی چیز جس کا سلسلہ منقطع نہ ہو ۔ لَیْلٌ سَرْمَدٌ ۔ طویل رات ۔ رازی نے کہا ہے کہ سَرْمَدٌ کا اشتقاق سَرْدٌ سے ہوا ہے جسکے معنی ہے در پے اور لگاتار کے ہیں ۔ اس پر میم داخل کرکے مبالغہ کا فائدہ حاصل کر لیا گیا ہے ۔ اس اعتبار سے اسکے معنی مسلسل اور لگاتار رہنے والی مدت کے ہونگے** ۔ ابن فارس نے بھی یہی کہا ہے ۔ صاحب محیط کے نزدیک اَلسَّرْمَدِیُّ اس چیز کو کہتے ہیں جس کا نہ اول ہو نہ آخر*** ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْکُمُ اللَّیْلَ سَرْمَدًا (۲۸/۷۱) ۔ زجاج نے کہا ہے کہ اس کے معنے یہی ہیں کہ اگر اللہ تم پر رات کو بہت طویل کر دے** ۔ یا رات ہی رات رہے اور دن نہ آئے ۔

س ر ی (و)

اَلسَّرْیُ ۔ رات کے بیشتر حصے میں چلنا ۔ سَرَیٰ ۔ یَسْرِیْ ۔ سُرًی ۔ رات کو چلنا ۔ اَسْرٰی ۔ لِسْرَاءٌ ۔ رات کو چلنا ۔ اَلسَّرِیَّۃُ ۔

*تاج و محیط ۔ ** تاج و راغب ۔ *** محیط ۔

فوج کا دستہ، کیونکہ وہ رات کو چلتا ہے تاکہ دشمن کو خبر نہ ہونے پائے* - اَلسَّرِیُّ - چھوٹی نہر جو نخلستان کی طرف جاتی ہو** - سورۃ مریم میں ہے تَحْتَکِ سَرِیًّا (۱۹/۲۴) - تیرے نشیب کی طرف ایک پانی کی نہر ہے - سَرَاۃٌ - ہر چیز کا بلند حصہ - وسیع زمین -

راغب نیز صاحب محیط نے لکھا ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (۱۷/۱) میں اَسْرٰی کا لفظ سَرٰی یَسْرِیْ (رات کے وقت چلنا) سے نہیں بلکہ سَرَاۃٌ سے ہے - یعنے خدا اپنے بندے کو سَرَاۃٌ (کشادہ زمین کی طرف لے گیا) جیسے اَجْبَلَ کے معنے ہوتے ہیں وہ پہاڑ پر چلا گیا - اور اَتْہَمَ کے معنے، وہ تہامہ میں چلا گیا *** - مکہ کی سرزمین حضورؐ (اور آپ کی جماعت) پر تنگ ہو چکی تھی اس لئے آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی جہاں کی فضا آپ کے مشن کے لئے وسیع اور کشادہ تھی - لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ سَرٰی - یَسْرِیْ ہی سے ہے اور لَیْلاً تاکید مزید کے لئے ہے - تاریخ بتاتی ہے کہ حضورؐ نے ہجرت رات کے وقت فرمائی تھی - ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ مردانگی وسخاوت کے معنوں میں (س - ر - ی) اور (س - ر - و) دونوں سے آتا ہے - نیز اَلسَّرْوُ کے معنی ہیں کسی چیز کو کھولنا - سَرْآۃُ النَّہَارِ - دن کی بلندی کو کہتے ہیں -

س ط ح

اَلسَّطْحُ - گھر کی چھت جو ہموار ہو - ہر چیز کا اوپر کا حصہ - سَطَحَ - یَسْطَحُ - اسنے بچھا دیا - پھیلا دیا نیز ہموار کیا، لیٹا دیا - پچھاڑ دیا - اَلْمَسْطَحُ - ہموار جگہ جس پر کھجوریں خشک کی جاتی ہیں **** -

قرآن کریم میں ہے وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ (۸۸/۲۰) - زمین، کہ وہ کسطرح بچھائی گئی ہے - اس کی اوپر کی سطح کسطرح ہموار بنائی گئی ہے -

س ط ر

سَطَرَ - یَسْطُرُ - سَطْرًا (سیدھی لائنوں میں) لکھنا * ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی شے کے صف بند ہونے کے ہیں - جیسے کتاب کی سطور اور درختوں کی لائن - اسی سے اس کے معنی لکھنے کے آتے ہیں - نٓ - وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ (۶۸/۱) - نٓ (جسے عام طور پر

* تاج - ** محیط *** راغب و محیط **** تاج و راغب -

دوات سمجھا جاتا ہے) اور قلم اور جو کچھ لکھنے والے لکھتے ہیں (یعنے قرآن کریم اور وہ تمام سرمایہ علم جسے انسان لکھ کر محفوظ کر لیتا ہے) اس حقیقت پر شاھد ہیں ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا (۱۷/۵۸) ۔ یعنے لکھا ہوا ۔ یہی معنے مُسْتَطَرٌ کے ہیں (۵۴/۵۳) ۔ اَلْاَسَاطِیْرُ (اُسْطُوْرَۃٌ کی جمع ہے) قصے کہانیاں * ۔ (بعض نے کہا ہے کہ یہ لغت روم ہے یعنے، Story) ۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب ان لوگوں سے کہا جائے کہ تاریخی شواھد پر غور کرو اور سوچو کہ جس قسم کے کام تم کرتے ہو ، جن قوموں نے اس قسم کے کام کئے تھے ان کا انجام کیا ہوا ؟ تو یہ کہدیتے ہیں کہ اِنْ ھٰذَا اِلَّا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (۶/۲۵) ۔ یہ پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ۔ ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ۔ حالانکہ ان سے کہا یہ جارہا تھا کہ یہ خدا کا قانون ہے جو تم پر بھی اسی طرح صادق آئیگا جسطرح اقوام سابقہ پر صادق آیا تھا ۔ یہی حال مسلمانوں کا ہے ۔ قرآن کریم نے قانون مکافات عمل کے ضمن میں جو کچھ اپنے اولین مخاطبین کے متعلق کہا ہے، جب ان سے اُس کا ذکر کرو تو یہ کہدیتے ہیں کہ یہ بات یہودیوں کے متعلق ہے ۔ یہ عیسائیوں کے متعلق ہے ۔ یہ مشرکین مکہ کے متعلق ہے ۔ یہ منافقین مدینہ کے متعلق ۔ یعنی ان کے نزدیک سارے کا سارا قرآن انہی لوگوں سے متعلق تھا جو اُسوقت اسکے مخاطب تھے ۔ اب ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ ہم سے اگر اسکا کوئی حصہ متعلق ہے تو صرف وہ جس میں جنت کا وعدہ کیا گیا ہے ۔ (یعنے وہ جنت جو ان کے خیال میں محض مسلمان کہلانے سے مل جائیگی !) ۔

چونکہ قصے کہانیاں عام طور پر جھوٹی ہوتی ہیں اسلئے سَطَّرَ ۔ تَسْطِیْرًا کے معنے ہیں جھوٹی باتیں جمع کرنا * ۔ نیز چونکہ سَطْرٌ سیدھی لکیر کو کہتے ہیں اسلئے اَلسَّطْرُ کے معنے تلوار سے سیدھی کاٹ کاٹنے کے بھی آتے ہیں ۔ اَلسَّاطُوْرُ ۔ چھری کو کہتے ہیں * ۔

سَیْطَرَ عَلَیْہِ کے معنے ہیں کسی کے سر پر سطر کی طرح سیدھے کھڑے رہنا ۔ اسی سے اَلْمُسَیْطِرُ ہے جسکے معنے نگران ۔ محافظ ۔ متسلط ۔ داروغہ کے آتے ہیں ** ۔ قرآن کریم میں ہے لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُسَیْطِرٍ (۸۸/۲۲) یا ۔ اَمْ ھُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ (۵۲/۳۷) ۔ اسکے معنے مُتَسَلِّطُوْنَ کے ہیں ۔ یعنی جو کسی پر مسلط ہوں ۔

قرآن کریم میں اسے صاد سے لکھتے لیکن سین سے پڑھتے ہیں ۔ جو سین، طاء سے پہلے آئے اسے س اور صاد دونوں سے لکھنا جائز ہے * ۔

---

* تاج ۔ ** راغب ۔

س ط و

سَطَاعَلَيْهِ وَبِهٖ ۔ سَطْوًا وَسَطْوَةً ۔ کسی پر حملہ کرنا یا سخت گرفت کے ساتھ غلبہ حاصل کرنا ۔ راغب نے کہا ہے کہ کسی پر ہاتھ اٹھا کر حملہ کرنے کو سَطْوَةٌ کہتے ہیں ۔ دراصل یہ سَطَا الْفَرَسُ سے ماخوذ ہے جسکے معنے ہیں گھوڑے کا اپنی اگلی ٹانگیں اٹھا کر پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہونا * ۔ قرآن کریم میں ہے یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ (۲۲/۷۲) ۔ قریب ہے کہ وہ ان پر حملہ کر دیں ۔ ان پر دست درازی کریں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قہر و غلبہ اور بلندی کے ہوتے ہیں ۔ سَطَا الْمَاءُ کے معنی ہیں پانی بہت بڑھ گیا ۔

س ع د

سَعَّدَهُ اللّٰهُ ۔ یُسَعِّدُهُ ۔ سَعْدًا ۔ اللہ نے اس کی مدد کی اور اسے توفیق دی ۔ سَعِدَ ۔ یَسْعَدُ ۔ سَعْدًا ۔ سَعَادَةً ۔ وہ مبارک اور بابرکت ہوا ۔ اَلْاِسْعَادُ ۔ اَلْمُسَاعَدَةُ ۔ معاونت کرنا ۔ مدد دینا ۔ فراء نے اس کے معنے بندہ کا اپنے رب کے حکم اور مرضی کی متابعت کرنا بتائے ہیں ۔ اَلسَّاعِدُ ۔ کہنی سے پہنچے تک ہاتھ کا حصہ ۔ (ساری قوت اور برکت اسی میں ہوتی ہے) ۔ اسی سے اَلْمُسَاعَدَةُ کے معنے ایک دوسرے کی مدد کرنا ہیں ۔ یہ اس لئے کہ جب لوگ کسی کام میں ایک دوسرے کی مدد کے لئے جاتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کی کلائی پر ہاتھ رکھ کر چلتے ہیں * ۔

قرآن کریم میں سَعِیْدٌ، شَقِیٌّ کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ وَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ (۱۱/۱۰۵) نیز شَقِیَ ، سَعِدَ کے مقابلہ میں (۱۱/۱۰۶-۱۰۸) ۔ یعنی سعید وہ ہے جسے قانون خداوندی کی رفاقت نصیب ہو جائے اور وہ اس کی کلائی پکڑ کر چلے ۔ اور شَقِیٌّ وہ ہے جو اس سے محروم ہو ۔ اس سے بڑا بدقسمت اور کون ہو سکتا ہے جسے قانون خداوندی کی تائید نصیب نہ ہو ۔

راغب نے اَلسَّعْدُ وَالسَّعَادَةُ کے معنے امورِ الٰہی کا، بھلائی اور خیر تک پہنچنے میں، انسان کی مدد کرنا لکھے ہیں ۔ ہمارے ہاں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز سعد ہے اور فلاں نحس، فلاں دن سعد ہے اور فلاں نحس ۔ یہ محض توہم پرستی ہے جسے مٹانے کے لئے قرآن کریم آیا تھا ۔ کوئی

* تاج و راغب ۔

چیز یا کوئی دن نہ سعد ہے نہ نحس - جس کام کا نتیجہ (قانون خداوندی کے مطابق) اچھا ہے، وہ عمل سعد ہے - اور جس دن اس کام کا اچھا نتیجہ سامنے آئے وہ دن مسعود ہے - اسی طرح جس کام کا نتیجہ (قانون مکافات کی رو سے) مضر ہو وہ عمل منحوس ہے، اور جس دن وہ نتیجہ سامنے آئے وہ دن نحس- دنوں (ہفتہ - اتوار - سوموار وغیرہ) کی اپنی حقیقت ہی کچھ نہیں- یہ تو ہم نے اپنی سہولت کی خاطر ، وقت (Time) کے گز پر گرہیں لگا رکھی ہیں تاکہ حساب میں آسانی رہے - نہ ہی ستاروں میں کوئی سعد یا نحس ہے - ستارے ، قوانینِ خداوندی کے مطابق گردش کرتے ہیں - ان کی گردش کا انسان کی ''قسمت'' سے کیا تعلق؟ اقبال کے الفاظ میں

تیرے مقام کو انجم شناس کیا سمجھے
کہ خاکِ زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں

(مزید تفصیل ن - ح - س کے عنوان میں ملیگی) -

س ع ر

اَلسَّعْرُ - آگ کی حرارت - تپش - نیز بھوک - ابن عرفہ نے کہا ہے کہ سُعْرٌ* ایسی بات کو کہتے ہیں جو کسی کو پھونک ڈالے - فراء نے اسکے معنے کوقت ، مشقت اور سخت تکلیف کے کئے ہیں - سَعَّرْنَاهُمْ بِالنَّبْلِ - ہم نے انہیں تیر مار مار کر بھون کر رکھ دیا* - مَسْعُوْرٌ* اس آدمی کو کہتے ہیں جسے سخت بھوک اور پیاس لگی ہو*- نیز جو پیٹ بھرا ہونے کے باوجود کھانے کا حریص ہو - جس کی نیت نہ بھرے** - اَلسُّعَارُ - آگ کی حرارت اور سخت بھوک کو بھی کہتے ہیں - السَّعِيْرُ - آگ - بھڑکتی ہوئی آگ* -

سورۃ نساء میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا - وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (۴/۱۰) - ''جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں - اور وہ بھڑکائی ہوئی آگ میں داخل ہونگے'' - موت کے بعد ان کا کیا حشر ہوگا ، یہ وہاں کی بات ہے - اس دنیا میں ایسے لوگوں کی کیفیت یہ ہوجاتی ہے کہ شدتِ حرص سے ان کی نیت ہی نہیں بھرتی اور وہ مفت کے مال کے پیچھے دیوانوں کی طرح پھرتے ہیں - چنانچہ سُعْرٌ* اور سُعُرٌ* کے معنے دیوانگی کے بھی آتے ہیں* -

---

*تاج - **محیط -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے مشتعل ہونے ، بھڑک جانے اور بلند ہو جانے کے ہوتے ہیں ۔ اس اعتبار سے سَعَّرَ اور سَعَّرَ النَّارَ وَ الْحَرْبَ ۔ کے معنے ہیں آگ اور جنگ کو بھڑکا دینا*۔ وَ اِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ (۸۱/۱۲) ۔ ''اور جب دوزخ بھڑکائی جائیگی''۔ اس میں عذاب کی شدت کی طرف اشارہ ہے ۔ یعنے جس قدر کسی کے جرائم زیادہ سنگین اسی قدر ان کے نتائج زیادہ تباہ کن ۔

س ع ی

سَعْیٌ کے معنے قصد و ارادہ کرنے ، تیز چلنے ، کے ہیں ۔ کسی کام کے لئے اہتمام ، دوڑ دھوپ اور کوشش کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ جب یہ لفظ جانے یا دوڑنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے بعد اِلٰی آتا ہے ۔ جیسے فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ۔ اور جب یہ کام کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے بعد لام آتا ہے ۔ جیسے سَعٰی لَھَا** ۔ اَلسَّاعِیْ کوشش کرنے والا ۔ نیز صدقات وصول کرنے والے کو بھی کہتے ہیں ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ دوڑنے کے معنوں میں (۲/۳۶۰) میں آیا ہے نیز (۲/۲۰۴) میں ۔ کوشش اور محنت کرنے کے معنوں میں (۱۵/۱۹) میں ۔ یعنے دوڑ دھوپ ۔ جد و جہد ۔ تگ و تاز ۔ سعی و عمل وغیرہ ۔

قرآن کریم میں ایک آیت ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳/۳۹) ''انسان کے لئے وہی ہے جس کے لئے وہ سعی و کاوش کرے'' ۔ یہ آیت ایک عظیم اصول کی طرف راہ نمائی کرتی ہے ۔ معاشیات ((Economics) کی دنیا ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انسان کو صرف محنت (Labour) کا معاوضہ لینا چاہئے۔ سرمایہ (Capital) کا معاوضہ ، یا یونہی بغیر محنت ۔ کچھ لے لینا ، جائز نہیں۔ اس اصول پر معاشیات کا جو نظام تعمیر ہوتا ہے اس کا اندازہ اہل بصیرت لگا سکتے ہیں ۔

معاشرت اور تمدن کی دنیا میں اس اصول نے یہ بتا دیا کہ معاشرہ میں فرد کا مقام اس کی محنت کے اعتبار سے متعین کرنا چاہئے، نہ کہ خاندانی یا اسی قسم کی دیگر اضافی نسبتوں سے ۔

''مذہب'' کی دنیا میں اس اصول نے یہ بتا دیا کہ نجات و سعادت ، صرف انسان کی اپنی کوشش کا نتیجہ ہے ۔ یہ کسی کی سفارش سے نہیں مل

* تاج ۔ ** تاج و محیط و راغب ۔

سکتی ۔ نیز اس نے یہ بھی بتا دیا کہ یہ عقیدہ کہ ہر بچہ اپنے اولین ماں باپ کے گناہ کا بوجھ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ یا پچھلے جنم کے جرائم کی پاداش میں مبتلا ہوتا ہے ، باطل ہے ۔ انسان سفید لوح(Clean Slate) لے کر پیدا ہوتا ہے اور جس قدر وہ سعی و عمل کرے اسی قدر وہ زندگی کی خوشگواریوں کا اہل بن جاتا ہے ۔

نیز اس اصول نے سیاست کی دنیا میں یہ کہدیا کہ ہر انسانی بچے کو سعی و عمل کا یکساں میدان ملنا چاہئے ۔ اس باب میں نہ کسی کو رعایات ملنی چاہئیں اور نہ ہی کسی کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنی چاہئیں ۔

آپ نے دیکھا کہ یہ اصول کسقدر عظیم انقلاب کا منشور ہے؟

س غ ب

سَغَبٌ ۔ یَسْغَبُ ۔ وسَغِبَ یَسْغَبُ ۔ سَغْبًا ۔ ومَسْغَبَةٌ ۔ تھکن کے ساتھ بھوکا ہونا ۔ (راغب نے پیاس کا اضافہ بھی کیا ہے) ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی بھوک بتائے ہیں اور المَسْغَبَةُ کے معنے قحط ۔ قرآن کریم نے کہا ہے اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ (۹۰/۱۴) ''ایسے وقت میں انسانوں کی خوراک کا انتظام کرنا جب بھوک اور مشقت عام ہورہی ہو'' ۔ قرآن کریم نے اس پروگرام (نظام) کو پہاڑی پر چڑھنے سے تعبیر کیا ہے (۹۰/۱۱-۱۳) ۔ فی الحقیقت یہ چیز کہ انسان محنت اور مشقت سے کمائے اور اپنی محنت کے ماحصل میں سے فقط اپنی ضروریات کے مطابق لے کر باقی ماندہ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے عام کر دے ، بالخصوص ایسے زمانے میں جب چاروں طرف بھوک ہی بھوک نظر آ رہی ہو ، مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ہے ۔ اسی سے انسانی ذات کی نشو و نما ہوتی ہے اور یہی اسلام کا مقصود ہے ۔ اسی کو نظامِ ربوبیت کا قیام کہتے ہیں ۔ (سورۃ البلد کی یہ آیات ۔(۹۰/۱۱-۱۶) ۔ نظام ربوبیت کے سلسلہ میں عظیم حقائق کی مظہر ہیں ۔ ان کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہئے ۔ (تفصیل میری کتاب ''نظام ربوبیت'' میں ملے گی) ۔

س ف ح

سَفَحَ الدَّمَ ۔ اس نے خون بہایا ۔ خون گرایا ۔ سَفَحَ الدَّمْعَ ۔ اس نے آنسو بہائے ۔ سَفَحَ الدَّمْعُ ۔ آنسو بہ پڑے (لازم و متعدی) ۔ اس سے

*تاج و راغب ۔

اَلْمُسَافِحَةُ کے معنے زنا کرنے کے آتے ہیں ، کیونکہ اس میں سادہ مَنویہ کو یونہی ضائع کرکے بہادیا جاتا ہے ۔ چنانچہ جاہلیت میں جب لوگ کسی عورت کو شادی کا پیغام دیتے تھے تو اِنْکِحِیْنِیْ کہتے تھے اور جب زنا کے لئے پیغام دیتے تھے تو سَافِحِیْنِیْ کہتے تھے۔ اَلسَّفِیْحُ ۔ جوئے کے تیروں میں سے چوتھا تیر جس پر کوئی نشان نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اس کا کوئی حصہ ہوتا تھا ۔ نہ ہی اس پر کوئی تاوان دینا پڑتا تھا ۔ یہ بلا نتیجہ رہتا تھا* ۔

قرآن کریم نے مرد اور عورت کے جنسی اختلاط کے سلسلہ میں پہلے ان عورتوں کی فہرست دی ہے جن سے نکاح حرام ہے ۔ اس کے بعد کہا ہے کہ ان کے علاوہ دیگر عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ اس تعلق کی شکل مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ (۴/۲۴) ہو۔ مُحْصِنِیْنَ کا مفہوم (ح ۔ ص ۔ ن) کے عنوان میں بیان ہو چکا ہے ۔ پہلے اسے ایک نظر دیکھ لیجئے ۔ مُسَافِحِیْنَ کے معنی ہونگے ، مادۂ منویہ کو بہا دینے کے لئے۔ اس سے قرآن کریم ایک عجیب حقیقت کی طرف راہنمائی کرتا ہے ۔ پہلے آپ یہ دیکھئے کہ نکاح اور زنا کے جنسی تعلق میں فرق کیا ہے ۔ شہوانی لذت تو دونوں میں ہوتی ہے لیکن اول الذکر صورت میں یہ لذت مقصود بالذات نہیں ہوتی ۔ مقصود افزائش نسل ہوتا ہے ۔ لیکن زنا میں لذت مقصود بالذات ہوتی ہے اور زنا کار (مرد اور عورت دونوں) کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ استقرار حمل نہ ہو۔ یہ معنی ہیں ''مادہ منویہ کو بہا دینے کی خاطر'' ۔ لہذا جنسی اختلاط کی وہ شکل جس میں انسان نکاح کی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرے ۔ انہیں (Avoid) کرے۔ اور مقصود محض جذبہ شہوانی کی تسکین ہو ، قرآن کریم کی رو سے جائز نہیں قرار پاسکتی ۔

اسی سورۃ میں اگلی آیت میں قرآن کریم نے مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (۵/۲۵) کہا ہے ۔ اخدان کے لئے دیکھئے عنوان (خ ۔ د ۔ ن) ۔ مطلب اس سے چھپی آشنائی ہے ۔ (اگرچہ یہ لفظ اس زمانے کی لونڈیوں کے سلسلہ میں آیا ہے لیکن اطلاق اس کا عام ہے) ۔ ان تین اصطلاحات کا مفہوم حسب ذیل ہوگا ۔

(i) مُحْصِنِیْنَ ۔ جنسی اختلاط کی وہ شکل جس میں نکاح کی تمام حدود و قیود ، حقوق و فرائض، غرض و غایت کو ملحوظ رکھا جائے ۔

*تاج ۔

(ii) اَلسِّفَاحُ ۔ وہ جنسی اختلاط جس میں مُحْصِنِیْنَ کی شکل نہ ہو ، خواہ کوئی معاشرہ اسے اپنے ہاں معروف (Recognised) ہی قرار کیوں نہ دے لے ۔ اور

(iii) اِتِّخَاذِ اَخْدَان ۔ اختلاط کی وہ شکل جو اس معاشرہ میں بھی معروف نہ ہو۔

قرآن کریم کی رو سے صرف شکل (i) جائز ہے ۔

س ف ر

اَلسَّفْرُ ۔ کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز سے پردہ اٹھا کر اسے واضح اور بے نقاب کر دینا ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَلسَّفْرُ کسی چیز کے ظاہری حصہ کے واضح کر دینے کو کہتے ہیں اور اَلتَّفْسِیْرُ (جس سے تفسیر ہے) کے معنے ہیں کسی چیز کے اندورنی حصہ کو کھول کر واضح کر دینا * ۔ بہرحال اس کے بنیادی معنی ہے نقاب کرنا ، واضح اور روشن کرنا ہیں ۔ سَفَرَتِ الْمَرْاَۃُ ۔ عورت نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کھل جانے ۔ چھٹ جانے اور صاف ہو جانے کے ہیں ۔

اسی جہت سے اَلسَّفْرُ کے معنے ہوئے ہیں جھاڑو دینا ۔ اَلْمِسْفَرَۃُ ۔ جھاڑو کو کہتے ہیں ۔ نیز سَفَّرَ کے معنے پراگندہ کر دینا ہیں ، جیسے سَفَرَتِ الرِّیْحُ النَّعَیْمَ ۔ ہوا نے بادلوں کو منتشر کر دیا ۔ اسی سے اَلسَّافِرُ ۔ سفر کرنے والے (مسافر) کو کہتے ہیں ۔ اَلسُّفْرَۃُ ۔ مسافر کا کھانا جو سفر کیلئے تیار کیا جائے ۔ اس کے بعد اسکا اطلاق توشہ دان پر ہونے لگا ۔ اور پھر دسترخوان کو بھی سُفْرَۃٌ کہنے لگے ** ۔

سَفِیْرٌ ۔ قوم کے درمیان صلح کرانے والا ** ۔ اس اعتبار سے کہ وہ دونوں فریقوں کے دل کی بات کو باہر نکال کر معاملہ کو صاف کرا دیتا ہے ۔ اَلسَّفَارَۃُ وَالسِّفَارَۃُ ۔ قوم کے درمیان اصلاح یا صلح کی کوشش کرنا ** ۔ اَلسِّفْرُ ۔ بڑی کتاب یا وہ کتاب جو حقائق کو روشن کرتی ہے ۔ اسکی جمع اَسْفَارٌ ہے (۶۲/۵) سَفَرَ الْکِتَابَ سَفْرًا ۔ کتاب کو لکھا ** ۔ سَافِرٌ ۔ لکھنے والا (اسکی جمع ہے اَلسَّفَرَۃُ) ۔ اَسْفَرَ الصُّبْحُ ۔ صبح روشن ہوئی ۔

* محیط ۔ ** تاج ۔

قرآن کریم میں ہے وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ (۷۴/۳۴)۔ ”جب صبح اچھی طرح روشن ہو جائے“۔ دوسری جگہ ہے وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ (۸۰/۳۸)۔ ”کچھ چہرے اس دن تابناک ہونگے“۔ اسی سورۃ میں ذرا پہلے ہے بِأَيْدِي سَفَرَةٍ (۸۰/۱۵)۔ ”لکھنے والوں کے ہاتھوں میں“۔ سورۃ بقرۃ میں عَلَىٰ سَفَرٍ (۲/۱۸۴) آیا ہے۔ یعنی حالت سفر میں۔

س ف ع

سَفْعٌ۔ کے معنی ہیں پکڑ کر کھینچنا۔ جھلسا دینا۔ داغ لگانا۔ نشان لگانا۔ نیز تھپڑ مارنے کو بھی کہتے ہیں۔ سَفَعَ بِنَاصِيَتِهِ وَبِرِجْلِهِ۔ اسے پیشانی کے بال یا ٹانگ پکڑ کر کھینچا*۔ قرآن کریم میں ہے لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ (۹۶/۱۵)۔ ہم بالضرور اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچ لیں گے۔ سختی سے گھسیٹینگے۔ یعنی یہ بڑے بڑے مخالفین آخرالامر ذلیل و خوار ہو کر مغلوب ہو جائینگے اور شکست کھا جائینگے۔ ذلت کے لحاظ سے اَلسَّفْعَةٌ اس کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو کہتے ہیں جو کھنڈروں میں پڑا رہتا ہے۔ اصل میں یہ لفظ سیاہی مائل رنگ کے لئے استعمال ہوتا ہے*۔ راغب نے سَفْعٌ کے معنے گھوڑے کی پیشانی کے سیاہ بال پکڑنے کے لکھے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں (۱) رنگ (سیاہی مائل) اور (۲) ہاتھ سے کسی چیز کو پکڑ لینا۔

س ف ک

سَفْكٌ۔ بہانا، عموماً خون بہانے کے لئے استعمال ہوتا ہے**۔ اَلسَّفَّاكٌ۔ بہت زیادہ خون بہانے والا۔ نیز قادرالکلام آدمی کو بھی کہتے ہیں*۔ قرآن کریم میں يَسْفِكُ الدِّمَاءَ (۲/۳۰) آیا ہے۔ یعنی خونریزی کریگا۔

س ف ل

اَلسَّفْلُ۔ (س کی زیر اور پیش سے) پستی۔ یہ عِلْوٌ اور عُلُوٌّ (بلندی) کی ضد ہے۔ اَلْاَسْفَلُ۔ بہت نیچے۔ یہ اَعْلٰی کی نقیض ہے۔ سِفْلَةُ النَّاسِ۔ کمینے لوگ۔ نیچے درجے کے لوگ*۔ نیز عرب السَّفِلَةَ خاص طور پر اُس آدمی کو بھی کہتے تھے جسے کھانے کی دعوت دی جائے اور وہ میزبان کے ہاں سے کچھ چرا کر لیجائے***۔

قرآن کریم میں قوم لوط کے عذاب کے متعلق کہا ہے جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا (۱۱/۸۲)۔ اسکے اوپر کے طبقے کو نیچے کا طبقہ بنا دیا۔ تہہ وبالا

* تاج۔ **تاج و محیط۔ *** محیط۔

کردیا منافقین کے متعلق ہے کہ وہ فی الدرک الاسفل من النار (۴/۱۴۵)۔ "جہنم کے سب سے نچلے حصہ" میں رہتے ہیں۔ قلبی اضطراب کی بدترین حالت میں دن گزارتے ہیں۔ اس دنیا میں بھی ان کی یہ حالت ہے اور مرنے کے بعد بھی وہ بدترین عذاب میں ہونگے۔ فوق کے مقابلہ میں اسفل (۳۳/۱۰) میں آیا ہے۔ اسفل سافلین (۹۵/۵)۔ پست سے پست تر۔ ذلیل ترین۔

س ف ن

سفن الشیء۔ یسفنہ سفنا۔ کسی چیز کو چھیلنا یا اوپر سے گھس دینا۔ سفینۃ اسی سے مشتق ہے۔ اسکے معنے کشتی کے ہیں۔ (شاید اس لئے کہ شروع میں کشتیاں اس طرح بنائی جاتی تھیں کہ درخت کے بہت بڑے تنے کو چھیل چھیل کر اسمیں بیٹھنے کی جگہ بنا لیتے تھے۔ یا پھر اس لئے کہ جب وہ چلتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانی کو چھیلتی پھاڑتی جا رہی ہے۔ سفائن البر۔ اونٹوں کو کہتے ہیں۔ (ریگستانی کشتیاں) *۔

قرآن کریم میں ہے ورکبنا فی السفینۃ (۲۹/۱۵)۔ وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے۔ اما السفینۃ (۱۸/۷۹)۔ باقی رہا اس کشتی (کا معاملہ)....

س ف ہ

سفہ کے معنے ہیں عقل کا ہلکا پن، نادانی، جہالت۔ سفیہ کسی کو بیوقوفی اور جہالت پر آمادہ کرنا۔ کسی کو ہلاک کر دینا۔ سفہ الشراب سفہا۔ اسوقت کہتے ہیں جب کوئی آدمی پانی تو بہت پیئے لیکن اسکی پیاس نہ بجھے۔ ثوب سفیہ۔ جھرے اور خراب بنے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں۔ لیکن اس مادہ کے بنیادی معنے حرکت اور اضطراب کے بھی ہیں۔ (جو کم عقلی کی علامت ہوتی ہے)۔ اس لئے زمام سفیہ اس مہار کو کہتے ہیں جو اونٹنی کے ہلتے رہنے کی وجہ سے مضطرب رہے۔ حرکت و اضطراب اور تلون کی بنا پر ناپختگی عقل و رائے کو سفاہۃ کہتے ہیں** ۔

حرکت و اضطراب، نیز ناپختگی عقل کی بنا پر قرآن کریم نے ان لوگوں کو سفہاء کہا ہے جن کے دل نفسیاتی کشمکش کی آماجگاہ بنے رہتے ہیں۔ جو معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جو ہمیشہ منافقانہ انداز سے دورخی چالیں چلتے ہیں (۲/۱۰۰۱۳)۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ ان جیسا بے عقل ہی کوئی نہیں کیونکہ یہ اپنی غلط روش کے تباہ کن نتائج کا شعور و احساس نہیں رکھتے (۲/۱۳)۔

---

*تاج و محیط و راغب۔ **محیط۔

دوسری جگہ سَفِیْہٌ کا لفظ عام کم عقل لوگوں کیلئے استعمال ہوا ہے (۲/۲۸۲) اور (۶/۱۳۹) میں سَفَہًا کے ساتھ بِغَیْرِ عِلْمٍ کے اضافہ نے بتا دیا کہ سَفَاھَۃٌ یہ ہے کہ انسان علم و عقل سے کام نہ لے۔ قرآن کریم کی رو سے سَفَاھَۃٌ (علم وعقل سے کام نہ لینا) بہت بڑا جرم اور سخت مذموم حرکت ہے۔ مومن وہ ہے جو وحی خداوندی کی روشنی میں علم وعقل سے کام لے۔

سَفَاھَۃٍ (۴/۵) ۔ حماقت۔ بیوقوفی۔ جہالت۔

سورۃ بقرہ میں ہے وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ (۲/۱۳۰)۔ ملت ابراہیمی سے اس شخص کے سوا کون بے اعتنائی برت سکتا ہے جس نے اپنی ذات کے بارے میں کبھی غور وفکر سے کام نہ لیا ہو۔ جس نے یہ سوچا ہی نہ ہو کہ ذات کی نشوونما کیسے ہو سکتی ہے اور یہ کیوں ضروری ہے؟ محیط نے اسکے معنے اپنے نفس کو ذلیل کرنا اور حقیر و بے وقعت سمجھنا کئے ہیں۔ یعنی اپنے نفس کو درخور اعتنا نہ سمجھنا۔ قرآنی تعلیم کا نقطہ ماسکہ، انسانی ذات پر یقین اور اس کے بلند ترین قدر ہونے پر ایمان ہے۔ اگر اس حقیقت کو نظرانداز کر دیا جائے، یا اسے (Seriously) نہ لیا جائے تو پھر خدا پر ایمان بھی کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ (تفصیل اسی اجمال کی (ن۔ف۔س) کے عنوان میں ملیگی)

س ق ر

اَلسَّقْرُ ۔ آفتاب کی گرمی اور اسکی اذیت۔ سَقَرَتْہُ الشَّمْسُ ۔ دھوپ نے اسے پگھلا دیا۔ جھلسا دیا اور اس کے دماغ کو تکلیف پہنچائی۔ اَلسَّاقُوْرُ اس لوہے کو کہتے ہیں جسے تپا کر اس سے جانوروں کو داغ دیتے ہیں۔ نیز اَلسَّتَرُ کے معنے بُعد اور دور ہونے کے بھی ہیں *۔

قرآن کریم میں یہ لفظ جہنم کیلئے آیا ہے۔ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ (۵۴/۴۸)۔ سقر کے ان تھپیڑوں کا مزہ چکھو جو تمہیں زندگی کی خوشگواریوں سے دور (محروم) کر دیتے ہیں۔

س ق ط

سَقَطَ الشَّیْءُ ۔ کسی چیز کا گر جانا۔ خواہ (مثلاً) کوئی جھت سے زمین پر آگرے یا کھڑے کھڑے زمین پر گر جائے **۔ سَاقِطَۃٌ چیز کو

* تاج۔ محیط۔ راغب۔ **تاج

لگاتار گرانا * ۔ قرآن کریم میں ہے وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ (۶/۵۹) ۔ کوئی پتہ نہیں گرتا ۔ سورۃ مریم میں ہے تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (۱۹/۲۵) ۔ وہ درخت تجھ پر تازہ کھجوریں لگاتار جھاڑ دیگا ۔ سورۃ شعراء میں ہے فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا (۲۶/۱۸۷) ۔ ہم پر گرا دے ۔ سَاقِطًا ۔ گرنے والا (۵۲/۴۴) ۔

سورۃ اعراف میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے وَلَمَّا سُقِطَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ (۷/۱۴۹) ۔ صاحب تاج نے اسکے معنے لکھے ہیں شرمندہ اور متحیر ہونا ۔ زجاج نے لکھا ہے کہ اسکے معنے ہیں اپنے کئے پر حسرت اور شرمندگی کے احساس کا پیدا ہونا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے معنے ندامت سے ہاتھ ملنے کے ہیں * ۔ صاحب محیط نے بھی اسکے معنے ندامت ہی کے لکھے ہیں ۔ اور یہی معنے قرآن کریم میں بھی واضح ہوتے ہیں ۔ یعنے اپنی غلطی اور حماقت کے احساس سے ندامت اور پشیمانی ۔ آیت کے معنی ہونگے ''جب وہ پشیمان ہوئے''۔

س ق ف

اَلسَّقْفُ ۔ چھت (جمع سُقُفٌ ۲۳/۳۳) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں بلند ہونے اور جھکا ہوا ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔ اَلسَّقِيْفَةُ ۔ ہر وہ جگہ جس پر چھت ہو ۔ بالعموم باہر نکلے ہوئے چھپر کو کہتے ہیں ۔ عرب آسمان کو بھی سَقْفٌ کہتے ہیں اس لئے کہ ان کے خیال میں وہ زمین کی چھت ہے ** ۔ سورۃ انبیاء میں ہے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (۲۱/۳۲) ۔ ''ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا'' ۔ یعنی فضائے کائنات خود محفوظ ہے اور اس کا سلسلہ کچھ اسطرح رکھا گیا ہے کہ اجرام فلکی میں جو ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے وہ بالعموم فضا کے چکر میں آکر پس جاتی ہے اور اسطرح ہم اس کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہ جاتے ہیں ۔ گویا یہ فضا ہمارے ارضی مکان کے لئے چھت کا کام دیتی ہے ۔ ویسے، آسمان کو سقف کہنے میں عربی محاورہ کی بھی رعایت ہے ۔ یعنی عرب اسے چھت سے تعبیر کرتے تھے، اس لئے قرآن کریم نے بھی ان کے محاورہ کی رعایت سے اس کے لئے وہی لفظ استعمال کیا ۔ معنی اس کے اسطرح کی چھت نہیں جسطرح مکان کی چھت ہوتی ہے ۔ اس کا مفہوم اوپر واضح کر دیا گیا ہے ۔ سماء کے معنی بھی یہ نیلگوں ''چھت'' نہیں جو ہمیں اپنے سر پر نظر آتی ہے ۔ اس سے مراد بلند فضا یا اجرام فلکی ہیں ۔ تفصیل (س ۔ م ۔ و) کے عنوان میں ملیگی ۔

* تاج ۔ ** تاج و راغب ۔

س ق م

اَلسَّقَامُ ۔ اَلسُّقْمُ ۔ مرض ۔ بیماری ۔ هُوَ سَقِیْمٌ الصُّدُوْرِ عَلَیْهِ ۔ وہ اسکے خلاف دل میں کینہ رکھتا ہے ۔ قَلْبٌ سَقِیْمٌ ۔ ناخوش اور بیزار دل کو کہتے ہیں * ۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم بت پرست اور ستارہ پرست تھی ۔ حضرت ابراہیمؑ انکے اس شرک کے خلاف انہیں دعوت توحید دیتے تھے ۔ چنانچہ اس ضمن میں قرآن کریم نے کہا ہے کہ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِی النُّجُوْمِ ۔ فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (۳۷/۸۸) ۔ انہوں نے ستاروں کے معبود ہونے پر غور و فکر کیا ۔ اس کا صحیح صحیح اندازہ کیا اور اس کے بعد کہا کہ میں تمہارے ان معبودانِ باطل سے سخت بیزار ہوں ۔ یہ وہی بات ہے جسے دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۶۰/۴) ۔ میں تم سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو ان سے بیزار ہوں * ۔ اسی کو دوسرے مقام پر لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (۶/۷۶) سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یعنی میں ایسے معبودوں کو پسند نہیں کرتا جو ہر آن تغیّر پذیر ہوں ۔

س ق ی

اَلسَّقْیُ ۔ پلانا ۔ اَلسُّقْیَا ۔ اس سے اسم ہے جس کے معنے ہیں ''پلائی'' ۔ اَلسَّقْیُ والاِسْقَاءُ ۔ تقریباً ایک ہی معنے ہیں ۔ بعض کا خیال ہے کہ سَقْیٌ منہ کے ذریعے پلانے کو اور اِسْقَاءٌ پانی دے دینے یا پانی بتانے کے لئے بولا جاتا ہے ۔ راغب کے نزدیک سَقْیٌ تو یہ ہے کہ کسی کو پینے کی چیز دے دینا اور پلا دینا ، اور اِسْقَاءٌ یہ ہے کہ تم کسی کو پینے کی چیز دیدو خواہ وہ اسے پئے یا نہ پئے ۔ اس لئے اِسْقَاءٌ میں سَقْیٌ سے زیادہ جامعیت ہے ۔ اَلسِّقَایَةُ ۔ پانی پلانے کی جگہ ۔ یا پانی پلانے کا برتن (۱۲/۷۰) ۔ یا پانی پلانے کا بندوبست ۔ جیسے (۹/۱۹) میں ۔ اَلْاِسْتِسْقَاءُ پینے کے لئے پانی مانگنا یا بارش طلب کرنا ۔ اَلسَّقِیُّ ۔ موسلا دھار برسنے والا بادل** ۔

سورۃ بقرۃ میں اِسْتَسْقٰی آیا ہے (۲/۶۰) جس کے معنے پانی یا بارش طلب کرنے کے ہیں ۔ سورۃ شعراء میں ہے وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ (۲۶/۷۹) ۔ خدا وہ ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ۔ سورۃ نحل میں ہے

* تاج ۔ **تاج و محیط ۔

نُسْقِيْكُمْ مِمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ (۱۶/۶۶)۔ ''ہم تمہیں اس چیز سے جو ان کے پیٹ میں ہے (دودھ) پلاتے ہیں''۔ سورۃ شمس میں ناقۂ حضرت صالحؑ کے متعلق ہے نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا (۹۱/۱۳)۔ یعنی اللہ کی اونٹنی کا خیال رکھو اور اس کے پانی پلانے کا۔ قصہ حضرت یوسفؑ میں سِقَايَةَ* (۱۲/۷۰) کا لفظ ایسے برتن کے لئے آیا ہے جسے صُوَاعَ* بھی کہا گیا ہے (۱۲/۷۲)۔

س ک ب

سَكَبَ الْمَاءَ وَ الدَّمْعَ۔ اس نے پانی اور آنسوؤں کو بہایا۔ سَكَبَ الْمَاءُ۔ پانی بہا (لازم و متعدی)۔ مَاءٌ سَاكِبٌ* وَ مَسْكُوْبٌ*۔ وہ پانی جو زمین کے اوپر بہ رہا ہو۔ جسے زمین کھود کر نہ نکالنا پڑے*۔ ارباب لغت نے اس کے معنی اوپر سے گرانے اور بہانے کے بھی کئے ہیں، اس لئے مَاءٌ مَسْكُوْبٌ* میں وہ پانی بھی آجاتا ہے جو آبشار کی طرح اوپر سے گرتا ہے۔ قرآن کریم میں مَاءٍ مَسْكُوْبٍ (۵۶/۳۱) میں آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ جنتی معاشرہ میں سامان زیست، جگر پاش مشقتوں کے بغیر ملیگا (وہاں پانی پینے کے لئے کنواں نہیں کھودنا پڑے گا)۔ لیکن غیر جنتی معاشرہ میں ان چیزوں کے لئے جگر پاش مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے (۲۰/۱۱۷)۔

رَجُلٌ* سَكْبٌ*۔ سبک روح اور پرنشاط انسان کو کہتے ہیں**۔ فَرَسٌ* سَكْبٌ* تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں۔

س ک ت

اَلسَّكْتُ۔ اَلسُّكُوْتُ۔ خاموش ہونا۔ نہ بولنا۔ سُكُوْتٌ* اور صَمْتٌ* میں فرق یہ ہے کہ سُكُوْتٌ* ان چیزوں کے خاموش ہونے پر بولا جاتا ہے جن میں بولنے کی قدرت ہوتی ہے اور صَمْتٌ* میں موخر الذکر شرط نہیں ہے۔ یعنی وہ ہر چیز کی خاموشی پر بولا جاسکتا ہے خواہ وہ بولنے کی طاقت رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو۔ سَكَتَ الْغَضَبُ۔ غصہ ٹھنڈا پڑ گیا*۔

قرآن کریم میں ہے۔ وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ (۷/۱۵۴)۔ جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ راغب نے کہا ہے کہ سُكُوْتٌ* میں ایک گونہ سُكُوْنٌ* پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہاں غصے کے فرو ہو جانے کے لئے سَكَتَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے***۔

*تاج۔ **محیط۔ ***راغب۔

س ک ر

سَکْرٌ ۔ نشہ میں ہونا ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ ایسی حالت ہے جو انسان اور اس کی عقل کے درمیان حائل ہو جاتی ہے ۔ بیشتر یہ اس قسم کی کیفیت کے لئے بولا جاتا ہے جو نشہ آور شراب سے پیدا ہوتی ہے اگرچہ کبھی کبھی ایسی کیفیت غصہ اور عشق سے بھی پیدا ہو جاتی ہے*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حیرت کے ہوتے ہیں ۔ سَکَرٌ ۔ شراب ۔ نشہ آور مشروب (۱۶/۶۷) ۔ سَکْرَۃٌ ۔ غنودگی ۔ بے ہوشی ۔ یہ بھی ایک نشے کی سی کیفیت ہوتی ہے ۔ قرآن کریم میں سَکْرَۃُ الْمَوْتِ آیا ہے (۵۰/۱۸) ۔ یعنی موت کی بے ہوشی ۔ سورۃ نساء میں ہے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی (۴/۴۳) ۔ ''صلوٰۃ کے قریب مت جاؤ جب کہ تم سکر کی حالت میں ہو'' ۔ یہاں سُکَارٰی کے عام معنے حالت نشہ کے کئے جاتے ہیں ۔ لیکن لسان العرب میں ہے کہ اس سے مراد سَکْرُ النَّوْمِ یعنے نیند کا غلبہ ہے ۔ سورۃ حج میں سُکٰرٰی کا لفظ ایسے مدہوش لوگوں کے لئے آیا ہے جو خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے اپنے اوسان کھو چکے ہوں ۔ (۲۲/۲) ۔ اور (۱۵/۷۲) میں وفور جذبات سے پیدا ہونے والی بدمستی کے لئے سَکْرَۃٌ آیا ہے ۔ السَّکْرُ ۔ نہر کو بند کر دینا ۔ سَکِرَتِ الرِّیْحُ ۔ ہوا ساکن ہو گئی ۔ اَلْمَاءُ السَّاکِرُ ۔ ٹھہرا ہوا پانی ۔ سَکَرَ الْبَابَ ۔ دروازہ بند کر دیا* ۔

سَکَرَہٗ ۔ اس کا گلا گھونٹ دیا ۔ سورۃ حجر میں ہے سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا (۱۵/۱۵) ۔ ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے ۔ ہماری نظربندی کر دی گئی ہے ۔

سورۃ نساء کی مذکورہ صدر آیت کو پھر سامنے لائیے جس میں کہا گیا ہے کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی ۔ (سُکَارٰی جمع ہے سَکْرَانُ اور سَکْرَانَۃٌ کی ۔ جب تم پر نیند کا غلبہ ہو تو صلوٰۃ کے قریب نہ جاؤ ۔ اس سے آگے ہے حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (۴/۴۳) ۔ تا آنکہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو ۔ یعنے جس حالت میں تمہیں معلوم ہی نہ ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو، اس میں صلوٰۃ کا کچھ فائدہ نہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر انسان صلوٰۃ کے الفاظ کا مطلب نہ سمجھتا ہو تو اس صلوٰۃ سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ۔ صلوٰۃ کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ تم جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہو اس کا مطلب بھی سمجھتے ہو ۔ لہذا قرآن کریم کو بلا

*تاج و راغب ۔

سمجھے پڑھنا (خواہ وہ صلوٰۃ میں ہو یا ویسے ہی) کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ قرآن کریم پڑھا اس لئے جاتا ہے کہ سمجھا جائے اور سمجھا اس لئے جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ بلا مطلب سمجھے، بعض الفاظ کو دہرانے سے یہ سمجھنا کہ اس سے کچھ فائدہ ہوتا ہے، عہد سحر (Magic Age) کی توہم پرستی ہے جسے مٹانے کے لئے قرآن کریم آیا تھا۔

س ک ن

سُکُوْنٌ کے معنے ہیں، حرکت نہ رہنا۔ ٹھہر جانا*۔ سَکَنَ سَکَنًا و سُکْنٰی۔ بود و باش اختیار کرنے، رہائش کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے**۔ راغب نے کہا ہے کہ سُکُوْنٌ کسی چیز کا حرکت کے بعد ساکن ہو جانا ہے۔ اسی لئے یہ لفظ کسی مقام کو وطن بنالینے یا کسی جگہ کو گھر بنا لینے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اَلسُّکَّانُ کشتی کے پتوار کو کہتے ہیں جس سے اس کا توازن برقرار رہتا ہے۔ اَلسِّکِّیْنُ (۱۲/۳۱)۔ چھری کو کہتے ہیں اس لئے کہ (راغب کے الفاظ میں) اس سے مذبوح کی حرکت، سکون سے بدل دی جاتی ہے۔ مِسْکِیْنٌ اُسے کہتے ہیں جس کی حرکت کو فقر اور محتاجی نے کم کر دیا ہو۔ یہ فَقِیْرٌ سے زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ نیز ذلیل اور کمزور کو بھی مِسْکِیْنٌ کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ کہف میں کشتی والوں کو مَسٰکِیْن کہا گیا ہے (۱۸/۷۹) کیونکہ وہ بادشاہ کے استبداد کے مقابلہ میں کچھ نہیں کرسکتے تھے*۔ اَلْمَسْکَنَۃُ۔ سختی اور مشقت کو کہتے ہیں جو انسان کو بے بس کر دیتی ہے***۔ نیز فقر و ذلت اور کمزوری اور مسکینی کی حالت کو*۔

سَکَّنْتُہٗ تَسْکِیْنًا۔ کے معنے ہیں میں نے اس کے اضطراب کو رفع کرکے اس کے دل کو سکون دیدیا۔ یا اسے ثابت و ساکن کر دیا۔ جَعَلَ اللَّیْلَ سَکَنًا (۶/۹۶) کے معنے ہیں خدا نے رات کو ایسا بنایا جس میں تمہیں سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ (۹/۱۰۳) کے معنے ہیں تمہاری دعا ان کے لئے وجہ تسکین ہو جاتی ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلسَّکَنُ ہر محبوب چیز کو کہتے ہیں جس سے سکون و قرار حاصل ہو جائے۔ اَلسَّکِیْنَۃُ۔ اطمینان و سکون اور وقار کو بھی کہتے ہیں۔ الرمانی نے اسے اَلتَّثَبُّتُ کا مرادف لکھا ہے***۔ یعنی جمعیت خاطر۔ اِسْتَکَانَ کے معنے ذلیل و کمزور ہو جاتا ہیں*۔ (یہ در اصل (ک۔و۔ن) سے ہے۔ (س۔ک۔ن) سے نہیں)۔

*تاج۔ **محیط۔ ***الالفاظ المترادفۃ۔

قرآن کریم میں یہ مادہ ، کسی جگہ بسنے کے معنے میں آیا ہے ۔ جیسے (۲/۶۵) میں (۳/۱۴۵) میں وَھْنٌ ۔ ضُعْفٌ اور اسْتِکَانَۃٌ ۔ ہم معنے استعمال ہوئے ہیں لیکن جس ترتیب سے یہ الفاظ آئے ہیں (یعنی فَمَا وَھَنُوْا . . . وَمَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَکَانُوْا) اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اِسْتِکَانَۃٌ انتہائی کمزوری کے لئے آتا ہے ۔ (چونکہ اِسْتِکَانَت ۔ ک ۔ و ۔ ن سے ہے ۔ اس لئے ہم نے اسے اس عنوان میں بھی لکھا ہے) ۔ مَسْکَنَۃٌ کو خدا کا غضب قرار دیا گیا ہے (۲/۶۱) ۔ اس لئے کہ یہ اس جمود و تعطل کا نام ہے جس سے قوم ، زندگی اور حرکت سے محروم ہو جاتی ہے ۔ سورۃ توبہ میں فُقَرَاءٌ اور مَسَاکِیْنُ کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں (۹/۶۰) ۔ مسکین وہ ہے جس کا چلتا ہوا کاروبار رک جائے ۔ یا کسی حادثہ کی وجہ سے وہ زندگی کی کشمکش میں حصہ لینے کے قابل نہ رہے ۔ قرآنی نظام میں کوئی مسکین اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہ سکتا ۔ وہ ان چیزوں کو (بطور خیرات نہیں بلکہ) اپنے حق کے طور پر حاصل کرتا ہے ۔ سورۃ البلد میں یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَۃٍ ۔ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ آیا ہے (۹۰/۱۵ ، ۱۶) ۔ یعنی وہ جو لوگوں کے قریب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا پائے ۔ اور جو ذرا کمزور ہو جانے پر ، معاشرہ کے ہاتھوں مٹی میں مل جائے ۔ غلط معاشرہ میں ہوتا یہ ہے کہ جو ذرا نیچے گرا ، معاشرہ کا ریلا اسے روندتا ہوا آگے بڑھ گیا ۔ قرآنی معاشرہ گرتوں کو اٹھانے کے لئے قائم ہوتا ہے ۔

س ل ب

اَلسَّلْبُ ۔ کسی سے کوئی چیز زبردستی چھین لینا ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کسی کو غافل پا کر اسکی چیز تیزی سے جھپٹا مار کر لینے کو کہتے ہیں * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی کسی چیز کو پھرتی سے لینے یا اچک لینے کے ہوتے ہیں ۔ اَلسَّلُوْبُ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا بچہ اس سے چھین لیا گیا ہو ۔ شَجَرَۃٌ سَلِیْبٌ ۔ درخت جس کے پتے اور شاخیں سب جھڑ گئے ہوں ۔ اَلسَّلِیْبُ ۔ وہ عورت جس کا بچہ مر گیا ہو ۔ اَلسَّلْبَۃُ ۔ ننگا ہونا ۔ بدن پر کپڑے کا نہ ہونا ** ۔

سورۃ حج میں ہے وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا (۲۲/۷۳) ۔ اگر ان سے مکھی کوئی چیز جھپٹ کر لے جائے ۔

* محیط ۔ ** تاج و راغب ۔

س ل ح

اَلسِّلَاحُ ۔ اَلسِّلَاحُ ۔ آلہ جنگ ۔ یعنے ہر وہ چیز جس سے جنگ کی جائے یا وار کیا جائے ۔ ہتھیار ۔ نیز ہتھیار کا آہنی حصہ ۔ تلوار یا تلوار کی دھار ۔ کمان جس میں تانت نہ ہو ۔ لاٹھی* ۔ (جمع اَسْلِحَۃٌ) ۔ وَلْیَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَھُمْ (۴/۱۰۲) ۔ "چاہئے کہ وہ اپنے ہتھیار لے لیں" ۔

(سَلَحَ ۔ یَسْلَحُ ۔ پرندوں کے بیٹ کرنے کو بھی کہتے ہیں * ۔ لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ ان معنوں میں نہیں آیا) ۔

س ل خ

سَلَخَ ۔ یَسْلُخُ ویَسْلَخُ ۔ کسی جانور کی کھال کھینچ لینا ۔ سَلَخَتِ الْحَیَّۃُ ۔ سانپ نے اپنی کینچلی اتار دی ۔ اَلسَّلْخُ ۔ سانپ کی کینچلی ۔ سَلَخَتِ الْمَرْاَۃُ دِرْعَھَا ۔ عورت نے اپنی قمیض اتار دی** ۔ لہذا اسکے معنے ہیں کسی چیز کو اسطرح الگ کر دینا کہ اس پر دوسری چیز کا نشان تک نہ رہے ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے .... اَللَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْہُ النَّھَارَ (۳۶/۳۷) ۔ ہم دن کو رات میں سے اسطرح کھینچ لیتے ہیں (کہ رات میں دن کی روشنی کا ذرا سا نشان بھی نہیں رہتا) ۔ اس لئے سَلَخَ الشَّھْرُ وانْسَلَخَ کے معنے ہوتے ہیں مہینہ گزر گیا** ۔ (۹/۵) اِنْسَلَخَ مِنْہُ ۔ وہ کسی چیز کو چھوڑ کر، اتار کر اس سے خالی اور ننگا ہو گیا ۔ سورۃ اعراف میں ایک شخص کی حالت کو مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ 'اٰتَیْنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْھَا (۷/۱۷۵) ۔ ہم نے اسے اپنے قوانین دیے اور وہ انہیں الگ چھوڑ کر اسطرح صاف نکل گیا جیسے سانپ کینچلی میں سے نکل جاتا ہے ۔ یہ درحقیقت مسلمانوں ہی کی مثال ہے جنہیں اللہ نے قرآن کریم جیسا ضابطۂ حیات دیا لیکن انہوں نے اسے اسطرح چھوڑ دیا کہ اسکا کوئی نشان تک بھی انکی ملّی زندگی میں باقی نہ رہا ۔ یہ اس میں سے صاف نکل گئے ۔ انہوں نے اُسے کینچلی کیطرح اتار کر پھینک دیا ۔ لیکن للہ الحمد کہ وہ (قرآن) اپنی اسی حالت میں صحیح وسلامت موجود ہے ۔ اس لئے اُسے جب جی چاہے پھر اسی طرح اوڑھا جا سکتا ہے ۔

س ل س ل

اَلسَّلْسَلَۃُ ۔ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ متصل کرنا ۔ اَلسِّلْسِلَۃُ ۔ زنجیر ۔ تَسَلْسَلَ الْمَاءُ ۔ پانی حلق میں روانی سے اترتا

*تاج و راغب ۔ **تاج ۔

چلا گیا* ۔ (سَلّ* کے معنے کسی چیز کو کھینچنے کے ہوتے ہیں ۔ دیکھئے عنوان (س ۔ ل ۔ ل) ۔

قرآن کریم میں سِلْسِلَة (۷۶/۴) ۔ زنجیر کے لئے آیا ہے جس کی جمع سَلَاسِلُ ہے (۷۶/۴) ۔ زنجیر کا ایک حلقہ دوسرے حلقہ کے ساتھ متصل چلا جاتا ہے اور اسی تسلسل سے وہ زنجیر بن جاتی ہے ۔

س ل ط

اَلسَّلْطُ ۔ اَلسَّلِیْطُ ۔ سخت اور مضبوط ۔ اَلتَّسْلِیْطُ ۔ غالب کر دینا ۔ غلبہ اور اقتدار دیدینا ۔ سَلَّطَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ ۔ خدا نے اسے اس پر غلبہ و تسلط عطا کر دیا ۔ (۴/۹۰) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی غلبہ اور قوت کے ہوتے ہیں ۔

سَلْطَانُ النَّارِ ۔ آگ کا بھڑکنا ** ۔ السُّلْطَانُ ۔ حجت ، برہان ** ۔ دلیل ، ثبوت ، سند ۔ محمد بن یزید نے کہا ہے کہ یہ سَلِیْطٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنے زیتون کے تیل کے ہوتے ہیں جو روشن ہوتا ہے ۔ اس اعتبار سے وہی حجت و برہان سُلْطَانٌ کہلائیگا جو خود بھی روشن ہو اور بات کو بھی روشن کر دے ** ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ۔ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِیْنٌ (۳۷/۱۵۶) ۔ " یا تمہارے پاس کوئی کھلی دلیل ہے " ۔ لیکن اَلسَّلْطُ کے اعتبار سے اسکے معنے غلبہ و اقتدار ۔ قوت اور طاقت کے بھی ہیں ۔ ان معانی میں یہ لفظ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے ۔ مثلاً سورۃ ابراہیم میں ہے کہ ہم نے رسولوں کو بَیِّنٰتٌ ، یعنے واضح دلائل ، دیکر بھیجا (۱۴/۱۰) ۔ لیکن ان کے مخالفین نے یہ کہکر ان سے انکار کر دیا کہ جب تک تم ہم پر غالب نہ آجاؤ ہم تمہاری بات نہیں مانینگے ۔ اسکے لئے سُلْطَانٌ مُّبِیْنٌ (۱۴/۱۱) آیا ہے ۔ یا مثلاً سورۃ حجر میں ہے کہ اللہ نے ابلیس سے کہدیا کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (۱۵/۴۲) ۔ میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہوگا ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں یہ لفظ " مجاز قرار دینے " کے معنوں میں بھی آیا ہے (۱۷/۳۳) جس میں غلبہ کا مفہوم شامل ہے ۔ سورۃ نساء میں ہے وَاٰتَیْنَا مُوْسٰی سُلْطَانًا مُّبِیْنًا (۴/۱۵۳) ۔ یہاں بھی اسکے معنے غلبہ و اقتدار کے ہیں ۔ سورۃ الحاقۃ میں بھی سُلْطَانِیَهْ اسی معنی میں آیا ہے (۶۹/۲۹) ۔ یعنے سلطانی (میرا سلطان) + ہ (وقف کی ہاء) ۔

سورۃ رحمٰن میں ایک آیت ہے جو ایک عظیم الشان حقیقت پر دلالت کرتی ہے ۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۔ اے گروہ جن و انس !

* تاج ۔ راغب ۔ ** تاج ۔

اگر تم اسکی طاقت رکھتے ہو کہ ''اقطار السمٰوٰت والارض'' سے آگے نکل جاؤ۔ تو جاؤ۔ ان سے آگے نکل جاؤ۔ (جن و انس کے معنے ہیں وحشی اور مہذب آبادیاں)۔ یہاں انسان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم میں یہ طاقت ہے کہ اس مادی کائنات کے حدود سے آگے نکل سکو تو جاؤ۔ اس سے آگے نکل جاؤ۔ اس سے آگے ہے۔ لَاتَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (۵۵/۳۳)۔ تم سُلْطَانٌ کے بغیر ان سے آگے نہیں نکل سکتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسان زندگی کی ارتقائی منازل طے کرتا مادی کائنات کے حدود سے آگے نکل سکتا ہے بشرطیکہ اسے وہ قوت حاصل ہوجائے جسے سُلْطَانٌ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سُلْطَانٌ اس قوت کا نام ہے جو قوانین خداوندی کے اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ [رسول اللہ ؐ کی زبان مبارک سے کہا گیا ہے وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا (۱۷/۸۰) ''اور مجھے اپنے ہاں سے مدد دینے والی قوت عطا فرما دے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوانین خداوندی کے اتباع سے جہاں اس دنیا کی خوشگواریاں حاصل ہو جاتی ہیں وہاں اس سے انسان کی ذات میں ایسی قوت اور استحکام پیدا ہو جاتا ہے جس سے یہ مادی کائنات کے حدود سے آگے نکل کر زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ قوت کسی اور طریق سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ صرف قرآن کریم کے اتباع سے ہو سکتی ہے۔ لیکن اس سے خانقاہیت والی ''روحانی ترقی'' نہیں سمجھ لینی چاہئے جو انسان کو ارض وسما سے آگے لے جانا تو ایک طرف، اسے خود اس دنیا میں سربزیری اور زیر دستی سکھاتی ہے۔ اس سُلْطَانٌ سے وہ قوت اور غلبہ مقصود ہے جو اس دنیا میں تمام طاغوتی قوتوں کا سر کچل دیتا ہے اور انسانی معاشرہ میں خدا کا قانون عملاً غالب کر دیتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی انسانی ذات میں اس قسم کا استحکام پیدا کر دیتا ہے کہ وہ حیات جاوید حاصل کر لیتی ہے۔ اسی کا نام اقطار السمٰوٰت والارض سے آگے نکل جانا ہے۔ طبعی قوتوں (Physical Forces) سے انسان خواہ چاند تک بھی کیوں نہ جا پہنچے۔ یا اس سے بھی آگے کیوں نہ نکل جائے، وہ اقطارالسمٰوٰت والارض کے اندر ہی رہیگا۔ ان حدود سے باہر، انسانی ذات ہی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس میں وہ سلطان پیدا ہو جائے جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے۔

س ل ف

سَلَفَ الْاَرْضَ و اَسْلَفَهَا۔ زمین میں ہل چلانا یا اسے ہموار کرنا۔ سَلَفَ الشَّیْئُ۔ چیز گزر گئی۔ آگے بڑھ گئی۔ سَلَفَ فُلَانٌ۔ وہ آدمی پہلے گزر گیا۔ اَسْلَفَ اس نے آگے بھیجا، پیش کیا، اَلسَّالِفَۃُ۔

پہلے گزر جانے والا - پیشرو* - اَلسَّالِفَۃُ - جنگ یا سفر میں آگے رہنے والے** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی آگے بڑھنے اور سبقت کرنے کے ہوتے ہیں -

سورۃ بقرہ میں ہے فَلَہٗ مَا سَلَفَ (۲/۲۷۵) - جو پہلے لیا جا چکا ہے وہ اس کا ہے - سورۃ زخرف میں ہلاک شدہ قوموں کے متعلق فرمایا وَجَعَلْنٰھُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا (۴۳/۵۶) - ہم نے انہیں پیشرو (یعنی پہلے گزر جانے والے) بنا دیا (جن کی داستانیں اب عبرت کے لئے باقی ہیں) - سورۃ الحاقہ میں ہے بِمَآ اَسْلَفْتُمْ (۶۹/۲۴) - جو کچھ تم نے پہلے کیا -

س ل ق

اَلسَّلْقُ - اس مادہ کے بنیادی معنے بلند ہونے اور اوپر چڑھنے کے ہیں*** - تَسَلَّقَ الْجِدَارَ - وہ دیوار پر چڑھ گیا - تَسَلَّقَ عَلٰی فِرَاشِہٖ وہ درد و غم کی وجہ سے اپنے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا اور اطمینان سے لیٹ نہ سکا - سَلَقَ فُلَانًا بِالسَّوْطِ - اس نے فلاں آدمی کی کوڑوں سے کھال ادھیڑ دی - اَلسَّلِیْقَۃُ - راستہ میں قدموں اور کھروں کے نشانات - پتلی اور باریک کی ہوئی روٹی - نیز طبیعت* - راغب نے لکھا ہے کہ اَلسَّلْقُ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو زبردستی بچھا دینا - خواہ ہاتھ سے ہو خواہ زبان سے** - اور سَلَقَ فُلَانًا کے معنے ہوتے ہیں اس نے فلاں آدمی کے نیزہ مار دیا* - اسی نہج سے قرآن کریم میں ہے سَلَقُوْکُمْ بِاَلْسِنَۃٍ (۳۳/۱۹) یہ لوگ تمہیں اپنی زبانوں کے طعن سے ایذا پہنچاتے ہیں - طعنوں کے تیر و نشتر مارتے ہیں - ان طعن آمیز باتوں سے تمہارے اوپر چڑھ دوڑنا چاہتے ہیں (یہی اسکے بنیادی معنے ہیں اگرچہ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے اس قدر مختلف معنی آتے ہیں کہ ان میں قدر مشترک متعین کرنا مشکل ہے) - لیکن ہمارے نزدیک اس مادہ میں تکلیف پہنچانے کا مفہوم غالب ہے -

س ل ک

سَلَکَ - اس مادہ کے اصل معنے ہوتے ہیں ایک چیز کا دوسری چیز کے اندر چلے جانا یا ڈال دینا - سَلَکَ یَدَہٗ فِی الْجَیْبِ - اس نے اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کر لیا* - صاحب محیط نے خَیْطٌ، سِلْکٌ اور سِمْطٌ کا فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر ڈورا خواہ سینے کے کام آئے یا

*تاج - **راغب - ***محیط -

ھار بنانے کے خَیْطٌ کہلاتا ھے ، لیکن وہ ڈورا جس میں موتی وغیرہ پروئے جائے ھیں سِلْکٌ کہلاتا ھے ، اور جس ڈورے میں موتی وغیرہ پروئے ھوئے موجود ھوں وہ سِمْطٌ کہلاتا ھے** ۔اَلسُّلُوْکُ ۔ راستہ میں گھس جانا*** ۔ سَلَکَ ۔ چلنا یا چلانا ۔ داخل ھونا یا داخل کرنا ۔ (لازم اور متعدی دونوں معنے آتے ھیں) ۔ اَسْلَکَ ۔ چلانا ۔ داخل کرنا* ۔

سورۃ حجر میں ھے کَذٰلِکَ نَسْلُکُہٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ (۱۵/۱۲) ۔ اسی طرح ھم اسے مجرمین کے دلوں میں داخل کرتے ھیں ۔ سورۃ طٰہٰ میں ھے وَ سَلَکَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا (۲۰/۵۳) ۔ اور تمہارے لئے اس (زمین) میں راستے چلائے ۔ اور سورۃ نوح میں ھے لِتَسْلُکُوْا مِنْھَا (۷۱/۲۰) ۔ تاکہ تم اس میں چلو ۔

س ل ل

اَلسَّلُّ* ۔ کسی چیز کو نرمی اور سہولت کے ساتھ نکال لینا ۔ ابن فارس نے نرمی اور سہولت کے ساتھ چپکے سے خفیہ طور پر نکال لینے کا اضافہ کیا ھے ۔ سَیْفٌ سَلِیْلٌ* ۔ نیام سے کھینچی ھوئی تلوار ۔ اَلسَّلَالَۃُ* ۔ وہ حصہ جو کسی چیز سے نکالا جائے* ۔ اَلْمُتَسَلْسَلُ* ۔ نکالا ھوا ۔ نیز وہ آدمی یا جانور جسے آختہ کر دیا گیا ھو** ۔ قرآن کریم میں انسانی تخلیق کے سلسلہ میں ھے کہ اسے سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ (۲۳/۱۲) سے پیدا کیا ۔ یعنے وہ شے جو مٹی (جمادات ۔ Inorganic Matter) سے بطور خلاصہ نکالی گئی ھو ۔ اگر انسانی جسم کا تجزیہ کیا جائے تو وہ انہی جامد عناصر (مثل لوھا ۔ چونا ۔ فاسفورس وغیرہ) کا مرکب نظر آئے گا ۔

اِنْسَلَّ* وَ تَسَلَّلَ ۔ وہ چھپ کر چلا گیا ۔ آھستہ سے کھسک گیا ۔ اَلسَّلَّۃُ* ۔ خفیہ طور پر چرانا ۔ چوری ۔ اَلسَّلَّالُ* ۔ اَلسُّلَّالُ* ۔ اَلْاَسَلُّ* ۔ چور کو کہتے ھیں* ۔

سورۃ نور میں ھے اَلَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ (۲۴/۶۳) ۔ جو تم میں سے چپکے سے کھسک جاتے ھیں ۔

س ل م

سَلْمٌ**** ۔ چونکہ یہی وہ مادہ ھے جس سے اِسْلَامٌ* کا لفظ آیا ھے اس لئے اس کے بنیادی معانی کو غور سے سمجھ لینا چاھئے کیونکہ انہی معانی سے

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔ **** اس عنوان کے تمام معانی تاج ۔ محیط اور لین سے ماخوذ ھیں ۔

اسْلاَمٌ کے مختلف گوشے واضح ہو جائینگے -

(۱) سَلِیمَ کے بنیادی معنی ہیں وہ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک اور صاف ہوگیا - اس کی ہر ایک کمی پوری ہوگئی - سَلَّمَ الدَّلْوَ - اس نے ڈول کو پختگی کے ساتھ تیار کر دیا - سورۃ بقرۃ میں بنی اسرائیل کی گائے کے متعلق ہے مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا (۲/۷۱) - وہ جسمانی نقائص سے منزہ اور بالکل بے داغ ہے - لہذا سَلِیمَ کے بنیادی معنے ہیں اس طرح مکمل ہو جانا کہ پھر کوئی نقص اور کمی باقی نہ رہے - یعنے انسانی صلاحیتوں کی پوری پوری نشو و نما اور تکمیل -

(۲) اس مادہ کے دوسرے بنیادی معنے ہیں، ہر قسم کے آفات - خطرات اور حوادث سے محفوظ رہنا - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ میں زیادہ معنی صحت اور عافیت سے متعلق ہیں - سَلِیمَ مِنَ الْاٰفَةِ سَلَامَةً - وہ آفت سے محفوظ رہا - سَلَّمَهُ اللّٰهُ تَسْلِيمًا - خدا نے اسے آفت سے محفوظ رکھا - قرآن کریم میں خدا کا ایک نام اَلسَّلَامُ بھی آیا ہے (۵۹/۲۳) جس کا عام طور پر مفہوم لیا جاتا ہے "تمام عیوب و نقائص سے پاک" - لیکن صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے اس کے یہ معنے کئے ہیں انہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے - کیونکہ سَلَامٌ اُسے کہتے ہیں جس سے دوسری چیزیں سلامتی حاصل کریں اور سَالِمٌ وہ ہوتا ہے جو دوسرے سے سلامتی حاصل کرے - یعنے وہ جس پر کوئی آفت آ سکتی ہو اور وہ اسکا متوقع بھی ہو لیکن اس سے محفوظ رہنا چاہے - لہذا خدا کا نام سَلَامٌ اس لئے ہے کہ اس نے تمام مخلوق کو اختلال و انتشار سے محفوظ رکھا ہے اور اس کا نظام نہایت حفاظت و صیانت سے چل رہا ہے -

لہذا سَلَامٌ کے معنے ہیں آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہنا - یہ اس مادہ کے دوسرے معنی ہوئے -

(۳) اَلسُّلَّمُ - سیڑھی کو کہتے ہیں - یعنے کسی بلندی تک پہنچنے کا قابل اعتماد اور محفوظ ذریعہ - لہذا اس مادہ کے تیسرے معنے ہیں وہ ذرائع جن سے کوئی شخص نہایت اعتماد اور حفاظت سے بلندیوں تک پہنچ جائے -

(۴) اَلسِّلْمُ کے معنے ہیں صلح اور صفائی کے ساتھ رہنے والا - اَلسِّلْمُ کہتے ہی صلح کو ہیں - لہذا اس مادہ کے چوتھے معنے ہیں - خود بھی امن و سلامتی سے رہنا اور دنیا میں بھی امن و سلامتی قائم رکھنا - تَسَالَمَتِ الْخَيْلُ کے معنے ہوتے ہیں گھوڑوں کا ایک ساتھ چلنا (پاؤں ملا کر اس طرح چلنا کہ ان میں کامل ہم آہنگی ہو) اور کسی گھوڑے کا ایسی حرکت

نہ کرنا جس سے دوسرے گھوڑے بدک جائیں یا مشتعل ہو جائیں ۔ اس سے اسلامی معاشرہ کا صحیح صحیح تصور سامنے آجاتا ہے ۔

(۵) اَلسِّلْمُ وَالسَّلَامُ کے معنے ہیں اطاعت ۔ انقیاد ۔ سپردگی ۔ جھک جانا ۔ لہذا اس مادہ کے پانچویں بنیادی معنے ہوئے قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرنا ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ س ۔ ل ۔ م میں بنیادی طور پر نرمی اور انکسار کا پہلو مضمر ہوتا ہے * ۔

(۶) اُسْتُسْلِمَ ثُکِّمَ الطَّرِیْقِ کے معنے ہیں وہ راستہ کے درمیان میں چلا اور اس سے ادھر اُدھر نہ ہوا ۔ قَالُوْا سَلَامًا کے معنے ہیں وہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں اور کوئی لغو بات نہیں کرتے ۔ لہذا اس مادہ کے چھٹے معنے ہوئے اعتدال اور توازن کی راہ اختیار کرنا اور لغویت اور بیہودگیوں سے بچنا ۔

(۷) اِسْتَلَمَ الزَّرْعُ کے معنے ہیں کھیتی کی بالیں نکل آئیں ۔ لہذا اس مادہ کے ساتویں معنے ہیں کوششوں کا نتیجہ خیز ہونا ۔

(۸) اور اَلسَّلِیْمَۃُ اس عورت کو کہتے ہیں جسکے اعضاء نہایت نرم و نازک اور خوشنما ہوں ۔ لہذا اس مادہ کے آٹھویں معنے ہوئے حسن و خوشنمائی ۔

ان معانی سے ظاہر ہے کہ اَلْاِسْلَامُ اس نظام حیات کا نام ہے جس سے (۱) انسان کی تمام کمیاں پوری ہو جائیں اور اسکی صلاحیتیں پوری پوری نشو و نما پالیں (۲) جس میں وہ زندگی کی تمام تباہیوں اور بربادیوں سے محفوظ رہے ۔ اور (۳) اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا بلندیوں کی طرف بڑھتا چلا جائے ۔ (۴) وہ خود اپنی ذات میں بھی امن و سلامتی اور صلح و آشتی سے رہے اور ساری دنیا میں امن و سلامتی قائم کرنے کا موجب ہو ۔ وہ سفر زندگی میں دوسرے افراد معاشرہ کے ساتھ پوری ہم آہنگی سے چلے اور کوئی حرکت ایسی نہ کرے جس سے کوئی دوسرا مشتعل ہو اور اسطرح معاشرہ کا نظام خراب کر دے ۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ (۵) انسان قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرے اور انکے سامنے اپنا سر ہی نہیں بلکہ دل بھی جھکا دے ۔ اور یہ کچھ (۶) پورے پورے اعتدال اور توازن سے کرے ۔ افراط و تفریط سے کام نہ لے ۔ (۷) اسطرح اسکی کوششیں ثمربار ہو جائینگی اور اسکا کوئی عمل رائیگاں نہیں جائیگا اور (۸) اسکی اپنی ذات میں بھی حسن (توازن) پیدا ہو جائیگا اور پورے معاشرے میں بھی ۔

* العلم الخفاق ۔

یہ ہے وہ روش زندگی جسکے متعلق کہدیا کہ جو شخص اس روش کے خلاف کوئی اور روش اختیار کریگا ، تو وہ اس قسم کے نتائج قطعاً پیدا نہیں کرسکے گی اور وہ آخر الامر نقصان اٹھائیگا (۳/۸۴)۔ یہ روش قرآن کریم کے اتباع کا دوسرا نام ہے ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (۲۰/۴۷)

قرآن کریم میں مُسْلِمٌ اور اسکے مشتقات اس کثرت سے آئے ہیں کہ اس مقام پر ان تمام کا درج کرنا مشکل ہے ۔ لہذا ان میں سے جستہ جستہ مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا (۲/۷۱) ''وہ ہر قسم کے نقائص سے منزہ اور بالکل بے داغ ہے ''۔(۲/۲۳۳) میں اِذَا سَلَّمْتُمْ کے معنے ہیں جبکہ تم دے دو ۔ سونپ دو ۔ حوالہ کر دو۔

سورۃ انفال میں ہے کہ تم آپس میں جھگڑنے لگ گئے تھے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ (۸/۴۳) ۔ اللہ نے تمہیں اس کے تباہ کن نتائج سے محفوظ رکھا ۔ سورۃ الطور میں سُلَّمٌ (۵۲/۳۸) کا لفظ بلند مقامات تک پہنچنے کے ذرائع کیلئے استعمال ہوا ہے ۔

سورۃ انفال میں ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ (۸/۶۱) ۔ اسکے معنے صلح کے ہیں ۔ اطاعت و فرمانبرداری کیلئے یہ مادہ (مثلاً ۲/۱۱۲) میں آیا ہے ۔

سورۃ روم میں ایمان اور اسلام کو الگ الگ بیان کیا ہے (۳۰/۵۳) ۔ یعنے اِیْمَانٌ کے معنے ہیں کسی نصب العین کو صحیح مان لینا اور اِسْلَامٌ کا مطلب ہے اس پر پورے پورے طور پر کاربند ہو جانا ۔ اس کے مقابلہ میں ، وہ لوگ جو محض مطیع ہو کر اسلام لائے ہوں اور ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں نہ ہوا ہو، ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ مُسْلِمٌ ہیں ، ابھی مُؤْمِنٌ نہیں ہوئے (۴۹/۱۴) ۔ سورۃ النمل میں مسلمین کا لفظ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ (۲۷/۳۱) کے معنوں میں آیا ہے ۔ یعنی سرکشی اور حدود شکنی اختیار نہ کرنا ۔ فرماں پزیر ہو جانا ۔ سورۃ مریم میں لفظ (سَلَامٌ) لَغْوٌ کے مقابلہ میں آیا ہے ۔(۱۹/۶۲) ۔

ان خصوصیات کے حامل انسان کو صاحب قلب سلیم کہا گیا ہے (۲۶/۸۹) ۔ اور ان صفات کی حامل قوم کو اُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ (۲/۱۲۸) یعنی ایسی قوم جو احکامات الٰہی کا اتباع کرتی رہے ۔ اس قوم کے ہر فرد کا فریضہ حیات یہ ہوگا کہ جس فرد سے اسکا معاملہ پڑے وہ اسے کہے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (۲۸/۵۵) ۔ میں تمہارے لئے سَلَامٌ کی آرزو کرتا ہوں ۔ یعنی

ان تمام سعادتوں اور خوشگواریوں کی جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ۔ اور وہ بھی اس کے جواب میں اس آرزو کا اظہار کرے اور یوں ان کا سارا معاشرہ سَلاَماً سَلاَماً (۵۶/۲۵) کی حیات بخش صداؤں سے گونج اٹھے ۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے کہ وہ یہودی یا نصرانی نہیں تھے ۔ حَنِیْفاً مُّسْلِماً تھے (۳/۶۷) یہی وہ نام ہے جو دین خداوندی کے متبعین کے لئے اللہ نے تجویز کیا تھا ۔ قرآن کریم سے پہلے بھی اور قرآن کریم کے بعد بھی (۲۲/۷۸) ۔ اپنے آپ کو فرقوں سے منسوب کرنا غیر اسلامی شعار ہے ۔ اس لئے کہ فرقہ بندی شرک ہے (۳۰/۳۲) ۔ اور مسلم اور مشرک ایک دوسرے کی ضد ہیں (۳/۶۷) اور کفر اور اسلام بھی ایک دوسرے کی ضد (۶/۱۲۲) ۔ اسے بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ مسلم کبھی مجرم نہیں ہو سکتا ۔ اسی لئے قرآن کریم میں ہے کہ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ (۶۸/۳۵) ۔ ”کیا ہم مسلمین کو مجرمین جیسا بنا دینگے ؟“ ۔ لہذا مسلم وہی ہے جو قوانین خداوندی کی اطاعت کرے ۔

الاسلام ، وہ ضابطۂ حیات ہے جسے اللہ تعالےٰ نے انسانوں کے لئے تجویز کیا ہے ۔ اس کے سوا کوئی ضابطۂ حیات خدا کے نزدیک قابل قبول نہیں ۔ سورۃ آل عمران میں ہے اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ ۔ کیا یہ لوگ ، اللہ کے (متعین فرمودہ) ضابطہ حیات کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں ۔ حالانکہ تمام اشیائے کائنات کی کیفیت یہ ہے کہ وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعاً وَّکَرْھاً وَاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ (۳/۸۳) کائنات کی ہستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اس کے قانون کے سامنے ، طوعاً و کرھاً سر بسجود ہیں اور وہ ہر ہر قدم پر اس قانون کیطرف لوٹائے جاتے ہیں ۔ اس کے بعد ہے وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلاَمِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ (۳/۸۴) جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور ضابطہ حیات اختیار کریگا اس سے وہ کبھی قبول نہیں کیا جائیگا ۔ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (۳/۸۴) ۔ اور اس کا جی چاہے تو تجربہ کرکے دیکھ لے کہ وہ آخرکار ضرور نقصان اٹھائیگا ۔ یہی وہ ضابطہ حیات ہے جو انبیائے سابقہ کو ملتا رہا اور جو آخرالامر قرآن کریم میں آکر مکمل ہوا ۔ اسی کو خدا نے تمام نوع انسان کے لئے منتخب کیا ہے (۵/۳) ۔ لہذا اب ، اس آسمان کے نیچے ، خدا کا تجویز کردہ ضابطہ حیات جسے اس نے الاسلام کہکر پکارا ہے ، قرآن کریم سے باہر کہیں نہیں ۔ اسی دین کے ماننے والوں کو مسلمین کہتے ہیں ۔ مسلم وہ ہے جو قرآن کریم کو خدا کیطرف سے عطا کردہ واحد ، مکمل اور آخری ضابطہ حیات سمجھے ۔

س ل و

سَلْوَیٰ - ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو تسلی دے - چنانچہ شہد کو بھی اَلسَّلْوَیٰ کہتے ہیں* - اور گوشت کو بھی** - سَلْوَۃٌ مِنَ الْعَیْشِ سہولت اور آرام کی زندگی کو کہتے ہیں جس میں غم و فکر نہ ہو** - سَلَاہُ عَنْہُ تَسْلِیَۃً - اس نے اسکے غم کو بھلا دیا* - اَلسَّالِیْ - غم و فکر کو بھول جانے والا** - سَلَاہُ - وہ اس کی یاد کو بھول گیا - اس نے اس کے غم کو غلط کر لیا* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی سہولت کی زندگی اور فراخیٔ عیش کے ہوتے ہیں -

اَلسَّلْوَیٰ - (۲/۵۷) - سفید رنگ کا ایک پرندہ (بٹیر کے مشابہ) جو سینا کی وادیوں میں بنی اسرائیل کو کھانے کو ملتا تھا* - راغب نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شے ہے جو وجہ تسلی ہو*** - (نیز دیکھئے عنوان - م - ن - ن)

سلیمان علیہ السلام

انبیائے بنی اسرائیل میں حضرت سلیمان[۴] خاص شوکت و حشمت کے مالک تھے - آپ حضرت داؤد[۴] کے بیٹے (۲۷/۱۶) اور وارث (جانشین) تھے (۲۷/۱۶) - آپ کو علم اور قوتِ فیصلہ کی فراوانی عطا ہوئی تھی (۲۷/۱۵) - اس لئے انہیں سطوتِ داؤدی کی وراثت محض ان کا بیٹا ہونے کی وجہ سے نہیں مل گئی تھی، اگرچہ بنی اسرائیل میں بادشاہت وراثت میں مل جاتی تھی - شہروں کی مہذب آبادیاں اور وحشی قبائل (جن و انس) آپ کے لشکروں میں جمع رہتے تھے اور گھوڑوں کے رسالے ان پر مستزاد تھے (۳۸/۱۷) - حضرت سلیمان[۴] کا بحری بیڑہ بھی بڑا مشہور تھا - قرآن کریم نے بتایا ہے کہ ہوائیں ان کے تابع فرمان تھیں - (۲۱/۸۱) - یعنی وہ ان سے بادبانی کشتیوں کو چلاتے تھے - پہاڑی قبائل کے سرکش افراد مختلف کاموں پر مامور تھے (۲۱/۸۲) - وہ آپ کے لئے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتے - مجسمے تراشتے اور تصویریں بناتے تھے (۳۴/۱۳ - ۱۲۰) - اس زمانے میں یمن کے مشرقی علاقہ پر قوم سبا کی حکومت تھی جو ستارہ پرست تھی - ایک ملکہ ان پر حکمران تھی - آپ نے اس کے خلاف لشکر کشی کی اور وہ بالآخر مطیع و فرمانبردار ہو گئی (۲۷/۴۴ - ۴۰) - یہی لشکر وادی نمل میں سے گزرا تھا (۲۷/۱۹ - ۱۸) - ہُدہُد اسی لشکر میں ایک افسر تھا (۲۷/۲۱ - ۲۰) -

آپ اس شوکت و عظمت کے مالک تھے لیکن آپ کا جانشین کمزور ثابت ہوا (۳۴/۱۲) - تورات (سلاطین) میں اس کی تفصیل ملتی ہے -

---

*تاج - **محیط - ***راغب -

یہودیوں نے سحر و کہانت کے بہت سے لغو افسانے تراش کر آپ کی طرف منسوب کر رکھے تھے - خود تورات میں بھی اس قسم کی خرافات ملتی ہیں - قرآن کریم نے ان سب کی تردید کی ہے (۲/۱۰۲) -

س م د

سَمَدَ - سُمُوْدًا - تکبر سے سر کو اٹھائے رکھنا* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی رکے بغیر آگے بڑھتے چلے جانے کے ہیں - چنانچہ سَمَدَتِ الْاِبِلُ فِیْ سَیْرِھَا کے معنی ہیں اونٹ تیز رفتاری سے ناک کی سیدھ آگے بڑھتے گئے - اس سے اس کے معنی تکبر اور سرکشی کئے جاتے ہیں - نیز من مانی کرنے کے بھی - سَمَدَ - یَسْمُدُ کے معنے ہیں ، بلند ہونا - سَامِدٌ - حیرانی میں کھڑا رہ جانے والے کو بھی کہتے ہیں (شاید اس لئے کہ وہ بھی سر اٹھائے کھڑا رہتا ہے)- ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ اس کے معنے لہو و لعب میں مشغول آدمی کے ہیں جو اپنے فرائض سے غافل ہو جائے* - صاحب محیط نے کہا ہے کہ کبھی فکر و حزن سے چہرے کے بگڑ جانے کو بھی اَلسُّمُوْدُ کہتے ہیں** - قرآن کریم میں مخالفین کے متعلق ہے وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ - فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا (۵۳/۶۰-۶۲)- تم ہنستے ہو - روتے نہیں ہو - یہ اس لئے ہے کہ تم اس سے بالکل بےخبر ہو کہ تمہارے اعمال کے نتائج کیا سامنے آنے والے ہیں - اس اعتبار سے سَامِدُوْنَ کے معنے غافل اور بے خبر کے آئینگے - لیکن اس کے بعد ہے فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا - اگر اس اعتبار سے دیکھا جائے تو سَامِدُوْنَ کے معنے یہ ہونگے کہ تم بہت متکبر اور سرکش ہو - من مانی کاروائیاں کرتے ہو - تم اس روش کو چھوڑو اور احکام خداوندی کے سامنے جھکو اور اس کی محکومیت اختیار کرو -

س م ر

اَلسُّمْرَةُ - گندمی رنگ - اَلسُّمْرَاءُ - گیہوں - اَلسَّمَرُ - رات - رات کی باتیں - رات میں قصے کہانیاں کہنا - اَلسَّامِرُ - شب میں قصہ گوئی کی محفل - نیز قصہ گو - (یہ جمع کے لئے بھی آجاتا ہے) (۲۳/۶۷) - اَلسَّمِیْرُ - قصہ گو - داستان زن - اَلْمُسَامِرُ - رات کی قصہ گوئی کی محفل میں تمہارا شریک - سِمَارُ اللَّیْلِ - رات کو باتیں کرنا - سَمِیْرٌ کے معنے زمانے کے بھی ہیں*** -

*تاج - **محیط - ***تاج و راغب

اَلسّامِرَۃُ ۔ اَلسّمَرَۃُ ۔ یہودیوں کی ایک قوم جو اسرائیلی قبائل میں سے ہے ۔ یہ لوگ بعض مسائل میں یہودیوں سے اختلاف رکھتے ہیں ۔ مثلاً ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا ۔ نیز یہ چھوت چھات کے بھی قائل ہیں ۔ ان کا خیال ہے کہ نابلس کا شہر ہی (جس میں یہ رہتے ہیں) بیت المقدس ہے ۔ ان کے دو فرقے ہیں ۔ کوشان اور دوشان ۔ انہی لوگوں کی طرف وہ سامری منسوب ہے جس نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کی تعلیم دی تھی* ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلسّامِرَۃُ فلسطین میں ایک مقام بھی ہے اور ایک قبیلہ بھی جو نابلس میں رہتا ہے ۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دوسرے لوگوں سے چھوجانے سے یہ ناپاک ہو جاتے ہیں** ۔ (۲۰/۹۶) میں اس سامری کے متعلق جس نے بنی اسرائیل کو بہکایا تھا ، ایسا ہی کچھ آیا ہے ۔

لیکن عصر حاضر کی اثری تحقیقات کی روشنی میں قیاس کا رخ اس طرف جاتا ہے کہ یہ شخص سمیری قوم کا فرد تھا (بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا) ۔ حضرت مسیحؑ سے قریب ساڑھے تین ہزار سال قبل عراق میں دو قومیں آباد تھیں ۔ ایک قوم جو جنوب سے آئی تھی عرب تھی اور دوسری جو غالباً شمال سے آئی تھی سمیری کہلاتی تھی ۔ اس کا وطن اگرچہ عراق تھا لیکن یہ دور دور تک پھیل گئی تھی ۔ مصر کے ساتھ ان کے تعلقات تاریخ کی روشنی میں واضح ہو چکے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص (جسے قرآن کریم نے سَامِیری کہہ کر پکارا ہے ۔ ۲۰/۸۵) مصر میں حضرت موسیٰؑ کا معتقد ہو گیا تھا اور بنی اسرائیل کے ساتھ ہی وہاں سے نکل آیا تھا ۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کی تعلیم اس کے دل کی گہرائیوں میں نہیں اتری تھی (۲۰/۹۶) ۔

لیکن اگر اَلسّامِرِیُّ کی اصل سَمَرٌ ہے تو اس کے معنے داستاں گو ، یعنے قصے کہانیاں کہنے والے کے ہیں ۔ ''کہانیاں کہنے والے'' جس طرح قوموں کو گمراہ اور برباد کرتے ہیں اس کی تشریح کی ضرورت نہیں ۔ خود ہماری تاریخ اس کی زندہ شہادت ہے ۔ جب ہم قرآن کریم کے حقائق کو چھوڑ کر ، قصوں اور کہانیوں میں الجھ گئے تو قعر مذلت میں گرتے چلے گئے ۔ رفتہ رفتہ اب ہماری حالت یہ ہو گئی ہے کہ ہمارے ہاں دین نام ہی چند قصوں اور کہانیوں کا رہ گیا ہے اور قرآنی حقائق ہمارے لئے نامانوس شے قرار پا چکے ہیں ۔

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔

س م ع

اَلسَّمْعُ ۔ کان کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان آوازوں کو محسوس کرتا ہے ۔ سننے کو بھی ، اور کبھی کبھی خود کان کو بھی کہدیتے ہیں ۔ نیز جو چیز سنی جائے اسے بھی سَمْعٌ کہدیتے ہیں ۔ سَمِیْعٌ کے معنے سننے والا اور سنانے والا دونوں آتے ہیں (اگرچہ بعض علمائے لغت نے دوسرے معنوں کی تردید کی ہے) ۔ اِسْتَمَعَ اِلَیْہِ کے معنے ہیں کسی کیطرف متوجہ ہونا ۔ کان لگانا اور بغور سننا ۔ لیکن قرآن کریم میں یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْکَ (۱۰/۴۲) سے مراد وہ لوگ ہیں جو بظاہر ایسے دکھائی دیں کہ وہ بڑی توجہ سے سن رہے ہیں لیکن درحقیقت سن نہ رہے ہوں ۔ انہیں وہ بہرا کہتا ہے ۔ یعنی عقل سے کام نہ لینے والے ۔(۱۰/۴۲)۔

اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ ۔ (۴/۴۶) اس کے یہ معنی ہیں کہ تو ہماری بات سن ، اگرچہ تیری بات سنی نہیں جائیگی ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ قول طنزاً بہرا ہو جانے کی بددعا کے لئے ، اور بصورت دیگر دعا کے لئے بولا جاتا ہے ۔ کبھی کبھی سَمْعٌ کا اطلاق خود فہم و تدبر پر بھی ہوتا ہے ۔ یعنے اَسْمَعَ کے معنے اَفْہَمَ (کسی کو سمجھا دینا) بھی آتے ہیں ۔ نیز اس لفظ کا اطلاق اطاعت پر بھی کر دیا جاتا ہے ۔ یعنے اِسْمَعُوْنِ کے معنے اَطِیْعُوْنِ ہوتے ہیں * ۔ (۲/۹۳) ۔ سَمِعَ لَہٗ کے معنی ہیں اس کی بات کو قبول کیا * ۔

قرآن کریم نے حصول علم کے لئے سمع ، بصر اور قلب کا ذکر کیا ہے ۔ سماعت و بصارت ان حواس (Senses) کی ترجمان ہیں جنکے ذریعہ محسوس اشیاء کے متعلق معلومات ذہن انسانی تک پہنچتی ہیں ۔ یعنے یہ علم محسوسات (Perceptual knowledge) کے ذرائع ہیں ۔ ان ذرائع سے جو معلومات (Sense Data) قلب (Mind) تک پہنچتا ہے وہ اس سے تصورات (Concepts) متعین کرتا ہے ۔ اسطرح سمع ، بصر و قلب سے (Conceptual knowledge) حاصل ہوتا ہے ۔ قرآن کریم علم محسوسات اور علم تصورات پر بڑا زور دیتا ہے اور جو لوگ سمع و بصر و قلب ** سے کام نہیں لیتے انہیں جہنمی قرار دیتا ہے (۷/۱۷۹)۔ لیکن وہ اسکے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ جب انسان پر جذبات غالب آجائیں تو پھراسکے ذرائع علم اسے صحیح نتیجہ تک کبھی نہیں پہنچاتے (۴۵/۲۳) ۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ (مثلاً) غصہ میں انسان کسطرح اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے ۔ یہی حال دوسرے جذبات کا ہے ۔

* تاج ۔ ** نیز دیکھئے عنوانات ق ۔ ل ۔ ب اور ب ۔ ص ۔ ر

لالچ میں انسان وہ کچھ کر بیٹھتا ہے جس پر ہر ہوشمند ہنستا ہے۔ اور تعصب میں انسان دوسرے کے نقطہ نگاہ کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ جس طرح نشے کی حالت میں حواس صحیح کام نہیں دے سکتے اسی طرح جذبات سے مغلوب ہونے کی حالت میں عقل بیکار ہو جاتی ہے۔ اسے قرآن کریم خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ (۲/۷) سے تعبیر کرتا ہے۔ آنکھوں پر پردے پڑجانا۔ کانوں میں ڈاٹ لگ جانا۔ اور دلوں پر مہریں لگ جانا *۔ علم اُسی وقت صحیح نتائج تک پہنچا سکتا ہے جب اس سے وحی کی روشنی میں کام لیا جائے۔ کیونکہ وحی کے ذریعہ وہ اصولِ زندگی ملتے ہیں جن میں انسانی جذبات کی آمیزش نہیں ہوتی۔ انسان اپنے عقل و فہم سے جو اصول حیات بھی وضع کریگا وہ اسکے جذبات کی آمیزش سے خالی نہیں رہ سکتے۔

سَمَّاعٌ۔ جاسوس کو بھی کہتے ہیں ** (۵/۴۱)۔

سورۃ کہف میں ہے اَبْصِرْ بِہٖ وَاَسْمِعْ (۱۸/۲۶) کیا خوب اسکا دیکھنا اور کیا خوب اسکا سننا ہے۔

مُسْمِعٍ۔ سنانے والا (۳۵/۲۲)۔ مُسْتَمِعٌ۔ سننے والا (۵۲/۳۸)۔

اِسْتَمَعَ۔ (چھپ کر) سننا (۷۲/۱)۔ کان لگا کر غور سے سننا (۲۰/۱۳)۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلسَّمْعُ اور اَلسُّمْعَۃُ۔ ذکر جمیل اور شہرت کو بھی کہتے ہیں۔

س م ک

اَلسَّمْکُ۔ گھر کی بلندی یا چھت۔ قَدْ سَمَکَہٗ۔ اس نے اسکو بلند کر دیا ***۔ اَلسِّمَاکُ۔ وہ چیز جس سے کسی چیز کو بلند کیا جائے۔ اَلْمِسْمَاکُ۔ لکڑی جو خیمہ میں لگائی جاتی ہے تاکہ وہ اونچا رہے۔ اَلسَّمَکُ۔ مچھلی کو کہتے ہیں **۔ (کیونکہ وہ درمیان سے موٹی اور اونچی ہوتی ہے)۔

قرآن کریم میں ہے رَفَعَ سَمْکَہَا (۷۹/۲۸) خدا نے (آسمان کی) بلندی یا چھت کو اونچا کر دیا۔ فضائے سماوی کو بہت بلندی تک لے گیا۔ [(Space) کی بلندی یا وسعت لامحدود ہے۔]

* دیکھئے عنوان خ۔ ت۔ م۔ **تاج ***راغب۔

س م م

اَلسَّمُّ - تنگ سوراخ - جیسے سوئی کا ناکہ - (۷/۴) - یا کان اور ناک کا سوراخ - نیز زہر کو بھی کہتے ہیں - مَسَامٌّ - جلد کے باریک سوراخ - اَلسَّمَامُ - ہر ہلکی پھلکی اور تیز چیز - اَلسَّمُوْمُ - تیز گرم ہوا (لُو) جو اکثر گرمی کے دنوں میں چلتی ہے * - قرآن کریم میں ہے فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ (۵۶/۴۲) - سورۃ حجر میں نَارِ السَّمُوْمِ (۱۵/۲۷) آیا ہے -

ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی بتائے ہیں، کسی چیز میں داخل ہونے کی جگہ - وہ لکھتا ہے کہ زہر کو سَمٌّ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بدن میں گھس جاتا ہے، اور سَمُوْم گرم ہوا کو کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ تیزی کی وجہ سے بدن میں گھس جاتی ہے - راغب نے لکھا ہے کہ سَمَّهٗ کے معنے ہیں اس میں گھس گیا، نیز سَمُوْمٌ اس گرم ہوا کو کہتے ہیں جو زہر کا سا اثر کرتی ہے **-

س م ن

سَمِنَ - سَمَانَةٌ - وہ فربہ ہوا - موٹا تازہ ہوا - سَامِنٌ - سَمِیْنٌ - (جمع سِمَانٌ) فربہ * - قرآن کریم میں ہے بِقَرَاتٍ سِمَانٍ (۱۲/۴۳) - موٹی گائیں - یا بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ (۵۱/۲۷) - موٹا بچھڑا اَسْمَنَ الرَّجُلُ - آدمی موٹا تازہ ہو گیا - سَمَّنَهٗ - وَاَسْمَنَهٗ اسے موٹا کر دیا * - سورۃ غاشیہ میں جہنم کے کھانے کے متعلق ہے لَا یُسْمِنُ (۸۸/۷) - وہ موٹا نہیں کرتا - بدن کو بڑھاتا نہیں - ذلت و رسوائی کی روٹی سے فربہی کیسے حاصل ہو سکتی ہے ؟ اَلسَّمْنُ - گھی کو کہتے ہیں جس کے کھانے سے انسان موٹا ہو جاتا ہے -

س م و

سَمَاءٌ (جمع سَمٰوٰتٌ) آسمان کو کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین پر بلند اور سایہ فگن ہوتا ہے - نیز ہر اس چیز کو جو تمہارے اوپر چھائی ہوئی اور سایہ فگن ہو، سَمَاءٌ کہینگے - چنانچہ گھر کی ہر چھت بھی سَمَاءٌ کہلاتی ہے - فقہ اللغۃ میں بھی سَمَاءٌ کی یہی تعریف کی گئی ہے - راغب نے کہا ہے کہ ہر چیز اپنے سے نچلی چیز کی نسبت سے سَمَاءٌ کہلاتی ہے اور اپنے سے اوپر کی چیز کی نسبت سے اَرْضٌ - نیز بادل اور بارش کو بھی سَمَاءٌ کہتے ہیں - پودے اور سبزے کو بھی سَمَاءٌ کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین سے اونچا ہوتا ہے *** -

* تاج - ** راغب - ***تاج نیز ابن قتیبہ - القرطبی ج/۲ صفحہ ۲۸ -

اِسْمٌ کے معنے ہیں کسی چیز کی علامت جس سے اسے پہچانا جائے۔ پھر نام کو بھی اِسْمٌ کہتے ہیں، اس کی جمع اَسْمَاءٌ ہے۔ اس کا مادہ بھی س۔م۔و ہے۔ اس جہت سے کہ اسم سے مسمی پہچانا جاتا ہے اور اسی سے اسے بلندی و عزت حاصل ہوتی ہے۔ سَمِیٌّ کے معنے ہمنام اور نظیر و ہم پلہ کے آتے ہیں۔ مُسَامَاۃٌ کے معنے باہمی مفاخرت کے آتے ہیں*۔ سَمّٰی تَسْمِیَۃٌ۔ نام رکھنا۔ اَلْمُسَمّٰی کے معنے نام رکھا ہوا، بتایا ہوا، نامزد کیا ہوا۔ نیز معین، مقرر اور معلوم*۔

صاحب مفردات نے عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مَعْرِفَۃُ الْاَسْمَاءِ لَا تَحْصُلُ اِلَّا بِمَعْرِفَۃِ الْمُسَمّٰی۔ جب تک مسمّٰی کا علم نہ ہو اس کے اَسْمَاء کا تعارف کچھ فائدہ نہیں دیتا***۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کو علم اشیاء کی ایسی صلاحیت دی گئی ہے کہ وہ ہر چیز کو اس کی شکل اور اس کے خواص سے معلوم کرکے اس کو پہچاننے کے لئے نام رکھتا ہے۔

قرآن کریم میں اَرْضٌ وَ سَمَاءٌ بے شمار مقامات میں آتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہماری اس زمین کو بھی، جس پر ہم رہتے ہیں، اَرْضٌ کہتے ہیں۔ لیکن چونکہ ہر بلندی کو (پستی کی نسبت سے) سَمَاءٌ اور ہر پستی کو (اس کی بلندی کی نسبت سے) اَرْضٌ کہتے ہیں، اس لئے اَرْضٌ وَ سَمَاءٌ کے معنے کائنات کی پستیاں اور بلندیاں ہونگے۔ اور جب اَرْضٌ کو سَمَاءٌ کے مقابل میں لایا جائیگا تو سَمَاءٌ سے مفہوم کائناتی زندگی اور اس کا نظام بھی ہوگا، اور اَرْضٌ سے مراد انسان کی معاشرتی، معاشی اور تمدنی زندگی۔ نیز سَمَاءٌ یا سَمٰوٰتٌ سے مراد محض اجرامِ فلکی ہی نہیں ہونگے بلکہ فضا کی بلندیوں میں پھیلی ہوئی تمام توانائیاں مثل ایتھر اور ایٹم وغیرہ بھی ہونگے۔ یعنی فضا مع اپنے مشمولات کے۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں اَرْضٌ وَ سَمَاءٌ کے الفاظ آئے ہیں سیاق و سباق پر غور کرنے سے بآسانی سمجھ میں آ جائیگا کہ اُس جگہ سَمَاءٌ میں بلندی کا پہلو ہے اور اَرْضٌ میں پستی کا۔ خواہ وہ محسوس اشیاء میں ہو۔ خواہ منصب اور مرتبہ کے لحاظ سے اور خواہ کائناتی قوانین کے مقابلہ میں انسان کی معاشرتی زندگی ہو جسے اس نے اپنی مفاد پرستیوں کے سانچے میں ڈھال رکھا ہے۔ (مزید بحث ارض کے عنوان کے تحت آچکی ہے)۔

* تاج۔ **محیط۔ ***راغب۔

قرآن کریم میں ہے کہ وَ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا (۲/۳۱) - آدم کو تمام اشیاء کے اَسْمَاء سکھا دئے گئے - آدم سے مراد خود آدمی ہے - یعنی انسان (دیکھئے عنوان ا - د - م) جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے ، اسماء کا جاننا کچھ فائدہ نہیں دے سکتا جب تک آپ کو مسمّٰی (جس چیز کا وہ نام ہے) اس کا علم نہ ہو - لہذا آدم کو جو علم الاسماء دیا گیا تو اس کے معنے یہ ہیں کہ انسان میں اشیائے کائنات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی استعداد رکھ دی گئی ہے ، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملائکہ (کائنات میں کام کرنے والی قوتیں) اس کے سامنے سر بسجود ہیں - جب انسان اس قانون سے واقف ہو جاتا ہے جو کائنات میں کارفرما ہے تو جو جو قوتیں اس قانون کے مطابق کام کر رہی ہیں وہ سب اس کے تابع فرمان ہو جاتی ہیں - لہذا جس قدر کوئی قوم اشیائے فطرت کے متعلق معلومات بہم پہنچا کر انہیں اپنے تابع فرمان کرلے گی اسی قدر وہ مسجود ملائکہ بنتی جائے گی - اس سے اگلا مرحلہ یہ ہے کہ ان قوتوں کا استعمال کس طرح کیا جائے - سو اس کے متعلق فرمادیا کہ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲/۳۸) - جو قوم وحی خداوندی کا اتباع کریگی اسے کوئی خوف و حزن نہیں ہوگا - اور جو قوم انہیں اپنی مرضی کے مطابق (اپنی مفاد پرستیوں کے لئے) صرف کرے گی وہ خود بھی ہلاکتوں میں پڑیگی اور دوسروں کے لئے بھی باعثِ مصیبت بن جائے گی - اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (۲/۳۹) - اگر تسخیر فطرت کرنے والی قوم کو ''آدم'' (محض آدمی) کہا جائے تو اشیائے فطرت کو قوانین خداوندی کے مطابق صرف کرنے والی قوم کو ''مومن'' کہا جائے گا - اور جو قوم نہ تسخیرِ فطرت کرے اور نہ ہی اتباعِ قوانین خداوندی تو اسے—؟ کہتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے لیکن بہر حال کہنا ہی پڑتا ہے ، کہ اسے دور حاضر کے مسلمان کہا جائے گا ! یا للعجب -

''آدم'' کے علم الاسماء کے ضمن میں ایک مغربی ڈاکٹر نے اپنے نقطہ نگاہ سے بڑی دلچسپ بات لکھی ہے - وہ کہتا ہے کہ

> آدم پر تمام زندہ اشیاء کا نام رکھنے کی ذمہ داری عائد کی گئی - یہ بہت بڑی ذمہ داری اور مشکل کام تھا - اس لئے کہ جن چیزوں کا نام نہیں رکھا جاتا ان کے خواص بھی غیر متعین رہ جاتے ہیں - اور جن چیزوں کے غلط نام رکھے جاتے ہیں ، ان سے بڑے نقصان پہنچتے ہیں* -

*Dr. M. L. Tyler in ''Homeo. Drug Pictures'' (Preface).

اس سے بھی مراد ، کائنات کے علوم طبعی کی تحصیل ہے جو ''آدمیت'' کی علامت ہے ۔ ''غلط نام'' رکھنے کے ضمن میں قرآن کریم نے کہا ہے کہ جنہیں تم (خدا کے علاوہ) اپنا معبود سمجھتے ہو وہ بجز ایں نیست کہ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُکُمْ (۱۲/۴۰) ۔ ''یونہی کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لئے ہیں'' ۔ مَآاَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ (۱۲/۴۰) ۔ ''اللہ نے ان کے لئے کسوئی سند نازل نہیں کی'' ۔ یہ جو ہمارے ہاں بھی بڑے بڑے آستانے اور درگاہیں سجدہ گاہِ انام بن رہی ہیں، ان کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے نام رکھ دئے گئے ہیں اور ان ناموں کو شہرت دے دی گئی ہے ۔ اگر ان کے ایسے نام نہ رکھے جائیں تو وہ مٹی اور پتھر کی عمارتوں سے زیادہ کچھ حیثیت نہ رکھیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں ہر شے کا صحیح مقام وہی ہے جو اسے خدا کا قانون عطا کرے ۔ کائناتی دنیا میں اس کا قانونِ کائنات، اور انسانی دنیا میں ضابطۂ وحی (قرآن عظیم) ۔ باقی سب بتانِ آزری ہیں ۔

س ن ب ل

اَلسُّنْبُلُ ۔ بالوں اور خوشوں کو کہتے ہیں ۔ اس کا واحد اَلسُّنْبُلَۃُ ہے (جمع سَنَابِلُ وسُنْبُلَاتٌ) بال ۔ خوشہ (۲/۲۶۱) ۔ قَدْ سَنْبَلَ الزَّرْعُ ۔ کھیتی میں بالیں پڑ گئیں * ۔ (یہ لفظ غلے کے لئے آتا ہے ۔ پھلوں کے لئے نہیں) ۔

س ن د

اَلسَّنَدُ ۔ وہ چیز جسکے ذریعہ کوئی آدمی سہارا لے ۔ سَنَدَ اِلَیْہِ یَسْنُدُ ۔ اسنے ٹیک لگائی * سَنَّدَ الشَّیْءَ ۔ اسنے اس چیز کو سہارا دیکر مضبوط کر دیا ۔ اَلسَّنَدُ ۔ بلند پہاڑ جو تمہارے سامنے ہو ۔ اَلسَّنْدَانُ ۔ لوہار کا اہرن جس پر لوہے کو گرم کر کے کوٹا جاتا ہے ** ۔

اَلسَّنَدُ ۔ چادر کی ایک قسم جو یمن میں بنتی تھی ۔ سَنَّدَ الرَّجُلُ ۔ آدمی نے چادر اوڑھ لی * ۔ قرآن کریم میں منافقین کو خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ (۶۳/۴) سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ اسکے یہ معنے بھی ہیں کہ وہ ایسی لکڑیاں ہیں جو دیوار کے سہارے کھڑی کر دی گئی ہوں ۔ اور یہ بھی کہ وہ انسان نہیں ، لکڑیاں ہیں جنہیں کپڑے پہنا دئے گئے ہوں ۔ پہلے معنے زیادہ مناسب نظر آتے ہیں کیونکہ منافق میں خود اعتمادی نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ آسرے

* تاج ۔ ** محیط ۔

ڈھونڈتا رہتا ہے ۔ دوسرے معنی اس جہت سے درست ہیں کہ منافق کے اندر کچھ اور ہوتا ہے اور باہر کچھ اور ۔ اور جو کچھ باہر ہوتا ہے اسے وہ خوشنما بنا کر دکھاتا ہے ۔ نیز اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ منافق لکڑیوں کی طرح ایک دوسرے کے سہارے ہی کھڑے رہ سکتے ہیں ۔ اور اندر سے وہ کندہ نا تراش ہوتے ہیں لیکن ان کا ظاہر بڑا مزین اور خوشنما ہوتا ہے ۔

س ن د س

سُنْدُسٌ ۔ باریک اور اعلیٰ قسم کے ریشم کو کہتے ہیں ۔ یہ لفظ معرب ہے * ۔

قرآن کریم میں ہے ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ (۱۸/۳۱) ۔ ''سبز ریشمی کپڑے'' ۔

س ن م

اَلسَّنَامُ ۔ اونٹ کا کوہان ۔ اَلنَّسِيمُ مِنَ النَّبْتِ ۔ بلند پودہ جسکے پھول (یا بالیں) نکل آئے ہوں ۔ سَنَّمَ الْاِنَاءَ تَسْنِيمًا ۔ اسنے برتن کو اس طرح بھر دیا کہ جو چیز اس میں ڈالی گئی تھی (مثلاً غلہ وغیرہ) وہ اس کے کناروں سے بھی اونچی ہو گئی ۔ تَسَنَّمَ الْحَائِطَ ۔ وہ دیوار پر چڑھ گیا ۔ اَسْنَمَتِ النَّارُ ۔ آگ کے شعلے بلند ہو گئے ۔ سَنَامُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ ہر شے کا بلند حصہ یا بہترین حصہ ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی رفعت اور بلندی کے ہیں ۔

قرآن کریم میں تَسْنِيمٌ آیا ہے جس کی تشریح ان الفاظ سے کر دی گئی ہے کہ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ (۸۳/۲۸) ۔ ''ایسا چشمہ جس سے مقربین پیتے ہیں'' ۔ اس میں بلندیوں کا تصور ہے ۔ یعنی زندگی کے ارتقائی مدارج ۔ انسانیت کی رفعتیں ۔ صلاحیتوں کی بھرپور نشو و نما ۔

س ن ن

اَلسِّنُّ ۔ دانت * ۔ (۵/۴۵) ۔ چونکہ جانوروں کی عمر دانت دیکھکر بتائی جاتی ہے اس لئے اس کے معنے عمر کے بھی آئے ہیں ۔ اَسَنَّ الرَّجُلُ ۔ آدمی بڑی عمر کا ہو گیا ۔ اَلسُّنَّةُ ۔ چہرہ ۔ صورت ۔ نیز چہرے کا کھلا اور نمایاں حصہ ۔ نیز راستہ ، طریقہ ، دستور ، اور قانون ۔ اس کی جمع سُنَنٌ ہے ۔ اسی

* تاج و محیط ۔ ** تاج و راغب ۔

سے سَنَنٌ الطَّرِیْقِ ۔ (سین کے زبر ۔ زبر اور پیش کے ساتھ ۔ یہ سُنَّۃٌ کی جمع نہیں ۔ ایک الگ لفظ ہے ۔) راستے کے کھلے واضح اور نمایاں حصہ کو کہتے ہیں* ۔ یہیں سے اس کے معنے طریقہ ، مسلک ، معمول اور قانون کے ہوگئے ۔ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا (۱۷/۷۷) ۔ ''تم ہمارے طریقہ (قاعدہ۔ قانون) میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے'' ۔ سورۃ فاطر میں ہے ۔ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ (۳۵/۴۳) ۔ اب لوگوں کو صرف اس کا انتظار ہے کہ جو کچھ ان جیسی پہلی اقوام کے ساتھ ہوا ہے وہی کچھ ان کے ساتھ ہو جائے ۔ سورۃ آل عمران میں ہے ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ (۳/۱۳۶) ۔ تم سے پہلے بہت سے مسلک و مشرب طور طریقے ، نظام ہائے حیات گذر چکے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا جاری رہنا ۔ اور سہولت کے ساتھ اس کا یکے بعد دیگرے آتے رہنا ۔ سَنَّ الشَّیْءَ کے معنے کسی چیز کو سہل اور آسان کر دینا ہیں** ۔ اور سَنَّ التُّرَابَ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ کے معنی ہیں زمین پر مٹی کو آہستہ اور نرمی سے ڈالا حتّٰیکہ وہ بند کی طرح بن گئی** ۔

قرآن کریم میں انسانی تخلیق کے سلسلہ میں مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۱۵/۲۶) آیا ہے ۔ اس کے معنے عام طور پر سڑے ہوئے گارے کے کئے جاتے ہیں ۔ لین نے (مختلف اسناد کے ساتھ) لکھا ہے کہ سَنَنْتُ الْحَجَرَ عَلَی الْحَجَرِ کے معنے ہیں ''میں نے پتھر پر پتھر رکھکر گھسا'' ۔ اس طرح پتھر پر پتھر رکھ کر (اور پانی ڈال کر) گھسنے سے جو سڑا ہوا مرکب نکلتا ہے اسے سَنِیْنٌ کہتے ہیں ۔ جب وہ کچھ عرصہ تک پڑا رہے تو سخت ہو جاتا ہے*** ۔ بعض نے کہا ہے کہ مَسْنُوْنٌ کے معنے تر اور نم کے ہیں ۔ ابو الہیثم نے کہا ہے کہ سَنَّ الْمَاءُ کے معنے ہیں پانی متغیر ہو گیا* ۔

قرآن کریم نے کہا ہے کہ انسان کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے ہوئی تھی ۔ وہ مٹی جس کے ساتھ پانی ملا تھا ۔ یعنی زندگی کی ابتداء جماد (Inorganic Matter) کے مادہ پانی کی آمیزش سے ہوئی ۔ جب ان دونوں کی آمیزش کے بعد قرن ہا قرن گزر گئے اور اس میں کافی تغیر و تبدل ہوتا گیا تو اس سے زندگی کی نمود ہو گئی ۔ اس کو حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یاد رہے کہ اس سے اُس طریق کا بتانا مقصود ہے جس سے زندگی محسوس شکل میں ہمارے سامنے آگئی ۔ یہ مطلب نہیں کہ زندگی سادہ (Matter) کی پیداوار ہے ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔ ****لین ۔

قرآن کریم کا یہ اعلان کہ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (۳۵/۴۳)۔ ایک عظیم حقیقت کا اظہار ہے جس پر تمام سائنٹیفک تحقیقات کی عمارت استوار ہے اور جو قانونِ مکافاتِ عمل کی روح ہے ۔ آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل یہ کہنا کہ "خدا کے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی" کسی انسان کا کام نہیں تھا ۔ انسان تو ابھی کل تک قانون (Law) کے تصور سے نا آشنا تھا ۔ دنیا میں جس قدر سائنٹیفک ایجادات ہوئی ہیں ، اور ہوتی چلی جا رہی ہیں وہ سب اس محکم اصول کی رہینِ منت ہیں کہ قوانین خداوندی میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی ۔ یہ اصول اس قدر محکم ہے کہ انسان اس پر کامل اعتماد کر سکتا ہے اور یہی وہ اعتماد ہے جس کے سہارے وہ آسمانی کروں تک جست لگانے سے بھی نہیں جھجکتا ۔ وہ جب ایک دفعہ قانونِ خداوندی کو سمجھ لیتا ہے تو پھر وہ اس یقین کے ماتحت کہ اس قانون میں کبھی تبدیلی نہیں ہوگی ، وہ کچھ ، بلا خوف و خطر ، کرتا چلا جاتا ہے جس کے تصور سے بھی ان لوگوں کی روح کانپتی ہے جو اس حقیقت سے آشنا نہیں ہوتے ۔

جس طرح اس کا یہ اصول خارجی کائنات میں کارفرما ہے اسی طرح انسانی دنیا میں بھی نافذ العمل ہے ۔ اس نے قوموں کے عروج و زوال کے لئے قوانین متعین کر دئے ہیں اور اس کے بعد کہہ دیا ہے کہ ان قوانین میں کبھی تبدیلی نہیں ہوگی ۔ جو قوم ان کے مطابق زندگی بسر کریگی وہ عروج حاصل کرے گی ۔ جو ان کے خلاف جائیگی ، تباہ ہو جائیگی ۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ۔

اس قانون نے خود خدا کے تصور میں بھی ایسا عظیم انقلاب پیدا کیا ہے جس سے انسانی دنیا بدل گئی ہے ۔ انسان اپنے عہد طفولیت میں خدا کو ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح سمجھتا تھا جو کسی قاعدے اور قانون کا پابند نہیں ہوتا ۔ وہ کبھی یونہی بیٹھے بیٹھے ناراض ہو جاتا ہے تو گاؤں کا گاؤں تباہ کر دیتا ہے ۔ خوش ہو جاتا ہے تو مجرموں کو جاگیریں بخش دیتا ہے ۔ ایسے خدا سے انسان ہر وقت ڈرتا اور کانپتا رہتا تھا کہ نہ جانے وہ کس وقت کیا کر دے ۔ اس لئے اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح خدا کو خوش رکھے ۔

قرآن کریم نے آکر یہ انقلاب آفریں اعلان کیا کہ بیشک خدا قادرِ مطلق اور حاکم اعلیٰ ہے لیکن اس نے کائنات اور انسانوں کے لئے قوانین مرتب کر دئے ہیں ۔ اور ، بے انتہا اور لامحدود قدرتوں اور قوتوں کا مالک

ہونے کے باوجود ، اس نے یہ کہدیا ہے کہ وہ اپنے ان قوانین میں تبدیلی نہیں کریگا - لہذا ، انسانی زندگی کے فیصلے خدا کے قوانین کے مطابق ہونگے - یعنی انسان کے ہر عمل کا نتیجہ خدا کے قانون کے مطابق مرتب ہوگا - وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبْدِیْلاً - اور اس کے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں ہوگی -

''قانون کے مطابق سب کچھ کرنے والا خدا''—اور قانون غیر متبدل - سوچئے کہ خدا کے اس تصور نے انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے - یہ قرآن ہی کا صدقہ ہے -

س ن ہ

سَنِہَ الطَّعَامُ وَ الشَّرَابُ سَنْہًا وَ تَسَنَّہَ - کھانے اور پینے کی چیز خراب ہوگئی - بگڑ گئی - اَلتَّسَنُّہُ بھس جانا - سڑ جانا - زمانہ گزرنے سے کسی چیز میں تغیر واقع ہو جانا - یہ لفظ روٹی کے بُھس جانے اور پینے کی چیزوں کے سڑ جانے پر بولا جاتا ہے - طَعَامٌ سَنِہٌ سڑا ہوا کھانا - خُبْزٌ مُتَسَنِّہٌ بھسی ہوئی روٹی - قرآن کریم میں ہے لَمْ یَتَسَنَّہْ (۲/۲۵۹) وہ خراب نہیں ہوا - بگڑا نہیں - یعنی اتنی طویل مدت گزرنے کے باوجود وہ متغیر وسالخوردہ نہیں ہوا* -

ابن فارس نے کہا ہے کہ سَنَۃٌ کے بنیادی معنے زمانہ پر دلالت کرتے ہیں - سَنَّہْتُ النَّخْلَۃَ - کھجور پر کئی سال گزر گئے -

بیشتر علمائے لغت کا خیال ہے کہ سَنَۃٌ (بمعنی سال) اسی مادہ سے ہے - لیکن ہم نے سَنَۃٌ اور اس کے بعض مشتقات (س - ن - و) کے تحت لکھے ہیں - لہذا اس مادہ کی تکمیل کے لئے اس عنوان (س - ن - و) کو بھی دیکھ لیجئے -

س ن و

اَلسَّنَۃُ کے معنے ہیں سال (اس کی جمع سَنَوَاتٌ ، سِنُوْنَ اور سِنِیْنَ ہے) - اس کے مادہ کے متعلق اختلاف ہے - ایک رائے تو یہ ہے کہ سَنَۃٌ کی اصل (س - ن - ہ) ہے ، کیونکہ اہل عرب کہتے ہیں سَانَہْتُ فُلَانًا - میں نے فلاں سے سالانہ اجرت پر معاملہ کرلیا - ابن فارس نے کہا ہے کہ سَنَۃٌ کے بنیادی معنی زمانہ پر دلالت کرتے ہیں - سَنَّہْتُ النَّخْلَۃَ - کھجور پر کئی سال گزر گئے - دوسری رائے یہ ہے کہ اس کی

*تاج و محیط -

اصل سَنَوٌ ہے جس سے سَنَا ۔ یَسْنُوْ کے معنے ہیں کنویں کے گردا گرد گھومنا ۔ چنانچہ اَلسَّانِیَۃُ ۔ اس جانور کو کہتے ہیں جو پانی نکالنے کیلئے کنویں کے ارد گرد گھمایا جاتا ہے ۔ اسی سے سورج کے ایک دورے کو اَلسَّنَۃُ کہتے ہیں ۔ (اسے دَارٌ بھی کہتے ہیں) ۔ اور چونکہ یہ دورہ ایک سال میں پورا ہوتا ہے اس لئے اَلسَّنَۃُ کے معنے ہیں ایک سال ۔ اَلسَّنَۃُ شمسی سال ہوتا ہے، اور اَلْعَامُ ، قمری سال ۔ نیز اَلسَّنَۃُ ایسے سال کو کہتے ہیں جس میں قحط اور شدت ہو ۔ اور اَلْعَامُ اس سال کو کہتے ہیں جس میں سرسبزی اور خوشحالی ہو ۔ اسی بناء پر کہتے ہیں کہ حضرت نوح ؑ کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ فَلَبِثَ فِیْھِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا (۲۹/۱۴) ۔ تو اس میں عَامًا وہ مدت ہے جس میں مشکلات سامنے نہیں آئی تھیں اور سَنَۃً وہ مدت جو سختیوں کی تھی۔ لین نے لکھا ہے کہ سَنَۃٌ کا اطلاق فصل پر بھی ہوتا ہے جو سال میں چار ہوتی ہیں ۔ اس لحاظ سے اَلْفَ سَنَۃٍ کے معنی ہونگے اڑھائی سو سال ۔ اور عَامٌ پورے سال کو کہتے ہیں ۔ تو اس میں سے خَمْسِیْنَ عَامًا نکال دینے سے باقی دو سو سال رہ جاتے ہیں جو ایک انسان کی عمر ہو سکتی ہے ۔ لیکن بہ ہر حال ان لوگوں کے قیاسات ہیں ۔ جب تاریخ کے مزید شواہد سامنے آئیں گے تو اس وقت یقینی طور پر کہا جاسکے گا کہ قرآن کریم کے اس بیان کا صحیح مفہوم کیا ہے کہ ''حضرت نوح ؑ اپنے لوگوں میں پچاس کم ایک ہزار سال رہے'' (۲۹/۱۴) ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مدت ان کے زمانہ تعلیم پر دلالت کرتی ہے ۔ یعنی ان کا زمانۂ نبوت اتنا عرصہ رہا ۔ اس کے بعد دوسرے نبی کا زمانہ شروع ہوا ۔

سَنَّاہُ ۔ تَسْنِیَۃً کے معنے ہیں اس کو کھول دیا ۔ سہل کردیا* ۔

س ن ی

اَلسَّنٰی ۔ روشنی ۔ اَلسَّنَاءُ وَالسَّنَا ۔ بلندی اور رفعت* ۔

قرآن کریم میں ہے یَکَادُ سَنَا بَرْقِہٖ یَذْھَبُ بِالْاَبْصَارِ (۲۴/۴۳) ۔ ''قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں میں خیرگی پیدا کر دے'' اس میں سَنَا کے معنے چمک اور خیرگی پیدا کر دینے والی روشنی کے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بلندی اور ارتفاع کے ہیں ۔

س ہ ر

سَھِرَ ۔ یَسْھَرُ ۔ سَھَرًا ۔ (رات کو) جاگنا ۔ سَاھِرٌ ۔ (رات کو) جاگنے والا* ۔ اَلسَّاھِرَۃُ ۔ زمین کا بالائی حصہ، روئے زمین۔ دراصل یہ ایسی

*تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔

زمین کے لئے بولا جائیگا جس پر لوگ بکثرت چلتے پھرتے رہیں - گویا وہ انکی وجہ سے بیدار ہے **-

قرآن کریم میں ہے فَاِذَاهُمْ بِالسَّاهِرَةِ (۷۹/۱۴) اُس (نشأۃ ثانیہ) کے بعد زندگی ہی زندگی ہوگی- اور بیداری ہی بیداری- با نشو ونما میں تیزی- کیونکہ اَرْضٌ سَاهِرَةٌ اس زمین کو بھی کہتے ہیں جو بہت جلد پودے اگلنے والی ہو*- چونکہ حیات اُخروی کی کیفیات، انسانی شعور کی موجودہ سطح پر سمجھ میں نہیں آسکتیں اس لئے قرآن کریم انہیں تشبیہات اور استعارات کے انداز میں بیان کرتا ہے - نگہٴ بصیرت ان تشبیہات و استعارات کے پردوں میں حقیقت کا خفیف سا پرتو دیکھ لیتی ہے - اس سے زیادہ اس زندگی میں ممکن ہی نہیں-

سریانی زبان میں اَلسَّاهُوْرُ چاند (اَلْقَمَرُ) کو کہتے ہیں ***- اور عربی میں چاند گہن کو بھی - (لین)-

س ہ ل

اَلسَّهْلُ - اَلسَّهِيلُ - نرم چیز- اَلسَّهْلُ مِنَ الْاَرْضِ - نرم زمین- اسکی جمع سُهُوْلٌ آتی ہے *- قرآن کریم میں ہے تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا (۷/۷۴) - "تم ہموار اور نرم زمینوں میں محلات تعمیر کرتے ہو"-

س ہ م

سَهْمٌ - حصہ - دراصل سَهْمٌ اس تیر کو کہتے ہیں جس سے قرعہ ڈال کر حصے تقسیم کئے جاتے ہیں - نیز گھر کا گزرنے کا راستہ اَلسَّهْمُ - لاغر ہونا اور رنگ کا متغیر ہو جانا - اصل میں یہ اونٹوں کی ایک بیماری ہوتی ہے جس میں انہیں گرمی اور پیاس کی شدت محسوس ہوتی ہے - اَلسَّهُوْمُ - کسی غم یا فکر کی وجہ سے قرشرو ہونا - سَاهَمَ الْقَوْمَ - اسنے قوم کے ساتھ قرعہ اندازی کی ****- تیر اندازی میں مقابلہ کیا نیز باہم ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کی -

قرآن کریم میں قصہ حضرت یونس میں ہے فَسَاهَمَ (۳۷/۱۴۱) - عام طور پر اس کے معنی کئے جاتے ہیں - اس نے باقیوں کے ساتھ قرعہ ڈالا - لیکن ہمارا خیال ہے کہ فَسَاهَمَ میں کشتی والوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں -

* تاج - ** راغب - *** (کتاب الاشتقاق) نیز ابن فارس - ****تاج و محیط و راغب

اللہ تعالےٰ نے کہا ہے کہ (حضرت) یونسؑ نے ہمارے قانون کا مقابلہ کیا۔ فکَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ۔ (۳۷/۱۴۱)۔ وہ لغزش کھا گیا۔ اس کا پاؤں پھسل گیا۔ حضرت یونسؑ سے ہجرت کا وقت متعین کرنے میں اجتہادی غلطی ہو گئی تھی۔

س ہ و

سَہَا فِی الْاَمْرِ۔ کسی چیز کو بھول جانا۔ اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ سَہْوٌ، غَفْلَۃٌ اور نِسْیَانٌ، تینوں لفظ ہم معنے ہیں۔ لیکن بعض نے تخصیص یہ کی ہے کہ سَہْوٌ ان باتوں سے معمولی سی غفلت کو کہتے ہیں جو حافظہ میں موجود ہوتی ہیں۔ اور نِسْیَانٌ کسی چیز کا حافظہ سے بالکل محو ہو جانا ہے۔ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ سَہَافِی الشَّیْءِ کے معنے ہیں لاعلمی کی وجہ سے کسی چیز کو چھوڑ دینا۔ اور سَہَاعَنْہُ کے معنے ہیں جان بوجھ کر کسی چیز کو چھوڑ دینا *۔ اَلسَّہْوُ کے معنے ہیں ساکن اور نرم ہونا۔ اَلسَّہْوَۃُ۔ آسانی سے کھنچنے والی نرم کمان کو کہتے ہیں *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بیشتر معانی کا تعلق غفلت اور سکون سے ہے۔ جَاءَ سَہْوًا رَہْوًا وہ بڑے سکون کے ساتھ آیا۔

قرآن کریم میں ہے ھُمْ فِیْ غَمْرَۃٍ سَاھُوْنَ (۲۳/۵۴)۔ ”وہ اپنے اشغال میں منہمک، حقیقت سے بے خبر ہیں“۔ دوسری جگہ ہے الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِہِمْ سَاھُوْنَ (۱۰۷/۵)۔ وہ اپنی صلوٰۃ (فرائض منصبی) کیطرف سے یکسر غافل ہیں۔ یا انکی تکمیل میں بہت سست اور ڈھیلے ڈھالے رہتے ہیں (۹/۵۳)۔ یا، وہ صلوٰۃ کی حقیقت سے بیخبر ہیں اور صرف اس کے محسوس و مرئی حصہ (تعدیلِ ارکان۔ قیام، رکوع۔ سجود وغیرہ) ہی کو اصل صلوٰۃ سمجھتے ہیں (۱۰۷/۶) کیونکہ یہ بڑی آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں اور دیکھنے والوں میں عزت بھی ہو جاتی ہے۔

س و ء

سَاءَہٗ۔ یَسُوْءُہٗ۔ کسی سے ایسی بات کرنا جو اسے ناگوار ہو۔ سَاءَ الشَّیْءُ۔ کوئی چیز بری ہونی۔ اَسَاءَ یُسِیْءُ۔ برا کرنا، ناہمواری پیدا کرنا۔ بگاڑ اور ابتری رونما کرنا (یہ اَحْسَنَ کا ضد ہے) اَلسَّیِّئَۃُ۔ زندگی کی ناخوشگواریاں**۔ یہ حَسَنَۃٌ کی ضد ہے۔ اسکا مفہوم سمجھنے کیلئے (ح۔ س۔ ن)

* تاج۔ راغب و محیط۔ **تاج۔

کا عنوان دیکھئے۔ چونکہ حسن نام ہوتا ہے کسی چیز کے پورے پورے توازن قائم کردینے کا اس لئے سَیِّئَۃٌ توازن کے بگاڑ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ سَوْءٌ کے معنے فساد، ہلاکت اور ضرر کے ہوتے ہیں*۔ نیز حَسَنَۃٌ درمیانہ روی کو کہتے ہیں۔ اس لئے سَیِّئَۃٌ کے معنے ہیں افراط و تفریط**۔ سَسَاوِیءُ۔ ناخوشگوار امور، عیوب، نقائص **۔

اَلسَّوْءَۃُ۔ بری خصلت، معیوب بات یا کام۔ ہر وہ قول و فعل جسکے ظاہر ہونے پر شرم محسوس ہو۔ بنابریں مرد اور عورت کی شرمگاہ کو بھی کہتے ہیں**۔ اسکی جمع سَوْآتٌ ہے (۷/۲۰ ؛ ۷/۲۶)۔

قرآن کریم میں سَیِّئَۃٌ بمقابلہ حَسَنَۃٌ۔ متعدد مقامات پر آیا ہے۔ (مثلاً ۳/۱۱۹ ؛ ۴/۷۹) ۔ نیز اقْتِصَادٌ (میانہ روی) کے مقابلہ میں سَاءَ (۵/۶۶)۔

مغموم یا متردد ہونے کے معنے میں (۱۱/۷۷) میں سِیْءَ بِھِمْ آیا ہے۔

صحیح روش زندگی کا نتیجہ انسان کی ذات اور معاشرہ میں حسن کی افزائش ہے۔ یعنے اس سے انسان کی اپنی ذات اور معاشرہ دونوں میں صحیح صحیح توازن قائم ہو جاتا ہے اور زندگی کی ساری خوشگواریاں نصیب ہو جاتی ہیں۔ اسکے خلاف زندگی بسر کرنے سے توازن بگڑ جاتا ہے اور ناخوشگواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے کہا ہے کہ اس قسم کی متضاد زندگیاں بسر کرنے والے کبھی ایک دوسرے کے برابر نہیں ہوسکتے(۵/۱۰۰)۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی معاشرہ کا توازن بگڑا ہوا ہو تو اسکی اصلاح کی صورت کیا ہے؟ قرآن کریم کہتا ہے کہ تم حسن پیدا کرنے والے کام کرتے جاؤ۔ بگاڑ خود بخود رفع ہو جائیگا۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ (۲۳/۹۶)۔ اگر تم بہت زیادہ ہمواریاں پیدا کروگے تو ناہمواریاں خود بخود مٹ جائینگی۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئٰتِ (۱۱/۱۱۴)۔ سورۃ رعد میں مومنین کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ (۱۳/۲۲)۔ نیز (۲۸/۵۴)۔ وہ سیئات کو حسنات کے ذریعے دور کر دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ ان آیات سے یہ مفہوم نہیں کہ قرآن کریم ''ایک گال پر طمانچہ مارنے والے کے سامنے دوسرا گال کر دینے''۔ یا ''جو کوٹ اتار لے اسے کرتا خود اتار کر دینے'' کی تعلیم دیتا ہے۔ اس قسم کی تعلیم مجرمین کے حوصلوں کو بڑھا دیتی ہے۔ اس کے لئے اُس نے قانونِ عدل کی تلقین کی ہے۔ یعنی جرم

* تاج و لطائف اللغۃ۔ **تاج

کی سزا دینا تاکہ مجرمین کی جرأتیں بے باک نہ ہونے پائیں ۔ لیکن اس کے لئے بھی اس نے اصول یہ دیا ہے کہ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (۴۲/۴۰ ۔ نیز ۱۰/۲۷)۔ سزا ہمیشہ جرم کی نوعیت اور مقدار کے مناسب اور مطابق ہونی چاہئے۔ یہ نہیں کہ ذرا سے جرم کی سنگین ترین سزا دیدی جائے ۔ (نیز جہاں اصلاح کا امکان نظر آئے وہاں معاف بھی کر دینا چاہئیے ۔ (۴۲/۴۰) اس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ اس آیت کا یہ مطلب صحیح نہیں کہ جو تم سے برائی کرے تم بھی اس سے اسی طرح کی برائی کرو۔ اس میں جرم اور اس کی پاداش (تعزیر) کا اصول بیان کیا گیا ہے جو خدا کے قانون مکافات پر مبنی ہے ۔ یعنی سزا، جرم کی مناسبت سے ۔ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۶/۹۷) "یقیناً ہم انہیں ان کے اس قسم کے اعمال پر جو وہ کرتے رہے ہیں بدترین سزا دینگے"۔

تصریحات بالا سے آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن کریم انسان کو ایسی زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے جس سے اسکی اپنی ذات میں بھی حسن (ہمواری اور خوشگواری) پیدا ہو اور معاشرہ میں بھی ۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے قرآنی پروگرام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا ۔ اس کے خلاف زندگی بسر کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی اپنی ذات میں بھی ناہمواریاں اور ناخوشگواریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور معاشرہ میں بھی ۔ نیکی یا بدی، بھلائی یا برائی کا قرآنی تصور یہی ہے ۔

سُوَاعٌ

قوم نوح کا بت تھا (۷۱/۲۳) ۔ عرب کے لوگ اس بت کے نام سے اچھی طرح متعارف تھے ۔ چنانچہ قبیلہ ۔ بنوھذیل کے لوگ اسی نام کے ایک بت کی پرستش کیا کرتے تھے ۔

س و د

اَلْاَسْوَدُ ۔ اَبْيَضُ کی ضد ہے ۔ یعنے سیاہ ۔ اسکی جمع سُوْدٌ ہے ۔ (۳۹/۶۰) اِسْوَدَّ يَسْوَدُّ ۔ سیاہ ہوا ۔ اَلسَّوَادُ ۔ سیاہی ۔ تاریکی ۔ مال کثیر ۔ شہر کے ارد گرد کے دیہات ۔ بہت بڑی تعداد ۔ عام لوگ ۔ قوم کا بڑا حصہ ۔ اَلسَّائِدُ ۔ سردار یا سَيِّدٌ سے نیچے کا سردار * ۔ اَلسَّيِّدُ ۔ رئیس * ۔ (صاحب سواد ۔ جسکے ساتھ بہت سی جماعت ہو) ۔ بادشاہ ۔ آقا ۔ شوہر ۔

* تاج ۔

اَلسِّیَادَۃُ - سرداری - اَلَا سَوْدُ مِنَ الْقَوْمِ - قوم کا سب سے بڑا اور جلیل المرتبہ آدمی - بزرگِ قوم* - اَلَایَّامُ السُّوْدَۃُ - بدحالی اور تکلیف کے دن** - راغب نے لکھا ہے کہ اِبْیِضَاضُ الْوَجْہِ سے مراد مسرت وشادمانی ہوتی ہے اور اِسْوِدَادُ الْوَجْہِ سے مراد تکلیف اور غم و حزن*** - (نیز دیکھئے عنوان ب - ی - ض)۔

سَیِّدًا - بمعنے سردار (۳/۳۸) میں آیا ہے - مراد اس سے صاحب عزت و تکریم ہے - اور شوہر کے معنوں میں (۱۲/۲۵) میں - لیکن وہاں یہ لفظ عزیز مصر کے لئے آیا ہے جو اپنی بیوی کے شوہر ہونے کے ساتھ وہاں کا سردار بھی تھا - عام شوہر کے لئے قرآن کریم میں یہ لفظ نہیں آیا - سورۃ نحل میں ہے وَجْہُہٗ مُسْوَدًّا - (۱۶/۵۸) کالا، سیاہ - یعنے مغموم - سورۃ آل عمران میں ہے تَسْوَدُّ وُجُوْہٌ (۳/۱۰۶) - چہروں کا کالا ہونا یعنی ذلیل ہونا - گھبراہٹ اور پریشانی کی وجہ سے چہروں کا رنگ سیاہ پڑ جانا - (بمقابلہ تَبْیَضُّ - سفید ہونا - باعزت ہونا)۔

س و ر

سَارَ - یَسُوْرُ - سَوْرَۃٌ کے معنے ہیں کسی پر چڑھ جانا - حملہ کرنا - سَوَّرْتُ الْحَائِطَ و تَسَوَّرْتُہٗ کے معنے ہیں میں دیوار پر چڑھ گیا - اَلسُّوْرُ - شہر پناہ کو کہتے ہیں - اسی سے اس کے معنے بلندی ہیں - رفعت - شرف و فضیلت - بلندی و برتری - سَوْرَۃُ السُّلْطَانِ - بادشاہ کی سطوت و شوکت، جاہ وجلال، اور زور و دبدبہ کے لئے آتا ہے - اَلسِّوَارُ - کنگن کو کہتے ہیں جو سرداری اور مدارج کی بلندی کا نشان ہوتا تھا - (اَسَاوِرُ اسکی جمع ہے) - اَلَاسْوَارُ یا اَلَاِسْوَارُ - سوار فوج کے کمانڈر کو کہتے ہیں - نیز بہترین تیر انداز اور عمدہ شہسوار کو* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلَاِسْوَارُ عربی لفظ نہیں ہے - اَلسُّوْرَۃُ - درجہ و مرتبہ، قدر و منزلت، بلندی - نیز اس عمارت کو کہتے ہیں جو خوبصورتی کے ساتھ آسمان کی طرف بلند ہوتی ہوئی اٹھ گئی ہو** -

قرآن کریم کی سُوْرَۃٌ کو سُوْرَۃٌ کہنے کی بہت سی توجیہات بیان کی گئی ہیں - بعض کا خیال ہے کہ ان کی بلند مرتبگی کی وجہ سے انہیں سُوْرَۃٌ کہا جاتا ہے - بعض نے کہا ہے کہ چونکہ پہلی سورۃ بعد میں آنے والی سورۃ کے لئے سیڑھی کا کام دیتی ہے اس لئے اسے سُوْرَۃٌ کہتے ہیں - بعض کہتے ہیں کہ چونکہ یہ منزل بمنزل آتی ہیں اور ان سب کے مجموعہ

*تاج - **محیط - ***راغب -

سے قرآن کریم کی عمارت کی تکمیل ہوتی ہے اس لئے انہیں سُوْرَۃٌ کہتے ہیں - بعض نے کہا ہے کہ چونکہ ان میں قرآن کریم کے احکام محفوظ ہوتے ہیں ، جس طرح شہر پناہ سے شہر کی حفاظت ہوتی ہے ، اس لئے انہیں سُوْرَۃٌ کہا جاتا ہے* - نیز علامت کو بھی سُوْرَۃٌ کہتے ہیں** -

سُوْرٌ - مضبوط قوی اور شریف النسل اونٹوں کو بھی کہتے ہیں* -

قرآن کریم میں یہ سادہ قرآنی سورۃ کے لئے (۲/۲۳) میں آیا ہے - اور (۲۴/۱) میں بھی - دیوار کے معنوں میں (۵۷/۱۳) میں - اور سرداری (کی علامت یعنے کنگن) کے لئے (۱۸/۳۱ و ۳۵/۳۳ و ۷۶/۲۱) میں - سورۃ ص میں ہے اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ (۳۸/۲۱) - جب وہ دیوار پھاند کر محراب کے اندر آگئے -

جنت میں سونے کے کنگنوں کا جو ذکر آیا ہے (۱۸/۳۱) تو اس کا مطلب وہ قوت و حشمت اور سرفرازی و سربلندی ہے جو جماعت مومنین کو اس دنیا کی جنتی زندگی میں حاصل ہوتی ہے - باقی رہیں اسکے بعد کی زندگی کی سرداریاں اور سرفرازیاں ، تو اس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ یہ حقیقت کا تمثیلی بیان ہے - تم اپنے شعور کی موجودہ سطح کی رو سے ان چیزوں کی کنہ و حقیقت کو نہیں پا سکتے - (دیکھئے عنوان ج - ن - ن) -

س و ط

اَلسَّوْطُ - بعض چیزوں کو دوسری چیزوں کے ساتھ ملانا - خلط ملط کر دینا - ابن فارس نے بھی اس مادہ کے بنیادی معنی یہی بتائے ہیں - اَلسَّوْطُ - چابک (کوڑا) کیونکہ وہ گوشت کو خون کے ساتھ مخلوط کر دیتا ہے - یا بقول ابن فارس کھال میں گھس جاتا ہے - یا پھر اس لئے کہ وہ خود مختلف تسموں کو ملا کر بٹا جاتا ہے - جمع اَسْوَاطٌ - اگرچہ اس کے معنے کوڑوں سے مارنے کے ہیں لیکن عربوں کے ہاں ہر شدید اور درد انگیز سزا کو سَوْطَ عَذَابٍ کہدیتے تھے - یعنی سزا کا کوڑا - لیکن صاحب محیط اور راغب کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں جو سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹/۱۲) آیا ہے تو اس سے مفہوم انواع و اقسام (طرح طرح) کے عذاب ہیں*** - ابن فارس نے کہا ہے کہ سَوْطَ عَذَابٍ سے مراد ہے عذاب کا ایک حصہ و مقدار -

س و ع (س ی ع)

سَاعَ - یَسُوْعُ - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس مادہ میں اصلی معنے ہلاکت اور زوال کے ہوتے ہیں* - چنانچہ کہتے ہیں سَاعَ الشَّیْئُ -

*تاج - **محیط - ***تاج راغب و محیط -

چیز ضائع ہوئی* ۔ ھُوَ ضَائِعٌ* سَائِعٌ* ۔ وہ ضائع اور ہلاک ہونے والا ہے ۔ نَاقَۃٌ* مِسْیَاعٌ* اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو اپنے بچے کو جنگل میں چھوڑ دے کہ اسے درندے ہلاک کردیں ۔ اَسَاعَہٗ ۔ اسے بیکار چھوڑ دیا اور ضائع کردیا ۔ رَجُلٌ* مُسِیْعٌ* وَ مِسْیَاعٌ* لِلْمَالِ ۔ مال کو ضائع کردینے والا آدمی ۔ اَلسَّیْعُ ۔ زمین کے اوپر بہنے والا پانی ۔ سَاعَ الْمَاءُ وَالشَّرَابُ ۔ پانی اور شراب زمین پر گر کر بہنے لگی ۔ تَسَیَّعَ الْبَقْلُ ۔ سبزیاں خشک ہونے لگیں * ۔

اَلسَّوْعُ ۔ وہ ایک گھڑی سے دوسری گھڑی میں منتقل ہوا ۔ یا ایک گھڑی پیچھے ہوا* ۔ سَوْعٌ* مِنَ اللَّیْلِ ۔ رات کا ایک (پرسکون) حصہ ۔ اَلسَّاعَۃُ ۔ (واوی ہے ، یائی نہیں) وقت کے ایک حصہ کو کہتے ہیں (چونکہ وہ گزر جاتا ہے اور وقت میں ہر لمحہ کمی ہوتی جاتی ہے) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی مسلسل گزرتے رہنے کے ہیں ۔ نیز مشقت ، بُعد اور دوری کو بھی اَلسَّاعَۃُ کہتے ہیں ۔ اَلسَّاعَۃُ ۔ ہلاک ہوجانے والوں کو کہتے ہیں* ۔

قرآن کریم میں اَلسَّاعَۃُ کا لفظ کثرت سے آیا ہے ۔ قرآن کریم غلط روش پر چلنے والوں کو بار بار متنبہ کرتا ہے کہ اس روش کا نتیجہ ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں ۔ تم نے اس روش کو نہ چھوڑا تو تم پر تباہی آ جائے گی ۔ تمہارے سعی و عمل ضائع ہوجائیں گے ۔ تم ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے (اسی کو اِنْذَارٌ* کہتے ہیں) ۔ وہ اس انذار پر کان نہیں دھرتے اور اپنی روش پر جمے رہتے ہیں ۔ ان کے غلط اعمال اپنے تباہ کن اثرات مرتب کرتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ وقت آجاتا ہے جب یہ اندر ہی اندر مرتب ہونے والے اثرات ابھر کر سامنے آجاتے ہیں اور وہ لوگ تباہ اور برباد ہو جاتے ہیں ۔ اسے اَلسَّاعَۃُ ، یا انقلاب کی گھڑی کہا جاتا ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ انقلاب دفعۃً* واقع نہیں ہو جاتا بلکہ آہستہ آہستہ ترتیب پا رہا ہوتا ہے ۔ البتہ اس کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ جنہیں حقیقت کا علم نہ ہو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دفعۃً* نمودار ہوگیا ہے ۔ چونکہ اکثر اوقات یہ انقلاب اُس جماعت کے ہاتھوں نمودار ہوتا ہے جو حق کی حمایت کے لئے اٹھتی ہے ، اس لئے اَلسَّاعَۃُ سے مراد حق اور باطل کی وہ آخری جنگ ہوتی ہے جس میں باطل کی قوتیں شکست کھا کر برباد ہو جاتی ہیں ۔ مختصراً یہ کہ اَلسَّاعَۃُ ۔ ظہورِ نتائج کا نام ہے ، جسے ہلاکت انگیز انقلاب کی گھڑی کہا جاتا ہے ۔

*تاج ۔

یا حق و باطل کا فیصلہ کن تصادم ۔ چنانچہ سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تفصیل سے بتایا کہ فرعون کی سرکشی کس حد تک بڑھ چکی ہے ، اور اس کے بعد ان سے کہا کہ اس کے لئے تمہیں کیا کچھ کرنا ہے ۔ اس کے بعد فرمایا اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ (۲۰/۱۵) ۔ اس کا یقین رکھو کہ حق و باطل کی آخری کشمکش کا وقت اب آیا ہی چاہتا ہے ۔ یہ آ کر ہی رہے گا ۔ فرعون کو اس طرح کھلا نہیں چھوڑا جاسکتا ۔ اب یہ انقلاب ضرور آئے گا ۔ اسی طرح مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗ سے بھی بار بار کہا گیا کہ تم اپنی جماعت کی پوری پوری تیاری کرو ۔ اِنَّ السَّاعَۃَ لَاٰتِیَۃٌ (۱۵/۸۵) ۔ آخری انقلاب کا وقت آنے والا ہے ۔ وہ ضرور آکر رہے گا ۔ یہ مخالفین ضرور تباہ ہوکر رہیں گے ۔

حق و باطل کی کشمکش چھوٹے چھوٹے پیمانوں پر تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتی رہی ہے اور اب بھی ہوتی چلی آ رہی ہے ۔ لیکن قرآن کریم سے مترشح ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ جب زمانہ آگے بڑھتا جائے گا اور حقائق بے نقاب ہوتے جائیں گے ، تو نوعِ انسانی کی ربوبیتِ عامہ کے تصور اور مفاد پرستیوں میں ایک عالمگیر ٹکراؤ ہوگا جسکے بعد زمین اپنے نشو و نما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی ۔ یہ وہ عظیم السَّاعَۃ ہے جس کا ذکر بڑے ہیبت انگیز انداز سے قرآن کریم میں آتا ہے ۔

چونکہ نہ تو انسانی زندگی موت سے ختم ہو جاتی ہے اور نہ ہی اعمال کے نتائج کا سلسلہ یہیں منقطع ہو جاتا ہے ، اس لئے اس زندگی کے بعد ظہورِ نتائج کو بھی السَّاعَۃ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں ، سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ وہاں کونسا انقلاب مراد ہے ۔ یعنی اسی دنیا میں ظہورِ نتائج کا وقت (حق و باطل کی کشمکش کا انقلاب) یا آخرت کی زندگی میں ظہورِ نتائج کا وقت ۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ قوموں کی غلط روشِ زندگی کے تباہ کن اثرات ساتھ کے ساتھ مرتب ہوتے رہتے ہیں لیکن ان کا مجموعی نتیجہ (Accomulative Effect) ایک وقت پر جاکر ظاہر ہوتا ہے یہ ان کے لئے انقلاب کی گھڑی (الساعۃ) ہوتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس کا علم کسی کو نہیں ہوسکتا کہ یہ گھڑی کب آئے گی ۔ سورۃ اعراف میں ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا ۔ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ ۔ لَا یُجَلِّیْھَا لِوَقْتِھَا اِلَّا ھُوَ (۷/۱۸۷) ۔ ”یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ انقلاب کی

گھڑی (جس سے تم ہمیں اس طرح ڈراتے ہو) کب آئے گی ۔ کہو کہ اس کا علم صرف میرے رب کو ہے ۔ اُسے اس کے وقت پر خدا کے سوا کوئی اور ظاہر نہیں کرے گا" (نیز ۷۹/۴۲) ۔ دوسری جگہ ہے یَسْئَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَۃِ ۔ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ ۔ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ تَکُوْنُ قَرِیْبًا (۳۳/۶۳) ۔ "لوگ تجھ سے الساعۃ کی بابت پوچھتے ہیں ۔ ان سے کہو کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے ۔ اور تجھے کیا معلوم کہ شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو" ۔ (نیز ۴۲/۱۷) ۔ دیگر مقامات پر بھی یہی کہا ہے کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے ۔ (دیکھئے ۳۱/۳۴ و ۴۳/۸۵ و ۴۱/۴۷) ۔

بنی اسرائیل کے گھرانے میں نبوت اور حکومت قریب ڈیڑھ ہزار سال تک رہی ۔ شروع شروع میں تو وہ قوانین خداوندی کے پابند رہے لیکن بعد میں انہوں نے ہر قسم کی سرکشی اور فساد انگیزی شروع کر دی ۔ انہیں بار بار سمجھایا گیا کہ اس روشِ زندگی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ذلت و مسکنت کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور یہ برکات تمہارے گھرانے سے چھن کر دوسری شاخ کی طرف چلی جائینگی ۔ لیکن انہوں نے کسی کی نہ مانی ۔ آخری مرتبہ حضرت عیسٰے ؑ نے انہیں خاص طور پر تنبیہ کی اور ان سے برملا کہہ دیا کہ یاد رکھو ۔

> خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائیگی دے دی جائے گی ۔ (متی باب ۲۱ ۔ آیات ۴۵ ۔ ۳۳)

لیکن انہوں نے حضرت عیسٰے ؑ کو اس کا جو جواب دیا وہ تاریخ کے اوراق سے ظاہر ہے ۔ چنانچہ اس کے بعد وہ آخری انقلاب کی گھڑی آ گئی اور اس قوم کی شوکت و حشمت سب چھن گئی ۔ اسی لئے حضرت عیسٰے ؑ کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ وَ اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ (۴۳/۶۱) ۔ "اس کی آمد اس انقلاب عظیم کا علم (دینے کے لئے) تھی ۔" (نیز دیکھئے ۴۳/۶۶ ۔ ۶۳ و ۳/۴۶ ۔ ۵۵) اور اگر اِنَّہٗ کی ضمیر سے مراد قرآن کریم لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ قرآن کریم اس انقلاب کا علم دیتا ہے جو اب آنے والا ہے ۔

س و غ

سَاغَ الشَّرَابُ ۔ یَسُوْغُ ۔ سَوْغًا ۔ پینے کی چیز کا آسانی سے حلق کے نیچے اتر جانا ۔ سَاغَ الطَّعَامُ کھانا آسانی سے حلق سے نیچے اتر گیا ۔

اَلسِّیوَاغُ ۔ جس چیز سے گلے میں اٹکی ہوئی چیز کو نیچے اتارا جائے ۔ شَرَابٌ سَائِغٌ ۔ خوشگوار مشروب جو آسانی سے حلق سے نیچے اتر جائے ۔ طَعَامٌ سَیِّغٌ ۔ خوشگوار کھانا ۔ اسی سے مجازاً سَاغَ النَّهَارُ بولتے ہیں یعنی دن آسانی سے گزر گیا * ۔

قرآن کریم میں اہل جہنم کے متعلق ہے یَتَجَرَّعُهُ وَ لَا یَکَادُ یُسِیْغُهُ (۱۴/۱۷) ۔ وہ اسے گلے سے اتار تو لے گا لیکن بڑی ہی ناخوشگواری سے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ج ۔ ر ۔ ع) ۔ سورۃ نحل میں دودھ کے متعلق ہے سَائِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ (۱۶/۶۶) ۔ وہ پینے والوں کے لئے بڑا خوشگوار ہے ۔ یا بآسانی حلق سے اتر جاتا ہے ۔

سَوْفَ (حرف)

سَوْفَ ۔ یہ بھی سَ کی طرح مضارع پر آتا ہے اور سَ ہی کے معنے پیدا کرتا ہے ۔ بعض کے نزدیک سَ مستقبل قریب کے لئے آتا ہے (یعنی وہ عنقریب یا جلدی ہی ایسا کریگا) اور سَوْفَ مستقبل بعید کے لئے ۔ لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں ۔ سَوْفَ سے پہلے تاکید کے لئے بعض اوقات لَ بھی آ جاتا ہے جیسے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی (۹۳/۵) ۔ اور تیرا رب تجھے (اتنا) دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا ۔ (وہ تیری آرزو کے عین مطابق ہوگا)

س و ق

اَلسَّاقُ ۔ پنڈلی ۔ اسکی جمع سُوْقٌ ہے ۔ (۳۸/۳۳) ۔ اَلسَّاقُ کے معنی درخت کا تنا بھی ہیں ۔ اسکی جمع بھی سُوْقٌ آتی ہے (۴۸/۲۹) ۔ لیکن عرب جب کسی معاملہ کی شدت کو بیان کرتے تو اسے سَاقٌ سے تشبیہ دیتے * ۔ (اسے ک ۔ ش ۔ ف کے عنوان میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ۔ وہاں دیکھئے) ۔ قرآن کریم میں یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ (۶۸/۴۲) ۔ اور وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ (۷۵/۲۹) ۔ اور كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا (۲۷/۴۴) میں شدت ہی کا مفہوم ہے ۔

سَاقَ ۔ مویشیوں کو پیچھے سے ہانکنا * ۔ (۷۹/۴۰) ۔ (جسطرح قَادَ کے معنے جانوروں کو آگے سے کھینچکر چلانا ہوتا ہے) ۔ سَائِقٌ ہانکنے والا *

* تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔

۔ (۵/۲۶) ۔ مَسَاقٌ ۔ ھانکنا (۵۶/۳۰) ۔ اَلسُّوْقُ ۔ (جمع اَسْوَاقٌ ۔ (۲۵/۷) ۔ بازار ۔ کیونکہ لوگ اس جگہ اپنے مویشی وغیرہ ھانک کر بیچنے کیلئے لاتے ھیں * ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ھے کہ س ۔ و ۔ ق شدت اور اجتماع کو ظاھر کرتے ھیں ** ۔

ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی ھانکنے کے ھوتے ھیں ۔ پنڈلی کو بھی اَلسَّاقُ اس لئے کہتے ھیں کہ چلنے والا اس پر چلتا ھے ۔

س و ل

تَسْوِیْلٌ کے معنے ھیں کسی چیز کو حسین اور خوشنما بنا کر دکھانا تاکہ انسان اسکے کرنے کی طرف راغب ھو جائے ۔ کسی ایسی چیز کو جسے نفس چاھے، یا کسی بری شے کو خوبصورت بنا کر پیش کرنا *** ۔ سورۃ یوسف میں ھے بَلْ سَوَّلَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَمْرًا (۱۲/۱۸) ۔ ”یہ ایک ایسی بات ھے جسے تمہاری اپنی خواھشات نے تمہارے سامنے خوشنما بنا کر پیش کر دیا ھے“ ۔ بعض نے کہا ھے کہ یہ سَوْلٌ سے ھے جسکے معنے تمنا کے ھوتے ھیں جو انسان کو باطل اور پر فریب چیزیں بھی پسندیدہ بنا کر بتاتی ھے *** ۔ سورۃ محمد میں ھے اَلشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَھُمْ (۴۷/۲۵) ۔ ”شیطان نے اسے ان لوگوں کے سامنے مزین کرکے پیش کیا“ اور اسطرح انہیں گمراہ کر دیا ۔ سورۃ طٰہٰ میں سامری کا یہ قول ھے کہ وَکَذٰلِکَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ (۲۰/۹۶) ۔ ”اسی طرح میرے دل نے یہ بات مجھے اچھی بنا کر دکھائی“ ۔

س و م

سَوْمٌ کے معنے ھیں کسی چیز کی تلاش و جستجو میں جانا ۔ یعنے یہ معنے مرکب ھیں ۔ جانا اور تلاش و جستجو کرنا ۔ لہذا کہیں صرف پہلے معنے مراد لئے جاتے ھیں ۔ جیسے سَامَ الْاِبِلُ کے معنے ھیں اونٹ چرنے کے لئے گئے ۔ یا انہیں چرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا ۔ اور کہیں دوسرے معنے جیسے یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (۲/۴۹) ۔ وہ تمہارے لئے بدترین عذاب کی تلاش میں رھتے تھے ۔ طرح طرح کی مصیبتیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لایا کرتے تھے ۔ کسی کو مشکل اور دوبھر کام کی تکلیف دینا ، اس سے ظلم و زیادتی اور برائی کا ملوک کرنا ۔ سَامَتِ الطَّیْرُ عَلَی الشَّیْءِ ۔

* تاج و محیط ۔ ** العلم الخفاق *** تاج و راغب

پرندے اس چیز پر منڈلاتے رہے* ۔ سَامَ فُلَانًا الْاَمْرَ : اسے کسی بات کی تکلیف دی ، اور کوئی بات اس پر لازم کی*۔ اَسَامَ الاِبِلَ ۔ اونٹوں کو چرنے کے لئے چھوڑا ۔

تلاش کے اعتبار سے اَلسُّوْمَۃُ ۔ اَلتَّسْیِیْمَۃُ ۔ اَلتَّسْوِیْمَاءُ ۔ کے معنے ہیں علامت ۔ نشان ۔ سَوَّمَ الْفَرَسَ تَسْوِیْمًا ۔ گھوڑے پر نشان لگا دیا ۔ لیکن سَوَّمَ فُلَانًا کے معنے ہیں فلاں کو آزاد چھوڑ دیا ۔ اس لئے سورۃ الذّٰریٰت میں جہاں ہے لِنُرْسِلَ عَلَیْھِمْ حِجَارَۃً مِّنْ طِیْنٍ مُّسَوَّمَۃً ۔ (۵۱/۳۳) ۔ تو اس کے معنے یہ بھی ہیں کہ وہ پتھر خدا کے قانون مکافات کی رو سے اس مقصد کے لئے نشان زدہ (Earmarked) کر دئے گئے تھے ۔ یا یہ کہ انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا تھا ۔ (انہیں چلایا گیا تھا) ۔

سورۃ آل عمران میں عذاب دینے والے ملائکہ کو مُسَوِّمِیْنَ (۳/۱۲۴) کہا گیا ہے ۔ اسی سورۃ میں اَلْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ (۳/۱۴) آیا ہے ۔ اس کے معنے بھی نشان زدہ گھوڑے یا ایسے گھوڑے ہیں جنہیں چرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا ہو ۔ سورۃ نحل میں فِیْہِ تُسِیْمُوْنَ (۱۶/۱۰) آیا ہے ۔ یعنی جن میں تم اپنے مویشی چراتے ہو ۔ سِیْمَا (۴۸/۲۹) کے معنے نشان اور علامت کے ہیں ۔

س و ی

اِسْتِوَاءٌ کے معنے ہیں کسی چیز کا اپنی ذات میں پورے پورے اعتدال پر ہونا ۔ ہر قوت کا صحیح صحیح تناسب کے ساتھ موجود ہونا اور اس طرح اس چیز کا اپنی انتہائی نشو و نما تک پہنچے ہوئے ہونا* ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنوں میں استقامت اور دو چیزوں کے درمیان اعتدال لکھے ہیں ۔ اِسْتَوَی الرَّجُلُ کے معنے ہیں وہ شخص اپنی پوری طاقت پر پہنچ گیا ۔ اس کا شباب انتہا پر پہنچ گیا ۔ قرآن کریم نے اِسْتَوَی کی تشریح بَلَغَ اَشُدَّہٗ سے کی ہے (۲۸/۱۴) ۔ اسی طرح اِسْتَوَی عَلٰی سُوْقِہٖ (۴۸/۲۹) میں اِسْتَوَی کے معنے واضح ہیں ۔ یعنے پودوں کا مضبوط ہو کر اپنے تنوں پر سیدھا کھڑا ہو جانا ۔ اَلسَّوِیُّ ۔ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو ہر اعتبار سے افراط و تفریط سے محفوظ ہو اور ٹھیک ٹھیک تناسب رکھتی ہو ۔ اسی سے اَلصِّرَاطُ السَّوِیُّ ہے (۲۰/۱۳۵) ۔ یعنی اعتدال کی راہ ۔ رَجُلٌ سَوِیٌّ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی خلقت اور اخلاق و اطوار ، افراط و تفریط سے پاک ہوں ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

یعنے وہ متناسب الاعضاء بھی ہو اور سیرت کے اعتبار سے بھی اعتدال پر* ۔ سورۃ مریم میں فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (۱۹/۱۷) کے یہی معنے ہیں۔ سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ بمقابلہ مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ (۶۷/۲۲) میں آیا ہے ۔

سَوَّاهُ تَسْوِيَةً اور اَسْوَاهُ کے معنے ہیں اس کو معتدل کردیا ، ہموار برابر اور یکساں کر دیا* ۔ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (۲/۲۹) کے معنے ہیں ان میں ٹھیک ٹھیک اعتدال پیدا کر دیا ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنے ''حکمت کے تقاضوں کے مطابق بنانا'' بھی ہیں ۔ چنانچہ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ (۸۲/۷) کے معنے ہیں خدا وہ ہے جس نے تجھے (مختلف عناصر کی ترکیبِ نو سے) پیدا کیا اور ایسا بنا دیا جیسا کہ تناسب و توازن اور حکمت و اعتدال کا تقاضہ ہے* ۔

اِسْتَوٰى اِلَى الشَّيْءِ کے معنے ہیں کسی چیز تک ذاتی طور پر یا تدبیر کے ذریعہ پہنچ جانا* ۔ یا کسی چیز کا قصد و ارادہ کرنا ۔ یا اس کی طرف متوجہ ہونا** ۔ اور اِسْتَوٰى عَلَى میں غلبہ و تسلط کا مفہوم ہوتا ہے*** ۔ قرآن کریم میں ہے لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ (۴۳/۱۳) ۔ نیز اِسْتَوَيْتَ . . . عَلَى الْفُلْكِ (۲۳/۲۸) ۔ (سواری کے جانور یا) کشتی پر جم کر بیٹھ جانا۔ غالب اور مسلط ہو جانا ۔ (خدا کے عرش پر اِسْتَوٰى کے لئے ع ۔ ر ۔ ش کا عنوان دیکھئے) ۔

سَوَاءٌ کے معنے ہیں دو چیزوں کا باہم دگر برابر ہونا ۔ جیسے سَوَاءٌ زَيْدٌ وَعَمْرٌو ۔ زید اور عمرو ہم مرتبہ ہیں ۔ ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ اِسْتَوَيَا اور تَسَاوَيَا ۔ دو چیزیں ایک دوسرے کے مانند یا مثل اور نظیر ہوئیں ۔ سَاوَيْتُ بَيْنَهُمَا مُسَاوَاةً ۔ میں نے ایک کو دوسرے کے برابر کر دیا ۔ اس لئے سَوَاءٌ کے معنے عدل کے آتے ہیں ۔ سَوَّيْتُهُ بِهٖ ۔ یا سَوَّيْتُ بَيْنَهُمَا کے معنے ہیں میں نے ان دونوں میں عدل کیا ۔ فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ ۔ (۸/۵۸) کے معنے ہیں انصاف کو سامنے رکھتے ہوئے (یا برابری کی حالت میں) ان کا معاہدہ ان کی طرف واپس پھینک دو ۔ سورۃ انبیاء میں ہے فَتَكُوْنَ اَنْتُمْ وَهُمْ عَلٰى سَوَاءٍ (۲۱/۱۰۹) ۔ میں نے تم سب کو ساری بات یکساں طور پر کہہ دی ہے ۔ زمین کے متعلق قرآن کریم میں ہے سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ (۴۱/۱۰) ۔ یعنی زمین تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلی رہنی چاہئے ۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے مَكَانًا سُوًى (۲۰/۵۸) ۔ جس

*تاج ۔ **تاج و محیط ۔ ***راغب ۔

کے معنے یہ ہیں کہ یہ شرائط ہم پر اور تم پر یکساں طور پر عائد ہوں گی۔ یعنی ہم اور تم یکساں پوزیشن میں ہونگے ۔ راغب نے کہا ہے کہ مَکَانٌ سُوًی اس مقام کو کہتے ہیں جس سے دونوں طرف کے فاصلے برابر ہوں ۔ لیکن ابن سیدہ نے لکھا ہے کہ سُوًی اُس مقام کو کہتے ہیں جس پر نشانات لگے ہوں کہ لوگ ان سے اس مقام کا راستہ معلوم کرلیں* ۔ نیز اَلسَّوَاءُ کسی چیز کے وسط اور درمیان کو بھی کہتے ہیں ۔ سَوَاءُ السَّبِیْلِ کے معنے ہیں راستہ کا درمیانی حصہ ۔ اور سَوَاءُ الْجَحِیْمِ (۳۷/۵۵) کے معنے ہیں جہنم کے ہین وسط میں* ۔ فَسَوّٰھَا (۹۱/۱۴) ۔ کے معنے ہیں خدا نے ان کے شہروں کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا ۔ یعنے وہ سب بستیاں تباہ ہوگئیں* ۔ سورۃ نساء میں ہے لَوْ تُسَوّٰی بِھِمُ الْاَرْضُ (۴/۴۲) ۔ اے کاش ان پر زمین ہموار کردی جاتی ۔ یعنے وہ اس سے قبل ہی ہلاک و برباد ہو چکے ہوتے ۔ سورۃ کہف میں سَاوٰی کے معنے ہموار کر دینے کے ہیں ۔ (۱۸/۹۶) ۔

سِوًی اور اَلسِّوَاءُ کے معنے غیر کے بھی آتے ہیں ۔ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ سِوَاکَ وَ سِوَاءِ کَ کے معنے ہیں میں تیرے سوا کسی اور آدمی کے ساتھ گزرا ۔ یعنے تیرے ساتھ نہیں بلکہ ایک اور شخص کے ساتھ* ۔

سورۃ النجم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے فَاسْتَوٰی (۵۳/۶) ۔ اس ایک لفظ میں شرف انسانیت کا انتہائی کمال ، معجزانہ طور پر سمٹ کر آگیا ہے ۔ یعنی حضورؐ سیرت و کردار اور علم و بصیرت کے اعتبار سے انتہائی اعتدال لئے ہوئے تھے اور آپکی ذات میں یہ خصوصیتیں کمال تک پہنچ چکی تھیں ۔ اس کے بعد آپؐ مقامِ نبوت پر فائز ہونے کے اہل قرار پائے تھے ۔ نبوت ہر کس و ناکس کو نہیں مل جایا کرتی تھی ۔ اللہ تعالےٰ جسے اس موہبتِ کبریٰ کے لئے منتخب کرتا تھا اس کی تربیت خدا کی نگرانی میں ہوتی تھی اور اس کی ذات معراجِ انسانیت کی مظہر بن جاتی تھی ۔

س ی ب

سَابَ ۔ یَسِیْبُ ۔ وہ تیز چلا* ۔ سَابَ الْمَاءُ ۔ پانی بہا اور ہر طرف گیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دوام اور تسلسل کے ساتھ چلتے رہنے کے ہیں ۔ جیسے سَیْبُ الْمَاءِ ۔ پانی کے جاری ہونے کو کہتے ہیں ۔ سَیَّبْتُ ۔ میں نے اس چیز کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ جہاں چاہے جائے ۔ اسی مادہ سے اَلسَّائِبَۃُ ہے ۔ ایام جاہلیت میں عرب بعض جانوروں

*تاج ۔

کو (مقررہ بچے دے چکنے کے بعد یا کسی کٹھن مرحلہ سے بخیر و خوبی گزار دینے کی وجہ سے یا بطور نذر) دیوتاؤں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا کرتے تھے اور ان سے کوئی کام نہیں لیتے تھے۔ وہ جہاں سے چاہے کھاتے پیتے۔ کوئی انہیں روکتا نہیں تھا۔ (جیسے ہندوستان میں سانڈ چھوڑ دیتے ہیں) *۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ اس قسم کی توہم پرستیوں اور مشرکانہ رسوم کی سند خدا نے کہیں نازل نہیں کی۔ یہ سب تمہارے اسلاف کی خود ساختہ رسوم ہیں۔ اسلئے انہیں چھوڑ دو۔ (۵/۱۰۳)۔

س ی ح

سَاحَ الْمَاءُ۔ زمین کے اوپر پانی کا بہنا۔ اَلسَّیْحُ۔ سطح زمین پر بہتا پانی *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بھی مسلسل چلتے رہنے کے ہیں۔ اَلسِّیَاحَۃُ۔ زمین میں چلنا پھرنا۔ سیاحت کرنا (۹/۲)۔ بعض کا خیال ہے کہ اَلْمَسِیْحُ اسی سے ہے۔ لیکن دوسروں نے اسکی تصریح کی ہے کہ یہ عربی لفظ نہیں۔ (نیز دیکھئے عنوان م۔س۔ح) اَلسَّائِحُ۔ سیر و سیاحت کرنے والا *۔ قرآن کریم میں مومنین کی صفات میں اَلسَّائِحُوْنَ (۹/۱۱۲) اور مومن عورتوں کے لئے سٰئِحٰتٍ (۶۶/۵) آیا ہے۔ (اگرچہ بعض کے نزدیک اس سے مراد "روزہ رکھنے والے" ہیں لیکن) راغب نے لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو باقتضائے فرمان خداوندی اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا (۲۲/۴۶) عقل و فہم اور عبرت حاصل کرنے کے لئے سفر کرتے ہیں **۔ یہی مفہوم زیادہ قرین قیاس ہے۔ اَلسَّاحَۃُ۔ کھلی جگہ۔ میدان۔ گھروں کے درمیان کی کھلی اور خالی جگہ۔ نیز گھر کے صحن کو سَاحَۃُ الدَّارِ کہتے ہیں *۔ (۳۷/۱۷۷)۔

مومن عورتوں کی صفت سٰئِحٰتٍ (سیاحت کرنے والیاں) کو سامنے رکھئے اور پھر دیکھئے کہ یہ نظریہ کہ عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں محبوس رکھنا چاہیئے کسقدر غیر قرآنی ہے۔

س ی ر

اَلسَّیْرُ۔ چلنا۔ جانا۔ دن کو ہو یا رات کو۔ [لیکن سَرَیٰ رات کے چلنے کو کہتے ہیں (۸۹/۴ ؛ ۱۵/۶۵)۔ اس کے لئے عنوان س۔ر۔ی دیکھئے]۔

* تاج۔ ** راغب۔

سَارَ الرَّجُلُ ۔ آدمی چلا ۔ سَیَّرَہٗ ۔ اس نے اسے چلایا ، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گیا ۔ سِیْرَۃٌ ۔ روش ۔ رفتار ۔ چال ۔ طور طریق ۔ ہیئت ۔ حالت * ۔ سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی (۲۰/۲۱) " ہم اسے اسکی پہلی حالت پر لوٹا دینگے " ۔ راغب نے کہا ہے کہ سِیْرَۃٌ ایسی حالت کو کہتے ہیں جو کسی میں طبیعی یا اکتسابی طور پر ہو ۔ اَلسَّیَّارَۃُ ۔ ساتھ چلنے والوں کی جماعت ۔ قافلہ (۱۲/۱۹) ۔

قرآن کریم اپنے قوانین کی صداقت کی دلیل میں تاریخی شواہد کو بار بار پیش کرتا ہے ۔ اسکے لئے وہ کہتا ہے کہ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ (۶/۱۱) ۔ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ ان قوموں کا انجام کیا ہوا جنہوں نے ہمارے قوانین کو سچا نہیں سمجھا تھا ۔ اس میں تاریخی استقراء اور حفارت (Archaeology) دونوں آجاتے ہیں ۔ یعنی اگر وہ قومیں (طبعی طور پر) زندہ ہیں تو ان کے احوال و کوائف کے مطالعہ سے ، اور اگر وہ باقی نہیں رہیں تو ان کے آثار قدیمہ پر غور و فکر سے ۔

س ی ل

سَالَ الْمَاءُ ۔ پانی بہہ گیا ۔ اَسَالَہٗ کسی نے اسے بہا دیا ۔ مَاءٌ سَیْلٌ ۔ بہنے والا پانی ۔ اَلسَّیْلُ ۔ بہت زیادہ بہتا ہوا پانی ۔ سیلاب ۔ اَلسَّیْلَۃُ ۔ پانی کے بہنے کا انداز ۔

سورۃ رعد میں ہے فَسَالَتْ اَوْدِیَۃٌ (۱۳/۱۷) ۔ وادیاں بہ نکلتی ہیں ۔ فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا (۱۳/۱۷) ۔ پس سیلاب جھاگ کو بہا لے جاتا ہے ۔

سورۃ سبا میں سَیْلَ الْعَرِمِ (۳۴/۱۶) آیا ہے ۔ زور کا سیلاب ۔ اسی سورۃ میں ہے وَاَسَلْنَا لَہٗ عَیْنَ الْقِطْرِ (۳۴/۱۲) ۔ ہم نے اس کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا ۔

سین

اَلسِّیْنُ ۔ ویسے تو ایک حرف (س) ہے جس کے لئے (س) دیکھئے ۔ لیکن یٰسٓ (۳۶/۱) کے معنے " اے انسان " ۔ یا " اے سردار " کے ہوتے ہیں ۔ لغت طے میں یٰسٓ ۔ یَا اِنْسَانُ ! کو کہتے ہیں ۔ یہ دراصل انسان ہی کی مخفف شکل ہے اور عربی زبان میں الفاظ کو اسطرح مخفف کرلینے کا عام

* تاج و محیط و راغب ۔

رواج تھا۔ مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے کَفٰی بِالسَّیْفِ شَا۔ یعنی کَفَا بِالسَّیْفِ شَاهِدًا۔ یا کسی شاعر کا ایک مصرعہ ہے۔ قُلْنَا لَهَا قِفِیْ لَنَا قَالَتْ قَافْ۔ یہاں وَقَفَتْ کی جگہ اس نے صرف ''قَافْ'' کہا ہے*۔

اَلسِّیْنْ۔ ستون اور سہارے کو کہتے ہیں۔ (مثلاً چھت کی کوئی کڑی کمزور ہو گئی ہے تو جو دوسری لکڑی اسے سہارا دینے کے لئے لگادی جائے اُسے سِیْنْ کہا جاتا ہے) کیونکہ فینقی زبان میں اسکی شکل ہی ستون کے مشابہ ہوتی تھی**۔

سِیْنَاءْ۔ ایک قسم کے پتھر کو کہتے ہیں۔ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ (۹۵/۲)۔ ومِنْ طُوْرِ سَیْنَاءَ۔ (۲۳/۲۰) سینا (پتھروں کا) پہاڑ۔ شام میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اَلسِّیْنِیَّةْ۔ ایک قسم کے درخت کو کہتے ہیں۔

سَیْنَاء

طُوْرِ سَیْنَاءَ (۲۳/۲۰) یا طُوْرِ سِیْنِیْنَ (۹۵/۲) شام میں ایک پہاڑ ہے جس پر حضرت موسٰے ؑ پکارے گئے تھے (دیکھئے عنوان سین)۔

سِیْنِیْن

طُوْرِ سِیْنِیْنَ (۹۵/۲)۔ یا طُوْرِ سَیْنَاءَ (۲۳/۲۰)۔ شام میں ایک پہاڑ ہے جس پر حضرت موسٰے ؑ پکارے گئے تھے (دیکھئے عنوان سِیْن)۔

---

* تاج۔ ** محیط۔

ش

ش أ م

اَلْیَدُ الشُّؤْمٰی ۔ بایاں ھاتھ ۔ یہ اَلْیُمْنٰی (دایاں ھاتھ) کی ضد ھے ۔ اسی اعتبار سے اَلشُّؤْمُ (یُمْنٌ کی ضد ھے)۔ یعنے نحوست ۔ صاحب تاج العروس نے شُؤْمٌ کی تفسیر کرتے ھوئے لکھا ھے کہ یہ وہ امور ھیں جن کے انجام کو ناپسند کیا جائے اور اس سے ڈرا جائے ۔ قَدْ شَاَمَهُمْ ۔ اس نے ان پر نحوست مسلط کردی ۔ رَجُلٌ مَشْئُوْمٌ ۔ منحوس آدمی* ۔ (نحوست کے قرآنی مفہوم کے لئے عنوان ن ۔ ح ۔ س دیکھئے)۔

قرآن کریم میں اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ کے مقابلہ میں اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ (۵۶/۹) آیا ھے ۔ بائیں ھاتھ والے ۔ یعنے بدبختی والے ۔ جن کی شَاْمَةِ اعمال ان کے لئے عذاب بن کر آجائے ۔

ملک شام کو شَاْم*** اس لئے کہتے ھیں کہ وہ قبلہ سے بائیں جانب واقع ھے*** ۔

ش أ ن

اَلشَّاْنُ ۔ (جمع اَلشُّئُوْنُ) ۔ امر ۔ معاملہ (بالخصوص اھم اور قابل لحاظ) حالت*** ۔ راغب نے کہا ھے کہ یہ لفظ ایسے معاملہ اور حالت کے لئے بولا جاتا ھے جو گرانقدر عظمت کا حامل ھو**** ۔ شَاَنَ شَاْنَهٗ ۔ اس نے اس کا قصد کیا ،) اسی سے اھم معاملہ کو شَاْنٌ کہا جاتا ھے کیونکہ اس کا قصد کیا جاتا ھے) نیز اس نے وہ کام کیا جسے وہ اچھی طرح انجام دے سکتا تھا ۔ شَاْنُ الرَّاْسِ ۔ کھوپڑی کی چھوٹی چھوٹی ھڈیوں کے ملنے کی جگہ ۔

*تاج نیز ابن فارس ۔ **بعض اسے غیر مہموز بھی بتاتے ھیں ۔***تاج ۔ ****راغب ۔

الشَّاْنُ - ایسی رگ کا نام ہے جس سے آنکھ تک خون پہنچتا ہے - نیز وہ راستہ جسکے ذریعہ آنکھوں سے آنسو آتا ہے - شَنُوْنُ الْخَمْرِ - شراب کا وہ حصہ جو جسم کے رگ و پے میں سرایت کر جائے* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تلاش ، طلب اور ارادہ کے ہیں -

سورۃ رحمٰن میں ہے یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ - کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (۵۵/۲۹) - کائنات کی ہستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے (انسانوں سمیت) وہ سب اپنی نشو و نما کے لئے ربوبیت خداوندی کے محتاج ہیں - یہ اس آیت کے پہلے حصہ کا ترجمہ ہے - دوسرے حصے میں ھُوَ سے مراد اللہ لیا جاتا ہے اور اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ خدا ہر آن ایک جداگانہ شان میں ہوتا ہے - ہمارے خیال میں خدا کے متعلق یہ تصور صحیح نہیں کہ وہ ہر آن ایک جداگانہ شان میں ہوتا ہے - خدا ایک مستقل بالذات ہستی ہے جو ہمیشہ ایک ہی شان میں رہتی ہے اگرچہ اس کے امر (قدرتوں) کی نمود مختلف مظاہر میں ہوتی رہتی ہے - اس لئے آیت مذکورہ بالا کے دوسرے حصہ میں ھُوَ سے مراد مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لیا جائے تو بہتر ہے - اس اعتبار سے پوری آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ کائنات کی ہر شے اپنی نشو و نما کے لئے ربوبیت خداوندی کی محتاج ہے، اور ان اشیاء کی نشو و نما کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں - ان کی مختلف حالتوں میں نشو و نما کے مختلف تقاضے ہوتے ہیں اور ربوبیت خداوندی ان کی ہر ایک حالت کے مطابق ان کی نشو و نما کے سامان فراہم کرتی رہتی ہے - (۵۵/۲۹) - اور اس طرح اشیائے کائنات کی (Development) کا سلسلہ ، قانونِ ارتقاء کے مطابق جاری رہتا ہے -

سورۃ یونس میں ہے وَ مَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ (۱۰/۶۱) - تو جس حال میں بھی ہو -

ش ب ہ

تَشَابَہَ کے معنے ہیں دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا ایک دوسرے سے اسطرح ملتا جلتا اور مانند اور مشابہ ہونا کہ ان میں التباس ہونے لگے اور امتیاز مشکل ہو جائے - شَبَّھَہٗ ایَّاہُ کے معنے ہیں اسنے فلاں چیز کو فلاں چیز کی مثل بنا دیا - دونوں کو ایک دوسری سے ملتا جلتا ہوا بنا دیا - اَلشِّبْہُ وَالشَّبَہُ وَالشَّبِیْہُ کے معنے ہیں مثل اور مانند - اور شُبِّہَ عَلَیْہِ الْاَمْرُ کے معنے ہیں بات اس پر مشتبہ ، غیر واضح (ملتبس) ہو

*تاج

گئی * ۔ تَشْبِیْہ* کے معنے ہیں کسی چیز کو اس سے ملتی جلتی ہوئی چیز سے مثال دے کر بیان کرنا ۔ مُشَابَھَۃ* کے معنے ہیں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہونا *۔

قرآن کریم میں مُتَشَابِہًا (۲/۲۵) کے معنے ہیں باہم ملتا جلتا ۔ اور اِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَہَ عَلَیْنَا (۲/۷۰) کے معنے یہ ہیں کہ ہم سمجھ نہیں سکے کہ وہ گائے کس قسم کی ہونی چاہیئے کیونکہ ہمارے لئے سب گائیں ملتی جلتی ہیں اسلئے التباس (شبہ) واقع ہو رہا ہے ۔ تَشَابَھَتْ قُلُوْبُھُمْ (۲/۱۱۸) کے معنے ہیں ان کے دل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ۔ باہمی مشابہت اور موافقت رکھتے ہیں ۔ اسی طرح مُشْتَبِہًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِہٍ (۲/۱۰۰) کے معنے ہیں آپس میں ملتے جلتے، اور ایسے جو ملتے جلتے نہیں ۔ انہی کو دوسری جگہ مُتَشَابِہًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِہٍ (۲/۱۴۲) کہا گیا ہے ۔

قرآن کریم کی آیات کو مُحْکَمٰت* اور مُتَشَابِہٰت* کہا گیا ہے (۳/۶) ۔ اس کے متعلق تفصیلی بحث مُحْکَمٰت* کے ضمن میں (ح ۔ ک ۔ م) کے عنوان کے تحت کی گئی ہے ۔ [نیز ث ۔ ن ۔ ی کے عنوان میں مُتَشَابِہًا مَّثَانِیَ بھی دیکھئے ۳۹/۲۳]

سورۃ النساء میں حضرت عیسٰے* کے تذکرہ میں ہے کہ یہودیوں نے نہ تو مسیح* کو قتل کیا اور نہ ہی صلیب دیا وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ (۴/۱۵۷) ان پر حقیقت مشتبہ ہو گئی ۔ (بات کیا ہوئی تھی ؟ اس کی تفصیل میری کتاب " شعلہ مستور " میں حضرت عیسٰے* سے متعلق حصہ میں دیکھئے)۔

ش ت ت

شَتَّہ ۔ یَشُتُّہُ ۔ شَتًّا ۔ شَتَاتًا ۔ اس نے اسے الگ الگ اور متفرق کر دیا ۔ دور کر دیا ۔ شَتَّ* ۔ وہ متفرق اور جدا جدا ہو گیا (لازم و متعدی)۔ اَمْرٌ شَتَّ* ۔ متفرق معاملہ *۔ (اسکی جمع اَشْتَات* ہے)۔ کہتے ہیں جَاءُوْا اَشْتَاتًا ۔ وہ الگ الگ متفرق طور پر آئے ۔ سورۃ النور میں ہے جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا (۲۴/۶۱) ۔ اکٹھے یا الگ الگ ۔ سورۃ اللیل میں ہے اِنَّ* سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی (۹۲/۴) ۔ تمہاری جد و جہد مختلف اور ایک دوسرے سے جداگانہ (سمتوں میں ہوتی) ہے ۔ یعنی ہر فرد کے سامنے زندگی کا ایک مقصد ہوتا ہے اور اس کی کوششیں اس مقصد کے حصول کے لئے ہوتی ہیں ۔ نیز، ایک فرد کی

* تاج و محیط ۔

زندگی میں بھی مختلف مقاصد ہو سکتے ہیں جن کے حصول کے لئے وہ جدوجہد کرتا ہے ۔ اس کے بعد قرآن کریم کہتا ہے کہ ہر چند یہ مقاصد مختلف اور متنوّع ہوتے ہیں لیکن اگر بہ ہیئت مجموعی ان کی تقسیم کی جائے تو یہ دو بنیادی شقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک اَعْطٰی کی شق (۹۲/۵) اور دوسری بَخِلَ کی شق (۹۲/۸)۔ اَعْطٰی سے مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی محنت کے ماحصل کو دوسروں کی نشو و نما کے لئے بھی دے ۔ اور بَخِلَ سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے صرف اپنے مفاد تک محدود رکھے ۔ پہلی شق وجہ بالیدگی شرف انسانیت ہے اور دوسری شق ، باعث تذلیل انسانیت ۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے نَبَاتٍ شَتّٰی (۲۰/۵۳)۔ انواع و اقسام کی بوٹیاں اور پودے۔ (شَتّٰی جمع ہے شَتِیْتٌ کی جس کے معنے ہیں جدا کیا ہوا ، جداگانہ ، الگ ۔)

ش ت و

اَلشِّتَاءُ ۔ سردی کا موسم ۔ عرب والے سال کو دو حصوں میں تقسیم کرتے تھے ۔ ایک شتاء ، دوسرا صیف ۔ پھر شتاء کے دو حصے، جن میں سے آخری تین مہینے رَبِیْعٌ کے ہوتے ۔ اسی طرح صَیْفٌ میں قَیْظٌ کے تین مہینے ہوتے ۔ یوں سال چار موسموں میں بٹ جاتا تھا ۔ چونکہ بالعموم سردی کے موسم میں عرب سفر کے لئے کم نکلتے تھے اور روزی تلاش کرنے کے بجائے گھروں ہی میں رہتے تھے لہذا اس زمانہ میں غلہ اور چارہ کی دقت ہوتی تھی۔ اس لئے اَلشِّتَاءُ قحط کو بھی کہتے تھے ۔ اور صَاحِبُ الشَّتْوَۃِ وہ شخص جس کی طرف لوگ سردی اور خشک سالی کے مصائب سے گھبرا کر رجوع کریں** ۔

قرآن کریم میں قریش کے قافلوں کے لئے رِحْلَۃَ الشِّتَاءِ وَالصَّیْفِ (۱۰۶/۲) آیا ہے ۔ یعنے ان کے سردی اور گرمی کے موسم کے سفر ۔ اس سے در حقیقت مراد سارا سال ہے ۔

ش ج ر

شَجَرٌ ۔ ہر وہ چیز جو مجتمع ہو کر پھر کسی وجہ سے متفرق ہو جائے اسے شَجَرٌ کہتے ہیں* ۔ اسی سے شَجَرَ بَیْنَھُمْ کے معنے ہیں باہمی اختلاف کی وجہ سے آپس میں جھگڑنا ۔ (قرآن کریم میں فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ (۴/۶۵) باہمی اختلافات کے معنوں میں آیا ہے) ۔

*تاج ۔ **تاج و محیط ۔

شَاجَرَ فُلَانٌ فُلَانًا ۔ فلاں نے فلاں سے منازعت و مخاصمت کی ۔ اَلشَّجَرُ ۔ کے معنے درخت ہیں* ۔ (یہ جمع ہے ۔ ایک درخت کو شَجَرَةٌ کہینگے) ۔ غالباً اس لئے کہ اس کے تنہ کے ایک ہونے کے باوجود اس کی شاخیں منتشر اور بکھری ہوئی ہوتی ہیں ۔ یہی شَجَرَ کے بنیادی معنی ہیں ۔ اگرچہ تاج العروس میں ہے کہ تَشَاجَرَ کے معنے میدان جنگ میں فوجوں کا باہمی گتھم گتھا ہو جانا ہے اور چونکہ درخت کی شاخیں بھی ایسی دوسرے میں گتھم گتھا ہوتی ہیں اس لئے اسے شَجَرٌ کہتے ہیں ۔ لیکن اس لفظ کے بنیادی مفہوم کے اعتبار سے پہلی توجیہ زیادہ قرین قیاس نظر آتی ہے ۔ یعنے ایک تنے کے بعد شاخوں کا منتشر ہونا ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں کسی چیز کا بلند ہونا اور اس کے اجزاء کا ایک دوسرے میں گھسے رہنا بتائے ہیں ۔

قرآن کریم میں قصۂ آدم میں ہے کہ آدم سے کہا گیا تھا کہ فَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (۲/۳۵) ۔ اس شجر کے قریب نہ جانا ۔ جیسا کہ آدَمُ کے عنوان (دیکھئے ا ۔ د ۔ م) میں لکھا جاچکا ہے ، قصۂ آدم در حقیقت نوع انسانی کی تمثیلی سرگزشت ہے ۔ انسان اپنی تمدنی زندگی سے پہلے ایسی حالت میں رہتا تھا کہ اس کی ضروریات بہت قلیل تھیں اور سامانِ خور و نوش بافراط تھا ۔ اس لئے ان میں باہمی افتراق و اختلاف نہ تھا ۔ اس کے بعد جب انسانی شعور نے ذرا ترقی کی تو اس نے تمدنی اور معاشرتی زندگی شروع کی ۔ اس سے مختلف افراد (اور اس کے بعد مختلف قبائل) کے مفاد میں تصادم (Clash of Interests) شروع ہوا اور اس تصادم سے باہمی اختلاف و افتراق پیدا ہوا ۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (۱۰/۱۹) ۔ ''نوع انسانی پہلے ایک ہی جماعت تھی لیکن بعد میں انہوں نے آپس میں اختلافات شروع کر دیے''** ۔ یہ مطلب ہے فَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (۲/۳۵) سے ۔ یعنے ان سے کہدیا گیا تھا کہ دیکھنا ! تم سب کی اصل ایک ہی ہے ۔ اس لئے تم نے باہمی اختلاف و افتراق پیدا نہ کر لینا ۔ لیکن عقلِ خود بیں (ابلیس) نے ، جو ہر فرد کو اس کے ذاتی مفاد کا تحفظ سکھاتی ہے (برعکس عقلِ جہاں بیں کے جو پوری نوع انسانی کے تحفظ کی فکر کرتی ہے) انہیں انفرادی مفاد پرستیوں کی طرف مائل کر دیا ، اور اس طرح یہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے (۲/۳۶) ۔ لہذا اس مقام پر شَجَرَةٌ سے مفہوم انسانوں کے وہ باہمی اختلافات ہیں جو ان میں انفرادی مفاد پرستی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں

* تاج ۔ **(نوع انسانی کو پھر سے ایک ہی جماعت بنکر رہنا ہے لیکن یہ وحدت انسانیہ وحی کے ضابطہ کے بغیر ممکن نہیں ۔ (۲/۲۱۳) ۔

اور جن کا حل صرف یہ ہے کہ انسانؑ وحی کے نظامؑ کے مطابق زندگی بسر کرے ($\frac{۲}{۳۸}$) ۔ اسی کو ربوبیت عالمینی کہتے ہیں ۔

ش ح ح

اَلشُّحُّ ۔ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے اس نقشے کو سامنے لائیے کہ سخت گرمی کا موسم ہو، کسی جگہ تھوڑا سا پانی ہو اور بہت سے پیاسے۔ ایسی حالت میں دو آدمی جس طرح ایک دوسرے کو دھکیل کر پیچھے ہٹانے اور آگے بڑھ کر اپنی پیاس بجھانے کے لئے کوشش کرتے ہیں اسے تَشَاحَّا الْمَاءَ یا تَشَاحَّاهُ کہتے ہیں* ۔ قرآن کریم کا نظام ربوبیت یہ ہے کہ ہر فرد دوسروں کی نشو و نما کی فکر کرے اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دے۔ لہذا شُحِّ نَفْس اس خصوصیت کی ضد ہوا ۔ یہ مفہوم سورۃ حشر کی اس آیت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے جس میں کہا ہے کہ مومنین کی صفت یہ ہے کہ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ($\frac{۵۹}{۹}$) ۔ وہ خود تنگی ہی میں کیوں نہ ہوں دوسروں کی ضروریات کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں ۔ اس کے بعد ہے وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ($\frac{۵۹}{۹}$) ۔ یاد رکھو! جو شخص (یا قوم) شُحِّ نَفْس سے اپنے آپ کو بچائے انہی کی کھیتیاں پروان چڑھتی ہیں ۔ یعنے دنیا کے عام قاعدے کی رو سے ، اُسی کسان کی کھیتی میں فصل اگتی ہے جو اسے سیراب کرلے۔ لیکن نظام ربوبیت میں اسکی کھیتی پروان چڑھتی ہے جو دوسرے کے کھیت کی سیرابی کو اپنے اوپر ترجیح دے ۔ تَشَاحَّ الْقَوْمُ کے معنے ہیں ، لوگوں نے ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کی کہ کہیں ان کے ہاتھ سے چیز نہ جاتی رہے ۔ تَشَاحَّا عَلَى الْاَمْرِ ۔ وہ دونوں اس معاملہ میں جھگڑے اور ان میں سے کوئی بھی اس پر راضی نہ تھا کہ وہ چیز اس کے ہاتھ سے جاتی رہے** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی روکنے کے ہوتے ہیں ۔ اس اعتبار سے تَشَاحَّ الْقَوْمُ وغیرہ کے یہی معنی نہیں ہونگے کہ اس قوم نے ایک دوسرے سے بڑھنے میں کوشش کی بلکہ یہ بھی کہ خود آگے بڑھنے کے لئے دوسروں کو روکنے کی کوشش کی ۔ اس سے شُحَّ*** کے معنے بھی واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنی یہ نفسیاتی کیفیت کہ آگے بڑھ کر ہر چیز کو اپنے لئے مختص کر لینا اور دوسروں کو روکنا کہ اس چیز تک پہنچ نہ جائیں ۔

*تاج - جشع کے عنوان کے تحت ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔

اس بنیادی معنے کے اعتبار سے اَلشُّحّ ۔ بدترین قسم کی خود غرضی کو کہتے ہیں جس میں بخل اور حرص دونوں شامل ہوتے ہیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ بخل صرف مال میں ہوتا ہے لیکن شُحّ مال اور دیگر ہر قسم کی بھلائیوں کو اپنے لئے مخصوص کرنے کے لئے آتا ہے* ۔ اپنے لئے مخصوص کرنے اور دوسروں کو ان تک پہنچنے سے روکنے کے لئے ۔ راغب نے کہا ہے کہ شُحّ اس وقت کہتے ہیں جب انسان میں یہ کیفیت عادۃً پائی جائے ۔

اِبِلٌ شَحَائِحُ بہت کم دودھ دینے والی اونٹنیوں کو کہتے ہیں ۔ اور زَنْدٌ شَحَاحٌ اس چقماق کو جس سے آگ نہ نکلے ۔ مَاءٌ شَحَاحٌ ۔ بہت تھوڑا سا پانی** ۔ سورۃ احزاب میں اَشِحَّۃً کا لفظ آیا ہے (۳۳/۱۹) ۔ (اس کا واحد شَحِیْحٌ ہے) ۔ یعنے سخت بخیل و حریص ۔

ش ح م

اَلشَّحْمُ ۔ چربی (جمع شُحُوْمٌ) ۔ اَلشَّحْمَۃُ ۔ چربی کا ٹکڑا ۔ عرب اونٹ کے کوہان کو بھی الشَّحْمُ کہہ دیتے ہیں*** ۔

قرآن کریم میں یہودیوں کے متعلق ہے حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ شُحُوْمَھُمَا (۶/۱۴۶) ۔ ان پر (گائے اور بکری کی) چربی حرام کر دی گئی تھی ۔

ش خ ص

شَخْصٌ ۔ ہر دور سے نظر آنے والے جسم کو کہتے ہیں جو بلند ہو ۔ بلندی کے اعتبار سے کہتے ہیں شَخَصَ النُّجْرُحُ ۔ زخم اونچا یعنے متورم ہو گیا ۔ شَخَصَ شُخُوْصًا ۔ وہ بلند ہو گیا ۔ شَخَصَ السَّھْمُ ۔ تیر نشانے سے اونچا ہو گیا*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں بلندی پائی جاتی ہے ۔

شَخَصَ بَصَرُہٗ کے معنے ہیں اس نے بغیر جھپکائے اپنی آنکھوں کو کھلا رکھا ۔ دہشت کے مارے جب کسی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں تو اسوقت بولتے ہیں*** ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے تَشْخَصُ فِیْہِ الْاَبْصَارُ (۱۴/۴۲) ۔ اس انقلاب عظیم کے وقت آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائینگی ۔ سورۃ انبیاء میں ہے فَاِذَا ھِیَ شَاخِصَۃٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (۲۱/۹۷) ۔ اس نظام سے انکار کرنے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائینگی ۔

* تاج ** محیط *** تاج و محیط و راغب ۔

ش ح ن

شَحَنَ السَّفِیْنَۃَ یَشْحَنُھَا - کشتی کو بھر دیا اور جو سامان اس میں لادنا تھا لاد دیا * - قرآن کریم میں اَلْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ (۲۶/۱۱۹) آیا ہے - یعنے بھری اور لدی ہوئی کشتی - اَلشِّحْنَۃُ - وہ مال و اسباب وغیرہ جس سے کشتی کو بھرا جائے - اَلشِّحْنَۃُ - وہ چارہ جو جانوروں کے لئے اکٹھا کرکے رکھ لیا جائے اور ایک رات دن کے لئے کافی ہو - شَحَنَ - شَحْنًا کے معنے جھڑک دینے، دور کر دینے کے بھی آتے ہیں - (غالباً) اسی سے اَلشِّحْنَۃُ - بادشاہ کی طرف سے کسی علاقہ کے ناظم کو کہتے ہیں - اَلْمُشَاحِنُ - بغض و کینہ دل میں بھرا رکھنے والا ** -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں بھر دینا اور دور کر دینا دونوں آتے ہیں، لیکن یہ دونوں الگ الگ ہیں - یعنی ان میں وجہ جامعیت کوئی نظر نہیں آتی -

ش د د

اَلشِّدَّۃُ - سختی اور صلابت کو کہتے ہیں - شَدَّ - اس نے مضبوط اور محکم کیا - شَیْءٌ شَدِیْدٌ مُشْتَدٌّ - بہت مضبوط چیز - اَلشَّدُّ - کسی کو مضبوطی سے باندھ دینا - اَلشِّدَّۃُ - بہادری اور ثبات قلب - اَلشَّدِیْدُ شجاع - بہادر - قوی - نیز بخیل کو بھی کہتے ہیں - چنانچہ اِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ (۱۰۰/۸) میں شَدِیْدٌ کے معنے بخیل ہیں - اَلْاَشُدُّ - سن بلوغ - سن رشد - وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (۱۰/۸۸) کے معنے ہیں ان کے دلوں پر مہر کر دے *** -

قرآن کریم میں سن بلوغ و سن رشد کے لئے لفظ اَشُدَّ اکثر مقامات پر آیا ہے - (مثلاً ۱۷/۳۴ ; ۶/۱۵۳ ; ۴/۶) - سورۃ نساء میں (۴/۶) میں یتیموں کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب تک وہ "نکاح کی عمر" کو نہ پہنچیں ان کے مال کی نگرانی کرو - اور دوسرے مقامات (۶/۱۵۳ ; ۱۷/۳۴) میں کہا گیا ہے کہ ان کے مال کی حفاظت کرو جب تک وہ جوانی کو نہ پہنچ جائیں - اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی رو سے نکاح کی عمر، جوانی ہے، صغرسنی نہیں -

(۱۸/۸۲) میں ان یتیموں کے متعلق جن کی دیوار گر رہی تھی اور جسے حضرت موسیٰؑ اور انکے رفیق سفر نے کھڑا کر دیا تھا یہی کہا گیا ہے -

* تاج و راغب - ** محیط - *** تاج و محیط

(۲۲/۵) میں عام انسانوں کی جوانی کی حالت کے لئے یہ لفظ آیا ہے ۔ (۳۸/۱۲) میں حضرت موسیٰؑ کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے ۔

سورۃ یوسف میں شِدَاد* کا لفظ کٹھن سالوں کے لئے آیا ہے (۱۲/۴۸) ۔ یہ شَدِیْد* کی جمع ہے ۔ نیز اسکی جمع اَشِدَّاءُ بھی آتی ہے ۔ سورۃ الفتح میں مومنین کی صفت بتائی گئی ہے اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ (۴۸/۲۹) ۔ اسکے معنے یہ ہیں کہ وہ مخالفین کے مقابلہ میں بہت قوی اور مضبوط ہوتے ہیں ۔ اَشَدّ* ۔ زیادہ سخت اور مضبوط (۴۰/۲۱) ۔ اشْتَدَّ* ۔ سختی سے حملہ کرنا ، یا تیزی سے چلنا ۔ (۱۲/۱۸) ۔

ش ر ب

شَرِبَ ۔ یَشْرَبُ* ۔ پینا ۔ سیراب ہونا ۔ اَلشَّرَابُ* ۔ ہر وہ پینے کی چیز جسے چبانا نہ پڑے (۷۶/۲۱) ۔ اَلْمَشْرَبُ* ۔ پانی ۔ پانی پینا ۔ پانی پینے کا گھاٹ ۔ پینے کا وقت یا پینے کی جگہ ۔ وہ طریقہ جس سے پانی پیا جائے* ۔ طَعَامٌ ذُوْ مَشْرَبَةٍ وہ کھانا جسکے بعد بہت پیاس لگے** ۔

قرآن کریم میں مَشْرَبَهُمْ* (۲/۶۰) میں آیا ہے ، جسکے معنے پانی پینے کی جگہ ، یا خود پانی کے ہیں ۔ شِرْبٌ* (۲۶/۱۵۵) ۔ پانی پینے کا حصہ یا باری ۔ یا پانی پینے کا وقت ۔ پینا ۔ شُرْبٌ* (۵۶/۵۵) پینا ۔ شَارِبٌ* ۔ (۳۷/۶۵) پینے والا ۔ (اسکی جمع شَارِبُوْنَ اور شَارِبِیْنَ ہے)

سورۃ بقرہ میں شَرِبَ کے بعد یَطْعَمْهُ آیا ہے (۲/۲۴۹) ۔ یہاں شَرِبَ کے معنے ہیں سیر ہو کر پینا اور طَعِمَ کے معنی پانی کا چکھنا ۔

قصہ بنی اسرائیل میں آیا ہے وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ (۲/۹۳) ۔ اس کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ بچھڑا ان کے دلوں میں پلا دیا گیا ۔ لیکن استعارۃً مفہوم یہ ہے کہ بچھڑے کی عقیدت ان کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ۔ اس کی محبت ان کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر گئی ۔

ش ر ح

شَرْحٌ* ۔ کھولنا ۔ واضح کرنا* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اسکے معنے گوشت کو پھیلا دینے کے ہیں*** ۔ کشادہ اور وسیع کرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔ نیز اسکے معنے ہیں سمجھ میں آجانا ۔ شَرَحَ الْبَابَ ۔ دروازہ کھول دیا ۔ شَرَحَ الْکَلَامَ ۔ بات کو سمجھ لیا**** ۔

---

* تاج و محیط ۔ ** اقرب الموارد ۔ *** راغب ۔ **** محیط ۔

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے، یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ (۶/۱۲۵) ۔ اسلام کیلئے اسکے سینے میں کشادگی پیدا کر دیتا ہے ۔ اس لفظ میں بات کے سمجھنے کی صلاحیت، صحیح بات کو قبول کرنے کی استعداد، اور حق کو اختیار کر لینے کی جرأت، سب خصوصیات آجاتی ہیں ۔ اس کے برعکس غلط راستے پر چلنے والوں کے متعلق فرمایا کہ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا (۶/۱۲۵) ۔ وہ اس کا سینہ تنگ، بھنچا ہوا کر دیتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ شرح صدر بہت بڑی خصوصیت ہے جسے حاصل ہو جائے ۔ تعصب سے ہٹ کر، بات کو دلائل و بصیرت کی بناء پر (On Merits) سمجھنا ۔ حق و صداقت اور حسن و خوبی جہاں بھی ہو، اُسے (Appreciate) کرنا، اور پھر تمام مخالفتوں کے علی الرغم اسے اختیار کر لینا ۔ نیز اُسے اسی طرح تفصیل و تبیین سے آگے پہنچانا ۔ ہر ایک سے حسن سلوک سے پیش آنا ۔ دشمن تک سے فراخ دلی برتنا ۔ کہیں تنگ نظری کا ثبوت نہ دینا ۔ یہ سب باتیں شرح صدر میں آجاتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اولو العزم انبیائے کرام نے ہمیشہ خدا سے شرح صدر (وسعت قلب و نگاہ اور رفعتِ عزم و ہمت) کی دعائیں مانگی ہیں (۲۰/۲۵) ۔ اور خود نبی اکرمؐ سے کہا گیا کہ یہ شرح صدر کی بدولت ہے کہ ان کی اسقدر سخت مہم یوں آسان ہو گئی اور اسطرح ان سے ذمہ داریوں کا وہ بوجھ ہلکا ہو گیا جس سے ان کی کمر ٹوٹ رہی تھی (۹۴/۱-۲) ۔ ورنہ مخالفین کی کمینہ حرکات ایسی تھیں جن سے انسان کا دم گھٹنے لگ جائے (۱۵/۹۷) ۔

لہذا قرآن کریم کی رو سے معاملات کے آسان ہونے کیلئے شرح صدر نہایت ضروری ہے (۲۰/۲۵-۲۶ ؛ ۹۴/۱-۲) اور ہر مسلم کا یہی شعار ہونا چاہئے (۶/۱۲۵) ۔ جس شخص میں تنگ نظری اور دون ہمتی ہو، سمجھ لیجئے کہ اس کا سینہ اسلام کی روشنی کے لئے کشادہ نہیں ہوا ۔ (۲۲/۴۶) میں اسے قساوتِ قلب سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ نیز شَرَحَ یہ، صَدْرًا کے معنی ہیں کسی چیز کو بطیب خاطر قبول کرنا ۔ اس کے لئے اپنا دل کھول دینا ۔ (۱۶/۱۰۶) ۔

ش ر د

شَرَدَ الْبَعِیْرُ ۔ اونٹ بدک کر بھاگ نکلا ۔ اَلتَّشْرِیْدُ ۔ جھڑک دینا ۔ نکال دینا ۔ منتشر کر دینا ۔ کسی کو بدکا کر بھگا دینا ۔ راغب نے کہا ہے کہ شَرَّدْتُ یہ، کے معنے ہیں، میں نے اس سے ایسا برتاؤ کیا کہ اسے دیکھکر دوسرے لوگ اس جیسا کام کبھی نہ کریں ۔ ویسا کام کرنے سے بدکیں اور

باز رہیں ** ۔ قرآن کریم میں ہے فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ (۸/۵۷) ۔ یعنے انہیں ایسا مزہ چکھاؤ کہ جو لوگ ایسے ہی مقصد کیلئے ان کے پیچھے آرہے ہیں وہ ان کی اس حالت کو دیکھکر خود بخود بھاگ جائیں ۔ متوحش ہوجائیں (اس لئے کہ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بدکنا اور دور ہوجانا ہیں) ۔

ش ر ذ م

شِرْذِمَةٌ ۔ تھوڑی سی جماعت ۔ بڑی جماعت سے کٹ کر الگ ہو جانے والی پارٹی ۔ ثِيَابٌ شَرَاذِمٌ ۔ پرانے پھٹے ہوئے اور بوسیدہ چیتھڑوں کو کہتے ہیں *** ۔ قرآن کریم میں شِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ (۲۶/۵۴) آیا ہے ۔ یعنے حقیر اور قلیل سی جماعت ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ میں ذال زائد ہے ۔ یہ دراصل شَرَمْتُ الشَّيْءَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی چیز کو پارہ پارہ کر دینا ہیں ۔ چھوٹی سی جماعت کو اس لئے شِرْذِمَةٌ کہتے ہیں کہ وہ بڑی جماعت سے پھٹ کر الگ ہوتی ہے ۔

ش ر ر

شَرٌّ ۔ خَيْرٌ کی ضد ہے (۶۶/۸) ۔ لسان العرب میں ہے کہ شَرٌّ ۔ برائی (سُوْءٌ) کو کہتے ہیں ۔ اور مصباح میں ہے کہ اس کے معنے فساد اور ظلم کے ہیں ۔ اَلشَّرَارُ ۔ وَالشَّرَرُ ۔ آگ کی چنگاریاں (جو آگ میں سے نکل کر اڑتی ہیں) ۔ اس کا واحد شَرَارَةٌ اور شَرَرَةٌ ہے* ۔ (۷۷/۳۲) ۔ شَرَّ الْمَاءُ بَيْنَ الْقِرْبَةِ ۔ مشکیزہ سے پانی لگاتار ٹپکتا رہا ۔ نیز اَلشَّرُّ کے معنی تیزی ۔ نشاط ۔ غصہ ۔ طیش ۔ حرص ۔ فحش اور سفاہت ہوتے ہیں ۔ نیز اس سے مراد ہر وہ شے ہے جو انسان کی طبیعت کے مطابق نہ ہو ۔ یا وہ اس کی ضروریات کے راستے میں روک بن جائے **** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنے منتشر ہوجانے ، ادھر اُدھر اُڑ جانے اور بکھر جانے کے ہیں ۔

راغب کے نزدیک خَيْرٌ اور شَرٌّ دونوں اضافی الفاظ ہیں ۔ یعنے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی چیز ایک آدمی کیلئے خیر ہو اور دوسرے کے لئے شر ***** ۔

چونکہ یہ لفظ خَيْرٌ کی ضد ہے اسلئے اس کے صحیح مفہوم کے لئے عنوان خ ۔ ی ۔ ر بھی دیکھنا چاہئے ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے جو بنیادی معنی

* تاج **راغب ۔ *** تاج و راغب ۔ **** محیط ۔ *****راغب ۔ عنوان '' خیر '' میں

بتائے ہیں اس اعتبار سے شَرٌّ کے معنے ہوں گے انسان کی صلاحیتوں اور توانائیوں کا اس طرح صرف (یا ضائع) ہونا ، بکھر جانا اور منتشر ہو جانا کہ ان سے کوئی تعمیری نتیجہ مرتب نہ ہو ۔ اس کے برعکس خَیْرٌ کے معنے ہوں گے انسانی توانائیوں کا تعمیری نتائج پیدا کرنا ۔ پانی دریا کے ساحلوں کے اندر مقید ہوکر بہے تو اس کا نتیجہ خیر ہی خیر ہوتا ہے لیکن جب وہ سیلاب کی شکل میں ادھر ادھر بکھر جائے تو شر کا موجب ہو جاتا ہے ۔ ہوا نرم روی کے ساتھ ایک سمت میں چلے تو موجب خیر ہے لیکن جب جھکڑ اور آندھی بن جائے تو تباہی کا موجب ۔ توانائیوں کا بکھر جانا ، قوتوں کا بے لگام ہو کر منتشر ہو جانا شر ہے ۔ یہی چیز خود انسانی ذات کے متعلق بھی ہے ۔ اگر اس کی قوتیں منتشر (Diffused) ہوں تو اس کی نشو و نما نہیں ہوتی ۔ اگر وہ مرتکز (Crystallised) ہو جائیں تو اس میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے ۔

سورۃ الفلق میں مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (۱۱۳/۲) سے محفوظ رہنے کی دعا سکھائی گئی ہے ۔ یعنی جو کچھ پیدا کیا گیا ہے اس کے شر سے حفاظت ۔ اس سے ظاہر ہے کہ شر (Evil) کوئی مستقل بالذات شے نہیں جسے الگ پیدا کیا گیا ہو(جیسا کہ مجوسیوں کے ہاں عقیدہ تھا)۔ کائنات کی کوئی شے نہ بجائے خویش شر ہے نہ خیر ۔ ہر چیز میں شر کا پہلو بھی ہے اور خیر کا بھی ۔ اس کے شر کے پہلو سے بچنا چاہئے اور خیر کا پہلو اختیار کرنا چاہئے ۔ پانی اگر کشتی کے نیچے رہے تو خیر ہی خیر ہے لیکن اگر وہ کشتی کے اندر آ جائے تو شر ہو جائیگا ۔ کائنات کی ہر قوت کو وحیِ خداوندی کی روشنی میں صرف اور استعمال کرنا ، خیر ہے ۔ اور اسے انسانیت کی تخریب کے لئے استعمال کرنا شر ۔ باقی رہیں ہماری معاشرتی مصیبتیں ، سو وہ معاشرہ کے غلط نظام کا نتیجہ ہوتی ہیں ۔ اگر معاشرہ کے نظام کو صحیح خطوط پر متشکل کر دیا جائے تو یہ تمام مصیبتیں ختم ہو جاتی ہیں ۔ یہی صورت اس انفرادی دکھ ، درد (Pain) کی ہے جو طبعی طور پر ہوتا ہے ۔ جوں جوں انسان کا علم بڑھتا جاتا ہے اور وہ اس کے ذریعے تسخیر فطرت کرتا جاتا ہے ان تکلیفوں میں کمی ہوتی جاتی ہے ۔

اب رہیں وہ پریشانیاں جو جذباتی طور پر وجہِ مصیبت بنتی ہیں ۔ سو اگر انسان کی تعلیم و تربیت صحیح خطوط پر ہو جائے تو وہ ان پریشانیوں پر بھی غالب آ سکتا ہے ۔ زاویۂ نگاہ کے بدل جانے سے ان چیزوں کا اثر ہی بدل جاتا ہے ۔ اس لئے ''ابلیس'' سے کہا گیا ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (۱۵/۴۲) ۔ یقیناً میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکیگا ۔

خیر اور شر کے ان گوشوں کا ذکر قرآن کریم کے مختلف مقامات میں ملے گا جہاں سے وہ حقائق واضح ہو جائینگے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کریم نے مسئلہ خیر اور شر (Good and evil) کی بحث فلسفیانہ طور پر نہیں کی۔اس لئے کہ اس کا موضوع فلسفہ نہیں۔ اس کا مقصود ایسی راہ نمائی دینا ہے جس سے شر، شر ہی نہ رہے۔ یعنی توانائیاں بکھر کر تخریبی نتائج (Disintegration) نہ پیدا کریں، بلکہ نظم و ضبط کے ساتھ مجتمع ہو کر تعمیری نتائج پیدا کریں۔

واضح رہے کہ ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ کوئی شے فی نفسہ نہ خیر ہے نہ شر،اوران کا طریق استعمال ہے جو انہیں خیر یا شر بنا دیتا ہے،تو یہ چیز اشیائے کائنات یا کائنات اور انسان کی قوتوں کے متعلق ہے۔ جہاں تک ان مستقل اقدار کا تعلق ہے جن پر شرف انسانیت (یا دین) کی عمارت استوار ہے اور جو وحی کے ذریعے عطا ہوئی ہیں، وہ فی نفسہ خیر ہیں۔ مثلاً عدل و احسان فی نفسہ خیر ہیں۔ اور ان کی ضد ذاتی طور پر شر۔ اسی طرح وہ چیزیں جنہیں قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے، شر پیدا کرنے کا موجب ہیں۔

ش ر ط

اَلشَّرَطُ۔ علامت یا نشانی جسے لوگ آپس میں مقرر کرلیں۔ (جمع اَشْرَاطٌ)۔ ہر چیز کا پہلا حصہ۔ اَلشُّرْطَةُ۔ فوج کا پہلا دستہ جو جنگ میں شریک ہو اور موت کے لئے بالکل تیار ہو۔ گورنر کے اعوان و انصار کی جماعت (کیونکہ وہ اپنے اوپر ایسی علامات لگا لیتے ہیں جن سے وہ پہچانے جائیں)* ۔ اس کا واحد شُرْطِیٌّ ہے۔ قرآن کریم میں اَلسَّاعَةُ (آنے والے انقلاب) کے متعلق ہے فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا (۴۷/۱۸)۔ اس کی ابتدائی علامات تو آچکی ہیں۔ اب اس کے بعد وہ انقلاب کی گھڑی (وہ فیصلہ کن لڑائیاں جن میں مخالفین (قریش) کو ایسی شکست ہوئی کہ اس کے بعد وہ اُٹھ ہی نہ سکے) جلد آ جائیگی۔

ش ر ع

اَلشَّرِیْعَةُ۔ وہ گھاٹ جس پر آدمی اور جانور پانی پینے کے لئے آتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے خصوصیت یہ ہے کہ پانی مسلسل بہنے والے چشمہ سے آ رہا ہو جو بند نہ ہوتا ہو، کھلا ہوا اور سطح زمین پر جاری ہو۔ یعنی اسے

*تاج و محیط و راغب۔

حاصل کرنے کے لئے کسی رسی وغیرہ کی ضرورت نہ پڑے ۔ اگر بارش وغیرہ کا جمع شدہ پانی ہو ، تو وہ شریعۃ نہیں بلکہ کَرَعٌ کہلائیگا ۔ اسی سے اَلشَّارِعُ ۔ عام راستہ کو کہتے ہیں جس پر سب لوگ چل سکتے ہوں ۔ الشِّرْعُ ۔ سیدھے راستہ کو جو واضح اور کھلا ہو ۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ شَرَعَ کے معنے ظَہَرَ ہیں ۔ یعنے ظاہر ہوگیا ۔ کھل گیا ۔ شُرِعَتِ الرِّمَاحُ کے معنے ہیں نیزے سیدھے کئے گئے ۔ اَشْرَعَ الشَّیْئَ ۔ اس نے اس چیز کو بہت بلند کر دیا ۔ اَلشِّرَاعُ ۔ کشتی کے بادبان کو کہتے ہیں ۔ اَلشَّرِیْعَۃُ ۔ دروازے کی چوکھٹ کو بھی کہتے ہیں ۔ الشَّرِیْعَۃُ و الشِّرْعَۃُ ۔ سیدھا اور واضح راستہ* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو طول کی جانب سے کھول دینا ۔ یعنی اسطرح کھول دینا کہ وہ یہاں سے وہاں تک پوری کی پوری سامنے آ جائے ۔

سورۃ شوریٰ میں ہے شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ (۴۲/۱۳) ۔ خدا نے تمہارے لئے اس نظام زندگی (اَلدِّیْنُ) یا قانون حیات کو نمایاں اور واضح کیا ہے ۔ سورۃ جاثیہ میں ہے ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِنَ الْاَمْرِ (۴۵/۱۸) پھر ہم نے تجھے الامر (دین کے معاملہ) میں ایک کھلے اور واضح راستے پر لگا دیا ۔

ان آیات میں (شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ ۔ یا شَرِیْعَۃٍ مِنَ الْاَمْرِ ۔ سے) مفہوم خود الدین ہے ۔ یعنی خدا کا متعین کردہ راستہ ۔ سورۃ مائدہ میں پہلے یہ کہا گیا ہے کہ ''ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو ان حقائق کو سچ کرکے دکھانے والی ہے جو اس سے پہلی آسمانی کتابوں میں آ چکے ہیں ۔ اور یہ ان سب کی تعلیم کی محافظ ہے ۔ سو تو ان کے متنازع فیہ معاملات میں ما آنزل اللہ کے مطابق فیصلہ کر ۔ اور جب تمہارے پاس حق آ چکا ہے تو پھر ان کے جذبات و خواہشات کا اتباع مت کرو'' ۔ اس کے بعد ہے لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّ مِنْہَاجًا (۵/۴۸) ۔ ''اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شرعۃ (راستہ) اور منہاج (طریقہ) مقرر کیا (تھا)'' ۔ یہاں شِرْعَۃً کے معنی الدین کے وہ غیر متبدل اصول نہیں جو حضرت نوحؑ سے نبی اکرمؐ تک ہر نبی کو یکساں طور پر دئے گئے تھے (۴۲/۱۳) ۔ یہاں اس سے مراد ، الدین کے اصولوں کے تابع وہ جزئی احکام ہیں جو انبیائے سابقہ کو وقتی ضروریات کے لئے دئے جاتے رہے اور جن میں زمانے کی

*تاج و محیط ۔

تبدیلی کے ساتھ تبدیلی ہوتی رہی ۔ قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ یہ لوگ (یہود و نصاریٰ) جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر قرآن کریم منجانب اللہ ہے تو اس میں ایسے احکام کیوں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں ، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک چیز ہے دین کے اصول ، اور دوسری چیز ہے جزئی احکام ۔ دین کے اصول ہمیشہ ایک رہے لیکن جزئی احکام میں تبدیلیاں ہوتی رہیں ۔ اس لئے اگر قرآن کریم کا کوئی حکم ، سابقہ اقوام کے کسی جزئی حکم سے مختلف ہے تو اس سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن کریم منجانب اللہ نہیں ۔ اس مفہوم کی تائید ، سورۃ حج کی وہ آیت کرتی ہے جس میں کہا گیا ہے لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ (۲۲/۶۷) ۔ ''ہم نے ہر قوم کے لئے (دین کو عملاً نافذ کرنے کے لئے) طریقہ تجویز کیا تھا جس پر وہ چلیں ۔ (اس طریق میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اصلِ دین میں نہیں) اس لئے یہ تجھ سے الامر (اصل دین) کے بارے میں تو تنازع نہ کریں'' ۔

اس آیت (لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا) کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دین کے اختیار کرنے پر ہم کسی پر جبر نہیں کرتے ۔ جس جس طریق پر کوئی از خود چلتا ہے ، ہم اس کے اس اختیار و ارادہ میں دخل نہیں دیتے ۔ ہمارا کام الدین دیدینا ہے ۔ یہ انسانوں کی اپنی مرضی ہے کہ وہ الدین کو اختیار کریں یا اپنے اپنے طور طریقوں پر چلتے رہیں ۔ اس مفہوم کی تائید اس سے اگلی آیت سے ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (۵/۴۸) ۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک اُمت بنا دیتا ۔ لیکن اس طرح تمہارا اختیار و ارادہ سلب ہو جاتا ۔ اور یہ چیز مشیت خداوندی کے خلاف ہوتی ۔

ہمارے ہاں دین اور شریعت الگ الگ معنوں میں استعمال ہوتے ہیں ۔ شریعت سے مراد ، وہ جزئی احکام لئے جاتے ہیں جن پر اُمت کے لئے چلنا ضروری ہے ۔ اسلام کا نظام یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں (بجز چند مستثنیات) دین کے صرف اصول دئے ہیں ۔ یہ اصول (اور وہ چند احکام جو قرآن کریم میں دئے گئے ہیں) ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہینگے لیکن ان اصولوں کی چاردیواری کے اندر رہتے ہوئے ، ہر زمانے کی اُمت اپنے لئے جزئی احکام ، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ، باہمی مشورہ سے خود مرتب کریگی ۔ قرآنی اصول غیر متبدل رہینگے اور یہ جزئی احکام تبدیل ہوتے رہینگے ۔ ان احکام کو اگر شریعت کہا جائیگا تو یہ شریعت بدلتی رہیگی اور اصولِ شریعت غیر متبدل رہینگے ۔

اَلشِّرْیْعَۃُ کے ان معانی کو سامنے لائیے جو شروع میں بیان ہوئے ہیں اور پھر غور کیجئے کہ شریعت کی خصوصیات کیا ہونی چاہئیں ۔ ان معانی کے لحاظ سے اَلشِّرْیْعَۃُ (یعنی الدین کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں ، اسلامی معاشرہ کی مرتب کردہ جزئیات) کو واضح ، سیدھا اور نمایاں ہونا چاہئے۔ نیز ایسا راستہ جو ہر ایک کے لئے یکساں ہو ۔ ایسا پانی جس سے سب سیراب ہو سکیں ۔ جس تک ہر ایک کی رسائی ہو ۔ جو مسلسل آ رہا ہو ۔ بارش کا ایک جگہ جمع شدہ پانی نہ ہو ۔ لہذا شریعت وہ ہوگی جس میں جمود، تعطل نہ ہو ۔ جس میں تسلسل ہو ۔ جو زمانے کے بہتے ہوئے اور بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دے سکے ۔ اگر وہ جوئے رواں ہونے کی بجائے بند پانی کی طرح ہوگی تو اس میں کچھ عرصہ کے بعد فساد کی بو پیدا ہو جائے گی ۔ وہ زندگی بخش نہیں رہے گی ۔

سورۃ اعراف میں حِیْتَانُھُمْ . . . . شُرَّعًا (۷/۱۶۳) آیا ہے ۔ شُرَّعًا جمع ہے شَارِعٌ کی اور اس کے معنے ہیں وہ مچھلیاں جو اپنے سر کو اونچا کئے نمایاں طور پر سطح آب کے اوپر آجائیں** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں وہ مچھلیاں جو سر نیچا کئے جا رہی ہوں ۔ (ابن فارس کی عبارت میں تَشْرَبُ ہے جس کے معنی پانی پینے کے ہیں ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ طباعت کی غلطی ہے اور صحیح لفظ تَسْرَبُ ہے) ۔ لیکن جس مقام پر یہ لفظ قرآن کریم میں آیا ہے اس کے اعتبار سے پہلے معانی زیادہ موزوں نظر آتے ہیں ۔ بنی اسرائیل ، سبت کے روز کام کاج سے ناغہ کرتے تھے ۔ اس لئے ان کے ماہی گیر اس دن مچھلیاں نہیں پکڑتے تھے ۔ مچھلیوں میں (اور دیگر جانداروں میں بھی) یہ طبعی ملکہ ہوتا ہے کہ جب انہیں پیہم تجربہ سے معلوم ہو جائے کہ ان کے لئے کوئی خطرہ نہیں تو وہ چھپنے کی بجائے کھلے طور پر ، انسانوں کے قریب پھرتے رہتے ہیں ۔ یہی کچھ وہ مچھلیاں کرتی تھیں ۔ لیکن بنی اسرائیل کے لالچی ، ان کی اس روش سے فائدہ اٹھاتے اور سبت کے علی الرغم انہیں پکڑ لیتے ۔ (تفصیل س ۔ ب ۔ ت میں دیکھئے) ۔

ش ر ق

اَلشَّرْقُ ۔ شگاف کو کہتے ہیں ۔ شَرَقَ الشَّاۃَ ۔ بکری کا کان چیر دیا ۔ اَلتَّشْرِیْقُ ۔ گوشت کو چیرنا پھاڑنا یا کاٹنا ۔ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ ۔ یہیں سے ہے جس سے مراد عیدالاضحیٰ کے تین دن ہیں جن میں قربانی کا

*تاج ۔ **محیط ۔

گوشت چیر کاٹ کر دھوپ میں رکھا جاتا ہے *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی روشن کر دینے اور کھول دینے کے ہیں۔ شَرَقَتِ الشَّمْسُ۔ سورج نکل آیا۔ وَاَشْرَقَتِ الشَّمْسُ۔ سورج نے روشنی کر دی۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان دنوں میں لوگ قربانی کے گوشت کو پارچے بنا کر دھوپ میں سکھانے کے لئے پھیلا دیتے تھے۔ اَلشَّرْقُ کے معنے آفتاب کے بھی ہیں جبکہ وہ طلوع یا روشن ہوگیا ہو۔ چنانچہ طَلَعَتِ الشَّرْقُ آفتاب نکلنے کے لئے بولتے ہیں۔ لیکن غَرَبَتِ الشَّرْقُ کبھی نہیں کہتے۔ اَلشَّرْقُ۔ آفتاب کا روشن ہونا۔ وہ جگہ جہاں سے آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ یعنی مشرق۔ اَلشَّارِقُ۔ آفتاب، عین طلوع ہونے کے وقت *۔

شَرَقَ النَّخْلُ وَاَشْرَقَ۔ کھجور کے درخت لمبے ہوئے یا ان میں سفید شگوفے نکلے۔ شَرِقَ الدَّمُ فِیْ عَیْنِہٖ: اس کی آنکھ سرخ ہوگئی*۔

اَلْمَشْرَقَانِ۔ وہ انتہائی دو نقاط جہاں سے سورج سردی اور گرمی میں طلوع ہوتا ہے *۔

قرآن کریم میں مَشْرِقٌ کے مقابلہ میں مَغْرِبٌ آیا ہے (۲/۱۱۵) اور سورۃ ص میں بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ بھی آیا ہے (۳۸/۱۸)۔ سورۃ رحمٰن میں رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ (۵۵/۱۷) آیا ہے۔ یعنے سردی اور گرمی میں طلوع اور غروب کے انتہائی نقاط۔ اس سے مراد تمام روئے زمین ہے۔ اسطرح مشرقی اور مغربی زمینوں کے لئے مشارق اور مغارب بھی آیا ہے (۷۰/۴۰) اور صرف مَشَارِقُ بھی (۳۷/۵)۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل کو ارض با برکت کے مشارق و مغارب کا مالک بنا دیا (۷/۱۳۷)۔ یعنے اس با برکت زمین کے ان حصوں کا جو اسکے شرق و غرب میں واقع تھے۔ یا اس پورے کے پورے خطہ کا۔ اسلئے کہ قرآن کریم نے جہاں کہا ہے وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ (۲/۱۱۵) تو اس سے مراد کل کائنات ہے۔

سورۃ نور میں، نور خداوندی کے تمثیلی بیان میں لَا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ (۲۴/۳۵) آیا ہے۔ یعنے وہ مشرق و مغرب کی نسبتوں سے بلند و بالا ہے۔ اسکی روشنی عالمگیر (Universal) اور تمام کائنات کو محیط ہے۔ جس طرح خدا تمام نوع انسانی کا خدا ہے اسی طرح اس کا ضابطہ قانون (قرآن کریم) بھی تمام نوع انسانی کی آنکھوں کیلئے روشنی ہے اور اسکا نظام

* تاج و محیط۔

ربوبیت تمام انسانوں کی نشو و نما کا ذریعہ - یہی وہ نظام ہے جسکی روشنی سے آخرالامر تمام روئے زمین جگمگا اٹھیگی - وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (۳۹/۶۹) -

اِشْرَاقٌ (۳۸/۱۸) طلوع آفتاب (یا دن چڑھنے) کیلئے آیا ہے - (۱۵/۷۳) میں مُشْرِقِيْنَ آیا ہے - اس کے معنے یہ ہیں کہ عذاب نے انہیں اسوقت گرفت میں لیا جب ان پر سورج کی روشنی پڑ رہی تھی - یعنی طلوع آفتاب کے وقت -

ش ر ک

اَلشِّرْکُ کے بنیادی معنی ہیں چمٹے رہنا - خلط ملط ہو جانا * - شَارَکْتُ فُلَانًا کے معنے ہیں میں فلاں کا ساتھی ہو گیا - اور اِشْتَرَکَ الْاَمْرُ کے معنے ہیں معاملہ گڈ مڈ ہو گیا - مُشَارَکَةٌ کے معنے ہیں ایک کا دوسرے کے ساتھ کسی کام میں شریک ہو جانا - فُلَانٌ شَرِيْکُ فُلَانٍ - فلاں شخص کسی دوسرے شخص کا شریک کار یا ساجھی ہے - نیز اس کے معنی ہیں کسی کی بہن یا بیٹی سے شادی کرکے اس کے خاندان سے رشتہ داری پیدا کر لینے والا - اسکی جمع شُرَکَاءُ آتی ہے - اَلشَّرَکُ - شکاری کے جال کو کہتے ہیں - نیز وہ چھوٹے چھوٹے راستے جو بڑے راستے (اُمُّ الطَّرِيْقِ) سے نکلیں اور آگے جا کر ختم ہو جائیں - ان کا واحد شَرَکَةٌ ہے ** -

شِرْکٌ - قرآن کریم کی خاص اصطلاح ہے - اسکے معنے ہیں غیر خدائی قوتوں کو خدا کے ہمسر سمجھنا - جو اختیارات صرف خدا کیلئے مخصوص ہیں ان کا حامل دوسروں کو بھی سمجھنا - انسانوں کے خود ساختہ قوانین کو، قانون خداوندی کے برابر سمجھنا - خدا کے حق ملکیت میں دوسروں کا حق تسلیم کرنا - قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ اس کائنات میں ہر شے انسان کیلئے تابع فرمان کر دی گئی ہے اور انسان سب برابر ہیں - کسی کو حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے سے اپنی اطاعت کرائے - لہذا اس کائنات میں، انسان سے برتر کوئی اور قوت نہیں - (انسان سب برابر اور کائنات کی دیگر اشیاء انسان سے فروتر) - پس ایک خدا کی ذات ہے جو انسان سے برتر ہے - لہذا انسان کا خدا کے علاوہ کسی اور کو اپنے سے برتر سمجھنا خود اسکی

* محیط - ** تاج -

اپنی تذلیل ہے ۔ اسی کو شرک کہتے ہیں ۔ شرک سے خدا کی خدائی (خدا ہونے) میں کوئی فرق نہیں آجاتا ۔ خود انسان اپنے مقام انسانیت سے گرجاتا ہے ۔ اسلئے قرآن کریم کی رو سے شرک سب سے بڑا جرم ہے جو انسان سے اسکا صحیح مقام چھین لیتا ہے (۳۱/۱۳) ۔ مشرکین وہی ہیں جو مقام انسانیت سے گر جاتے ہیں اور (خدا کے علاوہ اور) قوتوں کو اپنے سے برتر سمجھنے لگ جاتے ہیں ۔ بس ایک خدا کے قانون کی اطاعت (جو اسنے وحی کے ذریعہ قرآن کریم میں عطا کر دیا ہے) اور ساری کائنات کی تسخیر ۔ یہ ہے توحید ۔ اور اس میں ذرا سی بھی خرابی ، شرک ۔

اَشْرَکَ ۔ اس نے شرک کیا، اس سے اسم فاعل مُشْرِکٌ ہے یعنی شرک کرنے والا ۔ اسکی جمع مُشْرِکُوْنَ اور مُشْرِکِیْنَ ہے ۔

نزول قرآن کے وقت ایک گروہ تو ان لوگوں کا تھا جو وحی خداوندی کے اتباع کے مدعی تھے ۔ انہیں اہل کتاب کہکر پکارا گیا ہے ۔ یعنی یہودی ۔ نصرانی وغیرہ ۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو کسی آسمانی کتاب کے اتباع کے مدعی نہیں تھے ۔ وہ اپنے خود ساختہ رسوم و آئین کے متبع تھے ۔ وہ اپنے ذہنی تصور کے مطابق خدا کو بھی مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ اور قوتوں کو بھی شریک خیال کرتے تھے ۔ انہیں مشرکین کہا گیا ہے ۔ (چونکہ یہ دونوں گروہ قرآن کریم کی دعوت سے انکار کرتے تھے اسلئے ان سب کو کَافِرِیْنَ کہا گیا ہے) ۔ یہ اصطلاحی تعبیریں ان گروہوں میں باہمی امتیاز کیلئے تھیں ورنہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے خود اہل کتاب بھی قانون خداوندی کا اتباع نہیں کرتے تھے بلکہ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کا اتباع کرتے تھے ۔ یعنے اپنے احبار و رہبان (علماء و مشائخ) کے مسلک و آئین کا اتباع ۔ قانون خداوندی اپنی اصلی شکل میں انکے پاس تھا ہی نہیں ۔ اور جتنا کچھ تھا ، وہ بھی محض تبرکاً تھا ۔ ان کا عمل انکے علماء و مشائخ کی متعین کردہ شریعت پر تھا ۔ لہذا عملاً یہ لوگ بھی مشرک تھے ۔ اس اعتبار سے قرآن کریم نے انہیں بھی مشرک کہا ہے ۔ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۔ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۲/۱۳۵) ۔

دینِ توحید صراط مستقیم ہے ۔ اور مختلف فرقے وہ چھوٹے چھوٹے راستے ہیں جو انسان کو صراط مستقیم سے بھٹکا کر دوسری طرف لیجاتے ہیں اور تھوڑی دور جاکر بند ہو جاتے ہیں ۔ اسلئے قرآن کریم نے فرقہ بندی کو

شرک قرار دیا ہے ۔ (۳۰/۳۲ ۔ ۳۰/۳۲) ۔ اس لئے کہ فرقوں میں آخری سند انسان ہوتے ہیں ۔ دین میں سند اور حجت صرف خدا کی کتاب ہوتی ہے ۔

لہذا شرک یہی نہیں کہ انسان بتوں کی یا مُردوں کی پرستش کرنے لگ جائے ۔ شرک یہ بھی ہے (اور یہ شرک بہت بڑا ہے) کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کو خدا کے قانون کا درجہ دیدیا جائے اور اسطرح دین کو مختلف فرقوں میں بانٹ دیا جائے ۔ ایسا کرنے والوں کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت مشرک ہوتے ہیں۔ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ (۱۲/۱۰۶) ۔ ان میں سے اکثریت انکی ہے جو خدا پر اسطرح ایمان رکھتے ہیں کہ ایمان کے باوجود مشرک ہوتے ہیں ۔

جسطرح سارے قرآن کریم میں توحید کی تفاصیل کا تذکرہ ہے اسی طرح اس میں شرک اور اسکی جزئیات و تضمنات کا ذکر ہے ۔ قرآن کریم کی بنیادی تعلیم شرک کو مٹانا اور توحید کو قائم کرنا ہے ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنے یہی ہیں ۔ ہر غیر خداوندی قانون و آئین کی اطاعت سے انکار اور قانون خداوندی کی اطاعت کا عملی اقرار۔ مسلم اور مشرک ایک دوسرے کی ضد ہیں (۳/۶۴) ۔ اور غیر خدائی قوتوں پر بھروسہ کرنے والے اور شیطانی اقتدار کو تسلیم کرنے والے مشرک ہیں (۱۶/۹۹ ۔ ۱۶/۱۰۰) ۔

ضمناً ایک نقطہ کی وضاحت ضروری ہے ۔ قرآن کریم میں مشرکین کے خلاف جنگ کرنے کا حکم اکثر مقامات میں نظر آئیگا ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ مسلمان ، تمام دنیا کے مشرکین سے ہر حال میں جنگ کرتے رہیں ۔ اُن مقامات میں مشرکین سے مراد زمانۂ نزول قرآن کے مشرکین ہیں جنہوں نے جنگ کے حالات پیدا کر دئے تھے ۔ اُس کے بعد جنگ صرف انہی سے کی جائیگی جو اُس قسم کے حالات پیدا کر دیں ۔ بالفاظ دیگر، کسی مشرک سے محض اس کے مشرک ہونے کی بنا پر جنگ نہیں کی جائیگی ۔ جنگ ان قوموں سے کی جائیگی جو جنگ کے حالات پیدا کر دیں ۔ اس کے لئے قرآن کریم نے تفصیلی ہدایات دی ہیں ۔

لیکن اسلامی معاشرہ میں مشرکین (یا غیرمسلموں) کی جو پوزیشن قرآن کریم نے متعین کر دی ہے اور ان سے جس قسم کے تعلقات رکھنے کا حکم دیا ہے ، وہ ہر دور کے مشرکین (یا غیر مسلموں) پر یکساں طور پر منطبق ہوتا ہے ۔

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ

(۱) جو خصوصیات اور قوتیں خدا کے لئے مختص ہیں، ان میں کسی دوسرے کو شریک سمجھنا، شرک ہے۔

(۲) اپنے آپ کو خدا کے سوا، کائنات کی کسی قوت یا کسی انسان کا محکوم اور تابع فرمان سمجھنا اور اس کے سامنے جھکنا، شرک ہے۔

(۳) قرآن کریم کے علاوہ، کسی اور کی محکومی اختیار کرنا شرک ہے۔ اس ضابطہ کے علاوہ، کسی اور ضابطہ کو اپنا۔ حکم ماننا، شرک ہے۔

(۴) الدین، ملت میں وحدت پیدا کرتا ہے۔ فرقوں میں بٹ جانا اور گروہ در گروہ ہو جانا، شرک ہے۔

(۵) ایک خدا۔ اس کا عطا کردہ ایک ضابطہ زندگی۔ اس پر چلنے والی ایک اُمت۔ اس اُمت کا ایک نظام۔ یہ ہے توحید۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے شرک ہے۔

ش ر ی

شَرَیٰ کے معنے بیچنے اور خریدنے دونوں کے آتے ہیں۔ (اور یہی مفہوم بَیْعٌ کا بھی ہے)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خرید و فروخت، جنس کے عوض جنس سے ہوتی تھی جسے (Barter System) کہتے ہیں، تو اس میں ہوتا یہ تھا کہ ایک جنس والا جہاں اپنی جنس دوسرے کو دیتا تھا تو اسکے عوض دوسرے سے اسکی جنس خریدتا بھی تھا۔ اس طرح ان دونوں میں سے ہر ایک خریدتا بھی تھا اور بیچتا بھی تھا۔ لہذا یہ لفظ خریدنے اور بیچنے دونوں کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا*۔ شَرَیٰ کا اصلی مطلب ہے کسی چیز کا اپنے قبضے سے نکال کر اس کے عوض دوسری چیز کو اپنے قبضے میں لے لینا۔ اس اعتبار سے ایک چیز کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری چیز اختیار کرلینے کو بھی اِشْتِرَاءٌ کہدیتے ہیں**۔ راغب نے لکھا ہے کہ شَرَیٰ بیچنے کے لئے اور اِشْتَرَیٰ خریدنے کے لئے زیادہ مستعمل ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں (۲/۲۰۸) میں یَشْرِیْ نَفْسَہٗ کے معنے اپنے آپ کو فروخت کر دینے کے ہیں۔ وَ شَرَوْہُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ (۱۲/۲۰) میں بھی اس کے معنے فروخت کرنے کے ہیں۔ لیکن اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی (۹/۱۱۱) میں اس کے معنے خریدنے کے ہیں۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی (۲/۱۶) میں اس کے معنے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنے کے ہیں۔

*تاج و محیط و راغب۔ **تاج۔

نوٹ۔ شَرٌ یَانٌ (ش کو زبر اور زیر سے) ایک درخت کو کہتے ہیں جس کی لکڑی سے کمان بناتے تھے۔ نیز جسم کی وہ رگ جو پھڑکتی اور حرکت کرتی رہتی ہے۔ اس کی جمع شَرَایِیْنٌ ہے۔ شَرَیٰ کے معنے پھیلانا بھی ہیں*۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں کسی چیز میں ہیجان پیدا ہو جانا اور اس کا بلند ہونا لکھا ہے۔ نیز شَرَیَ الْبَعِیْرُ فِی سَیْرِہٖ کے معنے ہیں اونٹ تیز چلا** ۔

قرآن کریم میں ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (۹/۱۱۱) ۔ ''بیشک اللہ نے مومنوں سے ان کی جان اور مال بعوض جنت خرید لئے ہیں'' ۔ یہ محض ذہنی عقیدہ نہیں بلکہ اسلامی نظام مملکت و معاشرت کی اصل و بنیاد ہے ۔ اس میں ، وہ نظام معاشرہ (مملکت) جو قوانین خداوندی کو عملاً نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے ، افراد مملکت کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے ۔ اس معاہدہ کی رو سے ، افراد اپنے جان اور مال کو حکومتِ خداوندی کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہیں ، اور وہ حکومت انہیں اس دنیا میں جنتی زندگی عطا کرنے کی ضمانت دیتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس قوم کی یہاں کی زندگی جنتی ہو جائے اسے آخرت میں بھی جنت مل جاتی ہے ۔(تفصیل ان امور کی میری کتاب ''نظام ربوبیت'' میں ملے گی) ۔

ش ط أ

الشَّطْءُ ۔ کھجور یا کھیتی کی سوئیاں ۔ نئے پھوٹنے والے پودے ۔ الشَّطْءُ مِنَ الشَّجَرِ ۔ درخت کی جڑ کے آس پاس جو شاخیں پھوٹ نکلیں ۔ شَطْأُ الْوَادِیْ وَ النَّھْرِ ۔ وادی یا نہر کا کنارہ ۔ ساحل*** ۔

قرآن کریم میں ہے کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَہٗ (۴۸/۲۹) ۔ کھیتی کی طرح جو اپنی سوئیاں نکالتی ہے۔ مِنْ شَاطِیِٔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ (۲۸/۳۰)۔اس با برکت وادی کے ایک کنارے سے ۔

ش ط ر

اَلشَّطْرُ ۔ اُس حصہ کو کہتے ہیں جو کسی چیز سے الگ ہو جائے ۔ پھر اس کے بعد کسی چیز کی ایک جانب کو کہنے لگ گئے خواہ وہ اس کے

* تاج و محیط و راغب ** ابن فارس ۔ *** تاج و راغب نیز ابن فارس

ساتھ ھی ملی ھو*۔ اور اس طرح اس کے معنے کنارہ ، طرف ، سمت اور جانب ، نیز کسی چیز کا بعض حصہ ھوگئے ۔ الگ ھو جانے کی جہت سے اس میں دور ھوجانے کا مفہوم بھی پیدا ھوگیا۔ چنانچہ اَلشَّطِیْرُ کے معنے ھیں پردیسی ، اجنبی۔ نیز دور ، بعید ۔ مَنْزِلٌ شَطِیْرٌ ۔ دور کی منزل ۔ اَلشَّاطِرُ۔ ڈاک کا تیز رفتار گھوڑا جو لمبی مسافت کو قلیل عرصہ میں طے کر لے ** ۔ جہت اور سمت کے لئے کہتے ھیں شَطَرَ شَطْرَہٗ ۔ اس نے اس کی طرف جانے کا ارادہ کیا ۔ ویسے اَلشَّطْرُ ۔ کسی چیز کے آدھے حصے کو بھی کہتے ھیں** ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ سمت اور جہت کے معنوں میں آیا ھے ۔ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۲/۱۴۴) ۔ مسجد الحرام کی سمت ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ سمت کے لئے شَطْرٌ کا لفظ اس وقت بولتے ھیں جب اس میں دوری کا مفہوم بھی شامل ھو ۔

ش ط ط

شَطَّ ۔ یَشُطُّ ۔ شَطًّا ۔ دور ھو جانا ۔ مقدار یا حد مقررہ سے تجاوز کر جانا ۔ حق سے دور نکل جانا ۔ بے انصافی کرنا۔ موخر الذکر معنوں میں اَشَطَّ بھی مستعمل ھے*** ۔ قرآن کریم میں ھے فَاحْکُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ (۳۸/۲۲) ۔ ھمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور نا انصافی نہ کر ۔ یعنی حق سے دور نہ لے جا ۔ سورۃ کہف میں ھے لَقَدْ قُلْنَا اِذًا شَطَطًا (۱۸/۱۴) ۔ ھم ایسی بات کہینگے جو حق سے دور اور ھٹی ھوئی ھوگی ۔ راغب نے شَطَطٌ کے معنے حد سے زیادہ دور کے لئے ھیں ۔

الرمانی نے شطٌ شَطَنَ اور بَعُدَ کو مرادف المعنی لکھا ھے**** ۔ لہذا اس میں دوری کا مفہوم ھوگا ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں دوری اور میلان اور جھکاؤ دونوں لکھے ھیں ۔ لہذا وَلَا تُشْطِطْ (۳۸/۲۲) کے معنی ھونگے ، کسی ایک طرف مت جھک جاؤ ۔

ش ط ن

شَطَنٌ مضبوط بٹی ھوئی لمبی رسی کو کہتے ھیں ۔ بِئْرٌ شَطُوْنٌ ۔ اس کنویں کو کہتے ھیں جس کی گہرائی بہت زیادہ ھو ۔ لمبائی کی نسبت سے ھر اس شے کو جو بہت دور ھو ، شَطِیْنٌ یا شَاطِنٌ کہتے ھیں ۔ الرمانی نے شَطَّ ۔ شَطَنَ اور بَعُدَ (دور ھونے) کو مرادف المعنی لکھا ھے**** ۔ ابن فارس نے بھی

*محیط ۔ **تاج ۔ ***تاج و محیط و راغب ۔ ****الالفاظ المترادفة ۔

اس کے بنیادی معنی دور ہونے کے لکھے ہیں ۔ شَطَنَ کے معنے ہیں وہ بہت دور چلا گیا ۔ شَطَنَ صَاحِبَہٗ کے معنے ہیں اس نے اپنے ساتھی کے رخ اور قصد کی مخالفت کی ، اس کی نیت کے خلاف اپنی نیت رکھی ۔ یہیں سے اس کے معنے مخالفت اور سرکشی کے لئے جاتے ہیں* ۔ اسی سے لفظ شَیْطَانٌ بنا ہے ۔ جسکے معنے ہونگے (۱) خدا کی رحمتوں سے دور ۔ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم اور (۲) سیدھی راہ چھوڑ کر غلط راستے پر چلنے والا ۔ سرکش ۔

شَیْطٰنٌ ۔ ایک بدصورت سانپ کو بھی کہتے ہیں ۔ اور رُءُوْسُ الشَّیَاطِیْنِ ۔ ناگ پھنی تھوہر کو کہتے ہیں* ۔ (ابن فارس نے بھی اسکے یہی معنے لکھے ہیں) ۔

بعض کا خیال ہے کہ شَیْطَانٌ در اصل شَاطَ ۔ یَشِیْطُ سے مشتق ہے ۔ شَیْطٌ کے معنے ہیں جل جانا ۔ ہلاک ہو جانا ۔ شَاطَ الشَّیْءُ کے معنے ہیں وہ چیز جل گئی ۔ شَاطَ السَّمْنُ وَالزَّیْتُ ۔ گھی یا تیل اس قدر گرم ہوا کہ اس میں آگ سی لگنے لگی ۔ اس سے شَیْطَانٌ کے معنے سرکش ، شعلہ صفت اور تخریبی نتائج پیدا کرنے والے کے ہونگے** ۔

قرآن کریم میں ہے اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا (۱۹/۴۴) ۔ شیطان احکام خداوندی سے سرکشی برتنے والا ہے ۔ سورۃ قصص میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے غصہ میں آکر اس قبطی کے مُکّا مارا جس سے وہ مر گیا تو آپ نے کہا کہ ھٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (۲۸/۱۵) ۔ یہ تو شیطانی کام ہو گیا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جذبات سے مغلوب ہو کر جو غلط کام کیا جائے اسے شَیْطَنَت سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ (نیز ۱۲/۵) ۔ جو لوگ نظام خداوندی کی مخالفت کرتے تھے ان کے سرغنوں کو بھی شَیَاطِیْنٌ کہا گیا ہے ۔ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ (۲/۱۴) ۔ کے یہی معنی ہیں کہ جب یہ لوگ اپنی پارٹی کے لیڈروں کے پاس جاتے ہیں ۔

ان وحشی اور سرکش قبائل کے لوگوں کو بھی جنہیں حضرت سلیمان نے مطیع بنا کر کام میں لگا رکھا تھا شَیٰطِیْنٌ کہا گیا ہے (۲۱/۸۲ و ۳۸/۳۷) ۔ سانپ کے لئے یہ لفظ قصۂ حضرت ایوب میں آیا ہے (۳۸/۴۱) ۔ غریب القرآن (مرزا ابو الفضل) میں قاموس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شَیْطَانٌ کے معنے پیاس کی شدت کے بھی ہیں ۔ اس لئے حضرت ایوب کے قصے میں اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطَانُ (۳۸/۴۱) کے معنے سانپ کا چھو جانا اور پیاس کا غلبہ دونوں ہو سکتے ہیں

*تاج و لین ۔ **عبرانی زبان میں شیطان کے معنے رکاوٹیں پیدا کرنے والے کے ہیں ۔

نیز (۸/۱۱) میں رِجْزَ الشَّیْطَانِ کے معنے پیاس کی وجہ سے پیدا شدہ کمزوری اور نقاہت بھی ہو سکتے ہیں ۔ قرآن کریم میں شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ کے متعلق کہا گیا ہے طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ (۳۷/۶۵) یعنی اس میں سے جو پھوٹ کر نکلتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسے سانپوں کے سر (پھن) جس طرح ناگ پھنی تھوہر کے چوڑے چوڑے پتے ہوتے ہیں ۔

کاہنوں اور نجومیوں کو بھی شَیَاطِیْنُ کہا گیا ہے (۲۶/۲۲۱ و ۱۵/۱۷) ۔

قرآن کریم کی رو سے ہر وہ قوت جو قانون خداوندی سے سرکشی اختیار کرتی ہے شَیْطَانٌ ہے ، خواہ وہ انسان کے اپنے بے باک اور سرکش جذبات ہوں اور خواہ نظام خداوندی کی مخالف جماعتیں اور ان کے سرغنے ۔ سرکشی اور تخریب ان سب کی امتیازی خصوصیت ہے، اور صحیح نظام کے قیام میں رکاوٹیں پیدا کرنا ان کا کام ۔ شیطان اور طاغوت ایک ہی ہیں ۔ اور طاغوت ہر غیر خداوندی قوت کا نام ہے ۔ (۴/۷۶ و ۲/۲۵۶) ۔

[شَیْطَانٌ کے متعلق مزید بحث اِبْلِیْسُ کے عنوان (ب ۔ ل ۔ س) اور (ع ۔ ب ۔ د) میں دیکھئے] ۔

ش ع ب

اَلشَّعْبُ ۔ جمع کرنا اور متفرق کرنا ۔ پھاڑنا اور شگاف ڈالنا ۔ (اضداد میں سے ہے) ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اَلشَّعْبُ کے معنے جمع کرنے اور متفرق کرنے کے اس لئے آتے ہیں کہ الشَّعْبُ مِنَ الْوَادِیْ ، وادی کی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اس کا ایک کنارہ ملتا ہو لیکن دوسرا کنارہ اس سے جدا ہوتا ہو ۔ جب تم اس مقام کو دیکھو جہاں سے اس کا ایک سرا جدا ہو رہا ہے تو ایسا معلوم ہو کہ جیسے ایک چیز کے ٹکڑے ہو رہے ہیں، اور جب اس سرے کو دیکھو جہاں دوسرا سرا اس سے ملتا ہے تو یوں نظر آئے جیسے دو سرے باہمد گر مل رہے ہیں ۔ اس لئے اس کے معنے اکٹھا کرنے اور جدا کرنے، دونوں کے آتے ہیں* ۔ ابن فارس نے بھی یہی کہا ہے ۔ یعنی اس میں اجتماع کے ساتھ افتراق اور افتراق کے ساتھ اجتماع پایا جاتا ہے ۔

اَلشَّعْبُ ۔ بڑا قبیلہ ۔ مختلف قبائل کا وہ جدِّ اعلیٰ جسکی طرف وہ سب منسوب ہوتے ہیں ، اور وہ انہیں ملا دیتا ہے ۔ (جمع شُعُوْبٌ ۴۹/۱۳) ۔ قبیلہ ، شَعْبٌ سے چھوٹا ہوتا ہے ۔ شُعْبَةٌ کے معنے ہیں شاخ، کسی چیز

*راغب ۔

کا الگ ہوجانے والا ٹکڑا، دو سینگوں یا دو شاخوں کے درمیان کا حصہ ۔ اسکی جمع شُعَبٌ ہے (۳۹/۷۳)۔ نیز الشُّعْبَۃُ مِنَ الشَّجَرِ ۔ درخت کی مختلف پھیلی ہوئی شاخیں ۔ اَلشِّعْبُ ۔ پہاڑ کے درمیان راستہ ۔ دو پہاڑوں کے درمیان جو کھلی ہوئی جگہ ہو ۔ شَعْبَانُ ۔ رمضان سے پہلا مہینہ ۔ اس مہینے میں عرب پانی کی تلاش اور لوٹ مار کے لئے منتشر ہو جاتے تھے* ۔ (متفرق ہو جانے کے معنوں میں) ۔

شُعَیْبٌ ۔ ایک نبی کا نام ہے جو قوم مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ (بعض نے کہا ہے کہ یہ حضرت موسٰےؑ کے خسر تھے**) ۔ [مزید تفصیل ''شعیب'' کے عنوان میں ملے گی] ۔

قرآن کریم کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ تمام نوع انسان امت واحدہ ، ایک عالمگیر برادری ہے (۲/۲۱۳) لیکن باہمی تعارف کی غرض سے یہ مختلف شعوب و قبائل میں بٹ جاتی ہے ۔ ان شعوب و قبائل کی تقسیم سے مقصد محض تعارف ہے ، جس طرح ہم اپنے بیٹوں کے نام رکھ لیتے ہیں تاکہ ان کے تعارف میں آسانی رہے ۔ اس سے کسی قسم کی برتری یا تفوق مقصود نہیں ہوتا ۔ اس لئے دنیا کی کوئی نسل ، کوئی قبیلہ ، کوئی قوم دوسروں سے افضل نہیں ۔ تمام انسان پیدائش کے لحاظ سے یکساں واجب التکریم ہیں (۱۷/۷۰)۔ مدارج کا معیار اعمال ہیں ۔ اور جو سب سے زیادہ اچھے اعمال و کردار کا حامل ہو وہ سب سے زیادہ واجب الاحترام ہوجاتا ہے ۔ یہ مطلب ہے اس آیت کا جس میں کہا گیا ہے کہ وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹/۱۳) ۔ جس طرح کسی شہر کو مختلف محلوں میں بانٹ دینے سے غرض محض تعارف کی آسانی ہوتی ہے اسی طرح انسانوں کی قبائلی تقسیم بغرض تعارف تھی ۔ اگر انسانی تمدن ایسی شکل اختیار کر لے جس میں تعارف کا مقصد قبائلی تقسیم کے بجائے کسی اور طرح حاصل ہوجائے تو پھر اس تفریق کا بغرض تعارف باقی رکھنا بھی ضروری نہیں رہے گا۔ باقی رہا معاشرہ میں مدارج کا تعین ، سو اس کا مدار شرفِ انسانیت ہے ۔

ش ع ر

شَعْرٌ وشَعَرٌ ۔ انسان کے جسم پر جو بال پیدا ہوتے ہیں انہیں کہتے ہیں ۔ (اونٹ کے بالوں کو وَبَرٌ اور بھیڑ کے بالوں کو صُوْفٌ کہتے ہیں ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

یہ تینوں الفاظ ۱۶/۸۰ میں آئے ہیں) ۔ اگرچہ زمخشری کے نزدیک شَعَرٌ کا لفظ انسان اور غیر انسان سب کے بالوں کے لئے استعمال ہو سکتا ہے* ۔

الشِّعْرُ اور الشِّعْرٰی ۔ کسی چیز کو سمجھ لینا ، جان لینا ، تاڑ لینا ، معاملات کی باریکیوں کو جان لینا ، حواس کے ذریعہ کسی شے کا ادراک کر لینا۔ اس سے فعل شَعَرَ ۔ یَشْعُرُ و شَعَرَ یَشْعُرُ آتے ہیں ۔ اس کے مصادر میں الشِّعْرُ والشِّعْرُ و الشُّعُوْرُ و الشِّعْرٰی بالخصوص قابل ذکر ہیں ۔ اَشْعَرَہٗ ۔ اسے بتایا ، معلوم کرایا ۔ بعض نے کسی شے کا حواس کے ذریعہ ادراک کرلینا ہی اس کے بنیادی معنے قرار دئے ہیں* ۔ (ذہنی فلسفہ اور تجریدی تصورات عربوں کے ہاں شعور نہیں کہلاتے تھے ۔ ان تصورات کو شعور سے تعبیر کرنا عجمی اصطلاح ہے جو یونانی طرز فکر سے پیدا ہوئی ہے) ۔ پھر الشِّعْرُ کا عام استعمال کلام منظوم پر ہونے لگا ۔ اس کی وجہ راغب نے یہ بتائی ہے کہ شاعری عربوں کی نازک خیالیوں ، پوشیدہ رازوں اور بذلہ سنجیوں کا مجموعہ ہے ۔ شَاعِرٌ کو شاعر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنی فطانت و ذہانت سے ان معانی کا ادراک کر لیتا ہے جن کا ادراک عام لوگ نہیں کر سکتے ۔ کبھی شِعْرٌ سے جھوٹ بھی مراد لیتے ہیں ۔ اور شَاعِرٌ جھوٹ بولنے والے کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ بیشتر جھوٹ شاعری میں جگہ پاتا تھا اس لئے یہ مثل بن گئی تھی کہ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَکْذَبُہٗ ۔ یعنی سب سے عمدہ شاعری وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ اپنے اندر رکھتی ہو ۔ مخالفین رسول اللہ ؐ کو شاعر اور قرآن کریم کو شعر اسی مفہوم کے اعتبار سے کہتے تھے* ۔

شِعَارٌ ۔ جنگ میں جو الفاظ بطور علامت (Code Word) استعمال ہوتے ہیں ، یا سفر میں اپنے قافلہ کو پہچاننے کے لئے جو نشان مقرر کیا جاتا ہے ، انہیں شِعَارٌ کہتے تھے ۔ اسی طرح حج میں لے جائے جانے والے جانور پر نشان لگانے کو اِشْعَارٌ کہتے تھے اور اس جانور کو شَعِیْرَۃٌ ۔ اس کی جمع شَعَائِرُ ہے ۔

شِعَارُ الحَجِّ ۔ حج کے مناسک و علامت اور آثار و اعمال کو بھی کہتے ہیں ۔ نیز تمام وہ اعمالِ حج جو خدا کی اطاعت کا اظہار کرنے کے لئے ادا کئے جاتے ہیں ۔ ان اعمال و علامات کے مقام کو مَشْعَرٌ کہتے ہیں ۔ اس کی جمع مَشَاعِرُ ہے ۔ اس معنے میں شَعَائِرُ بھی آتا ہے* ۔

شِعْرٰی ۔ ایک ستارہ کا نام ہے جو سخت گرمی کے زمانے میں نکلتا ہے اور بہت روشن ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں رَبُّ الشِّعْرٰی (۵۳/۴۹) اسی کے لئے

*تاج ۔

آیا ہے ۔ جاہلیت میں بعض عرب قبائل اس کی پرستش کیا کرتے تھے* ۔ لیکن اگر شیعْریٰ کو شَعَرَ سے مصدر مانا جائے تو اس کے معنے عقل و شعور ہوں گے۔

قرآن کریم میں عقل ، شعور ، فکر ، تدبر ، تفقہ ، وغیرہ الفاظ مختلف مقامات پر آئے ہیں ۔ ہر مقام پر غور کرنے سے ان کا باریک اور لطیف فرق سمجھ میں آسکتا ہے ۔ لیکن ایک قدر مشترک سب میں ہے ۔ اور وہ یہ کہ جو لوگ عقل و شعور سے کام نہیں لیتے وہ انہیں حیوانات سے بدتر اور جہنم کا ایندھن قرار دیتا ہے ۔

قرآن کریم نے جہاں شاعری کی مخالفت کی ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ قرآن کریم کی رو سے نثر میں بیان کردہ مفہوم قابل قبول ہے اور نظم میں بیان کردہ مذموم ۔ قرآن ، اسلوب بیان سے بحث نہیں کرتا ۔ مقصودِ بیان سے بحث کرتا ہے ۔ شاعری سے اس کی مراد ، وہ جذبات پرستی ہے جو حقائق سے بحث نہیں کرتی ۔ چنانچہ سورۃ یٰس میں جہاں اس نے کہا ہے کہ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (۳۶/۶۹) ۔ ہم نے رسول ؐ کو شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی شاعری ایک پیغامبر انقلاب کے شایان شان ہوتی ہے'' تو اسکے ساتھ ہی یہ کہدیا کہ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (۳۶/۶۹) ۔ جو کچھ ہم نے رسول ؐ کو دیا ہے وہ تاریخی شواھد اور زندگی کے بنیادی اصول اور واضح قوانین ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (۳۶/۷۰) ۔ جن لوگوں میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہے یہ انہیں اسکے ذریعہ زندگی کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دے۔ یعنے قرآن کریم ، تاریخی شواھد اور زندگی کے ٹھوس حقائق سے بحث کرتا ہے ۔ اور شاعری اسکے خلاف محض جذبات سے کھیلتی ہے ۔ چنانچہ اس نے شاعروں کے متعلق کہدیا کہ وہ ایک ایسے اونٹ کی طرح ، جسے جھوٹی پیاس (کی بیماری) ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر لئے لئے پھر رہی ہو** ، جذبات کی وادیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور انکی ساری عمر ان باتوں میں گزر جاتی ہے جنہیں وہ کرکے کبھی نہیں دکھاتے (۲۶/۲۲۵-۲۲۶) ۔ یہ روش زندگی ایک رسول ؐ (اور اسکے متبعین) کے شایان شان نہیں ۔ (کولرج کے الفاظ میں ***) شاعری کی ضد (Antithesis) نثر نہیں بلکہ سائنس ہے ۔ قرآن کریم چونکہ سائنٹفک حقائق سے بحث کرتا ہے اسلئے شاعری (جو ان حقائق کی نقیض ہے) اس کی بارگاہ میں قبول نہیں ہو سکتی ۔

*لسان العرب ۔ ** دیکھو عنوان ھ ۔ ی ۔ م ۔ *** Coleridge: Biographia Literaria

اس مقام پر اس حقیقت کو بھی سمجھ لینا چاہئیے کہ دیگر اقوام عالم (مثلاً اہل یونان وغیرہ) کیطرح، عربوں کے ہاں بھی یہ عقیدہ تھا کہ (کاہنوں اور نجومیوں کی طرح) شاعروں کو بھی الہام ہوتا ہے۔ جسطرح آج بھی انگریزی زبان میں جب (Poet) کہا جاتا ہے تو اس سے مراد (Inspired) ہوتے ہیں - یعنی (Poet) وہی ہوتا ہے جسے (Inspiration) ہوتا ہو۔ قرآن، وحی اور انسانی ملکات میں نہایت شد و مد سے تمیز کرتا ہے تاکہ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے کہ خدا کیطرف سے براہ راست علم اور انکشافِ حقیقت صرف وحی کے ذریعے ہو سکتا ہے جو ایک نبیؑ کو ملتی تھی۔ (اور سلسلۂ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد، اب کسی کو نہیں مل سکتی)۔ وہ نہ کشف و الہام وغیرہ کی اصطلاحات کو تسلیم کرتا ہے اور نہ ہی انہیں خدا کی طرف سے براہ راست علم قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ سب انسانی جذبات کی پیدا کردہ کرشمہ سازیاں یا نفسیاتی قوت کی افسوں طرازیاں ہیں جنہیں علم و حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ وجہ بھی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ رسول شاعر نہیں ہوتا، جسطرح وہ کاہن، ساحر اور نجومی نہیں ہوتا۔ ان کی طرف شیاطین (انسانی سرکش جذبات) "وحی" نازل کرتے ہیں (۲۶/۲۲۰) لیکن رسولؐ کیطرف وحی خدا کیطرف سے ہوتی ہے جس میں اس کے اپنے جذبات و احساسات کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی (۵۳/۳)۔ اصل یہ ہے کہ عربوں کے ہاں تصوف کی اصطلاح مروج نہیں تھی لیکن جن عناصر سے تصوف ترتیب پاتا ہے وہ انہیں اپنے ہاں کے شاعروں، کاہنوں، ساحروں وغیرہ میں موجود سمجھتے تھے۔ قرآن کریم نے ان تمام کی تردید سے درحقیقت تصوف کے عناصر کی تردید کی ہے۔ بالفاظ دیگر اگر عرب، تصوف کی اصطلاح سے واقف ہوتے تو وہ یہ کہتا کہ تصوف ایک نبی کے شایان شان نہیں۔ اسکی بجائے اس نے یہ کہا ہے کہ نبی شاعر اور ساحر اور کاہن نہیں ہوتا۔ وہ خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل کرکے انسانی دنیا میں انقلاب عظیم برپا کر دیتا ہے۔ تصوف یہ کچھ نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم میں منافقین کے متعلق کہا گیا ہے کہ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ (۲/۹)۔ "یہ لوگ اللہ اور جماعتِ مومنین کو دھوکا دیتے ہیں۔ لیکن یہ دھوکا دراصل ان کی اپنی ذات (نفس) کو ہوتا ہے اور یہ اس کا شعور نہیں رکھتے"۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ لوگ دوسروں کو دھوکا دینے کی تدابیر تو شعوری طور پر کرتے ہیں لیکن غیر شعوری طور پر خود اپنی ذات کو دھوکا دیتے ہیں۔

غور کیجئے شعور اور غیر شعوری نفسیاتی کیفیات کا یہ لطیف فرق کس خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ مائدہ میں ہے لاَ تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (۵/۲) ۔ شعائر اللہ کی بے حرمتی مت کرو۔ اسلام ایک دین ہے جو مملکت کی شکل میں متمکن ہوتا ہے۔ ایک مملکت کے کچھ شعائر (یعنی علامات یا Symbols) ہوتے ہیں جن کی تعظیم کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس مملکت کا احترام کرتے ہیں۔ مثلاً کسی سلطنت کا جھنڈا۔ جھنڈا ویسے تو کپڑے کے ایک ٹکڑے سے عبارت ہوتا ہے لیکن یہ نشانی ہوتا ہے اس مملکت کی۔ جھنڈے کے احترام کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس مملکت کا احترام کرتے ہیں۔ انہی علامات کو شَعَآئِرٌ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا شَعَآئِرُ اللّٰهِ سے مراد، اس مملکت کی محسوس علامات ہونگے جو قوانین خداوندی (قرآنی نظام) کے نفاذ کے لئے دنیا میں قائم ہو۔ ان شعائر کا احترام درحقیقت ان قوانین کا احترام ہوگا۔ واضح رہے کہ ان شعائر کی پرستش نہیں کی جائیگی۔ صرف ان کا احترام کیا جائے گا۔ اور وہ بھی اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ یہ شعائر (علامات) فی ذاتہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے ان کا احترام، قوانین خداوندی کے احترام کا محسوس طریق ہے۔ اور بس۔

ش ع ل

اَلشُّعْلَةُ ۔ آگ کی لپک۔ لکڑی یا ایندھن جس میں آگ مشتعل ہو۔ اَلشَّعِيْلَةُ ۔ جلتی ہوئی بتی۔ اَلْمِشْعَلُ ۔ قندیل۔ شَعَلَ النَّارَ فِی الْحَطَبِ ۔ اس نے لکڑیوں میں آگ بھڑکا دی۔ اِشْتَعَلَتِ النَّارُ ۔ آگ لگ گئی اور بھڑکی * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کے کناروں کا منتشر (بکھرا ہوا) ہو جانا۔ آگ کے بھڑکنے میں یہی کیفیت ہوتی ہے۔

اِشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا ۔ سر میں سفید بالوں کا بکثرت پھیل جانا اور اسطرح سر کا سفیدی سے بھڑک اٹھنا ** ۔ یا سر میں سفید بالوں کا نمودار ہوجانا۔ سورۃ مریم میں حضرت زکریا ؑ کے متعلق یہی الفاظ آئے ہیں (۱۹/۴)۔

شعیب علیہ السلام

حضرت ابراہیم ؑ کے ہاں (ان کی تیسری بیوی—قطورا ۔ سے) جو اولاد پیدا ہوئی ان میں ایک بیٹے کا نام مدین تھا۔ یہ حجاز کے شمال میں شام سے

* تاج و راغب ** محیط۔

متصل علاقہ میں ، سکونت پذیر ہؤا اور اس کی نسل ، تاریخ کے اوراق میں قومِ مدین کے نام سے متعارف ہوئی ۔ ان کا زمانہ قریب ۲۰۰۰ ق۔م سمجھنا چاہئے ۔ یہ قوم یہیں بڑھی پھولی ۔ قریب چار سو سال تک ان کی یہی حالت رہی۔ تاآنکہ ان میں حضرت شعیبؑ کی بعثت ہوئی ۔ جب حضرت موسٰےؑ مصر سے بھاگ کر نکلے ہیں، تو مدین کی بستی کی طرف ہی آئے تھے ۔ قرآن کریم میں ہے کہ یہاں انہوں نے ایک مرد بزرگ کے ہاں رہائش اختیار کرلی اور گلہ بانی کی خدمت سنبھال لی ۔ اس مردِ بزرگ نے اپنی بیٹی کا عقد حضرت موسٰےؑ سے کردیا ۔ (دیکھئے (۲۰/۴۰ و ۲۸/۲۲۰۲۸) قرآن کریم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ مرد بزرگ کون تھے ۔ لیکن بعض محققین کا خیال ہے کہ آپ حضرت شعیبؑ تھے ۔ تورات میں ان کا نام کہیں راعوبل ۔ کہیں یثرو اور کہیں حوباب لکھا ہے ۔ مورخین کا خیال ہے کہ آپ کا نام حوباب ہی تھا (تورات ۔ کتاب گنتی ۱۰/۲۹) ۔ اور باقی نام ان کے القاب تھے ۔ اور یہی حوباب قرآن کریم میں شعیبؑ کے نام سے موسوم ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت شعیبؑ اور حضرت موسٰےؑ کا زمانہ ایک ہی ہے ۔ یعنی قریب ۱۷۰۰/۱۶۰۰ ق-م ۔

تورات میں مذکور ہے کہ مدین کا ایک اور بھائی تھا جس کا نام یقشان تھا ۔ اس کا بیٹا دوان اپنے چچا مدین کے قریب ہی آباد ہوگیا ۔ یہ علاقہ بہت سرسبز و شاداب اور گھنے جنگلوں سے ڈھکا ہؤا تھا ۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت شعیبؑ قوم مدین کی طرف (۲۹/۳۶) اور اصحاب الایکہ کی طرف (۲۶/۱۷۶۰۴۷) مبعوث ہوئے تھے ۔ ارباب تحقیق کا خیال ہے کہ اصحاب الایکہ ، بنو دوان ہی تھے ۔ قرآن کریم نے قومِ مدین اور اصحاب الایکہ کا ذکر اس انداز سے کیا ہے گویا یہ ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے ۔

حضرت شعیبؑ نے انہیں جو تلقین کی اُس سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں کس کس قسم کے جرائم پیدا ہو چکے تھے ۔ آپ نے ان سے کہا ۔ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ۔ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (۷/۸۵) ۔ اے میری قوم! اللہ کی محکومی اختیار کرو ۔ اس کے سوا تمہارا کوئی اور الہ نہیں ۔ ... فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ... (۷/۸۵) ۔ تمہیں چاہئے کہ ماپ تول پورا پورا کرو ۔ لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو ۔ ملک کی اصلاح کے بعد اس میں فساد مت پیدا کرو ۔

اس سے واضح ہے کہ اس قوم میں سخت معاشی ناہمواریاں پیدا ہو چکی تھیں جنہیں دور کرنے کے لئے حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے ۔ آپ نے ان

تک اپنی دعوت پہنچائی اور (حسب معمول) قوم کے سرمایہ دار طبقہ (سرداران قوم) نے آپ کی سخت مخالفت کی اور دھمکی دی کہ آپ اور آپ کے ساتھی انہی کا مسلک اختیار کرلیں ورنہ وہ ان سب کو بستی سے نکال دینگے (۷/۸۸)۔

سورۃ ھود میں اسی قوم کی طرف سے ایک ایسا اعتراض کیا گیا ھے۔ جو اسلام کی ایک عظیم حقیقت کو اپنے آغوش میں لئے ھے۔ انہوں نے کہا یٰشُعَیْبُ ۔ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ..... (۱۱/۸۷)۔ ''اے شعیب! کیا تیری صلٰوۃ تجھے یہ حکم دیتی ھے کہ (ھمیں کہے کہ) ھم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ھمارے آباء و اجداد پوجتے رہے ھیں۔ یا ھم اپنے مال و دولت میں جس قسم کا تصرف کرنا چاھیں نہ کریں؟

اس سے ظاھر ھے کہ اسلام میں صلٰوۃ اور معاشیات کا تعلق کس قدر گہرا ھے۔ صلٰوۃ سے مقصود ھے قوانین خداوندی کا اتباع۔ اور قوانین خداوندی معاشیات کو بھی اپنے دائرے کے اندر رکھتے ھیں۔ اس لئے صلٰوۃ اور معاشیات کا چولی دامن کا ساتھ ھے۔

قوم نے اپنی سالمیت میں اصلاح نہ کی اور ضد اور سرکشی میں آگے بڑھتی گئی، تاآنکہ وہ تباہ و برباد ھوگئی۔ سورۃ اعراف میں ھے فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ (۷/۹۱)۔ ''انہیں لرزا دینے والی ھولناکی نے آ لیا''۔ سورۃ ھود میں الصَّیْحَۃُ کا لفظ آیا ھے (۱۱/۶۷)۔ اس کے معنے بھی سخت آواز کے ھیں۔ سورۃ شعراء میں اسے یَوْمِ الظُّلَّۃِ (۲۶/۱۸۹) کہا گیا ھے۔ ''یعنی سائے والا دن''۔ معلوم ھوتا ھے کہ سخت آواز کے ساتھ زلزلہ آیا جس سے آتش فشاں پہاڑوں سے دھوئیں کے بادل نکلے۔ اور اس طرح یہ قوم تباہ ھوگئی۔

(طبعی حوادث اور عذاب خداوندی کا باھمی تعلق کیا ھے۔ اس کے لئے میری کتاب ''جوئے نور'' میں حضرت نوحؑ کا عنوان دیکھئے)۔

ش غ ف

اَلشَّغَافُ۔ دل کے غلاف یا پردہ کو کہتے ھیں۔ نیز دل کا اندرونی حصہ۔ سویدائے قلب۔ شَغَفَہٗ۔ اُس کے غلافِ دل تک پہنچ گیا۔ شَغَفَہُ الْحُبُّ۔ محبت اس کے غلاف دل تک پہنچ گئی۔ محبت نے اس کے غلافِ دل کو شق کر دیا (بیضاوی) اور اندر داخل ھوگئی*۔ اس لئے انتہائے محبت کو اَلشَّغَفُ کہتے ھیں**۔

---

*تاج۔ **محیط۔

سورۃ یوسف میں ہے قَدْ شَغَفَتْهَا حُبًّا (۱۲/۳۰) ۔ ''محبت کی وجہ سے یوسف اس کے دل کے اندر اتر گیا''۔ یعنی یوسف کی محبت اس کے دل کی گہرائیوں تک اتر گئی ۔

ش غ ل

اَلشُّغْلُ ۔ اَلشُّغُلُ ۔ اَلشُّغْلُ ۔ اَلشُّغُلُ ۔ مشغلہ ، مصروفیت ، ایسا کام جس میں مصروف ہو کر انسان دیگر امور پر توجہ نہ دے سکے۔ اِشْتَغَلَ فِيْهِ السَّقْمُ ۔ زہر اس میں سرایت کر گیا ۔ مَالٌ مَشْغُوْلٌ ۔ وہ مال جو تجارت میں لگا ہوا ہو* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ مادہ فَرَاغٌ (یعنی خالی ہونا) کی ضد ہے ۔

قرآن کریم میں ہے شَغَلَتْنَا اَمْوَالُنَا (۴۸/۱۱) ۔ ہمارے اموال نے ہمیں اس طرح اپنے آپ میں جذب کر رکھا ہے کہ ہمیں کسی دوسری طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں ۔

سورۃ یٰسٓ میں اہل جنت کے متعلق ہے فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ (۳۶/۵۵)۔ وہ (ہر وقت) کسی نہ کسی کام میں مصروف رہینگے اور وہ مصروفیت ان کے لئے کیف آور اور نشاط بخش ہوگی جس میں وہ بطیب خاطر مشغول ہونگے ۔

ش ف ع

شَفْعٌ ۔ اس لفظ کے بنیادی معنے میں کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ ملا دینا۔ دو چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ متصل کر دینا اور اس طرح ایک کو دوسرے کا (زَوْجٌ) جوڑا بنا دینا** ۔ وَتْرٌ کے معنے ہیں اکیلا رہنا (طاق ہونا) اور شَفْعٌ کے معنے ہیں زَوْجٌ (جفت) ہونا*** ۔ راغب نے کہا ہے کہ شَفْعٌ کے معنے کسی چیز کو اُس جیسی دوسری چیز کے ساتھ ملا دینے اور ضم کر دینے کے ہیں ۔ اور شَفَاعَةٌ کے معنے دوسرے کے ساتھ اس کی مدد کرتے ہوئے یا اس کی خبر گیری کرتے ہوئے مل جانے کے ہیں*** ۔ شُفْعَةٌ کے معنے ہوتے ہیں کوشش کرکے مطلوبہ شے کو اپنی چیزوں میں ملا لینا اور اس طرح اپنی چیز کو بڑھا لینا*** ۔ فقہ کی اصطلاح میں یہ ایک خاص حق ملکیت ہوتا ہے جس کو رکھنے والا وہ قیمت دے کر جائداد کا مالک بنا دیا جاتا ہے جو قیمت دوسرے لوگ اس جائداد کی لگائیں** ۔ عَيْنٌ شَافِعَةٌ ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔

وہ آنکھ جو کمزوری کی وجہ سے ایک چیز کو دو دیکھے ۔ نَاقَۃٌ شَافِعٌ ۔ وہ اونٹنی جس کا ایک بچہ اس کے پیچھے لگا ہو۔ اور دوسرا پیٹ میں ہو۔ نَاقَۃٌ شَفُوْعٌ ۔ وہ اونٹنی جو ایک مرتبہ دودھ دوھنے میں دونوں وقت کا دودھ اکٹھا دے دے* ۔ اَلشَّفَائِعُ ۔ مختلف قسم کے گھاس جو دو دو ہو کر اکٹھے اُگیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلشَّاۃُ الشَّافِعُ اس بکری کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اس کا بچہ بھی ہو۔

ان مثالوں سے واضح ہے کہ شَفْعٌ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے ساتھ مل جانا اور اس طرح ایک سے دو ہو جانا ۔ اس کے بعد شَفَاعَۃٌ کے معنے سفارش اس لئے ہو گئے کہ اس میں ایک شخص کسی دوسرے شخص کی معاونت کے لئے اس کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کے حق میں سفارش کرتا ہے* ۔ نیز اس کے معنے دعا کرنے کے بھی آتے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ شَفَعَ فُلَانٌ لِفُلَانٍ ۔ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی آدمی کسی کے ساتھ اس کا مددگار بن کر آئے اور جو کچھ وہ چاہتا ہے اس کے حصول کا طلبگار ہو۔

قرآن کریم انفرادی زندگی کے بجائے اجتماعی زندگی سکھاتا ہے کیونکہ فرد کی صلاحیتوں کی نشوونما اور اس کی ذات کی بالیدگی اجتماعی نظام ہی میں ممکن ہے ۔ اس اعتبار سے جماعتِ مومنین کا ہر فرد دوسرے کا شَفِیْعٌ ہوتا ہے ۔ یعنے اس کی معاونت کے لئے ہر وقت اس کے ساتھ ۔ اور اس نظام کا مرکز (امیر) ہر ایک کا شَفِیْعٌ ۔ وہ افرادِ کارواں میں سے کسی کو محسوس ہی نہیں ہونے دیتا کہ وہ تنہا ہے ۔ یہی باہمگی (شفاعت) اس کی بنیادی خصوصیت ہے ۔

اس جماعت کی یہ شَفَاعَۃٌ (معاونت) اپنے حلقہ سے باہر بھی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان کا فریضہ تمام نوعِ انسانی کی ربوبیت ہوتا ہے ۔ اسکے لئے ان سے کہا گیا ہے کہ یہ بِرّ و تَقْوٰی (کشادگی اور قوانین خداوندی کے مطابق) کاموں میں دوسروں سے تعاون کریں لیکن ان کے برعکس اِثْم وعُدْوَان میں تعاون نہ کریں (۵/۲) ۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا گیا کہ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ لَّہٗ نَصِیْبٌ مِّنْھَا وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنْ لَّہٗ کِفْلٌ مِّنْھَا (۴/۸۵) ۔ جو شخص حسن کارانہ انداز میں (اچھے کام میں) کسی دوسرے کے ساتھ مدد کیلئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اسے اس میں سے حصہ مل جاتا ہے۔ اور جو شخص تخریبی انداز سے (برے کام میں) کسی کا ساتھ دیتا ہے تو اس کو بھی

*تاج ۔

اس میں سے حصہ مل جاتا ہے۔ واضح رہے کہ تعاون میں ایک دوسرے کی مدد کرنا مقصود ہوتا ہے لیکن شفاعت میں ایک شخص، دوسرے شخص کی مدد کے لئے اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

اب اس سے آگے بڑھئے۔ ہمارے ہاں مروجہ عقیدہ یہ ہے کہ جب قیامت میں حساب کتاب ہوگا اور مجرمین کو دوزخ کی سزا کا حکم ہو جائیگا تو خدا کے مقرب بندے، بالخصوص حضرات انبیاء کرام (اور ان میں سے بھی خصوصیت کے ساتھ نبی اکرم ﷺ) خدا کے حضور ان مجرمین کی سفارش کرینگے اور ان کی سفارش پر اللہ تعالےٰ انہیں بخش دیگا۔ اور وہ جنت میں چلے جائینگے۔ اسے شفاعت کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شفاعت کا یہ عقیدہ دین کی ساری عمارت منہدم کر دیتا ہے جسکی بنیاد قانون مکافات عمل پر ہے۔ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (۹۹/۷-۸)۔ ہر عمل کا ذرہ ذرہ نتیجہ خیز ہوتا ہے اور سامنے آجاتا ہے۔ نظر آتا ہے کہ شفاعت کا یہ عقیدہ ہمارے دور ملوکیت کی پیداوار ہے جب مستبد حکمرانوں کے مقربین ان کے پاس لوگوں کی سفارش کیا کرتے تھے اور انکی سفارش پر مجرمین کو معافی مل جایا کرتی تھی۔ اسکے ساتھ ہی اس عقیدہ کو عیسائیوں کے کفارہ کے عقیدہ نے بھی تقویت دی۔ وہ جب کہتے ہونگے کہ ہمارے رسول (حضرت عیسیٰ ؑ) کو دیکھو کہ جو شخص ان پر ایمان لے آتا ہے وہ اسکے گناہوں کا کفارہ دیکر اسے جہنم سے بچا لیتے ہیں۔ اس کے برعکس تمہارا رسول ﷺ گنہگاروں کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ تو اس اعتراض کے پیش نظر اس قسم کی روایات وجود میں آگئیں کہ قیامت میں جب حساب کتاب ہو چکے گا اور مجرمین دوزخ میں بھیج دئے جائینگے تو نبی اکرم ﷺ سجدے میں گر جائینگے اور جب تک اللہ تعالےٰ آپ کی امت کے تمام افراد کو دوزخ سے نکال کر جنت میں نہیں بھیج دیگا حضور ﷺ نہ سجدے سے سر اٹھائیں گے نہ خود جنت میں جائینگے۔ اس سے عیسائیوں کے اعتراض کا تو جواب وضع کر لیا گیا لیکن دین کی ساری عمارت بنیاد سے ہل گئی اور قوم تباہیوں کے جہنم میں جا گری۔ قرآن کریم سے اس قسم کی شفاعت کی کوئی سند نہیں ملتی (نہ ہی اس میں اس قسم کے عقیدہ کی گنجائش ہو سکتی تھی)۔ اس میں صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ قانون مکافات کی رو سے لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا تُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ (۲/۴۸)۔ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے کسی کام نہیں آسکے گا۔ نہ ہی کسی کی شفاعت (سفارش) قبول کی جا

سکے گی نہ ہی کسی سے اسکے گناہوں کا معاوضہ لے کر اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور نہ ہی مجرمین کی کوئی مدد کرسکیگا۔

شفاعت کے عقیدہ کی تائید میں قرآن کریم کی اس قسم کی آیات پیش کر دی جاتی ہیں جن میں (مثلاً) آیا ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (۲/۲۵۵)۔ ''وہ کون ہے جو اسکے پاس اسکے اذن کے بغیر شفاعت کرے''۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ خدا کی اجازت سے شفاعت کی جا سکتی ہے اور حضورؐ اپنی امت کی شفاعت خدا کی اجازت ہی سے کرینگے۔

لیکن ان آیات سے اس قسم کا نتیجہ نکالنا غلط ہے۔ سب سے پہلے تو اسلئے کہ اس قسم کی شفاعت کا عقیدہ قانون مکافات کے یکسر خلاف ہے جو قرآن کریم میں شروع سے آخر تک مسلسل بیان ہو رہا ہے۔ لہذا اگر قانونِ مکافات کے ساتھ شفاعت کا عقیدہ بھی اسی قرآن کریم میں موجود ہو تو اسکے یہ معنے ہوں گے کہ قرآن کریم میں (معاذ اللہ) متضاد عقائد دیئے گئے ہیں۔ مثلاً اسی آیت کو دیکھئے جسے اوپر درج کیا گیا ہے۔ اس سے پہلی آیت یہ ہے ''اے ایمان والو! جو کچھ تمہیں اللہ نے دیا ہے اسے (ربوبیت عامہ کیلئے) کھلا رکھو قبل اس کے کہ وہ وقت آجائے لَا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَلَا شَفَاعَۃٌ (۲/۲۵۴)۔ جسمیں نہ گناہوں کی قیمت ادا کرکے جنت خریدی جاسکے گی۔ نہ کسی بزرگ کی دوستی کسی کے کام آئیگی۔ اور نہ ہی کسی کی شفاعت۔ اسکے بعد اگلی آیت میں ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (۲/۲۵۵)۔ اس کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ خدا کی اجازت سے سفارش کی جا سکے گی اور یہ سفارش قبول بھی ہو جائیگی تو ان دونوں آیات میں کھلا ہوا تضاد پایا جائیگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس (دوسری) آیت کا صحیح مطلب کیا ہے؟ قانون مکافات کی رو سے انسان کے ہر عمل کا نتیجہ ساتھ کے ساتھ مرتب ہوتا رہتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے جزا و سزا کی مجرد حقیقت کو سمجھانے کیلئے تشبیہاً ایسا نقشہ کھینچا ہے جیسے ملزموں کی عدالت میں پیشی ہوتی ہے اور مقدمہ کی سماعت کے بعد حکم سنایا جاتا ہے۔ مقدمہ میں حاکم کے علاوہ، ملزم ہوتا ہے۔ مستغیث ہوتا ہے۔ گواہ ہوتے ہیں۔ پولیس کے سپاہی ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم نے اسی قسم کے استعاروں میں حقیقت کو بیان کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہے کہ جس شخص کا احتساب ہو رہا ہوگا وہ عدالت کے کٹہرے میں اکیلا کھڑا ہوگا۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی ..... وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ ... (۶/۹۵)۔ تم ہمارے حضور تنہا پیش ہوگے .... تمہارے ساتھ

کھڑا ہونے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اور ''پولیس کا سپاہی،، تمہیں پیچھے سے ہانکتا ہوا ہمارے سامنے لائیگا۔ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ .. ... (۵۰/۲۱)۔ ''ہر شخص کے ساتھ ایک پیچھے سے ہانکنے والا ہوگا''۔ اس کے علاوہ گواہ بھی ہونگے .... وَشَهِيْدٌ (۵۰/۲۱)۔ یہ گواہ خود بخود اس شخص کے ساتھ کھڑے نہیں ہوجائیں گے۔ ان میں سے جسے بلایا جائے گا وہ آجائیگا اور اسے گواہی دینے کی اجازت دی جائیگی۔ یہ ہیں وہ شَفِيْعٌ (ساتھ کھڑے ہونے والے) جن کا ذکر قرآن کریم کی اس قسم کی آیات میں آیا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (۲/۲۵۵)۔ ''وہ کون ہے جو خدا کی اجازت کے بغیر اس کے حضور کسی کے ساتھ کھڑا ہوسکے،، یہ گواہ رسول بھی ہونگے جن کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ (۵/۱۰۹)۔ جس دن اللہ رسولوں کو جمع کریگا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہاری دعوت کا جواب کس طرح دیا گیا تھا؟ اور رسولوں کے علاوہ (ملائکہ) کائناتی قوتیں بھی اس طرح بلائی جائیں گی۔ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (۷۸/۳۸)۔ جس دن ''الرُّوْحُ اور ملائکہ،، صف باندھے کھڑے ہونگے اور کوئی بات نہ کر سکینگے سوائے اس کے جسے رحمان اجازت دے اور وہ درست بات کہے،،۔ لہذا ان آیات میں شفاعت کے معنے شہادت کے ہیں۔ اس لئے کہ کسی کے حق میں سچی شہادت دیدینا بھی اس کی بہت بڑی مدد ہوتی ہے۔ اسکی وضاحت خود قرآن نے کردی ہے جہاں فرمایا وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ ..... (۴۳/۸۶)۔ جنہیں یہ لوگ خدا کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اس کا اختیار وہ رکھتا ہے جو حق کے ساتھ شہادت دیتا ہے۔ یعنی شفاعت کے معنی شہادت ہیں۔ اسی التباس کے رفع کرنے کے لئے قرآن کریم نے رسول اللہ کو شَهِيْدٌ کہا ہے۔ (۱۶/۸۹)۔ شَفِيْعٌ کہیں نہیں کہا۔ اور دوسرے مذاہب کے لوگ جو شفاعت کا عقیدہ رکھتے ہیں ان کے متعلق متعدد مقامات پر کہہ دیا کہ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِیْنَ (۷۴/۴۸)۔ انہیں ان کے سفارشیوں کی سفارش کچھ کام نہیں دے سکتی۔ اس لئے کہ خدا کا قانون یہ ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (۶/۱۶۵)۔ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ جنت فقط اعمال کے بدلے ملتی ہے۔ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۷/۴۳) سفارشوں سے جنت حاصل کرنے کا عقیدہ اس قوم میں پیدا ہوتا ہے جو قوتِ عمل سے محروم

ہو جاتی ہے ۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اس قسم کا عقیدہ یہودیوں میں اس زمانے میں پیدا ہوا تھا جب وہ اپنی پستیوں کی انتہا تک پہنچ چکے تھے ۔ وہ کہتے تھے کہ ہم بجز چند دنوں کے کبھی جہنم میں نہیں رہینگے (۲/۸۰) ۔ اس پر قرآن کریم نے کہا کہ ان سے پوچھو کہ کیا تم نے اللہ سے اس قسم کا کوئی عہد لے رکھا ہے؟ اور پھر خود ہی کہہ دیا کہ ان سے کہدو کہ یہ سب عقائد غلط ہیں ۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ جو بھی غلط روش اختیار کریگا وہ تباہ و برباد ہوگا ۔ اور جو ایمان کے ساتھ عمل صالح کرے گا وہ جنت کا وارث ہوگا ۔ (۲/۸۱-۸۲) ۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ

(۱) اس دنیا میں شفاعت کے معنے ہونگے کسی کام میں کسی کی مدد کے لئے اس کے ساتھ ہوجانا ۔ اگر وہ کام اچھا ہے تو اس ساتھ ہونے والے کو بھی اس کا اچھا اجر ملے گا ۔ اگر وہ کام برا ہے تو یہ بھی مجرم کے ساتھ سزا کا کچھ حصہ پائیگا ۔

(۲) آخرت میں شفاعت کا تصور اس قسم کا ہے جیسے کوئی گواہ کسی کے حق میں سچی شہادت دینے کے لئے کھڑا ہو جائے ۔ یہ تمثیلی بیان ہے ۔

(۳) مجرموں کا کسی کی مفارش سے چھوٹ جانا ، یا کسی کی سفارش سے کسی کو وہ کچھ مل جانا جس کا وہ حق دار نہیں ، قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے ، اس لئے شفاعت کا یہ مفہوم صحیح نہیں ۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ لفظ آئے ، سیاق و سباق سے دیکھ لینا چاہئے کہ وہاں کونسا مفہوم متصور ہے ۔

سورۃ الفجر میں ہے وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۸۹/۳) ۔ اس کے معنے ہیں وہ ستارے جو ملکر رہتے یا چلتے ہیں اور وہ جو الگ الگ رہتے یا چلتے ہیں ۔ یعنی اکٹھے نظر آنے والے اور الگ الگ دکھائی دینے والے ستارے ۔

ش ف ق

اَلشَّفَق ۔ وہ سرخی جو غروب آفتاب سے شروع ہوکر کچھ دیر بعد تک رہتی ہے ۔ راغب نے لکھا ہے کہ شَفَق* ، غروب آفتاب کے وقت ، دن کی روشنی کے رات کی تاریکی میں ملنے کو کہتے ہیں ۔ نیز کنارہ کو بھی شَفَق* کہتے ہیں * ۔ قرآن کریم میں ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (۸۴/۱۶) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں رقت (کمزوری) کے ہونے ہیں ۔

*ناج ۔

اَلشَّفَقُ ۔ اَلشَّفَقَۃُ ۔ کسی کے ساتھ بہت زیادہ خیر خواہی کی بناء پر اس قسم کا ڈر کہ اسے کہیں یہ نہ ہو جائے اور وہ نہ ہو جائے ۔ اَشْفَقَ مِنْہُ ۔ اس سے ڈرا ۔ گھبرایا ۔ اَشْفَقَ عَلَیْہِ ۔ محبت کی وجہ سے اسکی دیکھ بھال کی اور اس پر کوئی تکلیف آنے سے ڈرتا رہا * ۔ ایسے خیر خواہ کو مُشْفِقٌ اور شَفِیْقٌ کہتے ہیں ۔ چونکہ خوف ، کمزوری کی علامت ہوتا ہے اس لئے اَلشَّفَقَۃُ کمزوری کو بھی کہتے ہیں ۔ ثَوْبٌ شَفَقٌ ۔ کمزور کپڑا ** ۔ چونکہ اس میں خوف اور کمزوری کا پہلو ہوتا ہے اسلئے اس صفت کو خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے ۔

راغب نے کہا ہے کہ جب اس کے بعد مِنْ آئے تو اس میں خوف کا پہلو زیادہ ہوتا ہے اور فِیْ آئے تو خیر خواہی اور مہربانی کا پہلو نمایاں *** ۔ لیکن تاج نے اسی عبارت میں بجائے فِیْ کے عَلٰی لکھا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے ۔

سورۃ احزاب میں ہے اَشْفَقْنَ مِنْہَا (۳۳/۷۲) ۔ انہوں نے اس سے خوف کھایا ۔ وہ حملِ امانت (امانت میں خیانت کرنے) سے ڈر گئے ۔ سورۃ انبیاء میں ہے وَھُمْ مِنْ خَشْیَتِہٖ مُشْفِقُوْنَ (۲۱/۴۸) ۔ وہ اس (کے قانون کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج) سے ڈرتے ہوئے اس سے خوف کھاتے ہیں ۔ یعنے وہ اپنی بہتری اسی میں سمجھتے ہیں کہ اس قانون کا اتباع کرتے رہیں ۔

ش ف ہ

شَفَہَہٗ عَنْہُ شَفْہًا ۔ اس نے اسے کسی کام میں لگا کر اس کی توجہ دوسرے کاموں سے ہٹا دی ۔ شَفَہَہٗ ۔ اس کے ہونٹ پر مارا ۔ شَافَہَہٗ ۔ اس سے بالمشافہہ بات کی ۔ شَفَۃٌ ہونٹ ۔ دوہونٹوں کو شَفْتَانِ اور شَفَتَیْنِ کہینگے ۔ جمع شِفَاہٌ اور شَفَوَاتٌ آتی ہیں * ۔

قرآن کریم میں شَفَتَیْنِ (۹۰/۹) ۔ دو ہونٹوں کے لئے آیا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلشَّفَۃُ کے مادہ میں آخری حرف واو بھی ہو سکتا ہے اور ہاء بھی جو محذوف ہے **** ۔

بعض علمائے لغت نے شَفَۃٌ کی اصل شَفَوٌ قرار دی ہے ۔ اس لئے ہم نے اسے ش ۔ ف ۔ و میں بھی لکھا ہے ۔ وہاں بھی دیکھ لیا جائے ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔ **** ابن فارس ۔

ش ف و

اَلشَّفَا ۔ چیز کا کنارہ ۔ ہر چیز کی حد ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ شَفَا (ش ۔ ف ۔ و) سے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں فاء ۔ باء سے بدلی ہوئی ہو ۔ یعنی شبا بدل کر شفا ہو گیا ہو ۔ جب سورج غروب ہو رہا ہو تو کہتے ہیں مَا بَقِیَ مِنْہُ اِلَّا شَفًی ۔ یعنے اس کا بہت تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے* ۔ اس سے اس کے معنے ہلاکت سے قریب ہونے کے آتے ہیں ۔ شَفَتِ الشَّمْسُ ۔ آفتاب غروب ہونے کے قریب ہو گیا**۔

قرآن کریم میں ہے عَلٰی شَفَا جُرُفٍ (۹/۱۰۹) گرتے ہوئے ساحل کے کنارے پر ۔ نیز شَفَا حُفْرَۃٍ (۳/۱۰۳) ۔ گڑھے کے کنارے پر ۔

اَلشَّفَۃُ ۔ ہونٹ کو کہتے ہیں جس کی جمع شَفَوَاتٌ اور شِفَاہٌ آتی ہے ۔ اس سے مُشَافَھَۃٌ منہ در منہ بات کرنے کو کہتے ہیں**۔ قرآن کریم میں شَفَتَیْنِ (۹۰/۹) ۔ دو ہونٹوں کے لئے آیا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے (اَلشَّفَۃُ) میں واو محذوف ہو اور یہ بھی کہ ہاء محذوف ہو ۔ (نیز دیکھئے عنوان ش ۔ ف ۔ ہ)

ش ف ی

شَفَاہُ ۔ یَشْفِیْہِ ۔ شِفَاءً ۔ اسے شفاء دی ، بیماری سے ٹھیک کیا ۔ اَلشِّفَاءُ کے معنے بیماری سے اچھا ہونے کے ہیں ۔ پھر اسے دوا اور علاج کے معنوں میں بھی استعمال کرنے لگے**۔ قرآن کریم میں یہ لفظ مرض کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ (۲۶/۸۰) ۔ ''جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا بخشتا ہے''۔ اور دوا کے معنوں میں بھی۔ فِیْہِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ (۱۶/۶۹) ۔ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کنارے پر آجانے اور اوپر سے جھانکنے کے ہیں ۔ اس کا خیال ہے کہ شفاء مرض پر غالب آنے کی وجہ سے شفاء کہلاتی ہے ۔

ش ق ق

شَقَّہٗ ۔ یَشُقُّہٗ ۔ شَقًّا ۔ کسی چیز کو پھاڑنا ۔ اس میں شگاف کرنا اِنْشَقَّ ۔ پھٹ گیا ۔ اَلشَّقُّ ۔ صبح** ۔ اِنْشَقَّتِ الْعَصَا ۔ شیرازہ بکھر گیا۔

*محیط ۔ **تاج ۔

باهمی اختلافات شروع ہوگئے۔ شَقَّ عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ ۔ اس نے مسلمانوں کی جماعت اور ان کی وحدت میں افتراق و انتشار پیدا کر دیا ۔ اَلْمُشَاقَّۃُ وَ الشِّقَاقُ ۔ مخالفت ۔ عداوت ۔ باهمی اختلاف*۔ شِقٌّ ۔ مشقت ۔ صعوبت ۔ کوفت ۔ پوری قوت لگانے اور تگ و دو کرنے سے تھک جانا ۔ تکان ۔ شَقَّ عَلَیْہِ الْاَمْرُ ۔ معاملہ اس پر گراں گزرا ۔ شَقَّ عَلَیْہِ ۔ اسے مشقت میں ڈال دیا *۔

اَلشُّقَّۃُ ۔ مسافت کا بُعد ۔ سفرِ بعید* (۹/۴۴) ۔ وہ منزل مقصود جس تک بہ مشقت پہنچا جائے ۔

قرآن کریم میں پتھروں کے پھٹنے کے لئے شَقٌّ اور چشموں کے پھوٹنے کے لئے فَجْرٌ کے مادے آئے ہیں (۲/۶۰) ۔ سورۃ صٓ میں شِقَاقٍ (۳۸/۲) مخالفت کے معنوں میں آیا ہے ۔ اور (۵۶/۴) میں شَاقَّ مخالفت اور اختلاف کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ سورۃ عبس میں ہے ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (۸۰/۲۶) ۔ ''پھر ہم زمین کو محسوس طور پر پھاڑتے ہیں'' ۔ سورۃ قصص میں ہے وَمَا اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْکَ (۲۸/۲۷) ۔ میں نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی سختی کروں یا کٹھن ذمہ داری ڈالوں ۔ سورۃ نحل میں شِقٌّ کے معنے مشقت کے آئے ہیں (۱۶/۷) ۔

شَاقَّ کے معنے ہیں مخالفت کرنا ۔ عداوت کرنا ۔ جداگانہ روش اختیار کرنا ۔ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ (۴/۱۱۵) ۔ شِقَاقٌ ۔ اختلاف ایک دوسرے سے جدا ہوجانا (۴/۳۵) ۔ قرآن کریم میں ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (۵۴/۱) ۔ انقلاب کی گھڑی قریب آئی اور ''القمر'' شق ہوگیا ۔ اس کے مفہوم کے لئے عنوان (ق ۔ م ۔ ر) دیکھئے ۔

ش ق ی (و)

اَلشَّقَاءُ ۔ شدت اور تنگی ۔ نامرادی اور محرومی ۔ شَقِیَ ۔ یَشْقٰی ۔ شَقَاوَۃٌ ۔ شِقْوَۃٌ ۔ بد بخت اور بد نصیب ہونا ۔ شَقَاوَۃٌ ۔ سعادت کی ضد ہے اور چونکہ شقاوت میں کوفت اور تھکن ہوتی ہے اس لئے کوفت اور مشقت کو بھی شَقَاوَۃٌ کہدیتے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے شدت و مشقت برداشت کرنا ہیں ۔ نیز یہ سہولت ، نرمی اور سعادت و خوش بختی کی ضد ہے ۔ اَلْمُشَاقَاۃُ ۔ مصیبت جھیلنا ۔ سختی برداشت کرنا ۔ اَلشَّاقِیْ مِنَ الْجِبَالِ ۔ ایسا پہاڑ جو اوپر سے باہر کی طرف نکلا اور جھکا ہوا ہو اور جس پر چڑھنا بہت مشکل ہو ۔

*تاج ۔

قرآن کریم میں شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ (۱۱/۱۰۵) آیا ہے ۔ یہاں شقاوت ، سعادت کی ضد ہے ۔ سورۃ مریم میں حضرت زکریاؑ کا قول ہے کہ وَلَمْ اَکُنْ بِدُعَائِکَ رَبِّ شَقِیًّا (۱۹/۴) ۔ یہاں محرومی و نامرادی مراد ہے ۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی (۲۰/۲) ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نہیں نازل کیا کہ تو زندگی کی سعادتوں سے محروم رہ کر مشقتوں میں پڑ جائے ۔ اس ”تَشْقٰی“ کا مفہوم ذرا آگے چل کر بیان ہوا ہے جہاں آدم سے کہا گیا ہے کہ اس جنت میں تیرے لئے سامانِ زیست بڑی فراوانی سے موجود ہے (۲۰/۱۱۸) ۔ لیکن اگر تو ابلیس کی باتوں میں آ گیا تو یہ تجھے اس جنت سے نکال دیگا ۔ فَتَشْقٰی (۲۰/۱۱۷) ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو اس تمام سامان سے محروم رہ کر جگر پاش مشقتوں میں پڑ جائیگا ۔ سورۃ اللّیل میں ہے کہ جہنم میں وہ جاتا ہے جو اَشْقٰی (۹۲/۱۵) ہوتا ہے ۔ بہت ہی نامراد و ناکام ، بدنصیب ۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اَتْقٰی (۹۲/۱۷) آیا ہے ۔ اس لئے اَشْقٰی کے معنے سرکش کے بھی ہو سکتے ہیں سورۃ مریم میں جَبَّارًا شَقِیًّا (۱۹/۳۲) آیا ہے ۔ سورۃ المومنون میں جہنمیوں کے متعلق ہے کہ وہ کہینگے کہ غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا (۲۳/۱۰۶) ہماری بد بختی ہم پر غالب آ گئی ۔ یاد رہے کہ یہ محرومی اور بد بختی ، انسان کے اپنے اعمال کے نتیجہ کا نام ہے ۔ خوش بختی یا بد بختی انسان کے لئے ”مقدر“ نہیں ہوتی ۔

ش ک ر

اَلشُّکْرُ ۔ اس مادہ میں اصلی معنے بھر جانا اور اظہار کرنا ہیں** ۔ ابن فارس نے اس کے مختلف بنیادی معنی بتائے ہیں جن میں سے ایک ، کسی چیز کا بھرا ہوا ہونا اور مقدار میں کثیر ہونا بھی ہیں ۔ شَکِرَتِ النَّاقَۃُ ۔ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھر گئے ۔ اَلْمِشْکَارُ ۔ اس دودھ دینے والے جانور کو کہتے ہیں جسے اگرچہ چارہ کم ہی ملے لیکن اس کے تھن دودھ سے بھرے رہیں ۔ ضَرَّۃٌ شَکْرَی ۔ دودھ سے بھرپور تھن ۔ اَلشَّکِرَۃُ ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جسکے تھن دودھ سے بھرے ہوں*** ۔

شَکِرَتِ الشَّجَرَۃُ ۔ درخت کے تنہ پر ٹہنیاں نکل آئیں ۔ اِشْتَکَرَتِ السَّمَاءُ ۔ بارش خوب زور سے برسی ۔ اِشْتَکَرَ الْحَرُّ وَالْبَرْدُ ۔ سردی اور گرمی بھر پور ہو گئی ۔ شَکَرَ فُلَانٌ ۔ اس شخص نے دل کھول کر سخاوت کی اور لوگوں کو خوب دیا ۔ صاحب تاج العروس کے نزدیک ان کی

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔

طرف سے شُکْرٌ کے معنے اطاعت و ادائے فرائض، نیز احسان مندی کے جذبات کا اظہار، اور خدا کی طرف سے شُکْرٌ کے معنے پورا پورا بدلہ دینا، یا تھوڑے عمل کا بڑھا کر اجر دینا ہیں۔ (مثلاً کوئی شخص اگر اپنے آپ کو تنگی میں رکھ کر دوسرے کی تھوڑی سی مدد بھی کرتا ہے تو اس کی یہ قربانی، اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ قیمتی ہوگی جو اپنی ضروریات سے زائد چیز دوسرے کو دیدے۔ یہ مطلب ہے ''تھوڑے عمل کا زیادہ اجر دینے'' کا)

شُکْرٌ کے بنیادی معنوں کو پیش نظر رکھنے سے ''سعی مشکور'' کا مطلب سمجھ میں آجائیگا۔ یعنے ایسی کوشش جسکے بھر پور نتائج سامنے آجائیں۔ ایسے بھرپور جیسے بکری کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں۔ شَاکِرٌ (فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ - ۲/۱۵۸)۔ وہ ہے جو کسی کی کوشش میں بھرپور نتائج پیدا کر دے۔ اور وہ بھی جسکی کوششیں اس طرح بھرپور نتائج کی حامل ہو جائیں۔ اسی طرح سورۃ زمر میں شُکْرٌ کا لفظ حبط اعمال (اعمال کے رائیگاں جانے) اور خُسْرٌ کے مقابلہ میں آیا ہے۔ (۳۹/۶۵،۶۶)۔ اس شخص کو شَکُوْرٌ بھی کہا گیا ہے جسکی کوششیں بھرپور نتائج پیدا کر دیں (۱۴/۵)۔ صیغہ کے لحاظ سے شَکُوْرٌ میں شَاکِرٌ سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔

چونکہ شُکْرٌ کے معنی نمایاں اور ظاہر کرنا ہیں اس لئے اس کے مقابلہ میں کُفْرٌ کا لفظ آیا ہے (۱۶/۱۱۲) جسکے معنے ڈھانپ کر رکھنا اور دبا دینا ہیں۔ سورۃ بقرۃ میں ہے وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ (۲/۱۵۲)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو ہمیشہ بے نقاب رکھو تاکہ اس سے نوع انسانی فائدہ اٹھائے۔ انہیں چھپا کر اور دبا کر نہ رکھو۔

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سب سے پہلے وہ صلاحیتیں آتی ہیں جو خود انسان کے اندر موجود ہوتی ہیں۔ ان صلاحیتوں کا پورا پورا نشوونما پانا (ور اس طرح ابھر کر سامنے آجانا) ان کا شُکْرٌ ہے۔ اور یہ چیز اعمال صالحہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے اعمال صالحہ خدا کی نعمتوں کے شُکْرٌ کا موجب بنتے ہیں۔ سورۃ احقاف میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے جب کہا گیا ہے کہ تم دعا مانگا کرو (اسکی آرزو کیا کرو) کہ رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ .... وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا (۴۶/۱۵)۔ اے میری نشوونما دینے والے مجھے توفیق عطا کر دے کہ میں تیری دی ہوئی نعمتوں کا ''شکر'' کروں۔ یعنے میں ایسے کام کروں جن سے میری صلاحیتوں کی نشو و نما ہو جائے۔ اسی لئے دوسری جگہ کہا ہے کہ

مَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (۳۱/۱۲) - جو خدا کی نعمتوں کو بے نقاب رکھتا ہے اس سے خود اسکی ذات کی نشو و نما ہوتی ہے اور جو ان پر پردے ڈالتا ہے تو اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا - خود اسکا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے - خدا اپنی ذات میں قابل حمد وستائش ہے - تمہارے سہاروں کا محتاج نہیں ہے -

خدا کی نعمتوں کو بے نقاب رکھنے کے معنے یہ ہیں کہ انہیں خدا کے قانون کے مطابق صرف میں لایا جائے - یعنے نوع انسانی کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھا جائے - اس حقیقت کو سورۃ نحل میں ایک بستی کی مثال سے واضح کیا گیا ہے - اس بستی میں رزق کی بڑی فراوانی تھی لیکن فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ (۱۶/۱۱۲) - انہوں نے خدا کی نعمتوں پر پردے ڈالنے شروع کر دئے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان پر بھوک اور خوف کا عذاب آگیا - ان کی طرف خدا کے رسول آئے لیکن انہوں نے ان کی بھی تکذیب کی - اسکے بعد جماعت مومنین سے کہا گیا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا - وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ (۱۶/۱۱۴) - تم خدا کی نعمتوں کو بے نقاب رکھنا - اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۱۶/۱۱۴) - اگر تم صرف اسی کے قانون کی اطاعت کرنے ہو تو - اس سے ظاہر ہے کہ شکر نعمت کے معنے ہیں اللہ کی دی ہوئی نعمتوں (حاسان رزق وغیرہ) کو خدا کے قانون کے مطابق عام رکھنا - اور کفر نعمت کے معنے ہیں انہیں اپنے خود ساختہ قوانین و نظریات (بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۱۶/۱۱۲) - کے مطابق چھپا چھپا کر رکھنا - اسی کو سورۃ اعراف میں ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ شَاكِرِيْنَ وہ ہیں جو ابلیس کی راہوں پر نہیں چلتے اور اس کے دام فریب میں نہیں آتے (۷/۱۷) -

سورۃ بقرۃ میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے کہ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۲/۵۶) - ہمنے تمہیں موت کے بعد نئی زندگی عطا کی تاکہ تم "شکر کر سکو" - اس سے ظاہر ہے کہ قوموں کو ان کی موت کے بعد حیات نو اسلئے ملتی ہے کہ وہ اپنی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشو و نما کر سکیں - جو قومیں ایسا نہیں کرتیں وہ زندہ نہیں کہلا سکتیں - نہ ہی زندہ رہ سکتی ہیں -

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ -

(۱) مساعی کے مشکور ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان میں بھرپور نتائج پیدا ہو جائیں - وہ پوری طرح ثمر بار اور نتیجہ خیز ہو جائیں -

(۲) انسان کی طرف سے شُکْرٌ کے معنے یہ ہیں کہ وہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو بے نقاب کرے یعنے

(الف) وہ اپنی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشو و نما کرے اور

(ب) کائنات میں پھیلے ہوئے سامانِ نشو و نما کو نوع انسانی کی پرورش کیلئے کھلا رکھے۔ ان پر پردے نہ ڈالے۔

(۳) یہ اسطرح ہوسکتا ہے کہ انسان قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرے۔ ان کے مطابق زندگی بسر کرے۔ یہ انسان کی طرف سے شُکْرٌ ہوگا۔ اور

(۴) خدا کی طرف سے شُکْرٌ کے معنے یہ ہیں کہ وہ انسانی اعمال میں بھرپور نتائج پیدا کر دے۔ یہ قانون خداوندی کی خصوصیت ہے کہ جو اسکے مطابق چلتا ہے اس کی کوششیں بھرپور نتائج پیدا کرتی ہیں۔

سورۃ الدھر میں ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (۷۶/۳)۔ ہم نے انسان کو (وحی کے ذریعے) صحیح راستہ دکھا دیا ہے۔ اب اسکی اپنی مرضی ہے کہ چاہے اسے اختیار کر لے اور چاہے اس سے انکار کر دے۔ یہاں شُکْرٌ سے مراد کسی بہت بڑی نعمت کی قدر کرتے ہوئے اسے اختیار کر لینا ہیں۔ سورۃ نساء میں ہے اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (۴/۱۴۷)۔ اگر تم اس ھدایت کی قدر کرو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ (۳۴/۱۳) میں شَكُوْرٌ بمعنے شَاكِرٌ استعمال ہوا ہے۔ صاحبِ غریب القرآن (مرزا ابوالفضل) نے لکھا ہے کہ اسکے معنے حصولِ نعمت کے اسباب سے فائدہ اٹھانا بھی ہیں۔ مثلاً سورۃ سبا میں ہے اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا (۳۴/۱۳)۔ اے آل داؤد تم حصولِ نعمت کے اسباب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے (ہمارے قانون کے مطابق) عمل کرو۔ یعنی کائنات کی قوتوں اور مختلف اسباب و ذرائع سے فائدہ اٹھانا، ان کا شکر ادا کرنا ہے۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ کے بنیادی معنوں میں تھوڑی چیز پر اکتفا کر لینا بھی ہیں۔ چنانچہ فَرَسٌ شَكُوْرٌ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جسے فربہی کی بنا پر تھوڑا سا چارہ بھی کافی ہو جاتا ہو۔ صلاحیتوں کے نشو و نما پا جانے سے خود بخود یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ تھوڑے سے خارجی سہارے بھی بھرپور نتائج پیدا کر دیتے ہیں۔

ش ک س

شَكَاسَةٌ الْاَخْلَاقِ۔ اخلاق کا درشت اور تنگ ہونا۔ شَاكَسَهٗ۔ اس نے اس سے تنگی کا برتاؤ کیا۔ اَللَّيْلُ وَالنَّهَارُ يَتَشَاكَسَانِ۔ دن

اور رات ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں ۔ تَشَاکَسُوْا ۔ انہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت کی ۔ یا انہوں نے ایک دوسرے سے لین دین اور خرید و فروخت کے معاملہ میں تنگی کا برتاؤ کیا* ۔

قرآن کریم میں ہے شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوْنَ (۳۹/۲۹) ۔ کاروبار میں حصے دار جو تند خوئی کی وجہ سے ایک دوسرے سے جھگڑتے رہیں اور معاملات میں تنگ نظری کا ثبوت دیں ۔

ش ک ک

اَلشَّکُّ ۔ یقین کی ضد ہے ۔ راغب نے کہا ہے کہ جب دو متضاد چیزیں کسی شخص کی نگاہ میں ایک جیسی اور یکساں ہو جائیں تو اس کیفیت کو شَکٌّ کہتے ہیں** ۔ صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس طرح عِلْمٌ سے یقین کی ابتدا ہوتی ہے اسی طرح شَکٌّ سے رَیْبٌ کی ابتدا ہوتی ہے (دیکھئے عنوان ر ۔ ی ۔ ب)۔ یہی وجہ ہے کہ شَکٌّ مُرِیْبٌ تو کہتے ہیں لیکن رَیْبٌ مُشَکِّکٌ نہیں کہتے*** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی چیزوں کا ایک دوسری میں گھس جانا اور داخل ہو جانا بتائے ہیں، چنانچہ شَکَکْتُہٗ بِالرُّمْحِ کے معنے ہیں میں نے اسکے بدن میں نیزہ گھسا دیا۔ اسی سے شَکٌّ ہے کہ اس میں دو چیزیں ایک دوسری میں گھسی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور ان میں سے یقینی شکل، جداگانہ اور واضح نہیں ہوتی**** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ شَکَکْتُ الشَّیْءَ کے معنے ہیں کسی چیز میں آر پار سوراخ کر دیا اور جب کسی چیز میں یہ کیفیت ہوگی تو اس میں قرار و ثبات نہیں ہو سکے گا اور اس پر پختگی سے بھروسہ نہیں کیا جاسکے گا ۔ یہ خیال بھی صحیح ہوسکتا ہے کہ یہ شَکٌّ سے استعارہ ہو جس کے معنے ہیں بازو کا پہلو سے چمٹ جانا ۔ اس طرح اس کا مفہوم یہ ہو جائے گا کہ ایک دوسرے سے مخالف چیزوں کا باہمد گر مل جانا اور اس طرح عقل و فہم کو ان کے درمیان داخل ہو کر ان میں سے ایک چیز کو جداگانہ دیکھنے کا موقع نہ ملنا***** ۔ شَکُّوْا بَیْنَ تَھَمٌ کے معنے ہیں انہوں نے اپنے تمام مکانات ایک جیسے بنائے* ۔

ان مثالوں سے شَکٌّ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنی دو متضاد باتوں کا یکساں محسوس ہونا اور اس لئے انسان کا کسی صحیح فیصلہ تک نہ پہنچ سکنا ۔

---

*تاج و راغب ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔ ****ابن فارس ۔ *****راغب ۔

حضرت عیسٰے ؑ کے واقعۂ صلیب کے ضمن میں کہا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ لَفِیْ شَکٍّ مِنْہُ (۴/۱۵۷) ۔ اس سے شک کے معنے واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنے وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَہُمْ (۴/۱۵۷) ۔ حضرت عیسٰے ؑ میں ، اور جس شخص کو انہوں نے گرفتار کیا ، اس میں ایسی باہمی مشابہت تھی کہ ان پر اصلِ حال مشتبہ ہو گیا ۔ یہ وجہ ہے کہ وہ اس کی بابت شک میں ہیں کہ انہوں نے سمجھا کیا اور دراصل ہوا کیا تھا ۔ (تفصیل میری کتاب ''شعلۂ مستور'' ۔ ذکر حضرت عیسٰے ؑ میں ملیگی) ۔

ش ک ل

اَلشِّکْلُ ۔ (ش پر زبر اور زیر کے ساتھ) کسی کی مثل ۔ اُس جیسا ۔ فِیْ فُلَانٍ شَکْلٌ مِنْ اَبِیْہِ ۔ فلاں آدمی میں اپنے باپ سے مشابہت ہے* ۔ سورۂ ص میں ہے وَ اٰخَرُ مِنْ شَکْلِہٖ اَزْوَاجٌ (۳۸/۵۸) ۔ اُسی قسم کی ، اُس سے ملتی جلتی رنگا رنگ کی اور سزائیں ۔ اس کی جمع اَشْکَالٌ آتی ہے جسکے معنے مختلف معاملات اور ضرورتیں ہیں ۔ شَکَلَ الْاَمْرُ ۔ معاملہ گڈ مڈ اور مشتبہ ہو گیا* ۔

اَلشِّکَالُ ۔ اس رسی کو کہتے ہیں جس سے جانور کی اگلی اور پچھلی ٹانگیں باندھی جائیں تاکہ وہ اس حد تک قدم اٹھا سکے جس تک یہ رسی اجازت دے ۔ شَکَلَ الدَّابَّۃَ ۔ اس نے جانور کی ٹانگیں (شکال سے) باندھ دیں ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے بیشتر الفاظ کے معانی مماثلت اور باہمی مشابہت سے ماخوذ ہیں ۔ وہ کہتا ہے کہ شَکَلْتُ الدَّابَّۃَ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جانور کی ایک ٹانگ کو اس جیسی دوسری ٹانگ سے باندھا جاتا ہے ۔ اَلشِّکَالُ فِی الرَّحْلِ ۔ وہ رسی جس سے کجاوہ کے اگلے اور پچھلے بندھنوں کو ملا کر باندھا جاتا ہے* ۔ یہ اسم آلہ ہے ۔ اسی مادہ سے اسم فاعل شَاکِلٌ ہے جس کی مؤنث شَاکِلَۃٌ ہے ۔ اس کے معنے ہوئے باندھنے والی ۔ یہ وہی چیز ہے جسے شِکَالٌ کہتے ہیں ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے قُلْ کُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (۱۷/۸۴) ۔ اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے اس حقیقت پر غور کرنا چاہئے کہ کائنات میں ہر چیز کے اندر اس کی ممکنات (Potentialities) رکھدی گئی ہیں ۔ آم کی گٹھلی میں یہ امکانی قوت رکھدی گئی ہے کہ وہ مناسب نشو و نما کے بعد آم کا درخت بن جائے جس میں آم جیسا میٹھا ، خوشبودار ، رنگین پھل آئے ۔ لیکن کیکر (ببول) کا بیج اگرچہ

*تاج ۔ **راغب ۔

درخت بن جاتا ہے لیکن اس میں کانٹے لگتے ہیں ۔ آم کی گٹھلی کا منتہیٰ (Inner-Destiny) آم کا پھل ہے ۔ کیکر کے بیج کا منتہیٰ کانٹے دار درخت ۔ ان میں سے کوئی شے اپنی اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی جس کا امکان اسکے اندر ہوتا ہے ، جس طرح ایک جانور اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا جس تک اس کی شاکلۃ اسے پہنچنے دیتی ہے ۔ مندرجہ صدر آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر شے اپنی شاکلۃ کی حد تک پہنچ سکتی ہے ۔ اس سے آگے نہیں جاسکتی ۔ فطرت نے اس کا جو منتہیٰ معین کر دیا ہے وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی ۔

خارجی کائنات میں ہر شے کی شاکلۃ متعین ہوتی ہے ۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے ، اس میں شبہ نہیں کہ اسکے ممکنات کی بھی ایک انتہا ضرور ہے لیکن زندگی کی موجودہ اسٹیج اسکی آخری حد نہیں ۔ یہ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۵۵/۳۳) سے بھی آگے جاسکتا ہے ۔ لیکن موروثی اثرات ، ابتدائی ماحول، تربیت، تعلیم، جذباتی رجحانات وغیرہ وہ رسیاں ہیں جن سے اسکا پاؤں بندھ جاتا ہے ۔ لیکن صحیح معاشرہ ان رسیوں میں وسعتیں پیدا کر سکتا ہے ۔ قرآن کریم ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے جس میں ہر فرد کی مضمر صلاحیتیں کامل نشو و نما پا جائیں ۔ اس معاشرہ میں جو پابندیاں عائد کی جاتی ہیں وہ درحقیقت اس کی ذات کی صلاحیتوں کی وسعت کے لئے ہوتی ہیں ۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (۲/۲۸۶) کا یہی مفہوم ہے ۔ قرآنی معاشرہ میں ہر فرد پر اس کی شاکلۃ کے مطابق ذمہ داری عائد کی جائیگی اگرچہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کوشش کی جائے گی کہ اس کی حدود کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے ۔ حیوان کے بچے کی نشو و نما کی انتہا یہ ہے کہ وہ اپنے باپ جیسا ہو جائے ۔ لیکن انسانی بچہ مناسب نشو و نما سے اپنے اسلاف سے کہیں آگے جا سکتا ہے ۔ انسان کی تاریخ اس پر شاھد ہے کہ موجودہ دور کا انسان بہ ھیئتِ مجموعی اپنی سابقہ نسلوں سے کہیں آگے ہے ۔ اسی طرح آنے والے دور کے انسان موجودہ زمانے کے انسان سے آگے جاسکتے ہیں ، اس طرح ، جہاں ایک دور میں مختلف انسانوں کی مضمر ممکنات مختلف ہوتی ہیں ۔ اسی طرح مختلف ادوار میں نسلِ انسانی کی ممکنات مختلف ہوتی ہیں ۔ اور علم و شعور کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان ممکنات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے ۔ اور اس کے ساتھ ہی اسکی ذمہ داریاں بڑھتی جاتی ہیں ۔ (واضح رہے کہ ان ممکنات سے مراد انسانی ذات کی خصوصیات ہیں جو ہر فرد میں ہمیشہ یکساں ہوتی ہیں ۔)

صاحب لطائف اللغۃ نے لکھا ہے اَلشَّوَاکِلُ (جو شاکلۃ کی جمع ہے) ان راستوں کو کہتے ہیں جو ایک شاہراہ سے پھوٹ نکلیں ۔ (نیز تاج) ۔ اس سے مراد زندگی کی مختلف راہیں اور انسانوں کے مختلف طور طریق ہیں جن پر وہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق چلتے ہیں ۔

یاد رہے کہ انسانی اختیارات کی ایک حد ضرور ہے (جس طرح وہ ایک پاؤں اٹھا کر تو کھڑا رہ سکتا ہے لیکن دونوں پاؤں اٹھا کر کھڑا نہیں رہ سکتا) ۔ لیکن جس حد تک اسے اختیار دیا گیا ہے اس میں وہ بالکل آزاد ہے ۔ اس کے اختیار و ارادہ میں کوئی دخل انداز نہیں ہوتا ۔ (مزید تفصیل ق ۔ د ۔ ر کے عنوان میں دیکھئے) ۔

ش ک و (ی)

شَکْوَۃٌ ۔ مشک یا چمڑے کا تھیلا جو پانی یا دودھ رکھنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اور جسکا صرف ایک طرف سے منہ کھلا ہوتا ہے ۔ شَکْوٌ کے معنے ہیں اس مشکیزہ کا منہ کھول دینا تاکہ جو کچھ اس کے اندر ہو وہ باہر آجائے ، یا ظاہر ہو جائے ۔ اس سے شِکَایَۃٌ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنے اپنے دل کی بات کو ظاہر کر دینا * ۔ راغب نے کہا ہے کہ اسکے معنے اپنے پراگندہ حال کے اظہار کے ہیں * ۔ سورۃ یوسف میں ہے اِنَّمَآ اَشْکُوْ بَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (۱۲/۸۶) ۔ میں اپنی پریشان حالی اور رنج و غم کا اظہار اپنے خدا سے کرتا ہوں ۔ دوسری جگہ ہے وَ تَشْتَکِیْ اِلَی اللّٰہِ (۵۸/۱) ۔ " وہ اللہ سے اپنی حالت کا اظہار کر رہی تھی " ۔ اسی مادہ سے اَلْمِشْکٰوۃُ ہے جسکے معنے ہیں دیوار میں ایسا موخلہ جو آرپار نہ ہو ۔ طاق * ۔ بعض نے اسکے معنے چراغدان کئے ہیں ۔ (۲۴/۳۵) ۔ اَلشَّکْوٰی ۔ شکایت ** ۔

ش م ت

شَمِتَ الْعَدُوُّ وَشَمَاتَۃٌ ۔ کسی کے دشمن کا اسکی مصیبت پر خوش ہونا ۔ اَشْمَتَہٗ بِعَدُوِّہٖ ۔ اسکے دشمن کو تکلیف پہنچا کر اسے خوش کیا ، *** ۔ جب حضرت موسیٰ ؑ فرط غضب میں حضرت ہارون ؑ کا سر پکڑ کر انہیں اپنی طرف کھینچنے لگے تو حضرت ہارون ؑ نے ان سے کہا تھا فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ (۷/۱۵۰) ۔ تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے اور خوش ہونے کا موقع نہ دے ۔ ویسے اَلتَّشْمِیْتُ ۔ چھینکنے والے کو دعا دینے کو کہتے ہیں ۔ گویا اس دعا سے شماتت کو اس سے دور کرنا مراد ہوتا ہے ۔ جیسے تَمْرِیْضٌ کے معنے مرض کو دور کرنا ہوتے ہیں **** ۔

ش م خ

شَمَخَ الْجَبَلُ ۔ پہاڑ کا بہت بلند اور لمبا ہونا ۔ اَلْجِبَالُ الشَّوَامِخُ ۔ بہت بلند اور لمبے پہاڑ ۔ شَمَخَ الرَّجُلُ بِاَنْفِہٖ ۔ اس

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔ ****راغب ۔

آدمی نے اپنی ناک چڑھائی ۔ تکبر کیا * ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے بڑا اور بلند ہونا بتائے ہیں ۔ قرآن کریم میں رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ (۷۷/۲۷) آیا ہے ۔ اپنی جگہ مضبوطی سے جمے ہوئے اونچے اور بڑے بڑے پہاڑ۔

ش م ز

اَلشَّمْزُ ۔ نفس انسانی کا ناخوش آئند چیزوں سے متنفر ہونا ۔ تَشَمَّزَ وَجْهُهٗ ۔ اس کا چہرہ بگڑا، متغیر اور منقبض ہو گیا۔ اِشْمَاَزَّ ۔ ڈرنا اور گھبرانا۔ رونگٹے کھڑے ہو جانا ، منقبض ہونا ، گھٹ جانا ، تنگی محسوس کرنا۔ اِشْمَاَزَّ الشَّیْئَ ۔ اسنے اس چیز کو ناپسند کیا ۔ اَلْمُشْمَئِزُّ ۔ متنفر ۔ ناپسند کرنے والا ۔ دہشت زدہ * ۔

سورۃ زمر میں ہے اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (۳۹/۴۵) ۔ جب ان لوگوں کے سامنے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اکیلے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں ۔ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (۳۹/۴۵) اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں ۔ انسان شخصیت پرستی سے خوش ہوتا ہے اور خالص قانون کی اطاعت اس پر شاق گزرتی ہے ۔ اس لئے کہ انسانوں کو جذبات کی رو سے خوش کر لینا آسان ہوتا ہے اور قانون کسی کی رعایت نہیں کرتا ۔ قرآن کریم نے جو دین نوع انسانی کیلئے تجویز کیا ہے اس میں خالص قانون خداوندی کی اطاعت مقصود تھی ۔ شخصیت پرستی کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ لیکن انسانی آمیزشوں نے اس دین کی حالت یہ کردی ہے کہ کوئی بات لیجئے ، اسکی آخری سند کسی نہ کسی انسان تک جا کر رک جاتی ہے ۔ خدا کا قانون (قرآن کریم) بہ حیثیت آخری سند (Final Authority) کے کہیں نہیں آتا ۔ حتکہ اگر کسی کو ان ارباب من دون اللہ سے الگ کر کے خالص اطاعت خداوندی کی دعوت دی جائے تو وہ اس داعی کا سخت مخالف ہو جاتا ہے ۔ یہی وہ عظیم حقیقت ہے جس کی طرف قرآن کریم نے (مندرجہ بالا آیت میں) توجہ دلائی ہے ۔

ش م س

اَلشَّمْسُ ۔ آفتاب (۲/۲۵۸) دھوپ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی رنگ برنگ اور متلون ہونے اور کم قرار پکڑنے کے ہیں ۔ اَلشَّمُوْسُ مِنَ الدَّوَابِّ وہ چوپایہ جسے قرار نہ ہو ۔ آفتاب کو بھی اَلشَّمْسُ

*تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔

اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ متحرک رہتا ہے۔ دھوپ کی گرمی۔ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا (۷۶/۱۳)۔

مَطْلِعَ الشَّمْسِ (۱۸/۹۰) وہ مقام جہاں سے آفتاب طلوع ہوتا معلوم ہو۔ انتہائی شرقی سمت۔ مَغْرِبَ الشَّمْسِ (۱۸/۸۶) ۔ وہ مقام جہاں سورج غروب ہوتا نظر آئے۔ انتہائی مغربی سمت۔

صاحب غریب القرآن نے لکھا ہے کہ ایرانیوں کا قومی نشان شَمْسٌ تھا جسطرح عرب جاہلیت کا قومی نشان قَمَرٌ تھا ** ۔ (اس اعتبار سے قَمَرٌ اور شَمْسٌ کے معنی کیلئے ق۔ م۔ ر کا عنوان دیکھئے)۔

ابن کلبی نے کہا ہے کہ اَلشَّمْسُ پرانے زمانے کے ایک بت کا نام ہے ***۔ (شاید اسی کی طرف نسبت کرکے عرب عبد شمس نام رکھتے تھے)۔ بعض کا خیال ہے کہ شَمْسٌ ایک مشہور چشمہ کا نام تھا ***۔

ش م ل

اَلشِّمَالُ ۔ بائیں جانب ۔ (یَمِیْنٌ کی ضد ہے) ۔ (۱۸/۱۷)۔ یَمِیْنٌ (دایاں ہاتھ) یُمْنٌ و سعادت اور خیر و برکت کا مظہر سمجھا جاتا ہے ۔ اسلئے اَلشِّمَالُ (بایاں) نحوست کا نشان ۔ اسی لئے کہتے ہیں زَجَرْتُ لَهُ طَیْرَ الشِّمَالِ میں نے اس کے لئے نحوست کے پرندے کو جھڑکا* ۔ قرآن کریم میں اَصْحَابُ الشِّمَالِ (۵۶/۴۱) اہل جہنم کے لئے آیا ہے ۔ یہی ہیں جن کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا (۶۹/۲۵) ۔ اَلشَّمَالُ۔ شمالی ہوا ، جو بالعموم سرد ہوتی ہے۔ مصر میں یہ بادشمال سرد اور خشک ہوتی ہے، اور اگر یہ سات دن تک متواتر چلتی رہے تو مصری کفن تیار کرنے شروع کردیتے ہیں کیونکہ وہ اسے برداشت نہیں کرسکتے * ۔

اَلشِّمَالُ ۔ اس غلاف کو بھی کہتے ہیں جو بکری کے تھن پر چڑھایا جاتا ہے* ۔ اور اَلشَّمْلَةُ ۔ وہ کملی ہے جس میں انسان لپٹ جائے* ۔ راغب کا کہنا ہے کہ شِمَالٌ اس کپڑے کو کہتے تھے جس سے بائیں جانب ڈھانپ لیجائے۔ نیز الاِشْتِمَالُ بِالثَّوْبِ کسی کپڑے میں اس طرح لپٹنے کے لئے بولا جاتا ہے کہ اس کا بالائی سرا بائیں جانب ڈالا جائے ****۔ پھر یہ کپڑے میں لپٹنے کے لئے استعمال ہونے لگا ۔ اسی اعتبار سے اِشْتَمَلَ عَلَی الشَّیْءِ کے معنے ہوتے ہیں کسی چیز پر محیط ہو جانا ، اور اسے اپنے اندر شامل کرلینا *****۔

* تاج ۔ ** (میرزا ابوالفضل) ۔ *** ابن فارس ۔ ****راغب ۔*****محیط ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنوں میں سے ہے۔اَلرَّحِیمُ تَشْتَمِلُ عَلَی الْوَلَدِ ۔ رحم نے بچہ کو اپنے اندر لے رکھا ہے (۶/۱۴۳) میں ہے اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْہِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ۔ یا وہ کچھ جو دو ماداؤں کے رحموں میں ہے۔

طبیعت اور عادت کو بھی اَلشِّمَالُ کہتے ہیں۔اسکی جمع شَمَائِل ہے*۔

ہم نے اوپر لکھا ہے کہ (i) عربوں کے ہاں یَمِیْنٌ سعادت اور خوش بختی کی نشانی سمجھا جاتا تھا ۔ اور شِمَالٌ، نحوست کی نشانی ۔ اور (ii) قرآن کریم نے اَصْحَابُ الشِّمَالِ ۔ اہل جہنم کو کہا ہے اور اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ اہل جنت کو۔ اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم بھی سعد و نحس کو اس طرح تسلیم کرتا ہے جس طرح عرب (عہد جاہلیہ میں) عقیدہ رکھتے تھے ۔ قرآن کریم ، عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے وہ اس زبان کے الفاظ اور محاورات کو انہی معنوں میں استعمال کرتا ہے جن معنوں میں عرب انہیں استعمال کرتے تھے ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن کریم اس وجہ یا سبب کو بھی تسلیم کرتا ہے جس کی بنیاد پر عرب کسی لفظ کا خاص مفہوم لیتے تھے ۔ یہ بنیادی نقطہ ہے جسے ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے ۔

ش ن أ

شَنَاٰنٌ ۔ کسی سے سخت بغض رکھنا** ۔ محیط نے کہا ہے کہ یہ ایسے بغض کو کہتے ہیں جس میں دشمنی کے ساتھ بد خلقی بھی شامل ہو۔ قرآن کریم میں شَنَاٰنُ قَوْمٍ (۵/۲) آیا ہے ۔ یعنے کسی قوم کا شدید بغض یا اس کی بد ترین دشمنی ۔ دوسری جگہ ہے اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ (۱۰۸/۳) ۔ تجھ سے بغض رکھنے والے کی جڑیں کٹ گئیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے معنوں میں بغض رکھنا اور گریز کرنا پایا جاتا ہے ۔

ش ھ ب

اَلشَّھَبُ ۔ سفید رنگ جس میں سیاہی کی آمیزش ہو* ۔ (تقریباً ایسا رنگ جیسے آگ کا شعلہ جب اپنی انتہائی حد کو پہنچ جائے تو اس کا رنگ سفید ہو جاتا ہے اور اس کے مرکز میں کچھ سیاہی مائل سا رنگ نظر آتا

*تاج ۔ ** تاج و محیط و راغب ۔

ہے) ۔ نیز وہ پہاڑ جو برف سے ڈھکا ہوا ہو ۔ سَنَۃٌ شَہْبَاءُ ۔ قحط والا سال جس میں کہیں سبزی نظر نہ آئے اور زمین خشکی کی وجہ سے یکسر سفید ہو چکی ہو ۔ شِہَابٌ آگ کا بلند ہونے والا شعلہ ۔ وہ شعلہ جو رات کو آسمان میں دور تک جاتا نظر آتا ہے ۔ (اسے ٹوٹتا تارا کہتے ہیں)** ۔

زمانہ جہالت میں لوگ سمجھتے تھے کہ انسان کی قسمت ستاروں کے ساتھ وابستہ ہے ۔ چنانچہ نجومی ، ستاروں کی گردش سے انسان کی تقدیر کے زائچے بنایا کرتے تھے ۔ (اب بھی اکثر ایسا ہوتا ہے اور علم نجوم کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے) ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ ایسی باتیں دورِ جہالت میں تو چل سکتی تھیں لیکن جب دنیا میں علم کی روشنی آ جائے تو اس قسم کی ظنی اور قیاسی چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں رہتی ۔ اگر اس وقت کوئی اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے تو علم و یقین کا ایک "شہاب مبین" اس کے پیچھے آجاتا ہے جو اس ظن اور قیاس کی قلعی کھول کر رکھ دیتا ہے ۔ ($\frac{۱۵}{۱۸}$ و $\frac{۳۷}{۹}$ و $\frac{۷۲}{۹}$) ۔

ش ھ د

شَہِدَ یَشْہَدُ کے معنے ہیں حاضر ہونا ۔ موجود ہونا ۔ شَہَادَۃٌ ۔ جو کچھ کسی کو معلوم ہو (بصارت یا بصیرت کی بنا پر) اسے ٹھیک ٹھیک طور پر حاضر (بیان) کر دینا** ۔ ایسا کرنے والے کو شَاہِدٌ اور شَہِیْدٌ کہتے ہیں ۔ مُشَاہَدَۃٌ کے معنی (اہل لغت کے نزدیک) آنکھوں سے دیکھنا ہیں * ۔ لیکن اس مفہوم کو وسعت دے دی جائے تو اس کے معنی ہونگے کسی چیز کا حواس کی گرفت میں آ جانا ۔

قرآن کریم میں غَیْبٌ کے مقابل میں شَہَادَۃٌ کا لفظ آیا ہے ($\frac{۵۹}{۲۲}$) ۔ غَیْبٌ کے معنے ہیں جو آنکھوں سے اوجھل ہو (دیکھئے عنوان غ ۔ ی ۔ ب) اس لئے شَہَادَۃٌ سے مراد محسوس اشیاء ہونگی اور غَیْبٌ سے مراد وہ توانائیاں یا نتائج جو مضمر ہوں ۔ لہذا شَہَادَۃٌ (یا مَشْہُوْدٌ) وہ نتائج ہیں جو مرتب ہو کر محسوس صورت میں بے نقاب ہو جائیں ۔ غَائِبُ الْفَرَسِ گھوڑے کی اس قوت کو کہتے ہیں جسے وہ دوڑنے میں محفوظ رکھ لے اور شَاہِدُ الْفَرَسِ اس قوت کو جسے وہ کام میں لے آئے ۔ نیز شَہِدَ کے معنے گھر پر موجود ہونا اور غَابَ کے معنے سفر میں چلے جانا ہیں*** ۔ چنانچہ روزوں کے احکام کے ضمن میں جو آیا ہے کہ فَمَنْ شَہِدَ مِنْکُمُ الشَّہْرَ فَلْیَصُمْہُ ($\frac{۲}{۱۸۵}$) ۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم میں سے جو

*تاج ۔ **تاج و راغب ۔ *** لین

حالت سفر میں نہ ہو وہ اس مہینے کے روزے رکھے ۔ (مسافر کے لئے الگ حکم ہے) ۔ اِمْرَاَۃٌ مَشْہِدٌ ۔ اس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند گھر پر موجود ہو* ۔ مَشْہَدٌ ۔ حاضر ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں ۔ یا جس مقام پر تمام پوشیدہ امور اور نتائج محسوس شکل میں سامنے آ جائیں (۱۹/۳۷) ۔ یَوْمٌ مَشْہُوْدٌ کے معنے ایسے وقت کے ہیں (۱۱/۱۰۳) ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْہُوْدًا (۱۷/۷۸) ۔ یہاں مَشْہُوْدٌ کے معنے یہ ہیں کہ اس کے حقائق محسوس شکل میں سامنے آ جاتے ہیں ۔ (فَجْرٌ کے معنے متعلقہ عنوان میں دیکھئے) ۔ شُہَدَاءَکُمْ (۲/۲۳) ۔ تمہارے مددگار ۔

خدا کو شَہِیْدٌ اس لئے کہا گیا ہے کہ ہر چیز اس کی نگاہوں کے سامنے ہے (۲۲/۱۷) ۔ اور رسول اس اعتبار سے شَاہِدٌ (۴۸/۸) ہوتا ہے کہ جن حقائق کو وہ اپنی آنکھوں کے سامنے بے نقاب دیکھتا ہے (اسی کو نبوت کہتے ہیں) انہیں وہ دوسروں کے سامنے پوری قطعیت کے ساتھ بیان کر دیتا ہے (اسے رسالت کہتے ہیں) ۔ یا اس لئے کہ وہ اپنی جماعت کے اعمال کا نگران (شَہِیْدٌ) ہوتا ہے ۔ (۲/۱۴۳) ۔

اَلشَّہْدُ ۔ وَالشَّہْدُ ۔ شہد (عَسَلٌ) کو بھی کہتے ہیں ۔ جبکہ ابھی وہ چھتے سے باہر نہ نکالا گیا ہو** ۔

شَہِدَ کے معنے گواہی دینے یا تصدیق کرنے کے بھی ہوتے ہیں اور قسم کھانے کے بھی ۔ شَہِدَ عَلَیْہِمْ (۴۱/۲۱) ان کے خلاف شہادت دینگے ۔ شَہِدَ عَلٰی کَذَا کے معنے یہ بھی ہیں کہ کسی کے متعلق پوری اور قطعی خبر بتا دینا*** ۔ صاحب غریب القرآن (ابو الفضل) نے (ابن عباسؓ کے حوالہ سے) لکھا ہے کہ شَہِدَ کے معنے فیصلہ کرنے کے بھی آتے ہیں ۔ (مثلاً ۱۲/۲۶ میں) ۔ اس اعتبار سے اللّٰہُ شَہِیْدٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ (۶/۱۹) ۔ کے معنے فیصلہ کرنے والا ہونگے ۔ نیز اس کے معنے نگہبان کے بھی ہیں (۲/۱۴۳) ۔

آپنے دیکھا ہے کہ اس لفظ کے استعمال کی صورتیں کتنی ہی متنوع کیوں نہ ہوں ان میں سے ہر ایک میں ، موجود ہونا ۔ حاضر رہنا ۔ نظروں کے سامنے رہنا یا رکھنا ، کا مفہوم ضرور پایا جاتا ہے ۔

خدا کی راہ میں جان دینے والوں کو جو شَہِیْدٌ کہا جاتا ہے تو یہ اصطلاح قرآن کریم نے استعمال نہیں کی ۔ یعنی قرآن کریم نے ایسے شخص کو اس لفظ سے مختص نہیں کیا ۔ ویسے معنوی اعتبار سے دیکھا جائے تو

*تاج و راغب ۔ **تاج ۔ ***محیط و اقرب الموارد ۔

شہید زندہ انسان بھی ہو سکتا ہے اور (جسمانی طور پر) مردہ بھی۔ جو شخص اپنے ما آمَنَ بِہٖ (جس پر وہ ایمان رکھتا ہے) کی عملی شہادت پیش کر دے وہ شہید ہے۔ خواہ جان سے ہو یا مال سے یا کسی اور مطلوب شے سے۔ اور پھر آخر وقت تک اس روش پر قائم رہے۔ راہ خدا میں جان دینا، اپنے ایمان کی صداقت کی سب سے بڑی شہادت ہے۔

قرآن کریم کی رو سے پوری کی پوری ملت اسلامیہ شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ (۲/۱۴۳) ہے۔ یعنی تمام نوع انسانی (مختلف اقوام عالم) کے اعمال پر نگاہ رکھنے والی۔ ان سب پر نگران۔ اور ان کا مرکز (رسولؐ) ان کے اعمال کا نگران (۲/۱۴۳)۔ غور کیجئے کہ ملت اسلامیہ کا دنیا میں فریضہ کیا تھا اور اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اس کا مقام کسقدر بلند تھا۔ ایک وہ ملت اسلامیہ تھی اور ایک آج ہم ملت اسلامیہ ہیں کہ دوسروں کے اعمال و کردار کے نگران و محاسب ہونا تو ایک طرف، ہم اپنی ذرا ذرا سی ضرورت کے لئے بھی غیروں کے محتاج ہیں۔ اس کا سبب ظاہر ہے۔ وہ ملت، قرآن کریم کو اپنا ضابطہ حیات سمجھتی تھی اورہم افسانوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔

ش ھ ر

اَلشُّھْرَۃُ۔ صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ اس کے معنے ہیں کسی بری بات کا نمایاں اور مشہور ہو جانا۔ لیکن جوہری نے کہا ہے کہ اس کا استعمال مطلقاً کسی معاملہ کے واضح ہو جانے اور مشہور ہو جانے کیلئے ہوتا ہے۔ (اردو میں عام طور پر شہرت اچھی باتوں کیلئے بولا جاتا ہے اور تَشْھِیْر بری باتوں کے لئے)۔ اَلشَّھِیْرُ۔ مشہور و معروف۔ معزز*۔ اَلشَّھْرُ چاند کو کہتے ہیں کیونکہ اسکے ظہور سے مہینے کی شہرت ہو جاتی ہے۔ نیز مہینہ کو بھی شَھْرٌ کہتے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی کسی معاملہ کا واضح ہونا اور روشن ہونا ہوتے ہیں۔ اسی سے اَلشَّھْرُ چاند کو کہتے ہیں۔ شَاھَرَہٗ مُشَاھَرَۃً۔ اس سے ماہانہ اجرت پر معاملہ کیا*۔ قرآن کریم میں شَھْرُ رَمَضَانَ (۲/۱۸۵) مہینے کیلئے آیا ہے جسکی جمع اَشْھُرٌ (۲/۱۹۷)۔ اور شُھُوْرٌ ہے (۹/۳۶)

ش ھ ق

شَھَقَ الرَّجُلُ۔ یَشْھَقُ۔ شَھِیْقاً۔ اسکے سینہ میں رونے کی آواز متردد ہوئی، بار بار اٹک اٹک کر نکلی۔ شَھِیْقُ الْحِمَارِ وَتَشْھَاقُہٗ۔

*تاج۔

گدھے کے رینکنے کی آواز۔ الشَّهْوَقُ ۔ بلند ہونا۔ الشَّهْقَةُ ۔ چیخ *۔ قرآن کریم میں زَفِيْرٌ وَشَهِيْقٌ (۱۱/۱۰۶) آیا ہے۔ اس سے مراد چیخنا چلانا ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ یہ الفاظ مصیبت زدہ لوگوں کی آوازوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اور شَهِيْقٌ کے معنے ہیں کراہنے کی بہت بلند آواز۔ یہ لفظ جَبَلٌ شَاهِقٌ سے ہے جسکے معنے نہایت اونچے اور لمبے پہاڑ کے ہیں جس پر چڑھنا دشوار ہو *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے بلند ہونے کے ہیں۔ نیز فُلَانٌ ذُوْ شَاهِقٍ سے مراد ہے وہ سخت غصہ ور ہے۔

قرآن کریم میں جہنم کی آواز کے لئے بھی شَهِيْقٌ کا لفظ آیا ہے۔ (۶۷/۷)۔ جہنمی معاشرہ میں ہر طرف چیخ پکار ہوتی ہے۔ وہ یہاں کا جہنم ہو یا آخرت کا۔

ش ہ و

شَهَاهُ وَ اشْتَهَاهُ ۔ کسی چیز کی خواہش کرنا۔ اسے چاہنا۔ رغبت کرنا۔ طبیعت کا میلان ہونا۔ راغب نے کہا ہے کہ شَهْوَةٌ نفس کے ان چیزوں کی طرف کھنچنے کو کہتے ہیں جنہیں وہ چاہتا ہے۔ کبھی اس چیز کو شَهْوَةٌ کہدیا جاتا ہے جسکی طرف طبیعت کا میلان ہو۔ اور کبھی خود اس جذبہ (میلان) کو شَهْوَةٌ کہتے ہیں **۔

شَيْئٌ شَهِيٌّ ۔ لذیذ چیز۔ طَعَامٌ شَهِيٌّ ۔ وہ کھانا جو طبیعت کو مرغوب ہو ***۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ (۳/۱۴) میں، خود شَهَوٰتٌ (شَهْوَةٌ کی جمع) کے معنے (راغب کے الفاظ میں) مرغوب اشیاء ہیں۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس میں الشَّهَوَات بطور مبالغہ بمعنی مُشْتَهَيَاتٌ (مرغوب چیزیں) ہے۔ دونوں صورتوں میں معنے ایک ہی ہیں۔ یعنے مرغوب اور پسندیدہ چیزیں۔ یا میلانات۔ (۳۸/۵۶) میں یہ لفظ (باقی الفاظ کے ساتھ مل کر) جنسی میلان کیلئے آیا ہے۔

جنتی زندگی کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ أَنْفُسُكُمْ (۴۱/۳۱)۔ اس میں ہر مرغوب خاطر شے میسر ہوگی۔ جو کچھ تمہارا دل چاہے۔

سورۃ مریم مختلف انبیاء کے تذکرہ کے بعد ہے، فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ (۱۹/۵۹) ان کے بعد ایسے لوگ آگئے

*تاج نیز راغب۔ **تاج۔ ***محیط۔

جنھوں نے صلٰوۃ کو ضائع کر دیا اور شہوات کے پیچھے لگ گئے۔ اس کے معنی واضح ہیں۔ یعنی بجائے اس کے کہ وہ قوانین خداوندی کے پیچھے چلیں (دیکھئے عنوان ص۔ل۔و) وہ اپنے جذبات اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے۔ تصریحات بالا سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ اگر انسانی خواہشات کو وحی کی روشنی میں پورا کیا جائے تو اس کا نتیجہ جنتی زندگی کی خوشگواریاں ہوتا ہے لیکن اگر انہیں وحی کی پابندیوں کو توڑ کر پورا کیا جائے تو اس کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے۔ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا (۱۹/۵۹)۔ [نیز دیکھئے عنوان ھ۔و۔ی]

ش و ب

اَلشَّوْبُ۔ خلط ملط کرنا نیز آمیزہ (پانی دودھ وغیرہ کا)۔ شَابَ الشَّیْءُ شَوْبًا۔ اس نے اس چیز کو خلط ملط کر دیا۔ ملا دیا۔ اس اعتبار سے اَلشَّوْبَۃُ دھوکے اور فریب کو کہتے ہیں۔ ملاوٹ والی بات۔ اَلشَّوَائِبُ (جمع ہے شَائِبَۃٌ کی) اسکے معنے ہیں کثافتیں اور غلاظتیں نیز نقائص و عیوب اور خطرات۔ شَوْبٌ۔ شہد کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں خود بھی موم ملا ہوا ہوتا ہے اور اسے ہر دوا کے ساتھ ملایا جاتا ہے*۔

قرآن کریم میں اہل جہنم کے متعلق ہے اِنَّ لَھُمْ عَلَیْھَا لَشَوْبًا مِنْ حَمِیْمٍ (۳۷/۶۷)۔ اس کے اوپر سے انہیں گرم آمیزہ دیدیا جائیگا۔ اس سے مراد بے اطمینانی کا جینا، ناگوار مصائب کو برداشت کرنا، نیز کثافت آمیز زندگی ہے، یا زندگی کی کثافتیں۔ پر فریب زندگی کے اثرات۔

ش و ر

شَارَ الْعَسَلَ۔ شہد کو چھتہ سے نکال لیا اور جمع کر لیا۔ اَلْمِشَارُ۔ وہ چھتہ جس سے شہد نکالا جائے۔ اَلشَّوْرُ۔ چھتہ سے نکالا ہوا شہد۔ اَلْمِشْوَارُ۔ وہ لکڑی جس سے شہد نکالا جاتا ہے۔ اَلْمِشْوَارَۃُ چھتہ کو کہتے ہیں*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے ہیں (۱) کسی چیز کو ظاہر کرنا۔ پیش کرنا اور (۲) کسی چیز کو لے لینا۔

شَاوَرَ۔ مُشَاوَرَۃٌ۔ تَشَاوَرَ۔ باہمی مشورہ کرنا۔ اصل کے اعتبار سے (یعنی شَارَ الْعَسَلَ۔ چھتہ کو نچوڑ کر اس سے شہد نکالنے کے اعتبار سے) مشورہ کے معنے ہوئے دوسرے کے خیالات کا نچوڑ حاصل کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنا**۔ اور اگر خود شہد سے مفہوم لیا جائے، تو جس طرح شہد کی

* تاج۔ محیط۔ راغب۔ نیز ابن فارس۔ **راغب۔

مکھیاں اپنی اپنی محنت کا ماحصل ایک جگہ جمع کر دیتی ھیں ، مشاورت کے معنے ھونگے مختلف افرادِ معاشرہ کی اپنی اپنی رائے ، فکر ، خیالات ، اور غور و خوض کے نتائج کو ایک جگہ جمع کر دینا تا کہ اس سے کسی فیصلہ تک پہنچا جائے ۔ روئی دھننے والے کی کمان کی تانت کو بھی اَلْمِشْوَارُ کہتے ھیں * ۔ لہذا مشورہ کا مفہوم یہ بھی ھو سکتا ھے کہ آراء کو دُھننا اور انہیں کھول کر نتیجہ نکالنا ۔

اَشَارَ اِلَیْہِ ۔ اسکی طرف اشارہ کیا * (۱۹/۶) ۔ اَلشَّوْرَۃُ والشَّارَۃُ ۔ حسن و جمال ۔ وضع قطع ۔ ھئیت ۔ لباس ۔ پوشاک ۔ فربہی ۔ زینت ۔ آرائش ۔ شَارَ ۔ یَشُوْرُ ۔ گھوڑے کو سدھایا ، یا خریدار کو بتانے کے لئے اس پر سوار ھوا اور اسے دوڑا کر دکھایا * ۔

قرآن کریم نے نوع انسانی کی راھنمائی کے لئے اصولی قوانین دیئے ھیں جو ھمیشہ کے لئے غیر متبدل ھیں ۔ قرآنی نظام یہ ھے کہ ھر زمانے کے لوگ ان غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئی احکام خود وضع کریں ۔ یہ چیز باھمی مشورہ سے طے ھوگی ۔ اسی لئے جماعت مومنین کے متعلق کہا گیا ھے کہ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (۴۲/۳۸) ۔ ان کے معاملات باھمی مشاورت سے طے ھونگے ۔ چونکہ سب سے پہلے قرآنی نظام خود نبی اکرمؐ نے قائم کیا تھا ، اسلئے حضورؐ کو بھی حکم دیا گیا کہ شَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (۳/۱۵۸) ۔ معاملات میں ان (مومنین) سے مشورہ کیا کرو ۔ اس سے ظاھر ھے کہ چونکہ مشورہ کا حکم تمام مومنین کے لئے ھے اس لئے ان کا نظام شریعت کبھی جامد اور متصلب (Rigid and Static) نہیں ھو سکتا ۔ ھر دور کے مومنین اپنے زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھیں گے ۔ اگر انکے زمانے کا تقاضا ھو تو وہ باھمی مشورہ سے ، کسی سابقہ دور کے فیصلوں میں ردوبدل بھی کرسکتے ھیں ، اور نئے فیصلے بھی کر سکتے ھیں ۔ اس طرح قرآن کریم کے غیر متبدل اصول تو اپنی جگہ قائم رھینگے لیکن انکی روشنی میں وضع کردہ جزئیات زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتی رھیں گی ۔ یہ ھے مشاورت کے قرآنی حکم کا عملی مفہوم ۔ یہی خود رسول اللہؐ نے کیا تھا (جس پر قرآن کا حکم شاھد ھے) اس لئے سنتِ رسول اللہؐ بھی یہی ھے کہ ھر دور کے مسلمان ایسا ھی کریں ۔ یہی وہ سَبِیْلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ھے (۴/۱۱۵) جس کے اتباع کا حکم ھے ۔ مغربی انداز حکومت میں ، کوئی شے غیر متبدل نہیں ھوتی ۔ قوم جس قسم کے فیصلے چاھے کر سکتی ھے ۔ ان فیصلوں کے اوپر کوئی ایسی پابندی یا حدود نہیں جن کا

*تاج ۔ **راغب ۔

علی حالہ رکھنا ضروری ہو۔ اس طرز حکومت کو سیکولر (Secular) کہتے ہیں۔ دوسری طرف ، قدامت پرستی کے مسلک کی رو سے ، شریعت میں کوئی جز قابل تغیر وتبدل نہیں۔ جوفیصلے پہلے ہو چکے ہیں وہ من وعن نافذ ہوتے رہیں گے۔ ان دونوں کے برعکس قرآنی نظام یہ ہے کہ،قرآن میں بیان کردہ احکام واصول غیر متبدل ہیں۔ ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ہر قوم اپنے اپنے زمانے اور حالات کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین خود مرتب کرے گی۔ اسطرح ثبات (Permanence) اور تغیر (Change) کے امتزاج سے ، انسانی زندگی اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی آگے بڑھتی جائیگی۔

ش و ظ

اَلشَّوَاظُ ۔ اَلشِّوَاظُ ۔ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو* ۔ نیز آگ کی گرمی اور دھواں ۔ آفتاب کی گرمی ۔ ویسے چیخنے چلانے کو بھی کہتے ہیں ، اور پیاس کی شدت کو بھی *۔

قرآن کریم میں ہے یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَّارٍ (۵۵/۳۵)۔ تم دونوں گروہوں پر آگ کا شعلہ بھیجا جائیگا۔

ش و ک

اَلشَّوْکَۃُ ۔ درخت کا کانٹا ۔ ہتھیار (۳۳/۱۹) ۔ اَرْضٌ شَاکَۃٌ ۔ بہت کانٹوں والی زمین * ۔

اَلشَّوْکَۃُ مِنَ الْقِتَالِ ۔ جنگ کی شدت ۔ شَوْکَۃُ السِّلَاحِ ۔ ہتھیار کی تیزی اور دھار * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا کھردرا ہونا یا کسی چیز کے کنارے کا دھار دار، تیز اور نوکیلا ہونا۔

ش و ی

شَوَی اللَّحْمَ یَشْوِیْہِ شَیًّا ۔ گوشت بھوننا ۔ اَلشِّوَاءُ ۔ بھنا ہوا گوشت ۔ شَوَی الْمَاءَ یَشْوِیْہِ ۔ اسنے پانی کو گرم کیا ۔ اَشْوَی الْقَمْحُ ۔ گیہوں اتنے سخت ہوگئے کہ انہیں بالوں سے ، ہاتھ سے مل کر، نکالا جا سکے اور بھونا جا سکے** ۔ سورۃ کہف میں ہے یَشْوِی الْوُجُوْہَ (۱۸/۲۹) جوان کے چہروں کو جھلسا دیگا۔

---

* تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔ ** تاج و محیط ۔

اَلشَّوَیٰ - کے معنے چاروں ہاتھ پاؤں اور انسان کی کھوپڑی اور سر کی کھال کے ہیں - اس کا واحد شَوَاۃٌ ہے - بعض کا خیال ہے کہ بدن کے وہ تمام اعضاء جن پر ضرب لگنے سے موت واقع نہ ہو شَوَیٰ ہیں - اسی جہت سے بے قدر اور غیر اہم چیز کو بھی شَوَیٰ کہدیتے ہیں * -

سورۃ المعارج میں جہنم کی آگ کے متعلق ہے نَزَّاعَۃً لِّلشَّوَیٰ (۷۰/۱۶) - وہ ہاتھ پاؤں کو زور سے کھینچکر نکال لینے والی ہے - یعنے بالکل بیکار کر دینے والی - یا سر کی کھال کھینچ لینے والی - اس کے معنے ذلت اور مصیبت دونوں کے ہونگے - نیز قوت چھین لینے اور اپاہج بنا دینے کے بھی - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے معمولی اور بے قدر چیز کے ہوتے ہیں -

ش ی أ

شَاءَ - یَشَاءُ - شَیْئًا - وَمَشِیْئَۃٌ کے معنے ہیں ارادہ کرنا - اکثر متکلمین نے مشیت اور ارادہ میں کوئی فرق نہیں کیا حالانکہ دونوں میں باعتبار لغت فرق یہ ہے کہ مشیت ، ایجاد (پیدا کرنے) کو کہتے ہیں اور ارادہ کے معنے طلب (چاہنے) کے ہیں* -

اَلشَّیْءُ - راغب کے نزدیک یہ لفظ ہر موجود چیز کے لئے بولا جائے گا خواہ وہ محسوس طور پر موجود ہو - مثلاً مختلف اجسام ، یا محض ذہنی طور پر موجود ہو مثلاً اقوال** - نیز شَیْئٌ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کا علم حاصل کیا جاسکے یا جس کے متعلق کچھ خبر دی جاسکے*** - متکلمین نے اس پر بہت بحث کی ہے کہ شَیْئٌ کی ماہیت کیا ہے اور اس کا اطلاق کس کس قسم کی چیزوں پر ہوتا ہے - حتّٰیکہ بعض نے یہاں تک کہ دیا ہے کہ معدوم پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے - لیکن ہمیں ان موشگافیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں - اس لئے کہ قرآن کریم ان متکلمانہ بحثوں میں نہیں الجھتا -

قرآن کریم میں اکثر مقامات پر آیا ہے - اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲/۲۰) - یہاں شے کے معنے چیز ، معاملہ یا حقیقت کے ہیں - سورۃ بقرہ میں ہے لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا (۲/۴۸) - ''(جسدن) کوئی شخص کسی دوسرے کے کچھ کام نہیں آئے گا'' -

اس حقیقت کے سمجھ لینے کی بڑی ضرورت ہے کہ ''خدا کی مشیت'' سے اصل مفہوم کیا ہے؟ ہمارے ذہنوں میں خدا کے قادرِ مطلق ہونے کا تصور یہ

* تاج و محیط - ** تاج - *** راغب -

ہے کہ اس کے ہاں نہ کوئی قاعدہ ہے نہ قانون ۔ نہ کوئی اصول ہے نہ ضابطہ۔ وہ ایک خودمختار (اور معاذ اللہ) مطلق العنان حاکم کی طرح جو جی میں آئے کرتا چلا جاتا ہے ۔ کبھی خوش ہؤا تو جاگیر بخش دی ۔ ناراض ہوگیا تو گاؤں کا گاؤں ہلاک کردیا ۔(خدا کے قادر ہونے کے مفہوم کے لئے تو ق ۔ د ۔ ر کا عنوان دیکھئے لیکن یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ) خدا کے قادر ہونے کا وہ مفہوم قطعاً نہیں جو اوپر لکھا گیا ہے ۔ اس لئے خدا کی مشیت کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اس میں کسی قانون اور ضابطہ کا کوئی دخل نہیں ۔

یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اس دنیا کی ہر شے علت اور معلول (Cause and Effect) کے سلسلہ میں جکڑی ہوئی ہے ۔ لیکن جب ہم اس سلسلہ کو پیچھے کی طرف لے جائیں تو ایک مقام ضرور ایسا آئے گا جہاں یہ سلسلہ ختم ہو جائیگا اور وہاں تسلیم کرنا پڑیگا کہ ایک معلول (Effect) بغیر کسی سابقہ علت (Cause) کے ظہور میں آگیا ہے ۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے تمام کائنات کا سلسلہ ، خدا کی مرضی ، منشا ، ارادہ ، اور پوری خود مختاری سے شروع ہوتا ہے۔اگر کوئی پوچھے کہ خدا نے اس سلسلہ کائنات کو کیوں اور کس طرح بنایا تو اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں دیا جاسکتا کہ خدا نے اپنی مرضی سے جس طرح چاہا بنا دیا ۔ اس مقام پر مشیت خداوندی (ہمارے تصورات کے مطابق) کسی قاعدے اور قانون کی پابندیوں میں جکڑی ہوئی نہیں ہوتی ۔ یہاں یہی کہا جائیگا کہ اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (۳۶/۸۲) ۔ اس گوشہ میں خدا کا امر اس طرح کام کرتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور بس وہ ہو جاتی ہے ۔ (''کہہ دینے،، کے معنی یہ نہیں کہ وہ سچ مچ ''کُنْ،، کا لفظ زبان سے نکالتا ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ارادے کے ساتھ ہی اس شے کی پیدائش کا آغاز ہو جاتا ہے)۔

اس سے آگے بڑھئے تو ہمارے سامنے کائنات کا محسوس سلسلہ آتا ہے جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز ایک خاص قانون اور قاعدے کے مطابق عمل کر رہی ہے ۔ اس گوشہ میں خدا نے اپنے امر کو پیمانوں اور اندازوں کے اندر محدود کر دیا ہے ۔ وَ کَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (۳۳/۳۸) ۔ یہاں خدا کا امر مقررہ اندازوں کا پابند ہوگیا ۔ یعنے اب کائنات کی ہر شے ان قوانین کے تابع چلنے لگی جنہیں خدا نے اپنی مرضی اور منشا کے مطابق (اول الذکر گوشے میں) بنایا تھا ۔ اس کے لئے کہا گیا ہے کہ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (۶۵/۳) ۔ اللہ نے ہر شے کے لئے ایک پیمانہ مقرر

کر دیا ۔ یہ تمام پیمانے (قوانین فطرت) خدا ہی کے مقرر کئے ہوئے ہیں لیکن خدا نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ ان قوانین میں دخل اندازی کی نہیں جائیگی۔ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (۳۳/۶۲) ۔ ''تو سنت اللہ (خدا کے قاعدوں) میں کبھی تبدیلی نہیں پائیگا'' ۔ اس گوشے میں مشیت خداوندی کے معنے ہوں گے خدا کے وہ قوانین جن کے مطابق یہ تمام سلسلہ کائنات چل رہا ہے ۔ کائنات کی کسی شے کو اس کا اختیار نہیں کہ وہ ان قوانین کی خلاف ورزی کرسکے۔ چونکہ اس پہلے گوشے کے متعلق (جہاں سے کائنات کی ابتدا ہوتی ہے اور ہر شے کے لئے قانون مقرر کیا گیا ہے) ہم کچھ نہیں جان سکتے۔ وہ ہمارے حیطہ ادراک سے باہر ہے ۔ اس لئے ہم خدا کے متعلق جو کچھ جان سکتے ہیں وہ ان قوانین ہی کی رو سے جان سکتے ہیں جو کائنات میں کار فرما ہیں۔ یعنے مشیت خداوندی کا یہ گوشہ ، علم و تجربہ کی بنا پر ہماری سمجھ میں آسکتا ہے ۔

اب ایک اور قدم آگے بڑھئے ۔ انہی قوانین کی رو سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے خدا نے انسان کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ جونسا راستہ جی چاہے اختیار کر لے ۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَ مَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (۱۸/۲۹) ۔ جس کا جی چاہے ایمان کی راہ اختیار کرلے اور جس کا جی چاہے کفر کی راہ اختیار کرے ۔ یعنی خارجی کائنات کی چیزوں کے برعکس ، انسان کو آزادی حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ان قوانین کی پابندی کرے جو اس کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور چاہے تو ان سے سرکشی برت لے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ فلاں روش کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا اور فلاں کا نتیجہ کامرانی و کامیابی ۔ یعنے اس گوشے میں انسان کو اس کا تو اختیار ہے کہ وہ جونسی روش جی چاہے اختیار کر لے لیکن اسے اس کا اختیار نہیں کہ اپنے اعمال کے نتائج بھی اپنی مرضی کے مطابق مرتب کرلے۔ اس کا ہر عمل وہی نتیجہ مرتب کریگا جو اس کے لئے قانون خداوندی (مشیت) نے مقرر کر رکھا ہے ۔ مثلاً اسے اس کا تو اختیار ہے کہ وہ جی چاہے تو سنکھیا کھا لے اور جی چاہے مصری کی ڈلی منہ میں ڈال لے ۔ لیکن اسے اس کا اختیار نہیں کہ سنکھیا کھا کر اسکا نتیجہ مصری کی ڈلی کا سا پیدا کرلے ۔ یہ قوانین، کہ فلاں روش کا نتیجہ کیا ہوگا، انسان کو وحی کے ذریعہ عطا کئے گئے ہیں (جو آج قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں) لہذا جب انسان، خدا کے متعلق کچھ سمجھنا چاہے گا تو اسے قوانین فطرت کو بھی سمجھنا ہوگا جو خارجی دنیا میں کار فرما ہیں اور وحی کے قوانین کو بھی جو اس کی اپنی دنیا سے متعلق ہیں ۔ جب وہ ان دونوں قوانین کو سمجھ لیگا تو یہ حقیقت بھی اس کے سامنے آجائیگی کہ یہ دونوں قوانین در حقیقت ایک ہی اصل کی شاخیں ہیں ۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں اللہ کے متعلق مَا یَشَآءُ کا لفظ آیا ہے وہاں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ وہ ، متذکرہ صدر تینوں گوشوں میں سے کس گوشے سے متعلق ہے ۔ جس گوشے سے مَا یَشَآءُ متعلق ہوگا اس کے مطابق اس کا مفہوم لیا جائیگا ۔ ہر جگہ اس کے ایک ہی معنے لینے سے ذہن میں وہ تمام الجھاؤ پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ (معاذ اللہ) قرآن کریم میں عجیب تضاد پایا جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں کہیں تضاد نہیں ۔ تضاد ہماری اپنی کوتاہ نگہی کا پیدا کردہ ہوتا ہے ۔ (اس جگہ صرف اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ تفصیل ان امور کی قرآن کریم کے مختلف مقامات میں ملے گی) ۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (۲/۱۴۲) ۔ اس کے واضح معنے ہیں کہ جو شخص خدا سے راہ نمائی لینا چاہے خدا اسے راہنمائی دیتا ہے ۔ یعنے مَنْ یَّشَآءُ کے معنے ہیں جو شخص چاہے ۔ لیکن اگر اس کے معنے یہ کئے جائیں کہ ''اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے'' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کی طرف سے راہنمائی اس کے قانون مشیت کے مطابق ملتی ہے ۔ (یعنی مَنْ یَّشَآءُ کے معنے قانونِ مشیت کے ہونگے) ۔ اس قانون کی تفصیل قرآن کریم کی متعدد آیات میں موجود ہے ۔ مثلاً سورۃ مائدہ میں ہے یَھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ (۵/۱۶) ۔ یعنی اللہ اس (قرآن) کے ذریعے اسی کو راہنمائی دیتا ہے جو اس کے قانون کے ساتھ ہم آہنگی اختیار کرنا چاہے ۔ بات بالکل واضح ہے ۔ یعنی اس کے لئے ابتداء (Initiative) ہمیشہ انسان کی طرف سے ہوگی ۔ اگر یہ قوانین خداوندی کے مطابق چلتا جائیگا تو اسے صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی مل جائے گی ۔ اگر یہ اس سے انحراف برتیگا تو اس کا رخ تباہی کی طرف مڑجائیگا ۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ (۶۱/۵) ۔ جب وہ ٹیڑھے چلے تو خدا (کے قانون) نے ان کے دل ٹیڑھے کر دئے ۔

سورۃ بقرہ میں اس حقیقت کو ایک اور انداز سے واضح کیا گیا ہے ۔ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا کہ ہم پر ایک کمانڈر مقرر کر دیجئے ۔ اللہ تعالےٰ نے طالوت کو کمانڈر مقرر کر دیا تو بنی اسرائیل نے اس پر اعتراض کیا کہ اس کا انتخاب کس خصوصیت کی بنا پر ہوا ہے، حالانکہ وہ صاحبِ مال و دولت نہیں ہے ۔ اس کے جواب میں نبی نے کہا کہ اسے اس لئے منتخب کیا گیا ہے کہ زَادَہٗ بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲/۲۴۷) ۔ اللہ نے اسے جسمانی قوت اور علم فراواں عطا کیا ہے ۔ یعنی انہیں بتا دیا کہ خدا کا انتخاب یونہی اندھا دھند نہیں ہوتا ۔ قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتا

ہے ۔ اس کی طرف سے جسے جو کچھ ملتا ہے اس لئے ملتا ہے کہ اس میں اس کی صلاحیت ہوتی ہے ۔ اس کے بعد ہے وَ اللّٰہُ یُؤْتِیْ مُلْکَہٗ مَنْ یَّشَآءُ (۲/۲۴۷) ۔ اللہ کی طرف سے قوت و ملک اس کے قانونِ مشیت کے مطابق ملتا ہے۔ یہاں مَنْ یَّشَآءُ کا مفہوم واضح ہے ۔ یعنی قانون کے مطابق ، یونہی اندھا دھند نہیں ۔ یہاں سے سورۃ آل عمران کی اس آیت کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۔ ۔ ۔ ۔ (۳/۲۶) ۔ قوت و اختیار اور عزت و حکومت کا ملنا اور چھننا ''مشیت'' پر موقوف ہے ۔ یعنی یہ سب اس کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے جسکی بنیاد اس پر ہے کہ جس قوم میں صلاحیت ہوتی ہے اسے اقتدار و اختیار ملتا ہے (۲۱/۱۰۵) ۔ جس میں صلاحیت نہیں رہتی اس سے یہ چھن جاتا ہے۔

تصریحاتِ بالا سے ظاہر ہے کہ مشیتِ ایزدی (قانونِ خداوندی) کے تین گوشے ہیں :—

(۱) وہ گوشہ جہاں ہر شے کے لئے قوانین متعین ہوتے ہیں ۔ اس گوشے میں خدا کا امر کار فرما ہوتا ہے اور سب کچھ اس کے اپنے پروگرام کے مطابق طے پاتا ہے ۔ ہم اس گوشے کے متعلق کچھ نہیں سمجھ سکتے ۔

(۲) دوسرا گوشہ خارجی کائنات کا ہے جہاں ہر شے ان قوانین کے مطابق چلنے پر مجبور ہے جو اس کے لئے گوشۂ اول میں مقرر ہوتے ہیں ۔ ان قوانین میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا ۔ انسان ان قوانین کا علم حاصل کر سکتا ہے ۔

(۳) تیسرا گوشہ انسانی دنیا کا ہے ۔ اس کے ایک حصہ (انسان کی طبعی زندگی) میں تو وہی قوانین کار فرما ہیں جو خارجی کائنات میں جاری و ساری ہیں ۔ لیکن اس کی انسانی سطح پر جن قوانین کی ضرورت ہے انہیں وحی کے ذریعے عطا کیا گیا ہے ۔ یہ قوانین (مستقل اقدار) بھی غیر متبدل ہیں ۔ لیکن انسان کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو ان کے مطابق زندگی بسر کرے اور چاہے ان کے خلاف چلا جائے ۔ وہ جیسی روش اختیار کریگا اس کے مطابق نتائج مرتب ہوں گے ۔ جتنی صلاحیت پیدا کرے گا اتنی ہی خوبیاں اور بڑائیاں اسے حاصل ہو جائیں گی ۔ اسے خدا کا قانونِ مکافات کہتے ہیں جو غیر متبدل ہے ۔

یہ ہے مشیتِ خداوندی سے مفہوم ۔ واضح رہے کہ جس گوشے میں خدا نے انسان کو آزادی دے رکھی ہے ، وہ (خدا) اس میں کبھی مُخل نہیں

ہوتا ۔ اس میں انسان کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے ۔ اور اس سے کہہ دیا گیا ہے کہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (۴۱/۴۰) ۔ اس گوشے میں تم اپنی مرضی (مشیت) کے مطابق عمل کرو ۔ " جو تم چاہتے ہو کرو ۔ ہم مخل نہیں ہونگے " ۔ البتہ تمہارے اعمال کے نتائج قانونِ مشیتِ خداوندی کے مطابق مرتب ہوں گے ۔ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۴۱/۴۰) ۔

اس ضمن میں البتہ ایک آیت ایسی ہے جس کا صحیح مفہوم سامنے نہ ہونے سے انسان کے ذہن میں عجیب الجھاؤ پیدا ہوتا ہے ۔ سورۃ دھر میں ہے اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (۷۶/۲۹) " یہ قرآن کریم یقیناً ایک یاد دھانی ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف (کا) راستہ اختیار کر لے " ۔ یہاں تک بات بالکل صاف ہے ۔ یعنی خدا کیطرف سے وحی مل گئی ہے ۔ اس کے بعد انسان کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جی چاہے تو اس وحی کا تجویز کردہ راستہ اختیار کر لے اور جی چاہے تو اس کے خلاف عمل کرے ۔ لیکن اس کے آگے ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (۷۶/۳۰) ۔ اسکا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے ۔ " اور تم نہیں چاہتے مگر وہ جو اللہ چاہے " ۔ اس ترجمہ کی رو سے (ظاہر ہے کہ) نہ صرف یہ کہ یہ دونوں آیات ایک دوسرے کی نقیض بن جاتی ہیں بلکہ انسانی اختیار و ارادہ کی ساری عمارت نیچے آگرتی ہے ۔ یعنی ایک طرف تو قرآن کریم کہتا ہے کہ تم چاہو تو ایسا کر لو اور چاہو تو ویسا ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہدیتا ہے کہ تم اپنی مرضی سے کچھ چاہ نہیں سکتے ۔ تم وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جسے تم اپنا فیصلہ کہتے ہو وہ دراصل تمہارا فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ خدا جو فیصلہ چاہتا ہے تم سے کرا لیتا ہے ۔ لہذا انسان مجبور محض ہے ۔

سورۃ دھر کے علاوہ یہ آیت (قریب قریب انہی الفاظ کے ساتھ) سورۃ مدثر (۷۴/۵۵-۵۶) اور سورۃ تکویر (۸۱/۲۸-۲۹) میں بھی آئی ہے ۔

" مَا تَشَآءُوْنَ " نفی مضارع ہے جس کے عام معنی ہیں " تم نہیں چاہتے " ۔ لیکن عربی گرامر کی رو سے اس کے معنی نہی (مت کرو) کے بھی ہوتے ہیں ۔ یعنی " تم مت چاہو " ۔ گرامر کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں خبر کا انشاء کے معنوں میں استعمال ہونا ۔ مختصرالمعانی میں ہے ثُمَّ الْخَبَرُ قَدْ يَقَعُ مَوْقِعَ الْاِنْشَآءِ ۔ اِمَّا لِلتَّفَاؤُلِ اَوْ لِاِظْهَارِ الْحِرْصِ فِيْ وُقُوْعِهٖ كَتَمَامَسَرَّةٌ ۔ اَوْ لِلْاِحْتِرَازِ عَنْ صُوْرَةِ الْاَمْرِ

اَوْ لِحَمْلِ الْمُخَاطَبِ عَلَى الْمَطْلُوْبِ بِاَنْ يَكُوْنَ الْمُخَاطَبُ مِمَّنْ لَا يُحِبُّ اَنْ يُكَذِّبَ الطَّالِبَ (صفحہ ۲۳۲) یعنی کبھی کبھی خبر انشاء کی جگہ بھی مستعمل ہو جاتی ہے۔ ایسا بطور تفاول کے ہوتا ہے۔ یا متکلم چاہتا ہے کہ ایسا واقع ہو جائے۔ یا متکلم (صاف صاف) امر (حکم) کی صورت سے بچنا چاہتا ہے۔ یا پھر مخاطب کو اس بات کے لئے بر انگیختہ کرنے کے لئے ہوتا ہے کیونکہ مخاطب ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جو متکلم کو جھٹلانا نہیں چاہتے۔

زمخشری نے (اپنی تفسیر کشاف میں) اس نکتہ کی وضاحت کی ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا.... (۲/۸۳)۔ یہاں لَا تَعْبُدُوْنَ نفی مضارع ہے۔ لیکن اس کے معنی نہی کے ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ''جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ تم اللہ کے سوا اور کسی کی محکومی (عبدیت) اختیار مت کرنا۔ اور والدین اور رشتہ داروں یتامٰی اور مساکین کے ساتھ احسان کرنا''۔ اس کے بعد قُوْلُوْا امر کا صیغہ ہے۔ یعنی ''لوگوں کو اچھی بات کہو''۔ زمخشری نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ یہاں اخبار فی معنی النہی ہے۔ یعنی خبر، نہی کے معنوں میں ہے۔ جیسے کہتے ہیں ''تَذْهَبُ اِلٰى فُلَانٍ، تَقُوْلُ لَهٗ كَذَا۔ اس میں ''تَذْهَبُ''۔ ''تَقُوْلُ''۔ اگرچہ مضارع کے صیغے ہیں لیکن ان سے مراد امر ہے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ۔ ''وَهُوَ اَبْلَغُ مِنْ صَرِيْحِ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ۔ یعنی یہ انداز امر و نہی کے صیغوں کے ذریعہ صاف حکم دینے یا منع کرنے کے مقابلہ میں زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں اس انداز بیان کی اور مثالیں بھی ہیں مثلاً (اسی) سورۃ بقرہ میں ہے وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ (۲/۲۷۲)۔ اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ ''تم مت خرچ کرو بجز لوجہ اللہ'' یعنی مضارع نفی نے نہی کے معنی دیئے ہیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہم نے تمہیں اس کا اختیار دے رکھا ہے کہ تم جیسا جی چاہے کرو۔ لیکن تمہیں چاہیئے یہ کہ اپنے اختیار و ارادہ کو ہماری مشیت سے ہم آہنگ رکھو۔ تم وہی چاہو جو ہم چاہتے ہیں۔ ہم یہی چاہتے ہیں کہ تم ہمارے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرو۔ سورۃ زمر

میں ہے اِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ ۔ اگر تم (قوانین خداوندی) سے انکار کرو گے تو (اللہ کا کیا بگاڑ لو گے) اللہ تم سے بے نیاز ہے ۔ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ ۔ وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَہُ لَکُمْ (۳۹/۷) ۔ لیکن وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا ۔ وہ تمہارے لئے شکر ہی کو پسند کرتا ہے ۔

لہذا انسان کو چاہئیے کہ اپنے اختیار و ارادہ سے ، بطیب خاطر ، مشیت خداوندی (قوانین الہیہ) سے ہم آہنگی کی زندگی اختیار کرے ۔

ش ی ب

اَلشَّیْبُ ۔ بڑھاپا ۔ سفید بال یا بالوں کی سفیدی * ۔ سورۃ مریم میں ہے وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا (۱۹/۴) اور سر بالوں کی سفیدی کی وجہ سے (شعلے کی طرح) بھڑک رہا ہے ۔ یا سر میں سفید بال بکثرت نمودار ہو گئے ہیں ۔ سورۃ روم میں شَیْبَۃً (۳۰/۵۴) بڑھاپے کیلئے آیا ہے ۔ سورۃ مزمل میں ہے یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا (۷۳/۱۷) جس دن کی سختی بچوں کو بوڑھا کر دے گی ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مخلوط ہونا اور مل جانا ہیں ۔ شَیْبٌ کو شَیْبٌ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بالوں کی سفیدی ، سیاہی کے ساتھ مل جاتی ہے ۔

ش ی خ

اَلشَّیْخُ ۔ بوڑھا آدمی ۔ نیز اونٹ کو بھی کہتے ہیں ۔ استاذ ۔ عالم ۔ سردار قوم ۔ ماہر فن کو بھی بزرگی اور فضیلت کی وجہ سے شَیْخٌ کہدیتے ہیں ۔ اَلشَّیْخَۃُ ۔ بوڑھی عورت ۔ شَیْخُوْخَۃٌ ۔ بڑھاپا * ۔

قرآن کریم میں شَیْخٌ (۱۱/۷۲) نیز (۱۲/۴۰)۔ بوڑھے کے لئے آیا ہے ۔ اَلشَّیْخَۃُ کا لفظ قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا ۔ اور اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ بمعنی بیاھا (مرد) اور بیاھی (عورت) لغت عرب میں کہیں نظر نہیں آیا ۔

ش ی د

شَادَ الْبِنَاءَ ۔ یَشِیْدُہُ ۔ وَشَیَّدَہُ ۔ عمارت پر چونہ وغیرہ کا پلستر کرکے اسے مضبوط اور بلند کر دینا ۔ اَلشِّیْدُ ۔ اس چونہ وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے پلستر کیا جائے ۔ اَلْمَشِیْدُ ۔ جو عمارت چونہ وغیرہ سے بنائی

* تاج و محیط ۔

اور بلند کر دی جائے۔ محکم ۔ مضبوط* ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے قَصْرٍ مَشِيْدٍ (۲۲/۴۵) ۔ اَلْاِشَادَةُ ۔ آواز بلند کرنا* ۔ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (۴/۷۸) کے معنے ہیں اونچے اور محکم قلعے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کو بلند کرنے کے ہوتے ہیں ۔

ش ی ع

شَاعَ الْخَبَرُ فِی النَّاسِ ۔ لوگوں میں خبر پھیل گئی* ۔ قرآن کریم میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ (۲۴/۱۹) ۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ نا پسندیدہ باتیں پھیل جائیں ۔

هٰذَا شَيْعُ هٰذَا ۔ یہ اس کی مثل ہے* ۔ سورۃ سبا میں ہے كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ (۳۴/۵۴) ۔ جیسا انہی جیسے لوگوں کے ساتھ ان سے پہلے کیا گیا ۔ سورۃ قمر میں ہے وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا اَشْيَاعَكُمْ (۵۴/۵۱) ۔ ہم تمہارے جیسے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں ۔

اَلشِّيَاعُ ۔ چرواہے کی بانسری یا اس کی آواز (جس سے وہ منتشر جانوروں کو بلاتا ہے) ۔ بلانے والے ۔ داعی* ۔ نیز اس کے معنے متابعت کرنے ۔ یعنے بلانے والے کے پیچھے پیچھے چلنے کے بھی آتے ہیں ۔ شَيَّعَهٗ عَلٰى رَاْيِهٖ ۔ اس نے اس کی رائے کی پیروی کی ۔ اسے تقویت دی ۔ هٰذَا شَيْعُ هٰذَا ۔ یہ اس بچہ کی پیٹھ پر پیدا ہونے والا بچہ ہے ۔ یہ ایسے اوپر تلے کے ، دو بچوں کے لئے بولا جاتا ہے جنکے درمیان کوئی اور بچہ پیدا نہ ہوا ہو۔ اَلْمُشَايِعُ ۔ کسی کے ساتھ ساتھ (ملحق) رہنے والا ۔ شَيْعُ نِسَاءٍ اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ عورتوں میں گھسا رہے ۔ اَلشَّاعَةُ ۔ بیوی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ شوہر کے ساتھ ساتھ یا اس کے پیچھے رہتی ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی ہیں ۔

ان معانی سے شِيْعَةٌ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنے وہ لوگ جو کسی کے پیچھے چل کر ایک پارٹی بن جائیں ۔ اور اس طرح ایک دوسرے کی تقویت اور مدد کا موجب ہوں ۔ اگر یہ اتباع قانونِ خداوندی کی ہے جس میں تعاون بِرّ اور تقویٰ میں ہوتا ہے تو اس پارٹی کا نام جماعت مومنین ہے، جن کے ساتھ شامل ہونا باعث صد فخر و سعادت ہے ۔ چنانچہ قوم نوح کے مومنین کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ (۳۷/۸۳) ۔ یقیناً ابراہیمؑ ان ہی کے گروہ میں سے تھا ۔ لیکن اگر اس قسم کی گروہ بندی انسانوں

* تاج و محیط ۔

کے پیچھے چل کر بنائی جائے تو قرآن کریم اسے شرک قرار دیتا ہے ۔ چنانچہ اس نے امت مسلمہ سے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (۳/۱۰۳) ۔ تم سب کے سب اس کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہو اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ ۔ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا ۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (۳۰/۳۲) ۔ (دیکھنا ۔ تم مومن بن جانے کے بعد کہیں) مشرک نہ بن جانا ۔ یعنے ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر لئے اور گروہوں میں منقسم ہو گئے ۔ (اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) ہر فرقہ اس پر اکڑتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور باقی سب باطل پر ۔ لہذا قرآن کریم کی رو سے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کونسا فرقہ حق پر ہے اور کونسا باطل پر ، جبکہ اس کی رو سے خود فرقہ بندی ہی شرک ہے ۔ اسی بنا پر اس نے رسول سے کہدیا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (۶/۱۶۰) ۔ جو لوگ دین میں فرقے پیدا کرلیں اور گروہ گروہ بن جائیں ۔ اے رسول ۔ تیرا ان سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ۔ کہا جا سکتا ہے کہ آج جب کہ مسلمانوں میں اس قدر فرقے پیدا ہو چکے ہیں تو ان میں وحدت کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟ وہی صورت جسے قرآن کریم نے خود واضح کر دیا ہے ۔ یعنے اِعْتِصَام بِحَبْلِ اللہ ۔ خدا کی کتاب کو مرکز قرار دیکر نظام قائم کر لینا ۔ اس سے فرقے خود بخود ختم ہو جائینگے ۔ اگر شخصیتوں کو درمیان سے نکال دیا جائے اور ایک نظام کے ذریعہ اطاعت صرف کتاب اللہ کی کی جائے تو فرقوں کا وجود باقی نہیں رہتا ۔ (''نظام کے ذریعے قرآن کریم کی اطاعت'' کی شرط بڑی اہم ہے ۔ انفرادی طور پر ، اپنے اپنے خیال کے مطابق، خدا کی اطاعت سے فرقے پیدا ہوتے ہیں ۔ نظام کی رو سے اطاعت خداوندی سے وحدت امت برقرار رہتی ہے ۔) یہ بھی واضح رہے کہ فرقوں سے مراد صرف مذہبی فرقے ہی نہیں ، سیاسی پارٹیاں بھی ہیں ۔ مومنین تو ایک طرف ، قرآن کریم نے ہر قوم میں فرقہ بندی ، پارٹی بازی اور گروہ سازی کو خدا کا عذاب قرار دیا ہے (۶/۶۵) ۔ اس نے بتایا ہے کہ دنیا میں ''حکمت فرھوتی'' ہمیشہ یہی کرتی ہے ۔ یعنے پارٹیاں بناتی اور توڑتی رہتی ہے (۵۸/۲۲) ۔ (مزید تفصیل ف ۔ ر ۔ ق کے عنوان میں دیکھئے) ۔

قرآن کریم میں شِيَعٌ کا لفظ اقوام یا قبائل کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے (۱۵/۱۰) ۔

(جلد دوم ختم شد)

اس لغات میں

آپ نے مختلف مقامات پر یہ پڑھا ہوگا کہ " اس نکتہ کی وضاحت آپ کو پرویز صاحب کی فلاں کتاب میں ملیگی "۔ چونکہ قرآنی تعلیم سے متعلق یہ مباحث بڑے اہم ہیں اس لئے پرویز صاحب کی ان تصانیف کا مطالعہ بڑا ضروری ہے ۔ بالخصوص حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ ۔

انسان نے کیا سوچا؟ گذشتہ اڑھائی ہزار سال میں، دنیا کے مختلف مفکرین، مدبرین، مؤرخین اور سائنسدانوں نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے متعلق جو کچھ سوچا اور کہا ہے، اسے نہایت دلنشیں پیرایہ میں اسطرح بیان کیا گیا ہے کہ اس کی روشنی میں قرآنی حقائق کی عظمت خود بخود سامنے آجاتی ہے ۔ بڑی جلد کے ۴۳۹ صفحات ۔

سلیم کے نام خطوط ۔ ہمارے نوجوان، تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں، اسلام کے متعلق جسقدر شکوک اور سوالات پیدا ہوتے ہیں، ان کا نہایت اطمینان بخش جواب ۔ انداز بیان دلچسپ، سلیس اور نہایت شگفتہ ۔ کتاب تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے ۔

پرویز صاحب کی دیگر تصانیف کی فہرست ایک کارڈ لکھ کر طلب فرمائیں ۔

ملتے ــــــــــــــــــ کا پتہ

طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ۲۵/بی ۔ گلبرگ ۲ لاہور ۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ص

صَاحِبُ الْحُوْتِ

حضرت یونس ؑ کا لقب ہے۔ (۶۸/۴۸)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "یونس ؑ"۔

صالح علیہ السلام

امم سامیہ میں سے جن قبائل نے اندرونِ عرب میں حکومتیں قائم کیں ان میں سب سے مشہور قبیلہ (بلکہ قوم) ثمود کا تھا۔ ان کی ترقی کا زمانہ عادِ اولٰی کے بعد کا ہے (دیکھئے عنوان ہود ؑ)۔ یہ قوم عرب کے شمال مغربی حصہ پر حکمران تھی جسے وادیٔ قریٰ کہتے تھے۔ حجر ان کا دار الحکومت تھا جو اس قدیم شاہراہ پر واقع تھا جو حجاز سے شام کی طرف جاتا تھا۔ ان کا علاقہ بڑا پرفضا اور زرخیز تھا (۲۶/۱۴۶-۱۴۳)۔ یہ لوگ میدانوں میں رفیع و وسیع محلات تعمیر کرتے اور پہاڑوں کے گوشوں میں مستحکم قلعے بناتے تھے جو فن سنگ تراشی کے نمونے تھے (۷/۷۴)۔

اس قوم کی طرف، انہی کے بھائی بند، حضرت صالح ؑ مبعوث ہوئے (۷/۷۳)۔ انہوں نے ان تک وہی پیغام پہنچایا جو اس سے پہلے حضرت نوح ؑ اور حضرت ہود ؑ اپنی اپنی قوم تک پہنچا چکے تھے (دیکھئے عنوانات نوح اور ہود)۔ یعنی یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (۷/۷۳)۔ "اے میری قوم! تم اللہ کی محکومی اختیار کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں"۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (۷/۷۴)۔ "ملک میں سرکشی کرتے ہوئے فساد نہ پھیلاتے پھرو"۔ حسب معمول مترفین کے طبقہ (سرداران قوم) نے اس دعوت کی مخالفت کی (۷/۷۵)۔

اس زمانے میں مویشی اور چراگاہیں ، چشمے اور کھیت سب سے بڑی دولت ہوتے تھے ۔ ارباب اقتدار کی حالت یہ تھی کہ وہ چراگاہوں اور چشموں کو اپنے مویشیوں کے لئے مختص کرلیتے اور کمزور انسانوں کے جانور بھوکوں مر جاتے ۔ حضرت صالحؑ نے سرداران قوم سے کہا کہ رزق کے یہ سرچشمے تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہنے چاہئیں ۔ یہ بات ایسی معقول تھی کہ ان سے اس کا جواب نہیں بن پڑسکتا تھا ۔ چنانچہ انہوں نے اس کا اقرار کیا کہ ایسا ہی ہوگا ۔ حضرت صالحؑ نے کہا کہ اس کا عملی طریق یہ ہے کہ مختلف لوگوں کے جانوروں کی باریاں باندھ دی جائیں تاکہ کسی پر زیادتی نہ ہو ۔ وہ اس پر بھی راضی ہوگئے تو آپ نے کہا کہ یہ ایک اونٹنی ہے جس کے متعلق یوں سمجھو کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ۔ خدا کی زمین اور خدا کی اونٹنی ۔ اسے میں اس کی باری کے لئے چھوڑ دیتا ہوں ۔ تم نے اگر اسے آزاد چرنے اور اس کی باری پر پانی پینے دیا تو سمجھ لیا جائیگا کہ تم اپنے معاہدے میں سچے ہو ۔ اگر تم نے اسے ایذا پہنچائی تو یہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ تم اپنی روشِ کہن پر قائم ہو ۔ (۷/۷۳) ۔ انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا (۹۱/۱۴) ۔ اور خدا کے عذاب نے (جو کڑک اور زلزلہ کی شکل میں نمودار ہوا) انہیں تباہ کر دیا (۷/۷۸) ۔

(طبعی حوادث ، مثلاً طوفانِ آب ۔ آندھی ۔ زلزلہ وغیرہ) ''خدا کا عذاب'' کس طرح بنتے ہیں ، اس کے لئے میری کتاب ''جوئے نور'' میں باب حضرت نوحؑ ملاحظہ کیجئے) ۔

ص ب أ

صَبَأَ ۔ یَصْبَأُ ۔ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونا ۔ اس کے بنیادی معنی نکلنے اور ظاہر ہونے کے ہوتے ہیں ۔ صَبَأَ نَابُ الْبَعِیْرِ ۔ اونٹ کی کچلی نکل آئی (ابن فارس) ۔ نیز کسی کے خلاف بغاوت کرنے اور دشمنی کرنے کے لئے صَبَأَ عَلَیْہِ کہتے ہیں* ۔ صَبَأَ النَّجْمُ ۔ ستارہ نکل آیا* ۔

اَلصَّابِئُوْنَ ۔ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونے والے* ۔ صاحب محیط کے نزدیک یہ نصاریٰ کا ایک فرقہ تھا جو ستاروں کی اس طرح تعظیم کرتا تھا جس طرح مسلمان کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں ۔ بعض کا

*تاج ۔

خیال ہے کہ یہ ستارہ پرست یعنی مشرک قوم تھی* ۔ صاحب المنار کا بھی یہی خیال ہے ، اگرچہ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ایک مستقل ملت ہیں جو مشہور انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے عقائد بڑے مبہم سے ہیں** ۔ قرآن کریم میں صَابِئِیْنَ کا ذکر (۲/۶۲) میں آیا ہے ۔ راغب نے یہ بھی لکھا ہے کہ الصابِئُوْنَ ، حضرت نوح ؑ کے دین کی پیروی کرنے والی قوم تھی ۔

ہیسٹنگز کے انسائیکلو پیڈیا اوف ریلیجنز اینڈ ایتھکس کے مقالہ نگار کا خیال ہے کہ یہ در حقیقت الکیسائی (Elkesaites) فرقہ کا دوسرا نام ہے ۔ یہ یہودیوں سے نکلا ہؤا ایک فرقہ تھا جسے پہلی صدی عیسوی کے قریب فروغ حاصل ہؤا ۔ گناہوں کو دھونے کے لئے پانی میں بپتسمہ لینا یا غسل کرنا ان کا امتیازی نشان تھا ۔ اس جہت سے عرب انہیں ''مغتسلہ'' کہتے تھے۔ یہودیوں کے ایسینی فرقہ نے اس جدید مذہب کو زیادہ قبول کیا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ (Sampsenes) یا (Sampsites) فرقہ جو چوتھی صدی عیسوی میں بحر میت کے قرب و جوار میں پایا جاتا تھا ، الکیسائی ہی تھا ۔ یہ لوگ خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے اور ہاتھ منہ دھوکر یا غسل کرکے اس کی پرستش کرتے تھے ۔ اس لفظ کے لغوی معنی ، ''سورج کی مانند'' ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ الکیسائی عام نجوم جانتا تھا اس لئے اس کے فرقہ کو ستاروں سے خاص دلچسپی تھی ۔ ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے وقت ، عرب اس فرقہ سے اچھی طرح واقف تھے اور انہیں ''صابئین'' کے نام سے پکارتے تھے۔ شاید اس لئے کہ یہ مشہور تھا کہ الکیسائی نے اپنی الہامی کتاب کو اپنے جس جانشین کے سپرد کیا تھا اس کا نام (Sobiai) تھا ۔ ممکن ہے اسی سے انہیں (Sabians) کہا جاتا ہو ۔ یا ان کے ،پانی میں بپتسمہ لینے کی وجہ سے ۔ ارامی زبان میں اس سے یہی مفہوم تھا ۔

ص ب ب

صَبَّ الْمَاءَ ۔ اسنے اوپر سے پانی گرا دیا ۔ فَصَبَّ ۔ چنانچہ پانی گر گیا (لازم ومتعدی) ۔ اَلصُّبَابَۃُ تھوڑی سی پینے کی چیز جو برتن میں باقی رہ جائے ۔ اَلصَّبَبُ ۔ نہر یا راستہ کا ڈھلوان اور نیچے کی طرف جانے والا حصہ ۔ ڈھلوان زمین ۔ اَصَبُّوْا ۔ لوگ ڈھلوان اور نشیبی زمین پر چلے ۔ صُبَّ الرَّجُلُ ۔ آدمی مٹا دیا گیا*** ۔

*محیط ۔ **تفسیر المنار ۔ *** تاج و راغب ۔

سورۃ عبس میں ہے اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا (۸۰/۲۵) ہم نے اوپر سے پانی برسایا ۔ سورۃ فجر میں ہے فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹/۱۳) ۔ تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا ۔ سورۃ حج میں ہے ۔ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ (۲۲/۱۹) ۔ انکے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی گرایا جائیگا ۔ انکے اکڑے ہوئے سروں کو جھکا کر انکی قوتوں کو پراگندہ کر دیا جائیگا ۔

ص ب ح

اَلصُّبْحُ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی رنگوں میں سے ایک رنگ کے ہیں ۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ دراصل یہ سرخ رنگ کو کہتے ہیں اور صبح کو صُبْحٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ سرخ ہوتی ہے ۔ اور مِصْبَاحٌ (چراغ کو) اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی سرخ ہوتا ہے ۔ اَلصُّبْحُ ۔ فجر یا دن کا ابتدائی حصہ * ۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ اس وقت کو کہتے ہیں جب افق طلوع آفتاب کی وجہ سے سرخ ہو ۔ صَبَاحٌ ۔ اِصْبَاحٌ کے بھی یہی معنی ہیں * ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ صَبَاحٌ دن کی روشنی کو کہتے ہیں ۔ قرآن کریم میں یہ تینوں الفاظ آئے ہیں (۸۱/۱۸ ؛ ۳۷/۱۷۷ ؛ ۶/۹۷) ۔ مُصْبِحٌ ۔ وہ جو صبح کے وقت میں داخل ہو * ۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ (۱۵/۸۳) ۔ صبح ہوتے ہی انہیں سخت آواز نے آلیا ۔ اَلْمِصْبَاحُ ۔ چراغ ، نیز بتی کی لو * ۔ (۲۴/۳۵) ۔ جمع مَصَابِيحُ ۔ ستارے (۶۷/۵) ۔ صَبَّحَ ۔ کسی کے پاس صبح کے وقت پہنچنا * (۵۴/۳۸) ۔ اَصْبَحَ ۔ ہو گیا (یعنے کَانَ اور صَارَ کے معنوں میں) ۔ اَصْبَحَ فُلَانٌ عَالِمًا ۔ فلاں آدمی عالم ہو گیا * ۔ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۵/۳۰) وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا ۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا (۳/۱۰۲) ۔ تم خدا کی نعمت (قرآن کریم) کے ذریعے بھائی بھائی بن گئے ۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ، اَصْبَحَ کے عام معنی تو "ہو گیا" ہی ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صبح کی نسبت سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آغاز کار ہی سے ایسا ہو گیا ۔ وہ شروع ہی میں ایسا ہو گیا ۔

ص ب ر

صَبْرٌ کے معنے ہیں کسی شخص کا کسی مطلوبہ شے کے حصول کے لئے برابر مصروف کار رہنا * ۔ لہذا اسکے بنیادی معنوں میں استقامت ، ثابت قدمی ،

* تاج ۔

اور مسلسل کوشش داخل ہیں ۔ اسی بنا پر وہ بادل جو چوبیس گھنٹے ایک ہی جگہ کھڑا رہے اور ادھر اُدھر نہ ہو اَلصَّبِیْرُ کہلاتا ہے ۔ اور پہاڑ کو بھی الصَّبِیْرُ کہتے ہیں* ۔ اَلاَصْبِرَۃُ ۔ ان اونٹوں یا بکریوں کو کہتے ہیں جو صبح شام باقاعدہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آجائیں اور ان سے دور نہ رہیں*** ۔ اَلصَّبَارَۃُ ۔ (ص کی تینوں حرکات کے ساتھ) لوہے یا پتھر کے ٹکڑے کو کہتے ہیں (جو ایک مقام پر جم کر پڑا رہتا ہے) ۔ اَلصَّابُوْرَۃُ ۔ اس مٹی وغیرہ کو کہتے ہیں جو اس لئے کشتی میں رکھدی جاتی ہے کہ اس سے کشتی جھکولے نہ کھائے** ۔ جس سے اس کا توازن قائم رہے ۔ ان الفاظ سے صَبْرٌ کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ہے ۔ چونکہ اس قسم کی سعی و کاوش کا نتیجہ بہت عمدہ نکلتا ہے اسلئے اَلصُّبْرَۃُ ۔ غلہ کے ڈھیر کو کہتے ہیں* جس کی ناپ اور تول نہ کی گئی ہو* ۔ غور کیجئے کہ یہ کسقدر مسلسل محنت اور استقامت کا نتیجہ ہوتا ہے ۔

جم کر ایک جگہ قائم رہنے کی جہت سے یہ لفظ کسی کو روکنے کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا ۔ اسلئے صَبْرٌ کے معنے قید کرنے کے بھی ہیں (ابن فارس) ۔ یا کسی کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنانا ۔ یَمِیْنُ الصَّبْرِ ۔ اس قَسَمٌ کو کہتے ہیں جو کسی کو زبردستی (مجبور کرکے) کھلائی جائے* ۔

سورۃ بقرہ میں ہے فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَی النَّارِ (۲/۱۷۵) ۔ اس کے ایک معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ ان میں آگ کے مقابلہ کی تاب کسقدر ہے ۔ اور یہ بھی کہ وہ کونسی چیز ہے جس نے انہیں آگ کے عذاب کو جم کر برداشت کرنے پر آمادہ کر دیا ۔ ظاہر ہے کہ ان معانی میں جرأت کا مفہوم آجاتا ہے ۔

قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ (۲/۶۱) ۔ ہم ایک ہی کھانے پر ہمیشہ کیلئے نہیں رہ سکتے ۔ اسی سورۃ (بقرۃ) میں ہے رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا (۲/۲۵۰) ۔ یہاں "ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا" نے صبر کے معنوں کی وضاحت کر دی ہے ۔ یعنے ثابت قدم رہنا ۔ سورۃ آل عمران میں صَابِرِیْنَ کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے فَمَا وَھَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَکَانُوْا (۳/۱۴۵) ۔ انہیں

*تاج ۔ **محیط ۔ ***لین و تاج ۔

خدا کی راہ میں جسقدر بھی مشکلات کا سامنا ہوا ان سے وہ نہ تو سست گام ہوئے ، نہ ان میں کمزوری آئی ، اور نہ ہی وہ مغلوب ہوئے ۔ اگلی آیت میں اسی کو پھر '' ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا '' سے تعبیر کیا گیا ہے (۳/۱۴۶) ۔ سورۃ الفرقان میں ہے کہ کفار کہتے تھے کہ یہ (رسول ؐ) ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دیتا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا (۲۵/۴۲) ۔ اگر ایسا نہ ہوتا کہ ہم مستقل مزاجی سے ان کی پرستش پر قائم رہتے ۔ یہی معنے سورۃ ص میں وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ (۳۸/۶) کے ہیں ۔ (۱۲/۳۶) میں صَبَرْنَا بمقابلہ جَزِعْنَا آیا ہے ۔ جَزْعٌ کے معنے ہیں رسی کو درمیان سے کاٹ دینا ۔ لہذا صَبْرٌ معنے کسی کام کو مسلسل کئے جانا ہونگے ۔ سورۃ کہف و حجرات میں صبر کا لفظ ان معنوں میں بھی آیا ہے جسکے لئے ہم کہتے ہیں کہ بے صبرے کیوں ہوئے ہو؟ (Dont Be Impatient) ۔ ذرا ٹھہرو ۔ یونہی بے چین مت ہو ۔ (۱۸/۶۸ ؛ ۳۹/۵) ۔ سورۃ انفال میں ہے کہ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (۸/۶۵) اگر تم میں سے بیس مجاہد بھی ایسے ہوں جو جم کر مقابلہ کریں تو فریق مخالف کے دو سو پر غالب آ جائیگے ۔ انہی کو اَلصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ (۲/۱۷۷) کہا گیا ہے ۔ سورۃ مریم میں ہے وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ (۱۹/۶۵) خدا کی عبادت نہایت استقامت اور ثابت قدمی سے اختیار کرو ۔

یہ ہے وہ صَبْرٌ جسکے متعلق کہا گیا ہے کہ اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (۲/۱۵۳) ۔ اپنی قوتوں کی پوری نشو و نما اور اعتدال و تناسب کے لئے صبر اور صلوۃ کی راہ اختیار کرو ۔ اور اسکے بعد ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔ اللہ کی نصرت ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اپنے نصب العین کے حصول کے لئے استقامت اور ثابت قدمی سے کام لیتے ہیں اور ہر مشکل کا مقابلہ جم کر کرتے ہیں ، اور مسلسل ایسا کرتے رہتے ہیں ۔ یہی ہیں وہ صابر جن کے متعلق کہا کہ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (۲/۱۵۷) ۔

یہ ہے صَبْرٌ کا قرآنی مفہوم ۔ اسکے برعکس صبر کے جو معنے ہمارے ہاں مروج ہیں وہ بالکل اس کی ضد ہیں ۔ ہمارے ہاں صبر کے معنے یہ ہیں کہ انسان بے کس اور بے بس ، مجبور بن کر بیٹھا رہے اور زبردست اور ظالم کے ظلم و زیادتی کو آنسو بہا بہا کر خاموشی سے جھیلتا چلا جائے ۔ چنانچہ ہم اپنی انتہائی بیچارگی میں کہتے ہیں کہ ۔ '' اچھا ۔ جو تمہارے جی میں آئے کر لو ۔ میں صبر کے سوا کیا کر سکتا ہوں '' ۔ اور اسی صبر کی تلقین یہ کہکر کی جاتی ہے کہ '' میاں ! صبر کرو ۔ صبر کے سوا چارہ ہی کیا ہے '' ۔

یعنے صبر انتہائی بیچارگی کا نام ہے ۔ غور کیجئے کہ نگاہوں کا زاویہ بدل جانے سے الفاظ کا مفہوم کیا سے کیا ہو جاتا ہے ؟ قرآنی صبر کا مفہوم تھا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ۔ اور ہمارے صبر کا مفہوم ہے انتہائی بے چارگی میں سپر ڈالدینا ۔

مختصراً یہ کہ صَبْرٌ کے معنے ہیں اپنے پروگرام پر استقامت اور استقلال سے کار بند رہنا اور اسکے راستہ میں جو مشکلات آئیں ان کا ہمت اور استقلال سے اسطرح مقابلہ کرنا کہ پاؤں میں ذرا لغزش نہ آنے پائے ۔ قرآن کریم میں مومنین سے کہا گیا ہے کہ اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا (۳/۱۹۹) ۔ اِصْبِرُوْا کے معنے ہیں ہمت اور استقلال سے اپنے موقف پرقائم رہنا ، اور صَابِرُوْا کے معنے ہیں اس استقلال اور استقامت میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرنا ۔ یا دوسروں کے مقابلہ میں استقامت دکھانا یا ایک دوسرے کی استقامت کا موجب بننا ۔

دنیا میں کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی ، نہ آگے بڑھ سکتی ہے ، جبتک وہ (قرآنی مفہوم میں) اَلصَّابِرُ نہ ہو ۔ اور جو قوم ہمارے مفہوم میں ''صابر و شاکر'' ہو اسے کبھی زندگی نصیب نہیں ہو سکتی ۔

ص ب ع

اِصْبَعٌ کے معنے ہیں انگلی ۔ نیز انگلی کے بالائی پور کو بھی کہتے ہیں ۔ اس کی جمع اَصَابِعُ آتی ہے * ۔ (جیسے قرآن کریم میں ہے ۲/۱۹) ۔ صَبَعَ فُلَانًا عَلٰی فُلَانٍ کے معنے ہیں اس نے انگلی کے اشارے سے اس کی راہنمائی اُس دوسرے شخص کی طرف کر دی* ۔

ص ب غ

اَلصَّبْغُ کے بنیادی معنی تغیر و تبدل ، یعنے تبدیلی پیدا کر دینے ، کے ہیں ۔ اسی سے اَلصَّبْغُ اور اَلصِّبَاغُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کپڑا وغیرہ رنگا جائے ۔ صَبَغَ الثَّوْبَ کے معنے ہیں کپڑا رنگنا ۔ اَلصَّبَّاغُ ۔ رنگریز کو کہتے ہیں ۔ (نیز کذّاب کو جو باتوں میں رنگ آمیزی کرے) ۔ اَلصِّبْغَةُ ۔ رنگنے کے طریقے کو کہتے ہیں ۔ نیز دین و ملت کو بھی** ۔

چونکہ رنگنے کے لئے کپڑے کو پانی میں ڈبویا جاتا ہے ، اس لئے صَبَغَ یَدَہٗ بِالْمَاءِ کے معنے ہیں اس نے اپنا ہاتھ پانی میں ڈبولیا ۔ صَبَغَ فُلَانًا فِی النَّعِیْمِ ۔ فلاں شخص کو نعمتوں میں ڈبو دیا ۔ اسی نہج سے سالن کو

*تاج و محیط ۔ **تاج

صِبْغٌ* کہتے ہیں ، کیونکہ اس میں روٹی ڈبو کر کھائی جاتی ہے* ۔ (۲۳/۲۰) ۔ عیسائی اپنے بچوں کو بپتسمہ دینے کے لئے پانی میں غوطہ دیتے ہیں (یا رنگ چھڑکتے ہیں تو) اسے صِبْغَۃٌ یا اصْطِبَاغٌ* کہا جاتا ہے* ۔

قرآن کریم میں ہے صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً (۲/۱۳۸) ۔ اللہ کا رنگ ۔ اس رنگ سے زیادہ حسن و زیبائی پیدا کرنے والا رنگ اور کون سا ہو سکتا ہے! سوال یہ ہے کہ صِبْغَۃَ اللّٰہِ سے مراد کیا ہے؟ اس کا جواب آیت کے باقی حصے نے خود ہی دے دیا ۔ وَ نَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ (۲/۱۳۸) یعنے قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت اختیار کر لینا ۔ ایسی اطاعت جس طرح رنگ کپڑے کے رگ و ریشے میں سرایت کر جاتا ہے اور اس میں یکسر تبدیلی پیدا کر دیتا ہے ۔ لہذا قوانین خداوندی کی ہم آہنگی سے انسان کے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے جو اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے اور وہ ایک بالکل ''دوسرا'' انسان بن جاتا ہے ۔ یعنے اس کی مضمر صلاحیتیں نشو و نما پا لیتی ہیں اور اس میں صفاتِ خداوندی کا رنگ منعکس ہوتا چلا جاتا ہے ۔ اور جس طرح اللہ کی ذات میں مختلف اور متضاد قسم کی صفات (مثلاً غفور و رحیم اور جبار و قہار) اس طرح متوازن طور پر جمع ہیں کہ ان میں کبھی ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا ۔ (انہی کو الاسماء الحسنی کہتے ہیں ۔ یعنے مختلف صفات کا حسن کارانہ انداز سے یکجا ہونا) ۔ اسی طرح اس انسان کے اندر بھی متضاد صفات پورے توازن کے ساتھ یک جا رہتی ہیں اور ان میں کبھی کشمکش نہیں ہوتی ۔ لیکن یہ چیز صرف معاشرہ کے اندر ممکن ہے ۔ اس لئے صِبْغَۃَ اللّٰہِ سے مراد کوئی ایسی ''روحانیت'' نہیں جسے خانقاہوں میں چلہ کشی سے حاصل کیا جائے یا اس میں کسی باطنی طریق سے ترقی کی جائے ۔ یہ نام ہے قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا جو قرآنی معاشرہ کے اندر ممکن ہے ۔ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ اور نَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ (۲/۱۳۸) کے یہی معنے ہیں اور انہی کے نتیجہ کا نام صِبْغَۃُ اللّٰہِ ہے ۔ ابن قتیبہ نے اس کے معنی دِیْنُ اللّٰہِ کئے ہیں** ۔

ص ب و

اَلصَّبْوَۃُ ۔ ابتدائے شباب کی نادانی ۔ عشقبازی ۔ صَبَتِ النَّخْلَۃُ ۔ کھجور کا سادہ درخت ، دور کے نر کھجور کے درخت کی طرف جھکا ۔ اَصْبَتْہُ الْمَرْاَۃُ ۔ عورت نے اس مرد کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور اپنی طرف مائل کیا ۔

*تاج ۔ **القرطبی ۔ ج/۱ صفحہ ۶۳ ۔

اَلصَّبِیُّ۔ وہ بچہ جس کا دودھ نہ چھڑایا گیا ہو۔ یا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو صَبَا فُلَانٌ یَصْبُوْ ۔ فلاں آدمی کسی چیز کی طرف مائل ہو کر بچوں کے سے کام کرنے لگ گیا* ۔ سورۃ یوسف میں ہے اَصْبُ اِلَیْھِنَّ (۱۲/۳۳) ۔میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور لڑکوں کی سی نا سمجھی کی باتیں کرنے لگ جاؤں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) مائل کرنا ۔ جھکانا۔ جھکنا۔ اور (۲) کم عمری۔ مطلب اس سے ہوگا عقل و فکر کی رو سے نہیں بلکہ محض جذبات کے تابع، بچوں کی طرح، کسی چیز کی طرف مائل ہوجانا ۔

ص ح ب

صَحِبَ کے معنی ہیں ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ لگ جانا ۔ اَصْحَبْتُہُ الشَّیْءَ ۔ میں نے اسے اس چیز کے ساتھ لگا دیا ۔ صَحِبَہٗ ۔وہ اس کے ساتھ رہا ۔ لیکن اس میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب کم مرتبہ آدمی کسی بڑے مرتبہ والے کے ساتھ رہے تو اس وقت ''اِنَّہٗ صَاحَبَ الْاَعْلٰی'' بولتے ہیں ۔ اس کے برعکس بڑا آدمی چھوٹے کا مُصَاحِب* نہیں کہلائیگا ، حالانکہ یہ دونوں ایک دوسرے کےساتھ رہتے ہیں۔ اَلصُّحْبَۃُ والْمُصَاحَبَۃُ کےمعنے ہیں ساتھ رہنا ۔ اس میں یہ تخصیص ہے کہ یہ ساتھ رہنا لمبے عرصہ کے لئے ہونا چاہئے ۔ اگر لمبا عرصہ نہیں تو اسے اِجْتِمَاع* کہینگے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ساتھ رہنے یا قریب رہنے کے ہوتے ہیں ۔

اَصْحَبَ الرَّجُلَ وَلَہٗ کے معنے ہیں وہ اس آدمی کا مطیع و فرمانبردار ہوگیا ۔ اَلْمُصَاحِبُ ۔ ہمیشہ ساتھ رہنے والا ۔ مطیع و فرمانبردار ساتھی* ۔ اَصْحَبَ فُلَانًا کے معنے ہیں ، اس کی حفاظت کی ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَلَا ھُمْ مِنَّا یُصْحَبُوْنَ (۲۱/۴۳) ۔ ہمارے عذاب سے ان کی کوئی حفاظت نہیں کر سکے گا ۔ اَلصَّاحِبُ (جمع اَصْحَاب*) ۔کسی کے ساتھ مسلسل رہنے والا، چیز کا مالک ۔ وہ شخص جو اس میں تصرف کا مالک ہو** ۔ ساتھ رہنے (معاشرت) کے اعتبار سے بیوی کو صَاحِبَۃ* (۶/۱۰۲) کہا گیا ہے ۔

قرآن کریم میں اَصْحَابُ النَّارِ اور اَصْحَابُ الْجَنَّۃِ آیا ہے ۔ اَصْحَاب* کا لفظ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جنت اور دوزخ مادی مقامات کا نام نہیں جن میں رہنا ہوگا ۔ یہ کیفیات کا نام ہے جو انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں ، اور لگی رہیں گی ۔ یہی صَحِبَ کے بنیادی معنی ہیں ۔

*تاج و راغب ۔ **تاج و محیط و راغب

انہیں کو اَصْحَابُ الْمَیْمَنَۃِ (۵۶/۸) اور اَصْحَابُ الْمَشْاَمَۃِ (۵۶/۹) کہا گیا ہے ۔ یعنے یمن و سعادت کے مالک اور شامت زدہ لوگ ۔ سورۃ ذَارِیٰت میں اَصْحَابِہِمْ (۵۱/۵۹) سے مراد ہیں انہی جیسے لوگ ۔راغب نے کہا ہے کہ صَاحِبٌ ہراُس ساتھ رہنے والے کو کہدیا جاتا ہے جو مستقلاً کسی انسان یا حیوان بامکان یا زمان کے ساتھ رہے ۔ خواہ یہ ساتھ رہنا جسمانی طور پر ہو یا فکری طورپر ۔ صَاحِبُ الْحُوْتِ (۶۸/۴۸) ۔ ''مچھلی والا'' ۔یعنی جسکے ساتھ مچھلی کا واقعہ گزرا تھا ۔ یعنے ذَاالنُّوْنِ (۲۱/۸۷) ۔

قرآن کریم میں اَصْحَابُ الْفِیْلِ ۔ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ ۔ اَصْحَابُ الْاَیْکَۃِ ۔ اَصْحَابُ الْحِجْرِ ۔ مختلف پارٹیوں اور قوموں کے لئے آیا ہے جن کی تفصیل قرآن کریم کے متعلقہ مقامات میں ملے گی ۔ علاوہ ازیں اَصْحَابُ الْکَہْفِ وَ الرَّقِیْمِ کا قصہ سورۃ کہف میں آیا ہے ۔ (ان سب کے تشریحی مفہوم کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے) ۔

سورۃ توبہ میں اُس واقعہ کا ذکر ہے جب نبی اکرمؐ (ہجرت کے وقت) ایک غار میں تھے اور آپ کے ہمراہ ایک ''ساتھی'' تھا ۔ اس ''ساتھی'' کے متعلق کہا گیا ہے اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (۹/۴۰) ۔ ''جب (رسول اللہؐ نے) اپنے ساتھی سے کہا کہ مت گھبراؤ ۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے'' ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ساتھی حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے ۔ اسی بنا پر حضورؐ کے باقی ساتھیوں کو بھی صحابہؓ کہا جاتا ہے ۔

ص ح ف

اَلصَّحِیْفُ ۔ روئے زمین ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی کشادگی اور وسعت بتائے ہیں ۔ اَلصِّحَافُ ۔ چھوٹے چھوٹے حوض جو پانی جمع کرنے کے لئے بنائے جائیں ۔ اَلصَّحْفَۃُ بڑا پیالہ ۔ پھیلا ہوا چوڑا پیالہ جس سے پانچ آدمی سیر ہو کر دودھ یا پانی پی سکیں * ۔ اَلصَّحِیْفَۃُ ۔ (جمع اَلصَّحَائِفُ وَالصُّحُفُ) ۔ لکھا ہوا کاغذ ۔ یہ لفظ عرف عام میں چہرہ اور کتاب کے ورق کے لئے بھی بولا جاتا ہے ** ۔ یہ دراصل ہر پھیلی ہوئی چیز کو کہتے ہیں *** ۔ اَلْمُصْحَفُ (میم کی تینوں حرکات کے ساتھ **) ۔ متعدد صحیفوں (لکھے ہوئے اوراق) کا مجموعہ *** ۔ اَلتَّصْحِیْفُ ۔ قرآن کریم کو اشتباہ حروف کی وجہ سے اسطرح پڑھنا یا روایت کرنا جسطرح وہ قرآن کریم میں نہیں *** ۔ قرآن کریم میں صِحَافٌ (واحد صَحْفَۃٌ)

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

بڑے بڑے طباق یا پیالوں کے لئے آیا ہے ۔ (۴۳/۷۱) ۔ رسول اللہ ؐ کے متعلق ہے یَتْلُوْا صُحُفاً مُّطَهَّرَةً (۹۸/۲) ۔ جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے ۔ ان لکھی ہوئی آیات قرآنی کی تلاوت کرتا ہے جو ہر قسم کے اسقام و نقائص سے پاک اور ذہن انسانی کی آمیزش سے منزہ ہیں ۔ غور کیجئے ۔ قرآنی آیات کو صحف کہکر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ یہ شروع ہی سے لکھی جاتی تھیں ۔ اسکی تفسیر (۸۰/۱۳-۱۶) میں کر دی ، جہاں فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ کہکر بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ کِرَامٍ بَرَرَةٍ سے اسکی تشریح کر دی کہ وہ ، واجب العزت والتکریم کاتبوں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ؐ پورے قرآن کریم کو لکھا کر اُمت کو دیکر گئے تھے ۔ یہ صحیح نہیں کہ اسے بعد میں صحابہ رض نے جمع کیا تھا ۔ قرآن کریم کے علاوہ حضرت موسےٰ ؑ اور حضرت ابراھیم ؑ کی کتابوں کو صُحُفِ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی ۔ (۸۷/۱۹) کہا گیا ہے ۔ اور عام لکھی ہوئی چیزوں کے لئے یہ لفظ (۸۱/۱۰) اور (۷۴/۵۲) میں آیا ہے ۔

ص خ خ

اَلصَّخُّ ۔ لوہے کو لوہے پر یا کسی اور سخت چیز کو سخت چیز پر زور سے مارنا ۔ (جیسے کارخانوں میں ہوتا ہے) ۔ نیز اس طرح دو سخت چیزوں کے لگنے سے پیدا ہونے والی آواز اسی سے اَلصَّاخَّةُ سخت اور کرخت آواز کو کہتے ہیں جو کانوں کو بہرہ کر دے ۔ سخت مصیبت کو بھی کہتے ہیں ۔ چنانچہ صَخَّنِیْ فُلَانٌ بِعَظِیْمَةٍ کے معنے ہیں اس نے مجھ پر بہت بڑا اتہام لگایا * ۔

قرآن کریم میں انقلاب عظیم کیلئے آیا ہے فَاِذَا جَآءَتِ الصَّاخَّةُ (۸۰/۳۳) ۔ مبہوت کر دینے والی مصیبت ۔ اور اگر اس میں جنگ کی طرف بھی اشارہ ہے تو پھر ہتھیاروں کی جھنکار کا پہلو بھی اس میں مضمر ہے (اور ہماری Machine Age ۔ مشینی دور ، تو ہے ہی صَاخَّةٌ) ۔

ص خ ر

اَلصَّخْرَةُ ۔ (جمع صَخْرٌ) بڑا سخت پتھر یا چٹان کا ٹکڑا ۔ اَلصَّاخِرُ ۔ لوہے پر لوہا مارنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے ** ۔ (یہ صَاخَّةٌ کے ہم معنی ہے ۔ دیکھئے عنوان ص ۔ خ ۔ خ)

---

* تاج ۔ نیز ابن فارس ۔ ** تاج و محیط و راغب ۔

سورۃ کہف میں ہے اِذْ اَوَیْنَا اِلَی الصَّخْرَۃِ (۱۸/۶۳) ۔ جب ہم نے بڑے پتھر (یا چٹان) کے ٹکڑے کی پناہ لی تھی۔

سورۃ فجر میں قوم ثمود کے متعلق ہے جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (۸۹/۱۰) انہوں نے وادی میں بڑی بڑی چٹانیں تراش کر (مکان بنائے) ۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے لکھا ہے کہ صَخْرَۃٌ ہر پتھر کو نہیں کہتے، صرف بڑی چٹان کو کہتے ہیں ۔ ابن فارس نے بھی یہی کہا ہے ۔

ص د د

صَدَّ عَنْہُ ۔ یَصُدُّ ۔ صُدُوْداً ۔ کسی سے رو گردانی کرنا ۔ اعراض برتنا * ۔ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا (۴/۶۱) ۔ تو منافقین کو دیکھے گا کہ وہ تجھ سے پورا پورا اعراض کرتے ہیں ۔ منہ پھیر لیتے ہیں ۔ صَدَّہٗ عَنْہُ ۔ یَصُدُّہٗ ۔ صَدًّا ۔ اسے کسی چیز سے باز رکھا، ہٹایا، پھیر دیا، روک دیا * ۔ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (۲/۲۱۷) ۔ اللہ کی راہ سے روکنا ۔

صَدَّ ۔ یَصِدُّ صَدِیْدًا ۔ اس نے شور و غوغا کیا ۔ چیخ پکار کی * ۔ اِذَا قَوْمُکَ مِنْہُ یَصِدُّوْنَ (۴۳/۵۷) تیری قوم اس پر چلا اٹھتی ہے ۔

صَدِیْدٌ ۔ کھولتا ہوا گرم پانی ۔ زخم سے رسنے والا خون آلود پانی ۔ جہنمیوں کی کھالوں سے ٹپکنے والا پانی ۔ نیز پیپ کو بھی کہتے ہیں * ۔ جہنم کے پانی کو مَاءٍ صَدِیْدٍ (۱۴/۱۶) کہا گیا ہے ۔ کھیتیوں کی نشو و نما ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے ہوتی ہے ۔ کھولتا ہوا گرم پانی پودوں کو جلا دیتا ہے اور ان کی نشو و نما ختم ہو جاتی ہے ۔ اسلئے جہنم کی زندگی میں انسانوں کو جو کچھ ملتا ہے اس سے ان کی جسمانی زندگی تو قائم رہتی ہے لیکن کشت انسانیت یکسر جھلس کر رہ جاتی ہے ۔ اسی کو دوسری جگہ مَاءً حَمِیْمًا (۴۷/۱۵) کہا گیا ہے ۔ انسانیت کی نشو و نما رک جانے کا نام جہنم ہے (دیکھئے عنوان ج ۔ ح ۔ م)

ص د ر

اَلصَّدْرُ ۔ سینے کو کہتے ہیں (جمع صُدُوْرٌ ہے) ۔ پھر ہر چیز کے اعلیٰ، مقدم اور اگلے حصہ کو کہنے لگ گئے ۔ صَدْرُ الْقَوْمِ ۔ قوم کا رئیس ** ۔

* تاج و محیط ۔ **تاج

صَدَرَ - یَصْدُرُ - لوٹنا - واپس ہونا - یہ درحقیقت جانوروں کے پانی پی کر واپس آنے کیلئے بولا جاتا ہے - وُرُوْدٌ - پانی پینے کیلئے گھاٹ پر جانا ، اور صُدُوْرٌ - واپس آنا - اَلصَّادِرُ - لوٹنے والا * -

لہذا اس لفظ کے معنے آگے جانا - نکلنا اور لوٹنا ہیں - نکل پڑنے کے معنوں میں یہ لفظ (۹۹/۶) میں آیا ہے - اَصْدَرَ - واپس لے جانا ، لوٹانا - جانوروں کو پانی پلا کر واپس لے جانے کے معنوں میں یہ لفظ (۲۸/۲۳) میں آیا ہے -

صَدْرٌ (جمع صُدُوْرٌ) کا لفظ قرآن کریم میں دل کے معنوں میں آیا ہے - اِنْ تُخْفُوْا مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ (۳/۲۸) - راغب نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں اللہ نے اَلْقَلْبٌ کہا ہے تو اس سے مراد علم و عقل ہے اور جہاں صَدْرٌ کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس میں علم و عقل اور جذبات سب شامل ہیں ** - لیکن یہ کلیہ نہیں -

قرآن کریم نے اپنے آپ کو شِفَاءٌ لِّمَافِی الصُّدُوْرِ (۱۰/۵۷) کہا ہے - یعنی تمام ذہنی اور نفسیاتی امراض کے لئے شفا - صاحب محیط نے بَیِّنَاتٌ الصُّدُوْرِ کے معنے تفکرات لکھے ہیں *** -

(شَرْحِ صَدْرٌ کے لئے دیکھئے عنوان ش - ر - ح)

ص د ع

اَلصَّدْعٌ - کسی سخت چیز میں شگاف ڈالنا **** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز میں ''دریڑ'' پڑ جانا ، کسی چیز کا کھل جانا اور اس میں پھٹن پیدا ہو جانا یا بال آ جانا ہیں - اَلصَّدِیْعٌ - لوگوں کی جماعت - چیز کا ایک ٹکڑا - پہاڑی ہوئی چیز کا آدھا حصہ - صَدَعَہٗ صَدْعًا - اس نے اسے پھاڑ دیا - آدھا آدھا کر دیا - اَلْمَصَادِعٌ سخت زمین میں نرم راستے - تیروں کی انیاں - اَلصُّدَاعٌ - درد سر - وہ درد جس سے سر پھٹا جا رہا ہو - تَصَدَّعَ الْقَوْمٌ وَاصْدَعُوْا - قوم متفرق ہو گئی - صُدِّعَ الرَّجُلٌ - اس کے سر میں درد ہوا * -

سورۃ حجر میں نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ (۱۵/۹۴) - آیت کا دوسرا ٹکڑا پہلے کی تشریح کر رہا ہے - یعنی اب ان مشرکین عرب سے اعراض برتو - ان سے کنارہ کشی کر لو - اور اپنی الگ جماعتی تنظیم کرو - بعض نے اس کے معنے یہ بھی

* تاج - ** راغب *** محیط - ****تاج و راغب -

لکھے ہیں کہ جو کچھ تم سے کہا جاتا ہے اسے کھول کر بیان کرو۔ (لیکن ہمارے نزدیک پہلا مفہوم زیادہ موزوں ہے) ۔ سورۃ روم میں ہے یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ (۳۰/۴۳) ۔ جس دن وہ الگ الگ ہو جائینگے ۔ سورۃ واقعہ میں ہے لَا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا (۵۶/۱۹) ۔ اس سے درد سر نہیں ہوگا ۔ دماغی خلل نہیں ہوگا ۔ سورۃ حشر میں ہے خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا (۵۹/۲۱) ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے والا ۔ پھٹا ہوا۔ سورۃطارق میں ہے وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (۸۶/۱۲)۔ ''زمین جو پودوں کے اگنے کے وقت پھٹ جاتی ہے''۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ کائنات میں ہر شے تعمیری نتائج مرتب کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے ۔ (بِالْحَقِّ) ۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں بعض عمل تخریبی بھی ہوتے ہیں ۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تخریب در حقیقت تعمیر ہی کی تمہید ہوتی ہے۔ مثلاً ہم زمین میں تخم ریزی کرتے ہیں تو اس کے بعد دانہ پھٹ جاتا ہے اور اس کے ساتھ زمین بھی شق ہوجاتی ہے ۔ بظاہر یہ تخریبی عمل ہے ۔ لیکن اس سے فصل کی ابتداء ہوتی ہے جو یکسر تعمیری نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر تعمیر سے پہلے تخریبی عمل ہوتا ہے ۔ اَلَّا اللّٰہُ سے پہلے لَا اِلٰہ ضروری ہے ۔ لیکن اگر کسی پروگرام میں صرف لا ہی لا ہو تو وہ تخریب ہی تخریب پیدا کرتا ہے ۔ اسلئے

لَا و اِلَّا ساز و برگِ امتاں نفیِ بے اثبات مرگِ امتاں

لہذا ، ارض کا ذَاتُ الصَّدْعِ ہونا، انسانی نشو و نما کے لئے ہے۔

ص د ف

اَلصَّدَفُ ۔ سیپی ۔ ہربلند عمارت یا دیوار یا پہاڑ* ۔ ابن فارس نے الصَّدَف کے معنے پہاڑ کا کنارہ یا جانب کئے ہیں کیونکہ وہ ایک طرف کو جھکا ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں ہے اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ (۱۸/۹۶) ۔ یہاں صَدَفَیْنِ کے معنے دو بلند پہاڑ ہیں ۔ اَلصَّدَفُ ۔ گھوڑے یا اونٹ کی ٹانگوں کی کجی* ۔ ٹیڑھے پن کے اعتبار سے صَدَفَ عَنْهُ کے معنے کسی سے اعراض برتنا ۔ منہ موڑ لینا ہوتے ہیں ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی میلان اور جھکاؤ کے ہیں ۔ اور جب اس کے ساتھ عَنْ آئیگا تو اس کے معنی منہ پھیر لینے کے ہوجائینگے (۶/۱۵۷) ۔ بغیر عَنْ کے بھی یہ معنی آجاتے ہیں ۔ صَدَفَ فُلَانٌ وہ جھکا نیز اس نے منہ پھیرلیا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے ثُمَّ هُمْ یَصْدِفُوْنَ (۶/۱۵۷) ۔ یہ لوگ اس پر بھی اعراض برتتے اور منہ پھیر لیتے ہیں ۔ اَلصَّدُوْفُ ۔ اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنا رخ دکھائے اور پھر منہ پھیر لے * ۔

* تاج ** راغب ۔

ص د ق

صِدْقٌ - کِذْبٌ کی ضد ہے - جیسا کہ کِذْبٌ کے عنوان میں لکھا گیا ہے ، جب انسان کا دل اور اسکی زبان ہم آہنگ نہ ہوں تو اسے کِذْبٌ کہتے ہیں ، خواہ وہ بات جسے وہ بیان کر رہا ہے ، سچی ہی ہو - اس لئے صِدْقٌ کے معنے ہونگے ، دل و زبان کی ہم آہنگی کے ساتھ بات کا نفس واقعہ کے مطابق ہونا - اسی کو سچ کہتے ہیں - لیکن اس کی ایک شکل اور بھی ہے - ایک شخص کو کسی واقعہ کے متعلق جو کچھ معلوم ہے وہ غلط ہے ، لیکن اسے جو کچھ معلوم ہے اسے وہ ٹھیک ٹھیک بیان کر رہا ہے - اس صورت میں اس کے دل اور زبان میں تو ہم آہنگی ہوگی ، لیکن اسکی بات غلط ہو گی- اس شخص کو ہم جھوٹا نہیں کہینگے ، البتہ اس کی بات کو غلط کہینگے - نیز صِدْقٌ کے معنے قوت اور شدت کے بھی آتے ہیں *-

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہی قوت کے ہیں اور سچ کو الصِّدْقُ اسی لئے کہتے ہیں کہ سچ میں فی نفسہ قوت ہوتی ہے ، اور جھوٹ بودا اور کمزور ہوتا ہے - شَیٌٔ صَدْقٌ - ٹھوس اور سخت چیز کو ، اور رُمْحٌ صَدْقٌ مضبوط نیزہ کو کہتے ہیں - لہذا اس مادہ سے جتنے الفاظ آئینگے ان میں ان بنیادی معانی کا پہلو مضمر ہوگا- اسے ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے -

الصِّدِّیْقُ - دوست کو کہتے ہیں - الصِّدِّیْقُ - بہت سچ بولنے والا - جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو - سچ کا اس قدر خوگر کہ اس سے جھوٹ کا امکان ہی نہ ہو - نیز صِدِّیْقٌ وہ ہے جو اپنے قول و اعتقاد میں سچا ہو اور اس کی سچائی کی تصدیق اپنے عمل سے بھی کر دکھائے - اس لئے کہ صَدَّقَ کے معنے ہیں سچ کرکے دکھا دینا - (تفصیل اس کی آگے چل کر آتی ہے) ، الصَّدَقَۃُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو خدا کی راہ میں دی جائے * - بعض کا خیال ہے کہ صَدَقَۃٌ وہ ہے جو واجب نہ ہو بلکہ محض بطور خیرات دیا جائے ، اور زَکٰوۃٌ وہ ہے جس کا دینا واجب ہو - جیسا کہ زکٰوۃٌ کے عنوان (ز - ک - و) میں بیان ہو چکا ہے ، جب قرآنی نظام اپنی تکمیل تک پہنچ جاتا ہے تو اس میں جو کچھ افراد کی ضروریات سے زائد ہو سب کا سب معاشرہ (یا نوع انسانی) کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہو جاتا ہے - لیکن عبوری دور میں اسلامی معاشرہ ایک معین رقم افراد پر واجب قرار دیتا ہے ،

* تاج و راغب -

جو عام حالات میں وصول کر لی جاتی ہے۔ (اس کے لئے زکٰوۃ کا لفظ بطور اصطلاح استعمال کر لیا گیا ہے) ۔ لیکن ہنگامی حالات (Emergency) میں افراد سے اپیل کی جاتی ہے۔ جو کچھ وہ اس طرح دیتے ہیں وہ صَدَقَۃٌ ہے۔ لیکن یہ بھی اجتماعی طور پر وصول اور اجتماعی طور پر خرچ کیا جاتا ہے (۹/۶۰ ؛ ۹/۱۰۳) ۔

صَدَقَ کے معنے ہیں اس نے جو کچھ کہا اس پر عمل کرکے اسے سچ کر دکھایا* ۔ سورۃ احزاب میں ہے مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ (۳۳/۲۳) ۔ مومنوں میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو اپنے عمل سے سچ کر دکھایا ۔ اسی طرح سورۃ آل عمران میں ہے وَ لَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ (۳/۱۵۰) ۔ ''یقیناً اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا'' ۔ سورۃ زمر میں ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ (۳۹/۷۴) ۔ ''حمد، اللہ کیلئے ہے جس نے اس وعدہ کو جو اس نے ہم سے کیا تھا سچ کر دکھایا'' ۔ سورۃ بقرہ میں ہے کہ نیکی اور کشاد کی راہ یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف ۔ کشاد کی راہ یہ ہے کہ تم صحیح تصورات حیات کے بعد، اپنے اعمال و کردار سے انہیں سچ کر کے دکھا دو ۔ ایسے لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے، اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا (۲/۱۷۷) ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو اپنے عمل سے سچ کر دکھایا ۔ عمل سے سچ کر دکھانے کے علاوہ، اعتقادات و تصورات حیات کے معاملہ میں صادق وہ ہے جو اپنے دعوی کی تائید میں دلیل و برہان پیش کر سکے (۲/۱۱۱) ۔ اسی میں اس دعوی کی تقویت کا راز ہے ۔

کسی واجب کام کے نہ کر سکنے کی وجہ سے جو کچھ بطور کفارہ دیا جاتا ہے اسے بھی صَدَقَۃٌ کہا گیا ہے (۲/۱۹۶) ۔ سورۃ بقرہ میں صَدَقَاتٌ کا لفظ الرِّبٰوا (سود) کے مقابلہ میں آیا ہے (۲/۲۷۶) ۔ یعنی رِبٰوا تو یہ ہے کہ جو کچھ تمہارا واجب ہے اس سے زیادہ لو، اور صَدَقَۃ یہ ہے کہ جو کچھ تم پر واجب ہے (نوع انسانی کی ربوبیت کے لئے) اس سے بھی زیادہ دو ۔ اسی لئے کہا ہے کہ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقَاتِ (۲/۲۷۶) رِبٰوا (جسے تم بزعم خویش سمجھتے ہو کہ ہم نے زیادہ وصول کر لیا) تباہ و برباد ہو کر رہتا ہے۔ اور صَدَقَاتٌ (جسے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے خواہ مخواہ دیدیا) بہت بڑھتے ہیں ۔ اور تَصَدَّقَ واصَّدَّقَ کے معنے ہیں جو کچھ کسی پر تمہارا واجب ہے اسے بھی چھوڑ دینا، بطیب خاطر دیدینا،

*محیط و راغب ۔

صدقہ کر دینا ۔ مثلاً اگر قرضدار غریب ہو گیا ہے تو اسے قرض معاف کر دیا جائے (۲/۲۸۰) نیز (۴/۹۲ ؛ ۵/۴۵) ۔ عورتوں کا مہر بھی صَدُقَۃٌ ہے (۴/۴) لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ دال کے ضمہ (پیش) سے آیا ہے ۔ یعنی صُدُقَۃٌ ۔ واضح رہے کہ مہر کوئی متعین رقم نہیں جس کے عوض عورت کو خریدا جاتا ہے ۔ یہ محض ایک تحفہ (Gift) ہے جسے بطیب خاطر دیا جاتا ہے ۔ لیکن اس کا دینا ضروری ہے ۔ (مہر کا لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا)۔ صَدُقَۃ میں اخلاص (صدق) اور حق و دوستی اور رفاقت (صداقت) کا مفہوم مضمر ہے ۔ صَدِیْقٌ ۔ دوست کو کہتے ہیں (۲۶/۱۰۱) (یہ واحد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے) ۔ سورۃ یونس میں ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو مُبَوَّاَ صِدْقٍ عطا کیا (۱۰/۹۳) ۔ اس کے معنے ہیں ایسی سرزمین جو قوتوں اور توانائیوں، خوشگواریوں اور صلاحیتوں (Potentialities) سے بھری ہوئی تھی ۔ (صاحب تاج العروس نے اسکے معنے مَنْزِلاً صَالِحاً لکھے ہیں)۔

قرآن کریم میں صَدَقَ اور صَدَّقَ دونوں الفاظ ''سچ کر دکھا دینے'' کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں ۔ (صَدَقَ کی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں ۔ نیز سورۃ الفتح میں ہے) لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ .... (۴۸/۲۷) '' یقیناً اللہ اپنے رسولؐ کے خواب کو عنقریب سچا کر دکھائیگا'' * ۔ اور سورۃ صافات میں حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ کے ضمن میں ہے قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا (۳۷/۱۰۵) '' تو نے خواب کو سچ کر دکھایا'' ۔ اسی صَدَّقَ سے مُصَدِّقٌ ہے جس کے معنے ہیں سچ کر کے دکھا دینے والا (۳/۳۸) ۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کے متعلق بار بار کہا ہے کہ یہ مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَکُمْ (۲/۴۱) ہے ۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ قرآن کریم اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اہل کتاب کے پاس ان کی مزعومہ کتابیں بالکل سچی ہیں ۔ یہ معنے اس لئے غلط ہیں کہ خود قرآن کریم میں ان کتابوں کی بابت واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ ان میں تحریف و الحاق ہو چکا ہے ۔ لہذا جن کتابوں کو قرآن کریم خود محرّف قرار دے رہا ہو وہ ان کے سچا ہونے کی تصدیق کس طرح کر سکتا ہے ؟ دراصل (مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَکُمْ) میں ایک بہت بڑی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے ۔ عام اخلاقی اصول دنیا کی ہر قوم کے پاس بالعموم موجود ہیں ۔ سب کی تعلیم یہ ہے کہ سچ بولو ۔ جھوٹ نہ بولو ۔

*صَدَقَ بمعنی صَدَّقَ یعنی تصدیق کی ، بھی آتا ہے ۔ آیت (۴۸/۲۷) میں اس معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے رسول کے دیکھے ہوئے خواب کی تصدیق کی اور اسے بتایا کہ تمہارا یہ خواب سچ ہو کر رہے گا ۔ (راغب و کشاف)

چوری نہ کرو۔ حرام نہ کھاؤ۔ کسی کو نہ ستاؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان کے ہاں یہ تعلیم محض نظری حیثیت سے موجود ہے۔ کوئی عملی نظام ایسا نہیں جو اس تعلیم کو سچا کرکے دکھائے۔ قرآن کریم کی خصوصیت کبریٰ یہ ہے کہ یہ صرف اس تعلیم کو بیان نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک ایسا عملی نظام بھی دیتا ہے جس میں یہ تعلیم سچ بنکر سامنے آجاتی ہے۔ ساری دنیا کہتی ہے کہ ظالم کبھی پنپ نہیں سکتا، لیکن اس کے باوجود ہم ظالموں کو پنپتا دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ قرآن کریم بھی یہی کہتا ہے کہ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۶/۱۳۶) لیکن وہ اس کے ساتھ ایک عملی نظام ایسا دیتا ہے جس میں یہ اہم حقیقت (کہ ظالم کی کھیتی کبھی بارآور نہیں ہوسکتی) عملاً سچ بنکر سامنے آجاتی ہے۔ اسے کہتے ہیں مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ۔ یعنی وہ اخلاقی اصول جو دنیا میں محض نظری تعلیم بن کر رہ چکے ہیں قرآنی نظام میں ایک ٹھوس حقیقت بنکر سامنے آجائینگے، اور اس طرح دنیا دیکھ لے گی کہ وہ اصول فی الواقعہ صداقت پر مبنی ہیں۔ اس طرح قرآن کریم ان اصولوں کو سچ کرکے دکھا دینے والا ہے۔ جو اقوام عالم کے ہاں موجود ہیں اور ان اصولوں کو بھی جو ان کے علاوہ، قرآن کریم میں آئے ہیں اور جن سے آسمانی ہدایت عالمگیر اور مکمل ہوئی ہے نیز اس اعتبار سے بھی کہ کتب سابقہ (توراۃ و انجیل) میں ایک آنے والے نبیؐ کے متعلق جس قدر نشانات مذکور تھے قرآن کریم نے ان سب کو نبی اکرمؐ کے ظہور میں سچا ثابت کر دیا۔ علامہ **حمیدالدین** فراہیؒ نے (اپنی کتاب مفردات القرآن میں) اس سلسلہ میں بڑی مفید بحث کی ہے جسے درج ذیل کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :—

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ۔ | یہ دو کلمے ہیں جن کا مفہوم اکثر لوگوں نے نہیں سمجھا۔ انھوں نے خیال کرلیا کہ قرآن کریم نے تحریف و تبدیل شدہ کتابوں کی شہادت دی ہے۔ مُصَدِّقًا کا لفظ شبہ کا موجب ہو سکتا تھا کیونکہ تَصْدِیْق کا لفظ اس مفہوم کے لئے مشترک ہو سکتا ہے۔ اور بَیْنَ یَدَیْہِ کے مفہوم کو لوگوں نے اس لئے نہیں سمجھا کہ اس زمانہ میں خصوصیت کے ساتھ لوگ عربیت سے واقف نہیں رہے۔

واضح رہے کہ صَدَّقَہٗ کے دو معنی ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ کسی آدمی یا بات کی سچائی کی شہادت دینا، اور دوسرے معنی یہ کہ اس نے اسے اسکی توقعات میں سچا بنا دیا۔ حماسہ میں ہے :-

فَدَتْ نَفْسِیْ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنِیْ
فَوَارِسَ صَدَّقَتْ فِیْھِمْ ظُنُوْنِیْ

میری جان اور وہ تمام چیزیں جو میرے قبضہ میں ہیں ان شہسواروں پر قربان جن کے متعلق میرے تمام خیالات (توقعات) سچ ثابت ہو گئے۔

اسی معنے میں قرآن کریم میں آیا ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ (۳۴/۲۰) اور ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا ظن سچ کر دکھایا۔ سو انھوں نے اس کی پیروی کی"۔

اگر آپ اس لفظ کے مواقع استعمال پر غور کرینگے تو معلوم ہو جائیگا کہ یہاں یہ دوسرے معنے ہی مراد ہیں، کیونکہ نبی اکرمؐ اور قرآن کریم بالکل اسی طرح آئے جس طرح تورات نے خبر دی تھی۔ لہذا آپ کی اور قرآن کریم کی آمد نے تورات کو سچ کر دکھایا۔ اس کے بعد اگر وہ لوگ قرآن کریم اور نبی اکرمؐ کی تکذیب کرتے ہیں تو انکی طرف سے یہ خود ان کی اپنی کتابوں کی تکذیب ہوگی [اس کے بعد علامہ فراہیؒ نے بتایا ہے کہ امام رازی وغیرہ نے ان آیات کے مفہوم میں کس طرح غلطی کھائی ہے، اور صحیح پوزیشن کیا ہے۔ ہم بحث کے اس حصے کو چھوڑتے ہیں۔ جو حضرات اس سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ اس بحث کو ان کی مذکورہ بالا کتاب کے صفحات ۶۴ تا ۶۷ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں]

علاوہ ان کے جنکا پہلے ذکر آچکا ہے، صَدَقَ کی مختلف شکلیں قرآن کریم میں اس طرح آئی ہیں۔ سچ کہنا۔ تصدیق کرنا۔ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (۳۶/۵۲)۔ سچ کر دکھانا۔ اولٰئِکَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا (۲/۱۷۷)۔ نیز لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا (۴۸/۲۷)۔ قَدَمَ صِدْقٍ (۱۰/۲) ایسی سبقت جو شرف و فضیلت کو لئے ہو۔ مُدْخَلَ صِدْقٍ اور مُخْرَجَ صِدْقٍ (۱۷/۸۰)۔ شرف وفضلیت کے ساتھ آگے بڑھنا اور شرف و فضیلت کے ساتھ مناسب وقت پر پیچھے ہٹنا۔ یا سچائی کے ساتھ کسی معاملہ وغیرہ میں داخل ہونا اور سچائی کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہونا اور نکلنا۔ لِسَانَ صِدْقٍ (۲۶/۸۴) شرف و فضیلت کی بناء پر حقیقی شہرت۔ مَقْعَدِ صِدْقٍ (۵۴/۵۵) ٹھہرنے کا ایسا مقام جس میں زندگی کی تمام خوشگواریاں موجود ہوں۔ صَادِقٌ (۱۲/۵۲) سچا۔ مخلص۔ اَصْدَقُ۔ صادق تر، زیادہ سچا (۴/۸۷)۔ تَصْدِيْقٌ۔ سچ کرکے دکھانا (۱۲/۱۱۱) مُتَصَدِّقٌ کسی کو کچھ بطور بخشش دیدینے والا یا جو کچھ اس کا کسی پر واجب (Due) ہو اسے چھوڑ دینے والا (۱۲/۸۸)۔ سورۃ حدید میں صدقہ دینے والوں کو مُتَصَدِّقٌ کہا گیا ہے (۵۷/۱۸) یعنی جو کچھ واجب ہے اس کے علاوہ اور بھی دینے والے۔ یہ سب اس لئے کہ وہ اپنے اس دعویٰ کو سچا کر

دکھائیں کہ ان کا فریضہ زندگی دوسروں کی نشو ونما کرنا ہے ۔ کَذَّبَ کے مقابلہ میں صَدَّقَ (۳۹:۳۳) میں آیا ہے ۔

تصریحات بالا سے یہ حقیقت سامنے آگئی ہوگی کہ صِدْقٌ کسی شکل میں بھی استعمال ہو ، اس میں دل کی ہم آہنگی اور رضامندی کا پہلو ضرور شامل ہوتا ہے ۔ یعنی جو کچھ کیا جائے یا دیا جائے وہ بھی دل کی رضامندی اور خوشنودی لئے ہو اور جو کچھ مانا اور تسلیم کیا جائے وہ بھی بطیب خاطر ہو ۔ اس میں جبر و اکراہ کا شائبہ تک نہ ہو ۔ قرآنی تعلیم کا بنیادی نقطہ ہی یہ ہے کہ انسان کی ہر بات اور ہر عمل دل کی گہرائیوں سے ابھرے ۔ یہی وہ عمل ہے جو وجہ تقویت ہو سکتا ہے ، خود اس کام کے کرنے والے کے لئے بھی اور نوع انسانی کے لئے بھی ۔ اس لئے اس کی رو سے صِدْقٌ کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔

ص د ی

اَلصَّدَیٰ ۔ کے بہت سے معنے ہیں ، جن میں سے ایک معنے ہیں صدائے باز گشت (جو کسی مکان یا پہاڑ سے ٹکرا کر واپس آئے) ۔ اَصْدَی الْجَبَلُ ۔ پہاڑ نے صدا کا جواب دیا ۔ اَلصَّدَیٰ ۔ مطلق آواز کو بھی کہتے ہیں ۔ اَلتَّصْدِیَۃُ ۔ تالیاں پیٹنا* ۔ راغب نے کہا ہے کہ التَّصْدِیَۃ ہر اس آواز کو کہتے ہیں جو صدی کی طرح ہو ، یعنی جس سے کوئی مفہوم نہ نکلتا ہو یا جس میں غنا و خوش الحانی نہ ہو** ۔ قرآن کریم میں ہے کہ (عہد جاہلیہ کے عربوں کی صَلٰوۃٌ) مُکَآءً وَّ تَصْدِیَۃً (۸:۳۵) کے سوا کچھ نہیں رہ گئی تھی ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس سے مفہوم ہے بے معنے آواز اور حرکت** ۔ (اس آیت کے مفہوم کے لئے عنوان م ۔ ک ۔ و دیکھئے) ۔ صَادَاہُ ۔ سامنے آنا ۔ تَصَدّٰی لَہٗ ۔ سر اٹھائے ہوئے کسی کے سامنے آنا ۔ بار بار کسی کے سامنے آنا ۔ صدائے باز گشت کی طرح کسی کی طرف پلٹنا ، در پے ہو جانا ۔ متوجہ ہونا*** ۔ فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی (۸۰:۶) ۔ تو اس کی طرف بڑی شدت سے متوجہ ہوتا ہے ۔

ص ر ح

اَلصَّرْحُ ۔ ہر چیز میں سے خالص ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اس خالص چیز کو کہتے ہیں جو سفید ہو ۔ کَاْسٌ صُرَاحٌ ۔ وہ پیالہ (شراب وغیرہ کا)

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط ۔

جو خالص ہو اور اس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو۔ اَلتَّصْرِیْحُ ۔ (لازم اور متعدی) معاملہ کو واضح کر دینا ۔ معاملہ کا کھل جانا ۔ صاف اور خالص ہو جانا* ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے ظاہر ہونے اور کھل جانے کے لکھے ہیں ۔ لَبَنٌ صَرِیْحٌ ۔ خالص دودھ جس کے جھاگ بیٹھ چکے ہوں ۔ اَلصَّرَاحِیَۃُ ۔ خالص شراب ۔ اَلصَّرَاحِیَّۃُ ۔ شراب کا برتن ۔ اَلصَّرْحَۃُ ۔ زمین کا اوپر کا حصہ ۔ پشتِ زمین جو ہموار ہو ۔ اَلصَّرْحُ ۔ بلند ، منقش و مزین شاندار مکان جو دوسرے گھروں سے منفرد اور الگ ہو ۔ بلند عمارت ۔ اس کے بعد یہ لفظ محل کے لئے استعمال ہونے لگا* ۔

سورۃ نمل میں ہے اِنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ (۲۷/۴۴) ۔ یہاں اس کے معنے محل کے ہیں ۔ اور سورۃ مومن میں صَرْحًا (۴۰/۳۶) ۔ بلند عمارت کے لئے آیا ہے ۔

ص ر خ

اَلصُّرَاخُ ۔ سخت آواز یا فریاد کو کہتے ہیں ۔ اَلصَّرْخَۃُ ۔ مصیبت یا فریاد کے وقت سخت چیخ مارنا ۔ اَلصَّارِخُ ۔ فریاد کرنے والا ۔ نیز فریادی کی مدد کے لئے پہنچنے والا ۔ (فریاد رس) ۔ اَلصَّرِیْخُ کے بھی یہی معنی ہیں** ۔ قرآن کریم میں ہے فَلَا صَرِیْخَ لَھُمْ (۳۶/۴۳) ۔ ان کا کوئی فریاد رس نہ ہوگا ۔ صَرِیْخٌ مصدر بھی ہے یعنی اس کے معنے فریاد رسی، چیخ و پکار بھی ہیں ۔ اَلْمُصْرِخُ ۔ فریاد رس ، پکار پر مدد کے لئے پہنچنے والا ۔ وَمَآ اَنَا بِمُصْرِخِکُمْ (۱۴/۲۲) ۔

اِصْطَرَخَ ۔ چیخنا ۔ چلانا (مدد کے لئے) ۔ وَھُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْھَا (۳۵/۳۷) ۔ وہ اس میں مدد کے لئے چیخیں چلائینگے ۔ دھائی دینگے ۔ فریاد اور واویلا کرینگے ۔

اِسْتَصْرَخَ ۔ کسی سے مدد مانگنا ۔ مدد کے لئے چلانا (۲۸/۱۸) ۔

ص ر ر

اَلصِّرَّۃُ ۔ اَلصِّرُّ سردی یا سردی کی شدت*** ۔ وہ سردی (پالا) جس سے کھیتیاں تباہ ہو جاتی ہیں*** ۔ زجاج نے کہا ہے کہ اَلصِّرَّۃُ ۔ سخت چیخنے اور چلانے کو کہتے ہیں ۔ رِیْحٌ صِرٌّ وَ صَرْصَرٌ ۔ سخت آواز والی

*تاج و راغب ۔ **تاج و محیط نیز ابن فارس ۔ ***لین ۔ ****تاج ۔

تیز ہوا ۔ ابن عباس نے کہا ہے کہ سخت گرم ہوا کو بھی کہتے ہیں* ۔ لیکن صَرٌّ کے بنیادی معنے باندھنے کے ہیں ۔ (راغب نے کہا ہے کہ) صَرْصَرٌ کا لفظ بھی اسی صَرٌّ سے نکلا ہے اس لئے کہ ٹھنڈ سے بھی چیزیں بندھ کر جم جاتی ہیں** ۔ اسی سے اِصْرَارٌ ہے جس کے معنے ہیں کسی بات پر سختی سے جم جانا ۔ اَلصُّرَّۃُ ۔ اس تھیلی کو کہتے ہیں جس میں نقدی باندھی جاتی ہے** ۔ اور اس طرح باندھی ہوئی نقدی کو اَلصِّرَّۃُ کہتے ہیں* ۔ ابن فارس نے ان معانی کے علاوہ ، اس کے معنی بلند اور اونچا ہونا بھی لکھے ہیں ۔ چنانچہ اَلصِّیرَارُ ان اونچے مکانوں کو کہتے ہیں جن تک سیلاب کا پانی نہ پہنچ سکے ۔

قرآن کریم میں سخت سردی کے لئے یہ لفظ (۳/۱۱۶) میں آیا ہے ۔ (۵۴/۱۹) میں رِیْحًا صَرْصَرًا آیا ہے ۔ سورۃ الذّٰرِیٰت میں فِی صَرَّۃٍ (۵۱/۲۹) کے معنے ہیں تعجب سے کچھ بولتی ہوئی ۔ لیکن اس میں شدت کے معنے ہونگے ۔ اس کے معنی منہ بسورنے کے بھی آتے ہیں* ۔ اس کے معنے چیخ و پکار ، شور و غل ، تکلیف کی شدت بھی ہیں* ۔ نیز کسی چیز کی بھی شدت ۔ مثلاً حیرت کی شدت ، فرط تعجب ۔

سورۃ آل عمران میں ہے وَلَمْ یُصِرُّوْا (۳/۱۳۵) ۔ وہ اصرار نہیں کرتے ۔ جم کر نہیں بیٹھ جاتے ۔ غلطی کا احساس ہوجانے پر اس کام سے فوراً ہٹ جاتے ہیں ۔

ص ر ط

صِرَاطٌ ۔ عام عرب اسے سِرَاطٌ پڑھتے ہیں ۔ صاد کے ساتھ (صِرَاطٌ) قریش کا لغت ہے ۔ سَرَطَ کے معنے ہیں کسی چیز کو بغیر چبائے نگل جانا ۔ چنانچہ سِرَاطٌ (اور صِرَاطٌ) اس لمبی تلوار کو کہتے ہیں جو بہت کاٹنے والی ہو ۔ گویا وہ جس چیز پر پڑتی ہے اسے نگل جاتی ہے ۔ اسی نہج سے کھلے اور واضح راستہ کو بھی صِرَاطٌ کہتے ہیں ۔ (یا تو تلوار کے سیدھے اور لمبے ہونے کی وجہ سے ۔ اور یا اس لئے کہ چلنے والا اسے نگلتا چلا جاتا ہے ۔ یا وہ راستہ ہزارہا راہروؤں کو نگلتا چلا جاتا ہے)*** ۔

قرآن کریم نے اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (۱/۵) کو دوسرے مقام پر طَرِیْقٌ مُسْتَقِیْمٌ (۲۰/۷۷) کہہ کر صِرَاطٌ کے معنے طَرِیْقٌ (راستہ) بتا دیئے ہیں ۔ (مُسْتَقِیْمٌ کے معنوں کیلئے دیکھئے عنوان ق ۔ و ۔ م) ۔

(قرآن کریم میں ''پل صراط'' کا کوئی ذکر نہیں) ۔

---

*تاج ۔ **راغب ۔ ***تاج ۔ دیکھئے عنوان سرط و صرط ۔

ص ر ع

اَلصَّرْعُ ۔ اَلصِّرْعُ ۔ زمین پر پٹک دینا ۔ پچھاڑ دینا ۔ اَلصُّرَعَۃُ ۔ وہ شخص جو لوگوں کو بہت زیادہ پچھاڑتا ہو ۔ اَلصَّرِیْعُ ۔ پچھاڑا ہوا ۔ اس کی جمع صَرْعیٰ آتی ہے* ۔

قرآن کریم میں ہے فَتَرَی الْقَوْمَ فِیْھَا صَرْعیٰ (۶۹/۷) یعنی تم دیکھوگے کہ لوگ اس میں پچھڑے پڑے ہیں ۔ اَلصَّرْعُ ۔ مرگی کی بیماری کو کہتے ہیں ۔ اَلصَّرْعُ ۔ اَلصِّرْعُ ۔ مثل ۔ برابر کا ۔ ھُمَا صِرْعَانِ ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے مثل اور برابر کے ہیں ۔ اَلْمِصْرَاعَانِ مِنَ الْبَابِ ۔ دروازے کے دونوں پٹ ۔ اَلْمِصْرَاعَانِ مِنَ الشِّعْرِ ۔ شعر کے دونوں مصرعے* ۔

ص ر ف

اَلصَّرْفُ کے معنے ہیں کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیر دینا یا اسے کسی دوسری چیز کے ساتھ تبدیل کر دینا ۔ یعنی یا تو خود اسکی حالت میں تبدیلی پیدا کردینا یا اسے کسی اور چیز سے بدل دینا** ۔ نیز لوٹا دینا ۔ رخ پھیر دینا ۔ ہٹا دینا *** ۔ صَرَفَ الصِّبْیَانَ مِنَ الْمَکْتَبِ ۔ بچوں کو مکتب سے لوٹا دیا ۔ واپس کر دیا ۔ صَرَفَ الرَّسُوْلَ ۔ قاصد کو جہاں سے وہ آیا تھا وہیں واپس کر دیا **** ۔ تَصَارِیْفُ الْاُمُوْرِ ۔ معاملات کا الٹ پھیر اور انکو ایک دوسرے کی جگہ رکھنا ۔ اَلْمَصْرِفُ ۔ پلٹنے کی جگہ ۔ ہٹنے کی جگہ ۔ تَصْرِیْفُ الرِّیَاحِ ۔ ہواؤں کے رخ کو ایک طرف سے دوسری طرف موڑ دینا ۔ اِنْصَرَفَ رک گیا ۔ پلٹ گیا ۔ صَرْفُ الْخَمْرِ اور تَصْرِیْفُ الْخَمْرِ ۔ خالص شراب (کچھ ملائے بغیر) پی جانا ۔ اسی سے اَلصِّرِّیْفُ ۔ خالص چاندی کو کہتے ہیں اور اَلصَّرَّافُ وَالصَّیْرَفِیُّ ۔ سکے پرکھنے والے ، یا سکوں کے تبادلہ کرنے والے کو ۔ قرآن کریم میں تَصْرِیْفِ الرِّیَاحِ (۲/۱۶۴) متعدد مقامات میں آیا ہے ۔ یعنی ہواؤں کو مختلف سمتوں میں چلانا ۔ یا ان کی حالت بدل دینا ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ (۱۷/۴۱ نیز ۱۷/۸۹ ؛ ۱۸/۵۴) ۔ ہمنے اس قرآن کریم میں حقائق و قوانین کے مختلف پہلوؤں کو لوٹا لوٹا کر بیان کیا ہے ۔ لِیَذَّکَّرُوْا (۲۵/۵۰) تاکہ لوگ انہیں اچھی طرح سے سمجھ

*تاج و محیط و راغب ۔ **راغب ۔ ***تاج ۔ ****محیط ۔

سکیں ۔ تاکہ ان کے تمام پہلو لوگونکی نگاہ کے سامنے آجائیں ۔ قرآن کریم نے اپنے مطالب کو واضح کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا ہے ۔ یعنے ایک چیز کو بار بار پھرا کر لانا تاکہ اسکے متعدد گوشے سامنے آجائیں ۔ یہ چیز ہے جسے سطح بین نگاہیں ”تکرار“ ٹھہراتی ہیں ۔

سورۃ الفرقان میں ہے کہ جن لوگوں کی تم پرستش کرتے ہو وہی تمہیں جھٹلائینگے کہ ہم نے تمہیں اپنی پرستش کیلئے نہیں کہا تھا فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا (۲۵/۱۹) سو تم میں اسکی قدرت نہیں ہوگی کہ ان کی بات کا رد کر سکو ۔ یا ہمارے عذاب کو دوسری طرف پھیر دو ۔ یا اپنے آپ کو اس پوزیشن سے ہٹا سکو ۔ سورۃ کہف میں ہے وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا (۱۸/۵۳) ۔ کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی جہاں وہ اس عذاب سے ہٹ کر پناہ لے سکیں ۔

سورۃ یوسف میں ہے فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ (۱۲/۳۴) ۔ تو خدا نے اس (یوسف) سے ان عورتوں کی سازش کو ہٹا دیا ، اس کا رخ پھیر دیا ۔ یعنے اسے انکی سازشوں کے نقصان سے محفوظ رکھا ۔ سورۃ احقاف میں ہے اِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ ..... (۴۶/۲۹) یعنے انکا رخ تیری طرف پھیر دیا ۔ ان دونوں آیتوں سے صَرَفَ عَنْ اور صَرَفَ اِلٰی کے معنے واضح ہو جاتے ہیں ۔ سورۃ ہود میں عذاب کے متعلق ہے ۔ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ (۱۱/۸) ۔ وہ ان سے دوسری طرف نہیں پھریگا ۔ ان سے ٹلیگا نہیں ۔ سورۃ توبہ میں اِنْصَرَفَ آیا ہے (۹/۱۲۷) ۔ یعنے پھر جانا ۔ اور صَرَفَ پھیر دینا ۔

ص ر م

صَرَمَ ۔ يَصْرِمُ ۔ اسنے (رسی یا پھلوں کے خوشہ وغیرہ کو) کاٹ کر الگ کر دیا ۔ صَرَمَ النَّخْلَ ۔ اسنے کھجور کے پھل کاٹ لئے ۔ صَرَمَ الْحَبْلُ ۔ رسی ٹوٹ گئی ۔ اَصْرَمَ النَّخْلُ ۔ کھجوروں کے پھل کاٹنے کا وقت آگیا ۔ اَلصِّرْمَةُ ۔ وہ زمین جس کی کھیتی کاٹ لی گئی ہو ۔ الصَّرِيمُ ۔ کاٹا ہوا ، مقطوع ۔ کالی زمین جس میں کچھ پیدا نہ ہو ۔ رات اور دن کو بھی صَرِيمٌ کہتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے کٹ جاتا ہے ۔ اَلصَّارِمُ ۔ کاٹنے والا ۔ نیز شیر کو بھی کہتے ہیں ۔ اِنْصِرَامٌ ۔ منقطع ہونا * ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے قطع کرنا ہی لکھے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے کہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ (۶۸/۱۷) ۔ وہ صبح ہوتے ہی اس کی فصل کاٹینگے ۔ ذرا آگے چل

* تاج ۔

کر ہے انْ کُنْتُمْ صٰرِمِیْنَ (۶۸/۲۲) ۔ فصل کاٹنے والے ۔ اور دو آیتیں پیچھے ہے ۔ فَاَصْبَحَتْ کَالصَّرِیْمِ (۶۸/۲۰) وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے اس کے پھل کاٹ لئے گئے ہوں ۔ اسی کو سورۃ انبیاء میں حَصِیْدًا سے تعبیر کیا گیا ہے (۲۱/۱۵) ۔ (عموماً کھیتی کے لئے حصاد اور باغ کے لئے صرم آتا ہے) ۔ ویسے الصَّرِیْمُ رات کو بھی کہتے ہیں* ، اور بالعموم وہ سیاہ ہوتی ہے لہذا سوختہ بختی کی نشانی ہے ۔ آیت (۶۸/۲۰) میں اگر اس جہت سے معنے لئے جائیں تو مفہوم یہ ہوگا کہ وہ باغ جل کر رات کی طرح سیاہ ہو گیا ۔

ص ط ر

دیکھئے س ۔ ط ۔ ر

ص ع د

صَعِدَ (فِی السُّلَّمِ اَوِ السَّجَلِ) وَ صَعَّدَ عَلَیْہِ وفیہ ۔ وہ (سیڑھی یا پہاڑ وغیرہ) کے اوپر چڑھا ۔ لیکن صرف چلے جانے کیلئے بھی بولتے ہیں ۔ اَصْعَدَ فِی الْاَرْضِ ۔ وہ دور تک چلا ، یا گھوما** ۔ قرآن کریم میں ہے اِذْ تُصْعِدُوْنَ (۳/۱۵۲) ۔ جب تم دور نکلے جا رہے تھے ۔ الصَّعِیْدُ زمین کو کہتے ہیں ۔ (۴/۴۳ ؛ ۱۸/۴۰) ۔ مٹی اور غبار کو بھی کہتے ہیں ۔ نیز زمین کے بالائی حصہ کو ۔ اوپر چڑھنے میں چونکہ سانس پھول جاتی ہے اسلئے امرِ دشوار اور گراں کیلئے صَعُوْدٌ بولتے ہیں ۔ تَصَعَّدَنِیْ ذٰلِکَ الشَّیْءُ ۔ مجھ پر یہ شے بہت ہی مشکل اور گراں ہو گئی** ۔ صَعَدٌ ۔ شدید ۔ سخت** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بلندی اور مشقت کے ہیں ۔

سورۃ جن میں ہے یَسْلُکْہُ عَذَابًا صَعَدًا (۷۲/۱۷) اسے سخت عذاب میں داخل کرتا ہے ۔ یہی معنے صَعُوْدًا کے ہیں (۷۴/۱۷) ۔ سورۃ انعام میں ہے کہ اسلام ، سینے کی کشاد سے حاصل ہوتا ہے ۔ تنگ نظر اور تنگ خیال جب اسلام کا تصور کرتا ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ (۶/۱۲۶) گویا وہ بڑا زور لگا کر بلندی پر چڑھ رہا ہے ۔ ایسی چڑھائی جس کے متعلق پتہ ہی نہیں کہ کہاں جا کر ختم ہو ۔

سورۃ فاطر میں ہے اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ ۔ خوشگوار نظریۂ حیات ، خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ، بلند ہوتا چلا جاتا ہے ۔ لیکن اسطرح اسکی رفتار انسانی حساب کے مطابق بہت سست ہوتی ہے ۔ وَالتَّصَعُّدُ

*راغب ۔ ابن فارس نے بھی یہی معانی لکھے ہیں ۔ **تاج و محیط ۔

الصّٰلِحُ یَرْفَعُہٗ (۳۵/۱۰) ۔ عمل صالح اسے بلند کرتا ہے ۔ یعنی خدا کے مقرر کردہ صحیح نظریاتِ زندگی میں اسکی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ بلند ہوتے جائیں۔ اور عام حالات میں وہ خدا کے کائناتی قانون کے مطابق بلند ہوتے رہتے ہیں ۔ لیکن اگر ان کے ساتھ انسانوں کے اعمال صالحہ شامل ہو جائیں تو ان کے ذریعے وہ بہت تیزی سے پروان چڑھ جاتے ہیں ۔ (تدبیر امور کے سلسلہ میں ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ آیا ہے ۔ ۳۲/۵)۔

ص ع ر

اَلصَّعَرُ ۔ اونٹوں میں ایک بیماری ہوتی ہے جس سے ان کی گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے اور منہ ایک طرف کو مڑ جاتا ہے ۔ نیز تکبر اور اکڑ ۔ صَعِرَ (وَجْہُہٗ) ۔ یَصْعَرُ ۔ صَعَرًا ۔ چہرہ کا ٹیڑھا ہوجانا، ایک طرف کو مڑ جانا۔ اَلصَّعَّارُ ۔ مغرور و متکبر کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ تکبر کی وجہ سے گردن کو ٹیڑھا اور رخسار کو جھکائے رکھتا ہے اور لوگوں سے رخ پھیرتا ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی مڑ جانے اور ٹیڑھے ہونے کے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے لَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ (۳۱/۱۸) ۔ تکبر کی بنا پر لوگوں سے اعراض اور روگردانی نہ کرو ۔ لوگوں سے بے رخی نہ برتو۔

ص ع ق

صَاعِقَۃٌ ۔ بجلی کی کڑک** ۔ جمع صَوَاعِقُ ۔ صرف سخت آواز کو بھی کہتے ہیں** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ حِمَارٌ صَعِقٌ ۔ اس گدھے کو کہتے ہیں جو نہایت سخت آواز کے ساتھ رینکے ۔ بیہوش ہو کر گر جانے کو بھی صَعِقَ کہتے ہیں** ۔ اور عقل و خرد کے جاتے رہنے کو بھی** ۔ سورۃ بقرۃ میں جہاں بنی اسرائیل کے متعلق کہا گیا ہے کہ فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ (۲/۵۵) تو وہاں اس سے مراد بے ہوش ہو کر گر جانا ہیں (نیز دیکھئے عنوان ب ۔ ع ۔ ث اور م ۔ و ۔ ت) صَعِیْقَتِ الرَّکِیَّۃُ ۔ اس وقت کہتے ہیں جب کنواں ڈھ جائے اور چاروں طرف سے مٹی اس میں گرنے لگے** ۔

*تاج نیز راغب و محیط ۔ **تاج و محیط ۔

ہر مہلک عذاب کو بھی صَاعِقَۃ* کہتے ہیں - اور موت کو بھی* - بجلی کی کڑک کے معنوں میں یہ لفظ (۲/۱۹) میں آیا ہے - اور ہلاکت کے معنوں میں سورۃ الطور میں جہاں کہا ہے کہ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ (۵۲/۴۵) - اس میں ان کی اجتماعی بربادی اور قومی تباہی کا مفہوم پایا جاتا ہے - سورۃ زمر میں جہاں نفخہ صور کا ذکر ہے وہاں کہا ہے فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (۳۹/۶۸) - صاحب تاج العروس نے اس کے معنے عقل و شعور سے محروم ہو جانے کے بھی لکھے ہیں** - (نفخ صور کے لئے ن - ف - خ اور ص - و - ر کے عنوانات دیکھئے) - سورۃ اعراف میں ہے وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (۷/۱۴۳) - اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑا -

ص غ ر

اَلصِّغَرُ - الصَّغَارَۃُ - کِبَرٌ اور عِظَمٌ کی ضد ہے - چھوٹا ہونا*** - (عمر و جسامت میں یا قدر و منزلت میں) - الصَّغَارُ ذلت و رسوائی - محکومی*** - سورۃ اعراف میں ہے فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ (۷/۱۳) - نکل جا - تیرے حصے میں کبریائی (بڑائی) نہیں آئے گی - کبریائی قانون خداوندی کی اطاعت سے نصیب ہوتی ہے - اس سے سرکشی برتنے کا نتیجہ ذلت و رسوائی ہے - سورۃ انعام میں مجرمین کے متعلق ہے صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ (۶/۱۲۴) - انہیں قانون خداوندی کے سامنے جھکنا پڑیگا - چھوٹا بننا ہوگا - اس کا محکوم ہونا ہوگا - (واضح رہے کہ یہ جھکنا اور محکومی بطیب خاطر نہیں ہوگی بلکہ بے بسی کی وجہ سے مجبوراً ہوگی - مجرم قانون کے سامنے مجبوراً جھکتا ہے) - نیز (۹/۲۹) اور (۲۷/۳۷) -

ان مقامات سے واضح ہے کہ صَاغِرُوْنَ کے معنے ہیں سرکشی چھوڑ کر، کسی مملکت میں امن پسند شہری کی حیثیت سے محکوم (یا رعایا) بن کر رہنا - یہ مفہوم سورۃ توبہ سے بھی واضح ہو جاتا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ سرکشی برتیں اور جنگ پر اتر آئیں***** - انکے

---

*تاج و محیط - **لین بحوالہ تاج - ***تاج -

*****یہ چیز کہ قرآن کریم ان لوگوں کے خلاف جنگ کی اجازت دیتا ہے جو سرکشی اختیار کرکے جنگ پر اتر آئیں، قرآن کریم کے متعدد مقامات سے واضح ہے - قرآن کریم کی رو سے جنگ سے مقصود سرکش اور ظالم کو حق و انصاف کے سامنے جھکانا ہے اور بس -

خلاف جنگ کرو ۔ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ (۹/۲۹) ۔ تاآنکہ وہ اُس امن و آسائش کے بدلے میں جو اسلامی مملکت میں رہنے سے انہیں نصیب ہوگی ، شہری ٹیکس دینا اور پر امن رعایا کی حیثیت سے رہنا قبول کرلیں ۔ ان کا اسلامی مملکت میں برابر کی حیثیت سے نہیں بلکہ محکوم کی حیثیت سے رہنا ان کے لئے چھوٹا ہو جانا ہے ۔ لیکن یہ چھوٹا ہونا سیاسی نقطۂ نگاہ سے ہوگا ، ورنہ انہیں وہ تمام حقوق انسانیت حاصل ہونگے جنہیں قرآن کریم ہر فرزند آدم کو عطا کرتا ہے ۔ لیکن وہ امور مملکت میں دخیل نہیں ہوسکینگے ۔

سورۃ بقرہ میں ہے صَغِیْرًا اَوْ کَبِیْرًا (۲/۲۸۲) ۔ اس کے معنی ہیں تھوڑا یا بہت ۔ اَصْغَرُ ۔ زیادہ چھوٹا (۵۸/۷) ۔

ص غ و (ی)

صَغَا یَصْغُوْ و صَغٰی یَصْغٰی ۔ مائل ہونا ۔ جھکنا ۔ صَغَتِ الشَّمْسُ سورج مائل بغروب ہوا ۔ صَاغِیَۃُ الرَّجُلِ ۔ آدمی کے طرف دار اور حمایتی ۔ صِغْوُہٗ مَعَکَ ۔ اس کا میلان و رجحان تیری طرف ہے ۔ اَصْغٰی حَقَّہٗ ۔ اس نے اپنا حق کم کر دیا* ۔

قرآن کریم میں ہے وَ لِتَصْغٰٓی اِلَیْہِ اَفْئِدَۃُ ..... (۶/۱۱۳) تاکہ ان کے دل اس کی طرف مائل رہیں ۔ (نیز ۶۶/۴) ۔

ص ف ح

اَلصَّفْحُ ۔ ہر چیز کا چوڑا پہلو ۔ اس کی چوڑی سطح ۔ جانب اور پہلو ۔ اَلصَّفْحُ مِنَ السَّیْفِ ۔ تلوار کی چوڑائی ۔ (دھار نہیں بلکہ چوڑا حصہ) ۔ اَلْمُصَفَّحُ ۔ چوڑی چیز ۔ اَلصَّفْحَۃُ ۔ چوڑائی کے اعتبار سے کاغذ کی سطح کو کہتے ہیں ۔ اَلْمُصَافَحَۃُ ۔ ہاتھ ملانا** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی چوڑائی کے ہیں ۔

صَفَحَ ۔ اپنے منہ کو موڑ کر چہرے کا چوڑا حصہ (ایک جانب) دوسرے کے سامنے کرنا ۔ یعنی اس سے اعراض برتنا ۔ پہلو تہی کرنا ۔ صَفَحَ عَنْہُ ۔ اسے چھوڑ دیا ۔ معاف کر دیا ۔ یہ عَفَوَ سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے کیونکہ عَفَوَ میں کسی کو مجرم قرار دے کر معاف کرنا ہوتا ہے اور صَفَحَ میں اسے مجرم گردانا ہی نہیں جاتا ہے** ۔ سورۃ بقرہ میں یہ دونوں الفاظ اکٹھے آئے ہیں ۔ (۲/۱۰۹) ۔

---

*تاج ۔ **تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔

سورۃ زخرف میں ہے اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا (۴۳/۵)۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم تم سے اعراض برتتے ہوئے ان تاریخی حقائق کو تم سے پھیر دینگے؟ سورۃ حجر میں ہے فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ (۱۵/۸۵)۔ ان سے نہایت جمال آفریں انداز سے کنارہ کش ہو کر (اپنی جداگانہ تنظیم کرتے جاؤ)۔ (۱۵/۹۴)۔ یعنی وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا (۷۳/۱۰)۔ قرآن کریم کا انداز معاشرت ملاحظہ کیجئے۔ وہ کہتا ہے کہ کسی سے بنا کر رکھنا تو ایک طرف، اگر کسی سے کنارہ کش ہونا ہو تو بھی نہایت حسن کارانہ انداز سے، بڑی خوبصورتی سے، جمال آفرینی کے اسلوب سے الگ ہو۔ جو ضابطۂ حیات کسی سے کنارہ کشی کی صورت میں اس انداز کی تلقین کرتا ہو، غور کیجئے کہ وہ دوستداری اور رفاقت کے تعلقات کو کن بلندیوں تک لے جاتا ہوگا اور ان میں کس قدر حسن پیدا کرنے کی تلقین کرتا ہوگا؟

ص ف د

صَفَدٌ۔ صِفَادٌ (جمع اَصْفَادٌ)۔ چمڑے کا تسمہ یا لوہے کی زنجیر جس سے قیدی کو باندھا جائے۔ بندھن۔ بندش۔ نیز گلے کا طوق یا پٹہ جو چمڑے کا بنا ہوتا تھا۔ صَفَدَهٗ۔ یَصْفِدُهٗ۔ کسی کو زنجیر وغیرہ سے باندھنا۔ جکڑنا۔ اَلصَّفَدُ۔ عطیہ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس سے انسان معطی کا زیر بار احسان ہو کر مروت کی زنجیر میں بندھ جاتا ہے *۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) باندھنا (۲) عطا کرنا لکھے ہیں۔

قرآن کریم میں مجرمین کے متعلق ہے۔ مُقَرَّنِينَ فِي الْاَصْفَادِ (۱۴/۴۹)۔ وہ زنجیروں میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہونگے۔

ص ف ر

اَلصُّفْرَةُ۔ زردی۔ پیلا پن۔ اَلصَّفْرَاءُ۔ سونا **۔ یہ اَصْفَرُ کا مونث بھی ہے۔ اس صورت میں اس کے معنی ''پیلے رنگ والی'' ہونگے۔

اَلصِّفْرُ۔ خالی چیز **۔ صَفِرَ اِنَاؤُهٗ۔ اس کا برتن خالی ہوگیا۔ محاورہ میں اس کے معنی ہوتے ہیں۔ ''اس کے مویشی ہلاک ہوگئے''۔ (ابن فارس)

اَلصَّافِرُ۔ ہر آواز نکالنے والا پرندہ۔ اَلصَّفِيرُ۔ مویشیوں کو پانی کے لئے بلانے کی آواز **۔ سیٹی کی آواز۔

---

* تاج۔ محیط۔ راغب۔ ** تاج

سورۃ بقرۃ میں، بنی اسرائیل کی گائے (یا سانڈ) کے متعلق ہے کہ وہ صفراءٌ تھی یعنی اس کا رنگ زرد تھا (۲/۶۹)۔ اور سورۃ مرسلٰت میں جہنم کے شعلوں کو جِمٰلَتٌ صُفْرٌ۔ زرد اونٹوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ سیاہ اونٹوں کو کہا گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی سیاہ اونٹ ایسا نہیں ہوتا جسکی سیاہی زردی میں ڈوبی ہوئی نہ ہو۔ ایسی ہی زردی کے لئے یہاں صُفْرٌ کہا گیا ہے * (۷۷/۳۳)۔ سورۃ زمر میں زرد کے لئے مُصْفَرًّا آیا ہے (۳۹/۲۱)۔

ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی پانچ چھ لکھے ہیں لیکن قرآن کریم میں یہ مندرجہ بالا معنوں ہی میں آیا ہے۔

ص ف ف

اَلصَّفُّ۔ اَلتَّصْفِیْفُ۔ صف بندی کرنا۔ صف بنانا۔ اَلصَّفُّ۔ صف (قطار) میں کھڑا ہونا۔ اَلصَّفُّ۔ وہ لوگ جو لائن لگا کر کھڑے ہوں **۔ راغب نے کہا ہے کہ ایک سیدھی لکیر پر آدمیوں کو کھڑا کرنا یا درختوں وغیرہ کو لگانا صَفٌّ کہلاتا ہے۔ سورۃ کہف میں ہے وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا (۱۸/۴۸)۔ وہ تیرے رب کے حضور صف باندھ کر پیش کئے جائینگے۔

اَلصَّفُّ۔ پرندوں کا فضا میں اپنے بازو پھیلا دینا اور انہیں حرکت نہ دینا۔ صَآفَّاتٌ۔ بازو پھیلائے ہوئے **۔ سورۃ نور میں ہے وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ (۲۴/۴۱)۔ پرندے جو فضا میں پر پھیلائے ہوں (صَآفَّاتٌ کا واحد صَآفَّةٌ ہے)۔ اَلصَّآفَّاتُ۔ صف بستہ جماعتیں (۳۷/۱)۔ صَوَافُّ (صَوَافِفُ) صف میں کھڑے ہوئے اونٹ (۲۲/۳۶)۔ یہ بھی صَآفَّةٌ کی جمع ہے۔ مَصْفُوْفَةٍ۔ صف میں لگائے ہوئے (۵۲/۲۰)۔ اَلصَّفْصَفُ۔ سپاٹ اور ہموار زمین جس کا گھاس وغیرہ سب صاف کردیا گیا ہو **۔ قرآن کریم میں ہے قَاعًا صَفْصَفًا (۲۰/۱۰۶) ہموار میدان۔

صُفَّةُ الدَّارِ۔ گھر کا برآمدہ *۔

ص ف ن

اَلصَّفْنُ۔ دو چیزوں کو اسطرح اکٹھا کر دینا کہ ان کے بعض حصے دوسرے حصوں کے ساتھ مل جائیں ***۔ صَفَنَ الرَّجُلُ۔ آدمی نے اپنے دونوں پاؤں ایک لائن میں رکھے ****۔ صَفَنَ الْفَرَسُ یَصْفِنُ۔ صَفْوًنا۔ گھوڑے کا اس طرح کھڑا ہونا کہ اسکے تین پاؤں زمین پر ہوں اور چوتھے

* تاج۔ ** تاج و راغب۔ *** راغب **** محیط

پاؤں کا سُم اسطرح اٹھا ہو کہ اس کا اگلا حصہ (کنارہ) زمین کو مس کرتا رہے* ۔ اس طرح کھڑا ہونے والا گھوڑا صَافِنٌ کہلاتا ہے ، جمع صَوَافِنُ و صَافِنَاتٌ ۔ عربوں کے ہاں اس قسم کے گھوڑے اعلیٰ درجہ کے شمار ہوتے تھے ۔ قرآن کریم میں اَلصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ (۳۸/۳۱) ۔ ایسے ہی اصیل گھوڑوں کے لئے آیا ہے ۔

ص ف و

اَلصَّفْوُ ۔ اَلصَّفَاءُ ۔ کسی چیز کا صاف اور خالص حصہ ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلصَّفَاءُ کے معنے ہیں کسی چیز کا ہر قسم کی آمیزش سے پاک اور صاف ہونا یہی اس کے بنیادی معنی ہیں (ابن فارس) ۔ صَفْوَةُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ ہر چیز کا خالص حصہ ۔

يَوْمٌ صَافٍ وَصَفْوَانٌ ۔ وہ خنک دن جس میں نہ بادل ہوں اور نہ ہی فضا غبارآلودہ ہو۔ اِصْطِفَاءٌ ۔ صاف اور خالص چیز کا لے لینا ۔ انتخاب کر لینا ۔ اِسْتَصْفَاهُ ۔ اسے مخلص سمجھا ۔ اسے چنا ۔ انتخاب کیا ۔ اَلصَّفِيَّةُ (جمع صَفَايَا) مال غنیمت کی وہ چیز جسے امیر اپنے لئے منتخب کرلے ** ۔

اَلصَّفَاةُ (جمع صَفَوَاتٌ وَصَفًا) بڑا صاف ، چکنا پتھر جس پر کچھ نہ اگ سکے ۔ اَلصَّفْوَانَةُ (جمع صَفْوَانٌ) کے بھی یہی معنی ہیں* ۔ (۲/۲۶۴) ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ اسم جمع ہے ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الصَّفْوَان کے معنی بڑی چٹان ہوں اور اس کے ایک ٹکڑے کو صَفْوَانَةٌ کہا جاتا ہو۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم ؑ کے متعلق ہے وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا (۲/۱۳۰) ہم نے اسے دنیا میں آمیزشوں سے پاک کرکے ایک عظیم مقصد کے لئے منتخب کر لیا ۔ مختلف انبیائے کرام کے متعلق فرمایا وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (۳۸/۴۷) ۔ یہ لوگ ہمارے ہاں منتخب افرادِ انسانیہ ہیں ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے اَصْفٰىكُمْ (۱۷/۴۰) ۔ یعنی چن لینا ۔ دوسروں سے الگ کرکے مختص کر لینا اور ترجیح و فضیلت دینا ۔

سورۃ بقرۃ میں اَلصَّفَا وَالْمَرْوَةَ کو مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ کہا گیا ہے ۔ (۲/۱۵۸) ۔ یہ مکہ کے قریب دو پہاڑیاں ہیں ۔

سورۃ محمد میں ہے عَسَلٍ مُّصَفًّى (۴۷/۱۵) صاف کیا ہوا شہد ۔

---

* تاج ** تاج و محیط

ص ک ک

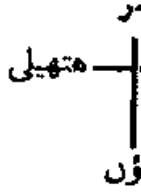
صَکٌّ ۔ کسی چیز، بالخصوص چوڑی چیز کے ذریعے زور سے مارنا ۔ صَکَّ البَابَ ۔ اس نے دروازہ بند کر دیا ۔ صَکَّهٗ ۔ صَکَّهٗ ۔ اسنے اسے دھکا دیا * ۔

قرآن کریم میں حضرت ابراھیم ؑ کی بیوی کے متعلق ہے فَصَکَّتْ وَجْهَهَا (۵۱/۲۹) ۔ اسنے اپنے چہرہ پر ھاتھ مارا ۔ لیکن یہ عمل از روِ تعجب تھا ۔ جیسا کہ آیت (۱۱/۷۲) سے ظاھر ہوتا ہے ۔

ص ل ب

اَلصُّلْبُ ۔ اَلصَّلِیْبُ ۔ مضبوط اور سخت ۔ هُوَ صُلْبٌ فِیْ دِیْنِهٖ ۔ وہ اپنے دین میں سخت اور مضبوط ہے ۔ صَلَّبَ ۔ اس نے اسے سخت اور مضبوط بنا دیا ۔ اَلصُّلْبُ ۔ ریڑھ کی ھڈی * ۔ (جمع اَصْلَابٌ) ابن فارس نے کہا ہے کہ پشت کو بھی اس کی قوت اور سختی کی وجہ سے صُلْبٌ کہتے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ (۴/۲۳) ۔ تمہارے وہ بیٹے جو تمہاری اپنی ''پیٹھ'' (صلب) سے ہوں ۔

اَلصَّلْبُ ۔ آدمی کو مار دینے کے لئے لٹکانا ۔ سولی چڑھا دینا ۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اس شخص کی پیٹھ لکڑی کے ساتھ باندھ دی جاتی تھی ۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلصَّلِیْبُ ۔ مردے کے ناک یا منہ میں سے جو پانی سا نکلتا ہے اسے کہتے ہیں ۔ نیز وہ چکنائی جو ھڈیوں سے نکالی جائے * ۔ ابن فارس نے مَصْلُوْب کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سولی پر چڑھائے ہوئے کو اس لئے مَصْلُوْب کہتے ہیں کہ اس کے چہرے پر چکنائی آ جاتی ہے ۔ پھر سولی کو بھی صَلِیْب کہتے ہیں ۔ لیکن راغب کی توجیہ بہتر نظر آتی ہے ۔ اس لئے کہ (عیسائیوں کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق) صلیب کی شکل یوں ہوتی تھی ۔



مجرم کو اس تختے پر لٹکا کر اس کے دونوں ھاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑ دیتے تھے اور اسے اسی حالت میں رھتے دیا جاتا تھا ۔ تاآنکہ وہ درد و کرب اور ضعف و نقاھت سے دم توڑ دے ۔

یہودیوں کے نزدیک صلیب پر مرنا لعنتی کی موت تھی ۔ ان کا دعوی تھا کہ انہوں نے (حضرت) عیسٰے ؑ کو صلیب پر لٹکا کر (معاذ اللہ) لعنتی

* تاج و محیط ۔

کی موت مار دیا ۔ عیسائی اگرچہ (صلیب کی موت کو لعنتی کی موت نہیں کہتے لیکن) اس کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے صلیب پر جان دی ۔ قرآن کریم نے یہودیوں اور عیسائیوں، دونوں کی تردید میں کہا کہ یہ قصہ ہی سراسر غلط ہے ۔ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (۴/۱۵۷) ۔ ''اور انہوں نے نہ اسے قتل کیا ۔ اور نہ ہی صلیب پر لٹکایا ۔ اصل حقیقت ان پر مشتبہ ہوگئی''۔ حضرت عیسیٰؑ وہاں سے پہلے ہی تشریف لے جا چکے تھے اور انہوں نے جس شخص کو گرفتار کیا تھا وہ کوئی اور تھا ۔ (تفصیل میری کتاب ''شعلہ مستور'' میں ملیگی) ۔

قرآن کریم میں اسلامی مملکت کے خلاف بغاوت اور فساد فی الارض کی مختلف سزائیں (حسبِ نوعیت جرم) بتائی گئی ہیں ۔ ان میں ایک یُصَلَّبُوْٓا (۵/۳۳) بھی ہے ۔ یعنی صلیب پر لٹکوا دینا ۔ سولی دیدینا ۔

صَلَبَ ۔ ایک آدمی کو سولی دینے کے لئے ۔ اور صَلَّبَ ۔ زیادہ آدمیوں کو سولی دینے کے لئے بولا جاتا ہے ۔

ص ل ح

اَصْلَحَ الَیْہِ کے معنے ہیں اَحْسَنَ الَیْہِ ۔ یعنے اس نے ایسا کام کیا جس سے اس (دوسرے آدمی) کی خرابی ، نقص یا کمی دور ہوگئی ۔ حسن کارانہ توازن پیدا کرنے والے کام کرنا ۔ اسی لئے اَلصُّلْحُ باہمی امن و سلامتی اور مسالمت کو کہتے ہیں، کیونکہ زمانۂ جنگ کی بہ نسبت ، صلح و امن میں معاملات کے اندر توازن قائم رہتا ہے* ۔ الصَّلَاح کے معنے ہیں حالات کا عقل و شرع کے تقاضہ کے مطابق معتدل و مستقیم ہو جانا** ۔ جس چیز کو جس حال میں ہونا چاہئے اس کا ٹھیک ٹھیک اسی حالت میں ہونا ۔ بالکل مناسب ، درست، یا ترتیب، ٹھیک حالت میں رہنا*** ۔

سورۃ اعراف میں صحیح و سالم اور تندرست بچے کے لئے صَالِحًا کا لفظ آیا ہے (۷/۱۹۰) ۔ یعنی ایسا بچہ جو ہر لحاظ سے مناسب اور درست ہو ۔ سورۃ انبیاء میں ، جہاں حضرت زکریا کے ہاں بڑھاپے کے زمانے میں اولاد پیدا ہونے کا ذکر ہے ، وہاں کہا ہے وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ (۲۱/۹۰) ۔ ہم نے اس کی بیوی سے اس نقص کو دور کردیا جو اولاد پیدا کرنے سے مانع تھا ۔ سورۃ نور میں وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ (۲۴/۳۲) کے معنے ہیں وہ

*تاج ۔ **محیط ۔ ***لین ۔

غلام اور لونڈیاں جو نکاح کی صلاحیت رکھتے ہوں ۔ سورۃ یوسف میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس وقت ہمارے باپ کی ساری توجہ یوسفؑ (اور اس کے بھائی) کی طرف ہے۔اگر یوسفؑ کو قتل کر دیا جائے یا ملک بدر کردیا جائے تو پھر موجودہ نا ہمواری دور ہوجائیگی۔ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ (۱۲/۹) ۔ اور بعد میں ہم ایسا گروہ باقی رہ جائینگے جن میں کوئی نا ہمواری نہیں رہے گی ، اور ہمارے کام سنور جائینگے ۔ یہاں صالحین کے لفظ نے اس کے مفہوم کو واضح کر دیا ہے ۔ یعنی نا ہمواریاں دور ہو جانا ۔ معاملات کا سنور جانا ۔

قرآن کریم میں حَسَنَاتٌ کے مقابلہ میں سَيِّئَاتٌ کا لفظ اکثر آیا ہے ۔ اور (۲/۸۱ ۔ ۸۲) میں سَيِّئَةٌ کے مقابل میں عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آیا ہے ۔ لہذا اعمال صالحہ اور حسنات ہم معنی ہیں ۔ اس لئے دوسرے مقام پر مَنْ عَمِلَ صَالِحًا کے مقابل میں مَنْ اَسَاءَ آیا ہے (۴۱/۴۶) ۔ (س ۔ و ۔ ا اور ح ۔ س ۔ ن کے عنوانات میں ان الفاظ کے معنے سامنے آجائینگے) ۔ لہذا اعمالِ صالحہ کے معنے ہیں ایسے کام جن سے انسان کی مضمر صلاحیتیں بیدار ہو جائیں اور اس طرح اس میں زندگی کے ارتقائی منازل طے کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے ۔ نیز جن سے معاشرہ کا حسن و توازن قائم رہے اور ناہمواریاں دور ہوجائیں ۔ جو زندگی کی خوشگواریوں کو اپنے ساتھ لائیں ۔ ٹھیک وہ کام کرنا جو اُس وقت کے حالات کے عین مطابق اور قوانین خداوندی سے ہم آہنگ ہو ۔ فساد اس کی ضد ہے (اس کے لئے عنوان ف ۔ س ۔ د دیکھئے) ۔

قرآن کریم نے فَسَادٌ اور صَلَاحٌ کو ٹھیک ایک دوسرے کے مقابل میں استعمال کیا ہے ۔ (۷/۱۴۲) ۔ سورۃ قصص میں مُصْلِحِيْنَ کے مقابلہ میں جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ آیا ہے (۲۸/۱۹) ۔ اسی سورت میں ذرا آگے ، یہ مادہ خوش معاملگی کے معنوں میں آیا ہے (۲۸/۲۷) ۔

قرآن کریم میں آپ شروع سے اخیر تک دیکھینگے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آیا ہے ۔ یعنی قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھنا اور اس کے ساتھ ہی صلاحیت بخش کام کرنا ۔ اس سے واضح ہے کہ ایمان اور عمل لازم و ملزوم ہیں ۔ وہ اعمال جن کا سرچشمہ دل کا یقین نہ ہو محض رسم یا عادت کا نتیجہ ہوتے ہیں ، جو میکانکی طور پر (Mechanically) سرزد ہوتے رہتے ہیں ۔ ان سے صحیح نتائج مرتب نہیں ہو سکتے ۔ اسی طرح وہ ایمان جو اعمال صالحہ کا محرک نہیں بنتا ، دل کا یقین نہیں بلکہ محض زبان کے رسمی اقرار کا نام ہے ، جو اُسی طرح بے نتیجہ ہوتا ہے جس طرح اعمال

بلا ایمان بے نتیجہ ہوتے ہیں - سورۃ روم میں قرآن کریم نے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا کے مقابلہ میں مَنْ کَفَرَ لا کر (۳۰/۴۴) - اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ اگر اعمال صالحہ ساتھ نہ ہوں تو ایمان ، ایمان نہیں ہوتا -

نیز اعمال بھی وہی اعمالِ صالحہ ہیں جنہیں قرآن کریم نے صالح قرار دیا ہے، نہ کہ وہ جنہیں ہم اپنی دانست میں اعمال صالحہ سمجھیں- ان اعمال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرد کی صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں، معاشرہ میں ہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں ، اور نوع انسانی کے معاملات سنور جاتے ہیں - واضح رہے کہ قرآن کریم نے اعمال صالحہ کی کوئی جامع اور مانع فہرست مرتب کرکے نہیں دیدی - اعمال صالحہ سے اس کی مراد تمام ایسے کام ہیں جو مذکورہ خصوصیات کے حامل ہوں - یعنی جو کام زمانے کے تقاضوں کے عین مناسب ہوں بشرطیکہ وہ قرآنی اصولوں سے نہ ٹکرائیں، کیونکہ اعمال صالحہ کے ساتھ ایمان لاینفک شرط ہے- اگر ہم ایمان کے متعلق یہ کہیں کہ یہ ان بلند اقدار کی صداقت پر یقین محکم کا نام ہے جنہیں قرآن کریم نے انسانی ذات کی نشو و نما کے لئے متعین کیا ہے اور اعمال صالحہ، ان اقدار کے تحفظ کو کہتے ہیں ، تو یہ چیز حقیقت کے مطابق ہوگی - اسی کو بالفاظ دیگر کیریکٹر کہا جائیگا - لہذا کیریکٹر پیدا نہیں ہوسکتا جب تک زندگی کی بلند اقدار کی صداقت پر یقین نہ ہو - یہ یقین علم و بصیرت کی بنا پر حاصل ہوتا ہے -

ص ل د

اَلصَّلْدُ - اَلصَّلِيْدُ- ٹھوس چکنا پتھر* - (۲/۲۶۴) - اَلصَّلْدَاءُ سخت ٹھوس زمین جس میں کچھ پیدا نہ ہوسکے* - صَلُوْدٌ - بخیل آدمی - رَأْسٌ صَلْدٌ - وہ سر جس پر بالکل بال نہ ہوں* - لہذا اَلصَّلْدُ وہ چٹان ہوگی جس پر ذرا سی مٹی بھی باقی نہ رہے - سورۃ بقرۃ کی محولہ بالا آیت میں یہ معانی واضح ہیں -

ص ل ص ل

اَلصَّلْصَالُ - خالص گیلی مٹی جس میں ریت مل جائے اور پھر خشک ہونے پر اس میں سے آواز آنے لگ جائے - جب ایسے آگ میں پکا لیا جائے تو اسے فَخَّارٌ کہتے ہیں - یعنے خشک کچی ٹھیکری صَلْصَالٌ ہوگی - اور پختہ ٹھیکری فَخَّارٌ ** -

*تاج - **تاج و راغب -

قرآن کریم میں انسانی تخلیق کے ابتدائی مراحل کے متعلق ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ (۱۵/۲۶) ۔ ہم نے انسان کو کھنکنے والی خشک مٹی سے پیدا کیا ۔ (تفصیل اس اجمال کی میری کتاب ''ابلیس و آدم'' میں ملیگی) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنوں میں تری اور تھوڑا سا پانی شامل ہوتا ہے ۔ زندگی کے ابتدائی جرثومے (Life Cells) محسوس طور پر ، پانی اور مٹی کے اسی امتزاج سے سامنے آتے ہیں ۔ اسی کو قرآن کریم نے کہیں طِیْنٌ (۳۲/۷) اور کہیں طین لازب (۳۷/۱۱) سے تعبیر کیا ہے ۔ یعنی انسان کی حیاتِ طبعی کا محسوس نقطۂ آغاز۔

ص ل و (ی)

اگرچہ صلٰوۃ اور اس کے جملہ مشتقات کا تعلق (ص ۔ ل ۔ و) ہی سے ہے لیکن علمائے لغت نے اس ضمن میں بعض ایسے مشتقات بھی بیان کئے ہیں جو (ص ۔ ل ۔ ی) سے متعلق ہیں اور ان سے بھی صلٰوۃ کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ، اس لئے اس عنوان میں مادہ کے آخر کا ''واو'' اور ''ی'' دونوں ہی آگئے ہیں ۔ ویسے ہم نے (ص ۔ ل ۔ ی) کا ایک جداگانہ عنوان بھی رکھا ہے جو آگے آتا ہے ۔ چونکہ ''صلٰوۃ'' دین کا ایک بنیادی گوشہ ہے اور قرآن کریم میں یہ اصطلاح اور اس کے متعلقات بڑی کثرت سے آئے ہیں اس لئے یہ عنوان بڑا اہم ، اور اس کے مباحث خاص غور و فکر کے محتاج ہیں ۔ ہم انہیں نسبتاً تفصیل سے بیان کرینگے ۔

(۱) اَلصَّلَا ۔ پشت کا درمیانی حصہ ۔ کولھے کا ڈھلوان یا وہ حصہ جس پر جانور کی دم لگے ۔ دم کے دونوں جانب کے حصے صَلَوَانِ کہلاتے ہیں ۔ اس کی جمع صَلَوٰتٌ یا اَصْلَاءٌ آتی ہے* ۔ صَلَا ۔ یَصْلُوْ ۔ صَلْوًا کے معنی ہیں صَلَا (مذکورہ صدر حصہ) پر مارنا ۔ صَلَوْتُہٗ ۔ میں نے اس کے صَلَا پر مارا ۔

(۲) اَلصَّلَا کی نسبت سے، صَلَّی الْفَرَسُ تَصْلِیَۃً اس وقت کہتے ہیں جب گھوڑ دوڑ میں ، دوسرے نمبر کا گھوڑا ، پہلے نمبر کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے اس طرح دوڑ رہا ہو کہ پچھلے کی کنوتیاں ، پہلے کی سرین سے مل رہی ہوں ۔ اس گھوڑے کو جو آگے جا رہا ہو ، سَابِقٌ کہتے ہیں اور دوسرے نمبر والے گھوڑے کو اَلْمُصَلِّیْ ۔ اس سے صَلَّی کے معنے ہیں

*تاج ۔

اگلے کے ساتھ ملے ہوئے پیچھے پیچھے آنا ۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی ایک روایت میں ہے سَبَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ۔ وَ صَلّٰی اَبُوْبَکْرٍ وَ ثَلّٰثَ عُمَرُ وَ خَبَطَتْنَا فِتْنَۃٌ ۔ ''رسول اللہؐ پہلے تشریف لے گئے ۔ اور آپ کے پیچھے پیچھے ابوبکرؓ اور ان کے پیچھے عمرؓ بھی چلے گئے ۔ اور ہمیں فتنوں نے بد حواس کر دیا*'' ۔

(۳) تاج میں ہے کہ صَلِیَ و اصْطَلٰی کے معنی لزوم یعنی وابستگی کے ہیں ۔ یعنی کسی کے ساتھ لگے رہنا اور چمٹے رہنا ۔ اسی بنا پر راغب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں جو ہے لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ (۷۴/۴۳) ۔ ''ہم مصلین میں سے نہیں تھے'' ۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ''ہم انبیاء کے پیچھے پیچھے چلنے والوں میں سے نہیں تھے'' ۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس جہت سے صلوٰۃ کے معنی ہونگے احکامِ الٰہی سے وابستگی ۔ حدود اللہ کے اندر رہنا اور کتاب اللہ سے چمٹے رہنا ۔ لہٰذا تَصْلِیَۃٌ کے معنی ہیں اگلے کے پیچھے اس طرح چلنا کہ ان دونوں میں فاصلہ نہ ہو لیکن پیچھے چلنے والا آگے جانے والے سے آگے نہ بڑھے بلکہ وابستگی سے اس کا اتباع کرے۔

(۴) ان تصریحات سے صَلٰوۃٌ کا بنیادی مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کے سمجھنے کے لئے پہلے ایک مختصر سی تمہید کا سمجھ لینا ضروری ہے ۔ سوال یہ ہے کہ خدا اور بندے کا تعلق کیا ہے؟ خدا ، اس ذات (Personality) کا نام ہے جو بلند ترین ، مکمل ترین ، مستحکم ترین ، اور حسین ترین ہے ۔ اس نے انسان کو بھی ذات (Personality) عطا کی ہے (اور اسے ''روحنا'' کہکر پکارا ہے ۔ دیکھئے عنوان روح) ۔ یہ ذات ، ذات خداوندی کے مقابلہ میں محدود اور پست درجہ کی ہے ۔ اسے اپنی نشوونما کے لئے صفاتِ خداوندی کو اپنے سامنے بطور نصب العین رکھنا ہوتا ہے ۔ ہم خدا کی ذات کے متعلق کچھ نہیں سمجھ سکتے البتہ اس نے اپنی جو صفات وحی کے ذریعہ (قرآن کریم میں) بیان کی ہیں ان صفات کا اپنے اندر اجاگر کرتے جانا انسانی ذات کی نشو و نما کا موجب بنتا ہے ۔ قرآن کریم نے صفات خداوندی کو ''الاسماء الحسنٰی'' سے تعبیر کیا ہے ۔ لہٰذا انسان کا فریضہ یہ ہے کہ ان اسماء (صفات) خداوندی کو اپنے سامنے بطور معیار رکھ کر ، ان کے پیچھے پیچھے چلتا جائے ۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت میں ہمیں جو دعا سکھائی گئی ہے (یعنی جس نصب العین کے حصول کو ہمارے لئے مقصد زندگی تجویز کیا گیا ہے)

*تاج ۔

وہ یہ ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱/۵) - یعنے اس توازن بدوش راستے کی طرف راہنمائی کی تمنا جو ہمیں انسانیت کی منزلِ مقصود تک لے جائے - اور سورۃ ہود میں ہے اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۱۱/۵۶) - ''میرا رب صراط مستقیم پر ہے'' - یعنے جس صراط مستقیم پر چلنے کے لئے مومنین سے کہا گیا ہے وہ وہی راستہ ہے جس پر خدا کائنات کو چلا رہا ہے - ہم اس راستے پر کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہنے سے چل سکتے ہیں - لہذا صلٰوۃ کا بنیادی مفہوم ہے کتاب اللہ کے ساتھ پوری پوری وابستگی سے اپنے اندر (علی حد بشریت) صفات خداوندی کا منعکس کئے جانا -

(۵) سورۃ نور میں ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ - كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (۲۴/۴۱) - ''کیا تو نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ وہ ہے کہ اسی کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں - اور پر پھیلائے ہوئے پرند بھی - ہر ایک اپنی اپنی صلٰوۃ اور تسبیح کو جانتا ہے'' - یعنی کائنات کی ہر شے اپنی صلٰوۃ اور تسبیح کو اچھی طرح جانتی ہے - یہ ظاہر ہے کہ کائنات کی ہر شے (اپنی فطری جبلت کی رو سے) جانتی ہے کہ اس کے فرائض منصبی کیا ہیں - اسے کس راستے پر چلنا اور کس منزل تک پہنچنا ہے - اسکی جد وجہد کے دوائر کونسے ہیں - اسی چیز کو انکی صلٰوۃ اور تسبیح سے تعبیر کیا گیا ہے (تَسْبِيْحٌ کے لئے دیکھئے عنوان س - ب - ح) -

یہ بھی ظاہر ہے کہ انسان کو ان چیزوں کا علم (حیوانات کی طرح) جبلّی طور پر نہیں دیا گیا - اسے یہ سب کچھ وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے - جہانتک اسکی طبعی ضروریات کا تعلق ہے، انسان ان چیزوں کا علم، عقل و فکر اور تجربہ و مشاہدہ سے حاصل کرسکتا ہے لیکن جہانتک اس کی ''انسانیت'' کے تقاضوں کا تعلق ہے یہ چیزیں وحی کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتی ہیں - لہذا انسان کو یہ جاننے کے لئے کہ اسکی ''صلوۃ و تسبیح'' کیا ہے، وحی کا ماننا اور جاننا ضروری ہے - اور اس مقصد کی تکمیل کیلئے وحی کے دیے ہوئے پروگرام پر عمل کرنا لازمی ہے - اسے قرآن کریم نے اِقَامَتِ صَلٰوۃ کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا ہے - (وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ۲/۳) - یعنی قوانین خداوندی کا اتباع کرنا -

لیکن وحی کے دیے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا ہونا (اقامتِ صلٰوۃ) انفرادی طور پر ممکن نہیں - یہ صرف اجتماعی نظام کے ماتحت ہو سکتا ہے -

بھی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اسکے لئے جمع کے صیغے استعمال کئے ہیں۔ حتیٰکہ ایک اسلامی مملکت کا فریضہ ہی یہ بتایا ہے اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (۲۲/۴۱) - یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہوگا تو یہ اقامت صلٰوۃ اور ایتائے زکٰوۃ کرینگے (زکٰوۃ کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان ز ک و)۔ اور معروف کا حکم دینگے اور منکر سے روکینگے"۔ انہی کو دوسری جگہ اَلتَّآئِبُوْنَ السّٰجِدُوْنَ (۹/۱۱۲) کہا ہے۔ یعنی رکوع کرنے والے۔ سجدہ کرنے والے۔ (رُکُوْع اور سُجُوْد کیلئے دیکھئے عنوانات۔ ر۔ ک۔ ع اور س۔ ج۔ د)۔ اور یہی وجہ ہے کہ دوسری جگہ اقامت صلٰوۃ اور امور مملکت کیلئے باھمی مشاورت کا اکھٹا ذکر کیا گیا ہے۔ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (۴۲/۳۸)۔ "وہ اقامت صلٰوۃ کرتے ہیں اور ان کے معاملات باھمی مشورہ سے طے پاتے ہیں"۔ اور چونکہ جماعت مومنین کی زندگی کے تمام امور قوانین خداوندی (کتاب اللہ) کے مطابق سر انجام پاتے ہیں اسلئے سورۃ اعراف میں تَمَسُّک بِالْکِتٰبِ اور اقَامَتِ صَلٰوۃ کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے (۷/۱۷۰)۔ لہذا اقامت صلٰوۃ سے مفہوم ہے ایسا نظام (یا معاشرہ) قائم کرنا جسمیں تمام افراد، قرآن کریم کے قوانین کا اتباع کرتے چلے جائیں، اور یوں کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہیں۔ اس مقصد کی مزید وضاحت کیلئے قرآن کریم میں صَلّٰی کے مقابلہ میں تَوَلّٰی کا لفظ آیا ہے (۹۲/۱۶)۔ تَوَلّٰی کے معنے ہیں صحیح راستہ سے روگردانی کرنا۔ گریز کی راہیں نکالنا۔ پھر جانا۔ منہ موڑ لینا۔ اس لئے صَلّٰی کے معنے ہوئے قوانین خداوندی کے مطابق صحیح راستہ پر چلتے جانا۔ نظام خداوندی کے متعین کردہ فرائض منصبی کو ادا کرتے جانا۔ علامہ حمیدالدین فراھیؒ نے اسی اعتبار سے کہا ہے کہ صلٰوۃ کے ایک معنی کسی کی طرف بڑھنے، رخ کرنے اور متوجہ ہونے کے ہیں (مفردات القرآن)۔ سورۃ علق میں ہے۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی (۹۶/۹-۱۰)۔ یعنے جب خدا کا بندہ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنا چاہتا ہے تو یہ (مخالف) اسکے راستے میں رکاوٹیں ڈالتا ہے۔

ان فرائض منصبی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جسکو یہ محیط نہ ہو۔ چنانچہ سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت شعیبؑ سے ان کی قوم نے کہا کہ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (۱۱/۸۷) "کیا تیری صلٰوۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ

دادا اختیار کئے چلے آرہے ہیں - یا ہم اپنے مال و دولت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہ کریں'' ؟ یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ یہ کیسی صلٰوۃ ہے جو معاشیات تک کو بھی اپنے دائرے کے اندر لے لیتی ہے - اس سے بھی صلٰوۃ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے - یعنی زندگی کے ہر شعبے میں ، قوانین خداوندی کے مطابق عمل کرنے کا نام صلٰوۃ ہے - حقیقت یہ ہے کہ (تفصیل اس اجمال کی کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو) بات سمٹ سمٹا کر یہاں آجاتی ہے کہ انسان اپنے معاملات کا فیصلہ اپنی مرضی (خواہشات اور جذبات) کے مطابق کرنا چاہتا ہے یا وحی خداوندی کے مطابق ؟ اپنے تمام معاملات کو وحی خداوندی کے تابع رکھنے کا نام '' اقامت صلٰوۃ '' ہے - چنانچہ سورۃ مریم میں '' اقامت صلٰوۃ '' اور '' اتباع جذبات '' کو ایک دوسرے کے مقابل لا کر اس مفہوم کو واضح کر دیا گیا ہے - ارشاد ہے فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ ..... (۱۹/۵۹) - (انبیائے کرام کے بعد)،،ایسے نا خلف پیدا ہو گئے کہ انہوں نے صلٰوۃ کو ضائع کر دیا اور اپنے جذبات و خیالات (اپنی خواہشات) کے پیچھے چلنے لگ گئے،، گویا انسان کا اپنی خواہشات کے پیچھے چلنا صلٰوۃ کو ضائع کر دینا ہے اور قوانین خداوندی کے پیچھے چلنا صلٰوۃ کا قائم رکھنا ہے - سورۃ انعام میں '' محافظت صلٰوۃ '' کو آخرت اور کتاب اللہ پر ایمان رکھنے کے مرادف قرار دیا گیا ہے - (۶/۹۳) - اسی بنا پر ابن قتیبہ نے الصَّلٰوۃ کے معنی اَلدِّیْنُ کئے ہیں * - یعنی اقامت صلٰوۃ درحقیقت اقامت دین ہے -

(۶) اَلصَّلَا کے معنی آگ اور ایندھن کے ہیں - اس سے صَلَّی عَصَاہُ عَلَی النَّارِ کے معنے ہیں ، اس نے اپنی لکڑی (لاٹھی) کو آگ دکھا کر نرم اور سیدھا کیا - سلب ماخذ کے اعتبار سے صَلَّی کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اس نے آگ کو ہٹایا اور دور کیا - (روح المعانی) -

اس اعتبار سے دیکھئے تو صلٰوۃ کے معنی ہونگے اپنی خامیوں کو رفع کرنا - صاحب المنار نے کہا ہے کہ صلٰوۃ قَولاً و عملاً اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ہم اپنی خامیوں کو رفع کرنے کے لئے، نقائص سے بالاتر ایک ذات (کی راہنمائی) کے محتاج ہیں - اسی جہت سے قرطبی نے کہا ہے کہ صلٰوۃ در حقیقت خدا کی محکومیت اور اطاعت کو کہتے ہیں -

* القرطبین - جلد اول - صفحہ ۱۳ ، یہ معنی محیط اور اقرب الموارد نے بھی دئے ہیں -

(۷) صلٰوۃ کے ایک معنی جھکانا اور کسی کو اپنی طرف مائل کرنا بھی ہیں* ۔ اس جہت سے صلٰوۃ کا مفہوم ہوگا ۔ کائنات کو مسخر کرنا اور اسے اپنے تابع فرمان بنانا ۔

(۸) الصلٰوۃ کے ایک معنی تعظیم کے بھی ہیں** ۔ یعنی اپنے عملی پروگرام سے کائنات کو نشو و نما دینے والے (رب العالمین) کی عظمت کو ثابت کرنا ۔ اس سے اقامتِ صلٰوۃ اور ایتائے زکٰوۃ کا باہمی تعلق واضح ہوجاتا ہے ۔ یعنی قوانین خداوندی کے مطابق ایسا پروگرام مرتب کرنا اور اس پر عملاً چلنا جس سے تمام نوع انسان کی نشو و نما ہوتی جائے ۔

(۹) صلٰوۃ کے جو مختلف مفاہیم اوپر بیان ہوئے ہیں ، ان سے ظاہر ہے کہ ایک عبد مومن ، زندگی کے جس گوشے میں بھی قوانین خداوندی کے مطابق اپنے فرائض منصبی ادا کرتا ہے ، وہ فریضۂ صلٰوۃ ہی کو ادا کر رہا ہوتا ہے ۔ اس کے لئے وقت ، مقام یا شکل کا تعیّن ضروری نہیں ۔ لیکن قرآن کریم میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صلٰوۃ کا لفظ ایک خاص قسم کے عمل کے لئے استعمال کیا گیا ہے ۔ مثلاً

(ا) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَ اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ۔ (۵/۶)

"اے ایمان والو! جب تم صلٰوۃ کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو ۔ اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو ۔ اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو ۔ ،، اس کے بعد ہے کہ اگر تمہیں پانی نہ ملے تو تیمم کر لیا کرو ۔

(ب) سورۃ نساء میں ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (۴/۴۳) ۔

"اے ایمان والو ۔ تم صلٰوۃ کے قریب نہ جاؤ درآنحالیکہ تم حالتِ سکر (نشہ یا نیند) میں ہو ۔ تاآنکہ تم جو کچھ منہ سے کہو اسے سمجھو (کہ کیا کہہ رہے ہو)" ۔ اس کے بعد پھر تیمم کا ذکر ہے ۔ (بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں مساجد میں جانے کا ذکر ہے ۔ لیکن یہ بحث الگ ہے) ۔

(ج) نبی اکرمؐ سے ارشاد ہے کہ اِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ فَاَقَمْتَ لَھُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ مَّعَکَ

* محیط ۔ **تاج

وَ لْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۔ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۔ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ..... (۴/۱۰۲) ۔ ''اور جب تو ان کے درمیان ہو ۔ پھر ان کے لئے قیام صلٰوۃ کرے ۔ تو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تیرے ساتھ کھڑا ہو، اور چاہئے کہ وہ اپنے ہتھیار لے لیں ۔ پھر جب وہ سجدہ کرچکیں تو وہ تمہارے پیچھے ہو جائیں، اور چاہئے کہ دوسرا گروہ جنہوں نے صلٰوۃ ادا نہیں کی وہ تیرے ساتھ صلٰوۃ ادا کریں۔ اور وہ اپنے بچاؤ (کا سامان) اور اپنے ہتھیار لئے رہیں'' ۔ اس کے بعد ہے فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۔ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ..... (۴/۱۰۳) ۔ ''پھر جب تم صلٰوۃ ادا کر چکو تو کھڑے ۔ بیٹھے ۔ لیٹے جس طرح جی چاہے اللہ کا ذکر کرو ۔ پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو تو قیام صلٰوۃ کرو'' ۔

اس سے پہلی آیت یہ ہے فَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ..... (۴/۱۰۱) ۔ ''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں تمہارے لئے حرج کی بات نہیں کہ تم صلٰوۃ کو کم کر لو اگر تمہیں ڈر ہو کہ کفار (مخالفین) تمہیں تکلیف پہنچائینگے'' ۔ اس ضمن میں (۴/۳۴۹) بھی دیکھئے ۔

صلٰوۃ کے کم کرنے کا طریق (۴/۱۰۲) میں بیان ہوچکا ہے ۔

(د) سورۃ مائدۃ میں ہے وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ..... (۵/۵۸) ۔ ''اور جب تم صلٰوۃ کے لئے آواز دیتے ہو تو (مخالفین) اسے ہنسی اور مذاق (کھیل) بنا لیتے ہیں'' ۔ سورۃ الجمعۃ میں ہے اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ .... (۶۲/۹-۱۰) ۔ ''جب جمعہ کے دن (یا اجتماع کے وقت) صلٰوۃ کے لئے بلایا جائے تو ''اللہ کے ذکر'' کی طرف جلدی آ جایا کرو اور کاروبار کو چھوڑ دیا کرو ۔ اگر تمہیں (اس کی اہمیت کا) علم ہو (تو تم اس حقیقت کو محسوس کر لوگے کہ) یہ تمہارے لئے (کسقدر) بہتر ہے ۔ پھر جب صلٰوۃ ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو ۔ اور

''اللہ کا بہت ذکر کرو'' ۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔ اس کے بعد ہے کہ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ انہیں جب کاروبار یا کھیل تماشا نظر آجاتا ہے تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں ۔ ان سے کہو کہ جو کچھ اللہ کے ہاں سے تمہیں مل سکتا ہے وہ کھیل اور کاروبار سے کہیں بہتر ہے ۔ اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے ۔ (۶۲/۱۱) ۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم میں صلٰوۃ کا لفظ ان اجتماعات کے لئے بھی آیا ہے جنہیں عام طور پر نماز کے اجتماعات کہا جاتا ہے ۔ (نماز کا لفظ عربی زبان کا نہیں ۔ پہلوی زبان کا ہے) ۔ ان اجتماعات کے سلسلہ میں ایک بات خاص طور پر سمجھنے کے قابل ہے ۔ جیسا کہ (ع ۔ ب ۔ د) کے عنوان میں وضاحت سے بتایا جائیگا، قرآن کریم کی رو سے ''خدا کی عبادت'' سے مفہوم اس قسم کی ''پرستش'' یا ''پوجا پاٹ'' نہیں جو عام طور پر اہل مذاہب کے ہاں پائی جاتی ہے ۔ قرآن کریم کی رو سے ''عبادت'' کا مفہوم خدا کے قوانین و احکام کی اطاعت ۔ یا ''اللہ کی محکومیت اختیار کرنا ہے'' ۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی یہ محکومیت ، زندگی کے ہر سانس اور کاروبار حیات کے ہر شعبہ میں اختیار کی جائے گی ۔ اس کی عملی شکل وہ نظام مملکت ہے جو قرآنی اصولوں کے مطابق متشکل کیا جاتا ہے ۔ اسی نظام کے حاملین کے متعلق فرمایا وَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (۴۲/۳۸) ۔ ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نشو و نما دینے والے کی اطاعت کرتے ہیں ۔ اور اقامتِ صلٰوۃ کرتے ہیں ۔ اور ان کا معاملہ باہمی مشورہ سے طے ہوتا ہے ۔ اور جو کچھ ہم انہیں دیتے ہیں وہ اسے (نوع انسانی کی ربوبیت کے لئے) کھلا رکھتے ہیں'' ۔ ان آیات میں ، اطاعت خداوندی ۔ اقامتِ صلٰوۃ اور امور مملکت کے طے کرنے کے لئے باہمی مشاورت کا ارتباط غور طلب ہے ۔ ظاہر ہے کہ قوانین خداوندی کے نفاذ کے متعلق ضروری امور کا فیصلہ کرنے کے لئے باہمی مشاورت کی ضرورت ہوگی، اور مشاورت کے لئے اجتماعات بھی ضروری ہونگے ۔ وسیع معنوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ اجتماعات بجائے خویش ''اقامت صلٰوۃ'' ہی کا ایک حصہ ہونگے ۔ لیکن ان اجتماعات میں ایک اور حقیقت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے ۔ جیسا کہ (ر ۔ ک ۔ ع) اور (س ۔ ج ۔ د) کے عنوانات میں لکھا جا چکا ہے، انسان اپنے جذبات کا اظہار جسم کے اعضا کی محسوس حرکات سے بھی کرتا ہے ، اور یہ چیز اس میں ایسی راسخ ہو چکی ہے کہ اس سے یہ حرکات خود بخود سرزد ہوتی رہتی ہیں ۔ غم و غصہ ، خوشی ، تعجب ، عزم و ارادہ ، ہاں اور نہ ،

وغیرہ قسم کے جذبات اور فیصلوں کا اظہار ، انسان کی طبعی حرکات سے بلا ساختہ ہوتا رہتا ہے ۔ یہی کیفیت جذباتِ عزت و احترام اور اطاعت و انقیاد کے اظہار کی ہے ۔ تعظیم کے لئے انسان کا سر بلا اختیار نیچے جھک جاتا ہے ۔ اطاعت کے لئے ''سر تسلیم خم'' ہوجاتا ہے ۔ اگرچہ قرآن کریم عمل کی روح اور حقیقت پر نگاہ رکھتا ہے ، اور محض (Formalism) کو کوئی وزن نہیں دیتا ، لیکن جہاں کسی جذبہ کی روح اور حقیقت کے اظہار کے لئے (Form) کی ضرورت ہو ، اس سے روکتا بھی نہیں ، بشرطیکہ اس (Form) ہی کو مقصود بالذات نہ سمجھ لیا جائے ۔ صلٰوۃ کے سلسلہ میں قیام و سجدہ وغیرہ کی جو عملی شکل ہمارے سامنے آئی ہے ، وہ اسی مقصد کے لئے ہے ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ان جذبات کا اظہار ، اجتماعی شکل میں ہو ، تو اظہار جذبات کی محسوس حرکات میں ہم آہنگی کا ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے ، ورنہ اجتماع میں انتشار ابھرتا دکھائی دیگا ۔ احترام و عظمت ، انقیاد و اطاعت ، اور فرماں پذیری و خود سپردگی کے والہانہ جذبات کے اظہار میں نظم و ضبط کا ملحوظ رکھنا ، بجائے خویش بہت بڑی تربیتِ نفس ہے ۔ یہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ

بے قراری ہے کس قرار کے ساتھ
جبر ہے دل پہ اختیار کے ساتھ

یہ ہے جذبات اطاعت و تسلیم کے اظہار کی وہ منضبط شکل (صلٰوۃ) جسے قرآن کریم ، جماعتِ مومنین کی مجالس و مشاورت کا ضروری حصہ قرار دیتا ہے ۔ (جسطرح آجکل ہمارے ہاں جلسوں کی کاروائی کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے کیا جاتا ہے اگرچہ یہ چیز محض رسماً ادا کر دی جاتی ہے) ۔ (وَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّھِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ۔ وَ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ) ان اجتماعات کی اہمیت کے پیش نظر ، قرآن کریم نے انہیں کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا) کہا ہے ۔ اس کے ایک معنی ہیں ''خاص طور پر مقرر کردہ فریضہ'' ۔ اور دوسرے معنی ہیں ''ایسا فریضہ جو وقت پر ادا کیا جاتا ہے'' ۔ اجتماعات کے لئے وقت کی پابندی جس قدر ضروری ہے وہ ظاہر ہے ۔ اسی لئے سورۃ الجمعہ کی جو آیت پہلے درج کی جا چکی ہے ، اس میں خاص طور پر کہا گیا ہے کہ جب اس اجتماع کے لئے بلایا جائے ، تو اسے تمام دیگر مصروفیات پر ترجیح دو ۔ تمام کاروبار چھوڑ کر فوراً اس طرف آجاؤ اور جب تک اس سے فارغ نہ ہوجاؤ کسی اور کام کی طرف دھیان مت دو ۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا امیر ، تمہارے سامنے ضروری معاملات پیش کر رہا ہو ، ان کی اہمیت سمجھا رہا ہو ، اور تم کاروبار کے لئے باہر نکل جاؤ ۔ (وَ تَرَکُوْکَ قَائِمًا) ۔

یوں تو جماعتِ مومنین کی ساری زندگی—دن رات—صبح شام—قوانین خداوندی کی اطاعت اور انکے نفاذ کی تگ و تاز میں گذرتی ہے، لیکن اجتماعات کے لئے خاص اوقات کا تعین ضروری ہوتا ہے—خواہ یہ اجتماعات معمولاً منعقد ہوں یا ہنگامی طور پر بلائے جائیں—ذہن انسانی کی توہم پرستیوں نے ، جہاں زندگی کے اور گوشوں میں ''سعد و نحس'' کے افسانے تراشے تھے وہاں دن اور رات کے بعض اوقات کے لئے بھی اسی قسم کے تصور قائم کر رکھے تھے - سورج نکلتے وقت فلاں کام نہیں کرنا چاہئے - زوال کے وقت یوں نہیں کرنا چاہئے - دن اور رات کے ملتے وقت فلاں کام نہیں کرنا چاہئے - وغیرہ وغیرہ - قرآن کریم نے جہاں اور توہم پرستیوں کا خاتمہ کر دیا وہاں اوقات کے سلسلہ میں بھی یہ کہکر بات واضح کر دی ہے کہ دن اور رات میں نہ کوئی ساعت نحس ہے نہ سعد - اس لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں وقت فلاں کام نہیں کرنا چاہئے - جہاں تک اجتماعات صلٰوۃ کا تعلق ہے - اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ . . . . (۱۷/۷۸) تم ''دلوک الشمس'' سے رات کی تاریکی تک اقامتِ صلٰوۃ کر سکتے ہو - اور صبح کے وقت کا قرآن بھی—(د - ل - ک) کے عنوان میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ''دلوک'' میں ، صبح سے شام تک کا سارا وقت آجاتا ہے ؛ بالخصوص جب سورج کے بلند ہونے - نصف النہار تک پہنچنے، مائل بہ زوال ہونے اور غروب ہوجانے کی مختلف منازل کو (خاص طور پر) اس میں شامل کرنا مقصود ہو - ان مختلف منازل کی طرف اشارہ کرنے سے مقصود ، ان توہم پرستیوں کی تردید تھا جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے - انہی کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ (۱۱/۱۱۴) - ''دن کے دونوں اطراف اور رات کے حصوں میں اقامت صلٰوۃ کرو'' -

ان اوقات کا ذکر تو خصوصیت سے لفظ صلٰوۃ کے ساتھ کیا گیا ہے، ویسے اقامت دین کے سلسلہ میں جماعت مومنین کی تگ و تاز کے سلسلہ میں (جسے قرآن کریم تسبیح ، تحمید و تذکیر کے اصطلاحات سے تعبیر کرتا ہے) دن ، رات کے تمام اوقات کا ذکر آیا ہے - دیکھئے (۲۰/۱۳۰) و (۳۰/۱۷) و (۳۹/۵۹) و (۳۹/۵۲) وغیرہ -

سورۃ نور میں صلٰوۃ الفجر اور صلٰوۃ العشاء کا ذکر (ضمناً) آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تمہارے گھر کے ملازمین کو چاہئے کہ وہ تمہاری (Privacy)

کے اوقات میں ، اجازت لیکر کمرے کے اندر آیا کریں - یعنی مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ (۲۴/۵۸) ''صلٰوۃ الفجر سے پہلے- اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتار دیدیتے ہو - اور صلٰوۃ العشاء کے بعد'' - اس سے واضح ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں اجتماعات صلٰوۃ کے لئے (کم از کم) یہ دو اوقات متعین تھے - جبھی تو قرآن کریم نے ان کا ذکر نام لیکر کیا ہے -

جہاں تک صلٰوۃ میں کچھ پڑھنے کا تعلق ہے ، یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ تم کیا پڑھ رہے ہو(۴/۴۳)- دوسرے مقام میں ہے وَلَا تَجْھَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِھَا - وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا (۱۷/۱۱۰)-''اور اپنی صلٰوۃ کو نہ تو بلند آواز سے ادا کر اور نہ خاموشی سے - ان دونوں کے درمیان راستہ اختیار کر'' بعض لوگوں کا خیال ہے اس آیت میں صلٰوۃ سے مراد عام دعا یا ذکر ہے - نماز نہیں - لیکن یہ خیال صحیح نظر نہیں آتا - ''ذکر'' کے متعلق قرآن کریم میں یہ صراحت موجود ہے (۷/۲۰۵) کہ اسے خاموشی سے دل میں کرنا چاہئے - بہ آواز بلند نہیں - (ذکر سے مراد ، قانون خداوندی کی یاد ہے) - اسلئے مندرجہ بالا آیت میں صلٰوۃ سے مراد '' نماز'' ہی ہوسکتی ہے - قرطبی نے اس کے معنی قرأت لکھے ہیں -

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ ان مقامات میں صلٰوۃ سے مراد اجتماعات صلٰوۃ ہیں - (اس کے لئے فعل صَلّٰی - یُصَلِّیْ آتا ہے) - اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں '' اقیموا الصلٰوۃ'' کہا ہے وہاں ، بہ ہیئتِ مجموعی ، اس سے مراد ہے ، اقامت دین - (یعنی نظام خداوندی کی تشکیل و استحکام) - قوانین و احکام خداوندی کا اتباع - ان فرائض منصبی کی ادائیگی جو ایک عبد مومن پر عائد ہوتے ہیں - لیکن بعض مقامات پر اس سے مراد ہیں اجتماعاتِ صلٰوۃ جو خود دین کے نظام کا جزو ہیں - متعلقہ مقامات میں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ وہاں اقامت صلٰوۃ سے مقصود کیا ہے - اسی طرح جہاں جہاں '' مصلین'' آیا ہے وہاں بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ اس سے مراد جماعت مومنین (بہ ہیئتِ مجموعی) ہے یا صرف اجتماعاتِ صلٰوۃ میں شرکت کرنے والے ، اس لئے کہ قرآن کریم نے ان ''مصلّین'' کا بھی ذکر کیا ہے جو شرف انسانیت کی بلندیوں پر ہیں (دیکھئے (۷۰/۲۲-۳۵) - اور ان کا بھی جن کے لئے تباہی ہے (۱۰۷/۴-۵) -

(۱۰) صَلّٰی عَلَیْہِ ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں تعظیم کرنا ۔ دعا دینا ۔ حوصلہ افزائی کرنا ۔ پروان چڑھانا ۔ نشو و نما دینا ۔ کسی قسم کی خرابی یا فساد پیدا نہ ہونے دینا * ۔

ان معانی کو سامنے رکھنے سے قرآن کریم کے ان مقامات کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے جن میں یہ مادہ علیٰ کے صلہ کے ساتھ آیا ہے ۔ مثلاً سورۃ احزاب میں جماعت مومنین سے کہا گیا ہے ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُہٗ ..... (۳۳/۴۳) ۔ ''خدا اور اس کے ملائکہ (کائناتی قوتیں) تمہاری حوصلہ افزائی کرتے ہیں ۔ تمہاری نشو و نما کا سامان بہم پہنچاتے ہیں ۔ تمہاری کوششوں کو پروان چڑھاتے ہیں'' ۔ یہ ان مومنین کے متعلق ہے جن کی بابت دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ جب انہیں اقامت دین کے سلسلہ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ ان سے گھبراتے نہیں ۔ حوصلہ نہیں ہارتے ، بلکہ ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں ۔ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ (۲/۱۵۷) ۔ یہ لوگ خدا کے نزدیک مستحق تبریک و تہنیت ہیں ۔ انہیں خدائی تائید و نصرت حاصل ہے ۔ خدا ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ۔ ان کی کوششوں کو کامیاب بناتا ہے ۔ ان کی نشو و نما کرتا ہے ۔ یہ تو رہا عام جماعت مومنین کے متعلق ۔ خود نبی اکرمؐ کے متعلق ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ..... (۳۳/۵۶) ۔ خدا اور اس کے ملائکہ نبیؐ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں ۔ اس کے پروگرام کو تکمیل تک پہنچاتے ہیں ۔ اس کے بعد ہے ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۔ (۳۳/۵۶) ۔ ''اے جماعت مومنین ! تم بھی اپنے نبیؐ کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں اس کا ساتھ دو ۔ اس کی کوششوں کو پروان چڑھانے میں اسکی مدد کرو ۔ اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ اس کی پوری پوری اطاعت کرو'' ۔ (۴/۶۵) ۔ وَ تُعَزِّرُوْہُ وَ تُوَقِّرُوْہُ (۴۸/۹) ۔ (تاکہ) تم اسکی مدد کرو ۔ اسکی عزت و توقیر کرو ۔ مومنین کے متعلق دوسری جگہ کہا ہے وَ عَزَّرُوْہُ وَ نَصَرُوْہُ (۷/۱۵۷) ۔ ''جنہوں نے اسکی تائید و تعظیم کی ۔ اس کی مدد کی'' ۔ اسطرح کہ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗ (۷/۱۵۷) ''جو روشن (کتاب) ہم نے اس کے ساتھ نازل کی ہے اس کا اتباع کیا'' ۔ یہ ہے مومنین کی طرف سے صَلُّوْا عَلَیْہِ کے فریضہ کی ادائیگی کا طریق ۔

یہ ہے خدا اور اس کے ملائکہ کے صَلَوٰتٌ جماعت مومنین پر اور خود نبی اکرمؐ پر ۔ اور یہ ہے جماعت مومنین کا صلوٰۃ و سلام نبی اکرمؐ پر ۔

* راغب و تاج ۔

آپ نے غور فرمایا کہ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کا حکم کتنے عظیم عملی پروگرام کا متقاضی ہے - یعنی قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت سے اس دین کو تمام ادیانِ عالم پر غالب کرنا جسے نبی اکرمؐ لیکر تشریف لائے تھے - دوسری طرف نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے کہ جب جماعت مومنین کے افراد، انفاق فی سبیل اللہ کے لئے تیرے پاس اپنی کمائی لیکر آئیں تو اسے قبول کر، وَصَلِّ عَلَیْہِمْ - اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّہُمْ (۹/۱۰۳) - اور ان کی حوصلہ افزائی کر - اس لئے کہ تیری طرف سے حوصلہ افزائی (Encouragement)، تحسین و تبریک (Appreciation)، ان کے لئے موجب تسکین ہوتی ہے - وہ اس انفاق فی سبیل اللہ کو قُرْبٰتٍ عِنْدَ اللّٰہِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ (۹/۹۹) کا موجب سمجھتے ہیں - یعنی قرب خداوندی کا باعث اور رسول کی طرف سے تحسین و تبریک اور حوصلہ افزائی کا موجب - ("قرب خداوندی" کے لئے ق - ر - ب کا عنوان دیکھئے) -

(۱۱) لغت عبرانی میں صَلَوٰتٌ یہودیوں کی عبادت گاہوں کو بھی کہتے ہیں - (۳۴/۴۰) میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے -

ص ل ی

صَلِیَ اللَّحْمَ یَصْلِیْہِ بِالنَّارِ صَلْیًا - اس نے گوشت کو بھون لیا - اس نے گوشت کو بھوننے کیلئے اسے آگ میں ڈال دیا * -

اَلصَّلْیُ کے اصل معنے آگ جلانے کے ہیں - صَلِیَ بِالنَّارِ - اس نے آگ کی تکلیف برداشت کی - وہ آگ میں جلا - صَلَیْتُ الشَّاۃَ - میں نے بکری کو بھون لیا ** - اَصْلَاہُ النَّارَ وَصَلَّاہُ - اس نے اسے جلنے کیلئے آگ میں داخل کر دیا - اسکا ٹھکانہ آگ میں بنا دیا *** -

اَلصِّلَاعُ - بھنی ہوئی چیز - آگ جلانے کیلئے ایندھن * -

صَالٍ - وہ جو آگ میں بھنے - جو جہنم کی طرف جائے - مَنْ ھُوَ صَالِ الْجَحِیْمِ (۳۷/۱۶۳) - اَلصِّلِیُّ : جلنا، آگ کی تکلیف برداشت کرنا (۱۹/۷۰) -

سورۃ اعلیٰ میں ہے اَلَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی (۸۷/۱۲) جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوتا (یا بھنتا) ہے -

سورہ حاقہ میں ہے ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ (۶۹/۳۱) - پھر اسے جہنم میں داخل کرو - سورہ مدثر میں ہے سَاُصْلِیْہِ سَقَرَ (۷۴/۲۶) - میں اسے دوزخ میں

* تاج - ** راغب - *** محیط -

داخل کرونگا ۔ سورہ واقعہ میں ہے تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ (۵۶/۹۴) جہنم میں جلانا ۔ اِصْطَلٰى (اِصْتَلٰى) آگ تاپنا اور اس سے گرمی حاصل کرنا ۔ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (۲۷/۷) ۔

ص م ت

اَلصَّمْتُ ۔ اَلصُّمُوْتُ ۔ اَلصَّمَاتُ ۔ خاموش ہونا ۔ (سَكَتَ اور صَمَتَ کے فرق کیلئے دیکھئے عنوان س ۔ ک ۔ ت) ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ابہام اور اغلاق کے ہوتے ہیں ۔ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ (۷/۱۹۳) تم چپکے رہو ۔ اَلصَّامِتُ ۔ سونے چاندی (یعنی نہ بولنے والی دولت) کو کہتے ہیں ۔ اس کے برخلاف اَلنَّاطِقُ ۔ وہ دولت جو جانوروں کی شکل میں ہو ۔ الصَّمُوْت ۔ گڑ جانے والی تلوار ۔ حَائِطٌ مُصْمَتٌ ۔ وہ دیوار جس میں کوئی روشن دان ، دروازہ یا شگاف نہ ہو * ۔

ص م د

اَلصَّمْدُ ۔ بلند جگہ جو، سخت ہو لیکن اتنی اونچی نہ ہو کہ پہاڑ کی حد تک پہنچ جائے ۔ اَلصَّمْدَةُ ۔ پتھر کی محکم چٹان ۔ اَلصَّمَدُ ۔ وہ سردار جسکی اطاعت کی جائے اور جسکے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کیا جائے ۔ وہ ہستی جس کی طرف ضروریات کیلئے رجوع کیا جائے ۔ وہ ہستی جس سے کوئی مستغنی نہ ہو سکے ۔ وہ شخص جسے جنگ میں نہ بھوک ستاتی ہو نہ پیاس ۔ نَاقَةٌ مِصْمَادٌ ۔ وہ اونٹنی جو سردی کی شدت اور چارہ کے کم ہونے کے باوجود برابر دودھ دیتی رہے * ۔ صِمْدُ الْمِحْرَاثِ ۔ ہل کی وہ لکڑی جسے ہل چلاتے وقت ہالی ہاتھ سے پکڑتا ہے * ۔ اَلصَّمَدُ ۔ قصد اور ارادہ کرنا * ۔

قرآن کریم میں اللہ کیلئے اَلصَّمَدُ آیا ہے ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۱۱۲/۲) ۔ " اللہ ہی صمد ہے " ۔ اَلصَّمَدُ کے ان معانی پر غور کیجئے جو اوپر بیان ہوئے ہیں اور پھر دیکھئے کہ قرآن کریم نے اس ایک لفظ سے خدا کے متعلق کیسا وسیع اور بلند تصور پیش کیا ہے ۔ یعنے ایسی بلند اور محکم چٹان کہ جب ہر طرف سے سیلاب کا پانی گھیر لے اور کہیں پناہ کی جگہ نہ ملے تو لوگ اسکی طرف رجوع کریں اور انہیں وہاں پناہ مل جائے ۔ نیز وہ ذات جو دوسروں کی تمام ضروریات کو تو پورا کرے لیکن خود ان سب سے مستغنی ہو ۔ نیز، اسکی نوازشات غیر منقطع ہوں اور اسکی ربوبیت مسلسل جاری رہے ۔

* تاج ۔ محیط ۔

جو قوم اپنے اندر اس خصوصیت کو پیدا کر لے اسکے مقام بلند کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ اپنے مقصد کے حصول میں بھوک اور پیاس کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہو اور دوسروں کی نشوو نما میں سردی اور قحط بھی اس کے راستے میں حائل نہ ہو سکیں ۔ چٹان کی طرح محکم اور سب بے آسروں کا آخری سہارا ۔ اور قابل اعتماد آسرا ۔ لیکن دوسروں کے سہاروں سے مستغنی ۔

خدا کے متعلق قرآن کریم نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اللّٰهُ الصَّمَدُ (۱۱۲/۱-۲) کہکر ایک اور بلند حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے ۔ اَحَدٌ کے معنے ہیں منفرد ۔ یگانہ (Unique) ۔ اس انفرادیت میں مخلوق سے بے ہمگی (Transcendence) کا پہلو مضمر ہے ۔ لیکن صمدیت کے معنے یہ ہیں کہ مخلوق کی ایک ایک سانس اسکی ربوبیت سے وابستہ ہے ۔ اس سے اسکی باہمگی (Immanence) کا پہلو نمایاں ہے ۔ لہذا وہ ذات باہمہ بھی ہے اور بے ہمہ بھی ۔ یہی صفت مومن کی ہونی چاہیئے ۔ اقبال کے الفاظ میں ۔

زندگی انجمن آرا و نگہدارِ خود است
اے کہ در قافلۂ بے ہمہ شو با ہمہ رو

یعنے اَحَدِیّت اور صَمَدِیّت دونوں ۔

اللہ تعالےٰ کی ذات مکمل ترین اور بلند ترین ہے ۔ یعنی (The Most Developed, Complete, and Perfect Personality) اس نے انسان کو بھی ذات (Personality) عطا کی ہے ، لیکن غیر نشوو نما یافتہ شکل (Un-Developed Form) میں ۔ صفات خداوندی (الاسماء الحسنٰی) جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں ، ذات خداوندی کے مختلف گوشے (Facets) ہیں ۔ ان میں بعض تو ایسے ہیں جو صرف خدا کی ذات سے مخصوص ہیں ۔ (مثلاً هُوَ اَلْاَوَّلُ) ۔ لیکن دوسری صفات ایسی ہیں جو (حدود بشریت کے اندر) انسانی ذات میں منعکس ہوسکتی ہیں ۔ ان میں صمدیت بھی شامل ہے ۔ یعنی جوں جوں انسانی ذات کی نشوو نما ہوتی جائیگی وہ خارجی سہاروں سے مستغنی ہوتی جائیگی اور دوسروں کو سہارا دینے کا موجب بنتی جائیگی ۔ حریت اور استغناء (Freedom and Independance) ذات کے بنیادی خصائص (Basic Characteristics) ہیں (مزید تفصیل ر ۔ و ۔ ح اور ن ۔ ف ۔ س کے عنوانات میں دیکھئے) ۔

ص م ع

اَلْاَصْمَعُ ۔ چھوٹے کانوں والا آدمی ۔ ظَبْیٌ مُصَمَّعٌ ۔ ہرن جس کے سینگ اوپر سے پتلے اور باریک ہوں ۔ اَلصَّوْمَعَةُ ۔ عقاب ، کیونکہ وہ بلندی

پر اڑتا ہے ۔ صَوْمَعَۃٌ ۔ خانقاہ ، چونکہ اسکا منارا اوپر سے لمبا اور نوکدار بنایا جاتا تھا ۔ (جیسے گرجا یا مندر کا منارہ) ۔ یا اسکی تنگی کی وجہ سے ، جس طرح اس آدمی کا سر ہوتا ہے جسکے کان چھوٹے چھوٹے ہوں ۔ لیکن بلندی کی جہت سے یہ مفہوم زیادہ مناسب نظر آتا ہے، کیونکہ کہتے ہیں صَوْمَعَ بِنَاءَہٗ ۔ اسنے اپنی عمارت کو بلند کیا ۔ اَصْمَعُ ۔ معزز ترین مقام پر ترقی کرنے والا ۔ صَمِیعَ ۔ وہ اپنی دھن میں سر اٹھائے بے پروائی کے ساتھ گزر گیا * ۔ صَوْمَعَۃٌ کی جمع صَوَامِعُ آتی ہے (۲۲/۴۰) ۔ خانقاہیں، یعنی راہبوں کی کوٹھڑیاں ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنوں میں باریکی اور لطافت اور اتصال پایا جاتا ہے ۔ یعنی کسی شے کا باریک ہونا اور ساتھ ہی اس کے اجزا کا باہمد گر پیوست ہونا ۔

ص م م

صَمَمٌ کے معنے ہیں کان کا بند ہو جانا اور ثقلِ سماعت ۔ صِمَامُ الْقَارُوْرَۃِ ۔ شیشی کے ڈاٹ کو کہتے ہیں جس سے اس کا منہ بند کیا جاتا ہے۔ صَخْرَۃٌ صَمَّاءُ ۔ ٹھوس اور سخت چٹان جس میں کوئی شگاف نہ ہو ۔ اَلَا صَمَمٌ ۔ بہرہ ۔ اس کی جمع صُمٌّ ہے۔ نیز ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو اپنی مرضی کرے اور کسی کی نہ سنے اور جس سے یہ توقع نہ رہے کہ اسے اس کی خواہشات سے باز رکھا جاسکے گا*** ۔

اَلْمُصَمِّمُ ۔ وہ اونٹ جو بڑبڑائے نہیں اور نہایت استقامت سے چلتا جائے*** ۔

قرآن کریم میں صُمٌّ کا لفظ بہروں کے لئے آیا ہے ، نیز ان لوگوں کے لئے بھی جو حق کی آواز نہ سنیں اور اپنی مرضی کرتے چلے جائیں ۔ وہ لوگ جو جانوروں کی طرح ہوں اور عقل و فکر سے کام نہ لیں (۸/۲۲) ۔ قرآن کریم اندھے ، بہرے ، گونگے ، حتکہ مُردے ، ان لوگوں کو کہتا ہے جو عقل و بصیرت اور دلائل و براہین سے کام نہ لیں اور جذبات سے مغلوب ہو کر ، یا تقلیدی طور پر ، غلط راہوں پر چلتے جائیں۔

اَصَمَّ ۔ بہرہ کر دینا (۴۷/۲۳) ۔

ص ن ع

صَنْعٌ کے معنے کسی کام کو (قاعدے اور قانون کے مطابق نیز فن کے اعتبار سے) اچھی طرح کرنے کے ہیں ۔ اس لئے یہ لفظ فِعْلٌ (کام کرنے) سے خاص ہے اور حیوانات کے لئے نہیں بولا جاتا**** ۔

---

*تاج ۔ محیط و راغب ۔ **لطائف اللغہ ۔ ***تاج و محیط ۔ ****راغب ۔

صُنْعٌ - بہت اچھی کاریگری کو کہتے ہیں* - صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (۲۷/۸۸) - خدا کی (کیسی عجیب و غریب) صنعت کاری ہے جس نے ہر شے کو نہایت کمال و مہارت سے محکم طور پر بنایا ہے -

صَنْعَةٌ - کسی چیز کا عمدگی سے بنانا (۲۱/۸۰) - اَلْمَصَانِعُ - عمارات - حوض یا تالاب جن میں بارش کا پانی جمع کر لیا جائے - محلات - قلعہ - پختہ آبادیاں نیز صنعت گاہیں اور کارخانے - ابن فارس نے لکھا ہے کہ آبپاشی کے لئے جو کنواں وغیرہ بنایا جائے یہ اس کے لئے بولا جاتا ہے - راغب نے اسکے معنے بلند اور معزز و پرجلال مقامات کئے ہیں - (۲۶/۱۲۹) - صَنَعَ الْفَرَسَ - گھوڑے کی عمدہ طریقہ سے دیکھ بھال ، نگرانی اور تربیت کرنا - هُوَ صَنِیْعِیْ - وہ میرا پروردہ و تربیت یافتہ ہے* - سورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ کے متعلق خدا نے کہا ہے کہ ہم نے تجھے فرعون کے محلات میں پہنچا دیا تاکہ وہاں ہماری زیر نگرانی تمہاری تربیت ہو اور تم سلطنت کے امور اور مملکت کے انداز سیکھ سکو - لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (۲۰/۳۹) - اس سے ظاہر ہے کہ ، ہونے والے رسول کی پیدائش خدا کے پروگرام کے مطابق ہوتی تھی اور شروع ہی سے اس کی تربیت اس انداز سے کی جاتی تھی کہ وہ آگے چل کر نبوت جیسی عظیم القدر ذمہ داری کا اہل بن سکے - اسی لئے حضرت موسیٰ کی قبل از نبوت زندگی کے مختلف مراحل کا ذکر کرنے کے بعد کہا - ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یٰمُوْسٰی (۲۰/۴۰) - اتنی کٹھالیوں میں تاؤ کھانے - فَتَنّٰکَ فُتُوْنًا (۲۰/۴۰) کے بعد تب کہیں جا کر تم نبوت کے پیمانے پر پورے اترے - لہذا یہ سمجھنا محض ''شاعری'' ہے کہ - آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے - اس سے آگے ہے وَاصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ (۲۰/۴۱) اَلْاِصْطِنَاعُ کے معنے ہیں کسی چیز کے سدھارنے میں انتہائی زور اور توجہ صرف کرنا - بہت زیادہ غور اور احتیاط سے اصلاح و تربیت کرنا** - لہذا آیت کے معنے یہ ہیں کہ تمہاری تربیت خاص پروگرام کے مطابق کی گئی ہے - اس لئے کہ ہمیں تجھ سے ''اپنا کام'' لینا تھا - یہ سب کچھ ہم نے اپنے ایک مقصد کے لئے کیا ہے - وہ مقصد کیا ہے؟ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی (۲۰/۴۳) - فرعون کی طرف جاؤ - اس نے حد اعتدال سے نکل کر بڑی سرکشی اختیار کر رکھی ہے - یعنے استبداد و سرکشی کی قوتوں کو مغلوب کر کے مظلوم انسانیت کو ان کے آہنی پنجہ سے چھڑانا ، اور پھر ان کی ایسی تربیت کرنا کہ وہ شرف انسانیت کے اہل بن جائیں - یہ ہے وہ مقصد عظیم جس کے لئے ایک نبی کی تربیت کی جاتی تھی -

*تاج - **راغب -

اور جسے خدا نے خود "اپنا کام" کہا ہے ۔ (واضح رہے کہ نبی کو اس دوران میں کچھ علم نہیں ہوتا تھا کہ اسے نبوت کے لئے تیار کیا جارہا ہے ۔ اس لئے یہ سمجھنا کہ انسان اپنی سعی و عمل سے مقام نبوت تک پہنچ سکتا ہے مقام نبوت سے ناواقفیت کی دلیل ہے) ۔

ص ن م

اَلصَّنَمُ (جمع اَصْنَامٌ) ۔ بت ۔ صَنَّمَ الصُّوْرَۃَ کے معنے ہیں تصویر کوخوشنما اور جاذب بنا دینا** ۔ نیز کسی چیز کی بُو کے خراب ہو جانے کو بھی کہتے ہیں* ۔ راغب نے بعض حکماء کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کو خدا سے بیگانہ بنا دے اور اس کی توجہ کو کسی دوسری طرف پھیر دے ، صَنَمٌ کہلاتی ہے*** ۔ لہذا اَصْنَامٌ وہ تمام جاذبیتیں اور مفاد پرستیاں ہیں جو انسان کو قانون خداوندی سے بیگانہ بنا دیتی ہیں ۔ چنانچہ راغب نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا مانگی تھی کہ وَاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (۱۴/۳۵) ۔ اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو اس سے محفوظ رکھنا کہ ہم اصنام کی عبودیت اختیار کرلیں تو اس سے مراد ایسی ہی چیزوں کے پیچھے لگ جانا تھا ، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو اس کا اندیشہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ اور انکی اولاد بت پرستی شروع کر دے گی*** ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ (۱۲/۱۰۶) ۔ ان میں سے اکثر کی یہ حالت ہے کہ وہ خدا پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ مشرک کے مشرک بھی رہتے ہیں ۔ ہم اس آیت کو پڑھ کر آگے گزر جاتے ہیں کہ یہ ہمارے متعلق نہیں ۔ ہم تو کسی بت کی پرستش نہیں کرتے ۔ یعنی ہماری نگاہ مٹی اور پتھر کے بتوں کی طرف رہتی ہے اور ان بتوں کو کبھی نہیں دیکھتی جو ہر آن ہمارے قلب و دماغ کے صنمکدوں میں ڈھلتے رہتے ہیں اور جنہیں ہم اپنی آستینوں میں لئے لئے مسجدوں میں سجدے اور حرمِ کعبہ میں طواف کرتے رہتے ہیں۔ اس سے بڑی اصنام پرستی اور اس سے سنگین ترشرک اور کیا ہوسکتا ہے؟ یہی وہ بت پرستی تھی جس کا خدشہ حضرت ابراہیمؑ کے دل میں (اپنی اولاد کی طرف سے) پیدا ہوا تھا اور ہم (ملت ابراھیمی کے مدعی) ان کے اس خدشہ کو سچا کرکے دکھلا رہے ہیں!

*تاج ۔ **کتاب الاشتقاق ۔ ***راغب ۔

ص ن و

اَلصِّنْوُ - کھجور وغیرہ کی جڑ سے جو مختلف شاخیں پھوٹتی ہیں ان میں سے ہر ایک کو صِنْوٌ کہتے ہیں - اس کی جمع صِنْوَانٌ ہے* - لہذا نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ (۱۳/۴) ایسی کھجوروں کو کہینگے جن میں ایک ہی اصل سے دو دو یا زیادہ تنے پھوٹتے ہوں اور غَیْرُ صِنْوَانٍ (۱۳/۴) انہیں جو الگ الگ جڑوں سے تنہا نکلتی ہوں - اَلصِّنْوَۃُ - حقیقی بہن ، بیٹی ، یا پھوپھی کو کہتے ہیں اور اَلصِّنْوُ حقیقی بھائی ، بیٹے اور چچا کو - کیونکہ یہ سب ایک ہی اصل کی شاخیں ہوتے ہیں* -

ص ہ ر

اَلصَّھْرُ - گرم - شَیْءٌ صَھْرٌ - گرم چیز - اَلصَّھْرُ - چربی وغیرہ کو گرم کرکے پگھلانا - صَھَرَتْہُ الشَّمْسُ تَصْھَرُ - دھوپ کی سخت تپش نے اس کے دماغ کو کھولا دیا، یا اس کی چربی پگھلادی - صَھَرْتُہُ بِالنَّارِ میں نے اسے آگ پر پکا کر گلا دیا - اَلصِّھَارَۃُ - پگھلائی ہوئی چربی* - سورۃ حج میں ہے یُصْھَرُ بِہٖ مَا فِیْ بُطُوْنِھِمْ (۲۲/۲۰) اس کے ذریعے جو کچھ ان کے اندر ہے اسے گلایا اور پکادیا جائیگا - ان کی شدت اور سختی پگھلا دی جائیگی -

اَلصِّھْرُ - قرابت - اس کے متعین مفہوم کے لئے بہت سے اقوال آئے ہیں لیکن اکثریت کا خیال اسی طرف ہے کہ بیوی کے خاندان والے اَصْھَارٌ کہلاتے ہیں اور شوہر کے خاندان والے اَخْتَانٌ - قرآن کریم میں ہے فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّ صِھْرًا (۲۵/۵۴) - نسب سے مراد وہ رشتہ داری ہے جو اپنے آباؤ اجداد کی طرف سے ہو اور صِھْرٌ سے مراد وہ رشتہ داری ہے جو شادی کی وجہ سے پیدا ہو جائے* - قرآن کریم عائلی زندگی کو بڑی اہمیت دیتا ہے - اس اعتبار سے وہ میاں بیوی دونوں کے رشتہ داروں کو مشترکہ رشتہ دار قرار دیتا ہے -

ص و ب

صَابَ - یَصُوْبُ - صَوْبًا کے معنے ہیں گرنا - اوپر سے نیچے آنا - نیز قصد و ارادہ کرنا بارش کا گرنا - صَوْبٌ وصَوَابٌ - خطا کی ضد بھی ہے - یعنے صحیح بات - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی

*تاج و محیط و راغب -

چیز کے اترنے اور اتر کر اپنے مستقر تک جا پہنچنے کے ہیں ۔ اس اعتبار سے وہ بات یا کام جو اپنی صحیح جگہ پر پہنچ کر ٹھہر جائے صَوَاب کہلائیگا۔ سَہْم صَائِب اس تیر کو کہتے ہیں جو ٹھیک نشانہ پر جالگے ۔ نیز صَوْب کے معنے بہانے (گرانے) اور اوپر سے اترنے کے بھی آتے ہیں ۔ آسمان سے بارش ہونے کے معنوں میں بھی یہ لفظ آتا ہے ۔ مُصِیْبَۃ اس تیر کو کہتے ہیں جو نشانہ پر جا کر بیٹھ جائے ۔ اس کے بعد ہر حادثہ اور واقعہ کو مُصِیْبَۃ کہنے لگے ۔ تَصْوِیْب کے معنے ہیں کسی بات کی تصدیق کرنا کہ وہ ٹھیک ہے ۔ اَلصَّیِّب بارش کو کہتے ہیں * ۔ لسان العرب میں ہے کہ صَیِّب دراصل اس بادل کو کہتے ہیں جو بارش برسائے ۔ اسکی تائید ابن فارس نے بھی کی ہے ۔ اَصَابَ مِنَ الْمَرْاَۃِ کے معنے ہیں عورت کو چوما اور اس سے مجامعت کی ۔ یعنے اپنی حاجت اس سے پوری کر لی ** ۔

قرآن کریم میں صَیِّب ۔ بارش (یا بادل) کے معنوں میں (۲/۱۹) میں آیا ہے ۔ سورۃ نحل میں ہے فَاَصَابَہُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِہِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَہْزِءُوْنَ (۱۶/۳۴) ۔ جو کچھ بد عملیاں وہ لوگ کرتے تھے ان کے نتائج ان تک آپہنچے اور جن آنے والے واقعات کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے انھوں نے انھیں آ کر گھیر لیا ۔ یہاں اَصَابَ کے معنے ہیں کسی بات کا واقع ہونا ۔ اَصَابَہُ الْکِبَرُ (۲/۲۶۶) کے معنے ہیں اس پر بڑھاپا آ گیا ۔ سورۃ ص میں حَیْثُ اَصَابَ (۳۸/۳۶) کے معنے ہیں جسطرف کا وہ قصد کرتا تھا ۔ اور سورۃ نبا میں قَالَ صَوَابًا (۷۸/۳۸) کے معنے ہیں وہ درست اور ٹھیک بات کہے ۔

سورۃ نساء میں مُصِیْبَۃ کے مقابلہ میں فَضْل کا لفظ آیا ہے (۴/۷۳) لہذا مُصِیْبَۃ کے معنے معاشی بدحالی یا ناکامی کے ہوئے ۔ اور (۳/۱۲۰) میں مُصِیْبَۃ کے مقابلہ میں حَسَنَۃ کا لفظ آیا ہے ۔ اس سے اسکے معنے ہوئے زندگی کی ناہمواریاں اور ناخوشگواریاں ۔ سورۃ تغابن میں ہے مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (۶۴/۱۱) یعنے کائنات میں جو حوادث و واقعات ظہور میں آتے ہیں وہ سب خدا کے قانون کی رو سے رونما ہوتے ہیں ۔ اس میں مُصِیْبَۃ کے معنے حادثہ یا واقعہ (Event) کے ہیں ۔ (اذن بمعنی قانون کے لئے عنوان ا ۔ ذ ۔ ن دیکھئے)

سورۃ یوسف میں ہے نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاءُ (۱۲/۵۶) ۔ ہم اپنی رحمت اپنے قانون مشیت کے مطابق جسے چاہتے ہیں پہنچاتے ہیں ۔ اس کے

* تاج ۔ ** محیط ۔

بعد وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۲/۵۶) کہکر بات واضح کر دی کہ خدا کی یہ رحمت، حضرت یوسفؑ کی حسن کارانہ زندگی اور کردار کا نتیجہ تھی۔ البتہ نبوت، انسان کے کسی عمل کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ مُصِيْبٌ* (اسم فاعل) واقع ہونے والا۔ پہنچنے والا۔ (۱۱/۸۱)۔

ص و ت

اَلصَّوْتُ۔ آواز (جمع اَصْوَاتٌ*)۔ یہ لفظ انسان اور غیر انسان دونوں کی آواز کیلئے بولا جاتا ہے۔ اَلصَّائِتُ۔ چیخنے والا۔ رَجُلٌ صَيِّتٌ*۔ سخت آواز والا آدمی*۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ جو کچھ منہ سے نکلے اگر وہ کسی حرف پر مشتمل نہ ہو تو اسے صَوْتٌ* کہتے ہیں**۔ راغب نے کہا ہے کہ دو جسموں کے ٹکرانے سے دب جانے والی (منضغط) ہوا کو صَوْتٌ* کہتے ہیں***۔ (لیکن راغب کا مفہوم واضح نہیں)۔

قرآن کریم میں ابلیسی قوتوں کے لئے بھی صَوْتٌ* کا لفظ آیا ہے (۱۷/۶۴)۔ اسکے معنے ہر قسم کا غلط پراپگنڈا ہوگا۔ انسان کی آواز کے لئے بھی (۳۱/۱۹) اور گدھے کی آواز کیلئے بھی (۳۱/۱۹) جہاں اسے اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ کہا گیا ہے، یہ لفظ آیا ہے۔

سورۃ حجرات میں ہے لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ* (۴۹/۲)۔ اپنی آواز کو نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ اگر اس میں صَوْتٌ* کے حقیقی معنی لئے جائیں تو یہ حکم آداب معاشرت سے متعلق ہوگا۔ اور اگر مجازی معنی لئے جائیں تو اس سے مطلب یہ ہوگا کہ اپنے فیصلے کو رسولؐ کے فیصلے پر فائق نہ سمجھو۔ مشورہ میں رائے دو لیکن اطاعت اُس کے فیصلے کی کرو۔ (۳۳/۳۶ ؛ ۳/۱۵۹)۔

ص و ر

اَلصُّوْرَةُ۔ شکل۔ ہیئت۔ کسی شے کی حقیقت۔ صفت۔ نوع۔ وہ خد و خال جس سے انسان کو پہچانا جائے اور دوسروں سے اس کا امتیاز کیا جائے****۔ (۸۲/۸)۔ صَوَّرَ۔ صورت بنانا۔ (۳/۵)۔ اَلْمُصَوِّرُ۔ صورت بنانے والا۔ خدا کی صفت ہے (۵۹/۲۴)۔ کوئی شے، صورت (Form) کے بغیر محسوس و مرئی ہو نہیں سکتی۔ اسلئے اللہ تعالےٰ کے تخلیقی پروگرام میں مصوریت کا مقام وہ ہے جہاں غیر مرئی و غیر محسوس قوتوں کو ایک خاص ترتیب دیکر (خلق) محسوس و مرئی بنا دیا جائے۔

---

* تاج۔ ** محیط۔ *** راغب۔ **** تاج و راغب و محیط

صُوْرَۃٌ - کی جمع صَوَرٌ بھی آتی ہے اور صُوْرٌ بھی ** - چنانچہ قرآن کریم میں جہاں نَفْخِ صُوْر کا ذکر آیا ہے (مثلاً یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ۷۳/۸) - تو اسکے معنے ہونگے جب صورتوں میں روح پھونکی جائے گی* - جب اقوام کے مردہ پیکروں میں قانون خداوندی کے مطابق تازہ قوتیں پیدا ہو جائینگی - جب انہیں (نظام خداوندی کی رو سے) حیات تازہ مل جائیگی - اس دنیا میں حیات تازہ بھی اور مرنے کے بعد حیات نو بھی - نیز صُوْرٌ اس نرسنگھے کو کہتے ہیں جو لڑائی کے وقت بجایا جاتا ہے* - اور جس سے مراد اعلان جنگ ہوتا ہے - ان معانی کے اعتبار سے جب نُفِخَ فِی الصُّوْرِ (۶۹/۱۳) کا تعلق اس دنیا کے حوادث سے ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب نظامِ خداوندی کے انقلاب کیلئے باطل کی قوتوں کے خلاف اعلان جنگ کیا جائیگا -

صَارَ الشَّیْئُ یَصُوْرُہٗ - کے معنے ہیں چیز کو مائل کر دینا - ایک طرف جھکا دینا - صَوِرَ یَصْوَرُ - مائل ہونا - صُرْتُ اِلَی الشَّیْئِ - میں اس چیز کی طرف مائل ہوا - صُرْ اِلَیَّ - میری طرف متوجہ ہو - اسی لئے عُصْفُوْرٌ صَوَّارٌ اس چڑیا کو کہتے ہیں جو بلانے والے کی آواز پر آجائے - اور اَلصِّوَارُ گایوں کے گلہ کو کہتے ہیں (جو چرواہے کی آواز پر چلتا ہے) - سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم ؑ سے کہا گیا کہ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِنَ الطَّیْرِ فَصُرْہُنَّ اِلَیْکَ (۲/۲۶۰) - اس کے معنے یہ ہیں کہ ان پرندوں کو اپنے ساتھ مانوس کر لے - اپنے سے ہلالے - اپنی طرف ایسا مائل کرلے کہ وہ تیری آواز پر چلتے آئیں* -

ابن فارس نے ان تمام معنی کو لکھنے کے بعد کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی اسقدر ایک دوسرے سے مختلف ہیں کہ ان میں قیاس نہیں چلتا -

ص و ع

اَلصَّاعُ - اَلصِّوَاعُ - اَلصُّوَاعُ - ایک پیمانہ ہے جس سے غلہ ناپا جاتا ہے - بعض نے کہا ہے کہ اَلصِّوَاعُ سے غلہ نہیں ناپا جاتا بلکہ یہ اس برتن کو کہتے ہیں جس سے پیا جاتا ہے* - قرآن کریم میں صُوَاعَ الْمَلِکِ (۱۲/۷۲) آیا ہے - یعنے شاہی پیمانہ جس سے پانی بھرنے کا کام بھی لیا جاتا تھا - اس مادہ کے دوسرے بنیادی معنی پھٹ جانے اور جدا ہو جانے کے بھی ہیں (ابن فارس)

*تاج - راغب و محیط - ** ابن قتیبہ (القرطبین ج/۱ صفحہ ۱۶۵)

ص و ف

اَلصُّوْفُ ۔ اون ۔ (جمع اَصْوَافٌ ۱۶/۸۰)۔ صُوْفٌ ۔ بھیڑ کی اون کو کہتے ہیں۔ شَعْرٌ ۔ بکری کی اون کو۔ اور وَبَرٌ ۔ اونٹ کی اون کو *۔ سورۃ نحل (۱۶/۸۰) میں ان تینوں کا ذکر ہے ۔ (بعض کے نزدیک اَلصُّوْفِیُّ ۔ صُوْفٌ ۔ کی طرف منسوب ہے ** ۔ لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ (صوفی) کہیں نہیں آیا۔ تصوف کا تصور ہی غیر قرآنی ہے اور دوسروں سے مستعار لیا گیا ہے ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''طلیم کے نام خطوط'' ۔ جلد سوم)۔

ص و م

صَامَ ۔ رک جانا ۔ ٹھہر جانا، باز رہنا ۔ کہتے ہیں۔ صَامَ عَنِ الْکَلَامِ ۔ بات کرنے سے رکا ، خاموش رہا ۔ صَامَ عَنِ النِّکَاحِ ۔ نکاح سے باز رہا ۔ صَامَ عَنِ السَّیْرِ ۔ چلنے سے رکا ۔ صَامَ الْمَاءُ ۔ پانی کھڑا ہو گیا ۔ مَصَامٌ کھڑے ہونے کی جگہ* ۔

قرآن کریم میں صِیَامٌ کو فرض قرار دیا گیا ہے (۲/۱۸۳) ۔ اس کے لئے بتا دیا کہ یہ صبح سے رات تک کھانے پینے اور جنسی اعمال سے مجتنب رہنے کا نام ہے (۲/۱۸۷)۔ یہ رمضان کے مہینے کے روزے ہیں جس میں قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تھا (۲/۱۸۵)۔ جو شخص مقیم ہو۔ (سفر میں نہ ہو) اور تندرست ہو (مریض نہ ہو) اور اس کی طبعی حالت ایسی ہو کہ اسے روزہ رکھنے میں مشقت نہ اٹھانی پڑے (۲/۱۸۴) تو اس پر روزہ فرض ہے ۔ مسافر سفر سے واپسی پر اور مریض شفایاب ہونے کے بعد گنتی کو پورا کرے (۲/۱۸۴) لیکن جو بمشقت روزہ رکھ سکتا ہو وہ اس کے بدلے کسی مسکین کو کھانا کھلا دے (۲/۱۸۴) ۔

روزے درحقیقت جماعت مومنین کو جہاد کی مشقت انگیز زندگی کا خوگر بنانے کے لئے سالانہ عسکری ٹریننگ کے مرادف ہیں ۔ ان کا مقصد قرآن کریم نے خود واضح کر دیا جہاں کہا کہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (۲/۱۸۳) تاکہ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کے قابل ہو جاؤ ۔ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ (۲/۱۸۵) تاکہ تم قرآن کریم کی روشنی میں قوانین خداوندی کو انسانوں کے خود ساختہ قوانین و نظام ہائے حیات پر غالب کر سکو ۔ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (۲/۱۸۵) تاکہ تمہاری کوششیں بھرپور نتائج پیدا کر سکیں ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔

صَائِمٌ (۳۳/۳۵) روزہ رکھنے والا یا اپنے آپ کو غلط راستوں سے روک لینے والا ۔ اپنے آپ پر کنٹرول (ضبط نفس) رکھنے والا ۔ حدود اللہ کے اندر رہنے والا ۔

ص ی ح

اَلصَّیْحَۃُ ۔ پورے زور سے نکالی ہوئی سخت آواز ۔ صَاحَ ۔ یَصِیْحُ ۔ چیخنا ۔ اونچی آواز نکالنا ۔ صِیْحَ بِہِمْ ۔ ان پر گھبراہٹ طاری ہوگئی ۔ صِیْحَ فِیْہِمْ ۔ وہ سب ہلاک ہو گئے ۔ اَلصَّیْحَۃُ ۔ لوٹ مار جبکہ وہ کسی قبیلہ پر یکبارگی ڈال دی جائے*۔ راغب نے کہا ہے کہ صَیْحٌ* دراصل آواز پھاڑنے کو کہتے ہیں ۔ اسی سے اِنْصَاحَ الْخَشَبُ اَوِ الثَّوْبُ ۔ ہے ۔ یعنی لکڑی یا کپڑا پھٹا اور اس سے آواز نکلی** ۔ اَلصَّائِحَۃُ ۔ نوحہ کی چیخ و پکار کو کہتے ہیں* ۔ قرآن کریم میں اَلصَّیْحَۃُ کا لفظ عذاب کے لئے آیا ہے ، یا اس آواز کے لئے جو زلزلہ کے وقت آتی ہے ، یا کوہ آتش فشاں کے پھٹنے کے وقت آتی ہے ۔ چنانچہ سورۃ ہود میں اَلصَّیْحَۃُ آیا ہے (۱۱/۶۷) ۔ اور اسی کو سورۃ اعراف میں اَلرَّجْفَۃُ (۷/۷۸) کہا گیا ہے ۔ یعنی زلزلہ ۔ سورۃ یٰسٓ میں یہ لفظ ایسی تباہی اور عذاب کے لئے آیا ہے جو یک لخت آجائے (۳۶/۲۹) ۔ کیونکہ ایسے مواقع پر چیخ و پکار مچ جاتی ہے ۔

ص ی د

صَادَہٗ ۔ یَصِیْدُہٗ وَ یَصَادُہٗ ۔ اِصْطَادَہٗ ۔ کسی کو چال اور حیلہ یا جال کے ذریعہ پکڑ لینا ۔ شکار کر لینا ۔ اَلصَّیْدُ ۔ شکار کرنا ۔ نیز ہر وحشی جانور کو کہتے ہیں خواہ وہ شکار کر لیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو ۔ نیز شکار کئے ہوئے جانور کو بھی کہتے ہیں ***۔ قرآن کریم میں صَیْدُ الْبَحْرِ اور صَیْدُ الْبَرِّ (۵/۹۶) آیا ہے ۔ یعنی زمان میں اَلصَّیْدُ مچھلی کو کہتے ہیں*** ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ صَیْدٌ* وہ چیزیں ہیں جو اپنی آپ حفاظت کریں اور ان کا کوئی مالک نہ ہو ۔ راغب نے کہا ہے کہ صَیْدٌ* ان حیوانات کے پکڑنے کو کہتے ہیں جو اپنی حفاظت کریں اور کسی کی ملکیت نہ ہوں***۔ صِدْنَا مَاءَ السَّمَاءِ ۔ ہم نے بارش کا پانی لے لیا*** ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا بغیر ادھر اُدھر التفات کئے اپنی مرضی سے سیدھے چلے جانا ۔ شکار کو بھی صَیْدٌ*

*تاج ۔ **راغب ۔ *** تاج و محیط

اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جانور اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا ۔ سیدھا بھاگتا چلا جاتا ہے ۔

ص ی ر

صَارَ ۔ کسی شے کا کسی خاص حالت تک پہنچ جانا ۔ یا کسی خاص مقام تک پہنچ جانا ۔ کسی شے کا ایک متعین شکل اختیار کر لینا ۔ اَلْمَصِیْرُ وہ مقام جہاں سب اطراف کے پانی آکر مل جائیں* ۔ جمع ہونے کی جگہ* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی مآل اور مرجع کے ہیں ۔ یعنی لوٹنا اور انجام پذیر ہونا ۔ اَلْمَصِیْرُ ۔ منتہائے امر ۔ انجام ۔ مآل ۔ اَلصَّیْرُوْرُ ۔ آخر شے ۔ منتہائے شے ۔ کسی چیز کا انجام ، مرجع و مآل ۔ یہی معنی اَلْمَصِیْرُ کے بھی ہیں ۔ مَصِیْرُ الْاَمْرِ ۔ معاملہ کا انجام ۔ آخری مقام ۔ اسی سے صَارَہٗ ۔ یُصِیْرُہٗ ۔ کے معنے ہوئے ہیں کسی چیز کو قطع کر دینا* ۔

راغب نے کہا ہے کہ صَارَ سے مراد ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونا ہے ۔ اسی سے اَلْمَصِیْرُ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی چیز انتقال و حرکت کے بعد پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے** ۔

قرآن کریم میں اِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ($\frac{3}{42}$) متعدد مقامات پر آیا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شرف انسانیت کی تکمیل صرف اس راستے پر چلنے سے ہوسکتی ہے جو خدا کی طرف جانے والا ہے ۔ انسان کی آخری منزل ، منتہائے سفر ، یہ ہے کہ وہ صفات خداوندی کے رنگ میں رنگ جائے ۔ اسی میں اس کی تکمیل کا راز ہے ۔ اس مقام اور منزل کے علاوہ ، اور جو مقام اور حالت ہے وہ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ($\frac{2}{126}$) نہایت بری منزل اور بڑی خراب حالت ہے ۔ اسی کو جہنم کہا گیا ہے ۔ یعنی اگر انسانی زندگی کا مآل اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو وہ کیفیت جہنمی ہے ۔ قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کر کے صفات خداوندی کا اپنے اندر منعکس کرتے چلے جانا ، اور اس طرح اپنی تکمیل ذات کر لینا ، یہ ہے اِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ۔ اس کے متعلق سورۃ شوریٰ میں ہے اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ($\frac{42}{53}$) ۔ تمام معاملات کا مآل بالآخر قانون خداوندی کے مطابق ہوتا ہے ۔ اہل جنت کے متعلق ہے کَانَتْ لَھُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ($\frac{25}{15}$) ۔ جنت انکے اعمال کی جزا اور وہ مقام ہے جہاں ان کی ذات کی تکمیل ہوگی ۔ اور یہی انسانی تگ و تاز کا منتہیٰ ہے ۔

---

* تاج و محیط ۔ **راغب ۔

ص ی ص

الصِّیْصَۃُ وَ الصِّیْصِیَۃُ۔ گائے اور ہرن کا سینگ (جس سے وہ اپنی حفاظت کرتے ہیں)۔ اس سے ہر اس چیز کو صِیْصِیَۃٌ کہتے ہیں جس کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو محفوظ کرے۔ مثلاً حفاظت گاہ، قلعہ۔ اس کی جمع الصَّیَاصِیُ آتی ہے*۔ قرآن کریم میں ہے مِنْ صَیَاصِیْھِمْ (۳۳/۲۶)۔ یعنے ان کے قلعوں سے جن میں وہ محفوظ ہو گئے ہیں۔

ص ی ف

اَلصَّیْفُ۔ گرمی کا موسم*۔ (یہ شِتَاءٌ یعنی سردی کے بالمقابل ہے)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "ش۔ ت۔ و"۔ قرآن کریم میں رِحْلَۃَ الشِّتَاءِ وَ الصَّیْفِ (۱۰۶/۲) آیا ہے۔ یعنی قریش کے سردی اور گرمی کے زمانے کے سفر۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے دو بنیادی معنی ہیں۔ (۱) زمانہ اور موسم (گرما)۔ اور (۲) جھکنا اور ہٹ جانا۔ صَافَتْ عَنِ الْھَدَفِ کے معنی ہیں تیر نشانہ سے ایک طرف ہٹ گیا۔ یَوْمٌ صَائِفٌ۔ گرم دن۔

---

*تاج و راغب۔

ض

ض أ ن

ضَائِنٌ (جمع ضَأْنٌ) - بھیڑ (۶/۱۴۳)۔ ضعیف اور کمزور کو بھی ضَائِن کہتے ھیں*۔ جیسے بُز دل ، (بکری جیسے دل والا) ڈرپوک کو کہتے ھیں -

ض ب ح

ضَبَحَتِ الْخَيْلُ ضَبْحًا - تیزی سے بھاگنے والے گھوڑے ھانپے - ابو عبیدہ نے کہا ھے کہ ضَبْحٌ اور ضَبْعٌ گھوڑے کا اپنے بازوؤں کو پوری طرح پھیلا کر دوڑنے کو کہتے ھیں، حتکہ ایسا محسوس ھو کہ اس کی ٹانگیں اس کے جسم کی سیدھ میں آ گئی ھیں - سرپٹ دوڑنا - لیکن سہیلی نے کہا ھے کہ ضَبْحٌ گھوڑے یا اونٹ کے تھکنے کے بعد ھانپنے کی آواز کو کہتے ھیں**۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی دو ھیں (۱) آواز اور (۲) آگ کے اثر سے رنگ کا بدل جانا - نیز یہ بھی کہ یہ دراصل ضَبَعَ تھا (جس کے معنی اوپر دئے جاچکے ھیں)۔ قرآن کریم میں ھے وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا (۱۰۰/۱)۔ اس سے تیز رفتار گھوڑے مراد ھیں جو میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلیں -

ض ج ع

ضَجَعَ واضْطَجَعَ - اس نے اپنا پہلو زمین پر رکھ دیا (لیٹ گیا)۔ اَلْمُضْطَجَعُ - پہلو رکھنے یا لیٹنے کی جگہ* - یہی معنے اَلْمَضْجَعُ کے بھی ھیں - اس کی جمع اَلْمَضَاجِعُ ھے (۳۲/۱۶) - سورۃ آل عمران میں مَضَاجِعِهِمْ (۳/۱۵۴) سے مراد ان کی قتل گاھیں ھے - یعنے وہ مقام جہاں قتل

*تاج - **تاج و راغب -

کرکے لٹا دیا جائے ۔ اَلْمُضَاجَعَۃُ سے مراد مجامعت بھی ہوتی ہے* ۔ یعنے ہم بستر ہونا۔ سورۃ نساء میں جہاں وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ آیا ہے (۴/۳۴) تو اس سے مراد زنا شوئی کے تعلقات منقطع کرنا ہے ۔

ض ح ک

ضَحِکَ۔ یَضْحَکُ ۔ ضَحْکًا ۔ خوشی کی وجہ سے چہرہ کا انبساط ، اور دانتوں کا کھل جانا ۔ ہنسنا ۔ ضَحْکٌ (ہنسی) ، کا پہلا درجہ تبسم ہوتا ہے ۔ ضَحِکَ کے معنے تعجب کرنے یا تعجب سے ہنسنے کے بھی ہیں* ۔ ضَحِکَ الرَّجُلُ ۔ اس آدمی کو تعجب ہوا** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کھلنے اور ظاہر ہونے کے ہیں ۔

سورۃ توبہ میں ہے فَلْیَضْحَکُوْا قَلِیْلًا (۹/۸۲) انہیں چاہئے کہ تھوڑا ہنسیں ۔ تھوڑی خوشیاں منائیں ۔ اس کے مقابل وَلْیَبْکُوْا کَثِیْرًا (۹/۸۲) ہے ۔ یعنی بہت زیادہ روئیں ۔ ضَاحِکًا (۸۴/۱۲) خوش ہو کر ۔ سورۃ تطفیف میں ہے کَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَکُوْنَ (۸۳/۲۹) ۔ وہ ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے ۔ امْرَاَۃٌ ضَاحِکَۃٌ ۔ وہ عورت جسے حیض آ رہا ہو** ۔ سورۃ عود میں ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر رسیدہ بیوی کو لڑکے کی بشارت ملی فَضَحِکَتْ (۱۱/۷۱) ۔ بعض نے اس کے معنے یہ کئے ہیں کہ انہیں حیض جاری ہوگیا* اور اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ ان میں ہنوز اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہے ۔ لیکن راغب نے لکھا ہے کہ جس مفسر نے ضَحِکَتْ کے معنے حَاضَتْ (حائضہ ہوگئی) کئے ہیں تو یہ اس لفظ کی تفسیر نہیں ہے بلکہ اس سے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کی حالت کا بیان مقصود ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی از رہ تعجب ہنسی تھیں ، جس کی تائید اس سے اگلی آیت سے ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے ۔ اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ*** (۱۱/۷۳) ۔ ان لوگوں کا حیض کی طرف (غالباً) اس لئے خیال گیا ہے کہ انہی حالات میں جب حضرت زکریاؑ کو بیٹے کی خوشخبری دی گئی تو وہاں آیا ہے وَاَصْلَحْنَا لَہٗ زَوْجَہٗ (۲۱/۹۰) ۔ ہم نے اس کے لئے اسکی بیوی کو درست کر دیا ۔ جو نقص تھا اسے رفع کردیا ۔ اور بیشتر یہ نقص حیض کا رک جانا ہی ہوتا ہے ، اس لئے ایسے موقع پر جو لفظ بھی آیا اس سے مفہوم حیض جاری ہونا لے لیا گیا ۔ یہ صحیح نہیں ۔

*تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

ض ح و (ی)

اَلضَّحْوٌ ۔ اَلضَّحْوَۃٌ ۔ اَلضَّحِیَّۃٌ ۔ اَلضُّحٰی ۔ دن چڑھے کا وقت ، طلوع آفتاب کے بعد کا وقت ۔ بعض کا قول ہے کہ اَلضُّحٰی طلوع آفتاب سے لیکر دن چڑھنے تک کے وقفہ کو کہتے ہیں* ۔ راغب نے کہا ہے کہ الضَّحٰی دھوپ کے پھیل جانے اور دن کے چڑھ جانے کو کہتے ہیں* ۔ نیز اس وقت کو بھی ضُحًی کہتے ہیں ۔ اَلضَّحَاءُ ۔ نصف النہار سے پہلے پہلے کا وقت ۔ یا جب سورج طلوع کے بعد رُبعِ سماء پر ہو ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنے دن چڑھے کا وقت ہیں جب دھوپ کھل جائے اور ہر چیز واضح ہو جائے ۔ وَ اَخْرَجَ ضُحٰهَا (۷۹/۲۹) ۔ ''اور اس کی روشنی نکالی'' ۔ دن کو روشن کیا ۔ ضَحِیَ ۔ دھوپ لگنا ، دھوپ کے سامنے آنا ، دھوپ سے تکلیف اٹھانا ۔ وَ لَا تَضْحٰی (۲۰/۱۱۹) ۔ ''نہ دھوپ کی تکلیف اٹھائیگا'' ۔ فَعَلَہٗ ضَاحِیَۃً ۔ اس نے اسے کھلم کھلا کیا ۔ ضَحَا الطَّرِیْقُ ضُحُوًّا ۔ راستہ واضح اور ظاہر ہو گیا* ۔

لَیْلَۃٌ ضَحْیَاءُ ۔ روشن رات جس میں بادل نہ ہوں یا جس میں شروع سے آخر تک چاندنی رہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے ظاہر اور واضح ہونے کے ہیں ۔

ض د د

اَلضِّدُّ ۔ ہر وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے برعکس ہو ۔ یعنی جو دونوں بیک وقت ایک ہی جگہ میں اکٹھی نہ ہو سکیں ۔ جیسے سیاہی اور سفیدی ۔ موت اور حیات ۔ بعض کے نزدیک ضِدٌّ ایک دوسرے کی ٹکر کی چیزوں کو بھی کہتے ہیں ۔ اَلضِّدُّ ۔ مخالف ۔ اَلْقَوْمُ عَلَیْہِ ضِدٌّ وَاحِدٌ ۔ لوگ اسکے خلاف متفق ہو کر جمع ہو گئے ۔ ھُمَا مُتَضَادَّانِ ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں** ۔

سورۃ مریم میں ہے وَ یَکُوْنُوْنَ عَلَیْھِمْ ضِدًّا (۱۹/۸۲) ۔ وہ ان کے مخالف ہونگے ۔

ض ر ب

ضَرْبٌ* کے بہت سے معانی آتے ہیں جن میں سے مشہور معنی مارنے کے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی ڈھالنے کے بھی ہیں ۔ اسی اعتبار

*تاج ۔ **تاج و محیط و راغب ۔

سے اَلضَّرْبُ اور اَلضَّرِیْبُ ۔ مثل اور مشابہ کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں ایک بات دوسری بات کے قالب میں ڈھالی جاتی ہے۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا (۳۶/۱۳) کے معنے ہیں انکے لئے ایک مثال بیان کرو۔ یعنے اس بات کو مثال دیکر واضح کرو۔ اور یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ (۱۳/۱۷) کے معنے بھی یہی ہیں ۔ یعنے خدا حق اور باطل کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھاتا ہے ۔ اگرچہ اس کے معنی باہمی ٹکرانے کے بھی ہو سکتے ہیں ۔ ضَرَبَ الطَّیْرُ ۔ پرند تلاش رزق میں کہیں چلے گئے ۔ ضَرَبَ فِی الْاَرْضِ ۔ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص تلاش معاش میں سفر پر چلا جائے ۔ اَضْرَبَ الرَّجُلُ فِی الْبَیْتِ کے معنے ہیں اس شخص نے گھر میں قیام کیا ۔ ضَرَبَ عَنِ الشَّیْءِ کے معنے ہیں وہ اس شے سے باز رہا ۔ اعراض کیا ۔ یہی اَضْرَبَ عَنْهُ کے معنی بھی ہیں، نیز ضَرَبَ عَنْهُ الذِّکْرَ وَاَضْرَبَ عَنْهُ کے، یعنی اس سے ذکر کو پھیر دیا ، ہٹا دیا ، روک دیا ۔ (اسی سے جدید لغت میں اِضْرَاب کے معنی ہیں اسٹرائک کرنا) ضَرَبْنَا عَلٰی اٰذَانِهِمْ ۔ ہم نے انہیں آواز سننے سے روک دیا ۔ ضَرَبَ اِلَیْهِ ۔ وہ اسکی طرف مائل ہوا ۔ اِضْطَرَبَ کے معنی ہیں کسی چیز کے ایک حصہ کا دوسرے حصہ کے ساتھ ٹکرانا ۔ نیز اسکے معنے کمانے اور حاصل کرنے کے بھی آتے ہیں۔ اِضْطَرَبَ اَمْرُهٗ کے معنے ہیں اس کا کام خراب ہو گیا * ۔ مُضْطَرِبٌ ۔ متحرک کو کہتے ہیں * ۔ سورۃ انفال میں ہے فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (۸/۱۲) ۔ اسکے معنے مارنے کے ہیں ، اور ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ (۲/۶۱) کے معنے ذلت و خواری کی مار مارنے کے ہیں ۔ سورۃ نساء میں ہے اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ (۴/۱۰۱) ۔ اسکے معنے سفر کرنے کے ہیں ۔ سورۃ نحل میں ہے وَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (۱۶/۷۴) ۔ اللہ کی مثل اور مانند کسی کو قرار نہ دو ۔ اس کی ذات کے متعلق اپنے ذہن میں تصورات پیدا نہ کرو کہ وہ ایسا ہے اور ویسا ہے ۔

ضَرَبَ عَنْهُ ۔ روک لینا ۔ بند کرنا ۔ اَفَنَضْرِبُ عَنْکُمُ الذِّکْرَ (۴۳/۵) ۔ کیا ہم اس ضابطہ ہدایت کو تم سے روک لینگے ؟ کیا ہم قرآن کریم کے قوانین (مکافات عمل) کو تم پر لاگو (نافذ) نہیں کرینگے اور تمہیں کھلی چھٹی دیدینگے کہ تم جو بھی میں آئے کرتے رہو اور جس روش پر جی چاہے چلتے رہو ! ایسا نہیں ہوگا۔

* تاج ۔ محیط ۔ لین ۔

ضَرَبَ مَثَلاً کے معنے ہیں مثال کے ذریعہ بات کو واضح کرنا ۔ لیکن بعض مقامات پر صرف ضَرَبَ کے بھی یہی معنے آتے ہیں ۔ مثلاً کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ (۱۳/۱۷) ۔ اسطرح اللہ حق و باطل کی وضاحت کرتا ہے ۔ یا بات کو سمجھاتا ہے ۔ اگرچہ (جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے) اس کے معنی حق و باطل کی کشمکش کے بھی ہیں ۔ اسی طرح سورۃ زخرف میں ہے مَاضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَلاً (۴۳/۵۸) ۔ یہ لوگ تجھے بات نہیں سمجھاتے (مثال پیش نہیں کرتے) بلکہ محض جھگڑا کرتے ہیں ۔ اسی سے (بعض لوگوں کا خیال ہے کہ) سورۃ نساء میں جو عورتوں کے متعلق ہے کہ وَاضْرِبُوْھُنَّ (۴/۳۴) تو اسکے معنے ہیں مختلف طریقوں سے مثالیں دیکر انہیں سمجھاؤ ۔ یعنے وَاضْرِبُوْلَھُنَّ مَثَلاً ۔ لیکن یہ معنے اس لئے کمزور ہیں کہ سمجھانے کے لئے اس سے پہلے فَعِظُوْھُنَّ آچکا ہے ۔ لہذا فَاضْرِبُوْھُنَّ سے مراد وہ بدنی سزا (Corporal Punishment) ہے جو عدالت کیطرف سے بعض جرائم کی سزا میں دی جاتی ہے ۔ عورتوں کا بلاعذر اپنے فطری وظائف زندگی (اولاد پیدا کرنے) سے سرکشی برتنا اور مرد بننے کی خواہش کرنا (جیسا کہ یورپ میں ہو رہا ہے) ایک معاشرتی جرم ہے جس کا بذریعہ عدالت روکا جانا ضروری ہے ۔

سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا ہے فَاضْرِبْ لَھُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا (۲۰/۷۷) ۔ انہیں سمندر میں خشک راستے سے لے جا ۔ اسی کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اِضْرِبْ بِعَصَاکَ الْبَحْرَ (۲۶/۶۳) ۔ (نیز ۲۶/۶۳) ۔ اپنی جماعت (عَصًا ۔ دیکھئے عنوان ع ۔ ص ۔ و) کو سمندر سے پار لے جا ۔ یا، تو عصا ٹیکتا ہوا پایاب چلے جا ۔ اسی طرح دوسری جگہ ہے اِضْرِبْ بِعَصَاکَ الْحَجَرَ (۷/۱۶۰ ؛ ۲/۶۰) جس کے معنے یا تو یہ ہیں کہ اپنی جماعت کو پہاڑ کیطرف لے جا ۔ وہاں انہیں پانی کے چشمے مل جائینگے ۔ اور یا یہ کہ اپنے عصا کو چٹان پر مار ، اس سے مٹی اور پتھر وغیرہ میں شگاف ہوجائیگا اور اندر کا پانی باہر نکل آئیگا ۔

ض ر ر

ضَرَّ ۔ یَضُرُّ ۔ نقصان پہنچانا ۔ اَلضَّرُّ ۔ اَلضُّرُّ ۔ نقصان ۔ اَلضَّرَّ ۔ عام طور پر مالی نقصان یا خارجی مصیبت کو کہتے ہیں اور اَلضُّرُّ ۔ اس مصیبت یا بدحالی کو کہتے ہیں جو انسان کی ذات سے متعلق ہو ۔ اَلضَّرَّاءُ ۔ قحط ۔ نقصان کی شدت ۔ بدحالی ۔ اَلضُّرُّ ۔ لاغری ۔ معذوری ۔ اَلضَّرَّاءُ ۔ معذور ہونا ۔

لنگڑا ہونا ۔ نیز اس کے معنی تنگی ۔ سختی ۔ بدحالی کے بھی ہیں ۔ اَلضَّرِیْرُ ۔ نابینا ۔ مریض ۔ لاغر ۔ مصیبت زدہ* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلضَّرِیْرُ ۔ قوت نفس اور صبر کو کہتے ہیں ۔

اَلضَّرَرُ ۔ تنگی ۔ اَلضُّرُّ وَالضَّرَّۃُ ۔ حاجت ۔ اَلاِضْطِرَارُ ۔ شدت احتیاج سے مجبور ہونا* ۔ اَلضَّرَّتَانِ ۔ چکی کے دونوں پاٹ ۔ ایک مرد کی دو بیویاں* ۔ اَلاِضْرَارُ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی (یعنی اس کی سوت) لانا ۔ تَزَوَّجْتُ الْمَرْأَۃَ عَلٰی ضِرٍّ ۔ میں نے اس عورت سے پہلی بیوی کی موجودگی میں شادی کی ۔ اس سے ظاہر ہے کہ خود عربوں کو بھی ایک سے زیادہ بیویوں کی مضرت رسانی کا احساس تھا ۔

اَلْمُضِیْرُ ۔ قریب ہونے والا* ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ نَفْعٌ کے مقابلہ میں (۲/۱۰۲) میں آیا ہے ۔ خَیْرٌ کے مقابلہ میں (۶/۱۷) میں اور نِعْمَتٌ کے مقابلہ میں (۱۶/۵۳) میں ۔ جسمانی تکلیف کے لئے (۲۱/۸۳) میں ۔ اُضْطُرَّ (۲/۱۷۳) میں ۔ جس کے معنے اضطراری حالت میں پہنچنے کے ہیں ۔ سورۃ بقرہ میں ہے ۔ وَلَا یُضَارَّ کَاتِبٌ (۲/۲۸۲) ۔ کاتب کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے ۔ (اس باب کا خاصہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کا ہے ۔ اس لئے اس سے مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نہ تم میں سے کوئی اس کاتب (اور گواہ) کو تکلیف پہنچائے اور نہ ہی وہ کاتب (اور گواہ) تمہارے لئے کسی تکلیف کا باعث بنیں) ۔ سورۃ نساء میں ہے غَیْرَ اُولِی الضَّرَرِ (۴/۹۵) جنہیں کوئی جسمانی تکلیف (بیماری) نہ ہو ۔ سورۃ توبہ میں ضِرَارًا آیا ہے (۹/۱۰۷) ۔ یعنے باہم نقصان پہنچانے کی خاطر ۔ یہ نقصان اجتماعی ہے ۔ سورۃ نساء میں ہے غَیْرَ مُضَارٍّ (۴/۱۲) جو ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے والا نہ ہو ۔

سورۃ بقرہ میں ہے ثُمَّ اَضْطَرُّہٗ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ (۲/۱۲۶) میں انہیں بے بس کرکے جہنم کے عذاب کی طرف لیجاؤنگا ۔ دوسری جگہ ہے فَمَنِ اضْطُرَّ ۔ (۲/۱۷۳) ۔ جو مجبور ہوجائے ۔ مُضْطَرٌّ (۲۷/۶۲) بے بس مجبور ۔

ض ر ع

اَلضَّرْعُ ۔ گائے بکری وغیرہ کا تھن ۔ (اونٹنی کے تھن کو خِلْفٌ کہتے ہیں)** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی نرمی کے ہیں

*تاج و محیط ۔ **تاج

اور تھن کو ضَرْعٌ اس کی نرمی کی وجہ سے کہتے ہیں - ضَرَعَ الْبَهْمُ کے معنے ہیں چوپاؤں کے بچوں نے اپنی ماں کے تھن کو منہ میں لے لیا** - اس سے تَضَرُّعٌ اِلَی اللّٰہِ کا مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے - یعنی اپنی نشو و نما کے لئے ربوبیت کے حقیقی سرچشمہ کی طرف رجوع کرنا - اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَ خُفْیَةً (۷/۵۵) - یعنے اپنی نشو و نما کے لئے خدا کے قانون ربوبیت کی طرف رجوع کرو (اس کی مزید تشریح کے لئے ع - و - ذ کے عنوان میں تَعَوُّذَ بھی دیکھئے) - اس سے آگے ہے اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (۷/۵۵) - وہ حدود فراموش کرنے والے سرکشوں کو پسند نہیں کرتا - اس سے ظاہر ہے کہ تَضَرُّعًا کے اندر اطاعت خداوندی کا بنیادی تصور شامل ہے - سورہ انعام میں ہے لَوْلَا اِذْ جَاءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا (۶/۴۳) جب ان پر (ان کے اعمال کی وجہ سے) ہمارے قانون مکافات کے مطابق سختی آئی تو انہوں نے اس وقت ہمارے قانون کی اطاعت کیوں نہ اختیار کرلی -

اَلضَّرِیْعُ - حجاز میں کانٹوں والا پودا ہوتا ہے - چوپائے اس کے پاس نہیں پھٹکتے - اگر اسے کھا لیتے ہیں تو اس سے کمزور ہو جاتے ہیں - یا ایک قسم کی بد بودار گھاس کو کہتے ہیں جو ٹھہرے ہوئے پانی میں پیدا ہوتی ہے اور مویشی اسے نہیں کھاتے* - بعض اوقات سمندر اس قسم کے گھاس کو باہر پھینک دیتا ہے اور جو مویشی اسے کھاتا ہے وہ لاغر اور کمزور ہو جاتا ہے** - سورۃ غاشیہ میں اہل جہنم کی غذا کو ضَرِیْعٌ کہا گیا ہے (۸۸/۶) - یعنے دوسروں کے ردی سمجھکر پھینکے ہوئے ٹکڑے جن سے نشو و نما ہونے کی بجائے انسانی صلاحیتیں اور بھی پژمردہ ہو جائیں - محکوم اور کمزور اقوام کو اسی طرح کی غذا ملتی ہے - (نشو و نما رک جانے کے اعتبار سے لفظ جَحِیْمٌ عنوان ج - ح - م میں دیکھئے) -

کمزوری اور لاغری کے اعتبار سے اَلضَّارِعُ وَ الضَّرِعُ - ہر نحیف اور کمزور چیز کو کہتے ہیں* - ضَرِعَ لَهٗ وَ ضَرَعَ - اس سے کچھ مانگا اور مانگنے کے ساتھ اپنے عجز و تذلل کا اظہار کیا - اَلضُّرُّوْعُ - لاغر ہونا - مَا لَهٗ زَرْعٌ وَلَا ضَرْعٌ - اس کے پاس کچھ نہیں* - اَضْرَعَ لِفُلَانٍ مَالًا کے معنے ہیں اس کے لئے مال خرچ کیا*** -

بہر حال، انسان کا خدا کی طرف تَضَرُّعًا جانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی نشو و نما کے لئے خدا کے قانون ربوبیت کی طرف رجوع کرے اور

*تاج - **لین - ***محیط -

دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ اس کے قوانین کی اطاعت کرے ۔ اگر ایسا نہ کریگا تو اسے ضَرِیْعٌ کھانے کو ملیگا۔ یعنی وہ ذلت کی روٹی جس سے شرف انسانیت کی تمام توانائیاں ختم ہو جائیں ۔

ض ع ف

اَلضَّعْفُ ۔ اَلضُّعْفُ ۔ اَلضَّعَفُ ۔ کمزوری* ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ ضَعْفٌ ۔ رائے کی کمزوری کو کہتے ہیں اور ضُعْفٌ ۔ بدن کی کمزوری کو** ۔ سورۃ الروم میں قُوَّۃٌ کے مقابلہ میں ضُعْفٌ آیا ہے (۳۰/۵۴) ۔ اور سورۃ انفال میں فوجی کمزوری کے لئے ضَعْفٌ (۸/۶۶) ۔ سورۃ ابراھیم میں مُسْتَکْبِرِیْنَ کے مقابلہ میں ضُعَفَاءُ آیا ہے (۱۴/۲۱) ۔ ضِعَافٌ (جس کا واحد ضَعِیْفٌ ہے) ۔ کمزور (۴/۹) ۔ ضَعِیْفٌ (جمع ضُعَفَاءُ اور ضِعَافٌ) کمزور (۴/۲۸) اس مقام پر یہ لفظ جذبات سے مغلوب ہو جانے کے معنوں میں آیا ہے ۔ اِسْتَضْعَفَہٗ ۔ اسے کمزور سمجھا ۔ حقیر جانا ۔ (۷/۱۵۰) ۔ مُسْتَضْعَفٌ ۔ جسے کمزور سمجھا جائے (۲۸/۴) ۔ ظاہر ہے جسے کمزور خیال کیا جاتا ہے اس کے حقوق بھی غصب کئے جاتے ہیں اور اس کی کمزوری سے ناجائز فائدے بھی اٹھائے جاتے ہیں ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں (۱) کمزوری اور (۲) کسی چیز کو دگنا کر دینا۔ اس اعتبار سے ضِعْفٌ (جمع اَضْعَافٌ) کے معنی ہیں کسی چیز کے مانند اور اس کا مثل۔ برابر کا حصہ ۔ اتنا ہی اور۔ اس طرح دگنا ہو جانا ۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد صرف دگنا نہیں بلکہ دگنے سے زیادہ تگنا چوگنا ۔ نیز غیر محدود طور پر زیادہ ہونے کے لئے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے* ۔ چنانچہ سورۃ بقرۃ میں ہے فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً (۲/۲۴۵) ۔ اس کے معنے کئی گنا ہیں ۔ سورۃ اعراف میں ضِعْفٌ دگنے کے معنوں میں آیا ہے (۷/۳۸) ۔ ضِعْفَیْنِ ۔ دو چند (۲۸/۵۴) ۔

سورۃ آل عمران میں ہے ۔ لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً (۳/۱۳۰) ۔ اس کے عام معنے کئے جاتے ہیں بڑھا بڑھا کر سود (در سود) نہ کھاؤ ۔ لیکن راغب کا کہنا ہے کہ مُضَاعَفَۃٌ دراصل ضَعْفٌ سے ہے ۔ ضِعْفٌ سے نہیں ۔ اس لئے آیت کے معنے یہ ہیں کہ ربٰو، جسے تم سمجھ رہے ہو کہ وہ اپنے روپیے کو بڑھاتا ہے ۔ بڑھاتا نہیں بلکہ درحقیقت ضَعْفٌ (یعنے) کم کرتا ہے*** ۔ سود سے معاشرہ کی دولت کم ہوتی ہے اور سود خوار

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

کی انسانی صلاحیتوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے ۔ ربٰو سے قومی دولت گھٹتی ہے اور کمزوریوں پر کمزوریاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں ۔

ض غ ث

ضَغَثَ الْحَدِیْثَ ۔ بات کو خلط ملط کر دینا ۔ مجازاً الضِّغْثُ* کسی چیز کے اجزاء کے باہمد گر ملتبس اور گڈ مڈ ہونے کے لئے بولا جاتا ہے ۔ اصل میں ضَغَثَ السِّنَامَ ۔ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹنی کے متعلق واضح نہ ہو کہ وہ کمزور ہے یا موٹی اور اس کے کوہان کو مٹھی بھر کر دیکھا جائے کہ اس میں چربی ہے یا نہیں ۔ اس لئے ، غیرواضح اور ملتبس بات کو کَلَامٌ ضِغْثٌ کہتے ہیں* ۔ (جمع اَضْغَاثٌ*) ۔ قرآن کریم میں اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ (۱۲/۴۴) آیا ہے ۔ یعنے ایسے خواب جن کا مطلب واضح نہ ہو ۔ پریشان خواب ۔

ضِغْثٌ* ۔ اتنی گھاس، گلدستہ یا شاخیں جو آدمی کی مٹھی میں آ جائیں ۔ مٹھی بھر چیز* ۔ سورۃ ص میں حضرت ایوبؑ کے تذکرہ میں ہے خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا (۳۸/۴۴) مٹھی بھر گھاس لے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلضِّغْثُ* ۔ تنکوں یا شاخوں کے مٹھے کو کہتے ہیں ۔ طب قدیم میں ، (اور آجکل بھی) کئی جسمانی تکالیف کا علاج جڑی بوٹیوں اور درختوں کے پتوں سے کیا جاتا ہے ۔ لسان العرب میں ہے کہ اس کے معنے تھوڑی سی متاع دنیا بھی ہے ۔ یونہی مٹھی بھر ۔

ض غ ن

اَلضِّغْنُ* ۔ شدید کینہ ۔ سخت عداوت ۔ انتہائی بغض ۔ ضَغَنَ عَلَیْہِ ۔ اس نے اس سے شدید بغض رکھا ۔ سخت کینہ رکھا ۔ فَرَسٌ ضَاغِنٌ* اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو بغیر مار کھائے اپنی چال ہی نہ نکالے ۔ اِضْطَغَنَہٗ ۔ اس نے اس چیز کو بغل کے نیچے دبا لیا ۔ یا گود میں لے لیا* ۔

قرآن کریم میں ہے یُخْرِجَ اللّٰہُ اَضْغَانَھُمْ (۴۷/۲۹ ; ۵۰/۳۷) ۔ اللہ ان کے کینوں کو باہر نکالیگا ۔ یا جو کچھ بغل کے نیچے دبائے ہوئے ہیں اُسے باہر نکالیگا ۔ یعنی ان کی مخالفانہ سازشیں اور پوشیدہ ارادے طشت از بام کر دیگا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کجی یا ٹیڑھ پن کے ساتھ کسی چیز کو ڈھانپ دینا ہوتے ہیں ۔ چنانچہ قَنَاۃٌ ضَغِنَۃٌ* ۔ ٹیڑھے نیزے کو کہتے ہیں ۔ ٹیڑھ پن اور ڈھانپے ہوئے (مستور) ہونے کی جہت سے اَلضِّغْنُ* ۔ کینہ اور عداوت کو کہتے ہیں ۔

---

* تاج ۔ راغب ۔ محیط ۔ ** اَلضِّغْنُ کے معنی گود اور اونٹ کی بغل کے بھی ہیں ۔ نیز شوق اور میلان کے بھی ۔

لہ ۴۷/۳۷ میں یُخْرِجْ اَضْغَانَکُمْ ہے ۔

ض ف د ع

اَلضِّفْدَعُ - اَلضِّفْدَعُ - (جمع ضَفَادِعُ ۲۷/۱۳۳) - مینڈک * -

ض ل ل

اَلضَّلَالَةُ - حیرت - متحیر ہونا - سرگردان پھرنا - (Perplexed; Confused) کسی چیز کا پوشیدہ اور غائب ہونا ، مختلف چیزوں کا اسطرح مل جانا کہ پھر انہیں الگ الگ نہ کیا جا سکے - مثلاً ضَلَّ اللَّبَنُ فِی الْمَاءِ - پانی دودھ میں گھل مل کر غائب ہو گیا - دلیل نہ سوجھنے، نیز کسی بات کے بھول جانے اور حافظہ سے گم ہو جانے کے لئے بھی یہ فعل بولا جاتا ہے ** - ضَلَالَةٌ - سیدھی راہ سے ہٹ جانا - (عمداً ہو یا سہواً - تھوڑا ہو یا بہت) - چونکہ صحرا میں راستہ کھو جانے والا اپنی تمام تگ و دو کے باوجود منزل کے قریب نہیں ہونے پاتا اس لئے کوشش کے ناکام و نامراد رہ جانے کو ضَلَّ سَعْیُهٗ کہتے ہیں - اور چونکہ ریگستان میں اسطرح پھرنے کا نتیجہ ہلاکت و تباہی ہوتا ہے اس لئے اسے ان معنوں میں بھی استعمال کرنے لگے *** - نیز ضائع ہونا - رائگاں جانا - مثلاً ذَهَبَ دَمُهٗ ضَلَالَةً - اسکا خون یونہی رائگاں گیا - کیونکہ اسکا قصاص یا انتقام نہیں لیا جا سکا * - ضَلَّنِیْ فُلَانٌ - وہ میرے ہاتھ سے نکل گیا اور میں اس پر قادر نہ رہا * - اَلضَّلَلُ - وہ پانی جو کسی چٹان یا درختوں کے نیچے بہ رہا ہو اور اس پر دھوپ نہ پڑے - اَلْمَضَلُّ - اَلْمُضِلُّ - سراب جو ریگستان میں پانی کی طرح دکھائی دیتا ہے * -

جب رسول اللہ نبوت سے پہلے تلاش حقیقت میں حیران و سرگردان پھرتے تھے تو قرآن کریم نے اس کیفیت کو وَوَجَدَکَ ضَالًّا (۹۳/۷) سے تعبیر کیا ہے - ایک ہونے والا نبی ، نبوت سے پہلے بھی ، غلط تصورات زندگی سے غیر مطمئن ہوتا ہے لیکن چونکہ صحیح تصورات اس کے سامنے نہیں ہوتے اس لئے وہ ان کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے - اس کے بعد اسے خدا کی طرف سے راہ نمائی مل جاتی ہے تو یہ سرگردانی ختم ہو جاتی ہے -

سورۃ بقرہ میں ضَلَالَةٌ - هُدًی کے مقابلہ میں آیا ہے (۲/۱۶) - اس نے "راہ گم کردن" کے مفہوم کو واضح کر دیا ہے - سورۃ ابراہیم میں کوششوں کے ناکام اور اعمال کے بے نتیجہ رہ جانے کو ضَلَالٌ سے تعبیر

* تاج - **تاج نیز ابن قتیبہ - القرطین ج/۱ صفحہ ۵ *** لین -

کیا گیا ہے (۱۸/۱۳) ۔ سورۃ کہف میں ضَلَّ سَعْيُهُمْ (۱۸/۱۰۴) سے بھی اس مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے ۔ سورۃ ابراہیم میں اسے ثَبَاتٌ کے مقابل میں لاکر بتایا گیا ہے کہ اسکے معنے ہلاکت و بربادی ہیں (۱۴/۴۶) ۔ سورۃ حجر میں ضَلَالَتٌ کا نتیجہ نعمائے خداوندی سے محرومی و مایوسی بتایا گیا ہے (۱۵/۵۶) ۔ سورۃ اعراف میں ضَلُّوْا عَنَّا (۷/۳۷) کے معنے ہیں وہ ہم سے جاتے رہے یا غائب ہو گئے ۔ اور سورۃ السجدہ میں جہاں کفار کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ (۳۲/۱۰) تو اس کے معنے ہیں کہ کیا جب ہم مرنے کے بعد مٹی میں مل کر ضائع ہو جائینگے (ختم ہو جائینگے) ؟ ۔ تَضْلِيْلٌ ۔ ضائع کر دینا ۔ ناکام بنا دینا ، بھٹکا دینا اور غلط راہ پر لگا دینا (۴/۱۱۹) ۔ لہذا ضَالِّيْنَ (۱/۷) سے مراد ایسے لوگ ہیں جو وحی کی راہنمائی کے بجائے اپنے ذہنی قیاسات کی تجربہ گاہوں یا توہم پرستانہ عقیدتمندیوں کی بھول بھلیوں میں اس طرح مارے مارے پھرتے ہیں جسطرح لق و دق صحرا میں ایک راہ گم کردہ مسافر حیران و پریشان پھرتا ہے ۔ وہ دن بھر چلتا رہتا ہے لیکن شام کے وقت اسکی منزل اس سے اور دور ہو چکی ہوتی ہے ۔ اسطرح اسکی تمام کوششیں رائگاں چلی جاتی ہیں اور وہ انجام کار ہلاک ہو جاتا ہے ۔ اس کے مقابلہ میں منعم علیہ ہیں (۱/۷) جن کی کیفیت ان لوگوں کے برعکس ہوتی ہے ۔

سورۃ بقرہ میں ہے (۲/۲۸۲) کہ لین دین کے معاملہ میں دو مرد بطور گواہ ہونے چاہئیں اور اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں ۔ دو عورتیں اس لئے کہ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى (۲/۲۸۲) ۔ اگر ان میں سے ایک کسی تفصیل میں (Confused) ہو جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے ۔ وہ اُس بات کو سامنے لے آئے ۔ اس سے حافظہ کی کمزوری (بھول جانا) مراد نہیں بلکہ (عورت کے زیادہ جذباتی اور حیادار ہونے کی وجہ سے) گھبراہٹ میں (Confused) ہو جانا مقصود ہے ۔ اسی کے لئے قرآن حکیم نے دوسری جگہ کہا ہے کہ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ (۴۳/۱۸) ۔ وہ جھگڑے (متنازعہ فیہ معاملہ) میں واضح طور پر مافی الضمیر کو بیان کرنے والی نہیں ہوتی ہے ۔ جھگڑے میں جذبات کی شدت ہوتی ہے جس سے وہ اپنے معاملہ (Case) کو بھی اچھی طرح بیان نہیں کر سکتی ۔ واضح رہے کہ لطیف جذبات کی زیادتی عورت کے فطری وظائف زندگی (اولاد کی پرورش) کے لئے ضروری ہے ۔ اس لئے یہ عورت کا نقص نہیں ۔ البتہ مناسب تعلیم و تربیت سے اس کے یہ جذبات بھی باقی رہتے ہیں اور وہ فصیح البیان بھی ہو سکتی ہے (۴۳/۵۶ ۔ دیکھئے عنوان ع ۔ ر ۔ ب)

ض م ر

اَلضَّمْرُ ۔ اَلضُّمْرُ ۔ لاغر ہونا ۔ پیٹ کا کمر کے ساتھ لگ جانا ۔ ضَمَرَ الْفَرَسُ ۔ گھوڑے کا لاغر ہونا اور اسکے پیٹ کا کمر سے لگنا ۔ قَضِیْبٌ ضَامِرٌ ۔ مرجھائی ہوئی شاخ جسکی تر و تازگی جاتی رہی ہو* ۔ قرآن کریم میں ہے عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ (۲۲/۲۷) ۔ پتلی دبلی سواریوں پر ۔ راغب نے کہا ہے کہ الضَّامِرُ مِنَ الْفَرَسِ ۔ اس چھریرے گھوڑے کو کہتے ہیں جسکا دبلا پن لاغری کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اسے سدھانے کے لئے جو مشقت کرائی جاتی ہے اس کی وجہ سے ہو** ۔

اَلضَّمِیْرُ ۔ مرجھایا ہوا انگور ۔ ہر وہ بات جسے تم اپنے دل میں چھپاؤ ۔ اَضْمَرَهٗ ۔ اس نے اسے چھپا لیا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں (۱) پتلا پن اور باریک ہونا اور (۲) کسی چیز کا چھپ جانا ۔

ض م م

اَلضَّمُّ ۔ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دینا ۔ اِضْطَمَّ الشَّیْءَ ۔ کسی چیز کو اپنے لیے اکھٹا کیا ۔ ضَمَمْتُهٗ اِلٰی صَدْرِیْ ۔ میں نے اسے اپنے گلے سے لگایا* ۔ ضَمَّ عَلَی الْمَالِ ۔ اس نے سارے مال پر قبضہ کر لیا** ۔ ضُمَّ جَنَاحَکَ عَنِ النَّاسِ ۔ لوگوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور اپنا پہلو ، ان کے لئے نرم رکھو* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو چیزوں میں موافقت اور مناسبت کے ہیں ۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخْرُجْ بَیْضَاءَ مِنْ غَیْرِ سُوْءٍ (۲۰/۲۲) ۔ اور سورۃ القصص میں ہے اُسْلُکْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ تَخْرُجْ بَیْضَاءَ مِنْ غَیْرِ سُوْءٍ وَاضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّهْبِ (۲۸/۳۲) ۔ [''یَدٌ بَیْضَاءُ'' کے مفہوم کیلئے عنوان ی ۔ د ۔ ی دیکھئے ۔ نیز ۲۰/۲۲ ؛ ۲۸/۳۲ ۔ اور جَنَاحٌ کیلئے دیکھئے عنوان ج ۔ ن ۔ ح] (۲۸/۳۲) کا مفہوم یہ ہے کہ خوف کی حالت میں مضطرب و متردد مت ہو (پھڑ پھڑاؤ نہیں) بلکہ اسطرح اطمینان سے رہو جسطرح پرندہ حالت امن میں اپنے بازو سمیٹ کر بیٹھتا ہے ۔ اور (۲۰/۲۲) کا مجازی مفہوم بھی یہ ہے کہ اس آنے والے معرکہ میں ضبط و تحمل

* تاج ۔ ** راغب ۔

سے کام لو۔ پریشان مت ہو۔ اور بشارتیں دینے والے درخشندہ اصولِ زندگی کو (جو وحی کے ذریعے تمہیں دیئے گئے ہیں) پیش کرتے جاؤ۔ تم ہر مشکل و مصیبت سے محفوظ باہر نکل آؤ گے۔ دشمن کا شر تمہیں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا سکیگا۔ ویسے، آیت (۲۰/۲۲) کے لفظی معنی یہ ہیں۔ ''تم اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈالو۔ وہ بغیر کسی خرابی کے سفید نکل آئے گا۔ اور تم خوف سے اپنے بازؤں کو سمٹائے رکھو''۔

ض ن ک

اَلضَّنْکُ۔ تنگ (جو کشادہ نہ ہو)۔ اَلضَّنِیْکُ۔ وہ شخص جو جسم، عقل، رائے وغیرہ میں کمزور ہو۔ وہ خادم جو محض روٹی کے معاوضہ میں کام کرتا ہو۔ رَجُلٌ مُتَضَنَّکٌ۔ لاغر آدمی*۔

قرآن کریم میں ہے جو شخص (یا قوم) قوانین خداوندی سے اعراض برتیگی۔ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا (۲۰/۱۲۴) ان کی معیشت تنگ ہو جائیگی۔ ظاہر ہے کہ جن اقوام کی معیشت تنگ ہے (اور مسلمانوں کا نمبر ان میں اسوقت سب سے آگے ہے) وہ قوانین خداوندی سے اعراض برت رہی ہیں۔ یہ ایک ایسا محسوس اور واضح معیار ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

ض ن ن

ضَنَّ بِالشَّیْءِ یَضَنُّ۔ کسی پسندیدہ اور مرغوب شے سے بخل کرنا۔ اَلضَّنِیْنُ۔ وہ بخیل آدمی جو نفیس چیزوں کے ساتھ بخل کرے۔ اَلضِّنُّ۔ نفیس شے جسکے ساتھ بخل کیا جائے**۔ جسے بچا کر رکھا جائے۔

قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے کہ وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ (۸۱/۲۴)۔ اسے خدا کیطرف سے جو وحی ملتی ہے وہ اسکے عام کرنے میں بخل نہیں برتتا۔ وہ اسے ہر اس شخص کو دیتا ہے جو لینا چاہے۔

ض ھ ی (أ)

اَلضَّہْیَاءُ۔ وہ عورت جسے نہ حیض آتا ہو نہ بچے پیدا ہوتے ہوں۔ یا جس کی چھاتیوں میں ابھار نہ ہو اور اسطرح وہ مردوں سے مشابہ ہو۔ اسی

* تاج۔ محیط۔ راغب۔ ** تاج۔

سے ضَاهَاهُ مُضَاهَاةً ۔ وضَاهَاءَهُ ۔ مُضَاهَثَةً کے معنے ہیں وہ اس کے مشابہ اور ہمشکل ہوا ۔ هُوَ ضَهِيْكَ ۔ وہ تیرا ہمشکل اور تجھ سے مشابہ ہے*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے مشابہ ہونا ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ (۹/۳۰) ۔ یہ انہی جیسی بات کرتے ہیں (انہی کے ہم رنگ بنتے ہیں) جنہوں نے ان سے پہلے کفر کی روش اختیار کی تھی ۔ یہ سب ہم رنگ ہیں ۔

بعض لوگوں نے اسے ناقص یائی مانا ہے اور بعض نے مہموز* ۔ چنانچہ لین نے اسے ضهی اور ضهیا دونوں عنوانوں کے تحت لکھا ہے ۔ راغب نے اسکی اصل ہمزہ بھی بتائی ہے ۔

ض و أ

ضَوْءٌ یا ضَوْءٌ ۔ نور اور روشنی کو کہتے ہیں ۔ (جیسا کہ ن ۔ و ۔ ر کے عنوان میں بھی بتایا گیا ہے) ۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ ضَوْءٌ کا لفظ نُوْرٌ سے زیادہ شدت اور قوت رکھتا ہے ۔ نیز ضَوْءٌ کسی کی ذاتی روشنی کو کہتے ہیں اور نُوْرٌ اس روشنی کو جو دوسرے سے اکتساب کی گئی ہو**۔ غالباً اسی جہت سے شَمْسٌ کو ضِيَاءٌ اور قَمَرٌ کو نُوْرٌ کہا گیا ہے (۱۰/۵) ۔ کیونکہ چاند کی روشنی اپنی نہیں ہوتی ، سورج سے مستعارلی ہوئی ہوتی ہے ۔ لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوئے ہیں ۔ مثلاً ایک جگہ تَوْرَاتٌ کو نُوْرٌ کہا گیا ہے (۵/۴۴) اور دوسری جگہ اسے ضِيَاءٌ کہا گیا ہے (۲۱/۴۸) ۔

أَضَاءَ کے معنے روشن کرنا ہیں ۔ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ (۲/۱۷) ۔ ''جب اس نے اس کے گرد و پیش کو روشن کردیا'' ۔ نیز اس کے معنی روشن ہونے کے بھی ہیں ۔ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ (۲۴/۳۵) ۔ ''قریب ہے اس کا تیل کہ وہ روشن ہو جائے'' ۔

ض و ز (ضیز)

ضَازَ فُلَانًا حَقَّهُ ۔ اس نے اسکا حق کم کردیا ۔ قِسْمَةٌ ضِيْزَى ۔ وہ ظالمانہ تقسیم جس میں کسی کو نقصان میں رکھا جائے ۔ وہ تقسیم جو عدل پر مبنی نہ ہو ۔ اَلضَّوَازُ ۔ مسواک کے اس ریشہ کو کہتے ہیں جو دانتوں

*تاج و محیط ۔ **تاج ۔

میں رہ جائے*۔ (گویا اتنی سی کمی بھی ظلم ہو جاتی ہے)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) کجی اور (۲) کمی اور نقصان کے ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے تِلْکَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی (۵۳/۲۲)۔ یہ تقسیم تو بڑی ہی بے انصافی کی تقسیم ہوئی۔

ض ی ر

اَلضَّیْرُ۔ مضرت۔ گزند، ضَارَہٗ وَضَرَّہٗ کے ایک ہی معنے ہیں۔ یعنے کسی کو تکلیف اور نقصان پہنچانا*۔ قرآن کریم میں ہے لَا ضَیْرَ (۲۶/۵۰)۔ کچھ ہرج نہیں۔ قطعاً کوئی تکلیف یا مضرت کی بات نہیں۔

ض ی ع

ضَاعَ۔ یَضِیْعُ۔ ضَیْعًا۔ ہلاک اور تلف ہو جانا۔ ضَاعَ الشَّیْءُ۔ چیز بے کار چھوڑ دی گئی اور اس کی خبر گیری نہ ہوئی۔ ضَاعَ الْعِیَالُ۔ اہل و عیال کی نگرانی خبر گیری اور تربیت نہ کی گئی اور انہیں ویسا ہی چھوڑ دیا گیا۔ تَرَکْتُہٗ بِضَیْعَةٍ۔ میں نے اسے بلا خبر گیری کے چھوڑ دیا۔ اَلضِّیَاعُ (ضَائِعٌ کی جمع ہے) وہ چیزیں جنکی خبر گیری نہ کی جائے اور وہ اس طرح ضائع ہو جائیں***۔ اَلضَّیْعَةُ۔ جائداد کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اگر اسے ربوبیت عامہ کے لئے کھلا نہ رکھا جائے تو وہ مآل کار ضائع ہو جاتی ہے۔

سورۃ بقرۃ میں ہے وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ (۲/۱۴۳)۔ اللہ ایسا نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمانوں کو ویسے ہی چھوڑ دے، ان کا خیال ہی نہ رکھے اور وہ اس طرح بغیر کوئی نتیجہ مرتب کئے برباد ہو جائیں۔ سورۃ مریم میں ہے کہ انبیا کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ (۱۹/۵۹)۔ انہوں نے نظام صلوٰۃ کی کوئی پرواہ ہی نہ کی۔ اسے ویسے ہی چھوڑ دیا اور اپنے اپنے خیالات و مفاد کے پیچھے پڑ گئے۔

ض ی ف

اَلضَّیْفُ۔ مہمان۔ جمع اور واحد دونوں کے لئے آتا ہے***۔ سورۃ ہود میں ہے لَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ (۱۱/۷۸)۔ یہاں ضَیْفٌ جمع کے لئے آیا ہے۔

*تاج ** تاج و محیط و راغب۔ *** تاج و محیط

ضَافَ اِلَیْہِ ۔ وہ اس کی طرف مائل ہوا ۔ جھکا ۔ قریب ہوا ۔ ضَیَّفَ ۔ مہمان بنانا ۔ مہمان نوازی کرنا* ۔

سورۃ کہف میں ہے فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْھُمَا (۱۸/۷۷) ۔ انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کردیا۔ اَلْمُضَافُ ۔ جائے پناہ ۔ جس کو کسی کی طرف مائل کیا جائے، جھکایا جائے۔ نیز وہ شخص جس کو جنگ میں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہو* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی مائل ہونے کے ہیں ۔

ض ی ق

ضَاقَ ۔ یَضِیْقُ ۔ ضِیْقًا ۔ تنگ ہو جانا ۔ ضَیَّقَ ۔ تنگ کرنا ۔ اَلضِّیْقُ و الضَّیْقُ ۔ تنگی ۔ یہ اَلشَّرْحُ کی ضد ہے ۔ لہذا اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ش ۔ ر ۔ ح کا عنوان دیکھئے ۔ یہ دونوں مادے (۶/۱۲۶) میں ایک دوسرے کے بالمقابل آئے ہیں۔ ضَیِّقٌ (۶/۱۲۶) تنگ ۔ ضَیْقٌ (۱۶/۱۲۷) تنگی۔ ضَائِقٌ ۔ وہ جو تنگ ہو (۱۱/۱۲) ۔ ان میں حزن ، غم اور ملال کا مفہوم آجاتا ہے ۔ ضَاقَ بِھِمْ ذَرْعًا (۱۱/۷۷) اس نے ان کی حفاظت کے لئے اپنی طاقت کو تنگ (کم) پایا ۔ کوتاہ دست ہو گیا ۔ ضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ (۹/۱۱۸) ان پر زمین تنگ ہوگئی ۔ وَ ضَاقَتْ عَلَیْھِمْ اَنْفُسُھُمْ (۹/۱۱۸) وہ خود اپنے آپ سے تنگ آ گئے۔ سورۃ طلاق میں ہے وَلَا تُضَارُّوْھُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْھِنَّ (۶۵/۶) ۔ انہیں تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ دو ۔

---

*تاج و محیط ۔

ط

طَالُوْتُ

طَالُوْتُ ۔ انہیں اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کی اُن افواج کا کمانڈر مقرر کیا تھا جو جالوت کے مقابلہ کے لئے جا رہی تھیں ۔ ان میں علم بھی تھا اور جسمانی توانائی بھی ۔ اور یہی چیزیں ایک کمانڈر کے لئے ضروری ہوتی ہیں ۔ ان کے اس تقرر کے خلاف بنی اسرائیل نے یہ اعتراض کیا تھا کہ وہ دولتمند نہیں ۔ یعنی وہ (Aristocrat) طبقہ میں سے نہیں ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالی نے کہا کہ کمانڈر کی صفات ، فنونِ حرب کا علم اور توانائی ہیں، نہ کہ مال و دولت کی فراوانی ۔ (۲/۲۴۷)۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے ، عربی نہیں * ۔ راغب نے بھی اسکی تائید کی ہے ۔

ط ب ع

اَلطَّبْعُ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کو تمثیلاً کسی چیز کی انتہا کے لئے استعمال کرتے ہیں ، یعنی جہاں پہنچ کر وہ چیز ختم ہو جائے اور پوری ہو جائے ۔ پیمانے کے لبالب بھر جانے کو طَبْعٌ کہتے ہیں ۔ تَطَبَّعَ النَّهْرُ ۔ نہر بھر گئی ۔ اس اعتبار سے اَلطَّبْعُ مہر لگانے کو کہتے ہیں۔ ابو اسحق نے کہا ہے کہ طَبْعٌ اور خَتْمٌ ہم معنی ہیں ۔ یعنی کسی چیز کو بند کر دینا اور ڈھانپ دینا اور اس کا یقین اور اطمینان کر لینا کہ اب اس میں کوئی چیز داخل نہ ہو سکے گی ۔ مثلاً کہتے ہیں طَبَعْتُ الْمِكْيَالَ ۔ میں نے پیمانے کو لبالب بھر دیا اور اس میں اب کوئی اور چیز نہیں آسکتی** ۔ لیکن راغب نے کہا ہے کہ طَبْعٌ ۔ خَتْمٌ سے زیادہ عام ہے اور نَقْشٌ سے زیادہ خاص** ۔ اَلطَّابِعُ والطَّابَعُ اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے بکریوں وغیرہ کے پہلو پر داغ دیکر نشان کیا جائے ۔

* محیط ۔ ** تاج ۔

اَلطَّبَّاعَۃُ ۔ ڈھلائی ، چھپائی کا کام ۔ اَلطَّبَّاعُ ۔ ڈھلائی کا کام کرنے والا*۔ اصل میں جب کسی چیز کو ڈھال کر یا گھڑ کر پہلی شکل دی جائے تو اسے اَلطَّبْعُ کہتے ہیں ۔

مہر لگانے کے اعتبار سے قرآن کریم میں ہے ۔ فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ (۶۳/۳) ۔ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت نہیں رہی ۔ اسی کو خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (۲/۷) کہا گیا ہے (دیکھئے عنوان خ ۔ ت ۔ م) ۔ جب انسان ضد اور ہٹ ، نفرت اور تعصب کی روش اختیار کر لیتا ہے تو پھر اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اس میں کسی بات کے صحیح طور پر سمجھنے اور ٹھیک نتیجہ تک پہنچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی ۔ اسی کو دل و دماغ پر مہریں لگ جانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور صاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ یہ انسان کی اپنی روش کا نتیجہ ہوتا ہے ۔ بلکہ یہ روش خود ہی مہر بن جاتی ہے ۔ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (۸۳/۱۴) ۔ ''ان کے اعمال ان کے دلوں پر زنگ بنکر بیٹھ گئے'' ۔ وہ غلط اعمال جو ہوس اور رغبت اور بلا جور و اکراہ کئے جائیں (۱۰۸/۱۶ ۔ ۱۰۶) وہ زنگ بن جاتے ہیں ۔

ط ب ق

اَلطَّبَقُ ۔ ہر چیز کا ڈھکنا جو اس پر فٹ آجائے ۔ طَبَّقَہٗ تَطْبِیْقًا ۔ اس نے اسے ڈھانپ دیا ۔ فَانْطَبَقَ ۔ پس وہ ڈھک گیا ۔ اَلطَّبَقُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ۔ ہر وہ چیز جو کسی چیز کے برابر اور مطابق ہو ۔ طَابَقَہٗ مُطَابَقَۃً وَطِبَاقًا ۔ وہ اس کے موافق اور مساوی ہو گیا ۔ اَلطَّبَقُ ۔ روئے زمین ۔ تھالی یا طباق جس پر کھانا رکھا جائے ۔ زمانہ کی ایک صدی یا قرن ۔ حالت ۔ اَلْمُطَابَقَۃُ ۔ موافق و مطابق ہونا ۔ گھوڑے کا اسطرح چلنا کہ جہاں اگلا پاؤں پڑا تھا وہیں پچھلا پاؤں پڑے ۔ اُس آدمی کا چلنا جسکے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہوں ۔ اُس کے قدم بالکل برابر برابر اٹھتے ہیں ۔ اَلْمُطَابَقَۃُ بَیْنَ الشَّیْئَیْنِ ۔ دو چیزوں کو ایک دوسرے کے مطابق بنانا یا اوپر تلے رکھنا* ۔

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (۶۷/۳) اس کے معنی ہیں ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہوئے ۔ سورۃ انشقاق میں انسان کی ارتقائی منازل کے متعلق ہے ۔ لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (۸۴/۱۹) ۔

* تاج ۔

"تم ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف بلند ہوتے چلے جاؤ گے"۔ تم مختلف طبقات میں سے گذرتے ہوئے اوپر چڑھتے چلے جاؤ گے۔ یا خود انسانیت (Humanity) تہ در تہ اوپر کو اٹھتی چلی جائیگی۔ تاریخ انہی تہوں کے ریکارڈ کا نام ہے (نیز دیکھئے عنوان ر۔ ک۔ ب)

ط ح ی (و)

طَحْیٌ۔ یَطْحٰی۔ طَحْیاً۔ کسی چیز کو پھیلانا۔ بچھانا۔ نیز پھیل جانا۔ بچھ جانا۔ (لازم و متعدی) اَلطَّاحِیَۃُ۔ زمین پر پھیلی ہوئی چیز۔ وہ شے جو ہر چیز کو اپنی کثرت سے پُر کر دے۔ چنانچہ مُنْطَبِقَۃٌ طَاحِیَۃٌ۔ بڑے پھیلاؤ والے سائبان کو کہتے ہیں۔ اور اَلْقَمَرُ الطَّاحِیْ۔ بلند چاند کو، جس کی روشنی پھیل رہی ہو*۔ قرآن کریم میں ہے وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا (۹۱/۶)۔ زمین اور وہ چیز جس نے اسے پھیلا دیا۔ یعنی وہ مختلف ادوار و مراحل جن سے گذر کر زمین کا آتشیں گولہ رہائش کے قابل ہوا۔

ط ر ح

طَرَحَ۔ یَطْرَحُ۔ طَرْحاً۔ پھینک دینا۔ دور کر دینا۔ اَلطَّرْحُ۔ پھینکی ہوئی چیز (جسکی کسی کو ضرورت نہ ہو)۔ دِیَارٌ طَوَارِحُ۔ دور دراز شہر۔ اَلطَّرَحُ۔ دوری۔ دور کی جگہ۔ قَوْسٌ طَرُوْحٌ۔ وہ کمان جو تیر کو بہت دور تک پھینکے۔ طَرْفٌ مِطْرَحٌ۔ دور تک دیکھنے والی نگاہ**۔

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا کہ یوسفؑ کو قتل کر دو اور اطْرَحُوْهُ اَرْضاً (۱۲/۹)۔ یا اسے کسی دور دراز ملک کی طرف نکال دو۔

ط ر د

اَلطَّرْدُ۔ کسی کو حقیر سمجھ کر دور کر دینا۔ نکال دینا۔ ہٹا دینا۔ طَرَدْتُهٗ۔ میں نے اسے نکال دیا۔ اَلطَّرِیْدَۃُ۔ وہ اونٹ جنہیں کوئی حملہ کرکے ہنکا لے جائے۔ یا چرائے ہوئے اونٹ۔ وہ شکار وغیرہ جس کا تعاقب کیا جائے۔ اَطْرَدَهُ السُّلْطَانُ۔ بادشاہ نے اسے شہر بدر کر دیا۔ اِسْتَطْرَدَ لَهٗ۔ وہ پیچھے اس لئے ہٹا کہ فریق مخالف پر پھر سے حملہ کرے لیکن ظاہر ایسا کیا گویا وہ شکست کھا کر بھاگ گیا ہے***۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ نصاریٰ کی اصطلاح میں مذہب کی بنا پر کسی کو سزا دینے کو اَلطَّرْدُ کہتے ہیں****۔

*تاج نیز کتاب الاشتقاق۔ **تاج و محیط و راغب ***تاج و راغب۔ ****محیط۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ (۶/۵۲) ۔ جو لوگ اپنے نشوونما دینے والے کو پکارتے ہیں انہیں حقیر و ذلیل سمجھ کر اپنے سے دور نہ رکھو۔ انہی کے متعلق حضرت نوح ؑ کی زبان سے کہلوایا گیا کہ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۶/۱۱۴) ۔ میں ان مومنین کو حقیر سمجھ کر اپنے پاس سے نہیں نکالوں گا ۔

غیر قرآنی نظام حیات میں قُرب و بُعد کا معیار، دولت اور وجاہت ہے ۔ لیکن قرآنی معاشرہ میں قرب و یگانگت کا معیار قلب و نگاہ کی ہم آہنگی (آئیڈیالوجی کا اشتراک) ہے ۔ اس میں امیر اور غریب کا کوئی امتیاز نہیں ۔ یہی بات ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی جنہیں اس نظام کی طرف دعوت دی جاتی تھی ۔ وہ کہتے کہ کیا ہم اس نظام میں آکر ان لوگوں کے ساتھ بیٹھیں جنہیں ہم اپنے معاشرہ میں ذلیل اور حقیر سمجھتے ہیں ؟ چنانچہ ان کا مطالبہ تھا کہ آپ ؐ ان لوگوں کو اپنے ہاں سے الگ کر دیجئے ، پھر ہم آئینگے ۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ یہاں معیار ہی کچھ اور ہے ۔ میں تمہاری خاطر ان لوگوں کو حقیر سمجھ کر الگ نہیں کر سکتا جن کے دل متاع ایمان سے بھرپور ہیں ۔ اس نظام میں اقدار بدل جاتی ہیں ۔ یہاں زندگی کی بلند اقدار کی صداقت پر یقین ، خلوص اور حسن عمل سب سے زیادہ گراں بہا متاع ہیں ۔

ط ر ف

اَلطَّرْفُ ۔ آنکھ ۔ نگاہ *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی دو ہیں (۱) کسی چیز کا کنارہ اور (۲) کسی عضو کا حرکت کرنا ۔ دراصل یہ آنکھ جھپکنے کے لئے آتا ہے ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلطَّرْفُ در حقیقت پلکیں جھپکنے کو کہتے ہیں ۔ اسی سے دیکھنے کو بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے * ۔ سورۃ النمل میں ہے ۔ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ (۲۷/۴۰) ۔ تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے ۔ یعنی بہت جلد ۔ سورہ شوری میں ہے يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ (۴۲/۴۵) ۔ کنکھیوں سے دیکھنا ۔ اَلطَّرَفُ ۔ ہر چیز کا وہ سرا جہاں وہ ختم ہو جاتی ہو ۔ آخری کنارا * ۔ قرآن کریم میں طَرَفَيِ النَّهَارِ (۱۱/۱۱۴) اور أَطْرَافَ النَّهَارِ (۲۰/۱۳۰) آیا ہے ۔

أَطْرَافُ الْأَرْضِ ۔ ملک کے سردار اور اشراف ** ۔ اَلطَّرْفُ ۔ شریف آدمی ۔ عمدہ نسل کا گھوڑا ۔ اعلے نسب کا انسان ۔ سردار شریف * ۔

* تاج ۔ ** (تاج و صحاح و البستان)

سورہ رعد میں ہے ۔ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (۱۳/۴۱) ۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم کسطرح (آہستہ آہستہ) زمین (معاشی وسائل ۔ رزق کے سرچشموں) کو ان بڑے بڑے لوگوں کے پاس سے کم کرتے جارہے ہیں جو انہیں اپنے قبضے میں لئے بیٹھے ہیں ۔ قرآن کریم نے تیرہ سو برس ہوئے جب یہ بتا دیا تھا کہ دنیا کا وہ معاشی نظام جس میں رزق کے سر چشمے بڑے بڑے لوگوں کے قبضہ میں رہتے ہیں باقی نہیں رہے گا۔ یہ چیزیں آہستہ آہستہ ان کے ہاتھوں سے نکلتی جائیں گی اور اسطرح کم ہوتی ہوتی ایک دن ان کی ذاتی ملکیت سے نکل کر معاشرہ کی تحویل میں چلی جائیں گی ۔ اور قرآنی معاشرہ ان سے حاصل شدہ رزق کو زبوبیت عامہ کیلئے صرف کریگا ۔ (۲۱/۴۴) میں اس حقیقت کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے ۔

نیز طَرَفٌ کے معنی گروہ اور جماعت کے بھی ہیں (قاموس) ۔ نیز کسی چیز کا ایک حصہ (اقرب الموارد) ۔ الطَّرَفُ ۔ منتخب چیز کو بھی کہتے ہیں* ۔ سورہ آل عمران میں یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے ۔ طَرَفًا مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (۳/۱۲۶) ۔ ان کا ایک حصہ ۔ یا ایک گروہ ۔ نیز اس کے معنی کفار کے بڑے بڑے لیڈر اور منتخب افراد بھی ہو سکتے ہیں (جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے) ۔

ط ر ق

اَلطَّرْقُ ۔ کے اصل معنے مارنے کے ہیں ۔ ہتوڑے سے مارنا ۔ چٹاخ سے مارنا ۔ اَلطَّرْقُ ۔ کاہن کا اپنی کہانت کے لئے کنکریاں مارنا ۔ اَلْمِطْرَقُ ۔ اَلْمِطْرَقَةُ ۔ وہ لکڑی جس سے اون کو مار مار کر دھنا جائے ۔ نیز ہتھوڑا ۔ اَلطَّرْقُ ۔ اَلطَّرُوْقُ ۔ رات کو آنا ۔ اَلطَّارِقُ ۔ رات کو آنے والا ۔ اسے طَارِقٌ اس لئے کہتے ہیں کہ اسے بالخصوص دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت پڑتی ہے ۔ راغب نے کہا ہے کہ طَارِقٌ راستہ چلنے والے کو کہتے ہیں، بالخصوص اس مسافر کو جو رات کو آئے ۔ ستارے کو بھی اَلطَّارِقُ کہتے ہیں کیونکہ وہ رات میں آتا ہے* ۔ قرآن کریم میں ہے وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ (۸۶/۱) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے چار بنیادی معنی ہیں (۱) شام کو آنا ۔ (۲) مارنا ۔ (۳) کسی چیز کا ڈھیلا ہونا ۔ اور (۴) کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ سی دینا ۔

اَلطَّرِیْقَةُ ۔ کسی چیز کی طرف پہنچنے کا راستہ ۔ طریقہ ۔ عادت ۔ چلن ۔ نیز اَلطَّرِیْقُ ۔ اَلطَّرِیْقَةُ جسکی جمع اَلطَّرَائِقُ آئیگی ۔ سورہ طٰہٰ میں

* تاج ۔ ** تاج و راغب و محیط ۔

ھے فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا (۲۰/۷۷) - پھر تو انہیں سمندر میں خشک راستہ سے لے جا - یہاں طریق کے معنی راستہ ھیں - نیز اس کے معنی قوم کے رؤساء اور معزز لوگ ھیں جو دوسروں کے لئے نمونہ بنیں - هٰؤُلَاءِ طَرِيْقَةُ قَوْمِهِمْ وَطَرَائِقُ قَوْمِهِمْ - یہ قوم کے اشراف ھیں - مِطْرَاقُ الشَّيْءِ - چیز کا مثل اور نمونہ * - سورۃ طٰہٰ میں ھے کہ سرداران قوم فرعون نے حضرت موسےٰ اور حضرت ھارون کے متعلق کہا کہ يَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى (۲۰/۶۳) - یہ چاھتے ھیں کہ تمہارے مسلک و مذھب کو جو بہترین ھے ختم کر دیں - یا تمہاری قوم کے بہترین رؤسا و اشراف کو ختم کر دیں - اسی سورۃ میں آگے چل کر ھے اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً (۲۰/۱۰۴) - بہترین طریقے پر چلنے والا - سورہ جن میں ھے لَوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ (۷۲/۱۶) - اگر وہ (صحیح) راستے پر قائم رھتے - ذرا پہلے ھے كُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا (۷۲/۱۱) - ھم متفرق راستوں پر تھے - مختلف مسلک رکھتے تھے -

اَلطَّرِيْقَةُ - وہ چیز جو ایک دوسرے کے ساتھ متصل ھو - اَلْمَطَارِيْقُ ان اونٹوں کو کہتے ھیں جو ایک دوسرے کے پیچھے چل رھے ھوں - اِطَّرَقَتِ الْاِبِلُ - اونٹ ایک دوسرے کے پیچھے چلے - اِطَّرَقَتِ الْاَرْضُ - زمین میں مٹی کے اوپر مٹی چڑھ گئی - اَلطِّرَاقُ - جوتے کا پرتلہ جو ایک کے اوپر دوسرا رکھکر سی لیا جائے * - قرآن کریم میں ھے وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ (۲۳/۱۷) - یہاں طَرَائِقُ کے معنی اوپر تلے مختلف طبقات بھی ھو سکتے ھیں - یعنی اجرام فلکی جو ایک دوسرے کے اوپر ھیں - یا وہ اجرام سماوی جو ایک دوسرے کے پیچھے چل رھے ھیں -

ط ر ی (و)

اَلطَّرِيُّ - نیا - نرم اور تروتازہ - طَرِيَ اللَّحْمُ وطَرُوَ طَرَاوَةً - گوشت کا نرم اور ترو تازہ ھونا ** - قرآن کریم میں سمندر کے متعلق ھے کہ اس میں سے لَحْمًا طَرِيًّا (۱۶/۱۴) حاصل ھوتا ھے - ترو تازہ گوشت یعنی مچھلی وغیرہ -

ط ع م

اَلطَّعَامُ - اھل عرب جب اسے مطلقاً بولتے ھیں تو اس سے مراد گیہوں یا کھجور ھوتی ھے - ورنہ ھر اس چیز کو کہتے ھیں جو کھائی جائے اور جس

* تاج - ** تاج و راغب

سے انسان کے جسم کی پرورش ہو سکے۔ اَلطُّعْمَۃُ ۔ کھانے کی چیز ۔ رزق ۔ ذریعہ معاش۔ طَعْمُ الشَّیْئِ۔ چیز کا مزہ ۔ اس لئے طَعِمَ اور تَطَعَّمَ کے معنی چکھنا بھی ہوتے ہیں * ۔ نیز طَعِمَ کے معنی ہیں اس نے پیٹ بھرا ۔ طَاعِمٌ کے معنی ہیں جس کا پیٹ بھرا ہؤا ہو۔ نیز مستغنی *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں ۔

نیز اَلطُّعْمُ ۔ قدرت اور اختیار کو بھی کہتے ہیں۔ طَعِمَ عَلَیْہِ ۔ وہ اس پر قادر ہوا *۔ قرآن کریم میں طَعَامٌ (۲/۶۱) کھانے کی چیز کے لئے آیا ہے ۔ اور (۲/۲۴۹) میں پینے یا چکھنے کے معنوں میں۔ اَطْعَمَ (۱۰۶/۴) اس نے کھانا کھلایا ۔ اِسْتَطْعَمَ (۱۸/۷۷) اس نے کھانا مانگا ۔

اس کے عمومی معنی ہر قسم کے سامان پرورش کے ہیں ۔ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (۱۰۷/۳) کے معنی صرف روٹیاں کھلانے کے نہیں ۔ اس کے معنے ہیں ان لوگوں کی پرورش کا سامان بہم پہنچانا یا ضروریات سے مستغنی کر دینا جو نقل و حرکت سے معذور ہو جائیں یا جن کی زندگی کی گاڑی رک جائے ۔

سورۃ مائدہ میں ہے کہ اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُہٗ (۵/۹۶) ۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ پانی کے وہ جانور جن کا تم شکار کرو یا وہ جنہیں پانی ازخود اچھال کر باہر پھینکدے، حلال ہیں ۔ (ابن جریر) صاحب البستان نے بھی یہی لکھا ہے ۔ تاج نے کہا ہے کہ جس جگہ سے سمندر کا پانی ہٹ جائے ، وہاں جو کچھ رہ جائے اور بغیر شکار کئے مل جائے وہ طَعَامُ الْبَحْرِ ہے ۔ لسان العرب میں ہے کہ طعام البحر ہے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جنکی زندگی کا دارومدار سمندر پر ہو ۔

ط ع ن

طَعَنَہٗ بِالرُّمْحِ یَطْعَنُ ۔ اسکے نیزہ مارا ، چبھو دیا ۔ گھونپ دیا * ۔ طَعَنَ فِیْہِ ۔ کسی میں عیب نکالنا ۔ طنز کرنا *۔ طَعْنًا فِی الدِّیْنِ (۴/۴۶) ۔ دین میں عیب نکالتے ہوئے ۔ طعن کرتے ہوئے ۔ طنز کرتے ہوئے ۔

ط غ ی (و)

طَغٰی ۔ حد اور پیمانے سے باہر ہو جانے کو کہتے ہیں ۔ اسی لئے دریا وغیرہ کے پانی کا بڑھکر مقررہ اندازہ سے زیادہ بلند ہو جانے یا ساحل سے باہر آجانے کو طُغْیَانٌ کہا جاتا ہے۔ اَطْغٰی۔ اسے حد سے متجاوز اور حدود شکن

* تاج۔

بنایا۔ اسے طغیان و سرکشی پر ابھارا ۔ الطّاغیۃ ۔ حد سے متجاوز اور قانون شکن آدمی کو کہتے ہیں ۔ اس کی جمع الطّاغوٗنَ اور الطّاغیٰتَ ہے ۔ طَغْیَۃ* اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر چڑھنا دشوار ہو ۔ طَاغِیَۃ* ۔ جبّار و متکبر اور احمق و سخت گیر، نیز معاند انسان کو کہتے ہیں۔ بجلی کی شدید کڑک اور مہیب طوفان کو بھی ۔ طَغْوٰی کے معنی سرکشی اور حدود شکنی کے ہیں*۔ یہیں سے لفظ طَاغُوْت* ہے جو (صاحب مفردات کے نزدیک) ہر حدود شکن، نیز اللہ کے سوا ہر باطل معبود کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ نیز اس کے لئے جو کسی کو سیدھی راہ سے بہکا کر غلط راستے پر لگا دے** ۔ جوہری کے نزدیک سرکشوں کے ہر سرغنہ کو طَاغُوْت* کہا جاتا ہے* ۔ زجاج نے کہا ہے کہ خدا کے سوا جس کسی کی بھی اطاعت اختیار کی جائے وہ طَاغُوْت* ہے ۔ یعنی ہر غیر خداوندی طاقت* ۔

قرآن کریم میں فرعون کے متعلق ہے انّہٗ طَغٰی (۲۰/۲۴) ۔ یعنی وہ بےحد سرکش ہو چکا ہے ۔ فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ (۲/۱۵) میں طُغْیَان* کے معنی سرکشی ہیں ۔ اور (۷۹/۳۷) میں لِلطّاغِیْنَ سرکشوں کے لئے آیا ہے ۔

قرآن کریم کے متعدد مقامات میں اللہ کے مقابلہ میں اَلطّاغُوْتُ کا لفظ آیا ہے جس سے اس کا مفہوم واضح ہے ۔ یعنی ہر غیر خدائی قانون اور نظام، ہر وہ قوت جو خدا کے قانون سے سرکشی اختیار کر جائے ۔ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللّٰہِ (۲/۲۵۶) میں یہ مفہوم واضح ہے ۔ یعنی جو خدا پر ایمان لائے اور ہر غیر خدائی قوت (نظام ۔ قانون) سے انکار کر دے ۔ لَآ اِلٰہَ ۔ اِلّا اللّٰہُ کے یہی معنی ہیں ۔ اسی کو دوسری جگہ اُعْبُدُوا اللّٰہَ وَ اجْتَنِبُوا الطّاغُوْتَ (۱۶/۳۶) سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ نیز (۴/۷۶) میں ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطّاغُوْتِ ۔ یہاں سبیل اللہ اور سبیل الطاغوت نے بتا دیا کہ طاغوت کے معنی ہر غیر خدائی اقتدار و نظام ہے ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جو سبیل الطاغوت (غیر خدائی نظام کی خاطر) جنگ کرتے ہیں ، اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ (۴/۷۶) کہہ کر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ طَاغُوْت* اور شَیْطَان* مرادف المعنیٰ ہیں ۔ اس کی تشریح میں، یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطّاغُوْتِ (۴/۶۰) ''یعنی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے طاغوت سے کرائیں ،، کہہ کر یہ بھی واضح کر دیا کہ طاغوت یا شیطان محض ذہنی تصورات نہیں بلکہ طاغوت کے معنی ہیں تمام

*تاج و محیط و لسان ۔ **راغب ۔

وہ حاکم ، وہ عدالتیں ، وہ حکومتیں ، وہ نظام ، جو خدا کے قانون (قرآن) کے علاوہ دوسرے قوانین کی رو سے معاملات کے فیصلے کریں ۔ ان کی طرف رجوع کرنا خدا سے انکار اور طاغوت کی عبادت ہے ۔ جو لوگ اس قسم کے نظام کی تقویت کے لئے کوشش کرتے ہیں وہ اَوْلِیَآءُ الشَّیْطٰنِ (یعنی غیر خدائی اقتدار کے رفقائے کار) ہیں ۔

سورۃ حاقہ میں ہے لَمَّا طَغَی الْمَآءُ (۶۹/۱۱) جب سیلاب آگیا ۔ (۶۹/۵) میں اَلطَّاغِیَۃُ بجلی کی شدید کڑک کے لئے آیا ہے جس سے قوم ثمود کی ہلاکت ہوئی تھی۔ لیکن یہ عذاب خود ان کی سرکشی کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ سورۃ شمس میں ان کے متعلق ہے ۔ کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَا (۹۱/۱۱) ۔ ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر حق کی تکذیب کی ۔ سورۃ النجم میں رسول اللہ ؐ کے متعلق ہے ۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (۵۳/۱۷) ۔ اس کی آنکھ نہ تو صحیح مقام سے ادھر ادھر ہٹی اور نہ ہی اپنی حد سے بڑھی ۔ یعنی نبی بذریعہ وحی، حقیقت کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کرتا ہے لیکن اسی حد تک جس حد تک خدا اسے لے جاتا ہے ۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا ۔ دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں نبی کا علم (وحی) بہت وسیع ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ وحی کا سرچشمہ سرحدِ ادراک سے ماوراء ہوتا ہے ۔ لیکن علم خداوندی کے مقابلہ میں وہ محدود ہوتا ہے ۔ خدا نبی کو بھی اتنا ہی علم دیتا ہے جتنا علم دیا جانا مقصود ہو ۔ نبی اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا ۔

ط ف أ

طَفِئَتِ النَّارُ ۔ وانْطَفَأَتْ ۔ آگ کا شعلہ بیٹھ گیا اور وہ سرد ہو گئی ۔ اَطْفَأَ النَّارَ ۔ اس نے آگ کو بجھا دیا ۔ اَطْفَأَ نَارَ الْحَرْبِ ۔ اس نے جنگ کی آگ کو بجھا دیا* ۔ قرآن کریم میں ہے كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (۵/۶۴) ۔ ”جب بھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں خدا اسے بجھا دیتا ہے“ ۔ استعارۃً اَطْفَأَ الْفِتْنَةَ فتنہ فرو کرنے کو کہتے ہیں** ۔ علمائے لغت نے کہا ہے کہ جب آگ کے شعلے اٹھنا بند ہوجائیں مگر اس کے انگارے روشن ہوں تو اس آگ کو خَامِدَۃٌ کہتے ہیں ۔ لیکن جب آگ کے شعلے ساکن ہو جائیں اور اس کے انگارے بھی ٹھنڈے پڑ جائیں تو اسے هَامِدَۃٌ اور طَافِئَۃٌ کہتے ہیں* ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔

راغب نے کہا ہے کہ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰہِ (۶۱/۸) کے معنے یہ ہیں کہ وہ خدا کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں - اور یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰہِ (۹/۳۲) کے معنے یہ ہیں کہ وہ کوئی ایسی تدبیر کرنا چاہتے ہیں جس کے ذریعہ وہ خدا کے نور کو بجھا سکیں * - لیکن اللہ اپنے نور کو پورا (مکمل) کرکے رہے گا اور یہ اس طرح ہوگا کہ اس کا بھیجا ہوا نظام، باقی تمام نظامہائے عالم پر غالب آجائے - لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ (۶۱/۹ ; ۹/۳۳) -

ط ف ف

اَلطَّفِیْفُ - تھوڑی چیز - نامکمل و ناقص چیز - اَلطَّفَافَةُ - برتن کے بھرنے میں جسقدر کمی رہ جائے - طَفَّ النَّاقَةَ یَطُفُّهَا - اس نے اونٹنی کے پاؤں باندھ دیئے - اَطَفَّتِ النَّاقَةُ - اونٹنی نے نا تمام بچہ دیا - طَفَّفَ الْمِکْیَالَ - اس نے پیمانہ کو پورا نہیں بھرا - اس میں کمی کی ** -

قرآن کریم میں ہے - وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ (۸۳/۱) "مطففین" کے لئے تباہی ہے - اور اس سے اگلی دو آیتوں میں خود ہی اسکی تشریح کر دی کہ مطففین وہ ہیں کہ جب وہ لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا ناپ کر لیتے ہیں، اور جب دیتے ہیں تو ناپ اور وزن میں کمی کر دیتے ہیں (۸۳/۲-۳) - قرآن کریم نے اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی بتایا ہے (وَیْلٌ) - یہ اس معاشرہ کا ذکر ہے جس میں نظام زندگی کا یہ انداز ہو کہ سرمایہ دار اور صاحب اقتدار طبقہ دوسروں کی محنت کا پورا پورا معاوضہ نہ دیں بلکہ ان کی محنت کی کمائی سے اپنے عیش و عشرت کا سامان بہم پہنچائیں - نظام سرمایہ داری میں کسی کو اس کی محنت کا پورا پورا معاوضہ دیا ہی نہیں جاتا - اگر پورا معاوضہ دیدیا جائے تو سرمایہ دار کو کیا ملے؟ وہ کام کرنے والوں کو کم از کم دیتا ہے اور خود زیادہ سے زیادہ رکھتا ہے - اسی سے سرمایہ داری قائم رہتی ہے - قرآن کریم اسے تَطْفِیْفٌ کہتا ہے اور اس نظام کا انجام تباہی اور بربادی بتاتا ہے - پھر اس لفظ کے معنی (اونٹنی کے پاؤں باندھنے) میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ اس سے کام کرنے والوں کی صلاحیتیں زنجیروں میں جکڑی رہتی ہیں اور کبھی بھی اپنی حقیقی جولا نگاہ کی انتہائی وسعت تک نہیں پہنچنے پاتیں - وہ سمٹی، سکڑی، بندھی اور ناتمام رہ جاتی ہیں - لہذا تَطْفِیْفٌ کے معنی صرف معاشی ناہمواریاں ہی نہیں بلکہ اس میں انسان کے احترام اور عزت میں کمی کرنا بھی داخل ہے - جس انداز اور طریق سے بھی شرف

* راغب - ** تاج و راغب -

انسانیت میں کمی واقع ہو جائے وہ تَطْفِیْف* ہے۔ جس معاشرہ میں تکریم آدمیت اور احترام انسانیت میں کمی ہو (یعنی انسان کا پورا پورا احترام بہ حیثیت انسان نہ کیا جائے) وہ مطففین کا معاشرہ ہے جس کا انجام تباہی ہے۔

ط ف ق

طَفِقَ یَفْعَلُ* کَذَا۔ وہ ایسا کرنے لگا۔ یہ اسوقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کام کو کرنا شروع کر دے اور پھر اس میں مسلسل لگا رہے۔ طَفِقَ السَّوْضِعَ۔ وہ اس جگہ جم کر رہا اور وہاں سے نہ ہٹا*۔

قرآن کریم میں ہے وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ ..... (۲۰/۷) ۔ وہ لگے ایسا کرنے۔

ط ف ل

اَلطَّفْلُ* ۔ ہر نرم اور نازک چیز۔ طَفَلَ ۔ طَفَالَةٌ* ۔ طُفُوْلَةٌ* ۔ نرم و نازک ہونا۔ اَلطِّفْلُ* ۔ ہر چھوٹی چیز۔ بچہ ۔ جمع اَطْفَالٌ* (۲۴/۵۹)۔ (طِفْلٌ* خود بھی جمع کیلئے آتا ہے) راغب نے کہا ہے کہ بچہ کو طِفْلٌ* اس وقت تک کہتے ہیں جب تک کہ وہ نرم و نازک ہو**۔ قرآن کریم میں ہے۔ ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ طِفْلًا (۲۲/۵)۔ پھر تمہیں ایک بچے کی حیثیت سے پیدا کرتے ہیں۔

ط ل ب

اَلطَّلَبُ* ۔ کسی چیز کے حصول کی خواہش، اسطرح کہ اس کے حاصل کرنے میں کوشش کرنی پڑے***۔ یا کسی چیز کے پانے کی تلاش اور جستجو****۔ کسی چیز کا متلاشی ہونا اور اسے پا لینا۔ طَلَبَ الَیْہِ ۔ اس نے اس سے مانگا۔ کَلَّا* مُطْلُبٌ* ۔ اس گھاس کو کہتے ہیں جو پانی سے بہت دور ہو اور اس تک پہنچنے کے لئے تکلیف اٹھانی پڑے۔ اُمٌّ طَلْبَةٌ ۔ عقاب کو کہتے ہیں۔ اس میں تلاش اور دوری دونوں آجاتے ہیں*۔

سورۃ کہف میں ہے۔ فَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا لَہٗ طَلَبًا (۱۸/۴۱) ۔ یہاں طلب کے معنی تلاش کے بعد حاصل کرنے کے ہیں۔ سورہ حج میں اَلطَّالِبُ* وَالْمَطْلُوْبُ* (۲۲/۷۳) آیا ہے۔ طلب کرنے والا اور جسے طلب کیا جائے۔

*تاج و محیط۔ **تاج و راغب۔ نیز ابن فارس۔ ***محیط۔ ****راغب۔

ط ل ح

اَلطَّلْحُ ۔ ابن شمیل نے کہا ہے کہ یہ ایک لمبا درخت ہوتا ہے جس کے سائے میں لوگ بیٹھتے ہیں ۔ اس پر پتے تھوڑے اور کانٹے زیادہ ہوتے ہیں۔ ببول کے درخت جو اونٹوں کے چارے کا کام دیتے ہیں۔ لیکن ابو اسحق نے کہا ہے کہ اس سے مراد کیلے کا درخت ہے ۔ نیز طَلْحٌ بمعنی طَلَعٌ بھی آتا ہے (دیکھئے ط۔ ل۔ ع) ۔ رَجُلٌ طَالِحٌ ۔ خراب آدمی کو کہتے ہیں جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ یہ صَالِحٌ کی ضد ہے ۔ اور بَعِیْرٌ طَالِحٌ ۔ تھکے ماندہ لاغر اونٹ کو کہتے ہیں ۔ لیکن دوسرے معانی کے لحاظ سے اَلطَّلْحُ ۔ نعمت کو کہتے ہیں * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) ایک قسم کا درخت اور (۲) کمزوری اور لاغری کے ہیں ۔

قرآن کریم میں جنت کے ذکر میں ہے طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ (۵۶/۲۹) ۔ تہ بہ تہ کیلے یا ترتیب سے جمائے ہوئے کیلوں کے درخت۔

ط ل ع

طَلَعَ طُلُوْعًا ۔ نکلنا ۔ ظاہر ہونا (سورج وغیرہ کا) * ۔ (۲۰/۱۳۰)۔ مَطْلَعٌ اور مَطْلِعٌ ۔ طلوع ہونے کی جگہ ۔ (۱۸/۹۰) ۔ یا طلوع ہونے کا وقت ۔ یہ مصدر بھی ہے ۔ یعنی اس کے معنے طلوع ہونا ، اور ظاہر ہونا بھی ہیں۔ سورۃ قدر میں اس کے معنی طلوع کے وقت کے ہیں (۹۷/۵)۔ طَلَعَ الْجَبَلَ ۔ وہ پہاڑ پر چڑھ گیا ۔ اِطَّلَعَ عَلَی الْاَمْرِ کے معنی ہیں وہ کسی معاملہ سے واقف و باخبر ہوا۔ چنانچہ اصمعی نے کہا ہے کہ کبھی مُطَّلَعٌ اُس سیڑھی کو کہتے ہیں جس پر نیچے سے اوپر کی طرف چڑھا جائے *** ۔ اِطَّلَعَ عَلَیْہِ کے معنے ہیں وہ اس کے اوپر پہنچا اور وہاں سے نیچے کی طرف جھانک کر دیکھا، اور مُطَّلِعٌ اس طرح جھانکنے والے کو بھی کہتے ہیں ۔ (۳۷/۵۵-۵۸)۔

فراء نے کہا ہے کہ اَلْاِطِّلَاعُ اور بُلُوْغٌ کے ایک ہی معنی ہیں ۔ یعنی کسی تک پہنچنا ۔ (۲۸/۳۸) ۔ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ (۱۰۴/۷) جو دلوں تک پہنچ جاتی ہے ۔ اِطَّلَعَ عَلٰی بَاطِنِہٖ ۔ اس کی اندرونی حالت سے واقف ہو گیا * ۔ اَلتَّطَلُّعُ ۔ بلندی اور سرفرازی کے ساتھ نمودار ہونا * ۔ نَخْلَۃٌ مُّطْلِعَۃٌ ۔ وہ کھجور کا درخت جو اپنے ارد گرد کے کھجوروں کے درختوں سے اونچا ہو ** ۔ اَلطَّوَالِعُ ۔ وہ تیر جو نشانہ سے ہٹ کر اس کے اوپر کی جانب جا کر لگے * ۔ اَطْلَعَہٗ عَلَی الْاَمْرِ ۔ اسے معاملہ سے باخبر کیا (۳/۱۴۸)۔

* تاج و محیط۔ ** محیط۔ ***تاج

اَلطَّلْعُ ۔ کھجور کے درخت پر غلاف جیسی ایک چیز نکلتی ہے جس کے اندر اس کا خوشہ ہوتا ہے ۔ اس کا ایک سرا نوکیلا ہوتا ہے * ۔ (۲۶/۱۴۸ - ۳۷/۶۵ - ۵۰/۱۰) ۔

ط ل ق

طَلَقَ ۔ آزاد ہو گیا ۔ طَلَقَتِ الْمَرْاَۃُ مِنْ زَوجِہَا ۔ عورت اپنے شوہر سے جدا ہو گئی ۔ اَطْلَقَ الْاَسِیْرَ ۔ قیدی کو رہا کر دیا ۔ نَاقَۃٌ طَالِقٌ ۔ بلا نکیل کے اونٹنی ۔ اَلطَّالِقَۃُ ۔ وہ اونٹنی جسے آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جہاں سے جی چاہے کھانے پئے ۔ اَلطَّلْقُ ۔ ہرن (جو آزاد ہوتا ہے) ۔ نیز وہ اونٹنی جو مقید نہ ہو ۔ لِسَانٌ طَلْقٌ ۔ وَطَلَقٌ ۔ تیز چلنے والی زبان ۔ مُطْلَقٌ ۔ مُقَیَّدٌ کی ضد ہے * ۔ یعنی جو محدود و مقید نہ ہو ۔

سورۂ کہف میں ہے فَانْطَلَقَا (۱۸/۷۱) ۔ وہ دونوں روانہ ہو گئے ۔ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ (۳۸/۶) بڑے بڑے سردار (تیزی سے) کہنے لگے ۔ حضرت موسٰے نے اللہ سے کہا تھا کہ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ (۲۶/۱۳) ۔ میری زبان آزادی یا روانی سے نہیں چلیگی ۔ (اس لئے کہ انہیں جنگلوں اور صحراؤں میں رہتے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا تھا یا کم از کم متمدن دنیا سے دور رہتے ہوئے ۔ اسلئے انہیں خیال تھا کہ وہ فرعون کے دربار میں شاید اس روانی اور طلاقت سے گفتگو نہ کر سکیں جس کی وہاں ضرورت تھی) ۔

راغب نے طلاق کے بنیادی معنی کسی بندھن سے آزاد کرنا اور نجات دینا بتائے ہیں ۔ پھر یہ استعارۃً شوہر کا بیوی کو نکاح کے بندھن سے آزاد کرنے کے لئے بولا جاتا ہے (۲/۲۲۹) ۔ طَلَّقَ کے معنی ہیں طلاق دیدینا ۔ (۲/۲۳۶) ۔ مُطَلَّقَۃٌ ۔ طلاق دی ہوئی عورت ، اسکی جمع مُطَلَّقٰتٌ ہے (۲/۲۲۸) ۔

قرآن کریم کی رو سے نکاح ایسے معاہدہ کا نام ہے جو بالغ مرد اور عورت کی باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے (دیکھئے عنوان ن ۔ ک ۔ ح) اس لئے اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ان کی ازدواجی زندگی ناممکن ہوجائے تو یہ معاہدہ ٹوٹ بھی سکتا ہے ۔ قرآن کریم نے اس کے متعلق تفصیلی احکام دئے ہیں کہ اس معاہدہ کے فسخ ہونے کی کیا کیا صورتیں ہیں اور اس کے لئے طریق کار کیا ہے ۔ لیکن یہ جو ہمارے ہاں رواج ہے کہ مرد نے جب جی چاہا طلاق ۔ طلاق ۔ طلاق ۔ کہدیا اور نکاح ٹوٹ گیا ۔ اور اس کے

* تاج و محیط ۔

بعد اس جوڑے کا باھمی ملاپ نہیں ہو سکتا جب تک یہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح (حلالہ) کرکے ایک شب اس سے ہم آغوشی نہ کر لے۔ تو یہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔

اَلطَّلَاقُ مرتین۔ کے قرآنی مفہوم کے لئے عنوان م۔ ر۔ ر، دیکھئے۔ یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ طلاق کا لفظ اسوقت بولا جائے گا جب میاں بیوی عقد نکاح سے آزاد ہو جائیں۔ طلاق کے ارادے یا اس کے ابتدائی مراحل کو طلاق نہیں کہا جائیگا۔

اس مقام پر یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ لفظ طَلَاقٌ ایک تو طَلَقَ سے مصدر ہے جس کے معنی ہیں آزاد ہو جانا۔ اور دوسرے یہ لفظ طَلَّقَ سے اسم ہے۔ اس اعتبار سے اس کے معنی آزاد کرانا ہونگے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ عقد نکاح کا فسخ کرنا میاں بیوی کا نجی معاملہ نہیں ہے۔ س کے لئے عدالت کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے۔ اور طلاق کا فیصلہ عدالت کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس طرح لفظ طَلَاقٌ کے معنی آزاد کرانا بالکل صحیح بیٹھتے ہیں۔

ط ل ل

اَلطَّلُّ - بہت ہلکی سی بارش۔ پھوہار۔ بلکہ اوس جو کھلی فضا میں پڑتی ہے *۔ (۲/۲۶۵)۔ اَلطَّلَاَلَةُ - سرور۔ خوشی۔ حسن و جمال۔ تر و تازگی۔ زندگی کی خوشگواری *۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) تر و تازگی اور نرمی و نزاکت۔ (۲) جھانکنا اور (۳) کسی چیز کو باطل کر دینا ہیں۔ اور اَلطَّلُّ ہلکی سی بارش کو کہتے ہیں کیونکہ اس سے زمین کو زینت اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔

ط م ث

اَلطَّمْثُ - چھونا۔ ھٰذَا جَمَلٌ مَا طَمَثَهُ حَبْلٌ قَطُّ - یہ اونٹ ہے جسے رسی نے قطعاً نہیں چھوا۔ طَمَثَ الْمَرْاَةَ - اس نے اس عورت کی بکارت زائل کر دی۔ بعض نے اس کے معنی عام جماع کرنے کے لئے ہیں۔ (عورت کو چھونے سے کنایہ یہی ہوتا ہے)۔ اَلطَّمْثُ تہمت، گندگی، اور فساد کو بھی کہتے ہیں **۔

*تاج۔ ** تاج و محیط و راغب۔

جنتی معاشرہ کی عورتوں کی عفت و عصمت کے ضمن میں کہا ہے کہ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (۵۵/۵۶) ۔ اس سے قبل کسی انسان نے (جن و انس میں سے کسی نے) انہیں چھوا نہیں ہوگا۔ کیسا فردوس آفریں ہے یہ اطمینان کہ جس لڑکی سے میں شادی کر رہا ہوں اسے اس سے پہلے کسی نے نہیں چھوا۔

ط م س

طَمَسَ ۔ مٹ گیا ۔ اس کا نام و نشان باقی نہ رہا ۔ طَمَسْتُهُ طَمْسًا ۔ میں نے اسے مٹا دیا ۔ اس کا نام و نشان تک ختم کر دیا (لازم و متعدی) * ۔ سورہ نساء میں ہے قَبْلَ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا (۴/۴۷) ۔ قبل اس کے کہ ہم ان کے بڑے بڑے لوگوں کا نام و نشان تک مٹا دیں ۔ انہیں تباہ و برباد کر دیں ** ۔ سورہ یونس میں ہے ۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ (۱۰/۸۸) ۔ ان کے مال و دولت کو تباہ و برباد کر دے۔

طَمْسٌ ۔ مَطْمُوْسٌ ۔ اندھا ، جسے کچھ نظر نہ آئے * ۔ سورہ قمر میں قوم لوط سے متعلق ہے ۔ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ (۵۴/۳۷) ۔ سدوم کے آتش فشاں پہاڑوں سے آگ اور گندھک کے دھوئیں کا ایسا طوفان اٹھا کہ اس سے ان کی آنکھیں بیکار ہو گئیں۔ ہو سکتا ہے کہ شدت جذبات سے اندھا ہو جانے کیطرف بھی اشارہ ہو ۔ اس لئے کہ بصیرت کے ختم ہو جانے کے لئے بھی یہ لفظ آتا ہے ۔ (دیکھئے ۳۶/۶۶) ۔ سورہ مُرْسَلٰت میں ہے فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ (۷۷/۸) ۔ جب ستاروں کی روشنی جاتی رہیگی ۔

ط م ع

طَمَعٌ ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنے ہوتے ہیں نفس انسانی کا کسی چیز کی طرف خواہش کے ساتھ میلان اور جھکاؤ** ۔ اس میں حرص اور امید دونوں پہلو ہوتے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنے دل میں کسی چیز کی پرزور امید کے ہیں۔ اَلْمَطْمَعُ ۔ وہ چیز جسکی طمع کی جائے۔ جس چیز کی طرف نگاہ کھنچکر چلی جائے * ۔ چنانچہ اس پرندے کو بھی اَلْمَطْمَعُ کہتے ہیں جسے جال کے اوپر رکھ دیا جاتا ہے تاکہ اسے دیکھ کر دوسرے پرندے جال میں پھنس جائیں *** ۔

*تاج ۔ **راغب ۔ *** لین

قرآن کریم میں یہ لفظ خَوْف کے مقابلہ میں آیا ہے (۱۳/۱۲) ۔ خَوْف ۔ نقصان کے احساس کو کہتے ہیں، اس لئے طَمَع نفع کی امید ہے ۔ آرزو رکھنے (خواہش کرنے) کے معنوں میں سورۃ معارج میں ہے۔ اَیَطْمَعُ کُلُّ امْرِیءٍ مِنْھُمْ (۷۰/۳۸) ۔ کیا ان میں سے ہر شخص اسکی آرزو رکھتا ہے ؟ اور توقع رکھنے کے معنوں میں ۔ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ (۷۴/۱۵) ۔ پھر وہ اس کی توقع بھی رکھتا ہے کہ میں اسے زیادہ کرتا جاؤں !

ط م م

طَمَّ الْمَاءُ یَطُمُّ ۔ طَمًّا ۔ پانی نے کسی چیز کو ڈھانپ لیا اور اس کے اوپر چھا گیا ۔ طَمَّ السَّیْلُ الرَّکِیَّۃَ ۔ سیلاب نے کنوئیں کو پاٹ دیا اور برابر کر دیا * ۔ طَمَّ الْبِئْرَ ۔ کنوئیں کو مٹی سے بھر کر برابر کر دیا (ابن فارس) ۔ طَمَّ الطَّائِرُ الشَّجَرَ ۔ پرندہ درخت کے بالائی حصہ پر جا بیٹھا ۔ اَلطَّمُّ ۔ سمندر ۔ بکثرت پانی ۔ اَلطَّامَّۃُ ایسی چیخ کی آواز جو ہر شے پر چھا جائے * ۔

قرآن کریم میں انقلاب عظیم کے لئے اَلطَّامَّۃُ الْکُبْرٰی (۷۹/۳۴) آیا ہے ۔ یعنی وہ بہت بڑی مصیبت کی گھڑی جو سیلاب کی طرح چھا جائے گی اور سب پر غالب آ جائے گی ۔ مندرجہ بالا معانی کی رو سے اس حادثہ کو بھی طَامَّۃ کہا جا سکتا ہے جو اونچ نیچ برابر کر دے ۔

ط م ن (طمأن)

اَلطُّمْنُ ۔ ساکن ۔ فِیْہِ تَطَامُنٌ ۔ اس میں سکون اور وقار ہے ** ۔ سورۃ بقرہ میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ سے کہا کہ مجھے بتا کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے ۔ اللہ نے کہا کیا تیرا اس پر ایمان نہیں ؟ انہوں نے جواب دیا ۔ ''بَلٰی'' ۔ ایمان تو ہے ۔ وَلٰکِنْ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (۲/۲۶۰) ۔ ولے میں اپنا اطمینانِ قلب چاہتا ہوں ۔ اس سے (اِطْمِئْنَانٌ) کا صحیح مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنی تسکینِ قلب کی وہ کیفیت جو علی وجہ البصیرت حاصل ہو ۔ جو علم و فکر، دلائل و برہان، بلکہ مشاہدہ اور تجربہ کا نتیجہ ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اطمینانِ قلب کو اِکْرَاہٌ کی ضد قرار دیا ہے (۱۶/۱۰۶) ۔ اِکْرَاہٌ کے معنے ہیں کسی بات کو زبردستی منوانا ۔ (دیکھئے عنوان ک ۔ ر ۔ ہ) لہٰذا اطمینانِ قلب کے معنی ہوئے کسی بات کو دل کی پوری رضامندی سے ماننا ۔ اسی سورۃ (النحل) میں ذرا

* تاج ۔ ۔ راغب ۔ محیط ۔ **تاج

آگے چل کر اَمْنٌ اور اِطْمِئْنَانٌ کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ (۱۶/۱۱۲)، اگرچہ اطمینان کے لئے اَمْنٌ (بے خوفی) کو ضروری شرط قرار دیا گیا ہے (۲۷/۸۹)۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ملک میں امن ہو تو قلوب کو بھی اطمینان ہو۔ امن خارجی خطرات سے محفوظ ہونے کا نام ہوگا۔ لیکن (اِطْمِئْنَانٌ) اس کیفیت کا نام ہے جس میں انسان اپنی داخلی کشمکش سے محفوظ ہو، اور یہ چیز فریبِ نفس سے حاصل نہ ہوئی ہو بلکہ علم وحقیقت کی بنا پر ہو۔ انسانی ذات (نفس) کی یہی وہ کیفیت ہے جسے ''جنت کی زندگی'' سے تعبیر کیا گیا ہے (۸۹/۲۷)۔ لیکن اس حقیقت کو ساتھ ہی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ چیز خلوت گاہوں اور خانقاہوں میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ معاشرہ کے اندر رہتے ہوئے حاصل ہوگی۔ اسی لئے ارشاد ہے کہ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (۸۹/۲۹،۳۰)۔ جنت میں داخلہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان ''خدا کے بندوں'' کے ساتھ شامل ہو۔ اور پھر یہ سب ملکر قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (۱۳/۲۸)۔ ''اسے اچھی طرح سمجھ رکھو کہ صحیح اطمینانِ قلب قوانین خداوندی ہی سے نصیب ہو سکتا ہے''۔ (دیکھئے عنوان ذ۔ک۔ر) جہاں سے یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ اللہ کے ذکر سے مراد، تسبیح ہر اللہ۔ اللہ پکارنا یا دل پر ضربیں لگانا، نہیں۔ اس سے مفہوم خدا کے قانون (قرآن) کو ہر وقت سامنے رکھنا ہے۔ اس کا پہلا نتیجہ رزق کی فراوانی ہوتا ہے۔ (۱۶/۱۱۲)۔ اگر مقصودِ حیات ہر فرد کا اپنا اپنا اطمینانِ قلب ہو تو دنیا سے خیر و شر کی تمیز ہی اٹھ جائے۔ ایک ڈاکو یا ٹھگ جب کسی کی جان لیکر کالی دیوی کے استھان پر مقررہ نذر چڑھا دیتا ہے، یا برہمن بت کی پوجا کر لیتا ہے تو اسے ایسا اطمینان نصیب ہو جاتا ہے جو ایک خداپرست کے اطمینان سے کسی طرح بھی کم نہیں ہوتا۔ لہذا مقصد زیست اپنا اطمینان نہیں (جو بسا اوقات فریب نفس ہوتا ہے)۔ مقصد ایک ایسے معاشرہ کا قیام ہے جس میں ہر معاملہ عدل و احسان کی رو سے طے ہو اور اس طرح ہر فرد کو صحیح اطمینان میسر آ جائے۔

مُطْمَئِنِّينَ (۱۵/۹۵) اطمینان سے سکونت پذیر ہونے والے۔ اقامت پذیر ہونے والے۔

ط ہ ر

اَلطَّهَارَةُ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز سے نجاست کا دور ہو جانا*۔ ابن فارس نے اس کے معنی ستھرا پن اور میل کچیل کا زائل ہو جانا بتائے

*تاج۔

ہیں۔ صاحب تاج نے کہا ہے کہ طَہَرَہٗ ۔ طَحَرَہٗ کے معنی میں بھی آتا ہے، اور طَحَرَہٗ کے معنی ہیں اَبْعَدَہٗ ۔ یعنی اسے دور کر دیا ۔

قرآن کریم میں حضرت عیسٰےؑ کے متعلق ہے وَمُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (۳/۵۴) ۔ جس کے معنی ہیں خدا تجھے ان لوگوں سے الگ ہٹا کر دور لے جائیگا جو تیری صداقت کا انکار کرتے ہیں ۔ یا تیرے خلاف جو اتہام تراشتے ہیں ان سے خدا تجھے بری کر دیگا۔ اسی نہج سے تَطْہِیْرٌ کے معنی کسی شے سے نجاست اور آلائش وغیرہ کو دور کرکے اسے پاک اور صاف کرنا ہیں ۔ طَاہِرٌ کے معنی ہیں پاک اور صاف ۔ مُطَہَّرَۃٌ میں طَاہِرَۃٌ سے زیادہ شدت پائی جاتی ہے ۔ یعنی بہت زیادہ پاکیزہ ۔ طَہُوْرٌ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے پاکیزگی حاصل کی جائے ۔ یا اس کے معنی ہیں وہ چیز جو خود پاک ہو اور دوسری چیزوں کو پاک کر دے۔ (کیونکہ فَعُوْلٌ کے وزن میں فَاعِلٌ کے مقابلہ میں زیادہ مبالغہ اور شدت ہوتی ہے) * ۔ چنانچہ قرآن کریم میں بارش کے پانی کو مَاءً طَہُوْرًا (۲۵/۴۸) کہا گیا ہے ۔ اس لئے کہ وہ خود بھی کشید کردہ (لہذا صاف) ہوتا ہے اور ہر شے کو پاک اور صاف کر دیتا ہے ۔ طُہْرٌ ۔ وہ حالت یا زمانہ جس میں عورت حیض سے پاک ہو۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ عورت جب حیض سے فارغ ہو جائے تو طَہُرَتْ کہا جاتا ہے اور جب اس کے بعد غسل کر لے تو تَطَہَّرَتْ کہا جاتا ہے * ۔ چنانچہ قرآن کریم میں جو ہے وَلَا تَقْرَبُوْہُنَّ حَتّٰی یَطْہُرْنَ فَاِذَا تَطَہَّرْنَ فَاْتُوْہُنَّ ..... (۲/۲۲۲) تو اس میں یہی لطیف فرق ہے ۔

قرآن کریم میں طَہَارَتٌ کا لفظ صرف جسمانی پاکیزگی کے لئے ہی نہیں استعمال ہوا بلکہ اس میں قلبی اور ذہنی پاکیزگی بھی شامل ہے ۔ چنانچہ سورہ المائدہ میں ہے لَمْ یُرِدِ اللّٰہُ اَنْ یُّطَہِّرَ قُلُوْبَہُمْ (۵/۴۱) ۔ یہ پاکیزگی قلب کی شہادت ہے ۔ سورۂ واقعہ میں قرآن کریم کے متعلق ہے کہ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ (۵۶/۷۹) ۔ تو اس سے مراد یہی ہے کہ قرآن کریم کی صداقتوں سے وہی لوگ مس رکھتے ہیں ، وہی ان تک پہنچ سکتے ہیں ، وہی ان سے باخبر ہو سکتے ہیں * ، جن کا ظاہر و باطن پاکیزہ ہو ۔ جو قلب و نگاہ کی پاکیزگی کے ساتھ اس کی طرف آئیں ۔ جو متوازن دل و دماغ کے مالک ہوں ۔ جو اپنے ذہن کو تمام تعصبات سے خالی کرکے اور اپنے دلوں کو تمام ذاتی رجحانات و میلانات سے منزہ رکھ کر اسے سمجھنا

* تاج ۔

چاهیں ۔ اگر ذهن پہلے هی سے غیر قرآنی تصورات کی آماجگاہ ہے اور دل ذاتی مفاد پرستیوں سے آلودہ ، تو پھر قرآن کریم کے حقائق سمجھ میں نہیں آسکتے ۔ (دیکھئے عنوان م ۔ س ۔ س) ۔ جو لوگ زندگی کی آلودگیوں اور تباہ کاریوں سے بچنے کا احساس رکھتے ہوں انہیں مُتَّقِیْنَ کہا جاتا ہے ۔ اور قرآن کریم مُتَّقِیْنَ هی کی صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے ۔ (هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۲/۲) اس کی بنیادی شرط ہے ۔

رَجُلٌ طَاهِرُ الثِّیَابِ ۔ اس شخص کو کہتے هیں جو نہایت پاکیزہ نفس ہو* ۔ کیونکہ عرب عام طور پر ثِیَابٌ کا لفظ انسانی ذات یا شخصیت کے لئے بولتے هیں * ۔ اس لئے وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ (۷۴/۴) کے معنی ہونگے ، اپنی ذات کو تمام پست خیالات سے بلند کرکے پاکیزگی قلب و نگاہ کا پیکر بناؤ ۔ اور اگر ثِیَابٌ کے معنی دعوت کے لئے جائیں تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ اپنی اس انقلابی دعوت کو تمام ایسے لوگوں سے دور رکھو جن کے قلب و دماغ پاکیزہ نہیں ۔ اس جماعت میں وهی لوگ شامل ہو سکتے هیں جو اپنے دل اور دماغ کو تمام غیر خدائی تصورات سے پاک اور صاف رکھیں ۔ نیز اس دعوت میں نظری طور پر بھی کوئی غلط تصور شامل نہ ہونے پائے ۔ (ثِیَابٌ کے معانی کے لئے ث ۔ و ۔ ب کا عنوان دیکھئے) ۔

سورۂ احزاب میں رسول اللہ ؐ کے اهل خانہ کے متعلق ہے وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا (۳۳/۳۳) ۔ خدا تمہیں هر قسم کے الزامات سے دور رکھے گا اور قلب و نظر کی پاکیزگی عطا کریگا ۔

جنتی معاشرہ کے پاکیزہ سیرت اور تربیت یافتہ هم نشینوں کو اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (۲/۲۵) کہا گیا ہے ۔ اس میں بیویاں بھی شامل هیں اور دوسرے رفقائے کار بھی ۔ (دیکھئے عنوان ز ۔ و ۔ ج) ۔

ط و د

اَلطَّوْدُ ۔ بلند پہاڑ ۔ ریت کا اونچا ٹیلہ ۔ اَلطَّادُ ۔ بوجھل اور جمی ہوئی چیز جو اپنی جگہ پر محکم ہو ۔ طَادَ الشَّیْءُ ۔ وہ چیز ایک جگہ پر جم گئی ۔ بِنَاءٌ مُّنْطَادٌ ۔ بلند عمارت ** ۔

قرآن کریم میں کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ (۲۶/۶۳) آیا ہے ۔ یعنی بڑے ٹودہ (یا ٹیلہ) کی طرح ۔

---

* محیط ۔ ** تاج و راغب ۔

ط و ر

اَلطُّوْرُ - سرسبز پہاڑ - اگر پہاڑ سرسبز نہ ہو تو اسے طُوْرٌ نہیں کہتے * - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے لمبا ہونے اور بڑھنے کے ہیں خواہ وہ زمان سے متعلق ہو یا مکان سے - اور پہاڑ کو طُوْرٌ اس کے طول ، عرض اور بلندی میں پھیلنے اور بڑھنے کی وجہ سے کہتے ہیں - اَلطُّوْرُ - اَیْلَۃُ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے جو سَیْنَاء یا سِیْنِیْنَ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے * - (۲۳/۲۰ ؛ ۹۵/۲) - دعوتِ حضرت موسےٰ کی ابتدا وہیں سے ہوئی تھی - اسی (طُوْرٌ) کے دامن میں بنی اسرائیل سے اس دعوت پر ایمان کا عہد لیا گیا تھا (۲/۶۳) - اَلطَّوْرُ - بار - دفعہ - مرتبہ - طَوْرًا بَعْدَ طَوْرٍ - ایک بار کے بعد دوسری بار - دوسری مرتبہ - یا دوسری دفعہ - نیز جو کسی چیز کے بالمقابل یا اس کے برابر ہو - طُوْرٌ بھی اس معنی میں آتا ہے - اَطْوَارٌ - مختلف حدود یا اقسام - مختلف مدارج و احوال یا اندازے * - قرآن کریم میں ہے قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا (۷۱/۱۴) - خدا نے تمہیں مختلف ارتقائی منازل میں سے گذار کر انسانی منزل تک پہنچایا ہے - تمہاری تخلیق مختلف احوال ومدارج سے گذر کر ہوئی ہے - یا تمہیں مختلف احوال میں پیدا کیا ہے - طَارَ بِہٖ (یَطُوْرُ) کے معنی قریب ہونا ہیں ** -

ط و ع

طَاعَ کے معنے ہوئے ہیں کسی شے کا وسیع ہو جانا - طَاعَ لَہُ الْمَرْتَعُ - چراگاہ اس کے لئے وسیع ہو گئی اور وہ جہاں سے اس کا جی چاہا چر سکا * - اس سے '' اطاعت ،، کا بنیادی مفہوم سامنے آ جاتا ہے - یعنی دل کی کشاد سے کسی کام کا کرنا - چنانچہ قرآن کریم میں طَوْعًا کے مقابلہ میں کَرْھًا (۹/۵۳) نے اس حقیقت کو واضح کر دیا - کَرْھًا کے معنی ہیں کسی کام کو ناگواری اور دل کے جبر سے کرنا - لہذا طَوْعًا کے معنے ہوئے کسی کام کو بطیبِ خاطر ، دل کی کشاد اور پسندیدگی سے کرنا - اسی لئے اَطَاعَ النَّخْلُ کے معنے ہوئے ہیں کھجوریں پک گئیں * - (اب انہیں زور لگا کر توڑنا نہیں پڑیگا - وہ ٹوٹنے کے لئے خود ہی آمادہ ہیں) - اَطَاعَ - کسی کے حکم کی بطیب خاطر تعمیل کرنا - اور طَاوَعَہٗ اس کی موافقت کرنا * - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی کے ساتھ لگنے اور تابعدار ہو جانے کے ہیں -

* تاج - ** محیط -

اِسْتَطَاع - راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کسی کام کے کرنے کے لئے جن قوتوں، صلاحیتوں اور اسباب و ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کا موجود ہونا - اگر ان میں سے کوئی چیز ہے اور کوئی نہیں تو اسے صرف ایک حیثیت سے مُسْتَطِیْع* کہا جائیگا* -

سورۃ بقرہ میں ہے - وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا (۲/۱۵۸) - اس کے معنے ہیں تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر عمل خیر کرنا - اس میں دل کی رضامندی تو بہرحال ہوگی لیکن اس میں اگر تھوڑی سی مشقت بھی اٹھانی پڑے (جو قابل برداشت ہو) تو ایسا عمل خیر بھی کر لینا چاہئے (۲/۱۸۴) - سورۃ النحل میں غیر خدائی قوتوں کے متعلق ہے لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ (۱۶/۷۳) - اس کے معنی صاحب اقتدار و اختیار کے ہیں - یعنی کسی کام کو پورا کرنے کے لئے جن قوتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان میں نہیں ہیں - سورۃ بقرہ میں ہے یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (۲/۲۱۷) - اگر ان کے اختیار میں ہو تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھرا دیں - سورۃ مائدہ میں ہے فَطَوَّعَتْ لَہٗ نَفْسُہٗ (۵/۳۰) - اس کے جذبات نے اسے اس امر پر آمادہ کر لیا، یا راضی کر لیا -

قرآن کریم میں قوانین خداوندی کی اطَاعَۃ* پر زور دیا گیا ہے - درحقیقت سارے قرآن کی تعلیم کا منشا ہی یہ ہے کہ قوانین خداوندی کی اطاعت کی جائے - اطاعت کے معنی ہم دیکھ چکے ہیں - یعنی کسی کام کو دل کی پوری پوری رضامندی، وسعت اور کشادگی سے کرنا - ظاہر ہے کہ اس قسم کی اطاعت کسی مستبد حاکم کی فرمانبرداری نہیں، بلکہ اپنے دل کی مرضی سے خود اختیار کردہ حدود و قیود (Self-imposed Restrictions) کی پابندی ہے - (اسی کو اِسْلَام* کہتے ہیں) - یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کی اطاعت نہ زبردستی کرائی جا سکتی ہے نہ اندھے، طور پر کی جا سکتی ہے - اسی لئے قرآن کریم نے کتاب (قانون) کے ساتھ حِکْمَت* (اسکی علت غائی - اس کے نتائج) کو بھی خود ہی واضح کر دیا ہے تاکہ ہر شخص علٰی وجہ البصیرت دیکھ لے کہ ان حدود کی پابندی میں کیا کیا فوائد مضمر ہیں اور اس کے بعد اپنے دل کی پوری رضامندی سے ان پر عمل پیرا ہو جائے - یہ ہیں وہ بنیادی اصول جن کے مطابق قرآن، نظام خداوندی قائم کراتا ہے - یعنی اس جماعت کے ہاتھوں جس کے افراد، دل کی پوری کشاد کے ساتھ، علٰی وجہ البصیرت، اس نظام کے نتائج سے متفق ہوں اور کامل رضامندی سے اس کے قیام

*تاج -

و استحکام کے لئے کوشاں ۔ یہ ہے اطاعت کا صحیح مفہوم ۔ یعنی پکے ہوئے پھل کی طرح خود بخود کسی کی جھولی میں گر پڑنا ، نہ کہ اسے کھسوٹ کر حاصل کرنا ۔ اس کے مقابل میں تَوَلّٰی کا لفظ آیا ہے (۳/۳۱) ۔ یعنی منہ موڑ لینا یا گریز کی راہیں نکالنا ۔ اصل یہ ہے کہ اگر کسی کام کے کرنے میں ذرا سا بھی تردد ۔ تامل ۔ تذبذب ۔ ہچکچاہٹ ۔ یا کبیدگی خاطر ہو تو اسے اطاعت نہیں کہینگے، کیونکہ اطاعت کی بنیاد میں دل کی رضامندی شامل ہے ۔ (۴/۶۵) اطاعت کی جاتی ہے ، کرائی نہیں جاتی ۔ نا دانستہ یا لغزش سے کسی حکم کی خلاف ورزی اور بات ہے، لیکن جو شخص دل کی رضامندی سے نظام خداوندی (اسلام) میں نہ رہنا چاہے اُسے زبردستی نہیں رکھا جا سکتا ۔ نہ ہی کسی کو اسکے اندر زبردستی لایا جاسکتا ہے ۔ اس لئے دین میں اکراہ نہیں (۲/۲۵۶) ۔ جو لوگ بطیب خاطر اس نظام کو قبول نہ کریں، وہ اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی حیثیت سے رہیں گے ۔ انہیں تمام حقوق انسانیت حاصل ہوں گے لیکن اس نظام میں ان کا کوئی عمل دخل نہ ہوگا ۔

مُطَاعٍ (۸۱/۲۱) ۔ جس کی اطاعت کی جائے ۔ مُطَوَّعٌ (۹/۷۹) جو دل کی کشاد سے کسی کام میں لگ جائے ۔

سورۃ مائدہ میں ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کے حواریوں نے کہا هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً (۵/۱۱۲) ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کیا خدا ہماری اس عرض کو قبول کر لے گا ؟ اس کی تائید میں سورۃ مومن کی یہ آیت لکھی ہے مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعٌ (۴۰/۱۸) ۔ یعنی ایسا جس کی بات مانی جاسکے ۔

سورۃ کہف میں اسْطَاعَ بجائے اسْتَطَاعَ آیا ہے (۱۸/۹۷) ۔

ط و ف

طَوْفٌ کے معنی گھومنے اور چکر لگانے کے ہیں ۔ طَافَ ۔ اسْتَطَافَ ۔ تَطَوَّفَ ۔ طَوَّفَ ۔ گھومنا ۔ چکر لگانا* ۔ کسی چیز کے ارد گرد بکثرت چلنا** ۔ اَلْمَطَافُ ۔ گھومنے کی جگہ ۔ اَلطَّائِفُ ۔ چوکیدار یا کوتوال جو رات کو حفاظت کے لئے پہرہ دے ۔ (یہ لفظ اگرچہ واحد ہے لیکن جمع کے لئے بھی آتا ہے)* ۔ ابن فارس نے بھی اس کے یہ معنی لکھے ہیں ۔ اَلطَّائِفَةُ ۔ کسی چیز کا ٹکڑہ ۔ لوگوں کی جماعت جو ہم آہنگیِ فکر وخیال یا اشتراک مذہب کی بناء پر متحد ہو اور اس سبب سے دوسروں سے ممتاز ہو** ۔ ابن فارس نے

* تاج ۔ ** محیط ۔

لکھا ہے کہ عرب طائفۃ کو کسی معین تعداد میں محدود نہیں کرتے تھے۔ نیز وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ بہرحال اس سے تھوڑی اور معمولی مقدار یا تعداد ہی مراد لی جاتی ہے۔ اَلطَّوَّافُ ۔ ایسا خادم جو نہایت نرمی اور عنایت سے خدمت کرے**۔ اَلطَّوْفَانُ ۔ ہمہ گیر موت، وہ مصیبت یا حادثہ جو قوم کو چاروں طرف سے گھیر لے اور ہر شے پر چھا جائے، مثلاً غرقابی، قتل و غارتگری، بارش جو زور دار ہونے کی وجہ سے بستیوں کو بہا لے جائے۔ نیز رات کی سخت تاریکی *۔ قرآن کریم میں قوم حضرت نوحؑ کے متعلق ہے فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ (۲۹/۱۴) انہیں طوفان نے آپکڑا۔

طَافَ ۔ یَطُوْفُ کے معنی رفع حاجت کے لئے جانا بھی ہیں *۔

قرآن کریم میں ہے یُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ (۳۷/۴۵) ۔ ان پر دور جام چلایا جائیگا۔ سورہ نور میں ہے طَوَّافُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۲۴/۵۸) ۔ وہ تمہارے ارد گرد پھرتے پھراتے رہتے ہیں۔ سورہ القلم میں ہے ۔ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ (۶۸/۱۹) تیرے رب کی طرف سے ایک آفت ان پر پھر گئی۔ ایک مصیبت طاری ہو گئی۔ ایک حادثہ نے انہیں گھیر لیا۔ سورہ اعراف میں ہے طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ (۷/۲۰۱)۔ اس کے معنی ہیں سرکش جذبات کا کوئی خیال جو یونہی گھومتے گھماتے ذہن میں آجائے۔ طَآئِفَةٌ۔ گروہ اور جماعت کے معنوں میں (۳/۱۲۲) میں آیا ہے۔

سورہ بقرہ میں ہے کہ خانہ کعبہ طَآئِفِيْنَ اور عَاكِفِيْنَ کے لئے مرکزی مقام ہے (۲/۱۲۵) ۔ طَآئِفِيْنَ کے معنی ہیں نوع انسانی کے چوکیدار۔ وہ لوگ جو انسانیت کے حقوق کی حفاظت کرنے والے ہوں۔ اور عَاكِفِيْنَ کے معنی ہیں وہ جماعت جو نوع انسانی کے شیرازہ کو بکھرنے نہ دے، بلکہ اسے ایسک رشتہ میں پروئے رکھے۔ ان کے معاملات کو درست رکھے۔ دنیا کے نظم و نسق میں درستگی اور آراستگی پیدا کرے (دیکھئے عنوان ع۔ک۔ف)۔ قرآن کریم نے ملت اسلامیہ (جماعت مومنین) کو ایک بین الاقوامی امت قرار دیا ہے جس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ تمام نوع انسانی کے احوال و کوائف اور اعمال و افعال کی نگرانی کرے اور ان کے معاملات کو درست رکھے۔ اس مقصد کے لئے وہ جس نظام کی تشکیل کرتے ہیں اس کا مرکز کعبہ کو قرار دیا ہے (۲/۱۲۵)۔ لہذا اس نظام کو قائم کرنے والی جماعت، طَآئِفِيْنَ کی جماعت ہے۔ یعنی نوع انسانی کی چوکیداری کرنے والی۔ حقوق انسانیت کی حفاظت کرنے والی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے

*تاج ۔ **محیط۔

خدا سے پوچھا کہ ان کی اولاد میں بھی خانہ کعبہ کی تولیت (اور نوع انسانی کی امامت) کا منصب جاری رہیگا تو ان سے کہدیا کہ لاَ یَنَالُ عَہْدِی الظّٰلِمِیْنَ (۲/۱۲۴) - جو لوگ حقوق انسانیت میں کمی کرینگے وہ اس منصب کے اہل نہیں رہینگے -

یہ ہے طواف کعبہ کا صحیح مفہوم جس کی تمثیلی شکل (Symbolical Form) خانہ کعبہ کے گرد گھوم کر اس فریضہ کی یاد تازہ کرنا ہے - جس طرح صلٰوۃ کے اجتماعات میں رکوع وسجود اس حقیقت کے مظہر ہیں کہ ہم قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں اور اس کے سوا اور کسی کے آئین وقانون کے سامنے نہیں جھکتے، اسی طرح حج کے ان مناسک سے مراد یہ ہے کہ ہمارا یہ اجتماع، نوع انسان کی حفاظت کے لئے نظام خداوندی کا عملی نشان ہے -

ط و ق

اَلطَّوْقُ - وہ حلقہ جسے گردن میں ڈال دیا جائے - ہر وہ چیز جو کسی کو اپنے گھیرے میں لے لے - راغب نے کہا ہے کہ دراصل طَوْق اس حلقہ کو کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر گردن میں بنا ہوتا ہے، جیسے قمری کی گردن کا حلقہ - یا مصنوعی حلقہ، جیسے سونے چاندی کا گلے میں ڈالا جانے والا حلقہ ہوتا ہے - تَطَوَّقَ - طوق پہن لینا * - طَوَّقَ گردن میں طوق پہنانا - (۳/۱۷۹)

اَلطَّاقَۃُ - صاحب تاج العروس، صاحب محیط، راغب اور اقرب الموارد اس پر متفق ہیں کہ اَلطَّاقَۃُ اس قوت کا نام ہے جس سے کوئی کام بہ مشقت کیا جاسکے - یعنی وہ کام اس پر اتنا شاق گذرے جیسے کسی نے اس کی گردن میں طوق ڈال دیا ہو - اسی سے انہوں نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں آیا ہے کہ لاَ تُحَمِّلْنَا مَالاَ طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ (۲/۲۸۶) - تو اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم پر ایسی ذمہ داری نہ ڈال جس کے اٹھانے کی ہم میں قدرت ہی نہ ہو - اس کے معنی ہیں ایسے کام جنہیں ہم بہ مشقت کرسکیں - جن کا کرنا ہمارے لئے دشوار ہو** -

روزوں کے احکام کے سلسلہ میں قرآن کریم میں ہے - وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ (۲/۱۸۴) - اس کے عام طور پر

* تاج - ** تاج - محیط - راغب -

معنی یہ کئے جاتے ھیں کہ جن لوگوں کو (روزہ رکھنے یا فدیہ دینے کی) طاقت ھو وہ روزہ نہ رکھیں بلکہ اس کا فدیہ دیدیں ۔ یہ معنی بالبداھت غلط ھیں ۔ اگر وہ لوگ جنھیں روزہ رکھنے کی طاقت ھے یا جو فدیہ دے سکتے ھیں روزہ سے 'مستثنیٰ' ھیں تو پھر روزہ کن پر فرض ھے ؟ کیا انھی پر جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ھوں یا اتنے غریب ھوں کہ فدیہ بھی نہ دے سکیں ؟

اس کے صحیح معنی یہ ھیں کہ جو لوگ بہ مشقت روزہ رکھ سکیں وہ روزہ نہ رکھیں بلکہ اس کے بدلے میں فدیہ دیدیں ۔ اس لئے کہ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (۲/۱۸۵) ۔ خدا تمہارے لئے آسانیاں چاھتا ھے، مشقتیں نہیں چاھتا ۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب المنار نے لکھا ھے کہ عرب اَطَاقَ الشَّیْئَ اسوقت کہتے ھیں جب قوت اتنی کم ھو کہ اسکی وجہ سے کسی کام کے کرنے میں شدید مشقت کا متحمل ھونا پڑے ۔ اَلَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ سے مراد ھیں ضعیف ۔ بوڑھے ۔ وہ اپاھج جن کے امراض کے اچھا ھونے کی امید نہ ھو ۔ وہ کاریگر یا مزدور جن کی ھمیشہ کی معاش مشقت انگیز کاموں میں ھو ۔ نیز وہ مجرم جنھیں مشقت کے کاموں پر لگایا جائے ۔ ان لوگوں پر جب روزہ رکھنا شاق ھو اور وہ فدیہ دے سکیں تو وہ اس حکم میں داخل ھیں * ۔ اس آیت کا اگلا حصہ یہ ہے کہ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ (۲/۱۸۴) ۔ جو شخص قابل برداشت مشقت سے نیک کام کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ھے ۔ اس میں یُطِیْقُوْنَ اور تَطَوَّعَ کا فرق قابل غور ھے ۔ یطیقون سے مراد سخت مشقت ھے اور تطوع سے مراد ایسی اطاعت جس میں ذرا سی تکلیف کا پہلو ھو، (دیکھئے عنوان ط ۔ و ۔ ع)

ط و ل

طَالَ ۔ یَطُوْلُ ۔ طُوْلًا ۔ دراز ھونا ۔ لمبا ھونا** ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اَلطَّوْلُ رسی کو کہتے ھیں کیونکہ وہ لمبی ھوتی ھے ۔ اَفَطَالَ عَلَیْکُمُ الْعَھْدُ (۲۰/۸۶) ۔ وہ عہد جو تم نے مجھ سے کیا تھا، کیا اس پر بہت لمبا عرصہ گذر گیا جو تم نے سمجھ لیا کہ اب اس پر قائم رھنے کی کیا ضرورت ھے ؟ اس کے یہ معنی بھی ھوسکتے ھیں کہ کیا مجھے تم سے گئے ھوئے اتنا لمبا عرصہ گذر گیا تھا؟ یعنی عہد کے معنی زمانہ کے بھی ھوسکتے ھیں

* تفسیر المنار ج/۲ صفحہ ۱۵۶ ** تاج ۔

طَوْل* ۔ وسعت ۔ فراخی ۔ خوش حالی ۔ استطاعت * ۔(۴۰/۳) ۔ نیز قوت ۔ طاقت * ۔(۲/۳) ۔ تَطَاوَلَ ۔ لمبا عرصہ گذر جانا (۵۷/۲۸) ۔ سورہ بنی اسرائیل میں پہاڑ کی اونچائی کے لئے بھی لفظ طَوْلاً آیا ہے (۱۷/۳۷)۔

ط و ی

طَوَی الصَّحِیْفَۃَ یَطْوِیْھَا طَیًّا ۔ اس نے صحیفہ کو لپیٹ دیا ۔ اِطَّوَی ۔ وَانْطَوَی ۔ وہ لپٹ گیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ مجازاً کہتے ہیں طَوَی عَنِّیَ الْحَدِیْثَ وَالسِّرَّ ۔ یعنی اس نے مجھ سے بات اور راز کو چھپایا ۔ نیز طَوَی الْبِلَادَ طَیًّا ۔ اس نے شہروں کی مسافت کو قطع کیا۔ یعنی راستوں کو لپیٹا۔ نیز طَوَی اللّٰہُ الْبُعْدَ لَنَا ۔ خدا نے ہمارے لئے مسافت کو سمیٹ کر دوری کو قریب کر دیا * ۔ اَلطَّیَّۃُ ۔ نیت اور مقصد ۔ لپیٹنے کی ہئیت ۔ منزلِ مقصود ** ۔ طَوَی اللّٰہُ عُمْرَہٗ ۔ خدا نے اس کی عمر ختم کر دی ۔ اس کی مدت عمر کو لپیٹ دیا ** ۔

سورۃ انبیاء میں ہے یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ (۲۱/۱۰۴) ۔ جس دن ہم سَمَآءٌ کو لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے کاغذوں کا طومار لپیٹ دیا جاتا ہے ۔ اور سورۃ الزمر میں ہے وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ (۳۹/۶۷) ۔ اس دن (یوم القیٰمۃ) میں اَرْضٌ سب کی سب اللہ کے قبضہ میں ہوگی ۔ اور سَمَاوَاتٌ بھی اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے ۔ ان دونوں مقامات کے ملانے سے بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ جب قرآن کے قوانین کے مطابق انسانی معاشرہ متشکل ہوگا تو اس انقلابی دور میں معاشی ذرائع اور اخلاقی اقدار (اَرْضٌ اور سَمَآءٌ) دونوں کا مرکز ایک ہی ہوگا ۔ یہ دونوں ایک ہی مرکز کے کنٹرول میں ہونگے ۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ معاشی ذرائع ایسے نظام کے ہاتھوں میں ہیں جس نے اخلاقی اقدار کو الگ رکھ چھوڑا ہے ۔ لیکن اس دور میں یہ دونوں یک جا ہو جائیں گے اور اس طرح توحید عملاً متشکل ہو جائے گی ۔ اسی لئے اس کے بعد کہا ہے کہ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (۵۹/۲۳) ۔ یہ لوگ جو معاشی نظام اور اخلاقی اقدار کو الگ الگ رکھکر عملاً شرک کرتے ہیں، خدا ان سے بہت دور اور بہت بلند ہے ۔ لیکن اگر یوم القیمۃ سے مراد دنیا کا طبعی انجام لیا جائے تو ارض و سماء سے مراد طبعی کائنات لی جائیگی ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔

سورۃ "طٰہٰ" میں ہے کہ جب حضرت موسٰےؑ کو نبوت سے سرفراز کئے جانے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ اس سے عقلی طریق تحقیق اور وحی کے عمل۔ انکشاف کا فرق نکھر کر سامنے "طوی" (۲۰/۱۲)۔ آجاتا ہے۔ عقلی طریق تجرباتی ہوتا ہے جس میں مسافت بڑی لمبی ہوتی ہے۔ لیکن وحی اس مسافت کو لپیٹ کر راستے کو بہت مختصر کر دیتی ہے۔ اقبال کے الفاظ میں (It Economises Human Efforts) - عقل کی راہیں بڑی پرپیچ و خم ہوتی ہیں - وحی صراط مستقیم کے ذریعے سیدھے منزل تک لے جاتی ہے - عقل کے تجرباتی طریق سے مطلب یہ ہے کہ (مثلاً) آپ کے سامنے کوئی معاملہ آتا ہے - آپ اس کا ایک حل تجویز کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں - اس تجربہ میں کافی وقت صرف ہوتا ہے - محنت بھی کرنی پڑتی ہے - ایک مدت کے بعد جب نتیجہ سامنے آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تجربہ ناکام رہا، وہ حل غلط تھا۔ آپ پھر دوسرا تجربہ شروع کر دیتے ہیں وقس علیٰ ھذا - اس طرح عقل کے تجرباتی طریق سے آپ کی مسافت بڑی لمبی ہو جاتی ہے - لیکن وحی شروع ہی میں آپ کے سامنے صحیح حل رکھ دیتی ہے اور اس طرح آپ کو ان تمام ناکام تجارب سے بچا لیتی ہے جو آپ کو عقل کے طریق کار کی رو سے کرنے تھے - اس طرح سفر حیات میں آپ کی مسافت بہت مختصر ہو جاتی ہے - نبی کے سامنے حقیقت اپنے آپ کو خود بخود منکشف کر دیتی ہے - اس طرح تلاش حقیقت میں اس کی مسافتیں سمٹ جاتی ہیں - لہذا نبوت سے سرفرازی کے معنی یہ ہیں کہ نبی سے عقلی تجربات کے لمبے راستوں کو چھڑا کر اسے ''الوادالمقدس طوی،، میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ جہاں مسافتیں لپیٹ کر رکھ دی جاتی ہیں - اس اعتبار سے اس وادی کو "طوی" کہا گیا ہے - راغب نے بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر "طوًی" (کو تُوْدِیَ) کے ساتھ ملا دیا جائے جو اس سے پہلی آیت میں ہے تو اس کے) معنے یہ ہوں گے کہ میں نے موسٰےؑ کو دو مرتبہ پکارا - یا پھر یہ کہ اس وادی کو دوبار مقدس بنایا گیا ہے - لیکن یہ معنی کچھ دور از کار سے ہیں -

ط ی ب

طَیِّب* - راغب نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنی ہیں وہ چیز جس سے انسان کے حواس بھی لذت یاب ہوں اور نفس بھی * - یعنی ہر وہ چیز جو

* راغب -

دیکھنے ، سننے ، سونگھنے ، کھانے میں بھی پسندیدہ ہو اور اس سے انسانی نفس بھی کیف اندوز ہو۔ اَلاَطَایِبُ اور اَلْمَطَایِبُ۔ پسندیدہ اور بہترین چیزیں ۔ اَلطُّوْبٰی۔ یہ مصدر بھی ہوسکتا ہے اور اَطْیَبُ کا مؤنث بھی۔ معنی ہیں بہت زیادہ پسندیدہ اور دائمی خوش حالی کی زندگی۔ خوش بختی۔ طَعَامٌ طَیِّبٌ ۔ وہ کھانا جو حلق میں سہولت سے اتر جائے ۔ مَاءٌ طَیِّبٌ ۔ خوشگوار پانی ۔ اَلطِّیْبُ ۔ خوشبو*۔

طَابَتِ الْاَرْضُ طِیْبًا ۔ زمین زرخیز ہو گئی ۔ اس پر گھاس اُگ آئی *۔ قرآن کریم میں ہے وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ (۷/۵۸) زرخیز زمین سے خدا کے قانون کے مطابق سبزی اُگتی ہے ۔ اس کے مقابلہ میں خَبِیْثٌ کا لفظ آتا ہے ۔ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا ۔(۷/۵۸) ۔ اورجو زمین نکمی ہو اس میں (اول تو سبزہ پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے) تو بہت تھوڑا ۔ یہاں سے طَیِّبٌ اور خَبِیْثٌ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ۔ اسی طرح سورہ ابراہیم میں شَجَرَةٌ طَیِّبَةٌ کی تعریف یہ بتائی گئی ہے کہ اسکی جڑیں زمین میں مضبوط ہوتی ہیں اور شاخیں فضا کی بلندیوں میں پھیلی ہوئی ۔ اور وہ ہمیشہ ثمربار رہتا ہے ۔ اس کے برعکس شَجَرٌ خَبِیْثٌ وہ ہے جس کی جڑیں زمین کے اوپر ہی اوپر ہوں اور ذرا سا جھٹکا اسے اکھا ڑپھینکے (۱۴/۲۶) ۔

سورہ سبا میں بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ (۳۴/۱۵) اس شہر کو کہا گیا ہے جس کے دائیں بائیں باغات ہوں اور اس میں سامان رزق کی فراوانی ہو ۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب قرآن کریم نے کہا ہے کہ ہم مومنین کو حَیٰوةً طَیِّبَةً (۱۶/۹۷) عطا کرتے ہیں تو اس کا مطلب کیا ہے ۔ یعنی ایسی زندگی جس میں زندگی کی تمام خوشگواریاں نصیب ہوں ۔ جس میں انہیں تمام عمدہ اور پسندیدہ چیزیں بافراط میسر ہوں ۔ ایسی چیزیں جن سے حواس اور دل دونوں لذت یاب ہوں ۔

حلت و حرمت کے متعلق قرآن کریم نے اصول یہ بیان کیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز حلال ہے بجز ان کے جنہیں قرآن کریم نے حرام قرار دیدیا ہے ۔ لیکن اس نے حلال کے ساتھ طَیِّبٌ کا بھی اضافہ کیا ہے (کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۔ ۲/۱۶۸) ۔ یعنی حلال چیزوں میں سے جو چیزیں تمہیں خوشگوار اور پسندیدہ ہوں وہ کھاؤ ۔ لہذا ان چیزوں کو چھوڑ کر

* تاج ۔

جنہیں قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے ، دنیا کی ہر خوشگوار چیز سے متمتع ہوا جا سکتا ہے ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ نہ تو کوئی شخص کسی حلال شے کو حرام قرار دے سکتا ہے اور نہ ہی اسے مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ہر حلال شے کو بالضرور کھائے ۔ اگر کوئی حلال شے کسی کو مرغوب نہیں یا نقصان دہ ہے تو اس کے لئے کسی قسم کی مجبوری نہیں کہ وہ اسے ضرور کھائے ۔ وہ جس چیز کو خوشگوار سمجھے اسے کھائے ۔ اس معاملہ میں نہ خدا کی طرف سے کوئی جبر ہے نہ کسی انسان کی طرف سے کوئی جبر ہونا چاہئے ۔

فَعَلَتْ بِطِيبَةِ نَفْسِي کے معنی ہیں میں نے اسے کسی خارجی جبر و اکراہ کے بغیر اپنی مرضی سے کیا ہے * ۔ سورہ نساء میں ہے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (۴/۳) ۔ جن عورتوں کا ذکر پہلے آچکا ہے ان میں سے اپنی پسند کے مطابق (جو تمہیں خوش آئند نظر آئیں) اپنے نکاح میں لاؤ ۔ نکاح کے لئے پسندیدگی اور دل کی رضامندی ضروری ہے ۔ رضامندی (دل کی خوشی) کے معنوں میں اس سے ذرا آگے ہے ۔ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ (۴/۴) وہ اگر دل کی رضامندی سے تمہارے لئے کچھ چھوڑ دیں ۔ سورہ آل عمران میں ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (۳/۳۸) کہا گیا ہے ۔ ایسی اولاد جو دل و دماغ ، اخلاق و اطوار اور جسمانی صحت ہر لحاظ سے خوش آئند ، اور ماں باپ کے لئے سکون قلب کا باعث ہو ۔

مومنین کی کامرانی کے متعلق کہا گیا ہے طُوبَىٰ لَهُمْ (۱۳/۲۹) ۔ ان کے لئے ہر قسم کی خوشگواریاں اور سعادتمندیاں ہیں ۔ کتنا جامع ہے یہ لفظ جس میں جنت کی ساری وسعتیں سمٹ کر آ گئی ہیں ۔

ط ی ر

طَارَ ۔ يَطِيرُ طَيَرَانًا ۔ پرندہ کا اپنے پروں کے ساتھ ہوا میں حرکت کرنا ۔ اڑنا (۶/۳۸) ۔ أَطَارَهُ ۔ طَيَّرَهُ ۔ اڑا دینا ۔ یا کسی کو لے اڑنا ۔ الطَّيْرُ ۔ طَائِرٌ کی جمع ہے لیکن اس کا اطلاق واحد پر بھی ہو جاتا ہے (۳/۴۸) ۔ جمع کے طور پر یہ لفظ (۶/۳۸) میں آیا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے ہوا میں ہلکا ہونے کے ہیں ۔ اس کے بعد استعارۃً اس کا استعمال ہر تیزی کے لئے ہوتا ہے ۔ اِسْتَطَارَ ۔ کسی چیز کا متفرق اور منتشر ہو جانا * ۔ الْمُسْتَطِيرُ ۔ بلند اور منتشر ۔ ہوا میں تیزی کے ساتھ پھیلنے والا ۔ جس سے ساری فضا متاثر ہو چکی ہو ۔ (۷۶/۷) ۔ الطَّائِرُ ۔ دماغ ۔ ہر

* تاج ۔

چیز جس سے نیک یا بد شگون لیا جائے*۔ دماغ کی رعایت سے مجازاً اس کے معنی بلند پرواز انسان کے لئے جاسکتے ہیں ۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسٰے ؑ نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) سے کہا کہ اِنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ ..... (۳/۴۸) ۔ اس کے لفظی معنی ہیں ''میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی مانند بناتا ہوں'' ۔ لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں تمہارے لئے اسی آب و گل سے ایسے نظام نو کی تخلیق کرونگا جس سے تم اپنی اس موجودہ پستی (خاک نشینی) سے ابھر کر فضا کی بلندیوں میں بال کشا ہو جاؤ گے اور اس طرح تمہیں فکر و عمل کی رفعتیں نصیب ہو جائینگی ۔ (آپ اناجیل میں دیکھئے۔ حضرت مسیح ؑ کا انداز تبلیغ یہ تھا کہ آپ تمثیلات اور استعارات میں حقائق بیان کیا کرتے تھے ۔)

اَلطَّائِرُ کے معنی نحوست (اعمال کے تباہ کن نتائج)یا شامت اعمال کے بھی لئے جاتے ہیں * ۔ اَلطَّائِرُ ۔ عربوں کے نزدیک بخت یا نصیبہ کو بھی کہتے ہیں، لیکن قرآن کریم میں اسے اعمال نامہ کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے ۔ کُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰہُ طٰئِرَہٗ فِیْ عُنُقِہٖ (۱۷/۱۳) ۔ اس میں انسانی اعمال کو طَائِرٌ کہا گیا ہے ۔ اس لئے بھی کہ عمل سے پہلے تو انسان کو اس پر اختیار ہوتا ہے کہ اسے کرے یا نہ کرے۔ لیکن اس کے سرزد ہو جانے کے بعد اسے اس کا اختیار نہیں رہتا کہ اسے واپس لے لے (یعنی اس کے نتیجہ سے بچ جائے) ۔ یعنی وہ اس کے ہاتھوں سے اڑ جاتا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود وہ اسکی گردن میں لٹکا ہوا ہوتا ہے کیونکہ اس عمل کا نتیجہ تو اس انسان سے جدا نہیں ہوتا ۔ اَلطِّیْرَۃُ ۔ بری فال سے جو بد شگونی لی جاتی ہے ۔ تَطَیَّرَ بِہٖ وَمِنْہُ وَ اَطَّیَّرَ ۔ اس نے اس چیز سے بد شگونی لی * ۔ (۳۶/۱۹ ، ۱۸) و (۲۷/۴۷) میں بد شگونی کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے جو خدا کے قانون مکافات کے مطابق مرتب ہوتا ہے ۔ اس کے سوا ''شگون'' کی کوئی حقیقت نہیں ۔

فَرَسٌ مُطَارٌ ۔ طَیَّارٌ ۔ ہوشیار اور تیز رفتار گھوڑا ** ۔ سورہ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمان ؑ کے لشکر جِنٌّ ۔ اِنْسٌ اور طَیْرٌ پر مشتمل تھے ۔ جِنٌّ سے مراد وحشی قبائل ہیں ۔ اِنْسٌ مہذب آبادیاں ۔ اور طَیْرٌ تیز رفتار گھوڑے (رسالے) ۔ اسی طرح حضرت داؤد ؑ کے متعلق ہے وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَۃً (۳۸/۱۹) ۔ اسکے پاس نہایت تیز رفتار گھوڑوں کا لشکر جمع تھا ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔

حضرت سلیمانؑ نے انہی کے متعلق کہا تھا کہ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ (۲۷/۱۶) اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ ہمیں الطیر کی بولی سکھائی گئی ۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں گھوڑوں کے لشکر (رسالہ) کے قواعد و ضوابط سکھائے گئے ہیں ۔ اسی طرح سورہ (نمل) میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق ہے وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَا اَرَی الْھُدْھُدَ (۲۷/۲۰) ۔ اس میں طَیْرٌ انہی تیز رفتار گھوڑوں (کے رسالوں) کے لئے استعمال ہوا ہے ۔ ھُدْ ھُدٌ انہی رسالوں کے ایک رسالدار کا نام تھا (اس زمانہ میں پرندوں کے نام پر انسانوں کے نام عام طور پر رکھے جاتے تھے جیسا کہ تورات ۔ کتاب سلاطین سے ظاہر ہے) ۔ نیز لسان العرب میں ہے کہ ھُدْ ھُدٌ یمن کے ایک قبیلہ کا نام تھا ۔ اسی رعایت سے اس کے ہر فرد کو ھد ھد کہا جاتا تھا، جیسے قزلباش ایک قبیلہ کا نام ہے لیکن اس قبیلہ کے افراد کو بھی قزلباش کہتے ہیں ۔

ط ی ن

اَلطِّیْنُ ۔ گیلی مٹی * ۔ راغب نے کہا ہے کہ الطِّیْنُ پانی میں ملی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں خواہ اس سے پانی کا اثر زائل ہی کیوں نہ ہو جائے ۔ یعنی اگر وہ قدرے خشک ہوجائے تو بھی اسے طِیْنٌ کہدیا جائیگا** ۔ اَلطِّیْنَۃُ ۔ ایسی مٹی کا ٹکڑہ ۔ نیز یہ ایک قسم کی ٹھوس مٹی کو بھی کہتے ہیں جس سے دستاویز وغیرہ پر مہر لگائی جاتی ہے ۔ نیز مجازاً انسان کی جبلّت اور فطرت کو بھی کہا جاتا ہے * ۔ (قرآن کریم میں یہ لفظ ان معنوں میں نہیں آیا) ثعالبی نے فقہ اللغۃ میں کہا ہے کہ طِیْنٌ (مٹی) جب خشک ہو تو اسے صَلْصَالٌ کہتے ہیں ۔ جب آگ میں پکی ہوئی ہو تو اَلْفَخَّارُ کہلاتی ہے ۔ اور جب گارے کی طرح چپچپی ہو تو وہ لَازِبٌ کہلاتی ہے ۔

قرآن کریم میں ہے بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ (۳۲/۷) ۔ تخلیق انسانی کی ابتدا طِیْنٌ سے ہوئی ہے ۔ (اسکی تفصیل کے لئے میری کتاب " ابلیس و آدم " ۔ عنوان انسان دیکھئے ۔ نیز عنوان ص ۔ ل ۔ ص ۔ ل)

حضرت عیسٰےؑ نے جب اپنی قوم (بنی اسرائیل) سے کہا کہ میں تمہیں طِیْنٌ سے طَائِرٌ بنا دونگا (۳/۴۸) تو اس سے مفہوم خاک نشینی کی پست حالت سے نکال کر عروج و پرواز عطا کر دینا تھا ۔ (دیکھئے عنوان ط ۔ ی ۔ ر ۔)

---

* تاج ۔ ** راغب ۔

ظ

ظ ع ن

ظَعَنَ - یَظْعَنُ - ظَعْنًا - کسی مقصد کے لئے سفر کرنا - پانی کے لئے ، چراگاہ کی تلاش میں ، ایک چشمہ سے دوسرے چشمے کی طرف یا ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جانا - ظَاعِنٌ - سفر میں جانے والا ، مسافر - اَلظَّعِیْنَۃُ - وہ ہودج جس میں کوئی عورت سوار ہو - یا خود وہ عورت جو اس میں سوار ہو - راغب نے کہا ہے کہ یہ لفظ کنایۃً عورت کے لئے بولا جاتا ہے خواہ وہ ہودج میں نہ ہو - اَلظَّعُوْنُ - وہ اونٹ جسے سفر کے لئے تیار کیا جائے - (ابن فارس) - اَلظَّعْنَۃُ - حالت سفر* - سورۃ نحل میں ہے یَوْمَ ظَعْنِکُمْ (۱۶/۸۰) سفر کے دن - (بمقابلہ اِقَامَۃٌ) -

ظ ف ر

اَلظُّفْرُ - اَلظُّفُرُ - انسانوں اور دوسرے جانوروں کا ناخن - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ غیر شکاری جانوروں کے ظُفْرٌ ہوتے ہیں اور شکاری جانوروں کے مِخْلَبٌ (پنجہ) - اَلاَظْفَرُ - لمبے چوڑے ناخنوں والا - ظَفَرَہٗ - اس نے اس کے (چہرے میں) ناخن گاڑ دیا - اَلظُّفْرَۃُ - ایک پودا جو زمین سے نکلتے وقت ناخن کے مشابہ ہوتا ہے** -

قرآن کریم میں ہے وَعَلَی الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا کُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ (۶/۱۴۶) - اور ہم نے یہودیوں پر تمام ناخن دار جانور حرام کر دئے تھے - یہ ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا کے تھا (جَزَیْنٰھُمْ بِبَغْیِھِمْ (۶/۱۴۶)- قرآن کریم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان میں ذِیْ ظُفُرٍ کا ذکر نہیں-

اَلظَّفَرُ - کامیاب ہونا - مطلوب کو پا لینا** - راغب نے لکھا ہے کہ یہ مفہوم دراصل ناخن گاڑ دینے سے لیا گیا ہے (اس لئے کہ جس چیز میں پنجہ

*تاج - راغب - محیط - **تاج - محیط -

گاڑ دیا جائے وہ قبضہ میں آجاتی ہے)***۔ اَلاِظْفَارُ۔ کامیاب کر دینا ۔ سورۃ فتح میں ہے مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَکُمْ عَلَیْھِمْ (۴۸/۲۴) ۔ اس کے بعد کہ تمہیں انپر غالب کر دیا ۔ ان کے مقابلے میں کامیاب بنا دیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں قہر ۔ کامیابی ۔ غلبہ اور قوت شامل ہیں ۔

ظ ل ل

اَلظِّلُّ ۔ (جمع ظِلَالٌ) سایہ ۔ دھوپ نہ ہونا ۔ عام طور پر جو سایہ مغرب کی طرف پڑے (یعنی زوال آفتاب تک کے وقت کا سایہ) وہ ظِلٌّ کہلاتا ہے اور جو مشرق کی طرف پڑے (یعنی زوال آفتاب کے بعد مغرب تک کے وقت کا سایہ) اسے "فَیْءٌ" کہتے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں ایک چیز کا دوسری چیز کو چھپا لینا ۔

چونکہ عرب کا ملک نہایت گرم ہے اور درختوں کی وہاں بہت کمی ہے اس لئے ان کے ہاں سایہ ، راحت و آسائش کے عظیم ترین اسباب میں سے ہے ۔ اس بنا پر وہ راحت وآسائش کی ہر چیز کو کنایۃً ظِلٌّ سے تعبیر کرتے ہیں** ۔ حتّٰی کہ جنت کو بھی ظِلٌّ کہتے ہیں ۔ اور عزت ۔ حفاظت ۔ ہر قسم کی خوش حالی اور مرفہ الحالی کو بھی ۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلَالٍ وَّ عُیُوْنٍ (۷۷/۴۱) ۔ ظِلًّا ظَلِیْلًا ۔ گھنا سایہ ۔ بہت زیادہ آسائشیں (۴/۵۷) ۔ اُکُلُھَا دَائِمٌ وَّ ظِلُّھَا (۱۳/۳۵) ۔ ھُمْ وَ اَزْوَاجُھُمْ فِیْ ظِلَالٍ (۳۶/۵۶) میں زندگی کی آسائشیں اور خوشگواریاں مراد ہیں ۔ اَظَلَّنِیْ فُلَانٌ کے معنے ہیں اس نے مجھے اپنے زیر سایہ لے لیا ۔ اس نے میری حفاظت کی اور بڑی عزت سے رکھا* ۔

ظِلٌّ ۔ ہر وہ جگہ جہاں دھوپ نہ پہنچے ۔ ہر وہ چیز جو کسی کو ڈھانک لے اور اس پر سایہ فگن ہو ۔ یہ اچھے اور برے دونوں موقعوں کے لئے عام ہے*** ۔ اَلظِّلَالُ مِنَ الْبَحْرِ ۔ سمندر کی بڑی بڑی موجیں ۔ اَلظُّلَّلُ وہ پانی جو درختوں کے سایہ تلے ہو* ۔ ظُلَّۃٌ (جمع ظُلَلٌ)۔ ہر ڈھانپ لینے والی چیز* ۔ نیز بدلی جو سایہ ڈالے* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کا استعمال نا خوشگوار مواقع پر ہوتا ہے ۔ چنانچہ قوم شعیب کے عذاب کے متعلق ہے ۔ فَاَخَذَھُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّۃِ (۲۶/۱۸۹) ۔ انہیں اس دن کے عذاب نے پکڑ لیا جب اوپر سے آجانے والی چیز نے انہیں ڈھانپ لیا تھا ۔ جس دن ان کے اعمال کے نتائج ان پر پوری طرح چھا گئے تھے ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

ظَلَّ یَفْعَلُ کَذَا کے معنی ہیں وہ ہمیشہ ایسا کرتا رہا* ۔ سورۃ شعراء میں ہے کہ قوم حضرت ابراہیمؑ نے کہا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ (۲۶/۷۱) ۔ ہم ہمیشہ ان (بتوں) کی پرستش کرتے رہیں گے ۔ سورۃ النحل میں ہے کہ جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا (۱۶/۵۸) ۔ اس کا چہرا سیاہ ہو جاتا ہے ۔ سورۃ الحجر میں ہے ، وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ (۱۵/۱۴) ۔ ''اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پھر وہ اس میں چڑھنے لگیں'' ۔ ان مثالوں میں مداومت اور استمرار کا پہلو غالب ہے ۔ یعنی ہمیشہ ایسا ہوتا ہے یا ایسا ہوگا ۔ اس کی بعض شکلوں میں ایک ہی لام رہ جاتا ہے ۔ مثلاً فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ (۵۶/۶۵) ''تم پشیمان ہو جاؤ گے'' ۔

ظِلٌّ بمقابلہ حَرُوْرٌ (گرمی) ۔ (۳۵/۲۱) میں آیا ہے ۔ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ ۔ (۳۹/۱۶) ۔ آگ کے شعلوں کو کہا گیا ہے جو چھا جائیں یا ڈھانپ لیں ۔

فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ (۲۶/۴) کے معنی ہیں ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں ۔

ظ ل م

ظُلْمٌ کے بنیادی معنی ہیں کسی دوسرے کی ملکیت میں بے جا تصرف کرنا ۔ حد سے تجاوز کرنا ۔ بعض ائمہ لغت نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نقص اور کم کرنے کے آتے ہیں ۔ اور امام راغب نے کہا ہے کہ ظُلْمٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے مخصوص مقام پر نہ رکھنا خواہ کمی زیادتی کرکے یا اسے اس کے صحیح وقت اور اصلی جگہ سے ہٹا کر ۔ کسی چیز کا توازن بگاڑ دینا** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) تاریکی (۲) حد سے تجاوز کرکے کسی چیز کو بے جگہ رکھ دینا ، بتائے ہیں ۔

پہلے معنی (یعنی کسی دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا) کے اعتبار سے مَظْلِمَةٌ اس چیز کو کہتے ہیں جسے کوئی زبردستی دوسرے سے چھین کر لے جائے ۔ اَلظَّالِمُ (جمع اَلظَّالِمُوْنَ اَلظَّالِمِيْنَ الظَّلَمَةُ) ان لوگوں کو کہتے ہیں جو دوسروں کے حقوق کو دبالیں*** ۔

ظَلَمَ فُلَانًا ۔ حَقَّهٗ ، فلاں کا حق کم کیا ۔ اسی سے ہے لَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا (۱۸/۳۳) ۔ اور انہوں نے اس میں کچھ کمی نہیں کی*** ۔ اس نہج سے ظَالِمٌ کے معنی ہیں حقوق انسانیت میں کمی کرنے والا ۔ دوسروں کے واجبات کو پورا پورا نہ دینے والا ۔

---

* محیط **تاج و محیط و راغب ۔ ***تاج ۔

کسی چیز کو اس کے اصلی مقام پر نہ رکھنے کے معانی میں یہ لفظ عام طور پر استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً عربوں میں ایک مثل ہے کہ مَنِ اسْتَرْعَی الذِّئْبَ فَقَدْ ظَلَمَ ۔ جس نے بھیڑئے سے توقع کی کہ وہ گلہ کی نگہبانی کرے گا ، اس نے ظلم کیا ۔ یعنی بھیڑئے کو اس کے صحیح مقام پر نہیں رکھا ۔ یا ظَلَمَ الْاَرْضَ اس وقت کہتے ہیں جب زمین کو ایسے مقام سے کھودا جائے جہاں سے اسے کھودنا نہیں چاہئے تھا ۔ اس قسم کی زمین کو مَظْلُوْمَۃٌ کہتے ہیں ۔ ظَلَمَ الْبَعِیْرَ ۔ اس نے اونٹ کو بغیر کسی بیماری کے یونہی ذبح کر دیا ۔ ظَلَمَ الْوَادِیْ اس وقت کہتے ہیں جب پانی اس مقام تک پہنچ جائے جہاں تک وہ اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا ۔ (اس اعتبار سے ظُلْمٌ کے معنی حدود شکنی اور تجاوز کے ہوں گے) ۔ نیز ظَلَمْتُہٗ کے معنے ہیں میں نے اسے وقت سے پہلے ہی استعمال کر لیا ۔ الظَّلِیْمَۃُ والمَظْلُوْمَۃُ اس دودھ کو کہتے ہیں جسے جمنے کے لئے رکھا جائے اور دہی بننے سے قبل ہی پی لیا جائے * ۔

اَلظُّلْمَۃُ اور اَلظُّلَّمَۃُ کے معنے ہیں اندھیرا ۔ تاریکی ۔ (جمع ظُلَمٰتٌ) ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہوتے ہیں روشنی کا معدوم ہونا (یعنی اس جگہ روشنی کا نہ ہونا جس کو روشن رہنا چاہئے تھا) * ۔ اس نہج سے اَمْرٌ مُظْلِمٌ اس معاملہ کو کہتے ہیں جسکے متعلق معلوم ہی نہ ہوسکے کہ اسے کہاں سے گرفت میں لیا جائے ۔ یعنی تاریک اور غیر واضح معاملہ ، اور یَوْمٌ مُظْلِمٌ اس دن کو کہتے ہیں جس میں سخت مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑے ۔ چنانچہ ظُلُمَاتُ الْبَحْرِ کے معنی ہیں شَدَائِدُ الْبَحْرِ (سمندر کی مشکلات) * ۔ شَعْرٌ مُظْلِمٌ نہایت سیاہ بالوں کو کہتے ہیں ، اور نَبْتٌ مُظْلِمٌ ایسے پودے کو جو گہری سبزی کی وجہ سے سیاہی کے قریب پہنچ جائے * ۔

قرآن کریم میں ظَالِمِیْنَ کا لفظ بکثرت آیا ہے جس کے معنی ہیں قانون شکنی ، حدود فراموشی ، دوسروں کی ملکیت پر ناجائز تصرف کرنے والے ، حقوق انسانیت میں کمی کرنے والے ، دوسروں کے واجبات کو پورا پورا ادا نہ کرنے والے ، دوسروں کی محنت کو اپنے مصرف میں لے آنے والے ، دوسروں پر زیادتی کرنے والے ، اور اس طرح اپنی ذات کی نشو و نما میں کمی کرنے والے ۔

سورہ بقرہ میں ہے وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (۲/۲۷۲) ۔ تم اپنے مال میں سے جسقدر بھی نوع انسانی

*تاج ۔

کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھو گے وہ پورا پورا تمہاری طرف لوٹا دیا جائیگا۔ یعنی جو کچھ تم نے دیا ہے اس میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائیگی۔ یہاں لَا تُظْلَمُوْنَ کا مفہوم یُوَفّٰٓی اِلَیْکُمْ نے واضح کر دیا۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ہے۔ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (۲/۲۸۱)۔ یہاں بھی تُوَفّٰی کے مقابلہ میں لَا یُظْلَمُوْنَ لا کر بات واضح کر دی۔ سورہ کہف میں باغات کی مثال میں ہے۔ آتَتْ اُکُلَھَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْہُ شَیْئًا (۱۸/۳۳)۔ وہ اپنے پھل (پورے پورے) دیتے تھے اور اس میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے۔

سورہ بقرہ میں ہے۔ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲/۲۲۹)۔ جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ ظٰلِمٌ ہیں۔ ظٰلِمِیْنَ کی یہ بڑی جامع تعریف (Definition) ہے۔ اس لئے کہ انسانیت کے حقوق کا تعین، قوانین خداوندی ہی کی رو سے ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص ان قوانین کو توڑتا ہے وہ حقوق انسانیت میں غصب کرتا ہے۔ لہذا حدود اللہ (قوانین خداوندی) کو توڑنے والا ظٰلِمٌ ہے کیونکہ وہ حقوق انسانیت میں کمی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن کریم نے یہ بھی بتا دیا کہ جو حقوق انسانیت میں کمی کرتا ہے وہ سمجھتا تو یہ ہے کہ میں دوسروں کی کسی چیز میں کمی کر رہا ہوں اور اپنے ہاں اضافہ۔ لیکن درحقیقت وہ شخص خود اپنی ذات (نفس) کی نشوونما میں کمی کرتا ہے۔ وَلٰکِنْ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ۔ (۳/۱۱۶)۔

چونکہ حقوق انسانیت میں کمی کر دینے سے معاشرہ کا توازن بھی بگڑ جاتا ہے اور خود انسانی ذات کا توازن بھی قائم نہیں رہتا اس لئے قرآن کریم میں ظُلْمٌ کو سُوْءٌ کا مرادف قرار دیا ہے اور اس کے مقابلہ میں حُسْنًا کا لفظ آیا ہے (۲/۸۳)۔ "حسن" تناسب و توازن کی بہترین شکل کا نام ہوتا ہے۔

سورہ بقرہ میں نُوْرٌ کے مقابل میں ظُلُمٰتٌ کا لفظ آیا ہے (۲/۲۵۷) جس کے معنی تاریکیاں ہیں۔ نُوْرٌ وحی خداوندی ہے اور ظُلُمَاتٌ ذہن انسانی کی پیدا کردہ توہم پرستیاں اور غلط اندیشیاں۔ وحی کی تعلیم ایک ہی ہوتی ہے، لیکن ذہن انسانی کی پیدا کردہ تاریکیاں مختلف قسموں کی ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نُوْرٌ کی جمع کہیں نہیں آئی لیکن ظُلُمَاتٌ بطور جمع آیا ہے۔ حقیقت ہمیشہ ایک ہوتی ہے۔ افسانے مختلف ہوتے ہیں۔

آیت (۲۰/۱۱۲) میں آضَاءَ کے مقابلہ میں اَظْلَمَ کا لفظ آیا ہے۔ اَظْلَمَ کے معنی ہیں تاریک ہو جانا اور تاریک کر دینا۔ نیز تاریکی میں داخل ہو جانا۔ چنانچہ مُظْلِمُوْنَ کے معنی ہیں اندھیرے میں رہ جانے والے (۳۶/۳۷)۔ سورہ انبیاء میں ظُلُمٰتُ کا لفظ ایسے مصائب و مشکلات کے معنوں میں آیا ہے جن کا حل انسان کو سجھائی نہ دے (۲۱/۸۷)۔

سورہ ابراہیم میں ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ (۱۴/۳۴) - یعنی انسان اگر وحی کے تابع نہ چلے بلکہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا رہے تو اسکی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کو غصب کرتا ہے اور جو کچھ اسے حاصل ہو جاتا ہے اسے دبا دبا کر، چھپا چھپا کر رکھتا ہے۔ اس کے برعکس، وحی کی تعلیم یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں حاصل ہو اسے نوعِ انسانی کی پرورش کیلئے کھلا رکھو اور کسی کے حقوق میں کمی نہ کرو۔ ظَلُوْمٌ میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ یعنی بہت زیادہ ظلم کرنے والا۔ اسی طرح ظَلَّامٌ کے بھی یہی معنی ہیں۔ (۳/۱۸۱)۔ قطعاً ظلم نہیں کرتا۔

دنیا میں جہاں جہاں ظلم ہو رہا ہو، خواہ اسکی نوعیت کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس ظلم کو مٹانا اور اسکی جگہ نظام عدل و احسان قائم کرنا، یہ ہے قرآنی تعلیم کا منشا۔

ظ م أ

ظَمِئَ - یَظْمَأُ - ظَمْئًا - ظَمَأً - پیاسا ہونا - یا سخت پیاسا ہونا - ظَمِئٌ - ظَمْآنُ - پیاسا (۲۶/۸۹)۔ ظَمَأٌ - پیاس (۹/۱۲۰)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی مرجھا جانے اور کم آب ہو جانے کے ہیں۔ "آدم" کی جنت کے متعلق ہے کہ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا (۲۰/۱۱۸)۔ تو اس میں پیاس محسوس نہیں کرتا۔ پانی بافراط ملتا ہے۔ پانی کی کمی اور فراوانی کی اہمیت کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس کا اندازہ صحراؤں کے رہنے والے ہی لگا سکتے ہیں جن کی زندگی کا دارو مدار پانی پر ہوتا ہے۔ ان کے لئے پانی کی قلت سب سے بڑی مصیبت اور پانی کی فراوانی سب سے بڑی خوش حالی ہوتی ہے۔ جنتی معاشرہ میں کسی کو بنیادی ضروریات زندگی (کھانا پینا۔ لباس۔ مکان وغیرہ) کے لئے جگر پاش مشقتیں نہیں اٹھانی پڑتیں، نہ ہی ان سے کوئی محروم رہتا ہے۔ (۲۰/۱۱۸)۔ اَلظَّمْاٰنُ - دو مرتبہ پانی پینے کے درمیان کا وقفہ *۔

* تاج و راغب۔

ظ ن ن

ظَنٌّ۔ (جمع ظُنُوْنٌ)۔ غیر یقینی عقیدہ کے دونوں سروں میں سے جو زیادہ قوی ہو اسے ظَنٌّ کہتے ہیں ۔ ظَنٌّ واضح اور صاف صاف یقین نہیں ہوتا ۔ صاف یقین کو عِلْمٌ کہتے ہیں ۔ مناوی نے کہا ہے کہ ظنٌّ اس راجح عقیدہ کو کہتے ہیں جس میں احتمالِ نقیض ہو۔ نیز یہ شک اور یقین دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے بھی اس کی تائید کی ہے ۔ اور ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی یہ دونوں لکھے ہیں ۔ راغب نے کہا ہے کہ کسی چیز کے علامات سے جو نتیجہ (Inference) حاصل کیا جائے اسے ظَنٌّ کہتے ہیں ۔ جب یہ علامات قوی ہوں تو نتیجہ سے عِلْمٌ کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور جب بہت کمزور ہوں تو ان سے مستنبط نتیجہ وہم سے آگے نہیں بڑھتا ۔ لیکن جوہری نے کہا ہے کہ کبھی کبھی یہ لفظ علم کی جگہ بھی استعمال ہو جاتا ہے *۔

آپ نے اوپر دیکھا ہے کہ اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ ظن کا لفظ ایک طرف شک اور قیاس کے معنوں میں آتا ہے اور دوسری طرف علم اور یقین کے معنوں میں ۔ لیکن یہ ان لوگوں کی محض خیال آفرینی اور قیاس آرائی ہے ۔ قرآن کریم نے (جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا) ظن کا لفظ علم اور یقین اور حق کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے ۔ اس لئے ظن کبھی علم اور یقین کے معنوں میں نہیں آسکتا ۔ دراصل (جیسا کہ راغب نے کہا ہے) جب کسی حقیقت کے متعلق پورا یقین نہ ہو تو اس کے دو پہلو ہوتے ہیں ۔ انسان کبھی حقیقت کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی اس سے دور ہٹ جاتا ہے ۔ اس لحاظ سے ان دونوں پہلوؤں کو ظن کہتے ہیں ۔ راغب نے یہ بھی کہا ہے کہ جب اس کے بعد اَنْ یا اَنَّ آئے تو اس میں علم کی طرف رجحان غالب رہتا ہے اور وہ تقریباً یقین کے قریب پہنچ جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں اسکی مثالوں کے لئے دیکھئے (۲/۴۶) ؛ (۲/۲۳۰) ؛ (۶۹/۲۰) وغیرہ ۔

یقین اور قیاس کے ملے جلے پہلو کے اعتبار سے اَلظَّنُوْنٌ اس باشرف عورت کو کہتے ہیں جس سے باوجود زیادہ عمر ہونے کے شادی کر لی جائے اور یہ امید ہو کہ اس سے اولاد ہو سکتی ہے ۔ نیز اس کنویں کو کہتے ہیں جس کے متعلق معلوم نہ ہو کہ اس میں پانی ہے یا نہیں ۔ نیز اس قرضے کو الدَّیْنُ الظَّنُوْنٌ کہتے ہیں جس کے متعلق اطمینان نہ ہو کہ قرضہ لینے والا اسے ادا کریگا یا نہیں **۔

* تاج و راغب ۔ ** تاج و محیط ۔

قرآن کریم میں لفظ ظُنُوْنٌ قیاس آرائیوں کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے ۔ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (۳۳/۱۰)۔ ''اور تم خدا کے بارے میں طرح طرح کے گمان اور قیاس آرائیاں کرنے لگ گئے'' ۔ یعنی تمہارے دل میں یقین کے بدلے شکوک اور وساوس پیدا ہونے شروع ہو گئے ۔ سورۃ بقرہ میں ظَنٌّ بمقابلہ عِلْمٌ آیا ہے ۔ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتَابَ اِلَّا اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ (۲/۷۸) ۔ ''وہ کتاب کو اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ محض (ناظرہ) پڑھ لیتے ہیں ۔ وہ صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں'' ۔ سورہ النساء میں ہے مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ (۴/۱۵۷) ۔ انہیں اسکی بابت یقینی علم نہیں ، وہ محض ظن کے پیچھے چلتے ہیں ۔ سورہ یونس میں ظَنٌّ بمقابلہ حَقٌّ آیا ہے ۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (۱۰/۳۶) ظن ، حق کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا ۔

دین کی ساری عمارت علم اور یقین کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے ۔ اگر کسی معاملہ کے متعلق آپ کو یقینی طور پر علم نہ ہو کہ اس کی بابت خدا کا کیا حکم ہے تو آپ کے اعتقاد و عمل کی ساری عمارت متزلزل رہیگی ۔ اس لئے دین کا یقینی ہونا ضروری ہے ۔ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے اسی لئے لیا ہے (۱۵/۹) کہ ہمیں یقینی طور پر علم رہے کہ اس کا ایک ایک حرف وہی ہے جسے خدا نے نازل کیا تھا ۔ رسول اللہ نے اسی قرآن کریم کو مرتب شکل میں امت کو دیا تھا اور اسکے علاوہ اور کچھ نہیں دیا تھا ۔ اس لئے دین میں صرف قرآن کریم یقینی ہے ۔ اور سب ظنیات ہیں ۔ اور اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (۱۰/۳۶) خدا کا ارشاد ہے ۔ اس لئے قرآن کریم کے مقابلہ میں کوئی دوسری چیز دین نہیں ہو سکتی ۔ دین وہی ہے جو قرآن کریم کے اندر ہے ۔ خارج از قرآن ، جو باتیں قرآن کریم کے مطابق ہوں انہیں صحیح مانا جا سکتا ہے اور جو اس کے خلاف ہوں وہ غلط ہونگی ۔

اَلظِّنَّةُ تہمت کو کہتے ہیں ۔ اَلظَّنِیْنُ ۔ متہم شخص ، جس سے بدگمانی کی بنا پر عداوت رکھی جائے * ۔

ظ ھ ر

اَلظَّهْرُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ۔ ہر چیز کا بیرونی اور بالائی حصہ (اندرونی حصہ کی ضد) ۔ انسان کے جسم کا شانوں سے لیکر سرین کے اوپر تک کا حصہ

* تاج و محیط ۔

پیٹھ - پشت) - سواری کو بھی کہتے ھیں - اور مال کثیر کو بھی جو نمایاں طور پر نظر آجاتا ھے - اَلظَّہِیْرَۃُ - مددگار - پشت پناہ* -

ظَہْرِیٌّ وہ فالتو اونٹ جسے سفر میں احتیاطًا (بطور Extra) ساتھ رکھ لیا جاتا ھے کہ اگر کسی وقت ضرورت پڑ جائے تو اسے استعمال کرلیا جائے - یعنی اس کی حیثیت مقدم نہیں ھوتی ، ثانوی ھوتی ھے - اسی سے اس کے معنی کسی کو پس پشت ڈال دینے یا نظر انداز کر دینے کے آتے ھیں - اِتَّخَذَ حَاجَتَہٗ ظِہْرِیًّا - اس کی ضرورت کو ناقابل توجہ سمجھا* -

ظَہَرَ الشَّیْئُ - چیز ظاھر ھوگئی - نمایاں ھوگئی - ابھر کر سامنے آگئی - واضح ھوگئی* - ظَہَرَ عَلَیَّ - اس نے میری مدد کی - ظَہَرَ بِہٖ - ظَہَرَ عَلَیْہِ - اس پر غالب آگیا - ظَہَرْتُ الْبَیْتَ - میں مکان کے اوپر چڑھ گیا - ظَہَرَ عَلَی السِّرِّ - وہ راز سے واقف اور مطلع ھوا - اَظْہَرَہٗ عَلَیْہِ اسے اس پر غالب کردیا - اَلظَّہْرُ - زوال آفتاب کا وقت ، یہ ظَہِیْرَۃُ الشَّمْسِ (دھوپ کی سخت تپش اور حرارت) سے ماخوذ ھے کیونکہ وہ سخت گرمی کا وقت ھوتا ھے* - اَظْہَرَ - ظہر کے وقت میں داخل ھونا - (۳۰/۱۷) - ظَاہَرَ و تَظَاہَرَ عَلَیْہِ - اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی - اَلظَّہِیْرُ - مددگار - (یہ واحد اور جمع دونوں کے لئے آتا ھے) اَلظِّہَارُ مِنَ الْمَرْاَۃِ - خاوند کا بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے لئے ایسی ھے جیسے میری ماں کی پشت - عربوں میں زنا شوئی کے تعلقات منقطع کرنے کے لئے ایسا کہا جاتا تھا* -

ظَاھِرُ الْجَبَلِ - پہاڑ کی چوٹی یا بالائی حصہ - اَلظَّاھِرَۃُ - اونچی زمین* - کسی چیز کے زیادہ ھونے ، عام ھونے اور پھیل جانے کو بھی ظَہَرَ کہتے ھیں** -

قرآن کریم میں ھے تَظَاھَرُوْنَ عَلَیْہِمْ (۲/۸۵) - تم ان کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے ھو - سورۃ المومن میں ھے ظَاھِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ (۴۰/۲۹) - ملک میں غالب قوم - سورۃ زخرف میں ھے - مَعَارِجَ عَلَیْہَا یَظْہَرُوْنَ (۴۳/۳۳) - سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ھیں - اور سورۃ نور میں ظَہِیْرَۃً کا لفظ (گرمی کی) دوپہر کے لئے آیا ھے (۲۴/۵۸) - سورۃ احزاب میں تُظَاھِرُوْنَ (۳۳/۴) کے معنی ھیں بیوی کے متعلق ظِہَارٌ کا اعلان کر دینا - اس کا اعادہ (۵۸/۲-۳) میں ھوا ھے - سورۃ نور میں ھے لَمْ یَظْہَرُوْا عَلٰی عَوْرَاتِ النِّسَاءِ (۲۴/۳۱) - وہ عورتوں کے پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ھیں - سورۃ جن

*تاج - **راغب -

میں ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا (۷۲/۲۶) - وہ اپنے غیب سے کسی کسو مطلع نہیں کرتا - سورۃ بقرہ میں اَبْوَابٌ (دروازوں) کے مقابلہ میں ظُهُوْرٌ (پچھواڑے) آیا ہے (۲/۱۸۹) - یعنی مکان کی پشت کی طرف سے -

قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (۲۴/۳۱) - وہ اپنی زینت (آرائش) کی چیزوں کی نمائش نہ کریں، بجز ان کے جو (خود بخود) ظاہر ہو جائیں - اسے مثال دیکر یوں سمجھا دیا کہ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ (۲۴/۳۱) - اور وہ اپنے پاؤں کو (زمین پر) اس طرح مار کر نہ چلیں کہ جو کچھ وہ اپنی زینت کی اشیاء سے چھپائے ہوئے ہیں ان کا دوسروں کو علم ہو جائے - ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ آوازدار زیور ہے جسے پنڈلیوں پر پہنا جاتا ہے اور جو معمولاً ڈھنپا رہتا ہے - اس کی نمود کا طریق یہ ہے کہ زمین پر زور سے پاؤں مار کر چلا جائے جس سے اس زیور (چھاگل - جھانجھن وغیرہ) سے آواز پیدا ہو جائے - یہ وہ اشیائے زینت ہیں جو شلوار وغیرہ سے ڈھکی رہتی ہیں - باقی رہیں وہ اشیائے زینت جو اوپر کے حصے میں پہنی جاتی ہیں، سو ان کے لئے کہدیا کہ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (۲۴/۳۱) - وہ اپنے سر کی چادروں کو جیب گریبان (سینے پر) ڈال لیا کریں - دوسری جگہ ہے يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (۳۳/۵۹) - وہ اوپر اوڑھے ہوئے (یا اور کوٹ کی طرح پہنے ہوئے) کپڑے کو جسم کے ساتھ لگائے رکھیں -

ان اشیائے زینت کے اظہار کی ممانعت، باہر کے لوگوں سے ہے - اپنے گھر کے لوگوں سے نہیں - (۲۴/۳۱) - اب رہیں وہ چیزیں جو خود بخود ظاہر ہو جاتی ہیں تو انکی مثال ہاتھ کی انگوٹھی یا کنگن کی سمجھئے - یا ناک کے کسی زیور کی - اس لئے کہ اوڑھنی یا جلباب سے ہاتھ اور چہرہ بہرحال کھلے رہتے ہیں اور قرآن نے انہیں چھپانے کا حکم نہیں دیا - بلکہ یہ جو اس نے کہا ہے کہ مرد اور عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں - انہیں بےباک نہ ہونے دیں (يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ۲۴/۳۰ - ۲۴/۳۱) تو اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا منشا یہ نہیں کہ چہرہ کو بھی چھپایا جائے - اس لئے کہ اگر عورتیں اپنے چہرے کو بھی چھپا کر باہر نکلیں تو مردوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی -

یہ ہیں اظہار زینت کے متعلق قرآن کریم کی ہدایات - ممانعت، نمود آرائش کی ہے - خود بخود ظاہر ہو جانے والی اشیائے زینت کی نہیں -

سورۃ ھود میں ھے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم نے خدا کو محض بطور ظِہْرِیًّا (۱۱/۹۲) رکھ چھوڑا ھے - یعنی تمہارے نزدیک اھمیت تو تمہارے اپنے فیصلوں کی اور انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی ھے لیکن خدا کو (محض بطور Extra) ساتھ اس لئے رکھ چھوڑا ھے کہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو اسے بھی اپنے مفاد کے لئے استعمال کر لیا جائے - غور کیجئے کہ یہی چیز آج ھم پر بھی کس طرح صادق آتی ھے -

سورۃ حدید میں اللہ کی ایک صفت اَلظّاھِرُ بھی آئی ھے - ھُوَ الظّاھِرُ (۵۷/۳) - اس میں اَلظّاھِرُ کے معنی آنکھوں سے نظر آ جانے والا نہیں - اس لئے کہ جب بنی اسرائیل نے تقاضا کیا تھا کہ ھم اللہ کو جَھْرَۃً (اپنی آنکھوں سے) دیکھنا چاھتے ھیں (۲/۵۵) تو ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ ان کا تقاضا طفلانہ ھے - خدا کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا - لہذا یہ تو اَلظّاھِرُ کے معنی ھیں وہ ذات جس کی ھستی ہر کائنات کی مرئی اور مشہود اشیاء دلیل ھیں یا اس کے معنی ھیں سب پر غالب - لیکن اُس کا غلبہ ایسا ھے کہ وہ غیر محسوس طور پر کام کرتا ھے - کیونکہ وہ اَلظّاھِرُ کے ساتھ (اَلْبَاطِنُ) بھی ھے (۵۷/۳) - جیسا کہ (ب - ط - ن) کے عنوان میں بھی لکھا جا چکا ھے ، خدا اپنے تخلیقی مظاھر (Created World) کی رو سے سامنے آتا ھے - اس کا یہ مطلب نہیں کہ اشیائے کائنات خود خدا ھیں - مطلب یہ ھے کہ یہ اشیاء اپنے خالق کی ھستی کی علامات (آیات اللہ) ھیں - اور جو قانونِ خداوندی رگِ کائنات میں خونِ حیات بن کر دوڑ رھا ھے وہ اُس کے اقتدار و اختیار کی زندہ شہادت ھے - اسی اعتبار سے خدا اَلظّاھِرُ ھے - لیکن خدا کی ذات کی کنہ و حقیقت سے کوئی واقف نہیں ھو سکتا - اس اعتبار سے وہ اَلْبَاطِنُ ھے - اس سے (Immanence and Transcendence of God) کا وہ مسئلہ بھی حل ھو جاتا ھے جو مفکرین الٰہیات کے لئے اس قدر وجہِ پیچ و تاب بنا رھتا ھے - یعنی یہ مسئلہ کہ خدا کائنات میں حاضر و موجود ھے یا اس سے الگ (کہیں اور - مثلاً عرش پر) بیٹھا ھے - وہ (اپنے قانون و اقتدار کے اعتبار سے) کائنات کے اندر ھے لیکن اس میں محبوس نہیں - اور (اپنی ذات کے اعتبار سے) کائنات سے بالا ھے لیکن اس سے الگ (Excluded) نہیں - وہ بیک وقت اَلظّاھِرُ بھی ھے اور اَلْبَاطِنُ بھی - (Immanent) بھی ھے اور (Transcendent) بھی - وہ اپنی ذات (Personality) رکھتا ھے لیکن مشخص (Personified) نہیں - اس کا اقتدار، ایک توانائی (Divine Energy) ھے لیکن بغیر ذات (Personality) کے نہیں -

ع

عاد

جیسا کہ تذکرہ قوم ثمود (عنوان ث ـ م ـ د) میں لکھا جا چکا ہے، تاریخ کے ابتدائی ایام میں عرب اور اس کے گرد و پیش کے علاقہ (شام ـ عراق وغیرہ) میں امم سامیہ پھیلی ہوئی تھیں ـ ان میں سب سے اہم اور مقتدر قوم، عاد کی تھی جو ایکطرف حضر موت اور یمن کے علاقہ سے شروع ہو کر خلیج فارس کے ساتھ ساتھ عراق تک جا پہنچی تھی اور دوسری طرف عرب سے نکل کر مصر و شام پر حکمران تھی ـ قریب دو اڑھائی ہزار (ق ـ م) تک ان علاقوں پر اس قوم کا تسلط نظر آتا ہے ـ سام کے بیٹے ارم کی نسبت سے انہیں عاد ارم بھی کہا جاتا ہے ـ قرآن کریم نے انہیں قوم نوح کا جانشین بتایا ہے (۷/۶۹) جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی ابتداء بہت قدیم زمانہ میں ہوئی تھی ـ اس قوم (عاد) کیطرف حضرت ہود ؑ مبعوث ہوئے تھے ـ ان کا مقام بعثت و تبلیغ احقاف کا علاقہ تھا ـ احقاف ریتیلے بل کھاتے ہوئے ٹیلوں اور ریگستانی صحرا کو کہتے ہیں ـ عرب کا وہ طویل و عریض ریگستان جسے اب ربع خالی کہا جاتا ہے، احقاف کہلاتا تھا ـ قرآن کریم کا بیان ہے کہ اس قوم کو (اُس زمانے کے لحاظ سے) سامان زیست افراط سے حاصل تھا ـ آبپاشی کے لئے قدم قدم پر چشمے ـ پھلوں سے لدے ہوئے باغات ـ اولاد اور مواشی کی کثرت (۲۶/۱۳۲ ـ ۱۳۴) ـ وہ عر بلند مقام یا شاہ راہ عام پر بڑی بڑی عمارات بناتے تھے (۲۶/۱۲۸) ـ وہ علم و بصیرت بھی رکھتے تھے (۴۶/۲۶) لیکن ان کی مفاد پرستیوں نے انہیں ایسی غلط روش پر ڈال رکھا تھا کہ ان کا علم و بصیرت صحیح کاموں میں صرف نہیں ہوتا تھا (۲۹/۳۸) ـ حضرت ہود ؑ نے انہیں ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا لیکن انہوں نے ان کی ایک نہ مانی اور ان پر ایسی مسلسل آندھی چلی کہ وہ تباہ و برباد ہو گئے (۶۹/۶ ـ ۸) ـ انہیں قرآن کریم نے عاد اولیٰ کہا ہے (۵۳/۵۰) ـ ان میں سے جو حضرت ہود ؑ پر ایمان لا کر بچ گئے تھے ان کی نسل آگے چلی ـ انہیں عاد ثانیہ کہا جاتا ہے ـ

(ان امور کی تفصیل - نیز اس نکتہ کی وضاحت کہ ان اقوام سابقہ کے اعمال، اور حوادث طبعی کے ذریعے ان کی تباہی میں باہمی ربط کیا تھا - میری کتاب ''جوئے نور'' میں ملیگی)

ع ب أ

اَلْعِبْءُ - بار - بوجھ - وزن، سامان وغیرہ کا - مَاعَبَأْتُ بِہٖ - میرے نزدیک اسکا کوئی وزن نہیں - مجھے اسکی کچھ پرواہ نہیں * - قرآن کریم میں ہے مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ (۲۵/۷۷) - میرے نشو و نما دینے والے کے نزدیک تمہارا وزن ہی کیا ہے - اس کی نگاہوں میں تمہاری قدر و قیمت کیا ہے - وہ تمہاری پرواہ کیا کرتا ہے - (ابن فارس)

ع ب ث

اَلْعَبَثُ ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کی کوئی صحیح غرض نہ ہو، یا ایسا کام جس کا فائدہ معلوم نہ ہو، یا ایسا کام جس کے کرنے والے کے سامنے اسکی کوئی غرض متعین نہ ہو - اسے معلوم نہ ہو کہ میں اسے کیوں کر رہا ہوں - بغیر مقصد اور غرض و غایت متعین کئے کوئی کام کرنا - اسی لئے کھیل کود کو عَبَثٌ کہتے ہیں * - اصل میں عَبَثَہٗ بِالشَّیْءِ کے معنی ہیں اسے کسی چیز میں ملایا - خلط ملط کیا * - ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی خلط ملط کرنا ہی بتائے ہیں * - جب کوئی کام مقصد اور غایت کو سامنے رکھکر کیا جائے تو انسان اس میں کسی ایسی بات کو نہیں ملاتا جس سے وہ مقصد حاصل نہ ہوتا ہو - لیکن جب کوئی مقصد اور منزل ہی متعین نہ ہو تو پھر اس کام میں جو کچھ چاہے ملتا جائے - عَبِیْثَۃٌ النَّاسِ - مختلف قبائل کے ملے جلے لوگ جو ایک جد اعلیٰ کی اولاد نہ ہوں - اَلْعَبَبِیْثَۃٌ - ملی جلی بکریاں - لہذا اَلْعَبَثُ کے معنی ہیں غیر مفید کام، وہ کام جس سے کوئی غرض و مقصد مطلوب نہ ہو * -

قرآن کریم کی رو سے یہ تمام کائنات ایک متعین مقصد اور غایت کو سامنے رکھکر پیدا کی گئی ہے اور انسانی تخلیق کی بھی ایک خاص غایت اور خاص مقصد ہے - صحیح روش زندگی وہ ہے جو انسان کو اس غایت اور مقصد کی طرف لے جائے - لیکن مادی نظریہ حیات کی رو سے کائنات اور انسان کی تخلیق یونہی اتفاقیہ عمل میں آگئی ہے - اسکی نہ کوئی غرض ہے نہ

* تاج - راغب - محیط -

غایت ۔ لہذا انسان اپنی طبعی آسائش کے لئے جو روش بھی اختیار کر لے صحیح ہے ۔ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ قرآنی تصور زندگی اور مادی نظریہ حیات میں یہی بنیادی فرق ہے اور اسی بنیاد پر دونوں نظریوں کے مطابق زندگی کی پوری عمارت (الگ الگ انداز سے) اٹھتی ہے ۔ قرآن کریم نے اسی فرق کو واضح کرنے کے لئے کہا ہے کہ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا (۲۳/۱۱۵) ۔ کیا تم یہ خیال کئے بیٹھے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بے غرض و غایت پیدا کر دیا ہے ؟ اور پوری کائنات کے متعلق ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ (۲۱/۱۶ ۔ نیز دیکھئے (۴۴/۳۸) جس میں السماء کی جگہ السّمٰوٰت ہے) ۔ ہم نے اس سلسلۂ کائنات کو بطور کھیل تماشا کے نہیں بنا دیا ۔ اسکی تخلیق کا ایک خاص مقصد ہے ۔ اسے بِالْحَقِّ پیدا کیا گیا ہے (۴۴/۳۸) ۔ یعنی ایک غیر متبدل محکم پروگرام کے مطابق تعمیری نتائج مرتب کرنے کے لئے ۔ ہندو فلسفہ کی رو سے یہ تمام کائنات '' ایشور کی لیلا '' ہے ۔ یعنی خدا کا رچایا ہوا ناٹک ، جس میں وہ خود سب سے بڑے ایکٹر کا پارٹ ادا کر رہا ہے ۔ اسی لئے اسے '' نٹ راجن '' کہا جاتا ہے ۔ یعنی نٹوں (کھلاڑیوں) کا بادشاہ ۔ قرآن کریم نے اس تصور کی خاص طور پر تردید کی ہے اور زندگی کی ٹھوس حقیقت (Seriousness) پر بڑا زور دیا ہے ۔ اسی بنیاد پر انسان کے وہ تمام ایسے کام جو یونہی ، بلا صحیح غرض و غایت ، عمل میں آتے رہیں ، اُس کی میزان میں کوئی وزن نہیں رکھتے ۔ چنانچہ اس نے قوم عاد کا ایک جرم یہ بھی بتایا ہے کہ وہ بڑی بڑی بلند عمارتیں محض اس لئے بناتے تھے کہ وہ بطور یادگار قائم رہیں ۔ اسے اس نے تَعْبَثُوْنَ سے تعبیر کیا ہے (۲۶/۱۲۸) ۔ یعنی عمارت کا کوئی افادی مقصد ہونا چاہئے ۔ یونہی ایک عظیم الشان مقبرہ بنا دینا جو کسی مصرف میں نہ آسکے ، فعل عبث ہے ۔ کسقدر عبرت انگیز ہے یہ حقیقت کہ جس قوم (مسلمانوں) کو اس قسم کی تعلیم دی گئی تھی ان کی سلطنت کے باقیات ، مقبروں کے علاوہ اور کچھ نہیں ۔ اور ان پر ہم فخر کرتے ہیں ۔ یادگار ایسی ہونی چاہیئے جس سے منفعت بخش اور جمال آفریں نتائج مسلسل طور پر جاری رہیں ۔ اسی لحاظ سے زندگی کا ہر کام جو نوع انسانی کے لئے نفع رساں نہیں فعل عبث ہے ۔ (اس سلسلہ میں عنوانات (ث ۔ و ۔ ب) ۔ (ل ۔ ع ۔ ب) اور (س ۔ د ۔ ی) بھی دیکھئے)

ع ب د

عَبْدٌ ۔ دراصل ایک خوشبودار پودے کو کہتے ہیں جو اونٹوں کے لئے بڑی کشش رکھتا ہے ۔ اس کے کھانے سے اونٹ فربہ ہو جاتے ہیں اور

ان کا دودھ بھی زیادہ ہو جاتا ہے ۔ خاصیت کے اعتبار سے اس پودے کا مزاج گرم ہوتا ہے اس لئے جب اونٹ اسے کھاتے ہیں تو وہ پیاسے ہو جاتے ہیں اور پانی مانگتے ہیں ۔ اس اعتبار سے اس پودے میں تین خصوصیتیں ہیں ۔ (۱) کشش و جاذبیت ۔ (۲) ابتداءً پیاس کی تکلیف لیکن آخر الامر (۳) فربہی اور دودھ کی فراوانی ۔ لہذا اس کے بنیادی معنوں میں ابتداءً تکلیف لیکن آخر الامر نفع بخشی کے پہلو مضمر ہیں ۔ اسی بنیادی معنی کے پیش نظر عرب، کشتی پر تیل یا چربی یا تارکول ملتے تھے تو اس سے کشتی بد صورت ہو جاتی تھی لیکن نتیجہ کے اعتبار سے اس کی لکڑی پانی کے اثرات سے محفوظ ہوجاتی تھی ۔ اسی لئے ایسی کشتی کو سَفِیْنَۃٌ مُعَبَّدَۃٌ کہتے تھے * ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں دونوں باتوں کو شامل کیا ہے ۔ یعنی نرمی و ذلت اور سختی و غلظت ۔ (یعنی اس طرح کی نرمی کہ جس سے درحقیقت سختی آتی جائے) اس بنیادی مفہوم کے اعتبار سے عِبَادَۃٌ کے معنی ایسا کام کرنا ہیں جو دل کے شوق اور رغبت سے سر انجام دیا جائے (کیونکہ عَبْدٌ ہودا اپنی خوشبو کی وجہ سے اپنے اندر خاص کشش رکھتا ہے) اور وہ نتائج کے لحاظ سے نہایت منفعت بخش ہو اگرچہ اس کے لئے تھوڑی سی مشقت بھی برداشت کرنی پڑے ۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا (۲/۲۸۶) عبادت کے اس مفہوم کو واضح کر رہا ہے ۔ یعنی انسان ، قوانین خداوندی کی اطاعت سے جو پابندیاں اپنے اوپر عائد کرتا ہے، بظاہر ان میں مشقت اور تکلیف ہوتی ہے لیکن در حقیقت وہ نفس انسانی کی وسعت اور کشود کے لئے ہوتی ہیں ۔

قرآن کریم نے عبادت کے اس مفہوم کو تین آیتوں میں واضح کر دیا ہے ۔ اس نے پہلے کہا کہ وَ ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (۵۱/۵۵) ۔ ان کے سامنے خدا کا ضابطہ قانون (واضح طور پر) پیش کرتا رہ کیونکہ یہ ان کے لئے نہایت منفعت بخش ثابت ہوگا ۔ اس کے بعد بتایا کہ وہ منفعت بخش اصول حیات کیا ہے ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۔ (۵۱/۵۶) ۔ ان سے کہدے کہ ہم نے تمام انسانوں کو، خواہ وہ حضری ہوں یا بدوی** ، اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے ۔ یہ وہ کام ہیں جن میں ابتداءً مشقت اٹھانی پڑیگی (اس لئے کہ السابقون الاولون کو ہمیشہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے) لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ مشقت اس لئے ہے کہ تم محنت کرو اور ہم تمہاری محنت کی کمائی کھائیں ۔ بالکل نہیں ۔ مَا اُرِیْدُ مِنْہُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَا اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ (۵۱/۵۷) ۔

*تاج ۔ **(جن و انس کے معانی کے لئے ان الفاظ کو اپنے اپنے مقام پر دیکھئے)

ہم ان سے رزق نہیں چاہتے ۔ یعنی ہم یہ نہیں چاہتے کہ یہ کمائیں اور ہم کھائیں ۔ ان کی یہ مشقت خود انہی کے فائدے کے لئے ہے (تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ) ۔ آپ پہلے پہل جو پابندی بھی اپنے اوپر عائد کرینگے اس سے آپ کو اپنے سابقہ معمول سے ہٹنا پڑیگا اور یہ گراں گذریگا ۔ لیکن اس کے بعد جب اس پابندی کی نفع رسانیاں آپ کے سامنے آئیں گی تو وہ عین راحت بن جائیں گی ۔

''مشقت اور منفعت'' کے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر عَبَّدَ کے معنی سمجھئے ۔ تَعْبِيْدٌ کے معنی ہیں اونٹ (یا گھوڑے) کو سدھا کر جوتنے کے قابل بنا دینا* (اسے انگریزی میں Breaking یا Harnessing) کہتے ہیں ۔ یعنی اس جانور کا اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو اس پروگرام کی تکمیل کے لئے صرف کرنا جو اس کے لئے متعین کیا گیا ہو ۔ اسی طرح سڑک کو کوٹ کر ہموار کر دینا تاکہ لوگ اس پر آسانی سے چل سکیں، یہی تَعْبِيْدٌ کہلاتا ہے* ۔ آپ دیکھئے کہ ان کاموں میں ابتداءً کس قدر محنت اور مشقت درکار ہوتی ہے لیکن آخر الامر ان کا نتیجہ کس قدر منفعت بخش ہوتا ہے ۔ قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے میں بھی یہی ہوتا ہے ۔

لہذا عبادت کے معنے یہ ہیں کہ انسان اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو (سرکش و بے باک رکھنے کے بجائے) قوانین خداوندی کے قالب میں ڈھال کر ایک سدھائے ہوئے گھوڑے کی طرح منشائے خداوندی کے مطابق صرف کرے جس کا نتیجہ منفعت عامہ ہوگا ۔ چنانچہ قرآن کریم نے اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (۱۶/۳۶) سے اس مفہوم کو واضح کردیا ۔ طَاغُوْتٌ** کے معنی ہیں سرکش قوتیں ۔ لہذا آیت کے معنی یہ ہیں کہ اپنی قوتوں کو سرکش و بے باک رکھنے کی بجائے، یا سرکش قوتوں کے منشاء کے مطابق صرف کرنے کے بجائے، قوانین خداوندی کے تابع رکھ کر صرف کرو ۔ دوسری جگہ ہے لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ (۱۹/۴۴) ۔ اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ سرکش قوتوں کی اطاعت مت کرو*** ۔ ''شیطان'' کا یہ مفہوم آیت کے اگلے ٹکڑے نے

---

* لین و تاج ** اسکے معنی (ط ۔ غ ۔ ی) کے تحت دیکھئے ۔ *** اسکے معنی یہ نہیں کہ شیطان کی پرستش مت کرو ۔ دنیا میں شیطان کی پرستش کوئی بھی نہیں کرتا ۔ عراق میں (موصل کے قریب) ایک باطن فرقہ (یزیدی) کے متعلق مشہور ہے کہ وہ شیطان کی پرستش کرتے ہیں ۔ لیکن ایک انگریز خاتون نے ان لوگوں کے کوائف و معتقدات کا ذاتی طور پر مطالعہ کر کے (''ملک طاؤس'' کے نام سے) ایک کتاب شائع کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ شیطان کی پرستش نہیں کرتے بلکہ اس سے ڈرتے بہت ہیں اور اس وجہ سے اس کے خلاف کچھ نہیں کہتے ۔

واضح کر دیا کہ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا (۱۹/۴۴) کیونکہ شیطان خدا کے قوانین و احکام سے سرکشی اختیار کئے ہوئے ہے ۔ اس میں خارجی قوتوں کے علاوہ انسان کے اپنے جذبات بھی آجاتے ہیں جو قانون خداوندی سے سرکشی برتیں (دیکھئے عنوان ش ۔ ط ۔ ن)۔ نیز قرآن کریم کی وہ آیات جن میں کہا گیا ہے کہ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (۴۵/۲۳) کیا تو نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنے جذبات ہی کو اپنا الٰہ بنا لیا؟ سورۃ نحل کی مندرجہ بالا آیت (۱۶/۳۶) یوں ہے ۔ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۔ یعنی خدا کی طرف سے جو رسول بھی آتا تھا وہ یہی پیغام لاتا تھا کہ ''اللہ کی عبودیت اختیار کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو'' ۔ اس تقابل سے '' اللہ کی عبودیت '' کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ دوسری جگہ ہے کہ ذرا ان لوگوں کا حال دیکھو جو اپنے ذہن میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ قرآن پر اور کتب سابقہ پر ایمان رکھتے ہیں وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ (۴/۶۰) ۔ اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے غیر خدائی قوانین کی رو سے کرائیں ، حالانکہ انہیں حکم دے دیا گیا ہے کہ وہ غیر خدائی قوتوں سے اجتناب کریں (۴/۶۰) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ طاغوت سے اجتناب کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے معاملات کے فیصلے نہ تو اپنے ذاتی جذبات و خیالات کے مطابق کرے اور نہ ہی غیر خدائی قوانین کے مطابق کرائے ، بلکہ ان کے فیصلے قوانین خداوندی کے مطابق کرائے ۔ اسی کو اُعْبُدُوْا اللّٰهَ کہا گیا ہے ۔ یعنی خدا کی عبودیت اختیار کرنا ۔ یہ ہے عبادت کا قرآنی مفہوم ۔

قرآن کریم نے ''خدا کی عبادت'' کی اصطلاح ٹھیک ان معنوں میں استعمال کی ہے جن معنوں میں آجکل ''حکومت'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ سورۃ کہف میں ایک جگہ ہے کہ وَ لَا یُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (۱۸/۱۱۰)۔ ''ان کو چاہئے کہ وہ اپنے رب کی ''عبادت'' میں کسی کو شریک نہ کریں'' اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے کہ وَ لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِهٖٓ اَحَدًا (۱۸/۲۶) ۔ ''وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا'' ۔ اسی طرح سورۃ یوسف میں پہلے کہا گیا کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۱۲/۴۰) ۔ ''حکومت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی'' ۔ اور اس کے بعد کہا ''اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ (۱۲/۴۰) ۔ ''اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبودیت (محکومیت) اختیار نہ کرو'' ۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن کریم

کسطرح ''حکومت'' اور ''عبادت'' کے الفاظ مرادف معانی میں استعمال کرتا ہے۔ قصۂ حضرت موسٰےؑ میں ہے کہ آپ نے فرعون سے کہا کہ تم اپنے جو احسانات جتا رہے ہو، تو وہ ان کے سوا کیا ہیں اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (۲۶/۲۲) کہ تم نے بنی اسرائیل کو اپنا محکوم بنا رکھا ہے! اسی طرح قوم فرعون کا یہ قول قرآن کریم نے نقل کیا ہے کہ (انہوں نے کہا کہ) کیا ہم ان دو (بھائیوں) کی بات مان لیں جو ہمارے جیسے انسان ہیں۔ وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ (۲۳/۴۷)۔ اور ان کی قوم ہماری محکوم ہے۔ ان مقامات میں بھی یہ مادہ، حکومت کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کا مقصود یہ ہے کہ انسان صرف قوانین خداوندی کی محکومی اختیار کرے۔ کافر اور مومن میں یہی فرق ہے۔ اس کا واضح ارشاد ہے کہ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکَافِرُوْنَ (۵/۴۴)۔ جو قوم قرآن کریم کے مطابق حکومت نہیں کرتی، تو یہی لوگ کافر ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کہدیا ہے کہ جماعت مومنین کو حکومت اسی لئے دی جائے گی کہ (۱) ان کے دین کا تمکن ہوسکے (۲) یہ خدا کی ''عبادت'' کر سکیں (یَعْبُدُوْنَنِیْ)۔ اور (۳) اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں (لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ۲۴/۵۵)۔ ظاہر ہے کہ اگر ''عبادت'' سے مراد محض پرستش ہو تو اس کے لئے اپنی حکومت کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ پرستش تو ہر حکومت میں ہوسکتی ہے۔ ہمیں انگریز کی غلامی کے زمانے میں بھی ''خدا کی پرستش'' کی پوری پوری آزادی حاصل تھی۔ لہذا ''اللہ کی عبادت'' سے مفہوم اس کے احکام کی محکومیت اختیار کرنا ہے۔ یعنی قرآن کریم کے مطابق حکومت قائم کرنا۔

ظالم اور جابر بادشاہوں اور سرداروں کے خلاف جنگ کرکے ان کی مظلوم رعایا کو اپنی حفاظت میں لے لیا جاتا تھا تو ان پناہ میں آئے ہوئے لوگوں کو عَبِیْدٌ کہتے تھے (اس لئے کہ ان لوگوں کو مستبد حاکموں کے پنجۂ استبداد سے چھڑانے کے لئے سخت مشقت اٹھانی پڑتی تھی لیکن یہ چیز آخر الامر ان مظلوموں کے لئے بڑی منفعت بخش ثابت ہوتی تھی۔ عَبِیْدٌ اور عِبَادٌ۔ عَبْدٌ کی جمع ہیں۔ عَابِدٌ کی جمع عَابِدُوْنَ اور عَبَدَةٌ ہیں)۔ پناہ دینے کا یہ جذبہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا اور اس طرح ہاتھ میں آئے ہوئے مظلوموں کو لوگ غلام بنانے لگ گئے۔ اب انہی کو عَبْدٌ اور عَبِیْدٌ کہنے لگے۔ یوں اس لفظ میں غلامی اور محکومی کے معنے پیدا ہوگئے*۔ چنانچہ قرآن کریم میں عَابِدٌ کے معنی محکوم (۲۳/۴۷)۔ عَبَّدَ کے معنی محکوم بنانا (۲۶/۲۲) اور

*تاج۔

عَبْدٌ کے معنی غلام (۲/۱۷۸) واضح ہیں - اس سے اس لفظ میں اطاعت شعاری کا مفہوم آ گیا ہے - چنانچہ اب تَعَبَّدٌ اور تَذَلَّلٌ ہم معنی استعمال ہوتے ہیں - (یعنی مطیع و منقاد ہو جانا ، قانون کے سامنے جھک جانا) - تعبد و تذلل کا یہی جذبہ ، پرستش کے اندر کارفرما ہوتا ہے - اس سے عِبَادَۃٌ کے معنی پرستش ہو گئے - قرآن کریم میں ہے قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا - (۲۶/۷۱) - انہوں نے کہا ، ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں - یہ بت در حقیقت مظاہر ہوتے ہیں ان معبودوں کے جو ان لوگوں کے ذہن میں مجرد شکل (Abstract Form) میں موجود ہوتے ہیں اور جن کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ انہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں - لہذا وہ ان کے سامنے طمع یا خوف (جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت) کے خیال سے جھکتے ہیں - یہی بنیاد کسی کی محکومی اختیار کرنے کے لئے بھی ہوتی ہے -

ابتدائی مشقت کے پیش نظر اسی مادہ سے عَبِدَ یَعْبَدُ آتا ہے جس کے معنی نفرت یا بیزاری کا اظہار کرنا ہیں** - چنانچہ سورۃ زخرف میں ہے قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ (۴۳/۸۱) - جس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے کہدو کہ اگر کوئی رحمان ایسا ہو سکتا ہے جسکے یہاں اولاد بھی ہوتی ہو تو میں سب سے پہلا شخص ہونگا جو اس قسم کے رحمٰن سے نفرت و بیزاری کا اظہار کردے*** - (ایسے رحمٰن کو دور ہی سے سلام ہے) - واضح رہے کہ اگر عَابِدِیْنَ کو عَبَدَ - یَعْبُدُ ہی سے فاعل مانا جائے تو اس کے معنی فرماں بردار کے ہونگے - اس شکل میں اس جملہ شرطیہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہو سکتا ہے تو میں سب سے پہلے اس کا فرمان بردار ہوں ، لیکن چونکہ اس کا کوئی بیٹا ہو ہی نہیں سکتا اس لئے اس بیٹے کے فرماں بردار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا -

اَلْعَبْدٌ کے پہلے معنی انسان کے ہیں خواہ وہ آزاد ہو یا غلام - پھر [illegible] غلام کے لئے استعمال ہونے لگا* -

لہذا قرآن کریم میں

(۱) جہاں اللہ کی عبادت کا ذکر ہوگا اس کے معنی ہونگے قوانین خداوندی کی برضا و رغبت اطاعت جس سے نہایت منفعت بخش نتائج مرتب ہونگے - چونکہ جذباتِ اطاعت و فرماں پذیری کے اظہار کے لئے کوئی محسوس انداز اختیار کرنا - (مثلاً جھکنا) انسان کے لاشعور میں چلا آرہا ہے اس لئے قرآن کریم

*تاج - **تاج و لین لیز کتاب الاشتقاق - ***ابن قتیبہ (القرطبی ج/۲ صفحہ ۱۲۵

نے بھی اظہار جذبات کے اس محسوس انداز کا لحاظ رکھا ہے ۔ لیکن اس نے اسے بھی ایک اجتماعی حیثیت دے دی ہے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے صَلٰوۃ جو ص ۔ ل ۔ و کے عنوان کے ماتحت درج ہے) ۔ یعنی خدا کے سامنے جھکنا (رکوع و سجود) اس حقیقت کا محسوس مظاہرہ ہے کہ ہم قوانین خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں ۔ ہم ان کی اطاعت اور فرماں پذیری کو قبول کرتے ہیں ۔ سورۃ بقرہ میں دیکھئے اَسْلَمْتُ اور نَعْبُدُ مرادف معانی میں استعمال ہوئے ہیں ۔ اسی کو اَلدِّیْن کہا گیا ہے (۳ - ۱۹ / ۲) ۔ نیز مُسْلِمُوْنَ اور عَابِدُوْنَ اور مُخْلِصُوْنَ بھی (۳۸ - ۱۳۶ / ۲) ۔

(۶) جہاں طاغوت اور شیطان کی عِبَادَت کا ذکر ہوگا اس سے مفہوم یا تو انسان کے خود اپنے جذبات کی اطاعت ہوگی یا دوسرے انسانوں کے احکام کی اطاعت ۔ ان میں مستبد حکمرانوں کی محکومیت اور مذہبی پیشواؤں کی عقیدتمندانہ اطاعت بھی شامل ہوگی ۔ اس کے مقابلہ میں "خدا کی عبادت" سے مراد ہوگی اس کے قوانین کی اطاعت ۔ خدا کی محکومیت ۔

(۳) جہاں بتوں یا دیوی دیوتاؤں کی عبادت کا ذکر ہوگا وہاں ان کی توہم پرستانہ پرستش مفہوم ہوگا ۔ ان کی پرستش کا جذبہ محرکہ بھی وہی ہوتا ہے جو بادشاہوں کے سامنے جھکنے کا ہوتا ہے ۔

(۴) عِبَادُ الرَّحْمٰن کے معنی ہونگے وہ لوگ جو صرف قوانین خداوندی کی اطاعت کریں ۔ جو اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو اُس راستہ (Channel) پر ڈال دیں جو اس کے قانون نے متعین کیا ہے ۔ اسی سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ (۱ / ۴) کا مفہوم واضح ہے ۔ یعنی ہم صرف تیرے قوانین کے سامنے جھکتے ہیں ۔ ہم صرف تیری محکومیت اختیار کرتے ہیں ۔ ہم اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو (ایک سدھے ہوئے گھوڑے کی طرح) اُس مقصد کے حصول کے لئے صرف کرتے ہیں جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے ۔

اجتماعات صلوٰۃ میں اٹھنا اور جھکنا انہی جذبات اطاعت و فرماں پزیری کا محسوس مظہر ہے ۔ لیکن خدا کی عبادت اسی حد تک محدود نہیں ۔ اُسکی عبادت سے مقصود یہ ہے کہ انسان ، زندگی کے ہر سانس میں قوانین خداوندی کی اطاعت کرے ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (۵۱ / ۵۶) سے یہی مقصود ہے ۔

اتنا اور واضح کر دینا ضروری ہے کہ "قوانین خداوندی کی محکومیت" اختیار کرنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں جنت کی

خوشگواریوں کی زندگی نصیب ہو جائے اور اس کی ذات کی ایسی نشو و نما ہو جائے جس سے یہ مرنے کے بعد، زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو سکے۔ یہ "محکومی" درحقیقت، زندگی کی بلند، مستقل، اقدار کو از خود اپنے اوپر عائد کرنا ہوتا ہے۔ یہ (Self-Imposed Restrictions) ہوتی ہیں۔ کسی کی خارج سے عائد کردہ پابندیاں نہیں ہوتیں۔ نہ ہی اس میں (Worship) کا وہ مفہوم ہوتا ہے جسے زمانہ قدیم کے انسان نے، فطرت کی قوتوں سے ڈر کر، انہیں خوش کرنے کے لئے، اپنے ذہن سے وضع کیا تھا۔

ع ب ر

عَبَرَ کے معنی ہوتے ہیں ایک مقام (یا حالت) سے دوسرے مقام (یا حالت) تک پہنچ جانا۔ عَبَرَ النَّهْرَ۔ اس نے نہر کو عبور کر لیا۔ اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔ عَبَرَ السَّبِيْلَ۔ اس نے راستہ قطع کیا، طے کیا۔ اَلْمِعْبَرُ۔ وہ چیز جس کے ذریعے نہر کو عبور کیا جائے۔ کشتی یا پل وغیرہ*۔ اس اعتبار سے راغب نے لکھا ہے کہ عِبَارَةٌ وہ کلام ہے جو متکلم کے منہ سے نکل کر فاصلہ عبور کرکے سامع کے کان میں پہنچتا ہے۔ اور عِبْرَةٌ اس حالت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی دیکھی چیز کی وساطت سے آن دیکھے نتائج وغیرہ تک پہنچا جائے**۔ اس سے اِعْتَبَرَ الشَّيْءَ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو اچھی طرح سے پرکھنا اور اس کی کسی مثال کو سامنے لا کر اسکے مطابق اس کا فیصلہ کرنا***۔ اَلتَّعْبِيْرُ۔ خواب کا انجام بتانا۔ اس سے فعل عَبَّرَ يُعَبِّرُ عَبْرًا وَعِبَارَةً بھی آتا ہے**۔ ابن فارس نے اس معنی کی تائید میں خلیل کا یہ قول نقل کیا ہے عَبَّرْتُ الدَّنَانِيْرَ تَعْبِيْرًا۔ جس کے معنی دیناروں کو ایک ایک کر کے تولنے کے ہیں۔ یعنی باٹ کو دیکھکر دینار کے وزن کا اندازہ کر لینا۔

خواب کی تعبیر کے لئے یہ مادہ (۱۲/۴۳) میں آیا ہے۔ عِبْرَةٌ (۱۶/۶۶) میں۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (۵۹/۲) میں۔ یعنی مظاہر فطرت یا تاریخی شواہد کے مطالعہ سے زندگی کی غرض و غایت اور قوانین خداوندی کے مقصود و مطلوب تک پہنچ جانا ارباب بصیرت کا کام ہے۔

عَبَرَ السَّبِيْلَ (راستہ قطع کرنے) سے، عَابِرِيْ سَبِيْلٍ آیا ہے (۴/۴۳) جس کے معنے ہیں، راستے کو پار کرنے والے۔

---

* راغب۔ ** تاج۔ *** محیط۔

ع ب س

عَبَسَ وَجْهَهٗ - اسنے اپنا چہرہ بگاڑ لیا - عَبَّسَ تَعْبِیْساً کے بھی یہی معنی ہیں - اَلْعَبَّاسُ - وہ شخص جس کے چہرے پر ہر وقت شکن پڑی رہے - شیر کو بھی کہتے ہیں - اَلْعَبَسُ دراصل اس گوبر اور پیشاب کو کہتے ہیں جو اونٹ کی دم کے ساتھ لگ جائے اور خشک ہو جائے* -

قرآن کریم میں ہے ثُمَّ عَبَسَ (۷۴/۲۲) - پھر اس نے تیوری چڑھائی یا چہرہ بگاڑا - دوسری جگہ ہے - یَوْماً عَبُوْساً قَمْطَرِیْراً (۷۶/۱۰) - ایسا دن جس کا چہرہ سخت شکن آلود ہو - بڑا بھیانک دن - جسکی سختی سے لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں - راغب نے کہا ہے کہ سینہ کی تنگی سے چہرے کے بگڑنے کو کہتے ہیں** -

ع ب ق ر

عَبْقَرٌ - صحراء میں ایک چشمہ یا آبادی کا نام تھا جسکے متعلق عربوں میں مشہور تھا کہ وہاں جن رہتے ہیں - وہ جب کوئی ایسی چیز دیکھتے جسکا بنانا دشوار ہوتا اور اسمیں نادرہ کاری کا نمونہ ہوتا تو وہ کہدیتے کہ یہ انسانوں کی بنائی ہوئی نہیں ، یہ تو عَبْقَرٌ والوں کی بنائی ہوئی ہے - یعنی جنوں کی - ابن سیدہ نے عَبْقَر ، یمن کے ایک شہر کا نام بتایا ہے جہاں کپڑوں اور فروش پر نقاشی ، کڑھائی اور زری کا کام کیا جاتا تھا ، وہاں کے کپڑے حسن و رعنائی میں ضرب المثل تھے - چنانچہ جب کسی چیز میں انتہائی حسن و جودت بتانی ہوتی تو اسکی طرف نسبت کردی جاتی تھی - اس کے بعد اَلْعَبْقَرِیُّ - ہر کامل ، غیر معمولی ، اور سب سے اعلیٰ شے ، نیز قبیلے کے سردار اور بلند مرتبہ شخص کو کہنے لگ گئے - فراء نے کہا ہے کہ اسکے معنی نہایت عمدہ دبیز فرش کے ہیں یا دیباج کے***- قرآن کریم نے عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ کہا ہے (۵۵/۷۶) - حسین اور نادر فروش -

ع ت ب

اَلْعَتَبَةُ - دروازہ کی چوکھٹ - اَلْعَتَبَةُ - (کسی معاملہ میں) سختی - یا نہایت ناخوشگوار بات - چنانچہ سخت اور پتھریلی زمین کو بھی اَلْعَتَبُ کہتے ہیں**** - نیز ایسی زمین کو بھی جو وہاں اترنے والے کے لئے سازگار نہ ہو** - اَلْعَتَبُ - اونٹ کا تین پاؤں پر چلنا جبکہ اسکا ایک

*تاج - **راغب - ***تاج - راغب - محیط - ****تاج و محیط -

پاؤں بندھا ہوا یا زخمی ہو۔ آدمی کا ایک پاؤں اٹھا کر دوسرے پاؤں پر کود کود کر چلنا۔ تَعَتَّبَ عَلَيْهِ ۔ وہ اس پر ناراض ہوگیا۔ اَلتَّعَاتُبُ وَالْمُعَاتَبَةُ ۔ باہم غصہ اور ناراضگی کو بیان کرنا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی سختی اور صعوبت کے ہیں۔ چنانچہ سیڑھی کے درجات کو عَتَبَاتٌ کہتے ہیں ۔ نیز پہاڑوں میں پتھروں کی جو سیڑھیاں بنی ہوں انہیں بھی عَتَبَاتٌ کہتے ہیں ۔ دروازہ کی چوکھٹ کو بھی اس لئے عَتَبَةٌ کہتے ہیں کہ وہ نشیبی جگہ سے ذرا اونچی ہوتی ہے۔

اَلْعُتْبٰی کے معنی رضامندی ہیں۔ اِسْتَعْتَبَهٗ ۔ اس کی رضامندی اور خوشنودی چاہی۔ نیز اس کے معنی اپنی ناراضگی دور کرکے اس سے راضی ہوگیا بھی ہیں* ۔

قَدْ اَعْتَبَنِیْ فُلَانٌ ۔ جن باتوں کی وجہ سے میں فلاں آدمی پر ناراض تھا اس نے وہ باتیں چھوڑ دیں اور مجھے راضی کرلیا* ۔ اِلَّا سْتِعْتَابٌ رضامندی طلب کرنا۔ معافی چاہنا۔ کسی سے یہ خواہش کرنا کہ وہ اس ناگواری، ناراضگی اور عتاب کو دور کر دے جو وہ محسوس کر رہا ہے۔ اَلْمُعْتَبُ ۔ راضی کیا ہوا۔ جس سے عتاب دور کر دیا جائے*۔

قرآن کریم میں ہے وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ (۴۱/۲۴) ۔ اگر وہ ان باتوں کو دور کرنا چاہیں جو ان کے لئے وجہ ذلت و عذاب ہوئی تھیں اور اسطرح ہماری رضامندی طلب کرنا چاہیں تو وہ (ایسا کر نہیں سکینگے) ۔ ذلت اور عذاب ان سے چھوٹ نہیں سکیگا۔ ان سے عتاب دور نہیں کیا جائے گا۔ (نیز ۱۶/۸۴) ۔

ع ت د

عَتِيْدٌ ۔ تیار۔ موجود ۔ حاضر۔ قریب** ۔ (۵۰/۱۸) ۔ اَعْتَدَ ۔ تیار کرنا۔ حاضر رکھنا** ۔ ضرورت کی چیزوں کا پہلے سے ذخیرہ کر لینا***۔ (۴۳/۱۸) ۔ جہنم چونکہ انسان کے اپنے اعمال کے نتائج سے مرتب ہوتی ہے اس لئے وہ اعمال کے ساتھ ساتھ تیار ہوتی جاتی ہے ۔ اس لئے قرآن کریم میں ہے کہ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (۴۳/۱۸) ۔ ان کے لئے درد انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جسے خدا نے وہاں اپنے طور پر الگ تیار کر رکھا ہے ۔ اس کا مفہوم وہی ہے جسے اوپر بیان کیا گیا ہے ۔ یعنی ہر شخص اپنی جنت یا جہنم، زندگی کے ہر سانس

*تاج و محیط ۔ **تاج ۔ ***راغب ۔

میں ساتھ کے ساتھ تیار کرتا رہتا ہے۔ اور یہ سب کچھ خدا کے قانون مکافات کے مطابق ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لئے عنوانات جَہَنَّمُ وغیرہ دیکھئے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ آج بھی ہر فرد جہنم کے سامنے موجود اور اس کے قریب ہے) ۔ ابن فارس کے نزدیک اس مادہ کے بنیادی معنی قرب اور موجودگی ہیں۔

ع ت ق

اَلْعِتْقُ ۔ حریت ۔ آزادی ۔ شرافت ۔ نجابت ۔ عزت ۔ جمال ۔ عَتَقَ الْعَبْدُ یَعْتِقُ ۔ غلام آزاد ہوا ۔ آزاد ہونے والا غلام عَتِیْقٌ وَعَتَائِقُ کہلائیگا * ۔ قرآن کریم میں خانہ کعبہ کو اَلْبَیْتِ الْعَتِیْقِ کہا گیا ہے (۲۲/۲۹) ۔ یعنی نظام خداوندی کا وہ مرکز جو دنیا میں ہر قسم کی غلامی اور محکومی سے آزاد ہے ۔ جس پر کسی کا اثر و غلبہ نہیں ۔ نہ ذہنی نہ حکمرانی ۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے بھی انہی معانی کی تائید کی ہے ۔ کسقدر بلند ہے وہ مقام جو ہر قسم کی غلامی سے آزاد ہو ۔ اور کسقدر صاحب شرف وعظمت ہے وہ قوم جس کے مرکز کی یہ شان ہو ۔ رَاحٌ عَتِیْقٌ ۔ وہ سربند شراب جسکی مہر کسی نے نہ توڑی ہو ۔ شراب کہنہ ۔ عَتَقَ الْفَرَسُ عِتْقًا ۔ گھوڑا چلنے میں آگے نکل گیا * ۔ تعریفات میں ہے کہ عِتْقٌ کے معنی لغت میں قوت کے آتے ہیں ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ مادہ (i) ساخت اور اخلاق دونوں اعتبارات سے معزز و مکرم ہونے کے لئے ۔ اور (ii) قدیم ہونے کے لئے آتا ہے ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اَلْعَتِیْقُ ہر پیشرو چیز کو کہتے ہیں خواہ اس کا تقدم زمان کے اعتبار سے ہو ، خواہ مکان کے اعتبار سے، یا رتبہ کے اعتبار سے *** ۔ لہذا کعبہ کے اَلْبَیْتِ الْعَتِیْقِ (۲۲/۲۹) ہونے میں اس کا آزاد ، صاحب قوت ، اور شرف و عظمت نیز زمان کے اعتبار سے سب سے بلند اور آگے ہونا ، تمام معانی آجاتے ہیں ۔ یہی مقام اقوام عالم میں امت مسلمہ کا تھا ۔ اس لئے کہ کعبہ درحقیقت نشان (Symbol) ہے نظام خداوندی کا اور اس قوم کا جس کا وہ مرکز ہے ۔ جسطرح دارالسلطنت یا عَلَمٌ کسی مملکت کا نشان ہوتا ہے ۔ اور عَلَمٌ کی سربلندی سے مراد خود اُس مملکت کی سربلندی ہوتی ہے ۔

زمان (Time) کے لحاظ سے کعبہ کے متقدم ہونے کے معنی یہ ہونگے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے قومی مرکز (بیت المقدس) سے بہت پہلے (ملت ابراہیمی کے مرکز کی حیثیت سے) وجود میں آیا تھا ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

ع ت ل

اَلْعَتَلَۃُ - لوہے کا ایک موٹا سا ڈنڈا جس کا ایک سرا آگے سے ذرا چوڑا ہو (گینتی) - اس سے زمین یا دیوار کھودی یا ڈھائی جاتی ہے - نیز اس سے کھجور کی شاخیں کاٹی جاتی ہیں - اَلْعَتْلُ - کسی کو نہایت بیدردی اور بیرحمی سے گھسیٹنے اور اٹھا لینے، نیز ہانکنے میں نہایت سختی اور طاقت سے زیادہ زور ڈالنے کے معنوں میں آتا ہے - اَخَذَ بِنَاصِیَۃِ الْنَّاقَۃِ فَعَتَلَہَا - اس نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور اسے نہایت بے دردی کے ساتھ کھینچا - ابن السکیت نے کہا ہے کہ عَتَلَہٗ کے معنی ہوتے ہیں کسی کو جبلخانے کی طرف نہایت بے دردی سے کھینچ کر لے جانا یا دھکے دیکر لیجانا - ھُوَ یَعْتِلُ - وہ بیدردی کے ساتھ کھینچنے کی طاقت رکھتا ہے * - راغب نے کہا ہے کہ اَلْعَتْلُ کے معنی ہیں کسی چیز کو اس مقام سے پکڑنا جہاں اس کے مختلف حصے جمع ہو جائے ہوں اور بزور اسے گھسیٹنا ** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی شدت اور قوت کے ہیں -

سورہ دخان میں ہے فَاعْتِلُوْہُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ (۴۴/۴۷) - اسے کھینچکر دوزخ کے اندر لے جاؤ -

اَلْعُتُلُّ - بہت کھانے والا اور مال کو روک کر رکھنے والا - خیر خواہی کی باتوں سے اعراض کرنے والا - بہت جھگڑالو *** - بیرحم - بیدرد - سخت گیر - اس میں یہ تمام معانی آجائینگے - قرآن کریم میں ہے عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ (۶۸/۱۳) - (زَنِیْمٌ کے لئے دیکھئے عنوان ز - ن - م)

ع ت و

عَتَا - یَعْتُوْ - عِتِیًّا وَ عُتُوًّا - حد سے تجاوز کر جانا - حکم عدولی کرنا - عَتَتِ الرِّیْحُ - ہوا تندی و تیزی میں حد سے بڑھ گئی - یعنی جھکڑ اور آندھی بن گئی *** - سورۃ حاقہ میں قوم عاد کے متعلق ہے فَاُھْلِکُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَۃٍ (۶۹/۶) - انہیں سخت زبردست آندھی کے طوفان نے ہلاک کر دیا - لَیْلٌ عَاتٍ - سخت تاریک رات کو کہتے ہیں *** - مَلِکٌ عَاتٍ - جابر اور سنگ دل بادشاہ کو **** - سورۃ طلاق میں ہے عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّھَا (۶۵/۸) - اپنے نشو و نما دینے والے کے حکم سے سرکشی کی -

*تاج و محیط - **راغب - *** تاج - ****محیط -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تکبر اور غرور کے ہیں - سورۃ فرقان میں ہے وَ عَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا (۲۵/۲۱) - انہوں نے سخت سرکشی اختیار کی - سورۃ مریم میں ہے أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا (۱۹/۶۹) جو رحمٰن کے خلاف سرکشی میں سب سے زیادہ سخت تھے - لیکن دوسری جگہ یہ لفظ صرف شدت اور انتہا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے - وَ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (۱۹/۸) - میں بڑھاپے کی انتہا تک پہنچ گیا ہوں - یعنی بہت بوڑھا ہو چکا ہوں - راغب کہتا ہے کہ اس کے معنی ہیں بڑھاپے کی ایسی حالت تک پہنچ جانا جہاں اصلاح اور مداوا کا امکان نہ رہے -

ع ث ر

عَثَرَ الْعِرْقُ - رگ پھڑکی - عَثَرَ عُثُورًا - کسی بات پر بغیر قصد کے مطلع ہو جانا - عَثَرَ عَلَى السِّرِّ - وہ راز سے واقف ہوا - أَعْثَرَهُ - اسے آگاہ اور مطلع کیا - کہتے ہیں أَعْثَرْتُ فُلَانًا عَلَى كَذَا - میں نے فلاں کو اس چیز سے باخبر اور اس پر مطلع کر دیا* - قرآن کریم میں ہے وَ كَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ (۱۸/۲۱) - اس طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا - یعنی لوگوں کو ان کی خبر مل گئی - ان کا پتہ چل گیا - دوسری جگہ ہے فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا (۵/۱۰۷) - اگر تمہیں یہ محسوس ہو، یا اس کا علم ہو جائے کہ انہوں نے جرم کا ارتکاب کیا ہے - اَلْعِثْيَرُ کسی چیز کے اثرِ خفی کو کہتے ہیں - نیز مٹی -

ع ث ی

عثٰی کے معنی ہیں سخت فساد پیدا کرنا - شیرازہ بکھیرنا* - راغب نے کہا ہے کہ (ع - ث - ی) اور (ع - ی - ث) کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے، تاہم بیشتر یہ لفظ (یعنی عثی) ذہنی اور فکری فساد کے لئے بولا جاتا ہے*** - صاحب المنار نے لکھا ہے کہ عثا کے معنے ہیں شر اور فساد پھیلانا ، شرارت اور بدمعاشی عام کرنا**** - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی فساد کے لکھے ہیں -

قرآن کریم میں ہے وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (۲/۶۰) - ملک میں انتشار پیدا نہ کرو - معاشرہ میں فساد مت پھیلاؤ -

---

*تاج - **محیط نیز ابن فارس - ***راغب - ****المنار ، ج-۱ ، ص-۳۲۷ -

ع ج ب

اَلْعَجْبُ - جانور کی دم کا وہ حصہ جو سرین سے ملا ہوا ہو۔ ہر چیز کا آخری حصہ* ۔ تَعَجُّبٌ اس حیرت کو کہتے ہیں جو کسی بات کا سبب معلوم نہ ہونے کی وجہ سے انسان کو لاحق ہو جاتی ہے ۔ یا اس کیفیت کو کہ تم کسی چیز کو دیکھو اور وہ تمہیں پسند آئے اور تم سمجھو کہ تم نے ایسی چیز پہلے کبھی نہیں دیکھی ۔ جس چیز سے تعجب کیا جاتا ہو، یا جس سے پہلے کبھی سابقہ نہ پڑنے کی وجہ سے اس سے اظہار حیرت و انکار کیا جائے، اسے عَجَبٌ کہتے ہیں** ۔ اس گھبراہٹ کو بھی عَجَبٌ کہتے ہیں جو کسی کام کو بہت بڑا سمجھنے سے طاری ہوتی ہے ۔ جس جیسی چیز عام طور پر نہ دیکھی جاتی ہو اسے عَجِیْبٌ کہتے ہیں۔ اَلْعُجْبُ کے معنی غرور اور تکبر۔ خودرائی اور خود پسندی کے ہوتے ہیں* ۔ ابن فارس نے خلیل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عَجِیْبٌ اس بات کو کہتے ہیں جس سے تعجب پیدا ہو اور عُجَابٌ اسے کہتے ہیں جو عَجِیْبٌ کی حد سے تجاوز کر گیا ہو۔

قرآن کریم میں ہے مَنْ یُّعْجِبُکَ قَوْلُہٗ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (۲:۲۰۴) ۔ اس کے معنی حیرت میں ڈالنے یا بھلی معلوم ہونے کے ہیں ۔ یعنی دنیاوی زندگی کے متعلق جس کی بات تمہیں حیرت میں ڈالتی ہے ۔ سورۃ جن میں ہے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا (۷۲:۱) ۔ اس میں اس حیرت کی طرف اشارہ ہے جس کا سبب معلوم نہ ہو۔ یعنی وحی کی ماہیت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے تعجب ، کہ یہ قرآن کریم اس قسم کا عجیب و غریب کس طرح بن گیا؟

سورۃ احزاب میں ہے وَ لَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ (۳۳/۵۲) خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگے ۔

ع ج ز

عَجْزٌ کے اصلی معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانے یا اسے ایسے وقت میں حاصل کرنے کے ہیں جب کہ وہ بالکل ہاتھ سے نکل رہا ہو۔ لیکن عام طور پر یہ لفظ کسی بات سے قاصر رہ جانے اور اسے کرنے کی طاقت نہ ہونے

*تاج و راغب ۔ **قرآن کریم (۳۸:۲) میں جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں اس کے یہی معنی موزوں نظر آتے ہیں اگرچہ کتب لغت میں یہ معنی نہیں ملتے۔ اس کے مصدری معنی بھی کئے جا سکتے ہیں ۔

کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے*۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) کمزوری اور (۲) کسی چیز کا پچھلا حصہ لکھے ہیں ۔ پیچھے رہ جانا خود عَجْزٌ کی دلیل ہے ۔ چنانچہ اَلْعَجُوْزَۃُ ۔ بوڑھے آدمی کے سب سے آخری بچے کو کہتے ہیں ۔ تَعَجَّزْتُ الْبَعِیْرَ ۔ میں اونٹ کے پچھلے حصے پر سوار ہو گیا* ۔ اَلْعَجُوْزُ کے قریب ایک سو معانی کتب لغت میں لکھے ہیں ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ (عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ۵۱/۲۹) ۔ بوڑھی یا کمزور اور ضعیف عورت کے لئے آیا ہے ۔ اَلْعَجْزُ ۔ کولھا ۔ کسی چیز کا آخری حصہ ۔ اس کی جمع اَعْجَازٌ ہے ۔ نیز درخت کے تنے کے آخری حصہ کو بھی کہتے ہیں جو زمین سے متصل ہوتا ہے ۔ اَعْجَازُ نَخْلٍ (۵۴/۲۰) کے معنے ہیں کھجور کے درختوں کے جڑ والے تنے ۔ اَعْجَزَ ۔ عاجز کرنا ۔ کمزور کرنا ۔ کمزور سمجھنا۔ اِنَّھُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ (۲۹/۵۳) ۔ وہ عاجز نہیں کرسکتے ۔ مُعْجِزٌ ۔ عاجز کرنے والا ۔ شکست دینے والا (۳۴/۵)۔ نیز مُعَاجِزِیْنَ (۲۲/۵۱)۔ ایک دوسرے کو شکست دینے اور بے بس کرنے کی کوشش کرنے والے ۔

قرآن کریم کا دعویٰ یہ ہے کہ غلط روش پر چلنے والے جو جی میں آئے کرلیں ، وہ کبھی قانون خداوندی کو شکست نہیں دے سکتے ۔ جو قانون انسانوں سے شکست کھا جائے وہ خدا کا قانون کیا ہوا؟ فرق صرف اتنا ہے کہ اگر انسانوں کی جماعت اس قانون کے نفاذ کی کوشش کرے تو وہ اپنے نتائج انسانی پیمانوں کے مطابق (جلدی) سامنے لے آتا ہے ، اور اگر وہ کائناتی طریق پر کارفرما رہے تو اس کے نتائج کائناتی پیمانوں کے مطابق برآمد ہوتے ہیں (جن کی رو سے ایک ایک ''یوم'' ہزار ہزار سال کا بھی ہوتا ہے) ۔ شکست اس قانون کو کبھی نہیں ہوسکتی ۔

ہمارے ہاں جن معنوں میں معجزہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے ، (یعنی نبی سے کسی ایسی خارق عادت بات کا سرزد ہونا جسے دیکھ کر دوسرے عاجز آ جائیں) قرآن کریم میں یہ لفظ ان معنوں میں نہیں آیا ۔

ع ج ف

اَلْعَجَفُ ۔ موٹاپے کا جاتے رہنا ۔ اَعْجَفُ** (جمع عِجَافٌ) ۔ دبلا، لاغر،*** ۔ سورۃ یوسف میں سَبْعٌ عِجَافٌ (۱۲/۴۳) آیا ہے ۔ یعنی سات دبلی پتلی (گائیں) ۔ عَجَفَتْ نَفْسَہٗ عَنِ الطَّعَامِ ۔ اس نے بھوک کی خواہش ہوتے ہوئے اپنے آپ کو کھانے سے روک لیا*** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (i) لاغری اور (ii) ضبطِ خویش کے لکھے ہیں ۔

*تاج و راغب۔**بظاہر یہ عجیف کی جمع معلوم ہوتی ہے جس کے معنی لاغر ہیں۔***تاج و محیط ۔

ع ج ل

اَلْعَجَلُ ۔ اَلْعَجَلَۃُ ۔ جلدی ۔ تیزی ۔ راغب نے کہا ہے کہ اسکے معنی ہیں کسی چیز کو اسکے وقت سے پہلے ہی حاصل کر لینے کی خواہش ۔ اَعْجَلَتِ النَّاقَۃُ ۔ اونٹنی نے وقت سے پہلے ہی نا تمام بچہ دیدیا ۔ اَلْاِعْجَالُ فِی السَّیْرِ ۔ اونٹ کا اٹھ کھڑے ہونے میں جلدی کرنا ۔ یعنی سواری ابھی اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پائے اور اونٹ اٹھ کھڑا ہو ۔ اَلْمِعْجَالُ ۔ وہ کھجور کا درخت جسکا پھل پہلے پک جائے ۔ اَلْعُجَیْلُ ۔ وہ تھوڑا سا کھانا جو کھانے سے پہلے یونہی سہارے کے لئے پیش کیا جائے ۔ مُسْتَعْجَلَاتُ الطَّیْرِ یُمْنٍ ۔ قریب اور مختصر راستے * ۔

قرآن کریم میں تَعَجَّلَ بمقابلہ تَاَخَّرَ آیا ہے (۲/۲۰۳) ۔ اور عَاجِلَۃٌ بمقابلہ آخِرَۃٌ (۱۰/۱۱ ؛ ۱۸/۱۹ ؛ ۷۵/۲۰ ۔ ۲۱) ۔ قرآن کریم کی یہ دو اصطلاحات (عَاجِلَۃٌ اور آخِرَۃٌ) بڑی غور طلب ہیں ۔ (انکے تفصیلی مفہوم کیلئے ا ۔ خ ۔ ر اور د ۔ ن ۔ و کے عنوانات دیکھئے) ۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ دو کسان ہیں جن میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک من گیہوں ہے جو انہوں نے بیج کے لئے رکھے ہیں ۔ انکے ہاں کھانے کی تنگی ہے ۔ ان میں سے ایک کسان اٹھتا ہے اور اپنا گیہوں چکی میں پسوا لاتا ہے ۔ اسکے گھر میں گھنٹہ بھر میں روٹیاں ہی روٹیاں ہو جاتی ہیں ۔ لیکن دوسرا کسان اس وقتی تنگی کو برداشت کر لیتا ہے اور اس گندم کو اپنے کھیت میں بو دیتا ہے ۔ اس پر چھ سات مہینے کا زمانہ تو بڑا سختی کا گزرتا ہے لیکن اسکے بعد اسکے گھر دانے ہی دانے ہو جاتے ہیں اور وہ بڑی فارغ البالی کی زندگی بسر کرتا ہے ۔

اول الذکر کسان نے عجلت سے کام لیا ۔ یعنی اسکی نگاہ مفاد عاجلہ پر تھی ۔ ایسے مفاد پر جو جلدی سے ہاتھ آجائیں ۔ لیکن دوسرے کسان کی نگاہ مفاد آخرہ پر تھی، یعنی مستقبل کی خوش حالی اور فارغ البالی پر ۔ یہ ہے فرق عَاجِلَۃٌ اور آخِرَۃٌ کا ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ جن لوگوں کی نگاہ صرف مفاد عاجلہ (پیش پا افتادہ مفاد) پر ہوتی ہے ہم انہیں مفاد عاجلہ دیدیتے ہیں ۔ لیکن مستقبل کی خوشگواریوں میں انکا کوئی حصہ نہیں ہوتا (۱۷/۱۸ ؛ ۲/۲۰۰) ۔ اسکے برعکس جو لوگ مستقبل کی خوشگواریوں پر نگاہ رکھتے ہیں تو انکا مستقبل بھی درخشندہ ہو جاتا ہے اور (ابتدائی محنت کے بعد) حال بھی خوشگوار (۱۷/۱۹ ؛ ۲/۲۰۱) ۔ یہی دو گروہ ہیں جنکا تقابل سارے قرآن کریم میں نظر آتا ہے ۔

* تاج و محیط ۔

ایک پیش پا افتادہ، قریبی مفاد کیطرف لپکنے والے ۔ (تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۔ (۷۵ : ۲۰ ؛ ۷۶ : ۲۷) ۔ اور دوسرے، مستقبل کی خوشگواریوں کیلئے کوشش کرنے والے۔ ''مستقبل'' میں دونوں باتیں آجاتی ہیں ۔ اس زندگی میں موجودہ نسل کے بعد آنے والی انسانیت (Humanity) ۔ اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی۔ قرآن کریم وہ پروگرام دیتا ہے جسمیں عَاجِلَةٌ اور آخِرَةٌ۔ حال اور مستقبل . دونوں کی خوشگواریاں حاصل ہو جائیں ۔ یا یوں سمجھئے کہ ایک گروہ وہ ہے جو انسانی زندگی کو محض طبیعی زندگی (Physical Life) قرار دیتا ہے جس کے مفاد اور تقاضے پیش پا افتادہ ہوتے ہیں ۔ دوسرا گروہ، انسان کو عبارت سمجھتا ہے اسکی طبیعی زندگی اور اسکی ذات سے ۔ طبیعی زندگی، موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے لیکن انسانی ذات مرنے کے بعد آگے چلتی ہے ۔ اس لئے جن مفادات کا تعلق انسانی ذات سے ہے وہ عاجلہ کے مقابلہ میں آخرہ ہیں ۔ یہ مستقل اقدار سے حاصل ہوتے ہیں ۔ قرآن کریم ایسا پروگرام دیتا ہے جس میں انسان کی طبیعی زندگی کے تقاضے بھی بطریق احسن پورے ہو جاتے ہیں اور انسانی ذات کی نشوونما بھی ہوتی جاتی ہے ۔ یوں ''دنیا اور آخرت'' دونوں کی خوشگواریاں حاصل ہو جاتی ہیں ۔

اَلْعَجَلُ ۔ لغت حمیر میں مٹی کو کہتے ہیں ۔ اسی لئے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (۲۱ : ۳۷) کے معنی کئے گئے ہیں انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے*۔ (اسکی تائید قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے ہوتی ہے جہاں تخلیق انسانی کی ابتدا طین ۔ مٹی ۔ سے بتائی گئی ہے ۔ ۳۲ : ۷) ۔ لیکن سورہ بنی اسرائیل میں ہے ۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (۱۷ : ۱۱) ۔ انسان جلدباز ہے ۔ اس لئے (۲۱ : ۳۷) میں بھی اسکے یہی معنی لئے جائیں تو زیادہ مناسب نظر آتا ہے ۔ بالخصوص جب اسی آیت میں فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ بھی آیا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کو علیٰ حالہ چھوڑ دیا جائے تو وہ ہمیشہ مفاد عاجلہ کے پیچھے جاتا ہے ۔ یہ صرف وحی کا قانون ہے جس کے تابع چلنے سے اسکی نگاہ مستقبل پر بھی رہتی ہے ۔ دوسری طرف، اسی عجلت کا نتیجہ ہے کہ وہ ہمیشہ یہ اعتراض کرتا ہے کہ اسکی غلط روش کے نتائج فوراً سامنے کیوں نہیں آتے ۔ حالانکہ خدا کے قانون مہلت کی رو سے ہر عمل اور اس کے نتیجے میں ایک وقفہ ہوتا ہے (جسطرح بیج اور اسکے پھل کے درمیان ایک مہلت کی مدت ہوتی ہے) ۔ جن کی نگاہ خدا کے اس قانون پر ہوتی ہے وہ اس سے نہیں گھبراتے کہ مخالفین کی غلط روش کا نتیجہ فوراً کیوں نہیں سامنے آتا ؟ انہیں خدا کے محکم قانون کی نتیجہ خیزی پر یقین ہوتا ہے ۔

* بحیط ۔

اَلْعِجْلُ - بچھڑا - بعض کا خیال ہے کہ ایک ماہ تک کی عمر کے گائے کے بچے کو عِجْلٌ کہتے ہیں * - (۲۱/۹۲) ; (۲۰/۸۸) - لیکن بعض کا خیال ہے کہ ایک سال تک کی عمر کے گوسالہ کو عِجْلٌ کہتے ہیں ** - راغب نے کہا ہے کہ اس میں عجلت کا تصور موجود ہے - یعنی بچھڑا پھرتیلا اور تیز ہوتا ہے اور یہ پھرتی اور تیزی بیل بننے کے بعد اس میں باقی نہیں رہتی *** -

سورہ القیٰمۃ میں نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ (۷۵/۱۶) - اس کے لفظی معنی ہیں ، تو اپنی زبان کو اسکے ساتھ حرکت نہ دے تاکہ اسے جلدی لے لے - لیکن (جیسا کہ ح - ر - ک کے عنوان میں بھی لکھا گیا ہے) اس کے معنی (۲۰/۱۱۴) کو ساتھ ملانے سے واضح ہو جاتے ہیں جہاں کہا گیا ہے کہ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْکَ وَحْیُہٗ ، یعنی تو (کسی نقطہ کے متعلق) عملی قدم اٹھانے میں عجلت نہ کر تاآنکہ اس کے متعلق پورا پروگرام بذریعہ وحی تجھے دیدیا جائے - جب وحی سارا پروگرام سامنے لے آئے پھر اس کے متعلق عملی اقدام کرو -

ہم نے (ح - ر - ک) کے عنوان میں ضمناً یہ بھی کہا ہے کہ اس سے انسانی اعمالنامہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے - اس صورت میں (۷۵/۱۶) کا (۲۰/۱۱۴) سے تعلق نہیں ہوگا - لیکن (۲۰/۱۱۴) کا مفہوم اس کے بغیر بھی واضح ہے -

ع ج م

لغت عرب میں (ع - ج - م) کا مادہ ابہام اور اخفاء کیلئے آتا ہے - یعنی وضاحت اور بیان کے خلاف - اَلْاَعْجَمُ - وہ آدمی جسکی بات فصیح اور واضح نہ ہو اگرچہ وہ عرب ہی کیوں نہ ہو (جمع اَعْجَمِیْمٌ - اَعْجَمُوْنَ اَعْجَمِیُّوْنَ) - پھر اسکے بعد اَلْاَعْجَمِیُّ ہر غیر عرب کیلئے بولا جانے لگا خواہ وہ فصیح ہی کیوں نہ ہو - اَلْاَعْجَمُ - گونگا -

لطائف اللغۃ میں ہے کہ اَلْاَعْجَمِیُّ غیر عرب کیلئے بولا جاتا ہے خواہ وہ فصیح البیان ہی کیوں نہ ہو - اور اَلْاَعْجَمِیُّ غیر فصیح ، خواہ وہ عربی ہی کیوں نہ ہو - اَعْجَمَ فُلَانٌ الْکَلَامَ - فلاں نے بات مبہم رکھی - بَابٌ مُعْجَمٌ - بند دروازہ - اِسْتَعْجَمَتِ الدَّارُ - گھر سونا ہو گیا اور اسمیں جواب دینے والا کوئی نہ رہا **** - ابن فارس نے سکوت اور خاموشی

* تاج - ** محیط - *** راغب - **** تاج - محیط و راغب -

کو اس کے بنیادی معنوں میں لکھا ہے ۔ قرآن میں اَعْجَمِیٌّ بمقابلہ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ آیا ہے (۱۶/۱۰۳) ۔ نیز دیکھئے (۲۶/۱۹۸ ؛ ۴۱/۴۴) ۔ اَلْعَرَبِیُّ کے معنی فصیح ہیں (دیکھئے عنوان ع ۔ ر ۔ ب)

ع د د

اِعْدَادٌ کے معنی ہیں تیار کرنا ۔ مہیا کرنا ۔ اَعْدَدْتُ لِحَوَادِثِ الدَّھْرِ مِنَ الْمَالِ وَالسِّلَاحِ کے معنے ہیں میں نے حوادث زمانہ کے لئے مال و ہتھیار کی پوری پوری تیاری کر لی ۔ اِسْتَعَدَّ لَہٗ کے معنی بھی یہی ہیں ۔ یعنی اس کے لئے مستعد اور تیار ہو گیا ۔ عَدَّ یَعُدُّ عَدًّا کے معنی ہیں شمار کرنا ۔ گنتی کرنا ۔ عَدَّدٌ اور عَدِیْدٌ اس سے اسم آیا ہے * ۔ (وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا (۱۶/۱۸) ۔ مَعْدُوْدٌ ۔ گنے ہوئے * ۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً (۲/۸۰) گنتی کے دن * ۔ وہ دن جن کی تعداد معلوم ہو ۔ چنانچہ جب حضرت یوسفؑ کو قافلہ والوں نے بازار مصر میں بیچا ہے تو اس کے لئے قرآن کریم میں دَرَاھِمَ مَعْدُوْدَۃٍ (۱۲/۲۰) آیا ہے ۔ یعنی انہوں نے اسے چند گنتی کے سکوں کے عوض بیچڈالا ۔ روزوں کے لئے بھی اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ آیا ہے (۲/۱۸۴) ۔ لیکن اس کی تشریح ذرا آگے چل کر کردی گئی ہے جہاں کہا گیا کہ فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ (۲/۱۸۵) ۔ یعنی جو تم میں اس مہینہ (رمضان) میں اپنے مکان پر موجود ہو اسے چاہئیے کہ اس کے روزے رکھے ۔ اس سے واضح ہے کہ روزے رمضان کے پورے مہینے کے ہیں ۔ عِدَّۃٌ اس شمار کی ہوئی مدت کو کہتے ہیں جس میں عورت دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی * ۔ اور اَلْعُدَّۃُ اس مال و دولت یا ساز و سامان کو کہتے ہیں جسے حوادثِ زمانہ کا مقابلہ کرنے کے لئے انسان تیار رکھے * ۔ عَدًّا ۔ شمار کرنا ۔ (۱۹/۸۴) ۔ عَدَّادٌ ۔ متعدد ، گنے ہوئے ، (۱۸/۱۱) ۔ عِدَّۃٌ ۔ تعداد ۔ گنتی (۹/۳۶) ۔ عُدَّۃٌ ۔ سامان جو تیار ہو ۔ جو کسی حادثہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رکھا جائے ۔ (۹/۴۶) ۔ اَعَدَّ ۔ تیار کرنا ۔ مہیا کرنا (۹/۱۰۰) ۔ اِعْتَدَّ ۔ شمار کرنا (۳۳/۴۹) ۔

ع د س

اَلْعَدَسُ ۔ مسور کو کہتے ہیں * ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ (۲/۶۱) میں آیا ہے ۔

*تاج و ۔محیط ۔

ع د ل

اَلْعِدْلُ ۔ اونٹ کے دونوں طرف جو بوجھ لادا جاتا ہے اور جو ایک دوسرے کے بالکل برابر ہوتا ہے ۔ ان میں سے ہر ایک عِدْلٌ کہلاتا ہے ۔ لہذا اس کے بنیادی معنی ہیں برابر ہونا ۔ عَدَّلَ الْمِیْزَانَ ۔ میزان کو برابر کر دیا ۔ فَاعْتَدَلَ ۔ پس میزان برابر ہوگئی ۔ عَادَلَہٗ مُعَادَلَۃً ۔ اس کے ہموزن اور برابر ہوا ۔ عَادَلَ بَیْنَ الشَّیْئَیْنِ ۔ دو چیزوں کو باہم گر ہم وزن کیا ۔ برابر کیا ۔ نیز دو چیزوں کا موازنہ کیا ۔ عَدَّلَہٗ فِی الْمَحْمِلِ وَ عَادَلَہٗ ۔ محمل میں کسی دوسرے کے ساتھ سوار ہونا اور اس کے ساتھ وزن میں برابر ہونا ۔ اَلْعَدْلُ ۔ اَلْعِدْلُ ۔ اَلْعَدِیْلُ ۔ مثل اور نظیر ۔ ہموزن ۔ اِعْتِدَالٌ ۔ کمیت و کیفیت کے لحاظ سے دو حالتوں کے درمیان ہونا ۔ تناسب و توازن ۔ قرآن کریم میں ہے فَعَدَلَکَ (۸۲/۷) ۔ خدا نے انسان کو متناسب الاعضاء بنایا ۔ اس میں پورا پورا توازن و تناسب قائم رکھا ۔ اسے سیدھا کھڑا کیا ۔ اس کے لئے توازن کا برقرار رہنا ضروری ہوتا ہے ۔

کسی چیز کے برابر اس کا معاوضہ عَدْلٌ کہلاتا ہے ۔ اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا (۵/۹۵) ۔ ''یا اس کے برابر روزے رکھنا'' ۔ ابن فارس نے عَدْلٌ کے معنے فدیہ بھی بتائے ہیں ۔ لَا یُؤْخَذُ مِنْھَا عَدْلٌ (۲/۴۸) ۔ اس سے معاوضہ یا فدیہ نہ لیا جائیگا ۔ یا وَ اِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ (۶/۷۰) ۔ اور اگر وہ ہرقسم کا معاوضہ دینا چاہے ۔ سورۃ حجرات میں عَدْلٌ اور قِسْطٌ کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں (۴۹/۹) ۔ (قِسْطٌ کا مفہوم عنوان ق ۔ س ۔ ط میں بیان کیا جائیگا) ۔ قرآن کریم نے عَدْلٌ اور اِحْسَانٌ کا حکم دیا ہے (۱۶/۹۰) ۔ کسی کو پورا پورا معاوضہ دے دینا عَدْلٌ ہے اور اس کی کمی کو پورا کرکے اس کے توازن (حسن) کو قائم کر دینا اِحْسَانٌ ہے (دیکھئے عنوان ح ۔ س ۔ ن) ۔

مثل اور نظیر کے معنوں میں یہ لفظ سورۃ انعام میں آیا ہے جہاں مشرکین کے متعلق کہا ہے کہ وَ ھُمْ بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ (۶/۱۵۰) ۔ یہ لوگ دوسروں کو خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں ۔

عَدَلَ عَنِ الطَّرِیْقِ کے معنی ہیں راستہ سے ہٹ جانا ۔ عَدَلَ الطَّرِیْقُ ۔ راستہ ایک طرف کو مڑا یا جھکا* ۔ عَادَلَ الشَّیْئُ ۔ وہ چیز ٹیڑھی ہوگئی** ۔ سورۃ النمل میں ہے بَلْ ھُمْ قَوْمٌ یَعْدِلُوْنَ (۲۷/۶۰) ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

یہ وہ لوگ ہیں جو سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ گئے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں ۔ یعنی ہموار ہونا ۔ اور ٹیڑھا ہونا ۔ لیکن غالب یہ ہے کہ ٹیڑھا ہونے کا مفہوم عَنْ سے پیدا ہوتا ہے ، خواہ وہ مقدر کیوں نہ ہو ۔

قرآنی معاشرہ کی بنیادیں عدل و احسان پر استوار ہوتی ہیں ۔ اس معاشرہ میں ہر شخص کو اس کی محنت کا پورا پورا معاوضہ ملتا ہے ۔ کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوتی ۔ لیکن اس معاشرہ کے افراد نے شروع ہی سے یہ عہد کر رکھا ہوتا ہے کہ وہ اپنی محنت کا معاوضہ اتنا ہی لینگے جو ان کی ضروریات کے لئے کافی ہو ۔ باقی سب نوع انسانی کی ربوبیت عامہ کے لئے کھلا چھوڑ دینگے ۔ ($\frac{۲}{۲۱۹}$) ۔ یہ بقایا ان لوگوں کے لئے ہوگا جو کسی وجہ سے محنت کرنے کے قابل نہیں رہے اور جن کی محنت کا ماحصل ان کی ضروریات کے لئے کافی نہیں ہوسکتا ۔ ان کی اس کمی کو پورا کردینے کا نام اِحْسَانٌ ہے ۔ یہ احسان کسی پر ''احسان'' نہیں ہوتا ۔ نہ ہی اس کی شکل خیرات کی ہوتی ہے ۔ ان تمام افراد معاشرہ نے اس امر کا عہد کر رکھا ہوتا ہے کہ ان کی محنت کا ماحصل سب کی نشو و نما کے لئے کھلا رہے گا ۔ یہ سب کچھ نظام معاشرہ کی تحویل میں رہتا ہے اور تمام افراد معاشرہ کی نشوونما کے کام آتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے عدل و احسان کے حکم کے ساتھ ہی کہدیا ہے کہ فَحْشَاء اور مُنْکَر سے باز رہو ($\frac{۱۶}{۹۰}$) ۔ فَحْشَاءٌ کہتے ہیں۔ بخل کو ، اور مُنْکَرٌ کہتے ہیں عقلِ فریب کار کی حیلہ جوئیوں کو جو انسان کو زیادہ سے زیادہ سمیٹ لینے پر اکساتی رہتی ہے ۔

ع د ن

عَدَنَ ۔ یَعْدُنُ وَ یَعْدِنُ ۔ کسی جگہ قیام کرنا ۔ ٹھہرنا ۔ جَنّٰتٌ عَدْنٍ ۔ ایسے باغات جن میں جم کر قیام کیا جاسکے ۔ اَلْمَعْدِنُ ۔ کان ۔ (Mine) ۔ ہر چیز کی جگہ جہاں اس کی پیداوار ہو اور وہ وہاں مستقل طور پر پائی جائے ۔ ہر چیز کا مرکز ۔ اَلْمَعْدَنُ ۔ جڑیں* ۔ قرآن کریم میں جَنّٰتِ عَدْنٍ (۹/۷۲) آیا ہے ۔ اس کے معنی ہیں راحت و آرام کی قیام گاہیں ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی ''قیام کرنے کے باغ'' لکھے ہیں ۔ یعنی ایسے باغیچے جن میں قیام بھی کیا جاسکے ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ کتاب الاشتقاق ۔

ع د و

اَلْعَدَاءُ وَ الْعَدَوَاءُ کے معنے ہیں دوری ۔ اَلْعِدَیٰ ۔ اجنبی لوگ جو ایک دوسرے سے الگ ہوں ۔ اَلْعُدْوَۃُ ۔ دور جگہ ۔ اَلْعُدْوَۃُ (ع پر تینوں حرکتیں) کنارہ ۔ اَلْعِدَیٰ ۔ وہ لکڑی جو دو لکڑیوں کے درمیان دیدی جاتی ہے (اس طرح وہ دونوں لکڑیاں ایک دوسرے سے دور رہتی ہیں) ۔ تَعَادَیٰ کے معنی میں ایک دوسرے سے دور ہونا* ۔ گویا اس مادہ میں ایک بنیادی مفہوم دوری کا پایا جاتا ہے ۔

اسی بُعد اور افتراق کی وجہ سے عَدُوٌّ دشمن کو کہتے ہیں ۔ یعنی صَدِیْقٌ (دوست) کی ضد ۔ نیز وَلِیٌّ کی ضد (یعنی جو مددگار نہ ہو) ۔ تَعَادَیٰ الْقَوْمُ ۔ قوم نے ایک دوسرے سے دشمنی رکھی* ۔ اَلْعِدَیٰ ۔ وہ دشمن جس سے تمہاری جنگ ہو ۔ اَلْعَادِیَاتُ ۔ مجاہدین کے دوڑنے والے گھوڑے ۔ (یعنی دور دور تک دوڑ کر چلے جانے والے) ۔

عَدَا ۔ یَعْدُوْ ۔ عَدْوًا ۔ عَدَوَانًا ۔ تَعْدَاءٌ کے معنی ہیں تیز چلنا ۔ دوڑنا ۔ تَعَادَوْا کے معنی ہیں انہوں نے تیز رفتاری میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا* ۔ راغب نے کہا ہے کہ عَدْوٌ کے اصلی معنی حد سے بڑھنا اور باہمی تطابق و ہم آہنگی نہ ہو سکنا ہیں ۔ اگر یہ صورت محض رفتار کے اعتبار سے ہو تو اسے عَدْوٌ کہا جاتا ہے اور اگر دلی کیفیت کے اعتبار سے ہو تو یہ عَدَاوَۃٌ کہلاتی ہے ، اور اگر عدل و انصاف میں ابتری سے ہو تو عُدْوَانٌ کہلائیگی* ۔ عَدَا عَلَیْہِ کے معنی ہیں اس نے اس پر ظلم کیا ۔ یعنی حد سے تجاوز کیا ۔ تَعَدَّاہُ ۔ وہ اس سے تجاوز کر گیا ، آگے بڑھ گیا ۔ اور اِعْتَدَیٰ عَلَیْہِ کے معنی ہیں اس پر ظلم و زیادتی کی* ۔ عُدْوَانٌ کے معنی بزور اور بدترین طریقہ سے ، حد سے تجاوز کرنا بھی ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز میں حد سے بڑھنا اور ایسے معاملہ میں آگے بڑھ جانا جس میں ایک خاص حد میں رہنا چاہئے تھا ۔

اَعْدَیٰ الْاَمْرَ ۔ وہ ایک معاملہ سے دوسرے کی طرف بڑھ گیا ۔ اَعْدَاہُ الدَّاءُ ۔ بیماری اس کے ساتھ دوسرے کو لگ گئی ۔ مرض متعدی ہو گیا* ۔ اَلتَّعَادِیْ ناہموار جگہوں کو کہتے ہیں* ۔ اَلْعُدْوَیٰ کے معنی ہیں بیماری کا متعدی ہونا ۔ نیز کسی والی یا امیر سے ظالم کے خلاف مدد طلب کرنا** ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

قرآن کریم میں قصہ آدم میں ہے کہ جب انسانوں نے "امت واحدہ" کے بجائے باہمی تشتت و افتراق (مشاجرت) کی زندگی شروع کردی تو ان کی انفرادی مفاد پرستیاں ایک دوسرے کے درمیان حائل ہو گئیں اور ان میں دوری اور بُعد پیدا ہوگیا - بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ* (۲/۳۶) - اس کے برعکس زندگی اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ (۳/۱۰۳) کی ہے ، جس میں دلوں کو اس طرح ایک دوسرے سے پیوست کر دیا جائے جس طرح بادل کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے میں جذب ہو جاتا ہے - باہمی عَدَاوَة سے التَّعَادِي نا ہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں - اس لئے یہ سادہ مَوَدَّة کے مقابلہ میں آیا ہے (۶۰/۷) -

سورۃ بقرۃ میں اعْتِدَاء اور عِصْيَان مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں (۲/۶۱) - یعنی سرکش اور حدود فراموش - اسی طرح عُدْوَان کا لفظ تَقْوٰى کے مقابل میں آیا ہے (۵/۲) - تقویٰ کے معنی ہیں قوانین خداوندی (حدود اللہ) کی نگہداشت کرنا - لہذا عُدْوَان کے معنی ہوئے حدود فراموشی- حد سے تجاوز کر جانا - (۲/۱۹۳) میں یہ لفظ (عُدْوَان) اس زیادتی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جسے سزا کہا جاتا ہے - یعنی ظالموں کو خود ان کا عدوان گھیر لیتا ہے - سورۃ مائدہ میں عَدَاوَة اور بَغْضَاء اکٹھا آیا ہے (۵/۶۴) - سورۃ کہف میں ہے وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (۱۸/۲۸) - تم انہیں (Over Look) نہ کرو - نظر انداز نہ کرو - (۸/۴۲) میں عُدْوَة کے معنی کنارہ ہیں -

قرآن کریم میں جرم کے لئے اثْم اور عُدْوَان کے الفاظ بالعموم اکٹھے آئے ہیں (مثلاً ۲/۸۵) - اثْم کے معنے ہیں ایسا کام جس سے انسان کی صلاحیتوں میں کمی آجائے اور اس لئے وہ دوسرے افرادِ کارواں کے ساتھ نہ چل سکے بلکہ ان سے پیچھے رہ جائے (دیکھئے عنوان ا - ث - م) - اور عُدْوَان کے معنی ہیں سرکشی کرکے آگے بڑھ جانا - اسلام کا نظام یہ ہے کہ تمام افراد امت باہمد گر ، بانہوں میں بانہیں ڈالے ، ایک دوسرے کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں (دیکھئے عنوان س - ل - م) - جو شخص جماعت سے بچھڑ کر پیچھے رہ گیا (اثْم) وہ بھی مجرم ہے اور جو سرکشی اختیار کرکے ان سے آگے نکل گیا (عُدْوَان) وہ بھی مجرم ہے - اور اگر عُدْوَان کو تَعَدِّيَة سے لیا جائے تو اس سے مراد ہونگے ایسے جرائم جن کا اثر متعدی ہو، یعنی جن کے

*تفصیل ان امور کی ا - د - م اور ش - ج - ر کے عنوانات میں دیکھئے-

اثرات سے دوسرے افراد معاشرہ بھی متاثر ہوں ، اور اِثْم* سے مراد ہونگے ایسے جرائم جن کا اثر اس شخص کی ذات تک محدود رہے ۔ (مزید تفصیل ا ۔ ث ۔ م کے عنوان میں دیکھئے) ۔

عَنَادٍ (۲/۱۷۳) ۔ حدود شکنی یا سرکشی کرنے والا ۔ تَعَدَّیٰ (۲/۲۲۹) تجاوز کرنا ۔ حد سے آگے بڑھ جانا ۔ اعْتَدَیٰ (۲/۱۷۸) زیادتی کرنا ۔ مُعْتَدٍ (۲/۱۹۰) ۔ زیادتی کرنے والا ۔ اس کی جمع مُعْتَدُوْن اور مُعْتَدِیْن ہے ۔

ع ذ ب

اس مادہ کے بنیادی معنوں میں تین باتیں شامل ہیں (۱) پانی کی خوشگواری اور شیرینی جو پیاس کو روک دیتی ہے ۔ (۲) اذیت اور تکلیف جو زندگی کے آرام میں حائل ہوتی ہے ۔ اور (۳) بندش ، منع کرنا ، اور رکاوٹ* ۔ ان معانی کو سمجھنے کیلئے صحرائے عرب کی زندگی کا سامنے رکھنا ضروری ہے ۔ وہاں پانی بہت کمیاب تھا ، اور پھر شیریں پانی ؟ یہ نعمت بڑی تلاش و جستجو ، محنت و مشقت اور لڑائی جھگڑوں کے بعد ملا کرتی تھی ۔ کئی کئی دن اس سے رکنا پڑتا تھا (یعنی بغیر پانی کے رہنا پڑتا تھا) تب کہیں جا کر آب شیریں حاصل ہوتا تھا ۔ اس نقشہ کو سامنے رکھئے اور پھر اس مادہ کی تفصیلات پر غور کیجئے ۔ اَلْعَذْبُ ۔ خوشگوار شیریں پانی ۔ قرآن کریم میں ہے هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ (۲۵/۵۳) ۔ یہ خوشگوار اور شیریں (پانی والا) ہے ۔ اِسْتَعْذَبَ الرَّجُلُ مَاءَهٗ ۔ وہ شخص میٹھا پانی لایا ۔ اور اَعْذَبَ الْحَوْضَ کے معنی ہیں تالاب میں پانی کے اوپر جو تنکے وغیرہ پڑ گئے ہوں انہیں صاف کر دینا ۔ اَلْاَعْذَبَانِ ۔ دو خوشگوار چیزیں ۔ یعنی کھانا اور لذت جماع ۔ یا شراب اور لعابِ دہن* ۔

اب اذیت اور تکلیف کا پہلو لیجئے ، عَذَبٌ ان تنکوں (یا کوڑے کرکٹ) کو کہتے تھے جو پانی کے اوپر پڑجائیں اور اسطرح اسے مکدر کر دیں ۔ ان کپڑے کی چندیوں کو بھی کہتے ہیں جسے نوحہ کرنے والی عورتیں اپنے ساتھ رکھتی ہیں ۔ عَذْبَةٌ ایک درخت جسے کھا کر اونٹ مر جاتے ہیں ۔ عَذَابٌ ۔ سزا ، نیز بھوک ، پیاس اور تکلیف کو بھی کہتے ہیں* ۔

اب بندش اور رکاوٹ کے مفہوم کو لیجئے ۔ عَذُوْبٌ اور عَاذِبٌ اُس آدمی یا اونٹ یا گھوڑے کو کہتے ہیں جو پیاس کی شدت کی وجہ سے

*تاج و محیط ۔

کھانا پینا چھوڑ دے۔ جو بغیر کچھ کھائے رات گذار دے اسے بھی عَاذِبٌ کہتے ہیں * ۔ نیز اسے بھی جسے حفاظت اور سایہ کے لئے چھت نصیب نہ ہو** ۔ لہذا بھوک ، پیاس ، تکلیف ، خانماں خرابی ، سب کیلئے عَذَابٌ کا لفظ آیا ہے ۔ روکنے کیلئے عَذَبَہٗ عَنِ الشَّیْءِ وَ اَعْذَبَہٗ وَ اسْتَعْذَبَہٗ کہتے ہیں۔ یعنی اسے کسی چیز سے روک دیا*** ۔ لیکن ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے معانی کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا نہ ہی ان سب کو کسی ایک معنی پر متحد کیا جا سکتا ہے ۔

قرآن کریم نے ان تمام سختیوں اور تکلیفوں کیلئے جو فرعون کی قوم غالب اپنی محکوم قوم بنی اسرائیل پر روا رکھا کرتی تھی عَذَابٌ کا لفظ استعمال کیا ہے (مثلاً ۲/۴۹) ۔ اور سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں مُفْلِحُوْنَ (کامیاب اور کامران گروہ) کے مقابلہ میں لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۲/۷) لا کر بتا دیا ہے کہ عَذَابٌ کے معنی زندگی کی خوشگواریوں سے محرومی و ناکامی ہیں ۔ ایسی محرومی کہ پھر زندگی کی شیرینیوں سے متمتع ہونے کی صلاحیت ہی نہ رہے ۔

نیز یہ لفظ جرم کی اس سزا کے لئے بھی آیا ہے جو عدالت سے ملتی ہے (۲۷/۲۱ ؛ ۲۴/۲) ۔ اس میں اذیت کے مقابلہ میں روکنے کا پہلو زیادہ نمایاں ہے کیونکہ سزا سے مقصود ہی جرائم کی روک تھام ہے ۔

خدا کیطرف سے عَذَابٌ کے معنی ہیں انسانوں کے غلط کاموں کے تباہ کن اور ہلاکت انگیز نتائج ۔ اس اعتبار سے اللہ کو مُعَذِّبٌ کہا گیا ہے (۵/۱۱۸) ۔ اور جو اسطرح تباہ و برباد ہو جائے وہ مُعَذَّبٌ ہے (۲۶/۲۱۳) ۔

قرآن کریم کی رو سے دنیاوی زندگی میں ذلت و خواری ، خدا کا عذاب ہے (۲۰/۱۳۴) ۔ بھوک اور خوف ، عذاب ہے (۱۶/۱۱۲) ۔ برکاتِ سماوی اور ارضی کے دروازوں کا بند ہو جانا عذاب ہے (۶/۶۵) ۔ گروہ بندی اور پارٹی بازی عذاب ہے (۶/۶۵) ۔ باہمی اختلاف، عذاب ہے (۶/۶۵) ۔ [اختلافات کا مٹ جانا رحمت ہے ۔ ۱۱/۱۱۸ ، ۱۱/۱۱۹] ۔ یہ عذاب خداوندی کی صرف چند شکلیں ہیں ۔ تفصیل اس کی قرآن کریم کے صفحات میں شروع سے آخر تک پھیلی ہوئی ہے ۔

ع ذ ر

اَلْعُذْرُ ۔ ایسی کوشش جس سے انسان اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کو مٹا دینا چاہے**** ۔ نیز وہ حجت جسے انسان بطور اعتذار پیش کرے***** ۔

* تاج و لین ۔ ** لین ۔ ***تاج و محیط ۔ ****راغب ۔ *****محیط ۔

ابن فارس نے اس کے معنی لکھے ہیں انسان کا محض باتوں سے ان اعتراضات و الزامات کو رفع کرنے کی کوشش کرنا جو اس پر عائد کئے جائیں ۔ عَذِرَۃٌ کے اصلی معنی مکانات کے سامنے کا کھلا میدان ہیں ۔ اس کے بعد ان نجاستوں اور گندگیوں کو کہنے لگے جو ان میدانوں میں پھینکی جاتی ہیں* ۔ عَذَّرَ الشَّیْءَ - چیز کو گندگی سے آلودہ کر دیا ۔ پھر (سلب خاصیت کے طور پر) باب افعال سے نجاست اور آلودگی کو الگ کرنے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ۔ چنانچہ اَعْذَرَ الْغُلَامَ اِعْذَارًا کے معنی ہیں اس نے لڑکے کا ختنہ کر دیا ۔ لڑکی کے پردہ بکارت کو بھی عُذْرَۃٌ کہتے ہیں ۔ دوسری طرف اَعْذَرَ الرَّجُلُ اِعْذَارًا کے معنی ہیں اس آدمی کے عیوب بہت زیادہ ہو گئے ۔ اَعْذَرَتِ الدَّارُ ۔ گھر میں غلاظت بہت ہو گئی ۔ اِعْتَذَرَتِ الْمَنَازِلُ ۔ مکانوں کے نشانات مٹ گئے** ۔ اس مادہ کے اسی قسم کے مختلف معانی کے پیش نظر ابن فارس نے کہا ہے کہ اس میں قیاس کو بالکل دخل نہیں ، بلکہ اس کا ہر لفظ اپنی جداگانہ حیثیت رکھتا ہے ۔

الغرض اس کے معنوں میں آلودگیوں کا زیادہ ہو جانا بھی ہیں اور آلودگیوں کے نشان کا مٹ جانا بھی ۔

سورۃ مرسلٰت میں ہے عُذْرًا اَوْ نُذْرًا (۷۷/۶) ۔ سورۃ روم میں مَعْذِرَتُهُمْ (۳۰/۵۷) آیا ہے ۔ یہاں مَعْذِرَۃٌ مصدر بمعنی عذر ہو سکتا ہے ۔ نیز اس کے معنے عذرخواہی اور معذرت کے علاوہ حجت بھی ہیں** ۔ اور سورۃ قیامۃ میں مَعَاذِیْرَہٗ (۷۵/۱۵) ہے ، جس کا واحد مِعْذَارٌ ہے ۔ لغت یمن میں مَعَاذِیْرُ کے معنے پردے اور حجابات ہیں ۔ اس طرح اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ کے معنے اصل حقیقت پر پردے ڈالنا ہونگے ۔ نیز اس کے معنے حجتیں پیش کرنا بھی ہیں ۔

سورۃ توبہ میں ہے لَا تَعْتَذِرُوْا (۹/۶۶) جس کے معنے بہانہ سازیاں کرنا ہیں ۔ عَذَّرَ کے معنی ہیں ایسا عذر پیش کرنا جو ثابت نہ ہو** ۔ چنانچہ سورۃ توبہ میں مُعَذِّرُوْنَ (۹/۹۰) ۔ کے یہی معنی ہیں ۔ یعنی جھوٹے عذر پیش کرنے والے ۔ بہانہ سازیاں کرنے والے ۔ کوتاہیاں کرنے والے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی ان لوگوں کے ہیں جن کے پاس کوئی عذر تو نہ تھا لیکن وہ بتکلف عذر بناتے تھے ۔ تَعَذَّرَ الْاَمْرُ عَلَیْهِ ۔ اس پر کام مشکل یا دشوار ہوا ۔

* راغب ۔ **تاج ۔

لہذا عُذْرٌ جہاں سچے دل سے ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس شخص کو اپنی خطا کا احساس ہے اور وہ صحیح طور پر بتاتا ہے کہ اس سے ایسا کیوں ہؤا ، یہ عذر مستحسن ہے ۔ لیکن دوسری قسم کا عذر یہ ہے کہ انسان جان بوجھ کر اپنے قصور کی غلط توجیہ کرتا ہے اور اس طرح محض باتوں سے اس کا ازالہ کر دینا چاہتا ہے ۔

ع ر ب

اَلْعَرَبُ ۔ اَلْعُرْبُ ۔ اہل عرب ۔ راغب نے لکھا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کو اَلْعَرَبُ کہتے ہیں* ۔ لیکن صاحب تاج کے نزدیک یَعْرُبُ بْنُ قَحْطَانَ کی اولاد عرب عاربہ کہلاتی ہے ۔ یہ شخص یمنی قبائل کا جد اعلیٰ تھا اور اسی نے پہلے پہل عربی زبان میں گفتگو کی تھی** ۔ (لیکن یہ توجیہ کچھ وقیع نظر نہیں آتی)۔ اَلْاَعْرَابُ ۔ اَعْرَابِیٌّ کی جمع ہے ۔ یہ لفظ بادیہ نشین (یعنی دیہات اور جنگلوں میں رہنے والے) عربوں کے لئے مختص ہوگیا*** ۔ قرآن کریم میں اَلْاَعْرَابُ (۹/۹۷) انہی بادیہ نشینوں کو کہا گیا ہے ۔

اَلْعَرَبِیُّ ۔ واضح کرنے والا ۔ فصیح* ۔ اَلْاِعْرَابُ ۔ کسی بات کو صاف اور واضح کر دینا ۔ بولنے میں غلطی نہ کرنا ۔ عَرَّبْتُ لَہٗ الْکَلَامَ ۔ میں نے اس سے بات کھول کر کہدی ** ۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں آتا ہے حُکْمًا عَرَبِیًّا (۱۳/۳۷) یا قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا (۱۲/۱)۔ یا لِسَانًا عَرَبِیًّا (۴۶/۱۲)۔ تو اس کے معنے صرف عربی زبان کا قرآن نہیں، بلکہ اس کے معنے ہیں واضح کتاب ۔ ایسی کتاب جو ہر بات کو صاف صاف بیان کرتی ہے ۔ چنانچہ سورۃ زمر میں قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا کے ساتھ غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ (۳۹/۲۸) کہکر اس کی وضاحت کردی ۔ یعنی ایسی واضح کتاب جس میں کوئی پیچیدگی نہیں ۔

اَلْعَرُوْبُ ۔ وہ بیوی جو اپنے شوہر کو محبوب ہو ۔ اس کی عاشق ہو ۔ اپنی محبت کو ظاہر کرتی ہو ۔ اس کے ساتھ ہنستی بولتی ہو*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنے (۱) کھولنا اور واضح کرنا (۲) نشاط اور طیب نفس (۳) جسم یا عضو میں خرابی کے ہیں ۔ نشاط اور طیب نفس سے، عَرُوْبٌ خوش دل اور پر نشاط عورت کو کہینگے، لیکن عَرِبَتْ مَعِدَتُہٗ کے معنے ہیں اس کا معدہ خراب ہوگیا ۔ اس اعتبار سے اِمْرَاَۃٌ عَرُوْبٌ خراب اور بد اطوار عورت کو بھی کہتے ہیں ۔ عَرُوْبٌ کی جمع عُرُبٌ ہے ۔

*راغب ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔ ****ابن قتیبہ (القرطبین ۔ ج/۲ صفحہ ۱۵۴) ۔

''جنت'' کی بیویوں کے متعلق ہے عُرُبًا اَتْرَابًا (۵۶/۳۷) ۔ لیکن سباق عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ (محبت اور پیار کے علاوہ ، جو ایک اچھی بیوی کی بنیادی صفت ہے) اس سے مراد شائستہ ، مہذب ، فصیح الکلام ، واضح اور صاف باتیں کرنے والیاں بھی ہیں ۔ اس لئے کہ قرآن کریم نے عہد جاہلیہ کی (غیر تربیت یافتہ) عورت کو غَیْرُ مُبِیْنٍ (۴۳/۱۸) کہا ہے ۔ یعنی جو متنازعہ فیہ امور میں اپنی بات کو واضح طور پر بیان نہ کرسکے۔ اس کے بعد انہی عورتوں کو جب قرآنی معاشرہ میں صحیح تربیت ملی تو وہ نہایت فصیح اور واضح باتیں کرنے والی ہو گئیں ۔

اَلتَّعْرِیْبُ ۔ صرف واضح بات کرنے ہی کو نہیں کہتے، بلکہ دلیل کے ساتھ بات کرنے کو بھی کہتے ہیں* ۔ لہذا قرآنی معاشرہ میں مرد اور عورتیں سب کی باتیں صاف ، واضح اور دلیل کے ساتھ ہوتی ہیں ۔

ع ر ج

عَرَجَ ۔ اوپر چڑھنا۔ عَرَجَ فِی الدَّرَجَۃِ ۔ سیڑھی پر چڑھنا۔ مَعْرَجٌ سیڑھی (جمع مَعَارِجُ) ۔ مِعْرَاجٌ بھی سیڑھی کو کہتے ہیں (قرآن کریم میں یہ لفظ نہیں آیا) ۔ عَرَجَ ۔ یَعْرُجُ ۔ اس کے پاؤں میں کوئی چیز لگ گئی اور اس کی وجہ سے وہ لنگڑا کر چلنے لگ گیا ۔ یہ لنگڑا پن عارضی ہوگا ۔ مستقل طور پر لنگڑانے کے لئے عَرِجَ یَعْرَجُ کہینگے ۔ اَعْرَجُ ۔ لنگڑا* ۔ (یعنی وہ آدمی جو ہموار زمین پر ایسے چلے جسطرح کوئی سیڑھیاں چڑھ رہا ہو) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) عارضی یا مستقل جھکاؤ اور ٹیڑھے پن (۲) بلندی اور ارتقاء کے ہیں ۔ اَلْعَرَجُ ۔ لنگڑا ہونا ، اس اعتبار سے ہے کہ لنگڑا آدمی ٹیڑھا چلتا ہے ۔

قرآن کریم میں اشیائے کائنات کے سلسلہ ارتقاء کے ضمن میں آیا ہے ۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ۔ خدا کسی اسکیم کو اپنے قانون مشیت کی رو سے طے کرتا ہے۔ پھر اس کا آغاز پست ترین نقطہ سے کرتا ہے ۔ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۳۲/۵) ۔ پھر وہ شے اس نقطہ آغاز سے بتدریج بلندیوں کی طرف اٹھتی ہے اور ایک ایک مرحلہ کو ہزار ہزار سال (اور پچاس پچاس ہزار سال (۷۰/۴) کی مدت میں طے کرتی ہوئی اپنی تکمیل تک پہنچتی ہے ۔ اسی نہج

*تاج ۔

سے خدا نے اپنے آپ کو ذِی الْمَعَارِجِ (۷۰/۳) کہا ہے ۔ ''سیڑھیوں والا خدا''۔ یعنی جو اس طرح بتدریج تمام اشیاء کو ان کی ارتقائی منازل طے کراتا ہے ۔ وہ خدا صراط مستقیم پر بھی ہے (۳۶/۴)۔ یعنی ایک توازن بدوش سیدھے راستے پر ۔ اور اس کے ساتھ ہی ذِی الْمَعَارِجِ بھی ''صراط مستقیم'' پر ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے سلسلہ کائنات کو آگے کیطرف بڑھا رہا ہے ۔ یہ نہیں کہ اس نے ایک دفعہ اس کائنات کو بنا دیا اور اب یہ کائنات فضا کی پہنائیوں میں ایک ساکن اور جامد ڈھیلے کی طرح پڑی ہے ، بلکہ یہ کہ اس میں حرکت ہے اور یہ آگے بڑھ رہی ہے ۔ یہ (Dynamic) ہے ۔ نیز اس کی حرکت خط مستقیم پر (Linear) ہے ۔ دوری (Cyclic) نہیں ۔ یہ تصور یونانیوں کا تھا ۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ یہ اوپر کی طرف بھی چڑھ رہی ہے ۔ یعنی اس میں ارتقاء بھی ہے ۔ یہ ہے کائنات کا تصور جو قرآن کریم پیش کرتا ہے ۔ یعنی ہر آن آگے بڑھنے والی اور اوپر چڑھنے والی ۔ قوانین خداوندی کی یہی راہ ہے جس پر چلنے کی تاکید انسان کو کی گئی ہے۔ یعنی انسان کو بھی ساکن اور جامد نہیں رہنا چاہئے ۔ اسے آگے بڑھنا اور بلندیوں کی طرف جانا چاہئے (Progressive and Ascending) ۔

اَعْرَجُ بمعنی لنگڑا سورۃ نور میں آیا ہے ۔ وَلَا عَلَى الْاَعْرَجِ (۲۴/۶۱)۔ چونکہ لنگڑے کی ٹانگ میں خم ہوتا ہے اس لئے کھجور کے خوشے کی خمیدہ ڈنڈی کو عُرْجُوْنٌ (۳۶/۳۹) کہتے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اِنْعَرَجَ الطَّرِيْقُ کے معنے ہیں راستہ ٹیڑھا ہو گیا ۔

اَلْعَرَجُ اسّی سے نوے تک اونٹوں کو کہتے ہیں ۔ (ابن فارس)

ع ر ج ن

عُرْجُوْنٌ ۔ (دیکھئے ع ۔ ر ۔ ج) ۔ کھجور کے خوشے کی ٹیڑھی ڈنڈی۔ (۳۶/۳۹)

ع ر ر

اَلْعَرُّ ۔ اَلْعُرُّ ۔ اَلْعُرَّةُ ۔ خارش کی بیماری ۔ اَلْمُتَعَرَّةُ ۔ ہر قسم کی مضرت ، تکلیف ، اذیت ، گزند یا نقصان ۔ نیز گناہ و قصور کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے ۔ عَرَّهٗ اس نے اسے تکلیف دی* ۔ سورہ فتح میں ہے فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ (۴۸/۲۵) ۔ تمہیں انکی وجہ سے کوئی نقصان پہنچ جائے ۔ عَرَّهٗ ۔ اِعْتَرَّهٗ ۔ کسی کے پاس جانا اور بغیر سوال کئے اس کا احسان طلب

* تاج و راغب ۔

کرنا - بخشش طلب کرنے کے لئے کسی کے سامنے آنا - ابن القطاع نے کہا ہے کہ اَلْمُعْتَرُّ ملنے والے کو کہتے ہیں، لیکن اہل لغت کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اَلْقَانِعُ تو وہ ہے جو سوال کرے (دیکھئے ق - ن - ع) اور مُعْتَرُّ وہ ہے جو تم سے کچھ لینے کیلئے تمہارا چکر لگائے خواہ زبان سے اپنی حاجت بیان کرے یا نہ کرے* - اس کا مطلب مصیبت زدہ یا حاجت مند ہی ہے - قرآن کریم میں اَلْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (۲۲/۳۶) اکٹھا آیا ہے، مطلب مصیبت زدہ سے ہے - ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس محتاج کو کہتے ہیں جو ہر وقت تمہارے ساتھ چمٹا رہے اور تمہارا پیچھا لے لے - اس لئے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ''کسی چیز کو کسی خراب چیز کے ساتھ لتھیڑ دینے'' کے بھی آتے ہیں -

ع ر ش

اَلْعَرْشُ - کسی چیز کا رکن - ستون - گھر کی چھت - یا وہ سہارے جس پر چھت کھڑی ہو - سائبان* - راغب نے کہا ہے کہ اَلْعَرْشُ دراصل ہر چھت والی چیز کو کہتے ہیں - اسکی جمع عُرُوْشٌ ہے - نیز بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ (تخت) کو بھی کہتے ہیں** - اسی سے اسکے معنی حکومت و سلطنت اور قوت و اقتدار کے ہو گئے - صاحب لطائف اللغۃ نے اس کے معنی غلبہ اور قوت کے کئے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی بنائی ہوئی چیز میں بلندی کے ہیں -

سورہ النمل میں ملکۂ سبا کے متعلق ہے وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ (۲۳/۲۷) - اسکا بہت بڑا تخت تھا - سورہ بقرہ میں ایک اجڑی ہوئی بستی کے متعلق ہے وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا (۲۵۹/۲) - اس بستی کے مکانات اپنی چھتوں یا ستونوں پر گرے پڑے تھے - جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ (۶/۱۴۱) - ایسے باغات جن میں اس قسم کی بیلیں ہوں جو بانس وغیرہ کی ٹٹیوں پر چڑھائی جائیں - جیسے انگور کی بیلیں -

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کے لئے عَرْشٌ کا لفظ متعدد بار آیا ہے - مثلاً هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (۱۲۹/۹) - اسکے معنی اقتدار اعلیٰ - مرکزی کنٹرول کے ہیں - یعنی ساری کائنات کا خالق بھی وہی ہے اور اسکا اقتدار اور کنٹرول بھی اسیکے ہاتھ میں ہے - اور یہ کنٹرول اسکی بڑی محکم گرفت

*تاج و راغب - **راغب -

میں ہے، جس میں کسی قسم کی کمزوری نہیں آسکتی ۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (۵۴/۷) ۔ اسْتَوٰی کے معنی کسی چیز پر جم کر بیٹھنا ۔ یعنی پوری طرح غالب آجانا ہیں ۔

سورہ ہود میں ہے وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَاءِ (۱۱/۷) ۔ اسکا عرش (مرکزی اقتدار) پانی پر ہے ۔ یہ نکتہ سمجھنے کے قابل ہے ۔ سورہ انبیاء میں ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (۲۱/۳۰) ۔ ہم نے ہر شے کو پانی سے زندگی عطا کی ہے ۔ یعنی حیات کا سرچشمہ پانی ہے ۔ اسکی تائید دور حاضر کی تحقیق سے ہو رہی ہے کہ پانی کے بغیر زندگی ناممکن ہے ۔ حیات کی جل پری نے آنکھ ہی پانیوں میں کھولی ہے ۔ لہذا جب قرآن کریم نے کہا کہ خدا کا عرش پانی پر ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ سرچشمۂ حیات پر واحد کنٹرول خدا کا ہے ۔ خدا کا یہ کنٹرول اسکے قانون کی رو سے کار فرما ہے ۔ اسنے ہر شے کے لئے ایک قانون بنا دیا ہے اور کسی کو مجال نہیں کہ اس قانون کی خلاف ورزی کر سکے ۔ خارجی کائنات کیطرح انسان کی تمدنی اور معاشرتی زندگی کیلئے بھی خدا کا قانون ہے (جسے وحی کہتے ہیں) ۔ انسان کو چونکہ صاحب اختیار بنایا گیا ہے اسلئے اسے اسکا اختیار ہے کہ یہ جی چاہے تو خدا کے اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرے اور جی چاہے تو اپنے لئے کوئی اور قانون وضع کر لے ۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ ، قانون خداوندی کے خلاف چلنے سے زندگی کے خوشگوار نتائج مرتب کر لے ۔ نتائج ہمیشہ قانون خداوندی کے مطابق ہی مرتب ہونگے ۔ اس پر صرف خدا کا کنٹرول ہے ، کسی اور کا نہیں ۔ خدا کا عرش تمام کائنات پر بچھا ہوا ہے ۔

ع ر ض

عَرْضٌ کے معنے ہیں کسی چیز کا ظاہر ہو جانا ، یا کسی کے سامنے پیش کرنا (۳۶/۴۶) ۔ عَرَضَ لَهٗ کَذَا ۔ اسے ایسا ماجرا پیش آیا ۔ سرسری طور پر کوئی چیز اسے نظر آئی ۔ عَرَضَ عَلَیْهِ کَذَا ۔ اسے فلاں چیز دکھلائی ۔ عَرَضَ الشَّیْءُ ۔ چیز ظاہر ہوگئی ۔ اَلْعَارِضُ ۔ وہ چیز جو تمہیں پیش آئے یا تمہارے سامنے آئے ۔ اَلْعَارِضَةُ ۔ دروازے کی چوکھٹ کی بالائی لکڑی جس میں دروازہ گھومتا ہے ۔ اَلْعَارِضُ ۔ وہ بادل جو افق میں پھیلا ہوا ہو* (۴۶/۲۴) ۔ اَلْعَرْضُ ۔ کسی چیز کی چوڑائی کو کہتے ہیں* ۔ قرآن

* تاج

کریم میں جنت کے متعلق ہے عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ (۵۷/۲۱) جسکی وسعت اور کشادگی تمام ارض و سماء (ساری کائنات) جتنی ہے۔

اَعْرَضَ عَنْهُ۔ اس سے اعراض کرلیا - پیٹھ موڑ لی۔ عَرَضَ الْفَرَسُ فِیْ عَدْوِہٖ - گھوڑا اپنی دوڑ میں سر اور سینے کو ایک طرف ٹیڑھا کرکے دوڑا - یعنی اپنے آپ کو سیدھا رکھنے کے بجائے چوڑائی (عرض) میں رکھ کر دوڑا*۔

اِعْتِرَاضٌ - کسی چیز کا اس طرح سامنے آجانا کہ اس سے راستہ رک جائے*۔ عُرْضَةٌ (۲/۲۲۴) - آڑ۔

اَلْعَرَضُ - گھر کا ساز و سامان - مال و دولت*۔ (۲۲/۳۳)۔ سورۃ اعراف میں ہے یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی (۷/۱۶۹) ۔ یہ لوگ پیش پا افتادہ مفاد (ساز و سامان) حاصل کر لیتے ہیں (اور مستقبل کا خیال نہیں رکھتے) - یہاں عَرَضٌ کے معنے ساز و سامان ہیں - راغب نے اَلْعَرَضُ کے معنے ناپائدار شے بھی لکھے ہیں** - سورۃ توبہ میں ہے لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا (۹/۴۲) اگر کوئی فائدہ یا سامان ایسا ہو جو جلد مل جائے - یہاں بھی عَرَضٌ کے معنے واضح ہیں*** -

قرآن کریم نے مُعْرِضُوْنَ کی تشریح تَوَلَّيْتُمْ سے کردی ہے (۲/۸۳ و ۳/۲۲)۔ یعنی روگردانی کرنے والے - گریز کی راہیں نکالنے والے۔ پھر جانے والے - ایک طرف ہٹ جانے والے - اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۵/۹۴) کے معنی ہیں فَاصْفَحْ (۱۵/۸۵)۔ ان سے الگ ہٹ جاؤ - ایک طرف ہو جاؤ۔

ع ر ف

اَلْعَرْفُ - بو (مہک) کو کہتے ہیں - عَرَفْتُهٗ - میں نے اس کی بُو پالی - یہیں سے اس کے معنے پہچاننے کے آتے ہیں - راغب کے نزدیک، کسی چیز کی علامات و آثار پر غور و فکر سے اس کا ادراک کرلینا، مَعْرِفَةٌ یا عِرْفَانٌ کہلاتا ہے - ظاہر ہے کہ اس طرح کا جاننا عِلْمٌ سے کم درجے کا ہوگا - یہی وجہ ہے کہ اَللّٰهُ يَعْلَمُ کہتے ہیں (خدا کو اس کا علم ہے) - اَللّٰهُ يَعْرِفُ (خدا کو اس کی معرفت ہے) نہیں کہتے، کیونکہ خدا کا علم (ہر شے کے متعلق) یقینی ہوتا ہے - اس کے برعکس خدا کی ذات کا علم انسان کو حاصل نہیں ہوسکتا - البتہ کائنات پر غور و فکر کرنے سے اس کی صفات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اسے خدا کی معرفت کہہ سکتے ہیں* - (قرآن کریم میں اللہ کے لئے معرفت کا لفظ نہیں آیا)۔

---

*تاج - **راغب - ***لطائف اللغة -

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے ہاں عَارِفٌ باللّٰہ (خدا کی معرفت رکھنے والوں) کے متعلق جو عام تصور ہے کہ وہ خدا کی ذات کا علم رکھتے ہیں، کسقدر غلط ہے۔ کائنات کے مشاہدہ اور قرآنی حقائق پر غور و فکر سے قوانین خداوندی کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ خود ذات خداوندی کے متعلق کوئی کچھ نہیں جان سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے خدا پر ایمان کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کے عرفان کا نہیں۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی دو ہیں (۱) کسی چیز کا یکے بعد دیگرے۔ پے در پے ہونا۔ اور (۲) سکون اور اطمینان۔ چنانچہ اَلْعُرْفُ (اور اَلْعُرْفُ) گھوڑے کی ایال کو کہتے ہیں، کیونکہ اس میں بال یکے بعد دیگرے، پے در پے، ہوتے ہیں۔ عَرَفَ کے معنی پہچاننا اس لئے ہیں کہ نہ جانی پہچانی چیز سے انسان کو وحشت ہوتی ہے اور جانی پہچانی سے سکون و اطمینان ہوتا ہے۔ اَلْعَرْفُ۔ عمدہ خوشبو کو کہتے ہیں۔

عَرَفَ یَعْرِفُ۔ مَعْرِفَۃً وَ عِرْفَانًا۔ کسی چیز کو پہچان لینا۔ مَعَارِفُ الْاَرْضِ۔ زمین کے جانے پہچانے راستے* ۔ تَعَارَفُوْا۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ اَمْرٌ عَرِیْفٌ۔ جانا پہچانا ہوا کام** ۔ اَلْعَرِیْفُ۔ جو اپنے آدمیوں کو پہچانتا ہو۔ (یا ان کا تعارف کراتا ہو)۔ رئیس قوم۔ نقیب جو سردار کے نیچے ہوتا ہے۔ اَلتَّعْرِیْفُ۔ کسی چیز کو پہچنوا دینا** ۔

پہچاننے کے اعتبار سے بلند چیز کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اَلْعُرْفُ۔ ریت کا بلند ٹیلہ یا بلند جگہ۔ اَلْاَعْرَفُ۔ بلند جگہ۔ نیز جو کھیتی ڈولوں اور کناروں پر ہو۔ قَلِیْبٌ عَرْفَاءُ۔ بلند چوٹی۔ نَاقَۃٌ عَرْفَاءُ۔ بلند کوہان والی اونٹنی۔ اَلْعُرْفَۃُ۔ دو چیزوں کے درمیان کی حد** ۔

اِعْتَرَفَ بِذَنْبِہٖ۔ اس نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا** ۔ (۱۲/۷۳)۔ عَرَفَ فُلَانًا۔ فلاں کو اس کے جرم کی سزا دی** ۔

آگے پیچھے آنے کو بھی عُرْفًا کہتے ہیں۔ جَاءَ الْقَوْمُ عُرْفًا۔ قوم آگے پیچھے آئی۔ اس سے بعض نے کہا ہے کہ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا (۷۷/۱) کے معنی ہیں وہ فرشتے جو یکے بعد دیگرے آئیں** ۔

قرآن کریم میں یَعْرِفُوْنَ بمقابلہ یُنْکِرُوْنَ آیا ہے (۱۶/۸۳)۔ اسی سے اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَہْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ متعدد مقامات پر آیا ہے۔

*تاج۔ **تاج و راغب۔

(مثلاً ۳/۱۰۰۹) ۔ سورۃ اعراف میں اَلْمَعْرُوْفُ کی جگہ اَلْعُرْفُ آیا ہے (۷/۱۹۹)۔ مَعْرُوْفٌ سے مراد ہیں وہ تمام امور جنہیں ایک قرآنی معاشرہ اپنے ہاں تسلیم (Recognise) کرلے ۔ اور مُنْكَرٌ ۔ وہ تمام باتیں جنہیں وہ صحیح تسلیم نہ کرے ۔ جنہیں وہ (Recognise) نہ کرے ۔ یہ قرآن کریم کی ایک جامع اصطلاح ہے جسمیں قرآنی نظام کے نافذ کردہ احکام و قوانین سے لیکر اس معاشرہ کے روزمرہ کے رسوم و آداب تک سب آجاتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ان رسوم و آداب کے بنیادی اصول تو غیر متبدل رہینگے کیونکہ وہ قرآن کریم نے متعین کر دیئے ہیں، لیکن ان کی شکل و صورت اور تفاصیل و جزئیات زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلتی رہینگی ۔ لہذا ایک قرآنی معاشرہ جن آئین و آداب کو اپنے وقت میں (Recognise) کرلے وہ معروف ہونگے ، خواہ وہ پہلے سے موجود ہوں یا وہ انہیں خود تجویز کرے ، حتکہ کسی قوم یا ملک کے رسم و رواج کو بھی وہ اپنے ہاں رائج رہنے دے تو وہ بھی مَعْرُوْفٌ کے ذیل میں آجائینگے۔ لیکن اس کے ساتھ اس شرط کو بھی پیش نظر رکھئے کہ ان میں سے کوئی چیز قرآن کریم کے اصول و احکام کے خلاف نہیں ہونی چاہئے ۔ ایسی بات منکر ہو جائیگی (دیکھئے عنوان ن ۔ ک ۔ ر) ۔

قرآن کریم میں ایک مقام پر اَلْاَعْرَافُ کا بھی ذکر آتا ہے ۔ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ (۷/۴۶) ۔ عام طور پر اَعْرَافٌ اس مقام کو کہا جاتا ہے جو جنت اور دوزخ کے بین بین ہے اور ان لوگوں کو اعراف والے سمجھا جاتا ہے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر برابر ہونگی اور ان کا معاملہ ہنوز طے نہیں ہوا ہوگا کہ اُنہیں کدھر بھیجا جائے ۔ لیکن یہ مفہوم درست نہیں ۔ قرآن کریم میں صرف اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اور اَصْحٰبُ النَّارِ کے دو گروہوں ہی کا ذکر ہے ۔ کسی ایسے (تیسرے) گروہ کا ذکر نہیں جو بین بین معلق ہو۔ دوسرے یہ کہ ان اہل اعراف کا مقام اتنا بلند بتایا گیا ہے کہ وہ تمام اہل جنت اور اہل جہنم کو انکی نشانیوں سے پہچانتے ہونگے ۔ لہذا بلندی کے اعتبار سے (جو اَعْرَافٌ کا صحیح مفہوم ہے ۔ یعنی بلند مقامات*)۔ یہ طبقہ بلند ترین انسانوں کا ہے ۔ یہ حضرات اپنے اپنے گروہوں پر بطور شاہد حامنے آئینگے (۲/۱۴۳) ۔ یہ گروہ ، اَصحٰب الجنہ میں سے غالباً وہ طبقہ ہے جسے اَلسّٰبِقُوْنَ اور اَلْمُقَرَّبُوْنَ کہکر پکارا گیا ہے (۵۶/۱۰-۱۱)۔ یہ وہ جماعت مومنین ہے جسے شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (۲/۱۴۳) کہا گیا ہے ۔

*ابن قتیبہ (القرطبی - ج/۱ صفحہ ۱۷۸) ۔

حج کے اجتماع میں عَرَفَات کا بھی ذکر ہے (۲/۱۹۸) - یہ وہ میدان ہے جس میں تمام دنیا کی ملت اسلامیہ کے نمائندوں کا باہمی تعارف ہوتا ہے -

سورۃ محمد میں جنت کے متعلق ہے ، عَرَّفَهَا (۴۷/۶) - راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں وہ جنت جسے ان کے لئے خوشگوار بنایا گیا ہے - اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ جنت ان کی جانی پہچانی ہے ، کیونکہ اس کا تعارف قرآن کریم نے کرا دیا ہے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے جنت کو خوشبو سے بسا دیا - لیکن اس کے معنے متعارف کے زیادہ موزوں نظر آتے ہیں -

ع ر م

عَرَمُ الْجَيْشِ - لشکر کی تندی و تیزی ، شدت اور کثرت - اَلْعَرَامُ مِنَ الرِّجَالِ - آدمی کی تندی و درشتی ، سختی اور اذیت رسانی - اَلْعَرِمُ - بند یا دیگر رکاوٹیں جو وادیوں میں بنا دی جائیں - نیز سخت بارش جسے برداشت نہ کیا جاسکے *-

قرآن کریم میں سَيْلَ الْعَرِمِ (۳۴/۱۶) آیا ہے - جسکے معنی نہایت تند و تیز سیلاب کے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی سختی اور تیزی کے ہیں -

ع ر و

عُرْوَةٌ - بیری وغیرہ کی قسم کی خار دار جھاڑیوں یا پیلو کی قسم کے درختوں کا جھنڈ (جن کی جڑیں زمین میں پائیدار رہتی ہوں اور) جن کے پتے سردی میں بھی نہ گریں - چنانچہ جب جانوروں کے لئے کوئی اور چارہ نہ رہے تو یہی درخت ان کی جان بچاتے ہیں - ان پر ہر موسم میں اعتماد کیا جا سکتا ہے - اس نہج سے ہر وہ شے جس پر بھروسہ کیا جا سکے عُرْوَةٌ کہلاتی ہے - نیز ڈول وغیرہ کا دستہ جس سے اسے پکڑا جائے عُرْوَةٌ کہلاتا ہے ** - ہر وہ سہارا جسے پکڑ کر کوئی لٹک جائے *** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چمٹے رہنے اور جم کر باقی رہنے کے ہیں - اسی جہت سے عُرْوَةٌ کاج کو بھی کہتے ہیں جس میں بٹن اٹکا رہتا ہے -

سورہ بقرہ میں خدا پر ایمان کو اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى (۲/۲۵۶) کہا ہے - یعنی ایسا محکم آسرا جس پر کامل بھروسہ کیا جا سکے - زندگی کا ایسا قانون

* تاج - محیط - راغب - **تاج - ***راغب -

جو اپنی نتیجہ خیزی میں کبھی خطا نہ کرے۔ جسکی محکمیت پر پورا پورا اعتماد ہو۔ جو کبھی دغا نہ دے۔ جو راستہ ہی میں نہ ٹوٹ جائے۔

عَرَاہُ۔ اِعْتَرَاہُ۔ اس کے سامنے آیا۔ پیش آیا۔ یعنی وہ بات اس کے سامنے اسطرح آگئی کہ اس کے اور اس بات کے درمیان کوئی آڑ نہ رہی**۔ سورہ ہود میں ہے اِعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ (۱۱/۵۴)۔ "ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تجھ پر کوئی مصیبت ڈال دی ہے"۔

ع ر ی

اَلْعُرْیُ۔ ننگا ہونا۔ عَرِیَ۔ یَعْرٰی۔ عُرْیاً۔ ننگا ہونا*۔ قرآن کریم میں ہے لَا تَعْرٰی (۲۰/۱۱۸)۔ تو ننگا نہ رہیگا۔ لباس کی محتاجی نہ ہوگی۔ جنتی معاشرہ میں جو بنیادی ضروریات ہر ایک کو میسر ہونگی ان میں لباس بھی ہے۔ (نیز کھانا پینا اور مکان (۲۰/۱۱۸-۱۹))۔ اَلْعَرَاءُ۔ کھلی جگہ جہاں کوئی چیز آڑ کے لئے نہ ہو*۔ قرآن کریم میں ہے فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاءِ (۳۷/۱۴۵)۔ ہم نے اسے کھلے میدان میں ڈال دیا۔ نیز نُبِذَ بِالْعَرَاءِ (۶۸/۴۹)۔ اَلْعَرَصٰی کے معنے ہیں کنارہ، گوشہ، صحن، آنگن نیز دیوار۔ اَعْرَاءُ الْاَرْضِ۔ زمین کے ابھرے ہوئے حصوں کو کہتے ہیں*۔

[عَرَاہُ اور اِعْتَرَاہُ کے لئے دیکھئے عنوان ع۔ ر۔ و]

ع ز ب

عَزَبَ۔ یَعْزُبُ۔ غائب ہو جانا۔ پوشیدہ ہو جانا۔ دور ہو جانا۔ چلا جانا۔ اَلْمِعْزَابُ۔ وہ آدمی جو اپنے جانوروں کو لیکر لوگوں سے بہت دور چراگاہ میں چلا جائے۔ اَلْعَزِیْبُ۔ وہ آدمی جو اپنے اہل و عیال سے بہت دور چلا جائے۔ اِبِلٌ عَزِیْبٌ۔ وہ اونٹ جو شام کو اپنے گھروں پر نہ آئیں***۔

قرآن کریم میں ہے وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ ..... (۱۰/۶۱) تیرے رب (کے علم) سے کوئی چیز بھی چھپی نہیں رہ سکتی۔ دور نہیں جاسکتی۔ غائب نہیں ہوسکتی۔ یعنی خدا کے قانون کی دسترس سے کوئی چیز باہر نہیں رہ سکتی۔

ع ز ر

اَلْعَزْرُ کے بنیادی معنی کسی کو روکنے (منع کرنے) کے ہوتے ہیں۔ عَزَرْتُ الرَّجُلَ۔ میں نے اس آدمی کو روک دیا۔ اسی سے تَعْزِیْرٌ

* تاج۔ ** راغب۔ *** تاج۔ محیط۔ راغب۔

کے معنی تادیب کے آتے ہیں ۔ یعنی کسی کو حد شرعی سے کم سزا دینا تاکہ وہ آئندہ جرم سے رک جائے ۔ چونکہ یہ تادیبی کاروائی درحقیقت اُس آدمی کی اصلاح کے لئے ایک قسم کی مدد ہوتی ہے ، اس لئے اَلتَّعْزِیْرُ نصرت کو بھی کہتے ہیں جس میں تعظیم کا جذبہ شامل ہو** ۔ قرآن کریم میں ہے وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ (۵/۱۲) ۔ تم نے ان کی مدد کی تعظیم کے ساتھ ۔ صاحب تاج العروس نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں قوت بہم پہنچانا ۔ تلوار اور زبان سے مدد دینا * ۔ ابن فارس نے اسکے بنیادی معنوں میں تعظیم ونصر اور تعزیر (مار کی سزا) دونوں لکھے ہیں ۔

سورہ اعراف میں ہے فَالَّذِیْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ (۷/۱۵۷) ۔ اور سورہ فتح میں ہے لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (۴۸/۹) ۔ ان آیات میں مومنین سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے رسول ؐ کی مدد کریں (نصرت) ۔ تعظیم کریں (توقیر) ۔ اور عَزَّرُوْهُ ۔ اس کے معنی ہیں رسول ؐ کی ایسی مدافعت کرنا جس سے اس کی ذات اور اس کا پیغام تمام شرپسند عناصر کی تخریب سے محفوظ رہے ۔ یعنی رسول اللہ ؐ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہونے دی جائے جس سے حضور ؐ کی ذات پر کسی قسم کا طعن آئے یا آپ ؐ کی تعظیم پر کوئی اعتراض وارد ہو۔

ع ز ز

اَلْعِزُّ ۔ قوت ۔ شدت ۔ غلبہ ۔ رفعت اور حفاظت کو کہتے ہیں ۔ بصائر میں ہے کہ عِزَّةٌ اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان کو مغلوب ہونے سے محفوظ رکھے ۔ (یعنی اپنے اندر ایسی سختی پیدا ہو جانا کہ کسی کے دبائے سے دب نہ سکے) ۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے اس کے معنی صلابت اور شدت کے لکھے ہیں ۔ اسلئے کہتے ہیں اِسْتَعَزَّ الرَّمْلُ ۔ ریتیلا ٹیلہ اپنی جگہ پر مستحکم رہا اور ڈھیلا ہو کر نیچے نہیں گرا *** ۔ اَلْمَعْزُوْزَةُ سخت زمین ۔ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر بارش ہونے سے اسکی مٹی یا ریت جم جائے اور وہ سخت ہو جائے ۔ تَعَزَّزَتِ النَّاقَةُ ۔ اونٹنی کے تھنوں کے سوراخ تنگ ہوئے اور ان سے مشکل سے دودھ نکلا ۔ تَعَزَّزَ اللَّحْمُ ۔ گوشت سخت ہوا ۔ لہذا عَزَّهٗ یَعِزُّهٗ کے معنی ہیں کسی پر غالب آجانا ۔ اسے اپنی صلابت اور سختی کی وجہ سے زیر کر لینا (۳۸/۲۳) ۔ اسلئے اَلْعَزِیْزَةُ ۔ عقاب کو کہتے ہیں *** ۔ عَزَّ کے معنی ہیں قوی ہوا ۔ عَزَّزَهٗ ۔ اسے تقویت دی (۳۶/۱۴)

* تاج ۔ ** راغب ۔ ***تاج و محیط ۔

عَزَّ عَلَیَّ اَنْ تَفْعَلَ کَذَا - مجھ پر یہ بات بڑی ہی گراں گذری کہ تم ایسا کرو*۔

قرآن کریم میں یہ لفظ ذِلَّۃٌ کے مقابلہ میں آیا ہے (۳/۲۵) اور اسکے معنی بتائے ہیں قوت و اختیار کا ملجانا (۳/۲۵) - سورہ کہف میں اَعَزُّ نَفَرًا (۱۸/۳۴) آیا ہے - یعنی قبیلہ اور جتھے کے اعتبار سے میں زیادہ صاحب اقتدار ہوں - سورہ ص میں ہے فِیْ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ (۳۸/۲) - قرآن کریم کی مخالفت کرنے والے اپنی قوت کے نشہ میں بد مست ہو کر اسکی مخالفت پر اتر آئے ہیں - سورہ التوبہ میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ (۹/۱۲۸) - جس بات سے تمہیں تکلیف پہنچے وہ اس پر سخت شاق گزرتی ہے -

قرآن کریم میں خدا کیلئے اَلْعَزِیْزُ آیا ہے - (۲/۱۲۹) - یعنی کائنات میں غلبہ و اقتدار صرف اسیکے قانون کو حاصل ہے اور کوئی طاقت ایسی نہیں جو اسکے قانون پر غالب آسکے - انسانی معاشرہ میں اس قسم کا غلبہ و اقتدار اس جماعت کو حاصل ہو سکتا ہے جو ایک مرکز کے ماتحت، قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے (۶۳/۸) - جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے : اقتدار اور غلبہ صرف خدا کیلئے ہے - لیکن اس نے ایسے قوانین بنا دئے اور بتا دئے ہیں جنکے مطابق چلنے سے انسان کو بھی اپنے دائرے میں غلبہ اور اقتدار حاصل ہو جاتا ہے - یہ قوانین طبعی دنیا سے بھی متعلق ہیں اور انسان کی معاشرتی اور اجتماعی زندگی سے بھی متعلق - جو قوم ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرے گی اسے غلبہ و اقتدار حاصل ہو جائیگا - یہ معنی ہیں وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ (۳/۲۵) کے - یعنی اللہ اپنے قانون مشیت کے مطابق عزت اور ذلت عطا کرتا ہے - یونہی اندھا دھند کچھ نہیں ہوجاتا -

سورہ یوسف میں اَلْعَزِیْزُ (۱۲/۳۰) وہاں کے رئیس کے لئے آیا ہے - یعنی صاحب اقتدار - اسی رئیس کی بیوی نے حضرت یوسفؑ پر ڈورے ڈالنے چاہے تھے - اس عورت کا نام قرآن کریم میں نہیں آیا - اسے صرف اِمْرَاَتُ الْعَزِیْزِ کہا گیا ہے - (۱۲/۳۰) یعنی عزیز کی عورت -

اَلْعُزّٰی (۵۳/۱۹) ایک بت کا نام ہے جسکی عہد جاہلیت میں قبیلہ غطفان پرستش کرتے تھے - (یہ لفظ اَلْاَعَزُّ کا مؤنث بھی ہے)-

* تاج و محیط -

اَلْعُزّٰی

عرب کے زمانہ جاہلیت میں ، قبیلہ غطفان کا ایک بت تھا ۔ (۵۳/۱۹) (دیکھئے عنوان ع ۔ ز ۔ ز)

ع ز ل

عَزَلَہٗ عَنِ الْعَمَلِ وَعَزَّلَہٗ ۔ اسے کام سے الگ کر دیا ۔ فَاعْتَزَلَ ۔ پس وہ الگ ہو گیا ۔ یعنی اسے ایک طرف ہٹا دیا اور وہ ہٹ گیا ۔ مَعْزُوْلٌ ۔ الگ کیا ہوا ۔ ہٹایا ہوا ۔ اَلْعُزْلَۃُ ۔ الگ ہو جانا ۔ علیحدگی ۔ اَلْاِعْتِزَالُ ۔ کسی چیز کا ایک طرف ہو جانا ۔ اَلْعَزْلُ ۔ ضبط ولادت کے لئے مادۂ تولید کو رحم تک نہ پہنچنے دینا * ۔

سورہ کہف میں ہے وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْھُمْ (۱۸/۱۶) ۔ جب تم ان سے الگ ہو گئے ۔ سورہ شعراء میں ہے اِنَّھُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (۲۶/۲۱۲) ۔ وہ سننے سے الگ ہٹا لئے گئے ۔ سننے سے روک دئے گئے ۔ سورہ ہود میں ہے وَکَانَ فِیْ مَعْزِلٍ (۱۱/۴۲) ۔ وہ ان لوگوں سے ہٹ کر کسی الگ جگہ میں تھا ۔ سورہ احزاب میں ہے مِنْھُنَّ عَزَلْتَ (۳۳/۵۱) ۔ جن سے تو نے علیحدگی اختیار کی تھی ۔ سورہ بقرہ میں ہے کہ حیض کے دوران میں فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ ۔ عورتوں سے الگ رہو ۔ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰی یَطْھُرْنَ (۲/۲۲۲) ۔ اس کے معنی واضح ہو گئے ۔ یعنی جب تک وہ حیض سے پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ ۔

ع ز م

اِعْتَزَمَ الرَّجُلُ ۔ وہ دوڑنے ، چلنے نیز دیگر امور میں درمیانہ روی پر قائم رہا ۔ اِعْتَزَمَ الطَّرِیْقَ ۔ وہ راستہ پر بغیر مڑے سیدھا چلتا چلا گیا ۔ عَزَمَ عَلَی الْاَمْرِ وَاعْتَزَمَ عَلَیْہِ ۔ کسی کام کو قطعی طور پر کرنے کا ارادہ کیا ۔ اس اعتبار سے عَزْمٌ اور عَزِیْمَۃٌ کے معنی ہیں کسی بات کا فیصلہ کر کے اس پر پختگی سے جم جانا ۔ مَالِفُلَانٍ عَزِیْمَۃٌ ۔ فلاں آدمی کسی بات پر جمتا ہی نہیں ۔ اَلْعَزَمَۃُ ۔ ارادے کا دھنی ۔ شیر * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی معاملہ کو حتمی اور قطعی کرنے کے ہوتے ہیں ۔

---

* تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔

سورہ بقرہ میں ہے وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ (۲/۲۲۷) - اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں - سورہ طٰہٰ میں آدم کے متعلق ہے وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (۲۰/۱۱۵) - ہم نے اس میں ارادہ کی پختگی نہیں پائی - سورہ بقرہ میں ہے وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ (۲/۲۳۵) - تم نکاح کی گرہ کو پختہ مت کرو - اُولُوا الْعَزْمِ (۴۶/۳۵) - عزم و استقلال والے - عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۴۲/۴۳) - معاملات میں پختگی اور عزیمت -

قرآن کریم نے حضرات انبیاء کرام اور مومنین کی صفت یہ بتائی ہے کہ وہ صاحب عزیمت (بڑی ہمت اور استقلال کے مالک) ہوتے ہیں - اور ان کے عزائم بڑے بلند ہوتے ہیں - لیکن اب عَزِيْمَةٌ کے معنے ہیں تعویذ ، اور عَزَائِمُ الْقُرْاٰنِ کے معنی ہیں قرآن کریم کی آیات جن سے تعویذ لکھے جاتے ہیں اور جھاڑ پھونک کی جاتی ہے ** - اور اَلْمُعَزِّمُ کے معنی ہیں جھاڑ پھونک کرنے والا ** -

ع ز و

اَلْعِزَةُ - لوگوں کا گروہ - جماعت - فرقہ - اسکی جمع (حالت رفعی میں) عِزُوْنَ اور (حالت نصبی اور جری میں) عِزِيْنَ آتی ہے - یعنی جماعتیں جو متفرق ہوں* - (۱۵/۹۰) - راغب کا خیال ہے کہ یہ عَزَوْتُهٗ سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں منسوب کیا ** - اس طرح یہ لفظ ایسی جماعت کیلئے بولا جائیگا جو کسی کی طرف منسوب ہو، لیکن راغب ہی نے دوسرا خیال یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ عَزَاءٌ سے مشتق ہے جسکے معنے صبرو تسلی حاصل کر لینے کے ہیں ** - اس طرح اس سے مراد وہ جماعت بھی ہو سکتی ہے جو کسی خاص عقیدہ وغیرہ پر مطمئن ہو ، یا وہ جماعت جسکے افراد آپس میں ایک دوسرے سے صبرو تسلی حاصل کر لیتے ہوں - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی منسوب ہونے اور وابستہ ہونے کے لکھے ہیں -

عزیر

سورۃ توبہ میں ہے وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨ ابْنُ اللّٰهِ (۹/۳۰) - ''یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے'' -

عزیر یہودیوں میں بڑی عظیم شخصیت کے مالک ہیں - جب یہودی بابل کی اسیری کے بعد ، یروشلم میں واپس آئے تو کتاب مقدس (تورات کا

* تاج و محیط - ** راغب -

مجموعۂ کتب) ان سے ضائع ہو چکا تھا ۔ کتاب یحمیاہ ۔ (باب ۸) میں تفصیلاً بتایا گیا ہے کہ تورات کے سلسلۂ اول کی پانچ کتابوں کو عزرا نبی (یا عزرا فقیہ) نے دوبارہ مرتب کیا ۔ موجودہ تورات میں خود کتاب عزرا بھی موجود ہے جس میں عزرا نبی نے بتایا ہے کہ انہوں نے ان کتابوں کو کیسے از سر نو مرتب کیا ۔ یہ قریب ساڑھے چار سو سال قبل مسیح کا واقعہ ہے (تفصیل میری کتاب ''معراج انسانیت'' کے باب اول ''ظَهَرَ الْفَسَادُ'' میں ملے گی) ۔

یہود لٹریچر میں ان کے متعلق بڑے مبالغہ آمیز بیانات ملتے ہیں ۔ جیوئش انسائیکلو پیڈیا نے تو یہاں تک لکھدیا ہے کہ اگر حضرت موسٰی پر شریعت نازل نہ ہوئی ہوتی تو عزیر پر نازل ہوتی ۔

قرآن کریم نے ان کا مزید تعارف نہیں کرایا ۔ نہ ہی زمرۂ انبیائے کرام میں ان کا نام لیا ہے ۔ اس لئے ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ آپ (قرآن کی اصطلاح میں) نبی تھے یا نہیں ۔ یہودیوں کے ہاں ''نبی'' ہیکل کے ایک بڑے منصب دار کو کہتے تھے جس کا کام کہانت ہوتا تھا ۔

''ابنیت عزیر'' کا سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ اس لئے کہ یہودی قرآن کریم کے اس بیان کو چیلنج کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی عزیر نبی کو ابن اللہ نہیں مانا ۔ ہمارے ہاں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ مدینہ میں کچھ یہودی اس قسم کا اعتقاد رکھتے تھے۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ یہودیوں کا صدوق فرقہ جو یمن میں تھا اس کا یہ عقیدہ تھا*۔ لیکن یہودیوں کا کہنا ہے کہ یہ روایات ان کے لئے سند نہیں قرار پا سکتیں۔ یہودیوں کے موجودہ لٹریچر سے بھی ان کے اس عقیدہ کی شہادت نہیں ملتی ۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہودی (اور نصرانی) لٹریچر میں جس طرح مسلسل رد و بدل ہوتا چلا آ رہا ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے پہلے ان کے ہاں اس قسم کا عقیدہ موجود ہو اور بعد میں انہوں نے اسے اپنی کتابوں سے خارج کر دیا ہو۔ نیز ہمارے زمانے میں جس انداز سے عہد قدیم کے تاریخی انکشافات ہو رہے ہیں ان کے پیش نظر کون کہہ سکتا ہے کہ کل کو کونسی تاریخی حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آنے والی ہے؟ اس حقیقت کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ (فرعون کی لاش کی طرح) مزید تحقیقات کے بعد یہودیوں کے اس عقیدہ کی بھی نقاب کشائی ہو جائے ۔

*(ارض القرآن سید سلیمان ندوی) ۔

لیکن حال ہی میں بعض محققین کا خیال اس طرف گیا ہے کہ قرآن کریم نے جس عزیر کے متعلق کہا ہے کہ یہودی اسے ''ابن اللہ'' مانتے تھے ، اس سے مراد عزرا نبی نہیں بلکہ مصر کا ''عزیر دیوتا'' ہے جس کی وہاں پرستش ہوتی تھی اور انہی کی دیکھا دیکھی یہودیوں نے بھی اس کی پرستش شروع کر دی تھی ۔ ہیرو ڈوٹس نے ، آج سے قریب اڑھائی ہزار سال قبل ، اس دیوتا کا نام (Osiris) یعنی عزیرس لکھا ہے ۔ یونان میں اسماء کے بعد ''س'' ہمیشہ زائد ہوتی ہے ۔ اس صورت میں اس دیوتا کا اصل نام عزیر ہے جو قرآنی عزیر کے بالکل مشابہ ہے ۔ مصر کے آثار قدیمہ میں اس کا نام ''ایزاری'' آیا ہے ۔ اسکے نام پر جو سانڈ بیل پوجا جاتا تھا اس کا نام ''ایزار ھاپی'' ۔ یعنی عجل عزیر تھا ۔ اس بچھڑے کو عزیر کی روح کا مظہر اور ''فتاح'' یعنی خالق خدا کا اوتار اور بیٹا (ابن اللہ) مانا جاتا تھا ۔ مصر سے یہ اعتقادات نکل کر شام اور فلسطین کے علاقوں میں پھیل چکے تھے اور یہی وہ عجل (بچھڑا) تھا جس کی پرستش یہودیوں نے حضرت موسٰے ؑ کی غیر حاضری میں شروع کردی تھی (اس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے) ۔ حضرت موسٰے ؑ نے یہود کو اس گوسالہ پرستی سے روک دیا لیکن آپ ؑ کے بعد اس کی پرستش دوبارہ شروع ہوگئی ۔ چنانچہ یہودیوں کی سلطنت کی تقسیم کے بعد ، شمالی سلطنت کے بادشاہ یروبعام اول (۹۳۳ ق ۔ م) نے عجل پرستی کو شاہی مذہب قرار دے دیا اور سونے کے دو بچھڑے بنا کر ان کی پرستش عام کردی ۔ یہی وہ عزیر دیوتا ہے جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے ۔ موجودہ زمانے میں بائبل کے عبرانی نسخوں کے تراجم کی جو تصحیح ہوئی ہے اس کے پیش نظر اب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ بائبل میں بھی بنی اسرائیل کی عزیر پرستی کا ذکر موجود تھا لیکن (غلطی سے) لفظ عزیر کو ''اسیر'' سمجھ کر اس کا ترجمہ ''قیدی'' کردیا گیا ۔ اب لیگارڈ نے اپنے یونانی ترجمہ میں اس کی تصحیح کی ہے ۔

مصر کے آثار قدیمہ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ دنیا میں غالباً سب سے پہلے، عزیر ہی کو ابن اللہ مانا گیا ہے ۔ چنانچہ کم و بیش چار ہزار سال قبل مسیح ، عزیر کے متعلق یہ اعتقاد ملتا ہے کہ یہ دیوتا خداوند اعلٰے ''آمن رع'' کی نسل سے اور خداوند ارض کا بیٹا تھا ۔ مصر سے اب ایک صحیفہ بھی برآمد ہوا ہے جس میں عزیر کے حالات درج ہیں ۔

ان تصریحات سے ذہن کا رخ اسی طرف جاتا ہے کہ عزیر سے مراد مصر کا دیوتا ہے نہ کہ عزرا نبی ۔ بہر حال ، یہ تاریخی قیاسات ہیں ۔ ہوسکتا ہے کہ بعد میں مزید انکشافات حقیقت کو حتم و یقین کے ساتھ بے نقاب کردیں۔

ہمارا ایمان بہرحال یہ ہے (اور یہی ہونا چاہئے) کہ قرآن کریم نے جو کچھ کہا ہے وہ حرفاً حرفاً سچ ہے اور اگر کسی زمانے تک کا علم انسانی اس کے کسی بیان کی تصدیق نہیں کرتا تو یہ علم کی کوتاہ دستی کا قصور ہے نہ کہ قرآن کریم کے نخیل بلند کا گناہ*۔

ع س ر

اَلْعُسْرُ ۔ یہ یُسْرٌ کے مقابلہ میں آتا ہے جس کے معنی نرمی، کشادگی، فارغ البالی کے ہیں (دیکھئے عنوان ی۔س۔ر) لہذا عُسْرٌ کے معنی تنگی، سختی، مصیبت، مشقت، کے ہیں** ۔ (۲/۱۸۵ ؛ ۹۲/۵) ۔ سورہ الفرقان میں ہے وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا (۲۵/۲۶)۔ وہ دن کافرین کے لئے بڑی سختی کا ہوگا۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ معاملات میں کشادہ روئی کی کمی، اور اخلاق کی تنگی، ہو جانے کو بھی عُسْرٌ کہتے ہیں *** ۔ سورہ طلاق میں ہے وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ (۶۵/۶) ۔ اگر تم ایک دوسرے سے تنگی محسوس کرو۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی سختی اور شدت کے ہوتے ہیں ۔ اگر سُوت الجھ جائے اور سلجھ نہ سکے تو کہینگے قَدْ تَعَسَّرَ الغَزْلُ ۔ تنگ حالی اور تنگدستی کو عُسْرَةٌ کہتے ہیں ۔

قرآن کریم نے آسانیاں حاصل کرنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ تم مشکلات کا سامنا کرو۔ جو مشکلات کا سامنا نہیں کرتا اسے آسانیاں نصیب نہیں ہو سکتیں ۔ (۹۴/۵) ۔ زندگی جہد مسلسل کا نام ہے ۔ یہ نہیں کہ جب یُسر (آسانیاں) مل جائیں تو انسان مطمئن ہو کر بیٹھ جائے ۔ اُسوقت بھی انسان کے سامنے مشکلات آئینگی جن پر غلبہ پانے کے لئے اسے سعی وعمل کی ضرورت ہوگی ۔ حیات جاوداں اندر ستیزاست ۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۹۴/۵،۶) ۔ یقیناً تنگی کے ساتھ آسانی ہے ۔ فی الواقعہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے ۔

---

*اس عنوان میں ہم نے شیخ عبد القادر صاحب کے ایک مقالہ سے مدد لی ہے جو رسالہ الفرقان کی اگست ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا ۔ مقالہ نگار نے اپنے مضمون میں انسائیکلو پیڈیا برٹانکا (لفظ Apis) ۔ لے گیسی آف ایجپٹ (Glanuille) اولی ہسٹری آف ایجپٹ (Sidney Smith) ۔ اور آکسفورڈ جونیئر انسائیکلو پیڈیا کے حوالے دئے ہیں ۔ **تاج ۔ *** محیط۔

ع س ع س

عَسْعَسَ اللَّيْلُ ۔ رات آئی یا ختم ہو گئی۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی گذر جانے کے ہیں، اور دوسروں کا خیال ہے کہ یہ لفظ اضداد میں سے ہے اور اسکے معنی آنے اور چلے جانے دونوں کے آتے ہیں۔ چنانچہ صاحب لطائف اللغۃ نے بھی اسے اضداد میں سے کہا ہے۔ لغت میں العَسْعَسَۃُ کے معنی تاریکی کے ہلکا ہونے کے بھی ہیں اور یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب رات جانے والی اور صبح آنے والی ہو، یا دن جانے والا اور رات آنے والی ہو*۔ ابن فارس نے عَسْعَسَ کے معنے آنے ہی کے لکھے ہیں اور کہا ہے کہ جانے کے لئے جو عَسْعَسَ بولا جاتا ہے وہ دراصل سَعْسَعَ ہے۔ عَسْعَسَ اللَّشْيءَ ۔ اسنے اس چیز کو حرکت دی۔ عَسْعَسَ الذِّئْبُ ۔ بھیڑیا رات میں گھوما* ۔ قرآن کریم میں ہے وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ (۸۱/۱۷) اسکے معنی رات کی تاریکی جانے کے ہی ہونگے کیونکہ اس سے آگے وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (۸۱/۱۸) ہے۔ یعنی طلوع فجر۔ قرآن کریم نے ان مظاہر فطرت کو شہادت میں پیش کرنے کے بعد کہا ہے کہ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (۸۱/۱۹) یہ ایک صاحب عزت و تکریم رسولؐ کی (زبان سے تم تک پہنچی ہوئی) بات ہے۔ یعنی جسطرح فطرت کے قوانین خدا کے متعین فرمودہ اور اٹل ہیں اسی طرح قرآنی حقائق بھی خدا کے نازل کردہ اور غیر متبدل ہیں۔

ع س ل

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) اضطراب اور (۲) شہد کے ہیں۔ اول الذکر کے اعتبار سے ہلنے والے لچکدار نیزہ کو رُمْحٌ عَسَّالٌ کہتے ہیں۔ نیز جو بلبلے ہوا کے زور سے سطح آب پر چلنے لگ جائیں انہیں اَلْعَسَلُ کہتے ہیں۔ العَسَلُ شہد کو کہتے ہیں۔ اَلْعَسَّالُ ۔ شہد کا چھتہ توڑنے والا۔ عَسَّلَ اللّٰهُ فُلَانًا ۔ خدا فلاں آدمی کو لوگوں میں محبوب بنائے۔ اَلْعَسَلُ وَالْعَنْسَلُ ۔ تیز رفتار اونٹنی۔ اَلْعَسَلُ نیک اور صالح لوگ۔ اَلْعَاسِلُ ۔ نیک عمل انسان جسکی تعریف بھلی اور شیریں سمجھی جائے۔ هُوَ عَلَى أَعْسَالِ مِنْ أَبِيهِ ۔ وہ اپنے باپ کی خصوصیات کا حامل ہے***۔

قرآن کریم میں جنت کی انہار کے متعلق ہے۔ أَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى (۴۷/۱۵) ۔ عام معنی ہیں صاف کردہ شہد کی نہریں۔ لیکن چونکہ یہ

* تاج ۔ ** محیط۔ *** تاج ۔ محیط ۔ راغب۔

سب بیان تمثیلی ہے (مَثَلُ الْجَنَّةِ .... ۴۷/۱۵) اسلئے اس سے مراد پاکیزہ، شیریں اور قابل ستائش اوصاف و خصوصیات بھی ہو سکتے ہیں۔ ویسے اس دنیا کے جنتی معاشرہ میں رزق کی فراوانیاں بھی مقصود ہیں۔ ''وہاں دودھ کی نہریں بہتی ہیں'' انتہائی فراوانی کے لئے بولا جاتا ہے۔

عسیٰ

عَسٰی۔ یہ عام طور پر ان معنوں میں آتا ہے جن معنوں میں ہم اپنے ہاں کہتے ہیں (۱) قریب ہے کہ ایسا ہو جائے۔ (۲) امید ہے کہ ایسا ہو جائے۔ (۳) ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ..... (۴) شاید ایسا ہو جائے۔ مثلاً عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً۔ (۱۷/۷۹) قریب ہے یا امید ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود پر کھڑا کر دے۔ یا مثلاً سورہ تحریم میں ہے عَسٰی رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ ..... (۶۶/۵)۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ اگر وہ تمہیں طلاق دیدے تو اس کا رب اُسے تم سے بہتر بیویاں دیدے۔ یا عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ (۲/۲۱۶)۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز نا پسند ہو لیکن وہ درحقیقت تمہارے فائدے کی ہو۔ دوسری جگہ اسی سورۃ میں ہے۔ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا (۲/۲۴۶)۔ تم سے کچھ بعید نہیں کہ اگر تم پر جنگ کرنا ضروری قرار دیدیا جائے تو تم جنگ نہ کرو۔ یا اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ''کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر .....

ع ش ر

اَلْعَشَرَةُ وَالْعَشْرُ۔ دس۔ اَلْعِشْرُوْنَ۔ بیس۔ اَلْعَشِیْرُ وَالْعُشْرُ۔ دسواں حصہ *۔ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ (۱۱/۱۳)۔ دس سورتیں لاؤ۔

عَاشَرُوْا۔ وہ لوگ مل جل کر رہے *۔ یہیں سے مُعَاشَرَةٌ ہے۔ عَشِیْرَةُ الرَّجُلِ کے معنی ہیں آدمی کے باپ کی قریبی اولاد یا قبیلہ۔ راغب نے اس کے معنے آدمی کے اقرباء پر مشتمل جماعت لکھے ہیں۔ اَلْمَعْشَرُ۔ جماعت۔ گروہ *۔

* تاج۔

ذَهَبَ الْقَوْمُ عَشَارَیَاتٍ ۔ قوم ہر طرف متفرق ہو کر منتشر ہو گئی ** ۔ عَشِیْرَۃٌ* (۲۶/۲۱۴) قبیلہ ۔ کنبہ ۔ نیز ساتھ رہنے والے ۔ اَلْعَشِیْرُ (۲۲/۱۳) رفیق ۔ ساتھی ۔ مَعْشَرٌ* (۵۵/۳۳) جماعت ۔ گروہ ۔ مِعْشَارٌ* (۳۴/۴۵) دسواں حصہ ۔ عِشَارٌ* (۸۱/۴) دس ماہ کی گابھن (حاملہ) اونٹنیاں ۔ عَاشَرَ (۴/۶۶) ۔ مل جل کر رہنا ۔ سہنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) دسواں (۲) باہمی اختلاط ہیں ۔

ع ش و (ع ش ی)

اَلْعَشَا ۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا آجانا ۔ اندھا ہو جانا* ۔ عَشَا عَنْہُ ۔ وہ اسکی طرف سے پلٹ کر کسی دوسرے کی طرف مائل ہو گیا ۔ اس سے اعراض برتا** ۔ چنانچہ سورۃ زخرف میں ہے وَ مَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ . . . . . (۴۳/۳۶) ۔ جو خدائے رحمٰن کے قانون سے آنکھیں پھیر لے ۔ جو اس کی طرف سے ہٹ کر کسی دوسرے قانون کو اختیار کرلے ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں جو خدا کے ذکر سے آنکھیں بند کرلے ۔ اس کی طرف سے اندھا ہو جائے*** ۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے ۔ یعنی قانون خداوندی سے اعراض برتنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دھندلکا (روشنی کا کم ہو جانا) ۔ اور کسی چیز کا کم واضح ہونا ہیں ۔

اَلْعِشَاءُ ۔ عام طور پر اس سے مراد رات سمجھی جاتی ہے لیکن اس کا اطلاق مختلف اوقات پر ہوتا ہے ۔ مثلاً ابتدائی تاریکی، مغرب سے عشاء کیوقت تک ۔ زوال آفتاب سے طلوع فجر تک کا وقت ۔ اَلْعَشِیُّ وَ الْعَشِیَّۃُ ۔ دن کا آخری حصہ ۔ مغرب سے عشاء کے وقت تک ۔ اَلْعَشِیُّ ۔ زوال آفتاب سے صبح تک کا وقت ۔ زوال آفتاب سے غروب آفتاب ۔ کبھی عَشِیٌّ سے مراد رات بھی ہوتی ہے کیونکہ اس مادہ میں عِشَاءٌ* کے معنی تاریکی کے ہیں ۔ شام کے کھانے کو اَلْعَشَاءُ کہتے ہیں ۔ صَلَاتَا الْعَشِیِّ سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں ۔ لیکن اَلْعِشَا آن ۔ مغرب اور عشاء کی نمازوں کو کہتے ہیں**** ۔

سورۃ آل عمران میں ہے وَ سَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِبْکَارِ (۳/۴۱) ۔ یہاں عَشِیٌّ بمقابلہ اِبْکَارٌ* (دن کا پہلا حصہ) آیا ہے ۔ سورۃ النّٰزِعٰت میں عَشِیَّۃٌ اَوْ ضُحٰھَا (۷۹/۴۶) آیا ہے ۔ یعنی صبح کے مقابلہ میں شام ۔ سورۃ صٓ میں عَشِیٌّ کا لفظ (۳۸/۳۱) دن کے پچھلے حصے کے لئے آیا ہے ۔ سورۃ روم میں عَشِیًّا کا لفظ حِیْنَ تُظْھِرُوْنَ (۳۰/۱۸) کے ساتھ آیا ہے ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔ ****یہ تمام معانی تاج نے مختلف حوالوں سے نقل کئے ہیں ۔

سورۃ یوسف میں خالی عِشَاءً آیا ہے (۱۲/۱۶) ۔ اس سے مراد پچھلا پہر، شام کا وقت یا رات کا وقت لیا جاسکتا ہے ۔ سورۃ نور میں مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ کے مقابلہ میں مِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ آیا ہے (۲۴/۵۸) ۔

ع ص ب

اَلْعَصَبُ ۔ بدن کے پٹھے بالخصوص جو جوڑوں کو تھامے ہوتے ہیں، قوم کے بہترین آدمی ۔ عَصْبٌ کے بنیادی معنی موڑنے ۔ لپیٹنے اور بل دینے کے ہیں ۔ نیز کس کر باندھنے کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔ عَصَبَ الشَّجَرَۃَ کے معنے ہیں درخت کی متفرق شاخوں کو یکجا کرکے رسی سے کس کر باندھنا پھر اس کے پتے جھاڑنے کے لئے اسے جھنجھوڑنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ لمبائی یا گولائی میں باندھنے کے ہوتے ہیں ۔ اَلْعِصَابَۃُ ۔ پٹی (جو باندھی جاتی ہے)* ۔ اَلْاَمْرُ الْعَصِیْبُ ۔ سخت معاملہ* ۔ ھٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ (۱۱/۷۷) ۔ یہ سخت دن ہے ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس سے وہ دن مراد ہے جس نے ہر طرف سے ان کو باندھ رکھا ہو اور انہیں گھیر لیا ہو ۔ یعنی جس سے بچ نکلنا ان کے لئے دشوار ہو ۔ اَلْعَصَبِیَّۃُ ۔ آدمی کا اپنے خاندان کی مدد کے لئے لوگوں کو بلانا اور حق و ناحق، بہرطور، اپنی جماعت ہی کی حمایت و مدافعت کرنا ۔ عُصْبَۃٌ ۔ جماعت* ۔ (ایک قدر مشترک کے ساتھ بندھے ہوئے افراد) ۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا کہ نَحْنُ عُصْبَۃٌ (۱۲/۸) ۔ ہم ایک اچھی خاصی جماعت ہیں ۔ ہم ایک دوسرے کے لئے وجہ تقویت ہیں ۔ ابن فارس نے خلیل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ کم از کم دس مردوں پر مشتمل جماعت کے لئے بولا جاتا ہے ۔ اس سے کم تعداد پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا ۔

ع ص ر

عَصْرٌ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تین ہیں (۱) وقت اور زمانہ ۔ (۲) کسی چیز کو دبانا یا نچوڑنا ۔ اور (۳) کسی چیز کے ساتھ چمٹ جانا ۔ عَصَرَ الْعِنَبَ ۔ انگور کا شیرہ نچوڑ لیا** ۔ سورۃ یوسف میں ہے اِنِّیْ اَرٰانِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا (۱۲/۳۶) ۔ ۔ میں نے اپنے آپ کو شراب کشید کرتے ہوئے دیکھا ۔ نیز (۱۲/۴۹) ۔ اَلْعَصْرُ ۔ دن ۔ رات ۔ صبح ۔ شام

*تاج و راغب ۔ **تاج ۔

کا وقت آفتاب کے سرخ ہونے تک۔ ہر طویل مدت جو غیر محدود ہو اور کچھ اُمتوں (قوموں) پر مشتمل ہو جن کے ختم ہوجانے سے وہ عصر بھی ختم ہو جائے*۔ (Age or Period) ۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے اس کے معانی اَلدَّھْرُ (زمانہ) کئے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۱۰۳/۱۰۲) ۔ زمانہ (یعنی تاریخ انسانیت) اس حقیقت پر شاھد ہے کہ انسان (جو وحی کی روشنی کے بغیر چلتا ہے) وہ ہمیشہ نقصان میں رہتا ہے ۔ اَلْعَصْرُ کے معنے روکنے کے بھی ہوتے ہیں* ۔ (یعنی وقت کی وہ حدیں جن کے اندر کوئی واقعہ رکا ہؤا ہو) ۔ اَلْعَصْرُ ۔ قبیلہ اور خاندان کو بھی کہتے ہیں* ۔ اَلْعَصَرُ جائے پناہ کو کہتے ہیں (ابن فارس) ۔ اَلْاِعْصَارُ ۔ بگولا ۔ (جو تند و تیز ہو) ۔ گرد و غبار والی تندھوا ۔ (۲/۲۶۶) ۔ اَلْمُعْصِرَاتِ ۔ بادل یا وہ ہوائیں جو بادلوں کو لاتی ہیں* ۔ وہ بادل جو برستے ہیں** ۔ (۷۸/۱۵) ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے لکھا ہے کہ اَلْمُعْصِرَاتُ وہ ہوائیں ہیں جو بارش لاتی ہیں اور اَلْمُبْتَشِرَاتُ وہ جو بادل لاتی ہیں ۔

ع ص ف

اَلْعَصْفُ ۔ کھیتی کی سبزی ۔ کھیتی کے پودوں کے تنوں کے پتے جو سوکھ کر جھڑتے اور چورہ چورہ ہو جاتے ہیں ۔ پودوں کے تنوں کے پتے ۔ کھیتی کے پتے ۔ بھوسہ ۔ (غلے کے دانوں کے اوپر جو چھلکا ہوتا ہے اس کے بھوسے کو کہتے ہیں) ۔ خود بال کو بھی کہتے ہیں ۔ قرآن کریم میں اصحابُ الْفِیْلِ کے متعلق ہے کہ انہیں کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ (۱۰۵/۵) کر دیا ۔ یعنی جیسے کھایا ہوا بھس ہو ۔ یا وہ کھیتی جس کے دانے کھالئے گئے ہوں، یا اسے کیڑا لگ گیا ہو ۔ کلیات میں ہے کہ ہر چیز کے پتے عَصْفٌ کہلاتے ہیں ۔ اسی سے دانے نکلتے ہیں ۔ پہلی شکل یہ ہوتی ہے کہ پتے نمودار ہوتے ہیں ، پھر تنا بنتا ہے ، پھر اس میں سے دانوں یا پھلوں کے خول نکلتے ہیں*** ۔ اسی اعتبار سے قرآن کریم میں وَالْحَبَّ ذُو الْعَصْفِ (۵۵/۱۲) آیا ہے ۔ یعنی وہ دانے جو چھلکے کے اندر ہوں ۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد پودوں کے تنوں کے وہ پتے ہوتے ہیں جو خشک ہو کر چورا چورا ہو جائیں* ۔ راغب نے لکھا ہے کہ کھیتی اور پودوں میں سے جو کچھ ٹوٹ کر گر چکا ہو اسے عَصْفٌ کہتے ہیں**** ۔

*تاج ۔ **محیط نیز (ابن فارس) ۔ ***محیط ۔ ****راغب ۔

اَلْمُعْصِفَاتُ ۔ وہ ہوائیں جو بادلوں، پتوں، اور خشک پتوں کے چورے کو اڑا کر لاتی ہیں*۔ رِیْحٌ عَاصِفٌ ۔ تیز چلنے والی ہوا ۔ آندھی ۔ جھکڑ ۔ (۲۱/۸۱) ۔ اس کے مقابل میں رِیْحٌ طَیِّبَۃٌ آیا ہے (۱۰/۲۲) ۔ یعنی خوشگوار ہوا۔ سورۃ مرسلٰت میں ہے فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا (۷۷/۲) ۔ غبار اور خس و خاشاک کو اڑا کر لے جانے والی آندھیاں ۔ اَلْعَصْفُ ۔ تیزی اور سرعت کو بھی کہتے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں ۔

صاحب لطائف اللغۃ نے کہا ہے کہ اَلْعَوَاصِفُ وہ تند و تیز ہوائیں ہیں جو میدانوں یا صحراؤں میں طوفان برپا کردیں اور اَلْقَوَاصِفُ وہ ہوائیں جو سمندروں میں طوفان لے آئیں ۔

ع ص م

عِصْمَۃٌ کے اصلی معنی روکنے یا منع کرنے ، نیز کسی چیز کو باندھنے کے ہیں۔ گردن کے پٹھے کو بھی کہتے ہیں ۔ اس کی جمع اَعْصَامٌ ہے ۔ اَلْعِصَامُ ۔ محمل کی اس رسی کو کہتے ہیں جو محمل کو جمانے کے لئے اسکے ایک طرف باندھی جاتی ہے ۔ ایسی دو رسیوں کو عِصَامَانِ کہتے ہیں۔ اَلْعِصَامُ مِنَ الدَّلْوِ وَالْقِرْبَۃِ ۔ ڈول یا مشک کی وہ رسی جس سے باندھ کر انہیں اٹھایا جاتا ہے ۔ عَصَمَ الشَّیْءَ یَعْصِمُہٗ ، کے معنی ہیں کسی چیز کو روک دینا ۔ عَصَمَہُ اللّٰہُ مِنَ الْمَکْرُوْہِ ۔ خدا نے نا پسندیدہ اور تکلیف دہ چیز سے اس کی حفاظت کی اور بچا لیا ۔ عَصَمَ الْبَیْعَ اور اِعْتَصَمَ بِہٖ کے معنے ہیں کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑ کر مضبوطی سے تھام لینا ۔ (اِعْتِصَامٌ کے یہی معنی ہیں) ۔ اِعْتَصَمَ بِاللّٰہِ کے معنی ابن فارس نے خدا کی حفاظت میں آکر محفوظ ہو جانے کے لکھے ہیں ۔ اَعْصَمَ بِفُلَانٍ ۔ اس نے فلاں کو پکڑ لیا اور اس سے چمٹا رہا ۔ اَعْصَمَ بِالْفَرَسِ ۔ اس نے گھوڑے کی ایال پکڑ لی تاکہ وہ گھوڑے کی تیز رفتاری کی وجہ سے اس پر سے گر نہ پڑے** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی پکڑلینا ، تھام لینا ، روکنا اور ساتھ لگے رہنا ہیں ۔

سورۃ آل عمران میں ہے وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۳/۱۰۱) ۔ جس نے قانون خداوندی کو مضبوطی سے تھام لیا اُسے زندگی کی متوازن راہ کی طرف راہ نمائی مل گئی۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا (۳/۱۰۳) کے بھی یہی معنی ہیں ۔ سورہ مائدہ میں ہے وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (۵/۶۷) (اے رسول تو اس قانون خداوندی کو لوگوں تک

*تاج ۔ **تاج و محیط و راغب ۔

پہنچائے جا . . . . .) وہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا ۔ ظاہر ہے کہ یہاں حضورؐ کے جسم کی حفاظت مراد نہیں ۔ اس لئے کہ آپؐ کے متعلق خود قرآن کریم میں ہے اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ (۳/۱۴۴) ۔ تو کیا اگر وہ مرجائے یا قتل کردیا جائے۔یعنی اس میں قتل کردئے جانے کے امکان کی وضاحت ہے، لہذا (۵/۶۷) میں حضورؐ کے جسم کی حفاظت کی طرف اشارہ نہیں بلکہ حفاظتِ رسالت (پیغامات خداوندی) مقصود ہے ۔

عَاصِمٌ ۔ حفاظت کرنے والا (۱۱/۴۳) ۔ اِسْتَعْصَمَ ۔ اس نے اپنے آپکو بچائے رکھنا چاہا ۔ (۱۲/۳۲) ۔ تاج نے اِسْتَعْصَمَ کے معنے انکار کیا ، باز رہا بھی لکھے ہیں ۔ عِصَمٌ جمع ہے عِصْمَةٌ کی ۔ اس کے معنی عقد نکاح کے ہیں (۶۰/۱۰) ۔ یعنی وہ عورتیں جو تمہارے نکاح میں ہیں لیکن وہ مسلمان نہیں ہونا چاہتیں ، انہیں روکے نہ رکھو ۔ بلکہ انہیں عقد نکاح سے آزاد کر دو ۔

ع ص و

عَصَا کے اصلی معنی اجتماع اور ائتلاف کے ہیں ۔ لاٹھی کو اس لئے عَصَا کہتے ہیں کہ اسے پکڑنے کے لئے انگلیوں کو اکٹھا ہونا پڑتا ہے ۔ عَصَوْتُ الْقَوْمَ کے معنی ہیں میں نے قوم کو جمع کر لیا * ۔ اَلْعَصَا ۔ جماعت کو کہتے ہیں ۔ شَقَّ الْعَصَا ۔ جماعت میں افتراق پیدا کر دینا * ۔ اَلْقَی الْمُسَافِرُ عَصَاہُ ۔ اس کے لفظی معنی ہیں مسافر نے اپنی لاٹھی ڈالدی ۔ لیکن یہ محاورہ ہے یہ بتانے کے لئے کہ وہ منزل پر پہنچکر ٹھہر گیا اور پڑاؤ ڈالا * ۔ صاحب لطائف اللغة نے اَلْعَصَا کے معنی اَلْوَبِیْلُ (یعنی سخت ۔ گراں) کئے ہیں ۔ سورہ بقرہ میں ہے کہ حضرت موسےٰؑ سے کہا گیا اِضْرِبْ بِعَصَاکَ الْحَجَرَ (۲/۶۰) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں اپنی جماعت کو ساتھ لیکر پتھریلی زمین کی طرف چلا جا ۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اپنے عصا سے چٹان کو مار ۔ اس سے اسکی اوپر کی مٹی اتر جائیگی اور چشمے کا پانی باہر نکل آئیگا ۔ اسی طرح اِضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْبَحْرَ (۲۶/۶۳) کے ایک معنی ہیں اپنی جماعت کو لیکر سمندر (یا دریا) کیطرف چلا جا ۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اپنا عصا ٹیکتا ہوا سمندر کے راستے چلا جا ۔

عصائے حضرت موسےٰؑ کا ذکر قرآن کریم میں اور بھی متعدد مقامات پر آیا ہے ۔ (مثلاً (۲۰/۱۸) اگر اسے حقیقی معنوں پر محمول کیا جائے تو اس سے

* تاج و راغب ۔ تاج نے لکھا ہے کہ " اَلْعَصَا ۔ جماعة الاسلام " یعنی عصا سے مراد اسلامی جمعیت ہے ۔ راغب نے محاورہ " شَقَّ الْعَصَا " کے معنی جماعت سے الگ ہوجانا کئے ہیں ۔

مراد لاٹھی ہوگی۔ لیکن اگر اسے مجازی معنوں میں لیا جائے تو اس سے مفہوم وہ ضابطۂ خداوندی (وحی کا پیغام) ہوگا جو آپ کی زندگی کا سہارا اور قوم کے لئے وجۂ تقویت تھا اور جس کے سامنے ساحرین فرعون کی باطل تعلیم کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ اس اعتبار سے قرآن کریم کے مختلف مقامات میں سیاق و سباق کے مطابق معانی متعین کئے جا سکتے ہیں۔

ع ص ی

عَصٰی۔ یَعْصِیْ۔ عِصْیَانًا۔ وَمَعْصِیَۃٌ۔ سرکشی کرنا۔ نافرمانی کرنا *۔ وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ (۲۰/۱۲۱) آدم نے اپنے نشوونما دینے والے کی نافرمانی کی۔ اصل میں اَلْعَاصِیْ اس اونٹ کے بچے کو کہتے ہیں جو اپنی ماں کے پیچھے پیچھے نہ چلے۔ ادھر ادھر نکل جائے *۔ عَصَی الطَّائِرُ۔ پرندہ اڑ گیا۔ عَصَی الْعِرْقُ۔ رگ سے خون بند نہیں ہوا اور برابر جاری رہا**۔ اِعْتَصَتِ النَّوَاۃُ۔ گٹھلی سخت ہو گئی۔ تَعَصّٰی الْاَمْرُ۔ معاملہ شدید ہو گیا *۔ ان مثالوں سے اَلْعِصْیَانُ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں۔ سورہ حجرات میں ہے کہ جو (مؤمن) کفر و فسوق و عصیان سے نفرت کرتے ہیں، وہ اَلرَّاشِدُوْنَ ہیں (۴۹/۷)۔ یعنی خدا کے تجویز کردہ صحیح راستہ پر۔ سورہ مجادلہ میں مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ (۵۸/۸) سے روکا گیا ہے۔ سورہ مریم میں عَصِیًّا (۱۹/۱۴) نافرمان بردار کے معنوں میں آیا ہے۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ معصیت کا اطلاق بعض اوقات لغزش پر بھی ہو جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو لوگ قانون خداوندی کا اتباع کرتے ہیں وہ صحیح راستہ پر چلتے ہیں۔ جو اس راستہ کو چھوڑ کر ادھر اُدھر نکل جاتے ہیں وہ زندگی کی تباہ کن روش اختیار کرتے ہیں۔ یہی مَعْصِیَۃٌ ہے۔

راغب نے عَصٰی کو عَصَا (ع۔ص۔و) کے تابع لکھا ہے اور کہا ہے کہ عَصٰی کے معنی اطاعت سے نکل جانے کے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جو شخص نافرمانی کرتا ہے وہ اپنی لاٹھی (عَصَا) سے اپنا بچاؤ کرتا ہے۔ نیز اس شخص کے لئے جو جماعت سے علیحدگی اختیار کرے فُلَانٌ شَقَّ عَصَا الْجَمَاعَۃِ کہتے ہیں۔ یہیں سے عَصٰی کے معنے نافرمانی کے لئے جانے لگے ***۔ لیکن یہ توجیہ کچھ جچتی نہیں۔

عَصَا کے لئے عنوان (ع۔ص۔و) دیکھئے۔

ع ض د

اَلْعَضُدُ۔ ہاتھ کا کہنی سے لیکر کندھے تک کا حصہ۔ (بازو) مجازاً عَضَدَہٗ کے معنے ہیں اسکی مدد و اعانت کی، دستگیری کی۔ اَلْعَضُدُ۔

* تاج۔ ** محیط۔ *** راغب۔

حمامی و مددگار ۔ کسی کا دست و بازو* ۔ قرآن کریم میں ہے وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا (۱۸/۵۱) ۔ میں ایسا نہیں تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بناتا ۔

اَعْضَادُ الحَوْضِ وغَيْرِهِ ۔ حوض وغیرہ کے ارد گرد جو پشتہ مضبوطی اور حفاظت کی خاطر بنا دیا جاتا ہے ۔

ع ض ض

عَضَّ ۔ کسی چیز کو دانتوں سے پکڑلینا ۔ دانتوں سے کاٹنا ۔ عَضَّ عَلٰى يَدِهِ غَيْظًا ۔ اسوقت بولتے ہیں جب کوئی شخص کسی سے انتہائی عداوت رکھے اور دشمنی میں بہت زیادتی سے کام لے** ۔ سورہ آل عمران میں ہے ۔ عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (۳/۱۱۸) ۔ یعنی تمہارے خلاف ان کی دشمنی کا یہ عالم ہے کہ یہ غصے سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں ۔ دراصل یہ محاورہ اسوقت بولا جاتا ہے جب کوئی غصے میں اپنا ہی کچھ بگاڑلے ، اپنے مقابل پر اس کا بس نہ چل سکے ۔

ع ض ل

اَلْعَضَلَةُ ۔ پٹھا جسکے ساتھ موٹا گوشت ہو (مچھلی جو پنڈلی اور بازو وغیرہ میں ہوتی ہے) ** ۔ عَضَلْتُهُ ۔ میں نے اسکی مچھلی پر مارا ۔ اسکے بعد اسکے معنی ہو گئے کسی کو زبردستی اور سختی سے (کسی کام سے) روک دینا ۔ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ (۲/۲۳۲) انہیں مت روکو ۔ نیز اس کے معنے تنگ کرنے اور مجبور کرنے کے بھی ہیں** ۔ عَضَلَ عَلَيْهِ ۔ اس نے اس پر تنگی کی ۔ اسے روکا اور باز رکھا ۔ اَلْمُعْضِلَاتُ ۔ مشکل اور پرپیچ مسائل جنہیں سلجھایا نہ جاسکے ۔ سختیاں ۔ مصیبتیں *** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی سختی اور معاملہ میں پیچیدگی کے ہوتے ہیں ۔

ع ض و

اَلْعُضْوُ ۔ اَلْعِضْوُ ۔ بدن کا ٹکڑا ۔ جسم کا کوئی ایک حصہ** ۔ (مثلاً ہاتھ ، کان ، ٹانگ وغیرہ) ۔ مجموعہ کا ایک فرد ۔ جماعت کا ایک فرد*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے حصے کر دینے کے ہوتے ہیں ۔ اَلتَّعْضِيَةُ ۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ۔ تقسیم کر دینا ۔

* تاج و راغب و محیط ۔ ** تاج ۔ *** محیط ۔

متفرق کر دینا۔ اَلْعِضَۃُ ۔ چیز کا ٹکڑہ ۔ لوگوں کا فرقہ ۔ جھوٹ ۔ (یہ دراصل عِضْوَۃٌ تھا) اسکی جمع عِضُوْنَ اور عِضِیْنَ ہے ۔ نیز یہ عِضَہٌ (ھاء کے ساتھ) کی بھی جمع ہوسکتی ہے جسکے معنی سحر (جادو) کے ہوتے ہیں ۔ اَلْعَاضِہُ ۔ ساحر*۔ غالباً اس لئے کہ جادو ٹونا عام طور پر گوشت کے ٹکڑے (یا ھڈی) پر کیا جاتا ہے ۔

سورہ حجر میں ہے اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ (۱۵/۹۱) ۔ جنہوں نے قرآن کریم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے *** ۔ جس بات سے اپنا مطلب حل ہوتا ہو اسے مان لیا ۔ جو بات اپنے مفاد کے خلاف جاتی ہو اسکی جگہ اپنی خود ساختہ شریعت کا اتباع کر لیا ۔ ایسی روش کا جو نتیجہ ہوتا ہے اسے (۲/۸۵) میں دیکھئے ۔

یا اسے محض منتروں کی طرح پڑھنے یا تعویذ گنڈے لکھنے کے لئے رکھ چھوڑا* ۔

ع ط ف

عِطْفٌ ۔ ایک جانب ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی مڑنے اور ٹیڑھا ہونے کے ہیں ۔ عِطْفَا الرَّجُلِ ۔ آدمی کے دونوں پہلو (Sides) ۔ سر سے لیکر سرین تک ۔ عِطْفَا کُلِّ شَیْءٍ ۔ ہر چیز کے دونوں جانب ۔ اَلْعَطْفُ ۔ لوٹنا ۔ مڑنا* ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ اسوقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز کا ایک سرا دوسرے سرے کی طرف موڑ دیا جائے **** ۔ قرآن کریم میں ہے ثَانِیَ عِطْفِہٖ (۲۲/۹) ۔ پہلو تہی کرتے ہوئے ۔

عَطَفَ ۔ یَعْطِفُ ۔ عَطْفًا کے معنی مائل ہونے کے ہوتے ہیں ۔ اَلْعَاطِفَۃُ ۔ مہربانی ۔ شفقت ۔ صلہ رحمی* ۔

ع ط ل

عَطَلٌ ۔ عُطُوْلٌ ۔ زیور سے خالی ہونا ۔ عَطِلَتِ الْمَرْاَۃُ ۔ عورت زیور سے خالی ہوئی ۔ ایسی عورت کو اَلْعَاطِلُ اور العَطْلٌ کہتے ہیں ۔ (اَلْمِعْطَالُ اس عورت کو کہتے ہیں جو زیور کے بغیر رہنے کی عادی ہو) ۔ اَلتَّعْطِیْلُ ۔ خالی کر دینا ۔ بیکار کرکے چھوڑ دینا ۔ چنانچہ اس ڈول کو جس کی رسیاں ٹوٹ چکی ہوں اور اس سے پانی نہ نکالا جا سکے اَلْعَطِلَۃُ کہتے ہیں ۔ قَوْسٌ عَطُلٌ ۔ وہ کمان جس پر تانت نہ ہو ۔ بِئْرٌ مُعَطَّلَۃٌ ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***ابن قتیبہ (القرطبی - ج/۱ صفحہ ۲۳۱) **** راغب ۔

وہ کنواں جس کے آس پاس آبادی نہ ہونے کی وجہ سے وہ بیکار ہو چکا ہو، اور اس سے پانی نہ بھرا جاتا ہو* ۔ (۲۲/۴۵) ۔ سورہ تکویر میں ہے اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (۸۱/۵) جب حاملہ اونٹنیوں کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دیا جائیگا ۔ اَلْعِشَارُ ان اونٹنیوں کو کہتے ہیں جو بچہ دینے کے قریب ہوں ۔ عربوں میں اونٹ کی جو اہمیت تھی وہ واضح ہے ۔ اور ایسی اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں ان کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو جاتی تھی ۔ اس قسم کی اونٹنیوں کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دینے سے مفہوم یہ ہے کہ اس دور میں خود اونٹوں کی قدر و قیمت ہی نہیں رہیگی ۔

عَطَلَ اَلْاَجِیْرُ ۔ مزدور کا بیکار رہنا** ۔

ع ط و

اَلْعَطْوُ ۔ لینا ۔ کسی چیز کو لینے کے لئے سر اور ہاتھوں کو اوپر اٹھا دینا ۔ ظَبْیٌ عَیْطُوٌ ۔ (عین کی تینوں حرکتوں کے ساتھ) وہ ہرن جو درخت سے پتے کھانے کے لئے اپنے سر کو اوپر اٹھائے* ۔

اَلْاِعْطَاءُ ۔ دینا ۔ اَلْعَطَاءُ وَالْعَطِیَّۃُ ۔ جو کچھ دیا جائے ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اِیْتَاءٌ (دینے) اور اِعْطَاءٌ میں فرق یہ ہے کہ اِیْتَاءٌ کسی واجب کے ادا کرنے پر بھی بولا جاتا ہے اور ایسی چیز پر بھی جو محض تفضلاً دی جائے ۔ لیکن اِعْطَاءٌ صرف تفضلاً دینے کو کہتے ہیں* ۔ اَلْاِعْطَاءُ ۔ سپردگی ۔ اَعْطَی الْبَعِیْرُ ۔ اونٹ نے منہ زوری ختم کی اور مطیع ہو گیا ۔ قَوْسٌ عَطُوٌّ ۔ نرم اور آسانی سے کھنچ جانے والی کمان* ۔

قرآن کریم میں ہے وَمَا کَانَ عَطَاءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا (۱۷/۲۰) ۔ جو سامان زیست نوع انسانی کی نشوونما کے لئے خدا کیطرف سے مفت عطا ہوا ہے (یعنی رزق کے قدرتی وسائل) ان پر کوئی روک نہیں ۔ جب خدا نے انہیں عالمگیر انسانیت کی نشوونما کے لئے عام کر دیا ہے تو ان پر روک کون ڈال سکتا ہے ۔ اسی لئے قرآن کریم نے نظام ربوبیت کو قائم کرنے والوں کے متعلق کہا کہ مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی (۹۲/۵) جو دیتا ہے اور اس طرح زندگی کی تباہیوں سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اسی کے لئے آسانیاں ہیں ۔ برخلاف اس کے مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی (۹۲/۸) ۔ جو سب کچھ سمیٹ کر اپنے ہی لئے رکھتا ہے اور اس طرح دوسروں سے بے نیاز ہو جانا چاہتا ہے تو اس کے لئے دشواریاں ہی دشواریاں ہیں ۔

---

* تاج و راغب ۔ ** محیط

یہ ظاہر ہے کہ انسانی جسم کی پرورش کا مدار ہر اس چیز پر ہے جسے انسان اپنے لئے لیتا ہے۔ جسے وہ خود کھاتا پیتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نوالہ آپ کے منہ میں جائے اور پرورش میرے جسم کی ہوتی جائے۔ لیکن اس کے بالکل برعکس، انسانی ذات (Self) کی نشو و نما ہر اُس شے سے ہوتی ہے جسے وہ شخص دوسروں کی نشو و نما کے لئے دیتا ہے۔ اور برضا و رغبت دیتا ہے۔ اسی کو اِعْطَاءٌ کہتے ہیں۔ قرآنی نظام کی یہی اصل و بنیاد ہے۔ پوری پوری محنت کرنا لیکن اپنی محنت کے ماحصل سے اپنی ضروریات کے مطابق لیکر باقی سب نوع انسانی کی نشو و نما کے لئے دیدینا۔ یہ ہے جماعت مؤمنین کا شعار زندگی۔

اَلتَّعَاطِیْ۔ جس چیز کا حق نہ ہو اسے لے لینا۔ باہم کسی چیز کو لینے کے لئے کشمکش کرنا۔ پاؤں کے پنجوں پر کھڑے ہونا اور ہاتھ بڑھانا۔ بہت بڑی جرأت کرنا *۔ سورہ قمر میں اس سرکش کے متعلق ہے جس نے اس اونٹنی کو جسے حضرت صالح ؑ نے خدا کے نام پر چھوڑا تھا قتل کر دیا تھا کہ فَتَعَاطٰی فَعَقَرَ (۵۴/۲۹)۔ اس نے بڑی جرأت کرکے ہاتھ بڑھایا اور اونٹنی کو مار دیا۔ یعنی اس چیز کو جا لیا جس کا اسے حق نہیں تھا (ابن فارس)

ع ظ م

عَظْمٌ۔ ہڈی کو کہتے ہیں جو انسان کے جسم میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ عَظْمُ الْفَدَّانِ۔ کسان کے ہل کی اس چوڑی لکڑی کو کہتے ہیں جسکے آگے لوہے کا پھل لگا ہوتا ہے۔ ہل میں اس لکڑی کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ عَظْمَاتُ الْقَوْمِ۔ قوم کے سرداروں کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اساسی حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ عَظْمُ الطَّرِیْقِ۔ راستہ کے کشادہ حصے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ راستہ میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ عَظَمَۃٌ کے معنی تکبر و غرور۔ بڑائی۔ نیز عزت و حرمت کے بھی ہیں۔ اَلْعَظِیْمَۃُ۔ سخت پیش آنے والی بات یا حادثہ *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی بڑا ہونے اور قوی ہونے کے ہیں۔

قرآن کریم میں عَظْمٌ (جمع عِظَامٌ اور اَعْظُمٌ) ہڈیوں کے معنی میں متعدد مقامات پر آیا ہے (مثلاً ۱۷/۴۹ ؛ ۱۹/۲ ؛ ۳۶/۷۸ ؛ ۵۹/۳)۔ سورہ نور میں ھَیِّنٌ (آسان) کے مقابلہ میں عَظِیْمٌ کا لفظ اہمیت کا مفہوم لئے ہوئے ہے (۲۴/۱۵)۔ اور النَّبَاِ الْعَظِیْمِ (۷۸/۲) میں سخت حادثہ یا انقلاب عظیم کے معنوں میں۔

* تاج۔

اور اَلْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ (۱۵/۸۷) کے معنی ہیں زندگی کے بنیادی حقائق کا ضابطہ ۔ '' عَظْمُ الْقَدَّانِ '' کی رعایت سے ، قرآن کریم وہ ضابطہ ہے جس سے زندگی کی سنگلاخ زمین قابل کاشت ہوجاتی ہے ۔ جس سے راستے کشادہ ہو جاتے ہیں ۔

سورہ بقرہ میں خدا کے متعلق ہے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (۲/۲۵۶) ۔ یعنی بلندیوں اور عظمتوں کا مالک اور انسان کو شرف کی بلندیاں اور زندگی کی بنیادی قوتیں عطا کرنے والا ۔ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (۹/۱۲۹) ۔ جس کے قبضۂ قدرت میں کائنات کی اساس و بنیاد کا کنٹرول ہو۔

ع ف ر

اَلْعَفَرُ ۔ مٹی ۔ عَفَّرَهٗ فِی التُّرَابِ یُعَفِّرُهٗ ۔ اسے مٹی میں لت پت کر دیا ۔ مٹی میں دبا دیا ۔ اَلْمَعْفُوْرُ ۔ وہ چیز جس پر مٹی مل دی گئی ہو۔ اَلْعُفْرُ ۔ موٹا ۔ مضبوط آدمی ۔ نیز بہادر چست آدمی ۔ رَجُلٌ عِفْرٌ و عِفْرِيْنٌ ۔ (نیز عِفِرِّيْنٌ) وَ عِفْرِيْتٌ ۔ چالاک اور شریر آدمی ۔ نہایت تیز و طرار آدمی ۔ حیرت انگیز ہوشیاری کے ساتھ معاملات میں گھس جانے والا آدمی ۔ نیز ضبط کرنے والا ، قوی تند خو انسان جو اپنے مد مقابل کو زیر کرلے* ۔

سورۃ نمل میں حضرت سلیمانؑ کے درباریوں میں سے ایک کے لئے عِفْرِيْتٌ مِنَ الْجِنِّ (۲۷/۳۹) آیا ہے ۔ یعنی وحشی اور پہاڑی قبائل میں سے ایک مضبوط ، قوی ہیکل ، اور چست و چالاک آدمی ، جس میں قوت اور معاملات کے اندر تک گھسجانے کی صلاحیت بدرجۂ اتم تھی ۔ تیز و طرار ۔ زیرک اور ہوشیار ۔ انتہائی معاملہ فہم ۔

عِفْرِيْتٌ

حضرت سلیمانؑ کے لشکر کا ایک زبردست اور شاہ زور (پہاڑی قبیلہ کا) سردار (۲۷/۳۹) جو بہت تیز طرار اور معاملہ فہم تھا ۔ دیکھئے عنوان (ع ۔ ف ۔ ر) ۔

ع ف ف

اَلْعِفَّةُ ۔ نفس کا ایسی حالت میں پہنچ جانا جس کے ذریعہ وہ غلبۂ شہوت سے محفوظ رہے** ۔ عِفَّةٌ ۔ عَفَافٌ کے معنی ہیں حرام و نازیبا چیزوں

*تاج و محیط و راغب ۔ **راغب ۔

سے خود کو روکنا - قبائح سے رک جانا** - ابن فارس نے بھی اس کی تائید کی ہے - اِعْتَفَلَتِ الْاِبِلُ الْمَبِیْسَ - اونٹوں نے اپنی زبانوں سے خشک گھاس کو مٹی سے صاف کرتے ہوئے اٹھا لیا** - اس مادہ کے بنیادی معنوں میں رک جانے کا مفہوم پایا جاتا ہے - چنانچہ اَلْعُفَافَۃُ اس تھوڑے سے دودھ کو کہتے ہیں جو دودھ دوہ لینے کے بعد تھنوں میں رک کر رہ جائے*** - عَفَّ الرَّجُلُ - آدمی نامناسب چیزوں سے رکا - تَعَفَّفَ - کے معنی ہیں تھوڑی چیز پر کفایت کرلینا* - بتکلف اپنے نفس کو روکنا اور کسی چیز سے دور رکھنا** - بےجا باتوں سے شرم و حیا کرنا - ضرورت کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنا - (۲۴/۳۳) - سورۃ نور میں ہے وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ (۲۴/۶۰) اگر وہ اس کی بھی احتیاط رکھیں تو زیادہ اچھا ہے - نیز وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا (۲۴/۳۳) . جو نکاح کا سامان نہیں پاتے انہیں چاہئے کہ اپنے آپ کو بچائے رکھیں - اسی کو عفت (پاکبازی) کہتے ہیں -

قرآن کریم انسانی عفت پر بڑا زور دیتا ہے - یعنی جنسی اختلاط کے صرف ایک طریقے کو جائز قرار دیتا ہے جسے نکاح کہا جاتا ہے - اس کے علاوہ جنسی اختلاط سخت جرم ہے - وہ کھانے پینے کے معاملہ میں اضطراری حالت کو تسلیم کرتا ہے اور اس میں حرام تک کھانے کی اجازت دیتا ہے - لیکن جنسی جذبہ کی تسکین کے لئے اضطراری حالت کو تسلیم نہیں کرتا ، اس لئے وہ اس کی تسکین کے لئے ناجائز اختلاط کی اجازت نہیں دیتا - بھوک اور پیاس انسان کے اپنے کنٹرول میں نہیں ہوتی - لیکن جنسی جذبہ انسان کے اپنے خیال سے ابھرتا ہے - اگر اس کا خیال نہ کیا جائے تو یہ کبھی بیدار نہیں ہوتا - اس لئے جس جذبہ پر انسان کا اپنا کنٹرول ہو اس میں اضطراری حالت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا -

ع ف و

عَفْوٌ - اس کے اصلی معنی ''ترک'' کے ہیں - عَفَا عَنْہُ - اسے سزا دئے بغیر چھوڑ دیا اور جانے دیا - معاف کر دیا*** - قرآن کریم میں عَفْوٌ اور صَفْحٌ کے لفظ اکٹھے آئے ہیں (۲/۱۰۹) - ان دونوں لفظوں میں فرق یہ ہے کہ صَفْحٌ بلیغ تر ہے - یعنی بالکل چھوڑ دینا ، اور عَفْوٌ میں یہ ہوسکتا ہے کہ کچھ کہہ سن کر چھوڑ دیا جائے *** - صاحب محیط کے نزدیک عَفْوٌ اور مَغْفِرَۃٌ میں فرق یہ ہے کہ غُفْرَانٌ میں سزا قطعاً نہیں ہوتی اور عَفْوٌ

*راغب - **محیط و تاج - *** تاج -

سزا سے پہلے بھی ہو سکتا ہے اور سزا کے بعد بھی** ۔ (سزا کے بعد عَفْوٌ سے مراد ہوگا سزا کے اثرات کو مٹا دینا ۔ کیونکہ عَفْوٌ کے معنی مٹا دینا بھی ہیں ۔ اور مَغْفِرَۃٌ کے معنی ہونگے ان اثرات سے شروع ہی سے بچائے رکھنا)۔

عَفْوٌ ۔ مٹا دینا ۔ نیز مٹ جانا ۔ عَفَا آثَرُہٗ ۔ وہ ہلاک ہوگیا ۔ اسکا نشان تک مٹ گیا ۔ اَلْعَفَاءُ ۔ وہ بارش جو آثار منازل تک کو مٹا دے* ۔

صحاح میں ہے کہ عَفْوُ الْمَالِ اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کے خرچ سے زائد ہو ۔ اَعْطَیْتُہٗ عَفْوَ الْمَالِ کے معنی ہیں میں نے اسے بغیر مانگے مال دیا* ۔ ابن فارس نے بھی اس کی تائید کی ہے ۔ اَلْعَفْوُ مِنَ الْمَاءِ ۔ وہ پانی جو پینے والوں سے بچ جائے اور بلا کلفت و مزاحمت حاصل ہوسکے ۔ عَفَا شَعْرُ الْبَعِیْرِ ۔ اونٹ کے بال لمبے اور زیادہ ہوگئے ۔ عَفَا عَلَیْہِ فِی الْعِلْمِ ۔ وہ علم میں اس سے آگے بڑھ گیا اور اس کی معلومات پر اضافہ کیا ۔ عَفَا الصُّوْفَ ۔ اون کو زیادہ بڑھا کر کاٹا* ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے اسے اضداد میں سے لکھا ہے ۔ یعنی اس کے معنی مٹا دینے کے بھی ہیں اور زیادہ کرنے کے بھی ۔

لہذا اسکے معنی ہیں ضرورت سے زائد ۔ قرآن کریم میں ہے کہ یہ لوگ دریافت کرتے ہیں کہ ہم کسقدر مال و دولت نوع انسانی کی نشو و نما کے لئے کھلی رکھیں اور کس قدر خود اپنے لئے رکھیں ۔ اس کے جواب میں کہا کہ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹) ۔ ان سے کہہ دو کہ جسقدر تمہاری ضروریات سے زائد ہے سب کا سب ۔ یہ ہے قرآن کریم کے نظام ربوبیت کا اصل الاصول ۔ یعنی ہر فردِ معاشرہ پوری پوری محنت کرے اور اس کے بعد اپنی محنت کے ماحصل سے اپنے لئے صرف اس قدر لے جس سے اس کی بنیادی ضروریات پوری ہو جائیں ۔ باقی سب دوسروں کی ضروریات کے لئے قرآنی نظام کے حوالے کردے ۔ نظام سرمایہ داری کی اصل و بنیاد فاضلہ دولت (Surplus Money) ہے ۔ قرآنی نظام میں فاضلہ دولت کسی فرد کے پاس رہنے نہیں پاتی ۔ تمام افراد کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری نظام کے سر پر ہوتی ہے اور افراد اپنی محنت کا ماحصل اس نظام کی تحویل میں دے دیتے ہیں ۔ اس لئے نہ کوئی شخص بھوکا مرتا ہے اور نہ ہی کسی کے پاس زائد از ضرورت دولت رہتی ہے ۔

اَلْعَافِیَۃُ وَالْمُعَافَاۃُ کے معنی ہیں دوسروں کی ایذاء سے محفوظ رکھنا ۔ بیماریوں اور آفتوں سے بچانا* ۔ ابن اثیر نے اس کا یہ مفہوم بنایا ہے

*تاج ۔ **محیط ۔

کہ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے مستغنی کر دینا ۔ ایک کی اذیت سے دوسرے کو محفوظ کرنا ۔ گویا نہ کوئی تمہارا محتاج ہو اور نہ تم کسی کے محتاج ہو ۔ اَلْمُعَفِّیْ ۔ وہ شخص جو تمہارے ساتھ رہے لیکن تم سے کسی سلوک کا طلبگار نہ ہو* ۔ طلبگار نہ ہونے کے اعتبار سے اَعْطَیْتُہٗ عَفْوًا کے معنی ہیں میں نے اس کو بے مانگے دے دیا ۔ نیز عَفْوٌ* کے معنی بہترین چیز کے ہوتے ہیں ۔ نیز وہ چیز جس میں کسی قسم کی تکلیف و مشقت نہ اٹھانی پڑے* ۔

سورۃ بقرہ میں بنی اسرائیل کی خطاکاری کے بعد کہا ہے ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ (۲/۵۲) ۔ یعنی اس غلطی کے مضر اثرات کو مٹا دیا ۔ اسے معاف کرنا یا در گزر کرنا کہتے ہیں (واضح رہے کہ یہ اثر اس طرح سے مٹتا ہے کہ کوئی ایسا اچھا کام کیا جائے جس کے خوشگوار نتائج پہلی غلطی کے مضر نتائج کی تلافی کردیں ۔ (دیکھئے عنوان ح ۔ س ۔ ن اور س ۔ و ۔ ا) ۔ اپنے حق کو چھوڑ دینے کے معنوں کے لئے (۲/۲۳۷) دیکھئے ۔ آگے بڑھ جانے کے معنوں میں یہ لفظ (۷/۹۵) میں آیا ہے ۔ یعنی وہ تعداد میں زیادہ ہوگئے ۔ ترقی کر گئے ۔

سورۃ شوریٰ میں ہے وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا ۔ یعنی قانون عدل کا اصول یہ ہونا چاہئے کہ سزا ہمیشہ جرم کی نسبت سے دی جائے ۔ جیسا جرم ویسی سزا ۔ اس کے بعد ہے وَ مَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (۴۲/۴۰) ۔ لیکن اگر مستغیث معاف کردے اور اس طرح مجرم کی اصلاح کردے اور معاشرہ میں ہمواریاں پیدا کرنے کا موجب بن جائے، تو اس کا اجر اللہ سے ملیگا ۔ یعنی عدل سے مقصد تلافی مافات ہوتا ہے یا اصلاح ۔ انتقامی سزا اس صورت میں دی جاتی ہے جب اول الذکر صورتوں کا امکان نہ ہو ۔ [گناہوں کے معاف ہو جانے کے متعلق عنوانات (ت ۔ و ۔ ب) و (غ ۔ ف ۔ ر) اور (ح ۔ س ۔ ن) دیکھئے ۔]

ع ق ب

اَلْعَقِبُ ۔ اَلْعَاقِبُ ۔ اَلْعَاقِبَۃُ ۔ اَلْعُقْبٰی ۔ اَلْعُقْبٰی ۔ ان الفاظ کے معنی ہیں ہر چیز کا آخر ۔ یہی اس مادہ کے اصلی معنی ہیں ۔ باقی تمام معانی (جو بہت سے ہیں) اسی مرکزی مفہوم کے گرد گھومتے ہیں ۔ اَلْعَقِبُ ۔ ایڑھی (جمع اَعْقَابٌ*) ۔ اولاد ۔ نسل جو انسان کے پیچھے آتی ہے ۔ بیٹے پوتے ۔ اَلْعَاقِبُ ۔ ہر وہ چیز جو کسی دوسری چیز کی جانشین ہو ۔

*تاج ۔

اسکے پیچھے آئے ۔ مثلاً بیٹا ۔ سردار قوم کے پیچھے آنے والا افسر ۔ عَقَبَۃ ۔ وہ اسکا جانشین ہوا ۔ تَعَاقَبَ الْمُسَافِرَانِ عَلَی الدَّابَّۃِ ۔ دو مسافر یکے بعد دیگرے ایک سواری پر سوار ہوئے ۔ اَلْعُقْبَۃُ ۔ دن کو بھی کہتے ہیں اور رات کو بھی ، کیونکہ دونوں یکے بعد دیگرے آتے ہیں ۔ نیز اس کے معنی باری یا بدل کے بھی ہیں ۔ تَعَقُّبٌ ۔ ادھر ادھر دیکھنا یا مڑکر پیچھے کو دیکھنا یا لوٹنا ۔ تَعَقُّبٌ ۔ کسیکا پیچھا کرنا ۔ نیز کسی کو جرم کی وجہ سے گرفتار کرنا اور اسے جرم کی سزا دینا * ۔

راغب نے کہا ہے کہ اَلْعُقْبُ وَالْعُقْبٰی ۔ اچھے بدلے کیلئے مخصوص ہوتے ہیں ۔ نیز عَاقِبَۃٌ بھی ۔ اور عِقَابٌ اور عُقُوْبَۃٌ سزا کیلئے ** ۔ لیکن یہ کلیہ نہیں ۔ قرآن کریم میں عُقْبٰی کا لفظ مومنین کی جزا اور کفار کی سزا دونوں کے لئے آیا ہے (۱۳/۴۲) ۔ محیط میں اَلْمُعَقِّبُ کے معنے ٹال مٹول کرنے والے کے بھی ہیں *** ۔ قرآن کریم میں ہے وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ (۱۳/۴۱) ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے فیصلے کی کہیں اپیل نہیں ہو سکتی ۔ اس کے فیصلے کے بعد کسی اور کا فیصلہ نہیں آسکتا ۔ اَلْعَقَبَۃُ ۔ پہاڑ پر چڑھنے کا دشوار گذار راستہ * ۔ (۹۰/۱۱) ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنوں میں بلندی ، سختی اور صعوبت بھی لکھے ہیں ۔

قرآن کریم نے اعمال کے نتائج کیلئے اس مادہ کے مشتقات استعمال کرکے ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف راہ نمائی کی ہے ۔ قانون مکافات کے معنی یہ ہیں کہ ہر عمل کا نتیجہ اسکے ساتھ ہی لگا ہوا ہوتا ہے ۔ یعنی آگے آگے کام جاتا ہے اور اسکے پیچھے پیچھے اسکا نتیجہ چلا جاتا ہے ۔ اسے جزا اور سزا کہتے ہیں ۔ لہذا جزا یا سزا کہیں خارج سے نہیں آتی ۔ خود اعمال کے اندر ہی پوشیدہ ہوتی ہے ۔ اعمال کا جزء ہوتی ہے ۔ جیسے ورزش کا نتیجہ (صحت) خود اس عمل کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے چلا آتا ہے ۔ اسلئے سورہ رعد میں کہا ہے کہ لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ (۱۳/۱۱) ۔ ہر انسان (یا اسکے عمل) کے ساتھ اسکے آگے اور پیچھے ایسی قوتیں لگی ہوئی ہیں جو خدا کے قانون کے مطابق اسکی نگرانی کرتی ہیں اور اس کے ہر عمل کو آخری نتیجہ تک پہنچا کر چھوڑتی ہیں ، اسی کو مآل کار ، یا کام کا آخری نتیجہ کہتے ہیں ۔ یہی ہر انسانی عمل کی عَاقِبَۃٌ یا عُقْبٰی ہے ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** محیط ۔

یعنی اس کا آخری نتیجہ ۔ تِلْکَ عُقْبَی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (۱۳/۳۵)۔ بہ مآل (انجام) ہے ان لوگوں کا جو قانون خداوندی کی نگہداشت کرتے ہیں ۔ لہذا عُقْبٰی کے معنی اس دنیا کے بعد دوسری دنیا ہی نہیں ۔ اس کے معنی ہر کام کا نتیجہ یا انجام ہیں ۔ خواہ وہ انجام اسی دنیا میں سامنے آجائے ۔ (یا اس کے بعد کی زندگی میں) ۔ چنانچہ (۱۳/۲۲) میں جو آیا ہے اُولٰئِکَ لَھُمْ عُقْبَی الدَّارِ تو اسکے معنی یہی ہیں کہ ان کے لئے اس دنیا کا انجام نہایت اچھا ہے ۔ یہی معنی عَاقِبَۃُ الدَّارِ (۶/۱۳۵) کے ہیں جہاں یہ کہہ کر بات واضح کر دی ہے کہ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ تمہیں جلدی معلوم ہوجائیگا ۔ یعنی اسی زندگی میں بات واضح ہو جائیگی کہ دنیا کی خوشگواریاں کس کے لئے ہیں ۔

یَنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ ۔ اپنی ایڑھیوں پر لوٹ جانا ۔ بمقابلہ اتباع (۲/۱۴۳) ۔ اس کے معنی پھر اسی حالت کی طرف لوٹ جانا ، پھر اسی روش زندگی کو اختیار کرلینا ہیں جس پر کوئی پہلے ہو ۔ یعنی جاہلیت کے بعد اسلام قبول کرنا ، اور اسلام کے بعد پھر جاہلیت کی طرف لوٹ جانا ۔ (۳/۱۴۴) میں یہی معنی ہیں جہاں کہا گیا ہے کہ اسلام کا نظام ، رسول اللہ ؐ کی زندگی تک ہی نہیں کہ ان کی وفات کے بعد تم پھر نظام جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ ۔ یہ نظام علیٰ حالہٖ جاری رہیگا ۔ اس سے قرآن کریم نے اس حقیقت عظمیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نظام ، افراد یا شخصیتوں کی زندگی سے وابستہ نہیں ہوتا ۔ وہ اپنے اصولوں کے زور پر آگے چلتا ہے ۔ شخصیتیں آتی ہیں اور جاتی ہیں ۔ لیکن جب تک وہ اصول قائم رہتے ہیں جن پر وہ نظام متشکل ہوا تھا ، وہ نظام رواں دواں آگے بڑھتا رہتا ہے ۔ البتہ جب ان اصولوں کو ترک کر دیا جائے تو پھر وہ نظام ختم ہو جاتا ہے ۔ ختم نبوت کے معنی ہی یہ تھے کہ اب یہ نظام (اسلام) شخصیتوں کے سہاروں کا محتاج نہیں رہیگا ۔ یہ اپنے محکم اصولوں کی قوت پر آگے چلے گا ۔ جب تک امت ان اصولوں پر قائم رہی وہ نظام آگے بڑھتا گیا ۔ جب اس نے وہ اصول چھوڑ دئے تو وہ نظام بھی ختم ہو گیا ۔ اب اس کے احیاء کی صورت یہی ہے کہ قرآن کریم کے اصولوں کو پھر سے ضابطۂ حیات بنا لیا جائے ۔

ع ق د

عَقْدٌ ۔ مضبوطی سے گرہ باندھنا ۔ یہ حَلٌّ (گرہ کھولنا) کی ضد ہے ۔ پھر اسکے معنی کسی بات کو مؤکد کرنے کے ہو گئے ۔ عَقَدَ الْعَھْدَ ۔

اسنے عہد کو مضبوط کر دیا * ۔ اَلَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ (۴/۳۳) وہ لوگ جن سے تم نے محکم عہد باندھ رکھا ہے ۔ اَلْعَقْدُ ۔ عہد و پیمان * ۔ (جمع عُقُوْدٌ*) ۔ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (۵/۱) ۔ اپنے عہدو پیمان کو پورا کرو ۔ اَلْعُقْدَةُ ۔ (جمع عُقَدٌ*) گرہ * ۔ عُقْدَةُ النِّکَاحِ (۲/۲۳۵) ۔ نکاح کی گرہ ۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ (۲۰/۲۷) ۔ میری زبان کی گرہ کھول دے ۔ اسے روانی اور طلاقت عطا کر دے ۔ تاکہ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ (۲۰/۲۸) اہل فرعون میری (حضرت موسٰےؑ کی) بات کو سمجھ لیں ۔

عُقْدَةٌ ۔ ارادے کو پختہ کرنا ۔ حکومت ۔ حکومت کی بیعت وفاداری ۔ (جمع عُقَدٌ*) ۔ اَلنَّاشِئَاتِ فِی الْعُقَدِ (۱۱۳/۴) ۔ وہ جماعتیں جو کسی حکومت کو کمزور کرنے یا اسکی وفاشعاری میں تذبذب پیدا کرنے کی کوشش کریں ۔ یا نفسیاتی اثرات سے کسی کے محکم یقین کو متزلزل کر دیں ۔ اَلْعَقِیْدَةُ ۔ دل میں مضبوطی سے جمی ہوئی بات** ۔ (قرآن کریم میں یہ لفظ نہیں آیا) ۔

ع ق ر

عَقَرَ النَّخْلَةَ ۔ کھجور کے درخت کے بالائی حصہ کو گابھے کے ساتھ کاٹ دینا ، جس کے بعد وہ خشک ہو جاتا ہے * ۔ اور راغب کے نزدیک اس کے معنی ہیں کھجور کے درخت کو جڑ سے کاٹ دینا *** ۔ بہرحال دونوں صورتوں میں اس کے معنی اسے اسطرح کر دینے کے ہیں کہ وہ پھل نہ لاسکے ۔ اس لئے اَلْعَقْرَةُ کے معنی ہیں رحم کا عقیم (بانجھ) ہو جانا ۔ حمل قبول کرنے کی صلاحیت نہ رکھنا ۔ اَلْعَقْرُ ۔ زخمی کرنا ۔ نَاقَةٌ عَقِیْرٌ* ۔ وہ اونٹنی جس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہوں * ۔ قرآن کریم میں عَاقِرٌ* بانجھ عورت کے لئے (۳/۳۹ ; ۱۹/۵) میں آیا ہے ۔ اور عَقَرَ اونٹنی کی کونچیں کاٹ دینے (یا اسے قتل کر دینے) کے لئے (۵۴/۲۹ ; ۹۱/۱۴) میں ۔

ع ق ل

عَقْلٌ* کے معنی ہیں روکنا ۔ منع کرنا ۔ عِقَالٌ* اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کی ٹانگ کے نچلے حصہ کو موڑ کر اس کی پنڈلی کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے ۔ اُعْتُقِلَ لِسَانُهٗ ۔ اسکی زبان رک گئی ۔ وہ بول نہ سکا عَقَلَ ۔ اس نے عقل سے کام لیا ۔ عَقَلَ الشَّیْءَ ۔ کسی چیز کو سمجھا ، اس میں غور و تدبر کیا ۔ عَقَلَ فُلَانًا ۔ فلاں کو روک دیا ۔ بند کر دیا ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

قید کر دیا ۔ اَلْعُقْلَۃُ ۔ وہ چیز جس سے کسی کو باندھ دیا جائے ۔ مثلاً بیڑی وغیرہ ۔ اَلْمَعْقِلُ ۔ جائے پناہ (کیونکہ آدمی اس میں پناہ گیر ہوتا اور رک جاتا ہے ۔ نیز اس لئے کہ وہ جگہ دشمن کو وہاں آنے سے روک دیتی ہے) ۔ بلند پہاڑ کو بھی کہتے ہیں جو روک بن جاتا ہے * ۔

قرآن کریم میں عقل و فکر سے کام لینے کی بڑی تاکید آئی ہے ۔ جو عقل سے کام نہیں لیتے انھیں حیوانات سے بدتر قرار دیا گیا ہے ، اور ان کا مقام جہنم بتایا گیا ہے (۶۷/۱۰) ۔ قرآنی حقائق کو نہ ماننے والوں (کفار) سے بار بار کہا گیا ہے کہ تم عقل و فکر سے کام کیوں نہیں لیتے ۔ تم قرآن کریم میں غور و تدبر کیوں نہیں کرتے ۔ انہیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس کی تائید میں دلیل و برہان پیش کرو ۔ (۲۷/۶۴) ۔ اس اعتبار سے عقل کا مقام بہت بلند ہے ۔ خود عربوں کے ہاں بھی اَلْعَقِیْلَۃُ اس صاحب شرف و عزت خاتون کو کہتے تھے جو پردہ نشین ہو ۔ نیز قوم کے سردار کو ۔ بلکہ ہر اعلیٰ اور بہترین چیز کو * ۔ عَقِیْلَۃُ الْبَحْرِ ۔ موتی کو کہتے ہیں ۔ اور اَلْعَاقُوْلُ ۔ سمندر کے گہرے اور بہت پانی والے حصہ یا سمندر کی موج کو * ۔ واضح رہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنوں کے اعتبار سے ان تمام الفاظ میں یہ مفہوم مشترک ہوگا کہ ان کے بیش قیمت ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی زیادہ حفاظت کرتے ہیں اور انہیں روک کر رکھتے ہیں ۔

عقل کا صحیح منصب یہ ہے کہ وہ انسان کو نا مناسب باتوں سے روکے ۔ لیکن یہی عقل اگر جذبات کے تابع ہو جائے تو تباہیوں اور بربادیوں کا موجب بن جاتی ہے (۲۹/۳۸) ۔ ایسا انسان (یا قوم) علم و عقل کے باوجود زندگی کی غلط روش پر چل نکلتا ہے ۔ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ (۴۵/۲۳) ۔ اور اسکے ذرائع علم اسے کچھ فائدہ نہیں دیتے ۔ (۴۶/۲۶) ۔ جسطرح نشے کی حالت میں انسان کے حواس صحیح کام نہیں کرتے اسی طرح جذبات سے مغلوب ہو کر اسکی عقل صحیح کام نہیں کرتی ۔ وہ جذبات کی لونڈی بن جاتی ہے اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں اس کے حصول کا ذریعہ ۔ اس مقام پر عقل ، انسان کو اسکی انفرادی مفاد پرستیوں کے زنجیروں میں جکڑ دیتی ہے اور اسے ربوبیت عامہ (عالمگیر انسانیت کی نشو و نما) سے روکتی ہے ۔ لہذا عقل کا صحیح مقام یہ ہے کہ اسے وحی کے تابع رکھا جائے ۔ یعنی انسان اپنے جذبات کو وحی کے تابع رکھے تو اسکی عقل اسے صحیح فائدہ پہنچا سکتی ہے (۲۸/۵۰) ۔

* تاج و محیط ۔

بالفاظ دیگر، عقل کو اپنی راہ نمائی کے لئے اسی طرح وحی کی روشنی کی ضرورت ہے جسطرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت ہے ۔ یہ ہے تعلق عقل اور وحی کا ۔ اس طرح عقل سے کام لینے والوں کو مومن کہا گیا ہے (۶۵/۱۰) ۔ جو عقل وحی کے تابع نہیں چلتی اسے شَیْطَانٌ اور اِبْلِیْسٌ کہا گیا ہے ۔ (دیکھئے عنوانات ب ۔ ل ۔ س اور ش ۔ ط ۔ ن) ۔

ع ق م

عُقْمٌ ۔ دراصل اس خشکی کو کہتے ہیں جو کسی چیز کا اثر قبول کرنے میں مانع ہو ۔ عَقِیْمٌ ۔ وہ عورت جو مرد کا مادہ قبول نہ کرے* ۔ لیکن اس لفظ کا استعمال عورت تک ہی محدود نہیں ۔ رَجُلٌ عَقِیْمٌ وَعُقَامٌ ۔ اس مرد کو بھی کہتے ہیں جسکے اولاد نہ ہو ۔ رِیْحٌ عَقِیْمٌ ۔ خشک ہوا جو بادلوں کو ساتھ نہیں لاتی یا بارش نہیں برساتی ، یا درختوں کو بار دار نہیں کرتی ۔ یَوْمٌ عَقِیْمٌ ۔ سخت دن ۔ ایسا دن جس میں ٹھنڈ (سامان راحت) نہ ہو** ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ عُقْمٌ کے اصل معنی بند کرنا ، روکنا ۔ اور قطع کرنا ہیں *** ۔ لیکن ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نمایاں نہ ہونا ۔ تنگ ہونا اور سخت ہونا ہیں ۔ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کے متعلق ہے عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ۔ (۵۱/۲۹) ۔ بڑھیا بانجھ ۔ اسی سورۃ میں ذرا آگے الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ آیا ہے (۵۱/۴۱) ۔ بمقابلہ رِیَاحٌ لَوَاقِحُ (۱۵/۲۲) کے جو پانی برساتی ہیں ۔ سورہ حج میں عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ (۲۲/۵۵) آیا ہے ۔ ”تباہ کرنے والے دن کا عذاب“ ۔ یعنی ایسا عذاب جس سے اس قوم کی نشوونما کی صلاحتیں سلب ہو جائیں ۔ جس سے اسکی جڑ کٹ جائے ۔ وہ عقیم رہ جائے ۔

ع ک ف

عَکَفَ ۔ کسی چیز کو روکنا ، یا رکنا ۔ عَکَفَ عَلَیْہِ ۔ اسکی طرف مسلسل بڑھا اور اس سے اپنا رخ نہ پھیرا ۔ عَکَّفَ ۔ کسی چیز کو بکھرنے سے بچانے کیلئے لڑی میں پرو دینا ، جسطرح موتیوں کو پرو دیا جاتا ہے ۔ عَکَفَ النَّجْمُ فِی النِّظَامِ ۔ گوہر لڑی میں پرگیا ۔ شَعْرٌ مُعْکُوْفٌ ۔ کنگھی کئے ہوئے ، گندھے ہوئے بال (برخلاف پریشان اور بکھرے ہوئے بالوں کے) ۔ اسلئے عَکَفَ کے معنی ہیں (معاملات کو) درست کرنا ** ۔ راغب

* راغب ۔ ** تاج ۔ *** محیط ۔

نے لکھا ہے کہ اَلْعُکُوْفُ۔ تعظیماً کسی شے کی طرف بڑھنے اور اس سے مستقل طور وابستہ ہونے کو کہتے ہیں ** ۔ عَکَفَ الْقَوْمُ حَوْلَہٗ۔ قوم نے اسکے گرد گھیرا بنا لیا *۔

قرآن کریم میں ہے اَلْہَدْیَ مَعْکُوْفًا (۴۸/۲۵) وہ جانور جسے کعبہ لئے جارہے ہوں لیکن اسے راستے میں روک دیا گیا ہو۔ یہاں اسکے معنی روکنے کے ہیں۔ سورہ حج میں ہے کہ کعبہ کو سَوَآءَ نِ الْعَاکِفُ فِیْہِ وَالْبَادِ (۲۲/۲۵) بنایا ہے۔ یعنی وہاں رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں، سب کے لئے یکساں۔ وہ تمام نوع انسانی کے لئے مشترکہ طور پر جائے پناہ ہے اور کسی پر اسکے دروازے بند نہیں۔ نہ ہی کسی کے حقوق زیادہ ہیں۔ سورہ طٰہٰ میں عَاکِفِیْنَ کا لفظ (۲۰/۹۱) میں آیا ہے جسکے معنی ہیں کسی کام پر مسلسل لگے رہنا۔ جمے رہنا۔

کعبہ کے متعلق ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ سے کہا کہ اسے طَائِفِیْنَ اور عَاکِفِیْنَ کے لئے پاکیزہ بنا دیں۔ (۲/۱۲۵)۔ عَاکِفِیْنَ کے معنی ہیں وہ جماعت جو نوع انسانی کا شیرازہ بکھرنے نہ دے بلکہ انہیں ایک رشتہ میں پرو کر انکے معاملات کو درست حالت میں رکھے۔ ان کے الجھے اور بکھرے ہوئے بالوں کی مشاطگی کرے اور اسطرح گیسوئے انسانیت کو سنوار دے۔ (تفصیل اسکی ط۔ و۔ ف کے عنوان میں دیکھئے)۔ یہ ہے منصب امت مسلمہ کا جس کے نظام کا مرکز کعبہ ہے۔ یعنی یہ امت اپنے آپ کو اپنے مرکز نظام خداوندی (کعبہ) سے متمسک رکھتی ہے، اور نوع انسانی کے معاملات کو سنوارتی ہے۔ اسی کو شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ (۲/۱۴۳) بھی کہا ہے۔ یعنی تمام نوع انسانی کے اعمال کی نگران۔ لیکن دوسروں کے اعمال کی نگران وہی جماعت ہوسکتی ہے جو خود قوانین خداوندی پر جم کر رہے اور اپنی تمام توجہات کو اسی نقطہ پر مرکوز رکھے۔

ع ل ق

اَلْعَلَقُ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی بلند چیز کے ساتھ کسی چیز کو باندھنا یا وابستہ کر دینا ہیں۔ اَلْعَلَقُ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس پر کنویں کی چرخی لگی ہوتی ہے۔ یا چرخی مع اپنے ضروری سامان کے۔ اَلْعَلَقُ۔ خون (خواہ کسی قسم کا ہو)۔ یا تیز سرخ

* تاج۔ ** راغب۔

یا گاڑھا یا جما ہوا خون جو ابھی خشک نہ ہوا ہو بلکہ لوتھڑے کی قسم کا ہو۔ نیز جونک جو خون چوس لیتی ہے۔ نیز وہ مٹی جو ہاتھ سے چمٹ جائے۔ اَلْمِعْلَاقُ۔ ہر وہ چیز جس کے ساتھ کسی چیز کو لٹکایا جائے۔ مثلاً ڈول کے دونوں کنارے جن میں رسیاں بندھی ہوتی ہیں انہیں اَلْمِعْلَاقَانِ کہتے ہیں۔ اَلْعَلَّیْقُ۔ ایک قسم کی درخت پر چڑھنے والی بیل یا جھاڑی جس میں کانٹے بہت ہوتے ہیں۔ جب کوئی چیز اس میں الجھ جائے تو اس کا بسلامت نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اَلْعِلَاقَةُ۔ اَلْعَلَاقَةُ۔ محبت کو کہتے ہیں جو دل کے ساتھ چمٹ جاتی ہے۔ اَلْمُعَلَّقَةُ۔ وہ عورت جو شوہر کے مفقود الخبر ہونے کی وجہ سے نہ شادی شدہ کی طرح ہو نہ مطلقہ کی طرح۔ ازہری نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جس کا خاوند نہ اس کے ساتھ انصاف کرے، نہ اسے چھوڑے۔ اور اس طرح اس کی حالت شادی شدہ اور بے شوہر والی عورت کے درمیان ہو جائے اور وہ آدھر لٹکتی رہے*۔ قرآن کریم میں ہے فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (۴/۱۲۹)۔ تو تم اسے معلقہ کی طرح چھوڑ دو۔

سورۃ مومنون میں انسانی بچہ (جنین) کی جو مختلف حالتیں بتلائی گئی ہیں ان میں دوسری حالت عَلَقَةٌ کی ہے (۲۳/۱۴)۔ یعنی جونک کی طرح (Sole-Shaped)۔

سورۃ علق میں ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۹۶/۲)۔ عَلَقٍ کے معنے اگر خون کے لوتھڑے کے لئے جائیں تو آیت میں انسان کی طبیعی خلقت کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور اگر اس کا وسیع مفہوم لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کو اگر (بغیر وحی کی راہ نمائی کے) علی حالہ چھوڑ دیا جائے تو اس کی ہوس کا یہ عالم ہوتا ہے کہ یہ اپنے مفاد کے ساتھ جونک کی طرح چمٹا اور خون پیتا رہتا ہے اور ہر جگہ شکار پھانسنے کی فکر میں رہتا ہے۔ چنانچہ اَعْلَقَ الصَّائِدُ کے معنی ہیں شکاری کے جال میں شکار پھنس گیا**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْعَلَقُ عشق و محبت (جس میں کسی کو جی چاہتا ہے اور اس سے بندھ جاتا ہے یا، بقول تاج، جو دل میں جم جاتی ہے) کو بھی کہتے ہیں۔

ع ل م

عِلْمٌ (عَلِمَ - یَعْلَمُ)۔ کسی چیز کو کماحقہ جاننا۔ پہچاننا۔ حقیقت کا ادراک کرنا۔ یقین حاصل کرنا۔ محسوس کرنا۔ محکم طور پر

*تاج و محیط و راغب **تاج۔

معلوم کرنا* ۔ اس طرح ادراکِ حقیقت کرنے والے کو عَالِم* کہتے ہیں جس کی جمع عَالِمُوْنَ آتی ہے ۔ اور عَلِیْم* کی جمع عُلَمَاءُ* یعنی گہرا اور پختہ علم رکھنے والے ۔ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز پر ایسے نشان کے ہیں جس سے وہ شے دیگر اشیاء سے متمیز ہو سکے۔ (ابن فارس)

عربوں کے نزدیک عِلْم* کا درجہ معرفت اور شعور سے زیادہ بلند ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کے لئے عِلْم* کا لفظ استعمال کرتے ہیں ۔ معرفت یا شعور کا نہیں ۔ چنانچہ خدا کو عَالِم* یا عَلِیْم* کہہ سکتے ہیں ، عَارِف* (معرفت رکھنے والا) یا شَاعِر* (شعور رکھنے والا) نہیں کہہ سکتے ۔ عِلْم* اور مَعْرِفَة* میں (انکے نزدیک) ایک فرق یہ بھی ہے کہ مَعْرِفَت کسی چیز کے آثار و قرائن میں غور و فکر کرکے اس کا ادراک کرنے کو کہتے ہیں لیکن علم کے لئے یہ ضروری نہیں ۔ ثانیاً معرفت کا لفظ بیشتر اس موقع پر استعمال ہوتا ہے جب کوئی چیز ادراک کے بعد دھیان سے نکل جائے اور پھر دوبارہ اس کا ادراک ہو، لیکن عِلْم* میں یہ صورت نہیں ہوتی**۔ (اس علم کی مثال جو تدبر و تفکر سے حاصل نہیں ہوتا وحی ہے ۔ (۵۳/۲) ۔

قرآن کریم نے (۱۶/۷۸) سمع ، بصر اور قلب کو حصول علم کے ذرائع قرار دیا ہے (جو ایمان تک پہنچنے کا ضروری ذریعہ ہے) ۔ دوسرے مقام پر قَلْب* کی جگہ فُؤَاد* بھی کہا ہے (۱۷/۳۶) *** ۔ اس میں علم بذریعہ حواس (Perceptual Knowledge) اور بذریعہ تصورات (Conceptual) دونوں آجاتے ہیں ۔ اور فُؤَاد* کی نسبت سے اس میں احساسات بھی آجاتے ہیں (دیکھئے عنوان ف ۔ أ ۔ د) ۔ لیکن چونکہ علم اس وقت عِلْم* کہلا سکتا ہے جب وہ یقین کے درجے تک پہنچ جائے اس لئے قرآن کریم نے وحی کو عِلْم* کہا ہے اور اس کی ضد کو أَهْوَاء* (۲۳/۷۰) ۔ یعنی انسان کے خود ساختہ تصورات یا جذباتی عقیدت مندیاں جن کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں ہوتی ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم خارجی کائنات کے متعلق علم حاصل کرنے پر بڑا زور دیتا ہے ۔ اس لئے کہ اس علم کی بنیاد دلائل و براہین اور حقائق و شواہد پر ہوتی ہے ۔ جذباتی عقیدت مندی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا ۔ وہ اپنے ہر دعوے کو دلیل و برہان کے زور پر پیش کرتا ہے (۲۷/۶۴) ۔ اور ان دعاوی سے انکار کرنے والوں سے بھی دلائل و براہین طلب کرتا ہے (۲۷/۶۴) ۔ اسے اپنے دعاوی کی محکمیت پر اتنا یقین ہے (اور یقین علم

*تاج و محیط ۔ **تاج ۔ ***قلب اور فؤاد کے فرق کے لئے ف ۔ أ ۔ د کا عنوان دیکھئے۔

سے پیدا ہوتا ہے) کہ وہ ان دعاوی سے انکار کرنے والوں کے متعلق علانیہ کہدیتا ہے کہ وہ ان کی تردید میں کوئی برہان پیش نہیں کرسکتے (۲۳/۱۱۷) ۔ اسی لئے قرآن کریم کی دعوت ، علی وجہ البصیرت دعوت ہے (۱۲/۱۰۸) ۔ یعنی (Rational) طریق ۔

اَلْعَلَمُ وَ الْعَلَامَۃُ ۔ ایسی نشانی جس سے کوئی شے پہچانی جاسکے۔ دو کھیتوں کے درمیان جو ڈول بنا دی جائے* ، اسی طرح ریگستانوں یا دوسرے راستوں میں راہ کی پہچان کے لئے جو چیزیں کھڑی کر دی جاتی تھیں انہیں بھی عَلَامَۃٌ یا عَلَمٌ کہتے تھے* ۔ بڑے اور لمبے پہاڑ کو بھی عَلَمٌ کہتے ہیں ۔ اسکی جمع اَعْلَامٌ ہے (۵۵/۲۴) ۔ اور جھنڈے کو بھی اسی لئے عَلَمٌ کہتے ہیں کہ اس سے ایک جماعت دوسری کو پہچانتی ہے ۔ نیز وہ اثر یا نشان جس سے راستہ کا پتہ چلایا جاسکے مَعْلَمٌ کہلاتا ہے* ۔ اَعْلَمُ اُس اونٹ کو کہتے ہیں جس کا بالائی ہونٹ پھٹا ہو* ۔ قدیم عرب ، جنگ میں گھوڑے پر رنگین اون لٹکا دیتے تھے ۔ اس عمل کے لئے اَعْلَمَ الْفَرَسَ کہتے تھے* ۔ اَعْلَمَ نَفْسَہٗ ۔ اپنے اوپر وہ نشان لگایا جو جنگ میں شریک ہونے والے لگاتے ہیں**** ۔

اسی سے عَالَمٌ ہے (جس کی جمع عَالَمِیْنَ ہے) ۔ اسم آلہ کا ایک وزن فَاعَلٌ بھی ہے جیسے خَاتَمٌ ۔ مَایُخْتَمُ بِہٖ ۔ قَالَبٌ ۔ مَایُقْلَبُ بِہٖ ۔ وغیرہ ۔ عَالَمٌ بھی اسی طرح ہے جس کے معنی ہیں مَایُعْلَمُ بِہٖ ۔ یعنی وہ شے جس کے ذریعے کسی چیز کا علم حاصل کیا جائے ۔ چونکہ خدا کا علم ، کائنات کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اس لئے ساری کائنات عَالَمٌ کہلائی جانے لگی ۔ نیز کائنات کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں میں سے ہر ایک بھی عَالَمٌ کہلائیگا ۔ مثلاً عالم انسان ۔ عالم ماء ۔ عالم نار وغیرہ ۔ اس کی جمع مذکر سالم لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں انسان بھی شامل ہے ۔ اور جب کسی لفظ میں دوسری مخلوقات کے ساتھ انسان بھی شامل ہوں تو انسانوں کو غالب رکھا جاتا ہے** ۔ اسی لئے نسل یا قوم کو بھی عَالَمٌ کہا گیا ہے ۔ (اور قرن اور صدی کو بھی) ۔ قرآن کریم نے عَالَمِیْنَ کو اکثر اَقْوَامٌ کے معنی میں استعمال کیا ہے ۔ یعنی کسی ایک زمانہ (Age) کے ہم عصر انسان ۔ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ ۔ (۲ م ۴۷) یعنی بنی اسرائیل کو (اُس زمانے میں) ان کی ہم عصر اقوام پر فضیلت دی ۔ نیز مختلف قسم کے لوگ یا دنیا بھر کے لوگ ۔ (۱۵/۷۰) ۔ اس جہت سے

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** النہایہ ۔ **** محیط ۔

رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (۱/۱) کے معنی، دور حاضر کی اصطلاح میں ''بین الاقوامی انسانیت کی نشو و نما دینے والا'' بھی ہوسکتے ہیں ۔ یعنی خدا کی عالمگیر ربوبیت انسانیہ ۔ اور تمام کائنات کا نشو و نما دینے والا بھی جس میں انسان بھی شامل ہونگے ۔

اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اگرچہ عَالَمٌ کا لفظ کائنات کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن اہل عرب ہر موجود شے مثلاً پتھر ۔ مٹی کے لئے اسے نہیں بولتے بلکہ وہ اس لفظ کا اطلاق ہر ایسے جداگانہ مجموعہ پر کرتے ہیں جسکے افراد اگر عاقل نہ ہوں تو عاقل سے قریب تر ضرور ہوں ۔ مثلاً عَالَمٌ الْاِنْسَانِ ۔ عَالَمٌ الْحَیَوَانِ یا عَالَمٌ النَّبَاتِ کہہ سکتے ہیں ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہی وہ چیزیں ہیں جن میں خدا کی صفت ربوبیت کا جلوہ نظر آتا ہے کیونکہ ان اشیاء میں صفت ربوبیت کو اپنانے کے لئے بنیادی صلاحیت موجود ہے ۔ اور یہ صفت حیوان میں نمایاں ہے ۔ مثلاً زندگی ۔ غذا حاصل کرنا ۔ سلسلۂ تولید ۔ وغیرہ ۔

لہذا خدا کی رَبِّ الْعَالَمِیْنِیْ کی صفت محسوس اور مشہود شکل میں سامنے آنی چاہئے ۔ محض ذہنی تصور یا عقیدہ میں نہیں رہنی چاہئے ۔ اسی سے حَمْدٌ کی کیفیت پیدا ہوسکتی ہے (دیکھئے عنوان ح ۔ م ۔ د) ۔

قرآن کریم میں ہے عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا (۲/۳۱) ۔ اللہ نے آدم (آدمی) کو تمام اشیائے کائنات کا علم عطا کردیا ۔ یا عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (۹۶/۵) ۔ اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا ۔ اور عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۹۶/۴)۔ اسے قلم سے (لکھنا) سکھایا۔ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ (۵۵/۴)۔ اُسے بولنا (اپنے آپ کو (Express) کرنا) سکھایا ۔ ان مقامات کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس طرح سکھایا جس طرح ایک استاد بچے کو تعلیم دیتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسان کے اندر ان باتوں کی صلاحیت رکھدی ۔ اسے ان کی استعداد عطا کردی ۔ اسکی واضح مثال سورۃ مائدہ میں ملیگی جہاں فرمایا کہ تم اپنے شکاری کتوں کو (شکار پکڑنا) سکھاتے ہو مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰهُ (۵/۴) ۔ اس علم کی رو سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اللہ کسی انسان کو شکاری کتوں کو سدھانے کا طریقہ نہیں سکھاتا ۔ اس نے انسان میں اسکی استعداد رکھ دی ہے جس سے انسان اس علم کو خود حاصل کرتا ہے ۔

لہذا ایک علم تو وہ ہے جو نبی کو خدا کی طرف سے براہ راست ملتا ہے ۔ اسے وحی کہتے ہیں ۔ اور دوسرا علم وہ ہے جس کی استعداد تمام انسانوں

میں رکھ دی گئی ہے ، اور جو انسان چاہے اسے حاصل کرسکتا ہے ۔ قرآن کریم کے ان مقامات میں اس فرق کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے ۔ یعنی یہ فرق کہ کس مقام پر علم سے مراد وحی کا علم ہے اور کس مقام پر عام انسانی استعداد ۔ یہی فرق ایک نبی کے علم میں بھی ہوتا ہے ۔ ایک علم اسے بذریعہ وحی ملتا ہے جس میں کوئی غیر از نبی شریک نہیں ہوتا ۔ اور اس کا دوسرا علم انسانی استعداد ہوتی ہے جس میں اس کی حیثیت نبی کی نہیں ہوتی ، بشر کی ہوتی ہے ۔ یہی وہ حیثیت ہے جس میں اسے دوسروں سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ($\frac{۳}{۱۵۸}$) ۔

سورۃ فاطر میں ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُھَا ۔ کیا تو نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ اللہ بادلوں سے مینہ برساتا ہے اور اس سے مختلف اقسام کے پھل پیدا کرتا ہے ۔ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُھَا وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ ۔ اور پہاڑوں (میں دیکھو کہ کس طرح) سفید اور سرخ خطے (یا طبقات) ہیں جن کی مختلف اقسام ہیں اور بعض ان میں سے بہت سیاہ ہیں ۔ وَمِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ کَذٰلِکَ ۔ اور اسی طرح انسانوں میں ، اور دیگر جانداروں میں اور مویشیوں میں بھی مختلف اقسام ہیں ۔

ان مقامات میں دیکھئے ۔ قرآن کریم نے ان علوم کا ذکر کیا ہے جنہیں دور حاضر کی اصطلاح میں خالصتاً علوم سائنس کہا جاتا ہے ۔ اس کے بعد ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا . . . ($\frac{۳۵}{۲۷-۲۸}$) ۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے بندوں میں سے صرف وہی اس (کی عظمت و قدرت) کے سامنے لرزہ براندام رہتے ہیں جو ''علماء'' ہیں ۔ یعنی جو ان علوم کا علم رکھتے ہیں ۔ آپ نے غور کیا کہ قرآن کریم نے ''علماء'' کا لفظ ٹھیک ان معنوں میں استعمال کیا ہے جن معنوں میں آجکل سائنسدان (Scientist) کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن کریم علم الاشیاء کو بڑی بنیادی اہمیت دیتا ہے ۔ (تفصیل ان امور کی ''سلیم کے نام خطوط'' میں ملیگی) ۔

ع ل ن

عَلَنَ الْاَمْرُ ۔ بات ظاہر ہو گئی اور پھیل گئی ۔ اَلْعِلَانُ ۔ اَلْاِعْلَانُ ۔ کسی کام کو کھلم کھلا کرنا* ۔ اَلْعَلَانِیَۃُ ۔ ظاہر و آشکارا ۔ یہ سِرٌّ کی ضد ہے ، یعنی پوشیدہ یا چھپ کر ۔ نیز راز** ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ

* تاج ۔ ** محیط و راغب ۔

سیرۃ کے مقابل میں آیا ہے (۲۰/۲۱)۔ اَسَرُّ کے بالمقابل اَعْلَنَ ۔ یعنی برملا کہنا، کھول کر کہنا۔ (۲۷/۹)۔

ع ل و

عِلْوُ الشَّیْءِ۔ چیز کا بلند ترین حصہ۔ (سِفْلٌ کی ضد ہے)۔ اَلْعَلَاءُ۔ شرف۔ بلندی۔ اَعْلَاہُ۔ عَالٰی بِہٖ ۔ اِسْتَعْلَاہُ ۔ کسی چیز کے اوپر چڑھ گیا۔ اِسْتَعْلٰی ۔ بلند ہوا۔ غالب ہوا۔ اَعْلَاہُ ۔ اسے بلند کر دیا۔ تَعَالٰی ۔ وہ بلند ہوا (۱۶/۳)۔ اَلْعِلَاوَۃُ ۔ پورے بوجھ کے بعد اوپر سے جو زائد رکھا جائے ۔ نیز یہ زائد یا اوپر سے، کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔

مَا عَلَوْا (۱۴/۷) جس چیز پر بھی وہ غالب آجائیں۔

عُلُوًّا (۱۴/۳) سرکشی۔ لیکن جب یہی لفظ خدا کے لئے بولا جائے تو اس کے معنی عظمت اور بلندی کے ہونگے (۱۴/۳۱)۔ عَالِیَہُنَّ (۲۳/۳۶) سرکشی کرنے والے (اس کا واحد عَالٍ (اَلْعَالِیْ) ہے اور مؤنث عَالِیَۃٌ)۔ لَتَعْلُنَّ تم ضرور سرکشی اختیار کرو گے (۱۴/۳)۔ وَجَعَلْنَا عَالِیَہَا سَافِلَہَا (۱۱/۸۲) ہم نے اس کے بالائی حصہ کو نیچے کا حصہ بنایا۔ اَلْمُتَعَالِ (۱۳/۹) بہت بلند۔ عالی مرتبت۔ اَلَا عْلٰی (۸۷/۱)۔ سب سے بلند۔ سب پر غالب۔

عَلَا (۲۳/۹۱)۔ غالب ہوا (ایک دوسرے پر)۔

عِلِّیُّوْنَ عِلِّیِّیْنَ (۸۳/۱۹-۱۸)۔ بلندیوں کے اوپر بلندیاں*۔ لیکن (۸۳/۲۰) میں عِلِّیُّوْنَ کی تفسیر کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ سے کی گئی ہے۔ لہذا اس کے معنی اعمال نامہ کے ہونگے۔ لکھی ہوئی کتاب۔ لیکن ایسا اعمال نامہ جو انسان کو بلندیوں کیطرف لے جائے۔ اس کے برعکس سِجِّیْنٌ ایسا اعمالنامہ ہے جو انسانی نشوونما کو جکڑ کر رکھ دے۔ (۸۳/۸-۷)۔

سورہ النمل میں ہے اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ (۲۷/۳۱)۔ اس میں تَعْلُوْا کے معنی ہیں سرکشی اختیار کرنا، اور مُسْلِمِیْنَ کے معنی مطیع و فرمانبردار ہو جانا۔

تَعَالَ ۔ عربوں میں جب کوئی بلندی سے نیچے والوں کو آواز دیتا تو یہ لفظ کہتا تھا۔ لیکن کثرت استعمال کے بعد یہ امتیاز باقی نہ رہا اور ہر بلانے والا اس لفظ کو استعمال کرنے لگا **۔ چنانچہ سورہ احزاب میں ہے فَتَعَالَیْنَ (۳۳/۲۸) تم سب ہو رتیں آؤ۔

---

* تاج۔ ** محیط۔

واضح رہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنوں میں بلندی اور غلبہ کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔ لیکن غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے ۔ ایک ظالم پر غلبہ پا کر مظلوم کی حمایت کرنا ۔ یہ غلبہ مستحسن ہے اور جماعت مومنین کا شعار ۔ دوسرا غلبہ یہ ہے کہ کمزوروں اور ناتوانوں پر غلبہ پا کر انہیں اپنے استبداد کا نشانہ بنانا ۔ یہ غلبہ مذموم ہے اور فرعونیت کی علامت ۔ اس قسم کے غلبہ کو ہم نے سرکشی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس میں اپنی قوت کو قوانین خداوندی کے خلاف صرف کیا جاتا ہے ۔ قرآن کریم نے مومنین کے متعلق کہا ہے کہ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۳/۱۳۸) تم افسردہ خاطر مت ہو ۔ اور مت گھبراؤ ۔ (آخرالامر) تم ہی غالب ہو گے ، اس لئے کہ تم قوانین خداوندی کی صداقتوں پر یقین رکھتے ہو ۔ اس میں اسی غلبہ کی طرف اشارہ ہے جو طاغوتی قوتوں کو شکست دیکر ، دنیا میں نظام عدل و مساوات قائم کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے ۔ مومن کبھی کافر سے مغلوب نہیں رہ سکتا ۔ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (۴/۱۴۱) ''اور اللہ عرگز کافروں کو مومنوں پر غلبہ کی راہ نہیں دیگا'' ۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی معرکہ میں جماعت مومنین کو ہنگامی طور پر شکست ہوجائے (۳/۱۳۹) ۔ لیکن کفار کا مؤمنین پر غالب رہنا ، ناممکن ہے ۔ لہذا اگر اپنے آپ کو ''مؤمن'' کہنے والے مستقلاً کفار سے مغلوب ہیں (خواہ کفار کا غلبہ حکمران کا ہو یا معاشی و معاشرتی) تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ قرآن کریم کی رو سے مؤمن کی (Definition) پر پورے نہیں اترتے ۔ کفار سے مغلوب ہونا تو ایکطرف ، مومن کی یہ کیفیت ہے کہ ، اقبال کے الفاظ میں

مومنے بالائے ہر بالاترے غیرت او برتنابد همسرے

(عَلیٰ ۔ حرف ہے جو الگ لکھا گیا ہے ۔ دیکھئے عنوان ''عَلیٰ'')

عَلٰی (حرف)

عَلٰی ۔ یہ حرف بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔

(۱) پر ۔ اوپر ۔ خواہ حقیقتاً ہو ۔ جیسے عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ (۴۰/۸۰) تم کشتیوں کے اوپر سوار کرائے جاتے ہو (سوار ہوتے ہو) ۔

خواہ مجازاً ۔ جیسے فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۲/۲۵۳) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ۔

(۲) قریب کے معنوں میں — اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی (۲۰/۱۰) یا میں اس آگ کے قریب کسی راہ نما کو دیکھوں (دیکھئے عنوان ھ - د - ی)

(۳) باوجود کے مفہوم میں - وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ (۲/۱۷۷) مال کی محبت کے باوجود اسے (دوسروں کو) دے۔

(۴) مِنْ (سے) کے معنوں میں - اِذَا اكْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ (۸۳/۲) جب وہ لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں۔

(۵) "کی وجہ سے" کے معنوں میں - لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ (۲/۱۸۵) تاکہ تم اللہ (کے نظام) کو بلند کرو، اس وجہ سے (یا اس بنیاد پر) کہ اس نے تمہیں راہ نمائی دی ہے - (لیکن یہاں اس کے معنی ذریعے کے بھی ہو سکتے ہیں - یعنی تم ہدایت خداوندی (قرآن) کے ذریعے اللہ کے نظام کو بلند کرو۔ (دیکھئے نمبر ۱۳ -) - (نیز "کے مطابق" بھی - دیکھئے نمبر ۱۱)

(۶) فِیْ (میں) کے معنوں میں وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا (۲۸/۱۵) وہ اسوقت شہر میں داخل ہوا جب اسکے رہنے والے بیخبر تھے - ان کی بےخبری کی حالت میں.....

(۷) "کے ساتھ - کے متعلق" کے معنوں میں - حَقِیْقٌ عَلٰی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (۷/۱۰۵) مجھ پر واجب ہے کہ میں اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہ کہوں - اس میں عَلٰی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ کا مطلب ہے بِاَنْ لَّآ اَقُوْلَ - یعنی یہ کہ میں کچھ نہ کہوں - (سوائے حق کے)۔

(۸) اِلٰی (تک) کے معنوں میں - وَعَلَی اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِیْلِ (۱۶/۹) اور درمیانی (سیدھی) راہ اللہ تک پہنچتی ہے - جیسا کہ دوسری جگہ کہا ہے - هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ (۱۵/۴۱) یہ سیدھا راستہ مجھ تک پہنچتا ہے -

(۹) سامنے - روبرو - وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (۲۰/۳۹) تاکہ تیری تربیت میرے سامنے ہو۔

(۱۰) خلاف - لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا (۲۰/۶۱) تم اللہ کے خلاف جھوٹ تو نہ تراشو۔

(۱۱) کے مطابق - اِعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ (۶/۱۳۵) تم اپنی طاقت کے مطابق (یا اپنی جگہ پر) کام کرو۔

(۱۲) کبھی یہ زائد بھی ہوتا ہے (یعنی اسکے کچھ معنی نہیں ہوتے)۔

(۱۳) بذریعہ ۔ کے ذریعے ۔ مثلاً سورہ آل عمران میں ہے رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ (۳/۱۹۳) ۔ اے ہمارے پروردگار! جو کچھ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے وعدہ کیا تھا، وہ ہمیں عطا کر۔

(۱۴) عَلَیْہِ ۔ اس کے خلاف ۔ عربی زبان میں ''ل'' کسی کے فائدہ کے لئے آتا ہے اور اس کے برعکس ''عَلٰی'' آتا ہے ۔ قرآن کریم میں عورتوں کے حقوق (مفاد) اور ذمہ داریوں کے متعلق آیا ہے ۔ وَلَہُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْہِنَّ (۲/۲۲۸) ۔ جسقدر ان کی ذمہ داریاں ہیں اسی کے مثل ان کے حقوق ہیں۔

(۱۵) عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ ۔ تم پر سچائی واجب ہے ۔ تم ہمیشہ سچائی کے ساتھ رہو، اور اسے نہ چھوڑو۔ (یہ اسم فعل ہے)

قرآن کریم میں ہے عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ (۵/۱۰۵) ۔ تم پر اپنی ذات (کی اصلاح) واجب ہے۔

عَمَّا (حرف)

دیکھئے عَنْ اور مَا۔

ع م د

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادے کے بنیادی معنی استقامت و استواری (سیدھا کھڑے ہو جانا) ہیں، خواہ وہ محسوس چیزوں میں ہو یا رائے اور ارادے میں ۔ اَلْعُمُوْدُ ۔ اس لکڑی (بلّی) کو کہتے ہیں جو خیمہ کے وسط میں ہوتی ہے اور جس کے سہارے خیمہ کھڑا کیا جاتا ہے ۔ اس کی جمع اَعْمِدَۃٌ عَمَدٌ ۔ عُمُدٌ آتی ہے ۔ اَلْعَمَدُ ۔ سنگ مرمر کے ستونوں کو بھی کہتے ہیں*۔ قرآن کریم میں ہے رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَہَا (۱۳/۲) ۔ خدا نے فضائی کرّوں کو بغیر مرئی (Visible) اور محسوس ستونوں کے کھڑا کر رکھا ہے ۔ ان کے ستون، وہ باہمی کشش و جذب ہے جو آنکھوں سے نہیں دیکھی جاسکتی ۔ اس میں عَمَدٌ جمع ہے عَمُوْدٌ کی یا عِمَادٌ کی ۔ سورۃ الھمزہ میں ہے فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ (۱۰۴/۹) ۔ لمبے لمبے ستونوں میں ۔

*تاج ۔

اَلْعَمْوَدُ ۔ وہ سردار جس پر معاملات میں بھروسہ کیا جائے ۔ رئیس لشکر ۔ طَوِیْلُ الْعِمَادِ ۔ لمبے تڑنگے آدمی کو کہتے ہیں ۔ عِمَادٌ کے معنے طول اور لمبائی بھی ہیں* ۔ قرآن کریم میں قوم عاد کے متعلق ہے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۸۹/۷) ۔ اس کے معنوں میں مختلف اقوال ہیں۔ اَلْعِمَادُ بلند عمارتوں کو کہتے ہیں* ۔ اس کا واحد عِمَادَۃٌ ہے ۔ اس سے اس کے معنے ہونگے وہ قوم جو بڑی بڑی بلند عمارتوں کی مالک تھی ۔ عِمَادٌ خیموں کو بھی کہتے ہیں ۔ اس سے اس کے معنے ہونگے وہ لوگ جو خیموں میں رہا کرتے تھے* ۔ یا وہ لوگ جن کے قد لمبے تھے* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْعِمَادُ اس چیز کو کہتے ہیں جس پر ٹیک لگائی جائے اور بھروسہ کیا جائے۔ لہذا ذَاتِ الْعِمَادِ کے معنے ہونگے ان چیزوں کے مالک جن پر انہیں بڑا بھروسہ تھا** ۔ اَلْعُمْدَۃُ ۔ جس پر اعتماد یا بھروسہ کیا جائے*** ۔

اَلْعَمْدُ ۔ اَلتَّعَمُّدُ ۔ وہ کام جو مقصد و نیت سے کیا جائے ۔ یہ خَطَأٌ کے مقابلہ میں آیا ہے (۴/۹۳ و ۵/۱۰۶ و ۵/۹۳) ۔ (قتل عمد اور قتل خطا کے لئے دیکھئے عنوان ق ۔ ت ۔ ل) ۔

ع م ر

اَلْعِمَارَۃُ ۔ خَرَابٌ کی ضد ہے ۔ خَرَابٌ کے معنی ہیں ویران اور برباد کرنا ۔ لہذا عِمَارَۃٌ کے معنی ہیں آباد کرنا ۔ اَلْعُمُرُ ۔ اس مدت کا نام ہے جس میں بدن حیات کے ساتھ آباد رہے** ۔ عَمَّرَہُ اللّٰہُ ۔ خدا نے اس کی عمر دراز کی ۔ اسے باقی رکھا* ۔ ابن فارس کے نزدیک اس مادہ کے بنیادی معنی دو ہیں ۔ (۱) بقاء اور درازیِ زمانہ اور (۲) اونچی اور بلند ہونے والی چیز، خواہ وہ آواز ہو یا اس کے سوا کوئی اور چیز ۔ سورۃ بقرہ میں ہے لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ (۲/۹۶) ۔ ''کاش! اُسے ہزار سال تک جیتا رکھا جائے'' ۔ اَعْمَرَ الْاَرْضَ ۔ زمین کو آباد پایا ۔ اَلْعِمَارَۃُ ۔ جس سے جگہ کو آباد کیا جائے۔ اَلْعُمْرَۃُ ۔ ملاقات ۔ کسی آباد جگہ جانا ۔ شرعاً حج کے علاوہ کعبہ کی زیارت اور طواف وغیرہ کرنے کو کہتے ہیں ۔ اِعْتَمَرَ (۲/۱۵۸) ۔ عمرہ کرنا تَعْمِیْرُ الثَّوْبِ ۔ کپڑے کی بناوٹ کا عمدہ کرنا ۔ اَلْعَمْرُ ۔ دین ۔ چنانچہ جہاں قرآن کریم میں ہے لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ (۱۵/۷۲) تو اس کے معنی یہی ہیں کہ تیرا دین اس حقیقت پر شاہد ہے* ۔ (اگرچہ عرب عام طور پر لَعَمْرُکَ ۔ تیری حیات و بقاء کی قسم کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں) ۔

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط ۔

قرآن کریم میں ہے مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللّٰهِ (۹/۱۷) ۔ مشرکین کا کام نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں۔ مسجد ، خدا کے نظام توحید کا مرکز ہے ۔ یعنی اس نظام کا جس میں اطاعت صرف خدا کے قوانین کی کی جاتی ہے ۔ لہذا جو لوگ ان قوانین کے ساتھ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کو بھی شامل کریں وہ ان مراکز کی آبادی کا باعث کیسے بن سکتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس مسجد کو جو امت میں تفرقہ پیدا کرنے کی غرض سے بنائی گئی تھی ، جہنم کا ایندھن بتایا ۔ (۹/۱۰۷-۱۰۹) ۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی رو سے فرقہ پرستی بھی شرک ہے (۳۰/۳۲) ۔

سورۃ طور میں وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ (۵۲/۴) آیا ہے ۔ آباد کیا ہوا گھر ۔ آباد رکھنے کی جگہ ۔ وہ جگہ جو ہمیشہ آباد رہیگی ۔ (یعنی خانہ کعبہ)۔

قرآن کریم میں آل عمران کا ذکر آیا ہے (۳/۳۳) ۔ کہتے ہیں کہ عمران حضرت موسٰے ؑ کے والد کا نام تھا ۔ اس لئے آل عمران سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ امْرَأَتُ عِمْرَانَ (۳/۳۵) ۔ آل عمران کی ایک عورت یا عمران کی بیوی ۔ ابْنَتَ عِمْرَانَ (۶۶/۱۲) ۔ آل عمران کی ایک لڑکی (حضرت مریم ؑ) ۔ یا عمران کی بیٹی ۔

ع م ق

اَلْعَمْقُ ۔ اَلْعُمْقُ ۔ اَلْعُمُقُ ۔ کنویں وغیرہ کی گہرائی ۔ راغب نے کہا ہے در اصل عَمْقٌ نیچے کی طرف دوری (گہرائی) کو کہتے ہیں ۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ جب عُمُقٌ راستے کی صفت ہو تو اس کے معنی دوری کے ہوتے ہیں اور جب کنویں کی صفت ہو ، تو اس کے معنی گہرائی کے ہوتے ہیں* ۔ (بحوالہ ابن فارس) ۔

قرآن کریم میں ہے مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (۲۲/۲۷) ۔ اسکے معنی ہیں ہر دور دراز راستے سے ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْعُمْقُ ۔ اَلْعَمَاقَةُ کے معنی لمبا ہونا ۔ بعید ہونا ۔ اور پھیلا ہوا ہونا، نیز گہرا ہونا ہیں** ۔

ع م ل

عَمَلٌ کے معنی کام کاج ، ہنر مندی ، مہارت اور ہوشیاری سے کام کرنا ہیں ۔ بعض لغویین کا خیال ہے کہ عمل کا لفظ فعل سے زیادہ خاص ہے

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔

اس لئے کہ عمل ایک گونہ مشقت سے کسی کام کو کرنے کے لئے بولا جاتا ہے ۔ اسی لئے عَمِلَ کا لفظ خدا کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا ۔ فَعَلَ کا لفظ کیا جاتا ہے ۔ (فَعَلَ اور عَمِلَ میں جو اور فرق ہیں اسے ف ۔ ع ۔ ل کے عنوان میں لکھا گیا ہے ۔ علاوہ بریں) راغب نے کہا ہے کہ عَمَلٌ ہر وہ کام ہے جو کسی جاندار سے ارادۃً سرزد ہو ، اسکے برعکس فِعْلٌ کا لفظ حیوانات کی طرف اُس وقت بھی منسوب ہوسکتا ہے جب ان سے کوئی کام بلاقصد سرزد ہو ۔ حتّٰی کہ جمادات کی طرف بھی ۔ عَمَلٌ کا لفظ ان کی طرف بہت کم منسوب ہوتا ہے* ۔ صاحب محیط نے تو بعض اہل لغت کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عَمَلٌ در حقیقت عِلْمٌ کی مقلوب شکل ہے ۔ لہذا عَمَلٌ کے لئے علم لاینفک شرط ہے** ۔ (جیسا کہ ف ۔ ع ۔ ل کے عنوان میں کہا گیا ہے) عَمَلٌ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام محض ہنگامی طور پر سرانجام نہ دیا گیا ہو بلکہ وہ عام طور پر (ہمیشہ کے لئے) کیا جاتا ہو ۔ عَامِلٌ ۔ کام کرنے والا ۔ (جمع عَامِلُوْنَ اور عَامِلِیْنَ) وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا (۹/۶۰) ۔ ٹیکس وصول کرنے والے ۔

قرآن کریم اَعْمَال کے نتائج بتاتا ہے ۔ یعنی ان کاموں کے نتائج جنہیں انسان قصد اور ارادے کے ساتھ کرے ۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَّلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۱۶/۹۷) ۔ جو کوئی صلاحیت بخش کام کرتا ہے ، مرد ہو یا عورت ، اور وہ مومن بھی ہے ، تو ہم بالضرور انہیں خوشگوار زندگی عطا کرینگے اور بالضرور انہیں باحسن طریق ان کے ان کاموں کا اجر دینگے جنہیں وہ کرتے رہے ۔ قرآنی تعلیم کا نقطہ ماسکہ ہی ایمان اور عمل ہے ۔ یعنی قوانین خداوندی (یا مستقل اقدار) کی صداقت پر یقین اور ان کے حصول اور بقا کے لئے مسلسل عمل ، اس یقین کے ساتھ کہ ہر عمل اپنا نتیجہ مرتب کرتا ہے ۔ یہ ہے اسلام ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ان اعمال پر استقامت کے ساتھ قائم رہا جائے ، کیونکہ (جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے) عمل کی معنوی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کام ہمیشہ کے لئے کیا جاتا ہو ۔

ع م م

اَلْعَمُّ ۔ باپ کا بھائی ۔ چچا ۔ (اسکی جمع اَعْمَامٌ ۔ عُمُوْمَۃٌ ۔ اور اَعُمٌّ آتی ہے) ۔ اَلْعَمَّۃُ ۔ باپ کی بہن یعنی پھوپھی ۔ اسکی جمع عَمَّاتٌ ہے ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

راغب نے کہا ہے کہ اس کی اصل عَمْوٌ م ہے جس کے معنی شامل ہونے کے ہوتے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی طول ، کثرت اور بلندی کے ہوتے ہیں ۔ اَلنَّعَامِیْمُ ۔ لمبے پودے کو کہتے ہیں ۔ اور لمبے کھجور کے درخت کو عَمَّةٌ کہتے ہیں ۔ عَمَّ الشَّیْءُ عُمُوْماً ۔ شے عام ہو گئی ۔ یعنی تمام افراد اس میں شامل ہو گئے ۔ اَلْعَامَّةُ ۔ عام لوگوں کو کہتے ہیں ۔ العِمَامَةُ ۔ ہر وہ چیز جسے سر پر لپیٹ لیا جائے *۔

قرآن کریم میں عَمّٰتُکُمْ (۴/۲۳) باپ کی بہنوں (پھوپھیوں) سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے ۔

ع م ہ

عَمَهٌ کے معنی ہیں راستہ کھو کر ، یا تحیر میں ، ادھر ادھر پھرنا یا نگاہ دوڑانا لیکن یہ نہ معلوم ہونا کہ صحیح رخ کونسا ہے ۔ اَرْضٌ عَمْهَاءُ اُس سر زمین کو کہتے ہیں جس پر راستہ دکھانے والے نشانات نہ ہوں ۔ اور ذَہَبَتْ اِبِلُہٗ اَلْعَمْهٰی اُسوقت کہتے ہیں جب کسی کے اونٹ اسطرح کھو جائیں کہ پتہ ہی نہ لگ سکے کہ وہ کدھر چلے گئے ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں راستہ کی طرف کم راہ نمائی ہونا اور حیرانگی ۔ یعنی معاملہٗ پیش نظر کے متعلق انسان کی سمجھ میں نہ آئے کہ کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے اور اسکی وجہ سے وہ حیران و پریشان ہو ۔

اس اعتبار سے بصیرت کے اندھے پن کو عَمَهٌ کہتے ہیں اور بصارت کے اندھے پن کو عَمًی *** ۔ اگرچہ راغب اور زمخشری کے نزدیک عَمًی کا لفظ بصارت و بصیرت دونوں کے اندھے پن کیلئے بولا جاسکتا ہے اور یہی درست ہے ۔ قرآن کریم میں ہے لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ (۲۴/۶۱) ۔ یہاں اَعْمٰی سے مراد بصارت کا اندھا ہے ۔ اور سورہ بقرہ میں ہے صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ (۲/۱۸) ۔ یہاں عُمْیٌ سے مراد بصیرت کا اندھا ہے ۔ عَمِہَ فُلَانٌ ۔ اُسوقت کہتے ہیں جب کسی شخص کو اپنی بات ثابت کرنیکے لئے دلیل نہ مل سکے اور وہ اسطرح حیران رہ جائے ** ۔

سورہ بقرہ میں فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ (۲/۱۵) ۔ راستہ کھو کر حیران و سرگرداں پھرنے کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے ۔ سورہ المومنون میں پہلے کہا کہ یہ لوگ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاکِبُوْنَ (۲۳/۷۴) ہیں ۔ یعنی

*تاج و راغب ۔ **تاج و محیط ۔ ***لطائف اللغة ۔

سیدھے راستہ سے ہٹ جانے والے۔ اور اس کے بعد کہا فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ (۲۳/۷۵) ۔ اس سے عَمَہ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنی سیدھا راستہ کھو کر یا اس سے ہٹ کر صحیح راستہ نہ ملنے کی وجہ سے حیران و پریشان پھرنا ۔

ع م ی

عَمِیَ ۔ یَعْمٰی۔ عَمًی کے معنی ہیں دونوں آنکھوں سے نابینا ہوجانا۔ اگر کوئی شخص ایک آنکھ سے اندھا ہو جائے تو اسے اَعْمٰی نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ (جیسا کہ صاحب لطائف اللغۃ نے کہا ہے) بصیرت کے زائل ہونے کو عَمَہ کہا جاتا ہے اور بصارت کے چلے جانے کو عَمًی ، لیکن اَلْعَمٰی دل کی بصیرت کے زائل ہو جانے کو بھی کہتے ہیں (دیکھئے عنوان ع ۔ م ۔ ہ)۔ عَمِیَّۃ کے معنی ہیں گمراہ ہو جانا ۔ باطل پر مصر ہو جانا ۔ اَلْاَعْمَاءُ ۔ وہ افتادہ زمینیں جہاں آبادی کا نشان تک دکھائی نہ دے۔ اَلْاَعْمَیَانِ ۔ سیلاب اور آتش زدگی کی تباہی کو کہتے ہیں کیونکہ جب یہ (دونوں) آتے ہیں تو نہ نیک کو دیکھتے ہیں نہ بد کو۔ اندھا دھند آگے بڑھے چلے جاتے ہیں۔ اَلْعَمَامِیُ ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جسے راستہ نہ مل سکے *۔

عَمِیَ عَلَیْہِ الْاَمْرُ کے معنی ہیں اس پر فلاں معاملہ غیر واضح اور مشتبہ ہو گیا ** ۔ اَلْعَمَایَۃُ ۔ گمراہی ، بے راہ روی اور ہٹ دھرمی ۔ نیز ظلمت شب کے آخری باقیماندہ حصے کو بھی کہتے ہیں * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی چھپانے اور ڈھانپنے کے ہیں ۔

صاحب لسان العرب کے نزدیک قَوْمٌ عَمُّوْنَ اسوقت کہتے ہیں جب قوم تاریکی میں ہو اور حالات کا صحیح صحیح اندازہ لگا سکنے کے قابل نہ رہے *** ۔

قرآن کریم میں ہے وَمَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا (۱۷/۷۲) ۔ جو شخص اس دنیا کی زندگی میں اندھا ہے وہ آخرت کی زندگی میں بھی اندھا ہوگا اور بالکل راہ گم کردہ ۔ فراء کا قول ہے کہ اس آیت میں اَعْمٰی کے معنی ہیں دنیاوی نعمتوں سے محروم ، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو قوم اس دنیا میں نعمتوں اور آسائشوں سے محروم ہے وہ مستقبل کی زندگی میں بھی نعمتوں سے محروم رہیگی ۔ وہ شاہراہ حیات سے اسقدر بھٹکی ہوئی ہوگی کہ صحیح راستہ سے بہت دور جا پڑے گی *** ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***لسان العرب ۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں وَاَضَلَّ سَبِیْلَہٗ کے ٹکڑے نے اَعْمٰی کا مفہوم واضح کر دیا ہے۔ جو شخص سیدھے راستہ سے بھٹک کر غلط راہوں میں دور نکل جائے، وہ بھوک پیاس خستگی اور واماندگی جیسی صدہا مشکلات سے دوچار ہوتا ہے اور زندگی کی نعمتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ ایسے صحرائے حیات میں کوئی نشان راہ دکھائی نہیں دیتا۔ اسکی تشریح خود قرآن کریم نے دوسرے مقام پر کر دی ہے جہاں کہا ہے کہ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا وَّنَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی (۲۰/۱۲۴)۔ جو ہمارے قانون حیات سے اعراض برتیگا تو اس کی معیشت تنگ ہو جائیگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائینگے۔ لہذا قانون خداوندی کے چھوڑ دینے سے دنیاوی زندگی میں محتاجی اور ذلت نصیب ہوتی ہے، اور جس کی دنیاوی زندگی یوں ذلیل ہو اسکی آخرت بھی ذلیل ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں صُمٌّ۔ بُکْمٌ کے ساتھ عُمْیٌ کا لفظ آیا ہے (۲/۱۸) (نیز عُمْیَانًا۔ ۲۵/۷۳) جسکے معنی اندھے کے ہیں۔ عُمْیٌ اور عُمْیَانٌ اَعْمٰی کی جمع ہیں۔ سورہ طٰہٰ میں اَعْمٰی کے مقابلہ میں بَصِیْرٌ کا لفظ آیا ہے (۲۰/۱۲۵)۔ اور سورہ انعام میں بتا دیا گیا ہے کہ جو وحی کی روشنی میں چلے وہ بَصِیْرٌ ہے اور جو اسکا اتباع نہ کرے وہ اَعْمٰی ہے (۶/۵۰)۔ سورہ حم السجدہ میں الْعَمٰی کے مقابلہ میں الْھُدٰی کا لفظ آیا ہے۔ (۴۱/۱۷)۔ یہاں الْعَمٰی کے معنی گمراہی (صحیح راستے سے بھٹک جانا) ہیں۔ (۲۷/۸۱) میں ضلالت کو اندھا پن کہا گیا ہے۔ (۱۳/۱۹) میں ہے کہ جو شخص قرآن کریم کی حقیقت ثابتہ پر یقین نہیں رکھتا وہ اَعْمٰی ہے۔ سورہ قصص میں ہے فَعَمِیَتْ عَلَیْھِمُ الْاَنْبَاءُ (۲۸/۶۶) انپر معاملات مشتبہ ہو گئے۔ یہی معنی (۱۱/۲۸) میں فَعُمِّیَتْ عَلَیْکُمْ کے ہیں۔ یعنی ایسے واضح دلائل تمہیں صاف صاف دکھائی نہیں دیتے۔ سورہ حج میں اس کیفیت کو "دل کی آنکھوں کے اندھا ہو جانے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (۲۲/۴۶)۔ یعنی حقائق کا آنکھوں سے اوجھل ہوجانا یا صاف صاف دکھائی نہ دینا۔

لہذا، قرآن کریم کی رو سے جسطرح انسان کے سر کی آنکھوں کے لئے سورج (یا چراغ) کی روشنی کی ضرورت ہے۔ یعنی اگر روشنی نہ ہو تو آنکھیں اندھی (بیکار) ہو جاتی ہیں۔ اسیطرح عقل کی آنکھ کیلئے وحی کی روشنی کی ضرورت ہے۔ وہی عقل، بینا قرار دی جا سکتی ہے جو وحی کی روشنی میں زندگی کے منازل طے کرے۔ نیز جو قومیں حقائق کا صحیح صحیح اندازہ

نہیں کرتیں اور اسطرح اندھی بن جاتی ہیں وہ دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں سے محروم رہ جاتی ہیں ۔ اور جس قوم کا امروز تاریک اور بھیانک ہو اس کا فردا (مستقبل) بھی تاریک ہوتا ہے ۔ یہ تو ضرور نہیں کہ جس قوم کو اس دنیا کی آسائشیں اور نعمتیں میسر ہو جائیں اس کا مستقبل (حیات آخرت) بھی درخشندہ ہو ۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ مستقبل اسی قوم کا درخشندہ ہوگا جس کا امروز شاندار ہو ۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی قوم کی دنیاوی زندگی ذلت و رسوائیوں میں گذر رہی ہو اور وہ آخرت میں جنت کی آسائشوں کی مالک بن جائے ۔ ایمان اور عمل صالح کا لازمی نتیجہ اس دنیا کی خوشگواریاں اور شادابیاں اور اس کے بعد کی زندگی کی درخشانیاں اور تابناکیاں ہیں ۔ یاد رکھئے ۔ مومن کا مقام ، آدم (آدمی) کے مقام سے اونچا ہے ۔ اس لئے جو کچھ آدمی کو میسر ہو مومن کو وہ کچھ بھی میسر ہونا چاہئے اور اس سے زیادہ کچھ اور بھی ۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ ملائکہ ، آدم کے سامنے سجدہ ریز ہیں ۔ لہذا مقام آدم یہ ہے کہ کائناتی قوتیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہوں ۔ وہ اشیائے فطرت کو مسخر کر لے ۔ اور مومن کا مقام یہ ہے کہ وہ اشیائے فطرت کو مسخر کرکے انہیں قوانین خداوندی کے مطابق صرف میں لائے ۔ لہذا اگر کسی قوم کا اشیائے فطرت پر تصرف نہیں تو وہ قوم مقام آدم تک بھی نہیں پہنچ سکی ، چہ جائیکہ اسے مقام مومن نصیب ہو ۔ جس قوم کو اس دنیا کی خوشگواریاں اور سرفرازیاں نصیب نہیں اسے مقام آدم حاصل نہیں ۔ چہ جائیکہ مقام مومن ۔ اس لئے ایسی قوم کی آخرت کی زندگی کسطرح روشن ہو سکتی ہے ۔ لیکن جس قوم کو مقام آدم نصیب ہے لیکن مقام مومن نصیب نہیں تو اسکی اس دنیا کی زندگی پر آسائش ہوگی ۔ آخرت کی زندگی اسکی بھی تاریک ہوگی ۔ مومن کی دنیا اور آخرت دونوں کی زندگی تابناک ہوگی ۔

عَنْ (حرف)

عَنْ ۔ یہ بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً ۔

(۱) يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ (۲۴/۶۳) ۔ وہ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ۔

(۲) ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ۔ منتقل ہونا ، ہٹ جانا جیسے عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُوْنَ (۲۳/۷۴) ۔ وہ راستہ سے ایسک طرف ہٹ جانے

والے ہیں۔ اور ذَهَبَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ الرَّوْعُ ۔ ابراہیمؑ سے خوف ہٹ گیا، چلا گیا اور دور ہو گیا (۱۱/۷۴) ۔ سَافَرْتُ عَنِ الْبَلَدِ ۔ میں نے شہر سے سفر کیا ۔ وہاں سے کسی دوسری جگہ گیا ۔

(۳) "بدلے میں" یا "کی طرف سے" کا مفہوم ۔ يَوْمًا لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا (۲/۴۸) جس دن کوئی نفس کسی دوسرے نفس کے بدلے میں کفایت نہیں کریگا ۔ یا اس کی طرف سے جزا (معاوضہ) نہیں دے سکیگا ۔

(۴) سبب ظاہر کرنے کے لئے (کی وجہ سے ۔ کے سبب) ۔ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْ آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ (۱۱/۵۳) ۔ہم تیرے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑنے والے ۔

(۵) اوپر یا بعد کے معنوں میں ۔ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (۸۴/۱۹) ۔ تم ایک حالت سے اوپر دوسری حالت میں جاؤ گے ۔ یا تم ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں پہنچو گے ۔

(۶) مِنْ (سے) کے معنوں میں ۔ هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (۴۲/۲۵) اور وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے ۔

(۷) ب ۔ (سے) کے معنوں میں ۔ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۵۳/۳) ۔ وہ اپنے جذبات و خیالات سے بات نہیں کرتا ۔ ("ساتھ ، ذریعہ" یا "کی مدد سے" کے معنوں میں بھی آتا ہے جیسے رَمَيْتُ عَنِ الْقَوْسِ یعنی رَمَيْتُ بِالْقَوْسِ ۔ میں نے کمان کے ذریعہ تیر پھینکا) ۔

(۸) فِيْ (میں) کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔

(۹) زائد بھی ہوتا ہے (یعنی کوئی معنی نہیں دیتا)

کتب لغت میں ان کی مثالیں دی ہوئی ہیں ۔

ع ن ب

اَلْعِنَبُ ۔ (واحد ، عِنَبَةٌ)۔ انگور ۔ یہ انگور کے پھل اور اس کی بیل کے لئے بھی بولا جاتا ہے* ۔ اَعْنَابٌ (۲/۲۶۶)۔ عِنَبٌ کی جمع ہے ۔ اَلْعِنَبُ ۔ (انگور کی) شراب* ۔

*تاج و واھب ۔

ع ن ت

اَلْعَنُوْتُ ۔ وہ ٹیلہ جس پر چڑھنا دشوار ہو ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں مشقت ، توڑ پھوڑ اور تکلیف کا مفہوم ہے اور اس میں سہولت ، آرام اور درستی کا مفہوم نہیں ہے ۔ چنانچہ اس میں کمزوری اور شکستگی کے معنے بھی ہیں اور دشواری اور مشقت کے بھی* ۔ عَنِیَتِ الْعَظْمُ ۔ ہڈی کمزور ہو کر ٹوٹ گئی ۔ عَنِیَتْ یَدُہٗ ۔ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا ۔ اور عَنَّتَہٗ کے معنی ہیں اس نے اسے مشکل میں ڈالا یا اس کے ذمہ ایسا کام لگا دیا جس کا کرنا اس کے لئے سخت دشوار ہوا* ۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ اِعْنَات کے معنی ہیں کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف کرنا* ۔ صاحب مفردات نے لکھا ہے کہ مُعَانَتَۃ کے معنی تقریباً مُعَانَدَۃ کے ہیں یعنی مسلسل عداوت و کشمکش کے ، لیکن معانتۃ بلیغ تر ہے کیونکہ اس میں خوف و ہلاکت کا پہلو بھی ہوتا ہے ۔ چنانچہ عَنَّتَ فُلَانٌ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص ایسے معاملہ میں پھنس جائے جس میں ہلاکت کا ڈر ہو** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی مشقت اور دشواری وغیرہ کے ہوتے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے لَعَنِتُّمْ (۲/۲۲۰) ۔ تم مشقت میں پڑجاتے یا ہلاک ہوجاتے ۔ دوسری جگہ ہے وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ (۳/۱۱۸) وہ دل سے چاہتے ہیں کہ تم خطرناک مصیبت یا ہلاکت میں پڑجاؤ ۔ سورۃ نساء میں جنسی اختلاط کے احکام کے ضمن میں فرمایا ۔ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ (۴/۲۵) ۔ یہ احکام اس کے لئے ہیں جو ہلاکت میں پڑنے سے ڈرتا ہے ۔ عَنَتٌ ایک جامع لفظ ہے جس کے معنوں میں فساد ۔ گناہ ۔ ہلاکت ۔ غلطی ۔ لغزش ۔ ظلم و زیادتی نیز سخت مشقت اور دشواری کا مقابلہ کرنا شامل ہیں* ۔

ع ن د

عَنَدَ (نون پر تینوں حرکتوں کے ساتھ) ۔ عُنُوْدًا ۔ عَنَدًا ۔ عَنَدَ الطَّیْرُ یَنْدُ ۔ وہ راستہ سے دور ہو گیا ۔ ہٹ گیا ۔ الگ ہو گیا ۔ منحرف ہو گیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ میں حد سے آگے بڑھ جانے اور صحیح راستہ کو چھوڑ دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔ عَنَدَتِ النَّاقَۃُ ۔ اونٹنی باقی اونٹوں سے الگ ہٹ کر تنہا چرتی رہی ۔ عَنَدَ الرَّجُلُ ۔ آدمی نے سرکشی کی اور

*تاج ۔ **راغب ۔

جان بوجھ کر حق کو رد کر دیا اور اس کی مخالفت کی۔ ایسا شخص عَنِیْدٌ* کہلائیگا۔ اَلْعَانِیْدُ۔ وہ اونٹ جو راستہ سے ہٹ جائے۔ اَلْمُعَانَدَۃُ وَالْعِنَادُ۔ الگ ہو جانا۔ مسلسل مخالفت کرنا۔ عَنَدَ الرَّجُلُ عَنْ اَصْحَابِہٖ۔ اس نے سفر میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیا، یا ان سے پیچھے رہ گیا۔ عَانِدَۃُ الطَّرِیْقِ۔ وہ راستہ جو سیدھے راستے سے ایک طرف کو ہٹا ہوا ہو۔ اَلْعَنَدُ۔ آڑے آ جانا۔ حائل ہوجانا*۔

سورۃ مدثر میں ہے اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا (۷۴/۱۶)۔ وہ ہمارے قوانین سے سرکشی اختیار کرتا تھا۔ سورۃ ابراہیم میں ہے۔ وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ (۱۴/۱۵) ہر مستبد اور سرکش تباہ و برباد ہو گیا۔

عِنْدَ (ظرف)

عِنْدَ۔ ظرف ہے، بمعنی پاس۔ قریب۔ نزدیک۔ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ (۴۳/۸۵)۔ علم الساعت خدا کے پاس ہے۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (۲/۷۹)۔ خدا کی طرف سے۔ اللہ کے پاس سے۔ قُلْ لَوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِہٖ (۶/۵۸) ان سے کہو کہ جس کے لئے تم جلدی مچا رہے ہو وہ اگر میرے پاس ہوتا تو۔۔۔۔۔۔

ع ن ق

ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا بڑھنا اور پھیلنا بتائے ہیں، خواہ وہ اونچائی میں ہو یا زمین پر پھیلنا ہو۔ اَلْعُنُقُ (جمع اَعْنَاقٌ) گردن*۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (۸/۱۲)۔ ان کی گردنوں کے اوپر (یعنی سروں پر) مارو۔ نیز اس کے معنے جماعت کثیر ہیں۔ اَلْاَعْنَاقُ بیش بیش رہنے والے آدمی، نیز رؤسائے قوم کو بھی کہتے ہیں*۔ فَظَلَّتْ اَعْنَاقُھُمْ لَھَا خَاضِعِیْنَ (۲۶/۴)۔ ان کے اکابرین قوم عاجز و درماندہ ہوکر اس کے سامنے جھک جائیں۔ اکابرین کو ہمارے ہاں بھی ''گردن فراز'' کہتے ہیں۔

ع ن ک ب

اَلْعَنْکَبُوْتُ۔ مکڑی*۔ قرآن کریم نے مشرکین کے مسلک کو تارِ عنکبوت سے تشبیہ دی ہے (۲۹/۴۱) جو ذرا سے تنکے یا انگلی کے اشارے سے درہم برہم ہو جاتی ہے۔ یہ مسلک، دلیل و برہان اور علم و بصیرت کے

*تاج۔

بجائے توہم پرستی اور جہالت پر قائم ہوتا ہے، اس لئے علم و فکر کی ذرا سی جنبش اسے پارہ پارہ کر دیتی ہے ۔ شرک کا عملی مفہوم ہے کائنات میں ایک سے زیادہ ہستیوں کو صاحب اقتدار تسلیم کرنا اور یہ سمجھنا کہ یہاں ایک سے زیادہ قوانین نافذ ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام کائنات میں قانون صرف ایک خدا کا رائج ہے ۔ اس لئے انسانوں کی دنیا میں بھی صرف خدائے واحد کا قانون نافذ ہونا چاہئے ۔ یہ توحید ہے اور نہایت محکم نظریۂ حیات ۔ اس کے خلاف ہر نظریۂ زندگی ، تارِ عنکبوت ہے ۔

ع ن و

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں (۱) کسی چیز کا نہایت توجہ اور شدید خواہش سے ارادہ کرنا ۔ (۲) عاجزی ۔ (۳) کسی چیز کا ظاہر ہونا اور نکلنا ۔ عاجزی کے اعتبار سے اَلْعَنْوُ ۔ اَلْعَنَاءُ کے معنی ہیں قید ہوجانا ۔ مطیع و فرمانبردار ہو جانا ۔ اَلْعَنْوَۃُ ۔ قہر اور زبردستی ۔ صاحب تاج العروس کے نزدیک اس پر اجماع ہے کہ عَنْوَۃٌ کے معنی کسی چیز کو زبردستی لے لینے کے ہیں ۔ لیکن ابن سیدہ نے اس کے معنی محبت کے بھی بتائے ہیں ۔ اس صورت میں یہ لفظ اضداد میں سے ہو جاتا ہے جو قہر و جبر کے علاوہ تسلیم و اطاعت کے معنوں میں بھی آئے گا* ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ عَنَا الشَّیْءَ کے معنی ہیں اس نے اس شے کو ظاہر کر دیا** ۔ عَنَتِ الْاَرْضُ بِالنَّبَاتِ تَعْنُو ۔ زمین نے پودے نمودار کئے* ۔

قرآن کریم میں ہے وَ عَنَتِ الْوُجُوْہُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ (۲۰/۱۱۱) ۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی جھک جانے کے کئے ہیں اور بعض نے کھڑے ہو جانے اور کام کرنے کے* ۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ نظام خداوندی کے قیام کے لئے بطیب خاطر کھڑے ہو جائیں گے اور قوانین الٰہیہ کی اطاعت دل کے پورے جھکاؤ سے کرینگے ۔ اس میں قانون کا غلبہ و قوت ، اور قانون ماننے والوں کی تسلیم و اطاعت ، دونوں پہلو آجاتے ہیں ۔ بلکہ ''ظاہر ہو جانے'' کے اعتبار سے یہ بھی کہ لوگوں کی مضمر صلاحیتیں اس مقصد کی تکمیل کے لئے ابھر کر سامنے آجائینگی ۔

ع ہ د

عَہِدَ الشَّیْءَ کے معنے ہیں کسی چیز کی مسلسل حفاظت اور خبر گیری کرنا ۔ اس کی پیہم نگہداشت کرنا ۔ ان بنیادی معنوں کی رو سے عَہْدٌ کا

*تاج ۔ **محیط ۔

استعمال اس پختہ وعدہ کے لئے بھی ہونے لگا جس کی نگہداشت ضروری ہو* ۔ جب اس لفظ کے بعد اِلٰی آئے تو اس کے معنی حکم کرنے کے ہوجاتے ہیں** ۔ جیسے عَہِدْنَا اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ (۲/۱۲۵) ۔ ہم نے ابراہیم کو حکم دیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اِلٰی کے ساتھ اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کو اس بات کی ہدایت کرنا جس کی نگہداشت اس پر واجب کی جائے ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہوتے ہیں کسی سے عہد و پیمان لیکر اسے اس کے ایفاء کی تاکید کرنا ۔ ذمہ داری اور امان کو بھی عَہْدٌ کہتے ہیں** ۔ جیسے لَا یَنَالُ عَہْدِی الظّٰلِمِیْنَ (۲/۱۲۴) ۔ جو ہمارے قانون سے سرکش ہو جائے اس کے بارے میں ہماری یہ ذمہ داری پوری نہیں ہوسکتی ۔ اسی طرح اَوْفُوْا بِعَہْدِیْ اُوْفِ بِعَہْدِکُمْ (۲/۴۰) کے معنی ہیں تم اپنے اس عہد کو پورا کرو جو تم نے میرے ساتھ استوار کر رکھا ہے ، اور میں ان ذمہ داریوں کو پورا کرونگا جو میں نے تمہاری بابت لے رکھی ہیں ۔ عَہْدٌ وفاداری کو بھی کہتے ہیں** ۔ وَمَا وَجَدْنَا لِاَکْثَرِھِمْ مِّنْ عَہْدٍ (۷/۱۰۲) ۔ ہم نے ان میں سے اکثر کو وفا شعار ، یعنی اپنے عہد کا پابند ، نہیں پایا ۔ عُہْدَۃٌ کے معنی بھی ذمہ داری کے آتے ہیں** ۔ والیوں اور حکام کے لئے جو شاہی فرامین لکھے جاتے ہیں انہیں عَہْدٌ کہتے ہیں ۔ نیز عَہْدٌ کے معنی جان پہچان یا ملاقات کے بھی آتے ہیں ۔ عَہِدَ الشَّیْءَ چیز کو پہچان لیا** ۔

ع ہ ن

اَلْعِہْنُ ۔ رنگین اون ۔ مختلف رنگوں سے رنگی ہوئی اون ۔ اَلْمُہْنَۃُ ۔ شاخ کا مڑجانا اور ٹوٹ جانا یا بغیر جدا ہوئے ٹوٹ جانا ۔

اَلْعَاھِنُ ۔ فقیر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ شکستہ حال ہوتا ہے ۔ نیز اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے اعضاء ڈھیلے ڈھالے ہوں*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نرمی اور سہولت کے ہیں ۔ چنانچہ قَضِیْبٌ عَاھِنٌ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس میں خمیدگی اور شکستگی ہو ۔

قرآن کریم میں ہے وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِہْنِ (۷۰/۹) ۔ پہاڑ رنگین (یا مختلف رنگوں والی) اون کی طرح ہوجائینگے ۔ دوسری جگہ اَلْعِہْنِ الْمَنْفُوْشِ (۱۰۱/۵) آیا ہے ۔ دھنی ہوئی رنگین اون ۔ ٹکڑے ٹکڑے کی ہوئی مختلف رنگوں والی اون ۔ ان کی خستگی اور شکستگی کی طرف اشارہ ہے ۔

*محیط ۔ **تاج ۔ ***تاج و راغب ۔

ع و ج

هَوَجَ - یَعْوَجُ - ٹیڑھا ہونا - العِوَجُ فِی الْاَرْضِ - زمین کا ناہموار ہونا - عَاجَ عَنْهُ - اس سے لوٹ گیا - پلٹ گیا، باز آیا *- مَا اَعْوَجُ بِکَلَامِهٖ - میں اسکی بات کی طرف ملتفت نہیں ہوتا ہوں - اِنْعَاجَ عَلَیْهِ - وہ اسکی طرف مڑ گیا **- راغب نے لکھا ہے کہ اَلْعَوَجُ اس ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں جو آنکھ سے دیکھا جا سکے اور اَلْعِوَجُ اس ٹیڑھے پن اور ناہمواری کو جو عقل و بصیرت سے دیکھی جاسکے، جیسے معاشرہ کی ناہمواریاں اور نظام زندگی کا ٹیڑھا پن***- ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْعَوَجُ اس ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں جو سیدھی اور کھڑی چیز (مثلاً دیوار یا لکڑی وغیرہ) میں ہو - اور اَلْعِوَجُ اس ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں جو بچھی ہوئی چیز یا کسی معاملہ میں ہو -

سورہ کہف میں قرآن کریم کے متعلق ہے وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (۱۸/۱) یہ ایسا ضابطہ زندگی ہے جس میں کہیں پیچ و خم نہیں - اس کے مقابلہ میں قَیِّمًا آیا ہے (۱۸/۲) - اس کے مخالفین کے متعلق کہا کہ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (۷/۴۵) - وہ چاہتے ہیں کہ اس کے راستہ میں ناہمواریاں اور خمیدگیاں پیدا ہو جائیں - لیکن جب وہ انقلاب آئیگا جسکی طرف قرآن کریم دعوت دیتا ہے تو ان بڑے بڑے لوگوں کی خود اپنی خمیدگیاں اور ناہمواریاں صاف کر دی جائینگی - ان کے بل نکل جائینگے - (۲۰/۱۰۵-۱۰۷) - یہ اسوقت اس داعی کے پیچھے پیچھے چلیں گے جس کی دعوت میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں (۲۰/۱۰۸)-

قرآن کریم جس صراط مستقیم کیطرف راہ نمائی کرتا ہے اس میں کوئی پیچ و خم نہیں - وہ بالکل صاف اور سیدھا راستہ ہے - لیکن مفاد پرست گروہ اس میں خواہ مخواہ پیچیدگیاں پیدا کرنا چاہتا ہے -

ع و د

اَلْعَوْدُ - لوٹنا - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اَلْعَوْدُ کسی کام کو ابتداءً کرنے کے بعد دوبارہ کرنا ہوتا ہے - لیکن راغب اور زمخشری کی تحقیق ہے کہ یہ لفظ ابتداءً (پہلی مرتبہ) کسی کام کے کرنے پر بھی بولا جاتا ہے * - چنانچہ صاحب محیط نے بھی اسکی تائید کی ہے اور شہادت میں حضرت شعیبؑ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے مخالفین سے کہا کہ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِکُمْ (۷/۸۹) -

*تاج - **محیط - ***راغب -

'' اگر ہم نے تمہارے مسلک کو اختیار کر لیا تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ ہم نے خدا کے خلاف جھوٹا اتہام باندھا '' ۔ اسمیں عُدْنَا کے معنی ان کی ملت میں دوبارہ جانا نہیں، کیونکہ حضرت شعیبؑ ان کی ملت (مذہب) پر کبھی تھے ہی نہیں ۔ اسلئے اسکے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہارے مشرب کو کبھی قبول نہیں کریں گے * ۔ لیکن اس آیت میں ایک بات اور بھی غور طلب ہے ۔ اس میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جواب جماعت (حضرت) شعیبؑ کیطرف سے ہے اور اس میں خود حضرت شعیبؑ شامل نہیں اگرچہ جواب انہی (حضرت شعیبؑ) کے الفاظ میں ہے ۔ یعنی ان کا یہ جواب ان کی جماعت کی ترجمانی کر رہا ہے ۔ اگر یہ مفہوم لیا جائے تو پھر عُدْنَا کے معنی پلٹ کر واپس جانا ہونگے کیونکہ حضرت شعیبؑ کے ساتھی، پہلے ان مخالفین ہی کا مسلک رکھتے تھے ۔

صاحب تاج العروس نے یہ بھی لکھا ہے کہ عاد کے معنی ویسے تو پلٹنے کے ہیں، لیکن بعد میں صَارَ کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے ۔ یعنی '' ہو گیا '' ۔ عام اس کے کہ وہ پہلے بھی ویسا تھا یا نہیں ۔

سورہ مجادلہ میں ہے ۔ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا (۵۸/۳) پھر وہ اپنی کہی ہوئی بات کی طرف پلٹتے ہیں ۔ عَائِدٌ ۔ لوٹ جانے والا، اسکی جمع عَائِدُونَ ہے (۴۳/۱۵) ۔ آعَادَ ۔ يُعِيدُ (۸۵/۱۳) ۔ لوٹانا ۔ نیز اسکے معنی منزل مقصود تک پہنچانے کے بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ مَعَادٌ کے معنی ٹھکانا یا انجام ** نیز آخری مقام کے بھی ہیں ۔ سورہ قصص میں ہے لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ (۲۸/۸۵) ۔ اسکے معنی (لوٹنے کی جگہ کے اعتبار سے) یہ کئے جاتے ہیں کہ آپ (نبی اکرمؐ) پھر اسی مکہ میں داخل ہونگے جہاں سے کفار نے آپکو نکالا تھا ۔ اسکے معنی وطن اور جائے پیدائش کے بھی لئے جاتے ہیں *** ۔ لیکن اگر اس میں مَعَادٌ کے معنی منزل مقصود کے لئے جائیں تو وطن یا جائے پیدائش کی بہ نسبت '' منزل مقصود '' زیادہ مناسب ہونگے، اس لئے کہ ایک نبی، وطن کی نسبتوں سے بلند ہوتا ہے، اور وہ فضا جو اس کے مشن کے لئے زیادہ مساعد ہو اس کا وطن بن جاتی ہے ۔ لہذا آپ کا مکہ کیطرف لوٹنا اپنے وطن کی طرف مراجعت نہ تھی بلکہ آپؐ کے مشن کی تکمیل تھی ۔ بہرحال یہ واضح ہے کہ يُعِيدُ سے مراد تکرار نہیں (یعنی بار بار لوٹانا نہیں) بلکہ ہر شے کو مختلف گردشیں دے کر (مختلف مراحل سے گزار کر)

*تاج و محیط ۔ ** غریب القرآن ۔ مرزا ابو الفضل ۔ *** تاج ۔

اسکی ابتدا سے آخری نقطہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔ ایسا کرنے والے کو رَبٌّ کہتے ہیں۔ اس ضمن میں (ر۔ج۔ع) کا عنوان بھی دیکھئے۔

اَلْعَائِدَۃُ کے معنی احسان اور سلوک، مہربانی اور منفعت کے ہیں*۔ چنانچہ کہتے ہیں ھٰذَا اَلْاَمْرُ اَعْوَدُ عَلَیْکَ۔ یہ کام تمہارے لئے زیادہ منفعت بخش ہے۔ نیز یہ کہ فُلَانٌ مَا یُبْدِیءُ وَمَا یُعِیْدُ۔ فلاں آدمی کے پاس کوئی حیلہ اور تدبیر نہیں ہے۔ نہ وہ پہلی مرتبہ کوئی کام کر سکتا ہے نہ اسکی تکرار کر سکتا ہے*۔ اَلْمُعِیْدُ اسے کہتے ہیں جو اسکام کی طاقت رکھے جسکا وہ عادی ہو چکا ہے۔ دراصل مُعِیْدٌ اس نر اونٹ کو کہتے ہیں جو بار بار جفتی کھانے پر بھی تھکنے والا نہ ہو۔ نیز معاملات سے واقف اور تجربہ کار آدمی کو بھی کہتے ہیں*۔ اَعَادَ لِلَاْءَۃِ مُرِّ۔ اسکام کی طاقت رکھی**۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ یُبْدِیءُ وَیُعِیْدُ (۸۵/۱۳) میں تکرار اور اعادہ ہی مراد نہیں بلکہ پوری پوری قوت اور طاقت، تدبیر اور واقفیت سے آخری نقطہ (انجام) تک پہنچانا بھی مراد ہے۔ یہ ہے ہر شے کا مَعَادٌ۔ (مَبْدَءٌ اور مَعَادٌ کیلئے دیکھئے عنوان ب۔د۔ا)۔ اَلْعِیْدُ۔ وہ وقت جسمیں خوشی یا غم لوٹ کر آئے*۔ [اَلْعَوْدُ۔ ہر پتلی اور باریک لکڑی کو کہتے ہیں۔ نیز اس لکڑی کو بھی جس سے دھونی دی جائے]***۔

ع و ذ

عَائِذٌ۔ ہر وہ مادہ جس نے حال ہی میں بچہ دیا ہو۔ اسکی جمع عُوْذٌ ہے****۔ عَاذَتْ بِوَلَدِھَا کے معنی ہیں مادہ کا اپنے بچہ کے پاس کھڑے رہنا اور اسکی حفاظت کرتے رہنا جبتک وہ چھوٹا رہے*۔ اَلْمَعْوَذُ اونٹوں کی اس چراگاہ کو کہتے ہیں جو مکانات کے آس پاس ہو (تاکہ اونٹ ہر وقت نگاہ میں رہیں)۔ ان معانی کے اعتبار سے تَعَوَّذَ اور اِسْتَعَاذَ کے معنی ہوتے ہیں کسی کی پناہ لینا۔ اسکی حفاظت میں محفوظ ہو جانا، اور عَاذَ بِالشَّیْءِ کے معنی ہیں کسی چیز کے ساتھ چمٹے رہنا۔ یعنی اسے لازم پکڑ لینا۔ مستقل طور پر اختیار کر لینا****۔

یوں تو نظام خداوندی قائم کرنے والی جماعت کو ہمیشہ اپنے نظام کی حفاظت کیلئے قوانین خداوندی کی تائید و نصرت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن

* تاج۔ ** محیط۔ *** ابن فارس۔ **** تاج و محیط۔

اس نظام کے قیام کی ابتدائی منازل میں، جبکہ انکی اپنی قوت ہنوز کم اور مخالفین کی مخالفت شدید تر ہوتی ہے، انہیں ان قوانین کے ذریعے اپنی حفاظت و پرورش کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے (جیسے ایک نوزائیدہ بچے کو شروع شروع میں اپنی ماں کی حفاظت و پرورش کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے)۔ یہ ہے وہ مرحلہ جسمیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱۱۳/۱)۔ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱۱۴/۱)۔ کی تعلیم دی گئی ہے۔ یعنی ہر وقت قوانین خداوندی اور نظام کے ساتھ چمٹے رہنا۔ اس سے ذرا دور نہ ہٹنا۔ ذرا سے خطرے اور آہٹ کے وقت جھٹ سے اسکے آغوش میں آجانا اور اسطرح مخالفین کی سرکش قوتوں سے محفوظ ہو جانا۔

ہم نے اوپر لکھا ہے کہ قرآنی نظام کے قیام کی ابتدائی منازل میں تعوّذ کی ضرورت خاص طور پر زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ قیام نظام کے بعد تعوّذ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قرآن کریم سے دور لے جانے والے میلانات و جذبات اور طاغوتی قوتوں سے پناہ جوئی کی ضرورت تو زندگی کے ہر سانس میں رہتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نظام کے ابتدائی ایام میں چھوٹی چھوٹی سی باتوں کے لئے بھی مرکز کیطرف رجوع کرنا پڑتا ہے لیکن جب ایک طرف حقائق واضح ہو جائیں اور دوسری طرف نظام محکم ہو جائے، تو پھر چھوٹے چھوٹے خطرات کا مقابلہ ازخود ہوتا جاتا ہے۔

سورہ نحل میں ہے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (۱۶/۹۸)۔ اس کے ہمام معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو پہلے اعوذ پڑھ لیا کرو۔ لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم سے متمسک رہنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے سرکش جذبات کے اثرات اور مستبد قوتوں کا آلہ کار بننے سے محفوظ رہے۔ چنانچہ اسکی تشریح اگلی آیت میں یہ کہکر کر دی گئی کہ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (۱۶/۹۹)۔ شیطان (یا ان سرکش قوتوں) کا غلبہ ان لوگوں پر کبھی نہیں ہو سکتا جو ایمان رکھتے ہیں اور قوانین خداوندی پر پورا پورا بھروسہ کرتے ہیں۔ یہی وہ طریقہ تھا جس کے ذریعے حضرت موسےٰؑ نے فرعون کے استبداد سے حفاظت حاصل کی تھی جب کہا تھا کہ اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ (۴۰/۲۷)۔ میں ہر متکبر (کے استبداد سے بچنے کے لئے) اپنے اور تمہارے نشو و نما دینے والے کی حفاظت میں جاتا ہوں۔

یہ ہے تَعَوُّذ کا قرآنی مفہوم - یعنی خطرے کے وقت اپنے نظام سے اور زیادہ شدت سے متمسک ہو جانا اور قوانین خداوندی کی اور زیادہ پابندی سے اطاعت کرنا - اس کے برعکس ہمارے ہاں تَعَوُّذ سے مقصود صرف اتنا رہ گیا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ پڑھ لیا جائے ، یا قرآن کریم کی آیات کے تَعْوِیْذ لکھکر گلے میں ڈال لئے جائیں - (ذرا تَعْوِیْذ کے مفہوم پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے ؟) - یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت (پڑھنا) ضروری ہے (تاکہ اسے سمجھا جائے اور سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے) اور جسطرح ہر عبد مومن ہر کام کی ابتدا خدا کے تصور سے کرتا ہے اسی طرح ، قرآن کریم کی تلاوت کا آغاز بھی غیر خدائی قوتوں سے حفاظت خداوندی (تَعَوُّذ) کے احساس سے کیا جائے (اور اس کے لئے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کے الفاظ کہ لئے جائیں تو یہ انسان کے جذبات کے اظہار کا طریق ہو جائیگا)- لیکن یہ سمجھ لینا کہ مقصود صرف ان الفاظ کا دہرا لینا ہے ، ٹھیک نہیں - الفاظ ، اظہار مقصد کا ذریعہ ہیں - مقصود بالذات نہیں - اعوذ اور بسم اللہ درحقیقت قرآن کریم کی اس بنیادی تعلیم کا اعلان ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا (۲/۲۵۶) - جو شخص ہر غیر خدائی قوت سے انکار کرے اور صرف خدا کے قوانین کو تسلیم کرے ، تو اس نے ایک ایسا محکم سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا -

ع و ر

اَلْعَوَرُ - ایک آنکھ کی بینائی کا جاتے رہنا - اَعْوَرُ - کانا - نیز کوّے کو بھی کہتے ہیں کیونکہ عربوں میں کانا اور کوا دونوں منحوس شمار کئے جاتے تھے - اسی سے کمزور ، بزدل اور گاؤدی آدمی کو بھی کہتے ہیں جس سے کبھی کوئی بھلائی کا کام نہ ہو سکتا ہو - نیز وہ راستہ بتانے والا جسے خود بھی راستہ اچھی طرح معلوم نہ ہو - اَلْاَعْوَرُ مِنَ الْکُتُبِ - مٹی ہوئی کتاب - اَلْاَعْوَرُ مِنَ الطُّرُقِ - وہ راستہ جس پر کوئی نشان نہ ہو - اَلْعَائِرُ - ہر وہ چیز جو آنکھ کو تکلیف دے - اَلْعَوْرَۃُ - ملک کی سرحد میں اس قسم کا خلل جہاں سے دشمنوں کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ ہو - صاحب کتاب الاشتقاق نے لکھا ہے کہ عَوْرَۃُ الْقَوْمِ اس مقام کو کہا جاتا ہے جہاں سے کسی قوم کو دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو -

چنانچہ سورۃ احزاب میں جو ہے کہ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ (۳۳/۱۳) ۔ تو اس کے یہی معنی ہیں ۔ ابن فارس نے بھی لکھا ہے کہ اَلْعَوْرَۃُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے خالی ہونے کی وجہ سے اس کی نگہداشت ضروری ہو۔ اَعْوَرَ الشَّیْئُ ۔ کسی چیز کا اس طرح نمایاں ہو جانا کہ دوسرا اس پر حملہ کرسکے ۔ ان معانی کے اعتبار سے اَلْعَوْرَۃُ ہر اس شے کو کہتے ہیں جس میں کوئی ایسا خلل یا نقص ہو جس سے خوف کا امکان ہو ۔ نیز ہر وہ شے جس سے شرم و حیا کی جائے ۔ جو باعث عار ہو ۔ عورت یا مرد کے مقامِ ستر کو بھی کہتے ہیں* ۔

قرآن کریم میں عَوْرَاتِ النِّسَاءِ (۲۴/۳۱) آیا ہے جس کے معنی ہیں عورتوں کی جنسیات (Sex) کے متعلق باتیں جنہیں عام طور پر پوشیدہ رکھا جاتا ہے ۔ دوسرے مقام پر ہے کہ صبح کی نماز سے پہلے ۔ عشا کی نماز کے بعد ۔ اور دوپہر کے وقت جب تم کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹتے ہو ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّکُمْ (۲۴/۵۸) ۔ یہ تین ایسے اوقات ہیں جن میں تم کپڑے اتار کر بلا تکلف لیٹتے ہو ۔ تمہارا پورا پورا ستر نہیں ہوتا ۔ مطلب (Privacy) سے ہے ۔

ع و ق

اَلْعَوْقُ ۔ روک دینا ۔ لوٹا دینا ۔ واپس کر دینا ۔ نیز وہ آدمی جس میں کوئی بھلائی نہ ہو ۔ نیز وہ جو لوگوں کو بھلے کاموں سے روکے ۔ عَاقَنِیْ عَنِ الْاَمْرِ الَّذِیْ اَرَدْتُّ ۔ اس نے مجھے اس کام سے روک دیا جس کا میں نے ارادہ کیا تھا ۔ اَلتَّعْوِیْقُ ۔ روکنا ۔ مُعَوِّقٌ ۔ روکنے والا* ۔ قرآن کریم میں اَلْمُعَوِّقِیْنَ (۳۳/۱۸) آیا ہے ۔ عَوَائِقُ الدَّھْرِ ۔ وہ حوادثِ زمانہ جو انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیں اور انہیں دوسری مصروفیتوں سے روک دیں* ۔

یَعُوْقُ ۔ قبیلہ کنانہ کے بت کا نام تھا ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قوم نوح کے بت کا نام تھا* ۔ (۷۱/۲۳) ۔

ع و ل

اَلْعَوْلُ ۔ ہر وہ چیز جو انسان کو گرانبار کردے ۔ جس کے بوجھ تلے وہ دب جائے** ۔ عَالَ الشَّیْئُ فُلَانًا ۔ فلاں پر وہ چیز غالب آگئی اور اس پر بوجھ بن گئی جس کی وجہ سے وہ فکر مند ہوگیا ۔ اَلْعِیَالُ ۔ وہ افراد جن کے اخراجات کا انسان ذمہ دار ہو ۔ جن کے بوجھ کے نیچے وہ دبا ہوا ہو ۔ اسی سے

*تاج و محیط و راغب ۔ **راغب ۔

اَعَالَ الرَّجُلُ کے معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ وہ آدمی کثیر العیال ہوگیا اور یہ بھی کہ وہ فقیر اور محتاج ہو گیا ۔ عَالَ الْمِیْزَانُ کے معنی ہیں ترازو میں کان ہوئی (یعنی اس میں پاسنگ کی ضرورت ہوگئی) اور اس کے پلڑوں کا وزن برابر نہ رہا ۔ یہاں سے اس کے معنی بے انصافی کرنے کے آتے ہیں۔ عَالَ فِی الْحُکْمِ ۔ اس نے فیصلہ کرنے میں ظلم کیا* ۔

سورۃ نساء میں جہاں معاشرہ کی ہنگامی حالت میں اجتماعی مشکل کے حل کے لئے ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی گئی ہے اس کے ساتھ ہی کہا گیا ہے کہ اگر تم سمجھو کہ ان میں عدل نہیں کرسکوگے تو ایک ہی بیوی رکھو۔ اس کے بعد ہے ذٰلِکَ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا (۴/۳) ۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ تم حق سے نہ ہٹ جاؤ ۔ اور دوسرے معنی یہ کہ تم کثیر العیال ہوکر بوجھ کے نیچے نہ دب جاؤ**۔

(نوٹ ۔ ع ۔ ی ۔ ل کا عنوان بھی دیکھئے)۔

ع و م

اَلْعَوْمُ ۔ تیرنا ۔ اَلسَّبْحُ پانی کے اوپر تیرنے کو کہتے ہیں جس میں آدمی غوطہ نہ کھائے اور اَلْعَوْمُ اس تیرنے کو کہتے ہیں جس میں آدمی پانی کے نیچے بھی چلا جائے ۔ اَلْعَامَۃُ ۔ چھوٹی سی کشتی کو کہتے ہیں جس پر دریا عبور کیا جائے ۔ اَلْعَوَّامُ ۔ سبک رفتار گھوڑا**۔

قرآن کریم میں اجرام فلکی کے متعلق ہے کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (۳۶/۴۰) ۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتا پھر رہا ہے ۔ اسی تیرنے کی جہت سے اَلْعَامُ کے معنی سال ہوئے ۔ یعنی وہ مدت جس میں ''آفتاب'' تیر کر اپنا دورہ پورا کرلیتا ہے*** ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْعَامُ اور اَلسَّنَۃُ میں فرق یہ ہے کہ اَلسَّنَۃُ کا لفظ اکثر اس سال پر بولا جاتا ہے جس میں قحط سالی ہو اور اَلْعَامُ اس سال کے لئے جس میں فراخی اور فارغ البالی ہو**۔ لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلسَّنَۃُ شمسی سال کے لئے بولا جاتا ہے اور اَلْعَامُ عربی مہینوں (قمری سال) کے لئے ۔ اس لئے اَلْعَامُ ، سَنَۃٌ کے مقابلہ میں چھوٹا ہوتا ہے** ۔

سورۃ عنکبوت میں حضرت نوح ؑ کے متعلق ہے فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا (۲۹/۱۴) ۔ اس میں سَنَۃٌ اور عَامٌ دونوں آگئے ہیں۔

*تاج نیز کتاب الاشتقاق ۔ **تاج ۔ ***راغب ۔

راغب کی توجیہ کے مطابق سَنَۃ* سختیوں کا دور ہے اور عَام* خوشحالی کا زمانہ* ۔ (اس کی مزید تشریح کے لئے عنوان س ۔ ن ۔ و (ہ) بھی دیکھئے) ۔

ع و ن

عَوْنٌ* کے معنی ہیں مدد نیز مددگار** ۔ عَوَانٌ* ادھیڑ کو کہتے ہیں ۔ یعنی جو جوانی اور کبرسنی کے درمیان ہو* ۔ (جیسے قرآن کریم میں ہے لَا فَارِضٌ* وَّلَا بِكْرٌ* عَوَانٌ* بَيْنَ ذَالِكَ ۔ وہ سانڈ (یا گائے) نہ بوڑھا ہے نہ نوجوان ، بلکہ ان کے بین بین عَوَانٌ* ہے ۔ یعنی ادھیڑ عمر کا ۔ (۲/۶۸) ۔ مُتَعَاوِنَۃٌ* ۔ اُس عورت کو کہتے ہیں جو اگرچہ عمر میں زیادہ ہو لیکن اس کی جسمانی ساخت میں اعتدال ہو اور جسم ایسا بھرا ہوا ہو کہ نیچے کی ہڈیاں نظر نہ آئیں* ۔ یعنی اس میں نہ بچپن کا الھڑ پن ہو ۔ نہ جوانی کی تیزی اور تلون ۔ اور نہ ہی بڑھاپے کی کمزوریاں ہوں ۔ بلکہ اس میں درمیانی عمر کی پختگی آچکی ہو یہ تو اسکی ذہنی حالت ہو ، اور جسمانی ساخت میں اعتدال اور بھراؤ ہو ۔

اِسْتَعَانَ (ف ۔ ل ۔ م) کے معنی ہیں اپنی ذات کے لئے اعتدال کی خواہش کرنا اور اس مقصد کے لئے کسی کی مدد طلب کرنا ۔ اسی نہج سے اللہ کو اَلْمُسْتَعَانُ (۲۱/۱۱۲) کہا گیا ہے ۔ اَعَانَ (۱۸/۹۵) کے معنے ہیں کسیکی مدد کرنا ۔ اور تَعَاوَنَ (ف ۔ ع) کے معنی ہیں ایک دوسرے کی مدد کرنا ۔

اِسْتَعَانَ کے ان معانی کو پیش نظر رکھئے جو اوپر بیان کئے گئے ہیں ۔ اس سے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (ف ۔ ل ۔ م) کا مفہوم واضح ہوجائیگا ۔ یعنی ہم اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو قانون خداوندی کی متعین کردہ راہ میں صرف کرتے ہیں ۔ ان قوانین کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں ۔ (دیکھئے ع ۔ ب ۔ د) اور انہی کے ذریعے اپنی صلاحیتوں اور ذات میں اعتدال چاہتے ہیں ۔ اس قسم کا اعتدال کہ اس میں پختگی اور حسن دونوں صحیح صحیح توازن و تناسب لئے ہوں ۔ ان دونوں آرزؤں سے ایسا دائرہ بن جاتا ہے جس میں ساری زندگی ایک نہج پر چلتی ہے ۔ یعنی قوانین خداوندی کی اطاعت سے اپنی مضمر صلاحیتوں میں اعتدال پیدا کرنا ۔ اور ان صلاحیتوں کو قوانین خداوندی ہی کے مطابق صرف کرنا تاکہ ان سے کائنات کے حسن میں اضافہ ہو اور عالمگیر انسانیت صحیح اعتدال کی روش اختیار کرسکے ۔ آپ نے اس کا اندازہ کرلیا ہوگا کہ اس میں اطاعت اور اطاعت کے ساتھ استقامت

*تاج ۔ **محیط ۔

دونوں شرطیں آجاتی ہیں ۔ اسی کے لئے کہا گیا ہے کہ وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ (۲/۴۵) ۔ صلوٰۃ اور استقامت کے ذریعے اپنی صلاحیتوں میں اعتدال اور پختگی طلب کرو ۔ یہی طریق تمہارا معین و مددگار ہوسکتا ہے۔ اس سے خدا کی معاونت حاصل ہوتی ہے ۔

نیز جہاں برّ و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کی تاکید کی گئی ہے، وہاں تعاون سے بھی یہی مراد ہے ۔ یعنے کسی شخص میں جن امور کی کمی رہ گئی ہو، اس کمی کو پورا کرنے میں اس کی مدد کرنا تاکہ اس کا اعتدال برقرار ہو جائے اور اس کی خامی پختگی سے بدل جائے ۔

ع ی ب

اَلْعَیْبُ ۔ نقص ۔ برائی ۔ خرابی ۔ عَابَ الشَّیْءُ ۔ وہ شے عیب دار ہو گئی ۔ عِبْتُہٗ ۔ میںنے اسے عیب دار بنا دیا ۔ یا میںنے اس میں عیب نکالا * ۔ سورہ کہف میں ہے فَاَرَدْتُ اَنْ اَعِیْبَہَا (۱۸/۷۹) ۔ میںنے چاہا کہ اسے عیب دار بنا دوں۔

اَلْعَیْبَۃُ مِنَ الرَّجُلِ ۔ آدمی کے راز کی جگہ ۔ اَلْعِیَابُ ۔ میلے اور قلوب ۔ دھنیے کی وہ لکڑی جسے تانت پر مار کر وہ روئی دھنتا ہے * ۔ (اس سے نکتہ چینی اور عیب جوئی کا مفہوم ابھر کر سامنے آجاتا ہے ۔)

ع ی ر

اَلْعَیْرُ ۔ گدھا ۔ اَلْعِیْرُ ۔ قافلہ ۔ اونٹ جو غذائی سامان لاد کر لائے ہیں ۔ وہ جانور جن پر غذائی سامان لاد کر لایا جاتا ہے خواہ وہ اونٹ یا گدھے ہوں یا خچر* ۔ سورہ یوسف میں ہے اَیَّتُہَا الْعِیْرُ (۱۲/۷۰) ۔ اے قافلہ والو! ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں ۔ (۱) کسی چیز کا ابھرا اور اوپر کو نکلا ہوا ہونا ۔ اور (۲) آنا جانا ۔ آمد و رفت ۔ اَلْعَیْرُ ابھری ہوئی ہڈی کو کہتے ہیں ۔ مثلاً شانے کے وسط کی ہڈی ۔ پاؤں کے پشت پر ابھری ہوئی ہڈی ۔ اسی سے بوجھ لادنے والے جانوروں کو اس لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اور آمد و رفت کی جہت سے قافلہ کو ۔

عیسیٰ (علیہ السلام)

عیسٰی ۔ جوہری کا خیال ہے کہ یہ عبرانی یا سریانی لفظ ہے ۔ لیث کا خیال ہے کہ یہ ایشوع سے معدول ہے * ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ عِیْسُوْ کی

* تاج ۔

بگڑی ہوئی شکل ہو۔ راغب کا خیال ہے کہ اگر یہ لفظ عربی الاصل ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ اَلْعِیْسُ سے ماخوذ ہو جس کے معنی ایسے سفید اونٹ ہیں جنکی سفیدی میں قدرے سیاہی کی آمیزش ہو**۔ لیکن تاج نے کہا ہے کہ جنکی سفیدی میں قدرے بھورا پن ملا ہوا ہو*۔ قرآن کریم میں یہ لفظ حضرت مسیح ؑ کے نام کے لئے آیا ہے (۳/۵۴) ۔ دوسرے مقام پر آپ کو اَلْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ (۴/۳۳) بھی کہا گیا ہے ۔ آپ انبیائے بنی اسرائیل کے سلسلۃ الذھب کی آخری کڑی ہیں ۔ جب قوم بنی اسرائیل کے انفرادی اور اجتماعی جرائم اپنی انتہا تک پہنچ گئے تو اللہ تعالٰے نے ان میں بطور اتمام حجت ، حضرت عیسٰی ؑ کو مبعوث کیا ۔ آپ نے انہیں اس آسمانی انقلاب کیطرف دعوت دی جو حضرت نوح ؑ سے لیکر آخر تک تمام انبیائے کرام پیش کرتے چلے آرہے تھے ۔ یعنی ملوکیت ۔ پیشوائیت ۔ سرمایہ داری کی لعنتوں کو مٹا کر معاشرہ کو قوانین خداوندی کے مطابق متشکل کرنے کے لئے۔ ظاہر ہے کہ یہ دعوت (مفاد پرست اور غلط بیں) یہودی پیشواؤں کے بھی خلاف جاتی تھی اور رومی سلطنت کے بھی خلاف ۔ چنانچہ انہوں نے ملکر سازش کی اور چاہا کہ حضرت عیسٰے ؑ کو جرم بغاوت میں صلیب کی سزا دے دی جائے ، لیکن اللہ تعالٰے نے ان کی اس تدبیر کو ناکام کر دیا اور حضرت عیسٰے ؑ ان کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے پہلے ہی ہجرت کرکے کسی اور مقام کی طرف تشریف لے گئے۔

جب یہودی اپنی اس تدبیر میں ناکام رہ گئے تو انہوں نے دوسری چال چلی ۔ پال ایک متشدد یہودی تھا ۔ اس نے مذھب عیسوی اختیار کیا اور رفتہ رفتہ سینٹ کے درجے پر پہنچ گیا ***۔ اس کے بعد اس نے بتدریج اس دین کے بجائے جو حضرت عیسٰے ؑ نے پیش کیا تھا ایک نیا مذھب پیش کر دیا جس میں ابنیت مسیح ۔ الوھیت مسیح ۔ کفارہ کا عقیدہ ۔ خانقاھیت کا مسلک ، عیسائیت کے بنیادی عناصر قرار پا گئے ۔ قرآن کریم نے آکر ایکطرف ان اتہامات اور الزامات کی تردید کی جو یہودی حضرت مریم ؑ اور حضرت مسیح ؑ کی طرف منسوب کرتے تھے اور دوسری طرف ان تمام باطل عقائد کی تکذیب کی جنہیں سینٹ پال (اور اس کے متبعین نے وضع کرکے) عیسائیت کا نقاب اڑھا رکھا تھا ۔ تاریخی حقائق سے جوں جوں پردے اٹھتے جاتے ہیں ****یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی رہی ہے کہ حضرت عیسٰے ؑ کی زندگی اور تعلیم کے متعلق جو کچھ یہودی

* تاج۔ ** راغب ۔ ***عیسائیت میں سینٹ مرنے کے بعد بنتے ہیں ۔ لیکن ظاہر ہے کہ سینٹ بنتا وہی ہے جو اپنی زندگی میں اس مقام تک پہنچ چکا ہو ۔
**** حال ہی میں ، بحر میت کے قریب غاروں سے جو قدیم دستاویزیں ملی ہیں وہ بھی اصلی حقیقت پر کافی روشنی ڈالتی ہیں ۔

اور عیسائی مانتے چلے آرہے تھے (اور اب بھی مان رہے ہیں) وہ غلط ہے اور صحیح پوزیشن وہی ہے جسے قرآن کریم نے پیش کیا ہے (تفصیل ان تمام امور کی میری کتاب "شعلۂ مستور" میں ملیگی)۔

ع ی ش

عَاشَ - یَعِیْشُ - عَیْشًا - مَعَاشًا - مَعِیْشَۃٌ - اس نے زندگی گزاردی - اَلْعَیْشُ - زندگی - زندگی گزارنا - چونکہ روٹی کے بغیر زندگی نہیں گزاری جاسکتی اسلئے اَلْعَیْشُ روٹی کو بھی کہتے ہیں - اَلْمَعِیْشَۃُ - کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن پر زندگی بسر کیجاتی ہے - سامان زیست* - (جمع مَعَایِشُ) قرآن کریم میں اَرْضٌ کے متعلق ہے وَ جَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ (۷/۱۰ و ۱۵/۲۰) اس میں تمہارے لئے سامان زندگی پیدا کیا - لہذا ہمارے دور میں جن چیزوں کو وسائل پیداوار (Means of Production) کہتے ہیں وہ سب اَرْضٌ کے اندر آجاتی ہیں - (دیکھئے عنوان ارض) - اَلْمَعَاشُ - اسباب زندگی کے تلاش کرنے کا موقع* - وَ جَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًا (۷۸/۱۱) - عِیْشَۃٌ - زندگی - طریقہ بود و ماند - فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ (۱۰۱/۷) - تو اس کا طریق زندگی قوانین خداوندی سے ہم آہنگ ہے - یا ایسا ہے جس سے وہ خوش ہے -

سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ آدم جس جنت میں تھا اس میں سامان زیست (روٹی - کپڑا - مکان وغیرہ) بڑی فراوانی سے ملتا تھا اور اسکے لئے اسے جگرپاش مشقتوں سے نہیں گزرنا پڑتا تھا (۲۰/۱۱۸ تا ۱۱۹) - یہ انسان کی قدیمی زندگی تھی جس میں افراد کے باہمی مفاد میں تصادم نہیں ہوتا تھا - اس کے بعد اس نے تمدن و معاشرت کی زندگی شروع کردی جس میں سامان زیست کے حصول کے لئے باہمی مقابلہ شروع ہوگیا اور انسان مشقتوں میں پڑگیا - اس کا علاج یہ بتایا گیا کہ جو ضابطۂ قوانین خدا کی طرف سے ملے اس کا اتباع کرو - اس سے رزق کی فراوانی ہو جائیگی (۲۰/۱۲۳) اس کے بعد ہے وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا (۲۰/۱۲۴) - اور جو قوم ہمارے اس ضابطۂ قوانین سے اعراض برتیگی تو اس کی معیشت تنگ ہو جائیگی - وَ نَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی (۲۰/۱۲۴) - اور ہم اسے قیامت میں بھی اندھا اٹھائینگے -

کسقدر واضح ہے قرآن کریم کا یہ فیصلہ کہ جو قوم خدا کے قانون کے خلاف زندگی بسر کرتی ہے اس کی روزی تنگ ہوجاتی ہے - اسے سامان زندگی کی

*تاج -

محتاجی ہوتی ہے - وہ مفلس اور مفلوک الحال ہوجاتی ہے - اور پھر اس کی عاقبت بھی خراب ہو جاتی ہے - لہذا دنیاوی زندگی افلاس اور محتاجی کی گذارنا اور اپنے آپ کو یہ کہکر اطمینان دے لینا کہ ہماری ''روحانی ترقی'' ہورہی ہے قرآن کریم کی رو سے کھلا ہوا فریب ہے - اس دنیا کی خوشگواریاں مومن کی زندگی کی لازمی شرط بالکہ ایمان و عمل کا لازمی نتیجہ ہیں - اور یہاں کی محتاجی اور زبون حالی قرآن کریم کو چھوڑ دینے کی زندہ شہادت - یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے انسان کی معاشی زندگی کو اس قدر اہمیت دی ہے اور اس کے لئے مکمل نظام عطا کردیا ہے - یہی وہ نظام ہے جس سے وہ تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں جن میں اس وقت پوری انسانی دنیا گرفتار ہے - (تفصیل ان امور کی میری کتاب ''نظام ربوبیت'' میں ملے گی) - نیز دیکھئے عنوان (ع - م - ی) -

ع ی ل

اَلْعَیْلَۃُ - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی فاقہ اور حاجت کے ہیں - عَالَ - یَعِیْلُ - محتاج اور ضرورت مند ہو جانا - عَائِلٌ - ضرورت مند - محتاج* - وَ وَجَدَکَ عَائِلًا فَاَغْنٰی (۹۳/۸) - خدا نے تجھے ضرورت مند پایا تو تجھے اتنا دیا کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا - اَلْعَیْلَۃُ - محتاجی - تنگ دستی (۹/۲۸) - اَلْعَالَۃُ - فاقہ - اَلْعِیَالُ (عَیِّلٌ کی جمع ہے) - وہ لوگ جن کی کفالت کی جائے - جن کا خرچ اٹھایا جائے* -

ع ی ن

عَیْنٌ کے بہت سے معنی آتے ہیں - سو سے بھی اوپر - اسکے اصلی معنی آنکھ کے ہیں - باقی سب اس سے مستعار ہیں * - قرآن کریم میں یہ لفظ آنکھ - چشمہ - جاری پانی کیلئے اور مَعِیْنٌ سرسبز و شاداب (زمین) کے معنوں میں آیا ہے - مثلاً عَیْنًا (۲/۶۰) بمعنی چشمہ - عَلٰی اَعْیُنِ النَّاسِ (۲/۶۶) لوگوں کی آنکھوں کے سامنے - انکے روبرو - سورہ المومنون میں ہے ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ (۲۳/۵۰) - ہموار اور سرسبز و شاداب زمین - سورہ کہف میں ہے تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ (۱۸/۸۶) یعنی جھیل یا سمندر میں - کَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ (۳۷/۴۵) کے معنی ہیں جاری پانی سے لبریز پیالہ - [مَعِیْنٌ کو اہل لغت عَیْنٌ سے بھی بتاتے ہیں

*تاج -

اور مَتْنٌ سے بھی - اس لئے اسے م - ع - ن کے تحت بھی لکھ دیا گیا ہے - مَاعُوْنَ کے لئے دیکھئے عنوان م - ع - ن -]

اَعْیَنُ کے معنی ہیں وہ مرد جس کی آنکھ جنگلی گائے کی آنکھ جیسی ہو* - عربوں کے ہاں ایسی آنکھ بڑی خوبصورت سمجھی جاتی تھی اسکی جمع عِیْنٌ ہے - یہ لفظ (۳۷/۴۸) میں آیا ہے - نیز (۵۲/۲۰) میں حُوْرٍ عِیْنٍ آیا ہے - (اسکے معنی کیلئے عنوان ح - و - ر دیکھئے) - عِیْنٌ - اَعْیَنُ کی بھی جمع ہے جو مذکر کے لئے بولا جاتا ہے اور عَیْنَاءُ کی بھی جو مؤنث کے لئے آتا ہے - اسی طرح حُوْرٌ بھی مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے آتا ہے -

ع ی ی

عَیِیَ الرَّجُلُ بِالْاَمْرِ - آدمی کسی کام کو نہ کر سکا اور اسکے کرنے سے عاجز رہا - عَیِیَ عَنْ حُجَّتِہٖ - وہ اپنی دلیل و حجت پیش کرنے سے عاجز رہا یا اسے پختگی سے پیش نہ کر سکا - اَعْیَا عَلَیْہِ الْاَمْرُ - وہ کام اسپر دشوار ہو گیا - اَعْیَا الْمَاشِیُ - چلنے والا تھک گیا * - اَلْاِعْیَاءُ - کمزوری اور تکان جو چلنے سے پیدا ہو جائے ** - سورہ احقاف میں ہے لَمْ یَعْیَ بِخَلْقِھِنَّ (۴۶/۳۳) اللہ (کائنات کی) تخلیق کے بعد تھک نہیں گیا یا اسکے بنانے سے عاجز نہیں رہا - سورہ قٓ میں ہے اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ (۵۰/۱۵) - کیا ہم پہلی تخلیق سے تھک گئے یا عاجز رہے (جو یہ لوگ خلق جدید کے متعلق شبہ میں ہیں) - اس میں ضمناً بائبل کے اس تصور کی بھی تردید کر دی گئی جس کی رو سے اس میں کہا گیا ہے کہ خدا نے چھ روز میں زمین اور آسمان پیدا کئے اور ساتویں دن تھک کر آرام کیا - (اسے یوم سبت کہا جاتا ہے جس میں یہودی کام کاج نہیں کرتے) - خدا تھکتا نہیں - نہ ہی اسے نیند یا اونگھ آتی ہے (۲/۲۵۵) -

---

* تاج ، ** راغب -

غ

غ ب ر

غَبَرَ الشَّیْءُ ۔ کوئی چیز باقی رہ گئی ۔ ٹھہر گئی ۔ اَلْغَابِرُ مِنَ اللَّیْلِ ۔ رات کا بقیہ ۔ اَلْغَبَرُ وَالْغُبَارُ وَالْغَبَرَةُ ۔ مٹی ۔ گرد و غبار ۔ اَلْغِبْرُ ۔ کینہ (جو دل میں باقی رہ جاتا ہے) * ۔ دَاهِيَةٌ اَلْغَبَرِ ۔ باقی رہنے والی آفت جسکے ازالہ کی کوئی شکل نہ ہو سکے * ۔ وہ مصیبت جو گذر جانے کے بعد بھی اپنا اثر چھوڑ جائے ** ۔ سورہ اعراف میں حضرت لوطؑ کی بیوی کے متعلق ہے كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (۸۳/۷) ۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی ۔

سورہ عبس میں ہے عَلَيْهَا غَبَرَةٌ (۸۰/۴۰) ۔ چہروں پر گردوغبار پڑا ہوگا ۔ بمقابلہ مُسْفِرَةٌ ۔ ضَاحِكَةٌ ۔ مُسْتَبْشِرَةٌ (۸۰/۳۹-۴۰) ۔ یعنی درخشندہ متبسم اور نوید آمیز چہروں کے مقابلہ میں افسردہ ، غمناک اور حسرت آگیں چہرے ۔

غ ب ن

اَلْغَبْنُ ۔ کسی مشترکہ معاملہ میں اپنے ساتھی کے مفاد یا حقوق میں پوشیدہ طور پر کمی کرنا ۔ اگر یہ کمی مال میں ہو تو غَبَنَ فُلَانٌ کہتے ہیں اور اگر یہ کمی رائے وغیرہ میں ہو تو غَبِنَ کہتے ہیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ غَبْنٌ کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں اور اَلْغَبَنُ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی چیز چھپائی جائے ** ۔ چنانچہ اَلْمَغْبِنُ بغل اور کنج ران کو کہتے ہیں ۔ غَبَنَهُ فِي الْبَيْعِ غَبْنًا ۔ اس نے بیع میں اسے دھوکا دیا ۔ یعنی اسے چیز کم یا خراب دیدی * ۔ غَبِنَ رَأْيُهُ ۔ اسکی ذکاوت اور فطانت کم ہو گئی *** ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** محیط ۔

قرآن کریم نے قیامت کو یَوْمُ التَّغَابُنِ (۶۴/۹) کہا ہے ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس دن ظاہر ہو جائیگا کہ لوگوں نے جو معاملہ اپنے خدا کے ساتھ کیا تھا [یعنی اپنا مال اور جان خدا کے ہاتھوں بیچ کر اسکے بدلے میں جنت لے لی ۔ (۹/۱۱۱)] اس میں کس نے کسقدر کمی کی ہے ۔ یا اس کے معنی ہیں وہ دن جب چیزیں ان مقادیر (پیمانوں) کے خلاف ظاہر ہونگی جن کے مطابق وہ دنیا میں اندازہ لگا رہے تھے * ۔

قرآن کریم نے ظہور نتائج کے وقت کے متعلق کہا ہے کہ ہر شخص کو اپنے اعمال کا وزن معلوم ہو جائیگا اور نظر آجائیگا کہ کامیابی کے معیار تک پہنچنے کے لئے ان میں کسقدر کمی رہ گئی ہے (۱۰۱/۱۰۸) ۔ اس لئے یَوْمُ التَّغَابُنِ (۶۴/۹) کے معنی ہونگے وہ وقت جب تمام لوگوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں معلوم ہو جائیگا کہ کس میں کسقدر کمی رہ گئی ہے ۔ اعمال کے وزن کی کمی درحقیقت ان صلاحیتوں کی کمی ہے جن کے پورا ہونے سے انسان زندگی کی اگلی منزل طے کرنے کے قابل ہو سکتا ہے ۔ لہذا یَوْمُ التَّغَابُنِ ۔ ظہور نتائج کا وقت ہے جب ایک دوسرے کی کمی نمایاں ہو کر سامنے آجائیگی ، خواہ وہ اس دنیا میں باطل کی قوتوں سے ٹکراؤ کا وقت ہو اور خواہ اس کے بعد کی زندگی میں انسانی صلاحیتوں کی جانچ کا وقت ۔ اس زندگی میں تو قدم قدم پر تَغَابُنٌ کا مرحلہ ہوتا ہے ۔

تَغَابُنٌ کے لفظی معنی ہیں باہم غبن کرنا ۔ یعنی ایک دوسرے کے حقوق یا مال میں کمی کرنا ۔ ایک دوسرے کی تغلیط کرنا ۔ ایک دوسرے کو خفیہ طریق سے دھوکا دینا ۔ قیامت کے دن (یعنی مرنے کے بعد ظہور نتائج کے وقت) مختلف افراد یا گروہوں کا ایک دوسرے پر الزام دھرنے (ایک دوسرے کو کم عقل بتانے) کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے ، اس لئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اس اعتبار سے یَوْمُ التَّغَابُنِ کہا گیا ہو ۔ البتہ وہاں ایک دوسرے کے حقوق میں کمی کرنے یا دھوکا دینے کا موقع نہیں ہوگا ۔ اس لئے ان معانی کے اعتبار سے بھی سمجھا جائیگا کہ لوگوں نے ایک دوسرے کو جو دھوکے پہلے دئے تھے ان کے نتائج وہاں سامنے آجائینگے ۔

غ ث و

اَلْغُثَاءُ ۔ جھاگ اور کوڑا کچرا ۔ وہ کوڑا کرکٹ اور بوسیدہ پتے وغیرہ جسے سیلاب بہا کر لائے ۔ گندی گلی سڑی چیز کو بھی کہتے ہیں ** ۔

*راغب **تاج و محیط ۔

اور خس و خاشاک کو بھی جو کسی کام کا نہ رہے - یہ ہر اس چیز کے لئے ضرب المثل ہے جو کس مپرسی کے عالم میں ضائع اور فنا ہو جائے اور اس کی کوئی پرواہ نہ کی جائے* - قرآن کریم میں اس قوم کے متعلق جو مکافات عمل کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہو کہا گیا ہے فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً (۲۳/۴۱) - ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا ، اور اسطرح وہ تباہ و برباد ہو کر رہ گئے، جیسا کہ سورہ الرعد میں ہے کہ سیلاب آتا ہے تو خس و خاشاک کو بہا کر لے جاتا ہے (۱۳/۱۷)

یہ حالت تو اس قوم کی ہے جو یکسر تباہ ہو جائے - لیکن ایسی قومیں بھی ہوتی ہیں جو دوسروں کی محکوم بنکر زندگی گزارتی ہیں - ان کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے سیلاب کے ساتھ بہنے والا خس و خاشاک کہ وہ بالکل بے دست و پا ہوتا ہے اور اسے جسطرف سیلاب کی موجیں لے جانا چاہیں مجبوراً چلا جاتا ہے -

غ د ر

غَدْرٌ - کسی چیز میں خلل واقع کردینا اور اسے چھوڑ دینا - اَغْدَرَهٗ وَ غَادَرَهٗ - اس نے اسے چھوڑ دیا** - قرآن کریم میں ہے فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (۱۸/۴۷) - ہم نے ان میں سے کسی کو نہ چھوڑا -

اَلْغَدَرُ - بڑا عہد شکن اور بے وفا -

اَلْغَدِيْرُ - تالاب یا پانی کا وہ حصہ جسے سیلاب چھوڑ جائے -

اَلْغَدْرُ - کسی کا ساتھ چھوڑ دینا - وفا کی ضد ہے - یعنی بےوفائی** - چنانچہ غَدِرَتِ الشَّاةُ کے معنے ہیں بکری دوسری بکریوں سے پیچھے رہ گئی *** -

غ د ق

اَلْغَدَقُ - بہت زیادہ - وافر - فراواں **** - ہمہ گیر بارش ***** - اَغْدَقَ الْمَطَرُ - بارش بہت برسی - غَدَقَتِ الْاَرْضُ - زمین سرسبز ہو گئی - هُمْ فِيْ غَدَقٍ مِنَ الْعَيْشِ - وہ لوگ آسودگی و خوش حالی کی زندگی بسر کرتے ہیں - انہیں وسعتِ رزق نصیب ہے***** -

---

* راغب - ** تاج و راغب - *** ابن فارس - **** راغب نیز ابن فارس -
*****تاج نیز کتاب الاشتقاق -

قرآن کریم میں ہے لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاءً غَدَقًا (۷۲/۱۶) ۔ ہم انہیں رزق فراواں عطا کرتے ۔ انہیں سرسبز و شاداب زندگی بسر کراتے ۔

غ د و

اَلْغَدْوَةُ ۔ صبح سویرے ۔ دن کا ابتدائی حصہ*** ۔ غَدَا عَلَيْهِ غُدُوًّا ۔ اسکے پاس صبح سویرے گیا* ۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ (۳/۱۲۰) ۔ اَلْغَدُ ۔ کل (آنے والا ۔ فردا) مستقبل کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ سَاَقَدِّمُ لِغَدٍ (۵۹/۱۸) ۔ ''اس نے مستقبل کے لئے کیا کچھ آگے بھیجا ہے'' ۔ غَدَاءٌ ۔ دن کا کھانا ، جو صبح جلدی کھایا جائے ۔ (۱۸/۶۳) ۔

غَدَا ۔ فعل ناقص کے طور پر بھی مستعمل ہوتا ہے جس کے معنی صَارَ کے ہوتے ہیں** ۔ سورۃ اعراف میں غُدُوٌّ (غَدْوَةٌ کی جمع) کے مقابلہ میں اٰصَالٌ آیا ہے (۷/۲۰۵) ۔ اور سورۃ انعام میں غَدٰوٰةٌ کے مقابلہ میں عَشِيٌّ (۶/۵۲) ۔ یعنی صبح ۔ شام (لفظ غَدٰوٰةٌ کا واؤ نہیں پڑھا جاتا ۔ نہ ہی اس پر کوئی حرکت ہوتی ہے ۔ اس کا تلفظ غَدَاةٌ ہوگا) ۔ سورۃ سبا میں غُدُوٌّ (مصدر) کے مقابل میں رَوَاحٌ آیا ہے (۳۴/۱۲) ۔ یعنی صبح کا جانا اور شام کا آنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی زمانہ پر دلالت کرتے ہیں ۔

غ ر ب

اَلْغَرْبُ ۔ لغت عرب میں اس لفظ کے بہت سے معانی ہیں لیکن ان میں سے ۔ (۱) مغرب (اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے غَرْبِيٌّ کہا جاتا ہے) ۔ (۲) چلے جانا ۔ (۳) علیحدہ ہو جانا ۔ زیادہ مشہور ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے کلمات کسی خاص قاعدہ اور قیاس کے ماتحت نہیں ہیں ۔ غُرُوْبُ الشَّمْسِ ۔ سورج کا غائب ہو جانا ۔ غَرَبَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ ۔ سورج غروب ہوا ۔ مَغْرِبُ الشَّمْسِ نیز مَغْرِبَانِ الشَّمْسِ و مُغَيْرِبَانِهَا آفتاب غروب ہو جانے کی جگہ یا وقت* ۔ (قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ لفظ شرق کے مقابلہ میں آیا ہے اس کے لئے دیکھئے عنوان ش ۔ ر ۔ ق) ۔

غَرَبَ فُلَانٌ غُرْبَةً وَ غُرُوْبًا ۔ وہ شخص وطن سے دور چلا گیا* ۔ اس سے غَرِيْبٌ* ۔ مسافر اور اجنبی کو کہتے ہیں اور غُرْبَةٌ* مسافری اور اجنبیت کو ۔ اسی سے اردو میں غریب الوطن بولا جاتا ہے ۔ لیکن اردو میں جو

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

''غریب'' کے معنی مفلس لئے جاتے ہیں یہ ہمارے ہاں کا اپنا استعمال ہے - عربی میں اس کے معنی مسافر اور اجنبی کے ہونگے -

غُرَابٌ کوّے کو کہتے ہیں (۵/۳۱) - اس لئے کہ وہ دور دور تک چلا جاتا ہے** - اور اس کی رنگت کی وجہ سے غِرْبِیْبٌ سیاہ کو کہتے ہیں* - قرآن کریم میں ہے غَرَابِیْبُ سُوْدٌ (۳۵/۲۷) - بہت زیادہ سیاہ - کالے بھجنگ -

سورۃ طٰہٰ میں طُلُوْعِ الشَّمْسِ کے مقابلہ میں غُرُوْبِہَا آیا ہے (۲۰/۱۳۰) -

غ ر ر

غَرَّہٗ - یَغُرُّہٗ - اسے فریب دیا اور بے بنیاد امیدیں دلائیں* - چنانچہ اَلْمَغْرُوْرُ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی عورت سے یہ سمجھ کر شادی کر لے کہ وہ آزاد ہے لیکن بعد میں معلوم ہو کہ وہ تو لونڈی تھی* - اسی سے غَرُوْرٌ ہر اس شخص یا چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان دھوکا کھا جائے یا جو انسان کو فریب میں مبتلا کردے - غَارَّتِ النَّاقَۃُ کے معنی ہیں اونٹنی کا دودھ کم ہو گیا حالانکہ اس کے متعلق یہ گمان نہ تھا کہ اس کا دودھ کم ہو جائیگا - گویا اونٹنی نے دھوکا دیا** - لہذا اس مادہ میں غلط امیدوں کے ساتھ فریب دینے یا فریب کھا جانے کا مفہوم ہوتا ہے - سورۃ آل عمران میں ہے وَ غَرَّھُمْ (۳/۲۴) - ان کی افتراء پردازی نے انہیں دھوکا دے دیا -

سورۃ لقمٰن میں غَرُوْرٌ (۳۱/۳۳) کے معنی دھوکا دینے والا ہیں (ہر وہ چیز جس سے انسان دھوکا کھا جائے) - اور سورۃ بنی اسرائیل میں غُرُوْرًا (۱۷/۶۴) کے معنی ہیں دھوکا - یا دھوکا دیتے ہوئے -

سورۃ انفطار میں انسان کے متعلق ہے مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ (۸۲/۶) - اس کے معنی ہیں تجھے اپنے رَبِّ کَرِیْم کے بارے میں کس بات نے دھوکا دے رکھا ہے - مغالطے میں ڈال رکھا ہے - لیکن صاحب محیط نے لکھا ہے کہ مَا غَرَّکَ بِفُلَانٍ کے معنی ہوتے ہیں تو فلاں پر کسطرح جری ہو گیا - اس کے خلاف تجھے یہ جرأت کیسے ہو گئی* - لہذا اس آیت (۸۲/۶) کے یہ معنے بھی ہوسکتے ہیں کہ تو نے جو خدا کی ربوبیت اعلیٰ کے خلاف اپنے قوانین خود بنا لئے تو تجھے کس بات نے اس قدر جرأت دلادی؟

*تاج - **راغب -

اَلْغَرُّ - کپڑے کی تہ کو کہتے ہیں - اَلْغُرَّۃُ - ہر چیز کا بہترین حصہ - سفیدی* - (قرآن کریم میں یہ الفاظ استعمال نہیں ہوئے) -

غ ر ف

اَلْغَرْفَۃُ - ایک مرتبہ (چلّو سے) پانی نکالنا - اَلْغِرْفَۃُ - چلّو میں پانی لینے کا انداز یا نوعیت و حالت - اَلْغُرْفَۃُ - (چلّو سے) جو کچھ نکالا جائے - (اسکی جمع اَلْغِرَافُ ہے) - اِغْتَرَفَ الْمَاءَ بِیَدِہٖ (۲۰:۹۶) - اس نے اپنے ہاتھوں سے پانی نکالا - نَاقَۃٌ غَارِفَۃٌ - تیز رفتار اونٹنی - اَلْغَرَّافُ - ایسی ندی جس میں بکثرت پانی ہو - اَلْغُرْفَۃُ - (جمع غُرَفٌ وَ غُرُفَاتٌ) اوپر کا کمرہ - بالا خانہ** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے مختلف معانی کسی قاعدے اور قیاس کے تحت نہیں آئے -

سورۂ فرقان میں مومنین کے متعلق ہے اُولٰئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا (۲۵/۷۵) - انہیں ان کی استقامت کے بدلہ میں اَلْغُرْفَۃُ دیا جائیگا - اس میں فراوانی اور بلندی سب کچھ آگیا - یعنی بلندیاں - روانیاں - فراوانیاں (نیز ۲۹/۵۸ ; ۳۴/۳۷ ; ۳۹/۲۰) - مصافِ زندگی میں آگے آگے بڑھتے جانا اور ارتقائی منازل کا حسن و خوبی سے طے کرنا - آپ غور کیجئے کہ اس ایک جامع لفظ سے قرآن کریم نے کیا کچھ بیان کر دیا ہے - سامانِ زیست کی فراوانیاں - سرفرازیاں - زندگی کی جوئے رواں کا یہاں (دنیا) سے وہاں (آخرت) تک مسلسل آگے بڑھتے، اور سطح زندگی کا بلند ہوتے چلے جانا -

غ ر ق

غَرِقَ - یَغْرَقُ - غَرَقًا - پانی میں تہ نشین ہو جانا - بعض نے کہا ہے کہ غَرَقٌ کے اصلی معنی ناک کے راستہ اتنا پانی بھر جانا ہیں جس سے دم گھٹ جائے اور اس طرح انسان مرجائے - لیکن (جیسا کہ ابن فارس نے کہا ہے) اس مادہ کے اصلی معنی کسی چیز میں اس کے آخری حصہ اور انتہا تک پہنچ جانے کے ہیں - مثلاً اَلْغَرِقَۃُ اُس زمین کو کہتے ہیں جو انتہائی سیراب ہو - اَغْرَقَ النَّازِعُ فِی الْقَوْسِ کے معنی ہیں کمان کھینچنے والے نے کمان کو اس کی آخری حد تک کھینچا - اِغْرَاقٌ کہتے ہیں کمان کو پوری طاقت سے آخری حد تک کھینچ دینا - وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا (۷۹/۱) - میں غَرْقًا دراصل اِغْرَاقًا کی جگہ استعمال ہوا ہے** - یعنی آخری حد تک کھینچتے ہوئے -

---

*ابن فارس - **تاج -

اَغْرَقَہٗ اُسے ڈبو دیا * ۔ سورۃ یونس میں فرعون کے متعلق ہے اِذَآ اَدْرَکَہُ الْغَرَقُ (۱۰/۹۰) ''جب اسے غرقابی نے آ لیا'' ۔ یہاں غَرَقٌ کے معنی پانی میں ڈوبنے کے ہیں ۔ ڈبونے کے لئے سورۃ اعراف میں ہے فَاَغْرَقْنٰھُمْ (۷/۱۳۶) ۔ سو ہم نے انہیں غرق کردیا ۔ ڈبوئے ہوئے کو مُغْرَقٌ کہینگے ۔ اس کی جمع مُغْرَقُوْن اور مُغْرَقِیْنَ ہے (۴۴/۲۴)۔

غ ر م

اَلْغُرْمُ ۔ گراں بار عورت ۔ اَلْغَرَامُ ۔ دائمی شر ۔ سختی اور مصیبت ۔ وہ شدید مصیبت جو انسان کا پیچھا نہ چھوڑے اور اس سے نجات حاصل کرنا مشکل ہو جائے ۔ اَلْغُرْمُ ۔ تاوان ۔ جرمانہ ۔ بیگار کی چٹی جس کا ادا کرنا ضروری ہو ۔ مفت کا جرمانہ ۔ ایسی مصیبت جس سے چھٹکارا نہ ہو ۔ اَلْغَرِیْمُ ۔ مقروض اور قرض خواہ دونوں کے لئے آتا ہے ۔ مقروض تو اس لئے کہ وہ قرض کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہوتا ہے ۔ اور قرض خواہ اس لئے کہ اَلْمُغْرَمُ ، اسیرِ محبت کو کہتے ہیں جو محبوب کے پیچھے پیچھے پھرتا رہے** ۔ قرضخواہ کو اسی طرح مقروض کے پیچھے پیچھے پھرنا پڑتا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ساتھ ساتھ لگے رہنے اور چمٹے رہنے کے ہیں ۔

قرآن کریم میں اَلْغَارِمِیْنَ (۹/۶۰) آیا ہے ۔ اس کے معنی مقروض کے بھی ہو سکتے ہیں اور مصیبت زدہ کے بھی ، نیز وہ جس پر تاوان پڑ گیا ہو یا ویسے ہی کوئی نقصان ہو گیا ہو ۔ کیونکہ غَرِمَ فِی التِّجَارَۃِ کے معنی ہوئے ہیں تجارت میں نقصان ہوا ۔ اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر مَغْرَمًا (۹/۹۸) ۔ آیا ہے جس کے معنی مفت کا تاوان یا جرمانہ ہیں ۔ سورۃ واقعہ میں ہے اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ (۵۶/۶۶) ۔ ہم پر مفت میں تاوان پڑ گیا ۔ سورۃ فرقان میں عذاب جہنم کے متعلق ہے اِنَّ عَذَابَھَا کَانَ غَرَامًا (۲۵/۶۵) ۔ اس کا عذاب ایسا ہے جو ہر وقت پیچھے لگا رہے گا ۔ جس سے نجات حاصل کرنا مشکل ہوگا ۔

غ ر و

غِرَاءٌ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ چمٹا دیا جائے (مثلاً لئی ۔ سریش وغیرہ)*** ۔ اسی سے اَغْرَاءٌ کے معنی ہیں کسی کو کسی کے پیچھے لگا دینا ۔ اَغْرَی الْکَلْبَ بِالصَّیْدِ ۔ کتے کو شکار کے پیچھے لگا دیا * ۔ لہذا اس کے معنی کسی کے ساتھ یا پیچھے

*تاج ۔ **تاج و محیط ۔ ***راغب ۔

لگا دینے کے آتے ہیں ۔ سورۃ مائدہ میں ہے فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ (۵/۱۴)۔ ہم نے ان کے درمیان عداوت کو لازم کردیا ، پیوست کردیا۔ اَغْرَاهُ بِهٖ۔ اسے کسی چیز کا دلدادہ و شیفتہ بنانا ، اس پر ابھارنا اور اکسانا ، شوق دلانا**۔ اسے کسی کے پیچھے لگا دینا ، لپکا دینا *۔ یہ ان تمام معانی کے لئے آئے گا ۔ سورۃ احزاب میں ہے لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ (۳۳/۶۰) ۔ ہم تجھے ان کے خلاف اٹھا کھڑا کریں گے ۔ انہیں سزا دینے کے لئے تجھے ان کے پیچھے لگا دیں گے ۔

غ ز ل

غَزْلٌ ۔ روئی وغیرہ کاتنا ۔ غَزْلٌ کاتا ہوا سوت ***۔ قرآن کریم میں ہے نَقَضَتْ غَزْلَهَا (۱۶/۹۲) ۔ جس نے اپنے کاتے ہوئے سوت کے بل کھول دیئے، اسے ادھیڑ دیا ۔ اَلْغَزَلُ ۔ عورتوں سے دلبستگی کی باتیں کرنا ۔ اَلْغَزَالُ ہرنوٹا (یا ہرنوٹی یعنی ہرنی کا بچہ) جبکہ وہ حرکت کرنے اور چلنے پھرنے لگے ۔ اَلْغَزَالَةُ ۔ آفتاب کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی کرنوں کو (سوت کی طرح) روئے زمین پر بکھیرتا ہے***۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ تینوں اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں اور تینوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

سورۃ نحل میں ہے وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (۱۶/۹۲) ۔ دیکھنا! کہیں تمہاری مثال اس عورت کی سی نہ ہو جائے جو نہایت محنت و مشقت سے سوت کاتتی ہے اور اس کے بعد اسے خود ہی ادھیڑ دیتی ہے ۔ غور کیجئے ، (وحی کے مقابلہ میں) عقل کے تجرباتی طریق کا نقشہ کس حسن و خوبی سے کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے ۔ عقل ایک نظریہ کو لیتی ہے ۔ ساری دنیا میں ڈنکا بج جاتا ہے کہ اس نظریہ میں انسانیت کی مشکلوں کا حل پا لیا گیا ہے ۔ وہ اس پر تجربہ کرتی ہے ۔ اس میں بے انتہا توانائی صرف ہوتی ہے ۔ وقت لگتا ہے ۔ کتنے انسان قربانی دیتے ہیں۔ کتنے مشقتیں اٹھاتے ہیں ۔ اس میں صدیاں لگ جاتی ہیں ۔ اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ نظریہ غلط تھا ۔ اس پر یہی عقل اپنے کئے کرائے کو خود اپنے ہاتھوں سے برباد کر دیتی ہے اور ایک اور نظریہ پر عمل کرنا شروع کر دیتی ہے ۔ (Trial and Error) کے اسی تجرباتی طریق سے وہ ہزاروں برس میں جا کر کہیں کسی صحیح نتیجہ پر پہنچتی ہے ۔ انسانی ترقی کی ساری تاریخ اسی ''اد ھیڑ بن'' کی صبر آزما داستان ہے ۔ اس کے برعکس وحی براہ راست

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و محیط ۔

حقیقت کو سامنے لے آتی ہے اور انسان کو ان تمام جانکاہ مراحل سے بچالیتی ہے جن میں سے اسے عقل کے تجرباتی طریق کے ذریعے گذرنا ناگزیر تھا ۔ وحی اور عقل میں یہی فرق ہے ۔ اقبال کے الفاظ میں ۔

ہر دو امیر کارواں ، ہر دو بہ منزلے رواں
عقل بہ حیلہ می برد ۔ عشق برد کشاں کشاں

غ ز و

غَزَاہُ ۔ غَزْوًا ۔ اس کا ارادہ کیا ۔ اس کا قصد کیا ۔ اسے طلب کیا ۔ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ یعنی قصد اور طلب ۔ غَزْوِیْ کَذَا ۔ میرا مقصد اس طرح کا ہے* ۔ مَغْزَی الْکَلَامِ ۔ بات کا مقصد اور مطلب* ۔ اسکے بعد اس سے مراد دشمن کے خلاف جنگ کے قصد کے ہوگئے ۔ غَزَا الْعَدُوَّ ۔ وہ دشمن سے جنگ کرنے کے ارادے سے نکلا* ۔

آپ نے دیکھا کہ غَزْوٌ میں مقصد و ارادہ کے ساتھ جنگ کا مفہوم شامل ہے ۔ جماعت مومنین کا قصد اور ارادہ : قوانین خداوندی کے تابع ہوتا ہے اس لئے ان کے غزوات دنیا سے ظلم و استبداد مٹانے کے لئے ہونگے ، نہ کہ کمزوروں کو ستانے اور لوٹنے کی خاطر ۔

سورۃ آل عمران میں ہے اَوْ کَانُوْا غُزًّی (۳/۱۵۶) ۔ یا وہ جنگ میں شامل ہوں ۔ جنگ کر رہے ہوں ۔

غ س ق

اَلْغَسَقُ ۔ ابتدائے شب کی تاریکی* ۔ لیکن راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی سخت تاریکی کے ہیں** ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے تاریکی بتائے ہیں* ۔ قرآن کریم میں ہے اِلٰی غَسَقِ اللَّیْلِ (۱۷/۷۸) ۔ یعنی (شروع) رات کی تاریکی تک ۔ اَلْغَاسِقُ ۔ چاند جبکہ وہ گہن لگ کر سیاہ ہو جائے ۔ تاریک رات* ۔ قرآن کریم میں ہے مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (۱۱۳/۳) ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس سے مراد رات کے وقت پیش آنے والی مصیبت یا حادثہ کے ہیں ۔ جیسے طَارِقٌ رات کے وقت آنے والے کو کہتے ہیں** ۔ نیز غَاسِقٌ کے معنی ٹھنڈے کے ہوتے ہیں ۔ چنانچہ رات

* تاج ۔ ** راغب ۔

کو غَاسِق* اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ دن سے نسبتاً ٹھنڈی ہوتی ہے *۔ غَسَّاق*۔ نہایت ٹھنڈی چیز۔ جس کی ٹھنڈ جلا دے۔ چنانچہ سورہ النبا میں جہنم کے متعلق ہے کہ اس میں حَمِيْماً وَّ غَسَّاقاً (۷۸/۲۵) ہوگا۔ اس میں غَسَّاق* کے معنی شدید ٹھنڈے کے ہیں۔ جسکی ٹھنڈ سُن کرکے رکھدے۔ یعنی جہنم میں شدت کی گرمی اور شدت کی ٹھنڈ ہے۔ یہ دونوں نشو و نما کے لئے ہلاکت کا موجب ہوتی ہیں۔ کھیتی کو جسطرح گرمی جھلسا دیتی ہے اسی طرح اسے پالا بھی مار دیتا ہے۔ نشو و نما کے لئے ضروری سامان، اور اس کے استعمال میں تناسب، دونوں لازمی ہوتے ہیں۔ پانی سے کھیتی پروان چڑھتی ہے لیکن یہی پانی جب زیادہ دیدیا جائے تو وہ گل سڑ جاتی ہے۔ ہوا سے درخت لہلہاتے ہیں لیکن جب یہی ہوا جھکڑ بن جائے تو وہ جڑوں سے اکھڑ جاتے ہیں۔ پودوں کی نشو و نما کے لئے حرارت ناگزیر ہے لیکن یہی حرارت جب تیز ہو جائے تو انہیں جھلسا دیتی ہے۔ لہذا جہنم، سامان نشو و نما سے محرومی ہی کا نام نہیں۔ سامان کی فراوانی کے ساتھ اگر صحیح صحیح توازن و تناسب نہ ہو تو اس کا نتیجہ بھی وہی ہوتا ہے، بلکہ اس سے بھی بدتر۔ ہم سامان سے محروم ہیں، مغرب والے اعتدال سے محروم۔ یہاں فالج ہے، وہاں سرسام۔ جہنم بہرحال دونوں جگہ ہے۔ سامان زیست کی فراوانی اور اس کی تقسیم اور استعمال میں صحیح صحیح تناسب، یہ دونوں خدا کے نظام ربوبیت سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس سے یہ دنیا جنت بنتی ہے۔ جنتِ اُخروی میں بھی یہی کیفیت ہوگی۔

غ س ل

غَسَلَ۔ دھونا، پانی بہا کر کسی چیز کو میل کچیل سے پاک کرنا *۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (۵/۶) اپنے چہروں کو دھوؤ۔ اِغْتَسَلَ۔ غسل کرنا *۔ (۴/۴۳)۔ مُغْتَسَلٌ*۔ وہ جگہ جہاں نہایا جائے یا وہ پانی جس سے نہایا جائے **۔ (۳۸/۴۲)۔

سورہ الحاقہ میں اہل جہنم کے متعلق ہے وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ (۶۹/۳۶)۔ اس کے عام معنی کئے جاتے ہیں، دھوون یا غسالہ۔ یا وہ پانی جس سے زخم دھویا گیا ہو۔ لیکن قاموس میں ہے کہ اس کے معنی ہیں انتہائی گرم ***۔ (اس کے مفہوم کے لئے غ۔ س۔ ق کا عنوان بھی دیکھئے)

* تاج۔ ** راغب۔ *** بحوالہ غریب القرآن مرزا ابوالفضل۔

غ ش ی (و)

غَشِیَ کے معنی کسی چیز کو (پوری طرح سے) ڈھانپ لینا یا اس پر (بالکلیہ) چھا جانا ہیں۔ غِشَاوَۃٌ اس پردے کو کہتے ہیں جو کسی کو ڈھانپ دے اور اس پر چھا جائے (۲/۷)۔ غَاشِیَۃٌ اس جھلی کو کہتے ہیں جو دل پر بطور غلاف چڑھی ہوتی ہے۔ ایسے ہی اس چمڑے کو بھی کہتے ہیں جو تلوار کے نیام پر مڑھ دیا جاتا ہے۔ غُشِیَ عَلَیْہِ۔ اسوقت کہتے ہیں جب کوئی آدمی بیہوش ہو جائے کیونکہ اسوقت اس کے ہوش و حواس بالکل مستور ہو جاتے ہیں۔ غَشِیَ فُلَانًا کے معنی ہیں وہ شخص فلاں آدمی کے پاس آیا۔ اور غَشِیَہَا اور تَغَشّٰہَا کے معنی عورت سے مجامعت کرنے کے آتے ہیں کیونکہ اس حالت میں مرد اسے ڈھانپ لیتا ہے*۔ سورۃ اعراف میں ہے تَغَشّٰہَا (۷/۱۸۹)۔ سورہ نوح میں ہے وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَہُمْ (۷۱/۷) انہوں نے اپنے دلوں کو ڈھانپ لیا۔ انہیں غلافوں میں بند کر لیا۔

قرآن کریم میں غِشَاوَۃٌ (۲/۷) کے معنی پردہ ہیں۔ اور غَشِیَ کے معنی ڈھانپ لینا (۲۰/۷۸)۔ سورہ اعراف میں مِہَادٌ (بچھونے) کے مقابل میں غَوَاشٍ کا لفظ آیا ہے (۷/۴۱) جس کے معنی اوڑھنے کے ہونگے۔ اَلْغَاشِیَۃُ (۸۸/۱) ہر طرف سے چھا جانے والی مصیبت۔ یعنی اعمال کے ان نتائج کا ظہور جو انسان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں [جسے وَاللّٰہُ مُحِیْطٌ بِالْکَافِرِیْنَ کہا گیا ہے۔ (۲/۱۹) یعنی خدا کا قانون مکافات کفار کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ یا اِنَّ جَہَنَّمَ لَمُحِیْطَۃٌ بِالْکٰفِرِیْنَ (۹/۴۹)۔ جہنم کفار کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے]۔

غ ص ب

غَصَبَہٗ۔ یَغْصِبُہٗ۔ غَصْبًا۔ کسی سے کوئی چیز ظلماً و قہراً چھین لینا۔ اصل میں غَصَبَ الْجِلْدَ کے معنی ہوتے ہیں کھال پر سے بالوں کو یا اون کو نوچ نوچ کر اتارنا**۔ (اسی لئے اس میں نوچنے اور کھسوٹنے کا پہلو ہوتا ہے)۔ غَصَبَ الرَّجُلُ الْمَرْاَۃَ۔ مرد نے اس عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا***۔

سورہ کہف میں ہے۔ یَاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَۃٍ غَصْبًا (۱۸/۷۹)۔ وہ (بادشاہ) ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ انسانوں کے خود ساختہ نظام

* تاج۔ نیز ابن فارس۔ ** تاج۔ *** محیط۔

حکومت میں ہوتا ہی یہ ہے کہ طاقتور، کمزوروں کے وسائل رزق کو زبردستی چھین لیتے ہیں ۔ خدا کا نظام اس لئے آتا ہے کہ کمزوروں پر کسی قسم کا ظلم اور استبداد نہ ہونے پائے اور غصب و سلب (Exploitation) کا دور دورہ ختم ہو جائے ۔

غ ص ص

اَلْغُصَّۃُ ۔ کھانے کی چیز کا حلق میں پھنس کر رہ جانا ۔ (پینے کی چیز کے اٹک جانے کو شَرَقٌ کہتے ہیں اور ہڈی وغیرہ کے اٹک جانے کو شَجًا۔ لیکن بیشتر یہ فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا*) ۔ غصہ کی وجہ سے بھی گلے کے بند ہو جانے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے** ۔ اَغَصَّ فُلَانٌ عَلَیْنَا الْاَرْضَ ۔ فلاں آدمی نے ہم پر زمین کو تنگ کر دیا ۔ فَغَصَّتْ بِنَا ۔ چنانچہ زمین ہم پر تنگ ہو گئی * ۔ اَلْغُصَّۃُ ۔ غم اور فکر کو بھی کہتے ہیں** ۔

قرآن کریم میں جہنم کے متعلق ہے وَطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ (۷۳/۱۳) ۔ حلق میں اٹک جانے والا کھانا ۔ اس دنیا میں بے عزتی کی روٹی جسے انسان نہ نگل سکے نہ اُگل سکے ۔ ناجائز کمائی جس سے شرف انسانیت کا گلا گھٹ جائے، اور اُخروی زندگی میں انسان آگے بڑھنے کے قابل نہ رہے ۔ غور کیجئے ! وہی رزق جو انسانی نشوونما کا موجب ہوتا ہے، جب گلے میں اٹک جائے تو انسان کی موت کا باعث بن جاتا ہے ۔ انسانی ذات کیلئے رزق حلال اور اکل حرام میں یہی فرق ہے ۔

غ ض ب

غَضَبٌ کے معنے شیر ہیں ۔ نیز سرخ یا ہر گہرے سرخ رنگ کی چیز* ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی شدت و قوت بتائے ہیں ۔ غَضَبٌ رِضًا کی ضد ہے ۔ بعض نے اس کی تعریف ''انتقامًا دل میں خون کا جوش مارنا'' کی ہے ۔ اللہ کے غضب سے مراد نافرمانی پر اس کی گرفت اور سزا ہے* ۔ کنایۃً غَضِبَتِ الْفَرَسُ عَلَی اللِّجَامِ کے معنے ہیں گھوڑے نے غصے میں آکر اپنی لگام چبائی ۔ اسی طرح آگ کے بھڑک اٹھنے پر بھی غَضَبٌ کا اطلاق ہوتا ہے۔ آنکھ کے بالائی پپوٹے پر نکلنے والا پیدائشی دانہ غَضْبَۃٌ کہلاتا ہے ۔ نیز ایک جلدی بیماری جس میں سارا بدن سرخ

* تاج ۔ ** محیط۔

ہو جاتا ہے غِضَاب* کہلاتی ہے ۔ مَغْضُوْب* اسے کہتے ہیں جسے چیچک نکل آئے یا مذکورہ بالا بیماری ہو جائے ۔ غُضَاب* اس شخص کو کہتے ہیں جس کی کھال موٹی اور سخت ہو ۔ غُضَا بِیٌّ اسے کہتے ہیں جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تند مزاج اور تلخ کام ہو اور مخالفین کے ساتھ سخت* ۔ اَلْغَضْبَۃُ ۔ سخت چٹان کو کہتے ہیں اور اَلْغَضُوْبُ بڑے سانپ کو (ابن فارس) ۔

قرآن کریم نے غَضَب* کو نِعْمَۃ* کے مقابل میں لا کر (۱/۷۰) واضح کر دیا ہے کہ خدا کے غضب (یعنی اس کے قانون سے سرکشی اور انکار) کا نتیجہ کیا ہوتا ہے ۔ یعنی نِعْمَت کے ہر پہلو کی ضد ۔ سورۃ بقرہ میں ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَ الْمَسْکَنَۃُ کے بعد غَضَبٍ مِنَ اللّٰہِ (۲/۶۱) کہکر بتا دیا کہ ''اللہ کے غضب'' کا نتیجہ ذلت اور محتاجی ہوتا ہے ۔ دوسری جگہ اسے عَذَاب* مُّھِیْن* (۲/۶۱) ۔ یعنی رسوا کن عذاب ، سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ سورۃ اعراف میں قوم عاد پر ''اللہ کے غضب'' کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے ۔ وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا (۷/۷۲) یعنی ہم نے اس قوم کی جڑ کاٹ کر رکھ دی جو ہمارے قوانین کی تکذیب کرتی تھی ۔

اس سے واضح ہے کہ ''خدا کے غضب'' کا نتیجہ انفرادی اور اجتماعی تباہی اور بربادی ہے ۔ اس لئے کہ اس سے خدا کے قانونِ مکافات کی بے پناہ قوت کا مظاہرہ ہوتا ہے ۔ اسے سمجھ لینا چاہئے کہ جب خدا کی طرف غَضَب* کی نسبت ہوگی تو اس کا مطلب وہ ہیجانی کیفیت نہیں ہوگی جو انسان پر غصہ کی حالت میں طاری ہوتی ہے ۔ خدا ، انسانی جذبات اور ان کی پیدا کردہ کیفیات سے بہت بلند ہے ۔ اس لئے ''خدا کے غضب'' سے مراد اس کے قانون کی خلاف ورزی کے فطری نتائج ہیں ، جس طرح ''خدا کی خوشنودی'' کا مطلب اس کے قوانین کے مطابق چلنے کے خوشگوار نتائج ہیں ۔

سورۃ اعراف میں غَضْبَانَ آیا ہے (۷/۱۵۰) ۔ یعنی غصہ میں بھرا ہوا ۔ پُر جوش ۔ اور سورۃ انبیاء میں مُغَاضِبًا آیا ہے (۲۱/۸۷) ۔ یعنی ناراض ہو کر ۔ لیکن یہ دونوں لفظ خدا کے متعلق نہیں ۔ پہلا حضرت موسیٰ* کے متعلق ہے اور دوسرا حضرت یونس* کے متعلق ۔

---

*تاج ۔

غ ض ض

الغَضُّ کے معنے ہیں کمی کرنا ، خواہ آنکھوں سے دیکھنے میں ہو ، خواہ آواز میں یا کسی برتن کی چیز میں* ۔ غَضَّ مِنْهُ یَغُضُّ ۔ اس نے اس میں سے کم کر دیا ۔ غَضَّ الْغُصْنَ ۔ اس نے شاخ کو توڑ دیا ۔ لیکن یہ اس طرح توڑنے کو کہتے ہیں کہ وہ اچھی طرح سے نہ ٹوٹے ۔ لہذا اس کے بنیادی معنوں میں جھکانا اور کم کرنا ہیں ۔ اَلْغَضِیْضُ مِنَ الطَّرْفِ ۔ وہ نگاہ جس میں پلکیں جھکی رہیں ۔ اَلْغَضُّ ۔ ایسی تر و تازہ چیز جس پر ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو ۔ اِنْغِیْضَاضُ الطَّرْفِ ۔ آنکھوں کا بند ہوجانا** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی روکنا اور کم کرنا لکھے ہیں ، نیز تازگی و طراوت ۔

قرآن کریم میں یہ مادہ اَبْصَارٌ کے لئے (۲۴/۳۰) میں آیا ہے جہاں اس کے معنے نگاہوں کو نیچا رکھنے ، یا آنکھ کو ان چیزوں کے دیکھنے سے روکنے کے ہیں جن کا دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں*** ۔ اور صَوْتٌ کے لئے (۳۱/۱۹) میں ۔ یعنی آواز کا پست رکھنا ۔ دونوں میں سرکشی اور بے باکی کے مقابلہ میں شرافت کے جھکاؤ کا پہلو ہے ۔ جھکانا ، کم کرنا ، سمیٹ کر رکھنا ، بے باک نہ ہونے دینا ، نگاہوں کو بھی اور آواز کو بھی ۔ یہ ہوگا قرآنی معاشرہ میں عورتوں اور مردوں کا انداز ۔ نہ چلنے پھرنے میں ان کی نگاہیں بیباک اور آوارہ ہونگی ، نہ بات چیت کرنے میں ان کی آواز اعتدال سے اونچی ہوگی ۔

غ ط ش

غَطَشَ ۔ یَغْطِشُ ۔ تاریک ہوا ۔ اَغْطَشَ یُغْطِشُ ۔ تاریک کیا ۔ لَیْلٌ غَطَاشٌ ۔ اندھیری رات ۔ فَلَاةٌ غَطْشَاءُ ۔ ایسا صحرا جس میں راستہ نہ ملتا ہو ۔ اَلْغَطَشُ فِی الْعَیْنِ ۔ آنکھ کا چندھیا پن ۔ ایسے چندھے آدمی کو اَغْطَشُ کہتے ہیں**** ۔

قرآن کریم میں ہے اَغْطَشَ لَیْلَهَا (۷۹/۲۹) ۔ اس کی رات کو اس نے تاریک کر دیا ۔

غ ط و (ی)

اَلْغِطَاءُ ۔ وہ چیز جس کے ذریعے دوسری چیز کو ڈھانپ دیا جائے ۔ ڈھکنا ۔ راغب نے کہا ہے کہ غِطَاءٌ ۔ طباق وغیرہ کی قسم کی چیز کو

*راغب ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔ ****تاج و راغب ۔

کہتے ہیں جو بطور ڈھکنے کے کام میں لائی جائے اور غِشَاءٌ ، لباس کی قسم کی چیز کو کہتے ہیں جسے کسی دوسری چیز کے اوپر ڈال دیا جائے ۔ مصباح میں ہے کہ غِطَاءٌ پردے کو کہتے ہیں ۔ اَلْغِطَایَۃُ ۔ وہ اندرونی لباس (مثلاً بنیان وغیرہ) جس سے عورتیں اپنے جسم کو ڈھانپ کر ان کے اوپر دوسرے کپڑے پہنتی ہیں ۔ جوہری نے کہا ہے کہ جو چیز بلند ہو اور کسی دوسری چیز سے لمبائی میں اوپر آجائے تو اس کے لئے غَطَا عَلَیْہِ کہتے ہیں ۔ اسی سے غَطَتِ الشَّجَرَۃُ کے معنے ہیں درخت کی شاخیں لمبی ہوگئیں اور زمین پر پھیل گئیں ۔ غَطَی اللَّیْلُ ۔ رات تاریک ہوگئی* ۔ قرآن کریم میں لفظ غِطَاء ، پردے (جہالت) کے لئے آیا ہے ۔ کَانَتْ اَعْیُنُھُمْ فِیْ غِطَاءٍ عَنْ ذِکْرِیْ (۱۸/۱۰۱) ۔ ان کی آنکھیں میرے قوانین کیطرف سے پردے (تاریکی) میں تھیں ۔ یعنی اس کی طرف سے ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے تھے ۔ عَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ (۲/۷) ۔ ''ان کی آنکھوں پر پردہ ہے''

غ ف ر

غَفْرٌ ۔ صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے معنی کسی کو ایسی چیز پہنا دینا ہے جس سے وہ غلاظت وغیرہ سے محفوظ رہے** ۔ لہذا اس میں چھپانے اور محفوظ رکھنے کا مفہوم شامل ہوتا ہے ۔ غَفْرٌ ۔ چھپانا، پردہ ڈالنا ۔ غَفَرَ الْمَتَاعَ فِی الْوِعَاءِ ۔ سامان کو کسی برتن میں ڈال کر چھپا دینا*** (اور اسطرح اسکی حفاظت کر دینا) ۔ اَلْمِغْفَرُ وَالْغِفَارَۃُ ۔ زرہ کی طرح آہنی حلقوں سے بنی ہوئی جالی جو خود کے نیچے پہنی جاتی ہے اور جو گردن اور مونڈھوں کو ڈھانپ لیتی ہے تاکہ ان پر تلوار وغیرہ کا اثر نہ ہو اور اس کا پہننے والا حملہ آور کے وار سے محفوظ رہے ۔ اَلْغِفَارَۃُ ۔ ایک پٹی سی ہوتی ہے جسے عورتیں اسلئے سر پر باندھ لیتی ہیں کہ ان کی اوڑھنی تیل سے محفوظ رہے ۔ اس کے اوپر اَلْخِمَارُ (چادر) اوڑھتی ہیں ۔ اَلْجَلَّاءُ الْغَفِیْرُ ۔ وہ خَوْد جو سارے سر کو اپنے اندر لے لے اور اسطرح اسکی حفاظت کر دے*** ۔ اَلْغَفْرُ ۔ وَالْغُفْرَانُ ۔ ایک ہی معنی میں آتے ہیں (ابن فارس)

اس سے مَغْفِرَۃٌ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنی حفاظت ۔ جب کوئی قوم غلط روش اختیار کرتی ہے تو اس روش کے مضر اثرات مرتب

*تاج و راغب و محیط ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔

ہونے شروع ہو جاتے ہیں - لیکن قبل اس کے کہ وہ اثرات اس حد تک آگے بڑھ جائیں کہ ان کی ہلاکت یقینی ہو جائے ، اگر وہ قوم اس غلط روش کو چھوڑ کر قانون خداوندی کے مطابق صحیح روش اختیار کر لیتی ہے تو اس سے اس پر دُھرے اثرات مرتب ہونے شروع ہو جاتے ہیں - ایک تو اسکی سابقہ روش کے مضر اثرات سے اس کی حفاظت ہو جاتی ہے اور دوسرے اسے زندگی کے خوشگوار نتائج ملنے شروع ہو جاتے ہیں - ان نتائج کے استحکام کے لئے بھی حفاظتی پہلو کا ساتھ ساتھ رہنا نہایت ضروری ہوتا ہے - یوں سمجھئے جیسے مرض کے علاج کے لئے پہلے حفاظتی تدابیر (Preventives) اور اس کے بعد اصلاحی تدابیر (Curatives) اختیار کی جاتی ہیں - اسی طرح تندرست انسان کی نشوونما کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحت کو خراب کرنے والے مضر عناصر سے محفوظ رہے اور اسے ایسی غذا ملتی رہے جس سے اسکی نشوونما ہوتی چلی جائے - لہذا -

(۱) اگر غلط روش پر چلنے والی قوم کسی مقام پر پہنچکر اپنے اصلاح حال کی فکر کرکے قانون خداوندی کی طرف رجوع کرتی ہے (جسے تَوْبَۃٌ کہتے ہیں - دیکھئے عنوان ت - و - ب) تو اس سے اس کے اندر ایسی توانائی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے جس سے وہ اپنی سابقہ غلط روش کے مضر اثرات سے محفوظ ہو جاتی ہے - یہ اسکی مَغْفِرَۃٌ ہے - اور

(۲) قانون خداوندی کے مطابق چلنے والی قوم ان تخریبی قوتوں کی مذموم کوششوں سے محفوظ رہتی ہے جو اس کی تباہی و بربادی کی تدابیر کرتی رہتی ہیں - یہ ان کی مَغْفِرَۃٌ ہے - اور

(۳) قوانین خداوندی کے اتباع سے اپنی ذات کے اندر ایسی صلاحیت پیدا کرتے رہنا جس سے انسان تخریبی عناصر کے مضر اثرات سے محفوظ رہے ، اور اجتماعی طور پر ملت اور اس کے نظام کے استحکام کے لئے سامان حفاظت بہم پہنچاتے رہنا ، اِسْتِغْفَارٌ (مَغْفِرَت طلب کرنا) ہے - چنانچہ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَلْاِسْتِغْفَارُ کے معنی ہیں قول اور عمل سے کسی فساد انگیز بات کی اصلاح کی خواہش کرنا - حفاظت چاہنا - اور مَغْفِرَۃٌ کے معنی ہیں بندہ کی لغزشوں سے تجاوز کرکے اس سزا سے اسکو بچا لینا جس کا وہ مستحق ہو چکا ہو* - اور (تاج العروس میں ہے کہ) غَفَرَ الْاَمْرَ بِغُفْرَتِہٖ کے معنی ہیں اس نے اس معاملہ کو اسطرح درست کر دیا جسطرح اسے درست کرنا چاہئے تھا** -

* محیط - ** تاج -

ہمارے ہاں مَغْفِرَۃٌ کے معنی لئے جاتے ہیں ''خدا کا بندے کے گناہوں کو بخش دینا'' (اللہ مغفرت کرے۔'' یا '' خدا بخشے ''۔ ہم روز بولتے ہیں)۔'' بخشش '' کا تصور قرآن کریم کے پیش کردہ قانون مکافاتِ عمل کے خلاف ہے۔ قانون مکافات کی رو سے انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ غلط عمل مضر نتائج پیدا کرتے ہیں اور صحیح عمل خوشگوار نتائج۔ غلط اعمال کے مضر نتائج کا '' بخش دینا '' بے معنی سی بات ہے۔ '' بخشش '' کا یہ تصور ملوکیت کی فضا کا پیدا کردہ ہے جس میں بادشاہ خوش ہو کر مجرموں کے گناہ بخش دیا کرتا تھا۔ قرآن کریم کی رو سے '' جنت '' انسانی اعمال کا فطری نتیجہ ہے۔ یہ کسی سے '' بخشش '' کے طور پر نہیں مل سکتی۔ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ حسنِ عمل سے انسان کے اندر وہ توانائی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ تخریبی قوتوں کے مضر اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ ہے مَغْفِرَت کا قرآنی مفہوم۔ ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ جو شخص کمزور ہو جاتا ہے اس پر ہر بیماری فوراً حملہ کر دیتی ہے۔ اس میں قوت مدافعت باقی نہیں رہتی۔ وہ جراثیم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ وہ ان جراثیم کا مقابلہ کر سکے۔ اس قسم کی طاقت کا اپنے اندر پیدا کر لینا اِسْتِغْفَارٌ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز تسبیح کے دانوں پر اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کے الفاظ دہرانے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسے کام کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے جس سے انسانی صلاحیتوں میں نشوونما پیدا ہو جائے۔ خدا غَفُوْرٌ ہے۔ یعنی اس کے قانون پر عمل پیرا ہونے سے اس قسم کی قوتِ مدافعت اور سامان حفاظت مل جاتا ہے۔ اور مومنین کا شیوہ اِسْتِغْفَارٌ ہے۔ یعنی اس قسم کی قوت اور حفاظت کا طلب کرتے رہنا۔ اس کے لئے جدو جہد کرتے رہنا۔ لہذا قرآن کریم میں مَغْفِرَۃٌ (۲/۲۶۱) اور غُفْرَانٌ (۲/۲۸۵) کے معنی ہونگے حفاظت اور پناہ۔ غَافِرٌ (۴۰/۳) غَفُوْرٌ (۴۱/۳۲) اور غَفَّارٌ (۲۰/۸۲) کے معنی ہونگے حفاظت دینے والا۔ محفوظ رکھنے والا، اس فرق کے ساتھ کہ غَافِرٌ اسم فاعل ہے اور غَفُوْرٌ و غَفَّارٌ اسم مبالغہ۔ اِسْتِغْفَارٌ (۱۱/۳) کے معنی ہونگے حفاظت طلب کرنا۔

جیسا کہ (ع۔ف۔و) کے عنوان میں بتایا جاچکا ہے، عَفْوٌ کے معنی ہیں سزا کے بعد اس کے اثرات کو مٹا دینا۔ لیکن مَغْفِرَۃٌ کے معنی ہیں شروع ہی سے ان اثرات سے محفوظ رکھنا۔ اسی لئے قرآن کریم میں مَغْفِرَۃٌ۔ عَذَابٌ کے مقابلہ میں آیا ہے (۲/۱۷۵، ۳/۱۲۸)۔ سورہ بقرہ میں مَغْفِرَۃٌ بمقابلہ فَقْرٌ آیا ہے (۲/۲۶۸)۔ یعنی احتیاج و افلاس سے محفوظ رکھنا

غ ف ل

غَفَّلَہٗ تَغْفِیْلاً ۔ اس کو ڈھانپ دیا ۔ چھپا دیا ۔ اس پر پردہ ڈال دیا * ۔ یہ اسکے بنیادی معنی ہیں ۔ اَغْفَلَہٗ ۔ اس کو غافل کیا ۔ قرآن کریم میں ہے لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ (۵۰/۲۲) ۔ تم اس سے ''غافل'' تھے سو ہم نے تمہارے پردوں کو اٹھا دیا ۔ غَفْلَۃٌ ۔ کسی چیز کو چھوڑ دینا اور اسکو بھول جانا ۔ راغب نے کہا ہے کہ غفلت اس سہو کو کہتے ہیں جو قلتِ احتیاط و تحفظ کی بناء پر ہوتا ہے * ۔ دراصل اس کا مطلب کسی چیز کے متعلق (یا کسی کی طرف سے) لاپرواہ (Un-mindful) ہو جانا ہے ۔ چنانچہ اَلْغَفُوْلُ اس اونٹنی کو کہتے ہیں کہ جو بچہ چاہے اس کا دودھ پی جائے اور جو آدمی چاہے اس کا دودھ دوہ کر لے جائے اور وہ اس کا کچھ خیال نہ کرے * ۔ اَلْغَفْلُ وہ شخص جس سے نہ بھلائی کی امید ہو نہ شر کا اندیشہ ۔ وہ تیر جس پر کوئی نشان نہ ہو (جوئے میں ایسے تیر کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا ۔ یعنی نہ اس سے کوئی فائدہ ہوتا تھا نہ نقصان) ۔ وہ راستہ جس پر نشان راہ نہ ہوں ۔ وہ زمین جس پر کوئی آبادی نہ ہو ۔ وہ مویشی جس پر شناخت کا نشان نہ ہو ۔ وہ شخص جس کا حسب نہ ہو ۔ وہ شعر جس کا کہنے والا معلوم نہ ہو * ۔ ان معانی سے اس لفظ کا اصل مفہوم سامنے آجاتا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے معنی بھول کر کسی چیز کو چھوڑ دینے کے ہیں ، اور کبھی کبھی یہ عمداً چھوڑ دینے کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔

لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ بے خبری اور ناواقفیت کے لئے بھی آیا ہے جس میں مذمت کا کوئی پہلو نہیں ۔ مثلاً سورہ یوسف میں ہے کہ ہم تجھے وحی کے ذریعے داستان یوسف بتاتے ہیں وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ (۱۲/۳) ۔ اگرچہ تو اس سے پہلے اس سے باخبر نہ تھا ۔ اسی طرح قرآن کریم میں اکثر مقامات پر ہے ۔ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۲/۷۴) ۔ اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ۔ سورہ نور میں اَلْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ (۲۴/۲۳) ان باعصمت خواتین کے متعلق آیا ہے جو بدکرداری کی باتوں سے واقف تک نہ ہوں ۔ غَافِلٌ ۔ غَفَلَ سے اسم فاعل ہے ۔

سورۃ انبیاء میں کفار کے متعلق ہے کہ وہ کہینگے ۔ قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا ۔ (۲۱/۹۷) ۔ ہم اس سے لاپرواہ رہے ۔ یعنی جس بات کو

* تاج ۔

ہمیں ہر وقت دھیان میں رکھنا چاہئے تھا اسے ہم نے دھیان میں نہ رکھا۔ لغت میں غَفْلَۃٌ کے معنی یہ بھی ہیں۔

غ ل ب

غَلَبَۃٌ کے اصل معنی ہوتے ہیں کسی کی گردن کے موٹے حصے کو بڑی مضبوطی سے پکڑ لینا *۔ چنانچہ غَلِیبٌ۔ یَغْلَبٌ کے معنی ہیں وہ موٹی، چھوٹی، اور ایکطرف کو جھکی ہوئی گردن والا ہوا۔ نَاقَۃٌ غَلْبَاءُ۔ موٹی گردن والی اونٹنی کو کہتے ہیں **۔ اس سے غَلَبَۃٌ کے معنی قہر و بالا دستی، کسی پر مستولی اور قابض ہو جانے یا کسی کو شکست دیدینے کے آتے ہیں۔ یہ غَلَبَ کا مصدر ہے۔ سورہ کہف میں ہے۔ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰی اَمْرِھِمْ (۱۸/۲۱)۔ وہ لوگ جنہوں نے انکے معاملہ پر غلبہ پا لیا۔ سورہ روم میں ہے مِنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ (۳۰/۳)۔ اپنے مغلوب ہوجانے کے بعد۔ سَیُغْلَبُوْنَ (۸/۳۶)۔ جس پر دوسرا غالب آجائے۔

اَلْغَلْبَاءُ۔ (اسکی جمع غُلْبٌ ہے) گھنا باغیچہ **۔ وَحَدَائِقَ غُلْبًا (۷۸/۳۰) گھنے باغات۔

غ ل ظ

اَلْغِلْظَۃُ (غین کی تینوں حرکتوں کے ساتھ اگرچہ کسرہ زیادہ مشہور ہے) موٹاپا۔ سختی۔ شدت۔ اَغْلَظَ الثَّوْبَ۔ اس نے کپڑے کو موٹا پایا *۔ غَلِیْظٌ کے معنی سخت، موٹے کے علاوہ گاڑھا بھی ہیں۔ یعنی ایسی چیز جس کے منتشر اجزاء سمٹ کر کم جگہ میں جمع ہو جائیں اور اسطرح ان کی قوت بڑھ جائے۔ اَلْغَلْظُ۔ سخت اور ناہموار زمین کو کہتے ہیں (یعنی جو پتھریلی تو نہ ہو لیکن اس کے باوجود سخت ہو)۔ یہاں سے اس کے معنی سختی اور درشتی کے ہو گئے *۔ قرآن کریم میں ہے کہ جماعت مومنین کو ایسا طاقتور ہونا چاہئے کہ مخالفین ان میں سختی محسوس کریں۔ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً (۹/۱۲۳)۔ لیکن ان کے مزاج میں سختی اور بد خلقی نہیں ہونی چاہئے۔ انہیں غَلِیْظُ الْقَلْبِ نہیں ہونا چاہئے (۳/۱۵۸)۔ مخالفین کے مقابلہ میں بہت مضبوط، محکم اور سخت ہونا چاہئے اور ان کی شدت سے روک تھام کرنی چاہئے۔ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (۹/۷۳)۔ اسی طرح جیسے خدا کے قوانین مکافات اعمال کے نتائج مرتب کرنے میں غِلَاظٌ شِدَادٌ واقع ہوئے ہیں (۶۶/۶)۔

* راغب۔ ** تاج۔

اِسْتَغْلَظَ۔ کسی چیز کا موٹا اور سخت اور مضبوط ہو جانا (جو بالعموم کسی چیز کے کمال پر پہنچنے سے ہوتا ہے) دراصل یہ فعل گیہوں وغیرہ کے خوشوں میں دانوں کے موٹے ہو کر سخت ہو جانے پر بولا جاتا ہے * ۔ قرآن کریم میں اسلام کے شجرِ طیب کے متعلق ہے ۔ فَاسْتَغْلَظَ (۴۸/۲۹) ۔ وہ مضبوط، سخت اور موٹا ہو گیا ۔

غ ل ف

اَلْغِلَافُ ۔ محافظ ۔ وہ چیز جو کسی دوسری چیز پر چھائی ہوئی ہو۔ مثلاً انڈے کا چھلکا ۔ کلی کے اوپر کا سبز خول ۔ (جمع) غُلُفٌ و غُلُفٌ ۔ سَیْفٌ اَغْلَفُ ۔ تلوار جو غلاف میں ہو۔ اَلْغَلَفُ ۔ کثرت سے سرسبزی * ۔

قرآن کریم نے یہودیوں کا قول نقل کیا ہے ۔ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (۲/۸۸) ۔ یہ اَغْلَفُ کی جمع ہے ۔ یعنی غلافوں میں بند ہیں ۔ راغب نے لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں اس لئے ہم پر قرآن کریم کی باتوں کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل خود علوم و معارف کے بھرے ہوئے برتن (اور مخزن) ہیں اس لئے ہمیں کسی نئے علم کی ضرورت نہیں ۔ ہم تمہارے علوم سے بے نیاز ہیں ** ۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے کہ ہم اس نئی دعوت کو درخور اعتناء ہی نہیں سمجھتے ۔ ہمیں اسکی ضرورت ہی نہیں ۔ یعنی بجائے اس کے کہ کسی دعوت یا نظریہ کے رد و قبول کا فیصلہ فکر و بصیرت اور غور و تدبر کے بعد کیا جائے اس کے متعلق بلا دیکھے بھالے کہدینا کہ ہمیں اسکی ضرورت ہی نہیں ۔ ظاہر ہے کہ ایسا طرز عمل علم و بصیرت کی بارگاہ میں کبھی قابل ستائش قرار نہیں پاسکتا ۔ اور قرآن کریم ہے ہی سرتاپا علم و بصیرت ۔

غ ل ق

اَغْلَقَ الْبَابَ یُغْلِقُہٗ ۔ اس نے دروازہ بند کیا۔ بَابٌ غَلَقٌ ۔ بند دروازہ *** ۔ سورہ یوسف میں عزیز کی بیوی کے متعلق ہے۔ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ (۱۲/۲۳) ۔ راغب نے کہا ہے کہ غَلَّقَ اسوقت بولا جائیگا جب بہت سے دروازوں کو بند کیا گیا ہو ۔ یا ایک ہی دروازہ کو بار بار بند کیا ہو ۔ یا دروازہ کو بڑی مضبوطی سے بند کر دیا ہو *** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز میں پھنس جانا یا اٹک جانا ہیں ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** تاج و راغب ۔

غ ل ل

غَلَلٌ کے اصلی معنی ہیں کسی چیز کا درمیانی خلاؤں میں چلے جانا۔ چنانچہ غَلَلٌ اس پانی کو کہتے ہیں جو درختوں کے درمیان سے بہ رہا ہو۔ اَلْغُلُّ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کسی کو قید کر دیا جائے کیونکہ اس طرح قیدی کے اعضاء اسکے بیچ میں آجاتے ہیں۔ اسکی جمع اَغْلَالٌ آتی ہے *۔ (۱۴/۵۱) ۔ غُلٌّ۔ اسے غُلٌّ کے ذریعہ قید کر دیا *۔ مَغْلُوْلٌ ۔ بندھا ہوا، مقیّد (۵/۶۴) ۔ اَلْغِلُّ ۔ دل میں چھپی ہوئی دشمنی کو کہتے ہیں **۔ (۵۹/۱۰) ۔ نیز دھوکا اور فریب (جو چھپا کر کیا جاتا ہے) ۔ یعنی اس میں چھپانے کا پہلو غالب ہوتا ہے ۔ چنانچہ کہتے ہیں لَا یَذْھَبُ کَلَالًا مُنَلًّا غَلَلًا۔ ہماری بات لوگوں سے مخفی نہیں رہنی چاہئے **۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا درمیان سے گزرنا اور کسی چیز کا جم جانا ہیں ۔ غَلَّ یَغِلُّ کے معنے ہیں کینہ رکھنا اور غَلَّ یَغُلُّ کے معنے ہیں خیانت کرنا *۔

سورہ آل عمران میں ہے وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ (۳/۱۶۱) ۔ اس کے معنی عام طور پر یہ کئے جاتے ہیں کہ کسی نبی کے شایان شان نہیں کہ وہ (مال غنیمت میں) خیانت کرے۔ لیکن صاحب المنار نے بعض مفسرین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس سے مراد غنیمت میں خیانت کرنا نہیں بلکہ وحی میں سے کچھ مخفی رکھنا ہیں ۔ یہاں مفسرین نے غُلُوْلٌ کے معنی کِتْمَانٌ (چھپانے) کے کئے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کا کام تبلیغ رسالت ہے ۔ جو وحی اسکی طرف بھیجی جاتی ہے وہ بلا کم و کاست اسے لوگوں تک پہنچا دیتا ہے ۔ اب اگر اس میں کوئی بات ایسی ہے جو کسی کے معتقدات یا مفاد کے خلاف جاتی ہے تو اس میں رسول کا کوئی قصور نہیں ۔ وہ یہ کر ہی نہیں سکتا کہ وحی کا کچھ حصہ چھپا کر رکھ لے اور کچھ حصہ ظاہر کردے۔ وہ وحی کو بہ تمام و کمال ظاہر کردیگا ۔ وہ اس میں کوئی تبدیلی بھی نہیں کر سکتا (۱۰/۱۵)

نبی اکرمؐ کے متعلق ہے یَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ (۷/۱۵۷) ۔ وہ ان بوجھوں کو اتار دیگا جن کے نیچے نوع انسانی دبی ہوئی چلی آرہی تھی اور ان زنجیروں کو توڑ ڈالیگا جن میں انسانیت جکڑی ہوئی تھی ۔ یعنی وہ نوع انسان کو، جسم اور قلب و دماغ

*راغب ۔ **تاج۔

کی ہر قسم کی غلامی سے آزاد کرکے انہیں فقط قوانین خداوندی کی اطاعت پر لے آئیگا اور اسطرح انہیں صحیح آزادی عطا کر دیگا ۔ کسقدر بلند تھا مقصد بعثتِ نبوی ؐ کا اور کسقدر کامیاب اور حسین تھا وہ طریق جس سے حضور ؐ نے اس بلند مقصد کو پورا کیا ۔ لیکن اس کے بعد مسلمانوں کو دیکھئے کہ انہوں نے ان زنجیروں کے ایک ایک ٹکڑے کو (جنہیں قرآنی نظام نے اس حسن و خوبی سے توڑ کر رکھ دیا تھا) مژگانِ عقیدت سے اکٹھا کیا اور ان اغلال و سلاسل کو انتہائی تعظیم کے ساتھ اپنے گلے میں ڈال لیا ۔ اُس ابتداء کی یہ انتہاء کسقدر عبرت ناک اور تاسف انگیز ہے !

غ ل م

اَلْغُلْمَۃُ ۔ جنسی خواہش کی شدت کو کہتے ہیں ۔ قَدْ غَلِیَم الرَّجُلُ ۔ اسوقت کہتے ہیں جب آدمی جنسی خواہش سے مغلوب ہوجائے ۔ اَغْلَمَ الْبَحْرُ کے معنی ہیں دریا پرجوش ہو گیا اور موجیں مارنے لگا * ۔ اغْتَلَمَ الشَّرَابُ ۔ شراب تند و تیز ہو گئی ** ۔ اس اعتبار سے اَلْغُلَامُ اس لڑکے کو کہتے ہیں جسکی مسیں بھیگ چکی ہوں *** ۔ لیکن صاحب تاج العروس کے نزدیک پیدائش سے لیکر جوان ہونے تک بچے کو غُلَامٌ ہی کہتے ہیں ۔ نیز کبھی (بڑے بوڑھے اپنے بیٹوں کو خواہ وہ) ادھیڑ عمر کے ہی کیوں نہ ہوں غُلَامٌ کہدیتے ہیں * ۔ صاحب فقہ اللغۃ نے بھی کہا ہے کہ اگرچہ جنین سے لیکر بالغ ہونے تک بچے کے لئے مختلف الفاظ آتے ہیں لیکن بہ ہیئت مجموعی اسے غُلَامٌ ہی کہتے ہیں ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ محض بیٹے کے معنوں میں بھی آیا ہے ۔ مثلاً (۳/۳۹) ۔ اور نوجوان کے معنوں میں بھی (۱۸/۸۰) ۔ غِلْمَانٌ کا لفظ خدمت گار لڑکوں کے لئے آیا ہے ۔ (۵۲/۲۴) ۔ یعنی وِلْدَانٌ مُخَلَّدُوْنَ (۵۶/۱۷) ۔ ہو سکتا ہے کہ ان سے مراد اہل جنت کے بیٹے ہی ہوں ۔ کیونکہ جنت میں آباء و ازواج و ذرّیات بھی تو ساتھ ہونگے بشرطیکہ وہ بھی صالح ہوں (۱۳/۲۳) ۔ (جنت کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان ج ۔ ن ۔ ن ۔)

غ ل و (ی)

غُلُوٌّ کے اصلی معنی حد سے بڑھ جانے اور تجاوز کرنے کے ہیں ۔ اگر یہ حد سے تجاوز اشیاء کے نرخ میں ہو تو اسے غَلَاءٌ کہتے ہیں ۔ اور

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

قدر و منزلت میں ہو تو غُلُوٌّ ۔ اور تیر میں ہو (یعنی وہ اپنی مقررہ حد سے آگے نکل جائے) تو غَلْوٌ ۔ اَلْمِغْلٰی ۔ اس تیر کو کہتے ہیں جسے کمان کے ذریعہ ہاتھ کو خوب تان کر انتہائی حد سے آگے جانے کے لئے پھینکا جائے* ۔ اَلْغَلْوَۃُ ۔ اُس انتہائی حد کو کہتے ہیں جس تک تیر پھینکا جا سکے** ۔ اَلْغَلَیَانُ ۔ ہانڈی کے ابال اور جوش کھانے کو کہتے ہیں*** ۔ سورہ دخان میں ہے یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ (۴۴/۴۵) "وہ پیٹ میں کھولیگا ابلتے ہوئے پانی کے کھولنے کی مانند" (واضح رہے کہ یہ یائی ہے ۔ واوی نہیں۔ بعض علمائے لغت کی طرح ہم نے بھی اسے واوی کے تحت ہی لکھدیا ہے ۔)

اِغْتَلَی الْبَعِیْرُ کے معنی ہیں اونٹ تیز چلا اور اونچا ہو کر چلا حتیٰ کہ وہ رفتار کے حسن کی حد سے گزر گیا* ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب قرآن کریم نے کہا کہ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (۴/۱۷۱) ۔ تو اس کا کیا مطلب ہے ؟ دین سکھاتا یہ ہے کہ انسان اپنی مختلف قوتوں میں کسطرح صحیح توازن و تناسب پیدا کرے اور اس طرح اپنے معاشرہ کو بھی متوازن و متناسب رکھے۔ اسی کو حُسْنٌ کہتے ہیں ۔ کیونکہ حسن نام ہی صحیح تناسب کا ہے (دیکھئے عنوان ح ۔ س ۔ ن) ۔ توازن ، افراط اور تفریط دونوں سے بگڑ جاتا ہے ۔ لہذا دین میں غلو سے اس کا مقصد فوت ہو جاتا ہے ۔ اسی لئے دوسری جگہ کہا ہے کہ وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَآئِہٖ (۷/۱۸۰) ۔ جو لوگ خدا کی صفات میں کسی ایک طرف کو جھک جائے (یا نکل جائے) ہیں ان کو چھوڑ دو ۔ اس لئے کہ خدا اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی کا مالک ہے ۔ اس کی تمام صفات میں انتہائی درجہ کا توازن اور حسن ہے ۔ اس لئے ان میں نہ افراط جائز ہے نہ تفریط ۔ غُلُوٌّ خواہ عقائد میں ہو خواہ عمل میں ، حسن کو بگاڑ دیتا ہے ۔ دوسری جگہ آیات خداوندی میں الحاد (ایکطرف نکل جانے) سے روکا گیا ہے (۷/۱۸۰) ۔ ہر شے کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا ، ہر بات کی صحیح قدر و قیمت متعین کرنا ، اور ہر عمل میں حسن پیدا کرنا اور اسے برقرار رکھنا ، یہ ہے اعتدال کی راہ ۔ یہ چیز صرف وحی کی روشنی میں ہو سکتی ہے ۔ اس کے بغیر نہیں ۔

غ م ر

اَلْغَمْرَۃُ ۔ اسکے بنیادی معنی اس چیز کے ہوتے ہیں جو کسی چیز پر چھا جائے اور اسے ڈھانپ لے** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس چھپانے

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔

میں قدرے سختی اور شدت کا پہلو ہونا ضروری ہے ۔ عربوں میں قاعدہ تھا کہ جب سفر میں پانی کم رہ جاتا اور اسے رفقائے سفر میں ماپ ماپ کر تقسیم کرنا پڑتا تو ایک پیالے میں چھوٹا سا پتھر رکھدیتے اور اس میں پانی ڈالتے ۔ جتنے پانی سے پتھر ڈوب جاتا اسے ایک حصہ قرار دیتے ۔ اس پانی کو غَمْرَۃٌ کہتے تھے** ۔ اور اُس پیالہ کو اَلْغُمْرُ** ۔ اس سے کثیر پانی کو بھی غَمْرٌ کہنے لگے ، اس لئے کہ وہ اپنے اندر جانے والے کو چھپا لیتا ہے اور اس پر چھا جاتا ہے۔ اسی سے مَوْتٌ اَلْغَمْرِ ۔ ڈوب کر مرنے کو کہتے ہیں** ۔ غَمَرَاتٌ ۔ شدائد اور سختیاں* ۔ ناگواریاں ۔ غَمْرَۃُ الشَّیْءِ ۔ کسی چیز کی شدت اور اس کا ہجوم** ۔ قرآن کریم میں غَمَرَاتُ اَلْمَوْتِ آیا ہے (۶/۹۳) ۔ سورۂ مومنون میں ہے ۔ فَذَرْھُمْ فِیْ غَمْرَتِھِمْ حَتّٰی حِیْنٍ (۲۳/۵۴) ۔ جن چیزوں میں یہ لوگ ڈوبے ہوئے ہیں (جن سفاد پرستیوں میں یہ منہمک ہیں) انہیں سردست انہی میں چھوڑ دو ۔ وقت آنے پر سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہاں غَمْرَۃٌ کے معنی جہالت کے ہیں جو آدمی پر چھا جاتی ہے* ۔

غ م ز

غَمْزٌ کے معنی ہیں کسی چیز کی عیب جوئی کرتے ہوئے اس کیطرف ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ کرنا* ۔ اور غَمَزَ الْکَبْشَ کے معنی ہوتے ہیں اس نے مینڈھے کو ہاتھ سے دبا کر دیکھا کہ اس میں چربی ہے یا نہیں** ۔ صاحب محیط نے غَمْزٌ کے معنی چبھونے ، دبانے اور بھینچنے کے لکھے ہیں*** ۔ اَلتَّغَامُزُ کے معنی ہیں باہم کسی کے کمزور پہلوؤں کیطرف آنکھوں یا ہاتھوں سے اشارہ کرنا ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز میں دوسری چیز سے ٹھوکے مارنا ۔ اس کے بعد استعارۃً کسی کی عیب جوئی کرنے کے لئے استعمال ہونے لگا ۔

قرآن کریم میں ہے اِذَا مَرُّوْا بِھِمْ یَتَغَامَزُوْنَ (۸۳/۳۰) ۔ جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے ۔ چشمکیں کرتے ۔

غ م ض

اَلْغَامِضُ ۔ بہت نشیبی زمین ۔ اَغْمَضَ النَّظَرَ ۔ اس نے باریک بینی اور تعمق نظر سے کام لیا ، گہری نظر ڈالی* ۔ جب کوئی شخص عمدہ اور

*راغب ۔ ** تاج ۔ *** محیط ۔

ٹھیک رائے دے تو اس کے لئے کہتے ہیں قَدْ اَغْمَضَ النَّظَرَ ۔ ابن فارس نے اسکے معنے نشیب اور اندر کو گھس جانا بتائے ہیں ۔ اَلْغُمْضُ ۔ نیند کا جھونکا ۔ بقول ابن فارس ، اتنی مقدار جس میں آنکھیں بند کر لی جائیں ۔ غَمَّضَ عَیْنَہٗ وَاَغْمَضَھَا : اس نے اپنی آنکھ بند کی ۔ اسی بناء پر اِغْمَاضٌ کے معنی ڈھیل دینا ، نرمی برتنا ، تغافل و تساہل اور چشم پوشی کے ہو گئے ۔ اور اَلتَّغْمِیْضُ عَنَ الاِسَاءَۃِ ۔ کسی کے برا کرنے پر چشم پوشی کر لینا ۔ الاِغْمَاضُ فِی الْبَیْعِ یعنی خرید و فروخت میں کسی عیب دار یا ردی چیز کو خریدتے وقت یہ مطالبہ کرنا کہ اسکی قیمت کم کر دی جائے کیونکہ اس میں فلاں نقص ہے * ۔ (۲/۲۶۷) میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ یعنی انفاق فی سبیل اللہ میں ایسی ردی چیزیں نہ دو کہ جنہیں تم خود بھی لینا پسند نہ کرو اور اگر کہیں لینی بھی پڑ جائیں تو ان کے نقص کی وجہ سے ان کی قیمت گھٹا کر دو ۔

غ م م

غَمَّ الشَّیْئَ غَمًّا ۔ اسے ڈھانپ لیا ۔ چھپا لیا ۔ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ غُمَّ الْھِلَالُ ۔ چاند بادل کے نیچے آگیا اور دیکھا نہ جاسکا ۔ اَلْغَمَامَۃُ ۔ بدلی یا سفید بدلی کو کہتے ہیں ۔ اسکی جمع غَمَامٌ ہے ۔ (۲/۵۷) ۔ اَغَمَّتِ السَّمَاءُ ۔ آسمان ابر آلود ہو گیا ۔ اَلْغِمَامَۃُ ۔ اس چھینکے کو کہتے ہیں جو اونٹ وغیرہ کے منہ پر چڑھا دیتے ہیں تاکہ وہ کچھ کھا نہ سکے ۔ نیز اس کپڑے کو جس سے اونٹنی کی آنکھیں باندھ دی جاتی ہیں ۔ اس سے اَلْغُمَّی اس مصیبت کو کہتے ہیں جس سے انسان نکل نہ سکے ، نیز وہ پیچیدہ مسئلہ جس کا حل نہ نظر آئے ۔ اور اَلْغَمَّی ۔ غبار اور تاریکی کو ۔ نیز جنگ کی شدت جو قوم پر چھا جائے ۔ لہذا اَلْغَمُّ کے معنی ہیں حزن و کرب (جو چار سُو سے کسی پر چھا جائے) ۔ سورہ آل عمران میں یہ لفظ اَمَنَۃً کے مقابلہ میں آیا ہے (۳/۱۵۴) ۔ اَلْغُمَّۃُ ۔ تحیر و التباس کو کہتے ہیں ، نیز تاریکی و تنگی کو** ۔ سورہ یونس میں ہے لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّۃً (۱۰/۷۱) ۔ تمہارا معاملہ تم پر مشتبہ اور حیران کن نہ رہے ۔

غ ن م

اَلْغَنَمُ ۔ بکریاں ۔ (اس کا واحد شَاۃٌ ہے جو اس مادہ سے نہیں آتا) ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس کا اطلاق بھیڑوں اور بکریوں دونوں پر

*تاج و راغب ۔ **تاج و محیط ۔

ہوتا ہے **۔ (۸/۴۱) ۔ اَلْغَنِیْمُ ۔ اَلْغَنِیْمَۃُ ۔ اَلْغُنْمُ ۔ مال غنیمت جو جنگ میں ہاتھ آئے * ۔ چونکہ عربوں کے معاشرہ میں مویشی ہی سب سے بڑی دولت تھی اس لئے جنگ میں بھی زیادہ تر یہی ہاتھ آتے تھے ۔ اس اعتبار سے اس مال کو غَنِیْمَۃ* کہنے لگے ۔ غَنِمَ ۔ کسی چیز کو بطور مال غنیمت پا لینا ۔ کسی چیز کو بغیر بدل و مشقت کے حاصل کر لینا * ۔ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ (۸/۴۱) اَلْمَغْنَمُ ۔ جمع مَغَانِمُ ۔ مال غنیمت (۴/۹۴) ۔

(مال غنیمت کے سلسلہ میں عنوانات (ف ۔ ی ۔ ا) اور (ن ۔ ف ۔ ل) بھی دیکھئے)

غ ن ی

اَلْغِنٰی ۔ حاجات سے بے نیازی ۔ تونگری ۔ آسودگی ۔ یہ فقر (محتاجی) کی ضد ہے ، احتیاج نہ ہو ، غَنِیٌّ کہلاتا ہے ۔ نیز آسودہ ، خوش حال ، تونگر بھی ۔ (۲/۲۶۳) و (۴/۶) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کافی ہونا ہیں ۔ اَلْغَانِیَۃُ اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے ذاتی حسن و جمال کی وجہ سے خارجی زیبائش و آرائش سے مستغنی ہو* ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ (۲۹/۶) ۔ خدا کو بندوں کی اطاعت کی ضرورت نہیں ۔ ان کی اطاعت خود انکی اپنی ذات کے نفع کے لئے ہے ۔ خدا کو کائنات میں کسی چیز کی احتیاج نہیں ۔ اَغْنٰی ۔ مستغنی کر دینا (۹۳/۸) ۔ اَغْنٰی عَنْہُ غَنَاءَ فُلَانٍ ۔ اسکی جگہ لی ، قائم مقامی کی ، اسکے جیسا کام دیا ۔ اَغْنٰی عَنْہُ کَذَا ۔ اس کے لئے فلاں چیز کافی ہوئی ، اس نے اسے فائدہ پہنچایا ۔ مَا اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ (۱۱۱/۲) ۔ اسکے مال نے اسے کچھ فائدہ نہ پہنچایا ۔ اس کے کسی کام نہ آیا ۔ لَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا (۱۹/۴۲) ۔ جو تیرے کسی کام نہیں آسکتا ۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (۵۳/۲۸) ۔ یقیناً حق کے مقابلہ میں باطل کوئی کام نہیں دے سکتا ۔ باطل ، حق سے قطعاً بے نیاز نہیں کر سکتا ۔ سورہ عبس میں ہے لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِنْھُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْہِ (۸۰/۳۷) ۔ اسدن ہر شخص اپنے اپنے دھندے میں اسقدر مشغول ہوگا کہ وہ کام اس کی ساری توجہات جذب کر لینے کے لئے کافی ہوگا ۔ یا دوسروں سے بے نیاز کر دیگا ۔ اَلْمُغْنِیْ (اسم فاعل) وہ جو کفایت کرے ۔ کام آئے ۔ فائدہ پہنچائے ۔ اسکی جمع مُغْنُوْنَ ہے ۔ سورۃ ابراہیم میں ہے کہ عذاب کو دیکھکر متبعین اپنے لیڈروں سے کہینگے ھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ (۱۴/۲۱) ۔ ”کیا تم خدا کے عذاب کے

*تاج ۔ **محیط ۔

مقابلہ میں ہمارے کسی کام آسکتے ہو یا کفایت کر سکتے ہو؟ ۔ لیکن اَغْنٰی عَنْہُ کذا کے معنے اس سے کسی چیز کو ہٹا دیا، دور کر دیا بھی ہیں** ۔ اس لحاظ سے اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ''کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کچھ بھی دور کر سکتے ہو؟'' ۔ (نیز ۴۰/۴۸)۔ اِسْتَغْنٰی ۔ بے نیاز ہو جانا (۹۶/۷ ؛ ۹۶/۸)۔ غَنِیَ بِالْمَکَانِ وَ فِیْہِ ۔ اس نے اس جگہ طویل مدت تک اقامت کی ۔ کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْھَا (۱۱/۶۸ ؛ ۹۲/۶)۔ گویا وہ ان مکانات میں کبھی بسے ہی نہ تھے ۔ اس مادہ کے بنیادی معنوں کی رعایت سے اس جگہ معنے صرف طویل مدت تک اقامت کرنا ہی نہیں بلکہ آسودگی و خوش حالی کی زندگی بسر کرنا بھی ہیں ۔ اَلْغَنَاءُ ۔ کفایت ۔ پوری صلاحیت و استعداد کے ساتھ کسی کی جگہ لے لینا اور اس کا سا کام دینا ۔ اَلْغِنَاءُ ۔ گانا ۔

غ و ث

اَلْغَوْثُ وَالْغِیَاثُ ۔ مدد ۔ اِسْتَغَاثَنِیْ فُلَانٌ فَاَغَثْتُہٗ ۔ فلاں نے مجھے مدد کے لئے پکارا تو میں نے اسکی مدد کی ۔ اَلْاِسْتِغَاثَۃُ ۔ طلب غوث ۔ مدد طلب کرنا * ۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ (۸/۹) ۔ جب تم اپنے رب کو مدد کے لئے پکارتے تھے ۔ سورہ کہف میں ہے وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوا یُغَاثُوْا بِمَاءٍ کَالْمُھْلِ (۱۸/۲۹) ۔ راغب کہتا ہے کہ یہ غَوْثٌ سے بھی ہو سکتا ہے (مدد مانگنا) اور غَیْثٌ سے بھی (پانی مانگنا) ۔ اسی طرح یُغَاثُوْا میں بھی دونوں معنی ہو سکتے ہیں*** ۔ [دیکھئے عنوان غ ۔ ی ۔ ث]

غ و ر

اَلْغَوْرُ ۔ ہر چیز کی گہرائی ۔ عمق ۔ بُعد ۔ رَجُلٌ بَعِیْدُ الْغَوْرِ ۔ گہرا آدمی جو بڑا علم و تجربہ رکھتا ہو ۔ اَلْغَوَّارُ ۔ اَلْغَیَّارُ ۔ کسی چیز کے اندر گھس جانا ۔ پانی کا زمین کے اندر اتر جانا**** ۔ قرآن کریم میں ہے اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُکُمْ غَوْرًا (۶۷/۳۰) ۔ اگر تمہارا پانی زمین کے بہت نیچے اتر جائے (اور اوپر ہی نہ آئے تو تم کیا کرلو) ۔ اَلْغَارُ ۔ غار ۔ (۹/۴۰)۔ اَلْمَغَارَۃُ ۔ غار ۔ اس کی جمع مَغَارَاتٌ ہے ۔ (۹/۵۷) ۔ ''اندر تک گھس جانے'' کے اعتبار سے اَغَارَ تیز رفتار ہونے کے لئے بولا جاتا ہے اور فَرَسٌ مِغْوَارٌ نہایت تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں ۔ اَلْغَارَۃُ ۔ حملہ آور

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔ ****تاج و کتاب الاشتقاق ۔

سواروں کا دستہ ۔ نیز حملہ ۔ اَغَارَ عَلَی الْقَوْمِ ۔ قوم پر حملہ کیا* ۔ قرآن کریم میں ہے فَالْمُغِیْرَاتِ صُبْحًا (۱۰۰/۳) ۔ حملہ کرنے اور دشمن کی صفوں کے اندر جا گھسنے والے گھوڑے ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) گہرائی اور (۲) کسی کے مال کو جبراً اور قہراً لینے کے لئے اقدام کرنا ہیں ۔

غ و ص

اَلْغَوْصُ ۔ اَلْمَغَاصُ ۔ پانی کے نیچے اترنا ۔ غوطہ لگانا ۔ اَلْمَغَاصُ غوطہ لگانے کی جگہ کو بھی کہتے ہیں ۔ اَلْغَوَّاصُ ۔ غوطہ خور** ۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمانؑ کے تذکرہ میں ہے وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَہٗ (۲۱/۸۲) ۔ وہ سرکش اقوام کے لوگ جنہیں (حضرت) سلیمانؑ نے اپنا فرمانبردار بنا لیا تھا اور وہ اس کے لئے غوطہ خوری کرتے تھے ۔ انہی کو دوسری جگہ غَوَّاصٍ کہا گیا ہے (۳۸/۳۷) ۔ اسکے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ بڑی بڑی مہموں میں درّانہ گھس جاتے تھے ۔

جو شخص کسی گہرے اور پیچیدہ معاملہ کی تہ تک پہنچ جائے اور اسے حل کرلے یا نیچے کی جگہ سے کوئی چیز نکال لائے ، اسے بھی غَائِصٌ کہتے ہیں*** ۔ اصل میں اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں نشیب کی طرف تیزی سے جانا*** ۔ اس سے یہ لفظ ، ہر چیز کے اندر داخل ہونے کے لئے بولا جانے لگا ۔

غ و ط

اَلْغَوْطُ ۔ اَلْغَائِطُ ۔ نشیبی ، اور وسیع زمین ۔ چونکہ اہل عرب قضائے حاجت کے لئے نشیبی زمین تلاش کرتے تھے تاکہ اوٹ میں ہوکر رفع حاجت کرلیں ، اسی لئے بیت الخلاء کو بھی غَائِطٌ کہتے لگے ۔ نیز ایسی نشیبی زمین ہی میں وہ فضلہ پھینکتے تھے اس لئے انسانی فضلہ کو بھی غَائِطٌ کہنے لگے* ۔ (۵/۶) ۔ میں جَاءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَائِطِ سے مراد ہے جائے ضرور سے فارغ ہوکر آنا ۔

غَاطَ ۔ یَغُوْطُ ۔ داخل ہوجانا ۔ اندر چلے جانا ، دھنس جانا ، اَلْغَوْطُ ۔ کھودنا**** ۔ بِئْرٌ غَوْرٌ یَنْطَۃٌ ۔ گہرا کنواں* ۔

*تاج ۔ **تاج و محیط ۔ ***راغب ۔ ****ابن فارس ۔ *****محیط ۔

غ و ل

غَالَ ۔ اس کے بنیادی معنی دھوکے سے پکڑنے یا کسی کو بے خبری کی حالت میں گرفتار کرنے کے ہیں ۔ اَلْغَوْلُ ۔ میدان یا ریگستان کی وسعت یا دوری کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں سے گزرنے والا اس طرح ہلاک ہوجاتا ہے کہ کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا ۔ (ابن فارس)۔ اس بناء پر اَلْغَوْلُ ۔ ہلاکت ۔ مصیبت و آفت کو بھی کہتے ہیں ۔ غَالَتْہُ غُوْلٌ ۔ ہلاکت نے اسے برباد کر دیا ۔ غَالَ الشَّیْئَ ۔ اس نے اس چیز کو تباہ کردیا ۔ اَلْغَوْلُ ۔ درد سر ۔ مستی ۔ ہر وہ شے جس سے عقل جاتی رہے ۔ اَلْغَوَائِلُ ۔ مصائب ۔ تباہیاں ۔ غُوْلٌ ۔ عرب بھوت ، چڑیل کو کہا کرتے تھے ۔ نیز سانپ کو* ۔

قرآن کریم میں ''جنت کی شراب'' کے متعلق ہے لَا فِیْھَا غَوْلٌ (۳۷/۴۷) ۔ اس میں نہ مستی ہوگی نہ سرگرانی ۔

غ و ی

غَوَیٰ غَیًّا ۔ بھٹک جانا ۔ دھوکا کھا جانا** ۔ بھٹک جانے اور گمراہ ہوجانے کے اعتبار سے غَیٌّ کا لفظ رُشْدٌ کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (۲/۲۵۶) ''صحیح اور غلط راستے نکھر کر الگ الگ ہوگئے'' ۔ اور دھوکہ کھا جانے کے معنوں میں مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی (۵۳/۲) ۔ ''تمہارا رفیق نہ تو تلاش حقیقت میں سرگرداں ہے اور نہ ہی اس نے دھوکا کھایا ہے'' ۔ نیز تباہ اور برباد ہوجانا** ۔ جیسے وَعَصٰی آدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (۲۰/۱۲۱) ۔ راغب اور لسان العرب میں اس کے معنی فَسَدَ عَیْشُہٗ لکھے ہیں*** ۔ یعنی معیشت کا تنگ ہوجانا ۔ زندگی خراب ہوجانا ۔ روزی کا درہم برہم ہوجانا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں (۱) صحیح سمت کی طرف راہ نمائی نہ ہونا ۔ کسی معاملہ کا تاریک ہونا ۔ اور (۲) کسی چیز میں فساد ہونا ۔ سورۃ مریم میں جو ہے فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا (۱۹/۵۹) ۔ تو اس میں راغب کے نزدیک غَیًّا کے معنی عذاب یا تباہی کے ہیں** ۔ یعنی اتباع شہوات اور اضاعت

---

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج و راغب ۔ ***بحوالہ غریب القرآن ۔ مرزا ابوالفضل ۔ لیکن تاج میں فَسَدَ عَیْشُہٗ کی بجائے فَسَدَ جَوْفُہٗ ہے یعنی اسکا پیٹ خراب ہوگیا ۔

صلٰوۃ کا خمیازہ ۔ غَوِیَّ ۔ غلط رو* ۔ (۲۰/۱۲۱) ۔ تباہ و برباد ہو جانے والا ۔ غَاوٍ (جمع غَاوُوْنَ) بھٹک جانے والے* ۔ (۲۶/۹۴) ۔ اَغْوٰی ۔ گمراہ کرنا (۱۵/۳۹) ۔ لیکن (۱۱/۳۴) میں جو ہے یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ ۔ تو صاحب تاج العروس اور راغب دونوں کے نزدیک اس کے معنی اعمال کے نتیجہ میں تباہ و برباد کر دینے کے ہیں* ۔ اَلْغَوِیُّ ۔ بد ہضمی ۔ پیاس* ۔ اَلْغَاوِیْ ۔ ٹڈی دل* ۔

سورۃ شعراء میں ہے وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ (۲۶/۲۲۴) ۔ اس کے عام معنی تو یہی ہیں کہ شاعروں کے پیچھے لگنے والے فریب خوردہ ہیں ۔ اس لئے کہ (جیسا کہ عنوان ش ۔ ع ۔ ر میں بتایا جا چکا ہے) شاعری اس ذہنیت کا نام ہے جس میں حقائق کی بجائے صرف جذبات سے کام لیا جاتا ہے اور زندگی کا کوئی غیر متبدل نصب العین سامنے نہیں رکھا جاتا ۔ اس لئے ایسے لوگوں کے پیچھے لگنے والے (جو ان جذبات پرستیوں کو حقائق سمجھ لیتے ہیں) فریب خوردہ ہوتے ہیں ۔ لیکن پیاس کی جہت سے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کی پیاس کبھی نہیں بجھ سکتی ، کیونکہ پیاس کی تسکین صرف مثبت حقائق سے ہو سکتی ہے ۔ مشتعل جذبات سے نہیں ۔ اسی لئے خود شاعروں کو بھی یَھِیْمُوْنَ کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے (۲۶/۲۲۵) ۔ یعنی پیاسے اونٹ کی طرح سخت پریشانی میں مبتلا اور مارے مارے پھرنے والے (دیکھئے عنوان ھ ۔ ی ۔ م) ۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ خود شاعروں کو بھی اپنے مدح سراؤں سے دھوکا لگ جاتا ہے ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ فی الواقعہ ہمارے متبعین ہیں حالانکہ وہ محض ٹڈی دل کی طرح ہوتے ہیں ۔ دیکھنے میں لاکھوں ، لیکن بالکل بغیر کسی نصب العین کے ۔ ان سب کا آخری نتیجہ تباہی اور بربادی ہوتا ہے ۔ ''بدہضمی'' کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ شعراء کا اتباع کرنے والوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ وہ حاصل کرتے ہیں وہ ان کی فکر کا جزو نہیں بنتا بلکہ یونہی بلا نتیجہ ضائع ہو جاتا ہے ۔ چند الفاظ جو ذہن کو وقتی لذت دیکر موجب تباہی بن جاتے ہیں ۔

اَلْغَیَایَۃُ ۔ غبار آلودگی اور تاریکی جو چھا جائے ۔ اَلْغَایَۃُ جھنڈے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں پر سایہ کرتا ہے ۔ پھر کسی چیز کی انتہا کو بھی غَایَۃٌ کہنے لگ گئے کیونکہ جھنڈا فوج کا آخری سہارا اور ان

*تاج و راغب

کی ہستی کا آخری نشان ہوتا ہے ۔ (ابن فارس) ۔ [واضح رہے کہ غایۃ غ ۔ ی ۔ ی سے ہے لیکن اسے اسی باب میں لکھ دیا گیا ہے] ۔ غَوِیَ الْفَصِیْلُ وَ غَوَیَ غَوَایَۃً وَ غَوِیٌ کے معنے ہیں اونٹ کے بچے نے بہت زیادہ دودھ پی لیا جس سے اسے بد ہضمی ہو گئی اور اس کا پیٹ بگڑ گیا * ۔ اس سے بھی غَوَایَۃٌ کی تباہی کا اندازہ ہو سکتا ہے جس کا شکار مُتَرَفِیْنَ ہوتے ہیں ۔ اسکے برعکس غُوِیَ الْجَدْیُ کے معنی ہیں بکری کے بچے کو دودھ سے روک دیا گیا حتی کہ وہ لاغر اور مرنے کے قریب ہو گیا* ۔ اس سے بھی مکافاتِ عمل کی وجہ سے تباہی اور بربادی کا تصور سامنے آجاتا ہے (نیز دیکھئے عنوان ع ۔ ذ ۔ ب) ۔

قرآن کریم میں اس مادہ کے الفاظ جس جس مقام پر آئے ہیں ، ان میں ایک چیز بقدر مشترک ملیگی ۔ یعنی اس میں ، قوانین خداوندی کے اتباع کے بجائے ، انسان اپنے مفاد ، خیالات اور جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور حق کی راہ چھوڑ کر دوسری طرف جھک جاتا ہے ۔ صحیح راستے سے بھٹک جاتا ہے ۔ دھوکا کھا جاتا ہے ۔ اس میں یہ تمام باتیں آجاتی ہیں ۔

غ ی ب

ہر وہ چیز جو نگاہوں سے اوجھل ہو ، غَیْبٌ کہلاتی ہے ۔ اگر وہ چیز تصور میں موجود ہے لیکن نگاہوں سے پوشیدہ ہے تو پھر بھی غَیْبٌ ہی کہلائیگی ۔ غَیْبٌ نشیبی زمین کو بھی کہتے ہیں ۔ غَابَۃٌ ۔ ایسی نشیبی زمین جس سے پہلے اونچی زمین آجائے اور اس لئے وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے ۔ غَابَۃٌ ۔ گھنے جنگل کو بھی کہتے ہیں جس میں درختوں کی وجہ سے زمین نظر نہیں آتی ۔ گڑھے اور کنوئیں کی ترائی اور گہرائی ، نیز ہر چیز جو کسی کو چھپا لے ، اسی لئے غَیَابَۃٌ کہلاتی ہے (۱۲/۱۰) ۔ غَیَّبَاتُ الشَّجَرِ ۔ درختوں کی ان جڑوں کو کہتے ہیں جو زمین کے اندر پھیلی ہوئی ہوں اور نظر نہ آئیں** ۔

قرآن کریم نے غَیْبٌ کے مقابلہ میں شَہَادَۃٌ کا لفظ لا کر (۵۹/۲۲) اس کے معنی واضح کر دئے ہیں ۔ یعنی غَائِبٌ وہ ہے جو مشاہدہ میں نہ آیا ہو ۔ جو مشہود نہ ہو ۔

فَرَسٌ غَائِبٌ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو دوڑ میں اپنی کچھ قوت چھپا کر (Reserve) رکھ لے ۔ اور فَرَسٌ شَاہِدٌ وہ جو ساری قوت کو نمایاں طور پر سامنے لے آئے*** ۔

---

*تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔ **تاج ۔ ***لین ۔

غَیْبٌ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کہیں موجود ضرور ہو لیکن آنکھوں سے اوجھل ہو۔ جب غَیْبٌ آنکھوں کے سامنے آجائیگا تو مَشْہُوْدٌ ہو جائیگا۔ اگر اس کا کہیں وجود ہی نہیں تو پھر اسے غَیْبٌ نہیں کہا جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ غِیْبَۃٌ کسی کی عدم موجودگی میں اس کے کسی ایسے برے وصف کے ذکر کرنے کو کہتے ہیں جو اس میں موجود تو ہو لیکن اس کا ذکر کرنا اسے ناگوار گزرے۔ اگر وہ بات اس میں سرے سے موجود ہی نہ ہو تو اسے غِیْبَت نہیں بلکہ تُہْمَت کہا جائیگا*۔ غیبت کرنے کے لئے فعل اغْتَابَ آتا ہے (۴۹/۱۲)۔

قرآن کریم نے اللہ کے لئے عَالِمُ الْغَیْبِ کہا ہے (۵۹/۲۲)۔ اس لئے ایمان بالغیب (۲/۳) کے معنی "ان دیکھے خدا پر ایمان" ہی نہیں۔ اس سے ایک تو مراد ہیں انسانی اعمال کے وہ نتائج جو مرتب تو اسی وقت ہونے شروع ہو جاتے ہیں جب وہ عمل سرزد ہو لیکن مشہود ہو کر سامنے اپنے وقت پر آتے ہیں۔ اسی طرح نظام خداوندی کے خوشگوار نتائج اس کے اندر تو ہر وقت موجود ہوتے ہیں لیکن جب تک اس نظام کو متشکل نہ کیا جائے وہ مشہود ہو کر سامنے نہیں آتے۔ مومنین کی جماعت اس نظام کے ان دیکھے نتائج پر یقین محکم رکھتی ہے اور اس یقین کے ماتحت اس نظام کے قیام کے لئے ہر طرح کی قربانیاں دیتی جاتی ہے۔ اگر انہیں اس نظام کے ان دیکھے نتائج پر ایمان نہ ہو تو وہ اس کے لئے ایک قدم بھی نہ اٹھائیں۔ لہذا اس نظام کو عملاً متشکل کرنے کے لئے اس کے ان دیکھے نتائج پر ایمان اولین شرط ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (۲/۳)۔ ایک کسان، سردی۔ گرمی۔ دن رات۔ مسلسل محنت کرتا ہے، صرف اس لئے کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ بیج جسے اس نے بویا ہے ایک دن ثمربار ہو کر رہے گا۔ اگر اسے اس کا یقین نہ ہو تو وہ اس کھیتی کے لئے ایک دن بھی محنت نہ کرے۔ جو جماعت نظام خداوندی کو متشکل کرنے کے لئے پہلے پہل اٹھتی ہے اس کے سامنے اس نظام کے نتائج موجود نہیں ہوتے۔ یہ نتائج اس وقت سامنے آنے والے ہوتے ہیں جب وہ نظام متشکل ہو جائے۔ وہ اس نظام کی تشکیل کے لئے صرف اسی بناء پر قربانیاں دیتے جاتے ہیں کہ انہیں اس کی بار آوری پر یقین محکم ہوتا ہے۔ اسی کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے، اَلْغَیْبُ سے مراد وہ تمام اشیاء یا حقائق ہیں جو عالم محسوسات سے ماوراء ہیں۔ اس اعتبار سے اس میں خود ذات خداوندی بھی آجاتی ہے۔

سورہ ہود میں ہے وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۱/۱۲۳)۔ اس سے مراد ہیں کائنات کی تمام وہ چیزیں اور قوتیں جو ہنوز انسان کی نگاہوں

*تاج۔

سے پوشیدہ ہیں لیکن مستقبل میں سامنے آجانے والی ہیں۔ انہی کو مَفَاتِحُ الْغَیْبِ (۶/۵۹) اور غَائِبَۃٌ (۲۷/۲۵) کہا گیا ہے۔ زمانۂ مستقبل کے لئے یہ لفظ (۱۶/۶۱) میں آیا ہے اور گذشتہ زمانہ کی ان باتوں کے لئے جو لوگوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں آئی تھیں (۳/۴۴) میں، جہاں کہا ہے کہ ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ۔ سورہ یوسف میں ہے۔ لَمْ اَخُنْہُ بِالْغَیْبِ (۱۲/۵۲) ۔ میں نے پیٹھ پیچھے اسکی خیانت نہیں کی۔ غَیَابَۃٌ (۱۲/۱۰) ۔ کنویں کی گہرائی۔

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ کے سوا غیب کا علم کسی کو نہیں۔ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ... (۲۷/۶۵)۔ ”ان سے کہو کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں اللہ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں جو غیب جانتا ہو“۔ حتیٰ کہ رسولوں کو از خود غیب کا علم نہیں ہوتا۔ ان کا اعلان ہوتا ہے کہ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ (۶/۵۰) ”میں غیب نہیں جانتا“۔ البتہ اللہ تعالےٰ انہیں غیب کی بعض باتوں کا علم وحی کے ذریعے عطا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ سورہ آل عمران میں ہے ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ (۳/۴۴) ”یہ غیب کی ان باتوں میں سے ہے جنہیں اللہ نے تیری طرف وحی کیا ہے۔ چونکہ وحی تمام تر قرآن کریم کے اندر آگئی اور اس کے بعد اس کا سلسلہ ختم ہو گیا اس لئے اب کسی شخص کو غیب کا علم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس قسم کا دعوےٰ قیاس آرائیوں سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ اسے قرآن کریم نے رَجْمًا بِالْغَیْبِ (۱۸/۲۲) کہکر پکارا ہے۔ یعنی یونہی اندھیرے میں تیر چلانا۔ اٹکلیں دوڑانا۔ قیاس آرائیاں کرنا، جن میں سے کبھی اتفاقاً کوئی ٹھیک بھی نکل آتی ہے۔ البتہ تحقیقات کے ذریعے فطرت کی پوشیدہ قوتوں کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جب تک وہ قوتیں دریافت نہیں ہونگی ”غیب“ سے متعلق ہونگی۔ جب دریافت ہو کر، محسوس طور پر سامنے آجائینگی، مشہود ہو جائینگی۔ لیکن بعض ”غیب“ ایسے ہیں جنہیں محسوسات کے دائرے میں لانا انسان کے حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ مثلاً ذات خداوندی یا مرنے کے بعد کی زندگی کی کنہ وحقیقت۔ وغیرہ۔

[نیز دیکھئے عنوان ش۔ ہ۔ د]

غ ی ث

اَلْغَیْثُ۔ بارش۔ وہ بارش جو دور دور تک ہو اور جو بڑی منفعت بخش ہو۔ وہ گھاس جو اس بارش سے پیدا ہو۔ غَاثَ اللّٰہُ الْبِلَادَ۔ خدا نے

شہروں پر پانی برسایا ۔ فَرَسٌ ذُوْغَیْثٍ ۔ گھوڑا جو اپنی رفتار کو یکے بعد دیگرے نکالتا رہے اور اسکی رفتار کی تیزی بڑھتی جائے ۔ بِئْرٌ ذَاتُ غَیْثٍ ۔ وہ کنواں جس کے اندر چشمہ ہو* ۔

قرآن کریم میں ہے وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ (۴۲/۲۸) ۔ خدا بارش برساتا ہے ۔ سورہ کہف میں ہے وَاِنْ یَسْتَغِیْثُوْا (۱۸/۲۹) ۔ راغب کہتا ہے کہ یہ غَوْثٌ (مدد مانگنا) سے بھی ہو سکتا ہے اور غَیْثٌ (پانی مانگنا) سے بھی ۔ اسی لئے ہم نے اسے عنوان (غ ۔ و ۔ ث) میں بھی لکھ دیا ہے ۔

غ ی ر

غَیْرٌ ۔ عام طور پر سوا، بجز اور علاوہ کے معنوں میں آتا ہے* ۔ مَالَکُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (۷/۵۹) ۔ تمہارے لئے خدا کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ۔

غَیَّرَ ۔ بدل دینا ۔ تبدیل کر دینا * ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ (۱۳/۱۱) ۔ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا (جب تک .....) ۔ تَغَیَّرَ ۔ بدل جانا* ۔ لَمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ (۴۷/۱۵) ۔ جس کا مزہ نہیں بدلا جاتا ۔

قرآن کریم میں قوموں کے عروج و زوال کے متعلق اہم اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۱۳/۱۱ ؛ ۸/۵۳) ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک کوئی قوم خود اپنی نفسیاتی کیفیت نہیں بدلتی اس کی حالت میں تبدیلی نہیں آتی ۔ لیکن اس میں ایک باریک پہلو ہے ۔ عرب اونٹوں پر سفر کرتے تھے ۔ انہی پر اپنا مال وغیرہ لادتے تھے ۔ اونٹ پر کجاوہ باندھا ہو یا مال لدا ہو، چلتے چلتے وہ ضرور ڈھیلا ہو جاتا ہے ۔ کبھی کبھی ان چیزوں کو یا ان کی رسیوں کو مرمت کی بھی ضرورت پڑ جاتی ہے ۔ چنانچہ وہ لوگ چلتے چلتے اس بات کو ہمیشہ نگاہ میں رکھتے کہ کونسی رسی ڈھیلی ہو گئی ہے ۔ کونسا کجاوہ اپنی حالت پر نہیں رہا ۔ جہاں ضرورت سمجھتے فوراً اونٹ کو بٹھاتے اور اس کا کجاوہ یا بوجھ درست کر دیتے ۔ اسے وہ کہتے غَیَّرَ عَنْ بَعِیْرِهٖ ۔ اس نے اونٹ پر سے کجاوہ اتارا اور اسے درست کر (کے پھر باندھ) دیا** ۔ یا تَرَکَ الْقَوْمَ یُغَیِّرُوْنَ ۔ اس نے لوگوں کو اس حالت میں چھوڑا کہ وہ اپنے اونٹوں کے کجاووں (سامان سفر) کی دیکھ بھال کر رہے تھے تاکہ ہر چیز کو ٹھیک ٹھاک کر کے چلیں** ۔

---

* تاج و محیط ۔ ** تاج ۔

قوموں کی زندگی میں بھی یہی حالت ہے ۔ جو قوم اپنے سفر زندگی میں اپنے ساز و سامان پر نگاہ رکھتی ہے اور ساتھ کے ساتھ اس کی مناسب مرمت اور (Adjustment) کرتی جاتی ہے وہ حسن و خوبی سے منزل مقصود تک پہنچ جاتی ہے ۔ لیکن جو اس سے غافل ہو جاتی ہے "اس کے اونٹ کا بوجھ" راستے میں گر پڑتا ہے ۔

ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے دو بنیادی معنی ہیں (۱) دو چیزوں کے درمیان اختلاف ۔ اور (۲) اصلاح اور منفعت ۔ چنانچہ غَارَھُمُ اللّٰہُ بِالْغَیْثِ کے معنی ہیں خدا نے بارش سے ان کی حالت کو درست کر دیا ۔ اور اَلْغِیْرَۃُ اس رسد یا سامان خوراک کو کہتے ہیں جس سے اہل و عیال کی حالت سدھاری جائے ۔ اس بنا پر اِنَّ اللّٰہَ لَایُغَیِّرُ ..... میں تبدیلی بغرض اصلاح ہوگی ۔ غَارَ ۔ یَغَارُ (عَلَیْہِ) ۔ کے معنی ہیں غیرت کھانا ۔ غَیْرَۃٌ اسی سے اسم ہے ۔ یعنی جو چیز اپنی ہو اس میں جب کوئی دوسرا دخیل ہو تو اس کے خلاف اپنی حفاظت کے لئے جو جذبہ پیدا ہوتا ہے اسے غَیْرَۃٌ کہتے ہیں ۔

غ ی ض

غَاضَ ۔ یَغِیْضُ ۔ غَیْضًا ۔ کسی چیز کا کم یا ناقص ہو جانا، نیز کسی چیز کو کم کر دینا (لازم و متعدی) ۔ غَاضَ الْمَاءُ ۔ پانی جذب ہو گیا یا خشک ہو گیا ۔ اَلْغَیْضُ ۔ وہ نا تمام حمل جو ساقط ہو جائے * ۔ ابن فارس نے اس کے معنے کسی چیز میں کمی ہونا اور اس کا تہ نشین ہو جانا بتائے ہیں ۔ قرآن کے رسم میں ہے مَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ (۱۳/۸) ۔ رحم جس جنین کو تکمیل تک نہیں پہنچاتے بلکہ نا مکمل گرا دیتے ہیں ۔ یا جنہیں وہ بڑھاتے ہیں ۔ اس سے وہ جنین مراد لئے جا سکتے ہیں جو معینہ مدت (نو ماہ) سے کم میں پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ جنین جو معینہ مدت (نو ماہ) سے زیادہ مدت لیتے ہیں ۔ نیز شکم مادر میں ایک بچہ یا اس سے زائد بچوں کا وجود بھی مراد لیا جا سکتا ہے ۔ راغب نے مَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ کے معنے کئے ہیں، وہ جسے رحم بگاڑ کر ضائع کر دیتے ہیں ۔ سورۂ ہود میں طوفانِ حضرت نوح کے ضمن میں ہے وَغِیْضَ الْمَاءُ (۱۱/۴۴) ۔ پانی کم ہو گیا ۔ یا خشک ہو گیا ۔

* تاج و راغب ۔

غ ی ظ

اَلْغَیْظُ ۔ غضب کو کہتے ہیں * ۔ راغب نے کہا ہے کہ غَیْظٌ شدید ترین غضب کو کہتے ہیں یعنی وہ حرارت جو انسان اپنے دل کے دوران خون تیز ہونے پر محسوس کرتا ہے ** ۔ بعض نے کہا ہے کہ ابتدائی غضب یا جوش غضب کو غَیْظٌ کہا جاتا ہے۔ دوسروں کا خیال ہے کہ غَیْظٌ چھپا ہوا غصہ ہوتا ہے اور غَضَبٌ ظاہر ۔ یا یہ کہ غَضَبٌ صاحب قدرت آدمی کے غصے کو کہتے ہیں اور غَیْظٌ عاجز آدمی کے غصے کو * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اُس کرب اور بیچنی کے ہوتے ہیں جو کسی کو دوسرے کی طرف سے پہنچے۔ غَاظَہٗ ۔ اسے غصے میں لایا ۔ برہم کیا ۔ (۲۲/۱۵)۔ غَائِظٌ ۔ وہ جو کسی کو غصے میں لائے ۔ اسکی جمع غَائِظُوْنَ ہے (۲۶/۵۵) ۔ اَلتَّغَیُّظُ ۔ اظہار غیظ جو کبھی ایسی آواز کے ساتھ ہوتا ہے جو سنائی دے ** ۔ یعنی جوش و خروش ۔ (۲۵/۱۲) ۔

---

*تاج **راغب ۔

ف

فَ (حرف)

فَ - یہ حسب ذیل مفہوم پیدا کرتا ہے :-

(۱) ترتیب کے لئے۔ یعنی یہ ہوا - پھر یہ ہوا - پھر یہ ہوا - جیسے ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا . . . . (۲۳/۱۴)۔ پھر ہم نطفہ کو لوتھڑا بناتے ہیں، پھر لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا، پھر گوشت کے ٹکڑے (میں) ہڈیاں پیدا کرتے ہیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ لیکن یہ کلیہ نہیں کہ فَ۔ ہر حال میں ترتیب کے لئے آتا ہے۔ بعض اوقات ترتیب نہیں بھی پائی جاتی - مثلاً سورہ اعراف میں ہے وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ (۷/۴) - اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا سو ہمارا عذاب ان پر رات کے وقت آیا ، یا اس وقت جب وہ دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے - اس میں ترتیب نہیں ہے -

(۲) تعقیب کے لئے۔ یعنی ایک واقعہ کے بعد جتنی مدت میں دوسرا واقعہ ہونا ہو وہ اس مدت میں واقع ہوجائے تو اس کا بھی۔ فَ - سے اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً - تَزَوَّجَ فَوَلَدَ لَهٗ - اس نے شادی کی - پھر مدت صحیح کے بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا - اگر وہ مدت کم و بیش ہو تو پھر۔ فَ - نہیں لایا جائے گا -

سورہ مریم میں ہے۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا - فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (۱۹/۱۶-۱۸) . . . . فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا - فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ . . . . . (۱۹/۲۲-۲۳) فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ . . . . . (۱۹/۲۴-۲۵) - " اور قرآن کریم میں قصۂ مریم کو

بیان کر۔ جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر جانب مشرق ایک جگہ چلی گئی۔ پس اس نے ان سے پردہ کر لیا۔ سو ہم نے اپنی ''روح'' کو اس کی طرف بھیجا۔ تو وہ اسے ایک صحیح سالم انسان کی شکل میں متمثل ہو کر دکھائی دیا۔ . . . پھر مریم کو اس (بچہ) کا حمل ہوا۔ سو وہ اسکے ساتھ الگ ہو کر دور چلی گئی۔ پھر درد زہ اسے کھجور کے درخت کی طرف لے آیا . . . . . پھر اسے نچلی سمت سے ایک آواز آئی کہ غم نہ کر . . . .'' ان آیات سے مطلب یہ نہیں کہ یہ تمام واقعات ، یکے بعد دیگرے، مسلسل ، ایک ہی وقت میں ہوتے چلے گئے ، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایک واقعہ کے بعد دوسرے واقعہ کے لئے جسقدر مدت درکار ہوتی ہے ، ٹھیک اس مدت کے بعد دوسرا واقعہ ہوا۔

(۳) ایک واقعہ کا دوسرے واقعہ کے لئے سبب بن جانا ۔ مثلاً میں نے اسے تھپڑ مارا تو اسے غش آگیا ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ فَوَكَزَهٗ مُوسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ (۲۸/۱۵) ۔ پس موسیٰ نے اسے مارا اور اس کا کام تمام کر دیا ۔ یعنی اس کی موت حضرت موسیٰ کی مار سے واقع ہوئی ۔

(۴) واو عاطفہ (اور) کے معنوں میں— فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ (۲/۳۶) پس شیطان نے ان دونوں کو اس سے پھسلا دیا اور اس طرح انہیں وہاں سے نکال دیا جس میں وہ تھے ۔ (اگرچہ فَاَخْرَجَ میں ف ، سبب کے لئے بھی ہو سکتا ہے ۔)

(۵) جب یہ اِنْ (اگر) کے بعد آئے تو اس کے معنی۔ تو۔ کے ہوتے ہیں۔ جیسے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (۳/۳۱) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ یا مثلاً (اِنْ) کے بغیر ہی ۔ تو ۔ کے معنوں میں ۔ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ (۳/۱۱۵) اور جو کچھ وہ عمل خیر کریں گے تو اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی (اس کا بدلہ ضرور دیا جائے گا)۔

(۶) بعض اوقات یہ زائد بھی ہوتا ہے ۔ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ (۳۹/۶۶) بلکہ اللہ ہی کی محکومی اختیار کرو ۔

(۷) بعض اوقات یہ قسم کی تاکید کے لئے آجاتا ہے ۔ مثلاً قَالَ فَبِعِزَّتِكَ (۳۸/۸۲) اس نے کہا تیرے غلبہ و اقتدار کی قسم ۔ (یہاں فَ کو زائد بھی کہا جا سکتا ہے ۔ یعنی یہ محض بات کے تسلسل کے لئے آیا ہے)۔

ف أ د

فَأَدَ الْخُبْزَ يَفْأَدُهُ - روٹی کو بھوبھل میں سینکا - فَأَدَ اللَّحْمَ بِالنَّارِ - گوشت کو آگ میں بھون لینا - اَلْخُبْزُ الْمَفْئُوْدُ - بھوبھل میں پکائی ہوئی روٹی - اَلْفَئِيْدُ - آگ* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بخار - شدت اور حرارت کے ہیں -

قرآن کریم میں دل کے لئے قَلْبٌ اور فُؤَادٌ (جمع اَفْئِدَةٌ) آیا ہے (۶/۱۱۱) - اگرچہ ان دونوں کے استعمال میں کوئی خاص خطِ امتیاز نہیں کھینچا جاسکتا ، لیکن (جیسا کہ راغب نے لکھا ہے) دل کو فُؤَادٌ اس وقت کہینگے جب اس میں بھڑکنے کے معنے پائے جائیں** - تاج نے لکھا ہے کہ فاد کے اصلی معنی ہلنا اور ہلانا ہیں - اس سے فؤاد دل کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بہت ہلتا اور دھڑکتا رہتا ہے - اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسانی جذبات کی طرف اشارہ ہوگا تو فُؤَادٌ آئے گا اور جب انسانی فکر کے متعلق بات ہوگی تو قَلْبٌ - چنانچہ فَأَدَ زَيْدًا کے معنی ہیں زید کے دل پر چوٹ لگائی - فَأَدَ الْخَوْفُ فُلَانًا - فلاں آدمی کو خوف نے بزدل بنا دیا* - ان چیزوں کا تعلق جذبات سے ہے -

لیکن (جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے) - قَلْبٌ اور فُؤَادٌ کی یہ تقسیم عمومی ہے - ورنہ ان دونوں کا استعمال دل کے معنوں میں ہوتا ہے - قرآن کریم میں سیاق و سباق کے رو سے دیکھنا چاہئیے کہ کس مقام پر عقل وفکر مراد ہے اور کس مقام پر جذبات - اسی فرق کی رو سے قَلْبٌ اور فُؤَادٌ کے معنی کرنے چاہئیں - ہمارے ہاں کے لفظ ''دل'' کے مقابلہ میں انگریزی کا لفظ (Mind) زیادہ جامع ہے -

سورۃ بنی اسرائیل میں ہے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ - اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (۱۷/۳۶) ''جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگا کرو - یاد رکھو - سماعت - بصارت - اور فؤاد ان میں سے ہر ایک کی بابت پوچھا جائے گا'' - اس میں سمع اور بصر، حواس(Sense Perceptions) کے ذرائع ہیں اور فؤاد سے مراد (Mind) ہے یا جذبات - (Mind) اس لئے کہ حواس کے ذریعے جو اطلاعات بہم پہنچتی ہیں وہ ان سے نتیجہ نکالتا ہے - اور ''جذبات'' اس لئے کہ اگر

*تاج - **راغب -

ان اطلاعات کو جذبات متاثر کر دیں تو انسان کبھی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا - اسی لئے قرآن کریم نے ایمان کے لئے حواس اور فؤاد دونوں کی ضرورت بتائی ہے - یعنی ان حقائق کو عقل و فکر سے پرکھا جائے اور دل کے جھکاؤ سے قبول کیا جائے (۶/۱۱۱ - ۱۱۴) -

سورۃ ھود میں ہے کہ انبیائے سابقہ کے احوال و کوائف اس لئے بیان کئے جاتے ہیں کہ نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (۱۱/۱۲۰) - اس سے ہم تیرے دل کو مضبوط کرتے ہیں - سورۃ قصص میں ہے کہ حضرت موسٰے کی والدہ نے جب بچے کو دریا میں بہا دیا تو اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا (۲۸/۱۰) تو اس کا دل صبر و ضبط سے خالی ہوگیا - اس کے بعد ہے لَوْلَا اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا (۲۸/۱۰) - اگر ہم اس کے قلب کو مضبوط نہ کر دیتے تو وہ اپنی بیچینی کا اظہار کر دیتی - (اس کے ساتھ ق - ل - ب کا عنوان بھی دیکھئے)

ف أ و

اَلْفِئَةُ - جماعت - اس جماعت کو کہتے ہیں جس کے افراد ایک دوسرے کی طرف تعاون و تناصر کے لئے رجوع کریں - نیز اس جماعت کو بھی کہتے ہیں جو فوج کے پیچھے ٹھہری ہوتی ہے تاکہ شکست کے وقت اس کی طرف پناہ لی جاسکے* - (۸/۱۶) - اَنْفِيَاءُ - کھل جانا* -

ف ت أ

مَا فَتَاَ - مَا فَتِئَ - مَا اَفْتَاَ يَفْعَلُ كَذَا - وہ (اس کام کو) برابر کرتا رہا - اسے ہمیشہ کرتا رہا - فَتِئَ عَنِ الْاَمْرِ - وہ اس بات سے رک گیا - اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ فَتِئَ سے پہلے ہمیشہ نفی آتی ہے** - چنانچہ قرآن کریم میں جہاں ہے - تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ (۱۲/۸۵) - تو وہاں تَفْتَؤُ سے پہلے لَا محذوف ہے - یعنی یہ اصل میں لَاتَفْتَؤُ ہے - اہل عرب اس سے عام طور پر حرف نفی محذوف کر دیتے ہیں** - آیت کے معنی ہیں "تم یوسف کی یاد سے کبھی باز نہیں آؤ گے - اسے کبھی نہیں بھلاؤ گے - ہمیشہ یاد کرتے رہو گے" - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی تسلسل کے ہوتے ہیں - یعنی کسی کام کو مسلسل کئے جانا -

*محیط و تاج - **تاج و محیط و راغب -

ف ت ح

فَتَحَ ۔ یَفْتَحُ فَتْحًا ۔ کھول دیا۔ فَتَّحَ ۔ کھولنے میں شدت کے لئے آتا ھے ۔ اِنْفَتَحَ ۔ کھل گیا* ۔

اَلْفَتْحُ ۔ زمین کے بالائی حصہ پر بہتا ھؤا پانی۔ مدد ۔ نُصرت ۔ دو جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ کر دینا ۔ (یعنی بات کھول دینا کہ کون جیتا ھے)۔ فَتَحَ الْحَاکِمُ بَیْنَھُمْ ۔ حاکم نے ان کے درمیان فیصلہ کردیا ۔ اِسْتِفْتَاحٌ ۔ کھلوانا چاھنا ۔ فیصلہ یا غلبہ طلب کرنا ۔ مدد طلب کرنا ۔ (۲/۸۹) ۔ اَلْمِفْتَحُ ۔ خزانہ ۔ اَلْفَتَّاحُ ۔ حاکم ۔ بڑا فیصلہ کرنے والا ، مشکل اور پُر پیچ معاملات کو کھولنے والا اور حقائق کو ظاھر کرنے والا ۔ خدا کے اسمائے حسنیٰ میں سے ھے ۔ (۳۴/۲۶) ۔ اَلْفَتْحُ ۔ رزق جسے خدا کسی کے لئے کھول دے* ۔

سورۃ بقرہ میں ھے ۔ بِمَا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ (۲/۷۶) ۔ وہ باتیں جنھیں اللہ نے تم پر واضح کیا ھے ۔ جن کے دروازے تم پر کھول دئے ھیں ۔

سورۃ اعراف میں ھے ۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا (۷/۸۹) ۔ اے ھمارے نشو و نما دینے والے ھمارے اور ھماری قوم کے درمیان آخری فیصلہ کن بات لے آ ۔ سورۃ ابراھیم میں ھے وَاسْتَفْتَحُوْا ۔ (۱۴/۱۵) ۔ انھوں نے آخری فیصلہ کن بات طلب کرلی ۔ سورۃ سجدہ میں اسی کو یَوْمَ الْفَتْحِ (۳۲/۲۹) کہا گیا ھے ۔ یعنی فیصلہ کن انقلاب کی گھڑی ۔ سورۃ قصص میں قارون کے خزانوں کے لئے مَفَاتِحٌ کا لفظ آیا ھے (۲۸/۷۶) ۔ سورۃ نور میں ھے اَوْ مَا مَلَکْتُمْ مَفَاتِحَہٗ (۲۴/۶۱) جن کے مال واسباب کے تم نگھدار ھو ۔ یا جن پر تمھارا کنٹرول ھو ۔ (۳۵/۲) میں یہ مادہ اِمْسَاکٌ (روکنے) کے مقابلہ میں استعمال ھوا ھے ۔

سورۃ الفتح میں ھے ۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (۴۸/۱) ۔ اسکے معنی یہ بھی ھوسکتے ھیں کہ ھم نے تیرے لئے زندگی کی راھیں کھول دی ھیں ۔ یا علوم و معارف کے دروازے (وحی کے ذریعے) کھول دئے ھیں** ۔ یا ایک واضح ، فیصلہ کن انقلاب عطا کردیا ھے ۔ بہر حال ، قوانین خداوندی کی رو سے مشکلات کا رفع ھو جانا ، رکاوٹوں کا دور ھو جانا ، زندگی کی راھیں کھل جانا ، حقائق کا منکشف ھو جانا ، ایک فیصلہ کن انقلاب برپا ھوجانا اور اسطرح حق و باطل کا نکھر کر الگ الگ ھوجانا ، فَتْحٌ ھے۔

*تاج ۔ **راغب ۔

ف ت ر

فَتَرَ - یَفْتُرُ - فُتُوْراً - تیزی کے بعد ساکن، سختی کے بعد نرم، ہو جانا - کسی چیز کا دھیما پڑ جانا - اسکی شدت میں کمی آجانا - فَتَرَ الْمَاءُ - پانی کی گرمی کم ہو گئی - اَلْفَاتِرُ - نیم گرم پانی کو کہتے ہیں - فَتَرَ جِسْمُهٗ - اسکے جسم کے جوڑ بند ڈھیلے پڑ گئے - طَرْفٌ فَاتِرٌ - کمزور نگاہ - (یہ اچھی صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے - جیسے چشم نیم باز) - اَفْتَرَ الشَّرَابُ - شراب خوار کے نشہ کی مستی ختم ہو گئی، اور وہ کمزور ہونے لگا * - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز میں کمزوری آجانا -

سورۂ انبیاء میں کائناتی قوتوں (ملائکہ) کے متعلق ہے - یُسَبِّحُوْنَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (۲۱/۲۰) - وہ ہمیشہ اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں نہایت تیزی سے سرگرم عمل رہتی ہیں اور ان میں کبھی سستی نہیں آتی - فَتَّرْنَا الْعَذَابَ - عذاب کو کم کیا یا اسکے زور کو ہلکا کیا - (۳۴/۴۵) -

نبی اکرمؐ کی بعثت کے متعلق ہے کہ آپ عَلٰی فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ (۵/۱۹) تشریف لائے - یعنی اس زمانہ میں جبکہ گذشتہ انبیاء بنی اسرائیل کی رسالت کا اثر دھیما پڑ چکا تھا - رسول اللہؐ سے پہلے آسمانی تعلیم میں گرم جوشی پیدا کرنے کے لئے ایک نئے نبی کی ضرورت ہوتی تھی، کیونکہ علاوہ دیگر وجوہ و عناصر) اس فَتْرَةٌ کے زمانہ میں سابقہ نبی کا پیغام بھی اپنی اصل شکل میں باقی نہیں رہتا تھا - لیکن رسول اللہؐ کے بعد اس دعوت میں گرم جوشی پیدا کرنے کے لئے کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی - اسلئے کہ حضورؐ کا پیغام قیامت تک اپنی اصلی شکل میں موجود رہیگا - لہذا اس میں گرم جوشی پیدا کرنے کے لئے اس پیغام (قرآن کریم) کو ابھار کر سامنے لانے کی ضرورت ہوگی، اور یہ کام وارثینِ کتاب (امت محمدیہ) کے کرنے کا ہوگا - اس کا عملی طریقہ یہ ہوگا کہ پھر سے اسی نظام کو قائم کردیا جائے جسے نبی اکرمؐ نے قرآن کریم کے مطابق قائم کیا تھا -

ف ت ق

فَتَقَهٗ - یَفْتِقُ - (یَفْتُقُ) - اس نے اسکو پھاڑ دیا * -

* تاج -

فَتَقَ الثَّوْبَ ۔ کپڑے کو ادھیڑ دیا اور اسکے ٹکڑوں کو الگ الگ کر دیا**۔ اَلْفَتْقُ ۔ دو ملی ہوئی چیزوں کو الگ کر دینا***۔ کسی چیز میں کھلاپن اور کشادگی پیدا ہو جانا (ابن فارس)۔ قرآن کریم میں ارض و سماوات کے متعلق ہے ۔ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (۲۱/۳۰) ۔ پہلے یہ تمام کائنات ایک ہی ہیولٰی تھی ۔ بعد میں اس سے مختلف کرے پیدا ہو گئے (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ر ۔ ت ۔ ق) ۔

ف ت ل

فَتَلَ ۔ یَفْتِلُ ۔ (رسی وغیرہ کو) بٹا ۔ بل دے ****۔ ابن فارس نے یہی اس کے بنیادی معنے بتائے ہیں ۔ اَلْفَتِیْلُ ۔ وہ باریک سی سفید چیز جو کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں ہوتی ہے ۔ عرب اس سے قلیل اور حقیر شے کی مثال دیا کرتے ہیں*۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا (۴/۴۹) ۔ ان کی ذات کی نشوونما میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی جائے گی ۔ انہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ۔ (۴/۷۷)

ف ت ن

فَتْنٌ کے بنیادی معنی ہیں سونے یا چاندی کو آگ میں گلانا تاکہ اس کا کھوٹ الگ ہو جائے ۔ چنانچہ وَرِقٌ فَتِیْنٌ جلائی تپائی ہوئی چاندی کو کہتے ہیں ۔ اور دِیْنَارٌ مَفْتُوْنٌ وہ دینار جو آگ میں تپایا گیا ہو* ۔ اسی سے اس کے معنی کسی چیز کی اصلیت کو ظاہر کرنے کے آتے ہیں ۔ چنانچہ اَلْفَتَّانَۃُ ۔ کسوٹی کو کہتے ہیں جس پر سونا چاندی کو گھس کر انکی اصلیت کو ظاہر کیا جاتا ہے** ۔ یہیں سے فِتْنَۃٌ کے معنی تاؤ دیکر پرکھنے اور آزمائش کرنے کے آتے ہیں* ۔

نیز اس کے معنی جلانے کے بھی آتے ہیں ۔ فَتَنَتِ النَّارُ الزَّرْعَ ۔ آگ نے روئی جلا دی ۔ اس سے فِتْنَۃٌ کے معنی عذاب، مصیبت اور جنگ کے بھی آتے ہیں ۔ نیز گمراہ کر دینے کے* ۔

فَتَنَہٗ ۔ اَفْتَنَہٗ کے معنی ہیں اسے پسند کر لیا ۔ اسکو پسند آگیا ۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (۱۰/۸۵) کے معنی یہ ہیں کہ اگر ان لوگوں کو ہم پر غلبہ حاصل ہو گیا تو یہ اس فریب میں مبتلا رہینگے کہ یہ ہم سے بہتر ہیں اس لئے اپنے کفر کو

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** راغب ۔ ****تاج و ابن فارس۔

اور زیادہ پسند کرنے لگ جائیں گے* - یا اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں اس قوم کا تختۂ مشق مت بنا -

قرآن کریم میں یہ مادہ جنگ کے معنوں میں (۴/۹۱) آیا ہے - اور جنگ کے مصائب و مشکلات کے معنوں میں یُفْتَنُوْنَ (۹/۱۲۶) میں - صحیح راستے سے ہٹا کر غلط راستے پر لگا دینے کے معنوں میں یہ مادہ (۳۷/۱۶۲) میں آیا ہے - نیز فِتْنَةً (۳۶/۳۹) میں اس کے معنی گمراہی کے ہیں - یہی معنی اس مادہ کے (۵/۴۹) اور (۱۷/۷۳) میں ہونگے جہاں اس سے مراد صحیح راستے سے ہٹا دینا ہیں - خَیْرًا کے مقابلہ میں فِتْنَةً (۲۱/۳۵) میں آیا ہے - سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسیٰؑ کے متعلق ہے وَفَتَنّٰکَ فُتُوْنًا -(۲۰/۴۰) ہم نے تجھے کئی کٹھالیوں میں سے گذار کر تیری تربیت کی اور اسطرح تجھے مقام نبوت کے شایان شان بنایا - یعنی فِتْنَةً کے معنی ہیں ایسے مواقع بہم پہنچانا جن سے انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نمود ہو جائے اور انسان پر ظاہر ہو جائے کہ اس کی کس حد تک ربوبیت ہوئی ہے - جہانتک انسانی معاشرہ کا تعلق ہے اس کا قوانین خداوندی کے مطابق نہ رہنا ، فِتْنَةٌ ہے - نیز فتنہ انگیزی (۲/۱۹۳ ; ۸/۳۹) - یہ ہیئت مجموعی ، یہ لفظ قرآن کریم میں ان رکاوٹوں کے لئے آیا ہے جو دین خداوندی کی راہ میں حائل کی جاتی ہیں -

ایذا ، مصیبت اور تکلیف کے معنوں میں (۲۲/۱۱) میں - عذاب (سزا) کے معنوں میں (۳۷/۶۳) میں - دھوکا اور فریب کے معنوں میں (۲/۱۰۲) میں - نیز الْمَفْتُوْنُ (۶۸/۶) میں بمعنی فریب خوردہ و گمراہ - سزا دینے کے معنوں میں یہ مادہ (۶/۵۳) میں آیا ہے اور (۶/۲۳) میں لفظ فِتْنَةٌ معذرت اور حجت کے معنوں میں آیا ہے -

ف ت ی

اَلْفَتَاءُ - جوانی - شباب - اَلْفَتٰی - نوجوان - اس کے بعد یہ لفظ غلام کے لئے استعمال ہونے لگا ، خواہ وہ کسی عمر کا ہو - یعنی فَتًی - غلام ، اور فَتَاةٌ لونڈی **-

فَتًی - بمعنی نوجوان لڑکا (۲۱/۶۰) میں آیا ہے - اس کا تثنیہ فَتَیَانِ ہے (۱۲/۳۶) - فِتْیَةٌ جمع ہے (۱۸/۱۰) - نیز فِتْیَانٌ بھی جمع آتی ہے - (۱۲/۶۲) - فَتَاةٌ کی جمع فَتَیَاتٌ آتی ہے - (۴/۲۵) - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی دو ہیں - (۱) تازگی اور نیا ہونا - شباب اور نوجوانی کا مفہوم اسی سے ہے - اور (۲) فیصلہ یا حکم کو واضح کر دینا -

*تاج - **تاج و محیط -

اَلْفُتْیٰ - کسی بات کا حکم بیان کر دینا - فتوی دیدینا - کسی سوال کا جواب دیدینا - کہتے ہیں کہ اسکی اصل فَتِیٌّ یعنی نوجوان ہے * جو قوت و تازگی رکھتا ہے - گویا فتوی دینے کے لئے علمی قوت و تازگی کی ضرورت ہے ، یا پھر یہ اَلْفُتُوَّۃُ سے ہے جس کے معنی سخاوت کے ہیں * - اَفْتٰی حکم دینا - قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ (۴/۱۲۷) - اِسْتَفْتٰی - فتوی (حکم یا فیصلہ) طلب کرنا (۵/۱۰۷) -

ف ج ج

اَلْفَجُّ - دو پہاڑوں کے درمیان وسیع راستہ - فِجَاجٌ اسکی جمع ہے** - قرآن کریم میں ہے مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (۲۲/۲۷) - '' ہر دور دراز راستے سے '' - اَلْفَجَّاجُ بھی اسی کو کہتے ہیں - اَلْفَجُّ - دو چیزوں کے درمیان کشادگی کر دینے اور فاصلہ بڑھا دینے کو کہتے ہیں - اَلْفَجَّۃُ - دو پہاڑوں کے درمیان کشادگی ** - قرآن کریم میں ہے وَجَعَلْنَا فِیْھَا فِجَاجًا (۲۱/۳۱) - ہم نے پہاڑوں میں کشادہ راستے بنائے -

ف ج ر

اَلْفَجْرُ کے اصلی معنی پھاڑنے اور شق کر دینے کے ہیں - نیز اس میں میلان اور جھکاؤ (ایک طرف ہٹ جانے) کا مفہوم بھی ہوتا ہے - چنانچہ پہلے مفہوم کی رو سے فَجَرَہٗ - یَفْجُرُہٗ کے معنی ہیں پانی کو پھاڑ کر بہایا - فَجَّرَہٗ تَفْجِیْرًا - شدت سے پانی کو پھاڑ کر بہایا - اَفْجَرَ النَّبْعُ - چشمہ کو پھاڑ کر نکالا - اِنْفَجَرَتْ عَلَیْھِمُ الدَّوَاھِیْ - ان پر ہر طرف سے مصیبتیں پھوٹ پڑیں - اَلْفَجْرُ - صبح کی روشنی جو تاریکی کو پھاڑ کر باہر نکل آتی ہے - روشنی کے اعتبار سے طَرِیْقٌ فَجْرٌ واضح راستے کو کہتے ہیں اور پھٹنے کے مفہوم سے اَلْفِجَارُ خود راستوں کو کہتے ہیں * - ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی کسی چیز میں کشاد اور کھلا پن ہونے کے ہیں -

ایک طرف ہٹ جانے یا جھک جانے کے مفہوم سے فَجَرَ اللَّاکِبُ فُجُوْرًا کے معنی ہیں سوار اپنی زین سے ایک طرف ہٹ گیا - اور فَجَرَ عَنِ الْحَقِّ کے معنی ہیں وہ حق سے ہٹ گیا * - فَاسِقٌ وفَاجِرٌ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے -

---

*تاج و محیط - **تاج -

لیکن اَلْفَجْرُ کے معنی مال و دولت کی فراوانی اور جُود و سخا اور عطیہ کے بھی ہیں - اور اَلْفَجَّارُ - مال دار آدمی کو بھی کہتے ہیں - نیز فُجَّارَاتُ الْعَرَبِ - عربوں کے مفاخرات کو - فَجَرَ الرَّجُلُ - آدمی سخی ہو گیا - تَفَجَّرَ بِالْکَرَمِ - اس نے بہت سخاوت کی*-

قرآن کریم میں پہاڑ سے چشمے پھوٹ نکلنے کے لئے یہ مادہ (۲/۶۰ ؛ ۲/۷۴) میں آیا ہے - زمین سے چشمے بہ نکلنے کے لئے (۱۷/۹۰) میں - اور نہریں نکلنے کے لئے (۱۳/۹۱) میں -

سورۃ شمس میں نفسِ انسانی (انسانی ذات) کے متعلق ہے - فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوَاهَا (۹۱/۸) اس کے معنے یہ کئے جاتے ہیں کہ خدا نے انسان کے اندر نیکی اور بدی کی تمیز کا علم رکھ دیا ہے - (یہ مفہوم کسطرح قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے اس کے لئے ل - ہ - م کا عنوان دیکھئے) - اس مقام پر صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس آیت میں فُجُوْرَهَا اور تَقْوَاهَا کہا گیا ہے جو نفس انسانی (انسانی ذات Human Personality) کی دو کیفیتوں کا نام ہے - فَجَرَ کے معنی پھاڑ دینا ہیں- لہذا انسانی ذات کا فُجُوْرٌ اس کا منتشر (Disintegrate) ہو جانا ہے - اور تَقْوٰهَا چونکہ اس کے مقابل میں آیا ہے اس لئے اس کے معنے ہوں گے انسانی ذات کا تشتت و انتشار سے محفوظ رہنا - (Disintegrate نہ ہونا) - اسی وجہ سے دوسری جگہ مُتَّقِیْنَ کے مقابلہ میں فُجَّارٌ آیا ہے (۳۸/۲۸) - فَاجِرٌ کا لفظ (۸۲/۱۴) میں آیا ہے جس کے معنی ہیں خدا کی راہ سے ہٹا ہوا -

درحقیقت، جو انسان خدا کی راہ سے ہٹتا (اس کے قوانین کی خلاف ورزی کرتا) ہے اس کی ذات (Personality) میں انتشار (Disintegration) واقع ہو جاتا ہے - اس لئے فاجر وہ ہے جس کی ذات مستحکم ہونے کے بجائے منتشر ہو جائے - نشو و نما یافتہ ذات (Developed Personality) کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ (Integrated) ہوتی ہے - لہذا سورہ شمس کی مندرجہ بالا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسانی ذات میں بننے اور بگڑنے کی صلاحیت رکھدی گئی ہے- اب جو شخص چاہے قوانینِ خداوندی کی نگہداشت سے اپنی ذات کی نشو و نما کر کے اسے مستحکم کر لے - اور جو چاہے اس سے منحرف ہو کر اسے منتشر و متفرق (Disintegrate) کر دے - نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی صلاحیت انسانی ذات میں نہیں - اسکی تمیز صرف وحی کی رو سے ہو سکتی ہے -

*تاج و محیط -

یعنی وحی بتا سکتی ہے کہ خیر کسے کہتے ہیں اور شر کیا ہے ۔ وحی کی راہ نمائی کے بغیر انسان مطلق خیر و شر میں تمیز نہیں کر سکتا ۔ انسان کے اندر کوئی ایسی قوت نہیں جو وحی کی روشنی کے بغیر خیر اور شر میں تمیز کر سکے۔

ف ج و

اَلْفَجْوَۃُ ۔ کشادگی ۔ دو چیزوں کے درمیان کھلی جگہ ۔ زمین کا وسیع حصہ ۔ فراخ جگہ ۔ وسیع میدان اور صحن ۔ فَجَابَابَہٗ فَجْوًا ۔ اس نے اپنا دروازہ کھول دیا ۔ اَلْفَجَا ۔ دونوں رانوں یا گھٹنوں یا پنڈلیوں کے درمیان کا فاصلہ* ۔

قرآن کریم میں اصحاب کہف کے متعلق ہے ۔ وَ ھُمْ فِیْ فَجْوَۃٍ مِنْہُ (۱۸/۱۷) ۔ وہ اس غار کے اندر ایک کھلی جگہ میں تھے ۔

ف ح ش

اَلْفَحْشُ ۔ حد سے بڑھ جانا ۔ زیادتی کر بیٹھنا ۔ کسی بات کا حد سے تجاوز کر جانا ۔ گفتگو میں آداب و احترام کے حدود پھاند جانا ۔ فَحُشَ الْاَمْرُ ۔ معاملہ حد سے تجاوز کر گیا ۔ اَلْفَاحِشُ ۔ حد سے تجاوز کر جانے والا** ۔ قرآن کریم میں فَحْشَاءُ ۔ عَدْلٌ کے مقابلہ میں آیا ہے (۱۶/۹۰) ۔ اور قِسْطٌ کے مقابلہ میں بھی (۷/۲۹) ۔ سورۃ احزاب میں یہ لفظ قُنُوْتٌ کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ (۳۳/۳۱) ۔ قُنُوْتٌ کے معنی قوانین خداوندی کی اطاعت ہیں ۔ (دیکھئے عنوان ق ۔ ن ۔ ت) ۔ اس لئے فُحْشٌ کے معنی حدود خداوندی سے تجاوز اور سرکشی کے ہیں ۔ یعنی خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی فُحْشٌ میں داخل ہے ۔ یا کوئی ذلیل اور شرمناک حرکت (۳/۱۳۵) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں برائی یا شناعت کے ہیں ۔

فَحْشَاءُ کے معنی بخل ہیں ۔ بخیل کو فَاحِشٌ کہتے ہیں** ۔ اَفْحَشَ اس نے بخل کیا*** ۔ ان معنوں میں یہ لفظ قرآن کریم میں فَضْلٌ کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ (۲/۲۶۸) ۔ فَضْلٌ کے معنی ہیں رزق کی کشائش ، وسعت ۔ لہذا فُحْشٌ کے معنی ہونگے رزق کی تنگی ۔ کمی ۔ یا اس کے خرچ میں ہاتھ روک لینا ۔ اسی کو بخل کہتے ہیں۔ یا اس آیت (۲/۲۶۸) میں فَحْشَاءُ کے معنی ہونگے ناجائز طریقوں سے دولت حاصل کرنا ۔

---

*تاج و راغب ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔

اَلْفَوَاحِشُ۔ فَاحِشَةٌ کی جمع ہے ۔ اور اَلْفَحْشَاءُ ، فَاحِشَةٌ کا اسم ہے* ۔ یعنی حدود فراموشی ۔

سورۃ بنی اسرائیل میں زنا کو فَاحِشَةً میں شمار کیا گیا ہے (۱۷/۳۲) ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں فَاحِشَةٌ کا لفظ آیا ہے وہاں اس کے معنی زنا ہی کے ہونگے ۔ سورۃ انعام میں ہے ''وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (۶/۱۵۲) ۔ ''تم فواحش کے قریب مت جاؤ۔ جو ان میں سے ظاہر ہو اور جو چھپی ہوئی ہو'' ۔ ان کے قریب مت جاؤ ۔ لہذا فواحش میں ہر قسم کی حدود شکنی اور بے حیائی آجاتی ہے ۔ اسی بنیاد پر سورۃ نساء میں جہاں فرمایا کہ وَاللّٰتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ (۴/۱۵) ۔ ''اور تمہاری عورتوں میں سے جو فاحشہ کی مرتکب ہوں تو ان کے خلاف اپنوں میں سے چار گواہ لاؤ'' ۔ تو اس میں فَاحِشَةً سے مراد زنا نہیں ۔ اس لئے کہ اول تو زنا کے لئے چار عینی شاہدوں کا ملنا ناممکن نہیں تو بے حد دشوار ہے ۔ دوسرے زنا کی سزا دوسرے مقام پر سو درّے لکھی ہے (۲۴/۲) ۔ لیکن اس جگہ فَاحِشَةً کے جرم کی سزا صرف گھروں میں روک لینا کہا گیا ہے ۔ اس لئے یہاں فَاحِشَةً سے مراد زنا سے ورے بے حیائی کی باتیں ہیں جنہیں اگر روکا نہ جائے تو وہ زنا تک منتج ہو سکتی ہیں ۔ قوم لوط کے متعلق کہا گیا ہے أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ (۷/۸۰) ۔ اور اس سے اگلی آیت میں بتا دیا ہے کہ اس سے مراد لواطت ہے (۷/۸۱) ۔ نہ کہ زنا ۔ اور جس طرح دو مردوں کا اختلاط فاحشہ ہے اسی طرح عورتوں کا باہمی اختلاط (معاشقت) بھی فاحشہ ہے ۔

نیز لفظ فَوَاحِش (بطور جمع) خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ فاحشۃ صرف زنا ہی نہیں ، دوسرے بے حیائی کے کام بھی فاحشۃ میں داخل ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ (پیشہ ور عورتوں سے قطع نظر) فعل زنا کا ارتکاب یک لخت (فوری طور پر) ظہور میں نہیں آجاتا ۔ اس کے لئے (غیر) مرد اور عورت باہمی (ملنے جلنے) کے تعلقات قائم کرتے ہیں ۔ پھر ذرا بات آگے بڑھتی ہے تو ہم آغوشی وغیرہ کی نوبت آتی ہے ۔ اس طرح رفتہ رفتہ جنسی اختلاط (زنا) تک بات پہنچتی ہے ۔ قرآن کریم ان مبادیات کو روکنا چاہتا ہے تاکہ بات آگے بڑھنے نہ پائے ۔ یہ وہ فواحش ہیں جن کا ذکر اوپر (۴/۱۵) میں آیا ہے ۔

*تاج ۔

ف خ ر

اَلْفَخُوْرُ - وہ اونٹنی یا بکری جس کے تھن تو بڑے بڑے ہوں لیکن ان میں دودھ بہت کم ہو* - اور دھار بھی پتلی ہو*** - اس سے اَلْفَخْرُ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں - یعنی باتیں بڑی بڑی کرنا لیکن جوہرِ ذاتی کا بہت کم ہونا - ایسی باتوں پر ناز کرنا جو انسان کے ذاتی جوہر نہ ہوں بلکہ اضافی ہوں - مثلاً حسب و نسب - دولت و حکومت وغیرہ* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی پرانی باتوں کو شمار کرنا ہیں - سورۃ نساء میں بخیل کو فَخُوْرٌ کہا گیا ہے (۴/۳۶) - یعنی جس کے تھن بڑے بڑے ہوں لیکن ان میں سے دودھ بہت کم نکلے - سورۃ حدید میں تَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ (۵۷/۲۰) آیا ہے - یعنی ایک دوسرے سے بڑا بننے کی کوشش ، ذاتی خصوصیات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اضافی نسبتوں کی بنیاد پر - ایک دوسرے سے بڑھنے کا جذبہ انسان کے اندر ہے ، لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ یونہی نمائشی نسبتوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کے بجائے جوہرِ ذاتی میں بڑھنے کی کوشش کرو - (۳/۱۴۸) -

اَلْفَخَّارُ - مٹی کے برتنوں کے ٹھیکرے - اصل میں فَخَّارٌ مٹکوں (ٹھلیوں) کو کہا جاتا ہے ** جو اندر سے خالی ہوتے ہیں لیکن بولتے بڑے زور سے ہیں - قرآن کریم میں ہے - خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ (۵۵/۱۴) - انسان کو ٹھیکری جیسی سوکھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا - (تفصیل اس کی میری کتاب ''ابلیس و آدم'' میں ملیگی) -

ف د ی

فَدَاہُ - یَفْدِیْہِ - فِدَاءٌ وَفِدًی - اس نے کچھ خرچ کر کے اسے کسی مصیبت سے بچا لیا - تَفَادَی مِنْہُ - اس سے بچا - اِفْتَدَی بِہٖ یکذا - اس نے خود کو مال کے عوض چھڑا لیا - فَادَاہُ مُفَادَاۃً - اہل لغت نے فَادَاہُ کے مختلف معنی لکھے ہیں - یہ بھی کہ اس نے کچھ دیکر اسے چھڑا لیا - اور یہ بھی کہ اس نے کچھ لے کر اسے چھوڑ دیا - بعض نے کہا ہے کہ مُفَادَاۃً یہ ہے کہ تم ایک آدمی دیکر اس کے عوض دوسرا آدمی چھڑا لو - اور فِدًی یہ ہے کہ تم روپیہ دیکر اسے خرید لو - لیکن بعض کا خیال ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں **** - بہرحال اس میں کسی کو

*تاج - **راغب - ***ابن فارس - ****تاج و محیط -

بچا لینے کا پہلو بنیادی ہوتا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی یہی ہیں کہ کسی چیز کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے اسکی جگہ کسی دوسری چیز کو دے دینا ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ قیدیوں کو کفارہ دیکر چھڑانے کے معنوں میں آیا ہے (۲/۸۵) ۔ حضرت اسماعیلؑ کے متعلق ہے ۔ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (۳۷/۱۰۷) ۔ یعنی ہم نے اسے ایک بہت بڑی قربانی کے لئے بچا لیا ۔ انہیں حضرت ابراہیمؑ کی چھری سے محفوظ کر لیا اور تولیت کعبہ کی خدمت عظیم ان کے سپرد کر دی (۲/۱۲۵) ۔ یہ بہت بڑی قربانی تھی جس میں تمام آرام اور چین چھوڑ کر اپنے آپ کو عمر بھر کے لئے اس مقصد عظیم کے لئے وقف کر دینا تھا ۔ یہ تھی وہ قیمت جو اُن سے اُن کی جان کے عوض بطور فدیہ لی گئی تھی ۔

جنگ کے قیدیوں کے متعلق قرآن کریم میں ہے ۔ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ۔ (۴۷/۴) ۔ انہیں یا تو بطور احسان چھوڑ دو اور یا ان کا معاوضہ لیکر (قیدیوں کے عوض قیدی یا مال لیکر چھوڑ دو) بہرحال انہیں چھوڑنا ہوگا ۔ لہذا جنگ کے قیدیوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لینے کا خیال قرآن کریم سے کھلی ہوئی بغاوت ہے ۔ غلامی کا یہی ایک دروازہ تھا ۔ اسے قرآن کریم نے اسطرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان م ۔ ل ۔ ک)

واضح رہے کہ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً سے یہ مراد نہیں کہ جنگ کے قیدیوں کو گرفتاری کے فوری بعد رہا کر دینا ہوگا ۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ انہیں غلام بنا کر نہیں رکھا جاسکتا ۔ بہ تقاضائے حالات انہیں قید میں رکھا جاسکتا ہے (فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۔ ۴۷/۴) اس کے بعد جب اثخان (غلبہ) حاصل ہوجائے تو پھر ان کی (Disposal) کا سوال سامنے آئیگا جس کا بہ تقاضائے حالات فیصلہ کیا جائیگا کہ انہیں احساناً چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لیکر ۔

ف ر ت

اَلْفُرَاتُ ۔ نہایت شیریں پانی ۔ زمخشری نے کہا ہے کہ اسے فُرَاتٌ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ (يَفْرُتُ الْعَطَشَ) پیاس کو تسکین دیتا ہے * ۔ اسکی تیزی کو توڑ دیتا ہے * ۔ سورہ مرسلٰت میں مَّآءً فُرَاتًا (۷۷/۲۷) آیا ہے ۔ سورہ فرقان میں عَذْبٌ فُرَاتٌ (۲۵/۵۳) آیا ہے ۔ یعنی بہت شیریں ۔

* تاج ۔ راغب ۔ محیط ۔

ف ر ث

اَلْفَرْثُ ۔ غذا جب وہ اوجھڑی کے اندر رہے * ۔ سورہ نحل میں ہے کہ تم دیکھو کہ جانور کے پیٹ میں فرث اور خون جیسی اشیاء میں سے کس طرح دودھ جیسی صاف اور لطیف غذا تیار ہوتی رہتی ہے ۔ (۱۶/۶۶) ۔ ویسے اَلْفَرْثُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو ریزہ ریزہ ہو گئی ہو (ابن فارس) فَرَثَ ۔ اس نے بکھیر دیا ۔ فَرَثَ الْحُبَّ کَبِیدَہٗ ۔ محبت نے اس کے جگر کے ٹکڑے کر دیئے ۔ لہذا فَرْثٌ ، غذا کی وہ حالت ہے جس میں وہ معدہ میں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے ۔ اہل لغت نے اس سے گوبر مراد لیا ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس سے مراد جانور کی خوراک کی وہ حالت ہے جس میں وہ ہضم ہونے کے لئے ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے ۔ (لین نے یہی تصریح کی ہے) ۔

ف ر ج

اَلْفَرْجُ وَالْفُرْجَۃُ ۔ دو چیزوں کے درمیان شگاف یا کشادگی** ۔ بَابٌ مُفْرُوجٌ ۔ کھلا ہوا دروازہ ۔ تَفَارِیْجُ الْاَصَابِعِ ۔ انگلیوں کے درمیانی شگاف ۔ اَلْفَرْجُ ۔ شرمگاہ ، خواہ مرد کی ہو یا عورت کی ۔ نیز ہر خطرہ کی جگہ ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۔ (۷۷/۹) جب آسمان پھٹ جائے گا ۔ کھولدیا جائے گا ۔ دوسری جگہ ہے ۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (۸۴/۱) ''جب آسمان شق ہو جائیگا'' ۔ سورۃ قٓ میں ہے مَالَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (۵۰/۶) ۔ ان میں کہیں کوئی شگاف نہیں ۔ مطلب نقص اور خرابی سے ہے ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (۶۷/۳) ۔ ''کیا تجھے کہیں کوئی خرابی نظر آتی ہے ؟''

قرآن کریم میں حفاظتِ عصمت پر بڑا زور دیا گیا ہے اور اس کے لئے یہی الفاظ آئے ہیں ۔ چنانچہ مردوں کے متعلق ہے ۔ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (۲۴/۳۰) ۔ اور عورتوں کے متعلق ہے یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (۲۴/۳۱) وہ اپنی عصمت کی حفاظت کریں ۔ حضرت مریم کی پاک دامنی کا اظہار بھی انہی الفاظ سے کیا گیا ہے ۔ وَالَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (۲۱/۹۱) جس نے اپنی عصمت کا تحفظ کیا ۔

---

*تاج ۔ **راغب ۔ ***تاج و محیط ۔

ان مقامات سے ظاہر ہے کہ فَرْجٌ مقام مخصوص ہی کو نہیں کہتے بلکہ عربی محاورہ میں یہ لفظ عصمت کے لئے عام طور پر بولا جاتا ہے۔ برخلاف ہماری زبان کے جس میں فَرْجٌ کا لفظ صرف عورت کی شرم گاہ کے لئے آتا ہے۔ قرآنی آیات میں جہاں یہ لفظ آیا ہے، ان کے ترجمہ میں اس فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

ف ر ح

اَلْفَرَحُ۔ لسان میں ہے کہ یہ حُزْنٌ کی ضد ہے۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ فوری یا عارضی لذت پر انشراحِ صدر کو کہتے ہیں۔ اور سُرُوْرٌ اس انشراح صدر کو جس میں دل کو فوری اور دیر پا دونوں قسم کا اطمینان حاصل ہو، لیکن کبھی (اس فرق کی رعایت کے بغیر) یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو جاتے ہیں *۔ سورہ یونس میں قرآن کریم کے متعلق ہے۔ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا (۱۰/۵۸)۔ انہیں چاہئے کہ اس قرآن کریم کے ملنے پر خوشیاں منائیں۔

نیز اس کے معنی اترانے کے بھی ہیں * ۔ سورۂ نمل میں ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ بِہَدِیَّتِکُمْ تَفْرَحُوْنَ (۲۷/۳۶)۔ تم اپنے اس تحفہ پر بڑا ناز کرتے ہو (کہ یہ بہت بڑی چیز ہے)۔ سورۃ قصص میں ہے کہ قارون سے (اسکی قوم کے لوگوں نے) کہا۔ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (۲۸/۷۶)۔ ان مقامات سے ظاہر ہے کہ اس میں اس اوچھے پن کے مظاہرے کی طرف اشارہ ہے جو کم ظرف انسان میں مال و دولت کے مل جانے سے پیدا ہو جاتا ہے۔

سورہ روم میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ تم نے کہیں ایمان لانے کے بعد پھر مشرک نہ بن جانا۔ یعنی فرقوں میں نہ بٹ جانا، جس میں کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْہِمْ فَرِحُوْنَ (۳۰/۳۲) ہر فرقہ اپنے مسلک پر اتراتا ہے اور مگن ہو رہتا ہے کہ یہی مسلک حق ہے۔ باقی سب باطل پر ہیں۔ بس میرا فرقہ ناجی ہے باقی سب جہنمی ہیں۔

سورہ آل عمران میں یَفْرَحُوْا بِہَا کے مقابلہ میں تَسُؤْہُمْ آیا ہے (۳/۱۲۰)۔ یعنی برا لگنا۔ اور (۱۳/۳۶) میں اس کے مقابلہ میں یُنْکِرُ آیا ہے۔ یعنی ناگوار گزرنا۔ سورۂ روم میں اس کے مقابلہ میں یَقْنَطُوْنَ آیا ہے (۳۰/۳۶)۔ نا امید ہو جانا۔ اور سورہ حدید میں تَاْسَوْا (۵۷/۲۳)۔ ''افسوس کرنا''۔ اس تقابل سے فَرِحَ کے معنی اور بھی واضح ہو جاتے ہیں۔

*تاج۔

ف ر د

اَلْفَرْدُ ۔ تنہا ۔ اکیلا ۔ زَوْجٌ جوڑے کو کہتے اور ان میں سے ہر ایک فَرْدٌ ہوتا ہے ۔ وہ چیز جس کی مثال و نظیر نہ ہو۔ نَاقَةٌ فَارِدَةٌ ۔ وہ اونٹنی جو چراگاہ میں سب سے الگ اکیلی چرتی ہو* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْفَرْدُ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کوئی دوسری چیز نہ ملائی گئی ہو۔ یہ لفظ وَتْرٌ سے عام اور وَاحِدٌ سے اخص ہے ۔ مُنْفَرِدٌ کے معنی یکتا (دوسروں سے الگ) ہونگے** ۔ سورۂ انبیاء میں ہے کہ حضرت زکریاؑ نے دعا کی رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْداً (۲۱/۸۹) ۔ اے میرے نشوونما دینے والے مجھے تنہا نہ چھوڑ۔ لیکن چونکہ انہوں نے اولاد کے لئے دعا مانگی تھی اس لئے یہاں اس کے معنی بے اولاد کے ہونگے ۔ سورۃ مریم میں ہے کُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا (۱۹/۹۵) ۔ یعنی اعمال کے ظہور نتائج کے وقت کوئی شخص کسی دوسرے کے نتیجہ میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ نہ ہی اس کا کوئی حمایتی ہوگا۔ (اسے (۶/۹۵) میں دہرایا گیا ہے)۔ قانون مکافات کے سلسلہ میں قرآن کریم نے بتایا ہے کہ ہر نفس اپنے اعمال کے نتائج سے خود متاثر ہوتا ہے ۔ اس سے نفس انسانی (Self) کی یکتائی (Uniqueness) اور انفرادیت (Individuality) ثابت ہوتی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ حریت (Freedom) اور یکتائی ، ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیات ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (۶/۹۵) ”اور یقیناً تم ہمارے پاس اسی طرح انفرادیت لئے ہوئے آئے ہو جسطرح ہم نے تمہیں پہلی دفعہ منفرد حیثیت سے پیدا کیا تھا“ ۔ اس میں انسانی ذات کی انفرادیت کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ انسان اپنی مفاد پرستیوں کے لئے بہت سے لوگوں کو اپنا ساتھی بنا لیتا ہے اور بہت سے مال واسباب کو ان کے حصول کا ذریعہ ۔ لیکن ان اعمال کا اثر اسکی اپنی ذات پر مرتب ہوتا ہے جس میں نہ کوئی دوسرا شریک ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کا مال و اسباب اسے اس سے محفوظ رکھ سکتا ہے ۔

قرآن کریم کا قانون مکافات ایک عظیم حقیقت ہے جسکی بنیادوں پر انسانیت کی ساری عمارت اٹھتی ہے ۔ ہر عمل کا اثر اس فرد کی اپنی ذات پر ہوتا ہے ۔ اس میں سے نہ آپ کوئی حصہ کسی دوسرے کی طرف منتقل کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کے عمل کا اثر آپ کی طرف منتقل ہو کر آسکتا ہے ۔ یہ انسانی ذات کی انفرادیت کی دلیل ہے ۔

---

* تاج ۔ ** راغب ۔

ف ر د س

اَلْفَرْدَسَۃُ - وسعت اور فراخی - صَدْرٌ مُفَرْدَسٌ - وسیع اور کشادہ سینہ - رَجُلٌ فَرَادِسٌ - بڑی چوڑی چکلی ہڈیوں والا آدمی - اَلْفَرْدَوْسُ - کھانے میں برکت - ضیافت - کَرْمٌ مُفَرْدَسٌ - انگوروں کی بیلیں جو ٹٹیوں پر چڑھائی گئی ہوں - فِرْدَوْسٌ - سرسبز وادی - باغ اور بستان جس میں ہر قسم کے درخت ہوں - اہل شام بستانوں اور انگوروں کے باغات کو فَرَادِیْسُ کہتے ہیں - بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ رومی یا سریانی ہے - لیکن ابن القطاع نے کہا ہے کہ یہ عربی ہے اور اَلْفَرْدَسَۃُ سے مشتق * -

قرآن کریم میں جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ (۱۸/۱۰۷) آیا ہے - یعنی وسیع اور فراخ ، سرسبز اور شاداب باغات - اس دنیا میں ایسا جنتی معاشرہ جس میں ہر قسم کی وسعتیں اور فراخیاں ، سرسبزیاں اور شادابیاں ہوں - اور اخروی زندگی میں ہر قسم کی وسعت اور شادابی -

ف ر ر

اَلْفَرُّ - اَلْفِرَارُ - کسی چیز سے ڈر کر بھاگنا ** - دراصل اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کے کھولنے (کَشْفٌ) کے ہیں *** - فَرَّ کے بنیادی معنی جانور کے دانتوں کو کھولنا ہے - اس سے اِفْتِرَارٌ کے معنی ہیں ہنسنے میں دانتوں کا کھل جانا ****- ممکن ہے کہ کھل جانے سے ، بھاگ جانے کے معنی لئے گئے ہوں -

اَلْفَرَّۃُ - بھاگنے والے - فَارٌّ کی جمع ہے - (خود اَلْفَرُّ بھی واحد کے لئے مستعمل ہے) - کَتِیْبَۃٌ فَرَّارٰی - شکست خوردہ فوج جو بھاگ اٹھے *** - قرآن کریم میں یہ لفظ بھاگنے کے معانی میں استعمال ہوا ہے - سورۂ کہف میں فِرَارًا (۱۸/۱۸) آیا ہے - سورۂ مدثر میں ہے فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَۃٍ (۷۴/۵۱) - شیر سے ڈر کر بھاگتے ہیں - سورۂ نوح میں ہے فَلَمْ یَزِدْھُمْ دُعَآئِیْ اِلَّا فِرَارًا (۷۱/۶) - میرے جتنا انہیں اپنی طرف بلایا یہ اتنا ہی مجھ سے دور بھاگے - سورۂ قیامۃ میں ہے اَیْنَ الْمَفَرُّ (۷۵/۱۰) - بھاگنے کی جگہ کونسی ہے ؟ یا بھاگ کر کہاں جانا ہے ؟ سورۂ ذاریات میں ہے فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ (۵۱/۵۰) - اس کے معنی رجعت الی اللہ - یا قانونِ خداوندی کی طرف لوٹنے کے ہیں - (مزید تشریح ر - ج - ع - کے عنوان میں دیکھئے)

*تاج و محیط - *تاج - ***محیط و ابن فارس ****راغب -

ف ر ش

فَرْشٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو بچھانا - کسی چیز کو پھیلانا - چنانچہ اَلْفَرْشُ اس فرش کو کہتے ہیں جو گھروں میں بچھایا جائے ، نیز کھیتی جو زمین پر خوب پھیل جائے - اور وسیع اور کشادہ فضا کو بھی - اَلْفَرِیْشُ - اس بیل کو کہتے ہیں جو زمین پر پھیل جاتی ہے * -

اَلْفَرَاشَۃُ - اُڑنے والے کیڑے مکوڑے کو کہتے ہیں (مثلاً پروانہ - تتلی وغیرہ) - اَلْفَرَاشُ اسکی جمع ہے - (۱۰۱/۴) - فِرَاشٌ ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو بچھائی جائے * -

سورۃ انعام میں ہے - وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَۃً وَّ فَرْشًا (۶/۱۴۳) - فراء نے کہا ہے کہ اس میں حَمُوْلَۃً سے مراد ایسے جانور ہیں جو بوجھ لادنے اور سواری کرنے کے قابل ہوں اور فَرْشًا سے مراد وہ چوپائے ہیں جو اس قابل نہ ہوں - * صاحب محیط نے کہا ہے کہ فَرْشًا سے مراد چھوٹی عمر کے اُونٹ ہیں ** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ چوپائے ہیں جو ذبح کرنے اور کھانے کے لئے ہی موزوں ہوں -

سورۃ رحمٰن میں ہے مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍ (۵۵/۵۴) - یہ فِرَاشٌ کی جمع ہے - یعنی بچھائی ہوئی چیزیں - سورۃ ذاریٰت میں ہے - وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا (۵۱/۴۸) - ہم نے زمین کو پھیلا رکھا ہے - سورۃ واقعہ میں ہے - وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (۵۶/۳۴) - یہاں فُرُشٌ سے مراد بیگمات ہیں - اور مَّرْفُوْعَةٍ کے معنے ہیں عالی مرتبت -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْفِرَاشُ ، میاں بیوی میں سے ہر ایک کو کہتے ہیں ، لیکن اس کا صحیح انطباق بیوی پر ہوتا ہے -

ف ر ض

اَلْفَرْضُ - کے بنیادی معنی کسی سخت چیز کو کاٹنے کے ہیں - چونکہ جس چیز کو کاٹا جانا ہے اس کا پہلے اندازہ کیا جاتا ہے کہ اسے کہاں سے اور کیسے کاٹنا چاہئے اس لئے یہ لفظ اندازہ کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا - اندازہ کرنے کے اعتبار سے اَلْفَرِیْضَۃُ مقررہ حصہ کو کہتے ہیں - نیز ہر وہ چیز جسے معین و مقرر کر دیا جائے - اَفْرَضَ لَہٗ - اس کے لئے کسی چیز کو معین و مقرر کر دیا - فَرَضَ لَہٗ فِی الدِّیْوَانِ - اسکی

* تاج - ** محیط -

تنخواہ کا رجسٹر میں اندراج کیا ۔ اِفْتَرَضَ الْجُنْدُ ۔ فوج نے اپنی تنخواہ یا واجبات وصول کر لئے *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ چونکہ کاٹنے سے چیز نشان زدہ اور متعین ہو جاتی ہے اس لئے اَلْفَرْضُ کو فرض اسی جہت سے کہا جاتا ہے کہ اس کے حدود اور نشانات متعین ہوتے ہیں ۔

قرآن کریم میں عورتوں کے مہر کے لئے فَرِیْضَةً کا لفظ آیا ہے (۲/۲۳۶) ۔ کیونکہ اس کی متعینہ مقدار اپنے اوپر لازم کر لی جاتی ہے ۔ ترکہ کے حصہ کو نَصِیْباً مَّفْرُوْضاً (۴/۷) کہا گیا ہے کیونکہ وہ بھی مقررہ حصہ ہوتا ہے ۔ سورہ توبہ میں جہاں صدقات کی تقسیم کا اصول بیان ہوا ہے اسے فَرِیضَةً مِنَ اللّٰہِ (۹/۶۰) کہا گیا ہے ۔ خدا کی طرف سے مقرر کردہ اصول تقسیم ۔ سورہ نور میں ہے سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰھَا وَ فَرَضْنٰھَا ۔ (۲۴/۱) ۔ وہ سورۃ جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی اور اس میں درج شدہ احکام کو فرض ٹھہرایا گیا ۔ لیکن یہ چیز کسی ایک سورت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ۔ سارے کا سارا قرآن اسی طرح فرض کر دیا گیا ہے ۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ (۲۸/۸۵) ۔ بے شک وہ ذات جس نے تجھ پر قرآن کریم کو فرض قرار دیا ہے ۔ یعنی یہ فرض قرار دے دیا ہے کہ اس کے تمام احکام پر پورا پورا عمل کیا جائے ۔

سورہ بقرۃ میں بنی اسرائیل کی گائے (یا سانڈ) کے متعلق ہے ۔ لَا فَارِضٌ وَّ لَا بِکْرٌ (۲/۶۸) ۔ بِکْرٌ جوان کو کہتے ہیں ۔ یا چھوٹی عمر والی کو ۔ اس لئے فَارِضٌ کے معنی ہوئے بڑی عمر والی ۔ معمر و سن رسیدہ ۔ جوہری نے کہا ہے کہ بڑی چیز یا ہر پرانی چیز کو فَارِضٌ کہتے ہیں ، کیونکہ اسی درخت کو کاٹا جاتا ہے جو پرانا اور بڑا ہو چکا ہو * ۔

قرآن کریم نے جس کام کے کرنے کا حکم دیدیا ہے وہ فرض ہے اور جس سے روک دیا ہے وہ ممنوع ہے ۔ لہذا فَرْضٌ کے ساتھ دوسری اصطلاحات (مثلاً واجب ۔ مستحب وغیرہ) ۔ یا دوسری طرف ، حرام کے ساتھ اس قسم کے اصطلاحات (مثلاً مکروہ تحریمی ۔ مکروہ تنزیہی وغیرہ) فقہ کی اصطلاحات ہیں ، قرآنی نہیں ۔

سورہ تحریم میں ہے قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِکُمْ (۶۶/۲) ۔ اس کے معنی ہیں کہ اللہ نے یہ فرض قرار دیا ہے کہ اس قسم کی قسمیں جن میں حلال کو حرام کر لیا ہو ، (کفارہ دیکر) توڑ دی جائیں ۔ سورہ احزاب میں ہے مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰہُ لَہٗ (۳۳/۳۸) ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جن باتوں کو اللہ نے رسولؐ کے لئے معین

*تاج و محیط ۔

کر دیا ہو ان میں درحقیقت کوئی تنگی نہیں ۔ واضح رہے کہ یہ ایک عمومی بات ہے (جیسا کہ اگلی آیت سے ظاہر ہے) ۔ اس کا سابقہ آیت (قصہ حضرت زیدؓ) سے خصوصی تعلق نہیں ۔

ف ر ط

فَرَطَ ۔ اس مادہ میں اصل معنی سبقت کرنے اور آگے بڑھ جانے کے ہیں * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو اسکی جگہ سے ہٹا دینے اور ایکطرف کر دینے کے ہیں ۔ سبقت کرنے والا ، دوسروں کو پیچھے ہٹا کر خود آگے بڑھتا ہے ۔ اَلْفَرَطُ ۔ تیز رفتار گھوڑا جو دوسرے گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ کر سب سے آگے بڑھ جائے ** ۔ اِفْرَاطٌ اور تَفْرِیْطٌ میں فرق یہ ہے کہ اِفْرَاطٌ اس حد سے بڑھ جانے کو کہتے ہیں جو زیادتی اور کمال کی سمت میں ہو ، اور تَفْرِیْطٌ اس حد سے بڑھ جانے کو کہتے ہیں جو کمی کی جہت میں ہو* ۔ فَرَطَ عَلَیْہِ کے معنی ہیں کسی پر زیادتی کی ۔ جلدی میں اسکے ساتھ ناروا سلوک کیا ** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَا (۲۰/۴۵) ۔ ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کرے ۔ اسکے برعکس فَرَّطَ کے معنی ہیں کسی بات میں کمی کرنا ۔ کوتاہی کرنا ۔ اسے ضائع کر دینا ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے بھی کہا ہے کہ فَرَّطَ کے معنی ہیں کمی کرنا ۔ اور اَفْرَطَ کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا ۔ قرآن کریم میں ہے قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْہَا (۶/۳۱) ۔ وہ کہیں گے ہمیں سخت ندامت ہے کہ ہم نے (قانون مکافات کے صحیح اندازہ لگانے میں) کسقدر کمی کی ۔ فَرَّطَ اور اَفْرَطَ کے معنی یہ بھی ہیں کہ کسی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور پھر اس کا خیال تک نہ کیا جائے ۔ فَرِطَتِ النَّخْلَۃُ ۔ کھجور اور اسکے خوشے کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا ۔ اَفْرَطَ الْاَمْرَ ۔ وہ اسبات کو بھول گیا ۔ اس نے اس بات کو چھوڑ دیا* ۔ قرآن کریم میں ہے وَ اِنَّھُمْ مُّفْرَطُوْنَ (۱۶/۶۲) ۔ اور وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہونگے ۔ یعنی دوسرے لوگ ان سے آگے بڑھ جائینگے ۔ جنت اور جہنم میں یہ بنیادی فرق ہے ۔ یعنی جنت میں انسان زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا جاتا ہے اور جہنم میں انسان کی نشوونما رک جاتی ہے ۔ اور وہ متحرک کی بجائے جامد ہو جاتا ہے اَلْاَمْرُ الْمُفْرَطُ ۔ وہ بات جس میں آدمی حد سے بڑھ جائے * ۔ قرآن کریم

* محیط ۔ **تاج ۔

میں ہے وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا (۱۸/۲۸) ۔ اس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْفَرَطُ ۔ قصداً آگے بڑھنے کو کہتے ہیں ۔ یعنی اس میں مقصد اور ارادہ کا ہونا ضروری ہے** ۔

سورہ انعام میں کہا گیا ہے کہ زمین پر چلنے والے جانور اور ہوا میں اڑنے والے پرندے، تمہاری ہی طرح امم ہیں ۔ اس کے بعد ہے مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ (۶/۳۸) ''ہم نے کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں چھوڑی'' ۔ سباق کے اعتبار سے یہاں الکتاب سے مراد، کتاب فطرت ہو سکتی ہے ۔ لیکن اگر اس سے مراد خود قرآن کریم ہے تو بھی بات بالکل واضح ہے ۔ قرآن کریم میں جو کچھ بیان ہوا ہے مکمل طور پر بیان ہوا ہے ۔ اس میں کوئی کمی نہیں رکھی گئی ۔ اسکی تائید کئی ایک دیگر مقامات سے بھی ہوتی ہے ۔

ف ر ع

فَرْعُ کُلِّ شَیْءٍ ۔ ہر چیز کے بلند ترین حصے کو کہتے ہیں ۔ چنانچہ اَلْفَرْعَۃُ ۔ پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں ۔ فَارِعَۃُ الْجَبَلِ ۔ پہاڑ کا بلند ترین حصہ* ۔ بلندی کے علاوہ لمبائی کے لئے بھی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے ۔ چنانچہ اَلْمُفْرِعُ ۔ ہر لمبی چیز کو کہتے ہیں** ۔ فَرْعُ الشَّجَرِ ۔ درخت کی شاخ کو کہتے ہیں** ، اس لئے کہ وہ اصل (جڑ) کے مقابلہ میں اونچی ہوتی ہے اور ویسے لمبی بھی ہوتی ہے ۔ قرآن کریم میں آیا ہے اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ (۱۴/۲۴) ۔ اسکی جڑ مضبوط و محکم ہے اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں ۔

فرعون

قدیم شاہانِ مصر کا لقب ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''موسیٰ'' ۔

ف ر غ

فَرَغَ ۔ فَرْغًا ۔ خالی ہونا ۔ فَارِغٌ ۔ خالی* ۔ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا ۔ (۲۸/۱۰) موسیٰ کی والدہ کا دل صبر سے خالی ہو گیا ۔ (بیچین ہو گیا) ۔ فَرَغَ لَہٗ وَاِلَیْہِ ۔ ہر طرف سے فارغ ہو کر کسی کی طرف توجہ دینا یا اس کام کا ارادہ کرنا* ۔ سورۂ رحمٰن میں سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّہَ الثَّقَلَانِ (۵۵/۳۱) آیا ہے ۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اے ثقلان جب تمہاری باری آئیگی تو ہم تمہاری طرف توجہ کرینگے ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کام میں اس طرح مصروف ہے کہ ثقلان کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں ہے

*تاج ۔ **راغب ۔

اَلْفِرَاغُ ۔ ڈول کی وہ سمت جدھر سے پانی انڈیلا جاتا ہے* ۔ اَفْرَغَ انڈیلنا ۔ بہانا* ۔ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا (۷/۱۲۶) ۔ ہم پر ہمت و استقامت فراوانی سے انڈیل دے ۔ اَلْفِرَاغُ ۔ چمڑے کا بڑا وسیع حوض یا برتن* ۔

سورۃ الانشراح میں نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے کہ اب جو تجھ سے ان تمام تفکرات کو دور کر دیا گیا ہے جن سے تیری کمر ٹوٹ رہی تھی (یعنی نظام خداوندی کے متشکل کرنے کی راہ میں جو مشکلات تھیں انہیں آسان کر دیا گیا ہے) تو اب اپنے پروگرام پر جم کر عمل کر ۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (۹۴/۷) ۔ یعنی آپ کے پروگرام کا پہلا حصہ جس میں قدم قدم پر مزاحمت ہوتی تھی، اور اس لئے تعمیری کاموں کے لئے یکسوئی نہیں ملتی تھی ، ختم ہو گیا ہے ۔ اب پورے اطمینان کے ساتھ اس پروگرام کے تعمیری حصہ پر تمام توجہات کو مرکوز کر دیں ۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جب مشکلات کا دور ختم ہو جاتا ہے تو پھر انسان اطمینان سے بیٹھ جاتا ہے ۔ لیکن نظام خداوندی میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جب تخریبی پروگرام کے ابتدائی مراحل ختم ہوتے ہیں اور مخالفتوں پر قابو پا لیا جاتا ہے تو پھر اس پروگرام کا تعمیری حصہ شروع ہوتا ہے ۔ اور اس میں پہلے سے بھی زیادہ کام کرنا پڑتا ہے ۔ یہ تعمیری پروگرام ، پوری انسانیت کی نشو و نما پر مشتمل ہوتا ہے ۔ یہ کوئی چھوٹا کام نہیں ۔

ف ر ق

اَلْفَرْقُ ۔ سر کی مانگ جس سے دونوں طرف کے بال ایک دوسرے سے الگ ہوجاتے ہیں ۔ یہ ہیں اس کے بنیادی معنی ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادے کے بنیادی معنی ایک چیز کو دوسری چیز سے جدا کرنا اور الگ کر دینا ہیں ۔ اَلْمَفْرَقُ ۔ مانگ نکالنے کی جگہ ۔ مَفْرَقُ الطَّرِيْقِ ۔ راستہ کی وہ جگہ جہاں سے اس میں سے نیا راستہ پھٹتا ہو ۔ اَلْفَارِقُ ۔ وہ بدلی جو دوسری چھائی ہوئی بدلیوں سے الگ ہو کر برسے ۔ اَرْضٌ فَرِقَةٌ ۔ وہ زمین جس کے پودے ایک دوسرے سے فاصلہ پر ہوں* ۔

اس اعتبار سے اَلْفَرْقُ کے معنی ہوتے ہیں الگ الگ کرنا ۔ فیصلہ کرنا ۔ بات کو واضح طور پر الگ الگ کر کے بیان کرنا ۔ فَرَقَ لَهٗ الطَّرِيْقُ ۔ اس کے لئے دو راستوں میں سے صحیح راستہ واضح ہوگیا ۔ فَرَقَ لَهٗ اَمْرٌ ۔ بات واضح ہوگئی اور اچھی طرح اس کی سمجھ میں آگئی* ۔ فَرَّقَهٗ ۔ اسے الگ کیا ۔

---

*تاج ۔

اَلْفَرْقُ اور اَلْفَرَقُ - ایک پیمانے کو کہتے تھے جو مدینہ منورہ میں مستعمل تھا - اس سے فَرِقَ کے معنی ہیں اس نے پیمانے (برتن) سے پانی پیا * - اَلْفَرِیْقُ - اس جماعت کو کہتے ہیں جو دوسروں سے الگ ہو جائے - تَفْرِیْقٌ کے معنی ہیں فساد کی غرض سے الگ الگ کر دینا - انتشار و تفرق پیدا کر دینا * - اَلْفِیْرُقُ - الگ ہو جانے والا ٹکڑہ (۲۶/۶۴) - اَلْفِیْرَقَةُ - جماعت - گروہ (۹/۱۲۲) -

قرآن کو فُرْقَانٌ - کہا گیا ہے (۳/۳) - اس اعتبار سے کہ یہ غلط اور صحیح (حق و باطل) کو بالکل الگ الگ کردیتا ہے - اور یا اس لئے کہ یہ وہ پیمانہ ہے جس سے ہر شے کی قیمت ماپی جاتی ہے - یعنی مستقل اقدار کا مجموعہ - کتاب موسیٰؑ کو بھی فُرْقَانٌ کہا گیا ہے - (۲/۵۳ و ۲۱/۴۸) - خدا کی وحی فُرْقَانٌ ہوتی ہے - یعنی وہ حق و باطل میں فرق کر دیتی ہے - یَوْمُ الْفُرْقَانِ (۸/۴۱) - اس سے جنگ بدر کا دن مراد لیا جاتا ہے جس میں حق و باطل میں کھلا کھلا امتیاز ہو گیا تھا -

سورۃ انفال میں جماعت مومنین سے کہا گیا ہے کہ اگر تم نے قوانین خداوندی کی نگہداشت کی تو یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا (۸/۲۹) - اللہ تمہیں ایک امتیازی زندگی عطا کر دے گا - مومن ، دنیا میں امتیازی زندگی بسر کرنے کے لئے آتا ہے - ایسی بلند کردار کی زندگی جسے دیکھکر ہر شخص پکار اٹھے کہ یہ عام انسانوں سے ممتاز انسان ہے - مومن کی زندگی ، حق و باطل میں امتیاز کا معیار ہونی چاہئے - دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان -

قرآن کریم میں ہے کہ خدا نے مسلمانوں کو ایک جماعت (ملت واحدہ) بنایا ہے - اسی جماعت میں الگ الگ فرقوں اور پارٹیوں کا وجود، قرآن کریم کے واضح الفاظ میں شرک ہے (۳۰/۳۲) - اور ایسا کرنے والے مشرکین ہیں (۳۰/۳۲) جن سے اللہ اور رسول کا کوئی واسطہ نہیں رہتا - (۶/۱۶۰) - قرآن کریم کے اس کھلے ہوئے فیصلے کے بعد فرقہ بندی اور پارٹی بازی کے متعلق کچھ اور کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی - وحدت خالق کا عملی ظہور وحدت امت (بلکہ وحدت انسانیت) کی شکل میں ہونا ضروری ہے - لہذا جسطرح الوھیت کے ٹکڑے کرنا شرک ہے اسی طرح وحدتِ اُمت کو پارہ پارہ کرنا بھی شرک ہے - امت کی وحدت کی بنیاد ایک خدا کے ایک ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنے پر ہوتی ہے - امت میں تفرقہ کے معنی یہ ہیں کہ مختلف فرقے ، اپنی زندگی مختلف ضوابط کے ماتحت بسر کرتے ہیں ، اور یہ شرک ہے -

* تاج -

سورۃ توبہ میں قَوْمٌ یَفْرَقُوْنَ آیا ہے (۹/۵۶) ۔ راغب نے فَرَقٌ کے معنے خوف سے دل کا منتشر ہونا کئے ہیں ۔ یعنی خوف سے بد حواس ہو جاتے ہیں* ۔ نیز اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ خوف زدہ لوگ ہیں جن سے امن نے مفارقت کرلی ہو ۔

فَارَقَ ۔ چھوڑ دینا ۔ علیحدہ ہو جانا ۔ فَارِقُوْهُنَّ (۶۵/۲) ۔ ان سے الگ ہو جاؤ ۔

ف ر ہ

فَرُهَ ۔ یَفْرُهُ ۔ حاذق اور ماہر ہونا ۔ چست اور پھرتیلا ہونا ۔ حسین و جمیل ہونا ۔ اس سے اسم فاعل فَارِهٌ آتا ہے ، اس کی جمع فَارِهُوْنَ اور فَارِهِيْنَ ہے ۔ اَلْفَارِهَةُ ۔ حسین و ملیح نوجوان لونڈی ۔ نیز بہت زیادہ کھانے والی کو بھی کہتے ہیں ۔ فراء نے کہا ہے کہ فَرِهَ میں ھاء دراصل حاء کی جگہ ہے ۔ یعنی فَرِحَ ۔ جس کے معنے اکڑنا اور اترا کر چلنا ہیں** ۔ قرآن کریم میں قوم ثمود کے متعلق ہے وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ (۲۶/۱۴۹) ۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ تم بڑی مہارت سے پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں محلات اور قلعے بناتے ہو ، اور دوسرے معنی یہ کہ تم پہاڑوں میں اتنے اتنے بڑے مکانات بناتے ہو جن پر تمہیں خاص طور پر فخر ہوتا ہے ۔ اور اگر دونوں معانی کو یک جا سامنے رکھا جائے تو اس سے مراد ایسی حسین و جمیل عمارات ہونگی جنہیں نہایت صنعت کاری اور فخر کے ساتھ بنایا جائے ۔

ف ر ی

اَلْفَرْیُ ۔ کھال (یا کپڑے) کو کاٹنا (یا پھاڑنا) ، درست کرنے اور سینے کے لئے ۔ اور اَلْاِفْرَاءُ ۔ اسے خراب کرنے کے لئے کاٹنا یا پھاڑنا ۔ اَلْاِفْتِرَاءُ ۔ کتر بیونت کرکے کچھ کا کچھ بنا دینا ۔ یہ اصلاح اور فساد دونوں کے لئے آتا ہے ، لیکن اس کا زیادہ استعمال خرابی ہی کے معنوں میں ہوتا ہے*** ۔ راغب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں افتراء جھوٹ ، شرک اور ظلم کے موقعوں پر استعمال کیا گیا ہے ۔

اَلْفَرِیُّ ۔ گھڑی ہوئی بناوٹی بات ۔ عظیم اور اہم بات ۔ نیز حیرت انگیز اور عجیب سی بات کو کہتے ہیں ۔ چنانچہ کہتے ہیں هُوَ يَفْرِیُ الْفَرِیَّ ۔

*راغب ۔ **تاج و محیط و راغب ۔ ***تاج و راغب

وہ حیرت انگیز اور تعجب خیز کام کرتا ہے* ۔ سورۃ مریم میں ہے کہ ہیکل کے پیشواؤں نے حضرت مریمؑ سے کہا کہ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا (۱۹/۲۷) ۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہوسکتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مریمؑ سے کہا کہ تو نے یہ عجیب حرکت کی ہے کہ رسم و آئین خانقاہیت کے خلاف راہبہ بنکر متاہل زندگی بسر کرنا شروع کردی ۔ اور دوسرے معنی یہ کہ انہوں نے خود حضرت عیسیٰؑ سے متعلق کہا کہ وہ عجیب و غریب سا بچہ ہے جسے حضرت مریمؑ لے کر آئی ہے ۔ اَلْفَرِیُّ ۔ حیران اور مبہوت ہو جانے کو کہتے ہیں (ابن فارس) ۔ اَلْمُفْتَرِیُ ۔ افتراء کرنے والا ۔ کتربیونت کرکے کچھ کا کچھ بنا دینے والا ۔ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ (۱۶/۱۰۱) ۔ اور مُفْتَرًی (۲۸/۳۶) بنایا ہوا ۔ افتراء کیا ہوا ۔ اِفْتَرٰی عَلٰی ۔ کسی کے خلاف بہتان تراشنا ۔ کوئی بات خود وضع کرکے اسے کسی اور کی طرف منسوب کر دینا ۔ (۳/۹۴) ۔

ف ز ز

فَزَّ فُلَانًا عَنْ مَوْضِعِہٖ ۔ فلاں آدمی کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا ۔ فَزَّ عَنْہُ ۔ وہ اس سے الگ ہوگیا ۔ ایک طرف ہٹ گیا ۔ فَزَّ الظَّبْیُ یَفِزُّ ۔ ہرن گھبرا گیا* ۔ اِسْتَفَزَّہٗ ۔ اسے اس کے گھر سے نکال دیا اور بے قرار کیا ۔ اسے ہلکا اور بے وزن سمجھا ، یا اسے ہلایا اور اپنے ساتھ رکھنا چاہا ۔ اِسْتَفَزَّہُ الْخَوْفُ ۔ اسے خوف نے پریشان کردیا ، اس کی جگہ سے ہٹا دیا اور اپنے ساتھ لئے لئے پھرا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہلکا ہونے کے ہیں ۔ لہذا اس لفظ کے معنوں میں دل کا اضطراب بھی شامل ہے اور محسوس طور پر اپنی جگہ سے ہٹ جانا بھی ۔ ہلکا ہو کر اپنے مقام سے اکھڑ جانا دونوں میں شامل ہوتا ہے ۔ یعنی کسی کو گڑبڑا دینا اور اس طرح اسے اس کے مقام سے اکھیڑ دینا ۔ قرآن کریم میں ابلیس سے کہا گیا ہے کہ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْھُمْ (۱۷/۶۴) ۔ ان میں سے جس پر تیرا زور چل سکے اسے گڑبڑا کر اس کے صحیح مقام (یا راستہ) سے ہٹا دے ۔ فرعون کے متعلق ہے ۔ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّھُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (۱۷/۱۰۳) ۔ اس نے چاہا کہ انہیں گڑبڑا کر ان کے مقام سے اکھیڑ ڈالے** ۔ نیز اس کے معنے کسی کی تاک میں رہنے اور دھوکہ دے کر اسے ہلاکت میں ڈال دینے کے بھی آتے ہیں*** ۔

*تاج و محیط ۔ **تاج و راغب ۔ ***تاج ۔

ف ز ع

اَلْفَزَعُ ۔ گھبراھٹ ۔ ڈر ۔ مبرّد نے اپنی کتاب کامل میں لکھا ھے کہ اصل میں فَزَعٌ خوف کو کہتے ھیں ۔ پھر کنایۃً دشمن وغیرہ کے اچانک حملہ سے مدافعت کے لئے لوگوں کا تیزی سے باھر نکلنا بھی فَزَعٌ کہلانے لگا۔* راغب نے کہا ھے کہ فَزَعٌ اس انقباض اور وحشت و پریشانی کو کہتے ھیں جو کسی خوفناک چیز کی وجہ سے واقع ھو** ۔ اَلْفَزَعُ ۔ کسی سے فریاد کرنا ۔ اور کسی کی فریاد رسی کرنا ۔ دونوں معنی آتے ھیں (اضداد میں سے ھے) ۔ فَزِعَ اِلَیْہِمْ ۔ اس نے ان سے فریاد کی ۔ مدد مانگی ۔ فَزَّعَہُمْ ۔ اس نے ان کی مدد کی ۔ ان کی فریاد رسی کی ۔ اَفْزَعَہُمْ کے بھی یہی معنی ھیں ۔ نیز اس کے معنے انہیں ڈرایا اور ان سے ڈر کو دور کیا ، بھی ھیں ۔ فَزَّعَہٗ ۔ اس نے اسے ڈرایا اور گھبرا دیا ۔ فَزَّعَ عَنْہُ ۔ اس سے خوف اور گھبراھٹ کو دور کر دیا * ۔ (یعنی اس میں سلب ماخذ کا خاصہ ھے)

قرآن کریم میں ھے لَا یَحْزُنُہُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ (۲۱/۱۰۳) ۔ سب سے بڑی گھبراھٹ بھی انہیں کبیدہ خاطر نہیں کر سکیگی ۔ سورۃ النمل میں ھے ۔ وَھُمْ مِنْ فَزَعٍ یَوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ (۲۷/۸۹) ۔ وہ اس دن گھبراھٹ سے محفوظ و مامون رھیں گے ۔ اسی سورۃ میں ھے ۔ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ (۲۷/۸۷) ۔ کائنات کی ھر چیز گھبرا اٹھیگی ۔ سورۃ سبا میں ھے ۔ حَتّٰٓی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِھِمْ (۳۴/۲۳) ۔ جب ان کے دل سے گھبراھٹ دور کر دی جائے گی ۔

ف س ح

اَلْفُسْحَۃُ ۔ اَلْفَسَاحَۃُ ۔ وسعت اور فراخی ۔ فَسُحَ الْمَکَانُ ۔ جگہ وسیع ھو گئی ۔ اِنْفَسَحَ صَدْرُہٗ ۔ اسکا سینہ کھل گیا ۔ انشراح صدر ھوا ۔ فَسَحَ لَہٗ فِی الْمَجْلِسِ ۔ اس نے محفل میں اس کے لئے جگہ کر دی * ۔ قرآن کریم میں ھے ۔ اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ (۵۸/۱۱) ۔ جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کھل کر بیٹھو تو تم کھل کر بیٹھ جایا کرو ۔ اللہ تمہارے لئے کشادگی اور وسعت پیدا کر دے گا ۔

---

* تاج ۔ ** راغب ۔

ف س د

فَسَدَ الشَّیْءُ کے معنی ہیں کسی چیز کا مضمحل ہو جانا۔ اس کا اپنی اصلی حالت پر باقی نہ رہنا۔ لَحْمٌ فَاسِدٌ اس گوشت کو کہتے ہیں جو گل سڑ کر بدبودار ہو گیا ہو اور کسی کام کا نہ رہا ہو۔ فَسَادٌ درحقیقت صَلَاحٌ کی ضد ہے۔ صَلَاحٌ کے معنی ہیں حالات کا مستقیم و متوازن رہنا۔ لہذا فَسَادٌ کے معنی ہیں توازن کا بگڑ جانا۔ بے ترتیبی (Disorder) پیدا ہو جانا*۔ [اس کے واضح مفہوم کے لئے ص۔ل۔ح کا عنوان دیکھئے کیونکہ جب تک صَلَاحٌ کا صحیح تصور ذہن میں نہ آئے اس کی ضد (فَسَادٌ) کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا]۔

قرآن کریم نے مُفْسِدِیْنَ کے مقابلہ میں مُصْلِحِیْنَ کا لفظ استعمال کیا ہے (۲/۱۱)۔ حرث و نسل کے تباہ کر دینے کو بھی فَسَادٌ قرار دیا ہے (۲/۲۰۵)۔ ماپ تول کو پورا نہ رکھنا۔ دوسروں کی محنت کا پورا پورا معاوضہ نہ دینا۔ معاشی ناہمواریاں پیدا کر دینا۔ لوگوں کے حقوق کو دبا لینا۔ یہ سب فَسَادٌ ہے (۷/۸۵ ; ۲۶/۱۸۳)۔ صالح نظام کو درہم برہم کر دینا۔ صحیح ترتیب کو الٹ دینا بھی فَسَادٌ ہے۔ (۲۷/۳۴)۔ ارتکاب جرم کو بھی فَسَادٌ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۱۲/۷۳)۔ فَسَادٌ درحقیقت معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہونے کا نام ہے، خواہ اسکی شکل کوئی بھی ہو۔ اس سے معاشرہ کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ دولت کے نشہ میں بدمست ہو کر لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ (۸۹/۱۲)۔ نیز "حکمت فرعونی" کا بھی یہی شیوہ ہوتا ہے کہ ملک میں مختلف پارٹیاں پیدا کرکے معاشرہ کے توازن کو بگاڑتے رہیں (۲۸/۴)۔ منشائے خداوندی کے مطابق صحیح زندگی یہ ہے کہ خدا کے عطا فرمودہ رزق کے سرچشموں سے بقدر ضرورت لیا جائے اور اس سے زیادہ پر قبضہ کرکے معاشرہ کا توازن نہ بگاڑا جائے۔ (۲/۶۰)۔

سورہ شعراء میں مُسْرِفِیْنَ کو مُفْسِدِیْنَ کہا گیا ہے (۲۶/۱۵۱-۵۲) اور سورہ قصص میں یہ لفظ اَحْسَنَ کے مقابلہ میں آیا ہے۔ (۲۸/۷۷)۔ سورہ بقرہ میں ہے کہ ملائکہ نے کہا کہ آدم ارض میں فساد مچائیگا اور خوں ریزیاں کریگا۔ اس کے برعکس، نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ (۲/۳۰)۔ ہم تیری مشیت کے پروگرام کو سزاوار حمد و ستائش بنانے کے لئے ہر وقت مصروف عمل رہتے ہیں اور اس کے لئے جہانتک بھی جانا پڑے جاتے ہیں۔

*محیط۔ تاج۔ لین۔

اس سے ظاہر ہے کہ اللہ نے جو پروگرام انسانوں کے لئے (بذریعہ وحی) تجویز کیا ہے، اسکی خلاف ورزی کرنا فَسَادٌ ہے۔ اس سے انسان کی اپنی ذات میں انتشار (Chaos) پیدا ہوتا ہے اور معاشرہ میں بد نظمی (Disorder)۔ کائنات کا یہ عظیم القدر اور محیرالعقول سلسلہ اس نظم وضبط اور حسن و خوبی سے اس لئے چل رہا ہے کہ اس میں صرف ایک خدا کا قانون نافذالعمل ہے۔ اگر اس میں متعدد ''خداؤں'' کا اقتدار کار فرما ہوتا تو اس میں فساد برپا ہو جاتا۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (۲۱/۲۲)۔ انسانی زندگی بھی اسی حسن و خوبی سے اسی صورت میں بسر ہو سکتی ہے جب یہ خدائے واحد کے ضابطۂ واحد کے ماتحت بسر کی جائے۔

ف س ر

اَلْفَسْرُ۔ واضح کرنا۔ چھپی ہوئی چیز کو کھول دینا۔ فَسَّرَ۔ يُفَسِّرُ اور يُفْسِرُ۔ واضح کرنا۔ فَسَّرَ کے بھی یہی معنی ہیں، لیکن اس میں مبالغہ کا مفہوم بھی ہوتا ہے۔ اَلتَّفْسِرَةُ۔ قارورہ کا امتحان (Test) کرنا *۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق کہا ہے وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا (۲۵/۳۳)۔ اسکی نہایت عمدہ و ضاحت اور تشریح خود خدا نے کر دی ہے۔ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (۷۵/۱۹) اسے ظاہر اور واضح کرنا بھی ہمارے ہی ذمے ہے۔ قرآن کریم کی یہ تفسیر و توضیح، تصریف آیات کے ذریعے ہوتی ہے۔ یعنی ایک بات کو مختلف آیات میں پھیر پھیر کر بیان کرنے سے۔ (۶/۶۵ و ۱۰۵)۔ اس لئے قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن کریم ہی سے ہوگی۔ اور اس کے دعاوی کی تائید اور شہادت کائنات کے نظم و نسق اور تاریخی شواہد سے۔ یا اس کے نظام کو عملاً متشکل کرنے سے جو درخشندہ نتائج سامنے آئیں، ان سے۔

ف س ق

فِسْقٌ۔ دائرہ حق سے باہر نکل جانا۔ فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِهَا۔ گدری کھجور اپنے چھلکے سے باہر نکل گئی۔ کھجور کے پھل کے اوپر ایک چھلکا ہوتا ہے جس کے اندر وہ پھل نشو و نما پاتا اور پختگی تک پہنچتا ہے (یہی صورت ہر پھل کے ساتھ ہوتی ہے)۔ وہ چھلکا گویا اس پھل کا قالب (Pattern) ہوتا ہے جس کے اندر اس کی صلاحیتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ پھل ایک طرف سے

*تاج۔ محیط۔ راغب۔

چھلکے سے باھر نکل جاتا ھے اور اس طرح اپنی پختگی تک نہیں پہنچتا - عرب اس کیفیت کو بیان کرنے کے لئے فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِھَا کہتے تھے - جاھلیت عرب میں یہ لفظ اسی مفہوم کے ادا کرنے کے لئے بولا جاتا تھا - انسانوں کے لئے نہیں بولا جاتا تھا* - قرآن کریم نے اسے انسانوں کے لئے استعمال کیا - قرآن کریم ایک ایسا نظام معاشرہ یا زندگی کا قالب عطا کرتا ھے جس کے اندر رھتے ھوئے افراد کی صلاحیتوں کی صحیح صحیح نشو و نما ھو جاتی ھے - جو فرد (یا گروہ) اس نظام کے قالب سے باھر نکل جائے اسے فَاسِق کہتے ھیں - اس کی صحیح نشو و نما نہیں ھوسکتی - لہذا ھرشخص جو قانونِ خداوندی کے دائرے سے باھر نکل جائے وہ فاسق ھے - قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ پہلی مرتبہ آیا ھے وھاں اسکی تشریح ان الفاظ سے کی گئی ھے - اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ وَ یَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ (۲/۲۷) - یعنی فاسقین وہ ھیں جو اللہ سے پختہ عہد باندھ کر اسے توڑ دیتے ھیں اور جس رشتہ کو ملانے کا خدا نے حکم دیا ھے (یعنی نوع انسانی کا رشتہ) اسے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ھیں - اور انسان کی تمدنی زندگی میں ناھمواریاں پیدا کرتے رھتے ھیں - اسی طرح ذرا آگے چل کر ظَالِمِیْنَ کو بھی فَاسِقِیْنَ کہا گیا ھے (۲/۵۹) - اور کَافِرِیْنَ کو بھی (۲/۹۹) - نیز معاشرہ کے اندر رھتے ھوئے گریز کی راھیں نکالنے والوں کو بھی (۳/۸۱) - سورۃ المائدہ میں فِسْق کا لفظ احکام خداوندی کی خلاف ورزی کے لئے بولا گیا ھے خواہ وہ حکم چھوٹا ھو یا بڑا (۵/۳) - یعنی ھر مجرم فاسق ھے - اس لئے کہ کھجور کے چھلکے میں ذرا سا شگاف بھی پھل میں نقص پیدا کر دیتا ھے - مومن اور فاسق ایک دوسرے کی ضد ھیں - (۳/۱۰۶) -

سورۃ بقرہ میں ھے - ''لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ'' - (۲/۱۹۷) - اسکے عام معنی گالی گلوچ کئے جاتے ھیں - لیکن اس کا مفہوم یہی ھے کہ حج میں کوئی بات بھی ایسی نہیں کرنی چاھئے جس سے انسان صحیح راستے سے ذرا بھی ادھر اُدھر ھوجائے - ایک دوسرے سے سخت کلامی اور سب و شتم بھی اس کے اندر آجاتے ھیں -

ف ش ل

فَشِلَ - یَفْشَلُ - کمزور اور بزدل ھو جانا * - اصل میں اَلْفِشْلُ ھودج کے پردے کو کہتے ھیں جس کے پیچھے عورتیں بیٹھتی ھیں، یا وہ گدّا

*تاج و محیط -

جسے ہودج میں بچھا کر اس پر عورتیں بیٹھتی ہیں ۔ اسلئے فَشِیلَ کے معنی ہوئے عورتوں کی طرح بزدل ہو جانا ۔ اَلْیَدُ الْفَشْلَاءُ ۔ بائیں ہاتھ کو کہتے ہیں جو عموماً (دائیں کی نسبت) کمزور ہوتا ہے ** ۔ (یہ عوام کی بولی ہے ، فصیح نہیں) ۔ اس لئے فَشَلٌ میں کمزوری کے ساتھ بزدلی کا مفہوم پایا جاتا ہے*** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا (۸/۴۶) ۔ آپس میں چھینا جھپٹی (تنازع اور جھگڑا) مت کرنے لگ جاؤ ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کمزور اور بزدل ہو جاؤگے ۔ عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن کر بیٹھ جاؤگے ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ تَفَشَّلَ الْمَاءُ کے معنی ہیں پانی بہ پڑا ۔ اس سے بھی کمزوری اور عدم استحکام کا مفہوم واضح ہے ، یعنی قوتوں کے بیکار ضائع ہو جانے سے کمزور ہو جانا ۔

ف ص ح

اَلْفَصْحُ ۔ واضح اور ظاہر ہونا ۔ آئمہ اشتقاق نے کہا ہے کہ اس ترکیب میں ''ظہور'' یعنی ظاہر ہونے کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ ایسی زبان جس سے مطلب بالکل ظاہر اور واضح ہو جائے فَصِیْحٌ کہلائیگی ۔ نیز وہ آدمی بھی فَصِیْحٌ کہلائیگا جو بات کو واضح اور کھول کر بیان کرے اور اس کے بیان میں کوئی نقص اور خامی نہ ہو ۔ اَلْفَصَاحَۃُ بات کا واضح اور صاف ہونا ۔ خوش بیانی ۔ اَفْصَحَتِ الشَّاۃُ ۔ (پیوسی ۔ یعنی بچہ دینے کے بعد ایک دو دن تک جس قسم کا دودھ ہوتا ہے ۔ اس کے بعد) بکری نے صاف دودھ دیا ۔ اَفْصَحَ الصُّبْحُ ۔ صبح روشن اور نمودار ہوگئی ۔ فَصْحٌ اس دودھ کو بھی کہتے ہیں جس کے اوپر سے جھاگ اتار کر بالکل صاف کر لیا جائے ۔ اس لئے کسی چیز کو ان چیزوں سے صاف کردینا جو اس میں بالعموم مل جاتی ہیں اَلْفَصْحُ کہلاتا ہے**** ۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کا قول (حضرت ہارونؑ کے متعلق) ہے ۔ ھُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ (۲۸/۳۴) ۔ وہ مجھ سے زیادہ فصیح ہے ۔

ف ص ل

اَلْفَصْلُ ۔ دو چیزوں کے درمیان روک جو یہ بتا دے کہ یہاں تک پہلی چیز ختم ہوگئی اور اسی کے بعد دوسری چیز شروع ہوگئی (لطائف اللغۃ) ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔ ****تاج و محیط و راغب ۔

دو چیزوں میں سے ایک کو دوسری سے اس طرح الگ کر دینا کہ ان کے درمیان فاصلہ ہو جائے اور اس طرح ایک دوسری سے الگ اور متمیز ہو جائے* ۔ اَلْفَاصِلَۃُ ۔ اس موتی کو کہتے ہیں جو دو موتیوں کے درمیان امتیاز کے لئے ڈال دیا جائے ۔ اَلْمَفَاصِلُ ۔ جسم کے جوڑ ۔ نیز پہاڑوں کے درمیان کی جگہیں جن سے پانی بہتا ہے ۔ فَصْلُ الْخِطَابِ (۳۸/۲۰) ۔ فیصلہ کن بات ۔ اَلتَّفْصِیْلُ ۔ جدا جدا کر دینا۔ واضح کر دینا، متمیز کر دینا ۔ آیَاتٌ مُّفَصَّلَاتٌ ۔ واضح آیات ۔ اَلْاِنْفِصَالُ ۔ انقطاع ۔ جدا ہو جانا ۔ فِصَالٌ بچے کا دودھ چھڑانا* ۔ (۲/۲۳۳) ۔ فَصَّلَ الشَّیْءَ ۔ چیز کو الگ الگ حصوں میں متمائز کر دینا ۔ فَصَّلَ الْکَلَامَ ۔ کلام کو واضح کر دینا ۔ کھول کر بیان کر دیا** ۔ فَصِیْلَۃُ الرَّجُلِ ۔ خاندان (۷۰/۱۳)* ۔ فَصَلَ مِنَ الْبَلَدِ ۔ وہ شہر سے روانہ (جدا) ہو گیا* ۔ (۲/۲۴۹) ۔

قرآن کریم کے متعلق تَفْصِیْلَ الْکِتَابِ (۱۰/۳۷) ۔ نیز اَلْکِتَابَ مُفَصَّلًا (۶/۱۱۵) کہا گیا ہے ۔ عام طور پر تفصیل کے معنی (Details) لئے جاتے ہیں اور مفصل کے معنی (Detailed) ۔ اس لئے جب قرآن کریم کو مُفَصَّلٌ کہا جاتا ہے تو اس کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ اس میں تمام باتوں کی تفاصیل (Details) دی ہوئی ہیں ۔ لیکن ، جیسا کہ اوپر دیکھا جا چکا ہے ، تَفْصِیْلٌ کے معنی وضاحت ہیں اور مُفَصَّلٌ کے معنی واضح ۔ یعنی جس میں ہر بات نکھار کر اور الگ الگ کر کے (Distinctly) بیان کی گئی ہو*** ۔ قرآن کریم ایک واضح کتاب ہے جس کے مطالب میں کوئی ابہام (Confusion) نہیں ۔ لیکن اس میں تمام امور کی تفاصیل (Details) نہیں دی ہوئیں ۔ اس نے (بجز چند احکام کے) اصولی قوانین بیان کئے ہیں جو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل ہیں ۔ ان اصولی قوانین کی تفاصیل و جزئیات قرآنی نظام کو قائم کرنے والی جماعت اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق ، باہمی مشاورت سے ، خود طے کریگی ۔ ان تفاصیل میں زمانہ کے تغیرات کے ساتھ ساتھ مناسب رد و بدل ہوتا رہے گا لیکن قرآن کریم کے اصول اپنی جگہ غیر متبدل رہیں گے ۔ یہی اَلدِّیْنُ الْقَیِّمُ ہے (۹۸/۳) اور یہی مستقل اقدار ۔ کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (۹۸/۳) ۔

پھر سمجھ لیجئے کہ تَفْصِیْلٌ کے معنی توضیح اور تشریح کے ہیں اور مُفَصَّلٌ کے معنی واضح اور صاف ، متمیز ، نکھرا ہوا ۔ (Distinct) نہ کہ (Detailed) ۔ یعنی ایسا جس میں ہر اصولی حکم کی جزئیات تک بھی دی گئی ہوں۔

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔ ***ابن قتیبہ القرطبین ج/۱ صفحہ ۲۰۷ ۔

ف ص م

فَصَمَ - کسی چیز کو اس طرح توڑ دینا کہ وہ دو ٹکڑے نہ ہو بلکہ جڑی رہے - یہ لفظ بالعموم ایسے موقعوں پر استعمال ہوتا ہے جب کسی کڑی یا حلقے کا منہ کھل جائے لیکن وہ ٹوٹے نہیں - ابوعبید نے کہا ہے کہ اَلْفَصْمُ یہ ہے کہ کوئی چیز صرف تڑخ جائے اور وہ جدا نہ ہو - اور اَلْقَصْمُ - اس طرح توڑنے کو کہتے ہیں کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے - اِنْفَصَمَ - ٹوٹ گیا - کٹ گیا* -

سورۃ بقرۃ میں خدا پر ایمان کے متعلق ہے کہ یہ اس قابل اعتماد قانون حیات پر ایمان ہے ، لَا انْفِصَامَ لَهَا (۲/۲۵۶) - جس کا ٹوٹنا تو ایک طرف اس میں تڑخ تک بھی نہیں آسکتی - اس پر پورا پورا بھروسہ کیا جاسکتا ہے -

ف ض ح

اَلْاَفْضَحُ - ایسی سفید چیز جسکی سفیدی شدید نہ ہو - اَفْضَحَ الصُّبْحُ - صبح ظاہر اور روشن ہوگئی - چنانچہ اَلْفَضَحُ خود صبح کو کہتے ہیں - اس سے فَضَحَهٗ فَضْحاً کے معنی ہوتے ہیں کسی کے عیب کو ظاہر کر دینا - اِفْتَضَحَ کے معنے ہیں آدمی کا کسی برے کام کو کرنا اور اس کے ساتھ مشہور ہو جانا - اسکی برائیوں کا کھل جانا - اَلْفَضِيْحَةُ - رسوائی کو کہتے ہیں - یعنی برائیوں کا کھل جانا ** -

قرآن کریم میں یہ لفظ رسوا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے - فَلَا تَفْضَحُوْنِ (۱۵/۶۸) - تم میری فضیحت نہ کرو - مجھے رسوا نہ کرو - یعنی لَا تُخْزُوْنِ (۱۵/۶۹) مجھے شرمندہ نہ کرو -

ف ض ض

اَلْفَضُّ - بکھیر دینا - مجتمع ہونے کے بعد متفرق کر دینا - توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دینا - اِنْفَضَّ - ٹوٹ کر بکھر جانا ، متفرق ہو جانا - فَضٌّ مِنَ النَّاسِ - متفرق لوگ * -

سورہ آل عمران میں ہے لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (۳/۱۵۸) - وہ تیرے ارد گرد سے بکھر جاتے - تجھ سے الگ ہو جاتے - سورۃ جمعۃ میں ہے ..... اِنْفَضُّوْا اِلَيْهَا (۶۲/۱۱) - (مجمع کو چھوڑ کر) اس چیز کیطرف متفرق و منتشر ہو کر چل دیتے ہیں -

---

*تاج - **تاج و محیط - *راغب -

فِضَّةٌ - چاندی (۳/۱۳) - فَضَّضَ الشَّیْءَ - کسی چیز پر چاندی چڑھائی -

ف ض ل

اَلْفَضْلُ - نقص (کمی) کی ضد ہے - راغب نے کہا ہے کہ فَضْلٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا متوسط ضرورت سے زائد ہونا - فَضْلٌ زیادہ تر اچھی باتوں میں استعمال ہوتا ہے - اور فُضُوْلٌ بری باتوں میں - اَلْفَضِیْلَةُ کے معنی مرتبہ کی بلندی اور برتری کے ہیں - (یہ نَقِیْصَةٌ کی ضد ہے -) یعنی بھلائی کی کثرت اور زیادتی - تَفَضَّلَ عَلَیْهِ - وہ اس سے فضیلت و برتری میں بڑھ گیا - یا اس کے معنی ہیں اس نے اسپر احسان کیا اور اپنے زیادہ مال سے اسے دیدیا - فَوَاضِلُ الْمَالِ - مال کا منافع - مثلاً زمین کی پیداوار، جانوروں کا کرایہ، دودھ یا اون وغیرہ* -

قرآن کریم میں یہ مادہ باب تفعیل سے فضلیت دینے کے معنوں میں آیا ہے - وَفَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ (۲/۴۷) میں نے تمہیں تمہاری ہم عصر اقوام پر فضیلت اور برتری عطا کی - رسول اللہ کو وحی کے وہبی طور پر ملنے کو بھی فَضْلٌ کہا گیا ہے - (۲/۹۰) - لیکن عام طور پر یہ مادہ معاشی خوش حالی کے معنوں میں آیا ہے - مثلاً لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (۱۶/۱۲) کے معنی ہیں تلاش معاش - میدان جنگ کی فتوحات کو بھی فَضْلٌ کہا گیا ہے (۳/۱۷۳) - مصائب اور ناخوشگوار حوادث کے مقابلہ میں بھی یہ لفظ آیا ہے (۲/۲۰۵) - اور فَحْشَاءٌ (بخل) کے مقابلہ میں بھی (۲/۲۶۸) -

لہذا فَضْلٌ کا عمومی مفہوم زندگی کی خوش حالیاں اور معاشی فارغ البالیاں ہیں جن کے حاصل کرنے کی مؤمنین کو تاکید کی گئی ہے (۶۲/۱۰) - سورہ بنی اسرائیل کی آیات (۱۷/۲۱-۱۸) میں اس مفہوم کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، جہاں مختلف روش پر چلنے والی قوموں کیطرف اشارہ کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ - دیکھو ہم نے کسطرح ایک قوم کو دوسری قوم کے مقابلہ میں زیادہ خوش حالیاں عطا کی ہیں - یہ اس کا عمومی مفہوم ہے - خصوصی مفہوم ہر وہ نعمت ہے جو خدا کی طرف سے انسان کو ملے جس میں وحی بھی شامل ہے کیونکہ وہ سب سے بڑی نعمت ہے جو انسان کو عطا کی گئی ہے - تمام قومی امتیازات اور ملی سرفرازیاں خدا کا فضل ہیں - اور اپنی ہم عصر اقوام کے مقابلہ میں ممتاز پوزیشن کا حاصل ہو جانا بھی اسکی نعمت ہے (۲/۴۷) -

*تاج - **محیط -

سورہ النحل میں ہے وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ۔ یعنی جہانتک رزق کمانے کی استعداد کا تعلق ہے وہ مختلف انسانوں میں مختلف ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جس شخص کو خدا نے زیادہ استعداد دی ہے وہ یہ سمجھ لے کہ وہ اس استعداد سے جسقدر زیادہ کمالے وہ اس کا مالک ہے اور اس میں کسی اور کا حصہ نہیں۔ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ۔ جن لوگوں کو زیادہ استعداد دی گئی ہے وہ زائد رزق کو اپنے ماتحتوں کی طرف نہیں لوٹاتے اس خیال سے کہ اسطرح رزق سے فائدہ اٹھانے کے معاملہ میں سب مساوی ہو جائینگے۔ ان لوگوں کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے کہ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (۱۶:۷۱)۔ یہ لوگ خدا کی دی ہوئی نعمت سے انکار کرتے ہیں۔ یعنی زیادہ رزق کمانے کی استعداد، خدا کی طرف سے بلامعاوضہ ملی تھی۔ یہ لوگ اس استعداد کے ماحصل کو اپنی واحد ملکیت قرار دیکر اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے بلامعاوضہ ملی تھی۔

یہ آیت (اور اسی قسم کی دیگر آیات۔ مثلاً ۱۶:۵۳ ؛ ۴۲:۲۷ ؛ ۲۹:۶۲ ؛ ۳۰:۳۷ ؛ ۳۴:۳۶ وغیرہ) قرآن کریم کے معاشی نظام کی اساس و بنیاد ہیں۔ اس نظام کی رو سے ہر شخص صرف اپنی محنت کے ماحصل کا حقدار ہے۔ مؤمنین کا فریضہ یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ محنت کرکے کمائیں اور اپنی ضرورت سے زائد رزق، دوسرے لوگوں کی ضروریں کے لئے کھلا چھوڑ دیں۔ (تفصیل ان امور کی میری کتاب نظام ربوبیت میں ملیگی)۔

ف ض و

اَلْفَضَآءُ۔ صحن۔ وسیع زمین۔ وسیع جگہ *۔ اَلْفَيْضَاءُ۔ پانی جو زمین پر بہ رہا ہو *۔ اَفْضٰى فُلَانٌ اِلٰى فُلَانٍ۔ فلاں آدمی فلاں تک پہنچ گیا *۔ اسی سے کنایۃً اَفْضَى الرَّجُلُ اِلَى الْمَرْاَةِ عورت سے جماع کرنے کے لئے ہولا جاتا ہے۔ اَلْاِفْضَاءُ درحقیقت آخر تک پہنچنے کو کہتے ہیں اور یہ کنایہ ہے خلوت اور مباشرت سے *۔ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ (۴:۲۱) میں یہی مفہوم ہے۔ یعنی آزاد فضا میں بے روک ٹوک تم ایک دوسرے سے ملتے رہے۔

ف ط ر

اَلْفَطْرُ۔ پھاڑنا۔ شق کرنا۔ پہلی مرتبہ پھاڑنا۔ (پہلی مرتبہ کی خصوصیت اس کے بنیادی معنوں میں داخل ہے) چنانچہ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ

*تاج۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا ہوتا ہے ، حتی کہ میرے پاس دو اعرابی (بدو) آئے جو ایک کنویں کے متعلق جھگڑ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اَنَا فَطَرْتُہَا ۔ یعنی اس کے کھودنے کی ابتداء میں نے کی تھی ۔ لہذا فَطَرَ کے معنی ہیں کسی چیز کو پہلی مرتبہ کرنا ۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے اَنَا اَوَّلُ مَنْ فَطَرَ ہٰذَا ۔ میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے اسکی ابتدا کی ہے*۔ اس لئے فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۶/۱۴) کے معنی ہیں وہ خدا جس نے پہلی مرتبہ کائنات کی تخلیق کی ہے ۔ اسی کو بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہا گیا ہے (۶/۱۰۲)۔ سورہ بنی اسرائیل میں فَطَرَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (۱۷/۵۱) کہکر اسکی وضاحت کر دی ۔ لہذا فِطْرَۃَ کے معنی ہوئے خدا کا قانون تخلیق ۔ وہ قانون یا طریقہ جس کے مطابق اس نے کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ۔ کائنات کی تخلیق کی ابتداء کی۔

اس مقام پر ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے ۔ فطرت کے معنی عام طور پر (Nature) کے لئے جاتے ہیں ۔ مثلاً کہتے ہیں انسان کی فطرت یہ ہے ۔ اس سے مراد ہوتی ہیں ایسی خصوصیتیں جو ہر انسان میں پیدائشی طور پر موجود ہوں اور جو بدلی نہ جاسکتی ہوں ۔ لیکن لفظ فطرت کا یہ مفہوم بعد کی پیداوار ہے ۔ جب یونانی فلسفہ عربی میں منتقل ہوا تو اس میں (Nature) کا لفظ آیا ۔ اس لفظ کا ترجمہ ''فطرت'' کے لفظ سے کیا گیا اور اسطرح جو مفہوم لفظ (Nature) کا تھا وہی مفہوم لفظ فطرت کا ہو گیا ۔

نیچر (Nature) کے بھی دو مفہوم ہیں ۔ ایک تو وہ قوانین جو کائنات میں جاری وساری ہیں ۔ انہیں قوانین فطرت (Laws of Nature) کہا جاتا ہے ۔ یہ قوانین غیر متبدل ہیں اور ہر شے کے اندر رکھ دیئے گئے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ پانی کی فطرت یہ ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہتا ہے ۔ فطرت کے اس مفہوم میں کوئی حرج نہیں ۔ اس مفہوم کے رو سے حیوانات کی جبلت (Instinct) کو بھی ان کی فطرت کہہ دیا جاتا ہے ۔ اس لئے کہ وہ بھی غیر متبدل ہوتی ہے ۔ مثلاً یہ کہ بکری گھاس کھاتی ہے اور شیر گوشت ۔ یہاں تک بھی کچھ مضائقہ نہیں ۔ انسان میں بہت سا حصہ حیوانی زندگی کا ہے ۔ یعنی اس کا جسمانی نظام کم و بیش وہی ہے جو حیوانات کا ہے ۔ لہذا جو قوانین اس کے جسمانی نظام سے متعلق ہیں انہیں قوانین فطرت کہدینے میں بھی کچھ حرج نہیں ۔ یعنی

*تاج ۔

وہ قوانین جن کے مطابق انسان کی طبعی زندگی کی مشینری چل رہی ہے اور جو غیر متبدل ہیں ۔ مثلاً کھانا ۔ پینا ۔ سونا ۔ افزائش نسل ۔ بیماری ۔ موت ۔ وغیرہ ۔

لیکن جب اس سے آگے بڑھ کر خود "انسان" کی فطرت کا تصور سامنے لایا جاتا ہے تو یہ چیز محل نظر اور قابل اعتراض ہو جاتی ہے ۔ کہا یہ جاتا ہے کہ انسان کو خدا نے اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے ۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے ۔ اسلام اسی فطرت کے مطابق دین ہے ۔ یہ خارجی اثرات کا نتیجہ ہے کہ بچہ بڑا ہو کر کسی دوسری روش پر چل پڑتا ہے ۔ یعنی اگر کسی انسانی بچہ کو خارجی اثرات سے بالکل محفوظ رکھا جائے تو وہ اسلام کے مطابق زندگی بسر کریگا ۔ یہ بات بالبداہت غلط ہے ۔ اگر آپ کسی بچے کو پیدا ہوتے ہی کسی ایسے جنگل میں چھوڑ دیں جہاں کوئی اور انسان نہ ہو اور وہیں اسکی پرورش ہو تو آپ دیکھیں گے کہ وہ بڑا ہو کر بالکل جانور بن جائیگا ۔ چنانچہ اس قسم کے کئی بچے ملے ہیں جن کی پرورش جانوروں کے اندر ہوئی ۔ وہ بالکل جانوروں کی مانند تھے ۔ اسوقت (۱۹۶۰ میں) اس قسم کا ایک بچہ ہندوستان کے ایک ہسپتال میں زیر علاج اور زیر مشاہدہ ہے ۔ یہ بالکل حیوانوں کی سی عادات و خصائل رکھتا ہے ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر انسان کو اسکی "پیدائشی فطرت" پر چھوڑ دیا جائے تو وہ جانور ہوگا ۔ لہذا اگر یہی وہ "فطرت اللہ" (خدا کی فطرت) ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے تو یہ تو کوئی قابل شرف بات نہیں ۔ (نیز خود خدا کے متعلق یہ کہنا کہ اسکی بھی "فطرت" ہے بڑی گستاخی ہے) ۔

اس سے بھی آگے بڑھئے ۔ خود قرآن کریم نے انسان کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کبھی "فطرت اللہ" کے مظاہرے نہیں ہو سکتے ۔ (واضح رہے کہ قرآن کریم نے یہ کچھ اس انسان کے متعلق کہا ہے جو وحی کی راہ نمائی میں نہیں چلتا بلکہ اپنے جذبات کے پیچھے چلتا ہے) ۔ مثلاً اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا (۷۰/۱۹) ۔ انسان بڑا ہی بے صبرا ہے ۔ اسکی نیت ہی نہیں بھرتی ۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (۳۳/۷۲) ۔ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے ۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ (۸۰/۱۷) ۔ بڑا ہی ناشکرا ہے ۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (۱۷/۱۱) ۔ بڑا ہی جلد باز ہے ۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (۱۸/۵۴) ۔ اکثر باتوں میں جھگڑتا رہتا ہے ۔ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ (۳۶/۷۷) ۔ بڑا ہی جھگڑالو ہے ۔ یہ کچھ قرآن کریم نے "الانسان" کے متعلق کہا ہے ۔ اگر یہ مانا جائے

کہ خدا نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے ، تو اس سے خود "خدا کی فطرت" کے متعلق جو تصور سامنے آتا ہے وہ (نعوذ باللہ) بڑا گھناؤنا ہے۔ لہذا ، قرآن کریم کی رو سے یہ نظریہ صحیح نہیں کہ خدا نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے ۔ ہمارے ہاں یہ خیال اس قدیم تصور سے متاثر ہو کر پیدا ہوا جس کی رو سے کہا جاتا تھا کہ "خدا نے آدم کو اپنی شکل پر ڈھالا تھا"۔

اسی (غلط) تصور کی بنا پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کے اندر ایک چیز ہے جو اسے نیکی اور بدی کا علم دیدیتی ہے ۔ اسے "انسانی فطرت" کہتے ہیں ۔ اور چونکہ انسانی فطرت خود خدا کی فطرت ہے اس لئے اس کے اندر کی آواز ، خود خدا کی آواز ہے ۔ یہ تصور بھی غلط ہے ۔ انسان کے اندر کوئی ایسی قوت نہیں جو مطلق حق (Absolute right) اور مطلق باطل (Absolute wrong) میں تمیز کر دے ۔ اگر یہ قوت ہر انسان کے اندر موجود ہوتی تو پھر انسانوں کے لئے وحی کی راہ نمائی کی ضرورت ہی نہ تھی ۔ یہ چیز حیوانوں تک تو چلی آتی ہے ۔ یعنی حیوانات وغیرہ کو ان کے فرائض اور وظائف زندگی کا علم جبلی طور پر دیا جاتا ہے ۔ لیکن انسان کو وحی خارج سے ملتی ہے ۔ یعنی ایک فرد (نبی) کے ذریعے باقی افراد کو۔ انسان کے اندر یہ امکانی قوت موجود ہے کہ وہ چاہے تو حق کو اختیار کر لے اور چاہے باطل کو اختیار کر لے ۔ یہی اختیار انسان کی بنیادی خصوصیت ہے جو حیوانات کو حاصل نہیں ۔ اگر انسان وحی کی راہنمائی کو اختیار نہ کرے تو اپنے جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور تباہیاں خریدتا ہے ۔ اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ یَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ (۱۷/۱۱) وہ بھلائی کو بلانے کے بجائے شر کو آوازیں دیکر بلاتا رہتا ہے ۔ اگر انسان کے اندر "خیر و شر" کی تمیز ودیعت کرکے رکھ دی جاتی تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا ۔ اسے ایسا کرنے کی آزادی ہی نہ ملتی ۔ جسطرح حیوانات کو اس کا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اس روش کے خلاف چلیں جس پر چلنے کی تمیز ان کے اندر رکھ دی گئی ہے ۔ (مزید تفصیل ل ۔ ہ ۔ م کے عنوان میں ملیگی)۔

لہذا ، یہ تصور غلط ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی "فطرت" پر پیدا کیا ہے اور اسلام دین فطرت ہے ۔ یعنی اگر انسان کو علی حالہ چھوڑ دیا جائے تو وہ خود بخود اسلام کے مطابق زندگی بسر کریگا ۔

ان حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد اس آیت کی طرف آئیے جس سے یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے ۔ ہم

دیکھ چکے ہیں کہ عربی زبان میں (جس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے) لفظ فِطْرَۃٌ کے معنی ہیں وہ قانون یا قاعدہ جس کے مطابق کسی چیز کی پہلی مرتبہ تخلیق کی جاتی ہے۔ خدا فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہے۔ لہٰذا فطرت اللہ کے معنی ہوئے خدا کا قانون تخلیق۔ آیت یہ ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۔ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (۳۰/۳۰)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا وہ قانونِ تخلیق جس کے مطابق اس نے انسان کو پیدا کیا۔ یعنی جس طرح اس نے تمام ارض و سما (کائنات) کو ایک خاص قانون کے مطابق پیدا کیا اسی طرح اس نے انسان کو بھی پیدا کیا۔ اس کے قانونِ تخلیق میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ ہے دین قیم یعنی محکم نظام۔ تم ہر طرف سے منہ موڑ کر اس قانون پر سیدھے چلتے جاؤ۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا (۳۰/۳۰)۔ اور اس کی تفسیر یہ ہے مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ ۔ وَ اتَّقُوْهُ ۔ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۔ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (۳۰/۳۱)۔ اس کی طرف توجہ کئے ہوئے۔ سو تم اس کے قوانین کی نگہداشت کرو۔ اور نظام صلوٰۃ کو قائم کرو۔ اور مشرکین میں سے مت ہو جاؤ۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ تصور کہ انسان کی ایک غیر متبدل فطرت ہے۔ وہ فطرت ''اللہ کی فطرت'' کے مطابق ہے۔ اور اس فطرت کی رو سے انسان خیر اور شر، حق اور باطل، میں از خود تمیز کر سکتا ہے۔ اور اسلام اس فطرت کا دین ہے۔ یہ سب غلط عمارت اس بنیاد پر اٹھی ہے کہ ہم نے لفظ فطرت کے وہ معنی لے لئے جو یونانی لفظ نیچر کے معنی تھے۔ اگر اس لفظ کے وہ بنیادی معنی سامنے رکھے جائیں جو عربوں کے ہاں رائج تھے تو ساری بات واضح ہو جاتی ہے۔ یاد رکھئے! ان حیوانی رجحانات کے علاوہ جو انسان کی طبعی زندگی کا خاصہ ہیں، انسان کی کوئی غیر متبدل فطرت نہیں۔ اسے اپنی راہ نمائی وحی سے حاصل کرنی ہے۔ اور اس کا اسے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو اس راہ نمائی کو قبول کرلے اور چاہے اس سے انکار کر کے اپنے لئے کوئی اور راہ اختیار کر لے۔ اختیار و ارادہ کی صلاحیت (The Capacity to Choose) وہ خصوصیت ہے جو صرف انسان کو دی گئی ہے۔ اور کسی کو نہیں دی گئی۔ اس میں ہر انسان، بہ حیثیت انسان ہونے کے شریک ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ کسی انسان کو دی گئی ہو اور کسی کو نہ دی گئی ہو۔ لیکن یہ خصوصیت مضمر شکل (Un-Developed Form) میں دی گئی ہے جس کی نشو و نما کی جاسکتی ہے۔ یہ ہے وہ خاص ساخت جس کے مطابق خدا نے انسان کو پیدا

کیا ہے اور جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ۔ اگر انسان کی کوئی "فطرت" ہوتی تو اسے اختیار و ارادہ کی صلاحیت کبھی نہ ملتی ۔ "فطرت" اور اختیار و ارادہ دو متضاد باتیں ہیں ۔ خارجی کائنات میں ہر شے کی ایک فطرت ہے اس لئے ان میں سے کسی کو اختیار و ارادہ کی صلاحیت حاصل نہیں ۔ انسان کو اختیار و ارادہ کی صلاحیت حاصل ہے اس لئے اس کی کوئی فطرت نہیں ۔ انسان کے اندر بہت سی امکانی قوتیں ہیں جنہیں نشو و نما دینا اور قانونِ خداوندی کے مطابق صرف کرنا ، مقصد زندگی ہے ۔ (تفصیل اس اجمال کی میری کتاب "سلیم کے نام خطوط" میں ایک خط میں ملے گی) ۔

ہم نے دیکھا ہے کہ فَطَرَ کے معنی کھودنے ۔ پھاڑنے ۔ شق کرنے کے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ (۸۲/۱) ۔ جب آسمان پھٹ جائے گا ۔ نیز (۷۳/۱۸) ۔

مُنْفَطِرٌ ۔ پھٹ جانے والا ۔ (۶۹/۱۸) ۔ فُطُورٌ ۔ شگاف ۔ عیوب ، خلل ، (۶۷/۳) ۔

ف ظ ظ

اَلْفَظُّ ۔ اونٹ کی اوجھ میں جمع رہنے والا پانی جسے ، صحرا میں جہاں پانی نہ ملے اور جان کا خطرہ لاحق ہو جانے کی صورت میں ، اس کا پیٹ چاک کرکے نچوڑ لیا جائے اور اسے ہی لیا جائے ۔ یہ پانی مجبوراً اور بادلِ ناخواستہ پیا جاتا تھا ، لہذا اس لفظ کو ایسے شخص کے لئے بھی استعمال کیا جانے لگا جس کے پاس خوشی سے نہ بیٹھا جائے بلکہ اشد ضرورت میں بادلِ ناخواستہ پہنچا جائے ۔ اسی سے یہ لفظ تند خو ، جفا پیشہ ، درشت مزاج شخص کیلئے بولا جاتا ہے ۔

اِفْتَظَّ الرَّجُلُ کے معنی ہیں اس نے اونٹ کو پانی پلایا اور پھر اس کا منہ باندھ دیا تاکہ وہ جگالی نہ کرسکے ۔ پھر جب سفر میں پانی نہ ملا تو اس کا پیٹ چاک کرکے اس پانی کو پی لیا* ۔

قرآن کریم میں رسول اللہ ؐ کے متعلق کہا ہے کہ آپ اپنے رفقاء کے لئے نرم واقع ہوئے ہیں (لِنْتَ لَهُمْ) ۔ فَظًّا نہیں ہیں (۱۵۹/۳) ۔ یہی راہنما کی شان ہونی چاہئے کہ لوگ اس میں کشش و جاذبیت پائیں اور اسے اپنا بہترین مشیر اور اچھا رفیق سمجھیں ۔ نہ ایسا کہ وہ اپنی ہوس بجھانے کی خاطر اپنے رفقاء کا پیٹ چاک کرکے پانی نکال لے ۔

---

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔

صاحب محیط نے کہا ہے کہ "اَلْفَظُّ" اُس شخص کو کہتے ہیں جو سخت ، بد مزاج ، سنگدل ، درشت کلام ہو لیکن اس کے ساتھ ایسا بزدل بھی ہو کہ ڈرنے کے مقام پر ڈرنا تو ایک طرف ، جس جگہ کسی قسم کا خطرہ نہ ہو وہاں بھی ڈرے*** ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنے ناپسندیدگی اور کراہت کے ہیں ۔

ف ع ل

فِعْلٌ کے معنی انسان کا حرکت کرنا ہیں ۔ اور اس کا مطلب ہے کوئی کام کرنا ۔ فِعْلٌ کی صحیح تعریف کرنے اور عَمَلٌ اور صَنْعَ اور فَعَلَ کا فرق بتانے میں علمائے لغت نے بڑی بحث کی ہے ۔ مثلاً صاغانی کہتا ہے کہ کسی چیز کو وجود میں لے آنا فعل ہے خواہ وہ عمل ہو یا غیر عمل ۔ اس طرح یہ عمل سے زیادہ خاص ہے ۔ المحکم میں ہے کہ یہ کنایۃً ہر کام اور عمل کے لئے بولا جاتا ہے خواہ وہ عمل متعدی ہو یا غیر متعدی ۔ ابن الکمال کا کہنا ہے کہ کسی چیز پر اثر ڈالنے سے اثر ڈالنے والے پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے اسے فعل کہتے ہیں* ۔ راغب نے فعل کے معنے کسی اثر انداز کی طرف سے اثر اندازی کے لئے ہیں ۔ اس میں عمومیت ہے ، یعنی خواہ وہ عمدگی سے کی جائے یا بغیر عمدگی کے ۔ علم سے کی جائے یا بغیر علم کے ۔ قصداً کی جائے یا بغیر قصد کے ۔ اس میں انسان ، حیوان ، جمادات سب یکساں ہیں ۔ وہ کہتا ہے کہ یہی مفہوم عمل کا بھی ہے اور صنع اس سے زیادہ خاص ہے** ۔ محیط میں کلیات کے حوالہ سے سادہ ''عمل'' کے تحت ہے کہ عَمَلٌ اس کام کو کہتے ہیں جو فکر و تدبر اور علم و ارادہ کے ساتھ سرزد ہو ۔ فِعْلٌ میں یہ شرط نہیں ۔ نیز عَمَلٌ ایسے کام کو کہتے ہیں جو طویل مدت تک ہوتا رہے ۔ اس کے برعکس فعل ایک دفعہ بھی کسی کام کے کرنے کے لئے بولا جاتا ہے*** ۔ (اس کے ساتھ ع ۔ م ۔ ل کا عنوان بھی دیکھئے) ۔

لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں اللہ کے لئے فِعْلٌ آیا ہے (عَمَلٌ نہیں آیا) ۔ اور اس کا ہر فعل ، علم و ارادہ پر مبنی ہوتا ہے اور بیشتر امور ایسے ہوتے ہیں جن میں استمرار اور دوام بھی ہوتا ہے ۔ لہٰذا فِعْلٌ کی وہ خصوصیات جو آئمہ لغت نے بتائی ہیں ، انسانوں تک تو درست ہو سکتی ہیں ۔ افعال خداوندی کے لئے نہیں ۔

*تاج ۔ **راغب ۔ *** محیط ۔

مَنْ فَعَلَ (۲۱/۹۴) کس نے کیا ہے؟ فِعْلٌ (۲۱/۷۳) کام۔ فَعْلَةٌ (۲۱/۶۹) ایک حرکت۔ ایک دفعہ کام کرنا۔ فَاعِلٌ (۱۵/۲۹) کرنے والا۔ فَعَّالٌ (۱۱/۱۰۷) بہت زیادہ کرنے والا۔ زبردست کام کرنے والا۔ کَانَ مَفْعُوْلاً (۸/۴۲)۔ جو کام کیا جاچکا ہے۔ جو مکمل ہو چکا ہے۔

قرآن کریم میں یہ مادہ اس کثرت سے آیا ہے کہ اس کا احصاء اس مقام پر ممکن نہیں۔ نہ ہی اس کی کوئی خاص ضرورت ہے۔ جہاں یہ مادہ آیا ہے وہاں اس کا مفہوم خود بخود واضح ہوجاتا ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں جس کے لئے اس کی وضاحت یا تشریح کی ضرورت لاحق ہو۔

ف ق د

فَقَدَ۔ یَفْقِدُ۔ فَقْدًا۔ کسی موجود شے کو گم کر دینا*۔ راغب نے فَقْدٌ اور عَدَمٌ کا فرق یہ بتایا ہے کہ فَقْدٌ تو کسی چیز کے وجود کے بعد اس کا نہ پایا جانا ہے، لیکن عَدَمٌ فَقْدٌ تو بھی کہتے ہیں اور کسی چیز کے سرے سے موجود ہی نہ ہونے کو بھی**۔ سورۃ یوسف میں ہے۔ مَاذَا تَفْقِدُوْنَ۔ (۱۲/۷۲) تم نے کیا چیز کھودی ہے۔ تم کیا چیز نہیں پارہے ہو؟ اِفْتَقَدَ وَ تَفَقَّدَ۔ کسی گم گشتہ کا تلاش کرنا۔ لیکن راغب نے کہا ہے کہ اَلتَّفَقُّدُ کے معنی ہیں یہ معلوم کر لینا کہ فلاں چیز گم ہو گئی ہے*۔ لسان العرب میں ہے کہ اس کے معنی ہیں اس چیز کا طلب یا تلاش کرنا ہو غائب ہو۔ چنانچہ سورۃ نمل میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق ہے وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ (۲۷/۲۰)۔ اس کے یہ معنی ہونگے کہ حضرت سلیمانؑ نے تیز رفتار گھوڑوں کے ہرکاروں کو (جو اس وقت وہاں نہیں تھے) طلب کیا۔ (دیکھئے عنوان ط۔ی۔ر)

ف ق ر

اَلْفَقِیْرَةُ۔ ریڑھ کی ہڈی کا ایک منکا۔ اَلْفَقِیْرُ۔ وہ شخص جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو۔ کمر شکستہ۔ نیز اَلْفَقِیْرُ اُس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں کھجور کا پودا لگایا جاتا ہے*۔ اسی طرح کنوئیں، نیز ہر گڑھے کو جس میں پانی بھر جاتا ہو فَقِیْرٌ کہتے ہیں۔ اَلْفَقْرُ۔ اَلتَّفْقِیْرُ۔ گڑھا کھودنا۔ نیز موتیوں میں سوراخ کرنا۔ اونٹ کی ناک چھیدنا تاکہ اس میں نکیل ڈال دی جائے*۔ اور ایسے اونٹ کو اَلْمُفَقَّرُ کہتے ہیں*۔ ان

*تاج۔ **راغب۔

معانی ہے فَقْرٌ ۔ اور فَقِیْرٌ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں فُقَرَاءُ اور مَسَاکِیْنُ کے الفاظ الگ الگ آئے ہیں (۹/۶۰) جس کی وجہ سے ائمۂ لغت اور فقہ نے ان کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے ۔ لیکن ان میں کوئی متعین خط امتیاز نہیں کھنچ سکا ۔ عام طور پر یہ کہا گیا ہے کہ فَقِیْرٌ وہ ہے جس کے پاس کچھ موجود ہو لیکن نہ اتنا کہ وہ اسکی ضروریات کو پورا کر سکے ۔ اسکی جمع فُقَرَاءُ ہے ۔ لیکن مِسْکِیْنٌ وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو ۔ مِسْکِیْنٌ کے معنی کے لئے دیکھئے عنوان س ۔ ک ۔ ن وہاں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اپنے ہاں کے محتاج کو فَقِیْرٌ کہتے ہیں اور غیر قوم کا شخص جو اسلامی مملکت میں آکر بس گیا ہو اور صاحب احتیاج ہو مِسْکِیْنٌ کہلاتا ہے ۔

قرآن کریم میں فَقْرٌ ۔ بمقابلہ غِنًی آیا ہے (۲/۲۷۳ ؛ ۳/۱۸۰) ۔ (غِنًی کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان غ ۔ ن ۔ ی) ۔ لہذا فَقْرٌ کے معنی احتیاج کے ہوں گے ۔ ضرورتوں کا کما حقہ پورا نہ ہو سکنا ۔ یعنی فُقَرَاءُ معاشرہ کے وہ افراد ہیں جو پوری پوری محنت کرنے کے بعد بھی اتنا نہ کما سکیں کہ وہ ان کی ضروریات کے لئے مکتفی ہو سکے ۔ اصحاب احتیاج (۲۲/۲۸) ۔ لیکن اس کے معنی صرف طبعی ضروریات کی احتیاج ہی نہیں بلکہ انسان کی نشوونما کے لئے جن اسباب و ذرائع کی ضرورت ہو ان کی احتیاج بھی فَقْرٌ ہے ۔ چنانچہ حضرت موسٰی نے خدا سے عرض کیا تھا کہ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (۲۸/۲۴) ۔ جو کچھ بھی تو نے میرے لئے خیر میں سے بھیجا ہے میں اس کی احتیاج رکھتا ہوں ۔ اس میں طبعی ضروریات اور شرف انسانیت کے اسباب و وسائل دونوں آجاتے ہیں ۔ اس اعتبار سے کائنات کی ہر شے اور ہر انسان اپنی نشوونما اور تکمیل ذات کے لئے ربوبیت خداوندی کا محتاج ہے ۔ یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۵۵/۲۹) ۔ کائنات کی ہر شے اس کی محتاج ہے ۔ سورۂ فاطر میں تمام نوع انسان سے کہا گیا ہے کہ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۔ (۳۵/۱۵) ۔ تم سب اپنی نشوونما کے لئے عطایائے خداوندی کے محتاج ہو ، اور اللہ کسی معاملہ میں بھی تمہارا محتاج نہیں ۔ طبعی ضروریات کے لئے انسان ، فطرت کے عطا کردہ سامان پرورش کا محتاج ہے ۔ اور شرف انسانیت کی نشوونما کے لئے وحی کی راہ نمائی کا محتاج ۔

قرآنی معاشرہ میں فُقَرَاء وہ ہونگے جو پوری پوری محنت کے باوجود اتنا پیدا نہ کر سکیں جو ان کی ضروریات کے لئے کافی ہو ۔ معاشرہ ان کی

ضروریات کے فراہم کرنے کا ذمہ دار ہوگا ۔ اور چونکہ ان کی سب ضروریات پوری ہوتی رہیں گی اس لئے اس معاشرہ میں در حقیقت فقیرٌ (محتاج) کوئی نہیں رہے گا ۔ یہ صرف اسوقت تک ہونگے جب تک قرآنی معاشرہ وجود میں نہیں آئیگا ۔

فَاقِرَةٌ ۔ کمر توڑ دینے والی مصیبت (۷۵/۲۵) ۔

ف ق ع

فَاقِعٌ ۔ ہر تیز رنگ کو فَاقِعٌ کہتے ہیں ۔ یا خالص اور صاف رنگ کو* (جس میں دوسرے رنگ کی آمیزش نہ ہو) ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ صَفْرَاءُ کے ساتھ آیا ہے (۲/۶۹) جس کے معنی ہیں گہرا زرد رنگ ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے الفاظ کسی قاعدہ اور قیاس کے ماتحت نہیں آئے ۔ چنانچہ فَوَاقِعُ الدَّهْرِ ۔ زمانہ کے مصائب و آلام کو کہتے ہیں ۔

ف ق ہ

اَلْفِقْهُ ۔ کسی چیز کو جان لینا اور سمجھ لینا* ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (۴/۴۵) ۔ یہ بہت کم سمجھتے ہیں ۔ اصل میں یہ اس قسم کی سمجھ اور پہچان کو کہتے ہیں جس طرح حیوان اپنی جبلی استعداد (Instinct) سے اپنی پہچان اور تمیز میں کبھی غلطی نہیں کرتے ۔ چنانچہ نَحْلٌ فَقِيْهٌ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو صحیح طور پر پہچان لے کہ کونسی اونٹنی حاملہ ہے اور کونسی اختلاط کے قابل * ۔

راغب نے کہا ہے کہ اَلْفِقْهُ ۔ علم حاضر سے علم غائب کی طرف پہنچنے کو کہتے ہیں ** ۔ یعنی محسوسات کے مشاہدہ سے نتائج اخذ کرکے ان کے ذریعے مجرد حقائق (Abstract Truths) کا سمجھنا ** ۔ تَفَقُّهٌ فِی الدِّیْنِ (۹/۱۲۲) کا یہی طریقہ ہے ۔ یعنی زمانہ کے ٹھوس واقعات پر غور کرکے یہ سمجھنا کہ ان پر دین کے کون سے حقائق و قوانین کا اطلاق ہوتا ہے ۔ قرآن کریم نے تفقہ فی الدین کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ ہر مقام سے کچھ لوگ مرکز میں آئیں اور دین میں تفقہ حاصل کریں ۔ پھر یہ واپس جا کر باقی لوگوں کو اس سے آگاہ کریں (۹/۱۲۲) ۔ یعنی تفقہ فی الدین کسی خاص گروہ کا اجارہ (Monopoly) نہیں ۔ دین میں تفقہ حاصل کرنے کا یہ طریقہ ان حالات میں بتایا گیا تھا جو ابتدائے اسلام میں تھے ۔ ویسے از روئے قرآن کریم تفکر ۔ تدبر ۔ تفقہ ہر مؤمن کے لئے ضروری ہے ۔

*تاج ۔ **راغب ۔

فقہ ایک قانونی اصطلاح تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ قرآن کریم کے اصولوں کی روشنی میں زمانے کے تقاضوں (اور روز مرہ کے حالات کے مطابق) جزئی قوانین مستنبط کئے جائیں۔ یہ کام اسلامی نظام کا تھا۔ لیکن اب فقہ کے معنی ہیں کسی خاص امام کا مسلک۔ مثلاً فقہ حنفی کے معنی ہیں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک۔ یا ان فقہاء کے فتاوی جو امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے پیرو تھے۔ اہل فقہ، اہل حدیث کے مقابلہ میں ایک فرقہ ہیں۔ غور کیجئے، قرآن کریم کی رو سے تفقہ فی الدین کا مفہوم کیا تھا۔ اور اب اس کا مفہوم کیا رہ گیا ہے! جب دین، ایک نظام۔ اجتماعی کی بجائے انفرادی چیز بن جائے تو اس میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

ف ک ر

تَفَكَّرَ۔ اَفْكَرَ۔ فَكَّرَ۔ تَفَكُّرٌ۔ تَفَكَّرَ فِيْهِ۔ کسی چیز یا (معاملہ) میں اطمینان سے (ایک خاص ترتیب کے ساتھ) غور کرنا اور عقل و نظر سے کام لینا* (اور اس سے صاف نتیجہ اخذ کرنا)۔ صاحب مفردات کے نزدیک ہم انہی چیزوں پر فکر کر سکتے ہیں جن کا کوئی تصور دل میں قائم ہوسکے۔ جن چیزوں کا تصور قائم نہ ہوسکے ان میں فکر نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ تَفَكَّرُوْا فِیْ آلَاءِ اللّٰهِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِی اللّٰهِ۔ اللہ کی قدرتوں (مظاہر فطرت وغیرہ) پر تو غور و فکر کرو، لیکن اللہ کی ذات کے متعلق کچھ نہ سوچو، کیونکہ اس کا تصور ہی ذہن انسانی میں نہیں آسکتا**۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ تَفَكَّرَ کے معنے عبرت حاصل کرنے کے لئے دل کو گھمانا اور ادھر ادھر پلٹنا ہیں۔

قرآن کریم کو شروع سے آخر تک دیکھتے جائیے۔ قدم قدم پر آپ کو غور و فکر کی دعوت ملے گی۔ وہ اپنے ہر دعویٰ کو دلیل و برہان کے ساتھ پیش کرتا اور اسے فکر و تدبر کے بعد ماننے کی تاکید کرتا ہے۔ اس نے غور و فکر پر کس قدر زور دیا ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ نبی اکرمؐ کی زبان سے کہلواتا ہے کہ قُلْ اِنَّمَا اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ (۳۴/۴۶) ان سے کہدو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی تلقین کرنا چاہتا ہوں۔ غور کیجئے کہ اتنا بڑا جلیل القدر رسولؐ کہتا ہے کہ میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ بات جو کہی جائے گی کس قدر اہم ہوگی۔ اس کے بعد کہتا ہے کہ یہ بات ایسی نہیں کہ تم یونہی چلتے چلتے سن لو۔

*تاج۔ **راغب۔

اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى - (۳۴/۴۶) اس کے لئے ضروری ہے کہ تم جس سیلاب میں بہے جا رہے ہو اس میں بہے نہ جاؤ۔ کھڑے ہوجاؤ۔ یعنی پہلی بات جس کی تاکید کی جاتی ہے یہ ہے کہ یونہی اندھا دھند نہ چلے جاؤ، بلکہ رکو۔ تھمو۔ ٹھہرو۔ کھڑے ہو جاؤ۔ سب کے سب نہیں تو ایک ایک۔ دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ لیکن خالصۃ للہ ۔ دل میں کوئی اور خیال ، جذبہ یا مقصد لئے ہوئے نہیں ۔ اور پھر؟ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا (۳۴/۴۶) ۔ پھر تم سوچو ۔ غور کرو ۔ بس یہ ہے وہ بات جسکی میں تاکید کرنا چاہتا ہوں ۔ اس کے بعد ہے مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ (۳۴/۴۶) ۔ یہ دعوت فکر جو تمہیں دی جارہی ہے وہ اس داعی کے جنون کا نتیجہ نہیں ۔

اس قدر تاکید تھی غور و فکر کی !

لیکن اب ہماری حالت یہ ہے کہ غور و فکر ہم پر حرام قرار پا چکا ہے ۔ کوئی معاملہ ہو۔ کوئی مسئلہ ہو۔ قرآن کریم کی کوئی آیت ہو۔ اس کے متعلق پہلا سوال یہ ہوگا کہ اس کی بابت اسلاف نے کیا کہا ہے ۔ اگر آپ غور و فکر کے بعد کوئی ایسی بات کہیں جس کی سند اسلاف کے ہاں سے نہ ملتی ہو۔ تو آپ فتنہ پرداز۔ ملحد ۔ بے دین ۔ قرار پا جائے ہیں ۔ یعنی زندگی کے معاملات ، حتکہ قرآن کریم کے متعلق ، جو کچھ سوچا سمجھا جانا تھا وہ سب سوچا سمجھا جاچکا ہے ۔ اب ہمارا کام فقط یہ ہے کہ ہم اس کی اندھی تقلید کرتے جائیں ۔ خود نہ کچھ سوچیں نہ سمجھیں ۔ حالانکہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن کریم نے جو غور و فکر کا حکم دیا تھا تو وہ کسی خاص زمانے کے انسانوں تک محدود نہیں تھا ۔ وہ تمام زمانوں کے انسانوں کے لئے یکساں حکم تھا ۔ اس لئے (قرآن کریم کی رو سے) جس طرح ہم سے پہلے گزرے ہوئے لوگ (اسلاف) غور و فکر کے لئے مکلف تھے اسی طرح ہم پر بھی غور و فکر لازم ہے ۔ اگر ہم غور و فکر نہیں کرتے تو یہ روش قرآن کریم کے واضح حکم کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے ۔

لیکن ہم ہیں کہ غور و فکر کو الحاد اور بیدینی قرار دے رہے ہیں ! اصل یہ ہے کہ جب قومیں قوت عمل سے محروم ہوجاتی ہیں تو وہ اندھی تقلید ہی میں عافیت سمجھتی ہیں ۔ غور و فکر بجائے خویش ایک عمل ہے جس میں ذہن کو بڑی محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے ۔ پھر ، غور و فکر سے زندگی کی نئی نئی راہیں سامنے آتی ہیں جنہیں حرکت و عمل ہی سے طے کیا جاسکتا ہے ۔ بے عمل قوم اس سے بھی گھبراتی ہے ۔ غور و فکر سے بھاگنے کی اصل وجہ

تو یہ ہوتی ہے لیکن انسان کی خوئے بہانہ سازی اسے ''سلفِ صالحین'' کا اتباع قرار دیکر جھوٹے اطمینان کا موجب بنا دیتی ہے ۔

یاد رکھئے ۔ جو قوم غور و فکر سے محروم رہ جاتی ہے وہ انسانیت کی سطح سے نیچے گر جاتی ہے ۔ انسان و حیوان میں فرق ہی یہ ہے کہ انسان کو غور و فکر کی استعداد دی گئی ہے اور حیوان اس سے محروم ہے ۔ ہم اپنے اسلاف کے غور و فکر کے نتائج سے مستفید ہوسکتے ہیں ، لیکن ان کا غور و فکر ہمارے لئے حرفِ آخر نہیں ہوسکتا کہ اس سے اختلاف ، الحاد و بیدینی قرار پاجائے۔ زمانے کی علمی اور فکری سطح بلند ہو رہی ہے ۔ اس لئے ہر آنے والی نسل سابقہ نسل سے ، علم و فکر میں آگے ہوتی ہے ۔ اور قرآن کریم چونکہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے ضابطہ حیات ہے اس لئے اس پر مسلسل غور و فکر ہوتے رہنا ضروری ہے ۔ قرآن کریم میں غور و فکر کے لئے اس قدر کثرت سے تاکید آئی ہے کہ ان مقامات کا احاطہ کرنا مشکل ہے ۔ اس کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے ۔ جب آپ قرآن کریم کا مطالعہ کرینگے تو وہ تمام مقامات آپ کے سامنے آجائینگے اور ان سے آپ اندازہ کرسکینگے کہ اس میں غور و فکر نہ کرنے والوں کے خلاف کتنی سخت تنبیہات آئی ہیں ۔ (مزید تفصیل (ع ۔ ق ۔ ل) ۔ (ع ۔ ل ۔ م) ۔ (د ۔ ب ۔ ر) اور (ق ۔ ل ۔ د) کے عنوانات میں ملیگی) ۔

ف ک ک

فَکَّہٗ ۔ یَفُکُّہٗ ۔ فَکًّا ۔ اس نے اسے جدا کر دیا ۔ فَانْفَکَّ ۔ تو وہ اس سے جدا ہوگیا ۔ فَکَکْتُ الشَّیْءَ ۔ میں نے اس چیز کو چھڑا دیا ۔ اسے اس کی جگہ سے ہٹا دیا ۔ فَکَّ الْاَسِیْرَ ۔ اس نے قیدی کو چھڑا دیا ۔ فَکَّ یَدَہٗ ۔ اس نے اپنا ہاتھ کھول دیا ۔ یعنی مٹھی میں جو چیز تھی اسے ظاہر کر دیا ۔ فَکَّ الْخَتْمَ ۔ اس نے مُہر کو توڑ دیا* ۔

قرآن کریم میں فَکُّ رَقَبَۃٍ (۹۰/۱۳) آیا ہے جس کے لفظی معنی کسی گردن کا آزاد کرنا ہیں ۔ اس میں مظلوموں کو استبداد سے چھڑانے اور زیردستوں کو ظلم سے بچانے کے تمام پہلو آجاتے ہیں ۔

دوسرے مقام پر ہے ۔ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ (۹۸/۱) ۔ اہل کتاب اور مشرکین اپنے باطل عقائد و رسوم کی خود ساختہ زنجیروں

* تاج و راغب ۔

سے رہا نہیں ہو سکتے تھے جب تک ان کے پاس (اَلْبَیِّنَۃ) خدا کا یہ قانون نہ آتا ۔ اسی لئے رسول اللہ ؐ کے متعلق کہا ہے ۔ وَ یَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَ الْاَغْلَالَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ (۷/۱۵۷) ۔ یہ اس لئے آیا ہے کہ انسانوں نے اپنے اوپر جو (خواہ مخواہ کے) بوجھ لاد رکھے تھے اور اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا یہ انہیں ان سے آزادی دلائے ۔ قرآن کریم کا مقصد یہ تھا کہ نوع انسانی کو انسانوں کے ہر قسم کے (ذہنی و جسمانی) استبداد سے نجات دلائے ۔ چنانچہ رسول اللہ ؐ نے ایسا کرکے دکھا دیا ۔ لیکن اس کے بعد ہم نے ان تمام زنجیروں کو جو آپ ؐ نے توڑی تھیں ، ایک ایک کرکے اکٹھا کیا اور پھر سے انہیں اپنی گردنوں میں ڈال لیا ۔ اب ہم ان جکڑ بندیوں کے ہاتھوں سخت نالاں ہیں، لیکن وہ ایسی مقدس بن چکی ہیں کہ انہیں اتار پھینکنے کی ہمت کسی میں نہیں پڑتی ۔ ان زنجیروں کو صرف قرآن کریم کی تعلیم توڑ سکتی ہے ، اور قرآن کریم کی طرف ہم آنا نہیں چاہتے ۔ نتیجہ ظاہر ہے ۔

ف ک ہ

فَکِہَ الرَّجُلُ ۔ وہ خوش مزاج ، ہشاش بشاش اور پُر مزاح ہوا ۔ ایسا شخص فَکِہٌ اور فَاکِہٌ کہلائیگا ۔ اَلْفَاکِھَۃُ ۔ ہر قسم کا پھل ۔ جمع فَوَاکِہُ (۲۳/۱۹) ۔

اَلْفُکَاھَۃُ ۔ دلچسپ اور دل کو شگفتہ کرنے والی باتیں ۔ خوش گپی ۔ مزاح ، فَاکَھَہٗ مُفَاکَھَۃً ۔ ایک نے دوسرے سے مزاح کیا* ۔

قرآن کریم میں اہل جنت کے متعلق ہے ۔ فِیْ شُغُلٍ فٰکِھُوْنَ (۳۶/۵۵) ۔ وہ کام میں لگے ہونے خوش ہونگے ۔ ایک دوسرے سے نہایت خندہ پیشانی سے خوشی کی باتیں اور مزاح کرینگے ۔ یا فرحت و انبساط سے بھرے ہونگے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْمُفَاکَھَۃُ خوش مزاجی اور شیریں کلامی کو کہتے ہیں ۔

تَفَکَّہَ مِنْ کَذَا ۔ اس نے فلاں چیز سے تعجب کیا ۔ تَفَکَّہَ الرَّجُلُ ۔ وہ نادم ہوا* ۔ اَلْاُفْکُوْھَۃُ ۔ تعجب کی بات ۔ پُر مزاح بات ۔ سورۃ واقعہ میں ہے فَظَلْتُمْ تَفَکَّھُوْنَ (۵۶/۶۵) تم تعجب کرنے لگ جاؤ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ عربی زبان میں ابتداءً یہ لفظ تَفَکَّنُوْنَ تھا ۔

*تاج و راغب و محیط ۔

بعد میں نون ھاء سے بدل گیا اور یہ تَفَکَّھُوْنَ بولا جانے لگا ۔ تَفَکَّنُوْنَ کے معنی ھیں شرمندہ ھونا ۔ اَلْفَکِہٌ ۔ اترانے والا ۔ اکڑ فون کرنے والا* ۔ قرآن کریم میں ھے اِنْقَلَبُوْا فَکِہِیْنَ (۸۳/۳۱) اترائے ھوئے لوٹتے ھیں ۔

ف ل ح

فَلْحٌ کے معنی ھیں پھاڑنا ۔ شگاف کرنا ۔ چاک کر دینا ۔ اسی لئے فَلَّاحٌ کاشتکار کو کہتے ھیں کیونکہ وہ کھیتی کے لئے زمین میں ھل چلا کر اسے پھاڑتا ھے ۔ فَلَاحَۃٌ ۔ کاشتکاری اور کھیتی باڑی کرنے کو کہتے ھیں** ۔

چونکہ فَلَّاحٌ (کسان) کی محنت کا صلہ یہ ھوتا ھے کہ فطرت ایک ایک دانہ کے بدلے سو سو دانوں سے اس کی جھولیاں بھر دیتی ھے ، اس لئے فَلَاحٌ کا لفظ کامیابی اور بقاء کے لئے استعمال ھوتا ھے ۔ (ابن فارس)

مُفْلِحُوْنَ ۔ وہ ھیں جن کی کھیتیاں پروان چڑھ جائیں ۔ جن کی محنت ثمر بار ھو جائے ۔ جنھیں کامیابی اور بقاء نصیب ھو جائے ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ انھی معنوں میں استعمال ھوا ھے ۔ مومنین کے متعلق ھے ۔ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲/۵) ۔ یہی لوگ کامیاب ھیں ۔ نفس انسانی کے نشو ونما پاکر انسان کے کامیاب و کامران ھونے کے متعلق ھے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا (۹۱/۹) ۔ جس نے اس کی نشو و نما کی وہ کامیاب ھو گیا ۔

قرآن کریم نے انسانی سعی و عمل کا حاصل ''نجات'' نہیں بتایا ۔ نجات کے معنی ھوتے ھیں کسی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرلینا ۔ یعنی یہ صرف سلبی (Negative) چیز ھوتی ھے ۔ ایک شخص اچھا بھلا بیٹھا ھے ۔ وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ۔ اس کے بعد اس نے دوڑ دھوپ کی اور اسے اس مصیبت سے نجات مل گئی ۔ اس طرح وہ شخص پھر اپنی پہلی حالت میں پہنچ گیا ۔ اس دوڑ دھوپ سے اسے کوئی مثبت (Positive) فائدہ نہیں ھوا ۔ یہ قرآنی تصور نہیں ۔ یہ عیسائیت کا تصور ھے جو ھر انسانی بچہ کو پیدائشی طور پر گناہ گار قرار دیتی ھے ۔ اس کا ان گناھوں کی مصیبت سے چھوٹ جانا نجات (Salvation) ھے ۔ یا ھندؤں کا تصور ھے جو یہ مانتے ھیں کہ ھر شخص اپنے سابقہ جنم کے گناھوں کی سزا بھگتنے کے لئے دنیا کے جیل خانے میں محبوس ھے ۔ اس قید و بند سے چھٹکارا حاصل کرنے کا نام مکتی (نجات) ھے ۔ یہی تصور بدھ مت میں ھے ۔ ویدانت (تصوف) کی رو سے بھی انسانی سعی و کاوش سے یہی مقصود ھے ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔

یعنی انسان کی روح اپنی اصل (ذات خداوندی) سے الگ ہوکر مادہ کے دلدل میں پھنسی ہوئی چیخ رہی ہے ۔ اس کا اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر کے اپنی اصل سے جا ملنا مقصود حیات ہے ۔ لیکن قرآن کریم کا یہ تصور نہیں ۔ اس کا تصور یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں ایک صاف سلیٹ لے کر آتا ہے ۔ وحی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے سے اس کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما اور اس کی ذات کی تکمیل ہوتی ہے ۔ اس سے اُسے اس زندگی کی تمام خوشگواریاں بھی حاصل ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد کی زندگی میں آگے بڑھنے کی صلاحیت بھی ۔ یہ سب مثبت نتائج ہیں ، اس لئے انہیں فَلَاحٌ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یعنی کھیتی کا پروان چڑھنا ۔ اس کا ثمر بار ہونا ۔ یا فَوْزٌ سے (دیکھئے عنوانات ف ۔ و ۔ ز اور ن ۔ ج ۔ و) ۔

سورۃ بقرہ میں جماعت مومنین کے متعلق کہا ہے کہ وہ اس نظام قرآنی کے آن دیکھے نتائج پر ایمان لاتے ہیں (۲/۳) ۔ پھر وہ اس نظام کو عملاً متشکل کرتے ہیں اور جب اس کے مرئی و محسوس نتائج ان کے سامنے آجاتے ہیں تو ان کا ایمان بالغیب (یعنی کسی پر اعتماد کرکے اس کی بات مان لینا) یقین میں بدل جاتا ہے (۲/۴) ۔ ان کی مثال اس کسان (فلاح) کی سی ہے جو اپنے ایمان محکم کی رو سے بیج کو مٹی میں ملا کر مہینوں اس پر محنت کرتا رہتا ہے اور بالآخر اس کی محنت کے نتائج فصل بن کر اس کے سامنے آجاتے ہیں ۔ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (۲/۵) ۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ اَلْفَلَاحُ کے معنی اَلْبَقَاءُ ہیں ۔ یعنی ثابت اور محکم طور پر باقی رہنا ۔ اور مُفْلِحُوْنَ کے معنی ہیں وہ لوگ جو عیشِ جاوداں کے مالک ہوں * ۔ یاد رہے کہ (جیسا کہ پہلے بھی لکھا جاچکا ہے) یہ کامیاب زندگی اس دنیا کی بھی ہے اور موت کے بعد کی بھی۔ اسی طرح ''آخرت'' سے مراد اس دنیا میں مستقبل کی زندگی بھی ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی بھی۔

ف ل ق

فَلَقَ الشَّیْءَ ۔ یَفْلِقُہٗ وَفَلَّقَہٗ ۔ اس نے کسی چیز کو پھاڑ دیا ۔ فَانْفَلَقَ ۔ چنانچہ وہ چیز پھٹ گئی ** ۔ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ (۶/۹۶) ۔ رات کی تاریکیوں کو پھاڑ کر صبح کو نمودار کرنے والا ۔ زجاج نے کہا ہے کہ اس کے معنی خَالِقٌ کے بھی ہوسکتے ہیں ** ۔ اَلْمُنْفَلَقُ ۔ صبح ۔ زجاج نے کہا ہے کہ اس کے معنی صبح کا واضح ہو جانا ہیں ۔ اس کے معنی

*القرطبین ج/۱ صفحہ ۱۳ ۔ **تاج و محیط ۔

مخلوق کے بھی ہیں ۔ نیز اس کے معنی مشکلات کے بعد حق کے واضح ہوجانے کے بھی ہیں * ۔ چنانچہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۔ (۱۱۳/۱) میں یہی مفہوم مراد ہے ۔

کائنات میں سلسلۂ ارتقاء اس طرح جاری ہے کہ ایک چیز پھٹتی ہے تو اس میں سے نئی زندگی کی نمود ہوتی ہے جو آگے بڑھتی اور اوپر کو اٹھتی ہے ۔ پھر اس میں سے اسی طرح ایک اور زندگی کی نمود ہوتی ہے ۔ دانے میں سے کونپل نکلتی ہے ۔ پھر اس میں سے شاخ پھوٹتی ہے ۔ شاخ میں سے پتہ پھوٹتا ہے ۔ پھر شگوفہ ۔ پھر پھول ۔ پھر اس میں پھل لگتا ہے ۔ پھل میں بیج پیدا ہوتا ہے ۔ بیج سے پھر ایک نئے درخت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ۔ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۔ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۔ (۶/۹۶) ۔ ''اللہ دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے ۔ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے'' ۔ یہ ہے خدا کا متعین کردہ قانون حیات و ارتقاء ۔ اور یہ ہے رَبِّ الْفَلَقِ (۱۱۳/۱) ۔

ف ل ک

اَلْفَلَكُ ۔ ہر چیز کا بڑا اور گول حصہ ۔ سمندر کی مضطرب و متردد موج ۔ ستاروں کا مدار ** ۔ قرآن کریم میں ہے كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (۳۶/۴۰) ۔ تمام کرے اپنے اپنے مدار (Orbit) میں نہایت تیزی سے تیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں ۔ اَلْفُلْكُ (۱۶/۱۰) ۔ کشتی کو کہتے ہیں (مذکر و مؤنث دونوں طرح بولا جاتا ہے نیز واحد و جمع کے لئے یکساں مستعمل ہے) ** ۔

ف ل ن

فُلَانٌ وَفُلَانَةٌ ۔ انسانوں کے ناموں کے لئے بطور کنایہ بولا جاتا ہے ۔ اول الذکر مذکر کے لئے اور ثانی الذکر مؤنث کے لئے ۔ اور الف ۔ لام کے ساتھ (یعنی اَلْفُلَانُ وَالْفُلَانَةُ) انسانوں کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً بہائم وغیرہ کے لئے بطور کنایہ استعمال ہوتا ہے *** ۔

صاحب محیط نے کہا ہے کہ فُلَانٌ اور فُلَانَةٌ بغیر الف ۔ لام کے ذوی العقول کے نام کی جگہ کنایۃً استعمال ہوتا ہے ۔ اگر کسی ایسی چیز سے کنایہ مقصود ہو جو صاحب عقل وشعور نہ ہو تو فُلَانٌ اور فُلَانَةٌ پر الف ۔ لام کا اضافہ کرلیتے ہیں **** ۔

*تاج و محیط ۔ **تاج و ابن فارس ۔ ***تاج ۔ ****محیط المحیط ۔

قرآن کریم میں ہے یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا (۲۵/۲۸) "ہائے میری تباہی! کاش، میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا"۔ زجاج نے کہا ہے کہ یہاں فُلَانًا سے مراد شیطان ہے کیونکہ اس سے آگے ہے وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا (۲۵/۲۹)۔ "اور شیطان آخر انسان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے"۔ لیکن [جیسا کہ "شیطان" کے باب (عنوان ش ۔ ط ۔ ن) میں بتایا جا چکا ہے] ہر شریر انسان شیطان ہے۔ اس لئے اس میں سرکشوں اور شرارت پسندوں کی دوستی کیطرف اشارہ ہے۔

ف ن د

اَلْفَنَدُ۔ بوڑھا ہونا۔ بڑھاپے یا بیماری کیوجہ سے عقل کا ناکارہ ہو جانا۔ بات یا رائے میں غلطی کرنا۔ سٹھیا جانا *۔ لسان العرب میں ہے کہ فَنَدٌ کے معنی جھوٹ کے ہیں *۔ راغب نے اس کے معنی کمزوری رائے بتائے ہیں **۔ فَنِّدَہٗ۔ اسے جھوٹا، کمزور رائے والا یا فاترالعقل بتایا۔ اَفْنَدَ۔ جھوٹ بولا۔ بوڑھا آدمی جب بہت بوڑھا ہوجاتا ہے تو اسے کہتے ہیں قَدْ اَفْنَدَ۔ کیونکہ وہ ایسی باتیں کرتا ہے جو صحت کی راہ سے ہٹی ہوتی ہیں۔ لیکن بوڑھی عورت کو مُفْنِدَۃٌ نہیں کہتے کیونکہ (عربوں کے خیال کے مطابق) عورت جوانی کے زمانے میں کونسی صائب الرائے ہوتی ہے جو اسے بڑھاپے میں مُفْنِدَۃٌ کہا جائے؟ اصمعی نے کہا ہے کہ جب بوڑھا ہونے کی وجہ سے آدمی بہت زیادہ باتیں کرنے لگے تو اسے مُفْنِدٌ کہتے ہیں *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بوجھل اور سخت ہونے کے ہیں۔ نیز اس بڑھاپے کے بھی جس کے ساتھ عقل کا فتور شامل ہو۔

سورہ یوسف میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے لوگوں سے کہا کہ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ (۱۲/۹۴)۔ اگر تم میرے متعلق یہ نہ کہو کہ بڑھاپے کی وجہ سے میری عقل میں فتور آگیا ہے اور میں بہکی بہکی باتیں کرنے لگ گیا ہوں تو.....

ف ن ن

اَلْفَنُّ (جمع فُنُوْنٌ وَاَفْنَانٌ) حالت۔ قسم۔ نوع۔ عجیب معاملہ۔ اَلْفَنَنُ اس شاخ کو کہتے ہیں جس میں تر و تازہ پتے ہوں۔ (جمع اَفْنَانٌ

*تاج۔ **راغب۔

وَاَفَانِیْنُ) ۔ اَلْفُنُوْنُ ۔ مختلف قبیلوں کے ملے جلے لوگوں کو کہتے ہیں۔ رَجُلٌ مِفَنٌّ ۔ حیرت انگیز و تعجب خیز کام کرنے والا مرد ۔ اَفَانِیْنُ الْکَلَامِ ۔ کلام کے مختلف اسالیب اور طریقے* ۔ اس سے علوم و فنون کا مفہوم واضح ہے ۔

قرآن کریم میں جنت (بلکہ جَنَّتٰنِ) کے متعلق ہے کہ وہ ذَوَاتَا اَفْنَانٍ (۵۵/۴۸) ہے ۔ جسکی مختلف شاخیں ہوں ۔ جہاں مختلف علوم وفنون عام ہوں ۔ قرآن کریم کی رو سے جنتی معاشرہ کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ مختلف فنون کی آماجگاہ ہوگا ۔

ف ن ی

اَلْفَنَاءُ ۔ بَقَاءٌ کی ضد ہے ۔ بَقَاءٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا اپنی اصلی حالت پر قائم رہنا ۔ (دیکھئے عنوان ب ۔ ق ۔ ی) ۔ یعنی اس کا تغیر پذیر نہ ہونا ۔ لہذا اَلْفَنَاءُ کے معنی ہونگے کسی چیز میں تغیرات واقع ہوتے رہنا ۔ اسکا اپنی اصل حالت پر نہ رہنا بلکہ اس میں تغیر و تبدل واقع ہوتے رہنا ۔ قرآن کریم میں ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۔ وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (۵۵/۲۶،۲۷) ۔ فَانٍ ۔ اسم فاعل ہے ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ایک وقت ایسا آئیگا کہ زمین پر جو کچھ ہے سب معدوم ہو جائیگا اور صرف خدا کی ذات باقی رہ جائیگی ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کائنات میں جو کچھ ہے اس میں ہر آن تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں ۔ لیکن خدا کی ذات ایسی ہے جو تغیر پذیر نہیں ۔

جسے ''تغیر'' (Change) کہا جاتا ہے ، اگر غور سے دیکھا اور سمجھا جائے تو یہ کسی شے کے اندر تبدیلی نہیں ہوتی ۔ اس طریق (Process) سے ہوتا یہ ہے کہ جس چیز میں تبدیلی آتی ہے وہ چیز معدوم ہو جاتی ہے اور اسکی جگہ ایک نئی چیز وجود میں آجاتی ہے ۔ لیکن یہ دونوں کام اسطرح بیک وقت ہوتے ہیں کہ یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ پہلی چیز کب معدوم ہوئی اور اسکی جگہ دوسری چیز کب وجود میں آئی ۔ (برگسان نے اس نکتہ کی بڑی عمدہ تشریح کی ہے) لیکن (برگسان کے فلسفہ کی رو سے) ذات (Personality) ایسی شے ہے جس میں نشوونما اور ارتقاء تو ہوتا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ وہ معدوم ہو جائے (It does not cease to exist) اسی کو باردیو نے (Changelessness in change) سے تعبیر کیا ہے ۔ اور خدا چونکہ

*تاج و راغب ۔

مکمل اور مطلق ذات ہے اس لئے اس میں تغیر اور معدوم ہو کر پھر سے متشکل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ ہمارے دور میں ہنوز فلسفہ یہیں تک پہنچا ہے ۔ لیکن اس سے بھی قرآن کریم کی مندرجہ صدر آیات (۳۶-۵۵/۳۵) کے مفہوم پر کافی روشنی پڑ جاتی ہے ۔

چونکہ (جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے) جس چیز میں تبدیلی آتی ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے اور اسکی جگہ تبدیل شدہ چیز لے لیتی ہے ، اس اعتبار سے اَلْفَنَاءُ ۔ کسی چیز کے ختم ہو جانے پر بھی بولا جاتا ہے ۔ نیز اَلْفَانِیُ ۔ بہت بوڑھے آدمی کو بھی کہتے ہیں جو قریب الختم ہوتا ہے ۔ اور فِنَاءُ الدار ۔ گھر کے سامنے کے وسیع میدان کو کہتے ہیں کیونکہ وہاں گھر کی عمارت ختم ہو جاتی ہے * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس باب کے کلمات کسی قیاس کے مطابق نہیں آتے ۔

ف ہ م

فَہِمَ ۔ یَفْہَمُ ۔ فَہْمًا ۔ کسی چیز کو جان لینا اور دل سے پہچان لینا ۔ بعض لوگوں نے علم اور فہم میں یہ فرق کیا ہے کہ علم تو مطلق ادراک (کسی چیز کو جان لینے) کو کہتے ہیں اور فہم کہتے ہیں خارجی اشیاء پر غور کے بعد ذہن کا دوسری چیزوں کی طرف تیزی سے منتقل ہو جانا ۔ بعض نے کہا ہے کہ الفاظ سے جو تصور ذہن میں آتا ہے اُسے فَہْمٌ کہتے ہیں ۔ بعض کے نزدیک فَہْمٌ ذہن کی اس خوبی کو کہتے ہیں جس سے وہ مطالب کو تیزی اور عمدگی سے اخذ کر لیتا ہے ** ۔ فَہَّمْتُہٗ ۔ میں نے اسے سمجھا دیا ** ۔ قرآن کریم میں ہے فَفَہَّمْنٰہَا سُلَیْمٰنَ (۲۱/۷۹) ۔ ہم نے سلیمان کو معاملہ سمجھا دیا ۔

ف و ت

فَاتَہٗ اَلْاَمْرُ ۔ وہ معاملہ اسکی گرفت سے جاتا رہا ۔ ہاتھ سے نکل گیا ۔ دسترس سے دور ہو گیا *** ۔ (۳/۱۵۲) ۔ دراصل فَاتَہٗ اَلْاَمْرُ کے معنی ہیں اس کام کو کرنے کا وقت نکل گیا *** ۔ اَلْفَوْتُ کے معنی ہیں کسی چیز کا انسان سے اتنا دور ہو جانا کہ اس کا حاصل کر لینا اس کے لئے دشوار ہو **** ۔ (۳۳/۵۲) ۔ چنانچہ محاورہ ہے ھُوَ فَوْتٌ فَمِیہِ اَوْ فَوْتٌ رُمْحِیہِ ۔ وہ اسے نظر تو آرہا ہے لیکن اسکی دسترس سے باہر ہے *** ۔ اَلْفَوْتُ ۔ شگاف ۔

*تاج و محیط ۔ **تاج و راغب ۔ ***تاج ۔ ****راغب ۔

نیز دو انگلیوں کے درمیانی خلا کو کہتے ہیں * ۔ تَفَاوُت کے معنی عدم مطابقت اور عدم تناسب کے ہوتے ہیں** ۔ سورۃ الملک میں ہے ۔ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۔ (۶۷/۳) ۔ تم خدا کی پیدا کردہ کائنات میں کہیں بھی عدم تناسب نہیں دیکھو گے ۔ ہر جگہ توازن و تناسب نظر آئے گا ۔

ف و ج

اَلْفَوْجُ ۔ اَلْفَائِجُ ۔ لوگوں کی جماعت ۔ رؤساء کے متبعین ۔ جمع اَفْوَاج ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جمع ہونے اور اکٹھا ہو جانے کے ہیں ۔ اَفَاجَ ۔ وہ تیز رفتار ہوا ۔ فَاجَ الْمِسْکُ ۔ مشک کی خوشبو پھیل گئی ۔ اس لئے اَلْفَوْجُ تیزی سے گزرنے والی جماعت کو کہتے ہیں*** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ یَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ فَوْجًا (۲۷/۸۳) ۔ ''جس دن (یا جس دور میں) ہم ہر اُمت میں سے ایک گروہ کو اکٹھا کرینگے'' ۔ یہاں اس کے معنی گروہ اور جماعت کے ہیں ۔ سورۃ النصر میں ہے یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۔ (۱۱۰/۲) ۔ ''اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہوتے ہیں'' ۔ یہاں اس میں تیزی اور کثرت دونوں کا مفہوم ہے ۔ نظام خداوندی کی تشکیل میں پہلا مرحلہ تو وہ ہے جس میں داعی الی الحق کی بڑی محنت اور مشقت کے بعد ، اکا دکا کرکے ، مدت مدید میں ، کچھ افراد جمع ہوتے ہیں ۔ پھر ان کی محنت شاقہ اور سعیٔ پیہم سے ، اس نظام کے اولین مراحل طے ہوتے ہیں ۔ یہ السابقون الاولون کی جماعت ہوتی ہے جنہیں قدم قدم پر سینکڑوں قسم کے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ لیکن ان کی اس سعی مسلسل کے بعد ، جب یہ کھیتی پروان چڑھتی ہے تو اس کے درخشندہ و تابناک نتائج کو دیکھ کر ، لوگ جوق درجوق اس نظام میں داخل ہونا شروع ہو جاتے ہیں ۔ یہ ہے وہ منزل جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۔

ف و ر

فَارَ ۔ فَوْرًا ۔ جوش مارنا ۔ پھوٹ کر نکل پڑنا ۔ فَارَتِ الْقِدْرُ ۔ ہانڈی جوش کھانے لگی ۔ اَلْفَوَّارَۃُ ۔ وہ جگہ جہاں سے چشمہ جوش مار کر نکلے* ۔ رَجُلٌ فَیُّوْرٌ ۔ تیز مزاج اور جلد غصہ میں آجانے والا آدمی** ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و محیط و راغب ۔

سورۃ ھود میں ھے ۔ فَارَ التَّنُّوْرُ (۱۱/۴۰) ۔ زمین میں سے جوش کے ساتھ چشمے ابل پڑے ۔ سورۃ آل عمران میں ھے ۔ وَ یَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ (۳/۱۲۵) ۔ وہ اپنے پورے جوش میں تم پر حملہ کریں ۔ سورۃ ملک میں ھے ۔ وَ ھِیَ تَفُوْرُ (۶۷/۸) ۔ وہ جوش مار رھی ھوگی ۔ ابن فارس کے نزدیک اس کے بنیادی معنی جوش مارنے کے ھیں ۔

فَوْرٌ کے معنی جلدی اور بغیر رکے کسی کام کو کرنے کے بھی ھیں ۔ عربی زبان میں عَلَی الْفَوْرِ اور مِنْ فَوْرِہٖ اور اردو میں فوراً بولتے ھیں ۔ عجلت کا مفہوم اس لئے پیدا ھوا کہ جوش میں عجلت ھی سے کام لیا جاتا ھے ۔

ف و ز

اَلْفَوْزُ ۔ اگرچہ اس کے معنی کسی مصیبت سے چھٹکارا پا لینے کے بھی ھیں * ۔ لیکن اس کا دوسرا مفہوم اپنی آرزو یا خیر کو حاصل کر لینا ، مقصود کو پا لینا ھے * ۔ مصیبت سے رھائی پالینا محض ایک سلبی (Negative) چیز ھے لیکن قرآن کریم ، جنت کی زندگی کو ایک ایجابی (Positive) مقصد کا حصول (Achievement) قرار دیتا ھے ۔ اس لئے وہ اھلِ جنت کو فَائِزُوْنَ (۵۹/۲۰) کہتا ھے ۔ یعنی وہ جو فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (۳۳/۷۱) کے حامل ھیں ۔ اس میں اس دنیا کا مال و متاع اور خوشگواریاں بھی شامل ھیں ، جیسا کہ قرآن کریم نے (۳/۱۵) میں خود واضح کر دیا ھے ۔ دوسری جگہ اسے مَفَازًا کہا ھے ۔ (۷۸/۳۱) ۔ سورۃ آل عمران میں ھے کہ جو شخص تباھیوں سے محفوظ رھا اور ''جنت میں داخل ھوگیا'' ۔ فَقَدْ فَازَ (۳/۱۸۵) تو یہ ھے جسے کامیاب کہا جائے گا ۔ دیکھئے ، اس میں دونوں پہلو موجود ھیں ۔ تباھیوں سے بچنا اور زندگی کی خوشگواریوں کا حاصل ھوجانا ۔ یہ ھے کامیابی ۔ اسی کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ھے ۔ یُنَجِّی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِھِمْ (۳۹/۶۱) ۔ متقیوں کو اللہ تباھیوں سے بچاتا ھے ، اُن کی کامیابی کے ساتھ ۔ یعنی وہ تخریبی قوتوں کے شر سے بھی محفوظ رھتے ھیں اور اپنے مقاصد کو حاصل بھی کرتے ھیں ۔

دنیائے مذاھب میں زندگی کا مقصد ان مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرلینا ھے ۔ جن میں انسان گرفتار ھوتا ھے ۔ لیکن قرآن کریم اس چیز کو مقصودِ حیات قرار نہیں دیتا ۔ اس کے نزدیک ان تباھیوں سے بچ کر اپنے مقصد کو

*تاج نیز ابن فارس ۔

حاصل کرنے (Positive Achievement) کا نام کامیابی ہے ۔ (دیکھئے عنوان ف ۔ ل ۔ ح اور ن ۔ ج ۔ و) ۔ یہ مثبت کامیابی ، اس دنیا میں سربلندی اور سرفرازی کی زندگی ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں مزید ارتقائی منازل طے کرنے کی صلاحیت ۔ یہی فوز عظیم ہے ۔

ف و ض

فَوَّضَ اِلَیْہِ الْاَمْرَ تَفْوِیْضًا ۔ اس نے معاملہ اس کی طرف لوٹا دیا ، اس کے حوالہ کردیا* ۔ اس معاملہ کا فیصلہ اس کے اوپر چھوڑ دیا ۔ اَلْمُفَاوَضَۃُ کے معنے ہوتے ہیں ایک دوسرے کے برابر اور شریک کار ہونا ۔ مَتَاعُھُمْ فَوْضٰی بَیْنَھُمْ ۔ ان کا سامان اس طرح ان کے درمیان مشترک ہے کہ اس میں بلا تخصیص غیرے سب برابر کے شریک ہیں ۔ اسلئے قَوْمٌ فَوْضٰی اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں تمام لوگ برابر ہوں ۔ کوئی کسی پر حکم نہ چلائے ، نہ کوئی کسی سے مشورہ کرے ۔ اور نہ ان کا کوئی حاکم اور لیڈر ہو* ۔ ان لوگوں کو بھی کہتے ہیں جن کا معاملہ غیر واضح اور گڈمڈ ہو ۔ ان میں سے کوئی اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کرتا ہو اور ایک دوسرے پر کام ڈالتا ہو ۔ اسی سے آجکل فَوْضَوِیَّت انارکی (Anarchy) کو کہتے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ (۴۰/۴۴) ۔ میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں ۔ اسے اپنے معاملہ کا مختار بناتا ہوں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی پر تکیہ کرنا اور اس کے سپرد کر دینا ہیں ۔ جماعت مومنین قوانینِ خداوندی پر پورا پورا بھروسہ کرتی ہے اور اپنے معاملات کو انہی کے سپرد کردیتی ہے ۔

ف و ق

فَوْقٌ ۔ تَحْتٌ کی ضد ہے ۔ تَحْتٌ کے معنی نیچے اور فَوْقٌ کے معنی اوپر ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اَسْفَلَ کے مقابلہ میں بھی آیا ہے (۶۵/۱۰) ۔ فَاقَ فَوْقًا کے معنی ہیں کسی سے کسی بات میں زیادہ ہونا ۔ فَوْقٌ کے معنے کبھی دُوْنٌ یعنی ورے اور کمتر کے بھی ہوتے ہیں ۔ چنانچہ جب کوئی کہے کہ فُلَانٌ صَغِیْرٌ (وہ چھوٹا ہے) اور اس کے جواب میں کہا جائے وَ فَوْقَ ذَالِکَ تو یہاں فوق سے مراد ہوگا اس سے بھی چھوٹا (جتنا تم

*تاج و محیط و راغب ۔

بتا رہے ہو)* ۔ (۲/۶۶) میں یہی مفہوم ہے ۔ لیکن بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ اس آیت میں بھی یہ اوپر ہی کے معنے رکھتا ہے ۔ یعنی مچھر سے بڑے مثلاً مکڑی وغیرہ ۔

اَلْفَائِقُ ۔ ہر چیز کا بہترین حصہ ۔ تَفَوَّقَ عَلٰی قَوْمِہٖ کے معنی ہیں وہ رتبہ میں اپنی قوم پر بلند ہوگیا ۔ اس اعتبار سے قرآن کریم میں لفظ فَوْقٌ غلبہ و تسلط کے معنوں میں آیا ہے ۔ یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ (۱۶/۵۰) ۔ ان پر خدا کا جو غلبہ و تسلط ہے اس سے خائف رہتے ہیں ۔ اَفَاقَۃٌ ۔ فَوَاقٌ اور فُوَاقٌ اس وقفے کو کہتے ہیں جو اونٹنی کے دو مرتبہ دودھ دوھنے کے درمیان ہو ۔ یا یہ کہ اونٹنی جنگل سے چر کر آئے تو اسے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے اور اس کے بعد اس کا دودھ دوھا جائے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے دوسرے بنیادی معنی لوٹ آنا بھی ہیں ۔ چنانچہ فَوَاقُ النَّاقَۃِ کے معنی ہیں دودھ دوھنے کے بعد دودھ کا پھر تھنوں میں لوٹ آنا ۔ سورۃ اعراف میں ہے ۔ فَلَمَّآ اَفَاقَ (۷/۱۴۳) ۔ جب اسے غش کے بعد ہوش آیا ۔ جب اس میں سکون پیدا ہوا ۔ نیز فُوَاقٌ ہچکی کو کہتے ہیں* ۔ سورۃ ھود میں ہے مَالَھَا مِنْ فَوَاقٍ (۳۸/۱۵) ۔ اس میں وقفہ نہیں ہوگا ۔ ابن فارس نے اس کے معنے رجوع اور پلٹ کر آنا لکھے ہیں ۔ یعنی تکرار اور دوبارہ ہونا ۔ اَلْفَاقَۃُ ۔ فقر اور ضرورت کو کہتے ہیں ۔ اَفْتَاقَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں وہ آدمی فقیر اور حاجت مند ہوگیا* ۔

ف و م

اَلْفُوْمُ ۔ بعض کا خیال ہے کہ اس میں فاء، ثاء سے بدل دی گئی ہے اور اصل میں یہ لفظ ثُوْمٌ (بمعنی لہسن) ہے ۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اَلْفُوْمُ گیہوں کو کہتے ہیں اور روٹی کو بھی ۔ نیز ان تمام غلوں کو کہتے ہیں جن کی روٹی پکائی جاتی ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلْفُوْمُ جنے کو کہتے ہیں** ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ (۲/۶۱) میں آیا ہے ۔

ف و ہ

فَاہٌ ۔ فُوْہٌ ۔ فِیْہٌ ۔ سب کے معنی منہ (فَمٌ) کے ہیں ۔ جمع اَفْوَاہٌ ۔ اَلْاَفْوَاہُ ۔ مسالے نیز وہ چیزیں جو خوشبو کے لئے ڈالی جائیں ۔ قسم قسم

*تاج و راغب ۔ **تاج ۔

کے پھول اور کلیاں ۔ انواع و اقسام کی چیزیں * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں کھلن کے ہیں ۔ (یعنی کسی چیز کا بند نہ ہونا بلکہ کھلا ہونا)

راغب نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں کسی کی بات (قَوْلٌ) کو قَمٌ یا فُوْہٌ کی طرف منسوب کیا ہے وہاں اس کے جھوٹ کی طرف اشارہ ہے ۔ یعنی وہ صرف زبان سے ایسا کہتے ہیں ۔ ان کے دل کی تائید اس کے ساتھ شامل نہیں** ۔ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاھِھِمْ مَّالَیْسَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ (۳/۱۶۶) ۔ وہ زبان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ۔

فِی (حرف)

فِیْ ۔ (۱) ظرفِ مکان یا ظرفِ زمان کے لئے آتا ہے ۔ جیسے ، مسجد میں ۔ یا چند سال کے عرصہ میں ۔ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَۃِ (۲۸/۱۸) ۔ پس وہ صبح کے وقت شہر میں آیا ۔ یا غُلِبَتِ الرُّوْمُ ..... فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ (۳۰/۲-۴) رومی مغلوب ہوگئے ، (اور وہ مغلوب ہونے کے بعد غالب آجائینگے) چند سال کے عرصہ میں ۔ یا ویسے ہی ''میں'' کے معنوں میں ۔ مثلاً وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ (۲/۱۷۹) ۔ تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے ۔

(۲) معیت (ساتھ) کے معنوں میں ۔ قَالَ ادْخُلُوْا فِیْ اُمَمٍ (۷/۳۸) ۔ ان سے کہیگا کہ تم (سابقہ) امم کے ساتھ (جہنم میں) داخل ہو جاؤ ۔ یعنی انہی میں شامل ہو جاؤ ۔

(۳) سبب کے لئے ۔ قالت فَذٰلِکُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْہِ (۱۲/۳۲) ۔ (عزیز کی عورت نے) کہا کہ یہی وہ ہے جس کی وجہ سے تم مجھے ملامت کرتی تھیں ۔

(۴) عَلٰی (اوپر) کے معنوں میں ۔ وَلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (۲۰/۷۱) ۔ میں تمہیں کھجور کے تنوں پر صلیب دونگا ۔

(۵) اِلٰی (تک ۔ کی طرف) کے معنوں میں ۔ فَرَدُّوْا اَیْدِیَھُمْ فِیْ اَفْوَاھِھِمْ (۱۴/۹) ۔ تو وہ اپنے ہاتھ ان کے منہ تک لئے گئے ۔

(۶) مِنْ (سے) کے معنوں میں ۔ وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیْدًا ۔ جس دن (۱۶/۸۹) ۔ ہم ہر امت میں سے شاہد کھڑے کرینگے ۔

---

*تاج ۔ **راغب ۔

(۷) مقابلہ کے لئے ۔ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (۹/۳۸) ۔ متاع دنیا آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہے ۔

(۸) کبھی یہ زائد بھی ہوتا ہے ۔ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا (۱۱/۴۱) ۔ اس نے کہا کہ اس (کشتی) میں سوار ہو جاؤ ۔ فِيْ اس لئے زائد ہے کہ خالی ارْكَبُوْهَا کے بھی وہی معنی ہیں ۔

(۹) سورۂ عنکبوت میں ہے ۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۲۹/۶۹) ۔ اس کے معنی ہونگے ، جو لوگ ہمارے لئے یا ہماری راہ میں یا ہماری (متعین کردہ منزل) کی طرف آنے کے لئے جد و جہد کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی طرف راہ نمائی کر دیتے ہیں (یہ مثال لغت کی کسی کتاب میں نہیں ملی)۔

ف ی أ

فَيْءٌ ۔ سایہ ۔ محیط میں ہے کہ طلوع آفتاب سے لیکر زوال آفتاب تک کے سایہ کو ظِلٌّ کہتے ہیں ، اور زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک کے سایہ کو فَيْءٌ ۔ چونکہ سایہ لوٹ کر آتا ہے اسی لئے فَاءَ کے معنی لوٹنے یا واپس آنے کے ہوتے ہیں اور اَفَاءَ کے معنے لوٹانے اور پلٹانے کے ۔ فَيْءٌ کے معنی اچھی حالت کی طرف لوٹ آنے کے ہوتے ہیں ۔ مال غنیمت اور خراج کو بھی فَيْءٌ کہتے ہیں ، اسلئے کہ وہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کی طرف لوٹ آتا ہے ۔

سورۂ نحل میں ہے ۔ يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ (۱۶/۴۸) ۔ اس کا سایہ دائیں بائیں لوٹتا رہتا ہے ۔

سورۂ حجرات میں ہے ۔ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۔ (۴۹/۹) ۔ تاوقتیکہ وہ قانون خداوندی کی طرف لوٹ نہ آئے ۔

قرآن کریم نے فَيْءٌ اور غنیمت کا الگ الگ ذکر کیا ہے ۔ مال فَيْءٌ کے متعلق سورۂ حشر میں ہے وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ..... (۵۹/۶) ۔ ”اور اللہ نے اپنے رسولؐ کو ان سے جو مال فَيْءٌ دلایا تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جسپر چاہتا ہے تسلط دیدیتا ہے “ ۔ اس سے ظاہر ہے کہ مال فَيْءٌ وہ ہے جو بغیر لشکر کشی کے حاصل ہو جائے ۔ ہو سکتا ہے کہ

اس میں (دشمن سے حاصل کردہ مال کے علاوہ) وہ مال بھی شامل ہو جو صوبے، اپنی ضروریات سے فاضل، مرکز کیطرف بھیجدیں۔ مال فیٔ کی تقسیم کے متعلق فرمایا کہ یہ "اللہ کے لئے اور رسولؐ کے لئے اور ذی القربیٰ۔ یتامیٰ۔ مساکین اور ابن السبیل کے لئے ہے"۔ اس کے بعد ہے کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ۔ "تاکہ یہ مال تم میں سے دولتمندوں کے اندر ہی گردش نہ کرتا رہے"۔ یہ اصول قومی معیشت کے ایک بنیادی نکتہ کو بیان کرتا ہے۔ یعنی دولت کی گردش (Circulation) اوپر کے طبقہ ہی میں نہیں ہوتی رہنی چاہئے۔ اس کے بعد ہے وَمَآ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰىکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (۵۹/۷)۔ "جو کچھ تمہیں رسولؐ دے اسے لے لو۔ اور جس سے وہ تمہیں روکے اس سے رک جاؤ"۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگرچہ قرآن کریم نے مملکت کی دولت کے مصارف کی اصولاً نشاندہی کر دی ہے لیکن اس کی تفصیلی تقسیم کا حق مرکز کو دیا ہے جو مقتضائے حالات کے مطابق خرچ کریگا۔

مالِ غنیمت کے متعلق سورۃ انفال میں ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ... (۸/۴۱)۔ اور سمجھ لو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت ملے، تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے، اور رسولؐ کے لئے اور ذی القربیٰ کے لئے۔ یتامیٰ۔ مساکین اور ابن السبیل کے لئے"۔

صدقات کے مصارف کے متعلق سورہ توبہ میں ہے کہ وہ "فقراء۔ مساکین۔ اور صدقات کے کارکنوں کے لئے ہیں۔ اور ان کے لئے جنکی تالیف قلوب ضروری ہے۔ اور بندھنوں میں جکڑے ہوئے لوگوں کو آزاد کرانے کیلئے۔ اور مقروض و مصیبت زدوں کے لئے۔ اور "اللہ کی راہ" میں خرچ کرنے کے لئے اور ابن السبیل کے لئے ..... (۹/۶۰)۔

مال فیٔ اور غنیمت کے مصارف میں "ذی القربیٰ" کے متعلق استاذ محمدؐ عزّۃ دروزہ نے اپنی کتاب "الدستورالقرآنی" میں لکھا ہے کہ اس سے مراد "رشتہ دار" نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو اسلام میں پیش پیش رہے ہوں اور جنہوں نے اسلام اور ملت کے لئے مفید خدمات سرانجام دی ہوں۔ لیکن قرآن کریم کے دیگر مقامات سے اس مفہوم کی تائید نہیں ملتی۔ البتہ اس نے جو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد رسول اللہؐ کے رشتہ دار نہیں، تو یہ چیز قرآنی مفہوم کے مطابق ہے۔

ف ی ض

فَاضَ الْمَاءُ ۔ یَفِیْضُ ۔ فَیْضًا ۔ فَیْضُوْضًا ۔ کسی جگہ پانی کا بہت زیادہ جمع ہو کر وہاں سے نکل پڑنا اور بہ نکلنا ۔ آنسوؤں کے بہنے کے لئے بھی آتا ہے (۵/۸۳) ۔ حَوْضٌ فَائِضٌ ۔ لبالب بھرا ہوا حوض ۔ بَحْرٌ فَائِضٌ ۔ پر جوش سمندر جس کا پانی اوپر سے اچھل کر نکل رہا ہو ۔ اَلْفَیْضُ دریا اور نہر کو کہتے ہیں ۔ فَیَّاضٌ ۔ بہت پانی والی نہر ۔ فَاضَ الْمَالُ یَفِیْضُ ۔ مال بہت زیادہ ہوگیا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی آسانی سے بہنے کے ہیں ۔ یہیں سے یہ لفظ لوگوں کے کثیر تعداد میں ادھر ادھر جانے کے لئے استعمال ہونے لگا ۔ چنانچہ اَلْاِفَاضَۃُ کے معنی ہیں کثیر آدمیوں کا تیزی کے ساتھ چلنا ۔ یکبارگی چل پڑنا ۔ یکبارگی روانگی اور واپسی کو اِفَاضَۃٌ کہتے ہیں ۔ نیز باتوں میں بہ جانے (مشغول ہوجانے) کو بھی* ۔ در اصل اَلْاِفَاضَۃُ کے معنے لنڈھانا ، اوپر سے گرانا اور بہانا ہیں (۵۶/۵۰) ۔

چل پڑنے کے معنوں میں قرآن کریم میں یہ لفظ (۲/۱۹۹) میں آیا ہے ۔ باتوں میں لگ جانے کے لئے (۳۶/۸) میں ۔ اور باتوں میں مشغول ہو جانے اور چرچا کرنے ، دونوں معنوں میں (۲۴/۱۴) میں ۔

ف ی ل

اَلْفِیْلُ ۔ ہاتھی* ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ ''پیل'' سے معرب ہے ۔ اور جو لفظ فَیْلٌ عربی الاصل ہے اس کے معنی کمزوری کے ہوتے ہیں ۔ رَجُلٌ فَیْلٌ الرَّاْیِ ۔ کمزور رائے والا آدمی ۔

قرآن کریم میں اَصْحَابُ الْفِیْلِ (۱۰۵/۱) آیا ہے ۔ اس کے متعلق تاریخ میں ہے کہ ابرہۃ الاشرم حبشی اپنی ہاتھیوں کی فوج لیکر کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے مکہ پر چڑھ آیا تھا اور اس کے لئے اس نے پہاڑیوں کی اوٹ میں ، خفیہ راستہ اختیار کیا تھا ۔ لیکن گدھوں کے جُھنڈ ، جو اپنی جبلی ذہانت سے یہ دیکھ لیتے ہیں کہ فوج کسی طرف جا رہی ہے اس لئے ہمیں ان کے ساتھ جانے سے بہت سا سامان خوراک (لاشیں) ملینگی ، ان کے اوپر منڈلاتے ہوئے آگئے ۔ انہیں دیکھ کر قریش عرب نے بھانپ لیا کہ کوئی لشکر ادھر آرہا ہے ۔ چنانچہ وہ اپنی پہاڑیوں پر چڑھ گئے اور وہاں سے زور

*تاج ۔

کا پتھراؤ کیا ۔ کچھ تو خود ان پتھروں سے ، اور کچھ اس طرح کہ ان سے ہاتھی بھڑک اٹھے اور اپنی فوج کو کچلتے ہوئے بھاگے ، وہ فوج بھس کی طرح ہوگئی ۔ یہ سارا واقعہ سورۃ فیل میں بیان ہوا ہے ۔ واقعہ ایسا تھا جسے مخاطبین عرب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ، اس لئے وہ جانتے تھے کہ قرآن کریم کیا کہہ رہا ہے ۔ قرآن کریم کا اس سے مقصد یہ بتانا تھا کہ تم اس دین حق کی مخالفت چھوڑدو ورنہ تم بھی اسی طرح تباہ و برباد ہوجاؤ گے ۔

ق

قارون

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسٰی ؑ کو فرعون ، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا گیا تھا (۴۰/۲۴)۔ اور ان دونوں کی طرح قارون بھی ہلاک ہونے والوں میں سے تھا (۲۹/۳۹)۔ قارون قوم موسٰی ؑ میں سے تھا اور سرمایہ داری کی لعنت کا مجسمہ ۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر اسی خصوصیت کے ساتھ کیا ہے (۲۸/۷۶)۔ تورات میں ہے کہ قارون (قرح بن ظہار بن قہات بن لاوی) حضرت موسٰی ؑ کے مقابلہ کے لئے اٹھا (گنتی ۱۶/۱)۔ یہودیوں کا مشہور مؤرخ جوزیفس ، اپنی تاریخ (Antiquity of the jews) میں لکھتا ہے کہ

> قارون جسکی شہرت اس کے نسب اور اسکی دولت دونوں وجہ سے تھی ، عبرانیوں کے مشاہیر میں سے تھا ۔ اسے حضرت موسٰی ؑ سے حسد پیدا ہوا اور اس نے تمام بنی لاوی کو اور اپنے اہل خاندان کو ان کے خلاف ابھارا (حصہ ۴ ۔ باب ۳ ۔ فصل ۲)

جیوئش انسائکلوپیڈیا میں ہے

قرح کا نام بہ حیثیت غیر معمولی دولت کے مالک کے آتا ہے ۔ حضرت یوسف ؑ نے جو خزانے مصر میں دفن کئے تھے ان میں سے ایک خزانہ اس کے ہاتھ لگ گیا تھا ۔ تین سو خچروں کی ضرورت تو محض اس کے خزانے کی کنجیاں اُٹھانے کیلئے ہوتی تھی۔ (جلد ۷ ۔ صفحہ ۵۰۶)۔

چونکہ حضرات انبیائے کرام ؑ کی دعوت انقلاب ، نظام سرمایہ داری (Capitalism) کو مٹانے کیلئے ہوتی تھی اسلئے قرآن کریم نے خصوصیت سے قارون کا ذکر کیا ہے ۔ سرمایہ پرست کی ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ (وہ سمجھتا ہے کہ) میں جو کچھ کماتا ہوں وہ میری اپنی ہنر مندی اور چابکدستی کا نتیجہ ہے اس لئے وہ میری واحد ملکیت ہے جس میں کسی اور کا حق اور حصہ

نہیں - میں جتنا جی چاہے جمع کروں اور اسے جسطرح جی چاہے صرف کروں۔ قارون (جسے قرآن کریم نے اس ذہنیت کے ایک ترجمان کی حیثیت سے پیش کیا ہے) یہی کہتا تھا - قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (۲۸/۷۸)۔ ''وہ کہتا تھا کہ یہ سب کچھ مجھے اپنی ہنر مندی سے ملا ہے''۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ* (۳۹/۴۹) یہ ان لوگوں کی بڑی غلط نگہی اور گمراہی ہے - جس چیز کو انسان اپنی ہنر مندی اور ذاتی صلاحیت کہتا ہے ذرا سوچئے تو سہی کہ اس میں کتنا حصہ اس کا اپنا ہے اور کتنا حصہ قدرت کا عطیہ - خود انسانی ذہن اور اسکی استعداد کو لیجئے - یہ کسی فرد کی نہ اپنی پیدا کردہ ہوتی ہے نہ زر خرید - یہ خالصۃً موہبت خداوندی (عطیہ فطرت) ہے - اس سے آگے وسائل پیداوار (زمین اور مافیہا) کو لیجئے تو یہ تمام کے تمام فطرت کے عطا کردہ ہیں - اس لئے اگر بغور دیکھا جائے تو انسان جو کچھ حاصل کرتا ہے اس میں محنت (Labour) اسکی اپنی ہوتی ہے ، باقی سب کچھ خدا کا عطا کردہ - لہذا اس میں اسکا صرف حق المحنت ہوتا ہے - باقی سب کچھ خدا کا ہوتا ہے - خدا ''اپنے حصے'' کے متعلق کہتا ہے کہ اسے نوع انسانی کی عام پرورش (ربوبیت عامہ) کے لئے کھلا رکھنا چاہئے - لہذا قارونی (سرمایہ دارانہ) ذہنیت ، قرآن کے نظام ربوبیت کی ضد ہے ، اور اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی - اسی لئے قرآن کریم نے قارون کے اس قول کے بعد جسے اوپر درج کیا گیا ہے کہا ہے کہ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا (۲۸/۷۸)۔ ''کیا اسے علم نہ تھا کہ اللہ نے اس سے پہلے ایسی ایسی قوموں کو تباہ کردیا جو طاقت اور جمعیت میں اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں - یعنی نظام سرمایہ داری کی تعمیر میں خرابی کی صورت مضمر ہوتی ہے اس لئے یہ نظام کبھی پنپ نہیں سکتا۔

ق ب ح

اَلْقَبِیْحُ - وہ چیز جسے نگاہ دیکھنا پسند نہ کرے اور وہ عمل جس سے انسان کا دل نفرت کرے - مَقْبُوْحٌ - وہ شخص جسے ذلیل و خوار سمجھا جائے اور دھتکار دیا جائے - وہ چیز جسے بدنما بنا دیا گیا ہو - نیز جسے خیر سے دور رکھا جائے* - ابن فارس نے قَبَحَهٗ کے معنے ایسے ہٹایا اور دور کر دیا لکھے ہیں ، اور اس مادہ کے بنیادی معنے حسن کی ضد بتائے ہیں - نَاقَةٌ قَبِیْحَةُ الشَّخْبِ وہ اونٹنی جس کے تھنوں کے سوراخ بہت وسیع ہوں - قَبَحَ الْبَیْضَةَ - اس

*راغب و تاج و محیط -

نے انڈے کو توڑ ڈالا ۔ نیز ہر چیز کو توڑنے پھوڑنے کے لئے بھی یہ لفظ بول دیا جاتا ہے ۔ اَلْقُبْحُ ۔ حسن کی ضد ہے * ۔

قرآن کریم میں مجرمین کے متعلق ہے هُمْ مِنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ (۲۸/۶۱) ۔ وہ زندگی کی تمام خوشگواریوں سے محروم کر دئے جائیں گے ۔ وہ ذلیل و خوار ہوں گے ۔ ان کی صلاحیتیں ضائع چلی جائیں گی۔

ق ب ر

اَلْقَبْرُ ۔ میت کو دفن کرنے کی جگہ ۔ اَلْمَقْبَرَةُ ۔ قبرستان ۔ قَبَرَهٗ ۔ يَقْبِرُهٗ وَ يَقْبُرُهٗ ۔ اس نے اسے دفن کر دیا * ۔ سورۂ عبس میں ہے ۔ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (۸۰/۲۱) ۔ پھر خدا اسے مارتا ہے (موت دیتا ہے) اور اسے قبر میں رکھواتا ہے ۔ اس کے لئے قبر مہیا کرتا ہے یا اسے قبر میں دفن کرنے کا کہتا ہے ۔ یہاں قَبَرَهٗ نہیں کہا بلکہ اَقْبَرَهٗ کہا ہے ۔ کیونکہ قَبَرَهٗ اُس وقت کہتے ہیں جب کوئی کسی کو اپنے ہاتھ سے دفن کرے ۔ مَقْبَرَةٌ کی جمع مَقَابِرُ آتی ہے ۔ سورہ تکاثر میں ہے زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۔ (۱۰۲/۲) ۔ قرآن کریم میں مَنْ فِي الْقُبُوْرِ (۲۲/۷ ؛ ۳۵/۲۲) کنایۃً ان کے لئے بھی آیا ہے جو زندگی کی شادابیوں سے محروم ہو چکے ہوں یا جہالت اور تعصب میں اس درجہ آگے بڑھ چکے ہوں کہ ان پر کوئی نصیحت کارگر نہ ہو ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے ۔ م ۔ و ۔ ت اور ح ۔ ی ۔ ی کے عنوانات)

واضح رہے کہ قرآن کریم نے مُردوں کے متعلق قبر یا مرقد وغیرہ کے جو الفاظ استعمال کئے ہیں (مثلاً مَنْ يَبْعَثُنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۔ ۳۶/۵۲) ۔ تو اس سے مراد یہ نہیں کہ مردے کسی خاص مقام (قبروں) سے اٹھائے جائینگے ۔ اگر یہ مراد ہو تو ان مُردوں کی بابت کیا کہا جائیگا جنہیں دفن نہیں کیا جاتا ؟ دفن کرنا تو مُردوں کی (Disposal) کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے ۔ اس کے علاوہ مختلف اقوام کے ہاں اور طریقے بھی رائج ہیں ۔ قرآن کریم کا مقصد موت کے بعد کی زندگی کو بیان کرنا ہے ۔ عربوں کے ہاں چونکہ مُردے قبروں میں گاڑے (دفن کئے) جاتے تھے اس لئے قرآن کریم نے قبروں کا ذکر کیا ہے، ورنہ حیات بعد الممات کے لئے نہ کسی مقام کی خصوصیت ہے نہ اس جسم کی ضرورت جو موت کے ہاتھوں تلف ہوجاتا ہے ۔ موت کے بعد زندگی یقینی ہے لیکن اس زندگی کے لئے پیکر یا مظہر کس قسم کا ہوگا، ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر اس کا ادراک نہیں کر سکتے ۔ ویسے بھی اصل مقصد تو زندگی سے ہے، نہ کہ اس کے مظاہر سے ۔

* تاج و راغب و محیط ۔

ق ب س

اَلْقَبَسُ ۔ آگ کا شعلہ (یا چنگاری) جسے کسی بڑی آگ سے حاصل کیا جائے ۔ اَلْمُقْتَبَسُ ۔ آگ کی چنگاری * ۔ سورہ طٰہٰ میں ہے ۔ آتِیْکُمْ مِنْہَا بِقَبَسٍ (۲۰/۱۰) میں اس آگ سے تمہارے پاس شعلہ لے آؤں ۔ اِقْتَبَسَ ۔ اس نے بڑی آگ سے کچھ آگ لے لی* ۔ سورہ حدید میں ہے ۔ نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِکُمْ (۵۷/۱۳) ۔ ہم تمہاری روشنی سے کچھ روشنی لے لیں ۔ تمہارے دیے سے اپنا دیا جلا لیں ۔ اس سے اِقْتَبَسَ الْعِلْمَ کے معنی ہیں کسی سے علمی استفادہ کرنا * ۔

ق ب ض

قَبَضَ عَلَیْہِ بِیَدِہٖ ۔ اس نے اسے اپنے پورے پنجے سے پکڑ لیا ۔ گرفت میں لے لیا ۔ قَبَضَ یَدَہٗ عَنْہُ ۔ اس نے اسے پکڑنے سے اپنے ہاتھ کو سکیڑ لیا ۔ یا کھینچ لیا ۔ دراصل قَبَضَ کے معنے کھینچ لینے یا سکیڑ لینے کے ہوتے ہیں** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) کسی چیز کو لے لینا اور (۲) کسی چیز کا سکڑ اور سمٹ کر مجتمع ہو جانا بتائے ہیں ۔ یہ بَسَطَ کی ضد ہے (۲/۲۴۵) جس کے معنی پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں ۔ سورہ فرقان میں ہے ۔ ثُمَّ قَبَضْنٰہُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا (۲۵/۴۶) پھر ہم اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں ۔

قَبْضَۃٌ ۔ ملکیت ۔ سورہ زمر میں ہے ۔ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ (۳۹/۶۷) ۔ آسمانی انقلاب کے دور میں معاش کے تمام ذرائع اسی خدا کی ملکیت میں ہونگے جس کے تصرف میں کائناتی نظام ہے ۔ یعنی اس وقت انسانی معاش بھی خدا ہی کے قانون کے تابع ہوگی ۔ یہ نہیں ہوگا کہ کائنات میں خدا کا قانون چل رہا ہو اور زمین (انسانی معاش) میں انسانوں کا خود ساختہ قانون ۔ یہ شرک ہے ۔

قَبْضَۃٌ ۔ اختیار کرنا ۔ سورہ طٰہٰ میں سامری کے متعلق ہے کہ اس نے کہا کہ فَقَبَضْتُ قَبْضَۃً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ (۲۰/۹۶) ۔ میں نے رسول (حضرت موسیٰ ؑ) کے نقش قدم (مسلک و مشرب) میں سے بہت تھوڑا سا اختیار کیا ۔ یعنی میں نے ان کی بہت تھوڑی سی پیروی کی ۔ فَنَبَذْتُہَا ۔ اور پھر اسے بھی چھوڑ دیا*** ۔

مَقْبُوْضَۃٌ ۔ قبضہ کی ہوئی ۔ ہاتھ میں لی ہوئی ۔ (۲/۲۸۳) ۔

---

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔ ***ابو مسلم اصفہانی بحوالہ غریب القرآن ۔ میرزا ابو الفضل ۔

سورۂ ملک میں پرندوں کے متعلق ہے ۔ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ (۶۷/۱۹) ۔ اس کے عام معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے پر پھیلاتے ہیں اور سکیڑتے ہیں ۔ لیکن صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ قَبَضَ الطَّائِرُ کے معنی ہیں پرندے نے اڑنے میں تیزی کی ۔ اسی طرح فَرَسٌ قَبِيْضٌ الشَّدِّ کے معنی ہیں تیزی سے پاؤں اٹھانے والا گھوڑا* ۔ ابن فارس نے بھی اس کے یہی معنی لکھے ہیں ۔

ق ب ل

قَبْلٌ ۔ بَعْدٌ کی ضد ہے ۔ قرآن کریم میں ہے لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ (۳۰/۴) ۔ ''پہلے اور پیچھے اللہ ہی کا امر ہے'' ۔ نیز قَبْلٌ کے معنی ''بغیر'' کے بھی ہوتے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ (۱۸/۱۰۹) جس کے معنی ہیں ''بغیر اس کے کہ میرے رب کے کلمات پورے ہوسکیں***۔ (اگرچہ یہاں اس کے معنی ''قبل اسکے'' بھی ہوسکتے ہیں) ۔ اَلْقَبْلُ اَلْقُبُلُ ۔ (یہ الدُّبُرُ و الدُّبُرُ پیچھے کی ضد ہے ۔ یعنی) آگے ۔ سورۃ یوسف میں ہے وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ (۱۲/۲۶) ۔ ''اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہے'' ۔

اَلْقَبْلُ ۔ پہاڑ کا دامن (عرض میں) ۔ اَلْقَبْلُ مِنَ الزَّمَنِ ۔ زمانہ کا اولین حصہ ۔ اَلْقَبْلَةُ ۔ بوسہ ۔ قَوَابِلُ الْاَمْرِ ۔ کسی معاملہ کے ابتدائی امور ۔ مبادیات ۔ اَلْقَابِلَةُ ۔ آنیوالی شب ۔ نیز وہ عورت جو بچہ جنائے*** ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا دوسری چیز کے آمنے سامنے ہونا ہیں ۔ رہ گیا قَبْلٌ کا لفظ جو بَعْدٌ کی ضد ہے تو وہ اس بنیادی معنی کے تحت نہیں آتا ۔ لہذا وہ خلاف قیاس ہے ، اگرچہ یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ جو چیز پہلے واقع ہوتی ہے وہ زمانہ کے سامنے آرہی ہوتی ہے ۔ لیکن یہ توجیہ قرین قیاس نظر نہیں آتی*** ۔

قِبَلٌ کے معنی ہیں آمنے سامنے ۔ نیز طرف ، جہت ، رخ ، سمت ۔ یہ بمعنی عِنْدَ بھی آتا ہے ۔ یعنی پاس ، نزدیک ۔ اس کے معنی تاب و توان اور طاقت کے بھی ہیں ۔ سورۃ حدید میں ہے وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (۵۷/۱۳) ۔ اس کے معنی ''باہر کی جہت'' یا باہر کی طرف ، سامنے سے عذاب ،

*تاج ۔ **تاج و محیط ۔ ***ابن فارس ۔

دونوں آسکتے ہیں ۔ اسی طرح سورۃ بقرہ میں قِبَلَ الْمَشْرِقِ (۲/۱۷۷) آیا ہے ۔ اس کے معنی مشرق کی سمت ہیں ۔ لیکن اگر قِبَلٌ کو قِبْلَۃٌ کی جمع تصور کرلیا جائے تو اس کے معنی ''مشرق و مغرب کے تمام قبلے'' ہونگے ۔ (تفصیل آگے چل کر آئیگی) ۔

تَقَبَّلَہٗ و قَبِلَہٗ ۔ اس نے اسے لے لیا ۔ منظور کر لیا ۔ قبول کر لیا* ۔ قرآن کریم میں ہے وَ ھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ (۴۲/۲۵) ۔ ''اور وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے'' ۔ دوسری جگہ ہے قَابِلِ التَّوْبِ (۴۰/۳) ۔ ''توبہ قبول کرنے والا'' ۔ تَقَبَّلَ ۔ کسی چیز کو اسطرح قبول کرنا کہ وہ اجر و ثواب کی مستحق ہو* ۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (۵/۲۷) ۔ ''اللہ صرف متقین کا عمل قبول کرتا ہے'' ۔ ان آیات میں ''قبول کرنے'' سے مراد کسی چیز کا لے لینا ہیں (جیسے ہم کسی کا نذرانہ لے لیتے ہیں) ۔ مطلب یہ ہے کہ ان اعمال کا خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق عمدہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے جو اعمال اس کے مقرر کردہ قانون اور قاعدے کے مطابق سرزد ہوں وہی خوشگوار نتائج کے حامل ہوتے ہیں ۔

قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کے تذکرہ کے ضمن میں ہے ۔ فَتَقَبَّلَھَا رَبُّھَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ (۳/۳۶) ۔ ''خدا نے اسے اچھی قبولیت سے قبول کیا'' ۔

قَبِیْلٌ و قُبُلٌ ۔ کھلم کھلا ۔ رو در رو ۔ آمنے سامنے ۔ (نیز قَبِیْلٌ کے معنی ذمہ دار ۔ کفیل ۔ اور نمائندہ کے بھی ہوتے ہیں)* ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَ حَشَرْنَا عَلَیْھِمْ کُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا (۶/۱۱۲) ۔ ''ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا اکٹھا کرتے'' ۔ اَلْقَبِیْلُ ۔ طاقت اور قوت* ۔ فَلَنَاْتِیَنَّھُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَھُمْ بِھَا (۲۷/۳۷) ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں ہمارے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی ۔ وہ ان کا مقابلہ کرنے پر قادر نہیں ہوسکینگے ۔ اَلْقَبِیْلُ ۔ شوہر ۔ نیز تین یا تین سے زیادہ آدمیوں کی جماعت جو مختلف قبیلوں اور قوموں یا ایک ہی جد اعلیٰ سے متعلق ہوں ۔ اَلْقَبِیْلَۃُ ۔ خاندان ۔ ایک باپ کی اولاد (جمع قَبَائِلُ ۔ ۴۹/۱۳) ۔ قَبَائِلُ الرَّاْسِ سر کی ہڈیاں جو ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتی ہیں ۔ زجاج نے کہا ہے کہ اولاد اسماعیلؑ کے لئے قَبِیْلَۃٌ کہتے ہیں اور اولاد اسحٰقؑ کے لئے سِبْطٌ (جمع اَسْبَاطٌ) ۔

اَلْقَبِیْلَۃُ ۔ کنوئیں کے منہ پر رکھی ہوئی بڑی چٹان ۔ اَقْبَلَ اِلَیْہِ ۔ وہ اس کی طرف آیا ۔ اَقْبَلَ الرَّجُلُ ۔ اسے حماقت کے بعد عقل آگئی ۔

*تاج و محیط ۔

قَابَلَہٗ ۔ مُقَابَلَۃٌ ۔ وہ اس کے آمنے سامنے ہوا ۔ رو برو ہوا ۔ اَقْبَلَ عَلَیْہِ ۔ اس کی طرف متوجہ ہوا ۔ اَقْبَلَ عَلَی الْاَمْرِ ۔ وہ اس کام میں لگ گیا اور اسے چھوڑا نہیں ۔ اسے اپنے سامنے رکھ لیا ۔ تَقَابَلَا ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے* ۔ قرآن کریم میں ہے اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ (۱۵/۴۷)۔ یعنی وہ بھائیوں کی طرح تختوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہونگے ۔

اَلْقِبْلَۃُ ۔ اس لفظ کے اصل معنی جہت یا سمت کے ہوتے ہیں ۔ لیکن عرف عام میں اس جگہ کو کہتے ہیں جس کی طرف نماز میں رخ کیا جائے* ۔ جسے سامنے رکھا جائے ۔ جو ''پیش نظر'' رہے ۔ جو مقصودِ نگاہ یا نصب العین ہو ۔

دین کے نظام میں قبلہ کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ ہر نظام ، ہر مملکت، ہر حکومت کا ایک مرکز ہوتا ہے جس کی طرف تمام افراد معاشرہ کی نگاہیں اٹھتی ہیں ۔ جو ان میں وحدتِ فکر و عمل پیدا کرتا ہے ۔ یہ دراصل نشان (Symbol) ہوتا ہے اس نظام یا حکومت کا جسے ہر وقت پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ اسے پیش نظر رکھنے سے مقصود اس نظام یا حکومت سے اپنی وابستگی اور وفاشعاری کا اظہار ہوتا ہے ۔ حکومت خداوندی کا محسوس قبلہ ، اس مقام کے علاوہ اور کونسا مقام ہوسکتا تھا جس کے متعلق خدا نے کہا ہے کہ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ (۳/۹۶) یعنی—دنیا کے بتکدہ میں پہلا وہ گھر خدا کا—جسے تمام اقوام عالم کے لئے راہ نمائی کا نشان بنایا گیا ۔ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (۳/۹۶) ۔ ''جو اس میں داخل ہوگیا اسے دنیا جہان کی آفات سے امن مل گیا'' ۔ قبلہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کے اتباع کو قرآن کریم نے دین کے اتباع سے تعبیر کیا ہے ۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں ایک جگہ ہے وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَۃٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَکَ ۔ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَھُمْ وَمَا بَعْضُھُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَۃَ بَعْضٍ ..... (۲/۱۴۵) ۔ ''اگر تو ان لوگوں کے پاس جنہیں کتاب دی گئی ہے تمام آیات (دلائل) بھی لے آئے تو بھی وہ تیرے قبلہ کا اتباع نہیں کرینگے۔ اور نہ تو ان کے قبلہ کے تابع ہوگا ۔ اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع ہیں ۔ دوسری جگہ ہے وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ (۲/۱۲۰) ۔

*تاج و محیط ۔

''یہود اور نصاریٰ تجھ سے ہرگز راضی نہ ہونگے جب تک تو ان کی ملت (مسلک) کا اتباع نہ کریگا'' ۔ اس سے ظاہر ہے کہ قبلہ ، در حقیقت ملت و مسلک (دین) کا محسوس نشان ہے اور اتباع قبلہ سے مراد اتباع دین ہے ۔

جماعت مومنین سے کہا گیا ہے کہ وہ زندگی کے کسی شعبے اور دنیا کے کسی گوشے میں ہوں ، وہ اپنی توجہات کو اپنے دین کے مرکز (قبلہ) کی طرف مرکوز رکھیں ۔ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (۲/۱۵۰) ۔ ''تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے رخ اسی کی طرف رکھو'' ۔ یعنی اپنی توجہات کو اس کی طرف مرکوز کرو ۔ تمہارا نصب العین حیات ایک ہو اور یہی وحدت نصب العین تمہاری وحدت ملت کی بنیاد قرار پائے ۔ اسی کی محسوس شکل، اجتماعات صلوٰۃ میں کعبہ کی طرف رخ کرنا ہے ۔ یہ بھی اپنی جگہ ضروری ہے لیکن اسے مقصود بالذات نہیں سمجھ لینا چاہئے ۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی تبئین کے لئے فرمایا کہ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ ..... (۲/۱۷۷) ۔ ''کشاد کی راہ یہ نہیں کہ تم اپنا رخ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف'' ۔ [اگر قِبَلٌ کو قِبْلَةٌ کی جمع تصور کرلیا جائے تو اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ مشرق و مغرب میں جس قدر قبلے ہیں، وہ کسی قوم کے یا کسی مذہب کے ہوں ، ان کی ساری اہمیت اضافی ہے ۔ ذاتی نہیں] ۔ بات بالکل واضح ہے ۔ جو چیزیں کسی نظام کے لئے محسوس نشانات کا کام دیتی ہیں جب تک وہ نظام قائم رہے ، ان نشانات کی اہمیت حتمی اور یقینی، اور ان کا احترام و التزام نہایت ضروری ہوتا ہے ۔ (اسی کو دوسری جگہ شعائر اللہ کہا گیا ہے ۔ دیکھئے عنوان ش ۔ ع ۔ ر) لیکن جب وہ نظام باقی نہ رہے تو ان نشانات کا احترام محض ایک رسم بنکر رہ جاتا ہے ۔ یہ ہے وہ لطیف اور اہم نکتہ جس کی وضاحت کے لئے قرآن کریم نے ایک جگہ تاکیداً کہا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا رخ اپنے دین اور نظام کے محسوس مرکز کی طرف رکھو ۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ تمہاری وفا شعاریوں کا مرکز کیا ہے ۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ اس مرکز کی طرف منہ کرنا مقصود بالذات ہے ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نظام گم ہو جائے اور قوم انفرادی زندگی بسر کر رہی ہو ، لیکن اس کے دل میں اس نظام کے قیام کی آرزو ہو ، تو اس وقت قِبْلَةٌ کسے بنایا جائے؟ یعنی اس وقت اجتماعی زندگی کی ابتدا کہاں سے کی جائے؟ قرآن کریم نے داستان بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جہاں کہا ہے کہ ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی کی

کہ ایسے حالات میں وَ اجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ (۱۰/۸۷) ۔ یعنی ''اپنے گھروں کو اپنی توجہات کا مرکز بناؤ اور وہیں سے نظام صلٰوۃ کے قیام کی ابتدا کردو'' ۔ یعنی اس نظام کا آغاز اپنے اپنے گھروں سے (ایک خاندان کو وحدت (Unit) تصور کرکے) کرو ۔ رفتہ رفتہ یہ نظام پوری کی پوری قوم کو محیط ہو جائیگا اور سب کے لئے ایک قبلہ قائم ہوجائیگا ۔

یہودیوں کے لئے یہ اجتماعی مرکز بیت المقدس تھا ۔ لیکن یہودیوں نے دین خداوندی کو اپنی نسل تک محدود کر لیا ، لہذا یہ مرکز بھی ان کا قومی مرکز بن کر رہ گیا ۔ عالمگیر انسانی برادری کا مرکز نہ رہا ۔ ایک یہود پر ہی کیا موقوف ، اُس وقت دنیا کے کسی مذہب اور کسی قوم کے سامنے بھی عالمگیر انسانیت کی وحدت کا تصور نہیں تھا ۔ ان کے برعکس ، قرآن کریم کے پیش نظر تمام نوع انسان کو ایک مرکز پر جمع کرنا تھا ، اس لئے وہ مختلف قومی مراکز میں سے کسی کو بھی اپنا مرکز قرار نہیں دے سکتا تھا ۔ وہ اس کعبہ کو مرکز قرار دے سکتا تھا جس کی بناء حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں اسی مقصد کے لئے رکھائی گئی تھی ۔ (۲/۱۲۷) ۔ اس مقام کو مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا (۲/۱۲۵) قرار دیا گیا تھا ۔ یعنی تمام نوع انسان کے لئے مرجع اور پناہ گاہ ۔ یہ سَوَآءً لِّلْعَاکِفِ فِیْهِ وَ الْبَادِ (۲۲/۲۵) تھا ۔ یعنی وہاں کے باشندوں اور باہر سے آنے والوں ، سب کے لئے یکساں ۔ یہ بنایا ہی تمام انسانوں کے فائدے کے لئے گیا تھا (۳/۹۶) ۔ یہ تھا وہ مقصد جس کے لئے کعبہ کو دین خداوندی کا مرکز (قبلہ) بنایا گیا ۔

جہاں تک خود امت مسلمہ کا تعلق ہے ، تعیین قبلہ کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا (۲/۱۴۳) ۔ ''اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک بین الاقوامی امت بنا دیا تاکہ تم تمام اقوامِ عالم کے اعمال کی نگران رہو اور رسول (تمہارا مرکزِ ملت) تمہارے اعمال کا نگران رہے'' ۔ اس آیۃ جلیلہ میں مسلمانوں کے مقصدِ حیات ، مقام اور طریقِ عمل کو ابھار اور نکھار کر سامنے لایا گیا ہے ۔ کعبہ کو قبلہ اس لئے بنایا گیا ہے کہ دین ، قومی دوائر سے نکل کر عالمگیر انسانیت کو محیط ہو جائے ۔ اس دین کی حامل اُمت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ دیگر اقوامِ عالم کے اعمال کی نگران رہے کہ کونسی قوم (نوع انسان کے لئے) کیا کچھ کرتی ہے ۔ اس مقصد کے لئے اجتماعی نظم کی ضرورت ہے ۔ اس نظم کا مرکز رسول (اور رسول کے بعد اس کے

سچے جانشین) ہیں ۔ جب تک یہ نظام قائم رہا ، تعیین قبلہ کا منشا پورا ہوتا رہا ۔ جب یہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا نہ اس اُمت کا وہ مقام رہا ، نہ اس کے قبلہ کی وہ حیثیت ۔

رہ گئی رسم اذاں ، روحِ بلالی نہ رہی

اس ''رسم'' میں روح پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پھر سے اُسی نظام کو زندہ اور قائم کیا جائے ۔ قرآن کریم کی موجودگی میں اس نظام کا احیاء کچھ بھی مشکل نہیں ۔ قرآن کریم کو ہمیشہ کے لئے محفوظ اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اس پر متفرع نظام ہمیشہ قائم رہے اور اگر یہ کسی وقت (بدقسمتی) سے موجود نہ رہے تو اس کی دوبارہ تشکیل کی جاسکے ۔ دنیا اب اپنی قومی تنگناؤں سے دل برداشتہ ہوکر ، کسی عالمگیر نظام کی متمنی ہوتی جارہی ہے ۔ اس نظام کے لئے ایک مشترکہ ضابطۂ حیات کی ضرورت ہے ۔ یہ ضابطہ حیات ، قرآن کریم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا ۔ جس دن دنیا نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ، عالمگیر نظام حکومت کے خواب کی تعبیر سامنے آجائیگی ۔ لیکن اس کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم پر ایمان رکھنے والی اُمت اپنے اندر وحدت پیدا کرکے اس قسم کے نظام کو متشکل کرکے دکھائے ۔ اگر اسی قوم کے ''قبلے'' مختلف رہے تو ساری دنیا کا ایک قبلہ کس طرح بن سکے گا ؟

ق ت ر

اَلْقَتْرُ ۔ اَلتَّقْتِيْرُ ۔ صرف گذر بسر کے قابل معیشت یا نفقہ ۔ قَتَرَ وقَتَّرَ ۔ گذر بسر کے لئے ضرورت سے کم خرچ کرنا ، خرچ میں تنگی کرنا ۔ لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا (۲۵/۶۷) ۔ نہ ہی وہ بےجا خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی مناسب خرچ میں تنگی کرتے ہیں ۔ اَلْمُقْتِرُ (۲/۲۳۶) تنگ دست ، بمقابلہ اَلْمُوْسِعُ ۔ صاحب وسعت ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے ۔ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (۱۷/۱۰۰) ۔ انسان (اگر وحی کے تابع نہ چلے تو) بخل کرتا ہے اور اپنی دولت کو نوع انسان کی منفعت کے لئے کھلا نہیں چھوڑتا ۔

اَلْقَتَرُ ۔ غبار ۔ سیاہی ۔ دھندلا ، دھوئیں جیسا رنگ ۔ مٹیالا رنگ* ۔ اَلْقَتَرَةُ ۔ غبار بمعنی قَتَرٌ ۔ بقول بعض یہ قَتَرٌ کا واحد ہے ۔ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ (۸۰/۴۱ و ۱۰/۲۶) انہیں (ذلت کی) سیاہی ڈھانپ لے گی ۔ ان پر افسردگی چھاجائے گی ۔ اَلْقَتِيْرُ ۔ زرہ کے حلقوں کے کنارے* ۔ رَجُلٌ قَاتِرٌ ۔ ضعیف آدمی** ۔

*تاج ۔ **راغب ۔

ق ت ل

اَلْقَتْلُ ۔ ہتھیار کی ضرب ، یا پتھر ، یا زہر ، وغیرہ سے کسی کو مار ڈالنا ۔ جان نکال دینا ، قَاتَلَهٗ ۔ اس سے جنگ کی* ۔ ایک نے دوسرے کو قتل کرنا چاہا*۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ذلیل و حقیر کرنے اور جھکا دینے کے بھی آتے ہیں *** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ذلیل کرنے اور مار ڈالنے کے ہیں ۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ (۸۰/۱۷) ۔ میں قوانین خداوندی سے انکار کرنے والوں کی ذلت و حقارت اور تباہی و بربادی ہی کا بیان ہے ۔ اسی طرح قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ (۹/۳۰) کے معنی ہیں خدا انہیں ذلیل و حقیر کرے ۔ خدا انہیں تباہ و برباد کرے ۔ خدا انہیں مغلوب کرے ۔ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ (۵۱/۱۰) کے بھی یہی معنی ہیں ۔ اسی طرح راغب نے لکھا ہے کہ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (۱۷/۳۱) نیز وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ (۶/۱۵۲) میں قتل اولاد سے مراد بچوں کو سچ مچ قتل کر دینا نہیں بلکہ انہیں علم و تربیت سے محروم رکھنا ہے ۔ اور اس کے مقابلہ میں ان کا اِسْتِحْيَاء (زندہ رکھنا) انہیں علم و بصیرت عطا کرنا ہے*** ۔ یعنی اس خیال سے بچوں کو تعلیم سے محروم رکھنا کہ اس کے اخراجات سے ہم غریب ہوجائینگے ۔

تذلیل و تحقیر کے مفہوم کی رو سے قرآن کریم کی ان آیات کا مطلب بھی صاف ہو جاتا ہے جہاں بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا ذکر ہے ۔(اس کے لئے دیکھئے عنوان ذ ۔ ب ۔ ح)۔

تذلیل و تحقیر کے اعتبار سے قَتْلٌ کے معنی ہیں کسی کو ایسا کردینا کہ اس کی بات پر کوئی دھیان نہ دے ۔اس کی کوئی پرواہ نہ کرے ۔ اس کا کچھ اثر باقی نہ رہے ۔ وہ (Ineffective) ہو جائے ۔ اُقْتُلُوْا فُلَانًا کے معنی ہیں اُسے ایسا کر دو گویا وہ مُردوں میں شامل ہو چکا ہے ۔ یعنی اس کی موجودگی اور عدم موجودگی برابر ہو جائے ۔ قَتَلَ الشَّرَابَ کے معنی ہیں شراب میں پانی ملا کر اس کی تندی اور کیف آوری کو کم اور ہلکا کردیا* ۔

قَتَلَ الشَّيْءَ خُبْرًا ۔ اس نے اس چیز کا پورا پورا علم حاصل کرلیا ۔ اِنَّهٗ لَقَتْلٌ شَرٍّ ۔ وہ شر کو اچھی طرح جانتا ہے ۔اسی نہج سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو آیا ہے ۔ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا (۴/۱۵۷) ۔ تو اس کے

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

معنی یہ ہیں کہ انہیں حقیقت کا یقینی علم بالکل نہیں ۔ یعنی مَاقَتَلُوْا عِلْمَهُمْ یَقِیْنًا* ۔ اَلْبُسْتَان میں بھی مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا کے معنی لکھے ہیں لَمْ یُحِیْطُوْا بِهٖ عِلْمًا ۔ اَلْمُقَتِّلُ اُس آدمی کو کہتے ہیں جو بہت تجربہ کار اور اشیاء کی حقیقت کا علم رکھنے والا ہو* ۔

لہذا قرآن کریم میں جہاں قَتْلٌ کا لفظ آئے گا ہر جگہ اس کے معنی مار ڈالنے کے نہیں ہونگے ۔ سیاق و سباق کے اعتبار سے اس کے معنی متعین کئے جائینگے ۔ کہیں مار ڈالنا ۔ کہیں ذلیل و حقیر کرنا ۔ غیر موثر بنا دینا ۔ تباہ و برباد کر دینا ۔ کہیں علم و تربیت سے بے بہرہ رکھنا ۔ اور کہیں پورا پورا علم حاصل کرنا ، وغیرہ ۔ حتیٰ کہ انتہائی کوشش کرنا بھی، چنانچہ اِسْتَقْتَلَ فِی الْاَمْرِ کے معنے ہیں اس نے اس معاملہ میں جان کی بازی لگا کر کوشش کی* ۔

سورۃ بقرہ میں یہودیوں کے متعلق ہے ۔ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ (۲/۶۱) تو اس کے یہ معنی بھی ہونگے کہ وہ اپنے انبیاء کی تحقیر و تذلیل کرتے تھے اور یہ بھی کہ وہ ان کے درپے قتل ہوتے تھے یا قتل کر دیتے تھے ۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق دوسری جگہ ہے کہ انہیں یہودیوں نے قتل نہیں کیا تھا ۔ نہ ہی آپؑ کو صلیب دی گئی تھی (۴/۱۵۷)۔ اسی سورت میں دوسری جگہ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ (۲/۵۴) آیا ہے ۔ اس کے معنی ہیں اپنے آپ کو قوانین خداوندی کے تابع لے آؤ ۔ اس لئے کہ راغب نے کہا ہے کہ قَتَلْتُ فُلَانًا کے معنی ذَلَّلْتُهٗ آتے ہیں ۔ یعنی اسے مطیع و فرمانبردار بنا لیا** ۔

سورۃ نساء میں ہے کہ ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ۔ اس کے بعد ہے وَ لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ (۴/۲۹)۔ یعنی اس طرح اپنے آپ کو تباہ نہ کرو ۔ یا ایک دوسرے کو تباہ و برباد نہ کرو ۔ یا اپنی ذات کو ہلاک نہ کرو ۔ جس معاشرہ میں لوگ ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقوں سے کھانے لگ جائیں ، اس میں سب کچھ تباہ ہوجاتا ہے ۔

قرآن کریم میں جنگ کرنے کے لئے بالعموم قِتَالٌ کا لفظ آیا ہے (۲/۲۱۶) لیکن (۴/۱۵۳) میں جو کہا ہے كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ ۔ تو اس کے معنی ہیں وہ لوگ (جماعت مومنین) جن پر (قتل کرنا) جنگ واجب قرار دی گئی تھی ۔ یہ معنی نہیں کہ ''جن کا قتل ہونا مقدر ہوچکا تھا'' ۔ اول تو اس

*تاج ۔ **راغب ۔

لئے کہ کُتِبَ عَلَیٰ کے معنی کسی بات کو واجب قرار دینے کے ہیں ۔ دوسرے یہ کہ قُتِّلُ کے معنی قتل ہونے ہی کے نہیں ۔ قتل کرنے کے بھی ہیں ۔ جیسے اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ میں ہے (۲/۲۱۷) ۔ تیسرے یہ کہ اگر یہ مفہوم لیا جائے کہ ''ان کے لئے قتل ہو جانا مقدر ہو چکا ہے'' تو یہ تصور قرآن کریم کی ساری تعلیم کے خلاف جاتا ہے جس کی رُو سے انسان اپنے اعمال میں صاحب اختیار ہے ۔ مجبور نہیں ۔

(سزائے قتل کے لئے دیکھئے عنوان ق ۔ ص ۔ ص میں لفظ قصاص) ۔

ق ث أ

قِثَّاءٌ ۔ قُثَّاءٌ ۔ کھیرے کو کہتے ہیں** ۔

قرآن کریم میں قِثَّاءٌ (۲/۶۱) میں آیا ہے ۔

ق ح م

اَلاِقْتِحَامُ ۔ کسی خوفناک اور شدید معاملہ کے اندر گھس جانا ۔ قَحَمَ الرَّجُلُ فِی الْاَمْرِ ۔ اس نے اپنے آپ کو اس معاملہ میں بے سوچے سمجھے یکبارگی ڈال دیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز پر ذرا سختی سے اقدام کرتے ہوئے پہنچنا ہیں ۔ تَقَحَّمَتْ بِہِ النَّاقَۃُ کے معنی ہوتے ہیں اونٹنی اسے لے کر وحشیانہ طور پر بھاگ کھڑی ہوئی ۔ قَحَّمَتْہُ الْفَرَسُ اسے گھوڑے نے منہ کے بل گرا دیا** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں گھوڑا ، سوار کو لیکر خوفناک مقام میں گھس گیا* ۔

ان معنوں میں یہ لفظ سورہ ص میں آیا ہے جہاں کہا ہے کہ ھٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَکُمْ (۳۸/۵۹) ۔ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو اندھا دھند تمہارے ساتھ داخل ہونے والی ہے ۔ مَتَالَۃٌ قَحُوْمٌ ۔ اس چرخی کو کہتے ہیں جو تیزی کے ساتھ گھومتی ہو ۔ اِقْتَحَمَ الْمَنْزِلَ کے معنی ہیں وہ گھر میں گھس پڑا ۔ (اس میں سختی اور شدت کا پہلو ہوتا ہے)** ۔ یعنی تیزی کے ساتھ کسی مقصد کی طرف آنا ۔ ان معنوں میں سورہ بلد میں ہے ۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَۃَ (۹۰/۱۱) ۔ انسان (خدا کے مقرر کردہ نظام ربوبیت کی) گھاٹی پر چڑھنے کے لئے (جس کی تفصیل اگلی آیت میں دی گئی ہے) تیزی

*راغب ۔ **تاج ۔

سے دوڑ کر نہیں آتا وہ اس میں ، ہر مخالفت کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہؤا درّانہ نہیں گھستا ۔ (حالانکہ اگر اسے حقیقت کا علم ہو جائے تو یہ وہ منزل ہے جس کی طرف اسے والہانہ آنا چاہئے) ۔

قَدْ ۔ (لَقَدْ) ۔ (حرف)

قَدْ ۔ (۱) ماضی کو ماضی قریب بنا دیتا ہے ۔ قَدْ ضَرَبَ ۔ اس نے مارا ہے ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآءِنَا (۲/۲۴۶) ۔ اب ہمارے لئے کونسی وجہ باقی ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں جبکہ ہم اپنے گھر بار اور بال بچوں سے جدا کر دئے گئے ہیں ۔

(۲) فعل ماضی کے ساتھ تحقیق کے معنوں میں ۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (۲۳/۱) ۔ مومن یقیناً کامیاب ہیں (یا کامیاب ہونگے) ۔

(۳) مضارع کے ساتھ تحقیق کے لئے ۔ قَدْ یَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ (۲۴/۶۳) ۔ اللہ یقیناً جانتا ہے کہ تم کس حال میں ہو ۔

(۴) اکثر یا بکثرت کے معنوں میں ۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْہِکَ فِی السَّمَآءِ ۔ (۲/۱۴۴) ۔ ہم نے تجھے اکثر (یا بار بار یا بکثرت) آسمان کی طرف نظر لگائے دیکھا ہے ۔

(۵) بعض اوقات یہ (الف) ''کبھی کبھی'' کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً ۔ قَدْ یَصْدُقُ الْکَذُوْبُ ۔ جھوٹا بھی کبھی کبھی سچ بول لیتا ہے ۔ یا (ب) قَدْ یَقْدَمُ الْغَائِبُ ۔ اسکی توقع ہے کہ جو اسوقت یہاں نہیں وہ آجائے گا ۔ یا (ج) قَدْ فَعَلَ ۔ وہ یہ کام پہلے ہی کر چکا ہے ۔ یا مثلاً (د) جب کوئی پوچھے کہ فلاں کا کیا حال ہے ۔ یا فلاں زندہ ہے یا مر گیا ۔ تو اس کے جواب میں کہا جائیگا ۔ قَدْ مَاتَ فلانٌ ۔ وہ تو مر چکا ہے ۔ وہ مر گیا ۔

(۶) لَقَدْ ۔ قَدْ پر ۔ لَ ۔ بڑھانے سے تاکید بڑھ جاتی ہے ۔ یعنی زیادہ یقین سے کہا جاتا ہے ۔

ق د ح

اَلْقِدْحُ ۔ تیر کی ڈنڈی جس میں ابھی نہ پر لگے ہوں نہ پھل ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں (۱) کسی چیز میں نقص

کی وجہ سے سوراخ ، شگاف یا گڑھا پڑ جانا ، اور (۲) کسی چیز کو چمچہ وغیرہ سے نکالنا ۔ اَلْمِقْدَحُ ۔ پیالہ (خالی پیالے کو قَدَحٌ اور بھرے ہوئے کو کَاْسٌ کہتے ہیں ۔) قَدَحَ بِالزَّنْدِ ۔ اس نے چقماق سے آگ نکالی ۔ قَدَحَ فِیْ فُلَانٍ قَدْحاً ۔ اس نے اس شخص میں طعن کیا ۔ اسکی عیب چینی اور تنقیص کی * ۔

قرآن کریم میں ہے فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحاً (۱۰۰/۲) ۔ یہ قَدَحَ بِالزَّنْدِ سے ہے ۔ یعنی وہ گھوڑے جو پتھروں پر اس طرح سُم ماریں کہ ان سے آگ کی چنگاریاں نکلیں ۔

ق د د

اَلْقَدُّ ۔ کاٹنا ۔ کسی چیز کو طول میں شق کرنا یا چیرنا ۔ میدان کو قطع کر لینا ۔ کلام کو قطع کر دینا ۔ نیز قد و قامت یا کسی چیز کی کاٹ تراش** ۔ سورہ یوسف میں ہے ۔ وَقَدَّتْ قَمِیْصَهٗ (۱۲/۲۵) ۔ اس عورت نے اسکی قمیص پھاڑ دی ۔ اَلْقِدَّةُ ۔ ٹکڑا ۔ فرقہ ۔ لوگوں کا گروہ ، ٹولی ۔ (اسکی جمع قِدَدٌ ہے) قرآن کریم میں ہے کُنَّا طَرَائِقَ قِدَداً ۔ (۷۲/۱۱) ۔ ہم مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے ۔ ہم متفرق راستے اختیار کئے ہوئے تھے ۔ ایسے لوگ جو مختلف مقاصد رکھتے ہوں اور اس لئے ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہوں ** ۔

ق د ر

قَدْرٌ کے بنیادی معنی ہیں اندازہ ۔ پیمانہ ۔ قَدَرْتُ الشَّیْءَ کے معنی ہیں میں نے اس چیز کو ماپا ۔ اس کا اندازہ کیا ۔ اس کی لمبائی چوڑائی جسامت ، کمیت وغیرہ کو متعین کیا ۔ بتایا کہ وہ کیسی ہے ، کتنی ہے ، اس کا تناسب کیا ہے ۔ اور قَدَّرَ الشَّیْئَ بِالشَّیْئِ کے معنی ہیں اس نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ رکھکر ماپا اور اسطرح اندازہ کیا کہ وہ اس کے برابر ہے یا نہیں ۔ یا ان دونوں کا باہمی تناسب کیا ہے ۔ قَدَرْتُ عَلَیْهِ الثَّوْبَ کے معنی ہیں اس نے اس شخص کے ماپ کے مطابق کپڑے بنائے ۔ قَدَّرْتُ عَلَیْهِ الشَّیْئَ کے معنی ہیں میں نے اس چیز میں ایسی مناسب تبدیلیاں کر دیں کہ وہ اس پر بالکل فٹ آگئی ۔ لہذا تَقْدِیْرٌ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے مطابق بنا دینا ۔ اور مِقْدَارٌ

*تاج ۔ **تاج و کتاب الاشتقاق ۔

اس پیمانے یا ماڈل یا (Pattern) کو کہتے ہیں جس کے مطابق کوئی چیز بنائی جائے * ۔ قَدْرٌ کے معنی ہیں کسی شے کا اندازہ ۔ پیمانہ ، حجم ، جسامت ۔ طول ، عرض ، وغیرہ ۔ ھٰذَا قَدْرُ ھٰذَا کے معنی ہیں یہ چیز اس دوسری چیز کے اندازے ، پیمانے ، جسامت ، وغیرہ کے بالکل برابر ہے ۔ اس کے عین مطابق ہے ۔ دونوں ایک ہی قالب میں ڈھلی ہوئی ہیں ۔ جَاءَ عَلٰی قَدْرٍ کے معنی ہیں وہ بالکل اندازے کے مطابق آیا ۔ اور جَاوَزَ قَدْرَہٗ کے معنی ہیں اس نے اپنے اندازے ، حدود ، پیمانے سے تجاوز کر لیا ۔ اس سے آگے نکل گیا ۔ اَقْدَرُ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو اپنی رفتار میں اس اندازہ اور توازن سے چلے کہ اس کے پچھلے پاؤں ٹھیک اس جگہ پڑیں جہاں اس کے اگلے پاؤں پڑے تھے ۔ قَدَارٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو مناسب اور معتدل قد کا ہو ۔ نہ زیادہ لمبا نہ چھوٹا ۔ اَلْمُقْتَدَرُ ۔ ہر چیز کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں ۔ کَمْ قَدَرَۃُ نَخْلِکَ ۔ تمہاری کھجوروں کے درختوں کے درمیان کسقدر معین فاصلہ ہے * ۔ عوام کی بولی میں اَلْمُقَیِّدُرُ اس شخص کو کہتے ہیں جو کھیتی اور درختوں کا اندازہ کرکے بتائے کہ غلے کی کتنی پیداوار ہونے کی امید ہے ۔ قِدْرٌ ۔ ہانڈی یا دیگ کو کہتے ہیں ۔ اسکی جمع قُدُوْرٌ ہے ۔ قَدِیْدٌ ۔ اس گوشت کو کہتے ہیں جو (مناسب مسالوں کے ساتھ) ہنڈیا میں پکایا جائے ۔ قَدَّارٌ ۔ ایسا کھانا پکانے والے کو کہتے ہیں (نیز قصائی کو بھی) * ۔

ان مثالوں سے واضح ہے کہ قَدْرٌ اور تَقْدِیْرٌ کے معنی ہیں اندازہ اور پیمانہ ۔ یا کسی چیز کو اندازہ اور پیمانے کے مطابق بنا دینا ۔ نیز کسی چیز کے تناسب اور توازن کا ٹھیک ٹھیک قائم رکھنا ۔ متوازن اور معتدل رہنا ۔ ان بنیادی معنوں کو پیش نظر رکھنے سے قرآن کریم کے متعدد مقامات آسانی سے سمجھ میں آجائینگے ۔

(۲) چونکہ کسی چیز کو کسی خاص پیمانے اور اندازے کے مطابق بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز پر پوری پوری مقدرت حاصل ہو ، اس لئے قَدْرٌ کے معنی کسی چیز پر اقتدار و اختیار رکھنے کے بھی ہیں ۔ قَدَرْتُ عَلَی الشَّیْءِ کے معنی ہیں مجھے اسقدر قوت حاصل تھی کہ میں اس چیز کو اپنی مرضی یا پیمانے کے مطابق بنا دیتا ۔ مَالِیْ عَلَیْکَ مَقْدُرَۃٌ (یا مَقْدَرَۃٌ ۔ یا مَقْدِرَۃٌ یا قُدْرَۃٌ) کے معنی ہیں مجھے تم پر کوئی

*تاج ۔ محیط ۔ ا ۔ ۔ راغب ۔

اقتدار و اختیار حاصل نہیں - اس بنا پر قَدَرَ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو تیار و ہموار کرنے یا کسی معاملہ کو سرانجام دینے کے لئے اس پر غور و فکر کرنا - اسی سے اس کے معنی فیصلہ کرنے کے آتے ہیں* -

(۳) ایک چیز کو آپ بغیر ناپے تولے یونہی دیدیتے ہیں - ظاہر ہے کہ اس میں کشادگی یا فراخی کا پہلو ہوتا ہے - لیکن دوسری چیز کو آپ ناپ تول کر دیتے ہیں - اس میں تنگی کا پہلو ہوتا ہے - اس لحاظ سے قَدْرٌ کے معنی تنگی کے بھی آتے ہیں - یعنی کسی کو ماپ تول کر دینا* - نیز اس کے معنی تعظیم کرنے کے بھی آتے ہیں - یعنی جس مقام پر کوئی ہے اس کا صحیح صحیح اندازہ رکھنا* -

سورہ رعد میں ہے - اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌ بِقَدَرِهَا (۱۳/۱۷) اللہ بادلوں سے بارش برساتا ہے تو ندی نالے اپنے اپنے ظرف (قَدْرٌ) کے مطابق بھر کر بہ نکلتے ہیں - یہاں سے قَدَرٌ کے معنی اندازے - یعنی ظرف اور پیمانہ کے واضح ہیں - سورہ حجر میں ہے - وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۱۵/۲۱) - کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ہمارے ہاں خزانے موجود نہ ہوں لیکن ہم اسے ایک متعین اندازے اور پیمانے کے مطابق باہر لاتے رہتے ہیں - سورہ سبا میں ہے کہ وحشی اقوام کے کاریگر ، حضرت سلیمانؑ کے لئے منجملہ دیگر اشیاء قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (۳۴/۱۳) - یعنی ایسی دیگیں جو ایک جگہ گڑی رہیں ، بنایا کرتے تھے - یہاں قِدْرٌ کے معنی دیگ کے ہیں -

کسی پر غلبہ و اقتدار حاصل کر لینے کے معنوں میں سورہ مائدہ میں ہے - مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ (۵/۳۴) - قبل اس کے کہ تم ان پر غلبہ حاصل کر لو - سورہ انبیاء میں ہے - فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ (۲۱/۸۷) - اس نے خیال کیا کہ ہم اس پر قابو نہ پاسکیں گے - یا اس سے کوئی مواخذہ نہ کر سکیں گے -

سورہ بنی اسرائیل میں ہے - اِنَّ رَبَّكَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ (۱۷/۳۰) - یہاں قَدْرٌ - بمقابلہ بَسْطٌ آیا ہے - بَسْطٌ کے معنی ہیں فراخی اور کشادگی - لہذا قَدْرٌ کے معنی ہیں تنگی یا کسی چیز کا تلا تلا ملنا -

تَقْدِیْرٌ کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے عنوان (ش - ی - ا) میں مَشِیَّت کے معنی دیکھئے اور ان تینوں گوشوں پر غور کیجئے جن کا وہاں

*تاج - محیط - راغب -

ذکر کیا گیا ہے ۔ وہاں بتایا گیا ہے کہ گوشۂ اول وہ ہے جہاں امر الٰہی کے مطابق ہر شے وجود میں آتی ہے اور اس کے لئے قواعد و ضوابط (قوانین) اور خواص متعین ہوتے ہیں ۔ یہی قواعد و ضوابط و خواص ان اشیاء کے پیمانے ہیں ۔ انہی کو ان کی ''تقدیریں'' کہا جاتا ہے ۔ آگ کی تقدیر یہ ہے کہ وہ حرارت پہنچاتی ہے ۔ پانی کی تقدیر یہ ہے کہ وہ سیّال ہے ، نشیب کیطرف بہتا ہے ، ایک خاص درجہ حرارت پر پہنچکر بھاپ بن جاتا ہے اور جب اسے ٹھنڈ پہنچائی جائے تو پتھر کی طرح سخت ہو کر برف بن جاتا ہے ۔ سورہ فرقان میں ہے خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا (۲۵/۲) ۔ اللہ نے ہر شے کو پیدا کیا ۔ پھر ان کے لئے پیمانے اور اندازے مقرر کر دئے ۔ امام راغب نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ اشیاء کے متعلق تقدیر الٰہی (پیمانوں) کی دو شکلیں ہیں ۔ ایک تو یہ کہ کسی شے کو کامل طور پر یکبارگی بنا دے اور اس میں کوئی کمی بیشی واقع نہ ہو تاوقتیکہ خدا اسے فنا کرنا یا بدلنا نہ چاہے ۔ (جیسے سَمٰوٰتٌ) ۔ اور دوسری یہ کہ کسی شے میں کچھ بننے کی صلاحیتیں رکھ دی گئی ہیں اور وہ رفتہ رفتہ اپنی انتہائی شکل تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے سوا کچھ اور نہیں بن سکتی ۔ جیسے بیج میں درخت بننے کی صلاحیت ۔ یہی اسکی تَقْدِیْرٌ ہے ۔

امام راغب نے جو پہلی بات کہی ہے (کہ بعض چیزوں کو جو کچھ بننا تھا وہ بن چکی ہیں) سو وہ جس زمانے میں گذرے ہیں اس میں وہ یہی کچھ کہہ سکتے تھے ۔ ہمارے زمانے میں انکشافات جدیدہ کا رخ اس طرف ہے کہ جن چیزوں کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ ان میں کوئی تغیرات نہیں ہوتے ان میں بھی تغیرات ہوتے رہتے ہیں ۔ لیکن یہ تغیرات بڑے غیر محسوس اور غیر مرئی طریقہ سے واقع ہوتے ہیں ۔ بہر حال اس بحث سے قطع نظر تَقْدِیْرٌ کے معنی ہیں کسی شے کو ترقی دیتے ہوئے اس قَدْرٌ (Pattern) کے مطابق بنا دینا جو اس کے لئے متعین ہے ۔ یعنی اس کی ممکنات (Potentialities) کا مشہود (Actualise) ہو جانا اور اس طرح اس کا اپنے آخری نقطہ تک پہنچ جانا ۔ قَدْوٌ ۔ اس چیز کو کہتے ہیں جو رفتہ رفتہ اپنے پیمانے کے مطابق سامنے آتی رہے ۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کے تذکار جلیلہ کے ضمن میں ہے کہ جب انہیں پہلی مرتبہ طور پر (نبوت سے سرفراز کرنے کے لئے) بلایا گیا تو ان سے کہا گیا کہ نبوت تمہیں یونہی اتفاقیہ نہیں مل گئی کہ آگ لینے کو آئے پیمبری مل جائے ۔ اس کے لئے تمہیں شروع سے تیار کیا جارہا تھا ۔

راغب

چنانچہ تم اس طرح پیدا ہوئے۔ اس طرح تمہاری پرورش ہوئی۔ اسطرح تم مدین کی طرف آئے ۔ اسطرح وہاں تم نے گلہ بانی کی ۔ اسطرح تمہاری تربیت ہوئی ۔ اور یوں ان مختلف منازل میں سے گذر کر ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یٰمُوْسٰی (۲۰/۴۰) ۔ تم ، اے موسیٰ! اس اندازے پر پہنچ گئے ۔ اس پیمانے کے مطابق بن گئے جو نبوت کے لئے مقرر کیا گیا ہے ۔ اور یہ سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کے مطابق ہوا* ۔ یہاں لفظ قَدَرٌ نے اپنا مفہوم بالکل واضح کردیا ۔

سورۃ اعلٰی میں ہے ۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۔ وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی (۸۷/۲،۳) ۔ اللہ وہ ہے جو مختلف اشیائے کائنات کی تخلیق کرتا ہے ۔ پھر ان میں مناسب اعتدال پیدا کرتا ہے ۔ پھر ان کے لئے ان کے پیمانے اور اندازے مقرر کرتا ہے ۔ اور انکی اس راستے کی طرف راہ نمائی کر دیتا ہے جس پر چل کر وہ ان پیمانوں اور اندازوں کے مطابق بن جائیں ۔ یہ ہے خدا کا نظامِ ربوبیت جو کائنات میں جاری و ساری ہے اور جس کی رو سے کائنات کی ہر شے اپنی اپنی تَقْدِیْرٌ تک پہنچتی چلی جاتی ہے ۔ انسان کے اندر بھی کچھ بننے کی صلاحیتیں (Potentialities) رکھ دی گئی ہیں ۔ لیکن اسے دیگر اشیائے کائنات کی طرح مجبور نہیں کر دیا گیا کہ وہ صرف اس راستہ پر چلے جس پر چلنے سے اس کی یہ تمام صلاحیتیں نشو و نما پا کر تکمیل تک پہنچ جائیں ۔ اسے اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو یہ راستہ اختیار کرے اور چاہے دوسرا راستہ جس سے اس کی یہ صلاحیتیں دب کر رہ جائیں ۔ ان دونوں راستوں میں امتیاز ، وحی کی رو سے ہوتا ہے ۔ (جو قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے) ۔ اب انسان جو راستہ اختیار کرے گا ، یا اس راستے میں جس مقام پر ٹھہر جائے گا ، اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جائے گا ۔ جسطرح مثلاً جب تک پانی سیال رہتا ہے تو اس پر سیالیت (Liquidity) کا قانون نافذ رہتا ہے اور جب منجمد ہو جاتا ہے تو پھر جمادیت (Solidity) کا قانون اس پر نافذ ہوجاتا ہے ۔ یعنی انسان جو کچھ بننا چاہے اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے ۔ ابتداء (Initiative) انسان کی طرف سے ہوتی ہے اور خدا کا قانون اس کا اتباع (Follow) کرتا ہے ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (۶۱/۵) ۔ جب انہوں نے ٹیڑھا راستہ اختیار کرلیا تو اللہ نے ان کے دلوں

*واضح رہے کہ حضرت موسیٰؑ کو اس کا کچھ علم نہیں تھا کہ انہیں کن مراحل میں سے گذارا جارہا ہے اور کس مقصد کے لئے گذارا جارہا ہے ۔ اس لئے کہ نبی کو نبی ہونے سے پہلے اس کا علم و احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ نبوت کے لئے تیار کیا جا رہا ہے ۔ نبوت وہبی ہوتی ہے ۔ کسب و ہنر سے حاصل نہیں کی جا سکتی ۔

کو ٹیڑھا کر دیا ۔ دوسری جگہ ہے ۔ یُؤْفَکُ عَنْهُ مَنْ اُفِکَ (۵۱/۹) ۔ اس (صحیح راستے) سے اسی کو پھرایا جاتا ہے جو خود اس سے پھر جاتا ہے ۔ یعنی انسان جو راستہ اختیار کرتا ہے ، اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہوجاتا ہے ۔ انسان کی ممکنات (Realisable Possibilities) کا میدان بہت وسیع ہے ۔ اس لئے اس کے لئے تقدیرات (یعنی قوانین خداوندی) کے انتخاب کا میدان بھی لامحدود ہے ۔ یہ جیسا خود بن جائے گا ویسی اس کی ''تقدیر'' بن جائے گی ۔ اقبال کے الفاظ میں :—

حرفے باریکش بہ رمزے مضمر است تو اگر دیگر شوی او دیگر است

خاک شو نذرِ ہوا سازد ترا سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا

شبنمی ! افتندگی تقدیرِ تست قلزمی ! پائندگی تقدیرِ تست

تم اگر کسی ایک حالت میں ہو اور اس کے مطابق قانونِ خداوندی کے نتائج تمہارے لئے ناخوشگوار ہیں تو تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کرلو ۔ اس سے خدا کا دوسرا قانون (تقدیر) تم پر منطبق ہوجائیگا اور تمہاری تقدیر بدل جائے گی ۔

گر ز یک تقدیر خوں گردد جگر خواہ از حق حکمِ تقدیرے دگر

تو اگر تقدیرِ نو خواہی رواست زانکہ تقدیراتِ حق لا انتہا است

یہ ہے قرآن کریم کی رو سے تَقْدِیْرٌ کا مفہوم ۔ لہذا جب کہا جائے گا کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کا قانون ہر شے پر حاوی اور غالب ہے اور اس شے کو اس کی آخری منزل تک لئے جارہا ہے ۔ انسان بھی جس مقام پر اپنے آپ کو رکھے گا اس کے مطابق خدا کا قانون (تَقْدِیْرٌ) اس پر حاوی ہوگا ۔ اب یہ بات انسان کے اپنے اختیار کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو کس مقام پر رکھنا چاہتا ہے ، اور اس طرح خدا کی کون سی تقدیر اپنے لئے منتخب کرتا ہے ۔ لیکن وہ اپنے آپ کو کسی مقام پر رکھے ، خدا کی تقدیر (قانون) سے اپنے آپ کو باہر نہیں لے جاسکتا ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ۔

قرآن کریم کا یہ اہم اعلان کہ کائنات میں ہر شے کے لئے پیمانے (قوانین ، اندازے ، تناسب ، توازن) مقرر ہیں ، علمی دنیا میں ایک عظیم الشان حقیقت کا علمبردار ہے ۔ آج سائنس کی تحقیقات اور منکشفات قدم قدم پر اس کی شہادت

بہم پہنچا رہی ہیں کہ کائنات میں قانون کی کارفرمائی ہے - یونہی اندھیر گردی نہیں - یعنی تمام کائنات (Rational Basis) پر چل رہی ہے - آپ (Rational) کے لفظ پر غور کیجئے - اس کے معنی ہیں جو (Ratio) کے مطابق ہو - اور (Ratio) قدر ، پیمانے ، اندازے ، تناسب ہی کو کہتے ہیں - وَ کَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (۳۳/۳۸) اللہ کا ہر معاملہ ایک خاص اندازے کے مطابق مقرر کردہ ہے - یہاں ہر بات (Rational) ہے - اندھی فطرت (Blind Nature) کارفرما نہیں - نہ ہی انسان مجبور اور مقہور ہے - ''پہلے سے لکھا ہوا'' صرف قانون ہے (کہ فلاں عمل کا نتیجہ یہ ہوگا)- انسان کی ''قسمت'' نہیں- اپنی قسمت ہر انسان (خدا کے قانون مکافات کے مطابق) خود بناتا ہے - ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ قانونِ خداوندی کو قرآن کریم نے قَدْرٌ کہکر پکارا ہے - یہ قوانین جسطرح خارجی کائنات میں جاری و ساری ہیں(جنہیں قوانین فطرت یا (Laws of Nature) کہا جاتا ہے) اسی طرح انسانی دنیا میں بھی کارفرما ہیں - مستقل اقدار (Permanent Values) خدا کے یہی غیر متبدل قوانین ہیں جن کے مطابق انسانی اعمال نتیجہ خیز ہوتے ہیں - نزولِ قرآن کریم سے مقصد یہ تھا کہ نوع انسان تک ان مستقل اقدار کو پہنچا دیا جائے - اسی وجہ سے نزولِ قرآن کریم کی ''رات'' کو لَیْلَۃُ الْقَدْرِ کہا گیا ہے (۹۷/۱) - وہ ''شب،، (یا تاریک زمانہ جس میں وحی کی روشنی کہیں موجود نہیں تھی) جس میں دنیا کو نئی اقدار عطا ہوئیں- یہ مستقل اقدار ہی ہیں جن کے احترام اور پابندی سے انسان حیوانی سطح زندگی سے بلند ہو کر ، انسانیت کی سطح پر آتا ہے ، اور جب کسی مستقل قدر اور طبعی (حیوانی) زندگی کے تقاضا میں تصادم ہوتا ہے (Tie) پڑتی ہے) تو وہ طبعی زندگی کے تقاضا کو ، بلند قدر کی خاطر قربان کر دیتا ہے - حتی کہ عند الضرورت، جان تک کو بھی- دین، نام ہی قرآن کریم کی عطا کردہ مستقل اقدار کے تحفظ کا ہے -

ق د س

قَدَسَ فِی الْاَرْضِ کے معنی ہیں وہ بہت دور تک چلا گیا * - اس لئے قَدَّسَہٗ کے معنی ہیں اس نے اس سے تمام نقائص و اسقام کو دور کر دیا - قرآن کریم میں جہاں ملائکہ نے کہا ہے کہ نُقَدِّسُ لَکَ (۲/۳۰) تو زجاج نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تیرے لئے خود بھی پاک و صاف

*لین - بحوالہ بیضاوی -

ہوتے ہیں اور ہر اس شخص کو پاک اور صاف کرتے ہیں جو تیری اطاعت کرے* ۔ (لیکن ہمارے نزدیک اس کا مفہوم وہ ہے جو آگے چل کر درج کیا جاتا ہے) ۔ قُدُّوْسٌ (۵۹/۲۳) ۔ خدا کی صفت ہے ، جس کے معنی ہیں ہر قسم کے نقائص و اسقام سے دور ، منزہ ۔ اَلْقُدَاسُ ۔ گرانقدر اور محکم شرف ، نیز اُس پتھر کو بھی کہتے تھے جو حوض میں یا اس کے دہانہ میں لگا دیتے تھے تاکہ اس سے پانی کا اندازہ ہو جائے اور اس طرح وہ آپس میں پانی کی تقسیم کرلیں** ۔

سورۃ بقرۃ میں نُسَبِّحُ اور نُقَدِّسُ ساتھ ساتھ آئے ہیں (۲/۳۰) ۔ اس لئے اس کے ساتھ (س ۔ ب ۔ ح) کا عنوان بھی دیکھئے تاکہ مفہوم واضح ہو جائے ۔ مختصر الفاظ میں اس کے معنی ہونگے ، خدا کے کائناتی پروگرام کو درخورِ حمد و ستائش بنانے کے لئے دور دور تک چلے جانا ۔ بڑی تگ و تاز کرنا ۔ انتہائی جد و جہد کرنا ۔

رُوْحُ الْقُدُسِ کے لئے دیکھئے عنوان (ر ۔ و ۔ ح) ۔

اَلْاَرْضُ الْمُقَدَّسَةُ (۵/۲۱) ۔ وہ سرزمین جہاں زندگی کے ہر طرح کے سامان و اسباب بافراط موجود ہوں ۔ با برکت زمین (دیکھئے عنوان ب ۔ ر ۔ ک) مصر اور فرات کا درمیانی حصہ** ۔ عام طور پر فلسطین کے علاقہ کو کہتے ہیں ۔

ق د م

اَلْقَدَمُ ۔ پاؤں (۱۶/۹۴) ۔ اسکی جمع اَقْدَامٌ ہے ۔ قَدَمَ ۔ آگے بڑھنا ۔ پہل کرنا ۔ مُقَدِّمَةُ الْجَيْشِ ۔ (دال کے زیر اور زبر سے) فوج کا ہراول دستہ ۔ مُقَدَّمَةٌ ۔ ہر شے کا ابتدائی حصہ ۔ قَدَّمَ ۔ آگے بڑھانا ۔ پیش کرنا** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی آگے بڑھنے اور سبقت کرنے کے ہیں ۔

سورہ حجر میں ہے ۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ (۱۵/۵) ۔ اور سورہ اعراف میں ہے فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (۷/۳۴) ۔ قَدَّمَ کے معنی ہیں سبقت کرنا ۔ اور آگے بڑھتے چلے جانا ۔ بہ اُخَرُ ۔ پیچھے کی ضد ہے ۔ اسی لئے دوسری جگہ مُسْتَقْدِمِيْنَ کے مقابلہ میں مُسْتَاْخِرِيْنَ (۱۵/۲۴) آیا ہے ۔

قرآن کریم میں مَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۲/۹۵) متعدد مقامات میں آیا ہے ۔ اس کے معنی ہیں جو کچھ ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ۔ اس سے

*لین ۔ **تاج ۔

مراد اعمال انسانی ہیں ۔ چونکہ انسان کی موت اس کے ان تمام اعمال کے بعد ہوتی ہے جو اس سے اس دنیا کی زندگی میں سرزد ہوتے ہیں ، اس لئے اعمال انسان سے آگے آگے چلتے ہیں ۔ اس میں ماضی (Past) کا زمانہ پایا جاتا ہے ۔ نیز ہر عمل جو سرزد ہو جاتا ہے ، ماضی (گذرے ہوئے زمانے) سے متعلق ہوجاتا ہے ، اور انسان کی دسترس سے باہر ۔ اور چونکہ اعمال کے نتائج بھی ساتھ کے ساتھ مرتب ہوتے رہتے ہیں اسی لئے ان نتائج کو بھی " پہلے بھیجے ہوئے " کہکر پکارا گیا ہے ۔ مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا (۳۶/۵۲) ۔ جس نے اسے ہمارے لئے آگے بھیجا ہے ۔ جس کی وجہ سے ہم پر یہ عذاب آیا ہے ۔ لہذا ، جنت اور دوزخ کو انسان خود اپنے ہاتھوں سے ساتھ کے ساتھ تعمیر کرتا جاتا ہے ۔ البتہ ان کی نمود اپنے وقت پر ہوتی ہے ۔ اس زندگی میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی ۔

سورہ یونس میں ہے ۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۱۰/۲) ۔ ایمان والوں کو بشارت دو کہ ان کے لئے ان کے نشو و نما دینے والے کے ہاں قَدَمَ صِدْقٍ ہے ۔ یہاں قَدَم کے معنی بزرگی ، شرف اور بلندی مدارج بھی ہیں ، اور سبقت بھی ۔ یعنی صلاحیتوں کی ایسی نشوونما جس سے انسان ، زندگی کے آئندہ مراحل طے کرنے (آگے بڑھنے) کے قابل ہو جائے ۔ نیز ثبات و استحکام ۔

قدیم اور حادث کی اصطلاحات قرآنی نہیں ۔ متکلمین کی ہیں ۔ البتہ قرآن کریم میں قَدِيْم کا لفظ پرانی ، یعنی اس چیز کے متعلق استعمال ہوا ہے جو پچھلے زمانہ سے چلی آرہی ہو ۔ مثلاً اَلْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ (۳۶/۳۹) ۔ خوشہ کی کہنہ اور خشک شاخ ۔ اِفْكٌ قَدِيْمٌ (۴۶/۱۱) ۔ وہ جھوٹ جو شروع سے چلا آرہا ہے ۔ اَقْدَمُوْنَ (۲۶/۷۶) اگلے زمانے کے لوگ ۔ آبا و اجداد ۔

سورہ فرقان میں ہے ۔ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا ۔ (۲۵/۲۳) ۔ اس کے معنی متوجہ ہونے کے ہیں ۔ یعنی آگے بڑھ کر لینا ۔ سورہ حجرات میں ہے ۔ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۴۹/۱) ۔ خدا اور رسول (نظامِ خداوندی) کے احکام کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو ۔ یا ان کی باتیں کاٹ کر نہ چلو ۔ ان کی اطاعت کرو ۔

سورہ فتح میں ہے مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ (۴۸/۲) ۔ وہ نازیبا باتیں جو ان لوگوں نے پہلے سے تیرے پیچھے لگا رکھی ہیں ۔ یعنی وہ باتیں درحقیقت

درست نہیں بلکہ ان لوگوں نے یونہی تہمت کے طور پر تمہارے پیچھے لگا رکھی ہیں (مثلاً ساحر ۔ مجنون ۔ شاعر ۔ کاذب ۔ مفتری ۔ وغیرہ) ۔ ذَنْبَکَ کے یہی معنی ہیں ۔ اس انداز بیان کی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں ۔ مثلاً سورۃ نحل میں ہے ۔ اَیْنَ شُرَکَائِیَ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُشَاقُّوْنَ فِیْهِمْ (۱۶/۲۷) ۔ یہاں شُرَکَائِیْ کے معنی ''میرے شریک'' نہیں ۔ اس کے معنی ہیں وہ معبود جنہیں تم بزعم خویش میرے شریک سمجھتے تھے ۔ (یا جو بزعم خویش میرے شریک بنتے تھے) ۔ شُرَکَاءُ کُمُ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (۶/۹۴) ۔ وہ جنہیں تم بزعم خویش خدا کے شریک قرار دیا کرتے تھے ۔ لہذا ذَنْبَکَ (۴۰/۵۵) کے معنی ''تیری نازیبا باتیں'' نہیں ۔ اس کے معنی ہیں وہ نازیبا تہمتیں جن سے یہ مخالفین تجھے مطعون کرتے رہتے ہیں ۔ (نیز دیکھئے عنوان ذ ۔ ن ۔ ب)۔

ق د و

اَلْقِدْوُ ۔ درخت کی اصل جس سے شاخیں نکلتی ہیں ۔ اسی سے اَلْقَدْوَۃُ کے معنی آگے بڑھنے کے ہیں ۔ اور چونکہ یہ شاخیں سیدھی نکلتی ہیں اس لئے تَقَدَّتْ بِہِ دَابَّتُہٗ کے معنی ہوتے ہیں سواری کا جانور اسے لیکر سیدھے راستے پر چلتا رہا*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کے مطابق بن جانا اور اس سے رہنمائی حاصل کرنا ہیں ۔

اَلْقُدْوَۃُ ۔ وہ جس کی پیروی کی جائے ۔ جسکے پیچھے پیچھے چلا جائے* ۔ اِقْتَدَیْ ۔ پیروی کرنا ۔ قرآن کریم میں تمام انبیائے سابقہ کے ذکر کرنے کے بعد رسول اللہؐ سے کہا گیا ہے ۔ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ (۶/۹۰) ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی راہ نمائی (وحی) عطا کی تھی ۔ پس انہی کی راہ نمائی کی پیروی تو کر ، یعنی جو راہ نمائی انہیں دی گئی تھی اب وہی راہ نمائی اس قرآن کریم میں تجھے دی گئی ہے ۔ لہذا قرآن کریم کی راہ وہی ہے جس پر تمام انبیائے سابقہ چلتے رہے ہیں ۔ قرآن کریم پر چلنا انبیاء کی راہ پر چلنا ہے ۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کبریٰ کو واضح کیا ہے کہ اصل کے اعتبار سے تمام انبیاء کرام کو ایک ہی دین ملتا رہا ہے ۔ وہ دین اپنی اصل شکل میں باقی نہ رہا ۔ اب وہی اصول (جنہیں مستقل اقدار کہا جاتا ہے) اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم

*تاج ۔

میں دے دیئے گئے * ۔ اس لئے جو شخص قرآن کریم کا اتباع کرتا ہے وہ اسی راستے پر چلتا ہے جس پر انبیاء کرامؑ چلتے رہے ہیں ۔ یہی معنی فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (۶/۹۰) کے ہیں ۔ اقتداء اس ہدایت کی ہے جو خدا کی طرف سے انبیاء کو ملتی رہی ہے ۔ اس کے خلاف دوسری راہ اشخاص کی اقتداء کی ہے جس کی مخالفت قرآن کریم نے جا بجا کی ہے ۔ (مثلاً ۴۳/۲۳) ۔ لیکن ہم وہی کچھ کر رہے ہیں جس سے قرآن کریم نے روکا تھا ۔ یعنی خدا کی طرف سے ملی ہوئی راہ نمائی (قرآن کریم) کے بجائے، زندہ اور مردہ اشخاص کی اقتداء ۔

ق ذ ف

قَذْفٌ ۔ تیر یا پتھر وغیرہ کو پھینکنا ** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنے دور پھینکنا ہیں*** ۔ اسی طرح یہ لفظ کسی بات کو منہ سے نکالنے اور پھینکنے، نیز کسی چیز کو ڈالنے کے لئے بولتے ہیں ۔ اور استعارۃً الزام یا تہمت لگانے کے لئے بھی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے** ، جیسے اس مفہوم کے لئے رَمْیٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ اسی طرح قَذْفٌ گالی دینے اور عیب جوئی کرنے کے لئے بھی بول دیا جاتا ہے***۔ چنانچہ قَذَفَ الْمُحْصِنَةَ کے معنی ہیں اس نے پاکباز عورت پر بد چلنی کی تہمت لگائی ۔ اَلْقَذَّافُ ۔ منجنیق وغیرہ جس سے کوئی چیز دور پھینکی جائے ** ۔

سورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰؑ کے متعلق ہے اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ ۔ (۲۰/۳۹) ۔ اسے تابوت میں رکھدے اور پھر اس صندوق کو دریا میں بہا دے ۔

سورہ انبیاء میں ہے ۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ (۲۱/۱۸) ہم حق کو باطل پر مارتے رہتے ہیں ۔ حق اور باطل میں باہمی تصادم و تزاحم ، باہمی کشمکش ، ہوتی رہتی ہے ۔ تعمیری اور تخریبی قوتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی ہیں اور تعمیری قوتیں آخرالامر غالب آجاتی ہیں ۔

دور رکھنے کے معنوں میں سورہ الصّٰفّٰت میں ہے ۔ وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ (۳۷/۸) انہیں ہر طرف سے دور رکھا جاتا ہے ۔

---

* جن سابقہ احکام میں (اصول نہیں بلکہ ان اصولوں کی روشنی میں احکام ہیں) کسی رد و بدل کی ضرورت تھی ان میں رد و بدل کرکے نئے احکام قرآن کریم میں دے دئے گئے ہیں ۔ لہٰذا، اب اطاعت خداوندی صرف قرآن کریم کی رو سے ہو سکتی ہے ۔ اور کسی مبینہ آسمانی کتاب کی رو سے نہیں ہو سکتی ۔ نیز دیکھئے عنوان (ن ۔ س ۔ خ) ۔ **تاج ۔ ***راغب ۔

ق ر أ

قَرْءٌ کے بنیادی معنی ہیں جمع کرنا (ابن فارس) ۔ اَقْرَاَتِ النَّاقَۃُ کے معنی ہیں نر کا سادہ منویہ اونٹنی کے رحم میں قرار پا گیا اور جمع ہو گیا ۔ قَرَاَتِ النَّاقَۃُ ۔ اونٹنی حاملہ ہو گئی ۔ خون کے رحم میں جمع ہونے کو بھی قَرْءٌ کہتے ہیں ۔ اَقْرَاَتِ الْمَرْاَۃُ اس وقت کہتے ہیں جب عورت کو قَرْءٌ یعنی حیض آجائے* ۔ قَرْءٌ کی جمع قُرُوْءٌ آتی ہے (۲/۲۲۸) ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے کہا ہے کہ یہ لفظ (قَرْءٌ) اس وقت بھی بولتے ہیں جب عورت حیض سے پاک ہو جائے ۔

زجاج نے کہا ہے کہ قُرْاٰنٌ بھی یہیں سے فُعْلَانٌ کے وزن پر مصدر ہے ۔ اس کے معنی جمع کرنے کے ہیں ۔ قُرْاٰنٌ کو قُرْاٰنٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ سورتوں کو جمع کرتا ہے ۔ اور انہیں ایک دوسرے سے ملاتا ہے ۔ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ کتاب اللہ کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے اپنے اندر قصص ، امر ، نہی ، وعدہ ، وعید ، اور آیات اور سورتوں کو باہمد گر جمع کر دیا ہے* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کا نام قرآن اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ خدا کی تمام نازل کردہ کتابوں کے ثمرہ کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے ۔ بلکہ تمام علوم کے ماحصل کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَ قُرْاٰنَہٗ ۔ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ (۷۵/۱۷-۱۸) ۔ اس کا جمع کرنا اور حفاظت سے رکھنا (جسطرح رحم میں تخم حفاظت سے رکھا جاتا ہے) ہمارے ذمہ ہے ۔ سو جب ہم اسے جمع کر دیں (اور اسے تمہارے سینے میں محفوظ اور ثبت کر دیں) تو تم اس جمع شدہ وحی کی پیروی کرنا** ۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ (۷۵/۱۹) ۔ پھر اس کا لوگوں کے سامنے کھول کر لانا (اس کی نمود اور ظہور) بھی ہمارے ہی ذمہ ہے ۔

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم خود رسول اللہ ؐ کی زندگی میں جمع ، مرتب اور محفوظ شکل میں وجود میں آچکا تھا ۔ یہ صحیح نہیں کہ رسول اللہ ؐ اسے منتشر شکل میں چھوڑ گئے تھے اور اسے بعد میں یک جا کیا گیا تھا ۔ علاوہ دیگر شواھد ، خود لفظ قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جمع شدہ (کتاب کی) شکل میں تھا ۔

اَلْقِرَاءَۃُ ۔ حروف اور الفاظ کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے اور جمع کرنے کو کہتے ہیں ۔ ابن عباس نے فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ کے معنی اس پر عمل کرنے اور اس کی پیروی کرنے کے بتائے ہیں** ۔

---

*تاج ۔ **راغب ۔ نیز ابن قتیبہ ۔ القرطین ۔ ج/۱ صفحہ ۹۰ و ج/۲ صفحہ ۱۹۳ ۔

بعض کا خیال ہے کہ قَرَاَ عبرانی لفظ ہے جس کے معنی اعلان کرنے کے ہیں* ۔ اس اعتبار سے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ (۹۶/۱) کے معنی ہونگے تو اپنے نشو و نما دینے والے کی صفت ربوبیت کا عام اعلان کردے ۔ یہ وہی چیز ہے جسے سورۃ مدثر میں قُمْ فَاَنْذِرْ ۔ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ (۷۴/۲-۳) سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اس سے قُرْاٰنٌ کے معنی اعلانِ عام کے ہونگے ۔

قرآن کریم وہ الکتاب (ضابطہ حیات) ہے جس میں ہر بات یقینی ہے اور اس سے ہر قسم کا تذبذب اور نفسیاتی الجھن ختم ہو جاتی ہے (۲/۲) ۔ جو کچھ خدا نے حضورؐ پر وحی کیا تھا وہ قرآن کریم میں محفوظ ہے (۱۵/۹) ۔ مومنین کو اسی کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کے اتباع کی اجازت نہیں دی گئی (۷/۳) ۔ رسول اللہؐ کو بھی قرآن کریم ہی کے اتباع کا حکم تھا (۱۰/۱۰۹)۔ حضورؐ اسی کے مطابق فیصلے کرتے تھے (۵/۴۸) ۔ جو اس کے مطابق فیصلے نہیں کرتا ، تو ایسے لوگ مومن نہیں کافر ہیں ۔ (۵/۴۴)۔ اس میں تعلیم خداوندی مکمل طور پر آگئی ہے اور کوئی شخص اس میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں کر سکتا ۔ (۶/۳۴ و ۶/۱۱۶) ۔ یہ سابقہ تعلیمات کا مہیمن ہے (۵/۴۸) ۔ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں (۴/۸۲) اور تمام اختلافات اسی سے رفع ہوسکتے ہیں (۴۲/۱۰)۔ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کی وضاحت خود خدا نے کردی ہے (۷۵/۱۹) ۔ اسی لئے اسے تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (۱۶/۸۹) کہا گیا ہے ۔ ایسا تصریف آیات کی رو سے کیا گیا ہے ۔ یعنی آیات کو پھیر پھیر کر لانے سے (۶/۱۰۵ و ۱۷/۴۱) ۔ رسول اللہؐ ہر اختلافی معاملہ کی وضاحت قرآن کریم سے کرتے تھے (۱۶/۶۴) ۔ اور اسی سے لوگوں کو نصیحت کرتے تھے (۵۰/۴۵) ۔ یہ خود روشنی ہے (۵/۱۵) جو اس لئے دی گئی ہے کہ انسان اس روشنی میں سفرِ حیات طے کرے (۶/۱۲۲) ۔ اسی لئے اس میں تدبر و تفکر کا حکم دیا گیا ہے (۴۷/۲۴) ۔ یہ نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان ہے (۵۴/۱۷) ۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے دل و دماغ کو انسانی خیالات سے پاک و صاف کرکے اس سے راہ نمائی حاصل کرنے کی کوشش کرے (۵۶/۷۹) ۔ قرآن کریم میں غیر قرآنی خیالات و نظریات و تصورات و معتقدات کی آمیزش شرک ہے (۴۲/۱۳)۔ لیکن جب انسان شخصیت پرستی کا شکار ہوجائے تو اسے یہی بات سخت ناگوار گذرتی ہے (۳۹/۴۵ و ۳۹/۴۵ و ۷۳/۱۲) ۔ چنانچہ جو شخص ان کے سامنے قرآن کریم پیش کرے تو وہ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں (۷۳/۲۲)۔ اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اس کی بات قطعاً نہ سنو اور شور مچاؤ تاکہ دوسرے لوگ بھی قرآن کریم کی آواز نہ سننے پائیں (۴۱/۲۶) ۔ اس طرح وہ خود بھی قرآن کریم

*غریب القرآن مرزا ابوالفضل

سے دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کے قریب آنے سے روکتے ہیں (۶/۴۶)۔ قرآن کریم کی مثل کوئی چیز نہیں (۶/۹۴)۔ مخالفین چاہتے تھے کہ رسول اللہ ؐ قرآن کریم میں کچھ تبدیلی کر دیں لیکن حضور ؐ ایسا نہیں کرسکتے تھے۔ نہ حضور ؐ نے ایسا کیا (۱۰/۱۵)۔

قرن اول کی جماعت مومنین کے شرف و عظمت کا راز تمسک بالقرآن میں تھا (۴۳/۴۳)۔ لیکن جب بعد میں آنے والوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا تو ذلیل و خوار ہو گئے۔ یہی وہ شکایت ہے جو نبی اکرم ؐ خدا سے کرینگے (۲۵/۳۰)۔ اس لئے کہ الدین وہی ہے جو قرآن کریم کے اندر تھا۔ اسے چھوڑ دینے سے الدین ہی چھوٹ گیا۔ آج پھر اسی الدین سے تمسک ہوسکتا ہے اگر ہم اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ الدین اور قرآن کریم ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ دین، قرآن کریم کے اندر ہے اور جو بات قرآن کریم کے اندر نہیں وہ دین نہیں۔ اور قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خدا نے خود لے رکھا ہے (۱۵/۹)۔

ق ر ب

قَرِیْبٌ بمقابلہ بَعِیْدٌ (۲۱/۱۰۹)۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی بتائے ہیں۔ اَلْقُرْبُ۔ فاصلہ کے اعتبار سے کسی کے قریب ہونا۔ بمقابلہ بُعد، اور اَلْقُرْبَۃُ۔ رتبہ کے اعتبار سے کسی کے قریب ہونا۔ اور اَلْقُرْبٰی وَالْقَرَابَۃُ رشتہ کے اعتبار سے کسی کے قریب ہونا۔ یعنی رشتہ داری۔ ذِی الْقُرْبٰی (۲/۸۳) کے معنی ہیں جس سے رشتہ داری ہو۔ یعنی رشتہ دار۔ سورۃ شوریٰ میں ہے۔ قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (۴۲/۲۳)۔ اس کے معنی عام طور پر کئے جاتے ہیں کہ (اے رسول) ان سے کہدو کہ میں پیغام رسالت پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، بجز اس کے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت کرو۔ یہ معنی نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہیں بلکہ خود لغت کے بھی خلاف ہیں۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، اَلْقُرْبٰی کے معنی رشتہ داری ہیں، نہ کہ رشتہ دار۔ چنانچہ لسان العرب میں اس آیت کے معنی لکھے ہیں کہ اے پیغمبر! کہدو کہ میں تم سے رسالت کا اجر نہیں مانگتا مگر وہ حقوق تو ادا کرو جو میری قرابت داری کی وجہ سے تم پر عائد ہوتے ہیں*۔

اس کے ایک معنی اور بھی ہوسکتے ہیں۔ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ (۱۷/۲۶) کے معنی ہیں ''تو اپنے رشتہ دار کو اسکا حق دیدے''۔ یعنی ذا قُرْبَاکَ۔

* تاج۔

اسی طرح آتیَ الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی (۲/۱۷۷) کے معنی ہیں ''اس نے اپنے رشتے داروں کو مال دیا'' - یعنی ذوی قُرْباہٗ - اس اعتبار سے لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی میں ''تمہارا اپنا رشتہ'' مراد ہوگا - یعنی قُرْبَاکُمْ - یعنی تم اپنے رشتے ناطے کے حقوق مؤدت ادا کرو تو یہی میرا اجر ہے - یہ وہی بات ہے جس کے متعلق سورۃ سبا میں کہا گیا ہے کہ قُلْ مَاسَاَلْتُکُمْ مِنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ (۳۴/۴۷) - ''ان سے کہدو کہ میں تم سے جو اجر مانگتا ہوں تو وہ خود تمہارے اپنے ہی فائدے کے لئے ہے'' -

بہر حال بات پہلی ہو یا دوسری ، حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہؐ لوگوں سے اجر رسالت قطعاً نہیں مانگتے تھے - آپ قرآن کریم میں دیکھئے - ہر ایک نبی کا پہلا اعلان یہ ہوتا تھا کہ میں تم سے اجرِ رسالت کچھ نہیں مانگتا - (مثلاً ۲۶/۱۰۹ ; ۲۶/۱۲۵ ; ۲۶/۱۶۴ ; ۲۶/۱۸۰ ; ۲۵/۵۷ ; ۵۲/۴۰ ; ۳۶/۲۱) -

اَلتَّقَرُّبُ کے معنی ہیں کسی کے قریب ہونا چاہنا اور اس سلسلہ میں ذرائع اختیار کرنا * - اَلْمُقَارَبَۃُ - ایک دوسرے کے قریب ہو جانا - اَلْقُرْبَانُ - وہ چیز جس سے خدا کا قرب چاہا جائے* -

سورۃ مائدہ میں ''آدم'' کے دو بیٹوں کا ذکر ہے (یعنی دو آدمیوں کا) جن کے متعلق کہا کہ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِھِمَا (۵/۲۷) - ''جب انہوں نے کوئی قربانی پیش کی - سو ان دونوں میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی'' - قرآن کریم نے اس قربانی کی تفصیل نہیں دی کہ وہ کیا چیز تھی اور کس طرح پیش کی گئی تھی - یہ کوئی چیز بھی ہوسکتی ہے جسے نذرانے کے طور پر پیش کیا گیا ہو ، یا کوئی عملِ خیر بھی جسے بغرض حصول قرب خداوندی کیا گیا ہو -

ہمارے ہاں عید الاضحیٰ کی تقریب پر جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان کے لئے قربانی کا لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا -

قُربِ الٰہی سے مراد فاصلہ اور مکان کے اعتبار سے خدا کے نزدیک ہونا نہیں - اس لئے کہ خدا کسی خاص مقام پر نہیں جہاں سے قُرب اور بُعد ماپا جاسکے - انسان جسقدر اپنے اندر خدا کی صفات منعکس کرتا جاتا ہے اسی قدر وہ ''خدا سے قریب'' ہوتا جاتا ہے - اور صفاتِ خداوندی کا اپنے اندر منعکس کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان قوانین خداوندی کا اتباع کرے - چنانچہ

سورۃ علق میں ہے لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (۹۶/۱۹) تو اس شخص کی بات نہ مان (جو گریز کی راہیں نکالتا ہے ۔ بلکہ خدا کے قوانین کی) اطاعت کر اور اسطرح (خدا کے) قریب ہوجا ۔ یعنی قوانین خداوندی کی اطاعت سے اپنے اندر صفاتِ خداوندی پیدا کئے جا ۔ اسی کا نام انسانی ذات کی بیداری اور اس کا استحکام ہے ۔ اسی کو قرب خداوندی کہتے ہیں جو ہر مومن کو حاصل ہو سکتا ہے ۔ اس لئے ''مقربین بارگاہ خداوندی'' کا کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا ، جس طرح ''اولیاء اللہ'' کا کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا بلکہ ہر مومن ولی اللہ ہوتا ہے ۔ واضح رہے کہ قوانین خداوندی کا اتباع معاشرہ کے اندر رہتے ہوئے ایک نظام کے تابع ہوتا ہے ۔ تجرد کی خانقاہوں میں یا ویسے ہی انفرادی طور پر نہیں ہوسکتا ۔ نہ ہی خدا کا قرب کسی اور ''الٰہ'' کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے ۔ (دیکھئے ۲۸/۶۲) ۔ الٰہ ، صرف ایک ہے اور وہ خدائے واحد ہے ۔

قُرْبَةٌ ۔ جمع قُرُبَاتٌ (۹/۹۹) ۔ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ۔ عَرَضًا قَرِيْبًا (۹/۴۲) ۔ جلدی حاصل ہو جانے والا فائدہ ۔ پیش پا افتادہ مفاد ۔ مفاد عاجلہ ۔

زمانہ قدیم میں لوگ جانوروں کو ذبح کرکے اپنے معبودوں کے حضور پیش کرتے تھے تاکہ ان کی خوشنودی حاصل کریں ۔ یہودی ان ذبح شدہ جانوروں کو آگ میں جلا دیتے تھے ۔ چنانچہ سوختنی قربانی کا ذکر اکثر تورات میں آتا ہے ۔ سورۃ آل عمران میں بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ (۳/۱۸۳) سے اسی قسم کی قربانی کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ اگر وہ قبول ہو جائے تو اسے آگ بھسم کر دیتی ہے ۔

(خدا کے انسان سے قریب ہونے کے متعلق عنوان د ۔ ع ۔ و دیکھئے) ۔

ق ر ح

اَلْقَرْحُ ۔ اَلْقُرْحُ ۔ ہتیار وغیرہ کا زخم ۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلْقَرْحُ زخم کے نشان کو کہتے ہیں اور اَلْقُرْحُ سوزش اور جلن نیز درد و الم جو زخم کی وجہ سے ہو ۔ چنانچہ کہتے ہیں بِہٖ قُرْحٌ مِنْ قَرْحٍ ۔ اسے زخم کی وجہ سے درد ہو رہا ہے * ۔ راغب نے اسکی تائید کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ خارجی اثر سے ہونے والا زخم قَرْحٌ اور اندرونی طور پر ہونے والا پھوڑا پھنسی قُرْحٌ ہے ۔

*تاج ۔ نیز ابن فارس ۔

قرآن کریم میں جنگ میں نقصان ہو جانے کے لئے یہ لفظ آیا ہے۔ (۳/۱۳۹)۔ یا اس نقصان کی وجہ سے جو تکلیف اور پریشانی ہو۔ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

ق ر د

اَلْقَرَدُ ۔ جھڑ جانے والی یا الجھی ہوئی، ردی اون * جو کاتی نہ جا سکے اور اس لئے اسے بیکار ہونے کی وجہ سے پھینکدیا جائے۔ اس سے یہ لفظ حقارت اور ذلت کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

اَقْرَدَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں عاجزی و درماندگی کی وجہ سے وہ شخص ساکن ہوگیا۔ ذلیل ہوگیا اور جھوٹ موٹ مردہ بن گیا *۔ اَلْقِرْدُ ۔ بندر کو کہتے ہیں۔ اسکی جمع اَلْقِرَدَۃُ ہے۔ اور اَلْقُرَادُ ۔ چیچڑی کو کہتے ہیں جو اونٹوں وغیرہ کے چمٹ جاتی ہے *۔

قرآن کریم میں ہے کہ جن یہودیوں نے سبت کے احکام کی خلاف ورزی کی تھی ** انہیں قِرَدَۃً خٰسِئِیْنَ بنا دیا (۲/۶۵)۔ (خٰسِئِیْنَ کے معنی ہیں ذلیل۔ کمینہ ۔ بیکار۔ دیکھئے عنوان خ ۔ س ۔ ا)۔ سورہ نساء میں ہے کہ ان پر لعنت کی گئی تھی (۴/۴۷)۔ یعنی وہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہوگئے تھے۔ اسکی تشریح میں (۷/۱۶۳-۱۶۶) میں کہا ہے کہ اللہ نے حکم دیدیا کہ ان پر ایسے لوگ مسلط رہیں جو انہیں طرح طرح کا عذاب دیتے رہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ وہی عذاب تھا جسے دوسری جگہ ذِلَّۃٌ اور مَسْکَنَۃٌ کا عذاب کہا ہے (۲/۶۱)۔ سورہ مائدہ میں منافقین کو بھی قِرَدَۃً کہا ہے۔ اور اسکی تشریح عَبَدَ الطَّاغُوْتَ سے کر دی گئی ہے (۵/۶۰)۔ یعنی غیر خدائی قوتوں کے غلام اور محکوم۔ اسی چیز کو ان پر لعنت اور غضب کہا گیا ہے۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ کُوْنُوْا قِرَدَۃً خٰسِئِیْنَ (۲/۶۵) کے معنی یہ نہیں کہ انہیں سچ مچ کے بندر بنا دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ذلتوں اور رسوائیوں کی مار ماری گئی تھی۔ یہ اس بات کا نتیجہ تھا کہ وہ یک نگہی اور یک مرکزی کی زندگی بسر کرنے کی بجائے باہمی اختلافات کیا کرتے تھے۔ (۶/۱۵۹)۔ اور یہ حالت ہر اس قوم کی ہو جاتی ہے جو آئین و قوانین کی خلاف ورزی شروع کر دے۔ اس سے ان میں کبھی یکسر ہی نہیں رہتا۔ یہودیوں کا قواعدِ سبت کی پابندی سے گریز کی راہیں نکالنا اسی عدم کردار کا مظہر تھا۔

---

*تاج ۔ **سبت کے لئے دیکھئے عنوان س ۔ ب ۔ ت ۔

ق ر ر

اَلْقَرَارُ - کسی چیز کا ٹھہرنا ، جمنا - یا کسی چیز کے ٹھہرنے کی جگہ - اَلْقَرَارَۃُ - نشیبی زمین جہاں پانی ٹھہر جائے - اس معنی میں قَرَارٌ بھی مستعمل ہے - قَرَّ بِالْمَکَانِ - کسی جگہ سکونت اختیار کرنا ، وہاں ٹھہر جانا اور جم کر رہنا - اِسْتِقْرَارٌ - ٹھہر جانا ، جم جانا - اَقَرَّ کے معنی ہیں کسی چیز کو ٹھہرانا اور جما دینا ، نیز اس کے معنے اعتراف اور اقرار کرنے کے ہیں - جیسے ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ (۲/۸۴) پھر تم نے اقرار کیا - مُسْتَقَرُّ الْحَمْلِ - رحم کا وہ آخری حصہ جہاں حمل قرار پا جاتا ہے* - وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ (۲/۳۶) تمہارے لئے زمین میں قرار و ثبات کا مقام ہے - تم کو یہاں ٹھہرنا اور رکنا ہے - اس آیت میں اِلٰی حِیْنٍ (ایک وقت کے لئے) کے اضافہ نے یہ بتا دیا کہ زمین ابدی قیام گاہ نہیں - صرف ایک وقت تک کے لئے ٹھہرنے اور رکنے کی جگہ ہے ** - [مُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ (۶/۹۸) کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان و - د - ع] - لِکُلِّ نَبَاٍ مُسْتَقَرٌّ (۶/۶۷) کے معنی ہیں ہر خبر کا ایک منتہٰی ہوتا ہے جہاں پہنچکر اسکی صداقت یا عدم صداقت آشکارا ہو جاتی ہے - ہر عمل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے - ہر واقعہ ایک خاص حد تک جاتا ہے جہاں پہنچکر وہ رک جاتا ہے اور اس کے نتائج ظہور میں آجاتے ہیں - یہی اس کا مستقر ہوتا ہے - اَلشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّہَا (۳۶/۳۸) سورج (اپنی محوری گردش کے علاوہ) اپنے نظام کو لے کر ایک مستقر (Destination) کی طرف تیزی سے جا رہا ہے - اَلْقَرُّ - کجاوہ اور زین کے بین بین ایک چیز جسے سواری پر رکھ کر اس میں مرد بیٹھتے ہیں - نیز ہودہ کو بھی کہتے ہیں* جو عورتوں کے اونٹ پر بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے -

اَقَرَّ اللّٰہُ عَیْنَہٗ کے معنی ہیں خدا اسے اتنا مال دے دے کہ اسکی نگاہ ٹھہر جائے اور وہ اپنے سے زیادہ مالدار لوگوں کیطرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھتا پھرے* - اس کا دوسرا مفہوم ہے ''خدا اُسے خوش رکھے'' - اس سے آنکھوں کی ٹھنڈک مراد ہوتی ہے - یعنی مطمئن و مسرور - قُرَّۃُ الْعَیْنِ - جس سے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں - قرآن کریم میں ہے قُرَّۃُ اَعْیُنٍ (۲۵/۷۴) - وَقَرِّیْ عَیْنًا (۱۹/۲۶) - اپنی آنکھ کو ٹھنڈک پہنچا - اَلْقُرُّ -

*تاج - نیز ابن فارس - ** اس کا یہ مطلب نہیں کہ ''آدم'' پہلے کسی اور جگہ (جنت میں) تھا اور اسے پھر زمین پر بھیجدیا گیا ، یہ ساری داستان اسی زمین (ارض) سے متعلق ہے - تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ا د م میں لفظ آدم -

ٹھنڈ ۔ (اَلْقُرُّ ۔ سردی کے موسم کی ٹھنڈ کو کہتے ہیں اور بَرْدٌ ہر ٹھنڈ کو کہتے ہیں خواہ سردی کی ہو یا گرمی کی*) ۔ قَرَّعَلَیْہِ الْمَاءَ کے معنی ہیں اس پر پانی ڈال دیا ۔ اَلْقَارُوْرَۃُ ہر اس برتن کو کہتے ہیں جس میں شراب رکھی جائے ۔ بالخصوص شیشہ کا برتن ۔ اسکی جمع قَوَارِیْرُ ہے (۷۶/۱۵-۱۶)۔ پھر خود شیشے کو قَوَارِیْرُ کہنے لگ گئے ۔ (۲۷/۴۴) ۔ اہل عرب مجازاً عورتوں کو بھی قَوَارِیْرُ کہدیتے تھے* ۔ یعنی آبگینے ۔

ق ر ش

کتب لغت میں اس لفظ کے بہت سے معانی لکھے ہیں ۔ فرّاء کا قول ہے کہ قُرَیْشٌ کا لفظ قَرَشَ سے بنا ہے جس کے معنی ادھر ادھر سے چیزیں جمع کرنا اور سمیٹنا ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ قریش چونکہ حرم میں جمع ہوتے تھے اس لئے ان کا یہ نام پڑ گیا ۔ اسی سے تَقَرَّشَ الْقَوْمُ ہے ۔ یعنی لوگ اکٹھے ہوئے ۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ سامان تجارت خریدنے میں جلدی اور پہل کرتے تھے اس لئے قریش کہلائے ، کیونکہ تَقَرَّشَ کے معنی ہیں سامان تجارت کو پہلے خریدنا ۔ بعض نے کہا ہے کہ نضر بن کنانہ (قریش کے جد امجد) ایک دن کپڑے میں لپٹ کر سمٹ گئے اس لئے ان کا نام قریش پڑ گیا ۔ بعض کا خیال ہے کہ ایک دن نضر اپنی قوم کے پاس آئے تو لوگوں نے کہا کَاَنَّہٗ جَمَلٌ قُرَیْشٌ ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مضبوط اونٹ ہے ۔ چنانچہ اس کا لقب قریش پڑ گیا ۔ بعض نے کہا ہے کہ قُصَیٌّ کو ”قرشی“ کہا جاتا تھا اور اس نے یہ نام قریش کو دیا ۔ یا یہ لفظ قِرْشٌ نامی دریائی جانور (ویل مچھلی) کی تصغیر ہے جس سے تمام سمندری جانور ڈرتے ہیں ۔ یا یہ لقب ”قریش بن مخلد بن غالب بن فہر“ کی وجہ سے پڑا جو ان کے تجارتی قافلہ کا مالک تھا اور لوگ کہا کرتے تھے قَدِمَتْ عِیْرُ قُرَیْشٍ وَ خَرَجَتْ عِیْرُ قُرَیْشٍ“ ۔ قریش کا قافلہ آیا اور قریش کا قافلہ گیا ۔ ازھری وغیرہ نے کہا ہے کہ تجارت اور کاروبار اور تلاش رزق کے لئے سفر کرنے کی بنا پر ان کا نام قریش پڑا ہے ۔ بعض کا قول ہے کہ یہ نام اس لئے پڑا کہ ان کا دارومدار ہی تجارت پر تھا اور ان کے پاس گذارا کرنے کے لئے زمین اور مویشی نہیں تھے ۔ اس سے ہے فُلَانٌ یَتَقَرَّشُ الْمَالَ ۔ فلاں شخص مال جمع کرتا ہے* ۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو تولیت کعبہ کے لئے سرزمین حجاز میں بسا دیا ۔ ان کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے قیدار بڑا

*تاج العروس ۔

نامور تھا ۔ بنو قیدار کی شاخ پھیلتے پھیلتے وسیع خاندانوں میں منقسم ہوگئی ۔ ان میں قریش کا خاندان نہایت معزز اور ممتاز شمار کیا جاتا تھا ۔ ان میں فہر (قریب ۳۲۰ ء) اور قُصَیّ بن کِلاب (قریب ۴۷۰ء) بڑے مشہور ہیں ۔ نبیٔ اکرمؐ اسی خاندان کے چشم و چراغ (اور تمام دنیا کے لئے سراج منیر) تھے ۔

کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے قریش دور و نزدیک کے ممالک میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے ۔ تجارت ان کا کاروبار تھا ۔ اس کے لئے مختلف قبائل واقوام نے ان سے معاہدے کر رکھے تھے کہ ان کے قافلے محفوظ رہینگے ۔ قرآن کریم نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ (۱۰۶/۱-۲)۔ ”اُن عہد و پیمان کی وجہ سے جو (دوسری اقوام نے) قریش سے اس لئے کر رکھے ہیں کہ وہ کعبہ کے متولی ہیں) ان کے قافلے سردی گرمی میں محفوظ طور پر سفر کرتے ہیں “۔ اس کے بعد قرآن کریم نے کہا ہے کہ انہیں یہ مقام کعبہ کا متولی ہونے کی وجہ سے حاصل ہے ، لہذا انہیں چاہئے کہ وہ رب کعبہ کے احکام و قوانین کی اطاعت کریں ۔ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (۱۰۶/۳-۴) ۔ وہ رب کعبہ جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے امن عطا کیا ۔

کیسی عمدہ دلیل ہے یہ ۔ یعنی یہ لوگ خدا کے نام پر اتنے مفاد حاصل کرتے ہیں لیکن اطاعت خدا کو چھوڑ کر اوروں کی کرتے ہیں ۔ یہ تو کچھ اچھی بات نہ ہوئی ۔ اگر خدا کے نام سے مفاد حاصل کرتے ہیں تو خدا کے قوانین کی اطاعت بھی کریں ۔ اور اگر اطاعت کسی اور کی کرنی ہے تو خدا سے اپنی نسبت ختم کریں ۔

ق ر ض

اَلْقَرْضُ ۔ قطع کرنا ۔ کاٹنا ۔ قَرَضَ الْمَکَانَ ۔ وہ کسی جگہ سے کترا کر نکل گیا ۔ قَرَضَ فِیْ سَیْرِہٖ ۔ وہ چلنے میں دائیں بائیں جھکا * ۔(۱۸/۱۷) قَرْضٌ ۔ کوئی چیز جو دی جائے ، یا کوئی کام جو کیا جائے ، اس امید پر کہ وہ چیز واپس مل جائیگی یا اس کام کا بدلہ ملیگا* ۔ اَقْرَضَ ۔ کوئی چیز دینا ، یا کوئی کام کرنا ، اس امید پر کہ وہ واپس مل جائیگی یا اسکا بدلہ ملیگا ۔ عربوں کے محاورہ میں قَرْضٌ حَسَنٌ کے معنی اچھا سلوک اور معاملہ بھی ہوتے ہیں ۔

*تاج ۔

قرآن کریم میں بھی اس معنی میں یہ محاورہ آیا ہے (مثلاً ۲/۲۴۵) ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب نظام ربوبیت کے قیام کے لئے جدو جہد شروع کی جائے تو اسکی ضرورت ہوتی ہے کہ جماعت میں جس جس چیز کی کمی ہو اسے ملکر پورا کیا جائے ۔ ہر قسم کی کوشش ، ہر قسم کا جانی اور مالی ایثار جو درکار ہو ، اسے بطیب خاطر پیش کر دیا جائے ۔ یہ سب کچھ قَرْضٌ حَسَنٌ ہوگا ۔ لیکن اس کے ساتھ اگر قرض کے دیگر معنی بھی ملا لئے جائیں تو بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے ۔ اَلْقَرْضُ کے معنی ہیں چبانا * ۔ اَلْقَرِیْضُ ۔ چارے کا وہ گولہ جسے اونٹ اپنے پیٹ میں سے لوٹا کر منہ میں لاتا ہے ۔ پھر اسے چباتا رہتا ہے ۔ (جگالی کرتا ہے) اور جب وہ ہضم کے قابل ہوجاتا ہے تو اسے معدہ میں لوٹا دیتا ہے کہ وہ جزو بدن بن جائے* ۔ نظام ربوبیت کے قیام میں ، فرد جو کچھ معاشرہ کو دیتا ہے اسے یوں سمجھئے کہ وہ قَرِیْضٌ کی شکل میں ہوتا ہے ۔ معاشرہ اسے مناسب مقامات میں صرف کرکے اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ بہترین نتائج کا حامل بن جائے ۔ اسطرح افراد نے جو کچھ دیا تھا وہ بہترین شکل میں پھر افراد کی طرف لوٹ آتا ہے ۔ اسی لئے کہا ہے کہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضاً حَسَناً فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافاً کَثِیْرَۃً ۔ (۲/۲۴۵) ۔ کوئی ہے جو اللہ کو ”قرض حسنہ“ دے تو وہ اسے اس کے لئے کئی گنا بڑھا دے ! یہ بڑھانا نتائج کے اعتبار سے ہے ۔ اللہ کو کوئی قرض نہیں دیا جاتا ، اس کے بندوں کو دیا جاتا ہے ۔ لہذا وہ معاشرہ جو اللہ کے قانون کے مطابق متشکل ہو وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے جو خدا نے بندوں کے متعلق اپنے اوپر لے رکھی ہیں ، اور ان واجبات کو وصول کرتا ہے جو خدا نے بندوں پر عائد کر رکھے ہیں ۔ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے افراد معاشرہ جو کچھ ایثار کریں اور جس حسن کردار کا ثبوت دیں ، وہ سب ”اللہ کے لئے قرض حسنہ“ ہوگا۔

ق ر ط س

اَلْقِرْطَاسُ ۔ اَلْقِرْطِسُ ۔ اَلْقَرْطَسُ ۔ کاغذ ۔ ہر وہ چیز جس پر لکھا جائے** ۔ (جمع قَرَاطِیْسُ ۶/۹۱) ۔ اَلْقِرْطَاسُ اس کھال کو بھی کہتے ہیں جسے تیر اندازی کے لئے نصب کرتے تھے* ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْقِرْطَاسُ اس وقت بولتے ہیں جب کہ اس پر کچھ لکھا ہو ، ورنہ بلا لکھے کو طِرْسٌ اور کاغَذٌ کہتے ہیں ۔ (اگرچہ اس کے برعکس بھی ہے)*** ۔

*تاج ۔ **تاج و راغب ۔ ***تاج و محیط ۔

قرآن کریم میں ہے وَ لَوْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِيْ قِرْطَاسٍ (۶/۷) ۔ اگر ہم تم پر کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کردیتے ۔

ق ر ع

اَلْقَرْعُ ۔ ایک چیز کو دوسری چیز پر مارنا* ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں ۔ قَرَعَ رَأْسَهٗ بِالْعَصَا ۔ اس کے سر پر لاٹھی ماری ۔ قَرَعَ الْبَابَ قَرْعًا ۔ دروازہ کھٹکھٹایا ۔ اَلْقَرَّاعَةُ ۔ وہ پتھر (چقماق وغیرہ) جسے رگڑ کر آگ نکالی جائے ۔ اَلْمِقْرَاعُ ۔ ہتھوڑا وغیرہ جس سے پتھر توڑے جائیں ۔ یہاں سے اس مادہ میں شدت اور سختی یا مصیبت کے معنے پیدا ہوگئے ۔ چنانچہ اَلْقَرْعَاءُ اس باغیچے کو کہتے ہیں جسے جانوروں نے چر ڈالا ہو ۔ اور رِيَاضٌ قُرْعٌ ان باغات کو جن میں ہریاول قطعاً نہ رہی ہو ۔ اور اَلْاَقْرَعُ عمدہ تیز تلوار کو** ۔

قرآن کریم میں قَارِعَةٌ کا لفظ سخت مصیبت کے لئے آیا ہے جو قوموں پر ان کی شامتِ اعمال سے (غلط روش کے تباہ کن نتیجہ کے طور پر) آتی ہے ۔ سورۃ رعد میں ہے . . . . تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ (۱۳/۳۱) ۔ ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی ۔ سورۃ حاقہ میں ہے ۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ (۶۹/۴) ۔ اس سے مراد وہ تباہی ہے جو قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے ان پر آنے والی تھی ۔ یہی اَلْقَارِعَةُ تھی جو قریش کی سرکشی کی وجہ سے ان پر آئی اور یہی وہ قَارِعَةٌ ہے جو ہر سرکش قوم پر ان کے ظلم و استبداد کی بنا پر ہمیشہ آتی ہے ۔ اور جو آجکل قوموں کے باہمی تصادم (ٹکراؤ) سے آئے دن واقع ہوتی رہتی ہے ۔ سورۃ القارعۃ (۱۰۱) میں جو تفصیل دی گئی ہے اس سے اس دنیا میں واقع ہونے والے تصادمات کے علاوہ اُخروی زندگی کا محاسبہ بھی شامل ہے ۔

اَلْقُرْعَةُ ۔ حصہ ، نصیبہ ۔ اسی سے اِلْقَاءُ الْقُرْعَةِ قرعہ اندازی کو کہتے ہیں*** ۔ اس لئے کہ اس سے حصہ متعین ہوجاتا ہے، یا پھر اس لئے کہ قرعہ اندازی میں کسی سخت چیز (پانسہ) کو دوسری چیز کے ساتھ ٹکرایا جاتا ہے ۔

قرآن کریم میں قرعہ اندازی کے لئے یہ لفظ (قرعہ) نہیں آیا ۔ قصۂ حضرت مریمؑ کے ضمن میں ایک جگہ ہے اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (۳/۴۴) ۔ ''جب

*راغب ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔

وہ اپنے تیر یا قلمیں ڈالتے تھے"۔ اس سے قرعہ اندازی مراد لی جاتی ہے ۔ یہودی بہت سے امور کے فیصلے قرعہ اندازی سے کیا کرتے تھے ۔ اس کا ذکر انجیل میں ملتا ہے ۔ قرآن کریم ، عقل و دانش اور فہم و تدبر سے فیصلے کرنے کی تعلیم دیتا ہے ۔ اس تعلیم کی رو سے ، فیصلوں کے لئے ایسے طریق اختیار کرنا جس میں انسان اپنی عقل و فکر اور اختیار و ارادہ کو اتفاقات (Chances) کے سپرد کر دے ، مستحسن عمل قرار نہیں پاسکتا ۔

ق ر ف

اَلْقِرْفُ ۔ درخت کی چھال ۔ انار وغیرہ کا چھلکا ۔ اَلْقِرْفُ مِنَ الْاَرْضِ ۔ وہ مٹی جو سبزیوں اور ان کی جڑوں کے ساتھ زمین سے اکھڑ آئے ۔ اَلْقِرْفَۃُ ۔ کمانے اور حاصل کرنے کے معنوں میں آتا ہے ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا خلط ملط ہوجانا اور کسی چیز کو اوپر ڈال لینا، پہن لینا ، بتائے ہیں ۔ اِقْتَرَفَ کے معنے کمانا ہیں ۔ اِقْتَرَفَ الْمَالَ ۔ اس نے مال جمع کر لیا ۔ رَجُلٌ قَرَفَۃٌ ۔ کماؤ مرد* ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اِقْتَرَفَ کے معنے محنت سے کمانا اور کام کرنا ہیں ، خواہ اچھا کام ہو یا برا ، لیکن اس کا بیشتر استعمال برے کام کرنے کے لئے ہوتا ہے** ۔

سورۃ انعام میں ہے ۔ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ (۶/۱۱۳) تاکہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ کئے جائیں ۔ جن چیزوں میں لگے ہوئے ہیں ان میں لگے رہیں ۔

ق ر ن

اَلْقَرْنُ ۔ جانور کا سینگ ۔ انسان کے سر کا وہ حصہ جہاں جانور کے سینگ ہوتے ہیں ۔ سر کا بالائی حصہ۔ اَلْقَرْنُ مِنَ الْقَوْمِ ۔ قوم کا سردار*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) وہ چیز جو قوت اور شدت کے ساتھ ابھر آئے اور (۲) ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ اکٹھا کر دینا ۔

اَلْقَرْنُ ۔ زمانہ معینہ ۔ اس زمانہ کی مدت میں اختلاف ہے ، لیکن عام طور پر ایک سو سال (صدی) کی مدت کو کہا جاتا ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ زمانہ کا کچھ حصہ قَرْنٌ کہلاتا ہے جسکی حد نہیں مقرر کی جاتی*۔ یا ہمعصر

*تاج ۔ **راغب ۔

یا ایک امت جو ختم ہوچکی ہو۔ اَلْقَرْنُ ہم سر، ہم پلہ* ۔ سورۃ انعام میں ہے ۔ اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِنْ قَرْنٍ (۶/۶) ۔ اس کے معنی اقوامِ سابقہ ہیں ۔ قَرْنٌ کی جمع قُرُوْنٌ ہے ۔

اَلْقَرْنُ ۔ کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ باندھ دینا اور ملا دینا ۔ دو اونٹوں کو ایک رسی میں باندھ دینا*۔ قُرِّنَتِ الْاَسْرَارُ فِی الْحِبَالِ۔ قیدیوں کو اکٹھا کرکے رسیوں سے باندھ دیا گیا** ۔ قرآن کریم میں ہے مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ (۱۴/۴۹)۔ زنجیروں میں اکٹھے جکڑے ہوئے۔

قَرْنُ الشَّیْطَانِ ۔ شیطان کی امت یا اس کی قوت*۔ اَقْرَنَ لِلْاَمْرِ اسے معاملہ پر قدرت و طاقت حاصل رہی ۔ اس نے کسی کام کی طاقت رکھی*۔ قرآن کریم میں مُقْرِنِیْنَ (۴۳/۱۳) کے معنی ہیں طاقت اور اقتدار رکھنے والے ۔ اَلْقَرِیْنُ ۔ ساتھی ۔ رفیق ۔ ایک رسی میں بندھے ہوئے یا ایک جوئے میں جتے ہوئے*۔ قرآن کریم میں قَرِیْنًا بمعنی ساتھی اور رفیق آیا ہے (۴/۳۸) ۔ اَلْقَرِیْنَۃُ ۔ بیوی کو کہتے ہیں** ۔

سورۃ کہف میں ذِی الْقَرْنَیْنِ کا ذکر آیا ہے ۔ (۱۸/۸۳) ۔ کتب لغت اور تفاسیر میں اس کے متعلق اتنے مختلف بیانات ملتے ہیں کہ کثرت تعبیر سے خواب پریشان ہو گیا ہے ۔ لیکن دورِ حاضر کی تحقیقات سے مترشح ہوتا ہے کہ اس سے مراد شاہنشاہ کیخسرو (خرس یا سائرس) ہے ۔ اور اس کے دو سینگوں سے مراد میڈیا اور فارس کی دو سلطنتیں ہیں جن پر وہ حکمرانی کرتا تھا۔ کوئی سو برس کا عرصہ ہوا ، اصطخر کے کھنڈرات سے شاہنشاہ خرس کا ایک مجسمہ برآمد ہوا ہے جس کے سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں*** ۔ اس لئے کہ ایران میں مملکت کو قَرْنٌ (سینگ) سے تعبیر کیا جاتا تھا ۔ یہی وہ شاہنشاہ تھا جس نے یہودیوں کو بابل کی المناک اسیری سے نجات دلائی تھی اور جس کے ہاتھوں دانیال ، یسعیاہ اور یرمیاہ نبی کی پیش گوئیاں پوری ہوئی تھیں ۔ یہ پیش گوئیاں تورات میں آجکل بھی موجود ہیں ۔ دانیال نبی نے اپنے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک مینڈھا ہے جس کے دو بڑے بڑے سینگ ہیں ۔ جبریل نے انہیں اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ یہ ، میڈیا اور فارس کی دو سلطنتوں کا شاہنشاہ ہے جس کے ہاتھوں یہودیوں کو اہل بابل کی غلامی سے نجات ملیگی۔ چنانچہ یہ نجات دہندہ یہودیوں کے ہاں ذوالقرنین کے نام سے مشہور تھا ۔ یسعیاہ نبی کی پیش گوئی میں اس ''دو سینگوں'' والے کا نام

*تاج ۔ **محیط ۔ ***(Sir Percy Sykes) نے اپنی کتاب (A History of Persia) کی جلد اول کے شروع میں (Cyrus) کے اس مجسمہ کا فوٹو دیا ہے ۔

خرس لکھا ہے ۔ چنانچہ جب خرس نے بابل فتح کر کے یہودیوں کو آزادی دلائی تو دانیال نبی نے اسے یسعیاہ نبی کی پیش گوئی دکھائی جو اس واقعہ سے قریب ڈیڑھ سو سال پہلے کی گئی تھی ۔

یہ بادشاہ پہلے ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کا تمام سفر طے کرتا ہوا لیڈیا (ایشیائے کوچک کی شمال مغربی مملکت) کے دار الحکومت سارڈس کو فتح کر کے سمندر کے کنارے تک جا پہنچا جہاں شام کے وقت سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے (۱۸/۸۶) ۔ پھر اس نے مشرق کی سمت لشکر کشی کی اور باختر کے علاقہ کی طرف گیا (۱۸/۹۰) ۔ اس کی تیسری لشکر کشی سلسلۂ کوہ کاکیشیا کی طرف تھی جہاں اس نے درۂ کوہ میں ایک دیوار بنائی تا کہ شمالی علاقہ کے وحشی قبائل ان لوگوں پر حملہ آور نہ ہوسکیں (۱۸/۹۴) ۔ یہ شاہنشاہ زرتشت کا متبع تھا ۔ قرآن کریم کی کشادہ نگہی دیکھئے کہ اس نے اس کی بلندیٔ سیرت و کردار کا کس خوبی سے اعتراف اور ذکر کیا ہے (۱۸/۹۸-۹۵)۔ (مزید تفصیل میری کتاب ''برق طور'' میں ذوالقرنین کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیجئے)

بہر حال ، جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے یہ وہ قیاسات ہیں جن تک دورِ حاضر کی تحقیق پہنچاتی ہے ۔ ممکن ہے اس کے بعد مزید تحقیقات سے کچھ اور واقعات بھی بے نقاب ہوجائیں جو قیاسات کو یقین میں بدل سکیں ۔ قرآن کریم نے جس مقصد کے لئے ذی القرنین کا ذکر کیا ہے وہ مقصد اس تعین کے بغیر بھی حاصل ہوجاتا ہے کہ اس سے کونسی تاریخی شخصیت مراد ہے ۔

ق ر ی

اَلْقَرْیَۃُ ۔ بڑا شہر ۔ شہر ۔ وہ جگہ جہاں ٹھہرنے کے لئے بہت سے مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں* ۔ بستی ۔ اسکی جمع قُرًی ہے ۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہوجائیں ۔ نیز خود جمع ہونے والے آدمیوں کو بھی کہتے ہیں *** ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَلْمَدِیْنَۃُ اس شہر کو کہتے ہیں جس کے گرد شہر پناہ ہو۔ اور قَرْیَۃٌ اور بَلْدَۃٌ اسے کہتے ہیں جس میں یہ نہ ہو** ۔ (لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں) ۔ قَرَیٌ کے معنی جمع کرنے کے ہوتے ہیں ۔ قَرَی الْمَاءَ فِی الْحَوْضِ ۔ حوض میں پانی جمع کر دیا ۔ اسی اجتماعیت کے اعتبار سے بستی کو قَرْیَۃٌ کہتے ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس سادہ کے بنیادی معنی جمع کرنے اور مجتمع ہونے کے ہوتے ہیں ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

سورہ بقرہ میں قَرْیَۃ (۲/۲۵۹) بستی کے لئے آیا ہے ۔ اور سورہ انبیاء میں قَرْیَۃ (۲۱/۶) سے مراد اہل قریہ (بستی کے لوگ) ہیں ۔ سورہ زخرف میں اَلْقَرْیَتَیْنِ (۴۳/۳۱) آیا ہے جس سے مراد مکہ اور طائف کی بستیاں ہیں ۔ اہل لغت نے اسکی تصریح کی ہے کہ قریش جب بھی اَلْقَرْیَتَیْنِ کہتے تو اس سے ان کی مراد مکہ اور طائف کی دونوں بستیاں ہی ہوتیں *** ۔

ق س ر

قَسَرَہٗ عَلَی الْاَمْرِ ۔ اس نے اسے اس بات پر مجبور کر دیا ۔ قَسَرَہٗ ۔ وہ اس پر غالب آگیا * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی شدت کے ساتھ غلبہ اور تسلط کے ہیں ۔ اَلْقَسْوَرَۃ ۔ شیر کو کہتے ہیں ۔ نیز شکاری اور تیر انداز کو ** ۔ قرآن کریم میں ہے فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَۃٍ ۔ (۷۴/۵۱) شیر سے بھاگ رہے ہوں (کہ کہیں کھا نہ جائے) ۔

ق س س

اَلْقِسُّ ۔ کسی چیز کو طلب کرنا ۔ اسکی تلاش کرنا ۔ فُلَانٌ قَسُّ اِبِلٍ ۔ فلاں آدمی اونٹوں کا عالم ہے ۔ یعنی جو اونٹوں کے ساتھ ہمیشہ رہے * اور ان کی عادات و اطوار سے خوب واقف ہو ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کے اصلی معنی کسی چیز کی رات کے وقت جستجو کرنے کے ہیں ** ۔ اَلْقِسِّیْسُ ۔ علم اور شریعت میں نصاریٰ کا سردار (۵/۸۲) ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ سریانی لفظ ہے ۔ اس کے معنی ''شیخ'' کے آتے ہیں ۔ کلیسا کے عہدوں میں اس کا درجہ اسقف (Bishop) سے نیچے ہوتا ہے *** ۔

ق س ط

اَلْقِسْطُ ۔ مبنی برعدل حصہ** ۔ حصہ، نصیبہ، مقدار*** ۔ تَقَاسَطُوْا الشَّیْءَ بَیْنَھُمْ ۔ انہوں نے اس چیز کو آپس میں برابر برابر تقسیم کرلیا **** ۔ چنانچہ قِسْطَاسٌ ترازو کو کہتے ہیں ۔ (۱۷/۳۵ ; ۲۶/۱۸۲) بلکہ (صاحب لطائف اللغۃ کے قول کے مطابق) سب سے زیادہ صحیح ترازو ۔ اَلْقَوَّامُ الْمِیْزَانِ ۔ اَلْقِسْطُ عَدْلٌ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ ۔ (۵/۴۲) اور سورہ اعراف میں قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۔ (۷/۲۹) اسی سے ہے ۔ اَقْسَطَ ۔ اس نے عدل کیا، انصاف کیا ۔ سورہ حجرات میں ہے کہ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (۴۹/۹) ۔

---

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط ۔ ****تاج و محیط ۔

لیکن قَسَطَ یَقْسِطُ کے معنی ظلم کرنے اور حق سے ہٹ جانے کے بھی آتے ہیں *۔ (یعنی یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ ابن فارس نے بھی یہی کہا ہے)۔ آیت (۷۲/۱۵) میں قَاسِطُوْنَ کے معنی ظلم کرنے والے ہیں۔ اس کے مقابل میں مُسْلِمُوْنَ آیا ہے (۷۲/۱۴)۔ یعنی مسلم وہ ہے جو کبھی ناانصافی نہیں کرتا۔ اَلْقَسَطُ کے معنی ہوتے ہیں گردن کا سوکھ جانا۔

جیسا کہ شروع میں کہا جا چکا ہے، قِسْطٌ اور عَدْلٌ دونوں کے معنی انصاف کے ہیں لیکن ان میں جو باریک فرق ہے اسے یوں سمجھئے کہ عَدْلٌ کے معنی ہونگے دو آدمیوں میں برابر برابر کا سلوک کرنا۔ اور قِسْطٌ کے معنی ہونگے کسی کے حقوق و واجبات کا پورا پورا ادا کر دینا۔ چنانچہ سورہ نساء میں جو آیا ہے کہ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی (۴/۳) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم دیکھو (تمہیں اس کا اندیشہ ہو کہ تم) یتیم بچوں اور بے شوہر کی عورتوں کے حقوق و واجبات کو پورا نہ کرسکوگے۔ (یعنی معاشرہ میں ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ان کے مسئلے کا منصفانہ حل نہ کر سکو۔ ان کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکو)۔ یعنی اس میں کسی دوسرے کے ساتھ تقابل کا سوال نہیں۔ خود اُن کے حقوق کو پورا کرنے کا سوال ہے۔ اس سے آگے ہے وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ (۴/۱۲۹) تمہیں اس کی استطاعت نہیں کہ عورتوں میں عدل کر سکو۔ یہاں مختلف عورتوں میں برابر کے سلوک کا سوال ہے، اس لئے عَدْلٌ کا لفظ آیا ہے۔

ق س م

قَسَمَ۔ یَقْسِمُ۔ کسی چیز کے حصے کر دینا۔ بانٹ دینا۔ فَانْقَسَمَ چنانچہ وہ حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اَلْقِسْمَۃُ۔ تقسیم، بانٹ** ۔ قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی (۵۳/۲۲) ۔ بے انصافی کی تقسیم۔ قرآن کریم میں ہے نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (۴۳/۳۲) ۔"ہم نے انکی دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان ان کا حامانِ زیست تقسیم کیا ہے"۔ اس کے معنے یہ نہیں کہ خدا یونہی (معاذ اللہ) اندھا دھند رزق کی تقسیم کر دیتا ہے۔ اس کی تقسیم کے لئے اس کا قانون مقرر ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳/۳۹) ۔ انسان کو وہی کچھ ملیگا جس کے لئے وہ

*تاج و محیط۔ **تاج۔

کوشش کرے۔ یہ جو ہم دنیا میں اس اصول کے خلاف تقسیم رزق دیکھتے ہیں، تو یہ تقسیم، قانون خداوندی کے مطابق نہیں ہے۔ انسانوں کی خود ساختہ ہے۔

مَقْسُوْمٌ۔ تقسیم کیا ہوا (۱۵/۴۴)۔ مُقْتَسِمٌ۔ تقسیم کرنے والا۔ (۵۱/۴)۔ الْمُقْتَسِمِيْنَ (۱۵/۹۰) آپس میں بانٹ لینے والے۔ اسْتَقْسَمَ۔ تقسیم چاہنا۔ جاہلیت میں جانور کو ذبح کرکے، تیروں یا پانسوں کے ذریعے اس کے حصے کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے اس سے منع کیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے انسان اپنے اختیار کو چھوڑ کر جبر کے طریق کار کو اختیار کرتا ہے۔ اور اپنی فہم و بصیرت کی رو سے فیصلے کرنے کے بجائے اپنے آپ کو اتفاقات (Chances) کے سپرد کر دیتا ہے جو وجہِ تذلیل انسانیت ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کی رو سے قماربازی اور فال لینا ناجائز ہیں (قماربازی کے لئے دیکھئے عنوان ی۔ س۔ ر اور فال لینے کے لئے ز۔ ل۔ م)۔

قَسَمٌ۔ دلیل و شہادت** جو حق اور باطل کو الگ الگ کرکے رکھ دے۔ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ (۵۶/۷۶) اگر تم سمجھ سکو تو یہ شہادت (جسے میں پیش کر رہا ہوں) ایک عظیم الشان شہادت ہے۔ اَقْسَمَ بِالشَّيْءِ۔ کسی چیز کو بطور دلیل و شہادت پیش کرنا (۹۰/۱)۔ لیکن یہی لفظ جب عام لوگوں کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی قسم کھانے کے ہوجاتے ہیں۔ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ (۳۰/۵۵) مجرمین قسمیں کھائینگے۔ ابلیس کے متعلق ہے۔ وَ قَاسَمَهُمَا (۷/۲۱)۔ اس نے ان دونوں سے قسم کھا کر کہا۔

مومنین کا شیوہ قسمیں کھانا نہیں بلکہ اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل و شہادات پیش کرنا ہے۔ قسم توڑنے کا جو کفارہ مقرر کیا گیا ہے اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ حتی الامکان قسمیں کھائی ہی نہ جائیں تاکہ بعد میں کفارہ ادا نہ کرنا پڑے۔

ق س و

قَسْوَةٌ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کا سخت ہو جانا۔ پھر قَسْوَةٌ سے مراد قَسْوَةُ الْقَلْبِ ہوتی ہے، یعنی سنگدلی۔ حَجَرٌ قَاسٍ۔ ٹھوس اور سخت پتھر۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ ق۔ س۔ و کا خاصہ

*تاج۔ **غریب القرآن (مرزا ابو الفضل)۔

قوت اور اجتماع ہے** ۔ اَرْضٌ قَاسِيَةٌ ۔ سخت زمین جس میں کچھ پیدا نہ ہو ۔ لَيْلَةٌ قَاسِيَةٌ ۔ سخت اندھیری رات* ۔

قرآن کریم میں ہے ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (۲/۷۴) ۔ ''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے ۔ سو وہ پتھروں کی طرح ہیں بلکہ سختی میں ان سے بھی بڑھ کر'' ۔ اس میں قساوت کے معنی واضح ہیں ۔ یعنی كَالْحِجَارَةِ ۔ پتھر کی طرح سخت ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ۔ سورۃ الحج میں ہے وَالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ (۲۲/۵۳) ۔ جن کے دل سخت ہیں ۔ سورۃ الزمر میں یہ کہکر اس کی تشریح کردی کہ یہ اُن لوگوں کی ضد ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ مَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (۳۹/۲۲) ۔ اللہ جن کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کردے ۔ لہذا دل کی قساوت کے یہ معنی ہیں کہ بلا غور و فکر اپنی بات پر اڑے رہنے، اور دوسرے کی نہ سننے کی وجہ سے انسان میں حق کے سمجھنے اور اس کے قبول کرنے کی صلاحیت نہ رہے ۔ اسی کا نام ضد ، تعصب ، ہٹ دھرمی ہے ۔ (دیکھئے عنوان ش ۔ ر ۔ ح اور ص ۔ د ۔ ر) ۔

ق ش رع

اَلْقُشْعَرِيْر وہ جو چھوٹے میں درشت اور کھردرا ہو* ۔ اِقْشَعَرَّ جِلْدُهٗ ۔ اس کی جلد پر کپکپی آگئی* ۔ اقرب الموارد میں لکھا ہے کہ اس سے کنایۃً خوف بھی مراد لیا جاتا ہے ۔

سورۃ زمر میں ہے تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ ..... (۳۹/۲۳) ۔ اس سے ان کے بدن پر کپکپی چھا جاتی ہے ۔

ق ص د

قَصْدٌ کے اصلی معنی ہیں ارادہ کرنا ۔ توجہ کرنا ۔ کسی چیز کی طرف بڑھنا اور اس کے لئے اُٹھ کھڑے ہونا ۔ خواہ یہ اعتدال کے ساتھ ہو یا نہ ہو ۔ اَلْقَصْدُ فِی الْاَمْرِ ۔ کسی معاملہ میں میانہ روی اور اعتدال اختیار کرنا ۔ مثلاً قَصَدَ فُلَانٌ فِیْ مَشْيِهٖ ۔ اس نے اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کی ۔ سَفَرًا قَاصِدًا (۹/۴۲) معتدل سفر ۔ چنانچہ اَلْقَصْدُ و اَلتَّقْصِيْدُ کے معنی ہیں کسی چیز کو کاٹ دینا یا بیچ سے توڑ کر آدھا آدھا کر دینا* ۔

*تاج ۔ **العلم الخفاق ۔

اِقْتَصَدَ فِیْ اَمْرِہٖ ۔ وہ اپنے معاملہ میں مستقیم، معتدل اور میانہ رو رہا۔ ادھر اُدھر نہیں جھکا ۔ اسی سے اَلْقَصْدُ کے معنی ہیں راستہ کا سیدھا اور واضح ہونا* ۔ قرآن کریم میں ہے عَلَی اللّٰہِ قَصْدُ السَّبِیْلِ (۱۶/۹) ۔ ٹھیک سیدھی اور مستقیم راہ کو واضح کرنا اللہ کے ذمے ہے ۔ اس نے ایسا کردیا ہے اور وہی ایسا کرسکتا ہے ۔ (لیکن لوگ اس سیدھی راہ کو چھوڑ کر ٹیڑھی راہیں اختیار کرلیتے ہیں) ۔ اگر اس آیت میں علیٰ بمعنی اِلٰی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تک پہنچنے والا راستہ صرف درمیانی ہے ۔ ادھر اُدھر کی ٹیڑھی راہیں نہیں ۔

راغب نے لکھا ہے کہ اَلْاِقْتِصَادُ دو طرح کا ہوتا ہے ۔ ایک مطلقاً محمود ہوتا ہے جس میں افراط و تفریط کے دو سرے ہوتے ہیں اور ان کو چھوڑ کر درمیانی راہ اختیار کی جاتی ہے ، جیسے۔ وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ (۳۱/۱۹) ۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو ۔ یہ محمود ہے ۔ اس لئے کہ رفتار میں نہ تیزی اچھی ہوتی ہے نہ سستی ۔ لیکن دوسری قسم کے اقتصاد کے دو سروں میں سے ایک محمود اور دوسرا مذموم ہوتا ہے ۔ مثلاً عدل اور ظلم کے بین بین رہنا۔ ایسے شخص کو جو ان دو سروں کے درمیان آتا جاتا رہے مُقْتَصِدٌ کہا جائیگا** ۔

راغب نے جو کچھ کہا ہے وہ ذرا وضاحت طلب بھی ہے اور غور طلب بھی ۔ (مثلاً) ایک طرف اسراف ہے اور دوسری طرف بخل ۔ یہ دونوں سرے (Extremities) مذموم ہیں ۔ محمود راستہ ان دونوں کے بین بین ہے ۔ یعنی جود و سخا ۔ نہ بے جا اور فضول خرچ کرنا اور نہ ہی سب کچھ اپنی ذات کے لئے رکھ چھوڑنا ۔ یہ اقتصاد (درمیانہ روی) قابلِ تعریف ہے ۔ اب دوسری مثال لیجئے۔ ایک طرف حق ہے اور دوسری طرف باطل ۔ ان میں سے صرف ایک سمت (حق) ہی محمود ہے ۔ دوسری سمت (باطل) محمود نہیں ۔ لہذا ان دونوں کے بین بین چلنا خوبی کی بات نہیں ۔ قابل ستائش وہی ہے جو حق پر چلے ، نہ وہ جو حق اور باطل کی درمیانی راہ چلے ۔ حق اپنے مقام پر اٹل ہوتا ہے ۔ جو شخص اس سے ایک انچ بھی ادھر ادھر ہٹ جاتا ہے وہ باطل پر چلا جاتا ہے ۔

ایک اور مثال لیجئے ۔ ایک طرف عدل ہے اور دوسری طرف ظلم ہے ۔ قابلِ ستائش وہ ہے جو عدل پر چلے۔ لیکن ایک شخص عدل اور ظلم کی درمیانی راہ چلتا ہے ۔ یعنی کبھی عدل کرتا ہے کبھی ظلم کرتا ہے ۔ یا نہ عدل کرتا ہے

*تاج ۔ **راغب ۔

نہ ظلم کرتا ہے۔ ایسے معاملات میں (Indifferent) رہتا ہے۔ اس شخص کو اگر عدل کے پیمانہ سے ماپا جائے تو اس کا یہ عمل محمود نہیں۔ لیکن اگر ظلم کے پیمانہ سے ماپا جائے تو یہ بہر حال، ظالم سے بہتر ہوگا۔ اس کی مثال ہمیں سورۃ فاطر میں ملتی ہے جہاں کہا ہے کہ ہم نے وراثتِ کتاب کے لئے اپنے بندوں میں سے ایک قوم کو چن لیا۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ۔ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ..... (۳۵/۳۲)۔ ''سو ان میں سے کوئی وہ ہے جو اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ کوئی میانہ رو ہے اور کوئی نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے''۔ (نیز دیکھئے ۵/۶۶)۔ ظاہر ہے کہ ان تین گروہوں میں سے قابل ستائش (اور قرآنی معیار کے مطابق) سابق بالخیرات کا گروہ ہے۔ اور ظلم کرنے والے بدتر ہیں۔ لیکن ان کے بین بین ایک طبقہ ہے جو نہ بھلائی کے کاموں میں آگے بڑھتا ہے اور نہ ہی اس کا شمار گروہ اول میں ہوتا ہے۔ یہ طبقہ، گروہ اول سے ذرا اونچا ہوگا اور تیسرے گروہ سے بہر حال نیچے۔ لیکن اس کی اس روش کو قرآن کریم کی رو سے قابل ستائش نہیں کہا جائیگا۔ قرآنی معیار پر وہی پورے اتریں گے جو ''سابق بالخیرات'' ہونگے۔

ان مثالوں سے واضح ہے کہ یہ جو عام طور پر اسلام کے متعلق مطلقاً کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ اعتدال کا راستہ ہے اور اُمَّةً وَسَطًا وہ قوم ہے جو درمیان کی راہ چلتی ہے، تو یہ صحیح نہیں۔ اسلام، حق کا راستہ ہے، نہ کہ حق و باطل کی درمیانی راہ۔ اور امۃ وسطًا، حق پر چلنے والی جماعت ہے، نہ کہ حق و باطل اور عدل و ظلم کے بین بین چلنے والی جماعت۔ (وسط کے لئے دیکھئے عنوان و۔ س۔ ط) البتہ جہاں دونوں سمتیں مذموم ہوں (مثلاً اسراف اور بخل) وہاں اسلام درمیانی راہ کی تعلیم دیتا ہے کیونکہ وہی راہ محمود ہوتی ہے۔

ق ص ر

اَلْقَصْرُ۔ اَلْقِصَرُ۔ طویل نہ ہونا۔ کوتاہ اور مختصر ہونا۔ اَلْقَصْرُ روکنا، بند کرنا (کسی حد میں محدود رکھنا)۔ قَصَرَ الشَّيْءَ۔ کسی چیز کی لمبائی میں کمی کرنا۔ قَصَرَ الشَّعْرَ۔ بال چھوٹے کردئے*۔ سورۃ نساء میں ہے اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ (۴/۱۰۱) تم صلوٰۃ کو مختصر کردو۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں (۱) کسی چیز کا اپنی انتہا یا مقررہ حد تک نہ پہنچنا اور (۲) روکنا۔ قید کرنا۔ اِمْرَاَةٌ مَقْصُوْرَةٌ۔ پردہ نشین عورت*۔

*تاج و راغب۔

اَلْمَقْصُوْرَۃُ - محفوظ دیواروں سے گھرا ہوا وسیع گھر یا چھوٹا کمرہ*۔ قرآن کریم میں جنتی معاشرہ کی عورتوں کے متعلق ہے مَقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ (۵۵/۷۲) - خیموں میں بہ حفاظت رکھی ہوئیں - دوسری جگہ انہیں قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ کہا ہے (۳۷/۴۸) - اپنی نظروں کو حیا کی وجہ سے سمٹا کر رکھنے والیاں* - جو نگاہوں کو بے باک نہ ہونے دیں - اَلْقَصْرُ - موٹی موٹی (جلانے کی) لکڑیاں - بڑے درختوں کی جڑیں* - قرآن کریم نے جہنم کے شعلوں کو اس سے تشبیہ دی ہے (۷۷/۳۲) - قَصَرَ عَنِ الْاَمْرِ - کسی بات سے باز رہنا - ابن السکیت نے کہا ہے کہ قَصَرَ عَنْہُ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص کسی کام کے کرنے سے عاجز ہو - یعنی اسے کرنے کی قدرت نہ رکھے، اور اَقْصَرَ عَنْہُ - جب اُسے کرنے کی قدرت تو رکھے لیکن اسکے باوجود باز رہے*۔ سورۃ اعراف میں ہے ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ (۷/۲۰۴) - وہ رکتے نہیں، کمی اور کوتاہی نہیں کرتے -

سورۃ فتح میں مُقَصِّرِیْنَ آیا ہے (۴۸/۲۷) - یعنی بال کتروانے والے - قَصَرَ سَہْمَہٗ عَنِ الْہَدَفِ - اس کا تیر نشانے تک نہ پہنچ سکا* - اس سے تَقْصِیْرٌ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں جس کا استعمال ہمارے ہاں عام طور پر ہوتا ہے - اور ''قصور،، کے معنی بھی -

ق ص ص

قَصَّ اَثَرَہٗ یَقُصُّ قَصًّا وَقَصَصًا - کسی کے پیچھے پیچھے اس کے نقوش قدم پر چلنا* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا پیچھا کرنے اور جستجو کے ہوتے ہیں - قرآن کریم میں دیکھئے (۱۸/۶۴ ؛ ۲۸/۱۱)

قَصَّ عَلَیْہِ الْخَبَرَ قَصَصًا - اسے وہ خبر بتا دی - اسے اس پر مطلع کر دیا* - قرآن کریم میں ہے - نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (۱۲/۳) - ہم تجھے بہترین انداز سے واقعات بتاتے ہیں - اَلْقَاصُّ - قصہ گو - ایک حدیث میں ہے اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ لَمَّا قَصُّوْا ہَلَکُوْا - بنی اسرائیل جب قصہ گوئی میں پڑ گئے تو ہلاک ہو گئے - یا جب انہوں نے (خدا کی سند کو چھوڑ کر) اسلاف کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دیا تو ہلاک ہو گئے* - (یہی مسلمانوں کے ساتھ ہوا) - اَلْقِصَّۃُ - معاملہ - خبر - واقعہ* -

*تاج -

قَصَّ الشَّعْرَ ۔ اس نے بال کاٹے ۔ اَلْمِقَصُّ ۔ قینچی کو کہتے ہیں* ۔
اَلْقِصَاصُ ۔ مجرم کا اسطرح پیچھا کرنا کہ اسے اس کے جرم کی سزا مل کر رہے ۔ مجرم کو اس کے جرم کی سزا دیدینا ۔ قانون عدل کا مجرم کے پیچھے پیچھے چلنا ۔ راغب نے اس کے معنے خون کے پیچھے خون بہا (بدلہ) کا آنا کئے ہیں ۔ قرآن کریم نے اس لفظ کو جرم قتل کی سزا کے سلسلہ میں استعمال کیا ہے ۔ چونکہ یہ ایک اہم موضوع ہے اس لئے اس کے متعلق ہم ذرا تفصیل سے گفتگو کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔

قرآن کریم کی رو سے انسانی زندگی کو اسقدر اہمیت حاصل ہے کہ اس نے کہدیا کہ مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً ۔ جس نے کسی متنفس کو مار ڈالا ، بجز اس کے کہ اسے کسی جان کے بدلے (جرم قتل کی سزا میں) مارا گیا ہو یا ملک میں فساد برپا کرنے کی سزا کے طور پر ، تو یوں سمجھو گویا اس نے تمام نوع انسان کو قتل کر ڈالا ۔ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعاً (۵/۳۲) ۔ اور جس نے کسی ایک متنفس کو موت سے بچا لیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو موت سے بچا یا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی رو سے

(۱) قتل بہت بڑا سنگین جرم ہے ۔

(۲) جو شخص کسی دوسرے شخص کو قتل کر دے ، یا ملک میں فساد برپا کر دے ، اُسے قتل کیا جا سکتا ہے ۔

فساد فی الارض (بغاوت) کے متعلق (۵/۳۳) میں احکام دیئے گئے ہیں لیکن چونکہ یہ موضوع اس وقت زیر بحث نہیں اس لئے ہم اس سے آگے بڑھ کر انفرادی قتل کے جرم کیطرف آتے ہیں ۔

جرم قتل کے متعلق پہلی آیت سورہ بقرہ میں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى (۲/۱۷۸) ۔ ”تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص فرض قرار دیا گیا ہے“ ۔ اس آیت میں لفظ قصاص سے مراد عام طور پر سزائے موت لی جاتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ، قِصَاصٌ کے معنی کسی کے پیچھا کرنے کے ہیں ۔ لہذا قصاص کا مطلب ہوا مجرم کا پیچھا کرنا ۔ اس کا تعاقب کرنا ۔ اُسے ایسے ہی نہ چھوڑ دینا کہ وہ اپنے کئے کی سزا نہ پا سکے ۔ اس آیت میں خطاب

*تاج ۔

یاآیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (جماعت مومنین) سے ہے۔ جس معاشرہ میں اجتماعی قوانین رائج نہ ہوں، اس میں جرائم اور اس کے بدلے کو افراد پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ اب یہ چیز مقتول کے وارثوں کے لئے ہے کہ وہ مجرم کا پیچھا کریں۔ اگر ان میں ہمت ہو تو اسے پکڑ کر اس سے بدلہ لے لیں۔ اور اگر مجرم ان سے بالادست ہو تو پھر صبر شکر کرکے بیٹھ رہیں۔ لیکن قرآن کریم ایک اجتماعی نظام پیش کرتا ہے اس لئے اس میں جرم کا بدلہ لینا افراد پر نہیں چھوڑا گیا۔ وہ معاشرہ سے کہتا ہے کہ جرم کا ارتکاب خود معاشرہ کے خلاف ہوا ہے (کسی فرد کے خلاف نہیں ہوا) اس لئے یہ معاشرہ کا فریضہ ہے (نہ کہ مقتول کے وارثین کا انفرادی کام) کہ وہ مجرم کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ معاشرہ پر فرض قرار دیا جاتا ہے کہ وہ مقتول کے بدلہ لینے کا انتظام کرے۔ دور حاضر کی اصطلاح میں کہا جائیگا کہ قرآن کریم نے جرم قتل کو "قابل دست اندازیِ پولیس" قرار دیا ہے جس میں مستغیث خود حکومت ہوتی ہے (Crown vs ....)۔ لہذا آیت کے اتنے ٹکڑے کے معنی یہ ہوئے کہ یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ جرم قتل کے مرتکب کا پیچھا کرکے اس سے بدلہ لے۔

اس سے آگے ہے اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی۔ اس حصہ کا تعلق بھی سزا سے نہیں بلکہ اس میں اس اہم اصول کو بیان کیا گیا ہے کہ اس باب میں مجرم اور مقتول کی پوزیشن کا کوئی لحاظ نہ رکھا جائے۔ مجرم خواہ کتنا ہی بڑا اور مقتول کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، بدلے کے معاملہ میں دونوں کو یکساں سمجھا جائے۔ اس لئے کہ ہر انسانی زندگی (وہ مرد آزاد کی ہو یا غلام کی۔ عورت کی ہو یا مرد کی) یکساں قیمتی ہے۔

خونِ شہ رنگیں تر از مزدور نیست

اسے پھر دہرا دینا ضروری ہے کہ آیت کے اس حصے میں اسلام کا اصول مساوات بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اس سے یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی مرد آزاد (حُر) قتل کر دیا گیا ہے تو اس کے بدلے کسی مرد آزاد (حُر) کو قتل کیا جائے، خواہ قاتل کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر مقتول غلام ہے تو کسی غلام کو پھانسی چڑھایا جائے، خواہ قاتل، مرد آزاد ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مفہوم بالبداہت غلط ہے۔ قرآن کریم نے یہاں ہام اصولِ مساوات پر زور دیا ہے اور اس کے لئے اصولی انداز بیان اختیار کیا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ سزا کے معاملہ میں قاتل اور مقتول کی پوزیشن کا کوئی خیال نہ کیا جائے۔

اس کے بعد ہے فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۔ جس شخص کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دیدی جائے تو اسے چاہیئے کہ قاعدے کے مطابق اس کی پیروی کرے اور حسن کارانہ انداز سے اس کی ادائیگی کرے۔ یہ تمہارے نشو و نما دینے والے کیطرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ ظاہر ہے کہ سزا کا اس میں بھی ذکر نہیں۔ سزا میں سے کچھ معاف کر دینے کا ذکر ہے۔ ''کچھ معاف کر دینا''۔ (شیٔ) اس کی دلالت کرتا ہے کہ اس کا تعلق سزائے موت سے نہیں۔ اس لئے کہ سزائے موت میں سے ''کچھ معاف کر دینے'' (اور کچھ باقی رہنے دینے) کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ''کچھ معاف کر دینے'' کی شکل اسی صورت میں پیدا ہوسکتی ہے کہ سزا، مال (جرمانہ) کی ہو۔ اسے دیت یا خون بہا کہا جاتا ہے۔

جرم قتل کی سزا کا ذکر سورہ نساء میں ہے جہاں جرم کی مختلف نوعیتوں اور ان کے مطابق سزا کا بیان ہے۔ ارشاد ہے مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَئًا ۔ کسی مومن کے یہ شایاں ہی نہیں کہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر ڈالے۔ ہاں غلطی سے ایسا ہو سکتا ہے۔ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۔ ''اور جو کوئی غلطی سے کسی مومن کو مار ڈالے تو ایک مومن غلام آزاد کرے اور خون بہا ادا کرے جسے اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائیگا۔ بجز اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔ یہاں سے بات صاف ہو گئی کہ قتل خطا (غیر ارادی طور پر، بھولے سے قتل) کی سزا موت نہیں، بلکہ خون بہا ہے جو اس کے وارثوں کو دیا جائے گا۔ خون بہا کی جو رقم عدالت مقرر کرے، مقتول کے وارثوں کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس میں سے کچھ (یا سب کا سب) معاف کر دیں۔ لہذا سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۸ میں جو فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ کہا گیا ہے تو وہ قتل خطا کی صورت میں ہے جس کی سزا خون بہا ادا کرنا ہے۔

سورہ نساء کی آیت ۹۲ کے باقیماندہ حصہ میں بتایا گیا ہے کہ اگر مقتول اس قوم سے متعلق ہو جو تمہاری دشمن ہو یا اس سے جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس صورت میں کیا سزا ہوگی (سزا اس صورت میں بھی خون بہا ہی مقرر کی گئی ہے)۔

اس سے اگلی آیت میں ہے وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۔ (۹۳) اور جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کر ڈالے تو اس

کی سزا جہنم ہے جس میں وہ رہیگا اور اس پر اللہ کا غضب ہے ، اور اس کی لعنت ۔ اور اس کے لئے سخت سزا تیار کی گئی ہے "۔ یہاں قرآن کریم نے قتل عمد کے لئے انتہائی سزا بتائی ہے۔ اس میں دیت (خون بہا) نہیں ہے ۔ البتہ قتل عمد میں بھی جرم کی نوعیتیں مختلف ہوسکتی ہیں ۔ مثلاً ایک شخص نہایت ٹھنڈے دل سے سوچتا ہے کہ اگر فلاں آدمی کو قتل کر دیا جائے تو اس کی تمام جائیداد مجھے مل جائیگی ۔ وہ اس کے لئے اسکیم بناتا ہے اور سوچی سمجھی تدبیر کے مطابق اسے قتل کر دیتا ہے ۔ اس قسم کے (Cold-Blooded Murder) کی سزا سخت ترین ہونی چاہیئے ۔ اس کے برعکس ایک شخص دیکھتا ہے کہ کسی نے اس کی بیوی کی عصمت پر حملہ کیا ہے ۔ وہ غیرت میں آکر اسے فوراً قتل کر دیتا ہے ۔ قتل عمد یہ بھی ہے لیکن اس میں اور اول الذکر میں بڑا فرق ہے ۔ اس لئے ہر قتل عمد کی سزا ایک جیسی نہیں ہوگی ۔ جرم کی نوعیت اور احوال و ظروف (Circumstances) کے اختلاف سے سزا میں اختلاف ہوگا ۔ اس سے قیاس کا رخ اس طرف جاتا ہے کہ قرآن کریم نے قتل عمد کی سزا میں جَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ کے بعد اللہ کا غضب ۔ اس کی لعنت ۔ اور سخت سزا کا جو ذکر کیا ہے تو یہ سزاؤں کی مختلف نوعیتیں ہیں ۔ مثلاً عبور دریائے شور ۔ قید تنہائی ۔ قید بامشقت ۔ معاشرہ کے حقوق سے محروم (Disqualify) کر دینا (لعنت کے بھی معنی ہیں) وغیرہ وغیرہ ۔

ممکن ہے کہدیا جائے کہ یہاں سزائے جہنم کا ذکر ہے (جس کا تعلق آخرت سے ہے اس دنیا سے نہیں) ۔ لیکن دوسری جگہ قرآن کریم نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ قتل عمد کی سزا بالعموم ، موت (قتل) ہے ۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے فَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۔ جس جان کا مارنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے (یعنی بے گناہ کا قتل) اُسے قتل مت کرو ۔ بجز اس کے کہ انصاف کا تقاضا ایسا ہو ۔ فَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا ۔ جو ظلم سے قتل کیا جائے تو قاتل یہ نہ سمجھے کہ مقتول کے وارثوں کا کوئی حمایتی اور مدد گار نہیں ، اس لئے میں اب جس طرح جی چاہے دندناتا پھروں ، مجھے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ۔ اسے اس زعم باطل میں نہیں رہنا چاہیئے ۔ مقتول کے ورثاء کے لئے ہم نے معاشرہ کو "سلطان" بنایا ہے ۔ معاشرہ (نظام حکومت) کا غلبہ و اقتدار (سلطان) مقتول کے وارثوں کا پشت پناہ ہوگا ۔ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا (۱۷/۳۳) ۔ اس طرح یہ معاشرہ خود مقتول کی (اور اس کے وارث کی) مدد کرے گا اور قاتل سے بدلہ لے کر چھوڑے گا ۔ لیکن معاشرہ کو اس کی بھی تاکید کر دی گئی ہے کہ

قاتل کو سزائے موت دینے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ فَلَا یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ ۔ مثلاً ایک شخص نے جان بوجھ کر کسی شخص کے خاندان کے چار پانچ افراد کو بے رحمی سے قتل کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اثبات جرم کے بعد عدالت کو قاتل کے خلاف سخت غصہ ہوگا۔ لیکن عدالت کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ قاتل کے خاندان کے چار پانچ افراد کو اسی طرح قتل کر دے۔ یہ ''اسراف فی القتل'' ہوگا۔

نہ ہی آیت کے اس ٹکڑے (فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا) کے یہ معنی ہیں کہ مقتول کے وارث کو اس کا اختیار ہے کہ وہ جا کر قاتل کو خود قتل کر دے۔ بالکل نہیں ۔ قصاص کا حکم معاشرہ کے لئے ہے ۔ افراد متعلقہ کے لئے نہیں ۔ قتل کا جرم ، معاشرہ (نظام حکومت) کے خلاف جرم ہے ۔ انفرادی جرم نہیں ۔ مقتول کے وارثوں کی حیثیت (زیادہ سے زیادہ) استغاثہ کے گواہوں کی ہوگی ۔ مستغیث کی نہیں ہوگی ۔ مستغیث خود حکومت ہوگی ۔ لہذا فَلَا یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ کا حکم بھی معاشرہ (عدالت) کے لئے ہے ۔

اس آیت سے دو باتیں واضح ہو گئیں ۔

۱۔ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا سے واضح ہے کہ یہاں قتل عمد کا ذکر ہے ۔ اس لئے کہ قتل خطا میں قاتل کو ظالم اور مقتول کو مظلوم نہیں کہا جائے گا ۔ جس شخص سے محض سہواً ، نادانستہ ، بھول چوک میں ، غلطی سے کسی کا قتل ہو جائے وہ ظالم نہیں ہوتا ۔ وہ تو اپنے کئے پر خود نادم ہوتا ہے ۔ لہذا مقتول اسی صورت میں مظلوم کہلائے گا جب اسے کسی نے عمداً قتل کیا ہو ۔

۲۔ معاشرہ کے طاقتور لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر جسے چاہیں قتل کر ڈالیں ۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ۔ معاشرہ کا پورا غلبہ و اقتدار (سلطان) مقتول کے وارث کا پشت پناہ ہوگا ، اور اس طرح قاتل سے بدلہ لینے میں اس کا حامی و مددگار بنے گا ۔

۳۔ قتل عمد کی سزا قتل (موت) ہے ۔ لیکن اس میں حد سے نہیں بڑھا جائے گا ۔

اس آیت کو جب سورہ نساء کی آیت فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ سے ملا کر پڑھا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہاں جہنم کی سزا سے مراد سزائے موت ہے ۔ اور ''اللہ کا غضب و لعنت اور عذاب عظیم'' وغیرہ اس کے ساتھ ، یا اس سے الگ ، یا اس سے نچلے درجہ پر ، دوسری سزائیں ہیں جن کی نوعیت معاشرہ خود متعین کرے گا ۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے

(i) قتل کا جرم انسانیت کے خلاف سنگین جرم ہے۔

(ii) جرم قتل، افراد کے خلاف جرم نہیں خود معاشرہ کے خلاف جرم ہے۔ لہذا، مجرم کا پیچھا کرکے اسے سزا دینا، مقتول کے وارثوں کا کام نہیں بلکہ نظام حکومت کا فریضہ ہے۔

(iii) اس بات کا فیصلہ عدالت کرے گی کہ قتل بلا ارادہ (خطا) تھا یا قتل عمد۔

(iv) قتل خطا کی صورت میں سزا خوں بہا (دیت) ہوگی۔ اس کے لئے مقتول کے وارثوں کو اختیار ہوگا کہ وہ مجرم کو بالکلیہ معاف کر دیں یا خوں بہا کی رقم میں سے کچھ کم کر دیں۔

(v) قتل عمد کی سزا دیت نہیں اس لئے اس میں مقتول کے وارثوں کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ اس کی سزا عدالت کی طرف سے مقرر ہوگی جو سزائے موت (یا جرم کی نوعیت اور حالات کے پیش نظر) اس سے کم درجہ کی سزا (قید وغیرہ) ہوگی۔

(vi) یہ جو کہا گیا ہے کہ "کسی مومن کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کر دے۔ مگر غلطی سے"۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ مومن غیر مومنوں کو یونہی قتل کرتا پھرے۔ اس کی اسے کھلی چھٹی ہے۔ قطعاً نہیں۔ مومن و غیر مومن، کسے باشد، ہر ایک کی زندگی قرآن کریم کی رو سے یکساں قیمتی ہے (۵/۳۲)۔ اس آیت میں مومنین کی اس خصوصیت کا ذکر ہے کہ وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک بھائی کو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ دوسرے بھائی کو قتل کر دے۔ ہاں ایسا غلطی سے ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں اسے خوں بہا ادا کرنا ہوگا تاکہ آئندہ ایسی غلطی سے محتاط رہے۔ لیکن اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا سخت ہوگی۔

(vii) قرآن کریم نے انسانی زندگی کی اس قدر و قیمت اور اہمیت بتانے کے باوجود اسے تسلیم کیا ہے کہ بالحق زندگی لی جا سکتی ہے۔ یعنی جہاں حق و انصاف کا تقاضا ہو، یعنی بے گناہ کے قتل عمد کی سزا کے طور پر، یا دشمن سے جنگ میں، یا نظام اسلامی کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو فساد سے روکنے کے لئے، وغیرہ۔ لیکن اس کا فیصلہ بھی معاشرہ کرے گا (نہ کہ

افراد از خود) کہ بالحق کسے قتل کیا جا سکتا ہے ۔ لہذا مقتولِ مظلوم کے وارثوں کو بھی اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ از خود قاتل کو قتل کر دیں ۔ یہ ہے وہ قِصَاص* جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ اس میں تمہاری اجتماعی زندگی کا راز پوشیدہ ہے (۲/۱۷۹)

ق ص ف

قَصَفَ یَقْصِفُ ۔ قَصْفًا ۔ کسی چیز کو توڑنا ۔ رَعْدٌ قَاصِفٌ ۔ سخت آواز والی گرج۔ اَلْقَصِیْفُ ۔درخت کے خشک ہو کر ٹوٹ جانے والے ٹکڑے ۔ نیز ہر وہ چیز جو آدھوں آدھ سے دو حصوں میں ٹوٹ گئی ہو ۔ عَصَفَتِ الرِّیْحُ فَقَصَفَتِ السَّفِیْنَۃَ ۔ تیز آندھی چلی اور اس نے کشتی کو توڑ دیا* ۔ قرآن کریم میں قَاصِفًا مِنَ الرِّیْحِ (۱۷/۶۹) انہی معنوں میں آیا ہے ۔ یعنی ایسی تیز ہوا جو (کشتی کو) توڑ ڈالے ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے لکھا ہے کہ اَلْعَوَاصِفُ وہ ہوائیں ہیں جو میدانوں اور صحراؤں میں طوفان برپا کر دیں اور اَلْقَوَاصِفُ وہ ہوائیں جو سمندروں میں تلاطم پیدا کر دیں ۔

ق ص م

قَصَمَ یَقْصِمُ قَصْمًا ۔ کسی چیز کو توڑ دینا (ابن فارس) ، خواہ وہ ٹوٹ کر الگ ہو جائے یا نہ ہو** ۔ ھُوَ اَقْصَمُ الثَّنِیَّۃِ ۔ اس کا سامنے کا دانت آدھا ٹوٹا ہوا ہے ۔ سَیْفٌ قَصِیْمٌ ۔ وہ تلوار جس کی دھار ٹوٹی ہوئی ہو** ۔ اسی سے کہتے ہیں قَصَمَتْہُ اللّٰہُ ۔ خدا اسے ذلیل کرے** ۔ سورۂ انبیاء میں ہے وَکَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ (۲۱/۱۱) ۔ کتنی بستیاں تھیں جنہیں ہم نے ذلیل و خوار کر دیا ۔ یعنی انہیں ہم نے تباہ و برباد کر دیا ۔ ان کا شیرازہ بکھیر دیا (ان کے جرائم کی پاداش میں) ۔

ق ص و

قَصَا عَنْہُ ۔ وہ اس سے دور ہوا ۔ قَصَا الْمَکَانُ ۔ جگہ دور ہو گئی (ابن فارس) ۔ قَصِیٌّ ۔ دور، بعید ۔ جمع اَقْصَاءٌ ۔ اَلْقُصْوٰی ۔ آخری حد تک دور ۔ انتہائی بعید*** ۔ بِالْعُدْوَۃِ الْقُصْوٰی (۸/۴۲) ۔ دور کے کنارے پر ۔ مَکَانًا قَصِیًّا (۱۹/۲۲) ۔ دور جگہ*** ۔ اَلْمَسْجِدِ الْاَقْصَی (۱۷/۱) بہت دور کی مسجد ۔ عام طور پر اس سے مراد بیت المقدس لیا جاتا ہے ۔ لیکن ہمارے نزدیک اس سے مراد

---

* تاج ۔ **تاج و محیط و راغب ۔ ***تاج و کتاب الاشتقاق ۔

مدینہ منورہ ہے جو مکہ سے قریب تین سو میل دور ہے، اور جس کی طرف نبی اکرمؐ رات کے وقت ہجرت کر کے تشریف لے گئے تھے اور جسے اب اس جماعت کی سجدہ گاہ بننا تھا ۔ یعنی ان کے نظامِ اطاعت و فرماں پذیری کا مرکزی مقام ۔

ق ض ب

قَضَبَہٗ ۔ اس نے اسے کاٹ دیا ۔ فَانْقَضَبَ ۔ چنانچہ وہ کٹ گیا ۔ قُضَابَۃُ الشَّیْءِ ۔ جو حصہ کسی چیز سے کاٹ دیا جائے ۔ جو کچھ درخت کی شاخوں سے کٹ کر گرے۔ اَلْقَضْبُ ۔ وہ شاخیں جو کسی درخت سے تیر اور کمان بنانے کے لئے کاٹی جائیں ۔ یا ایک درخت جس کی لکڑی تیر کمان بنانے کے کام آتی ہے۔ یا ہر لمبا اور پھیلا ہوا درخت * ۔ لیکن راغب نے لکھا ہے کہ درخت کی شاخوں کو قَضِیْبٌ اور سبزیوں ترکاریوں کی شاخوں کو قَضْبٌ کہا جاتا ہے ** ۔ چنانچہ قرآن کریم میں عِنَبًا وَّقَضْبًا (۸۰/۲۸) آیا ہے ، تو اس کے معنی ترکاریوں کے ہیں ۔ فراء نے کہا ہے کہ اہل مکہ ایک چارہ (قَتٌّ) کو قَضْبٌ کہتے تھے * ۔

ق ض ض

قَضَّ یَقُضُّ ۔ قَضًّا ۔ کسی چیز کو کوٹنا اس میں سوراخ کرنا ۔ قَضُّ الْوَتِدَ ۔ اس نے میخ کو اکھاڑ لیا ۔ اَلْقَضَّۃُ ۔ چھوٹی چھوٹی کنکریاں ۔ کنکریوں میں سے جو کچھ ٹوٹ کر گرتا ہے ۔ اِنْقَضَّ الْجِدَارُ ۔ دیوار میں شگاف آگیا مگر وہ ابھی تک گری نہیں*** ۔ لیکن ابن فارس نے کہا ہے اور خود تاج میں بھی ہے کہ اس کے معنی ہیں دیوار گر گئی ۔ قرآن کریم میں ہے جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ (۱۸/۷۷) دیوار جو گرا ہی چاہتی تھی ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی تین ہیں۔ (۱) کسی چیز کا نیچے کی طرف گرنا ۔ (۲) چیز میں کھردرا پن اور ناہمواری ہونا ۔ (۳) چیز میں سوراخ کرنا ۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے سورۂ کہف میں یہ لفظ گرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔

ق ض ی

اَلْقَضَاءُ کے مختلف معنی آتے ہیں۔ لیکن ان تمام معانی کی اصل کسی چیز کا منقطع ہونا ، ختم ہو جانا ، اور مکمل ہو جانا ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے

*تاج **راغب ۔ ***تاج و محیط و راغب ۔

کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو محکم اور مضبوط کرنا اور اسے اُس کی جہت پر نافذ کرنا ہیں - یعنی جس طرف اسے جانا چاہئیے اُدھر لے جانا - راغب نے القضاء کے معنے جدا کرنا اور قطع کرنا لکھے ہیں - قَدْ قَضٰی دَیْنَہٗ کے معنے ہیں اس نے اپنے قرض کو پورا پورا چکا دیا اور اس طرح قرض خواہ کا جو معاملہ اس کے ساتھ تھا اسے ختم کر دیا - اسی لئے اس کے معنے حتمی اور آخری فیصلہ کے آتے ہیں - چنانچہ اَلْقَضِیَّۃ موت کو کہتے ہیں - قَضٰی اِلَیْہِ کے معنی ہیں معاملہ کو اس تک پہنچا دیا * -

اَلْقَضَاءُ کے معنی کسی چیز کو پورے طور پر بنا دینا اور اس کا اندازہ مقرر کر دینا بھی ہیں - نیز اس کے معنی کسی بات کو بالکل واضح کر دینا بھی ہیں * -

اَلْتَقَاضِیْ کے معنی ، طلب کرنے کے ہیں * -

قرآن کریم میں خدا کے متعلق ہے - اِذَا قَضٰی اَمْرًا (۲/۱۱۷) - جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے - سورہ طٰہٰ میں ہے کہ دربارِ فرعون کے ساحرین نے فرعون سے کہا کہ فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ (۲۰/۷۲) جو کچھ تو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر دے -

سورہ قصص میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے قبطی کو مکا مارا - فَقَضٰی عَلَیْہِ (۲۸/۱۵) - اس کا کام تمام کر دیا - ذرا آگے ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے خسر سے کہا کہ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ (۲۸/۲۸) - ان دونوں مدتوں میں سے جو مدت بھی میں پوری کر دوں - سورہ زخرف میں یہ لفظ مَکَثْتُ کے مقابلہ میں آیا ہے جس کے معنی باقی رہنے کے ہیں - اس لئے یَقْضِ (۴۳/۷۷) کے معنی ختم کر دینے کے ہوں گے -

چونکہ انسانی دنیا کے متعلق خدا کے فیصلے انسانوں تک وحی کے ذریعے پہنچتے ہیں اس لئے وَقَضَیْنَا اِلَیْہِ (۱۵/۶۶) کے معنی ہیں " ہم نے اس کی طرف وحی کی " یا وحی کے ذریعے اپنا قطعی فیصلہ بتا دیا - اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں ہے - قَضَیْنَا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ فِی الْکِتٰبِ (۱۷/۴) ہم نے بنی اسرائیل کی طرف اس فیصلہ کو بذریعہ وحی ، کتاب میں بھیجدیا تھا - اسی طرح ذرا آگے چل کر ہے - وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ (۱۷/۲۳) تیرے رب نے وحی کے ذریعے اپنے اس حکم کو انسانوں تک پہنچا دیا کہ اس کے قانون کے علاوہ اور کسی کی اطاعت نہ کریں -

* تاج -

سورۂ قصص میں ہے ۔ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى (۲۸/۴۴) ۔ جب ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی ۔

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں ہے فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (۴۱/۱۲) ۔ ''سو انہیں متعدد کُرّے بنا دیا'' ۔ یہاں اس کے معنی ، بنانا ، مکمل کرنا ، اور اندازہ مقرر کرنا ہیں۔ سورۃ اَنْعَام میں ہے ۔ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا (۶/۲) ۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہاری تخلیق کی ابتداء مٹی سے کی اور پھر ایک میعاد ٹھہرا دی ۔ یعنی اس کا فیصلہ کر دیا کہ نوع انسان کو زمین پر ایک مدت تک رہنا ہے ۔ [وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (۲/۳۶) ۔ تمہارے لئے زمین میں ایک مدت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے] ۔

سورۂ مومن میں ہے وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ (۴۰/۲۰) ۔ اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے ۔ سورۃ مریم میں ہے ۔ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (۱۹/۲۱) فیصلہ شدہ بات طے شدہ معاملہ ۔ مقررہ قانون ۔

ق ط ر

اَلْقَطْرُ ۔ بوندیں ۔ قطرے (واحد قَطْرَةٌ ہے) یا جو چیز قطرہ قطرہ جمع ہو کر بنے ۔ بارش (کا پانی) ۔ سَحَابٌ قَطُوْرٌ ۔ بہت برسنے والا بادل ۔ اَلْقِطْرُ اَلْقَطِيْرُ ۔ پگھلا ہوا تانبہ ۔ یا تانبہ کی کوئی قسم * (۱۸/۹۶) ۔ اَلْقَطِرَانُ ۔ اَلْقَطْرَانُ ۔ رال ۔ ایک قسم کا چکنا سیال مادہ جو صنوبر وغیرہ کے پھلوں سے نچوڑے ہوئے رس کو پکا کر تیار کیا جاتا ہے* (۱۴/۵۰) ۔

اَلْقُطْرُ ۔ کنارہ ۔ جانب ، جمع اَقْطَارٌ (۵۵/۳۳) ۔ اطراف و جوانب ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس باب کے الفاظ کسی قاعدے کے ماتحت نہیں ہیں ۔

ق ط ط

اَلْقَطُّ ۔ کسی چیز کو چوڑائی میں کاٹنا (ابن فارس نے اس میں تیزی سے کاٹنے کا اضافہ کیا ہے) ۔ طول میں کاٹنے کو قَدٌّ کہتے ہیں ۔ اِنْقَطَّ الشَّيْءُ ۔ چیز کٹ گئی ۔ اَلْقِطُّ ۔ معین حصہ (کاٹ کر الگ کیا ہوا) ۔ صحیفہ جس پر کسی آدمی کو دیا جانے والا انعام لکھا ہو ۔ ہر لکھا ہوا صحیفہ ۔ بعض نے کہا ہے کہ کتابِ محاسبہ کو قِطٌّ کہتے ہیں** ۔

*تاج ۔ **تاج و راغب ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا (۳۸/۱۶) ۔ جہاں اس کے معنی حصہ یا حساب نامہ کے ہیں ۔ یعنی ''اے ہمارے نشو و نما دینے والے ! ہمارا حساب چکا دے ۔ یعنی ہمارا حصہ ہمیں جلدی سے دے دے ۔ اس میں عجلت کردے'' ۔

ق ط ع

قَطَعَ الشَّیْءَ کے معنی ہیں اس چیز کو کاٹ دیا ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ لفظ ایسی چیزوں کے کاٹنے پر بھی بولا جاتا ہے جنہیں ہم آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں ۔ جیسے قَطَعَ اللَّحْمَ ۔ گوشت کاٹنا ۔ اور ان چیزوں پر بھی جو معنوی طور پر کٹ جاتی ہیں، جیسے قَطَعَ السَّبِیْلَ ۔ ڈاکہ مار کر راستہ کی آمد و رفت کاٹ دینا ۔ قَطَعَ لِسَانَہٗ ۔ کسی پر احسان کرکے اس کی زبان بند کر دینے* کو بھی کہتے ہیں** ۔ قرآن کریم میں یَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ (۲/۲۷) میں ، یہی معنوی انقطاع مراد ہے۔ یعنی انسانیت کے وہ رشتے جنہیں خدا نے ایک دوسرے کے ساتھ ملائے رکھنے کا حکم دیا تھا انہیں کاٹ کر الگ الگ کر دیتے ہیں ۔ نوع انسان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں ۔

قَطَعَ خَصْمَہٗ بِالْحُجَّۃِ ۔ اس نے دلائل و براہین سے فریق مقابل کو لاجواب کر دیا* ۔ قَطَعَ رَحِمَہٗ قَطِیْعَۃً ۔ اس نے اپنے رشتہ داروں سے تعلقات منقطع کر لئے ۔ چنانچہ اُقْطُوْعَۃٌ اس چیز کو کہتے ہیں جو قطع تعلقات کی نشانی کے طور پر بھیجی جائے (ابن فارس) ۔ قَطَعَ عُنُقَ دَابَّتِہٖ کے (یہ معنی نہیں کہ اس نے اپنے جانور کا گلا کاٹ دیا ۔ بلکہ مجازاً اس کے) معنی ہیں اس نے اپنے جانور کو فروخت کر دیا* ۔ قُطِعَتْ لِسَانُہٗ کے معنی ہیں کہ وہ زبان جو پہلے قینچی کی طرح چلتی تھی اب اس میں وہ بات نہیں رہی* ۔ قُطِعَتْ یَدُہٗ کے معنی ہیں اس کے ہاتھ میں کوئی ایسی بیماری ہو گئی کہ ہاتھ بیکار ہو گیا*۔ چنانچہ سورۂ یوسف میں جہاں ہے قَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ (۱۲/۳۱) تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ان عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ کر

*تاج ۔ ** غزوۂ حنین کا واقعہ ہے کہ حضورؐ نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت عباس بن مرداس کو چالیس اونٹ دئے ۔ وہ بہت غصہ ہوا اور ایک قصیدہ میں اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔آپ نے فرمایا جاؤاور جسطرح ہو میری طرف سے اس کی زبان کاٹ لو۔ صحابہؓ گئے اور وہ جتنے میں راضی ہوا اُسے دیکر راضی کر لیا۔ یہ تھا مطلب قطع لسان کا ۔ (بحوالہ اصح السیر عبدالرؤف دانا پوری ۔ صفحہ ۲۹۶) ۔

الگ کر کے پھینک دئیے ۔ اس کے معنی ہیں ان کے ہاتھ کام کرنے سے رک گئے ۔ (یا فرط حیرت میں انہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے ۔ ہمارے ہاں بھی ہاتھ کاٹ لینے سے مراد ہاتھ زخمی کر لینا ہوتا ہے) ۔ اسی طرح قُطَّاعُ الطَّرِیْقِ ۔ ڈاکوؤں کو کہتے ہیں جو راستہ روک کر راہزنی کرتے ہیں* ۔ قرآن کریم نے (قوم لوط کے ضمن میں) اسے قَطْعُ السَّبِیْلِ کہا ہے (۲۹/۲۹) ۔ یا اس آیت میں تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ کے معنی ہیں خلاف وضع فطری سے افزائش نسل انسانی کے راستے بند کر دینا ۔ قَطَعَ بِہٖ کے معنی ہیں اس کے اور اس کی امیدوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی ۔ وہ مایوس ہو گیا ۔

قِطْعٌ مِنَ اللَّیْلِ سے مراد رات کا حصہ ہے جو شروع رات سے تہائی رات تک ہوتا ہے ۔ نیز آخری رات کو بھی کہتے ہیں* ۔ (دیکھئے ۱۱/۸۱) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی رات کا کوئی حصہ ہے ۔

قَطَعَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں آدمی نا امید ہو گیا اور عاجز رہ گیا** ۔ قَطَعَ الْاَمْرَ کے معنی ہیں کسی بات کا آخری فیصلہ کرنا ۔ اسی سے آیت (۲۷/۳۲) میں ہے مَا کُنْتُ قَاطِعَۃً اَمْرًا ۔ میں کسی معاملہ کا قطعی فیصلہ کرنے والی نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سورۃ المائدہ میں چوری کی سزا کے متعلق ہے فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا (۵/۳۸) جس کے معنی عام طور پر یہ لئے جاتے ہیں کہ ان کے ہاتھ کاٹ کر الگ کر دو ۔ لیکن لفظ قَطْعٌ اور قَطْعُ یَدٍ کے مذکورہ صدر معانی کے پیش نظر اس کے یہ معانی بھی ہو سکتے ہیں کہ کوئی ایسا طریق اختیار کرو جس سے ان کے ہاتھ چوری سے رک جائیں ۔ اس مفہوم کی تائید آیت کے باقی ماندہ ٹکڑے سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے ''جَزَآءً بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ (۵/۳۸) ۔ یہ ان کے جرم کی سزا ہے قانون خداوندی کی طرف سے بطور ایک روک کے ۔ (نَکَالًا کے لئے دیکھئے عنوان ن ۔ ک ۔ ل) ۔ یعنی چوری کی سزا میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے چور کے ہاتھ چوری کرنے سے رک جائیں ۔ اس لئے کہ اس سے آگے ہے فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِہٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوْبُ عَلَیْہِ (۵/۳۸) ۔ اور جو مجرم ارتکاب جرم کے بعد پشیمان ہو جائے اور اپنی اصلاح کرلے تو اسے قانون خداوندی کی رو سے معاف کر دینا چاہئے ۔ اب ظاہر ہے کہ اس کی یہ پشیمانی اور اصلاح سزا ملنے سے پہلے بھی ہو سکتی ہے اور سزا ملنے کے بعد بھی ۔ لیکن اگر سزا میں اس کے

*تاج ۔ **محیط ۔

ھاتھ کاٹ ڈالے جائیں تو اُسے معافی مل جانے سے کیا حاصل ھوگا؟ اور اگر آیْدِی کے معنی اختیار اور مقدرت کے لئے جائیں (دیکھئے عنوان ی ۔ د ۔ ی) تو قطع ید کے معنی ھونگے ان اختیارات کا سلب کر لینا یا اس مقدرت کا چھین لینا جس کی رو سے انسان چوری کرتا ھے ۔ اس میں چوری کے علاوہ ھر قسم کی خیانت بھی آ جاتی ھے ۔

اسی سورۃ مائدہ میں نظام مملکت کے خلاف بغاوت کرنے والوں* کے متعلق ھے اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَ اَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (۵/۳۳) ۔ انہیں قتل کردو ۔ یا صلیب پر لٹکا دو ۔ یا ان کے ھاتھ اور پاؤں مخالف اطراف سے قطع کردو یا انہیں جلا وطن کر دو ۔ اس میں قتل کرنے ، صلیب دینے ، اور جلا وطن کرنے کے علاوہ ایک سزا قَطْعِ اَیْدِی و اَرْجُل کی بھی ھے ۔ اس کے معنی الٹی ھتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر قید کر دینے کے بھی لئے جاسکتے ھیں ۔ یہی الفاظ ساحرینِ دربارِ فرعون کی سزا کے بارے میں آئے ھیں ۔ بناء بریں ، قطع ید کے معنی یہ بھی لئے جاسکتے ھیں کہ ایسا طریقہ اختیار کرو جس سے چور کے ھاتھ چوری کرنے سے رک جائیں ۔ ھماری زبان میں بھی بولتے ھیں کہ تم نے دستخط کرکے (یا فلاں بات کرکے) اپنے ھاتھ کٹوادئے ۔ یعنی تم بے بس ھوگئے ۔ یا اس کی خلاف ورزی کرنے سے رک گئے ۔ اور اگر قطع ید سے مراد سچ مچ ھاتھ کاٹ دینے کے ھیں تو یہ وہ انتہائی سزا ھے جو اُس وقت دی جاسکے گی جب یہ جرائم ایسے عام ھو جائیں کہ اس قسم کی عبرت انگیز سزا کے سوا ان کی روک تھام کی اور کوئی صورت نہ رھے ۔ جیسے کچھ عرصہ سے ھمارے ھاں (Smuggling) اسقدر عام ھوگیا ھے کہ اسکی روک تھام کے لئے انتہائی اقدامات ناگزیر ھوگئے ھیں ۔ اس مقصد کے لئے بارڈر پولیس کو اجازت ھے کہ وہ (Smuggler) کو موقعہ پر گولی مار کر ھلاک کر دے ، حالانکہ ظاھر ھے کہ عام حالات میں موت کی سزا ، قتل عمد یا بغاوت کے جرم میں دی جاسکتی ھے ، اور وہ بھی اس وقت جب پوری تحقیقات (اور مجرم کو اپنی مدافعت کا موقع دینے کے بعد) جرم ثابت ھوجائے ۔ لہذا ، ایسے حالات میں چوری کی سزا ، قطع ید ناگزیر ھو جائیگی ۔

یا مثلاً جب ملک میں نظام خداوندی قائم ھو جائے جس میں ھر فرد کی ضروریات زندگی کے پورا کرنے کی ذمہ داری خود مملکت پر ھو تو ایسی صورت

*بعض کے نزدیک ان میں ڈاکو اور رھزن بھی شامل ھیں ۔

میں کسی کی چیز چرانا فی الواقعہ ایک سنگین جرم ہوگا جس کی انتہائی سزا دی جانی چاہئے ۔ قرآن کریم کا معاشی نظام قائم نہ کرنا اور فاقہ کش چوروں کو قطع ید کی سزا دینا ، کل کو چھوڑ کر صرف جزو پر عمل کرنے کے مترادف ہے ، جس کا نتیجہ (۵/۳۸) میں مذکور ہے ۔

ق ط ف

قَطْفٌ ۔ کسی چیز کو (بالخصوص پھلوں کو) توڑ لینا یا کاٹ لینا ۔ (ابن فارس) ۔ اَلْقِطْفُ ۔ انگور کا خوشہ جو ابھی ابھی توڑا گیا ہو ۔ اسکی جمع قُطُوْفٌ ہے * ۔ قرآن کریم میں قُطُوْفُہَا دَانِیَۃٌ (۶۹/۲۳) آیا ہے ۔ ان کے خوشے قریب قریب ہیں ۔ اَلْمِقْطَفُ اس درانتی کو کہتے ہیں جس سے پھل کاٹتے ہیں * ۔

ق ط م ر

اَلْقِطْمِیْرُ ۔ کھجور کی گٹھلی میں جو شگاف ہوتا ہے اسے کہتے ہیں ۔ یا کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ایک نشان سا ہوتا ہے اسے کہتے ہیں ۔ یا اس باریک سی جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتی ہے ۔ اس لفظ کو تھوڑی سی چیز کے لئے بطور مثال بولتے ہیں ** ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ۔ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ۔ (۳۵/۱۳) ۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ وہ ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے ۔ اتنا بھی نہیں جتنی اُڑد پر سفیدی ۔

ق ع د

اَلْقُعُوْدُ ۔ بیٹھنا ۔ نیز یہ اَلْقَاعِدٌ کی جمع ہے ۔ یعنی بیٹھنے والے ۔ اَلْمَقْعَدُ ۔ بیٹھنا نیز بیٹھنے کی جگہ ۔ اسکی جمع مَقَاعِدُ ہے ۔ قُعُوْدٌ اور جُلُوْسٌ ہم معنی الفاظ ہیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ کھڑے سے بیٹھ جانے کو قُعُوْدٌ کہتے ہیں اور لیٹے سے بیٹھنے ، یا سجدہ سے اٹھ کر بیٹھنے کو جُلُوْسٌ کہتے ہیں ۔ بعض علماء لغت نے کہا ہے کہ قُعُوْدٌ ایسے بیٹھنے کو کہتے ہیں جس میں دیر اور ٹھہراؤ پایا جائے ۔ اسی لئے گھر کی بنیادوں کو قَوَاعِدُ الْبَیْتِ کہتے ہیں ، جَوَالِسُ الْبَیْتِ نہیں کہتے ۔ اَلْقَاعِدَۃُ ۔ وہ جڑ جس پر عمارت کی بنیاد رکھی جاتی ہے ، اسکی جمع قَوَاعِدُ ہے ۔ زجاج نے کہا ہے کہ قَوَاعِدُ الْبَیْتِ ان ستونوں کو کہتے ہیں جن پر عمارت استوار کی جاتی ہے *** ۔ قرآن کریم میں (۲/۱۲۷) میں ، اَلْقَوَاعِدُ مِنَ الْبَیْتِ ہے ۔

---

*تاج و راغب ۔ **تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔ ***تاج ۔

اُقْعِدَ الرَّجُلُ ۔ وہ صاحب فراش ہو گیا، اور بیماری کی وجہ سے اس میں اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کی طاقت ہی نہ رہی ۔ قرآن کریم میں قَعَدَ، انْبِعَاثٌ کے مقابلہ میں آیا ہے (۹/۴۶) ۔ قَعَدَ لِلْحَرْبِ کے معنی ہوئے ہیں اس نے جنگ میں لڑنے والے بہادروں کو تیار کیا*۔ سورہ بروج میں ہے ۔ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ (۸۵/۶)۔ جب وہ لوگ (جنگ کی آگ بھڑکانے کے لئے) بالکل تیار بیٹھے تھے ۔ راغب نے کہا ہے کہ کسی کام میں سستی کرنے والے کو قَاعِدٌ کہا جاتا ہے **۔ سورہ النساء میں الْقَاعِدُوْنَ ، الْمُجَاهِدُوْنَ کے مقابلہ میں انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے (۴/۹۵) ۔
اَلْقَعِيْدُ ۔ وہ شخص جو تمہارے ساتھ بیٹھتا ہو ۔ محافظ ۔ نگران * ۔ (۵۰/۱۷) میں یہ لفظ انہی معانی میں استعمال ہوا ہے ۔

اَلْقَاعِدُ (مِنَ النِّسَاء) اُس معمر عورت کو کہتے ہیں جو اولاد، حیض، اور شوہر سے مایوس ہو چکی ہو ۔ اسکی جمع القَوَاعِدُ (مِنَ النِّسَاءِ) ہے (۲۴/۶۰) ۔ مَقَاعِدُ ۔ مرکزی مقامات (۳/۱۲۰) ۔ سورہ قمر میں ہے فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ (۵۴/۵۵) ۔ ایسا مقام جس میں زندگی کی تمام خوشگواریاں موجود ہوں ۔ (دیکھئے عنوان ص ۔ د ۔ ق) ۔ لیکن یہ مقام (جنت) محض بیٹھنے کی جگہ، یعنی تھوڑی دیر تک سستانے کا مقام ہے ۔ آخری منزل نہیں ۔

سورہ جن میں کاہنوں اور نجومیوں کی رصدگاہوں کے لئے مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ (۷۲/۹) آیا ہے ۔

ق ع ر

اَلْقَعْرُ ۔ کسی چیز کی انتہائی گہرائی ۔ قَعْرُ الْبِئْرِ ۔ کنوئیں کی تہ ۔ قَعَرَ النَّخْلَةَ ۔ اس نے کھجور کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا ۔ فَانْقَعَرَتْ ۔ پس وہ جڑ سے اکھڑ گئی***۔

قوم عاد پر جو آندھی کا سخت طوفان آیا تھا اس کے متعلق ہے کہ وہ لوگوں کو اس طرح اپنے مقام سے اکھاڑتا چلا جاتا تھا، كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ (۵۴/۲۰) ۔ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں ۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ اس طرح اکھڑتے چلے جاتے تھے گویا وہ ایسی کھجوروں کے تنے تھے جو پہلے ہی جڑوں سے اکھڑی ہوئی پڑی تھیں ۔ اور یہ بھی کہ وہ اسطرح اکھڑ رہے تھے جس طرح ایسی کھجوریں اکھڑیں جن کی جڑیں بڑی گہرائی تک زمین میں گئی ہوئی ہوں ۔ یعنی وہ قوم اپنے

*تاج ۔ **راغب ۔ ***تاج و راغب ۔

آپ کو بڑی مستحکم سمجھتی تھی ۔ وہ خیال کئے بیٹھی تھی کہ اس کی جڑیں بہت مضبوط ہیں اس لئے اسے کون اکھیڑ سکتا ہے۔ لیکن اسے ایک ہی آندھی کے طوفان نے اکھیڑ کر رکھ دیا۔ سورہ حاقہ میں اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (۶۹/۷) کہا گیا ہے ۔ یعنی کھوکھلی کھجوروں کے تنے ۔

ق ف ل

قَفَلَ ۔ يَقْفِلُ و يَقْفُلُ ۔ قُفُوْلاً ۔ کسی کا سفر سے واپس آجانا ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قُفُوْلٌ جہاد اور جنگ سے فوج کے واپس آنے کو کہتے ہیں ۔ اَقْفَلَ الْجَيْشُ ۔ لشکر واپس آگیا ۔ اَلْقَافِلَةُ ۔ وہ رفقائے سفر جو سفر سے واپس آرہے ہوں (ابن فارس) ۔ لیکن سفر پر جانے والوں کو بھی کہتے ہیں ، اس فالِ نیک کے اعتبار سے کہ ۔ یہ سلامت روی و باز آئی ۔ یعنی ان کی خیریت سے واپسی کی آرزو کے لحاظ سے انہیں جاتے وقت بھی اَلْقَافِلَةُ ہی کہتے ہیں * ۔ قَفَلَ الطَّعَامَ ۔ اس نے کھانے کی چیزوں کا ذخیرہ کر لیا ۔ قَفَلَ الشَّيْئَ ۔ اس نے چیز کا اندازہ اور تخمینہ لگایا ۔ اَقْفَلَ الْبَابَ ۔ اس نے دروازہ کو بند کر لیا ۔ اَلْقُفْلُ ۔ تالا جس سے دروازہ بند کیا جاتا ہے * ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (۴۷/۲۴) ۔ کیا ان کے دلوں پر ان کے تالے پڑے ہوئے ہیں جو وہ قرآن کریم میں غور و خوض نہیں کرتے ۔ اِسْتَقْفَلَ الرَّجُلُ ۔ آدمی نے بخل کیا ۔

ق ف و

اَلْقَفَا ۔ اَلْقَافِيَةُ ۔ گدی ۔ گردن کا پچھلا حصہ۔ اَلْقِفْوَةُ ۔ دم ۔ اسی سے اس کے معنی تہمت کے بھی ہیں ۔ قَفَوْتُهُ قَفْوًا ۔ میں اس کے پیچھے چلا ۔ قَفَّيْتُهُ زَيْدًا ۔ و بِزَيْدٍ میں نے اس کے پیچھے پیچھے زید کو بھیجا ۔ هُوَ قَفِيُّهُمْ ۔ وہ ان کا جانشین و پسماندہ ہے* ۔ ابن فارس نے بھی اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کے پیچھے پیچھے چلنے کے لکھے ہیں ۔ اَلْقَفِيَّةُ برتری کو بھی کہتے ہیں* ۔

سورۃ حدید میں ہے ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا (۵۷/۲۷) ۔ پھر ہم نے ان کے نقش قدم پر ان کے پیچھے اور رسول بھیجے۔ (نیز ۲/۸۷) ۔

*تاج و راغب ۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (۱۷/۳۶) ۔ ''اور جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگو۔ (یاد رکھو) سماعت، بصارت اور قلب سب سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا''۔ قرآن کریم نے اس آیت میں عظیم حقائق بیان کئے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ محض قیاس و گمان کی بنا پر، تقلیداً اور رسماً کسی بات کے پیچھے نہیں لگ جانا چاہئے۔ اس کے متعلق خود تحقیق کرنا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم نے عِلْمٌ کی تعریف یہ بتائی ہے کہ اس میں سماعت و بصارت و قلب کی شہادت موجود ہونی چاہئے۔ سماعت و بصارت میں علم بذریعہ حواس (Per-ceptual Knowledge) آجاتا ہے، اور قلب (Mind) میں (Conceptual Knowledge) نیز یہ بھی کہ حواس کے ذریعے جو معلومات تم تک پہنچیں، ان سے نتیجہ مستنبط کرنے میں اپنے جذبات کو دخل مت دینے دو (اس لئے کہ فؤاد میں جذبات کا پہلو بھی شامل ہوتا ہے)۔ ہر معاملہ کے متعلق پوری پوری خارجی معلومات بہم پہنچاؤ اور پھر جذبات سے الگ ہو کر، اس سے نتیجہ نکالو۔

راغب نے بھی اس آیت کی شرح میں لکھا ہے کہ محض قیافہ اور گمان کی بنا پر کسی بات کا فیصلہ نہ کرو۔ وہ لکھتا ہے کہ قِيَافَةٌ دراصل اِقْتِفَاءٌ کا مقلوب ہے۔

ق ل ب

قَلْبٌ کے بنیادی معنی ہیں الٹنا پلٹنا۔ لوٹ پوٹ کرنا۔ کسی چیز کو ادلتے بدلتے رہنا۔ چنانچہ قَلَّبَ الشَّيْءَ يُقَلِّبُهٗ کے معنی ہیں کسی شے کو الٹ پلٹ کر دینا۔ یعنی اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا اوپر کر دینا۔ قَلَّبَ کے بھی یہی معنی ہیں، لیکن مبالغہ کے ساتھ۔ تَقَلَّبَ کے معنی ہیں الٹ پلٹ ہونا، جیسے تیز گرم ریت پر سانپ لوٹ پوٹ ہوتا ہے۔ قَلَّبَ الْخُبْزَ۔ اس وقت کہتے ہیں جب روٹی اوپر سے پک جائے اور اندر سے پکانے کے لئے اسے الٹ پلٹ کیا جائے۔ مِقْلَبٌ اس لوہے کو کہتے ہیں جس سے کسان کھیتی کرنے کے لئے زمین کی مٹی کو الٹ پلٹ کرتا ہے*۔

چونکہ انسان کا دل کبھی ایک حالت پر نہیں رہتا بلکہ لمحہ بہ لمحہ بدلتا رہتا ہے اس لئے اسے بھی قَلْبٌ کہتے ہیں۔ اور (چونکہ عقل و بصیرت

*تاج۔

کا کام یہ ہے کہ وہ اشیاء اور اس کے خواص کو اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھے اور پھر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچے اس لئے) عقل کو بھی قَلْبٌ کہہ دیتے ہیں* ۔

ابن ہشام نے قَلْبٌ کے معانی میں سے چار بیان کئے ہیں (۱) دل (۲) عقل (۳) ہر چیز کا خلاصہ اور (۴) ہر چیز کا بہترین حصہ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ میں دو بنیادی معنی ہیں (۱) کسی چیز کا خالص اور گران قدر حصہ (۲) کسی چیز کو ایک رخ سے دوسرے رخ پر پھیرنا ۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں ۔ ھٰذَا عَرَبِیٌّ قَلْبٌ ۔ یہ شخص خالص عرب ہے ۔ کھجور کے درخت میں ایک سفید سا مغز (گابھا) ہوتا ہے جو اس کا بہترین حصہ ہوتا ہے ۔ اسے قَلْبُ النَّخْلَةِ کہتے ہیں* ۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے لکھا ہے کہ ہر خالص شے کو قَلْبٌ کہتے ہیں ۔

قرآن کریم میں قَلْبٌ اور فُؤَادٌ دو لفظ آئے ہیں (فُؤَادٌ ۔ فَأَدَ سے ہے جس کے معنی بھوننے کے ہیں ، یعنی تپش و خلش ۔ سوز و گداز ۔ درد و داغ) ان دونوں لفظوں میں ایک موٹا سا امتیازی خط کھینچنا ہو تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ قَلْبٌ فہم و بصیرت اور عقل و فکر کا سرچشمہ ہے اور فُؤَادٌ جذباتِ سوز و گداز کا منبع ۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں اہل جہنم کے متعلق ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں ۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا (۷/۱۷۹) ۔ قلب تو رکھتے ہیں لیکن اس سے سمجھنے سوچنے کا کام نہیں لیتے ۔ سورۃ کہف میں ہے ۔ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ (۱۸/۵۷) یعنی ان کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی ۔ اسی طرح سورۃ حج میں بتایا گیا ہے کہ قَلْبٌ سے عقل و فکر کا کام لیا جاتا ہے ۔ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا (۲۲/۴۶) ۔ سورۃ النحل میں ہے فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ (۱۶/۲۲) ۔ فریب کار یا بے باک عقلیں ۔ (دیکھئے عنوان ن ۔ ک ۔ ر) نیز قلب کے سرچشمہ عقل و فکر ہونے کے لئے (س ۔ م ۔ ع) اور (ب ۔ ص ۔ ر) کے عنوانات بھی دیکھئے ۔

سورۃ بقرہ میں منافقین کے ضمن میں ہے فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ (۲/۱۰) ۔ اس سے ان کی نفسیاتی کیفیت کی طرف بھی اشارہ ہے اور ذہنی کیفیت کی طرف بھی ۔ اس لئے کہ اس سے پہلے ان کے متعلق کہا ہے وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (۲/۹) ۔ ''وہ اپنے آپ کے سوا اور کسی کو

* تاج ۔ ** دیکھئے ف ۔ أ ۔ د ۔

دھوکا نہیں دیتے لیکن اسے سمجھتے نہیں"۔ اس میں دونوں (نفسیاتی اور ذھنی) کیفیات کے بگاڑ کا ذکر ھے ۔ اس سے ظاھر ھے کہ قرآن کریم نے قَلْبٌ کا لفظ عقل اور جذبات دونوں کے لئے بھی استعمال کیا ھے ۔ اس اعتبار سے انگریزی زبان کا لفظ (Mind) قَلْبٌ اور فُؤَادٌ دونوں کے لئے بولا جاسکتا ھے ۔ نیز قرآن کریم میں بھی قَلْبٌ اور فُؤَادٌ کو مرادف معنوں میں استعمال کیا گیا ھے (نیز دیکھئے عنوان ف ۔ ا ۔ د) ۔

تَقَلُّبٌ ۔ جد و جہد کے معنوں میں بھی استعمال ھوا ھے ۔ (۱۶/۴۶ ؛ ۴۰/۴) ۔ سورۃ شعراء میں ھے اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ (۲۶/۲۱۹ ۔ ۲۱۸) ۔ "تو جب ان لوگوں میں جو قوانین خداوندی کے سامنے جھکتے ھیں ، کھڑا ھوتا ھے یا مصروفِ تگ و ناز ھوتا ھے ، تو خدا تجھے دیکھ رھا ھوتا ھے ۔ سورۃ بقرۃ میں ھے قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ (۲/۱۴۴) ۔ جب تو بار بار بے تابانہ اپنی نظریں آسمان کیطرف اٹھاتا تھا تو ھم تیرے اضطراب کو دیکھ رھے تھے" ۔ لہذا تَقَلُّبٌ میں جسمانی اور قلبی دونوں قسم کی جد و جہد آ جائیگی ۔ مُنْقَلَبٌ کے معنی ھیں لوٹنے کی جگہ (۲۶/۲۲۷) ۔ مُنْقَلِبٌ ۔ پلٹا کھانے والا ۔ سورۃ توبہ میں ھے وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ (۹/۴۸) ۔ یہ لوگ تیرے لئے الٹ پھیر کی تدبیریں کرتے رھے ۔ یہ لوگ سوچ بچار کرتے رھے کہ کس طرح تیرے معاملات میں بگاڑ پیدا کیا جاسکتا ھے (انہیں الٹایا جاسکتا ھے) ۔ سورۃ کہف میں ھے یُقَلِّبُهٗ كَفَّیْهِ (۱۸/۴۲) ۔ وہ اپنے ھاتھ ملتا رہ گیا ۔ سورۃ محمد میں مُتَقَلَّبَكُمْ (۴۷/۱۹) آیا ھے ۔ یعنی معاملات میں سرگرداں رھنے کی جگہ یا وقت ۔

ق ل د

قَلَدَ الْحَبْلَ ۔ رسّی کو بٹ دیا ۔ اَلْاِقْلِیْدُ ۔ اونٹنی کی ناک کی نتھنی جس میں نکیل کی رسی ڈالی جاتی ھے ۔ اَلْمِقْلَادُ (جمع مَقَالِیْدُ) ۔ کنجی ۔ نیز خزانہ * ۔ قرآن کریم میں ھے کہ ۔ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳۹/۶۳) ۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کے خزانے سب خدا کے لئے ھیں ۔ اَلْقِلَادَةُ ۔ ھار جو گردن میں ڈالا جائے (اس کی جمع اَلْقَلَائِدُ آتی ھے)* ۔ قرآن کریم میں ھے وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ (۵/۲) ۔ راغب نے لکھا ھے کہ قِلَادَةٌ کے معنی بٹی ھوئی ڈور یا چاندی وغیرہ کا تار ھیں جو گلے میں ڈالا جائے لیکن بعد میں ھر اس چیز کو کہنے لگے جسے گلے میں پہنا جائے یا جو کسی چیز کا احاطہ کر لے ۔ اُسے اپنے گھیرے میں لے لے** ۔

*تاج و محیط ۔ **راغب ۔

اس سے تَقْلِیْدٌ کے معنے سمجھ میں آ سکتے ہیں - یعنی نکیل کی نتھنی جسے ناک میں ، یا پٹا جسے اپنے گلے میں ، ڈال لیا جائے اور رسی دوسرے کے ہاتھ میں دے دی جائے، اور پھر اس کے پیچھے انسان جانور کی طرح چلتا جائے - چنانچہ اسی نہج سے کہتے ہیں تَقْلِیْدُ الْوُلَاۃِ الْاَعْمَالَ - یعنی والیوں کا ملازموں کو مختلف کاموں پر تعینات کرنا * - صاحبِ محیط نے لکھا ہے کہ اَلتَّقْلِیْدُ - یہود اور نصاری کے نزدیک ان عقائد اور شعائر کو کہتے ہیں جو ان کی کتابوں میں کہیں مدون نہیں لیکن جنہیں انہوں نے اپنے اسلاف سے زبانی حاصل کیا ہے اور یہ سلسلہ اس طرح متوارث چلا آ رہا ہے** -

قرآن کریم اس لئے آیا تھا کہ نوع انسانی کے گلے سے وہ تمام زنجیریں اتار دے جو اس نے اشخاص پرستی کی رو سے پہن رکھی تھیں اور جن میں وہ غلاموں کی طرح جکڑے چلی آرہی تھی (۷/۱۵۶) - چنانچہ نبی اکرم ؐ نے قرآن کریم کے ذریعے ان تمام زنجیروں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا لیکن مسلمانوں نے ان ٹکڑوں کو ایک ایک کر کے اپنی مژگانِ عقیدت سے اکٹھا کیا ، اور پہلے سے بھی زیادہ کڑی زنجیروں میں اپنے آپ کو جکڑ لیا- اسی کو تقلید کہتے ہیں جس سے انسانیت کا جوہرِ حریتِ فکر و عمل جل کر راکھ کا ڈھیر بن جاتا ہے - قرآن کریم ، قانونِ خداوندی کی اطاعت اور ساری کائنات پر حکومت کا سبق دیتا ہے، نہ کہ انسانوں کی غلامی کا سبق - تقلید ، غلامی کی بد ترین شکل ہے - اس لئے کہ غلامی میں انسان کا صرف جسم مقید ہوتا ہے، لیکن تقلید میں اس کی عقل و فکر ماؤف ہو جاتی ہے - قرآن کریم ، قدم قدم پر تدبر و تفکر کا حکم دیتا ہے اور اسلاف کی اندھی تقلید کو منکرین کا شیوہ بتاتا ہے - وہ کہتا ہے کہ جب بھی کسی رسول نے خدا کی طرف دعوت دی تو یہ کہکر اس کی مخالفت کی گئی کہ تمہاری یہ دعوت اُس مسلک کے خلاف ہے جو ہمارے ہاں وراثۃً آبا و اجداد سے آ رہا ہے - حضرت نوح ؑ کو یہی جواب ملا (۲۳/۲۴) - یہی جواب حضرت صالح ؑ کو ملا (۱۱/۶۲)- یہی حضرت ابراہیم ؑ سے کہا گیا (۲۱/۵۳) - یہی حضرت شعیب ؑ سے (۱۱/۸۷) - اور حضرت موسیٰ ؑ سے (۱۰/۷۸) - یہی رسول اللہ ؐ سے کہا گیا (۳۸/۷) - غرضیکہ ہر رسول کی مخالفت یہی کہکر کی گئی (۴۳/۲۲) - قرآن کریم کی دعوت کے خلاف کوئی دلیل اور برہان نہیں لائی گئی - محض یہ کہکر اسے ٹھکرا دیا گیا کہ یہ ہمارے اسلاف کے مسلک کے خلاف ہے (۵/۱۰۴ ; ۲/۱۷۰) - قرآن کریم کہتا ہے

*تاج و محیط - **محیط -

کہ یہ روش ، انسانی سطح زندگی کی نہیں ، حیوانی سطح کی ہے ۔ لہذا جہنم کی زندگی (۱۷۶) ۔ اس میں انسان کی آنکھیں پیچھے کی طرف رہتی ہیں (۳۳/۶۶) ۔ وہ سامنے کا راستہ دیکھ ہی نہیں سکتا (۳۶/۸-۹) ۔ یعنی اس مسلک کی رو سے اُس قوم کو اپنا ماضی تو درخشندہ نظر آتا ہے لیکن مستقبل تاریک ۔

غور کیجئے کہ کیا آج ہماری بھی بعینہٖ یہی حالت نہیں ! کیا قرآن کریم کی دعوت کی ہر جگہ یہی کہکر مخالفت نہیں ہوتی کہ یہ آواز اُس مسلک کے خلاف ہے جو ہمارے ہاں وراثۃً چلا آرہا ہے؟ ہمارے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ جو کچھ ہمارے ہاں اسلاف سے چلا آ رہا ہے اسے اٹھا کر پھینک دینا چاہئے ۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ ان سے ورثہ میں ملا ہے اسے قرآن کریم کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لینا چاہئیے ۔ جو کچھ اس کے مطابق ہو اسے صحیح سمجھنا چاہئیے ۔ جو اس کے خلاف ہو اسے غلط ۔ یہ دلیل کہ اُن بزرگوں نے جو کچھ کہا تھا قرآن کو سمجھ کر ہی کہا تھا ، بڑی کمزور ، بلکہ باطل ہے ۔ قرآن کریم کو قیامت تک کے لئے محفوظ اسی لئے رکھا گیا تھا ، اور ہر نسل کو اس پر غور و تدبر کا حکم اسی لئے دیا گیا تھا کہ وہ ہر بات کو خود قرآن کریم کے آئینے میں دیکھے ۔ یاد رکھئے ، ہم قرآن کریم پر ایمان لانے کے مکلف ہیں ، اس لئے ہمارے لئے حق و باطل کی سند صرف خدا کی کتاب ہے ۔ اسلاف کا احترام بجا اور درست ۔ لیکن وہ ہمارے لئے سند نہیں قرار پا سکتے ۔

ق ل ع

قَلَعَ قَلَّعَ اِقْتَلَعَ ۔ کسی چیز کو اس کی بنیاد سے اکھیڑ دینا اور اسے اسکی جگہ سے ہٹا دینا ۔ اَلْمَقْلُوْعُ ۔ معزول شدہ امیر ۔ اَلْقَلْعُ ۔ وہ محفوظ جگہ جہاں چرواہا اپنا سامان رکھتا ہے ۔ اَلْقَلْعَۃُ ۔ کھجور کا وہ پودا جسے کھجور کے درخت کی جڑ سے اکھیڑ لیا جائے ۔ اَلْاِقْلَاعُ عَنِ الْاَمْرِ ۔ کسی کام سے رک جانا * ۔ قرآن کریم میں حضرت نوحؑ کے طوفان کے ذکر کے بعد ہے ۔ یٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ (۱۱/۴۴) ۔ بارش سے کہا گیا کہ تو رک جا ۔ تھم جا ۔

ق ل ل

اَلْقَلُّ ۔ تھوڑا ۔ قلیل ۔ اَلْقِلَّۃُ ۔ کثرت کی ضد ہے ۔ کمی ۔ قَلَّ ۔ یَقِلُّ ۔ کم ہونا ۔ قَلِیْلٌ ۔ کم ۔ اَقَلَّہٗ قَلَّلَہٗ ۔ اسکو کم کر دیا ۔ اَلْاَقَلُّ ۔ بہت کم ** ۔

*تاج و محیط ۔ **تاج ۔

اَلْقُلَّةُ - سر یا کوہان یا پہاڑ کا بالائی حصہ - جماعت * - اَلْقَبِیلَةُ - غصہ یا طمع کی وجہ سے جو کپکپی سی آتی ہے * - اِسْتَقَلَّ الرَّجُلُ - وہ آدمی فرط غضب میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا - اِسْتَقَلَّهُ - اسکو اٹھا لیا ، بلند کردیا - اِسْتَقْلَلْتِ السَّمَاءُ - آسمان بلند ہوگیا - اَلْاِسْتِقْلَالُ - بلند ہو جانا - اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جانا - کسی چیز کو اپنے لئے خاص کرلینا - هُوَ لَا یَسْتَقِلُّ بِهٰذَا - اسے اسکی قدرت حاصل نہیں - وہ اسے اٹھا نہیں سکتا * - ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) کسی چیز کا کم ہونا ، اور (۲) ایک جگہ نہ ٹھہرنا لکھے ہیں -

قَلَّ - تھوڑا ہونا - مَتَاعٌ قَلِیلٌ (۴/۷۷) - قَلَّلَ - تھوڑا کرنا - کم کرنا (۸/۴۴) - اَقَلَّ - اٹھا لینا * (۷/۵۷) - یعنی اسے ہلکا سا سمجھ کر اٹھا لینا -

ق ل م

قَلَمٌ - کسی چیز کو چھیل کر اور درست کرکے ہموار کر دینا - (ابن فارس) - اَلْقَلَمُ - قلم جس سے لکھا جاتا ہے - قینچی - بے پھل اور بے پر کا تیر - تیروں میں وہ بھی شامل ہیں جن سے جوا کھیلا جاتا تھا - (اسکی جمع اَقْلَامٌ ہے) * - سورہ آل عمران میں ہے کہ ہیکل کے پجاری حضرت مریمؑ کی کفالت کے لئے قرعہ اندازی کرتے تھے - یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (۳/۴۴) - اس میں اَقْلَام کے یہی معنی ہیں - دوسرے مقامات پر قَلَمٌ سے مراد وہ قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے - مثلاً نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ (۶۸/۱) یا اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۹۶/۴) - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ قَلَمٌ کو قلم صرف اس وقت کہتے ہیں جب اسے تراش کر لکھنے کے قابل بنا لیا جائے ، ورنہ اس سے پہلے کلک کو یَرَاعَةٌ یا قَصَبَةٌ کہتے ہیں ** - یہ الفاظ خود اس پر شاہد ہیں کہ اُس زمانہ میں عربوں میں لکھنے کا رواج تھا - خود قرآن کریم میں اللہ تعالٰی نے تاکید کی ہے کہ عام لین دین کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو - (۲/۲۸۲)

سورہ العلق کی اس آیت پر غور کیجئے جس میں کہا گیا ہے کہ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۹۶/۴) "اللہ وہ ہے جس نے قلم کے ذریعے انسان کو سکھایا" - اس میں ایک تو تحریری علم کی اہمیت واضح ہے - دوسرے یہ کہ خدا ، انسان کو براہ راست قلم سے لکھنا نہیں سکھاتا - اس لئے اس آیت (اور اس

*تاج - **محیط -

قسم کی دیگر آیات) سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا نے انسان کے اندر اس طرح علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھدی ہے ۔ اس نقطہ کو پیش نظر رکھنے سے قرآن کریم کے بہت سے مقامات واضح ہو جائینگے۔

ق ل ی

اَلْقِلیٰ ۔ شدت بغض کو کہتے ہیں ۔ ابن فارس نے اس کے معنے کسی چیز سے دور ہٹنا اور اسکے پاس سے چلا جانا لکھے ہیں ۔ قَلٰی یَقْلِیْ ۔ کسی سے بغض رکھنا اور انتہائی ناپسندیدگی ظاہر کرنا اور اسے چھوڑ دینا ۔ بعض نے کہا ہے کہ قَلٰی یَقْلِیْ چھوڑ دینے کے معنوں میں آتا ہے اور قَلِیَہٗ یَقْلَاہُ ۔ بغض رکھنے کے معنوں میں ۔ اصل میں قَلْیٌ کے معنی ہوتے ہیں گوشت وغیرہ کو بھوننا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہلکا ہونے اور تیز ہونے کے ہیں ۔ قَلَاہُ اس نے اسے کڑھائی میں بھونا یا تلا ۔ اَلْقَلَّاۃُ ۔ کڑھائیاں بنانے والا ۔ اَلْمِقْلٰی ۔ اَلْمِقْلَاۃُ ۔ پیتل یا مٹی کی بنی ہوئی کڑھائی جسمیں گوشت وغیرہ تلا جائے* ۔

قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی (۹۳/۳) ۔ تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا ہے اور نہ ہی وہ تجھ سے ناراض ہے ۔ سورہ شعراء میں حضرت لوطؑ کا یہ قول مذکور ہے کہ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِنَ الْقَالِیْنَ (۲۶/۱۶۸) ۔ میں تمہارے ان کرتوتوں سے سخت بیزار ہوں ۔ میں تم سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا ۔

ق م ح

قَمَحَ الْبَعِیْرُ قُمُوْحاً ۔ اونٹ نے حوض پر سر اونچا کر لیا اور پانی پینے سے باز رہا ۔ قَامِحَتٌ اِبِلُکَ ۔ تمہارے اونٹوں نے حوض پر آنے کے باوجود پانی نہیں پیا اور وہ سر اٹھائے کھڑے رہے ۔ اَقْمَحَ الرَّجُلُ ۔ آدمی نے اپنا سر اٹھایا اور آنکھیں نیچی کر لیں ۔ اَقْمَحَ الْغُلُّ اَلَاسِیْرَ ۔ بیڑیوں نے تنگ ہونے کی وجہ سے قیدی کے سر کو اٹھا ہوا رہنے دیا* ۔ اس زمانہ میں بیڑیوں کے ساتھ گردن میں طوق ڈالے جاتے تھے جو اگر سخت یا تنگ ہوتے تو سر اونچے کا اونچا اٹھا رہ جاتا ۔ قرآن کریم میں انہی کے متعلق ہے ۔ فَھُمْ مُّقْمَحُوْنَ (۳۶/۸) ۔ ان کے سر کھنچے ہوئے اور اوپر اٹھے ہوئے ہیں ۔

*تاج ۔ محیط و راغب ۔

دراصل قَمْحٌ گیہوں کو کہتے ہیں اور جو ستو اس گیہوں سے بنایا جاتا ہے اسے قَمِیْحَۃٌ کہتے ہیں ۔ ستو پھانکنے کے لئے سر کو اوپر اٹھایا جاتا ہے ۔ اسے اَلْقَمْحُ کہتے ہیں ۔ اسکے بعد محض سر اٹھانے کو (خواہ کسی وجہ سے ہو) قَمْحٌ کہنے لگے * ۔ لیکن ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ لفظ (گیہوں کے معنوں میں) خلاف قیاس استعمال ہوتا ہے ۔

ق م ر

اَلْقَمَرُ ۔ ہر مہینے کی تیسری رات سے پچیس کی رات تک کا چاند ۔ پہلی دوسری اور چھبیس ستائیس تاریخ کے چاند کو ہِلَالٌ کہتے ہیں** ۔ تَقَمَّرَ الْمَرْاَۃَ ۔ عورت سے شادی کرلی اور اسے لے گیا ۔ نیز چاند رات میں شبِ زفاف بسر کرنے کو بھی کہتے ہیں** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کے یہ معنی قَمَرَہٗ سے ماخوذ ہیں جس کے معنے غالب آجانے کے ہیں ۔ لہذا چاند کو قَمَرٌ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی روشنی دوسرے ستاروں پر غالب آجاتی ہے*** ۔ قَمَرْتُ فُلَانًا ۔ میں نے فلاں آدمی کو دھوکا دے دیا*** ۔ (چاند کے ساتھ جنون کا تعلق قدیمی تصور ہے ۔ انگریزی زبان میں Lunatic کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے) ۔ اسی سے اَلْقِمَارُ جوئے کو کہتے ہیں ۔ اَلْقَمِیْرُ ۔ مُقَامِرٌ ۔ جوا کھیلنے والا**** ۔

صاحب غریب القرآن نے لکھا ہے کہ ایام جاہلیت میں عربوں کا قومی نشان قَمَرٌ تھا ۔ جیسے ایرانیوں کا قومی نشان شَمْسٌ تھا ۔ اس اعتبار سے جہاں قرآن کریم نے کہا ہے ۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ (۵۴/۱) ۔ تو اس میں بتایا گیا ہے کہ جماعت مومنین اور قریش میں آخری تصادم کا وقت قریب آ رہا ہے ۔ (دیکھئے عنوان س ۔ و ۔ ع) ۔ اس وقت عرب جاہلیت کا تمام اقتدار ختم ہو جائے گا اور اسلام کا پرچم بلند ہو جائے گا ۔ (دیکھئے عنوان ش ۔ ق ۔ ق) ۔ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ (۷۵/۹) میں عربوں اور ایرانیوں کے اکٹھے ہونے کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں کے ایران فتح کرلینے کے بعد ہوا ۔

لیکن اگر ان آیات میں شَمْسٌ اور قَمَرٌ کے حقیقی معنی سورج اور چاند کے لئے جائیں تو ان میں طبعی کائنات کے بعض ہونے والے تغیرات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے ۔ اس کے متعلق ہم اس وقت متعین طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے ۔

---

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔ ***راغب ۔ ****محیط ۔

ق م ص

قَمَصَ الْفَرَسُ یَقْمِصُ و یَقْمِصُ قَمْصًا وَ قِمَاصًا ۔ گھوڑے کا اپنے دونوں ہاتھوں کو یکبارگی اٹھانا اور پھر ان کو ایک ساتھ زمین پر پٹک دینا۔ اَلْقِمَاصُ ۔ اچھلنا ۔ کودنا ۔ نیز قلق و اضطراب کو بھی کہتے ہیں ۔ اَلْقَمُوْصُ ۔ وہ جانور جو اپنے سوار کو لے کر کودنے لگے ۔ اَلْقَمِیْصُ ۔ بہت اچھلنے کودنے والا خچر* ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی دو ہوتے ہیں ۔ ایک تو کسی چیز کو پہننا اور اس میں لپٹ جانا ۔ اور دوسرے کسی چیز کا اچھلنا اور ہلنا ۔ قَمَصَ الْبَحْرُ بِالسَّفِیْنَۃِ ۔ دریا نے موج کے ذریعے کشتی کو اچھالا** ۔

اَلْقَمِیْصُ کرتے کو کہتے ہیں جو پہنا جاتا ہے ۔ عربی میں یہ لفظ مذکر استعمال ہوتا ہے اگرچہ کبھی کبھی مؤنث بھی استعمال کرلیا جاتا ہے ۔ اس کی جمع قُمُصٌ ۔ اَقْمِصَۃٌ اور قُمْصَانٌ آتی ہے ۔ ابن الجزری نے کہا ہے کہ اَلْقَمِیْصُ اس سلے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں جس میں دو آستینیں ہوتی ہیں اور نیچے سے کھلا ہوا نہیں ہوتا ۔ یہ کپڑا روئی یا کتان کا ہونا چاہئے ۔ اگر یہ کپڑا اون کا ہو تو پھر اسے قَمِیْصٌ نہیں کہتے ۔ لیکن ابن حجر مکی نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کپڑا زیادہ تر اون کا نہیں ہوتا۔ یہ مطلب نہیں کہ اون کا ہو ہی نہیں سکتا ۔ اَلْقَمِیْصُ ۔ غلاف قلب کو بھی کہتے ہیں* ۔ قرآن کریم میں قصہ حضرت یوسفؑ کے ضمن میں ہے ۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا (۱۲/۹۳) ۔ (حضرت یوسفؑ نے کہا) میرے اس کرتہ کو لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے سامنے رکھ دو ۔ اس پر ساری بات کھل جائے گی ۔ اس زمانے میں (اور آج بھی) ان لوگوں کا لباس امتیازی نشان رکھتا تھا جو بلند مناصب پر فائز ہوں ۔ حضرت یوسفؑ کی قمیص ان کے جاہ و مرتبت کا نشان تھی ۔ اس لئے انہوں نے اپنی قمیص کو باپ کے پاس بھیجدیا تاکہ وہ اس سے ان کے مقام بلند کا اندازہ کرکے سمجھ لیں کہ ان کا بیٹا (یوسف) کہاں پہنچ چکا ہے ۔ لیکن اس آیت کا ایک اور مفہوم بھی ہوسکتا ہے اس سے پہلے (۱۲/۸۴ میں) کہا گیا ہے وَ ابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ یوسفؑ کے غم سے یعقوبؑ کی بینائی کم ہوگئی ، غم و حزن کا یہ نتیجہ ہو جایا کرتا ہے کہ انسان کے اعصاب کمزور ہوجاتے ہیں ۔ اسکے بعد جب حضرت یعقوبؑ کے سامنے حضرت یوسفؑ کی قمیص آئی تو فرطِ مسرت سے ایسا نفسیاتی اثر ہوا کہ انکے اعصاب میں

*تاج ۔ **مقاییس اللغۃ ۔

تقویت آ گئی اور کمزور بینائی پھر سے اپنی اصلی حالت پر آ گئی - فوری خوشخبری سے ایسی کیفیت عام طور پر پیدا ہو جایا کرتی ہے -

داستان حضرت یوسف ؑ میں پہلے آپ کی قمیص کا ذکر اس وقت آتا ہے جب آپ کے بھائی اسے ''جھوٹے خون'' میں لت پت کرکے باپ کے پاس لے آئے تھے (۱۲/۱۸) - دوسری دفعہ آپکی قمیص آپکی پاکدامنی کی شہادت بنکر سامنے آتی ہے (۱۲/۲۶ تا ۲۷)- اوراب تیسری مرتبہ انکی زندگی اور جاہ و منصب کی خوشخبری بن کر -

قَمَّصَتْہ' قَمِیْصًا قَتَقَمَّصَ - اس نے اسے کرتہ پہنایا اور اس نے وہ کرتہ پہن لیا- بعض علمائے لغت نے کہا ہے کہ اگر کرتہ کا گریبان سینہ پر ہو تو اسے دِرْع* کہتے ہیں اور اگر گریبان مونڈھے پر ہو تو اسے قَمِیْص* کہتے ہیں* -

اَلْقُمَاص' - اونٹ کی ایک بیماری کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک جگہ پر کھڑا نہیں رہ سکتا بلکہ بے چین و بے قرار رہتا ہے** -

ق م ط ر

اَلْقِمَطْر' - اس لکڑی کی بیڑی کو کہتے ہیں جو مجرموں کے پاؤں میں ڈال دی جاتی تھی تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں***- اس سے انہیں چلنے پھرنے میں سخت اذیت پہنچتی تھی- پھر اس سے یہ لفظ تکلیف ، پریشانی، سختی اور اذیت کے معنوں میں استعمال ہونے لگا - سختی کی وجہ سے آنکھوں اور ابروؤں پر جو شکنیں پڑجاتی ہیں، انہیں بھی قَمْطَرِیْر' کہتے ہیں - اِقْمَطَرَّ الیَوْم' - دن سخت ہوگیا ، شَرٌّ مُقْمَطِرٌّ کے معنی ہیں ، شدید شر*** -

قرآن کریم میں ظہور نتائج کے دن کو یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا (۷۶/۱۰) کہا گیا ہے - بڑی سختی اور پریشانی کا زمانہ - ابن فارس نے بھی اس کے یہی بنیادی معنے دئے ہیں -

ق م ع

اَلْمِقْمَعَۃ' - لوہے کا گُرز - یا آنکس جس سے ہاتھی کو مارا جاتا ہے - اس کی جمع مَقَامِیع' آتی ہے*** - قرآن کریم میں اہل جہنم کے متعلق ہے - وَ لَھُمْ' مَقَامِیع' مِنْ' حَدِیْدٍ (۲۲/۲۱) - ان کے لئے لوہے (حدید) کے گرز ہونگے - یہ وہی حدید (فولاد) ہے جسے اللہ نے نظام عدل قائم رکھنے کے لئے پیدا کیا ہے - (۵۷/۲۵) - یعنی قانون اور اس کے ساتھ تنفیذی قوت - قَمَعَہ' قَمْعًا - وہ اس پر غالب آگیا اور اس نے اسے ذلیل کردیا - قَمَعَ فُلَانًا - اس نے فلاں آدمی کو اسکے ارادہ سے روک دیا - اَلْمَقْمُوْع' - ذلیل - مردود مقہور*** - لہذا مَقَامِیع' (۲۲/۲۱) اس قوت کا نام ہے جس سے کسی سرکش کو

*محیط - **راغب - ***تاج و محیط و راغب -

اس کی سرکشی سے روک دیا جائے۔ مستبد اور ظالم کو مغلوب کرکے اسے بے بس بنا دیا جائے اور اس طرح مظلوموں کو اس کے ظلم سے محفوظ کر دیا جائے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ کسی کو ذلیل اور مغلوب کرنا اس مادہ کے بنیادی معنوں میں سے ہے۔

ق م ل

اَلْقَمْلُ جوں۔ اَلْقُمَّلُ (۳۳/۳۵) - چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں - چیچڑی - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ ایک کیڑا ہے جو فصل میں لگ جاتا ہے اور اسے بالکل خراب کر دیتا ہے * - کشاف میں اسکے معنے پسّو اور گھُن بھی دئے ہیں - راغب نے کہا ہے کہ یہ چھوٹی مکھیاں ہوتی ہیں ** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ سے چند الفاظ آئے ہیں جو حقارت اور ذلت پر دلالت کرتے ہیں۔

ق ن ت

قَنَتَ کے معنی ہیں کھڑا ہونا اور بات کرنے سے رک جانا - چنانچہ زجاج نے کہا ہے کہ قَانِتِیْم بِاَمْرِ اللّٰہِ کو قَانِتَہ کہتے ہیں - یعنی قوانین خداوندی کو قائم کرنے والا - احکام خداوندی کو لیکر کھڑا ہو جانے والا * - اور سِقَاءٌ قَنِیْتٌ اس مشکیزے کو کہتے ہیں جو پانی کو اسطرح روک لے کہ اس میں سے ایک قطرہ بھی ضائع نہ ہو * - لہذا اس کا صحیح مفہوم ہے اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھنا اور صرف قانون خداوندی کے مطابق صرف کرنا - اس قسم کی اطاعت کو اَلْقُنُوْتُ کہتے ہیں * - صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْقُنُوْتُ سے مراد ہوتا ہے کسی کام کو دوام اور التزام سے کرنا اور استقامت رکھنا *** -

قرآن کریم میں اشیائے کائنات کے متعلق ہے کُلٌّ لَہٗ قَانِتُوْنَ (۳۰/۲۶) - ان میں سے کوئی چیز بھی اپنی قوتوں کو ضائع نہیں کرتی اور صرف قانون خداوندی کے مطابق صَرْف کرتی ہے - سب خدا کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہیں - تمام کی تمام نظام کائنات کو قائم رکھنے کے لئے کھڑی ہیں - یہی خصوصیت مومن مردوں اور عورتوں کی ہوتی ہے - اَلْقَانِتِیْنَ وَالْقَانِتٰتِ (۳۳/۳۵) -

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے - کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِلّٰہِ (۱۶/۱۲۰) - وہ ایک فرد نہیں تھا بلکہ اس کی ذات میں پوری کی پوری امت سموئی ہوئی تھی -

*تاج - **راغب - ***محیط -

ایسی امت جو دعوت خداوندی کو لیکر کھڑی ہو اور اپنی تمام قوتوں کو اسی مصرف میں لانے کے لئے روکے ہوئے ہو۔ کامل اطاعت گذار اور فرمان پذیر امت۔ چنانچہ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی اطاعت کے دئے ہیں۔
اس مضمون کے لئے دیکھئے تتمہ میں مادہ "ام م"

ق ن ط

اَلْقَنَطُ ۔ روکنا ۔ قَنَطَ مَاءً عَنِّیْ ۔ اس نے ہم سے پانی روک لیا۔ اسی سے اَلْقُنُوْطُ کے معنی ہیں بھلائی سے ناامید ہو جانا ۔ قَنَطَ یَقْنُطُ ۔ (نیز قَنَطَ یَقْنِطُ ۔ اور قَنِطَ یَقْنَطُ) سخت مایوس ہو جانا ۔ قَانِطٌ ۔ مایوس ہو جانے والا * ۔ (۱۵/۵۶)۔

سورۃ حٰمٓ سجدہ میں بَشُرٌ قَنُوْطٌ (۴۱/۴۹) اکھٹا آیا ہے ۔ سورہ زمر میں ہے قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ۔ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (۳۹/۵۳) ۔ (اے رسول) میرے ان بندوں سے جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کر لی ہے کہدو کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو ۔ اللہ (کا یہ قانون کہ حسنات ، سیئات کو بہا لے جاتی ہیں) تمہاری تمام لغزشوں کے تخریبی اثرات سے تمہاری حفاظت کریگا ۔ یقیناً وہ حفاظت اور رحمت کا مالک ہے ۔ مسلمانوں نے اس آیت کو گناہوں کے لئے لائسنس سمجھ رکھا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ گناہ کرو اور خوب گناہ کرو ۔ خدا کی رحمت ان سب کو معاف کر دیگی ۔ جو شخص گناہ کر کے سمجھتا ہے کہ خدا اسے معاف نہیں کریگا وہ خدا کی رحمت سے مایوس ہے ۔ اور خدا کی رحمت سے مایوسی کفر ہے ۔

یہ تصور قرآن کریم کی کھلی ہوئی تعلیم اور دین کی اساس و بنیاد (یعنی قانون مکافات عمل) کے جسقدر خلاف ہے اسکی تشریح کی ضرورت نہیں ۔ قرآن کریم نے اس آیت (۳۹/۵۳) میں عیسائیت کے اس غلط عقیدہ کی تردید کی ہے جس کی رو سے سمجھا جاتا ہے کہ آدم نے جو گناہ کیا تھا اسکی رو سے ہر انسانی بچہ گناہ گار پیدا ہوتا ہے اور یہ گناہ مٹ ہی نہیں سکتا ۔ اسکی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انسان حضرت مسیح ؑ کے کفارہ پر ایمان رکھے ۔ اسی طرح ہندو دھرم میں بھی یہ عقیدہ ہے کہ انسان سے جو گناہ ایک دفعہ سرزد ہو جائے ، کوئی عمل اس کا ازالہ نہیں کر سکتا ۔ اس کے لئے انسان کو تناسخ کے چکر میں مبتلا رہنا پڑتا ہے ۔ یہودیوں کے ہاں بھی یہ عقیدہ ہے کہ ان کے اسلاف نے (گوسالہ پرستی کا) جو گناہ کیا تھا اس کی

*تاج ۔

پاداش میں انہیں کچھ دنوں کے لئے جہنم میں رہنا ہوگا۔ قرآن کریم نے پہلے تو اس غلط عقیدہ کی تردید کی کہ انسانی بچہ اپنے اولین ماں باپ۔ یا سابقہ جنم کے گناہوں کا بوجھ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس نے یہ کہا کہ اگر انسان سے کبھی لغزش ہو جائے تو اس سے انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ نہیں ہو جاتا۔ اس کے لئے باز آفرینی کے مواقع ساری عمر موجود رہتے ہیں۔ اس لئے جو خدا کی رحمت سے ہم کنار ہونا چاہتا ہے اسے کبھی یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اس پر رحمت کے سب دروازے بند ہو چکے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ رحمت کے دروازے کھلتے کسطرح ہیں؟ اسکا جواب خود قرآن کریم نے دوسری جگہ دیدیا ہے کہ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (۱۵/۵۶)۔ رحمت کے دروازے ان پر بند رہتے ہیں جو خدا کی راہ نمائی کو چھوڑ کر غلط راہوں پر چلتے رہتے ہیں۔ لہذا اسکی رحمت کا مستحق وہ ہوگا جو اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا۔ اس کے سوا رحمت خداوندی سے بہرہ یاب ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ جتنی اور صورتیں ہم نے اپنے ذہن سے تراش رکھی ہیں وہ فریب نفس کے سوا کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱/۱۱۵) برائیوں کے اثرات زائل کرنے کے لئے بھلائی کے کام کرو۔ بھلائیوں کا زندگی بخش نتیجہ، لغزشوں کے تخریبی اثر کو زائل کر دیگا۔ (مزید تفصیل کے لئے عنوان ر۔ح۔م دیکھئے)۔

سورہ روم میں قَنِطَ۔ فَرِحَ کے مقابلہ میں آیا ہے (۳۰/۳۶)۔ صاحب لطائف اللغۃ نے کہا ہے کہ يَاْسٌ عمومی معنوں میں آتا ہے اور قُنُوْطٌ خصوصی معنوں میں۔ یعنی یہ، یاس سے زیادہ خصوصیت رکھتا ہے۔

ق ن ط ر

اَلْقَنْطَرَةُ۔ پُل یا بلند عمارت۔ قَنْطَرَ عَلَيْنَا۔ وہ ہمارے پاس طویل عرصہ تک جم کر مقیم رہا*۔ لہذا اس لفظ میں کثرت کا تصور نمایاں طور پر موجود ہوتا ہے۔ اسی لئے راغب نے لکھا ہے کہ اَلْقَنْطَرَةُ مِنَ الْمَالِ۔ مال کی اس مقدار غیر متعین کو کہتے ہیں جو کسی کے لئے کافی ہو**۔ (اسکی جمع اَلْقَنَاطِيْرُ آتی ہے)۔ اَلْقَنَا طِيْرُ الْمُقَنْطَرَةُ۔ (۳/۱۴) وہ مال جو قنطار قنطار کرکے جمع کیا گیا ہو**۔ اس میں مبالغہ پایا جاتا ہے***۔ یعنی بہت زیادہ۔

*تاج۔ **راغب۔ ***محیط۔

اس آیت (۳/۱۴) میں باقی چیزوں کے علاوہ، مال و دولت کو انسان کے لئے وجہ جاذبیت بتایا گیا ہے۔ قرآن کریم، دولت سے نفرت کرنا نہیں سکھاتا۔ وہ ہر فرد سے کہتا ہے کہ وہ اکتساب دولت میں پوری کوشش کرے۔ لیکن اپنی کمائی ہوئی دولت کو اپنی ذات کے لئے محبوس نہ کر لے۔ اس میں سے اپنی ضروریات کے مطابق لے اور باقی سب نوع انسانی کی ربوبیت کے لئے کھلا چھوڑ دے۔ چنانچہ اسی آیت کے تسلسل میں (۳/۱۶) مومنین کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اَلْمُنْفِقِیْنَ ہوتے ہیں۔ یعنی اپنی دولت کو کھلا رکھنے والے۔ یہ ہے قرآن کریم کی رو سے سونے چاندی کے ڈھیر (۳/۱۴) کا مقصد۔ یعنی اسے نوع انسان کی پرورش کے لئے عام رکھا جائے۔ جو ایسا نہیں کرتے ان کے لئے دردناک عذاب کی وعید ہے (۹/۳۴)۔ یعنی اسطرح سے (Hoard) کی ہوئی دولت، جہنم کی آگ بن جاتی ہے۔

ق ن ع

قِنَاعٌ۔ اس اوڑھنی کو کہتے ہیں جس سے عورتیں اپنا سر ڈھانپتی ہیں*۔ راغب نے کہا ہے کہ جس چیز سے سر ڈھانکا جائے وہ قِنَاعٌ ہے۔ اس سے قَنَعَ کے معنی ہیں اس شخص نے اپنے فقر کو چھپانے کے لئے سر پر کچھ اوڑھ لیا**۔ لہذا قَانِعٌ وہ شخص ہوگا جو اپنی احتیاج کو دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دے۔ اور اَلْقَنَاعَۃُ اخفائے حاجت کا نام ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی راغب نے لکھا ہے کہ قَنَعَ کے معنی ہیں اس نے اپنی اوڑھنی کو اٹھا دیا اور اپنا سر کھول دیا۔ یعنی اپنی احتیاج کو لوگوں پر ظاہر کر دیا*۔ لیکن قُنُوْعٌ اسے بھی کہتے ہیں کہ انسان اپنے حصے پر راضی رہے اور تھوڑی سی بخشش پر خوش ہو جائے*۔ چنانچہ اَلْقَانِعُ اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کے ساتھ رہے، اس کا بچا کھچا کھا کر گذارہ کرے، اور اس سے زیادہ کچھ نہ مانگے۔ اس سے قَنَاعَۃٌ کے معنی تھوڑی سی چیز پر راضی ہو جانے کے ہونگے*۔ قَانِعٌ اس سائل کو بھی کہتے ہیں جو باصرار نہ مانگے اور جو کچھ مل جائے اس پر راضی ہو جائے** (۲۲/۳۶)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی اپنی ضرورت کے لئے کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہونا ہیں۔

سر سے کپڑا اٹھانے کی جہت سے سر کو اٹھا کر چلنے کو بھی اِقْنَاعٌ کہتے ہیں۔ چنانچہ اَقْنَعَ رَاْسَہٗ کے معنی ہیں اس نے اپنے سر کو اونچا کیا۔ لیکن یہ اضداد میں سے بھی ہے۔ یعنی اس کے معنی نیچا کرنا بھی ہیں۔

*تاج۔ **راغب۔

اَقْنَعْتُ الْاِنَاءَ فِی النَّهْرِ کے معنی ہیں میں نے اپنے برتن کے منہ کو ندی کے بہاؤ کی طرف کرکے رکھدیا (ٹیڑھا کر دیا) تاکہ اس میں پانی بھر جائے۔ اس اعتبار سے کسی کی طرف مائل ہونے کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ قَنِعَتِ الْاِبِلُ کے معنی ہیں اونٹ اپنی چراگاہ، یا باڑے کی طرف مائل ہوگئے *۔

سورۃ ابراھیم میں قرآن کریم نے اس بد حواسی کا نقشہ کھینچا ہے جو جنگ میں شکست خوردہ قوم پر چھاجاتی ہے اور اس سے اس میں افرا تفری پھیل جاتی ہے۔ اس ضمن میں کہا ہے کہ اُس وقت ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُؤُسِهِمْ (۱۴/۴۳)۔ مُهْطِعِيْنَ کے معنی ہیں بد حواس بھاگے جانا (دیکھئے ھ۔ط۔ع)۔ مُقْنِعِيْ رُؤُسِهِمْ کے معنی بعض نے کئے ہیں سر اٹھا کر بھاگے جانا۔

ق ن و

اَلْقِنْوَةُ۔ اَلْقُنْوَةُ۔ کمائی۔ قَنَوْتُهٗ۔ میں نے اسے کمایا، حاصل کیا اور اپنے لئے جمع کیا۔ اِقْتِنَاءُ الْمَالِ۔ مال حاصل کرنا اور جمع کرنا۔ اَلْقَنَاةُ۔ ڈنڈا۔ قَنَاءُ الْحَائِطِ۔ دیوار کی وہ جانب جس پر سایہ آجاتا ہو۔ نیز قَنَاةٌ اُس کظیمہ (نالی) کو کہتے ہیں جس سے پانی نکلتا ہے**۔ اَلْقِنْوُ و الْقُنْوُ۔ خوشہ (کھجور کا)۔ جمع اَلْقِنْوَانُ و الْقُنْوَانُ۔ قرآن کریم میں قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ (۶/۹۹) قریب جھکے ہوئے خوشوں کے لئے آیا ہے۔

ق ن ی

اَلْقِنْيَةُ۔ اَلْقُنْيَةُ۔ جو کچھ آدمی کما کر حاصل کرے۔ نیز جمع کیا ہوا مال۔ قَنَى الْمَالَ يَقْنِيْ۔ وہ مال کماتا ہے۔ اَقْنَاهُ اللّٰهُ۔ خدا نے اسے وہ چیزیں دیدیں جن کے حاصل ہوجانے کے بعد اسے سکون اور اطمینان نصیب ہوگیا۔ ان سے اس کی فوری ضروریات بھی پوری ہوگئیں اور وہ انہیں جمع کرکے بھی رکھ سکا۔ اَرْضٌ مُقْنِيَةٌ اس زمین کو کہتے ہیں جو اترنے والے کے لئے بالکل موافق ہو جائے۔ جس میں اُسے سب کچھ مل جائے اور اس طرح وہ اس سے راضی ہو جائے۔ اسی اعتبار سے اَقْنٰی کے معنی راضی کرنے کے بھی آتے ہیں**۔

---

*تاج۔ **تاج و راغب۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى (۵۳/۴۸) ۔ خدا ہی غنی کرتا ہے اور وہ کچھ دیتا ہے جس سے انسان کو سکون اور اطمینان حاصل ہوجائے اور اسطرح وہ راضی ہو جائے ۔

ق ہ ر

اَلْقَاهِرَةُ ۔ ہر چیز کے اوپر کے حصے کو کہتے ہیں ، جیسے ہنسلی اور سینہ وغیرہ ۔ اسی سے اس کے معنی بلندی کے آتے ہیں ۔ جیسے جَبَلٌ قَوَاهِرُ ۔ بلند پہاڑ ۔ اور غلبہ کے معنی بھی ۔ اَلْقَهْرُ ۔ کسی کو مغلوب کرنے کےلئے اوپر سے پکڑ لینا ۔ لہذا اس کے معنی تسلط ۔ اقتدار ۔ غلبہ ۔ گرفت کے ہیں ۔ قَهَرَهٗ ۔ وہ اس پر غالب آگیا ۔ نیز اس کے معنی تابع کرنے کے بھی آتے ہیں ۔ لَحْمٌ مَقْهُوْرٌ ۔ وہ گوشت جسے بھوننے کے لئے آگ پر رکھا جائے اور اس میں سے ہنوز پانی رس رہا ہو* ۔

قرآن کریم میں خدا کی ایک صفت اَلْقَهَّارُ بھی آتی ہے ۔ (۱۲/۱۶) ۔ جَبَّارٌ کے معنی پہلے لکھے جا چکے ہیں (عنوان ج ۔ ب ۔ ر) ۔ یعنی جو ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو قانون کے شکنجے میں کسکر جوڑ دے ۔ اور اَلْقَهَّارُ کے معنی ہونگے وہ جس کا قانون سب پر غالب ہو ۔ جسے کوئی شکست نہ دے سکے ۔ جسے کوئی مغلوب نہ کرسکے ۔ سورۃ انعام میں ہے ۔ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (۶/۱۸) ۔ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے ۔ یہ قہاریت خدا کے تو شایان شان ہے کیونکہ ساری کائنات پر اسی کا غلبہ و اقتدار ہے ۔ لیکن جب کوئی انسان اس قہاریت کا دعویٰ کرے تو اس کا نام فرعونیت ہوتا ہے ۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرعون کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ (۷/۱۲۷) ۔ ''اور ہم ان (بنی اسرائیل) پر غالب ہیں'' ۔ یہ خالص استبداد ہے جس سے قرآن کریم نے منع کیا ہے جب کہا ہے کہ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ (۹۳/۹) ۔ جو معاشرہ میں اکیلا رہ جائے ، اسے بے یار و مددگار سمجھ کر اس پر سختی نہ کرو ۔ نہ ہی اسے ذلیل سمجھو ۔ یتیموں پر سختی نہ کرو ۔ اس ضمن میں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اشیائے کائنات کو اپنے تابع تسخیر کرنا تو بالکل ٹھیک ہے ۔ لیکن کسی انسان کا دوسرے انسان پر استبداد کرنا یا اسے ذلیل سمجھنا ٹھیک نہیں ہے ۔ مگر ظلم کی قوتوں پر غلبہ حاصل کرنا نہایت ضروری ہے ۔ ان معنوں میں یہ صفت جماعت مومنین کےلئے محمود صفت ہوگی اور صفت خداوندی کا عکس ۔ یاد رکھئے ۔ قوت فی ذاتہٖ شر نہیں ہے ۔

*تاج ۔ **راغب ۔

(خدا کی کوئی صفت بھی ، معاذ اللہ ، شر نہیں) ۔ اس کا استعمال اس کے خیر یا شر ہونے کا فیصلہ کرتا ہے ۔ اگر اسے کسی کمزور پر ظلم کرنے کے لئے استعمال کرو تو وہ شر ہے ۔ اور اگر اسے ظالم کا ظلم روکنے کے لئے صرف کرو تو عین خیر ۔ خدا چونکہ خیر ہی خیر ہے ، اس لئے اس کی ہر قوت ، حسن اور تعمیر کے لئے ہوتی ہے ۔ یہی صورت جماعت مومنین کی ہوتی ہے ۔

ق و ب

قَاب* ۔ کمان کے درمیانی حصے (دستے) اور ایک کنارے کا درمیانی فاصلہ ۔ نیز مقدار* ۔

قرآن کریم میں مقام نبوت کے متعلق ہے ۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۔ (۵۳/۹) ایام جاہلیت میں عربوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ ایک دوسرے سے محکم عہد باندھتے تو وہ دو کمانیں لیتے ۔ ایک کو دوسری کے ساتھ ملا دیتے اور اسطرح ان دونوں کا قَاب* ایک کر دیتے ۔ پھر ان دونوں کمانوں کو اکٹھا کھینچکر ایک تیر چلاتے ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا کہ ہم ایک جان دو قالب ہیں ۔ ایک کی رضامندی دوسرے کی رضامندی ہے ۔ جو ایک چاہتا ہے وہی دوسرا چاہتا ہے ۔ ہم دونوں ہم آہنگ زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے ہیں** ۔ قرآن کریم نے نبی کے متعلق بتایا کہ وہ احکام الٰہیہ کا اس قدر متبع ہوتا ہے اور اپنی زندگی کو قوانین خداوندی کے ساتھ اس درجہ ہم آہنگ کر دیتا ہے کہ اس کا اور خدا کا تعلق گویا ان ساتھیوں کا سا تعلق ہو جاتا ہے جنہوں نے قَابَ قَوْسَيْنِ والا عہد کیا ہو ۔ اَوْ اَدْنٰى ۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ قریب تر تعلق ۔ یہی وجہ ہے کہ حق کا استحکام جو نبی کی قوت بازو سے ہوتا ہے اسے خود خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے ۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (۸/۱۷) ۔ بدر کے میدان میں مخالفین حق کو تم نے قتل نہیں کیا اللہ نے قتل کیا تھا ۔ تم نے ان پر تیر نہیں چلائے تھے ، اللہ نے چلائے تھے ۔ نبی اور خدا کا تعلق اسی قسم کی رفاقت اور ہم آہنگی کا تعلق ہے ۔ غالب کے الفاظ میں ۔

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است
اما کشادِ آن ز کمانِ محمدؐ است

یہ مقام نبی کو حاصل ہوتا ہے ۔ اور نبی پھر اس مقصد کے لئے اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت تیار کرتا ہے ۔ اسطرح انسانی دنیا میں خدا کے پروگرام

*تاج و راغب ۔ **بحوالہ روح المعانی ۔

اس جماعت کے ہاتھوں سے تکمیل تک پہنچتے ہیں جو نظامِ خداوندی کے قیام کے لئے وجود میں آتی ہے ۔ حق کا علَم انہی کے ہاتھوں سے بلند ہوتا ہے ۔ یہ اپنے آپ کو وحی خداوندی کے ساتھ اس درجہ ہم آہنگ کر دیتے ہیں کہ ان کے فیصلے اور عمل دنیا میں خیر و شر کا معیار بن جاتے ہیں ، اور ان کی ''تیر اندازی'' خود خدا کی تیر افگنی ہو جاتی ہے ۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے ، خدا اور بندے کا تعلق باہمی رفاقت کا ہے ۔ نبی اکرمؐ کے ارشاد گرامی کے مطابق ، جو حضورؐ نے اپنی حیات ارضی کے آخری سانس میں فرمایا تھا ، خدا رفیق اعلیٰ ہے ۔ انسان کا فریضہ ہے کہ خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل میں سرگرم عمل رہے ۔ خدا کے ساتھ اسی عہد کا نام ایمان ، اور اس پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ ''خدا کا قرب اور رضا جوئی'' ہے ۔ یعنی خدا کے پروگرام سے ہم آہنگ ہو جانا ۔

ق و ت

اَلْقُوْتُ (جمع اَقْوَاتٌ) ۔ اتنی خوراک جس سے انسان زندہ رہ سکے* ۔ قرآن کریم میں ارض کے متعلق ہے ۔ وَ قَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَاتَهَا (۴۱/۱۰) ۔ اس میں خوراک پیدا کرنے کے پیمانے مقرر کر دئے ۔ ایسا قانون بنا دیا جس کی رو سے وہ مختلف موسموں میں خوراک پیدا کرتی چلی جائے ۔

اَلْمُقِیْتُ ۔ محافظ ۔ نگران ۔ وہ جو ہر شخص کو اس کی روزی یا ضرورت کی اشیاء پہنچاتا ہے ۔ وہ جو مخلوقات کو ان کا رزق دیتا ہے* ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں وہ جو کسی چیز کی نگرانی و حفاظت کرے اور اس کی خوراک کا بند و بست کرے** ۔ قرآن کریم میں ہے وَ کَانَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا (۴/۸۵) ۔ اس کے معنی ہوں گے کائنات کی ہر شے کو اسباب زیست بہم پہنچانے والا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی محافظ اور قادر کے بھی ہیں ۔

ق و س

اَلْقَوْسُ ۔ کمان*** آن کریم میں قَابَ قَوْسَیْنِ (۵۳/۹) آیا ہے ۔ اس کے مفہوم کے لئے عنوان (ق ۔ و ۔ ب) دیکھئے ۔

قَاسَ الشَّیْءَ بِغَیْرِهٖ ۔ کسی چیز کا کسی دوسری چیز سے اندازہ کرنا* (نیز ابن فارس) ۔ ویا اس قَاسَ یَقُوْسُ کو قَاسَ یَقِیْسُ پر قیاس کر لیا

*تاج ۔ *راغب ۔ ***تاج و راغب

جائے گا۔ دونوں ہم معنی ہیں ۔ اَلْمِقْوَسُ ۔ وہ جگہ جہاں سے گھوڑے گھوڑ دوڑ کے لئے چھوڑتے ہیں ۔ اس کی اصل یہ ہے کہ وہاں ایک رسی کمان کی شکل کی باندھ دی جاتی ہے اور اس رسی کے پیچھے سے گھوڑوں کو چھوڑا جاتا ہے* ۔

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ (ق ۔ و ۔ س) کا خاصہ شدت اور اجتماع ہے ۔ قَوْسٌ (کمان) میں سختی بھی پائی جاتی ہے اور اس کے دونوں سروں کے ملے ہوئے ہونے کے اعتبار سے اجتماعیت بھی** ۔

ق و ل

قَوْلٌ ۔ زبان سے کچھ کہنا ، خواہ وہ مفرد ہو یا جملہ ہو ۔ جو بات ابھی ذہن میں ہو اور زبان تک نہ لائی گئی ہو اسے بھی قَوْلٌ کہتے ہیں ۔ نیز عقیدے ، خیال اور رائے کو بھی ۔ جیسے قَالَ یَقُوْلُ بِقَوْلِ الشَّافِعِیِّ وغیرہ*** ۔

اس کے مجازی معنی بہت سے آئے ہیں ۔ مثلاً مارنا ۔ غالب آنا ۔ مرجانا ۔ راحت پانا ۔ متوجہ ہونا ۔ وغیرہ*** ۔

تَقَوَّلَ عَلَیْہِ قَوْلاً کے معنی ہیں اپنی طرف سے بات بنا کر دوسرے کی طرف منسوب کرنا (۶۹/۴۴) ۔

دل میں خیال کرنے کے لئے قرآن کریم میں ہے وَ یَقُوْلُوْنَ فِیْ اَنْفُسِہِمْ (۵۸/۸) ۔ قَوْلٌ کی جمع اَقْوَالٌ اور اس کی جمع اَقَاوِیْلُ ہے (۶۹/۴۴) ۔ قِیْلٌ ۔ کہنا ۔ بات چیت ۔ دل کی پکار (۴۳/۸۸) ۔

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ (ق ۔ و ۔ ل) کا خاصہ حرکت کرنا اور پھڑ پھڑانا ہے ۔ قَوْلٌ میں زبان یا ہونٹوں کی حرکت موجود ہوتی ہے** ۔ لیکن جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ، یہ اس کے ابتدائی اور حقیقی معنی ہیں ۔ مجازی طور پر تو دل کے عقیدہ پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہو جاتا ہے ۔

قرآن کریم میں یہ مادہ بے شمار مقامات میں آیا ہے ۔ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے ۔ لیکن ہر مقام پر اس کا مفہوم آسانی سے متعین ہو جائے گا ۔ اس لئے ہمیں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ۔

---

*تاج و راغب ۔ **العلم الخفاق ۔ ***تاج ۔

ق و م

قَامَ - قِيَاماً - کھڑا ہونا - متوازن ہونا - کسی معاملہ کا اعتدال اور توازن پر ہونا - محکم اور استوار ہونا - ثابت اور دائم رہنا - کسی کام کو ہمیشہ کرتے رہنا - رک جانا - کسی جگہ ٹھہر جانا - بارونق ہونا* - اَقَامَ - درست اور سیدھا کیا - کھڑا کیا *-

قَامَ الرَّجُلُ الْمَرْاَةَ وَقَامَ عَلَيْهَا - مرد نے عورت کی کفالت کی ، اسکی ضروریات کو پورا کیا اور ان کا ذمہ دار ہوا - اس کے لئے رسد لایا - قَوَّامٌ - سامان رزق مہیا کرنے والا ، کیونکہ رزق سے معاشرتی زندگی کا توازن قائم رہتا ہے *- اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ (۴/۳۴) کے یہی معنی ہیں - یعنی تقسیم کار کی رو سے مردوں کے ذمہ یہ ہے کہ وہ عورتوں کی ضروریات زندگی کے کفیل ہوں کیونکہ انہیں بچوں کی پرورش اور تربیت میں مصروف رہنا پڑتا ہے - اس کے معنی حاکم یا داروغہ نہیں ہیں - نیز قَوَّمَ الشَّیْءَ کے معنی ہیں کسی چیز کو صحیح طور پر برابر اور ہموار کر دینا یا درست کر دینا*-

قِوَامٌ - عدل و توازن - وہ سامان جس کے ذریعے زندگی گذاری جائے - اتنا کچھ جس سے صرف ضروریات زندگی پوری ہو سکیں -

قِيَامٌ - وہ چیز جس پر کسی معاملہ کا دارو مدار ہو - وہ جس کے سہارے کوئی معاملہ کھڑا رہ سکے - اتنی روزی جو انسان کو کھڑا رکھ سکے - چنانچہ فُلَانٌ قِيَامُ اَهْلِ بَيْتِهٖ کے معنی ہیں فلاں شخص اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرنے والا ہے *-

قَامَةٌ - آدمی کا قد - قد کا متوازن طول - حسن قامت *- قِيْمَةٌ - کسی چیز کا بدل * - جب ایک چیز کی جگہ دوسری چیز رکھدی جائے اور وہ اسکے برابر تصور کر لی جائے ، تو وہ اسکی قِيْمَةٌ ہو جائیگی - اِسْتَقَامَ الْاَمْرُ - کسی معاملہ کا معتدل و متوازن ہو جانا * - مُسْتَقِيْمٌ - معتدل و متوازن - ٹھیک ٹھیک توازن و تناسب لئے ہوئے *- تَقْوِيْمٌ - عدل و توازن برقرار کرنا * - (تَقْوِيْمُ الْبُلْدَانِ - جغرافیہ کے نقشہ کو کہتے ہیں - اور آجکل تَقْوِيْمٌ کا لفظ کیلنڈر ، جنتری ، کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے)** -

مَقَامٌ - کھڑے ہونے کی جگہ *- قَيُّوْمٌ - وَقَيِّامٌ - اپنی مخلوق کے معاملات کی اسطرح تدبیر کرنے والا کہ انکی پیدائش ، اور روزی بہم پہنچانے کا بندوبست کرے اور ان کے رہنے کے مقامات کا علم رکھے - جو ہر چیز

*تاج - **محیط -

پر نگران ہو۔ نیز قَیُّوْم کے معنے قائم بالذات بھی ہیں۔ یعنی جو اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہ ہو، لیکن اس کے بغیر کسی چیز کے قیام کا تصور بھی نہ کیا جا سکے۔ (۲۵۵ ؛ ۳۰/۱۱۱) *** ۔ اَمْرٌ قَیِّمٌ کے معنی ہیں مستقیم و مستوی امر۔ معتدل و متوازن کام * ۔ خُلُقٌ قَیِّمٌ ۔ متوازن اخلاق ۔ دِیْنٌ قَیِّمٌ ۔ ایسا دین جس میں ہر شے متوازن و متناسب ہو۔ کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ۔ وہ مستقیم و متوازن قوانین جو حق کو باطل سے واضح کر دیں *۔ قَوْمٌ ۔ مردوں اور عورتوں کی جماعت ۔ یا صرف مردوں کی جماعت جس میں عورتیں نہ ہوں *۔

مفردات امام راغب میں ہے کہ قِیَامٌ لِلشَّیْءِ سے کسی چیز کی رعایت اور حفاظت مقصود ہوتی ہے اور کبھی قِیَامٌ عزم اور پختہ ارادے کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ اور قِیَامٌ اور قِوَامٌ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز مضبوط اور مستحکم رہ سکے۔ قَیُّوْمٌ ۔ ہر چیز کا نگران ۔ نیز اسے استحکام و توازن بخشنے ، حفاظت کرنے اور وہ تمام چیزیں مہیا کرنے والا جو اسکی بقاء واستحکام کے لئے ضروری ہیں ۔

قِیَامَۃٌ کا اصلی مفہوم ہے انسان کا یکبارگی اٹھ کھڑے ہونا ۔ یہ لفظ قِیَامٌ کے آخر میں ''ۃ'' کے اضافہ سے بنا ہے جس سے مطلب ہے یکبارگی ہونا ۔ القِیَامَۃُ سے مراد اس خاص گھڑی کا واقع ہو جانا ہے جس میں انسان اسطرح یکبارگی کھڑا ہو جائے ۔

اِقَامَۃُ الشَّیْءِ ۔ کسی چیز کا پورا پورا حق ادا کر دینا ۔ نیز الاِقَامَۃُ فِی الْمَکَانِ کسی جگہ جم کر رہنے کے معنوں میں آتا ہے **۔ اس سے مُقِیْمٌ ، ہمیشہ رہنے والے کے لئے آتا ہے ۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ اس لفظ کے بنیادی معنی توازن قائم رکھنے کے ہیں ۔ لہذا اس مادہ سے جتنے الفاظ آئیں گے ان میں یہ بنیادی مفہوم ضرور موجود رہے گا ۔ خواہ یہ توازن جسمانی ہیئت و پیکر کا ہو، یا معاشرتی اور تمدنی توازن ، یا نفسیاتی توازن ۔ جس چیز کا توازن بگڑ جائے وہ قائم (کھڑی) نہیں رہ سکتی ۔ چنانچہ قصۂ حضرت موسیٰؑ کے ضمن میں یتیم بچوں کی دیوار کے متعلق ہے ۔ جِدَاراً یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَہٗ (۱۸/۷۷) وہ دیوار گرا چاہتی تھی تو اس نے اسے قائم (کھڑا) کر دیا ۔ اسی سورہ (کہف) کے شروع میں قَیِّمًا کے پہلے لَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا (۱۸/۱۰۲) سے واضح کر دیا کہ قَیِّمٌ وہی چیز ہو سکتی ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہ ہو ۔ اسی سے دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ (۹۸/۵) اور کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ۔ (۹۸/۳) کے معنی واضح ہیں ۔ خود قرآن کریم کے متعلق ہے کہ وہ ایسی راہ بتاتا ہے جو

*تاج ۔ **راغب۔ ***تاج و لطائف اللغہ

اَقْوَمُ (۱۷/۹) ہے - یعنی سب سے زیادہ سیدھی اور معتدل - اور انسان کے متعلق ہے کہ اسے اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (۹۵/۴) میں پیدا کیا گیا ہے - یعنی بہترین توازن کا حامل - اَلْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ (۲۶/۱۸۲) "سیدھی ترازو" سے مُسْتَقِیْمٌ کے معنی واضح ہیں - یعنی سیدھی راہ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اسقدر متوازن کہ ذرا سی افراط و تفریط بھی اس کا توازن بگاڑ دے - جسطرح سورہ فرقان میں افراط و تفریط کی دو راہوں کے درمیان، اعتدال کی روش کو کَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَاماً (۲۵/۶۷) کہا گیا ہے -

سورہ بقرہ میں مَثْنٰی کے مقابلہ میں قَامَ لاکر (۲/۲۰) بتا دیا ہے کہ اس کے معنی رک جانے اور ٹھہر جانے کے ہیں - نیز ظَعْنٌ (کوچ) کے مقابلہ میں اِقَامَۃٌ سے اس کا مفہوم واضح کر دیا ہے (۱۶/۸۰) - اسی طرح سورہ ہود میں اجڑی ہوئی بستیوں (حَصِیْدٌ) کے مقابلہ میں قَائِمٌ (۱۱/۱۰۰) لاکر یہ واضح کر دیا ہے کہ اسکے معنی آباد اور پر رونق کے ہیں - نیز سَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ (۱۵/۷۶) کے معنی بھی بارونق اور چلتے ہوئے راستے کے ہیں - سورہ تکویر میں لِمَنْ شَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ (۸۱/۲۸) سے صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (۱/۵) پر چلنے کی وضاحت ہو جاتی ہے -

قِیَامَۃٌ کا لفظ قرآن کریم کی ان بنیادی اصطلاحات میں سے ہے جن کا مفہوم بڑا جامع ہوتا ہے - جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، (امام راغب کے قول کے مطابق) اس کا مفہوم ہے ایسا قیام جو یکبارگی واقع ہو جائے - اس دنیا میں قِیَامَۃٌ کسی قوم کی وہ نشاۃِ ثانیہ (حیات جدید) ہے جو انقلاب کی رو سے ظہور میں آئے - یعنی وہ قوم یکبارگی اٹھ کھڑی ہو - اور مرنے کے بعد دوسری زندگی تو ہے ہی ایک انقلابی ظہور - قیامت، آخرت، ساعت، بعث، وغیرہ الفاظ کا مفہوم قرآن کریم کے مختلف مقامات میں سامنے آجاتا ہے - ان مقامات میں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ متن کے اعتبار سے متعلقہ لفظ کے معنی اس دنیا میں انقلاب اور نشاۃِ ثانیہ ہیں یا اخروی زندگی کا بعث و قیام - [شاہ ولی اللہؒ - حجۃ اللہ البالغہ - کتاب الفتن میں لکھتے ہیں کہ "زبانِ شریعت میں حشر کے دو معنی ہیں - ایک ملک شام میں لوگوں کا جمع ہونا - قیامت سے پیشتر یہ واقعہ اسوقت ہوگا جب زمین پر لوگوں کی قلت ہو جائیگی تو بعض لوگ مختلف تقریبوں کی وجہ سے اور بعض لوگ آگ (جنگ) کی وجہ سے وہاں جمع ہونگے* - دوسرے حشر کے معنی ہیں موت کے بعد اکٹھا

* غالباً مغلوں کے شام پر حملہ کیطرف اشارہ ہے جو تیمور کی زبر سر کردگی ہوا تھا - خود شاہ صاحب نے اس کا ذکر چند سطور آگے چل کر کیا ہے -

ہونا "۔] اسی طرح قیامت کا لفظ بھی اس دنیا میں قیام اور موت کے بعد کے قیام کے لئے بولا جائیگا۔

قوم ۔ قومیت ۔ جب انسان نے انفرادی زندگی سے آگے بڑھ کر تمدنی اور اجتماعی زندگی شروع کی تو اس کا آغاز لامحالہ خاندان اور قبیلہ سے ہونا تھا ۔ چنانچہ ایک خاندان (اور خاندان سے آگے بڑھ کر ایک قبیلہ) کے افراد ایک وحدت قرار پا گئے جن میں وجہ جامعیت خون کا رشتہ (یا نسبی تعلق) تھا ۔ جب مختلف گروہوں میں باہمی مفاد کا تصادم ہوا تو ایک گروہ دوسرے گروہ کا دشمن بن گیا ۔ اسطرح ایک قبیلہ کے افراد میں باہمی عصبیت اور دوسرے قبیلہ کے افراد کے خلاف نفرت اور عداوت کے جذبات بیدار ہوگئے ۔ اور یوں انسانی وحدت (مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر) پارہ پارہ ہو گئی ۔ یہ سلسلہ آجتک جاری ہے ۔ دور حاضر کی سیاسی اصطلاح میں اسے قومیت یا نیشنلزم کہتے ہیں ، جس نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے ۔ اس میں صرف اسقدر اضافہ ہوا ہے کہ بعض ممالک میں (ایک نسل کے بجائے) ایک وطن کی چار دیواری میں رہنے والے افراد کو ایک قوم قرار دیدیا جاتا ہے ۔

اسلام نے انسانوں کی تقسیم کا یہ اصول بدل دیا اور کہدیا کہ ایک نظریۂ زندگی کے ماننے والے انسان (بلا لحاظ نسل ۔ زبان ۔ وطن) ایک برادری کے افراد ہیں اور اس کے برعکس نظریہ کے قائل ، دوسری برادری کے افراد ۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں اسے ایمان اور کفر کی تفریق، اور دور حاضر کی اصطلاح میں آئیڈیالوجی کی تمیز کہتے ہیں ۔ لہذا ، قرآن کریم کی رو سے دنیا میں قومیں دو ہی ہیں۔ ایک وہ جو قرآنی ضابطۂ حیات کو صحیح مانتے ہیں اور دوسرے وہ جو اس کے خلاف کسی اور مسلک حیات کے قائل ہیں (۶۴/۳) ۔ جب حضرت نوحؑ سے کہا گیا تھا کہ خود تیرا بیٹا بھی تیرے اپنوں میں سے نہیں (۱۱/۴۶) کیونکہ وہ ایمان نہیں لایا تھا ، تو وہ اسی اصول کا اعلان تھا ۔ اسی طرح جب حضرت لوطؑ سے کہا تھا کہ تیری بیوی بھی تیرے اپنوں میں سے نہیں کیونکہ وہ ان کی جماعت میں داخل نہیں ہوئی تھی ، تو وہ بھی اسی اصول کی بنا پر تھا ۔ جب حضرت ابراھیمؑ نے پہلے اپنے باپ اور پھر ساری قوم سے کہدیا تھا کہ تم میرے اپنے نہیں ہوسکتے جب تک تم خدا پر ایمان نہ لاؤ ، تو وہ بھی اسی حقیقت کا اظہار تھا (۶۰/۴) ۔ اس کے برعکس انہوں نے اس اصل عظیم کا اعلان کیا تھا کہ میرے اپنے وہ ہیں جو میرا اتباع کرتے ہیں (۱۴/۳۶) ۔ اسی معیار کے مطابق ، خدا کے آخری نبیؐ نے ایک عالمگیر برادری کی تشکیل کی جب کہا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (۴۹/۱۰) "سب مومن آپسمیں بھائی بھائی ہیں" خواہ ان کا رنگ ، نسل ، زبان ، وطن ، کوئی بھی ہو۔

یہ ہے صحیح قومیت کا معیار جس کی رو سے قرآن کریم ، انسانوں کی عالمگیر برادری کی تشکیل کرنا چاہتا ہے ۔ اب دنیا ، قومیت کے غلط اصول سے تنگ آکر خود اس حقیقت کی معترف ہو رہی ہے کہ انسانوں کے لئے صحیح وجہ جامعیت ہم آہنگی فکر و نظر (آئیڈیالوجی کی یکسانیت) ہے ، نہ کہ اشتراک رنگ و وطن ۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک دنیا قرآنی اصول زندگی کو اختیار نہیں کرتی عالم انسانیت میں کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا ۔ اسی سے وہ عالمگیر برادری وجود میں آسکتی ہے جو انسانوں کی خود ساختہ حدود و قیود سے بلند ہو کر، وحدت انسانیت کے اصول کی حامل ہوگی ۔ یہی قرآنی معاشرہ کا مقصود و منتہٰی ہے ۔

قرآن کریم نے جماعت مومنین کے مسلک اور روش زندگی کو ''صراط مستقیم'' سے تعبیر کیا ہے (صٰ) ۔ یعنی سیدھی اور توازن بدوش راہ ۔ یہ چیز ایک عظیم حقیقت کیطرف دلالت کرتی ہے ۔ قرآن کریم سے پہلے ، ارباب فکر اور اہل مذاہب ، زندگی کی حرکت کو دوری (Cyclic) تسلیم کرتے تھے ۔ حکمائے یونان نے جب دیکھا کہ آسمان کے مختلف کرے گول ہیں تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ مقصود فطرت ''دائرہ'' ہے ، سیدھا چلنا نہیں ۔ اس اعتبار سے انہوں نے سب سے پہلے یہ نظریہ ایجاد کیا کہ کائنات کی حرکت دوری ہے ۔ یعنی وہ ایک متعین دائرے میں گردش کر رہی ہے ، آگے نہیں بڑھ رہی ۔ اسی سے فیثا غورث نے تناسخ کا نظریہ قائم کیا ۔ یعنی یہ نظریہ کہ انسانی روح ، جون بدل بدل کر ، بار بار اس دنیا میں ، مختلف قالبوں میں آتی ہے ۔ روح کو اس چکر سے نجات مل جانا ، مقصود حیات ہے ۔ یہی تصور ہندؤں کے فلسفہ کی بنیاد ہے اور اسی پر ان کے تصوف (یوگ) کی عمارت بھی استوار ہوتی ہے ۔ یعنی انسانی روح در حقیقت خدا کی روح (پرم آتما) کا ایک جزو ہے جو اپنی اصل سے الگ ہو کر ، زندگی کے چکر میں پھنس چکی ہے ۔ اس کا ان چکروں سے آزادی حاصل کر لینا اور پھر سے اپنے کل سے جا ملنا ، مقصود زندگی ہے ۔ یہی تصور مجوسیوں کے ہاں پایا جاتا ہے اور اسی سے ''وحدت الوجود'' کا نظریہ مستعار لیا گیا ہے جو ہمارے تصوف کی بنیاد ہے ۔ یہی ''چکر'' عیسائیت اور یہودیت میں ملتا ہے ۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر بچہ اپنے اولین ماں باپ (آدم و حوا) کا گناہ ، پیدائشی طور پر اپنے ساتھ لاتا ہے ۔ اگر وہ حضرت مسیح ؑ کے کفارہ پر ایمان لے آتا ہے تو وہ گناہ اس سے دھل جاتا ہے اور وہ جنت میں چلا جاتا ہے ۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے اسلاف سے جو چند دنوں کے لئے (گوسالہ پرستی کی) غلطی ہو گئی تھی اس کی پاداش میں انہیں چند دنوں کے لئے جہنم میں جانا پڑے گا ۔

آپ نے دیکھا کہ ان تمام نظریات کا ماحصل یہ ہے کہ انسانی زندگی کا منتہیٰ اور مقصود وہ کچھ ہو جانا ہے جو وہ پہلے تھی۔ یعنی اس میں آگے بڑھنے یا ترقی کرنے کا سوال نہیں ۔ (As you were) ہوجانا مقصودِ حیات ہے ۔ دوری حرکت (Cyclic Movement) سے یہی مراد ہے۔ یعنی ایک دائرے میں گردش کرتے ہوئے جہاں سے چلے تھے وہیں پہنچ جانا ۔

قرآن کریم نے اربابِ فکر اور اہلِ مذاہب کے اس غلط نظریہ کی تردید کی اور کہا کہ زندگی کولھو کے بیل کی طرح ، ایک دائرے میں گردش کرنے کا نام نہیں ۔ آگے بڑھنے اور بلند ہونے کا نام ہے ۔ خدا ، کائنات کو صراط مستقیم پر لئے جارہا ہے ۔ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۱۱/۵۶)۔ اس میں نت نئے اضافے ہوتے رہتے ہیں ۔ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ (۳۵/۱) ۔ اور انسان کو بھی صراط مستقیم پر چلنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے ۔ اس میں زندگی کی ممکنات (Possibilities) ودیعت کر دی گئی ہیں اور جد و جہد کا وسیع میدان دے دیا گیا ہے ۔ جو شخص ، قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے گا ، اس کی ممکنات ، مشہود ہوتی جائیں گی اور وہ سفر زندگی میں آگے بڑھتا جائیگا ۔ اس طرح اس کا سفر ، ایک دائرے میں نہیں ، بلکہ سیدھے اور متوازن راستے پر ہوگا ۔ اس سے اس کی زندگی کی سطح بلند ہوتی جائے گی اور وہ ارتقائی منازل طے کرتا آگے بڑھتا جائیگا ۔ لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (۸۴/۱۹) ”تم ضرور منزل بہ منزل ۔ درجہ بہ درجہ ۔ بلند ہوتے چلے جاؤ گے“ ۔ اس لئے ، خدا صرف صراط مستقیم (سیدھی اور توازن بدوش) راہ ہی کا مالک نہیں۔ وہ ذِی الْمَعَارِجِ (۷۰/۳) بھی ہے ۔ یعنی ”سیڑھیوں والا“۔ بلندیوں کی طرف لے جانے والا ۔ اس لئے قرآن کریم کی رو سے ، زندگی کا منتہیٰ (As you were) ہو جانا نہیں ۔ بلکہ ارتقائی منازل طے کرکے آگے بڑھتے چلے جانا ہے ۔ کائنات میں خدا کا قانونِ ارتقاء کار فرما ہے ۔

زندگی کی دوری حرکت کا تصور ، عہد کہن کے انسانی ذہن ہی کا مغالطہ نہیں تھا ۔ اس زمانے میں بھی جہاں انسانی فکر نے وحی سے روشنی نہیں لی ، وہ اسی چکر میں پھنس گیا ہے ۔ جرمنی کے مشہور فلاسفر نیٹشے کا ”تکرارِ ازلی“ (Eternal Recurrence) کا نظریہ اسی مغالطہ کا رہین منت ہے۔ ہیگل کا نظریۂ اضداد بھی اسی کا مظہر ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا میں ایک تصور (Idea) پیدا ہوتا ہے۔ پروان چڑھتا ہے۔ جب وہ اپنے شباب پر پہنچتا ہے تو اس میں سے اس کی ضد دوسرا نظریہ پیدا ہو جاتا ہے جو پہلے نظریہ کو ختم کر دیتا ہے ۔ پھر جب یہ دوسرا نظریہ پروان چڑھتا ہے تو اس میں سے اس

کی ضد پیدا ہوتی ہے - تصورات (Ideas) کا یہی چکر ہے جو کائنات میں کارفرما ہے - ہیگل (Hegel) کے متبع مارکس (Marx) نے کہا کہ یہ چکر تصورات میں نہیں بلکہ نظامہائے زندگی (Social Orders) میں کار فرما ہے - دنیا میں ایک معاشی نظام قائم ہوتا ہے - پروان چڑھتا ہے - پھر اس میں سے اس کی ضد دوسرا نظام پیدا ہوتا ہے جو پہلے نظام کے لئے پیغام مرگ بن جاتا ہے - اسی طرح یہ سلسلہ جاری ہے - پہلے نظام سرمایہ داری کا دور دورہ تھا - جب وہ نظام شباب تک پہنچ گیا تو اس میں سے اس کی ضد، نظام اشتراکیت پیدا ہوگیا - اب اس کی باری ہے -

آپ نے غور کیا کہ تنہا عقل انسانی نے جب بھی زندگی کے متعلق کوئی تصور قائم کرنا چاہا ہے تو اس نے اس قدر ٹھوکریں کھائی ہیں - یہ صرف وحی کی روشنی ہے جو انسان کو صحیح نظریہ زندگی عطا کر سکتی ہے - اور وہ نظریہ زندگی ہے ''صراط مستقیم'' پر چلنا - یعنی نہ ایک مقام پر کھڑے رہ کر جامد اور متصلب (Static) ہو جانا، اور نہ ہی دائرے میں گردش کرتے رہنا - بلکہ زندگی کے سیدھے اور ہموار راستے پر چلتے جانا اور اسطرح آگے بڑھتے چلے جانا - ''حرکت اور ارتقاء'' یہ ہے قرآنی نظریہ زندگی کا ماحصل جسے اس نے ''صراط مستقیم'' سے تعبیر کیا ہے -

ق و ی

قُوَّۃٌ - دراصل رسی کے ایک بٹ کو کہتے ہیں** - (جس کی جمع اَلْقُوَیٰ ہے) - حَبْلٌ قَوِیٌّ - مختلف بٹوں والی رسی - یہیں سے اَلْقُوَّۃُ کے معنی قدرت کے ہیں - یہ ضُعْفٌ کی ضد ہے، خواہ جسمانی ہو یا عقلی : اسکی جمع قِوًی اور قُوًی ہے - اَلْقَوِیُّ طاقتور اور قوت والے کو کہتے ہیں - یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، اس لئے کہ کمالِ قوت اور ہر قسم کی طاقت کا وہی تنہا مالک ہے (۵۱/۵۸) - فَرَسٌ مُقْوٍ - طاقتور گھوڑا* -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے ایک بنیادی معنی تو سختی، قوت اور زور کے ہیں لیکن دوسرے بنیادی معنی قلت خیر - یعنی مال و دولت اور عمدہ چیزوں کی کمی کے ہیں - اس اعتبار سے اَلْقَوَاءُ ویران زمین کو کہتے ہیں اور اَلْقَوَیٰ بھوک کو کہتے ہیں - اصل میں اس کے معنی خالی ہونے کے ہیں -

*تاج و محیط - **بٹ کے معنے بھی سمجھ لینے چاہئیں - مثلاً تین باریک رسیوں کو بل دیکر ایک موٹی رسی بنائی جائے - تو ان تین رسیوں میں سے ہر ایک کو اس موٹی رسی کا بٹ کہینگے -

اَقْوَتِ الدَّارُ۔ گھر خالی ہوگیا۔ اس اعتبار سے چٹیل میدان کو بھی اَلْقَوَاءُ کہتے ہیں جو سبزی سے خالی ہو چکا ہو۔ اَلْقَاوِیَۃُ۔ انڈے کے خالی چھلکے کو کہتے ہیں جس سے بچہ نکل چکا ہو۔ اَلسَّنَۃُ الْقَاوِیَۃُ۔ اُس سال کو کہتے ہیں جس میں بارش بہت کم ہوئی ہو۔ اَقْوَی الرَّجُلُ۔ بے آب و گیاہ زمین میں اس کا توشہ ختم ہوا۔ وہ بھوکا اور نادار ہوا۔ اس کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا، خواہ وہ ایسی ناداری کی حالت میں اپنے گھر اور اپنی قوم کے درمیان ہی کیوں نہ ہو*۔

قرآن کریم نے زمین کی پیداوار کے متعلق کہا ہے کہ وہ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ (۵۶/۷۳) ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ معاشرہ کے ان افراد کے لئے ہے جن کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو۔ یعنی زمین کی پیداوار انسانی پرورش کے لئے ہے نہ کہ ذاتی املاک بنا لینے کے لئے۔ صاحب محیط نے مُقْوِیْنَ کے معنی لکھے ہیں وہ جن کے پیٹ یا توشہ دان کھانے سے خالی ہوں**۔ یا وہ لوگ جو بے برگ و گیاہ میدان میں اتریں جہاں کھانے کو کچھ نہ ہو۔ مفہوم دونوں کا ایک ہے۔ یعنی معاشرہ کے ضرورت مند افراد۔ اسی کو دوسری جگہ سَوَاءً لِّلسَّائِلِیْنَ (۴۱/۱۰) کہا گیا ہے۔ یعنی زمین کو تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہئے۔

قُوَّۃٌ۔ کے لئے قرآن کریم میں ہے۔ خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ (۱۹/۱۲)۔ اس ضابطۂ خداوندی کو نہایت مضبوطی سے پکڑو۔ پختہ عزم کرو کہ اس کی تعمیل کرو گے۔ ذُوْ الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنِ (۵۱/۵۸)۔ زبردست قوت والا۔ خدا۔ شَدِیْدُ الْقُوٰی (۵۳/۵)۔

لہٰذا، مومن بھی (حد بشریت کے اندر) صاحب قوت ہوتا ہے۔ کمزور اور ناتواں نہیں ہوتا۔ جو قوم کمزور اور ناتواں ہو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ قرآنی معیار کے مطابق جماعت مومنین نہیں ہے۔ لیکن ان کی قوت دنیا میں نظام عدل و مساوات قائم کرنے کے لئے ہوگی، نہ کہ کمزوروں کو لوٹنے کھسوٹنے اور ناتوانوں کا گلا گھونٹنے کے لئے۔ قوت جب ظالم کا ظلم روکنے کے لئے صرف کی جائے تو خیر ہوگی اور جب مظلوم کو لوٹنے کے لئے استعمال کی جائے تو شر ہوجائیگی۔

ق ی ض

اَلْقَیْضُ۔ انڈے کے اوپر کا خشک اور سخت چھلکا۔ قَیَّضَ۔ کسی کو کسی دوسری چیز کے ساتھ اسطرح لگا دینا کہ وہ اس کے ساتھ چپکی بھی رہے

*تاج و محیط۔ **ابن قتیبہ نے بھی یہی معنی لکھے ہیں (القرطبین - ج/۲ صفحہ ۱۵۵)

اور اس پر غالب بھی رہے ، جسطرح انڈے کا چھلکا اس کی زردی و سفیدی پر مستولی رہتا ہے* ۔ قرآن کریم میں ہے وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ (۴۱/۲۵) ۔ اور ہم نے ان کے لئے ان کے ساتھی لازم کر رکھے ہیں جو ان پر مستولی رہتے ہیں ۔

ق ی ع (ق و ع)

اَلْقَاعُ ۔ ہموار نشیبی زمین جو وسیع ہو اور اس میں نشیب و فراز نہ ہو ۔ نہ اس میں کنکریاں ہوں نہ پتھر اور نہ ہی اس میں درخت پیدا ہوئے ہوں ۔ صاف چٹیل میدان جس میں ٹیلے اور پہاڑ نہ ہوں ۔ قَاعَةُ الدَّارِ ۔ گھر کا صحن یا میدان ۔ صاغانی نے کہا ہے کہ ق ۔ و ۔ ع کی ترکیب کسی جگہ میں پھیلنے پر دلالت کرتی ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جگہ میں کشادگی کے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے قَاعًا صَفْصَفًا (۲۰/۱۰۶) ۔ صاف چٹیل میدان جسکی تمام اونچ نیچ ختم ہو جائے ۔ اس کی جمع قِيْعَةٌ آتی ہے ۔ ویسے قِيْعَةٌ قَاعٌ کے ہم معنی بھی ہے ۔ سورۃ نور میں ہے ۔ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ (۲۴/۳۹) ۔ چٹیل میدان میں سراب کی طرح ۔

ق ی ل

قَالَ ۔ يَقِيْلُ ۔ قَيْلًا ۔ قَيْلُوْلَةً ۔ دوپہر کو سونا ۔ یا دوپہر کے وقت محض استراحت کے لئے لیٹنا ، خواہ اس میں سویا نہ جائے ۔ اَلْقَيْلُ ۔ دودھ جو دوپہر کو پیا جائے ۔ یا دوپہر میں کوئی چیز پینا ۔ اَلْمَقِيْلُ ۔ قیلولہ کرنے کی جگہ** ۔ (۲۵/۲۴) ۔ قرآن کریم میں ہے اَوْ هُمْ قَائِلُوْنَ (۷/۴) ۔ یا جبکہ وہ دوپہر کو آرام کر رہے ہوں ۔

---

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔

ک

کَ (حرف)

کَ ۔ حرف جر ہے ۔ حسب ذیل معنوں کے لئے آتا ہے ۔

(۱) تشبیہ کے لئے۔ اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ (۷/۱۷۹)۔ وہ مویشیوں کی طرح ہیں ۔ ان کی مثل ۔ ان جیسے ۔

(۲) سبب یا مقصد (تعلیل) کے لئے بھی آتا ہے ۔ وَاذْکُرُوْہُ کَمَا ھَدٰکُمْ (۲/۱۹۸)۔ تم اسے یاد کرو (اس کے قوانین کو سامنے رکھو) اس لئے کہ اس نے تمہیں راہ نمائی دی ہے (یہ معانی مرزا ابوالفضل نے اخفش کے حوالہ سے لکھے ہیں) ۔ اگرچہ اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ تم اسے یاد کرو جسطرح اس نے تمہیں ہدایت دی ہے ۔

(۳) کبھی یہ زائد ہوتا ہے ۔ مثلاً لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (۴۲/۱۱) ۔

کَ (ضمیر)

کَ ۔ ضمیر منصوب متصل ہے ۔ واحد مذکر حاضر کے لئے آتی ہے ۔ ضَرَبَکَ ۔ اس نے تجھے مارا ۔

(۲) نیز یہ ضمیر مجرور متصل بھی ہے ۔ غُلَامُکَ ۔ تیرا غلام ۔

قرآن کریم میں ہے اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ (۲/۱۸۶) ۔ ''جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں'' ۔ دوسری جگہ ہے اُسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ (۲/۳۵) ''تو اور تیری بیوی جنت میں رہو'' ۔

کِ (ضمیر)

کِ ۔ ضمیر منصوب متصل ہے ۔ واحد مؤنث حاضر کے لئے استعمال ہوتی ہے ۔ قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کے متعلق ہے اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ (۳/۴۲) ۔ ''اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور پاک کیا'' ۔

(۲) نیز بہ ضمیر مجرور متصل بھی ہے ۔ مثلاً لِذَنْبِكِ (۱۲/۲۹) ۔ ''اپنے قصور کے لئے'' ۔

ك ا س

اَلْكَاْسُ ۔ پینے کا برتن جبکہ اس میں پینے کی چیز موجود ہو ۔ اگر پینے کی چیز موجود نہیں تو اسے کَاْس نہیں کہا جائے گا قَدَحٌ کہا جائے گا* ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے کہا ہے کہ خالی پیالے کو زُجَاجَۃٌ کہا جائیگا ۔ لیکن راغب نے کہا ہے کہ خالی پیالہ یا صرف شراب (پینے کی چیز) کو بھی کَاْس کہدیا جاتا ہے ** ۔ خود تاج نے بھی اسکی تائید کی ہے ۔ قرآن کریم میں کَاْسٍ مِنْ مَعِيْنٍ (۳۷/۴۵) آیا ہے ۔ آب رواں سے بھرا ہوا پیالہ ۔

كَاَنَّ ۔ (حرف)

كَ (تشبیہ) + اَنَّ (تاکید) سے مرکب ہے ۔ اس کا استعمال اس موقع پر ہوتا ہے جہاں تشبیہ بہت قوی ہو ۔ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ (۲۷/۴۲) ۔ اس نے کہا کہ یہ تو بالکل ویسا ہی ہے ۔ گویا وہی ہے ۔ کبھی اس کی تشدید (شد) کو دور بھی کر دیتے ہیں ۔ جیسے كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَا (۱۰/۱۲) گویا ہمیں پکارا ہی نہ تھا ۔ محیط نے لکھا ہے کہ اگر كَاَنَّ کی خبر اسم جامد نہ ہو تو اس کے معنے ظن کے ہوتے ہیں ۔

كَاَيِّنْ

كَاَيِّنْ ۔ کتنے ہی ۔ یہ زیادہ تر تعداد میں ابہام اور کثرت ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے ۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ (۳/۱۴۵) ۔ کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں ۔ یعنی تعداد متعین تو نہیں لیکن کم بھی نہیں ۔

ك ب ب

كَبَّهٗ يَكُبُّهٗ كَبًّا ۔ اس نے اسے اوندھا کر دیا ۔ كَبَّهٗ لِوَجْهِهٖ فَانْكَبَّ ۔ اس نے اسے منہ کے بل گرا دیا تو وہ منہ کے بل گر گیا ۔ كَبْكَبَ الشَّيْءَ ۔ اس نے اس چیز کو اوپر سے نیچے کی طرف گڑھے میں پھینک دیا ۔ كَبْكَبَهٗ ۔ اسے الٹا اور پچھاڑ دیا ۔ اہل لغت نے

*تاج ۔ **راغب ۔

کہا ہے کہ کَبْکَبَ میں بار بار اوندھا ہونے کا تصور پایا جاتا ہے۔ یعنی جس چیز کو پھینکا جائے وہ بار بار اوندھی ہو کر نیچے کی جگہ قرار گیر ہو جائے *۔ اس "قرار گیر ہونے" کا مفہوم اس سے پیدا ہوتا ہے کہ ابن فارس کے نزدیک اس مادہ کے بنیادی معنی اکٹھا کرنے کے ہیں۔ [کَبْکَبَ رباعی ہے اس لئے اسے الگ لکھنا چاہئے تھا لیکن چونکہ بعض ائمۂ لغت نے اسے کبب کے تحت لکھا ہے اس لئے ہم نے بھی یہیں لکھنا مناسب سمجھا ہے]۔

اَلْمُکِبُّ وہ آدمی جس کا سر جھکا ہو اور اس لئے اسکی نگاہیں زمین کیطرف رہیں۔ اَکَبَّ الرَّجُلُ۔ وہ منہ کے بل گر گیا۔ اَکَبَّ الرَّجُلُ عَلٰی عَمَلٍ۔ وہ کسی کام میں لگ گیا *۔

قرآن کریم میں اہل جہنم کے متعلق ہے۔ فَکُبْکِبُوْا فِیْهَا (۲۶/۹۴)۔ انہیں اس میں اوندھے منہ ڈالا جائے گا۔ (خاسر و نامراد اور ذلیل و خوار)۔ سورہ نمل میں ہے۔ فَکُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ۔ (۲۷/۹۰) انہیں اوندھا کرکے داخل جہنم کر دیا گیا۔ سورہ ملک میں مَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖ کے مقابل میں ہے، مَنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۶۷/۲۲)۔ اس سے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس غلط روش پر چلنے والے جو تباہیوں اور بربادیوں کی طرف لے جائے۔ اوندھی کھوپڑی کے لوگ جو ذرا عقل و بصیرت سے کام نہ لیں اور سر نیچا کئے، بلا سوچے سمجھے، غلط راستے پر چلتے جائیں۔ ان کے مقابلہ میں وہ لوگ ہیں جو صحیح، سالم سیدھے متوازن راستے پر چلے جائیں۔

ک ب ت

کَبْتٌ۔ کے اصلی معنی کَبَّ کے آتے ہیں۔ یعنی منہ کے بل گرا دینا۔ رسوا اور ذلیل کر دینا۔ شکست دیکر لوٹا دینا۔ ازہری نے کہا ہے کہ کَبْتٌ کی اصل کَبْدٌ ہے۔ (دال کو تاء سے بدل دیا گیا ہے) جس کے معنی جگر ہیں جو غیظ و غضب کا مخزن ہے۔ لہذا اس کے معنی ہیں دشمن کو اسکے غیظ و غضب سمیت لوٹا دینا **۔ راغب نے لکھا ہے کہ اسکے معنی کسی کو تشدد اور تذلیل کے ساتھ واپس کر دینے کے ہیں ***۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ذلیل کرنے اور کسی چیز سے ہٹا دینے اور پھیر دینے کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے اَوْ یَکْبِتَهُمْ (۳/۱۲۶) یا انہیں ذلیل کر دے گا۔

*تاج۔ راغب۔ محیط۔ **تاج۔ ***راغب۔

سورہ مجادلہ میں ہے ۔ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۵۸/۵) جسطرح ان سے پہلے لوگ جو حق کی مخالفت کیا کرتے تھے ، ذلیل و خوار ہوئے تھے ، اسی طرح یہ بھی ذلیل و رسوا کئے جائیں گے ۔

ك ب د

اَلْكَبْدُ ۔ وَالْكَبِدُ وَالْكَبِيدُ ۔ جگر ۔ اَلْكُبَادُ ۔ درد جگر ۔ اَلْكَبَدُ ۔ مشقت ۔ سختی ۔ ٹیلہ یا آسمان کا وسط ۔ نیز اس کے معنی استقامت اور اعتدال کے آتے ہیں * ۔ راغب نے كَبَدٌ بمعنی كُبَادٌ یعنی درد جگر بھی لکھا ہے ** ۔ قرآن کریم میں ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ (۹۰/۴) فراء نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انسان کو ایسا پیدا کیا ہے کہ اس میں پورا پورا اعتدال اور تناسب ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انسان کو ایسا پیدا کیا ہے کہ وہ تمام مشکلات اور موانع کا مقابلہ کر سکتا ہے * ۔ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے انسان کو اسطرح پیدا کیا ہے کہ اس کی ذات کی نمود اور نشو و نما سختیوں سے تصادم میں ہوتی ہے ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں شدت اور قوت کے بتائے ہیں ۔

ك ب ر

كِبْرٌ اور كُبْرٌ کے معنی ہیں بڑا ہونا ۔ صِغَرٌ کی ضد ہے ۔ اَلْكَابِر اور اَلْكَبِيْرُ ۔ بڑا ۔ واضح رہے کہ كَبُرَ کے معنی ہیں بڑا ہونا (مرتبہ یا جسامت وغیرہ میں) اور كَبِرَ کے معنی ہیں معمر ہونا ۔ اَلْكِبْرُ ۔ کسی چیز کا بڑا حصہ ۔ وَ الَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ (۲۴/۱۱) ۔ ان میں سے جس نے اس معاملہ کا بڑا حصہ اپنے سر لیا ۔ یعنی جس شخص پر اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے ۔ كِبْرِيَاءٌ کے معنی حکومت اور مملکت کے ہیں ۔ اس کا مفہوم ، آج کی اصطلاح میں ، حاکمیتِ اعلیٰ (Sovereignty) ہے ۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ وَ لَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۴۵/۳۷) ''ارض و سما (جملہ کائنات) میں اقتدارِ اعلیٰ صرف خدا کا ہے ۔ وہ (بڑے) غلبہ والا ، حکمت والا ہے'' ۔ وہ اَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ہے (۹۵/۸) ۔ یہی مفہوم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ہے ۔ یہی اقتدار خدا کے علاوہ کسی اور کا نہیں ۔

---

*تاج و محیط ۔ **راغب ۔

جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو حق کی دعوت دی تو اس نے (اسکی قوم نے) کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ تمہارا منشاء کیا ہے - تم (دونوں بھائی) چاہتے ہو کہ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْاَرْضِ (۱۰/۷۸) - ''ملک میں اقتدار اعلیٰ تم دونوں کا ہو جائے'' -

تَكَبَّرَ اور اِسْتَكْبَرَ کے معنی ہیں بڑا بننا - سرکشی اختیار کرنا - اَبیٰ وَ اسْتَكْبَرَ (۲/۳۴) - كَبُرَ عَلَيْهِ الْاَمْرُ - معاملہ اس پر شاق گذرا - گراں گزرنے کے معنوں میں (۳/۵۹ و ۱۰/۷۱ و ۴۲/۱۳) میں آیا ہے - اَلْكَبِيْرُ - سردار - نیز معلم اور استاد کو بھی کہتے ہیں - اَكْبَرَتِ الْمَرْاَةُ - اس وقت کہتے ہیں جب عورت کو حیض آجائے - اور اَكْبَرَ الرَّجُلُ جب مرد کو ''سادہ مردمیت'' آنے لگے - چنانچہ اول الذکر معانی کی رو سے مجاہد نے کہا ہے کہ سورۃ یوسف میں جو ہے کہ جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا - اَكْبَرْنَهٗ (۱۲/۳۱) - تو اس کے معنی ہیں انہیں حیض آگیا (یا سادہ خارج ہوگیا) - یعنی اَكْبَرْنَ کے معنی ہیں حِضْنَ - اور ہاء وقف کیلئے ہے * - لیکن ہمارے نزدیک یہ مفہوم بے معنی اور رکیک ہے - اس کے معنی صاف ہیں کہ جب ان عورتوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھا تو انہیں بہت بڑا پایا -

قرآن کریم میں اِسْتَكْبَرَ ، سجدہ اور اطاعت کے مقابلہ میں آیا ہے - (۲/۳۴ و ۷/۳۶) - اور ضعیف اور کمزور لوگوں کے مقابلہ میں بھی لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا (۷/۷۵) آیا ہے - آدمؑ نبی کے مقابلہ میں اَكْبَرُ (۲۰/۱۱۶) میں آیا ہے -

سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا - اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ (۱۷/۵۱) - یا کوئی اور ایسی مخلوق جس کے متعلق تم خیال کرتے ہو کہ اس کا زندہ ہونا بہت ہی مشکل ہے -

اَلْمُتَكَبِّرُ (۵۹/۲۳) - خدا کی صفت ہے - تمام عظمتوں اور بڑائیوں کا مالک - اور چونکہ خدا کی صفات کو اپنے اندر منعکس کرنا مومن کی اصل زندگی ہے اس لئے اس معنی میں مُتَكَبِّر ہونا مستحسن ہے - (معیوب نہیں) یعنی —

مومنے بالائے ہر بالا ترے غیرت او بر نتابد همسرے

اسی کو قرآن کریم نے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (۳/۱۳۸) کہا ہے - تکبر وہ بُرا ہے جس کی رو سے انسان یہ چاہے کہ بغیر تعمیری نتائج پیدا کئے لوگوں

* تاج -

سے اپنی بڑائی منوائے - يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (۷/۱۴۶)۔ یہ استبداد ہے -

لیکن اگر اس کا مفہوم اقتدار اعلیٰ لیا جائے تو پھر ''تکبر'' کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ صرف خدا کے لئے مختص ہوگا - اس اعتبار سے آیت (۷/۱۴۶) کے معنی یہ ہونگے کہ تکبر (اقتدار اعلیٰ) صرف اَلْحَقّ کے ساتھ ہوسکتا ہے - یعنی اقتدار اعلیٰ صرف قوانین خداوندی کو حاصل ہوسکتا ہے - کسی انسان کو نہیں - کَبِیْر کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی کے نیچے نہ رہنا - یہ بھی انسان کے لئے جائز نہیں کیونکہ اسے قوانین خداوندی کے تابع رہنا چاہئے -

کُبَّار - بہت ہی بڑا (۷۱/۲۲)۔ اَلْکُبَرُ - بہت بڑی مصیبتوں - (۷۴/۳۵)۔ سورۃ مدثر میں ہے کہ نبی اکرم سے کہا گیا ہے کہ قُمْ فَاَنْذِرْ (۷۴/۲) اُٹھ ، اور لوگوں کو ان کی غلط روش زندگی کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کردے - اس کے بعد ہے - وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (۷۴/۳) - پہلا حصہ (یعنی لوگوں کو ان کی غلط روش سے باز رکھنا) تخریبی یا تمہیدی تھا - یہ دوسرا حصہ مثبت یا تعمیری ہے - یعنی ایسا نظام قائم کردے ، ایسی صورتِ حالات پیدا کر دے ، ایسا نقشہ جمادے ، ایسا معاشرہ متشکل کردے ، کہ جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ فی الحقیقت خدا کا قانون اور اس کا نظام تمام قوانین و نظام ہائے عالم سے بلند و برتر ہے - نظری اعتبار سے تو دنیا کی ہر قوم یہی کہتی ہے کہ ہمارا نظام (یا مذہب) سب سے اونچا ہے - لیکن تم ایسا کرکے دکھا دو جس سے ہر شخص بےساختہ پکار اٹھے کہ بےشک ہر قسم کی عظمتیں اور بڑائیاں قانون خداوندی کے لئے ہیں - اسی کو وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا کہا گیا ہے (۱۷/۱۱۱) - اور وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ اَكْبَرُ (۲۲/۳۷) - اذان اور صلوٰۃ میں اللّٰهُ اَكْبَرُ* اسی حقیقت کا اعلان ہے کہ دنیا میں سب سے اونچا ، بڑا ، اور غالب نظام صرف خدا کا نظام ہے جس کے قیام اور استحکام کے لئے ہم اٹھے ہیں - یہی وہ اعلان (تَكْبِيرٌ) تھا جس سے ، نبی اکرم کی مدنی زندگی کے دس سالہ دور میں ، اسلامی مملکت میں قریب پونے تین سو مربع میل یومیہ کے حساب سے وسعت ہوتی گئی تھی - اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کا رقبہ قریب بائیس لاکھ مربع میل تک پھیل گیا تھا - اور قرآنی نظام ، ایرانی

*یہ لفظ (اکبر) خدا کے لئے قرآن کریم میں نہیں آیا - لیکن اس کے اکبر ہونے میں کیا شبہ ہے - اکبر ہے ہی وہی -

اور رومی نظاموں پر غالب آگیا تھا - غور کیجئے کہ کس قدر عظیم القدر تھا یہ اعلان اور عزم جو آج ایک بے روح رسم بن کر رہ گیا ہے - اقبال نے کسقدر صحیح کہا ہے کہ

ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

ک ت ب

کَتَبَ - عرب اپنی اعلیٰ نسل کی اونٹنیوں کی شرمگاہ میں لوہے کا چھلہ سا ڈال دیتے تھے تاکہ وہ ہر قسم کے اونٹوں سے حاملہ نہ ہونے پائیں - اسے کَتَبَ النَّاقَۃَ کہتے تھے - ابن فارس نے بھی اس معنی کی تائید کی ہے - ہمارے ہاں گھوڑیوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں - اسی طرح جب وہ اونٹنی کے نتھنوں کو چمڑے کے باریک تسمہ سے سی کر بند کر دیتے تھے تاکہ وہ اپنے بچہ کو سونگھ نہ سکے تو اسے بھی کَتَبَ کہتے تھے* - اسی سے مشکیزہ یا بوری کے منہ کو سی کر بند کر دینے کے لئے بھی کَتَبَ کہتے تھے - یہیں سے لفظ کِتَابٌ ہے ، جس سے مراد منتشر اوراق کی حلقہ بندی کرکے انہیں اس طرح مجتمع اور یک جا کر دینا تھا جس طرح بوری میں سامان بند کرکے اسے اوپر سے سی دیا جاتا ہے - ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں - اس سے کِتَابٌ کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے -

اس سے ظاہر ہے کہ جب قرآن کریم نے اپنے آپ کو کِتَابٌ کہا ہے تو قرآن کریم منتشر اوراق یا کھجوروں کے پتوں یا ہڈیوں کے ٹکڑوں پر بکھرا ہوا نہیں تھا ، بلکہ ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب و مدون تھا - منتشر حالت میں اسے کِتَابٌ کہا ہی نہیں جاسکتا تھا -

کُتُبٌ - چونکہ منتشر خیالات کو لکھ کر ایک جگہ محفوظ کیا جاتا ہے اسلئے کَتَبَ کے معنی ''اس نے لکھا'' ہوگئے - اور اِکْتَتَبَ کے معنی ہیں اس نے خود لکھا یا کسی سے لکھوایا یا کسی سے کہا کہ وہ بولتا جائے اور یہ لکھتا جائے (۲۵/۵) - راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنے گھڑلینے کے ہیں -

کِتَابٌ کے معنے فیصلہ اور حکم کے بھی آتے ہیں* - قرآن کریم میں کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ (۲/۱۷۸) - یا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ (۲/۱۸۳) - فرض اور ضروری قرار دینے کے معنوں میں آیا ہے - یعنی جو کام قانوناً

لازم قرار دیا جائے۔ اسی لئے مجموعہ قوانین کو کِتَاب* کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں گوناگوں احکام و اوامر جمع ہوتے ہیں۔ ابن فارس نیز صاحب لطائف اللغۃ نے بھی اَلْکِتَابُ کے معنی اَلْفَرْضُ اور اَلْحُکْمُ لکھے ہیں۔ لہذا، جب قرآن کریم کو کِتَاب* کہا گیا ہے تو اس کے معنی ضابطہ قوانین کے ہیں۔

سورۃ نور میں ہے وَ الَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتٰبَ (۲۴/۳۳) یعنی (تمہارے غلاموں میں سے) جو آزادی حاصل کرنے کے لئے معاہدہ کرنا چاہئیں۔ تحریر مانگیں۔ (۲۴/۳۳) میں حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَہٗ کے معنی ہیں جب عدت کی حد جو از روئے قانون خداوندی مقرر ہو گئی ہے، اپنی آخری میعاد تک پہنچ جائے۔

سورۃ یونس میں ہے لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ* (۱۰/۴۹)۔ ''ہر قوم کے لئے ایک میعاد ہے''۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر قوم کے مقدر میں یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اس نے اتنی مدت تک عروج حاصل کرنا ہے اور اس کے بعد ختم ہو جانا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ لِکُلِّ اَجَلٍ کِتٰبٌ* (۱۳/۳۸) ہر میعاد کے لئے خدا کا ایک قانون ہے۔ یعنی قوموں کی موت اور حیات خدا کے قانون کے مطابق متعین ہوتی ہے۔ جو قوم چاہے اس قانون کے مطابق اپنی میعاد کو بڑھالے۔ جو چاہے اسے گھٹالے۔ خدا کی طرف سے صرف قانون مقرر ہے۔ اس قانون کے مطابق اپنی مدتِ حیات کو گھٹانا بڑھانا، ہر قوم کے اپنے اختیار میں ہے۔

اسی طرح سورۂ آلِ عمران میں ہے مَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (۳/۱۴۴)۔ کوئی شخص خدا کے قانون (طبعی) کے بغیر مر نہیں سکتا۔ یہی قانون اس کی میعاد کا تعین کرتا ہے۔ وَ مَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ (۳۵/۱۱)۔ عمر کا گھٹنا بڑھنا، خدا کے مقرر کردہ قانونِ طبعی کے مطابق ہوتا ہے۔ اس قانون کا علم انسان کو دیدیا گیا ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس کے مطابق اپنی عمر بڑھالے، جس کا جی چاہے اسے گھٹالے۔ (انسان جب جی چاہے خودکشی کر کے مر سکتا ہے۔ اور بد پرہیزی سے اپنی عمر کم کر سکتا ہے)۔ لیکن جب (اس قانون کے مطابق) کسی کی مدتِ عمر کا خاتمہ ہو جائے تو پھر اس کی موت میں تاخیر نہیں ہو سکتی (۶۳/۱۱)۔

تفسیر المنار میں ہے کہ کِتَاب* بمعنی مَکْتُوب* ہے۔ یہ اسم جنس ہے ان چیزوں کے لئے جو لکھی جائیں۔ اور ذٰلِکَ الْکِتَابُ (۲/۲) سے اشارہ کرنے میں

حکمت یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے صرف قرآن کریم ہی لکھنے کا حکم فرمایا تھا * ۔ قرآن کریم کے علاوہ اور کچھ لکھنے کا حکم نہیں تھا ۔ لہذا مکتوب صورت میں صرف قرآن کریم ہی موجود تھا جسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

قرآن کریم میں کِتاب* کا لفظ قانونِ خداوندی یا ضابطہٗ قوانین خداوندی کیلئے آیا ہے ۔ اور چونکہ قرآن کریم خود ضابطہٗ قوانین الٰہیہ ہے اسلئے یہ کتاب اللہ ہے ۔ یعنی قوانین خداوندی کا مجموعہٗ مرتب اور محفوظ شکل میں ۔

قرآن کریم کی تعلیم کا بنیادی نقطہ قانونِ مکافاتِ عمل ہے ۔ یعنی یہ قانون کہ انسان کا کوئی عمل بلا نتیجہ نہیں رہ سکتا ۔ قرآن کریم میں اس نکتہ کی وضاحت مختلف انداز سے کی گئی ہے ۔ سورہٗ انفطار میں ہے وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۔ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۔ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (۸۲/۱۰-۱۲) تم پر (خدا کی طرف سے) ایسی قوتیں مسلط ہیں جو تمہیں ہر طرح اپنی نگرانی میں لئے ہیں ۔ وہ ''معزز لکھنے والے'' ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ تم کیا کرتے ہو ۔ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ کی تفسیر يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ نے کردی ۔ یعنی علم رکھنے والے ۔ جاننے والے ۔ ان معنوں میں یہ لفظ (كُتُبٌ) اور جگہ بھی آیا ہے ۔ مثلاً سورۃ طور میں ہے اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ (۵۲/۴۱) ۔ یہاں يَكْتُبُوْنَ کا مفہوم ''جاننا'' ہے ۔ یا سورۃ انبیاء میں ہے وَ اِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ (۲۱/۹۴) ۔ سورۃ نمل (۲۷/۲۸) میں كِتَاب* کا لفظ خط کے لئے آیا ہے ۔ یہی وہ کتاب (چٹھی) ہے جس کے علم کا ذکر (۲۷/۳۰) میں آیا ہے ۔

قرآن کریم میں كِتَاب* اور حِكْمَت* آیا ہے ۔ اور دونوں کو منزل من اللہ کہا گیا ہے ۔ (دیکھئے عنوان ح ۔ ک ۔ م) ۔ كِتَاب* کے معنی ہیں قانون ۔ اور حِكْمَت* کے معنی ہیں اُس قانون کی غرض ، غایت ، مقصد ، نتیجہ ۔ (The why of it) ۔ مثلاً كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کے بعد ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۲/۱۸۳) ۔ تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں (یہ كِتَاب* یا قانون ہے ۔ اور) لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ تاکہ تم تقویٰ شعار ہو جاؤ ۔ اس قانون کی حکمت ہے ۔ یعنی اس قانونِ خداوندی سے مقصد یہ ہے ۔ اس کی غایت یہ ہے ۔ اس کی عِلت یہ ہے ۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ تم ایسے ہو سکو ۔ قرآن کریم نے قانون کے ساتھ اس کی حکمت (یعنی نتیجہ) کو بھی خود ہی بیان کر دیا تاکہ ہم ہر وقت دیکھتے رہیں کہ قانون کا منشاء پورا ہو رہا ہے یا نہیں ۔ اگر قانون پر عمل پیرا ہونے سے وہ نتیجہ

*تفسیر المنار ج/۱ ۔ صفحہ ۱۲۳ ۔

مرتب ہو رہا ہے جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس قانون پر صحیح معنوں میں عمل ہو رہا ہے - لیکن اگر اس سے وہ نتائج مرتب نہیں ہو رہے تو پھر سمجھ لیجئے کہ اس قانون کی محض رسم پوری ہو رہی ہے ، فی الحقیقت اس پر عمل نہیں ہو رہا - یہ ایک بہت بڑی حقیقت تھی جسے قرآن کریم نے بیان کیا تھا - اسی کے نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے کہ ہماری نمازیں اور روزے اس طرح بے نتیجہ رہ گئے ہیں - اور ہم انہیں اسی طرح ادا کئے جا رہے ہیں ، اور مطمئن ہیں کہ اگر ان کے نتائج یہاں مرتب نہیں ہوئے تو نہ سہی ، ان کا پھل آخرت میں جا کر ملے گا - حالانکہ قرآن کریم نے ان کے نتائج اسی دنیا میں مرتب ہونے کا بھی کہا ہے اور آخرت میں بھی - اگر ان کے نتائج (قرآن کریم کے بیان کے مطابق) اس دنیا میں مرتب نہیں ہو رہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ ان پر ٹھیک ٹھیک عمل نہیں ہو رہا - لہذا ان کے نتائج آخرت میں بھی مرتب نہیں ہونگے -

کِتَاب* اور حِکْمَت* (قانون اور اس کے نتائج) دین کا بنیادی نقطہ ہے - یعنی قرآن کریم اور اس پر عمل پیرا ہونے کے درخشندہ نتائج جو اس دنیا میں سامنے آ جاتے ہیں اور جن کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے - اس لئے جہاں قرآن کریم سے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ فلاں معاملہ میں خدا کا حکم (قانون) کیا ہے وہاں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس حکم (قانون) پر عمل پیرا ہونے سے نتیجہ کیا برآمد ہوگا - اگر قرآن کریم سے یہ معلوم اور متعین کر لیا جائے اور پھر ہم اس کے مطابق اپنا (انفرادی اور اجتماعی) محاسبہ کرتے جائیں تو ہمیں ہر وقت معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم پر ٹھیک ٹھیک عمل ہو رہا ہے یا نہیں - اگر ایسا نہ کیا جائے تو نفس کا جھوٹا اطمینان غلط عمل کو بھی صحیح بنا کر دکھا سکتا ہے -

ک ت م

کَتْم* کے معنی ہیں چھپانا - رَجُل* کَتُوْم* - راز کو چھپانے والا آدمی - سِرّ* کَاتِم* - پوشیدہ اور چھپا ہوا راز* - قرآن کریم میں کَتْم* - بمقابلہ اِبْدَاء* آیا ہے (۲/۲۷۱) - نیز اِخْرَاج* (باہر نکالنے) کے مقابلہ میں - (۲/۸۴) - نیز بَیَّنَ* (ظاہر کرنے) کے مقابلہ میں (۳/۱۸۷ ؛ ۲/۱۵۹) - اور جَہْر* کے مقابلہ میں بھی (۲۰/۱۱۰) - اس سے کَتْم* کے معنی واضح ہو جاتے ہیں - صاحب لطائف اللغۃ نے لکھا ہے کہ کَتْم* معانی کے پوشیدہ رکھنے کو کہتے ہیں اور سَتْر* محسوس اشیاء کے پوشیدہ رکھنے کو -

*تاج -

سورہ آل عمران میں ہے لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ (۳/۷۱) ۔ تم حق کو باطل کے ساتھ ملاتے کیوں ہو۔ اور حق کو چھپاتے کیوں ہو؟ یعنی حق کی باطل کے ساتھ آمیزش بھی جرم ہے اور حق کو چھپانا بھی جرم ۔ حق کو ہمیشہ بلا آمیزش رکھنا چاہئے اور اسے ظاہر کرتے رہنا چاہئے ۔ قرآن کریم حق بلا آمیزش ہے ۔ لہذا قرآن کریم کے ساتھ کسی اور چیز کو نہیں ملانا چاہئے ۔ اور اسے نکھار اور ابھار کر سامنے لانا چاہئے ۔

ک ث ب

اَلْكَثْبُ ۔ کسی چیز کو اکٹھا کرنا اور ڈھیر بنا دینا ۔ پانی وغیرہ کو اوپر سے گرا دینا ۔ اِنْكَثَبَ الرَّمْلُ ۔ ریت اکٹھی اور مجتمع ہو گئی ** ۔ اَلْكَثِيْبُ ۔ ریت کا ٹیلہ ۔ اَلْكَثْبَاءُ ۔ مٹی * ۔ قرآن کریم میں ہے کہ انقلاب عظیم کے وقت یہ بڑے بڑے سردارانِ قوم (جِبَالٌ) كَثِيْبًا مَّهِيْلًا (۷۳/۱۴) ہو جائیں گے ۔ یعنی ایسے ریت کے تودے جو نیچے سے سرکتے ہوئے چلے جائیں اور اس طرح رفتہ رفتہ اپنا مقام چھوڑ کر نیچے گر جائیں ۔ اَكْثَبَ الصَّيْدُ کے معنی ہیں شکار ، شکاری کے ہتھے پر آگیا ۔ (ابن فارس و راغب)

ک ث ر

كَثْرَةٌ ۔ قِلَّت کی ضد ہے ۔ اسکے معنی ہیں زیادہ ہونا ، فراوانی ، بہتات ۔ اَكْثَرَ الرَّجُلُ ۔ آدمی بہت مالدار ہو گیا ۔ اِسْتَكْثَرَ مِنَ الشَّيْءِ ۔ کسی چیز میں سے زیادہ لینے کی رغبت کرنا * ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (۷۴/۶) ۔ زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کر۔ اَلْكَوْثَرُ ۔ ہر چیز جو کثیر ہو ۔ خیر کثیر ۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنی تفسیر المقام المحمود میں لکھا ہے کہ الکوثر سے مراد خود قرآن کریم ہے ، کیونکہ حکمت کو خدا نے خیر کثیر کہا ہے اور قرآن کریم سرتاپا حکمت ہے ۔ چنانچہ جب نبی اکرمؐ اور آپ کی جماعت پر مخالفین کی طرف سے دنیا تنگ کی جارہی تھی اور حالات سخت نامساعد ہو رہے تھے ، حتکہ نظر آتا تھا کہ آپ کو اپنا وطن تک بھی چھوڑنا پڑیگا ، توعین اس عسرت کے زمانہ میں آپ سے کہا گیا کہ آپ اطمینان رکھیں ، نظام خداوندی کی تشکیل

*تاج ۔ **محیط ۔

کا ابتدائی دور عنقریب ختم ہوا چاہتا ہے ۔ اس کے بعد اس کے نتائج مرتب ہونے شروع ہو جائیں گے اور تمہیں زندگی کی خوش گواریاں بڑی افراط سے ملینگی ۔ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (۱۰۸/۱) ۔ چنانچہ ہجرت کے بعد کی زندگی میں یہ وعدہ حقیقت ثابتہ بنکر سامنے آگیا ۔

یہ خیال بھی ہے کہ عبرانی زبان میں کوثر حلال ذبیحہ کو کہتے ہیں ۔ (چنانچہ یہودیوں کا ذبیحہ اب بھی کوشر کہلاتا ہے) اور کوثر اسی سے معرب ہے ۔ اس اعتبار سے اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (۱۰۸/۱) کے معنی ہونگے "ہم نے تجھے (اونٹ) بطور حلال ذبیحے کے عطا کیا" ۔ (اس کی وضاحت کے لئے دیکھئے عنوان ، ن ۔ ح ۔ ر) لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس کے معنی خیر کثیر زیادہ موزوں ہیں ۔

کَثُرَ ۔ بہت ہونا۔ زیادہ ہونا (۳/۷) ۔ کَثَّرَ ۔ بڑھانا ۔ زیادہ کر دینا ۔ (۸۶/۶) ۔ اَکْثَرَ ۔ زیادہ کرنا ۔ (۱۱/۳۴) ۔ تَکَاثُرٌ ۔ ایک دوسرے سے مال و دولت میں بڑھنے کی کوشش کرنا (۱۰۲/۱) ۔ اِسْتَکْثَرَ ۔ بہت زیادہ حاصل کر لینا (۶/۷۴) ۔ بہت فائدہ اٹھا لینا (۶/۵۳) ۔

قرآن کریم میں ہے اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ (۱۰۲/۱) ۔ ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی ہوس تمہیں زندگی کے مقصد سے غافل کر دیتی ہے ۔ قرآن کریم کی رو سے مال و دولت زندگی کی زینت کا باعث ہیں (۳/۱۴) اس لئے ان کے حصول کی خواہش کوئی بری بات نہیں ۔ لیکن زندگی کا مقصد یہ قرار دے لینا کہ ہم زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹتے چلے جائیں تاکہ ہم دوسروں سے بڑھ جائیں اور ان کے مقابلہ میں فخر کر سکیں (۵/۳۶) بڑی پست سطح کی ذہنیت ہے ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ جب انسان میں اس قسم کی خواہش پیدا ہو جائے تو کوئی مقام ایسا نہیں آتا جہاں پہنچکر اس کی ہوس کی تسکین ہو جائے ۔ انسان ساری عمر اس میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے ۔ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۱۰۲/۲) حتکہ یہ قبر تک پہنچ جاتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ ایک دوسرے سے بڑھنے کا جذبہ بھی معیوب نہیں لیکن اس کا میدان اور ہے ۔ تم ایک دوسرے سے بڑھنا چاہتے ہو تو ذاتی جوہر اور نوع انسان کی عالمگیر بھلائیوں کے کام میں بڑھنے کی کوشش کرو جس کا نتیجہ جنت کی زندگی ہے (۸۳/۲۶) ۔ مال ، مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے ۔ مقصود بالذات نہیں ۔ حتکہ انسان کی پوری طبیعی زندگی ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ (Means) ہے ۔

*تاج ۔

بجائے خویش مقصد (End) نہیں ۔ مال (یا طبیعی زندگی) کو مقصود بالذات اور زندگی کا منتہٰی سمجھ لینا بڑی غلطی ہے ۔ مقصود، انسانی ذات کا نشوونما ہے جو عالمگیر انسانیت کی ربوبیت سے ہوتی ہے ۔ مال کو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ رہنا چاہیئے ۔

ک د ح

اَلْکَدْحُ ۔ سعی و مشقت ۔ کوشش۔ سعی پیہم، مسلسل جدوجہد۔ کَدَحَ رَاْسَہٗ بِالْمُشْطِ ۔ اس نے کنگھے سے اپنے بالوں کو سلجھایا ۔ کَدَحَ لِعِیَالِہٖ ۔ اس نے بڑی دوڑ دھوپ سے اپنے اہل و عیال کے لئے کمایا* ۔ اس میں دراصل ایسی مشقت کا پہلو ہوتا ہے جو جگر پاش ہو ۔ کیونکہ ''بِہٖ کَدْحٌ'' کے معنی ہوتے ہیں اس پر ذرا گہرا زخم لگا ہوا ہے* ۔

قرآن کریم میں ہے یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ (۸۴/۶) ۔ اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ ''جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا حساب آسان ہوجائیگا اور وہ اپنے ساتھیوں کی طرف خوش و خرم واپس آجائیگا ۔ لیکن جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے سے دیا جائیگا وہ ہلاکت کو پکاریگا'' ۔

اس آیت (۸۴/۶) کا مفہوم دو طرح پر لیا جاسکتا ہے ۔ تاج اور محیط میں ہے کہ کَدَحَ لِنَفْسِہٖ کے معنی ہیں ''اس نے اپنے لئے اچھے یا برے کام کئے'' ۔ اس اعتبار سے آیۂ زیر نظر کا مفہوم یہ ہوگا کہ انسان خواہ اچھے کام کرے خواہ برے، ان کے نتائج اس کے سامنے آکر رہینگے ۔ ''خدا کی ملاقات'' کے معنی اس کے قانونِ مکافات کا سامنا کرنا ہیں ۔

لیکن اگر آیت کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ ''اے انسان! تجھے اپنے رب کی طرف جانے کے لئے مشقتیں اٹھانی ہوں گی ۔ انہیں برداشت کر کے پھر اپنے رب کے سامنے جا سکیگا'' ۔ تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ انسان کو بہرحال اس منزل تک پہنچنا ہے جو اس کے رب نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے ۔ لیکن اسکے لئے اسے مشقتیں اٹھانی پڑینگی ۔ اگر اس نے وحی کا اتباع کیا تو مخالفین کی طرف سے اسے تکلیفیں پہنچیں گی ۔ لیکن یہ راستہ مقابلۃً آسان ہوگا ۔ اور اگر اس نے وحی کا اتباع نہ کیا اور عقل کا تجرباتی طریقہ اختیار کیا تو اس سے اسے بڑی جگر پاش مشقتوں اور زخموں اور جراحتوں

* تاج و راغب نیز ابن فارس ۔

کے بعد وہاں تک پہنچنا نصیب ہو گا۔ اس کی مفاد پرستیاں اس کا رخ پیچھے کی طرف موڑینگی اور زمانے کے تقاضے اسے آگے کی طرف کھینچیں گے۔ انسانیت کی تاریخ اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے۔ انسان رفتہ رفتہ اسی منزل کی طرف آ رہا ہے لیکن چونکہ اس نے وحی کے بجائے عقل کا تجرباتی طریق اختیار کر رکھا ہے اس لئے اسے اس کے لئے خون کے دریا پیرنے اور آگ کی خندقیں پھاندنی پڑ رہی ہیں۔ غور کیجئے! کسقدر کشت و خون کے بعد اس کا ایک قدم صحیح منزل کی طرف بڑھتا ہے۔ اگر یہ وحی کی سمت اختیار کرتا تو اس کا راستہ مقابلۃً آسان ہو جاتا۔

ک د ر

اَلْکَدْرَۃُ مِنَ الْاَلْوَانِ۔ گدلا پن (خواہ کسی رنگ میں ہو) رنگ کا صاف نہ ہونا۔ بعض نے کہا ہے کہ کَدْرَۃٌ کا استعمال خصوصیت کے ساتھ رنگ میں ہوتا ہے اور کُدْرَۃٌ کا استعمال پانی اور چشمہ میں۔ اور کَدَرٌ کا استعمال ہر چیز میں۔ کَدِرٌ کَدِرٌ۔ گدلی اور میلی چیز جو صاف نہ ہو۔ اَلْکَدَرَۃُ مِنَ الْحَوْضِ۔ تالاب کی تہ نشیں مٹی یا اس پر چڑھ جانے والی کائی۔ اَلْکَدَرَۃُ۔ مٹی کا بڑا سا ڈھیلا یا بڑا پتھر جسے زمین سے اکھیڑ کر الگ کر لیا گیا ہو۔ اِنْکَدَرَ۔ وہ تیزی سے نیچے کی طرف جھپٹا۔ اَلِانْکِدَارُ۔ کسی چیز کے بکھر جانے سے جو تغیر واقع ہوتا ہے اسے کہتے ہیں** ۔ اِنْکَدَرَ عَلَیْہِ الْقَوْمُ۔ قوم گروہ گروہ ہو کر اس پر ٹوٹ پڑی*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) گدلا پن، صفائی کی ضد اور (۲) حرکت کے ہیں۔ نیز اِنْکَدَرَ کے معنی ہیں تیز رفتار ہوا۔

قرآن کریم میں ہے وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ (۸۱/۲) ۔ اس کے لفظی معنی ہیں جب ستارے گدلے ہو جائیں گے۔ یعنی ان کی روشنی مدھم پڑ جائے گی۔ یا جب وہ بکھر جائینگے۔ اگر "نجوم" کے مجازی معنی لئے جائیں تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب چھوٹی چھوٹی ریاستیں ختم ہوجائینگی۔ ان کی قوت ماند پڑ جائے گی۔ کیونکہ اگر اَلْقَمَرُ سے مراد عربوں کی ریاست اور اَلشَّمْسُ سے ایران کی سلطنت لی جائے (دیکھئے عنوان ق۔م۔ر اور ش۔م۔س) تو اَلنُّجُوْمُ سے مراد چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہوں گی۔ لیکن اگر اس سے مراد کائنات کا طبعی انقلاب ہے تو پھر ان الفاظ کے حقیقی معنی لئے جائیں گے۔

* تاج۔ ** راغب۔

ک د ی

اَلْكَدْيَةُ - سخت زمین - بڑی سخت چٹان - اَكْدَى الرَّجُلُ - اس نے بخل کیا۔ اَكْدَى الْحَافِرُ - زمین کو کھودنے والا اس مقام پر جا پہنچا جہاں سخت زمین یا چٹان آگئی اور وہ مزید کھدائی سے رک گیا۔ اَكْدَى الْمَطَرُ - بارش کم ہو گئی***۔ قرآن کریم میں ہے اَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ اَكْدٰى (۵۳/۳۴) - وہ تھوڑا سا دیتا ہے اور پھر پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے - پھر ہاتھ روک لیتا ہے (ابن فارس)۔ مومن کی روش زندگی تو یہ ہے کہ وہ صرف اپنی ضروریات کے لئے رکھتا ہے اور باقی سب کچھ نوع انسانی کی ربوبیتِ عامہ کے لئے دے دیتا ہے - لیکن جو شخص اس نظام پر دل سے یقین نہیں رکھتا، صرف مصلحتاً اس جماعت کے ساتھ رہتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ گریز کی راہیں نکالتا رہتا ہے - (تَوَلّٰى - ۵۳/۳۴) - یعنی تھوڑا سا دیدیا اور اس کے بعد پھر ہاتھ روک لیا اور بہانہ سازیاں شروع کردیں -

ک ذ ب

اَلْكَذِبُ کے معنی ہیں جانتے بوجھتے کسی چیز کے متعلق خلاف حقیقت خبر دینا - لیکن بعض کا خیال ہے کہ عمداً ہو یا سہواً، دونوں صورتوں میں كَذِبٌ کا لفظ بولا جائیگا* - اَكْذَبَ الرَّجُلُ اس وقت کہتے ہیں جب کسی آدمی کو پکارا جائے اور وہ سوتے ہوئے کی طرح چپ حادہ لے۔ كَذَّابَةٌ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو مختلف رنگوں میں رنگا یا چھاپا جائے** - كَذَبَ فِيْ سَيْرِهٖ کے معنی ہیں اونٹ سست رفتار ہو گیا - یعنی جس رفتار سے وہ چل سکتا تھا اس رفتار پر نہیں چلا یا وہ بری چال چلا*** - بعض اوقات كَذَبَ کے معنی واجب ہونے کے بھی آتے ہیں***۔

قرآن کریم نے سورۃ منافقون میں کہا ہے کہ (اے رسول) جب یہ منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ تو خدا کا رسول ہے - اس کے بعد ہے کہ خدا کو اس کا علم ہے کہ تو واقعی اس کا رسول ہے لیکن وہ اس کی شہادت دیتا ہے کہ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (۶۳/۱) - یہ منافق یقیناً کاذب ہیں - یہاں سے كِذْبٌ کے معنی واضح ہو گئے - یعنی کسی کی کوئی بات اگرچہ خارجی واقعہ کے عین مطابق ہو لیکن اگر اس میں اس کے دل اور زبان کی ہم آہنگی نہیں تو وہ كِذْبٌ

*محیط - **اقرب الموارد - ***تاج -

ہے ۔ اور اگر کسی معاملہ میں دل اور زبان ہم آہنگ ہیں لیکن وہ بات واقعہ کے خلاف ہے تو اسے کَذِبٌ نہیں کہینگے۔ وہ بات اس کے عدمِ علم پر محمول کی جائیگی ۔ یعنی یہ کہینگے کہ اسے صحیح واقعہ کا علم نہیں ۔ یہ بھی یاد رہے کہ قرآن کریم نے اس کی بھی سخت تاکید کی ہے کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگ جایا کرو (۱۷/۳۶) ۔ اس لئے وہی بات زبان سے نکالنی چاہئے جس کے متعلق تحقیق کر لی جائے ۔

سورۃ یوسف میں ہے بِدَمٍ کَذِبٍ (۱۲/۱۸) ۔ جھوٹ موٹ کا خون یعنی ایسا خون جو اس کا نہ تھا جس کا وہ بتایا گیا تھا ۔ کَاذِبٌ ۔ جھوٹا (۱۱/۹۳) ۔ کَذَّابٌ ۔ بہت بڑا جھوٹا (۳۰/۲۸) ۔ مَکْذُوْبٌ ۔ جھوٹ کہا ہوا (۱۱/۶۵) ۔ کَذَّبَ ۔ جھٹلایا (۲۳/۲۵) ۔ تَکْذِیْبٌ ۔ جھٹلانا (۸۵/۱۹) ۔ مُکَذَّبٌ ۔ وہ جو جھٹلائے جائے اور کبھی نہ مانے (۵۶/۵۱) ۔

وحی (قرآن کریم) اپنے ہر دعویٰ کو علم و بصیرت کی بنیادوں پر پیش کرتا ہے اور دلیل و برہان سے اس کی تائید کرتا ہے ۔ وہ اپنے مخالفین سے بھی یہی کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے دعویٰ کی تائید میں دلیل و برہان پیش کرو ۔ (۲/۱۱۲)۔ یہ ہے حقیقت تک پہنچنے کا صحیح طریقہ ۔ لیکن اگر کوئی شخص پہلے ہی سے یہ فیصلہ کرلے کہ مجھے فریقِ مقابل کے دعویٰ کو بہر حال جھٹلانا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ کبھی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ۔ یہ ہے وہ تَکْذِیْبٌ جسے قرآن کریم نے سخت جرم قرار دیا ہے ۔ علم و بصیرت کی بارگاہ میں اس سے بڑا جرم اور کونسا ہوگا؟

نیز تکذیب یہ بھی ہے کہ انسان جس بات کی صداقت کا قائل ہو اور اس پر ایمان کا مدعی ، اس کا عمل اس کے اس ایمان کی شہادت نہ دے ۔ سورۃ الماعون میں دیکھئے ، کس طرح اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ (۱۰۷/۱) ۔ کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جو دین کی تکذیب کرتا ہے؟ اس کے بعد بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا ۔ یہ وہ نمازی ہیں جو صلوٰۃ کی غرض و غایت کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ جو اس کے ظاہری ارکان و حرکات ہی کو اصلِ صلوٰۃ سمجھے ہوئے ہیں ، اور رزق کے ان سرچشموں کو جنہیں بہتے پانی کی طرح ہر ایک کے لئے کھلا رہنا چاہئے تھا ، بند لگا کر روک لیتے ہیں (۱۰۷/۳) ۔ اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ قرآن کریم کی رو سے ''تکذیب دین'' کون کرتا ہے ۔ اور یہ بھی کہ خود ہمارا شمار کن لوگوں میں ہے؟

ك ر ب

اَلْكَرْبُ ۔ شدید غم کو کہتے ہیں ۔ اس کی اصل كَرْبُ الْاَرْضِ سے ہے۔ جس کے معنی زمین میں ہل چلانے کے ہیں ۔ یا یہ كَرَبَتِ الشَّمْسُ سے ماخوذ ہے ۔ جس کے معنے ہیں سورج غروب ہونے کے قریب ہوگیا ۔ اَلْكَرْبُ ۔ رسی بٹنے کو بھی کہتے ہیں ، نیز بیڑی کسو تنگ کرکے سختی سے باندھنے کے لئے بھی ۔ كَرَبٌ ۔ اُس رسی کسو بھی کہتے ہیں جو ڈول کے ساتھ بندھی رہتی ہے اور ہر مرتبہ پانی میں ڈوبتی ، بھیگتی اور اس طرح جلد گل سڑجاتی ہے۔ كَرَبَ النَّاقَةَ ۔ اس نے اونٹنی پر بوجھلاد دیا ۔ اَلْكَرِيْبُ ۔ وہ زمین جس پر کبھی کاشت نہ کی گئی ہو* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی شدت اور قوت کے ہوتے ہیں ۔

ان معانی سے اَلْكَرْبُ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنی شدید غم ، جس سے انسان بری طرح جکڑا جائے ۔ گرانبار ہو جائے ، اس کے آسرے ٹوٹ جائیں ۔ اس کا قلب الٹ پلٹ ہوجائے۔ یہ ہے وہ كَرْبٌ جس کے متعلق کہا ہے کہ اس سے نجات کا ذریعہ صرف ایک ہے اور وہ ہے قانونِ خداوندی کی اطاعت ۔ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ (۶/۶۴) ۔ اسی طریق سے خدا کے بندوں کو کرب سے نجات ملتی ہے (۲۱/۷۶) ۔

اَلْكَرُوْبِيُّوْنَ ۔ عبرانی زبان کا لفظ كَرُوْبِيْمٌ ہے ۔ جس سے مراد مقرب فرشتے ہیں** ۔ (قرآن کریم میں یہ لفظ نہیں آیا) ۔

ك ر ر

اَلْكَرُّ ۔ کسی چیز کو پلٹانا، موڑدینا، لوٹادینا، پھیردینا۔ موٹی رسی یا رسی کو كَرٌّ کہتے ہیں** ۔ اَلتَّكْرِيْرُ ۔ وَالتَّكْرَارُ ۔ کسی چیز کو بار بار دھرانا ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنے اکٹھا کرنا اور پلٹانا بتائے ہیں ۔ تکرار اور تاکید میں فرق یہ ہے کہ تاکید اسے کہتے ہیں کہ ایک بات کہی جائے اور اس کے ساتھ ہی اس پر زور دیا جائے نیز تاکید تین بار سے زیادہ نہیں کی جاتی ۔ لیکن تکرار میں یہ دونوں باتیں ضروری نہیں*** ۔

قرآن کریم میں کفار کی اس حسرت کو متعدد مقامات پر دھرایا گیا ہے کہ لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً (۲۶/۱۰۲) ۔ اگر ایک مرتبہ زندگی کو پیچھے کی طرف لوٹا کر پھر وہی حالات پیدا کر دئیے جائیں تو ہم یہ کریں اور وہ کریں ۔

---

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔

لیکن اسکی نفی کی گئی ہے (۳۹/۵۸.۵۹) - اسلئے کہ زندگی جوئے رواں ہے - اسکا جو پانی ایک مرتبہ آگے نکل گیا وہ پھر واپس نہیں آسکتا - اسی طرح دنیا کی اس اسٹیج پر کوئی فرد دوبارہ نہیں آسکے گا - اس لئے تناسخ (آواگون - دنیا میں بار بار آنے) کا تصور قرآن کریم کے خلاف ہے - قانونِ ارتقاء میں اعادہ اور تکرار نہیں - یا آگے بڑھنا ہے (جسے جنت کہتے ہیں) یا ایک مقام پر رک جانا (جسے جہنم کہتے ہیں) -

سورۂ النّازعٰت میں ہے - تِلْکَ اِذاً کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ (۷۹/۱۲) - یہ مر کر پھر زندہ ہونا تو بہت نقصان دہ ہوگا - سورۂ بنی اسرائیل میں ہے - ثُمَّ رَدَدْنَا لَکُمُ الْکَرَّۃَ عَلَیْہِمْ (۱۷/۶) - پھر ہم نے حالات کو ایسا پلٹا دیا کہ وہ تمہارے حق میں ہو گئے اور تمہارے دشمنوں کے خلاف -

ک ر س

اَلْکِرْسُ - اصل و بنیاد* - اَلْکُرْسِیُّ - کرسی جس پر بیٹھتے ہیں - اَلْکُرْسِیُّ وَ الْکِرْسِیُّ - حکومت و اقتدار - یا علم - چنانچہ اس صحیفہ کو جس میں علم ہوتا ہے کُرَّاسَۃٌ کہتے ہیں - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کُرَّاسَۃٌ ان اوراق کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے سے ملا دئے گئے ہوں - کیونکہ اَلتَّکْرِیْسُ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے ملا دینا* - آج کل کاپی کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے - ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے اوپر تلے جم جانا یا اکٹھا ہو جانا بتائے ہیں -

قرآن کریم میں ہے وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ (۲/۲۵۵) - خدا کی ''کرسی'' تمام کائنات کو محیط ہے - اس میں کُرْسِیُّہٗ کے معنی باعتبار لغت بھی اور صاحب المنار کے نزدیک بھی ، علمِ خداوندی ہیں - اگرچہ اسی کے معنے حکومت و اقتدار بھی ہوسکتے ہیں - ''علم'' کا مفہوم اس لئے قابلِ ترجیح ہے کہ اس سے پہلے یہ آیا ہے وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ - '' وہ اس کے علم میں سے کسی چیز پر احاطہ نہیں کرسکتے مگر اس کے قانونِ مشیت کے مطابق'' -

سورۃ صٓ میں حضرت سلیمانؑ کے تختِ حکومت کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے (۳۸/۳۴) - اس میں بھی کُرْسِیِّہٖ کے معنے تخت یا ''بیٹھنے کی جگہ'' کے نہیں ، بلکہ اقتدارِ حکومت ہے - ''تخت'' - ''کرسی'' وغیرہ الفاظ ، اقتدار اور منصب کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں -

*تاج و محیط و راغب -

ك ر م

اَلْكَرَمُ اس صفت کو کہتے ہیں جو کمینگی کے خلاف ہو۔ عربوں میں کمینگی بد ترین خصلت تھی، اس لئے کَرَمٌ بہترین صفت تھی۔ دراصل اس کے معنی تھے کسی ایسے بوجھ کو اٹھا لینا جس سے قوم کے خون اور اس کی جان کی حفاظت ہوتی ہو۔ یعنی بڑے گرانقدر اجتماعی امور اور رفاہ عامہ کے لئے خرچ کرنا یا سعی و کوشش کرنا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کَرَمٌ کسی کو بغیر ذاتی غرض و منفعت کے بقدر ضرورت فائدہ پہنچانا ہے۔ اس کے معنی خلوص کے بھی ہیں۔ اَلْاِكْرَامُ وَ التَّكْرِيْمُ۔ کسی کو اسطرح نفع پہنچانا کہ اس میں اس کی کسی طرح کی سبکی یا ذلت نہ ہو، ساتھ ہی یہ کہ جو نفع پہنچایا جائے وہ بلند اور با شرف ہو*۔ اس اعتبار سے عربوں کے ہاں اَلْكَرِيْمُ ایک ایسی جامع صفت ہے جس میں ہر قسم کی بھلائیاں، فضیلتیں اور شرف شامل ہیں۔ چنانچہ یہ ایسے شخص کے لئے بولا جاتا ہے جس میں کسی قسم کی مذموم صفت نہ پائی جاتی ہو۔ نیز الكَرِيْمُ کے معنے ہیں آزاد اور شریف۔ نجیب۔ سخی۔ خوش نہاد۔ جو اپنے آپ کو احکام خداوندی کی خلاف ورزی سے محفوظ رکھے، نرم خو، خلیق، وسیع الظرف، عمدہ حسب و نسب والا، پسندیدہ صفات کا مالک، با عزت۔ وہ گھوڑا جس پر جہاد کیا جائے۔ وہ اونٹ جس پر پانی لاد کر لایا جائے۔ نیز ہر پسندیدہ اور منتخب چیز*۔ کثیر بارش کو بھی كَرِيْمٌ کہتے ہیں۔ اَرْضٌ مَكْرُمَةٌ۔ ایسی زمین جسے جوت کر، کھاد وغیرہ ڈال کر اچھی طرح تیار کر لیا جائے۔ نیز وہ عمدہ زمین جس میں بہت اچھی پیداوار ہو۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ كَرُمَتْ اَرْضُهُ النَّعَامَ۔ کھاد ڈالنے کی وجہ سے اس سال اس کی زمین بڑی زرخیز ہوئی اور اس میں بہت فصل ہوئی۔ كَرَّمَ السَّحَابُ تَكْرِيْمًا۔ بادل خوب اچھی طرح برسا*۔ راغب نے کہا ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک كَرِيْمٌ نہیں کہا جاسکتا جب تک اس سے كَرَمٌ کا ظہور نہ ہو چکا ہو**۔

قرآن کریم نے جہنم کے دخانی سایہ کے متعلق کہا ہے۔ لَا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ (۵۶/۴۴)۔ جس میں نہ ٹھنڈ ہے نہ خوشگواری یا نفع بخشی۔ مومنین کی صفات میں ہے۔ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۲۵/۷۲)۔ جب کسی لایعنی اور لغو بات سے ان کا گذر ہو جائے تو وہ نہایت شریفانہ انداز سے گذر جاتے ہیں۔

*تاج۔ **راغب۔

سورۃ علق میں خدا کو اَلْاَکْرَمُ (۹۶/۳) کہا گیا ہے۔ اسی کو ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام (۵۵/۲۷) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کَرَّمَ (۱۷/۷۰) اور اَکْرَمَ (۸۶/۱۵) کے معنی عزت و تکریم عطا کرنا۔ بمقابلہ اَھَانَ (۸۹/۱۶)۔ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ (۲۱/۲۶) ۔ معزز بندے۔

مُکْرِمٌ (۲۲/۱۸) عزت دینے والا۔ رِزْقٌ کَرِیْمٌ (۸/۴)۔ رزقِ باشرف۔ عزت کی روزی۔ جنتی معاشرہ کے خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ وہاں رزق کریم ملے گا۔ یعنی سامانِ زیست بکثرت اور فراواں بھی اور عزت و توقیر کے ساتھ بھی۔ کیسی خوش بخت ہے وہ قوم جسے رزق کریم میسر ہو۔ لیکن یہ نظامِ خداوندی کے تابع زندگی بسر کرنے ہی سے مل سکتا ہے۔ (اس دنیا میں بھی اور اس کے بعد بھی)۔

قرآن کریم میں ہے وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (۱۷/۷۰)۔ ہم نے تمام فرزندان آدم کو صاحب کرم بنایا ہے۔ یعنی خدا نے ہر فرزندِ آدم کو محض آدمی ہونے کی جہت سے واجب التکریم بنایا ہے۔ تکریم آدمیت کا یہ اعلان عظیم سب سے پہلے قرآن کریم ہی کی طرف سے ہوا۔ یعنی ہر انسان بہ حیثیت انسان ہونے کے قابل احترام ہے۔ ہر فرد کو عزت و شرف کا یہ بنیادی حق (Fundamental Right) قرآن کریم کی بارگاہ سے عطا ہوا۔ یہ انسان کا پیدائشی حق ہے۔ اس کے بعد اس عزت و تکریم کے مدارج، جو ہر ذاتی اور اعمال کریمانہ کے اعتبار سے قائم ہوتے ہیں۔ جو جتنا زیادہ قوانین الٰہیہ کی نگہداشت کرتا ہے اتنا ہی زیادہ واجب التکریم ہو جاتا ہے۔ حتّٰی کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹/۱۳) جو سب سے زیادہ ان قوانین کی نگہداشت کرتا ہے وہ سب سے زیادہ عزت و تکریم کا مستحق ہو جاتا ہے۔ غور کیجئے۔ قرآن کریم نے کس طرح عزت و شرف کے پرانے معیاروں (حسب و نسب۔ مال و دولت وغیرہ) کو بدل کر ان کی جگہ احترام و تکریم کے نئے پیمانے دے دئے، جن کی رو سے ہر انسان، بحیثیت انسان ہونے کے، واجب الاحترام ہے اور جو جس قدر زیادہ قانونِ خداوندی کی پابندی کرتا ہے وہ اسی قدر زیادہ واجب التکریم ہوتا جاتا ہے، یعنی عزت کا معیار جوہرِ ذاتی قرار پا گیا، نہ کہ اضافی نسبتیں۔ اسی ایک معیار سے بادشاہت، برہمنیت، پیشوائیت، سرمایہ داری کے تمام نظام کہن حرف غلط کیطرح مٹ جاتے ہیں۔ یعنی ہر انسانی بچہ، خواہ وہ بادشاہ کے گھر میں پیدا ہو یا فقیر کے۔ برہمن کا بیٹا ہو یا چمار کا۔ انسان ہونے کی جہت سے یکساں تکریم کا مستحق ہے۔ اور باپ کی وجاہت یا عزت اسے دوسرے بچوں سے ممتاز نہیں کر سکتی۔ دوسروں کے مقابلہ میں اس کا زیادہ با عزت ہونا اس کے ذاتی جوہر اور عمل کی بنا پر ہوگا۔

ك ر ه

اَلْكَرْهُ ۔ اَلْكُرْهُ ۔ سخت نا پسندیدگی ۔ مشقت ۔ بعض علمائے لغت نے کہا ہے کہ جس کام پر خود تمہارا نفس ناخواستہ طور پر تمہیں مجبور کرے ، وہ كَرْهٌ ہے اور جس پر کوئی دوسرا مجبور کرے وہ كُرْهٌ ہے ۔ راغب نے کہا ہے کہ جو تکلیف کسی انسان پر خارج سے پہنچے اور اس پر زبردستی لاد دی جائے تو وہ كُرْهٌ ہے اور جو اسے خود اپنے آپ سے پہنچے وہ كَرْهٌ ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ كُرْهٌ تو مشقت کو کہتے ہیں اور كَرْهٌ یہ ہے کہ تم کو کسی بات کے کرنے کے لئے کہا جائے اور تم اسے بادل ناخواستہ کرو ۔ قرآن کریم میں طَوْعًا کے مقابلہ میں كَرْهًا آیا ہے ۔ (۳/۸۳) ۔ طَوْعًا کے معنی ہیں بہ طیب خاطر اور كَرْهًا کے معنی زبردستی ۔ سورۃ بقرہ میں ہے ۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (۲/۲۱۶) تم پر جنگ کو قانوناً ضروری قرار دیا گیا ہے حالانکہ تمہاری طبیعتیں اسے بادل ناخواستہ قبول کرتی ہیں ، یا حالانکہ وہ تمہاری طبیعتوں پر ناگوار گذرتی ہے ۔ سورۃ احقاف میں جنین کے متعلق ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (۴۶/۱۵) ۔ اس کی ماں بڑی مشقت سے حمل کے دن گزارتی ہے اور وضع حمل میں بھی تکلیف اٹھاتی ہے ۔ سورۃ نحل میں اِكْرَاهٌ زبردستی کے معنوں میں آیا ہے ۔ یعنی جو کام دل کی مرضی سے نہ کیا جائے (۱۶/۱۰۶) ۔ سورۃ بقرۃ میں كَرِهَ کا لفظ اَحَبَّ کے مقابلہ میں آیا ہے (۲/۲۱۶) ۔ اسی طرح (۴۷/۲۸) میں كَرِهُوْا حَبِطَ کے مقابلہ میں ۔ كَارِهُوْنَ (۱۱/۲۸) نا پسند کرنے والے ۔ مَكْرُوْهًا (۱۷/۳۸) ناپسندیدہ ۔

قرآن کریم جس جماعت کے ہاتھوں آسمانی انقلاب کو لاتا ہے اس کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس انقلاب اور نظام کو اپنے دل کی مرضی سے (بلا جبر و اکراہ) اپنی زندگی کا نصب العین بناتی ہے ۔ لہذا اس کا اعلان یہ ہے کہ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (۲/۲۵۶) ۔ اس سوسائیٹی کا ممبر بطیب خاطر بنا جاسکتا ہے ، کسی قسم کے جبر و اکراہ سے نہیں ۔ رسول اکرمؐ سے کہا گیا کہ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۱۰/۹۹) ۔ کیا تو لوگوں کو مجبور کرنا چاہتا ہے کہ وہ ایمان لے آئیں؟ اکراہ ، طبعی (Physical) بھی ہوتا ہے ۔ جیسے کسی کے گلے پر تلوار رکھکر اس سے بات منوا لی جائے ۔ اور ذہنی بھی ۔ جیسے کسی کو شعبدہ دکھا کر اس سے اپنی بات منوا لی جائے ۔

*تاج ۔

تیسری قسم کا اکراہ یہ ہے کہ معاشرہ میں جو روایات چلی آتی ہیں اور جو تصورات اور نظریات ، معتقدات و خیالات ، ہمیں اسلاف سے وراثتاً ملتے ہیں ، انہیں ہماری تعلیم و تربیت کا جزو بنا کر دلوں میں راسخ کر دیا جائے ، عام اس کے کہ انہیں خدا کی کتاب کی سند حاصل ہے یا نہیں - یا وہ علم و بصیرت اور عقل و فکر کے معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہیں - یہ اکراہ کی سنگین ترین شکل ہے - غلط تعلیم و تربیت سے بڑھ کر شدید اکراہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ قرآنی جماعت میں داخل کرنے کے لئے کسی قسم کے اکراہ کی بھی اجازت نہیں - وہ ہر بات کو دلائل و براہین سے پیش کرتا اور دل و دماغ کے کامل اطمینان کے بعد منواتا ہے - اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس جماعت میں داخل ہونے پر کسی قسم کا جبر و اکراہ روا نہیں رکھا جا سکتا ، اس میں سے نکلنے کے لئے بھی پوری آزادی ہونی چاہئیے - اگر آپ اس سے نکلنے کی راہیں بند کر دیتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو جبر و اکراہ سے اس کے اندر رکھتے ہیں - لہذا ہمارے ہاں جو سمجھا جاتا ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے تو یہ چیز قرآن کریم کے خلاف ہے - قرآن کریم نہ کسی کو زبردستی مسلمان بناتا ہے اور نہ ہی اس شخص کو مسلمان رہنے پر مجبور کرتا ہے جس کا دل اسلام پر مطمئن نہ ہو - ایمان نام ہی دل و دماغ کے کامل اطمینان اور رضامندی کا ہے -

سورۃ نحل میں ہے مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ - وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۶/۱۰۶) - جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس سے انکار کرتا ہے - تو یہ ان لوگوں میں سے ہے جن پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے - لیکن ان میں وہ شخص شامل نہیں جس کا دل ایمان پر مطمئن ہو لیکن اسے کفر (انکار) پر مجبور کر دیا جائے - کفر اُس کا کفر ہے جو اپنے سینے کی کشاد (دل کی پوری رضامندی) سے کفر اختیار کرے - اب ظاہر ہے کہ اگر جبر و اکراہ سے کسی سے کفر کا اقرار کرا لینا اُسے کافر نہیں بنا دیتا، تو جبر و اکراہ سے کسی سے ایمان کا اقرار لے لینا ، یا اسے اس مسلک پر رہنے پر مجبور کر دینا ، اُسے کس طرح مومن بنا سکتا ہے - مومن وہی ہے جو بطیب خاطر قرآن کریم کی صداقتوں کا اقرار کرے اور پھر دل کی پوری رضامندی سے اس مسلک پر قائم رہے - جہاں ذرا سا بھی جبر و اکراہ آیا ، وہاں ایمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - قرآن کریم تو ان لوگوں کو بھی مومن قرار

نہیں دیتا جو اسلامی مملکت کی شان و شوکت کو دیکھکر (خود عہد نبوی ﷺ میں) اسلام لے آئے تھے - وہ ان سے کہتا ہے کہ تم یوں کہو کہ ہم اس جدید نظام کے تابع فرمان ہو گئے ہیں (اَسْلَمْنَا) - یہ نہ کہو کہ ہم ایمان لے آئے ہیں ، کیونکہ ایمان تمہارے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں نہیں ہوا - (۴۹/۱۴) - وہ مومنین کی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ جب ان کے سامنے (اور تو اور) خود آیات خداوندی پیش کی جاتی ہیں ، لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا (۲۵/۷۳) - تو ان پر بہرے اور اندھے بنکر نہیں گر پڑتے - یعنی انہیں بھی آنکھیں کھول کر قبول کرتے ہیں -

اس مقام پر اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ کسی شخص کو اسلامی نظام میں مجبوراً داخل نہیں کیا جا سکتا - لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر کوئی شخص اس نظام میں بطیب خاطر داخل ہو گیا ہے ، تو اس کے بعد اسے اس کے احکام و قوانین کی اطاعت پر بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا - وہ جب تک اس نظام کا ممبر رہیگا ، اس کے قواعد و ضوابط کی پابندی اس پر لازمی ہوگی - اگر وہ ان کی پابندی نہیں کرنا چاہتا تو وہ اس نظام کے دائرے سے باہر نکل جائے - لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص کسی نظام یا سوسائٹی کا ممبر بھی رہے اور اس کے قواعد و ضوابط میں سے جسے چاہے تسلیم کرے اور جسے چاہے مسترد کر دے -

ک س ب

کَسْبٌ کے اصلی معنی جمع کرنا ہیں - اس کے بعد اس کے معنی تلاش معاش کے بھی آتے ہیں - اور کسی چیز کو حاصل کر لینے اور اسے پا لینے کے بھی * -

وَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ (۲/۷۹) انہوں نے جس چیز کو (یعنی دین میں تحریف کو) اپنے لئے وجہ معاش بنا رکھا ہے وہ ان کے لئے تباہی اور بربادی کا موجب ہے - اس سے ذرا آگے ہے - مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً (۲/۸۱) - جس نے ناہمواریاں پیدا کیں - یہاں كَسَبَ کے معنی "کرنے" کے ہیں - یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے اپنے لئے ناہمواریوں کو اکٹھا کر لیا -

قرآن کریم میں آتا ہے - لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲/۲۸۶) - اس کے عام معنی تو یہی ہیں کہ جس نے اچھے کام کئے ان کا فائدہ

*تاج - نیز ابن فارس -

اس کے لئے ہے (لَہَا) اور جس نے برے کام کئے اس کا نقصان بھی اسی کے لئے ہے (عَلَیْہَا) ۔ لیکن یہاں '' نیک اعمال ،، اور ان کے فائدوں کے لئے کَسَبَ آیا ہے اور '' برے کام ،، اور ان کے نقصانات کے لئے اِکْتَسَبَ ۔ راغب نے لکھا ہے کہ کَسْبٌ ایسا کام کرنے کو کہتے ہیں جسے انسان اپنی ذات کے فائدے کے لئے اور اس کے ساتھ ہی دوسروں کے فائدے کے لئے کرے۔ اور اِکْتِسَابٌ ایسا کام کرنے کو کہتے ہیں جس میں انسان صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھے ۔ راغب کے اس مفہوم کے اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ نفع مند صرف وہی کام ہو سکتے ہیں جن میں اپنا اور دوسروں کا (سب کا) فائدہ مد نظر ہو ۔ لیکن جن کاموں میں صرف اپنا ذاتی مفاد ہی پیش نظر ہو ان سے انسان کی ذات کی نشو و نما نہیں ہوتی ۔ وہ اس کے لئے موجب نقصان ہوتے ہیں (عَلَیْہَا کے یہی معنی ہیں) ۔ یہ چیز قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے عین مطابق ہے جس کی رو سے اس نے کہا ہے کہ وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۷) ۔ بقاء صرف ان کاموں کے لئے ہے جو تمام نوع انسان کے لئے نفع بخش ہوں ۔

صاحب لطائف اللغۃ نے بھی کہا ہے کہ کَسَبَ ، خیر کے لئے آتا ہے اور اِکْتَسَبَ ، شر کے لئے ۔

لیکن راغب یا صاحب لطائف اللغۃ نے کسب اور اکتساب کے معنوں میں جو فرق بتایا ہے وہ کلیہ نہیں ۔ قرآن کریم میں ان شکلوں کا استعمال اس کے خلاف بھی ہوا ہے ۔

ک س د

کَسَدَ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اسقدر معمولی ، گھٹیا ، اور بے قدر ہونے کے ہیں کہ کوئی اسکی طرف رغبت نہ کرے۔ تہذیب میں ہے کہ کَسَادٌ کے اصلی معنی خراب ہو جانے اور بگڑ جانے کے ہیں ۔ پھر اس کا استعمال ، سامان اور بازار کے چالو نہ رہنے کے معنوں میں ہونے لگ گیا ۔ کَسَدَ الْمَتَاعُ ۔ بازار میں اس سامان کا چلن نہیں رہا ۔ کَسَدَتِ السُّوْقُ ۔ بازار سرد پڑ گیا ۔ اَلْکَسِیْدُ ۔ گھٹیا ۔ کم درجہ ۔ کمینہ * ۔ قرآن کریم میں (سورۂ توبہ) میں ہے وَ تِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَہَا (۹/۲۴) ۔ وہ تجارت جس کی کساد بازاری (مندا پڑ جانے) سے تم ڈرتے ہو۔

*تاج و محیط ۔

ك س ف

اَلْكِسْفَةُ ۔ چیز کا ٹکڑا۔ جمع کِسَفٌ وکِسْفٌ (۱۷/۹۲ ؛ ۳۴/۳۸)*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں ایسی خرابی آجانے کے ہوتے ہیں جو پسندیدہ نہ ہو۔ نیز ایک چیز کو دوسری چیز سے کاٹ دینا اور الگ کر دینا ۔ سورۂ الطور میں ہے ۔ اِنْ یَّرَوْا کِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ (۵۲/۴۴) ۔ اور سورۃ شعراء میں ہے فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (۲۶/۱۸۷) ۔ اس کے معنی عذاب ناگہانی یا تباہی و بربادی کے ہیں ۔ کَسَفَ الثَّوْبَ کے معنی ہیں اس نے کپڑے کو کاٹا ۔ کَسَفَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۔ سورج اور چاند گہن میں آگئے ۔ کَسَفَتْ حَالُهٗ ۔ اس کا حال خراب ہو گیا ۔ رَجُلٌ کَاسِفُ الْبَالِ ۔ بد حال آدمی ۔ یَوْمٌ کَاسِفٌ ۔ نہایت ہولناک اور شدت کی تکلیف کا دن * ۔ جس دن آسمان پھٹ پڑے ۔

ك س ل

اَلْكَسَلُ ۔ کسی ایسے کام میں واماندگی اور گرانباری کا اظہار کرنا جس میں گرانباری اور تکان کا اظہار کرنا نہیں چاہئیے ۔ اَلْكِسْلُ ۔ روئی دھننے کی کمان کی تانت جو کمان سے الگ کر دی گئی ہو** ۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت کمان اور تانت دونوں موجود ہوتی ہیں لیکن ان میں باہمی رابطہ نہ رہنے سے روئی نہیں دھنی جا سکتی ۔ دونوں بیکار ہوتی ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں کسی کام کے کرنے سے گرانباری محسوس کرنا اور اس کی تکمیل سے ، یا اسے کرنے سے جی چرانا ۔

اس مفہوم کو سامنے رکھئیے اور پھر اس آیت پر غور کیجئے جس میں منافقت برتنے والوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ ۔ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (۴/۱۴۲) ۔ نیز (۹/۵۴) ۔ یہ نظامِ صلوٰۃ میں شریک تو ہوتے ہیں لیکن اس انداز سے کہ کمان الگ ہے اور تانت الگ ۔ یعنی ظاہری طور پر سب کچھ ہو رہا ہے لیکن نتیجہ کچھ مرتب نہیں ہوتا ۔

یہ نقشہ ، جسے ہم یہ کہہ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتے ہیں کہ یہ ” رسول اللہ ؐ کے زمانے کے منافقین “ کی حالت کا بیان ہے، درحقیقت ہماری

* تاج و راغب ۔ ** تاج و محیط ۔

ھی حالت کا نقشہ ھے ۔ غور کیجئے کہ کیا ھماری نمازیں بے تانت کی کمان نہیں ۔ [نیز دیکھئے سَاھُوْنَ (۱۰۷/۵) عنوان س ۔ ہ ۔ و]

ک س و

اَلْکِسْوَۃُ ۔ اَلْکِسْوَۃُ ۔ لباس ، کپڑا جو پہنایا جائے* ۔ رِزْقُھُنَّ وَکِسْوَتُھُنَّ (۲/۲۳۳) ۔ ان کا کھانا اور کپڑا ۔ کَسَاہُ کَسْوًا ۔ اسے کپڑا پہنا دیا* ۔ فَکَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ۔ (۲۳/۱۴) ھم (جنین کی) ھڈیوں کو گوشت کا پہناوا پہناتے ھیں ۔

ک ش ط

اَلْکَشْطُ ۔ کسی چیز پر سے اس پر چھائی ھوئی چیز اٹھا دینا ۔ کَشَطَ الْغِطَاءَ عَنِ الشَّیْءِ ۔ اس نے اس چیز سے ڈھکنا ھٹا دیا ۔ کَشَطَ الْجِلْدَ عَنِ الْجَزُوْرِ ۔ اس نے ذبح کردہ اونٹ سے کھال اتار دی ۔ اَلْکِشَاطُ ۔ اتاری ھوئی کھال ۔ کَشَطَہٗ ۔ اس نے اسکو کھول دیا** ۔ انْکَشَطَ رَوْعُہٗ ۔ اس کا خوف جاتا رھا*** ۔

قرآن کریم میں ھے ۔ وَاِذَا السَّمَاءُ کُشِطَتْ ۔ (۸۱/۱۱) اس کے معنی ھیں جب ” آسمان “ سے پردہ اٹھا دیا جائیگا ۔ جب اس کا پوست اتار دیا جائیگا (اور اسطرح فضائے کائنات کے اندر کی چھپی ھوئی قوتیں بے نقاب ھوجائینگی) ۔

ک ش ف

اَلْکَشْفُ ۔ پردہ اٹھا دینا ۔ کسی بات کو ظاھر کر دینا** ۔ قرآن کریم میں ھے فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَاءَکَ (۵۰/۲۲) ۔ ھم نے (تیری آنکھوں سے) پردہ اٹھا دیا اور اسطرح حقائق تجھ پر منکشف ھو گئے ۔ نیز اسکے معنی ھٹا دینے ، دور کر دینے کے بھی ھیں ۔ سورہ اعراف میں ھے لَئِنْ کَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ (۷/۱۳۴) ۔ اگر تو ھم سے یہ عذاب دور کر دے ۔ کَشْفُ الضُّرِّ (۱۷/۵۶) تکلیف کا دور کر دینا ۔ کَاشِفٌ ۔ دور کر دینے والا (۶/۱۷) ۔

قرآن کریم میں ایک جگہ ملکۂ سبا کے متعلق ھے وَکَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْھَا (۲۷/۴۴) ۔ اور دوسری جگہ سورہ قلم میں ھے یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ (۶۸/۴۲) ۔ یہ عربوں کا محاورہ تھا جسے وہ اسوقت بولتے تھے جب کوئی سخت مرحلہ سامنے آجائے* ۔ چنانچہ راغب نے لکھا ھے کہ اسکی اصل

* تاج و راغب ۔ **تاج ۔ ***راغب ۔

قَامَتِ الْحَرْبُ عَلٰى سَاقٍ ہے - جسکے لفظی معنے ہیں جنگ اپنی پنڈلی پر کھڑی ہو گئی مطلب یہ ہے کہ پورے زور و شور سے شروع ہوگئی - گھمسان کا رن پڑا - اسی سے سَاقٌ امر شدید کے لئے آتا ہے - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اسکی اصل تَذْمِيرٌ السِّيَاقَةِ سے ہے جس سے مراد ہے آدمی کا اونٹنی کے رحم میں ہاتھ ڈال کر بچہ نکالنا - ایسے موقع پر كَشْفُ عَنِ السَّاقِ کہا جاتا ہے** - بہرحال ، اس کے معنی شدت کی سختی اور گھبراہٹ کے ہیں -

یہ جو ہمارے ہاں کشف و الہام کا عقیدہ ہے اسکی سند قرآن کریم سے نہیں ملتی - ختم نبوت کے بعد یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی شخص خدا سے براہ راست ہمکلام ہوسکتا ہے اور براہ راست حقائق کا علم حاصل کر سکتا ہے ، ختم نبوت کی مہر کو توڑ دینا ہے - اب انسانوں کے لئے علم کے سرچشمے صرف دو ہیں - قرآن کریم (جو وحی پر مشتمل ہے) اور عقل انسانی (مزید تفصیل عنوان ل - ہ - م - میں دیکھئے)

ک ظ م

اَلْكَظْمُ - اَلْكَظَمُ - حلق - منہ - سانس کے باہر نکلنے کا راستہ - مخرج *** - اس اعتبار سے اسکے معنے کسی چیز کے باہر نکلنے کے ہیں - لیکن دوسری طرف اَلْكَظُوْمُ سانس کے رک جانے کو بھی کہتے ہیں ** - كَظَمَ الْبَعِيْرُ کے معنی ہیں اونٹ کا جگالی نہ کرنا ، اور جو کھایا ہو اسے اندر روک لینا ** - اس سے كَظَمَ الْبَابَ کے معنی ہیں دروازہ بند کر دینا**** - اسی سے اَلْكَظُوْمُ کے معنی خاموش ہو جانے کے آتے ہیں **** - اَلْكَظِمُ اس اونٹ کو بھی کہتے ہیں جس کے پیٹ کا پانی خشک ہو گیا ہو اور وہ سخت پیاسا ہو* - لیکن كَظِيْمٌ اور مَكْظُوْمٌ کے معنی سخت غمگین و فکر مند اور مضطرب و بیقرار انسان کے ہیں - **** بے چینی اور بیقراری کے معنوں میں سورہ المومن میں ہے - اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِيْنَ (۴۰/۱۸) - جب قلوب اچھل کر گلے تک آجائیں گے اور وہ لوگ سخت مضطرب و بیقرار ہونگے - یا وہ اپنے قلوب کو دبا رہے ہونگے کہ کہیں وہ باہر ہی نہ نکل پڑیں - سورہ القلم میں ہے - وَهُوَ مَكْظُوْمٌ (۶۸/۴۸) - وہ بے چین اور بیقرار تھا - سورہ یوسف میں حضرت یعقوب کے متعلق ہے فَهُوَ كَظِيْمٌ (۱۲/۸۴) - وہ یوسف کی جدائی میں بیقرار تھا -

*تاج - **راغب - ***تاج و لطائف اللغة و راغب - ****محیط -

سورہ آل عمران میں مومنین کی صفت بتائی گئی ہے ۔ کَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ (۳/۱۳۴) ۔ عام طور پر اس کے معنی کئے جاتے ہیں غصہ کو دبانے والے ۔ یہ مفہوم صحیح نہیں ۔ قرآن کریم غصے کو دبانے (Suppression) کی تلقین نہیں کرتا ۔ اس کے صحیح مفہوم کے لئے کیظَامَۃ کے معنی سمجھ لینے ضروری ہیں ۔ جن زمینوں میں پانی کم ہو (جیسا کہ عرب کی سرزمین) وہاں ایک کنویں کے قریب ہی دوسرا کنواں کھود دیتے ہیں اور ان کنوؤں کے نیچے زمین دوز راستہ (Subterranean Channel) بنا دیتے ہیں جس سے ایک کنواں دوسرے کے ساتھ مل جاتا ہے ۔ اگر ایک کنویں میں پانی کم رہ جاتا ہے اور دوسرے میں زیادہ ہوتا ہے تو اس کا زائد پانی اس دوسرے کنویں کی طرف آجاتا ہے ۔ اس زمین دوز نالی کو کیظَامَۃ کہتے ہیں * ۔ لہذا اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ کے معنی یہ ہیں کہ جب کسی وجہ سے ان (مومنین) کی مشتعل ہونے والی قوتیں بڑھ جاتی ہیں تو بجائے اس کے کہ یہ ان قوتوں کو وحشیوں کی طرح یونہی تخریب میں صرف کردیں وہ انہیں دوسری طرف منتقل کر دیتے ہیں اور اس طرح ان سے تعمیری کام لیتے ہیں ۔ اسے کیظَامَۃ کہا جائیگا ۔ اسی کو دور حاضر کے علم النفس (سائیکالوجی) کی اصطلاح میں (Sublimation) کہتے ہیں ۔ یعنی زائد قوتوں کا دوسری طرف منتقل کرکے توازن قائم رکھنا ۔ توازن کے اعتبار سے ترازو کے اس حلقے کو بھی اَلْکِظَامَۃ کہتے ہیں جس میں پلڑے کی رسیاں اکٹھی کرکے باندھی جاتی ہیں ۔ نیز اس میخ کو بھی جس کے ساتھ ترازو کی زبان گھومتی ہے اور بتاتی ہے کہ دونوں پلڑوں میں سے کونسا بھاری اور کونسا ہلکا ہے ۔ جب ان کا وزن برابر ہو جاتا ہے تو یہ زبان درمیان میں ٹھہر جاتی ہے * ۔ نیز اَلْکَظِیْمَۃ ۔ توشہ دان کو کہتے ہیں جسمیں زائد کھانا رکھ لیا جاتا ہے ۔ لہذا کَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ کے معنی ہیں زائد توانائیوں کو اس طرف منتقل کرکے جہاں ان کی ضرورت ہو ، اپنی ذات اور معاشرہ کے توازن کو قائم رکھنے والے ۔ قرآنی معاشرہ کا کام یہ ہے کہ وہ مختلف افراد کی توانائیوں کا جائزہ لیتا رہے ۔ جہاں جہاں ان کی ضرورت ہے انہیں اسطرف منتقل کرکے ، کظامت کے ذریعے ، معاشرہ کا توازن قائم رکھے اور معاملات میں درستگی پیدا کرتا رہے ۔ اس طرح ایک فرد کی ذات میں بھی توازن قائم رہے گا اور سارے معاشرہ میں بھی ۔ یوں جماعتِ مومنین اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ ہو جائیگی ۔ واضح رہے کہ جس چیز کو (Rational) کہا جاتا ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ اسمیں صحیح (Ratio) ہوتی ہے ۔ جماعت

*تاج ۔ نیز ابن فارس ۔

مومنین چونکہ اپنی ذات اور معاشرہ میں صحیح صحیح توازن رکھتی ہے اسلئے اسکی ہر بات (Rational) ہوتی ہے اور یہ (Ratio) کظامت کے ذریعے برقرار رکھی جاتی ہے ۔ توازن یا تناسب (Ratio) کے صحیح ہونے کا نام حسن ہے ۔ اسی سے قرآن کریم نے "نیکیوں اور بھلائیوں" کے لئے حسنات کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ اور صفات خداوندی کو الاسماء الحسنٰی سے تعبیر کیا ہے ۔ (تفصیل ان نکات کی ح ۔ س ۔ ن کے عنوان میں ملیگی) ۔

ک ع ب

اَلْکَعْبُ ۔ ہڈیوں کا ہر جوڑ ۔ ابھری ہوئی ہڈی جو پاؤں کے اوپر یا پنڈلی اور پاؤں کے جوڑ پر ہوتی ہے ۔ یا بالخصوص پاؤں کا ٹخنہ ۔ سورۃ مائدہ میں کَعْبَیْنِ ۔ دونوں ٹخنوں کے لئے آیا ہے (۵/۶) ۔ اَلْکَعْبُ ۔ اَلْکَعْبَۃُ ۔ مربع ہڈی (جس پر نشانات لگے ہوتے ہیں اور) جسے کھیلنے میں پھینکا جاتا ہے* ۔ (عام طور پر ان سے جوا کھیلا جاتا ہے ۔ انہیں پانسہ کہتے ہیں) کَعْبَۃٌ ۔ اونچی اور مربع جگہ کو کہتے ہیں ۔ ہر چوکور مکان کو** ۔ لیکن اَلْکَعْبَۃُ خانۂ کعبہ کے لئے مخصوص ہو گیا ۔ اَلْکَعْبُ ۔ شرف اور بزرگی کو بھی کہتے ہیں* ۔ اَلْکَعْبُ ۔ ابھرا ہوا پستان ۔ اسی جہت سے اَلْکَاعِبُ ۔ نوجوان لڑکی کو کہتے ہیں ۔ جمع کَوَاعِبُ ۔ سورۃ النبأ میں جنتی معاشرہ کی ہورتوں کے لئے کَوَاعِبَ اَتْرَابًا آیا ہے (۷۸/۳۳) ۔ انہی کو دوسری جگہ عُرُبًا اَتْرَابًا کہا گیا ہے (۵۶/۳۷) ۔ اور اس کی تفسیر ذرا پہلے فُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ کہکر کر دی گئی ہے (۵۶/۳۴) ۔ یعنی عالی مرتبت ، بلند پایہ خواتین ۔ اس لئے کَوَاعِبُ میں جوانی کی تندرستی کے ساتھ ساتھ شرف و مجد (اَلْکَعْبُ) کی طرف بھی اشارہ ہے ۔ (نیز دیکھئے ع ۔ ر ۔ ب اور ت ۔ ر ۔ ب) قرآن کریم کی رو سے کعبہ کا صحیح مقام کیا ہے ، اس کے لئے عنوان ، (ق ۔ ب ۔ ل) ، میں لفظ قِبْلَۃٌ دیکھئے ۔

ک ف أ

کَافَأَہٗ عَلَی الشَّیْءِ ۔ مُکَافَأَۃً ۔ کِفَاءً ۔ اس نے اس چیز پر اسے بدلہ دیا ۔ کَافَأَہٗ ۔ اس نے اس کی برابری کی ۔ اس کا ہم پلہ ہوا ۔ تَکَافَأَ الشَّیْئَانِ ۔ دونوں چیزیں برابر سرابر ہو گئیں ۔ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں (ابن فارس) ۔

*تاج ۔ **لطائف اللغۃ ۔

اسی لئے کَفْؤُہٗ و کَتَفْؤُہٗ و کَیفْؤُہٗ کے معنی اس کی مثل و نظیر اور اس کے ہم پلہ کے ہیں ۔ اَلْکَفَاءَۃُ فِی النِّکَاحِ اسی سے ماخوذ ہے ۔ یعنی شوہر کا اپنی بیوی سے حسب ، نسب ، گھرانے وغیرہ میں برابر ہونا* ۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہے ۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ* (۱۱۲/۴)۔ اس کے برابر، ہمسر ، ہم پلہ کوئی نہیں۔ یہ چیز ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیات میں سے ہے۔ ہر (Personality) منفرد (Individual) اور یگانہ (Unique) ہوتی ہے ۔ اور خدا کی ذات چونکہ مطلق اور مکمل ہے اس لئے اس کی انفرادیت بھی یکسر مکمل اور بے نظیر ہے ۔ سورۃ اخلاص بالخصوص ، ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیات (Characteristics) کی شارح ہے ۔ اس میں احدیت ، ذات کی یگانگت (Uniqueness) پر دلالت کرتی ہے ۔ صمدیت ، اس کی آزادی (Freedom) کی شہادت دیتی ہے ۔ عدم تولد ، یہ بتاتا ہے کہ ذات ، انسانی جسم کی طرح سلسلۂ توالد و تناسل کی رو سے وجود میں نہیں آئی ۔ اور کفواً اس کی انفرادیت (Individuality) کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ (مزید تشریح متعلقہ عنوانات میں دیکھئے) ۔

ک ف ت

کَفَتَ الشَّیْئَ اِلَیْہِ ۔ اس نے چیز کو اپنے اندر لے لیا ۔ کَفَتَ الشَّیْئَ ۔ اس چیز پر قبضہ کر لیا** ۔ جمع کر لیا** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ کَفْتٌ تیز ہانکنے کو بھی کہتے ہیں ۔ کَفَتَ الطَّائِرُ ۔ پرندے نے اڑنے میں پَر سمیٹے اور تیز اڑا ۔ اَلْکِفَاتُ ۔ وہ جگہ جہاں کسی چیز کو جمع کیا جائے ۔ چنانچہ عرب کِفَاتُ الْاَحْیَاءِ مکانوں کو اور کِفَاتُ الْاَمْوَاتِ قبروں کو کہتے تھے** ۔

قرآن کریم میں ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا (۷۷/۲۵) ۔ کیا ہم نے زمین کو کِفَاتٌ نہیں بنایا ۔ یعنی اس میں ہر قسم کی چیزیں جمع کر دیں ۔ جمادات ۔ نباتات ۔ حیوانات ۔ پانی ۔ ہوا وغیرہ ۔ نیز جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے ، کَفَتَ الطَّائِرُ کے معنی ہیں پرندے نے اڑنے میں تیزی کی (اڑنے میں پروں کو سمیٹا) ۔ فَرَسٌ کَفُوْتٌ ۔ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو یک بارگی اچھل پڑے اور سوار کا اس پر قابو پانا مشکل ہو جائے*** ۔ اس اعتبار سے زمین کے کِفَاتٌ سے مراد یہ ہوگی کہ یہ تیزی سے چل رہی ہے ۔ یا دونوں معانی کو یک جا کرنے سے مطلب یہ ہوگا کہ یہ تمام چیزوں کو اپنے اندر لئے ہوئے نہایت تیزی سے چل رہی ہے ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔ ***راغب و ابن فارس

ك ف ر

كُفْرٌ کے معنی چھپانے اور ڈھانپنے کے آتے ہیں ۔ الرمانی نے اَخْفٰی ۔ سَتَرَ اور اَجَنَّ کو کَفَرَ کا مرادف لکھا ہے** ۔ ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی چھپانے اور ڈھانپنے کے کئے ہیں ۔ چنانچہ اس شخص کو جو اس طرح ہتھیاروں میں ڈوب جائے کہ اس کا بدن نظر نہ آئے کافِرٌ کہا جاتا ہے۔ رات کو بھی کافِرٌ کہتے ہیں کیونکہ اس کی تاریکی تمام چیزوں پر پردہ ڈال دیتی ہے ۔ سیاہ بادل کو بھی کافِرٌ کہتے ہیں ۔ نیز دریا اور سمندر کو بھی کیونکہ یہ اپنی اندرونی چیزوں کو چھپائے ہوتے ہیں ۔ کسان کو بھی کافِرٌ کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو مٹی میں چھپا دیتا ہے* ۔ تاج، نیز صاحب لطائف اللغۃ نے لکھا ہے کہ قبر کو بھی اَلْکَفْرُ کہتے ہیں ۔ ان معانی کے اعتبار سے مومن کے مقابل میں کافِرٌ اُسے کہا جائے گا جو ٹھوس سچائیوں کو پس پردہ رکھنا چاہے ۔ جو خدا کے دیئے ہوئے ابدی حقائق کو پوشیدہ رکھے اور انہیں ابھر کر سامنے نہ آنے دے ۔ یا جو اپنی یا دوسروں کی صلاحیتوں کو چھپائے اور انہیں بروئے کار نہ آنے دے ۔ ان کی نشو و نما نہ ہونے دے ۔

چھپانے کے مفہوم کی وجہ سے اس کے معنی انکار کرنے کے بھی ہو گئے۔ اِیْمَانٌ کے مقابل میں کُفْرٌ کے یہی معنی ہوتے ہیں ۔ یعنی قرآنی صداقتوں کا انکار کرنا ۔

كُفْرٌ بمقابلہ شُكْرٌ بھی آتا ہے ۔ اس لئے کہ شکر کے معنی ہیں کسی چیز کا ابھر کر سامنے آ جانا (دیکھئے ش ۔ ک ۔ ر) ۔ لہذا کُفرانِ نعمت کے معنی ہیں نعمتوں کا چھپا لینا ۔ انہیں نوع انسانی کے فائدے کے لئے کھلا نہ رکھنا ۔

كَفَّارَةٌ کو کفارہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ غلط کام کے ضرر رساں نتیجہ کو ڈھانپ لیتا ہے* ۔ كَفَرَ کے تین مصدر ہیں ۔ (۱) كُفْرَانٌ ۔ (۲) كُفْرٌ اور (۳) كُفُوْرٌ ۔ كُفْرَانٌ کا استعمال عام طور پر انکارِ نعمت کے لئے ہوتا ہے اور كُفْرٌ کا استعمال دینی معاملات کا انکار کرنے کے لئے ۔ اور كُفُوْرٌ ان دونوں میں استعمال ہوتا ہے* ۔ صاحب تاج نے البصائر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بیشتر کافِرٌ (بمعنی کافر دین) کی جمع كُفَّارٌ آتی ہے ۔ (۴۹/۲۹) اور کافِرٌ (بمعنی کافرِ نعمت) کی جمع كَفَرَةٌ* ۔ (مثلاً ۸۰/۴۳ میں)۔ لیکن

*تاج ۔ **الالفاظ المترادفة ۔ ***راغب ۔

ھمارا خیال ھے کہ قرآن کریم میں کَفَّارٌ - کَفَرَۃٌ اور کَافِرُوْنَ سب ھی جمعیں بلا تفریق، کافرِ دین کے لئے استعمال ھوئی ھیں - کَافُوْرٌ - ویسے تو اس خول کو کہتے ھیں جو شگوفہ کو اپنے آغوش میں چھپائے ھوئے ھوتا ھے* لیکن یہ ایک مشہور خوشبودار دوائی کا بھی نام ھے جس کا اثر حِدت کو کم کر دینا ھوتا ھے -

کَفُوْرٌ - بڑا ناشکرا، بڑا منکر حق - اس میں کافر سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ھے (۳۱/۳۴) - اور کَفَّارٌ بھی کَفُوْرٌ کے ھم معنی ھے، بلکہ اس میں کبھی کَفُوْرٌ سے بھی زیادہ مبالغہ پایا جاتا ھے (۵۰/۲۴)** -

قرآن کریم میں کُفْرٌ بمقابلہ اِیْمَانٌ متعدد مقامات پر آیا ھے (مثلاً ۲/۴ ; ۲/۶ میں) - اور شُکْرٌ کے مقابل بھی (۱۲/۷) - سورۂ انبیاء میں مومن کے متعلق کہا ھے کہ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعْیِہٖ (۲۱/۹۴) - یعنی اسکی کوششوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا - وہ بے نتیجہ نہیں رھینگی (اس لئے کہ شُکْرٌ کے معنی ھیں کوششوں کے بھر پور نتائج مل جانا) - اسی طرح وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّکْفَرُوْہُ (۳/۱۱۵) کے بھی یہی معنی ھیں - یعنی ان کا ھر عملِ خیر پورا پورا نتیجہ مرتب کریگا -

سورۂ بقرہ میں اِیْمَانٌ باللہِ کے مقابلہ میں کُفْرٌ بِالطَّاغُوْتِ کی تاکید آئی ھے (۲/۲۵۶) - اس کفر بالطاغوت کی تشریح دوسرے مقام پر وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ (۱۶/۳۶) کہکر کر دی - یعنی غیر خدائی قوتوں سے اجتناب کرو - اس کی تفسیر سورۂ نساء میں ان الفاظ سے کر دی کہ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ (۴/۶۰) یہ لوگ چاھتے ھیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے غیر خدائی قوانین سے کرائیں حالانکہ ان سے کہدیا گیا ھے کہ وہ غیر خدائی قانون سے اجتناب کریں - اُن سے انکار کر دیں - کہدیں کہ ھم انہیں صحیح تسلیم نہیں کرتے -

لہذا اِیْمَانٌ بِاللہِ (یا اللہ کی عبادت)*** کے معنی ھیں خدا کے قانون کے مطابق معاملات کے فیصلے کرنا اور کُفْرٌ بِالطَّاغُوْتِ کے معنی ھیں غیر خدائی قانون سے اجتناب کرنا - اس سے ظاھر ھے کہ ایمان اور کفر محض اعتقادی چیزیں نہیں جو انسان کے ذھن تک محدود ھوں - ان کا تعلق زندگی کے نظری اور عملی دونوں مسائل سے ھے - قرآن کریم کے قانون کی صداقت کو

*تاج - **راغب - ***وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (۱۶/۳۶) -

تسلیم کرنا اور پھر اس کے مطابق زندگی کے معاملات کا فیصلہ کرنا ایمان ہے اور اسکے خلاف فیصلہ کرنا کفر ہے - چنانچہ (۳۰/۴۴) میں کَفَرَ کے مقابلہ میں عَمِلَ صَالِحًا آیا ہے -

انکار کے لحاظ سے اس کے معنی بری الذمہ ہونے کے بھی آتے ہیں - سورۂ ابراھیم میں ہے اِنِّی کَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ (۱۴/۲۲) - تم نے جو مجھے شریک بنایا تو میں اس سے بری الذمہ ہوں - کاشتکار کے معنوں میں کُفَّارٌ جو کَافِرٌ کی جمع ہے (۵۷/۲۰) میں آیا ہے - کَافِرَۃٌ کی جمع کَوَافِرُ (۶۰/۱۰) میں آئی ہے - کَفَّارَۃٌ (۵/۸۹) - وہ عمل یا شے جس سے کسی سابقہ لغزش کی تلافی ہو جائے -

سورۂ دھر میں ''جنت کی شراب'' کا مزاج کَافُوْرًا بتایا گیا ہے (۷۶/۵) - یعنی جلد مشتعل ہو جانے والے جذبات میں سکون پیدا کرنے والی - لیکن یہ انسانی ذات کی اصلاح کا پہلا مرحلہ ہے - اس سے اگلا مرحلہ وہ ہے جس میں اس ''شراب'' کا مزاج زَنْجَبِیْلًا - (۷۶/۱۷) بتایا گیا ہے - یعنی مناسب قوت اور حدت پیدا کرنے والی - برودت اور حدت (ٹھنڈک اور گرمی) کے معتدلانہ امتزاج کا نام ہے ، سیرتِ مومن -

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

قرآن کریم کی رو سے کافر کا لفظ کوئی گالی نہیں بلکہ ایک حقیقتِ نفس الامری کا بیان (Statement of Fact) ہے - آپ ایک پارٹی بناتے ہیں - جو لوگ اس میں شامل ہوتے ہیں انہیں اس کا ممبر کہا جاتا ہے - جو اس میں شامل نہیں ہوتے وہ غیر ممبر (Non-Members) کہلاتے ہیں - یہی فرق مومن اور کافر کا ہے - اسلامی معاشرہ کے ممبروں کو مومن کہا جاتا ہے - اور جو اس معاشرہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیتے ہیں وہ ''نان ممبرز'' (کافر) ہوتے ہیں -

ان ''غیر ممبروں'' (کافروں) کے متعلق جس جس عذاب (تباہیوں) کا ذکر آیا ہے وہ ان کی غلط روش کے نتائج ہوتے ہیں جسے وہ صحیح راستہ کے انکار سے اختیار کرتے ہیں - یعنی صحیح راستہ کی پیروی چھوڑ کر (۲/۳۸) غلط راستہ اختیار کر لینا (۲/۳۹) اور اس طرح تباہیوں میں جا گرنا . (۲/۳۹) -

کَفَّرَ عَنْہُ کے معنی ہیں دور کر دینا - (۲/۲۷۱) -

اس حقیقت کو ایک بار پھر سامنے لے آئیے کہ قرآن کریم نے کفر کا لفظ عملِ صالح کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے (۳۰/۴۴) - لہذا ایمان اور کفر صرف نظری (Theoretical) اعتقاد نہیں بلکہ عمل اور بے عملی (یا صحیح

عمل اور غلط عمل) کا نام ہے ۔ یہیں سے سورۃ البقرہ کی اس آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے جس کے مروجہ ترجمہ اور غلط مفہوم سے طرح طرح کے شکوک اور اعتراضات پیدا ہو جاتے ہیں ۔ سورۃ بقرۃ کے شروع میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ زندگی کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے بچنے کی خواہش رکھتے ہیں ، انہیں قرآن کریم صحیح روش کی طرف راہ نمائی دیتا ہے ۔ اس سے اگلی آیت میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَاءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۲/۶) ۔ اس کا عام طور پر ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ ''جو لوگ کافر ہو گئے ان کے لئے برابر ہے چاہے تو ان کو ڈرائے یا نہ ڈرائے ۔ وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے'' ۔ ''کافروں'' سے مراد لئے جاتے ہیں ''غیر مسلم'' ۔ یعنی وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ۔ مسلمان نہیں ہوتے ۔ اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر غیر مسلموں (کافروں) کو رسول کا انذار کچھ فائدہ نہیں دے سکتا تو پھر رسالت اور تبلیغ ہے کن لوگوں کے لئے؟ مومنین کو اس کی ضرورت نہیں رہتی اور کافروں کو یہ کچھ فائدہ نہیں دیتا! نیز جب نبی اکرمؐ نے انذار شروع کیا ہے تو اس وقت ساری دنیا ''کافر'' ہی تھی ۔ اگر حضورؐ کا انذار کفار کے لئے بےسود تھا تو حضورؐ کی بعثت کا مقصد ہی (معاذ اللہ) کچھ نہیں تھا ۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ اس آیت میں کفار سے مطلب سب غیرمسلم نہیں ۔ یہ غیر مسلموں کے ایک مخصوص گروہ کا نام ہے ۔ جہاں تک ''غیر مسلموں'' کا تعلق ہے ، افریقہ اور آسٹریلیا کے قدیم قبائلی باشندے ، یا قطب شمالی کے اسکیمو ، جنہوں نے ابھی تک اسلام یا قرآن کریم کا نام بھی نہیں سنا ، وہ بھی غیر مسلم ہیں ۔ لیکن ان کا شمار کفار کے زمرے میں نہیں ہوگا ۔ جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے ، کفر ، ایمان کے مقابلہ میں آتا ہے ۔ ایک شخص کے سامنے قرآن کریم کی صداقتیں پیش کی جاتی ہیں ۔ اسے ان کا مفہوم اور مطلب سمجھایا جاتا ہے ۔ وہ ان پر غور و فکر کرتا ہے اور اس کے بعد برضا و رغبت انہیں تسلیم کر لیتا ہے ۔ اسے ایمان کہتے ہیں ۔ اس کے برعکس دوسرا شخص ہے ۔ اس کے سامنے بھی اسی طرح قرآنی صداقتیں پیش کی جاتی ہیں ۔ لیکن وہ انہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے ۔ اسے کافر کہینگے ۔ ان لوگوں کے انکار کی کئی وجوہات اور متعدد محرکات ہوتے ہیں ۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے ۔ نیز یہ بھی بتایا ہے کہ یہ لوگ حق کی مخالفت پر اتر آتے ہیں ۔ اس سے سرکشی برتتے ہیں ۔ خود بھی اس راستے سے رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی طرف آنے سے روکتے ہیں ۔

اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ ہرغیرمسلم، کافر نہیں ہوتا ۔ کافر وہی ہوتا ہے جس کے سامنے حق کو پیش کیا جائے لیکن وہ تمام دلائل و براہین کے باوجود، اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دے اور پھر لاکھ کوشش کرو، وہ اپنی ضد پر اڑا رہے ۔ کفار کی اس ذہنیت ، اور اس کے بعد حق کی مخالفت میں ان کی تگ و تاز کا ذکر ، قرآن کریم نے متعدد مقامات میں کیا ہے ۔ مثلاً

(۱) وہ اہل کتاب کے متعلق کہتا ہے فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (۲/۸۹) ۔ ''جب ان کے پاس وہ آیا جسے وہ پہچانتے تھے ، تو انہوں نے اس سے انکار (کفر) کر دیا'' ۔ دوسری جگہ ہے کہ یہ اہل کتاب چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ، ان کے ایمان لانے کے بعد ، پھر کفر کی طرف لوٹا دیں ، مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۔ ۔ ۔ ۔ (۲/۱۰۹) ''بعد اس کے کہ حق ابھر کر ان کے سامنے آ گیا'' ۔ سورۃ محمد میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى (۴۷/۳۲) ۔ ''یقیناً جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعد اس کے کہ ہدایت ان کے سامنے ابھر کر آ باتی ہے ۔ ۔ ۔'' ۔ ان مقامات سے واضح ہے کہ ، حق اور صداقت (ہدایت) کے واضح طور پر سامنے آ جانے کے بعد ، اس سے انکار کئے جانا ، کفر کہلاتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم نے کفر اور ایمان کے امتیاز کا ذکر ہی حق کے سامنے آ جانے کے بعد کیا ہے ۔ سورۃ کہف میں ہے و قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۔ ۔ ۔ (۱۸/۲۹) ۔ ''اور (ان سے کہو کہ) حق تمہارے رب کی طرف سے آ گیا ہے ۔ اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کی راہ اختیار کرلے'' ۔ سورۃ دھر میں ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا (۷۶/۳) ۔ ''ہم نے (انسان کو) راستہ دکھا دیا ہے ۔ اب اس کا جی چاہے تو اس کا قدردان بن جائے اور چاہے تو اس سے انکار کردے'' ۔ سورۃ زخرف میں ہے وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ ۔ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كَافِرُوْنَ (۴۳/۳۰) ۔ ''اور جب حق ان کے پاس آیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ جھوٹ ہے اور ہم اس سے انکار کرتے ہیں'' ۔

ان مقامات سے واضح ہے کہ حق کے واضح طور پر سامنے آ جانے کے بعد اس سے انکار کرنا ، کفر کہلاتا ہے ۔ جن لوگوں کے سامنے حق آیا ہی نہیں وہ غلط راستے (ضلالت) پر تو ہیں لیکن انہیں کافر نہیں کہا جائے گا ۔ ان کا شمار ضَالِّيْن میں ہوگا ۔ یعنی راہ گم کردہ ۔ غلط راستے پر چلنے والے ۔

(۲) سورۃ توبہ میں ایمان والوں سے کہا گیا ہے کہ تم اپنے باپ اور بھائیوں کو بھی اپنا دوست نہ بناؤ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ (۹/۲۳) ۔ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کریں ۔ اس سے واضح ہے کہ کفر، اس انکار کی راہ کا نام ہے جسے انسان اپنی پسندیدگی سے اختیار کرے ۔ اسی طرح سورۃ النحل میں ہے کہ کفر اس کا ہے مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا (۱۶/۱۰۶) ۔ ''جس کا سینہ کفر کے لئے کھل جائے'' ۔ لہذا کفر وہ ہے جسے انسان اپنے اختیار و ارادہ (Choice) سے پسند کرے ۔

(۳) اس قسم کے انکار کے کئی محرکات ہوتے ہیں ۔ مثلاً اہل کتاب کے متعلق ہے کہ وہ بَغْيًا ایسا کرتے ہیں (۲/۹۰) ۔ یعنی ضد اور سرکشی کی بنا پر ۔ یا حَسَدًا ایسا کرتے ہیں (۲/۱۰۹) ۔ عام مخالفین ہرب کے متعلق ہے کہ وہ اس دعوت سے انکار کرتے تھے اِسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّيِّئِ (۳۵/۴۳) ۔ ''تکبر کرتے ہوئے اور بری تدبیریں کرتے ہوئے'' ۔ یعنی انہوں نے ظلم اور استبداد، اور دجل و فریب سے جو قوت اور دولت حاصل کر رکھی تھی، وہ اس کے نشے میں بدمست ہو کر اسلام کی مخالفت کرتے تھے کیونکہ اس سے ان کی مفاد پرستیوں پر زد پڑتی تھی ۔ (نیز دیکھئے ۳۵/۴۳) ۔ سورۃ نمل میں ہے کہ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا (۲۷/۱۴) ۔ ''انہوں نے محض ظلم اور سرکشی کی بنا پر ہماری آیات سے انکار کر دیا حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کرلیا تھا'' ۔

(۴) بعض اوقات انسان، محض بات کی پچ میں حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا چلا جاتا ہے ۔ یعنی اگر ایک دفعہ منہ سے نہ نکل گئی تو پھر (محض اپنی بات پر جمے رہنے کی خاطر) نہ کرتے چلے گئے ۔ سورۃ اعراف میں انہی لوگوں کے متعلق ہے کہ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۔ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ (۷/۱۰۱) ۔ ''اور یقیناً انکے پاس رسول واضح دلائل لیکر آئے ۔ مگر وہ ایسے نہ تھے کہ جس بات کو انہوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا، اس پر ایمان لے آتے'' ۔ اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں ۔ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (۷/۱۰۱) ۔

(۵) یہ لوگ، ضد ۔ حسد ۔ ہٹ دھرمی اور تکبر کی بنا پر حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے بعد، دوسروں کو بھی روکتے ہیں کہ وہ اسے تسلیم نہ کر لیں ۔ وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْئَوْنَ عَنْهُ (۶/۲۶) ۔ ''وہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور

رهتے هیں " ۔ دوسری جگه هے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ .... (۴۷/۳۲) " یقیناً وہ لوگ جنهوں نے خود کفر کی راہ اختیار کی اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے هیں " (وہ اپنا هی نقصان کرتے هیں ، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) ۔ ان کی کیفیت یه هوتی هے که وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ ۔ وہ لوگوں کو تاکید کرتے رهتے هیں که اس قرآن کریم کو مت سنو ۔ وَالْغَوْا فِیْهِ ۔ اور (جهاں کہیں اس کا چرچا هوتا هو) اس میں شور مچاؤ ۔ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ (۴۱/۲۶) ۔ شاید تم (اس طریق سے ان پر) غالب آسکو ۔

یه هیں وہ لوگ که سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۲/۶) ۔ چاهے تو انهیں (ان کی غلط روش کے تباه کن نتائج سے) آگاه کرے یا نه کرے ، ان کے لئے برابر هے ۔ یه کبھی ایمان نہیں لائینگے ۔ اسلئے که ان کی اس روش کا نتیجه یه هوتا هے که ان میں سمجھنے ، سوچنے ، دیکھنے ، سننے کی صلاحیت هی باقی نہیں رهتی (۲/۷) ۔ یهی وہ لوگ هیں جن کے متعلق قرآن کریم کہتا هے که لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ۔ وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ۔ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۷/۱۷۹) ۔ ان کا ٹھکانه جهنم هے (۷/۱۷۹) ۔ " ان کے دل هیں لیکن وہ ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے ۔ اور ان کی آنکھیں هیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں ۔ اور ان کے کان هیں لیکن ان سے سنتے نہیں ۔ یه لوگ (یونهی شکل وصورت سے انسان نظر آتے هیں ورنه درحقیقت) حیوانات کی سطح پر زندگی بسر کرتے هیں ۔ بلکه ان سے بھی زیاده راه گم کرده " (کیونکه وہ کم از کم اپنی جبلت پر توقائم رهتے هیں)

سوال یه هے که یه کفر کی زندگی هے کیا ؟ یه حقیقت متعدد مقامات پر سامنے لائی جا چکی هے که ایک تصور زندگی یه هے که انسانی زندگی بس یهی طبیعی زندگی هے ۔ کھایا ، پیا ، زنده رهے ، بچے پیدا کئے اور مر گئے ۔ اس کے بعد ختم ۔ دوسرا تصور زندگی یه هے که انسان ، اسی طبیعی جسم کا نام نہیں جو موت کے ساتھ ختم هو جاتا هے ۔ اس میں ایک اور چیز بھی هے جسے انسانی ذات (Personality) کہا جاتا هے ۔ اس ذات کی نشوونما سے انسان حیات جاوید حاصل کرسکتا هے ۔ موت سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا ۔ حیوانات کو " ذات " نہیں دی گئی ۔ یه صرف انسانوں کا خاصه هے ۔

پہلا تصور زندگی ، کفر هے ۔ اس میں انسان ، حیوانات کی سطح پر رهتا هے ۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ ۔ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ (۴۷/۱۲) ۔ " جو لوگ کفر کی روش اختیار

کرتے ہیں ، وہ سامان زیست سے متمتع ہوتے ہیں ، اور حیوانات کی طرح کھا پی کر (مر جاتے ہیں) ۔ جہنم ان کا ٹھکانہ ہے " ۔ یہ زندگی کی بلند اقدار پر ایمان نہیں رکھتے (کیونکہ ان کی ضرورت تو صرف ذات کی نشوونما کے لئے ہوتی ہے) ۔ وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے رہتے ہیں ، اور ان جذبات میں ایسے ڈوبتے ہیں کہ ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی ۔ سورہ الجاثیہ میں ہے اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۔ کیا تو نے اسکی حالت پر بھی غور کیا جس نے اپنے جذبات ہی کو اپنا اِلٰہ بنا لیا ؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ۔ خدا کا قانون ، اس کے علم کے باوجود ، زندگی کی صحیح راہ اس کے سامنے نہیں لاتا ۔ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۔ (جذبات میں بہ جانے سے اسکی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ) اس کے کانوں پر اور دل پر مہریں لگ جاتی ہیں اور اس کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں ۔ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کے قانون کے علاوہ کوئی اور قانون صحیح راستے کیطرف اسکی راہ نمائی نہیں کرسکتا ۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ کیا یہ لوگ اس سے نصیحت نہیں پکڑتے ؟ (۴۵/۲۳)

سوال یہ ہے کہ یہ لوگ اسطرح جذبات کے پیچھے کیوں یہ جاتے ہیں اور زندگی کی بلند اقدار کا اتباع کیوں نہیں کرتے ؟ اس لئے کہ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا ۔ اور کہتے ہیں کہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے ۔ نَمُوْتُ وَنَحْيَا ۔ ہم (طبیعی قوانین کے ماتحت) مرتے اور جیتے ہیں ۔ وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ۔ وقت گزرنے سے ہمارے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور ہم مرجاتے ہیں ۔

یہ ہے ان کا تصور زندگی ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (۴۵/۲۴) ۔ انہیں حقیقت کا کچھ علم نہیں ۔ یونہی اپنے قیاسات سے باتیں کرتے ہیں ۔ (نیز دیکھئے ۶/۱۱۶)

اسی کا نام کفر ہے ۔ یعنی انسان کا اپنی ذات سے انکار ۔ اس انکار کے بعد نہ خدا پر ایمان کی ضرورت رہتی ہے ، نہ وحی اور رسالت پر ۔ اور آخرت کی زندگی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ لہذا ، کفر درحقیقت مادی تصورِ حیات کا دوسرا نام ہے ۔ یعنی (Materialistic Concept of Life) ۔ اس تصور زندگی کے ماتحت اپنے جذبات کی تسکین ، انسان کا منتہائے زندگی قرار پا جاتا ہے اور زندگی کی بلند اقدار یا غیر متبدل اصولوں کی پابندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

جب انسان اس تصور زندگی کو عین حقیقت سمجھ لے ، تو جن امور سے بلند انسانی زندگی کو نقصان پہنچتا ہے ، اسے ان سے آگاہ کرنا یا نہ کرنا برابر ہوتا ہے ۔ حیوان کو آپ کیا سمجھا سکتے ہیں کہ دیانتداری کی زندگی بہت بلند ہوتی ہے اور بددیانتی سے شرف انسانیت کا زیاں ہوجاتا ہے !

ک ف ف

اَلْکَفُّ ۔ (۱۳/۱۲) ۔ پہنچے تک ہاتھ کو کہتے ہیں ، کیونکہ اس کے ذریعے انسان اپنی مدافعت کرتا اور دوسرے انسان کو ایذا پہنچانے سے روکتا ہے ۔ کَفَفْتُہٗ عَنْہُ (۵/۱۱) ۔ میں نے اسے اس بات سے روک دیا ۔ ہٹا دیا ۔ موڑ دیا ۔ فَکَفَّ ھُوَ ۔ پس وہ رک گیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی پکڑنا اور سکڑنا ہیں ۔ ہاتھ کو کَفٌّ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ چیزوں کو پکڑ لیتا ہے ۔ اَلْکُفَّۃُ ۔ کسی چیز کے آخری کنارے کو کہتے ہیں جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتی ۔ اسی کو کِفَافُ الشَّیْءِ بھی کہتے ہیں ۔ کِفَّۃٌ ۔ ترازو کے ایک پلڑے یا بازو کو کہتے ہیں ۔ کَافَّۃٌ اُس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو اُس کی انتہا تک لے جا کر روک دے ۔ اسی لئے قرآن کریم میں جو ہے وَقَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَافَّۃً (۹/۳۶) ۔ تو اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ''مشرکین سے ایسی جنگ کرو جو انہیں ظلم و ستم سے روک دے ۔ یا جو تمہیں ان کے اثرات سے روک دے ۔'' اس صورت میں کَافَّۃً صفت ہوگی حَرْباً یا مقاتلۃً کی جو مقدر ہے ۔ اسی کو حد آخر تک جنگ کرنا کہا جائیگا ۔ اور (جیسا کہ راغب نے آگے چل کر لکھا ہے) یہ بھی کہ مشرکین سے اجتماعی قوت سے (جماعۃً) جنگ کرو ۔

عام لغت و تفسیر کی رو سے اس آیت میں کَافَّۃً کے معنی ہیں ''کل ۔ تمام کے تمام ۔ جمیع'' ۔ لیکن قرآن کریم میں انہی مشرکین سے جنگ کرنے کا کہا گیا ہے جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں ۔ یہ نہیں کہ جو مشرک جہاں بیٹھا ہو اس پر دھاوا بول دیا جائے ۔

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً (۲/۲۰۸) کے معنی ہیں ، تم اسلام میں وہاں تک پہنچ جاؤ جہاں تک اس کے شرائع کی آخری حدود ہیں * ۔ یعنی اس کی انتہا تک پہنچ جاؤ ۔ یونہی تھوڑا سا چل کر رک نہ جاؤ ۔ لیکن راغب نے کہا ہے کہ بعض نے اس کے معنی جَمَاعَۃً بھی کئے ہیں ۔ یعنی اجتماعی طور پر** ۔ لیکن اس کے معنی روکنے یا حد آخر کے مفہوم سے

*تاج ۔ **راغب ۔

زیادہ واضح ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ خود راغب نے آیت وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ ۔ (۳۴/۲۸) کے معنی کئے ہیں ہم نے تمہیں معاصی سے روکنے والا بنا کر بھیجا ہے*** ۔

روکنے کے معنی میں یَکُفُّوْنَ (۲۱/۳۹) میں آیا ہے ۔ اور (۴۸/۲۴) میں بھی ۔ نیز بَسْطٌ کے مقابلہ میں (۵/۱۱) میں ۔ اَلْکَفَافُ مِنَ الرِّزْقِ ۔ رزق کی اتنی مقدار جو انسان کو دوسرے انسانوں کا محتاج بننے سے روک دے* ۔ اسی لئے اَلْکَفُّ کے معنی نعمت کے ہیں* ۔

ک ف ل

اَلْکَفَلُ ۔ کھولھے یا کولھے کے نچلے حصے کو کہتے ہیں* ۔ اِکْتَفَلَ بِهٖ ۔ اسے پیچھے کر دیا* ۔ اسی سے اَلْکَافِلُ اور اَلْکَفِیْلُ کے معنی ذمہ دار اور ضامن کے آتے ہیں ۔ کَفَّلَهٗ ۔ اسکی خبرگیری کی ۔ اس پر خرچ کیا ۔ اسکا انتظام کیا** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے دوسری چیز کے اندر شامل ہو جانے اور متضمن ہو جانے کے ہیں ۔

سورہ قصص میں ہے یَکْفُلُوْنَهٗ (۲۸/۱۲) ۔ جو اسے پالیں ۔ اسکی پرورش اور نگہ پرداخت کریں ۔ سورہ نحل میں ہے ۔ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا (۱۶/۹۱) ۔ تم اللہ کو اپنا ضامن قرار دے چکے ہو ۔ سورہ صٓ میں ہے اَکْفِلْنِیْهَا (۳۸/۲۳) ۔ اس (دُنبی) کو میری کفالت میں دیدے ۔ میرے سپرد کر دے ۔ میری ملکیت بنا دے ۔ سورہ آل عمران میں ہے ۔ وَکَفَّلَهَا زَکَرِیَّا (۳/۳۷) ۔ مریم کو زکریا کی کفالت میں دیدیا ۔

اَلْکِفْلُ ۔ حصہ ۔ نصیب ۔ یہ اسوقت بولتے ہیں جب کسی کے ساتھ دوسرے کو بھی اتنا ہی حصہ دیا جائے* ۔ (۵۷/۲۸) ۔ کِفْلَیْنِ ۔ دو حصے ۔ دوگونہ حصے (۵۷/۲۸) ۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہاں کِفْلَیْنِ سے مراد دو عدد نہیں بلکہ تواتر و تسلسل نعمت مراد ہے اور اس میں حسب ضرورت کا مفہوم بھی ہے*** ۔

سورہ انبیاء میں ذَاالْکِفْلِ (۲۱/۸۵) کا نام زمرۂ انبیاء میں آیا ہے ۔ بعض کا خیال ہے کہ شاید یہ حزقیل نبی ہیں جن کا ذکر توریت میں آتا ہے**** ۔

---

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔ ****بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ذوالکفل سے مراد کپل و ستو والا (یعنی گوتم بدھ) ہیں ۔

چونکہ قرآن کریم نے ان کے احوال و کوائف بیان نہیں کئے اس لئے اگر متعین طور پر نہ بھی کہا جاسکے کہ یہ کون تھے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا ۔ نیز دیکھئے عنوان ذَا الْکِفْل ۔

ک ف ی

اَلْکِفَایَۃُ ۔ وہ چیز جس سے ضرورت پوری ہو جائے اور مقصود حاصل ہو جائے *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اتنی مقدار میں ہونا کہ وہ ضرورت کو پورا کر دے اور اس سے زیادہ کی ضرورت نہ ہو ۔ کَفَاکَ الشَّیْءُ یَکْفِیْکَ ۔ تجھے وہ چیز کافی ہے ۔ اَلْکُفْیَۃُ ۔ غذا جو زندگی کے لئے کافی ہو ۔ کَفَاہُ مُؤْنَتَہٗ ۔ فلاں آدمی نے اس کے پرمشقت کام کو اپنے سر لے لیا اور اسے اس سے بچا دیا** ۔ کَفَیْتُہٗ شَرَّ عَدُوِّہٖ میں نے اسے اسکے دشمن کے شر سے محفوظ رکھا اور بچا لیا *** ۔ رَجُلٌ کَافٍ وَ کَفِیٌّ ۔ جو تمہارے لئے کافی ہو اور اسکے بعد تمہیں کسی کی ضرورت نہ ہو ۔ کَافَاہُ مُکَافَاۃً ۔ وہ اسکو کافی ہو گیا *** ۔ اَلْکَفِیُّ ۔ بارش** ۔ کَفٰی عَنْہُ الشَّیْءَ ۔ اس چیز کو اس سے ہٹا دیا یا پھیر دیا** ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَہْزِءِیْنَ (۱۵/۹۵) ۔ یہ لوگ جو تیرے خلاف شرارتیں کرکے خوش ہوتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں ہم ان کی مخالفت سے تیری مدافعت کرنے کے لئے کافی ہیں ۔ ہمارا قانون جس پر تو چل رہا ہے ان کے مقابلہ میں تیری حفاظت بھی کریگا اور تیرا مقصود بھی حاصل ہو جائیگا ۔ (کَفٰی میں دونوں باتیں شامل ہیں) ۔ انہی معنی میں ہے فَسَیَکْفِیْکَہُمُ اللّٰہُ (۲/۱۳۷) ۔ سورہ زمر میں ہے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (۳۹/۳۶) ۔ خدا کے احکام کی اطاعت کرنے والے (عَبْدٌ) کو خدا کا قانون مکافات تمام تخریبی عناصر سے محفوظ بھی رکھتا ہے اور اسے اسکی منزل مقصود تک بھی پہنچا دیتا ہے ۔ اسکی تشریح اس نے گلے ٹکڑے نے یہ کہکر کر دی کہ وَیُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ (۳۹/۳۶) ۔ یہ لوگ تجھے غیر خدائی قوتوں سے ڈراتے ہیں ۔ ان سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ۔

یہ ہے قوانین خداوندی کے اتباع کی بنیادی خصوصیت ۔ سورہ رعد میں ہے ۔ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا (۱۳/۴۳) ۔ شہادت (یا نگرانی) کے لئے خدا کافی ہے ۔

---

*راغب ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔

انسان کے لئے کسقدر اطمینان اور سکون کا موجب ہے یہ بات کہ اسے ایسا ضابطۂ زندگی مل جائے جو اسے تمام تخریبی عناصر سے محفوظ بھی رکھے اور اسے اسکی منزل مقصود تک بھی پہنچا دے۔ اور اسطرح اسے دنیا کی ہر آستاں سے مستغنی کر دے۔

ک ل أ

کَلَأٌ۔ یَکْلَأُ۔ کَلْأً۔ وَ کِلَاءً وکِلَاءَۃً ۔ حفاظت کرنا۔ چوکیداری کرنا ۔ نگرانی کرنا*۔ اَلْمَکْلَأُ ۔ نہر کا کنارا ۔ ساحل ۔ بندرگاہ۔ ہر وہ مقام جہاں ہوا سے پناہ لی جائے **۔ ابن فارس نے بھی اس مادہ کے بنیادی معنوں میں دیکھ بھال کرنا اور چوکیداری کرنا لکھے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے ۔ مَنْ یَّکْلَؤُکُمْ (۲۱/۴۲)۔ تمہاری حفاظت کون کرتا ہے ؟ کون تمہارا نگران ہوتا ہے ؟

ک ل ب

اَلْکَلْبُ ۔ ہر چیر پھاڑ کرنے والے جانور (درندے) کو کہتے ہیں ۔ لیکن اس کے بعد یہ لفظ کتے کے لئے ہی استعمال ہونے لگا (۷/۱۷۶) ۔ ویسے شیر کو بھی کہتے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے ساتھ سختی سے لٹک جانا ہیں ۔ چنانچہ اَلْکَلْبُ آنکڑے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سامان لٹکایا جاتا ہے ۔ اَلْکَلْبَۃُ مِنَ الْعَیْشِ ۔ روزی کی تنگی* ۔ اَلْمُکَلِّبُ ۔ کتوں کو شکار کے لئے سدھانے والا* ۔ پھر یہ عام شکاری جانوروں (اَلْجَوَارِحُ) کو سدھانے کے لئے استعمال ہونے لگا۔ سورۃ المائدہ میں ہے وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُکَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ ۔ ۔ ۔ ۔ (۵/۴) ۔ اور (تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے) جو تم شکاری جانوروں کو شکار کی تعلیم دیتے ہوئے سکھاؤ ۔ تم ان کو سکھاتے ہو اس (علم) کی رو سے جو تمہیں اللہ نے سکھایا ہے ۔

(ضمناً) اس آیت میں ایک چیز اور بھی غور طلب ہے ۔ اس میں کہا گیا ہے کہ تم شکاری جانوروں کو جو شکار کرنا سکھاتے ہو تو یہ اس علم کی رو سے ہے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے ۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ نے یہ علم ، شکاریوں کو خود نہیں سکھایا ۔ اس نے اس کے سیکھنے کی استعداد انسان کے اندر رکھ دی ہے ۔ اب جو انسان چاہے اس علم کو سیکھ لے ۔ اللہ نے اس کی نسبت اپنی

*تاج ۔ **محیط ۔

طرف اس لئے کی ہے کہ اس علم کی تحصیل کی استعداد انسان کو اس نے دی ہے۔ لہذا، انسان جو کچھ اللہ کے مقرر کردہ قانون اور قاعدے کی رو سے کرتا ہے، اسے اللہ اپنی طرف بھی منسوب کرلیتا ہے۔ اس نکتہ کے سمجھ لینے سے قرآن کریم کے بہت سے مقامات واضح ہو جاتے ہیں۔ (مثلاً دیکھئے ۲/۲۲۲)۔

ك ل ح

كَلَحَ يَكْلَحُ۔ كُلُوْحًا و كُلاَحًا۔ ترش روئی کے ساتھ ہونٹوں کا اوپر کو اُٹھ جانا اور دانتوں کا نظر آنے لگنا، بُرا منہ بنانا۔ بڑی شدت سے منہ بگاڑنا۔ اَلْكَلُوْحُ۔ بد نما آدمی۔ اَلْكُلاَحُ۔ قحط سالی کو کہتے ہیں*۔ ابن فارس نے بھی اس مادہ کے بنیادی معنی ترشروئی اور چہرے کے بد نما ہونے کے لکھے ہیں۔

سورۃ مومنون میں ہے هُمْ فِيْهَا كَالِحُوْنَ (۲۳/۱۰۴)۔ وہ اس میں برا منہ بنا رہے ہونگے۔

ك ل ف

اَلْكَلَفُ۔ سیاہی مائل زردی۔ اَلْكُلْفَةُ۔ سیاہی مائل زرد۔ مشقت کے باوجود جس کام کو برداشت کیا جائے۔ ہر مصیبت یا حق جسے بدقت و صعوبت برداشت کیا جائے۔ اَلْكُلُوْفُ۔ امرِ شاق۔ اَلتَّكْلِيْفُ۔ ایسے کام کا پابند کرنا جو کسی پر گراں گزرے۔ تَكَلَّفَ الْاَمْرَ۔ اس نے ایسے کام کو باوجود مشقت و تنگی برداشت کرلیا جس کا کرنا اس پر گراں گزرتا تھا**۔ تَكَلُّفُ الشَّيْءِ۔ کسی کام کو اظہار شیفتگی کے ساتھ کرنا اگرچہ اس کے کرنے میں اسے مشقت پیش آئے۔ اسی لئے عرف عام میں كُلْفَةٌ مشقت کو کہتے ہیں اور تَكَلُّفٌ اس کام کے کرنے کو جو مشقت، تصنع یا اوپرے جی سے دکھاوے کے لئے کیا جائے۔ چنانچہ سورۃ صٓ میں جو ہے۔ کہ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (۳۸/۸۶) تو اس کے معنی یہی ہیں کہ میں دکھاوے کے لئے یہ کچھ نہیں کر رہا۔

قرآن کریم میں کئی ایک مقامات میں آیا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (۲/۲۸۶)۔ اس کے عام معنی یہ ہیں کہ اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا پابند نہیں کرتا۔ اس میں یہ سمجھ لینا ضروری ہوگا کہ ایک فرد کی وسعت کی حد وہ ہوگی جس تک وہ اپنی انتہائی کوشش اور محنت کے بعد

*تاج و راغب۔ **تاج و محیط۔ **راغب۔

پہنچے - یہ نہیں کہ انسان کسی حکم کی تعمیل میں پوری پوری کوشش نہ کرے اور یہ کہکر اپنے آپ کو اطمینان دے لے کہ مجھے اللہ اس سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا - لیکن راغب نے لکھا ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا ، انسان پر جو پابندیاں عائد کرتا ہے تو وہ اس لئے ہوتی ہیں کہ ان سے انسانی ذات میں وسعت اور کشاد پیدا ہو- یعنی وہ پابندیاں اس کی آزادی سلب کرنے کے لئے نہیں ہوتیں ، بلکہ اس کی ذات کی قوتوں اور صلاحیتوں میں وسعتیں پیدا کرنے کےلئے ہوتی ہیں، جس طرح نہر کی ٹھوکر(Fall) اس کے پانی کی رفتار میں مزید تیزی پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے -

قرآن کریم کے مختلف مقامات میں سیاق و سباق سے دیکھ لینا چاہئے کہ کس مقام پر کون سے معانی زیادہ موزوں ہیں -

ک ل ل

"کلٌّ" - کسی چیز کے تمام اجزاء - سب کا سب - مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے - کبھی کبھی اس کا استعمال "بعض" کے معنوں میں بھی ہوتا ہے*- ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنوں میں سے ایک معنی کسی چیز کو کسی دوسری چیز سے گھیر لینا بتائے ہیں -

"کلٌّ" کے معنی وکیل - بت - نو پیدا مصیبت - یتیم بچہ - صاحب عیال آدمی کے بھی آتے ہیں - نیز ایسا نکما شخص جو دوسرے پر بوجھ ہی بوجھ ہو اور اس میں کوئی بھی خوبی نہ ہو*- "هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلَاهُ" (۱۶/۷۶) - وہ اپنے آقا پر سراسر بوجھ ہے -

"کلٌّ- کَلَالٌ"- "کَلَالَةٌ" کے معنی ہیں عاجز آ جانا ، تھک جانا*- "اَلْكَلَالَةُ" - قرآن کریم میں احکامِ وراثت کے ضمن میں "اَلْكَلَالَةُ" کا ذکر دو جگہ آیا ہے - ایک (۴/۱۲) میں اور دوسرا (۴/۱۷۶) میں - مفسرین نے اس باب میں بڑی لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں کہ کلالہ کسے کہتے ہیں - (چونکہ احکامِ وراثت ایک فنی موضوع ہے اور ہم اس مقام پر اس کے متعلق تفصیلی گفتگو نہیں کر رہے اس لئے ہم ان بحثوں کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے - مختصراً یہ سمجھ لینا کافی ہوگا کہ ان میں سے) ایک گروہ کا خیال ہے (اور اکثریت اسی خیال کی حامل ہے) کہ کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ اولاد - ابن قتیبہ نے ابو عبیدہ کے حوالہ سے لکھا ہے

*تاج -

کہ یہ مصدر ہے تَکَلَّلَہٗ النَّسَبُ سے ، جس کے معنی ہیں ''نسب اس کے اطراف تک پہنچ گیا'' ۔ باپ اور اولاد آدمی کی دونوں طرفیں ہوتی ہیں ۔ جب آدمی مر جائے اور نہ باپ چھوڑے اور نہ اولاد تو وہ اسطرح مر گیا کہ اس کی دونوں طرفیں چلی گئیں ۔ اسے کلالہ کہتے ہیں* ۔

المغرب (لغت کی مشہور کتاب) جلد ۲ ۔ صفحہ ۱۵۹ میں ہے کہ والد اور ولد کے سوا جو وارث بھی ہو وہ کلالہ ہے ۔ اور اس کا اطلاق وارث اور موروث دونوں پر ہوتا ہے ، اس قرابت (نسبی) کے اعتبار سے جو والد اور ولد کی حیثیت سے نہ ہو ۔ لسان العرب میں (اخفش اور فراء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ) کلالہ ، قرابت (نسبی) کی رو سے ہر وہ قرابت مند ہے جو والد اور ولد کے سوا ہو ۔ یہ تو رہی لغت کی بحث ۔ قرآن کریم نے چار لفظوں میں اس کی وضاحت کردی ہے کہ کَلَالَۃٌ کسے کہتے ہیں ۔ سورۃ نساء میں ہے اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّ لَہٗ اُخْتٌ فَلَھَا ..... (۴/۱۷۶) ۔ ''اگر کوئی شخص مرجائے ۔ اس کی اولاد کوئی نہ ہو ۔ اور اس کی بہن ہو تو (اس کا حصہ یوں ہوگا) ۔ اسی سورت کے شروع میں ہے .... وَ لَہٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ ..... (۴/۱۲) ۔ ''اور اس کا بھائی یا بہن ہوں تو'' ۔ یعنی کلالہ ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں ۔ ایک یہ کہ اس کی اولاد نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اس کا بھائی یا بہن ہو ۔ والدین کے ہونے یا نہ ہونے کی کوئی شرط نہیں ۔ اگر اس کے ماں باپ ہونگے تو (۴/۱۲) کے مطابق ترکہ کی تقسیم اور طرح ہوگی ۔ اور اگر وہ نہ ہونگے تو (۴/۱۷۶) کے مطابق تقسیم اور ہوگی ۔

اَلاِکْلِیْلُ ۔ تاج** ۔ اور اَلْکَلَالُ ۔ حالت ۔ کیفیت** ۔

اوپر کہا گیا ہے کہ کُلٌّ کے معنی سب کے سب ہیں لیکن کبھی کبھی اس کا استعمال بَعْضٌ کے معنوں میں بھی ہوتا ہے ۔ مثلاً قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں ہے کہ ان سے کہا کہ چار پرندے لو اور اُنہیں سدھاؤ ۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ (۲/۲۶۰) ۔ اس میں کُلِّ جَبَلٍ سے مراد بعض پہاڑ ہیں ۔ لیکن یہاں کُلِّ کے معنے سب بھی ہوسکتے ہیں ، اس لئے کہ کُلِّ اضافی اسم ہے اور جب کسی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد اس کے حلقہ میں جس قدر ہوں وہی کل ہو جاتے ہیں ۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ جس مقام کا یہ ذکر ہے وہاں پہاڑ ہی دو چار ہوں ۔ اس اعتبار سے کُلٌّ کے معنی کُل ہی ہونگے ۔ دوسری طرف سورۃ کہف میں ذوالقرنین کے متعلق ہے ۔ وَ اٰتَیْنٰہُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا (۱۸/۸۴) ۔ ہم نے اسے ہر

*القرطبین ۔ جلد اول ۔ صفحہ ۱۱۶ ۔ **تاج

قسم کا سامان دے رکھا تھا ۔ اس میں "کلّ شَیْءٍ" سے مراد دنیا کی تمام چیزیں نہیں ، بلکہ مقصد یہ ہے کہ استحکام مملکت وغیرہ کے تمام ضروری سامان دے رکھے تھے اور ان ضروری سامانوں میں سے بھی ہر ایک سامان کا کچھ حصہ ۔ لفظ مِنْ کا مطلب "کچھ حصہ" ہے ۔

"کلّ" کے پہلے اِنْ نافیہ اور بعد میں اِلاّ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں "کوئی بھی ایسا نہیں تھا" ۔ اِنْ "کلّ" اِلاّ کَذَّبَ الرُّسُلَ (۳۸/۱۴) ۔ کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس نے رسولوں کو نہ جھٹلایا ۔ سب نے جھٹلایا ۔

"کلّمَا" ۔ جب کبھی ۔ "کلّمَا اَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِیْهِ (۲/۲۰) ۔ جب کبھی وہ انہیں روشنی دیتی ہے تو وہ اس میں چلنے لگتے ہیں ۔

کَلّا اور کِلَا ۔ دو جداگانہ الفاظ ہیں ۔ انہیں الگ عنوانات میں دیکھئے ۔

کَلّا (حرف)

کَلّا ۔ (۱) یہ عام طور پر ان معنوں میں آتا ہے جن معنوں میں ہم اپنے ہاں کہتے ہیں "نہیں بات یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ" ۔ کَلّا بَلْ لاّ تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ (۸۹/۱۷) ۔ ہر گز ایسا نہیں ۔ بلکہ بات یہ ہے کہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے تھے ۔ (اس میں جھڑکنے ، تنبیہ کرنے ۔ یا باز رکھنے ۔ یا مذمت کرنے کا پہلو ہوتا ہے) ۔

(۲) "حقیقت یہ ہے" ۔ "واقعہ یہ ہے" ۔ کَلّا اِنّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی (۹۶/۶) ۔ حقیقت یہ ہے (یہ امر واقعہ ہے) کہ انسان سرکشی اختیار کرتا ہے ۔

(۳) میرزا ابوالفضل نے نضر بن شمیل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے معنی نَعَمْ (ہاں) کے بھی ہوتے ہیں ۔ سورہ تکاثر میں تین بار کَلّا آیا ہے (کَلّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ ثُمّ کَلّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ کَلّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۔ (۱۰۲/۳-۵) ۔ ان آیات سے کَلّا کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنی خلاف حقیقت تصور کی تردید اور حقیقت کے متعلق حتم و یقین ۔

کِلَا

کِلَا (مذکر) ۔ کِلْتَا (مونث) ۔ "دونوں" کے معنوں میں آتا ہے ۔ کِلَاهُمَا ۔ (۱۷/۲۳) دونوں (ماں اور باپ) ۔ کِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ (۱۸/۳۳) ۔ یہ دونوں باغ ۔

ک ل م

کَلِمَۃٌ کے معنی ہیں ایک لفظ ۔ ایک بات ۔ ایک جملہ یا ایک قصیدہ ۔ یا ایک خطبہ ۔ کَلِمَۃٌ یا کَلْمَۃٌ یا کَلِّمَۃٌ ۔ تینوں طرح آتا ہے ۔ کَلَامٌ کے معنی ہیں بات * ۔ کَلِمٰتٌ (کَلِمَۃٌ کی جمع) کے معنی امور کے بھی آتے ہیں ۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے ۔ وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ (۲/۱۲۴) ۔ جب ابراہیمؑ کو اس کے نشو و نما دینے والے نے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں نمود ذات کے مواقع بہم پہنچائے ۔ یعنی اسکے سامنے مختلف امور آئے ۔ وہ مختلف حوادث سے دو چار ہوا ۔ مختلف قسم کی باتوں سے اس کا واسطہ پڑا ۔ مختلف امور اس کے ذمہ لگائے ۔ مختلف معاملات اسکے سپرد کئے ۔ کَلِمٰتٌ میں یہ تمام معنی پوشیدہ ہیں ۔

اَلْکَلْمُ کے معنی ہیں زخمی کرنا * ۔ ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی (۱) بات کرنا اور (۲) زخمی کرنا لکھے ہیں ۔ سورہ نمل میں ہے ۔ اَخْرَجْنَا لَھُمْ دَآبَّۃً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُھُمْ (۲۷/۸۲) ۔ یہاں تُکَلِّمُ کے معنی زخمی کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں اور بات کرنے کے بھی ۔ (آیت کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان د ۔ ب ۔ ب) نواب صدیق حسن خان نے کہا ہے کہ ک ۔ ل ۔ م کی خاصیت شدت اور قوت ہے ۔ اس کی مثال اَلْکَلْمُ ہے ۔ اَلْکَلَامُ سخت زمین کو بھی کہتے ہیں** ۔

آج کل کی اصطلاح میں جس چیز کو نظریہ زندگی ۔ تصور حیات ۔ یا آئیڈیالوجی (Ideology) کہا جاتا ہے اسے کَلِمَۃٌ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ جیسے سورہ ابراہیم میں ہے ۔ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ (۱۴/۲۴) ۔ خوش گوار اور ثمر بار نظریہ زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سرسبز و شاداب درخت جسکی جڑیں مستحکم ہوں اور جسکی شاخیں فضا کی پہنائیوں میں جھوم رہی ہوں ۔

کَلَّمَ ۔ کسی سے بات کرنا (۱۹/۲۶) ۔ تَکَلَّمَ ۔ کسی سے بات کرنا (۲۲/۱۶) ۔ تَکْلِیْمٌ کسی سے بات کرنا (۲/۱۶۴) ۔ نیز یہ شبہ کے اظہار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے مجھے اس میں کلام ہے ۔ یا یہ روایت متکلم فیہ ہے ۔

سورہ آل عمران میں ہے ۔ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ (۳/۴۵) (اے مریم) خدا تمہیں اپنی طرف سے ایک بات کی خوش خبری دیتا ہے ۔

---

* تاج و محیط ۔ **العلم الخفاق ۔

(اس سے آگے ہے کہ جس کے متعلق خوش خبری دی تھی اس کا نام عیسیٰ تھا) ۔ عیسائیت میں کَلِمَۃ (Word) یا (Logos) ایک خاص اصطلاح ہے جس کے گرد (حضرت) عیسےٰ کی ابنیت اور الوہیت کا تمام فلسفہ گردش کرتا ہے ۔ لیکن قرآن کریم اس قسم کی دور ازکار فلسفیانہ بحثوں میں نہیں الجھتا ۔

سورہ یونس میں (نیز دیگر مقامات میں) ہے وَکَذٰلِکَ حَقَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ (۱۰/۳۳) ۔ اسطرح تیرے رب کی بات ان پر صادق آگئی ۔ ان مقامات میں خدا کے کَلِمَۃ کے سیدھے سادے معنی ”خدا کی بات“ ہی ہیں ۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدا کی بات سے مراد خدا کا قانون ہے ۔ چنانچہ یہ لفظ ”قانونِ خداوندی“ کے معنوں میں عام طور پر استعمال ہوا ہے ۔ قوانین خداوندی کا ایک حصہ خارجی کائنات میں نافذ العمل ہے ۔ انہیں (Laws of Nature) کہا جاتا ہے ۔ اور دوسرا حصہ وہ ہے جو انسانی دنیا سے متعلق ہے ۔ یہ قوانین وحی کے ذریعے ملتے ہیں اور اب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں ۔ خود قرآن کریم کے متعلق ہے وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (۶/۱۱۶) ۔ قوانین خداوندی صدق و عدل کے ساتھ تکمیل تک پہنچ گئے ۔ اب ان میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا ۔ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ (۶/۱۱۶) ۔ اس سے ختم نبوت لازم آتی ہے ۔ یعنی جب ضابطہ خداوندی کی تکمیل ہو گئی اور اس کے بعد اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی تو کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ مومن فرد یا جماعت جن حدود و قیود (خدا کے قوانین واصول) کے اندر رہتے ہوئے زندگی بسر کرنے پر مکلف ہے ، ان حدود کو کوئی نہیں بدل سکتا ۔ یہی حدود اسلامی مملکت کی آزادی اور پابندی بھی متعین کرتی ہیں ۔ انہیں مملکت بھی نہیں بدل سکتی۔ لیکن ان کی چار دیواری کے اندر رہتی ہوئی وہ آزاد ہوتی ہے کہ اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ، اپنے معاملات ، باہمی مشاورت سے طے کرے۔

کَم

کَمْ ۔ (۱) کتنی (مقدار) (۲) کتنی (تعداد) (۳) کتنی (دیر) ۔ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ (۲۳/۱۱۲) ۔ تم کتنی مدت تک زمین میں رہے ہو۔ کَمْ مِنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً (۲/۲۴۹) ۔ کتنی ہی چھوٹی چھوٹی جماعتیں تھیں جو بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں ۔ (”کئی“ یا ”بہتیری“ سے بھی مفہوم واضح ہو جاتا ہے)

كُمْ (ضمیر)

كُمْ - ضمیر منصوب متصل ہے - جمع مذکر حاضر کیلئے آتی ہے - ضَرَبَكُمْ اس نے تم سب کو مارا - وَعَدَكُمُ اللّٰهُ - اللہ نے تم سے وعدہ کیا (۴۸/۲۱) -

(۲) نیز یہ ضمیر مجرور متصل کے طور پر بھی آتی ہے - غُلَامُكُمْ - تم سب کا غلام - سورہ آل عمران میں ہے مِنْ رَبِّكُمْ (۳/۵۰) تمہارے رب کی طرف سے -

كُمَا (ضمیر)

كُمَا ضمیر منصوب متصل ہے - تثنیہ حاضر کیلئے آتی ہے - اور مذکر و مؤنث دونوں کیلئے استعمال ہوتی ہے - ضَرَبَكُمَا - اس نے تم دونوں (مردوں یا عورتوں) کو مارا - يَاْتِيَانِكُمَا (۱۲/۳۷) -

(۲) نیز یہ ضمیر مجرور متصل ہے - غُلَامُكُمَا - تم دونوں کا غلام - (مذکر و مؤنث دونوں کیلئے) - سورہ طٰہٰ میں ہے اِنِّيْ مَعَكُمَا ... (۲۰/۴۶) "میں تم دونوں کے ساتھ ہوں" - اس سے ذرا آگے ہے فَمَنْ رَبُّكُمَا يٰمُوْسٰى (۲۰/۴۹) - "اے موسٰے - تم دونوں (بھائیوں) کا رب کون ہے"؟

ك م ل

اَلْكَمَالُ - پورا ہونا - اَلتَّمَامُ کے معنی بھی پورا ہونا ہوتے ہیں - (ان دونوں میں جو باریک فرق ہے اس کے لئے عنوان - ت - م - م دیکھئے) -

كَمُلَ - کامل ہونا - پورا ہونا - اَكْمَلَهٗ - وَكَمَّلَهٗ - اسے پورا کر دیا اور خوش نما بنا دیا - اَعْطَاهُ الْمَالَ كَمَلًا - اسے پورا پورا مال دے دیا* - راغب نے کہا ہے کہ جب كَمُلَ ذَالِكَ تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو کچھ اس سے غرض تھی وہ حاصل ہوگئی** -

روزوں کی گنتی پورا کرنے کے لئے کہا ہے - لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ - (۲/۱۸۵) - سورۃ المائدہ میں ہے اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (۵/۳) - اس کے دونوں معنی ہوسکتے ہیں - ایک تو یہ کہ تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل

*تاج - **راغب - ** العلم الخفاق فی علم الاشتقاق -

کر دیا۔ اس سے اسلام کے آخری اور مکمل دین (ضابطۂ حیات) ہونے کی شہادت ملتی ہے ۔ اور دوسرے یہ کہ ''اب تمہیں مخالفین پر پورا پورا غالب کر دیا ۔ تمہارے غلبہ کو مکمل کر دیا'' ۔ یہ اُس وقت کی جماعت مومنین کے متعلق ہے ۔ اسی لئے ، اس کے بعد کہا گیا ہے کہ تمہارے مخالف اب بالکل مایوس ہو چکے ہیں ($\frac{5}{30}$) ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ ک ۔ م ۔ ل کا خاصہ شدت اور قوت ہے ۔ کسی شے کے کمال میں اس کی قوت کا راز پوشیدہ ہوتا ہے** ۔

ک م م

اَلْکُمُّ ۔ آستین ۔ اَلْکِمُّ ۔ وہ غلاف یا خول جس سے پھول یا کلی ڈھکی ہوتی ہے ۔ اسکی جمع اَکْمَامٌ ہے ۔ ($\frac{55}{11}$ و $\frac{41}{47}$) ۔ کُمَّتِ النَّخْلَۃُ ۔ کھجور میں بند کلیاں لگ گئیں ۔ ایسا درخت مَکْمُوْمٌ کہلائیگا ۔ اَلْکِمَامُ ۔ اونٹ کے منہ پر جو غلاف (یا چھینکا) چڑھا دیا جاتا ہے تاکہ وہ کسی کو کاٹے نہیں ۔ اَلْکُمَّۃُ ۔ گول ٹوپی* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ڈھانپنے والی چیز کے ہوتے ہیں ۔

ک م ہ

اَلْکَمَہُ ۔ پیدائشی اندھا پن ۔ ایسے اندھے کو اَلْاَکْمَہُ کہینگے ۔ لیکن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ پیدائشی اور غیر پیدائشی دونوں کے لئے آتا ہے ۔ کَمِہَ النَّھَارُ ۔ آفتاب پر غبار چھا گیا اور دن اندھیرا ہوگیا ۔ کَمِہَ فُلَانٌ ۔ فلاں آدمی کی عقل جاتی رہی ۔ (یعنی بصیرت گم ہوگئی) ۔ اَلْکَامِہُ ۔ وہ شخص جو اٹھ کر ، جدھر اس کے جی میں آئے چل دے* ۔

سورۃ آل عمران میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا ''وَ اُبْرِیءُ الْاَکْمَہَ ($\frac{3}{48}$) ۔ میں اندھوں کو نگاہ عطا کروں گا ۔ جس کی بصیرت گم ہو چکی ہے میں اُسے واپس لا دونگا ۔ جو بغیر راستہ معلوم کئے یونہی چلے جا رہے ہیں میں انہیں راستہ دکھا دوں گا ۔ میں ان کے لئے منزل متعین کرونگا ۔ رسول کا یہی کام ہے جسے وہ وحی کے ذریعے سر انجام دیتا ہے ۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر راہ گم کردہ لوگوں کو اندھے اور صحیح راستے پر چلنے والوں کو آنکھوں والے کہا ہے ۔

*تاج و راغب و محیط ۔ **العلم الخفاق

ك ن د

كَنَدَ الشَّيْءَ يَكْنُدُهُ - اس نے اس چیز کو کاٹ دیا* - ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ كَنَدَ النِّعْمَةَ - اس نے کفران نعمت کیا - اَلْكَنُوْدُ اُس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو تنہا خور ہو - لوگوں کی مدد نہ کرے اور غلاموں کو مار پیٹ کرتا رہے - یا وہ جو مصیبتوں کو گنتا رہے اور بخششوں کو بھلا دے* - یعنی ناقدرا - نیز وہ زمین جہاں کچھ پیداوار نہ ہوتی ہو** - اَلْكَيْدَةُ پہاڑ کے ٹکڑے کو کہتے ہیں* -

قرآن کریم میں ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (۱۰۰/۶) - یعنی انسان کو اگر عَلٰی حَالِهٖ چھوڑ دیا جائے تو وہ اس شخص کے مانند ہوجاتا ہے جو تنہا خور ہو اور اپنے نشو و نما دینے والے کے عطا کردہ سامانِ رزق میں کسی اور کو شریک نہ کرنا چاہے - وہ ایسی سنگلاخ زمین بن جاتا ہے جس سے ربوبیت عامہ کی کونپلیں نہیں پھوٹتیں - یہ ہے ''رب کی ناقدر شناسی'' -

ك ن ز

اَلْكَنْزُ - زمین کے نیچے مدفون مال - (جمع كُنُوْزٌ)- یہ اس کے اصلی معنی ہیں - كَنَزَ - يَكْنِزُ - دولت جمع کرنا* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں اکٹھا ہونے کے ہیں - وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ .... هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ ..... سَاَكْنِزُ تَكْنِزُوْنَ (۳۵-۹/۳۴) میں مال و دولت جمع کرنے ہی کے معنی ہیں - قرآن کریم کی رو سے افراد کے لئے ، مفاد خویش کی خاطر ، دولت جمع کرنا جہنم تیار کرنا ہے - قرآنی نظام معیشت میں افراد کے پاس فاضلہ دولت (Surplus Money) کی گنجائش ہی نہیں ہوتی - اس میں ہر فرد پوری پوری محنت کرتا ہے - اس کے ماحصل سے اپنی ضروریات کے مطابق لیتا ہے اور باقی سب نوع انسانی کی پرورش کے لئے نظام معاشرہ کے حوالے کر دیتا ہے - یہ نظام عند الضرورت اس کی اور اس کی اولاد کی تمام بنیادی ضروریات زندگی کی ضمانت دیتا ہے - لہذا اس نظام میں دولت جمع کرنے یا جائدادیں بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - واضح رہے کہ جائداد بھی منجمد شکل میں جمع شدہ دولت ہی ہوتی ہے -

سورۃ کہف میں ہے - كَنْزٌ لَّهُمَا (۱۸/۸۲) - ان کی مدفون دولت - دبا ہوا خزانہ - سورۃ قصص میں كُنُوْزٌ اور مَفَاتِحُ ایک ہی معنوں میں

*تاج و محیط - **محیط و راغب -

استعمال ہوئے ہیں (۲۸/۷۶) ۔ یعنی خزانے۔ اَلْکَنِیْزُ ۔ وہ کھجوریں جو ٹوکروں یا برتنوں میں بھر کر سردی کے لئے محفوظ کرلی جائیں* ۔

ک ن س

کَنَسَ الظَّبْیُ یَکْنِسُ ۔ ہرن اپنے چھپنے کی جگہ (جھاڑیوں میں) چھپ گیا ۔ اَلْکِنَاسُ ۔ گھنے درخت جہاں جنگلی جانور پناہ لیتے ہیں ۔

اَلْکُنَاسَۃُ ۔ گھورا ، جہاں کوڑا کرکٹ ڈال دیا جاتا ہے ۔ نیز خود اس کوڑے کو بھی کہتے ہیں** ۔ (غالباً اس لحاظ سے کہ ایسے مقامات کو ڈھانپ کر، یا نظروں سے اوجھل رکھا جاتا ہے) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے دو بنیادی معنی ہیں (۱) کسی چیز کے بالائی حصہ سے کسی چیز کو ہٹا دینا اور (۲) چھپا دینا ۔

قرآن کریم میں اَلْجَوَارِ الْکُنَّسِ (۸۱/۱۶) آیا ہے ۔ ایسے سیارے جو چلتے چلتے غروب ہو جائیں ۔ چھپ جائیں ۔ (نیز دیکھئے عنوان خ ۔ ن ۔ س)۔

اَلْکَنِیْسَۃُ ۔ یہودیوں یا نصرانیوں کی عبادت گاہ***** ۔ (نیز خوبصورت عورت کو بھی کہتے ہیں)** ۔ صاحبِ محیط نے کہا ہے کہ یہ لفظ اَکلِیْسِیَا کا معرب ہے جو یونانی الاصل ہے اور جس کے معنی جماعت کے ہوتے ہیں*** ۔

ک ن ن

اَلْکِنُّ ۔ اَلْکِنَّۃُ ۔ اَلْکِنَانُ ۔ ہر چیز کا غلاف اور پردہ ۔ اَلْکِنُّ ۔ وہ جگہ جہاں کسی چیز کو محفوظ رکھا جائے** ۔ اَلْکِنُّ کی جمع اَکْنَانٌ اور اَلْکِنَانُ کی جمع اَکِنَّۃٌ آتی ہے ۔ (۱۸/۵۷ ؛ ۱۶/۸۱ ؛ ۳۱/۵) ۔ حفاظت کی جگہ (۱۶/۸۱) ۔

کَنَّنَہٗ ۔ اَکَنَّنَہٗ ۔ اُسے چھپا دیا** ۔ (۳۷/۴۹) میں یہ لفظ بمقابلہ یُعْلِنُوْنَ آیا ہے ۔ (اِنَّ رَبَّکَ لَیَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُھُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ) ''یقیناً تمہارا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں'' ۔ یعنی اسکے معنی مخفی رکھنے کے ہیں۔

مَکْنُوْنٌ ۔ حفاظت سے رکھا ہوا ۔ محفوظ (۵۲/۲۴) ۔ قرآن کریم کو کِتَابٌ مَکْنُوْنٌ کہا گیا ہے (۵۶/۷۸) ۔ یعنی محفوظ کتاب ۔ اس کے لئے فِیْ لَوْحٍ مَحْفُوْظٍ بھی کہا گیا ہے (۸۵/۲۲) ۔

---

*تاج و محیط ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔ ****لطائف اللغۃ ۔

كُنَّ (ضمیر)

كُنَّ - ضمیر منصوب متصل ہے - جمع مؤنث حاضر کیلئے آتی ہے - ضَرَبَكُنَّ - اس نے تم سب عورتوں کو مارا - قرآن کریم میں ہے طَلَّقْتُكُنَّ (۶۶/۵) - وہ تمہیں طلاق دیدے -

(۲) نیز یہ ضمیر مجرور متصل کے طور پر بھی آتی ہے - سورۂ یوسف میں ہے إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ (۱۲/۲۸) - "یقیناً تم عورتوں کی خفیہ سازش (مکر) بہت بڑی ہوتی ہے" -

ك هـ ف

اَلْكَهْفُ - پہاڑ میں بڑا غار - چھوٹے کو غَارٌ کہتے ہیں - یا پہاڑ میں کھود کر جو گھر جیسا بنا لیا جائے - جائے پناہ - تَكَهَّفَ - اِكْتَهَفَ - وہ غار میں داخل ہو گیا یا کہف میں رہا * -

قرآن کریم میں أَصْحَابُ الْكَهْفِ (۱۸/۹) ان نوجوانوں کے لئے آیا ہے جنہوں نے آبادی سے باہر غار میں جاکر پناہ لی تھی - (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ر - ق - م وأَصْحَابُ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ)

ك هـ ل

اَلْكَهْلُ - ادھیڑ عمر کو کہتے ہیں - تیس سال کی عمر یا تینتیس سے پچاس سال تک کی عمر - ازہری نے کہا ہے کہ اس عمر والے کو كَهْلٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں انسان انتہائے شباب اور اپنی بھرپور صلاحیتوں پر پہنچ جاتا ہے اور اس کے بعد اس پر انحطاط شروع ہو جاتا ہے - نَعْجَةٌ مُكْتَهِلَةٌ - بھیڑ جو پوری عمر کی ہو چکی ہو** - نَبْتٌ كَهْلٌ - وہ ہودا یا درخت جو اپنے بڑھنے پھولنے کی آخری عمر تک پہنچ چکا ہو*** - ابن فارس نے کہا ہے کہ كَهْلٌ کے بنیادی معنی کسی چیز میں قوت پیدا ہونے اور اس کی ساخت کے محکم و مجتمع ہونے کے ہیں - اَلْمُكَاهَلَةُ - شادی کر لینا*** - سورہ آل عمران میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (۳/۴۶) - کم عمری میں بھی اور پوری عمر کو پہنچ کر لوگوں سے باتیں کریگا - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے ابتدائی عمر ہی سے معاشرہ کی خرابیوں کے خلاف باتیں کرنا شروع

*تاج و محیط و راغب - **تاج - ***محیط -

کر دی تھیں - ویسے بھی (تاریخ بتاتی ہے کہ) انہیں نبوت مقابلۃً کم عمر میں مل گئی تھی (یعنی قریب تیس سال کی عمر میں) لیکن قرآن کریم نے اس کا ذکر نہیں کیا - کَھْلاً کہکر قرآن کریم نے اسطرف اشارہ کیا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ انہیں (۳۳½) برس کی عمر میں صلیب دی گئی اور وہ (یہودیوں کے عقیدہ کے مطابق) صلیب پر وفات پا گئے یا (عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق) آسمان پر چلے گئے، تو یہ صحیح نہیں - وہ ادھیڑ عمر تک لوگوں کے درمیان رہے اور ان سے باتیں کرتے رہے -

ک ہ ن

اَلْکَاھِنُ - وہ شخص جو کائنات میں رونما ہونے والے واقعات کی خبریں دیتا اور معرفت اسرار کا مدعی ہوتا تھا * - لیکن راغب کا کہنا ہے کہ کَاھِنٌ اس شخص کو کہتے تھے جو ماضی کی خفیہ باتوں کے متعلق بتاتا تھا - اور عَرَّافٌ اُسے جو آئندہ کے متعلق خبریں دیتا تھا** - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور دیگر اقوام میں کَاھِنٌ اس شخص کو کہتے تھے جو پجاریوں کی طرف سے قربانیاں دیتا اور جانوروں کو قربان گاہ میں پیش کرتا تھا - اور عربوں کے ہاں کَاھِنٌ اسے کہتے تھے جو "کنکریاں پھینک کر" غیب کی خبریں بتایا کرتا تھا*** -

چونکہ عرب، مقام نبوت کا صحیح صحیح علم نہیں رکھتے تھے اس لئے وہ رسول اکرمؐ کو کَاھِن - شَاعِر - اور مَجْنُوْن کہا کرتے تھے - قرآن کریم نے اس کی تردید کی اور کہا کہ فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّکَ بِکَاھِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ (۵۲/۲۹) - تو خدا کے فضل و احسان سے کاہن اور مجنون نہیں - (نبی کے معنی بھی پیش گوئیاں کرنے والا نہیں بلکہ ایسا شخص ہے جو بلند مقام پر کھڑا ہو - تفصیل متعلقہ عنوان میں ملیگی) - لیکن اب ہمارے ہاں پیش گوئیاں کرنے والوں کو مقربین بارگاہ خداوندی سمجھا جاتا ہے - کسقدر غیر قرآنی ہیں ہمارے نظریات و معتقدات ؟

ک و ب

اَلْکُوْبُ - پیالہ جس کا دستہ نہ ہو**** - اسکی جمع اَکْوَابٌ ہے - قرآن کریم میں اَکْوَابٌ (۴۳/۷۱) اسی قسم کے پیالوں کے لئے آیا ہے -

*تاج - **راغب - ***محیط - ****تاج و راغب -

ک و د

کَادَ (کَ وَ دَ) کا استعمال بطور فعل مقارب کے ہوتا ہے اور اس سے صرف ماضی اور مضارع کے فعل آتے ہیں ؛ دوسرے نہیں آتے ۔ اس کے معنی ہوتے ہیں ''وہ کسی کام کے کرنے کے قریب ہوگیا''۔ (اسی لئے اسے فعل مقارب کہتے ہیں) ۔ کَادَ یَفْعَلُ ۔ قریب تھا کہ وہ اس کام کو کر گزرتا ۔ وہ اسے کرنے والا ہی تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے معنی رکنے کے بھی ہوتے ہیں ۔ یعنی وہ ایسا کرنے والا ہی تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ اس سے رک گیا* ۔ کَادَ زَیْدٌ یَفْعَلُ ۔ قریب تھا کہ زید ایسا کام کر بیٹھتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے لَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا (۱۷/۷۴) ۔ ''اگر ہم تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو ہوسکتا تھا کہ تو ان کی طرف تھوڑا بہت جھک جاتا ۔ لیکن تو نے ایسا نہیں کیا'' ۔

نیز اس کے معنے ارادہ کرنے کے بھی آتے ہیں ۔ وَ اِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْھَا (۱۷/۷۶) ۔ ''انہوں نے اس کا ارادہ کرلیا تھا کہ تمہارے پاؤں اکھاڑ کر تمہیں ملک سے نکال باہر کرتے'' ۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف جانے اور اس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا تو اس سلسلہ میں فرمایا اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْھَا لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی (۲۰/۱۵) ۔ اس میں اَکَادُ اُخْفِیْھَا کا ٹکڑا غور طلب ہے ۔ کَادَ کے عام مفہوم کے اعتبار سے اس کے معنی یہ ہونگے کہ میں نے اسے مخفی رکھنا چاہا تھا لیکن ایسا نہ ہوسکا ۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نسبت اپنی طرف کی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ظہورِ نتائج کے وقت (اَلسَّاعَۃُ) کو اس انداز سے رکھا ہے کہ وہ عام طور پر ، اور عام لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رہتا ہے ۔ لیکن جو لوگ علم و بصیرت سے کام لیں وہ اس آنے والی گھڑی کا پہلے سے اندازہ کر سکتے ہیں۔ نیز خدا کے کائناتی قانون کی رو سے ایسے حالات بھی پیدا ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے یہ گھڑی بے نقاب ہوکر سامنے آجاتی ہے ۔ اَکَادُ اُخْفِیْھَا کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے اسے اس انداز سے رکھا ہے کہ وہ مخفی بھی ہے اور مشہود بھی ہے ۔

---

*تاج و محیط

ك و ر

كَوْرٌ العِمَامَةِ ۔ صافے کو گھمانا اور لپیٹنا ۔ اس کے لئے تَكْوِيرٌ العِمَامَةِ بھی آتا ہے* ۔ کسی چیز کو اوپر چڑھانے اور چھا دینے کے لئے بھی یہ فعل استعمال ہوتا ہے ۔ اِكْتَارَ الرَّجُلُ ۔ آدمی نے عمامہ باندھ لیا۔ اَلْمِكْوَارُ ۔ عمامہ کو کہتے ہیں ۔ اور اَلْكَوْرُ ۔ عمامہ کی ایک لپیٹن کو* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی گھومنے اور اکٹھا ہونے کے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَ يُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ (۳۹/۵) ۔ وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا رہتا ہے ۔ زمین کی گردش کے اعتبار سے دن اور رات کے پھیر کو تَكْوِيرٌ کہنا کتنی بڑی بلاغت اور کیسی عظیم حقیقت ہے ۔ گویا دن اور رات زمانہ کی پگڑی ہے جسے وہ لپیٹتا چلا جا رہا ہے ۔

كَوَّرَهُ تَكْوِيرًا کے معنی پچھاڑ دینے کے بھی آتے ہیں ۔ كَوَّرَ الرَّجُلَ تَكْوِيرًا ۔ اس نے اس آدمی کو نیچے گرا دیا ۔ كَوَّرْتُهُ فَتَكَوَّرَ ۔ میں نے اسے گرایا پس وہ گر گیا*۔ قرآن کریم میں ہے إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (۸۱/۱) ۔ اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ جب ''شمس'' کو لپیٹ لیا جائے گا اور یہ بھی کہ جب اسے گرا دیا جائے گا ۔ دونوں معانی کے اعتبار سے مفہوم ایک ہی ہے ۔ یعنی (مسلمانوں کے ہاتھوں) ایران کی سلطنت کا خاتمہ ۔ اُس سلطنت کے جھنڈے کا (جس کا نشان شمس ، سورج تھا) لپیٹ دیا جانا ۔ یا اس کا گر جانا ۔ (دیکھئے عنوان ش ۔ م ۔ س) ۔ اور اگر اَلشَّمْسُ کے حقیقی معنی (سورج) لئے جائیں تو اس میں کسی آنے والے کائناتی تغیر کی طرف اشارہ ہے ۔

ك و ك ب

اَلْكَوْكَبُ ۔ ستارہ*۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ ظاہر اور نمودار ہونے والے ستارہ کے لئے بولا جاتا ہے** (۶/۲۴) ۔ جمع كَوَاكِبُ ۔ اَلْكَوْكَبَةُ زہرہ ستارہ ۔ اَلْكَوْكَبُ كَتَبٌ ۔ مجازی طور پر بہت سے معانی میں استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً آنکھ میں پڑجانے والی پھلی ۔ لمبے لمبے درخت ۔ قوم کا سردار یا شہ سوار۔ گرمی کی شدت ۔ تلوار۔ پانی ۔ پہاڑ ۔ مسلح مرد ۔ کنویں کا چشمہ ۔ وغیرہ* ۔ اَلْكَوْكَبَةُ ۔ جماعت کو بھی کہتے ہیں*** ۔

---

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط ۔

ك و ن

كَانَ ۔ یہ فعل ناقص ہے ۔ ذیل کے معنوں میں آتا ہے :—

(۱) ''ہے'' کے معنوں میں ۔ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (۴/۳۳) ۔ اللہ علیم و حکیم ہے ۔

(۲) ''تھا'' کے معنوں میں ۔ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ (۱۶/۱۲۰) ۔ یقیناً ابراہیم (ایک فرد نہیں بلکہ) پوری کی پوری فرماں بردار امت تھا ۔

(۳) ''ہوگا'' کے معنوں میں ۔ كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا (۷۶/۷) ۔ جس کا فتنہ اڑ کر لگنے والا ہوگا ۔ (یہاں اس کے معنی ''ہے'' بھی ہوسکتے ہیں) ۔

(۴) ''ہوگیا'' کے معنوں میں ۔ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (۲/۳۴) ۔ اس نے انکار کیا ۔ سرکشی اختیار کی ۔ اور اس طرح نہ ماننے والوں میں سے ہوگیا ۔

(۵) ''سزاوار'' ۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ . . . . . (۳/۷۸) ۔ کسی انسان کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ اللہ اسے کتاب و حکومت و نبوت دے اور وہ . . . .

(۶) تاکید کے لئے بھی آتا ہے ۔ اور کبھی زائد بھی ہوتا ہے ۔ و مَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۲۶/۱۱۳) ۔ مجھے کیا علم ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں ۔ یہاں كَانُوْا زائد ہے ۔ صرف بِمَا يَعْمَلُوْنَ کے بھی یہی معنی ہیں ۔ لیکن اگر اس کے معنی ہوں ''جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے تھے'' تو پھر كَانُوْا زائد نہیں ہوگا ۔

كُنَّ ۔ جمع مؤنث غائب ۔ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ (۴/۴۳۸) اگر وہ خدا پر ایمان رکھتی ہیں ۔

اَكُنْ ۔ واحد متکلم ۔ وَ لَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ (۱۹/۴) ۔ میں قانون شکن نہیں ہوں ۔ اس میں نون گر گیا ہے دراصل اَكُنْ تھا ۔

تَكُنْ ۔ مذکر حاضر اور مؤنث غائب دونوں کے لئے آتا ہے ۔ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ (۱۱/۱۰۹) ۔ تو شک میں نہ رہ (دراصل تَكُنْ تھا)

يَكُنْ ۔ واحد مذکر غائب ۔ لَمْ يَكُنْ مُّغَيِّرًا (۸/۵۳) ۔ وہ نعمت کو بدلنے والا نہیں ہوتا ۔ (دراصل يَكُنْ تھا)

نَكُنْ - جمع متکلم - لَمْ نَكُنْ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (۷۴/۴۳) - ہم مصلین نہیں تھے -

یہ تو ہؤا كَانَ (فعل ناقص) - لیکن یہ فعل تام بھی ہوتا ہے - اس کی بحث آگے آتی ہے -

كَانَ - کسی چیز کا پیدا ہو جانا - واقع ہو جانا - كَوْنٌ اُس چیز کو کہتے ہیں جو یکبارگی اور دفعتاً واقع ہو جائے - لیکن جب کوئی چیز بتدریج پیدا ہو تو اسے حَرَكَت کہتے ہیں - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ كَوْنٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا مادی صورت اختیار کر لینا - راغب نے کہا ہے کہ كَوْنٌ کا لفظ اسوقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی جوہر اپنے سے بلند تر جوہر میں تبدیل ہو جائے - لیکن اگر اپنے سے پست جوہر میں تبدیل ہو جائے تو اسے فَسَادٌ کہتے ہیں - كَوَّنَ اللّٰهُ الْاَشْيَاءَ کے معنی ہیں خدا نے اشیاء کو ایجاد کیا - اَلْكَائِنَةُ کے معنی ہیں حادثہ - یعنی دفعتاً نمودار ہو جانا * - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی واقعہ کی خبر دینے کے ہیں - خواہ وہ ماضی میں ہؤا ہو یا حال میں -

قرآن کریم میں ہے بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲/۱۱۷) - یعنی خدا وہ ہے جو اس کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے - (اِبْدَاعٌ - کسی چیز کو ایجاد کرنا - پہلی مرتبہ وجود میں لانا) - یہ کسطرح ہوا ؟ اسے اس آیت کے اگلے ٹکڑے میں بیان کر دیا - وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۲/۱۱۷) - یعنی جب وہ ایک اَمْرٌ کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے (اس اَمْرٌ سے) کہتا ہے (يَقُوْلُ لَهٗ) كُنْ - (ہو جا) - تو وہ ہو جاتا ہے (فَيَكُوْنُ) - یعنی "امر" کی حالت وہ ہے جس میں اشیاء نے ہنوز صورت اختیار نہیں کی ہوتی - جب وہ اَمْرٌ (خدا کے پروگرام کے مطابق) متشکل ہو جاتا ہے (صورت اختیار کر لیتا ہے) تو وہ شَيْءٌ بن جاتا ہے - ہم کسی شے کا تصور بغیر اسکی صورت (Form) کے کر ہی نہیں سکتے - خدا کے "عالم امر" کی کیا کیفیت ہے، ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے - اسلئے کہ وہاں صورت ((Form) نہیں ہوتی - خدا اس (Formless) اَمْرٌ کو صورت (Form) عطا کرتا ہے - (اسی لئے اسے اَلْمُصَوِّرُ کہا گیا ہے (۵۹/۲۴)) - اور وہ امر شے بنکر ہمارے حیطۂ ادراک میں آجاتا ہے - یہاں سے كَوْنٌ کے معنی ہیں اشیاء کا پہلی مرتبہ صورت اختیار کرنا - یہ سب خدا کے اس قانون کے مطابق ہوتا ہے جو اس نے اشیاء کے پیدا کرنے کے لئے مقرر کر رکھا ہے -

*تاج و محیط -

اَلْمَكَانُ ۔ جگہ ۔ مقام ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ اسی مادہ سے مشتق ہے ۔ اور بعض م ۔ ک ۔ ن سے بتاتے ہیں ۔ اس سے تَمَكَّنَ وغیرہ افعال بنا لئے گئے ہیں * ۔ (ہم نے م ۔ ک ۔ ن کا عنوان الگ لکھا ہے ۔ اس کے تحت ان الفاظ کو دیکھئے)

اَلْاِسْتِكَانَةُ کے معنی ہیں خشوع و خضوع کرنا * ۔ یا عاجزی کا اظہار کرنا (۲۳/۷۶) ۔ (بعض کے نزدیک یہ لفظ سَكَنَ سے ہے ۔ اس لئے ہم نے اسے اس عنوان کے تحت بھی لکھا ہے ۔) اَلْمُكَاوَنَةُ ۔ جنگ و جدال کو کہتے ہیں * ۔

ک و ی

كَوَاهُ يَكْوِيْهِ كَيًّا ۔ اسے گرم لوہے وغیرہ سے داغ دیا ۔ اَلْمِكْوَاةُ ۔ داغ دینے کا آلہ ** ۔ ابن فارس نے ان معانی کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ كَوَاهُ بِعَيْنِهٖ کے معنی ہیں اس نے اسکی طرف گھور کر دیکھا ۔

قرآن کریم میں ہے کہ جو لوگ مال و دولت جمع کرتے ہیں (اور اسے نوع انسانی کی پرورش کے لئے کھلا نہیں رکھتے) ان کے اس مال کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا ۔ فَتُكْوٰى بِهَا .... (۹/۳۵) ۔ اور اس سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں کو داغا جائیگا ۔ (جسطرح اُس زمانے میں بڑے بڑے مجرمین کو داغا جاتا تھا) تاکہ ان کی دور ہی سے پہچان ہو جائے اور لوگ انکی تباہ کاریوں سے محفوظ رہیں ۔ قرآن کریم کی رو سے سرمایہ داری سنگین جرم ہے اور ایسا کرنے والے معاشرہ کے بدترین مجرم ۔

كَيْ ۔ (حرف)

كَيْ ۔ سبب ظاہر کرنے کے لئے (تاکہ ۔ کے معنوں میں) ۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (۵۹/۷) ۔ تاکہ مال تم میں سے دولتمندوں کے اندر ہی گردش نہ کرتا رہے ۔

لِكَيْلَا ۔ لِ + كَيْ + لَا ۔ تاکہ ایسا نہ ہو ۔ (۵۷/۲۳)

ک ی د

كَيْدٌ ۔ حیلہ اور تدبیر کو کہتے ہیں * ۔ محیط نے تعریفات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے معنے خفیہ طریقہ سے کسی دوسرے کو نقصان

*تاج ۔ ** تاج و محیط ۔

پہنچانے کا ارادہ کرنا ہیں ** - نیز یہ لفظ کوشش اور جد و جہد کے معنوں میں بھی آتا ہے - بعض علمائے لغت نے کَیْدٌ اور مَکْرٌ کو ہم معنی قرار دیا ہے - بعض کا خیال ہے کہ کَیْدٌ ضرر رسانی، اور مَکْرٌ خفیہ تدبیر اور ضرر رسانی کو کہتے ہیں - بعض کا خیال ہے کہ کَیْدٌ کے معنے خفیہ طور پر گرفت کرنا ہیں لیکن اس میں یہ شرط نہیں کہ ایسی تدبیر کرنے والا بظاہر اس کے خلاف کرے جو وہ بہ باطن چاہتا ہے - مگر یہ شرط مَکْرٌ میں ضروری ہے * - (لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں) - راغب نے کہا ہے کہ کَیْدٌ ایک قسم کی چارہ سازی اور حیلہ جوئی کو کہتے ہیں یہ اچھے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور برے معنوں میں بھی - اور بالعموم برے معنوں میں آتا ہے*** -

کَادَ کے معنی ارادہ کرنے کے بھی آتے ہیں * - جنگ کرنے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے * -

قرآن کریم میں دشمنوں کی خفیہ یا عام تدبیر کو کَیْدٌ کہا گیا ہے - لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا (۳/۱۲۰) - ان کی سازشیں یا تدبیریں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکینگی - ساحرین فرعون کی شعبدہ بازی کو بھی کَیْدٌ کہا گیا ہے - اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ (۲۰/۶۹) جو کچھ انہوں نے بنایا ہے وہ سحر (باطل) کی شعبدہ بازی ہے، اور بس - سورہ یوسف میں عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا ہے کہ اِنَّہٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ - اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ (۱۲/۲۸) - یہ محض تمہاری سازش ہے - اور تم عورتوں کی سازشیں بڑی ہی گہری ہوتی ہیں -

دوسری طرف خدا نے خود اپنی تدبیر کو بھی کَیْدٌ کہا ہے - اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وَّاَکِیْدُ کَیْدًا (۸۶/۱۵-۱۶) - یہ بھی ایک تدبیر میں لگے ہوئے ہیں اور میں بھی ایک تدبیر کر رہا ہوں - سورہ یوسف میں ہے کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ (۱۲/۷۶) - اس طرح ہم نے ایک عمدہ تدبیر پیدا کر دی جس میں یوسف کا فائدہ تھا - یا وہ اس کے حسب منشا تھی -

سورہ انبیاء میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا وَتَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ (۲۱/۵۷) بخدا! میں تمہارے بتوں کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کرکے رہونگا -

سورہ طور میں مَکِیْدُوْنَ آیا ہے - (۵۲/۴۲) - یعنی وہ جو سازش (یا تدبیر) کا شکار ہو جائیں -

---

*تاج - **محیط - ***راغب -

كَيْفَ (حرف)

كَيْفَ ۔ کیسے ۔ کیونکر ۔ کسطرح کے معنوں میں ۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ (۲/۲۸) ۔ تم اللہ کا کسطرح انکار کر سکتے ہو ۔ دوسری جگہ ہے۔ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ (۱۰۵/۱) ۔ تیرے رب نے کیونکر کیا؟ (ان سے) کیسا معاملہ کیا ؟

ك ی ل

كَالَ الطَّعَامَ ۔ يَكِيْلُهٗ ۔ كَيْلًا ۔ غلے کو ناپا* ۔ اِذَا كَالُوْهُمْ (۸۳/۳) ۔ جب انہیں ماپ کر دیتے ہیں ۔ اِكْتَالَ (عَلٰی) ۔ کسی سے ماپ کر لینا (۸۳/۲) ۔ تاج نے كَالَ اور اِكْتَالَ دونوں ہم معنے بتا کر فرق یہ کیا ہے کہ كَالَ کے معنے ہیں ، خود ناپ کر دوسرے کو دینا اور اِكْتَالَ کے معنے ہیں اپنے لئے خود ناپ کر لینا* ۔ راغب نے كِلْتُ لَهُ الطَّعَامَ کے معنے بتائے ہیں میں نے اس کے لئے غلہ ناپا ، اور كِلْتُهُ الطَّعَامَ کے معنے، میں نے اسے غلہ (ناپ کر) دیا ، اور اِكْتَلْتُ عَلَيْهِ ۔ میں نے اس سے ناپ کر لیا** ۔ ابن فارس نے اس کی تائید کی ہے۔ كَيْلٌ ۔ مِكْيَالٌ ۔ پیمانہ جس سے غلہ وغیرہ کو ماپا جائے ۔ (۱۲/۶۵) خود (اس طرح ماپے ہوئے) غلہ کو بھی کہتے ہیں (۱۲/۵۹) ۔ كَيْلَ بَعِيْرٍ (۱۲/۶۵) ۔ ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ ۔

قرآن کریم میں بڑی تاکید سے حکم ہے کہ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ (۱۱/۸۴) ۔ اس میں اگرچہ ترازو اور پیمانے کا ذکر ہے (کہ ماپ اور تول میں کمی نہ کرو) لیکن اصولاً اس میں معاشی عدل کا بنیادی قانون آگیا ہے ۔ معاشی عدل کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اس کے حق سے کم نہ دیا جائے، اور نہ ہی اپنے حق سے زیادہ لیا جائے۔ اس اصول کے ماتحت، سرمایہ داری کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ (مثلاً) اگر ایک زمیندار یا کارخانہ دار کام کرنے والے کو وہ سب کچھ دے دے جو اس نے پیدا کیا ہے تو اس سے اسے خود کچھ نہیں ملتا ۔ یہی قرآن کریم کا منشا ہے ۔ یعنی معاوضہ محنت کا ملیگا ۔ روپے کا نہیں ۔ کام کرنے والے کی محنت کے ماحصل سے کچھ رکھ لینے والے مُخْسِرِيْنَ ہیں (۲۶/۱۸۱) ۔

جلد سوم ختم شدہ

*تاج ۔ **راغب ۔

اس لغات میں

آپ نے مختلف مقامات پر یہ پڑھا ہوگا کہ ''اس نکتہ کی وضاحت آپ کو پرویز صاحب کی فلاں کتاب میں ملیگی'' ۔ چونکہ قرآنی تعلیم سے متعلق یہ مباحث بڑے اہم ہیں اس لئے پرویز صاحب کی ان تصانیف کا مطالعہ بڑا ضروری ہے ۔ بالخصوص حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ ۔

انسان نے کیا سوچا ؟ گذشتہ اڑھائی ہزار سال میں ، دنیا کے مختلف مفکرین ، مدبرین ، مؤرخین اور سائنسدانوں نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے متعلق جو کچھ سوچا اور کہا ہے ، اسے نہایت دلنشیں پیرایہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اسکی روشنی میں قرآنی حقائق کی عظمت خود بخود سامنے آ جاتی ہے ۔

سلیم کے نام خطوط ۔ ہمارے نوجوان ، تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں ، اسلام کے متعلق جس قدر شکوک اور سوالات پیدا ہوتے ہیں ، ان کا نہایت اطمینان بخش جواب ۔ انداز بیان دلچسپ ، سلیس اور نہایت شگفتہ ۔ کتاب تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے ۔

ابلیس و آدم ۔ اس میں ، انسانی تخلیق اور نظریہ ٔ ارتقاء ۔ قصہ ٔ آدم ۔ ملائکہ ۔ ابلیس ۔ شیطان ۔ جنات ۔ وحی ۔ نبوت ۔ رسالت ۔ عقل اور وحی کے دوائر عمل جیسے اہم موضوعات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے ۔

جوئے نور ۔ قرآنی تعلیم کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے انبیائے سابقہ کے احوال و کوائف اور اقوام گذشتہ کے وقائع و حوادث کا جاننا ضروری ہے ۔ یہ کتاب اسی سلسلہ ٔ زریں کی پہلی کڑی ہے جس میں حضرت نوح ؑ سے لیکر حضرت موسیٰ ؑ سے پہلے تک کے انبیاء کرام ؑ کے حالات آ گئے ہیں ۔

(مسلسل)

برقِ طور ۔ اسی سلسلہ کی دوسری کڑی ہے جس میں بنی اسرائیل کی پوری داستان اور ان کے انبیائے کرام ؑ کے احوال و کوائف شرح و بسط سے بیان کئے گئے ہیں ۔ یہ در حقیقت قوموں کے عروج و زوال کے متعلق قرآنی اصول و قوانین کا بصیرت افروز مرقع ہے ۔

شعلۂ مستور ۔ اس سلسلہ کی اگلی کڑی ہے جس میں آسمانی انقلاب کے عظیم داعی ، حضرت عیسیٰ ؑ کی حیات طیبہ کے وہ گوشے سامنے لائے گئے ہیں جو اس سے پہلے عام طور پر نگاہوں سے اوجھل تھے ۔ حضرت مریم ؑ کا "جرم" ۔ جناب مسیح ؑ کی پیدائش ۔ معجزات ۔ کشمکش ۔ واقعہ صلیب اور رفع الی السماء ۔ نزولِ مسیح ؑ سے متعلق تمام مباحث آ گئے ہیں ۔

معراجِ انسانیت ۔ یہ عظیم کتاب نبی اکرم ؐ کی اس سیرتِ مقدسہ پر مشتمل ہے جو قرآن کریم کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے ۔ اس میں قرآنی فکر و نظام کے تمام گوشے نہایت حسین و جمیل انداز میں سامنے آ گئے ہیں ۔ اعلیٰ درجہ کے ولایتی کاغذ پر بڑے سائز کے قریب نو سو صفحات پر جگمگاتی ہوئی کتاب ہے ۔

ان کے علاوہ
پرویز صاحب کی دیگر تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام
کیلئے ایک کارڈ لکھ کر تفاصیل معلوم کریں ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ل

لَ - (حرف)

لَ - لِ - حسب ذیل معانی پیدا کرنے کے لئے آتا ہے :-

(۱) استحقاق - اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (۱/۱) - حمد کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے -

(۲) کسی کے لئے کسی چیز کا مخصوص ہونا - وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ (۱۶/۵۸) - خصوصیت سے اپنے لئے وہ چیز چاہتے ہیں کہ جو ان کے نزدیک پسندیدہ ہے -

(۳) اظہار ملکیت کے لئے - لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (۱/۴۳) - کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اس کی ملکیت ہے -

(۴) فائدہ حاصل کرنے کے لئے - وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ (۳۴/۱۰) - ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کر دیا - یعنی لوہے کو نرم کر دیا تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے (لامِ ملکیت اور لامِ انتفاع کے فرق کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے) -

(۵) سبب ظاہر کرنا ("تاکہ" کے معنوں میں) - وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ (۱۶/۴۴) - اور ہم نے تیری طرف یہ قرآن کریم نازل کیا ہے تاکہ تو اسے لوگوں کے فائدے کے لئے ظاہر کر دے -

(۶) نفی کی تاکید کے لئے - مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ (۳/۱۷۸) - اللہ تمہیں غیب پر ہرگز مطلع نہیں کرتا -

(۷) اِلٰی (کیطرف) کے لئے ۔ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَہَا (۹۹/۵) ۔ کیونکہ تیرے رب نے اسکی طرف وحی کی ہے ۔

تَکُلّ کے معنوں میں ۔ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی (۱۳/۲) ۔ ہر ایک وقت مقررہ تک چل رہا ہے ۔ دوسری جگہ اِلٰی اَجَلٍ (۳۱/۲۹) آیا ہے جس کے معنی ''وقت مقررہ تک'' ہیں ۔

(۸) عَلٰی (اوپر) کے معنوں میں ۔ وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ (۳۷/۱۰۳) ۔ اور اس نے اسے پیشانی کے ایک کنارے پر (کے بل) لٹایا ۔

مجازی طور پر عَلٰی اسوقت آتا ہے جب کوئی بات کسی کے خلاف جائے ۔ اور ۔ ل ۔ اس وقت آتا ہے جب وہ بات کسی کے فائدے کے لئے ہو ۔ جیسے لَہَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ (۲/۲۸۶) ۔ ''جو کچھ کوئی اچھا کام کرے وہ اس کے فائدے کے لئے ہے اور جو کچھ کوئی برا کام کرے وہ اسکے خلاف جائیگا ۔ اس کا نقصان اسے ہوگا'' ۔ لیکن بعض اوقات لَ بھی عَلٰی کے معنوں میں آجاتا ہے ۔ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَہَا (۱۷/۷) ۔ اگر تم برائی کروگے تو اسکا نقصان تمہیں ہی ہوگا ۔ یا وَلَہُمُ اللَّعْنَۃُ وَلَہُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (۱۳/۲۵) ۔ ان کے لئے محرومی ہے ۔ ان کے لئے بہت برا گھر ہے ۔

(۹) فِیْ (میں) کے معنوں میں ۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (۲۱/۴۷) ۔ اور ہم قیامت کے دن (قیامت میں) انصاف کی میزانیں کھڑی کرینگے ۔

(۱۰) عِنْدَ (کے پاس ۔ کے قریب) اور بَعْدَ کے مفہوم کے لئے ۔ جیسا کہ بعض کے نزدیک ۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ (۱۷/۷۸) میں لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ سے مراد ہے دلوک شمس کے قریب ۔ یا دلوک شمس کے بعد ۔ لیکن ۔ ل ۔ بعض اوقات مِنْ (سے) کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔ اس لئے اسکے معنی دلوک شمس سے لیکر غسق لیل تک بھی ہو سکتے ہیں ۔

(۱۱) مفعول کو واضح کرنے کے لئے ۔ جیسے لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ (۲/۱۵۴) نہ کہو اس شخص کو جو قتل کر دیا جائے ۔

(۱۲) اِنَّ یا قسم کے بعد تاکید کے لئے ۔ لَعَمْرُکَ اِنَّہُمْ لَفِیْ سَکْرَتِہِمْ یَعْمَہُوْنَ (۱۵/۷۲) ۔ تیری عمر* کی قسم ۔ وہ اپنی بد مستی

*دیکھئے عنوان ع ۔ م ۔ ر ۔

میں اندھے ہو رہے تھے ۔ نیز فَوَرَبِّکَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ (۱۹/۶۸) تیرے رب کی قسم ہم بالضرور انہیں اکٹھا کر لائینگے ۔

(۱۳) کبھی زائد بھی ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں اسکی بہت سی مثالیں ہیں ۔ جیسے ۔ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ (۲۳/۳۶) ۔ یہاں مَا تُوعَدُونَ کا بھی وہی مفہوم ہے ۔

(۱۴) کبھی یہ ابتدائے کلام کے لئے بھی آتا ہے (کہ ، کے معنوں میں) ۔ اِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ .... (۱۲/۸) ۔ جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور اسکا بھائی ....

(۱۵) کبھی یقیناً کے معنوں میں (تاکید کے لئے) آتا ہے ۔ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ (۹/۱۰۸) ۔ یقیناً وہ مسجد کہ جسکی بنیاد ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہو ۔

لَا (حرف)

لَا ۔ نہی کے لئے آتا ہے ۔ لَا تَضْرِبْ ۔ مت مار ۔ اس کے علاوہ ذیل کے معانی کے لئے بھی آتا ہے ۔

(۱) نفی جنس کے لئے ۔ یعنی جس چیز کی یہ نفی کرتا ہے اس کی پوری کی پوری جنس کی نفی کرتا ہے ۔ لَا رَيْبَ فِيهِ (۲/۲) ۔ اس میں کسوٹی شک و شبہ یا اضطراب کی بات نہیں ۔

(۲) لَيْسَ (نہیں) کے معنوں میں ۔ لَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (۱۰/۶۱) ۔ نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی ۔ وہ سب ایک واضح کتاب کے اندر ہیں ۔

(۳) لَا جَرَمَ ۔ محاورہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے ۔ اس کے معنی ہوتے ہیں ۔ ''حق یہ ہے کہ'' ۔ جیسے (۱۶/۲۳) میں ۔

(۴) کبھی یہ جملے کے شروع میں اسطرح آتا ہے جیسے کسی کی بات کا جواب دیا جا رہا ہو ۔ مثلاً لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ (۹۰/۱) ۔ نہیں ! میں اس شہر کو شہادت میں پیش کرتا ہوں ۔

(۵) کبھی یہ زائد ہوتا ہے ۔ مثلاً مَا مَنَعَكَ أَلَّا (أَنْ + لَا) تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ (۷/۱۲) ۔ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو پھر وہ کونسی بات تھی جس نے تجھے سجدہ کرنے سے منع کر دیا ۔ اگر یہاں ''لا'' نہ ہو جب بھی وہی معنی ہونگے ۔ جیسے (۳۸/۷۵) میں ہے ۔ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ ۔

اللّٰتُ

اللّٰاتُ ۔ عہد جاہلیت میں طائف میں قبیلۂ ثقیف کا بت تھا ۔ یہ مؤنث ہے (۵۳/۱۹) ۔ اسلئے اسے دیوی کہنا چاہئے ۔

لات (حرف)

لاَتَ ۔ نہیں کے معنوں میں ۔ قرآن کریم میں ہے وَلاَتَ حِیْنَ مَنَاصٍ (۳۸/۳) ۔ خلاصی کا وقت نہیں رہا تھا ۔ بعض نے کہا ہے کہ لات میں لاَ نفی (نہیں) کے لئے ہے اور تاء (تَ) زائد ہے ۔ مگر یہ زائد تاء حِیْنَ کے ساتھ ہی آتی ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ (لاَتَ) فعل ماضی ہے جس کے معنی نَقَصَ کے ہیں ۔ (جیسا کہ ل ۔ ی ۔ ت کے عنوان میں بیان ہوگا) ۔ بعد میں یہ صرف نفی کے لئے استعمال ہونے لگا ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لَیْسَ ہے ۔ سین کو تاء اور یاء کو الف سے بدل کر لاَتَ بنا لیا ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک مستقل لفظ ہے اور نفی کے لئے آتا ہے * ۔

ل أ ل أ

لَأْلَأَتِ الْمَرْأَةُ بِعَیْنَیْهَا ۔ عورت نے اپنی آنکھوں کو چمکایا ۔ لَأْلَأَتِ النَّارُ ۔ آگ بھڑکی اور روشن ہوگئی ** ۔ اَللُّؤْ لُؤٌ ۔ (جمع لَآلِیٌ) ۔ موتی ۔ کیونکہ وہ چمکدار ہوتے ہیں * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چمکدار ہونے کے ہیں ۔

سورۃ حج میں جنتی معاشرہ کے اسبابِ زینت میں لُؤْ لُؤٌ (۲۲/۲۳) بھی آیا ہے ۔ سونے کے کڑے ۔ موتی ۔ ریشم کا لباس ۔ یعنی سرداریوں اور سرفرازیوں کے تمام نشان و سامان ۔ یہ ہیں جنتی معاشرہ کے سامانِ زینت و اسبابِ آرائش و زیبائش ۔ یعنی وہ معاشرہ جس میں قوت و سطوت اور آسائش و آرائش کے تمام سامان بافراط موجود ہوں اور ان کی تقسیم اور استعمال قوانینِ خداوندی کے مطابق ہو ۔

لِئَلاَّ (حرف)

لِئَلاَّ ۔ (لِ + اَنْ + لاَ) ایسا نہ ہو کہ ۔ یا ۔ تاکہ نہ ۔ لِئَلاَّ یَعْلَمَ اَهْلُ الْکِتٰبِ (۵۷/۲۹) ۔ تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس مثال میں لا زائد ہے ۔

* تاج ۔ ** تاج و راغب و محیط ۔

ل ب ب

اَلَبَّ عَلَی الْاَمْرِ - کسی بات پر پختگی سے جما رہا اور اسے نہ چھوڑا - رَجُلٌ لَبٌّ - وہ شخص جو اپنے کام کاج میں لگا رہے اور اسے چھوڑے نہیں - اَللُّبُّ - کسی امر پر قائم رہنے والا ، اسی لئے اسکے معنی قیام کرنے کے بھی ہوتے ہیں - اَلَبَّ بِالْمَکَانِ - اس نے فلاں مقام پر قیام کیا* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) جمع رہنے اور ساتھ لگا رہنے اور (۲) خالص اور عمدہ ہونے کے ہیں -

لَبَّیْکَ - میں آپ کی فرمانبرداری کو اپنے اوپر لازم سمجھتا ہوں - میں آپکی اطاعت پر قائم ہوں - بعض نے کہا ہے کہ یہ دَارِیٌ تَلُبُّ دَارَہٗ سے ماخوذ ہے - یعنی میرا گھر اس کے گھر کے سامنے ہے - لہذا لَبَّیْکَ کے معنی ہیں میرا رخ آپ کی طرف ہے * -

لُبٌّ - ہر چیز کے خالص حصے کو کہتے ہیں - نیز مغز ، گری - لَبَّ اللَّوْزَ - بادام کو توڑ کر اس کا مغز نکال لیا * - اللَّبَبُ - سینہ کا وہ حصہ جس پر ہار پہنتے ہیں * -

اَللُّبُّ عقل کو کہتے ہیں - اسکی جمع اَلْبَابٌ ہے - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ لفظ سریانی کے لِبُّوْ یا عبرانی کے لِبْ سے ماخوذ ہے جن کے معنی دل کے آتے ہیں - عربی میں دل کو اَللُّبُّ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ (بادام کے مغز کی طرح) چربی سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے ** - راغب نے کہا ہے کہ لُبٌّ تیز اور خالص عقل کو کہتے ہیں جو آمیزش سے پاک ہو*** - (یعنی جو جذبات کی آمیزش سے پاک ہو - جو جذبات کے تابع نہ چلے) -

قرآن کریم نے اُولِی الْاَلْبَابِ (۳/۱۸۹) کو خاص امتیاز کا حامل قرار دیا ہے اور ان کی بڑی تعریف کی ہے - یہ وہ صاحبانِ عقل و بصیرت ہیں جو عقل کو جذبات کی لونڈی بنانے کے بجائے اُس سے وحی کی روشنی میں کام لیتے ہیں - اسطرح یہ عقل ، عقل خود بیں کے بجائے عقلِ جہاں بین بن جاتی ہے - عقلِ خودبیں انسان کو صرف اس کے انفرادی مفاد کے حصول کی راہیں بتاتی ہے اور عقلِ جہاں بیں اُسے نوعِ انسانی کی ربوبیت عامہ پر آمادہ کرتی ہے - اسی لئے قرآن کریم نے اُولِی الْاَلْبَابِ کے بعد کہا ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ . . . . (۳/۱۹۰-۱۸۹) یعنی وہ صاحبانِ عقل و بصیرت جو اٹھتے ،

*تاج - **محیط - ***راغب -

بیٹھتے ، لیٹے ، ہر وقت قانونِ خداوندی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں - وحی کی روشنی میں عقل کی آنکھ سے کام لینا ، یہ ہے مومن کا شعارِ زندگی - ان میں سے اگر ایک چیز کی بھی کمی ہو تو وہ مومن نہیں کہلا سکتا -

ل ب ث

لَبِثَ یَلْبَثُ لَبْثًا وَ لُبْثًا و لُبَثًا - رہنا - ٹھہرنا - رکنا - نیز دیر کرنے اور انتظار کرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے - اَللُّبْثُ - توقف - اقامت - توقف کرنے کے معنوں میں (۳۳/۱۴) میں آیا ہے * - لَبِثَ بِالْمَکَانِ - کسی مقام پر جم کر ٹھہرا - وہاں مستقل رہا** - لَابِثٌ - ٹھہرنے والا - قیام کرنے والا - اس کی جمع لَابِثُوْنَ اور لَابِثِیْنَ ہے (۲۳/۱۱۲) -

مخالفین عرب، نبی اکرمؐ سے آپ کے دعوائے نبوت کی دلیل مانگتے - یعنی وہ کہتے کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ آپ اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہیں - اس کے جواب میں نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۰/۱۶) - میں نے (دعوائے نبوت سے) قبل، تمہارے اندر اپنی عمر بسر کی ہے - کیا تم اس سے اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس قسم کی زندگی ایک سچے انسان کی زندگی ہوتی ہے یا جھوٹے کی؟ تم اگر عقل و خرد سے کام لو تو میری زندگی میری صداقت کی زندہ شہادت بن کر تمہارے سامنے آ جائے - میں تم میں کوئی اجنبی نہیں ہوں کہ تمہیں معلوم نہ ہو کہ میں سچا ہوں یا جھوٹا -

غور کیجئے کہ کسقدر زبردست ہے یہ شہادت جسے نبی اکرمؐ نے اپنی صداقت کے ثبوت میں پیش کیا ہے - ایسی شہادت کہ اس کے خلاف کوئی ایک حرف بھی نہیں کہہ سکتا - سچے کی نشانی یہ ہے کہ وہ (دوستوں کی محفل میں نہیں بلکہ) مخالفین کے بھرے مجمع میں پوری جرأت سے کہہ سکے کہ میری زندگی میری صداقت کا سب سے بڑا ثبوت ہے -

ل ب د

لَبَدَ بِالْمَکَانِ - کسی جگہ قیام کرنا اور اس جگہ سے چمٹ جانا - لِبْدٌ - تہہ کو کہتے ہیں جس میں اون کو گتھ گتھ کر جمایا جاتا ہے - اسی سے مَالٌ لُبَدٌ کے معنی ہیں کثیر دولت - بہت زیادہ جمع شدہ مال * - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا اوپر تلے جمع

* تاج - ** راغب -

ہونا ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے اَھْلَکْتُ مَالاً لُبَدًا (۹۰/۶) ۔ میں نے بہت سا جمع کردہ مال ضائع کر دیا ۔ اَلنَّاسُ لُبَدٌ کے معنی ہیں لوگ یکجا جمع ہیں ۔ اوپر تلے اکٹھے ہیں * ۔ قرآن کریم میں ہے یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا (۷۲/۱۹) ۔ وہ اس پر ہجوم کرکے ٹوٹ پڑتے ۔ لَبَدَ الْقَوْمُ بِالرَّجُلِ ۔ لوگوں نے اس آدمی کو گھیر لیا اور اس کے پاس سے نہ ہٹے **۔

ل ب س

لَبَسَ ۔ یَلْبِسُ ۔ لَبْسًا کے معنی ہیں خلط ملط مت کر دینا ۔ مشتبہ کر دینا * ۔ اس کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں ۔ اسی سے خلط ملط کر دینے اور مشتبہ بنا دینے کا مفہوم آگیا ** ۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ (۲/۴۲) حق اور باطل کو باہم خلط ملط مت کرو ۔ مشتبہ کرنے کے معنوں میں یہ لفظ (۶/۹) میں آیا ہے ۔ وَلَلَبَسْنَا عَلَیْھِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۔ ''انہوں نے جس اشتباہ میں اپنے آپ کو ڈال رکھا ہے ، ہمارا (قانون مکافات) انہیں اس اشتباہ میں مبتلا رکھیگا'' ۔ لَبِسَ ۔ یَلْبَسُ ۔ لُبْسًا کے معنی ہیں پہننا ۔ اَللَّبُوْسُ ۔ اَللِّبَاسُ ۔ جو کچھ پہنا جائے * ۔ اَللِّبَاسُ ۔ شوہر اور بیوی کو کہتے ہیں * ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ (۲/۱۸۷) ۔ میاں بیوی کا ایک دوسرے کا ساتھ بدن اور لباس کا ساتھ ہے (کہ ان کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہوتی ۔ ان میں گہری راز داری ہوتی ہے) ۔ اَللَّبُوْسُ ۔ زرہ اور ہتیار کو بھی کہتے ہیں * ۔ قرآن کریم میں زرہ بنانے کے لئے صَنْعَۃَ لَبُوْسٍ آیا ہے (۲۱/۸۰) ۔ لَبِسَ فُلَانٌ امْرَاَۃً ۔ فلاں شخص ایک عرصہ تک عورت سے متمتع ہوتا رہا ** ۔ (ان کا باہمی اختلاط رہا) ۔

اَمْرٌ مُّلْتَبِسٌ اور مُلْتَبِسٌ ۔ مشتبہ امر * ۔ اَلتَّلْبِیْسُ ۔ حقیقت کی پردہ پوشی کرنا اور اسے خلاف واقعہ بنا کر دکھانا ** ۔

بَلْ ھُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ (۵۰/۱۵) ۔ یہ لوگ حیاتِ نو (نئی پیدائش) کے بارے میں شبہے میں ہیں ۔ انہیں اس باب میں کچھ (Confusion) سی ہے ۔

قرآن کریم ہر بات کو نکھار کر سامنے لاتا اور ہر شے کو الگ الگ کر کے دکھاتا ہے تاکہ حقیقت کے سمجھنے میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہ رہ جائے ۔ کہیں ابہام نہ ہو ۔ التباس نہ ہو ۔ ہر بات واضح ، کھلی کھلی اور

* تاج ۔ ** محیط ۔

صاف صاف ہو۔ اسکے نزدیک کِتمان حقیقت (حقیقت کو چھپانا) ہی جرم نہیں بلکہ حق کو باطل کے ساتھ مخلوط کرنا بھی جرم ہے (۲/۴۲) ۔ لہذا حق کی باطل کے ساتھ مفاہمت (Compromise) کا بھی سوال نہیں پیدا ہوتا ۔ حق ، حق ہے اور باطل ، باطل ۔ دونوں آپس میں مل نہیں سکتے، چہ جائیکہ حق کو چھپایا اور باطل کو حق بنا کر دکھایا جائے ۔ حق کو باطل کے ساتھ ملانے (تلبیس حق و باطل) کے معنی یہ ہیں کہ وحی (قرآن کریم) کے ساتھ غیر از وحی امور کو بھی دین بنا دیا جائے ۔ ہم نے یہی کچھ کر رکھا ہے، اور اس کا نتیجہ بھگت رہے ہیں ۔

ل ب ن

اَللَّبَنُ ۔ دودھ * ۔ (اَللَّبِنُ ۔ اینٹ جس سے عمارت بنائی جاتی ہے) ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشّٰرِبِیْنَ (۱۶/۶۶) ۔ خالص دودھ جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے ۔

ل ج أ

لَجَاَ وَ التَجَاَ اِلَیْہِ ۔ اس نے اس کی طرف پناہ لی ۔ اَلْجَاَہُ اِلٰی کَذَا ۔ اسے کسی چیز کی طرف مجبور کیا ۔ اَلْجَاَ فُلَانًا ۔ اس نے فلاں کو بچا لیا ۔ اپنی حفاظت میں لے لیا** ۔ تَلَجَّاَ مِنْھُمْ ۔ وہ ان سے الگ اور ان کے زمرہ سے علیحدہ ہو کر دوسرے لوگوں کی طرف مائل ہو گیا* ۔ اَللَّجَاُ وَ الْمَلْجَاُ ۔ جائے پناہ ۔ بچنے اور محفوظ رہنے کی جگہ* (۹/۵۷) ۔

ل ج ج

اَللُّجُّ وَ اللُّجَّۃُ ۔ گہرا پانی ۔ لُجُّ الْبَحْرِ ۔ دریا کے درمیان وہ گہرے پانی کا مقام جہاں سے اس کا کنارہ نظر نہ آئے ۔ بَحْرٌ لُجَّاجٌ ۔ وسیع گہرے پانی والا دریا ۔ اَللَّجَاجُ ۔ جھگڑے میں بڑھتے چلے جانا ، خواہ اپنی غلطی بھی واضح کیوں نہ ہو جائے ۔ جھگڑے یا مخالفت کرنے میں برابر اصرار کئے جانا** ۔ اس سے فعل لَجَّ فِی الْاَمْرِ استعمال ہوتا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا اپنے اجزاء پر بار بار پلٹنا اور پلٹانا ہیں ۔ اَللَّجَاجُ ۔ اصرار کو کہتے ہیں ۔ لُجُّ الْبَحْرِ ۔ سمندر کے بڑے حصے کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سمندر کے اجزاء اوپر تلے پلٹتے رہتے ہیں۔

*تاج ۔ **تاج و محیط ۔

راغب نے لُجَّۃٌ کے معنے بار بار پلٹنے اور آتے رہنے کے کئے ہیں اور اس سے لُجَّۃُ البَحْرِ کے معنے سمندر کی موجوں کے بار بار آنے اور پلٹنے کے ہیں ۔ نیز اس نے لَجَاجٌ کے معنے منع کئے ہوئے کام سے باز نہ آنے اور اسے کرتے چلے جانے کے کئے ہیں** ۔

سورۃ ملک میں ہے ۔ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ (۶۷/۲۱) ۔ وہ اپنی نفرت اور سرکشی میں موج در موج آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں ۔ سورۃ نمل میں ہے ۔ حَسِبَتْهُ لُجَّۃً (۲۷/۴۴) ۔ اس نے اسے گہرا پانی سمجھا ۔ سورۃ نور میں ہے بِبَحْرٍ لُّجِّیٍّ (۲۴/۴۰) ۔ گہرا اور وسیع سمندر ۔

ل ح د

اَللَّحْدُ ۔ وہ کھڈا یا شگاف جو قبر کے ایک پہلو میں عرضاً کھود کر بنایا جاتا ہے اور اس میں مردہ دفن کیا جاتا ہے ۔ (بر خلاف ضَرِیْحٌ کے جو درمیان میں کھودا جاتا ہے) ۔ لہذا ، بقول ابن فارس ، اس مادہ کے بنیادی معنی درمیان سے ہٹ کر ایک طرف کو مڑ جانا ہیں ۔ لَحَدَ اِلَیْهِ ۔ وہ اس کی طرف مائل ہوگیا ۔ جھک گیا* ۔ یہی معنی اِلْتَحَدَ اِلَیْهِ کے ہیں** ۔ اَلْحَدَ ۔ وہ دین حق سے مڑا اور ہٹا ۔ اَلْاِلْحَادُ کے اصل معنے مڑنا ، ہٹنا اور جھک جانا ہیں ۔ درمیانہ روی کو چھوڑ کر ظلم کی طرف مائل ہونا* ۔ سورۃ اعراف میں ہے اَلَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَآئِهٖ (۷/۱۸۰) ۔ جو لوگ صفات خداوندی کے بارے میں اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف کو جھک جاتے ہیں (جیسے عیسائی ، کہ انہوں نے خدا کو صرف رحم کا پیکر تصور کرلیا اور اس کے قانونِ مکافات سے الگ ہٹ گئے) اسی کا نام غلوفی الدین ہے (۴/۱۷۱) ۔ دوسری جگہ ہے ۔ اَلَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا (۴۱/۴۰) ۔ جو لوگ ضابطۂ خداوندی میں الحاد برتتے ہیں ۔ اعتدال کی راہ چھوڑ کر ایک طرف کو ہٹ جاتے ہیں ۔ انحراف کرتے ہیں ۔ سورۃ حج میں ہے وَ مَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ (۲۲/۲۵) ۔ جو کوئی اس میں ظلم کے ساتھ کجروی اور بے باکی کا ارادہ کرے ۔ جو سیدھے راستے سے ہٹ کر اسے (کعبہ کو) غلط مقاصد کے لئے استعمال کرنے لگ جائے ۔ سورۃ نحل میں ہے ۔ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ ..... (۱۶/۱۰۳) ۔ وہ شخص جس کے متعلق یہ اعتراضاً کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ کو قرآن کریم سکھا جاتا ہے ، اس کی زبان (تو عجمی ہے) ۔ یہاں اِلْحَادٌ کے معنی ہیں کسی غلط بات کو کسی کی طرف بطور اعتراض منسوب کرنا ۔ یعنی راستی سے ہٹ کر ، کسی کی طرف غلط بات کو منسوب کر دینا ۔

*تاج ۔ **راغب ۔

مُلْتَحَدًا (۱۸/۲۷) پناہ گاہ ۔ وہ جگہ جسکی طرف انسان (اپنے راستے سے ہٹ کر) پناہ کے لئے جائے ۔ سرنگ یا زمین دوز راستہ کو بھی کہتے ہیں* ۔

سورۃ اعراف کی جس آیت کو اوپر درج کیا گیا ہے اُسے ایک بار پھر سامنے لائیے کیونکہ وہ ایک عظیم حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے ۔ پوری آیت یوں ہے ۔ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۔ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اَسْمَآئِهٖ ۔ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۷/۱۸۰)۔ تمام صفات پورے اعتدال اور تناسب کے ساتھ ، اللہ کے لئے ہیں ۔ اُسے انہی صفات کے ساتھ پکارو۔ اور جو لوگ اس کی صفات میں (اعتدال سے ہٹ کر) کسی ایسی طرف نکل جاتے ہیں ، انہیں چھوڑ دو ۔ انہیں ان کی اس غلط روش کا نتیجہ بہت جلد مل جائیگا۔

خدا کی ذات تمام صفات کی حامل ہے ، اور وہ صفات انتہائی اعتدال اور تناسب کے ساتھ اس میں جمع ہیں ۔ تم ان صفات کو خود اپنی ذات میں اجاگر کرنے جاؤ لیکن اسی اعتدال و تناسب کے ساتھ۔ جو لوگ صفاتِ خداوندی کے تو قائل ہیں لیکن ان میں اعتدال اور تناسب کو ملحوظ نہیں رکھتے، وہ ملحد ہیں ۔ تمہارا ان سے کوئی واسطہ نہیں ۔ ان کی اس غلط روش کا نتیجہ ان کے سامنے آ جائے گا ۔ تم نے ان کی پیروی نہ کرنا ۔

غور کیجئے کہ یہ کتنی بڑی حقیقت ہے جسے سامنے لایا گیا ہے ۔ "ملحد وہ نہیں جو خدا کی ذات یا اس کی صفات کا منکر ہے ۔ "ملحد وہ ہے جو انہیں مانتا ہے لیکن کسی ایک صفت میں افراط سے کام لیکر تناسب کو بگاڑ دیتا ہے ۔ یہ غلط روش ہے ۔ اسلام کے معنی یہ ہیں کہ صفات ہوں یا قوانین (۵/۳) دونوں میں پورے پورے تناسب کو قائم رکھا جائے ۔

ل ح ف

اَللِّحَافُ ۔ سردی میں جس کپڑے کو اوڑھا جائے اور اس میں لپٹا جائے ۔ لحاف ، کمبل وغیرہ جو تمام کپڑوں کے اوپر اوڑھے جاتے ہیں * ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی لپٹ جانے ، ساتھ چمٹے اور لگے رہنے کے بتائے ہیں ۔ لَحَفَهٗ ۔ اس نے اسے لحاف سے ڈھانپ دیا ۔ اِلْتَحَفَ بِهٖ ۔ وہ اس میں لپٹ گیا * ۔

سورہ بقرہ میں ہے ۔ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۲/۲۷۳) ۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے ۔ مانگتے ہوئے چمٹ نہیں جاتے ۔ استعارۃً اسکے معنی ہوتے ہیں کسی کام کو بہت مبالغہ (شدت اور زیادتی) سے کرنا** ۔

---

* تاج ۔ **راغب ۔

ل ح ق

لَحِقَہٗ ۔ یَلْحَقُہٗ وَالْحَقَہٗ الْحَاقاً ۔ کسی چیز کو پا لینا ۔ اس سے جا ملنا ۔ اَلْحَقَہٗ بِہٖ ۔ اسے اس کے پیچھے لگایا ، اس سے ملا دیا ۔ یہ لازم اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے ۔ اَلْمُلْحِقُ ۔ وہ آدمی جو اپنے خاندان کو چھوڑ کر کسی دوسرے خاندان کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہو ۔ لہذا اس کے معنی کسی کے ساتھ مل جانے کے ہیں ۔ تَلَاحَقَتِ الرِّکَابُ ۔ سواریاں ایک دوسرے سے ملتی چلی گئیں * ۔ سورہ یوسف میں حضرت یوسفؑ کی دعا ہے ۔ وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (۱۲/۱۰۱) ۔ مجھے صالحین کے ساتھ ملادے ۔ مجھے ان کے زمرے میں شامل کر دے ۔ سورہ جمعہ میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے کہ وہ اپنے مخاطبین کے لئے بھی رسول ہیں ۔ وَاٰخَرِیْنَ مِنْہُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہِمْ (۶۲/۳) ۔ اور ان اقوام کے لئے بھی جو ابھی ان سے نہیں ملیں ۔ یعنی ان کے بعد آنے والی اقوام ۔ اس لئے کہ حضورؐ خاتم النبیین ہیں اور تمام نوع انسانی کے لئے رسول ہیں ۔ اس لئے آپ کی رسالت تمام آنے والی اقوام کے لئے بھی اسی طرح ہے جسطرح آنحضرت کی مخاطب قوم کے لئے تھی ۔ اس لئے حضورؐ کے بعد کسی اور نبی کے آنے کا عقیدہ باطل اور قرآن کریم کے یکسر خلاف ہے ۔

ل ح م

لُحْمَۃٌ ۔ قرابت ۔ رشتہ داری ۔ نیز کپڑے کا بانا ، جو تانے کے ساتھ ملکر کپڑا بناتا ہے ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز میں گھسنا اور گتھ جانا بتائے ہیں ۔ گوشت کو اَللَّحْمُ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کے اجزاء باھمدگر پیوست ہوتے ہیں ۔ اَلْمَلْحَمَۃُ ۔ گھمسان کا رن ۔ قتل وغارتگری کا بڑا واقعہ ** ۔

قرآن کریم میں لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ (سؤر کے گوشت) کی حرمت آئی ہے ۔ (۲/۱۷۳) ۔ اَللَّحِیْمُ ۔ وہ گھر جہاں لوگوں کی بہت غیبتیں کی جائیں ** ۔ قرآن کریم نے بھی غیبت کو " مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے " تشبیہ دی ہے ۔ (۴۹/۱۲) ۔ لَحْمٌ کی جمع لُحُوْمٌ آتی ہے ۔ (۲۲/۳۷) ۔

ل ح ن

اَللَّحْنُ ۔ اس مادہ کے اصلی معنی ہوتے ہیں صحیح جہت اور راہ اعتدال سے کسی ایک طرف کو مڑجانا یا مائل ہو جانا * ۔ اور اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے

*تاج و راغب و محیط ۔ **تاج ۔

کہ بات کسو اس کے صحیح اسلوب اور مستعمل طریقہ سے ہٹا دینا ۔ اسکی ایک شکل یہ ہے کہ خفیہ طور پر بعض الفاظ کے خاص معنی مقرر کر لئے جائیں ۔ جب وہ لفظ بولا جائے تو عام لوگ اس کا مطلب اور لیں اور جسے وہ خاص معنی معلوم ہیں وہ اس کا مطلب دوسرا لے۔ اسکی دوسری شکل یہ ہے کہ خود لفظ کی ہیئت میں تبدیلی کر دی جائے ۔ اور تیسری شکل یہ کہ الفاظ کا مفہوم بدل دیا جائے ۔ یا انہیں بطور تعریض استعمال کیا جائے ۔ اسی سے ایسے آدمی کو جو بہت ذہین ہو اور تعریض سے صحیح مقصود سمجھ جائے لَحِنٌ کہدیتے ہیں** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں (۱) کسی چیز کو اس کے صحیح رخ سے موڑ دینا ۔ اور (۲) ذہانت اور ذکاوت ۔

قرآن کریم میں منافقین کے متعلق ہے کہ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ (۴۷/۳۰) یعنی وہ جسطرح الفاظ کو موڑ توڑ کر کہتے ہیں اور صریح مفہوم کو چھوڑ کر کلام کا تعریضی مفہوم لیتے ہیں ، اس سے وہ پہچانے جا سکتے ہیں ۔ چنانچہ یہودیوں کے متعلق سورہ نساء میں ہے يَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ (۴/۴۶) ۔ اسی قسم کی ذو وجہین باتیں منافقین کیا کرتے تھے ۔

اَللَّحْنُ ۔ زبان اور بولی کسو بھی کہتے ہیں ۔ اور پڑھنے میں غلطی کرنے کسو بھی چنانچہ لاَ حِنٌ ۔ غلط بولنے والے کو کہتے ہیں ۔ قَدْ لَحَنَ لَهُ لَحْناً کے معنی ہیں اس نے اس سے اشاروں کنایوں میں اسطرح بات کی کہ وہ تو بات سمجھ جائے لیکن کوئی دوسرا آدمی نہ سمجھ سکے *** ۔

ل ح ی

لَحْيٌ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی دو ہوتے ہیں ۔ (۱) بدن کا ایک ٹکڑہ یعنی جبڑا ۔ اور (۲) کسی چیز کو چھیل دینا ۔ چنانچہ اَللِّحَاءُ درخت کی چھال کسو کہتے ہیں ۔ اَللِّحْيَةُ ۔ ڈاڑھی ۔ اَللَّحْيُ ۔ جبڑا ۔ ڈاڑھی اُگنے کی جگہ ۔ لَحَيْتُ فُلَاناً اَلْحَاهُ ۔ میں نے اسکو ملامت کی ۔ لاَحٍ ۔ ملامت گو ۔ مَلْحِيٌّ ۔ ملامت کردہ شخص ۔ لاَحَاهُ مُلَاحَاةً ۔ اس نے اس سے جھگڑا کیا ۔ ایک دوسرے کو برا بھلا کہا ۔ لعنت ملامت کی* ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي (۲۰/۹۴) اس کے لفظی معنی ہیں میری ڈاڑھی مت پکڑ ۔ اور مفہوم یہ ہے کہ میری ملامت مت کر ۔ ہماری زبان میں بھی ڈاڑھی نوچنا یا نچوانا اور پگڑی اچھالنا انہی معنوں میں بولتے ہیں ۔

*تاج و محیط ۔ **راغب ۔ ***تاج ۔

اگرچہ سورہ اعراف میں جو ہے وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْہِ یَجُرُّہٗ اِلَیْہِ (۷/۱۵۰)۔ ''اس نے اپنے بھائی کے سر کو پکڑا اور اسے اپنی طرف کھینچا''۔ تو اس سے زبانی ملامت کے ساتھ ہاتھوں کی حرکت کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

ل د د

اَلَدٌّ کے اصلی معنے ایسے شخص کے ہیں جس کی گردن کا پہلو بڑا سخت ہو اور اس کی وجہ سے اسے اس کے ارادہ سے موڑا نہ جاسکے۔ اس سے مراد ایسا شخص ہے جو بڑا جھگڑا لو اور خود سر ہو اور کسی کی بات مانے ہی نہیں۔ اسکی جمع لُدٌّ آتی ہے *۔ اَللَّدَیْدَانِ۔ گردن کے دونوں پہلو جو کانوں کے نیچے ہوتے ہیں **۔ نیز وادی کے دونوں کنارے۔ اس نہج سے لُدٌّ کے معنی ''حق سے ہٹے ہوئے'' (جمع) آتے ہیں۔ نیز بات کو نہ سننے والے بہروں کو بھی کہتے ہیں۔ جھگڑا لو بھی گویا بہرہ ہوتا ہے، دوسرے کی نہیں سنتا اور اپنی کہے جاتا ہے۔ اِلْتَدَّ عَنْہُ۔ وہ اس سے ہٹ گیا۔ اَلْدَدْتُہٗ۔ میں نے اسے بہت جھگڑا لو پایا **۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے (۱) جھگڑا کرنا۔ اور (۲) کسی چیز کا کنارہ ہیں۔

سورۃ بقرہ میں ہے ھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (۲/۲۰۴)۔ وہ بہت ہی سخت جھگڑا لو ہے۔ سورۃ مریم میں قَوْمًا لُدًّا (۱۹/۹۷) آیا ہے۔

لَدُنْ (لَدَیْ)

لَدُنْ۔ پاس۔ نزدیک۔ مِنْ لَدُنْ۔ طرف سے۔ ہاں سے۔ مِنْ لَدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ (۱۱/۱)۔ خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے۔

ہمارے ہاں (تصوف میں) ''علمِ لدنی'' کی ایک اصطلاح رائج ہے جس کا مطلب ہوتا ہے وہ علم جو کوئی شخص براہ راست خدا سے حاصل کرے۔ مفہوم اس سے کشف یا الہام ہوتا ہے۔ جیسا کہ اَلْہَامٌ (ل۔ ہ۔ م کے عنوان) میں لکھا گیا ہے، ختمِ نبوت کے بعد الہام یا کشف کا تصور غیر قرآنی ہے۔ اب انسان جو علم خدا سے براہ راست حاصل کرتا ہے وہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی شخص خدا سے براہ راست علم حاصل نہیں کر سکتا۔ خدا سے براہ راست علم کا نام وحی ہے جس کا سلسلہ نبی اکرمؐ پر ختم ہو گیا۔

* راغب۔ ** تاج۔

لَدَیٰ ۔ لَدُنْ کے معنوں میں آتا ہے ۔ لَدَی الْحَنَاجِرِ (۴۰/۱۸) ۔ گلوں تک ۔ حلق کے نزدیک ۔ حلق کے پاس ۔ لَدَا الْبَابِ (۱۲/۲۵) ۔ دروازہ کے قریب ۔

ل ذ ذ

اللَّذَّۃ ۔ خواہش ۔ وہ مزہ جو طبیعت و مزاج کے مطابق ہو ۔ اَلَمٌ کی ضد ہے ۔ لَذَّۃٌ ۔ لَذَّۃٍ ۔ اس نے اسے لذیذ پایا* لذیذ سمجھا ۔ قرآن کریم میں ہے وَ تَلَذُّ الْاَعْیُنُ (۴۳/۷۱) ۔ اس سے آنکھیں لذت یاب ہوتی ہیں ۔ اللَّذَّۃ بمعنی لذیذ بھی آتا ہے ، قرآن کریم میں ہے لَذَّۃٍ لِلشّٰرِبِیْنَ (۴۷/۶) پینے والوں کے لئے لذیذ ۔ صاحب محیط نے (کلیات کے حوالہ سے) لکھا ہے کہ کسی مناسب و موافقِ طبع چیز کے ، اس حیثیت سے کہ وہ موافق طبع ہو ، ادراک کر لینے کو لَذَّۃٌ کہتے ہیں ۔ مثلاً قوت ذائقہ کے لئے شیرینی کا مزہ الخ . . . . . ** ۔

ل ز ب

لَزْبٌ کے بنیادی معنی کسی چیز کے قائم اور ثابت رہنے ، جمے رہنے اور ساتھ لگے رہنے کے ہوتے ہیں ۔ لَازِبٌ ۔ لازم کو کہتے ہیں ۔ (ابن فارس)۔ اَللَّزْوُبُ ۔ چمٹنا ۔ طِیْنٍ لَازِبٍ (۳۷/۱۱) ۔ چمٹنے والی مٹی ۔ اَللَّازِبُ ۔ وہ چیز جو کسی کے ساتھ جم جائے ۔ اس سے چمٹ جائے ، اور اس پر ثبت ہو جائے ۔ لَزِبَ التُّرَابُ ۔ مٹی جم گئی اور سخت ہو گئی ۔ اَللَّزْبَۃُ ۔ سخت قحط سالی کو کہتے ہیں جو شدید طور پر چمٹ جاتی ہے*** ۔ (کیونکہ مصیبت کے دن جلدی نہیں گذرا کرتے) ۔

انسانی تخلیق کے سلسلہ میں سورۃ الصافات میں ہے کہ اسے طِیْنٍ لَازِبٍ سے پیدا کیا گیا ہے (۳۷/۱۱) ۔ جب مٹی پانی کے ساتھ ملتی ہے تو اس میں زندگی کے اولین جرثومہ کی نمود ہوتی ہے ۔ جیسے جوہڑوں کے کنارے چپچپی مٹی سے چھوٹے چھوٹے جرثومے (Life - Cells) پیدا ہو جاتے ہیں ۔ ان سے زندگی (Life) ارتقائی طور پر اوپر کو ابھرتی ہوئی پیکر انسانی میں آ گئی ہے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''ابلیس و آدم'' میں عنوان ۔ انسان) ۔

ل ز م

لَزِمَ ۔ یَلْزَمُ ۔ لُزُوْمًا ۔ کسی چیز کا جمنا ، ہمیشہ رہنا ، ساتھ لگے رہنا اور جدا نہ ہونا ۔ اَلْمِلْزَمُ ۔ شکنجہ ۔ اَلْمُلَازَمُ ۔ کسی کے ساتھ لگا

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و راغب ۔

رہنے والا - نیز گلے ملنے والے کو بھی کہتے ہیں* - لَزِمَ الشَّیْئُ - چیز ثابت اور دائم رہی - لَزِمَ الْمَالُ فُلَانًا - فلاں آدمی پر مال واجب ہوگیا** - لُزُوْمُ الشَّیْئِ - کسی شے کا طویل عرصہ تک رہنا*** - اللِّزَامُ جو چیز آکر چپک جائے اور پھر الگ نہ ہو - (۲۵/۷۷) -

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ جو دعوت تم پر صاف اور واضح نہ ہو، هو اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ (۱۱/۲۸) کیا میں اسے زبردستی تمہارے گلے منڈھ سکتا ہوں؟ سورۃ فتح میں ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى (۴۸/۲۶) - اس نے انہیں تقویٰ کی بات پر لگا دیا یعنی انہوں نے تقویٰ اختیار کرلیا - وہ اس پر مضبوطی سے جم گئے - سورۃ طٰہٰ میں عذابِ خداوندی کے متعلق ہے - لَكَانَ لِزَامًا (۲۰/۱۲۹) - وہ ان کے ساتھ آکر چپک جانے والا تھا -

ل س ن

اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کی ایسی لمبائی کے ہیں جو نہایت لطیف ہو اور منقطع نہ ہو (ابن فارس) - لِسَانٌ (جمع اَلْسِنَةٌ) - زبان (Tongue) - (۲۰/۹۶) - لغت (Language) (۱۴/۴) - قوتِ گویائی* (۲۸/۳۴) - سورۃ مریم میں حضرات انبیاء کرام کے تذکرہ کے بعد فرمایا - وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (۱۹/۵۰) - صاحبِ تاج کے نزدیک یہاں لِسَانٌ کے معنی تعریف و توصیف ہے - یعنی انہیں ایسا مقام عطا کر دیا کہ دنیا ان کا نام مدح و ستائش سے لیتی ہے - یا یہ کہ انہوں نے ہمیشہ خدا کی صداقتوں کو بلند کیا اور دلیا کے سامنے صدق کو پیش کیا -

قرآن کریم نے اختلافِ الوان و السنہ کو خدا کی نشانیاں قرار دیا ہے (۳۰/۲۲) - دنیا کی مختلف زبانوں کے متعلق تحقیقات کا سلسلہ تو ایک مدت سے جاری تھا لیکن ہمارے زمانہ میں (Language) نے زبان سے آگے بڑھ کر فلسفہ کی سی حیثیت اختیار کرلی ہے، جسے (Ernst Cassirer) کے الفاظ میں (The Philosophy of Symbolic Forms) کہا جاتا ہے**** - اس فلسفہ کی رو سے ''زبان'' کے متعلق عجیب و غریب حقائق منکشف ہو رہے ہیں - علاوہ بریں، ڈاکٹر بک (Bucke) نے اپنی کتاب (The Cosmic Consciousness) میں زبانوں کے تجزیہ سے قوموں کی تہذیب و ثقافت کے متعلق جو اصول بیان کئے ہیں ان سے بھی یہ

*تاج - **محیط - ***راغب - ****بمخود (Cassirer) کی ایک کتاب کا بھی نام ہے -

حقیقت بے نقاب ہوتی ہے کہ اختلافِ السنہ کس طرح آیۃٌ مِنْ آیاتِ اللہِ ہے ۔ ابھی ان علوم کی ابتدا ہے ۔ جب ان کی تحقیقات کا سلسلہ آگے بڑھا تو پھر قرآن کریم کے یہ حقائق اور بھی اُبھر کر سامنے آجائینگے ۔

ل ط ف

لَطَفَ ۔ یَلْطُفُ کے معنی ہیں کسی سے نرمی اور مہربانی سے پیش آنا ۔ اور لَطُفَ ۔ یَلْطُفُ کے معنی ہیں کسی چیز کا چھوٹا اور باریک ہونا * ۔ اَللَّطِیْفُ ۔ خدا کے اسمائے حسنٰی میں سے ہے ۔ اسکے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ خفیف اور دقیق امور تک سے واقف ہے اور یہ بھی کہ وہ انسانوں کو راہ نمائی دینے میں نہایت لطیف انداز اختیار کرتا ہے اور نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرتا ہے** ۔ صاحب محیط نے اس کے معنی صاف اور شفاف کے بھی لکھے ہیں *** ۔ خدا کے لطیف ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اس کا قانون تدریج و امہال محسوس نہیں ہوتا ۔ درخت بڑھتا ہے ۔ اس سے پتے نکلتے ہیں ۔ پھل لگتے ہیں ۔ سورج ''چلتا ہے'' ۔ ساری کائنات میں تغیرات کا سلسلہ جاری ہے ۔ ارتقاء ہو رہا ہے ۔ اعمال اپنے نتائج مرتب کر رہے ہیں ۔ لیکن ان تمام حرکات ، اعمال اور تغیرات کی رفتار ایسی غیر مرئی اور غیر محسوس ہوتی ہے کہ کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا ۔ یہ سب کچھ نہایت لطیف انداز سے واقع ہوتا رہتا ہے ۔

اَللَّطِیْفُ مِنَ الْکَلَامِ ۔ بڑی لطیف اور دقیق بات * ۔ اَللَّطَائِفُ ۔ وہ باتیں جن کا ادراک انسانی حواس نہ کر سکیں** ۔

سورہ انعام میں ہے ۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (۶/۱۰۳) ۔ انسانی نگاہیں خدا کا احاطہ نہیں کر سکتیں ۔ اور وہ تمام نگاہوں کا احاطہ کرتا ہے ۔ (اس لئے کہ) وہ لطیف و خبیر ہے ۔ یہاں سے اَللَّطِیْفُ کے معنی واضح ہو گئے ۔ یعنی باریک بیں ۔

سورہ کہف میں ہے کہ اصحاب کہف نے کہا کہ ہم میں سے ایک آدمی بستی کیطرف جائے اور وہاں کے حالات کا پتہ کرے اور کچھ کھانے کے لئے لائے ۔ وَلْیَتَلَطَّفْ وَلَا یُشْعِرَنَّ بِکُمْ اَحَدًا (۱۸/۱۹) ۔ وہ احتیاط اور ہوشیاری سے کام لے تاکہ کسی کو تمہارا پتہ نہ لگ جائے ۔ اس سے بھی لُطْفٌ کا مفہوم سامنے آجاتا ہے ۔ یعنی کسی کام کو غیر محسوس طور پر سرانجام دینا ۔

---

*تاج ۔ **راغب ***محیط ۔

ل ظ ی

اللّظٰی۔ آگ یا آگ کا شعلہ ۔ راغب نے اسکے معنے آگ کا خالص شعلہ بتائے ہیں ۔ یعنی جس میں دھوئیں کی آمیزش نہ ہو۔ لَظِیَتِ النَّارُ وَتَلَظَّتْ۔ آگ بھڑک اٹھی *۔

قرآن کریم میں ہے ۔ کَلَّآ اِنَّهَا لَظٰی (۷۰/۱۵) ۔ شعلہ انگیز آگ ۔ دوسری جگہ نَارًا تَلَظّٰی (۹۲/۱۴) آیا ہے ۔ یعنی ایسی آگ جو بھڑک رہی ہے ۔

ل ع ب

اس مادہ کی اصل لُعَابٌ ہے جو منہ سے بہنے والی رال کو کہتے ہیں ۔ لَعِبَ فُلَانٌ ۔ اس نے بغیر صحیح مقصد کے کام کیا** ۔ صاحب محیط نے اس کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایسے کام کرنے کے لئے بھی بولا جاتا ہے جس سے قطعاً کوئی فائدہ نہ ہو۔ نیز اس کے معنی ہیں غیر موزوں کاموں سے دلبستگی پیدا کرنا اور اس سے مسرت حاصل کرنا ۔ یا سود مند چیزوں کو چھوڑ کر غیر سود مند چیزوں کی طرف لگ جانا*** ۔ لَاعِبٌ ۔ کھیل کھیلنے والا**** ۔ لَعِبٌ ، جِدٌّ کی ضد ہے جِدٌّ کے معنی ہوتے ہیں کسی کام کو (Seriously) کرنا ۔ لہذا ، لَعِبٌ کے معنی ہوئے کسی معاملہ میں (Serious) نہ ہونا ۔ لَعِبَ بِنَا الْمَوْجُ ۔ اُسوقت کہتے ہیں جب موجیں کشتی کو منزل مقصود کیطرف نہ لے جائیں ۔ اس بنا پر ، لَعِبٌ کے معنی یہ ہوں گے کہ حرکت تو ہو لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلے ۔ قدم تو اٹھیں لیکن منزل قریب نہ آئے ۔ بلا مقصد کام ، بلا نتیجہ عمل ۔ اِنَّمَا اَنْتَ لَاعِبٌ ۔ تم یونہی مذاق کر رہے ہو۔ تم اسے سنجیدگی سے (Seriously) نہیں لے رہے****۔

لَعِبٌ کے ساتھ لَهْوٌ کا عنوان (ل ۔ ہ ۔ و) بھی دیکھئے ۔ کلیات میں ہے کہ لَهْوٌ حق سے روگردانی کو کہتے ہیں اور لَعِبٌ باطل کی طرف متوجہ ہو جانے کو***۔

سورہ مائدہ میں ہے کہ جو لوگ تمہارے دین کو هُزُوًا وَّلَعِبًا لیتے ہیں (۵/۵۷) انہیں اپنا دوست نہ بناؤ۔ یعنی جو اسے سنجیدگی سے (Seriously) نہیں لیتے ۔ سورہ انعام میں ہے وَذَرْهُمْ قِ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ (۶/۹۲) ”تو انہیں چھوڑ دے کہ یہ اپنی بیہودہ باتوں سے (زندگی سے) کھیلتے رہیں“۔ یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے زندگی کو محض کھیل تماشا سمجھ رکھا ہے ۔ اسے مذاق قرار دے رکھا ہے ۔

*تاج و محیط ۔ **راغب ۔ ***محیط ۔ ****تاج و لین۔

قرآن کریم نے کہا ہے کہ زندگی کی صحیح روش یہ ہے کہ انسان ہمیشہ مستقبل پر نگاہ رکھے ۔ مستقبل کے اندر بہت سی باتیں آجاتی ہیں ۔ اس زندگی میں عیش امروزگی بجائے فکر فردا ۔ آنے والی نسلوں کے مفاد کا خیال ۔ پوری نوع انسانی کی بہبود کی فکر ۔ اور اس زندگی کے بعد مستقبل کی زندگی کا خیال ۔ طبیعی زندگی کے مفاد عاجلہ کے مقابلہ میں بلند اقدار کا تحفظ ۔ اس کے برعکس دوسری روش یہ ہے کہ انسان مستقبل کی کچھ پرواہ نہ کرے اور اپنی ساری توجہ طبیعی زندگی کے پیش پا افتادہ مفاد اور عیش امروز پر رکھے ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ روش زندگی کھیل تماشے سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی ۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ (۶/۳۲) اپنی تمام تگ وتاز کو طبیعی زندگی کی آسائشوں کی نذر کر دینا ، بے مقصد زندگی ہے ۔ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (۶/۳۲) ۔ جو لوگ تباہیوں سے بچنا چاہتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ مستقبل کی زندگی کا مفاد ہی اس قابل ہے کہ اس کے حصول کے لئے کوشش کی جائے ۔ لَهْوٌ اس بات کو کہتے ہیں جو انسان کی توجہ کو اس چیز کی طرف سے ہٹا کر جو اس کے لئے ضروری ہے اُس چیز کی طرف منعطف کرا دے جو غیر ضروری اور بے مقصد ہے ۔ ان آیات سے (جن میں الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کو لہو و لعب کہا گیا ہے) یہ مراد نہیں کہ قرآن کریم دنیاوی زندگی کو قابل نفرت قرار دیتا ہے ۔ یہ تصور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے ۔ وہ اس دنیا کی زندگی کی خوشگواریوں کے حصول اور کائناتی قوتوں کی تسخیر کو مومن کی زندگی کی خصوصیت قرار دیتا ہے (دیکھئے عنوان د ۔ ن ۔ و) ۔ ان آیات کا مفہوم وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے ۔ یعنی اپنی نگاہ کو مستقبل کے مفاد سے ہٹا کر مفاد عاجلہ اور فوری عیش پر مبذول کر لینا ۔ زندگی کو محض طبیعی زندگی سمجھنا اور حیوانی سطح پر جینا ۔ جب طبیعی زندگی کے کسی مفاد اور بلند انسانی قدر میں تصادم ہو تو بلند قدر کو طبیعی مفاد پر قربان کر دینا ۔ یہ روش غلط ہے ۔ جو قومیں مستقبل کی پرواہ نہیں کرتیں وہ برباد ہو جاتی ہیں ۔ یہی حالت افراد کی ہے ۔ قرآن کریم ہمیشہ مستقبل کے مفاد کی تاکید کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ دنیاوی مفاد ضرور حاصل کرو ۔ طبیعی زندگی کی خوشگواریوں سے متمتع ہو ۔ لیکن جب کبھی ایسا ہو کہ اس قسم کی خوشگواریوں میں اور کسی بلند انسانی قدر میں (جو وحی کے ذریعے ملتی ہے) (Tie) پڑ جائے ۔ تصادم ہو جائے ۔ تو اسوقت بلند قدر کے تحفظ کی خاطر طبیعی زندگی کے مفاد کو قربان کر دینا چاہئے ۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم انسانی زندگی کو محض مذاق سمجھ رہے ہو ۔

سورہ انبیاء میں ہے ۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِيْنَ (۲۱/۱۶) ۔ اور ہم نے اس سلسلۂ کائنات کو یونہی ، لَاعِبِيْنَ ، نہیں بنا دیا ۔ اسے ہم نے کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں کر دیا ۔ یہ مذاق نہیں ۔ یہ بلا مقصد نہیں ۔ اسکا ایک عظیم الشان مقصد ہے ۔ یہ ایک اہم پروگرام کے ماتحت عمل میں آیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۔ (۲۱/۱۸) ۔ یہاں ہو یہ رہا ہے کہ تعمیری قوتیں ، تخریبی قوتوں پر برابر ضرب کاری لگاتی رہتی ہیں ۔ اس سے تخریبی قوتیں نیست و نابود ہو جاتی ہیں اور تعمیری سلسلہ آگے بڑھ جاتا ہے ۔ یوں یہ سلسلۂ کائنات ، اس تعمیری طریق سے ارتقائی منازل طے کرتا چلا جا رہا ہے ۔ ظاہر ہے کہ جو چیز محض کھیل تماشے کے طور پر بلا مقصد و بلا منزل پیدا کر دی گئی ہو اس کی صورت یہ نہیں ہوا کرتی ۔

اس آیت میں قرآن کریم نے اس غلط تصور کی بھی تردید کی ہے جو ہندوؤں کے ہاں رائج ہے ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ کائنات اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایشور نے ایک لیلا رچا رکھی ہے ۔ یعنی محض کھیل ہے ۔ اسی لئے ان کے ہاں ایشور کو '' نٹ راجن '' کہتے ہیں ۔ یعنی کھلاڑیوں کا بادشاہ ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ تصور لغو ہے ۔ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ (۲۱/۱۸) ۔ یہ باتیں بے حد قابل افسوس اور تباہی کا باعث ہیں ۔ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ (۳۰/۸) کائنات کی تخلیق حق کے ساتھ ہوئی ہے ۔

لہذا کائنات اور انسانی زندگی کے ہر مسئلہ کو ہمیشہ (Seriously) لینا چاہئے ۔ مذاق نہیں سمجھنا چاہئے ۔ اور اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ زندگی کا ایک عظیم مقصد ہے ۔ قرآن کریم نے انسانی زندگی اور کائنات کو حقیقت (Reality) قرار دیکر انسان کے سامنے ایک عظیم پروگرام رکھ دیا ہے ۔ اس سے افلاطون (Plato) کا وہ طلسم بھی یکسر ٹوٹ گیا جس کی رو سے اس کائنات کو محض فریب سمجھا جاتا تھا ۔ اور اس کے ٹوٹنے سے ویدانت (ہندی تصوف) ۔ خانقاہیت اور تصوف کی عمارت بھی نیچے آگری ۔ دوسری طرف مغرب کے نظریہ مادیت (Materialism) کا بھی بطلان کر دیا جس کی رو سے زندگی محض طبیعی زندگی (Physical Life) ہے اور بس ۔

لَعَلَّ (حرف)

لَعَلَّ ۔ یہ حرف حسب ذیل معانی پیدا کرتا ہے ۔

(۱) ''تاکید'' وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۲/۱۸۹) ۔ تم

قانون خداوندی کی نگہداشت کرو تا کہ تمہاری کھیتیاں برو مند ہوں۔ یہ توقع اور ترجّی (امید) کے لئے آتا ہے۔ اس اعتبار سے اس کا ترجمہ ہوتا ہے ''امید ہے کہ''..... ''توقع ہے کہ''۔

قرآن کریم نے کہا ہے کہ کتاب اور حکمت دونوں منزل من اللہ ہیں (مثلاً ۔ ۳/۱۱۳ ؛ ۱۶/۳۹ ؛ ۲/۲۳۱) ۔ کتاب کے معنی ہیں قانون اور حکمت کے معنی ہیں اس قانون کی غرض و غایت ۔ مصلحت ۔ وہ مقصد جس کے لئے وہ قانون دیا گیا ہے ۔ لَعَلَّ بھی حکمت بتانے کے لئے آتا ہے ۔ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ۔ کتاب ہے (یعنی قانون ۔ یا حکم) اور لَعَلَّکُمْ تَفْلِحُوْنَ ۔ اس کی حکمت (مقصد یا غایت یا وہ نتیجہ جو اس حکم یا قانون کی اطاعت سے لازمی طور پر مرتب ہونا چاہئے) ۔

(۲) ''شاید'' یا ''ہوسکتا ہے کہ'' کے معنوں میں ۔ وَ مَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیْبٌ* (۴۲/۱۷) اور تجھے کیا خبر ہے ، شاید وہ انقلاب کی گھڑی قریب ہی ہو ۔ (ہوسکتا ہے کہ وہ قریب ہی ہو) ۔

(۳) استفہام انکاریہ کے لئے۔ یعنی ایسا سوال جس کا جواب (یا اس سے مراد) نہیں ہوتا ہے ۔ فَلَعَلَّکَ تَارِکٌ بَعْضَ مَا یُوْحٰی اِلَیْکَ (۱۱/۱۲) ۔ تو کیا تو (ان لوگوں کی خاطر) اپنی وحی کا کچھ حصہ ترک کردیگا ؟ ۔ (ہرگز نہیں ۔ تو ایسا کبھی نہیں کریگا) ۔

(۴) بعض اوقات یہ ''گویا کہ'' اور ''جیسے'' کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔ اس کے لئے قرآن کریم کی یہ آیت مثال میں پیش کی جاتی ہے ۔ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ (۲۶/۱۲۹) ۔ اور تم صنعت کاری کے بڑے بڑے کام کرتے ہو گویا تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے ۔ لیکن اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم یہ صنعت کاری اس لئے کرتے ہو تا کہ تمہیں دوام و استمرار نصیب ہو جائے ۔ یہ چیزیں تمہاری بقا کا ذریعہ بن سکیں ۔

ل ع ن

لَعَنَ کے معنے ہوتے ہیں کسی کو ناراضگی کی بنا پر اپنے سے دور کر دینا* ۔ خدا کی طرف سے لعنت سے مراد یہ ہوگی کہ انسان زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہو گیا ۔ ظاہر ہے کہ یہ محرومی قوانین خداوندی کے خلاف زندگی بسر کرنے کا نتیجہ ہوگی ۔ اس لئے لَعْنَتٌ** کے معنی ہونگے قانون مکافات کی رو سے زندگی کی شادابیوں سے محروم ہو جانا ۔

*راغب ۔ **تاج ۔

دور رکھنے کے اعتبار سے اَلْمِغْیَثُ (Scare - Crow) کو کہتے ہیں - یعنی وہ لکڑیاں سی جنہیں انسانی لباس پہنا کر کھیتوں میں کھڑا کر دیا جاتا ہے تاکہ پرندے فصل سے دور دور رہیں اور اسے خراب نہ کریں* -

قرآن کریم نے ابلیس کے متعلق پہلے کہا ہے فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (۱۵/۳۴) - اور اس کے بعد ہے اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ (۱۵/۳۵) - رَجْمٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو دور پھینک دینا - اس سے بھی لَعْنَتٌ کے معنی واضح ہوجاتے ہیں -

سورۃ بقرہ میں ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ ہم قرآنی تعلیم سے کبھی اثر پذیر نہیں ہوسکتے - ہمارے دل غلافوں کے اندر ہیں - قرآن کریم نے کہا کہ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ (۲/۸۸) - نہیں! بات یہ نہیں جو وہ کہتے ہیں - بات یہ ہے کہ وہ اپنے انکار و سرکشی کی وجہ سے سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیتوں سے محروم کر دیئے گئے ہیں - اور یہ خدا کے قانون مکافات کے مطابق ہوا ہے - لہذا جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں خدا کافروں پر ''لعنتیں'' برساتا ہے تو انہوں نے لَعْنَتٌ کے قرآنی مفہوم کو نہیں سمجھا - خدا (معاذ اللہ) گالیاں نہیں دیا کرتا - اس سے خدا کے قانونِ مکافات عمل کا بیان مقصود ہے - اور وہ قانون یہ ہے کہ جو شخص غلط راہوں پر چلتا ہے وہ زندگی کی انسانیت ساز خوشگواریوں سے دور ہٹ جاتا ہے - ان سے محروم رہ جاتا ہے - اس کے غلط اعمال کے اس نتیجہ کو لعنت کہتے ہیں اور ایسے شخص (یا قوم) کو ملعون -

مَلْعُوْنٌ دور کیا ہوا - اس کی جمع مَلْعُوْنُوْنَ وَ مَلْعُوْنِيْنَ ہے (۳۳/۶۱) - دور کئے ہوئے -

ل غ ب

لَغَبَ - لَغْبًا - لُغُوْبًا - بہت زیادہ درماندہ ہونا اور تھک جانا - شدید تکان ہو جانا** - اَلنَّصَبُ - جسمانی تکان کو کہتے ہیں اور اَللُّغُوْبُ ذہنی یا نفسیاتی تکان کو* - سَهْمٌ لَغِيْبٌ - وہ تیر جس کے پر بہت کمزور اور خراب ہوں - رَجُلٌ لَغِيْبٌ - کمزور اور بیوقوف آدمی** -

قرآن کریم میں اہل جنت کا قول ہے کہ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ (۳۵/۳۵) - اس میں نہ جسمانی مشقت ہوگی نہ ذہنی

*تاج - **راغب -

اور نفسیاتی تکان ۔ غور کیجئے کہ انسانی زندگی کے اگلے مراحل جن کی طرف قرآن کریم لے جاتا ہے ، زندگی کی موجودہ سطح سے کسقدر بلند اور لطیف ہیں ۔ طبیعی (Physical) اضمحلال بھی نہیں اور ذہنی (Mental) یا نفسیاتی (Psychological) تکان (Exhaustion) بھی نہیں۔ جب ''زندگی کے اگلے مراحل'' سے مراد مرنے کے بعد کی زندگی ہوگی ، تو اس میں یہ کیفیت کسطرح پیدا ہوگی اسکا ہم ، اپنے شعور کی موجودہ سطح پر رہتے ہوئے ، اندازہ نہیں کر سکتے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس میں حیات (Life) کی توانائیاں بھر پور ہونگی ۔

ل غ و

اَللُّغَۃُ ۔ آوازیں جن سے ہر قوم اپنے مطالب کی تعبیر کرتی ہے ۔ بولی ۔ لَغَوْتُ لَغْوًا ۔ میں نے بات کی۔ بعض کا خیال ہے کہ اَللَّغْوُ کے معنی پھینکنے اور ڈالنے کے ہیں ۔ کلام کو اس لئے لَغْوٌ کہتے ہیں کہ اسے پھینکا جاتا ہے* ۔ صاحب محیط کا خیال ہے کہ کوئی بعید نہیں کہ اَللُّغَۃُ یونانی لفظ لُوْغُوْس (Logos) سے ماخوذ ہو جس کے معنی کَلِمَۃٌ کے ہیں** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں ۔ (۱) ناقابل اعتناء چیز اور (۲) کسی چیز سے شیفتگی ۔ یعنی ہر وقت اسی کی باتیں کرتے رہنا ۔ چنانچہ پہلے مفہوم کی جہت سے اَللَّغْوُ اونٹ کے ان بچوں کو کہتے ہیں جو خوں بہا میں ناقابل اعتناء ہوں ۔ اور دوسرے مفہوم کے اعتبار سے اَللُّغَۃُ بولی کو کہتے ہیں اس لئے کہ ہر ایک اپنی بولی پسند کرتا اور اسے بولتا رہتا ہے ۔

اَللَّغَا اور اَللَّغْوُ ۔ پرندے کی آواز کو کہتے ہیں ۔ اَلطَّیْرُ تَلْغَیٰ بِاَصْوَاتِہَا ۔ پرندے اپنی آوازوں سے شور مچاتے ہیں ۔ اس اعتبار سے بے معنی باتیں جو کسی گنتی میں شمار بھی نہ ہوں ، لَغْوٌ کہلاتی ہیں ۔ یا وہ باتیں جو زبان سے یونہی بلا ارادہ نکل جائیں* ۔ راغب نے کہا ہے کہ لَغْوٌ وہ باتیں ہیں جو سوچ سمجھکر نہ کی جائیں ۔ اس لئے وہ (بغیر ارادہ کے) کسی قطار و شمار میں نہ ہوں ۔ خلیل نے کہا ہے کہ لَغْوٌ اس بات کو کہتے ہیں جو یونہی منہ سے نکل جائے* ۔

کَلِمَۃٌ لَاغِیَۃٌ بیہودہ بات کو کہتے ہیں ۔ لَغَا فِیْ قَوْلِہٖ کے معنی ہیں وہ اپنی بات میں غلطی کر گیا ۔ اَلْاِغْفَاءُ ۔ اسے نامراد کر دیا ۔ ناکام بنا دیا ۔ بیکار کر دیا ۔ اَللَّغَیٰ ۔ گری پڑی چیز* ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

سورۃ بقرہ میں ہے لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ (۲/۲۲۵) ۔ اللہ تمہاری لغو قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا ۔ ان پر مؤاخذہ کرتا ہے جو تمہارے دل کا فعل ہوں ۔ یہاں سے لَغْوٌ کے معنی واضح ہیں ۔ یعنی وہ باتیں جو یونہی بلا ارادہ منہ سے نکل جائیں ۔ دوسری جگہ لَغْوٌ کے بعد ہے وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ (۵/۸۹) ۔ جو تم پختہ معاہدہ کرو ۔ جو تم دل سے عہد کرو ۔ جو بات سوچ سمجھ کر دل کے ارادہ سے کرو ۔ اس سے بھی لَغْوٌ کے معنی واضح ہیں ۔

جنت کی ''شراب'' کے متعلق کہا ہے ۔ لَا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمٌ (۵۲/۲۳) ۔ اس سے انسان نہ تو بے معنی بکواس کریگا اور نہ ہی اس سے اضمحلال پیدا ہوگا (نیز ۵۶/۲۵) ۔ دوسری جگہ جنت کے متعلق ہے ۔ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلَامًا (۱۹/۶۲) ۔ یعنی اس میں ہر بات ایسی ہوگی جس سے سلامتی پیدا ہو ۔ وہاں کوئی بات لَغْوٌ نہیں ہوگی ۔ یہاں لَغْوٌ بمقابلہ سَلَامٌ آیا ہے ۔ سورۃ غاشیہ میں لَغْوٌ کی جگہ لَاغِیَةٌ آیا ہے (۸۸/۱۱) ۔ مومنین کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا (۲۵/۷۲) ۔ اگر انہیں کبھی لَغْوٌ کے پاس سے گذرنا پڑ جاتا ہے تو وہ نہایت متانت سے اپنی عزت کو بچاتے ہوئے وہاں سے گذر جاتے ہیں ۔ یہاں لَغْوٌ سے مراد ہر بیہودہ اور بے معنی بات کے ہیں ۔

ان مقامات سے لَغْوٌ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ بیہودہ باتیں ۔ ایسی باتیں جو شریف انسانوں کے شایان شان نہ ہوں ۔ بے معنی باتیں ۔ ایسی باتیں جن میں آواز ہی آواز ہو، مطلب کچھ نہ ہو ۔ ایسی گفتگو جو بے سوچے سمجھے کی جائے ۔ ایسے کام جن کا کوئی وزن اور شمار نہ ہو ۔ جماعتِ مومنین کے جنتی معاشرہ میں اس قسم کی باتوں کا کوئی دخل نہیں ہوگا ۔

قرآن کریم میں ایک جگہ کفار کے متعلق ہے کہ وہ اپنے ہم مشربوں کو تلقین کیا کرتے تھے کہ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ ۔ اس قرآن کریم کو مت مانو ۔ وَالْغَوْا فِیْهِ ۔ جہاں قرآن کریم کی آواز بلند ہو تم شور مچا دو ۔ بے معنی باتیں کرنے لگ جاؤ ۔ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ (۴۱/۲۶) ۔ شاید اس طرح تم قرآن والوں پر غالب آ جاؤ ۔ حیرت ہے کہ جو مسلک کفار کا تھا مسلمانوں کو بھی آج کل اس کی تلقین کی جاتی ہے ۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ جہاں سے تمہیں یہ آواز سنائی دے کہ قرآن کریم کی طرف آؤ ، تم اس کی بات

مت سنو ، بلکہ شور مچا دو کہ کوئی اور بھی یہ آواز نہ سننے پائے ۔ یہ طریقہ ہے جس سے تم ان لوگوں پر غالب آجاؤ گے ۔ اس لئے کہ اگر لوگوں نے قرآن کریم کی آواز سن لی تو وہ پھر تمہارے خود ساختہ مذہب سے کبھی مطمئن نہیں ہوسکیں گے ۔

لہذا ہر وہ بات ، وہ عمل ، وہ تصور ، وہ نظریہ ، وہ عقیدہ جو انسان کو قرآن کریم سے دور رکھے لَغْوٌ ہے ۔ یہی وہ لغویات ہیں جن میں ہم صدیوں سے الجھے چلے آ رہے ہیں ۔ جب تک ہم اپنے دل و دماغ کو ان لغویات سے پاک اور صاف نہیں کرلیں گے ، دینِ خالص تک کبھی نہیں پہنچ سکینگے ۔

ل ف ت

لَفَتَهٗ یَلْفِتُهٗ ۔ کسی کو اس کی سمت سے موڑ دینا ۔ جس رخ پر وہ ہو اس سے پھیر دینا ۔ لوٹا دینا ۔ واپس کر دینا ۔ لَفَتَهٗ عَنِ الشَّیْءِ ۔ اسے کسی چیز سے ہٹا دیا، پھیر دیا * ۔ قرآن کریم میں ہے اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا (۱۰/۷۸) ۔ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اپنے اسلاف کے راستے سے موڑ کر کسی اور طرف لے جائے ۔ اَلْتِفَاتٌ اسی سے ہے جسکے معنے ہیں رخ موڑنا * ۔ لِفْتُهٗ مَتَعَهٗ ۔ اس کا میلان اسکی طرف ہے ** ۔ اَلْلَّفُوْتُ وہ عورت جسکے ساتھ پہلے شوہر کا بچہ ہو اور اسکی طرف توجہ کرنے کی وجہ سے وہ دوسرے شوہر کی طرف توجہ نہ کرسکے ۔ نیز اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جو دودھ دوہنے والے کی طرف بار بار مڑ کر دیکھے ، اسے کاٹے اور چلائے اور بمشکل دودھ دوہائے، کیونکہ اس کا بچہ مرچکا ہے* ۔ سورۂ ہود میں اصحابِ حضرت لوطؑ سے کہا گیا ہے وکہ تم ان لوگوں کو چھوڑ کر یہاں سے نکل جاؤ ۔ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ (۱۱/۸۱) ۔ اور پھر تم میں سے کوئی ادھر منہ موڑ کر بھی نہ دیکھے ۔ ان چیزوں کو ایسا چھوڑ دو کہ پھر ان کی طرف تمہارا خیال بھی نہ آئے ۔ تمہاری یہ حالت ہو کہ ۔ از گوشۂ بامے کہ پریدیم ، پریدیم ۔

ل ف ح

لَفْحٌ ۔ سخت گرم ہوا کی لپٹ ۔ لسان میں ہے کہ لَفْحٌ ہر گرم چیز کو کہتے ہیں اور نَفْحٌ ہر ٹھنڈی چیز کو ۔ محیط میں اصمعی کے حوالہ سے ہے کہ جس ہوا کو لَفْحٌ کہا جائے وہ گرم ہوگی اور جسے لَفْحٌ کہا

*تاج ۔ **محیط ۔

جائے وہ ٹھنڈی ہوگی ۔ لَفَحَتْهُ النَّارُ بِحَرِّهَا ۔ آگ نے اپنی گرمی سے اسے جھلسا دیا *۔ سورۂ مومنون میں ہے ۔ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۔ (۲۳/۱۰۴) ۔ آگ ان کے چہروں کو جھلس دیگی ۔

ل ف ظ

لَفَظَهُ ۔ يَلْفِظُهُ مِنْ فِيْهِ ۔ اس نے اسے اپنے منہ سے نکال کر پھینکدیا** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو ڈالدینے اور پھینکدینے کے ہوتے ہیں ۔

اَللَّافِظَةُ ۔ سمندر (کیونکہ جو کچھ اس کے اندر ہوتا ہے وہ اسے کناروں پر پھینک دیتا ہے) ۔ چوگا دینے والے پرندے، کہ وہ جو کچھ منہ میں لاتے ہیں اپنے بچوں کو دیدیتے ہیں ۔ چکّی (کیونکہ جو کچھ دانہ وغیرہ اس میں ڈالا جاتا ہے وہ آٹا بنا کر اسے باہر پھینک دیتی ہے) ۔ نیز وہ بکری جو چارہ کھا رہی ہو اور دودھ دوہنے والا آجائے تو جو گھاس اس کے منہ میں ہو وہ اسے بھی چھوڑ دے اور دودھ دینے کے لئے تیار ہوجائے ۔ اَلْمُلْفَاظَةُ ۔ جو کچھ منہ سے پھینکا جائے ** ۔ لَفْظٌ ۔ منہ سے نکلی ہوئی آواز چونکہ اس میں آواز کا ہونا ضروری ہے اس لئے لَفْظُ اللہ نہیں کہتے بلکہ کَلِمَةُ اللہِ کہتے ہیں*** ۔

قرآن کریم میں ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ (۵۰/۱۸) ۔ وہ کوئی بات بھی نہیں بولتا ہے ۔

ل ف ف

اللَّفُّ ۔ لپیٹنا ۔ (نَشْرٌ کی ضد ہے) ۔ لَفَّ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ ۔ اس نے اس چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دیا ۔ اَللَّفِيْفُ ۔ جماعت ۔ گروہ ۔ مجتمع لوگ ۔ اَللَّفِيْفُ ۔ ملے جلے اکھٹے لوگ ۔ مختلف قبائل کے ایک جگہ جمع ہونے والے لوگ ۔ اَللِّفَافَةُ ۔ پٹی وغیرہ جو لپیٹی جائے ۔ اَلْاَلْفَافُ ۔ گتھے ہوئے درخت ۔ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۔ گھنے ، گنجان ، بکثرت درختوں والے باغیچے ۔ (۷۸/۱۶) ۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے ۔ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (۱۷/۱۰۴) ۔ ہم تمہیں چاروں طرف سے اکٹھا کر کے لائینگے ۔ اَلْتَفَّتِ ۔ ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ لپٹ جانا ۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ (۷۵/۲۹) شدت پر شدت جمع ہوتی گئی ۔ مشکلات اکٹھی ہوتی چلی گئیں ۔ ساق پنڈلی کو بھی کہتے ہیں ۔****

*تاج و راغب و محیط ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔ ****تاج و راغب ۔

ل ف ی

اَلْفَاہُ کَاذِبًا ۔ اس نے اسے جھوٹا پایا ۔ وَاَلْفَیَا سَیِّدَھَا لَدَی الْبَابِ (۱۲/۲۵) ۔ ان دونوں نے اس کے شوہر کو دروازہ کے قریب پایا* ۔

سورۃ بقرہ میں ہے ۔ مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَاءَنَا (۲/۱۷۰) ۔ جس مسلک پر ہم نے اپنے آبا و اجداد کو پایا ہے ۔

تَلَافَی التَّقْصِیْرَ ۔ اس نے تقصیر کی تلافی کر دی ۔ اَلتَّلَافِی ۔ بدلہ لے لینا* ۔ تلافی کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ جو چیز ہاتھ سے نکل گئی تھی اسے دوبارہ پا لیا گیا ہے ۔ تلافیِ مافات ۔ جو کچھ ہاتھ سے چلا گیا تھا اسے دوبارہ پا لینا ۔ اَللُّقَاءُ ۔ مٹی اور ہر گری پڑی گھٹیا چیز کو کہتے ہیں* ۔ یعنی جو چیز یونہی پا لی جائے ۔

ل ق ب

اَللَّقَبُ ۔ وہ نام جو کسی کا اصلی نہ ہو بلکہ بعد میں پڑ جائے ۔ جمع اَلْقَابٌ** ۔ اس نام میں معنی کی رعایت ہوتی ہے ، بخلاف اَعْلَامٌ کے جس میں معنی کی رعایت نہیں ہوتی** ۔ لَقَبٌ تین طرح کے ہوتے ہیں ۔ لقب تشریف ۔ لقب تعریف ۔ اور لقب تسخیف ۔ تیسری قسم سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں ذلت کا پہلو ہوتا ہے*** ۔ قرآن کریم میں ہے وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (۴۹/۱۱) ۔ ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھا کرو ۔ (دیکھئے عنوان ن ۔ ب ۔ ز)

ل ق ح

لِقَاحٌ ۔ گھوڑے یا اُونٹ کے مادۂ منویہ کو کہتے ہیں ۔ اَللَّقَحُ ۔ حمل ۔ لَاقِحٌ ۔ حاملہ ۔ (جمع لَوَاقِحُ) ۔ لَقِحَتِ النَّاقَۃُ ۔ اونٹنی حاملہ ہوئی ۔ اَلْقَحَتِ الرِّیَاحُ الشَّجَرَ وَالسَّحَابَ ۔ ہواؤں نے درختوں اور بادلوں کو بار آور بنا دیا**** ۔ (درختوں کو اسطرح کہ ہوائیں نر درختوں کا زیرہ ، مادہ درختوں پر لا کر ڈال دیتی ہیں جس سے ان میں پھول آ جاتے ہیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں ۔ اور بادلوں کو اس طرح کہ ہوائیں سمندر سے پانی اٹھا کر بادلوں کو بار آور کر دیتی ہیں ۔ یہ ابن فارس کی تشریح ہے) ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ۔ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ (۱۵/۲۲) ۔ ہم بار آور

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط ۔ ****تاج و راغب ۔

ہواؤں کو بھیجتے ہیں ۔ اس کے مقابلہ میں آندھی اور جھکڑ کی ہوا کو اَلرِّیْحَ الْعَقِیْمَ (۵۱/۴۱) کہا گیا ہے ۔ بانجھ ہوا ۔

ل ق ط

لَقَطَ ۔ یَلْقِطُ ۔ لَقْطًا ۔ کسی (گری پڑی) چیز کو زمین سے بلا محنت و مشقت اٹھا لینا ۔ اَللُّقْطَۃُ ۔ وہ پڑی ہوئی چیز جو کسی کو ملے اور وہ اُسے اٹھالے ۔ نیز پھینکا ہوا نوزائیدہ بچہ ۔ اسے اَللَّقِیْطُ بھی کہتے ہیں * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہوتے ہیں اس چیز کو زمین سے اٹھا لینا جسے اچانک دیکھا ہو اور اسے لینے کا پہلے سے کوئی ارادہ نہ ہو ۔ اگرچہ بعض اوقات یہ مقصد اور ارادے کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے ۔

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا کہ اسے اندھے کنوئیں میں ڈالدو ۔ یَلْتَقِطْہُ بَعْضُ السَّیَّارَۃِ (۱۲/۱۰) ۔ کوئی قافلہ اسے پڑی ہوئی چیز دیکھ کر اٹھا کر لے جائیگا ۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے متعلق ہے کہ جب ان کی والدہ نے انہیں دریا میں بہا دیا ۔ فَالْتَقَطَہٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ (۲۸/۸) ۔ فرعون کے لوگوں نے اسے اٹھا لیا ۔

ل ق ف

لَقِفَ ۔ یَلْقَفُ ۔ کسی چیز کو جلدی سے لے لینا ۔ جو چیز تمہاری طرف پھینکی جائے اسے تیزی سے (ہاتھ سے یا منہ سے) اُچک لینا ۔ راغب نے اسکے معنی کسی چیز کو مہارت اور ہوشیاری سے لے لینا لکھے ہیں ۔ اَلتَّلْقِیْفُ ۔ اَلتَّلَقُّفُ ۔ کھانے کو نگل لینا ۔ اَلتَّلْقِیْفُ ۔ گھوڑے یا اونٹ کا تیزی سے دوڑنے ۔ میں اگلی ٹانگوں کو تیزی سے چلانا اور پیٹ کی طرف پوری طرح نہ جانے دینا** ۔ تَلَقَّفَ الشَّیْءَ ۔ کسی چیز کو تیزی اور پھرتی سے لینا ** ۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کے "عصا" کے متعلق ہے ۔ فَاِذَا ھِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ (۷/۱۱۷) وہ فریق مقابل کے باطل (دلائل) کو یونہی نگل گیا ۔ وہ دلیلیں اس کے سامنے نہ ٹھہر سکیں ۔ اسنے انہیں ہاتھ بڑھا کر اُچک لیا ۔ ساحرین نے جو کچھ جھوٹ موٹ بنا رکھا تھا (ڈھونگ رچا رکھا تھا) اس نے اسے تیزی سے اُچک لیا ۔ ساحرین کے جھوٹ موٹ کے "سانپوں" کو موسےٰؑ کا "اژدھا" جھٹ سے نگل گیا ۔

---

* تاج و محیط ۔ **تاج و راغب ۔ ***محیط ۔

ل ق م

اَلتَّقْمُ - جلدی اور تیزی سے کھانا - لَقِمَہٗ - اسے اپنے منہ سے کھینچا اور جھٹ سے کھا لیا - اِلْتَقَمَہٗ - اس نے اسے نگل لیا ، مہلت کے ساتھ * - یعنی پہلے منہ میں رکھا اور پھر نگلا - اس اعتبار سے لَقِمَ اور اِلْتَقَمَ - منہ میں لینے کو کہتے ہیں *** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہاتھ کے ذریعے منہ تک کھانا لے جانے کے ہیں - قرآن کریم میں قصہ حضرت یونس[۴] میں ہے - فَالْتَقَمَہُ الْحُوْتُ (۳۷/۱۴۳) - بڑی مچھلی نے اسے لقمہ بنایا - منہ میں لے لیا - لَقِمَ الطَّرِیْقَ - اس نے راستہ کا منہ بند کر دیا * - اَلْقَمَہٗ الْحَجَرَ - جھگڑے وقت حریف مقابل کو لاجواب اور خاموش کر دیا** -

لقمان

قرآن کریم نے علم و حکمت کی باتوں کے سلسلہ میں ایک شخصیت کا ذکر کیا ہے جس کا نام لقمان ہے - (وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ .. ... ۳۱/۱۲) قرآن کریم نے انھیں نبی نہیں کہا - نہ ہی ان کا تفصیلی تعارف کرایا ہے - انھوں نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت آمیز باتیں کہی ہیں فقط ان کا ذکر کیا ہے (۳۱/۱۲ - ۱۹) -

بعض نے کہا ہے کہ آپ حضرت ایوب[۴] کے بھانجے تھے - بعض کہتے ہیں کہ آپ حضرت داؤد[۴] کے زمانہ میں پیدا ہوئے - بعض کا خیال ہے کہ آپ حبشی غلام تھے - مستشرقین میں سے سیل کا خیال ہے کہ یہ یونانی ایسپ (Aesop) ہی ہیں - ڈاکٹر (Spanger) نے کہا ہے کہ یہ ایبونہ کے الکسائی (Elxai) ہی کا دوسرا نام ہے - پروفیسر ہتی (Hitti) بھی اسی خیال کا مؤید ہے - تورات کی کتاب الامثال میں یاقہ کے بیٹے اجور (امثال ۳۰/۱) اور طوایل بادشاہ (۳۱/۱) کی حکمت کی باتیں عرب کے لقمان کی نصائح سے ملتی جلتی ہیں - اس قیاس کے مطابق جناب لقمان کو بنی اسمٰعیل میں سے ہونا چاہئے -

لیکن یہ سب قیاسات ہیں - بعد کی تحقیق کسی فیصلہ کن نتیجہ تک پہنچا سکیگی - ایک بات البتہ بالکل واضح ہے - اگر لقمان ، صاحب وحی تھے (جس کا ذکر قرآن کریم نے نہیں کیا) تو حکمۃ کے معنی وحی ہونگے - اور اگر وہ صاحب وحی نہ تھے (جیسا کہ قرآن کریم سے ظاہر ہے) تو حکمۃ

*تاج و راغب - **محیط - ***لسان العرب -

کے معنی یہ ہونگے کہ وہ، وحی کے احکام کے حکیمانہ نتائج کو سمجھنے کی عمدہ صلاحیت رکھتے تھے۔ جب الحکمۃ منزل من اللہ ہو تو وہ وحی ہی کا دوسرا نام ہوتا ہے۔ اور جب یہ لفظ ہام انسانوں کیطرف منسوب ہو تو اس سے ہام دانش اطواری مراد ہوتی ہے۔

ل ق ی

لِقَاءٌ۔ امام رازی نے کہا ہے کہ کسی جسم کا دوسرے جسم تک اس طرح پہنچنا کہ وہ آپس میں مس کر جائیں، لِقَاءٌ کہلاتا ہے*۔ لیکن امام راغب کے نزدیک مس کرنا ضروری نہیں۔ ایک دوسرے کے سامنے ہونا لِقَاءٌ ہے۔ بعض کے نزدیک کسی بات کا حس اور بصر یا بصیرت سے ادراک کرلینا** (Perception)۔ یا کسی بات کا پا لینا بھی لِقَاءٌ ہے۔ تَلَقَّاءٌ کے معنی ہیں۔ سامنے*۔ یَوْمُ التَّلَاقِ (۴۰/۱۵) کے معنی ہیں ایک دوسرے کے سامنے آنے کا دن۔ یعنی جب اعمال کے نتائج محسوس طور پر سامنے آجائیں۔

اِلْقَاءٌ کے معنی کسی چیز کو اس طرح ڈال دینا ہیں کہ وہ دوسرے کے سامنے آجائے**۔ جوہری کے نزدیک مطلق کسی چیز کو پھینک دینے کو بھی کہتے ہیں*۔ نیز لِقَاءٌ کا لفظ جنگ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، جب فوجوں کی ایک دوسرے سے مٹھ بھیڑ ہو جاتی ہے***۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تین ہیں (۱) دو چیزوں کا ملنا۔ آمنے سامنے ہونا۔ (۲) کسی چیز کو ڈال دینا۔ اور (۳) ٹیڑھا پن، جس سے اَلْقَوْۃٌ ہے۔ (لیکن موخرالذکر واوی ہے)۔

قرآن کریم میں ہے اِذَا الْتَقَوا الَّذِیْنَ آمَنُوْا (۳/۱۳)۔ جب وہ مومنین کے سامنے آئے ہیں۔ دوسری جگہ ہے فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ (۲/۳۷) اس میں تَلَقّٰی کے معنی قوانین خداوندی کے حصول (پالینے) کے ہیں۔ زمین کے متعلق جہاں ہے وَاَلْقَیْنَا فِیْہَا رَوَاسِیَ (۱۵/۱۹)۔ وہاں اِلْقَاءٌ کے معنی ڈال دینا یا بنا دینا ہیں۔ ڈال دینے کے معنوں میں یہ لفظ (۲۷/۲۸) میں استعمال ہوا ہے۔ سورۂ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ہرکارے کو اپنا خط دیا اور کہا فَاَلْقِہْ اِلَیْہِمْ (۲۷/۲۸) "یہ خط ان کے سامنے ڈال دے"۔ یعنی (Deliver) کر دے۔ اس کے بعد ملکۂ سبا کا قول ہے اِنِّیْ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیْمٌ (۲۷/۲۹) "میری طرف ایک باعزت خط بھیجا گیا ہے۔" سورۂ نحل میں۔ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ اَلْقَوْلَ (۱۶/۸۶) کے معنی ہیں، ان کی طرف بات ڈالنا یعنی کہنا۔

---

*تاج۔ **راغب۔ ***محیط۔

سورۂ کہف میں ہے کہ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (۱۸/۱۱۰)۔ اس کے معنی ہیں جو شخص یہ چاہتا ہے کہ خدا کا (قانون یا) نظام ربوبیت، محسوس شکل میں اسکے سامنے آجائے تو اسے چاہئے کہ وہ (قانون خداوندی کے متعین کردہ) صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا رہے اور اپنی تمام صلاحیتوں کو اس قانون کے مطابق صرف میں لائے اور اس میں کسی اور جذبہ یا مفاد پرستی کی کشش کو شریک نہ ہونے دے۔ لہذا، لِقَاءِ رَبّ کے معنی ہیں خدا کے نظام ربوبیت کا محسوس شکل میں سامنے آجانا۔ یا قانون خداوندی کی رو سے انسانی اعمال کے نتائج کا محسوس شکل میں سامنے آجانا۔ نیز انسان کا ہر وقت اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا کہ وہ اپنے ہر عمل کے لئے خدا کے قانون مکافات کے سامنے جواب دہ ہے۔ لِقَاءِ رَبّ سے انکار (کفر) کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی زندگی کے عملی پہلوؤں میں قانون خداوندی کا سامنا کرنے سے گریز کی راہیں نکالے۔ اس کا سامنا کرنے سے کترائے اور قانون مکافات کے سامنے جواب دہی سے انکار کرے۔ واضح رہے کہ قانون مکافات کی رو سے اعمال کے نتائج اس دنیا میں بھی سامنے آجاتے ہیں اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی۔ اس لئے ان معانی میں لِقَاءِ رَبّ یہاں بھی ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ جہاں تک اُس لِقَاءِ رَبّ کا تعلق ہے جس میں خدا کے قانون ربوبیت کو مشہود طور پر دیکھا جاتا ہے، اس کے لئے قرآن کریم نے کہا ہے کہ تم نظام کائنات پر غور کرو۔ اس میں ریسرچ کرو۔ اس کے نظم و نسق کو سمجھو۔ اس سے یہ قانون اور نظام تمہارے سامنے آجائیگا۔ (دیکھئے ۱۳/۲)۔ لیکن ایسا وہی کر سکیگا جو پیش پا افتادہ مفاد ہی کو مقصود زندگی نہ سمجھ لے (۱۰/۷)۔ ایسے لوگ خدا کے عطا کردہ سامانِ نشوونما سے محروم رہ جاتے ہیں (۲۹/۲۳)۔

قرآن کریم کے مختلف مقامات میں یہ دیکھنا چاہئے کہ لِقَاءِ رَبّ سے مراد نظام کائنات میں خدا کے قانون ربوبیت کو بے نقاب دیکھنا ہے۔ یا اس کے قانون مکافات کی رو سے اعمال کے نتائج کو اپنے سامنے دیکھنا (خواہ اس زندگی میں ہو یا اس کے بعد کی زندگی میں)۔ بعض لوگ ''لِقَاءِ رب'' سے متعلق آیات سے یہ مفہوم لیتے ہیں کہ آخرت میں انسان کو خدا کا دیدار ہوگا۔ یعنی وہ اور خدا ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونگے۔ ہم اس ضمن میں صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ نہ تو خدا کی ذات مادی ہے اور نہ ہی ہمیں یہ معلوم ہے کہ حیات اُخروی میں انسانی زندگی کی کیفیت کیا ہوگی۔ اس لئے یہ تصور کرنا کہ اُس زندگی میں انسان اور خدا اسطرح آمنے سامنے

ہونگے جسطرح یہاں دو انسان ایک دوسرے کے سامنے ہوتے ہیں ، غلط ہوگا۔ اگر وہاں " لِقَاءِ رب " ہوگا تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اسکی کیفیت کیا ہوگی۔

ہمارے ہاں عام طور پر " بزرگوں " کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فلاں بات کو خدا نے ان کی طرف " القا کیا " ۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس بات کا علم انہیں خدا کیطرف سے بذریعہ الہام ہوا۔ یعنی انہوں نے اپنے علم و عقل سے اسے دریافت نہیں کیا بلکہ یہ علم انہیں براہ راست خدا کیطرف سے عطا ہوا۔ اسی کو الہام یا کشف کہا جاتا ہے جس کی کوئی سند قرآن کریم سے نہیں ملتی ۔ خدا کیطرف سے براہ راست علم صرف وحی کے ذریعے ملتا تھا جس کا سلسلہ نبی اکرمؐ کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اب وہ علم قرآن کریم کے اندر ہے ۔ اب یہ کہنا کہ کسی کو خدا کیطرف سے الہام یا القا ہوتا ہے مہر نبوت کو توڑنا ہے ۔ [تفصیل اس اجمال کی (و ۔ ح ۔ ی) اور (ل ۔ ہ ۔ م) کے عنوانوں میں ملیگی] ۔

واضح رہے کہ یہ جو ہم کہدیا کرتے ہیں کہ میرے دل میں بیٹھے بیٹھے یونہی خیال آیا کہ فلاں کام کرو ، تو اس کا تعلق وحی ، الہام ، القا وغیرہ سے کچھ نہیں ۔ یہ انسان کے نفس لاشعور (Un - Conscious Mind) کا عمل ہوتا ہے جس کے متعلق ہمارے زمانے میں تحقیقات کے نئے باب کھل رہے ہیں ۔ وحی کی نوعیت اس سے یکسر مختلف ہوتی ہے ۔ وہ ایک یقینی علم ہوتا ہے جو خدا کیطرف سے نبی کو براہ راست ملتا تھا ۔

یُلَقّٰی کے معنی توفیق دیئے جانے کے بھی آتے ہیں ۔ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا (۴۱/۳۵) اس (اہم کام) کی توفیق انہیں ہی ملتی ہے جو قوانین خداوندی کی استقامت سے اطاعت کرتے ہیں ۔ اسے وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں ۔

سورہ یونس میں ہے ۔ مَنْ تِلْقَآیِٔ نَفْسِیْ (۱۰/۱۵) ۔ اس کے معنی ہیں ، اپنی طرف سے ۔

لٰکِنَّ (حرف)

لٰکِنْ ۔ لٰکِنَّ ۔ " مگر یا لیکن " کے معنوں کے لئے آتا ہے ۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۔ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (۷۵/۳۱-۳۲) ۔ تو وہ نہ تصدیق کرتا ہے نہ سیدھے راستے پر چلتا ہے ۔ لیکن جھٹلاتا ہے اور گریز کی

راهیں نکالتا ہے ۔ (''لیکن'' کے مقابلہ میں یہاں ''بلکہ'' ترجمہ کیا جائے تو زیادہ موزوں رہیگا لہذا) یہ ''لکن'' اور ''بلکہ'' دونوں معنوں میں آتا ہے ۔ سورہ بقرہ کی آیت — بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (۲/۱۵۴) میں اس کے معنی ''لیکن'' یا ''مگر'' کے ہیں ۔ یعنی وہ زندہ ہیں لیکن تم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر اس بات کو سمجھ نہیں سکتے ۔

لَمْ (حرف)

لَمْ ۔ یہ مضارع پر آتا ہے تو اس کے معنی ماضی منفی کے کر دیتا ہے ۔ مثلاً ۔ لَمْ یَلِدْ (۱۱۲/۳) ۔ اس نے نہیں جنا ۔ یَلِدْ ۔ مضارع ہے جس کے عام طور پر معنی ''جنتا ہے'' ہونگے ۔ لیکن لَمْ سے اس کے معنی ''جنا'' (ماضی) کے بھی ہو گئے اور نفی (نہیں) کے بھی ۔ یعنی ، نہیں جنا ۔

لَمَّا

لَمَّا ۔ (۱) ''جب'' کے معنوں میں ۔ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ (۲۸/۲۳) ۔ جب وہ مدین کے پانی (گھاٹ) پر پہنچا ۔

(۲) ہنوز ''نہیں'' (اب تک نہیں) کے معنوں میں ۔ لَمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ (۳۸/۸) ۔ ابھی تک انہوں نے میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا ۔

(۳) اِلَّا (مگر) کے معنوں میں ۔ اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَا حَافِظٌ (۸۶/۴) ۔ کوئی متنفس ایسا نہیں مگر اس پر نگران موجود ہے ۔ یعنی کوئی متنفس ایسا نہیں کہ جس پر نگران موجود نہ ہو ۔ ہر متنفس پر نگران موجود ہے ۔

(۴) ''سب کے سب'' کے معنوں میں ۔ اِنَّ کُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّکَ اَعْمَالَهُمْ (۱۱/۱۱۱) ۔ یقیناً تیرا رب ان سب کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیگا ۔

(۵) بعض اوقات زائد بھی ہوتا ہے ۔ وَاِنْ کُلُّ ذَالِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (۴۳/۳۵) ۔ اور یہ سب طمعی زندگی کا سازوسامان ہے ۔ یہاں اگر لَمَّا نہ بھی ہو تو بھی یہی معنی ہونگے ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں اِنْ نافیہ ہو اور لَمَّا بمعنی اِلَّا ۔ (جیسا کہ نمبر (۳) میں لکھا جاچکا ہے) ۔

ل م ح

لَمَحَ اِلَیْهِ کسی کی طرف تیزی سے دیکھنا ۔ نیز عجلت کے ساتھ دیکھنا ۔ اَللَّمْحَةُ ۔ عجلت کے ساتھ دیکھنا ۔ اَلْمَمْحَةِ النَّمْرَةُ مِنْ

وَجْهِهَا - عورت نے اپنے محاسن کی جھلک دکھائی پھر انہیں چھپا لیا - ایسا بالعموم حسینہ اپنے عاشق کے ساتھ کرتی ہے * -

اَللَّمْحُ - بجلی کے چمکنے کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی اظہار و اخفاء کی یہی کیفیت ہوتی ہے ** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی کسی چیز کے چمکنے کے ہیں - لَمَحَ الْبَصَرُ - نگاہ کا کسی چیز کی طرف اٹھنا *** - قرآن کریم میں اَمْرُ السَّاعَةِ - (آنے والے انقلاب) کے متعلق ہے - كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (۱۶/۷۷) - وہ آنکھ جھپکنے کی طرح ہے یا اس سے بھی قریب تر -

ل م ز

اَللَّمْزُ - اس کے اصلی معنے آنکھ ، سر یا ہونٹوں سے اشارہ کرتے ہوئے خفیہ بات کرنا ہیں - منہ پر عیب چینی کرنا - بعض نے اس کے معنی غیبت کرنے کے بھی لکھے ہیں - لُمَزَةٌ * اُس چغلخور کو کہتے ہیں جو جماعت میں تفریق ڈالے اور دو دوستوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائے **** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی عیب کے ہیں -

قرآن کریم میں ہے مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ (۹/۵۸) - جو صدقات (کی تقسیم) کے معاملہ میں تیرے خلاف اعتراض کرتے ہیں اور اس طرح جماعت میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں - سورہ حجرات میں ہے لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (۴۹/۱۱) - آپس میں ایک دوسرے کی عیب چینی نہ کرو - مذاق نہ اڑاؤ - سورہ ہمزہ میں هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ (۱۰۴/۱) آیا ہے - کچوکے لگانے والے - عیب تراشنے والے (تاکہ جماعت میں انتشار پیدا ہو) - راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی دوسروں کے عیوب کی تلاش کرنا ہے ** -

ل م س

لَمَسَ - يَلْمِسُ - ہاتھ سے چھونا - کسی چیز کو ادھر اُدھر تلاش کرنا ***** - سورہ جن میں ہے اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ (۷۲/۸) - ہم نے آسمان کو ٹٹولا - (غیب کی خبروں کے لئے قیاس آرائیاں کیں) - اَلْتَمَسَ - کسی شے کو طلب کرنا - تلاش کرنا ***** - ابن فارس نے ابن درید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تو کسی چیز کو ہاتھ سے چھونے کے ہیں لیکن پھر ہر متلاشی اور جستجو کرنے والے کو مُلْتَمِسٌ * کہدیتے ہیں -

---

* تاج - ** راغب - *** محیط - **** تاج و محیط - ***** تاج و راغب -

سورہ حدید میں ہے ۔ فَالْتَمِسُوْا نُوْراً (۵۷/۱۳) ۔ تم روشنی کو تلاش کرو ۔ اَلْمُلَامَسَۃُ ۔ ایک دوسرے کو ہاتھ سے چھونا ۔ نیز یہ کنایۃً مجامعت کے لئے بولا جاتا ہے*۔ اسی معنی میں قرآن کریم میں اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (۴/۴۳) آیا ہے ۔

ل م م

لَمَّهٗ یَلُمُّهٗ لَمّاً ۔ اس نے اسکو جمع کر دیا ۔ لَمُّ الشَّعَثِ ۔ منتشر معاملات کو سمیٹ کر قریب قریب کر دیا ۔ دَارُنَا لَمُوْمَۃٌ ۔ ہمارا گھر لوگوں کو جمع کر لینے والا اور ان کی پرورش کرنے والا ہے ۔ رَجُلٌ مِلَمٌّ ۔ قوم اور کنبہ کو جمع کر لینے والا آدمی ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اکٹھا ہونے ، قریب قریب ہونے اور ملا ہوا ہونے کے ہیں ۔

سورہ فجر میں ہے ۔ وَتَاْکُلُوْنَ التُّرَاثَ اَکْلاً لَّمّاً (۸۹/۱۹) ۔ تم اس مال کو جو تمہیں میراث میں ملتا ہے ، سمیٹ کر خود ہی کھا جاتے ہو ؟ اس سے ظاہر ہے کہ قرآنی نظامِ معیشت میں میراث انفرادی چیز نہیں رہتی ۔ قرآن کریم میں وراثت کے متعلق جو احکام ہیں وہ اس عبوری دور سے متعلق ہیں جن میں نظام قرآنی ابھی مکمل طور پر قائم نہ ہوا ہو ۔ اس نظام کی تشکیل کے بعد فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہتی اس لئے ترکہ میں مال اور جائداد چھوڑنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔ (تفصیل متعلقہ عنوانات میں دیکھئے)۔ اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم ترکہ سے مختلف وارثوں کا حق نہیں دیتے ۔ سارے کا سارا خود ہی کھا جاتے ہو ۔ اس صورت میں یہ آیت اس دور سے متعلق ہوگی جس میں میراث اور اس کی تقسیم کا ہنوز عمل جاری ہوگا ۔ ہو سکتا ہے کہ اسلامی نظام بھی بعض حالات میں اس عمل کو جاری رکھے ۔ نیز مال و دولت اور جائداد کے علاوہ عام مستعملہ اشیاء بھی ترکہ میں آسکتی ہیں ۔

''قریب ہونے'' کے اعتبار سے اَلَمَّ الرَّجُلُ کے معنی ہیں ، آدمی گناہ کے قریب ہوگیا ۔ یعنی اس کا مرتکب تو نہیں ہوا ، البتہ اس نے اسکا ارادہ کر لیا تھا ۔ بعض نے کہا ہے کہ لَمَمٌ کے معنی یہ ہیں کہ انسان کبھی کبھار کوئی غلطی کر بیٹھے لیکن اس پر اصرار نہ کرے ۔ اِلْمَامٌ کے معنی ہیں ، کسی وقت کوئی کام کر لینا لیکن اس پر اصرار نہ کرنا ۔ چنانچہ کہتے ہیں

*تاج و راغب ۔ **تاج ۔

مَا یَزُوْرُنَا اِلاَّ لِمَامًا ۔ وہ ہمارے ہاں بلا ناغہ بندی کبھی کبھار آجاتا ہے ۔ کلبی نے کہا ہے کہ لَمَمٌ کے معنی بلا ارادہ غیر محرم کو دیکھ لینے کے ہیں ۔ جوہری نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں بلا ارادہ کسی معصیت کے قریب ہو جانا لیکن اس کا ارتکاب نہ کرنا ۔ ''قریب ہو جانے'' کے اعتبار سے لَمَمٌ کے معنی بوسہ لینے کے بھی آتے ہیں* ۔

قرآن کریم میں مومنین کے متعلق ہے وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلاَّ اللَّمَمَ (۵۳/۳۲) ۔ وہ لوگ بڑی بڑی لغزشوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے مجتنب رہتے ہیں ، بجز اُن غلطیوں کے جو انسان سے کبھی کبھار بلا ارادہ سرزد ہو جائیں ۔ ایسی غلطیاں معصیت نہیں ہوتیں لیکن معصیت کے قریب ضرور لے جاتی ہیں ۔ اس لئے ان کی بابت بھی احتیاط برتنی چاہئے کہ بار بار ایسا نہ ہو ۔ غور کیجئے قرآن ، نفسیاتی اصلاح کے لئے کسقدر تدریجی تدابیر اختیار کرتا ہے ۔ ایک دم سختی نہیں کر دیتا ۔

(لَمَّ ۔ لَمًّا ۔ حروف ہیں ۔ انہیں انکے عنوانات کے تحت دیکھئے)۔

لَنْ (حرف)

لَنْ ۔ یہ مضارع پر آتا ہے تو (۱) اسے مستقبل کے معنی دیتا ہے ۔ (۲) نفی (نہیں) کا مفہوم پیدا کرتا ہے اور (۳) اس نفی میں شدت پیدا کرتا ہے ۔ جیسے لَنْ تَفْعَلُوْا (۲/۲۴) تم ہرگز ایسا نہیں کروگے ۔

ل ہ ب

لَهَبٌ ۔ آگ کا شعلہ ۔ لَهِيْبٌ ۔ اس شعلہ کی حرارت ۔ اَلْهَبَ النَّارَ ۔ اس نے آگ کو بھڑکایا ۔ فَالْتَهَبَتْ ۔ پس وہ بھڑک اٹھی* ۔ نیز دھوئیں کی طرح اوپر اڑنے والے غبار کو بھی لَهَبٌ کہتے ہیں* ۔ راغب نے لَهَبٌ کے معنی دھواں بھی لکھے ہیں** ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ (۷۷/۳۱) ۔ وہ آگ کے شعلے سے نہیں بچا سکتا ۔ سورہ لہب میں اَبِیْ لَهَبٍ (۱۱۱/۱) آیا ہے ۔ جس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (۱۱۱/۳) میں داخل ہوگا ۔ ابی لہب ، نبی اکرمؐ کے چچا (عبدالعزی بن عبدالمطلب) کی کنیت تھی ، غالباً اسکی شعلہ مزاجی کی وجہ سے ۔ وہ اسلام کا سخت مخالف تھا ۔ وہ بدر کی لڑائی کے کچھ دنوں بعد ایک وبائی مرض میں مر گیا ۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر

*تاج ۔ **راغب

خصوصیت سے کیا ہے، اس لئے کہ وہ ایک خاص ٹائپ کے لوگوں کا ترجمان تھا۔ کعبہ کا متولی، جسے معلوم تھا کہ اسلام کی کامیابی سے اسکی عیش سامانیاں سب چھن جائینگی، کیونکہ اسلام پیشوایت کا سخت دشمن تھا۔ بد دیانت ایسا (جیسا کہ عام طور پر وہ تمام لوگ ہوتے ہیں جو دوسروں کی محنت پر زندگی بسر کریں) کہ کعبہ کے اندر سے سونے کا ایک ہرن (جو وہاں چڑھاوا چڑھا ہوگا) چرا لیا۔ بزدل ایسا (جیسا کہ کام نہ کرنے والا طبقہ ہو جاتا ہے) کہ بدر کی جنگ میں جس میں قریش کے قریب قریب تمام سردار شامل تھے، یہ شریک نہ ہوا اور اپنی طرف سے ایک ایسے شخص کو مرنے کے لئے بھیج دیا جو اس کا مقروض تھا۔ بخیل بے حد تھا۔ چنانچہ جب مرا ہے تو خود اس کے اپنے عزیز اس کی لاش کے قریب تک نہیں آئے اور حبشیوں سے اٹھوا کر اسے دفن کرایا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ رسول اللہ ؐ کی قرابت داری اس کے کسی کام نہ آسکی۔ کیونکہ اسلام میں قرب کا معیار ایمان ہے، نہ کہ رشتہ داری۔

اس قسم کے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ۔ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ (۱۱۱/۱-۲)۔

ل ھ ث

اَللَّھَاثُ۔ اَللَّھَثُ۔ پیاس۔ اَللُّھَاثُ۔ پیاس کی گرمی کی شدت۔ پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالنا۔ ہانپنا۔ تھک جانا۔ درماندہ ہو جانا*۔ راغب نے کہا ہے کہ لَھَثٌ کے معنی پیاس سے زبان لٹکانے، تھکنے اور پیاس کے ہیں**۔ تاج نے راغب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تھکن سے سانس کا پھولنا لَھَثٌ کہلاتا ہے۔

لَھَثَ الْکَلْبُ۔ کتے کا زبان باہر نکال کر ہانپنا*** (۷/۱۷۶)

ل ھ م

لَھِمَہٗ یَلْھَمُہٗ۔ لَھْمًا۔ کسی چیز کو یکبارگی نگل لینا۔ رَجُلٌ لَھِیْمٌ۔ بہت کھانے والا آدمی****۔ اَلْھَمَہُ الشَّیْءَ۔ اس نے اسے کوئی چیز نگلوا دی۔ اسی سے اِلْھَامٌ ہے *****۔

قرآن کریم میں نفس انسانی کے متعلق ہے۔ فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا (۹۱/۸)۔ اس کے عام طور پر یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ اللہ نے انسان

*تاج۔ **راغب۔ ***ابن قتیبہ (القرطین۔ ج/۱ صفحہ ۱۸۳۔ ****تاج و راغب۔ *****محیط۔

کی فطرت کے اندر نیکی اور بدی ، خیر اور شر ، حق اور باطل کی تمیز کی استعداد رکھدی ہے - یہ معنی بوجوہ غلط ہیں - کائنات میں انسان کے علاوہ ، ہر شے کو بطور جبلت (Instinct) اس راستے کی راہ نمائی عطا کر دی گئی ہے جس پر اسے چلنا ہے - پانی کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے - بکری کی جبلّت میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ گھاس کھائے اور گوشت سے پرہیز کرے- اگر اسی طرح انسان کے اندر بھی خیر و شر کی تمیز رکھدی جاتی تو ہر انسان ایک ہی راستے پر چلتا - (جسطرح ہر بکری گھاس ہی کھاتی ہے)- اور اس میں اس کے اختیار اور ارادے کا کوئی دخل نہ ہوتا - لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صورتِ حال ایسی نہیں - ہر انسان ایک ہی راستہ پر نہیں چلتا - اس سے ظاہر ہے کہ حق اور باطل کی تمیز انسان کی فطرت کے اندر داخل نہیں کی گئی -

کہا جاتا ہے کہ یہ تمیز انسان کی فطرت کے اندر تو ہے لیکن ماحول اور تعلیم کا اثر اس کی فطرت کو مسخ کر دیتا ہے اور انسان وہ کچھ بن جاتا ہے جو کچھ اسے اس کے ماں باپ یا معاشرہ بنا دے- اگر انسان پر یہ خارجی اثرات نہ ہوئے تو ہر بچہ حق کے راستے پر از خود چلتا- یہ بھی غلط ہے- ایسے بچے پائے گئے ہیں جو پیدائش کے ساتھ ہی (کسی حادثے کی وجہ سے) انسانوں کی بستیوں سے الگ ہو کر جنگل میں چلے گئے اور وہاں ان کی پرورش انسانی اثرات سے یکسر دور رہ کر ہوئی - لیکن جب وہ بڑے ہوئے تو بالکل جانور تھے - حق و باطل کی تمیز تو ایک طرف ، ان میں کھانے پینے کے معاملہ میں بھی انسانی بچوں کی سی تمیز نہ تھی - لہذا یہ تصور صحیح نہیں کہ خیر و شر کی تمیز انسان کی فطرت کے اندر رکھدی گئی ہے - (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے لفظ فِطْرَت" عنوان ف - ط - ر - میں)

اس آیت (۹۱/۸) کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اس انداز سے ہوئی ہے کہ اس کے اندر وہ قوتیں بھی رکھدی گئی ہیں جن سے انسانی ذات (Personality) ٹکڑے ٹکڑے (Disintegrate) ہو جاتی ہے - (فَجُوْرَھَا - دیکھئے عنوان ف - ج - ر) اور وہ قوتیں بھی جن کی رو سے یہ اس انتشار (Disintegration) سے محفوظ رہ سکتی ہے -(تَقْوٰھَا- دیکھئے عنوان و - ق - ی)- فَجُوْرَھَا اور تَقْوٰھَا کی ''ھا'' خود اسکی دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں ''نفس'' کی کیفیات ہیں - اس لئے اس کے معنی یہی ہیں کہ نفس انسانی (انسانی ذات) میں یہ ہر دو ممکنات رکھ دئے گئے ہیں - اس کے بعد ، یہ انسان

کے اپنے اختیار کے بات ہے کہ وہ ان ممکنات یا مضمر قوتوں (Latent Faculties) کو نشو نما دیکر انہیں کس راستے میں صرف کرتا ہے ۔ وہ انسے اپنی ذات کی نشو نما کا کام لیتا ہے یا اس کی تخریب اور تدسیہ کا ۔ (قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (۹۱/۹-۱۰) ۔

باقی رہا یہ تصور کہ فلاں بزرگ کو خدا کیطرف سے الہام ہوتا ہے تو اس کی کوئی سند قرآن کریم سے نہیں ملتی ۔ قرآن کریم کی رو سے ، علم کے سر چشمے دو ہی ہیں ۔ ایک وحی ۔ یعنی خدا کی طرف سے براہ راست علم کا ملنا ۔ یہ حضرات انبیاء کرام ؑ کے ساتھ مخصوص تھا اور ختم نبوت کے ساتھ اسکا سلسلہ بھی ختم ہو گیا ۔ دوسرا ، عقلِ انسانی (Human Intellect)- اس میں ہر انسان شریک ہوتا ہے ۔ لہذا ، ختم نبوت کے بعد ، اب دو چیزیں ہمارے پاس رہ گئیں ۔ ایک تو وحی کی رو سے ملی ہوئی تعلیم ، جو قرآن کریم کے اندر ہے ۔ اور دوسرے عقل انسانی ۔ اب صحیح راستہ یہ ہے کہ زندگی کے معاملات کا حل قرآن کریم کی روشنی میں انسانی عقل و بصیرت کے رو سے کیا جائے ۔ بنابریں ، یہ تصور کہ رسول اللہ ؐ کے بعد ، کسی انسان کو خدا کی طرف سے براہ راست کوئی علم عطا ہوتا ہے (جسے کشف یا الہام کہتے ہیں) ایسا عقیدہ ہے جس سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹتی ہے ۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے اسکی کوئی سند قرآن کریم سے نہیں ملتی ۔ نہ ہی کشف ، الہام ، وحی خفی ، وغیرہ اصطلاحات کا کوئی ذکر رسول اللہ ؐ کے زمانہ میں ملتا ہے ۔ یہ سب اصطلاحات بعد کی وضع کردہ ہیں اور دوسروں سے مستعار لی ہوئی ۔ (دیکھئے عنوان و ۔ ح ۔ ی) ۔

انسان اگر اپنی قوت خیال یا قوت ارادی کو ایک خاص طریق سے (Develop) کر لے تو اس سے بعض ایسی باتیں سرزد ہونے لگتی ہیں جو عقلِ عامہ کی رو سے مستبعد ہوتی ہیں ۔ لوگ انہیں خوارقِ عادات یا کرامات سمجھنے لگ جاتے ہیں ، اور جس سے ایسی باتیں سرزد ہوں ، اسے صاحب کشف و الہام قرار دیتے ہیں ، اور " روحانی قوتوں " کا مالک ۔ لیکن ان باتوں کو "روحانیت" (یا دین) سے کوئی تعلق نہیں ۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے ، یہ محض قوتِ ارادی کی نشو و نما (Development) کے کرشمے ہیں جسے ہر انسان (بلا تمیز مذہب و ملت) خاص مشق کے ذریعے حاصل کر سکتا ہے ۔ چنانچہ اب مغرب (بالخصوص امریکہ) میں ، اسے بطور فن کے حاصل کرنے کی درسگاہیں قائم ہو رہی ہیں اور اس سے اعصابی بیماریوں کے علاج میں مدد لی جاتی ہے ۔

اسے بھر اچھی طرح سے سمجھ لینا چاھئے کہ خدا سے براہ راست علم ، صرف وحی کے ذریعے مل سکتا ھے جو حضرات انبیاء کرام ؑ سے مخصوص ھے ۔ اور چونکہ اب نبوت کا دروازہ بند ھو چکا ھے اس لئے اب کسی شخص کو خدا سے براہ راست علم حاصل نہیں ھو سکتا ۔ وحی کو الہام بھی نہیں کہنا چاھئے ۔ اور نہ ھی یہ عقیدہ رکھنا چاھئے کہ اب کسی شخص کو خدا بذریعہ الہام براہ راست علم عطا کرتا ھے ۔

ل ھ و

لَھْوٌ اور لَعِبٌ ۔ دونوں ھم معنی الفاظ ھیں (دیکھئے عنوان ل ۔ ع ۔ ب) لیکن علمائے لغت نے ان میں فرق کیا ھے ۔ وہ کہتے ھیں کہ ان دونوں میں یہ چیز مشترک ھے کہ انسان بے سود اور بے معنی باتوں میں مشغول ھوتا ھے اور جذباتی اور عارضی مسرت کے پیچھے پڑتا ھے ۔ لیکن لَھْوٌ کا لفظ لَعِبٌ سے عام ھے ۔ بعض لوگوں نے کہا ھے کہ لَعِبٌ سے مراد ھے جلدی سے مسرت حاصل کرنا اور اس سے دل کو راحت و آرام پہنچانا اور لَھْوٌ سے مقصود ھے خواھشات اور طرب جو انسان کی توجہ اور فکر کو مصروف کر دیں ۔ اس کے برعکس طرسوسی کا کہنا ھے کہ لَھْوٌ اس لذت کو کہتے ھیں جو ناپائدار ھو یا وہ لذت جو انسان کی توجہ اھم کاموں سے ھٹا کر غیر اھم کاموں کی طرف منعطف کر دے ۔ یا ایسے کاموں کو کہتے ھیں جن کی کوئی صحیح غرض نہ ھو * ۔ راغب نے بھی یہی کہا ھے کہ لَھْوٌ سے مراد ایسے امور ھیں جو انسان کو اھم کاموں سے باز رکھیں ** ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی دو ھیں (۱) کسی چیز کے ذریعہ دوسری چیز سے توجہ کا ھٹ جانا (۲) کسی چیز کو ھاتھ سے چھوڑ دینا ۔

قرآن کریم نے کہا ھے کہ انسان کی زندگی ایک عظیم مقصد لئے ھوئے ھے اس لئے اسے بڑی سنجیدگی سے (Seriously) لینا چاھئے ۔ لہذا ھر وہ کام جس سے یونہی پیش پا افتادہ مفاد یا ناپائدار مسرت تو حاصل ھو جائے لیکن زندگی کا اصل مقصود نگاھوں سے گم ھو جائے ، لَھْوٌ اور لَعِبٌ میں داخل ھے ۔ اسی لئے قرآن کریم نے الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ۔ یعنی فوری عیش اور مفادات عاجلہ کی زندگی (یا محض حیوانی سطح پر طبعی زندگی) کو لَعِبٌ ولَھْوٌ کہا ھے (۲۹/۶۴) ۔ واضح رھے کہ قرآن کریم اس دنیا کی زندگی کو بھی بڑی اھمیت دیتا ھے ۔ وہ جس بات کو لَھْوٌ و لَعِبٌ قرار دیتا ھے وہ یہ

*تاج ۔ **راغب ۔

نظریہ ہے کہ انسان زندگی کے بلند مقصد کو چھوڑ کر عارضی طرب انگیزیوں کے پیچھے پڑ جائے۔ یعنی زندگی کو حیوانی سطح پر رکھے۔ اسے بلند انسانی سطح پر نہ لے جائے۔ انہی باتوں کو اس نے لَهْوَ الْحَدِيْثِ (۳۱/۶) کہا ہے۔ لیکن اگر اس آیت میں اَلْحَدِيْثُ کے معنی قرآن کریم لئے جائیں تو لَهْوَ الْحَدِيْثِ کے معنی ہونگے ایسی باتیں جو انسان کو قرآن کریم سے غافل کر دیں۔

اس زاویہ نگاہ کو جس کی رو سے انسان زندگی کے اہم حقائق کو سنجیدگی سے (Seriously) نہ لے لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ (۲۱/۳) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی سے اَلْهٰى کے معنی ہیں، مصروف رکھنا۔ مشغول کر دینا۔ مقصد کو نگاہوں سے اوجھل کرکے دوسری باتوں میں لگا دینا۔ قرآن کریم میں ہے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۱۰۲/۱-۲)۔ ''تکاثر'' نے زندگی کے اہم مقاصد کو تمہاری نظروں سے اوجھل کرکے تمہیں اور ہی طرف لگا رکھا ہے اور تم اسی روش پر چلے جاتے ہو تاآنکہ تم قبر تک پہنچ جاتے ہو۔ تَكَاثُرٌ کے معنی ہیں ایک دوسرے سے مال و دولت میں بڑھ جانے کی ہوس۔ غور کیجئے، قرآن کریم نے کسطرح دو لفظوں میں انسان کی پوری تگ و تاز اور نوع انسانی کی تاریخ کی داستان کا نقشہ کھینچ کر رکھدیا ہے۔ آپ ان لوگوں کو دیکھئے جن کے پاس اتنا کچھ جمع ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر کے لئے ان کی اور انکی اولاد کی ضروریات زندگی کے لئے کافی سے بھی زیادہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود آپ دیکھینگے کہ وہ دولت سمیٹنے کے لئے دیوانہ وار مارے مارے پھر رہے ہونگے۔ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ محض دوسروں سے آگے بڑھ جانے کے لئے۔ یہی جذبہ دنیا میں ساری تباہیوں کا موجب ہے۔ افراد کے لئے بھی اور اقوام کے لئے بھی۔ مسابقت (دوسروں سے آگے بڑھ جانے) کا جذبہ انسان کے اندر ہے۔ قرآن کریم بھی اس جذبہ کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتا ہے لیکن اس کے لئے میدان دوسرا تجویز کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (۲/۱۴۸)۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنا ہے تو ان کاموں میں بڑھو جن میں نوع انسانی کی وسعتوں اور بھلائیوں کا راز پوشیدہ ہو۔

تَلَهّٰى عَنْهُ۔ کسی سے بے رخی برتنا۔ توجہ کو اسکی طرف سے ہٹا کر دوسری طرف مبذول کر لینا (۸۰/۱۰)۔ اللَّهْوُ واللَّهْوَةُ۔ وہ عورت جس سے لَهْوٌ اور دلبستگی کا کام لیا جائے۔ پھر لَهْوٌ مجازاً عورت کو کہنے لگے *۔

*تاج۔

چنانچہ صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ سورہ انبیاء میں جو ہے لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا (۲۱/۱۷) ۔ تو اس میں لَهْوًا سے مراد عورت ہے * ۔ (لیکن یہ تکلف ہے ۔ وہاں بھی لَهْوًا کے معنی بے مقصد و بے حقیقت شے کے ہیں) ۔ ابن قتیبہ نے لَهْوٌ کے معنی بیٹا ، عورت اور نکاح کے لکھے ہیں** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے اس سے عورت یا بیٹا مراد لیا ہے انہوں نے اس لفظ کی عمومیت کو بعض چیزوں میں مخصوص کر دیا ہے ۔

(لَهْوٌ کے ساتھ ل ۔ ع ۔ ب کا عنوان بھی دیکھئے تاکہ پوری حقیقت بیک وقت سامنے آجائے)

لَوْ (حرف)

لَوْ ۔ (۱) اِنْ (اگر) کے معنوں میں ۔ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۶/۱۰۲) ۔ سو اگر ہمیں ایک بار لوٹ کر جانے کی مہلت مل جائے تو ہم مومنوں میں سے ہو جائیں ۔ واضح رہے کہ لَوْ بالعموم ایسے امور کے لئے آتا ہے جن کا وقوع میں آنا ممکن نہ ہو ۔ یعنی محض فرضی طور پر ایسا کہا جائے ۔ جیسا کہ اوپر کی آیت میں آیا ہے ۔ یعنی ان کا لوٹ آنا ممکنات میں سے نہیں ۔ اس کا ترجمہ ''بفرض محال'' کیا جائے تو بہتر ہوگا ۔

(۲) ''اگر'' کے ساتھ ۔ ''اے کاش'' (تمنا) کے معنوں میں ۔ مندرجہ بالا مثال میں بھی تمنا پائی جاتی ہے ۔ ''اے کاش اگر کہیں ایسا ہو جائے تو'' ۔ جیسے لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (۱۵/۲) ۔

(۳) اَنْ (کہ) کے مفہوم میں ۔ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا (۲/۱۰۹) ۔ اہل کتاب میں سے اکثر وہ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر سے کافر بنا دیں ۔ (اگرچہ یہاں کاش کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے) ۔

(۴) لَوْ کے ساتھ لائیے نفی بھی آتا ہے ۔ لَوْ لَا اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ (۳۴/۳۱) اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہوتے ۔

(۵) ''کیوں نہیں'' کے معنوں میں ۔ لَوْ لَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ (۲۵/۷) اسکی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہ اُتارا گیا ۔

---

*تاج ۔ **القرطبین ج/۲ صفحہ ۱۹ ۔

(۶) لَوْلاَ - نہیں کے معنوں میں - فَلَوْلاَ كَانَتْ قَرْيَةٌ . . . . (۱۰/۹۸) - ایسی کوئی بستی نہ ہوئی . . . . . .

(۷) بعض اوقات - لَوْلاَ کی بجائے لَوْمَا بھی آتا ہے - لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلاَئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۱۵/۷) - اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتا ؟

ل و ح

اس مادہ کے اہم بنیادی معنی ظاہر ہونے اور چمکنے کے ہیں - اَلاَحَ الْبَرْقُ - بجلی چمکی (ابن فارس) - اَللَّوْحُ - ہر پھیلی ہوئی ، چوڑی لکڑی یا ہڈی - جمع اَلْوَاحٌ* - سورۃ اعراف میں ہے وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً (۷/۱۴۵) - ہم نے تمام امور کے اخلاق اقدار ، موسیٰ ؑ کے لئے تورات میں فرض قرار دے دیئے ، جو تختیوں پر لکھی ہوئی تھی - یا ہم نے انہیں موسیٰ کے لئے تختیوں میں جمع کر دیا تھا - حضرت نوح ؑ کی کشتی کو ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَ دُسُرٍ (۵۴/۱۳) کہا گیا ہے - یعنی جو تختوں اور کیلوں سے بنائی گئی تھی -

قرآن کریم کے متعلق ہے - فِىْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (۸۵/۲۲) - اسی کو دوسری جگہ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ (۵۶/۷۸) کہا گیا ہے - اس سے مراد ہے علم خداوندی جو ہر قسم کے خارجی اثرات سے محفوظ اور فنا اور تغیر سے مصؤن ہے - یہ کتاب (قرآن) علم خداوندی ہی میں محفوظ نہیں بلکہ ہمارے پاس (کتابی شکل میں) بھی محفوظ ہے -

اَللَّوْحُ کے معنی چمکنا نیز دیکھنا بھی ہیں - لَاحَهٗ بِبَصَرِهٖ لَوْحَةً - اُس نے اُسے دیکھا پھر وہ چیز چھپ گئی ، یعنی اس کی ایک جھلک دیکھی - نیز اس کے معنی پیاس کے بھی ہیں* - لَوَّحَهُ بِالنَّارِ تَلْوِيْحًا - اس کو آگ میں تپایا - یہیں سے لَوَّاحٌ کے معنی ہیں جلا اور جھلسا کر رنگ متغیر کر دینے والا* - قرآن کریم میں دوزخ کی آگ کے متعلق ہے - لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (۷۴/۲۹) - چمڑے کو جھلسا کر اس کا رنگ بدل دینے والی - ابن فارس نے کہا ہے کہ لَوَّحَهُ الْحَرُّ کے معنی ہیں گرمی نے اُسے جلا دیا اور سیاہ کر دیا حتکہ وہ دور سے نظر آنے لگ گیا - لَوَّحَ الرَّجُلُ تَلْوِيْحًا - اُس آدمی نے دور سے اشارہ کیا** - اَلاَحَ الْبَرْقُ - بجلی کوندی - لَاحَ النَّجْمُ

*تاج - **محیط -

ستارہ چمکا* ۔ لہذا لَوْح* میں روشنی اور چمک کا پہلو بھی ہے ۔ ہر آسمانی کتاب میں روشنی اور چمک ہوتی ہے ۔ قرآن کریم کو (۴/۱۷۵) اور تورات کو (۶/۹۲) میں نور کہا گیا ہے ۔

ل و ذ

اَللَّوْذُ بِالشَّیْءِ ۔ کسی چیز کے پیچھے چھپ جانا اور اس طرح محفوظ ہو جانا ۔ اَللَّوْذُ ۔ پہاڑ کا کنارہ ۔ وادی کا موڑ ۔ اَلْمَلَاذُ ۔ جائے پناہ ۔ قلعہ ۔ اَلْمَلَاوَذَةُ وَ اللِّوَاذُ ۔ ایک دوسرے کی آڑ لینا ، چھپنا اور ایک دوسرے کی آڑ میں آنا ۔ کترانا اور چال چلنا* ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا (۲۴/۶۳) ۔ جو تم میں سے چپکے چپکے کھسک کر نکل جاتے ہیں ۔ لیکن زجاج نے کہا ہے کہ اس کے معنی مخالفت کرنے کے ہیں اور اس آیت کے اگلے الفاظ دلالت کرتے ہیں* ۔ لیکن پہلے معنوں میں بھی عدول حکمی کا مفہوم واضح ہے ، کیونکہ چپکے چپکے وہی کھسکتے ہیں جو تعمیلِ حکم نہیں کرنا چاہتے ۔

لوط علیہ السلام

حضرت ابراہیم[۴] کے برادر زادہ ، حضرت لوط[۴] ، اول الذکر کے ساتھ ہجرت کر کے فلسطین کیطرف تشریف لے آئے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اور سدوم کی طرف جانے کے لئے حکم دیا ۔ یمن سے بحر احمر (Red Sea) کے کنارے کنارے قدیمی تجارتی قافلوں کی ایک سڑک حجاز اور مدین سے گزر کر عقبہ وغیرہ تک چلی گئی ہے ۔ سدوم کی بستی اسی شاہراہ پر واقع تھی ۔ قیاس ہے کہ یہ علاقہ بحر میت (Dead Sea) کے قریب تھا ۔ زلزلوں کی وجہ سے اس کا بہت سا حصہ سمندر کے نیچے آ گیا ۔ جس قوم کی طرف حضرت لوط[۳] نبی بنا کر بھیجے گئے تھے وہ اس علاقہ میں آباد تھی ۔ قرآن کریم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قوم میں آپ سے پہلے اور رسول بھی آچکے تھے اور حضرت لوط[۳] ان میں اتنا لمبا عرصہ رہے کہ انہیں ان کا بھائی بند (اَخُوْهُمْ) کہکر پکارا گیا (۲۶/۱۶۰) ۔

یہ قوم (لواطت کی) شرمناک فحاشی میں مبتلا تھی (۲۶/۱۶۵) ۔ اس کے علاوہ، وہ ''قطع السبیل'' ۔ رہزنی اور قزاقی کے جرائم کی بھی مرتکب ہوتی تھی ۔ (۲۹/۲۹)

*تاج و راغب ۔

آپ نے انہیں ان اعمال شنیعہ سے رکنے کی تلقین کی لیکن انہوں نے ایک نہ منی ۔ اور وہ تباہ ہوگئی ۔

قوم سدوم کا علاقہ آتش فشاں پہاڑوں اور گندھک کی کانوں سے پٹا پڑا تھا ۔ جب یہ پہاڑ پھٹتے ہیں تو ان کے دھانے سے راکھ اور پتھروں کا مینہ برسنے لگ جاتا ہے جس کی بوچھار دور دور تک جاتی ہے ۔ قوم لوطؑ کی تباہی کے وقت بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آتش فشاں پہاڑوں سے اسی قسم کی سنگ باری ہوئی ۔ گندھک کی کانوں میں آگ بھڑک اُٹھی ۔ پھر ایسے زلزلے آئے جن سے زمین نیچے دھنس گئی اور بحر میت کا پانی اوپر چڑھ آیا ۔ قرآن کریم نے ان تفاصیل کو مختلف انداز سے بیان کیا ہے ۔ سورۃ اعراف میں ہے وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا (۸۴/۷) ۔ ''ہم نے ان پر سخت مینہ برسایا'' ۔ دوسری جگہ ہے اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ سِجِّيْلٍ مَنْضُوْدٍ (۱۱/۸۲) ۔ ''ہم نے اس قوم پر آگ میں پکے ہوئے پتھروں کا مینہ برسایا'' ۔ سورۃ حجر میں ہے فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ (۱۵/۷۳) ۔ ''ایک ہولناک آواز نے انہیں آلیا'' ۔ سورۃ قمر میں ہے اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا (۵۴/۳۴) ۔ ''ہم نے ان پر سنگ باری کا طوفان بھیجا'' ۔

(طبعی حوادث کس طرح خدا کا عذاب بنتے ہیں ، اس کے لئے میری کتاب ''جوئے نور'' میں حضرت نوحؑ کا عنوان ملاحظہ کیجئے) ۔

ویسے لَاطَ الشَّيْئُ بِقَلْبِيْ کے معنی ہیں '' وہ چیز میرے دل کے ساتھ چمٹ گئی''* ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں ۔

ل و م

لَامَ ۔ ملامت کرنا ۔ کسی کو بہت زیادہ برا بھلا کہنا** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ (۱۴/۲۲) ۔ تم مجھے ملامت نہ کرو ۔ خود اپنے آپ کو ملامت کرو ۔

لَوْمَةٌ ۔ ملامت ۔ لَائِمٌ ۔ ملامت کرنے والا ۔ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (۵/۵۴) ۔ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے ۔ لَوَّامٌ ۔ وہ جو بہت زیادہ ملامت کرے ۔ مَلُوْمٌ ۔ ملامت کیا ہوا (۵۱/۵۴) ۔ مُلِيْمٌ ۔ قابل ملامت (۳۷/۱۴۲) ۔ يَتَلَاوَمُوْنَ (۶۸/۳۰) ۔ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے ۔

*تاج و محیط ۔ **تاج ۔

لَوْمَۃٌ انتظار کو کہتے ہیں * ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی عتاب اور ملامت اور (۲) دیر کرنے کے لکھے ہیں ۔

قرآن کریم میں اَلنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ آیا ہے (۷۵/۲) ۔ اسکے تفصیلی مفہوم کے لئے (ن ۔ ف ۔ س) کا عنوان دیکھئے ۔ یہاں اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ انسان کے اندر کوئی ایسی قوت نہیں جو اسے از خود یہ بتا دے کہ فلاں بات حق اور فلاں باطل ہے ۔ اسکی راہ نمائی ہمیں صرف وحی سے مل سکتی ہے ۔ (دیکھئے عنوان ل ۔ ہ ۔ م) ۔ البتہ انسان کے اندر ایک ایسی قوت ہے کہ جس بات کو وہ غلط سمجھتا ہے اس کے ارتکاب پر وہ اسے ملامت کرتی ہے ۔ اسی کو ضمیر یا (Conscience) کہا جاتا ہے ۔ لہذا ضمیر کی آواز حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتی ۔ وہ اسبات کی تائید کریگی جسے آپ اچھا سمجھتے ہیں اور اس پر ملامت کریگی جسے آپ برا سمجھتے ہیں ۔ وہ جینی کے بچے کو گوشت کھانے کے ارادہ پر ملامت کریگی لیکن مسلمان کے بچے کو گوشت کھانے پر آمادہ کریگی ۔ اس لئے ضمیر کی آواز حق و باطل کا معیار نہیں قرار پا سکے گی ۔ ''فتوی'' ہمیشہ وحی سے لینا چاہئے ، نہ کہ اپنے دل سے ۔ ٹھگوں کا دل انہیں کبھی مسافر کشی پر ملامت نہیں کرتا ۔ ڈاکو کا دل اسے رہزنی پر کبھی نہیں ٹوکتا ۔ عصر حاضر کے مہذب ٹھگوں اور ڈاکوؤں (بالا دست اقوام کے ''محب الوطنوں'') کا دل انہیں کبھی اس پر ملامت نہیں کرتا کہ وہ کمزور اقوام کے خون کو اپنی قوم کے محلات کی آرائش کا موجب نہ بنائیں ۔ لہذا غلط اور صحیح کا فیصلہ خدا کی وحی کر سکتی ہے ، انسان کا دل نہیں ۔

ل و ن

اَللَّوْنُ ۔ ہر وہ خصوصیت جو کسی چیز کو دوسری چیز سے ممتاز کردے ۔ نوع ۔ صنف ۔ قسم * ۔ لیکن چونکہ مختلف چیزوں کا سب سے پہلا امتیازی نشان ان کا رنگ ہوتا ہے اسلئے لَوْنٌ کے معنی رنگ کے ہو گئے ۔

اِلْوَنَّ ۔ رنگدار ہو گیا ۔ اَلْمُتَلَوِّنُ ۔ وہ جو ایک حالت پر قائم نہ رہے ۔ رنگ بدلتا رہے * ۔

قرآن کریم نے اختلاف السنہ (زبانوں) اور اَلْوَان (رنگوں) کو صاحبانِ علم و بصیرت کے لئے ادراک حقیقت کی نشانیاں قرار دیا ہے (۳۰/۲۲) ۔ اس میں رنگ (اَلْوَانٌ) سے مراد نسلیں (Races) ہیں جن سے متعلق تحقیق ،

*تاج ۔

علم الانسان کا بہت بڑا شعبہ ہے ۔ لیکن اگر اَلْوَانٌ کے معنی عام رنگ (Colours) لئے جائیں تو بھی اس آیت میں ایک عظیم حقیقت پوشیدہ ہے ۔ دور حاضر کی تحقیق یہ ہے کہ انسانیت کے ارتقائی مراحل میں اگر یہ دیکھنا ہو کہ فلاں دور میں فلاں قوم کی ذہنی سطح کیا تھی تو اس کے لئے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس دور میں وہ قوم کتنے مختلف رنگوں (Colours) کو پہچانتی تھی ۔ وہ قوم جتنے زیادہ رنگوں سے متعارف ہو، اتنی ہی بلند اسکی ذہنی سطح ہوگی ۔ یعنی رنگوں کی تمیز کا انسان کی ذہنی نشو و نما سے خاص تعلق ہے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر (Bucke) کی کتاب (Cosmic Consciousness)

سورہ نحل میں ہے وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفاً اَلْوَانُهٗ ۔ (۱۶/۱۳) اس کے معنی انواع و اقسام کے ہیں ۔

ل و ی

لَوَیٰ الْحَبْلَ یَلْوِیْهِ لَیّاً ۔ رسّی کو بٹا اور دوہرا کر دیا ۔ لَوَیٰ بِرَاْسِهٖ ۔ اس نے اپنا سر پھیر لیا ۔ یعنی اعراض کیا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو موڑ دینے کے ہیں (۶۳/۵) ۔ لَوَیٰ لِسَانَهٗ بِكَذَا ۔ کنایہ ہے جھوٹ بولنے اور اٹکل پچو باتیں بنانے سے** ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ۔ یَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ (۳/۷۷) ۔ اور لَیّاً بِاَلْسِنَتِهِمْ (۴/۴۶) ۔ اس سے یہی مطلب ہے ۔ یعنی زبان کو توڑ مروڑ کر باتیں کرنا ۔ جھوٹ بولنا ۔ افترا پردازی کرنا ۔

ل ی ت

لَاتَهٗ ۔ یَلِیْتُهٗ عَنْ كَذَا ۔ اسے کسی چیز سے پھیرا ، موڑا ۔ لَاتَهٗ وَ اَلَاتَهٗ ۔ اسے کم کیا ۔ اس کا پورا حق نہ دیا** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَللَّیْتُ گردن کے ایک پہلو کو کہتے ہیں ۔ اور اَللَّیْتُ ۔ کم کردینے کو ۔ اور یہ کہ ان دونوں معانی میں کوئی قیاس نہیں چلتا ۔ سورۃ حجرات میں ہے لَا یَلِتْكُمْ مِنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْئاً (۴۹/۱۴) ۔ وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہیں کریگا ۔ سورۃ طور میں ہے وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَیْءٍ (۵۲/۲۱) ۔ اس کے معنی بھی کمی کرنے کے ہیں ۔ (بعض نے کہا ہے کہ یہ اَلَتَ سے ہے اور لَاتَ اور اَلَتَ کے ایک ہی معنی ہیں ۔ بعض نے اسے وَلَتَ سے کہا ہے ۔ چنانچہ اسے وہاں بھی لکھ دیا گیا ہے) ۔

---

*تاج ۔ **راغب ۔

لہ (مزید) لَوَّیٰ تَلْوِیَةً کے بھی یہی معنی ہیں لیکن اس میں لَوَیٰ سے زیادہ شدت و مبالغہ پایا جاتا ہے ۔

لَیْتَ (حرف)

لَیْتَ - اے کاش (یہ حرف تمنا ہے) - یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا (۱۹/۲۳) - اے کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی ....

لَیْسَ

لَیْسَ - نہیں کے معنوں میں آتا ہے - لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ .... (۲/۱۷۷) - یہ کشادگی کی راہ نہیں ہے کہ ....

اس فعل سے صرف ماضی کی شکلیں استعمال ہوتی ہیں - مثلاً لَسْتَ - لَسْتُ - لَیْسُوْا - لَسْتُمْ - لَسْتُنَّ - وغیرہ -

ل ی ل

اَللَّیْلُ وَاللَّیْلَۃُ - رات، جو غروب آفتاب سے طلوع فجر صادق تک یا طلوع آفتاب تک ہوتی ہے * - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ عبرانی میں رات کو لَیِلْ کہتے ہیں اور سریانی میں لِلْیَا** - لَیْلٌ کی جمع لَیَالٍ اور اللَّیَالِیْ آتی ہے -

سورہ مریم میں حضرت زکریاؑ کے متعلق ہے - لَا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا (۱۹/۱۰) - اس کے معنی تین راتیں نہیں بلکہ تین شب و روز ہیں (متواتر تین دن تک جن میں راتیں بھی شامل ہیں) - اس لئے کہ (۳/۴۱) میں اسے ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ کہا گیا ہے - لیکن ان دونوں آیات کے مضمون میں ذرا سا باریک فرق بھی ہے - (۳/۴۱) میں کہا گیا ہے کہ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا - اور (۱۹/۱۰) میں اِلَّا رَمْزًا نہیں ہے - اس لئے دنوں کے لئے حکم الگ تھا اور راتوں کے لئے الگ -

سورہ ابراھیم میں نزول قرآن کریم کا مقصد بتایا گیا ہے لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (۱۴/۱) - تاکہ تو نوع انسانی کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے - یعنی نزول قرآن کے وقت نوع انسانی تاریکی میں تھی، قرآن کریم کی راہ نمائی انہیں روشنی میں لے آئی - اس جہت سے، اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کو جس میں قرآن کریم دنیا کو ملا، لَیْلٌ کہکر پکارا ہے - یعنی وہ زمانہ جس میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی - روشنی کا

*تاج - **محیط -

کہیں نشان تک نہیں تھا - اس دور میں قرآن کریم نازل ہوا جس نے دنیا کو نئی اقدار سے روشناس کرایا - تاریکی میں انسان کے لئے (حقیقی یا محض خیالی) خطرات بھی ہوتے ہیں - روشنی کی وجہ سے یہ خطرات سلامتی میں تبدیل ہو گئے - پھر، اس روشنی کی تکمیل اسطرح سے ہوئی کہ رات کا کوئی حصہ باقی نہ رہا - ہیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ (۹۷/۵) - ساری دنیا خدا کے نور سے جگمگا اٹھی - اسطرح یہ تاریک دور، قرآن کریم کی روشنی کی وجہ سے نوع انسان کے لئے سلامتی اور برکات کا دور بن گیا (۳۳/۴۳) -

ل ی ن

لاَنَ الشَّیْءُ - چیز نرم ہوئی - اَلَنْتُہٗ - میں نے اسے نرم کر دیا * - اللِّیْنُ - نرم - قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے لِنْتَ لَھُمْ (۳/۱۵۸) - تو ان کے لئے نرم واقع ہوا ہے - یعنی فظاً غَلِیْظَ الْقَلْبِ نہیں (۳/۱۵۸) - (دیکھئے عنوان ف - ظ - ظ اور غ - ل - ظ) - لیکن یہ لینت ان کے لئے تھی جو حق وصداقت کے سامنے جھک کر حضورؐ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے - جو لوگ حق کی مخالفت میں نبردآزما تھے ان کے مقابلہ میں حضورؐ اور آپ کے ساتھی ''اشداء'' تھے (۴۸/۲۹) -

حضرت داؤدؑ کے متعلق ہے - وَاَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ (۳۴/۱۰) - ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کر دیا - یعنی اسے، لوہا گلا کر یا تپا کر، اسلحہ سازی وغیرہ کی صنعت کا علم دیدیا - سورہ طٰہٰ میں ہے - فَقُوْلاَ لَہٗ قَوْلاً لَّیِّناً (۲۰/۴۴) - تم دونوں اس (فرعون) سے نرمی سے بات کرنا -

اَللِّیْنَۃُ - کھجور کا درخت * - تاج نے تصریح کی ہے کہ یہ اس کھجور کے درخت کو کہتے ہیں جو دو اعلیٰ قسم کی کھجوروں کے علاوہ ہو (۵۹/۵) - بیشتر اہل لغت نے اسے (ل - و - ن) میں دیا ہے -

---

*تاج و محیط -

م

مَا

مَا۔ (۱) جو کچھ۔ (اَلَّذِیْ) کے معنوں میں۔ مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ (۱۶/۹۶)۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ جاتا رہے گا۔

(۲) مَنْ (جو۔ جس) کے معنوں میں۔ وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِنَ النِّسَآءِ ..... (۴/۲۲)۔ جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے تم نکاح مت کرو۔

(۳) ''کیا چیز۔ کونسی چیز۔ کس چیز'' کے معنوں میں (استفہامیہ)۔ وَمَا تِلْکَ ..... (۲۰/۱۷)۔ اور یہ کیا چیز ہے۔

(۴) شرط کے معنوں میں۔ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَکُمْ فَاسْتَقِیْمُوْا لَهُمْ (۹/۷)۔ جب تک وہ تمہارے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں پر قائم رہیں تم بھی ان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں پر قائم رہو۔

(۵) تعجب (کیسے) کے معنوں میں۔ فَمَا اَصْبَرَهُمْ عَلَی النَّارِ (۲/۱۷۵)۔ سو ان کا تباہ کن روش پر قائم رہنا کیسا تعجب انگیز ہے۔ دراصل یہ پورا مرکب اظہار تعجب کے لئے بولا جاتا ہے (اکیلا مَا نہیں بلکہ مَا اَفْعَلَ کے وزن پر)۔

(۶) ''جہانتک'' کے معنوں میں۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (۶۴/۱۶)۔ جہاں تک تمہاری استطاعت میں ہو قانون خداوندی کی نگہداشت کرو۔

(۷) لَیْسَ (نہیں) کے معنوں میں۔ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ (۲/۱۶)۔ سو ان کی تجارت فائدہ مند ثابت نہ ہوئی۔

(۸) کبھی یہ زائد بھی ہوتا ہے۔ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ (۷/۱۰)۔ تم میں سے بہت کم شکرگذار ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہاں مَا (اَلَّذِیْ) کے معنوں میں بھی ہو سکتا ہے۔

(نوٹ)۔ کبھی مَا کی جگہ صرف مَ ہی آجاتا ہے۔ جیسے بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ (۲۷/۳۵) ''قاصد (جواب میں) کس چیز کے ساتھ واپس آتے ہیں''۔

(۹) مَاذَا ۔ ''کیا'' (استفہامیہ) کے معنوں میں ۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ (۲/۲۱۵) ۔ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا (یا کسقدر) کھلا رکھیں ؟ مَا + ذَا ۔ مَا استفہامیہ اور ۔ ذَا بمعنی موصول ہے ۔ اور دونوں کا مرکب استفہام کا مفہوم دیتا ہے ۔ یہ وہی ہے جو اوپر (۳) میں گذر چکا ہے ۔ صرف اس کے آگے ذَا بڑھایا گیا ہے ۔

م أ ی

مَأَیَ فِیْہِ ۔ مبالغہ کیا اور تعمق سے کام لیا ۔ اَلْمِائَۃُ ۔ ایک سو ۔ زمخشری نے کہا ہے کہ یہ مَأَیْتُ الْجِلْدَ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں میں نے کھال کو پھیلایا ۔ اور سو (۱۰۰) بھی ایک بڑی اور وسیع تعداد ہوتی ہے ۔

مِائَۃَ عَامٍ (۲/۲۵۹) ۔ ایک سو سال ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ''سو'' بھی ہیں اور قوم میں فساد ڈالنا بھی ہیں ۔ ہمارا خیال ہے کہ سو (۱۰۰) کو اَلْمِائَۃُ شاید اس لئے کہتے ہوں کہ اُس سادگی کے دور میں جس شخص کے پاس سو تک درہم و دینار یا اونٹ وغیرہ ہوتے ہونگے وہ (سرمایہ داروں کی طرح) قوم میں فساد کا موجب بن جاتا ہوگا ۔ ہمارے ہاں بھی کہا کرتے تھے کہ جس کے پاس سو روپے ہوں وہ ایک قتل کے لئے بیباک ہوجاتا ہے ۔

مَأْجُوْج

دیکھئے یَأْجُوْجُ ۔ عنوان (ا ۔ ج ۔ ج) ۔

ماروت

اَلْمَرْتُ ۔ وہ نق و دق صحراء جس میں کسی قسم کی سرسبزی نہ ہو ۔ اَلْھَرْتُ وَ الْمَرْتُ ۔ توڑنا* ۔

مَارُوْتُ ۔ یہ عجمی لفظ ہے* (۲/۱۰۲) ۔ (دیکھئے عنوان ھاروت) ۔

م ت ع

مَتَاعٌ ۔ ضرورت کا ساز و سامان ۔ ہر وہ ضرورت کی چیز جس سے فائدہ حاصل کیا جائے (۱۶/۸۰) ۔ اس کے بنیادی معنی ، وہ سامان ہے جو ضروریات

*تاج ۔

سفر کے لئے کافی ہو** ۔ اسی لئے اَلْمَتَاعُ اُس چیز کو کہتے ہیں جس سے تھوڑا فائدہ حاصل کیا جائے لیکن وہ باقی رہنے والی نہ ہو، بلکہ جلد ختم ہو جائے** ۔ اَلْمَتْعَةُ ۔ ضروریات سفر ۔ مثل ڈول، رسی، مشکیزہ، قلیل توشہ* ۔ نیز عورت کو طلاق دینے کے بعد جو نان و نفقہ شوہر سے ملتا ہے اسے بھی مَتْعَةٌ کہتے ہیں* ۔ اور گذر بسر کے قابل روزی کو بھی ۔ اَلْمَرْاَةُ تُمَتِّعُ صَبِیَّهَا کے معنی ہیں وہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے* ۔ لیکن ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز سے منفعت اور اس سے طویل مدت تک نفع اٹھانے کے ہیں ۔ نیز جس فائدہ میں لذت کا پہلو مضمر ہو ۔ یا جس میں ارتفاع و ترقی ہو ۔ اس میں بہرحال فائدہ اٹھانا قدر مشترک ہے ۔

قرآن کریم نے اَرْضٌ (زمین) کو جو مَتَاعٌ کہا ہے (۲/۳۶) تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نوعِ انسانی کے لئے سامان پرورش مہیا کرنے کا ذریعہ ہے ۔ اس سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن اس پر قابض نہیں ہو سکتا ۔ یہ سَوَاءً لِّلسَّائِلِیْنَ (۴۱/۱۰) ہے ۔ یعنی تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں (طور پر کھلی) ۔

چونکہ مَتَاعٌ میں پرورش کا پہلو غالب ہے اس لئے اَلْمَاتِعُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری چیزوں سے بہتر اور طویل تر ہو ۔ جسکی نشوونما اچھی ہو چکی ہو ۔ عمدہ بٹی ہوئی رسی ۔ یا تیز سرخ شراب کو بھی کہتے ہیں** ۔ مَتَعَ النَّهَارُ کے معنی ہیں دن چڑھ گیا ۔ مَتَعَ الْحَبْلُ ۔ رسّی مضبوط اور سخت ہو گئی ۔ اَلتَّمْتِیْعُ کے معنی ہیں لمبا کرنا ۔ عمر دراز کرنا ۔ آباد کرنا ۔ (اس کے علاوہ اس کے اور معنی بھی لغت میں دئے گئے ہیں) اس سے مَتَاعٌ اسم آسکتا ہے جس کے معنی فائدہ دینا ہیں** ۔ اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ (۲۶/۲۰۵) ۔ کیا تو نے اس پر بھی غور کیا کہ اگر ہم برسوں ان کو دنیا سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں ۔

اَلْمَتْعُ ۔ خفیہ تدبیر کو بھی کہتے ہیں* ۔ اَسْتَمْتَعَ عَنْهُ کے معنی ہیں وہ اس سے مستغنی ہو گیا* ۔

م ت ن

اَلْمَتْنُ ۔ سخت بلند اور ہموار زمین ۔ مَتَنَ ۔ یَمْتُنُ ۔ وہ سخت اور مضبوط ہوا ۔ اَلتَّمْتِیْنُ ۔ خیموں کی رسیاں یا ڈوریاں ۔ نیز خیمے نصب کرنے

*تاج ۔ **محیط ۔

کو بھی کہتے ہیں ۔ اَلْمِتَانُ ۔ دو ستونوں کے درمیان کا حصہ ۔ اَلْمَتَانَۃُ ۔ شدت اور قوت ۔ سختی اور مضبوطی ۔ سَیْفٌ مَتِیْنٌ ۔ مضبوط پشت والی تلوار ۔ ثَوْبٌ مَتِیْنٌ ۔ مضبوط اور سخت کپڑا * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں امتداد پایا جاتا ہے ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ (۷/۱۸۳) ۔ میری تدبیر بڑی محکم مضبوط اور شدید ہوا کرتی ہے ۔ کوئی اسے توڑ نہیں سکتا ۔ اسی اعتبار سے خدا کو اَلْمَتِیْنُ کہتے ہیں (۵۱/۵۸) ۔ یعنی وہ جس کے محکم قوانین کے سہارے کائنات کے خیمے ایستادہ ہیں ۔ یعنی خود بھی محکم اور دوسروں کو بھی قوت اور استحکام عطا کرنے والا ۔ بعض نے کہا ہے کہ ذُوالْقُوَّۃِ وہ ہوتا ہے جس کی قوت دوسروں پر بھی اثر انداز ہو ۔ اور مَتِیْنٌ اسے کہتے ہیں جو اپنی ذات میں محکم اور مضبوط ہو * ۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ مَتِیْنٌ میں دونوں باتیں آسکتی ہیں ۔

مَتٰی

مَتٰی ۔ کب ۔ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ (۲۱/۳۸) ۔ یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا؟ (کبھی یہ ۔ جب ۔ کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔ اُسوقت یہ شرطیہ ہوتا ہے)

م ث ل

مِثْلٌ ۔ کسی کے مشابہ یا مانند یا برابر ۔ مَثَلٌ کے معنی کسی چیز کی (Description) ہیں جو کسی دوسری چیز کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے بیان کی جائے ۔ مِثَالٌ کے معنی ہیں انداز ، اسلوب ، شکل و صورت ۔ وہ نمونہ جس کے مطابق کوئی چیز بنائی جائے ۔ قالب (Pattern) ۔ وہ مقدار جس کے مطابق کوئی چیز ماپی جائے یا قطع کی جائے ۔ نیز (Example) ** ۔ اَمْثَلٌ کے معنی افضل کے ہیں ۔ اس کا مؤنث مُثْلٰی ہے ۔ اَلطَّرِیْقَۃُ الْمُثْلٰی ۔ اُس طریقہ کو کہتے ہیں جو حق وعدل کے مطابق اور اس سے زیادہ مشابہ ہو ۔ تَمْثِیْلٌ کے معنی تصویر بنانا اور تَمَثُّلٌ کے معنی ہیں کسی کے مانند بن جانا ۔ اِمْتِثَالٌ ۔ کسی کے طریقہ کی پوری پوری پیروی کرنا ۔ مَثُلَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں وہ آدمی سیدھا کھڑا ہو گیا * ۔ (نیز زمین سے چپک جانے کے لئے بھی بطور اضداد استعمال ہوتا ہے) * ۔ مُثْلَۃٌ کے معنی ہیں کسی کو قتل کرکے اسکے ہاتھ پیر کاٹنا اور اسکی صورت بگاڑ دینا * ۔ مَثُلَۃٌ (اور مُثْلَۃٌ) جسکی جمع مَثُلَاتٌ ہے *** ۔ عبرتناک سزائیں نیز تاریخ کے وہ واقعات جو شاہراہ زمانہ پر اسطرح کھڑے ہوں کہ ان سے ہر رہرو عبرت حاصل کرے * (۱۳/۶) ۔

*تاج ۔ **لین و تاج و محیط ۔ ***محیط ۔

تِمْثَال ۔ تصویر کو کہتے ہیں جسکی جمع تَمَاثِیْل ہے ۔ صاحب تاج العروس کے نزدیک قرآن کریم میں تماثیل سے مراد انبیاء کرام کی تصاویر ہیں * ۔ لیکن عیسائیوں کے نزدیک تَمَاثِیْل مجسموں (Statues) کو کہتے ہیں ۔ اور تصاویر (Paintings) کو** ۔

قرآن کریم میں مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا (۲/۱۷) میں مَثَل کے معنی مثال کے ہیں ۔ یعنی مشابہ اور مانند ۔ اور (۲/۲۶) میں مَثَلًا کے معنی ہیں جو اس جیسا ہو ۔ سورہ رعد میں مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ (۱۳/۳۵) میں مَثَل کے معنی تمثیلی بیان کے ہیں ۔

سورۃ طٰہٰ میں بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ (۲۰/۶۳) کے معنی وہ راستہ ہیں جو حق و عدل اور توازن و تناسب سے زیادہ قریب ہو ۔ اقرب الموارد میں کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مَثَل کے معنی فَضَل ہے ۔ یعنی بڑھا ۔ زیادہ ہوا اور غالب آیا ۔ اس اعتبار سے اَمْثَل کے معنی اَفْضَل اور اَغْلَب ہو گئے (اس کا مؤنث مُثْلیٰ ہے) ۔ لہذا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ کے معنی ہوئے ایسا مسلک و مشرب جو دیگر مسالک و مشارب پر غالب ہو ۔ ہر غالب قوم اپنے مسلک و مذہب کو افضل اور غالب سمجھتی ہے خواہ وہ کیسا ہی باطل کیوں نہ ہو ۔ اَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً (۲۰/۱۰۴) کے معنی ہیں وہ شخص جو اعلیٰ درجہ کے طریقہ پر ہو ۔ سورۃ نحل میں ہے کہ جو لوگ مستقبل کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے ان کا کرداری ڈھانچہ بہت ہی برا ہے ۔ اس کے لئے مَثَلُ السَّوْءِ (۱۶/۶۰) کے الفاظ آئے ہیں ۔ ان کے برعکس وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلَىٰ (۱۶/۶۰) ۔ جو عملی ڈھانچہ خدا کے قانون کے مطابق بنتا ہے وہ نہایت بلند ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ کائنات کے جس قدر بلند ڈھانچے ہیں سب قانون خداوندی کے قالب میں ڈھلے ہوئے ہیں ۔

سورۃ انبیاء میں ان بتوں کے لئے تَمَاثِیْل کا لفظ آیا ہے (۲۱/۵۲) جن کی پرستش قوم ابراہیم کیا کرتی تھی ۔ اس سے ظاہر ہے کہ تَمَاثِیْل کے معنی مجسمے ہیں ۔ اس لئے (۳۴/۱۳) میں جہاں آیا ہے کہ حضرت سلیمان تماثیل بنوایا کرتے تھے تو اس سے مراد مجسمے ہی ہیں ۔ سورۃ مریم میں جہاں ہے فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (۱۹/۱۷) ۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ حضرت مریم کی نگاہ میں ایک متوازن انسان کی شکل میں سامنے آیا ۔ اندازہ یہ ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے ۔ یعنی حضرت مریم نے یہ کچھ اپنے خواب میں دیکھا ۔

---

* تاج ۔ ** لین و تاج و محیط ۔

سورۃ آل عمران میں ہے ۔ مِثْلَيْهِمْ (۳/۱۲) ۔ یعنی اپنے سے دگنے ۔

قرآن کریم میں ہے وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ..... (۲/۲۳) ۔ ''جو کچھ ہم نے اپنے بندے کی طرف نازل کیا ہے اگر تم اس کی بابت شک میں ہو (کہ یہ منجانب اللہ نہیں ہے) تو تم اس کی مثل ایک سورت (بنا کر) لاؤ'' ۔ اس کے بعد خود ہی کہدیا کہ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ..... (۲/۲۴) ۔ لیکن اگر تم ایسا نہ کرو ۔ اور تم ایسا ہرگز ہرگز نہیں کر سکوگے — تو ... (اس چیلنج کو دیگر مقامات پر بھی دہرایا گیا ہے ۔ دیکھو ۱۰/۳۸ و ۱۱/۱۳) ۔

یہ قرآن کریم کا چیلنج ہے جو اس نے اپنے زمانۂ نزول کے (عرب) مخاطبین کو بھی دیا اور اس کے بعد ساری دنیا کو دیتا چلا آ رہا ہے ، لیکن تاریخ اس پر شاھد ہے کہ نہ تو اس زمانے کے عربوں نے (جو اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے) اسے قبول کیا اور نہ ھی اس کے بعد آجتک کسی میں اس کی ہمت پڑی ہے کہ اس کی مثل ایک سورت بنا کر دکھائے ۔ یہ چیلنج لفظی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے ہے ۔ معنوی حیثیت سے قرآنی حقائق ان بلندیوں پر ہیں جن کا تصور بھی فکر انسانی نہیں کر سکتا ۔ جہاں تک اس کے اسلوب بیان کا تعلق ہے ، اس کی مثل و نظیر تو ایک طرف پروفیسر گب (H. A. R. Gibb) کے بیان کے مطابق اس کا ترجمہ بھی دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہوسکتا*** ۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کا اسلوب بالکل نرالا ہے ۔ یہ نہ نثر ہے نہ نظم ۔ نہ ھی اس اسلوب کی عربی لٹریچر میں کوئی مثال ملتی ہے (نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد) ۔ اس لئے قرآن اپنے لفظوں اور معنوں ، دونوں کے ساتھ ، خدا کا کلام اور بے مثل و بے نظیر ہے ۔ اس کی مثل کچھ ہو ھی نہیں سکتا ۔

م ج د

اَلْمَجْدُ ۔ اس کے اصلی معنی کثرت کے ہوتے ہیں* ۔ یہ دراصل مَجَدَتِ الْاِبِلُ سے ماخوذ ہے جو اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ کسی وسیع اور نہایت سرسبز چراگاہ میں داخل ہوجائیں جہاں چارہ کثرت سے ہو** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی صفاتِ محمودہ (مثلاً کرم و شرافت وغیرہ) میں انتہا تک پہنچ جانا ہیں ۔ اس نے مَجَدَتِ الْاِبِلُ کے معنی ''اونٹ شکم سیر ہونے کے قریب ہوگیا'' دئے ہیں ۔

*محیط ۔ **راغب ۔ ***Modern Trends in Islam. p. 4

اَمْجَدَ نَا فُلَانٌ کے معنی ہیں ہمیں فلاں آدمی نے مہمانی کے طور پر اتنا دیا جو ہمیں کافی ہو گیا اور بچ بھی رہا۔ نیز اَمْجَدَ الْعَطَاءَ ۔ اسے بکثرت بخشش دی ۔ اَمْجَدَ الاِبِلَ ۔ اونٹوں کو پیٹ بھر چارہ دیا*۔ عربوں میں چونکہ سخاوت (کسی کو دینا) بہت بڑا شرف تھا اس لئے ان کے ہاں اَلْمَجْدُ بلند ترین شرف کو کہتے تھے***۔ اہل لغت نے مجد اور شرف کو ہم معنی لکھا ہے اور دونوں کے متعلق کہا ہے کہ ان میں آبائی شرف بھی شامل ہے ۔ لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے لئے مَجِیْدٌ آیا ہے ۔ شَرِیْفٌ کہیں نہیں آیا ۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ مجد جوہر ذاتی ہے جس میں آبائی شرف کو دخل نہیں ۔

قرآن کریم نے خدا کی صفت مَجِیْدٌ بتائی ہے (۱۱/۷۳ و ۸۵/۱۵) ۔ یعنی سامانِ ربوبیت (خواہ وہ طبعی زندگی سے متعلق ہو یا انسانیت کی راہ نمائی کے متعلق) کو نہایت کثرت اور فراوانی سے دینے والا ۔ وسعت اور فراخیاں پیدا کرنے والا ۔ انتہا تک پہنچا دینے والا ۔ اور اسی بناء پر وہ حَمِیْدٌ ہے ۔ یعنی تعریف اور ستائش کا مالک ۔

م ج س

اَلْمَجُوْسِیَّۃُ ۔ ایک قدیم مذہب جسکی تجدید جناب زرتشت نے کی تھی۔ اس مذہب کے ماننے والوں کو مَجُوْسٌ کہتے ہیں *** ۔ زرتشت کے بعد جب اس مذہب کی شکل بگڑی تو اس میں خیر و شر کے لئے اہرمن و یزدان کی دو مستقل قوتوں کو تسلیم کیا گیا ۔ قرآن کریم میں اَلْمَجُوْسَ (۲۲/۱۷) کا ذکر یہودیوں ، نصرانیوں اور صابیوں کے ساتھ آیا ہے ۔ قرآن کریم نے ان کا تفصیلی تعارف نہیں کرایا ۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں اس مذہب کے پیرو موجود تھے جس سے عرب اچھی طرح واقف تھے۔ اب اس سے عام طور پر پارسی مراد لئے جاتے ہیں جو جناب زرتشت کے متبعین ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ لفظ فارسی زبان کا ہے ۔

م ح ص

اَلْمَحْصُ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو اس کے عیوب سے پاک کرنا** ۔ مَحَصَ الذَّھَبَ بِالنَّارِ ۔ سونے کو آگ میں گلا کر اس کے کھوٹ کو اس سے الگ کر دیا اور اسطرح سونے کو خالص کر لیا **** ۔

*تاج ۔ **راغب ۔ ***تاج و محیط ۔ ****محیط ۔

مَحَصَ السِّنَانُ - اس نے نیزے کو جلادی ، چمکایا * - قرآن کریم میں ہے - وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ (۳/۱۵۴) - تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں کھوٹ ہے اسے نکال دے -

نیز حَبْلٌ مَحِيصٌ - اس رسی کو کہتے ہیں جس کا چبھنے والا رواں استعمال سے صاف ہو گیا ہو اور وہ اسطرح نرم ہو گئی ہو - اور فَرَسٌ مَحْصٌ ومُمَحَّصٌ - مضبوط جسم والا گھوڑا* - اس اعتبار سے مَحْصٌ کے معنی مضبوط اور طاقتور بنانے کے آئیں گے - سورہ آل عمران میں یہ لفظ مَحْقٌ کے مقابل میں آیا ہے (۳/۱۴۰) - مَحْصٌ اور مَحْقٌ دونوں میں کمی کرنے کا مفہوم ہوتا ہے - لیکن مَحْصٌ میں کسی کی کمزوریوں کو کم کرکے اسے محکم بنانا مقصود ہوتا ہے اور مَحْقٌ میں کسی کو مٹا دینا مفہوم ہوتا ہے - (دیکھئے عنوان م - ح - ق)

م ح ق

مَحَقَهُ - اسے مٹا دیا حتکہ اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا* - اسے بتدریج تھوڑا تھوڑا کم کیا*** - اَلْمَحْقُ - کسی چیز کا تمام کا تمام ضائع ہو جانا حتکہ اس کا کچھ حصہ بھی نظر نہ آئے - مَحَقَ الْحَرُّ الشَّيْءَ - گرمی نے اس چیز کو جلا کر تباہ کر دیا - اِمْتَحَقَ النَّبَاتُ - سخت گرمی کے باعث پودے سوکھ کر جل گئے * - اَلْمَحَقَةُ - ہلاکت * - راغب کے نزدیک اس کے معنی کم ہو جانے کے ہیں** - ابن فارس نے بھی یہی کہا ہے - چنانچہ اَلْمَحَاقُ (م کی تینوں حرکات کے ساتھ) - قمری مہینوں کی ان آخری راتوں کو کہتے ہیں جن میں چاند نمودار نہیں ہوتا -

سورہ بقرۃ میں ہے يَمْحَقُ اللهُ الرِّبٰوا (۲/۲۷۶) - خدا کا قانون ربٰوا کی بنا پر حاصل شدہ سرمایہ کو کم کر دیتا یا برباد کر دیتا ہے - وہ معاشرہ کبھی ثمر بار نہیں ہو سکتا جس کا معاشی نظام ربٰوا پر قائم ہو - یہاں يَمْحَقُ بمقابلہ يُرْبِي آیا ہے جس کے معنی بڑھانے اور زیادہ کرنے کے ہیں - سورہ آل عمران میں يَمْحَقُ بمقابلہ يُمَحِّصُ آیا ہے (۳/۱۴۰) جس کے لئے دیکھئے عنوان (م - ح - ص)

م ح ل

اَلْمَحْلُ - خفیہ تدبیر - مکر - چال - شدت - شدید بھوک - قحط سالی - بارش کا بند ہو جانا اور زمین کا خشک ہو جانا - زَمَانٌ مَاحِلٌ - خشک

*تاج - **راغب - ***محیط -

زمانہ جس میں بارش نہ ہو۔ اَرْضٌ مَحِلٌ ۔ وہ زمین جہاں وقت پر بارش نہ ہوئی ہو اور اس وجہ سے وہاں قحط ہو گیا ہو۔ اَمْحَلَ الْقَوْمُ ۔ وہ قوم قحط سالی میں مبتلا ہو گئی۔ مَاحَلَهٗ مِحَالًا ۔ اس نے اس سے دشمنی کا برتاؤ کیا۔ اس سے زور آزمائی کی تاکہ معلوم ہو جائے کہ دونوں میں سے کون زیادہ طاقتور ہے۔ چنانچہ اَلْمَاحِلُ ۔ جھگڑا کرنے والے حریف کو کہتے ہیں *۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ (۱۳/۱۳) ۔ اس کے معنی ہیں سختی سے گرفت کرنے والا۔ سختی سے سزا دینے والا۔ بڑی قوت کے ساتھ مواخذہ کرنے والا۔ جس کا قانون مکافات بڑی قوتوں کا مالک ہو اور جو اعمال کے نتائج مرتب کرنے میں بڑی سختی برتتا ہو اور کسی سے رعایت نہ کرتا ہو۔ اس میں سختی کے ساتھ قوت کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں مَحَلْتُنِيْ يَافُلَانُ ۔ اے شخص! مجھے قوت پہنچا * ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مِحَالٌ دراصل حَوْلٌ اور حِيْلَةٌ سے مشتق ہے اور اس میں میم زیادہ ہے۔ (اسکے لئے دیکھئے ح ۔ و ۔ ل) لیکن یہ بہت بعید ہے۔

م ح ن

مَحْنٌ کے اصلی معنی کوڑے مارنے کے ہوتے ہیں۔ اَلْمِحْنَةُ اسم ہے جس کی جمع مِحَنٌ آتی ہے۔ یعنی وہ مشقتیں جن سے کسی کی آزمائش کی جائے۔ مَحَنَ الْبِئْرَ مَحْنًا ۔ اس نے کنویں کی مٹی وغیرہ نکال کر اسے صاف کر دیا** ۔

مَحَنَ الْاَدِيْمَ ۔ اس نے چمڑے کو نرم کر دیا۔ اسے چھیل کر صاف کر دیا۔ اس نے چمڑے کو کھینچکر وسیع کر دیا۔ مَحَنَ الْفِضَّةَ ۔ اس نے چاندی کو آگ میں تپا کر صاف اور خالص کر دیا ** ۔

قرآن کریم میں ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (۴۹/۳) ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے تقوی کے لئے پاک اور صاف کر دیا۔ یا انہیں نرم اور کشادہ کر دیا۔

اِمْتِحَانٌ کے معنی کسی کے اندرونی حالات معلوم کرنے یا آزمانے کے ہیں۔ سورہ الممتحنہ میں ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ (۶۰/۱۰) ۔ اے جماعت مومنین!

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔

جب مومن عورتیں تمہارے پاس ہجرت کرکے آئیں تو ان کے اندرونی حالات معلوم کر لیا کرو۔

م ح و

مَحَاہُ یَمْحُوْہُ مَحْواً۔ اس نے اس کے اثر اور نشان کو مٹا دیا اور ختم کر دیا، زائل کر دیا۔ اَلْمَحْوَۃُ۔ بارش جو خشک سالی کے آثار مٹادے۔ مَحَا الصُّبْحُ اللَّیْلَ۔ صبح نے نمودار ہو کر رات کو مٹا دیا۔ اَلْمَحْوُ۔ اس سیاہ نشان کو کہتے ہیں جو چاند کے اندر نظر آتا ہے*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو لے جانے اور غائب کر دینے کے ہیں۔

قرآن کریم میں مَحْوٌ بمقابلہ اِثْبَاتٌ آیا ہے۔ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ (۱۳/۳۹)۔ خدا اپنے قانون مشیت کے مطابق (نہ رکھنے کے قابل چیز کو) مٹا دیتا اور رکھنے والی چیز کو قائم رکھتا ہے۔ مٹاتا اسے ہے جو تخریبی نتائج پیدا کرے اور باقی اسے رکھتا ہے جو تعمیری نتائج کی حامل ہو (۲۲/۵۲)۔ یعنی جو نوع انسان کے لئے منفعت بخش ہو (۱۳/۱۷)۔ محو و اثبات کا یہ اٹل قانون، کارگہ فطرت کے ہر گوشے میں کارفرما ہے اور اسی قانون کے مطابق قوموں کی موت و حیات کے بھی فیصلے ہوتے ہیں۔ یعنی بقائے نافع (۱۳/۱۷)۔ بقا اس کے لئے ہے جو نوع انسان کے لئے نفع رساں ہو۔ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ "بقائے نافع" کا اصول "بقائے اصلح" (Survival of the Fittest) کے اس اصول سے بہت بلند ہے جسے ڈارون (اور اس کے متبعین نے) طبیعیاتی قانون ارتقا میں دیکھا تھا۔ انسانی دنیا کے لئے صحیح اصول یہی ہے کہ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۷) "زمین میں وہی چیز (وہی نظریہ۔ وہی نظام) ٹھہرتی ہے جو نوع انسانی کے لئے نفع بخش ہو"۔ یعنی وہ نظریہ زندگی اور نظام حیات جو نفع بخش ہو اور اسکی نفع بخشیاں کسی خاص گروہ، پارٹی، قوم، یا ملک تک محدود نہ ہوں، پوری کی پوری انسانی دنیا کو محیط ہوں۔ دنیا کے تمام انسان ان سے متمتع ہوں۔

م خ ر

مَخْرٌ۔ شق کرنا۔ پھاڑنا۔ چیرنا۔ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں**۔ مَخَرَتِ السَّفِیْنَۃُ۔ کشتی پانی کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ مَخَرَ السَّحَابُ

*تاج۔ **محیط و ابن فارس۔

تیرنے والے نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پانی کو چیرا* ۔ قرآن کریم میں ہے وَ تَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْہِ (۱۶/۱۴) ۔ اس میں مَوَاخِرَ مَاخِرَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنے ہیں سینۂ بحر کو چیر کر چلنے والی (کشتیاں) ۔

م خ ض

مَخَضَ اللَّبَنَ ۔ دودھ (دہی) کو بلویا ۔ اسی سے مَخَضَ الشَّیْئَ مَخْضًا کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو سختی سے ہلانا ۔ اس طرح حرکت دینا جس طرح دہی کو بلوتے وقت حرکت دیتے ہیں ۔ تَمَخَّضَ الْوَلَدُ ۔ بچے نے حاملہ کے پیٹ میں اس طرح حرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ اس کی پیدائش کا وقت قریب آ رہا ہے ۔ اَلْمَخَاضُ ۔ وہ حاملہ جس کے وضع حمل کا وقت قریب آگیا ہو۔ مَخَضَتِ الْمَرْاَۃُ ۔ عورت کو درد زہ شروع ہوگیا**۔ سورۃ مریم میں اَلْمَخَاضُ (۱۹/۲۳) انہی معنوں میں آیا ہے ۔ یعنی دردِ زہ ۔

م د د

مَدٌّ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو لمبائی میں کھینچنا اور کسی چیز کا دوسری سے طول میں ملے ہوئے ہونا ۔ اسی نسبت سے مَدٌّ کے معنی سیلاب کے آتے ہیں کیونکہ اس میں پانی دور تک مسلسل بڑھتا چلا جاتا ہے ۔ بڑھانے اور اضافہ کرنے کو بھی مَدٌّ کہتے ہیں ۔ مَدُّ الْبَحْرِ ۔ سمندر کے چڑھاؤ کو کہتے ہیں ۔ یہ اَلْجَزْرُ (اتار) کی ضد ہے ۔ مَدٌّ کے معنے بچھانے اور پھیلانے کے بھی ہیں ۔ مَدَّ نَظَرَہٗ اِلَیْہِ ۔ اس کی طرف جھانک کر دیکھا ۔ نظر اٹھا کر دیکھا ۔ مَدٌّ اور اِمْدَادٌ کے معنی مہلت دینے کے بھی آتے ہیں ۔ مَدِیْدٌ ۔ لمبی پھیلی ہوئی یا کھینچی ہوئی چیز کو کہتے ہیں ۔ مِدَادٌ ۔ روشنائی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ قلم سے برابر آتی رہتی ہے اور بعد میں آنے والی روشنائی پہلی روشنائی سے ملتی رہتی ہے ۔ مَدٌّ کے معنی مدد دینے کے بھی آتے ہیں** ۔

بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ مَدٌّ بیشتر شر کے لئے آتا ہے اور اِمْدَادٌ خیر کے لئے*** ۔ (مثالیں آگے آتی ہیں) ۔

مَادَّۃٌ ۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری چیز کو بڑھائے** ۔ اہل لغت نے اس کے معنی اَلْمَادَّۃُ الْمُتَّصِلَۃُ بھی بتائے ہیں ۔ اس کے معنی ہیں وہ شے جو اسطرح بڑھے کہ اس کے اجزاء باہمد گر ملے رہیں ۔ یہ لفظ (Matter) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ نہیں آیا ۔

*تاج و راغب و محیط ۔ **تاج و محیط ۔ ***راغب ۔

سورۃ النمل - (۲۷/۳۶) میں یہ مادہ ''بڑھانے'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے - سورۃ حجر میں ہے - لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ (۱۵/۸۸) - تو اپنی آنکھوں کو (اس طرف) مت بڑھا - یعنی ان چیزوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے مت دیکھ - روشنائی کے معنوں میں مِدَاد (۱۸/۱۰۹) میں آیا ہے - ''پھیلے ہوئے'' کے معنوں میں (۵۶/۳۰) میں - یعنی ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ - اَمْدَاد خیر اور بھلائی کے معنوں میں - كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَ هٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ (۱۷/۲۰) میں آیا ہے - اس لئے کہ یہ امداد ربوبیت اور پروردگاری کے سرچشمہ سے متعلق ہے - آیت کے معنی ہیں ''ہم سب کو مدد دیتے ہیں - آگے بڑھاتے ہیں - ان کو بھی اور اُن کو بھی - یہ تیرے رب کی عطا سے ہوتا ہے'' - وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ (۱۷/۶) میں اَمَدّ بھی خیر اور بھلائی کے لئے آیا ہے - آیت کے معنی ہیں ''اور مال اور اولاد سے تمہیں مدد دی - آگے بڑھایا'' - اس کے برعکس ، سورۃ مریم میں ہے قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا (۱۹/۷۵) - ''کہو کہ جو کوئی گمراہی میں رہے تو رحمٰن اس کے لئے مہلت کا عرصہ لمبا کرتا جائے گا'' - اس میں مَدًّ شر کے لئے آیا ہے - اسی طرح ذرا آگے چل کر ہے سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا (۱۹/۷۹) - یہاں بھی مَدًّ شر کے لئے آیا ہے - یعنی ''ہم اسے لکھتے جائینگے جو وہ کہتا ہے اور اس کے لئے عذاب کو لمبا کھینچتے جائینگے'' -

هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ (۱۳/۳) میں مَدّ کے معنی پھیلانے اور ہموار کرنے کے ہیں - ''اللہ وہ ہے جس نے زمین کو پھیلایا ہے'' - اور وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ (۲/۱۵) میں اس کے معنی مہلت دینے اور دور تک لے جانے کے ہیں -

سورۃ کہف میں سَدًّا (۱۸/۹۴) اضافہ کے معنوں میں آیا ہے -

م د ن

مَدَنَ بِالْمَكَانِ - اس نے اس جگہ قیام کیا - اَلْمَدِيْنَةُ (۳۶/۲۰) - بڑا شہر اس کی جمع مَدَائِنُ ہے - یعنی بہت سے شہر (۲۷/۳۴) - قلعہ - بعض نے کہا ہے کہ یہ دِيْنٌ سے مشتق ہے (دیکھئے عنوان د - ی - ن) - مَدَائِنُ ایران (فارس) کے ایک بڑے شہر کا نام تھا جو بغداد کے قریب تھا - مَدْيَنُ حضرت شعیبؑ کے قریہ کا نام* (۲۹/۸۵) - تَمَدْيَنَ الرَّجُلُ - آدمی آسودہ

*محیط و راغب و تاج -

و خوش حال ہوا ۔ تَمَدَّنَ الرَّجُلُ ۔ اس آدمی نے شہر والوں کی عادات اختیار کرلیں ۔ دیہاتی پن چھوڑ کر شہریت و شائستگی اختیار کی ۔ مَدَّنْتُ مَدِیْنَۃً ۔ میں نے شہر بنایا** ۔ اسے آباد کیا اور بسایا* ۔

مَدْیَنُ

وہ قوم جس کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے (۷/۸۵) ۔ نیز وہ علاقہ جس کی طرف حضرت موسیٰؑ گئے تھے (۲۸/۲۲) ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''شعیبؑ'' ۔ نیز عنوان ''موسیٰؑ'' ۔

م ر أ

اَلْمَرْءُ ۔ (میم پر تینوں حرکتیں جائز ہیں) نیز اُمْرُؤٌ ۔ انسان یا مرد ۔ اَلْمَرْاَۃُ اور اَلِامْرَاَۃُ عورت کو کہتے ہیں ۔ مُرُوْءَۃٌ ۔ انسانیت ۔ آدمیت کمالِ مردانگی ۔ مَرِیَٔ الطَّعَامُ مَرَاءَۃً ۔ کھانا خوشگوار ہوگیا ۔ ھَنِیْئًا ۔ لذیذ کھانے کو کہتے ہیں ۔ اور مَرِیْئًا اس کھانے کو جس کا نتیجہ عمدہ ہو* ۔ ھَنِیْئًا مَرِیْئًا (۴/۴) ۔

م ر ج

مَرْجٌ ۔ ملانا ۔ خلط ملط کر دینا ۔ مَرَجٌ کے معنے گڈ مڈ ہونے ، مل جانے اور اختلاط کے ہیں (راغب نے یہ معنی اَلْمُرُوْجُ کے دئے ہیں) ۔ اسی سے اَلْمَرَجُ کے معنی اضطراب اور التباس کے ہیں ۔ نیز فتنہ و فساد کے*** ۔ سورۃ قٓ میں ہے کہ یہ لوگ حق کی تکذیب کرتے ہیں فَھُمْ فِیْ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ (۵۰/۵) ۔ وہ پیچیدہ معاملہ کے اندر ہیں ۔ وہ بڑے الجھاؤ اور پریشانی کی حالت میں ہیں ۔ انہیں التباس ہو رہا ہے ۔ وہ اسی اضطراب میں ہیں جو بے یقینی کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے ۔ اَلْمَارِجُ ۔ مختلط چیز ۔ بلند اور تندو تیز شعلہ*** ۔ (لیکن ، جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا ۔ مَرْجٌ کے معنی کھلا چھوڑ دینے کے بھی آتے ہیں ۔ اسی لئے اَلْمَارِجُ ۔ آگ کے آزاد شعلے کو کہینگے جس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ ہو) ۔ سورۃ رحمٰن میں ہے ۔ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (۵۵/۱۵) ۔ آگ کے مخلوط یا بھڑکنے والے شعلے سے ۔ لیکن اَلْمَرْجُ وسیع چراگاہ اور کھلی جگہ کو بھی کہتے ہیں جس میں جانور آزادانہ (کھلے طور پر) چرتے پھرتے رہیں*** ۔ (غالباً اس لئے کہ اس طرح کھلے طور

*تاج ۔ **ابن فارس ۔ ***تاج و راغب ۔

پر چرنے پھرنے سے ایک دوسرے کے جانور آپس میں مخلوط ہو جاتے ہیں) ۔ اَمْرَجَہَا ۔ اُس نے جانوروں کو چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا کہ وہ جہاں چاہیں چلیں پھریں ۔ چنانچہ اَلْمَرَجُ اُن اونٹوں کو کہتے ہیں جو بغیر چرواہے کے آزاد چر پھر رہے ہوں ۔ اسی سے اَلْمَرْجُ کے معنی جاری کرنے چلانے اور کھلا چھوڑنے کے بھی ہوتے ہیں * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی آنے جانے اور اضطراب کے ہیں ۔

قرآن کریم میں مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ (۲۵/۵۳) ; (۵۵/۱۹) آیا ہے ۔ جس کے معنی ہیں اس نے دو دریا جاری کر رکھے ہیں جو آپس میں ملتے ہوئے بہ رہے ہیں ۔

م ر ح

اَلْمَرَحُ ۔ اس خوشی اور نشاط کو کہتے ہیں جس میں شدت اور زیادتی سے انسان اپنی حدود سے متجاوز ہو جائے (اور اس میں اوچھے پن یا اِترانے کی کیفیت پیدا ہو جائے) ۔ اکڑنے کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے ۔ ابن فارس نے اس کے معنے ایسی خوشی بتائے ہیں جس میں فرط طرب سے آدمی آپے سے باہر نکل جائے ۔ فَرَسٌ مِمْرَحٌ ۔ طاقت کی مستی میں اٹھلا کر چلنے والا پر نشاط گھوڑا ۔ قَوْسٌ مَرُوْحٌ ۔ کڑی کمان ** ۔ جو انتہائی تیزی سے تیر پھینکتی ہو ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا (۱۷/۳۷) ۔ زمین میں اکڑ کر نہ چلو ۔ اسکی تفسیر دوسری جگہ ان الفاظ سے کر دی ۔ بِمَا کُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ (۴۰/۷۵) ۔ یعنی یہ لوگ بغیر ایسے کام کئے جو تعمیری نتائج مرتب کریں ، یونہی اکڑتے رہتے ہیں ۔ انہی کے متعلق دوسری جگہ ہے ۔ وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا (۳/۱۸۸) ۔ چاہتے ہیں کہ ان کاموں کی بنا پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے کئے نہیں ۔

م ر د

مَرَدَ ۔ یَمْرُدُ کے معنی ہیں سرکشی کرنا ۔ مَرَدَ عَلَی الشَّیْءِ کے معنی ہیں وہ اس چیز کا عادی ہوگیا ۔ وہ اسے برابر کرتا رہا ۔ تَمَرَّدَ کے اصلی معنی مشتاق ہو جانے اور ہادی ہوجانے کے ہیں *** ۔ چنانچہ قرآن کریم

* تاج و راغب ۔ **تاج و محیط و راغب ۔ ***تاج ۔

میں ہے۔ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ (۹/۱۰۱) ۔ وہ منافقت کے عادی ہوچکے ہیں۔ اَلْمَرْدَاءُ ۔ اُس عورت کو کہتے ہیں جس کے سر پر بال نہ ہوں * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے چھلکے یا اوپر کے روئیں اور بالوں کو صاف کر دینا ہوتے ہیں ۔ اس سے اَلْاَمْرَدُ اس نوجوان کو کہتے ہیں جس کی ڈاڑھی نمودار نہ ہوئی ہو ۔ قرآن کریم نے شیطان کو مَرِیْدٌ کہا ہے (۴/۱۱۷) ۔ پہلے معنوں کے اعتبار سے اس کا مطلب ہوگا سرکش ۔ راغب نے اسے شَجَرَةٌ مَرْدَاءُ سے ماخوذ بتایا ہے جس کے معنے ہیں وہ درخت جس کے پتے نہ ہوں ۔ ان معنوں کے اعتبار سے اس کا مفہوم ہوگا وہ جو ہر قسم کی بھلائیوں اور خوشگواریوں سے محروم ہو چکا ہو ۔ یہ معنی رَجِیْمٌ اور لَعِیْنٌ کے مرادف ہیں ۔ (دیکھئے عنوانات ر ۔ ج ۔ م اور ل ۔ ع ۔ ن)

اَلْمَرِیْدُ ۔ کھجور جو دودھ میں بھگو دی جائے تاکہ نرم ہو جائے۔ اصمعی نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جسے مَل دیا جائے حتٰکہ وہ نرم ہوجائے مَرِیْدٌ کہلاتی ہے * ۔ قرآن کریم میں صَرْحٌ مُمَرَّدٌ آیا ہے (۲۷/۴۴) ۔ اس کے معنی ہیں ہموار یا چکنا کیا ہوا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی لمبی عمارت کے بھی ہیں ۔ ویسے اَلتَّمْرِیْدُ فِی الْبِنَاءِ کے معنی ہوتے ہیں عمارت کو چکنا اور ہموار کرنا ۔ اس پر پلاسٹر لگانا ۔ اَلْمَارِدُ ۔ بلند ۔ نیز سرکش ۔ خیر سے عاری * (۳۷/۷) ۔

م ر ر

مَرَّهُ ۔ مَرَّ بِهٖ ۔ مَرَّ عَلَیْهِ ۔ اس کے پاس سے گزر گیا ۔ اَلْمَرَّةُ ۔ ایک بار ۔ مَرَّتَانِ ۔ دو بار ۔ فِیْ کُلِّ مَرَّةٍ ۔ ہر بار ۔ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۔ پہلی بار ۔ اَلْمَرُّ ۔ کڑوا * ۔ اِسْتَمَرَّ الشَّیْءُ ۔ چیز ہمیشہ رہی ۔ مسلسل رہی ۔ ایک ہی طریقہ پر چلتی رہی *** ۔ سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ (۵۴/۲) وہی جھوٹ جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے ۔ یعنی اِفْکٌ قَدِیْمٌ (۴۶/۱۱) ۔

سورۃ بقرہ میں ہے ۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ..... (۲/۲۲۹) ۔ طلاق دو ہی بار ہوسکتی ہے ۔ اس کا عام طور پر مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ اگر کوئی آدمی دو مرتبہ طلاق ، طلاق کہدے (یا ایک ایک مہینہ کے وقفہ کے بعد دو بار طلاق کا اعلان کردے) تو اس سے طلاق نہیں پڑتی (واپسی ہو سکتی ہے) لیکن اگر تین مرتبہ کہدے تو پھر معاملہ ختم ہوجاتا ہے ۔ اس کے بعد اگر یہ (سابقہ میاں بیوی) پھر باہمی نکاح کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ عورت کسی

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط ۔

دوسرے مرد سے نکاح کرے اور اس سے ہم بستر ہو۔ (اسے حلالہ یا تحلیل کہتے ہیں)۔ یہ خیال اور طلاق کا طریق قرآن کریم کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کی رو سے طلاق کے لئے ایک خاص طریقہ مقرر ہے۔ یعنی پہلے باہمی افہام و تفہیم۔ پھر ثالثوں کے ذریعے مصالحت کی کوشش۔ پھر عدالت کے ذریعے فیصلہ۔ جب معاملہ اس حد تک پہنچ جائے اور باہمی نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو میاں بیوی میں علیحدگی ہو جاتی ہے۔ اسے طلاق کہتے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر یہی مرد اور عورت چاہیں تو باہمی نکاح کرسکتے ہیں۔ لیکن ایسا، اس جوڑے کی ازدواجی زندگی میں صرف دو مرتبہ ہوسکتا ہے۔ اگر تیسری مرتبہ بھی طلاق کی نوبت آگئی تو پھر یہ میاں بیوی آپس میں نکاح نہیں کرسکتے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرنے کے بعد مطلقہ یا بیوہ ہو جائے تو پھر وہ اپنے پہلے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے۔ یہ ہے قرآن کریم کا مطلب اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ سے۔ جب تک طلاق (قیدِ نکاح سے آزادی) عمل میں نہ آجائے اسے طلاق کہا ہی نہیں جاسکتا۔ اس لئے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے معنی واضح ہیں۔ یعنی قیدِ نکاح سے ایسی آزادی دو مرتبہ ہوسکتی ہے جس میں لوٹ آنے کی اجازت ہو۔ تیسری مرتبہ کی آزادی کے بعد اس کی اجازت نہیں۔

اَلْمَرَّۃ۔ رسی کو بھی کہتے ہیں۔ اَمْرَرْتُ الْحَبْلَ۔ میں نے رسی کو بٹ دیا۔ اس سے اس کے معنی قوت اور استحکام کے آتے ہیں۔ اِسْتَمَرَّ مَرِیْرُہٗ۔ اس کا ارادہ مستحکم ہوگیا۔ اِسْتَمَرَّ بِالشَّیْءِ۔ وہ اس چیز کے اٹھانے پر قادر ہوگیا۔ اہل عرب کہا کرتے ہیں اَرْجَی الْغُلَامَانِ الَّذِیْ یَبْدَأُ بِیَحْمَقٍ ثُمَّ یَسْتَمِرُّ۔ سب سے عونہار لڑکا وہ ہے جو ابتداءً بیوقوفی کرے اور پھر درست ہو جائے۔ اس سے اَلْمِرَّۃُ کے معنی خلقی قوت و شدت اور عقل و اصالت کے آتے ہیں*۔ چنانچہ صاحب الاشتقاق نے لکھا ہے کہ مِرَّۃُ الْاِنْسَانِ آدمی کی قوت کو کہتے ہیں۔ سورۃ القمر میں جو آیا ہے فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (۵۴/۱۹)۔ تو اس کے معنی سخت شدت کا دن ہیں (اس کے معنی ہیں ایسا دن جس کی نحوست مسلسل رہے)۔ نیز اس نے کہا ہے کہ سورۃ اعراف میں جو ہے حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِہٖ (۷/۱۸۹)۔ تو اس میں فَمَرَّتْ بِہٖ کے معنی سختی یا شدت کو محسوس کرنا ہیں۔

سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ کو ذُوْ مِرَّۃٍ (۵۳/۶) کہا گیا ہے۔ اس کے معنی صاحب قوت و حکمت بھی ہوسکتے ہیں۔ یعنی وہ جس کے ارادے مستحکم

*تاج۔

اور تدبیریں قوی ہوں ۔ اور یہ بھی کہ جو زندگی کی مختلف گزرگاہوں کا مالک ہو ۔ اس لئے کہ "مَرُوْرٌ" کے بنیادی معنی گزر جانے کے ہیں ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ "مِرَّۃٌ" کے معنی ایسی حالت کے ہیں جس پر کوئی چیز مستقلاً چلتی رہے ۔ اس اعتبار سے اس کے معنے قوانین خداوندی (سنۃ اللہ) کے ہونگے جن میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی ۔

م ر ض

مَرَضٌ ۔ توازن اور اعتدال کا اس طرح بگڑ جانا کہ کسی قوت میں اضمحلال ، ضعف یا کمی واقع ہوجائے ۔ کمی کے لحاظ سے شَمْسٌ مَرِیْضَۃٌ ۔ سورج کو اس وقت کہتے ہیں جب گرد و غبار سے اس کی روشنی مدھم پڑ گئی ہو ۔ اور اَرْضٌ مَرِیْضَۃٌ ۔ ایسی زمین کو جس میں طاقت کم ہو ۔ یا جس میں پیداوار کم ہوتی ہو ۔ نیز وہ زمین جہاں بد امنی ہو ۔ مَرَضٌ کے معنی ظلمت اور تاریکی کے بھی آتے ہیں ۔ اور شک اور نفاق کے بھی* ۔

قرآن کریم میں مَرَضٌ بمقابلہ شِفَاءٌ آیا ہے (۲۶/۸۰) جہاں اس کے معنی جسمانی مرض کے ہیں ۔ اور فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَرَضٌ (۲/۱۰) ۔ جہاں اس کے معنی قلب و نگاہ کے توازن کے بگاڑ اور نفسیاتی الجھاؤ کے ہیں ۔ لہذا ، جسمانی بیماری ہو یا ذہنی اور قلبی فتور ، دونوں کے لئے مَرَضٌ کا لفظ آتا ہے ۔ سورۃ بقرہ میں سطحی جذبات پرستوں یا مفاد پرستوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَرَضٌ (۲/۱۰) ۔ اس قسم کی ذہنیت یا سیرت کو ، قلب (Psyche) یا (Mind) کا مرض کہنا ایک ایسی حقیقت کا انکشاف ہے جس سے (بیسویں صدی سے پہلے) انسانی علم بالعموم بے بہرہ تھا ۔ اسی جہت سے قرآن کریم نے اپنے متعلق کہا ہے شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (۱۰/۵۷) ۔ اس میں "قلب کے امراض" کا علاج اور شفاء ہے ۔

اگر اس کا علاج وحی کی رو سے نہ کیا جائے تو یہ مرض اپنے زور دروں سے از خود بڑھتا رہتا ہے (۲/۱۰) ۔

م ر و

صَفَا اور مَرْوَۃ مکہ میں مسجد حرام سے باہر دو پہاڑیاں ہیں ۔ صَفَا (صَفَاۃٌ کی جمع) صاف پتھروں کو کہتے ہیں اور مَرْوٌ چھوٹے چھوٹے سفید براق کنکروں کو ۔ مراسم حج کے سلسلہ میں قرآن کریم نے انہیں

*تاج ۔

مِنْ شَعَائِرِ اللهِ (۲/۱۵۸) کہا ہے ۔ شَعَائِر، کسی نظام یا مملکت کی اُن محسوس علامات (نشانات) کو کہتے ہیں جو تقاریب اور مراسم میں اُس نظام یا مملکت کے قائمقام سمجھی جاتی ہیں ۔ مثلاً کسی سلطنت کا جھنڈا اُس کے شعائر میں سے ہوتا ہے ۔ جھنڈے کے احترام کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے دل میں اُس سلطنت کا احترام ہے ۔ قرآن کریم نے جن محسوس علامات کو شعائر اللہ قرار دیا ہے اُن سے یہی مقصود ہے کہ وہ حکومتِ خداوندی (قرآنی نظام مملکت) کے محسوس نشان ہیں جن کا احترام درحقیقت حکومتِ خداوندی کے احترام کا مرادف ہے ۔ اس سے زیادہ ان محسوس علامات (Symbols) کی کچھ حیثیت نہیں ہوتی ۔ (نیز دیکھئے عنوان ش ۔ ع ۔ ر) ۔

م ر ی

مَرَی النَّاقَةَ یَمْرِیْهَا مَرْیاً ۔ اونٹنی کے تھنوں کو ہاتھ سے سہلانا (مس کرنا) کہ وہ دودھ دیدے ۔ یہ اس لفظ کے بنیادی معنی ہیں ۔ چنانچہ اَلْمِرْیَةُ ۔ اور اَلْمَرْیَةُ ۔ اس دودھ کو کہتے ہیں جو اسطرح نکالا جائے** ۔

اس سے اس کے معنی ہیں تردد اور کوشش سے کسی بات کا نکالنا ۔ چنانچہ مِرْیَةُ الْفَرَسِ کے معنی ہیں وہ چال جو کوڑا وغیرہ کھانے سے گھوڑا نکالے** ۔ لہذا مِرْیَةٌ کسی معاملہ میں تردد کو کہتے ہیں ۔ نیز شک اور جھگڑے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ راغب نے ان معانی کی یہی توجیہ کی ہے اور کہا ہے کہ مِرْیَةٌ شک سے خاص ہوتا ہے* ۔ جھگڑے کے مفہوم میں مناوی نے کہا ہے کہ مِرَاءٌ دوسرے کے کلام میں اظہار خلل کے لئے طعن کرنے کو کہتے ہیں اور اس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ دوسرے آدمی کی تحقیر کی جائے، اور بس ۔ اِمْتَرَی فِیْهِ وَتَمَارَی کے معنے شک کرنے کے ہیں ۔ فراء نے تَتَمَارَیٰ کے معنی تکذیب کرنے کے بتائے ہیں** ۔

قرآن کریم میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ (۴۲/۱۸) ۔ جو لوگ اَلسَّاعَةُ کے بارے میں شک اور تردد میں پڑے ہیں ۔ سورہ کہف میں ہے ۔ فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ (۱۸/۲۲) ۔ ان سے ان کے بارے میں جھگڑا مت کر ۔ سورہ بقرہ میں ہے ۔ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ (۲/۱۴۷) ۔ جھگڑا کرنے والوں یا شک اور تردد کرنے والوں میں سے نہ ہوجا ۔

مریم

مَرْیَمُ ۔ یہ سریانی لفظ ہے جس کے معنی بلند مرتبہ ہیں ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جو شخص کوئی بہت ہی عجیب بات کرتا ہے اسے عرب

*راغب ۔ **تاج ۔

یا مَرْیَمُ کہکر خطاب کرتے ہیں ۔ اور اَلْمَرْیَمُ مِنَ النِّسَاءِ اُس عورت کو کہتے ہیں جو مردوں کے ساتھ باتیں کرنا پسند کرے لیکن برائیوں سے دور رہتی ہو* ۔

قرآن کریم نے حضرت عیسےٰ ؑ کی والدہ ماجدہ کا نام مریم بتایا ہے ۔ (۳/۳۵) ۔ آپ (حضرت مریم ؑ) کی والدہ کو اِمْرَاَتُ عِمْرَانَ (۳/۳۵) کہکر پکارا گیا ہے ۔ اس کے معنی '' عمران کی بیوی ،، یا '' آل عمران کی عورت ،، کے ہیں ۔ سورہ مریم میں ہے کہ آپ کی قوم کے لوگوں نے آپ کو یااُخْتَ هٰرُوْنَ (۱۹/۲۸) '' اے ہارون کی بہن ،، بھی کہا تھا ۔ اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ آپ کے کسی بھائی کا نام ہارون تھا ۔ اور دوسرے یہ کہ حضرت ہارون ؑ (مورث اعلیٰ) کیطرف نسبت کی وجہ سے ایسا کہا گیا تھا ۔ سورہ تحریم میں آپ کو اِبْنَتَ عِمْرَانَ (۶۶/۱۲) کہا گیا ہے ۔

آپ کی والدہ نے آپ کی پیدائش سے پہلے منت مانی تھی جس کی بنا پر آپکو ہیکل کی خدمت کے لئے مختص کر دیا گیا (۳/۳۵-۳۶) ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ح ۔ ر ۔ ر)

حضرت عیسیٰ ؑ کو قرآن کریم میں عام طور پر ''ابن مریم،، کہکر پکارا گیا ہے ۔ رینان اپنی کتاب (Life of Jesus) میں اس ضمن میں لکھتا ہے ۔

''آپ (حضرت عیسیٰ ؑ) طبقۂ ہوام سے متعلق تھے ۔ آپکے والد ، یوسف اور والدہ ، مریم ، دونوں غریب گھرانے کے افراد تھے ۔ دستکاری ان کا پیشہ تھا ۔ . . . . آپ کے والد کا انتقال جلدی ہو گیا ۔ اس کے بعد حضرت مریم ؑ ہی خاندان کی سرپرست رہ گئیں ۔ یہ وجہ ہے کہ حضرت مسیح ؑ عام طور پر '' ابن مریم ،، کے نام سے موسوم ہوئے ۔ یعنی جب آپکو آپکے ہمنام بچوں سے متمیز کرنا ہوتا تھا تو ''یسوع ابن مریم ،، یا ابن مریم کہا جاتا تھا ،، ۔

حضرت مریم ؑ کی زندگی کے متعلق تفصیلی حالات میری کتاب ''شعلۂ مستور '' میں ملیں گے ۔

م ز ج

اَلْمَزْجُ ۔ ملانا ۔ مَزَجَ الشَّرَابَ بِالْمَاءِ ۔ اس نے شراب میں پانی ملا دیا ۔ مِزَاجٌ ۔ وہ شے جو (شراب میں) ملائی جائے** ۔ مِزَاجُ الْخَمْرِ كَافُوْرٌ ۔ اس شراب میں کافور کی خوشبو ہے*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ

*تاج و محیط ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔

دو ملی ہوئی چیزوں میں سے ہر شے دوسری کیلئے مِزَاج* کہلاتی ہے۔ قرآن کریم میں مومنین کے متعلق ہے کہ۔ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا (۷۶/۵)۔ وہ ایسے پیالہ سے پیتے ہیں جس میں کافور کی آمیزش ہوتی ہے۔ کَافُوْر (دیکھئے ک۔ف۔ر) کی تاثیر یہ ہے کہ وہ حدت کو برودت (ٹھنڈک) میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ایک منظم اور بامقصد جماعت کی پہلی منزل اپنے اوپر پابندیاں عائد کرکے ڈسپلن پیدا کرنے کی ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد اگلی منزل یہ ہوتی ہے کہ وہ حق کی مدافعت میں، نظامِ خداوندی کے مخالفین کے مقابلہ میں سخت گرم جوشی دکھاتے ہیں۔ اس کے لئے کہا کہ وَیُسْقَوْنَ فِیْهَا کَاْسًا کَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا (۷۶/۱۷) یہ اس پیالہ سے پیتے ہیں جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوتی ہے۔ سونٹھ کی تاثیر حدت پیدا کرنا ہوتی ہے۔ اس جماعت کے لئے یہ دونوں منزلیں ضروری ہیں۔ یا یہ کہ وہ اپنوں کے ساتھ ٹھنڈک کا برتاؤ کرتے ہیں اور مخالفین کے مقابلہ میں گرمی کا۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (۴۸/۲۹)۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں (اقبال)

متضاد اور مخالف قوتوں میں صحیح صحیح امتزاج سے مومن کی سیرت تعمیر ہوتی ہے۔ اسی کو اپنے اندر الاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی کا منعکس کرنا کہتے ہیں۔ یعنی مختلف صفات خداوندی کا خاص تناسب و توازن سے اپنے اندر اجاگر کئے جانا۔

م ز ق

مَزَقَهٗ۔ یَمْزِقُهٗ۔ اس نے اسکو پھاڑ دیا۔ یا اس میں سوراخ کردیا۔ فَتَمَزَّقَ۔ پس وہ پھٹ گیا۔ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اَلْمِزَقُ۔ پھاڑے ہوئے کپڑے وغیرہ کے ٹکڑے۔ تَمَزَّقَ الْقَوْمُ۔ قوم منتشر اور پراگندہ ہو گئی*۔

قرآن کریم میں ہے۔ اِذَا مُزِّقْتُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ (۳۴/۷)۔ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو جاؤ گے۔ اس دنیا میں قومی ضعف و انتشار، اور مرنے کے بعد طبعی انتشار، دونوں کو محیط ہو سکتا ہے۔

*تاج۔ **محیط۔ *تاج و محیط۔

م ز ن

اَلْمُزْنُ ۔ وہ سفید اور روشن بادل جس میں پانی ہو۔ اس قسم کے بادل کا ٹکڑا مُزْنَۃٌ کہلائیگا*۔ فُلَانٌ یَتَمَزَّنُ۔ فلاں آدمی بادل کی مشابہت اختیار کرتا ہے ۔ یعنی بتکلف سخاوت کرتا ہے** ۔ قرآن کریم میں پانی کے متعلق ہے ۔ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ .... (۵۶/۶۹)۔ کیا اُسے بادل میں سے تم نیچے لائے ہو...؟ یعنی سامان رزق سب کا سب خدا کی طرف سے ملتا ہے۔

م س ح

اَلْمَسْحُ ۔ پونچھنا ۔ کسی لتھڑی ہوئی چیز پر ہاتھ پھیر کر اس کی آلائش کو صاف کر دینا، جیسے مَسَحْتُ رَاْسِیْ مِنَ الْمَاءِ وَجَبِیْنِیْ مِنَ الرَّشْحِ ۔ میں نے پانی کو اپنے سر سے اور پسینے کو اپنی پیشانی سے پونچھ ڈالا ۔ ابو زید نے کہا ہے کہ کلام عرب میں مَسَحَ کے معنی تر کرنے یا دھونے کے بھی ہیں ۔ یعنی آلائش کو پانی کے ساتھ صاف کردینا ۔ مَسَحْتُ یَدِیْ بِالْمَاءِ ۔ میں نے اپنے ہاتھ کو پانی سے دھویا ۔ اور تَمَسَّحْتُ بِالْمَاءِ ۔ میں نے غسل کیا* ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ مَسَحْتُهٗ بِیَدِیْ کے معنے ہیں ، میں نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا ۔ سورۃ ص میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق ہے کہ جب ان کے گھوڑے ان کے سامنے آئے فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ (۳۸/۳۳) ۔ تو وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا ۔ (جیسے سوار اپنے گھوڑوں پر ہاتھ پھیرتے ہیں)۔

اَلْمَسْحُ ۔ اَلْمِسَاحَۃُ ۔ ناپنا ۔ مَسَحَ الْاَرْضَ ۔ اس نے زمین کی پیمائش کی* ۔ اس کا (Survey) کیا ۔ اَلْمِسْحُ ۔ راستے کو کہتے ہیں اور اَلْمَسِیْحُ اس شخص کو جو بہت چلنے والا (سیر و سیاحت کرنے والا) ہو* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو پھیلا کر کسی چیز پر چلانا ۔

حضرت عیسیٰؑ کو مَسِیْحٌ بھی کہتے ہیں (۳/۴۵) ۔ صاحب قاموس نے اس کے اشتقاق میں قریب پچاس اقوال نقل کئے ہیں* ۔ ان میں ایک یہ بھی ہے (اور راغب نے اس کی تائید کی ہے کہ) چونکہ آپ بہت چلنے والے تھے اس لئے آپ کو مَسِیْحٌ کہا گیا ہے ۔ اس کے بعد راغب لکھتا ہے

*تاج ۔ **راغب ۔

کہ اُن کے زمانہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو ہمیشہ گھومتے پھرتے رہتے تھے - انہیں مَشّائیین اور سیّاحیین کہا جاتا تھا** - اور حضرت مسیح ؑ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے ، اس لئے انہیں مَسِیْح* کہا گیا ہے*** - لیکن صاحب محیط نے کہا ہے کہ قدیم زمانہ میں کاہنوں اور بادشاہوں کے بدن پر تیل وغیرہ کی مالش کی جاتی تھی - چنانچہ حضرت عیسیٰ ؑ کے بدن پر بھی مالش کی گئی تھی اس لئے آپ کو مَسِیْح* کہا گیا (The Annointed) ****- (نیز دیکھئے عنوان س - ی - ح جس میں لکھا گیا ہے کہ مَسِیْح* غالباً عربی لفظ نہیں) -

سورۃ مائدہ میں ہے کہ جب تم صلٰوۃ کے لئے اٹھو تو فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ - اپنے چہروں کو اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھو لیا کرو - اس کے بعد ہے وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ (۵/۶) - یہاں چونکہ وَ امْسَحُوْا - فَاغْسِلُوْا سے الگ آیا ہے اس لئے اس کے معنی دھونے کے نہیں ہونگے - صرف پونچھ لینے کے ہونگے -

اس سے آگے ہے کہ اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو ، یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے ، یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو - فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا - تو پاکیزہ مٹی کا قصد کرو - فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَ اَیْدِیْکُمْ مِنْہُ (۵/۶ و ۴/۴۳) - ''پاکیزہ مٹی کا قصد کرو'' - بات تو قرآن کریم نے اتنی ہی کہی ہے لیکن اس اشارہ سے مقصود یہ ہے کہ بدن کی آلائش کو پاکیزہ مٹی سے صاف کر لیا کرو - اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لیا کرو'' - یعنی پونچھ لیا کرو -

اصل یہ ہے کہ صلٰوۃ سے پہلے وضو سے جہاں مقصود ہاتھ پاؤں کو پاک اور صاف کرنا ہے وہاں اس سے مراد ایک نفسیاتی تبدیلی پیدا کرنا بھی ہے جو کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے تمہیداً ضروری ہوتی ہے - پانی نہ ملنے (یا اس سے پرہیز) کی صورت میں ہاتھ پاؤں دھونے کا مقصد حل نہیں ہو سکتا، لیکن ''تیمم'' سے صلٰوۃ کی تیاری کا نفسیاتی پہلو ضرور سامنے آجاتا ہے - یعنی اس سے انسان کے اندر نفسیاتی تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے -

م س خ

اَلْمَسْخُ - کسی کی شکل و صورت بدل دینا اور بگاڑ دینا - یعنی پہلی شکل کے مقابلہ میں زیادہ بد نما اور قبیح بنا دینا*****- راغب نے کہا ہے کہ

*تاج- **راغب - ***اس فرقہ کا نام (Essenes) ایسینی تھا- تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب شعلۂ مستور(تذکرہ حضرت عیسیٰ)- ****محیط- *****تاج و راغب ومحیط

بگاڑنے اور قبیح بنانے کا یہ عمل جسمانی ساخت میں بھی ہوتا ہے اور عادات و اخلاق میں بھی ۔ لیکن دونوں صورتوں میں ، یہ تبدیلی قباحت کو لئے ہوئے ہوگی ۔ اس نہج سے اَلْمَسِیْخُ مِنَ النَّاسِ اس آدمی کو کہتے ہیں جس میں حسن اور ملاحت نہ ہو ۔ یا جو کمزور اور احمق ہو ۔ لَحْمٌ مَسِیْخٌ ۔ وہ گوشت جس میں کوئی مزہ نہ ہو* ۔ طَعَامٌ مَسِیْخٌ ۔ وہ کھانا جس میں نہ نمک ہو ، نہ رنگ نہ مزہ ۔ اِنْمِسَاخُ حَمْلَاۃِ الْفَرَسِ ۔ گھوڑے کی ٹانگ کی مچھلی کا لاغر ہو جانا (تاج) ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ لَمَسَخْنٰھُمْ عَلٰی مَکَانَتِھِمْ (۳۶/۶۷) ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم ان کی قوت و مقدرت کے باوجود انہیں کمزور و عاجز کر دیں ۔ ان کی قوت و مقدرت مبدل بہ ضعف و درماندگی ہو جائے ۔

م س د

اَلْمَسْدُ ۔ بٹنا ۔ مَسَدَ الْحَبْلَ ۔ اس نے رسی کو بٹ دیا ۔ اَلْمَسَدُ ۔ کھجور کے پٹھے جنہیں بٹ کر رسی بنائی جاتی ہے ۔ اس طرح بٹی ہوئی رسی کو بھی کہتے ہیں** ۔

قرآن کریم میں حَبْلٌ مِنْ مَسَدٍ (۱۱۱/۵) آیا ہے ۔ یعنی کھجور کے پٹھوں کی بٹی ہوئی رسی ۔ قانونِ مکافات کی محکم گرفت مراد ہے ۔

م س س

مَسٌّ ۔ چھونا ۔ کسی چیز تک پہنچنا** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ مَسٌّ لَمْسٌ کے ہم معنی ہے ۔ فرق یہ ہے کہ لَمْسٌ تلاش کرنے اور ٹٹولنے کو بھی کہتے ہیں اور اس میں یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کو تلاش کیا جا رہا ہو وہ مل بھی جائے ، برخلاف مَسٌّ کے کہ اس کا استعمال اسی وقت ہوتا ہے جب کہ حاسّۂ لَمْس کے ذریعہ اس چیز کا ادراک بھی کر لیا جائے ۔

(۱) کسی چیز کا جو ابتدائی اثر ہو اسے بھی مَسٌّ کہتے ہیں ۔ وَجَدَ فُلَانٌ مَسَّ الْحُمّٰی ۔ اسے بخار کی ابتدائی کیفیت محسوس ہوئی ۔ لَمْ یَجِدْ مَسَّاً مِنَ النَّصَبِ ۔ اسنے ذرا سی بھی تھکن محسوس نہ کی ۔ نیز ، ہر پیش آنے والی چیز اور اذیت کو مَسٌّ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ مجازاً اس کا اطلاق جنون پر بھی ہوتا ہے** ۔

---

*تاج و محیط و راغب ۔ نیز ابن فارس ۔ **تاج و راغب ۔

اَلتَّمَاسُّ باہم ایک دوسرے کو چھونا ۔ کنایۃً مجامعت کو کہتے ہیں * (۵۸/۳)۔ مجامعت کے لئے مَسٌّ اور مَاسٌّ بھی استعمال ہوتا ہے** ۔ (۲/۲۳۶) میں مجامعت کے لئے تَمَسُّوْھُنَّ آیا ہے ۔

سورہ طٰہٰ میں ہے کہ جس سامری نے بنی اسرائیل کے لئے بچھڑا بنایا تھا اسے سزا یہ دی گئی تھی اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ (۲۰/۹۷)۔ تاج العروس میں ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو کہتا رہے کہ میں کسی کو نہیں چھوتا اور کوئی مجھے نہ چھوئے ۔ مطلب یہ ہے کہ اسے برادری سے خارج کر دیا گیا تھا اور اسطرح وہ ''اچھوت'' (Un- Touchable) بن گیا تھا ۔ یعنی اُس سے سب نے معاشرتی تعلقات منقطع کر لئے تھے ۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ لَمْسٌ ہاتھ سے چھونے کے لئے خاص ہے اور مَسٌّ عام ہے ۔ یعنی ہاتھ سے چھونے اور بدن کے کسی عضو سے چھونے کے لئے بھی آتا ہے ۔

قرآن کریم میں ہے لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ (۵۶/۷۹) ۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں کے علاوہ جو پاکیزہ سیرت اور پاکیزہ خیال ہوں دوسرے لوگ قرآنی حقائق پر مطلع نہیں ہو سکتے ۔ یعنی یہاں قرآن کریم کو مس کرنے کے معنی اسے چھونا نہیں ، اس کے حقائق سے باخبر ہونا ہے** ۔ روح المعانی سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے فکر و نظر کی تطہیر اور قلب و دماغ کی پاکیزگی اولین شرط ہے ۔ جو شخص غیر قرآنی خیالات اور نظریات کو لیکر قرآن کریم کی طرف آئیگا، قرآنی حقائق اس پر کبھی بے نقاب نہیں ہونگے ۔ فکر و ادراک کی پاکیزگی کے ساتھ ہی قلب و نگاہ کی عفت و تطہیر بھی ضروری ہے ۔ جو قلب انسانیت سوز خیالات کی آماجگاہ ہو وہ قرآن کریم کی روشنی سے منور نہیں ہو سکتا ۔ قرآن کریم سے راہ نمائی وہی حاصل کر سکتا ہے جو خالی الذہن ہو کر اسکی طرف آئے اور اس کے دل میں تلاش حقیقت کی سچی تڑپ ہو ۔ پاکبازوں کے سوا کسی کو قرآن کریم سے مس نہیں ہو سکتا ۔

م س ک

اَلْمَسْکُ ۔ کھال (جس میں گوشت اور ہڈیاں وغیرہ بند رہتی ہیں یا جس کی مشک وغیرہ بنائی جاتی ہے) ۔ چونکہ مشک وغیرہ پانی کو روک لیتی ہے اس لئے مَسَکَ بِہٖ ۔ اَمْسَکَ ۔ تَمَاسَکَ ۔ اِسْتَمْسَکَ ۔ تَمَسَّکَ ۔ مَسَّکَ کے معنی ہیں کسی کو پکڑ لینا ۔ کسی چیز سے چمٹ

*تاج و راغب ۔ **محیط و تاج ۔

جانا * ۔ اَلاِمْسَاکُ ۔ بخل کرنا ** ۔ اَلْمِسْکُ ۔ مُشک * (کیونکہ وہ اُس خون سے ترتیب پاتی ہے جو ہرن کے نافہ میں رک گیا ہو) ۔

سورۂ بقرہ میں اِمْسَاکٌ بمقابلہ تَسْرِیْحٌ آیا ہے (۲/۲۲۹) ۔ یعنی نکاح میں رکھنا ۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہ اِنْفَاقٌ کے مقابلہ میں آیا ہے (۱۷/۱۰۰) ۔ سورۂ فاطر (۳۵/۲) میں یہ فَتْحٌ (کھولدینے) کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ اور (۳۵/۴۱) میں زَالَ کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ اور زَالَ کے معنی اپنی جگہ سے ہٹ جانا ہیں ۔ سورۂ ص (۳۸/۳۹) میں مَنٌّ (احسان کرنے) کے مقابلہ میں اَمْسِکْ آیا ہے ۔ اس میں بھی بخل کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔ سورۃ تطفیف میں جنت کی ''شراب'' کے متعلق ہے خِتٰمُہٗ مِسْکٌ (۸۳/۲۶) ۔ اس کی مہر مشک کی ہے ۔

سورۃ مائدہ میں شکاری جانوروں کے شکار کے سلسلے میں ہے فَکُلُوْا مِمَّآ اَمْسَکْنَ عَلَیْکُمْ ..... (۵/۴) ۔ ''جس شکار کو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں ۔ اس میں سے کھاؤ'' ۔

م س و (ی)

اَلْمَسَاءُ ۔ شام کے وقت کو کہتے ہیں ۔ صَبَاحٌ کی ضد ہے ۔ مَسَاکَ فُلَانٌ وَاَمْسٰی وَمَسّٰی ۔ فلاں آدمی نے تجھ سے کسی بات کا وعدہ کیا مگر پھر اس نے اس کے پورا کرنے میں دیر لگا دی ۔ مَسَّاکَ اللّٰہُ بِالْخَیْرِ ۔ خدا تمہاری شام بھلائی کے ساتھ گزارے ۔ اَلْمُسْیُ وَالْمِسْیُ ۔ شام کا وقت *** ۔ اَمْسٰی ۔ وہ شام کے وقت میں داخل ہؤا ۔

ابن القوطیہ نے کہا ہے کہ اَلْمَسَاءُ ظہر سے مغرب تک کے درمیانی وقت کو کہتے ہیں ۔ محمد نے کہا ہے کہ اَلْمَسَاءُ کا لفظ دو وقتوں پر بولا جاتا ہے ۔ ایک تو زوالِ آفتاب کے وقت پر اور دوسرے اس وقت پر جب آفتاب غروب ہو ** ۔ عرب کے لوگ مَسَاءٌ کا لفظ کنایۃً تباہی اور شر کے لئے ،اور صَبَاحٌ کا لفظ مسرت اور خیر و برکت کے لئے بولتے ہیں ** ۔

قرآن کریم میں ہے فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ (۳۰/۱۷) ''پس اللہ کے لئے پاکیزگی ہے جب تم شام کے وقت میں داخل ہوتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو'' ۔ یہ اس کا عام ترجمہ ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی ذات زمان (Time) کے تعینات سے بلند ہے ۔ صبح ،شام (یا رات دن) کے امتیازات تمہارے لئے ہیں ۔ خدا کی ذات ان تحدیدات اور تعینات سے بہت بلند ہے ۔

---

* تاج و محیط ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔

۴

مسیح

حضرت عیسٰے ؑ کا دوسرا نام (۳/۴۴) یا لقب - تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان م - س - ح - نیز عیسٰی ؑ - (آپ کی زندگی کے تفصیلی حالات میری کتاب شعلۂ مستور" میں ملینگے)-

م ش ج

مَشَجَ بَیْنَھُمَا - اس نے دونوں کو باھمدگر خلط ملط کر دیا - ملا دیا * - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ھیں - شَیْئٌ مَشِیْجٌ وَمَشْجٌ - ملی ھوئی چیز - اسکی جمع اَمْشَاجٌ ھے *-

قرآن کریم میں ھے - اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ (۷۶/۲) - ھم نے انسان کو اس نطفہ (مادہ) سے پیدا کیا جس میں مختلف جوھر امکانی شکل میں(Potentialities)مخلوط ھوتے ھیں - اس سے رحم مادر میں جنین وجود میں آجاتا ھے - نَبْتَلِیْہِ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا(۷۶/۲)- پھر ھم ایسا انتظام کر دیتے ھیں کہ جنین کے ان مضمر جوھروں کی نمود ھو جائے تا آنکہ وہ صاحب سماعت و بصیرت بن جائے -

م ش ی

مَشْیٌ - پیدل چلنا - راغب نے کہا ھے کہ مَشْیٌ کے معنی ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف اپنے ارادے سے منتقل ھونے کے ھیں - مجازاً مَشْیٌ کے معنی راہ پا جانے اور رھنمائی حاصل کرنے کے بھی آتے ھیں ** - اَلْمَاشِیَۃُ (جمع اَلْمَوَاشِی) اونٹ بکری وغیرہ چوپایوں کو کہتے ھیں - تاج العروس میں ھے کہ دراصل مَشَاءٌ کے معنی کثرت اور نشو و نما کے ھیں - چنانچہ اِمْرَاَۃٌ مَاشِیَۃٌ اس عورت کو کہتے ھیں جس کے بہت بچے ھوں ** - ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) انسان وغیرہ کی حرکت - اور (۲) نمو اور زیادتی کے ھیں -

قرآن کریم میں قَامُوْا کے مقابلہ میں مَشَوْا آیا ھے (۲/۲۰)- یعنی چلنا- سورہ اعراف میں ھے - اَلَھُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِھَا (۷/۱۹۵) - کیا ان کے پاؤں ھیں جن کے ذریعہ وہ چل سکتے ھیں ؟

---

*تاج و راغب - **تاج و محیط-

سورہ قلم میں مَشَّاءٍ بِنَمِیْمٍ آیا ہے (۶۸/۱۱)۔ اسکے معنی ہیں وہ شخص جو بہت زیادہ اِدھر کی باتیں اُدھر پہنچاتا رہے۔ کبھی اس کے پاس پہنچے کبھی اُس کے پاس جائے، اور اسطرح لوگوں کی چغلیاں کھاتا پھرے۔

م ص ر

اَلْمِصْرُ۔ دو چیزوں کے درمیان حد کو کہتے ہیں۔ شہر کو مِصْرٌ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مَمْصُوْرٌ یعنی محدود ہوتا ہے۔ اس کے گردا گرد حد بندی کی جاتی ہے۔ مِصْرٌ کے معنی ہیں کوئی شہر یا علاقہ۔ اور مِصْرٌ۔ ملک مصر (Egypt) کو کہتے ہیں۔ سرخ مٹی کو بھی مِصْرٌ کہتے ہیں *۔

قرآن کریم میں مِصْرٌ (بمعنی شہر) سورہ بقرہ (۲/۶۱) میں آیا ہے۔ میدانوں کی بے پایاں وسعتوں کے مقابلہ میں، محدود بستی۔

مُصَیْطِر

اسکا مادہ س۔ ط۔ ر ہے۔ اسے اُسی عنوان کے تابع دیکھئے۔

م ض غ

اَلْمُضْغَۃُ۔ گوشت کا ٹکڑا۔ (گوشت کے علاوہ دوسری چیزوں کے ٹکڑے کو بھی کہہ سکتے ہیں)۔ مُضْغَۃٌ مِنَ اللَّحْمِ۔ گوشت کی اتنی مقدار کو کہتے ہیں جو چبانے کے لئے منہ میں ڈالی جا سکے۔ اَلْمَضَاغُ۔ جو چیز چبائی جائے۔ مَضَغَہٗ یَمْضَغُہٗ مَضْغاً۔ کسی چیز کو دانتوں سے چبانا *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔

قرآن کریم میں جنین (رحم میں بچے) کی مختلف حالتوں میں سے ایک حالت کو مُضْغَۃٌ (۲۲/۵) کہا گیا ہے۔ یعنی وہ حالت جس میں جنین ایک گوشت کے لوتھڑے کے مانند ہوتا ہے (اور اس میں ہنوز ہڈیاں سخت نہیں ہوتیں)۔

م ض ی

مَضَی الشَّیْءُ۔ یَمْضِیْ۔ کسی چیز کا (پہلے) گزر جانا اور چلے جانا۔ مَضَی السَّیْفُ مَضَاءً۔ تلوار نے کاٹ دیا (تیز ہونے کی وجہ سے)۔

*تاج و محیط و راغب۔

اَلْمَاضِیْ ۔ شیر ، کیونکہ وہ اپنی جرأت کی وجہ سے آگے ہی آگے رہتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اسے کر گزرتا ہے ۔ تلوار (جو تیز ہو) کیونکہ وہ جس چیز پر ماری جاتی ہے اُسے کاٹ دیتی ہے *۔

قرآن کریم میں ہے ۔ فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ (۸/۳۸) ۔ امم سابقہ کی سنت گذر چکی ہے ۔ تاریخی وقائع و حوادث سے مراد ہے ۔

م ط ر

اَلْمَطَرُ ۔ بارش * ۔ (۲۵/۴۰) ۔ الْاِمْطَارُ ۔ عذاب کی بارش کے لئے بھی بولتے ہیں * ۔ راغب نے کہا ہے کہ مَطَرَ اس بارش کے لئے بولتے ہیں جسکے نتائج خوش گوار اور بھلے ہوں ۔ اور اَمْطَرَ اس کے لئے جو نقصان رساں ہو** ۔ ابن فارس کہتا ہے کہ اُمْطِرَ (مجہول) صرف عذاب ہی کے لئے آتا ہے ۔ قرآن کریم میں قوم لوط کے عذاب کے متعلق ہے ۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا (۲۷/۸۴) '' اور ہم نے ان پر ایک بارش برسائی ۔ مُمْطِرٌ ۔ بارش لانے والا ۔ هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا (۴۶/۲۴) ۔ یہ بادل ہم پر مینہ برسانے والا ہے ۔

م ط ی (و)

مَطَا ۔ مَطْوًا ۔ اس نے چلنے میں پورا زور لگایا اور تیز چلا ۔ مَطْوَاءٌ ۔ انگڑائی ۔ بیشتر بخار کے وقت آنے والی انگڑائی کو کہتے ہیں ۔ اسی سے مَطَا وَتَمَطّٰی کے معنی بڑھنا ، لمبا ہونا ، دراز ہونا ، ہو گئے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ چنانچہ تَمَطّٰی النَّهَارُ کے معنی ہیں دن نے انگڑائی لی ۔ یعنی طلوع آفتاب کے بعد اس نے بڑھنا شروع کیا ۔ اَلتَّمَطِّیْ کے معنی ہیں اکڑ کر چلنا ۔ اترائے ہوئے جانا ۔ چلنے میں ہاتھوں کو بڑھانا اور پھیلانا ***۔ راغب نے لکھا ہے کہ المَطَا پشت کو کہتے ہیں اور تَمَطّٰی کے معنے ہیں اپنی پیٹھ کو اونچا کرنا اور بڑھانا ۔ (اکڑنے میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے) ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ ذَهَبَ اِلٰی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی (۷۵/۳۳) ۔ '' وہ اپنے ساتھیوں کی طرف اتراتا ہوا گیا ''۔

مع

مَعَ ۔ ساتھ ۔ یہ لفظی و معنوی دونوں معینوں کے لئے بولا جاتا ہے ۔ جسمانی معیت کے لئے قرآن کریم میں ہے ۔ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ (۱۲/۳۶) ۔ '' اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان داخل ہوئے ''۔ اور معنوی معیت

*تاج ** راغب ۔ ***تاج و راغب ۔

کے لئے - وَ اللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (۸/۶۶) - ''اور اللہ صابرین کے ساتھ ہے'' - اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ اور صابرین کسی مقام پر (ایک جگہ) اکٹھے ہوجاتے ہیں - یا اللہ صابرین کے زمرے میں شامل ہوجاتا ہے - اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ کی تائید و نصرت صابرین کے ساتھ ہوتی ہے -

کبھی یہ عِنْدَ - یعنی ''پاس'' - کے معنوں میں بھی آتا ہے - جیسا کہ کہتے ہیں - جِئْتُ مِنْ مَعِ الْقَوْمِ - میں قوم کے پاس سے آیا

م ع ز

مَعْزٌ (جمع - واحد مَاعِزٌ) بکری* - (۶/۱۴۴) - گٹھیلے بدن والے قوی آدمی کو بھی اَلْمَاعِزُ کہتے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں شدت اور صلابت کے ہیں - اور بکری کو اَلْمَعْزُ اس لئے کہتے ہیں کہ ضَاْنٌ (بھیڑ) کے مقابلہ میں اس میں ایک طرح کی سختی ہوتی ہے -

م ع ن

اَلْمَعْنُ - معمولی اور حقیر چیز - ایک طرف یہ قصیر اور قلیل کے لئے استعمال ہوتا ہے اور دوسری طرف ، طویل اور کثیر کو بھی کہتے ہیں - زمین کے اوپر بہنے والا پانی - اَلْمَاعُوْنُ - ہر بھلائی - بارش - کیونکہ وہ خدا کی طرف سے بلا مشقت مل جاتی ہے - پانی - ہر وہ چیز جس سے نفع اٹھایا جائے - ہر وہ چیز جو یونہی بلا مشقت مل جائے اور اس سے نفع اٹھایا جائے - وہ چیزیں جو مانگنے والوں سے روکی نہ جائیں - سامانِ نشو و نما - مَعَنَ الْفَرَسُ - گھوڑا دوڑتے ہوئے دور نکل گیا - مَعَنَ الْمَاءُ - پانی بہا - مَعَنَ النَّبْتُ - پودے پانی سے سیراب ہو گئے - مَعِیْنٌ - جاری پانی جو کھلا ہوا بہ رہا ہو** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے بہنے یا چلنے وغیرہ میں سہولت کے ہیں - یعنی آسانی سے کسی کام کا ہو جانا -

قرآن کریم میں ہے - ذَاتِ قَرَارٍ وَ مَعِیْنٍ (۲۳/۵۰) - ایسی سر زمین جو ہموار ہو اور اس میں پانی جاری ہو - سورۃ ماعون میں ہے وَ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷/۷) - وہ ان چیزوں کو روک رکھتے ہیں جو خدا کی طرف سے منفعتِ عامہ کے لئے ملی ہیں - یعنی سامان نشو و نما جسے بہنے پانی کی طرح عام ہونا چاہئے*** - جسے آبِ رواں کی طرح ہر ضرورتمند کے دروازے کے سامنے سے گزرنا چاہئے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق لے لے -

---

*تاج - **تاج و محیط و لطائف اللغۃ - ***ابن قتیبہ (القرطبی - ج/۲ صفحہ ۲۱۹)

بعض نے کہا ہے کہ مَعِیْنٌ عَیْنٌ سے ہے* ۔ اسی لئے اسے عَیْنٌ (ع ۔ ی ۔ ن) کے عنوان کے تحت بھی لکھا گیا ہے ۔ وہاں بھی دیکھ لینا چاہئے ۔

م ع ی

اَلْمَعْیٌ ۔ اَلْمِعِیُّ ۔ آنت ۔ (جمع اَمْعَاءٌ) ۔ اَلْمَعَایَۃُ ۔ ٹکڑے ٹکڑے کاٹی ہوئی چیز ۔ تَمَعَّی اللَّشْرُ فِیْمَا بَیْنَھُمْ ۔ شر اُن کے درمیان پھیل گیا ** ۔ قرآن کریم میں جہنم کے گرم پانی کے متعلق ہے کہ وہ حیات بخش ہونے کی بجائے ہلاکت آفریں ہوگا ۔ فَقَطَّعَ اَمْعَاءَھُمْ (۴۷/۱۵) ۔ اور اُن کی انتڑیاں کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا ۔ ان کی حیاتِ انساتی منقطع ہو جائیگی ۔ یا زندگی بخش ذرائع ختم ہو جائینگے ۔ سامان و ذرائعِ نشو و نما سے محرومی ہو جائیگی ۔ (غذا کو جزوِ بدن بنانے کا بڑا ذریعہ انتڑیاں ہوتی ہیں) ۔

م ق ت

اَلْمَقْتُ ۔ سخت بغض اُس شخص کے خلاف جسے تم دیکھو کہ وہ برے کام کا خوگر ہو گیا* ۔ نِکَاحُ الْمَقْتِ ۔ باپ کے مر جانے پر اسکی منکوحہ سے نکاح کر لینا ، جاہلیت میں عربوں میں ایسے نکاح ہوتے رہتے تھے*** ۔ قرآن کریم نے اسکی سخت ممانعت کی ہے (۴/۲۲) ۔ ویسے عام نفرت اور بیزاری کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے ۔ لَمَقْتُ اللّٰہِ اَکْبَرُ مِنْ مَقْتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ (۴۰/۱۰) ۔ اللہ کی بیزاری تمہاری اپنی بیزاری سے کہیں بڑھ کر ہے ۔ لیکن مَقْتُ اللّٰہِ کے معنی ہونگے انسان کے برے اعمال کے ناخوش گوار نتائج جو قانون خداوندی کے مطابق مرتب ہوتے ہیں ۔ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۶۱/۳) ۔ ”اللہ کے نزدیک یہ نہایت ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ کچھ کہو جو کچھ کرتے نہیں ہو“ ۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوانات غ ۔ ض ۔ ب اور س ۔ خ ۔ ط وغیرہ) ۔

م ک ث

اَلْمَکْثُ ۔ کسی جگہ پر انتظار کے ساتھ جم کر رہنا ۔ اَلْمَاکِثُ ۔ کسی جگہ انتظار میں ٹھہرنے والا ۔ اَلْمُتَمَکِّثُ ۔ منتظر ۔ اَلْمَکَاثُ ۔ دیر کرنا ۔ ٹھہرنا ۔ انتظار کرنا ۔ اَلتَّمَکُّثُ ۔ کسی کے انتظار میں ٹھہرے رہنا**** ۔

---

* راغب ۔ ** تاج و محیط ۔ *** تاج ۔ **** تاج و محیط و راغب ۔

قرآن کریم نے کہا ہے کہ تم بقا چاہتے ہو - تمہاری آرزو یہ ہے کہ جریدۂ عالم پر تمہارا دوام ثبت ہو جائے - تم زندۂ جاوید ہو جاؤ - تمہارے کارنامے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہیں - تو اس کے لئے اس بنیادی اصول کو سمجھ لو کہ مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ (۱۳/۱۷) - جو چیز تمام نوع انسانی کے لئے نفع رساں ہوگی وہی دنیا میں باقی رہے گی - طبعی دنیا میں بقائے اصلح (Survival of the fittest) کا قانون کارفرما ہے - لیکن دنیائے انسانیت میں "بقائے نافع" کا قانون نفاذ پذیر ہے - لہذا باقی رہنا چاہتے ہو تو وہ کچھ کرو جو انسانیت کے لئے منفعت بخش ہو - جس سے ربوبیتِ عامہ ہو جائے - اسکی نفع بخشیاں کسی خاص گروہ، خاص قوم، خاص ملک تک محدود نہ ہوں بلکہ وہ تمام نوع انسانی کے لئے یکساں طور پر کھلی ہوں - یہی اسلام کا مقصود اور قرآنی نظام ربوبیت کا مطلوب ہے - کیونکہ اس کا خدا "رب العالمین" ہے -

سورۃ بنی اسرائیل میں ہے - وَقُرْآنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا (۱۷/۱۰۶) - قرآن کریم کو ہم نے بتدریج نازل کیا ہے - اور اس کے مضامین کو الگ الگ بیان کیا ہے تاکہ تو اسے اسی طرح سے، ٹھہر ٹھہر کر، بتدریج لوگوں کے سامنے پیش کرے - سورۃ نمل میں ہے - فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ (۲۷/۲۲) - وہ تھوڑا عرصہ ٹھہرا - سورۃ قصص میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے اہل سے کہا اُمْكُثُوْٓا (۲۸/۲۹) - تم یہاں ٹھہرو -

م ک ر

اَلْمَكْرُ - خفیہ تدبیر - چنانچہ جب غلہ کو گھروں میں چھپا کر رکھ لیا جائے (احتکار) تو اسے بھی اَلتَّمْكِيْرُ کہتے ہیں - جنگ کی تدبیر اور حیلہ کو بھی اَلْمَكْرُ کہتے ہیں* -

صاحب المنار نے لکھا ہے کہ مَكْرٌ اس خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں جو اس شخص کو جس کے خلاف یہ تدبیر کی جائے اس مقام تک پہنچا دے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو** -

قرآن کریم میں، نظام خداوندی کی مخالفت کرنے والوں کی سازشوں کو مَكْرٌ کہا گیا ہے - اور جماعتِ مومنین کی طرف سے ان کے جواب یا خدا

*تاج - **المنار ج/۳ صفحہ ۳۱۵ -

کے قانون مکافات کی رو سے ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج کو بھی مَکْرٌ ھی سے تعبیر کیا گیا ھے ۔ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ ۔ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ (۸/۳۰)۔ وہ تمہارے خلاف تدبیریں کر رھے تھے اور خدا (کا قانون) ان کے خلاف تدبیریں کر رھا تھا ۔ خدا کی تدبیریں بہترین ھوتی ھیں ۔ بڑی مؤثر اور کارگر۔

م ک ک

مَکَّ النَّعَظْمَ ۔ اس نے ھڈی کو اس طرح چوس لیا کہ اس کا گودا سب صاف کر دیا* ۔ (ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ھیں ۔) مَکَّ الْفَصِیْلُ مَا فِیْ ضَرْعِ اُمِّہٖ ۔ اونٹنی کے بچے نے وہ تمام دودھ چوس لیا جو اس کی ماں کے تھن میں تھا ۔ مَکَّۃَ ۔ اس نے اسے ھلاک کر دیا ۔ کم کر دیا* ۔

مَکَّۃُ ۔ یعقوب نے کہا ھے کہ مَکَّۃُ پورے حرم کو کہتے ھیں ۔ اور بَکَّۃُ شہر مکہ کو کہتے ھیں ۔ مَکَّۃُ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ھے ۔ مثلاً (۱) اسے اس لئے مَکَّۃُ کہتے ھیں کہ وہ گناھوں کو کم کر دیتا یا فنا کر دیتا ھے ۔ (۲) چونکہ اس شہر میں پانی بہت کم تھا اس لئے یہاں کے باشندے یہاں کا پانی گویا چوس ڈالتے تھے یا سب کا سب نکال لیتے تھے ۔ (۳) مَکٌّ کے معنی جذب کرنے اور کھینچنے کے بھی آتے ھیں ۔ یہ شہر چونکہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا اور جذب کرتا ھے اس لئے اسے مَکَّۃُ کہتے ھیں ۔ (۴) بَکٌّ کیطرح مَکٌّ بھی اژدھام کو کہتے ھیں ۔ اور چونکہ اس شہر میں لوگوں کا ھجوم ھوتا ھے اس لئے اسے مَکَّۃُ یا بَکَّۃُ کہتے ھیں ۔ (۵) مُکَاکٌ اور مُکَاکَۃٌ ۔ ھڈی سے نکالے ھوئے مغز اور گودے کو کہتے ھیں* جو ھڈی کے وسط میں ھوتا ھے ۔ چونکہ یہ شہر دنیا کے شہروں کا مغز ھے اس لئے اسے مَکَّۃُ کہتے ھیں ۔ قرآن کریم میں مَکَّۃُ اس شہر کے لئے آیا ھے جس میں مسجد حرام ھے ۔ (۴۸/۲۴) ۔ اسی کو بَکَّۃُ بھی کہا گیا ھے (۳/۹۶) ۔ [دیکھئے عنوان ب ۔ ک ۔ ک] ۔

مَکَّۃُ

مکۂ معظمہ ۔ (دیکھئے عنوان م ۔ ک ۔ ک اور ب ۔ ک ۔ ک) ۔

*تاج و راغب ۔

م ک ن

المَکِینَۃ ۔ تمکن و اقتدار کو اور المَکْنَۃُ ۔ قدرت و استطاعت کو کہتے ہیں ۔ اَلْمَکَانَۃُ ۔ وقار اور سکون کو کہتے ہیں ، اور المَکَانُ اس جگہ کو جو کسی چیز کو محیط اور اس پر حاوی ہو* ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اَلْمَکْنَاتُ پرندوں کے گھونسلوں کو کہتے ہیں ۔ [بعض کے نزدیک مَکَانٌ کا مادہ (ک ۔ و ۔ ن) ہے] ۔ نیز اس کے معنی سمت اور جہت کے بھی آتے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے وَ یَاْتِیْہِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ (۱۴/۱۷) ۔ ہر سمت سے اس کی طرف موت آ رہی ہوگی ۔ (یہ مَکَانٌ ک ۔ و ۔ ن سے ہے) ۔

سورۃ نساء میں ہے زَوْجٍ مَکَانَ زَوْجٍ (۴/۲۰) ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی ۔ سورۃ یونس میں مَکَانَتِکُمْ (۱۰/۲۸) ۔ اپنی جگہ پر ٹھہرنے کے لئے آیا ہے ۔

مَکُنَ الشَّیْءُ ۔ چیز قوی اور مضبوط ہوگئی ۔ راسخ ہوگئی ۔ اپنی جگہ پر جم گئی ۔ اَمْکَنَ فُلَانًا الْاَمْرُ ۔ فلاں آدمی کے لئے وہ کام آسان اور سہل ہوگیا ۔ اسے اس پر قدرت حاصل ہوگئی ۔ تَمَکَّنَ مِنَ الْاَمْرِ ۔ وہ اس پر قادر اور کامیاب ہوگیا* ۔

اس اعتبار سے مکان کے معنی قدر و منزلت اور رتبہ اور درجہ کے آتے ہیں ۔ وَ رَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا (۱۹/۵۷) ۔ اور ہم نے اسے بلند مرتبہ عطا کیا ۔ استطاعت اور مقدرت کے معنوں میں سورۃ انعام میں ہے ۔ اِعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ (۶/۱۳۵) ۔ تم اپنی استطاعت بھر ، اپنی پوری پوری طاقت کے مطابق ، جو کچھ کرنا چاہتے ہو اپنے پروگرام کے مطابق کرو ۔ سورۃ یٰسٓ میں ہے ۔ لَمَسَخْنٰھُمْ عَلٰی مَکَانَتِھِمْ (۳۶/۶۷) ۔ ہم ان کی طاقت اور مقدرت کے باوجود انہیں مٹا ڈالیں ۔ ان کی قوت و مقدرت کو کمزور و ناتواں بنا دیں ۔ مَکِیْنٌ ۔ زبردست قدرت اور منزلت والا ۔ جو اپنی جگہ پر مضبوطی سے جم کر بیٹھ جائے ۔ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ (۸۱/۲۰) ۔ صاحب عرش کے نزدیک قدر و منزلت والا ۔ مَکَّنَ ۔ جما دینا ۔ مضبوط بنا دینا ۔ قرار گیر بنا دینا ۔ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمْ (۲۴/۵۵) ۔ وہ ان کے دین کو ان کے لئے قائم اور مضبوط کردیگا ۔ جو نظام زندگی ان کے لئے تجویز کیا گیا ہے اسے متمکن فی الارض کردیگا ۔ نیز اس کے معنی حکومت عطا کرنا بھی ہیں ۔ کَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ (۱۲/۵۶) ۔ اسطرح ہم نے یوسف کو اس

*تاج ۔ **محیط ۔

ملک میں حکمرانی عطا کر دی۔ اسے صاحب اختیارات بنا دیا ۔ اَمْکَنَہٗ مِنَ الشَّیْءِ ۔ اسے کسی چیز پر غلبہ اور قابو دے دیا ۔ سورہ انفال میں ہے ۔ فَاَمْکَنَ مِنْھُمْ (۸/۱۷) سو اللہ نے ان پر قابو پا لیا ۔

قرآن کریم نے اپنی صداقت کے پرکھنے کے لئے تین معیار بتائے ہیں ۔ یا تو اپنے دور کے علمی دلائل سے اس پر غور کرو ۔ یا تاریخی شواہد سے دیکھو کہ سابقہ اقوام نے جب غلط روش اختیار کی تو اس کا نتیجہ کیا نکلا ۔ اور یا استنتاجی طریق (Pragmatic test) کے ذریعے اسکی صداقت کو پہچانو (۳۹/۱۰) ۔ استنتاجی طریق کے معنی یہ ہیں کہ اس نظام کو قائم ہو کر اپنے نتائج پیدا کرنے دو ۔ نتائج سے خود بخود معلوم ہو جائیگا کہ اس کا دعوی سچا ہے یا نہیں ۔ اسے اپنے دعوی کی صداقت پر اسقدر محکم یقین ہے کہ وہ اس استنتاجی طریق پر بڑا زور دیتا ہے ۔ چنانچہ نبی اکرمؐ اپنے مخالفین سے بار بار کہتے ہیں کہ اِعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ ۔ تم اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق اپنی جگہ، اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتے جاؤ ۔ اِنِّیْ عَامِلٌ ۔ میں اپنی جگہ، اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتا ہوں ۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَکُوْنُ لَہٗ عَاقِبَۃُ الدَّارِ (۶/۱۳۶) ۔ عنقریب (نتائج سے) معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار اس گھر (دنیا) کی کامیابی و کامرانی کس کے حصہ میں آتی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۶/۱۳۶) ۔ تم دیکھ لوگے کہ خدا کا یہ قانون کسقدر سچا ہے کہ جو قوم نوع انسانی کے حقوق میں کمی کرتی ہے اور خدا کے قوانین سے سرکشی برتتی ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی ۔ اسلام کو سچا ثابت کرنے کا یہ طریقہ تھا ۔ یعنی اس کے عملی نظام کے نتائج سے دنیا پر واضح کر دینا کہ یہ نظام کسطرح بے مثل و بے نظیر ہے ۔ یہ تھا اسلام کا دعوی ۔ اور اب حالت یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کے نظری دلائل سے کچھ متاثر بھی ہوتے ہیں وہ مسلمانوں کی عملی حالت دیکھ کر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں کہ جس "مذہب" پر چلنے والوں کی یہ حالت ہو وہ کس طرح نوع انسانی کی فلاح و فوز کا ضامن بن سکتا ہے ؟ اور اس پر بھی جب مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ تم جس "مذہب" پر چل رہے ہو یہ خدا کا وہ دین نہیں جو اس نے رسول اللہؐ کی وساطت سے بھیجا تھا تو انہیں اسقدر غصہ آجاتا ہے کہ وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں ۔ اس لئے کہ انہوں نے اعمال کو ان کے نتائج سے پرکھنے کے قرآنی معیار کو نظر انداز کر رکھا ہے ۔ اب ان کے پاس کوئی کسوٹی ہی نہیں جس سے اس کا فیصلہ کیا جاسکے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ

ٹھیک ہے یا غلط - اسکی کسوٹی صرف ایک ہے - اور وہ یہ کہ اعمال کے جو نتائج قرآن کریم نے بتائے ہیں ، اگر ہمارے اعمال سے وہ نتائج مرتب ہو رہے ہیں تو وہ اعمال صحیح طور پر سرانجام پا رہے ہیں - اگر وہ نتائج برآمد نہیں ہو رہے ، تو وہ اعمال صحیح طور پر سرانجام نہیں پا رہے - یہ ٹھیک ہے کہ بعض اعمال کے نتائج مرنے کے بعد مرتب ہونگے لیکن یہ صحیح نہیں کہ تمام اعمال کے نتائج مرنے کے بعد ہی مرتب ہونگے اور اس دنیا میں کسی عمل کا نتیجہ سامنے نہیں آئیگا - قرآن کریم کی رو سے اعمال کے نتائج اس دنیا میں بھی نتیجہ خیز ہوتے ہیں اور یہی وہ نتائج ہیں جن سے اعمال کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے - اس دنیا کی ذلت و خواری خدا کا عذاب ہے اور قرآنی پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے بعد یہ باقی نہیں رہ سکتی -

م ک و

مَکَا - یَمْکُوْ - مُکَاءٌ - سیٹی بجانا * - ابن فارس نے کہا ہے کہ ہاتھوں کو ایک خاص ہیئت سے اکھٹا کرکے سیٹی کی آواز نکالنے کو کہتے ہیں - راغب نے مَکَا الطَّیْرُ کے معنی پرندہ کے سیٹی جیسی آواز نکالنے کے لکھے ہیں** - اَلْمُکَّاءُ - ایک چھوٹا سا پرندہ ہوتا ہے جو باغات میں رہتا ہے * - (اس کا یہ نام اس لئے پڑا ہے کہ اسکی آواز سیٹی کی آواز سے مشابہ ہوتی ہے) - قرآن کریم میں عہد جاہلیہ کے عربوں کے متعلق ہے - مَا کَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُکَاءً وَّ تَصْدِیَةً (۸/۳۵) - خانہ کعبہ کے قریب ان کی صلوۃ بے معنی آوازوں اور بے مطلب حرکتوں کے سوا کچھ نہیں - یعنی ایسی نماز جس میں محض چند الفاظ (بلا سمجھے) دہرا لئے جائیں اور چند حرکات ادا کر دی جائیں - سوچئے کہ کیا آج ہماری نمازیں بھی بالعموم یہی کچھ بن کر نہیں رہ گئیں ؟ چند الفاظ کا دہرانا جنکا مفہوم نہ سمجھا جائے - اور چند حرکات جن کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو کہ ایسا کیوں کیا جاتا ہے - حالانکہ قرآن کریم نے جس صلواۃ کا حکم دیا تھا وہ قلب و دماغ کی تطہیر اور معاشرہ میں صالح انقلاب لانے کا ذریعہ تھی - اس میں ہر شخص کو معلوم ہوتا تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں - کیوں ایسا کر رہا ہوں - اور اس کا نتیجہ کیا مرتب ہوگا - دین (نظام خداوندی) کے پروگرام کی ہر کڑی ایک غایت لئے ہوتی ہے اور انسانیت کے بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے - لیکن جب دین کا مقصود نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو اس کے پروگرام کی یہ

*تاج - **راغب -

حیات بخش کڑیاں ، محض رسم بنکر رہ جاتی ہیں جن کی ادائیگی مقصود بالذات سمجھ لی جاتی ہے ۔ اس مقام پر دین ، ''مذہب'' بنکر رہ جاتا ہے ۔

م ل أ

مَلَأَ الشَّيْئَ يَمْلَأُهُ مَلْأً ۔ کسی چیز کو بھر دیا ۔ فَامْتَلَأَ ۔ پس وہ بھر گئی ۔ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ (۳۸/۸۵) ۔ میں ضرور جہنم کو بھر دونگا ۔ مِلْءٌ ۔ وہ مقدار جس سے کوئی چیز بھر جائے* ۔ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا (۳/۹۱) ۔ زمین بھر سونا ۔ مَالِئُوْنَ ۔ بھرنے والے (۳۷/۶۶) ۔

اَلْمَلَأُ ۔ باہم مشورہ کرنا ۔ نیز جماعت ۔ جتھا ۔ قوم کے سردار و شرفاء ۔ رؤساء و امراء و اکابر وغیرہ* ۔ اَلْمَلَأُ الْأَعْلٰی (۳۸/۶۹) ۔ بڑے بڑے سردار ۔ بالاتر گروہ کے افراد ۔ لیڈر قسم کے لوگ ۔ دوسری جگہ نجومیوں اور کاہنوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اَلْمَلَإِ الْأَعْلٰی کی باتیں نہیں سن سکتے (۳۷/۸) ۔ یہاں اس سے مراد ہے عالم بالا کی بلند جماعتیں ۔ یعنی خدا کے عالم امر کے متعلقین ۔ مدبراتِ امورِ الٰہیہ ۔ اَلْمِيْلَاءُ و اَلْمُسْتَلَاءُ ۔ مال دار لوگ ۔ وہ جن کے پاس ضرورت کی تمام چیزیں بھری ہوئی ہوں ۔ جن کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں* ۔ قرآن کریم میں اَلْمَسْتَلَأُ بھی انہی معنوں میں آیا ہے ۔ یعنی وہ لوگ اَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۲۳/۳۳) ۔ جنہیں سامان زیست کی فراوانیاں حاصل تھیں ۔

قرآن کریم میں ہے کہ جس قوم میں بھی کوئی رسول آیا سب سے پہلے اس قوم کے دولت مند طبقہ نے اس کی مخالفت کی ۔ وَمَا أَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (۳۴/۳۴) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام ؑ ایسا پیغام لاتے تھے جس کی سب سے بڑی زد دولت مند طبقہ پر پڑتی تھی ۔ اسی لئے وہ بڑھ چڑھ کر ان کے پیغام کی مخالفت کرتے تھے ۔ اگر محض ''پوجا پاٹ'' کا سوال ہوتا تو دولت مندوں کا اس سے کیا بگڑتا تھا جو وہ اس کی مخالفت کرتے ۔ دولت مند تو بلکہ ایسے کاموں میں بیش از بیش حصہ لیتے ہیں اور چندے دیتے ہیں ۔ قرآن کریم کی تصریحات اس پر شاہد ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ؑ جس انقلاب آفریں پروگرام کو لے کر آتے تھے اس میں رزق کے سرچشمے دولت مندوں کے ہاتھوں سے چھن

*تاج ۔

کر خدا کے قانونِ ربوبیت کے ہاتھوں میں آجاتے تھے ۔ یہ وجہ تھی کہ یہ طبقہ ہمیشہ اس انقلاب کی مخالفت کرتا تھا کیونکہ اس کی کامیابی میں انہیں اپنی موت دکھائی دیتی تھی ۔

یہی ہوتا چلا آیا ہے اور یہی ہوتا رہے گا ۔ آج بھی جہاں قرآنی انقلاب کی آواز اٹھیگی سرمایہ دار طبقہ اس کی مخالفت کرے گا اور مذہبی پیشوائیت اس مخالفت میں ان کے ساتھ ہوگی ۔

(نیز دیکھئے عنوان ت ۔ ر ۔ ف) ۔

م ل ح

اَلْمِلْحُ ۔ نمک ۔ سخت نمکین (کڑوا) پانی جو شیریں پانی کی ضد ہوتا ہے ۔ اَلْمَلَّاحُ ۔ نمک فروخت کرنے والا ۔ کشتی چلانے والا کیونکہ وہ ہمیشہ شور پانی میں رہتا ہے ۔ عرب ، نمک کو بڑی اہمیت دیتے تھے اس لئے ذمہ داری اور پاس خاطر کے لئے بھی اَلْمِلْحُ کا لفظ بولتے تھے ، اور حسن لطیف کے لئے بھی* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی سفید ہونے کے ہیں اور نمک کو مِلْحٌ اس کے سفید ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں ۔

قرآن کریم میں کڑوے ، سخت نمکین پانی کے لئے مِلْحٌ کا لفظ آیا ہے ۔ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ (۲۵/۵۳) ۔ وہ بہت سخت کھاری ہے ۔

م ل ق

مَلَقَ ۔ یَمْلِقُ ۔ مٹا دیا ۔ نرم کیا ۔ اَلْمَالَقُ ۔ اس لکڑی کے تختے کو کہتے ہیں جس سے ہل چلائی ہوئی زمین کو ہموار کیا جاتا ہے ۔ مَلَقَ الْاَرْضَ تَمْلِیْقًا ۔ لکڑی کے تختے سے زمین کو ہموار کرنا ۔ اسی سے ، کسی شخص کو ہموار (یا خوش) کرنے کے لئے جو چاپلوسی کی جاتی ہے اسے بھی تَمَلُّقٌ و مَلَقٌ کہتے ہیں ۔ اِنْمَلَقَ کے معنے ہیں چکنا اور ہموار ہونا ۔ اَلْمَلْقَةُ ۔ چکنے پتھر کو کہتے ہیں** ۔ اَلْمَلِیْقُ ۔ ضعیف اور کمزور کو کہتے ہیں جسے حوادث زمانہ نے رگید کر نرم و خوار کردیا ہو ۔ اور اَلْمُمْلِقُ اس شخص کو جس کے پاس کچھ نہ ہو ۔ اَمْلَقَ مَامَتَعَهٗ ۔ جو کچھ اس کے پاس تھا اسے خرچ کر دیا اور اس میں سے کچھ بھی نہ روکا ۔ احی سے رَجُلٌ اَمْلَقُ مِنَ الْمَالِ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ مال و دولت نہ رہے** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے کسی چیز سے عاری ہونے اور کسی چیز کے نرم ہونے کے ہیں ۔ اِمْلَاقٌ ۔ مفلسی ۔

*تاج ۔ **تاج و محیط ۔

قرآن کریم میں ہے کہ "لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ" (۶/۱۵۲) - اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے - یعنی اس خدشہ سے کہ تم اس سے مفلس ہو جاؤ گے (۱۷/۳۱) مار نہ ڈالو یا علم و تربیت سے محروم نہ رکھو - یاد رکھو! قرآنی نظام میں یہ ذمہ داری نظام کی ہوگی کہ تمہارے رزق کا بھی کفیل ہو اور تمہاری اولاد کے رزق کا بھی - "نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ" (۶/۱۵۲) - "ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں (تمہاری اولاد کو) بھی" - خدا کی اس قسم کی ذمہ داریاں، اس نظام کے ہاتھوں پوری ہوتی ہیں جو اس کے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے قائم ہو -

م ل ک

مُلْکٌ - قوت رکھنا - کسی چیز پر قادر اور مستولی ہو جانا * - اختیار و ارادہ - اتھارٹی - (Authority) - بنیاد محکم - وہ سہارا جس پر کوئی چیز قائم ہو ** - اسی لئے پانی اور غذا نیز دیگر اسباب و ذرائع کو بھی مِلْکٌ کہا جاتا ہے - عرب، لِیْ فِی الْوَادِیْ مِسْلَکٌ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس وادی میں چراگاہ، پانی، مویشی، سب موجود ہیں - چونکہ صحرا میں زندگی کا سب سے بڑا سہارا پانی ہوتا ہے اس لئے پانی کو مَسْلَکٌ کہتے ہیں - لَیْسَ لَهُمْ مَسْلَکٌ کے معنی ہیں ان کے پاس پانی نہیں - ان کے ہاں محاورہ ہے اَلْمَاءُ مَلَکَ اَمْرَهٗ - پانی ہر معاملہ کو درست کر دیتا ہے - یعنی جس کے پاس پانی ہو وہ اپنے معاملات میں آزاد ہوتا ہے اور اس کے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں *** -

جس ذریعے (یا چیز) سے کوئی معاملہ درست ہو جائے اور کمال کو پہنچ جائے - ایسے مِلَاکٌ الْاَمْرِ کہتے ہیں - اسی لئے مِلَاکٌ گارے کو بھی کہتے ہیں *** - (کیونکہ اس سے پتھروں کو جوڑتے اور درست کرتے ہیں تاکہ حوض یا تالاب کا پانی ضائع نہ ہونے پائے)-

مَلَکَ الْعَجِیْنَ یَمْلُکُهٗ - آٹے کو اچھی طرح گوندھنے کو کہتے ہیں جس سے اس کے سب اجزا یکساں ہو جائیں *** - نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ (م - ل - ک) کا خاصہ قوت اور شدت ہے **** -

مَلْکُ الطَّرِیْقِ (میم کی تینوں حرکات کے ساتھ) - راستہ کی حد، نیز راستے کے درمیانی یا بڑے اور واضح حصے کو کہتے ہیں *** - مَلْکُوْتٌ -

* محیط - ** لین - *** تاج و ابن فارس - **** العلم الخفاق -

عزت و اقتدار - حکومت و سلطنت - نیز ملکِ عظیم کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے - لیکن یہ اللہ تعالی کی مملکت کے لئے مخصوص ہے * - اس لئے کہ کائنات میں تمام اختیار و اقتدار اُسی کا ہے - وہی اسکی بنیاد اور سہارا ، اور اسکی تمام کار فرمائیوں کا مالک ہے -

مَالِک" کے معنی ہیں صاحب اختیارواقتدار - سورہ نحل میں لَا یَمْلِکُ" کی تفسیر لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ (۱۶/۷۳) نے کر دی ہے - اسی طرح مَمْلُوْک" کی تشریح لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ (۱۶/۷۵) نے کر دی - یعنی جسے کسی چیز پر کوئی اختیار نہ ہو - اور سورہ یٰس میں فَهُمْ لَهَا مَالِکُوْنَ کے بعد وَذَلَّلْنٰهَا (۳۶/۷۲) نے واضح کر دیا کہ مَالِک" وہ ہے جس کے تابع دوسرا ہو جائے - سورہ بقرہ میں (حضرت طالوت کے تذکرہ کے ضمن میں) جہاں بنی اسرائیل نے کہا ہے کہ وَابْعَثْ لَنَا مَلِکًا - (۲/۲۴۶)- تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارا کوئی کمانڈر مقرر کر دیجئے (نُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ) تاکہ ہم اس کی زیر کمان خدا کی راہ میں جنگ کریں - کمانڈر، صاحبِ اقتدار ہی کو کہتے ہیں - اس سے متصل آیت (۲/۲۴۷) میں بھی مُلْک" کے معنی اقتدار و اختیار (Authority) کے ہیں - اسی طرح مَا اَخْلَفْنَا مَوْعِدَکَ بِمَلْکِنَا (۲۰/۸۷) کے معنی ہیں " ہم نے جو وعدہ تیرے ساتھ کیا تھا اسکی خلاف ورزی اپنے اختیار و ارادے سے نہیں کی " * -

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ خدا کے مَالِک" ہونے میں جہاں اس کے کامل اختیار و اقتدار کا تصور ہے اسکے ساتھ ہی یہ تصور بھی ہے کہ اسکی یہ مالکیت استبداد کے لئے نہیں بلکہ کائنات کی اصلاح اور درستگی کے لئے ہے تاکہ اس کا نظم و نسق ٹھیک ٹھیک قاعدے اور قانون کے مطابق چلتا رہے اور ہر شے کو اسکی زندگی کی بنیادی ضروریات بہم پہنچتی رہیں -

قرآن کریم میں ایک اصطلاح آتی ہے - مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" - اس کے لفظی معنی ہیں " جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوئے " - یہ اصطلاح متعدد معانی میں استعمال ہوئی ہے - مثلاً —

(۱) ان لوگوں کے لئے جو کسی کی ماتحتی میں کام کر رہے ہوں - (Subordinates) - جو کسی کی اسکیم کو بروئے کار لانے کے لئے اُس کی ہدایات کے مطابق کام کریں - گھر کے ملازم وغیرہ بھی اسی ضمن میں آجاتے ہیں - (دیکھئے (۳۰/۲۸ ; ۲۲/۵۸ ; ۱۶/۷۱ ; ۳۰/۳۶) -

*تاج -

(۲) آن عورتوں کے لئے جو نکاح میں آچکی ہوں (۴/۲۴) ۔ اسی طرح سورہ نساء میں جہاں محرمات کی فہرست کے بعد کہا ہے کہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (۴/۲۴) ۔ تو اس میں اگر مُحْصَنٰتٌ کے معنی ''پاک دامن عورتیں'' لئے جائیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم پر تمام پاک دامن عورتیں حرام ہیں بجز ان کے جو تمہارے نکاح میں آجائیں ۔ اور اگر ''مُحْصَنٰتٌ'' کے معنی شوہر دار عورتیں ہوں (دیکھئے عنوان ح ۔ ص ۔ ن) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم پر تمام شوہردار عورتیں حرام ہیں بجز ان لونڈیوں کے جو اس سے پہلے تمہارے ہاں آچکی ہوں اگرچہ ان کے پہلے شوہر کہیں موجود ہوں ۔ (دیکھئے شق نمبر ۳)۔

لیکن سورہ ممتحنہ میں ہے کہ اگر کفار مکہ کی مومن عورتیں تمہاری طرف آجائیں تو انہیں ان کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ ۔ صرف ان کا خرچ کیا ہوا مال انہیں دیدو اور ان سے نکاح کر لو ۔ (۶۰/۱۰) یہ وہ ''شوہر دار عورتیں'' ہیں جن سے (اُن کے شوہروں کے ہوتے ہوئے) نکاح کی اجازت دی گئی تھی ۔ اس اعتبار سے (۴/۲۴) میں اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے مراد یہ عورتیں بھی ہو سکتی ہیں جن سے اسطرح نکاح کیا گیا تھا ۔

(۳) مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۔ لونڈیوں کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے (مثلاً ۲۳/۶ ؛ ۲۴/۳۳ ، ۳۳/۵۰)۔ لونڈیوں کے ضمن میں اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کے معاشرہ میں غلام اور لونڈیوں کا رواج عام تھا ۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو وہ لونڈیاں جو ان کے معاشرہ کے رواج کے مطابق ان کے گھروں میں موجود تھیں اسی طرح ان کے گھروں میں رہیں ۔ اگر ان لونڈیوں کو گھروں سے نکال دیا جاتا تو اس سے معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہوجاتیں ۔ اس لئے انہیں علی حالہ رہنے دیا گیا ۔ قرآن کریم نے ان لونڈیوں کے لئے بھی مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کی اصطلاح استعمال کی ہے ۔

یہ غلام اور لونڈیاں جنگ کے قیدی ہوتے تھے ۔ سورہ محمد میں جنگ کے قیدیوں کے متعلق واضح حکم آگیا کہ انہیں احساناً یا فدیہ لیکر رہا کرنا ہوگا (۴۷/۴) ۔ اس حکم کے بعد جنگ کے قیدیوں کو غلام بنانے کا رواج ختم ہو گیا اور اس طرح اسلام نے غلامی کے دروازے کو یکسر مسدود کر دیا ۔ کسی انسان کو خرید کر غلام بنا لینے کا تصور ہی اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے جو شرف و تکریم آدمیت کا علمبردار (۱۷/۷۰) ہے اور جو کسی انسان کو اس کا حق نہیں دیتا کہ وہ دوسرے انسان پر اپنا حکم چلائے (۳/۷۸) ۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کریم میں جہاں مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے الفاظ لونڈیوں کے لئے آئے ہیں وہ انہی لونڈیوں کے لئے ہیں جو نزول قرآن کے وقت عربوں کے معاشرہ میں موجود تھیں ۔ ان لونڈیوں کو آہستہ آہستہ آزاد معاشرہ کا جزو بنا لیا گیا ، اور نئی لونڈیاں بنانے کا سلسلہ از روئے قرآن ختم ہو گیا ۔ لہذا اب مسلمانوں کے ہاں لونڈیوں کا سوال ہی باقی نہیں رہا ۔ اب جو لوگ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے لونڈیوں کے جواز کی سند لاتے ہیں وہ قرآن کریم پر ظلم کرتے ہیں ۔ اب قرآن کریم میں مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے متعلق ہدایات کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی قوم حلقہ اسلام میں داخل ہو جس کے ہاں لونڈیاں موجود ہوں تو قرآن کریم کی یہ ہدایات ان کے لئے خضر راہ بنینگی ۔

(مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے ضمن میں ی ۔ م ۔ ن ۔ کا عنوان بھی دیکھئے)

[مَلٰٓئِكَةٌ کے لئے دیکھئے عنوان ا ۔ ل ۔ ک]

م ل ل

اَمْلَلْتُ الْكِتَابَ عَلَى الْكَاتِبِ ۔ میں نے کاتب کو کتاب املاء کرائی ۔ لکھائی* ۔ اس معنی میں یہ مادہ قرآن کریم میں (۲/۲۸۲) میں آیا ہے ۔ راغب نے کہا ہے کہ مِلَّةٌ کی اصل اسی سے ہے** ۔ اس صورت میں مِلَّةٌ کے معنی ہونگے لکھا ہوا قانون ۔

طَرِيْقٌ مَلِيْلٌ ۔ اُس واضح راستے کو کہتے ہیں جس پر بکثرت آمد و رفت ہوتی ہو ۔ اس اعتبار سے مِلَّةٌ کے معنی طریقہ اور راستہ کے ہونگے ۔ ان معانی کو ابو اسحٰق نے لکھا ہے ۔ اور اساس میں بھی اس کی تائید آئی ہے ۔ یہیں سے مَلَّةٌ کا لفظ نکالا گیا ہے جس کے معنی ایسی جگہ کے ہیں جہاں روٹی پکائی جاتی ہے کیونکہ اس جگہ پر آمد و رفت کی کثرت سے راستہ کے نشان پڑ جاتے ہیں ۔ نیز اَلْمَلَّةُ ۔ گرم ریت کو بھی کہتے ہیں جس میں روٹی پکائی جاتی ہے*** ۔ مناوی نے لکھا ہے کہ مَلَالٌ اس تکان اور دل برداشتگی کو کہتے ہیں جو کسی کام کو مسلسل کرنے سے پیدا ہو جائے**** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اکتا جانے اور تھک جانے کے ہیں ۔

قرآن کریم میں مِلَّةٌ کا لفظ مشرب و مسلک اور دینی طریقہ کے لئے آیا ہے ۔ حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (۲/۱۲۰) ۔ تا آنکہ تو ان کے طریقے (یا دین) کی پیروی کرنے لگے ۔ اسلام کو مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ (۲/۱۳۵) کہا گیا ہے ۔ یعنی وہ طریقہ جسے وحی خداوندی کی رو سے حضرت ابراہیم نے اختیار کیا تھا ۔

*محیط ۔ **راغب ۔ ***تاج ۔

م ل و (ی)

اِمْلاء کے معنی بڑھانے (ڈھیلا چھوڑنے اور مہلت دینے) کے آتے ہیں۔ اس لئے مدت طویلہ کو مَلاوَۃ مِنَ الدَّھْرِ و مَلِیٌّ مِنَ الدَّھْرِ کہتے ہیں* ۔ اَلْمَلِیُّ ۔ زمانہ کی طویل مدت** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے وَاھْجُرْنِیْ مَلِیًّا (۱۹/۴۶) ۔ تو ایک طویل مدت تک مجھ سے الگ ہو جا ۔ اَمْلَیْتُ الْبَعِیْرَ ۔ میں نے اونٹ کی پیکڑی میں (جس سے وہ بندھا تھا) کشادگی پیدا کر دی ۔ یعنی اسے ڈھیلا کر دیا** ۔ اس سے یہ لفظ مہلت دینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ وسعت کے معنوں میں سورۃ محمد میں شیطان کے متعلق ہے وَ اَمْلٰی لَھُمْ (۴۷/۲۵) ۔ وہ ان سے لمبے لمبے وعدے کرتا رہتا ہے ۔ بڑی اور لمبی چوڑی امیدیں بندھاتا رہتا ہے ۔ مہلت کے معنوں میں سورۃ اعراف میں ہے ۔ وَ اُمْلِیْ لَھُمْ (۷/۱۸۳) میں انہیں مہلت دیتا ہوں ۔

اَمْلَیْتُ الْکِتَابَ ۔ میں نے کتاب کو لکھوایا ۔ املاء کروایا ۔ یہ اصل میں اَمْلَلْتُ ہے* ۔ سورۃ بقرۃ میں ہے فَلْیُمْلِلْ (۲/۲۸۲) ۔ چاہئے کہ وہ لکھوائے ۔ سورۃ فرقان میں ہے فَھِیَ تُمْلٰی عَلَیْہِ (۲۵/۵) ۔ (اس کے لئے م ۔ ل ۔ ل کا عنوان بھی دیکھئے) ۔

مِمَّا

دیکھئے عنوان مِنْ اور عنوان مَا ۔ (مِنْ + مَا = مِمَّا) کبھی اس کے آخر کا الف حذف ہو جاتا ہے اور یہ میم رہ جاتا ہے ۔

مَنْ

مَنْ ۔ جو ۔ جس ۔ جو کوئی ۔ وَ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۱/۱۹) ۔ جو کوئی (یا جو کچھ) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں ہے وہ اللہ کے لئے ہے ۔

(۲) استفہامیہ معنوں میں ۔ یعنی کون ، کس ۔ جیسے مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (۳۶/۵۲) ۔ ہمیں کس نے ہماری خوابگاہ سے اٹھا دیا؟

*راغب ۔ **تاج ۔

مِن

مِنْ - حسب ذیل معانی کے لئے آتا ہے :-

(۱) "سے" کے معنوں میں - مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۱/۲) - مسجد حرام سے (یعنی وہ آغازِ سفر کا مقام تھا) -
اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ (۲۷/۳۰) - وہ سلیمان کی طرف سے ہے -

(۲) "کل میں سے بعض (اسے تبعیض کہتے ہیں) - مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ (۲/۲۵۳) - ان میں سے (بعض) وہ بھی ہیں جن سے خدا ہم کلام ہؤا -

(۳) پوری جنس کے لئے (اسے تبیین کہتے ہیں) - مثلاً - مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ (۳۵/۲) - اللہ جو رحمت بھی انسانوں کے لئے کھولتا (بھیجتا) ہے - اس کے یہ معنی نہیں کہ رحمت میں سے کوئی ایک حصہ بھیجتا ہے - رحمت جو بھی ہوگی اسے رحمت ہی کہا جائے گا - رحمت کا حصہ نہیں کہا جائے گا - اسی طرح سورۃ اعراف میں ہے - مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ آيَةٍ (۷/۱۳۲) جو نشانی بھی تو ہمارے پاس لائے ..... یعنی ہم تمام نشانیوں سے ایسا ہی برتاؤ کرینگے - لہذا تبیین میں "کل کا مفہوم ہوتا ہے - یعنی اس قسم کی پوری کی پوری چیز - (مِنْ کے استعمال میں تبعیض اور تبیین کے فرق کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے) -

(۴) "کی وجہ سے" کے مفہوم کے لئے - مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا (۷۱/۲۵) - وہ اپنی خطا کاریوں کی وجہ سے غرق کئے گئے - یعنی ان کے غرق ہونے کی وجہ ان کی خطا کاریاں تھیں -

(۵) ایک دوسرے سے تمیز کرنے کے لئے - وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (۲/۲۲۰) - اللہ جانتا ہے کہ کون مفسد ہے اور کون مصلح - یعنی وہ مفسدین اور مصلحین کو الگ الگ پہچانتا ہے -

(۶) ایک کے بدلے میں دوسرا - اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ (۹/۳۸) - کیا تم مستقبل کے بدلے میں (یا اس کے مقابلہ میں) قریبی مفاد پر رضا مند ہوگئے؟ نیز (۴۳/۶۰) -

(۷) نفی (نہیں) کی تاکید کے لئے - وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ (۳/۶۲) - اللہ کے سوا کوئی بھی الٰہ نہیں -

(۸) ب (کے ساتھ) کے معنوں میں ۔ یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ (۴۲/۴۵) ۔ وہ دزدیدہ نگاہ سے (یا خفی نگاہ سے یا گوشۂ چشم سے) دیکھتے ہونگے ۔ (نیز ۹۷/۴) ۔

(۹) عَلٰی (پر) کے معنوں میں ۔ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ . . . . . (۲۱/۷۷) ۔ اور ہم نے اسے اس قوم پر غالب کردیا ۔

(۱۰) فِیْ (میں) کے مفہوم میں ۔ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ (۶۲/۹) ۔ جب جمعہ کے دن تمہیں صلوٰۃ کے لئے آواز دی جائے ۔

(۱۱) عَنْ (سے) کے مفہوم کے لئے ۔ قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (۲۱/۹۷) ۔ ہم اس کی طرف سے غفلت میں رہے ۔

(۱۲) عِنْدَ (کے نزدیک ۔ کے ہاں) کے معنوں میں ۔ لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا (۵۸/۱۷) ۔ اللہ کے ہاں (یا اللہ کے مقابلہ میں) ان کے اموال و اولاد ان کے کسی کام نہ آسکینگے ۔

(۱۳) زائد بھی ہوتا ہے ۔ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ (۶/۵۹) ۔ کوئی پتا نہیں گرتا کہ . . . . . (اسے تاکید کے لئے بھی کہہ سکتے ہیں) ۔

م ن ع

مَنْعٌ کے معنی ہیں کسی شخص اور اس چیز کے درمیان حائل ہوجانا جسے وہ حاصل کرنا چاہتا ہے ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ یہ اِعْطَاءٌ کی ضد ہے ۔ یعنی نہ دینا ۔ راغب نے بھی اسکی تائید کی ہے ۔ اِمْتَنَعَ اِمْتِنَاعاً ۔ باز رہنا ۔ رک جانا ۔ مَانِعٌ ۔ مَنَّاعٌ ۔ مَنُوْعٌ ۔ روکنے والا * ۔ مَنَّاعٌ اور مَنُوْعٌ میں (بمقابلہ مَانِعٌ) مبالغہ پایا جاتا ہے ۔ یعنی بہت زیادہ روکنے والا ۔ روکنے کی جہت سے بخیل آدمی کو مَانِعٌ اور مَنَّاعٌ کہتے ہیں** ۔ اَلْمَنْعٰی ۔ رکنا ۔ محفوظ ہوجانا ۔ مَنَعَ الرَّجُلُ ۔ آدمی محفوظ ہوگیا ۔ حِصْنٌ مَنِیْعٌ ۔ محفوظ اور مضبوط قلعہ ۔ اَلْمُمَانَعَةُ ۔ ایک دوسرے کو روکنے کے لئے جھگڑنا * ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ (۲/۱۱۴) ۔ ”اس سے بڑھ کر زیادتی کرنے والا کون ہے جو (لوگوں کو) اس سے روکتا ہے کہ وہ مساجد میں اللہ کا نام لیں“ ۔ اس میں مَنْعٌ کے معنی رکاوٹ ڈالنا ، حائل ہونا ہیں ۔ سورۂ نساء میں ہے

*ر ۔ **راغب ۔

وَنَمْنَعُكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۶/۱۴۱) - اسکے معنی حفاظت یا مدافعت کرنے کے ہیں - " (کیا) ہم نے مومنوں سے تمہاری حفاظت نہیں کی ؟ "

سورہ الماعون میں ہے - وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷/۷) - جو چیزیں بہتے پانی کی طرح عام ہونی چاہئیں یہ ان کے راستے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور انہیں روک کر اپنی ملکیت میں لے لیتے ہیں - سورہ معارج میں انسان کی عام نفسیاتی کیفیت کے متعلق ہے کہ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا (۷۰/۲۱) - جب اسکے پاس مال و دولت آتا ہے تو وہ اسے نوع انسانی کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھنے کے بجائے اسے روک کر بیٹھ جاتا ہے - اس سے اگلی آیت میں ہے کہ اس ذہنیت کا علاج نظام صلوٰۃ کی رو سے ہو سکتا ہے - جیسا کہ (۷۰/۲۹) میں بھی کہا گیا ہے - اسی کو سورہ قٓ میں مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ (۵۰/۲۵) کہا گیا ہے - اسکے برعکس جنتی معاشرہ کے متعلق ہے کہ اس میں سامان خور و نوش بڑی کثرت سے ہوگا (۵۶/۳۲ ; ۳۸/۵۱) - اور کوئی اسکے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالے گا - کوئی اسے روک کر نہیں رکھے گا - (۱۵/۲۰ ; ۵۶/۳۳) وہ سب کی پرورش کے لئے عام ہوگا (۱۱/۱۰۸) -

م ن ن

مَنٌّ - ہر اس احسان الہٰی کو کہتے ہیں جس کے حاصل کرنے میں کسی قسم کی محنت و مشقت نہ اٹھائی جائے - مَنَّ عَلَيْهِ - اس پر احسان کیا - یعنی بلا مزد و معاوضہ کچھ عطا کر دیا - امْتَنَّ عَلَيْهِ کے بھی یہی معنی ہیں - نیز مَنٌّ کے معنی احسان جتلانے کے بھی ہیں ، جو معیوب ہے - اَلْمَنُوْنُ - بہت احسان جتانے والا - نیز زمانہ اور موت کو بھی کہتے ہیں - اسی سے رَيْبُ الْمَنُوْنِ - حوادث روز گار کو کہتے ہیں - اَلْمَنَّانُ - بہت زیادہ انعامات عطا کرنے والا * -

قرآن کریم میں وحی کو بھی مَنٌّ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے بلا کسب و ہنر محض وہبی طور پر عطا ہوتی ہے (۱۲/۱۱۱) - یہ مَنٌّ رسول پر ہے - اور رسول کا اس وحی کو لیکر انسانوں کے پاس آنا ، ان انسانوں پر خدا کا مَنٌّ ہے (۳/۱۶۳) - قوم بنی اسرائیل کا فرعون کے استبداد سے نجات پا لینا خدا کا مَنٌّ تھا (۲۸/۵) -

سورہ محمد میں جنگ کے قیدیوں کے متعلق ہے کہ انہیں مَنًّا چھوڑ دو ، یا فِدَاءً (۴۷/۴) - یعنی بطور احسان (بلا معاوضہ) یا فدیہ لیکر - سورہ

* تاج و محیط - اقرب الموارد

ص میں یہ لفظ اَمْسِکْ کے مقابل میں آیا ہے جسکے معنی روک رکھنے کے ہیں (۳۸/۳۹) - اس سے ظاہر ہے کہ جنگ کے قیدیوں کو بہرحال چھوڑنا ہوگا - زرفدیہ لیکر ہو یا احساناً - سورہ المدثر میں ہے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (۷۴/۶) - ''اس نیت سے احسان نہ کر کہ اسکے بدلے میں تجھے اس سے زیادہ واپس ملے گا'' - یہاں سے مَنٌّ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں - سورہ بقرہ میں ہے کہ مومن وہ ہیں جو '' اللہ کی راہ '' میں اسطرح صرف کرتے ہیں کہ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى (۲/۲۶۲) - وہ نہ اس کے معاوضہ کا خیال کرتے ہیں اور نہ ہی احسان جتا کر وجہ اذیت بنتے ہیں - مَنٌّ دراصل ایک بھاری وزن ہوتا ہے * - لہذا احسان جتانے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو (احسان کے) بھاری بوجھ کے نیچے دبا دیا جائے -

اس بوجھ کے اعتبار سے مَنٌّ کے معنی ہوتے ہیں تھکا دینا - لاغر اور کمزور کر دینا - مَنَّ النَّاقَةَ - اونٹنی کو سفر کی تکلیف سے تھکا دیا اور لاغر اور کمزور کر دیا - مَنَّ السَّيْرُ فُلَانًا - اسے چلنے نے کمزور کر دیا - ذَهَبَ بِمُنَّتِهٖ - اسکی طاقت زائل کر دی - اَلْمَنِيْنُ - کمزور رسی یا کمزور آدمی - ثَوْبٌ مَنِيْنٌ - کمزور اور بوسیدہ کپڑا - اَلْمِنَّةُ - مکڑی - مَنَّ الشَّيْءُ - چیز کم ہو گئی - اسی اعتبار سے مَنُوْنٌ موت کو کہتے ہیں، نیز زمانہ کو - مَنَّ الْحَبْلَ کے معنی ہیں رسی کو کاٹ دیا - ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) کاٹنا اور (۲) احسان کرنا، لکھے ہیں - قرآن کریم میں ہے فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (۴۱/۸ ؛ ۸۴/۲۵ ؛ ۹۵/۶) - ان کے لئے ایسا اجر ہے جس میں کمی نہیں ہوگی - غیر منقطع - مسلسل جاری رہنے والا - (سلسلہ ارتقاء میں کوئی چیز آگے بڑھ کر پیچھے نہیں آسکتی - یا وہ رک جائیگی اور یا آگے بڑھتی جائیگی) - اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ اجر انہیں بطور احسان نہیں ملے گا بطور استحقاق ملے گا -

رَيْبَ الْمَنُوْنِ (۵۲/۳۰) - زمانے کی اضطرابی کیفیتیں - گردش زمانہ - مرور وقت - حوادث روزگار - واضح رہے کہ یہ لفظ متضاد معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے - یعنی اَلْمَنَّةُ - قوت کو بھی کہتے ہیں - بالخصوص دل کی قوت کو - اسلئے مَمْنُوْنٌ کے معنی کمزور اور قوی دونوں آتے ہیں * - الرمانی نے اَلْمَنُوْنُ کے معنی موت لکھے ہیں*** - صاحب لطائف اللغۃ نے اسکے معنی اَلدَّهْرُ یعنی زمانہ کے دئے ہیں -

*تاج و محیط و اقرب الموارد **تاج و راغب - ***الالفاظ المترادفۃ -

قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے کہ ان پر مَنّ نازل ہوتا تھا۔ (۲/۵۷) ۔ یہ شیر خشت یا ترنجبین کی قسم کی ایک میٹھی گوند تھی جو درختوں پر جم جاتی تھی *۔ (یہ اب بھی ہوتی ہے اور لذیذ ہوتی ہے۔) لیکن راغب نے اس معنے کے ساتھ دوسرا مفہوم یہ بھی بتایا ہے کہ مَنّ اور سَلْوٰی سے خدا کے انعامات کیطرف اشارہ ہے ۔ مَنّ ۔ احسان اور سَلْوٰی ۔ تسلی کا سامان * ۔

مَنٰوۃ

مَنٰوۃ ۔ جاہلیت عرب میں قبیلہ ہُذیل و خزاعہ کا بت تھا ** ۔ (۵۳/۲۰) ۔ لات قبیلہ ثقیف کا اور عزّیٰ قبیلہ غطفان کا ۔ ان تینوں کا ذکر (۵۳/۱۹-۲۰) میں آیا ہے ۔

م ن ی

مَنَاہُ یَمْنِیْہِ مَنْیًا ۔ اسکا اندازہ کیا ۔ اَلْمَانِیُّ ۔ اندازہ کرنیوالا ۔ اَلْمَنْیُ ۔ اللہ کا اندازہ ۔ اَلْمَنِیَّۃُ ۔ موت کو کہتے ہیں کیونکہ اس کا اندازہ مقرر کر دیا گیا ہے * ۔ اَلْمُنٰی (واحد مُنْیَۃٌ) مقاصد ۔ خواہشات ۔ آرزوئیں ۔ یعنی وہ کام جن کا پہلے سے اندازہ کر لیا جائے ۔ تَمَنّاہُ تَمَنِّیًا ۔ اس کا ارادہ کیا ۔ اس کی تمنا کی ۔ اُمْنِیَّۃٌ (جمع اَمَانِیُّ) ۔ خواہش ۔ آرزو ۔ ارادہ * ۔ نیز اس کے معنی جھوٹ اور کذب کے بھی ہیں ۔ تَمَنّی الْحَدِیْثَ ۔ بات گھڑلی ۔ اَلْاَمَانِیُّ ۔ وہ باتیں جن کی تمنا کی جائے اور اکاذیب ۔ دونوں معنی ہیں * ۔

اَلْمَنِیُّ ۔ نطفہ (خواہش اور ارادہ کے اعتبار سے ۔ یا اس اعتبار سے کہ اس سے انسان کی پیدائش کا اندازہ کیا جاتا ہے ۔ ابن فارس) ۔

تَمَنّی الْکِتَابَ ۔ کتاب کو پڑھا ۔ اُمْنِیَّۃٌ ۔ کتاب کی تلاوت ۔ جو کچھ پڑھا جائے *** ۔ اس معنی کے لئے تاج العروس نے خاص طور پر اشعار بطور سند نقل کئے ہیں ۔ اور ابن فارس نے کہا ہے کہ پڑھنے سے کتاب کے مفہوم کا اندازہ کیا جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں ہے وَ مِنْھُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّا اَمَانِیَّ (۲/۷۸) ۔ ''ان میں ان پڑھ لوگ بھی ہیں جو صرف کتاب کی تلاوت کرسکتے ہیں'' ۔ (اس کے مطالب کو سمجھ نہیں سکتے) ۔ سورۃ حج میں ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْ اُمْنِیَّتِہٖ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ (۲۲/۵۲) ۔ اور ہم نے تجھ سے

*تاج و راغب ۔ **تاج و محیط ۔ ***ابن قتیبہ (القرطبی ج/۲ صفحہ ۳) نیز ابن فارس ۔

پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا تو اس کے ساتھ یہی ہوا کہ (اس کے جانے کے بعد) شیطان (دین سے منحرف کرنے والے لوگ) اس کی کتاب میں (یعنی جس کی وہ تلاوت کرتا تھا** ۔ اس وحی میں) اپنی طرف سے کچھ ملا دیتے ۔ اس کے لئے اللہ پھر ایک رسول بھیجتا جو اس غیر خدائی تبدیلیوں اور اضافوں کو مٹاتا اور اس طرح وحی کو پھر اس کی منزہ شکل میں پیش کردیتا ۔ اس آیت میں اللہ نے بتایا ہے کہ کس طرح مفاد پرست اور سرکش لوگ وحی میں رد و بدل کر دیتے تھے اور کس طرح دوسرا رسول آ کر ان تبدیلیوں کو مٹاتا تھا ۔ یہ سلسلہ جاری رہا تاآنکہ قرآن کریم آیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لے لی ۔ اب اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہوسکتا۔ یہ ہے اس آیت کا صحیح مفہوم ۔ لیکن بہت سے مفسرین نے پہلے، اُمْنِیَّتِہٖ کے معنی ''آرزو'' کر کے خود ہی ایک مشکل پیدا کرلی اور پھر اس مشکل سے نکلنے کے لئے اس قسم کا قصہ وضع کیا جس کے تصور سے بھی روح کانپتی ہے ۔ چونکہ اس قصہ سے حضور رحالتمآب ؐ کی شان اقدس پر طعن پڑتا ہے اس لئے ہم اسے یہاں دہرانا نہیں چاہتے ۔

مَنِیٌّ ۔ نطفہ ۔ اَلَمْ یَکُ نُطْفَۃً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی (۷۵/۳۷) ۔ ''کیا وہ (انسان) منی کا ایک نطفہ نہیں تھا جو ڈالی جاتی ہے'' ۔

م و ت

مَوْتٌ ۔ دراصل حیات کی ضد ہے ۔ مجازاً یہ سکون کے لئے بھی بولا جاتا ہے* ۔ ہر وہ چیز جس میں جمود کی وجہ سے حرکت و ارتقاء رک جائے، مردہ ہے ۔ چنانچہ کہتے ہیں مَاتَتِ الرِّیْحُ ۔ یعنی ہوا رک گئی اور ساکن ہوگئی ۔ مَاتَتِ النَّارُ ۔ آگ بجھ گئی ۔ مَاتَتِ الْخَمْرُ ۔ شراب کا جوش جاتا رہا ۔ نیند پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے ۔ چنانچہ مَاتَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں وہ سو گیا* ۔ دراصل حیات کے مقابلہ میں موت کی بھی کئی قسمیں ہیں ۔ مثلاً (۱) قوتِ نامیہ (بڑھنے پھولنے کی قوت) کا زائل ہو جانا ۔ جیسے وَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا (۳۰/۱۹) ۔ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے ۔ (۲) محسوس کرنے کی قوت کا زائل ہو جانا ۔ جیسے قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ہٰذَا وَ کُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا (۱۹/۲۳) ۔ مریم نے کہا کہ اے کاش میں اس سے پہلے ہی مرجاتی اور بھولی بسری ہو جاتی ۔ اور اس درد و کرب کو محسوس نہ کرسکتی ۔ (۳) عقل و شعور کا زوال ۔ جیسے فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (۲۷/۸۰) ۔ تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا ۔ یعنی ان لوگوں کو جو عقل و شعور

*تاج و محیط نیز راغب ۔ **ابن قتیبہ القرطبی ج ۱/۲ ص ۳۱

سے کام نہیں لیتے - (۴) حزن اور خوف جو زندگی کو مکدر کردے - یعنی ہر مشقت حالات ، افلاس ، ذلت ، محکومی کی زندگی وغیرہ جیسے - وَ یَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَمَا هُوَ بِمَیِّتٍ (۱۴/۱۷) - یعنی چاروں طرف سے ذلت و افلاس اور تباهیاں اور بربادیاں امنڈ امنڈ کر آرهی هونگی لیکن موت نہیں آئے گی - اس لئے کہ بھیک کے ٹکڑوں سے اتنا کچھ مل جائے گا جس سے طبیعی زندگی باقی رهے* - (یہ جہنم کی زندگی کا نقشہ هے) - مَوْتٌ* - غشی اور جنون کو بھی کہتے هیں - اَلْمَیْتَةُ - وہ جانور جو بلا ذبح کئے مرجائے* - اَلْمَوْتَةُ - جنون کے مشابہ ایک کیفیت هوتی هے جو بعض آدمیوں کی هو جاتی هے - (ابن فارس) -

قرآن کریم میں موت کا لفظ حیات (زندگی) کے مقابلہ میں آیا هے (۲/۲۸) - جس طرح حیات صرف سانس لینے کا نام نہیں بلکہ اس کے گونا گون پہلو هیں اسی طرح موت بھی صرف سانس بند هو جانے کا نام نہیں - اس کے بھی مختلف پہلو هیں - اور بدترین موت هے قوموں کی اجتماعی زندگی کی موت جس میں وہ نہ زندہ هوتی هیں اور نہ مرتی هی هیں - یہ زندگی جہنم کی زندگی هے - ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی (۸۷/۱۳) - قرآن کریم کا پیغام حیات اور انہی اقوام کے لئے هے جن میں زندگی کی صلاحیت باقی هو - لِیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا (۳۶/۷۰) -

قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ آئے ، اس کے سیاق و سباق سے یہ متعین کرنا هوگا کہ وهاں اس کے کون سے معانی مراد هیں - هر مقام پر موت کے معنی طبیعی موت (Physical Death) نہیں هونگے -

(نیز دیکھئے عنوان ح - ی - ی) -

م و ج

اَلْمَوْجُ - لہر - مَاجَ الْمَوْجُ - لہر بلند هوئی - اَلْمَوْجُ - سمندر کی موجوں کا اضطراب - مَاجَ یَمُوْجُ - اضطراب اور تحیر کو کہتے هیں** - ابن فارس نے کہا هے کہ اس کے بنیادی معنی اضطراب کے هیں - مَوْجَةُ الشَّبَابِ - جوانی کی لہر کو کہتے هیں - عنقوان شباب** -

قرآن کریم میں مَوْجٌ* کا لفظ دریا یا سمندر کی لہروں کے لئے آیا هے - (۱۱/۴۲) -

*تاج و محیط نیز راغب - ** تاج -

م و ر

مَارَ الشَّیْئُ یَمُوْرُ - کسی چیز کا بار بار آنا - متردد ہونا - اَلْمَوْرُ - گھومنا - موج و اضطراب - زمین پر تیزی سے بہنا اور بہ سرعت متحرک ہونا - مَارَ مَوْرًا - وہ آنے جانے لگا - اَلْمَوْرُ - روندا ہؤا ، ہموار راستہ - تیز رفتاری - سرعت - نیز نرم روی - اَلْمَوْرُ - مٹی جسے ہوا اڑائے* -

قرآن کریم میں ہے یَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا (۵۲/۹) - جس (انقلاب کی گھڑی میں) بلندیوں والے اپنے مقام سے ہل کر سخت مضطرب اور اور متردد ہوجائیں گے- (یہ مفہوم سماء کے مجازی معنی کی رو سے لیا گیا ہے) -

موسیٰ علیہ اسلام

اَلْمُوْسٰی - اُسترا - مَاسَ رَاْسَہٗ - اس نے اس کے سر کو استرے سے مونڈ دیا ** -

مُوْسٰی - حضرت موسیٰ علیہ السلام - یہ عبرانی لفظ مُوْشَی کا معرب ہے جسکے معنی کھینچکر نکالا ہوا ہوتے ہیں** - چونکہ فرعون کے لوگوں نے حضرت موسیٰ[۴] کو دریا سے نکالا تھا اس لئے آپ کا یہ نام قرار پا گیا*** -

حضرت ابراہیم[۴] کے پوتے ، حضرت یعقوب[۴] کا لقب اسرائیل تھا - آپ کی اولاد سے جو نسل آگے بڑھی اسے بنی اسرائیل کہتے ہیں - آپ کے ایک بیٹے کا نام یہوذہ (Juda) تھا - یہوذہ اور بن یامین) کا قبیلہ ، فلسطین کے علاقہ (Judea)) میں آباد تھا - ان دونوں قبائل کے افراد کو اسی نسبت سے یہودی کہتے تھے اور باقی قبائل کو بنی اسرائیل - لیکن بعد میں یہ تفریق باقی نہ رہی - اب بنی اسرائیل اور یہودی سے بالعموم ایک ہی مفہوم لیا جاتا ہے -

حضرت یعقوب[۴] کا وطن کنعان (فلسطین) تھا - لیکن حضرت یوسف[۴] نے (جو مشیت کی تدبیر کے ماتحت عجیب حالات میں مصر پہنچ گئے تھے - دیکھئے عنوان یوسف[۴]) اپنے والدین اور دیگر اہل خاندان کو مصر بلا لیا تھا - اس طرح بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے اور بڑھتے بڑھتے ایک کثیر التعداد قوم بن گئے -

مصر میں فراعنہ کی حکومت تھی - '' فرعون '' کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں تھا بلکہ شاہان مصر کا لقب تھا - مصر کے لوگ دیوتاؤں کی پرستش

*تاج و راغب - **تاج - ***محیط -

کرتے تھے "آمن رع" (سورج کا دیوتا) ان سب میں بڑا تھا۔ مصر کے بادشاہ دیوتاؤں کے اوتار سمجھے جاتے تھے۔ اس اعتبار سے ان کا لقب قارا ع (یعنی سورج دیوتا کا اوتار) قرار پا گیا۔ قریب تین ہزار سال قبل مسیح سے لیکر اسکندر کے زمانہ (۳۳۲ - ق - م) تک فراعنہ کے قریب تیس خاندان مصر پر حکمران رہے۔ حضرت یوسف ؑ کے زمانہ میں ہیکسوس (Hyksos) کا خاندان برسر حکومت تھا جنہیں عمالقہ کہتے تھے۔

مصر میں بنی اسرائیل کی ابتداء تو ایک معزز گھرانے کی حیثیت سے ہوئی لیکن رفتہ رفتہ یہ قوم فرعون کے محکوم ہو گئے اور ان کے ساتھ وہی سلوک ہونے لگا جو دنیا کا ہر فرعون، محکوم قوم کے ساتھ کرتا ہے۔ جب ان پر ظلم و تشدد اپنی انتہا تک پہنچ گیا تو ان میں حضرت موسیٰ ؑ پیدا ہوئے جو خدا کے برگزیدہ رسول اور عظیم الشان داعی انقلاب تھے۔

آپ ؑ پیدا تو ہوئے محکوم بنی اسرائیل کے گھرانے میں لیکن مشیت ایزدی نے آپ کی تربیت کا انتظام فرعون کے محلات میں کر دیا تاکہ آپ ؑ اسرار و رموز مملکت و سیاست سے اچھی طرح باخبر ہو جائیں (۲۸/۱۳-۲۰)۔ یہاں سے آپ نکلے تو مدین کے علاقہ میں پہنچے (۲۸/۲۲)۔ جہاں آپ کی شادی ہوئی اور آپ نے آداب شبانی سیکھے۔

مدین سے واپسی پر، کوہ طور پر آپ نبوت سے سرفراز فرمائے گئے (۲۰/۱۳-۴۳) اور آپ کو حکم ہوا کہ آپ فرعون کیطرف جائیں اور بنی اسرائیل کو اسکے پنجۂ استبداد سے نجات دلائیں۔ آپ آئے اور اپنے بھائی ہارون ؑ کے ساتھ فرعون کے پاس پہنچے (۲۸/۳۴ ؛ ۲۰/۴۳-۴۴)۔ فرعون اور اسکے پیشوایان مذہب کے ساتھ آپ کے معرکے رہے اور بالآخر آپ، بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر فلسطین کیطرف آ گئے (۲۰/۷۷) اور وہاں ان کی تعلیم و تربیت کی۔ اور خدا نے بنی اسرائیل کو اُس با برکت زمین کے مشارق و مغارب کا مالک بنا دیا (۷/۱۳۷)۔ تورات کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ ؑ نے موآب کی سرزمین میں ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پائی (دیکھئے استثناء ۳۴/۵)۔ حضرت ہارون ؑ کی وفات اس سے پہلے ہو چکی تھی۔ (قرآن کریم نے ان تفاصیل کا ذکر نہیں کیا)۔

تورات کے بیان کے مطابق حضرت یوشع بن نون آپ کے جانشین ہوئے۔ اس کے بعد، قوم بنی اسرائیل کا عروج، طبقاً عن طبقٍ بلند سے بلند تر ہوتا گیا۔ یہی وہ دور تھا جس میں یہ سطوت داؤدی ؑ اور شوکت سلیمانی ؑ کے وارث ہوئے۔ پھر انہوں نے حبل اللہ سے تمسک، یعنی قوانین خداوندی کا اتباع

چھوڑ دیا تو ذلت و مسکنت کی لعنت ان کے پیچھے لگ گئی - ان کی پہلی تباہی بخت نصر (بابلی) کے ہاتھوں ۹۹ ۵ ق - م میں ہوئی - اس نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور یہودیوں کو غلام بنا کر بابل لے گیا - قریب ایک سو سال کے اندر، فارس کے تین شہنشاہ، خورس (ذوالقرنین) دارا اور ارتخششتا ان کی امداد پر آمادہ ہوگئے اور اسطرح یہ پھر یروشلم میں آکر آباد ہوگئے - (سورہ بقرہ آیت ۲۵۹ میں تمثیلی انداز میں ان کی اس تباہی اور باز آفرینی کا ذکر کیا گیا ہے)- ۳۳۲ ق - م میں اسکندر (یونانی) نے یہودیوں کی مرکزیت پر پھر ایک کاری ضرب لگائی - پھر ۳۲۰ ق - م میں بطلیموس نے مصر کے راستے یروشلم پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کر لیا - انٹی گونس کے عہد میں یہ تمام علاقہ یونانیوں کے قبضہ میں آگیا اور یہودیوں پر سخت مظالم شروع ہوگئے - ۶۶ ق - م میں ان کی آخری تباہی کی تمہید شروع ہوگئی - پامپئی رومی بڑھا اور اس نے یروشلم پر قبضہ کر لیا - اس تاخت و تاراج میں قریب بارہ ہزار یہودی تباہ ہوگئے - پھر ۵۰ ق - م کے قریب ایک اور یورش میں قریب تیس ہزار یہودی غلام بنا لئے گئے - فطرت کی طرف سے انہیں باز آفرینی کا موقعہ دیا گیا جب ان میں حضرت عیسیٰؑ جیسے جلیل القدر رسول مبعوث ہوئے لیکن انہوں نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ دنیا پر روشن ہے - اس اتمام حجت کے بعد ان کی تباہی کا آخری وقت آگیا - چنانچہ رومیوں کے گورنر طیطوس (ٹائٹس) نے ۷۰ ء میں ایسا وار کیا جس سے اس قوم پر اجتماعی ہلاکت کی مہر ثبت ہوگئی -

سورہ بنی اسرائیل میں بخت نصر کے ہاتھوں پہلی بربادی اور اس آخری بربادی کے متعلق ذکر آیا ہے (دیکھئے ۱۷/۴)-

حضرت موسیٰؑ خدا کے نبی تھے - انہیں اللہ نے کتاب دی تھی - وَاِذْ آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ (۲/۵۳) حضرت ہارونؑ بھی نبی تھے - انہیں بھی کتاب ملی تھی - چنانچہ سورہ صٰفّٰت میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں کے تذکرہ کے سلسلہ میں ہے وَآتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ (۳۷/۱۱۷) " اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب عطا فرمائی " - قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ یا حضرت ہارونؑ کی کتاب کا نام مذکور نہیں - اَلتَّوْرَاةُ کا ذکر ہے (۵/۴۴) - لیکن تورات درحقیقت ان کتابوں کے مجموعہ کا نام ہے جو حضرت موسیٰؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ سے پہلے مختلف انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوتی رہیں - ان کے مجموعہ کو عہد نامہ عتیق (Old Testament) کہتے ہیں -

یہودیوں نے اس کتاب میں تحریف کر دی تھی - لفظی تحریف بھی (۴/۴۶) اور معنوی بھی (۲/۷۵) - نیز اس میں اپنی طرف سے اضافے بھی کردئے تھے (۲/۷۹)- اور یوں تلبیس حق و باطل ہوگئی تھی (۳/۷۱) - اس لئے اس میں سخت اختلافات پیدا ہو گئے تھے (۱۱/۱۱۰) - ان کی تبئین و توضیح قرآن کریم نے آکر کی (۵/۱۵) - [نیز دیکھئے عنوان "تورات"]

م و ل

اَلْمَالُ - ہر وہ چیز جس کے تم مالک ہو جاؤ - اس کی جمع اَمْوَالٌ آتی ہے - ابن الاثیر نے کہا ہے کہ دراصل مَالٌ اس سونے چاندی کو کہتے ہیں جس کا کوئی مالک بن جائے - اس کے بعد دوسری چیزوں کے ذخیرہ کو بھی مَالٌ کہنے لگ گئے - ویسے عربوں کے ہاں زیادہ تر اونٹوں کے گلے کو مَالٌ کہتے تھے کیونکہ ان کے مال زیادہ تر اونٹوں ہی کی شکل میں ہوتے تھے - رَجُلٌ مَیِّلٌ - بڑا مال دار آدمی - مَلْتُہٗ - میں نے اسے مال دے دیا - تَمَوَّلْتُ اور اِسْتَمْلَتُ کے معنے ہیں ، میں بہت مالدار ہوگیا - مَوَّلَہٗ - اس نے اسے مال دار کر دیا* - عام ائمہ لغت کے نزدیک اَلْمَالُ کے مادہ کا درمیانی لفظ واو ہی ہے - لیکن راغب نے اسے اَلْمَیْلُ کے تحت لکھا ہے اور بتایا ہے کہ مال کو مال اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کبھی ایک کی طرف مائل رہتا ہے اور کبھی دوسرے کی طرف** - یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے اس لئے مال کہا گیا ہو کہ اس کی خاطر انسان کو کسی ایک طرف جھکنا پڑتا ہے - لیکن اگر راغب کی تحقیق صحیح ہوتی تو مَالٌ کی جمع اَمْیَالٌ ہوتی نہ کہ اَمْوَالٌ -

نظام خداوندی کے قیام کے لئے جد و جہد کرنے میں جماعت مومنین کو جن مشکلات سے دو چار ہونا پڑتا ہے ان میں نَقْصٍ مِنَ الْاَمْوَالِ (۲/۱۵۵) بھی ہے - یعنی مال و دولت میں کمی ہو جانا - لیکن اس کے بعد اس جماعت کو ، ان کے مخالفین کے اَمْوَالٌ کا مالک بنا دیا جاتا ہے اور انہیں ہر طرح کی فراوانی حاصل ہو جاتی ہے (۳۳/۲۷) - لہذا مال کی فراوانی ، نظام خداوندی کا لازمی نتیجہ اور خدا کی رحمت ہے - لیکن وہی مال جو نظام ربوبیت کی اجتماعی تحویل میں ہو (۹/۱۱۱) - اگر ہر فرد اپنا اپنا مال اپنے ہی مفاد کی خاطر جمع کرے تو اس مال سے وہ جہنم تیار ہوتی رہتی ہے جس کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں (۱۰۴/۲) - اسی کا نام سرمایہ داری ہے جسے مٹانے کے لئے قرآن کریم آیا تھا - (۹/۳۴، ۳۵) -

---

*تاج و محیط - **راغب -

م و ہ

مَاءٌ ۔ دراصل مَوَہٌ تھا ۔ واو کو الف سے بدل دیا اور ھاء کو ھمزہ سے ۔ اس طرح یہ لفظ مَاءٌ بن گیا ۔ اس کے معنی ھیں ۔ پانی ۔ اس کی جمع میَاہٌ آتی ھے ۔ مَاھَتِ السَّفِیْنَۃُ کے معنی ھیں کشتی میں پانی بھر گیا ۔ بَنُوْ مَاءِ السَّمَاءِ ۔ عربوں کو کہتے تھے کیونکہ وہ بارش کی تلاش میں رھتے اور جہاں بارش کا پانی ملتا وھیں پہنچ جاتے* ۔

قرآن کریم میں ھے کَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَاءِ (۱۱/۷) ۔ خدا کا عرش پانی پر تھا ۔ اس کے مفہوم کے لئے ع ۔ ر ۔ ش کا عنوان دیکھئے ۔

م ھ د

مَھْدٌ کے معنی ھیں جگہ کو ھموار اور نرم بنانا ۔ اَلْمَھْدُ ۔ نرم اور ھموار زمین ۔ اَلْمِھَادُ ۔ بستر کو کہتے ھیں کیونکہ وہ نرم اور ھموار ھوتا ھے** ۔ بچھی ھوئی اور ھموار ھونے کی جہت سے قرآن کریم میں زمین کو مِھَادًا کہا گیا ھے (۷۸/۶) ۔ یعنی وسیع بچھائی ھوئی اور ھموار ۔ چونکہ بچے کا بستر ھموار اور نرم ھوتا ھے اس لئے اسے اَلْمَھْدُ کہتے ھیں ۔ یعنی گہوارہ*** ۔

تَمْھِیْدُ الْاَمْرِ کے معنی ھیں کسی معاملہ کو ھموار کرنا اور درست کرنا ۔ تاج نے راغب کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ھے کہ مجازاً اس سے مراد مال و جاہ میں فراخی کرنے کے ھو جاتے ھیں** ۔ یعنی نرم اور پُر آسائش زندگی بنانا ۔ قرآن کریم میں ھے ۔ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِھِمْ یَمْھَدُوْنَ (۳۰/۴۴) ۔ جو صلاحیت بخش کام کرتے ھیں وہ اپنی ذات کے لئے آسائشیں بہم پہنچاتے ھیں اور اسکی اصلاح اور ھمواری کی کوشش کرتے ھیں ۔ سورۃ بقرہ میں جہنم کو بِئْسَ الْمِھَادُ (۲/۲۰۶) کہا ھے ۔ یہاں اس کے معنی رھنے یا ٹھہرنے کے مقام کے ھیں ۔

قرآن کریم میں اللہ کو مَاھِدٌ کہا گیا ھے ۔ وَ الْاَرْضَ فَرَشْنٰھَا فَنِعْمَ الْمَاھِدُوْنَ (۵۱/۴۸) ۔ اور ھم نے زمین کو بچھایا اور ھم کیا اچھے آسائشیں بہم پہنچانے والے ، یا ٹھکانا مہیا کرنے والے ھیں ۔

سورۃ مریم میں ھے کہ حضرت مریمؑ اپنے بیٹے حضرت عیسیٰؑ کو ساتھ لے کر ھیکل کے پجاریوں کے پاس آئیں تو وہ (احبار و رھبان) ان کے پیچھے پڑ گئے (کہ انہوں نے ھیکل کی راھبہ کی زندگی چھوڑ کر آئین خانقاھیت کے خلاف

*تاج نیز ابن فارس ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔

متاھل زندگی کیوں اختیار کرلی تھی) ۔ انہوں نے خود جواب دینے کی بجائے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کردیا کہ تمہارے اعتراضات کا یہ جواب دیں گے ۔ اس پر ہیکل کے شیوخ نے نہایت طنز آمیز لہجے میں کہا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا (۱۹/۲۹) ۔ ''ہم اس سے کسطرح بات کریں جو ابھی کل کا بچہ ہے'' ۔ یہ ہمارے شایانِ شان نہیں کہ اس سے (جو ہماری سن رسیدگی کے مقابلہ میں یوں ہے جیسے گود میں کھیل رہا ہو) جو کل ابھی ہمارے سامنے بچہ تھا ۔ جو ہمارے ہاتھوں کا کھلایا ہوا ہے ۔ اس سے ہم مناظرہ شروع کردیں ۔ اس سے ''فی المھد'' (جھولے میں) کے معنی واضح ہیں ۔ ہمارے ہاں بھی کہتے ہیں ''ابھی تو اس کے دودھ کے دانت ہیں'' ۔ یا ''جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش'' ۔ خود صَبِیًّا کے معنی بھی دودھ پیتا بچہ نہیں ۔ (دیکھئے عنوان ص ۔ ب ۔ و)

یہی ''تکلم فی المھد'' ہے (یعنی کم عمری میں لوگوں سے اہم حقائق پر گفتگو کرنا) جس کی طرف (۵/۱۱۰ و ۳/۴۶ میں) اشارہ کیا گیا ہے ۔

احبار و رہبان کے سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰؑ نے جو کچھ کہا وہ خود اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ باتیں سچ مچ گہوارے میں لیٹے ہوئے نہیں کی گئی تھیں ۔ آپ نے فرمایا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ۔ آتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ..... (۱۹/۳۰) ۔ میں خدا کا بندہ ہوں ۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ اس زمانے کی باتیں ہیں جب حضرت عیسیٰؑ کو نبوت مل چکی تھی ۔

[مزید تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''شعلۂ مستور''] ۔

م ہ ل

اَلْمَھْلُ ۔ اَلْمَھَلُ ۔ اَلْمُھْلَۃُ ۔ سکون ۔ اطمینان ۔ نرمی ۔ اَمْھَلَہٗ ۔ اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا ، اس پر سختی نہیں کی ۔ اسے مہلت دے دی ۔ ڈھیل دیدی ۔ تَمَھَّلَ فِیْ عَمَلِہٖ ۔ اس نے اپنے کام میں جلدی نہ کی ، اطمینان اور سکون سے کام لیا ۔ اَلْمَھْلُ ۔ سکینت اور وقار ۔ نیز اچھے کام میں آگے بڑھنا ۔ اَلْمَاھِلُ ۔ تیز رو ۔ آگے بڑھنے والا* ۔ سورۃ طارق میں ہے فَمَھِّلِ الْکٰفِرِیْنَ اَمْھِلْھُمْ رُوَیْدًا (۸۶/۱۷) ۔ ان مخالفین سے نرمی کا برتاؤ کرو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو ۔ عمل اور اس کے نتیجہ کے ظہور میں ایک وقفہ ہوتا ہے ۔ اسی کو مہلت کہتے ہیں ۔ یہ خدا کے قانونِ تدریج و امہال کے مطابق طے پاتا ہے ۔

*تاج و راغب ۔

(غالباً) سکون و جمود کے لحاظ سے، ہر دھات کو اَلْمُهْلُ کہتے ہیں - بعض نے کہا ہے کہ یہ پگھلے ہوئے پیتل، تانبے یا لوہے کے لئے آتا ہے۔ دوسروں کے نزدیک یہ زیتون کے تیل اور اس کی تلچھٹ کے لئے آتا ہے - نیز یہ اس راکھ اور انگاروں کو بھی کہتے ہیں جو روٹی سے اس وقت جھڑتی ہے جب اسے بھوبھل سے نکالتے ہیں - قبیلہ عامر اس لفظ کو زہر کے لئے بولتا ہے* - بہر حال اس میں ہلاکت کا پہلو نمایاں ہے - سورۃ معارج میں ہے يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ (۷۰/۸) - یہاں مُهْلٌ کے معنی پگھلی ہوئی دھات کے لئے جائیں تو زیادہ موزوں ہوگا - یعنی بڑے بڑے فلک نشین سرداروں کی قوتیں پگھل کر پانی ہو جائیں گی - سورۃ کہف میں ہے يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ (۱۸/۲۹) - اہل جہنم کو جو پانی دیا جائے گا وہ مُهْلٌ کیطرح ہوگا - یہاں اس کے معنی زہر کئے جائیں تو بھی ٹھیک ہے اور اگر آتشین لاوا کئے جائیں تو بھی مناسب ہے - مطلب یہ ہے کہ مُبِیدٌ حیات چیزیں بھی ان کے حق میں ہلاکت آفریں ہونگی -

مَهْمَا

مَهْمَا - (کہتے ہیں کہ یہ مَا اور مَا کا مرکب ہے اور پہلے مَا کا الف ھاء سے بدل دیا گیا ہے) - "جو کوئی (چیز) بھی" - "جو کچھ بھی" - وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ آيَةٍ (۷/۱۳۲) - انہوں نے کہا کہ جو کوئی نشانی بھی تو لائے گا . . . . نیز اس کے معنی "جب کبھی" بھی ہوتے ہیں -

م ہ ن

مَاهَنَهُ - اُس نے اسے اچھی طرح استعمال کیا - خوب رگڑا - اِسْتَهْنَهَ - اس نے اس سے خدمت یعنی کام لیا اور اسطرح اسے کمزور کر دیا - اَلْمَهِيْنُ - اُس اونٹ کو کہتے ہیں جو کثرت محنت سے اسقدر کمزور ہو چکا ہو کہ اس سے اونٹنی کو حاملہ نہ کرایا جائے تاکہ کمزور بچے پیدا نہ ہوں - اَلْمَاهِنُ - غلام اور خدمتگار - اَلْمِهْنَةُ - خدمت کرنے میں مہارت و ہوشیاری - اَلْمَهِيْنُ مِنَ الرِّجَالِ - حقیر آدمی - ذلیل آدمی - قلیل الرائے - قلیل التمیز* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بے وقعتی اور حقارت کے ہوتے ہیں -

قرآن کریم میں اس مادہ کے لئے جس سے انسان کی (رحم میں) تخلیق ہوتی ہے سُلٰلَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِيْنٍ (۳۲/۸) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں -

*تاج و محیط -

یعنی کمزور اور حقیر پانی سے نکالے ہوئے جوہر کے ذریعے۔ تقابل کی غرض سے ایسا کہا گیا ہے۔ یعنی اس قسم کے حقیر سے قطرہ سے، اس قسم کا جیتا جاگتا، خوبصورت، ہونہار، سمیع و بصیر بچہ پیدا کر دینا، خدا کے قانونِ تخلیق کا کرشمہ ہے۔ کہاں وہ قطرۂ آب، کہاں یہ دُرِّ شاہوار!

م ی د

مَادَ قَوْمَہٗ۔ وہ اپنی قوم کے لئے سامان خوراک لایا۔ مَادَھُمْ یَمِیْدُھُمْ بمعنی مَارَھُمْ ہے۔ یعنی انہیں سامان خوراک دیا۔ اسی سے اَلْمُمْتَادُ۔ سامان خوراک لینے والے کو کہتے ہیں۔ مِدْتُہٗ۔ وَاَمَدْتُہٗ۔ میں نے اسے عطا کیا۔ مَادَنِیْ فُلَانٌ۔ فلاں نے مجھ پر احسان کیا *۔ راغب نے اسکے معنے "اس نے مجھے کھلایا" بھی لکھے ہیں**۔ مَادَ کے معنی شدت سے ہلنا اور حرکت کرنا بھی ہیں، نیز جھکنا۔ مَادَتْ بِہِ الْاَرْضُ کے معنی ہیں زمین اسے لیکر گھومی۔ اَلْمَائِدَۃُ۔ کھانا۔ خواہ اس کے ساتھ خوان ہو یا نہ ہو۔ بعض علمائے لغت نے کہا ہے کہ اَلْمَائِدَۃُ اس خوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا ہو۔ اگر اس پر کھانا نہ ہو تو اسے مائدۃ نہیں بلکہ خِوَانٌ کہیں گے۔ ابو عبید نے کہا ہے کہ اسے مَائِدَۃٌ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ میزبان کی طرف سے عطا اور تفضل کے طور پر مہمان کو دیا جاتا ہے *۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنوں میں (۱) حرکت اور (۲) نفع پہنچانا ہیں۔

اَلْمَائِدَۃُ کے ان معانی کو سامنے رکھنے سے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے جس میں حضرت عیسٰے کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَائِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ (۵/۱۱۲) "وہ ہم پر آسمان سے مائدہ نازل کرے"۔ ہر نبی کی طرح، حضرت عیسٰے بھی اپنی جماعت سے کہہ رہے تھے کہ اگر وہ وحی کا اتباع کرتے رہے تو خدا انہیں رزق کریم دیگا۔ دنیا کی سرفرازیاں عطا کریگا۔ لیکن وہ جماعت جس قسم کے نامساعد حالات کا شکار ہو رہی تھی ان کے پیش نظر، یہ بعید دکھائی دیتا تھا کہ انہیں اس کشائش سے سامان زیست مل سکیگا۔ چنانچہ اس احساس کے ماتحت انہوں نے کہا کہ کیا ایسے حالات میں بھی یہ ممکن ہے کہ ایسا نظام قائم ہو جائے جس میں سب کو سامان نشوونما انسانوں کی طرف سے نہ ملے بلکہ نظام خداوندی کی طرف سے ملے تاکہ انہیں روٹی کے بدلے انسانوں کی

*تاج۔ **راغب۔

غلامی اختیار نہ کرنی پڑے۔ حضرت عیسٰیؑ نے کہا کہ تم مومن ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اِتَّقُوا اللّٰہَ (۵/۱۱۲) ۔ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ خدا نے کہا کہ وہ یقیناً ایسا انتظام کردیگا (یعنی تقوٰی کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا) لیکن فَمَنْ یَّکْفُرْ بَعْدُ مِنْکُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا . . . . . (۵/۱۱۵) جو ہمارے اسطرح کے دیئے ہوئے رزق پر پردہ پوشی کرنے لگیگا اور اس نظام سے سرکشی برتیگا، تو اسے سخت عذاب دیا جائیگا۔ لہذا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ، نظامِ ربوبیت کا دوسرا نام ہے اور تقوٰی کا لازمی نتیجہ۔

ویسے ان آیات کے جو عام معنی لئے جاتے ہیں انہیں قرآن کریم کے کسی اردو ترجمہ سے دیکھ لیا جا سکتا ہے۔ ہم نے ان کا مفہوم بیان کیا ہے۔

سورہ نحل میں زمین کے متعلق ہے۔ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ (۱۶/۱۵) ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ تم اس پر اطمینان سے سکونت پذیر رہو اور یہ تمہیں لیکر گھومتی رہے*۔

کھلی اور فراخ جگہ کو اَلْمَیْدَانُ ۔ اَلْمَیْدَانُ کہتے ہیں *۔ لہذا مَآئِدَۃً میں فراخی کا پہلو بھی ہے۔

م ی ر

اَلْمِیْرَۃُ ۔ کھانے کی چیزیں جنہیں کوئی شخص لاد کر لائے ۔ مَارَ عِیَالَہٗ یَمِیْرُ ۔ مَیْرًا ۔ وہ اپنے گھر والوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں لایا*۔ سورۃ یوسف میں ہے وَ نَمِیْرُ اَھْلَنَا (۱۲/۶۵) ۔ ہم اپنے گھر والوں کے لئے غلہ (سامان خوراک) لائینگے۔

م ی ز

مَازَ یَمِیْزُ ۔ کسی چیز کو الگ کرلینا ۔ علیحدہ کرلینا ۔ فَامْتَازَ ۔ پس وہ چیز الگ ہوگئی* ۔ راغب نے اس کے معنے ملتی جلتی چیزوں کو ایک دوسری سے الگ کرنے کے کئے ہیں** ۔ قرآن کریم میں ہے حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ (۳/۱۷۸) ۔ تاآنکہ (خدا) خبیث کو طیب سے الگ کردے۔ سورۃ یٰسٓ میں ہے ۔ وَ امْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ (۳۶/۵۹) ۔ اے مجرمو ! ۔ تم اب الگ ہو جاؤ۔ تَمَیَّزَ ۔ الگ الگ ہو جانا ۔ تَمَیَّزَ الرَّجُلُ مِنَ الْغَیْظِ ۔ وہ غصہ کی شدت سے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا* ۔ تَکَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ (۶۷/۸) ۔ قریب ہے کہ وہ جوش میں پھٹ پڑے ۔ اَلتَّمْیِیْزُ ۔ ملتی جلتی چیزوں میں فصل کرنا** ۔

*تاج و محیط ۔ **راغب ۔

مِیْکَالُ

سورۃ بقرہ میں جِبْرِیْلَ وَ مِیْکٰلَ آیا ہے (۲/۹۸)۔ اس فرشتہ (Michael) کو یہودی اپنا دوست سمجھتے تھے۔

م ی ل

مَالَ ۔ وہ جھکا۔ مَالَ اِلَیْہِ ۔ وہ اس کی طرف جھکا ۔ اس کی طرف مائل ہوا ۔ متوجہ ہوا ۔ مَالَ عَلَیْہِ ۔ وہ اس کے خلاف جُھکا ۔ اس پر ظلم کیا ۔ اُس پر حملہ آور ہوا (۴/۱۰۲) ۔ مَالَ عَنِ الْحَقِّ ۔ وہ انصاف کی راہ سے ہٹ گیا۔ اعراض برتا ۔ اَمَالَہٗ ۔ اسے جھکا لیا ۔ مَالَتِ الشَّمْسُ ۔ سورج مغرب کی طرف جھک گیا ۔ زوال آفتاب سے مراد ہے ۔ مَیَّلَ بَیْنَ الْاَمْرَیْنِ ۔ اس نے دو معاملوں میں تردد کیا کہ اس کام کو کرے یا اس کام کو ۔ یعنی اس کا دل کبھی اس کی طرف جُھکا اور کبھی اُس کی طرف* ۔ مَیْلَۃٌ ۔ ایک بار جھکنا (۴/۱۰۲) ۔

اَلْمِیْلُ ۔ میل ۔ زمین کا ایک معین فاصلہ (مختلف مقامات پر اس فاصلہ کے تعین میں اختلاف ہے) ۔ وہ مینار جو راستہ پر مسافروں کی راہ نمائی کے لئے بنا دیا جاتا ہے ۔ نیز زمین کی طویل اور لامحدود مسافت کو بھی کہتے ہیں ۔ اور سرمہ کی سلائی کو بھی* ۔

راغب نے اَلْمَالُ کو بھی مَیْلٌ کے تحت ہی لکھا ہے اور بتایا ہے کہ مال کو اس لئے مَالٌ کہتے ہیں کہ وہ کبھی ایک کی طرف مائل رہتا ہے اور کبھی دوسرے کی طرف** ۔ لیکن ہم نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ (دیکھئے عنوان م ۔ و ۔ ل) ۔

---

*تاج ۔ **راغب ۔

ن

ن

دیکھئے عنوان ، (ن ۔ و ۔ ن)

ن أ ی

نَاَ یْتُہٗ وَ نَاَ یْتُ عَنْہُ ۔ میں اس سے دور ہوا ۔ نَاَ یٰ یہ ۔ اسے ہٹایا ، دور کیا ، ایک طرف کیا* ۔ قرآن کریم میں ہے وَ ھُمْ یَنْھَوْنَ عَنْہُ وَ یَنْئَوْنَ عَنْہُ (۶/۲۶) ۔ وہ (لوگوں کو اس قرآن کریم سے) روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں ۔ اَلْمَنْتَاَ یٰ ۔ مقام بعید کو کہتے ہیں ۔ اَلنَّاْ یُ ۔ در اصل اس گڑھے یا نالے کو کہتے ہیں جو خیمہ کے ارد گرد اس غرض سے کھودا جاتا ہے کہ بارش کا پانی خیمہ کے اندر نہ آنے پائے ۔ اس سے دور دور رہے ۔ اسی سے اس کے معنی مفارقت کے بھی آتے ہیں* ۔ اور اعراض برتنے کے بھی** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِہٖ (۱۷/۸۳) ۔ اعراض برتا اور سرکشی کرتے ہوئے اپنے آپ کو دور لے گیا ۔ پہلو تہی کی ۔ نَاَ یٰ فِی الْاَرْضِ ۔ وہ ملک میں دور چلا گیا* ۔

نا (ضمیر)

نَا ۔ (۱) ضمیر مرفوع متصل ہے ۔ جیسے فَعَلْنَا ۔ ہم نے کیا ۔ یہ تثنیہ ۔ جمع ۔ مذکر ۔ مؤنث ۔ سب کے لئے آتی ہے ۔

(۲) ضمیر منصوب متصل ہے ۔ تثنیہ و جمع متکلم کے لئے آتی ہے ۔ اور مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتی ہے ۔ اَضَلَّانَا ۔ ان دو نے ہمیں گمراہ کیا ۔

(۳) نیز یہ ضمیر مجرور متصل بھی ہے ۔ رَبَّنَا ۔ اے ہمارے رب ۔ (تثنیہ و جمع ۔ مذکر و مؤنث ۔ متکلم کیلئے) ۔

---

*تاج ۔ **راغب نیز ابن فارس ۔

قرآن کریم میں ہے وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَا اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ..... (۴۱/۲۹) - ''اور جو کافر ہیں وہ کہینگے - ''اے ہمارے رب! ان کو، جنہوں نے جن و انس میں سے ہمیں گمراہ کیا تھا ہمیں دکھا'' - دوسری جگہ ہے كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ ..... (۱۵/۴۵) - ''ہم نے ان سے کیا معاملہ کیا...'' -

ن ب أ (ن ب و)

نَبَأٌ کے معنی ہیں خبر دینا - ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے کے ہیں - خبر کو بھی النَّبَأُ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتی ہے - راغب نے کہا ہے کہ نَبَأٌ - ہر خبر کو نہیں کہتے، بلکہ اس خبر کو کہتے ہیں جسمیں بڑا فائدہ ہو، اور اس سے علم حاصل ہو جائے یا وہ کم از کم ظن غالب تک پہنچ جائے - یہ خبر جھوٹ سے خالی ہونی چاہئے - جیسے تواتر یا خدا یا رسول کی دی ہوئی خبر* - لیکن یہ کلیہ صحیح نہیں - قرآن کریم میں ہے اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا ... (۴۹/۶) - ''اگر کوئی فتنہ جو تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اسکی تحقیق کرلیا کرو'' - یہاں فاسق کی لائی ہوئی خبر کو بھی نَبَأٌ کہا گیا ہے - اَنْبَاَ اور نَبَّاَ کے معنی خبر دینے کے ہیں* - نَبِّیْ عِبَادِیْ (۱۵/۴۹) - میرے بندوں کو یقینی طور پر بتا دے - وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرَاهِيْمَ (۲۶/۶۹) - انہیں (کتاب اللہ سے) ابراھیم کی خبر (سرگزشت، یقینی واقعات) بتا دے -

نَبَاَ - نَبْوٌ عًا - کے معنی ہیں بلند ہونا - مرتفع ہونا - اَلنَّبْاَةُ - اونچی زمین کو کہتے ہیں - اَلنَّبِيُّ - مرتفع جگہ اور واضح راستے کو کہتے ہیں جو ابھر کر سامنے آجاتا ہے* -

یہاں تک بات ن - ب - أ (مادہ) کے متعلق تھی - لیکن عربی زبان میں ایک مادہ نبو (ن - ب - و) بھی ہے - نَبْوٌ - نَبْوَةٌ - کے معنی ہیں بلند ہونا - مرتفع ہونا** - اَلنَّبَاوَةُ - اس زمین کو کہتے ہیں جو دوسری زمینوں سے اونچی ہو - اَلنَّبِيُّ - بلند جگہ کو کہتے ہیں - نیز بلند نشان راہ جس سے رہنمائی حاصل کی جائے* -

قرآن کریم میں اَلنَّبِيُّ کا لفظ رسول کے لئے آیا ہے - بعض کا خیال ہے کہ یہ نَبَأٌ سے مشتق ہے اور اسلئے اس کے معنی ہیں خبریں دینے والا - لیکن یہ تورات کا

*تاج و لطائف اللغة نیز اقرب الموارد - **تاج و ابن فارس -

دیا ہوا تصور ہے ۔ یہودیوں میں نَبِیٌّ ہیکل کے ایک خاص منصبدار کا لقب تھا۔ جو پیش گوئیاں کیا کرتا تھا۔ اسی لئے انگریزی میں نبی کو (Prophet) کہتے ہیں ۔ یعنی پیش گوئیاں (Prophecies) کرنے والا ۔ لیکن قرآن کریم نے نبوت کا جو تصور پیش کیا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ نَبَاوَۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں بلند مقام ۔ لہذا نبیٌّ کے معنے ہیں مقام بلند پر کھڑا ہونے والا ۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرمؐ سے کہا یا نَبِیءَ اللہ (ہمزہ سے، جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ لفظ نبأٌ سے مشتق ہے) تو حضورؐ نے فرمایا لَسْتُ بِنَبِیءِ اللہ وَ لٰکِنْ نَبِیُّ اللہ ۔ اس سے واضح ہے کہ یہ لفظ نَبَاوَۃٌ سے مشتق ہے ۔ نبی اس مقام بلند پر ہوتا ہے جہاں سے اسے عالمَ الغیب و الشہادۃ (دنیائے محسوس و غیر محسوس) دونوں کا مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے ۔ وہ ایک طرف (وحی کے ذریعے) کائنات کے بنیادی حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے اور دوسری طرف ان حقائق کو دنیائے محسوسات تک پہنچاتا اور انہیں انسان کی تمدنی زندگی پر منطبق کرتا ہے ۔ رسول اللہؐ نے جب اپنی نبوت کا اعلان قریش کے سامنے کیا تو اس سے اسی حقیقت کا اظہار مقصود تھا۔ آپ ایک پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہو گئے اور قوم سے کہا کہ یہ بتاؤ کہ اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کی دوسری طرف ایک دشمن کا لشکر جرار تم پر حملہ آور ہونے کے لئے چلا آرہا ہے تو تم میری بات کا یقین کرو گے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ضرور کرینگے۔ (ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ ایسے مقام پر کھڑے ہیں جہاں سے آپ پہاڑ کی دوسری جانب بھی دیکھ سکتے ہیں ۔ اور ہم دامن کوہ سے اسکی دوسری سمت نہیں دیکھ سکتے) ۔ اور دوسرے اس لئے کہ آپ نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا ۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اسی طرح اس حقیقت کو بھی مان لو کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری موجودہ روش زندگی کے نتائج ، ہلاکتوں اور بربادیوں کا ایک لشکر جرار اپنے ساتھ لئے تمہاری طرف بڑھے چلے آرہے ہیں ۔ لہذا تم اس روش کو چھوڑ کر زندگی کی صحیح روش اختیار کرو ۔

اس سے مقامِ نبوت کی صحیح تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے ۔ یعنی نبی ، علم کے اس مقام بلند پر ہوتا ہے جہاں وہ (وحی کے ذریعے) حقائق کا مشاہدہ کر لیتا ہے ۔ یہ مقام نبوت ہے ۔ پھر وہ اس علم (وحی) کو لیکر انسانوں کی دنیا کی طرف آتا ہے تاکہ ان تک ان حقائق کو پہنچائے ۔ اور عملاً متشکل کرکے دکھائے ۔ یہ منصب رسالت ہے (یعنی وحی کا دوسروں تک پہنچانا) ۔ نبوت ، رسول اللہؐ پر ختم ہو گئی ۔ اب کوئی انسان خدا کی طرف سے وحی نہیں پاسکتا ۔ (اسلئے کہ جسقدر وحی کی ضرورت تھی وہ دیدی

گئی اور اسے قرآن کریم کے اندر محفوظ کر دیا گیا)۔ باقی رہا فریضۂ رسالت۔ یعنی اس وحی کو عملاً متشکل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا۔ تو یہ فریضہ اس امت کے سپرد ہو گیا جسے کتاب اللہ کا وارث قرار دیا گیا۔ (اسے تبلیغ اور اقامت دین کہا جائیگا۔ ''رسالت'' کہنے سے غلط فہمی کا امکان ہوتا ہے)۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ رسول میں نبوت اور رسالت ایک ہی ذات کے اندر مجتمع ہوتی ہے اس لئے قرآن کریم کی رو سے ہر نبی رسول ہوتا ہے اور ہر رسول نبی۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ختم نبوت کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی اس معنی میں رسول۔ لیکن تبلیغ (یعنی وحی کو دوسروں تک پہنچانے) کا فریضہ امت کے سپرد ہے۔ لہذا امت اپنے نظام کی وساطت سے ''فریضۂ رسالت'' کی ادائیگی کے لئے رسول اللہؐ کی جانشین ہے۔ قرآن کریم میں حضورؐ خاتم النبیین کی نبوت محفوظ ہے اور امت کے قرآنی نظام کے ذریعے ''فریضۂ رسالت'' قیامت تک مسلسل آگے جاسکتا ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ رسول وہ ہے جو اپنے ساتھ کتاب بھی لائے اور نبی وہ ہے جو کتاب نہ لائے۔ یہ خیال قرآن کریم سے بے خبری پر مبنی ہے۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ اللہ نے تمام انبیاء کو کتاب دی تھی۔ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۔۔۔۔ (۲/۲۱۳)۔ یہی الفاظ رسولوں کے لئے آئے ہیں (۵۷/۲۵)۔ انبیاء کی انہی کتابوں کو مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ (۲/۱۳۶) کہا گیا ہے اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عیسےٰؑ نے کہا تھا اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا (۱۹/۳۰) ''اللہ نے مجھے الکتاب دی ہے اور (اسطرح) مجھے نبی بنایا ہے''۔ ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ ہر نبی صاحب کتاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، نبوت اور رسالت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ اسی لئے حضرات انبیاء کرامؑ کو (مثلاً خود نبی اکرمؐ کو) کہیں نبی کہا گیا ہے (۶۵/۱) اور کہیں رسول۔ (۴۸/۲۹)۔ حتکہ حضرت اسماعیلؑ کے متعلق ہے وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (۱۹/۵۴)۔ ''ایک پیغامبر (رسول) جسے نبوت عطا کی گئی تھی''۔ ختم نبوت (۳۳/۴۰) کے معنی یہ ہیں کہ اب کسی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ وہ خدا سے براہ راست علم حاصل کرے۔ علم جسقدر وحی کے ذریعے دیا جانا مقصود تھا، وہ سب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔ لہذا الہام یا کشف وغیرہ کے ذریعے خدا سے براہ راست علم پانے کا عقیدہ ختم نبوت کے عقیدہ کے منافی ہے۔

ہم نے اوپر کہا ہے کہ نَبِيٌّ کا لفظ نَبَاوَةٌ سے مشتق ہے۔ لیکن اگر اسے نَبَاءٌ سے مشتق مانا جائے تو اس میں بھی بلندیِ مقام اور اخبار

عن الغیب (غیب کی باتوں سے باخبر کرنے) کے دونوں مفہوم آجائینگے۔ اس "غیب" کے معنی وحی ہونگے جو نبی کو خدا کیطرف سے ملتی ہے۔ (دیکھئے عنوان غ۔ ی۔ ب)۔ نہ کہ پیش گوئیاں جن کے مدعی (مسلم اور غیر مسلم) ہر جگہ ملتے ہیں۔

ن ب ت

اَلنَّبْتُ۔ اَلنَّبَاتُ۔ ہر وہ چیز جو زمین سے اُگے *۔ اَلْمَنْبِتُ۔ اگنے کی جگہ۔ اس مادہ میں ابھرنے اور نمایاں ہونے کے معنی بھی ہیں۔ چنانچہ لڑکی کے سینہ کے ابھرنے کے لئے نَبَتَ ثَدْیُ الجَارِیَۃِ کہا جاتا ہے اور لڑکے کے بالغ ہو جانے کو بھی نَبَتَتْ عَانَۃُ الغُلَامِ اور اَنْبَتَ الغُلَامُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ نیز التَّنْبِیتُ کے معنی تربیت کرنے کے آتے ہیں**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہوئی ہوئی چیز میں نشوونما ہونے کے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے وَاَنْبَتَتْ مِنْ کُلِّ زَوْجٍ بَهِیْجٍ (۲۲/۵)۔ زمین ہر قسم کی خوشنما روئیدگی اگاتی ہے۔ سورہ آل عمران میں حضرت مریمؑ کے متعلق ہے وَاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا (۳۷/۳)۔ (اس کے رب نے) اُسے عمدہ پرورش سے بروان چڑھایا۔ یہاں جسمانی پرورش اور اخلاقی تربیت دونوں مقصود ہیں۔

نوع انسان کے متعلق ہے وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا (۷۱/۱۷)۔ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اللہ تمہیں نباتات کی طرح نشوونما دیتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ نے نوع انسان کو تمام کرۂ ارض پر درخت کی شاخوں کیطرح پھیلا دیا ہے جس کی جڑ اور تنا ایک ہی ہوتا ہے۔ نیز اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ اللہ نے انسانوں کو زمین سے اسی طرح اگایا ہے جسطرح نباتات اگتے ہیں۔ قرآن کریم کے دوسرے مقامات میں ہے کہ تخلیق انسانی کی ابتداء مٹی سے ہوئی۔ اور اسطرح یہ سلسلہ آگے بڑھا۔ (انسانی تخلیق اور نظریۂ ارتقاء کے متعلق تفصیلات میری کتاب "ابلیس و آدم" میں ملیگی)۔

ن ب ذ

نَبَذَ۔ کسی چیز کو اسلئے پھینکدیا کہ اسکی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ چنانچہ اَلْمَنْبُوْذُ ایسے بچے کو کہتے ہیں جسے راستے میں پھینکدیا گیا ہو***۔ (یعنی ولدالزنا)۔ لہذا اسکے معنی ہیں کسی چیز کو حقارت کی وجہ سے

*راغب۔ **تاج۔ ***تاج و راغب۔

توجہ کے قابل نہ سمجھنا ۔ نَبَذَ العَہْدَ ۔ عہد کو توڑ دیا ۔ نَبَذَ الاَمْرَ ۔ کسی کام کو بیکار چھوڑ دینا** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی پھینکنے اور ڈالنے کے ہیں ۔

اَلانْتِبَاذُ ۔ ایک طرف ہٹ جانا ۔ کنارہ کش ہو جانا ۔ (۱۹/۱۶) ۔ اَلنَّبِیْذُ ۔ کھجور یا کشمش کو پانی میں ڈال کر ایک طرف رکھ چھوڑنا تاکہ وہ نبیذ بن جائے** ۔

کَلَّا لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ (۱۰۴/۴) ۔ سرمایہ دار اور اُس کا تمام مال ایک بے قدر و قیمت متاع کی طرح بیکار رہ جائیگا ۔ (حُطَمَۃ کے لئے دیکھئے ح ۔ ط ۔ م)

سورہ انفال میں قوم مخالف سے معاہدات کے ضمن میں ہے کہ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْبِذْ اِلَیْہِمْ عَلٰی سَوَاءٍ ... (۸/۵۸) ۔ اگر تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا خدشہ ہو تو ان سے برابری کی حالت میں معاہدہ کو ان کی طرف پھینکدو ۔ یعنی خیانت کے خدشہ سے تم ، بلا تنبیہہ ، یونہی معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کرنے لگ جاؤ ۔ نہ ہی انہیں نقصان پہنچانے کی فکر کرو ۔ بلکہ جس برابری کی حیثیت سے تم نے ان سے معاہدہ کیا تھا ، اسی حیثیت سے ان سے کہدو کہ ہمیں تم پر اعتماد نہیں رہا اس لئے تمہارا اور ہمارا معاہدہ کا لعدم سمجھا جائے ۔ عَلٰی سَوَاءٍ (یعنی انہیں برابری کی حیثیت دو ۔ یا یکبارگی معاہدہ کو کالعدم قرار دینے سے انہیں اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو از روئے عدل و انصاف انہیں اس نقصان سے بچاؤ) کی شرط جس اصولِ عدل کی گواہی دیتی ہے وہ قرآن کریم ہی کی خصوصیت ہو سکتی ہے ۔ اس کے برعکس ، غیر مسلموں (زمانہ نبوی کے اہل کتاب) کی حالت یہ تھی کہ اَوَکُلَّمَا عٰھَدُوْا عَھْدًا نَبَذَہٗ فَرِیْقٌ مِنْھُمْ ... (۲/۱۰۰) ''جب کبھی وہ کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو ان میں کا ایک گروہ اس معاہدہ کو (ردی کی ٹوکری میں) پھینکدیتا ہے ۔ ان دونوں آیتوں میں خالی نَبَذَ اور نَبَذَ عَلٰی سَوَاءٍ کا فرق بین طور پر سامنے آجاتا ہے ۔

ن ب ز

اَلنَّبْزُ ۔ کسی کا نام دھرنا ۔ کوئی برا لقب دینا ۔ اَلتَّنَابُزُ ۔ ایک دوسرے کو عار دلانا ۔ ایک دوسرے کو عار دلانے والے القاب سے یاد کرنا ۔ ایک دوسرے کے مذموم نام رکھنا ۔ اَلنَّبِیْزُ ۔ اخلاق اور حسب کے اعتبار سے کمینہ ۔ اَلسِّنْبِزُ ۔ کھجور کے درخت کا بالائی چھلکا* ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **محیط ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَ لَا تَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ (۴۹/۱۱) ۔ آپس میں ایک دوسرے کے طنز و تحقیر آمیز نام نہ دھرا کرو ۔

ن ب ط

اَلنَّبْطُ ۔ وہ پانی جو کنواں کھودنے پر پہلے پہل نکلے ۔ اَنْبَطَ الْحَافِرُ کھودنے والا کھودتے کھودتے پانی تک پہنچ گیا ۔ اسی سے اس کے معنی ہوتے ہیں بات کو گہرائی سے نکال لینا اور ظاہر کر دینا* ۔ تحقیقات کے بعد بات کی اصل تک پہنچ جانا اور اسے ظاہر کر دینا ۔ قرآن کریم میں ہے اَلَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (۴/۸۳) ۔ ان میں سے وہ لوگ جو تحقیقات کے بعد بات کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں ۔ زجاج نے کہا ہے اس کے معنی استخراج کے ہیں* ۔ یہی معنی ابن فارس نے بھی لکھے ہیں ۔ یعنی پیش نظر واقعات سے خاص نتیجہ نکالنا ۔ اس کے غوامض تک پہنچ جانا ۔

ن ب ع

اَلنَّبْعُ ۔ چشمہ سے پانی کا نکلنا ۔ اَلْیَنْبُوْعُ ۔ چشمہ ، جہاں سے پانی نکلتا ہو (جمع یَنَابِیْعُ)* ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا (۱۷/۹۰) ۔ ''تو ہمارے لئے اس زمین سے چشمہ بہا دے'' ۔ سورۂ زمر میں ہے ۔ فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ (۳۹/۲۱) ۔ ''پھر اسے (پانی کو) چشمے بنا کر زمین میں بہاتا ہے'' ۔ مَنْبَعُ الْمَاءِ ۔ پانی پھوٹنے کی جگہ* ۔

ن ت ق

نَتَقَ ۔ یَنْتِقُ ۔ (یَنْتُقُ) ۔ کسی چیز کو سخت حرکت دینا ۔ اور ہلانا* ۔ وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ (۷/۱۷۱) ۔ جب ہم نے اس پہاڑ میں زلزلہ پیدا کیا جو ان کے سروں کے اوپر تھا ۔ اَلنَّاتِقُ مِنَ الْخَیْلِ ۔ وہ گھوڑا جو اپنے سوار کو اچھال اچھال کر اس کا کچومر نکال دے ۔ یا اُسے گرا دے ۔ اَلنَّتْقُ کے معنے اکھاڑ دینے کے بھی آتے ہیں اور ہلا کر جھاڑ دینے کے بھی* ۔ یہ سب حرکت ہی کے مظاہرے ہیں ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز کو اس طرح کھینچنے کے ہیں کہ وہ ڈھیلی ہو جائے** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو کھینچنے ، ہلانے اور اسے اس کی جڑ سے اکھاڑنے کے ہیں ۔

*تاج ۔ **راغب ۔

ن ث ر

نَثَرَ - یَنْثُرُ - نَثْرًا وَ نِثَارًا - کسی چیز کو بکھیر دینا - فَانْتَثَرَ - پس وہ بکھر گئی - اَلنَّثْرُ - راز کی باتوں کو پھیلانا - بہت زیادہ باتیں کرنا - اَلْمُنْتَثِرُ - کمزور آدمی جس میں کوئی بھلائی کی بات نہ ہو - اَلْمِنْثَارُ - اس کھجور کے درخت کو کہتے ہیں جس سے کچی کھجوریں گر جائیں - یعنی وہ پکنے سے پہلے ہی گر جائیں اور اس طرح اس کا پھل کسی کام نہ آئے* - قرآن کریم میں مجرمین کے اعمال کے متعلق ہے فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (۲۵/۲۳) ہم انہیں بے نتیجہ اور رائیگاں جانے والا بنا دینگے - مکافاتِ عمل کی میزان میں ان کا کچھ وزن نہیں ہوگا - وہ فضا میں منتشر ذرات کی طرح ہو جائیں گے - یعنی وہ کوئی تعمیری نتیجہ پیدا نہیں کرسکینگے - (''بے نتیجہ'' رہ جانے سے یہی مطلب ہے) -

بکھرنے کے معنوں میں سورۃ انفطار میں ہے - اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (۸۲/۲) - جب ستارے بکھر جائینگے - ان کا شیرازہ منتشر ہوجائیگا -

ن ج د

اَلنَّجْدُ - زمین کا وہ حصہ جو بلند اور سخت ہو - نیز بلند ، کھلے اور واضح راستے اور ، ماہر راہنما کو بھی کہتے ہیں** -

نَجَدَ الْاَمْرُ یَنْجُدُ - معاملہ واضح اور ظاہر ہوگیا** - قرآن کریم میں ہے - وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (۹۰/۱۰) ہم نے انسان کو (حق و باطل کے) دونوں راستے (وحی کے ذریعے) دکھا دیئے - اب اس کے بعد وہ صاحب اختیار ہے کہ ان میں سے جونسا راستہ چاہے اپنے لئے اختیار کرلے - واضح رہے کہ حق و باطل کے راستے ، وحی (قرآن) کی رو سے دکھائے گئے ہیں - انسان کے اپنے اندر اس کی صلاحیت نہیں کہ وہ وحی کی روشنی کے بغیر از خود خیر و شر میں تمیز کرسکے - (دیکھئے عنوان ل - ہ - م اور ف - ط - ر) -

نیز ، خدا کا کام صرف راستے دکھا دینا ہے - صحیح راستہ پر چلا دینا نہیں - یہ انسان کے اپنے اختیار کی بات ہے کہ وہ جونسا راستہ چاہے اختیار کرلے - یہی اختیار ، انسان کو اس کے ہر فیصلہ اور عمل کا ذمہ دار بنا دیتا ہے اور اسی سے وہ اپنے اعمال کے (اچھے اور برے) نتائج کا مستحق قرار پاتا ہے -

*تاج و محیط و راغب - **تاج و راغب -

ن ج س

اَلنَّجَسُ ۔ یہ طَاھِرٌ کی ضد ہے (جس کے لئے دیکھئے عنوان ط ۔ ہ ۔ ر) قَدْ نَجِسَ ثَوْبُہٗ ۔ اس کا کپڑا ناپاک ہوگیا* ۔ راغب نے کہا ہے کہ نَجَاسَۃٌ ۔ دو طرح کی ہوتی ہے ۔ ایک تو وہ جس کا ادراک حاسہ (بصارت) سے کیا جا سکتا ہے ۔ اور دوسرے وہ جس کا ادراک بصیرت سے کیا جا سکتا ہے۔ جیسے دل کی آلودگی۔ نگاہ کی ناپاکی ۔ انہی معنوں میں قرآن کریم نے کہا ہے کہ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ (۹/۲۸) ''مشرکین یقیناً آلودگیوں سے بھرے ہوئے ہیں''۔ دَاءٌ نَاجِسٌ ۔ ایسی بیماری جس سے انسان اچھا نہ ہو* ۔

اہل عرب اپنے بچوں کے گلے میں آسیب اور نظر بد وغیرہ سے بچنے کے لئے تعویذ پہنا دیا کرتے تھے ۔ یہ تعویذ گندی چیزوں کے ہوا کرتے تھے ۔ مثلاً مُردوں کی ہڈیاں ۔ یا حیض کا کپڑا وغیرہ ۔ اسے وہ اَلتَّنْجِیْسُ کہتے تھے** ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ازالۂ نجاست کی وجہ سے اس عمل کو اَلتَّنْجِیْسُ کہا گیا ہو ۔

ن ج م

اَلنَّجْمُ ۔ ستارہ جب وہ نکلا ہوا ہو ۔ جمع اَنْجُمٌ اور نُجُوْمٌ ۔ نیز اَلنَّجْمُ اُس پودے کو کہتے ہیں جسکا تنہ نہ ہو اور وہ زمین پر پھیل جائے ۔ برخلاف اَلشَّجَرُ کے جسکا تنہ ہوتا ہے *** ۔ اَلنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانِ (۵۵/۶) کے یہی معنی ہیں ۔ (یہ دونوں لفظ اسم جمع ہیں ۔ ان کا واحد ''ۃ'' سے بنتا ہے ۔ اگرچہ ، جیسا کہ شروع میں لکھا گیا ہے ، اَلنَّجْمُ کی جمع بھی آتی ہے ۔ ویسے ، اسم جمع بالعموم لفظاً واحد استعمال ہوتے ہیں اور معناً جمع ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی نکلنے اور ظاہر ہونے کے ہیں۔ اَلنَّجْمَۃُ کلمہ (لفظ اور بات) کو بھی کہتے ہیں *** ۔ قرآن کریم کے آہستہ آہستہ بالاقساط نازل ہونے کو بھی اَلنَّجْمُ کہا جاتا ہے *** ۔ لیکن قرآن کریم میں اس مفہوم کے لئے یہ لفظ نہیں آیا ۔

نَظَرَ فِی الْاَمْرِ ۔ کسی معاملہ میں اس غرض سے غور و فکر کرنا کہ اسکی تدبیر کس طرح سے کی جائے ۔ چنانچہ سورہ صٰفّٰت میں حضرت ابراھیم ؑ کے متعلق جو ہے کہ فَنَظَرَ نَظْرَۃً فِی النُّجُوْمِ (۳۷/۸۸) تو اسکے معنی غوروفکر

*تاج ۔ محیط ۔ راغب ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔

کرنے کے ہیں *۔ لیکن ہمارے نزدیک اسکا صحیح مفہوم وہ ہے جسے ہم نے (ن ۔ ظ ۔ ر) کے عنوان میں لکھا ہے ۔ یعنی نکتہ چینی کرنا ۔ عیب نکالنا تنقید کرنا ۔

صاحب غریب القرآن نے لکھا ہے کہ اَلنُّجُوْمُ رؤسائے قوم یا چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو کہتے ہیں** ۔ برخلاف اَلشَّمْسُ کے جس سے مراد ایران کی سلطنت ہے (۸۱/۱-۲) ۔

ن ج و

نَجَاءٌ ۔ نَجَاۃٌ نَجَایَۃٌ ۔ کسی ایسی چیز سے محفوظ رہنا جس میں خطرہ ہو ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ نَجْوَۃٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں بلند جگہ ۔ اَلنَّجْوَۃُ وَالْمُنْجٰی ۔ اس بلند جگہ کو کہتے ہیں جس کی بلندی کی وجہ سے اس تک سیلاب کا پانی نہ پہنچ سکے ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلنَّجْوَۃُ وَالنَّجَاۃُ ۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جو اپنی بلندی کی وجہ سے ارد گرد سے الگ اور ممتاز نظر آئے ***

نَجَا ۔ یَنْجُوْ ۔ نَجَاءٌ ۔ تیز چلنے اور آگے نکل جانے کو بھی کہتے ہیں ۔ ایک حدیث میں ہے اِذَا سَافَرْتُمْ فِی الْجَدْبِ فَاسْتَنْجُوْا ۔ جب تم کسی خشک اور قحط زدہ زمین میں سفر کرو تو وہاں سے تیزی سے گذر جاؤ ۔ اسی لئے نَاقَۃٌ نَاجِیَۃٌ ۔ تیز رفتار اونٹنی کو کہتے ہیں *** ۔

راغب نے کہا ہے کہ نَجَاءٌ کے اصلی معنی کسی چیز سے الگ ہو جانے کے ہیں **** ۔ نَجَا غُصْنُ الشَّجَرَۃِ ۔ درخت کی شاخیں کاٹ دیں ۔ نَجَا النِّجْلَدَ کے معنی ہیں کھال کھینچ دی *** ۔ ابن فارس نے اس کے دو بنیادی معنی لکھے ہیں جو باہمد گر متضاد ہیں ۔ (۱) کسی چیز کو چھیل دینا اور کھول دینا ۔ اور (۲) چھپانا اور پوشیدہ کرنا ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اسکا استعمال بلندی کے معنوں میں بھی بتایا ہے ۔

اس لفظ کے بنیادی معنوں کو سامنے رکھنے سے نجات کا قرآنی مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ دوسرے مذاہب میں انسان کے متعلق تصور یہ ہے کہ وہ دنیا کے جیل خانے میں بری طرح قید ہے ۔ اسے اس قید سے رہائی مل جانے کا نام نجات ہے ۔ ہندو دھرم کا عقیدہ ہے کہ انسان دنیا میں ، اپنے سابقہ جنم کے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے آتا ہے ۔ اس سزا سے خلاصی مل جانے کا نام نجات ہے ۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر ابن آدم پیدائشی طور پر اپنے

*تاج ۔ **غریب القرآن (میرزا ابوالفضل ۔) ***تاج و محیط ۔ ****راغب ۔

اولین ماں باپ (آدم و حوا) کے گناہوں کو اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے آتا ہے اور اس کثافت سے اسکا چھٹکارا ناممکن ہے جب تک وہ حضرت عیسٰیؑ کے کفارہ پر ایمان نہ لائے۔ ویدانت (یعنی ہندوؤں کے تصوف) کا عقیدہ یہ ہے کہ انسانی روح (آتما) اپنی اصل (پرماتما) سے الگ ہو کر مادہ کی دلدل میں پھنسکر چیخ پکار کر رہی ہے۔ اس مصیبت سے چھٹکارا پاکر جزو کا اپنی اصل سے جاکر مل جانا نجات ہے۔ ایسا ہی تصور بدھ مت میں ہے جنکا عقیدہ ہے کہ ہر آرزو ایک مصیبت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ انسان، ترک آرزو سے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔ اسے نروان کہتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ ان مذاہب نے تصور یہ دیا ہے کہ انسان اس دنیا میں آنے سے پہلے اچھی حالت میں تھا۔ اس میں آکر یہ مصیبت میں پھنس گیا۔ اب اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرکے، پھر سے اپنی پہلی حالت میں پہنچ جانا (نجات) مقصود حیات ہے۔ قرآن کریم ان تمام تصورات کی تردید کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان نہ تو اپنے کسی سابقہ جنم کے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے دنیا میں آتا ہے اور نہ ہی اپنے اولین ماں باپ کے گناہوں کی آلودگی کو اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اس لئے دنیا جیل خانہ نہیں جس سے چھٹکارا حاصل کرنا مقصود حیات ہو۔ نہ ہی انسانی روح، خدا کی روح کا جزو ہے جو مادہ کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے اور یہاں سے خلاصی پا لینے کا نام نجات ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر انسانی بچہ ایک سادہ لوح (Clean Slate) لیکر دنیا میں آتا ہے۔ اسے فطرت کیطرف سے کچھ صلاحیتیں ملتی ہیں۔ اس میں "کچھ بننے" کی امکانی وسعتیں (Realiseable Possibilities) ہوتی ہیں۔ ان (Potentialities) کو مشہود بنانا (Actualised کرنا) مقصود حیات ہے تاکہ انسان اس زندگی سے بلندتر زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے۔ مقصود زیست (As you Were) ہونا نہیں۔ ترقی کرنا اور آگے بڑھنا ہے۔ زمین کی زندگی انسان کی تربیت گاہ ہے۔ اس میں اسکی ذات کی نشوونما (Development) ہوتی ہے جس سے یہ اس دنیا کی تمام خوشگواریاں اور شادکامیاں حاصل کر لیتا ہے اور اس زندگی سے اگلی زندگی کے ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل بھی ہو جاتا ہے۔ لہذا دنیا سے چھٹکارا حاصل کر لینا مقصودِ حیات نہیں۔ اس دنیا کو مسخر کرکے اسکی نعمتوں کو قوانین خداوندی کے مطابق صرف کرنا اور اسطرح اپنی ذات کی نشو و نما اور انسانیت کی فوز و فلاح حاصل کرنا مقصود حیات ہے۔

دنیا میں باطل کی قوتوں کے ساتھ کشمکش لازمی ہے۔ اور اس کشمکش ہی سے انسانی ذات کا استحکام ہوتا ہے۔ جو جماعت، قانون خداوندی کے

مطابق زندگی بسر کرتی ہے اسے ان مستبد قوتوں کی گرفت سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور تباہی اور بربادی سے مصئون ۔ اس کے لئے قرآن کریم نے نجات کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک قوم اپنی غلط روش کی وجہ سے مستبد قوتوں کے فولادی پنجے میں گرفتار ہو جاتی ہے لیکن اسکے بعد پھر قوانین خداوندی کی طرف رجوع کر لیتی ہے تو اسے ان سرکش قوتوں کے دامِ بلا سے رہائی مل جاتی ہے ۔ اس کے لئے بھی نجات کا لفظ آیا ہے ۔ (جیسے بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے رستگاری نصیب ہو جانا ان کی نجات تھی) ۔

اب رہی مرنے کے بعد جہنم کی سزا سے نجات ۔ سو اس کے متعلق یہودیوں کے ہاں یہ عقیدہ ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی بعض لغزشوں کی وجہ سے کچھ وقت کے لئے جہنم میں رہیں گے اور اس کے بعد ، جب اس سزا کی مدت ختم ہو جائے گی یا ان گناہوں کی کثافتیں دور ہو جائینگی تو پھر جنت میں چلے جائینگے (۳/۲۴) ۔ یعنی ان کے ہاں جہنم سے مفہوم یہ ہے کہ یا تو انسان اس میں ایک مدت معینہ تک سزا بھگتنے کے لئے بھیجا جائیگا اور یا اس لئے کہ اس کے گناہ دھل جائیں اور وہ پاک و صاف ہو کر جنت میں چلا جائے ۔ اسکا نام ان کے ہاں نجات ہے ۔

یہ دونوں تصور بھی قرآن کریم کے خلاف ہیں ۔ قرآن کریم کی رو سے انسان جہنم میں نہ تو ایک قیدی کی طرح ایک مدت معینہ تک سزا بھگتنے کے لئے جاتا ہے اور نہ ہی جہنم دھوبی کی بھٹی ہے جس میں گناہوں کی کثافتیں صاف ہوتی ہیں تاکہ انسان پاک و صاف ہو کر جنت میں جائے ۔ قرآن کریم کا تصور یہ ہے کہ جب قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان کی مضمر صلاحیتوں (ذات) کی اتنی نشوونما ہو جائے کہ وہ زندگی کی اگلی منزل (یعنی سلسلۂ ارتقاء کی اگلی کڑی) تک پہنچنے کے قابل ہو جائے تو اسے جنت کی زندگی کہتے ہیں جس میں اسکی نشوونما مزید ترقی حاصل کرتی رہتی ہے ۔ لیکن اگر وہ غیر خداوندی نظام کے ماتحت زندگی بسر کرے تو اسکی نشوونما رک جاتی ہے ۔ اسے جہنم کی زندگی کہتے ہیں* ۔ جس کی نشوونما رک جاتی ہے وہ زندگی کے ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل نہیں رہتا ۔ وہ اسی مقام پر رکا رہتا ہے ۔ اس لئے کسی کے ''جہنم'' سے نکلنے

*واضح رہے کہ جنت اور جہنم کی زندگی اس دنیا میں بھی ہوتی ہے اور اس کے بعد کی زندگی (آخرت) میں بھی ۔ اس مقام پر جس جنت اور جہنم کی زندگی کا ذکر ہے اس کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے ۔

کا سوال ھی پیدا نہیں ھوتا ۔ اس اعتبار سے نجات کا وہ تصور بھی غیر قرآنی ھے جسکی رو سے (یہودیوں کی طرح) سمجھا جاتا ھے کہ انسان اپنے گناھوں کی سزا بھگتنے (یا پاک و صاف ھونے) کے لئے کچھ وقت کے لئے جہنم میں جائیگا اور پھر وھاں سے چھٹکارا پا کر جنت میں چلا جائیگا ۔ (اس مقام پر صرف اشارات پر اکتفا کیا جاتا ھے تفصیل ان امور کی جہنم اور جحیم وغیرہ عنوانات میں ملے گی)۔

نَجْوٰی کے معنی سرگوشی اور رازداری کی باتیں کرنے کے ھیں ۔ راغب نے کہا ھے کہ اسکی وجہ یہ ھے کہ وہ لوگ بستی سے باھر جا کر کسی بلند مقام پر بیٹھ کر آپسمیں رازداری کی باتیں کیا کرتے تھے ۔ اور اسکیمیں بنایا کرتے تھے ۔ بعض نے کہا ھے کہ یہ نَجَاۃٌ سے ماخوذ ھے ۔ اس طرح نَجْوٰی کا مطلب ھوگا ، مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرنا ۔ اِنْتَجٰی کے معنی بلند مقام پر بیٹھنے کے ھیں *۔ نَجِیٌّ ۔ ھم راز جس کے ساتھ سرگوشی کی جائے (۱۹/۵۲) ۔ اسی سے فعل تَنَاجٰی وتَنَاجَی ۔ باھم سرگوشی کرنے کے لئے آتا ھے ۔ قرآن کریم میں نجوی کا لفظ راز اور مشوروں کے معنی میں کئی جگہ آیا ھے (مثلاً ۔ ۲۰/۶۲ ؛ ۵۸/۷)۔

سورہ یونس میں فرعون ۔ حضرت موسٰے کی غرقابی کے سلسلہ میں ھے فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً (۱۰/۹۲) ۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے لکھا ھے کہ اس میں نُنَجِّیْکَ کے معنی ھیں کسی بلند جگہ پر پھینکدینا ۔ اس آیت میں بتایا گیا ھے کہ اگرچہ فرعون غرق ھو گیا تھا لیکن اس کی لاش کو محفوظ کر لیا گیا تھا تاکہ وہ بعد میں آنے والوں کے لئے آیۃً عبرت بن سکے ۔ مصر کے تہ خانوں سے ، فراعنہ کی جو لاشیں ملی ھیں اس میں فرعون حضرت موسٰے کی لاش بھی موجود ھے (دیکھئے انسائکلوپیڈیا برٹانیکا ۔ عنوان ممّی) ۔ چونکہ یہ انکشاف حال ھی کا ھے اور ھمارے قدیم مفسرین کو اس کا علم نہیں تھا ، اس لئے ظاھر ھے کہ وہ اس آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتے تھے ۔ (یہی وجہ ھے کہ صاحب کتاب الاشتقاق نے بھی اس آیت میں بَدَنٌ کے معنی زرہ کے کئے ھیں ۔ یعنی فرعون کی زرہ پانی سے باھر ، بلند جگہ پر پھینک دی گئی تھی ۔ لیکن مذکورہ صدر انکشاف نے حقیقت حال کو بے نقاب کر دیا ھے کہ بَدَن سے مراد فرعون کی لاش ھی ھے)۔

---

*تاج۔

قرآن کریم نے اپنے حقائق کے متعلق یہ بھی کہا ہے کہ جوں جوں انفس و آفاق میں خدا کی نشانیاں بے نقاب ہوتی جائینگی، قرآنی حقائق کی وضاحت ہوتی جائیگی (۴۱/۵۳)۔ ان ''نشانیوں'' کے بے نقاب ہونے کا ایک طریق تاریخی شواہد کا سامنے آنا بھی ہے، جیسا کہ فرعون کی لاش کے سلسلہ میں ہوا۔

ن ح ب

اَلنَّحْبُ۔ وہ نذر (منت) جس کے واجب ہونے کا فیصلہ کرلیا جائے*۔ نَحَبَ الرَّجُلُ یَنْحَبُ۔ آدمی نے نذر مانی**۔ اَلتَّنْحِیْبُ۔ لگاتار سرگرمی اور انہماک سے کام کرنا۔ اَلنَّحْبُ۔ موت۔ جوا اور قمار بازی کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں شرط باندھی جاتی ہے جس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

اَلنَّحْبُ۔ خطرہ عظیم***۔ بلند آواز سے رونا***۔ ابن فارس نے بھی یہ دونوں معانی لکھے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔ (۳۳/۲۳)۔ ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی نذر (واجبات) کو پورا کر دیا۔ حق کی خاطر جان دے دی۔

ن ح ت

نَحَتَ یَنْحِتُ و یَنْحِتُ۔ کسی چیز کو چھیلنا۔ تراش کر ہموار کرنا***۔ اَلنَّحْتُ۔ بڑھئی کے لکڑی چھیلنے کو کہتے ہیں****۔

قرآن کریم میں ہے۔ وَ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا (۷/۷۴)۔ تم پہاڑوں کو کاٹ اور تراش کر ان میں مکانات بناتے ہو۔

ن ح ر

نَحْرُ الصَّدْرِ۔ سینے کا اوپر کا حصہ۔ سینہ پر جہاں ہار پہنا جاتا ہے۔ نَحَرَ الْبَعِیْرَ یَنْحَرُهٗ نَحْرًا۔ اس نے اونٹ کے سینہ سے متصل اس جگہ پر نیزہ مارا جہاں سے حلق شروع ہوتا ہے۔ (اونٹوں کو اسی طرح ذبح کرتے ہیں)***۔ ابن فارس نے بھی لکھا ہے کہ اس مادہ سے کئی الفاظ آتے ہیں۔ سینے کو بھی کہتے ہیں اور سینے کے چیر دینے کو بھی۔

قرآن کریم میں ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ (۱۰۸/۲)۔ اس میں وَ انْحَرْ کی بہت سی تفاسیر صاحب تاج نے لکھی ہیں۔ مثلاً (۱) نماز میں کھڑا

*راغب۔ **محیط۔ ***تاج۔ ****لسان العرب۔

ہو کر سینے کو باہر کی طرف نکالنا ۔ (۲) نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا ۔ (۳) قربانی کے جانوروں (اونٹوں) کو ذبح کرنا ۔ (۴) نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ۔ (۵) نماز میں (نحر تک) ہاتھ اٹھانا ۔ (۶) اپنے سینہ کو قبلہ رخ رکھ کر کھڑے ہونا ۔ (۷) خواہشات کا قلع قمع کرنا ۔ (۸) دن کے ابتدائی حصہ میں (قبلہ رخ) کھڑے ہونا* ۔ لیکن نَحَرَ کے معنی ہیں دسترس پیدا کرنا ۔ کسی بات پر حاوی ہوجانا ۔ اسے اچھی طرح حاصل کرلینا ۔ نَحَرْتُ الشَّیْءَ عِلْمًا ۔ میں علم کے ذریعے اس معاملہ پر حاوی ہوگیا** ۔ نَحَرَ الْاُمُوْرَ عِلْمًا ۔ اس نے معاملات کو اچھی طرح سمجھ لیا*** ۔ چنانچہ اَلنِّحْرُ ۔ وَالنِّحْرِیْرُ کے معنی ہیں ماہر ۔ عقل مند ۔ تجربہ کار ۔ ہر چیز کو سمجھنے اور دیکھنے والا اور مضبوطی سے اس پر عمل کرنے والا*** ۔ اس لئے وَانْحَرْ (۱۰۸/۲) کے معنی ہونگے ، اس پروگرام کے متعلق تمام امور پر علم و عقل اور تجربہ و بصیرت سے پوری پوری طرح حاوی ہوکر ، ان پر نہایت مضبوطی سے عمل پیرا رہو ۔

لیکن اگر اس آیت میں وَانْحَرْ سے مراد ''اونٹ کا ذبح کرنا'' لیا جائے تو اس سے ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے ۔ ہجرت کے بعد جب رسول اللہ مدینہ تشریف لائے تو حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کی جماعت (انصار اور مہاجر دونوں) غریب اور کمزور تھی اور مدینہ میں یہودیوں کا بڑا زور تھا ۔ ایسے حالات میں کمزور جماعتیں ہمیشہ طاقتور جماعتوں کے سہارے ڈھونڈھتی ہیں اور اس کے لئے اپنے اصولوں تک کو قربان کردیتی ہیں ۔ یہودیوں کے ہاں اونٹ حرام تھا اور مسلمانوں کے ہاں حلال ۔ وہ اونٹ کے ذبیحہ کو قابل اعتراض سمجھتے تھے ۔ وہ مدینہ میں اپنی قوت کی بنا پر سمجھتے تھے کہ مسلمان ان سے دب کر رہینگے اور اونٹ کو ذبح کرنے سے محتاط رہینگے ۔ قرآن کریم نے ہین اس مقام پر حکم دیا کہ مدینہ میں ''اونٹ ذبح کرو'' ۔ یعنی دین کے معاملہ میں یہودیوں سے مفاہمت کا خیال نہ کرو ۔ چنانچہ اس کمزور جماعت نے تھوڑے ہی دنوں میں اتنی قوت پیدا کرلی کہ یہودی (جو اپنی فتنہ پردازیوں سے باز نہیں آتے تھے) مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہوگئے ۔ [اس ضمن میں بعض نے کہا ہے کہ عبرانی زبان میں ''کوشر'' حلال ذبیحہ کو کہتے ہیں ۔ اَلْکَوْثَرَ (۱۰۸/۱) اسی سے معرب ہے اس اعتبار سے اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (۱۰۸/۱) کے معنے ہونگے ''ہم نے تجھے (اونٹ) بطور حلال ذبیحے کے عطا کیا'' ۔ لیکن ہم نے اس مفہوم کو ترجیح نہیں دی ۔ دیکھئے عنوان (ک ۔ ث ۔ ر)] ۔

*تاج ۔ **اساس زمخشری بحوالہ غریب القرآن مرزا ابو الفضل ۔ ***محیط ۔

ن ح س

اَلنُّحَاسُ (نون پر تینوں حرکتیں جائز ہیں) - پگھلا ہوا تانبہ - پیتل یا لوہے کو جب کوٹا جائے تو اس میں سے جو چنگاریاں اڑتی ہیں انہیں بھی کہتے ہیں - نیز اس اونچے ہو جانے والے دھوئیں کو بھی کہتے ہیں جس میں خفیف حرارت ہو لیکن لپٹ اور شعلہ نہ ہو* - راغب نے اسکے معنے ایسے شعلہ کے لکھے ہیں جس میں دھواں نہ ہو - یہیں سے نَحْسٌ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ افق آسمان نُحَاسٌ کی طرح سرخ ہو جائے - اسے عرب نحوست کی نشانی سمجھتے تھے** - اسی سے اَلنَّحْسُ ہر تاریک معاملہ کو کہتے تھے - اور مشقت، تکلیف، نقصان، ضرر اور تکان کو بھی - چنانچہ کہتے ہیں نَحَسَتِ الْاِبِلُ فُلَانًا - اونٹوں نے فلاں آدمی کو تھکا دیا - اَلنَّحْسُ - اُن تین راتوں کو کہتے جن کا بڑا حصہ چاند نہ ہونے کی وجہ سے تاریک ہوتا ہے - تَنَاحَسَ فُلَانٌ - فلاں آدمی اوندھا ہو گیا - تَنَحَّسَ الرَّجُلُ - آدمی بھوکا رہا - نَحَسَهٗ نَحْسًا - اس نے اس کے ساتھ بے مروتی کی - جفا کی - راغب نے لکھا ہے کہ اَیَّامٍ نَحِسَاتٍ سخت سردی کے دنوں کو بھی کہتے ہیں** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی سعادت کی ضد ہیں - اَلنُّحَاسُ پیتل کو کہتے ہیں کیونکہ وہ سونا چاندی کے مقابلہ میں قدر و قیمت کے لحاظ سے کم تر ہوتا ہے -

قرآن کریم میں نُحَاسٌ (۵۵/۳۵) - دھوئیں یا چنگاریوں کے معنوں میں بھی آیا ہے - یعنی جہنم کا عذاب - سورہ قمر میں قوم عاد کے عذاب کے سلسلہ میں کہا ہے کہ ان پر سخت جھکڑ آیا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (۵۴/۱۹) ان کی مسلسل مصیبت کے دن میں - (یَوْمِ نَحْسٍ مرکب اضافی ہے) اسی کو دوسری جگہ اَیَّامٍ نَحِسَاتٍ (۴۱/۱۶) کہا گیا ہے - پرمشقت ایام - (مرکب توصیفی) -

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے سعد و نحس کا مفہوم وہ نہیں جو ہمارے ہاں عام طور پر رائج ہے - ہمارے ہاں (مثلاً) کہتے ہیں کہ منگل کا دن منحوس ہوتا ہے - یہ خالص ہندوانہ تصور ہے اور توہم پرستی پر مبنی - کوئی دن یا کوئی گھڑی فی ذاتہ نہ سعید ہوتی ہے نہ منحوس - جسدن کسی پر اس کے کسی غلط کام کی وجہ سے مصیبت آتی ہے وہ دن اس کے لئے منحوس ہوتا ہے (یعنی مصیبت کا دن) اور جسدن کامیابی اور

*تاج - **راغب -

شادکامی اسکے سامنے آئے وہ دن سعید ۔ لہذا سعادت اور نحوست انسان کے اپنے اعمال ھی کے نتائج کا نام ھے ۔ (نیز دیکھئے عنوان س ۔ ع ۔ د)

ن ح ل

اَلنَّحْلُ ۔ شہد کی مکھیاں* ۔ (۱۶/۶۸) ۔ اَلنِّحْلَۃُ اَلنُّحْلَۃُ ۔ وہ عطیہ جو بغیر کسی قسم کے معاوضہ کے دیا جائے** ۔ سورہ نساء میں ھے وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (۴/۴) ۔ عورتوں کو ان کے مہر بطور عطیہ ، بلا بدل دے دو ۔ اس کا مطلب یہ ھے کہ مہر وہ عطیہ (Gift) ھے جو مرد کی طرف سے عورت کو کسی قسم کے معاوضہ کے خیال کے بغیر تحفۃً دیا جاتا ھے* ۔ اَلْعَطَاءُ بِلَا عِوَضٍ (لطائف اللغۃ) ۔ تاج اور ابن فارس نے النَّحْلُ کے یہی معنی لکھے ھیں ۔ راغب نے لکھا ھے کہ یہ لفظ نَحْلٌ ھی سے مشتق ھے ۔ یعنی جسطرح شہد کی مکھی بلا کسی معاوضہ کے شہد جیسی مفید چیز عطا کر دیتی ھے ، اسی طرح نِحْلَۃً وہ شیریں تحفہ ھے جو عورت کو بطیب خاطر اور بغیر کسی معاوضہ کے خیال کے دیا جاتا ھے ۔ یہ ھے مہر کی حقیقت ۔ (قرآن کریم میں مہر کا لفظ نہیں آیا) ۔ یعنی یہ کوئی معین رقم نہیں جو بطور معاوضہ دی جائے ۔ بلکہ تحفہ ھے جو کسی معاوضہ کے خیال کے بغیر، مودت اور محبت کے اظہار کے لئے دیا جائے ۔ اور جس پر دونوں فریق رضامند ھو جائیں ۔ مقصود اس سے عورت کا وزن بڑھانا ، اس کے وقار میں اضافہ کرنا ھے ۔

نَحْنُ (ضمیر)

نَحْنُ ۔ ضمیر مرفوع منفصل ھے ۔ تثنیہ (دو) اور جمع متکلم کیلئے آتی ھے اور مذکر و مؤنث دونوں کیلئے یکساں طور پر استعمال ھوتی ھے ۔ نَحْنُ رَجُلَانِ ۔ ھم دو مرد ھیں ۔ نَحْنُ امْرَاَتَانِ ۔ ھم دو عورتیں ھیں ۔ نَحْنُ رِجَالٌ ۔ ھم سب مرد ھیں ۔ نَحْنُ نِسْوَۃٌ ۔ ھم سب عورتیں ھیں ۔

سورہ بقرہ میں ھے نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (۲/۱۴) ۔ " ھم تو مذاق کرتے ھیں " ۔

ن خ ر

نَخَرَ ۔ یَنْخُرُ ۔ آواز یا سانس کو ناک میں کھینچنا ۔ ناک سے نکلنے والی آواز نَخِیْرٌ کہلاتی ھے ۔ النُّخْرَۃُ خود ناک کو بھی کہتے ھیں ۔

*تاج ۔ **راغب ۔

نُخْرَةٌ الْاَنْفِ - ناک کے اگلے حصے اور اسکی نوک کو کہتے ہیں * - ناک کا شگاف - نتھنا*** - اسی سے عَظْمٌ نَخِرٌ اس بوسیدہ ہڈی کو کہتے ہیں جو اندر سے بالکل کھوکھلی ہو چکی ہو* - قرآن کریم میں عِظَاماً نَخِرَةً (۷۹/۱۱) - بوسیدہ ہڈیوں کے لئے آیا ہے - نَخِرَتِ الشَّجَرَةُ - درخت میں سے آواز نکلی - یہ اسوقت ہوتا ہے جب درخت بوسیدہ اور کھوکھلا ہو جائے اور اس میں ہوا کے گذرنے کے لئے سوراخ ہو جائیں ، تو ہوا کے چلنے سے اس میں سے آواز نکلے** -

ن خ ل

نَخَلَهُ - اسے صاف کیا - پسند کر لیا* - نَخَلَ الدَّقِيْقَ - آٹے کو چھلنی میں چھان لیا* - اَلْمُنْخَلُ اور اَلْمِنْخَلُ - چھلنی - اَلنَّخْلُ - اَلنَّخِيْلُ (واحد نَخْلَةٌ) - کھجور کے درخت - جو درخت کھجور کے مشابہ ہوں مثلاً ناریل وغیرہ ، ان کے لئے بھی یہی لفظ بولتے ہیں (۲/۲۶۶ ؛ ۱۶/۲۵ ؛ ۵۵/۶۸) - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی منتخب کرنا اور پسند کرنا ہیں - کھجور کے درختوں کو اَلنَّخْلُ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ تنے دار درختوں میں سب سے زیادہ بلند و برتر ہوتے ہیں -

ن د د

نِدٌّ کے معنی ہیں کسی کی مثل اور نظیر - لیکن یہ اسی مثل کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی کے جوہر و بنیاد (Basic characteristics, or Essence) میں شریک ہو - اور چونکہ اس مادہ کے بنیادی معنوں میں انتشار و تنفر بھی پایا جاتا ہے ، مثلاً نَدَّ الْبَعِيْرُ - اونٹ بدکا اور جدھر منہ اٹھا چل پڑا - نَدٌّ - نفرت ، مخالفت ، اور علیحدگی کو کہتے ہیں - اس لئے نِدٌّ مد مقابل کو کہتے ہیں - یعنی ایسا شخص جو تمہاری مخالفت کرے - تم اسے ایک طرف لے جانا چاہو اور وہ تمہیں دوسری طرف کھینچے - اور جسقدر تم اسے اپنی طرف لے جانے میں زور لگاؤ اسی قدر وہ تمہیں اپنی طرف لے جانے میں کوشش کرے - چنانچہ اَلتَّنَادُّ کے معنی ہیں متفرق ہونا - ایک دوسرے سے متوحش ہونا**** - ابن فارس نے بھی کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی انتشار و افتراق کے ہیں - تَنْدِيْدٌ کے معنی ہیں کسی کی برائیوں کو اچھالنا اور شہرت دینا - لَيْسَ لَهُ نَادٌّ کے معنی ہیں اسکے پاس رزق نہیں - یعنی کوئی بدکنے والا جانور نہیں**** -

---

*تاج - **راغب - ***ابن فارس - ****تاج و محیط -

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تمہارے لئے رزق پیدا کرتا ہے ۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا (۲/۲۲) ۔ سو تم خدا کے مقابلہ میں ایسی طاقتوں کو تسلیم نہ کرو جنہیں تم (بزعم خویش) سمجھتے ہو کہ اسکی مثل و نظیر ہیں ۔ یعنی خدا کی اس بنیادی خصوصیت (رزاقیت) میں شریک ہیں ۔ اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (۲/۱۶۵) ۔ یہاں اَنْدَاد سے مراد ہیں تمام وہ قوتیں جو خدا کے مدمقابل ٹھہرائی جاتی ہوں اور انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہوں (حُبّ کے یہی معنی ہیں) ۔ یا وہ جاذبیتیں جن کی طرف انسان کھنچکر چلا جاتا ہے ۔ لہذا جس قوت کے سامنے آپ اس کے خوف سے جھکیں یا نفع کی امید سے اسکی طرف کھنچیں اور اس میں قانون خداوندی کا سررشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے تو وہ خدا کے مقابلہ میں نِدّ ہو جائیگی ۔ ایسا عقیدہ، تصور یا نظام جس میں کسی انسان یا انسانوں کی جماعت کو وہ اقتدار اور اختیار حاصل ہو جائے جو قوانین خداوندی کے لئے مخصوص ہے، "انداداً من دون اللہ" کا مظہر ہے ۔

[يَوْمَ التَّنَادِ کے لئے دیکھئے عنوان ن ۔ د ۔ و]

ن د م

نَدَامَة ۔ اس افسوس کو کہتے ہیں جو کسی ہاتھ سے نکل جانے والے معاملہ پر رائے بدل جانے سے پیدا ہو* ۔ نیز اپنی کوتاہی پر نفس کو برا بھلا کہنا، یا ایسا غم جس میں انسان یہ کہے کہ جو کچھ اس سے ہو گیا وہ نہ ہوا ہوتا تو اچھا تھا** ۔ پچتانا ۔ پشیمان ہونا ۔ سورۃ یونس میں ہے وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ (۱۰/۵۴) ۔ "وہ ندامت کو چھپائینگے (یا ندامت ظاہر ہو جائیگی)" ۔ نَادِم ۔ جسے ندامت ہو ۔ اس کی جمع نَادِمِيْنَ ہے ۔ (۲۳/۴۰) ۔

اَلنَّدِيْم ۔ ساتھ بیٹھ کر شراب پینے والا* ۔

ن د و (ی)

اَلنَّدَى کے بنیادی معنی ہیں رطوبت، نمی، شبنم ۔ نَدَى الْاَرْضِ ۔ زمین کی نمی ۔ شَجَرٌ نَدِيَانٌ ۔ تر و تازہ درخت*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) اکٹھا اور یک جا ہونے (۲) رطوبت اور نمی کے ہیں ۔

*تاج وراغب ۔ **تاج ۔ ***تاج و محیط و راغب ۔

چونکہ جس شخص کے منہ میں رطوبت زیادہ ہو وہ بڑی اچھی باتیں کرتا ہے اور اس کی آواز بھی بلند ہوتی ہے اس لئے اَلنِّدَاءُ کے معنی خالی آواز بلند کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ یعنی محض اونچی آواز، جس میں الفاظ نہ ہوں* ۔

آواز دینے کے مفہوم سے اس کے معنی ایک مجلس میں اکٹھے ہو کر باتیں کرنے کے ہو گئے۔ نَادَاهُ مُنَادَاةً ۔ کسی کے ساتھ مجلس میں بیٹھا۔ اَلنَّدِیُّ وَالنَّدْوَةُ ۔ جہاں قوم جمع ہو کر بیٹھے اور باتیں کرے۔ نیز اَلنَّدْوَةُ جماعت کو بھی کہتے ہیں۔ دَارُ النَّدْوَةِ ۔ مکہ میں ایک مکان تھا جس میں قریش مشورہ کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ اَلنَّادِیُ ۔ قبیلہ (جسے مدد کے لئے آواز دی جاتی ہے) ۔ یا ہم نشین۔ اَلنَّدَیٰ ۔ سخاوت اور کرم کو بھی کہتے ہیں۔ اَلْمُنْدَرِیَاتُ ۔ رسوا اور ذلیل کرنے والے کام جن سے پیشانیاں عرق آلود ہوجائیں* ۔

قرآن کریم میں نِدَاءٌ (۲/۱۷۱) بمعنی آواز آیا ہے۔ اور نَادَیٰ یُنَادِی نِدَاءً پکارنے (آواز دینے) کے معنوں میں (۱۸/۵۲ و ۱۹/۵۲) میں۔ سورۃ مریم میں اَحْسَنُ نَدِیًّا (۱۹/۷۳) کے معنی ہیں، باعتبار مجلس و اجتماع بہترین اور نہایت عمدہ۔ سورۃ العنکبوت میں نَادِیْکُمُ (۲۹/۲۹) کے معنی مجلس اور محفل و اجتماع ہیں۔ سورۃ العلق میں ہے۔ فَلْیَدْعُ نَادِیَهُ (۹۶/۱۷) ۔ وہ اپنے مصاحبوں کو یا قبیلہ والوں کو بلائے۔

تَنَادَیٰ ۔ باہم آوازیں دینا اور ایک دوسرے کو پکارنا۔ قرآن کریم میں ہے۔ تَنَادَوْا (۶۸/۲۴) ۔ انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔

سورۃ المؤمن میں یَوْمَ التَّنَادِ (۴۰/۳۲) آیا ہے جس کے معنی یہ کہکر بتا دئے گئے ہیں کہ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ (۲۷/۳۳) ۔ جس دن قوم منہ پھیر کر بھاگ رہے ہوگے۔ یعنی جس دن قوم ایک دوسرے کو مدد کے لئے پکاروگے لیکن کوئی کسی دوسرے کی مدد کے لئے نہیں آئیگا۔ سب، دہشت اور خوف کے مارے، منہ پھیرے، الٹے پاؤں بھاگ رہے ہونگے۔ مَالَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ (۴۰/۳۳) ۔ (اس دن) "تمہیں خدا کی گرفت سے (مکافاتِ عمل سے) بچانے والا کوئی نہیں ہوگا" ۔ یہ ہے یوم التناد۔ جس دن ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہو اور کوئی کسی کو لاکھ آوازیں دے، اس کی مدد کے لئے پہنچنا تو درکنار، وہ اس کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھے۔

*تاج و محیط و راغب۔

ن ذ ر

نَذْرٌ - (نقصان سے بچنے کے لئے) جو کچھ اپنے اوپر واجب قرار دے لیا جائے - نیز کسی شرط پر کوئی وعدہ کرنا بھی نَذْرٌ کے معنوں میں داخل ہے* - مثلاً کوئی شخص اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے کہ میرا بچہ تندرست ہو گیا تو میں یوں کروں گا، تو یہ نَذْرٌ کہلاتی ہے - راغب نے لکھا ہے کہ کسی معاملہ کے پیش آنے پر کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کرلینا جو واجب نہ ہو** - ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی ڈرنے اور ڈرانے کے لکھے ہیں* - اور یہ کہ جو کچھ واجب ہو اسے نَذْرٌ کہا جاتا ہے -

نَذِرَ بِالشَّیْءِ - کسی چیز کو جاننا اور اس سے ہوشیار اور چوکنا رہنا - اِنْذَارٌ کے معنی ہیں کسی کو کسی ضرر رساں یا نقصان دہ بات کے انجام سے قبل از وقوع آگاہ (Warn) کر دینا اور اس کے خوفناک نتائج سے ڈرانا - لشکر سے آگے آگے جو ہراول دستہ جاتا تھا تاکہ دشمن کی نقل و حرکت کو بھانپ کر اپنے لشکر کو آگاہ کرتا رہے اسے نَذِیْرَۃُ الْجَیْشِ کہتے تھے - اَلنَّذِیْرُ - آگاہ کرنے والا - نیز کمان کی آواز (کیونکہ اسے سن کر شکار خطرہ سے آگاہ ہو جاتا ہے) - نیز بڑھاپے کو بھی نَذِیْرٌ کہتے ہیں کیونکہ وہ آنے والی موت سے آگاہ کر دیتا ہے* -

لہذا نَذِیْرٌ کے معنی ہیں غلط روشِ زندگی کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دینے والا - خواہ وہ کوئی انسان ہو یا واقعہ - اس کی جمع نُذُرٌ آتی ہے (۵۳/۵۶) - (بر خلاف بَشِیْرٌ کے جو صحیح روشِ زندگی کے خوشگوار نتائج کی خوشخبری دیتا ہے) -

قرآن کریم میں نَذْرٌ (نُذُرٌ) بمعنی واجبات کئی ایک مقام پر آیا ہے - (مثلاً ۲۲/۲۹ و ۷۶/۷) - یعنی وہ امور جو اپنے آپ پر واجب قرار دے لئے جائیں - اِنْذَارٌ (تباہ کن نتائج سے آگاہ کرنے) کے لئے متعدد مقامات پر آیا ہے - (مثلاً ۳۶/۱۱) - لیکن قرآن کریم نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ اِنْذَار (Warning) انہی کو فائدہ دے سکتی ہے جن میں زندگی کے آثار موجود ہوں - لِیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا (۳۶/۷۰) - جن میں زندہ رہنے کی صلاحیت باقی نہ ہو انہیں ان نتائج سے آگاہ کرنا یا نہ کرنا یکساں ہوتا ہے (۲/۶) - اِنْذَارٌ اُسی کے لئے ہے جو اپنے اوپر کچھ واجب کرلے اور اسے ادا نہ کرے - اُس سے کہا جا سکتا ہے کہ عدمِ ادائیگیٔ فریضہ سے کیا نقصان

*تاج - **راغب -

ہوگا۔ لیکن جس نے انسانی فرائض کو اپنے اوپر واجب ہی نہیں سمجھا، اُسے اُس کی روش کے تباہ کن نتائج سے متنبہ کرنا کیا نتیجہ خیز ہوسکتا ہے؟ یا مثلاً جو شخص خود کشی پر آمادہ ہو اس سے یہ کہنا کہ دریا میں نہ کودنا، ڈوب کر مر جاؤ گے، بے معنی ہے۔ دریا کی ہلاکت انگیزیوں سے انتباہ اسی کے لئے مفید ہوسکتا ہے جو ہلاکت سے بچنا چاہے۔ (اسے متقی کہتے ہیں)۔

نَذِیْرٌ کی جمع نُذُرٌ آتی ہے (۵۴/۵ و ۵۳/۲۳)۔ مُنْذِرٌ۔ آگاہ کرنے والا۔ اس کی جمع مُنْذِرِیْنَ ہے (۲۶/۲۱۴ و ۳۷/۷۲)۔ مُنْذَرٌ۔ جسے آگاہ کیا جائے۔ اس کی جمع مُنْذَرِیْنَ ہے (۳۷/۱۷۳)۔

قرآن کریم نے حضرات انبیاء کرام کے متعلق کہا ہے کہ وہ بشیر اور نذیر ہوتے ہیں۔ ان حضرات کا فریضہ یہ تھا کہ وہ (از روئے وحی) لوگوں کو بتائیں کہ قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے نتائج کس قدر خوشگوار ہونگے (اسے خوشخبری یا بشارت کہتے ہیں) اور ان کی خلاف ورزی کا انجام کس قدر ہلاکت آفریں ہوگا (یہ تنبیہ یا انذار کہلاتی ہے)۔ جو لوگ زندگی کی ہلاکتوں سے بچنا چاہتے (انہیں متقین کہا جاتا ہے) وہ ان کی انذار سے فائدہ اُٹھا کر، صحیح روش اختیار کر لیتے۔ جو ان ہلاکتوں کی پرواہ نہ کرتے، وہ اس انذار پر کان نہ دھرتے۔ انہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۲/۶)۔ آج تبشیر و انذار کا فریضہ قرآن کریم ادا کرتا ہے۔ اس نے واضح الفاظ میں بدلائل و شواہد بتا دیا ہے کہ فلاں روشِ زندگی کا نتیجہ کیا ہوگا اور فلاں کا انجام کیا۔ اور اس کے بعد کہہ دیا ہے کہ تم جونسی روش جی چاہے اختیار کرلو۔

ن ز ع

نَزَعَ۔ کسی چیز کو اس کی جگہ سے اکھیڑ کر، نکال کر، الگ کر دینا۔ ہٹا دینا۔ نیز کھینچنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ اس معنی میں اِنْتَزَعَ بھی آتا ہے۔ نیز اِنْتَزَعَ لازم بھی ہے۔ یعنی اس کے معنی اکھیڑنا اور اکھڑ جانا دونوں ہی ہیں۔ نَزَعَ فِی الْقَوْسِ۔ کمان کو کھینچا۔ اِنْتَزَعَ الشَّیْئُ۔ وہ کسی چیز سے رکا اور باز رہا۔

سورۃ اعراف میں ہے یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا (۷/۲۷)۔ ان سے ان کا لباس کھینچ لیا یا اتروا دیا۔ سورۃ معارج میں ہے۔ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی

(۷۹/۱) - زور سے کھینچنے والی - کھینچکر نکال لینے والی - وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا (۷۹/۱) - کھینچنے والے - ابن درید نے ابو عبیدہ کے حوالہ سے النّٰازِعٰتِ اور اَلنّٰاشِطٰتِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وہ تارے ہیں جو ایک مقام سے نکل کر دوسرے مقام کی طرف جاتے اور ایک جگہ ڈوب کر دوسرے مقام میں طلوع ہوتے ہیں* - مولانا عبید اللہ سندھی کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ انقلابی جماعتیں ہیں جو ان صلاحیتوں اور قوتوں کو جو نیچے دب کر رہ گئی ہوں ، کھینچ کر اوپر لاتی ہیں اور اس طرح معاشرہ کو پھر سے صالح بنا دیتی ہیں - (المقام المحمود - صفحہ ۱۷)

نَزْعٌ - چھین لینا - بمقابلہ اِیْتَاءٌ (دینا) (۳/۲۶) - سورۃ الطور میں جنت کی زندگی کے ضمن میں فرمایا - یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا کَاْسًا (۵۲/۲۳) - ''وہ اس میں ایک دوسرے سے پیالہ لینگے'' - اگر اس کے عام معنی لئے جائیں تو یہ نقشہ ہے ان دوستانہ صحبتوں کا جس میں پورے خلوص و محبت کے ساتھ بے تکلفی سے چھین جھپٹ ہوتی ہے اور لطف صحبت دوبالا ہو جاتا ہے (لیکن اس میں لغویت کا شائبہ تک نہیں ہوتا - جیسا کہ اس سے اگلی آیت سے ظاہر ہے) - علاوہ ازیں ، تَنَازُعٌ کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ''لو - یہ پیالہ تم پیو'' - وہ جواب میں کہتا ہے ''نہیں - تم پیو'' - یہ باہمی پیش کش اور اصرار و انکار ایسا حسین تنازع ہے جس کی داد اہل ذوق ہی دے سکتے ہیں - یہ ہے جنتی معاشرہ میں ارباب ذوق و محبت کی مخلصانہ محفلوں کا رنگ -

اور اگر اس سے ذرا بلند ہو کر دیکھا جائے تو یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا کَاْسًا کے معنی یہ ہونگے کہ یہ (جماعت مؤمنین کے افراد) ایک دوسرے سے زندگی کی مئے حیات بخش کا پیالہ لینگے - جنتی زندگی ، انفرادی زندگی نہیں جس میں ہر ایک کو نفسا نفسی پڑی ہوتی ہے - وہاں تمام افراد ایک دوسرے سے وہ سامان لیتے ہیں جو ان کی صلاحیتوں اور توانائیوں کو برو مندی عطا کرتا ہے - لیکن اگر ہر شخص خود غرض بن جائے اور ہر ایک کی نیت یہ ہو کہ دوسرے سے سب کچھ چھین کر خود ہی رکھ لے ، تو یہ تَنَازُعٌ وہ ہے جس سے سختی سے روکا گیا ہے (۴/۲۹) - یعنی جنتی معاشرہ میں یہ سب کچھ بطیب خاطر ہوگا ، اور ایک دوسرے کی نشو و نما کی خاطر - لیکن غلط معاشرہ میں ہر فرد کی نیت یہ ہوگی کہ میں دوسرے سے سب کچھ چھین جھپٹ لوں - اس مفہوم کے اعتبار سے اَلنَّزَائِعُ ان ہواؤں کو کہتے ہیں جو اپنی صحیح سمتوں

*تاج -

سے ہٹ کر چلتی ہیں*** - (اور ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی ہیں) - یہاں سے تنازعہ کے معنی واضح ہیں - اسلامی معاشرہ میں یہ ٹکراؤ نہیں ہوتا (۸/۴۶) - بلکہ باہمی ہم آہنگی اور اُلفت بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ (۳/۱۰۳) کی زندگی ہوتی ہے -

ن ز غ

نَزْغٌ کے اصل معنے چبھونے، گھونپنے اور طعن کرنے کے ہیں، اور بقیہ تمام معانی اسی سے ماخوذ ہیں* - چنانچہ پھر اس کے معنے آتے ہیں کسی کام میں خرابی پیدا کرنے کے لئے اُس میں گھسنا** - نَزَغَ بَیْنَھُمْ نَزْغًا - ان کے درمیان فساد ڈال دیا - یا ایک کو دوسرے کے خلاف اُبھار دیا*** - ابن فارس نے بھی اسکے بنیادی معنی لکھے ہیں - سورۃ یوسف میں ہے مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ (۱۲/۱۰۰) - بعد اس کے کہ شیطان (حسد کے جذبہ) نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا - سورۃ اعراف میں ہے - وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ (۴۱/۳۶) - جب (انفرادی مفاد پرستی کا جذبہ) کوئی ایسی بات دل میں ڈالے جس سے فساد کا اندیشہ ہو - یا ایک کو دوسرے کے خلاف ابھارنے کا جذبہ . . . نیز (۱۵/۵۳) - اَلْمِنْزَغَۃُ - اس لوہے کی سلاخ کو کہتے ہیں جس سے روٹی پکانے والا روٹیوں میں چھید کرتا ہے*** - اور روٹی کو اس میں اٹکا کر تنور سے باہر نکالتا ہے -

ن ز ف

نَزْفٌ - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے ختم ہو جانے اور منقطع ہو جانے کے ہیں - نَزَفَ مَاءَ الْبِئْرِ - اس نے کنویں کا تمام پانی کھینچ کر نکال لیا - نَزَفَتِ الْبِئْرُ - کنواں پانی سے خالی ہو گیا - اسی سے نُزِفَ فُلَانٌ کے معنی ہوتے ہیں فلاں آدمی کی عقل جاتی رہی - وہ مست اور بے ہوش ہو گیا - اُنْزِفَ الرَّجُلُ - آدمی مست اور بے ہوش ہو گیا - اس کی عقل کا چشمہ خشک ہو گیا - اَلْمِنْزَفَۃُ - ڈھیکلی - وہ چھوٹا سا ڈول جو ایک لمبی لکڑی کے سرے میں باندھا جاتا ہے، پھر اس لکڑی کو درمیان سے ایک دوسری زمین میں گڑی ہوئی لکڑی سے باندھا جاتا ہے اور اس سے پانی نکالا جاتا ہے**** -

قرآن کریم میں ہے - وَ لَا ھُمْ عَنْھَا یُنْزَفُوْنَ (۳۷/۴۷) - ''شرابِ جنت'' سے وہ بد مست نہیں ہونگے - سَکْرَانُ نَزِیْفٌ - وہ بد مست آدمی جس کی عقل بدمستی کی وجہ سے جاتی رہی ہو** -

*محیط - **راغب - ***تاج - ****تاج و محیط -

واضح رہے کہ سورۃ الصّٰفّٰت میں وَ لَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ آیا ہے (۳۷/۴۷) جو مجہول ہے - اور سورۃ واقعہ میں وَ لَا يُنْزِفُوْنَ (۵۶/۱۹) آیا ہے جو معروف ہے - اس کے معنی یہ ہونگے کہ جنت کی شراب کے پیالے (یا نہریں) کبھی خشک نہیں ہوں گی - یا اس شراب کے خواص (لذت و سرور) میں کمی واقع نہیں ہوگی -

زندگی جوئے روان است و روان خواهد بود
این مئے کہنہ جوان است و جوان خواهد بود

ن ز ل

نَزَلَ - بلندی سے نیچے کی طرف آنا - چنانچہ قرآن کریم میں نُزُوْلٌ - عُرُوْجٌ کے مقابل میں آیا ہے (۳۲/۵) - نُزُلٌ - منزل کو کہتے ہیں - نیز جن چیزوں سے مہمان کی تواضع کی جائے - اس کے معنی برکت اور عطاء کے بھی آتے ہیں (۳/۱۹۲ و ۱۸/۱۰۲) - نیز - نَزْلٌ کھیتی کے بڑھنے، پھولنے پھلنے کو کہتے ہیں - اَرْضٌ نَزْلَةٌ اُس زمین کو کہتے ہیں جس میں بڑی فراوانی سے کھیتی اُگے - اَلنَّزْلُ بارش کو کہتے ہیں - نَزْلَةٌ - ایک مرتبہ کے نزول کے معنوں میں آتا ہے (۵۳/۱۳) - نَزِيْلٌ مہمان کو کہتے ہیں* - مَنْزِلٌ - اترنے کی جگہ - جمع مَنَازِلُ (۳۶/۳۹) -

اُنْزِلَ اور نُزِّلَ میں عام طور پر فرق یہ ہے کہ تَنْزِيْلٌ (نُزِّلَ) آہستہ آہستہ اتارنے کو کہتے ہیں، اور اِنْزَالٌ میں یہ شرط نہیں (لطائف اللغۃ) - نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً (۲۶/۱۳۳) - بادلوں سے پانی ایک دم نیچے نہیں گر پڑتا، آہستہ آہستہ بارش کی شکل میں برستا ہے - تَنْزِيْلٌ (۲۶/۱۹۲) - ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلتَّنْزِيْلُ کے معنی کسی چیز کو ترتیب سے رکھنے اور اس کے مقام پر رکھنے کے ہیں -

لیکن قرآن کریم میں اس کے معنی ''اوپر سے نیچے اتارنے'' ہی کے نہیں - اس کے معنی عطا کرنے کے بھی ہیں - (وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ (۵۷/۲۵) - ہم نے لوہا عطا کیا - نیز مختلف چیزوں کے برآمد ہونے کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے - سورۃ حجر میں ہے کہ ہمارے پاس مختلف چیزوں کے خزانوں کے خزانے رکھے ہیں - وَ مَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۱۵/۲۱) - لیکن ہم انہیں ایک مناسب اندازے کے مطابق برآمد کرتے رہتے ہیں - ظاہر ہے کہ جو چیزیں کائنات میں موجود نہیں ان کے نازل کرنے کے معنے یہ ہونگے

*تاج -

کہ انسان اپنی تحقیقات اور سعی و کاوش کے ذریعے انہیں حاصل کرتا جائے۔ لہذا ان مقامات میں اِنْزَال" کے معنی ان اسباب کا بہم پہنچانا ہے جن سے انسان ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ ان چیزوں کے ذخیرے کائنات میں موجود ہیں۔ ان کا حصول، انسان کی محنت پر منحصر ہے۔

قرآن کریم کے لئے تَنْزِیْل" (نازل کرنے) کا جو لفظ آیا ہے تو اس سے مفہوم یہ ہے کہ وحی، رسول کے اپنے ذہن کی پیدا کردہ (Subjective) چیز نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ اسے خارج سے (Objectively) ملتی ہے۔ وحی ایک خارجی حقیقت ہے، انسان کی اپنی پیدا کردہ نہیں۔ اس لئے وحی کسب و ہنر سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ صرف منزل من اللہ (خدا کی طرف سے عطا کردہ) ہوتی ہے۔ مادی کائنات میں انسان اپنی سعی و کاوش سے چیزوں کے اوپر پڑے ہوئے پردوں کو اٹھاتا ہے۔ اسے (Discovery) کہتے ہیں۔ لیکن وحی میں حقیقت خود اپنے آپ کو نبی پر منکشف (Reveal) کرتی ہے۔ اس لئے اس کے لئے اِنْزَال" کا لفظ آیا ہے۔ یعنی انسان خود بلند ہوتا ہوا حقیقت کے چہرے سے پردہ کشائی نہیں کرتا بلکہ حقیقت خود نیچے اتر کر اس کے سامنے بے نقاب ہو جاتی ہے۔ یہ چیز وحی کے ساتھ مختص ہوتی ہے۔ اور چونکہ وحی کا سلسلہ رسول اللہ ؐ کی ذات پر ختم ہوگیا، اس لئے اب انسانوں کے پاس عِلم کے دو ہی ذریعے رہ گئے۔ ایک قرآن کریم کے اندر محفوظ حقائق اور دوسرے خارجی کائنات میں انسانی علم و عقل کی رو سے منکشف کردہ حقائق۔ ان کے علاوہ کوئی تیسرا ذریعہ" علم انسان کے پاس نہیں۔ باطنی کشف کا دعویٰ در حقیقت وحی ہی کا دعویٰ ہے، فرق صرف الفاظ کا ہے۔ قرآن کریم میں ''کشف و الہام'' کا کوئی ذکر نہیں۔ اس لئے اس قسم کا دعویٰ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ انسان میں بعض قوتیں ایسی ہیں (مثلاً قوتِ خیالی یا قوت ارادی) کہ اگر خاص مشقوں کے ذریعے ان کی نشو و نما (Development) کرلی جائے تو ان میں ایسی خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو دوسرے لوگوں میں نہیں ہوتیں۔ اسے لوگ کشف و کرامات سمجھنے لگتے اور ''روحانی قوت'' کا مظاہرہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ''روحانیت'' سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ نہ ہی دین سے کوئی واسطہ۔ اسلئے کہ جو انسان بھی چاہے وہ ان مشقوں کے ذریعے ایسی قوت حاصل کرسکتا ہے، خواہ وہ مشرک، کافر اور دہریہ بھی کیوں نہ ہو۔ دین کا مقصود اس قسم کی قوتیں پیدا کرنا نہیں، آدمی کو انسان بنانا ہے۔

مُنَزِّل" - اوپر سے نیچے اتارنے والا - نازل کرنے والا - عطا کرنے والا (۵/۱۱۵) - نیز مُنْزِل" (۲۶/۴۴)۔ مُنَزَّل" - اتارا ہوا (۶/۱۱۵)۔ نیز مُنْزَل"

اتارا ہوا (۲۳/۲۹) ۔ یہ ، ظرف مکان (جگہ) یا زمان (وقت) ۔ اور مصدر کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلاً مُّبٰرَکاً (۲۳/۲۹) ۔ ''اے میرے رب مجھے برکت والا اتارنا اتارئیو'' ۔ سورۃ یوسف میں مُنْزِل بمعنی مہمان نواز آیا ہے ۔ وَ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (۱۲/۵۹) ۔ ''اور میں بہت اچھا مہمان نواز ہوں'' ۔

تَنَزَّل ۔ آہستہ آہستہ اترنا ۔ اسی سے تَنَزَّلُ (۹۷/۴) میں ہے ۔

ن س أ

نَسْأ ۔ جھڑک دینا ۔ ہانکنا ۔ پیچھے ہٹا دینا ۔ نَسَأَ الشَّیْءَ ۔ کسی چیز کو پیچھے ہٹا دینا ۔ مؤخر کر دینا ۔ اَنْسَأَہٗ ۔ اُسے حوض سے ہٹا دیا ۔ پیچھے کر دیا ۔ نَسَأَ اللّٰہُ الْبَیْعَ ۔ میں نے بیع میں اس سے ادھار کا معاملہ کیا اور اسطرح رقم کے لین دین کو مؤخر کر دیا ۔ النَّسِیْئَۃ ۔ تاخیر ۔ پیچھے کرنا * ۔ اسی جہت سے ادھار کے لئے بھی بولا جاتا ہے کہ اس میں قیمت کی ادائیگی موخر کر دی جاتی ہے ۔ بَاعَہٗ بِنَسِیْئَۃٍ ۔ اس کے ساتھ ادھار کا سودا کیا ۔ (یہ اس قسم کے سودے کو کہتے ہیں جس میں قیمت یا چیز بعد میں دی جائے) ۔ اَلْمِنْسَأَۃ ۔ لاٹھی ، جس سے جانوروں کو پیچھے ہٹایا جاتا ہے (۳۴/۱۴) ۔ ابن فارس نے بھی یہ تمام معانی دیئے ہیں ۔

سورۂ توبہ میں ہے اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ (۹/۳۷) ۔ ''یقیناً نسئی کفر میں ایک اضافہ ہے'' ۔ اَلنَّسِیْٓءُ ۔ عربی معاشرہ کی ایک خاص چیز تھی ۔ ویسے تو قرآن کریم نے یہ کہکر اسکی تشریح کر دی ہے کہ یُحِلُّوْنَہٗ عَاماً وَّ یُحَرِّمُوْنَہٗ عَاماً (۹/۳۷) ۔ ''ایک سال اسے حلال قرار دیتے ہیں ۔ ایک سال اُسے حرام کر دیتے ہیں'' ۔ لیکن اس کی تفصیل کا سمجھنا ضروری ہے ۔ عربوں میں قمری مہینے رائج تھے ۔ رَبِیْعٌ ۔ جُمَادَیٰ ۔ رَمَضَانُ ۔ وغیرہ مہینوں کے نام ہی بتاتے ہیں کہ ان کا تعلق موسموں سے تھا ۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہر سال وہی مہینہ اُسی موسم میں صرف اُسی صورت میں آسکتا ہے جب سال شمسی ہو ۔ قمری ہونے کی صورت میں ایک ہی مہینہ مختلف موسموں میں آتا رہتا ہے ۔ عرب اسے پسند نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ (دیگر مہینوں کے علاوہ) حج کی تقریب ایک ہی موسم میں ہو ۔ اس کے لئے (یہودیوں کے اتباع میں) کرتے یہ تھے کہ ہر تیسرے سال ایک مہینہ خالی چھوڑ دیتے تھے [زیادہ صحیح الفاظ میں آٹھ سال میں تین مہینے ۔

*تاج ۔

کیونکہ قمری سال شمسی سال سے قریب گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے] اور اسطرح اپنے مہینوں کو پھر موسموں کے مطابق کر لیتے تھے - یہ مہینہ (جسے خالی چھوڑتے تھے) بالعموم ذوالحجہ کے بعد ہوتا تھا - اس ''آگے پیچھے کرنے'' کے عمل کو وہ نَسِیْئٌ کہتے تھے - یعنی سال کو ایک مہینہ پیچھے ہٹا لینا -

نیز ان کے ہاں سال میں چار مہینے (رجب - ذی قعدہ - ذوالحجہ اور محرم) واجب الاحترام مہینے تھے جن میں لوٹ مار اور جنگ و قتال منع تھا - کیلنڈر کا یہ اہتمام بنو کنانہ کی ایک جماعت کے سپرد تھا جنہیں نَسَأَۃٌ کہتے تھے - یہ نَسَأَۃٌ کبھی تو ان محترم مہینوں میں تغیر و تبدل کر دیتے - مثلاً حج کے بعد محرم کے متعلق کہدیتے کہ اس سال اسکی بجائے ربیع الاول کا مہینہ محترم ہوگا - وقس علی ھذا - اور کبھی اس تیسرے سال کے خالی مہینے کو آگے پیچھے کر دیتے - اس سے معاشرہ کے نظام میں گڑبڑ ہو جاتی اور جن لوگوں کو یہ پہلے بتا دیتے کہ اس سال یوں کیا جائیگا وہ اس سے بڑا فائدہ اٹھا لیتے - اس کو بھی نَسِیْءٌ کہتے تھے -

قرآن کریم نے ان دونوں قسموں کی نَسِیْءٌ کو ختم کر دیا - ایک طرف اس نے اعلان کر دیا کہ اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا (۹/۳۶) - ''قوانین خداوندی کی رو سے مہینوں کی تعداد بارہ ہے'' - اس لئے ہر تیسرے سال ایک مہینے کا خالی چھوڑ دینا بے معنی بات ہے - چنانچہ اس اعلان (۱۰ھ) کے بعد عربی کیلنڈر میں سال کے بارہ مہینے قرار پا گئے - اور مہینے قمری رہے - اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ قمری سال کے مہینوں کے نام تو وہی ہیں، لیکن وہ اب التزاماً اُن موسموں میں نہیں آتے جن کی نسبت سے ان کے نام رکھے گئے تھے - (مثلاً رَمَضَانُ - رَمَضٌ سے ہے جسکے معنی شدت کی گرمی ہیں - لیکن اب رمضان گرمی میں بھی آتا ہے اور سردی میں بھی)-

اگر یہ کیلنڈر قمری کی جگہ شمسی ہو تو پھر ہر مہینہ ہمیشہ اُسی موسم میں آتا رہے - اور سال کے بارہ مہینے بھی پورے ہو جاتے ہیں - یعنی جس مدت میں زمین سورج کے گرد اپنا ایک دور ختم کرتی ہے اسکے بارہ حصے ہو جاتے ہیں - واضح رہے کہ قرآن کریم کی رو سے شمسی اور قمری دونوں میں سے جونسا کیلنڈر جی چاہے اختیار کر لیا جاسکتا ہے - (دیکھئے ۹/۳۶ ؛ ۱۰/۵ ؛ ۱۲/۱۲) -

اس نَسِیْءٌ کے علاوہ جس کا ذکر اوپر آیا ہے، قرآن کریم نے اس نَسِیْءٌ کو بھی ختم کر دیا جس کی رو سے وہ قابل احترام مہینوں میں تقدم و تاخر کر دیا کرتے تھے - اسے قرآن کریم نے زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ (۹/۳۷) قرار دیدیا - اسطرح معاشرہ محکم بنیادوں پر استوار ہو گیا -

قرآن کریم کا یہ اصولی قانون اب بھی موجود ہے کہ اگر کہیں جنگ چھڑ جائے تو وہ مسلسل نہ چلتی رہے بلکہ بین الاقوامی قانون کی رو سے یہ طے کر دیا جائے کہ فلاں فلاں وقت کے لئے جنگ کو روک دینا ہوگا۔ اس التواء اور قطع تسلسل کے بڑے فائدے ہیں۔ اور اکثر صورتوں میں ہوسکتا ہے کہ اس سے وہ جنگ ختم ہی ہو جائے۔ اس التواء کے عرصہ کا احترام تمام اقوام کے لئے ضروری ہوگا اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ التواء کے وقت کو مقدم یا موخر کر سکے۔ اس لئے کہ یہ نَسِیْئی ہوگی جسے قرآن کریم نے کفر، یعنی معاہدات کے عملی انکار، سے تعبیر کیا ہے۔

ن س ب

اَلنَّسَبُ۔ اَلنِّسْبَۃُ۔ قرابتداری جو خصوصیت کے ساتھ آباو اجداد میں ہو۔ باپ یا ماں کی طرف سے قرابتداری۔ یہ اسکے اصل معنی ہیں۔ پھر، دو ایسی چیزوں کے لئے جو کسی اعتبار سے بھی باہم مشابہت اور تعلق رکھتی ہوں ان کے اس تعلق کے اظہار کے لئے بھی النِّسْبَۃُ بولدیتے ہیں۔ اَلنَّیْسَبُ۔ چیونٹیاں، جبکہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے چل رہی ہوں۔ چیونٹیوں کا راستہ*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز سے اتصال ہیں۔ نَسَبٌ۔ خاندانی اتصال کو کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں نَسَباً۔ بمعنی قرابتداری (۲۵/۵۴) میں آیا ہے۔ اور (اسکی جمع) اَنْسَابٌ (۲۳/۱۰۱) میں۔

ن س خ

نَسْخٌ کے معنی ہیں ایک چیز کو مٹا دینا اور اسکی جگہ دوسری چیز کو لے آنا۔ دوسری چیز کو اسکے قائم مقام کر دینا (ابن فارس)۔ نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ۔ آفتاب نے سایہ کو ہٹا دیا اور اسکی جگہ روشنی لے آیا۔ یا کسی چیز میں تبدیلی کر دینا۔ نَسَخَتِ الرِّیْحُ آثَارَ الدِّیَارِ۔ ہوا نے آبادی کے آثار (نشانات و علامات) کو تبدیل کر دیا۔ (یعنی وہ کھنڈرات وغیرہ جن سے آبادی کا پتہ نشان ملتا تھا انہیں ریت سے ڈھانک کر دگرگوں کر دیا)۔ نَسَخَ الْکِتَابَ۔ ایک کتاب کو نقل کرکے اس جیسی دوسری کتاب مرتب کر لینا۔ اسی سے اَلنُّسْخَۃُ۔ منقول (Copied) کتاب کو کہتے ہیں**۔ قرآن کریم میں ہے اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ (۴۵/۲۹)

*تاج و راغب۔ **تاج۔ محیط و راغب۔

"ہم لکھوا لیتے تھے" ۔ مٹا دینے یا زائل کر دینے کے معنوں میں یہ لفظ (۲۲/۵۲) میں آیا ہے ۔ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ ۔ "اللہ مٹا دیتا ہے" ۔

لہذا نَسْخ کے بنیادی معنی ہیں ایک چیز کی جگہ دوسری چیز لے آنا ۔ اس لفظ کی اہمیت اس لئے ہے کہ ہمارے ہاں ناسخ و منسوخ کا عقیدہ چلا آرہا ہے اور اسے دین کے مہمات میں سے سمجھا جاتا ہے ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ ہے بھی بہت اہم ۔ اس لئے کہ اس کا غلط مفہوم دین کو اسکی جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے ۔ اور اسکا صحیح مفہوم قرآن کو خدا کے دین کا آخری اور واحد ضابطہ ثابت کر دیتا ہے ۔

ناسخ و منسوخ کا مروجہ مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں (بعض کے نزدیک ان کی تعداد پانچ سو تک ہے) جو پڑھی تو جاتی ہیں لیکن جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے ۔ پھر سن لیجئے کہ (اس عقیدہ کے مطابق) قرآن کریم میں پانچ سو کے قریب ایسی آیات ہیں جنہیں محض "ثواب" کی غرض سے پڑھ لیا جاتا ہے لیکن ان میں جو احکام ہیں وہ سب منسوخ ہو چکے ہیں ۔ بعض احکام قرآن کریم کی دوسری آیات نے منسوخ کر دئے ہیں اور بعض احکام احادیث نے منسوخ کر دئے ہیں ۔ اسکے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی ہے کہ بعض آیات ایسی بھی ہیں جو قرآن کریم کے اندر موجود نہیں لیکن ان کا حکم موجود ہے ۔ (مثلاً آیۂ رجم ۔ یعنی زانی کو سنگسار کرنے کے حکم والی آیت) ۔ اس عقیدہ کی رو سے قرآن کریم کی شکل یوں بنتی ہے کہ :—

(۱) قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن کے احکام تو منسوخ ہو چکے ہیں لیکن جن کی تلاوت ہوتی رہتی ہے ۔ اور

(۲) ایسی آیات بھی ہیں جو قرآن کریم کے اندر تو نہیں لیکن انکا حکم موجود ہے ۔ دوسری قسم کی آیات کے لئے تو دلیل صرف روایات کی ہے ۔ لیکن پہلی قسم کی آیات کے لئے خود قرآن کریم ہی کی ایک آیت سے دلیل لائی جاتی ہے ۔ اور وہ آیت یہ ہے ۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آیَۃٍ اَوْ نُنْسِہَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْہَا اَوْ مِثْلِہَا ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲/۱۰۶)

اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے —

ہم جس آیت کو بھی منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور آیت لے آتے ہیں ۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے ۔

اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں کسی بات کا حکم دیا ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے سوچا کہ اس حکم کو منسوخ کر دینا چاہئے ۔ چنانچہ اس نے ایک اور آیت نازل کر دی جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا ۔ یہ حکم اس سے پہلے حکم سے بہتر ہوتا تھا ۔ واضح رہے کہ اس نئی آیت میں یہ کہیں نہیں بتایا جاتا تھا کہ اس سے فلاں آیت کو منسوخ سمجھا جائے ۔ اس لئے قرآن کریم میں منسوخ آیات بھی اُسی طرح سے موجود ہیں اور ناسخ آیات بھی ۔ اللہ نے ان کے متعلق کہیں نہیں بتایا کہ فلاں آیت منسوخ ہے فلاں آیت سے ۔ یہ تعین بعد میں روایات کی رو سے یا مفسرین کے اپنے خیالات کی رو سے کیا گیا ۔ چنانچہ ان آیات کی تعداد ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی ۔ حتکہ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک ان کی تعداد صرف پانچ ہے ۔

باقی رہا "فراموش کرا دینے" کا سوال ۔ سو اس کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی طرف سے آیات نازل ہوتی تھیں لیکن رسول اللہؐ (معاذ اللہ) انہیں بھول جاتے تھے ۔ تو پھر انہی جیسی آیات اور نازل ہو جاتی تھیں ۔ یہ مراد ہے اَوْ نُنْسِهَا سے ۔ اسکی دلیل میں یہ آیۃ پیش کی جاتی ہے ۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ..... (۸۷/۶) جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ۔ ہم تجھے پڑھائینگے سو تو نہ بھولیگا ، ہاں مگر جو اللہ چاہتا ہے ۔

اس عقیدہ کی رو سے آپ دیکھئے کہ خدا ، قرآن کریم اور رسول اللہؐ کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے ۔ خدا کا تصور اس قسم کا کہ وہ آج ایک حکم صادر کرتا ہے لیکن بعد کے حالات بتا دیتے ہیں کہ وہ حکم ٹھیک نہیں تھا اس لئے وہ قرآن کریم کے اُس حکم کو منسوخ کرکے اُسکی جگہ دوسرا حکم دے دیتا ہے ۔

قرآن کریم کے متعلق یہ کہ اس میں بے شمار آیات ایسی ہیں جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی تلاوت برابر ہو رہی ہے ۔ اور یہ کہیں نہیں بتایا گیا کہ کونسی آیت منسوخ ہے اور کونسی ناسخ ۔ اسے لوگوں پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ خود اس کا فیصلہ کریں کہ کونسی آیت منسوخ ہے اور کونسی اسکی ناسخ ۔

اور رسول اللہؐ کے متعلق یہ تصور کہ حضورؐ خدا کی طرف سے نازل کردہ قرآنی آیات کو بھی بھول جایا کرتے تھے ۔ یاللعجب !

ناسخ و منسوخ کا صحیح مفہوم آگے آئے گا ۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى کے صحیح مفہوم کے لئے عنوان ن ۔ س ۔ ی دیکھئے جہاں اسکی تشریح کر دی گئی ہے ۔

اب دیکھئے اس آیت (مَانَنْسَخْ .....) کا صحیح مفہوم - پچھلے سے سلسلۂ کلام یوں چلا آتا ہے کہ اہل کتاب (بالخصوص یہود) قرآن کریم اور رسالت محمدیہؐ پر مختلف اعتراضات کرتے ہیں (قرآن کریم ان اعتراضات کا جواب دیتا ہے) - اسی سلسلہ میں ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا (اور یہ اعتراض بڑا اہم تھا) کہ جب خدا نے انبیاء سابقین (مثلاً حضرت موسیٰؑ وغیرہ) پر اپنے احکام نازل کر دئے تھے، اور وہ احکام توریت وغیرہ میں موجود ہیں - تو پھر ان کی موجودگی میں اس نئے رسول اور نئی کتاب کی ضرورت کیا تھی؟ اس آیت میں اسی اعتراض کا جواب دیا گیا ہے - ان سے کہا گیا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ خدا کی طرف سے سلسلۂ رشد و ہدایت حضرت نوحؑ کے زمانے سے مسلسل چلا آرہا ہے - لیکن اس کی صورت یہ رہی ہے کہ مختلف انبیاء کی وساطت سے جو وحی بھیجی جاتی تھی ان میں ایک حصہ ان احکامات پر مشتمل ہوتا تھا جو وقتی ہوتے تھے اور ان کا تعلق خاص اسی قوم سے ہوتا تھا جس کی طرف وہ احکام بھیجے جاتے تھے - اور انہیں انہی حالات میں نافذ العمل رہنا ہوتا تھا جو اس زمانے کے تقاضے سے پیدا ہوئے تھے - بعد میں، جب وہ قوم نہ رہتی یا زمانے کے تقاضوں سے وہ حالات بدل جاتے تو ایک اور رسول آجاتا اور وہ ان احکام کی جگہ دوسرے احکام لے آتا - اسطرح یہ جدید وحی اُس سابقہ وحی کی قائمقام (ناسخ) بن جاتی - یہ سلسلہ شروع ہی سے ایسا چلا آرہا ہے - چنانچہ تم خود دیکھ رہے ہو کہ توریت کے کتنے احکام ہیں جنہیں حضرت عیسیٰؑ نے آکر بدل دیا (یہ بدلے ہوئے احکام انجیل میں موجود ہیں)-

دوسری بات یہ ہے کہ انسانیت کے تقاضے اور اسکی ذہنی سطح بھی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی اور اوپر کو اٹھتی چلی آرہی ہے - اس لئے ہر قوم کو اس کے حالات اور ارتقائی سطح کے مطابق ہی احکام دئے جاتے تھے - ان کی سطح سے بلند احکام و قوانین روک لئے جاتے تھے - تاآنکہ ان کے بعد دوسری قوم آتی جو ارتقائی منزل میں ان سے آگے ہوتی - تو وہ "روکے ہوئے" احکام و قوانین اُس وقت نازل کر دئے جاتے - تنزیل وحی میں یہ اصول بھی کارفرما رہا ہے -

نیز یہ شکل بھی ہوتی کہ ایک رسول کے چلے جانے کے بعد، اُسکی قوم اس کی وحی کے بعض حصوں کو ترک کر دیتی - بعض کو فراموش کر دیتی - اس لئے ان ترک کردہ یا فراموش کردہ حصوں کو (جن میں کسی تغیر

و تبدل کی ضرورت نہ ہوتی) بعد میں آنے والے رسول کی وحی سے از سر نو تازہ کر دیا جاتا ۔

یہود سے کہا گیا کہ وحی کا سلسلہ اسطرح چلا آرہا ہے ۔ اب وہ دور آگیا ہے جس میں انسانی شعور پختگی حاصل کرلیگا ۔ لہذا اب انتظام یہ کیا گیا ہے کہ ۔

(۱) سابق انبیاء کی وحی کے وہ تمام احکام جو ان کی قوم کے حالات اور ان کے زمانے کے تقاضوں کے ساتھ مخصوص تھے منسوخ کرکے ان کی جگہ، دوسرے احکام و قوانین بھیج دئے جائیں ۔ اور چونکہ وحی کا یہ سلسلہ اب ختم ہورہا ہے اس لئے یہ احکام وقتی اور ہنگامی نہیں ہوں گے بلکہ ابدی طور پر انسانیت کا ساتھ دینے والے ہونگے ۔ اس لئے یہ احکام و قوانین سابقہ احکام سے بہتر ہوں گے ۔

(۲) وہ قوانین جنہیں پہلے روک لیا گیا تھا کیونکہ ہنوز انسانیت اس سطح پر نہیں پہنچ سکی تھی کہ انہیں سمجھ سکے یا اپنا سکے ، اب انہیں بھی نازل کر دیا جاتا ہے ، کیونکہ قرآن کریم انسانیت کی بلند ترین سطح تک اس کا ساتھ دے گا ۔

(۳) اور سابق انبیاء کی وحی کے وہ احکام و قوانین جنہیں ان کی قوموں نے ترک کر دیا تھا ۔ یا فراموش کر دیا تھا (یا جن میں انہوں نے تحریف کر دی تھی) ان کی تجدید کردی گئی ہے ۔ (ان کی مثل احکام دیدئے گئے ہیں) ۔

یہ ہے وہ ضرورت جس کے لئے ایک نئے رسول اور نئی کتاب کو بھیجا گیا ہے ۔ اور یہ ہے وہ وجہ کہ اب تمام سابقہ کتابوں کی جگہ اسی قرآن کریم پر ایمان لانا اور اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے ۔ اب اس کے سوا ہدایت کی کوئی اور راہ نہیں ۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ (۲/۱۳۷) ۔ اگر یہ بھی اسی طریق پر ایمان لائیں جس طرح (اے جماعتِ مومنین) تم ایمان لائے ہو تو پھر یہ لوگ ہدایت پاسکیں گے ۔ اور اگر اس راہ سے اعراض برتیں گے تو پھر خدا کے راستے کے مخالف سمت جائیں گے ۔

یہ ہے صحیح مفہوم مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا کا ۔ اب دیکھئے کہ ان الفاظ کے لغوی معنی کس طرح اس مفہوم کے آئینہ دار بنتے ہیں ۔

نَسَخَ کے معنی ہم نے اوپر دیکھ ہی لئے ہیں - کسی چیز کی جگہ کسی دوسری چیز کو لے آنا - آیَتٌ کے معنی صرف قرآن کریم کی آیات نہیں - قرآن کریم نے ہر رسول کی وحی کو آیَاتُ اللہِ کہا ہے - مثلاً اسی سورۃ بقرہ میں قصۂ آدم میں ہے کہ آدم سے کہا گیا - فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲/۳۸) - جب بھی میری طرف سے تمہارے پاس ھدایت آئے تو جو کوئی اس ھدایت کی اتباع کریگا اسے کوئی خوف اور حزن نہیں ہوگا - اور اس سے آگے ہے - وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا . . . (۲/۳۹) ان کے برعکس، جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کرینگے اور ان سے انکار کریں گے . . . یہاں سے ظاہر ہے کہ جہاں اور جب بھی خدا کی طرف سے ھدایت آئی ہے اُسے آیات اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے - لہذا مَا نَنْسَخْ مِنْ آیَۃٍ میں آیات سے مراد قرآن کریم کی آیات نہیں بلکہ اس سے مراد ہے کسی سابق وحی کی آیات کی تبدیلی بعد کی وحی کی آیات سے - جیسا کہ سورۃ نحل میں کہا گیا ہے - وَ اِذَا بَدَّلْنَا آیَۃً مَّکَانَ آیَۃٍ - (۱۶/۱۰۱) - "اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں" -

اس کے بعد لفظ نُنْسِهَا ہے - یہ لفظ نَسِیَ سے ہے - نَسِیَ کے معنے کسی چیز کو ترک کر دینا ، یا فراموش کر دینا ، آتے ہیں - (دیکھئے عنوان ن - س - ی) - اس لفظ میں یہ ساری حقیقت آجاتی ہے کہ سابقہ کتبِ آسمانی اپنی اصل حالت میں باقی نہیں رہتی تھیں - چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ جو رسول بھی آیا اس کے ساتھ یہی ہوا کہ اس کی وحی میں سرکش اور مفسد لوگوں نے اپنی طرف سے کچھ ملا دیا - لیکن خدا کی طرف سے ایسا ہوتا رہا کہ ان کی اس آمیزش اور ملاوٹ کو الگ کر دیا جاتا اور اس طرح اللہ اپنی آیات کو از سر نو محکم کر دیتا (۲۲/۵۲) - یا وہ اس وحی کے کچھ حصے کو ترک ہی کردیتے تھے - اس حصہ کو خدا نئے رسول کی وحی میں پھر شامل کردیتا - اس سے بھی ظاہر ہے کہ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت (یا اس کی مثل اس جیسی آیت) سے مراد سابق وحی کی آیات ہیں نہ کہ قرآن کریم کی ایک آیت کی جگہ دوسری آیت -

نَسِیَ کے معنی کسی چیز کو علیٰ حالہٖ چھوڑ دینے کے بھی ہیں - اس اعتبار سے آیت نُنْسِهَا سے مفہوم یہ ہوگا کہ جن سابقہ احکام کے متعلق ہمارا فیصلہ یہ ہوتا کہ انہیں علیٰ حالہ رہنے دیا جائے ، انہیں ہم نئے رسول کی وحی میں اسی طرح شامل کر دیتے -

اس اعتبار سے قرآن کریم ایک طرف تمام انبیاء سابقہ کی وحی کا مُھَیْمِن ہے (۵/۴۸) ۔ یعنی اس کے اندر وہ تمام قوانین محفوظ ہوگئے ہیں ۔ اور دوسری طرف خدا کو جس قدر احکام نوع انسانی کے لئے دینے تھے ، ان سب کی تکمیل ہوگئی ہے ۔ وَ تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَ عَدْلًا (۶/۱۱۶) ۔ اور اب اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہوسکتا ۔ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ (۶/۱۱۶) ۔ نہ خدا کی طرف سے اب کسی تبدیلی کی ضرورت باقی ہے اور نہ انسانوں میں سے کوئی اس میں رد و بدل کر سکے گا ۔ کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے (۱۵/۹) ۔

اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ خدا نے وحی کے سلسلہ کو اس طرح کیوں رکھا ۔ تو اس کا جواب یہ کہکر دیدیا کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲/۱۰۶) ۔ خدا کے ہاں ہر بات کے اندازے مقرر ہیں ۔ وہ جانتا ہے کہ انسانوں کو کس زمانے میں کس قسم کے احکام ملنے چاہئیں اور وہ دور کب آئے گا جب انہیں مکمل ضابطۂ حیات دیدیا جائے ۔ یہ سب کچھ اُن اندازوں کے مطابق ہوتا ہے جن پر اُسے پوری پوری مقدرت حاصل ہے ۔

یہ ہے ناسخ و منسوخ کا صحیح مفہوم ۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس میں ایک لفظ بھی منسوخ نہیں ۔ اس کا ہر حکم اپنی جگہ محکم و غیر متبدل ہے ۔ البتہ ہر حکم خاص حالات کے ماتحت نفاذ پذیر ہوتا ہے ۔ جب حالات بدل جائیں تو اسکی جگہ قرآن کا دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے ۔ مثلاً صلوٰۃ کے لئے وضو کرنے کا حکم ہے ۔ لیکن اگر پانی نہ ملے یا انسان مریض ہو تو وضو کی جگہ تیمم کا حکم ہے (۵/۶) ۔ ان حالات میں وضو کا حکم پیچھے ہٹ جائے گا اور تیمم کا حکم آگے آجائے گا ۔ جب پانی مل جائے گا (یا مرض جاتا رہے گا) تو پھر وضو کا حکم آگے آجائیگا اور تیمم کا حکم پیچھے چلا جائے گا ۔

یا مثلاً قرآن کریم نے چور اور زانی (وغیرہ) کے لئے سزا مقرر کی ہے ۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں چوری اور زنا کی وارداتیں نہ ہوں تو قرآن کریم کے (سزاؤں کے متعلق) احکام نافذ العمل نہیں ہونگے ۔ یا مثلاً اگر کسی معاشرہ میں مفلس ، محتاج ، گداگر نہ رہیں تو خیرات وغیرہ سے متعلق احکام نافذ نہیں ہونگے ۔ یا مثلاً اگر کوئی شخص ترکہ چھوڑ کر نہ مرے تو وراثت کے احکام اس پر نافذ نہیں ہونگے ۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا معاشرہ متشکل ہو جائے جس میں فالتو دولت یا جائداد کسی کے پاس نہ ہو تو وراثت کے احکام نافذ نہیں ہونگے ۔ ظاہر ہے کہ ان امور کو ''ناسخ و منسوخ'' سے کچھ واسطہ نہیں ۔

یہ احکام اپنی جگہ موجود رہتے ہیں ۔ جب وہ حالات پھر پیدا ہو جائیں جن کے ماتحت انہیں نافذ ہونا تھا ، تو وہ پھر نافذ ہو جاتے ہیں۔ ''منسوخ'' اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے ساقط ہو جائے اور کبھی نافذ نہ ہوسکے ۔ قرآن کریم میں ایسا کوئی حکم نہیں ۔

مَا نَنْسَخْ والی آیت (۲/۱۰۶) ۔ یا سورۃ النحل کی آیت اِذَا بَدَّلْنَا آیَۃً مَّکَانَ آیَۃٍ (۱۶/۱۰۱) میں اگر آیۃ سے مراد کائناتی حوادث و وقائع لئے جائیں (جنہیں قرآن کریم متعدد مقامات پر ''آیات اللہ'' کہکر پکارتا ہے) تو ''نسخ آیت'' سے مراد ہوگا نظام کائنات کے کسی ایک طریق یا مظہر کی جگہ کسی دوسرے طریق یا مظہر کا آجانا ۔ ارباب علم و تحقیق سے پوشیدہ نہیں کہ کائنات میں اس قسم کے تبدلات کسطرح آئے دن ہوتے رہتے ہیں ۔

لیکن چونکہ ہر دو مذکورہ بالا آیات کے سیاق و سباق کا تعلق وحی سے ہے اس لئے ہم پہلے بیان کردہ مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں ، اگرچہ دوسرے مفہوم کی رو سے معانی میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے ۔

اول الذکر مفہوم ہو یا ثانی الذکر ، یہ حقیقت اپنی جگہ رہتی ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں جو منسوخ ہو ۔ اس غیر متبدل صحیفۂ آسمانی کا ایک ایک حرف اپنے مقام پر اٹل ہے اور اٹل رہے گا ۔ واللہ علیٰ ما نقول شہید ۔

ن س ر

اَلنَّسْرُ ۔ گدھ کو کہتے ہیں ۔ لیکن عربوں میں مختلف قسم کے گدھوں کے لئے الگ الگ نام ہیں ۔ اس گدھ کی صفت میں اہل لغت نے لکھا ہے کہ یہ بڑی تیز نظر رکھتا اور بلند پرواز ہوتا ہے ۔ نیز نَسْرٌ قبیلۂ ذی الکلاع کا ایک بت تھا جو سرزمین حمیر میں تھا * ۔ قرآن کریم میں اس بت کا نام قوم حضرت نوحؑ کے ذکر میں آیا ہے (۷۱/۲۳) ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اچک لینے اور چھین لینے کے ہیں ۔ اور اَلنَّسْرُ ۔ چند ستاروں کے جھمکے کو نیز گدھ کو کہتے ہیں ۔ قرآن کریم میں بہرحال یہ لفظ قوم حضرت نوحؑ کے بت کے لئے آیا ہے ۔

ن س ف

نَسَفَ الْبِنَاءَ یَنْسِفُہٗ ۔ اس نے عمارت کو جڑ سے اکھیڑ دیا ۔ اَلْمِنْسَفَۃُ ۔ وہ اوزار جس سے عمارت کو اکھاڑا جاتا ہے ۔ نَسَفَ الطَّعَامَ ۔

*تاج ۔

اس نے غلے کو پھٹکا ۔ اَلْمِنْسَفُ ۔ چھاج ۔ نَسَفَتِ الرِّیْحُ الشَّیْءَ ۔ ہوا نے اس چیز کو اڑا دیا ۔ اکھیڑ کر منتشر کر دیا ۔ نَسَفَ الْبَعِیْرُ الْاَرْضَ بِمُقَدَّمِ رِجْلِہٖ ۔ اونٹ نے اپنے پاؤں کے اگلے سرے سے مٹی کو پھینکا اور اڑایا*** ۔ اَلنَّسَافَۃُ ۔ پھٹکنے سے جو کچھ اُڑے ۔ اَلْمِنْسَفَۃُ ۔ چھلنی کو بھی کہتے ہیں ۔ اور نَسَفَ الشَّیْءَ کسی چیز کے چھاننے کو* ۔ اَلنَّسِیْفُ ۔ وہ نشان جو ایڑھ لگانے سے اونٹ کے پہلو پر (بال اڑنے سے) پیدا ہوجاتا ہے ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے کشف یعنی کھولنا اور ظاہر کرنا لکھے ہیں ۔

سورہ طٰہٰ میں ہے ۔ لَنَنْسِفَنَّہٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا (۲۰/۹۷) ۔ ہم اسے دریا میں بہا دینگے۔ اسکے اجزا منتشر کرکے دریا برد کردینگے ۔ ذرا آگے چل کر ہے ۔ یَنْسِفُہَا رَبِّیْ نَسْفًا (۲۰/۱۰۵) ۔ تیرا رب انہیں جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر رکھدیگا۔

ن س ک

نَسَکَ الثَّوْبَ ۔ اس نے کپڑے کو دھو کر پاک اور صاف کر لیا۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے اصلی معنی دھونے اور صاف کرنے کے ہیں ۔ باقی تمام معانی اسی اصول پر متفرع ہیں** ۔ اَرْضٌ نَاسِکَۃٌ ۔ سرسبز و شاداب زمین جس پر نئی نئی بارش ہوئی ہو* ۔

اس بنیادی معنی کی رو سے اس سے مراد کسی معاملہ کو درست اور ٹھیک کر لینا ہوتا ہے ۔ نَسَکَ السَّبِیْخَۃَ کے معنے ہیں اس نے زمین شور کو درست کیا ۔ نَسَکَ اِلٰی طَرِیْقَۃٍ جَمِیْلَۃٍ ۔ اس نے اچھا طریقہ اختیار کر لیا اور پھر اس پر مداومت کی* ۔

راستہ اختیار کر لینے کی جہت سے کلام عرب میں مَنْسَکٌ ہر اس مقام کو کہتے ہیں جس کی طرف آنے جانے کے لوگ عادی ہو چکے ہوں ۔ خواہ یہ خیر میں ہو یا شر میں ۔ اس کے بعد امور و مراسم حج کو مَنَاسِکُ کہنے لگے ۔ اور نُسُکٌ یا نَسِیْکَۃٌ ۔ ذبیحہ کو یا خون کو* ۔

اسکے بعد یہ لفظ ہر اس بات کے لئے بولا جانے لگا جو خدا کی طرف سے واجب ہوئی ہو ۔ لہذا مَنَاسِکُ کے معنی واجبات خداوندی کے طور طریقے ہو گئے** ۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہر اس چیز کے ہیں جس

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

کے ذریعے خدا کا تقرب حاصل کیا جائے"۔ قرآن کریم میں احکام حج کے ضمن میں آیا ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ (۲/۲۰۰)۔ جب تم حج کے واجبات سے فارغ ہو چکو۔ اس سے ذرا پہلے ہے فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (۲/۱۹۶)۔ اس کا فدیہ روزے یا صدقہ یا ذبیحے ہونگے۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ۔ یہاں نُسُكٌ سے مراد ذبیحے ہونگے"۔ ابن فارس نے بھی اس کے معنی تقرب حاصل کرنے اور ذبیحہ کے لکھے ہیں۔ لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے معنی ذبیحہ کے کیوں مختص کر لئے جائیں۔ اس سے مراد کوئی عمل خیر ہو سکتا ہے جسے وہ اپنے اوپر واجب قرار دے لے۔

سورہ انعام میں ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (۶/۱۶۳)۔ ان سے کہدو کہ میری صلوٰۃ اور میرے نُسُكٌ۔ میری زندگی اور میری موت۔ سب خدا کے عالم گیر نظام ربوبیت کے لئے وقف ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد جملہ احکام خداوندی کی اطاعت ہے اور نُسُكٌ سے مراد زندگی کا ہر طور طریقہ **۔

سورہ حج میں ایک جامع آیت ہے۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ (۲۲/۶۷)۔ "ہم نے ہر امت کے لئے ایک طریقہ مقرر کر دیا تھا جس پر انہیں چلنا تھا۔ سو یہ لوگ تم سے امر کے معاملہ میں جھگڑا نہ کریں۔ تو انہیں اپنے رب کی طرف دعوت دیتا رہ"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امر تو اصل قانون ہے جو ہمیشہ غیر مبدل رہا ہے۔ اور مَنَاسِكٌ اس کی وہ جزئیات و فروعات (طور طریقے) ہیں جو زمان اور مکان کے تقاضوں کے مطابق اس امر کو نافذ کرنے کے لئے اختیار کی جاتی ہیں۔ مَنَاسِكٌ تو مختلف رہے ہیں، لیکن امر متنازعہ فیہ نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی دعوت بنیادی طور پر اس امر کی طرف تھی جسے اہل مذاہب نے چھوڑ کر صرف مَنَاسِكٌ کو دین بنا لیا تھا۔ اصل دین کی یہی وہ توازن بدوش راہ ہے جو قرآن کریم کے علاوہ اور کہیں نہیں مل سکتی۔ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (۲۲/۶۷)۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص اس اصل کو تسلیم کر لے تو پھر اُسے اس نظام (دین) کی جزئیات پر بھی عمل پیرا ہونا ہوگا۔ کیونکہ جب دین، اجتماعی نظام کا نام ٹھہرا تو یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی فرد اس اجتماعی نظام کا رکن ہو لیکن اس

* ابن قتیبہ (القرطبی - ج/۱ صفحہ ۱۷۵۔ ** شاہ عبدالقادر - شاہ رفیع الدین اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے تراجم میں مناسک کا ترجمہ عبادت کے طور طریقے یا ارکان حج کیا ہے۔ مؤخرالذکر نے نسکی کا ترجمہ "میرا حج" کیا ہے۔

کی جزئیات میں اختلاف کرے۔ اس سے نظام قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ باین ہمہ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ جب مناسک مختلف اقوام میں بدلتے رہے ہیں تو امت کے مختلف ادوار میں بھی زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان مناسک میں تبدیلی ہو سکتی ہے جنہیں قرآن کریم نے متعین نہ کیا ہو بلکہ وہ کسی زمانے میں باہمی مشاورت سے متعین کئے گئے ہوں۔ یہ تبدیلی قرآنی نظام کیطرف سے ہوگی۔ افراد کو اس کا حق نہیں ہوگا۔

ن س ل

اَلنَّسْلُ۔ کسی چیز کا الگ ہو جانا۔ جدا ہو جانا۔ نَسَلَ الْوَبَرُ عَنِ الْبَعِیْرِ۔ اونٹ سے بال جھڑ کر الگ ہو گئے۔ نَسَلَ الْقَمِیْصُ عَنِ الْاِنْسَانِ۔ قمیص انسان سے الگ ہو گئی*۔ اَلنَّسَالَۃُ۔ وہ اون جو گر پڑے۔ یا پرندے کا پر جو جھڑ جائے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا آسانی سے نکل جانا اور نکالنا۔

نَسَلَ۔ یَنْسِلُ۔ تیز رفتار ہوا۔ دوڑا۔ اَنْسَلَ الْقَوْمَ وہ قوم سے آگے بڑھ گیا۔ ذِئْبٌ نَسُوْلٌ۔ تیز دوڑنے والا بھیڑیا***۔ اَلنَّسَّالُ۔ تیز رفتار۔ اَلنَّسَلُ۔ وہ دودھ جو تھن کے سوراخ سے خود بخود ٹپکنے لگ جائے**۔

اولاد کو نَسْلٌ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے آباء و اجداد سے نکلتی ہے۔ یا اس لئے کہ آباء و اجداد چلے جاتے ہیں اور وہ آگے بڑھ جاتی ہے۔

قرآن کریم میں یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ (۲/۲۰۵) آیا ہے۔ یہاں نَسْلٌ کے معنی ذریت۔ مخلوق۔ اولاد۔ انسانی آبادی ہیں۔ یعنی نسلِ انسانی۔ لہذا، قرآن کریم کی رُو سے کھیتی اور نسلِ انسانی کا (بغیر حق کے) تباہ کرنا سنگین جرم ہے۔

سورۃ انبیاء میں ہے وَ هُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ (۲۱/۹۶)۔ وہ ہر بلندی سے تیزی سے نکل پڑینگے۔ طوفان کی طرح موجیں مارتے ہوئے اُمنڈ پڑینگے۔ سورۃ یٰسٓ میں ہے۔ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (۳۶/۵۱)۔ اپنے رب کی طرف تیزی سے نکل دوڑینگے۔

ن س و

اَلنِّسْوَۃُ۔ اَلنِّسَاءُ۔ اَلنِّسْوَانُ۔ یہ سب الفاظ اَلْمَرْأَۃُ کی غیرلفظی جمع ہیں۔ یعنی اَلْمَرْأَۃُ کے معنی ہیں ایک عورت اور اَلنِّسَاءُ

*راغب۔ **محیط۔ ***تاج۔

(وغیرہ) کے معنی ہیں بہت سی عورتیں ۔ اَلنِّسَآءُ اَۃٌ کی جمع ۔ اور النِّسَاءُ وَ النِّسْوَۃُ و النِّسْوَانُ کا واحد ان کے مادوں سے نہیں آتا* ۔

قرآن کریم میں نِسَاءٌ کا لفظ اضافت کے ساتھ عام عورتوں کے علاوہ بیویوں کے لئے بھی آیا ہے مثلاً اِلیٰ نِسَائِکُمْ (۲/۱۸۷)۔ ''تمہاری بیویاں''۔

مجازی معنوں میں یہ لفظ قوم کے اس طبقے کے لئے استعمال ہوا ہے جو جوہرِ مردانگی سے عاری ہو ۔ (اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ذ ۔ ب ۔ ح) اور (ب ۔ ن ۔ و) ۔

ن س ی

نِسْیَانٌ کے اصلی معنی ترک کردینے اور چھوڑ دینے کے ہیں ۔ راغب نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے پاس رکھی ہوئی چیز کی حفاظت کرنا چھوڑ دے تو اسے بھی نِسْیَانٌ کہتے ہیں ۔ یعنی حفاظت کرنا چھوڑ دینا ۔ چنانچہ وَ لَقَدْ عَہِدْنَآ اِلیٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا ۔ (۲۰/۱۱۵) ۔ ''اور یقیناً ہم نے پہلے آدم کو حکم دیا تھا لیکن اس نے اسے ترک کردیا ۔ اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا'' ۔ اس میں نَسِیَ کے معنی ترک کر دینے کے ہیں، کیونکہ بھول جانے پر مواخذہ نہیں ہوسکتا (نیز یاد رکھنے کے لئے عزم کی ضرورت نہیں ہوتی) ۔ اسی طرح نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَہُمْ (۹/۶۷) کے معنی ہیں انہوں نے قوانین خداوندی کو چھوڑ دیا تو خدا نے ان کی حفاظت کو چھوڑ دیا** ۔ ہمارے ہاں بھی یہ کہتے ہیں کہ میں نے تمہیں کتنی باتوں کی تاکید کی لیکن تم نے ان سب کو بھلا دیا ۔ یہاں بھلا دیا ، سے مراد یہ نہیں کہ وہ تمہارے حافظہ سے محو ہوگئیں ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تم نے ان پر عمل نہیں کیا ۔ یا کچھ عرصہ تک عمل کرکے انہیں چھوڑ دیا ۔ نیز اس کے معنے کسی چیز کو علیٰ حالہٖ رہنے دینے کے بھی ہیں۔ اس کی تائید میں صاحب غریب القرآن (مرزا ابو الفضل) نے حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی نقل کیا ہے ۔

سورۃ بقرہ میں سابقہ انبیاء کرامؑ کے سلسلۂ وحی کے متعلق ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ آیَۃٍ اَوْ نُنْسِہَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْہَآ اَوْ مِثْلِہَا (۲/۱۰۶) ۔ ہم جس سابقہ حکم کو منسوخ کرتے ہیں تو اس کے بعد اس سے بہتر حکم دیدیتے ہیں اور جسے علیٰ حالہ چھوڑ دیتے ہیں تو اس جیسا حکم

*تاج ۔ **ابن قتیبہ القرطبین ج/۱ صفحہ ۱۹۸

دوسرے نبی کی وحی میں دے دیتے ہیں ۔ (تفصیل ن ۔ س ۔ خ کے عنوان میں دیکھئے) اسی طرح سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی (۸۷/۶) کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس وحی کو اس طرح محفوظ رکھیں گے کہ تو اس میں سے کسی بات کو بھی چھوڑ نہیں سکے گا ۔ اس میں سے کچھ بھی چھوٹنے نہیں پائے گا ۔ سب ایک جگہ جمع ہو جائے گا ۔ اس کی حفاظت کی شہادت دوسری جگہ موجود ہے جہاں کہا گیا ہے کہ وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ (۱۷/۸۶) اگر ہم چاہیں تو جو کچھ تجھے بذریعہ وحی دیا گیا ہے اس میں سے کچھ لے جائیں (لیکن ہماری مشیت ایسی نہیں) ۔ اسی سے (۸۷/۷) کے بعد اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ یعنی اس میں سے اُسی صورت میں کچھ ترک ہو سکتا تھا کہ خدا کی مشیت ایسی ہوتی ۔ لیکن خدا کی مشیت یہ تھی ہی نہیں (۱۷/۸۶) ۔ اس لئے اس میں سے کچھ بھی ترک نہیں ہوا* ۔

صاحب المنار نے لکھا ہے کہ اگر اس کے معنی بھول جانے کے بھی لئے جائیں تو بھی اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ اس کی نفی کر دیتا ہے ۔ کیونکہ ''استثناء بالمشیت'' اسلوب قرآن میں ہر جگہ ثبوت اور استمرار کے لئے آتا ہے ۔ (یعنی جہاں اِلَّا کے بعد مَا شَآءَ اللّٰہُ وغیرہ ہو جس سے مراد خدا کی مشیت ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسا پہلے کہا گیا ہے اس کے خلاف کبھی نہیں ہوگا) ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ۔ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (۱۱/۱۰۸) ۔ یعنی غیر مقطوع ۔ اور استثناء میں نکتہ یہ ہے کہ یہ ظاہر کر دینا مقصود ہے کہ یہ امور جو ثابتہ اور دائمہ ہیں خدا کی مشیت سے ایسے ہیں ۔ اپنی طبیعت کے لحاظ سے ایسے نہیں ہیں ۔ اگر خدا اس کے خلاف چاہتا تو ان کو ویسا ہی بنا دیتا ۔ (المنار جلد اول صفحہ ۱۹ ۔ ۲۱۶ ۔ زیر نَنْسَخْ وَنُنْسِهَا) ۔

کسی چیز کی حفاظت کو ترک کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ اس چیز کو قابل اعتناء نہیں سمجھا گیا ۔ اسے حقیر و غیر اہم سمجھا گیا ۔ اس لئے اَلنِّسْیُ کے معنی ہیں ایسی چیز جس سے بے اعتنائی برتی جائے ۔ اس کی جمع اَنْسَاءٌ ہے ۔ چنانچہ جب عربوں کا قافلہ کوچ کرنے لگتا تو وہ کہا کرتے تھے تَتَبَّعُوْا اَنْسَاءَکُمْ ۔ اپنی چھوٹی چھوٹی اور حقیر چیزوں کو جنہیں زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی ، تلاش کرلو* ۔

*تاج ۔

اس عدم اهمیت کی بناء پر اس کے معنے بھول جانے کے ہوگئے۔ اَنْسَاہُ اِیَّاہُ اس نے اس کو بھلا دیا ۔ نَسَّاءٌ ۔ بہت بھول جانے والا* ۔ نَسْیًا مَّنْسِیًّا (۱۹/۲۳) ۔ بھولی بسری ۔

ترک کر دینے کے معنوں میں قرآن کریم کی آیات اوپر درج کی جا چکی ہیں ۔ ان کے علاوہ (۲۰/۱۲۶ اور ۲۳/۱۱۲) میں بھی یہی مفہوم ہے ۔ یعنی ناقابل التفات سمجھ کر چھوڑ دینا ۔ ذِکْرٰی کے مقابلہ میں اِنْسَاءٌ (۶/۶۸) میں آیا ہے ۔ یعنی بھلا دینا ۔ بلا ارادہ بھول جانا خطا نہیں ہوتی (۲/۲۸۶) ۔

ن ش أ

نَشَاَ یَنْشَاُ ۔ نَشْاَۃٌ ۔ زندہ ہونا ، نیا ہونا ، رو نما ہونا ، بلند ہونا ، بڑھنا ، بتدریج ترقی کرنا ، نشو و نما پانا ۔ نَشَاٰتِ السَّحَابَۃُ نَشْاً ۔ بادل اُٹھا ۔ اَلنَّاشِیٔ ۔ لڑکی یا لڑکا جو بچپن کی حد سے گزر کر جوانی میں قدم رکھ رہا ہو ، یا رکھنے کے قریب ہو ۔ اَلنَّاشِئَۃُ ۔ ہر وہ ساعت جس میں آدمی رات کے وقت کھڑا رہے ۔ یعنی سونے نہیں ۔ سونے کے بعد اٹھنے کو بھی کہتے ہیں ۔ نیز ہر واقعہ جو رات کے وقت سرزد یا رو نما ہو ۔ تَنَشَّاَ فُلَانٌ لِحَاجَتِہٖ ، فلاں آدمی اپنے کام کے لئے اٹھا اور چل پڑا ۔ اَلْمُنْشَاُ ۔ بلند نشان یا جھنڈا ۔ اَلْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ (۵۵/۲۴) ۔ بلند بادبانوں والی کشتیاں ۔ اَلْاِنْشَاءُ ۔ کسی چیز کو ایجاد کرنا اور اس کی تربیت کرنا** ۔ اَلنَّشْءُ ۔ نسل*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بلند ہونے کے ہیں ۔

سورۃ انعام میں ہے ۔ ھُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ (۶/۹۹) ۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ''نفس واحد'' سے پیدا کیا ۔ یا آگے بڑھایا ۔ (اس کی تفصیل میری کتاب ''ابلیس و آدم'' میں ملے گی) ۔ سورۃ واقعہ میں ہے اِنَّآ اَنْشَاْنٰھُنَّ اِنْشَاءً ۔ (۵۶/۳۵) ۔ ہم نے انہیں ایک خاص انداز سے نئی پیدائش دی ۔ یا ہم نے ان کی خاص تربیت کی ۔ نہایت عمدگی سے پروان چڑھایا ۔ اس سے ذرا آگے ہے وَ نُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۵۶/۶۱) ۔ تمہیں اس انداز سے ایک نئی پیدائش دیں جو تمہارے علم میں بھی نہیں ۔ ضمناً مَا لَا تَعْلَمُوْنَ سے ظاہر ہے کہ جہاں تک اس زندگی میں انسانی علم کی سطح کا تعلق ہے اس کی رو سے ہم جان نہیں سکتے کہ دوسری زندگی کی کیفیت اور ماہیت کیسی ہوگی ۔ اسی کو دیگر مقامات میں خلق جدید ، ایک نئی تخلیق سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ (۲۹/۲۰ و ۵۶/۶۱ و ۳۲/۱۰) ۔

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط ۔

سورۃ واقعہ میں ذرا آگے چل کر ہے ۔ ءَ اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَا اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ (۵۶/۷۲) ۔ کیا تم اس کے درخت کو اگاتے اور نشو و نما دیتے ہو ، یا ہم دیتے ہیں ۔

سورۃ زخرف میں ہے مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ (۴۳/۱۸) جس کی پرورش و تربیت زیورات میں ہوئی ہو ۔ یا جس کی تربیت عورتوں کی طرح ہوتی ہو ۔ سورۃ رعد میں ہے ۔ وَ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (۱۳/۱۲) ۔ وہی بھاری بھاری بادلوں کو (سمندر کی سطح سے فضا میں) بلند کرتا ہے ۔ سورۃ رحمٰن میں جَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ (۵۵/۲۴) آیا ہے ۔ یعنی بلند بادبانوں والی کشتیاں ۔ سورۃ مزمل میں نَاشِئَةَ اللَّيْلِ آیا ہے (۷۳/۶)۔ یعنی رات کا اٹھنا ۔ اِنْشَاءٌ نشو و نما دینا ۔ بتدریج آگے بڑھانا ۔ اور پروان چڑھانا خدا کی صفت ربوبیت کا نتیجہ ہے ۔ کائنات کی ہر شے خدا کے پروگرام کے مطابق ، اُس کے قانون کی رو سے نشو و نما پاتی اور بتدریج اپنے منتہیٰ کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے ۔ یہی کچھ انسان کو اپنی دنیا میں کرنا ہوگا ۔ یعنی اپنی اور اپنے ساتھ ہر فرد انسانی کی نشو و نما۔ اس کی صلاحیتوں کی برومندی اور انہیں تکمیل تک پہنچانا ۔ یہی اسلام کا مقصود ہے ۔

ن ش ر

اَلنَّشْرُ ۔ ہوا ۔ خوشبودار ہوا ۔ مہک ۔ دراصل اس میں پھیلنے کا پہلو غالب ہوتا ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو کھولدینے اور اس کے شاخ در شاخ ہو جانے کے ہیں ۔ چنانچہ اَلنَّشِيْرُ کے معنی ہیں کسی چیز کو کھول دینا ۔ پھیلا دینا ۔ نَشَرَ الْخَشَبَةَ ۔ اس نے لکڑی کو چیر دیا ۔ اَلْمِنْشَارُ ۔ آرے کو کہتے ہیں اور اَلنَّشَارَةُ اس برادے کو جو لکڑی چیرنے سے گرتا ہے ۔ اَلنَّشْرُ ۔ خبر کو پھیلا دینا ۔ یا پتوں کا پھیلنا ۔ درختوں کا پتے لے آنا ۔ نَشَرَتِ الْاَرْضُ نُشُوْرًا ۔ موسم بہار آنے سے زمین میں جان آگئی اور خوب پودے اُگ آئے ۔ اَلنَّشْرُ ۔ اس خشک گھاس کو کہتے ہیں جو گرمی کے آخر میں بارش پڑنے سے دوبارہ سبز ہو جائے ۔ اور اَلنَّشِيْرُ ۔ کاٹ کر جمع کی ہوئی کھیت کی پیداوار جسے گاہا نہ گیا ہو ۔ اَنْشَرَ الْاَرْضَ ۔ اس نے پانی دیکر زمین کو حیات نو عطا کر دی ۔ اسی سے اَلنُّشُوْرُ ۔ حیات تازہ کو کہتے ہیں* ۔

*تاج و محیط و راغب ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ ان تمام معانی میں استعمال ہوا ہے جنکا اوپر ذکر کیا گیا ہے - سورہ بنی اسرائیل میں کِتٰباً . . . مَنْشُوْراً (۱۷/۱۳) آیا ہے - کھلی ہوئی کتاب - سورہ طور میں فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (۵۲/۳) آیا ہے - پھیلے ہوئے صحیفہ میں - سورہ قمر میں ہے - جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ (۵۴/۷) - بچھی ہوئی یا چھا جانے والی یا بکھری ہوئی ٹڈیاں - سورہ احزاب میں ہے فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا (۳۳/۵۳) - جب کھانا کھا چکو تو پھر متفرق ہو جاؤ - سورہ مرسلٰت میں ہے - وَالنّٰشِرٰتِ نَشْراً (۷۷/۳) - دور دور تک پھیلانے والی قوتیں - سورہ فرقان میں ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے نیند کو آرام کا باعث بنایا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْراً (۲۵/۴۷) - اور دن کو نُشُوْرٌ - اس کے معنی چلنے پھرنے اور متفرق ہونے کے بھی ہو سکتے ہیں اور نیند کے بعد حیات تازہ کے بھی - اسی سورۃ میں غیرخدائی معبودوں کی بے بسی کے متعلق ہے - لَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتاً وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْراً (۲۵/۳) - وہ موت و حیات اور موت کے بعد حیات نو کی قدرت نہیں رکھتے - یہ حیات نو (مثالاً) اسی طرح ملتی ہے جس طرح بارش کے چھینٹے سے زمین کے عروق مردہ میں خونِ زندگی دوڑ اٹھتا اور اس کے آغوش میں خوابیدہ سبزہ لہلہا اٹھتا ہے - چنانچہ سورہ فاطر میں زمین کی اسی حالت کو بیان کرنے کے بعد فرمایا - کَذٰلِکَ النُّشُوْرُ (۳۵/۹) - اسی طرح سے تمہاری حیات تازہ کی مثال ہے - حیات تازہ کی یہ مثال کس قدر بلیغ اور بصیرت افروز ہے - یعنی اُس شے کے اندر زندگی کے ممکنات تو موجود ہوتے ہیں لیکن اپنی خوابیدہ شکل میں - اس نئے طریق (Process) سے اسکی خوابیدگی کو بیداری سے بدل دیا جاتا ہے - (مردہ قوموں کو حیات تازہ ملنے کی بھی یہی صورت ہے) - موت کے بعد حیات سے انکار کرنے والوں کا قول ہے کہ مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ (۴۴/۳۵) - ہمیں حیات تازہ نہیں مل سکتی - ہم مر کر نہیں جی سکتے - کہا کہ یہ غلط ہے - خدا وہ ہے - اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ثُمَّ اِذَا شَاءَ اَنْشَرَهٗ (۸۰/۲۱) جو موت کے بعد انسان کو اپنے قانون مشیت کے مطابق حیات تازہ عطا کرتا ہے -

مردہ، جامد ہوتا ہے - زندہ بڑھتا اور پھیلتا ہے - زندگی کی علامت کشاد اور وسعت، بڑھنا اور پھیلنا (اَلنَّشْزُ) ہے - جس میں وسعت اور کشاد نہیں وہ زندگی سے محروم ہے - جو قوم اپنی جگہ پر جم کر بیٹھتی ہے اور حرکت کرکے آگے نہیں بڑھتی وہ مردہ ہے -

ن ش ز

اَلنَّشْزُ - وَالنَّشَزُ - بلند اور اونچی جگہ - نَشَزَ - وہ اونچی جگہ پر چڑھ گیا (اور محفوظ ہو گیا) - نَشَزَ الرَّجُلُ - آدمی بیٹھے سے کھڑا ہو گیا -

نَشَزَ بِالْقَوْمِ فِی الْخُصُوْمَةِ - وہ قوم کے ساتھ جھگڑا کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا*۔ راغب نے لکھا ہے کہ کسی چیز کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا نَشَزَ کہلاتا ہے۔ اسی سے نُشُوْزٌ کے معنی ہیں میاں بیوی میں سے ایک کا مخالفت پر اتر آنا، نافرمانی کرنے لگنا، متنفر ہونا، جھگڑنا، بدسلوکی کرنا، ایک دوسرے کے خلاف یا سامنے کھڑے ہو جانا۔ عورت کا مرد کے مقابل میں (۴/۳۴)۔ اور مرد کا عورت کے مقابلہ میں (۴/۱۲۸)۔ سورۂ مجادلہ میں یہ لفظ مجلس سے اٹھ کھڑے ہونے کے لئے آیا ہے (۵۸/۱۱)۔ سورۂ بقرہ میں ہڈیوں کو اٹھانے، بلند کرنے اور ابھارنے کے معنوں میں آیا ہے (۲/۲۵۹)۔

ن ش ط

نَشَطَ مِنَ الْمَكَانِ - وہ اس جگہ سے نکل گیا۔ اَلنَّاشِطُ۔ اُس جنگلی بیل کو کہتے ہیں جو ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف چلا جائے۔ اس سے اَنْشَطَ الْعُقْدَةَ کے معنی ہیں اس نے گرہ کو کھول دیا**۔ اَنْشَطَ الْبَعِيْرَ مِنْ عِقَالِهٖ - اس نے اونٹ کو اسکی رسی سے کھول کر آزاد کر دیا***۔ نَشْطٌ - ایسی گرہ باندھنے کو کہتے ہیں جو آسانی سے کھل جاتی ہو****۔ اسی سے نَشِطَ۔ يَنْشَطُ۔ نَشَاطاً کے معنی ہیں کسی کام کے لئے انسان کا مستعد اور خوش دل ہونا۔ راغب ہونا۔ اُس کام سے خوش ہونا۔ دلچسپی لینا۔ دل کی گرہوں کا کھل جانا**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جھومنے اور حرکت کرنے کے ہیں۔

قرآن کریم میں اَلنّٰشِطٰتِ نَشْطاً (۷۹/۳) آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ سیارے جو ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر آتے جاتے رہتے ہیں اور تیزی سے چلتے ہیں۔ کیونکہ تَنَشَّطَتِ النَّاقَةُ فِیْ سَيْرِهَا کے معنی ہیں اونٹنی اپنی رفتار میں تیز رہی**۔ نیز اِنْتَشَطَ الْحَبْلُ کے معنی ہیں اس نے رسی کو اس حد تک کھینچا کہ وہ کھل گئی۔ نَشَطَ الدَّلْوَ مِنَ الْبِئْرِ۔ اس نے کنوئیں سے پانی کا ڈول کھینچا***۔ (چرخی کے بغیر کھینچنے کے لئے بولا جاتا ہے)

اس اعتبار سے وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطاً میں ستاروں کی باھمی کشش کی طرف بھی اشارہ ہے۔ یعنی تیز رفتاری سے اِدھر اُدھر جانے والے اور اس کے ساتھ ہی اپنی کشش کو بھی قائم رکھنے والے۔ ان کی گرہیں کھلی ہوئی بھی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ باھمی کشش سے ایک دوسرے کے ساتھ

*تاج و ابن فارس۔ **تاج۔ ***محیط۔ ****راغب۔

بندھے ہوئے بھی ہیں - تیز رفتاری اور کشادگی بھی ہے اور نظم و ضبط کی پابندی بھی - دیکھئے ایک لفظ نَشْطٌ میں ان سیارگانِ فلک کی خصوصیات کی پوری دنیا کس طرب و نشاط سے جھلمل جھلمل کر رہی ہے -

مولانا عبیداللہ سندھی نے لکھا ہے کہ وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا سے مراد یہ ہے کہ انسان کی ترقی کے راستے میں جو رکاوٹیں ہیں ، یہ انقلابی جماعت انہیں ہٹا دیتی ہے - اس کا مشن یہ ہوتا ہے کہ جو چیزیں انسانیت کے راستے میں حائل ہوں انہیں ہٹا دے* -

ن ص ب

اَلنَّصْبُ - کسی چیز کو کھڑا کرکے رکھنا - ابھار کر رکھنا ** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو ہموار اور سیدھا کھڑا کر دینے کے ہیں - نَصَبَ الشَّجَرَةَ - درخت زمین میں لگا دیا*** - اَلنَّصْبُ گاڑا ہوا جھنڈا - اَلنُّصُبُ (وَالنَّصِيْبَةُ) - ہر وہ چیز جسے نصب کر دیا جائے اور اس طرح وہ نشان اور علامت بن جائے - اسکی جمع اَلْاَنْصَابُ ہے - ان پتھروں کو بھی جو کعبہ کے گرد نصب کئے گئے تھے اور جن پر جانور ذبح کئے جاتے تھے اَلْاَنْصَابُ کہتے تھے **** - اَلنَّصِيْبُ - پتھر جو کسی چیز پر ابھار کر رکھ دیے جائیں - اس سے اسکے معنی متعینہ (قائم کردہ) حصہ کے ہو گئے ** - اَلنِّصَابُ - ہر چیز کا اصل اور مرجع**** - جَعَلْتُهُ نُصْبَ عَيْنِيْ - میں نے اسے اپنی نگاہ کے سامنے قائم کر لیا کہ نہ اسے بھول سکتا ہوں نہ اس سے غافل رہ سکتا ہوں **** - یعنی اسے نصب العین بنا لیا -

نَصِبَ يَنْصَبُ - تھک جانا اور عاجز و درماندہ رہ جانا**** - (غالباً اس لئے کہ تھک جانے والا ایک جگہ کھڑا ہو جاتا ہے) - اَلنَّصَبُ - مشقت - تھکن - کوفت - عَيْشٌ نَاصِبٌ - ایسی زندگی جسمیں مشقت ہو - اَلنَّصْبُ وَالنُّصْبُ - بیماری - مضرت - مشقت - ابتلا و آزمائش **** - قرآن کریم میں ہے - لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ (۱۵/۴۸) - جنت میں انہیں مشقت ، تکان یا کسی قسم کی تکلیف چھوئیگی نہیں - نَصِيْبٌ بمعنی حصہ (۳/۴ ; ۴/۷) میں آیا ہے - سورۂ نساء میں نَصِيْبٌ اور كِفْلٌ مرادف آئے ہیں (۴/۸۵) - سورہ مائدہ میں ہے وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (۵/۳) - اسکے معنی وہ پتھر یا استھان ہیں جن پر غیر اللہ کے نام پر قربانیاں دی جاتی تھیں - سورۂ

*المقام المحمود صفحہ ۱۸ **راغب - ***محیط - ****تاج -

معارج میں ہے کَاَنَّھُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ (۷۰/۴۳) ۔ گویا وہ اس قسم کے استھانوں کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں ۔ سورہ غاشیہ میں ہے عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ (۸۸/۳) وہ لوگ جو محنت و مشقت کرکے تھک جائیں ۔ محنت اور مشقت ہر کام میں کرنی پڑتی ہے ۔ اگر یہ محنت صحیح راستے پر کی جائے تو اس کام کا نتیجہ حسب منشا مرتب ہو جاتا ہے ۔ اس محنت سے انسان میں تکان پیدا نہیں ہوتی ۔ لیکن اگر وہی محنت غلط طریق پر کی جائے تو اس کا صحیح نتیجہ مرتب نہیں ہوتا اور اسطرح وہ محنت انسان کو بری طرح تھکا دیتی ہے ۔ اس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ (۱۸/۱۰۵) ۔ ان کے اعمال رائگاں گئے ۔ انہوں نے صحیح نتیجہ پیدا نہ کیا ۔ یہ ہیں عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ (۸۸/۳) ۔ وہ لوگ جنہوں نے قوانین خداوندی کے مطابق کام نہ کیا اس لئے ان کے حصے میں تکان اور ماندگی کے علاوہ کچھ نہ آیا ۔

سورہ ص میں ہے کہ حضرت ایوبؑ نے خدا کو پکارا کہ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ (۳۸/۴۱) مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے جس کی وجہ سے مجھے سخت تکلیف ہے ۔ سورہ فاطر میں نَصَبٌ اور لُغُوْبٌ (۳۵/۳۵) ساتھ ساتھ آئے ہیں ۔ یعنی جسمانی مشقت اور نفسیاتی تکان ۔ سورہ کہف میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے ساتھی سے کہا ۔ لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا ھٰذَا نَصَبًا (۱۸/۶۲) ۔ ہمیں اس سفر سے تکان ہو گئی ہے ۔ سورہ انشراح میں ہے فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (۹۴/۷) ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب جو مخالفتوں کے بادل چھٹ چکے ہیں تو تمہارے پروگرام کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے ۔ اس کے لئے تم مزید جد و جہد شروع کرو ۔ نَصِبَ ۔ یَنْصَبُ فِی الْاَمْرِ کے معنی جدو جہد کرنا ہیں* ۔ عام طور پر جب مخالفت ختم ہو جائے تو پروگرام مکمل ہو جاتا ہے ، لیکن اقامت نظام خداوندی کے پروگرام کا دوسرا حصہ مخالفت ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے ۔ مخالفت کا ختم ہونا گویا حصہ لاَ ہے ۔ اس کے بعد حصہ اِلاَّ (یعنی مثبت پروگرام) شروع ہوتا ہے ۔ یوں اس جماعت کی ساری زندگی جد و جہد میں گذرتی ہے ۔

ن ص ت

نَصَتَ الرَّجُلُ یَنْصِتُ وَاَنْصَتَ (نَصَتَ کے مقابلہ میں اَنْصَتَ زیادہ فصیح ہے) ۔ خاموش ہو جانا ۔ چپ رہنا ۔ کسی کی بات سننے کے لئے خاموش ہو جانا** ۔ وَاَنْصِتُوْا (۷/۲۰۴) ۔ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اسے سنو اور خاموش رہو ۔

*محیط ۔ **تاج و محیط ۔

ن ص ح

نَصْحٌ - شہد صاف کرنے اور کپڑا سینے کو کہتے ہیں - پہلے معنوں میں نَصَحَ الشَّیْءُ کے معنی ہیں چیز خالص ہوگئی - اَلنَّاصِحُ - شہد خالص - اور دوسرے معنوں میں نَصَحَ الْخَیَّاطُ الثَّوْبَ - درزی نے کپڑے کو سیا ، یا عمدگی سے سیا * - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو چیزوں کے درمیان موافقت پیدا کرنا اور انہیں درست کرنا ہوتے ہیں - نیز النُّصْحُ والنَّصِیْحَۃُ ضد ہے فریب اور دھوکا دینے کی - اَلنَّاصِحُ وَالنَّصَّاحُ - درزی کو کہتے ہیں - النَّصَّاحُ - دھاگہ - اَلنَّصِیْحَۃُ - سوئی - نَصْحٌ - رفو کرنا * - لہذا تَنْصِیْحَۃٌ کے معنی ہوئے کسی کے چاکِ گریباں کا نہایت خلوص کے ساتھ رفو کرنا - کسی کے پھٹے ہوئے کپڑے کو دل کی پوری صفائی کے ساتھ سی دینا - کسی کا ساز گار اور خیر خواہ ہونا * - رسول اپنی قوم سے یہی کہتے تھے کہ وَاَنْصَحُ لَکُمْ (۷/۶۲) - میں تمہاری چارہ سازی اور سازگاری کے لئے آیا ہوں - میں نہایت خلوص سے تمہارے پیرہن انسانیت کی رفو گری کی کوشش کر رہا ہوں - تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا (۶۶/۸) - تم خدا کی راہ کی طرف اسطرح واپس آؤ کہ اس سے ہٹ کر پھر کسی اور راستے کو اختیار نہ کرو - اپنے آپ کو اس راستے کے ساتھ نہایت اخلاص کے ساتھ متمسک کر لو - اس سے پیوست ہو جاؤ -

ن ص ر

نَصَرَ الْغَیْثُ الْاَرْضَ - بارش نے زمین کو سرسبز و شاداب کر دیا - اَرْضٌ مَّنْصُوْرَۃٌ - وہ زمین جہاں بارش ہو چکی ہو - اَلنَّوَاصِرُ (نَاصِرٌ یا نَاصِرَۃٌ کی جمع) وہ ندی نالے جو کسی وادی میں دور سے آئیں - ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ نَاصِرٌ اور نَاصِرَۃٌ اس پانی کو کہتے ہیں جو دور و دراز جگہ سے آئے اور سیلاب کو آگے بڑھنے میں مدد پہنچائے * - ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ نَصْرٌ کے معنے رزق پہنچانے کے ہوتے ہیں ** - ابن فارس نے اس سادہ کے بنیادی معنے خیر لانا اور خیر دینا ، بتائے ہیں - نیز النَّصْرُ کے معنے عطیہ و بخشش لکھے ہیں -

لہذا اس کے بنیادی معنی زمین کی وہ سیرابی ہے جس سے وہ سرسبز و شاداب ہو جائے - قرآن کریم نے اس جماعت کو جو اس کے قوانین کے مطابق زندگی

*تاج و محیط - **القرطبین ج/۲ صفحہ ۲۹ -

بسر کرتی ہے مُفْلِحُوْنَ کہا ہے (۲/۵) ۔ یعنی وہ لوگ جن کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوں ۔ جن کی فصلیں کامیاب ہو جائیں ۔ (دیکھئے ف ۔ ل ۔ ح)۔ اس لئے خدا کا قانون وہ بارش ہے جس سے ان کی سعی و عمل کی کھیتی ثمر بار ہوتی ہے۔ اسی کو نصرت خداوندی کہتے ہیں ۔ انسان کی وہ کوشش جو قانونِ خداوندی کے مطابق نہ ہو، اس کسان کی محنت کی طرح ہے جس کی زمین پانی سے محروم رہ جائے ۔ انہی کو قرآن کریم نے اَخْسَرِیْنَ اَعْمَالاً اور ضَلَّ سَعْیُھُمْ (۱۸/۱۰۳ ۔ ۱۰۴) کہا ہے ۔ یعنی جن کی کوششیں رائیگاں چلی گئیں ۔ اور ان کے کاروبار نے انہیں سخت نقصان پہنچایا ۔ سورۃ آل عمران میں نَصَرَ بمقابلہ خَذَلَ آیا ہے ۔ خَذَلَ کے معنی ہیں کسی کا ساتھ چھوڑ دینا ۔ اس لئے نَصَرَ کے معنی ہیں کسی کا ساتھ دینا ۔

چونکہ پانی ، کھیتی کے اُگنے میں مدد دیتا ہے اسی لئے نَصْرٌ کے معنی اعانت اور مدد کرنا ہیں ۔ محیط نے معونت اور نصرت میں فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ نُصْرَت دفع مضرت کے لئے خاص ہے ، اور معونت عام ہے ۔ اِسْتِنْصَارٌ ۔ مدد طلب کرنا ۔ اِسْتَنْصَرَہٗ عَلٰی فُلَانٍ اس سے فلاں کے خلاف مدد مانگی ۔ اِنْتَصَرَ ۔ وہ ظالم کے ظلم سے محفوظ رہا ۔ اس نے انصاف حاصل کرلیا ۔ اس نے انتقام لے لیا* ۔ سورۃ انبیاء میں ہے وَ انْصُرُوْٓا اٰلِھَتَکُمْ (۲۱/۶۸) ۔ اپنے معبودوں کا بول بالا کرو۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ خدا کی نصرت ، ان ثمرات کو کہتے ہیں جو اس کے قانون کے مطابق عمل کرنے کا نتیجہ ہوتے ہیں ۔ لہٰذا خدا کی نصرت (یا تائید غیبی) یونہی بیٹھے بٹھائے نہیں مل جاتی ۔ خدا کا ارشاد ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ (۴۷/۷) ۔ اے ایمان والو ۔ اگر تم نے خدا کی مدد کی تو وہ تمہاری مدد کریگا ۔ خدا کی مدد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے متعین کردہ نظام کو دنیا میں قائم کرو ۔ اس کے قوانین کے مطابق عمل کرو ۔ اگر تم نے یہ کر دیا تو اس نظام اور قانون کی برکات تمہارے شامل حال ہو جائینگی ۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (۴۷/۷) ۔ وہ تمہارے پاؤں جما دے گا ۔ تمہیں ثابت قدمی عطا کر دے گا ۔ اس کے برعکس ، جو لوگ اس قانون کے مطابق چلنے سے انکار کریں گے ۔ اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ (۴۷/۸) ۔ ان کے اعمال بے نتیجہ رہ جائینگے ۔

---

*تاج و محیط ۔ **القرطبین ۔ ج/۲ صفحہ ۲۹ ۔

سورۃ ہود میں ہے مَنْ یَنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰہِ (۱۱/۳۰) ۔ اس کے معنی ہیں مجھے خدا کے عذاب سے کون بچا سکتا ہے ۔ یا خدا کے خلاف میری کون مدد کرسکتا ہے ۔ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے ۔ یعنی اگر میں قانون خداوندی کے خلاف چلوں تو میری اس غلط روش کے تباہ کن نتائج سے مجھے کون بچا سکتا ہے ۔ سورۃ شوریٰ میں ہے وَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ (۴۲/۳۹) ۔ جب ان پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو وہ اپنی حفاظت کرتے ہیں ۔ سورۃ محمد میں ہے وَ لَوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانْتَصَرَ مِنْھُمْ (۴۷/۴) ۔ اس کے معنے ظالم سے بدلہ لینے کے ہیں ۔ سورۃ قمر میں ہے اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (۵۴/۱۰) ۔ ''میں مغلوب ہوں سو تو میرا بدلہ لے'' ۔

اَلْاَنْصَارُ ۔ (۹/۱۰۰) قرآن کریم میں یہ لفظ مہاجرین کے مقابلہ میں آیا ہے ۔ اس سے مراد (مدینہ کے) وہ مومنین ہیں جنہوں نے مہاجرین کی مدد کی اور اس طرح نظامِ خداوندی وہاں متمکن ہوا ۔ ویسے اَنْصَارُ اللّٰہِ (۳/۵۲) کے معنی ہیں ، دین خداوندی کی مدد کرنے والے ۔

نَصَارٰی

نَصَاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے متبعین بخلاف ھُوْد (۲/۱۱۱)۔ واحد نَصْرَانِیٌّ ہے (۳/۶۷) ۔ یَھُوْدِیٌّ کے بالمقابل ۔ نَصْرَانٌ اور نَصْرَانِیٌّ دونوں کی جمع نَصَاریٰ ہے ۔

ن ص ف

نِصْفٌ ۔ نَصَفٌ ۔ نُصُفٌ ۔ کسی چیز کی دو شقوں میں سے ایک شق یا اس کے دو (برابر) اجزاء میں سے ایک جزو ۔ یعنی آدھا* ۔ قرآن کریم میں ہے فَلَھَا النِّصْفُ (۴/۱۱) ۔ اس (مؤنث) کے لئے نصف (آدھا) ہے ۔ اَلْاِنْصَافُ فِی الْمُعَامَلَۃِ اسے کہتے ہیں کہ جسقدر فائدہ کسی سے حاصل کرے اتنا فائدہ اسے پہنچائے بھی ۔ جسقدر کسی سے اجرت لے اسی قدر اس کا کام بھی کرے ۔ کسی سے حقوق مانگے تو اس کے واجبات ادا کرے** ۔ قرآن کریم میں عَدْل اور قِسْط کے الفاظ آئے ہیں ۔ انصاف کا لفظ نہیں آیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْاِنْصَافُ فِی الْمُعَامَلَۃِ کے معنی ہیں آدھے پر راضی ہو جانا ۔

*تاج ۔ **راغب ۔

ن ص و

اَلنّاصِيَةُ - سر کا اگلا حصہ - یا سر کے اگلے حصے کی وہ آخری حد جہاں بال اُگے ہوئے ہوتے ہیں* - (لیکن دیگر لغات میں سر کے اگلے حصہ کی قید نہیں ہے) - پیشانی کے بال - (جمع اَلنَّوَاصِيْ) مجازاً یہ لفظ عزت و شرف کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے* - فُلَانٌ نَاصِيَةُ قَوْمِهٖ وہ اپنی قوم کا سردار ہے** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بہتر چیز کو انتخاب کرنے یا کسی چیز میں بلندی اور شان و اہمیت ہونے کے ہیں - اَخَذَ بِنَاصِيَتِهٖ - پیشانی کے بال پکڑنا - کسی کو بے بس کرکے قبضے میں رکھنا - سورۃ ہود میں ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا (۱۱/۵۶) - یعنی ہر ذی حیات خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے - ہر ایک پر اس کا قانون حاوی ہے - کوئی اس کے قانون کی حد سے باہر نہیں - سب اس کے قانون کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں -

سورۃ رحمٰن میں ہے فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ (۵۵/۴۱) - وہ پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑے جائینگے - ان پر پوری پوری گرفت ہوگی -

ن ض ج

نَضِجَ اللَّحْمُ - پھل اچھی طرح پک گیا - هُوَ نَضِيْجُ الرَّأْيِ - وہ پختہ اور محکم رائے والا ہے* - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو آخری حد تک پکانا بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ بعد ازاں یہ استعارۃً ہر چیز کے انتہائی پختہ ہو جانے کے لئے بولا جاتا ہے - یعنی در اصل یہ لفظ آگ وغیرہ کی تپش سے جلانے اور پکانے کے لئے بولا جاتا ہے - اَنْضَجَ الطَّاهِيْ اللَّحْمَ کے معنے ہیں پکانے والے نے گوشت کو اتنا پکایا کہ وہ گل گیا اور اس کے اجزاء ایک دوسرے سے الگ ہوگئے* -

سورۃ نساء میں ہے كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ (۴/۵۶) - یہاں نَضِجَ کے معنی پک کر پختگی تک پہنچنا نہیں - اس کے معنی گل کر ریزہ ریزہ ہو جانا ہیں - یعنی ان کی قوت اور صلابت ختم ہو جائے گی (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ج - ل - د) -

*تاج - **راغب -

ن ض خ

نَضَخَہٗ ۔ یَنْضَخُہٗ ۔ اس پر چھڑکا ۔ نَضَخَ الْمَاءُ ۔ پانی کا جوش مار کر ابلنا ۔ پانی کا چشمہ سے ابل کر بہنا ۔ عَیْنٌ نَضَّاخَۃٌ ۔ جوش مار کر ابلنے والا چشمہ* ۔ ابن فارس نے لکھا ہے ۔ کہ اس کے معنی کثیر پانی والا چشمہ ہیں ۔

قرآن کریم نے ''جنتی باغات'' کے متعلق کہا ہے کہ ان میں عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ (۵۵/۶۶) ہیں ۔ جوش مار کر ابلنے والے چشمے ۔ وہ قوتیں جو فوارہ کی طرح اپنے زور ِ دروں سے بلندیوں کی طرف لے جائیں ۔

ن ض د

نَضَدَ مَتَاعَہٗ یَنْضِدُ ۔ اپنے سامان کو اوپر تلے رکھنا ۔ بعض چیزوں کو بعض پر ترتیب سے رکھنا ۔ اس طرح ترتیب سے رکھا ہوا سامان نَضِیْدٌ ومَنْضُوْدٌ کہلائیگا ** ۔ یعنی ، تہ بہ تہ (۵۰/۱۰ ؛ ۵۶/۲۹) ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چند چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ نظم و ترتیب کے سے ملا کر رکھنے کے ہوتے ہیں ، خواہ انہیں کھڑا رکھا جائے یا چوڑائی میں رکھا جائے ۔

اَلْاَنْضَادُ مِنَ الْجِبَالِ ۔ پہاڑوں کی وہ چٹانیں یا پتھر جو ایک دوسرے کے اوپر تلے ہوں ۔ اَلْاَنْضَادُ مِنَ السَّحَابِ ۔ وہ بادل جو تہ بہ تہ ایک دوسرے کے اوپر ہوں ** ۔ سورہ ہود میں ہے وَاَمْطَرْنَا عَلَیْہَا حِجَارَۃً مِنْ سِجِّیْلٍ مَنْضُوْدٍ (۱۱/۸۲) ہم نے ان پر پے درپے اور مسلسل پتھروں کی بارش کی ۔ یا ایسے پتھر برسائے جن کی مختلف تہیں (Layers) تھیں ۔

ن ض ر

اَلنَّضْرَۃُ ۔ خوش حالی و آسودگی ۔ روزی ۔ تونگری ۔ حسن ۔ دراصل النَّضَارَۃُ کے معنی چہرہ کا حسن اس کی آب و تاب اور تروتازگی ہے ۔ اَلنَّاضِرُ گہرے سبز رنگ والے کو کہتے ہیں ۔ اَلنُّضَارُ ۔ سونے وغیرہ کا خالص جوہر ۔ قَدْ اَنْضَرَ الشَّجَرُ ۔ درخت کے پتے سرسبز ہوئے ** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے معنی حسن و جمال اور خالص ہونے کے ہیں ۔

*تاج و محیط ۔ **تاج و محیط و راغب ۔

قرآن کریم میں ہے وُجُوْہٌ یَوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ (۷۵/۲۲) ۔ اس دن کچھ چہرے ترو تازہ ، ہشاش بشاش ہونگے ۔ یعنی وَلَقّٰھُمْ نَضْرَۃً وَّسُرُوْرًا (۷۶/۱۱) ۔ انہیں شادابی اور مسرت حاصل ہوگی ۔ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْھِھِمْ نَضْرَۃَ النَّعِیْمِ (۸۳/۲۴) ۔ ''تو ان کے چہروں پر نعمتوں کی شادابی دیکھیگا'' ۔ یہ ان کی پہچان کی علامت ہوگی ۔ یہ ہے جنتی زندگی کی کیفیت ۔

ن ط ح

نَطَحَ یَنْطِحُ ۔ اس نے سینگ مارا ۔ اَلنَّطِیْحَۃُ ۔ وہ جانور جو کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے* ۔ قرآن کریم نے اسے حرام قرار دیا ہے (۵/۳) ۔ اَلنَّوَاطِحُ ۔ شدائد و مصائب* ۔

ن ط ف

اَلنُّطْفَۃُ ۔ صاف پانی ، کم ہو یا زیادہ ۔ ازھری نے کہا ہے کہ عرب تھوڑے سے پانی کو بھی نُطْفَۃٌ کہتے ہیں اور زیادہ پانی کو بھی ، لیکن یہ لفظ تھوڑے پانی کے لئے خاص ہے ۔ اَلنُّطْفَۃُ ۔ دریا ۔ سمندر ۔ آدمی کا مادہ منویہ ۔ نَطَفَ السِّقَاءُ ۔ پانی بہ گیا ۔ تھوڑا تھوڑا کرکے ٹپک گیا** ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے اصل معنوں میں نمی اور تری بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ بعد میں استعارۃً اَلنَّطَفُ لتھڑ جانے کو کہتے ہیں اور بیشتر یہ مذموم طور پر بولا جاتا ہے ۔ شَیْءٌ نَطِیْفٌ ۔ عیب دار چیز ۔

قرآن کریم میں انسانی خلقت کے ایک مرحلہ کے متعلق متعدد مقامات پر آیا ہے کہ اسے نُطْفَۃٌ سے پیدا کیا (۱۶/۴) ۔ یعنی اس سے جنین کی پیدائش ہوتی ہے ۔

ن ط ق

نُطْقٌ ۔ آواز دار حروف کے ساتھ بولنا جس سے معنی سمجھ میں آئے ہوں ۔ حیوانات کے بولنے کو نُطْقٌ نہیں بلکہ صَوْتٌ کہتے ہیں ۔ اَنْطَقَہُ اللّٰہُ ۔ خدا نے اسے بلوایا*** ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ نُطْقٌ کا لفظ انسان کے کلام کے ساتھ مخصوص ہے ۔ ویسے کسی بات کے واضح کر دینے کو بھی کہتے ہیں ۔ جیسے نَطَقَ الْکِتَابُ کے معنی ہیں کتاب نے بیان کر دیا اور واضح کر دیا**** ۔ اَلنَّاطِقَۃُ کوکھ کو کہتے ہیں اور اَلنِّطَاقُ اُس پٹکے (یا لہنگے ازار وغیرہ) کو جو کمر کے ساتھ باندھ لیا جائے*** ۔ اس

*تاج و محیط و ابن فارس ۔ **تاج و محیط و راغب ۔ ***تاج ۔ ****محیط ۔

اعتبار سے راغب نے کہا ہے کہ نُطْق* وہ لفظ ہے جو معنی کو اپنے گھیرے میں لے لینے کی وجہ سے نِطَاق* کیطرح ہو***۔ ابن فارس نے بھی اس کے بھی دو بنیادی معنی لکھے ہیں۔ یعنی (۱) کلام یا کلام کے مشابہ کوئی چیز۔ اور (۲) ایک قسم کا لباس۔ یعنی النِّطَاق۔ ازار۔

قرآن کریم میں ہے اِنْ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ (۲۱/۶۳)۔ اگر وہ بولتے ہیں تو۔ سورہ جاثیہ میں ہے ھٰذَا کِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْکُمْ بِالْحَقِّ (۴۵/۲۹) یہ ہماری کتاب (تمہارا اعمالنامہ) ہے جو تمہارے خلاف ہر بات کو حق کے ساتھ بتا دیتی (یا واضح کر دیتی) ہے۔ دوسری جگہ ہے کہ اہل جہنم اپنے جسموں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کس طرح شہادت دی۔ وہ کہیں گے کہ اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ (۴۱/۲۱)۔ ہمیں اسی خدا نے بولنے کی قوت دی جس نے تمام اشیاء کو قوت گویائی عطا کی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں نُطْق* سے مراد زبان سے باتیں کرنا نہیں بلکہ کسی طرح حقیقت کو واضح کرنا ہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ تمہاری ہر نقل و حرکت اسکی شہادت دیتی ہے کہ .....

سورہ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو مَنْطِقَ الطَّیْرِ (۲۷/۱۶) سکھائی گئی تھی۔ اس کے معنی ہیں قبیلۂ طیر کی بولی۔ (یا بطور استعارہ گھوڑوں کے لشکر (رسالہ) کے قواعد و ضوابط)۔ (دیکھئے عنوان ط۔ی۔ر)۔ اگر اس سے مفہوم "پرندوں کی بولی" لیا جائے تو اس سے مراد ہوگی وہ علم جس سے انسان، پرندوں کی نقل و حرکت اور آوازوں سے ان کی کیفیات کا اندازہ کر سکتا ہے۔ یہ چیز، پرندوں کے احوال و کوائف کے مطالعہ اور مشاہدہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن ہم پہلے مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں۔

ن ظ ر

نَظَرَ۔ یَنْظُرُ۔ آنکھ سے دیکھنا۔ کسی چیز میں غور کرنا۔ اندازہ کرنا اور دوسری چیزوں کے ساتھ ملا کر اس کی بابت قیاس کرنا۔ چنانچہ اَلنِّظَارُ فراست کو کہتے ہیں۔ توجہ دینے کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اُنْظُرْنِیْ۔ میری طرف توجہ دو۔ میری طرف التفات کرو*۔ ابن فارس نے بھی کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی غور کرنا اور معائنہ کرنا ہیں۔

نیز اس کے معنی انتظار کرنے کے ہیں۔ نَظَرْتُهٗ وَ انْتَظَرْتُهٗ۔ میں اس کی آمد کا منتظر رہا۔ اسی سے مہلت دینے کے معنوں میں اَنْظَرَهٗ

*تاج۔ **محیط۔ ***راغب۔

استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اس کو مہلت دیدی۔ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ (۱۵/۳۶)۔ ''اس (ابلیس) نے کہا۔ میرے رب تو مجھے یوم البعث تک مہلت دے دے۔ (اللہ تعالیٰ نے) کہا کہ تو ان میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی ہے''۔ سورۃ بقرہ میں ہے کہ اگر مقروض تنگ دست ہو تو فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ (۲/۲۸۰)۔ ''اسے فراخی تک مہلت دیدینا چاہئے''۔

تَنَاظَرَ کے معنے ہیں آمنے سامنے ہونا۔ اَلنَّظِیْرُ۔ مثل اور مشابہ۔ اَلنَّاظِرُ کے بھی یہی معنی آتے ہیں*۔

اَلنَّظْرَةُ کے معنی ہیں عیب اور بدھیئتی۔ اَلْمَنْظُوْرُ۔ عیب دار۔ معیوب*۔ حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں جہاں کہا گیا ہے فَنَظَرَ نَظْرَةً فِی النُّجُوْمِ (۳۷/۸۸)۔ تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ قوم ستاروں کی پرستش کرتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں کی ماہیت پر غور و فکر کیا اور انہیں بتایا کہ ان میں وہ کیا کیا کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے وہ معبود بن سکنے کے قابل نہیں ہوسکتے۔ (مثلاً یہ کہ وہ خود مجبور ہیں۔ ان کا طلوع و غروب بھی ان کے اپنے اختیار میں نہیں۔ وہ اَفِلِیْنَ ڈوب جانے والے ہیں وغیرہ وغیرہ)۔ اور اس کے بعد کہا اِنِّیْ سَقِیْمٌ (۳۷/۸۹)۔ میں اس قسم کے معبودوں سے بیزار ہوں۔ میں ان کی پرستش نہیں کرسکتا۔

نَظَرَ لَهُمْ۔ کے معنی ہیں ان کی وجہ سے درد مند ہوا اور ان کی مدد کی۔ اور نَظَرَ بَیْنَهُمْ کے معنی ہیں ان کے درمیان فیصلہ کردیا*۔

اگرچہ نَظَرَ کے معنی غور کرنے کے بھی ہیں لیکن چونکہ اس کے اولین معنی صرف دیکھنے کے ہیں اس لئے قرآن کریم نے نَظَرَ اور بَصَرَ میں فرق کرکے بتا دیا۔ سورۃ اعراف میں ہے وَتَرَاهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (۷/۱۹۸)۔ تو دیکھے گا کہ وہ صرف تیری طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں (لیکن جو کچھ تو کہتا ہے اس پر) چشم بصیرت سے غور نہیں کر رہے ہوتے۔ اس طرح کے ''دیکھنے والوں'' کو قرآن کریم اَلْعُمْیٌ کہتا ہے۔ یعنی اندھے (۱۰/۴۳)۔ وہ جن کی ''دل کی آنکھیں'' اندھی ہوجاتی ہیں (۲۲/۴۶)۔

ن ع ج

اَلنَّعَجُ۔ موٹا ہونا۔ نَعِجَتِ الْاِبِلُ۔ اونٹ فربہ ہوئے۔ اَلنَّاعِجَةُ نرم اور ہموار زمین جہاں پیداوار بہت اچھی ہوتی ہو۔ اَلنَّعْجَةُ۔ مادہ بھیڑ۔

*تاج و راغب۔

ہرنی - نیل گائے یا پہاڑی بکری* - (جمع نِعَاج*) - قرآن کریم میں یہ لفظ (واحد اور جمع) (۳۸/۲۳ ۔ ۲۳) میں آیا ہے۔

ن ع س

اَلنُّعَاسُ - نیند کی گرانی سے حواس میں جو سکون اور خاموشی سی پیدا ہونے لگتی ہے* - صاحب محیط نے (کلیات کے حوالہ سے) لکھا ہے کہ نَوْم* تو نیند کی وہ حالت ہے جسمیں انسان کے حواس قطعاً معطل ہو جاتے ہیں اور نُعَاس* اس کی ابتدائی حالت کو کہتے ہیں - بعض نے کہا ہے کہ سِنَة* - سر میں نیند کی گرانی کو کہتے ہیں - نُعَاس* - آنکھ میں ہوتی ہے اور نَوْم* دل میں** - راغب نے نُعَاس* کو نَوْم* قَلِیْل* کہا ہے - ہلکی سی نیند - اور لکھا ہے کہ قرآن کریم کی آیت (۸/۱۱) میں اس سے مراد سکون و اطمینان ہے***- قرآن کریم میں ہے اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً (۸/۱۱) - جب خدا نے امن و سکون کے لئے تم پر نُعَاس* طاری کردی - (نیز ۳/۱۵۴) - اس سے مراد سکون و اطمینان ہے نہ کہ اونگھ۔

ن ع ق

نَعَقَ الرَّاعِی بِغَنَمِہٖ - یَنْعِقُ - نُعَاقاً - چرواہے کا بھیڑ بکریوں کو (ہانکنے کے لئے) جھڑکنا اور آواز دینا ****-

سورہ بقرہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اپنی عقل و فکر سے کام نہیں لیتے اور آنکھیں بند کئے اسلاف کے مسلک پر چلے جاتے ہیں - انہیں بھیڑ بکریوں سے تشبیہ دی ہے جن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ چرواہے کی آواز پر نقل و حرکت کرتی ہیں، اپنی سمجھ بوجھ سے کچھ نہیں کرتیں - چرواہے کی یہ آواز بھی محض "آواز" ہوتی ہے جسکے معنی کچھ نہیں ہوتے - اندھی تقلید کرنے والے بھی الفاظ کے مفہوم کو نہیں سمجھتے - ان کے متعلق جو کچھ انہیں بتا دیا جاتا ہے (کہ یہ کہا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا اور وہ کہا جائے تو وہ) اسکے مطابق کرتے چلے جاتے ہیں - مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً (۲/۱۷۱) - "حقائق سے انکار کرنے والوں کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو ایسے آواز دے رہا ہو جو بجز پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتا -" (یعنی صُمٌّ - بُکْمٌ* عُمْیٌ* - فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ - بہرے - گونگے - اندھے - جو عقل سے کام

*تاج - **محیط - ***راغب - ****تاج و محیط و ابن فارس -

نہیں لیتے)۔ غور کیجئے کہ قرآن کریم نے ہمارے مروجہ مذہب کی کیسی عمدہ تصویر کھینچی ہے۔ عوام بھیڑ بکریاں ہیں اور انکے پیشوا چرواہے جنہوں نے اپنے آباء سے چند الفاظ سن رکھے ہیں جنہیں وہ بلا سمجھے بوجھے دہراتے رہتے ہیں۔ اور عوام ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرتے رہتے ہیں۔

ن ع ل

نَعْلٌ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے نشیبی ہونے اور نچلا حصہ ہونے کے ہیں۔ اَلنَّعْلُ۔ جوتا۔ ہر وہ چیز جس سے پاؤں کا زمین پر لگنے سے بچاؤ کیا جائے *۔ سورہ طٰہٰ میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا کہ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ (۲۰/۱۲)۔ اپنے دونوں جوتے اتار دو۔ (ذرا اطمینان سے بیٹھو۔ اور سکون سے بات سنو)۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان خ ۔ ل ۔ ع)

ن ع م

نَعِيمَ بِهٖ عَيْناً۔ اس نے کسی چیز یا منظر کو ایسی کیفیت لئے ہوئے پایا جس سے اسکی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور حاصل ہوا۔ دراصل تَنْعِيمَةٌ ایک پودا ہوتا ہے جسکے پتے نرم و نازک اور سرسبز و شاداب ہوتے ہیں اور وہ پانی پر پیدا ہوتا ہے جس سے اسکی تروتازگی میں کبھی فرق نہیں آتا۔ ثَوْبٌ نَاعِيمٌ۔ اُس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو بہت نرم اور آرام دہ ہو۔ اور نُعَامٰى۔ جنوبی ہوا کو کہتے ہیں جو بڑی خوشگوار اور تمام ہواؤں سے زیادہ مرطوب ہوتی ہے۔ ان معانی کے اعتبار سے النَّاعِمَةٌ۔ النَّاعِمَاتُ والمُنَعَّمَةٌ۔ آسودگی اور خوشگوار زندگی گذارنے والی خوش خوراک عورت کو کہتے ہیں **۔

لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں بلندی اور سرفرازی کا مفہوم بھی ہے۔ اَلنَّعَامَةٌ۔ بلند عمارت جو کسی پہاڑ پر چھجے کیطرح ہو۔ کنوئیں پر جمائی ہوئی ابھری ہوئی چٹان۔ اونچا نشان یا جھنڈا جس سے راستے کا پتہ چلایا جائے**۔ ابْنُ النَّعَامَةِ۔ وہ پانی پلانے والا جو کنوئیں پر کھڑا رہتا ہے**۔

قوم کی اجتماعیت اور باہمی اتفاق کے لئے بھی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے **۔ کہتے ہیں شَالَتْ نَعَامَتُهُمْ۔ ان کا شیرازہ بکھر گیا۔ اَلنِّعْمَةُ۔ وہ حالت جس میں انسان لذت محسوس کرتا ہے***۔ نیز مسرت۔ مال و دولت۔ آسودگی و خوش حالی اور احسان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے*۔

*تاج۔ **تاج و محیط۔ ***راغب۔

ان معانی سے واضح ہے کہ معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کا خوشگوار، کشادہ، ملائم، آسودہ، بلند اور اذیت و تکلیف سے دور ہو جانا نِعْمَتٌ ہے۔ چنانچہ سورہ نحل میں دنیاوی زندگی کے مختلف ساز و سامان کے تذکرہ کے بعد کہا ہے كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (۱۶/۸۱)۔ اس سے نِعْمَتٌ کے معنی واضح ہیں۔ سورۂ لقمٰن میں اس سامان کو نِعْمَتُ اللّٰهِ کہا گیا ہے جو کشتیوں کے ذریعے ادھر سے ادھر منتقل کیا جاتا ہے (۳۱/۳۱)۔ سورہ آلِ عمران میں میدان جنگ کی فتوحات اور مال غنیمت کو بھی نِعْمَتٌ کہا گیا ہے (۳/۱۷۳)۔ سورۂ نحل میں نِعْمَتٌ کے مقابل ضَرَرٌ لا کر اسکے مفہوم کو واضح کر دیا گیا ہے (۱۶/۵۳)۔ یعنی زندگی کی اذیتوں اور تکلیفوں سے دور رہنا۔

سورۃ دخان میں زندگی کی تمام آسودگیوں اور خوش حالیوں کو نَعْمَةٌ سے تعبیر کیا گیا ہے (۴۴/۲۷)۔ سورۃ غاشیہ میں نَاعِيَةٌ کے مقابلہ میں خَاشِعَةٌ اور نَاصِبَةٌ (تھکے ماندے۔ افسردہ و غمگین۔ ذلیل و خوار) لا کر، زندگی کی تر و تازگی اور شادابی و شگفتگی کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے (۸۸/۲۰۴)۔

بلندی اور رہنمائی (ہدایت خداوندی) کے مفہوم کی وضاحت کے لئے سورۃ ابراھیم میں نِعْمَةُ اللّٰهِ کے مقابلہ میں كُفْرٌ کا لفظ آیا ہے (۱۴/۲۸)۔ اس مقام پر کفر کے معنے زندگی کی خوشگواریوں کی ناقدر شناسی بھی ہوسکتے ہیں۔

نَاعِيَةٌ (۸۸/۸)۔ تر و تازہ خوشگواریاں لئے ہوئے۔ نَعْمَةٍ (۴۴/۲۷) آسودگی۔ نِعْمَةٌ (۲۶/۲۲) فضل و کرم۔ احسان۔ اس کی جمع اَنْعُمٌ آتی ہے۔ کائنات کی ہر شے جسے انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے نِعْمَةٌ ہے (۱۴/۳۲-۳۳)۔ نیز اقوام عالم پر فضیلت مل جانا بھی نعمت ہے (۲/۴۷)۔

طبعی آسائشوں کے علاوہ ذہنی صلاحیتوں کے عمدہ ہونے کے لئے بھی نِعْمَةٌ کا لفظ آیا ہے۔ مثلاً (۵۲/۲۹ و ۶۸/۲)۔ اور جسمانی صفائی اور تندرستی کے لئے بھی (۵/۶)۔

قرآن کریم نے اس قوم کو جو زندگی کے بہترین اور بلند ترین مقام پر ہو، مُنْعَمٌ عَلَيْهِ سے تعبیر کیا ہے۔ اور انہی کے راستے پر چلنے کی دعائیں سکھائی گئی ہیں (۱/۶)۔ نِعْمَةٌ کے ان تمام معانی کو پیش نظر رکھنے سے جو اوپر لکھے جا چکے ہیں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ایسی قوم کن خصوصیات کی حامل اور کس مقام پر سرفراز ہوگی۔ انہی لوگوں کو قرآن کریم

مؤمن کہتا ہے - لہذا ، جنہیں یہ کچھ حاصل نہیں یا جو اس کے حصول کی جد و جہد نہیں کرتے - سمجھ لیجئے کہ وہ قرآن کریم کی رو سے مؤمن نہیں -

نِعْمَ کے معنے ہیں ''بہت ہی اچھا ہے'' - نِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ (۵۱/۴۸) - بہت ہی اچھے ہیں ہم سامانِ زندگی کے بہم پہنچانے والے - نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ (۴/۵۸) بہت ہی اچھی بات ہے جسکی تمہیں نصیحت کر رہا ہے -(یہ در اصل نِعْمَ + مَا ہے - یہ مَا موصولہ ہے) -

نَعْمٌ و نَعَمٌ جمع اَنْعَامٌ کے عام معنی مال مویشی کے ہیں - عرب عام طور پر یہ لفظ اونٹ ، بکری اور گائے کے لئے بولتے تھے - بعض نے ان میں بھیڑ اور دنبہ کو بھی شامل کیا ہے - لیکن بعض نے اسے صرف اونٹوں کے لئے مخصوص قرار دیا ہے* - قرآن کریم نے اونٹ - گائے - بھیڑ اور بکری - چاروں کو اس میں شامل کیا ہے (۶/۱۴۳ و ۳۹/۶) -

قرآن کریم میں وَ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (۵/۱ ; ۲۲/۳۰-۲۸) - تمہارے لئے بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال کئے گئے ہیں ، بجز ان کے جن کے متعلق قرآن کریم میں الگ حکم دیا گیا ہے - یہ الگ حکم اسی سورت میں دو آیات آگے چل کر ہے جس میں مردار - خون - خنزیر - کے گوشت کو اور ہر اس چیز کو جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام قرار دیا گیا ہے (۵/۳) -

جیسا (کہ ب - ہ - م) کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے ، بَهِيْمَةُ کے معنے ہیں وہ جو بول نہ سکے - اس اعتبار سے بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ کے معنی ہونگے ، مویشی ، جو بول نہیں سکتے - انگریزی میں جیسے (Dumb Cattle) کہا جاتا ہے - یعنی یہ لفظ (بَهِيْمَةٌ) اَنْعَامٌ کی صفت ہے - اس سے یہ مفہوم نہیں کہ اَنْعَامٌ میں سے جو بَهِيْمَةٌ (گونگے) ہیں وہ حلال ہیں - باقی نہیں - اَنْعَامٌ تو سب کے سب بَهِيْمَةٌ (گونگے) ہوتے ہیں - جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ، قرآن کریم نے اونٹ ، گائے ، بھیڑ اور بکری کو انعام میں شامل کیا ہے - لیکن (جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائے گا) بهيمة الانعام میں تمام وہ حیوان شامل ہیں جو چرتے چگتے ہیں -

سورۃ فاطر میں اَنْعَامٌ کو انسان اور دَوَابٌّ سے الگ بتایا گیا ہے (۳۵/۲۸) - اگرچہ دَوَابٌّ میں مجموعی طور پر تمام جاندار آجاتے ہیں (دیکھئے عنوان د - ب - ب) - لیکن یہاں دواب کے معنے پیٹ کے بل چلنے والے جانور ہونگے - لہذا ، اَنْعَامٌ سے مراد چارپائے ہونگے -

*تاج -

سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ نباتات میں سے تم خود بھی کھاؤ اور اپنے اَنْعَام کو بھی کھلاؤ۔ کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ (۲۰/۵۴ نیز ۷۹/۳۳ ؛ ۳۲/۲۷ ؛ ۱۰/۲۴ ؛ ۸۰/۳۲)۔ اس سے ظاہر ہے کہ اَنْعَام چرنے ، چگنے والے جانور ہیں - جنہیں تم چرا کر لاتے ہو۔ (۱۶/۶)۔

سورۃ نحل میں ہے کہ تم اَنْعَام کا دودھ پیتے ہو (۱۶/۶۶)۔ سورۃ المؤمنون میں ہے کہ تم ان کا دودھ بھی پیتے ہو اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد حاصل کرتے ہو۔ ان میں سے تم کھاتے بھی ہو اور سواری بھی کرتے ہو (۲۳/۲۱)۔ ان کی اُون سے کپڑے بناتے ہو (۱۶/۵)۔ ان کی کھالوں کے خیمے بناتے ہو (۱۶/۸۰)۔ ان سے بار برداری کا کام لیتے ہو (۱۶/۷)۔ ان میں حَمُوْلَۃ بھی ہیں اور فَرْشًا بھی (۶/۱۴۳)۔ یعنی جو بوجھ لادنے اور سواری کرنے کے کام آئیں - (دیکھئے عنوان ح - م - ل) - اور جو ان کاموں کے لئے چھوٹے ، یعنی زمین گیر ہوں (دیکھئے عنوان ف - ر - ش) - (۴۳/۱۳) میں اَنْعَام کے متعلق ہے کہ تم ان کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہو۔ سورۃ یٰسٓ میں ان تمام فوائد کو اکٹھا بیان کر دیا گیا ہے جہاں فرمایا فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ - وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ (۳۶/۷۲-۷۳)۔ ان میں سے ان کے لئے سواری کا کام دینے والے ہیں - اور وہ بھی جنہیں یہ کھاتے ہیں۔ اور ان کے لئے ان میں (اور) بہت سی فائدہ کی چیزیں ہیں اور (پینے کا) دودھ بھی۔ اسی طرح سورۃ مومن میں ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ - وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ (۴۰/۷۹-۸۰) - اس میں بھی چوپایوں کے کھانے ، ان سے سواری کا کام لینے ، بوجھ لادنے اور دیگر فوائد کا ذکر ہے۔

سورۃ نحل میں ان مویشیوں کو الگ بیان کیا گیا ہے جنہیں وہ لوگ (عرب) صبح و شام چرایا کرتے تھے (۱۶/۶) - اور بوجھ اٹھانے والوں کا ذکر الگ ہے (۱۶/۷) - اور خَيْل (گھوڑے) بِغَال (خچر) اور حَمِيْر (گدھے) کے متعلق ہے لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً (۱۶/۸) - وہ تمہارے لئے سواری کا کام دیتے ہیں اور باعث زینت بھی ہیں - اسی طرح سورۃ آل عمران میں اَلْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ (۳/۱۴) الگ الگ آیا ہے - یعنی پلے ہوئے نشان زدہ گھوڑے اور مال مویشی - سورۃ مومن میں ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (۴۰/۷۹) - اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چارپائے بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سوار ہو۔ اور بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی رو سے اَلْاَنْعَامُ سے مراد چرنے چگنے والے مویشی ہیں - ان کا دودھ پیا جاتا ہے - سواری اور باربرداری کا کام لیا جاتا ہے - ان کی اون سے کپڑے بنائے جاتے ہیں - کھالوں سے خیمے بنائے جاتے ہیں - نیز یہ وجہ زینت بھی ہوتے ہیں اور ان سے خوراک کا کام بھی لیا جاتا ہے - (یعنی اس زمانہ کے عرب اَلْاَنْعَامُ سے یہ کام لیا کرتے تھے) - اَلْاَنْعَامُ میں سے بجز ان کے جنہیں قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے ، سب کھانے کے لئے حلال ہیں - خنزیر، چرنے چگنے والا حیوان ہے اس لئے بھیمۃ الانعام میں شامل ہے - (نیز دیکھئے عنوان ح - ر - م)-

نَعَمْ (حرف)

نَعَمْ - ہاں - قَالُوْا نَعَمْ (۷/۴۴) - انہوں نے کہا - ہاں (ایسا ہی ہوا ہے) - یہ حرف ایجاب ہے -

[نِعْمَ اور نِعِمَّا عنوان، ن - ع - م میں دیکھئے]-

ن غ ض

نَغَضَ الشَّیْءُ یَنْغُضُہٗ - کسی چیز کو متحرک کیا - نَغَضَ الشَّیْءُ - کوئی چیز متحرک و مضطرب ہوئی - (لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے) - نَغَضَ رَاْسَہٗ - اس نے اپنے سر کو حرکت دی - اخفش نے کہا ہے کہ تھرتھراہٹ کے ساتھ ہلنے کو نَغْضٌ کہتے ہیں - نَغْضٌ شتر مرغ کو کہتے ہیں کیونکہ جب وہ چلتا ہے تو اس کا سر بہت ہلتا ہے* - ابن فارس نے بھی یہی کہا ہے - اَنْغَضَ رَاْسَہٗ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی آدمی کسی کی بات سن کر اس سے انکار کرتے ہوئے اپنا سر ہلا دے - اور بعض نے کہا ہے کہ تعجب سے یا کسی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے سر ہلانے کو کہتے ہیں*- قرآن کریم میں ہے فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْکَ رُءُوْسَھُمْ (۱۷/۵۱) - یہ تیری بات کا مذاق اڑائیں اور انکار کرتے ہوئے اپنے سروں کو تیرے سامنے ہلا دینگے - تعجب کرتے ہوئے اپنے سروں کو ہلا دینگے -

ن ف ث

نَفَثَ - یَنْفُثُ - پھونک مارنا - اسطرح آہستہ سے پھونک مارنا کہ اسکے ساتھ لعاب دہن باہر نہ نکلے - ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ مادہ ، منہ

*تاج و راغب -

وغیرہ سے کسی معمولی سی چیز کے ، ہلکی سی آواز کے ساتھ نکلنے کے لئے بولا جاتا ہے ۔ اگر اس سے کچھ زیادہ ہو جائے تو اسے تَفْل* کہینگے۔ اسی سے نَفَثَ الشَّیْءَ فِی الْقَلْبِ کسی بات کو ہولے سے کسی کے دل میں ڈال دینے کو بھی کہتے ہیں ۔ کسی کے کان میں کچھ پھونک دینا ۔ اِمْرَاَۃٌ نَفَّاثَۃٌ* ۔ جادوگرنی کو کہتے ہیں جو گرہوں میں پھونکیں مار مار کر تعویذ گنڈے تیار کرتی ہے**۔ نَفْثٌ* ۔ پھونک مارنا ۔ جادو کرنا ۔ دل میں کوئی بات ڈالنا **۔

قرآن کریم میں مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (۱۱۳/۴) آیا ہے ۔ عُقَدٌ کے معنی ہیں پختہ گرہیں ۔ لہذا نَفّٰثٰتٌ کے معنی ہوئے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی سے ان کے عزم راسخ کو کمزور کر دیں ۔ جو محکم ارادوں میں پھونک مار دیں ۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ قومیں یا جماعتیں ہیں جو اپنے جھوٹے پراپیگنڈہ سے انسانوں کی فطری ترقی کو روک دیتی ہوں ۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس قسم کے عمل کو جس سے دوسرا کمزور پڑ جائے ، عرب سحر یا جادو کہتے تھے***۔

ن ف ح

نَفْحٌ* کے بنیادی معنی کسی چیز کے چل پڑنے یا اٹھانے کے ہیں ۔ (ابن فارس) ۔ نَفَحَ الطِّیْبُ یَنْفَحُ ۔ خوشبو پھیلی ۔ نَفَحَتِ الرِّیْحُ ۔ ہوا چلی ۔ رِیْحٌ نَفُوْحٌ* ۔ تیز چلنے والی ہوا ۔ نَفْحٌ* ۔ ہر ٹھنڈی ہوا کو کہتے ہیں ۔ اور لَفْحٌ* گرم ہوا کو۔

اَلنَّفْحَۃُ مِنَ الرِّیْحِ ۔ ہوا کا جھونکا۔ نَفْحَۃُ الْقَدَمِ ۔ خون جو پہلی بار یکبارگی تیزی سے نکل پڑے*۔ قرآن کریم میں نَفْحَۃٌ مِنَ الْعَذَابِ (۲۱/۴۶) آیا ہے ۔ یعنی عذاب خداوندی کی ایک لپٹ ۔ اس کا تھوڑا سا حصہ ۔ عذاب کی جھلک ۔

ن ف خ

نَفَخَ ۔ یَنْفُخُ ۔ منہ سے ہوا نکالنا ۔ پھونک مارنا ۔ جیسے نَفَخَ فِی النَّارِ ۔ اس نے آگ میں پھونک ماری****۔ سورہ کہف میں ہے اُنْفُخُوْا (۱۸/۹۶) ۔ اسے دھونکو۔

*تاج و راغب ۔ ** تاج و محیط و راغب ۔ ***المقام المحمود صفحہ ۲۱۷
**** تاج و محیط ۔

اِنْتَفَخَ الشَّیْءُ - چیز پھول گئی* - اِنْتَفَخَ النَّهَارُ - دن چڑھ گیا** - اَلنَّفْخَاءُ مِنَ الْاَرْضِ - بلند زمین - اَلنَّفَّاخَةُ - وہ پتھر جو پانی کی سطح سے اونچے ہوں - نیز بلبلے* - ابن فارس نے اس مادہ کے معنی پھولنے اور بلند ہونے کے لکھے ہیں -

قرآن کریم میں انسانی تخلیق کے سلسلہ میں متعدد مقامات پر نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (۳۲/۹) یا نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (۱۵/۲۹) کے الفاظ آئے ہیں - جیسا کہ رُوْح کے عنوان میں بتایا جاچکا ہے، رُوْح سے مراد الوہیاتی توانائی (اختیار و ارادہ وغیرہ کی قوت - انسانی ذات یا Personality) ہے جو تمام مخلوقات میں صرف انسان کو ملی ہے - اس لئے نَفْخِ رُوْح سے مراد ہوا کی طرح کچھ پھونکنا نہیں بلکہ انسانی قوتوں اور توانائیوں کا عطا کرنا ہے جس سے بلندیاں نصیب ہو جائیں - یہی وہ چیز ہے جسکی طرف سورہ آل عمران میں اشارہ کیا گیا ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے کہا ہے کہ میں تمہیں ایسی ترتیب نو عطا کرونگا جس سے تمہارے اندر زندگی کی تازگی اور توانائی پیدا ہو جائیگی - جس سے تمہیں دنیا میں بلندیاں نصیب ہوجائینگی - اَنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ - فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۳/۴۸) - میں تمہیں ایسی نئی زندگی عطا کرونگا جس سے تم اپنی موجودہ خاک نشینی کی پستی سے ابھر کر فضا میں اڑنے کے قابل ہو جاؤ گے - میں تم میں ایسی روح پھونکونگا جس سے تمہیں قانون خداوندی کی رو سے، بے انتہا بلندیاں نصیب ہو جائینگی - اقبال کے الفاظ میں -

اگر یک قطرہ خوں داری اگر مشت پرے داری
بیامن باتو آموزم طریق شاہبازی را

قرآن کریم میں نَفْخِ صُوْر کا بھی ذکر کئی جگہ آیا ہے - جیسا کہ (ص - و - ر) کے عنوان میں لکھا جاچکا ہے، اس کے معنی وہ نرسنگھا (بگل) بھی ہیں جسے اعلان جنگ کے لئے بجایا جاتا تھا - اور یہ لفظ صورت (Form) کی جمع بھی ہے - اول الذکر مفہوم کے اعتبار سے نَفْخِ صُوْر کے معنی ہونگے حق و باطل کے درمیان اعلان جنگ - اور ثانی الذکر مفہوم کے اعتبار سے اس کے معنی ہونگے حیات تازہ عطا کرنا - نئی توانائیاں بخشنا، جس سے بلندیاں نصیب ہو جائیں (۶۹/۱۳) - (دیکھئے عنوان ص - و - ر)

*تاج و محیط . **راغب -

ن ف د

نَفِدَ الشَّیْءُ یَنْفَدُ نَفَاداً ۔ چیز کا فنا ہو جانا ۔ جاتے رہنا ۔ زمخشری نے کہا ہے کہ جن الفاظ میں فاءکلمہ نون ہو اور عین کلمہ فاء۔ تو ان الفاظ کے معنی جاتے رہنے اور نکل جانے کے ہونگے**۔ (مثلاً نَفِدَ ۔ نَفَذَ ۔ نَفَرَ ۔ نَفَشَ ۔ نَفَضَ نَفَقَ وغیرہ)۔

اَنْفَدَ الْقَوْمُ ۔ لوگوں کا توشہ اور مال ختم ہوگیا * ۔ قرآن کریم میں ہے مَاعِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَاعِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ (۱۶/۹۶) ۔ جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائیگا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے ۔ اسی بَاقٍ کی تفسیر دوسری جگہ مَالَہٗ مِنْ نَفَادٍ (۳۸/۵۴) سے کر دی یعنی جو ختم ہی نہ ہو۔

ن ف ذ

اَلنَّفَاذُ ۔ کسی چیز کے آر پار ہوجانا ۔ جیسے تیر کا نشانے میں ایک طرف سے گھس کر اس کے دوسری طرف سے باہر نکل جانا (خواہ وہ ذرا سا بھی باہر کیوں نہ نکل جائے) ۔ طَعْنَۃٌ نَافِذَۃٌ ۔ نیزے کی ایسی مار کو کہتے ہیں جو آر پار ہو جائے***۔

اَنْفَذَ الْقَوْمَ کے معنے ہیں وہ (پیچھے سے چل کر اس گروہ میں شامل ہوا اور تیزی سے چلتا ہوا) انہیں پیچھے چھوڑ کر ان سے آگے نکل گیا ۔ اَلنَّافِذَۃُ ۔ کمرے کا سوراخ یا روشندان جس سے روشنی اندر آتی ہو۔ نَفَذَ الشَّیْءُ ۔ اس نے کسی چیز کو پھاڑ دیا*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز میں سے گزر جانا ہیں ۔

قرآن کریم میں ایک عظیم آیت ہے جس سے انسانی ارتقاء کے ممکنات پر روشنی پڑتی ہے ۔ سورۃ رحمٰن میں ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔ اے گروہ جن و انس ا (یعنی وہ انسان جو شہروں کے رہنے والے ہوں یا صحرا نشین)۔ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۔ اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو کہ آسمان و زمین (یعنی اس مادی کائنات) کے کناروں کو چیر کر آگے نکل جاؤ ، تو نکل جاؤ ۔ لیکن یہ

*تاج و راغب ۔**فعل ۔ تینوں حرفوں سے ملکر بنا ہے ۔ اس میں پہلا حرف فا کلمہ، دوسرا ع کلمہ ۔ اور تیسرا ل کلمہ ہے ۔ ''فا کلمہ ن ہو'' کے معنی ہیں پہلا حرف ن ہو ۔ اور ''ع کلمہ فاء'' کے معنی ہیں دوسرا حرف فا (ف) ہو جیسے لفذ ۔
*** تاج و راغب و محیط ۔

یاد رکھو کہ ۔ "لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (۵۵/۳۳) ۔ تم سُلْطَانٌ ۔ (قدرت و غلبہ) کے بغیر نہیں نکل سکو گے ۔ قرآن کریم نے کہا یہ ہے کہ انسان کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس مادی کائنات کے حدود سے باہر چلا جائے ۔ لیکن اس کے لئے اسے ایک خاص قوت کی ضرورت ہوگی جو مادی موانعات پر غالب آسکے ۔ یہ قوت وحی کے اتباع سے حاصل ہو سکتی ہے (اس لئے قرآن کریم نے خود وحی کو سُلْطَانٌ کہا ہے ۔ دیکھئے عنوان س ۔ ل ۔ ط) ۔ یعنی وحی کے اتباع سے انسانی ذات میں ایسی نشو و نما آسکتی ہے کہ وہ مادی چاردیواری سے آگے نکل کر زندگی کے دیگر مراحل طے کرنے اور حیاتِ جاوید حاصل کرنے کے قابل ہو جائے ۔ حیوانی سطح پر زندگی محض آب و گل کی طبعی زندگی ہوتی ہے لیکن انسانی سطح (یعنی مومن کی سطح) پر اس میں حیات جاوید کی صلاحیت بھی پیدا ہو جاتی ہے ۔ اسی کا نام وہ سُلْطَانٌ ہے جس سے زندگی آب و گل کی چاردیواری سے نکل کر آگے جاسکتی ہے ۔ یاد رکھئے ۔ مادی کائنات سے باہر نکلنے سے مراد انسان کے جسم کی پرواز نہیں ۔ اس سے مراد اس کی ذات (Personality) کا ارتقاء ہے ۔ جسمانی پرواز سے انسان جتنا اونچا جی چاہے اڑ جائے ، وہ بہر حال مادی کائنات کی چاردیواری کے اندر ہی رہے گا ۔ مادی کائنات سے آگے نکل جانا انسانی ذات ہی کے لئے ممکن ہے ۔ یعنی موت کے بعد حیات جاوداں حاصل کرنا ۔ اس زندگی میں انسان کے لئے مادی کائنات کے حدود سے باہر نکل جانا ناممکن ہے ۔ یہ چیز مرنے کے بعد ، اگلی زندگی ہی میں حاصل ہو سکتی ہے ۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اپنی "روحانی قوت" سے مادی کائنات کے حدود سے باہر چلے جاتے ہیں ، وہ محض اپنے خیالات کی رو سے ایسا سمجھتے ہیں ۔ اپنے تخیل میں آپ جہاں جی چاہے چلے جائیے اس کے لئے کسی قوت (سلطان) کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ۔ قرآن کریم کی رو سے انسان مادی کائنات سے باہر مرنے کے بعد ہی جاسکتا ہے ۔ اُسی زندگی میں پہنچکر اسے حیاتِ جاوید حاصل ہو سکتی ہے ۔

ن ف ر

النَّفْرُ ۔ بے قرار ہونا اور اپنی جگہ سے اٹھ جانا ، ہٹ جانا* ۔ "جدا ہو جانا** ۔ ابن فارس نے بھی اس مادہ کے بنیادی معنی الگ ہو جانا اور دور ہوجانا بتائے ہیں ۔ کسی چیز سے بے رخی برتنا اور اس سے الگ ہونا ۔ نَفَرَ اِلَی الشَّیْءِ کسی چیز کی طرف تیزی سے جانا** ۔ نَفَرَتِ الدَّابَّةُ و

*راغب ۔ **تاج و محیط و راغب ۔

اسْتَنْفَرَتْ ۔ جانور کا کسی سے گھبرانا اور دور چلے جانا ۔ نَفَّرْتُہٗ ۔ اِسْتَنْفَرْتُہٗ ۔ میں نے اسے متوحش کردیا اور بھگا دیا ۔ مُسْتَنْفِرٌ ۔ متوحش ہوکر بھاگ جانے والا * ۔ قرآن مجید میں ہے حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ (۷۴/۵۰) ۔ بدکنے والے گدھے ۔ نَفَرُوْا لِلْاَمْرِ ۔ وہ اس معاملہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے* (۴/۷۱) ۔ اَلنَّفَرُ (۱۸/۳۴) ۔ وہ جتھا یا گروہ جو کسی کی مدد کے لئے اٹھ کھڑا ہو ۔ نَفِیْرٌ بھی اسی معنی میں ہے** (۱۴/۶) ۔ نَفُوْرٌ ۔ گھبرا کر بھاگنا ۔ نفرت کرنا (۷۴/۴۹) ۔ اَلْمُنَافَرَةُ ۔ مفاخرت (اس لئے کہ لوگ اَیُّنَا اَعَزُّ نَفَرًا کہا کرتے تھے)* ۔

ن ف س

صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ نَفْسٌ کے بہت سے معنی ہیں ۔ منجملہ ان کے یہ لفظ انسانی شخصیت کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے ۔ نیز وہ توانائی جس سے تمیز کی صلاحیت (شعور اور احساس کی قوت) پیدا ہوتی ہے ۔ عقل ۔ علم اور قلب کے معنوں میں بھی آتا ہے*** ۔ اور عَیْنُ الشَّیْءِ کے معنوں میں بھی ۔ جیسے جَاءَنِی الْمَلِکُ بِنَفْسِہٖ ۔ بادشاہ میرے پاس بنفسِ نفیس آیا ۔ نیز عظمت اور بڑائی ، ہمت ، غیرت ، ارادہ اور عقوبت (سزا) کے معنوں میں بھی ۔ نیز نَفْسٌ کے معنی بھائی بند کے بھی ہوتے ہیں *** ۔ اسکے علاوہ خون کے معنوں میں بھی ۔ چنانچہ نِفَاسٌ اُس خون کو کہتے ہیں جو ولادت کے بعد عورتوں کو آتا ہے *** ۔ خود ولادت (عورت کے بچہ جننے) کے معنوں بھی یہ لفظ آتا ہے ۔ نَفَسٌ ۔ سانس کو کہتے ہیں ۔ اسکی جمع اَنْفَاسٌ آتی ہے*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہلکی اور نرم ہوا کے نکلنے کے ہیں ۔ نَفَسٌ کے معنی وسعت اور کشادگی کے بھی ہیں ۔ ایک کش اور گھونٹ کو بھی کہتے ہیں ۔ اور طویل چیز کو بھی ۔ نَفِیْسٌ مال کثیر کو کہتے ہیں اور شَیْءٌ نَفِیْسٌ وہ عمدہ چیز جسکی طرف انسان لپک کر جائے ۔ تَنَفَّسَ کے معنے ہیں سانس لینا ۔ نیز تَنَفَّسَ الصُّبْحُ کے معنی ہیں صبح کا واضح اور روشن ہو جانا (۸۱/۱۸) ۔ تَنَافَسَ اور تَنَاَفَسَ کے معنی کسی اچھے کام میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہیں (۸۳/۲۶)*** ۔

نیز اس کے معنی عِنْدِیْ (میرے پاس) کے بھی ہوتے ہیں ۔ تاج العروس نے اسکی مثال کے لئے سورہ مائدہ کی آیت تَعْلَمُ مَافِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَافِیْ نَفْسِکَ (۵/۱۱۶) لکھی ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ (اے میرے رب)

*تاج و محیط و راغب ۔ ***تاج و ابن فارس ۔ ***تاج و لسان العرب ۔

جو کچھ میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے لیکن جو کچھ تیرے ہاں (پاس) ہے میں اسے نہیں جانتا ۔

اس کے علاوہ اس کے معنی عقوبت (یا سزائے اعمال) کے بھی ہیں ۔ مثلاً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (۳/۲۷) ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ خدا تمہیں اپنے آپ سے یا اپنی ذات سے ڈراتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تمہیں اپنے قانون مکافات کی رو سے مرتب ہونے والے تباہ کن نتائج سے محتاط رہنے کی تاکید کرتا ہے *۔

اَنْفُسٌ کے معنی بھائی بند بھی ہیں (۲/۸۴) اور خود اپنا آپ بھی (۲/۳۴) ۔ اس قسم کے مقامات میں یہ ان معانی میں استعمال ہوتا ہے جن معنی میں انگریزی زبان میں مثلاً (Myself) یا (Yourself) یا (Himself) وغیرہ استعمال ہوتے ہیں ۔

علاوہ ہریں اس لفظ (نَفْسٌ) کو قرآن کریم نے اس ''شے'' کے لئے بھی استعمال کیا ہے جسے ہم انسانی ذات (Human Personality) یا (اقبال کی اصطلاح میں) خودی (Self) یا انا (I-am -ness) کہتے ہیں ۔ یہ مفہوم وضاحت طلب ہے ۔

اگر یہ کہا جائے کہ دین کی اصل و بنیاد انسانی ذات کے اقرار پر استوار ہے تو اس میں قطعاً مبالغہ نہیں ہوگا ۔ دنیا میں اصولی طور پر دو قسم کے تصورات حیات پائے جاتے ہیں ۔ ایک تصور حیات یہ ہے کہ انسانی زندگی محض طبیعی زندگی (Physical life) ہے ۔ انسان طبیعی قوانین کے مطابق زندہ رہتا ہے ۔ انہی قوانین کے ماتحت اس کے جسم کی پرورش ہوتی ہے اور انہی قوانین کی رو سے یہ آخرالامر مرجاتا ہے ۔ اور جب اس کے تنفس (سانس) کی آمد و رفت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس فرد کا بھی خاتمہ ہوجاتا ہے۔ عصر حاضر کی زبان میں اسے مادی نظریہ حیات (Materialistic Concept of life) کہتے ہیں ۔ جسے عام طور پر ''مغربی تہذیب'' کہا جاتا ہے وہ اسی نظریہ حیات کی مظہر ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس نظریہ کی رو سے انسان کو نہ خدا پر ایمان لانے کی ضرورت پڑتی ہے نہ وحی کو تسلیم کرنے کی حاجت ۔ اس نظریہ کے قائل اگر خدا کی ہستی کا اقرار بھی کرینگے تو (زیادہ سے زیادہ) اس حد تک کہ کائنات کو خدا نے پیدا کیا ہے اور یہ اس کے قوانین کے مطابق سرگرم عمل ہے ۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدا پر اس قسم کے ایمان سے

*تاج و لسان العرب ۔

انسانی زندگی پر کچھ اثر نہیں پڑتا - اگر ایک شخص کہتا ہے کہ اس کائنات کو خدا نے پیدا کیا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ نہیں ! یہ یونہی اتفاقیہ طور پر وجود میں آگئی ہے ، تو اس اقرار اور انکار سے ان کی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا - یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اس قسم کے ایمان کو ایمان تسلیم نہیں ہی کرتا - (دیکھئے مثلاً $\frac{۲۹}{۶۱-۶۲}$ ؛ $\frac{۲۳}{۸۳-۸۸}$ ؛ $\frac{۳۱}{۲۵}$ ؛ $\frac{۳۹}{۳۸}$ ؛ $\frac{۴۳}{۹}$) - اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہے کہ زندگی بس اسی طبیعی زندگی کا نام ہے - موت سے انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے - تو اس کے نزدیک خیر اور شر کا معیار بھی خود ساختہ ہو جاتا ہے - خیر وہ جس سے اسے فائدہ پہنچے ، یا زیادہ سے زیادہ ، جسے معاشرہ (سوسائٹی) اچھا کہدے - اور شر وہ جس سے اسے نقصان پہنچے ، یا جسے سوسائٹی معیوب سمجھے - اس کے نزدیک اس کے اپنے فیصلوں یا معاشرہ کے متعین کردہ قوانین و ضوابط سے بالا کوئی قانون نہیں ہو سکتا - اس کی زندگی کا مقصد اپنے جذبات کی تسکین ہوتا ہے ، اور بس - قرآن کریم اسے کفر کی زندگی قرار دیتا ہے - سورہ الجاثیہ میں ہے - اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ کیا تم نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جو اپنے جذبات ہی کو اپنا اِلٰہ بنا لیتا ہے - اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ - وہ قانونِ خداوندی کے مطابق ، اپنے علم کے باوجود غلط روش زندگی پر چلتا ہے - وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً - اور جذبات پرستی کا طوفان اس کے کان اور دل پر مہر لگا دیتا ہے اور اس کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں - فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ - اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (۴۵/۲۳) اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق اس حالت تک پہنچ جائے ، اسکی صحیح راستے کی طرف ، بجز خدا کے قانون کے اور کون راہ نمائی کر سکتا ہے - سو کیا تم ایسے شخص کی حالت دیکھکر نصیحت حاصل نہیں کرتے - یہ وہ لوگ ہیں وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ - جو کہتے ہیں کہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے - ہم (قوانین طبیعی کے مطابق) مرتے ہیں اور جیتے ہیں - اور مرورِ زمانہ (وقت) ہمیں ہلاک کر دیتا ہے - وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ - اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ (۴۵/۲۴) انہیں حقیقت حال کا کچھ علم نہیں ہوتا - یہ محض ظن و قیاس سے کام لیکر اس قسم کا تصور قائم کر لیتے ہیں -

قرآن کریم اس زندگی کو حیوانی سطح زندگی قرار دیتا ہے - وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (۴۷/۱۲) -

جو لوگ (بلند سطح زندگی سے) انکار کرتے ہیں وہ حیوانوں کی طرح کھاتے پیتے اور سامان زیست سے فائدے اٹھاتے (اور پھر مر جاتے) ہیں ۔

اس کے برعکس ، دوسرا تصور زندگی یہ ہے کہ انسانی زندگی صرف اس کے جسم کی زندگی نہیں ۔ جسم کے علاوہ انسان میں ایک اور '' شے '' بھی ہے جسے اس کی ذات ، یا نفس کہتے ہیں ۔ یہ قوانین طبیعی کے ماتحت نہیں ہوتی ۔ نہ ہی جسم کی موت سے اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔ اس سے انسان مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے ۔ اگر اسکی مناسب نشو و نما کی جائے تو انسان کی موجودہ زندگی بھی خوشگوار اور سرسبز و شاداب ہوتی ہے اور مرنے کے بعد ، وہ زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے ۔ انسانی ذات کی نشو و نما ان قوانین کی رو سے ہوتی ہے جو خدا کیطرف سے ، حضرات انبیاء کرام ؑ کی وساطت سے بذریعہ وحی ملتے ہیں (اور جو اب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں) ۔ اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ انسانی ذات پر '' ایمان '' اور خدا ، وحی ، نبوت اور آخرت پر ایمان کسطرح لازم و ملزوم ہیں ۔

'' انسانی ذات کیا ہے '' ۔ یہ نہ بتایا جا سکتا ہے نہ سمجھا جا سکتا ہے ۔ اس لئے کہ یہ کوئی مادی شے نہیں ۔ انسانی ذات کا مظاہرہ اس کے اختیار و ارادہ سے ہوتا ہے ۔ اس لئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسی غیر مادی '' شے '' ہے جو اختیار و ارادہ کی استعداد کی حامل ہے ۔ اختیار و ارادہ (بصورت مطلق اور کلّی طور پر) خدا کو حاصل ہے اور اس کا عطا کردہ ، (محدود شکل میں) انسان کو حاصل ہے ۔ اس کے سوا ، کائنات میں کسی اور کو اختیار و ارادہ حاصل نہیں ۔ اسی لئے اسے خدا نے '' روحنا '' کہکر پکارا ہے ۔ یعنی الوہیاتی توانائی (Divine energy) (دیکھئے عنوان ر ۔ و ۔ ح) ۔ اگر انسان ، قوانین خداوندی کا اتباع کرے تو اس کی ذات میں (حد بشریت کے اندر) صفاتِ خداوندی منعکس ہوتی جاتی ہیں ۔ اسی کو اسکی ذات کا نشو و نما کہتے ہیں ۔ واضح رہے کہ انسانی ذات ، ذات خداوندی کا جزو نہیں ۔ ذات (وہ خدا کی ہو یا انسان کی) ایک غیر منقسم وحدت (Indivisible whole) ہوتی ہے جس کے حصے بخرے ہو نہیں سکتے ۔

چونکہ انسان کے ہر عمل کی بنیاد اس کے ارادہ پر ہوتی ہے ، اس لئے اس کے ہر عمل کا اثر اس کی ذات پر مرتب ہوتا ہے ۔ حتکہ اس کے دل میں گذرنے والے خیالات اور نگاہ کی خیانت تک کا بھی ($\frac{۴۰}{۱۹}$) ۔ یہی اس کا '' اعمالنامہ '' ہے جو اسکی گردن میں لٹکا رہتا ہے ۔ ($\frac{۱۷}{۱۳}$) ۔ اسی کو وہ ظہور

نتائج کے وقت پڑھیگا ۔ اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا (۱۷/۱۴) ۔ ”تو آج اپنی کتاب پڑھ ۔ آج تیرا نفس خود تیرا حساب لینے کے لئے کافی ہے“ ۔ (نیز ۱۵/۱۳ ؛ ۵۵/۱۳) ۔ اسی سے انسانی ذات کی انفرادیت (Individuality) ثبت ہوتی ہے (۶/۹۵ ؛ ۱۹/۹۵) ۔ یعنی ہر انسانی ذات منفرد (Unique) ہوتی ہے اور اس کے ہر عمل کا اثر اس کے اپنے اوپر ہوتا ہے، کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا ۔ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (۶/۱۶۵) ۔ ہر نفس کو اپنے اعمال کا خمیازہ خود بھگتنا پڑتا ہے ۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ۔ (اس ضمن میں حسب ذیل آیات بھی دیکھئے ۔ (۶/۱۰۵ ؛ ۱۰/۱۰۸ ؛ ۱۵/۷ ؛ ۱۵/۹۲ ؛ ۲۶/۶ ؛ ۳۰/۴۴ ؛ ۳۱/۱۲ ؛ ۳۵/۱۸ ؛ ۳۹/۴۱ ؛ ۴۱/۴۶ ؛ ۴۵/۱۵ ؛ ۳۵/۱۸ ؛ ۳۹/۷ ؛ ۵۳/۳۸) ۔ جب اتباع قوانین خداوندی سے انسانی ذات کی نشو و نما ہوتی ہے تو (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے) اس میں زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ اسے مرنے کے بعد جنت کی زندگی کہتے ہیں ۔ لیکن جس ذات کی نشو و نما نہیں ہوتی، وہ آگے بڑھنے سے رک جاتی ہے ۔ یہ جہنم یا جحیم کی زندگی ہے ۔ [دیکھئے عنوانات (ج ۔ ن ۔ ن) ؛ (ج ۔ ح ۔ م) ؛ (جہنم)] ۔ یوں تو انسانی ذات کی نشو و نما کے لئے پورے کے پورے ضابطۂ قرآنی کا اتباع ضروری ہے (اور یہ اتباع قرآنی معاشرہ کا جزو بنکر ہی کیا جاسکتا ہے) لیکن قرآن کریم نے اس باب میں ایک بنیادی نکتہ بیان کیا ہے جو بڑا اہم ہے ۔ انسانی جسم کی پرورش ہر اس شے سے ہوتی ہے جسے وہ فرد خود کھاتا (یا لیتا) ہے ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں کھاتا جاؤں اور آپ کے جسم کی پرورش ہوتی جائے ۔ اس کے برعکس انسانی ذات کی نشو و نما ہر اس چیز سے ہوتی ہے جسے ہم دوسروں کی نشو و نما کے لئے دیں ۔ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۔ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ (۹۲/۱۶) ۔ جہنم سے اسے بچایا جاتا ہے جو اپنے مال کو (یا جو کچھ اس کے پاس ہے اسے) اپنی نشو و نما کے لئے دیتا ہے ۔ تقویٰ شعار بھی وہی ہوتا ہے جو ”دیتا ہے“ ۔ مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ (۹۲/۶) ”جو دیتا ہے اور (اسطرح) تقویٰ اختیار کرتا ہے“ ۔ (نیز دیکھئے (۵۹/۶ ؛ ۶۴/۱۶) ۔

یاد رہے کہ انسانی ذات، ایک ملکہ، صلاحیت، استعداد، یا امکانی قوت ہے جو بجائے خویش نہ خیر ہے نہ شر ۔ دوسری ہر قوت کی طرح، اس کا استعمال اسے خیر یا شر بنا دیتا ہے ۔ جب انسان اسے انسانیت کی بلند اقدار (Higher Values) کے تحفظ اور استحکام کے لئے عمل میں لاتا ہے، تو یہ خیر کا موجب بن جاتی ہے (اسی سے اسکی نشو و نما ہوتی ہے) ۔ اور

جب انسان اپنے اختیار و ارادہ کو، پست مفادِ خویش کے خاطر استعمال کرتا ہے (جس میں بلند اقدار کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے) تو یہ شر کا مظہر بن جاتی ہے ۔ اس صورت میں (محض تمیز کی خاطر) ہم انسانی ذات کو ایغو (Ego) سے تعبیر کرتے ہیں ۔ ایغو، حیوانی سطح زندگی پر ہوتا ہے اور ذات، انسانی سطحِ زندگی پر ۔ جب انسانی جذبات (Emotions) ایغو کے تابع چلتے ہیں تو قرآن کریم انہیں ''ھویٰ'' کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے ۔ (اس مادہ میں ''پستی'' کا مفہوم ہوتا ہے ۔ دیکھئے عنوان ھ ۔ و ۔ ی) ۔ اور جب عقل (Intellect) ایغو کی خادمہ بنتی ہے تو مکر و فن کہلاتی ہے ۔ اس کے برعکس جب جذبات انسانی ذات کے ماتحت رہتے ہیں تو بلند ترین جوہر انسانیت بن جاتے ہیں اور جب عقل، انسانی ذات کے تابعِ فرمان رہتی ہے تو انسانی زندگی اور معاشرہ جنت بداماں ہو جاتا ہے ۔ (اقبال اول الذکر عقل کو، عقلِ خود بیں اور ثانی الذکر کو عقلِ جہاں بیں، یا خرد ''ادب خوردہ دل'' کہکر پکارتا ہے) ۔

جب ایغو، کسی مستقل قدر کو پس پشت ڈال کر، پست مفاد کیطرف جاتا ہے تو اسے عام طور پر ''نفس امارہ'' کہا جاتا ہے ۔ یہ اصطلاح قرآن کریم کی اس آیت سے لی گئی ہے جس میں اس نے، عزیز مصر کی بیوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (۱۲/۵۳) ۔ یقیناً نفس، برائی کا حکم دیتا رہتا ہے ۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ نفس انسانی ہے ہی برائی کا حکم دینے والا ۔ بالکل نہیں ۔ یہ ایغو کے متعلق کہا گیا ہے ۔ چنانچہ اس کے بعد ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (۱۲/۵۳) ۔ بجز اس کے جس پر خدا کی رحمت ہو ۔ یہ نفس کی وہ سطح ہوگی جسے ہم نے ''انسانی ذات'' سے تعبیر کیا ہے ۔

بعض اوقات نفس انسانی کی یہ کیفیت بھی ہوتی ہے کہ جب اس سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے بعد اس میں احساس ندامت بیدار ہو جاتا ہے ۔ یہ درحقیقت، ایغو اور ذات میں ایک قسم کی کشمکش کی حالت ہوتی ہے ۔ اسے قرآن کریم نے نفس لوّامہ کہا ہے (۷۵/۲) ۔ یعنی ''ملامت کرنے والا نفس'' ۔ اس سلسلہ میں اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ انسانی ذات میں اس کی استعداد نہیں کہ وہ خیر اور شر میں خود تمیز کرسکے ۔ خیر و شر کی تمیز صرف وحی کی رو سے ہو سکتی ہے ۔ نفس لوامہ اُسی بات پر ملامت کریگا جسے وہ معیوب سمجھتا ہے ۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس بات کو وہ معیوب سمجھتا ہے وہ درحقیقت معیوب ہو، اور جسے وہ محمود قرار دیتا ہے وہ درحقیقت مذموم ہو ۔ [تفصیل اس اجمال کی (ل ۔ ھ ۔ م) اور (ف ۔ ط ۔ ر) کے عنوانات میں ملیگی] ۔

جب انسان ، خالص قوانین خداوندی کا اتباع کرتا ہے ، تو ابغو اور ذات کی کشمکش ختم ہو جاتی ہے ۔ ذات، پست جاذبیتوں پر غالب آ جاتی ہے ۔ (۳۹/۴۲) ۔ اسے قرآن حکیم نے نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا ہے (۸۹/۲۷) جس کی زندگی جنت کی زندگی ہے (۸۹/۲۹) ۔ اسے ، عصر حاضر کی علم النفس کی زبان میں (Integrated Personality) کہا جائے گا ۔ اس کے برعکس (Disintegrated Personality) ہوگی ۔ قرآن کریم نے نفس کی ان دونوں کیفیتوں کو فُجُوْرَھَا و تَقْوٰھَا (۹۱/۸) سے تعبیر کیا ہے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ل ۔ ہ ۔ م)۔ اور ذات کی نشو و نما (Development) کو انسانی زندگی کا مقصود اور کامیابی و کامرانی بتایا ہے (۹۱/۱۰) ۔

چونکہ انسانی ذات ، امکانی شکل (Realiseable Form) میں ہر انسانی بچہ کو پیدائش کے ساتھ یکساں طور پر ملتی ہے ، اس لئے اس کی بنا پر ہر فرزند آدم ، محض آدمی ہونے کی جہت سے واجب التکریم ہے ۔ وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (۱۷/۷۰)۔ ”ہم نے تمام فرزندان آدم کو واجب التکریم بنایا ہے“ ۔ ذات کی تکریم کے معنے یہ ہیں کہ کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے شخص کو اپنا محکوم بنائے ۔ انسانی اختیار و ارادہ انسانی ذات کی بنیادی خصوصیت ہے ۔ اس لئے کسی کے اختیار و ارادہ کو سلب کرلینا ، اس سے اپنے فیصلے منوانا (اسی کو محکومی کہتے ہیں) اُسے شرف انسانیت سے محروم کردینا ہے ۔ قرآن حکیم کی رو سے اطاعت یا محکومی ، صرف قوانین خداوندی کی ہوسکتی ہے ۔ (اسی کو عبادت کہتے ہیں ۔ دیکھئے عنوان ع ۔ ب ۔ د) ۔ یہ اطاعت ، کسی مستبد حاکم کی عائد کردہ پابندیوں کا نام نہیں ہوتا ۔ انسان ان پابندیوں کو اپنے اوپر خود عائد کرتا ہے ۔ (اطاعت کے معنے ہی بطیب خاطر ، برضا و رغبت ، اپنے اوپر کسی پابندی کا عائد کرنا ہے) اور اس لئے عائد کرتا ہے کہ اس سے اس کی ذات کی نشو و نما ہوتی ہے ۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (۲/۲۸۶) سے یہی مراد ہے ۔ یعنی قوانین خداوندی انسان پر جو پابندیاں عائد کرتے ہیں تو اس سے مقصد ، خود انسانی ذات میں وسعت پیدا کرنا ہوتا ہے ۔ نہ کہ اس کی آزادی کو سلب کرنا ۔ [دیکھئے عنوان ک ۔ ل ۔ ف] ۔ قرآنی معاشرہ اس قسم کی فضا پیدا کرتا ہے جس میں کوئی کسی کا محکوم نہیں ہوتا اور اس طرح انسانی ذات کی وسعتیں حدود فراموش ہوتی چلی جاتی ہیں ۔ اس سے انسان کو اس دنیا میں بھی جنتی زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور آخرت میں بھی جنتی زندگی۔ خانقاہیت کی تجرد گاہوں میں انسانی ذات کی نشو و نما کبھی نہیں ہوسکتی ۔ جنت کے لئے فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ (۸۹/۲۹) پہلی شرط ہے ۔

سورۃ زمر میں ایک آیت ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى (۳۹/۴۲) ''اللہ موت کے وقت نفوس کو موقوف کر دیتا ہے اور جو مرتے نہیں ان کی نیند کی حالت میں ایسا کر دیتا ہے - پھر جن پر موت کا حکم ہوجاتا ہے تو انہیں روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقت مقرر تک واپس بھیجدیتا ہے'' - سوال یہ ہے کہ اس آیت میں ''نفس'' سے کیا مطلب ہے جسے موت اور نیند دونوں حالتوں میں موقوف کر دیا جاتا ہے اور جب انسان جاگ اٹھتا ہے تو اسے واپس کر دیا جاتا ہے ، لیکن بصورتِ موت اسے واپس نہیں کیا جاتا - جہاں تک نیند کا تعلق ہے ہم جانتے ہیں کہ اس میں انسان کا سب کچھ موجود ہوتا ہے، بجزشعور (Conscious-ness) کے - (حتکہ اس میں تحت الشعور بھی باقی ہوتا ہے) - اس لئے ظاہر ہے کہ اس آیت میں ''نفس'' سے مراد اسکی شعوری حالت ہے - یعنی نیند اور موت دونوں حالتوں میں انسان کا شعور باقی نہیں رہتا - سونے والا جب جاگ اٹھتا ہے تو اس کا شعور پھر رو بہ عمل ہوجاتا ہے ، لیکن موت کی صورت میں شعور کا تعلق اس جسم کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے - موت کے بعد ، شعور کے رو بہ عمل ہونے کو حیات بعد الممات کہتے ہیں - اس زندگی میں شعور (یا نفس) کس طور پر رو بہ عمل ہوتا ہے ، ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر اسے نہیں سمجھ سکتے - اس لئے کہ اس وقت ہمارے شعور کے رو بہ عمل ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے - اور وہ ہے ہمارا مادی جسم - ہم اس وقت ، جسم کے توسط کے بغیر ، شعور کی کارفرمائی کا تصور ہی نہیں کرسکتے - قرآن کریم نے یہ نہیں بتایا کہ حیات بعد الممات میں شعور کی کارفرمائی کا ذریعہ کیا ہوگا - نہ ہی اس کے بتانے سے کوئی فائدہ تھا - اس لئے کہ جس بات کو ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر سمجھ ہی نہیں سکتے اس کے بتانے سے حاصل کیا ہو سکتا ہے - لیکن مرنے کے بعد نفس کی کارفرمائی کو قرآن کریم ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر بیان کرتا ہے - اس پر ہمارا ایمان ہے اور یہی دین کی اصل و بنیاد ہے -

ن ف ش

نَفْشٌ - اون یا روئی وغیرہ کو انگلیوں سے پراگندہ کرنا - (لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے) - بعض نے کہا ہے کہ نَفْشٌ - ہر اس چیز کے منتشر ہو جانے کو کہتے ہیں جسکا منتشر ہو جانا مشکل نہ ہو - جیسے روئی - اون وغیرہ* - قرآن کریم میں الْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (۱۰۱/۵) آیا ہے - یعنی

*تاج و راغب و محیط -

دھنی ہوئی (منتشر شدہ) رنگین اون - (ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی منتشر ہونا لکھے ہیں -

ابن السکیت نے کہا ہے کہ نَفْشٌ کے معنی ہیں رات کے وقت بکریوں یا اونٹوں کا چرواہے کے علم کے بغیر ادھر اُدھر منتشر ہو کر چرنا - (نَفْشٌ میں رات کے وقت ایسا ہونے کی تخصیص ہے - ھَمْلٌ میں رات یا دن کی تخصیص نہیں ہوتی) - قرآن کریم میں ہے اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ (۲۱/۷۸) جب لوگوں کی بکریاں اس میں رات کے وقت چرتے ہوئے منتشر ہو گئیں -

ن ف ع

اَلنَّفْعُ - ضَرٌّ وَضَرٌّ (نقصان) کی ضد ہے - لیکن درحقیقت نَفْعٌ اس ذریعے کو کہتے ہیں جس سے کسی خوشگواری (خیر) تک پہنچا جائے - چنانچہ اَلنَّفْعَةُ - لاٹھی کو کہتے ہیں** - چرواہوں کی لاٹھی جسطرح ''خیر'' تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتی ہے وہ ظاہر ہے -

قرآن کریم میں یہ لفظ ضرر کے مقابلہ میں آیا ہے (۲/۱۰۲) - اور اِثْمٌ کے مقابلہ میں (۲/۲۱۹) بھی - لہذا ضَرَرٌ کی طرح نَفْعٌ بھی خارجی اور داخلی دونوں حالتوں کی خوشگواری کے لئے آئے گا - (مَنَافِعُ (واحد مَنْفَعَةٌ) - فوائد - کام کی چیزیں - (۲/۲۱۹) -

ن ف ق

نَفَقٌ - اس سرنگ کو کہتے ہیں جس کے داخل ہونے اور نکلنے کے دونوں راستے کھلے ہوں - (جس سرنگ میں نکلنے کا راستہ نہ ہو اسے سَرَبٌ کہتے ہیں) - اَلنَّافِقَةُ - وَالنَّافِقَاءُ - جنگلی چوہے کے بل کے متعدد سوراخوں میں سے ایک سوراخ کو کہتے ہیں جس پر وہ مٹی کی باریک سی پپڑی بچھا کر اسے بند رکھتا ہے اور اسے اس وقت سر مار کر کھول لیتا ہے جب اس کا کوئی دشمن اسے بل کے اندر سے پکڑنے کی کوشش کرے - نَیْفَقٌ اس نیفہ کو کہتے ہیں جس کے دونوں کنارے کھلے ہوں - (بعض کا خیال ہے کہ یہ نیفہ سے معرب ہے) - اسی لئے مُنَافِقٌ اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی نظام (یا سوسائیٹی) میں داخل ہونے سے پہلے یہ دیکھ لے کہ اس سے باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے - نَفَقَتِ السِّلْعَةُ - بازار گرم ہوا، اور اس کے سامان کی مانگ ہوئی - (یعنی جو اشیاء کی درآمد اور برآمد کے لئے ہر وقت

*تاج و محیط و راغب - ** تاج -

کھلا رہے ۔ ہر وقت مال آتا رہے اور اس کا نکاس ہوتا رہے ۔) لہذا اِنْفَاق* کے معنی ہیں اپنی دولت کو کھلا رکھنا ۔ عام کر دینا ۔ باقی نہ رکھنا ۔ ختم کر دینا *۔ قرآن کریم نے اس کے مقابل میں اِمْسَاک* (روک رکھنے) کا لفظ لا کر اس کے معانی کو واضح کر دیا ہے (۱۷/۲۹)۔

چونکہ روپے کو کھلا رکھنے کا نتیجہ سرمایہ کی نفی (ختم ہو جانا) یا کمی ہوتا ہے ، اس لئے نَفَاق* کے معنی کسی چیز کے کم ہو جانے یا ختم ہو جانے کے بھی لئے جانے لگے* ۔ یہاں تک کہ ان معانی کو بنیادی معنی کی سی اہمیت حاصل ہو گئی ۔ چنانچہ اَنْفَقَتِ الْاِبِلُ* اُسوقت کہتے ہیں جب موٹاپے کی وجہ سے اونٹوں کی اون جھڑ جائے* ۔ یعنی منتشر اور پراگندہ ہو کر ضائع ہو جائے*۔

قرآن کریم میں اِنْفَاق* کے بنیادی معنی اپنی محنت کے ماحصل کو ربوبیت عالمینی کے لئے کھلا رکھنا ہیں ۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹) ۔ یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر مال و دولت (ربوبیت عامہ کے لئے) کھلا رکھیں ۔ ان سے کہو کہ جس قدر تمہاری ضرورت سے زائد ہے سب کا سب ۔ یعنی فاضلہ دولت (Surplus money) جو سرمایہ داری کی بنیاد ہے ، سب کی سب ربوبیت عامہ کے لئے وقف ہونی چاہئے ۔ یہ کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں رہ سکتی ۔

یہ قرآنی نظام کا بنیادی نقطہ ہے ۔ مومن کی ہمیانی کے دونوں سرے کھلے رہتے ہیں اور یہ ہمیانی نظام کے ہاتھ میں رہتی ہے ۔ اس میں ہر فرد اپنی محنت کا ماحصل ڈالتا جاتا ہے اور نظام ربوبیت اسے نوع انسانی کی نشو و نما کے لئے صرف کرتا جاتا ہے ۔ چونکہ اس نظام میں ہر فرد کی تمام ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری خود نظام پر ہوتی ہے اس لئے کسی فرد کو کچھ بچا کر رکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی ۔ نہ ہی اسے اپنے یا اپنی اولاد کے مستقبل کے متعلق کوئی خدشہ یا اندیشہ رہتا ہے ۔ یہ تمام ذمہ داریاں نظام کے سر ہوتی ہیں جو قوانین خداوندی کے مطابق قائم ہوتا ہے ۔

بناء بریں ان مقامات میں اِنْفَاق* کے معنی خرچ کرنے کی بجائے کھلا رکھنا زیادہ مناسب ہیں ۔ ''کھلا رکھنے'' کا مطلب ہوگا نوع انسانی کی ربوبیت عامہ کے لئے نظام خداوندی کی تحویل میں رکھنا ۔ نَفَقَة* (۶۵/۷) ۔ ہر وہ چیز جسے اسطرح کھلا رکھا جائے* ۔ بعض مقامات میں اس کے معنی خرچ کرنے کے بھی آئینگے ۔

*تاج و ابن فارس ۔

نَافَقَ - منافق ہونا (۳/۱۹۶) - معاشرہ میں منافق سب سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں - ایک تو وہ لوگ ہیں جو دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ نظام خداوندی سے وابستہ ہو جاتے ہیں - یہ مومن ہیں - دوسرے وہ ہیں جو کھلے بندوں اس نظام سے باہر رہتے اور اس کی مخالفت کرتے ہیں - انہیں کافر کہتے - تیسرے وہ ہیں جو محض اپنی مطلب براری کے لئے جماعت مومنین کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں - منافع میں ان کے برابر کے شریک رہتے ہیں اور جہاں کسی مشکل کا سامنا ہوا، تو یا جماعت کا ساتھ چھوڑ کر صاف نکل گئے، اور یا اس میں بد دلی پھیلانے اور فتنہ پردازی کرنے لگ گئے - یہ منافق ہیں اور بدترین خلائق - اسی لئے قرآن کریم نے ان کا مقام جہنم کا سب سے نچلا طبقہ بتایا ہے (۴/۱۴۵) - قرآن کریم نے (سورہ فاتحہ کے بعد) سب سے پہلے انہی تینوں جماعتوں (مومن - کافر - منافق) کا ذکر واضح الفاظ میں کیا ہے - اس کے بعد، سارے قرآن کریم میں ان تین جماعتوں کا ذکر ہے - یہ جماعتیں زمانہ نزول قرآن تک محدود نہ تھیں - یہ ہمیشہ رہی ہیں اور ہمیشہ رہینگی - ان کی خصوصیات اسقدر طول طویل ہیں کہ ان کی تفصیل بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں -

ن ف ل

اَلنَّفْلُ - ہر وہ عمل جو (واجب) سے زیادہ ہو - اَلنَّفَلُ - مالِ غنیمت - ہبہ - عطیہ - دونوں کی جمع اَنْفَالٌ آئے گی - نَفْلٌ کے معنوں میں نَافِلَةٌ بھی آتا ہے - قرآن کریم میں ہے - وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (۱۷/۷۹) - تو رات کے کچھ حصے میں (قرآن کریم کو) لے کر اٹھ - یہ تیرے لئے ''نفل'' کے طور پر ہے - اَلنَّافِلَةُ - ہوتا - کیونکہ بیٹا تو اصل ہوتا ہے اور پوتا اس پر زائد ہوتا ہے (۲۱/۷۲) -

اَنْفَالٌ (۸/۱) - بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنے مالِ غنیمت کے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ مالِ غنیمت سے الگ (اور خاص) ہوتی ہے - عام طور پر اس کے معنے مالِ غنیمت یا ہبہ یا عطیہ کے لئے جاتے ہیں* - لیکن ہمارا خیال ہے کہ اسے جنگ کے ساتھ مختص کر دینے کی ضرورت نہیں - اس سے مراد مملکت کی وہ تمام آمدنی ہو سکتی ہے جو متعین کردہ واجبات کے علاوہ ہو -

اَلنَّفُوْ فَلٌ - دریا - سمندر - عطیہ - بہت عطا کرنے والا آدمی* -

*تاج - **محیط -

نَفَلَ فُلَانًا ۔ فلاں کو عطیہ کے طور پر کچھ دیا جس کے معاوضے کا وہ خواہاں نہیں** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی عطیہ اور عطا کرنا ہیں ۔

ن ف ی

نَفَیٰ ۔ یَنْفِیْ ۔ نَفْیًا ۔ ایک طرف کردینا ۔ نکال دینا ۔ الگ کردینا۔ دور کردینا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز کو کسی دوسری چیز سے ہٹا دینے یا دور کردینے کے ہیں ۔ اَلنَّفِیُّ ۔ وہ اُبال جو ہانڈی باہر پھینک دے۔ وہ کنکریاں وغیرہ جو جانوروں کے ٹھوکر لگنے سے ادھر ادھر اُڑتی ہیں ۔ وہ مٹی جسے ہوا درختوں کی جڑوں میں لاکر پھینک دیتی ہے ۔ بڑے لشکر سے جو حصہ کٹ کر الگ ہو جائے اور ایک طرف کو رہ جائے ۔ نَفَیٰ شَعْرُ فُلَانٍ ۔ فلاں آدمی کے بال پریشان اور پراگندہ ہوگئے۔ یا گر گئے۔ نَفَیَ السَّیْلُ الْغُثَاءَ ۔ سیلاب کوڑا کرکٹ بہا کر لے گیا ۔ اسی سے نَفَیٰ کے معنی انکار کردینے کے آتے ہیں ۔ نَفَیَ الْاَبُ الْاِبْنَ ۔ باپ نے بیٹے کو اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کردیا* ۔

قرآن کریم میں ان لوگوں کے متعلق جو نظام خداوندی (اسلامی مملکت) کے خلاف بغاوت کریں اور نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کریں کہا گیا ہے کہ انہیں قتل کر دو ۔ یا سولی چڑھا دو ۔ یا ''قطع ید و رجل'' کردو ۔ (دیکھو عنوان ق ۔ ط ۔ ع) ۔ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (۵/۳۳) ۔ نَفْیٌ کے ان معانی کے لحاظ سے جو اوپر درج کئے گئے ہیں اس کے معنی ہونگے ملک سے الگ کردینا ۔ جلاوطن کردینا ۔ صاحب محیط نے نَفَیٰ فُلَانًا کے معنی فلاں کو قید کردیا بھی لکھے ہیں*۔ لیکن مندرجہ بالا آیت میں مِنَ الْاَرْضِ کے اضافہ سے ظاہر ہے کہ اس کے معنے ملک بدر کردینے کے ہونگے یا یہ کہ اسے آزادی اور دیگر مراعات سے محروم کردیا جائے ۔ (اس طرح زمین سے الگ کردینے کا مفہوم ہوگا اسے باقی آبادی سے الگ کردینا) ۔

ن ق ب

نَقْبٌ ۔ (دیوار میں) سوراخ کرنے کو کہتے ہیں ۔ اور خود سوراخ کو بھی* ۔ سورۃ کہف میں ہے وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (۱۸/۹۷) ۔ وہ اس دیوار میں سوراخ نہیں کرسکتے تھے ۔ تَنَقَّبَ عَنِ الشَّیْءِ کے معنی

*تاج ۔ **محیط ۔

ھیں کسی چیز کی تلاش میں بہت زیادہ کوشش کرنا ۔ مارے مارے پھرنا**۔ سورۃ قٓ میں ہے ۔ فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ (۵۰/۳۶) ۔ انہوں نے شہروں کو چھان مارا کہ کوئی پناہ کی جگہ مل جائے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ نَقَّبَ کے معنی ہیں نُقُوْبٌ (پہاڑوں کے تنگ راستوں یا دروں) میں چلنا ۔ اَلنَّقِیْبُ بانسری (کیونکہ اس میں چھید ہوتے ہیں) ۔ اَلنَّقِیْبُ کے معنی ہیں قوم کا نگران ۔ ضامن ۔ سردار ۔ لوگوں کے احوال معلوم کرنے والا، چھان بین کرنے والا* ۔ بنی اسرائیل کے متعلق ہے وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا (۵/۱۲) ۔ ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کردئے ۔

اَلنَّقْبَةُ ۔ سوراخ ۔ چہرے کو بھی کہتے ہیں ۔ غالباً اسی لئے کہ اس میں کئی سوراخ ہیں ۔ اور اَلنِّقَابُ ۔ اس کپڑے کو جس سے عورت اپنے چہرے کو چھپاتی ہے ۔ اَلنِّقَابُ کے متعلق ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ معنی خلاف قیاس ہیں ۔ اَلْمُنَقَّبَةُ ۔ قابل فخر بات ۔ بلند کارنامہ ۔ خوبی ۔ اچھی خصلت* ۔

ن ق ذ

نَقَذَهٗ و اَنْقَذَهٗ و اسْتَنْقَذَهٗ ۔ اسے چھڑانا، چھٹکارا دلانا ، نجات دلانا ۔ نَقَذَ الرَّجُلُ ۔ آدمی نے نجات پائی اور سلامت رہا*** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ کسی سخت مشکل اور مصیبت و تباہی سے رہائی حاصل ہونے پر بولا جاتا ہے**** ۔ لغزش کھانے اور پھسل کر گرنے والے کو بطور دعا نَقْذًا لَکَ کہا جاتا ہے ، یعنی خدا تجھے سلامت رکھے ۔ اَلنَّقِیْذَةُ اُس گھوڑے کو کہتے ہیں جسے دشمن کے قبضہ سے چھڑا لیا جائے*** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (۳/۱۰۳) ''اس نے تمہیں اس سے بچا لیا'' ۔ نیز (۳۹/۱۶ و ۳۶/۴۳) ۔ سورۃ حج میں ہے لَا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ (۲۲/۷۳) ۔ ''وہ اسے چھڑا نہیں سکتے'' ۔

ن ق ر

نَقَرَهٗ نَقْرًا ۔ اس کو مِنْقَار (بسل راھنے کے آلہ) سے مارا ۔ اَلنَّقْرُ ۔ چکی یا سل کو راھنا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو ٹھوکنا جس سے اس میں گڑھے سے پڑجائیں ۔ پھر اس کے معنوں میں وسعت ہوگئی ۔ اَلْمِنْقَارُ ۔ اس آلے کو کہتے ہیں جس سے سل وغیرہ راھتے ہیں ۔ نیز چونچ کو ۔ چونکہ اس سے کھٹ کھٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے اس

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و محیط ۔ ****راغب ۔

لئے آواز کے معنوں میں بھی یہ سادہ استعمال ہوتا ہے ۔ بالخصوص ایسی آواز جو زبان کو تالو سے چمٹا کر نکالی جائے اور اس سے گھوڑے کو ہانکا جائے۔ یا چٹکی کی آواز ۔ اَلنَّنْقِیْرُ ۔ سیٹی جیسی آواز* ۔ لسان العرب میں ہے کہ نَاقُوْرٌ بگل کو کہتے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ (۷۴/۸) ۔ جب سرکش قوتوں کے خلاف اعلان جنگ کیا جائے گا ۔

اَلنُّقَارَۃُ ۔ وہ ذرا سی چیز جسے پرندہ ایک مرتبہ اپنی چونچ میں اٹھالے* ۔ اس سے اَلنَّقِیْرُ اس چھوٹے سے نقطہ کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے* ۔ اس سے مراد ہوتی ہے بہت تھوڑی اور حقیر سی شے ۔ سورۃ نساء میں ہے ۔ لَا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا (۴/۵۳) ۔ ''لوگوں کو اتنا بھی نہیں دینگے جتنی اُڑد کے دانے پر سفیدی'' ۔

ن ق ص

اَلنَّقْصُ ۔ حصہ میں کمی ہونا ۔ ابن القطاع نے لکھا ہے کہ نَقْصٌ کے معنی ہیں کسی چیز کے مکمل ہو جانے کے بعد اس میں سے کچھ جاتے رہنا ۔ اور اَلنُّقْصَانُ اُس مقدار کو کہتے ہیں جو اس شے میں سے جاتی رہے ۔ اَلنَّقِیْصَۃُ کے معنی عیب ہیں* ۔ تَنَاقَصَ الشَّیْءُ ۔ چیز آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی** ۔ نَقَصَ ۔ یَنْقُصُ ۔ کم کیا ۔ کم ہوا ۔ (لازم اور متعدی دونوں کے لئے آتا ہے) ۔

قرآن کریم میں ہے نَقْصٍ مِنَ الْاَمْوَالِ (۲/۱۵۵) ۔ مال میں کمی آجانا ۔ نظامِ خداوندی کے قیام کے لئے جد و جہد کرنے میں اس جماعت کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان میں اموال کا نقصان بھی ہے ۔ لیکن اس نظام کے قیام کے بعد انہیں ہر طرح کی فراوانیاں حاصل ہو جاتی ہیں ۔ اگر کسی نظام کا نتیجہ لوگوں کے لئے رزق کی کمی ہو تو وہ نظام فرعونی ہے اور رزق کی کمی خدا کا عذاب ، جیسا کہ (۷/۱۳۰) سے واضح ہے ۔ کسی نظام کے قیام میں مشکلات اور مصائب کا سامنے آنا اور بات ہے اور اس کے نتائج کا نقصان دہ اور ضرر رساں ہونا اور بات ۔ قرآنی نظام کے نتائج نہایت خوش گوار ہوتے ہیں اگرچہ اس کے قیام میں مخالفین کی طرف سے پیش کردہ بہت سی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ۔ ان میں نقصِ مال بھی شامل ہے ۔

ن ق ض

نَقْضٌ کے معنے ہیں ڈھا دینا ۔ توڑ دینا ۔ کھول دینا ۔ عہد کرکے اسے توڑ دینا* ۔ اَلنَّقِیْضُ ۔ مسمار شدہ عمارت یا اس کا ملبہ ۔ نیز وہ اونٹ جو

*تاج ۔ **محیط ۔

مسلسل چلنے سے لاغر ہوگیا ہو۔ اَلنَّقِیْضُ ۔ آدمی کے جوڑوں کی آواز*۔ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (۹۴/۳) ۔ وہ بوجھ (ذمہ داری) جس نے تمہاری کمر توڑ دی تھی۔ تَنَاقُضٌ ۔ توافق کی ضد ہے۔ ایک دوسرے کی مخالفت۔ یعنی جس میں ایک بات دوسری بات کو توڑ رہی ہو۔

قرآن کریم میں نَقْضٌ کا لفظ عہد شکنی کے لئے عام طور پر آیا ہے (۲/۲۷ و ۱۶/۹۱) ۔ نیز نَقَضَتْ غَزْلَهَا (۱۶/۹۲) کے معنی ہیں سوت کے ٹکڑے ٹکڑے کردئے۔ یا اس کے بل کھول دئے۔

ن ق ع

اَلنَّقْعُ ۔ عمدہ خالص مٹی والی زمین جس میں پانی اکٹھا ہو جائے۔ کسی جگہ اکٹھا ہو جانے والا پانی۔ اوپر اٹھنے والا غبار*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) کسی میال چیز کا اپنی جگہ ٹھہر جانا اور (۲) ایک قسم کی آواز۔ اس لفظ کے اور بھی بہت سے معانی ہیں۔ لیکن قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ آیا ہے۔ یعنی فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا (۱۰۰/۴)۔ وہاں اسکے معنی گرد و غبار اڑانے ہی کے ہیں۔ یعنی مجاہدین کے وہ گھوڑے جو گرد و غبار اڑاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں۔

ن ق م

اَلنِّقْمُ ۔ وسطِ طریق۔ راستے کا درمیانی حصہ**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے معنی ہیں کسی چیز کو ناپسندیدہ قرار دینا اور اسے معیوب بتانا۔ اس اعتبار سے اِنْتِقَامٌ کے معنی ہونگے بری بات کو برا کہنا اور برائی کرنے والے کو برائی کا بدلہ دینا۔ اَلنِّقْمَةُ ۔ جرم کی سزا دینا**۔ اسی کو مکافات عمل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ذُوانْتِقَامٍ (۳/۴) کہا گیا ہے۔ یعنی وہ جس کے قانون کے مطابق اعمال اپنے نتائج برآمد کرتے ہیں اور مجرموں کو سزا ملتی ہے۔ ہمارے ہاں انتقام کا لفظ اس سے مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے جب یہ لفظ اللہ کے لئے بولا جائے تو اس کا وہ مفہوم نہیں لینا چاہئے جو ہم اپنے ہاں لیتے ہیں۔ اس کا مفہوم مکافات عمل ہے۔ سورہ اعراف میں قوم فرعون کے متعلق ہے فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ (۷/۱۳۶)۔ ہم نے انہیں ان کی غلط روش زندگی کا بدلہ دیا۔ اسی طرح سورہ سجدہ میں ہے۔ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ (۳۲/۲۲)۔ ہم مجرمین کو ان کے اعمال کا بدلہ

*تاج۔ **تاج و راغب۔

دیتے ہیں ۔ نَقَمَ کے معنی ہیں کسی بات کو ناپسند کرنا ۔ برا سمجھنا ۔ اعتراض کرنا (۵/۵۹) ۔ سورہ بروج میں ہے وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ . . . . (۸۵/۸) ۔ اور یہ (کفار) ان (مومنین) کو اس وجہ سے ناپسند کرتے ہیں کہ یہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ، یعنی وہ ان کے ایمان لے آنے کو معیوب سمجھتے ہیں ۔

ن ک ب

نَكَبَ عَنْهُ يَنْكُبُ و نَكِبَ يَنْكَبُ ۔ ہٹ جانا ۔ صحیح رخ پر نہ رہنا ۔ طَرِيْقٌ يَنْكُوْبٌ ۔ منزل مقصود سے ہٹا ہوا راستہ ۔ اَلنِّكْبَاءُ ۔ ہر وہ ہوا جو اپنے صحیح رخ سے ہٹ کر چلے* ۔ (نیز ابن فارس) ۔ قرآن کریم میں ہے عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُوْنَ (۲۳/۷۴) ۔ وہ صحیح راستے سے ہٹے ہوئے ہیں ۔ اعراض برتتے ہیں ۔ اَلْمَنْكِبُ ۔ ہر چیز کا کنارہ نیز کندھا (کاندھا) ۔ مَنَاكِبُ الْاَرْضِ ۔ زمین کے اطراف و جوانب* ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا (۶۷/۱۵) ۔ اس کے اطراف و جوانب میں چلو پھرو ۔ بعض نے اس کے معنی پہاڑوں کے بھی کئے ہیں ۔ کیونکہ اَلْاَنْكَبُ اُس شخص کو کہتے ہیں جس کا ایک کندھا دوسرے سے اونچا ہو** ۔

ن ک ث

اَلنِّكْثُ ۔ پرانے کمبل یا دیگر اونی کپڑے وغیرہ جن کی بنائی کو کھول دیا جائے تاکہ انہیں دوبارہ بنا جاسکے ۔ نَكَثَ الْعَهْدَ ۔ عہد کو توڑ دیا ۔ نَكَثَ الْحَبْلَ ۔ رسی کو کھول دیا ۔ اَلنِّكِيْثَةُ ۔ وعدہ خلافی ۔ نیز رسی کے لڑ یا بٹ کو کہتے ہیں*** ۔ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو توڑنے کے ہیں (ابن فارس) ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (۷/۱۳۵) ۔ وہ عہد توڑ دیتے ہیں ۔ اَنْكَاثًا (۱۶/۹۲) ۔ ادھیڑی ہوئی اون وغیرہ کے ٹکڑے ۔

ن ک ح

نِكَاحٌ کے معنی ملانے اور جمع کرنے کے ہیں** ۔ لیکن اس طرح ملانا جس طرح نیند آنکھوں میں گھل مل جاتی ہے ۔ چنانچہ کہتے ہیں نَكَحَ النُّعَاسُ ۔ نیند اس کی آنکھوں میں گھل گئی ۔ یا جس طرح بارش کے قطرے

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔

زمین کے اندر جذب ہو جاتے ہیں ۔ نَکَحَ الْمَطَرُ الْاَرْضَ ۔ بارش کا پانی زمین میں خوب جذب ہو گیا ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بارش کا پانی زمین کی بالائی خشک سطح سے نیچے گزر کر زمین کی نمی تک جا پہنچے** ۔

ان مثالوں کے بعد سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن کریم نے مرد و عورت کی عائلی زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس میں نِکَاحٌ سے مراد کیا ہے؟ اس سے مراد ہے میاں بیوی کا ایسا تعلق جیسا آنکھ اور نیند کا ہوتا ہے ۔ ایک دوسرے میں اس طرح جذب ہو جانا جس طرح آنکھوں میں نیند گھل جاتی ہے ۔ جس طرح بارش زمین میں جذب ہو جاتی ہے ۔ ایسا تعلق (اور وہ عمر بھر کے لئے) اسی صورت میں پیدا ہو سکتا (اور قائم رہ سکتا) ہے جب میاں بیوی میں فکر و نظر کی کامل آہنگی اور ذوق اور مزاج ، خیالات و تصورات اور نظریات و معتقدات کی یک جہتی ہو۔ یہ نکاح کی بنیادی شرط اور خصوصیت ہوگی ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''طاہرہ کے نام خطوط'') ۔

ظاہر ہے کہ ایسے تعلق کے لئے باہمی رضامندی اولین اور بنیادی شرط ہوگی ۔ چنانچہ قرآن کریم نے خود اس کی تصریح کر دی ہے کہ اس میں تراضیِ مابین ضروری ہے ۔ (۴/۲۹ و ۲/۲۳۲) ۔ اور رضامندی اسی وقت ہوسکتی ہے جب لڑکی اور لڑکا خود فیصلہ کرنے کے قابل (یعنی بالغ) ہو چکے ہوں ۔ چنانچہ قرآن کریم نے بلوغت کے لئے ترکیب ہی بَلَغُوا النِّکَاحَ (۴/۶) کی استعمال کی ہے ۔ دوسری جگہ اس کی تشریح یہ کہکر کر دی ہے ۔ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ (۶/۱۵۲ و ۱۷/۳۴) اور اَشُدَّہٗ کے معنی دوسری جگہ یہ کہکر بیان کر دیے کہ وہ بچپن اور بڑھاپے کے درمیان کی عمر ہے (۴۰/۶۷) ۔ لہذا نہ نابالغ کے نکاح کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی لڑکے یا لڑکی کی طرف سے کسی دوسرے کی رضامندی ، خود ان کی رضامندی تصور کی جا سکتی ہے ۔

راغب نے کہا ہے کہ نِکَاحٌ کا لفظ عَقْدٌ کے لئے آتا ہے ۔ جماع کے لئے اس کا استعمال بطور استعارہ ہوتا ہے* ۔ قرآن کریم نے عُقْدَۃُ النِّکَاحِ (۲/۲۳۵) بھی کہا ہے ۔ یعنی نکاح کی گرہ ۔

سورۃ نور میں لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا (۲۴/۳۳) آیا ہے ۔ جس کے معنے شادی کا انتظام ہیں ؛ یا نکاح کا سامان ۔ اس کے معنے رشتہ بھی ہوسکتے ہیں اور وہ اخراجات بھی جو ایک میاں بیوی کے لئے گھریلو زندگی میں ضروری ہوتے ہیں ۔ نیز بیوی کا مہر ۔ (باقی رہا نکاح کی تقریب پر خرچ اخراجات تو یہ محض

*محیط ۔ **تاج ۔

معاشرتی رسم ہے) ۔ قرآن کریم کی رو سے ، بالغ (صاحب عقل و ہوش) لڑکے اور لڑکی کا یہ معاہدہ کہ وہ ان تمام حقوق و فرائض کے ساتھ جو اس باب میں خدا نے عائد کئے ہیں ، ازدواجی زندگی بسر کرینگے، نکاح کہلائیگا ۔ اس کے لئے قرآن کریم نے نہ کوئی تقریب مقرر کی ہے نہ رسم ۔ رسوم و تقاریب معاشرتی چیزیں ہیں ۔ البتہ بعد کی پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اس معاہدہ کی شہادت بھی ہو اور اسے کہیں منضبط (درج) بھی کر لیا جائے ۔

ن ک د

نَکِدَ عَیْشُہٗ ۔ اس کی زندگی تنگ اور سخت ہوگئی ۔ نَکِدَتِ الْبِئْرُ ۔ کنویں کا پانی کم ہوگیا ۔ اَلنَّکَدُ ۔ وہ اونٹنیاں جن کے بچے زندہ نہ رہیں* ۔ یا جن کا دودھ بہ مشقت دوھا جاسکے** ۔ اس کے بنیادی معنوں میں کمی اور مشقت دونوں ہیں ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے کسی چیز کا اس کے طالب کے لئے بدقت نکلنا بتائے ہیں۔ نیز نَاقَۃٌ نَکْدَاءُ کے معنے وہ اونٹنی ہیں جس کے دودھ نہ ہو ۔ اَرَضُوْنَ نَکَدٌ ۔ بہت کم پیداوار والی زمینیں* ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَ الَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا (۷/۵۸) ۔ خراب زمین سے بہت تھوڑی پیداوار ہوتی ہے ۔ یعنی جس پر محنت زیادہ کرنی پڑے اور حاصل کم ہو** ۔

ن ک ر

اَلنُّکْرُ ۔ اَلنُّکْرُ ۔ بہت زیادہ چالاکی ۔ عقل کی فریب کاری ۔ رَجُلٌ نَکِیْرٌ ۔ بہت چالاک اور طرار آدمی ۔ اَلْمُنْکَرَۃُ ۔ ایک دوسرے کو فریب دینا* ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ۔ (۲۹/۴۵) ۔ یقیناً صلوٰۃ فحشاء اور منکر سے روکتی ہے ۔ اس کے عام معنی ہوں گے ہر وہ بات جو حد سے تجاوز کر جائے اور ناپسندیدہ حرکت ۔ لیکن فَحْشَآءٌ کے معنی بخل بھی ہیں (دیکھئے عنوان ف ۔ ح ۔ ش) ۔ اور مُنْکَرٌ کے معنی ہیں عقل خود بین کی فریب کاریاں جن سے وہ انسان کو ہمیشہ یہ سکھاتی رہتی ہے کہ تجھے صرف اپنے مفاد کی حفاظت کرنی چاہئے ۔ دوسرے اپنی فکر آپ کریں ۔ ان معانی کی وضاحت (۲۲-۲۵) سے ہو جاتی ہے جہاں کہا گیا ہے کہ انسان کو اگر تنہا (اس کی عقل اور مرضی پر) چھوڑ دیا جائے تو اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے

*تاج ۔ **راغب ۔

تو واویلا مچا دیتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو اپنا ہاتھ روک لیتا ہے ۔ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۷۰ : ۲۲-۲۵) ۔ ''لیکن مصلین کی یہ کیفیت نہیں ہوتی ۔ یعنی ان لوگوں کی جو نظام صلوٰۃ کے ہمیشہ پابند رہتے ہیں اور ان کے اموال میں ضرورت مندوں اور محروموں کا حق ہوتا ہے جس کا سب کو علم ہوتا ہے'' ۔

نَكَرَ الْاَمْرُ ۔ معاملہ دشوار ہوگیا۔ اَلنَّكْرَاءُ ۔ مصیبت اور سختی۔ نَكْرَاءُ الدَّهْرِ ۔ زمانہ کی سختی اور مصیبت* ۔ سورۃ کہف میں عَذَابًا نُّكْرًا آیا ہے (۱۸ : ۷۴) ۔ یعنی سخت عذاب جسے پہلے انہوں نے نہ دیکھا ہوگا ۔ اسی طرح سورۃ قمر میں شَيْءٍ نُّكُرٍ آیا ہے (۵۴ : ۶) ۔ سخت مصیبت انگیز بات ۔

نُكْرٌ* ۔ ایسی بات جو خوش آیند نہ ہو ۔ جسے دل قبول نہ کرے ۔ جو طبیعت پر ناگوار گزرے (ابن فارس) ۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ لفظ فَرَحٌ* (خوشی) کے مقابلہ میں آیا ہے (۴۲ : ۴۸) ۔ سورۃ کہف میں ہے لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا (۱۸ : ۷۱) ۔ تو نے یہ بڑی ہی ناخوش آئند بات کی ہے ۔ اَنْكَرُ ۔ بہت زیادہ ناخوش آئند (۳۱ : ۱۹) ۔ اَلنَّكِيْرُ ۔ انکار* ۔ سورۃ شوریٰ میں ہے مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ (۴۲ : ۴۷) ۔ ''تم سے انکار نہیں ہوسکے گا'' ۔ نیز حق بات سے انکار کرنے کی سزا (یعنی تباہی اور بربادی)۔ نَكِيْرٍ کے معنے یہ بھی ہیں کہ جو کچھ برا لگے اسے بدل دیا جائے* ۔ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (۶۷ : ۱۸) ۔ سو میری سزا کیسی تھی؟ ان کی بد اعمالیوں پر میرا رد عمل کیسا ہوا؟

اَلنَّكِرَةُ ۔ کسی چیز کو نہ پہچاننا ۔ اَلْاِنْكَارُ ۔ در حقیقت عِرْفَانٌ کی ضد ہے ۔ یعنی نہ پہچاننا ۔ چنانچہ سورۃ یوسف میں ہے ۔ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (۱۲ : ۵۸) ۔ یوسف نے انہیں (بھائیوں کو) پہچان لیا لیکن وہ اسے نہیں پہچان رہے تھے ۔ سورۃ ہود میں ہے ۔ نَكِرَهُمْ (۱۱ : ۷۰) ۔ اس نے انہیں اجنبی سمجھا ۔ ان پر اظہار تعجب کیا ۔ اسی طرح سورۃ حجر میں قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ (۱۵ : ۶۲) کے بھی یہی معنی ہیں ۔ یعنی اجنبی لوگ ۔

نَكَّرَ ۔ کسی چیز کو اس طرح بدل دینا کہ وہ پہچانی نہ جاسکے** ۔ (۲۷ : ۴۱) ۔

*تاج ۔ **تاج و راغب ۔ نیز ابن قتیبہ ۔ القرطبین ج/۲ صفحہ ۵۸ ۔

قرآن کریم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اکثر مقامات میں آیا ہے ۔ (مثلاً ۳/۱۰۴) ۔ ان الفاظ (مَعْرُوْفٌ اور مُنْکَرٌ) کا صحیح مفہوم (ع ۔ ر ۔ ف) کے عنوان میں بتایا جاچکا ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ قرآنی معاشرہ اپنی زندگی کے معمولات کے لئے قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں آئین و قوانین اور قواعد و ضوابط مرتب کرتا ہے ۔ جو باتیں اسطرح سے قابل قبول ٹھہرائی جاتی ہیں انہیں معروف کہا جاتا ہے ۔ یعنی (Recognised by the Society) اور جن باتوں کو ناپسندیدہ یا ناقابل قبول قرار دیا جاتا ہے انہیں مُنْکَرٌ کہا جاتا ہے ۔ قرآن کریم کی ان ہر دو جامع اصطلاحات (مَعْرُوْفٌ اور مُنْکَرٌ) کے تحت ایک اسلامی معاشرہ کے تمام محمود و نامحمود ، معقول و نامعقول ، مقبول و نامقبول ، پسندیدہ اور غیرپسندیدہ امور آجاتے ہیں ۔ اور اس تقسیم و تفریق کا معیار ہوتا ہے قرآن کریم کا غیر متبدل ضابطہ ۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ مَعْرُوْفٌ وہ ہیں جنہیں انسان کی ''فطرت'' پہچان لے کہ وہ صحیح ہیں ۔ اور مُنْکَرٌ وہ ہیں جن سے اس کی ''فطرت'' ابا (یا نفرت) کرے ۔ تو یہ تصور غیر قرآنی ہے ۔ انسان کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جو حق اور باطل کا امتیاز از خود کرسکے ۔ اگر اس کے اندر کوئی ایسی چیز ہوتی (جیسے حیوانات میں جبلت ہوتی ہے) تو اس کے لئے وحی کی ضرورت ہی نہ تھی ۔ (دیکھئے عنوانات ف ۔ ط ۔ ر اور ل ۔ ہ ۔ م) مَعْرُوْفٌ وہ ہے جسے وحی قابل قبول قرار دے دے ۔ اور مُنْکَرٌ وہ ہے جسے وہ ناپسندیدہ ٹھہرا دے ۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ، ان میں مملکت کے قوانین و آئین سے لے کر معاشرہ کے عام قواعد و ضوابط اور رسوم و رواج سب آجاتے ہیں ۔ وحی نے (بجز چند احکام) ان باتوں کی فہرستیں مرتب کرکے نہیں دیں ۔ اس نے عام اصول دے دئے ہیں جن کے ماتحت قرآنی معاشرہ اس قسم کی فہرستیں خود مرتب کرتا ہے ۔

لہذا مَعْرُوْفٌ وہ جسے قرآنی معاشرہ (Recognise) کرے ۔ اور مُنْکَرٌ وہ جسے وہ (Recognise) نہ کرے ۔ چنانچہ وہ جو سورۃ ممتحنہ میں کہا گیا ہے کہ مَعْرُوْفٌ میں رسول کی معصیت (نافرمانی) نہیں کی جائیگی (۶۰/۱۲) تو اس کے معنے یہی ہیں کہ ہر اُس بات میں اطاعت کی جائیگی جسے قرآنی نظام قانونی حیثیت دے دے ۔ اور قرآنی نظام صرف انہی باتوں کو قانونی حیثیت دے سکتا ہے جو قرآنی اصول و قوانین و احکام کے مطابق ہوں ۔ جو بات قرآن کریم کے خلاف ہوگی وہ معروف نہیں بلکہ منکر ہوگی ۔ یہی معروف و منکر کا اٹل معیار ہے ۔

ن ک س

نَکَسَ یَنْکُسُ ۔ کسی چیز کو الٹ دینا ۔ اوندھا کر دینا ۔ اِنْتَکَسَ فُلَانٌ ۔ فلاں اپنے سر کے بل گر پڑا ۔ اَلْمُنْتَکِسُ ۔ وہ گھوڑا جو چلتے وقت کمزوری سے سر اور گردن جھکا کر چلے ۔ وہ گھوڑا جو دوڑ میں دوسرے گھوڑوں کے ساتھ چل نہ سکے ۔ اَلنَّاکِسُ ۔ وہ جسکا سر جھکا ہوا ہو* ۔

سورہ انبیاء میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے سربرآوردہ افراد کو دلائل و براہین سے سمجھا دیا کہ بت پرستی کس طرح وجہ تذلیل انسانیت ہے ۔ اور وہ ان دلائل سے اپنے دل میں قائل بھی ہو گئے ۔ لیکن پھر ان کی مفاد پرستیاں اور عزت نفس ان کے سامنے آ گئی اور وہ اپنی بات کی طرف لوٹ گئے ۔ اسے قرآن کریم نے ثُمَّ نُکِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِہِمْ (۲۱/۶۵) سے تعبیر کیا ہے ۔ یعنی وہ فکر و نظر کی ان بلندیوں تک پہنچ جانے کے بعد پھر اوندھے گر گئے ۔ پھر انہی پستیوں میں آ گرے جہاں وہ پہلے تھے ۔

سورہ السجدہ میں مجرمین کے متعلق ہے نَاکِسُوْا رُءُوْسِہِمْ (۳۲/۱۲) ذلت سے اپنے سر جھکائے ہوئے ۔ سورہ یٰسٓ میں ہے ۔ وَمَنْ نُّعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ (۳۶/۶۸) ۔ جو بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جاتا ہے وہ (قویٰ وغیرہ کے لحاظ سے جوانی کی) بلندیوں سے پھر پستیوں کی طرف آجاتا ہے ۔ جن باتوں کا پہلے علم ہوتا ہے انہیں بھی بھول جاتا ہے (۱۶/۷۰ ؛ ۲۲/۵) ۔ یہ بڑھاپے کی وجہ سے قویٰ کے مضمحل ہو جانے کا عام بیان ہے ۔

ن ک ص

نَکَصَ عَنِ الْاَمْرِ ۔ کسی کام سے ہچکچانا ۔ اور پیچھے ہٹ جانا ۔ نَکَصَ عَلٰی عَقِبَیْہِ ۔ لوٹ گیا ۔ پلٹ گیا ۔ کہا گیا ہے کہ یہ لفظ خیر اور بھلائی سے پلٹ جانے کے لئے خاص ہے لیکن عام طور پر یہ لفظ لوٹ جانے کے معنوں میں آتا ہے** ۔ نَکَصَ عَلٰی عَقِبَیْہِ ۔ (۲۳/۶۶) ۔ اُلٹے پاؤں پھر جانے کے معنوں میں آیا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس میں ڈر اور بزدلی کی وجہ سے پیچھے ہٹنے کا مفہوم ہے اور ابن درید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کا استعمال بھلائی سے پلٹ جانے کے لئے ہوتا ہے ۔

ن ک ف

نَکَفَ کے بنیادی معنی کسی چیز کو الگ کر دینے ، کاٹ دینے اور ایکطرف کر دینے کے ہوتے ہیں*** ۔ ابن فارس نے بھی اسکی تائید کی ہے ۔

---

* تاج و راغب و محیط ۔ **تاج و محیط ۔ ***راغب ۔

نَکَفَتِ الدَّمْعَ - انگلی سے آنسوؤں کا رخسار پر سے الگ کر دینا (پونچھ دینا) * - اسی سے اِسْتَنْکَفَ کے معنی ہیں رک جانا - کسی کام سے عار آنا - اسے برا محسوس کرنا اور خود کو اس سے بالاتر سمجھنا ** - رَجُلٌ نَیْکَفٌ وہ آدمی جس سے نفرت کی جائے** -

قرآن کریم میں ہے لَنْ یَسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ (۴/۱۷۲) - مسیح (کہ جسے ، تم اے نصاریٰ ، خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہو) اسے اس سے قطعاً عار و انقباض نہیں کہ وہ خدا کا عبد ہو - لہذا یہ مدعی سست اور گواہ چست کا عجیب معاملہ ہے کہ وہ تو خدا کا عبد بننے میں فخر محسوس کرے اور تم اسے خدا بنا لو -

ن ک ل

اَلنِّکْلُ - مضبوط بھاری سخت بیڑی (جمع اَنْکَالٌ) - ایک سخت قسم کی لگام یا لگام کا لوہا - اس سے نَکَّلَہٗ کے معنی ہیں کسی کو اس روش سے روک دینا جس پر وہ چل رہا ہو - نَکَلَ عَنْہُ - اس سے الٹے پاؤں لوٹ جانا - نَکَّلَ بِہٖ کے معنی ہیں اسے جرم کی عبرت انگیز سزا دی ، کیونکہ سزا سے خود مجرم آئندہ کے لئے اس جرم کے ارتکاب سے رک جاتا ہے اور دوسرے بھی اسی سے عبرت پکڑتے ہیں*** -

قرآن کریم میں مخالفین قریش کے متعلق ہے - اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا (۷۳/۱۲) - ہمارے پاس ان کے لئے سخت بیڑیاں ہیں - ظاہر ہے کہ یہ بیڑیاں وہ ہیں جو جنگ بدر و حنین وغیرہ میں انہیں پہنائی گئیں - یا وہ تمام تدبیریں جن سے یہ لوگ اس مخالفت سے روکے گئے[1] - سورہ النّٰزعٰت میں ہے - فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَکَالَ الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی (۷۹/۲۵) - خدا نے سزا دے کر فرعون کو ''آخرۃ و اولی'' کے لئے عبرت بنا دیا - (یہاں اخذ کے وہی معنی ہونگے جو اتَّخَذَ کے ہیں) -

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے نَکَالٌ میں ہر وہ تدبیر شامل ہوگی جس سے کسی کو اسکی غلط روش سے روک دیا جائے اور عبرتناک سزا دی جائے - چنانچہ سورہ بقرہ میں ہے کہ یہودیوں میں سے جن لوگوں نے احکام سبت کی خلاف ورزی کی تھی انہیں ایسی ذلت آمیز سزا دی گئی کہ وہ دوسروں کے لئے نَکَالًا بن گئی (۲/۶۶) - یعنی موجب عبرت - اسی طرح چوری (سرقہ) کی سزا کے متعلق ہے نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ (۵/۳۸) - یہ خدا کی تجویز کردہ ایسی سزا ہے جس سے وہ مجرم آئندہ ارتکاب جرم سے رک جائے - یہ اس قسم کے جرائم کے لئے روک کا کام دیگی - یعنی مقصد اس جرم کی روک تھام ، انسداد ہے ،

---

*راغب - **تاج - ***تاج و ابن فارس -

[1] (سلسلہ پڑھئے) یہ بیڑیاں ہر اس دشمن کو پہنائی جائینگی جو حق کی مخالفت کریگا - آخرت میں یہ بیڑیاں اس کے ارتقاء کے راستے میں حائل ہونگی - اسی کو جہنم کہا جاتا ہے -

جس طریق سے بھی یہ مقصود حاصل ہو جائے ۔ ارتکاب جرم کے بعد عبرتناک سزا بھی انسداد جرم کا ایک طریق ہوتا ہے ۔ اور مناسب حالات میں (احساس ندامت رکھنے والے) مجرم کو معاف کرکے اسکی اصلاح کر دینا بھی ایک طریقہ ۔ (۳۸-۳۹/۵) میں یہ دونوں باتیں آگئی ہیں ۔

ن م ر ق

اَلنُّمْرُقُ ۔ اَلنُّمْرُقَةُ ۔ گدّہ ۔ تکیہ ۔ وہ نمدہ وغیرہ جسے سوار کجاوہ کے نیچے اونٹنی کے پشت پر بچھاتا ہے*۔ قرآن کریم میں نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ (۸۸/۱۵) آیا ہے یعنی صف میں بچھے ہوئے گدّے یا تکیے ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ میں قاف زیادہ ہے ۔ اسکی اصل نَمِيرَةٌ ہے جس کے معنی دھاری دار کمبل کے ہیں ۔ (غالباً وہ گدہ اس قسم کے کمبلوں کا بنتا ہوگا) ۔

ن م ل

اَلنَّمْلُ ۔ نَمْلَةٌ کی جمع ہے ۔ چیونٹیاں** ۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں ہے حَتّٰى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۔ قَالَتْ نَمْلَةٌ يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ (۲۷/۱۸) ۔ صاحب تاج کے نزدیک وادی النمل ، جبرین اور عسقلان کے درمیان ہے* ۔ بعض کا قول ہے کہ وہ ارض شام میں ہے ۔ لیکن اگر یہ وادی اُس راہ گزر پر واقع تھی جو ملکہ سبا کے ملک کی طرف جاتی تھی تو اس کا محل وقوع یمن کے نواح میں ہوگا ۔ بہرحال وادی نمل چیونٹیوں کی جگہ نہیں ، بلکہ ایک قبیلہ کے مسکن کا نام ہے ۔ اور اَلنَّمْلُ اُس قبیلہ کا نام ۔ نَمْلَةٌ ۔ اس قبیلہ کی ایک عورت ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں عام طور پر عورتیں قبائل کی رئیس ہوتی تھیں ۔ جیسا کہ ملکہ سبا کے واقعہ سے ظاہر ہے ۔ یعنی ان قبائل کا تمدن (Matriarchal) تھا ۔

اَنَامِلُ (اَنْمُلَةٌ کی جمع ہے) ۔ انگلیوں کے بالائی سرے ۔ (۳/۱۱۸) ۔

ن م م

اَلنَّمُّ ۔ بھڑکانا اور برانگیختہ کرنا ۔ فساد پیدا کرنے کے لئے بات کو پھیلانا ۔ بات میں جھوٹ ملا کر اسے مزین بنانا ۔ اَلنَّمِيْمَةُ ۔ چغلی ۔ آہستہ بات کی آواز ۔ لکھنے کی آواز یا ترکش کی آواز کو بھی کہتے ہیں ۔ اَلنَّمِيْمَةُ ۔

*تاج ۔ **تاج و قاموس ۔ دیکھئے مادہ ''و د ی''

حس و حرکت ۔ حیات نفس*۔ اَلنَّوَّامُ ۔ جو شخص اپنے پیٹ میں بات نہ رکھ سکے**۔ ادھر ادھر باتیں کرتا رہے ۔ چغلخور۔

قرآن کریم میں ہے ۔ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ (۶۸/۱۱) ۔ چغل خور ۔ ادھر کی باتیں اُدھر بہت زیادہ پہنچانے والا ۔ (یہاں نَمِيمٌ بمعنی نَمِيمَةٌ ہے) ۔ لوگوں میں فساد پیدا کرنے کے لئے بہت زیادہ جھوٹی باتیں، اور باتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش ، کرنے والا ۔

ن و ء

نَاءَ ۔ يَنُوْءُ ۔ نَوْءً ۔ دشواری اور مشقت سے اٹھنا ۔ نَاءَ بِالْحِمْلِ ۔ وہ بوجھ کو لیکر گراں باری سے اٹھا ۔ نَاءَ بِهِ الْحِمْلُ ۔ بوجھ نے اسے گرانبار کر دیا اور جھکا دیا***۔ قرآن کریم میں قارون کے خزانے کے متعلق ہے ۔ لَتَنُوْءُ بِالْعُصْبَةِ (۲۸/۷۶) ۔ انہیں ایک مضبوط طاقتور جماعت بھی بمشکل اٹھا سکتی تھی ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ نَاءَ کے معنی ہیں وہ بوجھل چیز کو لیکر اٹھا ۔

ن و ب

اَلنَّوْبُ ۔ کسی چیز کا بار بار لوٹنا ۔ شہد کی مکھیوں کو اسی لئے نَوْبٌ کہتے ہیں کہ وہ بار بار اپنے چھتے کی طرف آتی ہیں ۔ حادثہ یا واقعہ کو نَائِبَةٌ ۔ (جمع نَوَائِبُ) کہتے ہیں کہ یہ چیز انسانی زندگی میں بار بار پیش آتی رہتی ہے ۔ نَوْبَةٌ ۔ نیز (نَوْبَةٌ) باری کو کہتے ہیں ۔ (دراصل پانی پلانے کی باری کو کہتے ہیں) ۔ اَلْمَنْتَابُ ۔ پانی کی طرف جانے کا راستہ کیونکہ لوگ اس پر باری باری سے گذرتے ہیں ۔ اَلنِّيَابَةُ ۔ قائم مقامی کرنا ۔ باری ۔ نَابَ زَيْدٌ عَنْهُ وَكِيْلًا ۔ زید نے اپنی جگہ وکیل کو قائم مقام کر دیا****۔

اَنَابَتْ اِلَى اللّٰهِ ۔ قرآن کریم کی ایک خاص اصطلاح ہے ۔ اَنِيْبُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ (۳۹/۵۴) ۔ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ (۳۰/۳۱) ۔ وغیرہ ۔ اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے شہد کی مکھی (نَوْبٌ) کی مثال سامنے لائیے ۔ وہ فضا کی پہنائیوں میں سینکڑوں میل اِدھر اُدھر نکل جاتی ہے ۔ مختلف وادیوں میں پھرتی اور مختلف باغات میں گھومتی ہے ۔ لیکن اپنی محنت کے ماحصل کو لیکر ہر بار اپنے چھتہ (مرکز) کے طرف لوٹتی ہے ۔ وہ کہیں ہو اسکا چھتہ

*تاج و راغب ۔ **ابن فارس ۔ ***تاج و محیط ۔ ****تاج و راغب و محیط ۔

اسکی نگاہوں کا مرکز اور اس کی گردش کا محور ہوتا ہے۔ وہ اسکی نظروں سے ایک ثانیہ کے لئے بھی اوجھل نہیں ہوتا۔ وہ اسکی تمام توجہات کا قبلہ ہوتا ہے۔ یہی کیفیت، سفر زندگی میں ایک مرد مومن کی ہوتی ہے۔ وہ زندگی کے کسی شعبے اور دنیا کے کسی گوشے میں ہو، اسکی توجہات کا مرکز اور گردشوں کا محور خدا کا قانون (اور اسے نافذ کرنے والا نظام) ہوتا ہے۔ وہ ہر فیصلہ کے لئے اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنی متاع حیات اور حاصل تگ و تاز کو لیکر اس کی طرف لوٹتا ہے۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (۲/۱۵۴)۔ ''اور جہاں کہیں تم ہو اپنی توجہات کو اسی طرف مرکوز رکھو''۔ مومن کی تو کیفیت یہ ہوتی ہے کہ

ہرد در وسعت گردوں یگانہ نگاہ او بشاخ آشیانہ

بعینہ یہی کیفیت شہد کی مکھی کی ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (۱۶/۶۹)۔ ''تو تمام پھلوں (پھولوں) کا رس چوس، اور اپنے رب کے راستے پر فرمانبرداری سے چلی جا''۔ ایک مومن دنیا بھر کے علوم و فنون کا اکتساب کرتا ہے لیکن ان کے ماحصل کا مرکز قرآن کریم کو بناتا ہے۔ قرآنی نظام اسے پھر تمام نوع انسانی کی منفعت کے لئے استعمال میں لاتا ہے۔

یہ ہے اِنَابَت اِلَی اللہ کا صحیح مفہوم۔ زندگی کے ہر دوراہے پر فیصلہ کے لئے اسی کی طرف رجوع کرنا۔ وہیں سے راہ نمائی لینا۔ اور اپنی محنتوں کے ماحصل کو لیکر اسی کی طرف لوٹنا۔

صاحب لطائف اللغۃ نے لکھا ہے کہ توبہ، لغزش کے بعد ندامت کے لئے آتا ہے اور انابت، مستقبل میں لغزشوں سے محفوظ رہنے کے لئے۔ یعنی توبہ میں انسان، غلط قدم اٹھ جانے کے بعد، واپس آکر صحیح راستے پر گامزن ہوتا ہے اور انابت میں قدم اٹھانے سے پہلے ہی سوچ لیتا ہے کہ صحیح راستہ کونسا ہے اور پھر اسی راستے پر چلتا ہے۔ یہ حفظ ما تقدم (Preventive) ہے، وہ تدبیر بعد مرض (Curative)۔

ن و ح

نَاحَ۔ وہ چیخ چیخ کر رویا۔ نَوْحٌ۔ وہ عورتیں جو نوحہ کرنے کے لئے جمع ہوں۔ نیز نوحہ کرنا۔ اَلنِّيَاحَةُ۔ نوحہ کرنا۔ اَلنَّوْحُ۔ ایک

دوسرے کے آمنے سامنے ہونا (جسطرح عورتیں نوحہ کرتے وقت ہوتی ہیں)*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں (یعنی ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونا)۔

نُوْحٌ۔ حضرت نوح ؑ (۵۹/۵)۔ یہ غیر عربی لفظ ہے۔ اگرچہ بعض نے کہا ہے کہ یہ ان کا لقب ہے کیونکہ وہ بہت روتے اور گڑگڑاتے رہتے تھے*۔ لیکن زیادہ صحیح یہی نظر آتا ہے کہ یہ غیر عربی لفظ ہے۔

قرآن کریم نے سلسلۂ نبوت کا آغاز بالعموم حضرت نوح ؑ کے تذکرہ سے کیا ہے۔ مثلاً سورہ نساء میں ہے اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۔۔۔۔ (۴/۱۶۳)۔ ”بیشک ہم نے تیری طرف وحی کی ہے جسطرح نوح کیطرف اور اس کے بعد دیگر انبیاء کیطرف وحی کی تھی“ ۔۔۔۔۔ (البتہ قرآن کریم میں ایک مقام پر حضرت نوح ؑ کے ساتھ آدم کا بھی نام آیا ہے۔ اس کے لئے دیکھئے عنوان (ا۔د۔م)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوع انسانی میں سلسلۂ رشد و ہدایت کی ابتداء قوم نوح سے ہوئی۔

انسانی آبادی کی ابتدا کس خطۂ زمین اور کونسی نسل سے ہوئی، یہ مسئلہ ایک مدت سے ارباب علم و تحقیق کے پیش نظر ہے۔ لیکن اب فیصلہ کا رخ اس طرف ہے کہ اسکی ابتدا عرب کے علاقہ سے ہوئی جہاں کی سامی نسل انسان کی تمدنی زندگی کی مؤسس تھی۔ اسی قوم میں دجلہ اور فرات کی وادیوں میں، آج سے قریب چھ سات ہزار سال قبل، حضرت نوح ؑ مبعوث ہوئے۔ یہ تحقیق صرف تاریخی ہے۔ قرآن کریم (ان معاملات میں) نہ زمان سے بحث کرتا ہے نہ مکان سے۔ وہ قوموں کی زندگی اور موت کے اصولوں کے متعلق گفتگو کرتا ہے۔ تاریخی جزئیات سے بحث نہیں کرتا۔

حضرت نوح ؑ اپنی قوم کے ایک فرد تھے۔ اسی لئے قرآن کریم انہیں ان کے مخاطبین کا بھائی کہکر پکارتا ہے۔ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ ۔ ۔ ۔ (۲۶/۱۰۶)۔ ”جب ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا“۔

اگرچہ قرآن کریم نے سلسلۂ نبوت کا آغاز حضرت نوح ؑ کے تذکرہ سے کیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے پہلے بھی اس قوم میں خدا کے رسول آچکے تھے۔ قرآن کریم میں ہے وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ ۔ ۔ ۔ (۲۵/۳۷)۔ ”قوم نوح نے جب رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کردیا“۔

*تاج و راغب۔

ایسا نظر آتا ہے کہ اس زمانے میں ذہن انسانی ہنوز اپنے عالمِ طفولیت میں تھا اور وہ لوگ تمدنی زندگی کی چھوٹی چھوٹی ضروریات بھی اپنی عقل سے پوری نہیں کر سکتے تھے ۔ چنانچہ حضرت نوح؈ کو وحی کے ذریعے بتایا گیا کہ وہ کشتی کسطرح بنائیں . . . وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا . . . . (۱۱/۳۷) ''ہم نے نوح کی طرف وحی کی کہ . . . . وہ ہماری زیر نگرانی ہماری وحی کے مطابق کشتی بنائے'' ۔

حضرت نوح؈ کا پیغام وہی تھا جو تعلیم ربّانی کا اصل الاصول ہے ۔ یعنی يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ . . . (۷/۵۹) ۔ ''اے میری قوم ۔ تم خدا کی محکومیت اختیار کرو ۔ اس کے سوا تمہارے لئے کوئی الٰہ نہیں'' ۔ قوم مختلف بتوں کی پرستش کرتی تھی (۷۱/۲۳) ۔ اگر دعوت حضرت نوح؈ کا مقصد صرف اتنا ہوتا کہ وہ لوگ بتوں کی پرستش چھوڑ کر ''خدا کی پرستش'' میں لگ جائیں تو (ظاہر ہے کہ) اس کی مخالفت ساری قوم کی طرف سے ہونی چاہئے تھی ۔ لیکن قرآن کریم بتاتا ہے کہ قوم کے نچلے طبقہ نے اس دعوت پر لبیک کہا (۲۶/۱۱۱) اور ارباب دولت و حشمت (سرداران قوم) کی طرف سے اسکی مخالفت ہوئی (۱۱/۲۷) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ دعوت ایسی تھی جس میں مترفین (آسودہ حال سرمایہ داروں) کا طبقہ اپنی ہلاکت دیکھتا تھا اور غریبوں کا طبقہ اپنے لئے زندگی کے آثار پاتا تھا ۔ یہ وہ طبقہ تھا جو اعلےٰ طبقہ کے نزدیک قابل نفرت شمار ہوتا تھا کیونکہ وہ انہیں اراذل (کمینے) کہتے تھے (۲۶/۱۱۱ ؛ ۱۱/۲۷) ۔

مترفین کے طبقہ نے اس دعوت کی سخت مخالفت کی ۔ حضرت نوح؈ کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں (۵۳/۹) ۔ اور یہ مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ حضرت نوح؈ نے محسوس کیا کہ وہ مغلوب ہوجائینگے (۵۴/۱۰) ۔ اس کے بعد طوفان آیا (۵۴/۱۱-۱۲) ۔ مخالفین غرق ہوگئے اور حضرت نوح؈ اور ان کے متبعین کشتی میں سوار ہوکر صحیح و سلامت خشکی پر اتر گئے ۔

اسی سلسلہ میں قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ ''غیر'' جو حضرت نوح؈ کی دعوت پر ایمان لائے تھے ان کا شمار ''اپنوں'' میں ہوگیا تھا اور خود حضرت نوح؈ کا بیٹا اور آپ کی بیوی (جو آپ پر ایمان نہیں لائے تھے) ان کے متعلق کہ دیا کہ وہ آپ کے اہل میں سے نہیں (۶۶/۱۰ ؛ ۱۱/۴۶) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ وحی نے پہلے دن سے اس حقیقت کا اعلان کر دیا تھا کہ ملت کی تشکیل آئیڈیالوجی کے اشتراک سے ہوتی ہے ۔ وطن اور خون کے رشتوں سے نہیں ہوتی ۔

حضرت نوح ؑ کے متعلق قرآن کریم میں ہے فَلَبِثَ فِيهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (۲۹/۱۴) ”وہ ان میں پچاس کم ایک ہزار برس رہا“۔ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت نوح ؑ کی عمر ساڑھے نوسو سال کی تھی۔ لیکن قدیم زمانے کی تاریخ میں ”بادشاہوں کی عمر“ سے مراد ہوتا تھا وہ زمانہ جس میں حکومت ان کے خاندان میں رہتی۔ اس اعتبار ہے ساڑھے نوسو برس کا زمانہ وہ مدت ہے جس میں شریعت حضرت نوح ؑ کا دور دورہ رہا۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ سَنَةٌ کے معنی سال کی چار فصلوں میں سے ایک فصل (چوتھائی سال) کے بھی ہیں لہذا ”اَلْفَ سَنَةٍ“ کے معنی ہوئے اڑھائی سو برس۔ اس میں سے پچاس سال نکال دینے سے باقی عمر دو سوسال رہ جاتی ہے جو مستبعد نہیں۔ [مزید تفصیل (س۔ن۔و) اور (ع۔و۔م) کے عنوانات میں دیکھئے]۔

ن و ر

اَلنُّوْرُ۔ روشنی، جس قسم کی بھی ہو۔ یا روشنی کی شعاع۔ زمخشری نے کہا ہے کہ ضِيَاءٌ میں نُوْرٌ سے زیادہ زور اور شدت ہوتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ضِيَاءٌ ذاتی روشنی کو کہتے ہیں اور نُوْرٌ اس روشنی کو جو ذاتی نہ ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں سورج کے لئے ضِيَاءٌ اور چاند کے لئے نُوْرٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے*۔ (نیز دیکھئے عنوان ض۔و۔ا)۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَ الْقَمَرَ نُوْرًا (۱۰/۵)۔ ”اللہ نے سورج کو درخشندہ اور چاند کو نورانی بنایا“۔ واضح رہے کہ ضیاء اور نور کا یہ فرق وہاں ہی ہوگا جہاں ان الفاظ کو ایک دوسرے کے مقابل لایا جائے گا۔ ورنہ نور کے معنے روشنی ہونگے۔ نُوْرٌ اسے کہتے ہیں جو خود واضح اور ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو روشن اور واضح کردے*۔ اللہ نے اپنی کتاب (قرآن کریم) کو نُوْرٌ کہا ہے سورۃ مائدہ میں ہے قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَ كِتَابٌ مُبِينٌ (۵/۱۵)۔ ”یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی یعنی واضح کتاب آگئی“۔ روشنی کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی دلیل آپ ہوتی ہے۔ یعنی وہ اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی اور روشنی کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس لئے قرآن کریم اپنی دلیل آپ ہے اور اس قدر روشن اور واضح ہے کہ اسے اپنی وضاحت کے لئے کسی خارجی روشنی کی ضرورت نہیں۔ روشنی کا

*تاج۔

دوسرا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر شے کے اصلی مقام کو متعین کر دیتی ہے اور اس کی کیفیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کر دیتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم، انسانی زندگی میں ہر شے کے متعلق بتا دیتا ہے کہ اس کا صحیح مقام کیا ہے اور قیمت کیا۔ اسی کا نام ہدایت یا راہنمائی ہے۔ یعنی غلط اور صحیح میں امتیاز کر دینا۔ لہذا جہاں اللہ نے قرآن کریم کو نور کہا ہے تو اس کے ساتھ ہی بتا دیا کہ اس نور (روشنی) سے مقصود کیا ہے۔ یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۵/۱۶)۔ ''اللہ اس روشنی کے ذریعے، ہر اس شخص کو جو اس کے قانون سے ہم آہنگ ہوتا ہے سلامتی اور تکمیلِ ذات کے راستوں کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے اور اس طرح انہیں (ہر قسم کی) تاریکیوں سے نکال کر (زندگی کی) روشنی کی طرف لے آتا ہے''** ۔ یعنی انہیں زندگی کی متوازن شاہراہ کی طرف راہ نمائی کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اسی مشعل ہدایت کو لے کر دنیا میں چلتے پھرتے ہیں۔ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ (۶/۱۲۲)۔

مَنَارَةٌ اور مَنَارٌ اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سے روشنی نکلے (اس کے بعد مجازاً اذان دینے کی جگہ کو بھی مَنَارَةٌ۔ کہنے لگے)* ۔ مَنَارٌ۔ ان حدود کو بھی کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کے لئے قائم کی جائیں* ۔ مُنِیْرٌ۔ خوش رنگ اور روشن چیز یا آدمی کو کہتے ہیں*۔ نیز روشن کرنے والا۔

اَلنَّارُ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نَارٌ اور نُوْرٌ دونوں لفظ ایک ہی اصل سے ہیں۔ (۲/۲۴)۔ نَارٌ کے معنے ہیں شعلے کی لپٹ جو نظر آجائے*۔ نیز اَلنَّارُ کے معنی علامت اور نشانی کے بھی آتے ہیں، اس لئے کہ عرب اپنے اونٹوں کو گرم لوہے سے داغ دے کر نشان لگایا کرتے تھے* ۔ صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ نَارٌ اور نُوْرٌ کے الفاظ بعض اوقات ایک ہی معنی میں استعمال ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے لئے اسکی دلیل کچھ وزنی نہیں۔ نُوْرٌ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ نَارٌ میں نفرت اور وحشت کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اسی لئے نَارَتِ الْمَرْاَةُ تَنُوْرُ کے معنی ہیں عورت کا متنفر اور متوحش ہونا۔ ہرن نیز، وحشی (غیر مانوس) جانوروں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بَقَرَةٌ نَوَارٌ۔ اُس گائے کو کہتے ہیں جو نر سے متنفر ہو۔ حتّٰی کہ مُنَاوَرَةٌ کے معنی آپس میں گالی گلوچ کے ہیں۔ نیز نَائِرَةٌ کے معنی

*تاج۔ **موت کی تاریکی اور زندگی کی روشنی کے لئے دیکھئے (۶/۱۲۲)۔

عداوت ، بغض اور فتنہ کے ہیں کیونکہ عداوت اور بغض بھی ایک اندرونی آگ ہے ۔ نَائِرَةُ الْحَرْبِ ۔ سے مراد جنگ کا شر اور ہیجان ہے* ۔ نَارُ الْحَرْبِ ۔ اُس آگ کو کہتے تھے جسے عرب پہاڑ کی چوٹی پر جلاتے تھے اور جس سے مراد اعلانِ جنگ ہوتا تھا*** ۔ نَارَ الْقَوْمُ کے معنے ہیں قوم نے شکست کھالی** ۔

اس سے عَذَابُ النَّارِ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنی انسانی اعمال کے وہ تباہ کن نتائج جن سے متاعِ حیات جل کر راکھ کا ڈھیر ہوجائے۔ (بمقابلہ جنت کے جس کے نیچے پانی کی نہریں ہیں ۔ پانی اور آگ کا تقابل مفہوم کو واضح کردیتا ہے ۔ دیکھئے عنوان ن ۔ ہ ۔ ر)۔ اس میں اس دنیا کی زندگی کی تباہی و بربادی بھی شامل ہے اور اس کے بعد کی زندگی کی ہلاکت سامانی بھی۔ أَصْحَابُ النَّارِ وہ ہیں جو خوف و حزن کے عذاب میں مبتلا ہوں (۲/۳۹ ۔ ۳۸)۔ یہ آگ دلوں کو محیط ہوتی ہے ۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ (۱۰۴/۶) ۔ ''قانون خداوندی کی بھڑکائی ہوئی آگ جس کے شعلے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہیں'' ۔ (مزید تفصیل جَهَنَّمُ اور ج ۔ ح ۔ م کے عنوانات میں ملیگی) ۔

قرآن کریم نے کہا ہے کہ ابلیس کی تخلیق نَارٌ سے ہوئی ہے (۳۸/۷۶)۔ اس لئے جہاں نَارٌ سے بچنے کی تاکید ہے تو اس کے معنی ابلیسی روش سے بچنا ہے ۔ ابلیس تخریبی قوت کا مظہر ہے ۔ اسی لئے عَذَابُ النَّارِ تخریبی اعمال کے تباہ کن نتائج کا نام ہے جس سے انسان کی تمدنی اور معاشرتی زندگی کا نقشہ بھی بگڑ جاتا ہے اور خود اس کی اپنی ذات کی صلاحیتیں بھی جھلس جاتی ہیں ۔ اس طرح اس کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جاتی ہیں ۔

سورۃ حجر میں ہے ۔ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ (۱۵/۲۷) ۔ جَانٌّ سے مراد وہ تمام چیزیں یا قوتیں ہیں جو انسان کی نگاہ سے پوشیدہ (Invisible) ہیں ۔ اس آیت میں نَارِ سَمُومٌ (سخت تیز آگ) سے مراد وہ حرارت ہوسکتی ہے جو مادہ کی اُس حالت میں ہوتی ہے جب اس نے ہنوز کوئی متشکل صورت اختیار نہ کی ہو ۔ ایٹم وغیرہ کی حرارتیں اسی قبیل سے ہیں ۔ نیز جان سے مراد وہ مخلوق بھی ہوسکتی ہے جو انسان سے پہلے اس دنیا میں آباد تھی اور جو اب نابود (Extinct) ہوچکی ہے ۔ انسان اس مخلوق کا جانشین ہے (دیکھئے عنوان خ ۔ ل ۔ ف) ۔ چونکہ اس زمانے میں زمین کی

*تاج ۔ **محیط ۔ ***روح المعانی ۔

سطح نسبتاً زیادہ گرم تھی اس لئے اُس مخلوق میں حرارت برداشت کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوگی ۔ ہوسکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی یہ کہا گیا ہو کہ اسکی تخلیق نار سے تھی ، جس طرح انسان کی تخلیق کے متعلق کہا کہ اس کی ابتدا مٹی سے کی گئی ہے ۔

(ابلیس اور جان وغیرہ کے مفہوم کے لئے متعلقہ عنوانات ب ۔ ل ۔ س اور ج ۔ ن ۔ ن دیکھئے) ۔ سورۃ نور میں ہے اللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ . . . (۲۴/۳۵) ۔ اس سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اللہ نے اس مثال سے اپنی ذات کو سمجھایا ہے ۔ لیکن یہ صحیح نہیں ۔ ذاتِ خداوندی کے متعلق انسانی ذہن کچھ تصور نہیں کرسکتا ۔ یہاں خدا نے مَثَلُ نُوْرِہٖ کہا ہے ۔ یعنی اس کے نور کی مثال ایسی ہے (جیسی آگے بیان کی گئی ہے) ۔ نورِ خداوندی بڑا جامع لفظ ہے اور قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اسکا استعمال آیا ہے ۔ اسکی جامعیت کے اعتبار سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ کائنات میں جہاں کہیں بھی ''روشنی'' ہے اس کا سرچشمہ خدا ہے ۔ عقل کی روشنی ۔ علم کی روشنی ۔ وحی کی روشنی وغیرہ ۔ یہ سب خدا کی عطا کردہ ہیں ۔ اس ''روشنی'' میں خدا کی کتاب (قرآن کریم) بھی شامل ہے ۔ اس مثال میں قرآن ہی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے ۔ خود مثال کے مختلف حصے اور تشبیہات اس کی تائید کرتی ہیں ۔

ن و ش

اَلنَّوْشُ ۔ کسی چیز کو لے لینا ۔ تَنَاوَشَہٗ ۔ اس نے اسے لے لیا ۔ اَلنَّوْشُ ۔ طلب کرنا ۔ اَلنَّوْشُ ۔ قوی آدمی جسکی گرفت سخت ہو ۔ نَاشَ بِہٖ یَنُوْشُ ۔ وہ اس سے چمٹ گیا اور لٹک گیا * ۔ نَاشَ فُلَانًا ۔ اس نے فلاں کو پکڑا تاکہ اس کی ڈاڑھی اور سر کو کھینچے ** ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَاَنّٰی لَہُمُ التَّنَاوُشُ (۳۴/۵۲) ۔ اب وہ ایمان کو کیسے پا سکتے ہیں ۔ اب وہ ان کی دسترس سے بہت دور نکل گیا'' ۔

ن و ص

اَلنَّوْصُ ۔ پیچھے ہٹنا ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے آمد و رفت بتائے ہیں ۔ اَلنَّوْصُ ۔ بھاگنا ۔ نَاصَ یَنُوْصُ نَوْصًا ۔ متحرک ہونا اور کہیں چلے جانا ۔ بھاگ کر چھٹکارا حاصل کرلینا ۔ نَاصَ عَنْہُ ۔ وہ اسکے پاس سے ہٹ گیا ، کترا کر نکلا اور بھاگ گیا ۔ ایک طرف ہو گیا ۔ نَاصَ اِلٰی کَذَا ۔ اسنے اسکی طرف پناہ لی *** ۔

---

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و راغب ۔

قرآن کریم میں ہے وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۔ (۳۸/۳) پیچھے ہٹنے اور بھاگ کر کہیں پناہ لینے کا وقت نہیں رہا تھا** ۔ مَنَاصٌ کے معنیٰ بھاگنے کی جگہ بھی ہیں اور خود بھاگنا بھی ۔

ن و ق

اَلنَّاقَةُ ۔ اونٹنی ، جب وہ جوان ہو جائے (تقریباً چوتھے برس میں) ۔ اَلنَّمِيْقَةُ ۔ کھانے اور لباس کو بہت زیادہ عمدہ ، خوشگوار اور پسندیدہ بنانا ۔ نفاست ۔ پختگی ۔ عمدگی ۔ مہارت ۔ باریک بینی ۔ تَنَوَّقَ فِی الْاَمْرِ کے معنیٰ ہیں کسی کام میں انتہا کرنا ، نہایت باریک بینی سے کام لینا ۔ تاج نے ابن فارس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ نَاقَةٌ ہی سے بنایا گیا ہے کیونکہ عربوں کے ہاں اونٹنی نہایت پسندیدہ اور عمدہ شے مانی جاتی تھی ۔ جسطرح جَمَلٌ (اونٹ) سے جَمَالٌ (حسن اور خوبصورتی) اور اَجْمَلُ سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت ہے ، اسی طرح نَاقَةٌ سے تَنَوَّقَ اور الْمُنَوَّقُ ہے جس کے معنے ہیں صاف کیا ہوا کھجور کا خوشہ* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی بلند اور اونچا ہونے کے ہیں ۔ ممکن ہے اونٹنی کو اَلنَّاقَةُ اسکی بلندی کی وجہ سے کہتے ہوں ۔

قومِ ثمود کے ہاں پانی کی قلت تھی (دیکھئے ث ۔ م ۔ د) ۔ جتنا کچھ پانی جمع ہوتا ، قوم کے بڑے بڑے لوگ اسے اپنے مویشیوں کے لئے مخصوص کر لیتے اور غریبوں کے جانور پیاسے مرجاتے ۔ حضرت صالحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ جو چارہ اور پانی خدا نے تمام مخلوق کے فائدے کے لئے بلا قیمت دیا ہے ، اسے کسی خاص طبقہ کے لئے مخصوص کر لینا ظلم ہے ۔ تم اس روش سے باز آجاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے ۔ چنانچہ بہت سی حیل حجت کے بعد وہ لوگ اس پر آمادہ ہو گئے کہ پانی میں سب کی باری مقرر کر دی جائے ۔ اس کے لئے حضرت صالحؑ نے کہا کہ بہت اچھا ۔ یہ ایک اونٹنی ہے ۔ میں اسے چھوڑتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ تم اسے اسکی باری پر پانی پینے دیتے ہو یا نہیں ۔ اگر تم نے اسے پانی پینے دیا تو سمجھ لیا جائیگا کہ تم اپنے عہد پر قائم ہو اور اگر تم نے اسے روک دیا تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے یہ عہد محض زبان سے کر لیا ہے ، دل سے اسے نہیں مانتے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ، اور انہوں نے اس اونٹنی کو بے دردی سے قتل کر دیا ۔

اسے قرآن کریم میں نَاقَةُ اللّٰهِ (۹۱/۱۳) کہا گیا ہے ۔ خدا کی مخلوق میں سے وہ اونٹنی جو اس بات کی علامت تھی (لَكُمْ آيَةً) کہ وہ لوگ اپنے اس

*تاج و محیط ۔ **ابن فارس ۔

معاهدہ پر جو انہوں نے خدا سے کیا تھا کاربند رہتے ہیں یا نہیں - جسطرح کعبہ کو خدا نے بَیْتِیْ (میرا گھر) کہا ہے اسی طرح اس اونٹنی کو نَاقَۃُ اللہ کہکر پکارا گیا ہے -

ن و ل (ن ی ل)

اَلنَّیْلُ - اَلنَّائِلُ - عطیہ جو کچھ انسان کو مل جائے یا پہنچ جائے - نَالَ اس نے پا لیا - نَالَ مِنْ عَدُوِّہٖ مَطْلُوْبَہٗ - وہ اپنے دشمن کو جو گزند پہنچانا چاہتا تھا وہ اسنے پہنچا دیا * - اور یوں اپنا مقصد پورا کر لیا - اَنَلْتُہٗ اِیَّاہُ وَنِلْتُہٗ - میں نے اسے کوئی چیز حاصل کرائی، دیدی یا پہنچا دی - نَالَ الرَّحِیْلُ - روانگی قریب آگئی * - تَنْوِیْلٌ - عطا کرنا - اَلنَّوَالُ - عطاء ** -

اَلنِّیْلُ - مصر کا مشہور دریا - نیز عِظْلِیْمٌ کا درخت جس سے نیل (رنگ) بنایا جاتا ہے * - یہ ہندی لفظ نیل سے معرب ہے -

سورہ بقرہ میں ہے - لَا یَنَالُ عَہْدِیْ الظّٰلِمِیْنَ (۲/۱۲۴) - میرا عہد ظالمین کو نہیں پہنچے گا - یعنی جو لوگ میرے قوانین سے سرکشی اختیار کر جائینگے اور انسانی حقوق میں کمی کرینگے انکے لئے میرا یہ وعدہ نہیں کہ انہیں نوع انسانی کی امامت ملیگی - سورہ توبہ میں ہے - لَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَیْلًا (۹/۱۲۰) - نہ وہ دشمن کو کوئی نقصان پہنچاتے ہیں - سورہ اعراف میں ہے - لَا یَنَالُھُمُ اللّٰہُ بِرَحْمَۃٍ (۷/۴۹) - "اللہ ان پر رحمت نہیں کریگا" -

ن و م

اَلنَّوْمُ نیند (۲/۲۵۵) نیز (۷۸/۹) - مَنَامٌ - سونے کی جگہ یا وقت - یا نیند اور خواب (۳۷/۱۰۲ ; ۳۹/۴۲) - نیز اس کے معنی آنکھ کے بھی آتے ہیں اس لئے کہ نیند کی جگہ آنکھ بھی ہے *** - چنانچہ سورہ انفال میں جو ہے اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ (۸/۴۳) - تو اس کے معنی بعض مفسرین نے آنکھ ہی کے لئے ہیں *** - یعنی جب اللہ انہیں تیری نگاہوں میں (کم) دکھاتا تھا -

نَامَتِ الرِّیْحُ - ہوا سو گئی یعنی ساکن ہو گئی - نَامَتِ النَّارُ - آگ کی تپش اور تندی ماند پڑ گئی - نَامَ عَنْ حَاجَتِہٖ - وہ اپنی ضرورت سے غافل ہو گیا - اَلنَّوْمَۃُ - جسے در خور اعتناء نہ سمجھا جائے - اَلنَّوْمِیُّ -

*تاج و محیط و راغب - **ابن فارس - ***تاج -

جو شخص اپنی چیزوں کی طرف سے غفلت برتے ۔ نیز گمنام* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی جمود اور حرکت کے ٹھہر جانے کے ہیں ۔ اِسْتَنَامَ اِلٰی فُلَانٍ ۔ فلاں کیطرف پہنچکر اس نے اطمینان حاصل کرلیا ۔

ن و ن

نُوْنٌ ۔ اسے عبرانی اور سریانی زبان میں بھی نُوْنٌ ہی کہتے ہیں ۔ اس کے معنی بڑی مچھلی کے آتے ہیں۔ اس حرف (ن) کی قدیم شکل بہت کچھ مچھلی سے مشابہت رکھتی تھی**۔ قرآن کریم میں حضرت یونسؑ کو ذَا النُّوْنِ (۲۱/۸۷) بھی کہا گیا ہے ۔ اور صَاحِبِ الْحُوْتِ بھی (۶۸/۴۸) ۔ یعنی مچھلی والا ۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں انہیں یونس کے نام سے پکارا گیا ہے (۳۷/۱۳۹) ۔

تعریفات میں ہے کہ نُوْنٌ علم اجمالی کو کہتے ہیں جس سے مراد دوات ہے ، کیونکہ وہ حروف جو علم کی صورت اختیار کرتے ہیں اجمالی طور پر اس کی روشنائی میں موجود ہوتے ہیں ۔ یعنی معنی اس کے دوات ہیں اور مراد اس سے اجمالی علم ہے**۔ سورۃ القلم میں ہے نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ (۶۸/۱) ۔ ''دوات اور قلم اور جو کچھ لوگ ان سے لکھتے ہیں (یعنی علم) اس پر شاھد ہے کہ . . . . '' (ہوسکتا ہے کہ یہاں ن مقطعات میں سے ہو) ۔ تاج اور اقرب الموارد میں ہے کہ نُوْنٌ کے معنی تلوار کے پھل (یا دھار) کے بھی ہیں ۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو ن ۔ وَ الْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ کے معنی یہ ہونگے کہ سیف (تلوار) اور قلم یعنی جو کچھ اس سے لکھتے ہیں اس حقیقت پر شاھد ہیں کہ . . . (دین خداوندی کی بالآخر کامیابی ہوگی) ۔ تلوار سے مراد قوتِ نافذہ اور قلم سے مراد قانونِ خداوندی ہے ۔ ''قرآن کریم اور تلوار'' وہ محکم شہادات ہیں جن کی موجودگی میں اسلام کا کوئی دعویٰ بلا دلیل نہیں رہ سکتا ۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اقبال نے یہ کہکر توجہ دلائی ہے کہ

در کمر تیغِ دو رُو ، قرآن بدست — تن بدن ہوش و حواس اللہ مست
ایں دو قوت حافظ یک دیگراند — کائنات زندگی را محور اند

سورۃ حدید میں اسی ضمن میں کہا گیا ہے کہ اللہ نے رسولوں کو بھیجا ۔ ان کے ساتھ ضابطۂ قوانین نازل کیا ۔ اور فولاد (شمشیر) بھی ۔ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۵۷/۲۵) ۔ جس میں سخت قوت ہے اور نوع انسانی کے لئے فوائد کثیر ۔ واضح رہے کہ قرآن کریم اور شمشیر کے ساتھ ساتھ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کریم کو شمشیر کے زور سے منوایا جائے گا ۔ اس

*محیط ۔ **محیط و لسان العرب ۔

کے معنی یہ ہیں کہ ایک معاشرہ قائم کیا جائے گا جس میں قرآنی اصول و قوانین نافذ کئے جائیں گے ۔ اسی قوت نافذہ کو شمشیر سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ وہ قوت جو دنیا میں عدل قائم رکھنے کا موجب بنتی ہے اور جس سے مجرمین کو تباہ کاریوں سے روکا جاتا ہے ۔

ن و ی

نَوَی الشَّیْئَ یَنْوِیْہِ ۔ کسی چیز کا قصد اور دل میں عزم کرنا۔ پختہ ارادہ کرنا ، اوراس کی طرف دل سے متوجہ ہونا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں ۔ (۱) کسی چیز کا قصد اور (۲) کسی چیز کی گٹھلی ۔ اَلنِّیَّۃُ ۔ وہ سمت جس کی طرف سفر کیا جائے* ۔ دل سے کسی کام کا عزم کرنا ۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کے معنی ہیں دل کا جلبِ منفعت اور دفعِ ضرر کے لئے کسی مناسب کام کے لئے آمادہ ہونا** ۔ نَوَاکَ اللّٰہُ ۔ خدا سفرمیں تیرے ساتھ رہے اور تیری حفاظت کرے ۔ اَلنَّوِیُّ ۔ رفیق یا رفیقِ سفر* ۔ ہم نیت ۔ اَلنَّوَاۃُ ۔ گٹھلی ۔ اس کی جمع اَلنَّوًی ہے ۔ (۶/۹۵) ۔ نَوَاۃُ التَّمْرِ ۔ کھجور کی گٹھلی ۔

ن ہ ج

اَلنَّھْجُ ۔ اَلْمِنْھَاجُ ۔ واضح راستہ ۔ اَنْھَجَ الطَّرِیْقُ وَالْاَمْرُ ۔ راستہ اور معاملہ واضح ہوگیا ۔ نَھَجَ الْاَمْرُ کے بھی یہی معنی ہیں ۔ فُلَانٌ اِسْتَنْھَجَ طَرِیْقَ فُلَانٍ ۔ فلاں آدمی فلاں کے طریق پر چلا*** ۔

قرآن کریم میں ہے لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّ مِنْھَاجًا (۵/۴۸) ۔ ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک منہاج مقرر کیا،، ۔ (اس کے تفصیلی مفہوم کے لئے عنوان ش ۔ ر ۔ ع دیکھئے) ۔

ن ہ ر

نَھْرٌ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے کھلنے یا کھولنے کے ہیں ۔ اَنْھَرْتُ الدَّمَ ۔ میں نے خون کو کھول دیا اور بہا دیا ۔ نَھْرٌ کے معنے ہیں پانی بہنے کی جگہ ۔ بعض نے کہا ہے کہ نَھْرٌ در اصل پانی کو کہتے ہیں اور اس کے بہنے کی جگہ کو مجازاً نَھْرٌ کہہ دیتے ہیں ۔ اس کی جمع اَنْھَارٌ ہے ۔ اَلنَّھَرُ ۔ بمعنی نَھْرٌ ہے ۔ نیز اس کے معنی وسعت و فراخی اور روشنی بھی ہیں ۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں ہے

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و محیط و راغب ۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ (۵۴/۵۴) - تو اس میں نَهَرٌ کے معنی روشنی اور فراخی کے ہیں - اَلنَّهِيْرُ کے معنی ہیں کثیر اور وافر* - روشنی کی جہت سے اَلنَّهَارُ دن کے لئے بولا جاتا ہے - یعنی لَيْلٌ کی ضد - اَلنَّهْرَةُ کے معنے کسی چیز کو اچک کر لے جانا بھی ہیں - اسی لئے نَهَرَ الرَّجُلُ نَهْرًا کے معنی ہیں اس آدمی نے دن میں حملہ کیا* - غالباً اسی جہت سے نَهَرَ الرَّجُلَ کے معنی ہیں اس نے آدمی کو جھڑک دیا - اَلْمَنْهَرَةُ - مکانات کے سامنے کی کھلی جگہ جہاں کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا ہے* - یہاں سے وَ اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۹۳/۱۰) کے معنی واضح ہوجاتے ہیں - یعنی صاحبِ احتیاج کو ذلیل و حقیر نہ سمجھ - اور (۱۷/۲۳) میں والدین کے متعلق جو کہا ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (۱۷/۲۳) تو وہاں بھی لَا تَنْهَرْ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں - یعنی انہیں جھڑکو نہیں - ان کی تحقیر مت کرو - اور ان سے شرافت سے بات کرو -

قرآن کریم میں جنت کے متعلق بار بار آتا ہے تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (۲/۲۵) - ان باغات کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی - پہلی چیز تو یہ سمجھ لیجئے کہ ہمارے ہاں نہر کا ایک خاص مفہوم ہے لیکن عربی زبان میں نَهْرٌ اس پانی کو کہتے ہیں جو دو ساحلوں کے درمیان بہ رہا ہو - اس میں دریا ، ندی ، نہر سب ہی آجاتے ہیں ، جن سے کھیت یا باغات سیراب ہوتے ہیں** -

قرآن کریم کے ان مقامات میں جہاں جہاں جنت سے مراد دنیوی زندگی میں جنتی معاشرہ ہے ، اس کی انہار سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے گا - اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا (۱۳/۳۵) - اس کے پھل اور آسائشیں سدا بہار ہونگی - تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ (۱۴/۲۵) - وہ اپنے پھل ہمیشہ دیتا رہتا ہے -

اور جہاں جنت سے مراد اُخروی جنت ہے ، - تو اس کی تمام تفاصیل تمثیلی ہیں - (۱۳/۳۵ و ۲۳/۲۵) - لہذا وہاں بھی اَنْهَارٌ سے مراد اس قسم کی نہریں نہیں جو ہمارے ذہن میں ہیں -

اصل یہ ہے کہ قرآن کریم نے پانی کو زندگی کہا ہے (۲۱/۳۰) اور اس حقیقت سے ہر شخص واقف ہے - اس لئے جس معاشرہ میں آبِ رواں کی فراوانی ہو اس میں زندگی کی فراوانی ہوگی - ''باغات میں نہریں رواں ہوں'' سے مراد زندگی کی شادابیاں اور سرسبزیاں ہیں -

*تاج - **لین -

ن ہ ی

نَہَاہُ یَنْہَاہُ نَہْیاً۔ اَمَرَ کی ضد ہے۔ روکنا۔ منع کرنا۔ باز رکھنا۔ اِنْتَہٰی۔ رک جانا۔ باز آجانا۔ اَلنُّہْیَۃُ۔ کسی چیز کی انتہا اور آخری حد کو کہتے ہیں۔ اَلنِّہَایَۃُ کے بھی یہی معنی ہیں*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں۔ یعنی انتہا تک پہنچ جانا۔ انتہا تک پہنچکر ہر بات رک جاتی ہے۔ اس لئے اس کے معنی رک جانے کے آتے ہیں۔ اَلنُّہْیَۃُ۔ عقل کو کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان کو بعض امور سے روکتی ہے۔ اسکی جمع النُّہَیٰ ہے*۔ (خود عَقْلٌ کے معنی بھی روکنے کے ہیں۔ دیکھئے عنوان ع۔ ق۔ ل)۔ رَجُلٌ مُنْہَاۃٌ۔ وہ شخص جس کی رائے پر لوگ اعتماد کریں*۔

قرآن کریم میں ہے فَاِنِ انْتَہَوْا (۲/۱۹۲)۔ ”اگر وہ لوگ لڑائی سے رک جائیں“۔ یَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ بمقابلہ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (۳/۱۰۴) آیا ہے۔ یعنی معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا۔ یہ امت مسلمہ کا فریضہ ہے۔ (مَعْرُوْفٌ اور مُنْکَرٌ کے لئے دیکھئے عنوانات (ع۔ ر۔ ف) اور (ن۔ ک۔ ر)۔ اُولِی النُّہٰی (۲۰/۵۴)۔ صاحبان عقل و بصیرت۔ اِنْتَہٰی (۲/۲۷۵) رک جانا۔ اَلْمُنْتَہٰی۔ انتہائی کنارہ۔ آخری حد۔ (۵۳/۱۴)۔ (سِدْرَۃٌ کے لئے عنوان س۔ د۔ ر دیکھئے)

---

*تاج۔

و

وَ (حرف)

وَ ۔ (۱) "اور" (And) کے معنوں میں ۔ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ (۳۲/۴۷) ۔ ان کے چوپائے اور وہ خود . . .

(۲) مَعَ (ساتھ) کے معنوں میں ۔ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ (۱۰/۷۱) ۔ تم اپنے معاملہ کو اپنے شرکاء کے ساتھ مل کر بالکل پختہ کرو ۔

(۳) اَوْ (یا) کے معنوں میں ۔ بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (۳/۱۱۱) ۔ اللہ کے عہد کے ذریعہ یا لوگوں کے عہد کے ذریعے ۔

(۴) تاکہ ۔ کے معنوں میں ۔ يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ (۶/۲۷) اے کاش ہم واپس بھیجدئے جائے تاکہ ہم پھر تکذیب نہ کرئے ۔ (یہاں دراصل كَيْ یا لاَمِ تعلیل محذوف ہے) ۔

(۵) یعنی ۔ کے معنوں میں ۔ اسے واوِ تفسیری کہتے ہیں اور اس کا استعمال خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یعنی یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ واو عاطفہ (اور کے معنوں میں) ہے یا واو تفسیری (یعنی کے معنوں میں) ۔ مثلاً قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (۲۱/۶۹) ۔ اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ ۔ اے آگ ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ۔ اور یہ بھی کہ ۔ اے آگ ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی یعنی سلامتی والی (نقصان نہ پہنچانے والی ٹھنڈک) ہو جا ۔ لیکن مفہوم کے اعتبار سے یہاں واو کا ترجمہ یعنی زیادہ موزوں ہے ۔

(۶) قسم کے لئے ۔ وَ الْعَصْرِ (۱۰۳/۱) ۔ زمانہ کی قسم ۔ یا زمانہ اس پر شاھد ہے کہ ۔

(۷) کبھی یہ زائد بھی ہوتا ہے ۔ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ (۳۷/۱۰۳) ۔ سو جب وہ دونوں جھک گئے اور اس نے (بیٹے کو) کنپٹی کے بل لٹا دیا تو ہم نے آواز دی ۔ (یہاں ۔ وَ ۔ کے بغیر بھی معنے وہی رہتے ہیں) ۔

(۸) "حالانکہ" ۔ "دراں حالیکہ" ۔ کے معنوں میں (اسے واو حالیہ کہتے ہیں) ۔ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ (۲/۴۴) ۔ دراں حالیکہ تم کتاب کی پیروی (یا تلاوت) کرتے ہو۔ نیز وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲/۴۲) ۔ دراں حالیکہ تم (خوب) جانتے ہو۔

وأد

اَلْوَاْدُ وَالْوَئِيْدُ ۔ بلند اور سخت آواز ۔ اونٹ کی بڑبڑاہٹ ۔ وَاَدَ فُلَانًا ۔ اس نے فلاں آدمی کو گرانبار کر دیا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ چنانچہ بوجھ لیکر چلنے والے اونٹوں کی گراں رفتاری وَئِيْدٌ کہلاتی ہے ۔ یہیں سے وَاَدَ الْبِنْتَ يَئِدُ وَاْدًا کے معنی ہیں (لڑکی کو) زندہ زمین میں دفن کر دیا ۔ اور مٹی تلے دبا دیا ۔ مٹی کا بوجھ اس پر ڈال دیا ۔ عرب جاہلیت میں قبیلہ کندہ کے لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے* ۔ اس لڑکی کو جسے اس طرح زندہ دفن کر دیا جاتا اَلْمَوْءٗدَةُ وَالْوَئِيْدَةُ کہتے تھے* ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ۔ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (۸۱/۸۔۹) ۔ جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم کی سزا میں یوں مار دیا گیا تھا ۔ رسول اللہ ؐ عورتوں سے عہد لیا کرتے تھے کہ وہ اولاد کو قتل نہیں کریں گی ۔ (۶۰/۱۲) ۔ اس سے (غالباً) یہی لڑکیاں مراد ہیں، بجز اس کے کہ یہاں قَتْل سے مراد اولاد کو تعلیم و تربیت سے بے بہرہ رکھنا ہو ۔ (دیکھئے عنوان ق ۔ ت ۔ ل و ذ ۔ ب ۔ ح) ۔

اس سے مراد صرف عرب جاہلیت کے زمانہ کی لڑکیاں ہی نہیں بلکہ وہ تمام لڑکیاں ہیں جنہیں ہمارے معاشرہ میں "زندہ در گور" کر دیا جاتا ہے ۔ جو اپنی ساری عمر اس طرح بسر کردیتی ہیں کہ نہ مردہ ہیں نہ زندہ ۔ وہ گھروں میں نہیں ہوتیں ، قبروں میں دفن شدہ ہوتی ہیں جہاں سے ان کی نجات کی کوئی شکل نہیں ہوتی۔ جب تک ہمارے معاشرہ میں نکاح و طلاق وغیرہ کے قوانین قرآن کریم کے مطابق نہیں ہوتے ، بیچاری بے زبان لڑکیوں کی حالت ایسی ہی رہے گی ۔ اور ان کی نشو و نما کی صلاحیتیں دفن ہی رہینگی ۔

*تاج و محیط ۔

و أ ل

وَئَلَ اِلَیْہِ ۔ یَئِلُ وَاْلاً ۔ کسی کی طرف پناہ لی ۔ اس کی طرف تیزی سے گیا ، اس کی طرف پلٹا ۔ وَاَلَ مِنْہُ ۔ اس سے نجات چاہنا ۔ اَلْوَاْلُ وَالْمَوْئِلُ وَالْمَوْئِلَۃُ ۔ نجات اور پناہ کی جگہ ۔ جائے پناہ ۔ اَلْمَرْءُ اِلٰی اَھْلِہٖ ۔ آدمی کے گھر والے جن کی طرف وہ پناہ لیتا ہے* ۔ ابن فارس نے اس کے معنی مجتمع ہونے اور پناہ لینے کے لکھے ہیں ۔

سورۃ کہف میں مَوْئِلاً (۱۸/۵۸) پناہ اور بچاؤ کی جگہ کے معنوں میں آیا ہے ۔

و ب ر

اَلْوَبَرُ (جمع اَوْبَارٌ) ۔ اونٹ ، خرگوش اور لومڑی کے بال ۔ اَھْلُ الْوَبَرِ ۔ بادیہ نشین** ۔ قرآن کریم میں اَوْبَارٌ ۔ (۱۶/۸۰) آیا ہے ۔ (نیز دیکھئے عنوان ص ۔ و ۔ ف) ۔

و ب ق

وَبَقَ ۔ یَبِقُ ۔ وَبَقًا و وُبُوْقًا وَمَوْبِقًا ۔ ہلاک ہونا ۔ اَلْمَوْبِقُ ۔ ہلاکت گاہ ۔ مَوْبِقٌ روک اور آڑ کو بھی کہتے ہیں ، اور قید خانہ کو بھی ۔ اَوْبَقَہٗ اس نے اسے روک دیا ۔ قید کر دیا ۔ نیز ہلاک کر دیا*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْمَوْبِقُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو جائے ۔ اور وَبَقَ کے معنی ہیں ہلاک ہو جانا ۔ سورۃ کہف میں ہے ۔ وَجَعَلْنَا بَیْنَھُمْ مَوْبِقًا (۱۸/۵۲) ۔ اس کے دونوں معنی ہوسکتے ہیں ۔ یعنی ان کے درمیان آڑ یا روک بنا دی یا ان کے باہمی تعلقات کو ان کے لئے وجہ ہلاکت بنا دیا ۔ سورۃ شوریٰ میں ہے ۔ اَوْ یُوْبِقْھُنَّ (۴۲/۳۴) ۔ یا انہیں تباہ و برباد کر دے ۔ چنانچہ اَلْمُوْبِقَاتُ ہلاک کرنے والے گناہوں کو کہتے ہیں*** ۔

و ب ل

اَلْوَبْلُ ۔ اَلْوَابِلُ ۔ موسلا دھار بارش** ۔ (۲/۲۶۴) ۔ اَلْوَبِیْلُ ۔ شدید** ۔ اَخَذْنَاہُ اَخْذًا وَبِیْلًا (۷۳/۱۶) ۔ ضَرْبٌ وَبِیْلٌ ۔ سخت مار ۔ وَبِیْلٌ دراصل دھوبی کی اس موگری کو کہتے ہیں جس سے وہ کپڑوں کو کوٹتا ہے** ۔ اسی

*تاج و محیط و اقرب الموارد ۔ **تاج ۔ ***تاج و محیط و راغب ۔

سے اَلْوَبَالُ ۔ شدت ، سختی ، ناپسندیدہ ، فساد ، نیز بمعنی مصیبت اور ناموافق وناسازگار آتا ہے*۔ وَبَالَ اَمْرِہٖ (۵/۹۵) ۔ اپنے کام کا برا نتیجہ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنوں میں شدت (سختی) پائی جاتی ہے ۔ نیز اکٹھا ہونا ۔

و ت د

اَلْوَتَدُ ۔ کھونٹا اسکی جمع اَوْتَادٌ ہے ۔ وَتَدَ الْوَتِدَ یَتِدُہٗ ۔ وَتْدًا ۔ اس نے زمین یا دیوار میں میخ یا کھونٹی گاڑ دی ۔ اَلْمِیْتَدُ ۔ وہ ہتھوڑی جس سے میخ یا کھونٹی ٹھونکی جائے ۔ اَلْوَاتِدُ ۔ ثابت (محکم گڑی ہوئی) چیز ۔ وَتَّدَ فُلَانٌ رِجْلَہٗ فِی الْاَرْضِ ۔ فلاں نے زمین میں اپنا قدم جما لیا ۔ اسی سے اَوْتَادُ الْاَرْضِ پہاڑوں کو کہتے ہیں اور اَوْتَادٌ مِنَ الْبِلَادِ شہروں کے رؤساء اور امراء کو** ۔

قرآن کریم نے فرعون کو ذُوالْاَوْتَادِ (۳۸/۱۲) کہا ہے ۔ اس کے معنی ہیں بڑی محکم قوتوں کا مالک۔ جسکے کھونٹے دور دور تک گڑے ہوئے تھے ۔ اور پہاڑوں کو بھی اَوْتَاداً (۷۸/۷) کہا ہے کیونکہ وہ بھی کھونٹوں کیطرح زمین میں گڑے ہوئے ہیں ۔

(اہل تصوف کے ہاں جو ابدال اور اوتاد کی اصطلاحات ہیں وہ قرآنی نہیں) ۔

و ت ر

اَلْوَتْرُ ۔ اَلْوِتْرُ ۔ فرد ، یعنی اکیلی چیز ۔ (شَفْعٌ کے خلاف)** ۔ قرآن کریم میں وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۸۹/۳) آیا ہے ۔ عددِ طاق (Odd) ۔ برخلاف عددِ جفت ۔ وَتَرَہٗ مَالَہٗ وَحَقَّہٗ ۔ اس نے اس کا مال اور حق کم کر دیا ۔ قرآن کریم میں ہے وَلَنْ یَّتِرَکُمْ اَعْمَالَکُمْ (۴۷/۳۵) ۔ وہ تمہارے اعمال (کے ثمرات) کو کم نہیں کریگا ۔ وَتْرٌ کے معنی بدلہ لینا اور اس میں زیادتی کرنا بھی ہیں ۔ نیز جوڑے کو الگ الگ کر دینا** ۔ اَلْوِتْرُ ۔ قتل کے سبب سے عداوت اور دشمنی*** ۔

تَتْرَی (اصل میں وَتْرَی تھا ۔ واو ، تاء سے بدل گئی) چیزوں کا اسطرح پے درپے آنا کہ ان کے درمیان کچھ وقفہ ہو ۔ اگر وہ مسلسل طور پر آتی رہیں تو انہیں مُتَوَاتِرٌ نہیں کہینگے بلکہ مُتَتَابِعٌ یا مُتَدَارِکٌ یا مُتَوَاصِلٌ کہینگے ۔ جَاءَتِ الْخَیْلُ تَتْرَی کے معنی ہوئے ہیں

*تاج ۔ **تاج و راغب ۔ ***محیط ۔

گھوڑے یکے بعد دیگرے کچھ کچھ وقفہ کے بعد آئے ۔ مُوَاتَرَۃٌ الصّوم ۔ ایک دن روزہ رکھنا اور پھر ایک یا دو دن کا ناغہ کر دینا ۔ مُوَاتَرَۃٌ میں وقفہ لازمی ہے ۔ اگر وقفہ نہ ہو تو اسے مُدَارَکَۃٌ ومُوَاصَلَۃٌ کہینگے*** ۔ قرآن کریم میں ہے ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا (۲۳/۴۴) ۔ پھر ہم نے اپنے رسولوں کو وقفوں کے ساتھ متواتر بھیجا ۔ اَلْوَتِیْرَۃٌ ۔ کسی کام پر مداومت کرنا*** ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے جو مختلف الفاظ آتے ہیں ان میں عدم مشابہت کی بنا پر قیاس کام نہیں کرتا ۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ الگ الگ معنی رکھتے ہیں ۔

و ت ن

اَلْوَاتِنُ ۔ اپنی جگہ مقیم ، ثابت اور ہمیشہ رہنے والی چیز ۔ اَلْمَاءُ الْوَاتِنُ ۔ ہمیشہ بہنے والا پانی جو ختم نہ ہو ۔ اَلْوَتِیْنُ ۔ رگ جان ، جس کے کٹ جانے سے انسان مرجاتا ہے* ۔ قرآن کریم میں ہے ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ (۶۹/۴۶) ۔ پھر ہم اسکی رگِ جان کاٹ دیتے ۔

و ث ق

وِثَاقٌ ۔ یا وَثَاقٌ ۔ اس رسی ، بیڑی یا بندھن وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو کس کر باندھا جائے ۔ بعض نے کہا ہے کہ وَثَاقٌ باندھنے کو اور وِثَاقٌ رسّی کو کہتے ہیں ۔ اَوْثَقَہٗ ۔ اسے رسّی سے کس کر باندھ دیا* ۔ قرآن کریم میں ہے وَلَا یُوْثِقُ وَثَاقَہٗ اَحَدٌ (۸۹/۲۶ نیز ۷۶/۳) ۔ وَثُقَ الشَّیْءُ کے معنی ہیں وہ چیز محکم اور مضبوط ہو گئی* ۔ قرآن کریم میں العُرْوَۃُ الْوُثْقٰی کی تفسیر لَا انْفِصَامَ لَہَا نے کردی (۲/۲۵۶) ۔ یعنی جو ٹوٹ نہ سکے ۔ مِیْثَاقٌ اور مَوْثِقٌ کے معنی ہیں پکا وعدہ ۔ مستحکم عہد ۔ وَثِقَ بِہٖ کے معنی ہیں کسی پر اعتماد کرنا ۔ اسے امانت دار سمجھنا* ۔ اِسْتَوْثَقَ مِنْہُ ۔ اس سے قابل اعتماد عہد حاصل کرلیا* ۔ کَتَلَا مُوْثَقٌ ۔ اتنا وافر چارہ جس پر اعتماد کرلیا جائے کہ یہ سال بھر کے لئے کافی ہو جائیگا ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْمِیْثَاقُ اس عہد و پیمان کو کہتے ہیں جو قسموں کے ساتھ موکد ہو** ۔

---

*تاج ۔ **راغب ۔ ***تاج و راغب ۔

و ث ن

وَثَنَ بِالْمَكَانِ ۔ وہ کسی جگہ قیام پذیر ہو گیا ۔ اَلْوَاثِنُ ۔ مقیم اور جما ہوا ۔ جو حرکت نہ کرے۔ اسی سے وَثَنٌ بُتٌ کو کہتے ہیں جو حرکت نہیں کر سکتا *۔ (جمع اسکی اَوْثَانٌ ہے ۲۹/۱۷) ۔ تاج نیز صاحب کتاب الاشتقاق نے لکھا ہے کہ وَثَنٌ چھوٹے صنم (بت) کو کہتے ہیں ۔ اس بنیادی مفہوم کی رو سے ہر وہ تصور، یا نظام جس میں حرکت نہ رہے اور جامد ہو جائے وَثَنٌ ہے ۔ ذہنی جمود کہ جسے تقلید کہتے ہیں بدترین قسم کا وَثَنٌ ہے جسکی پرستش ہر مردہ قوم میں ہوتی رہتی ہے ۔

قرآن کریم تمام نوع انسان کے لئے مستقل ضابطہ حیات ہے جسے جب عملی شکل دی جائے تو ایک متحرک معاشرہ وجود میں آتا ہے ۔ ''متحرک'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ معاشرہ قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتا ہوا زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دیتا رہتا اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے ۔ یوں یہ نظام ایک ذی حیات تحریک (Dynamic Movement) کی شکل اختیار کر لیتا ہے ۔ اگر یہ کسی ایک مقام پر رک جائے ، اس میں جمود پیدا ہو جائے ، تو یہ ''وثنیت'' ہوگی۔ یہ وہ وثن (بت) ہے جس کی پرستش وہ قومیں کرتی ہیں جن پر ذہنی جمود اور عملی تعطل چھا چکا ہو۔ بدقسمتی سے ہم پتھر کے بتوں کو تو دیکھتے اور انہیں معیوب سمجھتے ہیں لیکن اپنے قلب و دماغ میں رکھے ہوئے بتوں پر کبھی نگاہ نہیں ڈالتے!

و ج ب

وَجَبَ الْبَعِيْرُ تَوْجِيْبًا ۔ اونٹ نے اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیا اور جم کر بیٹھ گیا * ۔ اَلْمُوَجَّبُ ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو فربہی کی وجہ سے اٹھ نہ سکے ۔ اس اعتبار سے وَجَبَ الْحَائِطُ کے معنی ہیں دیوار گر پڑی ۔ وَجَبَ الرَّجُلُ وُجُوْبًا ۔ آدمی مر گیا ۔ (یعنی ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا) ۔ اَلْوَجْبَةُ ۔ کسی چیز کا آواز کے ساتھ گرنا ۔ اَلْمَوْجِبُ موت کو کہتے ہیں * ۔ قرآن کریم میں ذبح کردہ اونٹوں کے متعلق ہے فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا (۲۲/۳۶) ۔ جب وہ اپنے پہلوؤں پر گر پڑیں، یعنی ٹھنڈے ہو جائیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ گر پڑنا اور واقع ہو جانا اس کے بنیادی معنوں میں سے ہے ۔ وَجَبَ الشَّيْءُ ۔ کسی چیز کا پختہ طور پر جمنا اور

*تاج و راغب ۔

لازم اور ضروری ہونا ۔ اَوْجَبَہٗ ۔ وَجَّبَہٗ ۔ اس نے اسے جمایا اور لازم کر دیا۔ اِسْتَوْجَبَہٗ ۔ وہ اسکا مستحق ہو گیا * ۔ نیز اس کے معنی ہیں ، اس نے اُسے واجب سمجھا * ۔ وَاجَبَ لِفُلَانٍ حَقَّہٗ ۔ اس نے اسکے حق کی رعایت کی ** ۔

و ج د

وَجَدَ وُجُوْدًا کے بنیادی معنی کسی چیز کو پا لینا ہیں ۔ کبھی کسی چیز کو جاننے اور اس کا علم حاصل کر لینے کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔ لیکن یہ فعل، مصدر و ابواب یا صلوں کے فرق کے ساتھ اور معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً مَوْجِدَۃً وَ وِجْدَانًا غصے کے لئے آتا ہے ۔ وَجَدَ عَلَیْہِ ۔ وہ اس پر ناراض ہوا ۔ نیز وَجَدَ یَجِدُ کے معنے مالدار اور فارغ البال ہونا بھی ہیں ۔ چنانچہ اَلْوِجْدُ ۔ اَلْوَجْدُ اور اَلْوُجْدُ ۔ مالداری ۔ فراخی ۔ اور وسعت کو کہتے ہیں ۔ وَجَدَ بِہٖ ، وَجْدًا ۔ اس سے محبت کی ۔ اِنَّہٗ لَیَجِدُ بِفُلَانَۃَ وَجْدًا شَدِیْدًا ۔ وہ فلاں عورت کی محبت کرتا اور اس کی جدائی میں غمگین رہتا ہے ۔ وَجَدَ بِہٖ ۔ اس نے اسے چاہا اور غمگین ہوا ۔ اَلْوَجِیْدُ ۔ ہموار زمین کو کہتے ہیں *** ۔ اَلْوَاجِدُ ۔ غنی ۔ تونگر ۔ دولتمند *** ۔ وُجْدٌ ۔ استطاعت ، مقدرت (۶۵/۹) ۔

قرآن کریم میں ہے ۔ وَلَتَجِدَنَّھُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ (۲/۹۶) تو انہیں سب سے زیادہ حریص پائیگا ۔ یہ لفظ زیادہ تر انہیں معانی میں استعمال ہوا ہے ۔ وُجُوْدٌ یا مَوْجُوْدٌ وغیرہ الفاظ قرآن کریم میں نہیں آئے ۔ یہ متکلمین کی اصطلاحات ہیں ۔

و ج س

اَلْوَجْسُ ۔ خفی آواز یا دل کی گھبراہٹ کو کہتے ہیں ۔ اس سے اَلْوَاجِسُ دل میں گذرنے والی بات کو کہتے ہیں ۔ اَلْاِیْجَاسُ ۔ دل ہی دل میں کسی بات کو محسوس کرنا اور اسے پوشیدہ رکھنا ۔ یونہی ذرا سا احساس ہونا یا خیال گذرنا جس میں خوف کا بھی شائبہ ہو* ۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے وَاَوْجَسَ مِنْھُمْ خِیْفَۃً (۱۱/۷۰) ۔ اس نے ان کی طرف سے دل ہی دل میں ذرا خوف محسوس کیا۔

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔ ***تاج و محیط ۔

و ج ف

وَجَفَتِ الشَّيْءُ - چیز کا مضطرب ہونا - قَلْبٌ وَاجِفٌ - مضطرب (تیز دھڑکنے والا) دل* - قرآن کریم میں ہے - قُلُوْبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ (۷۹/۸) - اس دن دل مضطرب و پریشان ہونگے -

وَجَفَتِ الْفَرَسُ - گھوڑے کا تیز دوڑنا - اَوْجَفْتُهُ - میں نے اسے تیز دوڑایا* - سورۃ حشر میں ہے - فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ (۵۹/۶) - تم نے اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے - لشکر کشی نہیں کی -

و ج ل

اَلْوَجَلُ - گھبراہٹ اور خوف - وَجِلَ - يَوْجَلُ - گھبرانا - ڈرنا - ڈرنے اور گھبرانے والے کو وَجِلٌ کہتے ہیں ، اس کی جمع وَجِلُوْنَ ہے - (۱۵/۵۲) - اَلْوَجِيْلُ - اَلْمَوْجِلُ - گڑھا جس میں پانی اکٹھا ہو جائے - اَلْوَجْوَلُ - بوڑھے لوگ** - راغب نے لکھا ہے کہ اَلْوَجَلُ - دل ہی دل میں خوف کے احساس کرنے کو کہتے ہیں*** -

قرآن کریم میں مومنین کی صفت یہ لکھی ہے کہ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (۸/۲) - جب ان کے سامنے خدا کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل میں خوف کا احساس پیدا ہو جاتا ہے - جیسا کہ دوسرے مقامات میں بتایا گیا ہے ، خدا کے خوف سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کے قوانین کے خلاف روش اختیار کی جائے تو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوتا ہے - اس تباہی اور بربادی کے احساس سے انسان کے دل میں خوف اور گھبراہٹ ہوتی ہے - اسی کو خدا کا خوف کہتے ہیں - یعنی قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کے نتائج و عواقب کا احساس -

و ج ہ

وِجَاهٌ الشَّيْءُ - کسی چیز کے سامنے یا بالمقابل**** - اَلْوَجْهُ - کسی چیز کا وہ حصہ جو سب سے پہلے سامنے آئے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کے سامنے آنے کے ہیں - اس جہت سے اَلْوَجْهُ انسان کے اس حصہ جسم کو کہتے ہیں جو سب سے پہلے سامنے آتا ہے - اور

*تاج و راغب - **تاج - ***راغب - ****محیط -

چونکہ انسان کا چہرہ نمایاں طور پر سامنے آتا ہے اسی لئے اسے وَجْہٌ کہتے ہیں * ۔ لیکن اس کے بعد یہ لفظ خود نفس شے یا ذات کے لئے بھی بولا جانے لگا** ۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (۲/۱۱۲) میں وَجْہٌ کے معنی پورا اپنا آپ ہیں نہ کہ اپنا چہرہ ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ (۱۷/۷) کے معنی بھی یہ ہیں کہ وہ تمہارا برا حال کردیں ۔ یا یہ کہ وہ تمہارے سرداروں کا برا حال کردیں ۔ وَجْہُ الْقَوْمِ ۔ قوم کے معزز اور شریف فرد یا سردار کو کہتے ہیں ۔

وَجْہُ النَّهَارِ ۔ دن کا ابتدائی حصہ ۔ اَلْوَجْہُ مِنَ الدَّهْرِ ۔ زمانہ کا ابتدائی حصہ ۔ یعنی زمانہ کا وہ حصہ جو سب سے پہلے سامنے آئے** ۔

اَلْوَجْہُ ۔ جاہ ۔ مرتبہ اور عزت کو بھی کہتے ہیں ۔ اَلْوَجِيْہُ ۔ صاحب جاہ ۔ صاحبِ وجاہت ۔ اَلْوَجِيْهَةُ ۔ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دونوں طرف سے ایک جیسا ہو ۔ حضرت موسیٰؑ کے متعلق ہے ۔ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (۳۳/۶۹) ۔ اس کے معنے صاحبِ عزت کے ہیں ۔

وَجْہٌ کے معنی ہوتے ہیں مقصد (Purpose) ۔ مطلوب (Object) ۔ راستہ ، جو مقصد تک پہنچنے کے لئے اختیار کیا جائے (C o u r s e) ۔ سمت (Direction) جس طرف کوئی جا رہا ہو ۔ وہ منزل مقصود جس کی طرف کوئی جا رہا ہو ۔ چنانچہ وَجْہُ الطَّرِيْقِ ۔ اس منزل کو کہتے ہیں جس کی طرف راستہ لے جا رہا ہو*** ۔ اور وَجْہُ الْاَمْرِ کسی بات کے مقصد اور اس کے صحیح رُخ کو کہتے ہیں ۔ (جِہَۃٌ اور وِجْہَۃٌ کے بھی یہی معنے ہوتے ہیں ۔ سمت ۔ مقصد ۔ وجہ ۔ سبب) ۔ مُتَوَجَّهٌ ۔ وہ مقام جس کی طرف کوئی جا رہا ہو ۔

قرآن کریم نے انسانی اعمال کی غایت یہ بتائی ہے ۔ اِبْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ (۲/۲۷۲) ۔ عام طور پر اسکا ترجمہ کیا جاتا ہے خدا کی رضا جوئی یا خوشنودی کے لئے ۔ اس سے ذہن انسانوں کے خوشی یا ناراضگی کے جذبات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے جذبات سے بلند و بالا ہے ۔ وَجْہُ اللّٰہِ کا صحیح مفہوم ہے وہ مقصود جو اللہ نے مقرر کردیا ہے ۔ وہ منزل جسکی طرف قوانین خداوندی لے جاتے ہیں ۔ یعنی انسان کا ہر عمل اس مقصد کے حصول کے لئے ہونا چاہئے جو اس کے لئے خدا نے مقرر کردیا ہے ۔ اس کا ہر کام اس منزل تک پہنچنے کے لئے ہونا چاہئے جو قوانین خداوندی نے اس کے

*محیط ۔ **تاج نیز لطائف اللغۃ ۔ ***لین ۔

لئے مقرر کر دی ہے ۔ سورۃ روم میں ہے وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ (۳۰/۳۹) ۔ جو کچھ تم نوعِ انسانی کی نشو و نما کے لئے کرتے ہو، اس مقصد کے پیش نظر کہ تم اُس منزل تک پہنچ جاؤ جو قوانین خداوندی نے مقرر کر رکھی ہے ۔ یعنی اس سے خود تمہاری اپنی ذات کی نشو و نما اور صلاحیتوں کی نمود ہو جائے ۔ اسی سے اس آیت کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جس میں کہا ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (۲۸/۸۸) ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے وہ تغیر پذیر ہوتا ہے (هَالِكٌ کے یہی معنی ہیں) لیکن استمرار اور دوام ان اعمال کو حاصل ہوتا ہے جو اس منزل کے حصول کے لئے سرزد ہوں جو خدا نے مقرر کر رکھی ہے ۔ یا یہ کہ دنیا کا ہر راستہ تغیر پذیر ہوتا ہے ، بجز اس راہ کے جو خدا کی مقرر کردہ منزل کی طرف لے جاتی ہے* ۔ یہی مفہوم سورۃ رحمٰن کی ان آیات کا ہے ۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (۵۵/۲۶-۲۷) ۔ دنیا کا ہر نظام اور ہر راستہ تغیر پذیر ہے بجز اس راستے کے جو خدائے ذوالجلال و الاکرام کی ربوبیت اعلیٰ کی طرف لے جائے* ۔ اسی کو اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (۹۲/۲۰) کہا گیا ہے ۔ دنیا میں ہر شخص کا اپنا اپنا مقصود و مطلوب اور ہر قوم کی اپنی اپنی منزل ہے ۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا (۲/۱۴۸) ۔ جماعت مومنین وہ ہے کہ وہ زندگی کے جس گوشے اور کار و بارِ حیات کے جس شعبے میں بھی ہو اس کے سامنے ہمیشہ وہ منزل مقصود رہتی ہے جو قوانینِ خداوندی نے متعین کر دی ہے ۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (۲/۱۱۵) ۔

و ح د

اَلْوَاحِدُ ۔ گنتی میں پہلا عدد ۔ ایک ۔ وَاحِدٌ اور اَحَدٌ دونوں کے معنی ''ایک'' ہیں لیکن ان کے استعمال کا فرق اس مثال سے سمجھ میں آجائے گا کہ جب کہا جاتا ہے کہ مَا اَتَانِيْ مِنْهُمْ اَحَدٌ تو اس کے معنی ہونگے میرے پاس ان میں سے کوئی بھی نہیں آیا ۔ لیکن جب کہا جائے گا کہ جَآءَنِيْ مِنْهُمْ وَاحِدٌ تو اس کے معنی ہونگے ان میں سے میرے پاس صرف ایک شخص آیا (دو نہیں آئے)** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ هُوَ وَاحِدُ قَبِيْلَتِهٖ کے معنی ہیں وہ اپنے قبیلہ میں یکتا ہے ۔

---

*وَجْهُ رَبِّكَ یا وَجْهَهٗ کے معنی خود ذاتِ خداوندی بھی ہیں [دیکھئے عنوانات (ب ۔ ق ۔ ی) اور (ف ۔ ن ۔ ی)] لیکن راغب نے ان معانی کو ترجیح دی ہے جو اوپر لکھے گئے ہیں ۔ ** تاج ۔

قرآن کریم میں اللہ کے لئے وَاحِدٌ بھی آیا ہے (۱۲/۳۹) اور اَحَدٌ بھی (۱۱۲/۱)۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَحَدٌ وہ ہے جسکی ذات میں کوئی اور شریک نہ ہو اور وَاحِدٌ اسے کہتے ہیں جسکی صفات میں کوئی اور شریک نہ ہو*۔ چنانچہ اَحَدٌ کے معنی ہونگے وہ ذات جو بے مثل و بے نظیر ہو۔ جو یگانہ ہو۔ ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت (Basic characteristic) یہ ہے کہ وہ یگانہ (Unique) ہو۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱۱۲/۱) میں ذات خداوندی کی اس بنیادی خصوصیت، یعنی اسکی یگانگت (Uniqueness) کا ذکر ہے۔

اَلْاَحْدَانُ ان تیروں کو کہتے ہیں جو یکتا اور بے نظیر ہوں**۔ اَلْمِیْحَادُ۔ اس ٹیلے کو کہتے ہیں جو دوسرے ٹیلوں سے بالکل الگ تھلگ کھڑا ہو*۔ اِتِّحَادُ الشَّیْئَیْنِ۔ دونوں چیزیں خلط ملط ہو کر ایک ہو گئیں۔ مجازاً یہ لفظ متفق ہونے کے لئے بھی بولا جاتا ہے*۔

قرآنی تعلیم کی بنیاد خدا کی وحدت پر ہے، یعنی اس حقیقت کے اعتراف اور یقین پر کہ کائنات میں صرف ایک قوت ہے جس کا اقتدار و اختیار ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کسی اور قوت کا آئین و قانون نہیں چلتا۔ لہذا انسانوں کی دنیا میں بھی اُسی کا قانون و آئین چلنا چاہئے۔ لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِهٖ اَحَدًا۔ (۱۸/۲۶) وہ اپنے حکم اور قانون میں کسی اور کو شریک نہیں کرتا۔ اسلئے مومن وہ ہے جو لَا یُشْرِکُ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (۱۸/۱۱۰)۔ جو اپنے رب کی محکومیت میں کسی اور کو شریک نہیں کرتا۔ جو خدا کے قوانین کے علاوہ (جنہیں اس نے قرآن کریم میں بیان کر دیا ہے) اور کسی کے قانون کے سامنے نہیں جھکتا۔

(نیز دیکھئے عنوان ا۔ ح۔ د)۔

و ح ش

اَلْوَحْشُ۔ جنگلی جانور جو انسانوں سے مانوس نہ ہو۔ جمع وُحُوْشٌ ہے۔ ایک کو وَحْشِیٌّ کہتے ہیں۔ راغب نے لکھا ہے کہ (مَکَانٌ وَحْشٌ) بے آباد ویران جگہ سے منسوب چیز کو وَحْشِیٌّ کہتے ہیں۔ مَکَانٌ وَحْشٌ۔ خالی جگہ۔ بَلَدٌ وَحْشٌ۔ وہ علاقہ جو ویران ہو اور وہاں کوئی آبادی نہ ہو۔ بَاتَ وَحْشًا۔ اس نے بھوکے رات گذار دی۔ وہ خالی پیٹ رہا** اَلْوَحْشُ۔ اَلْاِنْسُ کی ضد ہے***۔ یعنی نامانوس، وحشی، جنگلی۔ ذَالِکَ مِنْ وَحْشِ النَّاسِ۔ یہ آدمی رذیل اور آدم بیزار لوگوں میں سے ہے*۔

*محیط۔ **تاج۔ ***راغب۔

قرآن کریم میں ہے وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (۸۱/۵) ۔ اس میں وُحُوْشٌ کے معنی نامانوس جانور بھی ہو سکتے ہیں اور وحشی اور جنگلی لوگ بھی ۔

و ح ی

اَلْوَحْیُ ۔ اشارہ ، جس میں تیزی اور سرعت ہو ۔ وَحَیْتُ لَکَ بِخَبَرٍ کَذَا ۔ میں نے تمہیں فلاں بات کا اشارا کر دیا ۔ یا چپکے سے مطلع کردیا* ۔ چنانچہ سورہ مریم میں حضرت زکریا* کے متعلق ہے کہ ان سے کہدیا گیا تھا کہ وہ لوگوں سے بات نہ کریں ۔ فَاَوْحٰی اِلَیْھِمْ (۱۹/۱۱) لہذا اس نے لوگوں کو اشارہ سے کہا ۔

(۲) راغب نے کہا ہے (اور صاحب تاج نے بھی اسکی تائید کی ہے) کہ اَلْوَحْیُ کے معنی تیز اشارہ کے ہیں ۔ اسی لئے شَیْءٌ وَحِیٌّ کے معنی ہیں وہ چیز جو جلدی سے آجائے ، اور اَمْرٌ وَحِیٌّ ۔ تیز رفتار معاملہ ۔ اَلْوَحٰی جلدی ۔ تیزی کرنا ۔ اَوْحٰی الْعَمَلَ ۔ اس نے کام میں جلدی کی* ۔

(۳) اَلْوَحْیُ کے معنی کتابت (یعنی لکھنا) بھی ہیں ۔ وَحَیْتُ الْکِتَابَ ۔ میں نے کتاب کو لکھا ۔ واحٍ ۔ لکھنے والا (کاتب) ۔ اَلْوَحْیُ لکھی ہوئی چیز یا نامہ ۔ چنانچہ جوہری نے کہا ہے کہ اَلْوَحْیُ کے معنی الْکِتَابُ ہیں ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے ۔ اور ابن فارس اور راغب نے بھی ۔ سورہ مائدہ میں جو ہے وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ (۵/۱۱۱) ۔ تو اس میں وحی کے معنی ''لکھے ہوئے حکم'' کے ہیں* ۔ یعنی اس وحی کے ذریعے جو (بقول راغب) حضرت عیسٰی* کی وساطت سے (انجیل میں لکھی ہوئی) بھیجی گئی تھی ۔

(۴) اَوْحٰی کے معنی حکم کرنا ۔ امر کرنا ۔ چنانچہ صاحب تاج نے کہا ہے کہ مندرجۂ بالا آیت (۵/۱۱۱) میں حواریوں کی طرف وحی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے انہیں حکم دیا تھا* ۔ اور یہ وحی حضرت عیسٰی* کی وساطت سے حواریوں کو ملی تھی** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ وہ چیز جسے تم کسی کی طرف پہنچا دو اور اسے اس کا علم ہو جائے ، وَحْیٌ کہلاتی ہے خواہ اسے پہنچانے کی کیفیت کچھ ہی ہو ۔ مخفی طور پر یا ویسے ہی ۔

سورہ حٰمٓ سجدہ میں ہے وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا (۴۱/۱۲) ''اس نے ہر سماء میں اس کا امر وحی کر دیا'' اس میں امر وحی (یا وحیٌ

*تاج و راغب ۔ **راغب ۔

امر) کے معنی مامور کرنے کے ہیں ۔ یعنی وہ قانون خداوندی جسکی رو سے خارجی کائنات کی ہر شے اپنے اپنے فرائض مفوضہ کی تکمیل میں سرگرداں ہے ۔ اسی کو سورہ النور میں اسطرح بیان کیا گیا ہے ۔ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ (۲۴/۴۱) ۔ کائنات کی ہر شے جانتی ہے کہ اس کے فرائض کیا ہیں اور وہ مقصد کیا ہے جس کے حصول کے لئے انہیں سرگرم عمل رہنا ہے ۔ یہی وہ وحی ہے جو ان میں جاری و ساری ہے ۔ یعنی امر خداوندی ۔ خدا کا قانون ۔ اس کے متعلق سورہ زلزال میں ہے ۔ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَہَا (۹۹/۵) ۔ یعنی اس مقصد کے لئے خدا نے زمین کی طرف وحی کی ہے ۔ زمین کو اسکا حکم دے رکھا ہے ۔ زمین کے متعلق خدا کا قانون یہ ہے ۔ اسی طرح سورہ النحل میں ہے وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ (۱۶/۶۸) ۔ شہد کی مکھی کی طرف خدا نے وحی کر رکھی ہے ۔ یعنی اس کے لئے خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ یہ کچھ کرے ۔

کائنات میں ہر شے خدا کے امر (حکم) کے مطابق سرگرم عمل ہے ۔ یہ خدا کی وہ وحی ہے جو ہر شے میں ازخود ودیعت کر دی گئی ہے ۔ اسی کو قانون فطرت کہتے ہیں ۔ یا ، جانداروں کے لئے جبلت ((Instinct)۔ یہ قانون ان چیزوں کا خود پیدا کردہ نہیں ہوتا بلکہ خدا کی طرف سے عائد کردہ ہوتا ہے ۔

انسان بھی کائنات کا ایک حصہ ہے اسلئے اسکے لئے بھی ضروری ہے کہ یہ ایک ایسے قانون کے مطابق زندگی بسر کرے جو اسکا خود پیدا کردہ نہ ہو بلکہ اسے خارج سے ملے ۔ جہاں تک اس کی طبیعی زندگی کا تعلق ہے اس پر وہی قانون فطرت عائد ہوتا ہے جو دوسرے حیوانات پر ہوتا ہے ۔ کھانا، پینا ۔ سونا ، جاگنا ۔ افزائش نسل ۔ بیماری، موت ۔ سب اسی قانون کے مطابق واقع ہوتی ہے ۔ یہ قانون انسان کا اپنا وضع کردہ نہیں ۔

لیکن انسان کی زندگی طبیعی زندگی (Physical life) ہی نہیں بلکہ اسکی معاشرتی اور تمدنی زندگی بھی ہے ۔ نیز اس کی ذات (Personality) بھی ہے ۔ اس کے لئے بھی ایسے قانون کی ضرورت ہے، اور وہ قانون ایسا ہونا چاہئے جو اس کا خود ساختہ نہ ہو بلکہ قانون فطرت کی طرح اسے خارج سے ملا ہو ۔ اس قانون کا نام بھی وَحْیٌ ہے ۔ لیکن فرق یہ ہے کہ :—

(۱) یہ وحی ہر فرد کو الگ الگ نہیں ملتی ۔ اس کے لئے خدا کی طرف سے قاعدہ یہ مقرر ہوا تھا کہ یہ وحی کسی ایک انسان کو دی جائے اور وہ اس وحی کو دوسرے انسانوں تک پہنچائے ۔ اُس انسان کو نبی اور رسول کہتے ہیں ۔ یہ وحی انہیں حضرات سے مخصوص ہے ۔

(۲) کائنات کی کسی چیز کو اس کا اختیار نہیں کہ وہ چاہے تو اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرے جو اس کے لئے وحی کیا گیا ہے اور چاہے تو اس کے خلاف کوئی اور طریقہ اختیار کرے۔ لیکن انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو اس وحی کے مطابق زندگی بسر کرے اور چاہے اس کے خلاف کوئی دوسری روش اختیار کرے۔ یہ اسلئے کہ انسانی ذات کی نشو و نما کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا اختیار و ارادہ استعمال کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ وحی کے لئے یہ جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ وہ ہر فرد کو براہ راست نہ ملے بلکہ رسول کی معرفت دوسرے انسانوں تک پہنچے تو اس میں بھی یہی مصلحت پوشیدہ ہے کہ انسان وحی کے راستے پر اپنے اختیار و ارادہ سے چلے۔ اس لئے کہ اشیائے کائنات کو جو وحی براہ راست دے دی جاتی ہے، تو انہیں اس کا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اس سے سرکشی برتیں۔ انہیں بہر حال اس کے مطابق چلنا ہوتا ہے۔

(۳) انسان کو یہ تو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو وحی کے مطابق زندگی بسر کرے اور چاہے اس کے خلاف روش اختیار کرے، لیکن یہ اسکے بس میں نہیں کہ وہ وحی کے خلاف زندگی بسر کرکے وہ نتائج حاصل کرلے جو وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ جس طرح اسے اس کا تو اختیار ہے کہ وہ سنکھیا کی ڈلی نگل جائے یا اسے اٹھا کر پھینک دے، لیکن اس کا اختیار نہیں کہ وہ سنکھیا کھا کر اس کا اثر مصری کی ڈلی کا سا پیدا کرلے۔

خدا کا قانون جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے انسانوں کو ملتا ہے۔ اَلْوَحْیُ کہلاتا ہے۔ اس کے خدا سے پانے میں نبی کے سوا کوئی دوسرا انسان شریک نہیں ہوتا۔ یعنی انبیاء کے سوا کسی اور کو وحی نہیں مل سکتی، اور اس وحی کو انبیاء کرام علیہم السلام اپنے کسب و ہنر سے حاصل نہیں کرتے بلکہ یہ انہیں خارج سے اسی طرح ملتی ہے جس طرح اشیائے کائنات کو از خود خدا کی طرف سے وحی ملتی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں کہ وحی منزل من اللہ ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے نازل شدہ۔ یعنی یہ شخص اپنی کوشش سے وحی کے مقام تک نہیں پہنچتا بلکہ وحی خود اتر کر اس تک پہنچتی ہے۔ بالفاظ دیگر، اس میں انسان کی داخلیت (Subjectivity) کو دخل نہیں ہوتا۔ اس میں بکسر خارجیت (Objectivity) ہوتی ہے۔ منزل من اللہ کہنے میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ انسان اپنی کوشش سے طبعی دنیا کے پوشیدہ حقائق کو منکشف (Discover) کرسکتا ہے لیکن جو حقائق اسے وحی کے ذریعے ملتے ہیں

وہ صاحب وحی پر (Revealed) ہوتے ہیں ۔ یعنی وحی کے ذریعے حقیقت خود اپنے آپ کو صاحب وحی پر منکشف کرتی ہے ۔ یہ اپنا ہاتھ بڑھا کر ہروس حقیقت کے چہرے سے پردہ نہیں اٹھا سکتا ۔ اسی کو نزول وحی کہتے ہیں ۔ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (۲/۹۷) ۔ اسے جبریل نے تیرے قلب پر نازل کیا ہے ۔ چونکہ وحی صرف حضرات انبیاء کرام کو ملتی ہے اس لئے ہم بالکل نہیں سمجھ سکتے کہ اس کی کیفیت اور ماہیت کیسی ہوتی ہے ، وہ کس طرح ملتی ہے ۔ ہمیں صرف اس بات پر ایمان رکھنا ہوتا ہے کہ وہ نبی کو منجانب اللہ ملتی ہے ۔ (البتہ ہم علم و بصیرت ۔ دلائل و براہین نیز وحی کے نتائج سے (Pragmatically) اس کی صداقت کو علیٰ وجہ البصیرت دیکھ سکتے ہیں) ۔ انبیاء کو یہ وحی کبھی ''اشارہ سربعہ'' کے ذریعے ملتی تھی، کبھی ''من وراء حجاب'' ۔ لیکن ہمیں یہ وحی صرف رسول کی وساطت سے مل سکتی ہے ۔ اسی حقیقت کو قرآن کریم نے سورۃ شوریٰ میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے ۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (۴۲/۵۱) ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ بشر (انسانوں) کے ساتھ خدا کس طرح کلام کرتا ہے ۔ بشر کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک انبیاء اور دوسرے غیر انبیاء ۔ پہلے انبیاء کا ذکر ہے کہ ان تک خدا کا کلام یا تو وحی (فرشتے) کے ذریعے پہنچتا ہے (جیسے رسول اللہ کے متعلق فرمایا) اور یا براہ راست پردے کے پیچھے سے بات سنائی دیتی ہے (جیسے حضرت موسیٰ کی صورت میں ہوا) ۔ باقی رہے غیر انبیاء تو ان تک صرف رسولوں کے ذریعے سے خدا کا کلام پہنچتا ہے ۔ یہ کلام اب قرآن کریم کے اندر ہے، اسکے باہر اور کہیں نہیں ۔ اس اعتبار سے یہی قرآن کریم ہم پر بھی نازل ہوا ہے (يُنَزَّلُ عَلَيْكُمْ ۳/۱۰۵ و ۳/۶۴)۔ یعنی رسول اللہ کی وساطت سے ہماری طرف نازل ہوا ہے ۔ چونکہ رسول اللہ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند ہوگیا اس لئے اب کسی انسان کو براہ راست وحی نہیں مل سکتی ۔ اب انسان کے پاس علم کے دو ہی سرچشمے رہ گئے ۔ ایک اس کی اپنی عقل اور دوسری خدا کی وحی جو قرآن کریم کے اندر ہے ۔ اس کے علاوہ کسی انسان کو خدا کی طرف سے براہ راست علم نہیں ملتا ۔ الہام ۔ کشف وغیرہ کے تصورات کی سند قرآن کریم سے نہیں ملتی ۔ (الہام کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان ل ۔ ہ ۔ م) ۔ قرآن کریم اور عقل کے ملنے سے انسانی علم مکمل ہو جاتا ہے ۔ نیز یہ تصور بھی غیر قرآنی ہے کہ خود رسول اللہ کو جو وحی ملی تھی اس کی دو قسمیں تھیں ۔ ایک وحی متلو (جو قرآن کریم کے اندر ہے) اور دوسری وحی غیر متلو جو قرآن کریم سے باہر (روایات کے اندر) ہے ۔

قرآن کریم میں وحی کی اس تقسیم کا کوئی ذکر نہیں - اسکی رو سے صرف قرآن کریم وحی کے ذریعے ملا ہے (۶/۴۲) - یہ تصور یہودیوں کے ہاں رائج تھا، اور وہیں سے مسلمانوں کے ہاں آ گیا - رسول اللہؐ کے زمانے میں وحی متلو اور وحی غیر متلو کی اصطلاحات کا کہیں ذکر نہیں ملتا -

(اس مقام پر وحی کے متعلق انہی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے - اگر آپ مزید تفاصیل معلوم کرنا چاہیں تو میری کتاب ''ابلیس و آدم'' میں وحی کا باب ملاحظہ کیجئے جس میں اس موضوع پر بڑی وضاحت سے لکھا گیا ہے) -

اَوْحیٰ اِلَیْہِ - کے معنے رسول بنا کر بھیجنے کے بھی ہیں - چنانچہ اَوْحیٰ الرَّجُلُ کے معنی ہیں اس نے اپنے معتمد پیامی کو اپنے معتمد غلام کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا* - ابن الانباری نے کہا ہے کہ وحی کو وحی اسلئے کہتے ہیں کہ فرشتہ اسے پوشیدہ طور پر مخلوق میں سے اسی شخص کو پہنچاتا ہے جس کی طرف وہ بھیجی جاتی ہے - اِیْحَاءٌ کے اصلی معنی ایک کا دوسرے کے ساتھ علیحدگی میں خفیہ باتیں کرنا ہیں - ابو اسحٰق نے بھی کہا ہے کہ وحی کے اصلی معنی اِعْلَامٌ فِیْ خَفَاءٍ ہیں* - اسی لئے قرآن کریم میں حضرات انبیاء کرامؑ کے مخالفین کے متعلق ہے یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلیٰ بَعْضٍ (۶/۱۱۲) - اس کے معنی خفیہ سازشوں کے ہیں (نیز ۶/۱۲۱) - اِخْفَاء کے اعتبار سے اس کے معنی ہوتے ہیں کسی بات کو دل میں ڈال دینا - چنانچہ اَوْحَتْ نَفْسُہٗ کے معنے ہیں اس کے دل میں خوف پیدا ہو گیا - اس کے دل میں خدشہ پیدا ہو گیا -

قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے متعلق ہے کہ اَوْحَیْنَا اِلیٰ اُمِّ مُوْسیٰ (۲۸/۷ و ۲۰/۳۸) - ہم نے ام موسیٰ کی طرف وحی کی ''کہ اس بچے کو دودھ پلا اور جب تجھے اس کے متعلق کوئی خطرہ لاحق ہو تو اسے صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دینا'' - جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، وَحْیٌ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کی طرف بھیجی جائے اور اس طرح اسے اس کا علم کرا دیا جائے، یا اس کی طرف حکم بھیجا جائے خواہ اس کی کیفیت یا طریق کچھ ہی ہو - چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرف وحی بھیجنے کے معنے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کی وساطت سے حکم بھیجنا - اسی طرح والدہ موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجنے کے معنی ہونگے ان کی طرف کسی کی وساطت سے حکم بھیجنا یا باخبر کر دینا - جس انداز سے انبیاء کی طرف وحی ہوتی تھی وہ

*تاج -

انہی سے مخصوص تھی۔ محض اَوْحَیْنَا کے لفظ سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ غیر نبی کی طرف بھی (اسی قسم کی) وحی ہوسکتی ہے قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔

یاد رکھئے وحی، جسکے معنی خدا کی طرف سے براہ راست راہ نمائی حاصل ہونے کے ہیں وہ آخری مرتبہ رسول اللہ ؐ کو مل گئی اور اب وہ قرآن کریم کے اندر کتابت شدہ شکل میں محفوظ ہے۔ اس کے بعد انسانوں کو ان کی راہ نمائی کے لئے خدا کی طرف سے کچھ اور نہیں ملا۔ نہ ملے گا۔ جو اس کا دعویٰ کرتا ہے وہ یا تو خود فریب خوردہ ہے، یا دانستہ لوگوں کو فریب دیتا ہے۔

چونکہ وحی میں کسی انسانی خیال یا آرزو کا کوئی دخل نہیں ہوتا اس لئے قرآن کریم نے اسے ایسا اَلْعِلْمُ کہا ہے جو انسانی خیالات اور خواہشات سے یکسر متمیز ہوتا ہے (۲/۱۲۰)۔ اس کے متعلق دوسری جگہ کہا ہے کہ رسول کی وحی میں اس کے اپنے خیالات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی (۵۳/۳-۵) ۔ وہ اپنی خواہش سے نہیں کہتا بلکہ یہ وہ وحی ہے جو اسکی طرف بھیجی گئی ہے۔ بڑی قوتوں والے (خدا) نے اسے اس کا علم دیا ہے"۔ (جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے) نبی کے علاوہ اور کسی کو یہ علم نہیں مل سکتا۔ اس لئے رسول کا اعلان یہ ہوتا ہے کہ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (۷/۶۲)۔ "میں خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔ لہذا جو حقائق وحی کی رو سے ملتے ہیں عقلِ انسانی انہیں دریافت نہیں کر سکتی۔ عقلِ انسانی کو وحی کی روشنی کی اسی طرح ضرورت ہے جسطرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔ عقل کے لئے قابل اعتماد راستہ وہی ہے جو وحی نے متعین کر دیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ انبیاء کرام ؑ کو وحی بالفاظ ملتی تھی۔ یعنی وحی کے الفاظ بھی خدا کیطرف سے ہوتے تھے۔ اَلْوَحْیُ کے معنے الطَّرِیْقُ الْمُعْتَمَدُ قابل اعتماد راستہ بھی ہیں (لطائف اللغۃ)۔

و د د

اَلْوُدُّ۔ اَلْوِدَادُ۔ دوستی۔ محبت۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز سے محبت کرنا اور اسکے ہوجانے کی تمنا کرنا ہیں۔ اَلْمَوَدَّۃُ محبت۔ اَلْوَدُّ۔ میخ کو کہتے ہیں اگرچہ بعض کا خیال ہے کہ یہ اَلْوَتَدُ کا ایک لغت ہے (جس کا مادہ و۔ت۔د ہے)*۔

* تاج۔

قرآن کریم میں ہے ۔ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ (۲/۹۶) ۔ ان میں سے ہر ایک کی یہ تمنا ہے ۔ سورہ مریم میں ہے سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (۱۹/۹۶)۔ خدائے رحمٰن ان کے لئے جاذبیت اور محبت پیدا کر دیگا ۔ اَلْوَدُوْدُ خدا کی صفت ہے ۔ (۸۵/۱۴) ۔ یعنی بہت زیادہ محبت کرنے والا ۔

سورہ روم میں میاں بیوی کے تعلقات کے متعلق ہے کہ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّۃً (۳۰/۲۱) ۔ تم میں باہمی مودّت پیدا کر دی ۔ تمہیں ایک دوسرے کے ساتھ اسطرح جوڑ دیا کہ تم ایک دوسرے کے لئے تقویت (Support) کا موجب بن گئے ۔ سورہ ممتحنہ میں مَوَدَّۃ بمقابلہ عداوت آیا ہے (۶۰/۷) ۔

سورہ شوریٰ میں ہے قُلْ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (۴۲/۲۳) ''تم ان سے کہدو کہ میں تم سے اس (رسالت) کا کوئی اجر نہیں مانگتا ۔ میں صرف رشتہ داری کے تعلقات (مودت) چاہتا ہوں'' ۔ اس کے صحیح مفہوم کے لئے عنوان ق ۔ ر ۔ ب دیکھئے ۔

وَدٌّ

وَدٌّ ۔ سُوَاعٌ ۔ یَغُوْثُ ۔ یَعُوْقُ اور نَسْرٌ قومِ نوحؑ کے بت تھے ۔ (۷۱/۲۳) ۔ عرب ان بتوں کے ناموں سے بخوبی متعارف تھے ۔ چنانچہ وَدٌّ نام کے ایک بت کی پرستش دومۃ الجندل میں قبیلۂ بنو کلب کے ہاں ہوتی تھی ۔

و د ع

وَدَعَ ۔ یَدَعُ ۔ کوئی چیز ٹھہر گئی ۔ قرار پا گئی ۔ وَدَعَ وَوَدَّعَ ۔ چھوڑا ۔ ترک کیا ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی چھوڑنے اور خالی کر دینے کے ہیں ۔ تَوَادَعَ الْفَرِیْقَانِ ۔ دونوں فریقوں نے ترک جنگ کا معاہدہ کر لیا ۔ اس عہد و پیمان کو وَدِیْعٌ کہتے ہیں ۔ پھر اَلْوَدِیْعٌ ہر عہد و پیمان کو کہنے لگے ۔ اور اَلْوَدِیْعَۃُ ۔ امانت کو جو کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھی جائے ۔ تَوْدِیْعُ الثَّوْبِ ۔ کپڑے کو محفوظ جگہ رکھکر اسے گرد و غبار سے بچا لینا ۔ تَوَدَّعَہٗ ۔ اسے محفوظ مقام میں رکھ دیا* ۔

اَلْوَدِیْعٌ ۔ پرسکون اور باوقار آدمی ۔ اَلْوَدْعُ ۔ قبر یا مقبرہ ، جہاں مردہ سکون اور آرام سے پڑا رہتا ہے ۔ اَلْمُسْتَوْدَعُ ۔ وہ مقام جہاں کسی چیز کو بحفاظت رکھ دیا جائے* ۔ قرآن کریم میں ہر جاندار شے کے مُسْتَقَرٌّ

*تاج و محیط ۔

اور مُسْتَوْدَع کا ذکر ہے۔ (دیکھئے - ۶/۹۹ ; ۱۱/۶) - جاندار اشیاء کے سلسلہ ارتقاء (Organic evolution) کا اصول یہ ہے کہ ہر شے کچھ وقت کے لئے ایک خاص مقام میں، ایک خاص حالت میں، ٹھہرتی ہے - پھر وہاں سے نشو و نما پاتی ہوئی اگلی منزل میں پہنچتی ہے - اور اسطرح منزل بہ منزل آگے بڑھتی ہوئی اپنی تکمیل تک جا پہنچتی ہے - یہ راستے میں رکنے کے مقامات اس کے مُسْتَقَرٌّ ہیں اور آخری منزل اسکی مُسْتَوْدَع - جسے ہم "راستے میں رکنے کا مقام" (مُسْتَقَرٌّ) کہتے ہیں اس میں بھی وہ شے جمود کی حالت میں نہیں ہوتی - وہاں بھی اسمیں تبدیلی ہوتی رہتی ہے - لیکن وہ تبدیلی ایسی غیر مرئی ہوتی ہے کہ ہم اسے محسوس نہیں کرتے - ہمیں اس کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب وہ تبدیلی نمایاں شکل اختیار کر لیتی ہے - اسے ہم اس کی اگلی منزل کہتے ہیں -

وَدَعَهٗ وَدْعاً - اور وَدَّعَهٗ تَوْدِیعاً - کسی کو الوداع کہنا - کسی کو رخصت کرنا - (وَدَعَ کا ایک مصدر دَعَةٌ ہے جسکے معنی فراغی عیش اور راحت و آرام کے ہیں) - اَلْوَدَاع کہنے والا، مسافر کو یہ دعا دیتا ہے کہ خدا اسے سفر کی مشقت سے محفوظ رکھے اور آرام کی حالت میں پہنچا دے - یہ تھی اس لفظ کی اصل - بعد میں یہ لفظ مسافر کو رخصت کرنے اور چھوڑنے کے لئے بولا جانے لگا - اور اس کے بعد صرف چھوڑ دینے (ترک کر دینے) کے معنی میں استعمال ہونے لگا *** - چنانچہ سورہ الضحیٰ میں مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی (۹۳/۳) - اور سورہ احزاب میں دَعْ اَذٰهُمْ (۳۳/۴۸) کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں -

و د ق

وَدَقَ الشَّیْءُ - اس کے قریب ہوا - وَدَقَ الْمَطَرُ - آسمان سے بارش برسی - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی آنے اور مانوس ہونے کے ہیں - آسمان سے آنے کی وجہ سے بارش کو الوَدْقُ کہا جاتا ہے - محیط نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے اصل معنی قریب آنا اور مائل ہونا ہیں ** - وَدَقَتِ الدَّابَّةُ وَاسْتَوْدَقَتْ کے معنی ہیں مادہ چوپایہ کا، نر کی خواہش کے وقت، رطوبت باہر نکالنا - جب سخت بارش ہو رہی ہو اور اس میں غبار سا نظر آئے تو اس غبار کو وَدْقٌ کہتے ہیں - اسی طرح جب گرمی کی شدت سے ہوا میں لہریں سی نظر آئیں تو انہیں وَدِیْقَةٌ کہتے ہیں *** -

*تاج و محیط - **محیط - ***راغب -

تاج میں ہے کہ ہر قسم کی بارش خواہ زوردار ہو یا ہلکی وَدْقٌ کہلاتی ہے۔ قرآن کریم میں اَلْوَدْقَ بارش کے لئے آیا ہے جب وہ بادلوں میں سے نکلے (۲۴/۴۳)۔

و د ی

وَدَیَ الشَّیْءُ وَدْیاً۔ وہ چیز بہ پڑی *۔ اَلْوَادِیْ۔ وہ جگہ جہاں پانی بہتا ہو۔ یہ اسکے اصل معنی ہیں۔ اس کے بعد دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ زمین کو وادی کہنے لگے **۔ اس کی جمع اَوْدِیَۃٌ آتی ہے (۱۳/۱۷)۔ پھر استعارۃً طریقہ، مسلک اور اسلوب کو بھی وَادٍ کہدیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں فُلَانٌ فِیْ وَادٍ غَیْرِ وَادِیْکَ۔ فلاں آدمی تمہارے طریقہ سے جداگانہ طریقہ رکھتا ہے **۔ قرآن کریم میں شاعروں (جذبات پرست انسانوں) کے متعلق کہا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّھُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ (۲۶/۲۲۵)۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ کسطرح ایک ایسے اونٹ کیطرح جسے پیاس کی بیماری بری طرح ستا رہی ہو اور اسکی کہیں تسکین نہ ہوتی ہو مختلف خیالات کی وادیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ (مزید تفصیل ش۔ ع۔ ر کے عنوان میں دیکھئے)۔

اَوْدَاہُ۔ اس نے اس کا خون بہا دیا۔ اسے ہلاک کر دیا **۔ اَوْدَیَ الرَّجُلُ۔ آدمی ہلاک ہو گیا *۔ یہیں سے اَلدِّیَۃُ اس مال کو کہتے ہیں جو مقتول کی جان کے عوض قاتل کی طرف سے مقتول کے ولی کو دیا جاتا ہے ***۔ یعنی خون بہا (۴/۹۲)۔

و ذ ر

اَلْوَذْرَۃُ۔ گوشت کی چھوٹی بوٹی جس میں ہڈی نہ ہو۔ ذَرْہُ۔ اسے چھوڑ دے۔ ھُوَ یَذَرُہٗ۔ وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس لفظ کا مصدر نیز ماضی اور اسم فاعل مستعمل نہیں ہوتے۔ صرف امر اور مضارع مستعمل ہوتے ہیں ****۔ (یہ لفظ تَرَکَ کا مرادف ہے)۔

سورۃ المزمل میں ہے وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ (۷۳/۱۱)۔ ہمارے قانون کو جھٹلانے والوں کو ہم پر چھوڑ دو۔ انہیں ہمارے حوالے کر دو۔ ان کے متعلق تم فکر مت کرو۔ ہمارا قانون ان سے خود نپٹ لیگا۔

وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا۔ (۲/۲۳۴)۔ اور اپنی بیویوں کو پیچھے چھوڑ جائیں۔

---

*تاج۔ **راغب۔ ***محیط۔ ****تاج و محیط۔

ورث

وَرِثَ اَبَاہٗ ۔ وہ اپنے باپ کا وارث ہوا ۔ اَوْرَثَہٗ ۔ اَبُوْہٗ ۔ اسکے باپ نے اسے وارث بنایا ۔ اَلْوِرْثُ ۔ اَلْاِرْثُ ۔ اَلتُّرَاثُ ۔ میراث ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وَرْثٌ اور مِیْرَاثٌ تو مال میں ہوتی ہے اور اِرْثٌ حسب میں ہوتی ہے ۔ اَلْوَرْثُ ۔ تازہ چیز ۔ اَلْوَارِثُ خدا کی صفت ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا کسی کی ملکیت میں ہونا اور پھر اس کے پاس سے دوسروں کی طرف منتقل ہونا ہیں ۔ اس اعتبار سے خدا کے لئے اَلْوَارِثُ کے معنی واضح ہیں ۔

راغب نے کہا ہے کہ وراثتِ حقیقی یہ ہوتی ہے کہ انسان کو کوئی ایسی چیز حاصل ہو جائے جس میں اس پر نہ تو کوئی ذمہ داری عائد ہو اور نہ ہی اس پر اس سے محاسبہ کیا جائے ۔ نیز ہر وہ چیز جو بلا محنت و مشقت حاصل ہو جائے اس کے لئے قَدْ وَرِثَ کَذَا کہتے ہیں ، اور کسی کو خوشگوار چیز بطور عطیہ دینے کے لئے اَوْرَثَ کہا جاتا ہے ۔ وراثت صرف مال ہی میں نہیں ہوتی ۔ وَرِثْتُ عِلْمًا مِنْ فُلَانٍ بھی کہتے ہیں ۔ یعنی میں نے فلاں آدمی سے علم کا استفادہ کیا** ۔ حضرت زکریاؑ نے جب خدا سے دعا کی تھی کہ میرے ہاں بیٹا عطا کردے تاکہ وہ یَرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ آلِ یَعْقُوْبَ (۱۹/۶) ۔ تو وراثت سے ان کی مراد اس خاندان کے علم و فضل کی وراثت تھی ، نہ کہ نبوت کی ۔ کیونکہ نبوت کسی کو ورثہ میں نہیں مل سکتی تھی ۔ یعنی جس طرح بیٹا باپ کی جائداد کا وارث ہو جاتا ہے محض بیٹا ہونے کی جہت سے ، اسی طرح نبی کا بیٹا ، محض اس کا بیٹا ہونے کی جہت سے نبی نہیں ہو سکتا تھا ۔ نبوت خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتی تھی ۔ یہ الگ بات تھی کہ ایسے شخص کو بھی خدا نبوت کے لئے منتخب کرلیتا تھا جس کا باپ نبی تھا ۔ اسے یہ منصب باپ سے وراثت میں نہیں ملتا تھا ۔ خدا سے وہبی طور پر ملتا تھا ۔

سورۃ بقرہ میں اَلْوَارِثُ (۲/۲۳۳) ۔ متوفی کے ترکہ کے وارث کے لئے آیا ہے ۔ سورۃ آل عمران میں ہے وَ لِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۳/۱۸۰) ۔ اس میں میراث کے معنے ملک کے ہیں ۔ سورۃ الفجر میں ہے وَ تَاْکُلُوْنَ التُّرَاثَ اَکْلًا لَّمًّا (۸۹/۱۹) ۔ یہ لوگ میراث کو سمیٹ کر کھا جاتے ہیں ۔ سورۃ

*تاج و محیط ۔ **راغب ۔

اعراف میں ہے۔ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُوْرِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۴۳/۷۲) ۔ یہ وہ جنت ہے جس کا تمہیں ، تمہارے اپنے اعمال کے بدلے میں ، وارث بنایا گیا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ وارث کے معنے صرف کسی کے ترکہ کا وارث نہیں بلکہ اپنی محنت کے ماحصل کے مالک کو بھی وارث کہا گیا ہے ۔ وراثت ارض کے بھی یہی معنی ہیں ، جس کے لئے صلاحیت شرط ہے (۲۱/۱۰۵) ۔

و ر د

اَلْوَرْدُ ۔ ہر درخت کے پھول ۔ (اس کا واحدہ وَرْدَةٌ ہے) لیکن بعد میں یہ لفظ گلاب کے پھول کے لئے زیادہ بولا جانے لگا* ۔ اور پھر سرخ یا گلابی رنگ کے لئے ۔ قرآن کریم میں ہے فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (۵۵/۳۷) ۔ وہ دِہَانٌ کی طرح سرخ ہو جائے گا ۔ (دہان کے لئے دیکھئے عنوان د ۔ ہ ۔ ن)۔

اَلْوِرْدُ ۔ گھاٹ ۔ (جانوروں کا) پانی کے گھاٹ پر پہنچنا ۔ خواہ اس میں داخل ہوا جائے یا نہ ہوا جائے* ۔ ابن فارس نے بھی لکھا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز تک پہنچ جانے کے ہیں ۔ وہ لوگ یا جانور جو پانی پر آئیں ۔ انہیں بھی اَلْوِرْدُ کہتے ہیں۔ اَلْمَوْرِدَةُ اَلْوَارِدَةُ ۔ راستہ ۔ پانی یا گھاٹ تک پہنچنے کا راستہ ۔ اَلْمَوَارِدُ ۔ گھاٹ یا راستے۔ اَلْوَارِدُ ۔ گھاٹ پر پہنچنے یا اترنے والا ۔ جری ۔ آگے بڑھنے والا* ۔ جو شخص پہلے منزل پر پہنچ کر قافلہ کے جانوروں کے لئے پانی کھینچکر تیار رکھے** ۔ اَوْرَدَهُ ان کو گھاٹ پر لایا ۔ اَلْوَرِيدُ ۔ قلب کی رگ* ۔

سورۃ ہود میں ہے وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ (۱۱/۹۸) ۔ کتنا بُرا ہے وہ گھاٹ جس پر اُترا جائیگا ۔ سورۃ مریم میں ہے ۔ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا (۱۹/۸۶) ۔ ہم مجرمین کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح ہنکا کر لائیں گے ۔ سورۃ یوسف میں قافلے کے آگے جا کر پانی وغیرہ لانے والے کے لئے وَارِدٌ کا لفظ آیا ہے (۱۲/۱۹) ۔

سورۃ مریم میں جہنم کے متعلق ہے وَاِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (۱۹/۷۱) ۔ تم میں سے کوئی نہیں جو اس پر وارد نہ ہو ۔ اس آیت سے عام طور پر یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ تمام انسان (مومن و کافر سب) جہنم میں داخل ہونگے۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **راغب ۔

پھر مومنوں کو اس سے نکال لیا جائے گا اور کافر اس میں رہیں گے (اس کی تائید کے لئے اس سے اگلی آیت - ۱۹/۷۲ - پیش کی جاتی ہے) - لیکن یہ خیال بوجوہ غلط ہے - اس لئے کہ قرآن کریم سے، جہنم سے نکلنے کا ثبوت کہیں نہیں ملتا - جہنم ایسی ''جگہ'' نہیں جہاں سے سزا بھگتنے کے بعد نکل آنا ہوگا - جہنم درحقیقت سلسلۂ ارتقاء میں پیچھے رہ جانے کی کیفیت (State) ہے - یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں مومنین کے متعلق ہے کہ اُولٰٓئِکَ عَنْہَا مُبْعَدُوْنَ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَہَا (۲۱/۱۰۱-۱۰۲) - وہ اس سے دور رکھے جائینگے- اتنی دور کہ اس کی آہٹ تک بھی نہ سن سکیں گے - اس اعتبار سے آیت (۱۹/۷۱) میں مِنْکُمْ سے مراد تمام نوع انسانی نہیں بلکہ (جیسا کہ پیچھے سے سلسلۂ کلام چلا آ رہا ہے) اس سے مراد وہی کفار اور سرکش مجرم ہیں جو حیات بعد الممات جیسی اہم حقیقت کے منکر تھے - اور اس کے بعد (۱۹/۷۲ میں) جو ہے ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا تو اس میں ثُمَّ کے معنی ''اس کے بعد'' نہیں - یہ ایک الگ بات کا ذکر ہے - (دیکھئے عنوان ثُمَّ) - نیز نجات کے معنے عذاب سے محفوظ رکھنے کے بھی ہیں - (دیکھئے عنوان ن - ج - و) -

لیکن اگر اس پر اصرار کیا جائے کہ (۱۹/۷۱) میں مِنْکُمْ سے مراد تمام انسان (مومن و کافر سب) ہیں تو، جیسا کہ لکھا جا چکا ہے، وَرْدٌ میں اندر داخل ہونا ضروری نہیں - اس سے مراد کسی مقام تک صرف پہنچنا ہیں -

اس اعتبار سے یوں سمجھا جائیگا کہ جنت، خواہ دنیوی ہو خواہ اُخروی، اس تک پہنچنے کے لئے تکلیفوں اور مصیبتوں کی بھٹی سے گزرنا پڑے گا - آگ اور خون میں کھیلنا ہوگا - یہ ''پل صراط'' دنیا میں ایک ایک قدم پر موجود ہے جس سے گزر کر جنت کا دروازہ ملتا ہے - جو شخص ان پُر خار وادیوں میں ذرا غیر محتاط (غیر متقی) ہوا - یا مشکلات و مصائب سے گھبرا کر بھاگ اٹھا - وہ تباہیوں کے جہنم میں گر جائے گا - جو احتیاط برتے گا اور مصائب میں ثابت قدم رہے گا وہ اس سے محفوظ رکھا جائے گا - قرآن کریم کے متعدد مقامات میں اس حقیقت کو سامنے لایا گیا ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے سخت دشوار گذار مراحل سے گذرنا ہوگا - (مثلاً ۲/۲۱۴ و ۳/۱۳۱ و ۹/۱۶ و ۳۳/۱۰) - اس کے یہ معنی نہیں کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں پہلے مشقتوں اور تکلیفوں سے گذرا جائے گا اور اس کے بعد جنت میں پہنچا جائے گا - اسکے معنی یہ ہیں کہ اس دنیا میں حق و صداقت کے پیامبروں کو مخالفین کی طرف سے تکالیف پہنچائی جائینگی - جو ان تکالیف کو برداشت کرکے جادۂ حق و صداقت

پر قائم رہے گا وہ جنت کا مستحق قرار پائے گا ۔ وہ مرنے کے بعد سیدھا جنت میں چلا جائے گا ۔ جنت اور جہنم کا فیصلہ انسان کے اس دنیا کے اعمال کرتے ہیں ۔

جو حقیقت اوپر بیان ہوئی ہے اسے فلسفہ کی زبان میں یوں کہا جائیگا کہ تخلیق (Creation) کا طریق (Process) یہ ہے کہ ہر تخلیقی تصور (Creative Idea) کے مشہود (Manifest) ہونے سے پہلے ایک داخلی ہیجان اور خلجان ہوتا ہے ۔ (اسے Labour Pains کہئے) ایک کامیاب نابغہ (Genius) اس فکری خلجان اور ہیجان سے کامیاب باہر نکل آتا ہے ۔ خام اور ناکام اس کشمکش میں کھو کر رہ جاتا ہے ۔ تاریخ پر نگاہ ڈالئے ۔ کتنے ہی خامکار مفکر اس گرداب میں پھنسے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔

نبوت اس طریق (Process) سے ماورا ہوتی ہے کیونکہ وہ صاحب وحی کی خود پیدا کردہ فکر نہیں ہوتی ۔

و ر ق

اَلْوَرَقُ درخت کے پتے ۔ ایک پتے کو وَرَقَۃٌ کہتے ہیں * ۔ قرآن کریم میں ہے وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَۃٍ (۶/۵۹) ۔ ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اَلْوَرَقُ چاندی کو کہتے ہیں خواہ وہ ٹھپہ لگی ہوئی ہو یا نہ ہو ۔ ابوالہیثم نے کہا ہے کہ اَلْوَرَقُ ۔ اَلْوَرِقُ اور اَلرِّقَۃُ ۔ خصوصیت کے ساتھ دراہم کو کہتے ہیں * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) خیر اور مال ۔ اور (۲) خاکستری رنگ کے ہیں ۔ سورۂ کہف میں ہے فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ (۱۸/۱۹) ۔ اس کے معنی سکّے کے ہیں ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ کلام قدیم میں وَرَقٌ ان جھلیوں اور کھالوں کو کہتے تھے جن پر لکھا جاتا تھا ** ۔ اسی سے کتاب کے اوراق ہیں ۔

و ر ی

اس مادہ میں چھپنے اور ظاہر ہونے کے ، دونوں معنی پائے جاتے ہیں ۔ وَرَتِ النَّارُ ۔ آگ بھڑکی ۔ اَوْرَی النَّارَ ۔ آگ بھڑکائی ۔ اور وَرَّاہُ تَوْرِیَۃً ۔ اس کو چھپا دیا ۔ دراصل اس میں چھپانے اور ظاہر کرنے کے دونوں پہلو بیک وقت موجود ہوتے ہیں ۔ مثلاً چقماق کے اندر آگ پوشیدہ ہوتی ہے ۔ اور جب اس سے نکلتی ہے تو روشن ہوجاتی ہے ۔ اس لئے کہتے ہیں

* تاج ۔ ** محیط ۔

وَرَیٰ الزَّنْدُ - چقماق سے آگ نکلی - اسی بناء پر وَرَّیٰ الْخَبَرَ کے معنی ہیں اصل بات کو چھپا کر اسے کسی اور طریق سے ظاہر کیا* - وَارَاہُ اسے چھپایا - یُوَارِیْ (۵/۳۱) چھپائے - تَوَارَیٰ - چھپا* - تَوْرِیَۃٌ - ایہام* - ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ مادہ کسی قیاس کا پابند نہیں -

اَلْوَرَاءُ - پیچھے کو کہتے ہیں*** - وَمِنْ وَرَاءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ (۱۱/۷۱) کی یہی تفسیر کی گئی ہے - یعنی حضرت ابراہیمؑ کو ان کے بیٹے اسحٰقؑ کی بشارت ملی اور اسحٰقؑ سے آگے ، ایک پوتے یعقوبؑ کی -

تَوْرَاۃٌ کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اسی مادہ سے ہے* - ایسی صورت میں اس کے معنے ہوں گے - وہ شے جس سے آگ یا روشنی حاصل کی جائے - (کتاب تورات کے لئے دیکھئے عنوان تَوْرَات) - وَرَاءَ ذَالِکَ - یعنی سِوَیٰ ذَالِکَ - اس کے سوا کچھ اور** - وَیَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَاءَہٗ (۲/۹۱) - اس کے علاوہ اور جو کچھ بھی ہے اس سے انکار کرتے ہیں -

سورۃ واقعہ میں ہے - اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ (۵۶/۷۱) - کیا تم نے آگ پر غور کیا جسے تم روشن کرتے ہو - اور سورۃ عادیات میں ہے - فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا (۱۰۰/۲) - وہ گھوڑے جن کے ٹاپ مارنے سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں -

وَرَاءُ - وَرْیٌ کے بنیادی معانی (چھپنے اور ظاہر ہونے) کے لحاظ سے وَرَاءُ کے معنی بھی پیچھے اور آگے دونوں آتے ہیں* - قرآن کریم کے مختلف مقامات میں ، سیاق و سباق کے لحاظ سے اس کے معانی متعین کئے جائینگے -

وزر

اَلْوَزَرُ - بلند اور محفوظ پہاڑ - وہ پہاڑ جس میں پناہ لی جائے - ہر جائے پناہ یا حفاظت گاہ* - چنانچہ قرآن کریم میں ہے کَلَّا لَا وَزَرَ (۷۵/۱۱) - کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں بھاگ کر پناہ لی جائے****-

اَلْوِزْرُ - بار گراں - بہت بڑی ذمہ داری - اسکی جمع اَوْزَارٌ ہے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) ملجا ، جائے پناہ اور (۲) کسی چیز میں گرانی اور بھاری پن کے ہیں - وَزَرَ - اس نے بوجھ اٹھایا - وَازِرٌ بوجھ اٹھانے والا* - قرآن کریم میں ہے لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (۵۳/۳۸) - کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا -

*تاج - **محیط - ***ابن قتیبہ (القرطین - جلد ۱) - نیز ابن فارس - ****کتاب الاشتقاق -

ہر ایک کو اپنی اپنی ذمہ داری خود پوری کرنی ہوگی - اور کسی کو کسی دوسرے کے اعمال کی سزا نہیں ملے گی - نہ ہی کوئی کسی دوسرے کے اعمال کی جزا اور سزا میں حصہ دار ہوگا - قانون مکافات کا یہ عظیم الشان اصول ہے جسکا قرآن کریم نے اسطرح اعلان کیا ہے - اپنی اپنی ذمہ داری اور اپنے اپنے کئے کا پھل - آج کے جہنمی معاشرہ کا سا حال نہیں کہ — دانہ این سی کارد ، آن حاصل برد - محنت کوئی کرے ،عیش کوئی اڑائے - جرم کوئی کرے ، سزا کوئی بھگتے - غلطیاں کسی سے ہوں ، اسکے نتائج کوئی برداشت کرے - تنخواہ کوئی پائے ، ذمہ داریاں کوئی اٹھائے - قرآنی معاشرہ میں یہ کچھ نہیں ہوگا - لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی وہاں کا غیر متبدل اصول ہوگا -

وَزِیْرٌ و مُوَازِرٌ - جس پر ذمہ داری ہو - وہ جو کسی کے بوجھ میں شریک ہو* - راغب نے المُوَازَرَة کے معنے معاونت بتائے ہیں اور وَزِیْرٌ کے معنے معاون و مدد گار - نیز امیر کا بوجھ اور ذمہ داریاں اٹھانے والا** - قرآن کریم میں ہے - وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ (۲۰/۲۹) - ''میرے اہل میں سے میرا بوجھ بٹانے والا بنا دے'' -

اَوْزَارُ الْحَرْبِ - جنگ کے ہتھیار (۴۷/۴) - قرآن کریم نے کہا ہے کہ جماعت مومنین ضرورۃً جنگ اس لئے کرتی ہے کہ '' خود جنگ اپنے ہتھیار رکھدے'' - یعنی جنگ کا امکان نہ رہے - دنیا میں امن و سلامتی ہو جائے - حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (۴۷/۴) - ''تا آنکہ جنگ اپنے ہتھیار رکھدے''

وزع

وَزَعْتُهٗ اَزَعُهٗ وَزْعًا - میں نے اس کو روک دیا - منع کردیا - فَاتْزَعَ - پس وہ رک گیا - اَلْوَازِعُ - روکنے اور باز رکھنے والا - اس جہت سے یہ حاکم اور والی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے - نیز ان سپاہیوں اور سرکاری کارندوں کے لئے بھی جو لوگوں کو بے قانون ہونے سے روکیں - نیز وہ شخص جو فوجی امور کی تدبیر کرے اور فوج کو نظم و ضبط میں رکھے - کماندار*** - سورہ نمل میں حضرت سلیمانؑ کے جیوش و عساکر (لشکروں) کے متعلق ہے فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ (۲۷/۱۷) اس کے یا تو یہ معنی ہیں کہ وہ نہایت ترتیب سے صف در صف رہتے تھے ، ادھر ادھر بکھرے ہوئے نہیں ہوتے تھے - یا یہ کہ انہیں ایسے نظم و ضبط میں رکھا تھا کہ وہ کبھی سرکشی اختیار نہیں کرتے تھے - نہ ہی کسی پر ظلم و زیادتی کرتے تھے - اسی سورۃ میں ذرا

*تاج - **راغب - ***تاج و راغب -

آگے چل کر حضرت سلیمانؑ کی یہ دعا مذکور ہے کہ رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ (۲۷/۱۹) ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے نشو و نما دینے والے مجھے ایسی تمام چیزوں سے روک دے جو تیرے شکر کے راستے میں حائل ہوتی ہوں ۔ مجھے اتنا ضبط عطا کر دے کہ میں اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف تیرے متعین کردہ راستے میں صرف کروں ۔ اہل لغت نے کہا ہے کہ یہاں اَوْزِعْنِیْ کے معنی توفیق دینا ۔ سُجھانا ۔ اور کسی چیز کا شیدائی بنانا بھی ہیں ۔ جب کسی کو غلط راستے پر چلنے سے روک دیا جائے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اسے صحیح راستے پر لگ جانے کی توفیق دیدی ۔

سورہ حم سجدہ میں اہل جہنم کے متعلق ہے کہ فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ (۴۱/۱۹) وہ روک دیئے جائینگے (اس کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان ج ۔ ح ۔ م میں جَحِیْمٌ) ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے الفاظ کسی قیاس اور قاعدے کے پابند نہیں ۔

و ز ن

اَلْوَزْنُ ۔ ہاتھ سے کسی چیز کے ہلکے یا بھاری ہونے کا اندازہ کرنا* ۔ کسی چیز کی مقدار معلوم کرنا** ۔ بعض نے کہا ہے کہ وَزْنٌ ۔ ہلکا یا بھاری ہونے کو کہتے ہیں ، لیکن لیث کا قول ہے کہ وَزْنٌ ایک چیز کے بوجھ کا دوسری چیز کے بوجھ کے برابر ہو جانا ہے ۔ وَزَنَ ۔ یَزِنُ ۔ وزن کرنا ۔ وزن کرکے دینا * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی استقامت اور تناسب و اعتدال کے ہیں نیز دو چیزوں کے وزن کو برابر کرنے کے ۔

قرآن کریم نے وَزْنٌ کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسے خاص اصولی معنوں میں استعمال کیا ہے ۔ نظام کائنات پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ یہ سارا سلسلہ تَوَازُن کی رو سے قائم ہے ۔ اگر مختلف اشیاء کا باہمی توازن بگڑ جائے تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے ۔ اس کے لئے فرمایا ۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَھَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ (۵۵/۷) ۔ خدا نے اس سلسلۂ کائنات کو ان بلندیوں پر قائم کیا اور تمام اشیاء میں ایک توازن رکھ دیا ۔ مختلف فضائی کروں اور اجرام فلکی کی باہمی جذب و کشش اس عظیم المثال توازن کی زندہ شہادت ہے ۔ چونکہ انسان بھی کائنات ہی کا ایک جزو ہے اس لئے ضروری ہے کہ اسکی دنیا میں بھی یہی توازن (Equilibrium) قائم رہے ۔

*تاج ۔ **راغب ۔

اَلاَّ تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ (۵۵/۸) ۔ لہذا تم اپنی تمدنی، معاشرتی اور معاشی دنیا میں ہمیشہ اس اصول کو پیش نظر رکھو وَ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ (۵۵/۹) ۔ معاشرتی اور معاشی توازن کو عدل و انصاف کے ساتھ برقرار رکھو اور معاشرہ کا توازن کبھی بگڑنے نہ دو ۔ ظاہر ہے کہ معاشرہ کا یہ توازن صرف قانون کے الفاظ سے قائم نہیں رہ سکتا ۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک عملی نظام قائم کیا جائے جو اس توازن کے قیام کا ذمہ دار ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ خدا نے صرف ضابطہ قوانین ہی نازل نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ اَلْمِیْزَانَ بھی نازل کی ہے ۔ یعنی معاشرہ میں توازن قائم رکھنے کا ذمہ دار عملی نظام ۔ وہی نظام وہ معیار بنتا ہے جس سے ہر شے کا صحیح صحیح ''وزن'' متعین ہوتا ہے ۔ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (۵۷/۲۵) ۔ لیکن دنیا میں کوئی نظام قوت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا اس لئے کہا کہ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ (۵۷/۲۵) ۔ اس کے لئے ہم نے فولاد (کی شمشیر) بھی نازل کی ۔ یہ ہے قرآنی نظام کا صحیح نقشہ ۔ یعنی خدا کی طرف سے ابدی قوانین کا ضابطہ (الکتاب) ۔ اس ضابطہ کو عملی طور پر متشکل کرنے کے لئے نظام (المیزان) ۔ اور اس نظام کے قیام و استحکام کے لئے قوت (الحدید) ۔ حدید کے متعلق فرمایا کہ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۵۷/۲۵) ۔ اس کی شدت اور سختی، فتنہ و فساد برپا کرنے والے عناصر کے لئے روک تھام کا کام دیتی ہے اور یوں یہ قوت، نوع انسانی کے لئے فی الجملہ ۔ باعث منفعت بن جاتی ہے ۔ اس نظام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جو کچھ ملتا ہے سعی و عمل کے مطابق ملتا ہے ۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ۔ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۔ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ (۱۰۱/۶) ۔ جس کی سعی و عمل کا پلڑا بھاری ہوگا اسے عیش فراواں کی زندگی نصیب ہوگی ۔ جسکا پلڑا ہلکا ہوگا وہ ذلت و رسوائی کے آغوش میں چلا جائیگا ۔ (مَوَازِیْنُ ۔ میزانٌ کی جمع ہے) ۔ اس نظام میں ہر چیز کا وزن ٹھیک ٹھیک، یعنی ہر عمل کا نتیجہ صحیح صحیح مرتب ہوگا ۔ وَ الْوَزْنُ یَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ (۷/۸) ۔ اور تمام وہ کوششیں جو خدا کے نظام ربوبیت عامہ کے خلاف ہوں گی بے نتیجہ ہو کر رہ جائینگی ۔ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا (۱۸/۱۰۵) ۔ اسطرح یہ معاشی اور معاشرتی نظام، کائناتی نظام سے ہم آہنگ ہوجاتا ہے جس میں ہر شے موزون ہے ۔ وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ (۱۵/۱۹) ۔ یعنی ایک خاص تناسب (Proportion) کو لئے ہوئے ۔

توازن کے اعتبار سے وَزِیْنُ الْقَرَاْیِ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی رائے بہت صحیح اور وزندار ہو۔ اور رَاجِحُ الْوَزْنِ اس شخص کو جو کامل العقل اور کامل الرائے ہو*۔ اور اَوْزَنُ الْقَوْمِ۔ قوم کے بہترین و معزز ترین فرد کو کہتے ہیں**۔

و س ط

اَلْوَسَطُ ۔ ہر چیز کا درمیانی حصہ ۔ وہ نقطہ جو دونوں اطراف سے برابر فاصلے پر ہو ۔ وَسْطُ الشَّمْسِ ۔ آفتاب کا آسمان کے درمیان آ جانا ۔ مُوْسِطُ الْبَیْتِ ۔ وہ چیز جو خصوصیت سے گھر کے درمیان واقع ہو*۔ محیط میں ہے کہ اَلْوَسَطُ اور اَلْوَسْطُ اس درمیانی جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے تمام اطراف کا فاصلہ برابر ہو**۔

چونکہ ہر چیز کا اوسط (درمیانی نقطہ) نقطۂ اعتدال ہوتا ہے، یعنی افراط و تفریط کے بالکل درمیان، اس لئے یہ لفظ ہر عمدہ اور بہترین چیز کے لئے بولا جاتا ہے ۔ وَاسِطَةُ الْقِلَادَةِ ۔ ہار کا درمیانی موتی جو نفیس ترین ہوتا ہے ۔ وَسَاطَةُ الدَّنَانِیْرِ ۔ بہترین دینار* ۔ اَلْوَاسِطَةُ ۔ درمیانی ۔ بیچ میں پڑنے والا ۔ علت (کسی چیز کا ذریعہ اور سبب)** ۔ اَلْوَسِیْطُ ۔ وہ شخص جو جھگڑا کرنے والوں کے بیچ میں پڑے* ۔ قرآن کریم میں جنگ کے گھوڑوں کے متعلق ہے فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا (۱۰۰/۵) ۔ وہ دشمنوں کی صفوں کے الدرجا گھستے ہیں ۔

قرآن کریم میں امت مسلمہ کے متعلق ہے ۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (۲/۱۴۳) ۔ اس طرح ہم نے تمہیں ایک امت وَسَطٌ بنایا ہے جس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ تمام نوع انسانی کے اعمال کی نگرانی کرے ۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ اس قوم کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہو اور وہ ہر قوم سے برابر فاصلے پر (Equidistant) ہو ۔ یعنی نہ کسی کی طرف جھکی ہوئی اور نہ کسی سے کھنچی ہوئی ۔ اس کی نگاہوں میں سب برابر ہوں، جس طرح دائرے کے مرکز سے محیط کا ہر نقطہ برابر فاصلے پر ہوتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ پوزیشن اس قوم کو حاصل ہو سکتی ہے جو عدل اور انصاف کے راستے سے ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہٹے ۔ اس قسم کی قوم صحیح معنوں میں اقوام عالم کے اعمال و افعال کی نگران اور محتسب ہو سکتی ہے ۔ لہٰذا امت وَسَط سے مراد ایسی قوم ہے جسے بین الاقوامی

*تاج ۔ **محیط ۔

اور مرکزی پوزیشن حاصل ہو۔ جو تمام اقوام کے افعال و حرکات کی نگران ہو اور بین الاقوامی معاملات کو پورے پورے عدل و انصاف سے سلجھائے۔ قرآن کریم نے یہ مقام متعین کیا تھا جماعت مومنین کا۔

یہ نقطہ بھی غور طلب ہے کہ قرآن کریم نے اس قسم کا بین الاقوامی نظام اور اقوام عالم کے متنازعہ فیہ امور کے تصفیہ کے لئے اس قسم کا انتظام اس زمانے میں تجویز کیا تھا جب دنیا ہنوز ''بین الاقوامی'' تصور تک سے نا آشنا تھی۔

و س ع

وَسِعَ - یَسَعُ - سَعَۃٌ - قدرت رکھنا - طاقت رکھنا - اختیار رکھنا - مَا اَسَعُ ذَالِکَ - میں اس کی قدرت نہیں رکھتا - ھٰذَا الْاِنَاءُ یَسَعُ عِشْرِیْنَ کَیْلًا - اس برتن میں بیس پیمانہ بھر چیز سمانے کی گنجائش ہے - اَلْوَاسِعُ - اَلْوَسِیْعُ - فراخ - کشادہ - اَلْوَسْعُ اَلْوِسْعُ اَلْوُسْعُ اَلسَّعَۃُ - ان سب کے معنی ، فارغ البالی - کشادگی رزق - قدرت اور طاقت کے ہیں - اَلْوَسَاعُ - اُس گھوڑے کو کہتے ہیں جو لمبی لمبی ڈگ بھرتا ہوا تیزی سے دوڑے* - ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی تنگی اور بدحالی کی ضد بتائے ہیں۔

راغب نے لکھا ہے کہ وُسْعٌ اس طاقت کو کہتے ہیں جو اس کام سے ذرا زیادہ ہو جو اس کے سپرد کیا جائے - اس لئے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (۲/۲۸۶) کے معنی یہ ہیں کہ خدا بندے کے ذمہ اتنا ہی کام لگاتا ہے جو اس کی طاقت سے ذرا کم ہوتا ہے** - (اس کا صحیح مفہوم آگے آتا ہے) - اَلْمُوْسِعُ - صاحب اختیار و وسعت* - اَلْوَاسِعُ - خدا کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے* -

قرآن کریم میں اَلْمُوْسِعُ - اَلْمُقْتِرُ - کے مقابلہ میں آیا ہے (۲/۲۳۶) - یعنی وہ جسے رزق کی کشادگی نصیب ہو - یہی معنی سورۃ نور میں اُولُوا السَّعَۃِ کے ہیں (۲۴/۲۲) - یعنی آسودہ حال اور کشائش والے لوگ - سورۃ ذاریات میں ہے اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (۵۱/۴۷) - ہم صاحب وسعت ہیں - یعنی ہماری قدرت اور اختیارات بھی وسیع ہیں اور ہم رزق میں فراخی اور کشادگی بھی عطا کرتے ہیں - سورۃ بقرہ میں ہے - وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ (۲/۲۵۵) - اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے - علم ہی نہیں بلکہ رحمت (سامان ربوبیت) بھی (۷/۱۵۶) -

---

*تالیو - **محیط -

قرآن کریم میں ہے ۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (۲/۲۸۶ و ۶/۱۵۲ و ۷/۴۲ و ۲۳/۶۲)۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ خدا جو اپنے احکام و قوانین کی اطاعت چاہتا ہے تو اس سے اس کا اپنا کوئی فائدہ مطلوب نہیں ۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ انسانی ذات میں وسعت پیدا ہو جائے ۔ اس کی قدرت و اختیارات کا دائرہ وسیع ہو جائے ۔ اسے کشادگی اور فراخی نصیب ہو جائے** ۔ سورۃ اعراف میں اس کے ساتھ کہا گیا ہے اُولٰئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ (۷/۴۲)۔ ان وسعتوں اور فراخیوں کا نام جنت کی زندگی ہے ۔ یعنی اس دنیا میں رزق اور زندگی کی خوشگواریوں کی وسعت اور کشاد ، اور خود انسانی ذات (Personality) کے اختیارات و ممکنات کے دائرے کی وسعت ، جس سے انسان اُخروی زندگی میں مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے ۔ یہ وہ جنت ہے جو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو محیط ہے ۔ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ (۵۷/۲۱)۔

راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کے معنی یہ ہیں کہ ان احکام کا ثمرہ وسعت ہے۔ یعنی جنت ۔ یہ اسی مفہوم کی تائید میں ہے جسے دوسری جگہ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (۲/۱۸۵) سے ادا کیا گیا ہے ۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کے یہ معنے بھی ہیں کہ خدا ایسے احکام دیتا ہے جو کسی کی قوت برداشت سے زیادہ نہ ہوں ۔ اس آیت کا عام مفہوم یہی لیا جاتا ہے ۔ لیکن قرآن کریم میں بعض مقامات پر پہلا مفہوم زیادہ موزوں نظر آتا ہے ۔ قرآنی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنے کا لازمی نتیجہ انسانی ذات کی نشو و نما ہے جس سے اس کی صلاحیتوں اور ممکنات کا دائرہ بڑا وسیع ہو جاتا ہے ۔

و س ق

وَسَقَ یَسِقُ وَسْقًا ۔ چیزوں کو ملانا ۔ متفرق چیزوں کو اکٹھا اور جمع کرنا ۔ نیز بوجھ اٹھانا ۔ کسی چیز کو اپنے اندر لے لینا ۔ وَسَقَتِ النَّاقَۃُ ۔ اونٹنی نے نر کے جنسی مادہ کو اپنے اندر رحم میں جمع کر کے اس کا منہ بند کر لیا ۔ یعنی وہ حاملہ ہو گئی ۔ اِسْتَوْسَقَتِ الْاِبِلُ ۔ اونٹ جمع ہو گئے* ۔ نواب صدیق خاں نے لکھا ہے کہ (و ۔ س ۔ ق) کا خاصہ شدت اور اجتماع ہے*** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو اٹھا لینا بتائے ہیں ۔

*تاج و راغب ۔ **راغب ۔ ***العلم الخفاق ۔

قرآن کریم میں ہے وَ اللَّیۡلِ وَمَا وَسَقَ (۸۴/۱۷) ۔ رات اور ہر وہ شے جسے وہ جمع کرلیتی ہے ۔ یعنی تاریکیاں ۔ یا ستارے اور چاند ۔ وَسۡقٌ ۔ ایک اونٹ کا بار ۔ ساٹھ صاع ۔ اِتَّسَاقٌ ۔ ہر چیز کے مل جانے اور اس کے اجزاء کے اکٹھے ہو جانے کو کہتے ہیں* ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ (۸۴/۱۸) ۔ اس میں چاند کے کامل ہو جانے کا مفہوم ہے ۔ اِتَّسَاقُ الۡقَمَرِ ۔ چاند کے بھر پور ، کامل اور برابر ہو جانے کو کہتے ہیں ۔ یہ حالت تیرھویں سے سولھویں رات تک ہوتی ہے ۔

و س ل

اَلۡوَسِیۡلَۃُ ۔ کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنا ۔ لہذا مفہوم کے اعتبار سے یہ لفظ اَلۡوَصِیۡلَۃُ سے زیادہ خاص ہے کیونکہ وَصِیۡلَۃٌ کے معنی کسی چیز تک پہنچنا ہیں اور وَسِیۡلَۃٌ کے معنی رغبت کے ساتھ پہنچنا* ۔ اس کے معنی منزلت ۔ مقام ۔ مرتبہ کے ہیں* ۔ نیز ہر وہ چیز جس کے ذریعے کسی دوسرے سے قرب حاصل کیا جائے ۔ نیز قُرۡبَۃٌ ۔ یعنی قدر و منزلت کے اعتبار سے کسی سے قریب ہونا** ۔ تَوَسَّلَ اِلَیَّ بِکَذَا ۔ اس نے میری طرف فلاں چیز کے ذریعے قرب حاصل کیا*** ۔ صاحب تاج العروس اور محیط نے وَسِیۡلَۃٌ کے معنی مرتبہ ۔ درجہ ۔ قرب ۔ تعلق کے لکھے ہیں ۔ تَوَسَّلَ اِلَی اللّٰہِ تَوَسُّلًا ۔ اس نے کوئی ایسا کام کیا جس سے اسے خدا کا قرب حاصل ہوگیا ۔ اَلۡوَاسِلُ ۔ رغبت کرکے کسی کا قرب حاصل کرنے والا** ۔

سورہ مائدہ میں ایک آیت ہے جس کے غلط (مروجہ) مفہوم نے ، اسلام جیسے حیات بخش دین (نظام زندگی) کو اشخاص پرستی کا طلسم بنا کر رکھ دیا ہے ۔ وہ آیت یہ ہے ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ وَجٰهِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (۵/۳۵) ۔ اس کا سیدھے سادے الفاظ میں ترجمہ یہ ہے ۔ ”اے ایمان والو ! تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو ۔ اور اس کی طرف ” وسیلہ “ طلب کرو ۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو ۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ “ ۔ ہم نے اس میں لفظ ” وسیلہ “ کو علیٰ حالہٖ رہنے دیا ہے کیونکہ اسی کے غلط مفہوم پر اشخاص پرستی کی وہ عمارت قائم کی جاتی ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے ۔ لفظ ” وسیلہ “ کے جو لغوی معنی اوپر دئے گئے ہیں ان کی رو سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے ایمان والو! تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو ۔ اور خدا کے ہاں درجہ مرتبہ ، قرب ، منزلت طلب کرو ۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اس کے راستے

---

* راغب ۔ ** تاج و محیط ۔ ***ابن قتیبہ (القرطین جلد اول صفحہ ۱۳۱) ۔

میں پوری پوری جدو جہد کرتے رہو۔ اس سے تم مقصد زندگی کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ یعنی خدا کے ہاں قدرو منزلت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی راہ میں مسلسل جدو جہد کرتے رہو۔

اور اگر لفظ ''وسیلہ'' کا ترجمہ ''ذریعہ'' کیا جائے تو بھی مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ کے ہاں عزت و منزلت۔ درجہ اور مرتبہ حاصل کرنے کا ذریعہ طلب کرو۔ یعنی اس کے راستے میں جہاد کرو۔ دونوں صورتوں میں مفہوم ایک ہی ہے۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ وہ عمل صالح ہے جو خدا کے ہاں درجہ اور مرتبہ ملنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس طریق سے تم خدا کے مقرب بن سکتے ہو۔ لیکن ہمارے ہاں اس آیت کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لئے ''وسیلے'' کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ وسیلہ ہے ''پیرومرشد''۔ لہذا مرشد (پیر طریقت) کے بغیر خدا تک نہیں پہنچا جا سکتا۔

اور جب ''وسیلہ'' کے معنی ''پیر پکڑنے'' کے کر لئے تو ''جَاهِدُوْا'' کے معنی ہو گئے ''اپنے نفس سے جہاد کرنا''۔ جسے جہاد اکبر قرار دیا جاتا ہے۔ خدا تک پہنچنے کا ذریعہ، انسانوں کو قرار دینے والے اس دین (اسلام) کے نام لیوا ہیں جو دنیا سے شخصیت پرستی کو مٹا کر، خدا اور بندے کا براہ راست (قرآن کریم کے ذریعے) تعلق پیدا کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس دین کے عطا کرنے والے خدا کا اعلان یہ تھا کہ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ ''جب میرے بندے تجھ سے (اے رسول) میری بابت پوچھیں تو (کہدو کہ) میں ان سے قریب ہوں''، اتنا قریب کہ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ ''میں ہر شخص کی پکار کا، جو مجھے پکارتا ہے، جواب دیتا ہوں''۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ۔ وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (۲/۱۸۶) ''انہیں چاہئے کہ میری فرمانبرداری کریں۔ اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ تا کہ انہیں رشد وہدایت مل جائے''۔ بات کسقدر صاف ہے۔ جو شخص قوانین خداوندی کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے اور ان کی اطاعت کرتا ہے، اسے وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے جس کے لئے دوسرے لوگ ''مرشد'' تلاش کرتے رہتے ہیں۔ (يَرْشُدُوْنَ کا لفظ اسی طرف اشارہ کرتا ہے)۔ خدا کے علاوہ کوئی ''مرشد'' (راہ بتانے والا) نہیں (دیکھئے ۱۸/۱۷)۔ خدا کے قوانین کی اطاعت اس نظام کی رو سے ہوتی ہے جو اس کے قوانین کو عملاً نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے۔ اس نظام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں (حضرت عمرؓ کے الفاظ میں) ''خدا اور بندے کے درمیان کوئی اور طاقت حائل نہیں رہتی''۔ یہی وہ صحیح آزادی

ہے جسے عطا کرنے کے لئے نبی اکرمؐ مبعوث ہوئے تھے (۱۵۷/۷) ۔ لیکن ہم نے اس آزادی کی جگہ ، انسان پرستی کی مقدس زنجیروں سے اپنے آپ کو اس طرح جکڑ لیا کہ ہمارے فکر و عمل کا کوئی گوشہ بھی آزاد نہ رہ سکا ۔ یاد رکھئے ۔ مسلمان ، دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل صرف اس وقت ہو سکے گا جب اس نے انسانوں کی چوکھٹوں سے سر اٹھا کر صرف اللہ کے سامنے جھکنے کا مسلک اختیار کر لیا ۔

و س م

اَلْوَسْمُ ۔ تپائے ہوئے لوہے سے داغ دینا یا نشان لگانا ۔ اَلْوِسَامُ ۔ وہ نشان جو داغ دینے سے پڑ جائے ۔ وَسَمَ یَسِمُ وَسْماً ۔ جانور کو لوہے سے داغ دیکر نشان زدہ کرنا ۔

اَلسِّیمَۃُ ۔ علامت ۔ نشانی ۔ فُلَانٌ مَوْسُوْمٌ بِالْخَیْرِ ۔ فلاں آدمی پر بھلائی کا نشان ہے ۔ مَوْسِمُ الْحَجِّ ۔ وہ زمانہ جو اجتماعِ حج کے لئے نشان زد کر دیا جائے ۔ تَوَسُّمٌ فراست و ذکاوت کو کہتے ہیں ۔ اَلْوَسْمِیُّ ۔ موسمِ بہار کی ابتدائی بارش (جس سے زندگی اور حسن کی نمود کی نشان دہی ہو جاتی ہے) * ۔

قرآن کریم میں ہے سَنَسِمُہٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ (۶۸/۱۶) ۔ ہم اس کی ناک پر داغ دینگے ۔ (ذلت و خواری مفہوم ہے) ۔ سورۃ حجر میں ہے ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ (۱۵/۷۵) ۔ اس میں صاحبانِ فراست کے لئے نشانیاں ہیں ۔ ان لوگوں کے لئے جو آثار و قرائن سے حقائق کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

و س ن

اَلْوَسَنُ ۔ اَلسِّنَۃُ ۔ نیند کی ابتدا یا اونگھ یا نیند کے جھونکے کو کہتے ہیں ۔ اس کا اگلا درجہ نَوْمٌ ہوتا ہے ۔ نیز اس کے معنی غفلت ہوتے ہیں ۔ ھُوَ فِیْ سِنَۃٍ ۔ وہ غفلت میں ہے * ۔ اسکے معنے نیند کی گرانی اور شدت بھی ہیں ** ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے ۔ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ (۲/۲۵۵) ۔ بے خبر ہونا تو ایک طرف وہ کسی شے سے غافل تک بھی نہیں ہوتا ۔

---

* تاج و راغب ۔ ** تاج ۔

و س و س

اَلْوَسْوَاسُ ۔ ہلکی سی آہٹ ۔ شکاری کی آہٹ ۔ دبے پاؤں چلنے سے پیدا ہونے والی خفیف سی آہٹ ۔ چلنے میں زیور کے بجنے کی ہلکی آواز کو بھی کہتے ہیں (جس سے سننے والے کے دل میں عجیب سے خیالات پیدا ہوتے ہیں)*۔ دل میں مختلف قسم کے خیالات گذرنے کو بھی کہتے ہیں ۔ نیز ہر غیر واضح کلام کو جس میں مختلف آوازیں مل گئی ہوں ۔ نیز ایسی گفتگو کو جو بغیر نظم و ترتیب کے ہو* ۔ راغب نے الوَسْوَسَۃُ کے معنے برے خیال کا دل میں گذرنا لکھے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے فَوَسْوَسَ لَھُمَا الشَّیْطَانُ (۲۰/۱۲۰) ۔ ''پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا'' ۔ اس سے مراد وہ خیالات ہیں جو خود غرضی کے جذبات انسان کے دل میں پیدا کرتے ہیں ۔ یا جنہیں شرپسند لوگ کسی کے دل میں پیدا کریں ۔ اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ (۱۱۴/۴-۵) ۔ وہ جو دبے پاؤں آکر چپکے سے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال دیتا ہے ۔ ایسے لوگ اسلامی معاشرہ میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں ۔ ان سے محتاط اور محفوظ رہنے کی سخت تاکید کی گئی ہے ۔

و ش ی

اَلْوَشْیُ ۔ کپڑے پر (مختلف رنگوں سے) نقش و نگار بنانا ۔ یہ اس کے بنیادی معنی ہیں** ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اس کے معنے کسی چیز میں اس کے تمام رنگ کے خلاف کوئی رنگ لگانا ہیں***۔ اسکے بعد یہ لفظ رنگ آمیزی کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ۔ چنانچہ کہتے ہیں وَشَی النَّمَّامُ کَلَامَہٗ ۔ چغلخور نے اپنی بات میں جھوٹ بول کر رنگ آمیزی کی** ۔ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کی گائے کے متعلق ہے ۔ مُسَلَّمَۃٌ لَا شِیَۃَ فِیْھَا (۲/۷۱) ۔ وہ بالکل صحیح اور سالم ہے اور اس پر کوئی داغ نہیں ہے ۔ یعنی کسی ایسے رنگ کا نشان نہیں جو اسکے سارے بدن کے رنگ کے خلاف ہو ۔

و ص ب

وَصَبَ یَصِبُ ۔ وُصُوْبًا ۔ کسی چیز کا دائم اور ثابت رہنا ۔ اَوْصَبَ کے بھی یہی معنی ہیں ۔ (یہ متعدی بھی ہو جاتا ہے) ۔ وَصَبَ عَلَی الْاَمْرِ ۔ اس نے اس بات پر مداومت کی اور حسن کارانہ اسے انجام دیا ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔ ***راغب ۔

مَفَازَةٌ وَاصِبَةٌ - بہت ہی لمبا چوڑا لق و دق بیابان جسکی انتہا نہ ہو۔ اَلْوَصَبُ - ہمیشہ رہنے والی بیماری - اسی سے اَلْاَوْصَابُ بیماریوں کو کہتے ہیں* -

قرآن کریم میں ہے - وَ لَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا (۱۶/۵۲) - کائنات کی ہر شے خدا کی فرمان پذیری کر رہی ہے اور ایسا مداومت سے ہو رہا ہے - مسلسل و پیہم ایسا ہو رہا ہے - (انسان کے لئے بھی ایسا کرنا ضروری ہے) - دوسری جگہ ہے وَ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ (۳۷/۱۰) - لازم ہو جانے والا عذاب -

و ص د

اَلْوَصِيْدُ - صحن ، آنگن - دروازے کی چوکھٹ - پتھروں سے بنایا ہوا احاطہ ، جو اونٹوں کے لئے پہاڑ میں بنا لیا جاتا ہے* - سورۃ کہف میں ہے کہ ان کا کتا اپنے ہاتھ پھیلائے وَصِيْدٌ میں رہتا تھا (۱۸/۱۸) - اسکے معنی غار کے صحن یا دروازے کی چوکھٹ کے ہیں - چوکھٹ سے مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا ہے - اَوْصَدَ الْبَابَ وَ آصَدَهُ کے معنی ہیں اس نے دروازہ بند کر دیا - اَوْصَدَ الْقِدْرَ - اس نے ہانڈی کو ڈھانپ دیا* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دینے کے ہیں -

[اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ (۱۰۴/۸) کے لئے دیکھئے عنوان اَ - ص - د]

و ص ف

وَصَفَ الشَّيْءَ يَصِفُهُ وَصْفًا - کسی چیز کا حلیہ اور کیفیت بیان کرنا - اَلصِّفَةُ - کسی چیز کی حالت - کیفیت** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا حلیہ بیان کرنے کے ہیں - نیز الصِّفَةُ کے معنے ہیں وہ علامت جو کسی چیز سے مستقل لگی رہے -

خدا کو دنیا میں قریب قریب ہر شخص مانتا ہے - لیکن جس جگہ پہنچ کر اختلاف پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا ہے کیسا؟ کوئی انسان اپنی عقل کی رو سے یہ نہیں جان سکتا کہ خدا کیسا ہے - اس لئے کہ خدا انسانی عقل کی حد سے ماوراء ہے - لہذا خدا کے متعلق صرف وہی بات یقینی طور پر صحیح ہو سکتی ہے جسے خود خدا بتائے - اور اس کا ذریعہ وحی کے سوا اور کچھ

*تاج و راغب - **تاج -

نہیں ۔ اور وحی اب آخری شکل میں قرآن کریم کے اندر ہے ۔ لہذا خدا کا صحیح تصور وہی ہے جسے قرآن کریم پیش کرتا ہے ۔ جو تصور اس تصور کے خلاف ہوگا وہ غلط ہوگا ، اور خدا کی طرف اس کا انتساب باطل ۔ چنانچہ اس قسم کے (ذہن انسانی کے پیدا کردہ) تصورات کا ذکر کرنے کے بعد قرآن کریم کہہ دیتا ہے کہ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ (۶/۱۰۰)۔ خدا کے متعلق جو تصور یہ لوگ پیش کرتے ہیں وہ اس سے بہت دور اور بلند ہے ۔ وہ اس سے مبرا اور منزہ ہے ۔

یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم ان لوگوں کو بھی ''خدا پر ایمان'' لانے کی دعوت دیتا ہے جو خدا کو مانتے ہیں ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خدا کے متعلق صحیح صحیح تصور رکھو ۔ اور یہ تصور وہی ہوسکتا ہے جسے خدا نے خود قرآن کریم میں پیش کیا ہے ۔ یہ اس کی صفات یا اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی ہیں ۔ بالفاظ دیگر ، خدا کی ذات کے متعلق ہم کچھ نہیں سمجھ سکتے ۔ کوئی محدود (Finite) لا محدود (Infinite) کو حیطۂ ادراک میں لا نہیں سکتا ۔ اسی لئے خدا نے صرف اپنی صفات بیان کی ہیں ۔ اور انہی صفات سے ہم اس کے متعلق اندازہ کر سکتے ہیں ۔ خدا ، علیم ہے ۔ خبیر ہے ۔ بصیر ہے (وغیرہ) لیکن خود خدا ، جو علیم و خبیر و بصیر ہے ، ہے کیا ؟ ہم اس کے متعلق نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں ، نہ سمجھا سکتے ہیں ۔

و ص ل

وَصْلٌ ۔ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دینا ۔ جوڑ دینا ۔ (فصل اور قطع کی ضد) ۔ اَوْصَلَہٗ اِیْصَالاً ۔ اس کو اس تک پہنچا دیا ، یا اس کے ساتھ ملا دیا ۔ قَطْعٌ کے مقابلہ میں اِیْصَالٌ قرآن کریم میں (۲۸/۵۱) میں آیا ہے ۔ وَصَلَ الشَّیْءُ اِلَی الشَّیْءِ ۔ اس چیز کی طرف پہنچ گیا ۔ قَطَعَ الرَّحِیْمَ کے مقابلہ میں وَصَلَ فُلَانٌ رَحِیْمَہٗ بولتے ہیں* ۔ (قطع رحم کے لئے دیکھئے عنوان ق ۔ ط ۔ ع) ۔

اَلْوَصِیْلَۃُ (۵/۱۰۳) ۔ وہ بکری جو لگاتار سات بطن میں دو دو مادہ بچے دے اور ساتویں بطن میں ایک نر اور ایک مادہ بچہ دے ۔ جاہلیت عرب میں اس نر بچہ کو ذبح نہیں کرتے تھے اور اس بکری کے دودھ کو عورتیں نہیں پیتی تھیں ۔ اس بکری کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا* ۔ (بعض

*تاج ۔

ائمہ لغت نے اس بکری کا تعارف اور طرح سے بھی کرایا ہے - بعض نے بکری کے بجائے اونٹنی بھی بتایا ہے* - بہرحال اس سے مقصود ان توہمات کا ذکر کرنا ہے جو اسلام سے پہلے وہاں رائج تھے -

ہمارے ہاں کسی بزرگ کی وفات پر عام طور پر کہتے ہیں کہ ان کا ''وصال'' ہوگیا - یہ تصور ہندؤں کے تصوف (ویدانت) سے آیا ہے جس کی رو سے یہ مانا جاتا ہے کہ انسانی روح خدا کی روح کا ایک جزو ہے جو بدقسمتی سے مادی جسم کے جیل خانے میں محبوس ہوگئی ہے - اس جسم سے علیحدگی کے بعد یہ جزو اپنے کل سے جا کر مل جائے گا - اس ملاپ کے لئے وِصَال کا لفظ بولا جاتا ہے - یعنی فلاں واصل بالحق ہوگیا - خدا کے ساتھ مل گیا - وحدت وجود کے مسلک کی یہی تعلیم ہے - یہ تمام تصورات غیر قرآنی ہیں - اسی طرح ''عرس'' کا تصور ہے جو عیسائیوں کے مسلکِ خانقاہیت سے آیا ہے - اس کے معنی شادی کرنے کے ہوتے ہیں - عیسائیوں میں راہبہ عورتوں (Nuns) کے متعلق یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ان کی شادی ان کے خدا (یسوع مسیح) سے ہو چکی ہوتی ہے - اور وہ گویا خدا کی عروس (دلہن) ہیں - یہی تصور ہمارے تصوف میں آگیا جہاں یہ سمجھ لیا گیا کہ ''اللہ والے'' کی وفات کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کی شادی (عرس) خدا سے ہوگئی - یعنی خدا سے اس کا وصال ہوگیا - یہ سب تصورات غیر قرآنی ہیں -

و ص ی

وَصِیَ الشَّیْئُ بِہٖ وَصْیًا - متصل ہوجانا - مل جانا - وصّاہُ بِہٖ یُصِیْہِ - اسے اس سے ملا دیا - (لازم و متعدی) - وَصِیَ النَّبْتُ - پودے گتھ گئے اور ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے - اَرْضٌ وَاصِیَۃٌ - وہ زمین جس کے پودے قریب قریب ، اور باہم گتھے ہوئے ہوں - فَلَاۃٌ وَاصِیَۃٌ - وہ بیابان جو دوسرے بیابان سے ملا ہوا ہو***-

اس سے راغب نے کہا ہے کہ اَلْوَصِیَّۃُ کے معنے ہیں کسی واقعہ کے پیش آنے سے پہلے کسی کو ایسی ہدایات دینا جن میں نصیحت بھی شامل ہو** - امر و حکم اور فریضہ کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے - اسی سے اَوْصٰی یُوْصِیْ کے معنے واجب قرار دینے ، معاملہ سونپ دینے کے آتے ہیں - نیز اَوْصٰی وَوَصّٰی کے معنے عہد و پیمان کرنے کے آتے ہیں - اور کسی کو (اپنے مرنے کے بعد) کسی چیز کا مالک بنا دینے کے***- اَلْوَصِیُّ - وصیت کرنے والا - نیز جسے وصیت کی گئی ہو (اس کے دونوں معنی آتے ہیں) -

*تاج - **راغب - *** تاج و محیط

قرآن کریم میں ہے وَ وَصّٰی بِہَا اِبْرٰھٖمُ بَنِیْہِ (۲/۱۳۲) - ابراھیم نے اپنے بیٹوں کو اس کا حکم دیا - اس بات کو مسلسل ان تک آگے بڑھا دیا - سورۃ نساء میں ہے - یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ (۴/۱۱) - اللہ اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے - سورۃ یٰسٓ میں تَوْصِیَۃً کا لفظ آیا ہے (۳۶/۵۰) - سورۃ العصر میں جماعت مومنین کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۱۰۳/۳) - اس کے عام معنے تو یہی ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو حق و استقامت کی تلقین و تاکید کرتے ہیں لیکن اس مادہ کے بنیادی معانی کے لحاظ سے اس میں یہ پہلو بھی مضمر ہے کہ وہ حق و استقامت کی بنا پر ایک دوسرے سے ملے ہوئے رہتے ہیں - ان میں باہمی ربط و ضبط کا ذریعہ حق و استقامت ہے - ان کی وجہ جامعیت قوانین خداوندی کی رو سے تعمیری نظام پر ثابت قدم رہنا ہے -

مُوْصٍ - وصیت کرنے والا (۲/۱۸۲) -

قرآن کریم میں ہے کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا نِ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ - حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ (۲/۱۸۰) - ''تم میں سے جس کے سامنے موت آ موجود ہو - اور وہ مال چھوڑے - اس پر فرض قرار دے دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ اور دیگر اقربا کے لئے قاعدے کے مطابق وصیت کرے ایسا کرنا متقیوں کے لئے لازم ہے'' - اس سے واضح ہے کہ ترکہ کے لئے ماں باپ اور دیگر اقرباء کے لئے وصیت کرنا خدا کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے - لیکن اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ کوئی وصیت نہ کرسکے - یا اس کی وصیت پورے ترکہ کو محیط نہ ہو (Cover نہ کرے) - تو پھر اللہ تعالیٰ نے وارثین کے لئے خود حصے مقرر کر دئے ہیں - یہی وجہ ہے کہ ان حصوں کو بیان کرتے وقت قرآن کریم میں بار بار آیا ہے کہ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْ بِہَا اَوْ دَیْنٍ (۴/۱۱ و ۱۲) - ''وصیت جو اس نے کی ہو اس کے بعد - یا فرضے کی ادائیگی کے بعد'' - یہ حکم اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اس میں کسی قسم کی تاویل و تفسیر کی گنجائش نہیں - لیکن ہمارے ہاں کہا یہ جاتا ہے کہ وصیت صرف ایک تہائی (۱/۳) مال میں کی جاسکتی ہے اور وہ بھی وارثوں کے لئے نہیں - اس کی سند میں ایک روایت پیش کی جاتی ہے - ظاہر ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہوسکتی ، اس لئے کہ رسول اللہ ؐ کا کوئی ارشاد قرآن کریم کے خلاف ہو نہیں سکتا - لیکن اس روایت کو صحیح قرار دینے کے لئے کہا جاتا ہے کہ حدیث قرآن کریم کو منسوخ کرسکتی ہے - اس لئے اس حدیث نے قرآن کریم کی آیت کو منسوخ کر دیا ہے - اس قسم کے عقیدے کے

متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ خدا ہماری حالت پر رحم کرے ۔ یاد رکھئے ۔ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ۔ اس کی کسی آیت کو نہ کوئی دوسری آیت منسوخ کرتی ہے نہ قرآن کریم سے باہر کوئی اور چیز منسوخ کرسکتی ہے ۔ خدا کے کلام کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر محکم ہے ۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ن ۔ س ۔ خ) ۔ لیکن اگر رسول اللہ ؐ نے ایسی بات کہی بھی ہو تو ہو سکتا ہے کہ حضور ؐ نے کسی صحابی رض کے مخصوص حالات کے پیش نظر یہ مشورہ دیا ہو کہ وہ اپنے مال کے ایک تہائی حصہ سے متعلق فلاں کے حق میں وصیت کردے ۔ اس صورت میں یہ چیز دائمی حکم کی حیثیت نہیں رکھیگی ۔ محض وقتی مشورہ ہوگا ۔

یہ بھی واضح رہے کہ وصیت اور وراثت کے احکام اسی وقت نافذ العمل ہوں گے جب افراد کے پاس فاضلہ دولت ہوگی ۔ جب معاشرہ ایسا قائم ہوجائے جس میں ہر فرد اپنی فاضلہ دولت کو قرآن کریم کے حکم کے مطابق قرآنی نظام کے حوالے کردے ۔ (دیکھئے عنوان ع ۔ ف ۔ و) تو اس وقت ترکہ کی تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا ۔ چنانچہ خود نبی اکرم ؐ نے ایسا ہی کیا تھا ۔ نہ حضور ؐ نے زائد از ضرورت دولت اپنے پاس رکھی ، نہ ترکہ چھوڑا ۔ نہ جائداد بنائی ، نہ وہ وراثت میں کسی کی طرف منتقل ہوئی ۔ اسطرح آپ ؐ پر ترکہ اور وراثت کے احکام عائد نہیں ہوئے ۔ یہی کیفیت تمام مومنین کی اس وقت ہوگی جب قرآنی نظام ربوبیت قائم ہوگا ۔ اس وقت تک قرآن کریم کی رُو سے ہر مومن پر، جو کچھ مال چھوڑے ، وصیت کرنا فرض ہے ۔ اور وصیت کے معاملہ میں اسے پورا پورا اختیار حاصل ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے معاملات کو فرد متعلقہ سب سے بہتر سمجھ سکتا ہے ۔ ایک شخص نے اپنے بڑے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلائی ۔ ولایت بھیجا ۔ بیرسٹر کرایا ۔ وہ اب بڑا امیر اور خوش حال ہے ۔ دوسرا بیٹا حال ہی میں پیدا ہوا ہے ۔ اس کی پرورش ، تعلیم، تربیت وغیرہ کے تمام اخراجات باقی ہیں ۔ یہ شخص اپنی وصیت کی رُو سے اپنا پورا ترکہ اس نوزائیدہ بچے کو دے سکتا ہے ۔ لیکن اگر اسے حق وصیت نہ دیا جائے تو اس کے ترکہ کا آدھا حصہ بڑا بیٹا لے جائیگا ۔ وصیت کے متعلق اس انفرادی حق کے بعد ، قرآن کریم نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی وصیت میں بکسر ظلم اور جانبداری سے کام لے تو معاشرہ (عدالت) کو اختیار ہے کہ عدل و انصاف کے مطابق ، وارثین میں مصالحت کی صورت پیدا کردے ($\frac{۲}{۱۸۲}$) ۔ وصیت کو قرآن کریم نے اتنی اہمیت دی ہے کہ سورۃ المائدہ میں اس کے لئے شہادت کا تفصیلی طریقہ بھی خود ہی بیان کر دیا ہے ($\frac{۵}{۱۰۶}$) ۔

و ض ع

وَضَعَ الشَّیْئَ مِنْ یَدِہٖ یَضَعُہٗ۔ اس نے کسی چیز کو ہاتھ سے گرا دیا ۔ نیچے رکھ دیا*۔ وَضَعَ الشَّیْئَ فِی الْمَکَانِ ۔ کسی چیز کو کسی جگہ رکھ دیا* ۔ سورۃ کہف میں ہے وُضِعَ الْکِتَابُ (۱۸/۴۹) ۔ سورۃ رحمٰن میں ہے ۔ وَضَعَ الْمِیْزَانَ (۵۵/۷) ۔ وضع حمل کے لئے یہ لفظ (۳/۳۵) میں آیا ہے ۔ وَضَعَ عَنْہُ (۹۴/۲) ۔ دور کر دینا ۔ ہٹا دینا ۔ گرا دینا ۔ وَضْعٌ ثِیَابٍ ۔ کپڑے اتار کر رکھ دینا ۔ (۲۲/۶۰) ۔ مَوْضِعٌ جمع مَوَاضِعُ ۔ جگہیں ۔ موقعے ۔ (۴/۴۶) ۔ مَوْضُوْعَۃٌ ۔ رکھے ہوئے (۸۸/۱۳) ۔

وَضَعَتِ النَّاقَۃُ ۔ اونٹنی تیز رفتاری سے چلی ۔ وَضَعَ الرَّجُلُ ۔ آدمی دوڑا ۔ اَوْضَعْتُہٗ ۔ میں نے اسے دوڑایا* ۔ سورۃ توبہ میں ہے ۔ وَلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَکُمْ (۹/۴۷) ۔ وہ (فتنہ پیدا کرنے کے لئے) تمہارے اندر تگ و تاز کرتے ۔ سرگرم عمل رہتے ۔ بھاگ دوڑ کرتے ۔

و ض ن

وَضَنَہٗ ۔ اس نے اسے ترتیب وار ، ایک دوسرے کے اوپر تلے رکھ دیا ۔ اَلْمَوْضُوْنَۃُ ۔ بُنی ہوئی زرہ ۔ یعنی جس کے حلقے ایک دوسرے میں ترتیب وار پڑے ہوں ۔ یا وہ چیز جس میں جواہرات ٹانکے گئے ہوں ۔ یا وہ چیز جسے تہ بہ تہ جما کر رکھا گیا ہو ۔ چنانچہ سَرِیْرٌ مَوْضُوْنٌ ۔ دھرے بنے ہوئے پلنگ کو کہتے ہیں** ۔

قرآن کریم میں سُرُرٍ مَوْضُوْنَۃٍ (۵۶/۱۵) آیا ہے ۔ یعنی دھرے اور مضبوط بنے ہوئے پلنگ ۔ یا جواہرات سے مرصع پلنگ ۔

و ط أ

وَطِئَہٗ یَطَؤُہٗ وَطْأً ۔ پاؤں سے کسی چیز کو روندنا ۔ وَطِیَ الْمَرْأَۃَ یَطَؤُھَا ۔ عورت سے وطی (جماع) کرنا ۔ وَطُؤَ یَوْطُؤُ ۔ نرم اور سہل ہونا* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کو دبا کر پھیلانے اور ہموار کرنے کے ہیں ۔ سورۃ فتح میں ہے ۔ لَمْ تَعْلَمُوْھُمْ اَنْ تَطَئُوْھُمْ (۴۸/۲۵) ۔ جنہیں تم لاعلمی میں پامال کر دیتے ۔

*تاج و راغب ۔ **تاج و راغب و محیط ۔

وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا (۳۳/۲۷) - ایسی زمینیں جنہیں تم نے اپنے پاؤں سے نہیں روندا - ان تک ہنوز تمہارے قدم نہیں پہنچے - اَلْمَوْطَأُ وَ الْمَوْطِیُٔ - قدم رکھنے کی جگہ* - وَ لَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا (۹/۱۲۰) - نہ وہ کسی ایسی سرزمین پر چلتے ہیں - مُوَاطَاۃٌ - دراصل یہ کسی کے قدم پر قدم رکھنے کو کہتے ہیں - رَجُلٌ مُوَطَّأُ الْعَقِبِ - وہ شخص جس کی پیروی اور اتباع کی جاتی ہو* - اس سے مُوَاطَاۃٌ کے معنی موافقت اور مطابقت کرنے کے آتے ہیں* - چنانچہ سورۃ توبہ میں ہے - لِیُوَاطِئُوْا عِدَّۃَ (۹/۳۷) - تاکہ اس طرح وہ اسے (مہینوں کی) گنتی کے مطابق کرلیں - سورۃ مزمل میں ہے - اِنَّ نَاشِئَۃَ اللَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْأً (۷۳/۶) - رات کے وقت اپنی صلاحیتوں کی نشو و نما کے لئے اٹھنا ، سرکش جذبات کو بہت زیادہ مغلوب کر دیتا ہے - یا انسان کی قوتِ عمل اس کے ارادوں اور فیصلوں کا مَرْکَبٌ بن جاتی ہے (کیونکہ وَطْأَ النَّفْرَسَ کے معنے ہیں وہ گھوڑے پر سوار ہوا)** - یہ نبی اکرمؐ کی اس جد و جہد کا بیان ہے جب حضورؐ (نظام خداوندی کے ابتدائی مراحل میں) دن رات مصروفِ کار رہتے تھے - اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے رات کا آرام بھی قربان کر دینا ، انسانی جذبات کو کنٹرول میں رکھنے کی واضح شہادت ہے ، بالخصوص جب یہ قربانی اپنے کسی ذاتی مفاد کے لئے نہ ہو ، بلکہ نوع انسان کی نجات و سعادت اور فلاح و بہبود کے لئے ہو -

و ط ر

اَلْوَطَرُ - حاجت - ایسی ضرورت جس کے پورا کرنے کی فکر اور خاص اہتمام ہو*** - اہم ضرورت**** -

قرآن کریم میں ''قضائے وطر'' (۳۳/۳۷) میں آیا ہے جس کے معنے ضرورت پورا کرلینا ہیں - یعنی قطعِ تعلق کر لینا - یا وظیفۂ ازدواج کی خواہش و ضرورت کو پورا کرلینا - یعنی یہ فیصلہ کرلینا کہ اب اسے اس کی ضرورت نہیں رہی - اسی کو قطع تعلق کا فیصلہ کہینگے -

و ط ن

اَلْوَطَنُ - انسان کے رہنے اور بسنے کی جگہ - اقامت گاہ - مجازاً بیل اور بکریاں باندھنے کی جگہ کو بھی کہہ دیتے ہیں - وَطَنَ بِہٖ - یَطِنُ - اَوْطَنَ - قیام کرنا - اِسْتَوْطَنَہٗ وَ اتَّطَنَہٗ وَ تَوَطَّنَہٗ وَ تَوَطَّنَ بِہٖ - اس نے اُس جگہ کو وطن بنا لیا - اَلْمَوَاطِنُ مِنَ الْحَرْبِ - جنگ کے میدان*** -

*تاج و راغب - **محیط - ***تاج و محیط - ****راغب -

قرآن کریم میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے ۔ سورۃ توبہ میں ہے ۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ (۹/۲۵) ۔ ''یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے بہت سے جنگ کے میدانوں میں تمہاری مدد کی'' ۔

و ع د

وَعَدَ ۔ يَعِدُ ۔ وَعْدًا وَعِدَةً ۔ کوئی وعدہ کرنا ۔ خواہ اچھی بات کا ہو یا بری بات کا ۔ اگر وَعَدَ کے ساتھ خیر یا شر کا ذکر نہ کیا جائے تو خیر کے لئے وَعَدَ کہتے ہیں اور شر کے لئے اَوْعَدَ (لطائف اللغۃ) ۔ اَلْمِيْعَادُ ۔ وعدہ کا زمانہ یا مقام* ۔ مَوْعِدٌ کے معنی وعدہ اور عہد کے آتے ہیں، نیز وعدہ گاہ ، وعدہ کا وقت* ۔ سورۃ کہف میں یہ لفظ ''وعدہ پورا ہونے کے وقت'' کے لئے آیا ہے (۱۸/۵۸) ۔

اَلْوَعِيْدُ ۔ حملہ کے وقت نر اونٹ کا بڑبڑانا ۔ یہ لفظ ہر دھمکی اور تہدید کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ اَوْعَدَهٗ اور تَوَعَّدَهٗ کسی کو دھمکانا ۔ ڈراوا دینا* ۔

سورۃ بقرہ میں ہے وَاعَدْنَا مُوْسٰى (۲/۵۱) ۔ اس میں اللہ کی طرف سے وقت مقرر کرنا اور حضرت موسیٰؑ کی طرف سے اس کا قبول کرنا اور اتباع کرنا دونوں شامل ہیں ۔ اسی لئے یہ باب مُفَاعَلَةٌ سے آیا ہے ۔ ویسے مُوَاعَدَةٌ کے معنی باہمی عہد و پیمان کرنے کے ہیں ۔

خدا کے وعدوں سے مراد ہیں وہ نتائج جو اس کے قوانین پر عمل کرنے سے مرتب ہوتے ہیں اور جن میں کبھی خطا نہیں ہوتی ۔ اسی طرح ان قوانین سے سرکشی برتنے کے نتائج وعید ہیں ۔

قرآن کریم میں اعمال صالحہ کے خوشگوار نتائج کے لئے بھی وَعَدَ کا لفظ آیا ہے (۲۲/۵۵) ۔ اور غلط روش زندگی کے تباہ کن نتائج کے لئے بھی (۹/۶۸) ۔

سورۃ توبہ میں ہے اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ (۹/۱۱۴) ۔ ''(یہ) صرف ایک وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے اس سے کیا تھا'' ۔

واضح رہے کہ قرآن کریم میں جہاں یہ آئے گا کہ خدا تم سے اس بات کا وعدہ کرتا ہے ۔ یا خدا نے اس کا وعدہ کیا تھا ۔ تو اس کے معنی یہ

*تاج و محیط ۔

ہوں گے کہ خدا کے قانون پر عمل کرنے کا لازمی طور پر یہ نتیجہ ہوگا۔ گویا ''اپنے وعدہ'' سے خدا، اپنے قانون اور اس قانون کے فطری اور حتمی نتیجہ کا اظہار کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ جسطرح ہم ایک دوسرے سے کسی بات کا وعدہ کرتے ہیں اسی طرح خدا بھی انسانوں سے وعدہ کرتا ہے۔ اسی سے یہ بھی واضح ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ ''خدا کے وعدے سچے ہیں'' تو اس کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ قوانین خداوندی اپنے ٹھیک ٹھیک نتائج پیدا کرکے رہتے ہیں۔ ان میں کبھی خلاف ورزی نہیں ہوسکتی۔

وعظ

وَعَظَ کے معنی ہیں کسی کو کسی کام کے اچھے انجام اور مضر عواقب و نتائج سے آگاہ کرکے اس کے دل کو نرم کرنا۔ ابن فارس نے خلیل کے حوالہ سے کہا ہے کہ اَلْوَعْظُ کہتے ہیں انذار و تخویف کو۔ نیز اس طرح خیر کی باتیں بیان کرنا جس سے دل میں نرمی پیدا ہو جائے۔ صاحب محیط کے نزدیک اس کے معنی محض '' وعظ کہنے'' کے نہیں بلکہ حکم دینے کے ہیں۔ یعنی کسی کو کسی ایسی بات سے حکماً روک دینا جسکا انجام خراب ہو*۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ ایسی زجر و توبیخ کو کہتے ہیں جس میں ڈراوا بھی شامل ہو**۔ قرآن کریم میں مَوْعِظَۃٌ کا لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے۔ حتی کہ خود قرآن کریم کو بھی مَوعِظَۃٌ مِنْ رَّبِّکُمْ (۱۰/۵۷) کہا ہے۔ اس میں دونوں باتیں آجاتی ہیں۔ یعنی دوسروں کو غلط روش زندگی کے انجام و عواقب سے متنبہ کرکے، اُس سے روکنا۔ اور (نظام کے اندر) افراد کو غلط کاموں سے حکماً (بذریعہ قانون) روکنا۔ چنانچہ سورہ نحل میں ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ .... یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (۱۶/۹۰)۔ اس میں پہلے امر کا لفظ آیا ہے۔ یعنی اللہ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ اور آخر میں یَعِظُکُمْ ہے۔ لہذا مومنین کے لئے خدا کا امر اور وعظ ایک ہی بات ہے۔ اس مقام پر یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ خدا کا حکم، کسی ڈکٹیٹر کا مستبدانہ حکم نہیں ہوتا۔ وہ حکم دیتا ہے تو اس کے ساتھ اسکی حکمت، علت غائی، مقصد، فائدہ بھی بتاتا ہے۔ حکم اور حکمت کے اس مجموعہ کا نام وعظ ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ہے وَمَآ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ وَالْحِکْمَۃِ یَعِظُکُمْ بِہٖ (۲/۲۳۱)۔ خدا نے جو کتاب و حکمت (قرآن کریم) کو نازل کیا ہے جس کے ذریعے وہ تمہیں غلط کاموں کے انجام سے ڈراتا ہے۔ یہ متقین

*تاج و محیط اور لین۔ **راغب

کے لئے مَوْعِظَۃٌ ہے (۲/۶۶) ۔ ویسے اس کے ذریعے متنبہ ہر ایک کو کیا جائیگا ۔ چنانچہ منافقین کے متعلق ہے فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ (۴/۶۳) ۔ ان سے اعراض کر اور انہیں ان کی غلط روش کے عواقب سے متنبہ کرتا رہ ، بڑے دلنشیں انداز سے (۴/۶۳) ۔ لہذا غیر مسلموں کے لئے دین کی طرف دعوت کے سلسلے میں " وعظ" پندو نصائح کے مرادف ہوگا ، اور مسلمانوں کے لئے قرآنی احکام اور ان کے نظام کی طرف سے جاری کردہ ہدایات جن کے مقاصد و فوائد کو اس انداز سے سمجھایا گیا ہو کہ اس سے دل میں لینت و رقت پیدا ہو جائے اور وہ اسطرح ان پر عمل پیرا رہیں ۔

و ع ی

وَعَاہُ یَعِیْہِ وَعْیًا ۔ نیز اَوْعٰی یُوْعِیْ ۔ اِیْعَاءٌ ۔ کسی چیز کو محفوظ کر لینا ۔ یاد کر لینا ۔ حفظ کر لینا ۔ کسی چیز کو برتن میں جمع کر لینا * ۔ بالعموم وعلٰی باتوں وغیرہ کو یاد کرنے اور محفوظ کرنے کے لئے آتا ہے اور اَوْعٰی اشیاء اور ساز و سامان کو محفوظ رکھنے کے لئے ** ۔ اَلْوِعَاءُ (جمع اَوْعِیَۃٌ) وہ چیز (برتن ۔ تھیلا ۔ بوری وغیرہ) جسمیں دوسری چیزیں اکٹھی کرکے رکھی جائیں (۱۲/۷۶) ۔ سورہ معارج میں سرمایہ دارانہ ذہنیت والے کے متعلق ہے وَجَمَعَ فَاَوْعٰی (۷۰/۱۸) ۔ وہ مال جمع کرتا ہے اور پھر اسے بند کرکے رکھ لیتا ہے ۔ سورہ انشقاق میں ہے واللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ (۸۴/۲۳) ۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ لوگ اسطرح جمع کرکے بند رکھتے ہیں ۔ اُذُنٌ وَاعِیَۃٌ بات کو محفوظ رکھنے والا کان ۔ یعنی جس کان میں جو کچھ پڑے پھر وہ اسے باہر نہ نکالے اور اس پر غور و فکر بھی کرے * ۔ سورہ حاقہ میں ہے وَتَعِیَھَآ اُذُنٌ وَّاعِیَۃٌ (۶۹/۱۲) ۔ " اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں " ۔

و ف د

اَلْوَفْدُ ۔ ریت کے اوپر سے جھکے ہوئے ٹیلے کی چوٹی ۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی جھانکنے اور نکلنے کے ہیں ۔ اَلْوَافِدُ ۔ سب سے آگے نکل جانے والا (اونٹ) ۔ اَلْاِیْفَادُ ۔ کسی چیز کا بلند ہونا اور اوپر سے جھکنا ۔ تیز چلنا ۔ جلدی کرنا ۔ ھُمْ عَلٰی اَوْفَادٍ ۔ وہ لوگ سفر پر ہیں ۔ اَلْاِیْفَادُ ۔ کسی کو کسی کے پاس ایلچی بنا کر بھیجنا ۔

*تاج و محیط ۔ **راغب و ابن فارس ۔

وَفَدَ فُلَانٌ۔ وہ کسی بادشاہ یا امیر کے پاس (ایلچی بنکر) پہنچا۔ اَوْفَدَہٗ عَلَیْہِ۔ اس نے اسے اس کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا۔ وُفُوْدٌ۔ بڑے لوگوں کے پاس عطایا لینے کے لئے جانا*۔ اَلْوَفْدُ۔ وہ لوگ جو فتح کے جشن پر مبارکباد دینے کے لئے یا کسی اور موقعہ پر بادشاہ کے دربار میں پہنچیں**۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْوَفْدُ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے بادشاہوں کے پاس جائیں***۔

سورہ مریم میں ہے یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا (۱۹/۸۵)۔ جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن کے پاس بطور وَفْدٌ اکٹھا کرینگے۔ اوپر دیئے ہوئے معانی کے لحاظ سے وَفْدًا کے اندر بلندی اور عظمت، قرب اور مسابقت، عزت اور برگزیدگی، حصول عطایا و نوازشات اور وصول سامانِ نشو و نما سب کچھ آجاتا ہے۔ یہ ہے متقین کے اعمال حیات کا نتیجہ اور اُن کا مقام۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ متقین کو سب سے آگے رکھا جائیگا۔ اس میں بھی عزت اور برگزیدگی کا پہلو موجود ہے۔

و ف ر

اَلْوَفْرُ مِنَ الْمَالِ وَالْمَتَاعِ۔ وسیع پیمانہ پر کثیر مال و اسباب جن میں کسی چیز کی کمی نہ ہو۔ وَفَرَ الْمَالُ۔ مال کثیر، باقراط اور پورا ہو گیا۔ اَرْضٌ وَفْرَاءُ۔ وہ زمین جس میں بکثرت پودے اور گھاس وغیرہ ہوں۔ وَفَّرَہٗ تَوْفِیْرًا۔ اسنے اسکو بھرپور، کثیر اور مکمل کر دیا۔ اَلْوَفْرَاءُ۔ بھری ہوئی چیز۔ وہ پکھال جو پوری کھال سے بنائی گئی ہو۔ اَلْوَافِرَۃُ۔ دنبہ کی بڑی چکتی (چکی)۔ اَلْمَوْفُوْرُ۔ ہر وہ چیز جو مکمل ہو چکی ہو****۔ قرآن کریم میں ہے جَزَاءٌ مَوْفُوْرًا۔ (۱۷/۶۳)۔ پورا پورا بدلہ۔ جسمیں سے کچھ کم نہ کیا گیا ہو۔

و ف ض

وَفَضَ یَفِیْضُ وَفْضًا۔ وہ تیزی سے دوڑا۔ اِسْتَوْفَضَ۔ اسنے جلدی کی۔ نَاقَۃٌ مِیْفَاضٌ۔ تیز رفتار اونٹنی۔ اصل میں اَلْاِیْفَاضُ کے معنی ترکش اٹھا کر تیزی سے بھاگنے کے ہیں۔ اسلئے کہ اَلْوَفْضَۃُ چمڑے کا ترکش ہوتا ہے جسمیں لکڑی لگی ہوئی نہیں ہوتی۔ ویسے یہ اس تھیلے کو بھی کہتے ہیں جس میں چرواہا اپنا توشہ وغیرہ رکھتا ہے*****۔

*تاج۔ **محیط۔ ***راغب۔ ****تاج و راغب و محیط۔ *****تاج وراغب۔

قرآن کریم میں ہے ۔ کَاَنَّھُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ (۷۰/۴۳)۔ گویا وہ کسی نشان (Goal) کیطرف بھاگے جارہے ہیں ۔

و ف ق

اَلْوَفْقُ ۔ دو چیزوں کے درمیان مطابقت اور ہم آہنگی ہونا ۔ ضرورت کے مطابق ہونا* ۔ اَوْفَقَتِ الْاِبِلُ ۔ اونٹ سب برابر ہوئے اور ایک صف میں کھڑے ہوگئے* ۔ اَلْاِتِّفَاقُ ۔ انسان کے عمل کا اندازے اور پیمانے (تقدیر) کے مطابق ہو جانا***۔ اَلتَّوْفِیْقُ ۔ اسباب کا مقصد کے مطابق کر دینا ۔ حصول مقصد کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہے انہیں مہیا کر دینا**۔ موافقت پیدا کر دینا ۔ وَفَّقَ بَیْنَ الْقَوْمِ ۔ اس نے قوم کے درمیان صلح کرا دی**۔

سورہ نساء میں ہے کہ اگر میاں بیوی میں کشیدگی ہو جائے تو ان میں اصلاح کی کوشش کرو ۔ یُوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا (۴/۳۵) ۔ اللہ ان میں موافقت پیدا کر دیگا ۔ اعمال کے نتائج کو (سورہ النبا میں) جَزَاءً وِفَاقًا کہا گیا ہے (۷۸/۲۶) ۔ یعنی عمل اور اس کے نتیجہ میں پوری پوری موافقت ۔ (قرآن کریم کی رو سے جزا یا سزا خود عمل کے نتیجہ کا نام ہے) ۔ سورہ ہود میں ہے ۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ (۱۱/۸۸) ۔ میرے پیش نظر مقصد کے مطابق اسباب کا مل جانا ، یا ان میں صحیح موافقت پیدا ہو جانا ، قانون خداوندی کے مطابق ہی ہو سکتا ہے ۔ اس کے سوا اسکی کوئی صورت نہیں ۔ (۱۱/۳۴) میں تَوْفِیْقًا کے معنی سنوارنے اور سدھارنے کے ہیں ۔ یعنی اصلاح ۔ موافقت ۔

و ف ی

وَفَی الشَّیْءُ وُفِیًّا ۔ وہ چیز مکمل ہوگئی ۔ پوری ہو گئی ۔ کثیر ہوگئی ۔ اسی سے وَفِیٌّ وَ وَافٍ کے معنی ہیں مکمل اور کثیر ۔ اَوْفَانِیْ حَقِّیْ ۔ اس نے میرا حق پورا پورا دیدیا ۔ اس میں کمی نہیں کی ۔ یہی معنی وَفَّی کے بھی ہیں ۔ یعنی پورا پورا دیدینا****۔ اِسْتَوْفٰی فُلَانٌ حَقَّہٗ ۔ اس نے اپنا حق پورا پورا لے لیا ۔ اَلْوَفِیُّ ۔ وہ شخص جو پورا پورا حق ادا کرے ۔ اور پورا پورا حق وصول کرے ۔ نیز بہت وفاشعار ۔ اَلْوَفَاءُ کے معنی ہیں وعدہ پورا کرنا ۔ عہد و پیمان کا لحاظ کرنا اور پاس رکھنا ۔ اَلْوَفَاۃُ کے معنی ہیں موت ، یعنی دنیا میں زندگی کے دن پورے کر لینا ۔ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ ۔ خدا نے اسے وفات دیدی****۔ اَلْوَفْیُ ۔ بلند زمین کو کہتے ہیں اور اَلْمُوَافِیْ اُس چیز کو جو آجائے یا اچانک نمودار ہو جائے****۔

---

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔ ****تاج و محیط ۔

قرآن کریم میں ایفائے عہد، نقض عہد کے مقابلہ میں آیا ہے (۱۶/۹۱)۔ اور (۳/۲۲) میں وُفِّيَتْ کے معنی لَا يُظْلَمُوْنَ نے کر دیئے ہیں۔ یعنی کمی نہ ہونا۔ پورا پورا مل جانا۔ سورہ ہود میں ہے وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ (۱۱/۱۰۹)۔ اس سے تَوْفِيَةٌ کے معنی واضح ہوجاتے ہیں۔ یعنی بلا کسی قسم کی کمی کئے پورا پورا دینا۔ سورہ نحل میں ہے وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ (۱۶/۷۰)۔ اس کے معنی ہیں، اللہ تمہیں پیدا کرتا ہے۔ پھر تمہاری جسمانی ساخت کو تکمیل تک پہنچا دیتا ہے۔ یعنی بھرپور جوانی تک پہنچا دیتا ہے جس میں تمام قویٰ اپنی تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر تم میں سے بعض کو بڑھاپے کی عمر تک پہنچا دیتا ہے جس میں قویٰ میں ضعف اور اضمحلال آجاتا ہے۔ یہ معانی، انسان کی زندگی کے مختلف مراحل کی ترتیب کے اعتبار سے ہیں۔ یعنی پہلے پیدائش۔ پھر جوانی۔ پھر بڑھاپا۔ لیکن اگر يَتَوَفّٰكُمْ کے معنی "وفات دیتا ہے" کئے جائیں تو مفہوم یہ ہوگا کہ بعض لوگ بڑھاپے سے پہلے ہی وفات پا جاتے ہیں اور بعض بڑھاپے کی عمر تک پہنچتے ہیں۔

وفات کے معنوں میں سورہ انعام میں ہے حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (۶/۶۱)۔ یہانتک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرستادے اُسے وفات دیدیتے ہیں۔ خدا کے قانون طبیعی کے مطابق اس کے زندگی کے دن پورے ہو جاتے ہیں۔ سورہ مائدہ میں حضرت عیسٰےؑ کے متعلق ہے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (۵/۱۱۷)۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو ان پر تو ہی نگہبان تھا۔

مُتَوَفِّيْ۔ وفات دینے والا۔ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ (۳/۵۲)۔ اللہ تعالےٰ حضرت عیسٰےؑ سے کہتے ہیں کہ یہ (مخالفین) اس قسم کی تدبیریں کر رہے ہیں کہ تجھے گرفتار کر کے سولی پر لٹکا دیں۔ لیکن ان کے خلاف ہم بھی ایک تدبیر کر رہے ہیں۔ اور ہماری تدبیر ان کی تدبیروں سے یقیناً بہتر ہے۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (۳/۵۳)۔ میری (یعنی اللہ کی) تدبیر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ تمہیں نہ گرفتار کرسکینگے نہ صلیب دے سکینگے۔ بلکہ تم اپنی طبعی موت مروگے (اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ)۔ یہ لوگ تمہیں صلیب دیکر دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ تم (معاذ اللہ) لعنتی موت مرے۔ ہم تیرے مدارج کو بلند کرینگے (وَرَافِعُكَ اِلَيَّ)۔ اور یہ اسطرح سے ہوگا کہ ہم تجھے ان مخالفین کی دستبرد سے دور لے جائیں گے۔ (وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (۳/۵۲)۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ قبل اس کے

کہ یہودی حضرت مسیح ؑ پر ہاتھ ڈالتے، آپ ایک سوچی سمجھی ہوئی اسکیم کے مطابق، وہاں سے ہجرت کر چکے تھے۔ یہ تھی خدا کی تدبیر جو کامیاب ہوئی۔ (مزید تفصیل میری کتاب ''شعلہ مستور'' میں ملیگی)۔

و ق ب

اَلْوَقْبُ۔ پہاڑ یا چٹان میں گڑھا، جس میں پانی جمع ہو جائے۔ اَلْوَقْبَۃُ۔ ہموار میدان میں کنوئیں کی طرح ایک قدِ آدم یا دو قدِ آدم کے برابر گڑھا جس میں پانی جمع ہوجائے۔ پھر ہر گڑھے کے لئے بولا جانے لگا۔ اَلْوَقْبُ۔ کسی چیز کے اندر داخل ہوکر غائب ہو جانا۔ وَقَبَتِ الشَّمْسُ۔ سورج غروب ہوگیا۔ وَقَبَ الظَّلَامُ۔ تاریکی چھا گئی۔ یعنی لوگ اس کے اندر ڈوب کر غائب ہوگئے*۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا غائب ہونے کی جگہ غائب ہو جانا بتائے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (۱۱۳/۳)۔ جب چاروں طرف سے تاریکیاں چھا جائیں۔ جب رات کی تاریکی میں آنے والی مصیبتیں گھیر لیں۔ (دیکھئے عنوان غ۔س۔ق)۔ لیکن مولانا عبید اللہ سندھی نے لکھا ہے کہ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کے معنے ہیں ''ڈوبنے والی چیز جس سے تاریکی پیدا ہو''۔ اور اس سے مراد ہیں وہ تمام چیزیں جن کے نہ ہونے سے نشو و نما رُک جائے، جیسے چاند جب ڈوب جاتا ہے تو نباتات کو ضرر پہنچتا ہے۔ ہماری ضروریاتِ زندگی کے نہ ہونے سے جس قدر نقصانات ہمیں پہنچ سکتے ہیں، ہم ان سے محفوظ رہنے کے لئے، قانونِ خداوندی کی پناہ میں آتے ہیں کہ وہ ہمیں ان نقصانات سے بچائے اور ہمیں سامانِ نشو و نما مہیا کردے۔ (المقام المحمود)۔

و ق ت

اَلْوَقْتُ۔ کسی کام کے لئے مقررہ زمانہ کی آخری حد۔ لہذا یہ لفظ ہے اندازہ زمانہ کے لئے نہیں بولا جاتا**۔ یعنی عمر معین عرصہ کو وقت نہیں کہہ سکتے۔ ہر چیز جس کے لئے اس طرح زمانہ متعین کر دیا جائے مُوَقَّتٌ کہلاتی ہے۔ الوَقْتُ وَ التَّوْقِیْتُ۔ وقت مقرر کرنا۔ اَلْمِیْقَاتُ۔ مقررہ وقت کو بھی کہتے ہیں اور مقررہ مقام کو بھی۔ چنانچہ مِیْقَاتُ الْحَاجِّ۔ حاجیوں کے احرام باندھنے کے مقام کو کہتے ہیں***۔

*تاج و محیط و راغب۔ **راغب۔ ***تاج۔

قرآن کریم میں ہے وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ (۷۷/۱۱) ۔ جب رسولوں کا وقت مقرر کر دیا جائے گا ۔ سورۃ نساء میں صَلٰوۃ کے متعلق کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۴/۱۰۳) کہا گیا ہے ۔ اس کے ایک معنی ہیں ''خاص طور پر مقرر کردہ فریضہ'' اور دوسرے معنی ہیں ایسا فریضہ جس کا وقت متعین کر دیا گیا ہو ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْمَوْقُوْتُ ۔ حد مقرر کردہ چیز کو کہتے ہیں ۔ یعنی جس کی حد مقرر ہو ۔ سورۃ بقرہ میں نئے چاند کے متعلق ہے ۔ ہیں مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ (۲/۱۸۹) ۔ یہ لوگوں کے لئے اوقات معین کرنے کا ذریعہ ہیں (مِیْقَاتٌ کی جمع مَوَاقِیْتُ) ۔ سورۃ نبا میں یَوْمَ الْفَصْلِ کے متعلق ہے کَانَ مِیْقَاتًا (۷۸/۱۸) ۔ یعنی قانون مکافات کی رو سے ظہور نتائج کا وقت متعین ہوتا ہے ۔

و ق د

وَقَدٌ ۔ آگ کو کہتے ہیں ، اور آگ کے روشن ہونے کو بھی ۔ وَقُوْدٌ ۔ لکڑیوں کو کہتے ہیں جن سے آگ جلائی جائے ۔ صاحب لطائف اللغۃ نے لکھا ہے کہ اَلْحَطَبُ ۔ ایندھن کی لکڑیوں کو کہتے ہیں ۔ اور وَقُوْدٌ اس وقت کہتے ہیں جب ان لکڑیوں کو سلگا دیا جائے ۔ اَوْقَدَ ۔ اور اِسْتَوْقَدَ ۔ آگ روشن کرنے کو کہتے ہیں* ۔

روح المعانی میں ہے کہ عربوں میں دستور تھا کہ جب جنگ کا اعلان کرنا ہوتا تو ایک بلند پہاڑی پر آگ جلا دیتے ۔ اس کو نار الحرب کہتے تھے (۵/۶۴) ۔ قرآن کریم میں اِسْتَوْقَدَ نَارًا (۲/۱۷) میں آیا ہے ۔ سورۃ مائدہ میں اَوْقَدَ بمقابلہ اَطْفَاَ آیا ہے ۔ (۵/۶۴) ۔ اَطْفَاَ کے معنی آگ بجھا دینے کے ہیں ۔ سورۃ قصص میں تذکرہ حضرت موسیٰؑ میں ہے کہ فرعون نے ہامان سے کہا کہ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰھَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ (۲۸/۳۸) ۔ جس سے مراد اینٹوں کا آگ میں پکانا ہے ۔ وَقُوْدٌ ۔ ایندھن (۲/۲۴ و ۶۶/۶ و ۸۵/۵) ۔ مُوْقَدَۃٌ (۱۰۴/۶) جلائی ہوئی ۔

و ق ذ

اَلْوَقْذُ ۔ شدت ضرب ۔ بصائر میں ہے کہ مَوْقُوْذَۃٌ اس جانور کو کہتے ہیں جسے لاٹھی یا پتھر سے مار دیا جائے اور ذبح نہ کیا جائے اور جس پتھر سے اسے مارا جائے اس میں دھار نہ ہو* ۔ جاہلیت میں اس طرح مرے

*تاج ۔ **محیط ۔

ہوئے جانور کو کھا لیا کرتے تھے*۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی لکڑی سے مارنے کے لکھے ہیں ۔ اور مَوْقُوْذَۃ ۔ جسے لکڑی کی ضرب سے مار ڈالا گیا ہو۔ قرآن کریم نے اسے حرام قرار دیا ہے (۵/۳) ۔ ابو سعید نے کہا ہے کہ اَلْوَقْذ کا مطلب ہے گدی کے اوپر اس زور سے مارنا کہ اس سے دماغ ماؤف ہو جائے*۔

قرآن کریم نے اَلْمَیْتَۃ (مردار) کو بھی حرام قرار دیا ہے ۔ اس کی تشریح یہ کہکر کر دی ہے کہ مردار میں صرف وہی جانور شامل نہیں جو طبیعی موت مرجائیں ۔ اس میں وہ جانور بھی شامل ہے جو گلا گھٹ کر مر جائے ۔ جو چوٹ کھا کر مر جائے (اَلْمَوْقُوْذَۃ) ۔ جو اوپر سے گر کر مر جائے ۔ جو سینگ لگ کر مر جائے ۔ یا جسے درندوں نے کھایا ہو ۔ ہاں ، اگر ان میں سے کسی کو مرنے سے پہلے ذبح کرلیا جائے تو وہ حرام نہیں ہوگا ۔ (۵/۳) ۔

و ق ر

اَلْوَقْرُ ۔ کان میں بھاری پن ہونا ۔ یا سماعت کا بالکل جاتے رہنا** ۔ قرآن کریم میں ہے وَفِیْ اٰذَانِہِمْ وَقْرًا (۶/۴۱) ۔ اَلْوِقْرُ ۔ بھاری بوجھ ۔ اَلْوَقَارُ ۔ سنجیدگی ، بھاری بھرکم پن ، عظمت ۔ جَنَانٌ وَاقِرٌ ۔ باہمت دل کو کہتے ہیں جو گھبرا نہ اٹھے** ۔ اس سے بھی وَقَارٌ کے معنی واضح ہو جاتے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے مَالَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا (۷۱/۱۳) ۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم خدا سے وقار کے امیدوار (طلبگار) نہیں ہوتے۔ یعنی زندگی کی ایسی حالت جس میں انسان ذرا ذرا سی بات سے گھبرا نہ جائے اور انسانی ذات کی ایسی کیفیت کہ موت کے دھچکے سے بھی اس کا کچھ نہ بگڑے ۔ لیکن یہ مفہوم اس صورت میں درست ہوگا جب لِلّٰہِ کے معنے مِنَ اللّٰہِ (اللہ سے) لئے جائیں ۔ ورنہ اس کے معنی یہ ہونگے کہ تم اللہ کے لئے بزرگی اور عظمت کا یقین کیوں نہیں رکھتے ۔

وَقَّرَ ۔ کسی کی تعظیم کرنا ۔ تُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ (۴۸/۹) ۔ اسے تقویت پہنچاؤ اور اس کی تعظیم کرو ۔ سورۃ احزاب میں ازواج مطہرات سے کہا گیا ہے ۔ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (۳۳/۳۳) ۔ اپنے گھروں میں نہایت سنجیدگی اور وقار سے رہو ۔ تم سے ذرا بھی چھچھورے پن کا مظاہرہ نہ ہو ۔ یعنی یہ وَقْرٌ سے ہے ۔ لیکن ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ یہ وَقَارٌ سے ہے جس سے امر قِیْرٌ آتا ہے ۔ جیسے وَعْدٌ سے عِدْ آتا ہے***۔

---

*تاج ۔ **تاج و محیط و راغب ۔ ***ابن فارس ۔

و ق ع

وَقَعَ یَقَعُ ۔ وُقُوْعاً ۔ چیز گر پڑی ۔ وَقَعَتِ الْاِبِلُ ۔ اونٹ بیٹھ گئے ۔ وَقَعَ رَبِیْعٌ بِالْاَرْضِ ۔ بہار کی پہلی بارش برسی ۔ مَوَاقِعُ الْغَیْثِ ۔ جن مقامات پر بارش برسی ہو ۔ وَقَعَتِ الطَّیْرُ ۔ پرندے اڑتے اڑتے کسی درخت یا زمین پر اتر پڑے ۔ اَلْوَقْعُ ۔ پتھر ۔ اَلْوَقِیْعَۃُ ۔ اَلْوَاقِعَۃُ ۔ جنگ ، معرکہ ۔ وَقَائِعُ الْعَرَبِ ۔ عربوں کے ایام جنگ ۔ اَلْوَقِیْعَۃُ ۔ ہتوڑا * ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْوُقُوْعُ کسی چیز کے ثابت ہونے اور گرنے کو کہتے ہیں ۔ اَلْوَاقِعَۃُ ایسا واقعہ جس میں سختی اور ناگواری پائی جائے ** ۔ زجاج نے کہا ہے کہ ہر آنے والی چیز جس کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ ضرور آئیگی ۔ اسے وَاقِعَۃٌ کہدیتے ہیں * ۔

قرآن کریم میں ہے وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ (۲۲/۶۵) ۔ خدا نے (اپنے قانون کے مطابق) بارش کو روک رکھا ہے کہ وہ یونہی از خود زمین پر نہ گر پڑے ۔ سورہ نساء میں ہے ۔ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (۴/۱۰۰) اس کا اجر اللہ پر واجب ہو گیا ۔ سورہ اعراف میں ہے فَوَقَعَ الْحَقُّ (۷/۱۱۸) ۔ حق محسوس شکل میں سامنے آ کر ثابت ہو گیا ۔ سورہ الطور میں ہے اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ (۵۲/۷) ۔ خدا کا عذاب یقیناً واقع ہو کر رہے گا ۔ دوسری جگہ ہے اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ (۵۶/۱) جب ہو جانے والی بات ہو جائیگی ۔ لَیْسَ لِوَقْعَتِہَا کَاذِبَۃٌ (۵۶/۲) اسکے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ۔ مَوَاقِعُ ۔ واقع ہونے کی جگہیں (۵۶/۷۵) ۔ مُوَاقِعٌ (اسم فاعل) ۔ گر پڑنے والا (۱۸/۵۳) ۔ اَوْقَعَ ۔ ڈال دینا ۔ (۵/۶۴) ۔

و ق ف

وَقَفَ بِالْمَکَانِ یَقِفُ ۔ وُقُوْفاً ۔ وہ اس جگہ پر برابر کھڑا رہا ۔ وَقَفْتُہٗ ۔ وَقْفاً ۔ میں نے اسے ٹھہرا دیا *** ۔ قرآن کریم میں ہے وَقِفُوْہُمْ (۳۷/۲۴) انہیں ٹھہراؤ ۔ اَلْمَوْقِفُ ۔ ٹھہرنے اور کھڑے ہونے کی جگہ ۔ اَلتَّوْقِیْفُ فِی الْحَدِیْثِ ۔ بات کو واضح کرنا *** ۔ اصطلاحاً التَّوْقِیْفُ کسی بات کو معین کرنے کے لئے بولا جاتا ہے ۔

و ق ی

وَقَی الشَّیْءَ یَقِیْہِ وِقَایَۃً ۔ کسی چیز کی حفاظت کرنا ۔ نگہبانی و نگہداشت کرنا ۔ اسے مضر اور تکلیف دہ چیز سے بچانا ۔ چنانچہ جب

*تاج ۔ **راغب ۔ ***تاج و محیط ۔

گھوڑا چلتے وقت نعل نہ ہونے کی وجہ سے سنبھال سنبھال کر پاؤں زمین پر رکھے، خواہ اپنے سم میں درد کی وجہ سے ہو، یا سم کے چھل کر زخمی ہونے اور زمین کے سخت ہونے کی وجہ سے، تو اسے وَقِیُ الْفَرَسُ مِنَ الْحَفَا کہتے ہیں *۔

وِقَایَۃٌ ۔ احتیاط ۔ یا محفوظ رکھنے کا ذریعہ (Preservative) **۔

سَرْجٌ وَاقٍ ۔ ایسی زین جو گھوڑے کی پیٹھ پر بالکل ٹھیک بیٹھ جائے اور اسے زخمی نہ کرے **۔

قرآن کریم میں وَاقٍ بمعنی محفوظ رکھنے والا، بچانے والا آیا ہے۔ مَالَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ (۱۳/۳۷) "تیرے لئے اللہ کے مقابلہ پر نہ کوئی سرپرست ہوگا۔ نہ بچانے والا" ۔دوسرے مقام پر یہ مادہ محتاط رہنے اور اپنی حفاظت کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے ۔ جیسے فَاتَّقُوا النَّارَ (۲/۲۴) اپنے آپ کو عذاب آتش سے محفوظ رکھو۔ یا اس سے محتاط رہو۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ (جو قرآن کریم میں بار بار آتا ہے) کے معنی ہیں قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنا ۔ احکام خداوندی کا اتباع کرنا ۔ ان کے مطابق زندگی بسر کرنا ۔ ان سے ہم آہنگ رہنا ۔ چنانچہ قرآن کریم نے یہ مفہوم دیگر مقامات میں واضح کر دیا ہے ۔ سورہ مائدہ میں تَقْوٰی کے مقابلہ میں عُدْوَانٌ کا لفظ آیا ہے (۵/۲) ۔ اور عُدْوَانٌ کے معنی سرکشی کے ہیں ۔ لہذا تَقْوٰی کے معنی قوانین خداوندی کی اطاعت ہوا ۔ سورہ آل عمران میں اسکی مزید تشریح کر دی گئی ہے جہاں فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (۳/۱۰۲) ۔ اے ایمان والو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو ۔ جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہوتا ہے ۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۳/۱۰۲) یعنی تمام عمر قوانین خداوندی کے سامنے جھکے رہو۔ بالفاظ دیگر اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا (۳/۱۰۳) ۔ سب کے سب مل کر اللہ کے ضابطہ ہدایت کے ساتھ متمسک رہو۔ ان مقامات سے واضح ہے کہ وَاتَّقُوا اللّٰہَ کے معنی ہیں قوانین خداوندی (قرآن کریم) سے ہم آہنگ رہنا ۔ اس کے مطابق زندگی بسر کرنا ۔ ان کی پوری پوری نگہداشت کرنا ۔ اسی لئے سورہ شعراء میں مُتَّقِیْنَ کے مقابلہ میں غَاوِیْنَ آیا ہے (۲۶/۹۰-۹۱) ۔ غَاوِیْنَ وہ جو قوانین الٰہیہ کی راہ نمائی چھوڑ کر دوسری راہیں اختیار کر لیں اور مُتَّقِیْنَ وہ جو اسکی راہ نمائی کے پیچھے پیچھے چلیں ۔ قوانین خداوندی کی اس کامل ہم آہنگی کے اعتبار سے سورہ ص میں مُتَّقِیْنَ کے مقابلہ میں فُجَّارٌ کا لفظ آیا ہے (۳۸/۲۸) ۔ فَاجِرٌ وہ

*تاج ۔ **لین ۔

ہے جو پھٹ کر الگ ہو جائے (دیکھئے ف - ج - ر) لہذا متقی وہ ہے جو اس ضابطہ کے ساتھ متمسک رہے - اسکے ساتھ چمٹا رہے - اس سے ہم آہنگ رہے - پھٹ کر الگ الگ ہو جانے (Disintegration) اور ہم آہنگ رہنے (Integration) کے مفہوم کے اعتبار سے سورہ الشمس میں ہے کہ خدا نے نفس انسانی (انسانی ذات Human Personality) میں یہ دونوں صلاحیتیں رکھدی ہیں - فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (۹۱/۸) چاہے تو انسان ضابطہ خداوندی سے ہم آہنگ رہ کر اپنی ذات میں ارتکاز (Crystallisation) پیدا کرتا جائے اور چاہے اس سے الگ ہٹ کر اپنی ذات میں تشتت و انتشار پیدا کر لے - انہی دونوں گروہوں کے متعلق سورہ محمد میں ہے کہ ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جو اپنے ہی خیالات اور جذبات کے پیچھے چلتے ہیں (۴۷/۱۴) - لیکن دوسرا گروہ ان کا ہے جو قوانین خداوندی کی راہ نمائی میں چلتے ہیں - اس دوسرے گروہ کو ان کا تقوی مل جاتا ہے (آتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ - ۴۷/۱۷) - لیکن یہ اسی کو ملتا ہے اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی * - (۹۲/۱۸-۱۷) - جو اپنا مال (یا جو کچھ اس کی ضروریات سے زائد (۲/۲۱۹) اسکے پاس ہے وہ نوع انسانی کی ربوبیت کے لئے) دیدیتا ہے اور اسطرح خود اپنی ذات کی نشوونما (Development) کا سامان بہم پہنچا لیتا ہے * -

لہذا مُتَّقِیْنَ وہ ہیں جو غلط روش زندگی کے تباہ کن نتائج سے بچنا چاہیں اور قوانین خداوندی سے ہم آہنگی اختیار کرکے اپنی ذات کی نشوونما کریں - تخریبی قوتوں کے تباہ کن اثرات سے حفاظت (تُقٰىةً) کی ایک ہی شکل ہے اور وہ یہ کہ انسان قوانین خداوندی کی پوری پوری نگہداشت کرے (تَقْوَی) - ان کا ہر وقت خیال رکھے - (تَقْوَی الْقُلُوْبِ) اور اپنا ہر قدم ان کے مطابق اٹھائے - اسی کا نام ان سے متمسک یا ہم آہنگ رہنا ہے - ایسا تمسک جیسے زین گھوڑے کی پیٹھ پر فٹ آجاتی ہے اور اسے زخمی نہیں ہونے دیتی -

قرآن کریم نے اپنے متعلق شروع ہی میں یہ کہدیا ہے کہ یہ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ (۲/۲) - ہے - یعنی یہ صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے لیکن صرف ان کی جو زندگی کی خطرناک گھاٹیوں اور خار دار وادیوں سے محفوظ رہ کر جانا چاہیں - جو شخص تباہ ہونا چاہے اسے صحیح اور غلط راستے کے امتیاز سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے - خود کشی کرنے والے سے یہ کہنا کہ سنکھیا

*یتزکی (نشو و نما) - دیکھئے (ز - ک - و)

ہلاک ہوتا ہے ، اس سے بچنا ، بے سود ہوتا ہے ۔ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (۲/۶)۔ '' ان کے لئے برابر ہے چاہے تو انہیں راستے کے خطرات سے آگاہ کرے یا نہ کرے ۔ وہ صحیح بات کو مانینگے ہی نہیں '' ۔ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں دیکھنا چاہئے کہ کہاں اس کے معنی قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنا ہیں اور کہاں تباہیوں اور ہلاکتوں سے بچنا ۔ مثلاً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۲/۲۰۱) ۔ قُوٓا أَنفُسَكُمْ (۶۶/۶) مَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ (۵۹/۹)۔ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ اور مَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ (۴۰/۹) ۔ میں معنی بچانے کے ہیں ۔ لیکن وَاتَّقُوا اللَّهَ (۵/۱۱۸) کے معنی یہ نہیں کہ اللہ سے بچو ۔ اس کے معنی ہیں قوانین خداوندی کو توڑنے یا ان سے سرکشی برتنے سے بچو ۔ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو ۔ اسی کو تقویٰ کہتے ہیں ۔ اور جو اَتْقٰی (سب سے زیادہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنے والا) ہو وہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ واجب التکریم ہوتا ہے (۴۹/۱۳) ۔

حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ قرآن کریم کی خاص اصطلاح ہے اور اس لفظ کو اس نے اسقدر اہمیت دی ہے کہ یہ بجائے خویش گویا ایک مادہ بن گیا ہے جس سے قرآن کریم مختلف الفاظ لایا ہے ۔ اس کے معنی '' پرہیزگاری '' نہیں ۔ '' پرہیزگاری '' محض سلبی صفت (Negative virtue) ہے لیکن تقوی میں زندگی کی تباہیوں سے بچکر چلنے کے ساتھ ساتھ قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنا بھی ہے ۔ یعنی اس میں سلبی صفت کے ساتھ ایجابی پہلو (Positive side) بھی ہے اور ایجابی پہلو غالب ہے ۔ لفظ '' تقوی '' اسقدر جامع ہے کہ اس کا ترجمہ کسی ایک لفظ میں ہو نہیں سکتا ۔ جس چیز کو عام طور پر کیریکٹر (سیرت اور کردار کی بلندی) کہا جاتا ہے ، وہ اس کے اندر آجاتی ہے ۔ '' کیریکٹر '' کی تعریف (Definition) بھی مشکل ہے اور خود مغرب کے علمائے اخلاقیات بھی اس باب میں باہمدگر متفق نہیں ۔ لیکن قرآن کریم اس مشکل عقدہ کو بڑی آسانی سے حل کر دیتا ہے ۔ قرآن کریم کی رو سے ، انسان کی زندگی کی دو سطحیں ہیں ۔ ایک حیوانی سطح زندگی جس کے تقاضے وہی ہیں جو دوسرے حیوانات کے ہیں ۔ تحفظ خویش (Self-Preservation)؛ تغلب (Self-Assertion) اور افزائش نسل (Procreation) ۔ تحفظ خویش کا جذبہ اسقدر قوی اور شدید ہے کہ کوئی فرد اپنے مفاد کے مقابلے میں دوسرے کے مفاد کی پرواہ نہیں کرتا ۔ اسی سے تمام کشمکش پیدا ہوتی ہے ۔

دوسری سطح زندگی وہ ہے جسے '' انسانی زندگی '' کہہ لیجئے ۔ اس زندگی میں مقصد، انسانی ذات کی نشو و نما ہوتی ہے ۔ یہ نشو و نما ان بلند اور

مستقل اقدار (Permanent Values) کے تحفظ سے ہوتی ہے جو وحی کے ذریعے ملتی ہیں اور جو اب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ حیوانی سطح زندگی کے تقاضوں کا پورا کرنا بھی ضروری ہے لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ حیوانی سطح زندگی کے کسی تقاضے اور انسانی زندگی کے تقاضے (یعنی کسی بلند قدر) میں تصادم ہو جائے، (ان میں Tie) پڑ جائے، تو، حیوانی زندگی کے تقاضے کو، بلند قدر کی خاطر قربان کر دینا چاہئے ۔ یہ "تقویٰ" ہے ۔ اس کو کریکٹر کہتے ہیں ۔ (نیشنل کیریکٹر نہیں بلکہ انسانی کریکٹر) ۔ حتی کہ اگر کوئی وقت ایسا آ جائے کہ بلند قدر کی حفاظت کے لئے جان تک بھی دینی پڑ جائے تو جان دیدے اور انسانی قدر کو بچا لے ۔ اس لئے کہ جان کا تحفظ بہر حال حیوانی سطح زندگی کا تقاضہ ہے ۔ اور بلند قدر کی قیمت اس سے زیادہ ہے ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ جو لوگ زندگی کو محض حیوانی زندگی (Physical Life) سمجھتے ہیں اور انسانی سطح زندگی (انسانی ذات) پر ایمان نہیں رکھتے ، وہ کافر ہیں ۔ (۲۹/۲۲ ; ۲۶/۱۳) ۔ انسانی ذات پر ایمان رکھنا مومن کی خصوصیت ہے ۔

قرآن کریم اسے بھی تسلیم کرتا ہے کہ اپنے نفع کا خیال رکھنا اور نقصان سے بچنا عقل کا تقاضا ہے ۔ جو اپنا نفع نقصان نہ پہچانے اسے پاگل کہتے ہیں ۔ چونکہ مومن کے نزدیک ، انسانی ذات کا تحفظ ، حیوانی زندگی کے تحفظ سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے اس لئے جب ان دونوں تقاضوں میں تصادم ہو جائے ، تو اس کی عقل کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بڑی قیمت کی شے (انسانی ذات) کی حفاظت کے لئے چھوٹی قیمت کی شے (حیوانی تقاضے) کو قربان کر دے ۔ لہذا ، صحیح عقل و فکر کے مالک مومن ہی ہوتے ہیں (۳۹/۱۸) ۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۶۵/۱۰) ۔ "اے عقل والو ، جو ایمان لائے ہو ، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو" ۔ یعنی بلند اقدار کی خاطر پست اقدار کو قربان کر دینا تقاضائے عقل و ایمان ہے ۔ قرآن کریم انسان میں کیریکٹر پیدا کرنے کے لئے خالی جذبات سے اپیل نہیں کرتا ۔ وہ علم و بصیرت (Reason) سے اپیل کرتا ہے اور عقل کو سمجھاتا ہے کہ ایسا کرنا خود اس کے لئے کسقدر مفید ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خدا کیطرف علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتا ہے (۱۲/۱۰۸) ۔ اور مومنین کی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ وہ ، اور تو اور ، قوانین خداوندی کے سامنے بھی اندھے اور بہرے بن کر نہیں گر پڑتے ۔ (۲۵/۷۳) ۔ یہ ہے قرآن کریم کی رو سے تقویٰ ۔ اور انہیں کہتے ہیں متقین ۔

و ک أ

تَوَكَّأَ عَلَى الشَّيْءِ ۔ اس نے اس چیز پر سہارا لیا اور ٹیک لگائی ۔ اَلتَّكَأَةُ ۔ لاٹھی ، جس پر چلنے میں ٹیک لگائی جاتی ہے ۔ بہت سہارا لینے والا آدمی* ۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا ھِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا (۲۰/۱۸) ۔ یہ میرا عصا ہے جس پر میں سہارا لیتا ہوں ۔ (اس کے مجازی معنی لئے جائیں تو مفہوم یہ ہوگا کہ جو کچھ احکام و ضوابط مجھے ملے ہیں وہ میرے لئے عصائے زندگی ہیں جن کے سہارے میں سفر حیات طے کروں گا) ۔ سورۃ طور میں ہے ۔ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ (۵۲/۲۰) ۔

سورۃ یوسف میں (عزیز مصر کی بیوی کی ضیافت کے سلسلہ میں ہے) وَ أَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً (۱۲/۳۱) ۔ زجاج نے کہا ہے کہ اس میں مُتَّكَأً کے معنے اس چیز کے ہیں جس پر کھانے پینے یا بات کرتے وقت ٹیک لگائی جائے ۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی خود کھانے (طعام) کے ہیں ۔ چنانچہ کہتے ہیں اِتَّكَأْنَا عِنْدَ زَيْدٍ ۔ ہم نے زید کے پاس کھانا کھایا* ۔

و ک د

اَلْوِكَاد ۔ وہ رسّی جس سے دودھ دوہتے وقت گائے کے پیروں کو باندھ دیتے ہیں ۔ نیز تسمہ جس سے زین کستے ہیں ۔ اَلتِّوَاكِيدُ ۔ اَلتَّآكِيدُ ۔ اَلْمِيَاكِيدُ ۔ وہ چمڑے کے تسمے جن سے زین کے اگلے یا پچھلے (حصے کو) کس کر باندھ دیا جاتا ہے ۔ وَكَّدَ الرَّحْلَ ۔ اس نے کجاوہ کو کس کر باندھ دیا ۔ وَ كَّدَ الْعَهْدَ وَ الْعَقْدَ وَ أَكَّدَهُمَا ۔ اس نے عقد اور معاملہ کو بہت محکم اور موثق (پختہ) کر دیا ۔ گرہ کو بہت سختی سے باندھ دیا** ۔

خلیل نے کہا ہے کہ أَكَّدْتُ قسموں کی پختگی کے لئے زیادہ مناسب ہے اور وَكَّدْتُ باتوں کی پختگی کے لئے*** ۔ بعض نے کہا ہے کہ تَأْكِيدٌ کی نسبت تَوْكِيدٌ زیادہ فصیح ہے* ۔ قرآن کریم میں ہے لَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا (۱۶/۹۱) ۔ اپنی قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو ۔

*تاج و محیط ۔ **تاج و محیط و راغب و ابن فارس ۔ ***راغب ۔

و ک ز

اَلْوَکْزُ ۔ دھکا دینا ۔ گھونسہ مارنا ۔ ضرب لگانا ۔ ٹھوڑی پر مکا مارنا۔ وَکَزَہٗ بِالرُّمْحِ ۔ اس نے اس کے نیزہ گھونپا ۔ وَکَزْتُ اَنْفَہٗ میں نے اس کی ناک توڑ دی* ۔ سورۃ قصص میں ہے فَوَکَزَہٗ مُوْسٰی (۲۸/۱۵) ۔ موسیٰ نے اسے گھونسا مارا ۔ (مفہوم مارنے کا ہے) ۔

و ک ل

رَجُلٌ وَکَلٌ یا مُوَاکِلٌ ۔ اس آدمی کو کہتے ہیں جو خود کمزور ہو اور ہر کام میں دوسروں کا سہارا تلاش کرے ۔ تَوَاکَلُوْا تَوَاکُلًا ۔ لوگوں نے اپنے کام ایک دوسرے پر ڈالنے شروع کر دیئے ۔ اِتَّکَلَ عَلَیْہِ فِیْ اَمْرِہٖ ۔ اس نے اپنے معاملہ میں اس پر اعتماد کیا ۔ اَوْکَلْتُ عَلٰی اَخِیْکَ الْعَمَلَ ۔ میں نے تمام کام تمہارے بھائی پر چھوڑ دیا ۔ اس کے سپرد کر دیا ۔ اَلْوَکِیْلُ ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے آدمی کے کام کی نگرانی اور دیکھ بھال کرے** ۔ نیز یہ کَفِیْلٌ کے معنی میں بھی آتا ہے ۔ یعنی کسی بات کا ذمہ دار*** ۔

ہمارے ہاں تَوَکُّل عَلَی اللّٰہِ کے معنی یہ لئے جاتے ہیں کہ انسان خود کچھ نہ کرے اور اس انتظار میں رہے کہ خدا اس کے لئے از خود سب کچھ کر دے گا ۔ توکل کا یہ مفہوم قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے جو ہر قدم پر سعی و عمل اور جد و جہد کی تاکید کرتا ہے ۔

آپ ایک آدمی کو سمندر میں پھینک دیجئے ۔ وہ تیرنا نہ جانتا ہو تو ڈوب کر مر جائے گا ۔ آپ لوہے کے ایک ٹکڑے کو پانی میں ڈال دیجئے، وہ جھٹ پانی کے نیچے چلا جائے گا ۔ لیکن اگر آپ اسی لوہے کی چادروں سے ایک خاص قاعدے کے مطابق ایک عظیم القدر جہاز بنا لیں تو وہ سینۂ بحر پر بط کی طرح تیرتا چلا جائے گا ۔ اور اس میں اگر ہزار آدمی بھی سوار کر لیں تو بھی وہ نہیں ڈوبے گا ۔ (بشرطیکہ یہ وزن اس حد کے اندر ہو جسے وہ قاعدے کے مطابق اٹھا سکتا ہے) ۔

آپ جہاز کو سمندر میں کس اطمینان سے چلاتے رہتے ہیں ۔ اور کس اطمینان سے اس میں سوار ہو جاتے ہیں ۔ یہ اطمینان کس چیز سے پیدا ہوتا ہے؟

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج ۔ ***راغب ۔

اس ''ایمان'' سے کہ یہ جو قانون خداوندی ہے کہ اتنی جسامت کا جہاز اگر پانی میں چھوڑ دیا جائے تو وہ اس قدر وزن لے کر تیرتا رہیگا، یہ قانون کبھی دھوکا نہیں دے گا۔ اس قانون پر پورا پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اس پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ راستے میں دھوکا نہیں دے گا۔ یہ آسرا ٹوٹے گا نہیں۔ یہ سہارا دغا نہیں دے گا۔ اسی کو توکل کہتے ہیں۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ جس طرح خارجی کائنات میں قوانین خداوندی جاری و ساری ہیں جن پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح انسانوں کی تمدنی زندگی کے لئے جو قانون خدا نے عطا کیا ہے (جو قرآن کریم کے اندر ہے) اس کی نتیجہ خیزی پر بھی اسی طرح سے بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر تم اس کے مطابق چلوگے تو جس نتیجہ کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے وہ یقیناً برآمد ہو کر رہے گا۔ اس کا نام تَوَکُّلٌ عَلَی اللّٰہِ ہے۔ اور انہی معنوں میں خدا اَلْوَکِیْلُ ہے۔ یعنی جس کے قانون پر پورا پورا بھروسہ کیا جائے۔ عزم (کسی کام کے کرنے کا محکم ارادہ) اس توکل کی لازمی شرط ہے (۳/۱۵۸)۔ جماعت مومنین وہ ہے جو اپنے عزم و ارادہ کے ساتھ قانون خداوندی کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ کرے۔ انہی کو مُتَوَکِّلِیْنَ کہا گیا ہے (۳/۱۵۸)۔ جو اس کے قانون کے علاوہ کسی اور قانون پر بھروسہ کرے وہ مشرک ہے۔ (۱۶/۱۰۰)۔

وَکَّلَ کے معنے ہیں معاملہ کسی کے سپرد کر دینا (۶/۹۰)۔ سورۃ سجدہ میں ہے وُکِّلَ بِکُمْ (۳۲/۱۱) ۱۔ جس کے تم سپرد کئے گئے ہو۔

و ل ت

اَلْوَلْتُ۔ کے معنے ہیں نقصان اور کم کرنا۔ وَلَتَہٗ حَقَّہٗ یَلِتُہٗ۔ اَوْلَتَہٗ اس نے اس کا حق کم کر دیا*۔ قرآن کریم میں ہے لَا یَلِتْکُمْ مِنْ اَعْمَالِکُمْ (۴۹/۱۴)۔ وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم کرکے نہیں دے گا۔ سورۃ طور میں ہے مَا اَلَتْنٰھُمْ مِنْ عَمَلِھِمْ (۵۲/۲۱)۔ ان کے اعمال سے ہم کچھ کم نہیں کریں گے۔

(اسے ل۔ ی۔ ت کے عنوان کے تحت بھی لکھا گیا ہے)۔

و ل ج

وَلَجَ۔ یَلِجُ۔ داخل ہونا**۔ لیکن راغب نے کہا ہے کہ اَلْوُلُوْجُ کسی تنگ جگہ میں داخل ہونے کو کہتے ہیں***۔ اور بعض کے نزدیک اس

*تاج و محیط۔ **تاج۔ ***راغب۔

کے معنی آہستہ آہستہ داخل ہونے کے ہیں* ۔ اَلْوَلِیْجَۃُ ۔ (واحد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے) ۔ دلی دوست ۔ مخلص دوست ۔ وہ شخص جو تمہارے خاندان سے تو نہ ہو لیکن تم اسے بہت ہی قابل اعتماد سمجھو (تمہارے اندر گھسا ہوا) رازدار (۹/۱۶)۔ سورۃ سبا میں وَلَجَ کے بمقابلہ خَرَجَ آیا ہے (۳۴/۲) ۔ دیگر مقامات پر ہے یُوْلِجُ اللَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَ یُوْلِجُ النَّھَارَ فِی اللَّیْلِ (۳۱/۲۹ و ۳۵/۱۳) ۔ اس میں یُوْلِجُ کے بجائے تُوْلِجُ ہے)۔ وہ رات کو دن کے اندر داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات کے اندر۔

و ل د

اَلْوَلَدُ ۔ جسے کسی نے جنا ہو ۔ (مذکر ۔ مونث ۔ واحد ، تثنیہ ، جمع ۔ سب کے لئے یہ لفظ آتا ہے ۔ نیز جمع کے لئے اَوْلَادٌ ۔ وِلْدَۃٌ ۔ اور وُلْدٌ بھی مستعمل ہیں)** ۔ لیکن یہ لفظ بچہ کے لئے اس وقت بھی بولا جاتا ہے جب وہ ابھی رحم مادر میں ہو*** ۔ اَلْوَلِیْدُ ۔ جب تک بچہ چھوٹا رہے ، نیز غلام یا ملازم (جمع وِلْدَانٌ) ۔ اَلْوَالِدُ ۔ باپ ۔ اَلْوَالِدَۃُ ۔ ماں ۔ اَلْوَالِدَانِ ۔ ماں باپ ۔ مَوْلِدٌ ۔ ولادت کا مقام اور وقت ۔ مِیْلَادٌ ۔ ولادت کا وقت** ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَلتَّوَلُّدُ کے معنی ہیں بغیر ماں باپ کے کسی جاندار کا وجود پذیر ہو جانا جیسے گرمی کے موسم میں بند پانی میں جراثیم (یا اور ذی حیات) پیدا ہو جاتے ہیں***۔ (یہ غالباً اس زمانے کی اصطلاح ہے جب جراثیم کے متعلق صحیح معلومات بہم نہیں پہنچی تھیں ورنہ یہ جراثیم بھی بغیر ''ماں باپ'' کے پیدا نہیں ہوتے ۔ اگرچہ ان کی پیدائش کا طریق عمل تَوْلِید سے مختلف ہوتا ہے) ۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق متعدد مقامات پر ہے کہ اس کا وَلَدٌ نہیں (۲/۱۱۶) ۔ اس سے صرف عیسائیوں کے اس عقیدہ ہی کی تردید مقصود نہیں جس کی رُو سے وہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں ۔ اس سے مقصود یہ کہنا بھی ہے کہ خدا نے کائنات کو تَوْلِیْدٌ کے سلسلہ سے پیدا نہیں کیا (جس طرح ماں باپ کے ہاں اولاد پیدا ہوتی ہے) بلکہ اس نے اسے تخلیقاً پیدا کیا ۔ تولید (Pro - creation) میں ، پیدا کرنے والے (وَالِدٌ) کا ایک جزو ، مَوْلُوْدٌ (جو جنا گیا ہو اس) میں شامل ہوتا ہے ۔ اور والد میں اتنے حصے کی کمی آ جاتی ہے ۔ لیکن تخلیق (Creation) میں پیدا کرنے والے (خالق) کی ذات کا کوئی جزو اس کی مخلوق میں نہیں آتا ۔ اس لئے عمل

*غریب القرآن مرزا ابو الفضل ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔

تخلیق سے اس کی ذات میں کسوئی کمی (Deficiency) واقع نہیں ہوتی ۔ خدا خالق ہے اور وہ انسانوں سے بھی تخلیق چاہتا ہے ۔ باقی رہا عملِ تولید ، سو یہ ایک حیاتیاتی عمل (Biological Action) ہے جس میں حیوان اور انسان دونوں شامل ہیں ۔ آدمی ، انسانیت کی سطح پر عملِ تخلیق سے آتا ہے اور صرف تولید (اولاد پیدا کرنے) سے وہ حیوانی سطح پر رہتا ہے (اگرچہ افزائشِ نسل کے لئے یہ بھی ضروری ہے ۔ جس طرح تحفظ خویش کے لئے کھانا ، پینا ضروری ہے) ۔ لہذا ، انسان کو دیکھنا یہ چاہئے کہ اس نے ''تخلیق'' کس قدر کی ہے ۔ نہ یہ کہ اس نے ''تولید'' کتنی کی ہے ۔ کتنے بچے پیدا کئے ہیں ۔ تخلیق ، فریضۂ انسانیت ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اللہ کے علاوہ اور خالقین کے وجود کو بھی تسلیم کرتا ہے ۔ وہ خدا کو اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ (۲۳/۱۴) کہہ کر پکارتا ہے ۔ یعنی تمام خالقین میں سب سے بہتر خالق ۔ وہ جس کی تخلیق حسن کی انتہائی شکل لئے ہو ۔

صاحب لطائف اللغۃ نے لکھا ہے کہ اَلْوَلَدُ کا استعمال بیٹے اور بیٹے کے بیٹے (وَلَدُ الْوَلَد ۔ یعنی پوتے) سب کے لئے ہوتا ہے (لیکن اَلْمَوْلُوْدُ صرف اسے کہینگے جو براہ راست کسی کا بیٹا ہو) ۔ قرآن کریم نے احکامِ وراثت کے ضمن میں کہا ہے یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ (۴/۱۱) ۔ اَوْلَادٌ ۔ وَلَدٌ کی جمع ہے ۔ لہذا اس سے مراد صرف اپنے بیٹے اور بیٹیاں ہی نہیں بلکہ بیٹوں اور بیٹیوں کے بیٹے بیٹیاں بھی ہیں ۔ اگر کسی متوفی کا بیٹا زندہ ہے تو وہ اس کا وَلَدٌ ہوگا ۔ اور اگر بیٹا پہلے مر چکا ہے لیکن اس کا پوتا (بیٹے کا بیٹا) زندہ ہے تو وہ بھی اس کا وَلَدٌ ہوگا اور وہ دادا کی وراثت سے حصہ پائے گا ۔ اسی طرح بیٹی کی اولاد بھی اَوْلَادٌ میں شامل ہوگی ۔ اسی طرح والدین سے مراد صرف ماں باپ نہیں ہونگے بلکہ یہ سلسلہ اوپر تک چلا جائیگا ۔ یعنی دادا ۔ نانی وغیرہ ۔

سورۃ بقرہ میں یہ کہا گیا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو دوسال تک دودھ پلائیں ۔ اس کے ساتھ طلاق کا بھی ذکر آرہا ہے ۔ اس ضمن میں کہا کہ وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَہٗ رِزْقُھُنَّ (۲/۲۳۳) ۔ مطلب یہ ہے کہ بچے کی ماں کے کھانے پینے کی ذمہ داری بچے کے باپ پر ہے ۔ اس کے لئے قرآن کریم نے مَوْلُوْدٌ لَہٗ کے الفاظ استعمال کئے ہیں ۔ یعنی وہ جس کے لئے اس عورت نے بچہ جنا تھا ۔ اگر بچے کا باپ موجود ہے تو یہ الفاظ اس کے لئے ہونگے ۔ اگر وہ نہیں تو اس کی جگہ جو اس کا (مذکر) وارث ہوگا یہ الفاظ اس کی طرف رجوع کر جائیں گے ۔

و ل ی

الوَلْیُ - کے بنیادی معنی ہیں کسی کے قریب اور نزدیک ہونا - ابن فارس نے بھی یہی اس مادہ کے بنیادی معنی بتائے ہیں - دَارٌ وَلِیَۃٌ - قریب گھر* - قریب ہونے کے اعتبار سے اَلْوَلْیُ کے معنی ہوتے ہیں دوسری چیز کا پہلی چیز کے بعد بغیر فصل (ساتھ ہی) ہونا** - راغب نے کہا ہے کہ الوَلَاءُ والتَّوَالِیْ کے معنے ہیں دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا اسطرح یکے بعد دیگرے آنا کہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ آئے جو ان میں سے نہ ہو، اور اس جہت سے استعارۃ یہ قرب کے لئے استعمال ہوتا ہے*** - وَلِیَتِ الْاَرْضُ - زمین پر موسم بہار کی پہلی بارش کے بعد بارش برسی - اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی کے معنے ہیں خرابی اور تباہی تمہارے قریب پہنچ چکی ہے یا ساتھ ہی لگی ہوئی ہے - یہ زجر و وعید اور توبیخ کے موقع پر استعمال ہوتا ہے - ابن فارس نے بھی اس کی تائید کی ہے - ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کلمہ ہاتھ سے نکل جانے والے فائدے پر افسوس دلانے کے لئے بولا جاتا ہے - ھُوَ اَوْلٰی بِکَذَا - وہ اس کا زیادہ حق دار ہے، زیادہ لائق و مستحق ہے* (۳۳/۶) -

قرب کے اعتبار سے اَلْوَلِیُّ دوست اور مدد گار کو کہتے ہیں - اَلْمُوَالَاۃُ - ایک دوسرے سے محبت اور دوستی کرنا - معاھدہ کرنا - ایک دوسرے کے قریب ہونا - لگاتار و مسلسل آنا - نیز اس کے معنے دو لڑنے جھگڑنے والوں کے درمیان صلح و صفائی کے لئے دخل اندازی کرنا بھی ہیں - لیکن اِسْتَوْلٰی عَلَی الشَّیْءِ کے معنے ہیں کسی چیز کو اپنے قبضہ قدرت میں لے لینا - اور اِسْتَوْلٰی عَلَی الْاَمْرِ - کسی معاملہ پر غالب آجانا *- اسی لئے اَلْوِلَایَۃُ - سلطنت اور حکومت کو کہتے ہیں** - اور وَالٍ - نگران و ناظم اور حاکم کو - اَوْلَیْتُہُ الْاَمْرَ - میں نے اسے معاملہ کا ناظم و نگران بنا دیا - اَلْوَلِیُّ بھی نگران و ناظم اور حاکم کو کہتے ہیں * - تَوَلَّاہُ (۱۰/۱۶) - اسکو ولی بنا لیا - تَوَلّٰی الْاَمْرَ - اس نے معاملہ کی ذمہ داری اٹھا لی -

وَلّٰی کے متضاد معنی آتے ہیں - کسی کی طرف رجوع کرنا بھی اور کسی سے اعراض کرنا بھی - وَلّٰی ھَارِبًا - پیٹھ موڑ کر بھاگا - اور فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے معنی ہیں تو مسجد حرام کی طرف اپنا رخ کر - تَوَلّٰی عَنْہُ - اس سے اعراض کیا * - تَوَلَّاہُ کے معنی اسکی پیروی کرنا اور اسے اختیار کرنا بھی ہیں * - (۱۰/۱۶)

---

* تاج - ** محیط - *** راغب -

قرآن مجید میں یہ مادہ ان تمام مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ کسی کی طرف رخ کرنا (۲/۱۱۵) اور رو گردانی کرنا (۲/۱۳۲)۔ حاکم بن جانا (۲/۲۰۵)۔ وَلَایَۃ بمعنی غلبہ و اقتدار (۱۸/۴۵)۔ وَلِیٌّ۔ مدد گار۔ حمایتی (۴/۱۱۱) وَلِیٌّ بمعنی وارث (۱۹/۳۳ ؛ ۱۶/۵)۔ المَوَالِیَ (دور کے) رشتہ دار (۱۶/۵ ؛ ۴/۳۳)۔

ایک راہ تو یہ ہے کہ انسان جس نظریہ یا تصور کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے (اسے ایمان کہتے ہیں) اس کے سامنے بطیب خاطر جھک جائے اور اس کی پوری پوری اطاعت کرے۔ (اسے اسلام کہتے ہیں)۔ لیکن دوسری راہ یہ ہے کہ انسان اس سے گریز کی راہیں تلاش کرے۔ یہ اعراض ہے۔ اس کو تَوَلّٰی کہتے ہیں۔ چنانچہ (۲/۱۳۲) میں یہ لفظ ایمان کے مقابلہ میں آیا ہے۔ اور (۳/۱۹) میں اَسْلَمَ کے مقابلہ میں (نیز ۱۶/۸۱ ۸۲ میں)۔ اور (۴/۸۰) میں یہ لفظ اِطَاعَتٌ کے مقابلہ میں آیا ہے۔ لہذا تَوَلّٰی کے معنی یہی نہیں کہ انسان ایک مذہب (یا نظام) کو چھوڑ کر دوسرا مذہب یا (نظام) اختیار کر لے۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ اس نظام کے اندر رہتے ہوئے اسکی پوری پوری اطاعت نہ کرے بلکہ گریز کی راہیں نکالتا رہے۔ اسی لئے تَوَلّٰی بمقابلہ صَلّٰی آیا ہے (۷۵/۳۱ ؛ ۹۶/۱۰۳)۔ صلّٰی کے معنی پوری پوری اطاعت کرنا۔ کسی کے پیچھے پیچھے چلے جانا ہیں۔ صلّٰی کے مقابل میں تَوَلّٰی کی عام صورت یہ ہے کہ خدا کے دیئے ہوئے دین (یا نظام اطاعت) کی جگہ انسان کی خود ساختہ شریعت کو دین قرار دیدیا جائے اور اسکی اتباع کو دین کی اطاعت بنا دیا جائے۔

قرآن کریم نے خدا اور انسان کا تعلق اس قسم کا قرار دیا ہے جسے ہم عام الفاظ میں رفاقت کا تعلق کہتے ہیں۔ اگر انسان قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے تو خدا خود اسکا رفیق (ولی) بن جاتا ہے۔ اور اس کے قانون کے حیات بخش نتائج اس کے شامل حال ہوتے ہیں۔ دوسری طرف، ان قوانین کی اطاعت سے انسان کے ہاتھوں خدا کے کائناتی پروگرام کی تکمیل ہوتی جاتی ہے (یعنی کائنات میں حسن اور نکھار پیدا ہوتا جاتا ہے)۔ اسطرح انسان خدا کا وَلِیٌّ بن جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے ایک طرف خدا کو مومنین کا ولی کہا ہے (۲/۲۵۷)۔ اور دوسری طرف مومنین کو اَوْلِیَاءُ اللّٰہِ کہا ہے (۱۰/۶۲)۔ اَوْلِیَاء وَلِیٌّ کی جمع ہے۔ یاد رہے کہ اَوْلِیَاءُ اللّٰہِ کا کوئی خاص گروہ نہیں۔ قرآن کریم کی رو سے ہر مومن وَلِیُّ اللّٰہِ ہے اور تمام مومنین اَوْلِیَاءُ اللّٰہِ ہیں۔ اس نے صاف الفاظ میں کہدیا ہے کہ اَوْلِیَاءُ اللّٰہِ وہ ہیں اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (۱۰/۶۳)۔ جو لوگ قرآن کریم

پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں ۔ ان کی "پہچان" یہ بتا دی کہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (۱۰/۶۴)۔ انہیں اس دنیا میں بھی زندگی کی خوشگواریاں حاصل ہوتی ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی ۔ آخرت کی زندگی کو تو یہاں دیکھا نہیں جا سکتا لیکن یہاں کی زندگی تو ہر ایک کے سامنے ہوتی ہے ۔ لہذا اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ (جماعت مومنین) وہ ہیں جنہیں زندگی کی شادابیاں اور سرفرازیاں حاصل ہوں اور وہ دنیا میں نظام خداوندی کو قائم کریں (کیونکہ دنیا اور آخرت کی سرفرازیاں صرف اسی نظام کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہیں) ۔ انہی کو قرآن کریم نے حِزْبُ اللّٰهِ (۵۸/۲۲) کہا ہے ۔ اور ان کے مقابلہ میں غیر خدائی نظام کے تابع زندگی بسر کرنے والوں کو حِزْبُ الشَّيْطَانِ (۵۸/۱۹) ۔ اس تصور کے علاوہ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ کا جو تصور بھی ہے وہ غیر قرآنی ہے اور دوسروں سے مستعار لیا ہوا ۔

سورہ محمد میں سلسلہ کلام یوں چلا آرہا ہے کہ تم اقوام سابقہ کے احوال و کوائف پر غور کرو اور دیکھو کہ جن لوگوں نے وحی کے بتائے ہوئے راستے سے سرکشی برتی ان کا انجام کیا ہوا ۔ جو انجام ان کا ہوا وہی انجام دور حاضر کے مخالفین کا بھی ہوگا ۔ اس کے بعد ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (۴۷/۱۱) ۔ "یہ اس لئے کہ جو لوگ وحی کے بتائے ہوئے راستے پر ایمان رکھتے ہیں ان کا مولیٰ (دوست ۔ رفیق ۔ کارساز) اللہ ہے ۔ اور جو اس راستے کی مخالفت کرتے ہیں ان کا کوئی مولیٰ نہیں ہو سکتا" ۔ یعنی جو شخص یا قوم قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کرے اسے اسکی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے کوئی نہیں بچا سکتا ۔ ظاہر ہے کہ ان معنوں میں اللہ کے سوا کوئی کسی کا مولیٰ نہیں ہو سکتا ۔ یہی وہ مفہوم ہے جس کی رو سے جماعت مومنین کا اعلان ہوتا ہے کہ اَنْتَ مَوْلٰىنَا (۲/۲۸۶) ۔ "تو ہمارا مولیٰ ہے" ۔ لیکن اس کے ساتھ سورہ تحریم میں (نبی اکرمؐ کے سلسلہ میں) فرمایا کہ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۶۶/۴) ۔ "اس کا مولیٰ اللہ ہے ۔ اور جبریل اور صالح مومنین ہیں ۔ ظاہر ہے کہ جس مفہوم میں اللہ مولیٰ ہو سکتا ہے اس میں اللہ کے سوا کوئی اور مولیٰ نہیں ہو سکتا ۔ لہذا اللہ ۔ جبریل ۔ اور مومنین کی "مولائیت" کی نوعیت الگ الگ ہے ۔ انہیں ایک سطح کا مولیٰ سمجھنا غلط ہے ۔ قوانین خداوندی کے خلاف کسی کی مولائیت کام نہیں آسکتی ۔ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا (۴۴/۴۱) ۔ "جسدن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آسکیگا" اس پر شاہد ہے ۔

قرآن کریم نے اس حقیت کو بتاکید دھرایا ، اور بار بار دھرایا ھے کہ مومنین ایک دوسرے کے اولیاء ھو سکتے ھیں اور مومن کسی غیر مومن (کافر) کا ولی نہیں ھو سکتا ۔ بات بالکل واضح ھے ۔ دنیا میں ایک دوسرے کے دوست رفیق ، ھمراز ، ھم نوا وھی ھو سکتے ھیں جن کی منزل مقصود اور اس تک پہنچنے کا راستہ ایک ھو ۔ جن کی منزلیں مختلف اور راستے الگ الگ ھوں ، وہ ایک دوسرے کے دمساز اور ھمراز کیسے ھو سکتے ھیں ؟ غیر مومنین سے اچھے کاموں میں تعاون کیا جا سکتا ھے ۔ انہیں اپنا ھمراز اور دمساز نہیں بنایا جا سکتا (اس ضمن میں حسب ذیل آیات دیکھئے۔ ($\frac{۳}{۲۸}$ - $\frac{۳}{۱۱۸}$ - $\frac{۴}{۸۹}$ - $\frac{۴}{۱۳۹}$ - $\frac{۴}{۱۴۴}$ - $\frac{۵}{۵۱-۵۵}$ - $\frac{۸}{۴۳}$ - $\frac{۹}{۱۰۰-۱۱۶-۲۳-۲۸}$ - $\frac{۴۸}{۱۲-۱۳}$ - $\frac{۵۸}{۲۲}$ - $\frac{۶۰}{۱-۳}$) ۔

و ن ی

اَلْوَنٰی ۔ تکان ۔ درماندگی ۔ وَنٰی ۔ یَنِیْ ۔ وَنْیًا ۔ سستی کرنا ۔ تھک جانا ، کمزور اور ضعیف ھو جانا ۔ نَاقَۃٌ وَانِیَۃٌ ۔ تھکی ھوئی اونٹنی ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے کمزوری اور ضعف بتائے ھیں ۔

اَلْمِیْنَا وَ الْمِیْنَاءُ ۔ بندرگاہ ، جہاں پہنچ کر جہاز دم لیتے ھیں ۔ نیز اَلْمِیْنَا (بغیر ھمزہ کے) ان پتھر کے ٹکڑوں کو بھی کہتے ھیں جس سے کانچ بنایا جاتا ھے* ۔

سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون سے کہا گیا ھے کہ فرعون کی طرف جاؤ ۔ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ ($\frac{۲۰}{۴۲}$) ۔ اور دیکھو اس کشمکش میں ضابطۂ خداوندی کو آگے بڑھانے میں ذرا بھی سستی نہ کرنا ۔ اس مقصد کے لئے تمہاری تگ و تاز میں ذرا بھی کمی نہ آنے پائے ۔

و ھ ب

وَھَبَ یَھَبُ وَ ھَبًا ۔ ھِبَۃٌ ۔ عطا کرنا ۔ دینا ۔ اَلْھِبَۃُ ۔ وہ عطیہ جو نہ کسی چیز کے عوض دیا گیا ھو نہ ھی اس میں دینے والے کی اپنی غرض وابستہ ھو ۔ اَلْمَوْھِبَۃُ ۔ وہ بادل جو جہاں واقع ھو وھاں ھی برس جائے ۔ اَوْھَبْتُ لِاَمْرِ کَذَا ۔ میں فلاں امر پر قادر ھو گیا** ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس مادہ کے الفاظ بغیر قیاس کے آئے ھیں ۔

سورۃ احزاب میں ھے اِنْ وَھَبَتْ نَفْسَھَا ($\frac{۳۳}{۵۰}$) ۔ اگر وہ اپنے آپ کو نبی کے حوالے کردے ۔ سورۃ مریم میں ھے قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ($\frac{۱۹}{۱۹}$) ۔ اس نے کہا کہ میں تیرے

*تاج ۔ **تاج و محیط ۔

رب کا یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ "میں(خدا) تجھے ایک پاکیزہ اورنشو و نما یافتہ بچہ عطا کروں گا"۔ سورۃ شعراء میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا . . . (۲۶/۲۱) ۔ اللہ نے مجھے قوت فیصلہ اور نبوت عطا فرمائی ۔ نبوت ایک ایسا علم ہے جو خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتا ہے ۔ کسب و ہنر سے حاصل نہیں کیا جاسکتا ۔ خدا کی صفت اَلْوَهَّابُ ہے (۳/۷) ۔ یعنی بلا مزد و معاوضہ بہت زیادہ عطا کرنے والا ۔ سورۃ صٓ میں یہ لفظ واپس دینے کے معنوں میں بھی آیا ہے وَ وَهَبْنَا لَهٗ اَهْلَهٗ . . . (۳۸/۴۳)۔ مطلب عطا کرنے سے ہی ہے ۔ کھوئے ہوؤں کا واپس مل جانا بھی تو عطا ہے ۔

و ھ ج

وَهَجَتِ النَّارُ ۔ وَهْجًا ۔ آگ کا روشن ہونا ، جلنا اور بھڑکنا ۔ اَلْوَهَجُ ۔ آفتاب اور آگ کی حرارت ۔ تَوَهَّجَ الْجَوْهَرُ ۔ جوہر چمک اٹھا* ۔

قرآن کریم میں ہے وَ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (۷۸/۱۳) ۔ ہم نے (سورج کو) چراغ بنایا جو بافراط روشنی اور حرارت دینے والا ہے ۔

و ھ ن

اَلْوَهْنُ ۔ کسی کام یا معاملہ میں یا جسمانی طور پر کمزور ہونا ۔ لیث نے کہا ہے کہ وَاهِنٌ اس آدمی کو کہتے ہیں جو کام اور معاملہ میں کمزور ہو ۔ اور مَوْهُوْنٌ ۔ اُسے جو بدنی لحاظ سے کمزور ہو**۔ سورۃ آل عمران میں وَهْنٌ کے ساتھ ضعف اور استکانت کے الفاظ آئے ہیں (۳/۱۴۵) ۔ اس سے اس کے مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ وَهَنَ ۔ کمزور و ضعیف ہوا ۔ اَوْهَنَ کمزور اور ضعیف بنایا۔ سورۃ انفال میں ہے اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ (۸/۱۸) ۔ اللہ مخالفین، کفار کے منصوبوں کو کمزور (ناکام) بنا دیگا ۔ مسلمانوں سے کہا گیا ہے وَلَا تَهِنُوْا (۳/۱۳۸) ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم میں کسی قسم کی بھی کمزوری نہیں ہونی چاہئے ۔ نہ جسمانی کمزوری (جس میں مادی اسباب بھی شامل ہیں) اور نہ ہی عقل و فکر اور علم و بصیرت کی کمزوری، کیونکہ قرآن کریم نے قیادت کے لئے جسمانی اور علمی دونوں صلاحیتوں کو ضروری قرار دیا ہے (۲/۲۴۷) ۔ نہ ہی سیرت و کردار میں کسی قسم کی کمزوری۔ اس طرح ایمان کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (۳/۱۳۸) ۔ تم سب سے بلند ہو جاؤ گے ۔

---

*تاج و راغب ۔ **تاج ۔

و ھ ی

اَلْوَھْیُ - کسی چیز میں شگاف ہونا - کسی چیز کی بندشوں کا ڈھیلا پڑ جانا - اَوْھَاہُ - اس نے اسے کمزور کر دیا - اَلْحَائِطُ یَھِیْ* - دیوار گرا چاہتی ہے - رَجُلٌ وَاہٍ - بودا - کمزور - احمق آدمی - ناقابل اعتماد - حَدِیْثٌ وَاہٍ - نہایت ہودی بات* -

قرآن کریم میں ہے وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَھِیَ یَوْمَئِذٍ وَاھِیَۃٌ (۶۹/۱۶) - آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن اس کی بندشیں ڈھیلی پڑجائینگی -

وَیْ (حرف)

وَیْ - تعجب و افسوس یا زجر و توبیخ یا پشیمانی اور تعجب کے لئے آتا ہے** - قرآن کریم میں وَیْکَاَنَّ آیا ہے (۲۸/۸۲) - (وَیْ + کَ + اَنَّ یا وَیْ + کَاَنَّ) - ہائے افسوس - یا جیسے ہم کہتے ہیں کہ ''ارے! ہم تو کچھ اور سمجھ رہے تھے اور معاملہ یوں نکلا!''

و ی ل

وَیْلٌ - شر کا نازل ہونا - یہ مصدر جامد ہے جس کا کوئی فعل نہیں*** - اظہار درد و کرب کے موقع پر، نیز عذاب و تکلیف اور بد انجامی کے لئے یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے - اَلْوَیْلَۃُ - رسوائی - تباہی - بربادی - ہلاکت*** -

تباہی اور بربادی کے معنوں میں وَیْلٌ (۱۰۴/۱) میں آیا ہے - حسرت اور افسوس کے لئے وَیْلَکَ (۲۶/۱۷) میں - اور شرم اور تعجب کے ملے جلے جذبات کے لئے یٰوَیْلَتٰی (۱۱/۷۲) میں -

---

*تاج و راغب - **تاج و راغب و محیط - ***تاج -

ھ

ہٗ (ضمیر)

ہٗ ۔ یہ ضمیر منصوب متصل اور مجرور متصل ہے ۔ واحد مذکر غائب کے لئے آتی ہے ۔

منصوب متصل کی مثال ۔ یَنْصُرُوْنَہٗ (۲۸/۸۲) ۔ ''(جو) اس کی مدد کرے'' ۔ مجرور متصل کی مثال ۔ مَکَانَہٗ (۲۸/۸۲) ۔ ''اسکی جگہ'' ۔

[یہ ضمیر کبھی ہِ اور ہُ بھی پڑھی جاتی ہے مثلاً فِیْہِ ۔ بِہٖ ۔ اور کبھی یہ ساکن ہوکر محض وقف کے لئے بڑھا دی جاتی ہے مثلاً مَاھِیَہْ ۔ اور کِتَابِیَہْ] ۔

ھَا (ضمیر)

ھا ۔ ضمیر منصوب متصل اور مجرور متصل ہے ۔ واحد مؤنث غائب کے لئے آتی ہے ۔ منصوب متصل کی مثال ۔ اِنَّھَا (۲/۷۹) ۔

مجرور متصل کی مثال ۔ لَوْنُھَا (۲/۶۹) ۔

ھَا

ھَا ۔ خُذْ (پکڑو ۔ لو) کے معنے میں آتا ہے ۔ ھَاؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَہْ (۶۹/۱۹) لو ۔ میری کتاب پڑھو ۔ (اس میں جمع کے لئے اُمْ بڑھایا گیا ہے) ھَا ۔ تنبیہ کے لئے بھی آتا ہے ۔ ھَا اَنْتُمْ اُولَاءِ ۔ ہاں تم وہی تو ہو ۔

جب ھَا، اَیُّ کے بعد آئے تو ندا (پکارنے) کے لئے آتا ہے ۔ جیسے اَیُّھَا الرَّجُلُ ۔ اے مرد ! اکثر اَیُّھَا سے پہلے یَا بڑھا کر یَا اَیُّھَا بولا جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ (۲/۲۱) اے لوگو !

[ھٰکَذَا کے لئے دیکھئے عنوان ھٰذَا] ۔

ھٰؤُلَاءِ

ھٰـؤُلَاءِ ۔ (ھَا + اُولَاءِ) ھٰـذَا اور ھٰـذِہٖ دونوں کی جمع ہے ۔ ''یہ سب'' (مذکر و مؤنث) ۔ مذکر کے لئے ھٰـاَنْتُمْ ھٰـؤُلَاءِ (۳/۶۵) ۔ خبردار تم ھی وہ لوگ ھو ۔ مؤنث کے لئے ھٰـؤُلَاءِ بَنَاتِیْ (۱۱/۷۸) یہ سب میری بیٹیاں ھیں ۔

ھَاؤُمُ

دیکھئے عنوان ھَا ۔

ھٰـذَا

ھٰـذَا ۔ (اسم اشارہ ۔ واحد مذکر) ''یہ'' ۔ ھٰـذَانِ ھٰـذَیْنِ (مذکر ۔ تثنیہ) ''یہ دونوں'' ۔ ھٰـذِہٖ (واحد مؤنث) ۔ ''یہ'' ۔ ھَاتَانِ ھَاتَیْنِ ۔ (تثنیہ مؤنث) ''یہ دونوں'' ۔ (ھٰـؤُلَاءِ ۔ جمع کے لئے آتا ھے) ۔ ''یہ سب'' ۔ ھٰـکَذَا ۔ (ھَا + کَ + ذَا) ۔ ''اسی طرح ایسا ھی'' ۔ اَھٰـکَذَا عَرْشُکِ (۲۷/۴۲) ۔ کیا تیرا تخت ایسا ھی تھا ؟

ھَارُوْتُ

اَلْھَرْتُ ۔ نیزہ گھونپنا ۔ کپڑے کو پھاڑنا اور چندی چندی کرنا ۔

اَلْھَرَتُ ۔ منہ کی باچھوں کا کشادہ ھونا ۔ اَلْھَرِیْتُ ۔ وہ شخص جس کی باچھیں وسیع ھوں ۔ رَجُلٌ ھَرِیْتٌ ۔ وہ آدمی جو فحش گوئی کے ساتھ کسی راز کو پوشیدہ نہ رکھے* ۔

ھَارُوْتُ ۔ افسانہ طرازوں نے حضرت سلیمانؑ کے متعلق جو طرح طرح کی چیستانیں مشہور کر رکھی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ بابل میں دو فرشتے تھے ۔ ھاروت اور ماروت ۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے ۔ قرآن کریم نے ان مزخرفات کی تردید کردی (۲/۱۰۲) ۔ یہ عجمی لفظ ھے ۔

(ماروت اور بابل کے عنوانات بھی دیکھئے) ۔

*تاج ۔

هَارُوْنُ

هَارُوْنُ ۔ یہ عجمی نام ہے ۔ حضرت موسیٰ؈ کے بھائی اور بنی اسرائیل کے پیغمبر کا نام تھا ۔ عربی میں اَلنَّخِیْرُ وْنُ ۔ عمدہ قسم کی کھجور کو کہتے ہیں* ۔

بعض لوگ اپنے اس (غلط) عقیدہ کی دلیل میں کہ نبی بغیر کتاب کے بھی آتے ہیں ، حضرت ہارون؈ کی مثال پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ؈ کو کتاب ملی تھی اور حضرت ہارون؈ ان کے ساتھ بغیر کتاب کے تھے ۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ کتاب ، حضرت موسیٰ؈ اور حضرت ہارون؈ دونوں کو ملی تھی ۔ وَ اٰتَیْنٰهُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ (۳۷/۱۱۷) ۔ ''اور ہم نے دونوں کو واضح کتاب دی'' ۔

[مزید تفصیل کے لئے (ن ۔ ب ۔ ا) کا عنوان دیکھئے] ۔

هَامَان

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ؈ کو فرعون ، ہامان اور قارون کیطرف بھیجا تھا (۲۹/۳۹) ۔ اور یہ تینوں ہلاک ہونیوالوں میں سے تھے(۲۹/۳۹) ۔

تاریخ انسانیت کے مختلف ادوار پر نگاہ ڈالئے ۔ ہر جگہ بادشاہت کے غلبہ و استیلاء سے کہیں زیادہ عمیق و شدید ، '' پیشوائیت '' (Priesthood) کا تسلط نظر آئیگا ۔ بادشاہ تو خیر بادشاہی کرتا تھا ، برہمن (مذہبی پیشوا) خدائی کرتا تھا ۔ ایسی خدائی جس میں ، سچ پوچھئے تو بادشاہ بھی اسکی رعایا میں سے ہوتا تھا ۔ مصر میں آمن رع (سورج کا دیوتا) سب سے بڑا دیوتا سمجھا جاتا تھا ۔ اس مندر کا بڑا پجاری ، شوکت و ثروت کے بلند ترین مقام پر فائز ہوتا تھا ۔ ڈاکٹر سٹینڈروف ، اپنی کتاب '' قدیم مصریوں کا مذہب '' میں لکھتا ہے ۔

''آمن دیوتا کے سردار کاہن کو نبی اول کہتے تھے ۔ وہ محکمہ تعمیرات** کا بھی افسر تھا ۔ مندر کی عالی شان عمارات اور ان کی زیبائش و آرائش کا انتظام اس کی تفویض میں تھا ۔ یہی دیوتاؤں کی فوج یعنی مندر کی سپاہ کا جرنیل بھی تھا ۔ خزانہ کی نگرانی اور نظم و نسق کا بھی یہی ذمہ دار تھا ۔ نہ صرف آمن کا مندر اور اس کے پجاری اس کے دائرہ حکومت میں تھے بلکہ تھیبس اور شمالی اور

*تاج ۔ ** غالباً مذہبی عمارات مراد ہیں۔

مغربی مصر کے تمام مندروں کے پجاریوں کا افسر اعلیٰ بھی یہی تھا ۔ اگر حساب لگایا جائے تو صرف شہر تھیبس کے مندر کے قبضہ میں تمام مصر کی زمین کا دسواں حصہ تھا،، ۔ یہ تھی آمن دیوتا کے مندر کے سردار کاھن (Head Priest) کی وجاھت ۔ یہی آمن، قرآن کا ھامان ھے [جیسے تغیر لفظی سے آرون (Aoron) ھارون ھو گیا] انسائکلوپیڈیا برٹانیکا میں (مصر کے عنوان کے تحت) مذکور ھے کہ

> فراعنۂ مصر کے اٹھارھویں خاندان کے وقت سے مندر کے پجاریوں نے خاص اثر اور اھمیت اختیار کر لی تھی ۔ اس خاندان کے زمانہ میں آمن رع (واقع تھیبس) کے کاھن کے نام پر ایشیا کے مفتوح علاقے وقف ھو چکے تھے جنکی وجہ سے وہ بے حساب دولت اور قوت کا مالک سمجھا جاتا تھا ۔

ڈاکٹر (Breasted) نے بھی اپنی کتاب ”تاریخ مصر“ میں لکھا ھے کہ آمن کے سب سے بڑے پجاری کے ماتحت بہت بڑا مقامی لشکر ھوتا تھا ۔

ان تصریحات سے یہ حقیقت سمجھ میں آسکتی ھے کہ قرآن کریم نے فرعون کے ساتھ ھامان کے لشکروں کا ذکر کیوں ضروری سمجھا (۲۸/۶) ۔ اور فرعون نے ھامان (محکمہ تعمیرات کے افسر اور نظام ”روحانیت“ کے سب سے بڑے رکن) سے کیوں کہا تھا کہ اس کے لئے ایک بلند عمارت یا برجی تعمیر کر دی جائے جس پر چڑھکر وہ (معاذ اللہ) حضرت موسیٰ ؑ کے خدا کو جھانک لے (۴۰/۳۶) ۔

حقیقت یہ ھے کہ آسمانی انقلاب کی آواز جب بھی اٹھی ھے اس کے مقابلہ کے لئے ملوکیت کبھی براہ راست سامنے نہیں آئی وہ ھمیشہ ”پیشوائیت“ کو آگے بڑھاتی ھے اور خود اسکی سپر میں محفوظ رھتی ھے ۔ یہی فرعون نے کیا ۔ خود پیچھے رھا اور حضرت موسیٰ ؑ کے مقابلہ کے لئے ھامان اور اس کے ساحرین کو آگے بڑھایا ۔ لیکن عصائے موسیٰ ؑ نے ان سب کی دسیسہ کاریوں کو نیست و نابود کر دیا ۔ فَاِذَا ھِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ (۷/۱۱۷) ۔

ملوکیت ۔ پیشوائیت ۔ اور سرمایہ داری ، تینوں بلائیں انسانیت کے لئے ھلاکت آفریں ھیں ۔ قرآن کریم نے ، داستان بنی اسرائیل کے ضمن میں ان تینوں بلاؤں کا ذکر شرح و بسط سے کیا ھے ۔ فرعون ، استبدادِ ملوکیت کا مجسمہ ۔ ھارون، پیشوائیت کی دسیسہ کاریوں کا نمائندہ ۔ اور قارون، سرمایہ داری

کی خون آشامیوں کا پیکر۔ آسمانی انقلاب، انسانیت کو ان تینوں بلاؤں سے نجات دلانے کے لئے آتا ہے۔ اس کا علاج قرآنی نظام حکومت و معیشت میں ہے جس میں نہ کوئی کسی انسان کا بندہ اور غلام ہوتا ہے نہ محکوم اور محتاج۔

ھ ب ط

ھَبُوْطٌ۔ اترنا۔ راغب نے اس کے معنے دب کر مجبوراً اترنا لکھے ہیں***۔ ھَبَطَ اَرْضَ کَذَا۔ وہ فلاں زمین میں اترا*۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ ھَبَطَ مِنْ مَوْضِعٍ اِلٰی مَوْضِعٍ کے معنی ہیں وہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہو گیا**۔ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے اِھْبِطُوْا مِصْرًا۔ (۲/۶۱)۔ جس کے معانی ہیں تم اس بیابانی زندگی سے کسی شہر کی طرف منتقل ہو جاؤ۔ راغب نے لکھا ہے کہ جب لفظ ھَبُوْطٌ انسان کے لئے بولا جائے تو اس میں استخفاف اور حقارت کا پہلو پایا جاتا ہے۔ بخلاف اِنْزَالٌ کے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بہت سے موقعوں پر باشرف چیزوں کے لئے بھی استعمال کیا ہے***۔ ھَبَطَ الْمَرَضُ لَحْمَہٗ کے معنی ہیں بیماری نے اس کے گوشت کو کم کر دیا۔ اسے لاغر کر دیا۔ اَلْھَبْطَۃُ۔ نشیبی زمین کو کہتے ہیں۔ اور اَلْھَبْطُ کے معنی نقصان کے ہیں، نیز یہ لفظ ذلت، عاجزی اور شر میں پڑ جانے کے لئے بھی آتا ہے۔ اَلْھَبَیْطُ۔ لاغر اونٹ کو کہتے ہیں*۔ (ابن فارس)۔

لہذا ھَبُوْطٌ کے معنی ہیں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تبدیلی جب کہ دوسری حالت میں پہلی حالت کے مقابلہ میں کچھ کمی ہو۔ قرآن کریم میں قصہ آدم میں ہے کہ اگر انسان وحی کی راہ نمائی میں امۃ واحدہ بنکر رہیں تو یہ زندگی شرف انسانیت کی زندگی ہے لیکن اگر وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں تو یہ اُس مقام سے پستی کی طرف تبدیلی (ھبوط) ہے۔ فَقُلْنَا اھْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (۲/۳۶)۔ ''ہم نے کہا کہ تم (اس) مقام بلند سے پستی کی طرف جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے''۔ اس ھَبُوْطٌ سے، بلند مقام آدمیت کیطرف تبدیلی اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب انسان وحی کے مطابق زندگی بسر کریں (۲/۳۸)۔ تفصیل ان امور کی (ا۔ د۔ م) اور (ش۔ ج۔ ر) کے عنوانات میں ملیگی۔

*تاج۔ **محیط۔ ***راغب۔

ھ ب و

اَلْھَبَاءُ ۔ غبار ۔ بہت باریک غبار جو فضا میں بالکل دھویں جیسا نظر آئے ۔ یا وہ باریک غبار کہ جب کسی تاریک کوٹھڑی میں ، روشندان سے دھوپ کی کوئی کرن آرہی ہو تو اس میں جو چھوٹے چھوٹے ذرے نظر آتے ہیں ۔ گھوڑے کے سموں سے اڑنے والے غبار کو بھی کہتے ہیں ۔* اَلْھَبْوَۃُ ۔ غبار ۔ ھَبَا الْغُبَارُ ۔ گرد اڑی* ۔

جَاءَ یَتَھَبَّی کے معنی ہوتے ہیں وہ خالی ہاتھ ، خاک اڑاتا ہوا آیا ۔ اَلْھَابِیَۃُ ۔ قبر میں گرنے والی مٹی کو کہتے ہیں * ۔

قرآن کریم میں ہے کہ مکافات عمل کی میزان میں مجرمین کے اعمال بالکل بے وزن ہونگے ۔ ان کا کوئی منفعت بخش نتیجہ مرتب نہیں ہوگا ۔ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا (۲۵/۲۳) ۔ پھر ہم اسے خاکِ پراگندہ کی طرح کر دینگے ۔

ھ ج د

اَلْھُجُوْدُ ۔ اَلتَّھَجُّدُ ۔ سونے اور جاگنے دونوں کے لئے آتا ہے ** ۔ (اضداد میں سے ہے ۔ لطائف اللغۃ) ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْھَاجِدُ سونے والے کو کہتے ہیں ۔ لیکن ھَجَّدَتْہُ فَتَھَجَّدَ کے معنی ہیں ''میں نے اسکی نیند کو دور کر دیا ۔ پس وہ جاگ گیا'' ۔ (جیسے مَرَّضْتُہُ کے معنی ہوتے ہیں میں نے اس کے مرض کو دور کیا ۔ یا تیمارداری کی) *** ۔

قرآن کریم میں ہے وَمِنَ اللَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ (۱۷/۷۹) ۔ رات کے کچھ حصے میں (قرآن کریم کے ساتھ) جاگو ۔ یہ وہی چیز ہے جسے دوسری جگہ یوں کہا گیا ہے کہ قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا (۷۳/۲) ۔ '' رات کو قیام کر مگر تھوڑے حصے کو چھوڑ کر'' ۔ قرآنی انقلاب کے اولین مراحل میں پروگرام اسقدر طویل اور سخت ہوتا ہے کہ اس کے لئے دن کے علاوہ ، راتوں کو بھی کام کرنا پڑتا ہے ۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ ھُجُوْدٌ دن میں سونے کو کہتے ہیں اور ھُجُوْعٌ رات میں سونے کو**** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی مقام پر ٹھہرنے کے ہیں ۔

*تاج و راغب و محیط ۔ **تاج ۔ ***راغب ۔ ****محیط ۔

ہ ج ر

اَلْهَجْرُ ۔ الْهِجْرَانُ ۔ کسی چیز کو چھوڑ دینا ۔ ترک کر دینا ۔ الگ ہو جانا ۔ کاٹ دینا ۔ جدا کر دینا ۔ قطع تعلق کر لینا ۔ نیز اعراض برتنا ۔ راغب نے اس کے معنے دوسرے سے جدا ہونے کے بتائے ہیں خواہ یہ جدائی زبانی ہو یا قلبی یا بدنی ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) قطع و جدائی اور (۲) کس کر باندھنا بتائے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا (۷۳/۱۰) ۔ نہایت خوبصورتی سے ان سے الگ ہٹ کر (اپنی جماعت کی تنظیم میں مشغول ہوجا) ۔ یعنی فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ (۱۵/۸۵)۔

هَاجِرَاتٌ ۔ بری باتیں ۔ فحش باتیں ۔ رسوا کن باتیں ۔ ایسی باتیں جنہیں ترک کر دینا چاہئے*۔ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (۲۳/۶۷) میں بعض کے نزدیک تَهْجُرُوْنَ کے معنے بکواس کرنا ہیں ۔

اَلْهِجْرَةُ ۔ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں کوچ کر جانا ۔ اس سے فعل هَاجَرَ ہے ۔ ازہری نے کہا ہے کہ دراصل اہل عرب کے نزدیک بادیہ نشینوں کا شہر کی طرف منتقل ہو کر آ جانا ، اَلْمُهَاجَرَةُ کہلاتا تھا، پھر اس شخص کو جو اپنے مقام رہائش کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے مُهَاجِرٌ کہہ دیتے ہیں* ۔ لیکن قرآن کریم نے اسے اپنے خاص معنوں میں استعمال کیا ہے ۔ قرآن کریم کی رو سے ایک رسول یا مرد مومن کا فریضہ زندگی یہ ہے کہ وہ دنیا میں نظام خداوندی کے قیام کے لئے کوشش کرے ۔ وہ جس مقام میں رہتا ہے سب سے پہلے اپنی اس کوشش کو وہیں سے شروع کرتا ہے ۔ لیکن اگر وہ دیکھے کہ وہاں کی فضا اس نظامِ نو کے لئے سازگار نہیں ، تو اسے اپنے پاؤں توڑ کر وہیں نہیں بیٹھے رہنا چاہئے ۔ اسے اس زمین کو چھوڑ کر کسی ایسے مقام کی طرف چلا جانا چاہئے جہاں کی فضا اس کے مقصد کے حصول کے لئے زیادہ سازگار ہو ۔ مومن کسی خاص خطۂ زمین سے پابستہ نہیں رہ سکتا ۔ مومن کا جہان ہر کہیں ہے ۔ وہ کسی خاص زمین میں زندگی بسر کرکے وہیں مر جانے کے لئے پیدا نہیں ہوتا ۔ وہ خدا کی زمین میں خدا کا قانون نافذ کرنے کے لئے پیدا ہوتا ہے ۔ اس مقصد کے لئے اسے جو کچھ چھوڑنا پڑے بلا توقف چھوڑ دینا چاہئے ۔ مال و دولت ۔ جھوٹی عزت اور قوت ۔ رشتہ دار ۔ وطن ۔ سب کچھ ۔ اس ''چھوڑ دینے'' کا نام هِجْرَةٌ ہے اور ایسا کرنے والے کو ''مہاجر'' کہتے ہیں ۔ لیکن صرف ''چھوڑ دینا''

*تاج ۔

ھی نہیں بلکہ اس کے بعد اپنے مقصد کے حصول کے لئے مسلسل جد و جہد کرنا بھی۔ اسی لئے قرآن کریم میں اکثر ھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا (۲/۲۱۸) ۔ اکٹھا آیا ھے ۔ ھَاجَرُوْا حصہ لا ھے اور اس کے بعد جَاھَدُوْا حصہ ا ۔لا اگرچہ وہ چھوڑ دینا بھی درحقیقت اسی جد و جہد ھی کا ایک پہلو ھے ۔ ھجرت مشکلات سے فرار کا نام نہیں ۔ یہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے زیادہ مساعد ماحول کی طرف منتقل ھونے کا نام ھے ۔

مَھْجُوْرٌ ۔ قرآن کریم میں ھے وَقَالَ الرَّسُوْلُ یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (۲۵/۳۰) ۔ اور رسول ، خدا کے حضور میں کہے گا کہ اے میرے نشو و نما دینے والے ! میری قوم نے اس قرآن کریم کو مَھْجُوْر بنا دیا تھا ۔ اس کا عام مفہوم یہ لیا جاتا ھے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا تھا ۔ لیکن مَھْجُوْرٌ کے معنی اس سے کہیں گہرے ھیں ۔ آپ نے دیکھا ھوگا کہ جو گائے یا بھینس دوڑ جاتی ھو اس کے پاؤں کے ساتھ ایک رسی باندھ دیتے ھیں اور رسی کا دوسرا سرا اس کے سینگ کے ساتھ (یا گلے میں) باندھ دیتے ھیں لیکن رسی اتنی چھوٹی رکھتے ھیں کہ جانور کا سر بہت جھکا رھتا ھے ۔ وہ اس طرح یوں جکڑا جاتا ھے کہ آزادی سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا ۔ عرب گھوڑوں اور اونٹوں کو اسی طرح جکڑ کر باندھ دیتے تھے ۔ اس طرح بندھے ھوئے جانور کو مَھْجُوْرٌ کہا جاتا تھا ۔ اَلْھِجَارُ اس رسی کو کہتے تھے جس سے انہیں اس طرح جکڑا جاتا تھا* ۔ رسول اللہ خدا سے فریاد کریں گے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کو اپنے خود ساختہ اعتقادات ، خیالات ، رسومات ، روایات ، قوانین ، تفاسیر ، وغیرہ کی رسیوں سے جکڑ کر مَھْجُوْرٌ بنا رکھا تھا جس سے وہ ایک قدم بھی آزادی سے نہیں اٹھا سکتا تھا ۔ انہوں نے قرآن کریم کو چھوڑا نہیں تھا ۔ سینوں سے لگا رکھا تھا ۔ لیکن اس کی ساری آزادیاں سلب کر رکھی تھیں اور اسے اتنا ھی چلنے کی اجازت دے دی جاتی تھی جتنی ان کے خود ساختہ ''مذھب وشریعت'' کی رسی مناسب سمجھتی تھی ۔ یعنی یہ قرآن کے تابع نہیں تھے ، قرآن کریم ان کے تابع تھا ۔ یہ ھے مطلب قرآن کریم کو مَھْجُوْرٌ بنا دینے کا ۔

ابن قتیبہ نے ھُجْرٌ کے معنی ھذیان بکنے کے بھی لکھے ھیں** ۔ اس اعتبار سے مندرجہ بالا آیت کا مطلب یہ ھوگا کہ انہوں نے قرآن کریم کو محض منتر بنا رکھا تھا ۔

*تاج ۔ **القرطبی ج/۲ صفحہ ۳۹ ۔

ھ ج ع

اَلْھُجُوْعُ ۔ سونا خواہ کسی وقت بھی ہو۔ یا رات کو سونا ۔ کبھی یہ سوئے بغیر صرف لیٹنے اور آرام کرنے کو بھی کہتے ہیں ۔ اَلتَّھْجَاعُ ۔ ہلکی سی نیند ۔ رَجُلٌ ھُجَعَۃٌ ۔ بیوقوف ، لا ابالی اور غافل آدمی* ۔

قرآن کریم میں ہے کَانُوْا قَلِیْلاً مِّنَ اللَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ (۵۱/۱۷) ۔ وہ رات کو بہت کم سوتے تھے (جس انقلاب عظیم کی وہ تیاریاں کر رہے تھے اور جو کام انہوں نے اپنے ذمے لیے رکھے تھے ، ان کی تکمیل میں وہ دن رات مصروف رہتے تھےاور رات کا بہت کم حصہ سونے میں گذارتے تھے(۵۱/۳۰۴۳) ۔

ھ د د

اَلْھَدُّ ۔ کسی چیز کو سختی سے زور کی آواز کے ساتھ گرا دینا ۔ منہدم کر دینا ۔ عمارت کو توڑ کر گرا دینا ۔ اَلْھَادُّ ۔ سمندر کی آواز جسے اہل ساحل سنتے ہیں اور جس میں ایک گونج سی معلوم ہوتی ہے ۔ اور کبھی یہ آواز زلزلہ کا پیش خیمہ بھی ہوتی ہے ۔ اَلْھَادَّۃُ ۔ گرج (بادلوں کی)** ۔ اَلْھَدَّۃُ کسی چیز کے گرنے کی آواز۔ ھَدَّتُ الْبَقَرَۃَ ۔ میں نے گائے کو ذبح کرنے کے لئے گرا دیا ۔ اَلْھِدُّ ۔ گری ہوئی چیز*** ۔ ھَدَّدَہٗ تَھْدِیْدًا ۔ اس نے اسے دھمکایا اور خوف دلایا ** ۔

سورۃ مریم میں ہے وَتَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا (۱۹/۹۰) ۔ پہاڑ سخت آواز کے ساتھ گر کر ریزہ ریزہ ہو جائیں ۔

اَلْھُدْھُدُ ۔ وہ کبوتر جو زیادہ غٹرغوں کرے ۔ نیز ہر وہ پرندہ جو کبوتر کی طرح زیادہ بولے ۔ ایک معین پرندہ کو بھی کہتے ہیں* ۔ لیکن قصۂ حضرت سلیمانؑ میں جس ھُدْھُد (۲۷/۲۰) کا ذکر ہے وہ ان کی فوج کے ایک افسر کا نام تھا ۔ اُس زمانے میں پرندوں اور جانوروں کے ناموں پر قبائل اور افراد کے نام عام طور پر رکھتے تھے ۔ (انگریزوں کے ہاں یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے ۔ وہاں لوگوں کے نام (Fox) اور (Lamb) عام طور پر ملتے ہیں ۔ ہندؤوں میں بھی طوطا رام اور چوہامل جیسے نام پائے جاتے ہیں) ۔ توریت (کتاب اول سلاطین) میں یہ نام (ہد ہد) کئی بار آیا ہے ۔ لسان العرب میں ہے کہ ھَدَاھِدُ یمن کے ایک قبیلہ کا نام تھا ۔ اور تاج العروس میں ہے کہ ھَدَدٌ ۔ حمیر کے ایک بادشاہ کا نام تھا جو حضرت سلیمانؑ کا ہم عصر تھا ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج و محیط ۔ ***راغب ۔

قرآن کریم میں آلْهُدٰ هُدَ (ال کے ساتھ) آیا ہے۔ اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ یہ اس شخص کا نام نہیں تھا، بلکہ اپنے قبیلہ یا فوج کی نمائندگی کی جہت سے اسے اس طرح پکارا گیا ہے۔

ھ د م

اَلْهَدْمُ۔ عمارت کو توڑ دینا اور گرا دینا۔ اَلتَّهْدِیْمُ کے بھی یہی معنے ہیں لیکن اس میں زیادہ شدت پائی جاتی ہے۔ اَلْهَدْمُ۔ کمر توڑ دینا۔ اَلْهُدَامُ۔ چکر جو کسی کو سمندری سفر میں آتے ہیں۔ اِنْهَدَمَ الْبِنَاءُ۔ عمارت گر پڑی*۔ تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ۔ عمارت تھوڑی تھوڑی کرکے گر پڑی**۔ دِمَاؤُهُمْ هَدَمٌ۔ ان کے خون رائیگاں گئے*۔

سورۃ حج میں ہے لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ۔ (۲۲/۴۰)۔ عبادت گاہیں گرا دی جاتیں۔ یہاں یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ ان عبادت گاہوں کی عزت وحرمت کا لحاظ نہ کیا جاتا۔

ھ د ھ د

اَلْهُدْهُدُ۔ دیکھئے عنوان (ھ۔ د۔ د)۔

ھ د ی

هَدَّی۔ کے بنیادی معنی نمایاں اور روشن ہونا۔ آگے آگے ہونا۔ اور دوسروں کے آگے آگے چلنا ہیں۔ چنانچہ روشن ہونے کی وجہ سے دن کو هُدًی کہا جاتا ہے۔ اور هَادِیَةٌ اس ابھری ہوئی چٹان کو کہتے ہیں جو پانی میں دور سے نظر آجائے***۔ قرآن کریم میں ہے اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ (۲۰/۱۲۸)۔ جس کے معنی ہیں، کیا یہ امر ان پر واضح، نمایاں اور روشن نہیں کیا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں (۱) راستہ بتانے کے لئے آگے بڑھ جانا۔ اور (۲) ہدیہ اور تحفہ بھیجنا۔

هَادٍ (جو اصل میں هَادِیٌ تھا)۔ ہر چیز کے اگلے حصے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ دور سے پہلے نظر آجاتا ہے۔ اس لئے جانور کی گردن پر اَلْهَادِیُ کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ وہ باقی بدن سے آگے ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے هَدْیٌ اور هَدِیٌّ۔ اُس جانور کو کہتے تھے جو حج کے موقع پر بیت اللہ میں ذبح کرنے کے لئے لے جاتے تھے کیونکہ اُس جانور کو آگے آگے رکھا

*تاج و راغب۔ **محیط۔ ***تاج و محیط۔

جاتا تھا ۔ ھَدِیَّۃٌ ۔ اُس تحفہ کو کہتے ھیں جو بغیر معاوضہ دیا جائے ، اس لحاظ سے کہ وہ ضرورت پڑنے سے پہلے ھی دیدیا جاتا ھے۔

ھَدٰی کے معنی ھیں راستہ کو پہچنوا دینا ۔ واضح کرنا ۔ راہ نمائی کرنا * ۔ بعض اوقات ھُدًی کے معنی راہ نمائی کی بجائے راہ نما ھوتا ھے ۔ مثلاً اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ ھُدًی (۲۰/۱۰) میں ھُدًی (راہ نمائی) کا مطلب الھَادِیُ یعنی راہ نما ھے ** ۔ سورۂ بقرہ میں ھے حَتّٰی یَبْلُغَ الْھَدْیُ مَحِلَّہٗ (۲/۱۹۶) ۔ اس سے مراد وہ جانور ھے جسے مکہ میں (حج کی تقریب) پر ذبح کیا جائے۔ نیز ھر قسم کا سامان اور مال (جو وھاں بھیجا جائے)۔ ھَدِیَّۃً (۲۷/۳۵) تحفہ ۔ ھَادٍ (۱۳/۷) راستہ دکھانے والا۔ مُھْتَدٍ (۵/۱۰۴) ۔ ھدایت پایا ھوا ۔

دین کا مدار اس بنیادی حقیقت پر ھے کہ عقلِ انسانی، اُن مستقل اقدار کو نہ وضع کر سکتی ھے اور نہ ھی از خود ان کا انکشاف کر سکتی ھے جنکے مطابق انسانی زندگی اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ھے ۔ یہ اقدار خدا کی طرف سے ملتی ھیں ۔ اسے وحی کہا جاتا ھے جو آخری بار نبی اکرمؐ کو ملی اور اب قرآن کریم کے اندر محفوظ ھے ۔ عقلِ انسانی کو اس وحی کی اسی طرح ضرورت ھے جس طرح انسانی آنکھ کو (سورج کی) روشنی کی ۔ جب انسانی عقل ، وحی کی راھنمائی میں چلیگی تو یہ دنیا جنت بن جائے گی ورنہ فساد اور خون ریزیوں کا جہنم بنی رھے گی ۔ وحی کی اسی راہ نمائی کو ھدایت خداوندی کہتے ھیں جو انسان کو زندگی کی توازن بدوش راہ کی طرف لے جاتی ھے ۔ قرآن کریم کی رُو سے ھدایت (راہنمائی) صرف وحی ھے جو خدا کی طرف سے ملی ھے۔ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی (۲/۱۲۰) ۔ اس کے مقابلہ میں انسانوں کی تجویز کردہ راھنمائی ، ھدایت نہیں ، ضلالت ھے (۲/۱۶) ۔ یہی راہ سیدھی ھے ۔ اس کے علاوہ ھر راستہ ٹیڑھا ھے (۳/۷) ۔ رسول ، اسی ھدایت خداوندی کو لیکر آتے تھے ۔ لیکن ان کے ذمے اس ھدایت کو لوگوں تک پہنچا دینا تھا ۔ اُنہیں اس راستہ پر چلا دینا نہیں تھا (۴۲/۴۸ و ۲۸/۵۶) ۔ سیدھے راستہ پر انسان خود اپنی رضا و رغبت سے چل سکتا ھے ۔ زبردستی کسی کے چلائے نہیں چل سکتا ۔ اس لئے کہ دین میں اکراہ نہیں (۲/۲۵۶) ۔ خود خدا نے بھی انسانوں کے لئے زندگی کی راھوں کو روشن اور واضح کیا ھے ۔ انہیں ان راھوں پر چلنے کے لئے مجبور پیدا نہیں کیا ۔ اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا (۷۶/۳) ۔ ھم نے اس کے لئے راستہ واضح کر دیا ھے ۔ اب وہ چاھے تو اسے اختیار کرلے

*تاج و محیط ۔ **تاج ۔

اور چاہے اس سے انکار کر دے" ۔ حقیقت یہ ہے کہ خود لفظ "ہدایت" اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ اس میں جبر کا کوئی پہلو نہیں ۔ راستہ اسی کو بتایا جاتا ہے جو منزل تک پہنچنے کے لئے سفر اختیار کرنا چاہے اور بھٹک جانے کی مصیبتوں سے بچنا چاہے ۔ انہی کو مُتَّقِیْن کہا جاتا ہے ۔ قرآن کریم نے انہی معنوں میں اپنے آپ کو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (۲/۲) کہا ہے ۔ یعنی جو لوگ غلط راستے کے خطرات سے محفوظ رہنا چاہیں ان کے لئے صحیح راستے کیطرف راہ نمائی ۔

ہ ر ب

ھَرَبَ ۔ یَھْرُبُ ۔ ھَرَبًا ۔ وہ بھاگ گیا ۔ ھَرَبَ فِی الْاَرْضِ وہ زمین میں دور چلا گیا ۔ ھَرَّ بِہٖ ۔ اس نے کسی دوسرے آدمی کو بھگا دیا ۔ ھَرَبَ مِنَ الْوَتَدِ نِصْفُہٗ ۔ میخ آدھی گھس گئی ۔ اَھْرَبَ فُلَانٌ ۔ فلاں آدمی معاملہ میں منہمک ہوگیا ۔ مستغرق ہوگیا ۔ اَھْرَبَتِ الرِّیْحُ ۔ ہوا نے خاک اڑائی* ۔

ھَرَبَ ۔ یَھْرُبُ ۔ وہ زمین میں دور تک چلا گیا** ۔

قرآن کریم میں ہے وَ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰہَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَہٗ ھَرَبًا (۷۲/۱۲) ۔ "اور ہمارا گمان ہے کہ نہ تو ہم زمین میں (مقابلہ کرکے) اللہ کو عاجز کرسکتے (شکست دے سکتے) ہیں اور نہ ہی بھاگ کر ایسا کرسکتے ہیں" ۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم بھاگ کر اس کے قانون مکافات کی زد سے نکل جائیں اور اسطرح اسے ہرا دیں ۔

ہ ر ع

اَلْھَرْعُ ۔ وَ الْاِھْرَاعُ ۔ سختی سے ہانکنا ۔ تیز دوڑانا* ۔ ھَرَعَ اِلَیْہِ ۔ اضطراب اور تیزی سے اس کی طرف پہنچا ۔ اَلْاِھْرَاعُ ۔ شدت شوق ۔ اَلْمِھْرَعُ ۔ شیر کو کہتے ہیں** ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے حرکت و اضطراب بتائے ہیں اور اُھْرِعَ الرَّجُلُ کے معنے بتائے ہیں وہ خوف سے کانپا ۔ اور ھُمْ یُھْرَعُوْنَ اِلَیْہِ کے معنے، وہ اس کی طرف کشاں کشاں آئے ۔ قرآن کریم میں قوم لوط کے متعلق ہے وَجَآءَہٗ قَوْمُہٗ یُھْرَعُوْنَ اِلَیْہِ (۱۱/۷۸) ۔ اس کی قوم اس کی طرف شدت شوق سے تیزی کے

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔

ساتھ دوڑتی ہوئی آئی ۔ یُھْرَعُوْنَ میں شوق کی شدت اور مضطربانہ تیزی پائی جاتی ہے ۔ اس لئے اس ایک لفظ نے ان کی اس حرکت کی پوری پوری تصویر کھینچ دی ہے ۔ یُھْرَعُوْنَ مجہول کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے جذبات انہیں ایسا کرنے پر ابھار رہے تھے ۔

ھ ز ء

ھَزِیءَ ۔ ھَزْوًا ۔ (اور ھُزُوٌ ۔ اور ھُزْوًا) کے معنی ہیں مذاق اڑانا ۔ رَجُلٌ ھُزَأَۃٌ ۔ اُس شخص کو کہتے ہیں جسکا لوگ بہت مذاق اڑائیں ۔ اور مَفَازَۃٌ ھَازِئَۃٌ بِاللَّرْکَبِ ۔ ایسا لق و دق جنگل جو سواروں کا مذاق اڑائے ۔ (یعنی اسکی وسعت اور ہیبت سے سوار اپنے آپ کو خفیف محسوس کرنے لگ جائیں) * ۔ منافقین اپنی پارٹی کے سرغنوں سے خلوت میں جا کر کہتے تھے کہ ہم جو جماعت مومنین سے جا کر ملتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں تو ہم صرف مذاق کرتے ہیں ۔ نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ (۲/۱۴) ۔ قرآن کریم نے اس کے جواب میں کہا کہ وہ کیا مذاق کرینگے ۔ خدا کے قانون مکافات کی رو سے خود ان کے ساتھ مذاق ہو رہا ہے ۔ یہ سراب کو حقیقت سمجھ کر اسکے حصول میں پوری جدوجہد کرتے ہیں اور بالآخر دیکھتے ہیں کہ ان کی ساری کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں ۔ ان کا خود اپنی نفسیاتی قریب انگیزیوں میں اسطرح مارے مارے پھرنا ان کے ساتھ عملی مذاق ہے ۔ خدا کا مہلت کا قانون ان کی جلدی گرفت نہیں کرتا بلکہ ان کی رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے جس سے یہ اپنی بے راہ روی میں اور آگے بڑھتے جاتے ہیں اور حقیقت کی دنیا میں اپنا مذاق آپ اڑواتے ہیں ۔ اللّٰہُ یَسْتَھْزِیءُ بِھِمْ وَ یَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ (۲/۱۵) ۔

سورہ حجر میں ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کائنات میں خدا کے علاوہ کسی اور کا اقتدار و اختیار بھی ہے ۔ یہاں قانون خداوندی کے علاوہ کسی اور کا قانون بھی کارفرما ہے ۔ تو یہ لوگ درحقیقت خدا کے ساتھ مذاق کرتے ہیں ۔ اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِئِیْنَ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا آخَرَ (۱۵/۹۵-۹۶) ۔ ”ہم ان مذاق کرنے والوں کے لئے تیری طرف سے کافی ہیں ۔ یہ جو اللہ کے ساتھ اور معبود اختیار کرتے ہیں“ ۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا کے ساتھ مذاق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو مقام خدا کا ہے اس میں کسی اور کو بھی شریک سمجھ لیا جائے ۔ یا خدا کے متعلق عقیدہ و تصور

*تاج ۔

کو یونہی (Lightly) لیا جائے - اور زندگی کے حقائق پر (Seriously) غور نہ کیا جائے -

سورہ بقرہ میں ہے قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا (۲/۶۷) - انہوں نے کہا کیا تو ہم سے مذاق کر رہا ہے ؟

ھ ز ز

هَزَّهٗ - يَهُزُّهٗ - هَزًّا - کسی چیز کو حرکت دینا (کھینچ کر، دھکا دیکر، یا دائیں بائیں ہلا کر) - راغب نے کہا ہے کہ هَزٌّ - شدت کے ساتھ حرکت دینے کو کہتے ہیں - یعنی زور سے ہلانا * - سورہ مریم میں ہے وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ (۱۹/۲۵) - اسے زور سے اپنی طرف حرکت دے -

هَزَّ الْحَادِيْ الْاِبِلَ هَزًّا - حدی خواں نے اپنی حدی سے اونٹوں کو پرنشاط اور مست کر دیا چنانچہ وہ ہلکے پھلکے ہو کر چلنے لگے - اسی سے اَلْهِزَّةُ - نشاط اور مستی کو کہتے ہیں (جس میں انسان جھومنے لگ جاتا ہے) - اِهْتَزَّ النَّبَاتُ - پودے لہلہانے لگے (ہوا سے ہلنے اور جھومنے لگے) * - قرآن کریم میں ہے فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ (۲۲/۵) - جب ہم مینہ برساتے ہیں تو پودے لہلہانے لگتے ہیں - دوسری جگہ یہ لفظ خَاشِعَةً کے مقابلہ میں آیا ہے (۴۱/۳۹) جس کے معنی پژمردگی ہیں -

ھ ز ل

اَلْهَزْلُ - کسی معاملہ کو سنجیدگی کے ساتھ (Seriously) نہ لینا - یونہی مذاق کے طور پر لینا - هِزِّيْلٌ - بہت مذاق کرنے والا - اَلْهُزَالَةُ - مذاق - اَلْهُزَالُ - لاغری کو کہتے ہیں ** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کمزوری ہیں - راغب نے کہا ہے کہ اَلْهَزْلُ ہر اس بات کو کہتے ہیں جس کا کوئی فائدہ اور نتیجہ نہ ہو *** - قرآن کریم میں خود قرآن کریم کے متعلق ہے اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (۸۶/۱۳) - یہ ایک فیصلہ کن حقیقت ہے - یونہی مذاق کی بات نہیں - یہ زندگی کی ٹھوس حقیقتوں سے بحث کرتا ہے ، سطحی جذبات کی تسکین کے لئے سرسری گفتگو نہیں کرتا - یہ ''شاعری'' نہیں - اسکے ایک ایک لفظ پر بڑی سنجیدگی سے (Most Seriously) غور کرنا چاہئے - یونہی (Lightly) نہیں لینا چاہئے - نہ ہی اس کے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ اس میں خالی پند و نصائح کے

*تاج و راغب - **تاج - ***راغب -

طور پر باتیں کہ دی گئی ہیں ۔ قرآن کریم ایک حقیقت ثابتہ ہے اور اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ بطور حقیقت کہا گیا ہے نہ محض جھوٹ موٹ ڈرانے دھمکانے کی خاطر۔

ہ ز م

هَزْمٌ ۔ کسی سوکھی چیز کو اتنا دبانا کہ وہ ٹوٹ جائے*۔ پھر اس کے معنی محض توڑ دینے کے ہو گئے** ۔ تَهَزَّمَتِ الْقَوْسُ ۔ کمان آواز کے ساتھ پھٹ گئی ۔ اَلْهَزِيْمُ گرج جسکی آواز میں کٹاؤ ہو۔ هَزَمَ الْعَدُوَّ ۔ دشمن کو شکست دیدی ** (۲/۲۵۱) ۔

جُنْدٌ ... مَهْزُوْمٌ ۔ (۳۸/۱۱) شکست خوردہ لشکر۔ سورہ قمر میں ہے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ (۵۴/۴۵) ۔ یہ جمعیت شکست کھا جائیگی۔

ہ ش ش

هَشَّ حرکت دینا ۔ (یہ هَزَّ کے قریب المعنی ہے) ۔ اور عام طور پر نرم چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے ۔ جیسے پتوں وغیرہ کو حرکت دینا*۔ یہیں سے هَشَّ الْوَرَقَ کے معنی ہیں درخت سے پتے جھاڑنا (ابن فارس) ۔

حرکت اور نرمی کے مفہوم کے اعتبار سے اس کے معنی خوش ہونے کے بھی آتے ہیں ۔ اَنَا بِهٖ هَشٌّ بَشٌّ ۔ میں اس کے ساتھ بہت خوش ہوں ۔ اسی سے هشاش بشاش ہے ۔ اَلْهَشِيْشُ ۔ وہ سخی شخص کہ جب اس سے مانگا جائے تو وہ بہت خوش ہو** ۔

سورہ طٰہٰ میں ہے کہ جب حضرت موسٰی کو وحی کی راہ نمائی عطا ہوئی اور اللہ نے ان سے پوچھا کہ اس ضابطہ ہدایت کے متعلق ان کا کیا خیال ہے کہ اس سے کیا کام لیا جائیگا ، تو آپ نے کہا کہ یہ میرے لئے عمر بھر کا سہارا ہوگا ۔ اور اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ (۲۰/۱۸) ۔ میں اس سے اپنی بھیڑوں (بنی اسرائیل) کے لئے غذائے نفس پیدا کرونگا ۔ آیت کے لفظی معنی ہیں ''میں اس (عصا) سے اپنی بھیڑوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں'' ۔

ہ ش م

اَلْهَشِيْمُ ۔ خشک چیز کو توڑ دینا (یا ہر ایسی چیز کو جس کا توڑنا دشوار نہ ہو) ۔ اَلْهَشِيْمُ ٹوٹا ہوا ۔ وہ گھاس جو خشک ہو کر چورہ چورہ ہو گئی ہو ۔ خشک گھاس یا درخت *** ۔ سورہ کہف میں ہے فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا (۱۸/۴۵) وہ خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے ۔ سورہ القمر میں ہے

*راغب ۔ **تاج ۔ ***تاج و راغب و محیط ۔

فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ (۵۴/۳۱)۔ وہ ایسے ردی چورے کیطرح ہوگیا جو باڑ بنانے والے کی باڑ سے خستہ ہو کر گرتا ہے ۔ یعنی بالکل نا کارہ ، خستہ و تباہ ۔

تَهَشَّمَ النَّاقَةَ ۔ اس نے پورے ہاتھ سے اونٹنی کا دودھ دوہ لیا (اور اس کے تھنوں کو خشک کرکے یا نچوڑ کر رکھ دیا) ۔ اسی سے هَاشِمٌ ۔ روٹی توڑنے یا اس کا چورا کرنے والے کو کہتے ہیں ۔ نیز یہ عمرو العلاء کا لقب تھا جو عبدالمطلب کا باپ تھا کیونکہ وہ حاجیوں کو ثرید بنا کر کھلایا کرتا تھا ۔ روٹی کو توڑ توڑ کر سالن میں ڈالتے ہیں ۔ اسے ثرید کہتے ہیں ۔ اَلْهَشِيْمُ ۔ سخی آدمی کو کہتے ہیں ۔ اور الهَشْمٌ خشک اور نشیبی زمین کو*۔

ھ ض م

هَضْمٌ ۔ کے اصلی معنی ہیں کسی نرم چیز کو کچلنا یا توڑنا ۔ کسی چیز کو کم کرنا ۔ هَضَمَ فُلَانًا ۔ اس نے فلاں آدمی پر ظلم کیا ۔ اسے دبایا اور اسکا حق غصب کر لیا ۔ ہماری زبان میں بھی اس مفہوم کے لئے یہی کہتے ہیں کہ فلاں نے اس کی چیز ہضم کرلی ۔ اَلْهَضَّامُ ۔ شیر کو کہتے ہیں ۔ هَضَمَهُ حَقَّهُ اس نے اس کا حق کم کر دیا ۔ اَلْهَضِيْمُ ۔ نرم ۔ لطیف ۔ پختہ ۔ خوشگوار ۔ وہ چیز جسکا ایک حصہ دوسرے میں گھسا ہوا ہو*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں ۔

سورہ طٰہٰ میں ہے فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (۲۰/۱۱۲)۔ اس (جنتی معاشرہ) میں نہ حق تلفی کا خوف ہوگا نہ غصب و نہب کا ۔ اس میں نہ استبداد ہوگا نہ ناجائز انتفاع یا استحصال (Exploitation) ۔ سورہ شعراء میں ہے ۔ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۔ (۲۶/۱۴۸) جن کے شگوفے نہ بہ تہ جمے ہوئے اور ایک دوسرے میں گھسے ہوئے ہوں ۔

ھ ط ع

هَطَعَ هَطْعًا وهُطُوْعًا ۔ تیزی سے کسی چیز کی طرف ڈرتے ہوئے بڑھنا ۔ یا کسی چیز پر نگاہیں جمائے ہوئے آگے بڑھنا اور نگاہوں کو اس پر سے ادھر ادھر نہ ہٹانا ۔ اَهْطَعَ کے بھی یہی معنی ہیں ۔ چنانچہ کہتے ہیں

*تاج و محیط و راغب ۔

اَهْطَعَ الْبَعِيْرُ فِيْ سَيْرِهٖ ۔ اونٹ نے چلنے میں اپنے سر کو سیدھا اور گردن کو لمبا کیا *۔ قرآن کریم نے جنگ کی بدحواسی کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں کہا ہے کہ مُهْطِعِيْنَ (۷۰/۳۶) ۔ لوگ اسطرح بدحواس ہو کر بھاگ رہے ہونگے کہ انھیں اپنی و آں کی کچھ خبر نہ ہوگی ۔ ڈر اور دہشت کے مارے سیدھا رخ کئے بھاگ رہے ہونگے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ میں کسی چیز کی طرف رخ کرنے، اسکی طرف بڑھنے، نیز اطاعت و انقیاد کا مفہوم ہوتا ہے ۔

هَلْ (حرف)

هَلْ (۱) استفہام کے لئے آتا ہے ۔ مثلاً هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا (۱۸/۱۰۳) ۔ ''کیا ہم تمہیں بتائیں کہ وہ لوگ کون ہیں جن کے اعمال انہیں سخت خسارے میں رکھینگے ؟''

(۲) قَدْ ۔ (یقیناً) کے معنوں میں آتا ہے ۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (۷۶/۱) ''یقیناً انسان پر ایسا وقت بھی گذر چکا ہے'' ....

(۳) کبھی، بطور استفہام، مَاذَا فِيْهِ کے معنوں میں آتا ہے ۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (۵۵/۶۰) ۔ کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا بھی کچھ ہے ؟ (یعنی احسان کا بدلہ احسان کے سوا اور کچھ نہیں) ۔

ھ ل ع

اَلْهَلَعُ ۔ گھبراہٹ ۔ بے صبری ۔ بہت زیادہ ، حد سے متجاوز اور بد ترین قسم کی گھبراہٹ ۔ رنج و حزن ۔ اَلْهَلُوْعُ ۔ حریص اور انتہائی بخیل۔ تنگ دل ۔ بے صبری کا مظاہرہ کرنے والا ۔ هَلِعَ يَهْلَعُ ۔ وہ بھوکا ہوگیا **۔ جب بھوک اور حرص اکٹھی ہو جائیں تو ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان جتنا بھی چاہے کھا جائے اسکی بھوک مٹتی ہی نہیں ، اور ہر وقت واویلا (''ہے نہیں ۔ ہے نہیں'') کرتا رہتا ہے ۔ ابن السکیت نے کہا ہے کہ رَجُلٌ هَلِعَةٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت جلد گھبرا کر واویلا کرنے لگ جائے اور ہمت ہار دے ***۔

قرآن کریم میں ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا (۷۰/۱۹) ۔ انسان کو اگر علی حالہ چھوڑ دیا جائے تو اسکی حرص کبھی ختم ہی نہیں ہوتی ۔ یہ تو صرف نظام صلوۃ ہے جو اس میں میر چشمی پیدا کر دیتا ہے (۷۰/۲۲) اور اس کے واویلے کو ختم کر دیتا ہے ۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **تاج و محیط ۔ ***ابن فارس ۔

ھ ل ک

ھَلَکَتْ ۔ یَھْلِکُ ۔ کے معنی مر جانے کے ہیں ، اگرچہ عوام اس لفظ کو بُری موت کے لئے بولتے ہیں*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ٹوٹنے اور گر پڑنے کے ہیں ۔ راغب نے کہا ہے کہ ھَلَاکٌ کے معنے عذاب ، خوف اور فقر کے بھی ہوتے ہیں**۔ اِسْتَھْلَکَتِ الْمَالَ ۔ مال کو خرچ کرکے ختم کردیا ۔ اَھْلَکَتِ الْمَالَ ۔ اس نے مال کو فروخت کر دیا ۔ اَلْمَھْلَکُ ۔ قحط کے سال* ۔ اَلْمُھْلِکُ ۔ فقیر اور نادار لوگ ۔ وہ مسافر جو امداد اور صلہ حاصل کرنے کے لئے جائیں اور راستہ بھول جائیں ۔ اَلْمَھَالِکَۃُ ۔ حریص اور لالچی نفس ۔ اَلتَّھْلُکَۃُ ۔ ہر وہ چیز جو بالآخر تباہی کی طرف لے جائے* ۔ راغب نے کہا ہے کہ کسی چیز کا اپنے پاس نہ رہنا ۔ کسی چیز کا خراب اور بدحال ہوجانا۔ مر جانا یا بالکل ضائع ہو جانا، سب کے لئے ھَلَاکٌ کا لفظ بولا جاتا ہے** ۔

قرآن کریم میں قوموں کی ہلاکت کا ذکر متعدد بار آیا ہے ۔ اس میں شبہ نہیں کہ زمانۂ قدیم میں ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ کوئی بستی کسی طبعی حادثہ (مثلاً زلزلہ یا کوہِ آتش فشاں کے پھٹنے) کی وجہ سے بالکل تباہ ہو جائے ۔ لیکن عام طور پر قوموں کی ہلاکت سے مراد ان کی ذلت و رسوائی اور کمزوری و محکومی ہوتی ہے ۔ یعنی اگر کسی قوم سے سروری و سرفرازی چھن جائے تو وہ اس کی ہلاکت ہے ۔ یہی وہ ہلاکت ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ ۔ وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (۲/۱۹۵) ۔ نظام خداوندی کے قیام کے لئے اپنے اموال کو کھلا رکھو ۔ ایسا نہ کروگے تو تم اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لوگے ۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی ہنگامی حادثہ یا عارضی سبب سے کوئی قوم وقتی طور پر گر جاتی ہے لیکن حالات کے سدھرنے پر وہ پھر اٹھ کھڑی ہوتی ہے (یہ اس کی حیاتِ نو یا نَشْاَۃِ ثانیہ کہلاتی ہے)۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے قصہ میں کہا گیا ہے کہ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ (۲/۵۶)۔ ''ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں پھر اُٹھا کھڑا کیا'' ۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ تباہی عارضی نہیں ہوتی بلکہ وہ قوم ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جاتی ہے ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں پہلی صورت کو عذاب سے اور دوسری کو ہلاکت سے تعبیر کیا گیا ہے (۱۷/۵۸) نیز (۲۱/۹۵) ۔ لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ۔ اس میں بھی استثناء کی گنجائش ہوتی ہے ۔

سورۃ قصص میں ہے کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (۲۸/۸۸) ۔ اس کے معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ تمام کائنات فنا ہو جائے گی اور صرف خدا کی

*تاج و محیط ۔ **راغب ۔

ذات باقی رہ جائے گی ۔ اس کی تائید میں سورۃ رحمان کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے ۔ "کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ۔ وَ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ (۲۶-۲۷ / ۵۵) ۔ لیکن ان آیات کا صحیح مفہوم یہ نہیں ۔ پہلی آیت میں ھَالِکٌ اور دوسری میں فَانٍ دونوں اسم فاعل ہیں اور اسم فاعل کو جب تک خصوصیت سے مستقبل کے ساتھ مشروط نہ کردیا جائے اسکے معنی زمانہ حال کے ہوتے ہیں۔ مثلاً اِنِّیْ جَاعِلٌ کے معنے یہ نہیں کہ میں بناؤنگا۔ اس کے معنی ہیں میں بنا رہا ہوں ۔ لہذا ھَالِکٌ اور فَانٍ کے معنی یہ نہیں کہ یہ کائنات ایک دن فنا ہو جائیگی* ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ چیز (فنا اور ہلاکت) اب ہو رہی ہے ۔ کائنات کی ہر شے حالتِ فنا و ہلاکت سے گزر رہی ہے ۔ فنا کے معنی معدوم ہو جانا نہیں ۔ اس کے معنی ہیں تغیر پذیر ہو جانا ۔ ایک حال پر نہ رہنا ۔ اور ہلاکت کے معنے بھی قوت کے کم ہو جانے کے ہیں۔ لہذا ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی کوئی شے مستقل طور پر ایک حالت میں نہیں رہتی ۔ ہر شے میں ہر آن تغیرات نمودار ہوتے رہتے ہیں ۔ اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ۔ اس کی قوت میں کمزوری آتی رہتی ہے لیکن خدا کا وہ قانون (یا وہ راستہ) جو عالمگیر نشو و نما کی طرف لے جاتا ہے تغیر نا آشنا ہے ۔ وہ تغیرات کے اثر سے مامون رہتا ہے ۔ اسی کو مستقل قدر کہتے ہیں ۔ لہذا ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے تغیر پذیر یا روبہ انحطاط ہے ، بجز مستقل اقدار کے جو قوانین خداوندی کی رو سے متعین ہوتی ہیں اور جن کا نتیجہ خدا کی ربوبیت کبریٰ (عالمگیر نشو و نما) ہے ۔ لہذا وہی نظریہ زندگی ، وہی نظام حیات ، وہی قوم ، تغیرات اور انحطاط سے محفوظ رہ سکتی ہے جو اپنا دامن ان مستقل اقدار کے ساتھ باندھ لے ۔ جو قوم ایسا نہیں کرتی اس کا غلبہ و تسلط اور قوت و اثر آہستہ آہستہ ضائع ہوتا رہتا ہے اور ایک دن ختم ہو جاتا ہے ۔ اسی کے متعلق سورۃ اَلْحَاقَّۃ میں ہے کہ ھَلَکَ عَنِّیْ سُلْطَانِیَہْ (۲۹ / ۶۹) ۔ "میرا غلبہ مجھ سے جاتا رہا" ۔ قوتیں ضعف سے بدل گئیں ۔

آیات مندرجہ صدر میں "وجہ رب" کے معنی خود ذات خداوندی بھی ہوسکتے ہیں

*کائنات کا انجام کیا ہوگا ۔ یہ بھی اس قسم کا راز ہے جس قسم کا راز کائنات کا آغاز ہے ۔ یہ امور انسانی شعور کی موجودہ سطح پر سمجھ میں نہیں آسکتے ۔ بہر حال ، کائنات خدا کی پیدا کردہ ہے ۔ اسی کے قانون کے مطابق قائم ہے ۔ اور اسی کے مطابق اس کا انجام ہوگا ۔ ابدی تو یہ بہرحال نہیں ۔ یعنی اُن معنوں میں ابدی جن معنوں میں خدا ابدی ہے ۔ ہمارے لئے یہ سوال بھی بیکار ہے کہ کائنات کا انجام کیا ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ ہم نے تو بہر حال ایک دن موجودہ ارضی زندگی کو چھوڑنا ہے ۔ ہمارا کام یہ ہے کہ جب تک اس میں رہیں اس کے حسن میں اضافہ کرتے چلے جائیں ۔

ھ ل ل

اَھْلَالٌ - کے اصلی معنی ہوتے ہیں آواز بلند کرنا* - راغب نے لکھا ہے کہ رویت ہلال کے موقع پر اونچی آواز نکالنے کے لئے بولا جاتا ہے ، بعد ازاں ہر آواز کے لئے بولا جانے لگا*** - ھَلَّ الرَّجُلُ - آدمی چیخا - اِسْتَھَلَّ الصَّبِیُّ - بچہ نے پیدا ہوتے ہی رونے کی آواز بلند کی - اَلْھِلَالُ - مہینے کی پہلی اور دوسری تاریخ کا چاند - بعض نے کہا ہے کہ تیسری تاریخ بلکہ ساتویں تاریخ تک کے چاند کے لئے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے - (اسی طرح قمری مہینے کی چھبیس - ستائیس تاریخ کے چاند کو بھی کہتے ہیں)- ھِلَالٌ* کو ھِلَالٌ* اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ جب اسے دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دے کر بتاتے ہیں* - ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے آواز بلند کرنا لکھے ہیں - اَھَلَّ الشَّھْرَ - مہینہ کا چاند دیکھ لیا* - اَلْھَلَالُ اور اَلْھِلَالُ - پہلی بارش کو بھی کہتے ہیں*- (لیکن اسی بارش کو جسکے برسنے کی آواز آئے) -

اَلْھَلْلُ - ہاتھی کے مغز کو کہتے ہیں جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ زہر قاتل ہوتا ہے - یعنی زہر ہلاہل*- ھَلَّلَ - یہودی اور نصرانی اس لفظ کو تسبیح پڑھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں جو عبرانی اور سریانی زبان کا لفظ ہے** - ہمارے ہاں بھی تسبیح و تہلیل کہتے ہیں - ھَلَّلَ کے معنی ہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا** -

قرآن کریم میں (کھانے پینے کی حرام اشیاء کی فہرست میں) ہے وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ (۲/۱۷۳)- یعنی وہ چیز جسے خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام سے پکارا جائے - جو چیز بھی خدا کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دی جائے وہ قرآن کریم کی رُو سے حرام ہو جاتی ہے - مؤمن کے لئے خدا کے سوا کسی اور قوت کا تصور شرک ہے - '' منسوب ہونے '' - یا خدا کے علاوہ کسی دوسرے کے نام سے پکارے جانے کا مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے - مثلاً شاہ مدار کے نام پر بکرا چھوڑ دیا جاتا ہے - بکرا ویسے تو حلال جانور ہے لیکن چونکہ اسے اللہ کے سوا کسی اور کے نام سے پکارا گیا ہے ، یا اسے اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے ، اس لئے اس کا کھانا حرام ہو جائے گا - اسی طرح کھانا پکا کر کہدیا جائے کہ یہ فلاں پیر صاحب کی نیاز ہے تو اگرچہ وہ کھانا پاک اور صاف ، حلال اور طیب تھا لیکن غیر اللہ کی طرف نسبت سے وہ حرام

*تاج - **محیط - ***راغب -

ہوجائے گا ۔ اس لئے کہ اس نسبت میں شرک کا پہلو آجاتا ہے اور یہ توحید کے منافی ہے ۔ قرآن کریم انسان کے عقائد اور تصورات کو شرک کے شائبہ تک سے پاک رکھنا چاہتا ہے ۔ کیونکہ شرک وجہِ تذلیل انسانیت ہے ۔

هَلُمَّ

هَلُمَّ (۱) آؤ ۔ هَلُمَّ اِلَيْنَا (۳۳/۱۸) ۔ ہماری طرف آؤ ۔

(۲) لاؤ ۔ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمْ (۶/۱۵۱) ۔ اپنے گواہ لاؤ ۔

هُمْ

هُمْ ۔ جمع مذکر غائب کی ضمیر مرفوع منفصل ہے ۔ هُمْ رِجَالٌ وہ سب آدمی ہیں ۔ سورۃ منافقون میں ہے هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ . . . (۶۳/۷) یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں ۔

(۲) هُمْ ضمیر منصوب متصل بھی ہے ۔ جمع مذکر غائب کے لئے آتی ہے ۔ ضَرَبَهُمْ ۔ اس نے ان سب کو مارا ۔ سورۃ بقرہ میں ہے ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ (۲/۳۱) ۔ پھر انہیں ملائکہ کے سامنے کیا ۔

(۳) نیز یہ ضمیر مجرور متصل کے طور پر بھی آتی ہے ۔ غُلَامُهُمْ ۔ ان سب کا غلام ۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ . . . (۲۰/۶۶) ۔ ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں . . .

هُمَا (ضمیر)

هُمَا ۔ تثنیہ غائب کی ضمیر مرفوع منفصل ہے ۔ اور مذکر و مؤنث دونوں کے لئے آتی ہے ۔ هُمَا رَجُلَانِ ۔ وہ دونوں مرد ہیں ۔ هُمَا امْرَأَتَانِ ۔ وہ دونوں عورتیں ہیں ۔ سورۃ توبہ میں ہے اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ (۹/۴۰) ۔ ''جب وہ دونوں غار میں تھے'' ۔

(۲) یہ ضمیر منصوب متصل کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے اور تثنیہ غائب کے لئے آتی ہے ۔ اور مذکر و مؤنث دونوں کے لئے یکساں طور پر آتی ہے ۔ ضَرَبَهُمَا ۔ اس نے ان دونوں کو مارا ۔ سورۃ بقرہ میں ہے ۔ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ . . . (۲/۳۶) ۔ پس شیطان نے ان دونوں کو پھسلا دیا ۔

(۳) نیز یہ ضمیر مجرور متصل کے طور پر بھی آتی ہے ۔ غُلٰمَاہُمْمَا ۔ ان دونوں کے غلام ۔ (مذکر و مؤنث دونوں کیلئے) ۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے بِسِحْرِہِمَا (۲۰/۶۳) ۔ (یہ دونوں) اپنے سحر کے زور سے . . .

ھ م د

اَلْھُمُوْدُ ۔ آگ کا بجھ جانا ۔ خَمَدَتِ النَّارُ اُسوقت کہتے ہیں جب اس کا شعلہ بیٹھ جائے ، اور ھَمَدَتْ ھُمُوْدًا اسوقت جب وہ بالکل ہی بجھ جائے ۔ اور جب وہ راکھ ہو جائے تو اس کے لئے ھَبَایَھْبُوْ کہتے ہیں ۔ اَلْھُمُوْدُ فِی الْاَرْضِ ۔ زمین میں زندگی کا باقی نہ رہنا ۔ یعنی نہ اس میں درخت و سبزہ ہو نہ اس پر بارش برسی ہو* ۔ قرآن کریم میں ہے وَتَرَی الْاَرْضَ ھَامِدَۃً (۲۲/۵) ۔ تم زمین کو مردہ دیکھتے ہو جہاں سبزی کا نام و نشان تک نہیں ہوتا ۔

ھ م ر

ھَمَرَ الْمَاءَ یَھْمِرُہٗ ۔ اس نے پانی کو گرا دیا ۔ یا بہا دیا ۔ ھَمَرَ الدَّمْعَ ۔ اس نے آنسو بہائے ۔ اَلْھَمَرُ الدَّمْعُ وَالْمَطَرُ ۔ آنسو اور بارش بہے ۔ اَلْھَمَّارُ ۔ خوب برسنے والا بادل ** ۔

قرآن کریم میں حضرت نوح کے قصہ میں ہے فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْھَمِرٍ (۵۴/۱۱) ۔ پھر ہم نے آسمان کے دروازے زور سے برسنے والے پانی سے کھول دئے ۔

ھ م ز

اَلْھَمْزُ ۔ کچوکا دینا ۔ دھکا دینا ۔ اور مارنا ۔ کاٹ کھانا ۔ اَلْھَامِزُ کچوکے مارنے والا ۔ جماعت میں تفریق ڈالنے والا ۔ دوستوں میں جھگڑا ڈلوانے والا ۔ غیبت کرنے والا ۔ یہی معنی مبالغہ کے ساتھ اَلْھُمَزَۃُ میں پائے جاتے ہیں ۔ اَلْمِھْمَزُ ۔ اَلْمِھْمَازُ ۔ لوہے کی نکیلی چیز (میخ سی) جو سوار کے جوتے میں لگی ہوتی ہے اور اس سے وہ جانور کو کچوکے مارتا جاتا ہے تاکہ وہ تیز بھاگے *** ۔ اسی کو ہماری زبان میں مہمیز (یا ایڑھ) لگانا کہتے ہیں ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْھَمْزُ نچوڑنے نیز غیبت کرنے کو کہتے ہیں **** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی دبانے اور نچوڑنے کے لکھے ہیں، اور ھُمَزَۃٌ وَھَمَّازٌ کے معنی عیب چینی کرنے والا ۔

---

*تاج ۔ **تاج و محیط و راغب ۔ *** تاج و محیط ۔ **** راغب ۔

سورہ مومنون میں ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ (۲۳/۹۷) آیا ہے۔ سرکش مخالفین کی تمام وہ تدبیریں جن سے وہ جماعت مومنین میں تفرقہ انگیزی چاہتے ہوں۔ سورہ قلم میں ھَمَّازٍ (۶۸/۱۱) آیا ہے۔ سورہ ھُمَزَۃ میں ھُمَزَۃٍ (۱۰۴/۱) آیا ہے۔ معنی ہر جگہ ایک ہی ہیں۔ یعنی اپنی دسیسہ کاریوں سے جماعت میں تفریق پیدا کرنے والے۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں ایسا شخص جسے ہر جگہ خرابی ہی خرابی نظر آئے اور وہ ہر ایک کے کام میں نقص نکالتا رہے۔ وہ نہ کائنات کے حسن کی تحسین (Appreciation) کا جذبہ رکھتا ہو اور نہ ہی کسی کے اچھے کام کی تعریف کرے۔ یہ ذہنیت سرمایہ دار کی ہوتی ہے جو سمجھتا ہے کہ اس کے پاس جو اسقدر مال و دولت ہے تو اس سے دنیا بھر کی خوبیاں اس میں جمع ہو گئی ہیں۔ جس کے پاس دولت نہیں اس میں کوئی خوبی نہیں ہو سکتی۔ (المقام المحمود)۔

ہ م س

اَلْھَمْسُ۔ خفی آواز۔ قدموں کی مخفی ترین آہٹ۔ اَلْھَمِیْسُ۔ اونٹوں کے پاؤں کی آہٹ*۔ قرآن کریم میں ہے۔ لَا تَسْمَعُ اِلَّا ھَمْسًا۔ تو نہایت ہلکی سی آواز کے سوا کچھ نہیں سنے گا۔

اَلْھَمْسُ۔ منہ کو بند کرکے کھانے کو چبانا تاکہ آواز نہ نکلے۔ اَلْھَمْسُ۔ نچوڑنا۔ کوٹنا۔ اَلْمُھَامَسَۃُ۔ آپس میں راز داری کی باتیں کرنا*۔ سورہ طٰہٰ میں ہے فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا ھَمْسًا (۲۰/۱۰۸)۔ تو سوائے ہلکی سی آواز کے کچھ نہیں سنے گا۔

ہ م م

ھَمَّ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی پگھلنے، بہنے اور آہستہ آہستہ رینگنے کے ہوتے ہیں۔ اَلْھَمُّ۔ غم اور حزن۔ کیونکہ وہ آدمی کو پگھلا دیتا ہے۔ ھَمَّ اور غَمَّ میں فرق یہ ہے کہ غَمَّ اس کرب کو کہتے ہیں جو کسی بات کے واقع ہو جانے کے بعد دل میں پیدا ہو۔ اور ھَمَّ اس کرب کو کہتے ہیں جو کسی پیش آنے والی مصیبت کے خیال سے پیدا ہو رہا ہو**۔ ھَمَّہٗ وَاَھَمَّہٗ۔ اسے غمگین اور بے چین کیا۔ سورہ آل عمران میں ہے وَطَآئِفَۃٌ قَدْ اَھَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ (۳/۱۵۴)۔ ایک گروہ کو خود اسکی اپنی جانوں نے (اپنے خیالات کے وجہ سے) فکر مند کر رکھا تھا۔ یعنی وہ سچ مچ کسی مصیبت میں مبتلا نہیں تھے بلکہ موہوم خطرات کے تصور سے خواہ مخواہ مضطرب و بیقرار ہو رہے تھے۔

---

*تاج و محیط و راغب۔ **تاج۔

اَلْھَمُّ۔ کسی بات کی دل میں نیت کرنا۔ ارادہ کرنا*۔ ھَمَّ بِالشَّیْءِ۔ کسی چیز کا ارادہ و قصد کیا لیکن اسے کیا نہیں**۔ وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ وَھَمَّ بِھَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ (۱۲/۲۴) ۔ عزیز کی بیوی نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا (کہ یوسف کو اپنے دام ہوس میں پھانس کر چھوڑیگی) اور ہو سکتا تھا کہ یوسف بھی ایسی نیت کر لیتا اگر اس کے سامنے خدا کا واضح قانون نہ آچکا ہوتا *۔ یعنی عزیز کی بیوی چونکہ محض اپنے جذبات کے تابع چل رہی تھی اسلئے اسے اس ارادہ بد سے روکنے والی کوئی چیز نہ تھی لیکن حضرت یوسفؑ کے سامنے خدا کا قانون تھا اسلئے وہ ایسا ارادہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ غور کیجئے قرآن کریم نے اس داستان کے اتنے سے ٹکڑے میں کیسی عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جب انسانی جذبات اور کسی مستقل اور بلند قدر میں(Tie) پڑ جائے تو مومن اس بلند قدر کے تحفظ کے لئے جذبات کے تقاضے کو قربان کر دیتا ہے۔ اسی کا نام بلند اقدار پر ایمان ہے۔

سورہ مومن میں ہے وَھَمَّتْ کُلُّ اُمَّۃٍ بِرَسُوْلِھِمْ لِیَاْخُذُوْہُ (۴۰/۵) ۔ ہر قوم نے اپنے اپنے رسول کے خلاف (نقصان پہنچانے کی) تدبیریں کیں یا اسکا ارادہ کیا۔ اَلْھِمَّۃُ۔ جس کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا جائے۔ پختہ ارادہ۔ آغاز ارادہ*۔ اَلْمُھِمَّاتُ مِنَ الْاُمُوْرِ۔ نہایت اہم امور*۔

ھُنَا

ھُنَا۔ ھٰھُنَا۔ یہاں۔ یہیں۔ اِنَّا ھٰھُنَا قٰعِدُوْنَ (۵/۲۴) ۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں (نیز ۲۶/۶۹)۔ ھُنَالِکَ۔ وہاں۔ ھُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا (۳/۳۸) ۔ وہاں زکریا نے پکارا۔ ھُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ (۳۳/۱۱) ۔ وہاں مومنوں کے ابتلاء کا وقت آیا۔

ھ ن أ

اَلْھَنِیْءُ۔ ہر وہ چیز جسکے حاصل کرنے میں کوئی مشقت نہ ہو اور جسکے نتیجہ میں کوئی برائی نہ ہو۔ یہ لفظ دراصل خوراک کے لئے بولا جاتا ہے، اگرچہ دوسری چیزوں کے لئے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے***۔ طَعَامٌ ھَنِیْءٌ۔ خوشگوار کھانا۔ اَلتَّھْنِئَۃُ۔ تعزیت کے خلاف ہے۔ مبارک باد دینا*۔ سورہ نساء میں ہے۔ فَکُلُوْہُ ھَنِیْئًا مَّرِیْئًا ۔ (۴/۴) ۔ اسے خوشگواری سے کھاؤ (اپنے تصرف میں لاؤ)۔

*تاج۔ **محیط۔ ***راغب۔

هُنَّ (ضمیر)

هُنَّ - جمع مؤنث غائب کی مرفوع منفصل ضمیر ہے - هُنَّ نِسْوَةٌ وہ سب عورتیں ہیں -

(۲) هُنَّ - ضمیر منصوب متصل بھی ہے - ضَرَبَهُنَّ - اس نے ان سب عورتوں کو مارا -

(۳) نیز یہ ضمیر مجرور متصل بھی ہے - غُلَامُهُنَّ - ان سب عورتوں کا غلام -

سورۃ بقرہ میں ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ (۲/۱۸۷) ''وہ تمہارے لئے (بمنزلہ) لباس ہیں -

سورۃ نساء میں ہے فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ . . . . (۴/۲۵) ان کے مالکوں کی اجازت سے انہیں نکاح میں لاؤ اور ان کے مہر انہیں دے دو -

هُوَ (ضمیر)

هُوَ - واحد مذکر غائب کے لئے ضمیر مرفوع منفصل ہے - هُوَ رَجُلٌ وہ ایک مرد ہے - هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ . . . (۵۹/۲۲) وہی اللہ ہے -

ه و د

اَلْهَوْدُ - نرمی اور سہولت کے ساتھ حق کی طرف رجوع کرنا* - قرآن کریم میں ہے - اِنَّا هُدْنَا اِلَیْكَ (۷/۱۵۶) - ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں - اَلْهُوْدُ - یہود* - هَادَ - وہ یہودی ہوا - یَهُوْدًا - حضرت یعقوبؑ کے ایک بیٹے کا نام تھا* -

سورۃ بقرہ میں ہے اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا . . . . (۲/۱۱۱) - سوائے ان کے جو یہودی ہوں - اور سورۃ مائدہ میں ہے وَالَّذِیْنَ هَادُوْا . . . . (۵/۶۹) - اور جو لوگ یہودی ہوئے - (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''موسیٰؑ'') -

هود علیہ السلام

قوم نوح کی جانشین ، قوم عاد ہوئی (۷/۶۹) - تفصیل عنوان ''نوحؑ'' میں دیکھئے - ان کی طرف ان کے بھائی ، حضرت هودؑ مبعوث ہوئے - (۷/۶۵) - یہ لوگ جسمانی طور پر ، مضبوط اور طاقتور تھے - بڑے ڈیل ڈول والے تھے -

*تاج و محیط و راغب -

(۶۹/۷)۔ اور ان کی زمینیں بڑی زرخیز تھیں (۲۶/۱۳۴)۔ تہذیب و تمدن کے اعتبار سے بھی وہ قوم نوح ؑ سے آگے تھے - یہ بڑے بڑے مضبوط قلعے بناتے تھے (۲۶/۱۲۹)۔ اور پہاڑوں کی بلندیوں پر یادگاریں تعمیر کرتے تھے (۲۶/۱۲۸) - اور علم و بصیرت بھی رکھتے تھے (۴۶/۲۶) - لیکن بڑے مستبد اور جبار تھے - غریبوں اور مظلوموں کو اپنے فولادی شکنجوں میں کس کر رکھتے تھے (۲۶/۱۳۰) -

حضرت ھود ؑ نے انہیں خدا کا وہی پیغام دیا جو اس سے قبل حضرت نوح ؑ اپنی قوم کو دے چکے تھے - یعنی یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ..... (۶۵/۷) - اے میری قوم! اللہ کی محکومی اختیار کرو۔ اس کے سوا تمہارا الٰہ اور کوئی نہیں - حسب معمول ، سردارانِ قوم (مترفین کے طبقہ) کی طرف سے اس دعوت کی مخالفت ہوئی (۶۶/۷) - اور وہ اس شدت مخالفت میں اس قدر اندھے ہوگئے کہ ان کا علم و بصیرت بھی ان کے کسی کام نہ آیا (۴۶/۲۶) - اور تباہ کن آندھی نے انہیں برباد کرکے رکھدیا (۵۱/۴۱۰۴۴) - اور ان کی جڑ کٹ گئی (۴۵/۷) - قرآن کریم نے اس قوم کو ''عادِ اولیٰ،، بھی کہا ہے (۵۳/۵۰) -

(جو قومیں اس طرح ہلاک ہوئی تھیں، ان کے اعمال اور ان طبعی حوادث میں کیا تعلق تھا ، اس کے لئے میری کتاب ''جوئے نور'' میں عنوان ''حضرت نوح ؑ،، دیکھئے) -

ھ و ر

ھَارَ الْبِنَاءَ ھَوْرًا - اس نے عمارت کو منہدم کر دیا - فَھَارَ - پس وہ منہدم ہوگئی - (لازم و متعدی) - منہدم ہونے اور پھٹ کر گر پڑنے کے لئے انْھَارَ بھی آتا ہے - وَ ھُوَ ھَائِرٌ وَ ھَارٍ (اسم فاعل) - تَھَوَّرَ وہ منہدم ہوگیا - تَھَوُّرٌ - کسی چیز کا حوض کے کنارے یا کنویں کے دھانے سے حوض یا کنویں کے اندر گر پڑنا - تَھَوَّرَ الرَّجُلُ - آدمی معاملہ میں بلا سوچے سمجھے گھس گیا* - یعنی اس میں اس طرح گر گیا جس طرح دریا کا کنارہ دھڑام سے نیچے گر جاتا ہے - اسے تَھَوُّرٌ کہتے ہیں* - قرآن کریم میں ہے عَلٰی شَفَا جُرُفٍ ھَارٍ فَانْھَارَ بِہٖ (۹/۱۰۹) - ایک گرنے والے کنارے کی بالکل آخری حد پر جو اسے لے کر نیچے گر جائے -

ھ و ن

ھَانَ - یَھُوْنُ - ھُوْنًا - ذلیل ہونا اور ھَانَ ھَوْنًا سہل اور آسان ہونا - یعنی نرمی اور سہولت اور ذلت و رسوائی دونوں کے لئے یہ مادہ آتا ہے**-

*تاج و محیط و راغب - **تاج -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی سکون ۔ سکینت و اطمینان یا ذلت کے ہوتے ہیں ۔ راغب نے لکھا ہے کہ جب انسان اپنے مزاج میں خود ہی ایسی نرمی اور جھکاؤ پیدا کر لے جس میں اسکی سبکی نہ ہوتی ہو تو یہ نرمی اور جھکاؤ محمود ہوتا ہے لیکن اگر کوئی مستبد قوت کسی میں نرمی اور جھکاؤ پیدا کرے جس میں اسکی ذلت و رسوائی کا پہلو ہو تو یہ مذموم ہوتا ہے **۔ ھَوَّنَ الشَّیْءَ وَاَھَانَہٗ ۔ کسی چیز کو حقیر سمجھنا ۔ اسکی اہانت کرنا ۔ اَلْھَیِّنُ ۔ ذلیل نیز آسان و سہل ۔ اَلْھَوَانُ وَالْمَھَانَۃُ ۔ ضعف اور کمزوری *۔ ذلت و حقارت ***۔

ھَیِّنٌ ۔ ساکن اور مطمئن ۔ اِمْرَاَۃٌ ھَوْنَۃٌ ۔ مطمئن اور سہولت کے ساتھ کام کرنے والی باوقار عورت ۔ سَارَ عَلٰی ھِیْنَتِہٖ ۔ وہ اپنی عادت کے مطابق نرمی اور سہولت کے ساتھ چلا ۔

سورۃ نحل میں ہے کہ جب ان (بدؤوں) میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر رنج و غم کی گھٹا چھا جاتی ہے اور وہ قوم سے چھپتا پھرتا ہے اور پھر سوچتا ہے کہ اَیُمْسِکُہٗ عَلٰی ھُوْنٍ اَمْ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ (۱۶/۵۹) ۔ وہ (اس لڑکی کو جس کی پیدائش کی خبر ملی ہے) ذلت و رسوائی کی خاطر باقی رہنے دے یا اسے مٹی میں دبا دے ۔

سورۃ الفرقان میں جہنم کے متعلق ہے یَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا (۲۵/۶۹) ۔ اس میں ذلت و رسوائی کا مفہوم ہے ۔ سورۃ مریم میں ہے ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ (۱۹/۹)۔ یہ مجھپر سہل اور آسان ہے ۔ سورۃ نور میں ہے تَحْسَبُوْنَہٗ ھَیِّنًا وَّھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمٌ (۲۴/۱۵) ۔ تم اسے معمولی بات سمجھتے ہو حالانکہ قانون خداوندی کی رو سے وہ بہت بڑی بات ہے ۔

سورۃ الفجر میں تنگی رزق کی وجہ سے ذلیل اور کمزور کرنے کے لئے رَبِّیْ اَھَانَنِ (۸۹/۱۶) آیا ہے ۔

لہذا قرآن کریم میں جہاں عَذَابٌ مُّھِیْنٌ (۳/۱۷۸) آیا ہے تو اس کے معنی ہیں ایسی سزا جو ذلیل و رسوا بھی کر دے اور جس سے قوم کی قوت ٹوٹ کر اسمیں ضعف اور کمزوری آ جائے ۔ محکومیت میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں ۔ نیز دوسروں کے آسروں پر جینے والی قوموں میں ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** محیط ۔

سورۃ الفرقان میں عبادالرحمٰن کے متعلق ہے یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا (۲۵/۶۳) - وہ دنیا میں نہایت اطمینان و سکون سے چلتے پھرتے ہیں - نہ ان میں کسی قسم کی افراتفری ہوتی ہے نہ خوف اور گھبراہٹ - اس لئے کہ وہ کمزور اور ذلیل نہیں ہوتے - وہ اَعْلَوْنَ ہوتے ہیں (۳/۱۳۸) - سب پر غالب - اگر اس میں صرف رفتار کے انداز کا ذکر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ میانہ روی سے چلتے ہیں اور یونہی اکڑتے نہیں پھرتے (۳۱/۱۰۔۱۸) اور اگر یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ کے معنی زمین میں غلبہ و حکومت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حکومت قہر اور استبداد کی حکومت نہیں ہوتی -

(جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے) سورۃ الفجر میں ہے کہ جب انسان پر رزق کی تنگی کی وجہ سے ذلت و خواری کا عذاب آ جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ رَبِّیْ اَهَانَنِ (۸۹/۱۶) ''میرے رب نے مجھے یونہی ذلیل کر دیا'' - قرآن کریم کہتا ہے کہ خدا کسی کو یونہی ذلیل نہیں کیا کرتا - ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے سرفراز ہوتا ہے اور اعمال ہی کی وجہ سے ذلیل ہوتا ہے - تم جو ذلیل ہوئے ہو تو اسکی وجہ یہ ہے کہ جب تمہارے پاس رزق کی فراوانی تھی تو لَا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ - وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (۸۹/۱۷۔۱۸) - تم ان لوگوں کی جو معاشرہ میں تنہا رہ جاتے تھے عزت نہیں کرتے تھے اور جن کی چلتی گاڑی رک جاتی تھی ان کی روٹی کے انتظام کے لئے ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے تھے - تم وراثت کا مال سمیٹ کر کھا جاتے تھے اور چاروںطرف سے مال اکھٹا کرتے چلے جاتے تھے - (۸۹/۱۹۔۲۰) - یہ تھا تمہارا وہ غلط معاشرہ جس کی وجہ سے تم پر رزق کی تنگی آئی اور تم ذلیل و خوار ہوگئے -

ھ و ی

هَوَىٰ - يَهْوِيْ - هَوِيًّا - اوپر سے نیچے گرنا - هَوَى الشَّيْءُ - چیز اوپر سے نیچے کی طرف گری - هَوَتِ الْعُقَابُ تَهْوِيْ هُوِيًّا - عقاب شکار پکڑنے کے لئے نیچے کی طرف جھپٹا - اَلْمَهْوَاةُ - جو (فضا یا خلا) نیز دو پہاڑوں کے درمیانی نشیبی علاقے کو کہتے ہیں* - اَلْهَوِيُّ - کان میں بھن بھن کی آوازیں آنا** - هَوَاءٌ - ہر خالی چیز کو کہتے ہیں بالخصوص زمین و آسمان کے درمیان خالی فضا کو - نیز بزدل کو بھی کہتے ہیں* - الْهَوٰى - انسانی جذبہ اورخواہش کو کہتے ہیں - یہیں سے هَوِيَهُ -

*تاج - **سحبط -

یَھْوَاہُ ۔ ھَوِیَ کے معنے چاہنے، محبت کرنے یا پسند کرنے کے آتے ہیں ۔ اسْتَھْوٰی ۔ اسْتِھْوَاءً ۔ (۶/۷۱) ۔ اس نے اسے گرانا چاہا ۔ اس کی عقل کو لے اڑا ۔ یا اس کی خواہش کو اس کے لئے مزین کیا ۔ ھَوَی صَدْرُہٗ یَھْوِیْ ۔ اس کا سینہ خالی ہو گیا* ۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنے (۱) خالی ہونا اور (۲) گرنا بتائے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے وَ النَّجْمِ اِذَا ھَوٰی (۵۳/۱) ۔ (طلوع ہونے والا) ستارہ اس پر شاہد ہے جبکہ وہ نیچے کی طرف جا رہا ہو ۔ سورۃ حج میں مشرک کے متعلق ہے ۔ اَوْ تَھْوِیْ بِہِ الرِّیْحُ فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍ (۲۲/۳۱) ۔ اسے ہوا اڑا کر کسی دور دراز جگہ میں پھینک دے ۔ اس میں نیچے گرانا اور دور پھینک دینا، دونوں آجاتے ہیں ۔ سورۃ النجم میں ہے ۔ وَ الْمُؤْتَفِکَۃَ اَھْوٰی ۔ (۵۳/۵۴) ۔ اس نے تباہ شدہ بستیوں کو خالی کر دیا ۔ یا نیچے گرا دیا ۔ سورۃ ابراھیم میں ہے ۔ وَ اَفْئِدَتُھُمْ ھَوَآءٌ (۱۴/۴۳) ۔ ان کے دل جرات و بسالت سے خالی ہو رہے تھے ۔

سورۃ ابراھیم میں حضرت ابراھیمؑ کی دعا ہے ۔ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ (۱۴/۳۷) ۔ اور ایسا کردے کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں ۔ سورۃ بقرہ میں لَا تَھْوٰی اَنْفُسُکُمْ کے بعد ہے اسْتَکْبَرْتُمْ (۲/۸۷) ۔ یعنی جن رسولوں کو تمہارا دل پسند نہیں کرتا تھا تم ان سے انکار و سرکشی اختیار کرلیتے تھے ۔

سورۃ النجم میں وحی کے مقابلہ میں انسان کے ذاتی خیالات کو ھَوٰی کہا ہے ۔ مَا یَنْطِقُ ۔ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (۵۳/۳-۴) ۔ یہ قرآن کریم اس رسول کے ذاتی خیالات نہیں بلکہ وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے ۔ سورہ بقرہ میں ہے وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ . . . (۲/۱۲۰) ۔ اس وحی کے بعد اگر تم ان لوگوں کے ذاتی خیالات کا اتباع کرو گے تو . . . .

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم انسانی جذبات و خواہشات کے خلاف نہیں (۳/۱۳) ۔ وہ ان جذبات و خواہشات کے خلاف ہے جو وحی کے تابع نہ رکھے جائیں ۔ وَ اِنَّ کَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَھْوَآئِھِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ (۶/۱۱۹) ۔ ان میں سے بیشتر وہ ہیں جو اپنے ذاتی خیالات کی بناء پر جنہیں وحی (علم) کی سند حاصل نہیں ہوتی ، لوگوں کو صحیح راستے سے بہکا دیتے ہیں ۔

*تاج ۔

یہی وہ جذبات و خیالات ہیں جو انسان کو شرف انسانیت کی بلندیوں سے حیوانی سطح کی پستیوں کی طرف لے جاتے ہیں ۔ وَ مَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْہِ غَضَبِیْ فَقَدْ ھَوٰی (۲۰/۸۱) ۔ اور جو غلط راستے پر چلکر ہمارے انعامات سے محروم رہ گیا وہ پستیوں میں جا گرا ۔ وحی کا مقصود یہ ہے کہ انسان کو بلندیوں کی طرف لے جائے ۔ لیکن انسان اس راستے کو چھوڑ کر اپنی انفرادی مفاد پرستیوں کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اس طرح ذلتوں کی پستیوں میں جا گرتا ہے ۔ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰہُ بِھَا وَ لٰکِنَّہٗ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ ھَوٰىہُ (۷/۱۷۶) ۔ اگر وہ ہمارے قانون مشیت کے مطابق چلتا تو ہم اسے بلندیوں کی طرف لے جاتے ۔ لیکن وہ اپنی معاشی مفاد پرستیوں کے ساتھ چمٹ گیا ۔ یعنی (وحی کو چھوڑ کر) اپنے ذاتی خیالات و مفادات کے پیچھے لگ گیا ۔

یہی وہ پستیوں کی زندگی ہے جسے ھَاوِیَۃٌ کہا گیا ہے (۱۰۱/۹) ۔ یعنی زندگی کی ایسی حالت جس میں انسان کا دل و دماغ کچھ کام نہ دے اور وہ پریشانیوں اور ذلتوں میں مارا مارا پھرے ۔ گری ہوئی حالت ۔ اور قرآن کریم کے الفاظ میں نَارٌ حَامِیَۃٌ یعنی بھڑکتی آگ ۔

لہذا اگر انسانی جذبات وحی کے تابع چلیں تو اس کا نتیجہ جنت کی زندگی ہے ۔ اور اگر وہ سرکش و بے باک ہو جائیں (جسے شیطان کہتے ہیں) تو اس کا نتیجہ جہنم کی پستیاں ہیں ۔

اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم کی رو سے انسانی جذبات کوئی قابل نفرت چیز نہیں کہ جنہیں دبانے یا فنا کر دینے میں ''روحانی ترقی'' کا راز مضمر ہے ۔ بالکل نہیں ۔ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ جب انسان کی طبیعی زندگی کے کسی تقاضے (جذبہ) اور انسانی سطح زندگی کے تقاضے میں (Tie) آ پڑے تو اس وقت اسے اس بلند تقاضے کی خاطر پست تقاضے کو قربان کر دینا چاہئے ۔ ''انسانی سطح زندگی کے تقاضے'' ان مستقل اقدار سے وابستہ ہیں جو وحی کی رو سے ملتی ہیں ۔ انسانی جذبات کو وحی کی روشنی کے تابع رکھنا، یہ ہے وجہ بالیدگی شرف انسانیت ۔ یا انسانی ذات کی نشو و نما (Development) کا طریق ۔ جب دونوں میں تصادم (Clash) نہ ہو تو انسانی جذبات کی تسکین کوئی مذموم چیز نہیں ۔

ھی (ضمیر)

ھِیَ ۔ واحد مؤنث غائب ضمیر مرفوع منفصل ہے ۔ ھِیَ امْرَاَۃٌ وہ ایک عورت ہے ۔ قرآن کریم میں ہے ھِیَ حَیَّۃٌ (۲۰/۲۰) ۔ وہ سانپ ہے ۔

ھ ی أ

ھَیَّأَ الْاَمْرَ تَھْیِئَۃً ۔ اس نے معاملہ کو درست کر دیا ۔ تیار کیا ، ہموار کیا *۔ سورہ کہف میں ہے وَ ھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (۱۸/۱۰) ۔ ہمارے لئے ہمارے معاملہ کی صحیح صورت مہیا کر دے ۔ اَلْھَیْئَۃُ ۔ کسی چیز کی حالت اور کیفیت ۔ شکل و صورت ***۔ راغب نے کہا ہے کہ ہیئت محسوس بھی ہو سکتی ہے (یعنی شکل و صورت) اور معقول بھی **۔ (یعنی کسی کی ذہنی ، قلبی یا دوسری کیفیت جو محسوس شکل میں سامنے نہ آئے لیکن ہم بہ چشم بصیرت اسے دیکھ سکیں) ۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ (۳/۴۸) ۔ اس کے لفظی معنی ہیں ”میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی مانند شکل بنا دوں گا“ ۔ اس کا مجازی مفہوم یہ ہے کہ میں تمہیں ایسی ترتیب نو عطا کرونگا جس سے تم اپنی موجودہ خاک نشینی سے ابھر کر فضا کی بلندیوں میں بال فشاں ہو جاؤ گے ۔ تمہیں فکر و عمل کی رفعتیں نصیب ہو جائیں گی ۔ یہاں ہیئت محسوس نہیں بلکہ معقول مراد ہے (یعنی جسے عقل کی آنکھ سے دیکھا جا سکے)۔

ھ ی ت

ھَیْتَ لَکَ ۔ فراء نے کہا کہ یہ حوران کا لغت ہے جو کسی طرح مکہ میں پہنچ گیا اور وہاں کے لوگ اسے بولنے لگ گئے ۔ بعض کے نزدیک یہ عبرانی ھَیْتَالَخْ سے معرب ہے ****۔ اس کے معنی ہیں ادھر آؤ ۔ جلدی آؤ ۔ ھَیْتَ کلمۂ تعجب بھی ہے ۔ مجاہد نے کہا ہے کہ یہ اکسانے کے لئے بولا جاتا ہے *۔

اَلْھَیْتُ ۔ گہری نشیبی زمین*۔ ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی چیخنا اور ھَیَّتَ بہٖ کے معنی اسے ”چلا کر پکارا“ لکھے ہیں ۔

سورہ بقرہ میں ہے ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ (۲/۱۱۱) ۔ اپنی دلیل پیش کرو ۔ جلدی سے سامنے لاؤ ۔ بعض اہل لغت نے ھَاتُوْا کو (ھ ۔ ت ۔ و) یا (ھ ۔ ت ۔ ی) کے تابع بھی لکھا ہے ۔ خلیل نے کہا ہے کہ ھَاتِ دراصل اٰتِیْ یُؤْتِیْ سے ہے ۔ اس کے الف کو ھاء سے بدل لیا گیا ہے ۔ سورہ یوسف میں ہے ھَیْتَ لَکَ (۱۲/۲۳) ۔ ادھر آؤ ۔

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط ۔ ****لین ۔ بحوالہ غریب القرآن میرزا ابوالفضل ۔

ھ ی ج

اَلْھَیْجُ ۔ حرکت میں آنا ۔ حرکت میں لانا ۔ (لازم اور متعدی) ھَاجَ الْاِبِلَ ۔ اس نے اونٹوں کو رات کے وقت (جب وہ سکون میں تھے) حرکت دی اور چلایا* ۔ ھَاجَ الْبَحْرُ ۔ سمندر میں اضطراب اور ہیجان پیدا ہوگیا** ۔ ھَاجَتِ الْاِبِلُ ۔ اونٹ پیاسے ہو گئے ۔ یہیں سے ھَاجَ النَّبْتُ کے معنی ہیں سبزیاں خشک ہو گئیں ** ۔ ھَاجَ الْبَقْلُ ۔ سبزی کا لمبا ہونا اور زرد پڑنا اور سوکھنا * ۔ اَلْھَائِجَۃُ ۔ وہ زمین جس کی سبزیاں زرد ہوگئی ہوں یا خشک ہو چکی ہوں* ۔ قرآن کریم میں کھیتی کے متعلق ہے ۔ ثُمَّ یَھِیْجُ (۳۹/۲۱) ۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) برانگیختہ ہونا اور (۲) پودوں کا خشک ہو جانا ہیں ۔

ھ ی ل

ھَالَ عَلَیْہِ التُّرَابَ ھَیْلًا وَ ھَیْلَہٗ وَاَھَالَہٗ ۔ اس نے اس پر مٹی ڈالی ۔ فَانْھَالَ وَ تَھَیَّلَ پس مٹی پڑ گئی ، اوپر سے نیچے گر گئی ۔ رَمْلٌ ھَالٍ وَاَھْیَلُ ۔ ریگ رواں ۔ اَلْھَیْلُ وَالْھَالُ وہ ریت جو گر جائے ۔ کَثِیْبٌ اَھْیَلُ ۔ ریت کا وہ ٹیلہ جس کی ریت گر جائے ۔ اَلْھَیْوَلُ وہ منتشر ذرات جو دوپہر کو روشندانوں میں اڑتے نظر آتے ہیں ۔ اَلْھَالَۃُ چاند کے گرد حلقہ * ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس لفظ کے معنے کسی چیز کو جسے ناپا جاسکے بغیر ناپے دے دینے کے ہیں ۔ یعنی اسے یونہی دھکیل دینا (جس طرح بہنے والی ریت یونہی آگے بڑھ جاتی ہے) ۔

قرآن کریم میں ہے یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَ کَانَتِ الْجِبَالُ کَثِیْبًا مَّھِیْلًا (۷۳/۱۴) ۔ جس دور (یا زمانے) میں زمین اور پہاڑ کانپ اُٹھینگے ۔ اور پہاڑ ایسے ہو جائینگے جیسے ریت کا وہ تودہ جو خود بخود ڈھیلا پڑ کر بہ گیا ہو ۔ قرآنی انقلاب کے وقت بڑے بڑے سرداران قوم کی عظمت و اقتدار کے ختم ہو جانے کی کیسی عمدہ تشبیہ ہے ۔ یعنی دکھائی تو وہ ایسے دینگے گویا محکم اور مضبوط پہاڑ ہیں ، لیکن درحقیقت ان کی قوت اور استحکام ختم ہو چکے ہوں گے ۔ بس یوں سمجھئے جیسے دریا کے کنارے ریت کا تودہ جو خود بخود پھسل کر نیچے گرتا جا رہا ہو ۔ غلط بنیادوں پر اٹھے ہوئے تمدن

*تاج ۔ **محیط ۔

کی یہی کیفیت ہوتی ہے ۔ وہ زمانے کے تقاضے کے دھچکوں کو سہار نہیں سکتا اور جونہی صحیح انقلاب سے اس کا سامنا ہوتا ہے ریگ رواں کی طرح نیچے آگرتا ہے ۔

ھ ی م

الْھَیَامُ ۔ سخت ترین پیاس ۔ ایک بیماری جسکی وجہ سے اونٹ اس طرح پیاسا ہوتا ہے کہ اسے سیرابی نہیں ہوتی** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی سخت پیاس کے لکھے ہیں ۔
اَلْاَھْیَمُ ۔ وہ اونٹ جسے پیاس کی بیماری لگ جائے اور کسی طرح اس کی تشنگی دور نہ ہو سکے ۔ مؤنث ھَیْمَاءُ ہے ۔ اور جمع ھِیْمٌ * ۔ قرآن کریم میں ہے فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْھِیْمِ ۔ (۵۶/۵۵) ”تم پیوگے جسطرح جھوٹی پیاس کے مارے ہوئے اونٹ پیتے ہیں“ ۔ رَجُلٌ ھَیْمَانُ ۔ پیاسا آدمی ۔ رَجُلٌ ھَائِمٌ ۔ وَ ھَیُوْمٌ ۔ متحیر اور حیران آدمی ۔ ھَامَ فِی الْاَمْرِ یَھِیْمُ ۔ وہ اس معاملہ میں حیران اور پریشان رہا ۔ اَلْھَیَامُ ۔ وہ ریت جسے ہاتھ میں لیا جائے تو وہ ٹھہرے نہیں بلکہ برابر نیچے کی طرف پھسلتی جائے * ۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی خشک ریت کے ہیں ۔ اَلْھَیْمَاءُ ۔ لق و دق صحرا جس میں پانی نہ ہو* ۔

ھَامَتِ النَّاقَةُ تَھِیْمُ ۔ اونٹنی چرنے کے لئے جدھر کو جی چاہا منہ اٹھا کر چلدی ۔ لَیْلٌ اَھْیَمُ ۔ وہ رات جسمیں ستارے نہ ہوں (اور اس لئے مسافروں کو راستہ نہ مل سکے) ۔ اَلْھِیْمُ ۔ ان ریتلے میدانوں کو بھی کہتے ہیں جو پانی کو پی جائیں** ۔

ان معانی کو سامنے رکھئے اور پھر یہ دیکھئے کہ قرآن کریم نے شاعرانہ ذہنیت کے متعلق جو کچھ کہا ہے اسکا مفہوم کیا ہے ۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ شاعری ایک پیام بر کے شایان شان نہیں ہوتی (۳۶/۶۹) ۔ (دیکھئے عنوان ش ۔ ع ۔ ر) ۔ ایک رسول ، خدا کا انقلاب آفریں پیغام لیکر آتا ہے ۔ اس کے سامنے ایک متعین منزل ہوتی ہے اور اسکا ہر قدم اُسی منزل کی طرف اٹھتا ہے ۔ وہ کبھی یہ نہیں کرتا کہ کبھی ادھر نکل گیا ، کبھی اُدھر ۔ وہ اپنے جذبات کے تابع نہیں چلتا بلکہ قانون خداوندی کے بتائے ہوئے راستے پر سیدھا چلا جاتا ہے ۔ اس کے برعکس شاعرانہ ذہنیت کے متعلق کہا کہ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَھِیْمُوْنَ (۲۶/۲۲۵) ۔ وہ ایک ایسے اونٹ کیطرح جسے شدید پیاس کی

*تاج ۔ **تاج و محیط و ابن فارس ۔

بیماری مارے مارے پھرا رہی ہو ، کبھی جذبات کی ان وادیوں میں پھرتا ہے اور کبھی تخیلات کی ان جولا نگاہوں میں جانکلتا ہے ۔ اس کا یہ مارے مارے پھرنا جذبات کی پیاس کی وجہ سے ہوتا ہے جسے کبھی اور کہیں بھی سیرابی نصیب نہیں ہو سکتی ۔ وہ ساری عمر یونہی بھٹکتا پھرتا ہے ۔ یہ ہے فرق ایک پیامبر اور ایک شاعر میں ۔ شاعر ، جذبات کی وادیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے ، ایک پیاسے اونٹ کیطرح جسے پیاس کی بیماری کسی پہلو بھی چین نہیں لینے دیتی اور اسکی پیاس بجھتی ہی نہیں ۔ اس کے سفر کی راہیں تاریک ہوتی ہیں جن میں راستہ دکھانے والے ستارے کہیں نہیں ہوتے ۔ برعکس اس کے ایک پیغامبر ایک متعین منزل کی طرف واضح ، سیدھے اور توازن بدوش راستے پر نہایت جزم و یقین اور سکون و اطمینان کے ساتھ چلا جاتا ہے ۔ شاعری جذبات پرستی ہے اور رسالت حقائق کا اتباع ۔ مسلمان کے سپرد " رسالت " کا فریضہ ہوا تھا ۔ یعنی خدا کے دیئے ہوئے پیغام پر خود بھی چلنا اور اسے دوسروں تک بھی پہنچانا ۔ لیکن یہ اس راستے کو چھوڑ کر اسطرح " شاعری " میں گم ہوا کہ اب اسے نہ راستے کا پتہ نشان ملتا ہے ، نہ منزل کا ۔ ایک پیاسے اونٹ کیطرح زندگی کے لق و دق صحرا میں مارا مارا پھر رہا ہے اور کہیں اپنی تشنگی کی سیرابی کا سامان نہیں پاتا ۔ اس لئے کہ اسکی پیاس بیماری ہوتی ہے ، سچی پیاس نہیں ہوتی ۔ کسقدر عبرت انگیز ہے یہ نقشہ اور کیسی افسوسناک ہے یہ روش ؟ اور طرفہ تماشا یہ کہ یہ اُمت (جو شاعروں کی قوم بنکر رہ گئی ہے) راستہ دکھانے والا ضابطہ حیات ہر وقت بغل میں دابے ہوئے ہے ۔ چشمہ شیریں پاؤں کے نیچے اور تلاشِ آب ، صحراؤں کے سراب میں ۔ اب ان کی پیاس کیسے بجھے ؟

ھ ی م ن

ھَیْمَنَ الطَّائِرُ عَلٰی فِرَاخِہٖ ۔ کے معنی ہوتے ہیں پرند نے اپنے بچوں کی حفاظت کے لئے ان کے اوپر پروں کو پھیلایا ، اور لٹکایا ۔ ھَیْمَنَ عَلَیْہِ کَذَا ۔ وہ اس کا محافظ و نگران ہوا * ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو تمام کتب سابقہ کا مُھَیْمِنٌ کہا ہے (۵/۴۸) ۔ یعنی ان تمام صداقتوں کا محافظ جو کتب سابقہ میں بیان ہوئی تھیں ۔ خود اللہ تعالیٰ بھی اَلْمُھَیْمِنُ ہے (۵۹/۲۳) ۔ یعنی جو کائنات کی اسطرح حفاظت کرتا ہے جسطرح بچوں کی ماں اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے ۔

*تاج ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ ھاء ۔ میم ۔ نون کوئی سادہ نہیں ہے ۔ اَلْمُهَيْمِنُ دراصل اَمْنٌ سے ہے ، جس کا ہمزہ ھ سے بدل گیا ہے ۔

هَيْهَاتَ

اَلْهَيْهٌ ۔ وہ جسے اس کے میلے کچیلے کپڑوں کی وجہ سے ایک طرف ہٹا دیا جائے ۔ هَيْهَاتَ ۔ ایک کلمہ ہے جسکے معنی ''دور ہؤا'' کے ہوتے ہیں* ۔ یہ اسم فعل ہے ۔ یعنی ایسا اسم جسکے معنی ماضی کے (یا کبھی امر کے) ہوتے ہیں ۔ اور ایسا فعل جس کی گردان نہیں ہوتی ۔ قرآن کریم میں منکرین حیاتِ آخرت کی زبان سے کہا گیا ہے هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ (۲۳/۳۶) ۔ کس قدر بعید (از قیاس) ہے وہ بات جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے ۔ (جس کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ وہ ضرور واقع ہو کر رہیگی) ۔ یعنی وہ اپنے ہم مشربوں سے کہتے ہیں کہ یہ جو رسول تم سے کہتا ہے کہ تم مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جاؤ گے تو یہ کسقدر بعید از قیاس ہے !

---

*تاج ۔ محیط و راغب ۔

ی

ی (ضمیر)

ی ۔ ضمیر مجرور متصل ہے۔ واحد متکلم (مذکر اور مؤنث دونوں) کیلئے آتی ہے۔ غُلَامِیْ ۔ میرا غلام۔ نیز ضمیر منصوب متصل ۔ جیسے یَعْبُدُوْنَنِیْ ۔ کبھی یہ ی مفتوح بھی ہو جاتی ہے ۔ جیسے نِعْمَتِیَ الَّتِیْ (۲/۴۰) ۔ اور کبھی حذف بھی ہوجاتی ہے ۔ مثلاً وَلِیَ دِیْنِ (۱۰۹/۶) ۔ میرے لئے میرا دین (یہاں دِیْنِ کے بعد ''ی'' حذف ہوگئی اور ''ن'' پر صرف زیر رہ گیا ۔)

یَا (حرف)

یَا۔ حرف نداء۔ پکارنے کے لئے آتا ہے۔ ''اے'' کے معنوں میں۔ یَاأَرْضُ ابْلَعِیْ (۱۱/۴۴) اے زمین تو نگل لے۔ یہ حرف نداء عموماً حذف بھی ہوجاتا ہے۔ جیسے رَبِّ لَاتَذَرْنِیْ فَرْدًا (۲۱/۸۹) ۔ (اے) میرے رب مجھے تنہا نہ چھوڑیو ۔ (یہاں رَبِّ سے پہلے یَا محذوف ہے) یَا کے بعد أَیُّهَا کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے ۔ جیسے یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا (۵/۲۸) ۔ اے ایمان والو! ۔

ی أ س

اَلْیَأْسُ ۔ ناامید اور مایوس ہونا ۔ یَؤُسُ ۔ یَئُوْسُ ۔ ناامید ہوجانے والا ۔ اِسْتَیْأَسَ ۔ ناامید ہوگیا * ۔ سورہ یوسف میں ہے فَلَمَّا اسْتَایْئَسُوْا مِنْهُ (۱۲/۸۰) ''جب وہ اس سے مایوس ہو گئے'' ۔ اور وَلَاتَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهُ لَایَایْئَسُ ..... (۱۲/۸۷) ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو ۔ اس سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا ۔

سورہ رعد میں ہے اَفَلَمْ یَایْئَسِ الَّذِیْنَ آمَنُوْا .... (۱۳/۳۱) اہل لغت نے کہا ہے کہ یہاں اسکے معنی اَفَلَمْ یَعْلَمْ کے ہیں ۔ یعنی کیا

*تاج ۔

انہوں نے اسبات کو جان نہیں لیا*۔ ابن فارس نے یہ معنی بھی بنیادی لکھے ہیں (یعنی جاننا) ۔ لیکن راغب کا کہنا ہے کہ یہ معنی مجازی ہیں**۔ سورہ ممتحنہ میں ہے قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ ..... (۶۰/۱۳) ۔ یہاں اس کے معنی انکار کرنے کے ہیں ۔ یعنی وہ انکار جو ناامیدی کا نتیجہ ہوتا ہے ۔

آپ سورہ یوسف کی اس آیت کو ایک بار پھر سامنے لائیے جو اوپر درج کی گئی ہے ۔ اس میں آپ کو قوموں کے عروج و زوال کے متعلق ایک عظیم اصول ملیگا ۔ آیت ہے وَلَا تَايْئَسُوا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۔ إِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (۱۲/۸۷)۔ ”اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو ۔ کیونکہ اللہ کی رحمت سے سوائے کافروں کے کوئی ناامید نہیں ہوتا“ ۔ اسی کو دوسری جگہ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (۳۹/۵۳) کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (نیز ۲۹/۲۳)۔ اسلام کسی کو قنوطی (Pessimistic) نہیں بنانا چاہتا ۔ مومن وہ ہے جو علیٰ وجہالبصیرت خدا کے قوانین کی محکمیت ، نتیجہ خیزی اور صداقت پر یقین رکھتا ہے ۔ وہ اس یقین کے ساتھ اس راستے پر گامزن ہوتا ہے ۔ اگر اسے کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے ، یا اپنی کسی غلطی سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے تو اپنی روش کی صداقت اور محکمیت پر یقین اسے بددل نہیں ہونے دیتا ۔ وہ سنبھلتا ہے ۔ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتا ہے اور اپنی غلطی کا ازالہ کرکے ، پھر اسی راستے پر چل پڑتا ہے ۔ یہ ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونے کا مفہوم ۔ ناامید وہ ہوتا ہے جو کسی راستے کو قیاس اور گمان پر تجربۃً اختیار کرتا ہے ۔ جب اُسے ناکامی ہوتی ہے تو وہ وہیں رک جاتا ہے اور منزلِ مقصود تک پہنچنے سے نا امید ہو جاتا ہے ۔ لیکن جسے راستے کی صحت پر یقین ہو وہ کبھی نا امید نہیں ہوتا ۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم نے نا امیدی اور ابلیسیت کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے ۔ (دیکھئے عنوان ب ۔ ل ۔ س) ۔ لیکن خدا کی رحمت یونہی بیٹھے بٹھائے نہیں مل جاتی ۔ اس کے لئے کہا ہے کہ وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۔ تم دفع مضرت اور جلب منفعت ، دونوں صورتوں میں قوانین خداوندی کو آواز دو ۔ إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (۷/۵۶) ۔ یقین جانو کہ خدا کی رحمت ان کے قریب ہوتی ہے جو حسن کارانہ انداز سے توازن بدوش زندگی بسر کرتے ہیں ۔

اسی میں ایک اور بات بھی قابل غور ہے ۔ ایک شخص مصائب کے ہجوم میں گھر جاتا ہے جہاں سے نکلنے کی کوئی راہ اسے نہیں ملتی ۔ لیکن

*تاج ۔ **راغب ۔

وہ ہمت نہیں ہارتا ۔ دل نہیں چھوڑتا ۔ وہ اسے محض طبعی حالات کی مجبوری سمجھتا ہے ۔ اپنے اندر شکست خوردگی کا احساس نہیں پیدا ہونے دیتا ۔ یہ شخص ''خدا کی رحمت'' سے مایوس نہیں ۔ لیکن اگر وہ ایسی مجبوری کے عالم میں (یا جونہی کوئی مشکل سامنے آئے اسوقت) فیصلہ کر لیتا ہے کہ میں اس قابل ہی نہیں کہ اس کا مقابلہ کر سکوں یا اسے برداشت کر سکوں، تو اس پر مایوسی چھا جائیگی ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی ذات پر ایمان رکھتا ہے، جسے خود اعتمادی حاصل ہے، وہ کبھی مایوسی کو اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیتا ۔ اسے اپنے آپ پر بھروسہ ہوتا ہے اور وہ اسی وجہ سے پرامید رہتا ہے ۔ لیکن جس شخص کا اپنی ذات پر ایمان نہیں رہتا ۔ جو اس سے انکار کر دیتا ہے، وہ مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے ۔ اس پر (Frustration) چھا جاتی ہے یہی چیز ہے جو بسا اوقات انسان کو خودکشی تک لے جاتی ہے ۔ خودکشی وہ کرتا ہے جس کی اپنی نظروں میں کوئی قیمت نہیں رہتی ۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے زندہ رہنے میں میرا کچھ فائدہ نہیں ۔ وہ اپنی نظروں میں آپ گر جاتا ہے ۔ مادی نظریہ حیات (Materialistic concept of life) میں چونکہ سارا انحصار خارجی (مادی) اسباب و ذرائع پر ہوتا ہے اس لئے جب وہ اسباب ختم ہو جاتے ہیں تو انسان مایوس ہو جاتا ہے ۔ لیکن انسانی ذات کی ممکنات کی کوئی

مقام پر بھی یہ نہیں کہتا کہ اس سے آگے میں کچھ کر سکنے کے قابل نہیں ۔ وہ یہ کہیگا کہ اس کے بعد سردست میرے پاس مادی وسائل نہیں رہے لیکن وہ اپنی ذات سے کبھی مایوس نہیں ہوگا ۔ کفر درحقیقت انسان کا اپنی ذات سے انکار — اور اس کے بعد مکمل ترین ذات خداوندی سے انکار ہے ۔ علاوہ بریں، انسانی ذات پر ایمان سے انسان، بلند اقدار کی ضرورت محسوس کرتا ہے جو اسے وحی سے ملتی ہیں ۔ اسی کی قوت سے وہ طبیعی مجبوریوں سے نہیں گھبراتا اور مایوسی کو کبھی اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیتا ۔ حتکہ موت کا سامنا کرتے وقت بھی نہیں گھبراتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ موت سے اس کا جسم فنا ہوجائیگا لیکن اس کی ذات پر کوئی آنچ نہیں آئیگی ۔

آپ نے غور فرمایا کہ مایوسی کیوں کفر ہے ۔

یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ

وہ اقوام جن کی یورشوں سے حفاظت کے لئے ذوالقرنین نے دیوار بنا کر دی تھی (۱۸/۹۴) تفصیل عنوان (ا ۔ ج ۔ ج) کے تحت دیکھئے۔

یَاقُوْتٌ

اَلْیَاقُوْتُ۔ یہ فارسی لفظ ہے جو عربی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سخت اور صاف شفاف جواہرات جن کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ عموماً سرخ رنگ مراد ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے کَاَنَّھُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (۵۵/۵۸)۔ گویا کہ وہ (مؤنث) یاقوت اور مرجان ہیں۔

یٰلَیْتَ

یہ حرفِ ندا (یا) اور لَیْتَ کا مجموعہ ہے۔ اس کے معنی ہیں "اے کاش" (دیکھئے یَا اور لَیْتَ)۔

ی ب س

یَبِسَ۔ کسی مرطوب چیز کا خشک ہو جانا۔ اَلْیَبْسُ۔ وہ چیز جو پہلے تر ہو اور پھر خشک ہو جائے۔ شَاۃٌ یَبَسٌ۔ اس بکری کو کہتے ہیں جس کے تھن خشک ہو جائیں اور وہ دودھ دینا بند کر دے *۔ اَلْیَبَسُ۔ وہ جگہ جہاں پانی ہو اور پھر جاتا رہے۔ تورات میں اَلْیَابِسَۃُ خشکی کے لئے آیا ہے بمقابلہ بَحْرٌ کے **۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا فَاضْرِبْ لَھُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا (۲۰/۷۷)۔ بنی اسرائیل کو سمندر میں ایسے راستے سے لے جا جس پر پہلے پانی تھا لیکن جو اسوقت خشک ہے۔

سورۃ انعام میں ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (۶/۵۹)۔ کائنات کی کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں (یا خشک و تر پھل ایسا نہیں) جس کے لئے ضروری قانون اور قاعدہ صحیفۂ فطرت (کائناتی قوانین کے ضابطہ) میں موجود نہ ہو۔

ی ت م

اَلْیَتْمُ۔ اکیلا اور تنہا رہ جانا۔ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ اصمعی نے کہا ہے کہ اَلْیَتِیْمُ اس ریتیلی زمین کو کہتے ہیں جو اپنے اردگرد کی زمینوں سے الگ تھلگ ہو۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ اَلْمَیْتَمُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو تنہا اور اکیلی ہو۔ راغب کے نزدیک ہر منفرد

* تاج۔ ** محیط۔

اور تنہا چیز یتیم کہلاتی ہے*۔ دُرَّۃٌ یَتِیْمَۃٌ ۔ اس موتی کو کہتے ہیں جو اپنی نوعیت کا ایک ہی ہو۔

بن باپ کے بچے کو بھی یَتِیْمٌ اسلئے کہتے ہیں کہ وہ اکیلا رہ جاتا ہے۔ حرالی نے کہا ہے کہ ضرورت کے وقت باپ کا نہ رہنا یُتْمٌ کہلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک بچہ جوان نہ ہو وہ یَتِیْمٌ کہلاتا ہے، لیکن جب وہ جوان ہو جائے تو اسے یَتِیْمٌ نہیں کہتے۔ اس کے برعکس لڑکی اُسوقت تک یَتِیْمَۃٌ کہلاتی ہے جب تک اسکی شادی نہ ہو جائے، خواہ وہ بالغ بھی کیوں نہ ہو چکی ہو۔ بہائم (حیوانات) میں یَتِیْمٌ ان بچوں کو کہتے ہیں جنکی ماں نہ رہے اسلئے کہ ان میں بچہ کی پرورش ماں کرتی ہے۔ باپ کی انہیں احتیاج نہیں ہوتی۔ برعکس اس کے اگر انسانی بچہ کی ماں مر جائے تو اسے یَتِیْمٌ نہیں کہتے۔ مُنْقَطِعٌ یا عَجِیٌّ کہتے ہیں۔ اگر ماں باپ دونوں مرجائیں تو اسے لَطِیْمٌ کہتے ہیں۔ (یَتِیْمٌ کی جمع اَیْتَامٌ اور یَتَامٰی دونوں آتی ہیں)۔ اِمْرَاَۃٌ مُؤْتِمٌ ۔ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے بچے یتیم ہو جائیں۔ یعنی جس کا شوہر مر جائے*۔ لسان العرب میں ہے کہ یَتِیْمٌ اس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو۔ یعنی خواہ مر چکا ہو یا ویسے ہی اس کا خاوند نہ ہو۔ قرآن کریم میں یَتٰمَی النِّسَاءِ (۴/۱۲۷) ایسی ہی عورتوں کے لئے آیا ہے۔

یَتَامٰی کے ان معانی کو سامنے رکھئے اور پھر سورہ نساء کی اس آیت کو دیکھئے جس میں کہا گیا ہے کہ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ... (۴/۳) ۔ اگر تم دیکھو (تمہیں اس کا خدشہ ہو) کہ تم "یتامٰی" کے مسئلہ کا منصفانہ حل نہیں کر سکتے۔ انکے حقوق پورے نہیں ہو سکتے۔ تو تم ان میں سے جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے دو۔ دو۔ تین تین۔ چار چار تک سے شادی کر لو۔

ظہور اسلام کے بعد مسلمانوں کی مختصر سی جماعت کو بے شمار لڑائیاں لڑنی پڑیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ بہت سے بچے لاوارث رہ گئے۔ بہت سی بالغ لڑکیاں ایسی رہ گئیں جنہیں خاوند ہی نہیں مل سکتا تھا۔ یہ ایک ایسی ہنگامی اور اجتماعی مشکل پیدا ہو گئی جس کا حل نہایت ضروری تھا۔ یہ مشکل اس لئے تھی کہ

*تاج و محیط و راغب۔

(۱) قرآن کریم کا عام قانون ایک ہورت سے شادی کرنے کا تھا (فَوَاحِدَةً - ۴/۳)

(۲) مسلمان ہورتیں نہ کفار سے شادی کر سکتی تھیں ، نہ مشرکین سے - نہ اہل کتاب سے - انہیں بہرحال مسلمان ہی سے شادی کرنی تھی - اور مسلمان مردوں کی تعداد اسقدر کم ہو گئی تھی -

اس ہنگامی مسئلہ کے حل کے لئے قرآن کریم نے وحدت زوج (Monogamy) کے قاعدے میں وقتی طور پر استثناء (Relaxation) کی اجازت دی اور کہا کہ ان ہورتوں میں سے (اَلنِّسَآءَ - ۴/۳) جو اسطرح بے شوہر رہ گئی ہیں (خواہ بیوہ ہو کر - اور خواہ نا کتخدائی کی حالت میں جنہیں شوہر نہیں ملتا) - حسب پسند ، ایک سے زیادہ سے نکاح کرکے ان کی حفاظت کا سامان پیدا کر دو - یہی ان کے مسئلہ کا منصفانہ حل ہے - قرآن کریم میں بس یہی ایک آیت ہے جس میں تعدد ازدواج (Polygamy) کی اجازت ہے - اگر ایسے حالات پیدا نہ ہوں تو پھر قانون وہی ایک بیوی کا ہے -

یَتِیمَ - یَتْمًا کے معنی کمزور اور ضعیف ہو جانا - قاصر ہو جانا اور تھک جانا - درماندہ ہو جانا - بھی ہوتے ہیں - نیز یَتْمٌ کے معنی فکر و غم کے بھی آتے ہیں اور دیر کرنے اور غفلت کرنے کے بھی - اسلئے کہ یتیموں کی خبر گیری میں غفلت کی جاتی ہے اور انہیں مدد پہنچانے میں دیر لگائی جاتی ہے - اَلْیَتَتْمُ کے معنی حاجت اور ضرورت کے بھی ہوتے ہیں * -

قرآن کریم میں یتیموں کی نگہداشت کے متعلق بڑی تاکید آئی ہے ، اور سرمایہ داری کے نظام کی تباہی کا سبب یہ بتایا ہے کہ لَا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ (۸۹/۱۷) - ان آیات میں یَتِیْمٌ سے مراد وہی نہیں جنکے باپ مر چکے ہوں - اس سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جو معاشرہ میں تنہا رہ گئے ہوں - جو بے یار و مدد گار ہوں - لہذا جس معاشرہ میں کسی فرد کو بھی یہ احساس پیدا ہو جائے کہ وہ اکیلا ہے - اس کا کوئی مدد گار نہیں - اسکی مصیبت تنہا اس کی مصیبت ہے - اسکا کوئی مونس و غمخوار اور کوئی یار و مدد گار نہیں - وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے ، کیونکہ اس میں تنہا رہ جانے والے کو واجب التکریم نہیں سمجھا جاتا - قرآن کریم ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں کسی فرد کو اس کا احساس تک نہ ہونے پائے کہ وہ تنہا ہے - اس کا کوئی پناہ دینے والا نہیں - یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے خود نبی اکرمؐ

*تاج و محیط و راغب -

سے کہا کہ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْماً فَاٰوٰی (۹۳/۶) ۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس نے تجھے یتیم پایا اور پناہ کا سامان بہم پہنچا دیا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ یتیم وہ ہے جو پناہ سے محروم رہ جائے ۔ اور ایسے شخص کے لئے پناہ کا سامان بہم پہنچانا اس معاشرہ کا کام ہے جو خدا کے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے قائم ہوا ہو ۔

یحییٰ علیہ السلام

قرآن کریم نے حضرت یحییٰؑ کو منجملہ انبیاء بنی اسرائیل بتایا ہے (۶/۸۵) ۔ آپ حضرت زکریاؑ کے بیٹے تھے (۱۹/۷) ۔ صاحب کتاب اور بچپن ہی سے عمدہ قوتِ فیصلہ کے مالک (۱۹/۱۲) اور صفاتِ حسنہ سے آراستہ (۱۹/۱۳-۱۵) ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انجیل میں جنہیں یوحنا کہکر پکارا گیا ہے وہ حضرت یحییٰؑ ہی ہیں ۔ انجیل (لوقا) میں ''یوحنا'' کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ

> وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا اور اسرائیل پر ظاہر ہونے تک جنگلوں میں رہا (۱/۸۰) ۔

انجیل متی میں ہے کہ حضرت عیسٰےؑ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ

> میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا ۔

رینان نے اپنی کتاب (Life of Jesus) میں لکھا ہے کہ ''یوحنا'' کی تعلیم کا مرکز (Judea) تھا لیکن اس کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا اور حضرت عیسٰےؑ ان سے آکر ملے تھے ۔ اس کے بعد اس نے لکھا ہے کہ ''یوحنا'' اور حضرت عیسٰےؑ نے فلسطین کے صحرا میں ایک عجیب انقلاب انگیز نظام قائم کیا تا آنکہ ۲۹ء میں ''یوحنا'' کو گرفتار کر لیا گیا اور اس کے بعد حضرت عیسٰےؑ نے وطن کی طرف مراجعت فرمائی ۔

ی د ی

اَلْیَدُ ۔ ہاتھ کو کہتے ہیں ۔ مؤنث استعمال ہوتا ہے ۔ اسکی جمع اَیْدٍ ہے ۔ لیکن اس لفظ کا استعمال اسقدر متعدد معانی میں ہوتا ہے جنکی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ۔ جیسے ہمارے ہاں ''ہاتھ'' کا استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً جاہ اور وقار ۔ قوت و اقتدار ۔ غلبہ و تسلط ۔ ملکیت ۔ مددگار ۔ امداد اور فریاد رسی ۔ احسان و انعام ۔ حفاظت و صیانت ۔ حذاقت و مہارت ۔ دوسری طرف یہ لفظ

ندامت وشرمندگی۔ ذلت و انقیاد کے لئے بھی آتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرات انبیاء کرام ؑ کے متعلق ہے کہ وہ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ تھے (۳۸/۴۵) ۔ یعنی قوت اور بصیرت دونوں کے مالک۔ دوسری طرف ان کے مخالفین کے متعلق کہا ہے کہ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ فَرَدُّوْا اَیْدِیَهُمْ فِیْ اَفْوَاهِهِمْ (۱۴/۹) انہیں بات کرنے سے روک دیا جائے۔ ابن قتیبہ نے ان معانی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ وہ غیظ و غضب میں اپنے ہاتھ کاٹنے لگتے ہیں***۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ لفظ آئیگا سیاق و سباق کے اعتبار سے اس کے معنی کئے جائینگے۔ قرآن کریم میں بَیْنَ یَدَیْهِ کا محاورہ متعدد بار آیا ہے۔ اسکے لفظی معنی ہیں اس کے دونوں ہاتھوں کے درمیان۔ یعنی سامنے*۔ قرآن کریم نے اپنے آپ کو مُصَدِّقًا لِمَا بَیْنَ یَدَیْهِ (۳/۳) کہا ہے۔ لہذا لِمَا بَیْنَ یَدَیْهِ کے معنی ہیں ''جو اس کے سامنے ہے''۔ قرآن کریم نے اپنے آپ کو ان اخلاقی اقدار کا مصدّق کہا ہے جو دنیا کے پاس اس سے پہلے آئی تھیں۔ اور ان میں سے بعض، نزول قرآن کے وقت بھی ان لوگوں کے پاس موجود تھیں۔ مثلاً جھوٹ نہ بولو۔ چوری نہ کرو۔ وغیرہ۔ قرآن کریم ان کی اس قسم کے اقدار کا مصدق تھا۔ وہ اہل کتاب کی کتابوں کی تصدیق نہیں کرتا تھا، وہ انہیں خود محرف قرار دیتا تھا۔ ''مصدق'' کے صحیح مفہوم کے لئے دیکھئے عنوان (ص د ق)۔

سورہ ذاریٰت میں ہے وَالسَّمَاءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ (۴۷/۵۱)۔ ہم نے آسمان (فضائی کروں یا خارجی کائنات) کو قوت و اقتدار کے ساتھ بنایا ہے۔ [نیز دیکھئے عنوان ا۔ ی۔ د]

سورہ توبہ میں ہے کہ اہل کتاب اسلامی نظام میں جزیہ دیں عَنْ یَدٍ (۹/۲۹) اس نعمت و آسائش کے بدلے میں جو انہیں اطمینان و سکون کے ساتھ رہنے میں حاصل ہے**۔

سورہ فرقان میں ہے یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ (۲۵/۲۷) اس کے معنی، غم و غصہ میں دانتوں سے ہاتھ چبانے کے ہیں۔ اعمالِ انسانی کے متعلق بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ (۲/۹۵) کئی مقامات پر آیا ہے۔ یعنی جو کچھ ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنی ہاتھ نہیں بلکہ خود

*تاج و محیط۔ **راغب۔ (بحوالہ۔ غریب القرآن میرزا ابوالفضل)
***القرطبی ج/۱ صفحہ ۲۳۵

انسان کے ھیں ۔ سورہ بقرہ میں ھے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (۲/۱۹۵) اس کے معنی یہ ھیں کہ اپنے آپ کو اپنے ھاتھوں ھلاکت میں نہ ڈالو ۔ سورہ حجرات میں ھے لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (۴۹/۱) اس سے مراد احکام اور فیصلے ھیں ۔

(سَارِقٌ کے قطع ید کے لئے دیکھئے عنوان ق ۔ ط ۔ ع ۔ اور یَدٍ بَیْضَاء کے لئے دیکھئے عنوان ب ۔ ی ۔ ض اور ض ۔ م ۔ م) ۔

ی س ر

اَلْیَسَرُ ۔ اَلْیَسْرُ ۔ نرمی ۔ اَلْیُسْرُ ۔ سہولت ۔ آسانی ۔ فراخی ۔ کشائش آسودگی، تونگری ۔ معیشت کی طرف سے فارغ البالی ۔ بہتات ۔ (عُسْرٌ یعنی تنگی کی ضد ھے) * ۔ یَسِرَ و یَسُرَ الْاَمْرُ ۔ معاملہ آسان اور سہل ھوا ۔ یَسَّرَ ۔ اس کام کو آسان یا سہل کر دیا ۔ تَیَسَّرَ وَاسْتَیْسَرَ ۔ آسان ھوا ۔ بآسانی مہیا ھؤا * ۔ (۲/۱۹۶ ؛ ۹۳/۷) ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی کھل جانا اور ھلکا پھلکا ھونا لکھے ھیں ۔ اَلْیَسَارُ ۔ بایاں ھاتھ ۔ بائیں جانب (یَمِیْنٌ کی ضد ھے) * ۔ اَلْیَسِیْرُ وَالْمَیْسُوْرُ ۔ آسان ۔ سہل ۔ اَلْیَسِیْرُ ۔ تھوڑی چیز ** ۔ اَلْمَیْسَرَۃُ وَالْیَسَارُ ۔ تونگری ۔ آسودگی ۔ غنی ** ۔ (۲/۲۸۰) ۔ اَلْمَیْسِرُ ۔ قمار ۔ جوا ۔ وہ اونٹ جو جوئے میں ھارا یا جیتا جاتا تھا * ۔

قرآن کریم میں یُسْرٌ بمقابلہ عُسْرٌ آیا ھے (۲/۱۸۵) ۔ سورہ بنی اسرائیل میں ھے ۔ فَقُلْ لَّھُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا (۱۷/۲۸) ۔ ان سے نرمی سے بات کرو ۔ ایسی بات جو انہیں گراں نہ گذرے ۔ سورہ احزاب میں یَسِیْرًا (۳۳/۱۲) کے معنی ھیں کم از کم ۔ بہت تھوڑے ۔ قلیل تعداد میں ۔ ''کم وقت کے لئے یا کم تعداد میں'' دونوں معنی ھو سکتے ھیں ۔

سورہ بقرہ میں خَمْرٌ اور مَیْسِرٌ کے متعلق ھے فِیْھِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُھُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا (۲/۲۱۹) ۔ مَیْسِرٌ یُسْرٌ سے ھے جسکے بنیادی معنی آسانی ھیں ۔ اگرچہ عربوں میں مَیْسِرٌ ھر قسم کے جوئے کو کہتے ھیں ۔ اس جوئے کو بھی جو تیروں سے ایک خاص طریق سے کھیلا جاتا تھا اور جس میں اونٹ کے گوشت کے حصے بخرے کئے جاتے تھے ۔ لیکن اس کے مفہوم کو اسکے بنیادی معانی کے پیش نظر مقید نہ رکھا جائے تو ھر وہ مال جو انسان کو آسانی سے ھاتھ آجائے مَیْسِرٌ ھوگا ۔

*تاج ۔ **راغب ۔

اسکی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اگرچہ اس قسم کی دولت سے فائدے بھی حاصل ہو جاتے ہیں لیکن اس سے انسانی طبیعت میں جو سستی اور کسل مندی، جو ضعف اور اضمحلال پیدا ہوتا ہے (دیکھئے عنوان ا ۔ ث ۔ م) اس کے نقصانات ان فوائد کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں جو اس روپے سے حاصل ہوتے ہیں ۔ اسی لئے اس قسم کی دولت کو رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ کہکر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے ۔ (۵/۹۰) ۔ اور اسے قرآن کریم کے نظام صلٰوۃ کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کا موجب بتایا گیا ہے (۵/۹۱) ۔ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ انسان محنت اور کوشش سے کمائے اور جو کچھ اپنی ضروریات سے زائد ہو اسے نوع انسانی کی پرورش کے لئے عام کر دے (۲/۲۱۹) ۔ ظاہر ہے کہ جو دولت انسان کو آسانی سے بیٹھے بٹھائے ہاتھ آجائے وہ اسے محنت اور مشقت کا عادی نہیں رہنے دیگی اور اسطرح اس کی صلاحیتوں میں اضمحلال پیدا کرنے کا موجب بن جائیگی، جیسے ہر رئیس زادے کی حالت ہوتی ہے کہ وہ خود کمانے کا اہل ہی نہیں رہتا ۔ اس طرح حاصل شدہ دولت سے انسان میں دولت کی ہوس اور زر پرستی کا جذبہ بڑھ جاتا ہے اور وہ دوسروں کو دینے کی بجائے زیادہ سے زیادہ اپنے لئے حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے ۔ جیسے ہر قمار باز کی کیفیت ہوتی ہے ۔ لہذا ہر وہ دولت جو آسانی سے (بغیر محنت و مشقت) ہاتھ آجائے قرآنی تعلیم کی روح کے مطابق مَیْسِرٌ میں داخل ہے ۔ بالخصوص عصر حاضر کی "تجارت" جو کہنے میں تجارت ہے لیکن درحقیقت میسر ہے ۔ اور زیادہ گہرائی میں جا کر دیکھئے تو سارا نظام سرمایہ داری ہی میسر ہے ۔ اس میں ہر سرمایہ دار کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ محنت دوسرے کریں اور اس کا پھل یہ لے جائے ۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ زندگی کی سہولتیں اور آسانیاں حاصل کرنا چاہتے ہو تو مشکلات کا سامنا کرو ۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (۹۴/۵) ۔ جو قوم (یا فرد) مشکلات کا سامنا کرنے سے گھبراتی ہے اسے وہ آسانیاں حاصل نہیں ہو سکتیں جو صحیح خوشگواریوں کا موجب بنتی ہیں ۔ البتہ اسے وہ یُسْرٌ حاصل ہو جاتا ہے جو اثم (اضمحلال اور ضعف) کا موجب بنتا ہے اور تباہی و بربادی کی طرف لے جاتا ہے ۔

یعقوب علیہ السلام

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسحٰقؑ ۔ اور حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ تھے ۔ اللہ تعالٰی نے آپ کا ذکر زمرۂ انبیائے کرامؑ میں

کیا ہے .... وَمَا اُنْزِلَ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ .... (۲/۱۳۶) ۔ آپ کا لقب اِسْرَائِیْلُ (یعنی مردِ خدا) تھا ۔ اسی نسبت سے آپ کی اولاد (در اولاد) بنی اسرائیل کہلائی ۔ قرآن کریم نے بھی آپ کو اس لقب سے یاد کیا ہے ۔ مثلاً سورہ آل عمران میں ہے .... اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَائِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ .... (۳/۹۳) ۔ ''سوائے اس کے جسے اسرائیل نے اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا تھا'' ۔ اور سورہ مریم میں ہے مِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْرَائِیْلَ .... (۱۹/۵۸) ۔ ذریتِ ابراہیم اور اسرائیل سے'' ۔

حضرت یوسفؑ آپ کے بیٹے تھے ۔

یَعُوْقُ

قوم نوح کا بت تھا (۷۱/۲۳) ۔ عرب کے لوگ اس بت کے نام سے بخوبی متعارف تھے ۔ چنانچہ قبیلہ بنو ہمدان اس نام کے ایک بت کی پرستش کیا کرتا تھا ۔

یَغُوْثُ

قوم نوح کا بت تھا (۷۱/۲۳) ۔ عرب کے لوگ اس بت کے نام سے بخوبی متعارف تھے ۔ چنانچہ خود عرب میں قبیلہ بنو مراد کے لوگ اس نام کے ایک بت کی پرستش کیا کرتے تھے ۔

یَقْطِیْنٌ

اَلْیَقْطِیْنُ ۔ وہ بیل جو زمین پر پھیل جائے ۔ جیسے خربوزہ، تربوز، کدو کی بیلیں ۔ بعض نے کہا ہے کہ یَقْطِیْنٌ کدو کی بیل کو کہتے ہیں ۔ نیز الْیَقْطِیْنَةُ کدو کو کہتے ہیں* ۔ صاحب تاج العروس نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر وہ پودا جو ایک سال کے اندر ہی پیدا ہو کر ختم ہو جائے یَقْطِیْنٌ کہلائیگا ۔ نیز ہر بڑا پتہ یَقْطِیْنٌ کہلائیگا ۔ قرآن کریم میں شَجَرَةً مِنْ یَقْطِیْنٍ (۳۷/۱۴۶) آیا ہے ۔ اس سے مراد ہے چوڑے پتوں والا پودا جو سایہ دیتا ہو ۔

*تاج و راغب و محیط ۔

ی ق ظ

اَلْیَقَظَۃُ - بیداری - یہ نَوْمٌ (نیند) کی ضد ہے - اس میں ہوشیاری کا مفہوم بھی ہوتا ہے - رَجُلٌ یَقْظٌ وَ یَقِظٌ - بیدار آدمی - اسکی جمع اَیْقَاظٌ آتی ہے، بمقابلہ رُقُوْدٌ (۱۸/۱۸) - اَبُوالْیَقْظَانِ - مرغ کو کہتے ہیں *-

ی ق ن

یَقِنَ الْاَمْرَ وَاَیْقَنَہٗ وَاسْتَیْقَنَہٗ وَتَیَقَّنَہٗ - اس نے معاملہ کو جانا اور اسکی حقیقت معلوم کر لی - یَقْنٌ وَیَقَنٌ - کسی بات کا واضح اور ثابت ہو جانا - یَقِیْنٌ - شَکٌّ کی ضد ہے - یعنی شک کا زائل ہو کر علم و تحقیق کے ساتھ کسی امر کا پایۂ ثبوت تک پہنچ جانا * - مَوْتٌ کو بھی یَقِیْنٌ کہتے ہیں کیونکہ ہر مخلوق پر اس کا آنا یقینی ہے اور ٹھوس واقعات ہر روز اسکی شہادت دیتے ہیں * -

سورہ انعام میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق مذکور ہے کہ وہ کائناتی قوانین (مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) کے مشاہدہ کے بعد یَقِیْنٌ کے درجہ تک پہنچ گئے (۶/۷۵) - سورہ حجر میں جہاں فرمایا کہ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (۱۵/۹۹) - تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تو اپنے نشو و نما دینے والے کے قانون ربوبیت کا کامل اتباع کئے جا، حتکہ کہ تیرا دعوی (کہ اس نظام کے نتائج حیات بخش اور خوشگوار ہونگے) ایک ٹھوس واقعہ کی شکل میں سامنے آجائے (نیز ۷۴/۴۷) -

لہذا اِیْمَانٌ کے معنی ہونگے کسی پر اعتماد کرکے اسکی بات کو صحیح مان لینا اور یَقِیْنٌ کے معنی ہونگے علم و تحقیق کے بعد اس بات کا ثابت ہو جانا اور اس کا ٹھوس واقعہ کی شکل میں سامنے آجانا - لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ (۱۰۲/۶) - تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے - قرآن کریم نے جب مومنین کے متعلق کہا ہے کہ وہ آخرت (مستقبل) پر یقین رکھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سعی و عمل کے ٹھوس نتائج ان کے سامنے آجائے ہیں - یعنی پہلے وہ اپنے نظام کے ان دیکھے نتائج پر ایمان لاتے ہیں (۲/۳) - اس کے بعد جب وہ اس نظام کو قائم کر لیتے ہیں تو اس کے بدیہی نتائج مرئی اور محسوس شکل میں ان کے سامنے آجاتے ہیں - اس طرح ان کا ایمان، یقین میں بدل جاتا ہے (۲/۴) - یہ ہیں مستقبل پر یقین کے معنی - اسی

*تاج -

یقین سے انسان اس امر پر ایمان لے آتا ھے کہ مرنے کے بعد کی زندگی (آخرت) بھی ایک حقیقت ثابتہ ھے ۔

ھم نے ''ایمان'' اور ''یقین'' میں جو امتیازی خط کھینچا ھے وہ دونوں الفاظ کا الگ الگ مفہوم سمجھانے کے لئے ھے ۔ ورنہ ایمان ، خود یقین ھی کا نام ھے ۔ اور یقین ، ایمان کے بغیر حاصل نہیں ھو سکتا ۔ یہ دونوں مرادف المعنی بھی ھو جاتے ھیں ۔ یا آپ کہہ سکتے ھیں کہ ''یقین'' ''ایمان'' کے نتائج کو دیکھنے سے پیدا ھوتا ھے ۔

ی م م

اَلْیَمَّمُ ۔ قصد کرنا * ۔ اَلْیَمُّ ۔ دریا ۔ سمندر کو بھی کہتے ھیں* ۔ (۲۰/۳۹ ؛ ۲۸/۷ ؛ ۲۸/۴۰) ۔

اَلتَّیَمُّمُ ۔ کسی کام کا ارادہ کرنا ، قصد کرنا * ۔ (۲/۲۶۷ ؛ ۴/۴۳ ؛ ۵/۶) (دیکھئے عنوان م ۔ س ۔ ح)

ی م ن

اَلْیُمْنُ ۔ برکت ۔ اَلْمَیْمَنَۃُ ۔ برکت ۔ دائیں جانب ۔ اَلْیَمَنُ ۔ دائیں جانب ۔ اَلْیَمِیْنُ ۔ دایاں ھاتھ ۔ دائیں جانب ۔ (یَسَارٌ کی ضد ھے) ۔ نیز اس کے معنی قوت کے ھیں ** ۔ یَمِیْنٌ ۔ جمع اَیْمَانٌ ۔ قسم ۔ اس لئے کہ عرب قسم کھاتے وقت اپنا دایاں ھاتھ دوسرے کے دائیں ھاتھ پر مارتے تھے * ۔

سورہ کہف میں ھے ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ (۱۸/۱۷) ۔ یعنی دائیں بائیں ۔ سورہ قصص میں ھے مِنْ شَاطِیٔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ (۲۸/۳۰) ۔ اس کے معنی یہ بھی ھو سکتے ھیں کہ ''وادی کے دائیں کنارے سے'' اور یہ بھی کہ ''مبارک وادی کے کنارے سے'' ۔

قسم کے معنوں میں یہ لفظ (اَیْمَانُکُمْ) متعدد مقامات پر آیا ھے ۔ (مثلاً ۲/۲۲۴) ۔ نکاح کے لئے عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ کے الفاظ آئے ھیں (۴/۳۳) ۔ یعنی تمہارے عہد و پیمان بندھے اور مستحکم ھوئے ۔

برکت کے لئے اَصْحَابَ الْیَمِیْنِ (۵۶/۲۷) ۔ اور اَصْحَابُ الْمَیْمَنَۃِ (۵۶/۸) آیا ھے ۔ لیکن اس کے معنی ''دائیں جانب والے'' بھی ھو سکتے ھیں ۔

*تاج و محیط ۔ **ابن قتیبہ ۔ (القرطبی ج/۲ ۔ صفحہ ۱۸۰)

نیز اَلطُّوْرِ اَلْاَیْمَنِ (۱۹/۵۲) ۔ زور اور قوت کے معنوں میں سورہ صٰفّٰت میں ہے فَرَاغَ عَلَیْهِمْ ضَرْبًا بِالْیَمِیْنِ (۳۷/۹۳) ۔ (ابراھیمؑ) نے ان بتوں پر پوری قوت سے بھرپور وار کیا ۔ اسی سورۃ میں ذرا پہلے ہے قَالُوْا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ (۳۷/۲۸) ۔ وہ کہینگے تم ہمارے پاس بڑی قوت اور زبردست ذرائع کے ساتھ آیا کرتے تھے ۔ (اور اسطرح ہمیں حق کے راستے سے روک دیا کرتے تھے) ۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے ۔ مَامَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ۔ اس کے لفظی معنی ہیں "جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہو چکے" ۔ بعض مقامات پر اس کے معنی ہیں وہ لوگ جو کسی کے ماتحت کام کریں ۔ کسی کے تابع فرمان ہوں ۔ (مثلاً ۴/۳۶ میں) ۔ لیکن بعض مقامات پر اس کے معنی غلام اور لونڈیاں ہیں ۔ سورہ نور میں ہے وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ (۲۴/۳۳) ۔ تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو تم سے مکاتبت کریں ۔ یعنی ایک معاھدہ کے تحت آزادی کی تحریر مانگیں ۔

اسلام سے پہلے عرب میں غلاموں اور لونڈیوں کا عام رواج تھا ۔ غلام باھر کا کام کاج کیا کرتے تھے اور لونڈیوں کو وہ لوگ گھروں میں ڈال لیتے تھے ۔ یہ وہ معاشرہ تھا جس میں اسلام نمودار ہوا ۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے ہاں غلام اور لونڈیاں موجود تھے ۔ اسلام غلامی کو مٹانے کے لئے آیا تھا لیکن اگر وہ ان غلاموں اور لونڈیوں کو (جو اُسوقت موجود تھے) یک لخت آزاد کر دینے کا حکم دیتا تو اس سے معاشرہ کا توازن بگڑ جاتا ۔ یہ جوان لونڈیاں (اتنی بڑی تعداد میں) جب خاوندوں کے بغیر آزاد کر دی جاتیں تو وہ معاشرہ کے لئے سخت خرابیوں کا موجب بن جاتیں ۔ اسلام نے اس صورت حالات کو برقرار رھنے دیا اور آئندہ کے لئے غلامی کا دروازہ بند کر دیا ۔ لیکن جو غلام اور لونڈیاں اس وقت موجود تھیں ان کے متعلق ایسے احکام دئے کہ وہ رفتہ رفتہ آزاد ہو کر معاشرہ کا جزو بننے جائیں اور جب تک غلام رھیں ان سے انسانوں جیسا سلوک کیا جائے ۔ مَامَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ کے ماتحت لونڈی غلاموں کے متعلق قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ انہی لونڈی غلاموں کے متعلق ہے ۔ ان کے بعد لونڈی غلاموں کا سلسلہ ہی بند ہو جانا تھا اسلئے یہ احکام بھی نافذ العمل نہیں رھنے تھے ۔ البتہ اگر اس دور کے بعد کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے جس میں کوئی ایسی قوم مسلمان ہو جائے جن میں پہلے سے لونڈی غلام موجود ہوں تو ان غلاموں پر یہی احکام نافذ ہو جائینگے ۔

مَامَلَكَتْ اَیْمَانُکُمْ کی مندرجہ بالا تشریح کی روشنی میں قرآن کریم کے مختلف مقامات کو دیکھئے - بات صاف ہو جائے گی کہ یہ احکام اُسوقت کے لونڈی غلاموں کے متعلق ہیں - اور بس - مثلاً وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَیْمَانُھُمْ (۲۳:۵-۶) - وہ لوگ جو اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرتے ہیں اور صرف اپنی بیویوں کے پاس جاتے ہیں یا ان لونڈیوں کے پاس جن کے وہ مالک بن چکے ہیں (قرآن کریم میں ہر جگہ یہ لفظ ماضی کے صیغے میں آیا ہے) - مزید تفصیل کے لئے عنوان (م - ل - ک) دیکھئے -

ہماری بدبختی کہ مسلمان سلاطین نے غلاموں اور لونڈیوں کا دروازہ کھول لیا اور قرآن کریم کی انہی آیات (اور موضوع روایات) کو اپنے عمل کے جواز کے لئے بطور سند پیش کر دیا - قرآن کریم پر اس سے بڑا اتہام اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس سے غلامی کا جواز ثابت کیا جائے -

ی ن ع

یَنَعَ الثَّمَرُ - یَیْنَعُ - یَنْعاً - پھل کا پک کر بالکل تیار اور توڑنے کے قابل ہو جانا - اَلْیَنِیْعُ - پوری طرح پکا ہوا پھل - الیانِعُ - پختہ پھل - سرخ * - قرآن کریم میں ہے - وَیَنْعِہٖ (۶/۱۰۰) پھل کا پکنا - اس کا سرخ ہونا -

یہود

قوم بنی اسرائیل - تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "موسےٰ" اور عنوان (ھ - و - د)

یوسف علیہ السلام

حضرت ابراھیمؑ کے بیٹے حضرت اسحٰقؑ - آپ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ - قرآن کریم نے آپ کا تذکرہ جلیلہ ایک ہی سورۃ میں مسلسل بیان کیا ہے (اور کسی نبی کا تذکرہ اس طرح مسلسل بیان نہیں ہوا) - بچپن میں بھائیوں نے انہیں ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا (۱۲/۱۵) - جہاں سے اُنہیں ایک قافلے والے مصر لے گئے - وہاں آپ (مختلف مراحل طے کرنے کے بعد)، مملکت کے اقتدار و اختیار کے مالک ہو گئے (۱۲/۵۶؛۱۲/۱۰۰)

*تاج و محیط و راغب

اور اپنے والدین اور دیگر اہل خاندان کو بھی وہیں بلا لیا ۔ اس طرح بنی اسرائیل (یعنی حضرت یعقوبؑ کی اولاد) کنعان سے مصر کی طرف منتقل ہو گئی ۔

سورہ انعام میں حضرت یوسفؑ کا نام انبیاء کرام کے زمرہ میں آیا ہے ۔ .... دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ وَ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ .... (۶/۸۵) ۔ اور سورہ مؤمن میں ، دربار فرعون کا مردِ مؤمن اپنی تقریر میں حضرت یوسفؑ کا ذکر ایک رسول کی حیثیت سے کرتا ہے ۔ (۴۰/۳۴) ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنا پیغام جو بینات پر مشتمل تھا قوم مصر تک پہنچایا تھا ۔

(حضرت یوسفؑ کے کوائف حیات اور ان کے حسنِ سیرت کی داستانِ نور پاش ، میری کتاب ''جوئے نور'' میں ملیگی) ۔

ی و م

یَوْمٌ ۔ دن ۔ طلوع آفتاب یا طلوع فجر صادق سے غروب آفتاب تک کا وقت ۔ یہ لفظ عربوں کے ہاں مطلقاً وقت اور زمانہ کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ دن اور رات کی اس میں کوئی قید نہیں ہوتی ۔ صبح اور شام کی گردش بھی یَوْمٌ ہے (یعنی ایک دن) ۔ سال بھی ۔ ایک صدی بھی ۔ ہزار سال اور پچاس ہزار سال بھی ۔ وَقْتٌ اور سَاعَتٌ کی طرح یَوْمٌ کے بعد بھی اِذٍ بڑھا دیا جاتا ہے ۔ اور یَوْمَئِذٍ کے معنی تقریباً وہی ہوتے ہیں جو وَقْتَئِذٍ اور سَاعَتَئِذٍ کے ہوتے ہیں* ۔ گویا وَقْتٌ ۔ سَاعَةٌ اور یَوْمٌ ایک ہی مفہوم کو ادا کرتے ہیں ۔ یَوْمٌ کی جمع اَیَّامٌ ہے* ۔ ابن فارس نے یَوْمٌ کے معنے دن بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ استعارۃً یہ لفظ امر عظیم کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔

نیز اس کے معنی ہیں حکومت اور دولت اور زمانہ ولایت** ۔ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ (۳/۱۴۰) میں اَیَّامٌ کے معنی حکومت و سلطنت کے لئے گئے ہیں** ۔

اَیَّامٌ ۔ وقائع (یعنی تاریخ کے ناقابل فراموش واقعات یا معرکے) کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً اَیَّامُ الْعَرَبِ کے معنی وَقَائِعُ الْعَرَبِ ہیں** ۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات میں اَیَّامُ اللّٰہِ انہی معانی میں آیا ہے ۔ مثلاً وَذَکِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ (۱۴/۵) ۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے

*محیط ۔ **تاج ۔

معرکہ کے لئے آیا ہے ۔ یہ اَیّامُ اللہِ اس لئے وقوع پذیر ہوتے ہیں لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (۴۵/۱۴) ۔ تاکہ کسی قوم کو اس کے کئے کی سزا مل جائے ۔ اسی لئے بعض اہل لغت نے اَیّامٌ کے معنے عقوبتیں اور سزائیں بھی کئے ہیں* ۔

کائنات میں خدا کا قانون ارتقاء جاری و ساری ہے ۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ خدا اپنے امر (ابتدائی قانون مشیت ۔ دیکھئے عنوان ش ۔ ی ۔ أ) کے مطابق جب کسی اسکیم کو بروئے کار لانے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اس کا مکمل پلان اپنے عالم امر (السماء) میں مرتب کرتا ہے ۔ پھر اس پلان کو عملاً متشکل کرنے کے لئے اس کی ابتداء پست ترین نقطہ سے کرتا ہے ۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۔ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ۔ پھر وہ اسکیم اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اوپر کو اٹھتی ہے ۔ یہ منازل ایک ایک یَوْمٌ میں طے ہوتے ہیں جو انسانی حساب و شمار کے مطابق ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے ۔ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۳۲/۵) ظاہر ہے کہ یہاں "یوم" سے مراد دور یا مدت یا زمانہ یا تدریجی مرحلہ ہے ۔ یہی دور بعض اوقات پچاس پچاس ہزار سال کا بھی ہوتا ہے (۷۰/۴) ۔ علمائے طبقات الارض یا محققین نظریہ ارتقاء اس کی شہادت دینگے کہ یہ تدریجی مراحل کتنے کتنے طویل المیعاد ہوتے ہیں ۔

لہذا قرآن کریم میں جہاں یَوْمٌ کا لفظ آئے گا تو ہر جگہ اس کے معنے اس "دن" کے نہیں ہوں گے جو چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے ۔ اس کے معنی وقت (Time) یا دور (Period) یا زمانہ (Age) یا کسی خاص مدت یا حالت (Stage) کے ہوں گے ۔ مثلاً مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ (۱/۳) کے معنے ہونگے وہ دور جس میں تمام مخالف قوتیں شکست کھا جائیں اور غلبہ و اقتدار صرف قانون خداوندی کا رہ جائے ۔ یا وہ دور جس میں انسانی اعمال کے نتائج عدل و انصاف کی رو سے مرتب ہوں ۔ یا ظہور نتائج کا وقت ۔ وَ الْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (۸۲/۱۹) ۔ جس دور میں حکومت صرف خدا کے قانون کی ہوگی ۔ (مزید تصریح د ۔ ی ۔ ن کے عنوان میں دیکھئے) ۔

یونس علیہ السلام

حضرت یونسؑ انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں ۔ ان کا عبرانی نام یوناہ تھا جو عربی میں آ کر یونس ہو گیا ۔ تورات میں ان کا نوشتہ "کتاب یوناہ"

*تاج ۔

کے نام سے موجود ہے ۔ ان کا زمانہ اندازاً ۷۰۰ ق ۔ م کا قیاس کیا جاتا ہے ۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۔ ۔ ۔ ۔ (۳۷/۱۳۹) ۔

تورات (صحیفۂ یوناہ) میں آپ کے متعلق تفصیلی تذکرہ آیا ہے ۔ لیکن (تورات کے عام انداز کے مطابق) اس میں بہت کچھ ایسا بھی ہے جو خدا کے کسی رسول کے شایانِ شان نہیں ہو سکتا ۔ قرآن کریم نے اتنا ہی بتایا ہے کہ آپ اپنی قوم سے خشمناک ہو کر کسی دوسری طرف جانے کے ارادہ سے نکلے ۔ راستہ میں کشتی میں سوار ہو گئے ۔ کشتی طوفان میں پھنس گئی ۔ ملاحوں نے (غالباً) فیصلہ کیا کہ کچھ سواریوں کو دریا میں پھینک دیا جائے تاکہ کشتی کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور باقی مسافر محفوظ رہجائیں ۔ آپ کو بھی حوالۂ دریا کر دیا گیا جہاں آپ کو ایک بڑی مچھلی نے دبوچ لیا ۔ لیکن آپ صحیح و سلامت کنارے تک آپہنچے ۔ دیکھئے (۲۱/۸۷-۸۸ ؛ ۳۷/۱۳۹-۱۴۶) ۔

حضرات انبیاء کرام کا یہ عام طریق رہا ہے کہ جب وہ دیکھیں کہ ان کا اپنا وطن ان کے نظام کے لئے سازگار نہیں تو وہ وہاں سے ہجرت کر کے اس علاقے کیطرف چلے جاتے تھے جہاں کی فضا ان کے مشن کے لئے مساعد ہوتی تھی ۔ لیکن یہ ہجرت خدا کے مقرر کردہ پروگرام کے مطابق ہوتی تھی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس نے اپنی قوم سے ، اپنے اجتہاد کے مطابق ، ہجرت کر لی اور ان کا یہ فیصلہ خدا کے پروگرام کے مطابق نہیں تھا ۔ قبل از وقت تھا ۔ اس لئے وہ بعد میں اس پر نادم ہوئے (۳۷/۱۴۴) ۔ نبی اکرم سے کہا گیا کہ آپ نے صاحب حوت کی طرح نہ ہو جانا (۶۸/۴۸) [نیز دیکھئے عنوان ا ۔ ب ۔ ق]

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ جس بستی (نینوا) کیطرف آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اسکی آبادی ایک لاکھ سے بھی اوپر تھی ۔ (یعنی اس زمانہ کے اعتبار سے وہ بہت بڑا شہر تھا) (۳۷/۱۴۷) ۔ انہوں نے آپ کی دعوت سے انکار کیا لیکن قبل اس کے کہ ان پر عذاب آ جاتا ، وہ ایمان لے آئے اور اس طرح انہیں مہلت مل گئی (۳۷/۱۴۸) ۔ اہل نینوا اس وقت تو تباہی سے بچگئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد (قریب ۶۹۰ ق ۔ م میں) انہوں نے پھر وہی شیوہ اختیار کر لیا ۔ بنی اسرائیل کے ایک اور نبی نے (جن کا ذکر قرآن کریم نے نہیں کیا لیکن یہود کی روایات میں ان کا پتہ ملتا ہے) انہیں خدا کے عذاب سے متنبہ کیا ۔ وہ باز نہ آئے تو ایک طرف سے اہل بابل نے ان پر حملہ کیا اور دوسری طرف سے دریا میں سخت سیلاب آیا ۔ اور اس طرح نینوا کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا ۔

قرآن کریم نے آپ کو ذَا النُّوْنِ (۲۱/۸۷) اور صَاحِبِ الْحُوْتِ (۶۸/۴۸) کہکر بھی پکارا ہے ۔

للہ الحمد

کہ

لغات القرآن کی چوتھی (اور آخری) جلد بھی مکمل ہو گئی۔ اس کے بعد اس کا تتمہ آپ کے سامنے آئیگا جس میں، پوری لغات پر نظر ثانی کے بعد، ضروری اضافے اور ترمیمات کی گئی ہیں۔

اللہ کا شکر ہے

کہ

اس لغات کی تکمیل سے میری عمر بھر کی محنت محفوظ ہو گئی۔ اب "مفہوم القرآن" کی طباعت کا سلسلہ شروع ہوگا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ لغات القرآن اور مفہوم القرآن کی موجودگی میں، قرآن کریم کے سمجھنے میں کوئی دقت باقی نہیں رہیگی۔

یہ بہرحال

ایک انسانی کوشش ہے جس میں سہو اور خطا کا ہر وقت امکان ہوتا ہے۔ میںنے قرآن فہمی کے سلسلہ میں یہ ایک نئی طرح ڈالی ہے۔ دیگر ارباب ذوق اور علم دوست حضرات، مزید غور و تدبر سے، اسے بہتر بنا سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں غور و فکر کا سلسلہ تو کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس باب میں کسی انسان کا قول بھی حرف آخر نہیں کہلا سکتا۔ والسلام۔

پرویز


نعمة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تتمہ

ہم نے لغات القرآن، جلد اول (صفحہ ۳۴) پر لکھا تھا کہ اگر لغات کی طباعت کے دوران، مزید غور و فکر سے بعض اہم نکات سامنے آئے، یا قارئین کی طرف سے مفید مشورے، تجاویز یا وضاحت طلب امور موصول ہوئے، تو آخری جلد کے ساتھ ایک تتمہ شائع کر دیا جائیگا۔ یہ تتمہ اسی مقصد کے پیش نظر شائع کیا جا رہا ہے۔ اس میں بیشتر اضافے یا ترمیمات جلد اول سے متعلق ہیں۔

جہانتک طباعت کی غلطیوں کا تعلق ہے، ان میں سے صرف انہی اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے جن سے مفہوم پر اثر پڑتا تھا۔ دیگر معمولی غلطیوں، یا آیات میں بعض مقامات پر اعراب کی غلطیوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جب اردو کے ٹائپ میں عربی عبارت چھاپی جائے تو اس میں اعراب کی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ آیات کا قرآن کریم کے نسخے سے مقابلہ کر لینا چاہئے۔ یہ ضروری ہے۔

ان اضافوں یا تبدیلیوں کے بعد بھی یہ دعوےٰ نہیں کیا جاسکتا کہ جو کچھ اس لغات میں لکھا گیا ہے وہ حرف آخر ہے۔ یہ بہرحال ایک انسانی کوشش ہے جس میں اصلاح کی گنجائش ہر وقت رہتی ہے۔

مبادیات

صفحہ ۵۱۔ سطر ۹۔ "جو اسم بنتے ہیں" میں "اسم" کی جگہ "فعل" ہونا چاہئے۔

تمہید

ہم نے صفحہ ۳۷۔ نمبر (۳) کے تحت لکھا ہے کہ مادوں میں جہاں "و" یا "ی" آئے وہاں مادہ کا تعین کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب مادہ کا آخری حرف "و" یا "ی" ہو تو اس

مادہ میں بیشتر ''و'' یا ''ی'' دونوں ہی شکلیں جائز ہوتی ہیں۔ ایسے مادوں کو جن کے آخر میں ہم نے ''و،، دیا ہے ،''ی،، میں بھی دیکھ لینا چاہئے۔ بعض جگہ ہم نے فہرست میں مادہ بتاتے ہوئے آخری حرف ''و،، لکھ دیا ہے لیکن لغت میں آخر میں ''و،، کی بجائے ''ی،، ہے۔ مثلاً اَسْیٰ ، تَاَسّٰی تاسوا۔ اسوۃ۔ میں ہم نے مادہ بتاتے وقت ''ا س و،، لکھا ہے اور لغت میں ان کی تشریح ''ا۔ س۔ ی،، کے عنوان کے تحت دی گئی ہے۔ لہذا جہاں سادہ کے آخر میں ''و،، ہو اور وہ ''و،، میں نہ ملے تو اس کے ساتھ ''ی،، میں بھی دیکھ لیجئے۔ اسی طرح جہاں مادہ کا آخری حرف ''ی،، ہو اور وہ ''ی،، میں نہ ملے تو اسے ''و،، میں بھی دیکھ لیجئے۔

بعض الفاظ جو قرآن کریم میں نہیں ملتے اور فہرست میں آ گئے ہیں :—

لفظ	مادہ
بائع	ب ی ع
بدعۃ	ب د ع
ذہ	ذ ا
کفا	ک ف ف
محاسبۃ	ح س ب

(۴) ایک اہم بات حروف تہجی کی ترتیب کے ضمن میں ہے۔ عربی زبان میں (ن ۔ و ۔ ہ) بھی ترتیب واؤ لکھتے ہیں اور (ن ۔ ہ ۔ و) بھی۔ ہم نے "فہرست الفاظ قرآنی" میں (ن ۔ و ۔ ہ) کی ترتیب کو ملحوظ رکھا لیکن اصل لغات میں سہواً یہ ترتیب (ن ۔ ہ ۔ و) کی ہو گئی۔ یہی ترتیب شروع سے اخیر تک چلی جاتی ہے۔ اس لئے آپ کو لغات میں (ن) کے بعد (ہ) ملیگی اور اس کے بعد (و)۔ مادے تلاش کرتے وقت اس ترتیب کو ذہن میں رکھئے۔ واضح رہے کہ مادوں میں تو "ت" کے بعد "ؤ" کی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے لیکن خود حرف "تو" لغت میں "ت" سے پہلے ملے گا۔ ملاحظہ ہو صفحہ (۱۶۸۰) اور (۱۷۴۷)۔

اب اصل لغات کی طرف آئیے۔

أ

صفحہ ۱۹۰

نمبر (۵) میں اَلَمْ تَرَ برائے تعجب بتایا گیا ہے، لیکن اس قسم کا مرکب عموماً دعوت غور و فکر دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح "اَفَلَا" اور "اَوَلَا"، اَفَلَمْ اور اَوَلَمْ وغیرہ بھی۔

ا ب د

صفحہ ۱۹۲

دوسرے پیریگراف کے آخری حصہ سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ جہنم کی بالآخر کوئی حد زمانی ہے، اس کے بعد جہنم ختم ہو جائیگا اور جہنمی اس سے نکل کر کہیں اور چلے جائینگے۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات میں یہ تصریح موجود ہے کہ جہنم سے نکل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ ابدیت اس قسم کی ابدیت نہیں جس قسم کی ابدیت خدا کے لئے مخصوص ہے۔ اسکی تشریح اگلا پیرا کر رہا ہے۔

ابراھیم

صفحہ ۱۹۳

اُمَّةً قَانِتاً۔

"ا م م"۔ (صفحہ ۲۶۱) میں اُمَّةً کے معنے امام بھی دئے ہوئے ہیں۔ نیز اسکے معنے وہ شخص بھی ہیں جو ہر قسم کے خیر کا منبع و سرچشمہ ہو۔

''امام،، کی تائید قرآن کریم میں دوسری جگہ اِنّی جَاعِلُکَ لِلنّاسِ اِمَاماً (۲/۱۲۴) سے کر دی ہے۔ اس لئے، جیسا کہ عنوان (ا - م - م) میں لکھا گیا ہے، آیت (۱۶/۱۲۰) میں اُمّۃً کے معنی امام اور مقتدا بھی کئے جاسکتے ہیں۔

ا ب ی

صفحہ ۱۹۶

(۱) اس مادہ میں چوتھی سطر کے آخر میں جہاں الاِبَاءُ والاُبَاءُ لکھا گیا ہے وہاں سے الاُبَاءُ حذف کر دیا جائے۔

(۲) نیچے سے چوتھی سطر میں یَاْبٰی کی جگہ یَاْبَی ہونا چاہئے۔

ا ج ج

صفحہ ۲۰۲

سَمِعْتُ اَجِیْجَ النَّوْمِ میں نے لوگوں کی مخلوط حرکتوں اور آوازوں کا شور سا سنا۔

صفحہ ۲۰۴

شعر سے اوپر کے پیریگراف میں کہا گیا ہے کہ جب کسی مردہ قوم پر دوسری مہذب اور ترقی یافتہ قوم استیلاء کر لیتی ہے تو اس سے کچھ عرصہ کے بعد اس مردہ قوم کو زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ خدا خود یہ چاہتا ہے کہ طاقتور قومیں، کمزور قوموں کو اپنا غلام بنائیں تاکہ کمزور قوموں کو ازسرنو زندگی مل جائے۔ قرآن کریم کی تعلیم تو یہ ہے کہ طاقتور قوموں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ کمزور قوموں کی کمزوریوں کو رفع کرکے انہیں انسانیت کی صف میں کھڑے ہونے کے قابل بنا دیں۔ اس نے کہا یہ ہے کہ اگر طاقتور قومیں ایسا نہ کریں تو کمزور قومیں خود ایک دن اٹھ کر ان کی غلامی کے جوئے کو کلے سے اتار پھینکینگی۔

ا ج ر

صفحہ ۲۰۵

دوسرا پیرا۔ یہ مفہوم لین نے قاموس کے حوالے سے دیا ہے۔

ا ج ل

صفحہ ۲۰۶

اَجَلٌ مدتِ معینہ کو بھی کہتے ہیں اور اس آخری حد کو بھی جہاں وہ مدت ختم ہو جاتی ہے۔

ا ح د

صفحہ ۲۰۷

پانچویں سطر میں آحَدٌ الاَ حُدَیْن لکھا ہے۔ صحیح ”آحَدٌ اُلاَحَدَیْنِ“ ہے۔

ا خ ذ

صفحہ ۲۰۸

دوسری سطر۔ مَاْخَذٌ کی بجائے مَاْخَذٌ ہونا چاہئے۔

ا د م

صفحہ ۲۱۴

اخیر میں لکھئے۔ ہو سکتا ہے کہ انسانی زندگی کے جس تمدنی دور سے قرآن کریم نے اس تمثیلی داستان کا آغاز کیا ہے، اس میں کوئی عظیم شخصیت ”آدم“ کے نام کی ہو اور اس دور کو اسی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔ یا اس دور کی نسبت سے اس شخصیت کو اس نام سے پکارا گیا ہو۔ ہم نے انہیں بالیقین ”نبی“ اس لئے نہیں لکھا کہ قرآن کریم نے زمرہ انبیاء میں ان کا ذکر بصراحت نہیں کیا۔

۲۔ قرآن کریم میں ”قصہ آدم“ بیان کرنے سے ایک مقصد تو یہ تھا کہ انسان کو بتایا جائے کہ اگر اس نے وحی کا دامن چھوڑا تو اس کی حالت کیا ہوگی اور اس حالت سے نکل کر پھر سے جنتی زندگی حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے وحی سے تمسک۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اس قصہ سے ان باطل عقائد کی بھی تردید کر دی جسے (بالخصوص) عیسائیت نے پھیلا رکھا تھا۔ یعنی یہ کہ ہر بچہ پیدائشی طور پر گنہگار ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے اولین ماں باپ (آدم و حوا) کے گناہ کا بوجھ ساتھ لاتا ہے، اور یہ گناہ حضرت عیسٰےؑ کے کفارہ پر ایمان لائے بغیر دھل ہی نہیں سکتے۔ یا یہ کہ مرد کو پھسلانے کا باعث عورت ہوتی ہے اس لئے عورت تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ یا یہ کہ (جیسا کہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے) فطرت کی قوتیں دیوی دیوتا ہیں، انسان کو انہیں معبود بنانا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم نے اس داستان سے ان تمام باطل عقائد و تصورات کی تردید کر دی۔

ا ر ب

صفحہ ۲۲۱

چوتھی سطر۔ اَلتّٰابِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ کے معنے لکھے گئے ہیں ”جنہیں نکاح کی ضرورت نہ ہو“۔ ان میں ایسے ملازم

(یا دیگر پست درجہ کے کام کاج کرنے والے) بھی شامل ہو سکتے ہیں جو زیادہ عقل و فکر کے مالک نہ ہوں اور کھانے پینے سے زیادہ کسی اور طرف ان کا دھیان ہی نہ جاسکے ۔ یا وہ کسی طرح وجہہٗ کشش ہی نہ بن سکیں ۔ قرآن کریم کی یہ اصطلاح بڑی جامع ہے ۔

ا ر ض

صفحہ ۲۲۱

تیسرا پیرہ ۔ پہلی سطر ۔ اس میں اِراضَۃٌ کی جگہ اَرَاضَۃٌ ہونا چاہئے ۔

ا ر ک

صفحہ ۲۲۴

الاُرَاک ۔ یہ چارہ ترش نہیں بلکہ نمکین اور تلخ سا ہوتا ہے ۔ اونٹ اسے پیٹ بھر جانے پر کھاتے ہیں تاکہ اس سے کھانا ہضم ہو جائے ۔

اَرِیْکَۃٌ کے ضمن میں راغب نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اَرَکَ بالمکانِ سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنے کسی جگہ اقامت کرنا ہیں ۔ اس لحاظ سے اَرِیْکَۃٌ مسہری کو اس لئے کہا جائے گا کہ اس پر ٹھہرا اور رہا جاتا ہے ۔ گویا وہ قیام گاہ ہوگی ۔

ا ز ر

صفحہ ۲۲۴

پہلی سطر ۔ الاَزْرٌ کے پہلے معنے ''کمر،، کاٹ دئے جائیں ۔

تیسری سطر ۔ الاِزَارٌ کے معنے لکھے ہیں ہر وہ چیز جو ستر کا کام دے ۔ اس کی بجائے یہ کہئے کہ ہر وہ چیز جو تمہارے بدن کے لئے ستر کا کام دے ۔

ا ز ف

صفحہ ۲۲۵

دوسری سطر میں بجائے اَلتَّلَازُّفُ کے اَلتَّلَازُفُ ہے ۔ اس کے معنی قریب کے ہیں ۔

ا س ف

صفحہ ۲۲۸

چھٹی سطر ۔ ''حزن دل'' کی بجائے ''خونِ دل،، ۔

ا س ن

صفحہ ۲۲۹

پہلی سطر میں اٰلاٰسِنٌ کے بجائے اَلْاٰسِنٌ ہونا چاہئے ۔

صفحہ ۲۲۹

ا س ی

اس میں مادہ (ا ۔ س ۔ و) بھی شامل ہے ۔

صفحہ ۲۳۳

ا ص ر

یہ اضافہ کر لیجئے ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلاِصْرُ سے مراد وہ امور ہیں جو بھلائیوں اور نیکیوں کی راہ میں مانع اور حائل ہوتے ہیں اور ان تک پہنچنے نہیں دیتے ۔

صفحہ ۲۳۶

ا ف ک

(۱) اَلْمُؤْتَفِکَاتُ ۔ اَفَکَ کے معنے جھوٹ بولنے کے ہیں ۔ نیز کسی کو اس کی صحیح راہ سے پھیر دینا بھی ۔ اس لحاظ سے اِئْتَفَکَ میں صحیح راہ سے ہٹ جانے اور جھوٹ گھڑ لینے کا مفہوم آسکتا ہے ۔ اَلْمُؤْتَفِکَاتُ ان ہواؤں کو بھی کہتے ہیں جو اپنے صحیح رخ سے ہٹی ہوئی چلتی ہیں ۔ لہذا اَلْمُؤْتَفِکَاتُ کے معنے ہوسکتے ہیں وہ بستیاں جو اپنی صحیح روش پر قائم نہ رہیں اور غلط اعمال کرتی رہیں ۔ یا جھوٹ گھڑتی رہیں ۔ اگرچہ قرآن مجید کا طرز بیان یہی بتا رہا ہے کہ وہ خاص بستیاں تھیں جنہیں الٹ دیا گیا تھا ۔

(۲) جھوٹ گھڑنے کے معنوں میں سورۃ احقاف میں ہے فَسَیَقُوْلُوْنَ ھٰذَا اِفْکٌ قَدِیْمٌ (۴۶/۱۱) ۔ یہ کہینگے کہ یہ تو وہی جھوٹ ہے جو ابتدائی ایام (قدیم) سے گھڑا جاتا رہا ہے ۔ اسی کو دوسری جگہ قرآن کریم نے سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (۵۴/۲) سے تعبیر کیا ہے ۔ یعنی وہ جھوٹ جو شروع سے چلا آرہا ہے ۔

(۳) سورۃ نور میں قرآن کریم نے مومنین کو نصیحت اور تاکید کی ہے کہ وہ جھوٹے الزامات نہ وضع کیا کریں اور معاشرہ میں اس قسم کی باتوں کو نہ پھیلایا کریں (دیکھئے ۲۴/۴ و ۲۴/۱۸) ۔ اس ضمن میں اس نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں ایک گروہ نے کسی پر جھوٹا الزام لگایا تھا ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ (۲۴/۱۱) ۔ ''جو لوگ اس جھوٹ کو افترا کرکے لائے ہیں وہ تمہیں میں سے ایک گروہ ہے'' ۔ اس سارے واقعہ میں قرآن کریم نے کہیں نہیں بتایا کہ وہ کون تھا جس کے خلاف یہ الزام لگایا گیا تھا ۔ اس نے کہا صرف یہ ہے کہ جب یہ خبر جماعت مومنین تک

پہنچی ہے تو ان کا پہلا ردِ عمل یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ حسن ظن سے کام لیتے اور کہہ دیتے کہ هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ (۲۴/۱۲) ۔ اور هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (۲۴/۱۶) ۔ یہ وہی بات ہے جس کی دوسری جگہ یہ کہکر وضاحت کی گئی ہے کہ جب کوئی فاسق کوئی بات تم تک پہنچائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو (۴۹/۶) ۔ قرآن کریم نے صرف اتنا کہا ہے لیکن ہماری تاریخ (روایات) میں اس واقعہ کو (معاذ اللہ) حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کرکے اس پر افسانہ طرازی کی ایک عمارت قائم کر دی گئی ہے ۔ حتکہ اس میں یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ خود نبی اکرمؐ بھی اس باب میں سخت متردد تھے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ کو ان کے میکے بھیج دیا تھا جہاں ان کی حالت غیر ہو گئی ۔ حتکہ خدا نے بذریعہ وحی ان کی براءت کی ۔ تب حضور اکرمؐ انہیں گھر لائے ۔

صاف نظر آتا ہے کہ یہ ایک گھڑا ہوا قصہ ہے جسے خاص مقصد کے ماتحت وضع کیا گیا ہے ۔ لیکن ہم ہیں کہ اسے مستند واقعہ کی حیثیت سے لئے چلے آ رہے ہیں ، اور جب مخالفین اسلام اس پر اعتراض کرتے ہیں تو ہم طیش میں آ جاتے ہیں ۔ حالانکہ ہمیں اس کے جواب میں وہی کہہ دینا چاہئے جو قرآن کریم نے کہا ہے کہ هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ (۲۴/۱۲) ۔ یعنی یہ واقعہ جسے حضرت عائشہؓ اور نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ، افک مبین اور بہتان عظیم (۲۴/۱۶) ہے ۔

ا ک ل

صفحہ ۲۳۸

دوسرا پیرا ۔ راغب نے لکھا ہے کہ اکل مال سے مراد انفاق مال ہے ، اس لئے کہ مال کا بیشتر مصرف کھانے پینے اور معاشی ضروریات سے متعلق ہوتا ہے ۔

آخری پیرا ۔ یوں چاہئے ۔ " ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی . . . .

ا ل ک

صفحہ ۲۴۲

پہلی سطر ۔ اَلْمَاْ لُكُمْ کی بجائے اَلْمَاْ لَكُمْ ہے ۔

دوسرے پیرے میں تاج کا ** حوالہ دیا گیا ہے ۔ تاج میں یہ مادہ (م ل ک) کے تحت آیا ہے ۔

اَلَّا (حرف)

صفحہ ۲۴۶

پہلی سطر ۔ " اَلَّا تَعْلُوْا " یوں ہونا چاہئے ۔

ا ل و (ا ل ی)

صفحہ ۲۵۲

دوسرے پیرے کے آخر میں بڑھائیے۔

آ َلا ءٌ پر بحث کرتے ہوئے علامہ حمید الدین فراہیؒ اپنی تالیف مفردات القرآن صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں :—

اگرچہ آ َلا ءٌ کے معنے بالاتفاق نعمتیں ہی بتائے جاتے ہیں لیکن قرآن مجید اور اشعار عرب میں اس لفظ کا استعمال بتا رہا ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں ۔ بظاہر اس کے معنے ”عجیب کاریگریاں“ معلوم ہوتے ہیں جن کے لئے فارسی کا لفظ ”کرشمہ“ استعمال ہو سکتا ہے . . . “۔

انہوں نے جوہری کے حوالہ سے آ لا ء کے معنے خصال جمیلہ ، اچھی صفات ، خوبیاں بھی لکھے ہیں ، اس ضمن میں انہوں نے متعدد عربی اشعار بھی پیش کئے ہیں ۔

اِلٰی (حرف)

صفحہ ۲۵۳

نمبر (۴) میں وَ اٰلا ءَ مُرُّ اِلَیْکَ کی بجائے اِلَیْکِ ہے (۲۷/۳۳)

ا م ت

صفحہ ۲۵۵

سطر چھٹی ۔ ”بمقابلہ قاعاً صَفْصَفاً“ کے معنی یہ ہیں کہ آمْتًا اس کی ضد ہے ۔

ا م ر

صفحہ ۲۵۶

دوسرے پیرے کے آخر میں لکھئے ۔

لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قوموں کی ہلاکت کے لئے خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ آرام پرست ، کثرت کی طالب ، تعیش پسند اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی مالک ہو جاتی ہیں ۔ ان میں آسودہ حالوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے جو معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کر دیتے ہیں اور اس سے قوم تباہ ہو جاتی ہے ۔

ا م س

صفحہ ۲۶۰

چوتھی سطر میں آمْسٌ کی جگہ اٰلا ءَ مْسِ چاہئے ۔

صفحہ ۲۶۰

ا م ل

چھٹی سطر شروع میں ”ہے“ کے بعد دو نشان ** رہ گئے ہیں، یعنی یہ عبارت تاج میں ہے۔

صفحہ ۲۶۱

ا م م

اُمَّۃٌ۔ فُعْلَۃٌ یا فُعَلَۃٌ دونوں وزنوں پر مبالغہ کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے۔ فُعْلَۃٌ کے وزن پر اس کے معنے ہونگے جسکا بہت قصد کیا جائے۔ اس مفہوم سے اس کا مطلب امام ہو سکتا ہے۔ اور فُعَلَۃٌ کے لحاظ سے اسکے معنے ہونگے جو بکثرت کسی کا قصد کرے۔ اس اعتبار سے آیت (۱۶/۱۲۰) میں اُمَّۃٌ سے مراد ہوگا خدا کی طرف بار بار قصد کرنے والا۔
اُمَّۃٌ (۱۶/۱۲۰) کے لئے ابراھیم کے عنوان کے تحت بھی لکھا جا چکا ہے۔

صفحہ ۲۶۵

ا م ن

شروع پہرا۔ ”جب آمَنَّ کا صلہ لام ہو“ میں بجائے آمَنَّ کے آمَنَ چاہئے۔

صفحہ ۲۶۸

امّا

دوسری سطر۔ ”خواہ وہ انہیں عذاب دے“ ہونا چاہئے۔

صفحہ ۲۶۹

ا م و

دوسری سطر۔ عَبَّدَ کی بجائے عَبَدَ چاہئے۔

اِنْ

صفحہ ۲۷۰ شق (۳)۔ حوالہ آیت (۹۶/۹) کی جگہ (۸۴) ہونا چاہئے۔

صفحہ ۲۷۵

ا ن س

تیسرا پہرا۔ انسان اور بشر کے فرق کے لئے دیکھئے عنوان ”ب ش ر“۔

صفحہ ۲۸۰

ا ھ ل

پہلی سطر۔ صاحب محیط نے اس لفظ کے متعدد معنے درج کئے ہیں۔ پھر ابوحنیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک اس سے بالخصوص بیوی مراد ہوتی ہے۔

ا و ب

صفحہ ۲۸۲

اس میں (**) دو نشان سے راغب کا حوالہ مراد ہے، محیط زائد ہے۔ راغب نے اختیار کا لفظ نہیں لکھا۔ صرف ارادہ لکھا ہے۔ لہذا ''اختیار،، کاٹ دیا جائے۔

صفحہ ۲۸۳ اس عنوان کے اخیر پر لکھئے۔

اگر اس آیت میں ''جبال،، کے حقیقی معنی (پہاڑ) لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت داؤدؑ پہاڑوں سے وہ کام لیتے تھے جن کے لئے فطرت نے انہیں بنایا ہے۔ حفاظت کا کام، جنگلات اگانے اور لکڑی حاصل کرنے کا کام، معدنیات نکالنے اور پتھروں کو مختلف مصارف میں لانے کا کام۔ وغیرہ وغیرہ، یہ تھی پہاڑوں کی طرف سے قانون خداوندی کے مطابق اطاعت۔

ب (حرف)

صفحہ ۲۹۲

نمبر (۴) آیت اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ میں ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ چاہئے۔

ب أ س

صفحہ ۲۹۳

پہلی سطر شروع بِئْسَ (بڑا) کی بجائے ''بُرا'' ہونا چاہئے۔

ب خ ل

صفحہ ۳۰۰

دوسری سطر راغب کی عبارت کا پورا ترجمہ یوں ہے ''بخل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان اپنی جمع جوڑ کے ساتھ بخل کرے۔ یعنی انہیں خرچ کی ضرورت پر روکے رکھے۔ اور دوسری قسم یہ کہ انسان دوسرے کی جمع جوڑ کو ضرورت پر خرچ ہوتے دیکھ نہ سکے۔ اور یہ زیادہ قابل مذمت ہے''۔ پھر اس نے موخر الذکر بخل کے لئے آیت (۴/۳۷) کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔

ب د ل

صفحہ ۳۰۳

آخری پیرے کی آخری سے اوپر کی سطر میں آیت (۴/۲۰) میں اِسْتِبْدَالَ زَوْجٍ میں الف زائد ہے۔ یہ اِسْتِبْدَالَ زَوْجٍ ہے۔

ب د و

صفحہ ۳۰۵

دوسرا پیرا ۔ بَادِیَ الرَّأْیِ (۱۱/۲۷) کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے تیرا اتباع کیا ہے وہ کسی غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر نہیں پہنچے بلکہ یونہی ایک بات سنی اور اسکے پیچھے لگ گئے ۔

ب ر د

صفحہ ۳۱۰

دوسرے پیرا کی دوسری سطر۔ آیت کا حوالہ (۲۱/۶۶) کی بجائے (۲۱/۶۹) ہے۔

ب ر ک

صفحہ ۳۱۶

صفحہ کے آخر کی چار سطروں کی جگہ (آیت کے بعد) یہ لکھئے ۔

تَبَارَکَ ۔ بابرکت اور ہر قسم کے خیر و برکت کا سرچشمہ ہونا ۔ تَبَارَکَ الَّذِیْ . . . سے مراد ہے وہ ذات جس میں خیرو برکت اپنی پوری کثرت کے ساتھ انتہا تک پہنچ چکی ہو ۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اصل سرچشمہ خیر و برکت جہاں تمام خوبیاں اپنی کامل شکل میں موجود ہیں اور ان میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی ، ذاتِ خداوندی ہے ۔ اور ربوبیت عالمینی اسی سرچشمۂ خیر و برکت سے ہوتی ہے ۔ جو قوم اللہ کی صفات کو اپنے اندر منعکس کرے ، اسے بھی (علٰی حد بشریت) سرچشمہ خیر و برکت اور عالمگیر انسانیت کے لئے سامان نشو و نما مہیا کرنے کا ذمہ دار ہونا چاہئے ۔

ب س ل

صفحہ ۳۲۱

چوتھی سطر کے آخر میں بڑھائیے ۔

راغب کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے ۔ ”روکنے کے مفہوم کے پیش نظر البَسْلُ اس کو کہینگے جسے محروم کر دیا گیا ہو۔ نیز اس چیز کو جسے کسی کے پاس گرو رکھ دیا ہو“ ۔

راغب نے اس مادہ میں بَسْلٌ اور حرام کا فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ حرام عام ہے اور بَسْلٌ اس روکنے اور منع کرنے کو کہینگے جس میں قہر پایا جائے ۔

ب ش ر

صفحہ ۳۲۳

پہلا پیرا شروع ۔ ”بِشَارَۃٌ“ سے لیکر ”خبر دینا“ تک کی عبارت کا حوالہ اقرب الموارد ہے ۔

سطر ۱۱ - بَشَارَۃ کی بجائے بِشَارَۃ چاھئے -

عنوان کے آخر پر لکھئے -

قرآن کریم میں بَشِیْرٌ و نَذِیْرٌ حضرات انبیاء کرامؑ کے لئے آیا ھے (۵/۱۹) - بَشِیْرٌ کے معنی ھیں وہ جو لوگوں کو ایمان اور اعمال صالح کے خوشگوار نتائج کی خوشخبری دے - اور نَذِیْرٌ وہ جو انہیں غلط روش زندگی کے تباہ کن عواقب سے آگاہ کرے - دوسری جگہ نَذِیْراً کے ساتھ مُبَشِّیْراً بھی آیا ھے (۱۵/۱۰۵) - اس کے معنی بھی خوش خبری دینے والا ھیں -

ب ص ر

صفحہ ۳۲۳ -

سطر ۳ - بَصِیْرَۃٌ - خون کا نشان یا ٹیکا جس کے ذریعے شکار کی نشاندھی ھوتی ھو -

سطر ۴ - بَصْرَۃٌ - سخت زمین نیزخستہ سفید پتھر کو کہتے ھیں (تاج) راغب نے چمکدار کا اضافہ کیا ھے -

صفحہ ۳۲۴ - سطر ۱۱ - پہلا لفظ ''میں،، کاٹ دیجئے -

(۲) عنوان کے آخر میں حسب ذیل اضافہ کیجئے -

اِسْتَبْصَرَ الشَّیْءَ - کسی چیز کو بغور دیکھا (تاج و محیط) راغب نے لکھا ھے کہ اِسْتَبْصَرَ کے معنے ھیں بصیرت طلب کرنا - نیز یہ بمعنی اَبْصَرَ بھی ھوتا ھے - یعنی دیکھنا - قرآن کریم میں ھے وَ کَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ (۲۹/۳۸) یعنی وہ دانا و بینا اور معاملہ فہمی کی صلاحیت رکھتے تھے -

قرآن کریم نے کہا یہ ھے کہ عاد و ثمود کی قومیں باوجود عقل و بصیرت رکھنے کے ، تباہ و برباد ھوگئیں - دوسری جگہ اس کی تشریح یہ کہکر کر دی گئی کہ وَ جَعَلْنَا لَھُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْئِدَۃً - ھم نے انہیں سننے ، دیکھنے اور سمجھنے سوچنے کی صلاحیت دے رکھی تھی - فَمَا اَغْنٰی عَنْھُمْ سَمْعُھُمْ وَ لَا اَبْصَارُھُمْ وَ لَا اَفْئِدَتُھُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ کَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ (۴۶/۲۶) - لیکن چونکہ انہوں نے قوانین خداوندی سے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کر رکھی تھی ، اس لئے ان کی سماعت و بصارت اور عقل و بصیرت ان کے کسی کام نہ آ سکی اور وہ تباہ و برباد ھوگئے - قرآن کریم نے کہا یہ ھے کہ اگر عقل و بصیرت سے وحی کی روشنی میں کام نہ لیا جائے ، تو وہ

افراد یا اقوام کو زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتی ۔ ذرا دیکھئے کہ عقل کرتی کیا ہے ۔ انسان ، اپنے ساتھ حیوانی جذبات (Animal Instincts) لے کر پیدا ہوتا ہے ۔ یہی جذبات اس کے دل میں طرح طرح کی خواہشات (Desires) پیدا کرتے ہیں ۔ اگر اس کی عقل خام ، اور جذبات غالب ہیں ، تو عقل اس خواہش کے جواز کے لئے دلائل (Justificatory Reasons) تراشیگی اور اس کے حصول کے لئے طرح طرح کی تدابیر سوچیگی ۔ اس طرح وہ خواہش (Desire) ۔ تمنا (Wish) بن جائے گی ۔ اور جب انسان آخری فیصلہ کے بعد اس کے حصول پر تل جائیگا تو وہ ارادہ (Will) ہو جائے گی ۔ اس صورت میں انسانی عقل ، اس کی خواہشات یا جذبات کے بروئے کار لانے کا ذریعہ ہوگی ۔

اگر عقل ذرا پختہ ہے ، تو وہ اس انسان کو سمجھائے گی کہ اس خواہش (جذبہ) کے پورا کرنے میں تمہارا کتنا بڑا نقصان ہے ۔ یعنی عقل زیادہ سے زیادہ اس فرد کے مفاد کا تحفظ کرسکتی ہے ۔ اس سے آگے بڑھنا عقل کے بس کی بات نہیں ۔ عقل ، خیر و شر میں تمیز کر ہی نہیں سکتی ۔ یہ تمیز صرف وحی کے ذریعے ہوتی ہے جو نوع انسانی کے عالمگیر نفع نقصان ، اور انسانی ذات کے ضعف و قوت کے لئے حرف آخر کا حکم رکھتی ہے ۔ اس لئے ، انسان تباہی سے اسی صورت میں بچ سکتا ہے جب وہ عقل و بصیرت سے وحی کی روشنی میں کام لے ۔

آج دنیا کی بڑی بڑی ترقی یافتہ قومیں جو تباہی اور بربادی کے جہنم کے کنارے پہنچ چکی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقل و علم کو وحی کے تابع نہیں رکھتیں ۔

اور ہم اس لئے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں کہ ہم نہ وحی سے مستفید ہوتے ہیں ، نہ عقل و بصیرت سے کام لیتے ہیں ۔

ب ط ل

صفحہ ۳۲۶ ۔

باطل کے معنوں میں لکھا گیا ہے کہ یہ ایسی کوشش کا نام ہے جس کا نتیجہ کچھ نہ نکلے ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیا میں ایسے کام بھی ہیں جو بلا نتیجہ رہ جاتے ہیں ۔ خدا کے قانون مکافات کی رو سے نتیجہ تو ہر کام کا مرتب ہوتا ہے ۔ باطل ان کوششوں کا نام ہے جن کا نتیجہ وہ نہ نکلے جو

ان سے مقصود ہو۔ کوشش بیہودہ ۔ سعیٔ ناکام ۔ اور اس سے انسان میں ضعف پیدا ہو جائے ۔ یہ ہے باطل کا وہ تخریبی اثر جس کا مداوا تمسک بالحق کے سوا ہو نہیں سکتا ۔

ب ط ن

صفحہ ۳۲۸ ۔

پہلی سطر ۔ بَطْنٌ کے معنے پیٹ ۔ اندرونی حصہ ۔ اسکی جمع بُطُوْنٌ ہے ۔

تیسرا پیرہ ۔ پہلی سطر میں حوالہ ($\frac{۵۵}{۵۴}$) سے پہلے لکھئے ''اس کی جمع بَطَائِن ہے'' ۔

(آخر میں اضافہ) ظاھِرَ الاِثْمِ وَ بَاطِنَہٗ ($\frac{۶}{۱۲۱}$) سے مراد ہے گناہ کی محسوس و غیر محسوس شکلیں ۔ اس میں نگاہ کی خیانت اور دل میں گزرنے والے خیالات تک آجاتے ہیں ۔

ب ع د

صفحہ ۳۳۱ ۔

دوسری سطر میں بَعَدًا و بُعْدًا ہے ۔ اس میں بَعْدًا کی بجائے بُعْدًا صحیح ہے ۔

ب غ ل

صفحہ ۳۳۴ ۔

آخر میں لکھئے ۔ چونکہ خچر ، گھوڑی اور گدھے کے اختلاط سے وجود میں آتا ہے اس لئے ہر اس جانور کو بھی بَغْل کہتے ہیں جو دو مختلف جنسوں کے ملاپ سے پیدا ہو ۔

ب غ ی

صفحہ ۳۳۶ ۔

حضرت مریمؑ کے واقعہ کے سلسلہ میں حسب ذیل اضافہ کرلیجئے ۔

لیکن اگر بَغِیًّا کے معنے ''بدکار'' ہی لئے جائیں ، تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت مریمؑ نے کہا کہ میں ہیکل میں تجرد کی زندگی بسر کر رہی ہوں اس لئے میرے متعلق خاوند سے اختلاط کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔ دوسری صورت بدکاری کی ہوسکتی ہے ۔ سو میں بدکار بھی نہیں ۔ اس لئے میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوسکتا ہے ۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت مریمؑ ہیکل میں (N u n) کی زندگی گذار رہی تھیں ۔ بعد میں ، جب ان تک تعلیم خداوندی پہنچی تو انہوں نے ہیکل کی تجرد کی زندگی چھوڑ کر متاہل زندگی اختیار کرلی ۔ چونکہ یہودیوں کے ہاں کسی (N u n) کے لئے متاہل زندگی

بسر کرنا جائز ھی نہیں تھا ، اس لئے وہ حضرت مریمؑ کی اس زندگی کو (معاذ اللہ) بدکاری کی زندگی قرار دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے ان کی اسی خود ساختہ شریعت کی تردید کرکے اپنی والدہ کی مدافعت کی تھی۔

واضح رھے کہ بَغِیٌّ باوجود صیغہ مذکر ھونے کے ، صرف عورت کے لئے استعمال ھوتا ھے۔ ایسی عورت کو بَغِیَّۃٌ نہیں کہتے۔

ب ق ع

صفحہ ۳۳۷ -

ساتویں سطر۔ ''نیز'' کے بجائے اَلْبَقْعَۃُ ھونا چاھئے۔

ب ق ی

صفحہ ۳۳۹ -

دوسرا پیرہ۔ وَجْہِ رَبّ کے دوسرے مفہوم کے لئے عنوان (و - ج - ہ) دیکھئے۔

ب ک ر

صفحہ ۳۴۰ -

پہلی سطر۔ اَلْبِکْرُ کی جمع اَبْکَارٌ ھے۔

ب ل د

صفحہ ۳۴۳ -

نیا پیرہ۔ بَلَدَ الْفَرَسُ کی جگہ بَلَّدَ الْفَرَسُ ھونا چاھئے۔

ب ل س

صفحہ ۳۴۴ -

پہلے پیرے کے آخر میں لکھئے۔

لیکن اگر بَعْثٌ کے مفہوم کی گہرائی پر نگاہ ڈالئے تو یومِ یُبْعَثُوْنَ کے معنے اور ھونگے۔ بَعْثٌ کے معنی ھیں ان موانع کو دور کر دینا جو کسی کی آزادی کے راستے میں حائل ھوں۔ کھلا چھوڑ دینا۔ ابلیس سے کہا یہ گیا کہ تمہارا کام انسانوں کی اخلاقی بندھنوں کو توڑ کر انہیں ''مادر پدر آزاد'' کر دینا ھے۔ تمہاری ضرورت اس وقت تک رھے گی جب تک انسان ان اخلاقی حدود کو توڑ کر یکسر آزاد نہ ھو جائیں۔ جب وہ اس طرح آزاد ھو جائیں گے تو پھر ان کے لئے تمہاری ضرورت نہیں رھے گی۔ اس لئے تمہیں اس وقت تک کی مہلت کی ضرورت ھے سو وہ مہلت تمہیں دی جاتی ھے۔ حقیقت یہ ھے کہ اخلاقی بندھنوں کو ابتداءً توڑنے میں کچھ دقت محسوس ھوتی ھے لیکن جب یہ ایک مرتبہ ٹوٹ جائیں تو پھر انسان غیر شعوری طور پر خود بخود ، اس سیلاب میں بہے چلا جاتا ھے۔

عنوان کے اخیر پر لکھئے - نیز دیکھئے عنوانات (ق - ن - ط اور ی - أ - س) -

(۳) صفحہ ۳۴۵ کے اوپر بائیں ہاتھ کی طرف عنوان (ب - خ - ع) کی جگہ (ب - ل - س) لکھئے -

ب ھ ل

صفحہ ۳۵۸ -

سطر ۱۲ میں اِنّی. کے بجائے اِنّیِ -

ب ی ن

صفحہ ۳۷۰ -

عنوان کے آخر میں لکھئے -

اِسْتَبَانَ الاَمْرُ - معاملہ کھل گیا، ظاہر اور واضح ہوا - قرآن کریم میں ہے وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ (۶/۵۵) - تاکہ مجرموں کی راہ کھل کر واضح ہو جائے - فَتَبَیَّنَ الشَّیْءُ - چیز واضح اور ظاہر ہوئی - تَبَیَّنْتُہٗ - میں نے اسے کھولا، واضح کیا اور اسے سمجھا (لازم و متعدی) - (۲۵/۴)

ت ف ث

صفحہ ۳۸۰ -

سطر چھٹی - التَّفَثُ کے معنے بالوں کی پراگندگی و پریشانی ہیں، نہ محض پراگندگی و پریشانی -

اسی لائن کے آخر میں جو ابن عباسؓ کا قول ہے، وہ یہ ہے کہ تفث سر کے بال مونڈنے یا تراشنے، ڈاڑھی مونچھیں بنانے اور بغل کے بال لینے اور ذبح ورمی کو کہتے ہیں -

ت ل و

صفحہ ۳۸۲ -

پہلی سطر کا پہلا لفظ - تَتْلُوْتُہٗ کے بجائے تَتْلُوْتُہٗ -

دوسرا پیرا پہلی سطر - تِلَاوَۃٌ کے بجائے تِلْوٌ وتَتْلُوٌ صحیح ہے - راغب کی عبارت کا پورا ترجمہ یوں ہے -

تَلَا کے معنے ہیں کسی کے پیچھے اس طرح چلنا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی غیر حائل نہ ہو - یہ شکل کبھی تو جسمانی طور پر ہوتی ہے اور کبھی حکم کا اقتداء کرنے میں - اور ان معانی میں اس کا مصدر تَتْلُوٌ وتِلْوٌ آتا ہے - کبھی اسکے معنے پڑھنے اور غور و تدبر کرنے کے ہوتے ہیں تو اس کا مصدر تِلَاوَۃٌ آتا ہے -

ت م م

صفحہ ۳۸۵ -

دوسرے پیرے میں جہاں کہا گیا ہے کہ " اب ہم نے تمہارا غلبہ و اقتدار انتہا تک پہنچا دیا "، تو اس سے مراد ان مخالفین کا سرنگوں ہو جانا ہے جو نبی اکرمؐ سے مدت العمر برسر پیکار رہے تھے - ورنہ دین (نظامِ خداوندی) کا غلبہ و اقتدار حضورؐ کے بعد بھی آگے بڑھتا گیا تھا -

اور اگر " دین "، کے معنی دین اسلام ہی لیں تو اس سے مراد تکمیل دین ہوگی جو قرآن کریم کے اندر آ کر اپنی انتہا تک پہنچ گئی تھی -

ث م د

صفحہ ۴۰۱ -

چوتھی سطر - الثَّامِدُ کے معنے ہیں چوپایہ یا انسان کا بچہ جو تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کر دے - یہ اسکی ابتدائی عمر ہوتی ہے -

ثُمَّ

صفحہ ۴۰۳ -

آیت (۲/۱۱۵) میں وجہ اللہ کے معنی ذات خداوندی بھی ہو سکتے ہیں لیکن ذات خداوندی ہمارے سامنے اس کی آیات کی رو سے ہی آتی ہے - آیات اللہ میں قانون خداوندی کی حیثیت بنیادی ہے -

ثُمَّ

صفحہ ۴۰۴ -

ثُمَّ کے ایک معنی "اس پر بھی، اس کے باوجود بھی" ہوتے ہیں، مثلاً یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَہَا (۱۶/۸۳) -

ث ن ی

صفحہ ۴۰۶ -

پانچویں سطر - ثَنْیُ الْحَیْقَلِ کے بجائے ثِنْیُ الْحَیْقَلِ ہونا چاہئے -

صفحہ ۴۰۷ - اوپر سے تیسری سطر کے بعد لکھئے - " یعنی سب کا سب اپنے لئے رکھ لینگے - اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑینگے "-

صفحہ ۴۰۷ - نیچے سے تیسری سطر (اوپر کسو) - انگریزی کا لفظ کاٹ دیجئے - اس پیرے کے اخیر پر لکھئے - کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم پہلی کتابوں کے متشابہ ہے اور اصولاً ان کی تکرار -

ج ب ب

صفحہ ۴۱۲ -

الجُبّ کے معنے بتاتے ہوئے محیط نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ایسے گہرے گڑھے اور کھائی کو بھی کہتے ہیں جسکی تہ اور آخری حد معلوم نہ ہو۔ راغب نے لکھا ہے کہ یہ ایسے کنویں کو کہتے ہیں جو سخت زمین میں کھودا جاتا ہے۔

ج ب ر

صفحہ ۴۱۳ -

اس کا حوالہ رہ گیا ہے۔ ''الجَابِرُ - ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے والا'' کا حوالہ تاج و محیط و راغب ہے۔

صفحہ ۴۱۴ - نیچے سے پانچویں سطر۔ ''اس کی نوعیت'' یہ الفاظ کاٹ دیں۔

ج ب ل

صفحہ ۴۱۵ -

حضرت داؤدؑ کے پہاڑوں کو مسخر کرنے کے سلسلہ میں، اسی تتمہ میں عنوان (ا۔ و۔ ب) بھی دیکھئے۔

صفحہ ۴۱۶ - ساتویں سطر میں سرداران قوم کی بجائے سردار قوم ہونا چاہئے۔

ج ب و (ی)

صفحہ ۴۱۷ -

(اضافہ) جَبَیَ المَاءَ فِی الحَوْضِ، جس کے معنی ہیں حوض میں پانی جمع کیا، سے الجَابِیَۃُ کے معنے ہوتے ہیں پانی جمع کر لینے والا حوض۔ اسکی جمع جَوَابٍ (الجَوَابِی) ہے۔ قرآن کریم میں ہے و جِفَانٍ کَالْجَوَابِ (۳۴/۱۳)۔

(تاج و محیط و راغب)

ج ح م

صفحہ ۴۱۹ -

دوسری سطر۔ جَحْمَۃُ البَعِیْرُ کے بجائے البَعِیْرُ چاہئے۔

ج د ر

صفحہ ۴۲۲ -

دوسری سطر۔ النَّجِدُ کے بجائے الجَدُّ چاہئے۔

ج ر ز

صفحہ ۴۲۵ -

آخر میں یہ لکھئے -

اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم جو کچھ زمین پر ہے اسے مٹا کر خاک اور خشک و بے گیاہ کرتے رہتے ہیں - (بہار اور خزاں کے دور جاری رہتے ہیں)

ج ر ف

صفحہ ۴۲۶ -

آخری پیرا - دوسری سطری - بجائے انڈیل دینے کے "نکال لینے، چلو سے لے لینے، نیز کاٹ دینے" چاہئے -

ج ر ی

صفحہ ۴۲۷ -

الجَارِیَۃُ مؤنث ہے جَارٍ اور الجَارِیُ کا جسکے معنے ہیں چلنے والا، بہنے والا، تیزی سے دوڑنے والا - جَارِیَۃٌ کی جمع جَارِیَاتٌ اور جَوَارٍ آتی ہے - قرآن مجید میں ہے الجَارِیَاتِ یُسْرًا (۵۱/۳) - بہنے اور پانی میں تیرتی چلی جانے کی وجہ سے کشتی کو بھی جَارِیَۃٌ کہدیتے ہیں - اسکی جمع جَوَارٍ اور جَارِیَاتٌ ہے -

ج ع ل

صفحہ ۴۳۴ -

جعل کے لغت میں بہت سے معنی ہیں - صاحب محیط نے اسکے معنے بدل دینے کے بتائے ہیں - مثلاً جَعَلْنَا عَالِیَہَا سَافِلَہَا (۱۵/۷۴) - یعنی ہم نے اس کے بالائی حصے کو نچلے حصے سے بدل دیا -

اور نام رکھنے کے - مثلاً - جَعَلْنَاکُمْ اُمَّۃً وَسَطًا (۲/۱۴۳) -

اور اعتقاد رکھنے کے - مثلاً یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰہًا آخَرَ (۱۵/۹۶) - گو یہ سب "کر دیتے اور بنا دینے" کے مفہوم ہی سے ہیں لیکن ان مثالوں سے اس مادہ کا مزید استعمال واضح ہو جاتا ہے -

ج ل ل

صفحہ ۴۳۷ -

دوسری سطر - معمر یا جلیل القدر میں معمر زائد ہے - اسکی بجائے بڑا عظیم المرتبت - ہونا چاہئے -

راغب نے لکھا ہے کہ جلال میں جلالت سے زیادہ کمال پایا جاتا ہے -

صفحہ ۴۴۱ - ج م م

چھٹی سطر میں ''سیرابی'' کاٹ دیجئے -

صفحہ ۴۴۳ - ج ن ح

آخری پیرا، پہلی سطر - ''گناہ کے معنوں میں یہ لفظ کئی جگہ آیا ہے'' -
اس عبارت میں ''یہ لفظ'' کی جگہ ''جُنَاحٌ'' لکھئے -

صفحہ ۴۴۴ - ج ن ن

دوسری سطر - راغب نے کہا ہے کہ جَنٌّ کے معنے کسی چیز کو حاسہ (نگاہ) سے پوشیدہ کر دینا ہیں -

صفحہ ۴۴۴ - آٹھویں سطر - جَنِیْنٌ کے معنے کے بعد لکھئے، اسکی جمع أَجِنَّةٌ ہے (۵۳/۳۲) -

صفحہ ۴۵۴ - جہنّم

پہلا پیرا - حوالہ (*) سے مراد فٹ نوٹ میں تاج ہے -

صفحہ ۴۵۶ - ج و ب

پہلی سطر - قوسین کے اندر کی عبارت کی بجائے حسب ذیل عبارت لکھئے
(اس لئے کہ جواب دینے والا جب کسی کی بات کا جواب دیتا ہے تو وہ اس کے منہ سے نکل کر سائل کے کانوں تک کا فاصلہ قطع کرتی ہے - ویسے سوال بھی یہ فاصلہ طے کرتا ہے - لیکن یہ لفظ جواب کے لئے خاص ہو گیا ہے - راغب)

(۲) اضافہ - سوال دو قسم کا ہوتا ہے - ایک تو کسی بات یا مسئلہ کا دریافت کرنا - اور دوسرے امداد و اعانت طلب کرنا - لہذا اس اعتبار سے جواب کی بھی دو قسمیں ہونگی اور اجابت و استجابت، ان دونوں قسموں کے جواب کے لئے بولا جائیگا - یعنی کسی سوال کا جواب دینا، یا کسی مانگ اور مطالبہ کو پورا کر دینا -

صفحہ ۴۵۹ - ج و و

پانچویں سطر کا آخر - ''آسمان کو الجَوّ'' میں ''آسمان'' کی بجائے ''بالائی فضا'' لکھئے -

صفحہ ۳۶۰ - پہلی سطر - راغب نے "اتیان" اور "مجیء" کا فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اتیان کسی کام کے کرنے کے ارادہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے (خواہ وہ کام نہ ہوسکے)۔

لغات القرآن جلد دوم، سوم اور چہارم سے متعلق تتمہ کے مندرجات ان جلدوں میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔



لغات القرآن

باب اوّل

عربی لغت سے استفادہ کے لئے ضروری معلومات

۱

یہ باب ان قارئین کے لئے لکھا گیا ہے جو عربی زبان اور اس کی گرامر سے واقف نہیں ۔ اس میں صرف و نحو کی دقیق اصطلاحات اور فنی باریکیوں سے بحث نہیں کی گئی ، بلکہ مختصر اور سادہ الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ عربی الفاظ کی شکلیں کس طرح بدلتی ہیں اور اس تبدیلی سے معنوں میں کیا فرق پڑتا ہے ؟

عربی لغت سے استفادہ کے لئے ضروری معلومات

عربی زبان کی لغت کی خصوصیت

آپ اردو زبان کی ڈکشنری میں (مثلاً) ''مُتَعَلِّم،، یا ''تعلیم،، کے الفاظ دیکھنا چاہیں تو مُتعلّم آپ کو ''م،، کی تختی میں اور تعلیم "ت" کی تختی میں مل جائے گا۔ لیکن اگر آپ یہی الفاظ عربی زبان کی ڈکشنری میں دیکھیں گے تو نہ متعلم ''م'' کی تختی میں ملے گا اور نہ ہی تعلیم "ت" کی تختی میں - یہ دونوں ع ۔ ل ۔ م (علم) کے باب میں ملیں گے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ عربی زبان کی لغت (ڈکشنری) میں الفاظ کی ترتیب ان کے حروف کی ترتیب کے مطابق ہو ۔ یہ پہلی دشواری ہے جو عربی نہ جاننے والوں کی راہ میں عربی زبان کی ڈکشنری سے الفاظ کے معانی معلوم کرنے کی راہ میں حائل ہوتی ہے ۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ایسا کیوں ہے تو یہی دشواری ایک طرف یہ بتا دیگی کہ عربی زبان کس قدر سائنٹیفک ہے اور دوسری طرف یہ کہ اس کے الفاظ کے معانی معلوم (بلکہ متعین) کرنے کس قدر آسان اور دلچسپ ہیں ۔

عربی زبان کا ہر لفظ الگ الگ مستقل حیثیت نہیں رکھتا بلکہ جس طرح درخت کی شاخیں ' پتے ' پھول ' پھل اس کے بیج یا جڑ سے نکلے ہوتے ہیں اسی طرح اس زبان کا ہر لفظ اپنی ایک جڑ اور اصل رکھتا ہے جس سے وہ وجود پذیر ہوتا ہے ۔

مادّہ اس جڑ یا اصل کو مادّہ (Root) کہتے ہیں ۔ عربی زبان میں ایک مادہ سے سینکڑوں الفاظ (اسماء ۔ افعال۔ صیغے وغیرہ) بنتے ہیں۔ ان الفاظ کی شکلیں مختلف ہوں گی لیکن ان میں سے ہر ایک میں اس جڑ (مادہ) کی خصوصیت ضرور موجود ہوگی ' نیز یہ کہ یہ الفاظ اور ان کی مختلف شکلیں یونہی اندھا دھند نہیں بن جاتیں ۔ یہ

خاص قاعدوں کے مطابق سائنٹیفک طریق سے بنتی ہیں اور ہر شکل اپنا خاص مفہوم رکھتی ہے - اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی لفظ کا مادہ معلوم ہو اور ان قاعدوں سے واقفیت ہو جن کے مطابق اس مادہ سے مختلف الفاظ خاص شکلیں لئے ہوئے ابھرتے ہیں تو مادہ کے معنی معلوم ہو جانے سے ان تمام الفاظ کے معانی خود بخود سامنے آ جائیں گے - یہ وجہ ہے کہ عربی زبان کی ڈکشنری میں مختلف الفاظ کو ان کے حروف کی ترتیب سے نہیں دیا جاتا بلکہ انہیں ان کے مادہ کے تحت دیا جاتا ہے -

اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی لفظ کا مادہ معلوم کرنا آ جائے تو اس سے نہ صرف اس خاص لفظ کے معانی معلوم ہوجائیں گے بلکہ اس "خاندان" (شجر ' درخت) کے تمام افراد سے تعارف ہو جائیگا اور ہم ان کے خط و خال کو دیکھتے ہی بتا دینگے کہ یہ کس اصل کی شاخیں ہیں -

مادّہ معلوم کرنیکا طریقہ

اب ہم ایک مثال سے بتاتے ہیں کہ مادہ (بالعموم) کس طرح معلوم کیا جاتا ہے - مندرجۂ ذیل الفاظ ہماری روز مرہ کی بولی میں شامل ہیں :

(۱) معلوم (۲) معلومات (۳) عالم (۴) علماء (۵) علم (۶) مُعَلّم (۷) متعلم (۸) متعلمہ (۹) معلّمہ (۱۰) تعلیم (۱۱) علوم (۱۲) علیم (۱۳) علمی (۱۴) علامت (۱۵) علمیّت (۱۶) علاّمہ

یہ تمام الفاظ عربی زبان کے ہیں جنہیں ہم بے تکان ' اپنی زبان میں لکھتے پڑھتے اور بولتے ہیں - آپ ان الفاظ کی ساخت پر غور کیجئے - ایک بات نمایاں طور پر نظر آ جائیگی - یعنی کچھ حروف ایسے ہیں جو ان تمام الفاظ میں مشترکہ طور پر پائے جاتے ہیں - یہ حروف ہیں "ع - ل - م -" ان کے علاوہ باقی حروف ایسے ہیں جو کسی ایک لفظ میں پائے جاتے ہیں لیکن دوسرے میں موجود نہیں ہیں - مثلاً عالم میں "الف" ہے جو تعلم میں نہیں - متعلّم میں "ت" ہے جو معلوم میں نہیں -

وہ حروف جو تمام الفاظ میں مشترک پائے جاتے ہیں ان الفاظ کا مادہ (اصلی حروف)

کہلاتے ہیں - اس اصول کے مطابق مندرجۂ بالا سوا لہ الفاظ کا مادہ "ع - ل - م" (علم) ہے -

ایک مادہ سے جو مختلف الفاظ بنائے جاتے ہیں وہ اس مادہ کے "مشتقات" ہیں -

[نوٹ بعض اوقات ایک لفظ جس انداز سے لکھا ہوا ہمارے سامنے آتا ہے اس کے ساتھ مادہ کے اصلی حروف اور زائد حروف کے علاوہ اور حروف بھی ملے ہوئے ہوتے ہیں - اصل لفظ جس کا مادہ معلوم کرنا ہو' ان حروف کو الگ کرنے سے سامنے آتا ہے - مثلاً فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ میں اصلی لفظ يَكْفِي ہے - باقی حروف (ف - س - ک - هُمُ) اس کے ساتھ ملے ہوئے ہیں - ان حروف کو الگ کرکے يَكْفِي کا مادہ معلوم کیا جائیگا- عربی زبان سے تھوڑی سی واقفیت ہو جانے سے بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی لفظ میں اس قسم کے حروف کون کون سے ہیں - یہ حروف خاص مقصد کے لئے آتے ہیں -]

الف اور همزہ کا فرق

عربی زبان کے حروف ہجا (Alphabet) حسب ذیل ہیں :

ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض
ط ظ ع غ ف ق ك ل م ن ہ و ی -

زیر نظر لغت میں الفاظ انہی حروف کی ترتیب سے سامنے آئینگے - ان حروف میں صرف ایک چیز قابل غور ہے اور وہ ہے الف اور ہمزہ کا فرق - الف پر زبر ' زیر ' پیش کچھ نہیں ہوتا - جیسے قَالَ میں ق کے بعد الف ہے لیکن اس پر کوئی حرکت نہیں اس کے برعکس اَكَلَ میں الف پر زبر ہے ' اس لئے اسے الف نہیں بلکہ ہمزہ کہینگے- اسی طرح يَأْتِي میں الف پر جزم ہے - یہ بھی ہمزہ ہے الف نہیں -

عربی زبان کے کسی لفظ کے مادہ میں الف کبھی نہیں آئیگا ' ہمزہ آئیگا - اگر کسی مادہ میں الف نظر آئے تو سمجھ لیجئے کہ اس جگہ در حقیقت اصلی حرف واو یا ی تھا - الف اس واو یا ی سے بدل کر آیا ہے- مثلاً قَامَ میں مادہ ق - و - م ہے - گویا قَامَ اصل میں ' قَوَمَ تھا - واو' الف سے بدل گیا ہے - اسی طرح بَاعَ کا مادہ ب - ی - ع ہے - ی ' الف سے بدل گئی ہے -

حروفِ علّت

عربی حروف ہجا میں تین حروف (ا ۔ و ۔ ی) حروف علت (Vowel) کہلاتے ہیں اور باقی حروف صحیحہ یا حروف صحت (Consonant) ۔ علت بیماری کو کہتے ہیں ۔ جس لفظ میں ان حروف میں سے کوئی حرف آ جائے اس کے مادہ کے معلوم کرنے میں کچھ پریشانی ہو جاتی ہے (روگ لگ جاتا ہے) ۔ اس لئے کہ یہ حروف اس لفظ کو اس کی صحیح حالت اور پورے وزن پر نہیں رہنے دیتے ۔ ان امور کی تفصیل میں جانے کی آپ کو ضرورت نہیں ۔ یہاں صرف اس قدر سمجھ لینا کافی ہوگا کہ جس مادہ میں واو ہو اسے واوی اور جس مادہ میں ی ہو اسے یائی کہتے ہیں ۔ ان مادوں کا فرق ظاہر کرنے اور حروف علت کی پریشان کن تبدیلیوں کو سامنے لانے کے لئے ہم آگے چل کر کچھ مثالیں پیش کرینگے ' جنہیں سمجھ لینے سے حروف علت والے مادوں کا معلوم کر لینا بھی چنداں دشوار نہیں رہیگا ۔

مادّہ اور اسکے مُشتقّات

ہر مادہ سے معین اوزان پر ' افعال (Verbs) اور اسماء (Nouns) بنائے جاتے ہیں (انہیں اس مادہ کے "مشتقات" کہتے ہیں) حروف (Particles) مادہ سے نہیں بنتے ۔

[عربی زبان میں دیگر زبانوں کی طرح حروف بڑی اہمیت رکھتے ہیں ' ان کا تفصیلی بیان آگے چل کر آئیگا]

مختلف مادوں سے حسب ذیل افعال اور اسماء بنتے ہیں :

(نوٹ ۔ اصطلاحات کی تشریح آگے چل کر آئیگی)

افعال اور ان کے مختلف ابواب :

(۱) فعل ماضی ۔ معلوم و مجہول ۔ مثبت و منفی وغیرہ (مع جملہ اقسام) ۔

(۲) فعل مضارع ۔ معلوم و مجہول ۔ مثبت و منفی ۔ لام تاکید اور نون تاکید [ثقیلہ و خفیفہ] کے ساتھ ۔ وغیرہ ۔

(۳) امر ۔ حاضر و غائب وغیرہ ۔

(۴) نہی ۔ حاضر و غائب ۔

افعـال

فعل ماضی | گزرے ہوئے زمانے کو ماضی کہتے ہیں ۔ لہذا جو کام گذرے ہوئے زمانہ میں ہوا ہو یا کیا گیا ہو وہ ''فعل ماضی'' کہلاتا ہے ۔انگریزی گرامر میں اسے (Past Tense) کہتے ہیں ۔

فعل مضارع | موجودہ زمانہ کو حال (Present) اور آنے والے کو مستقبل (Future) کہتے ہیں ۔ عربی زبان میں ان دونوں زمانوں (یعنی حال و مستقبل) کے لئے ایک فعل استعمال ہوتا ہے جسے ''فعل مضارع'' کہتے ہیں ۔ انگریزی میں اسے (Aorist Tense) کہا جاتا ہے ۔

فعل مثبت اور منفی | جس فعل میں کسی کام کے کرنے کا ذکر ہو وہ فعل مثبت (Affirmative) کہلاتا ہے ۔ جس فعل میں نہ کرنے کا ذکر ہو وہ فعل منفی (Negative) ۔ فعل ماضی کو منفی بنانے کے لئے اس کے شروع میں مَا بڑھا دیتے ہیں اور فعل مضارع کے شروع میں لَا ۔

فعل کی ضمیریں | عربی زبان میں فعل کے ہر صیغے میں ایک ضمیر (Pronoun) ہوتی ہے ۔ مثلاً کَتَبَ کے معنی صرف "لکھا" نہیں بلکہ "اس (مذکر) نے لکھا" ۔ اسی طرح ''أَكْتُبُ'' کے معنی ہیں "میں لکھتا ہوں" ۔

ضمائر (Pronoun) کی تین قسمیں ہیں ۔ غائب کی ضمیر (Third Person) ۔ مخاطب کی ضمیر (Second Person)۔ اور متکلم کی ضمیر (First Person) ۔ جس فعل میں غائب کی ضمیر ہوگی وہ ''غائب'' کہلائیگا ' جس میں مخاطب کی ضمیر ہوگی وہ ''مخاطب'' اور جس میں متکلم کی ضمیر ہوگی وہ ''متکلم'' ۔

مذکّر و مؤنّث | عربی زبان میں مذکر (Masculine) اور مؤنث (Faminine) کے افعال (Verb) کے لئے بھی الگ الگ شکلیں ہوتی ہیں ۔ مثلاً کَتَبَ ۔ اس (مذکر) نے لکھا ۔ كَتَبَتْ ۔ اس (مؤنث) نے لکھا ۔ یا ذَهَبَ وہ (مذکر) گیا ' اور ذَهَبَتْ وہ مؤنث گئی ۔

واحد ۔ تثنیہ ۔ جمع

اردو زبان میں ایک کو واحد (Singular) اور ایک سے زیادہ کو جمع (Plural) کہتے ہیں ۔ لیکن عربی زبان میں "دو" کے لئے الگ صیغہ استعمال ہوتا ہے ۔ اسے تَثْنِیَہ یا مُثَنّٰی (Dual) کہتے ہیں۔ مثلاً کَتَبَ : اس ایک (مذکر) نے لکھا ۔ کَتَبَا : ان دو (مذکروں) نے لکھا۔ اور کَتَبُوا : ان دو سے زیادہ یا سب (مذکروں) نے لکھا ۔

آپ نے دیکھا کہ عربی زبان میں محض صیغہ بدل دینے سے کیا کیا فرق پڑ جاتا ہے ۔ اس اعتبار سے یہ زبان بڑی جامع ہے ۔

فعل معلوم و مجہول

فعل (Verb) کی ابھی ایک اور قسم باقی ہے اور وہ ہے معلوم و مجہول ۔ فعل معلوم (Active) وہ ہے جس میں فاعل (یعنی کام کرنے والا) معلوم ہو۔ مثلاً قَتَلَ کے معنے ہیں "اس نے قتل کیا"۔ اس میں معلوم ہے کہ قتل کرنے والا کون ہے ۔ لیکن جب کہا جائے قُتِلَ (وہ قتل کیا گیا) تو اس میں یہ معلوم نہیں کہ قاتل کون ہے ۔ اول الذکر کو فعل معلوم یا فعل معروف کہتے ہیں اور ثانی الذکر کو فعل مجہول (Passive)۔ آگے چل کر ہم بتائینگے کہ فعل معروف سے فعل مجہول بنتا کس طرح ہے ۔

فعل کے متعلق یہ تفصیل معلوم ہوجانے کے بعد اب آپ فعل کے وزن اور صیغے دیکھئے۔

فعل ماضی کے صیغے (گردان یا شکلیں)

فعل ماضی معلوم (مثبت)

ذَهَبَ	وہ گیا	واحد	مذکر	غائب
ذَهَبَا	وہ دو گئے	مثنّی		
ذَهَبُوا	وہ سب گئے	جمع		
ذَهَبَتْ	وہ گئی	واحد	مؤنث	
ذَهَبَتَا	وہ دو گئیں	مثنّی		
ذَهَبْنَ	وہ سب گئیں	جمع		
ذَهَبْتَ	تو گیا	واحد	مذکر	حاضر
ذَهَبْتُمَا	تم دو گئے	مثنّی		
ذَهَبْتُمْ	تم سب گئے	جمع		
ذَهَبْتِ	تو گئی	واحد	مؤنث	
ذَهَبْتُمَا	تم دو گئیں	مثنّی		
ذَهَبْتُنَّ	تم سب گئیں	جمع		
ذَهَبْتُ	میں گیا یا میں گئی	واحد	مذکر و مؤنث	متکلم
ذَهَبْنَا	ہم دو یا ہم سب گئے ہم دو یا ہم سب گئیں	مثنی و جمع		

نوٹ - فعل ماضی منفی بنانے کے لئے شروع میں "مَا" پڑھا دیجئے - مثلاً

مَا ذَهَبَ : وہ نہیں گیا -

فعل ماضی مجہول (مثبت)

فعل ماضی مجہول بنانے کے لئے پہلے حرف پر پیش اور دوسرے حرف پر زبر ہوجاتا ہے۔

غائب	مذکر	واحد	وہ قتل کیا گیا	قُتِلَ
		مثنی	وہ دو قتل کئے گئے	قُتِلَا
		جمع	وہ سب قتل کئے گئے	قُتِلُوا
	مؤنث	واحد	وہ قتل کی گئی	قُتِلَتْ
		مثنی	وہ دو قتل کی گئیں	قُتِلَتَا
		جمع	وہ سب قتل کی گئیں	قُتِلْنَ
حاضر	مذکر	واحد	تو قتل کیا گیا	قُتِلْتَ
		مثنی	تم دو قتل کئے گئے	قُتِلْتُمَا
		جمع	تم سب قتل کئے گئے	قُتِلْتُمْ
	مؤنث	واحد	تو قتل کی گئی	قُتِلْتِ
		مثنی	تم دو قتل کی گئیں	قُتِلْتُمَا
		جمع	تم سب قتل کی گئیں	قُتِلْتُنَّ
متکلم	مذکر و مؤنث	واحد	میں قتل کیا گیا، میں قتل کی گئی	قُتِلْتُ
		مثنی و جمع	ہم دو یا ہم سب قتل کئے گئے ہم دو یا ہم سب قتل کی گئیں	قُتِلْنَا

نوٹ۔ منفی ماضی مجہول بنانے کے لئے "مَا" بڑھا دیجئے۔ جیسے مَا قُتِلَ: وہ قتل نہیں کیا گیا۔

فعل مضارع (حال و استقبال) معلوم ۔ مثبت

غائب	مذکر	واحد	وہ جانتا ہے یا جانے گا	يَعْلَمُ
		مثنی	وہ دو جانتے ہیں یا جانیں گے ۔	يَعْلَمَانِ
		جمع	وہ سب جانتے ہیں یا جانیں گے ۔	يَعْلَمُونَ
	مؤنث	واحد	وہ جانتی ہے یا جانے گی	تَعْلَمُ
		مثنی	وہ دو جانتی ہیں یا جانیں گی	تَعْلَمَانِ
		جمع	وہ سب جانتی ہیں یا جانیں گی	يَعْلَمْنَ
حاضر	مذکر	واحد	تو جانتا ہے یا جانے گا	تَعْلَمُ
		مثنی	تم دو جانتے ہو یا جانوگے	تَعْلَمَانِ
		جمع	تم سب جانتے ہو یا جانوگے	تَعْلَمُونَ
	مؤنث	واحد	تو جانتی ہے یا جانے گی	تَعْلَمِينَ
		مثنی	تم دو جانتی ہو یا جانوگی	تَعْلَمَانِ
		جمع	تم سب جانتی ہو یا جانوگی	تَعْلَمْنَ
متکلم	مذکر و مؤنث	واحد	میں جانتا ہوں یا جانوں گا میں جانتی ہوں یا جانوں گی	أَعْلَمُ
		مثنی و جمع	ہم دو یا ہم سب جانتے ہیں یا جانیں گے ہم دو یا ہم سب جانتی ہیں یا جانیں گی	نَعْلَمُ

نوٹ ۔ فعل مضارع منفی بنانے کے لئے شروع میں "لَا" بڑھا دیا جاتا ہے ۔ مثلاً "لَا يَعْلَمُ" : وہ نہیں جانتا ہے یا نہیں جانے گا"

فعل مضارع مجہول ۔ مثبت

فعل مجہول بنانے کے لیے پہلے حرف پر پیش اور تیسرے پر زبر لگایا جاتا ہے

غائب	مذکر	واحد	وہ قتل کیا جاتا ہے یا قتل کیا جائیگا	یُقْتَلُ
		مثنی	وہ دو قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائینگے	یُقْتَلَانِ
		جمع	وہ سب قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائینگے	یُقْتَلُوْنَ
	مؤنث	واحد	وہ قتل کی جاتی ہے یا قتل کی جائیگی	تُقْتَلُ
		مثنی	وہ دونوں قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائینگی	تُقْتَلَانِ
		جمع	وہ سب قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائینگی	یُقْتَلْنَ
حاضر	مذکر	واحد	تو قتل کیا جاتا ہے یا قتل کیا جائے گا	تُقْتَلُ
		مثنی	تم دو قتل کئے جاتے ہو یا قتل کئے جاؤگے	تُقْتَلَانِ
		جمع	تم سب قتل کئے جاتے ہو یا قتل کئے جاؤگے	تُقْتَلُوْنَ
	مؤنث	واحد	تو قتل کی جاتی ہے یا قتل کی جائے گی	تُقْتَلِیْنَ
		مثنی	تم دو قتل کی جاتی ہو یا قتل کی جاؤگی	تُقْتَلَانِ
		جمع	تم سب قتل کی جاتی ہو یا قتل کی جاؤگی	تُقْتَلْنَ
متکلم	مذکر و مؤنث	واحد	میں قتل کیا جاتا ہوں یا قتل کیا جاؤنگا میں قتل کی جاتی ہوں یا قتل کی جاؤنگی	اُقْتَلُ
		مثنی و جمع	ہم دو یا ہم سب قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائیں گے ہم دو یا ہم سب قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائیں گی	نُقْتَلُ

نوٹ ۔ منفی بنانے کے لئے شروع میں ”لَا“ بڑھا دیا جاتا ہے ۔ جیسے

”لَا یُقْتَلُ : وہ قتل نہیں کیا جاتا ہے یا قتل نہیں کیا جائے گا“

بعض تغیرات

فعل ماضی اور فعل مضارع کے جو اوزان پیچھے دئے گئے ہیں (وہ ثلاثی مجرد کے ہیں) ان کے مطابق ہر فعل سے اتنی ہی شکلیں بنائی جا سکتی ہیں۔ فعل معلوم (معروف) میں ماضی کے درمیانی یعنی دوسرے حرف پر الگ الگ حرکت (زبر' زیر' پیش) ہوتی ہے۔ مثلاً فعل ماضی عَلِمَ میں ل پر زیر ہے لیکن ثَقُلَ میں ق پر پیش ہے اور ذَهَبَ میں ھ پر زبر ہے۔ اسی طرح مضارع معروف میں بھی تیسرے حرف پر مختلف حرکات ہوتی ہیں' مثلاً یَعْلَمُ میں ل پر زبر ہے' یَنْصُرُ میں ص پر پیش ہے اور یَکْذِبُ میں ذ پر زیر ہے۔ ان درمیانی حروف کی حرکتوں کے اختلاف کے متعلق تفصیل سے اگلے باب میں لکھا جائے گا جہاں بتایا جائے گا کہ "ابواب اور ان کے خواص" کیا ہیں۔

یہ تو رہا درمیانی حرف کی حرکتوں کا بیان۔ فعل ماضی کے صیغوں کے آخر میں کوئی تغیر نہیں ہوتا لیکن فعل مضارع کے شروع میں بعض حروف کے آ جانے سے اس کے صیغوں کے آخر میں کچھ تغیر ہو جاتا ہے۔ مثلاً اِنْ۔ لَمْ۔ لَمَّا۔ لام امر۔ لاء نہی، میں سے جب کوئی حرف مضارع سے پہلے آ جائے تو:

۱۔ مضارع کے جن صیغوں کے آخر میں ن نہیں ہوتا ان کے آخری حرف پر جزم آجاتا ہے۔ مثلاً یَعْلَمُ۔ تَعْلَمُ۔ اَعْلَمُ۔ نَعْلَمُ سے لَمْ یَعْلَمْ۔ لَمْ تَعْلَمْ۔ لَمْ اَعْلَمْ۔ لَمْ نَعْلَمْ۔

۲۔ جمع مؤنث کے صیغوں کو چھوڑ کر (جو اپنی حالت پر رہتے ہیں) باقی جن صیغوں کے آخر میں ن ہے وہ اڑ جاتا ہے۔ مثلاً:

یَعْلَمَانِ۔ یَعْلَمُوْنَ۔ تَعْلَمَانِ۔ تَعْلَمُوْنَ۔ تَعْلَمِیْنَ سے لَمَّا یَعْلَمَا۔ لَمْ یَعْلَمُوْا۔ اِنْ تَعْلَمَا۔ لَمْ تَعْلَمُوْا اور لَمْ تَعْلَمِیْ۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے جمع مؤنث کے دو صیغوں کے ن ہر حال میں باقی

رہتے ہیں۔ مثلاً لَمْ یَعْلَمْنَ - لَمْ تَعْلَمْنَ -

۳- اسی طرح بعض حروف مضارع کے شروع میں آتے ہیں تو وہ مضارع کے ان صیغوں کے آخری حرف پر زبر لگا دیتے ہیں جن کے آخر میں ن نہیں ہوتا اور جن کے آخر میں ن ہوتا ہے ان میں وہی تغیر پیدا کرتے ہیں جو لَمْ اور لَمَّا وغیرہ کرتے ہیں - وہ حروف یہ ہیں :

اَنْ - لَنْ - کَیْ - لِکَیْ -

مثلاً یَعْلَمُ - تَعْلَمُ - اَعْلَمُ - نَعْلَمُ سے اَنْ یَّعْلَمَ - لَنْ تَعْلَمَ لِکَیْ اَعْلَمَ -

اور یَعْلَمَانِ سے لَنْ یَّعْلَمَا - یَعْلَمُوْنَ سے اَنْ یَّعْلَمُوْا وغیرہ - جمع مؤنث کے دو صیغوں کے آخری ن ہر حال میں باقی رہتے ہیں - مثلاً لَنْ یَّعْلَمْنَ - لَنْ تَعْلَمْنَ -

۴- مضارع کے شروع میں لام تاکید اور آخر میں نون تاکید کے آنے سے بھی مضارع میں بعض تغیرات پیدا ہوتے ہیں - مثلاً لَا یَحْطِمُ کے آخر میں نون تاکید بڑھایا جائے تو وہ لَا یَحْطِمَنَّ ہو جائے گا - یعنی م کا پیش زبر سے بدل جائے گا - اسی طرح اَحْتَنِکُ کے پہلے لام تاکید اور آخر میں نون تاکید بڑھانے سے لَاَحْتَنِکَنَّ ہوگیا - یعنی ک کا پیش زبر سے بدل گیا - (بغرض اختصار انہی مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے) -

اب امر اور نہی کے صیغوں کو لیجئے -

امر کے صیغے

(IMPERATIVE)

اِذْهَبْ	تو جا	واحد	مذکر
اِذْهَبَا	تم دو جاؤ	مثنی	
اِذْهَبُوا	تم سب جاؤ	جمع	
اِذْهَبِی	تو جا	واحد	مؤنث
اِذْهَبَا	تم دو جاؤ	مثنی	
اِذْهَبْنَ	تم سب جاؤ	جمع	

چونکہ امر (حکم) زیادہ تر سامنے والے شخص (مخاطب) کو دیا جاتا ہے اس لئے حاضر کے صیغوں سے امر کی شکلیں بنتی ہیں۔ علاوہ ازیں غائب اور متکلم کے صیغوں سے بھی امر آتا ہے۔ مثلاً لِیَفْعَلْ : اسے کرنا چاہئے یا وہ کرے۔

نہی کے صیغے

(PROHIBITIVE IMPERATIVE)

لَا تَذْهَبْ	تو مت جا	واحد	مذکر
لَا تَذْهَبَا	تم دو مت جاؤ	مثنی	
لَا تَذْهَبُوا	تم سب مت جاؤ	جمع	
لَا تَذْهَبِی	تو مت جا	واحد	مؤنث
لَا تَذْهَبَا	تم دونوں مت جاؤ	مثنی	
لَا تَذْهَبْنَ	تم سب مت جاؤ	جمع	

نہی کے صیغے بھی امر کی طرح حاضر کے لئے زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں

غائب اور متکلم سے بھی نہی کے صیغے مستعمل ہیں - مثلاً "لَا یَعْلَمْ : وہ نہ جانے' اسے نہیں جاننا چاہئے" - "لَا یُشْرِكْ : وہ شرک نہ کرے' اسے شرک نہیں کرنا چاہئے" - "لَا یَغْتَبْ : وہ غیبت نہ کرے' اسے غیبت نہیں کرنا چاہئے" -

---

اسم (NOUN)

یوں تو عربی زبان میں نام کو اسم کہتے ہیں لیکن اس میں اسم کا مفہوم بہت وسیع ہے - جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں عربی زبان کے تمام الفاظ صرف تین شکلوں میں تقسیم ہوتے ہیں - (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف - لہذا عربی زبان میں جو لفظ بھی فعل یا حرف نہیں ہوگا وہ اسم ہوگا -

مختلف مادوں سے جو فعل بنتے ہیں وہ پہلے لکھے جا چکے ہیں -

اسم کی متفرق شکلیں

جس طرح (سابقہ صفحات میں) افعال (ماضی - مضارع - امر - نہی) کے اوزان اور ان کی مختلف شکلیں آپ کے سامنے آئی ہیں اسی طرح اسماء کے بھی متفرق اوزان اور مختلف شکلیں ہوتی ہیں - مثلاً مُشْرِكٌ کے معنی ہیں شرک کرنے والا- لیکن آپ کہیں مُشْرِكٌ دیکھیں گے کہیں مُشْرِكَةٌ - کہیں مُشْرِكُوْنَ اور کہیں مُشْرِكِیْنَ وغیرہ وغیرہ - لفظ مُشْرِكٌ میں یہ تبدیلیاں خاص مفہوم رکھتی ہیں - مُشْرِكٌ کے معنی ایک (مذکر) مشرک- مُشْرِكُوْنَ اور مُشْرِكِیْنَ کے معنے ہیں بہت سے مشرک مرد - مُشْرِكَةٌ : ایک مشرک عورت - مُشْرِكَاتٌ : بہت سی مشرک عورتیں -

نوٹ : ہم نے اوپر لکھا ہے کہ مُشْرِكٌ کی جمع مُشْرِكُوْنَ اور مُشْرِكِیْنَ (دونوں) آتی ہیں - اس کے یہ معنی نہیں کہ جہاں آپ کا جی چاہے مُشْرِكُوْنَ کہہ دیں اور جہاں جی چاہے مُشْرِكِیْنَ - اس کے لئے خاص قاعدے مقرر ہیں' لیکن

چونکہ ان قواعد کا تعلق نحو سے ہے اور ان کا بیان بہت طول طویل ' اس لئے ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہئے ۔ مقصد پیش نظر کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہوگا کہ بعض حالتوں میں مُشْرِکُوْنَ آتا ہے اور بعض میں مُشْرِکِیْنَ ۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسم کی بھی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ ان شکلوں کی تفصیل درج ذیل ہے ۔

مُذَکَّر و مُؤَنَّث جیسا کہ آپ کو معلوم ہے' مذکر (نر) کو کہتے ہیں اور مؤنث (مادہ) کو۔ اکثر مذکر نام ایسے ہوتے ہیں جن کا مؤنث نہیں ہوتا ۔ مثلاً (ہماری زبان میں) دریا ۔ سمندر ۔ آسمان ۔ مذکر بولے جاتے ہیں لیکن ان کا مؤنث کوئی نہیں ہوتا ' ان کے برخلاف بہت سے مذکر نام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے مقابلہ میں ان کا مؤنث بھی ہوتا ہے ۔ مثلاً دھوبی کے مقابلہ میں دھوبن۔ عربی زبان میں مذکر نام کو مؤنث بنانے کے لئے کچھ قاعدے مقرر ہیں ۔ مثلاً :

(۱) مذکر اسم کے آخر میں ۃ (گول ت) کا اضافہ کر دیا جاتا ہے ۔ مثلاً عَالِمٌ (جاننے والا) عَالِمَۃٌ (جاننے والی) ۔

(یاد رکھئے۔ گول ت (ۃ) زائد حروف میں ہوتی ہے ' مادہ کے اصلی حروف میں نہیں ہوتی) ۔

(۲) جو مذکر اسم اَفْعَلُ کے وزن پر ہو اس کا مؤنث کبھی فُعْلَیٰ کے وزن پر اور کبھی فَعْلَاءُ کے وزن پر آتا ہے۔ جیسے اَصْغَرُ (جو اَفْعَلُ کے وزن پر ہے) کا مؤنث صُغْرَیٰ آئیگا (جو فُعْلَیٰ کے وزن پر ہے) ۔ آخَرُ بروزن اَفْعَلُ کا مؤنث اُخْرَیٰ (بروزن فُعْلَیٰ) ہوگا[1] اور اَصْفَرُ (بروزن اَفْعَلُ) کا مؤنث صَفْرَاءُ (بروزن فَعْلَاءُ) آئیگا ۔

---

(۱) اَدْنیٰ کا مؤنث دُنْیَا بھی اسی قاعدے کے مطابق ہے ۔

واحد ۔ تثنیہ ۔ جمع

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ عربی زبان میں ایک کے لئے واحد، دو کے لئے تثنیہ یا مثنیٰ اور دو سے زیادہ کے لئے جمع آتی ہے ۔

واحد اسم کو تثنیہ بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے آخر میں ''ان'' یا ''یْنِ'' بڑھا دیا جائے ۔ انِ اور یْنِ سے پہلے جو حرف ہو اس پر زبر رہیگا اور آخری نون پر ہمیشہ زیر، مثلاً :

عَیْنٌ ایک آنکھ ۔ سے تثنیہ ۔ عَیْنَانِ یا عَیْنَیْنِ (دو آنکھیں)۔ یَدٌ ایک ہاتھ سے تثنیہ ۔ یَدَانِ یا یَدَیْنِ (دو ہاتھ)۔ عَالِمَۃٌ : ایک جاننے والی عورت سے تثنیہ ۔ عَالِمَتَانِ یا عَالِمَتَیْنِ (دو جاننے والی عورتیں) ۔

مرکب اضافی (Possessive Construction) میں جب مضاف (Adjunct) تثنیہ ہو تو اس کا آخری نون اڑ جاتا ہے ۔ مثلاً تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَھَبٍ میں یَدَا درحقیقت یَدَانِ (تثنیہ) تھا لیکن چونکہ یہ مضاف تھا اس لیے اس کا نون اڑ گیا اور یَدَانِ کی جگہ صرف یَدَا رہ گیا ۔ اسی طرح اِخْلَعْ نَعْلَیْکَ میں نَعْلَیْ مضاف ہے اس لئے اس کا نون اڑ گیا اور نَعْلَیْنِ کے بجائے صرف نَعْلَیْ رہ گیا ۔

جمع

عربی زبان میں جمع کی دو بڑی قسمیں ہیں ۔ جمع سالم (Sound Plural) اور جمع مُکَسَّر (Broken Plural) ۔ جمع سالم اسے کہتے ہیں جس میں واحد کی شکل اسی طرح صحیح و سالم باقی رہے اور مُکَسَّر میں واحد کی شکل بدل جاتی یا اس کے حروف کی ترتیب ٹوٹ جاتی ہے ۔ مثلاً عَالِمٌ (واحد) سے عَالِمُوْنَ جمع سالم ہے اور کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ جمع مُکَسَّر ہے ۔ اس میں لفظ کِتَابٌ (واحد) اپنی اصلی شکل پر نہیں رہا ۔

جمع مذکر سالم بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ واحد کے آخر میں ''وْنَ'' یا ''یْنَ'' لگا

دیا جائے اور و سے پہلے حرف پر پیش اور ی سے پہلے حرف پر زبر دیدیا جائے - (آخری نون پر ہمیشہ زبر رہیگا) مثلاً -

عَالِمٌ سے جمع مذکر سالم - عَالِمُوْنَ یا عَالِمِیْنَ آئیگا -

جمع مؤنث سالم بنانے کے لئے واحد کے آخر میں اتٌ کا اضافہ کر دیا جائے، مثلاً۔

عَالِمٌ سے جمع مؤنث سالم عَالِمَاتٌ آئیگا -

(تٌ کہاں آئیگا اور ت کہاں ۔ اس کا تعلق نحو کے قاعدوں سے ہے) -

جمع مُکَسَّر | وہ جمع جس میں واحد جوں کا توں نہیں رہتا بلکہ اس میں کچھ تبدیلی آ جاتی ہے "جمع مکسر" کہلاتی ہے - مثلاً کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ - رَسُوْلٌ کی جمع رُسُلٌ - قَلَمٌ کی جمع اَقْلَامٌ - رَجُلٌ کی جمع رِجَالٌ -

اس جمع کے بہت سے اوزان ہیں اور مختلف وزنوں پر آنے والے اسموں کی مختلف وزنوں پر جمع بنائی جاتی ہے - یہاں چند کثیرالاستعمال جمعوں کے اوزان مع امثلہ درج کئے جاتے ہیں :

(۱) اَفْعَالٌ (کے وزن پر) - جیسے قَلَمٌ کی جمع اَقْلَامٌ اور رَبٌّ کی جمع اَرْبَابٌ -

(۲) اَفْعُلٌ (کے وزن پر) - جیسے رِجْلٌ کی جمع اَرْجُلٌ اور نَفْسٌ کی جمع اَنْفُسٌ -

(۳) اَفْعِلَةٌ (کے وزن پر) - جیسے لِسَانٌ کی جمع اَلْسِنَةٌ -

(۴) فِعْلَةٌ (کے وزن پر) - جیسے فَتًی کی جمع فِتْیَةٌ -

(۵) فُعَلٌ (کے وزن پر) - جیسے صُورَةٌ کی جمع صُوَرٌ -

(۶) فُعُولٌ (کے وزن پر) - جیسے بَیتٌ کی جمع بُیُوتٌ -

(۷) فِعَلٌ (کے وزن پر) - جیسے قِطْعَةٌ کی جمع قِطَعٌ -

(۸) فِعَالٌ (کے وزن پر) - جیسے ثَوبٌ کی جمع ثِیَابٌ -

(۹) فُعُلٌ (کے وزن پر) - جیسے اَحْوَرُ کی جمع حُوْرٌ -

(۱۰) فُعُلٌ (کے وزن پر) - جیسے کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ -

(۱۱) فَعْلَی (کے وزن پر) - جیسے مَرِیضٌ کی جمع مَرْضَی -

(۱۲) فَعَلَةٌ (کے وزن پر) - جیسے کَافِرٌ کی جمع کَفَرَةٌ -

(۱۳) فُعَّلٌ (کے وزن پر) - جیسے رَاکِعٌ کی جمع رُکَّعٌ -

(۱۴) فُعَلَاءُ (کے وزن پر) - جیسے سَفِیهٌ کی جمع سُفَهَاءُ -

(۱۵) اَفْعِلَاءُ (کے وزن پر) - جیسے غَنِیٌّ کی جمع اَغْنِیَاءُ -

(۱۶) فَعَالِلُ (کے وزن پر) - جیسے نُمْرُقٌ کی جمع نَمَارِقُ -

(۱۷) فَعَائِلُ (کے وزن پر) - جیسے اَرِیکَةٌ کی جمع اَرَائِكُ -

(۱۸) فَوَاعِلُ (کے وزن پر) - جیسے کَاعِبٌ کی جمع کَوَاعِبُ -

(۱۹) اَفَاعِلُ (کے وزن پر) - جیسے اِصْبَعٌ کی جمع اَصَابِعُ -

(۲۰) اَفَاعِیلُ (کے وزن پر) - جیسے اُسْطُورَةٌ کی جمع اَسَاطِیرُ -

(۲۱) فَعَالِیلُ (کے وزن پر) - جیسے قِرْطَاسٌ کی جمع قَرَاطِیسُ -

(۲۲) مَفَاعِلُ (کے وزن پر) - جیسے مَسْجِدٌ کی جمع مَسَاجِدُ ۔

(۲۳) مَفَاعِيلُ (کے وزن پر)- جیسے مِسْكِينٌ کی جمع مَسَاكِينُ ۔

نکرہ اور معرفہ

انگریزی زبان کے ان دو فقروں پر غور کیجئے :

1. On my way to Lahore I saw a house.
2. The house was an old one.

عربی : (۱) رَأَيْتُ فِي طَرِيقِي إِلَى لَاهُورَ بَيْتًا ۔

(۲) وَكَانَ الْبَيْتُ قَدِيمًا جِدًّا ۔

اردو ترجمہ : (۱) لاہور جاتے وقت میں نے ایک مکان دیکھا ۔

(۲) وہ مکان بہت پرانا تھا ۔

پہلے فقرہ میں لفظ لاہور ایک شہر کا نام ہے ' اسے (Proper Noun) یا اسم معرفہ کہتے ہیں ۔ عربی زبان میں بھی ایسے اسماء کو معرفہ ہی کہتے ہیں ۔ اس سے آگے (بَيْتًا = A house) ہے - یعنی ایک مکان ' اسے (Common Noun) یا اسم نکرہ کہتے ہیں ۔ عربی میں بھی اسے اسم نکرہ ہی کہتے ہیں ۔

اگلے فقرہ میں (اَلْبَيْتُ = The house) کے معنی "کوئی مکان" نہیں بلکہ اس سے مطلب وہی مکان ہے جس کا ذکر پہلے فقرہ میں آچکا ہے ۔ یعنی اب یہ لفظ (house) نکرہ یا (Common Noun) نہیں رہا بلکہ معرفہ (Proper Noun) بن گیا ۔

گویا اسم معرفہ دو قسم کا ہوا ۔ ایک تو وہ جو پہلے ہی معرفہ ہو- جیسے لاہور ۔ زید وغیرہ اور ایک وہ جسے نکرہ سے معرفہ بنا لیا جاتے ۔

عربی زبان میں اسم نکرہ پر تنوین آتی ہے - تنوین دو زبر - دو زیر - دو پیش کو کہتے ہیں ۔ انہیں تنوین اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس حرف پر تنوین ہو اس کے آخر میں نون کی آواز نکلتی ہے - جیسے رَجُلٌ ' رَجُلٍ ' قَلَمٌ -

اسے سمجھ رکھئے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس اسم پر تنوین ہو وہ ضرور نکرہ

ھی ھوتا ھے ۔ قرآن مجید مین آپ دیکھینگے کہ نُوحٌ ۔ لُوطٌ ۔ مُحَمَّدٌ (علیھم السلام) جیسے انبیاء کرام کے اسماء پر تنوین ھے ۔ لیکن یہ ضرور ھے کہ جو اسم نکرہ ھو اس پر تنوین ھو ۔

نکرہ سے معرفہ بنانے کا طریقہ یہ ھے کہ نکرہ سے پہلے اَلْ لگا دیا جائے ۔ مثلاً بَیْتٌ کے معنی ھیں کوئی گھر (A house) اور اَلْبَیْتُ کے معنی ھیں وہ خاص گھر (The house) ۔ گویا عربی زبان کا اَلْ وھی کام کرتا ھے جو انگریزی زبان کا (Definite Article, *The*) کرتا ھے ۔ جس اسم سے پہلے اَلْ آجائے اس پر تنوین نہیں آتی ۔

اسم کے متعلق مذکورہ تفصیلات کے بعد اب ان مختلف اسماء کو دیکھئے جو مادہ سے مشتق ھوتے ھیں ۔

۱۔ مصدر | اردو میں مصدر (مثلاً مارنا) سے افعال بنتے ھیں (اس نے مارا ۔ وہ مارتا ھے ۔ وہ مارے گا ۔ تو مار، وغیرہ) لیکن عربی زبان میں افعال ، مصدر اور جملہ اسماء وغیرہ درحقیقت مادہ سے بنتے ھیں ۔ مثلاً ض۔ر۔ب (ضرب) مادہ ھے ۔ اس سے ضَرَبَ فعل ماضی بنا جس کے معنے ھیں " اس نے مارا " ۔ اور اَلضَّرْبُ مصدر ھے جس کے معنے ھیں "مارنا ۔ مار ۔ چوٹ" ۔ ثلاثی مجرد کے مصادر کے اوزان تو غیر معین ھیں ، لیکن ثلاثی مزید فیہ اور رباعی کے مصادر ، ان کے ابواب کے مطابق معینہ اوزان پر بنائے جاتے ھیں [۱]

ثلاثی مجرد کے مصادر کے چند اھم اوزان درج ذیل کئے جاتے ھیں ۔

(۱) اگر فعل کسی فن یا پیشہ سے متعلق ھو تو اس کا مصدر " فِعَالَۃٌ " کے وزن پر آتا ھے ۔ مثلاً کِتَابَۃٌ (کتابت) ۔ تِجَارَۃٌ (تجارت) ۔ قِرَاءَۃٌ (پڑھنا) ۔

---

(۱) ثلاثی مجرد ۔ ثلاثی مزید فیہ ، رباعی وغیرہ اصطلاحات یہاں پہلی مرتبہ آئی ھیں ۔ ان کی تفصیل کے لیے آئندہ باب دیکھئے جس میں " ابواب اور ان کے خواص " کا ذکر ھے ۔

(۲) فَعِلَ وزن کی ماضی اگر لازم ہو تو اس کا مصدر فَعَلٌ کے وزن پر آئیگا - جیسے غَضِبَ سے مصدر غَضَبٌ - فَرِحَ سے مصدر فَرَحٌ -

(۳) فَعَلَ وزن کی ماضی اگر لازم ہو تو اس کا مصدر فُعُوْلٌ کے وزن پر آئیگا - جیسے قَعَدَ سے مصدر قُعُوْدٌ - خَرَجَ سے مصدر خُرُوْجٌ -

(۴) فَعِلَ اور فَعَلَ کے وزنوں پر ماضی اگر متعدی ہو تو اس کا مصدر فَعْلٌ کے وزن پر آتا ہے - جیسے سَمِعَ سے مصدر سَمْعٌ اور نَصَرَ سے مصدر نَصْرٌ -

ہم نے یہ اوزان بطور مثال دیدئے ہیں ورنہ ثلاثی مجرد کے مصادر کے اور بھی بہت سے اوزان ہیں -

۲- مصدر میمی | مصدر کی ایک قسم مَفْعَلٌ کے وزن پر آتی ہے اور وہ مصدر میمی کہلاتی ہے - مثلاً شَرِبَ فعل سے مَشْرَبٌ مصدر میمی ہے اور یہی وزن اسم ظرف کا بھی ہے -

۳- اسم مرّۃ | کسی کام کو ایک بار کرنے کے لئے ہر فعل سے فَعْلَةٌ کے وزن پر " اسم مرّۃ " بنا لیا جاتا ہے - مثلاً سَكْرَةٌ (ایک بار مدھوش ہونا) - نَظْرَةٌ (ایک بار دیکھنا) -

۴- اسم نوع | کسی کام کی وضع ہیئت - ڈھنگ بتانے کے لئے اس فعل سے فِعْلَةٌ کے وزن پر اسم نوع بنا لیا جاتا ہے - جیسے سِيْرَةٌ (چلنے کا ڈھنگ وضع یا ہیئت)-

۵۔ اسم مکان و زمان (ظرف)

ہر فعل سے اس کام کے کرنے یا ہونے کی جگہ یا وقت بتانے کے لئے مَفْعَلٌ (ع پر زبر اور زیر حسب قاعدہ)[1] کے وزن پر اسم مکان یا زمان بنا لیا جاتا ہے۔

اسم زمان و مکان کی شکلیں

مَقْتَلٌ	قتل کرنے کی جگہ، قتل گاہ قتل کرنے کا وقت یا زمانہ	واحد	مذکر
مَقْتَلَانِ مَقْتَلَيْنِ	دو قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے دو وقت یا دو زمانے	مثنی	
مَقَاتِلُ	قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے اوقات یا زمانے	جمع	
مَقْتَلَةٌ	قتل کرنے کی جگہ قتل کرنے کا وقت یا زمانہ	واحد	مؤنث
مَقْتَلَتَانِ مَقْتَلَتَيْنِ	دو قتل کرنے کی جگہیں دو قتل کرنے کے وقت یا زمانے	مثنی	
مَقَاتِلُ	قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے اوقات یا زمانے	جمع	

اسی طرح مَغْرِبٌ (سورج غروب ہونے کی جگہ یا وقت)۔ مَسْجِدٌ (سجدہ کرنے

---

[1] اگر مضارع کے "ع" پر زبر یا پیش ہو تو اسم ظرف کے "ع" پر زبر ہوگا ورنہ زیر۔

کی جگہ یا وقت) ۔ مَقْعَدٌ (بیٹھنے کی جگہ یا وقت) وغیرہ ۔ یہ ثلاثی مجرد سے اسم زمان و مکان بنانے کا وزن ہے ۔ ثلاثی مزید فیہ وغیرہ سے اسم مفعول کی شکل ان معنوں کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے ' مثلاً مُغْتَسَلٌ (غسل کرنے کی جگہ یا غسل کرنے کا وقت) اور مُسْتَقَرٌ (ٹھیرنے اور قرار پانے کی جگہ یا وقت) ۔

٦۔ اسم آلہ

ہر فعل سے اس آلہ کے لئے جس کے ذریعہ وہ کام کیا جائے مِفْعَلٌ ۔ مِفْعَالٌ کے وزنوں پر اسم آلہ بنایا جاتا ہے ۔

اسم آلہ کی شکلیں

مذکر	واحد	مارنے یا چوٹ لگانے کا آلہ	مِضْرَبٌ ۔ مِضْرَابٌ
	مثنی	مارنے یا چوٹ لگانے کے دو آلے	مِضْرَبَانِ ۔ مِضْرَابَانِ مِضْرَبَيْنِ ۔ مِضْرَابَيْنِ
	جمع	مارنے یا چوٹ لگانے کے آلے	مَضَارِبُ ۔ مَضَارِيبُ
مؤنث	واحد	مارنے یا چوٹ لگانے کا آلہ	مِضْرَبَةٌ
	مثنی	مارنے یا چوٹ لگانے کے دو آلے	مِضْرَبَتَانِ مِضْرَبَتَيْنِ
	جمع	مارنے یا چوٹ لگانے کے آلے	مَضَارِبُ ۔ مَضَارِيبُ

اسی طرح مِفْتَاحٌ (کھولنے کا آلہ ' کنجی) - مِیْزَانٌ (تولنے کا آلہ ' ترازو) وغیرہ -

۷۔ اسم فاعل | ہر فعل سے اس کام کو کرنے والے کے لئے ایک اسم "فَاعِلٌ" کے وزن پر بنا لیا جاتا ہے -

اسم فاعل کی شکلیں

(ACTIVE PARTICIPLE NOUN)

عَالِمٌ	جاننے والا	واحد	مذکر
عَالِمَانِ عَالِمَيْنِ	دو جاننے والے	مثنی	
عَالِمُونَ عَالِمِينَ	جاننے والے (بہت سے)	جمع	
عَالِمَةٌ	جاننے والی	واحد	مؤنث
عَالِمَتَانِ عَالِمَتَيْنِ	دو جاننے والیاں	مثنی	
عَالِمَاتٌ	جاننے والیاں (بہت سی)	جمع	

اسی طرح ظَالِمٌ ، قَاتِلٌ ، جَاهِلٌ وغیرہ سے بھی شکلیں بنائی جا سکتی ہیں -

یہ ثلاثی مجرد کے اسم فاعل کی شکلیں ہیں ۔ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی سے اسم فاعل کی شکلیں "ابواب اور ان کے خواص" میں دیکھئے ۔

۸۔ اسم مفعول

ہر متعدی فعل سے اس چیز کے لئے جس پر کام کیا جائے ایک اسم "مَفْعُوْلٌ" کے وزن پر بنا لیا جاتا ہے ۔

اسم مفعول کی شکلیں
(PASSIVE PARTICIPLE NOUN)

مذکر	واحد	قتل کیا ہوا	مَقْتُوْلٌ
	مثنی	دو قتل کئے ہوئے	مَقْتُوْلَانِ مَقْتُوْلَيْنِ
	جمع	بہت سے قتل کئے ہوئے	مَقْتُوْلُوْنَ مَقْتُوْلِيْنَ
مؤنث	واحد	قتل کی ہوئی	مَقْتُوْلَةٌ
	مثنی	دو قتل کی ہوئیں	مَقْتُوْلَتَانِ مَقْتُوْلَتَيْنِ
	جمع	بہت سی قتل کی ہوئیں	مَقْتُوْلَاتٌ

اسی طرح مَعْدُوْدٌ ۔ مَعْرُوْفٌ ۔ مَنْصُوْرٌ وغیرہ سے تمام شکلیں بنائی جا سکتی ہیں ۔ یہ ثلاثی مجرد کے افعال سے اسم مفعول کی شکلیں ہیں ۔ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی سے مفعول کا وزن "ابواب اور ان کے خواص" میں دیکھئے ۔

۹ اسم صفت

عربی زبان میں اسم صفت (Adjective) کے بہت سے اوزان ہیں۔ ان میں زیادہ استعمال ہونے والے اوزان حسب ذیل ہیں۔

(۱) فَعِیلٌ - جیسے کَرِیمٌ - لَطِیفٌ -

(۲) فَعَلٌ - جیسے حَسَنٌ -

(۳) فَعْلٌ - جیسے سَهْلٌ - صَعْبٌ -

(۴) أَفْعَلُ - جیسے أَسْوَدُ - أَبْیَضُ - أَعْرَجُ -

۱۰۔ افعل التفضیل

جب دو آدمیوں میں ' ایک دوسرے سے مقابلہ ہو اور ہم بتانا چاہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑھا ہوا (یا سب سے بڑھا ہوا) ہے تو اس کے لیے أَفْعَلُ کے وزن پر اَفْعَلُ التَّفْضِیلُ بنالی جاتی ہے۔ جیسے أَعْلَمُ (بہت زیادہ جاننے والا) وغیرہ۔ دو کے درمیان مقابلہ ہو تو (Comparative Degree) کہیں گے اور سب کے ساتھ مقابلہ ہو تو (Superlative Degree)۔

أَفْعَلُ التَّفْضِیلُ کی شکلیں

مذکر	واحد	زیادہ چھوٹا - بہت چھوٹا	أَصْغَرُ
	مثنی	دو زیادہ چھوٹے	أَصْغَرَانِ - أَصْغَرَیْنِ
	جمع	بہت سے زیادہ چھوٹے	أَصْغَرُونَ - أَصْغَرِینَ أَصَاغِرُ
مؤنث	واحد	زیادہ چھوٹی	صُغْرَى
	مثنی	دو زیادہ چھوٹی	صُغْرَیَانِ صُغْرَیَیْنِ
	جمع	بہت سی زیادہ چھوٹی	صُغْرَیَاتٌ - صُغَرُ

۱۱۔ اوزان مبالغہ

جب کسی صفت میں زور و شدت اور زیادتی کا اظہار کرنا ہو، تو مختلف فعلوں سے مبالغہ کے اوزان (Exaggerative Adjective) استعمال کئے جاتے ہیں، ان میں زیادہ استعمال ہونے والے یہ ہیں۔

(۱) فَعَّالٌ۔ جیسے تَوَّابٌ۔ عَلَّامٌ۔ غَفَّارٌ۔

(۲) فَعِّيلٌ۔ جیسے صِدِّيقٌ۔

(۳) مِفْعِيلٌ۔ جیسے مِسْكِينٌ۔

(۴) فُعَلَةٌ۔ جیسے هُمَزَةٌ۔ لُمَزَةٌ۔

(۵) فَعِلٌ۔ جیسے أَسِفٌ۔ فَرِحٌ۔

(۶) فَعِيلٌ۔ جیسے رَحِيمٌ۔ عَظِيمٌ۔

(۷) فَعُولٌ۔ جیسے غَفُورٌ۔ وَدُودٌ۔ ظَلُومٌ۔

(۸) فُعَّالٌ۔ جیسے كُبَّارٌ۔

(۹) فَعُّولٌ۔ جیسے قَيُّومٌ۔

(۱۰) فَعْلَانُ۔ جیسے رَحْمٰنُ۔ غَضْبَانُ۔

ضمائر

جب ہم کہتے ہیں "حامد آیا" تو آپ کے ذہن میں فوراً ایک آدمی آجاتا ہے جس کا نام حامد ہے۔ اسے اسم ظاہر کہتے ہیں۔ یعنی بالکل کھلا ہوا نام۔ لیکن جب ہم کہیں "وہ آیا" تو اگرچہ اس وقت بھی ہم کسی آدمی کے آنے کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس سے متعین نہیں ہوتا کہ کون آیا۔

مگر جب ہم کہیں "حامد آیا۔ وہ بیمار تھا"۔ تو اب اس لفظ "وہ" سے مطلب سمجھ میں آگیا۔ یعنی "حامد"

لہذا لفظ "وہ" کے اندر حامد کا نام چھپا ہوا ہے - پوشیدہ اسموں کی کئی قسمیں ہیں - مثلاً :

(۱) اسم ضمیر (PRO-NOUN)

جب اسمائے ضمیر شروع میں آئیں تو ان کی شکل اس طرح ہوتی ہے -

	غائب			مخاطب (حاضر)			متکلم		
	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
مذکر	هُوَ	هُمَا	هُمْ	اَنْتَ	اَنْتُمَا	اَنْتُمْ	اَنَا	نَحْنُ	نَحْنُ
مؤنث	هِيَ		هُنَّ	اَنْتِ		اَنْتُنَّ			

لیکن جب ان ضمائر سے پہلے کوئی اسم یا فعل یا حرف مل کر آئے تو ان کی حسب ذیل شکلیں ہو جاتی ہیں :

	غائب			مخاطب (حاضر)			متکلم		
	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
مذکر	هُ	هُمَا	هُمْ	كَ	كُمَا	كُمْ	ی	نَا	نَا
مؤنث	هَا		هُنَّ	كِ		كُنَّ			

(۲) اسم شارہ

پوشیدہ اسماء کی دوسری قسم اسم اشارہ (Demonstrative Pronoun) ہے - جیسے :

(ا) اشارہ قریب :

مذکر			مؤنث		
واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
هٰذَا	هٰذَانِ هٰذَيْنِ	هٰؤُلَاءِ	هٰذِهٖ	هَاتَانِ هَاتَيْنِ	هٰؤُلَاءِ

(ب) اشارہ بعید :

مذکر			مؤنث		
واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
ذٰلِكَ	ذَانِكَ ذَيْنِكَ	اُولٰئِكَ	تِلْكَ	تَانِكَ تَيْنِكَ	اُولٰئِكَ

نوٹ : ذٰلِكَ اشارہ قریب اور بعید دونوں کے لئے آتا ہے ۔

(۳) اسم موصول

پوشیدہ اسماء کی تیسری قسم اسم موصول (Relative Pronoun) ہے ۔ جیسے :

مذکر			مؤنث		
واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
اَلَّذِی	اَلَّذَانِ اَلَّذَيْنِ	اَلَّذِيْنَ	اَلَّتِی	اَلَّتَانِ اَلَّتَيْنِ	اَلَّاتِیْ اَلَّائِیْ

(٤) اسمائے استفہام

پوشیدہ اسماء کی چوتھی قسم اسمائے استفہام (Interogative Pronoun) ہے ۔ جیسے : مَنْ (کون شخص) اور مَا (کونسی چیز) ۔

مادّہ اور اس کے حروف

گذشتہ صفحات میں آپ ثلاثی مجرد - ثلاثی مزید فیہ - رباعی وغیرہ اصطلاحی الفاظ پڑھ چکے ہیں - ان کا تفصیلی بیان تو آئندہ باب میں آئے گا ' جہاں یہ بتایا جائیگا کہ " ابواب اور ان کے خواص " کیا ہوتے ہیں - اس مقام پر مختصر الفاظ میں دیکھئے کہ ان کا مطلب کیا ہے -

عربی زبان میں استعمال ہونے والے اکثر و بیشتر الفاظ کے مادے تین حروف پر مشتمل ہوتے ہیں - ان الفاظ کو ثُلَاثِی (تین حرفوں والا) کہتے ہیں - لیکن بعض مادے تین سے زیادہ حروف بھی رکھتے ہیں - جس مادہ میں چار حرف ہوں اسے رُبَاعِی اور جس میں پانچ ہوں اسے خُمَاسِی کہتے ہیں - ذیل میں رباعی مادہ "زل زل" سے افعال اور اسماء کی ایک ایک شکل بطور مثال درج کی جاتی ہے -

ماضی معروف	مضارع معروف	ماضی مجہول	مضارع مجہول	امر
زَلْزَلَ	یُزَلْزِلُ	زُلْزِلَ	یُزَلْزَلُ	زَلْزِلْ
نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر	
لَا تُزَلْزِلْ	مُزَلْزِلٌ	مُزَلْزَلٌ	زَلْزَلَةٌ - زِلْزَالٌ	

نوٹ : قاعدے کی رو سے رباعی مادوں کو ثلاثی سے الگ لکھنا چاہئے لیکن بہت سے ارباب لغت انہیں ثلاثی کے تحت ہی لکھتے ہیں - اس لئے ہم نے بھی لغت میں انہیں (بجز مستثنیات) عام طور پر ثلاثی کے تحت لکھا ہے - لیکن اسکی تصریح کر دی ہے کہ یہ رباعی ہے -

مادّہ میں حرف علت

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ' عربی کے ان الفاظ کا مادہ تو نسبتاً آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے جن میں حروف صحت ہوں ' لیکن جن مادوں میں حروف علت ہوں ان کا دریافت کرنا قدرے دشوار ہوتا ہے ' بالخصوص واوی اور یائی میں یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے

کہ اس مادہ میں واو ہے یا ی ۔ بعض شکلوں میں اگر واوی کو یائی یا یائی کو واوی سمجھ لیا جائے تو معنوں میں بہت فرق پڑ جاتا ہے ۔ مثلاً صَلّٰی ایک لفظ ہے ۔ اگر اسے صلو (مادہ) سے لیا جائے تو اس کے معنے ہونگے "صلوٰۃ ادا کرنا" اور اگر صلی (مادہ) سے لیا جائے تو اس کے معنے ہونگے "آگ میں جھونکنا" ۔ چونکہ عربی نہ جاننے والوں کے لئے یہ متعین کرنا از بس دشوار (بلکہ ناممکن) ہے کہ کسی لفظ کا صحیح مادہ کیا ہے اس لئے ہم نے زیر نظر لغات کے شروع میں قرآن کریم کے تمام الفاظ کو انہی شکلوں میں لکھ کر جن میں وہ قرآن مجید میں آئے ہیں ان کے سامنے ان کا مادہ لکھ دیا ہے ۔ آپ جس لفظ کے معنی معلوم کرنا چاہیں اسے پہلے اس فہرست میں دیکھ کر متعین کر لیں کہ اس کا مادہ کیا ہے ' پھر اس مادہ کے معنی لغات میں دیکھ لیں ۔

ذیل میں ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں جن سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ جن مادوں میں حروف علت آتے ہیں ان میں مختلف اوزان اور ابواب میں جا کر کیا کیا (تعجب انگیز اور پریشان کن) تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں ۔

نوٹ : اس مقام پر آپ ابواب کے صرف نام دیکھ جائیے ان کا تفصیلی تعارف اور خواص آئندہ باب میں سامنے آئینگے ۔

حروفِ علت والے مادوں میں تبدیلیوں کی مثالیں

پہلی مثال مادہ ۔ و ع د

مادہ	فعل کی قسم	فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی
و ع د	معلوم	وَعَدَ	یَعِدُ	عِدْ	لَا تَعِدْ
و ع د	مجہول	وُعِدَ	یُوعَدُ	لِتُوعَدْ	لَا تُوعَدْ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
و ع د	وَاعِدٌ	مَوْعُودٌ	اَوْعَدُ	مِیْعَادٌ	مَوْعِدٌ

دوسری مثال مادہ د ع و

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
د ع و	معلوم	دَعَا	یَدْعُو	اُدْعُ	لَا تَدْعُ
	مجہول	دُعِیَ	یُدْعَی	لِتُدْعَ	لَا تُدْعَ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان ومکان
د ع و	دَاعٍ، اَلدَّاعِی	مَدْعُوٌّ	اَدْعَی	مِدْعًی	مَدْعًی

تیسری مثال مادہ و ق ی

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
و ق ی	معلوم	وَقَیَ	یَقِیْ	قِ	لَا تَقِ
	مجہول	وُقِیَ	یُوْقَ	لِیُوْقَ	لَا یُوْقَ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان ومکان
و ق ی	وَاقٍ، اَلْوَاقِ	مَوْقِیٌّ	اَوْقَی	مِیْقًی	مَوْقًی

چوتھی مثال مادہ ق و ل

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
ق و ل	معلوم	قَالَ	یَقُوْلُ	قُلْ	لَا تَقُلْ
	مجہول	قِیْلَ	یُقَالُ	لِیُقَلْ	لَا یُقَلْ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
ق و ل	قَائِلٌ	مَقُوْلٌ	اَقْوَلُ	مِقْوَلٌ	مَقَالٌ

پانچویں مثال مادہ ب ی ع

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
ب ی ع	معلوم	بَاعَ	یَبِیْعُ	بِعْ	لَا تَبِعْ
	مجہول	بِیْعَ	یُبَاعُ	لِیُبَعْ	لَا یُبَعْ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
ب ی ع	بَائِعٌ	مَبِیْعٌ	اَبْیَعُ	مِبْیَعٌ	مَبَاعٌ

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

ماده	قسم	فعل	تفعیل	افعال	افتعال	تفاعل	مفاعلہ	تفعّل	استفعال
وعد	معلوم	ماضی	وَعَّدَ	اَوْعَدَ	اتَّعَدَ	تَوَاعَدَ	وَاعَدَ	تَوَعَّدَ	اِسْتَوْعَدَ
		مضارع	يُوَعِّدُ	يُوْعِدُ	يَتَّعِدُ	يَتَوَاعَدُ	يُوَاعِدُ	يَتَوَعَّدُ	يَسْتَوْعِدُ
	مجہول	ماضی	وُعِّدَ	اُوْعِدَ	اُتُّعِدَ	تُوُوْعِدَ	وُوْعِدَ	تُوُوْعِدَ	اُسْتُوْعِدَ
		مضارع	يُوَعَّدُ	يُوْعَدُ	يُتَّعَدُ	يُتَوَاعَدُ	يُوَاعَدُ	يُتَوَعَّدُ	يُسْتَوْعَدُ
		امر	وَعِّدْ	اَوْعِدْ	اتَّعِدْ	تَوَاعَدْ	وَاعِدْ	تَوَعَّدْ	اِسْتَوْعِدْ
		نہی	لَا تُوَعِّدْ	لَا تُوْعِدْ	لَا تَتَّعِدْ	لَا تَتَوَاعَدْ	لَا تُوَاعِدْ	لَا تَتَوَعَّدْ	لَا تَسْتَوْعِدْ
		اسم فاعل	مُوَعِّدٌ	مُوْعِدٌ	مُتَّعِدٌ	مُتَوَاعِدٌ	مُوَاعِدٌ	مُتَوَعِّدٌ	مُسْتَوْعِدٌ
		اسم مفعول	مُوَعَّدٌ	مُوْعَدٌ	مُتَّعَدٌ	مُتَوَاعَدٌ	مُوَاعَدٌ	مُتَوَعَّدٌ	مُسْتَوْعَدٌ

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	فعل	تَفْعِيل	اَفْعَال	اِفْتِعَال	تَفَاعُل	مُفَاعَلَه	تَفَعُّل	اِسْتِفْعَال
د ع و	معلوم	ماضی	دَعَّى	اَدْعَى	اِدَّعَى	تَدَاعَى	دَاعَى	تَدَعَّى	اِسْتَدْعَى
		مضارع	يُدَعِّى	يُدْعِى	يَدَّعِى	يَتَدَاعَى	يُدَاعِى	يَتَدَعَّى	يَسْتَدْعِى
	مجہول	ماضی	دُعِّىَ	اُدْعِىَ	اُدِّعِىَ	تُدُوعِىَ	دُوعِىَ	تُدُعِّىَ	اُسْتُدْعِىَ
		مضارع	يُدَعَّى	يُدْعَى	يُدَّعَى	يُتَدَاعَى	يُدَاعَى	يُتَدَعَّى	يُسْتَدْعَى
		امر	دَعِّ	اَدْعِ	اِدَّعِ	تَدَاعَ	دَاعِ	تَدَعَّ	اِسْتَدْعِ
		نہی	لَا تُدَعِّ	لَا تُدْعِ	لَا تَدَّعِ	لَا تَتَدَاعَ	لَا تُدَاعِ	لَا تَتَدَعَّ	لَا تَسْتَدْعِ
		اسم فاعل	مُدَعِّ، اَلْمُدَعِّى	مُدْعٍ، اَلْمُدْعِى	مُدَّعٍ، اَلْمُدَّعِى	مُتَدَاعٍ اَلْمُتَدَاعِى	مُدَاعٍ اَلْمُدَاعِى	مُتَدَعٍّ اَلْمُتَدَعِّى	مُسْتَدْعٍ اَلْمُسْتَدْعِى
		اسم مفعول	مُدَعَّى	مُدْعَى	مُدَّعَى	مُتَدَاعًى	مُدَاعًى	مُتَدَعًّى	مُسْتَدْعًى

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	فعل	تَفْعِيل	اَفْعَالٌ	اِفْتِعَال	تَفَاعُل	مُفَاعَلَه	تَفَعُّل	اِسْتِفْعَال
وقی	معلوم	ماضی	وَقَّى	اَوْقَى	اِتَّقَى	تَوَاقَى	وَاقَى	تَوَقَّى	اِسْتَوْقَى
		مضارع	يُوَقِّيْ	يُوْقِيْ	يَتَّقِيْ	يَتَوَاقَى	يُوَاقِيْ	يَتَوَقَّى	يَسْتَوْقِيْ
	مجہول	ماضی	وُقِّيَ	اُوْقِيَ	اُتُّقِيَ	تُوُوْقِيَ	وُوْقِيَ	تُوُقِّيَ	اُسْتُوْقِيَ
		مضارع	يُوَقَّى	يُوْقَى	يُتَّقَى	يُتَوَاقَى	يُوَاقَى	يُتَوَقَّى	يُسْتَوْقَى
		امر	وَقِّ	اَوْقِ	اِتَّقِ	تَوَاقَ	وَاقِ	تَوَقَّ	اِسْتَوْقِ
		نہی	لَا تُوَقِّ	لَا تُوْقِ	لَا تَتَّقِ	لَا تَتَوَاقَ	لَا تُوَاقِ	لَا تَتَوَقَّ	لَا تَسْتَوْقِ
		اسم فاعل	مُوَقِّيْ - اَلْمُوَقِّيْ	مُوْقٍ - اَلْمُوْقِيْ	مُتَّقٍ - اَلْمُتَّقِيْ	مُتَوَاقٍ - اَلْمُتَوَاقِيْ	مُوَاقٍ - اَلْمُوَاقِيْ	مُتَوَقٍّ - اَلْمُتَوَقِّيْ	مُسْتَوْقٍ - اَلْمُسْتَوْقِيْ
		اسم مفعول	مُوَقًّى	مُوْقًى	مُتَّقًى	مُتَوَاقًى	مُوَاقًى	مُتَوَقًّى	مُسْتَوْقًى

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	فعل	تَفْعِيْل	اِفْعَال	اِفْتِعَال	تَفَاعُل	مُفَاعَلَه	تَفَعُّل	اِسْتِفْعَال
ق و ل	معلوم	ماضی	قَوَّلَ	اَقَالَ	اِقْتَالَ	تَقَاوَلَ	قَاوَلَ	تَقَوَّلَ	اِسْتَقَالَ
		مضارع	يُقَوِّلُ	يُقِيْلُ	يَقْتَالُ	يَتَقَاوَلُ	يُقَاوِلُ	يَتَقَوَّلُ	يَسْتَقِيْلُ
	مجہول	ماضی	قُوِّلَ	اُقِيْلَ	اُقْتِيْلَ	تُقُوْوِلَ	قُوْوِلَ	تُقُوِّلَ	اُسْتُقِيْلَ
		مضارع	يُقَوَّلُ	يُقَالُ	يُقْتَالُ	يُتَقَاوَلُ	يُقَاوَلُ	يُتَقَوَّلُ	يُسْتَقَالُ
		امر	قَوِّلْ	اَقِلْ	اِقْتَلْ	تَقَاوَلْ	قَاوِلْ	تَقَوَّلْ	اِسْتَقِلْ
		نہی	لَا تُقَوِّلْ	لَا تُقِلْ	لَا تَقْتَلْ	لَا تَتَقَاوَلْ	لَا تُقَاوِلْ	لَا تَتَقَوَّلْ	لَا تَسْتَقِلْ
		اسم فاعل	مُقَوِّلٌ	مُقِيْلٌ	مُقْتَالٌ	مُتَقَاوِلٌ	مُقَاوِلٌ	مُتَقَوِّلٌ	مُسْتَقِيْلٌ
		اسم مفعول	مُقَوَّلٌ	مُقَالٌ	مُقْتَالٌ	مُتَقَاوَلٌ	مُقَاوَلٌ	مُتَقَوَّلٌ	مُسْتَقَالٌ

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	فعل	تفعیل	افعال	افتعال	تفاعل	مفاعلہ	تفعّل	استفعال
ب ی ع	معلوم	ماضی	بَيَّعَ	اَبَاعَ	اِبْتَاعَ	تَبَايَعَ	بَايَعَ	تَبَيَّعَ	اِسْتَبَاعَ
		مضارع	يُبَيِّعُ	يُبِيْعُ	يَبْتَاعُ	يَتَبَايَعُ	يُبَايِعُ	يَتَبَيَّعُ	يَسْتَبِيْعُ
	مجہول	ماضی	بُيِّعَ	اُبِيْعَ	اُبْتِيْعَ	تُبُوْيِعَ	بُوْيِعَ	تُبُيِّعَ	اُسْتُبِيْعَ
		مضارع	يُبَيَّعُ	يُبَاعُ	يُبْتَاعُ	يُتَبَايَعُ	يُبَايَعُ	يُتَبَيَّعُ	يُسْتَبَاعُ
		امر	بَيِّعْ	اَبِعْ	اِبْتَعْ	تَبَايَعْ	بَايِعْ	تَبَيَّعْ	اِسْتَبِعْ
		نہی	لَا تُبَيِّعْ	لَا تَبِعْ	لَا تَبْتَعْ	لَا تَتَبَايَعْ	لَا تُبَايِعْ	لَا تَتَبَيَّعْ	لَا تَسْتَبِعْ
		اسم فاعل	مُبَيِّعٌ	مُبِيْعٌ	مُبْتَاعٌ	مُتَبَايِعٌ	مُبَايِعٌ	مُتَبَيِّعٌ	مُسْتَبِيْعٌ
		اسم مفعول	مُبَيَّعٌ	مُبَاعٌ	مُبْتَاعٌ	مُتَبَايَعٌ	مُبَايَعٌ	مُتَبَيَّعٌ	مُسْتَبَاعٌ

نگہ باز گشت | مادہ اور اس کے مشتقات کا مختصر سا بیان آپ کے سامنے آ چکا ہے ۔ آگے بڑھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثال کے ذریعے آپ کے سامنے وہ تمام مختلف شکلیں آ جائیں جو گذشتہ صفحات میں آپ کی نگاہوں سے گذری ہیں ۔ اس سے آپ کو اس کا بھی اندازہ ہو جائیگا کہ زیر نظر لغت میں آپ کو ایک عنوان کے تحت کس کس قسم کے الفاظ بالعموم ملیں گے ۔ مثلاً مادہ ہے ۔

فتح یعنی ف - ت - ح

اس مادہ کے تحت آپ کو فَتَحَ (فعل ماضی معروف) ۔ فُتِحَ (فعل ماضی مجہول) ۔ یَفْتَحُ (فعل مضارع معروف) ۔ یُفْتَحُ (فعل مضارع مجہول) ۔ اِفْتَحْ (امر) ۔ لَاتَفْتَحْ (نہی) ۔ فَاتِحٌ (اسم فاعل) ۔ مَفْتُوحٌ (اسم مفعول) ۔ مَفْتَحٌ (اسم ظرف) ۔ مِفْتَحٌ و مِفْتَاحٌ (اسم آلہ) ۔ فَتَّاحٌ (اسم مبالغہ) وغیرہ ملیں گے ۔ ان کے علاوہ فَتَحَ کے مختلف ابواب سامنے آئیں گے ۔ مثلاً اَفْتَحَ (باب اِفْعَال) ۔ فَتَّحَ (باب تَفْعِیل) ۔ فَاتَحَ (باب مُفَاعَلَہ) ۔ تَفَاتَحَ (باب تَفَاعُل) ۔ تَفَتَّحَ (باب تَفَعُّل) ۔ اِفْتَتَحَ (باب اِفْتِعَال) ۔ اِنْفَتَحَ (باب اِنْفِعَال) ۔ اِسْتَفْتَحَ (باب اِسْتِفْعَال) وغیرہ بھی لکھے ہوئے ملیں گے ۔

نوٹ : زیر نظر لغت میں ہر مادہ کے تحت یہ تمام مشتقات نہیں دئیے گئے ۔ جس طرح لغت میں صرف وہی مادے دئیے گئے ہیں جن سے متعلق کوئی لفظ قرآن کریم میں آیا ہے اسی طرح ہر مادہ کے تحت الفاظ کی صرف وہی شکلیں دی گئی ہیں جو قرآن مجید میں آئی ہیں (بعض مقامات میں ان تمام شکلوں کو بالتفصیل بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی) اس لئے کہ ہمارا یہ لغت قرآن کریم کا لغت ہے ' ء ہی زبان کا مکمل لغت نہیں ۔

حروف

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ' عربی زبان کے تمام الفاظ تین قسموں کے ہوتے ہیں - (۱) یا تو وہ لفظ نام ہوگا - اسے اسم کہا جاتا ہے - جیسے :

اَللّٰہُ - مُحَمَّدٌ - قَلَمٌ - عَالِمٌ - قَتْلٌ - تَعْلِیْمٌ - وغیرہ -

(۲) یا وہ لفظ کسی کام کے کرنے یا ہونے کے لئے بولا جائے گا - اسے فعل کہا جاتا ہے - مثلاً ذَھَبَ : وہ گیا (فعل ماضی) - یَاْکُلُ : وہ کھاتا ہے یا کھائے گا (فعل مضارع) قُلْ : تو کہہ دے (فعل امر) وغیرہ

(۳) اور یا وہ حرف ہوگا - بالفاظ دیگر اگر کوئی لفظ نہ اسم ہے نہ فعل ' تو وہ لازماً حرف ہوگا - مثلاً اس فقرہ میں

اَنَا - اَذْھَبُ - اِلَی - الْبَیْتِ -

اَنَا اسم ضمیر ہے (معنی - میں) - اَذْھَبُ - فعل ہے (میں جاتا ہوں) - اَلْبَیْتُ اسم ہے (معنی - گھر) - اب رہ گیا اِلَی - سو یہ حرف ہے (معنی - کی طرف) - فقرے کے معنے ہوئے - میں گھر کی طرف جاتا ہوں -

حرف کی اہمیت

ہر چند حرف نہ اسم ہے نہ فعل اور دیکھنے میں بھی زبان کا سب سے چھوٹا جزو ہے (مندرجہ بالا مثال میں اِلٰی پھر بھی وزن دار دکھائی دیتا ہے ورنہ خالی ب - ل بھی حروف ہیں) لیکن زبان میں ان کی بڑی اہمیت ہے - یہ زبان میں ربط پیدا کرتے ہیں - اسماء اور افعال کو ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں - گفتگو میں زور و قوت اور معنوں میں ہمواری اور استواری پیدا کرتے ہیں - انہی سے اقرار اور انکار کا علم ہوتا ہے اور انہی کے ذریعہ کلام میں استفہام - ترغیب - تاکید - تنبیہ کے معانی پیدا ہوتے ہیں - ان کی تبدیلی سے فعل کا پورے کا پورا مفہوم بدل جاتا ہے - مثلاً "رغبت"

عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے آپ بخوبی سمجھتے ہیں۔ اگر ہم (عربی زبان میں) کہیں رَغِبْتُ اِلَیْہِ تو اس کے معنے ہوں گے "میں اس کی طرف مائل ہوا"۔ لیکن اگر اِلٰی (حرف) کی جگہ عَنْ آ جائے اور ہم کہیں رَغِبْتُ عَنْہُ تو اس کے معنی ہوں گے "میں نے اس سے اعراض برتا۔ اس سے منہ موڑا۔ اسے چھوڑ دیا"۔ آپ نے دیکھا کہ حرف (جو بظاہر نہ نام کا ہے نہ کام کا) کس طرح افعال کی ناک میں نکیل ڈالے انہیں ادھر سے اُدھر لئے لئے پھرتا ہے۔ یہ حروف وہی ہیں جنہیں انگریزی زبان میں (Prepositions) کہتے ہیں اور جن کی اہمیت کا غالباً آپ کو اندازہ ہے۔

محذوفات کی جگہ

اتنا ہی نہیں کہ یہ افعال کے معانی میں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایک حرف کتنے ایسے الفاظ کے معنے دے جاتا ہے جو اس فقرے میں کہیں نہیں ہوتے۔ یعنی وہ محذوف (Understood) ہوتے ہیں۔ مثلاً۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ مفسد کو مصلح سے جانتا ہے۔ لیکن اس سے بات واضح نہیں ہوتی۔ در حقیقت اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مفسد کو مصلح سے الگ کر کے۔ تمیز کر کے۔ فرق کر کے جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون۔ دیکھئے اس عبارت میں ایک حرف مِنْ نے اس محذوف عبارت کا کام دے دیا۔ یا مثلاً قرآن میں ہے اِلَّا (اِنْ لَا) تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ ۔ اس کا ویسے ترجمہ یہ ہوگا کہ "اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو یقیناً اللہ اس کی مدد کر چکا ہے"۔ لیکن اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو نہ کرو۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ کوئی حرج نہیں، کوئی پرواہ نہیں۔ کیونکہ (جس طرح) اللہ اس کی مدد (فلاں موقع پر) کر چکا ہے (اب بھی کرے گا)۔ چنانچہ عربی

زبان میں یہ قاعدہ بن گیا ہے کہ اگر اِنْ (حرف شرط) کے جواب شرط سے پہلے قَدْ آ جائے تو اس کا مفہوم وہ ہوتا ہے جیسے اوپر بیان کیا گیا ہے ۔

حرف کی قسمیں

حرف کے اس تمہیدی تعارف کے بعد اب یہ دیکھئے کہ اس کی قسمیں کتنی ہیں ۔ یہ قسمیں حروف کے انداز استعمال کی رو سے کی جا سکتی ہیں ۔ مثلاً

(۱) وہ حروف جو صرف افعال (Verbs) سے پہلے آتے ہیں ۔ ان سے فعلوں کے معنوں میں کچھ اضافہ ہو جاتا ہے ۔ مثلاً ۔ لَمْ ۔ لَنْ ۔ قَدْ ۔ سَ ۔ سَوْفَ وغیرہ ۔

لَمْ اور لَنْ دونوں مضارع پر آتے ہیں اور دونوں " تاکید کے ساتھ نفی" (نہ) کے معنے پیدا کرتے ہیں ۔ لَمْ فعل مضارع کو فعل ماضی منفی کے معنوں میں تبدیل کر دیتا ہے ۔ جیسے یَأْکُلُ (وہ کھاتا ہے یا کھائیگا) سے پہلے لَمْ آ جانے تو لَمْ یَأْکُلْ کے معنے ہو جائینگے " اس نے قطعاً نہیں کھایا " ۔ اسی طرح جب ارع سے پہلے حرف لَنْ آ جاتے تو اس کے معنے منفی مستقبل کے ہو جاتے ہیں ۔ مثلاً لَنْ یَأْکُلَ : " وہ قطعاً نہیں۔ کھائیگا "

(۲) دوسری قسم کے حروف وہ ہیں جو تنہا لفظوں پر نہیں بلکہ جملوں پر آتے ہیں ۔ مثلاً اِنَّ ۔ اَنَّ ۔ کَاَنَّ ۔ لَیْتَ ۔ لٰکِنَّ ۔ لَعَلَّ وغیرہ ' جملوں کے پہلے آتے ہیں اور جملہ میں خاص معنے پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یقیناً ' بے شک ' یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے ۔

(۳) تیسری قسم کے وہ حروف ہیں جو اسم سے پہلے آتے ہیں ۔ ب ۔ فی ۔ ل ۔ عَلٰی ۔ مِنْ ۔ اِلٰی ۔ عَنْ وغیرہ ۔ جیسے بِالْقَلَمِ (قلم سے ' قلم کے ساتھ) فِی الْبَیْتِ

(گھر میں) - اِلیٰ اللّٰہ (اللہ کیطرف) - عربی زبان میں ان حروف کو خاص اہمیت حاصل ہے - اس اہمیت میں اس وقت اور اضافہ ہوجاتا ہے جب ان سے پہلے فعل آئے - جیسا کہ ہم رَغِبْتُ اِلَیْہِ اور- رَغِبْتُ عَنْہُ کی مثال میں بتا چکے ہیں -

حروف کا ترجمہ

نمبر ۱ اور نمبر۲ کے حروف تو اپنے معانی معین رکھتے ہیں لیکن نمبر ۳ کے حروف کچھ اس انداز سے آتے ہیں کہ اردو زبان میں ان کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جا سکتا ' بلکہ مفہوم کے اعتبار سے ہی کیا جا سکتا ہے - مثلاً

(۱) عَلیٰ کے معنی " پر ' اوپر " ہیں - عربی زبان میں کہینگے عَلیٰ سَفَرٍ لیکن اردو میں اس کا ترجمہ " سفر پر " غیر فصیح ہوگا - " سفر میں " ٹھیک ہوگا - ہم یہ نہیں کہینگے کہ " اگر تم سفر پر ہو " - ہم کہینگے " اگر تم سفر میں ہو " -

(۲) یا مثلاً ل کے معنے " لئے یا واسطے " ہیں - جیسے لِزَیْدٍ : زید کے لئے یا زید کے واسطے - لیکن جب ہم اس سے پہلے فعل لا کر قُلْتُ لِزَیْدٍ کہینگے تو اس کا ترجمہ " میں نے زید کے لئے کہا " نہیں ہوگا ' اس کا صحیح ترجمہ ہوگا " میں نے زید سے کہا " -

اسی طرح ب کے معنی عموماً " ساتھ " یا " سے " کئے جاتے ہیں ' لیکن مختلف فعلوں (VERBS) کے ساتھ آنے سے اس کا ترجمہ مختلف ہو جائیگا ' جیسے

(۱) ذَھَبَ بِالْکِتَابِ : لفظی ترجمہ - وہ کتاب کے ساتھ گیا - با محاورہ ترجمہ - وہ کتاب لے گیا -

(۲) حَکَمَ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ : لفظی ترجمہ - اس نے ما انزل اللہ کے ساتھ فیصلہ کیا - با محاورہ ترجمہ - اس نے ما انزل اللہ (قانون خداوندی) کے مطابق فیصلہ کیا -

آپ نے دیکھا ' ان مثالوں میں کہیں بھی ب کے معنے " سے " یا " ساتھ " نہیں ۔ زیر نظر لغت میں حروف کا عام ترجمہ دیا گیا ہے ۔ لیکن اردو زبان میں ان کا ترجمہ (عبارت کے لحاظ سے) الگ الگ ہوگا ۔ اس کے لئے کوئی خاص قاعدہ مقرر نہیں ۔ زبان سے واقفیت اور تھوڑی سی مشق کے بعد سمجھ میں آ جاتا ہے کہ فلاں فقرہ میں حرف کا صحیح ترجمہ کیا ہونا چاہئے ۔

تفصیلی بیان

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے' عربی زبان میں حروف کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کے پیش نظر آپ گرامر (اور بعض لغت) کی کتابوں میں حروف کے متعلق بڑی طویل بحثیں دیکھینگے ۔ لیکن ہم نے اس مقام پر بھی' اور لغت کے اندر بھی بڑے اختصار سے کام لیا ہے اور فنی بحثوں' لفظی باریکیوں اور علمی اصطلاحوں سے قطع نظر کر کے حروف کے صرف وہ معانی بیان کر دئے ہیں جن کا استعمال عام ہوتا ہے ۔ مثلاً گرامر کی کتابوں میں واو عطف کی بہت سی قسمیں دی گئی ہیں لیکن ان سب کا ترجمہ " اور " (and) ہی ہوتا ہے ۔ ہم نے ان اقسام سے بحث نہیں کی ۔ نیز ہم اس بحث میں بھی نہیں الجھے کہ ایک حرف کے آنے سے اسم میں کیا کیا اعرابی ' رفع (پیش) نصب (زبر) جر (زیر کی) تبدیلیاں ہو جاتی ہیں ۔ مثلاً اِنَّ مبتدا کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے وغیرہ وغیرہ ۔ ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ کو عربی زبان کے الفاظ اور ان کی مختلف شکلوں کی اس قدر پہچان ہو جائے کہ مادہ کے معنے سمجھ لینے کے بعد ان مختلف شکلوں کا مفہوم بھی آپ کے سامنے آ سکے اور اس طرح آپ قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے کے قابل ہو سکیں ۔ فنی نکات آفرینیوں اور اصطلاحی موشگافیوں سے بحث کرنا ہمارے پیش نظر نہیں ۔

ابواب اور ان کے خواص

یہ بتایا جا چکا ہے کہ عربی زبان میں ہر فعل مادّہ سے بنتا ہے - مادّہ ان اصلی حروف کو کہتے ہیں جن کے بغیر فعل کی پہلی شکل وجود میں نہ آسکے - فعل کا مادّہ کبھی تین حروف کا ہوتا ہے اور کبھی چار کا - (اسماء کے مادہ میں پانچ اور چھ حروف بھی ہوتے ہیں) تین حرفی مادہ کو ثُلَاثِی کہتے ہیں - یہ ثَلَاثَۃٌ سے بنا ہے جس کے معنی "تین" ہیں - عربی زبان میں زیادہ تر ثلاثی افعال ہیں - چار حرفی مادہ کو رُبَاعِی کہتے ہیں - یہ اَرْبَعَۃٌ سے بنا ہے جس کے معنی "چار" ہیں - عربی زبان میں رباعی افعال کم استعمال ہوتے ہیں -

ثلاثی مجرّد اور ثلاثی مزید فیہ

اگر کسی فعل کا مادہ تین حروف کا ہو اور اس کی ماضی کی پہلی شکل میں بھی تین حروف ہی ہوں تو وہ ثلاثی مجرّد کہلاتا ہے - لیکن جب مادہ تین حروف کا ہو مگر ماضی کی پہلی شکل میں تین حروف سے زیادہ ہوں تو ایسے فعل کو ثلاثی مزیدفیہ کہا جائیگا - آپ کو شاید اس پر تعجب ہوگا کہ جب مادہ تین ہی حروف کا ہے تو پھر فعل ماضی میں تین سے زیادہ حروف کیسے آسکتے ہیں ؟ یہ اس طرح کہ ثلاثی مجرد میں کچھ حروف کا اضافہ کر دیتے ہیں اور اس اضافہ سے وہ ایک نیا باب بن جاتا ہے اور بسا اوقات اس کے معنے بدل جاتے ہیں - یہی وہ تبدیلیاں ہیں (یعنی ابواب اور ان کے خواص) جن کی وضاحت کے لئے موجودہ عنوان آپکے سامنے لایا گیا ہے - "ابواب اور ان کی خاصیتیں" عربی زبان کی منفرد خصوصیت ہے جس سے یہ زبان لامحدود وسعتوں کی حامل ہوگئی ہے ' لہذا آپ اس عنوان کو بڑے غور سے دیکھئے -

ثلاثی مجرد کے ابواب

ابواب ثلاثی مجرد کے بھی ہوتے ہیں اور ثلاثی مزیدفیہ کے بھی - پہلے ثلاثی مجرد کے ابواب کو لیجئے - یہ وہ ابواب ہیں جن کا مادہ سہ حرفی ہے اور ماضی کی پہلی شکل بھی سہ حرفی ہے -

اور اس میں کسی حرف کا مزید اضافہ نہیں ہوتا ہے ' صرف حرکت بدل جانے سے باب بدل جاتا ہے ' اور حرکت بھی تینوں حروف کی نہیں بلکہ صرف دوسرے (یعنی درمیانی) حرف کی حرکت بدلنے سے ایک نیا باب ظہور میں آ جاتا ہے ۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے' فعل ثلاثی مجرد میں ماضی کی پہلی شکل تین حرف رکھتی ہے ۔ ان میں سے پہلا اور تیسرا (آخری) حرف، ایک حالت میں رہتے ہیں لیکن دوسرا (درمیانی) حرف ایک حالت پر نہیں رہتا ' اس پر کبھی زبر کبھی زیر اور کبھی پیش آتا ہے ۔ یہی درمیانی حرف فعل مضارع میں بھی بدلتا رہتا ہے ۔ ہر نئی شکل جو فعل اور اس کے فعل مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں (زبر - زبر - پیش) سے مل کر بنتے ہے "باب" کہلاتی ہے ۔

ماضی اور مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں کے اعتبار سے ثلاثی مجرد کے چھ ابواب مستعمل ہیں ۔

نمبر	فعل ماضی	فعل مضارع	کیفیت
۱	فَتَحَ	یَفْتَحُ	درمیانی حرف "ت" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زبر ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر زبر ہے۔
۲	ضَرَبَ	یَضْرِبُ	درمیانی حرف "ر" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زبر ہے اور فعل مضارع میں اس پر زیر ہے ۔
۳	کَتَبَ	یَکْتُبُ	درمیانی حرف "ت" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زبر ہے اور فعل مضارع میں اس پر پیش ہے ۔
۴	عَلِمَ	یَعْلَمُ	درمیانی حرف "ل" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زیر ہے اور فعل مضارع میں اس پر زبر ہے ۔
۵	ثَقُلَ	یَثْقُلُ	درمیانی حرف "ق" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر پیش ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر پیش ہے۔
۶	وَرِثَ	یَرِثُ	درمیانی حرف "ر" ہے ۔ فعل ماضی میں اس پر زیر ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر زیر ہے ۔

(نوٹ ۔ ثلاثی مجرد کے اول الذکر پانچ ابواب عام طور پر آتے ہیں ۔ آخری چھٹا باب قرآن میں شاذ آیا ہے ۔)

مندرجہ بالا چھ متفرق شکلیں ہیں جو فعل ماضی اور فعل مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں کے اختلاف سے پیدا ہوتی ہیں' اور یہی ثلاثی مجرد کے ابواب ہیں ۔ ان میں سے ہر شکل ایک باب کہلاتی ہے ۔ ان ابواب کا معنوں سے کچھ تعلق نہیں ۔ یہ فقط اتنا بتاتے ہیں کہ عربی زبان میں جسقدر ثلاثی مجرد کے افعال (ماضی ۔ مضارع) آئینگے وہ انہی شکلوں کے اندر آئینگے ۔ لیکن اگر ایک ہی باب میں درمیانی حرکتوں کو بدل دیا جائے تو اس طرح بعض اوقات معنوں میں فرق پیدا ہو جاتا ہے ۔ مثلاً :—

	فعل ماضی	فعل مضارع	کیفیت
۱	بَعُدَ	یَبْعُدُ	ماضی اور مضارع میں درمیانی حرف پر پیش ہے' اس کے معنی ہیں "دور ہوا"
	بَعِدَ	یَبْعَدُ	فعل ماضی میں درمیانی حرف پر زیر اور فعل مضارع میں درمیانی حرف پر زبر ہے ۔ اب اس کے معنے ہیں "ہلاک ہوا' مر گیا"
۲	حَزِنَ	یَحْزَنُ	فعل ماضی میں درمیانی حرف پر زیر اور فعل مضارع میں درمیانی حرف پر زبر ہے ۔ اس کے معنی ہیں "غمگین ہوا' رنجیدہ ہوا" (فعل لازم) ۔
	حَزَنَ	یَحْزُنُ	فعل ماضی کے درمیانی حرف پر زبر اور فعل مضارع کے درمیانی حرف پر پیش ہے ۔ معنی "غمگین کیا رنجیدہ کیا" (فعل متعدی)

ثلاثی مزید فیہ کے ابواب

ثلاثی مجرد کے علاوہ ایسے افعال جن میں اصلی حروف تو تین ہی ہوں ' لیکن ماضی کی پہلی شکل میں تین سے زیادہ حروف ہوں ثلاثی مزید فیہ کہلاتے ہیں ۔ ان کے مختلف ابواب مختلف وزن پر آتے ہیں' جن میں بیشتر استعمال ہونے والے ابواب قرآن مجید میں بارہ ہیں ' اور یہ حسب ذیل ہیں :-

نمبر شمار	باب (مصدری وزن)	ثلاثی مجرد (نہج مادہ کے حروف)	ثلاثی مزید فیہ		کیفیت
			فعل ماضی	فعل مضارع	
۱	تَفْعِیل	کَرُمَ	کَرَّمَ	یُکَرِّمُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے درمیانی حرف کو مشدد کر دیا جاتا ہے ۔
		عَلِمَ	عَلَّمَ	یُعَلِّمُ	

نمبر شمار	باب (مصدری وزن)	ثلاثی مجرد (نیز مادہ کے حروف)	ثلاثی مزید فیہ		کیفیت
			فعل ماضی	فعل مضارع	
۲	اِفْعَالٌ	حَسُنَ	اَحْسَنَ	یُحْسِنُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے ماضی پر ایک " ہمزہ " کا اضافہ کیا جاتا ہے ۔
		نَعِمَ	اَنْعَمَ	یُنْعِمُ	
۳	مُفَاعَلَةٌ	جَهَدَ	جَاهَدَ	یُجَاهِدُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے پہلے حرف کے بعد الف کا اضافہ کیا جاتا ہے ۔
		قَتَلَ	قَاتَلَ	یُقَاتِلُ	
۴	تَفَاعُلٌ	كَثُرَ	تَكَاثَرَ	یَتَكَاثَرُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کی ماضی سے قبل " ت " اور پہلے حرف کے بعد "الف" بڑھایا جاتا ہے ۔
		غَمَزَ	تَغَامَزَ	یَتَغَامَزُ	
۵	تَفَعُّلٌ	قَطَعَ	تَقَطَّعَ	یَتَقَطَّعُ	اس باب میں ثلاثی مجرد سے قبل "ت" بڑھا کر درمیانی حرف مُشَدَّد کر دیا جاتا ہے ۔
		عَلِمَ	تَعَلَّمَ	یَتَعَلَّمُ	
۶	اِنْفِعَالٌ	قَلَبَ	اِنْقَلَبَ	یَنْقَلِبُ	اس باب میں ثلاثی مجرد سے قبل "اِن" کا اضافہ کیا جاتا ہے ۔
		فَجَرَ	اِنْفَجَرَ	یَنْفَجِرُ	
۷	اِفْتِعَالٌ	قَرُبَ	اِقْتَرَبَ	یَقْتَرِبُ	اس باب میں شروع میں "ہمزہ" اور ثلاثی مجرد کے پہلے حرف کے بعد "ت" بڑھائی جاتی ہے ۔
		كَسَبَ	اِكْتَسَبَ	یَكْتَسِبُ	
۸	اِسْتِفْعَالٌ	كَبُرَ	اِسْتَكْبَرَ	یَسْتَكْبِرُ	اس باب میں ثلاثی مجرد پر "اس ت" کا اضافہ کیا جاتا ہے ۔
		غَفَرَ	اِسْتَغْفَرَ	یَسْتَغْفِرُ	

نمبر شمار	باب (مصدری وزن)	ثلاثی مجرد (نیز مادہ کے حروف)	ثلاثی مزید فیہ		کیفیت
			فعل ماضی	فعل مضارع	
۹	اِفْعِلَالٌ	سَوَدَ	اِسْوَدَّ	یَسْوَدُّ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے شروع میں ہمزہ کا اضافہ اور آخری حرف کو مشدد کیا جاتا ہے۔
		بَیَضَ	اِبْیَضَّ	یَبْیَضُّ	
۱۰	اِفْعِیْلَالٌ	دَھْمَ	اِدْھَامَّ	یَدْھَامُّ	اس باب میں باب نمبر ۹ پر آخری مشدد حرف سے قبل الف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
۱۱	اِفْعَلَّ	زَمَلَ	اِزْمَلَّ	یَزْمَلُّ	اس باب میں شروع میں ہمزہ کے علاوہ پہلے اور دوسرے حرف کو مشدد کیا جاتا ہے (بعض اسے باب تفعُّل کی ایک متغیر شکل قرار دیتے ہیں)۔
		دَثَرَ	اِدَّثَرَ	یَدَّثَرُ	
۱۲	اِفَّاعُلٌّ	ثَقُلَ	اِثَّاقَلَ	یَثَّاقَلُ	اس باب میں شروع میں ہمزہ اور پہلے حرف کے بعد الف لایا جاتا ہے نیز پہلے حرف کو مشدد کیا جاتا ہے (بعض اسے باب تفاعل کی متغیر شکل قرار دیتے ہیں)۔

نوٹ ۔ ان ابواب کا مصدر اسی وزن پر آئے گا جو باب کے خانے میں درج ہیں۔ مثالیں ذرا آگے چل کر آئیں گی۔

یہاں آپ کے دل میں لازماً یہ سوال پیدا ہوگا کہ ان تبدیلیوں سے بالآخر مقصود کیا ہوتا ہے؟ ان تبدیلیوں سے مقصود معانی میں وسعت اور ان کے درمیان معنوی فرق و اختلاف پیدا کرنا ہے۔ یعنی ایک ہی فعل جب باب تفعیل میں ہو تو اس کے معنے اور ہوتے ہیں اور باب افعال میں ہو تو اور۔ ان ابواب کی یہ خصوصیات (یعنی خاص معنی) مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا (اگرچہ ان خصوصیات میں بعض اوقات استثناء بھی ہو جاتی ہے) کسی فعل کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے دیکھنا یہ چاہئے کہ:

۱۔ اس مادہ کے معنی کیا ہیں اور

۲۔ وہ کس باب میں ہے۔

یہ عربی زبان کی وہ خصوصیت ہے جو کہیں اور نہیں ملتی - ذیل میں ہم ان ابواب کی خصوصیتیں (مختصراً) درج کرتے ہیں - آپ انہیں غور سے دیکھیں -

ابواب ثلاثی مزید فیہ کے خواص

اب ثلاثی مزید فیہ کے مختلف ابواب کے خواص دیکھئے - واضح رہے کہ ہم نے مختلف ابواب کے تمام خواص درج نہیں کئے - صرف اسی قدر خواص دئے ہیں جو قرآن کریم میں استعمال شدہ الفاظ کے سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں -

۱- باب تَفْعِیلٌ :-

(اس باب سے مصدر تَفْعِیلٌ کے وزن پر آئیگا - مثلاً تَکْرِیمٌ - تَنْزِیلٌ)[1]

ثلاثی مجرد کو باب تَفْعِیلٌ میں لے جائیں تو مندرجہ ذیل فوائد و خواص مطلوب ہوتے ہیں :

(۱) لازم فعل متعدی بن جاتا ہے - مثالیں :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
ثَبَتَ	مضبوطی سے جما ' ثبت ہوا -	ثَبَّتَ	مضبوطی سے جمایا ' ثبت کیا -
کَرُمَ	شریف و باعزت ہوا	کَرَّمَ	شریف و باعزت بنایا

---

(۱) کبھی کبھی تَفْعِیلٌ کے علاوہ تَفْعِلَةٌ اور فِعَّالٌ کے وزن پر بھی اس کا مصدر آ جاتا ہے- جیسے جَرَّبَ سے مصدر تَجْرِیبٌ اور تَجْرِبَةٌ - اور کَذَّبَ سے مصدر تَکْذِیبٌ و کِذَّابٌ - بالخصوص جب مادہ میں آخری حرف صحیح نہ ہو بلکہ حرف علت ہو تو مصدر ہمیشہ تَفْعِلَةٌ کے وزن پر آئیگا- جیسے صَلَّی سے تَصْلِیَةٌ اور سَمَّی سے تَسْمِیَةٌ -

(۲) ثلاثی مجرد کا فعل متعدی جو ایک مفعول چاہتا ہے اس باب میں آنے کے بعد دو مفعول چاہنے لگتا ہے ۔ جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی و مثال	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی و مثال
سَمِعَ	اس نے سنا ۔ سَمِعَ زَیْدٌ الْخَبَرَ : زید نے خبر سنی ۔ یہاں ''الْخَبَرَ'' مفعول ہے ۔	سَمَّعَ	سَمَّعَ ۸ سنایا ۔ سَمَّعَ زَیْدٌ حَامِدًا الْخَبَرَ: زید نے حامد کو خبر سنائی ۔ یہاں ''حامداً اور الْخَبَرَ'' دو مفعول ہیں ۔
فَهِمَ	اس نے سمجھا ۔ فَهِمَ حَامِدٌ الْكَلَامَ'' حامد نے بات سمجھی ۔ یہاں ''الْكَلَامَ'' مفعول ہے ۔	فَهَّمَ	سمجھایا ۔ فَهَّمَ حَامِدٌ ذَاكِرًا الْكَلَامَ حامد نے ذاکر کو بات سمجھائی، یہاں 'ذَاكِراً اور الْكَلَامَ' دو مفعول ہیں ۔

(۳) کسی کام میں زور و شدت، زیادتی و کثرت اور مبالغہ کے معنے پیدا ہو جاتے ہیں ۔ جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
قَطَعَ	اس نے کاٹا	قَطَّعَ	بہت زیادہ کاٹا، خوب اچھی طرح کاٹا۔کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا ۔
قَتَلَ	مار ڈالا، قتل کیا۔	قَتَّلَ	بکثرت قتل کیا ۔ بری طرح قتل کیا۔

(۴) کسی کام کو بتدریج تھوڑا تھوڑا اور بار بار کرنے کے لئے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
نَزَلَ	اترا ، نازل ہوا	نَزَّلَ	اتارا ، نازل کیا ، بار بار تھوڑا تھوڑا بتدریج اتارا ۔
ذَکَرَ	یاد کیا	ذَکَّرَ	یاد دلایا بار بار یاد دلایا ۔

(۵) کسی کام کو کسی کی طرف منسوب کرنے کے لئے بھی یہ باب استعمال کیا جاتا ہے ۔ مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
کَذَبَ	جھوٹ بولا	کَذَّبَ	اسے جھٹلایا ، جھوٹا بتایا ۔ اسکی طرف جھوٹ کو منسوب کیا ۔
صَدَقَ	سچ بولا	صَدَّقَ	اسے سچا بتایا ۔ اس کی تصدیق کی ۔ سچ اسکی طرف منسوب کیا ، سچ کرکے دکھایا ۔

(ب) کسی کیفیت کو دور کرنے اور سلب کرنے کے لئے بھی یہ باب استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
مَرِضَ	وہ بیمار ہوا ۔	مَرَّضَ	اس کی بیماری دور کی ۔
ذُکَاءٌ	حرارت غریزی ۔	ذَکَّی	جانور کی حرارت غریزی نکالی 'اسے ذبح کیا'

(ج) باب افعال کے مخالف معنوں کے لئے بھی آتا ہے ۔ مثلاً :

اَفْرَطَ (باب افعال) حد سے تجاوز کیا ۔ افراط ۔

فَرَّطَ (باب تفعیل) حد سے کمی کی ۔ تفریط ۔

(د) بعض اوقات یہ ثلاثی مجرد کے معنوں میں آتا ہے ۔ مثلاً بَشَرَ اور بَشَّرَ کے معنی ایک ہیں ۔

باب تفعیل سے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
عَلَّمَ	عُلِّمَ	یُعَلِّمُ	یُعَلَّمُ	عَلِّمْ	لَا تُعَلِّمْ	مُعَلِّمٌ	مُعَلَّمٌ	تَعْلِیْمٌ

(۲) باب اِفْعَالٌ کے خواص

(اس باب سے (حروف صحت والے مادوں کا) مصدر اِفْعَالٌ کے وزن پر آئے گا ۔ مثلاً اِسْلَامٌ ۔ اِکْرَامٌ)

ثلاثی مجرد کو اِفْعَال میں منتقل کرنے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ہیں ۔

(۱) ثلاثی مجرد کے فعل لازم کو فعل متعدی بنانے کے لئے - جیسے :-

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افعال	معنے
فَرِحَ	وہ خوش ہوا	أَفْرَحَ	اسنے خوش کیا
عَزَّ	وہ با عزت و سر بلند ہوا	أَعَزَّ	اسنے با عزت و سر بلند کیا

(۲) ثلاثی مجرد اگر متعدی ہے اور ایک مفعول چاہتا ہے تو اسے دو مفعول والا متعدی فعل بنانے کے لئے - جیسے :-

ثلاثی مجرد	مثال	ثلاثی مزید فیہ باب افعال	مثال
قَرَأَ اس نے پڑھا	قَرَأَ زَيْدٌ كِتَابًا : زید نے کتاب پڑھی یہاں "كِتَابًا" مفعول ہے -	أَقْرَأَ پڑھایا	أَقْرَأَ زَيْدٌ حَامِدًا كِتَابًا : زید نے حامد کو کتاب پڑھائی - یہاں "حَامِدًا اور كِتَابًا" دو مفعول ہیں -

(۳) کسی "وقت یا جگہ میں داخل ہونا" بتانے کے لئے - مثلاً :-

أَصْبَحَ (باب افعال) وہ صبح کے وقت میں داخل ہوا -

أَمْسَى (باب افعال) وہ شام کے وقت میں داخل ہوا -

أَعْرَقَ (باب افعال) وہ عراق میں داخل ہوا -

(۴) کسی "حالت یا صفت کا پایا جانا" بتانے کے لیے :- جیسے

كَبُرَ (باب افعال) اسے بڑا پایا -

(۵) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کے ہم معنی ہوتا ہے ۔ مثلاً

اَلْحَقَ (باب افعال) بمعنی لَحِقَ (ثلاثی مجرد) : پیچھے سے آکر ملا ۔

(۶) کسی صفت کے زائل ہونے اور سلب کرنے کے لئے ۔ مثلاً

اَعْتَبَ (باب افعال) عتاب زائل کیا ۔

(۷) بعض اوقات یہ باب ثلاثی مجرد متعدی کا لازم بنتا ہے ۔ جیسے کَبَّهُ (ثلاثی مجرد متعدی) عَلٰی وَجْهِهٖ :- اسے منہ کے بل گرایا ، فَاَکَبَّ (باب افعال لازم) تو وہ منہ کے بل گر گیا

اس باب سے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
اَسْلَمَ	اُسْلِمَ	یُسْلِمُ	یُسْلَمُ	اَسْلِمْ	لَا تُسْلِمْ	مُسْلِمٌ	مُسْلَمٌ	اِسْلَامٌ

(۳) باب مُفَاعَلَة کے خواص

(اس باب سے مصدر مُفَاعَلَةٌ اور فِعَالٌ کے وزن پر آتا ہے ۔ مثلاً مُجَاهَدَةٌ و جِهَادٌ ، مُسَابَقَةٌ وسِبَاقٌ) ۔

ثلاثی مجرد کو **باب** "مُفَاعَلَة" میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ہیں :

(۱) دو آدمیوں کا ایک ہی کام میں ایک دوسرے کے ساتھ مصروف ہونا، مثلاً جب دو آدمی آپس میں جنگ کر رہے ہوں تو قَتَلَ کی جگہ قَاتَلَ کہا جائیگا ۔ یعنی دونوں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں ۔ مثالیں دیکھئے :

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب مفاعلہ	معنے
حَرْب	جنگ، لڑائی	حَارَبَ	ایک دوسرے کے خلاف لڑے
جَهْد	اس نے پوری کوشش کی	جَاهَدَ	ایک نے دوسرے کو زیر کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کی
ضَرّ	نقصان پہنچایا	ضَارَّ	ایک نے دوسرے کو نقصان پہنچایا

(۲) کسی کام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور مقابلہ کرنے کے لئے - جیسے:

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب مفاعلہ	معنے
سَبَقَ	وہ آگے بڑھا	سَابَقَ	ایک نے دوسرے سے آگے بڑھنے اور سبقت لیجانے کی کوشش کی، آگے بڑھنے میں مقابلہ کیا -
سَرُعَ	وہ تیز رفتار ہوا	سَارَعَ	ایک نے دوسرے سے جلدی کرنے میں مقابلہ کیا

(۳) باب تفعیل کی طرح کسی کام میں کثرت و زیادتی بتانے کے لئے - مثلاً:

ضَاعَفَ (باب مفاعلہ): کئی گنا بڑھایا، دو چند سہ چند کیا -

(۴) باب افعال کی طرح لازم کو متعدی بنانے کے لئے بھی کبھی کبھی یہ باب

مستعمل ہوتا ہے - مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب مفاعلہ	معنی
بَعُدَ	دور ہوا	بَاعَدَ	دور کیا
		وَارَی	چھپایا

(ہ) کبھی اس کے معنے - ثلاثی مجرد کے ہوتے ہیں - مثلاً :

نَافَقَ (باب مفاعلہ) اس نے منافقت کی -

قَاتَلَ (باب مفاعلہ) اس نے مار ڈالا' قتل کیا ' بمعنی قَتَلَ (ثلاثی مجرد) -

بَارَکَ (باب مفاعلہ) اس نے خیر کا اضافہ کیا' برکت دی -

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
قَاتَلَ	قُوتِلَ	یُقَاتِلُ	یُقَاتَلُ	قَاتِلْ	لَا تُقَاتِلْ	مُقَاتِلٌ	مُقَاتَلٌ	مُقَاتَلَةً قِتَالٌ

(٤) باب تَفَاعُلٌ کے خواص

(اس باب سے مصدر تَفَاعُلٌ کے وزن پر آئیگا- مثلاً تَقَابُلٌ)

ثلاثی مجرد کو باب تَفَاعُل میں منتقل کرنے سے مندرجہ ذیل فائدے مطلوب ہوتے ہیں :

(۱) دو یا دو سے زیادہ افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کوئی کام کرنا ' ایک شخص کا دوسرے کے ساتھ (مفاعلہ کے باب کی طرح) یا ایک جماعت کا دوسری جماعت

کے ساتھ کسی کام کو کرنا (اب مفاعلہ میں بالعموم ایک فرد دوسرے فرد کے مقابل میں ہوتا ہے اور باب تفاعل میں عام طور پر ایک جماعت دوسری جماعت کے مقابل ہوتی ہے) ۔

مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفاعل	معنی
قَبَلَ	سامنے ہوا ۔	تَقَابَلَ	آپس میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے
رَأَی	دیکھا	تَرَاءَی	آپس میں ایک نے دوسرے کو دیکھا۔

(۲) باب "مُفَاعَلَةٌ" کا اثر قبول کرنے کے لئے آتا ہے ۔ اگر "مفاعلۃ" میں فاعل و مفعول درکار ہوں تو اس باب (تَفَاعُل) میں صرف فاعل درکار ہوگا :

باب مفاعلہ	معنی	باب تفاعل	معنی
بَاعَدَهُ	اسے دور کیا	تَبَاعَدَ	وہ دور ہوگیا

نوٹ ۔ غور کیجئے ۔ دور ہونے میں دونوں ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں لیکن جب ایک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دور ہو گیا تو اس سے بات واضح ہو جاتی ہے یعنی دونوں کا ذکر ضروری نہیں ہوتا ۔

(۳) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہوتا ہے ۔ جیسے :-

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب تفاعُل	معنے
عَلَا	بلند ہوا	تَعَالیٰ	بلند ہوا

اس باب سے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول اور یہی اسم مکان و زمان بھی ہے	مصدر
تَنَافَسَ	یَتَنَافَسُ	تَنَافَسْ	لَا تَتَنَافَسْ	مُتَنَافِسٌ	مُتَنَافَسٌ	تَنَافُسٌ

(۵) باب تَفَعُّل کے خواص

(اس باب سے مصدر تَفَعُّلٌ کے وزن پر آتے ہیں۔ جیسے تَقَدُّمٌ)

ثلاثی مجرد کو باب "تَفَعُّل" میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ہیں :-

(۱) باب تَفْعِیل میں جس کام کو کیا جائے اس کا اثر قبول کر لینے اور اس کام کے ہو جانے کے لئے یہ باب استعمال ہوتا ہے - جیسے :-

باب تَفْعِیل	معنے	باب تَفَعُّلٌ	معنے
قَطَّعَ	کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا	تَقَطَّعَ	کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا -
قَدَّمَ	آگے بھیجا ، پیش کیا	تَقَدَّمَ	آگے آیا ، پیش ہوا -

(۲) کسی کام کا یکے بعد دیگرے تھوڑا تھوڑا ہونا یا کرنا - جیسے :-

تَجَرَّعَ (باب تَفَعُّل) گھونٹ گھونٹ پیا -

(۳) کسی کام کو کرنے اور اس کے فوائد سے متمتع ہونے کے لئے زور لگانا اور

جد و جہد کرنا - جیسے :-

تَعَلَّمَ (باب تَفَعُّل) اس نے (کوشش اور کاوش سے) علم حاصل کیا -

تَدَبَّرَ (باب تَفَعُّل) اس نے (سعی و محنت سے) غور کیا ' پیچھا کیا -

(۴) کسی کام کو چھوڑنا اور اس سے دور ہونا - مثلاً :-

"هُجُوْدٌ" کے معنی نیند اور سونا ہیں -

تَهَجَّدَ (باب تَفَعُّل میں اس کے معنی ہوں گے) : اس نے سونا چھوڑا - یعنی جاگا -

(۵) باب تفعیل کے ہم معنی ہوتا ہے - جیسے :-

باب تَفْعِيل	معنے	باب تَفَعُّل	معنے
فَكَّرَ	اس نے غور و فکر کیا -	تَفَكَّرَ	اس نے غور و فکر کیا -

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول (و اسم ظرف)	مصدر
معروف	مجہول	معروف	مجہول					
تَدَبَّرَ	تُدُبِّرَ	يَتَدَبَّرُ	يُتَدَبَّرُ	تَدَبَّرْ	لَا تَتَدَبَّرْ	مُتَدَبِّرٌ	مُتَدَبَّرٌ	تَدَبُّرٌ

(٦) باب اِنْفِعَالٌ کے خواص

(اس باب سے مصدر اِنْفِعَالٌ کے وزن پر آئے گا - جیسے اِنْقِلَابٌ)

ثلاثی مجرد کو باب انفعال میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد پیدا ہوتے ہیں :-

(۱) ثلاثی مجرد کے جن افعال میں اثر اندازی اور زور لگا کر کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے ' یہ باب ان افعال کا اثر قبول کرنے اور ویسا ہوجانے کے لئے استعمال ہوتا ہے

نیز متعدی فعل کو لازم کر دیتا ہے - مثلاً :-

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب انفعال	معنی
قَلَبَ	پلٹا ، پھیرا ، الٹا	اِنْقَلَبَ	پلٹ گیا ، پھر گیا ، الٹ گیا -
فَلَقَ	پھاڑا	اِنْفَلَقَ	پھٹ گیا -

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	صیغہ زمان و مکان	مصدر
اِنْقَلَبَ	یَنْقَلِبُ	اِنْقَلِبْ	لَا تَنْقَلِبْ	مُنْقَلِبٌ	مُنْقَلَبٌ	اِنْقِلَابٌ

نوٹ - یہ باب لازم ہی آتا ہے اور کسی لازم فعل سے نہ مجہول بنایا جاتا ہے نہ اسم مفعول -

۷ - باب اِفْتِعَالٌ کے خواص

(اس باب سے مصدر اِفْتِعَالٌ کے وزن پر آئے گا - مثلاً اِکْتِسَابٌ)

ثلاثی مجرد کو باب افتعال میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد متحقق ہوتے ہیں -

(۱) ثلاثی مجرد فعل کا اثر قبول کرنا اور جو کام کیا جائے اس کا ہو جانا ، جیسے :

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنے
جَمَعَ	جمع کیا ، اکٹھا کیا -	اِجْتَمَعَ	جمع ہو گیا ، اکٹھا ہوا -
هَدَى	راستہ بتایا ، رہنمائی کی -	اِهْتَدَى	راستہ پر لگا ، رہنمائی ہوئی ، راستہ معلوم ہوا -

(۲) کسی کام میں محنت کرنا اور انتہائی زور لگانا ' مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنے
کَسَبَ	اس نے کمایا	اِکْتَسَبَ	اس نے محنت اور انتہائی زور لگا کر کمایا ۔
جَهَدَ	کوشش کی	اِجْتَهَدَ	پوری کوشش اور انتہائی زور لگایا ۔

(۳) اپنے جی سے کسی کام کو بنا لینا اور گھڑ لینا :- جیسے

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنے
کَتَبَ	لکھا	اِکْتَتَبَ	اپنی طرف سے لکھ لیا ۔
خَلَقَ	بنایا	اِخْتَلَقَ	اپنے جی سے بنا لیا، گھڑ لیا ' تراش لیا ۔

(۴) کسی کام کو چاہنا اور اسے طلب کرنا ۔ نیز کسی چیز کو پیش کرنا اور اظہار کرنا ۔ مثلاً :-

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنی
عَذَرَ	اس نے معاف کیا ۔ عذر قبول کیا	اِعْتَذَرَ	اس نے معافی چاہی ۔ عذر پیش کیا ۔

(۵) باب تَفَاعُل کی طرح اس باب میں بھی باہمی اشتراک کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنی
قَتَلَ	قتل کیا	اِقْتَتَلَ	باہم قتل کیا
سَبَقَ	آگے بڑھا	اِسْتَبَقَ	آپس میں ایک دوسرے سے سبقت کی۔

اس باب کے مشتق اسماء و افعال کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
اِشْتَمَلَ	اُشْتُمِلَ	یَشْتَمِلُ	یُشْتَمَلُ	اِشْتَمِلْ	لَا تَشْتَمِلْ	مُشْتَمِلٌ	مُشْتَمَلٌ	اِشْتِمَالٌ

(۸) باب اِسْتِفْعَالٌ کے خواص

ثلاثی مجرد کو باب "استفعال" میں منتقل کرنے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ہیں :

(۱) کسی کام کو چاہنا، اسے طلب کرنا اور مانگنا۔ مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب استفعال	معنی
نَصَرَ	اس نے مدد کی	اِسْتَنْصَرَ	اس نے مدد چاہی، مدد مانگی
غَفَرَ	اسنے بچایا، محفوظ رکھا	اِسْتَغْفَرَ	اس نے حفاظت چاہی۔ بچاؤ کا طالب ہوا۔

(۲) مفعول میں فعل کی صفت کو پانا یا سمجھنا ۔ جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب استفعال	معنی
ضَعُفَ	کمزور ہوا	اِسْتَضْعَفَہٗ	اسے کمزور پایا ' یا کمزور سمجھا ۔

(۳) کسی کام کا اثر قبول کرنے اور اس کے ساتھ جیسا کیا جائے ویسا ہو جانے کے لئے بھی اس باب کو استعمال کیا جاتا ہے ۔ جیسے :

اِسْتَجَابَ (باب استفعال) پکار کا جواب دیا' آواز کو قبول کیا ۔

(۴) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کے ہم معنی ہوتا ہے ۔ جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب استفعال	معنی
قَرَّ	وہ ٹھہرا	اِسْتَقَرَّ	وہ ٹھہرا

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
اِسْتَنْصَرَ	اُسْتُنْصِرَ	یَسْتَنْصِرُ	یُسْتَنْصَرُ	اِسْتَنْصِرْ	لَا تَسْتَنْصِرْ	مُسْتَنْصِرٌ	مُسْتَنْصَرٌ	اِسْتِنْصَارٌ

(۹) باب اِفْعِلَال کے خواص

(ابواب نمبر ۹ تا ۱۲ بہت کم استعمال ہوتے ہیں)

(۱) یہ باب کسی رنگ یا عیب کو بتانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے :

اسم	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افعلال	معنے
اَبْیَضُ	سفید	اِبْیَضَّ	سفید ہوا۔
اَسْوَدُ	کالا	اِسْوَدَّ	سیاہ ہوا۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
اِبْیَضَّ	یَبْیَضُّ	اِبْیَضَّ	لَا تَبْیَضَّ	مُبْیَضٌّ	اِبْیِضَاضٌ

(۱۰) باب اِفْعِیْلَال کے خواص

باب اِفْعِیْلَال در اصل باب افعلال (نمبر ۹) کی ایک قسم ہے اس لئے اسی کے خواص رکھتا ہے۔ نیز حرف "ی" کے اضافہ کی وجہ سے معنی میں زور ومبالغہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً :

اِدْهَامَّ (باب افعیلال) سخت سیاہ ہوا۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
اِدْهَامَّ	یَدْهَامُّ	اِدْهَامَّ	لَا تَدْهَامَّ	مُدْهَامٌّ	اِدْهِیْمَامٌ

۱۲،۱۱۔ باب اِفْتَعَلَ اور باب اِفْعَالَ کے خواص

یہ ابواب در اصل باب تَفَعُّلٌ اور باب تَفَاعُلٌ کی بدلی ہوئی شکلیں ہیں، اور انہی ابواب کے خواص اپنے اندر رکھتے ہیں ۔ مثالیں :

باب اِفْتَعَلَ	معنے	باب اِفْعَالَ	معنے
اِزْمَلَّ	(۱) اس نے چادر اوڑھی ۔ (۲) اس نے ساتھی بنایا ۔	اِثَّاقَلَ	وہ بوجھل اور بھاری ہوا ۔
اِطَّهَّرَ	اس نے پاکی اختیار کی، پاک ہوا ۔	اِدَّارَكَ	ایک دوسرے کو ملا ۔ ایک نے دوسرے کو پایا ۔

رُباعی مجرّد اور مزید فیہ کے ابواب

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے، ثلاثی وہ فعل ہے جس میں سادہ یعنی اصلی حروف کی تعداد تین ہو۔ اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں ۔ (۱) مجرّد (۲) مزید فیہ ۔ ''مجرد'' وہ جس کی ماضی کی پہلی شکل میں صرف تین حروف ہوتے ہیں ۔ ''مزید فیہ'' وہ جس کی ماضی کی پہلی شکل میں تین سے زیادہ حروف ہوں لیکن بہر حال اصلی حروف تین ہی ہوں ۔ مثال کے طور پر '' نَصَرَ '' فعل ماضی کی پہلی شکل ہے۔ اس میں تین حروف ہیں ۔ یہ ثلاثی مجرّد ہے۔ لیکن '' اِسْتَنْصَرَ '' جو اگرچہ نَصَرَ میں ہی کچھ حرفوں کے اضافہ سے بنا ہے، ثلاثی مجرد نہیں بلکہ ثلاثی مزید فیہ ہے ۔

رُباعی مجرّد۔ مزید فیہ

وہ فعل جس کی ماضی کی پہلی شکل میں چار حروف ہوں اور وہ چاروں اصلی ہوں اور ان میں کوئی بھی زائد نہ ہو فعل رباعی کہلاتا ہے ۔ اگر ماضی کی پہلی شکل میں صرف چار حرف ہوں تو وہ فعل رباعی مجرّد کہلائے گا' لیکن جب اصلی حروف تو چار ہی ہوں لیکن ماضی کی پہلی شکل میں چار سے زیادہ حروف ہوں تو اسے رباعی مزید فیہ کہینگے ۔

عربی میں عموماً ثلاثی افعال زیادہ استعمال ہوتے ہیں' رباعی کم استعمال ہوتے ہیں' اور اسی لئے رباعی کے ابواب بھی کم ہیں ۔ رباعی مجرد کا تو صرف ایک باب ہے ۔

(۱) باب فَعْلَلَةٌ

رباعی مجرد

وہ فعل جس کا مادہ (اصلی حروف) چار حرفوں پر مشتمل ہو اور ماضی کی پہلی شکل میں بھی صرف چار حرف ہوں ' رباعی مجرد کہلاتا ہے ۔ اور اس کا ایک باب ہے ۔ یہ باب عموماً متعدی ہوتا ہے ۔ مثالیں :

وَسْوَسَ : اس نے خیال یا وسوسہ ڈالا۔

زَلْزَلَ : اس نے ہلایا ۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
زَلْزَلَ	زُلْزِلَ	يُزَلْزِلُ	يُزَلْزَلُ	زَلْزِلْ	لَا تُزَلْزِلْ	مُزَلْزِلٌ	مُزَلْزَلٌ	زَلْزَلَةٌ (۱) زِلْزَالٌ (۲)

نوٹ ۔ مصدر میں دوسرا وزن کم مستعمل ہے ۔

رباعی مزید فیہ اور اس کے ابواب

جب فعل ماضی کی پہلی شکل میں اصلی چار حروف کے ساتھ ساتھ کچھ زائد حروف بھی ہوں تو وہ فعل "رُبَاعِی مَزِید فِیہ" کہلاتا ہے۔ اس کے ابواب یہ ہیں۔

(۱) باب اِفْعِـلَّالٌ

اس باب میں ماضی کی پہلی شکل اِطْمَأَنَّ ہے' یہ طَمْأَنَ سے بنی ہے۔ اِطْمَأَنَّ میں شروع کا الف اور آخر میں ن پر تشدید زیادہ ہے۔ اسی طرح اِقْشَعَرَّ اور اِشْمَأَزَّ۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
اِطْمَأَنَّ	یَطْمَئِنُّ	اِطْمَئِنَّ	لَا تَطْمَئِنَّ	مُطْمَئِنٌّ	اِطْمِئْنَانٌ

(۲) باب تَفَعْلُلٌ

رباعی مزید کا ایک باب جو رباعی مجرد کے باب کا اثر قبول کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے' اس کی ماضی کی پہلی شکل تَفَعْلَلَ کے وزن پر آتی ہے۔ جیسے:

تَزَحْزَحَ ، تَزَلْزَلَ۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
تَدَحْرَجَ	یَتَدَحْرَجُ	تَدَحْرَجْ	لَا تَتَدَحْرَجْ	مُتَدَحْرِجٌ	تَدَحْرُجٌ

امید ہے کہ عربی گرامر کے ان مختصر سے نکات سے (عربی نہ جاننے والے) قارئین اتنا سمجھ گئے ہونگے کہ عربی الفاظ کے مادے کیا ہوتے ہیں ۔ ان مادوں سے الفاظ کی مختلف شکلیں کیسے بنتی ہیں اور ان شکلوں سے الفاظ کے معنوں میں کیا فرق پڑتا ہے ۔ یہ معلومات نہ صرف زیر نظر لغت سے استفادہ میں بڑی مدد دینگی بلکہ عربی زبان کے سمجھنے میں بھی ممد و معاون ثابت ہونگی ۔

آئندہ باب میں قارئین کے سامنے ایک فہرست آئیگی جس میں قرآن کریم کے تمام الفاظ ان کی اصلی شکل میں (یعنی جس شکل میں وہ قرآن میں آئے ہیں) دئے گئے ہیں اور ہر لفظ کے سامنے اس کا مادہ دیا گیا ہے تاکہ لغت سے الفاظ کے معنی معلوم کرنے میں دقت نہ ہو ۔

What is a root?

If you speak a European language, the root system of Arabic may be an unfamiliar concept. Arabic words are made from a few component letters, commonly called a "root". A root usually consists of three letters (sometimes 2 or 4), which convey a basic idea. By adding various vowels (i.e. changing pronunciation) as affixes*, associated meanings can be derived. For example, the Arabic letters: **S**iin–**L**am–**M**iim (see above: • • • and remember Arabic words go from right to left, unlike English) are the root for the following words: **s**a**l**aa**m** (peace), i**s**l**a**m (submission/compliance/conformance/surrender), mu**s**l**i**m (one who submits/complies/conforms/surrenders). In all these words, you will see the root (component letters) are the same, and in the same order, i.e. Siin-Lam-Miim.

*A word element, such as a prefix (insertion before the word), infix (insertion within the word) or suffix (insertion after the word), that is attached to a base, stem, or root.

In a root language, words mean what they mean because they are built from other words; these base words are called roots. Now, while most languages are concept languages, there are some words that can be likened to the root system, e.g: if you learn what the word "act" means, you should have no problem when you hear the word "actor" or "action" - you use the root to understand the word built from the root.

Classical Arabic as one of the most primitive Semitic languages is primarily a root language. Almost every word gets its meaning from the roots it is built from rather than by associating a concept with the word. This gives Arabic an almost crystal clear aspect to it; there is little ambiguity or confusion in a classical Arabic sentence. The language is one of clarity, directness, and certainty - qualities that are hard to achieve in other languages.

Which root is being used?

If you can read and understand Arabic you should have little problem in identifying the root (i.e. component letters) of an Arabic word. However, if you are a complete beginner and you dont understand Arabic at all, it still shouldn't be too difficult. With a little practice, it becomes fairly easy.
The following is a description of a simple and easy to use 'root identification method'.
Lets say you are reading an English translation of The Reading (al quran) and you wish to get a better (i.e. more accurate) understanding of a word or concept, what can you do?

1) First of all, note the chapter (sura) and verse (ayat) number. I will use an example, which will be 17:36 (i.e. chapter 17, verse 36). I could have chosen any verse from any chapter to demonstrate this method.

And follow not that of which you have not the knowledge; surely the hearing and the sight and the heart, all of these, shall be questioned about that. [17:36, Shakir's translation, you can use any one]

2) Go to a transliteration website. Transliteration is simply a fancy word for pronounciation, i.e. an English equivalent of what the Arabic sounds like when said out loud. The following is the transliteration website I use:

www.usc.edu/dept/MSA/quran/transliteration/index.html
OR download this software to use offline.

Once there, click on the relevant chapter (17) and find the relevant verse (36). In this case, you will find the following transliteration:

Wala taqfu ma laysa laka bihi AAilmun inna alssamAAa waalbasara waalfu-ada kullu ola-ika kana AAanhu mas-oolan.

3) So lets say you wish to find out what The Reading says about the "heart" (or more accurately, the Arabic word the translator has decided means "heart"), how can we identify the Arabic word used? By knowing the English equivalents of common words, we can home in on the word we are interested in. To view a list of commonly occurring words in The Reading, click on the following link:

mysite.wanadoo-members.co.uk/think-786/common_list.htm

I will now place the English translation and transliteration side by side for comparison, highlighting the commonly occuring words (ignore the brackets when identifying words):

And follow not that of **which** you have not the knowledge; **surely the** hearing **and the**

sight **and the** heart, all of these, shall be questioned about that.

Wala taqfu **ma** laysa laka bihi AAilmun **inna al**ssamAAa **waal**basara **waal**fu-ada kullu ola-ika kana AAanhu mas-oolan.

As you can see after "**surely**" (**inna**) the first "**the**" (**al**) is attached to "hearing" so the Arabic word for "hearing" is likely to be "ssamAAa" (which is correct), then the Arabic says "**waal**" which is simply "**and the**" and this is attached to "basara" which is likely to mean "sight" (which is correct) and the last "**waal**" (**and the**) is attached to "fu-ada" so this is likely to be the word we are looking for (heart), which is correct.

So to home in on the correct word for that verse, we only had to learn three common Arabic terms: "wa" (and), "al" (the), "inna" (surely). One should not need to know more than 20 common Arabic terms to identify the words they wish to research further. If you dont want to memorise them, simply have them as a list by your computer. It couldn't be easier.

4) To make sure you have the right word, type the word (fuada) into a phonetic search engine, like the one below:

www.islamicity.com/ps/default.htm (uses Yusuf Ali's translation)

And look to see if the word "heart" turns up in the verses returned in the search. In this case, it has, so this tells us we are very likely to have the correct word. If the word doesn't turn up, repeat steps 3-4 carefully.

5) Now we have the word "fuada", we need to determine what is the root of "fuada". In other words, what are the Arabic letters that make up the word "fuada"? To do this say "fuada" out loud and try to work out the main sounds (i.e. syllables) of the word. A tip is to try and pronounce each vowel as well. So, in this case it would be: fu-a-da. The root of "fuada" happens to be: **F**aa-**A**lif-**D**al (see Arabic letters above).
In a situation where you have two similar sounds/letters, just try both (e.g. Dal & Daad, Ha & H!aa, Siin & Saad, Taa & Tay, Th!aa & Thal, Zay & Za), in a process of elimination. "AA" in a transliteration usually means the Arabic letter Ayn, not Alif.

6) Once you have some root possibilities, click on the first letter of the root, see if its listed. Keep trying all the possibilities until you find it. If you cant find it, repeat the process again. If you still cant find it, feel free to ask on the following forum. It does get easier with practice.

Alternatively, buy a word for word Quran, which separates each Arabic word giving the English meaning next to it. This allows you to see the component letters (i.e. root) of every word, without you having to do any work apart from knowing the Arabic alphabet (which is shown above anyway). Google: 'noble quran word for word' to find an

appropriate store (~$60 US / £30 Sterling).

Please note all roots will not be listed until the project is complete.

Which root meaning is correct?

To approach *Al-Quran* with pre-conceived beliefs is not an objective approach. It is difficult to eliminate one's pre-conceived beliefs, but to truly see what *Al-Quran* is saying, it must be done.

ALL occurrences of the root and their contexts must be examined.

Specific derivatives of a root may have to be separated and analysed.

Crucial or relevant words within these verses should be checked to make sure they have been used accurately.

Before understanding a specific word/concept, it must be checked that this word/concept is consistent, logical and does not interfere with another part of the message.

Other verses discussing the same or similar subject must be checked.

Don't draw something out that is not there. When you have to embellish on a word to make it mean what you think it means, most chances are it doesn't mean that. The connection should be clear. Get solid evidence to demonstrate that a word may not mean what many think it to mean.

After this thorough investigation, you may find that several meanings are possible/ acceptable for an occurrence. Even if 2 or 3 meanings remain, if there is no reason to disregard them, we should not, but rather conclude that what must be meant is both the 2 or all three (or however more there may be) or better yet, choose the meaning that includes, and does not cancel out, all other possible meanings. A more accurate understanding of a word/concept should gradually develop as one's study increases/ improves.

Make your view known! Present your research/findings to other students of the scripture. Quite often, questions may be raised that you have not thought of, thus helping you to refine your understanding. Not only does this help you, it also helps others because you may have thought of something others haven't.
Please publish such work on the following forum for example.

For further reading, please see the following articles - [1] [2] [3]

Which root meaning is applicable?

Alif =

Alif-Ba-Ba = fresh or dry herbage/vegetation of earth/pasture, fruits/vegetables

abb n.m. 80:31

Alif-Ba-Dal = he remained/stayed, abode, dwelt constantly/permanently, to render perpetual, time (in an absolute sense), long time, endless/eternal/forever, unlimited/ indivisible, lasting/everlasting, unsocial/unfamiliar, never (when used in negative construction).

abad n.m. 2:95, 4:57, 4:122, 4:169, 5:24, 5:119, 9:22, 9:83, 9:84, 9:100, 9:108, 18:3, 18:20, 18:35, 18:57, 24:4, 24:17, 24:21, 33:53, 33:65, 48:12, 59:11, 60:4, 62:7, 64:9, 65:11, 72:23, 98:8

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 41, 42

Alif-Ba-Lam = devote oneself to religious exercises, became a devotee, he overcame/ resisted/withstood, camels, acquire camels, camels became numerous, skilled in the good management of camels, herd of camels, flocks, a bundle (e.g. of firewood), a company in a state of dispersion.

ababil n.m. 105:3

ibil n.m. 6:144, 88:17

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 44, 45, 46

Alif-Ba-Qaf = to run away, fled, went away, he confined/concealed/restricted himself, runaway/fugitive.

abaqa vb. (1) perf. act. 37:140

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 44

Alif-Ba-Ra = a needle, a thing pointed. Abraham.

Ibrahim n. 2:124, 2:125, 2:125, 2:126, 2:127, 2:130, 2:132, 2:133, 2:135, 2:136, 2:140, 2:258, 2:258, 2:258, 2:260, 3:33, 3:65, 3:67, 3:68, 3:84, 3:95, 3:97, 4:54, 4:125, 4:125, 4:163, 6:74, 6:75, 6:83, 6:161, 9:70, 9:114, 9:114, 11:69, 11:74, 11:75, 11:76, 12:6, 12:38, 14:35, 15:51, 16:120, 16:123, 19:41, 19:46, 19:58, 21:51, 21:60, 21:62, 21:69, 22:26, 22:43, 22:78, 26:69, 29:16, 29:31, 33:7, 37:83, 37:104, 37:109, 38:45, 42:13, 43:26, 51:24, 53:37, 57:26, 60:4, 60:4, 87:19

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 42, 43

= **Alif-Ba-Waw** = father/grandfather/ancestor, fathership/paternity, to nourish/feed/rear, bring up.

ab n.m. (pl. aba) 2:133, 2:170, 2:170, 2:200, 4:11, 4:11, 4:11, 4:22, 5:104, 5:104, 6:74, 6:87, 6:91, 6:148, 7:27, 7:28, 7:70, 7:71, 7:95, 7:173, 9:23, 9:24, 9:114, 10:78, 11:62, 11:87, 11:109, 12:4, 12:4, 12:6, 12:8, 12:8, 12:9, 12:11, 12:16, 12:17, 12:38, 12:40, 12:59, 12:61, 12:63, 12:63, 12:65, 12:68, 12:78, 12:80, 12:80, 12:81, 12:81, 12:93, 12:94, 12:97, 12:99, 12:100, 12:100, 13:23, 14:10, 16:35, 18:5, 18:80, 18:82, 19:28, 19:42, 19:42, 19:43, 19:44, 19:45, 21:44, 21:52, 21:53, 21:54, 22:78, 23:24, 23:68, 23:83, 24:31, 24:31, 24:61, 25:18, 26:26, 26:70, 26:74, 26:76, 26:86, 27:67, 27:68, 28:23, 28:25, 28:26, 28:36, 31:21, 33:5, 33:5, 33:40, 33:55, 34:43, 36:6, 37:17, 37:69, 37:85, 37:102, 37:126, 40:8, 43:22, 43:23, 43:24, 43:26, 43:29, 44:8, 44:36, 43:29, 44:8, 44:36, 45:25, 53:23, 56:48, 58:22, 60:4, 80:35, 111:1

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 47, 48, 49

= **Alif-Ba-Ya** = refuse/refrain/abstain voluntarily, held back, disagree/reject/dislike/ disapprove/hate, incompliant/unyielding/resistant.

aba vb. (1)
perf. act. 2:34, 15:31, 17:89, 17:99, 18:77, 20:56, 20:116, 25:50, 33:72
impf. act. 2:282, 2:282, 9:8, 9:32

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 49, 50

Alif-Dal-Dal = an event befell him, distressed/afflicted/oppressed him, strength/power/ force, terrible/evil/horrible thing, gross blasphemy, calamity.

idd n.m. 19:89

Alif-Dal-Miim = seasoned (e.g. food), to mix/associate/unite/mingle together, a means of access, pattern/exemplar, object of imitation, tanned skin/hide, leather, the surface of the earth/ground, Adam, Children of Adam, human beings.

adam n. 2:31, 2:33, 2:34, 2:35, 2:37, 3:33, 3:59, 5:27, 7:11, 7:19, 7:26, 7:27, 7:31, 7:35, 7:172, 17:61, 17:70, 18:50, 19:58, 20:115, 20:116, 20:117, 20:120, 20:121, 36:60

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 72, 73, 74

Alif-Dal-Ya = he made or caused it to arrive/come/reach, he brought/conveyed/delivered it, fulfilment/payment, paid/discharged/acquitted.

ada n.m. 2:178

adda vb. (2)
impf. act. 2:283, 3:75, 3:75, 4:58
impv. 44:18

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 75

Alif-Dhal-Nun = he gave ear or listened to it, being pleased, grant leave, to allow, permit/ ordered, be informed, advised, notification/announcement/proclamation, ear, appetite/ longing/yearning.

adhina vb. (1)
perf. act. 9:43, 10:59, 20:109, 24:36, 34:23, 78:38, 84:2, 84:5
impf. act. 7:123, 12:80, 20:71, 26:49, 42:21, 53:26
impv. 2:279, 9:49, 24:62
perf. pass. 22:39
impf. pass. 9:90, 16:84, 24:28, 33:53, 77:36
n.vb. 2:97, 2:102, 2:213, 2:221, 2:249, 2:251, 2:255, 3:49, 3:49, 3:145, 3:152, 3:166, 4:25, 4:64, 5:16, 5:110, 5:110, 5:110, 5:110, 7:58, 8:66, 10:3, 10:100, 11:105, 13:38, 14:1, 14:11, 14:23, 14:25, 22:65, 33:46, 34:12, 35:32, 40:78, 42:51, 58:10, 58:5, 64:11,

97:4

adhan n.m. 9:3

udhun n.f. (pl. adhan) 2:19, 4:119, 5:45, 5:45, 6:25, 7:179, 7:195, 9:61, 9:61, 17:46, 18:11, 18:57, 22:46, 31:7, 41:5, 41:44, 69:12, 71:7

adhdhana vb. (2)
perf. act. 7:44, 12:70
impv. 22:27
pcple. act. 7:44, 12:70

adhana vb. (4)
perf. act. 21:109, 41:47

ta'adhdhana vb. (5)
perf. act. 7:167, 14:7

ista'dhana vb. (10)
perf. act. 9:83, 9:86, 24:59, 24:62
impf. act. 9:44, 9:45, 9:93, 24:58, 24:59, 24:62, 24:62, 33:13

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 78, 79, 80, 81

Alif-Dhal-Ya = he was or became annoyed/molested/hurt, experience/suffer what is disagreeable, state of annoyance.

adha n.m. 2:196, 2:222, 2:262, 2:263, 2:264, 3:111, 3:186, 4:102, 33:48

adha vb. (4)
perf. act. 14:12, 33:69
impf. act. 9:61, 9:61, 33:53, 33:53, 33:57, 33:58, 61:5
impv. 4:16
perf. pass. 3:195, 6:34, 7:129, 29:10
impf. pass. 33:59

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 81

Alif-Fa-Fa = expression of anxiety/distress/disgust, anything people deem troublesome/displeasing/hateful

affa vb. (1) n.vb. 17:23, 21:67, 46:17

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 104, 105

= **Alif-Fa-Kaf** = change its manner/state, turn it away/back, change/pervert opinion/ judgement, deceive, lie/falsehood/untruth, overturn.

afaka vb. (1)
impf. act. 7:117, 26:45, 46:22
perf. pass. 51:9
impf. pass. 5:75, 6:95, 9:30, 10:34, 29:61, 30:55, 35:3, 40:62, 40:63, 43:87, 51:9, 63:4

affak n.m. 26:222, 45:7

ifk n.m. 24:11, 24:12, 25:4, 29:17, 34:43, 37:86, 37:151, 46:11, 46:28

i'tafaka vb. (8) pcple. act. f. 9:70, 53:53, 69:9

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 106, 107

Alif-Fa-Lam = absent/hidden/concealed/set.

afala vb. (1)
perf. act. 6:76, 6:77, 6:78
pcple. act. 6:76

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 107

Alif-Fa-Qaf = sky/heavens/horizon, land or part of it, their border/extremity.

ufuq n.m. (pl. afaq) 41:53, 53:7, 81:23

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 105, 106

Alif-ha-Lam = possessor/people of, one who recites, superintended/owner, inhabitants/ family/people of house or dwelling.

ahl (1) n.m. coll. 2:105, 2:109, 2:196, 2:217, 3:64, 3:65, 3:69, 3:70, 3:71, 3:72, 3:75, 3:98, 3:99, 3:110, 3:113, 3:121, 3:199, 4:25, 4:35, 4:35, 4:58, 4:75, 4:92, 4:92, 4:123, 4:153, 4:159, 4:171, 5:15, 5:19, 5:47, 5:59, 5:65, 5:68, 5:77, 5:89, 6:131, 7:83, 7:94, 7:96, 7:97, 7:98, 7:100, 7:123, 9:101, 9:120, 10:24, 11:40, 11:45, 11:46, 11:73, 11:81, 11:117, 12:25, 12:26, 12:62, 12:65, 12:88, 12:93, 12:109, 15:65, 15:67, 16:43, 18:71, 18:77, 18:77, 19:16, 19:55, 20:10, 20:29, 20:40, 20:132, 21:7, 21:76, 21:84, 23:27, 24:27, 26:169, 26:170, 27:7, 27:34, 27:49, 27:57, 28:4, 28:12, 28:15, 28:29, 28:29, 28:45, 28:59, 29:31, 29:31, 29:32, 29:33, 29:34, 29:46, 33:13, 33:26, 33:33, 35:43, 36:50, 37:76, 37:134, 38:43, 38:64, 39:15, 42:45, 48:11, 48:12, 51:26, 52:26, 57:29, 59:2, 59:7, 59:11, 66:6, 75:33, 83:31, 84:9, 84:13, 98:1, 98:6, 2:126

ahl (2) n.m. adj. 48:26, 74:56, 74:56

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 157, 158, 159

• • •

Alif-Ha-Dal = make/call it one, unity, anyone/anything.
ahada ashara (eleven).

ahad n. 2:96, 2:102, 2:102, 2:136, 2:180, 2:266, 2:282, 2:282, 2:285, 3:73, 3:84, 3:91, 3:153, 4:18, 4:20, 4:43, 4:152, 5:6, 5:20, 5:27, 5:106, 5:115, 6:61, 7:80, 8:7, 9:4, 9:6, 9:52, 9:84, 9:127, 11:81, 12:36, 12:41, 12:78, 15:65, 16:58, 16:76, 17:23, 18:19, 18:22, 18:26, 18:32, 18:38, 18:42, 18:47, 18:49, 18:110, 19:26, 19:98, 23:99, 24:6, 24:21, 24:28, 28:25, 28:26, 28:27, 29:28, 33:32, 33:39, 33:40, 35:41, 35:42, 38:35, 43:!7, 49:9, 49:12, 59:11, 63:10, 69:47, 72:2, 72:7, 72:18, 72:20, 72:22, 72:26, 74:35, 89:25, 89:26, 90:5, 90:7, 92:19, 112:1, 112:4

ahada ashara n. num. 12:4

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 63, 64, 65

Alif-Jiim-Jiim = burning to the mouth, bitter/hot/salty, undrinkable.

ujaj n.m. 25:53, 35:12, 56:70

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 59, 60

Alif-Jiim-Lam = assigned/appointed/specified/decreed term, period, day of resurrection, period between creation and death, period between death and resurrection, period remaining in the world, delay/postponed/deferral of time.

ajal n.m. 2:231, 2:232, 2:234, 2:235, 2:282, 2:282, 4:77, 6:2, 6:2, 6:60, 6:128, 7:34, 7:34, 7:135, 7:185, 10:11, 10:49, 10:49, 11:3, 11:104, 13:2, 13:38, 14:10, 14:44, 15:5, 16:61, 16:61, 17:99, 20:129, 22:5, 22:33, 23:43, 28:28, 28:29, 29:5, 29:53, 30:8, 31:29, 35:13, 35:45, 39:5, 39:42, 40:67, 42:14, 46:3, 63:10, 63:11, 65:2, 65:4, 71:4, 71:4

ajl n.m. 5:32

ajjala vb. (2)
perf. act. 6:128
perf. pass. 77:12
pcple. pass. 3:145

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 61, 62, 63

Alif-Jiim-Ra = recompense/compensation/reward, hire/pay/wage for service, profit

ajara vb. (1) impf. act. 28:27

ajr n.m. (pl. ujur) 2:62, 2:112, 2:262, 2:274, 2:277, 3:57, 3:136, 3:171, 3:172, 3:179, 3:185, 3:199, 4:24, 4:25, 4:40, 4:67, 4:74, 4:95, 4:100, 4:114, 4:146, 4:152, 4:162, 4:173, 5:5, 5:9, 6:90, 7:113, 7:170, 8:28, 9:22, 9:120, 10:72, 10:72, 11:11, 11:29, 11:51, 11:115, 12:56, 12:57, 12:90, 12:104, 16:41, 16:96, 16:97,17:9, 18:2, 18:30, 18:77, 25:57, 26:41, 26:109, 26:109, 26:127, 26:127, 26:145, 26:145, 26:164, 26:164, 26:180, 26:180, 28:25, 28:54, 29:27, 29:58, 33:29, 33:31, 33:£5, 33:334, 33:50, 34:47, 34:47, 35:7, 35:30, 36:11, 36:21, 38:86, 39:10, 39:35, 39:74, 41:8, 42:23, 42:40, 47:36, 48:10, 48:16, 48:29, 49:3, 52:40, 57:7, 57:11, 57:18, 57:19, 57:27, 60:10, 64:15, 65:5, 65:6, 67:12, 68:3, 68:46, 73:20, 84:25, 95:6

ista'jara vb. (10)
perf. act. 28:26
impv. 28:26

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 60, 61

Alif-Kaf-Lam = swallowing food after chewing, means of subsistence, devoured/consumed, fed/supplied, things to be eaten, eatables

akala vb. (1)
perf. act. 5:3, 5:66, 12:14, 12:17, 20:121
impf. act. 2:174, 2:188, 2:188, 2:275, 3:49, 3:130, 3:183, 4:2, 4:6, 4:6, 4:10, 4:10, 4:29, 5:75, 5:113, 6:119, 6:121, 7:73, 9:34, 10:24, 11:64, 12:13, 12:36, 12:41, 12:43, 12:46, 12:47, 12:48, 15:3, 16:5, 16:14, 21:8, 23:19, 23:21, 23:33, 23:33, 24:61, 24:61, 25:7, 25:8, 25:20, 32:27, 34:14, 35:12, 36:33, 36:35, 36:72, 37:91, 40:79,, 43:73, 47:12, 47:12, 49:12, 51:27, 69:37, 89:19
impv. 2:35, 2:57, 2:58, 2:60, 2:168, 2:172, 2:187, 4:4, 5:4, 5:88, 6:118, 6:141, 6:142, 7:19, 7:31, 7:160, 7:161, 8:69, 16:69, 16:114, 19:26, 20:54, 20:81, 22:28, 22:36, 23:51, 34:15, 52:19, 67:15, 69:24, 77:43, 77:46
n.vb. 4:161, 5:62, 5:63, 89:19
pcple. act. 23:20, 37:66, 56:52
pcple. pass. 105:5

akkal n.m. 5:42

ukul n.m. 2:265, 6:141, 13:4, 13:35, 14:25, 18:33, 34:16

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 108, 109, 110

Alif-Kha-Dhal = to take in one's hand, received/acquired, derived/deduced/admitted, accepted, accept a covenant, affected/influenced, overpowering influence, take captive, gain mastery/slew/destroy, captivate/fascinate.

akhadha vb. (1)
perf. act. 2:55, 2:63, 2:83, 2:84, 2:293, 2:206, 3:11, 3:81, 3:81, 3:187, 4:21, 4:153, 4:154, 5:12, 5:14, 5:70, 6:42, 6:44, 6:46, 7:78, 7:91, 7:94, 7:95, 7:96, 7:130, 7:150, 7:154, 7:155, 7:165, 7:172, 8:52, 8:68, 9:50, 10:24, 11:67, 11:94, 11:102, 12:80, 13:32, 15:73, 15:83, 16:113, 22:44, 22:48, 23:41, 23:64, 23:76, 26:158, 26:189, 28:40, 29:14, 29:37, 29:40, 29:40, 33:7, 33:7, 35:26, 40:5, 40:21, 40:22, 41:17, 43:48, 51:40, 51:44, 51:42, 57:8, 69:10, 69:45, 73:16, 79:25
impf. act. 2:229, 2:255, 4:20, 4:20, 4:21, 4:102, 4:102, 7:73, 7:145, 7:169, 9:104, 11:64, 12:76, 12:76, 16:46, 16:47, 18:79, 20:39, 20:94, 24:2, 26:156, 36:49, 40:5, 48:15, 48:19, 48:20
impv. 2:63, 2:93, 2:260, 4:71, 4:89, 4:91, 4:102, 5:41, 7:31, 7:144, 7:145, 7:171, 7:199, 9:5, 9:103, 12:78, 19:12, 20:21, 38:44, 44:47, 59:7, 69:30
perf. pass. 8:70, 33:61, 34:51
impf. pass. 2:48, 6:70, 7:169, 55:41, 57:15
n.vb. 4:161, 11:102, 11:102, 54:42, 69:10, 73:16
pcple. act. 2:267, 11:56, 51:16

akhadha vb. (3) impf. act. 2:225, 2:225, 2:286, 5:89, 16:61, 18:58, 18:73, 35:45

ittakhadha vb. (8)
perf. act. 2:51, 2:80, 2:92, 2:116, 4:125, 4:153, 5:57, 5:58, 5:81, 6:70, 7:30, 7:51, 7:148, 7:148, 7:152, 9:31, 9:107, 10:68, 11:92, 13:16, 17:40, 17:73, 18:4, 18:15, 18:56, 18:61, 18:63, 18:77, 18:106, 19:17, 19:78, 19:81, 19:87, 19:88, 21:17, 21:21, 21:24, 21:26, 23:91, 23:110, 25:3, 25:27, 25:30, 25:43, 26:29, 29:25, 29:41, 29:41, 36:74, 38:63, 39:3, 39:43, 42:6, 42:9, 43:16, 45:9, 45:10, 45:23, 45:35, 46:28, 58:16, 63:2, 72:3, 73:19, 76:29, 78:39
impf. act .2:67, 2:165, 2:231, 3:28, 3:64, 3:80, 3:118, 3:140, 4:89, 4:89, 4:118, 4:119, 4:139, 4:144, 4:150, 5:51, 5:57, 6:14, 6:74, 7:74, 7:146, 7:146, 9:16, 9:23, 9:98, 9:99, 12:21, 16:51, 16:67, 16:92, 16:94, 17:2, 17:111, 18:21, 18:50, 18:86, 18:102, 19:35, 19:92, 21:17, 21:36, 25:2, 25:18, 25:28, 25:41, 25:57, 26:129, 28:9, 31:6, 36:23, 39:4, 43:32, 60:1
impv. 2:125, 5:116, 16:68, 35:6, 73:9
n.vb. 2:54
pcple. act. 4:25, 5:5, 18:51

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 65, 66, 67, 68

• • • = **Alif-Kha-Ra** = go backwards, retreat/recede/retire, hold back/delay/postpone/defer, last/back part of a thing .
Another, other, 2nd.

akhar n.m. (f. ukhra) 2:184, 2:185, 2:282, 3:7, 3:13, 4:91, 4:102, 4:133, 5:27, 5:41, 5:106, 5:107, 6:6, 6:19, 6:133, 6:164, 7:38, 7:39, 8:60, 9:102, 9:102, 9:106, 12:36, 12:41, 12:43, 12:46, 15:96, 17:15, 17:22, 17:39, 17:69, 20:18, 20:22, 20:37, 20:55, 21:11, 23:14, 23:31, 23:42, 23:117, 25:4, 25:68, 26:64, 26:66, 26:172, 26:213, 28:88, 35:18, 37:82, 37:136, 38:38, 38:58, 39:7, 39:42, 39:68, 44:28, 48:21, 49:9, 50:26, 51:51, 53:13, 53:20, 53:38, 53:47, 61:13, 62:3, 65:6, 73:20, 73:20

akhir n.m. 2:8, 2:62, 2:94, 2:126, 2:177, 2:228, 2:232, 2:264, 3:72, 3:114, 4:38, 4:39, 4:59, 4:136, 4:162, 5:69, 5:114, 6:32, 7:169, 9:18, 9:19, 9:29, 9:44, 9:45, 9:99, 10:10, 24:2, 26:84, 28:77, 28:83, 29:36, 29:64, 33:21, 33:29, 37:78, 37:108, 37:119, 37:129, 38:7, 43:56, 53:25, 56:14, 56:40, 56:49, 57:3, 58:22, 60:6, 65:2, 77:17, 79:25, 92:13, 93:4

akhirah n.f. 2:4, 2:86, 2:102, 2:114, 2:130, 2:200, 2:201, 2:217, 2:220, 3:22, 3:45, 3:56, 3:77, 3:85, 3:145, 3:148, 3:152, 3:176, 4:74, 4:77, 4:134, 5:5, 5:33, 5:41, 6:92, 6:113, 6:150, 7:45, 7:147, 7:156, 8:67, 9:38, 9:38, 9:69, 9:74, 10:64, 11:16, 11:19, 11:22, 11:103, 12:37, 12:57, 12:101, 12:109, 13:26, 13:34, 14:3, 14:27, 16:22, 16:30, 16:41, 16:60, 16:107, 16:109, 16:122, 17:7, 17:10, 17:19, 17:21, 17:45, 17:72, 17:104, 20:127, 22:11, 22:15, 23:33, 23:74, 24:14, 24:19, 24:23, 27:3, 27:4, 27:5, 27:66, 28:70, 29:20, 29:27, 30:7, 30:16, 31:4, 33:57, 34:1, 34:8, 34:21, 39:9, 39:26, 39:45, 40:39, 40:43,

41:7, 41:16, 41:31, 42:20, 42:20, 43:35, 53:27, 57:20, 59:3, 60:13, 68:33, 74:53, 75:21, 87:17

ukhra n.f. 3:153

akhkhara vb. (2)
perf. act. 4:77, 11:8, 17:62, 63:10, 75:13, 82:5
impf. act. 11:104, 14:10, 14:42, 16:61, 35:45, 63:11, 71:4
impv. 14:44
impf. pass. 71:4

ta'akhkhara vb. (5)
perf. act. 2:203, 48:2
impf. act. 74:37

ista'khara vb. (10)
impf. act. 7:34, 10:49, 15:5, 16:61, 23:43, 34:30
pcple. act. 15:24

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 68, 69

Alif-Kha-Waw = Male person having the same parents as another or a male only having one parent in common; person of the same descent/land/creed/faith with others; brother; friend; companion; match; fellow of a pair; kinsman; intimately acquainted.
Signifying the relation of a brother - brotherhood/fraternity. Act in a brotherly manner. An associate/fellow. Sister, female friend. When it does not relate to birth, it means conformity/ similarity and combination/agreement or unison in action.

akh n.m. (pl. ikhwah, ikhwan) 2:178, 2:220, 3:103, 3:156, 3:168, 4:11, 4:12, 4:23, 4:176, 5:25, 5:30, 5:31, 5:31, 6:87, 7:65, 7:73, 7:85, 7:111, 7:142, 7:150, 7:151, 7:202, 9:11, 9:23, 9:24, 10:87, 11:50, 11:61, 11:85, 12:5, 12:7, 12:8, 12:58, 12:59, 12:63, 12:64, 12:65, 12:69, 12:69, 12:70, 12:76, 12:76, 12:76, 12:77, 12:87, 12:89, 12:90, 12:100, 15:47, 17:27, 19:53, 20:30, 20:42, 23:45, 24:31, 24:31, 24:61, 25:35, 26:36, 26:106, 26:124, 26:142, 26:161, 27:45, 28:34, 28:35, 29:36, 33:5, 33:18, 33:55, 38:23, 46:21, 49:10, 49:12, 50:13, 58:22, 59:10, 59:11, 70:12, 80:34

ukht n.f. (pl. akhawat) 4:12, 4:23, 4:23, 4:23, 4:23, 4:176, 7:38, 19:28, 20:40, 24:31, 24:61, 28:11, 33:55, 43:48

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 69, 70, 71

Alif-Lam-Fa = he kept or clave to it, he frequented it, resorted to it habitually, he became familiar with it or accustomed/habituated, became sociable/companionable/friendly with him, liked/approved/amicable, protect/safeguard, covenant/obligation involving responsibility for safety. to unite or bring together, state of union/alliance/agreement, to cause union or companionship, to collect/connect/join/conjoin. Become a thousand. A certain rounded number that is well known.

alf n.m. num. 2:96, 2:243, 3:124, 3:125, 8:9, 8:65, 8:66, 8:66, 22:47, 29:14, 32:5, 37:147, 70:4, 97:3

allafa vb. (2)
perf. act. 3:103, 8:63, 8:63, 8:63
impf. act. 24:43
pcple. pass. 9:60

alafa vb. (4) n.vb. 106:1, 106:2

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 116, 117, 118

Alif-Lam-ha = to serve, worship or adore; to protect, grant refuge, preserve save, rescue, liberate; object of worship ie God; (Alif-Lam-Lam-ha) God, the one true God applied as a proper name denoting the true god, comprising all the excellent divine names; a unity comprising all the essences of existing things.

allahumma "O God!" 3:26, 5:114, 8:32, 10:10, 39:46
allah
"there is no god but God" 2:255, 3:2, 3:18, 3:62, 4:87, 20:8, 20:14, 20:98, 27:26, 28:70, 37:35, 38:65, 47:19, 59:22, 59:23, 64:13
"He is God, that is God" 6:3, 6:95, 35:13, 39:6
"Belonging to God" 2:115, 2:142, 2:284, 3:28, 3:109, 3:129, 3:180, 4:126, 4:131, 4:131, 4:132, 4:170, 6:12, 6:136, 6:136, 8:1, 8:41, 10:55, 10:66, 14:2, 23:85, 23:87, 23:89, 24:64, 31:26, 48:4, 48:7, 53:25, 53:31, 57:10, 59:7, 63:7
"By God" 12:73, 12:85, 12:91, 12:95, 16:56, 16:63, 21:57, 26:97, 37:56
"With or from God; in God's sight" ('ind Allah) 2:79, 2:94, 2:110, 2:217, 2:282, 3:14, 3:37, 3:78, 3:78, 3:163, 3:198, 3:198, 4:78, 4:78, 4:94, 6:124, 7:131, 7:187, 8:22, 8:28, 8:55, 9:19, 9:20, 9:22, 9:36, 9:99, 14:46, 16:95, 16:96, 24:13, 24:15, 24:61, 27:47, 28:60, 30:39, 33:53, 33:63, 33:69, 40:35, 41:52, 42:36, 46:10, 48:5, 61:3, 62:11, 64:15, 73:20
"God is with" 9:40, 47:35
"Apart from God" (dun Allah) 2:23, 3:64, 5:116, 9:16, 9:31, 10:18, 10:37, 18:43, 19:81, 27:24, 28:81, 29:25, 36:74, 37:86, 40:74, 46:28, 53:58, 71:25
"Other than God" (ghayr Allah) 2:173, 4:82, 5:3, 6:14, 6:19, 6:40, 6:46, 6:114, 6:145, 6:164, 7:140, 15:96, 16:52, 16:115, 17:22, 17:39, 21:22, 27:60, 27:61, 27:62, 27:63, 27:64, 28:71, 28:72, 35:3, 39:64, 50:26, 51:51, 52:43

ilah n.m. (pl. alihah) 2:133, 2:133, 2:133, 2:163, 2:163, 4:171, 5:73, 6:19, 9:31, 14:52, 16:22, 16:22, 16:51, 18:110, 18:110, 20:98, 21:108, 21:108, 22:34, 22:34, 28:38, 29:46, 29:46, 37:4, 38:5, 40:37, 41:6, 41:6, 43:84, 43:84, 114:3

other (false) gods - 2:163, 2:255, 3:2, 3:6, 3:18, 3:18, 3:62, 4:87, 5:73, 5:116, 6:19, 6:46, 6:74, 6:102, 6:106, 7:59, 7:65, 7:73, 7:85, 7:127, 7:138, 7:138, 7:140, 7:158, 9:31, 9:129, 10:90, 11:14, 11:50, 11:53, 11:54, 11:61, 11:84, 11:101, 13:30, 15:96, 16:2, 16:51, 17:22, 17:39, 17:42, 18:14, 18:15, 19:46, 19:81, 20:8, 20:14, 20:88, 20:88, 20:97, 20:98, 21:21, 21:22, 21:24, 21:25, 21:29, 21:36, 21:43, 21:59, 21:62, 21:68, 21:87, 21:99, 23:23, 23:32, 23:91, 23:91, 23:116, 23:117, 25:3, 25:42, 25:43, 25:68, 26:29, 26:213, 27:26, 27:60, 27:61, 27:62, 27:63, 27:64, 28:38, 28:70, 28:71, 28:72, 28:88, 28:88, 35:3, 36:23, 36:74, 37:35, 37:36, 37:86, 37:91, 38:5, 38:6, 37:91, 38:5, 38:6, 38:65, 39:6, 40:3, 40:62, 40:65, 43:45, 43:58, 44:8, 45:23, 46:22, 46:28, 47:19, 50:26, 51:51, 52:43, 59:22, 59:23, 64:13, 71:23, 73:9

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 119, 120

Alif-Lam-Lam = Pact, covenant; blood relationship, consanguinity; Anything which has a quality requiring it to be regarded as sacred, or inviolable; which has some right pertaining to it, nearness with respect to kindred, good origin, promise or an assurance of safety or security, neighbour, bond.

illan n.m. 9:8

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 111, 112

Alif-Lam-Miim = in pain, suffered pain, express pain/grief/sorrow, lament

2:1, 3:1, 29:1, 30:1, 31:1, 32:1

alima vb. (1) impf. act. 4:104, 4:104, 4:104

alim n.m. 2:10, 2:104, 2:178, 3:21, 3:77, 3:91, 3:177, 3:188, 4:18, 4:138, 4:161, 4:173, 5:36, 5:73, 5:94, 6:70, 7:73, 8:32, 9:3, 9:34, 9:39, 9:61, 9:74, 9:79, 9:90, 10:4, 10:88, 10:97, 11:26, 11:48, 11:102, 12:25, 14:22, 15:50, 16:63, 16:104, 16:117, 17:10, 22:25, 24:19, 2h4:63, 25:37, 26:201, 29:23, 31:7, 33:8, 34:5, 36:18, 37:38, 41:43, 42:21, 42:42, 43:65, 44:11, 45:8, 45:11, 46:24, 46:31, 48:16, 48:17, 48:25, 51:37, 58:4, 59:15, 61:10, 64:5, 67:28, 71:1, 73:13, 76:31, 84:24

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 119

Alif-Lam-Miim-Ra =

13:1

Alif-Lam-Miim-Sad =

7:1

Alif-Lam-Ra =

10:1, 11:1, 12:1, 14:1, 15:1

Alif-Lam-Siin / Alif-Lam-Ya-Siin = Elijah

ilyas n. 6:85, 37:123, 37:130

Alif-Lam-Ta = decrease, diminish, lessen

alata vb. (1) perf. act. 52:21

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 116

Alif-Lam-Waw = fall short of doing the requisite/flag/remiss, slow/tardy/languid/weak, did not leave/quit/cease from/omit/neglect, swear, possessor, one who is superintended an affair, as far as/until, in addition to/joined to any other thing, to me, decreed against/ revealed/on the

ala vb. (1) impf. act. 3:118

ala n.m. (pl. ala) 7:69, 7:74, 53:55, 55:13, 55:16, 55:18, 55:21, 55:23, 55:25, 55:28, 55:30, 55:32, 55:34, 55:36, 55:38, 55:40, 55:42, 55:45, 55:47, 55:49, 55:51, 55:53, 55:55, 55:57, 55:59, 55:61, 55:63, 55:65, 55:67, 55:69, 55:71, 55:73, 55:75, 55:77

ala vb. (4) impf. act. 2:226

i'tala vb. (8) impf. act. 24:22

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 120, 121, 122, 123

Alif-Miim-Dal = time considered in regard to its end, utmost/extreme/extent /term, limits, limited, remainder

amad n.m. 3:30, 18:12, 57:16, 72:25

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 132

Alif-Miim-Lam = hoped for it, expect, distant or remote expectation, clinging of the heart to the coming to pass of a future desired event, affection of the heart for some good to be attained, in respect of hope

amal n.m. 15:3, 18:46

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 136, 137

Alif-Miim-Miim =
ammina: to propose, direct one's steps towards a place, repair to, go towards [5:2]
ummun/*umm*: mother, source, principle, prototype, origin, prototype;
ummi: belonging to mother, unlettered, Arab, who have no revealed scripture of their own;
ummatun: a man's kinsfolk, tribe, party, community, nation, group of living things having certain characteristics or circumstances in common, any grouping of human or animal, creation, generation, creatures of God;
ummah: way/course/manner/mode of acting, faith, religion, nation, , time or period of time, righteous person, a person who is an object of imitation and who is known for goodness/ virtues;
imam: leader, president, any object that is followed (e.g. human/book/highway), model, example, pattern;
amama: before, in front of [75:5]

amma vb. (1) pcple. act. 5:2

amam n.m. 75:5

imam n.m. (pl. a'immah) 2:124, 9:12, 11:17, 15:79, 17:71, 21:73, 25:74, 28:5, 28:41, 32:24, 36:12, 46:12

umm n.f. (pl. ummahat) 3:7, 4:11, 4:11, 4:23, 4:23, 4:23, 5:17, 5:75, 5:116, 6:92, 7:150, 13:39, 16:78, 19:28, 20:38, 20:40, 20:94, 23:50, 24:61, 28:7, 28:10, 28:13, 28:59, 31:14, 33:4, 33:6, 39:6, 42:7, 43:4, 46:15, 53:32, 58:2, 58:2, 80:35, 101:9

ummah n.f. (pl. umam) 2:128, 2:134, 2:141, 2:143, 2:213, 3:104, 3:110, 3:113, 4:41, 5:48, 5:66, 6:38, 6:42, 6:108, 7:34, 7:38, 7:38, 7:159, 7:160, 7:164, 7:168, 7:181, 10:19, 10:47, 10:49, 11:8, 11:48, 11:48, 11:118, 12:45, 13:30, 15:5, 16:36, 16:63, 16:84, 16:89, 16:92, 16:92, 16:93, 16:120, 21:92, 21:92, 22:34, 22:67, 23:43, 23:44, 23:52, 23:52, 27:83, 28:23, 28:75, 29:18, 35:24, 35:42, 40:5, 41:25, 42:8, 43:22, 43:23, 43:33, 45:28, 45:28, 46:18

ummiy n.m. 2:78, 3:20, 3:75, 7:157, 7:158, 62:2

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 125, 126, 127, 128, 129

••• = **Alif-Meem-Nun** = become/feel safe/secure, state of security/safety, trust, become quiet/tranquil in heart/mind, become free of expectation of evil or free of an object of dislike/ hatred, promise/assurance of security/safety, become trustful/faithful/confident, to believe/ acknowledge it, manifestation of humility/submission

amina vb. (1)
perf. act. 2:196, 2:239, 2:283, 7:97, 7:98, 7:99, 12:64, 12:107, 16:45, 17:68, 17:69, 67:16, 67:17
impf. act. 3:75, 3:75, 4:91, 4:91, 7:99, 12:11, 12:64
n.vb. 2:125, 4:83, 6:81, 6:82, 24:55
pcple. act. 2:126, 3:97, 12:99, 14:35, 15:46, 15:82, 16:112, 26:146, 27:89, 28:31, 28:57, 29:67, 34:18, 34:37, 41:40, 44:55, 48:27
pcple. pass. 70:28

amanah n.f. 3:154, 8:11

amanah n.f. 2:283, 4:58, 8:27, 23:8, 33:72, 70:32

amin n.m. 7:86, 12:54, 26:107, 26:125, 26:143, 26:162, 26:178, 26:193, 27:39, 28:26, 44:18, 44:51, 81:21, 95:3

ma'man n.m. 9:6

amana vb. (4)
perf. act. 2:8, 2:9, 2:13, 2:14, 2:14, 2:25, 2:26, 2:62, 2:62, 2:76, 2:82, 2:103, 2:104, 2:126, 2:136, 2:137, 2:137, 2:153, 2:165, 2:172, 2:177, 2:178, 2:183, 2:208, 2:212, 2:213, 2:214, 2:218, 2:249, 2:253, 2:254, 2:257, 2:264, 2:267, 2:277, 2:278, 2:282, 2:285, 2:285, 3:7, 3:16, 3:52, 3:53, 3:57, 3:68, 3:72, 3:84, 3:99, 3:100, 3:102, 3:110, 3:118, 3:119, 3:130, 3:140, 3:141, 3:149, 3:156, 3:193, 3:200, 4:19, 4:29, 4:39, 4:43, 4:51, 4:55, 4:57, 4:59, 4:60, 4:71, 4:76, 4:94, 4:122, 4:135, 4:136, 4:137, 4:137, 4:144, 4:147, 4:152, 4:173, 4:175, 5:1, 5:2, 5:6, 5:8, 5:9, 5:11, 5:12, 5:35, 5:41, 5:51, 5:53, 5:54, 5:55, 5:56, 5:57, 5:59, 5:61, 5:65, 5:69, 5:69, 5:82, 5:82, 5:83, 5:87, 5:90, 5:93, 5:93, 5:93, 5:94, 5:95, 5:101, 5:105, 5:106, 5:111, 6:48, 6:82, 6:158, 7:32, 7:42, 7:75, 7:76, 7:86, 7:87, 7:88, 7:96, 7:121, 7:123, 7:126, 7:153, 7:157, 8:12, 8:15, 8:20, 8:24, 8:27, 8:29, 8:41, 8:45, 8:72, 8:72, 8:74, 8:75, 9:18, 9:19, 9:20, 9:23, 9:28, 9:34, 9:38, 9:61, 9:88, 9:113, 9:119, 9:123, 9:124, 10:2, 10:4, 10:9, 10:51, 10:63, 10:83, 10:84, 10:90, 10:98, 10:98, 10:99, 10:103, 11:23, 11:29, 11:36, 11:40, 11:58, 11:66, 11:94, 12:57, 13:28, 13:29, 13:31, 14:23, 14:27, 14:31, 16:99, 16:102, 18:13, 18:30, 18:88, 18:107, 19:60, 19:73, 19:96, 20:70, 20:71, 20:73, 20:82, 21:6, 22:14, 22:17, 22:23, 22:38, 22:50, 22:54, 22:56, 22:77, 23:109, 24:19, 24:21, 24:27, 24:47, 24:55, 24:58, 24:62, 25:70, 26:47, 26:49, 26:227, 27:53, 28:53, 28:67, 28:80, 29:2, 29:7, 29:9, 29:10, 29:11, 29:12, 29:26, 29:46, 29:52, 29:56, 29:58, 30:15, 30:45, 31:8, 32:19, 33:9, 33:41, 33:49, 33:53, 33:56, 33:69, 33:70, 34:4, 34:37, 34:52, 35:7, 36:25, 36:47, 37:148, 38:24, 38:28, 39:10, 40:7, 40:25, 40:30, 40:35, 40:38, 40:51, 40:58, 40:84, 41:8, 41:18, 41:44, 42:15, 42:18, 42:22, 42:23, 42:26, 42:36, 42:45, 43:69, 45:14, 45:21, 45:30, 46:10, 46:11, 47:2, 47:2, 47:3, 47:7, 47:11, 47:12, 46:20, 47:33, 48:29, 49:1, 49:2, 49:6, 49:11, 49:12, 49:14, 49:15, 52:21, 57:7, 57:13, 57:16, 57:19, 57:21, 57:27, 57:28, 58:9, 58:10, 58:11, 58:11, 58:12, 59:10, 59:18, 60:1, 60:10, 60:13, 61:2, 61:10, 61:14, 61:14, 61:14, 62:9, 63:3, 63:9, 64:14, 65:10, 65:11, 66:6, 66:8, 66:11, 67:29, 72:2, 72:13, 74:31, 83:29, 83:34, 84:35, 85:11, 90:17, 95:6, 98:7, 103:3, 106:4

impf. act. 2:3, 2:4, 2:6, 2:13, 2:55, 2:75, 2:85, 2:88, 2:91, 2:100, 2:121, 2:186, 2:221, 2:228, 2:232, 2:256, 2:260, 2:264, 3:73, 3:81, 3:110, 3:114, 3:119, 3:179, 3:183, 3:199, 4:38, 4:46, 4:51, 4:59, 4:65, 4:150, 4:155, 4:159, 4:162, 5:41, 5:81, 5:84, 6:12, 6:20, 6:25, 6:54, 6:92, 6:99, 6:109, 6:109, 6:110, 6:111, 6:113, 6:124, 6:125, 6:150, 6:154, 7:27, 7:52, 7:87, 7:101, 7:134, 7:146, 7:156, 7:158, 7:185, 7:188, 7:203, 8:55, 9:29, 9:44, 9:45, 9:61, 9:61, 9:94, 9:99, 10:13, 10:33, 10:40, 10:40, 10:74, 10:88, 10:96, 10:100, 10:101, 11:17, 11:17, 11:36, 11:121, 12:37, 12:106, 12:111, 13:1, 15:13, 16:22, 16:60, 16:64, 16:72, 16:79, 16:104, 16:105, 17:10, 17:45, 17:90, 17:93, 17:94, 17:107, 18:6, 18:29, 18:55, 19:39, 20:16, 20:127, 21:6, 21:30, 22:54, 23:44, 23:47, 23:58, 23:74, 24:2, 24:62, 26:111, 26:201, 27:4, 27:81, 27:86, 28:3, 28:52, 29:24, 29:47, 29:47, 29:51, 29:67, 30:37, 30:53, 32:15, 33:19, 34:8, 34:21, 34:31, 36:7, 36:10, 39:45, 39:52, 40:7, 40:12, 40:27, 40:59, 41:44, 42:18, 43:88, 44:21, 45:6, 47:36, 48:9, 48:13, 49:14, 52:33, 53:27, 57:8, 57:8, 58:4, 58:22, 60:1, 60:4, 61:11, 64:9, 64:11, 65:2, 65:11, 69:33, 69:41, 72:13, 77:50, 84:20, 85:8

impv. 2:13, 2:41, 2:91, 3:72, 3:179, 3:193, 4:47, 4:136, 4:170, 4:171, 5:111, 7:158,

9:86, 17:107, 46:17, 46:31, 57:7, 57:28, 64:8

n.vb. 2:93, 2:108, 2:109, 2:143, 3:86, 3:90, 3:100, 3:106, 3:167, 3:173, 3:177, 3:193, 4:25, 5:5, 6:82, 6:158, 6:158, 8:2, 9:23, 9:66, 9:124, 9:124, 10:9, 10:98, 16:106, 16:106, 30:56, 32:29, 33:22, 40:10, 40:28, 40:85, 42:52, 48:4, 48:4, 49:7, 49:11, 49:14, 49:17, 52:21, 58:22, 59:9, 59:10, 60:10, 74:31

pcple. act. 2:8, 2:91, 2:93, 2:97, 2:221, 2:221, 2:223, 2:248, 2:278, 2:285, 3:28, 3:28, 3:49, 3:68, 3:110, 3:121, 3:122, 3:124, 3:139, 3:152, 3:160, 3:164, 3:166, 3:171, 3:175, 3:179, 4:25, 4:25, 4:84, 4:92, 4:92, 4:92, 4:92, 4:92, 4:92, 4:92, 4:93, 4:94, 4:95, 4:103, 4:115, 4:124, 4:139, 4:141, 4:141, 4:144, 4:146, 4:146, 4:162, 4:162, 5:5, 5:11, 5:23, 5:43, 5:54, 5:57, 5:88, 5:112, 6:27, 6:118, 7:2, 7:72, 7:75, 7:85, 7:132, 7:143, 8:1, 8:2, 8:4, 8:5, 8:17, 8:19, 8:62, 8:64, 8:65, 8:74, 9:10, 9:13, 9:14, 9:16, 9:26, 9:51, 9:61, 9:62, 9:71, 9:71, 9:72, 9:72, 9:79, 9:105, 9:107, 9:111, 9:112, 9:122, 9:128, 10:57, 10:78, 10:87, 10:99, 10:103, 10:104, 11:53, 11:86, 11:120, 12:17, 12:103, 14:11, 14:41, 15:77, 15:88, 16:97, 17:9, 17:19, 17:82, 18:2, 18:80, 20:75, 21:112, 21:88, 21:94, 23:1, 23:38, 24:2, 24:3, 24:12, 24:12, 24:17, 24:23, 24:30, 24:31, 24:31, 24:47, 24:51, 24:62, 26:3, 26:8, 26:51, 26:67, 26:102, 26:103, 26:114, 26:118, 26:121, 26:139, 26:158, 26:174, 26:190, 26:199, 26:215, 27:2, 27:15, 27:77, 28:10, 28:47, 29:44, 30:4, 30:47, 32:18, 33:6, 33:6, 33:11, 33:22, 33:23, 33:25, 33:35, 33:35, 33:36, 33:36, 33:37, 33:43, 33:47, 33:49, 33:50, 33:58, 33:58, 33:59, 33:73, 33:73, 34:20, 34:31, 34:41, 37:29, 37:81, 37:111, 37:122, 37:132, 40:28, 40:40, 44:12, 45:3, 47:19, 48:4, 48:5, 48:12, 48:18, 48:20, 48:25, 48:26, 49:9, 49:10, 49:15, 51:35, 51:55, 57:8, 57:12, 57:12, 58:10, 59:2, 59:23, 60:10, 60:10, 60:11, 60:12, 61:13, 63:8, 64:2, 64:13, 66:4, 66:5, 71:28, 71:28, 74:31, 85:7, 85:10, 85:10

i'tamana vb. (8) perf. pass. 2:283

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 137, 138, 139, 140

• • • = **Alif-Meem-Ra** = command/order/enjoin, authority/power/dominion, counselled/ advised/consulted, hold/appoint command, preside as a commander/governor/prince/king, experienced, become many/abundant.

amara vb. (1)
perf. act. 2:27, 2:222, 4:114, 5:117, 7:12, 7:28, 7:29, 12:40, 12:68, 13:21, 13:25, 17:16, 22:41, 24:53, 66:6, 80:23, 96:12
impf. act. 2:44, 2:67, 2:93, 2:169, 2:268, 3:21, 3:80, 3:80, 3:104, 3:110, 3:114, 4:37, 4:58, 4:119, 4:119, 7:28, 7:110, 7:157, 9:67, 9:71, 11:87, 12:32, 16:76, 16:90, 19:55, 24:21, 25:60, 26:35, 27:33, 34:33, 39:64, 52:32, 57:24
impv. 7:145, 7:199, 20:132, 31:17
perf. pass. 4:60, 6:14, 6:71, 6:163, 9:31, 10:72, 10:104, 11:112, 13:36, 27:91, 27:91, 39:11, 29:12, 40:66, 42:15, 42:15, 98:5
impf. pass. 2:68, 15:65, 15:94, 16:50, 37:102, 66:6

n.vb. 2:109, 2:117, 2:210, 2:210, 2:275, 3:47, 3:109, 3:128, 3:147, 3:152, 3:154, 3:154, 3:154, 3:159, 3:186, 4:47, 4:59, 4:83, 4:83, 5:52, 5:95, 6:8, 6:58, 6:159, 7:54, 7:54, 7:77, 7:150, 8:42, 8:43, 8:44, 8:44, 9:24, 9:48, 9:50, 9:106, 10:3, 10:24, 10:31, 10:71, 10:71, 11:40, 11:43, 11:44, 11:58, 11:59, 11:66, 11:73, 11:76, 11:82, 1:94, 11:97, 11:97, 11:101, 11:123, 12:15, 12:18, 12:21, 12:41, 12:83, 12:102, 13:2, 13:11, 13:31, 14:22, 14:32, 15:66, 16:1, 16:2, 16:12, 16:33, 16:77, 17:85, 18:10, 18:16, 18:21, 18:28, 18:50, 18:69, 18:73, 18:82, 18:88, 19:21, 19:35, 19:39, 19:64, 20:26, 20:32, 20:62, 20:90, 20:93, 21:27, 21:73, 21:81, 21:93, 22:41, 22:65, 22:67, 22:76, 23:27, 23:53, 24:62, 24:63, 26:151, 27:32, 27:32, 27:33, 28:44, 30:4, 30:25, 30:46, 31:17, 31:22, 32:5, 32:24, 33:36, 33:37, 33:38, 34:12, 35:4, 36:82, 38:36, 40:15, 40:44, 40:68, 40:78, 41:12, 42:38, 42:43, 42:52, 42:53, 43:79, 44:4, 44:5, 45:12, 45:17, 45:18, 46:25, 47:21, 47:26, 49:7, 49:9, 50:5, 51:4, 51:44, 54:3, 54:12, 54:50, 57:5, 59:15, 64:5, 65:1, 65:3, 65:4, 65:5, 65:8, 65:9, 65:12, 79:5, 82:19, 97:4
pcple. act. 9:112

ammar n.m. 12:53, 18:71

imr n.m. 28:20

i'tamara vb. (8)
impf. act. 28:20
impv. 65:6

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 132, 133, 134, 135, 136

Alif-Miim-Siin = Yesterday, the day before the present day by one night and tropically applied to "what is before that."

ams n.m. 10:24, 28:18, 28:19, 28:82

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 136

Alif-Miim-Ta = to determine or compute a thing's measure, quantity, or the like; A measure of distance; doubt; feebleness or weakness; ruggedness, uneven ground, a hollow, or depressed place, between any two elevated portions of ground; inequality of surface: one part being higher, or more prominent, than another; small mounds or what is elevated, of ground, small hills; some say, water-courses of valleys, such as are low, or depressed; crookedness, curvature; A fault, a defect, an imperfection, a blemish, or the like, in the mouth, and in a garment, or piece of cloth, and in a stone.

amt n.m. 20:107

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 131, 132

Alif-Miim-Waw = female/woman made/became a slave, handmaid, utter a cry, follow/ imitate.

amah n.f. 2:221, 24:32

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 140

Alif-Nun-Fa = Strike/hit/hurt one's nose, reach one's nose, trod or pasture herbage (camels), turn up one's nose at something, disdain or scorn something, abstain from or refuse to do something (by reason of disdain and pride), loath/dislike/regard something with disgust, sharpen the extremity of something (such as a spear-head or an arrow-head), induce someone to feel scorn/disdain/anger/indignation, haste something (namely an affair), begin or commence, to anticipate something, take the first of something (also to be the first in a thing or affair), most vehement, be head of (Lord or Chief) a people, (with damma, **K**) having a large nose (applied to a man), make even or evenly.

anf n.m. 5:45, 5:45

anif n.m. 47:16

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 152, 153, 154

Alif-Nun-Miim = (this root is compared to kha-lam-qaf) meaning mankind and the jinn and others : or what are on the face of the earth of all that are termed al-khalaq or created or everything having a soul or spirit.

anam n. coll. 55:10

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 155

Alif-Nun-Siin = to be or become sociable, companionable, conversable, inclined to company or conversation, friendly, amicable, or familiar. To be or become cheered, or gladdened or cheerful, gay, or gladsome. To be or become at ease, or tranquil; without

shrinking or aversion.

ins n.m. 6:112, 6:128, 6:128, 6:128, 6:130, 7:38, 7:179, 17:88, 27:17, 41:25, 41:29, 46:18, 51:56, 55:33, 55:39, 55:56, 55:74, 72:5, 72:6

insan n.m. 4:28, 10:12, 11:9, 12:5, 14:34, 15:26, 16:4, 17:11, 17:11, 17:13, 17:53, 17:67, 17:83, 17:100, 18:54, 19:66, 19:67, 21:37, 22:66, 23:12, 25:29, 29:8, 31:14, 32:7, 33:72, 36:77, 39:8, 39:49, 41:49, 41:51, 42:48, 42:48, 43:15, 46:15, 50:16, 53:24, 53:39, 55:3, 55:14, 59:16, 70:19, 75:3, 75:5, 75:10, 75:13, 75:14, 75:36, 76:1, 76:2, 79:35, 80:17, 80:24, 82:6, 84:6, 86:5, 89:15, 89:23, 90:4, 95:4, 96:2, 96:5, 96:6, 99:3, 100:6, 103:2

insiy n.m. (pl. anasiy) 19:26, 25:49

unas n.m. (pl. of ins, see also Nun-Waw-Siin) 2:60, 7:82, 7:160, 17:71, 27:56

anasa vb. (4) perf. act. 4:6, 20:10, 27:7, 28:29, 28:29

ista'nasa vb. (10)
impf. act. 24:27
pcple. act. 33:53

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 150, 151, 152

Alif-Nun-Thal = It was or became female, feminine, or of the feminine gender; It was or became soft.

untha n.f. (pl. inath) 2:178, 2:178, 3:36, 3:36, 3:195, 4:11, 4:117, 4:124, 4:176, 6:143, 6:143, 6:144, 6:144, 13:8, 16:58, 16:97, 17:40, 35:11, 37:150, 40:40, 41:47, 42:49, 42:50, 43:19, 49:13, 53:21, 53:27, 53:45, 75:39, 92:3

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 149

Alif-Nun-Ya = Its time came; or it was, or became, or drew, near; It (a thing) was, or became, behind, or after, its time; it, or he, (a man) was, or became, behind, backward, or late; it, or he, delayed, or held back. He postponed it, put it off, deferred it, delayed it, retarded it, withheld it, impeded it; An hour, or a short portion, or a time, or an indefinite time; any period of time; the utmost point, reach or degree; A thing of which the time has come, or drawn near: and which has come, or attained, to its time; to its full, or final, time or state; to maturity, or ripeness; signifies Whence? (being an interrogative respecting the

direction, or quarter, from which a thing is) and whence (used to denote a condition); Where? and where (used to denote a condition and as one of the adverbial nouns used to denote a condition), whence-so-ever; wherever (from whatever direction or quarter): when; how; however.

ana (1) vb. (1) impf. act. 57:16

ana (2) vb. (1) pcple. act. 55:44, 88:5

ina n.m. (pl. ana) 3:113, 20:130, 33:53, 39:9

ina n.m. (pl. aniyah) 76:15

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 155, 156, 157

Alif-Ra-Ba = He was, or became, cunning, characterized by intelligence with craft and forecast, or simply intelligent, excellent in judgment, sagacious, and knowing in affairs; He became excellent, or skilful, in the thing, or he became accustomed to, practised or exercised in, the thing, and became knowing, or skilful (therein); He devoted, or addicted himself, or cleaved or kept to a thing; he was, or became, niggardly, avaricious, or tenacious, of a thing. His member or limb (generally meaning the arm or hand) was cut off or dropped off; his members or limbs (generally relating to the members or fingers) of the arm or hand dropped off one after the other in consequence of a certain disease (usually termed jeem-dhal-alif-meem); A member, a distinct part of the animal body, a limb; expert skillful

irbah n.f. 24:31

ma'rab n.m. (pl. ma'arib) 20:18

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 81, 82, 83

Alif-Ra-Dad = = To rotate, bring forth herbs abundantly. Land abundant, fruitful, productive, luxuriant with herbage. Place for alighting or abiding. To tarry, await, expect, be patient. "Earth, as opposed to heaven: and the ground, as meaning the surface of the earth, on which we tread, and sit, and lie". Good land. Remain, fixed, tarry in expectation [on the ground]. Heavy, slow, sluggish, inclining, or propending to the ground. Submissive. A carpet, anything that is spread. A tremor, vertigo arising from a relaxed state. Wood-fretter, termite.

ard n.f. 2:11, 2:22, 2:27, 2:29, 2:20, 2:33, 2:36, 2:60, 2:61, 2:71, 2:107, 2:116, 2:117, 2:164, 2:164, 2:164, 2:168, 2:205, 2:251, 2:255, 2:255, 2:267, 2:273, 2:284, 3:5, 3:29, 3:83, 3:91, 3:109, 3:129, 3:133, 3:137, 3:156, 3:180, 3:189, 3:190, 3:191, 4:42, 4:97, 4:97, 4:100, 4:101, 4:126, 4:131, 4:131, 4:132, 4:170, 4:171, 5:17, 5:17, 5:18, 5:21, 5:26, 5:31, 5:32, 5:32, 5:33, 5:33, 5:36, 5:40, 5:64, 5:97, 5:106, 5:120, 6:1, 6:3, 6:6, 6:11, 6:12, 6:14, 6:35, 6:38, 6:59, 6:71, 6:73, 6:75, 6:79, 6:101, 6:116, 6:165, 7:10, 7:24, 7:54, 7:56, 7:73, 7:74, 7:74, 7:85, 7:96, 7:100, 7:110, 7:127, 7:128, 7:129, 7:137, 7:146, 7:158, 7:168, 7:176, 7:185, 7:187, 8:26, 8:63, 8:67, 8:73, 9:2, 9:25, 9:36, 9:38, 9:74, 9:116, 9:118, 10:3, 10:6, 10:14, 10:18, 10:23, 10:24, 10:24, 10:31, 10:54, 10:55, 10:61, 10:66, 10:68, 10:78, 10:83, 10:99, 10:101, 11:6, 11:7, 11:20, 11:44, 11:61, 11:64, 11:85, 11:107, 11:108, 11:116, 11:123, 12:9, 12:21, 12:55, 12:56, 12:73, 12:80, 12:101, 12:105, 12:109, 13:3, 13:4, 13:15, 13:16, 13:17, 13:18, 13:25, 13:31, 13:33, 13:41, 14:2, 14:8, 14:10, 14:13, 14:14, 14:19, 14:26, 14:32, 14:38, 14:48, 14:48, 15:19, 15:39, 15:85, 16:3, 16:13, 16:15, 16:36, 16:45, 16:49, 16:52, 16:65, 16:73, 16:77, 17:4, 17:37, 17:37, 17:44, 17:55, 17:76, 17:90, 17:95, 17:99, 17:102, 17:103, 17:104, 18:7, 18:14, 18:26, 18:45, 18:47, 18:51, 18:84, 18:94, 19:40, 19:65, 19:90, 19:93, 20:4, 20:6, 20:53, 20:57, 20:63, 21:4, 21:16, 21:19, 21:21, 21:30, 21:31, 21:44, 21:56, 21:71, 21:81, 21:105, 22:5, 22:18, 22:41, 22:46, 22:63, 22:64, 22:65, 22:65, 22:70, 23:18, 23:71, 23:79, 23:84, 23:112, 24:35, 24:41, 24:42, 24:55, 24:57, 24:64, 25:2, 25:6, 25:59, 25:63, 26:7, 26:24, 26:35, 26:152, 26:183, 27:25, 27:48, 27:60, 27:61, 27:62, 27:64, 27:65, 27:69, 27:75, 27:82, 27:87, 28:4, 28:5, 28:6, 28:19, 28:39, 28:57, 28:77, 28:81, 28:81, 28:83, 29:20, 29:22, 29:36, 29:39, 29:40, 29:44, 29:52, 29:56, 29:61, 29:63, 30:3, 30:8, 30:9, 30:9, 30:18, 30:19, 30:22, 30:24, 30:25, 30:25, 30:26, 30:27, 30:42, 30:50, 31:10, 31:16, 31:18, 31:20, 31:25, 31:26, 31:27, 31:34, 32:4, 32:5, 32:10, 32:27, 33:27, 33:27, 33:72, 34:1, 34:2, 34:2, 34:9, 34:9, 34:14, 34:22, 34:24, 35:1, 35:3, 35:9, 35:38, 35:39, 35:40, 35:41, 35:43, 35:44, 35:44, 36:33, 36:36, 36:81, 37:5, 38:10, 38:26, 38:27, 38:28, 38:66, 39:5, 39:10, 39:21, 39:38, 39:44, 39:46, 39:47, 39:63, 39:67, 39:68, 39:69, 39:74, 40:21, 40:21, 40:26, 40:29, 40:57, 40:64, 40:75, 40:82, 40:82, 41:9, 41:11, 41:15, 41:39, 42:4, 42:5, 42:11, 42:12, 42:27, 42:29, 42:31, 42:42, 42:49, 42:53, 43:9, 43:10, 43:60, 43:82, 43:84, 43:85, 44:7, 44:29, 44:38, 45:3, 45:5, 45:13, 45:22, 45:27, 45:36, 45:37, 46:3, 46:4, 46:20, 46:23, 46:33, 47:10, 47:22, 48:4, 48:7, 48:14, 49:16, 49:18, 50:4, 50:7, 50:38, 50:44, 51:20, 51:23, 51:48, 52:36, 53:31, 53:32, 54:12, 55:10, 55:29, 55:33, 56:4, 57:1, 57:2, 57:4, 57:4, 57:5, 57:10, 57:17, 57:21, 57:22, 58:7, 59:1, 59:24, 61:1, 62:1, 62:10, 63:7, 64:1, 64:3, 64:4, 65:12, 67:15, 67:16, 67:24, 69:14, 70:14, 71:17, 71:19, 71:26, 72:10, 72:12, 73:14, 73:20, 77:25, 78:6, 78:37, 79:30, 80:26, 84:3, 85:9, 86:12, 88:20, 89:21, 91:6, 99:1, 99:2

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 84, 85, 86

Alif-Ra-Kaf = camels feeding/eating on a certain tree termed (Alif-Ra-Alif-Kaf) or camels remained, or continued, among trees of that kind; to persist or preserver; He compelled him or constrained him, to do the thing, or affair; or made him to keep, or cleave, to it; herbage in which the camels remain or continue, couch.

arikah n.f. 18:31, 36:56, 76:13, 83:23, 83:35

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 87, 88

Alif-Ra-Miim = to bite, eat all (the food), destroy the crops, reduce to misery and wretchedness. iram - stone set up in the desert, name of the city of the tribe or 'Aad, name of the great father of 'Aad from whom the tribe took its name, a mark made of stones.

iram n. 89:7

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 88

Alif-Siin-Fa = to be sad, grieved about, afflicted with.

asifa vb. (1) n.vb. 12:84, 18:6

asif n.m. 7:150, 20:86

asafa vb. (4) perf. act. 43:55

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 95, 96

Alif-Siin-Miim = Isma'il/Ishmael

isma'il n. 2:125, 2:127, 2:133, 2:136, 2:140, 3:84, 4:163, 6:86, 14:39, 19:54, 21:85, 38:48

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 96, 97

Alif-Siin-Nun = to be corrupted, be putrid and stinking.

asana vb. (1) pcple. act. 47:15

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 97

Alif-Siin-Ra = to make captive, prisoner, joint/ligament/frame/vigour/energy.

asara vb. (1) impf. act. 33:26

asir n.m. (pl. asra/asara) 2:85, 8:67, 8:70, 76:8

asr n.m. 76:28

isra'il n. 2:40, 2:47, 2:83, 2:122, 2:211, 2:246, 3:49, 3:93, 3:93, 5:12, 5:32, 5:70, 5:72, 5:78, 5:110, 7:105, 7:134, 7:137, 7:138, 10:90, 10:90, 10:93, 17:2, 17:4, 17:101, 17:104, 19:58, 20:47, 20:80, 20:94, 26:17, 26:22, 26:59, 26:297, 27:76, 32:23, 40:53, 43:59, 44:30, 45:16, 46:10, 61:6, 61:14

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 94, 95

Alif-Siin-Siin = to lay foundation.

assasa vb. (2)
perf. act. 9:109, 9:109
perf. pass. 9:108

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 93

Alif-Siin-Waw = to imitate any one. uswah - model, imitation, relief, consolation, pattern, example worthy of imitation.

uswah n.f. 33:21, 60:4, 60:6

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 97, 98

Alif-Siin-Ya = to be sad, solicitous, afflicted (with 'alaa).

asa vb. (1) impf. act. 5:26, 5:68, 7:93, 57:23

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 98

Alif-Shiin-Ra = to cut/sharpen/saw. self-conceited, impudent, insolent, rash.

ashir n.m. 54:25, 54:26

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 98, 99

Alif-Sad-Lam = to be rooted. asiilan - evening, time before sunset.

asil n.m. (pl. asal) 7:205, 13:15, 24:36, 25:5, 33:42, 48:9, 76:25 **??????????**

asl n.m. (pl. usul) 14:24, 37:64, 59:5

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 101, 102, 103

Alif-Sad-Ra = to burden, commit a sin, crime, have responsibility, break a thing, confine or debar, banishment, detain, hold in custody.

isr n.m. 2:286, 3:81, 7:157

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 100

Alif-Taa-Waw (e.g. of "*atawoo*") = come, pursue, put forth, show, increase, produce, bring, pay.

ata vb. (1)
perf. act. 2:145, 3:188, 4:25, 6:34, 6:40, 6:40, 6:47, 7:138, 9:70, 9:92, 10:24, 10:50, 15:64, 16:1, 16:26, 16:26, 18:77, 19:27, 20:9, 20:11, 20:60, 20:69, 20:126, 21:47, 23:71, 23:90, 25:40, 26:89, 27:18, 27:87, 28:30, 28:46, 32:3, 38:21, 39:25, 40:35, 40:56, 41:11, 51:24, 51:42, 51:52, 59:2, 74:47, 76:1, 79:15, 85:17, 88:1
impf. act. 2:38, 2:85, 2:106, 2:109, 2:118, 2:148, 2:189, 2:210, 2:214, 2:248, 2:254, 2:258, 2:260, 3:125, 3:161, 3:183, 4:15, 4:16, 4:19, 4:102, 4:133, 5:41, 5:52, 5:54, 5:108, 6:4, 6:5, 6:35, 6:46, 6:130, 6:158, 6:158, 6:158, 6:158, 7:17, 7:35, 7:53, 7:80, 7:81, 7:97, 7:98, 7:112, 7:129, 7:132, 7:163, 7:169, 7:187, 7:203, 9:24, 9:54, 9:70, 10:39, 11:8, 11:33, 11:39, 11:93, 11:105, 12:37, 12:37, 12:48, 12:49, 12:60, 12:66, 12:83, 12:93, 12:107, 12:107, 13:31, 13:38, 13:41, 14:9, 14:11, 14:17, 14:19, 14:31,

14:44, 15:7, 15:11, 15:99, 16:33, 16:33, 16:45, 16:76, 16:111, 16:112, 17:88, 17:88, 17:92, 18:15, 18:19, 18:55, 18:55, 19:38, 19:43, 19:80, 20:10, 20:58, 20:74, 20:75, 20:123, 20:133, 20:133, 21:2, 21:3, 21:5, 21:40, 21:44, 22:27, 22:27, 22:55, 22:55, 23:68, 24:4, 24:13, 24:49, 25:33, 26:5, 26:6, 26:37, 26:165, 26:202, 27:7, 27:7, 27:21, 27:37, 27:38, 27:38, 27:39, 27:40, 27:54, 27:55, 28:29, 28:71, 28:72, 29:28, 29:29, 29:29, 29:53, 30:43, 31:16, 33:18, 33:20, 33:30, 34:3, 34:3, 35:16, 36:30, 36:46, 37:28, 39:40, 39:54, 39:55, 39:71, 40:22, 40:50, 40:78, 41:40, 41:42, 42:47, 43:7, 43:66, 44:10, 47:18, 52:34, 52:38, 60:12, 61:6, 63:10, 64:5, 64:6, 65:1, 67:8, 67:30, 68:41, 71:1, 78:18, 98:1
impv. 2:23, 2:189, 2:222, 2:223, 2:258, 3:93, 6:71, 7:70, 7:77, 7:106, 8:32, 10:15, 10:38, 10:79, 11:13, 11:32, 12:50, 12:54, 12:59, 12:93, 14:10, 20:47, 20:64, 21:61, 26:10, 26:16, 26:31, 26:154, 27:31, 28:49, 29:29, 37:157, 41:11, 44:36, 45:25, 46:4, 46:22
perf. pass. 2:25
pcple. act. 6:134, 11:76, 15:85, 19:93, 19:95, 20:15, 22:7, 29:5, 40:59, 44:19
pcple. pass. 19:61

ata vb. (4)
perf. act. 2:53, 2:63, 2:87, 2:87, 2:93, 2:121, 2:146, 2:177, 2:177, 2:211, 2:229, 2:233, 2:251, 2:253, 2:258, 2:265, 2:277, 3:81, 3:148, 3:170, 3:180, 4:19, 4:20, 4:37, 4:54, 4:54, 4:54, 4:67, 4:153, 4:163, 5:5, 5:12, 5:20, 5:46, 5:48, 6:20, 6:83, 6:89, 6:114, 6:154, 6:165, 7:144, 7:171, 7:175, 7:189, 7:190, 7:190, 9:5, 9:11, 9:18, 9:59, 9:75, 9:76, 10:88, 11:28, 11:63, 11:110, 12:22, 12:31, 12:66, 12:101, 13:36, 14:34, 15:81, 15:87, 16:55, 16:122, 17:2, 17:55, 17:59, 17:101, 18:33, 18:65, 18:84, 19:12, 19:30, 20:99, 21:48, 21:51, 21:74, 21:79, 21:84, 22:41, 23:49, 23:60, 24:33, 25:35, 27:15, 27:36, 27:36, 28:14, 28:43, 28:52, 28:76, 28:77, 29:27, 29:47, 29:66, 30:34, 30:39, 30:39, 31:12, 32:13, 32:23, 33:14, 33:50, 33:51, 34:10, 34:44, 34:45, 35:40, 37:117, 38:20, 40:53, 41:45, 43:21, 44:33, 45:16, 45:17, 47:17, 51:16, 52:18, 57:23, 57:27, 59:7, 60:10, 65:7, 65:7
impf. act. 2:247, 2:269, 2:271, 3:26, 3:73, 3:79, 3:145, 3:145, 4:5, 4:40, 4:53, 4:74, 4:114, 4:127, 4:146, 4:152, 4:162, 5:20, 5:54, 5:55, 7:156, 8:70, 9:59, 9:71, 11:3, 11:31, 12:66, 14:25, 18:40, 23:60, 24:22, 27:3, 31:4, 33:31, 41:7, 42:20, 47:36, 48:10, 48:16, 57:21, 57:28, 57:29, 62:4, 92:18, 98:5
impv. 2:43, 2:83, 2:110, 2:200, 2:201, 3:194, 4:2, 4:4, 4:24, 4:25, 4:33, 4:77, 6:141, 7:38, 17:26, 18:10, 18:62, 18:96, 18:96, 22:78, 24:33, 24:56, 30:38, 33:33, 33:68, 58:13, 60:10, 60:11, 65:6, 73:20
perf. pass. 2:101, 2:136, 2:136, 2:144, 2:145, 2:213, 2:269, 3:19, 3:20, 3:23, 3:73, 3:84, 3:100, 3:186, 3:187, 4:44, 4:47, 4:51, 4:131, 5:5, 5:5, 5:41, 5:57, 6:44, 6:124, 9:29, 16:27, 17:71, 17:85, 17:107, 20:36, 22:54, 27:16, 27:23, 27:42, 28:48, 28:48, 28:48, 28:60, 28:78, 28:79, 28:80, 29:49, 30:56, 34:6, 39:49, 42:36, 47:16, 57:16, 58:11, 59:9, 69:19, 69:25, 74:31, 74:31, 84:7, 84:10, 98:4
impf. pass. 2:247, 2:269, 3:73, 5:41, 6:124, 19:77, 28:54, 69:25, 74:52
n.vb. 16:90, 21:73, 24:37
pcple. act. 4:162

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 51, 52

Alif-Tha-Lam = to take root, be firmly rooted, walk at a quick pace.

athl n.m. gen. 34:16

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 58

Alif-Tha-Miim = to commit a crime/sin or lie. ithm - sin, crime, guilt, iniquity, lie, anything that hinders from good deeds, harmful, anything which renders a person deserving of punishment, anything that pricks the mind as something evil, unlawful. athaam - punishment of wickedness, the requital. aathim - evil doer, one who sins. athiim - wicked person. taa'thiim - accusation of crime.

athima vb. (1) pcple. act. 2:283, 5:106, 76:24

atham n.m. 25:68

athim n.m. 2:276, 4:107, 2:222, 44:44, 45:7, 68:12, 83:12

ithm n.m. 2:85, 2:173, 2:181, 2:182, 2:182, 2:188, 2:203, 2:203, 2:206, 2:219, 2:219, 3:178, 4:20, 4:48, 4:50, 4:111, 4:112, 4:112, 5:2, 5:3, 5:29, 5:29, 5:62, 5:63, 5:107, 6:120, 6:120, 7:33, 24:11, 33:58, 42:37, 49:12, 53:32, 58:8, 58:9

aththama vb. (2) n.vb. 52:23, 56:25

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 58, 59

= **Alif-Tha-Ra** - to relate, narrate, recite, choose, propose, transmit, raise, prefer, effect, excite.
To stir up, to trump up.
Determined/resolved/decided upon a thing.
Origin, time/period of life.
Dearth, scarcity, drought or sterility.
An iron instrument with which the bottom of a camel's foot is marked, or a camel with such a mark.
A generous quality/action (e.g. passed down from generation to generation).
athar means after, footstep/trace/mark/track/remnant/tradition/teaching, impression/ influence, stamp/scar, remains, relics of knowledge transmitted, *sunnah*, vestige, print, memorial of antiquity. (i.e. that which is left behind from something)

athara vb. (1) impf. pass. 74:24

athar n.m. (pl. athar) 5:46, 18:6, 18:64, 20:84, 20:96, 30:50, 36:12, 37:70, 40:21, 40:82, 43:22, 43:23, 48:29, 57:27

atharah n.f. 46:4

athara vb. (4)
perf. act. 12:91, 79:38
impf. act. 20:72, 59:9, 87:16

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 55, 56, 57

Alif-Tha-Tha = to be luxuriated, close, become much in quantity, abundant, numerous, great, thick or large. athaathan - goods, utensils, household furniture, moveable goods, all property consisting of camels/sheep/goats and abandoned property.

athathan n.m. 16:80, 19:74

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 54, 55

Alif-Waw-Ba = to come back from, repent, set (stars), repeat, return (from disobedience to obedience), echo, alight at night.

aba vb. (1) n.vb. 88:25

awwab n.m. 17:25, 38:17, 38:19, 38:30, 38:44, 50:32

ma'ab n.m. 3:14, 13:29, 13:36, 38:25, 38:40, 38:49, 38:55, 78:22, 78:39

awwaba vb. (2) impv. 34:10

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 160, 161

Alif-Waw-Dal = to make tired, decline, incline towards its end.

ada vb. (1) impf. act. 2:255

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 161, 162

Alif-Waw-ha = compassionate person, one who shows pity by frequently sighing, one who sighs and cries.

awwah n.m. 9:114, 11:75

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 166, 167

Alif-Waw-Lam - To return, be before, come back to. To interpret [by consideration], explain. To contract, withdraw, become. To preside over, hold command or authority. To come to be. To put in a proper state/condition, or to compose [an affair]. To resort to; namely [a thing of any kind; the thing or place whence he or it originated, or came. His or its origin or source; his or its original state, condition, quantity, weight; any place. A former action, saying, or the like]. To return or restore to [a thing, place, or disposition]. To explain, expound, interpret [collecting the meanings of dubious expressions by such expression as is clear, or plain, without dubiousness]. To explain the meaning of that which is equivocal or ambiguous. To be seen from a distance.

al n.m. 2:49, 2:50, 2:248, 2:248, 3:11, 3:33, 3:33, 4:54, 7:130, 7:141, 8:52, 8:54, 8:54, 12:6, 14:6, 15:59, 15:61, 19:6, 27:56, 28:8, 34:13, 40:28, 40:45, 40:46, 54:34, 54:41

awwal n. num. (f. ula) 2:41, 3:96, 5:114, 6:14, 6:94, 6:110, 6:163, 7:38, 7:39, 7:143, 9:13, 9:83, 9:108, 17:5, 17:7, 17:51, 18:48, 20:21, 20:51, 20:65, 20:133, 21:104, 26:51, 28:43, 28:70, 33:33, 36:79, 37:59, 39:12, 41:21, 43:81, 44:35, 44:56, 50:15, 53:25, 53:50, 53:56, 56:62, 57:3, 59:2, 79:25, 87:18, 92:13, 93:4

awwalun n.m. (pl. of awwal) 6:25, 8:31, 8:38, 9:100, 15:10, 15:13, 16:24, 17:59, 18:55, 21:5, 23:24, 23:68, 23:81, 23:83, 25:5, 26:26, 26:137, 26:184, 26:196, 27:68, 28:36, 35:43, 37:17, 37:71, 37:126, 37:168, 43:6, 43:8, 44:8, 46:17, 56:13, 56:39, 56:48, 56:49, 68:15, 77:16, 77:38, 83:13

awwala vb. (2) n.vb. 3:7, 3:7, 4:59, 7:53, 7:53, 10:39, 12:6, 12:21, 12:36, 12:37, 12:44, 12:45, 12:100, 12:101, 17:35, 18:78, 18:82

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 162, 163, 164, 165

Alif-Waw-Ya = a verb with the addition of hamza and doubled in perfect. To betake oneself for shelter, refuge or rest, have recourse to retire, alight at, give hospitality to.

awa vb. (1)
perf. act. 18:10, 18:63
impf. act. 11:43, 11:80
impv. 18:16

ma'wa n.m. 3:151, 3:162, 3:197, 4:97, 4:121, 5:72, 8:16, 9:73, 9:95, 10:8, 13:18, 17:97, 24:57, 29:25, 32:19, 32:20, 45:34, 53:15, 57:15, 66:9, 79:39, 79:41

awa vb. (4)
perf. act. 8:26, 8:72, 8:74, 12:69, 12:99, 23:50, 93:6
impf. act. 33:51, 70:13

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 167, 168

Alif-Ya-Ba = Job.

ayyub n. 4:163, 6:84, 21:83, 38:41

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 173, 160, 161

Alif-Ya-Dal = to support/strengthen/confirm.

ayd n.m. 38:17, 51:47

ayyada vb. (2)
perf. act. 2:87, 2:253, 5:110, 8:26, 8:62, 9:40, 58:22, 61:14
impf. act. 3:13

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 173

Alif-Ya-Kaf = collection of numerous tangled or dense trees (usually of the kind called sidr (lote) and alak (wild berries)), wood, thicket.

aykah n.f. pl. 15:78, 26:176, 38:13, 50:14

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 174

Alif-Ya-Miim = to be unmarried, single/widowed/divorced, one who lives in celibacy.

ayama n.f. (pl. of ayyim) 24:32

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 174, 175

Alif-Ya-Waw = sign, apparent sign, mark, indication, message, evidence, proof, miracle, communication, verse of The Quran. It properly signifies any apparent thing inseparable from a thing not equally apparent so that when one perceives the former, he perceives the other which he cannot perceive by itself.

ayah n.f. (pl. ayat) 2:39, 2:41, 2:61, 2:73, 2:99, 2:106, 2:118, 2:118, 2:129, 2:145, 2:151, 2:164, 2:187, 2:211, 2:219, 2:221, 2:231, 2:242, 2:248, 2:248, 2:252, 2:259, 2:266, 3:4, 3:7, 3:11, 3:13, 3:19, 3:21, 3:41, 3:41, 3:49, 3:49, 3:50, 3:58, 3:70, 3:97, 3:98, 3:101, 3:103, 3:108, 3:112, 3:113, 3:118, 3:164, 3:190, 3:199, 4:56, 4:140, 4:155, 5:10, 5:44, 5:75, 5:86, 5:89, 5:114, 6:4, 6:4, 6:21, 6:25, 6:27, 6:33, 6:35, 6:37, 6:39, 6:46, 6:49, 6:54, 6:55, 6:65, 6:68, 6:93, 6:97, 6:98, 6:99, 6:105, 6:109, 6:109, 6:118, 6:124, 6:126, 6:130, 6:150, 6:157, 6:157, 6:158, 6:158, 7:9, 7:26, 7:32, 7:35, 7:36, 7:37, 7:40, 7:51, 7:58, 7;64, 7:72, 7:73, 7:103, 7:106, 7:126, 7:132, 7:133, 7:136, 7:146, 7:146, 7:146, 7:147, 7:156, 7:174, 7:175, 7:176, 7:177, 7:182, 7:203, 8:2, 8:31, 8:52, 8:54, 9:9, 9:11, 9:65, 10:1, 10:5, 10:6, 10:7, 10:15, 10:17, 10:20, 10:21, 10:24, 10:67, 10:71, 10:73, 10:75, 10:92, 10:92, 10:95, 10:97, 10:101, 11:1, 11:59, 11:64, 11:96, 11:103, 12:1, 12:7, 12:35, 12:105, 13:1, 13:2, 13:3, 13:4, 13:7, 13:27, 13:38, 14:5, 14:5, 15:1, 15:75, 15:77, 15:81, 16:11, 16:12, 16:13, 16:65, 16:67, 16:69, 16:79, 16:101, 16:101, 16:104, 16:105, 17:1, 17:12, 17:12, 17:12, 17:59, 17:59, 17:98, 17:101, 18:9, 18:17, 18:56, 18:57, 18:105, 18:106, 19:10, 19:10, 19:21, 19:58, 19:73, 19:77, 20:22, 20:23, 20:42, 20:47, 20:54, 20:56, 20:126, 20:127, 20:128, 20:133, 20:134, 21:5, 21:32, 21:37, 21:77, 21:91, 22:16, 22:51, 22:52, 22:57, 22:72, 22:72, 23:30, 23:45, 23:50, 23:58, 23:66, 23:105, 24:1, 24:18, 24:34, 24:46, 24:58, 24:59, 24:61, 25:36, 25:37, 25:73, 26:2, 26:4, 26:8, 26:15, 26:67, 26:103, 26:121, 26:128, 26:139, 26:154, 26:158, 26:174, 26:190, 26:197, 27:1, 27;12, 27:13, 27:52, 27:81, 27:82, 27:83, 27:84, 27:86, 27:93, 28:2, 28:35, 28:36, 28:45, 28:47, 28:59, 28:87, 29:15, 29:23, 29:24, 29:35, 29:44, 29:47, 29:49, 29:49, 29:50, 29:50, 30:10, 30:16, 30:20, 30:21, 30:21, 30:22, 30:22, 30:23, 30:23, 30:24, 30:24, 30:25, 30:28, 30:37, 30:46, 30:53, 30:58, 31:2, 31:7, 31:31, 31:31, 31:32, 32:15, 32:22, 32:24, 32:26, 33:34, 34:5, 34:9, 34:15, 34:19, 34:38, 34:43, 36:33, 36:37, 36:41, 36:46, 36:46, 37:14, 38:29, 39:42, 39:52, 39:59, 39:63, 39:71, 40:4, 40:13, 40:23, 40:35, 40:56, 40:63, 40:69, 40:78, 40:81, 40:81, 41:3, 41:15, 41:28, 41:37, 41:39, 41:40, 41:44, 41:53, 42:29, 42:32, 42:33, 42:35, 43:46, 43:47, 43:48, 43:69, 44:33, 45:3, 45:4, 45:5, 45:6, 45:6, 45:8, 45:9, 45:11, 45:13, 45:25, 45:31, 45:35, 46:7, 46:26, 46:27, 48:20, 51:20, 51:37, 53:18, 54:2,

54:15, 54:42, 57:9, 57:17, 57:19, 58:5, 62:2, 62:5, 64:10, 65:11, 68:15, 74:16, 78:28, 79:20, 83:13, 90:19

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 168, 169, 170, 171, 172

Alif-Zay-Fa = to get night, arrive suddenly, approach, draw near.

azifa vb. (1) perf. act. 53:57

azifah n.f. 40:18, 53:57

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 90

Alif-Zay-Ra = to strengthen/aid/assist/help/sympathise, Azar (name of an idol) derived from the Chaldean name of the planet Mars.

azar n. 6:74

azr n.m. 20:31

azara vb. (4) perf. act. 48:29

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 89, 90

Alif-Zay-Zay = to incite, make a loud crash, produce a noise.

azza vb. (1)
impf. act. 19:83
n.vb. 19:83

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 89

Ba = •

= **Ba-Alif-Ra** = sunk/dug, hollow/hole, hid/conceal it, stored it for time of need, well.

bir n.f. 22:45

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 182

= **Ba-Alif-Siin** = mighty/strong, distress/misfortune/calamity, state of poverty, evil/bad, very evil, feigned lowliness/submissiveness, punishment, state of trial/affliction, courage/ valour/prowess.

ba'isa vb. (1)
pcple. act. 22:28

bi'sa vb. (1) A unique type of verb which is not conjugated, belonging to a family of verbs known as the "verbs of praise and blame". Note the vocalisation is also changed from fa'ala to fi'la.
perf. act. 2:90, 2:93, 2:102, 2:126, 2:206, 3:12, 3:151, 3:162, 3:187, 3:197, 5:62, 5:63, 5:79, 5:80, 7:150, 8:16, 9:73, 11:98, 11:99, 13:18, 14:29, 16:29, 18:29, 18:50, 22:13, 22:13, 22:72, 24:57, 38:56, 38:60, 39:72, 40:76, 43:38, 49:11, 57:15, 58:8, 62:5, 64:10, 66:9, 67:6

ba's n.m. 2:177, 4:84, 4:84, 6:43, 6:65, 6:147, 6:148, 7:4, 7:5, 7:97, 7:98, 12:110, 16:81, 17:5, 18:2, 21:12, 21:80, 27:33, 33:18, 40:29, 40:84, 40:85, 48:16, 57:25, 59:14

ba'is n.m. 7:165

ba'sa n.f. 2:177, 2:214, 6:42, 7:94

ibta'asa vb. (8) impf. act. 11:36, 12:69

LL, V1, p: 183, 184

= **Ba-Ayn-Dal** =

Becoming distant, remote, far off, aloof or far away
Removed, retired, withdrew to a distance
Alienated, estranged, wide separation, great distance
Possessing judgment and prudence, penetrating, effective judgment, depth or far reaching judgment
Go or going a great length or far in hostility.

ba'uda vb. (1)
perf. act. 9:42, ba'ida 11:95
n.vb. 11:44, 11:60, 11:68, 11:95, 23:41, 23:44, 43:38

ba'id n.m. 2:176, 3:30, 4:60, 4:116, 4:136, 4:167, 11:83, 11:89, 14:3, 14:18, 21:109, 22:12, 22:53, 25:12, 27:22, 34:8, 34:52, 34:53, 41:44, 41:52, 42:18, 50:3, 50:27, 50:31, 70:6

ba'ada vb. (3) impv. 34:19

ab'ada vb. (4) pcple. pass. 21:101

LL, V1, p: 261, 262, 263

= **Ba-Ayn-Dad** =

Gnats, mosquitoes, bitten, annoyed or molested by gnats or mosquitoes
Dividing into parts or portions, which are distinct or separate from each other
Part or portion
Something or someone
An impossible or difficult thing imposed on someone.

ba'udah n.f. 2:26

LL, V1, p: 264

• • •

Ba-Ayn-Lam =

Husband, took a husband or became a wife
People intermarrying with a people

Playful toying between man and wife
Resistance
Obedience to the husband
Lord, master, owner or possessor
Head, chief, ruler or person in authority
Someone whom it is a necessary duty to obey
Lacking strength, power or ability
Elevated land
Palm trees or trees watered only by rain, trees imbibing with roots without irrigation or rain, a male palm tree
Confounded or perplexed
Baal (pre-Islamic deity, 37:125)?

ba'l n.m. (pl. bu'ulah) 2:228, 4:128, 11:72, 24:31, 24:31, 24:31

baal 37:125

LL, V1, p: 265

• • • •

Ba-Ayn-Ra = camel.

ba'ir n.com. 12:65, 12:72

LL, V1, p: 263, 264

= **Ba-Ayn-Tha** =

Removal of that which restrains one from free action
Anything that is sent
Rousing, exciting, putting in motion or motion
Incited, urged, instigated or awoke
Raising/rousing (e.g. of the dead to life)
Sleepless or wakeful
Hastening, quick, swift in going, impelled or propelled.

ba'atha vb. (1)
perf. act. 2:56, 2:213, 2:247, 2:259, 3:164, 5:12, 5:31, 7:103, 10:74, 10:75, 16:36, 17:5, 17:94, 18:12, 18:19, 25:41, 25:51, 36:52, 62:2

impf. act. 6:36, 6:60, 6:65, 7:167, 16:38, 16:84, 16:89, 17:15, 17:79, 22:7, 28:59, 40:34, 58:6, 58:18, 72:7
impv. 2:129, 2:246, 4:35, 18:19, 26:36
impf. pass. 7:14, 15:36, 16:21, 19:15, 19:33, 23:16, 23:100, 26:87, 27:65, 37:144, 38:79, 64:7, 64:7
n.vb. 22:5, 30:56, 30:56, 31:28
pcple. pass. 6:29, 11:7, 17:49, 17:98, 23:37, 23:82, 37:16, 56:47, 83:4

inba'atha vb. (7)
perf. act. 91:12
n.vb. 9:46

LL, V1, p: 259, 260

= **Ba-Ayn-Tha-Ra** = scatter abroad, turn upside down, to overthrow.

ba'thara vb. (1) perf. pass. 82:4, 100:9

= **Ba-Ba-Lam** = Babylon.

n. 2:102

= **Ba-Dal-Alif** =

Be first, have precedence
Began, made beginnings of (something/thought/opinion/idea/military expedition)
Made/produced/created for the first time/originally
Commence/started/originated/brought into existence
Going forth from a land to another/sick person (afflicted with disease)
A new thing/unknown before, invent, Strange and wonderful/unexpected/surprising
Doing it again from the beginning/returning from where you came
Chief/Lord (occupying first place in leadership/chieftainship/lordship
An intelligent youth whose opinion/judgment is good
Share/portion of an animal, or the best share thereof
Man continuing to war/plunder, experienced in affairs.

bada'a vb. (1)
perf. act. 7:29, 9:13, 12:76, 21:104, 29:20, 32:7

impf. act. 10:4, 10:34, 10:34, 27:64, 30:11, 30:27

abda'a vb. (4) impf. act. 29:19, 34:49, 85:13

LL, V1, p: 200, 201, 202

= **Ba-Dal-Ayn** = creator, innovation, new, invent.

badi n.m. 2:117, 6:101

bid n.m. 46:9

ibtada'a vb. (8) perf. act. 57:27

LL, V1, p: 203, 204

• • •

Ba-Dal-Lam = changing/altering -> with or without substitution, replacing/exchanging.

badal n.m. 18:50

baddala vb. (2)
perf. act. 2:59, 2:181, 4:56, 7:95, 7:162, 14:28, 16:101, 27:11, 33:23, 34:16, 76:28
impf. act. 2:181, 2:211, 10:15, 24:55, 25:70, 40:26, 48:15, 56:61, 70:41
impv. 10:15
impf. pass. 14:48, 50:29
n.vb. 10:64, 30:30, 33:23, 33:62, 35:43, 48:23, 76:28
pcple. act. 6:34, 6:115, 18:27

abdala vb. (4) impf. act. 18:81, 66:5, 68:32

tabaddala vb. (5)
perf. act. 33:52
impf. act. 2:108, 4:2

istabdala vb. (10)
impf. act. 2:61, 9:39, 47:38
n.vb. 4:20

LL, V1, p: 204, 205

= **Ba-Dal-Nun** = become big/bulky/big-bodied, corpulent, become aged/weak/heavy, coat of mail, body without head/arms/legs, body without soul, cow/camel/bull/goat, animals of sacrifice/slaughter.

badan n.m. 10:92

budn n.m. (pl. of badanah) 22:36

LL, V1, p: 205, 206

= **Ba-Dal-Ra** = become full/grown/round, attained maturity, hastened/strove to be first, thing/event came/happened to him speedily, a place in which wheat/grain is trodden out.

badr n. 3:123

bidar n.m. 4:6

LL, V1, p: 202, 203

• • •

Ba-Dal-Waw =

Appearing/being apparent/open/manifest/plain/evident/shown
Desert/dwelling or abode in the desert, belonging/relating to the desert
Going to encounter in battle or war/showing open enmity, hostility
Imitating people of the desert
In the first place, first of a thing
Truffles or dust on earth
Either side of a valley
Various opinions arising in the mind.

bada vb. (1)

perf. act. 3:118, 6:28, 7:22, 12:35, 20:121, 39:47, 39:48, 45:33, 60:4
pcple. act. 11:27, 22:25, 33:20

badw n.m. 12:100

abda vb. (4)
impf. act. 2:33, 2:271, 2:284, 3:29, 3:154, 4:149, 5:99, 6:91, 7:20, 12:77, 24:29, 24:31, 24:31, 28:10, 33:54
impf. pass. 5:101, 5:101
pcple. act. 33:37

LL, V1, p: 207, 208, 209

• • •

Ba-Dad-Ayn =

Flesh/meat: cutting of ->slitting, lengthwise, several pieces, cut off in a lump
Article of merchandise, giving or receiving merchandise occurring in trade, person carrying merchandise
Number from 1-10 or from 11-20 mutually exclusive, from 3 - 9 (Kur) or an undefined number
Sound of cutting swords/whips, sword cutting off a piece of what it strikes
Lancet/bow

bid n.m. 12:42, 30:4

bida'ah n.f. 12:19, 12:62, 12:65, 12:65, 12:88

LL, V1, p: 250, 251, 252

• • •

Ba-Gh-Dad =

Becoming hateful, odious or an object of hatred
Fortune or good fortune, also befalling someone
Showing hatred, hating or hated

baghda n.f. 3:118, 5:14, 5:64, 5:91, 60:4

LL, V1, p: 266, 267

• • •

Ba-Ghayn-Lam =

Affecting or showing stupidity, dullness or want of intelligence
Being submissive, humble
Big, thick, rude, hard, strong, sturdy in body or physically
Animals going in a gentle manner
Mule(s)

baghl n.m. (pl. bighal) 16:8

LL, V1, p: 267

• • •

Ba-Ghayn-Ta =

Suddenly, unexpectedly, unawares, surprisingly or with previous cause
A festival, namely Easter
Confounded, perplexed or unable to see straight

baghtah n.f. 6:31, 6:44, 6:47, 7:95, 7:187, 12:107, 21:40, 22:55, 26:202, 29:53, 39:55, 43:66, 47:18

LL, V1, p: 265, 266

• • •

Ba-Ghayn-Ya =

Sought for or after, desired, endeavored to find and take and get (good or evil)

Loving or affecting a thing
Acting wrongfully, injuriously or tyrannically
Seeking or endeavoring to act corruptingly, wrongly and/or unjustly, insolent/disobedient
Exceeding due bounds or just limits in any way
Not right, proper or fit
Prostitute or adulteress, unchaste [e.g. 19:20, 19:28, 24:33]
Not seeking what one should not seek
Seeking game or prey
Place where a thing is sought, way or manner in which a thing is sought

bagha vb. (1)
perf. act. 28:76, 38:22, 42:27, 49:9
impf. act. 3:83, 3:99, 4:34, 5:50, 6:164, 7:45, 7:86, 7:140, 9:47, 10:23, 11:19, 12:65, 14:3, 18:64, 18:108, 28:77, 38:24, 42:42, 49:9, 55:20
perf. pass. 22:60
n.vb. 2:90, 2:213, 3:19, 6:146, 7:33, 10:23, 10:90, 16:90, 42:14, 42:39, 45:17
pcple. act. 2:173, 6:145, 16:115

baghiy n.f. 19:20, 19:28

bigha n.m. 24:33

inbagha vb. (7)
impf. act. 19:92, 25:18, 26:211, 36:40, 36:69, 38:35

ibtagha vb. (8)
perf. act. 9:48, 17:42, 23:7, 33:51, 70:31
impf. act. 2:198, 3:85, 4:24, 4:94, 4:139, 5:2, 6:35, 6:114, 16:14, 17:12, 17:57, 17:66, 24:33, 24:33, 28:55, 28:73, 30:46, 35:12, 45:12, 48:29, 59:8, 66:1, 73:20
impv. 2:187, 5:35, 17:110, 28:77, 29:17, 62:10
n.vb. 2:207, 2:265, 2:272, 3:7, 3:7, 4:104, 4:114, 13:17, 13:22, 17:28, 30:23, 57:27, 60:1, 92:20

LL, V1, p: 268, 269, 270

• • •

Ba-ha-Jiim = beautiful/bright/splendid, joyful/glad/happy, goodly, loveliness.

bahij n.m. 22:5, 50:7

bahjah n.f. 27:60

LL, V1, p: 301, 302

= **Ba-ha-Lam** = left to his own will/wish/opinion/judgment, humbled/abased himself, addressed himself with earnest/energetic supplication, strive, sincere without hypocrisy, act of cursing.

ibtahala vb. (8) impf. act. 3:61

LL, V1, p: 304, 305

= **Ba-ha-Miim** = animals that pasture/graze, lamb/goat/sheep, animals of the bovine kind, stay/remain in a place, not to quit, continue to look at a thing without being relieved by doing so, silent/confounded/perplexed to a thing, not to fight or engage in conflict, a thing dubious/vague/confused, closed/locked door, courageous man, beasts/ brutes.

bahimah n.f. 5:1, 22:28, 22:34

LL, V1, p: 305, 306

= **Ba-ha-Ta** = confound/confuse/dumbfound, unable to see their right course, become affected with wonder, cut short, overcome, took by surprise, caught unaware suddenly, calumny, slander, false accusation.

bahata vb. (1)
impf. act. 21:40
perf. pass. 2:258

buhtan n.m. 4:20, 4:112, 4:156, 24:16, 33:58, 60:12

LL, V1, p: 300, 301

• • •

Ba-Ha-Ra =

Slit, cut, divide lengthwise, split, enlarge or make wide
Embarking upon the sea or a great river (vast expanse of water)
Growing in anything (wealth, possessions, knowledge etc)
A vast expanse of water (Ocean, sea, huge river)
A fleet swift horse called because of its speed like the rolling of the waves in the sea
A generous man who is ample in his generosity
Wide tract of land, land belonging to or inhabited by people
Any town, village or city that has a running river or a body of water
Low or depressed land
A large meadow or garden
A place where water stagnates
Of, relating to, or belonging to the ocean, sea or any vast body of water
Seaman, sailor
Vehemence of heat (corresponding to the month of July, Syrian)
The moon
"Bahira" (a camel dedicated to idols, 5:103)?

bahr n.m. (pl. bihar abhur) 2:50, 2:164, 5:96, 6:59, 6:63, 6:97, 7:138, 7:163, 10:22, 10:90, 14:32, 16:14, 17:66, 17:67, 17:70, 18:60, 18:61, 18:63, 18:79, 18:109, 18:109, 20:77, 22:65, 24:40, 25:53, 26:63, 27:61, 27:63, 30:41, 31:27, 31:27, 31:31, 35:12, 42:32, 44:24, 45:12, 52:6, 55:19, 55:24, 81:6, 82:3

bahirah n. 5:103

LL, V1, p: 193, 194

= **Ba-Ha-Tha** = Digging, scraping, searching in the earth or dust
Searching, inquiring, investigating, scrutinizing, examining

bahatha vb. (1) impf. act. 5:31

LL, V1, p: 192, 193

Bi = An inseperable preposition: With the help of, During, For, By, On account of, According to, In, From. "Bismillah - with the name/assistance/help of The God/Divine/ Deity"

= **Ba-Jiim-Siin** = gush/burst forth, open a way/passage/vent, gave vent to it, made it flow.

inbajasa vb. (7) perf. act. 7:160

LL, V1, p: 190

= **Ba-Kaf-Kaf** (e.g. bakka) = pounding or crushing (al-&unuqa: (on) the neck) (daqqul-&unuqa), distinguishing/ranking above others (farraqahu, kharaqahu), jostling, pressing or crowding(crowds:zahm), any crowding(or crowds), competition. (izdihaam) heaping/ piling together/amassing (taraakib), super-imposition of things on top of other things (taraakim), a man/male having or the trying to have sex with a female, denial or rejection a thing or person's dignity, to humiliate, cancellation/dissolution/breaking, being in need or being stout, muscular or rough, from activity.

bakkah n. 3:96

= **Ba-Kaf-Miim** = dumb (either by natural conformation or from an inability to find words to express himself), no understanding to reply, no ability to frame speech well though possessing the faculty of speech, refrain/cease speaking intentionally or from ignorance, impeded speech, unable to speak freely.

abkam n.m. (pl. bukm) 2:18, 2:171, 6:39, 8:22, 16:76, 17:97

LL, V1, p: 278, 279

• • •

Ba-Kaf-Ra =

Beginning of the day, first part of the day, early morning, between daybreak and sunrise
Possessing the quality of applying oneself early, or in hastening
Performing something at the commencement of it, or doing something early
Before it's time, preceding or took precedence
Youthful male camel, young one of a camel
A virgin male or female, or anything untouched, new, fresh

Virginity or maidenhead
A woman or female animal having delivered only once
First flush of anything (plant, tree, fruit, honey, rain, flowers)
First born or young children
First of anything, unique action
A want or need seeking to be fulfilled
A cutting blow or stroke that kills at once
A pulley (e.g. of a well)
Small ring or bead
An assembly, company, congregated body
All coming together without exception

bikr n.f. 2:68, 56:36, 66:5

bukrah n.f. 19:11, 19:62, 25:5, 33:42, 48:9, 54:38, 76:25

abkara vb. (4) n. 3:41, 40:55

LL, V1, p: 276, 277, 278

= **Ba-Kaf-Ya** = wept, lamented/grieved, shed tears, crying, cause to weep, rain, unable to speak.

baka vb. (1)
perf. act. 44:29
impf. act. 9:82, 12:16, 17:109, 53:60

bukkiiy n.com. 19:58

abka vb. 53:43

LL, V1, p: 279

= **Ba-Kha-Ayn** = kill oneself with grief/wrath/rage, exceed the ordinary bounds in subduing and abasing themselves by obedience, doing anything to a great extent, in great degree, egregiously or with much energy and effectiveness, consume/torment oneself.

bakha'a vb. (1) pcple. act. 18:6, 26:3

LL, V1, p: 196, 197

= **Ba-Kha-Lam** = becoming or being stingy, miserly, niggardly or avaricious, withholding.

bakhila vb. (1)
perf. act. 3:180, 9:76, 92:8
impf. act. 3:180, 4:37, 47:37, 47:38, 47:38, 47:38, 57:24
n.vb. 4:37, 57:24

LL, V1, p: 197

= **Ba-Kha-Siin** = diminish/lessen it, made it deficient/defective/faulty, deprive/defraud, act wrongfully/unjustly.

bakhasa vb. (1)
impf. act. 2:282, 7:85, 11:85, 26:183
impf. pass. 11:15
n.vb. 12:20, 72:13

LL, V1, p: 196

• • •

Ba-Lam-Ayn =

swallow (without chewing), gulp, voracious or great eater
Grayness.
Hole of perforation in the midst of a house, into which rainwater or just water descends
A well cased with stones or baked bricks.
One of the mansions/stations of the moon, namely the 23rd which apparently rose aurorally consisting of two stars near together, one dim and the other bright. So called because one appears to swallow the other. According to Lane's calculations it rose in Arabia in the start of the Hijri on the 29th January and set on the 30th of July.

bala'a vb. (1) impv. 11:44

LL, V1, p: 286, 287

• • •

Ba-Lam-Dal =

A country, land, region, province, district, territory, city, town, village or any portion of earth or land within certain limits
Tract of land without vegetation, pasture
Waterless desert, desolate place
Earth or ground.
Remaining, staying, abiding, dwelling in the country/place/land/town/city/village etc
Keeping to something, having something remain (e.g. like marks on the skin)
Becoming stupid, dull, wanting in intelligence/vigor, inert, soft, weak, feeble, not effective in performance, lagging behind, becoming languid, lazy, impotent in work
Cast, or lay down on the ground maybe due to fatigue or weakness
Regions appearing short in extent due to darkness, or low visibility
Keeping, falling to the ground in submissiveness, keeping in place, being submissive and humble
Obtaining, exercising dominion over land belonging to others

balad n.m. (f. baldah, pl. bilad) 2:126, 3:196, 7:57, 7:58, 14:35, 16:7, 25:49, 27:91, 34:15, 35:9, 40:4, 43:11, 50:11, 50:36, 89:8, 89:11, 90:1, 90:2, 95:3

LL, V1, p: 283, 284, 285

• • •

Ba-Lam-Gh =

Reaching, attaining, arriving, coming to the utmost point to which one directs one's course or one who seeks, pursues, desires, intends or tries to reach. Or the reaching, attaining or coming to a point.
An event/time that is premeditated, intended, determined or appointed
Having an effect
Bringing, conveying or delivering communications, announcements, news or tidings
Exceeding usual, proper, ordinary just bounds/degrees, acting egregiously, immoderately or extravagantly
Striving, laboring, exerting power/efforts
Endeavors or ability

Employing oneself vigorously, strenuously, laboriously, earnestly with energy and effectiveness, taking pains or extraordinary pains, not flagging, to the utmost degree
Accomplishing, attaining to the utmost of one's power/ability or efforts/endeavors (e.g. in any affair)
Sufficiency (e.g. means of subsistence), a thing that suffices, contents, enables one to attain what is sought, enough
A slanderer, one who conveys gossip or other peoples discourse to others
Calamity, misfortune, disaster, distress or affliction
Sharp, penetrating, eloquent and/or effective in speech
Firm covenants, in the utmost degree
Attaining or having attained puberty, virility, ripeness or maturity. Applied to either sexes
Good, excellent thing
Praise, eulogy or commendation
Place and/or time someone or something reaches, arrives, attains or comes to
The sum/amount/product resulting from subtraction, addition or multiplication
A sum of money

balagha vb. (1)
perf. act. 2:231, 2:232, 2:234, 3:40, 4:6, 6:19, 6:128, 12:22, 18:61, 18:76, 18:86, 18:90, 18:93, 19:8, 24:59, 28:14, 33:10, 34:45, 37:102, 46:15, 46:15, 56:83, 65:2, 75:26
impf. act. 2:196, 2:235, 6:152, 13:14, 17:23, 17:34, 17:37, 18:60, 18:82, 22:5, 24:58, 40:36, 40:67, 40:67, 40:80, 48:25
n.vb. 3:20, 5:92, 5:99, 13:40, 14:52, 16:35, 16:82, 21:106, 24:54, 29:18, 36:17, 42:28, 46:35, 64:12, 72:23
pcple. act. 5:95, 6:149, 7:135, 13:14, 16:7, 40:56, 54:5, 65:3, 68:39

baligh n.m. 4:63

mablagh n.m. 53:30

ballagha vb. (2)
perf. act. 5:67
impf. act. 7:62, 7:68, 33:39, 46:23
impv. 5:67

ablagha vb. (4)
perf. act. 7:79, 7:93, 11:57, 72:28
impv. 9:6

LL, V1, p: 287, 288, 289

= **Ba-Lam-Siin** = despair, give up hope, become broken (in spirit), mournful, become

silent/confounded/perplexed unable to see right way or course, repent/grieve.

ablasa vb. (4)
impf. act. 30:12
pcple. act. 6:44, 23:77, 30:49, 43:75

iblis n. 2:34, 7:11, 15:31, 15:32, 17:61, 18:50, 20:116, 26:95, 34:20, 38:74, 38:75

LL, V1, p: 285

• • •

Ba-Lam-Waw =

Try, prove or test by good or evil
To become old and worn out, wear and tear, withered, decayed
Not caring, minding, heeding, regarding or paying attention
Conferring favors, benefits or blessings
Swearing oaths, covenants
Informing, acquainting, revealing, manifesting, making apparent, evident, clear or plain
Competing, striving or hastening

bala vb. (1)
perf. act. 7:168, 68:17, 68:17
impf. act. 2:155, 5:48, 5:94, 6:165, 7:163, 10:30, 11:7, 16:92, 18:7, 21:35, 27:40, 47:4, 47:31, 47:31, 67:2
impf. pass. 3:186, 86:9
n.vb. 2:49, 7:141, 8:17, 14:6, 37:106, 44:33

abla vb. (4) impf. act. 8:17

ibtala vb. (8)
perf. act. 2:124, 89:15, 89:16
impf. act. 3:152, 3:154, 76:2
impv. 4:6
perf. pass. 33:11
pcple. act. 2:249, 23:30

LL, V1, p: 292, 293, 294

= **Ba-Lam-Ya** = decay, wear out.

baliya vb. (1) impf. act. 20:120

LL, V1, p: 294

• • • •

Ba-Nun-Nun = the extremities or ends (fingers/toes), limbs, members of the body (arms, hands, legs etc).

banan n.m. 8:12, 75:4

LL, V1, p: 295

• • •

Ba-Nun-Ya =

Building, framing or constructing
Kind of plank used in the construction (e.g. of ships)
Becoming large, fattened or fat (like food enlarges a man)
Rearing, bringing up, educating
Form or mode of constructing a word
Natural constitution
Of or relating to a son or daughter
Branches of a road/tree
A builder/architect
A building
Bending over a bowstring while shooting
Ribs, bones of the breast or shoulder blades and the four legs
A thief/robber
A wayfarer/traveler
A warrior
A rich man
A certain beast of prey
A skin for water or milk made of hide
Raised high (applied to a palace/pavilion)

ibn/son, *abna*/sons, *ibnah*/daughter, *banat*/daughters, *banun*/children/sons, traveler (*ibn al sabil*), children of Israel (*banee isra-eela*)

bana vb. (1)
perf. act. 9:110, 50:6, 51:47, 78:12, 79:27, 91:5
impf. act. 26:128
impv. 18:21, 37:97, 40:36, 66:11
n.vb. 2:22, 40:64
pcple. pass. 39:20

banna n.m. 38:37

bunyan n.m. 9:109, 9:109, 9:110, 16:26, 18:21, 37:97, 61:4

ibn n.m. 2:49, 2:146, 2:246, 3:61, 3:61, 4:11, 4:23, 5:18, 5:27, 6:20, 7:127, 7:141, 7:150, 9:24, 9:30, 9:30, 11:42, 11:45, 12:81, 14:6, 20:94, 24:31, 24:31, 28:4, 31:13, 33:4, 33:55, 33:55, 33:55, 40:25, 58:22

Jesus son of Mary - 2:87, 2:253, 3:45, 4:157, 4:171, 5:17, 5:17, 5:46, 5:72, 5:75, 5:78, 5:110, 5:112, 5:114, 5:116, 9:31, 19:34, 21:91, 23:50, 33:7, 43:57, 57:27, 61:6, 61:14

The Traveller - 2:177, 2:215, 4:36, 8:41, 9:60, 17:26, 30:38, 59:7

Children, Sons (pl. *banun*) - 2:132, 2:132, 2:133, 3:14, 6:100, 12:67, 12:87, 14:35, 16:72, 17:6, 17:40, 18:46, 23:55, 24:31, 24:31, 26:88, 26:133, 37:149, 37:153, 43:16, 52:39, 68:14, 70:11, 71:12, 74:13, 80:36

children of israel (*banu isra'il*) - 2:40, 2:47, 2:83, 2:122, 2:211, 2:246, 3:49, 3:93, 5:12, 5:32, 5:70, 5:72, 5:78, 5:110, 7:105, 7:134, 7:137, 7:138, 10:90, 10:90, 10:93, 17:2, 17:4, 17:101, 17:104, 20:47, 20:80, 20:94, 26:17, 26:22, 26:59, 26:197, 27:76, 32:23, 40:53, 43:59, 44:30, 45:16, 46:10, 61:6, 61:14

children of adam (*banu adam*) - 7:26, 7:27, 7:31, 7:35, 7:172, 17:70, 36:60

my son (*bunayya*) - 11:42, 12:5, 31:13, 31:16, 31:17, 37:102

ibnah n.f. (f. of *ibn*, pl. *banat*) - daughter(s) - 4:23, 4:23, 4:23, 6:100, 11:78, 11:79, 15:71, 16:57, 28:27, 33:50, 33:50, 33:50, 33:50, 33:59, 37:149, 37:153, 43:16, 52:39, 66:12

LL, V1, p: 297, 298, 299, 300

= **Ba-Qaf-Ayn** = black&white, sprinkling water/liquid so that some parts are made wet, calamity/misfortune, assailed with foul/bad speech/language/slander, going away quickly or running/ran, color changing due to sorrow or grief, discoloration or mixture of colors, anything bad, evil, mischievous, ill omened.
(buqAAat) a place in which water remains or stagnates, a piece/part/portion/plot of land differing in colour/appearance / external state/condition from that which enjoins or next to it, a patch of herbage, a small portion of any surface different from what surrounds it, a wide/spacious place in which there are trees, land containing small pebbles.
A bird that is cautious, wary, cunning, and wily who only drinks from a place where the water stagnates and not a watering place used by the animals and/or humans, anyone that is cautious, wary or cunning, willy and skilful, mirage.

buq'ah n.f. 28:30

LL, V1, p: 272, 273

= **Ba-Qaf-Lam** = herbs/plants/herbage, vegetables, trees/shrubs.

baql n.m. 2:61

LL, V1, p: 273, 274

• • •

Ba-Qaf-Ra =

Slit, ripped, split cut or divided lengthwise
Opening, laying open, widening
Revealing (e.g. story, or an animal's insides)
Inquiring to the utmost after sciences or knowledge
Being astonished, amazed, stupefied at seeing something or confounded, confused, perplexed, tired or fatigued, weary or jaded
Ox, bull and cow (bovine genus) both domesticated and wild
A species of grape that is large, black and round and a species of plum in Palestine
Owner or possessor of oxen/bulls/cows
A strong staff/stick (e.g. for driving herds)
A sedition, discord or dissention that severs society, corrupts religion and separates men, or something wide spreading/reaching and great
Abundance of wealth/commodities

baqarah n.f. (pl. baqarat or baqar) 2:67, 2:68, 2:69, 2:70, 2:71, 6:144, 6:146, 12:43, 12:46

LL, V1, p: 270, 271

• • • = **Ba-Qaf-Ya** =

Something or someone that remains, continues, lasts and/or endures
Perpetual or permanent
Existing, incessantly, always, endlessly or forever
Watching, observing, guarding or preserving
Pardoning, leaving, showing mercy or sparing
Remaining portion, remainder, remnant, relic, residue, remains, recompense

baqiya vb. (1)
perf. act. 2:278
impf. act. 55:27
pcple. act. 16:96, 18:46, 19:76, 20:71, 20:73, 20:127, 20:131, 26:120, 28:60, 37:77, 42:36, 43:28, 69:8, 87:17

baqiyah n.f. 2:248, 11:86, 11:116

abqa vb. (4)
perf. act. 53:51
impf. act. 74:28

LL, V1, p: 274, 275, 276

= **Ba-Ra-Alif** = became/was clear/free of a thing, to quit it, become irresponsible for it, guiltless of it, remove oneself from a thing, kept far or aloof (e.g. from unclean things), state of freedom/immunity/security/safety.
Convalescent/sound/healthy, cure/heal, recover/restore.
Create/produce, former/fashioner.
He compounded or made a compromise with him for their mutual separation.
Mankind/creation/beings/things that are created.

bara'a (vb. I)
impf. act. 57:22
pcple. act. 2:54, 2:54, 59:24

bariyah n.f. 98:6, 98:7

bara n.m. 43:26, 60:4

bara'ah n.f. 9:1, 54:43

bari n.m. 4:112, 6:19, 6:78, 8:48, 9:3, 10:41, 10:41, 11:35, 11:54, 26:216, 59:16

barra'a (vb. II)
perf. act. 33:69
impf. act. 12:53
pcple. pass. 24:26

abra'a (vb. IV) impf. act. 3:49, 5:110

tabarra'a (vb. V)
perf. act. 2:166, 2:167, 9:114, 28:63
impf. act. 2:167

LL, V1, p: 215, 216

= **Ba-Ra-Dal** = make cold/chilly/cool, died, cessation of motion, become still/quiet/ motionless, amazed/stupefied, became permanent/fixed/settled, became lean/emaciated/ weak, slept, hail/snow, beverage that cools the heat of thirst.

barada vb. (1)
n.vb. 21:69, 78:24
pcple. act. 38:42, 56:44

barad n.m. 24:43

LL, V1, p: 220, 221, 222, 223

• • • • = **Ba-Ra-ha-Nun** = evidence/proof.

burhan n.m. 2:111, 4:174, 12:24, 21:24, 23:117, 27:64, 28:32, 28:75

LL, V1, p: 233, 234

= **Ba-Ra-Ha** = go away, depart, withdraw, to give up or leave/cease/quit, angry, annoy/ distress/difficulty/adversity, hurt/fatigue.

baraha vb. (1) impf. act. 12:80, 18:60, 20:91

LL, V1, p: 218, 219, 220

• • • = **Ba-Ra-Jiim** =

Anything being, becoming apparent, manifest, conspicuous and/or high or elevated
A structure, tower, fortress or walls of a city, a structure or construction that has the characteristics of conspicuousness, height and strength
A woman showing or displaying finery, ornaments, form or countenance to men or strangers conspicuously
A sign of the Zodiac, mansions/stations of the moon, or the stars/constellations, gates of heaven metaphorically
Constitution of the eye which is such that the white entirely surrounds the black part and no part of the black being concealed or the clearness of the parts, or the width and largeness of the eyeball
A large and liberal disposition
A vessel or receptacle in which milk is churned or in which the butter of the milk is extracted by agitation
A garment having figures of towers/walls of a city etc

buruj n.m. (pl. of burj) 4:78, 15:16, 25:61, 85:1

tabarraja vb. (5)
impf. act. 33:33
n.vb. 33:33
pcple. act. 24:60

LL, V1, p: 217

• • • = **Ba-Ra-Kaf** =

Lying down, kneeling or with legs folded making the chest touch the ground, falling upon

the chest
To be or to become firm, steady, steadfast, fixed, continue, remain or stay in place
Praying for someone or something, or blessings, felicitations, prospering and abounding in good (e.g. on food, or the saying God bless you)
Keeping or applying constantly or persevering in something (e.g. affairs, commerce etc)
Extolling God and His attributes, exalting God and/or magnifying God
Striving, laboring and/or exerting oneself
An ancient name of the months
A blessing, any good bestowed by God, increase, abundance and/or plenty.

barakah n.f. 7:96, 11:48, 11:73

baraka vb. (3)
perf. act. 7:137, 17:1, 21:71, 21:81, 34:18, 37:113, 41:10
perf. pass. 27:8
pcple. pass. 3:96, 6:92, 6:155, 19:31, 21:50, 23:29, 24:35, 24:61, 28:30, 38:29, 44:3, 50:9

tabaraka vb. (6) perf. act. 7:54, 23:14, 25:1, 25:10, 25:61, 40:64, 43:85, 55:78, 67:1

LL, V1, p: 230, 231, 232

= **Ba-Ra-Miim** = became affected with disgust/loathing/aversion, to contrive/fix/ determine, make it firm/solid/strong/sound, established/settled/arranged it firmly/ strongly/thoroughly, he thought/meditated/considered it.

abrama vb. (IV)
perf. act. 43:79
pcple. act. 43:79

LL, V1, p: 232, 233

• • • = **Ba-Ra-Qaf** =

Shining, gleaming or glistening (e.g. the dawn, a sword)
Lightning
Threatening or menacing
A female beautifying and adorning herself or showing and presenting herself and/or exhibiting her beauty
A star rising or a constellation (e.g. Pleiades)

Eyes/sight glistening, fixedly open (e.g. by reason of fright), sights confused, astonished, stupefied or dazzled, sight becoming weak, opening eyes and looking hard, intently or sharply
Decorating or adorning (e.g. a place)
Journeying far
Rugged ground in which stones, sand and earth are mixed together (the stones being of mixed/varied colors on whitish earth)
A mountain mixed with sand
Locusts with variegated colors
A certain type of beast the apostle rode on the ascension to heaven called so because of the hue, brightness and quickness of motion it had akin to lightning
A certain kind of plant camels feed on in times of necessity
Anything having blackness and whiteness together
An ewer having a long slender spout and a handle
A bow with different colors
Silk brocade closely woven with gold or closely woven cloth of thick silk
Thickness

bariqa vb. (1)
perf. act. 75:7

barq n.m. 2:19, 2:20, 13:12, 24:43, 30:24

ibriq n.m. 56:18

istabraq n.m. 18:13, 44:53, 55:54, 76:21

LL, V1, p: 226, 227, 228, 229

•• = **Ba-Ra-Ra** =

Being pious, kind, good, gentle, affectionate, beneficent, just, righteous, virtuous, honest, true, veracious, sweet of speech, merciful
Sinlessly performing something
Recompensing, rewarding for obedience, accepting and/or approving
Driving or calling sheep/goats
Verifying or proving an oath true
One who overcomes, overcoming someone with good actions or speech
Overcoming an adversary or overcoming by evil
Talking too much, confused clamor, noise, crying out, talking in anger or confusion, talking unprofitably
Ampleness, largeness or extensiveness
Land or elevated ground open to view, out of doors or exposed to view

Wheat, grain/s of wheat or coarsely ground flour
Obedience
Certain kind of fruit
Good, sweet or pleasant word expression or saying
Of, belonging to or relating to the land and or the desert/waste
External, outward, apparent or public
A proper name of a certain people from El Maghrib (north of Africa and west of Egypt)
A truly and honestly executed sale

barra vb. (1)
impf. act. 2:224, 60:8
pcple. act. 80:16

barr (1) n.m. (pl. abrar) 3:193, 3:198, 19:14, 19:32, 52:28, 76:5, 82:13, 83:18, 83:22

barr (2) n.m. 5:96, 6:59, 6:63, 6:97, 10:22, 17:67, 17:68, 17:70, 27:63, 29:65, 30:41, 31:32

birr n.m. 2:44, 2:177, 2:177, 2:189, 2:189, 3:92, 5:2, 58:9

LL, V1, p: 212, 213, 214, 215

= **Ba-Ra-Sad** = become affected with leprosy, shaved head, turning white.

abras n.m. 3:49, 5:110

LL, V1, p: 225, 226

= **Ba-Ra-Zay** = went/came/passed out/forth, issued, appeared, became apparent/ manifest/evident, became prominent/projecting, put forth, produce/publish, uncovered, outstrip/surpass, go beyond a thing, a man characterized by pleasing/goodly aspect and by intelligence, a field or wide expanse of land without trees.

baraza vb. (1)
perf. act. 2:250, 3:154, 4:81, 14:21, 14:48
pcple. act. 18:47, 40:16

barraza vb. (2) perf. pass. 26:91, 79:36

LL, V1, p: 223, 224

= **Ba-Ra-Zay-Kha** = a thing that intervenes between two things, a bar/obstruction that makes a separation, the interval between the present and that which is to come, from the period of the death to the resurrection, what is between doubt and certainty.

barzakh n.m. 23:100, 25:53, 55:20

LL, V1, p: 224

= **Ba-Sad-Lam** = stripping/divesting (e.g. when one strips an onion), it was or became several fold or many fold (e.g. layers of an onion), consisting of many coats, onion.

basal n.m. **2:61**

LL, V1, p: 249, 250

• • • = **Ba-Sad-Ra** =

Becoming perceptive, mental perception, having belief or knowledge, understanding, intelligence or skill, knowing, giving light, shining, illuminated, making manifest, evident and/or apparent.
To behold/perceive/see/observe/watch.
Opening the eyes and/or seeing (seldom used unless mental perception is conjoined)
Clear sight
Thickness of anything
Sense of sight, making or causing to see and/or have sight, eye-sight, eyes.
Soft stones having some whiteness
Intent or a hard glance
A watcher or guard, a lion.

basura vb. (1)
perf. act. 20:96, 28:11
impf. act. 20:96

basar n.m. (pl. absar) 2:7, 2:20, 2:20, 3:13, 6:46, 6:103, 6:103, 6:110, 7:47, 10:31, 14:42, 15:15, 16:77, 16:78, 16:108, 17:36, 21:97, 22:46, 23:78, 24:30, 24:31, 24:37, 24:43, 24:44, 32:9, 33:10, 38:45, 38:63, 41:20, 41:22, 45:23, 46:26, 46:26, 47:23,

50:22, 53:17, 54:7, 54:50, 59:2, 67:3, 67:4, 67:4, 67:23, 68:43, 68:51, 70:44, 75:7, 79:9

basir n.m. 2:96, 2:110, 2:233, 2:237, 2:265, 3:15, 3:20, 3:156, 3:163, 4:58, 4:134, 5:71, 6:50, 8:39, 8:72, 11:24, 11:112, 17:1, 17:17, 17:30, 17:96, 20:35, 22:61, 22:75, 25:20, 31:28, 33:9, 34:11, 35:31, 35:45, 40:20, 40:44, 40:56, 41:40, 42:11, 42:27, 48:24, 49:18, 57:4, 58:1, 60:3, 64:2, 67:19, 84:15

General usage: 12:93, 12:96, 13:16, 20:125, 35:19, 40:58, 76:2

basirah n.f. (pl. basa'ir) 6:104, 7:203, 12:108, 17:102, 28:43, 45:20, 75:14

tabsirah n.f. 50:8

bassara vb. (2) impf. pass. 70:11

absara vb. (4)
perf. act. 6:104, 32:12
impf. act. 2:17, 7:179, 7:195, 7:198, 10:43, 11:20, 19:42, 21:3, 27:54, 28:72, 32:27, 36:9, 36:66, 37:175, 37:179, 43:51, 51:21, 52:15, 56:85, 68:5, 68:5, 69:38, 69:39
impv. 18:26, 19:38, 37:175, 37:179
pcple. act. 7:201, 10:67, 17:12, 17:59, 27:13, 27:86, 40:61

istabsara vb. (10) pcple. act. 29:38

LL, V1, p: 247, 248, 249

• • • = **Ba-Shiin-Ra** =

Skin/Pare/Strip/Skin Contact/Epidermis (or insides)
Complexion/Hue->Delicacy, fineness of
Beauty/Elegance of form/Bright cheerful countenance
Rejoiced/Rejoicing/Good, good tidings, glad tidings/Announcements (bearer of), proclaiming, commencement, beginnings of anything/Indications/Streaks (daylight breaking, wind over land)
Conducting, managing affairs personally.
Lie with, to go in unto.
Mankind, Human beings, Lowest/basest/meanest sort of people, Perfect man (combining gentleness with strength).

bashar n.com. 3:47, 3:79, 5:18, 6:91, 11:27, 12:31, 14:10, 14:11, 15:28, 15:33, 16:103, 17:93, 17:94, 18:110, 19:17, 19:20, 19:26, 21:3, 21:34, 23:24, 23:33, 23:34,

23:47, 25:54, 26:154, 26:186, 30:20, 36:15, 38:71, 41:6, 42:51, 54:24, 64:6, 74:25, 74:29, 74:31, 74:36

bashir n.m. 2:119, 5:19, 5:19, 7:188, 11:2, 12:96, 34:28, 35:24, 41:4

bushr n.m. 7:57, 25:48, 27:63

bushra n.f. 2:97, 3:126, 8:10, 10:64, 11:69, 11:74, 12:19, 16:89, 16:102, 25:22, 27:2, 29:31, 39:17, 46:12, 57:12

bashshara vb. (2)
perf. act. 11:71, 15:54, 15:55, 37:101, 37:112, 51:28
impf. act. 3:39, 3:45, 9:21, 15:53, 15:54, 17:9, 18:2, 19:7, 19:97, 42:23
impv. 2:25, 2:155, 2:223, 3:21, 4:138, 9:3, 9:34, 9:112, 10:2, 10:87, 22:34, 22:37, 31:7, 33:47, 36:11, 39:17, 45:8, 61:13, 84:24
perf. pass. 16:58, 16:59, 43:17
pcple. act. 2:213, 4:165, 6:48, 17:105, 18:56, 25:56, 30:46, 33:45, 48:8, 61:6

bashara vb. (3)
impf. act. 2:187
impv. 2:187

abshara vb. (4) impv. 41:30

istabashara vb. (10)
impf. act. 3:170, 3:171, 9:124, 15:67, 30:48, 39:45
impv. 9:111
pcple. act. 80:39

LL, V1, p: 244, 245

= **Ba-Siin-Lam** = act of preventing/hindering/withholding/debarring/forbidding/ prohibiting, become odious/hideous/unseemly in aspect, altered/corrupted, consign to destruction/punishment/disgrace, gave him up, being beaten, dislike, frowning.

absala vb. (IV)
perf. pass. 6:70
impf. pass. 6:70

LL, V1, p: 242, 243

= **Ba-Siin-Miim** = smile, laugh a little but without sound, part lips to show teeth.

tabassama vb. (5) perf. act. 27:19

LL, V1, p: 243

= **Ba-Siin-Qaf** = tall, full grown, overcame/surpassed, excelled, became superior / exalted above.

basiq n.m. 50:10

LL, V1, p: 242

= **Ba-Siin-Ra** = frown, contract one's face, grinned, looking morosely/sternly, look with intense dislike/hatred, scowl.

basara vb. (1)
perf. act. 74:22
pcple. act. 75:24

LL, V1, p: 239, 240

= **Ba-Siin-Siin** = breaking, breaking in pieces, mixed it, broke/crumble/bruise/bray it, become dust, leveled, stirred about, moistened.

bassa vb. (I)
perf. pass. - 56:5
n. vb. - 56:5

LL, V1, p: 238

• • • = **Ba-Siin-Tay** =

Spreading, spreading out or forth, expanding, making wide or ample, stretching forth, extending and/or dilating
Conversing or acting without shyness, boldly, in a free and easy manner and/or cheerfully
Going forth or journeying
Rejoicing, joyous and/or cheerful
Emboldened, presumptuous, forward and/or arrogant
Carpets, seller of
Simple or uncompounded
God who amplifies, enlarges or makes plentiful the means of subsistence, one who diffuses (e.g. souls in the bodies)

basata vb. (1)
perf. act. 5:28, 42:27
impf. act. 2:245, 5:11, 13:26, 17:29, 17:30, 28:82, 29:62, 30:37, 30:48, 34:36, 34:39, 39:52, 42:12, 60:2
n.vb. 17:29
pcple. act. 5:28, 6:93, 13:14, 18:18
pcple. pass. 5:64

bastah n.f. 2:247, 7:69

bisat n.m. 71:19

LL, V1, p: 240, 241, 242

• • • = **Ba-Ta-Ghayn** =

Long, strong, fleshy in the neck and base
Becoming strong in the joints
Strength
Intoxicating beverage made of honey
All together or collectively

= **Ba-Ta-Kaf** = to sever/cut (off), plucked it out, part/portion/piece severed, very sharp, cutting much/keenly.

battaka vb. (2) impf. act. 4:119

LL, V1, p: 187

• • • = **Ba-Ta-Lam** = cut it off, severed it, separate, was/became alone, detach oneself and devote, devote exclusively, apply, striving, laboring or exerting, becoming wide between the shoulders, obligatory or something made so.

battala vb. (2) n.vb. 73:8

tabattala vb. (5) impv. 73:8

LL, V1, p: 187, 188

= **Ba-Ta-Ra** = cut or cut off a thing before it was complete, without offspring/progeny, defective/deficient/incomplete/imperfect, in want, poor, suffering or in loss, short, cut off from prosperity or good.

abtar n.m. 108:3

LL, V1, p: 186

= **Ba-Tay-Alif** = become slow/tardy/dilatory/late/backward, sluggish, delayed.

batta'a vb. (2) impf. act. 4:72

LL, V1, p: 252, 253

• • • = **Ba-Tay-Lam** =

Becoming false, untrue, wrong, incorrect, fictitious, spurious, unfounded, unsound, vain, unreal, worthless, futile, unprofitable, ineffectual, devoid of virtue, null, void or of no account
A thing perishing or becoming lost
Becoming idle, unoccupied or without work
Diverted from profitable enterprises (in this life or the next)
Jesting, joking or not serious in conversation
Becoming or being courageous, brave, strong hearted (in war or fight)

Pursuit of vain, frivolous diversion or sport, ignorant conduct
Iblees, Satan, devils or enchanters
One who says a thing in which there is no truth or reality, embellishing speech with lies.

batala vb. (1)
perf. act. 7:118

batil n.m. 2:42, 2:188, 3:71, 3:191, 4:29, 4:161, 7:139, 8:8, 9:34, 11:16, 13:17, 16:72, 17:81, 17:81, 18:56, 21:18, 22:62, 29:52, 29:67, 31:30, 34:49, 38:27, 40:5, 41:42, 42:24, 47:3

abtala vb. (4)
impf. act. 2:264, 8:8, 10:81, 47:33
pcple. act. 7:173, 29:48, 30:58, 40:78, 45:27

LL, V1, p: 255, 256

• • • = **Ba-Tay-Nun** =

Becoming fat,
Midriff, stomach, belly, girth, abdomen
Becoming replete, sated
A belly ache or being disordered digestively
Exulting greatly and/or excessively, behaving insolently and ungratefully
Striking or beating the belly
Disease entering (as though it penetrated through the belly)
Entering into something (e.g. a valley, affair)
Penetrating mentally or knowing something (state, news, circumstances, affair, case)
Something becoming hidden or unapparent, esoteric, concealed or covert
A lining or inner covering, inside or interior of anything, inner story
Particular or special intimate, friend or associate
Going in the middle or midst of something (e.g. meadow, garden, news)
A far extending place of whose parts are remote from the other
Bringing forth of young
Excrement or ejection of
Lower or lowest part of the foundation, low depressed land, soft parts of the land where water stagnates
Palm of the hand, sole of the foot/hoof
Armpit hollow of the arm, hollow of the throat
Apparent, visible part of the sky
Having an inordinate desire or appetite for food
One of the mansions/stations of the moon, the 2nd. Three small stars in the form of an equilateral triangle forming the belly of the Ram/Aries.

Certain vessel made of glass or earthenware (an amphora, jar, vase, and pitcher) Inward.

batana vb. (1)
perf. act. 6:151, 7:33
pcple. act. 6:120, 31:20, 57:3, 57:13

batn n.m. (pl. butun) 2:174, 3:35, 4:10, 6:139, 16:66, 16:69, 16:78, 22:20, 23:21, 24:45, 37:66, 37:144, 39:6, 44:45, 48:24, 53:32, 56:53

bitanah n.f. (pl. bata'in) 3:118, 55:54

LL, V1, p: 256, 257, 258

• • • = **Ba-Tay-Ra** = behave insolently, reckless, arrogant, boastful, ungrateful/ unthankful, stupefied, deprived of reason, proud, self-conceited.

batira vb. (1)
perf. act. 28:58
n.vb. 8:47

LL, V1, p: 254

• • • = **Ba-Tay-Shiin** =

An assault, violent seizure
Seizing violently, assaulting vehemently or in anger
Taking hold of something, clinging to something
Working laboring or wrought (with hands)
Recovering
Laboring, striving, and struggling to overcome
Might or strength in war or fight, courage/valor, valiantness or prowess
Place of assault

batasha vb. (1)
perf. act. 26:130, 26:130
impf. act. 7:195, 28:19, 44:16
n.vb. 43:8, 50:36, 85:12

batshah n.f. 44:16, 54:36

LL, V1, p: 255

= **Ba-Tha-Tha** = spread/dispersed/scattered, published/revealed.

baththa vb. (1)
perf. act. 2:164, 4:1, 31:10, 42:29
impf. act. 45:4
n.vb. 12:86
pcple. pass. 88:16, 101:4

inbaththa vb. (7) pcple. pass. 56:6

LL, V1, p: 188

• • • = **Ba-Thal-Ra** = scatter/disperse, (e.g. sowed seed, cast grain), diffused/ disseminated, divulge/reveal, extravagant in expenditure, babbling, dissipated/ squandered, destroyed/consumed/wasted/ruined, frivolous, false/vain/ineffectual, many/ much/abundant/plenty/increase.

17:26

17:26

17:27

LL, V1, p: 210, 211

= **Ba-Waw-Alif** = returned, went/came back, he bore or took upon himself, became ladened/burdened, became the abiding-place thereof, became answerable/accountable/ responsible, equal/alike, a match, rested/remained, lodged him in an abode, *mubawwa*: a dwelling, place of lodging, settlement, *tabawwa*: to take or make as one's dwelling.

ba'a vb. (1)
perf. act. 2:61, 2:90, 3:112, 3:162, 8:16
impf. act. 5:29

bawwa'a vb. (2)
perf. act. 7:74, 10:93, 22:26
impf. act. 3:121

mubawwa n.m. 10:93, 16:41, 29:58

tabawwa'a vb. (5)
perf. act. 59:9
impf. act. 12:56, 39:74
impv. 10:87

LL, V1, p: 307, 308, 309

••• = **Ba-Waw-Ba** = door/gate, place of entrance, mode/manner.

bab n.m. (pl. abwab) 2:58, 2:189, 4:154, 5:23, 6:44, 7:40, 7:161, 12:23, 12:25, 12:25, 12:67, 12:67, 13:23, 15:14, 15:44, 15:44, 16:29, 23:77, 38:50, 39:71, 39:72, 39:73, 40:76, 43:34, 54:11, 57:13, 78:19

LL, V1, p: 309, 310

= **Ba-Waw-Lam** = mind/heart, to move/occur to my mind/heart, state/condition/case for one which cares, easy/pleasant condition, attention, origin.

bal n.m. 12:50, 20:51, 47:2, 47:5

LL, V1, p: 313, 314, 315

= **Ba-Waw-Ra** = perished, become extinct, destroyed, become bad/corrupted, destructive, in a state of perdition/detriment/deficiency, ineffectual, stagnant/dull, not sought/desired.

bara vb. (1)
impf. act. 35:10, 35:29
n.vb. 14:28

bur n.m. 25:18, 48:12

LL, V1, p: 311, 312

• • • = **Ba-Ya-Ayn** =

Selling or buying
Exchanging or exchange of property
Gaining mastery over someone, superceding or occupying their place also by superior power or force
Making a covenant, an engagement, a contract (e.g. promising allegiance, swearing, oaths)
Hire or hiring of land
Sealing the deal, also striking together hand of two contracting parties in token of the ratification of sale
Manner of selling/buying
An article of merchandise

ba'a vb. (1)
n.vb. 2:254, 2:275, 2:275, 9:111, 14:31, 24:37, 62:9

biya n.f. (pl. of bi'ah) 22:40

baya'a vb. (3)
perf. act. 9:111
impf. act. 48:10, 48:10, 48:18, 60:12
impv. 60:12

tabaya'a vb. (6) perf. act. 2:282

LL, V1, p: 321, 322

= **Ba-Ya-Dal** = perish, went away, passed away, became cut off, extinct, destroyed.

bada vb. (1) impf. act. 18:35

LL, V1, p: 318

• • • = **Ba-Ya-Dad** =

White, becoming white
Surpassing in whiteness, superiority in whiteness (e.g. whiteness of day/daylight)
An egg of any bird or like an egg (also used metaphorically)
Whitening something, bleaching or whitewashing
Territory, place, quarter, tract, region, district, portions that belong to some people
Bulb of the saffron plant
Container or receptacle
Principle place of abode, seat of power, heart of the kingdom
White smooth land

abyad n.m. (f. bayda, pl. bid) 2:187, 7:108, 20:22, 26:33, 27:12, 28:32, 35:27, 37:46

bayd n.m. 37:49

ibyadda vb. (11)
perf. act. 3:107, 12:84
impf. act. 3:106

LL, V1, p: 319, 320, 321

• • • = **Ba-Ya-Nun** =

Becoming separated, severed, disunited, cut off or distinct
Apparent, manifest, plain, clear, known, distinguished from another
Disunion and union
Coming forth
Separation or division between two things (e.g. land)
An evidence, an indication, demonstration, proof, argument that is clear, manifest (intellectual or perceptive/perceived by sense), testimony of a witness

bayyinah n.f. 2:87, 2:92, 2:99, 2:159, 2:185, 2:209, 2:211, 2:213, 2:253, 2:253, 3:86, 3:97, 3:105, 3:183, 3:184, 4:153, 5:32, 5:110, 6:57, 6:157, 7:73, 7:85, 7:101, 7:105, 8:42, 8:42, 9:70, 10:13, 10:15, 10:74, 11:17, 11:28, 11:53, 11:63, 11:88, 14:9, 16:44, 17:101, 18:15, 19:73, 20:72, 20:133, 22:16, 22:72, 24:1, 28:36, 29:35, 29:39, 29:49, 30:9, 30:47, 34:43, 35:25, 35:40, 40:22, 40:28, 40:34, 40:50, 40:66, 40:83, 43:63, 45:17, 45:25, 46:7, 47:14, 57:9, 57:25, 58:5, 61:6, 64:6, 98:1, 98:4

tibyan n.m. 16:89

bayyana vb. (2)
perf. act. 2:118, 2:159, 2:160, 3:118, 57:17
impf. act. 2:68, 2:69, 2:70, 2:187, 2:219, 2:221, 2:230, 2:242, 2:266, 3:103, 3:187, 4:26, 4:176, 5:15, 5:19, 5:75, 5:89, 6:105, 9:115, 14:4, 16:39, 16:44, 16:64, 16:92, 22:5, 24:18, 24:58, 24:59, 24:61, 43:63
pcple. act. 4:19, 24:34, 24:46, 33:30, 65:1, 65:11

abana vb. (4)
impf. act. 43:52
n.vb. 3:138, 55:4, 75:19
pcple. act. 2:168, 2:208, 3:164, 4:20, 4:50, 4:91, 4:101, 4:112, 4:119, 4:144, 4:153, 4:174, 5:15, 5:92, 5:110, 6:7, 6:16, 6:59, 6:74, 6:142, 7:22, 7:60, 7:107, 7:184, 10:2, 10:61, 10:76, 11:6, 11:7, 11:25, 11:96, 12:1, 12:5, 12:8, 12:30, 14:10, 15:1, 15:18, 15:79, 15:89, 16:4, 16:35, 16:82, 16:103, 17:53, 19:38, 21:54, 22:11, 22:49, 23:45, 24:12, 24:25, 24:54, 26:2, 26:30, 26:32, 26:97, 26:115, 26:195, 27:1, 27:13, 27:16, 27:21, 27:75, 27:79, 28:2, 28:15, 28:18, 28:85, 29:18, 29:50, 31:11, 33:36, 33:58, 34:3, 34:24, 34:43, 36:12, 36:17, 36:24, 36:47, 36:60, 36:69, 36:77, 37:15, 37:106, 37:113, 37:156, 38:70, 39:15, 39:22, 40:23, 43:2, 43:15, 43:18, 43:29, 43:40, 43:62, 44:2, 44:10, 44:13, 44:19, 44:33, 45:30, 46:7, 46:9, 46:32, 48:1, 51:38, 51:50, 51:51, 52:38, 61:6, 62:2, 64:12, 67:26, 67:29, 71:2, 81:23

tabayyana vb. (5)
perf. act. 2:109, 2:256, 2:259, 4:115, 8:6, 9:113, 9:114, 14:45, 29:38, 34:14, 47:25, 47:32
impf. act. 2:187, 9:43, 41:53
impv. 4:94, 4:94, 49:6

istabana vb. (10)
impf. act. 6:55
pcple. act. 37:117

LL, V1, p: 322, 323, 324, 325, 326

• • • = **Ba-Ya-Ta** =

by/in/at night (excluding sleep), entered upon or passed the night
tent, house, home
Thinking about something and its end result
Concealed or conceived something in the mind
A structure of clay or any structure signifying a habitation, an abode or dwelling.
Buildings, uninhabited houses, shops, ruins, bazaars, places where the entering is allowed by the owners.
Ark of Noah, Mosques, places of worship, Kaabeh or Jerusalem

A grave
Household or family
Nobility
Sudden attack in the night or a surprise attack in the night
Remaining through the night (e.g. bread or water that stays out and becomes stale)

bata vb. (1) impf. act. 25:64

bayat n.m. 7:4, 7:97, 10:50

bayt n.m. (pl. buyut)
2:125, 2:125, 2:127, 2:158, 3:96, 3:97, 5:2, 5:97, 8:35, 11:73, 14:37, 22:26, 22:26, 22:29, 22:33, 24:36, 33:33, 52:4, 106:3
2:189, 2:189, 3:49, 3:154, 4:15, 4:100, 7:74, 8:5, 10:87, 10:87, 12:23, 15:82, 16:68, 16:80, 16:80, 17:93, 24:27, 24:27, 24:29, 24:61 (x10), 26:149, 27:52, 28:12, 29:41 (x3), 33:13, 33:33, 33:34, 33:53, 43:33, 43:34, 51:36, 59:2, 65:1, 66:11, 71:28

bayyata vb. (2)
perf. act. 4:81
impf. act. 4:81, 4:108, 27:49

LL, V1, p: 316, 317, 318

• • • = **Ba-Zay-Ghayn** = rise or come forth (normally applied to the sun/moon), flow/spread.

bazagha vb. (1) pcple. act. 6:77, 6:78

LL, V1, p: 236

Taa = •

••• = **Ta-Ayn-Siin** = he fell having stumbled, he fell upon his face, become lowered/ degraded, perish, become far removed, render unhappy, destroy.

taAAs n.m. - 47:8

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 344, 345

••• = **Ta-Ba-Ayn** = follow/went or walked behind/after, overtook, pursue/investigate/ examine/hunt, sought/reach/obtain it, prosecute/sue (for right/due or blood-revenge), succession of one to another, consecutive/successive, follower, imitator, continue the same course, aid/assist/help, come with, obey, desire/demand.
An appelation of each of the Kings of El-Yemen who posessed Himyer and Hadramowt, so called because they followed one another when one died, another took his place, followed him in his course of acting. It is said in a tradition to mean a particular King who was a believer, whose people were unbelievers. [44:37, 50:14]

tabi'a vb. (I)
perf. act. 2:38, 2:145, 3:73, 7:18, 14:36, 17:63, 38:85
impf. act. 2:263, 79:7
pcple. act. 2:145, 2:145, 24:31

taba n.m. 14:21, 40:47

tabi n.m. 17:69

tubba n.prop. 44:37, 50:145

atba'a vb. (IV)
perf. act. 7:175, 10:90, 15:18, 18:85, 18:89, 18:92, 20:78, 23:44, 26:60, 28:42, 37:10
impf. act. 2:262, 77:17,
perf. pass. 11:60, 11:99

tataba'a vb. (VI) - 4:92, 58:4

ittaba'a vb. (VIII)
perf. act. 2:102, 2:120, 2:145, 2:166, 2:167, 3:20, 3:53, 3:55, 3:68, 3:162, 3:167, 3:174,

4:83, 4:125, 5:16, 7:90, 7:157, 7:176, 8:64, 9:42, 9:100, 9:117, 11:27, 11:59, 11:97, 11:116, , 12:38, 12:108, 13:37, 15:42, 18:28, 18:70, 19:59, 20:16, 20:47, 20:123, 23:71, 26:111, 26:215, 28:35, 28:50, 30:29, 34:20, 36:11, 40:7, 47:3, 47:3, 47:14, 47:16, 47:28, 52:21, 54:3, 57:27, 71:21
impf. act. 2:120, 2:143, 2:168, 2:170, 2:208, 3:7, 4:27, 4:115, 4:135, 5:48, 5:49, 5:77, 6:50, 6:56, 6:116, 6:142, 6:148, 6:150, 6:153, 7:3, 7:142, 7:157, 7:193, 7:302, 10:15, 10:36, 10:66, 10:66, 10:89, 14:44, 17:47, 18:66, 20:93, 20:108, 20:134, 22:3, 24:21, 24:21, 25:8, 26:40, 26:224, 28:47, 28:49, 28:50, 28:57, 31:21, 38:26, 39:18, 42:15, 45:18, 46:9, 48:15, 48:15, 53:23, 53:28, 54:24
impv. 2:170, 3:31, 3:95, 6:106, 6:153, 6:155, 7:3, 7:158, 10:109, 15:65, 16:123, 19:43, 20:90, 29:12, 31:15, 31:21, 33:2, 36:20, 36:21, 39:55, 40:38, 43:61, 45:18, 75:18
perf. pass. 2:166
impf. pass. 10:35
n.vb. 2:178, 4:157
pcple. pass. 26:52, 44:23

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 330, 331, 332, 333

= **Ta-Ba-Ba** = suffer loss, diminution, become beaten/trodden/lost, become old, perished, perdition, death, weakened/impaired, to cut-off, curtail, be doomed, destruction/loss/ruin.

tabba vb. (I) - perf. act. 111:1, 111:1
n.vb. 40:37

tabbaba vb. (II) - n.vb. 11:101

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 330

= **Ta-Ba-Ra** = To break/destroy/ruin/perish/lose/smash/crumble, perdition/destruction.

tabar n.m. 71:28

tabbara vb. (2) perf. act. 25:39
impf. act. 17:7
n.vb. 17:7, 25:39
pcple. pass. 7:139

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 330

= **Ta-Ba-Ta** = coffin, wooden case, chest, box, breast with what it contains, heart which is the storehouse of knowledge, wisdom and peace, Ark (of the Covenant).

tabut n.m. 2:248, 20:39

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 330

= **Ta-Fa-Tha** = to leave off the care of one's body and comforts, self-neglect, unkemptness, uncleanness, altered, perform and complete the acts of worship in combat and imposed. The state of self-denial, acts of worship, needful rituals regarding the cleansing and care of one's body and comfort.

tafath n.m. - 22:29

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 345

= **Ta-Ha-Ta** (*taht*) = Particle: that which is below; the lower part; beneath; inferior, slop; declivity of a mountain; under. It is the opposite of *fawq*/above.
This particle has been used about 51 times in *al quran*.

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 335

• • • = **Ta-Jiim-Ra** = to traffic/trade, be in business, commerce, merchandise, dealt, sold & bought, employed property for the purpose of gain.

tijarah n.f. 2:16, 2:282, 4:29, 9:24, 24:37, 35:29, 61:10, 62:11, 62:11

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 334, 335

• • • = **Ta-Kha-Thaal** = took, receive, took hold, act of taking, aid/assist, prevent/restrain/ witheld/captivate/fascinate, gain/earn/accept/acquire, retain/detain, overcame/overpowered/ subdued, seize, affect/influence, gain mastery over / slay / kill, destroy/punish/exterminate, took to / commenced / began, a benefit/favour, he made/constituted/appointed, a way or manner of life, a thing taken.

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 335

= **Ta-Lam-Kaf** (*tilka*) = This; that.

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 350, refers to 328 & 329

= **Ta-Lam-Lam** = To lay down, let down, threw down, drop, lay prostrate, lay one down upon one's kin, neck, cheek, or breast.
Shake, move, agitate, put in state of motion or commotion, rough/severe/vehement.
Sluggish, laziness.
Charge, upbraid, deliver.

talla vb. (I) perf. act. 37:103

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 347, 348

= **Ta-Lam-Waw** = To follow, walk behind, imitate, pursue, consecutive. To read, recite, peruse, rehearse, declare, meditate.
Sought repeatedly, collect.
Bond or obligation.
One who relieves or aids another in singing.

tala vb. (I)
perf. act. 10:16, 91:2
impf. act. 2:44, 2:102, 2:113, 2:121, 2:129, 2:151, 2:252, 3:58, 3:108, 3:113, 3:164, 6:151, 10:61, 11:17, 13:30, 18:83, 22:72, 27:92, 28:3, 28:45, 28:59, 29:48, 35:29, 39:71, 45:6, 62:2, 65:11, 98:2
impv. 3:93, 5:27, 7:175, 10:71, 18:27, 26:69, 29:45
perf. pass. 8:2
impf. pass. 3:101, 4:127, 5:1, 8:31, 10:15, 17:107, 19:58, 19:73, 22:30, 22:72, 23:66, 23:105, 28:53, 29:51, 31:7, 33:34, 34:43, 45:8, 45:25, 45:31, 46:7, 68:15, 83:13
n.vb. 2:121
pcple. act. f. (taliyat pl. of taliyah) 37:3

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 350, 351, 352

= **Ta-Miim-Miim** = To be entire/full/whole, blossom, full-grown, complete, perfect, fulfilled, accomplish.
Strong, firm, hard.

tamma vb. (I)
perf. act. 6:115, 7:137, 7:142, 11:119
n.vb. 6:154

atamma vb. (IV)
perf. act. 2:124, 5:3, 7:142, 12:6, 28:27
impf. act. 2:150, 2:233, 5:6, 9:32, 12:6, 16:81, 48:2
impv. 2:187, 2:196, 9:4, 66:8
pcple. act. 61:8

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 352, 353, 354

= **Ta-Nun-Ra** (*tannur*) = Spring; ground; face of the earth. Highest part of the earth; place where the water of a valley collects; a circular earthen oven, furnace, fire-place. Shining of dawn.

tannur n.m. 11:40, 23:27

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 355, 356

••• = **Ta-Qaf-Nun** = To fatten (a land by watering it with muddy water).
Nature, in born disposition, mud.
To improve a thing, set a thing in good order, do a thing skillfully and thoroughly, fasten a thing, bring to perfection, make a thing in perfect consonance with the purpose to which it has been created.

atqana vb. (IV) - perf. act. 27:88

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 346

••• = **Ta-Qaf-Ya** = to fear, be cautious, guarded, prepared, preserve, forethoughtful, reverential & pious fear (of God), righteous/virtuous/just/honest.

see Waw-Qaf-Ya

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 346, 347

= **Ta-Ra-Ba** = To have much earth, have dust in the hands, dusty, be destitute, poverty, neediness, misery, suffering loss. Poor man intimately acquainted with his mother earth. He sank from the wealth.
Soil/earth/dust.
Cemetery, burial-place, grave.
Contemporary friend, companion, match/fellow/equal, suiting the age and matching in all other aspects, peer, one having similar tastes/habits/views.
Breast, breast bones, chest, ribs.

atrab n.m. (pl. of *tirb*) - 38:52, 56:37, 78:33

matrabah n.f. - 90:16

tara'ib n.f. (pl. of *taribah*) - 86:7, *turab* n.m. - 2:264, 3:59, 22:5, 30:20, 50:3, 78:40]

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 337, 338

= **Ta-Ra-Fa** = soft, ease, to lead a delicate life, enjoy good things of life, to bestow the good things of life.
Luxuriant/flourishing/succulent/plentifulness.
Corrupted, well to do, ungrateful, proud, one whom a life of softness and ease has caused to behave insolently, one whom the exclusive pursuit of pleasures of life has corrupted.

atrafa vb. (IV)
perf. act. 23:33
perf. pass. 11:116, 21:13
pcple. pass. 17:16, 23:64, 34:34, 43:23, 56:45

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 340, 341

• • • = **Ta-Ra-Kaf** = To leave off, leave alone, abandon/desert/relinquish/quit, forsake, give up anything, neglect, omit, bequeath anything to anyone.
A certain nation, Turks, Turkish.

taraka vb. (I)

perf. act. 2:17, 2:180, 2:248, 2:264, 4:7, 4:7, 4:9, 4:11, 4:11, 4:12, 4:12, 4:12, 4:12, 4:33, 4:176, 4:176, 6:94, 12:17, 12:37, 16:61, 18:99, 23:100, 29:35, 35:45, 37:78, 37:108, 37:119, 37:129, 44:25, 51:37, 54:15, 59:5, 62:11
impf. act. 7:176, 11:87
impv. 44:24
impf. pass. 9:16, 26:146, 29:2, 75:36
pcple. act. 11:12, 11:53, 37:36

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 341, 342

= **Ta-Siin-Ayn** (tasa'a) = To be the ninth, nine.

tis'ah n.num. 17:101, 18:25, 27:12, 27:48, 38:23

tis'ata-ashara n.num. 74:30

tisAAun wa tisAAoona / ninety-nine - 38:23

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 343, 344

= **Ta-Waw-Ba** = To return; repent; turn one's self in a repentant manner (with *ila* or without it), turn with mercy (with *ala*), adapt.

taba vb. (1)
perfect active state: [2:37, 2:54, 2:160, 2:187, 2:279, 3:89, 4:16, 4:18, 4:146, 5:34, 5:39, 5:71, 6:54, 7:143, 7:153, 9:3, 9:5, 9:11, 9:117 (x2), 9:118, 11:112, 16:119, 19:60, 20:82, 20:122, 24:5, 25:70, 25:71, 28:67, 40:7, 46:15, 58:13, 73:20]

imperfect active state - [2:160, 3:128, 4:17 (x2), 4:26, 4:27, 5:39, 5:74, 9:15, 9:27, 9:74, 9:102, 9:106, 9:118, 9:126, 25:71, 33:24, 33:73, 49:11, 66:4, 85:10]

imperative state - [2:54, 2:128, 11:3, 11:52, 11:61, 11:90, 24:31, 66:8, noun verb - 3:90, 4:17, 4:18, 4:92, 9:104, 40:3, 42:25, 66:8, participle active - 9:112, 66:5]

matab, noun masculine - [13:30, 25:71]

tawwab, noun masculine - [2:37, 2:54, 2:128, 2:160, 2:222, 4:16, 4:64, 9:104, 9:118, 24:10, 49:12, 110:3]

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 358

= **Ta-Waw-Ra** = For *dara*, with the change of *ta* with *dal*: To go round, flow, ran, repeat (an action).
According to Azhari the word is actually Ta'ara, where Hamza is omitted meaning space of time, a time, one time. Return/repeat time after time.
Messenger between people or that goes about between lovers.
Apply constantly.

tarah n.f. 17:69, 20:55

The root of "torah" is disputed, apparently, hence the root below.

Waw-Ra-Ya = made/produce fire, allude to equivocally, ambiguously, meant such a thing pretended another, hide/conceal/cover, behind a thing covering/concealing, aider/follower, The Book of The Law (revealed to Moses).

Tawrat = It is the name given to the Book of Moses. It's correct rendering is the Hebrew word Torah which is derived from *wara* meaning he concealed. Is so called because in its pristine purity, reading it and acting upon its teachings kindled in the heart the fire of Divine Love.
Also known as the Pentatauch, The Old Testament.

[3:3, 3:48, 3:50, 3:65, 3:93, 5:43, 5:44, 5:46, 5:66, 5:68, 5:110, 7:157, 9:111, 48:29, 61:6, 62:5]

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 359

= **Ta-Ya-ha** = to wander about distractingly, wander bewildered, deviate, go astray, be perplexed, miss the right way, lost, neglect, become confounded/disordered and confused intellect or mind, magnify oneself, behave proudly or insolently.

taha vb. (1)
yateehoona impf. act. 5:26

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 363

= **Ta-Ya-Nun** = fig, fig tree; name of a hillock. The fig is a symbol of the era of Adam, of

Mosaic day and that of Jesus.

tteeni n.m. 95:1

Lane's Lexicon, Volume 1, page: 362

Tha = •

Tha-Ayn-Ba = to cause to flow, give bent to.

thu'ban n.m. 7:107, 26:32

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 374

Tha-Ba-Ra = to keep back, lose, perish, disappoint, expel, curse, destroy.

thabara vb. (1)
n.vb. 25:13, 25:14, 25:14, 84:11
pcple. pass. 17:102

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 367

Tha-Ba-Ta = to be firm/steadfast/constant/established, remain in (a place), preserve in doing. thabbata - to strengthen/fasten/consolidate. thubuut - steadfastness, stability, firmly planted. thaabit - remaining firmly fixed, firm, steadfast. thabbata - to confirm/establish, steadfast. tathbiit - confirmation, establishment. athbataa - to confirm, keep in bonds, confine, restrain (from doing a deed).

thabata vb. (1)
impv. 8:45
n.vb. 16:94
pcple. act. 14:24, 14:27

thabbata vb. (2)
perf. act. 17:74
impf. act. 8:11, 11:120, 14:27, 16:102, 25:32, 47:7
impv. 2:250, 3:147, 8:12
n.vb. 2:265, 4:66

athbata vb. (4) impf. act. 8:30, 13:39

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 365, 366, 367

Tha-Ba-Tay = to make someone pause, to hold back, to hinder/prevent/divert, hold anyone without respite, lag behind, make slothful.

thabbata vb. (2) perf. act. 9:46

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 367, 368

Tha-Ba-Ya = to collect/congregate/gather, put together, complete. thubaat (acc. pl. of thubatun, which is the f. of thuban/thubayun) - in separate companies, groups, detachments, parties. Many nouns in the f. sing. as here lose their third radical when it is ha/waw/ya.

thubat n.f. (pl. of thubah) 4:71

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 368, 369

Tha-Jiim-Jiim = to flow.

thajjaj n.m. (adj.) 78:14

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 369

Tha-Kh-Nun = to be thick, become coarse, stiff, subdue thoroughly, have a regular fighting, cause much slaughter, have a triumphant war. athkhana - to do something great, make much slaughter, overcome, battle strenuously.

athkhana vb. (4)
perf. act. 47:4
impf. act. 8:67

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 369, 370

Tha-Lam-Lam = to scatter people, rush upon, have plenty of wool.

thullah n.f. 56:13, 56:39, 56:40

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 382, 383

Tha-Lam-Tha = to make a third part of a thing, one third, by threes.

thalathah n. num. 2:196, 2:228, 3:41, 3:124, 4:171, 5:73, 5:89, 9:118, 11:65, 18:22, 18:25, 19:10, 24:58, 24:58, 39:6, 56:7, 58:7, 65:4, 77:30

thalathun n. num. 7:142, 46:15

thalith n. num. 5:73, 36:14, 53:20

thulath n. num. 4:3, 35:1

thulth n. num. 4:11, 4:11, 4:12, 4:176, 73:20, 73:20

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 384, 385, 386

Tha-Miim-Dal = name of an ancient tribe which lived in the western parts of Arabia. Thought to have descended from the tribe of Aad.

thamud n.prop. 7:73, 9:70, 11:61, 11:68, 11:68, 11:95, 14:9, 17:59, 22:42, 25:38, 26:141, 27:45, 29:38, 38:13, 40:31, 41:13, 41:17, 50:12, 51:43, 53:51, 54:23, 69:4, 69:5, 85:18, 89:9, 91:11

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 389

Tha-Miim-Miim = to pick up, collect, repair, heap up (thing in a place). thamma - over there, here, in that direction, there in, thither. thumma - then, afterwards, moreover, mostly used as a conjunction indicating a sequence in line or order to be rendered as then/ thereafter, also used as a more simple conjunction - and.

e.g. 2:115, 26:64, 76:20, 81:21

Tha-Miim-Nuun = to take the eighth part of any ones goods, eight, eighteen, eighty.

thaman n.m. 2:41, 2:79, 2:174, 3:77, 3:187, 3:199, 5:44, 5:106, 9:9, 12:20, 16:95

thamaniyah n.num. 6:143, 28:27, 39:6, 69:7, 69:17

thamanun n.num. 24:4

thamin n.num. 18:22

thumn n.num. 4:12

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 391

= Tha-Miim-Ra = to bear fruit, fructify, get rich, increase. thamar - fruit, wealth, possession, profit, income.

thamarah n.f. (pl. thamar) 2:22, 2:25, 2:126, 2:155, 2:266, 6:99, 6:141, 7:57, 7:130, 13:3, 14:32, 14:37, 16:11, 16:67, 16:69, 18:34, 18:42, 28:57, 35:27, 36:35, 41:47, 47:15

athmara vb. (4) perf. act. 6:99, 6:141

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 390

Tha-Nun-Ya = to bend/fold, double, turn one part of a thing upon the other, draw one of its two extremities to the other, join or adjoin one of the things to the other, turn anyone away or back from his course or from the object of his want, conceal emnity. mathna - by twos, in pairs, two, two and two. mathaan / al-mathaanii (pl. of mathnan/mathnaatun) - oft-repeated. thanaya/athnaa - he praised, spoke well of anyone. thinan - repetition of a thing.

thana vb. (1) impf. act. 11:5
pcple. act. 22:9

ithna-ashara n. num. 2:60, 5:12, 7:160, 7:160, 9:36

ithnan n. num. 4:11, 4:176, 5:106, 6:143, 6:143, 6:144, 6:144, 9:40, 11:40, 13:3, 16:51, 23:27, 36:14, 40:11, 40:11

mathani n.f. 15:87, 39:23

mathna n. num. 4:3, 34:46, 35:1

thani n. num. 9:40

istathna vb. (10) impf. act. 68:18

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 393, 394, 395, 396, 397, 398

= **Tha-Qaf-Ba** = a hole, to pass through (a hole), bore/perforate/pierce/puncture, intense (surge), burn/blaze/flame brightly (e.g. as if to pierce through the night), ascend/reach, penetrate, struck/kindle fire, fuel for fire, a man very red, brilliant (can be applied to knowledge), a drill (instrument which perforates).

thaqaba vb. (1) pcple. act. *thaqib* 37:10, 86:3

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 378, 379

Tha-Qaf-Fa = to get the better, come upon, find, catch, take, gain the mastery over, be intelligent, skilled, meet, overtake/overcome.

thaqifa vb. (1)
perf. act. 2:191, 4:91
impf. act. 8:57, 60:2
perf. pass. 3:112, 33:61

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 379, 380

Tha-Qaf-Lam = to be heavy/weighty, slow/dull/sluggish, difficult/hard/grievous. thaqalaan (dual of thaqalan) - two big and weighty things, two armies. athqaal (pl. of thiql) - burden. thaqiil (pl. thiqaal) - heavy. mithqaal - weight, weight of a balance. tathaaqal - to be dull/ sluggish. thaqala - to grow heavy, oppress, weigh down. mathqalatun - burdened, heavily laden, any cause of depriving a mother of her child. iththaqala (for tathaaqala) - to be born down heavily, incline heavily downwards.

thaqula vb. (1)

perf. act. 7:8, 7:187, 23:102, 101:6

athqal n.m. (pl. of thiql) 16:7, 29:13, 29:13, 29:13, 99:2

mithqal n.m. 4:40, 10:61, 21:47, 31:16, 34:3, 34:22, 99:7, 99:8

thaqal n.m. (only the dual thaqalan occurs) 55:31

thaqil n.m. (pl. thiqal) 7:57, 9:41, 13:12, 73:5, 76:27

athqala vb. (4) pcple. pass. 7:189

35:18, 52:40, 68:46

iththaqala vb. (6) perf. act. 9:38

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 380, 381, 382

Tha-Ra-Ba = reproach, blame, find fault with.

tharraba vb. (2) n.vb. 12:92

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 371

Tha-Ra-Ya = to be moist (as the earth after rain), moisten, wet (the earth). thraa - earth, moist earth. al-tharaa & tharan (for tharayun) - the earth, moist sub-soil, soil, sod, ground.

thara n.m. 20:6

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 373

= **Tha-Waw-Ba** = to return, turn back to, to restore/recover, to repent, to collect/gather. to call/summon (repeatedly), rise (dust), to flow, become abundant.
something returned (recompence, reward, compensation), to repay.
a thing which veils/covers/protects, a distinct body or company of people.
mathabatan - place of return, place to which a visit entitles one to *thawab*/reward, assembly/ congregation for people who were dispersed/separated previously, place of alighting, abode,

house, tent.
raiments, garments, morals, behaviour, heart, dependents, followers, robes, clothes, pure/ good hearted, of good character.

mathabah n.f. - 2:125,
mathubah n.f. - 2:103, 5:60,
thawab n.m. - 3:145, 3:148, 3:195, 4:134, 18:31, 18:44, 18:46, 19:76, 28:80,
thiyab n.m. (pl. of *thawb*) - 11:5, 18:31, 22:19, 24:58, 24:60, 71:7, 74:4, 76:21,
thawwaba vb. (II) - 83:36,
athaba vb. (IV) - 3:153, 5:85, 48:18.

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 398, 399, 400, 401

Tha-Waw-Ra = to rise and spread in the air (dust), be stirred (quarrel), be kindled (war), rush on, assault anyone, till (the ground). athaara - to plough, break up (the earth). atharana - raising up (clouds of dust).

athara vb. (4) perf. act. 30:9, 100:4
impf. act. 2:71, 30:48, 35:9

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 401, 402

Tha-Waw-Ya = to abide in a place, halt, settle in a place, detain anyone (in a place), lodge. mathwa - dwelling, abode, lodging, resort, resting place, stay. thaawin (for thaawiyun) - dweller.

thawa vb. (1) pcple. act. 28:45

mathwa n.m. 3:151, 6:128, 12:21, 12:23, 16:29, 29:68, 39:32, 39:60, 39:72, 40:76, 41:24, 47:12, 47:19

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 402, 403

Tha-Ya-Ba = to have no connection as a husband and wife (no first form). thayyib - separated wives from their husbands through divorce or death, non-virgins.

thayyibat n.f. (pl. of thayyib) 66:5

Lane's Lexicon, Volume 1, pages: 403

Jiim = •

Jiim-Alif-Ra = raised his voice in prayer/supplication , he humbled/abased himself with earnest supplication to God, Cried out/called for aid/succour

ja'ara vb. (1) impf. act. 16:53, 23:64, 23:65

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 5, 6

Jiim-Ayn-Lam = He made a thing, he created/brought into being/existence. He made to be/become/constitute. He made to be in a altered state/condition. He pronounced a thing by a true judgement/decision/legal ordinance, his judgement. Described them as females, pronounced them to be females, He made known/plain, He exalted/ennobled/ called/named (as in a nation) He inserted a thing into a thing (Ex: They put their fingers into their ears) He put into the heart/mind, He appointed/assigned/stipulated to give wages/pay/stipend. He set about/began/commenced/commenced/took to/betook himself to, doing such a thing; He persisted, a piece of rag with which a cooking pot is put down from the fire, short palm trees/shoots/offsets.

ja'ala vb. (1)
perf. act. 2:22, 2:66, 2:125, 2:143, 2:143, 3:126, 4:5, 4:33, 4:90, 4:91, 5:13, 5:20, 5:20, 5:48, 5:48, 5:60, 5:97, 5:103, 6:1, 6:6, 6:9, 6:9, 6:25, 6:96, 6:97, 6:100, 6:107, 6:112, 6:122, 6:123, 6:136, 6:165, 7:10, 7:27, 7:69, 7:74, 7:143, 7:189, 7:190, 8:10, 9:19, 9:40, 10:5, 10:14, 10:24, 10:59, 10:67, 10:73, 11:82, 11:118, 12:70, 12:100, 13:3, 13:3, 13:16, 13:33, 13:38, 14:30, 15:16, 15:20, 15:74, 15:91, 16:72, 16:72, 16:78, 16:80, 16:80, 16:81, 16:81, 16:81, 16:91, 16:93, 17:2, 17:6, 17:8, 17:12, 17:12, 17:18, 17:33, 17:45, 17:46, 17:60, 17:99, 18:7, 18:32, 18:32, 18:52, 18:57, 18:59, 18:96, 18:98, 19:24, 19:30, 19:31, 19:49, 19:50, 20:53, 21:8, 21:15, 21:30, 21:31, 21:31, 21:32, 21:34, 21:58, 21:70, 21:72, 21:73, 21:91, 22:25, 22:34, 22:36, 22:67, 22:78, 23:13, 23:41, 23:44, 23:50, 25:10, 25:20, 25:23, 25:31, 25:35, 25:37, 25:45, 25:45, 25:47, 25:47, 25:53, 25:54, 25:61, 25:61, 25:62, 26:21, 27:34, 27:61, 27:61, 27:61, 27:61, 27:86, 28:4, 28:41, 28:71, 28:72, 28:73, 29:10, 29:15, 29:27, 29:67, 30:21, 30:54, 30:54, 32:8, 32:9, 32:23, 32:24, 33:4, 33:4, 33:4, 34:18, 34:19, 34:33, 35:11, 35:39, 36:8, 36:9, 36:27, 36:34, 36:80, 37:63, 37:77, 37:98, 37:158, 38:5, 38:26, 39:6, 39:8, 40:61, 40:64, 40:79, 41:10, 41:44, 42:8, 42:11, 42:52, 43:3, 43:10, 43:10, 43:12, 43:15, 43:19, 43:28, 43:33, 43:45, 43:56, 43:59, 43:60, 45:18, 45:23, 46:26, 48:26, 48:27, 49:13, 50:26, 51:42, 56:36, 56:65, 56:70, 56:73, 57:7, 57:26, 57:27, 65:3, 67:5, 67:15, 67:23, 68:50, 71:7, 71:16, 71:16, 71:19, 74:12, 74:31, 74:31, 75:39, 76:2, 77:21, 77:27, 78:9, 78:10, 78:11, 78:13, 87:5, 105:5
impf. act. 2:19, 2:22, 2:30, 2:224, 2:259, 3:61, 3:156, 3:176, 4:15, 4:19, 4:141,

4:144, 5:6, 6:39, 6:91, 6:124, 6:125, 6:125, 7:47, 7:150, 8:29, 8:37, 8:37, 10:85, 10:100, 12:15, 15:96, 16:56, 16:57, 16:62, 17:22, 17:29, 17:39, 18:1, 18:48, 18:90, 18:94, 18:94, 18:95, 19:7, 19:21, 19:32, 19:96, 22:53, 23:94, 24:40, 24:43, 24:63, 25:10, 26:29, 27:62, 28:5, 28:5, 28:35, 28:83, 30:48, 34:33, 38:28, 38:28, 39:21, 41:9, 41:29, 42:50, 45:21, 51:51, 56:82, 57:28, 59:10, 60:5, 60:7, 65:2, 65:4, 65:7, 68:35, 69:12, 71:12, 71:12, 72:25, 73:17, 77:25, 78:6, 90:8, 105:2
impv. 2:126, 2:128, 2:260, 3:41, 4:75, 4:75, 7:138, 10:87, 12:55, 12:62, 14:35, 14:37, 14:40, 17:80, 19:6, 19:10, 20:29, 20:58, 25:74, 26:84, 26:85, 28:38
perf. pass. 16:124
pcple. act. 2:30, 2:124, 3:55, 18:8, 28:7, 35:1

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 66, 67

Jiim-Ba-Ba = a well, a well containing much water, a deep/wide well, he shrank/withdrew/was averse/went away, the act of fleeing. A cavity in a mountain in which the water of the rain collects.

jubb n.m. 12:10, 12:15

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 6, 7, 8

Jiim-Ba-ha = He slapped/struck/hit him. He said to him something disliked/hated and he accused him thereof to his face. The forehead. Largeness/width and beauty of the forehead. The protuberance/prominence of the forehead. The upper part of the disc of the moon. The chief of people/company of men. Abjectness/ignominy. A state of annoyance/molestation.

jibah n.f. (pl. of jabhah) 9:35

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 13, 14

Jiim-Ba-Lam = He (God) created him with an adaptation/disposition by nature. He compelled him against his will. He (or they) came/went/betook himself to the mountain. He (a digger) reached a hard place or stone in his digging. Big/thick/coarse/rough (human or a thing). Much/numerous. The lord/chief of a company of men. Any of the mountains of the earth that is big and long (also applied to a rocky tract. Any rocky evelation however little) A man who doesn't remove from his place/niggard. The serpent. The echo. A vice/fault/defect/blemish. Hardness of the earth/ground. A camel's hump.

The origin of any created thing. A garment/piece of cloth good in respect of the thread and the weaving. Company of men/nation. Nature/natural/native/innate/original. Relating to mountain/mountains. Having a bad/ugly face. Applied to a man: Great/large/ big in make like a mountain.

jabal n.m. (pl. jibal) 2:260, 7:74, 7:143, 7:143, 7:171, 11:42, 11:43, 13:31, 14:46, 15:82, 16:68, 16:81, 17:37, 18:47, 19:90, 20:105, 21:79, 22:18, 24:43, 26:149, 27:88, 33:72, 34:10, 35:27, 38:18, 52:10, 56:5, 59:21, 69:14, 70:9, 73:14, 73:14, 77:10, 78:7, 78:20, 79:32, 81:3, 88:19, 101:5

jibillah n.f. 26:184, 36:62

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 11, 12

Jiim-Ba-Nun = Cowardly, weak hearted, He held back/refrained through cowardice. The temple/side of the forehead, brow.

jabin n.m. 37:103

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 12, 13

Jiim-Ba-Ra = To reduce from a fractured state, or restore from a state of poverty to sufficiency. Set or reduced from a fractured state. "A poor man being likened to one who has a broken bone and his restoration to wealth being likened to the setting of the bone." Compell, constrain, incite, urge, or induce another [against his will]. Addition of something for the purpose of reparation [in computation]. Self-magnification, pride, haughtiness, insolence, bold, audacious, inordinate, tyrannical, overbearing, extravagent. A king. "There has been no prophetic office but a kingly office has succeeded in its place through someone's self-magnification, pride, haughtiness, or insolence." Slave, servant. No retaliation or expiatory mulct exacted [for a thing/person]. Tall, above the reach of the hand, ascend [the palm tree that grows tall for the cutting of its fruit], and retaining excellence.

jabbar n.m. 5:22, 11:59, 14:15, 19:14, 19:32, 26:130, 28:19, 40:35, 50:45, 59:23

jibril n. 2:97, 2:98, 66:4

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 9, 10, 11

Jiim-Ba-Ta = The idol/idols. The name of a certain idol. That which is worshipped instead of God whatever it may be. He/that wherein is no good. The diviner/enchanter/devil/satan. From the devil.

jibt n.m. 4:51

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 9

Jiim-Ba-Ya = He collected (e.g. water/tax). A mode/manner of collecting. He chose it/selected it for himself. He returned/receded/retreated/went back. Collecting in a way of choice/selection (i.e. God blessing Solomon more than others etc.) He forged/produced/invented it. Water collected. A watering trough in which water is collected. The place where a well is dug. What is around a well/watering trough. Dug wells in which shoots of grape-vines are set. A collector of water for camels. Locust (it collects everything by eating it), A company of men.

jaba vb. (1)
impf. pass. 28:57

jawabi n.f. (pl. jabiyah) 34:13

ijtaba vb. (8)
perf. act. 6:87, 7:203, 16:121, 19:58, 20:122, 22:78, 68:50
impf. act. 3:179, 12:6, 42:13

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 14, 15

Jiim-Dal-Dal = To cut off a thing, to be new, to become fortunate or possessed of good fortune, to be great or of great dignity or estimation, to be serious or in earnest, to strive/labour/toil/exert oneself, to feel distressed or afflicted, to drip or let fall drops (a house or tent, *Bayt*), make [or weave] stripes of different colors in a garment, to contend with another respecting a thing, relinquish or forsake, to originate or innovate a thing, to do a thing for the first time, to renew a thing, to be easy or practical, hard or level (like a ground free of soft spaces and clear to one's view), ascend upon the surface of the ground, to be lost or devoid of something, one's lot in life or means of subsistence, state of being in no need or having no wants or having few wants, to be great/exalted/majestic, to be or have much (abounding with a thing), to be of a great or extraordinary degree, to differ from the rest of something [and, thus, serve as a sign or mark] such as a beaten path marked with lines [cut by the feet of men and beast who travelled along

it], to perform an affair by a certain way or manner, to form an opinion respecting a thing, to be renewed or replaced by new, to be cut off by the roots or eradicated, to be quick in pace.

jadd n.m. 72:3

jadid n.m. 13:5, 14:19, 17:49, 17:98, 32:10, 34:7, 35:16, 50:15

judad n.f. (pl. of juddah) 35:27

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 20, 21, 22, 23

Jiim-Dal-Lam = To twist something firmly, make something firm or strong or compact, become hard and strong, contend or litigate in an altercation/dispute vehemently or violently, throw someone down, *according to later usage* (of the lawyers) *to compare evidences* [in a discussion with another person or other persons] *in order that it might appear which of those evidences was preponderant*, compete in disputation or contention and in striving to overcome [thereby], build or construct, rule a thing with lines [such as a book is ruled round a page].

jadal n.m. 18:54, 43:58

jadala vb. (3)
perf. act. 4:109, 11:32, 22:68, 40:5
impf. act. 4:107, 4:109, 6:25, 6:121, 7:71, 8:6, 11:74, 13:13, 16:111, 18:56, 22:3, 22:8, 29:46, 31:20, 40:4, 40:35, 40:56, 40:69, 42:35, 58:1
impv. 16:125
n.vb. 2:197, 11:32

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 27, 28, 29

Jiim-Dal-Ra = To enclose, build a wall of enclosure, come forth or breakout, to become suitable or fit or competent or worthy, raise a thing high, construct a thing firmly or strongly and raise it high, renew or redo a thing after it had gone or become obliterated.

jadir n.m. (comp. adj. ajdar) 9:97

jidar n.m. (pl. judur) 18:77, 18:82, 59:14

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 25, 26

Jiim-Dal-Tha = Make for oneself a grave or sepulchre; a grave or sepulchre.

ajdath n.m. (pl. of jadath) 36:51, 54:7, 70:43

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 24, 25

Jiim-Fa-Alif = To cast forth foam or scum, to throw or heave, cast froth, to be worthless or useless.

jufa n.m. 13:17

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 71, 72

Jiim-Fa-Nun = To prepare a bowl of food, eyelid [both upper and lower], case or receptacle [such as scabbard or sheath of a sword], a kind of bowl [a receptacle for food], a wine.

jifan n.f. (pl. of jafnah) 34:13

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 70, 71

Jiim-Fa-Waw = To be restless or uneasy, to not cleave or keep to a place or thing, become withdrawn or removed from a place or thing, recoil or shrink or be averse from something, to be thick or coarse or rough, thick/gross/rude of make/nature/disposition, to be or become burdensome/heavy/onerous/oppressive, avoid or turn away from someone, shun or drive someone away, withdraw or move to a far distance from someone, do evil to someone, do a thing to someone that which he hates or displeases or vexes him, to fatigue someone driving him vehemently without food or rest, turn from side to side, treat or behave towards someone harshly or uncivilly.

tajafa vb. (6) perf. act. 32:16

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 71, 72

Jiim-ha-Dal = To strive or labour or toil, exert oneself or his power or efforts, employ oneself vigorously or diligently or studiously, take extra pains, put oneself to trouble or fatigue, examine someone or something, to burden or weaken or fatigue beyond one's power, churn and extract from a thing, very eagerly desire or long for something, lay upon or compress, become manifest, to fight for a cause, be in a state of extreme difficulty or trouble, meditate upon something, to overload (such as a camel or cattle), strive after, struggle against difficulties.

jahada vb. (1)
n.vb. 5:53, 6:109, 16:38, 24:53, 35:42

juhd n.m. 9:79

jahada vb. (3)
perf. act. 2:218, 3:142, 8:72, 8:74, 8:75, 9:16, 9:19, 9:20, 9:88, 16:110, 29:6, 29:8, 29:69, 31:15, 49:15
impf. act. 5:54, 9:44, 9:81, 29:6, 61:11
impv. 5:35, 9:41, 9:73, 9:86, 22:78, 22:52, 66:9
n.vb. 9:24, 22:78, 22:52, 60:1
pcple. act. 4:95, 4:95, 4:95, 47:31

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 109, 110

Jiim-ha-Lam = To be ignorant, not know of a thing, to be silly or foolish, boil vehemently, pretend ignorance, feign ignorance, reckon or esteem someone, cause commotion or unsteadiness, display wrong conduct, to be void of knowledge, believe a thing to be different from what it is in reality, do a thing in a manner different from that in which it ought to be done, proceed without knowledge, to ignore a thing, to be pagan.

jahila vb. (1)
impf. act. 6:111, 7:138, 11:29, 27:55, 46:23
pcple. act. 2:67, 2:273, 6:35, 7:199, 11:46, 12:33, 12:89, 25:63, 28:55, 39:64

jahalah n.f. 4:17, 6:54, 16:119, 49:6

jahiliyah n.f. 3:154, 5:50, 33:33, 48:26

jahul n.m. 33:72

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 113, 114

Jiim-ha-Nun-Miim = Hell or Hell-fire, name of the fire with which GOD will punish in the life to come, proper name of the abode of punishment.

jahannam n.f. 2:206, 3:12, 3:162, 3:197, 4:55, 4:93, 4:97, 4:115, 4:121, 4:140, 4:169, 7:18, 7:41, 7:179, 8:16, 8:36, 8:37, 9:35, 9:49, 9:63, 9:68, 9:73, 9:81, 9:95, 9:109, 11:119, 13:18, 14:16, 14:29, 15:43, 16:29, 17:8, 17:18, 17:39, 17:63, 17:97, 18:100, 18:102, 18:106, 19:68, 19:86, 20:74, 21:29, 21:98, 23:103, 25:34, 25:65, 29:54, 29:68, 32:13, 35:36, 36:63, 38:56, 38:85, 39:32, 39:60, 39:71, 39:72, 40:49, 40:60, 40:76, 43:74, 45:10, 48:6, 50:24, 50:30, 52:13, 55:43, 58:8, 66:9, 67:6, 72:15, 72:23, 78:21, 85:10, 89:23, 98:6

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 114

• • •

= **Jiim-ha-Ra** = become plain/open/apparent/public/loud/discovered, become great/ bulky, pleasingness/goodliness, clear out nearly/entirely, strove to overcome/surpass

jahara vb. (1)
perf. act. 13:10
impf. act. 17:110, 20:7, 49:2
impv. 67:13
n.vb. 4:148, 6:3, 7:205, 16:75, 21:110, 49:2, 87:7

jahrah n.f. (adv) 2:55, 4:153, 6:47

jahara vb. (3) n.vb. 71:8

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 110, 111, 112

Jiim-ha-Zay = To equip or furnish, to supply or provide, to prepare, to despatch, to hasten and complete, to fit out.

jihaz n.m. 12:59, 12:70

jahhaza vb. (2) perf. act. 12:59, 12:70

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 112

Jiim-Ha-Dal = To deny or disacknowledge a thing, to be niggardly or avaricious, poor or possess little good, dissipated or dispersed, little in quantity, scanty.

jahada vb. (1)
perf. act. 11:59, 27:14
impf. act. 6:33, 7:51, 16:71, 29:47, 29:49, 31:32, 40:63, 41:15, 41:28, 46:26

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 17

Jiim-Ha-Miim = To kindle a fire, make to burn, burn up, burn brightly or fiercly, open the eye, to abstain/refrain/desist/forbear, advance or go forward, recede or draw back [This verb bears contradictory significations], near to destroying or killing, burn with vehemence of desire/covetousness and niggardliness, straitened in disposition, tenacious or stingy, blazing or flaming, vehemently hot.

jahim n.f. 2:119, 5:10, 5:86, 9:113, 22:51, 26:91, 37:23, 37:55, 37:64, 37:68, 37:97, 37:163, 40:7, 44:47, 44:56, 52:18, 56:94, 57:19, 69:31, 73:12, 79:36, 79:39, 81:12, 82:14, 83:16, 102:6

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 20

Jiim-Lam-Ba = To drive/bring/convey/transport, to draw/attract/procure a thing, gain or earn, seek after or seek to gain, to raise cries/shouts/noises, chide or urge on, to threaten, bring together/assemble/gather/collect, commit a crime or offence, to heal, to help/aid or assist, take or borrow, to seek or demand, to cover or clad oneself.

ajlaba vb. (4) impv. 17:64

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 74, 75, 76, 77

Jiim-Lam-Ba-Ba = Woman's outer wrapping garment, that which envelopes the whole body, wide garment for a woman, dominion or sovereignty or rule.

jalabib (pl. of jilbab) 33:59

Jiim-Lam-Dal = To hit/hurt/beat the skin, to strike, flog with a whip, fall down, to compel, to be hardy/strong/sturdy, to be enduring or patient, to contend with someone, constrain/compel/necessitate.

jalada vb. (1)
impv. 24:2, 24:4
n.vb. 24:2, 24:4

julud n.m. (pl. of jild) 4:56, 4:56, 16:80, 22:20, 39:23, 39:23, 41:20, 41:21, 41:22

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 78, 79

Jiim-Lam-Lam = To be thick/gross/coarse/rough, rugged/rude/big/bulky, to be great (in size or estimation or rank or dignity), independent, glorious, majestic, to be old or advanced in age, also to be young or not of fit age [thus the verb bears two contradictory significations], firm or sound in judgement, to be eminent, noble or dignified, honourable, mighty, take the main part or portion of a thing, mount/ascend upon/cover a thing, to be exalted or magnificent, give much or many, to move about or shuffle a thing, sink or become depressed, sever/distressing/momentous/formidable.

jalal n.m. 55:27, 55:78

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 72, 73, 74

Jiim-Lam-Siin = To sit, to sit cross-legged, sit in company with someone or others.

majalis n.m. (pl. of majlis) 58:11

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 79, 80

Jiim-Lam-Ya = To be clear/unobscured/exposed to view/displayed/laid open/disclosed/ uncovered, to be plainly apparent/obvious/evident/manifest/notorious, to go forth or emigrate, disperse, leave a place, to flee a place, declare or explain, remove/clear off/ polish/furbish, to expel/exile/banish, drive one away, to hasten, be distant or remote, to raise or place in a high position, to be well known/notable/celebrated, bald in the fore part of the head or half of the head.

jala n.m. 59:3

jalut n. 2:249, 2:250, 2:251

jalla vb. (2)
perf. act. 91:3
impf. act. 7:187

tajalla vb. (5) perf. act. 7:143, 92:2

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 82, 83, 84

Jiim-Miim-Ayn = To collect or gather, bring together, to contract, assemble or congregate, unite or connect or form a connection, bring into a state of union, reconcile or conciliate, put on a thing [such as clothing article], to compose/arrange/settle, to pray in congregation, determine/resolve/decide upon a thing, agree or unite in opinion, prepare or make a thing ready, dry up a thing, conspire or league with another, coexist with one, to be compact/compressed/contracted, exert one's energy, to compromise or comprehend or contain, enter or go into, to meet or be in company with another.

jamAAa vb. (1)
perf. act. 3:25, 3:173, 6:35, 18:99, 20:60, 70:18, 77:38, 104:2
impf. act. 3:157, 4:23, 4:87, 5:109, 6:12, 10:58, 34:26, 42:15, 43:32, 45:26, 64:9, 75:3
perf. pass. 26:38, 75:9
n.vb. 7:48, 18:99, 42:7, 42:29, 64:9, 75:17
pcple. act. 3:9, 4:140, 24:62
pcple. pass. 11:103, 56:50

ajmAAun n.com. (pl. of ajmAA) 2:161, 3:87, 6:149, 7:18, 7:124, 11:119, 12:93, 15:30, 15:39, 15:43, 15:59, 15:92, 16:9, 21:77, 26:49, 26:65, 26:95, 26:170, 27:51, 32:13, 37:134, 38:73, 38:82, 38:85, 43:55, 44:40

jam n.m. 3:155, 3:166, 8:41, 26:61, 28:78, 54:45, 100:5

jami n.m. 2:29, 2:38, 2:148, 2:165, 3:103, 4:71, 4:139, 4:140, 4:172, 5:17, 5:32, 5:32, 5:36, 5:48, 5:105, 6:22, 6:128, 7:38, 7:158, 8:37, 8:63, 10:4, 10:28, 10:65, 10:99, 11:55, 12:83, 13:18, 13:31, 13:31, 13:42, 14:8, 14:21, 17:103, 20:123, 24:31, 24:61, 26:56, 34:40, 35:10, 36:32, 36:53, 39:44, 39:47, 39:53, 39:67, 45:13, 54:44, 58:6, 58:18, 59:14, 59:14, 70:14

jamu'ah n.f. 62:9

majma n.m. 18:60, 18:61

ajma'a vb. (4)
perf. act. 12:15, 12:102
impv. 10:71, 20:64

ijtama'a vb. (8)
perf. act. 17:88, 22:73
pcple. act. 26:39

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 91, 92, 93, 94, 95

Jiim-Miim-Dal = To congeal/freeze/become solid, to become dry, to be fixed or stationary, incapable of growth, lifeless or dead, to be stagnant, to be niggardly, possess little good, to be stupid or inert.

jamada vb. (1) pcple. act. 27:88

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 87, 88

Jiim-Miim-Ha = Overcome or gain mastery over someone, break loose, run away, go at random without any certain aim so as not to be turned by anything, to be refractory, to be quick or swift, to be brisk/lively/sprightly, to go heedlessly without consideration or certain aim and not obeying a guide to the right course, to hasten or go quickly, run like horses that overcame their riders and run away so as not to be governed by them, go forth from a place with out permission, follow one's own natural desire without consideration and not obeying a guide to the right course or conduct.

jamaha vb. (1) impf. act. 9:57

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 86, 87

Jiim-Miim-Lam = To collect a thing or things, to be beautiful, comely in person, good in action/behaviour/moral character, to be moderate, to be pleasing/kind, handsome, decorous/honourable/gracious, to be elegant, to aggregate or make something complete, [Jaml] male camel; ship; palm tree; large sea fish or whale; twisted rope.

jamal n.m. 7:40, 77:33

jamal n.m. 16:6

jamil n.m. (adj) 12:18, 12:83, 15:85, 33:28, 33:49, 70:5, 73:10

jumlah n.f. 25:32

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 95, 96, 97

Jiim-Miim-Miim = To be much or abundant, to be many, full or filled, let collect, draw near, come to pass, to recover [such as from fatigue], to relieve or rest, to be indinstinctive, conceal or not reveal a thing, hold back or not dare to do a thing, run again after any run, to go much, to be satiated or satisfied [such as with food or drink], greater or greatest in quantity and in number.

jamm n.m. 89:20

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 84, 85, 86

Jiim-Nun-Ba = To break or hit or hurt one's side, to lead one by his side, place or put a thing aside, to remove or send a thing far away or far off, estrange or alienate someone, descend and abode/settle as a stranger among people, to be remote/distant/far off/aloof from someone, shun or avoid someone, alienate or estrange oneself from someone, to be under the obligation of performing a total bath or ablution (by reason of sexual intercourse and semenal discharge), to be lateral or adjacent to someone or to a thing, walk by the side of another, to be gentle/compliant/easy to deal with, to be much of.

janaba vb. (1)
impv. 14:35

janb n.m. (pl. junub) 3:191, 4:36, 4:103, 9:35, 10:12, 22:36, 32:16, 39:56

janib n.m. 17:68, 17:83, 19:52, 20:80, 28:29, 28:44, 28:46, 37:8, 41:51

junub n.m. 4:36, 4:43, 5:6, 28:11

jannaba vb. (2) impf. pass. 92:17

tajannaba vb. (5) impf. act. 87:11

ijtanaba vb. (8)
perf. act. 39:17
impf. act. 4:31, 42:37, 53:32
impv. 5:90, 16:36, 22:30, 22:30, 49:12

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 100, 101, 102, 103, 104

Jiim-Nun-Dal = Collect or assemble [armies, military forces], prepare an army, *Jundun* [collected body of men prepared for war; auxiliaries].

jund n.m. (pl. junud) 2:249, 2:249, 2:250, 9:26, 9:40, 10:90, 19:75, 20:78, 26:95, 27:17, 27:18, 27:37, 28:6, 28:8, 28:39, 28:40, 33:9, 33:9, 36:28, 36:75, 37:173, 38:11, 44:24, 48:4, 48:7, 51:40, 67:20, 74:31, 85:17

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 105, 106

Jiim-Nun-Fa = To incline or decline (in speech and all affairs), decline or deviate from the right course, act wrongfully/unjustly/tyrannically, deviate from that which is right, act unjustly or wrongfully in judgement, incline to a wrong course or decline from the right course, carry oneself in a proud and self-conceited manner.

janifa vb. (1) n.vb. 2:182

tajanafa vb. (6) pcple. act. 5:3

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 107

• • •

Jiim-Nun-Ha = to lean/incline, to bend/stoop, side.
ribs of the breast, upper/anterior ribs next to the breast/heart (so-called because they incline over the heart), something one uses to lean on/to one side (upper-arm, shoulder, elbow, hand),
wing/power, "lower your wing" is an idiomatic metaphor for love/tenderness/humility, evocative of a bird that lovingly spreads its wings over its offspring in the nest, shadow/ shelter/protection, armpit,
assistant,
going quickly/swiftly (said of an animal due to them leaning forward as they run),
a sin or crime, act of disobedience/blame.

janaha vb. (1)
perf. act. 8:61
impv. 8:61

janah n.com. (pl. ajnihah) 6:38, 15:88, 17:24, 20:22, 26:215, 28:32, 35:1

junah n.m. 2:158, 2:198, 2:229, 2:230, 2:233, 2:233, 2:234, 2:235, 2:236, 2:240, 2:282, 4:23, 4:24, 4:101, 4:102, 4:128, 5:93, 24:29, 24:58, 24:60, 24:61, 33:5, 33:51, 33:55, 60:10

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 104, 105

= **Jiim-Nun-Nun** (root of *jinn*) = veiled/concealed/covered/hid/protected (e.g. cloth, armour, grave, shield), invisible, become dark/posessed, darkness of night, bereft of reason, mad/insane/unsound in mind/intellect, confusedness.
Become thick/full-grown/blossom, herbage, garden.
Spiritual beings that conceal themselves from the senses (including angels), become weak and abject, greater part of mankind, devil/demon, people who are peerless having no match or equal, a being who is highly potent, sometimes refers to Kings because they are concealed from the common folk

janna vb. (1)
perf. act. 6:76
pcple. act. 15:27, 55:15, 55:39, 55:56, 55:74
pcple. pass. 15:6, 26:27, 37:36, 44:14, 51:39, 51:52, 52:29, 54:9, 68:2, 68:51, 81:22

ajinnah n.m. (pl. of janin) 53:32

jann n.m. 27:10, 28:31

jannah n.f. 2:25, 2:35, 2:82, 2:111, 2:214, 2:221, 2:265, 2:266, 3:15, 3:133, 3:136, 3:142, 3:185, 3:195, 3:198, 4:13, 4:57, 4:122, 4:124, 5:12, 5:65, 5:72, 5:85, 5:119, 6:99, 6:141, 7:19, 7:22, 7:27, 7:40, 7:42, 7:43, 7:44, 7:46, 7:49, 7:50, 9:21, 9:72, 9:72, 9:89, 9:100, 9:111, 10:9, 10:26, 11:23, 11:108, 13:4, 13:23, 13:35, 14:23, 15:45, 16:31, 16:32, 17:91, 18:31, 18:32, 18:33, 18:35, 18:39, 18:40, 18:107, 19:60, 19:61, 19:63, 20:76, 20:117, 20:121, 22:14, 22:23, 22:56, 23:19, 25:8, 25:10, 25:15, 25:24, 26:57, 26:85, 26:90, 26:134, 26:147, 29:58, 31:8, 32:19, 34:15, 34:16, 34:16, 35:33, 36:26, 36:34, 36:55, 37:43, 38:50, 39:73, 39:74, 40:8, 40:40, 41:30, 42:7, 42:22, 43:70, 43:72, 44:25, 44:52, 46:14, 46:16, 47:6, 47:12, 47:15, 48:5, 48:17, 50:9, 50:31, 51:15, 52:17, 53:15, 54:54, 55:46, 55:54, 55:62, 56:12, 56:89, 57:12, 57:21, 58:22, 59:20, 59:20, 61:12, 61:12, 64:9, 65:11, 66:8, 66:11, 68:17, 68:34, 69:22, 70:35, 70:38, 71:12, 74:40, 76:12, 78:16, 79:41, 81:13, 85:11, 88:10, 89:30, 98:8

jinn n.m. (coll) 6:100, 6:112, 6:128, 6:130, 7:38, 7:179, 17:88, 18:50, 27:17, 27:39, 34:12, 34:14, 34:41, 41:25, 41:29, 46:18, 46:29, 51:56, 55:33, 72:1, 72:5, 72:6

jinnah (1) n.f. 11:119, 32:13, 37:158, 37:158, 114:6

jinnah (2) n.f. 7:184, 23:25, 23:70, 34:8, 34:46

junnah n.f. 58:16, 63:2

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 98, 99, 100

Jiim-Nun-Ya = To gather or take from a thing, to collect from a thing, to acquire, commit a crime/offence/injurious action against someone, attain maturity.

jana n.m. 55:54

janiy n.m. 19:25

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 108, 109

Jiim-Ra-Ayn = To swallow, swallow it (water) at once, drink or sip little by little, repress or restrain wrath or rage.

tajarra'a vb. (5) impf. act. 14:17

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 46, 47

Jiim-Ra-Dal = Strip/divest/denude a thing or person, pull off or remove a thing, to peel a thing off, prune or bare a thing, unsheath or draw forth (a sword), detach a thing, perform a rite or ceremony, take from someone against his will, devote or apply oneself diligently and exclusively.

jarad n.com. 7:133, 54:7

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 41, 42, 43

Jiim-Ra-Fa = To take away/carry away/remove the whole or greater part of a thing or much of it, sweep or sweep away, clear something away, shovel or scoop a thing up or out, to be greedy, have an inordinate desire or appetite for food.

juruf n.m. 9:109

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 47, 48

Jiim-Ra-Ha = To wound someone, cut someone, revile or vilify someone, impute to someone a vice or fault, speak against someone, to censor and reject someone's testimony, to gain/acquire/earn, to get or obtain, to commit.

jaraha vb. (1) perf. act. 6:60

jawarih n.f. (pl. of jarihah) 5:4

juruh n.m. (pl. of juruh) 5:45

ijtaraha vb. (8) perf. act. 45:21

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 40, 41

Jiim-Ra-Miim = To cut or cut off a thing, gain/acquire/earn a thing, to drive or incite

one to do crime, to commit a crime/sin/offence/fault, commit an act of disobedience, to be clear, to complete a thing, to end a thing or bring a thing to it's end [upon completion].

jarama vb. (1) impf. act. 5:2, 5:8, 11:89

jaram n.m. 11:22, 16:23, 16:62, 16:109, 40:43

ajrama vb. (4)
perf. act. 6:124, 30:47, 34:25, 83:29
impf. act. 11:35
n.vb. 11:35
pcple. act. 6:55, 6:123, 6:147, 7:40, 7:84, 7:133, 8:8, 9:66, 10:13, 10:17, 10:50, 10:75, 10:82, 11:52, 11:116, 12:110, 14:49, 15:12, 15:58, 18:49, 18:53, 19:86, 20:74, 20:102, 25:22, 25:31, 26:99, 26:200, 27:69, 28:17, 28:78, 30:12, 30:55, 32:12, 32:22, 34:32, 36:59, 37:34, 43:74, 44:22, 44:37, 45:31, 46:25, 51:32, 54:47, 55:41, 55:43, 68:35, 70:11, 74:41, 77:18, 77:46

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 48, 49, 50

Jiim-Ra-Ra = To drag/draw/pull/tug/stretch, extend, to continue a thing (meaning the act of "dragging"), gently drive [He drove *camels and sheep or goats* gently, letting them pasture as they went along], delay or defer, to put off, to re-iterate.

jarra vb. (1) impf. act. 7:150

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 35, 36, 37, 38

Jiim-Ra-Ya = To flow, run quickly, pursue a course, to happen or occur, to betake or aim for a thing, to be continuous or permanent, to send a deputy or commissioned agent.

jara vb. (1)
perf. act. 10:22
impf. act. 2:25, 2:164, 2:266, 3:15, 3:136, 3:195, 3:198, 4:13, 4:57, 4:122, 5:12, 5:85, 5:119, 6:6, 7:43, 9:72, 9:89, 9:100, 10:9, 11:42, 13:2, 13:35, 14:23, 14:32, 16:31, 18:31, 20:76, 21:81, 22:14, 22:23, 22:65, 25:10, 29:58, 30:46, 31:29, 31:31, 35:13, 36:38, 38:36, 39:5, 39:20, 43:51, 45:12, 47:12, 48:5, 48:17, 54:14, 55:50, 57:12, 58:22, 61:12, 64:9, 65:11, 66:8, 85:11, 98:8
pcple. act. f. (jariyah, pl. jariyat or jawari) 42:32, 51:3, 55:24, 69:11, 81:16, 88:12

majra n.m. 11:41

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 51, 52

Jiim-Ra-Zay = To cut or cut off, destroy or exterminate, to slay, to eat quickly or eat much, to be or become barren, to be lean or emaciated, to be dried up and without herbage.

juruz n.m. 18:8, 32:27

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 44, 45

Jiim-Siin-Dal = To stick or coagulate to the body, *It* (blood) *stuck,* or *adhered*, *It* (blood) *became dry*, [4] *It* (a garment) *was made to stick, or adhere, to the body.*

jasad n.m. 7:148, 20:88, 21:8, 38:34

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 59, 60

Jiim-Siin-Miim = To be great or large, big/bulky/large in body, corpulent or corporeal, big-bodied.

jism n.m. (pl. ajsam) 2:247, 63:4

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 60, 61

Jiim-Siin-Siin = To test or judge or scrutinize a thing, to spy or investigate or examine in order to form a judgement, inquire about or spy into a thing.

tajassasa vb. (5) impf. act. 49:12

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 58, 59

Jiim-Tha-Miim = To cleave to the ground, to fall upon one's breast, lay prostrate upon the ground, to be motionless, to be dead or extinct.

jathama vb. (1) pcple. act. 7:78, 7:91, 11:67, 11:94, 29:37

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 15, 16

Jiim-Tha-Tha = To pull up or pull out, cut or cut off, to uproot, to eradicate.

ijtaththa vb. (8) perf. pass. 14:26

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 15

Jiim-Tha-Waw = To sit upon the knees, to kneel, to fall on one's knees, stand upon the extremities of one's toes, to sit knee-to-knee with someone.

19:68, 19:72, 45:28

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 16, 17

Jiim-Thal-Alif = To stand firmly upon a thing, to stand erect or straight, to stick or cleave, also means to sit upon one's knees, to be raised or extended, stand on the extremities of one's toes (to bear oneself erect).

jith (pl. juthu) 19:23, 19:25, 20:71

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 34, 35

Jiim-Thal-Thal = To cut or cut off, to cut utterly and quickly, cut into many pieces, exterminate, to break into pieces or fragments, to seperate, to hasten to a thing.

jaththa vb. (1) pcple. pass. 11:108

juthath n.m. 21:58

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 30

Jiim-Thal-Waw = Stand firmly, remain firm upon a thing, stick or cling to a thing, stand on the extremeties of one's toes, to be erect or straight, raised and extended, to lift a thing.

jathwah n.f. 28:29

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 34, 35

Jiim-Waw-Ayn = To be hungry, empty in the belly, hunger or long for a thing, to desire and long (as though hungering) for a thing.

ja'a vb. (1)
impf. act. 20:118
n.vb. 2:155, 16:122, 88:7, 106:4

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 123

Jiim-Waw-Ba = Make a hole in a thing, rend or tear a thing, perforate/pierce/bore, to cut a thing, hollow a thing out, traverse or cross, cut through by journeying, penetrate, reply or answer or respond, illuminate and render clear, to shield.

jaba vb. (1)
perf. act. 89:9

jawab n.m. 7:82, 27:56, 29:24, 29:29

ajaba vb. (4)
perf. act. 28:65
impf. act. 2:186, 14:44, 27:62, 46:32
impv. 46:31
perf. pass. 5:109, 10:89
pcple. act. 11:61, 37:75

istajaba vb. (10)

perf. act. 3:172, 3:195, 8:9, 12:34, 13:18, 14:22, 21:76, 21:84, 21:88, 21:90, 35:14, 42:38
impf. act. 2:186, 6:36, 7:194, 11:14, 13:14, 13:18, 17:52, 18:52, 28:50, 28:64, 40:60, 42:26, 46:5
impv. 8:24, 42:47
perf. pass. 42:16

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 115, 116

Jiim-Waw-Dal = To be good or goodly, approvable or excellent, to be egregious, to be liberal/bountiful/munificent/generous, affected or overcome with longing desire, to be feetful/swift (said of a horse).

jiyad n.m. (pl. of jawad) 38:31

al-judi n. 11:44

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 117, 118, 119

Jiim-Waw-Fa = Wide and hollow within, empty/vacant/void, spacious or ample, shut or close a thing.

jawf n.m. 33:4

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 123, 124

Jiim-Waw-Jiim =

majuj n. 18:94, 21:96

Jiim-Waw-Ra = To decline or deviate, act wrongfully or unjustly, to live near or close (to another), to protect, save or rescue, grant refuge.

jara vb. (1)
pcple. act. 16:9

jar n.m. 4:36, 4:36, 8:48

jawara vb. (3) impf. act. 33:60

ajara vb. (4)
impf. act. 23:88, 46:31, 67:28, 72:22
impv. 9:6
impf. pass. 23:88

tajawara vb. (6) pcple. act. 13:4

istajara vb. (10) perf. act. 9:6

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 119, 120

Jiim-Waw-Siin = To seek for or seek after, go to and fro (going and coming), trod upon, enter, come into one's midst.

jasa vb. (1) perf. act. 17:5

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 122

Jiim-Waw-Waw = Signifies the air or atmosphere between the sky (or heaven) and the earth, the region between the heaven/sky and the earth, wide part of a valley, the inside or interior, inner/inward/secret/private.

jaw n.m. 16:79

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 114, 115

Jiim-Waw-Zay = To pass in or pass along a place, leave it (a place) behind, pass through a place, traverse or cross, pass beyond a place, exceed or transgress the proper bound/limit/measure, excessive/extravagant/immoderate, allowable (pass as right or sound or valid or lawful), effect a judgement or opinion, give, clear away, relax or remit, overlook.

jawaza vb. (3) perf. act. 2:249, 7:138, 10:90, 18:62

tajawaza vb. (6) impf. act. 46:16

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 120, 121, 122

Jiim-Ya-Alif = to come/do, commit, (with preposition *bi*) to bring, produce, (2:275) to receive

ja'a vb. (1)
perf. act. 2:71, 2:87, 2:89, 2:89, 2:92, 2:101, 2:120, 2:145, 2:209, 2:211, 2:213, 2:253, 2:275, 3:19, 3:49, 3:50, 3:61, 3:81, 3:86, 3:105, 3:183, 3:184, 4:41, 4:41, 4:43, 4:62, 4:64, 4:83, 4:90, 4:153, 4:170, 4:174, 5:6, 5:15, 5:15, 5:19, 5:19, 5:32, 5:42, 5:48, 5:61, 5:70, 5:84, 5:110, 6:5, 6:25, 6:31, 6:34, 6:43, 6:54, 6:61, 6:91, 6:94, 6:104, 6:109, 6:109, 6:124, 6:157, 6:160, 6:160, 7:4, 7:5, 7:34, 7:37, 7:43, 7:52, 7:53, 7:63, 7:69, 7:70, 7:73, 7:85, 7:101, 7:105, 7:106, 7:113, 7:116, 7:126, 7:129, 7:131, 7:143, 8:19, 9:48, 9:90, 9:128, 10:13, 10:22, 10:22, 10:47, 10:49, 10:57, 10:74, 10:76, 10:77, 10:78, 10:80, 10:81, 10:93, 10:94, 10:97, 10:108, 11:12, 11:40, 11:53, 11:58, 11:66, 11:69, 11:69, 11:74, 11:76, 11:77, 11:78, 11:82, 11:94, 11:101, 11:120, 12:16, 12:18, 12:19, 12:50, 12:58, 12:72, 12:73, 12:88, 12:96, 12:100, 12:110, 13:37, 14:9, 15:61, 15:63, 15:67, 16:61, 16:89, 16:113, 17:5, 17:7, 17:81, 17:94, 17:101, 17:104, 17:104, 18:48, 18:55, 18:71, 18:74, 18:98, 18:109, 19:27, 19:43, 19:89, 20:40, 20:47, 20:57, 20:72, 21:55, 23:27, 23:44, 23:68, 23:70, 23:99, 24:11, 24:13, 24:39, 25:4, 25:29, 25:33, 26:30, 26:41, 26:206, 27:8, 27:13, 27:22, 27:36, 27:42, 27:84, 27:89, 27:90, 28:20, 28:25, 28:25, 28:36, 28:37, 28:48, 28:84, 28:84, 28:85, 29:10, 29:31, 29:33, 29:39, 29:53, 29:68, 30:9, 30:47, 30:58, 33:9, 33:10, 33:19, 34:32, 34:43, 34:49, 35:25, 35:37, 35:42, 35:42, 35:45, 36:13, 36:20, 37:37, 37:84, 38:4, 39:32, 39:33, 39:59, 39:71, 39:73, 40:25, 40:28, 40:29, 40:34, 40:34, 40:66, 40:78, 40:83, 41:14, 41:20, 41:41, 42:14, 43:24, 43:29, 43:30, 43:38, 43:47, 43:53, 43:63, 43:63, 43:78, 44:13, 44:17, 45:17, 46:7, 46:22, 47:18, 49:6, 50:2, 50:5, 50:19, 50:21, 50:33, 51:26, 53:23, 54:4, 54:41, 57:14, 58:8, 59:10, 60:1, 60:10, 60:12, 61:6, 63:1, 63:11, 67:9, 69:9, 71:4, 79:34, 80:2, 80:8, 80:33, 89:22, 98:4, 110:1
perf. pass. 39:69, 89:23

aja'a vb. (4) perf. act. 19:23

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 128

• • •

= **Jiim-Ya-Ba** = to cut out a collar of a shirt, opening at the neck and bosom of a shirt, an opening in a shirt (e.g. where the head goes through or the sleeve), pocket (derived because Arabs often carry things within the bosom of a shirt), bosom, heart, place of entrance for a land/country, hollowed.

jayb n.m. (pl. *juyub*) - 24:31, 27:12, 28:32

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 128, 129

Jiim-Ya-Dal = To have a long neck, have a slender or beautiful neck.

jid n.m. 111:5

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 129

Jiim-Zay-Alif =

juz n.m. 2:260, 15:44, 43:15

Jiim-Zay-Ayn = To cut or cut off, to be impatient, manifest/show/display grief or agitation, display violent grief, break off or in half or in portions.

jazi'a vb. (1) perf. act. 14:21

juzu n.m. 70:20

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 55, 56

Jiim-Zay-Ya = Pay/give/render a satisfaction, make sufficient, pay a debt, to contend, repay/requit/compensate, to recompense.

jaza vb. (1)
perf. act. 6:146, 23:111, 34:17, 76:12

impf. act. 2:48, 2:123, 3:144, 3:145, 6:84, 6:138, 6:139, 6:157, 7:40, 7:41, 7:152, 9:121, 10:4, 10:13, 12:22, 12:75, 12:88, 14:51, 16:31, 16:96, 16:97, 20:127, 21:29, 21:29, 24:38, 28:14, 28:25, 29:7, 30:45, 31:33, 33:24, 34:4, 35:36, 37:80, 37:105, 37:110, 37:121, 37:131, 39:35, 41:27, 45:14, 46:25, 53:31, 53:31, 54:35, 77:44
impf. pass. 4:123, 6:93, 6:120, 6:160, 7:147, 7:180, 10:52, 20:15, 25:75, 27:90, 28:84, 34:33, 36:54, 37:39, 40:17, 40:40, 45:22, 45:28, 46:20, 52:16, 53:41, 66:7, 92:19
n.vb. 2:85, 2:191, 3:87, 3:136, 4:93, 5:29, 5:33, 5:38, 5:85, 5:95, 9:26, 9:82, 9:95, 10:27, 12:25, 12:74, 12:75, 12:75, 17:63, 17:63, 17:98, 18:88, 18:106, 20:76, 25:15, 32:17, 34:37, 39:34, 41:28, 41:28, 42:40, 46:14, 53:41, 54:14, 55:60, 56:24, 59:17, 76:9, 76:22, 78:26, 78:36, 98:8
pcple. act. 31:33

jizyah n.f. 9:29

jaza vb. (3) impf. act. 34:17

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 58

- **= Ha**

Ha-Ba-Ba = To love, like, wish.

Habbun = Grain; Corn; Seed.

ahibba n.m. (pl. of habib) 5:18

habbah n.f. (pl. habb) 2:261, 2:261, 6:59, 6:95, 6:99, 21:47, 31:16, 36:33, 50:9, 55:12, 78:15, 80:27

hubb n.m. 2:165, 2:165, 2:177, 3:14, 12:30, 38:32, 76:8, 89:20, 100:8

mahabbah n.f. 20:39

ahabb n.com. 9:24, 12:8, 12:33

habbaba vb. (2)
perf. act. 49:7

ahabba vb. (4)
perf. act. 28:56, 38:32
impf. act. 2:165, 2:190, 2:195, 2:205, 2:216, 2:222, 2:222, 2:276, 3:31, 3:31, 3:32, 3:57, 3:76, 3:92, 3:119, 3:119, 3:134, 3:140, 3:146, 3:148, 3:152, 3:159, 3:188, 4:36, 4:107, 4:148, 5:13, 5:42, 5:54, 5:54, 5:64, 5:87, 5:93, 6:76, 6:141, 7:31, 7:55, 7:79, 8:58, 9:4, 9:7, 9:108, 16:23, 22:38, 24:19, 24:22, 28:76, 28:77, 30:45, 31:18, 42:40, 49:9, 49:12, 57:23, 59:9, 60:8, 61:4, 61:13, 75:20, 76:27, 89:20

istahabba vb. (10)
perf. act. 9:23, 16:107, 41:17
impf. act. 14:3

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 131, 132, 133, 134

Ha-Ba-Kaf = To weave well

hubuk n.m. (pl. of hibak) 51:7

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 139, 140

Ha-Ba-Lam = tie/fasten with rope, rope/cord, covenant, a thing by means of which one snares/catches/snares, obtaining an assurance/promise of safety, snare, to entrap, to captivate, being pregnant/full, bond, cause of union, link of connexion, marriage, carotid artery, jugular vein, calamity/misfortune, a foetus in the womb, grapevine, one who binds, crisped/plaited/rope-like hair (e.g. that of Ethiopians).

habl n.m. (pl. hibal) 3:103, 3:112, 3:112, 20:66, 26:44, 50:16, 111:5

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 140, 141, 142

Ha-Ba-Ra = To make beautiful, delight, be joyful, cheer anyone. Habbara: To put ink.

habara vb. (1) impf. pass. 30:15, 43:70

habr n.m. (pl. of habr) 5:44, 5:63, 9:31, 9:34

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 134, 135, 136

Ha-Ba-Siin = To detain, restrain, hinder, shut up, confine, prevent, hold in custody.

habasa vb. (1) impf. act. 5:106, 11:8

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 136, 137

Ha-Ba-Tay = To go in vain, be fruitless, perish, be of no avail, be useless, come to naught, become ineffective.

habita vb. (1)
perf. act. 2:217, 3:22, 5:5, 5:53, 6:88, 7:147, 9:17, 9:69, 11:16, 18:105
impf. act. 39:65, 49:2

ahbata vb. (4)
perf. act. 33:19, 47:9, 47:28
impf. act. 47:32

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 137, 138

Ha-Dal-Ba = To be protuberant; Convex; Humpbacked.

hadab n.m. 21:96

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 163

Ha-Dal-Dal = To define a limit, determine (a thing), punish (a culprit), prevent, thrust back, throw back, sharpen.

hadid (1) n.m. 17:50, 18:96, 22:21, 34:10, 57:25

hadid (2) n.m. (adj. pl. hidad) 33:19, 50:22

hudud n.m. (pl. of hadd) 2:187, 2:229, 2:229, 2:229, 2:229, 2:230, 2:230, 4:13, 4:14, 9:97, 9:112, 58:4, 65:1, 65:1

hadda vb. (3)
perf. act. 58:22
impf. act. 9:63, 58:5, 58:20

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 160, 161, 162

Ha-Dal-Qaf = To surround, encompass, look at.

hada'iq n.f. (pl. of hadiqah) 27:60, 78:32, 80:30

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 167, 168

Ha-Dal-Thaa = something new/recent, it (a thing) came into existence, began to be, originated, had a beginning, existed newly for the first time, to relate discourse, story/report/narration/statement/tale.
Lane: "*hadathu* - a novelty or new thing, an innovation, a thing not known before, and particularly relating to El-Islam (i.e. to matters of religious doctrines or practices or the like)"

hadith n.m. (pl. *ahadith*) ~ tiding, talk, discourse, tale, story
4:42, 4:78, 4:87, 4:140

haddatha vb. (II) ~ to speak to, to tell, to declare
impf. act. (*yuhaddithu*) - 2:76, 99:4
impv. (*haddith*) - 93:11

ahdatha vb. (IV) ~ to cause to occur, bring something new to pass, introduce, arouse.
(pcple. pass.) that which is lately remembered or renewed
impf. act. (*yuhdithu*) 18:70, 20:113, 65:1
pcple. pass. (*muhdath*) - 21:2, 26:5

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 163, 164, 165

Ha-Thal-Ra = To beware, take heed of, caution one's self against.

hathira vb. (1)
impf. act. 9:64, 9:64, 9:122, 24:63, 28:6, 39:9
impv. 2:235, 5:41, 5:49, 5:92, 63:4, 64:14
n.vb. 2:19, 2:243
pcple. act. 26:56
pcple. pass. 17:57

hithr n.m. 4:71, 4:102, 4:102

haththara vb. (2) impf. act. 3:28, 3:30

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 166, 167

Ha-Dad-Dad = To incite, instigate, excite, rouse.

hadda vb. (1)
impf. act. 69:34, 107:3

tahadda vb. (6) perf. act. 89:18

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 224

Ha-Dad-Ra = To be present, present at, stand in presence of, hurt, be at hand.

hadara vb. (1)
perf. act. 21:33, 21:180, 4:8, 4:18, 5:106, 46:29
impf. act. 23:98
pcple. act. 2:196, 2:282, 7:163, 18:49

ahdara vb. (4)
perf. act. 81:14
impf. act. 19:68
perf. pass. 4:128
pcple. pass. 3:30, 28:61, 30:16, 34:38, 36:32, 36:53, 36:75, 37:57, 37:127, 37:158

ihtadara vb. (8) pcple. pass. 54:28

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 224, 225, 226, 227

Ha-Fa-Dal = To do a thing speedily, minister, be nimble in work. Hafadatun = grandsons; grandchildren; daughters.

hafadah n.m. (pl. of hafid) 16:72

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 235, 236

Ha-Fa-Fa = To surround, encompass, throng around; crowd round; go around; hedge.

haffa vb. (1)
perf. act. 18:32
pcple. act. 39:75

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 233, 234, 235

Ha-Fa-Ra = To dig, excavate, scrutinize.

hafirah n.f. 79:10

hufrah n.f. 3:103

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 236, 237

Ha-Fa-Ya = To go barefoot, honour greatly, show great joy, be familiar, be solicitous, be well-informed, be curiously solicitous, do a thing in an excessive measure, exceed the usual bounds in doing (something), try hard, gain insight (into something) by persistently inquiring about it, be eager in search of a thing, show much solicitude and manifesting joy or pleasure at meeting another, go to the utmost in asking or inquiring or knowing in the utmost degree, be kind, press.

hafiy n.m. 7:187, 19:47

ahfa vb. (4) impf. act. 47:37

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 240, 241

Ha-Fa-Za = To guard, protect, take care of, watch, put in store, preserve, learn by heart.

hafiza vb. (1)
perf. act. 4:34, 15:17
impf. act. 12:65, 13:11, 24:30, 24:31
impv. 5:89
n.vb. 2:255, 37:7, 41:12
pcple. act. 4:34, 9:112, 12:12, 12:63, 12:64, 12:81, 15:9, 21:82, 23:5, 33:35, 33:35, 70:29, 82:10, 83:33, 86:4
pcple. pass. 21:32, 85:22

hafazah n.m. (pl. of hafiz) 6:61

hafiz n.m. 4:80, 6:104, 6:107, 11:57, 11:86, 12:55, 34:21, 42:6, 42:48, 50:4, 50:32

hafaza vb. (3)
impf. act. 6:92, 23:9, 70:34
impv. 2:238

istahfaza vb. (10) perf. pass. 5:44

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 237, 238, 239

• • •

= **Ha-Jiim-Ba** = something which hinders/prevents/precludes/conceals/covers/protects/ intervenes, hid, seclude, partition/barrier/divider/separator.

hajaba vb. (1) pcple. pass. 83:15

hijab n.m. 7:46, 17:45, 19:17, 33:53, 38:32, 41:5, 42:51

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 151, 152

• ••

= **Haa-Jiim-Jiim** = to intend to a certain target, aim at, repair, undertake, repaired/betook himself to or towards a person / place / object of veneration/respect/honour, went/visit frequently/repeatedly, pilgrimage.
Overcome another by/in argument/evidences/proofs/testimonies, plead, contend/argue/ dispute.
Refrain/abstain.

hajja vb. (1)
perf. act. 2:158
n.vb. 2:189, 2:196, 2:196, 2:196, 2:197, 2:197, 2:197, 3:97, 9:3, 22:27
pcple. act. 9:19

hijaj n.f. (pl. of hijjah) 28:27

hujjah n.f. 2:150, 4:165, 6:83, 6:149, 42:15, 42:16, 45:25

hajja vb. (3)
perf. act. 2:258, 3:20, 3:61, 3:66, 6:80
impf. act. 2:76, 2:139, 3:65, 3:66, 3:73, 6:80, 42:16

tahajja vb. (6) impf. act. 40:47

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 149, 150, 151

Ha-Jiim-Ra = To deprive from, harden, hide, resist, forbid, prevent, hinder, prohibit access (to a place).

hajara vb. (1) pcple. pass. 25:22, 25:53

hajar n.m. (pl. hijarah) 2:24, 2:60, 2:74, 2:74, 7:160, 8:32, 11:82, 15:74, 17:50, 51:33, 66:6, 105:4

hijr (1) n.m. 6:138, 25:22, 25:53, 89:5

hijr (2) n. 15:80

hujur n.m. (pl. of hajr or hijr) 4:23

hujurat n.f. (pl. of hujrah) 49:4

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 152, 153, 154

Ha-Jiim-Zay = To withhold, make a camel lie down, stop, restrain, prevent.

hajaza vb. (1)
pcple. act. 27:61, 69:47

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 155, 156

Ha-Kaf-Miim = To restrain from, exercise authority, command, give judgment, judge, be wise.

hakama vb. (1)
perf. act. 4:58, 5:42, 40:48
impf. act. 2:113, 2:213, 3:23, 3:55, 4:58, 4:105, 4:141, 5:1, 5:44, 5:44, 5:45, 5:47, 5:47, 5:95, 6:136, 7:87, 10:35, 10:109, 12:80, 13:41, 16:59, 16:124, 21:78, 22:56, 22:69, 24:48, 24:51, 29:4, 37:154, 39:3, 39:46, 45:21, 60:10, 68:36, 68:39
impv. 5:42, 5:42, 5:48, 5:49, 21:112, 38:22, 38:26
n.vb. 3:79, 5:43, 5:50, 5:50, 6:57, 6:62, 6:89, 12:22, 12:40, 12:67, 13:37, 13:41, 18:26, 19:12, 21:74, 21:79, 26:21, 26:83, 27:78, 28:14, 28:70, 28:88, 40:12, 42:10, 45:16, 52:48, 60:10, 68:48, 76:24
pcple. act. 2:188, 7:87, 10:109, 11:45, 12:80, 95:8

ahkam n.m. 11:45, 95:8

hakam n.m. 4:35, 4:35, 6:114

hakim n.m. 2:32, 2:129, 2:209, 2:220, 2:228, 2:240, 2:260, 3:6, 3:18, 3:58, 3:62, 3:126, 4:11, 4:17, 4:24, 4:26, 4:56, 4:92, 4:104, 4:111, 4:130, 4:158, 4:165, 4:170, 5:38, 5:118, 6:18, 6:73, 6:83, 6:128, 6:139, 8:10, 8:49, 8:63, 8:67, 8:71, 9:15, 9:28, 9:40, 9:60, 9:71, 9:97, 9:106, 9:110, 10:1, 11:1, 12:6, 12:83, 12:100, 14:4, 15:25, 16:60, 22:52, 24:10, 24:18, 24:58, 24:59, 27:6, 27:9, 29:26, 29:42, 30:27, 31:2, 31:9, 31:27, 33:1, 34:1, 34:27, 35:2, 36:2, 39:1, 40:8, 41:42, 42:3, 42:51, 43:4, 43:84, 44:4, 45:2, 45:37, 46:2, 48:4, 48:7, 48:19, 49:8, 51:30, 57:1, 59:1, 59:24, 60:5, 60:10, 61:1, 62:1, 62:3, 64:18, 66:2, 76:30

hikmah n.f. 2:129, 2:151, 2:231, 2:251, 2:269, 2:269, 3:48, 3:81, 3:164, 4:54, 4:113, 5:110, 16:125, 17:39, 31:12, 33:34, 38:20, 43:63, 54:5, 62:2

hakkama vb. (2)
impf. act. 4:65, 5:43

ahkama vb. (4)
impf. act. 22:52
perf. pass. 11:1
pcple. pass. 3:7, 47:20

tahakama vb. (6) impf. act. 4:60

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 252, 253, 254

Ha-Lam-Fa = To swear, make an oath.

halafa vb. (1)
perf. act. 5:89
impf. act. 4:62, 9:42, 9:56, 9:62, 9:74, 9:95, 9:96, 9:107, 58:14, 58:18, 58:18

hallaf n.m. 68:10

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 263, 264

Ha-Lam-Lam = To untie (a knot), remit (sin), solve (a difficulty), unbind, absolve.

halla (1) vb. (1) impv. 20:27

halla (2) vb. (1)
perf. act. 5:2
impf. act. 2:228, 2:229, 2:230, 4:19, 33:52, 60:10

halla (3) vb. (1)
impf. act. 11:39, 13:31, 20:81, 20:81, 20:86, 39:40

hala'il n.f. (pl. of halil) 4:23

halal n.m. 2:168, 5:88, 8:69, 10:59, 16:114, 16:116

hill n.m. 3:93, 5:5, 5:5, 60:10, 90:2

mahill n.m. 2:196, 22:33, 48:25

tahillah n.f. 66:2

ahalla (2) vb. (4)
perf. act. 2:275, 5:87, 33:50, 66:1
impf. act. 3:50, 5:2, 7:157, 9:37, 9:37
perf. pass. 2:187, 4:24, 4:160, 5:1, 5:4, 5:4, 5:5, 5:96, 22:30
pcple. act. 5:1

ahalla (3) vb. (4)
perf. act. 14:28, 35:35

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 255, 256, 257, 258

Ha-Lam-Miim = To dream, have a vision, attain to puberty.

halam n.m. (pl. ahlam) 52:32

halim n.m. 2:225, 2:235, 2:263, 3:155, 4:12, 5:101, 9:114, 11:75, 11:87, 17:44, 22:59, 33:51, 35:41, 37:101, 64:17

hulm n.m. (pl. ahlam) 12:44, 12:44, 21:5

hulum n.m. 24:58, 24:59

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 267, 268, 269

= **Ha-Lam-Qaf** = peel, strip, remove, shave, annoy, unlucky, destroy or cut off entirely, coat of mail, turn or drew a circle, cancel the pay/stipend/allowance of one, halo, it was/ became high, become little in quantity and went away, ripening, sharp, quick, swift, agile, active, a high mountain rising above what surrounds it and without vegetable produce, ring, razor, sharp (said of a sword or man).

halaqa vb. (I) impf. act. - 2:196

hallaqa vb. (II) pcple. act. - 48:27

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 264, 265, 266, 267

Ha-Lam-Qaf-Miim = windpipe, passage of breath

hulqum n.m. 56:83

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 267

Ha-Lam-Ya = To give ornaments, adorn with ornaments.

hilyah n.f. (coll) 7:148, 13:17, 16:14, 35:12, 43:18

halla vb. (2)
perf. pass. 76:21
impf. pass. 18:31, 22:23, 35:33

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 270, 271

Ha-Miim = To clean out mud (from a well). Hama'un: black feted mud, mud transmuted or moulded into shape, slack mud.

40:1, 41:1, 42:1, 43:1, 44:1, 45:1, 46:1

Ha-Miim-Alif =

hama n.m. 15:26, 15:28, 15:33

hami n.m. 18:86

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 271, 272, 273, 274

Ha-Miim-Dal = To praise.

hamida vb. (1)
impf. pass. 3:188
n.vb. 1:2, 2:30, 6:1, 6:45, 7:43, 10:10, 13:13, 14:39, 15:98, 16:75, 17:44, 17:52, 17:111, 18:1, 20:130, 23:28, 25:58, 27:15, 27:59, 27:93, 28:70, 29:63, 30:18, 31:25, 32:15, 34:1, 34:1, 35:1, 35:34, 37:182, 39:29, 39:74, 39:75, 39:75, 40:7, 40:55, 40:65, 42:5, 45:36, 50:39, 52:48, 64:1, 110:3
pcple. act. 9:112
pcple. pass. 17:79

ahmad n. 61:6

hamid n.m. 2:267, 4:131, 11:73, 14:1, 14:8, 22:24, 22:64, 31:12, 31:26, 34:6, 35:15, 41:42, 42:28, 57:24, 60:6, 64:6, 85:8

muhammad n. 3:144, 33:40, 47:2, 48:29

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 274, 275, 276

• • •

= **Haa-Miim-La** = bore it, carried it, took it up, carried it, convey, show/manifest, conceive.

hamala vb. (1)
perf. act. 2:286, 6:146, 7:189, 17:3, 17:70, 19:22, 19:58, 20:111, 31:14, 33:72, 36:41, 46:15, 54:13, 69:11
impf. act. 2:248, 2:286, 6:31, 7:176, 9:92, 9:92, 12:36, 13:8, 16:7, 16:25, 19:27, 20:100, 29:12, 29:13, 29:60, 33:72, 35:11, 40:7, 41:47, 62:5, 62:5, 69:17
impv. 11:40
perf. pass. 69:14
impf. pass. 23:22, 35:18, 40:80

n.vb. 7:189, 22:2, 22:2, 46:15, 65:4, 65:4, 65:6, 65:6
pcple. act. 29:12, 51:2

hammalah n.f. 111:4

hamulah n.f. 6:142

himl n.m. 12:72, 20:101, 35:18

hammala vb. (2)
impf. act. 2:286
perf. pass. 20:87, 24:54, 24:54, 62:5

ihtamala vb. (8)
perf. act. 4:112, 13:17, 33:58

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 282, 283, 284, 285, 286

Ha-Miim-Miim = To heat, become hot or very hot, melt. Boiling water. Loyal/close friend/ relative. Black smoke.

hamim n.m. 6:70, 10:4, 22:19, 26:101, 37:67, 38:57, 40:18, 40:72, 41:34, 44:46, 44:48, 47:15, 55:44, 56:42, 56:54, 56:93, 69:35, 70:10, 70:10, 78:25

yahmum n.m. 56:43

Lane's Lexicon, Volume 2, page: (see Ha-Miim)

Ha-Miim-Ra = To excoriate, pare a thong of leather, flay (sheep), strip off superficial part (e.g. peel, bark, etc..)

himar n.m. (pl. hamir and humur) 2:259, 16:8, 31:19, 62:5, 74:50

humr n.m. (pl. of ahmar) 35:27

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 276, 277, 278

Ha-Miim-Ya = To protect/prohibit/guard/defend against encroachment/attack. A thing prohibited. Vehement/angry, it was/became hot (e.g. day, oven), disdain/scorn/indignation.

hamiya vb. (1)
impf. pass. 9:35
pcple. act. 88:4, 101:11

hami n. 5:103

hamiyah n.f. 48:26, 48:26

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 287, 288

Ha-Nun-Thal = To roast.

hanith n.m. 11:69

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 292

Ha-Nun-Fa = To lean to one side, incline, turn away from error to guidance, incline to the right religion, stand firmly on one side, leave a false religion and turn to right.

hanif n.m. (pl. hunafa) 2:135, 3:67, 3:95, 4:125, 6:79, 6:161, 10:105, 16:120, 16:123, 22:31, 30:30, 98:5

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 294

Ha-Nun-Jiim-Ra = throat.

hanajir n.f. (pl. of hanjarah) 33:10, 40:18

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 291, 154

Ha-Nun-Kaf = To put a bit or bridle upon (a horse), bring into subjection, destroy, overturn, sweepaway, cause to perish, bring under authority, fasten, chew, understand, rub

the palate, debar, consume, take the mastery over.

ihtanaka vb. (8) impf. act. 17:62

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 295, 296

Ha-Nun-Nun = To have a longing desire for, emit a sound as a she-camel towards her young, be moved with pity, yearn towards, incline towards.

hanan n.m. 19:13

hunayn n. 9:25

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 288, 289, 290

Ha-Nun-Thaa = To violate (an oath), incline towards falsehood, sin, commit an offense.

hanatha vb. (1) impf. act. 38:44

hinth n.m. 56:46

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 291

Ha-Qaf-Ba = To be suppressed; rainless year, unproductive.

huqub n.m. (pl. ahqab) 18:60, 78:23

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 246, 247

Ha-Qaf-Fa = To be curved, lie on the side.

ahqaf n.m. (pl. of hiqf) 46:21

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 248

Ha-Qaf-Qaf = To be right, just or fitting, worthy of, justly due to, proper, genuine, real, a fact, true, necessitated, suitable, necessary, incumbent upon, suited to the requirement of justice, become certain, authentic, deserve.

haqqa vb. (1)
perf. act. 7:30, 10:33, 10:96, 16:36, 17:16, 22:18, 28:63, 32:13, 36:7, 37:31, 38:14, 39:19, 39:71, 40:6, 41:25, 46:18, 50:14
impf. act. 36:70
perf. pass. 84:2, 84:5

ahaqq n.m. (comp. adj. of haqq and haqiq) 2:228, 2:247, 5:107, 6:81, 9:13, 9:62, 9:108, 10:35, 33:37, 48:26

haqiq n.m. 7:105

haqq n.m. 2:26, 2:42, 2:42, 2:61, 2:71, 2:91, 2:109, 2:119, 2:121, 2:144, 2:146, 2:147, 2:149, 2:176, 2:180, 2:213, 2:213, 2:236, 2:241, 2:252, 2:282, 2:282, 3:3, 3:21, 3:60, 3:71, 3:71, 3:86, 3:102, 3:108, 3:112, 3:154, 3:181, 4:105, 4:122, 4:151, 4:155, 4:170, 4:171, 5:27, 5:48, 5:48, 5:77, 5:83, 5:84, 5:116, 6:5, 6:30, 6:57, 6:62, 6:66, 6:73, 6:91, 6:93, 6:114, 6:141, 6:151, 7:8, 7:33, 7:43, 7:44, 7:44, 7:53, 7:89, 7:105, 7:118, 7:146, 7:159, 7:169, 7:181, 8:4, 8:5, 8:6, 8:7, 8:8, 8:32, 8:74, 9:29, 9:33, 9:48, 9:111, 10:4, 10:5, 10:23, 10:30, 10:32, 10:32, 10:35, 10:35, 10:35, 10;36, 10:53, 10:53, 10:55, 10:76, 10:77, 10:82, 10:94, 10:103, 10:108, 11:17, 11:45, 11:79, 11:120, 12:51, 12:100, 13:1, 13:14, 13:17, 13:19, 14:19, 14:22, 15:8, 15:55, 15:64, 15:85, 16:3, 16:38, 16;102, 17:26, 17:33, 17:81, 17:105, 17:105, 18:13, 18:21, 18:29, 18:44, 18:56, 18:98, 19:34, 20:114, 21:18, 21:24, 21:55, 21:97, 21:112, 22:6, 22:40, 22:54, 22:62, 22:74, 22:78, 23:41, 23:62, 23:70, 23:70, 23:71, 23:90, 23:116, 24:25, 24:25, 24:49, 25:26, 25:33, 26:68, 27:79, 28:3, 28:13, 28:39, 28:48, 28:53, 28:75, 29:44, 29:68, 30:8, 30:38, 30:47, 30:60, 31:9, 31:30, 31:33, 32:3, 33:4, 33:53, 34:6, 34:23, 34:26, 34:43, 34:48, 34:49, 35:5, 35:24, 35:31, 37:37, 38:22, 38:26, 38:64, 38:84, 38:84, 39:2, 39:5, 39:41, 39:67, 39:69, 39:75, 40:5, 40:20, 40:25, 40:55, 40:75, 40:77, 40:78, 41:15, 41:53, 42:17, 42:18, 42:24, 42:42, 43:29, 43:30, 43:78, 43:78, 43:86, 44:39, 45:6, 45:22, 45:29, 45:32, 46:3, 46:7, 46:17, 46:20, 46:30, 46:34, 47:2, 47:3, 48:27, 48:28, 50:5, 50:19, 50:42, 51:19, 51:23, 53:28, 56:95, 57:16, 57:27, 60:1, 61:9, 64:3, 69:51, 70:24, 78:39, 103:3

haqqah n.f. 69:1, 69:2, 69:3

ahaqqa vb. (4) impf. act. 8:7, 8:8, 10:82, 42:24

istahaqqa vb. (10) perf. act. 5:107, 5:107

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 241, 242, 243, 244, 245, 246

Ha-Ra-Ba = War/battle/conflict. To spoil one's goods, plunder/despoil, ask a thing importunately. Become angry/mad.
Mihrab: upper end of a sitting-room, house/tent/chamber, the chief or most honourable sitting place, a high place, highest chamber in a house, a chamber to which one ascends by stairs, private chamber, highest place in a mosque, a place of prayer/assembly.

haraba vb. (1) n.vb. 2:279, 5:64, 8:57, 47:4

mihrab n.m. 3:37, 3:39, 19:11, 34:13, 38:21

haraba vb. (3)
perf. act. 9:107
impf. act. 5:33

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 176, 177

Ha-Ra-Dal = Withhold, hinder, restrain, prevent, shut out, resolve, be niggardly.

harada vb. (1) n.vb. 68:25

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 179, 180, 181

Ha-Ra-Dad = To become emaciated, be disordered, be profligate, become sick or diseased, be weary, become fatigued at the point of death, be dissolved by excessive grief or love, constantly affected by grief so as to be at the point of death, suffer protracted disquietude of mind and disease, be unable to rise from or quit the place, become low or sordid or bad, be neglected or forsaken.

harad n.m. 12:85

harrada vb. (2) impv. 4:84, 8:65

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 184, 185

Ha-Ra-Fa = To pervert, dislocate, change, turn away, discard anything from, alter, tamper with.

harf n.m. 22:11

harrafa vb. (2)
impf. act. 2:75, 4:46, 5:13, 5:41

taharrafa vb. (5) pcple. act. 8:16

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 185, 186, 187

Ha-Ra-Jiim = To be contracted (heart), oppressed, become narrow, disquieted in reason.

harija vb. (1)
n.vb. 4:65, 5:6, 6:125, 7:2, 9:91, 22:78, 24:61, 24:61, 24:61, 33:37, 33:38, 33:50, 48:17, 48:17, 48:17

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 178, 179

Ha-Ra-Kaf = To move about.

harraka vb. (2) impf. act. 75:16

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 189

Ha-Ra-Miim = To forbid, prevent, prohibit, make or declare unlawful, deprive, declare a thing sacred.

harama vb. (1)
pcple. pass. 51:19, 56:67, 68:27, 70:25

haram n.m. 28:57, 29:67

haram n.m. 2:144, 2:149, 2:150, 2:191, 2:194, 2:194, 2:196, 2:198, 2:217, 2:217, 5:2, 5:2, 5:2, 5:97, 5:97, 8:34, 9:7, 9:19, 9:28, 10:59, 16:116, 17:1, 21:95, 22:25, 48:25, 48:27

hurum n.m. (pl. of haram) 5:1, 5:95, 5:96, 9:5, 9:36

hurumat n.f. (pl. of hurmah) 2:194, 22:30

harrama vb. (2)
perf. act. 2:173, 2:275, 3:93, 4:160, 5:72, 6:119, 6:140, 6:143, 6:144, 6:146, 6:146, 6:148, 6:150, 6:151, 6:151, 7:32, 7:33, 7:50, 9:29, 9:37, 9:37, 16:35, 16:115, 16:118, 17:33, 25:68, 27:91, 28:12
impf. act. 5:87, 7:157, 9:29, 9:37, 66:1
perf. pass. 3:50, 4:23, 5:3, 5:96, 6:138, 24:3
pcple. pass. 2:85, 5:26, 6:139, 6:145, 14:37

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 189, 190, 191, 192, 193

Ha-Ra-Qaf = To burn by pulling in the fire, scorch.

hariq n.m. 3:181, 8:50, 22:9, 22:22, 85:10

harraqa vb. (2)
impf. act. 20:97
impv. 21:68, 29:24

ihtaraqa vb. (8) perf. act. 2:266

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 187, 188

Ha-Ra-Ra = To be free (slave), be freeborn.

harr n.m. 9:81, 9:81, 16:81

harur n.f. 35:21

harir n.m. 22:23, 35:33, 76:12

hurr n.m. 2:178, 2:178

harrara vb. (2)
n.vb. 4:92, 4:92, 4:92, 5:89, 58:3
pcple. pass. 3:35

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 174, 175, 176

Ha-Ra-Siin = To guard, watch over.

haras n.m. 72:8

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 182

Ha-Ra-Sad = To desire ardently, eagerly, strongly, covet.

harasa vb. (1)
perf. act. 4:129, 12:103
impf. act. 16:37

haris n.m. (adj. comp. ahras) 2:96, 9:128

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 183, 184

Ha-Ra-Thaa = To till and sow, cultivate, cut a thing, acquire (goods), plough, study a thing thoroughly.
Harth has the meanings; Gain, acquisition, reward (gain), recompense (gain), seed-produce, what is grown/raised by means of seed/date-stones/planting. A wife or road that is much trodden.

haratha vb. (1)
impf. act. 56:63
n.vb. 2:71, 2:205, 2:223, 2:223, 3:14, 3:117, 6:136, 6:138, 21:78, 42:20, 42:20, 42:20, 68:22

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 177, 178

Ha-Ra-Ya = To aim, seek, select, choose, propose (a thing).

taharra vb. (5) perf. act. 72:14

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 193, 194

Ha-Sad-Ba = To throw pebbles at, scatter gravel, cast into the fire. Firewood, stones.

hasab n.m. 21:98

hasib n.m. 17:68, 29:40, 54:34, 67:17

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 217

Ha-Sad-Dal = To reap, mow, destroy, slay.

hasada vb. (1)
perf. act. 12:47
n.vb. 6:141

hasid n.m. 10:24, 11:100, 21:15, 50:9

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 217, 218

Ha-Sad-Ha-Sad =

hashasa vb. (quad. 1) perf. act. 12:51

Ha-Sad-Lam = To be over and above, manifest, make present, come to light, obtain, remain, happen, be bared, come and brought forth, appear, to be made known.

hassala vb. (2) perf. pass. 100:10

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 221, 222

Ha-Sad-Nun = To be guarded, be inaccessible, be chaste, be strongly fortified, be preserved, be protected.

husun n.m. (pl. of husn) 59:2

hassana vb. (2) pcple. pass. 59:14

ahsana vb. (4)
perf. act. 21:91, 66:12
impf. act. 12:48, 21:80
impf. pass. 4:25
pcple. act. 4:24, 5:5
pcple. pass. f. 4:24, 4:25, 4:25, 4:25, 5:5, 5:5, 24:4, 24:23

tahassana vb. (5) n.vb. 24:33

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 222, 223

Ha-Sad-Ra = To be strait, restricted, hindered.

hasara vb. (1) impv. 9:5

hasira vb. (1) perf. act. 4:90

hasir n.m. 17:8

hasur n.m. 3:39

ahsara vb. (4) perf. pass. 2:196, 2:273

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 217, 218, 219

Ha-Sad-Ya = Calculate, to count/number. To strike with a pebble.

ahsa n.m. comp. 18:12

ahsa vb. (4)
perf. act. 18:49, 19:94, 36:12, 58:6, 72:28, 78:29
impf. act. 14:34, 16:18, 73:20

impv. 65:1

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 223, 224

Ha-Siin-Ba = To think, consider, suppose, imagine, be of opinion.

hasiba vb. (1)
perf. act. 2:214, 3:142, 5:71, 9:16, 18:9, 18:102, 23:115, 27:44, 29:2, 29:4, 45:21, 47:29, 76:19
impf. act. 2:273, 3:78, 3:169, 3:178, 3:180, 3:188, 3:188, 7:30, 8:59, 14:42, 14:47, 18:18, 18:104, 23:55, 24:11, 24:15, 24:39, 24:57, 25:44, 27:88, 33:20, 43:37, 43:80, 58:18, 59:14, 63:4, 75:3, 75:36, 90:5, 90:7, 104:3
n.vb. 2:206, 3:173, 5:104, 8:62, 8:64, 9:59, 9:68, 9:129, 39:38, 58:8, 65:3
pcple. act. 6:62, 21:47

hasib n.m. 4:6, 4:86, 17:14, 33:39

hisab n.m. 2:202, 2:212, 3:19, 3:27, 3:37, 3:199, 5:4, 6:52, 6:52, 6:69, 10:5, 13:18, 13:21, 13:40, 13:41, 14:41, 14:51, 17:12, 21:1, 23:117, 24:38, 24:39, 24:39, 26:113, 38:16, 38:26, 38:39, 38:53, 39:10, 40:17, 40:27, 40:40, 65:8, 69:20, 69:26, 78:27, 78:36, 84:8, 88:26

husban n.m. 6:96, 18:40, 55:5

hasaba vb. (3)
perf. act. 65:8
impf. act. 2:284
impf. pass. 84:8

ihtasaba vb. (8) impf. act. 39:47, 59:2, 65:3

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 200, 201, 202, 203

Ha-Siin-Dal = To envy, grudge.

hasada vb. (1)
impf. act. 113:5, 4:54, 48:15
n.vb. 2:109
pcple. act. 113:5

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 203 (labelled incorrectly as Ha-Siin-Dhal)

Ha-Siin-Miim = To cut off, stop, deprive.

husum n.m. 69:7

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 205, 206

Ha-Siin-Nun = To be handsome, make good, seem good or beautiful, be excellent.

hasuna vb. (1)
perf. act. 4:69, 18:31, 25:76
n.vb. 2:83, 3:14, 3:148, 3:195, 13:29, 18:86, 27:11, 29:8, 33:52, 38:25, 38:40, 38:49, 42:23

hasan n.m. (comp. adj. ahsan, husna; pl. hisan)
2:138, 2:245, 3:37, 3:37, 4:59, 4:86, 4:95, 4:125, 5:12, 5:50, 6:152, 7:137, 7:145, 7:180, 8:17, 9:52, 9:107, 9:121, 10:26, 11:3, 11:7, 11:88, 12:3, 13:18, 16:62, 16:67, 16:75, 16:96, 16:97, 16:125, 16:125, 17:34, 17:35, 17:53, 17:110, 18:2, 18:7, 18:88, 19:73, 19:74, 20:8, 20:86, 21:101, 22:58, 23:14, 23:96, 24:38, 25:24, 25:33, 28:61, 29:7, 29:46, 33:21, 35:8, 37:125, 39:18, 39:23, 39:35, 39:55, 41:33, 41:34, 41:50, 46:16, 48:16, 53:31, 55:70, 55:76, 57:10, 57:11, 57:18, 59:24, 60:4, 60:6, 64:17, 67:2, 73:20, 92:6, 92:9, 95:4

hasanah n.f. 2:201, 2:201, 3:120, 4:40, 4:78, 4:79, 4:85, 6:160, 7:95, 7:131, 7:156, 7:168, 9:50, 11:114, 13:6, 13:22, 16:30, 16:41, 16:122, 25:70, 27:46, 27:89, 28:54, 28:84, 39:10, 41:34, 42:23

ahsana vb. (4)
perf. act. 3:172, 5:93, 6:154, 10:26, 12:23, 12:100, 16:30, 17:7, 17:7, 18:30, 28:77, 32:7, 39:10, 40:64, 53:31, 64:3, 65:11
impf. act. 4:128, 18:104
impv. 2:195, 28:77
n.vb. 2:83, 2:178, 2:229, 4:36, 4:62, 6:151, 9:100, 16:90, 17:23, 46:15, 55:60, 55:60
pcple. act. 2:58, 2:112, 2:195, 2:236, 3:134, 3:148, 4:125, 5:13, 5:85, 5:93, 6:84, 7:56, 7:161, 9:91, 9:12011:115, 12:22, 12:36, 12:56, 12:78, 12:90, 16:128, 22:37, 28:14, 29:69, 31:3, 31:22, 33:29, 37:80, 37:105, 37:110, 37:113, 37:121, 37:131, 39:34, 39:58, 46:12, 51:16, 77:44

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 206, 207, 208

Ha-Siin-Ra = To get tired, fatigued, fall short.

hasara vb. (1)
pcple. pass. 17:29

hasir n.m. 67:4

hasrah n.f. 2:167, 3:156, 6:31, 8:36, 19:39, 35:8, 36:30, 39:56, 69:50

istahsara vb. (10) impf. act. 21:19

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 203, 204, 205

Ha-Siin-Siin = To slaughter, extirpate, kill, make one's perceiving powers dead, rout.

hassa vb. (1)
impf. act. 3:152

hasis n.m. 21:102

ahassa vb. (4)
perf. act. 3:52, 21:12
impf. act. 19:98

tahassasa vb. (5) impv. 12:87

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 199, 200

Ha-Shiin-Ra = To gather together, raise from the dead, banish.

hashara vb. (1)
perf. act. 6:111, 18:47, 20:125, 79:23
impf. act. 4:172, 6:22, 6:128, 10:28, 10:45, 15:25, 17:97, 19:68, 19:85, 20:102, 20:124, 25:17, 27:83, 34:40
impv. 37:22
perf. pass. 27:17, 46:6, 81:5
impf. pass. 2:203, 3:12, 3:158, 5:96, 6:38, 6:51, 6:72, 8:24, 8:36, 20:59, 23:79, 25:34, 41:19, 58:9, 67:24

n.vb. 50:44, 59:2
pcple. act. 7:111, 26:36, 26:53
pcple. pass. 38:19

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 211

Ha-Ta-Miim = To inspire, render obligatory, decree, be unavoidable.

hatama vb. (1) n.vb. 19:71

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 147

Ha-Thaa-Thaa = To incite, instigate, urge.

hathith n.m. (adv.) 7:54

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 147, 148

= **Haa-Tay-Ba** = aid/assist, incites/urges/instigates, slander, collect (e.g. firewood), firewood, collector of firewood.

hatab n.m. 72:15, 111:4

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 229, 230

Ha-Tay-Miim = To break into small pieces, crush, crumble, smash.

hatama vb. (1)
impf. act. 27:18

hutam n.m. 39:21, 56:65, 57:20

hutamah n.f. 104:4, 104:5

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 230, 231

Ha-Tay-Tay = To put down (a burden), leave off, lower.

hittah n.f. 2:58, 7:161

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 228, 229

Ha-Waw-Ba (Ha-Alif-Ba) = To transgress, commit a sin, do what is unlawful.

haba vb. (1) n.vb. 4:2

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 298, 299

Ha-Waw-Thal (Ha-Alif-Thal) = To drive fast, keep with care, gain mastery over, get the better of, prevail over, gain an advantage.

istahwatha vb. (10)
perf. act. 58:19
impf. act. 4:141

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 300, 301

Ha-Waw-Jiim (Ha-Alif-Jim) = To desire, be in want of, need, require.

hajah n.f. 12:68, 40:80, 59:9

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 299, 300

Ha-Waw-Lam (Ha-Alif-Lam) = To be changed, come in between, pass by.

hala vb. (1)

perf. act. 11:43
impf. act. 8:24
perf. pass. 34:54

hawl (1) n.m. 2:233, 2:240

hawl (2) n.m. 2:17, 3:159, 6:92, 9:101, 9:120, 17:1, 19:68, 26:25, 26:34, 27:8, 29:67, 39:75, 40:7, 42:7, 46:27

hilah n.f. 4:98

hiwal n.m. 18:108

hawwala vb. (2) n.vb. 17:56, 17:77, 35:43

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 309, 310, 311, 312, 313, 314

Ha-Waw-Ra (Ha-Alif-Ra) = return/recoil, change/convert from one state/condition to another, wash/whiten, make round, surround, compete/contend for glory/superiority, the white around the eye, intense whiteness of the white of the eye and intense blackness of the black (with fairness around)* not found in humans but attributed to them by way of comparison.

*likened to the eyes of gazelles/cows/bulls.

One who whitens clothes/garments by washing them, hence applied to the disciples/apostles/companions of Jesus (see "hawariyyun" in 3:52, 5:111, 5:112, 61:14) because their trade was apparently to do this. Or it is applied to one bearing the following significations: one who is freed and cleared of every vice, fault or defect, one who has been tried and proved time after time and found to be free of vices, faults or defects. A thing pure. One who advises/counsels or acts sincerely/honestly/faithfully, friend/assistant, fair woman/man.

hara vb. (1)
impf. act. 84:14

hawariy n.m. (pl. hawariyun) 3:52, 5:111, 5:112, 61:14, 61:14

hur n.f. (pl. of hawra) 44:54, 52:20, 55:72, 56:22

hawara vb. (3) impf. act. 18:34, 18:37, 58:1

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 301, 302, 303

Ha-Waw-Shiin (Ha-Alif-Shiin) = To beat for game, glorify, frighten.

hasha vb. (1) perf. act. 12:31, 12:51

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 304, 305

Ha-Waw-Ta (Ha-Alif-Ta) = To fly about, prowl around.

hut n.m. (pl. hitan) 7:163, 18:61, 18:63, 37:142, 68:48

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 299

Ha-Waw-Tay (Ha-Alif-Tay) = To watch, guard, protect, surround.

ahata vb. (4)
perf. act. 2:81, 17:60, 18:29, 18:91, 27:22, 48:21, 65:12, 72:28
impf. act. 2:255, 10:39, 18:68, 20:110, 27:22, 27:84
perf. pass. 10:22, 18:42
impf. pass. 12:66
pcple. act. 2:19, 3:120, 4:108, 4:126, 8:47, 9:49, 11:84, 11:92, 29:54, 41:54, 85:20

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 306, 307, 308

Ha-Waw-Ya (Ha-Alif-Ya) = To be or become dark green or dark red or brown or black and dried up by reason of oldness.

ahwa n.m. comp. 87:5

hawaya n.f. pl. 6:146

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 314, 315

Ha-Waw-Zay (Ha-Alif-Zay) = To gather together to one's self, rally to, retreat to, turn to.

tahayyaza vb. (5) pcple. act. 8:16

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 303, 304

Ha-Ya-Dal (Ha-Alif-Dal) = To deviate, remove, avoid, turn aside, shun, stray from, avert.

hada vb. (1) impf. act. 50:19

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 320

Ha-Ya-Dad (Ha-Alif-Dad) = To have her courses, menstruate; Her blood flowed from her womb.

hada vb. (1) impf. act. 65:4

mahid n.m. 2:222

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 322, 323

Ha-Ya-Fa (Ha-Alif-Fa) = To be unjust, act unjustly.

hafa vb. (1) impf. act. 24:50

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 323

Ha-Ya-Nun (Ha-Alif-Nun) = To arrive, come, be at hand (time, season), be fit, be reaped.

hin n.m. 2:36, 7:24, 10:98, 12:35, 14:25, 16:80, 21:111, 23:25, 23:54, 36:44, 37:148, 37:174, 37:178, 38:3, 38:88, 51:43, 56:84, 76:1

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 324, 325, 326

Ha-Ya-Qaf (Ha-Alif-Qaf) = To recoil, surround and take hold of, hem in, compass about, come down, overwhelm, enfold, be unavoidable.

haqa vb. (1)
perf. act. 6:10, 11:8, 16:34, 21:41, 39:48, 40:45, 40:83, 45:33, 46:26
impf. act. 35:43

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 323, 324

Ha-Ya-Ra (Ha-Alif-Ra) = To be astonished, bewildered, dazzled, perplexed, lose the way.

hayran n.m. 6:71

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 320, 321

Ha-Ya-Sad (Ha-Alif-Sad) = To escape, deviate, turn away from, shun.

mahis n.m. 4:121, 14:21, 41:48, 42:35, 50:36

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 322

Ha-Ya-Ya = (a doubly imperfect verb) To live, be alive, be ashamed, spend (the night) awake, fertilize the earth, keep anyone alive; spare any one, let anyone alive, remove prudency, modesty and shamefulness, make immodest.

hayya vb. (1)
perf. act. 8:42
impf. act. 7:25, 8:42, 20:74, 23:37, 45:24, 87:13

hayat n.f. 2:85, 2:86, 2:96, 2:179, 2:204, 2:212, 3:14, 3:117, 3:185, 4:74, 4:94, 4:109, 6:29, 6:32, 6:70, 6:130, 7:32, 7:51, 7:152, 9:38, 9:38, 9:55, 10:7, 10:23, 10:24, 10:64, 10:88, 10:98, 11:15, 13:26, 13:26, 13:34, 14:3, 14:27, 16:97, 16:107, 17:75, 18:28, 18:45, 18:46, 18:104, 20:72, 20:97, 20:131, 23:33, 23:37, 24:33, 25:3, 28:60, 28:61, 28:79, 29:25, 29:64, 30:7, 31:33, 33:28, 35:5, 39:26, 40:39, 40:51, 41:16, 41:31, 42:36, 43:32, 43:35, 45:24, 45:35, 46:20, 47:36, 53:29, 57:20, 57:20, 67:2, 79:38, 87:16, 89:24

hayawan n.m. 29:64

hayy n.m. 2:154, 2:255, 3:2, 3:27, 3:27, 3:196, 6:95, 6:95, 10:31, 10:31, 16:21, 19:15, 19:31, 19:33, 19:66, 20:111, 21:30, 25:58, 30:16, 35:22, 36:70, 40:65, 77:26

hayyah n.f. 20:20

mahya n.m. 6:162, 45:21

yahya n. 3:39, 6:85, 19:7, 19:12, 21:90

hayya vb. (2)
perf. act. 58:8
impf. act. 58:8
impv. 4:86
perf. pass. 4:86
n.vb. 4:86, 10:10, 14:23, 24:61, 25:75, 33:44

ahya vb. (4)
perf. act. 2:28, 2:164, 2:243, 5:32, 6:122, 16:65, 22:66, 29:63, 35:9, 36:33, 40:11, 41:39, 45:5, 50:11, 53:44
impf. act. 2:28, 2:73, 2:258, 2:258, 2:259, 2:260, 3:49, 3:156, 7:158, 8:24, 9:116, 10:56, 15:23, 16:97, 22:6, 22:66, 23:80, 25:49, 26:81, 30:19, 30:24, 30:40, 30:50, 36:12, 36:78, 36:79, 40:68, 42:9, 44:8, 45:26, 46:33, 50:43, 57:2, 57:17, 75:40
pcple. act. 30:50, 41:39

istaha vb. (10)
impf. act. 2:26, 33:53, 33:53
n.vb. 28:25

istahya vb. (10)
impf. act. 2:49, 7:127, 7:141, 14:6, 28:4
impv. 40:25

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 315, 316, 317, 318, 319

Ha-Zay-Ba = To befall and distress, divide.

hizb (pl. ahzab) 5:56, 11:17, 13:36, 18:12, 19:37, 23:53, 30:32, 33:20, 33:20, 33:22, 35:6, 38:11, 38:13, 40:5, 40:30, 43:65, 58:19, 58:19, 58:22, 58:22

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 195

Ha-Zay-Nun = To grieve.

hazana vb. (1)
impf. act. 3:176, 5:41, 6:33, 10:65, 12:13, 21:103, 31:23, 36:76, 58:10
n.vb. 9:92, 28:8, 35:34

hazina vb. (1)
impf. act. 2:38, 2:62, 2:112, 2:262, 2:274, 2:277, 3:139, 3:153, 3:170, 5:69, 6:48, 7:35, 7:49, 9:40, 10:62, 15:88, 16:127, 19:24, 20:40, 27:70, 28:7, 28:13, 29:33, 33:51, 39:61, 41:30, 43:68, 46:13
n.vb. 12:84, 12:86

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 198

Ha-Za-Ra = To prevent, restrain, forbid, confine, limit, restrict, enclose.

hazara vb. (1) pcple. pass. 17:20

ihtazara vb. (8) pcple. act. 54:31

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 231, 232

Ha-Za-Za = To be in good circumstances.

hazz n.m. 3:176, 4:11, 4:176, 5:13, 5:14, 28:79, 41:35

Lane's Lexicon, Volume 2, page: 231

Kha

Kh-Ba-Alif = Hide/Conceal, To keep it, Preserve/Guard, To take care of a thing, Reposit, Store in a place of safety, Hidden/Absent.

khaba'a vb. (1) n.vb. 27:25

Lane's Lexicon, Volume 2, pages: 328, 329

Kh-Ba-Lam = To be or become corrupted, unsound, vitiated or disordered in intellect or reason, become possessed or insane, be lost, cut off, deprived of heart or reason.
Prevent or hinder from doing a thing. Affliction/trouble/difficulty/distress/fatigue.
Seek to corrupt, render unsound, occasioning to agitation like that of possession or insanity, by disease affecting the reason and thought.
Difficulty in people in which they see not happiness.
Egregious stupidity or foolishness, heedlessness or weakness of intellect, state of perdition or destruction. Disordered in the legs so as not to know how to walk.
Going/passing/wasting away, being consumed or destroyed.
To lend. Jinn, devil, mankind.

khabal n.m. 3:118, 9:47

LL, V2, p: 335, 336

Kh-Ba-Ra = To know/possess, have knowledge of a thing, to know a thing with respect to it's internal or real state, informed/acquainted.
Knowledge of the secret internal state or as some say of secret internal circumstances or properties.
Also to try, prove or test things, having experience.
News/tidings/information/notification/narration/story/account.

khabara vb. (1)
n.vb. 18:68, 19:91

khabar n.m. (pl. *akhbar*) 9:94, 27:7, 28:29, 47:31, 99:4

khabir n.m. 2:234, 2:271, 3:153, 3:180, 4:35, 4:94, 4:128, 4:135, 5:8, 6:18, 6:73,

6:103, 9:16, 11:1, 11:111, 17:17, 17:30, 17:96, 22:63, 24:30, 24:53, 25:58, 25:59, 27:88, 31:16, 31:29, 31:34, 33:2, 33:34, 34:1, 35:14, 35:31, 42:27, 48:11, 49:13, 57:10, 58:3, 58:11, 58:13, 59:18, 63:11, 64:8, 66:3, 67:14, 100:11

LL, V2, p: 331, 332, 333

Kh-Ba-Ta = became concealed/obscure or of no reputation, lowly/humble/submissive/ obedient, to humble one's self, to abase one's self, still/motionless.

akhbata vb. (4)
perf. act. 11:23
impf. act. 22:54
pcple. act. 22:34

LL, V2, p: 329

Kh-Ba-Tha = bad/foul/abominable/corrupt/wicked/deceitful, guileful/artful/crafty/ cunning, malignant/noxious, impure/unclean/filthy, depraved/disapproved/hated/ unlawful/disagreeable/culpable/disobedient, the worst or most wicked, evil.

khabutha vb. (1)
perf. act. 7:58

khaba'ith n.f. (pl. of *khabithah*) 7:157, 21:74

khabith n.m. 2:267, 3:179, 4:2, 5:100, 5:100, 8:37, 8:37, 14:26, 14:26, 24:26, 24:26, 24:26, 24:26

Lane's Lexicon, Volume 2, pages: 329, 330, 331

Kh-Ba-Tay = To strike/beat vehemently (e.g. with the fore foot hind foot), to prosecute, to be confounded/perplexed, to journey without
direction, hold communion with someone, touch with a hurt so as to corrupt/disorder and render one insane, to be agitated/disturbed,
to be still/motionless.

takhabbata vb. (5) perf. act. 2:275

LL, V2, p: 333, 334, 335

Kh-Ba-Waw = To be extinguished/subsided/allayed/appeased.

khaba vb. (1) perf. act. 17:97

LL, V2, p: 337

Kh-Ba-Zay = To feed with bread, to make or knead bread, he beat him or it.

khubz n.m. 12:36

LL, V2, p: 333

Kh-Dal-Ayn = To hide/conceal, double or fold, decieve or outwit, pretend, to enter, vary in state/condition, refrain or refuse, relinquish, to be in little demand of, deviate from the right course, resist/unyield/incompliant, turn away and behave proudly.

khada'a vb. (1)
impf. act. 2:9, 8:62
pcple. act. 4:142

khada'a vb. (3) impf. act. 2:9, 4:142

LL, V2, p: 344, 345, 346, 347

Kh-Dal-Dal = To furrow/trench/clave, to mark or impress, to contract/shrink/wrinkle, to oppose, divide into distinct parties, to rank or class.

khadd n.m. 31:18

ukhdud n.m. 85:4

LL, V2, p: 341, 342

Kh-Dal-Nun = To befriend, keep company, associate in secrecy or privacy, to converse/ talk with.

akhdan n.m. (pl. of *khidn*) 4:25, 5:5

LL, V2, p: 348

Kh-Dad-Ayn = To be lowly/humble/submissive, to be still, to be soft in speech, to bend/ stoop/lower/lower.

khada'a vb. (1)
impf. act. 33:32
pcple. act. 26:4

LL, V2, p: 393, 394

Kh-Dad-Dal = To break without separating the parts, to cut/pull off or remove, thornless, to shrink and shrivel (fruit), to incline the body or bend from side to side, to be feeble and weak, fatigue or weariness, lacking power to rise, to eat vehemently.

khadada vb. (1) pcple. pass. 56:28

LL, V2, p: 390

Kh-Dad-Ra = To render or do the forbidden, blessed with means of subsistence, to die in youth, take up a load or burden, green, to become green in color (9th verb form), to be cut or cut off (like as dying young or fruit that is picked before it is ripe), fresh or pleasant, having much verdure.

akhdar n.m. (pl. *khudr*) 12:43, 12:46, 18:31, 36:80, 55:76, 76:21

khadir n.m. 6:99

ikhdarra vb. (9) pcple. act. 22:63

LL, V2, p: 390, 391, 392

Kh-Fa-Dad = To lower or depress, to abase, to overcome, to be easy/tranquil/gentle, to have a tranquil/easy and plentiful life, to be soft or gentle in voice.

khafada vb. (1)
impv. 15:88, 17:24, 26:215
pcple. act. 56:3

LL, V2, p: 409, 410

Kh-Fa-Fa = To be light of weight (in body or material substance), light in estimation or of little account, to be lively/active/agile/prompt and quick, obedient and submissive in work/servitude, to hasten, depart or journey quickly, to be light in conduct or behaviour, acute/sharp/clever/ingenious in hearing and understanding, to be agitated or excited by reason of fear and anger, acceptable in company or conversation, light-hearted/cheerful, to be few in number, to be deficient/slight/inconsiderable.

khaffa vb. (1)
perf. act. 7:9, 23:103, 101:8

khafif n.m. (pl. *khifaf*) 7:189, 9:41

khaffafa vb. (2)
perf. act. 8:66
impf. act. 4:28, 40:49
impf. pass. 2:86, 2:162, 3:88, 16:85, 35:36
n.vb. 2:178

istakhaffa vb. (10)
perf. act. 43:54
impf. act. 16:80, 30:60

LL, V2, p: 405, 406, 407

Kh-Fa-Ta = To be still or silent, to be low/soft/gentle, to be weak due to vehement hunger, to be abject, to silence or kill (smite with a sword or the like), to be goodly or beautiful, worthy of notice.

khafata vb. (3)
impf. act. 17:110

takhafata vb. (6) impf. act. 21:103, 68:23

LL, V2, p: 407, 408

Kh-Fa-Ya = = Imperceptible/unapparent, hidden/concealed/covered, faint or dim to the sight, suppressed or stifled, obscure to the mind, to become manifest from a state of concealment (what was concealed became revealed).

khafa vb. €(1)
impf. act. 3:5, 14:38, 40:16, 41:40, 69:18, 87:7

khafiy n.m. 19:3, 20:7, 42:45

khafiyah n.f. 69:18

khufyah n.f. 6:63, 7:55

akhfa vb. (4)
perf. act. 60:1
impf. act. 2:271, 2:284, 3:29, 3:118, 3:154, 4:149, 5:15, 6:28, 6:91, 14:38, 20:15, 24:31, 27:25, 33:37, 33:54, 40:19
perf. pass. 32:17

istakhfa vb. (10)
impf. act. 4:108, 4:108, 11:5
pcple. act. 13:10

LL, V2, p: 412, 413

Kh-Lam-Ayn = To pull/strip/throw/cast something off, to be removed from or divested of, to forsake allegiance/obedience to someone, to repudiate or renounce someone, to ransom off, to contend with someone, to come off or fall off, become disjointed/

seperated/displaced, to go away secretly, to annull/dissolve/break a pact or covenant, divorce one's wife for a ransom given by her, grow insane or diabolically possessed, to be gripped with weakness and fear/fright, say or do what one pleases (without care or fear of blame), play in games of hazard (for stakes laid by both players to be taken by the winner), to be of vitious or immoral conduct

khala'a vb. (1) impv. 20:12

LL, V2, p: 425, 426, 427, 428

Kh-Lam-Dal = To remain/stay/dwell/abode, to remain or continue incessantly/always/ endlessly/forever/perpetually, to adorn another with ornaments, to be slow in becoming hoary (when advanced in age), endowed with perpetual vigour

khalada vb. (1)
impf. act. 25:69, 26:129
n.vb. 50:34
pcple. act. 2:25, 2:39, 2:81, 2:82, 2:162, 2:217, 2:257, 2:275, 3:15, 3:88, 3:107, 3:116, 3:136, 3:198, 4:13, 4:14, 4:57, 4:93, 4:122, 4:169, 5:80, 5:85, 5:119, 6:128, 7:20, 7:36, 7:42, 9:17, 9:22, 9:63, 9:68, 9:72, 9:89, 9:100, 10:26, 10:27, 11:23, 11:107, 11:108, 13:5, 14:23, 16:29, 18:108, 20:76, 20:101, 21:8, 21:34, 21:99, 21:102, 23:11, 23:103, 25:16, 25:76, 29:58, 31:9, 33:65, 39:72, 39:73, 40:76, 43:71, 43:74, 46:14, 47:15, 48:5, 57:12, 58:17, 58:22, 59:17, 64:9, 64:10, 65:11, 72:23, 98:6, 98:8

khuld n.m. 10:52, 21:120, 21:34, 25:15, 32:!4, 41:28

khallada vb. (2) pcple. pass. 56:17, 76:19

akhlada vb. (4) perf. act. 7:176, 104:3

LL, V2, p: 419, 420

Kh-Lam-Fa = To follow/come after/succeed another, substitute or supersede, to supply/ be a supplier to someone, to restore or replace a thing to someone, smite or strike from behind, yearn towards other than one's spouse (in the spouses absence/behind his or her back), speak of/mention someone behind his or her back, remain behind/not go forth, to be kept back from all good, to not prosper or be successful, to become corrupt or altered for the worse, retire/withdraw/go away, to turn away from/avoid/shun a thing, to become foolish/idiotic/deficient in intellect, contrarious/hard in disposition, to leave

behind, to appoint someone as successor, disagree with or differ from someone, contradict or oppose someone, to break/fail to perform a promise, to follow reciprocally/ alternate/interchange, repeatedly move to and fro (coming and going), to differ/ be dissimilar

khalafa vb. (1)
perf. act. 7:150, 7:169, 19:59
impf. act. 43:60
impv. 7:142
pcple. act. 9:83

khalf n.m. 2:66, 2:255, 3:170, 4:9, 7:17, 7:169, 8:57, 10:92, 13:11, 19:59, 19:64, 20:110, 21:28, 22:76, 34:9, 36:9, 36:45, 41:14, 41:25, 41:42, 46:21, 72:27

khalifah n.m. (pl. *khala'if*) 2:30, 6:165, 7:69, 7:74, 10:14, 10:73, 27:62, 35:39, 38:26

khawalif n.f. (pl. of *khalifah*) 9:87, 9:93

khilaf n.m. 5:33, 7:124, 9:81, 17:76, 20:71, 26:49

khilafah n.f. 25:62

khallafa vb. (2)
perf. pass. 9:118
pcple. pass. 9:81, 48:11, 48:15, 48:16

khalafa vb. (3) impf. act. 11:88, 24:63

akhlafa vb. (4)
perf. act. 9:77, 14:22, 20:86, 20:87
impf. act. 2:80, 3:9, 3:194, 13:31, 20:58, 22:47, 30:6, 34:39, 39:20
impf. pass. 20:97
pcple. act. 14:47

takhallafa vb. (5) impf. act. 9:120

ikhtalafa vb. (8)
perf. act. 2:176, 2:213, 2:213, 2:213, 2:253, 3:19, 3:105, 4:157, 8:42, 10:19, 10:93, 16:64, 16:124, 19:37, 42:10, 43:65, 45:17
impf. act. 2:113, 3:55, 5:48, 6:164, 10:19, 10:93, 16:39, 16:92, 16:124, 22:69, 27:76, 32:25, 39:3, 39:46, 43:63, 45:17
perf. pass. 11:110, 41:45
n.vb. 2:164, 3:190, 4:82, 10:6, 23:80, 30:22, 45:5
pcple. act. 6:141, 11:118, 16:13, 16:69, 35:27, 35:27, 35:28, 39:21, 51:8, 78:3

istakhlafa vb. (10)
perf. act. 24:55
impf. act. 6:133, 7:129, 11:57, 24:55
pcple. pass. 57:7

LL, V2, p: 428, 429, 430, 431, 432, 433, 434, 435

Kh-Lam-Lam = To become lean, to diminish/decrease/waste away, to be poor, be of want or need, to perforate/pierce/skewer a thing, to remove/transfer/shift, to pick or extract the remains of, put into the interstices of a thing, to spoil or become sour, make wine into vinegar, act as a true and sincere friend, fall short of accomplishing a task, to neglect/omit or leave undone, to absent one's self, produce bad fruit, enter/penetrate or pass through, interrupt or intervene, to be shaky/ loose/ faulty/ defective, to be uncompact/disordered/unsound, to be corrupt or disordered in temperament, to attire with an anklet or pair of anklets, to be old and worn out, to die and leave a gap/ vacancy, to be of habit/ custom, show true and sincere affection/ friendship/ love, to be flawed/ imperfect/deficient, to leave one thing for another.

khalil n.m. (pl. *akhilla*) 4:125, 17:73, 25:28, 43:67

khilal n.m. (pl. of *khalal*) 9:47, 17:5, 17:91, 18:33, 24:43, 27:61, 30:48

khullah n.f. 2:254

khalla vb. (3) n.vb. 14:31

LL, V2, p: 413, 414, 415, 416, 417

Kh-Lam-Qaf = To measure or proportion a thing, to form or make according to proper measure, bring into existence according to a certain measure, originate or produce after a pattern or model which one has devised, bring into existence from a state of non-existence (create out of nothing), to fabricate or forge a speech or saying, to make a thing equitable or even, make a thing smooth, to be probable or likely to happen (or likely to be or happen, or to have happened or been), act towards someone according to that person's nature, wear out a thing and make it old, to be fit/ competent/ suitable/ proper, to be complete or perfect in respect of make or proportion, have an innate/ natural disposition/temperament/quality.

khalaqa vb. (1)

perf. act. 2:21, 2:29, 2:228, 3:59, 3:191, 4:1, 4:1, 5:18, 6:1, 6:2, 6:73, 6:94, 6:100, 6:101, 7:11, 7:12, 7:12, 7:54, 7:181, 7:185, 7:189, 9:36, 10:3, 10:5, 10:6, 11:7, 11:119, 13:16, 14:19, 14:32, 15:26, 15:27, 15:33, 15:85, 16:3, 16:4, 16:5, 16:48, 16:70, 16:81, 17:61, 17:70, 17:99, 18:37, 18:48, 19:9, 19:67, 20:4, 20:55, 21:16, 21:33, 22:5, 23:12, 23:14, 23:14, 23:14, 23:17, 23:91, 23:115, 24:45, 25:2, 25:49, 25:54, 25:59, 26:78, 26:166, 26:184, 27:60, 29:44, 29:61, 30:8, 30:20, 30:21, 30:40, 30:54, 31:10, 31:11, 31:25, 32:4, 32:7, 35:11, 35:40, 36:36, 36:42, 36:71, 36:77, 36:81, 37:11, 37:11, 37:96, 37:150, 38:27, 38:75, 38:76, 38:76, 39:5, 39:6, 39:38, 40:67, 41:9, 41:15, 41:21, 41:37, 43:9, 43:9, 43:12, 43:87, 44:38, 44:39, 45:22, 46:3, 46:4, 46:33, 49:13, 50:16, 50:38, 51:49, 51:56, 52:36, 53:45, 54:49, 55:3, 55:14, 55:15, 56:57, 57:4, 64:2, 64:3, 65:12, 67:2, 67:3, 67:14, 70:39, 71:14, 71:15, 74:11, 75:38, 76:2, 76:28, 78:8, 80:18, 80:19, 82:7, 87:2, 90:4, 92:3, 95:4, 96:1, 96:2, 113:2
impf. act. 3:47, 3:49, 5:17, 5:110, 7:191, 16:8, 16:17, 16:17, 16:20, 17:99, 22:73, 24:45, 25:3, 28:68, 29:17, 30:54, 36:81, 39:4, 39:6, 42:49, 43:16, 56:59, 77:20
perf. pass. 4:28, 21:37, 52:35, 70:19, 86:5, 86:6, 88:17
impf. pass. 7:191, 16:20, 25:3, 89:8
n.vb. 2:164, 3:190, 3:191, 4:119, 7:54, 10:4, 10:34, 10:34, 13:5, 13:16, 13:16, 14:19, 17:49, 17:51, 17:98, 18:51, 18:51, 20:50, 21:104, 23:14, 23:17, 27:64, 29:19, 29:20, 30:11, 30:22, 30:27, 30:30, 31:11, 31:28, 32:7, 32:10, 34:7, 35:1, 35:16, 36:78, 36:79, 39:6, 39:6, 40:57, 40:57, 42:29, 43:19, 45:4, 46:33, 50:15, 50:15, 67:3,

7:69, 36:68, 37:11, 79:27

pcple. act. 6:102, 13:!6, 15:28, 23:!4, 35:3, 37:125, 38:71, 39:62, 40:62, 52:35, 56:59, 59:24

khalaq n.m. 2:102, 2:200, 3:77, 9:69, 9:69, 9:69

khallaq n.m. 15:86, 36:81

khuluq n.m. 26:137, 68:4

khallaqa vb. (2) pcple. pass. f. 22:5, 22:5

ikhtalaqa vb. (8) n.vb. 38:7

LL, V2, p: 435, 436, 437, 438, 439

Kh-Lam-Sad = To be pure/genuine/unmixed/clear, to be safe/secure/free from embarrassment or difficulty or destruction, to withdraw/retire/part from the company of people, to come/approach/reach, make a thing clear or pure, explain/expound/interpret, act with reciprocal purity towards someone, to be pure and sincere, to appropriate a

thing or person purely to oneself, to purely or sincerely believe (free of hypocrisy).

khalasa vb. (1)
perf. act. 12:80
pcple. act. 2:94, 6:139, 7:32, 16:66, 33:50, 38:46, 39:3

akhlasa vb. (4)
perf. act. 4:146, 38:46
pcple. act. 2:139, 7:29, 10:22, 29:65, 31:32, 39:2, 39:11, 39:14, 40:14, 40:65, 98:5
pcple. pass. 12:24, 15:40, 19:51, 37:40, 37:74, 37:128, 37:160, 37:169, 38:83

istakhlasa vb. (10) impf. act. 12:54

LL, V2, p: 421, 422, 423

Kh-Lam-Tay = To mix/intermingle/incorporate/blend, put together with another thing, confuse/confound/disorder, to perplex or disturb, to have intercourse (i.e. a man with his wife, or with a woman), to penetrate into [TA - khalthu ash-shaybu (the arrow penetrated into him)], to infect or pervade, associate/converse, become intimate with, enter into a confederacy/league/compact/covenant, good natured/disposition.

khalata vb. (1)
perf. act. 9:102

khulata n.m. (pl. of khalit) 38:24

khalata vb. (3) impf. act. 2:220

ikhtalata vb. (8) perf. act. 6:146, 10:24, 18:45

LL, V2, p: 423, 424, 425

Kh-Lam-Waw = To be empty/vacant/void/destitute/unoccupied, to be free from fault or a thing or affair, free of accusation or suspicion, to be alone or without any companion, meet with one in a vacant/unoccupied place, to pass away, to dismiss, let loose or let go a thing, permit or allow a thing, to forsake/relinquish/desert/abandon a thing, to be distant/remote/aloof/far from a thing, be at leisure, unoccupied (unemployed).

khala vb. (1)

perf. act. 2:14, 2:76, 2:134, 2:141, 2:214, 3:119, 3:137, 3:144, 5:75, 7:38, 10:102, 13:6, 13:30, 15:13, 24:34, 33:38, 33:62, 35:24, 40:85, 41:25, 46:17, 46:18, 46:21, 48:23
impf. act. 12:9
pcple. act. f. 69:24

khalla vb. (2) impv. 9:5

takhalla vb. (5) perf. act. 84:4

LL, V2, p: 439, 440, 441, 442

Kh-Miim-Dal = To subside, be utterly extinguished (a fire); it's flaming or blazing ceasing, faint or swoon, be allayed (fever or vehemence of a fever), be still/motionless and silent (Al-Qamoos & Tajul-Arus), dispose and submit oneself to an affair or event, be silent and dead, become like extinguished ashes.

khamada vb. (1) pcple. act. 21:15, 36:29

LL, V2, p: 443

Kha-Miim-Ra = cover/conceal/veil, becoming changed/altered from a former state/ condition, mixed/mingled/incorporated/blended, intoxication/wine/grapes, make-up, any intoxicating thing that clouds/obscures the intellect, come upon secretly/unexpectedly, crowding of people, odour of perfume, women's head cover, man's turban, something fermented/matured.

khamr n.fem. 2:219, 5:90, 5:91, 12:36, 12:41, 47:15

khumur n.masc. pl. 24:31

...and let them draw/set/cast (*walyadribna*) their veils/covers (*bikhumurihinna*) over (*AAala*) their breasts/bosom (*juyoobihinna*)... [24:31]

Lane gives some examples: “the dwelling was hidden by the trees”, “he concealed his testimony”, "She (a woman) applied KhaMaRat as a liniment, to beautify her complexion.".

"KhiMaR [A woman's muffler, or veil with which she covers her head and the lower part

of her face, leaving exposed only the eyes and part or whole of the nose, such is the KhMR worn in the present day: a kind of veil which in Turkish is called Yashmak] a woman's head-covering."

LL, V2, p: 443, 444, 445, 446

Kh-Miim-Siin = Take ONE from FIVE (as in *khamasa al-qawma*; he took the fifth part of the possessions of the people), be the fifth of the people (to make five by adding oneself to the number), be fifth in a race, five cornered/five angled/pentaganol, five cubits in length.

khamisah n.f. 24:7, 24:9

khamsah n.f. 3:125, 18:22, 58:7

khamsun n.m. 29:14, 70:4

khums n.m. 8:41

LL, V2, p: 446, 447

Kh-Miim-Sad = Hungry, hollow/empty in the belly, shrink or draw away from.

makhmasah n.f. 5:3, 9:120

LL, V2, p: 447

Kh-Miim-Tay = Disagreeable in taste, choking (applied to a fruit), to be bitter, acidic; a bitter plant.

khamata vb. (1) n.vb. 34:16

LL, V2, p: 448

Kh-Nun-Qaf = To throttle/strangle/choke (a person or thing), to straiten, nearly cover or nearly attain a thing, fill/fill up a thing, squeeze or compress upon one's throat, take or seize by the throat, constrain or distress.

inkhanaqa vb. (7) pcple. act. f. 5:3

LL, V2, p: 454, 455

Kh-Nun-Siin = To retreat/recede/drawback, retire or hold back, lag behind, shrink and hide/withdraw oneself, remain behind a company of people (as opposed to going with them [syn. *takhallafa*]), sneak something away (so as not to be seen), keep one back, place one behind or after, contract/draw together or make to contract/draw together.

khannas n.m. 114:4

khunnas n.f. 81:15

LL, V2, p: 452, 453

= **Kha-Nun-Zay** = stinking / maggoty / altered in odour (e.g. flesh-meat, date, walnut), pride, self-magnification.

LL, V2, p: 451, 452

= **Kha-Nun-Zay-Ra** = swine/pig.

khinzir n.m. 2:173, 5:3, 5:60, 6:145, 16:115

LL, V2, p: 452 (it says see Kh-Zay-Ra 367, 368)

Kh-Ra-Ba = To be in a state of ruin (said of a place, country, dwelling or abode), state of waste, uninhabited/depopulated/deserted/uncultivated, contrary of flourishing, to steal (theft or robbery), bore/perforate/slit a hole through a thing, corrupt or unsound in religion, contemptable or disgraceful or shameful.

kharaba vb. (1) n.vb. 2:114

akhraba vb. (4) impf. act. 59:2

LL, V2, p: 351, 352, 353

Kh-Ra-Dal-Lam = (mustard seed) a grain of a certain tree that is well known.

khardalin n.m. 21:47, 31:16

LL, V2, p: 357

Kh-Ra-Jiim = To go out, go forth, depart, evade/escape/extricate oneself from, to quit/ forsake, to rebel, to be foul or obscene, conspicuous, be clear (as in clear sky as opposed to cloudy), to resolve/explain/render, educate/discipline/train well, render a thing of two mixtures (such as two colors, black and white, or to write upon part of a tablet and leave part of it blank), make a thing to be of different kinds, contribute to a thing or cause, make an agreement, extort/extract/produce/elicit, to exclude something or someone, to vent, surpass or excel, outstrip others, be external/extrinsic/objective.

kharaja vb. (1)
perf. act. 2:149, 2:150, 2:240, 2:243, 5:61, 8:47, 9:42, 9:47, 19:11, 28:21, 28:79, 47:16, 60:1
impf. act. 2:74, 4:100, 5:22, 5:22, 5:37, 7:58, 7:58, 9:83, 16:69, 18:5, 20:22, 22:22, 23:20, 24:43, 24:53, 27:12, 28:32, 30:25, 30:48, 32:20, 34:2, 37:64, 41:47, 49:5, 54:7, 55:22, 57:4, 59:2, 59:11, 59:12, 65:1, 70:43, 86:7
impv. 4:66, 7:13, 7:18, 12:31, 15:34, 28:20, 38:77
n.vb. 9:46, 9:83, 40:11, 50:11, 50:42
pcple. act. 2:167, 5:37, 6:122

kharaj n.m. 23:72

kharj n.m. 18:94, 23:72

makhraj n.m. 65:2

akhraja vb. (4)
perf. act. 2:22, 2:36, 2:191, 2:67, 6:99, 6:99, 7:27, 7:32, 7:57, 8:5, 9:40, 12:100, 14:32, 16:78, 20:53, 20:88, 24:40, 26:57, 27:82, 35:27, 36:33, 47:13, 48:29, 51:35,

59:2, 60:9, 79:29, 79:31, 87:4, 99:2
impf. act. 2:61, 2:84, 2:85, 2:257, 2:257, 3:27, 3:27, 5:16, 5:110, 6:95, 6:99, 6:148, 7:57, 7:88, 7:110, 7:123, 8:30, 10:31, 10:31, 14:1, 14:13, 17:13, 17:76, 20:55, 20:57, 20:63, 20:117, 22:5, 26:35, 27:25, 27:37, 30:19, 32:27, 33:43, 39:21, 40:67, 47:29, 47:37, 57:9, 60:1, 60:8, 63:8, 65:1, 65:11, 71:18, 78:15
impv. 2:191, 4:75, 6:93, 7:82, 14:5, 17:80, 23:107, 27:56, 35:37
perf. pass. 2:246, 3:110, 3:195, 22:40, 59:8, 59:11, 59:12
impf. pass. 7:25, 19:66, 30:19, 43:11, 45:35, 46:17
n.vb. 2:85, 2:217, 2:240, 9:13, 60:9, 71:18
pcple. act. 2:72, 6:95, 9:64
pcple. pass. 15:48, 17:80, 23:35, 26:167, 27:67

istakhraja vb. (10)
perf. act. 12:76
impf. act. 16:14, 18:82, 35:12

LL, V2, p: 354, 355, 356

Kh-Ra-Qaf = To pierce/bore/perforate, make a hole in something, to rend/slit/tear, feign or forge, be confounded or perplexed [so as to be unable to move], be ignorant of a thing, pass through/over/across, traverse, rough/ungentle/awkward/unskilled, unsound or deficient in intellect or understanding, to be liberal/bountiful/generous, be of generous disposition/largely beneficent, be denied gain of good or prosperity.

kharaqa vb. (1)
perf. act. 6:100, 18:71, 18:71
impf. act. 17:37

LL, V2, p: 363, 364, 365, 366

Kh-Ra-Ra = To sound murmured/rumbled or gurgled (water), run so as to make a noise [run/flow/trickle down so as to make a murmuring, or similar, sound], to be made to run [TA], sound rustled (wind), to snore or make a sound in breathing, to fall or fall down (making a sound to be heard at the same time) [sometimes used in the sense of falling absolutely], come upon a place or person suddenly or unawares, to be lax or flabby, to pass along or away or by from one place to another.

kharra vb. (1)
perf. act. 7:143, 12:100, 16:26, 19:58, 22:31, 32:15, 34:14, 38:24
impf. act. 17:107, 17:109, 19:90, 25:73

LL, V2, p: 350, 351

Kh-Ra-Sad = To compute a quantity by way of conjecture, opining or form an opinion of a thing of which one is not certain, to speak by opinion or conjecture, and thus, lie and speak falsely and say what is untrue, forge a lie or saying, to be hungry and cold.

kharasa vb. (1) impf. act. 6:116, 6:148, 10:66, 43:20, 51:10

LL, V2, p: 359

Kh-Ra-Tay-Miim = To strike or twist the nose, elevate the nose, to be proud and angry, to raise one's head, to elongate.

khurtum n.m. 68:16

LL, V2, p: 360

Kh-Siin-Alif = To drive away (a dog), to be dazzled/confused and dim (said of the sight), to be driven away/repelled, throw stones at another.

khasa'a vb. (1)
impv. 23:108
pcple. act. 2:65, 7:166, 67:4

LL, V2, p: 372

Kh-Siin-Fa = To sink or go away into the ground or earth (place or person), become depressed (such as the eye becoming depressed in the head), to lose sight/become blind, to lose light (like the sun or moon during an eclipse), become defective or deficient, become lean or emaciated, to recover (such as from disease or illness), to put out one's eye, make a hole in a thing, to abase or humble or make lowly, to disgrace, to be vile.

khasafa vb. (1)
perf. act. 28:81, 28:82, 29:40, 75:8

impf. act. 16:45, 17:68, 34:9, 67:16

LL, V2, p: 374, 375

Kh-Siin-Ra = To suffer loss or diminution, to be deceived/cheated/beguiled/ circumvented, to err/go astray/deviate from/miss the right way, to perish or die, make a thing defective or deficient, destroy or cause to perish, remove/alienate/estrange someone, to be treacherous/ignoble/mean, to be unfaithful, ungenerous, small/little/ weak (among mankind), refuse invitation from another.

khasira vb. (1)
perf. act. 4:119, 6:12, 6:20, 6:31, 6:140, 7:9, 7:53, 10:45, 11:21, 22:11, 23:103, 39:15, 40:78, 40:85, 42:45
impf. act. 45:27
n.vb. (1) *khusr* 65:9, 103:2
n.vb. (2) *khasar* 17:82, 35:39, 71:21
n.vb. (3) *khusran* 4:119, 22:11, 39:15
pcple. act. (*khasir*, comp. adj. *akhsar*) 2:27, 2:64, 2:121, 3:85, 3:149, 5:5, 5:21, 5:30, 5:53, 7:23, 7:90, 7:92, 7:99, 7:149, 7:178, 8:37, 9:69, 10:95, 11:22, 11:47, 12:14, 16:109, 18:103, 21:70, 23:34, 27:5, 29:52, 39:15, 39:63, 39:65, 41:23, 41:25, 42:45, 46:18, 58:19, 63:9, 79:12

khassara vb. (2) n.vb. 11:63

akhsara vb. (4) impf. act. 55:9, 83:3
pcple. act. 26:181

LL, V2, p: 372, 373, 374

Kh-Shiin-Ayn = Lowly/humble/submissive, still and low, to lower the eyes or voice, sink/ nearly disappear in a setting place, be eclipsed/go away, become lean, whither/dry up, feign lowliness/humility in demeanour or voice or eyes, eject a thing, bow or bend down the head and body, be fearful.

khasha'a vb. (1)
perf. act. 20:108
impf. act. 57:16
n.vb. 17:109
pcple. act. 2:45, 3:199, 21:90, 23:2, 33:35, 33:35, 41:39, 42:45, 54:7, 59:21, 68:43, 70:44, 79:9, 88:2

LL, V2, p: 378, 379

Kh-Shiin-Ba = Mix a thing with another thing, pick/choose/select a thing, make/fashion or sharpen a sword (imperfectly or not thoroughly), polish, make/shape out a thing (such as a bow and arrow) in a rough manner (without perfecting it or making it smooth or even), speak and do something without affecting nicety or refinement and without study or labour (do a thing imperfectly, inelegantly or unthoroughly), to be tall and gross, rude or coarse (man or camel), to be thick or gross or coarse in all respects, endure a life of hardship or difficulty (in order to render oneself more able to bear it), be lean or meagre (such as cattle in consequence of their feeding upon dry herbage), dry or rigid or tough, strong and vigorous in body (man), have a displeasing and rigid/uneven forehead.

khushub n.m. (pl. of *khashab*) 63:4

LL, V2, p: 377, 378

Kh-Shiin-Ya = To fear or dread, to fear with reverence/veneration/honour/awe, to hope, to know a thing, frighten or make to fear/dread, be cautious or wary.

khashiya vb. (1)
perf. act. 4:25, 18:80, 20:94, 36:11, 50:33, 98:8
impf. act. 2:150, 4:9, 4:77, 5:3, 5:44, 5:52, 9:13, 9:13, 9:18, 9:24, 13:21, 20:3, 20:44, 20:77, 21:49, 24:52, 33:37, 33:37, 33:39, 33:39, 35:18, 35:28, 39:23, 67:12, 79:19, 79:26, 79:45, 80:9, 87:10
impv. 2:150, 3:173, 5:3, 5:44, 31:33
n.vb. 2:74, 4:77, 4:77, 17:31, 17:100, 21:28, 23:57, 59:21

LL, V2, p: 381, 382

Kh-Sad-Fa = Adjoin or put together, to men, make a thing double putting one piece upon another, cover with a thing, have two colors, to lie (as though to sew one saying upon another, and thus, embellish it).

khasafa vb. (1) impf. act. 7:22, 20:121

LL, V2, p: 385, 386

Kh-Sad-Miim = Contend in an altercation, dispute/litigate in a sound or valid manner, to say a thing such as may cause the listener to refrain/desist from his assertion/plea/claim, overcome someone in an altercation, antagonize, put a thing on the edge/side or corner of something.

khasim n.m. (adj.) 43:58

khasim n.m. 4:105, 16:4, 36:77

khasm n.m. 22:19, 38:21, 38:22

khasama vb. (3) n.vb. 2:204, 43:18

takhasama vb. (6) n.vb. 38:64

ikhtasama vb. (8)
perf. act. 22:19
impf. act. 3:44, 26:96, 27:45, 36:49, 38:69, 39:31, 50:28

LL, V2, p: 387, 388

Kh-Sad-Sad = Distinguish/particularize/specially characterize a person, appropriate/assign/make to belong to a particular person alone or exclusively of others, favour one in preference to another or others (i.e. to single one out), take/choose a person specifically to or for oneself, be alone (with none to share or participate with one in the affair).

khassa vb. (1) n.vb. 59:9

khassah n.f. 8:25

ikhtassa vb. (8) impf. act. 2:105, 3:74

LL, V2, p: 382, 383

Kh-Ta-Miim = To seal/stamp/imprint/impress, to secure/protect oneself against a thing, produce an impression or effect upon a thing, reach the end of a thing, cover over a thing, turn away/avoid/shun someone or something, to not understand, prevent the

heart from believing, feign heedlessness.

khatama vb. (1)
perf. act. 2:7, 6:46, 45:23
impf. act. 36:65, 42:24
pcple. pass. 83:25

khatam n.m. 33:40

khitam n.m. 83:26

LL, V2, p: 338, 339

Kh-Ta-Ra = Be agitated by a tendency to vomit (the soul or stomach) and thus be in a corrupt or disordered state, act or behave towards another with treachery/perfidy/ unfaithfulness (or with deceit, guile or circumvention), behave towards one in a bad or corrupt manner, corrupt or disorder one's soul or stomach and render him relaxed (said of wine or beverage), to be languid and relaxed/heavy/sluggish/fevered, languid in body in consequence of disease.

khattar n.m. 31:32

LL, V2, p: 337

Kh-Tay-Alif = To do wrong, commit a mistake or error, commit a sin or crime or act of disobedience for which one deserves punishment, commit a fault or offense (intentionally or unintentionally), pursue a wrong way (intentionally or otherwise), cause to miss or pass over, miss a thing (or fail of hitting it), miss or deviate from, far or out of reach, cause one to make a mistake, feign a wrong action/mistake/error.

khatta vb. (1)
n.vb. 17:31
pcple. act. 12:29, 12:91, 12:97, 28:8, 69:9, 69:37, 96:16

khata n.m. 4:92, 4:92

khati'ah n.f. (pl. *khati'at*, and *khataya*) 2:58, 2:81, 4:112, 7:161, 20:73, 26:51, 26:82, 29:12, 29:12, 71:25

akhta'a vb. (4) perf. act. 2:286, 33:5

LL, V2, p: 397, 398

Kh-Tay-Ba = To recite/deliver an exhortation or admonition to the people, ask or demand a woman in marriage, talk/speak/converse or discourse with one, address one face-to-face, accost one with speech or words, consult with one, decide a case/pass sentence/judge with evident demonstration or proof or testimony confirmed by oath, have something within one's reach or power, hold a dialogue, seek or desire to do a thing, give a sermon/speech/oration.

khataba vb. (1)
n.vb. 12:51, 15:57, 20:95, 28:23, 51:31

khutbah n.f. 2:235

khatabah vb. (3)
perf. act. 25:63
impf. act. 11:37, 23:27
n.vb. 38:20, 38:23, 78:37

LL, V2, p: 398, 399

Kh-Tay-Fa = To seize/take/carry off a thing by force, take or seize a thing quickly (snatch it away), suddenly take away, move along quickly (quickness in pace or going), cut a thing short (such as a discourse or narrative), *barely* miss a thing (and also to *nearly* hit a thing), be lean or lank in the belly (lightness of the flesh of the sides), to be mad or diabolically possessed.

khatifa vb. (1)
perf. act. 37:10
impf. act. 2:20, 22:31

khatfah n.f. 37:10

takhattafa vb. (5)
impf. act. 8:26
impf. pass. 28:57, 29:67

LL, V2, p: 401, 402, 403

Kh-Tay-Tay = Make a line (or a mark) upon the ground, write or register (such as one's sins being written or registered against him), prohibit a thing or take it for oneself, to cut or cleave a thing, make a slight track/path/road in plain or smooth or soft ground, be in a state/condition of abasement or ignominy.

khatta vb. (1) impf. act. 29:48

LL, V2, p: 395, 396, 397

Kh-Tay-Waw = To step/walk or pace, pass over, beremoved or repelled from a thing, go far from, step wide.

khutwah n.f. 2:168, 2:208, 6:142, 24:21, 24:21

LL, V2, p: 404, 405

Kh-Thal-Lam = Neglect/abstain from aiding or assisting someone, hold back from another, leave/forsake/desert someone, to fail in helping/aiding someone, hold back from going with someone, hinder/prevent one from aiding another.

khathala vb. (1)
impf. act. 3:160
pcple. pass. 17:22

khathul n.m. 25:29

LL, V2, p: 349, 350

Kh-Waw-Dad = To wade/walk/pass through/enter, to bring one thing to another, to penetrate or force one's way to or through a thing, plunge into a thing, follow erring, enter into false/vain discourse or speech, mix and stir about (beverage or wine), act wrongly or in an improper manner concerning an affair.

khada vb. (1)
perf. act. 9:69, 9:69
impf. act. 4:140, 6:68, 6:68, 9:65, 43:83, 70:42, 74:45
n.vb. 6:91, 52:12
pcple. act. 74:45

LL, V2, p: 458, 459

Kh-Waw-Fa = To fear, to be afraid/frightened/terrified, to put fear into another, diminish or lessen or take from, to take little by little from a thing, take from the sides of a thing, slaughter or fight.

khafa vb. (1)
perf. act. 2:182, 2:229, 2:239, 4:3, 4:3, 4:9, 4:35, 4:101, 4:128, 9:28, 11:103, 14:14, 14:14, 19:5, 26:21, 28:7, 55:46, 79:40
impf. act. 2:229, 3:175, 4:34, 5:23, 5:28, 5:54, 5:94, 5:108, 6:15, 6:51, 6:80, 6:81, 6:81, 7:59, 8:26, 8:48, 8:58, 10:15, 11:3, 11:26, 11:70, 11:84, 12:13, 13:21, 16:50, 17:57, 19:45, 20:21, 20:45, 20:46, 20:68, 20:77, 20:112, 24:37, 24:50, 26:12, 26:14, 26:135, 27:10, 27:10, 28:7, 28:25, 28:31, 28:33, 28:34, 29:33, 30:28, 38:22, 39:13, 40:26, 40:30, 40:32, 41:30, 46:21, 48:27, 50:45, 51:28, 51:37, 59:16, 72:13, 74:53, 76:7, 76:10, 91:15
impv. 3:175
n.vb. 2:38, 2:62, 2:112, 2:155, 2:262, 2:274, 2:277, 3:170, 4:83, 5:69, 6:48, 7:35, 7:49, 7:56, 10:62, 10:83, 13:12, 16:112, 24:55, 30:24, 32:16, 33:19, 43:68, 46:13, 106:4
pcple. act. 2:114, 28:18, 28:21

khifah n.f. 7:205, 11:70, 13:13, 20:67, 30:28, 51:28

khawwafa vb. (2)
impf. act. 3:175, 17:60, 39:16, 39:36
n.vb. 17:59

takhawwafa vb. (5) n.vb. 16:47

LL, V2, p: 459, 460

Kh-Waw-Lam = To manage/govern/sustain/tend to one's dependants, to be in possession (owner) of a property or other thing (such as slaves or servants or dependants), having many maternal uncles, perceive or discover, pay frequent attention

to or return to time after time, lend a thing to someone, be a keeper or guardian of a thing, a sign or mark or token of good, bestow a gift or confer upon someone, to be or do or produce what is good.

khal n.m. (pl. *akhwal*) 24:61, 33:50

khalat n.f. (pl. of *khalah*) 4:23, 24:61, 33:50

khawwala vb. (2) perf. act. 6:94, 39:8, 39:49

LL, V2, p: 461, 462

Kh-Waw-Nun = To be unfaithful or act unfaithfully to the confidence or trust reposed in a person, act treacherously or unfaithfully, neglect or fail in trustworthiness or faithfulness/loyalty, act contrary to what is right by breaking a pact or covenant, make to suffer loss or diminution, break off/become severed, alter the state or condition of a thing or person for the worse, diminish/waste/impair/take from a thing little by little, languid or weak, intentionally look at a thing which it is not allowable to look, make a look that induces suspicion or evil opinion.

khana vb. (1)
perf. act. 8:71, 66:10
impf. act. 8:27, 8:27, 12:52
n.vb. 8:58, 8:71
pcple. act. 4:105, 5:13, 8:58, 12:52, 40:19

khawwan n.m. 4:107, 22:38

ikhtana vb. (8) impf. act. 2:187, 4:107

LL, V2, p: 462, 463

Kh-Waw-Ra = Utter a cry/low or bellow (primarily a bull or cattle), to bend/turn/incline towards someone, become weak/feeble/languid, soft or fragile, become faint/remit or abate, - [in a camel that is drinking, **khawar** denotes or implies a quality that is praised; i.e. *Patient enduring of thirst and fatigue*: and a quality dispraised as well; i.e. *The Lacking patience to endure thirst and fatigue*. (TA)] - interrogate, unable to endure difficulty or distress, act cowardly.

khara vb. (1) n.vb. 7:148, 20:88

LL, V2, p: 456, 457

Kh-Waw-Ya = Become empty/vacant/unoccupied, become devoid or destitute of it's occupants (a place), fall down or become demolished, become empty of food (hunger in the belly), call or cry out, seize/take/carry off by force, make a space between one's upper arms and sides in prostration, lower the eyes or look towards the ground and desiring to be silent, dig a hole or hollow in the ground, abstain from food, lose reason or intellect, take away another person's possession.

khawa vb. (1) pcple. act. f. 2:259, 18:42, 22:45, 27:52, 69:7

LL, V2, p: 463, 464

Kh-Ya-Ba = Fail of attaining a desire or what is sought, to be denied/prohibted/debarred from what one desires or seeks, disappointed or frustrated, suffer loss, habitually unsuccessful.

khaba vb. (1)
perf. act. 14:15, 20:61, 20:111, 91:10
pcple. act. 3:127

LL, V2, p: 464

Kh-Ya-Lam = To think or have an opinion of a thing, surmise or fancy a thing, limp or halt, slightly lame, image a thing (form an image) in the mind, perceive or discover, convey doubt or suspicion, to be cowardly or weak-hearted on the occassion of a fight [and thus do not act/proceed firmly or steadily], hold back from people or a party through cowardice, vie with/rival/imitate someone (do as he does) in pride and self-conceit, dubious/confused/vague, become abundant in plants or herbage (land), go on or away, act with a penetrative energy (being quick), behave proudly or haughtily, walk with pride or self-conceit, weak in heart and body, free from an attachment of love (having no spouse).

khayl n.f. (coll) 3:14, 8:60, 16:8, 17:64, 59:6

mukhtal n.m. 4:36, 31:18, 57:23

khayyala vb. (1) impf. pass. 20:66

LL, V2, p: 469, 470, 471, 472

Kh-Ya-Miim = Hold back or refrain from someone through cowardice and fear, raise one's leg or foot, pitch one's tent, remain/stay/dwell in a place, unable to place one's leg or foot firmly on the ground.

khiyam n.f. (pl. of *khaymah*) 55:72

LL, V2, p: 472, 473

Kh-Ya-Ra = Be possessed of good, to do good, give one a choice or option (and also be given a choice or option), prefer one thing or person over another thing or person, preferred/pronounced/chosen, strive to surpass one in goodness, excellent in beauty and disposition, to be ideal (show actual or potential usefulness or benefit), be desired in all circumstances and by every person, exalted in rank or quality or reputation, to be better than another person or thing, be the best of things or people, to be generous (possess and show generosity), possess nobility or eminence, be elevated in state or condition.

khayr n.m. 2:54, 2:61, 2:103, 2:105, 2:106, 2:110, 2:158, 2:180, 2:184, 2:184, 2:184, 2:197, 2:197, 2:215, 2:215, 2:216, 2:220, 2:221, 2:221, 2:263, 2:269, 2:271, 2:272, 2:272, 2:273, 2:280, 3:15, 3:26, 3:30, 3:54, 3:104, 3:110, 3:110, 3:115, 3:150, 3:157, 3:178, 3:180, 3:198, 4:19, 4:25, 4:46, 4:59, 4:66, 4:77, 4:114, 4:127, 4:128, 4:149, 4:170, 4:171, 5:114, 6:17, 6:32, 6:57, 6:158, 7:12, 7:26, 7:85, 7:87, 7:89, 7:155, 7;169, 7:188, 8:19, 8:23, 8:30, 8:70, 9:3, 9:41, 9:61, 9:74, 9:109, 10:11, 10:58, 10:107, 10:109, 11:31, 11:84, 11:86, 12:39, 12:57, 12:59, 12:64, 12:80, 12;109, 16:30, 16:30, 16:76, 16:95, 16:126, 17:11, 17:35, 18:36, 18:40, 18:44, 18:44, 18:46, 18:46, 18:81, 18:95, 19:73, 19:76, 19:76, 20:73, 20:131, 21:35, 21:89, 22:11, 22:30, 22:36, 22:58, 22:77, 23:29, 23:72, 23:72, 23:109, 23:118, 24:11, 24:12, 24:27, 24:33, 24:60, 25:10, 25:15, 25:24, 27:36, 27:59, 27:89, 28:24, 28:26, 28:60, 28:80, 28:84, 29:16, 30:38, 33:19, 33:25, 34:39, 37:62, 38:32, 38:47, 38:48, 38:76, 41:40, 41:49, 42:36, 43:32, 43:52, 43:58, 44:37, 46:11, 47:21, 49:5, 49:11, 49:11, 50:25, 54:43, 58:12, 61:11, 62:9, 62:11, 62:11, 64:16, 66:5, 68:12, 68:32, 70:21, 70:41, 73:20, 73:20, 87:17, 93:4, 97:3, 98:7, 99:7, 100:8

khayrat n.f. pl. 2:148, 3:114, 5:48, 9:88, 21:73, 21:90, 23:56, 23:61, 35:32, 55:70

khirah n.f. 28:68, 33:36

takhayyara vb. (5) impf. act. 56:20, 68:38

ikhtara vb. (8)
perf. act. 7:155, 20:13, 44:32
impf. act. 28:68

LL, V2, p: 464, 465, 466, 467

Kh-Ya-Tay = To thread, sew/sew together/sew up, couple one thing with another, pass by or to or towards a person or thing, run/pass along quickly, journey without interruption (not pausing for anything), to be streaked with whiteness of the hair or beard, sew with a thread or string, to be scattered or in an abject state.

khayt n.m. 2:187, 2:187

khiyat n.m. 7:40

LL, V2, p: 467, 468

Kh-Zay-Nun = Reposit/store/preserve/guard something in a thing or property, conceal or withhold a thing from someone, become rich/suffcient after poverty, take the nearest of a thing.

khazana vb. (1)
pcple. act. 15:22, 39:71, 39:73, 40:49, 67:8

khaza'in n.f. (pl. of *khazanah*) 6:50, 11:31, 12:55, 15:21, 17:100, 38:9, 52:37, 63:7

LL, V2, p: 370, 371

Kh-Zay-Ya = To be or become abased/vile/despicable/abject, fall into trial or affliction and evil, manifest foul actions or qualities, to be confounded or perplexed by reason of disgrace, moved or affected with shame.

khaziya vb. (1)

impf. act. 20:134
n.vb. 2:85, 2:114, 5:33, 5:41, 9:63, 10:98, 11:66, 16:27, 22:9, 39:26, 41:16

akhza n.m. (comp. adj.) 41:16

akhza vb. (4)
perf. act. 3:192
impf. act. 3:194, 9:14, 11:39, 11:78, 11:93, 15:69, 16:27, 26:87, 39:40, 59:5, 66:8
pcple. act. 9:2

LL, V2, p: 371

Dal = ●

Dal-Alif-Ba = to be diligent, zealous, strive steadily, urge, drive, hold one's course, toil constantly.

da'aba vb. (1) pcple. act. 14:33

da'b n.m. 3:11, 8:52, 8:54, 12:47, 40:31

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 5, 6

Dal-Ayn-Ayn = to repel, push, thrust, push back and drive away with violence.

da'a vb. (1)
impf. act. 107:2
impf. pass. 52:13
n.vb. 52:13

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 47

= **Dal-Ayn-Waw** = to seek, desire, ask, demand, call upon, invoke, ascribe, cry out, call out to, pray, supplicate, petition, require, need, summon, invite, assert, succour. (e.g. '*daAAa*' in phonetic search engine).
Adopted son (*adiya*, pl. of *da'iy*).

daAAa vb. (1)
perf. act. 2:186, 3:38, 7:189, 7:193, 8:24, 10:12, 10:22, 14:22, 18:52, 19:91, 25:13, 27:62, 28:64, 29:65, 30:25, 30:33, 31:32, 39:8, 39:49, 41:33, 44:22, 54:10, 71:5, 71:7, 71:8
impf. act. 2:221, 2:221, 3:61, 3:104, 3:153, 4:117, 6:40, 6:41, 6:41, 6:52, 6:56, 6:63, 6:71, 6:71, 6:108, 7:37, 7:193, 7:194, 7:197, 7:198, 10:12, 10:25, 10:66, 10:106, 11:62, 11:101, 12:33, 12:108, 13:14, 13:36, 14:9, 14:10, 16:20, 16:86, 17:11, 17:52, 17:57, 17:67, 17:71, 17:110, 18:14, 18:28, 18:57, 19:48, 19:48, 21:90, 22:12, 22:13, 22:62, 22:73, 23:117, 25:14, 25:68, 26:72, 26:213, 28:25, 28:41, 28:88, 29:42, 31:21, 31:30, 32:16, 35:6, 35:13, 35:14, 35:18, 35:40, 37:125, 38:51, 39:8, 39:38, 40:20, 40:26, 40:41, 40:41, 40:42, 40:42, 40:43, 40:66, 40:74, 41:5, 41:48, 42:13, 43:86, 44:55, 46:4,

46:5, 47:35, 52:28, 54:6, 57:8, 70:17, 72:18, 72:19, 72:20, 84:11, 96:17, 96:18
impv. 2:23, 2:61, 2:68, 2:69, 2:70, 2:60, 7:29, 7:55, 7:56, 7:134, 7:180, 7:194, 7:195, 10:38, 11:13, 16:125, 17:56, 17:110, 17:110, 22:67, 25:14, 28:64, 28:87, 33:5, 34:22, 40:14, 40:49, 40:50, 40:60, 40:65, 42:15, 43:49
perf. pass. 2:282, 24:48, 24:51, 33:53, 40:12
impf. pass. 3:23, 40:10, 42:28, 47:38, 48:16, 61:7, 68:42, 68:43
n.vb. 2:171, 3:38, 13:14, 14:39, 14:40, 17:11, 19:4, 19:48, 21:45, 24:63, 24:63, 25:77, 27:80, 30:52, 35:14, 40:50, 41:49, 41:51, 46:5, 71:6
pcple. act. 2:186, 20:108, 33:46, 46:31, 46:32, 54:6, 54:8

adiya n.m. (pl. of da'iy) 33:4, 33:37

dawa n.f. 7:5, 10:10, 10:10, 21:15

dawah n.f. 2:186, 10:89, 13:14, 14:44, 30:25, 40:43

idda'a vb. (8) impf. act. 36:57, 41:31, 67:27

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 49, 50, 51

= **Dal-Ba-Ba** (or Dal-Ba with a tashdeed on the Ba) = to go gently, crawl/creep/walk, hit, expine, flow, throw.
Whatsoever moves on earth especially beasts of burden, quadraped, beast, moving creature, insect, creature on earth, materialistic person whose endeavors are wholly directed to the acquisition of worldy riches and material comforts and who has fallen on the pleasures of this world with all his might and main.

dabbah n.f. (pl. dawab) 2:164, 6:38, 8:22, 8:55, 11:6, 11:56, 16:49, 16:61, 22:18, 24:45, 27:82, 29:60, 31:10, 34:14, 35:28, 35:45, 42:29, 45:4

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 7, 8, 9

• • •

= **Dal-Ba-Ra** = to turn the back, flee, follow after, be behind, become old, take a thing away, veer to the west wind, elapse (day, night), follow with respect.
Back, hinder part, the last, extremity, that which comes after, at the end of, extreme, last remnant, uttermost part.
To dispose, manage, govern, consider, the issues or results of the affairs or the case, perform or execute the affair with thought or consideration, devise or plan the affair with

thought or consideration, devise or plan the affair, regulate.
Consequence, result.
idbar = retreat, withdrawal, setting.

dabir n.m. 6:45, 7:72, 8:7, 15:66

dubur n.m. (pl. *adbar*) 3:111, 4:47, 5:21, 8:15, 8:16, 8:50, 12:25, 12:27, 12:28, 15:65, 17:46, 33:15, 47:25, 47:27, 48:22, 50:40, 54:45, 59:12

dabbara vb. (2)
impf. act. 10:3, 10:31, 13:2, 32:5
pcple. act. 79:5

adbara vb. (4)
perf. act. 70:17, 74:23, 74:33, 79:22
idbar n.vb. 52:49
mudbir pcple. act. 9:25, 21:57, 27:10, 27:80, 28:31, 30:52, 37:90, 40:33

tadabbara vb. (5) impf. act. 4:82, 23:68, 38:29, 47:24

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 10, 11, 12, 13, 14

Dal-Fa-Alif = to be or keep warm, be hot.

Dif'un = warmth, warm clothing; warm food, milk and raiment are all classed under this.

dif n.m. 16:5

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 54, 55

Dal-Fa-Ayn = To push, pay over to, repel, drive away, avert, defend, discard, refute, quiet, plead, deliver up, dash (torrent), struggle, hinder.

dafa'a vb. (1)
perf. act. 4:6
impv. 3:167, 4:6, 23:96, 41:34
n.vb. 2:251, 22:40
pcple. act. 52:8, 70:2

dafa'a vb. (3) impf. act. 22:38

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 56, 57, 58

Dal-Fa-Qaf = To flow with force, pour forth, go briskly.

dafaqa vb. (1) pcple. act. 86:6

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 58, 59

Dal-ha-Miim = To crush, come suddenly upon, blacken.

id.hamma vb. (11) pcple. act. 55:64

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 91, 92

Dal-ha-Nun = To anoint, strike (with a stick), moisten, blandish, pleasantly smooth, agreeable and suave, dissemble with, coax, be pliant, grease, dis-simulate.

dihan n.m. 55:37

duhn n.m. 23:20

ad.hana vb. (4)
impf. act. 68:9, 68:9
pcple. act. 56:81

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 92, 93

Dal-ha-Qaf = To fill up, pour forth (a cup).

dihaq n.m. 78:34

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 90

Dal-ha-Ra = To happen.

Dahrun, plu. Duhur: Time (short or long); Beginning of time; Year; Event; Time from the beginning of the world to its end; Epoch; Vicissitudes of time; Calamity; Fate; as time brings to pass events; Good or evil.

dahr n.m. 45:24, 76:1

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 89, 90

Dal-ha-Ya = To overtake, calamity (as it encompasses a person on all sides, astound, happen, injuriously affected)

ad.ha n.m. comp. 54:46

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 93, 94

• • •

= **Dal-Ha-Dad** = slip, having no firmness/stability, become null & void, to anul/void/reject, examine into, to be weak, to jerk/decline, that which has no force/weight, to refute/ condemn, to depart, to go away.

dahada vb. (1)
pcple. act. 42:16

adhada vb. (4)
impf. act. 18:56, 40:5
pcple. pass. 37:141

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 21, 22

Dal-Ha-Ra = To drive away, repel, turn off, discard, banish.

dahara vb. (1)

n.vb. 37:9
pcple. pass. 7:18, 17:18, 17:39

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 21

Dal-Ha-Waw (Dal-Ha-Alif) = To hurl, spread forth, expand, stretch out, cast away, extend, drive along.

daha vb. (1) perf. act. 79:30

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 23

Dal-Kaf-Kaf = To crush, break, beat, deflate, ground, crumble to pieces, be completely crushed and broken to pieces.

dakka vb. (1)
perf. pass. 69:14, 89:21
n.vb. 7:143, 89:21, 89:21

dakka n.f. 18:98

dakkah n.f. 69:14

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 64, 65

Dal-Kaf-Ra = see Thal-Kaf-Ra

iddakara vb. (5)
perf. act. 12:45
pcple. act. 54:15, 54:22, 54:32, 54:40, 54:51

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 66, 134, 135, 136, 137

= **Dal-Kha-Lam** = to enter, got in, passed, to penetrate, breach, break through, invade, come upon, visit, intrude, meddle, insert, introduce, to participate/commence/include/take

part, it became comprehended/comprised in it, mix/intermingle.
Have intercourse with, go into (one's wife).
Income/revenue/profit.
confused/badness/unsound/corrupt, vice, deceit/guile/circumvention.
A select group of close associates.
A place of entrance, gate, ingoing, instrument allowing entrance, key.
Guest.

dakhala vb. (1)
perf. act. 3:37, 3:97, 4:23, 4:23, 5:23, 5:61, 7:38, 12:36, 12:58, 12:68, 12:69, 12:88, 12:99, 15:52, 17:7, 18:35, 18:39, 24:61, 27:34, 28:15, 38:22, 51:25, 71:28,
yadkhulu impf. act. 2:111, 2:114, 2:214, 3:142, 4:124, 5:22, 5:24, 7:40, 7:46, 12:67, 13:23, 13:23, 16:31, 17:7, 19:60, 24:27, 24:28, 24:29, 33:53, 35:33, 40:40, 40:60, 48:27, 49:14, 68:24, 110:2,
udkhul impv. 2:58, 2:58, 2:208, 4:154, 5:21, 5:23, 7:38, 7:49, 7:161, 12:67, 12:99, 15:46, 16:29, 16:32, 27:18, 27:44, 33:53, 36:26, 39:72, 39:73, 40:76, 43:70, 50:34, 66:10, 89:29, 89:30,
dukhila perf. pass. 33:14,
dakhil pcple. act. 5:22, 66:10,

dakhal n.m. 16:92, 16:94,
muddakhal n.m. 9:57,
mudkhal n.m. 4:31, 17:80, 22:59,

adkhala vb. (4)
perf. act. 5:65, 21:75, 21:86,
yudkhilu impf. act. 3:192, 3:195, 4:13, 4:14, 4:31, 4:57, 4:57, 4:122, 4:175, 5:12, 5:84, 9:99, 22:14, 22:23, 22:59, 29:9, 42:8, 45:30, 47:6, 47:12, 48:5, 48:17, 48:25, 58:22, 61:12, 64:9, 65:11, 66:8, 76:31,
adkhil - impv. 7:151, 17:80, 27:12, 27:19, 40:8, 40:46,
udkhila - perf. pass. 3:185, 14:23, 71:25,
yudkhalu - impf. pass. 70:38

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 24, 25, 26, 27

Dal-Kha-Nun = To smoke, raise smoke or dust, become altered, be ill-natured, fumigate, grope clumsily, handle (a thing) clumsily, spoil, fail to handle properly.

dukhan n.m. 41:11, 44:10

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 27, 28

Dal-Kha-Ra = To be small, mean, lowly, of no value or account, abject, humbled.

dakhara vb. (1) pcple. act. 16:48, 27:87, 37:18, 40:60

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 24

• • •

= **Dal-Lam-Kaf** = rubbing, squeezing, pressing, decline, sinking, become red, set, incline downwards from the meridian (sun). The whole phrase "*duluk-as-shams*" defined as "sunset" by Lane.

dalaka vb. (1) n.vb. 17:78

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 72, 73

Dal-Lam-Lam = To show, point out, indicate, direct, point at, guide, delude, discover, lead.

dalla vb. (1)
perf. act. 34:14
impf. act. 20:40, 20:120, 28:12, 34:7, 61:10

daliil n.m. 25:45

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 66, 67, 68

Dal-Lam-Waw (Dal-Lam-Alif) = To let down (e.g. a bucket into a well), to lower, a bucket.

dalw n.m. 12:19

dalla vb. (2) perf. act. 7:22

adla vb. (4)
perf. act. 12:19
impf. act. 2:188

tadalla vb. (5) perf. act. 53:8

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 74, 75

Dal-Miim-Ayn = To shed tears.

dama'a vb. (1) n.vb. 5:83, 9:92

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 79, 80

Dal-Miim-Dal-Miim = He smeared or did over, a thing much, or exceedingly, or with energy: and he so covered over a thing.

damdama vb. (quad 1) perf. act. 91:14

LL, V3, p: 76

Dal-Miim-Gh = To destroy, damage the brain, overcome, prevail upon (error), disgrace, knock out.

damagha vb. (1) impf. act. 21:18

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 80

Dal-Miim-Miim (Da-Mim-Alif) = To bleed, be bloodstained.

dam n.m. (pl. dima) 2:30, 2:84, 2:173, 5:3, 6:145, 7:133, 12:18, 16:66, 16:115, 22:37

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 75, 76, 77

Dal-Miim-Ra = To perish utterly, be annihilated, to destroy.

dammara vb. (2)
perf. act. 7:137, 17:16, 25:36, 26:172, 27:51, 37:136, 47:10
impf. act. 46:25
n.vb. 17:16, 25:36

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 78, 79

Dal-Nun-Ra = to glisten (face), strike (money), Dinar, unit of currency.

dinar n.m. 3:75

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 85

Dal-Nun-Waw (Dal-Nun-Alif) = To be near, come near or low, let down, be akin to.

dana vb. (1)
perf. act. 53:8
pcple. act. 6:99, 55:54, 69:23, 76:14

adna n.m. 2:61, 2:282, 4:3, 5:108, 7:169, 30:3, 32:21, 33:51, 33:59, 53:9, 58:7, 73:20

dunya n.f. 2:85, 2:86, 2:114, 2:130, 2:200, 2:201, 2:204, 2:212, 2:217, 2:220, 3:14, 3:22, 3:45, 3:56, 3:117, 3:145, 3:148, 3:152, 3:185, 4:74, 4:77, 4:94, 4:109, 4:134, 4:134, 5:33, 5:41, 6:29, 6:32, 6:70, 6:130, 7:32, 7:51, 7:152, 7:156, 8:42, 8:67, 9:38, 9:38, 9:55, 9:69, 9:74, 9:85, 10:7, 10:23, 10:24, 10:64, 10:70, 10:88, 10:98, 11:15, 11:60, 12:101, 13:26, 13:34, 14:3, 14:27, 16:30, 16:41, 16:107, 16:122, 18:28, 18:45, 18:46, 18:104, 20:72, 20:131, 22:9, 22:11, 22:15, 22:33, 23:37, 24:14, 24:19, 24:23, 24:33, 28:42, 28:60, 28:61, 28:77, 28:79, 29:25, 29:27, 29:64, 30:7, 31:15, 31:33, 33:28, 33:57, 35:5, 37:6, 39:10, 39:26, 40:39, 40:43, 40:51, 41:12, 41:16, 41:31, 42:20, 42:36, 43:32, 43:35, 45:24, 45:35, 46:20, 47:36, 53:29, 57:20, 57:20, 59:3, 67:5, 79:38, 87:16

adna vb. (4) impf. act. 33:59

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 86, 87, 88

Dal-Ra-Alif (Dal-Ra-Hamza) = To repel, revert, drive off; put off, avert, overcome, combat, quarrel, urge, rush suddenly, repel in a quarrel, disagree.

dara'a vb. (1)
impf. act. 13:22, 24:8, 28:54
impv. 3:168

iddara'a vb. (6) perf. act. 2:72

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 30, 31, 32

Dal-Ra-ha-Miim = A certain silver coin, unit of currency (smaller than Dinar?).

darahim (pl. of dirham) n.m. 12:20

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 42, 43

Dal-Ra-Jiim = To walk step by step, proceed gradually, destroy by degrees, insert a thing, unwrap, come gradually to, deceive, show forbearance to (a sinner).

darajah n.f. (pl. darajat) 2:228, 2:253, 3:163, 4:95, 4:96, 6:83, 6:132, 6:165, 8:4, 9:20, 12:76, 17:21, 20:75, 40:15, 43:32, 46:19, 57:10, 58:11

istadraja vb. (10) impf. act. 7:182, 68:44

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 33, 34, 35, 36

Dal-Ra-Kaf = To overtake, follow up, drop closely.

daraka vb. (1) n.vb. 20:77

dark n.m. 4:145

adraka vb. (4)
perf. act. 10:90
impf. act. 4:78, 4:100, 6:103, 6:103, 36:40
pcple. pass. 26:61

tadaraka vb. (6)

perf. act. 68:49

iddaraka vb. (6) perf. act. 7:38, 27:66

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 39, 40, 41

Dal-Ra-Ra = To flow copiously, plentifully, give much, shine.

durriy n.m. 24:35

midrar n.m. 6:6, 11:52, 71:11

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 28, 29, 30

Dal-Ra-Siin = To study, read, read with attention, disappear (trace), efface, obliterate, teach.

darasa vb. (1)
perf. act. 6:105, 7:169
impf. act. 3:79, 34:44, 68:37

dirasah n.f. 6:156

idris n. 19:56, 21:85

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 36, 37

Dal-Ra-Ya = To know, know by skill.

dara vb. (1) impf. act. 4:11, 21:109, 21:111, 31:34, 31:34, 42:52, 45:32, 46:9, 65:1, 69:26, 72:10, 72:25

adra vb. (4)
perf. act. 10:16, 69:3, 74:27, 77:14, 82:17, 82:18, 83:8, 83:19, 86:2, 90:12, 97:2, 101:3, 101:10, 104:5
impf. act. 33:63, 42:17, 80:3

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 43, 44

Dal-Siin-Ra = To repair with nails, spear, caulk and make a ship water-tight, nail a thing, ram in.

dusur n.m. (pl. of disar) 54:13

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 45

Dal-Siin-Siin = To hide, bury, conceal, insinuate, thrust.

dassa vb. (1) impf. act. 16:59

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 44

Dal-Siin-Waw = corrupt

dassa vb. (2) perf. act. 91:10

Dal-Tha-Ra= To be endowed with excellent capabilities, cover with a cloak, wrap with a garment, destroy or obliterate.

daththara vb. (2) pcple. act. 74:1

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 17

Dal-Waw-Dal = David, Name of the Prophet and King of Jews, founder and first ruler of the united kingdom of Israel and Judah.

dawud n. 2:251, 4:163, 5:78, 6:84, 17:55, 21:78, 21:79, 27:15, 27:16, 34:10, 34:13, 38:17, 38:22, 38:24, 38:26, 38:30

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 95, 96

Dal-Waw-Lam (Dal-Alif-Lam) = To be in continual rotation, change, undergo vicissitudes.

dulah n.f. 59:7

dawala vb. (3) impf. act. 3:140

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 100, 101

Dal-Waw-Miim (Dal-Alif-Miim) = To continue, endure, persist, remain, persevere, last, stand still, keep alive.

dama vb. (1)
perf. act. 3:75, 5:24, 5:96, 5:117, 11:107, 11:108, 19:31
pcple. act. 13:35, 70:23

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 101, 102, 103, 104

Dal-Waw-Ra (Da-Alif-Ra) = To go round, revolve, circulate.

dara vb. (1) impf. act. 33:19

dar n.f. (pl. diyar) 2:84, 2:85, 2:94, 2:243, 2:246, 3:195, 4:66, 6:32, 6:127, 6:135, 7:78, 7:91, 7:145, 7:169, 8:47, 10:25, 11:65, 11:67, 11:94, 12:109, 13:22, 13:24, 13:25, 13:31, 13:42, 14:28, 16:30, 16:30, 17:5, 22:40, 28:37, 28:77, 28:81, 28:83, 29:37, 29:64, 33:27, 33:29, 35:35, 38:46, 40:39, 40:52, 41:28, 59:2, 59:8, 59:9, 60:8, 60:9

da'irah n.f. (pl. dawa'ir) 5:52, 9:98, 9:98, 48:6

dayyar n.m. 71:26

adara vb. (4) impf. act. 2:282

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 96, 97, 98

• • •

= **Dal-Ya-Nun** = obedience/submissiveness, servility, religion, high/elevated/noble/glorious rank/condition/state, took/receive a loan or borrowed upon credit, become indebted, in debt, under the obligation of a debt, contract a debt, repay/reimburse a loan, rule/govern/ manage it, possess/own it, become habituated/accustomed to something, confirmation, death (because it is a debt everyone must pay), a particular law/statute, system, custom/ habit/business, a way/course/manner of conduct/acting, repayment/compensation.

dana vb. (I)
impf. act. 9:29
pcple. pass. 37:53, 56:86

dayn n.m. 2:282, 4:11, 4:12, 4:12, 4:12

din n.m. 1:4, 2:132, 2:193, 2:217, 2:217, 2:256, 3:19, 3:24, 3:73, 3:83, 3:85, 4:46, 4:125, 4:146, 4:171, 5:3, 5:3, 5:3, 5:54, 5:57, 5:77, 6:70, 6:137, 6:159, 6:161, 7:29, 7:51, 8:39, 8:49, 8:72, 9:11, 9:12, 9:29, 9:33, 9:33, 9:36, 9:122, 10:22, 10:104, 10:105, 12:40, 12:76, 15:35, 16:52, 22:78, 24:2, 24:25, 24:55, 26:82, 29:65, 30:30, 30:30, 30:32, 30:43, 31:32, 33:5, 37:20, 38:78, 39:2, 39:3, 39:11, 39:14, 40:14, 40:26, 40:65, 42:13, 42:13, 42:21, 48:28, 48:28, 49:16, 51:6, 51:12, 56:56, 60:8, 60:9, 61:9, 61:9, 70:26, 74:46, 82:9, 82:15, 82:17, 82:18, 83:11, 95:7, 98:5, 98:5, 107:1, 109:6, 109:6, 110:2,

tadayana vb. (VI) perf. act. 2:282

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 108, 109, 110, 111, 112

• • •

= **Dal-hamza-Ba** = to strive/exert/labour/toil, diligent, zealous, become wearied/fatigued, held on / continue, urge, to drive out/away, hunt, to pawn, to persevere, to persist, to last, to hold out.
A custom/habit/manner/wont, an affair/business/concern, deed/work/condition.

[3:11, 8:52, 8:54, 40:31, 12:47, dual - 14:33]

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 5, 6

Thal / Dhal = •

= **Thal-Alif-Ba** = to collect/gather, expel, despise, urge, frighten.
Be as wicked/crafty as a wolf, wolf, dog of the dessert.
Loud howl/cry/sound, quicken in journey.
State of commotion/fluctuation.

dhi'b n.m. 12:13, 12:14, 14:17

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 114, 115, 116

=**Thal-Alif-Miim** = to drive off, banish, blame, despise, disgrace, scorned, repay/requite, frighten/terrify, vice/fault/defect.

dha'ama vb. (1) - pcple. pass. 7:18

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 117

Thal-Ayn-Nun = to obey/submit/acknowledge, humble/low, one who is submissive without delay and willingly.

adh'ana vb. (4) pcple. act. 24:49

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 132

Thal-Ba-Ba = strove/labour/toil, to wander to and fro as a fly, waver (between this and that), become restless, much motion, fatigued, remove, repel, annoy, drive away flies, protect/defend, move about, fly/flies.
Become posessed/mad/insane.
Dry up.

dhubab (pl. of *dhubabah*) - 22:73 (x2)

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 117, 118, 119

Thal-Ba-Ha = to split/rip, cut the throat, stay, sacrifice, rip open, trench, to slaughter/ massacre, slay in large number, that which is sacrificed, victim, slaughtered one.

dhabaha vb. (I)
perf. act. 2:71
impf. act. 2:67, 27:21, 37:102
perf. pass. 5:3

dhibh n.m. 37:107

dhabbaha vb. (II) impf. act. 2:49, 14:6, 28:4

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 119, 120, 121

= **Thal-Ba-Thal-Ba** = wavering, moving to and fro.

dhabdhaba vb. (quad. I) participle. passive. - 4:143

Thal-ha-Ba = to go, go away, depart, take away or go away with, consume, receive, pass along, die, be ended.
Opinion, belief, way of action, rite. Hold an opinion, follow the opinion of, hold a belief, adapt an opinion.
Gold.

dhahaba vb. (1) perf. act. 2:17, 2:20, 11:10, 11:74, 12:15, 12:17, 21:87, 23:91, 33:19, 60:11, 75:33
impf. act. 4:19, 8:46, 12:13, 13:17, 17:86, 20:63, 24:43, 24:62, 33:20, 35:8, 43:41, 81:26
impv. 5:24, 12:87, 12:93, 17:63, 20:24, 20:42, 20:43, 20:97, 25:36, 26:15, 27:28, 79:17
n. vb. 23:18
pcple. act. 37:99

dhahab - 3:14, 3:91, 9:34, 18:31, 22:23, 35:33, 43:53, 43:71

adhhaba vb. (4) perf. act. 35:34, 46:20
impf. act. 4:133, 6:133, 8:11, 9:15, 11:114, 14:19, 22:15, 33:33, 35:16

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 148, 149

Thal-ha-Lam = to forget/neglect, be diverted from (with *an*)

dhahala vb. (1) impf. act. 22:2

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 149, 150

= **Thal-Kaf-Alif** = to slay/slaughter, make fit for food, legal/clean slaughter.
Completeness.
Blasé, be sagacious, knowledgeable/skillful/sharp.
Be hot, kindle, burn/flame/blaze.
Old, advanced in age, big-bodied or corpulent, full-grown (when applied to a man).
E.W. Lane on 5:3 - "*except that whereof ye shall attain/slaughter in the manner prescribed by the law while yet life remains in it.*"

plural - 5:3 "..except what you *thakkaytum*.."

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 137, 138 (Thal-Kaf-Waw)

• • •

= **Thaal-Kaf-Ra** = to remember/commemorate/recollect, study in order to remember, remind, bear in mind, mindful, mention/tell/relate, magnify/praise, admonish/warn (e.g. *dhikra* is the 2nd declenation and it is stronger than *dhikr*), preach, extol, give status.
nobility/eminence/honour, fame, good report, cause of good reputation, means of exaltation.
Male/man/masculine (*dhakar*, dual - *dhakarain*, plural - *dhukur*).

dhakara vb. (1)
perf. act. 3:135, 17:46, 26:227, 33:21, 74:55, 80:12, 87:15
impf. act. 2:152, 2:235, 3:191, 4:142, 6:138, 12:85, 18:63, 19:67, 20:34, 21:36, 21:60, 22:28, 22:34, 37:13, 40:44, 43:13, 74:56
impv. 2:40, 2:47, 2:63, 2:122, 2:152, 2:198, 2:198, 2:200, 2:203, 2:231, 2:239, 3:41, 3:103, 4:103, 5:4, 5:7, 5:11, 5:20, 5:110, 7:69, 7:69, 7:74, 7:74, 7:86, 7:171, 7:205, 8:26, 8:45, 12:42, 14:6, 18:24, 19:16, 19:41, 19:51, 19:54, 19:56, 22:36, 33:9, 33:34, 33:41, 35:3, 38:17, 38:41, 38:45, 38:48, 46:21, 62:10, 73:8, 76:25
perf. pass. 6:118, 6:119, 8:2, 22:35, 39:45, 39:45, 47:20
impf. pass. 2:114, 6:121, 22:40, 24:36

noun verb 2:200, 2:200, 3:58, 5:91, 7:63, 7:69, 12:42, 12:104, 13:28, 13:28, 15:6, 15:9, 16:43, 16:44, 18:28, 18:70, 18:83, 18:101, 19:2, 20:14, 20:42, 20:99, 20:113, 20:124, 21:2, 21:7, 21:10, 21:24, 21:24, 21:36, 21:42, 21:48, 21:50, 21:105, 23:71, 23:110, 24:37, 25:18, 25:29, 26:5, 29:45, 33:41, 36:11, 36:69, 37:3, 37:168, 38:1, 38:8, 38:8, 38:32, 38:49, 38:87, 39:22, 39:23, 41:41, 43:5, 43:36, 43:44, 53:29, 54:17, 54:22, 54:25, 54:32, 54:40, 57:16, 58:19, 62:9, 63:9, 65:10, 68:51, 68:52, 72:17, 77:5, 81:27, 94:4
pcple. act. 11:114, 33:35, 33:35
pcple. pass. 76:1

dhakar (pl. *dhukur*) - 3:36, 3:195, 4:11, 4:124, 4:176, 6:139, 6:143, 6:144, 16:97, 26:165, 40:40, 42:49, 42:50, 49:13, 53:21, 53:45, 75:39, 92:3

dhikra n.f. - 6:68, 6:69, 6:90, 7:2, 11:114, 11:120, 21:84, 26:209, 29:51, 38:43, 38:46, 39:21, 40:54, 44:13, 47:18, 50:8, 50:37, 51:55, 74:31, 79:43, 80:4, 87:9, 89:23

tadhkirah n.f. - 20:3, 56:73, 69:12, 69:48, 73:19, 74:49, 74:54, 76:29, 80:11

dhakkara vb. (2)
impf. act. 2:282
impv. 6:70, 14:5, 50:45, 51:55, 52:29, 87:9, 88:21
perf. pass. 5:13, 5:14, 6:44, 7:165, 18:57, 25:73, 32:15, 32:22, 36:19, 37:13
n.vb. 10:71
pcple. act. 88:21

tadhakkara vb. (5)
perf. act. 7:201, 33:37
impf. act. 2:221, 2:269, 3:7, 6:80, 6:126, 6:152, 7:3, 7:26, 7:57, 7:130, 8:57, 9:126, 10:3, 11:24, 11:30, 13:19, 14:25, 14:52, 16:13, 16:17, 16:90, 17:41, 20:44, 23:85, 24:1, 24:27, 25:50, 25:62, 27:62, 28:43, 28:46, 28:51, 32:4, 35:37, 37:155, 38:29, 39:9, 39:27, 40:13, 40:58, 44:58, 45:23, 51:49, 56:62, 69:42, 79:35, 80:4, 87:10, 89:23

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 134, 135, 136, 137

Thal-Kha-Ra = to save/store/treasure/hoard, make provision for, prepare/provide, reserve, preserve, select/choose. Fat.

idhdhakhara vb. (8)
impf. act. *yadhdhakhiru* 3:49

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 122, 123

Thal-Lam-Lam = to be low, hang low, low/lowest part of something, subdued, gentle, abase, easy, submissive, meek, subject, humble, humility, paltry, wings of submissiveness out of tenderness, treating with compassion.
Vileness, ignominy, weakness, despicable, meakness, abjectness, abasement.
Well-trained, tractable, manageable, commodious, broken.

dhalla vb. (I)
impf. act. 20:134
n.vb. 17:24, 17:111, 42:45

dhillah n.f. 2:61, 3:112, 7:152, 10:26, 10:27, 68:43, 70:44

dhalil n.m. (adj. pl. adhilah) 3:123, 5:54, 27:34, 27:37, 58:20, 63:8,

dhalul n. com. (adj. pl. dhulul) 2:71, 16:69, 67:15

dhallala vb. (II) - perf. act. 36:72, perf. pass. 76:14, n.vb. 76:14

adhalla vb. (IV) - impf. act. 3:26

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 138, 139, 140

Thal-Miim-Miim = to revile/blame/reprove/condemn/censure/reprehend, blameworthy, blamed one, disgraced, abused, shun/avoid.
Treaty, good faith, agreement, covenant, protection, grant protection/security, engagement, obligation, compact, responsibility.

dhamma vb. (1)
pcple. pass. 17:18, 17:22, 68:49

dhimmah n.f. - 9:8, 9:10

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 141, 142, 143

Thal-Nun-Ba = to track, make a tale, add apendix, follow closely, become spotted.
Commit offence, fault, sin, wrong, act of disobedience, transgression.

dhanb n.m. (pl. dhunub) 3:11, 3:193, 8:54, 39:53, 40:55, 48:2, 71:4, 91:14

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 145, 146, 147, 148

Thal-Qaf-Nun = to strike on the chin, lean the chin upon (with *ala*), chin, although its primary meaning is chin it may be rendered as face.
To straighten.
A decrepit/old/weak man.

adhqan n.f. (pl. of *dhaqn*) - 17:107, 17:109, 36:8

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 133, 134

Thal-Ra-Alif = to produce/create/scatter/multiply/broadcast/sow, numerous, children/offspring.
Become grey on the forehead (hair).

dhara'a vb. (1)
perf. act. 6:136, 7:179, 16:13, 23:79, 67:24
impf. act. 42:11

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 123, 124

Thal-Ra-Ayn = to measure by the cubit, stretch the forefeet in walk, lower (a camel) for riding, overcome, strangle from behind, raise and stretch forth the arm (in swimming), stretching forth of the hand, spread widely, strength/power, measure, length, forearm, forefoot, cubit, rod of cubit of 22 3/4 inches, length of the arm to the elbow to the extremity of the middle finger.
Fall short of the affair, prevent, withold, felt helpless, means, ability, limit.
Talk/walk much, long stride.

dhar n.m. 11:77, 29:33, 69:32

dhira n.com. 18:18, 69:32

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 126, 127, 128, 129

Thal-Ra-Ra = to scatter, strew, sprinkle, rise.
Least degree.
Atom, small ant, smallest kind of an ant resembling in weight and shape to an atom, smallest seed of grain, grub, small particle thats sprinkled.
Progeny, offspring, children, race, raising children.

dharrah n.f. 4:40, 10:61, 34:3, 34:22, 99:7, 99:8

dhurriyah n.f. 2:124, 2:128, 2:266, 3:34, 3:36, 3:38, 4:9, 6:84, 6:87, 6:133, 7:172, 7:173, 10:83, 13:23, 13:38, 14:37, 14:40, 17:3, 17:62, 18:50, 19:58, 19:58, 25:74, 29:27, 36:41, 37:77, 37:113, 40:8, 46:15, 52:21, 52:21, 57:26

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 123

Thal-Ra-Waw = to scatter (seeds), disperse, uproot, fall, snatch/carry away, raise it or make it fly, raise (dust) wind, eliminate or select by sifting, blow the chaff (from grain), sift, sort out, to hasten.
Praise (one down, ascend on the top of), apex, top.

dhara vb. (1) impf. act. 18:45, n.vb. 51:1, pcple. act. 51:1

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 130, 131

Thal-Waw-Dal = hold/keep back, drive away, dispel, repel, prevent.

dhada vb. (1) impf. act. 28:23

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 153, 154

Thal-Waw-Qaf - to taste/experience/try/perceive. One who tastes, cause to taste.

dhaqa vb. (I)
perf. act. 6:148, 7:22, 59:15, 64:5, 65:9
impf. act. 4:56, 5:95, 16:94, 38:8, 38:57, 44:56, 78:24
impv. 3:106, 3:181, 6:30, 7:39, 8:14, 8:35, 8:50, 9:35, 10:52, 22:22, 29:55, 32:14, 32:20, 34:42, 35:37, 39:24, 44:49, 46:34, 51:14, 54:37, 54:39, 54:48, 78:30
pcple. act. 3:185, 21:35, 29:57, 37:31, 37:38

adhaqa vb. (IV)
perf. act. 10:21, 11:9, 11:10, 16:112, 17:75, 30:33, 30:36, 39:26, 41:50, 42:48
impf. act. 6:65, 10:70, 22:9, 22:25, 25:19, 30:41, 30:46, 32:21, 34:12, 41:16, 41:27, 41:50

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 154, 155

Thal-Ya-Ayn = to broadcast/publish/divulge, to noise abroad, to spread/reveal/manifest, become known.

adha'a vb. (4) perf. act. 4:83

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 156

Ra = •

Ra-Alif-Fa = to be compassionate/kind/merciful, pity, conciliate, tenderness, clement, mild.

rafah n.f. 24:2, 57:27

rauf n.m. 2:143, 2:207, 3:30, 9:117, 9:128, 16:7, 16:47, 22:65, 24:20, 57:9, 59:10

Lane's Lexicon, Volume 3, page: 162, 163

= **Ra-Alif-Siin** = head, head/chief/commander/ruler/governor/prince, strike on the head, set any one over, become high in rank/condition, highest or uppermost part, the capital/principal of money, the beginning or first part, numerous and strong company of people.

ras n.m. (pl. ru'us) 2:196, 2:196, 2:279, 5:6, 7:150, 12:36, 12:41, 14:43, 17:51, 19:4, 20:94, 21:65, 22:19, 32:12, 37:65, 44:48, 48:27, 63:5

LL, V3, p: 161, 162

Ra-Alif-Ya = to see/think/hold, in opinion of, perceive, judge, consider, know. ara'itaka / ara'itakum - do tell me thou/you (the personal pronoun Kaf is added for emphasis and is not purely as pleonism without adding to the meaning). tara'ni is for a compound word of a verb tara followed by a pronoun ni - you see me. badi al-ra'yi - having superficial view, outward appearance, first thought, apparently, without proper consideration. ra'yal'ain - to see with naked eye, judgement by sight. ri'yun - outward appearance. ru'ya - vision dream. a'lam tara - behold! lo! ri'aun - hypocrisy, ostentation, to be seen. tara'a - to see one another, consider, come in sight of one another. yura'una - they deceive hypocritically assuming a false appearance.

ra'a vb (I)
perf. act. 2:166, 3:143, 4:61, 6:40, 6:46, 6:47, 6:68, 6:76, 6:77, 6:78, 7:149, 10:50, 10:54, 10:59, 11:28, 11:63, 11:70, 11:88, 12:4, 12:4, 12:24, 12:28, 12:31, 12:35, 16:85, 16:86, 17:62, 18:53, 18:63, 19:75, 19:77, 20:10, 20:92, 21:36, 25:12, 25:41, 25:43, 26:75, 26:205, 27:10, 27:40, 27:44, 28:31, 28:64, 28:71, 28:72, 30:51, 33:19,

33:22, 34:33, 35:8, 35:40, 37:14, 37:55, 39:38, 40:84, 40:85, 41:52, 42:44, 45:23, 46:4, 46:10, 46:24, 47:20, 53:11, 53:13, 53:18, 53:19, 53:33, 56:58, 56:63, 56:68, 56:71, 59:21, 62:11, 63:4, 63:5, 67:27, 67:28, 67:30, 68:26, 72:24, 76:19, 76:20, 81:23, 83:32, 96:7, 96:9, 96:11, 96:13, 107:1, 110:2
impf. act. 2:55, 2:144, 2:165, 2:165, 2:243, 2:246, 2:258, 3:13, 3:23, 4:44, 4:49, 4:51, 4:60, 4:77, 5:52, 5:62, 5:80, 5:83, 6:6, 6:25, 6:27, 6:30, 6:74, 6:93, 6:94, 7:27, 7:27, 7:60, 7:66, 7:143, 7:143, 7:146, 7:146, 7:146, 7:148, 7:198, 8:48, 8:48, 8:50, 9:26, 9:40, 9:94, 9:105, 9:126, 9:127, 10:88, 10:97, 11:27, 11:27, 11:27, 11:29, 11:84, 11:91, 12:30, 12:36, 12:36, 12:36, 12:43, 12:59, 12:78, 13:2, 13:41, 14:19, 14:24, 14:28, 14:49, 16:14, 16:48, 16:79, 17:99, 18:17, 18:39, 18:47, 18:49, 19:26, 19:83, 20:46, 20:89, 20:107, 21:30, 21:44, 22:2, 22:2, 22:5, 22:18, 22:63, 22:65, 24:40, 24:41, 24:43, 24:43, 25:21, 25:22, 25:40, 25:42, 25:45, 26:7, 26:201, 26:218, 26:225, 27:20, 27:86, 27:88, 29:19, 29:67, 30:37, 30:48, 31:10, 31:20, 31:29, 31:31, 32:12, 32:27, 33:9, 34:6, 34:9, 34:31, 34:51, 35:12, 35:27, 36:31, 36:71, 36:77, 37:102, 37:102, 38:62, 39:21, 39:21, 39:58, 39:60, 39:75, 40:29, 40:69, 41:15, 41:39, 42:22, 42:44, 42:45, 45:28, 46:23, 46:33, 46:35, 48:29, 52:44, 53:12, 53:35, 54:2, 57:12, 57:20, 58:7, 58:8, 58:14, 59:11, 67:3, 67:3, 67:19, 69:7, 69:8, 70:6, 70:7, 71:15, 76:13, 79:36, 79:46, 89:6, 90:7, 96:14, 99:7, 99:8, 102:6, 102:7, 105:1
perf. pass. 46:25, 53:40

ra'y n.m. 3:13, 11:27

ri'a n.m. 2:264, 4:38, 8:47

ri'y n.m. 19:74

ru'ya n.f. 12:5, 12:43, 12:43, 12:100, 17:60, 37:105, 48:27

ra'a vb. (3)
impf. act. 4:142, 107:6

ara vb. (4)
perf. act. 3:152, 4:105, 8:43, 17:60, 20:56, 47:30, 79:20
impf. act. 2:73, 2:167, 5:31, 6:75, 7:27, 7:145, 8:43, 8:44, 10:46, 13:12, 13:40, 17:1, 20:23, 21:37, 23:93, 23:95, 27:93, 28:6, 30:24, 31:31, 40:13, 40:29, 40:77, 40:81, 41:53, 43:42, 43:48
impv. 2:128, 2:260, 4:153, 7:143, 31:11, 34:27, 35:40, 41:29, 46:4
impf. pass. 99:6

tara'a vb. (6) 8:48, 26:61

LL, V3, p: 164, 165, 166, 167, 168

Ra-Ayn-Ba = fear/terror, frighten, tremble with fear, great awe.

ra'aba vb. (1) n.vb. 3:151, 8:12, 18:18, 33:26, 59:2

LL, V3, p: 269, 270

Ra-Ayn-Dal = to thunder, threaten of war.

raAAd n.m. 2:19, 13:13

LL, V3, p: 271, 272

Ra-Ayn-Ya = to pasture/feed/graze, observe aright, keep (an order), rule, have regard to, tend. One who feeds flocks, shepherd. ri'ayatun - right observance. mar'an - pasture. ra'a (vb. 3) - to observe/respect, look at, listen, give ear, hearken. ra'ina - listen to us (a phrase used also for showing disrespect for the person addressed).

ra'a vb. (1)
perf. act. 57:27
impv. 20:54
n.vb. 57:27
pcple. act. 23:8, 28:23, 70:32

mar'a n.m. 79:31, 87:4

ra'a vb. (3) impv. 2:104, 4:46

LL, V3, p: 274, 275, 276

Ra-Ba-Ayn = four, fourth, quarter, forty

arba' = four - 2:226, 2:234, 2:260, 4:15, 9:2, 9:36, 24:4, 24:6, 24:8, 24:13, 24:45, 41:10

arba'un = forty - 2:51, 5:26, 7:142, 46:15

rabi = the fourth - 18:22, 58:7

ruba = four - 4:3, 35:1

rubu = fourth/quarter - 4:12, 4:12

LL, V3, p: 181, 182, 183, 184, 185, 186

Ra-Ba-Ba = to be a lord and master, collect, possess/owner, rule, increase, complete, bring up, preserve, chief, determiner, provider, sustainer, perfecter, rewarder, creator, maintainer, reposer of properties, developer, former of rules and laws of the growth, foster a thing in such a manner as to make it attain one condition after another until it reaches its goal of completion.

rabb n.m. (pl. *arbab*)

1:2,
2:5, 2:21, 2:26, 2:30, 2:37, 2:46, 2:49, 2:61, 2:62, 2:68, 2:69, 2:70, 2:76, 2:105,
2:112, 2:124, 2:126, 2:127, 2:128, 2:129, 2:131, 2:131, 2:136, 2:139, 2:139, 2:144,
2:147, 2:149, 2:157, 2:178, 2:198, 2:200, 2:201, 2:248, 2:50, 2:258, 2:258, 2:260,
2:262, 2:274, 2:275, 2:277, 2:282, 2:283, 2:285, 2:285, 2:286, 2:286, 2:286,
3:7, 3:8, 3:9, 3:15, 3:16, 3:35, 3:36, 3:37, 3:38, 3:38, 3:40, 3:41, 3:41, 3:43, 3:47,
3:49, 3:50, 3:51, 3:51, 3:53, 3:60, 3:64, 3:73, 3:80, 3:84, 3:124, 3:125, 3:133, 3:136,
3:147, 3:169, 3:191, 3:192, 3:193, 3:193, 3:193, 3:194, 3:195, 3:198, 3:199,
4:1, 4:65, 4:75, 4:77, 4:170, 4:174,
5:2, 5:24, 5:25, 5:28, 5:64, 5:66, 5:67, 5:68, 5:68, 5:72, 5:83, 5:84, 5:112, 5:114,
5:117, 5:117,
6:1, 6:4, 6:15, 6:23, 6:27, 6:30, 6:37, 6:38, 6:45, 6:51, 6:52, 6:54, 6:57, 6:71, 6:76,
6:77, 6:77, 6:78, 6:80, 6:80, 6:83, 6:102, 6:104, 6:106, 6:108, 6:112, 6:114, 6:115,
6:117, 6:119, 6:126, 6:127, 6:128, 6:128, 6:131, 6:132, 6:133, 6:145, 6:147, 6:150,
6:151, 6:154, 6:157, 6:158, 6:158, 6:158, 6:161, 6:162, 6:164, 6:164, 6:164, 6:165,
7:3, 7:20, 7:22, 7:23, 7:29, 7:33, 7:38, 7:43, 7:44, 7:44, 7:47, 7:53, 7:54, 7:54, 7:55,
7:58, 7:61, 7:62, 7:63, 7:67, 7:68, 7:69, 7:71, 7:73, 7:75, 7:77, 7:79, 7:85, 7:89,
7:89, 7:89, 7:93, 7:104, 7:105, 7:121, 7:122, 7:125, 7:126, 7:126, 7:129, 7:134,
7:137, 7:141, 7:142, 7:143, 7:143, 7:143, 7:149, 7:150, 7:151, 7:152, 7:153, 7:154,
7:155, 7:164, 7:167, 7:167, 7:172, 7:172, 7:187, 7:189, 7:203, 7:203, 7:205, 7:206,
8:2, 8:4, 8:5, 8:9, 8:12, 8:54,
9:21, 9:31, 9:129,
10:2, 10:3, 10:9, 10:10, 10:15, 10:19, 10:20, 10:32, 10:33, 10:37, 10:40, 10:53,
10:57, 10:61, 10:85, 10:88, 10:88, 10:88, 10:93, 10:94, 10:96, 10:99, 10:108,
11:3, 11:17, 11:17, 11:18, 11:18, 11:23, 11:28, 11:29, 11:34, 11:41, 11:45, 11:45,
11:47, 11:52, 11:56, 11:56, 11:56, 11:57, 11:57, 11:59, 11:60, 11:61, 11:63, 11:66,
11:68, 11:76, 11:81, 11:83, 11:88, 11:90, 11:92, 11:101, 11:102, 11:107, 11:107,

11:108, 11:110, 11:111, 11:117, 11:118, 11:119, 11:119, 11:123,
12:6, 12:6, 12:23, 12:24, 12:33, 12:34, 12:37, 12:39, 12:41, 12:42, 12:42, 12:50,
12:50, 12:53, 12:53, 12:98, 12:100, 12:100, 12:101,
13:1, 13:2, 13:5, 13:6, 13:6, 13:7, 13:16, 13:18, 13:19, 13:21, 13:22, 13:27, 13:30,
14:1, 14:6, 14:7, 14:13, 14:18, 14:23, 14:25, 14:35, 14:36, 14:37, 14:37, 14:38,
14:39, 14:40, 14:40, 14:41, 14:44,
15:25, 15:28, 15:36, 15:39, 15:56, 15:86, 15:92, 15:98,
16:7, 16:24, 16:30, 16:33, 16:42, 16:47, 16:50, 16:54, 16:68, 16:69, 16:86, 16:99,
16:102, 16:110, 16:110, 16:119, 16:119, 16:124, 16:125, 16:125,
17:8, 17:12, 17:12, 17:17, 17:20, 17:20, 17:23, 17:24, 17:25, 17:27, 17:28, 17:30,
17:38, 17:39, 17:40, 17:46, 17:54, 17:55, 17:57, 17:57, 17:60, 17:65, 17:66, 17:79,
17:80, 17:84, 17:85, 17:87, 17:93, 17:100, 17:102, 17:108, 17:108,
18:10, 18:13, 18:14, 18:14, 18:16, 18:19, 18:21, 18:22, 18:24, 18:24, 18:27, 18:28,
18:29, 18:36, 18:38, 18:38, 18:40, 18:42, 18:46, 18:48, 18:49, 18:50, 18:55, 18:57,
18:58, 18:82, 18:82, 18:87, 18:95, 18:98, 18:98, 18:98, 18:105, 18:109, 18:109,
18:110, 18:110,
19:2, 19:3, 19:4, 19:4, 19:6, 19:8, 19:9, 19:10, 19:19, 19:21, 19:24, 19:36, 19:36,
19:47, 19:48, 19:48, 19:55, 19:64, 19:64, 19:65, 19:68, 19:71, 19:76,
20:12, 20:25, 20:45, 20:47, 20:47, 20:49, 20:52, 20:52, 20:70, 20:73, 20:74, 20:84,
20:86, 20:86, 20:90, 20:105, 20:114, 20:121, 20:122, 20:125, 20:127, 20:129,
20:130, 20:131, 20:133, 20:134,
21:2, 21:4, 21:22, 21:42, 21:46, 21:49, 21:56, 21:56, 21:83, 21:89, 21:89, 21:92,
21:112, 21:112,
22:1, 22:19, 22:30, 22:40, 22:47, 22:54, 22:67, 22:77, 23:26,
23:29, 23:39, 23:52, 23:57, 23:58, 23:59, 23:60, 23:72, 23:86, 23:93, 23:94, 23:97,
23:98, 23:99, 23:106, 23:107, 23:109, 23:116, 23:117, 23:118,
25:16, 25:20, 25:21, 25:30, 25:31, 25:45, 25:54, 25:55, 25:57, 25:64, 25:65, 25:73,
25:74, 25:77,
26:9, 26:10, 26:12, 26:16, 26:21, 26:23, 26:24, 26:26, 26:26, 26:28, 26:47, 26:48,
26:50, 26:51, 26:62, 26:68, 26:77, 26:83, 26:98, 26:104, 26:109, 26:113, 26:117,
26:122, 26:127, 26:140, 26:145, 26:159, 26:164, 26:166, 26:169, 26:175, 26:180,
26:188, 26:191, 26:192,
27:8, 27:19, 27:26, 27:40, 27:40, 27:44, 27:44, 27:73, 27:74, 27:78, 27:91, 27:93,
28:16, 28:17, 28:21, 28:22, 28:24, 28:30, 28:32, 28:33, 28:37, 28:46, 28:47, 28:53,
28:59, 28:63, 28:68, 28:69, 28:85, 28:86, 28:87,
29:10, 29:26, 29:30, 29:50, 29:59,
30:8, 30:33, 30:33,
31:5, 31:33,
32:2, 32:3, 32:10, 32:11, 32:12, 32:12, 32:15, 32:16, 32:22, 32:25,
33:2, 33:67, 33:68,
34:3, 34:6, 34:12, 34:15, 34:15, 34:19, 34:21, 34:23, 34:26, 34:31, 34:36, 34:39,
34:48, 34:50,
35:13, 35:18, 35:34, 35:37, 35:39,
36:16, 36:25, 36:27, 36:46, 36:51, 36:58,
37:5, 37:5, 37:31, 37:57, 37:84, 37:87, 37:99, 37:100, 37:126, 37:126, 37:149,
37:180, 37:180, 37:182,
38:9, 38:16, 38:24, 38:32, 38:35, 38:41, 38:61, 38:66, 38:71, 39:6, 39:7, 39:8, 39:9,

39:10, 39:13, 39:20, 39:22, 39:23, 39:31, 39:34, 39:54, 39:55, 39:69, 39:71, 39:73, 39:75, 39:75,
40:6, 40:7, 40:7, 40:8, 40:11, 40:26, 40:27, 40:27, 40:28, 40:28, 40:49, 40:55, 40:60, 40:62, 40:64, 40:64, 40:65, 40:66, 40:66,
41:9, 41:14, 41:23, 41:29, 41:30, 41:38, 41:43, 41:45, 41:46, 41:50, 41:53, 41:54,
42:5, 42:10, 42:14, 42:15, 42:15, 42:16, 42:22, 42:36, 42:38, 42:47,
43:13, 43:14, 43:32, 43:32, 43:35, 43:46, 43:49, 43:64, 43:77, 43:82, 43:82, 43:88,
44:6, 44:7, 44:8, 44:8, 44:12, 44:20, 44:20, 44:22, 44:57,
45:11, 45:15, 45:17, 45:30, 45:36, 45:36, 45:36,
46:13, 46:15, 46:25, 46:34,
47:2, 47:3, 47:14, 47:15,
50:27, 50:39,
51:16, 51:23, 51:30, 51:34, 51:44,
52:7, 52:18, 52:18, 52:29, 52:37, 52:48, 52:48,
53:18, 53:23, 53:30, 53:32, 53:42, 53:49, 53:55,
54:10,
55:13, 55:16, 55:17, 55:17, 55:18, 55:21, 55:23, 55:25, 55:27, 55:28, 55:30, 55:32, 55:34, 55:36, 55:38, 55:40, 55:42, 55:45, 55:46, 55:47, 55:49, 55:51, 55:53, 55:55, 55:57, 55:59, 55:61, 55:63, 55:65, 55:67, 55:69, 55:71, 55:73, 55:75, 55:77, 55:78,
56:74, 56:80, 56:96,
57:8, 57:19, 57:21,
59:10, 59:10, 59:16,
60:1, 60:4, 60:5, 60:5,
63:10,
64:7,
65:1, 65:8,
66:5, 66:8, 66:8, 66:11, 66:12,
67:6, 67:12,
68:2, 68:7, 68:19, 68:29, 68:32, 68:32, 68:34, 68:48, 68:49, 68:50,
69:10, 69:17, 69:43, 69:52,
70:27, 70:28, 70:40,
71:5, 71:10, 71:21, 71:26, 71:28,
72:2, 72:3, 72:10, 72:13, 72:17, 72:20, 72:25, 72:28,
73:8, 73:9, 73:19, 73:20,
74:3, 74:7, 74:31,
75:12, 75:23, 75:30,
76:10, 76:21, 76:24, 76:25, 76:29,
78:36, 78:37, 78:39,
79:16, 79:19, 79:24, 79:40, 79:44,
81:29,
82:6,
83:6, 83:15,
84:2, 84:5, 84:6, 84:15,
85:12,
87:1, 87:15,
89:6, 89:13, 89:14, 89:15, 89:15, 89:16, 89:22, 89:28,
91:14,

92:20,
93:3, 93:5, 93:11,
94:8,
96:1, 96:3, 96:8,
97:4,
98:8, 98:8,
99:5,
100:6, 100:11,
105:1,
106:3,
108:2,
110:3,
113:1,
114:1

raba'ib n.f. (pl. of *rabibah*) - 4:23

rabbani n.m. - 3:79, 5:44, 5:63

ribbiyun n.m. (pl. of *ribiy*) - 3:146

LL, V3, p: 168, 169, 170, 171, 172, 173

Ra-Ba-Ha = to gain, be successful or profitable (e.g. in trade).

rabiha vb. (1) perf. act. 2:16

LL, V3, p: 174, 175

Ra-Ba-Sad = to wait, lay in wait, stick, watch for an opportunity, desist from (with 'an), watch for something, befall anyone, one who waits.

tarabbasa vb. (5)
perf. act. 57:14
impf. act. 2:228, 2:234, 4:141, 9:52, 9:52, 9:98, 52:30
impv. 9:24, 9:52, 20:135, 23:25, 52:31
n.vb. 2:226
pcple. act. 9:52, 20:135, 52:31

LL, V3, p: 177

Ra-Ba-Tay = to tie/fasten/bind/conform/strengthen, lay (anchor), be firm, stationed on (e.g. the enemy's frontier), army, equip, fortify, brace, be ever ready, make ready for an impact. ribat - body of horse, strungs.

rabata vb. (1)
perf. act. 18:14, 28:10
impf. act. 8:11

ribat n.m. 8:60

rabata vb. (3) impf. act. 3:200

LL, V3, p: 179, 180, 181

••• = **Ra-Ba-Waw** = it increased/augmented, the practicing/taking of usury, excess/ addition, become high/grown up/large/swollen/risen, mount up, to grow/swell, out of breath. rabiyatun - ever-increasing, severe. arba (comp. form) - more numerous, more increased.

raba vb. (1)
perf. act. 22:5, 41:39
impf. act. 30:39, 30:39
pcple. act. 13:17, 16:92, 69:10

rabwah n.f. 2:265, 23:50

riba n.m. 2:275, 2:275, 2:275, 2:276, 2:278, 3:130, 4:161, 30:39

rabba vb. (2)
perf. act. 17:24
impf. act. 26:18

arba vb. (4) impf. act. 2:276

LL, V3, p: 189, 190

Ra-Dal-Alif = to strengthen, prop or stay a wall, take care cleverly, assist/help/support.

rid n.m. 28:34

LL, V3, p: 230, 231

Ra-Dal-Dal = to send back, turn back, reject, refuse, repel, revert, restore, give back, refer, give again, take again, repeat, retrace. maraddun - place where one returns. mardud - restored, averted. irtadda (vb. 8) - to return, turn again, be rendered. taradda (vb. 5) - to be agitated, move to and fro.

radda vb. (1)
perf. act. 4:83, 14:9, 17:6, 21:40, 28:13, 23:25, 95:5
impf. act. 2:109, 2:217, 3:100, 3:149, 4:47
impv. 4:59, 4:86, 38:33
perf. pass. 4:91, 6:28, 6:62, 10:30, 12:65, 12:65, 18:36
impf. pass. 2:85, 5:108, 6:27, 6:71, 6:147, 7:53, 9:94, 9:101, 9:105, 12:110, 16:70, 18:87, 22:5, 41:47, 62:8
n.vb. 2:228, 21:40
pcple. act. 10:107, 16:71, 28:7, 28:85
pcple. pass. 11:76, 79:10

maradd n.m. 13:11, 19:76, 30:43, 40:43, 42:44, 42:47

taraddada vb. (5) impf. act. 9:45

irtadda vb. (8)
perf. act. 12:96, 18:64, 47:25
impf. act. 2:217, 5:21, 5:54, 14:43, 27:40

LL, V3, p: 227, 228, 229, 230

Ra-Dal-Fa = to follow, come behind, ride behind, supply. radifin - that which follow, which comes after another without break, follower.

radifa vb. (1)
perf. act. 27:72
pcple. act. f. 79:7

ardafa vb. (4) pcple. act. 8:9

LL, V3, p: 233, 234, 235

Ra-Dal-Miim = to shut, block, fill up. radmin - rampart, strong wall.

radama vb. (1) n.vb. 18:95

LL, V3, p: 235, 236

Ra-Dal =

radiya vb. (1)
perf. act. 5:3, 5:119, 5:119, 9:38, 9:58, 9:59, 9:83, 9:87, 9:93, 9:100, 9:100, 10:7, 20:109, 48:18, 58:22, 58:22, 98:8, 98:8
impf. act. 2:120, 2:144, 2:282, 4:108, 6:113, 9:24, 9:96, 9:96, 9:96, 20:84, 20:130, 22:59, 27:19, 33:51, 39:7, 39:7, 46:15, 53:26, 92:21, 93:5
pcple. act. f. 69:21, 88:9, 89:28, 101:7
pcple. pass. 19:55, 89:28

mardat n.f. 2:207, 2:265, 4:114, 60:1, 66:1

radiy n.m. (adj) 19:6

ridwan n.m. 3:15, 3:162, 3:174, 5:2, 5:16, 9:21, 9:72, 9:109, 47:28, 48:29, 57:20, 57:27, 59:8

arda vb. (4) impf. act. 9:8, 9:62, 9:62

tarada vb. (6)
perf. act. 2:232, 4:24
n.vb. 2:233, 4:29

irtada vb. (8) perf. act. 21:28, 24:55, 72:27

LL, V3, p: 237, 238, 239

Ra-Dal-Ya = to perish, fall down, break, knock, blandish, destroy. arda (vb. 4) - to bring to destruction/ruin. tradda - to fall. mutarddiyatun - that which falls, which is slain by a fall.

rada vb. (1) impf. act. 20:16

arda vb. (4)
perf. act. 41:23
impf. act. 6:137, 37:56

taradda vb. (5)
perf. act. 92:11
pcple. act. f. 5:3

LL, V3, p: 237, 238, 239

Ra-Dal-Ayn =

radi'a vb. (1) n.vb. 2:233, 4:23

arda'a vb. (4)
perf. act. 4:23, 22:2, 65:6
impf. act. 2:233, 65:6
impv. 28:7
pcple. act. f. 22:2, 28:12

istarda'a vb. (10) 2:233

LL, V3, p: 232

Ra-Dhal-Lam = to be base, mean, corrupt, vile, ignoble.

radhil n.m. (comp. adj. ardhal) 11:27, 16:70, 22:5, 26:111

LL, V3, p: 239, 240

= **Ra-Fa-Ayn** = to raise/uplift/elevate, to take up, to lift/hoist, extol, opposite of Kha-Fa-Daad [56:3], uprear it, rear it, make it high/lofty, take it and carry it, raise into view, to exalt, to advance, bring a thing near presenting or offering, to bring forward, to take away, disappear, trace back, honour, show regard to, to introduce, refine, to make known, go upwards, high rank/condition/state.
Anything raised: mountain, throne etc.

rafa'a vb. (I) - perf. act. 2:63, 2:93, 2:253, 4:154, 4:158, 6:165, 7:176, 12:100, 13:2, 19:57, 43:32, 55:7, 79:28, 94:4, impf. act. 2:127, 6:83, 12:76, 35:10, 49:2, 58:11, perf. pass. 88:18, impf. pass. 24:36, pcple. act. 3:55, 56:3, pcple. pass. 52:5, 56:34, 80:14, 88:13.

rafi n.m. (adj.) - 40:15

LL, V3, p: 287, 288, 289, 290

Ra-Fa-Dal = to make a present, give, succour. rifd - help/aid, gift/present, share. marfud - given, present one.

rafada vb. (1) m. sing. pcple. pass. 11:99

rifd n.m. 11:99

LL, V3, p: 285, 286

Ra-Fa-Qaf = to be useful, do service, tie by the shoulders, be gentle to, be in company, help, be compassionate. rafiq - companion, friend, comrade, colleague, gentle. mirfaq - elbow, pillow, easy arrangement, thing by which one gains benefit. murtafaq - resting place, pillow.

marafiq n.m. (pl. of mirfaq) 5:6

mirfaq n.m. acc. (intensive form) 18:16

murtafaq (vb. 8?) n.m. acc. 18:29, 18:31

rafiq n.m. sing. acc. 2nd. 4:69

LL, V3, p: 291, 292, 293

Ra-Fa-Ra-Fa =

rafraf n.m. 55:76

Ra-Fa-Ta = to be broken, cut, be crushed, be broken in pieces (bones), be crumbled, be bruised/pounded. rufat - dust, broken particles of dust, crumbs, decayed bones, anything broken small or crushed to pieces and fragments.

rufat n.m. acc. 17:49, 17:98

LL, V3, p: 284

Ra-Fa-Tha = sexual conduct, lie with for sexual relationship, behave obscenity, immodest speech, sexuality, lewdness.

rafath n.m. 2:187, 2:197

LL, V3, p: 284, 285

Ra-Ghayn-Ba = to desire, long for, wish. With 'an - to show aversion to, dislike, have no desire. With ba and 'an (9:120) - to have preferred their own lives to his life. With ila - to supplicate. raghbun - love, longing. raghibun - one who supplicates earnestly.

raghiba vb. (1)
impf. act. 2:130, 4:127, 9:120
impv. 94:8
n.vb. 21:90
pcple. act. 9:59, 19:46, 68:32

LL, V3, p: 276, 277

Ra-Gh-Dal = to abound in good thing, eat freely and plentifully, live in ease and

affluence, be ample and pleasant (life).

raghad n.m. acc. 2:35, 2:58, 16:112

LL, V3, p: 276, 277

Ra-Gh-Miim = to dislike, compel anyone to act reluctantly. ragham - earth. rughamatun - thing sought. muraghamun - place of refuge or escape, wide way to follow, stronghold, frequented place, earth full of shelters.

muragham n.m. acc. 4:100

LL, V3, p: 279, 280

Ra-ha-Ba = to fear/dread/terrify, terror, awe. rahibun (pl. ruhban) - monk, monasticism, monkery.

rahiba vb. (1)
impf. act. 7:154
impv. 2:40, 16:51
n.vb. 21:90, 28:32, 59:13

rahbaniyah n.f. 57:27

ruhban n.m. (pl. of rahib) 5:82, 9:31, 9:34

arhaba vb. (4) impf. act. 8:60

istarhaba vb. (10) perf. act. 7:116

LL, V3, p: 333, 334, 335

Ra-ha-Nun = to give in pledge, engaged, responsible, last, continue, be settled in a place, mortgage property, pay in advance, give as hostage.

rahin n.m. 52:21, 74:38

rihan n.m. (pl. of rahn) 2:283

LL, V3, p: 338, 339, 340

Ra-ha-Qaf = to follow closely, cover, be foolish, lie, be mischievous, be ungodly, hasten, overtake, reach, draw near, overspread. rahaqa - to oppress, cause to suffer, be given to evil practices. rahqun - folly, oppression, evil disposition. arhaqa - to impose a difficult task, afflict with troubles and difficulties.

rahiqa vb. (1)
impf. act. 10:26, 10:27, 68:43, 70:44, 80:41
n.vb. 72:6, 72:13

arhaqa vb. (4) impf. act. 18:73, 18:80, 74:17

LL, V3, p: 336, 337

Ra-ha-Tay = to take large mouthfuls, glut, remain indoors, assemble. rahtun - family, sons of one man, kindred, one's people, party/gang/group/tribe.

raht n.m. 11:91, 11:92, 27:48

LL, V3, p: 335, 336

Ra-ha-Waw = to walk gently, fall calmly (sea), act gently, be depressed, motionless, go slowly, part (the legs and make an opening between them). rahw - calm/quiet/ motionless, depressed place, broad place, elevated ground, dry tract of land.

raha vb. (1) n.vb. 44:24 (44:26?)

LL, V3, p: 340, 341

Ra-Ha-Ba = to welcome, be ample, be spacious, be wide, be great. marhaban - a form of salutation equivalent to welcome.

rahuba vb. (1) perf. act. 9:25, 9:118

marhaban n.m. 38:59, 38:60

LL, V3, p: 217, 218

Ra-Ha-Lam = to depart, saddle-bag, he saddled the camel, he bound upon the camel, to mount, rode, pack, caravan, remove/travel/journey.

rahl n.m. (pl. rihal) 12:62, 12:70, 12:75

rihlah n.f. 106:2

LL, V3, p: 219, 220, 221

Ra-Ha-Miim =
Rahima - He favored, benefited, pardoned, or forgave him. To love, have tenderness, mercy, pity, forgiveness, have all that is required for exercising beneficence.
Tarhamu - He had mercy, pity, or compassion on him; he pitied or compassionated him much.
Arham - Wombs (singular) womb, i.e. place of origin. The receptacle of the young in the belly.
Ruhmun - Relationship, i.e. nearness of kin, connection by birth; relationship connecting with an ancestor. A connection or tie of relationship.
Rahman - it is active participle noun in the measure of fa'lan which conveys the idea of fullness and extensiveness.
Rahim - it is in the measure of fa'il which denotes the idea of constant repetition and giving.

rahima vb. (1)
perf. act. 6:16, 11:43, 11:119, 12:53, 23:75, 40:9, 44:42, 67:28
impf. act. 7:23, 7:149, 9:71, 11:47, 17:8, 17:54, 29:21
impv. 2:286, 7:155, 17:24, 23:109, 23:118
impf. pass. 3:132, 6:155, 7:63, 7:204, 24:56, 27:46, 36:45, 49:10
n.vb. 2:64, 2:105, 2:157, 2:178, 2:218, 3:8, 3:74, 3:107, 3:157, 3:159, 4:83, 4:96, 4:113, 4:175, 6:12, 6:54, 6:133, 6:147, 6:154, 6:157, 7:49, 7:52, 7:56, 7:57, 7:72, 7:151, 7:154, 7:156, 7:203, 9:21, 9:61, 9:99, 10:21, 10:57, 10:58, 10:86, 11:9, 11:17, 11:28, 11:58, 11:63, 11:66, 11:73, 11:94, 12:56, 12:111, 12:56, 16:64, 16:89, 17:24, 17:28, 17:57, 17:82, 17:87, 17:100, 18:10, 18:16, 18:58, 18:65, 18:82, 18:98, 19:2,

19:21, 19:50, 19:53, 21:75, 21:84, 21:86, 21:107, 24:10, 24:14, 24:20, 24:21, 25:48, 27:19, 27:63, 27:77, 28:43, 28:46, 28:73, 28:86, 29:23, 29:51, 30:21, 30:33, 30:36, 30:46, 30:50, 31:3, 33:17, 35:2, 36:44, 38:9, 38:43, 39:9, 39:38, 39:38, 39:53, 40:7, 41:50, 42:8, 42:28, 42:48, 43:32, 43:32, 44:6, 45:20, 45:30, 46:12, 48:25, 57:13, 57:27, 57:28, 76:31
pcple. act. 7:151, 7:151, 12:64, 12:64, 12:92, 12:92, 21:83, 21:83, 23:109, 23:118

arham n.m. (pl. of rahim or rihm) 2:228, 3:6, 4:1, 6:143, 6:144, 8:75, 13:8, 22:5, 31:34, 33:6, 47:22, 60:3

marhamah n.f. 90:17

rahim n.m. (pl. ruhama) 1:1, 1:3, 2:37, 2:54, 2:128, 2:143, 2:160, 2:163, 2:173, 2:182, 2:192, 2:199, 2:218, 2:226, 3:31, 3:89, 3:129, 4:16, 4:23, 4:25, 4:29, 4:64, 4:96, 4:100, 4:106, 4:110, 4:129, 4:152, 5:3, 5:34, 5:39, 5:74, 5:98, 6:54, 6:145, 6:165, 7:153, 7:167, 8:69, 8:70, 9:5, 9:27, 9:91, 9:99, 9:102, 9:104, 9:117, 9:118, 9:128, 10:107, 11:41, 11:90, 12:53, 12:98, 14:36, 15:49, 16:7, 16:18, 16:47, 16:110, 16:115, 16:119, 17:66, 22:65, 24:5, 24:20, 24:22, 24:33, 24:62, 25:6, 25:70, 26:9, 26:68, 26:104, 26:122, 26:140, 26:159, 26:175, 26:191, 26:217, 27:11, 27:30, 28:16, 30:5, 32:6, 33:5, 33:24, 33:43, 33:50, 33:59, 33:73, 34:2, 36:5, 36:58, 39:53, 41:2, 41:32, 42:5, 44:42, 46:8, 48:14, 48:29, 49:5, 49:12, 49:14, 52:28, 57:9, 57:28, 58:12, 59:10, 59:22, 60:7, 60:12, 64:14, 66:1, 73:20

rahman n.m. (always with the definite article)1:1, 1:3, 2:163, 13:30, 17:110, 19:18, 19:26, 19:44, 19:45, 19:58, 19:61, 19:69, 19:75, 19:78, 19:85, 19:87, 19:88, 19:91, 19:92, 19:93, 19:96, 20:5, 20:90, 20:108, 20:109, 21:26, 21:36, 21:42, 21:112, 25:26, 23:59, 25:60, 25:60, 25:63, 26:5, 27:30, 36:11, 36:15, 36:23, 36:52, 41:2, 43:17, 43:19, 43:20, 43:33, 43:36, 43:45, 43:81, 50:33, 55:1, 59:22, 67:3, 67:19, 67:20, 67:29, 78:37, 78:38

ruhm n.m. 18:81

LL, V3, p: 221, 222, 223

Ra-Ha-Qaf = pure, delightfully refreshing wine.

rahiq 2nd. n.m. act. 83:25

LL, V3, p: 219

Ra-Jiim-Ayn = to return, turn back, turn off, (blame) upon any one, come back, repeat, answer, bring answer, be brought back. raji'un - one who returns. murji'un - return, termination. taraja'a (vb. 6) -to return to one another.

raja'a vb. (1)
perf. act. 2:196, 7:150, 9:83, 9:94, 9:122, 12:63, 20:40, 20:86, 21:64, 63:8
impf. act. 2:18, 3:72, 7:168, 7:174, 12:46, 12:62, 20:89, 20:91, 21:58, 21:95, 27:28, 27:35, 30:41, 32:21, 34:31, 36:31, 36:50, 36:67, 43:28, 43:48, 46:27, 56:87, 60:10
impv. 12:50, 12:81, 21:13, 23:99, 24:28, 24:28, 27:37, 32:12, 33:13, 57:13, 67:3, 67:4, 89:28
perf. pass. 41:50
impf. pass. 2:28, 2:210, 2:245, 2:281, 3:83, 3:109, 6:36, 8:44, 10:56, 11:34, 11:123, 19:40, 21:35, 22:76, 23:115, 24:64, 28:39, 28:70, 28:88, 29:17, 29:57, 30:11, 32:11, 35:4, 36:22, 36:83, 39:44, 40:77, 41:21, 43:85, 45:15, 57:5
n.vb. (1) 50:3, 86:8, 86:11
n.vb. (2) 96:8
pcple. act. 2:46, 2:156, 21:93, 23:60

marji n.m. 3:55, 5:48, 5:105, 6:60, 6:108, 6:164, 10:4, 10:23, 10:46, 10:70, 11:4, 29:8, 31:15, 31:23, 37:68, 39:7

taraja'a vb. (6) impf. act. 2:230

LL, V3, p: 203, 204, 205, 206, 207, 208

Ra-Jiim-Fa = to quake/tremble, be in violent motion, shake violently, ramble, prepare for war, be restless, stir, spread alarming/false news, engage, make commotion. rajfatun - earthquake, mighty blast. murjifun - scandal-mongers, one who makes a commotion, one who spreads false alarming news.

rajafa vb. (1)
impf. act. 73:14, 79:6

rajfah n.f. 7:78, 7:91, 7:155, 29:37

rajifah n.f. 79:6

arjafa vb. (4) pcple. act. 33:60

LL, V3, p: 208, 209

Ra-Jiim-Jiim = to shake/move/quake, be in commotion, confused. rajjan - rumbling, stock. rijriyatun - numerous parties in a war.

rajja vb. (1)
3rd. perf. pass. f. sing. 56:4
n.vb. acc. 56:4

LL, V3, p: 198, 199

Ra-Jiim-Lam = to go on foot, urge with foot, walk, tie by the feet, let (a female) suckle her young, be curly (hair), set free with his mother. rajjala - to comfort anyone, comb the hair, grant a respite. tarajjala - to go down without rope. rijlatun - vigour in walking. rijlun - foot, soldiers, good walker, tramp. arajil - hunters, pedestrian. rajulun - male human being, man, a person with heir. rajilun - foot, footmen (slow walkers). rijlain - two feet. arjul (pl.) - feet.

rajil n.m. (pl. rijal) 2:239, 17:64, 22:27

rajul n.m. (pl. rijal) 2:228, 2:282, 2:282, 2:282, 4:1, 4:7, 4:12, 4:32, 4:34, 4:75, 4:98, 4:176, 5:23, 6:9, 7:46, 7:48, 7:63, 7:69, 7:81, 7:155, 9:108, 10:2, 11:78, 12:109, 16:43, 16:76, 17:47, 18:32, 18:37, 21:7, 23:25, 23:38, 24:31, 24:37, 25:8, 27:55, 28:15, 28:20, 29:29, 33:4, 33:23, 33:40, 34:7, 34:43, 36:20, 38:62, 39:29, 39:29, 39:29, 40:28, 40:28, 43:31, 48:25, 72:6, 72:6

rijl n.f. (pl. arjul) 5:6, 5:33, 5:66, 6:65, 7:124, 7:195, 20:71, 24:24, 24:31, 24:45, 26:49, 29:55, 36:65, 38:42, 60:12

LL, V3, p: 209, 210, 211, 212, 213

Ra-Jiim-Miim = to stone, cast stones, stone to death, curse, revile, expel, put a stone (on a tomb), speak conjecturally, guess, surmise. rajmun - conjecture, guesswork, missile. rujum - shooting stars, throw off, damned, thrown off with curse. marajim - foul speech. marjum - stoned.

rajama vb. (1)
perf. act. 11:91
impf. act. 18:20, 19:46, 36:18, 44:20
n.vb. (rajm, pl. rujum) 18:22, 67:5
pcple. pass. 26:116

rajim n.m. 3:36, 15:17, 15:34, 16:98, 38:77, 81:25

LL, V3, p: 213, 214, 215

••• = **Ra-Jiim-Siin** = to disgrace and defile, thunder, commit foul deeds, bellow loudly, become hated, something in which there is no good, state of commotion, confuse greatly, make a noise/sound, hinder/prevent, unclean/dirty/filthy, evil, something which is unlawful/forbidden, unbelief/infidelity/doubt.

rijs n.m. 5:90, 6:125, 6:145, 7:71, 9:95, 9:125, 9:125, 10:100, 22:30, 33:33

LL, V3, p: 203

Ra-Jiim-Waw = to hope/expect, keep awaited, put off, put aside, defer, fear, beg/ request. arja' (pl.) - borders, sides.

raja vb. (1)
impf. act. 2:218, 4:104, 4:104, 10:7, 10:11, 10:15, 17:28, 17:57, 18:110, 24:60, 25:21, 25:40, 28:86, 29:5, 33:21, 35:29, 39:9, 45:14, 60:6, 71:13, 78:27
impv. 29:36
pcple. pass. 11:62

arja n.m. (pl. of raja) 69:17

arja vb. (4)
impf. act. 33:51
impv. 7:111, 26:36
pcple. pass. 9:106

LL, V3, p: 199, 215, 216

Ra-Jiim-Zay = to rumble. rujz/rijz - pollution/filth, calamity, evil kind of punishment, wrath, impurity, plague, scourge, pestilence, abomination, idolatry, disease in the hinder part of camels, deed deserving punishment.

rijz n.m. 2:59, 7:134, 7:134, 7:135, 7:162, 8:11, 29:34, 34:5, 45:11

rujz 74:5 (14:5?)

LL, V3, p: 202, 203

• • • = **Ra-Kaf-Ayn** = bowed, bent, incline, humility, humble yourself, lower the head.

raka'a vb. (1)
impf. act. 77:48
impv. 2:43, 3:43, 22:77, 77:48
pcple. act. (raki, pl. rakiun and rukka) 2:43, 2:125, 3:43, 5:55, 9:112, 22:26, 38:24, 48:29

LL, V3, p: 313, 314

Ra-Kaf-Ba = to ride, embark, mount, be carried, go on board of a ship, voyage on (the sea), walk on (a road), commit (a fault). rakbun - caravan. rukban (pl. of rakib) - one who rides, mounted. rikab - camels. rakub - use of a beast for riding. mutarakibun - laying in heaps, ridden on one another, close growing, cluster over clustered, layer upon layer. tarkabunna - to pass on, rise, ascend.

rakiba vb. (1)
perf. act. 18:71, 29:65
impf. act. 16:8, 36:42, 40:79, 43:12, 84:19
impv. 11:41, 11:42
pcple. act. (rakib, pl. rukban) 2:239

rakb n.m. 8:42

rakub n.m. 36:72

rikab n.m. 59:6

rakkaba vb. (2) perf. act. 82:8

tarakaba vb. (6) pcple. act. 6:99

LL, V3, p: 308, 309, 310

Ra-Kaf-Dal = to stop, be clam, remain stable, be still or at rest.

rakada vb. (1) pcple. act. f. (rakidah, pl. rawakid) 42:33

LL, V3, p: 311

Ra-Kaf-Dad = to move the feet, urge, strike heavily (with foot), fly, run.

rakada vb. (1)
impf. act. 21:12, 21:13
impv. 38:42

LL, V3, p: 312, 313

Ra-Kaf-Miim = to gather (e.g. in a heap), heap up, accumulate. rukam - heap, piled up, heaped clouds.

rakama vb. (1)
3rd. m. sing. impf. act. acc. 8:37
m. sing. pcple. pass. 52:44

rukam n.m. acc. 24:43

LL, V3, p: 314

Ra-Kaf-Nun = to lean on, rely upon, trust. ruknun - support, stay, firm part of a thing on which it rests, pillar, corner-stone, court, pride of power and might, resistance, kinsfolk or clan, party, person by whom one is aided and strengthened, noble or high person, thing whereby one is strengthened.

rakina vb. (1) impf. act. 11:113, 17:74

rukn n.m. 11:80, 51:39

LL, V3, p: 314, 315

Ra-Kaf-Siin = to invert, revert. arkasa (vb. 4) - to overturn, upset, overthrow, return, revert, throw back into a former state.

arkasa vb. (4)
perf. act. 4:88
perf. pass. 4:91

LL, V3, p: 312

Ra-Kaf-Zay = to whisper, bury, faint or low sound.

rikz n.m. acc. 19:98

LL, V3, p: 311, 312

Ra-Kha-Waw = to be soft and flabby, brittle, remiss, be gentle, let run (sails), loose (the reins). rukha'an - light soft and gentle breeze. mirkhat - running quickly and gently.

rukha'an n.m. 38:36

LL, V3, p: 226, 227

Ra-Miim-Dal = to starve from cold, destroy, put in ashes, become dirty. ramad (pl. of armidatun) - ashes, fine and copious ashes

ramad n.m. pl. 14:18

LL, V3, p: 320, 321

Ra-Miim-Dad = to be burning, heat, be blasted by the sun. ramaDda - to sharpen (a

spear) between stones, roast, pasture on a burning ground, burn. ramDda - scorching heat, burning hot (ground). ramadzan - the ninth month of Islamic calendar, the month of fast.

ramadan n. 2:185

LL, V3, p: 322, 323

Ra-Miim-Ha = to pierce with a lance, spear.

rimah n.m. (pl. of rumhun) 5:94

LL, V3, p: 319, 320

Ra-Miim-Miim = to be decayed, become rotten and worn out (bone), like ashes.

ramim 2nd. n. act. (adj. of common gender) m. sing. 36:78, 51:42

LL, V3, p: 316, 317, 318

Ra-Miim-Nun = pomegranates.

rumman n.m. 6:99, 6:141, 55:68

LL, V3, p: 327

Ra-Miim-Ya = to throw, cast, hit by throwing, blame, cast on, charge.

rama vb. (1)
perf. act. 8:17, 8:17, 8:17
impf. act. 4:112, 24:4, 24:6, 24:23, 77:32, 105:4

LL, V3, p: 327, 328, 329, 330

Ra-Miim-Zay = to make a sign, indicate by a sign, nod.

ramz n.m. acc. 3:41

LL, V3, p: 321

Ra-Qaf-Ba = to guard, observe, watch, respect, regard, wait for, tie by the neck, warn, fear, control. raqib - guard, observer, watcher. yataraqqab - observing, awaiting, looking about, watching. riqab - neck, slave, captive of war, captive who has contracted with his master or custodian for his freedom thus the expression firriqab would mean in the ransoming of slaves or captives, its sing. is raqabah. murtaqib - one who guards etc.

raqaba vb. (1) impf. act. 9:8, 9:10, 20:94

raqabah n.f. (pl. riqab) 2:177, 4:92, 4:92, 4:92, 5:89, 9:60, 47:4, 58:3, 90:13

raqib n.m. 4:1, 5:117, 11:93, 33:52, 50:18

taraqqaba vb. (5) impf. act. 28:18, 28:21

irtaqaba vb. (8)
impv. 11:93, 44:10, 44:59, 54:27
pcple. act. 44:59

LL, V3, p: 298, 299, 300

Ra-Qaf-Dal = to sleep, lull, be dull, ragged, overlook. ruqud - sleeping. marqad - bed, sleeping place, grave.

raqada vb. (1) pcple. act. 18:18

marqad n.m. 36:52

LL, V3, p: 301

Ra-Qaf-Miim = to write, stripe, brand. raqim - inscription, writing. marqum - written one.

raqama vb. (1) pcple. pass. act. m. pl. 83:9, 83:20

raqim 2nd. n. m. sing. act. 18:9

LL, V3, p: 304, 305, 306

Ra-Qaf-Qaf = to be thin and soft, parchment, sheet of paper, broad and soft fine thing, volume or scroll.

raqq n.m. 52:3

LL, V3, p: 295, 296, 297, 298

Ra-Qaf-Ya = to ascend, rise gradually, mount a ladder. mirqat - stair, ladder, stepping-stone, ascent. raqin - physician, charmer. taraqiya (pl. of tarquwutun) - collar bone(s), throat, clavicle (according to some its root is raqawa or tarqawa).

raqiya vb. (1)
impf. act. 17:93
n.vb. 17:93
pcple. act. 75:27

taraqi n.f. (pl. of tarquwah) 75:26

irtaqa vb. (8) impf. act. 38:10

LL, V3, p: 306, 307

Ra-Siin-Kha = to be firm, stable, rooted, established. rasikh - deeply versed, firmly established, well grounded.

rasakha vb. (1) pcple. act. pl. (rasikh) 3:7, 4:162

LL, V3, p: 246

Ra-Siin-Lam = to send a messenger, bestow, let go. rasul (pl. rusul) - envoy, bearer of a message, messenger. risalat - message, commission, mission, epistle. arsala (vb. 4) - to send. mursalat (pl. of mursalatun) - those sent forth.

rasul n.m. (pl. rusul) 2:87, 2:101, 2:108, 2:129, 2:143, 2:143, 2:151, 2:214, 2:279, 2:285, 3:32, 3:49, 3:53, 3:81, 3:86, 3:101, 3:132, 3:144, 3:153, 3:164, 3:172, 3:183, 4:13, 4:14, 4:42, 4:59, 4:61, 4:64, 4:64, 4:69, 4:79, 4:80, 4:83, 4:100, 4:115, 4:136, 4:136, 4:157, 4:170, 4:171, 5:15, 5:19, 5:33, 5:41, 5:55, 5:56, 5:67, 5:70, 5:75, 5:83, 5:92, 5:92, 5:99, 5:104, 5:111, 7:61, 7:67, 7:104, 7:157, 7:158, 7:158, 8:1, 8:1, 8:13, 8:13, 8:20, 8:24, 8:27, 8:41, 8:46, 9:1, 9:3, 9:3, 9:7, 9:13, 9:16, 9:24, 9:26, 9:29, 9:33, 9:54, 9:59, 9:59, 9:61, 9:62, 9:63, 9:65, 9:71, 9:74, 9:80, 9:81, 9:84, 9:86, 9:88, 9:90, 9:91, 9:94, 9:97, 9:99, 9:105, 9:107, 9:120, 9:128, 10:47, 10:47, 12:50, 13:38, 14:4, 15:11, 16:36, 16:113, 17:15, 17:93, 17:94, 17:95, 19:19, 19:51, 19:54, 20:96, 20:134, 21:25, 22:52, 22:78, 23:32, 23:44, 23:69, 24:47, 24:48, 24:50, 24:51, 24:52, 24:54, 24:54, 24:56, 24:62, 24:62, 24:63, 25:7, 25:27, 25:30, 25:41, 26:16, 26:27, 26:107, 26:125, 26:143, 26:162, 26:178, 28:47, 28:59, 29:18, 33:12, 33:21, 33:22, 33:22, 33:29, 33:31, 33:33, 33:36, 33:36, 33:40, 33:53, 33:57, 33:66, 33:71, 36:30, 40:5, 40:34, 40:78, 42:51, 43:29, 43:46, 44:13, 44:17, 44:18, 47:32, 47:33, 48:9, 48:12, 48:13, 48:17, 48:26, 48:27, 48:28, 48:29, 49:1, 49:3, 49:7, 49:14, 49:15, 51:52, 57:7, 57:8, 57:28, 58:4, 58:5, 58:8, 58:9, 58:12, 58:13, 58:20, 58:22, 59:4, 59:6, 59:7, 59:7, 59:7, 59:8, 60:1, 61:5, 61:6, 61:6, 61:9, 61:11, 62:2, 63:1, 63:1, 63:5, 63:7, 63:8, 64:8, 64:12, 64:12, 65:11, 69:10, 69:40, 72:23, 72:27, 73:15, 73:16, 81:19, 91:13, 98:2

risalah n.f. 5:67, 6:124, 7:62, 7:68, 7:79, 7:93, 7:144, 33:39, 72:23, 72:28

rusul n.m. (pl. of rasul) 2:87, 2:98, 2:253, 2:285, 2:285, 3:144, 3:179, 3:179, 3:183, 3:184, 3:194, 4:136, 4:150, 4:150, 4:152, 4:164, 4:164, 4:165, 4:165, 4:171, 5:12, 5:19, 5:32, 5:70, 5:75, 5:109, 6:10, 6:34, 6:61, 6:124, 6:130, 7:35, 7:37, 7:43, 7:53, 7:101, 9:70, 10:13, 10:21, 10:74, 10:103, 11:59, 11:69, 11:77, 11:81, 11:120, 12:110, 13:32, 13:38, 14:9, 14:10, 14:11, 14:13, 14:44, 14:47, 16:35, 17:77, 18:106, 20:47, 21:41, 22:75, 23:44, 23:51, 25:37, 29:31, 29:33, 30:9, 30:47, 34:45, 35:1, 35:4, 35:25, 38:14, 39:71, 40:22, 40:50, 40:51, 40:70, 40:78, 40:83, 41:14, 41:43, 43:45, 43:80, 46:9, 46:35, 50:14, 57:19, 57:21, 57:25, 57:25, 57:27, 58:21, 59:6, 64:6, 65:8, 71:11

arsala vb. (4)
perf. act. 2:119, 2:151, 4:64, 4:79, 4:80, 5:70, 6:6, 6:42, 7:59, 7:94, 7:133, 7:162, 9:33, 11:25, 11:96, 12:19, 12:31, 12:109, 13:30, 13:38, 14:4, 14:5, 15:10, 15:22, 16:43, 16:63, 17:54, 17:77, 17:105, 19:17, 19:83, 20:134, 21:7, 21:25, 21:107, 22:52, 23:23, 23:32, 23:44, 23:45, 25:20, 25:48, 25:56, 26:53, 27:45, 28:47, 29:14,

29:40, 30:47, 30:51, 33:9, 33:45, 34:16, 34:28, 34:34, 34:44, 35:9, 35:24, 36:14, 37:72, 37:147, 40:23, 40:70, 40:78, 41:16, 42:48, 43:6, 43:23, 43:45, 43:46, 48:8, 48:28, 51:38, 51:41, 54:19, 54:31, 54:34, 57:25, 57:26, 61:9, 71:1, 73:15, 73:15, 105:3
impf. act. 6:48, 6:61, 7:57, 7:134, 11:52, 12:66, 13:13, 17:59, 17:59, 17:68, 17:69, 18:40, 18:56, 27:63, 30:46, 30:48, 39:42, 42:51, 51:33, 67:17, 71:11
impv. 7:105, 7:111, 12:12, 12:45, 12:63, 20:47, 26:13, 26:17, 28:34
perf. pass. 7:6, 7:75, 7:87, 11:57, 11:70, 14:9, 15:58, 21:5, 26:27, 34:34, 41:14, 43:24, 46:23, 51:32, 83:33
impf. pass. 53:35
pcple. act. 27:35, 28:45, 35:2, 44:5, 54:27
pcple. pass. 2:252, 6:34, 6:48, 7:6, 7:75, 7:77, 13:43, 15:57, 15:61, 15:80, 18:56, 25:20, 26:21, 26:105, 26:123, 26:141, 26:160, 26:176, 27:10, 27:35, 28:7, 28:65, 36:3, 36:13, 36:14, 36:16, 36:20, 36:52, 37:37, 37:123, 37:133, 37:139, 37:171, 37:181, 51:31, 77:1

LL, V3, p: 247, 248, 249, 250

Ra-Siin-Siin = to sink (a well), inquire about (news), scrutinize, conceal, bury, begin.
rass -old well, first touch, beginning.
al rass - is the name of a country in which a part of the tribe of Thamud resided.

rass n. 25:38, 50:12

LL, V3, p: 245

Ra-Siin-Ya = to be firm, stable, immoveable, still, lat at anchor, moor (ship), come to pass. rawasiya (pl. of rasiyatun, f. of rasin for rasiyin) - things which are firmly and immovably fixed, mountains. arsa (vb. 4) - to fix firmly. mursan - that which is fixed with regard to time or place.

rasa vb. (1) pcple. act. f. 34:13

mursa n.f. 7:187, 11:41, 79:42

rawasi n.f. (pl. of rasiyah) 13:3, 15:19, 16:15, 21:31, 27:61, 31:10, 41:10, 50:7, 77:27

arsa vb. (4) perf. act. 79:32

LL, V3, p: 252, 253

Ra-Shiin-Dal = to follow the right way, be well guided or directed, true direction, correct rule of action, straight forwardness, maturity of a child/intellect, capacity to manage one's affairs.

rashada vb. (1)
impf. act. 2:186
n.vb. 2:256, 4:6, 7:146, 18:66, 21:51, 72:2
pcple. act. 49:7

rashad n.m. 18:10, 18:24, 72:10, 72:14, 72:21

rashad n.m. 40:29, 40:38

rashid n.m. 11:78, 11:87, 11:97

arshada vb. (4) pcple. act. 18:17

LL, V3, p: 255

Ra-Sad-Dal = to watch, lay in wait, observe, prepare, ambush. marsadun - place of ambush, military post, place of observation. mirsad - watch, look out. irsad - means of preparation or finding out, hiding place, lurking place.

irsad n.m. 9:107

marsad n.m. 9:5

mirsad n.m. 78:21, 89:14

rasad n.m. 72:9, 72:27

LL, V3, p: 258, 259

Ra-Sad-Sad = to cement or join together, make compact, stack, overlay with lead. trassa - to close ranks. arassa - having the teeth close together.

rassa vb. (1) pcple. pass. m. sing. 61:4 (marsus)

LL, V3, p: 257, 258

Ra-Ta-Ayn = to eat and drink to satisfaction, refresh, pass time pleasantly.

rata'a vb. (1) 3rd. m. sing. impf. act. 12:12

LL, V3, p: 192, 193

• • • = **Ra-Ta-Lam** = to set in order, make even, well arranged/set together, make distinct, correct/right state of arrangement (primary usage is in relation to nice teeth), read/recite in a leisurely manner, read correctly, chant.

rattala vb. (2)
perf. act. 25:32
impv. 73:4
n.vb. 25:32, 73:4

LL, V3, p: 194

Ra-Ta-Qaf = to close, be joined together. ratqan - closed up, single entity.

rataqa vb. (1) n.vb. m. acc. 21:30 (ratqan)

LL, V3, p: 193, 194

Ra-Tay-Ba = to be fresh and ripe, moist/succulent/juicy, supple, soft/tender (to chew), fresh ripe dates.

ratb n.m. 6:59

rutab n.m. 19:25

LL, V3, p: 266, 267

Ra-Waw-Ayn = to respect combined with fear and reverence, frighten, awe, alarm.

ra'a vb. (1) n.vb. 11:74

LL, V3, p: 353, 354, 355

Ra-Waw-Dal = to seek, ask a thing gently, search (for food), go to and fro in a pasture, go round about. iradatun - will, free will. mirwad - axle of a pully. rawada - to long after, desire, seduce, entice, seduce against the will (with 'an) as in 12:126. yuridu - he wishes, intends. It is used as an auxiliary verb as in 18:77. The word iradah is used for power and capacity with reference to subjugation as well as to option and choice. ruwaidan - for a little while, go gently (according to some grammarians the word is a diminutive form of which verbal noun is not in use, it is used as sing. plu. f. m.).

ruwaydan n.m. 86:17

rawada vb. (3)
perf. act. 12:23, 12:26, 12:32, 12:51, 12:51, 54:37
impf. act. 12:30, 12:61

arada vb. (4)
perf. act. 2:26, 2:228, 2:233, 2:233, 2:233, 4:20, 4:62, 5:17, 9:46, 9:107, 11:34, 12:25, 13:11, 16:40, 17:16, 17:19, 17:103, 18:79, 18:81, 18:82, 20:86, 21:17, 21:70, 22:22, 24:33, 25:62, 25:62, 28:19, 32:20, 33:17, 33:17, 33:50, 36:82, 37:98, 39:4, 39:38, 39:38, 48:11, 48:11, 72:10, 74:31
impf. act. 2:108, 2:185, 2:185, 2:253, 3:108, 3:145, 3:145, 3:152, 3:152, 3:176, 4:26, 4:27, 4:27, 4:28, 4:35, 4:44, 4:60, 4:60, 4:88, 4:91, 4:134, 4:144, 4:150, 4:150, 5:1, 5:6, 5:6, 5:29, 5:37, 5:41, 5:41, 5:49, 5:91, 5:113, 6:52, 6:125, 6:125, 7:110, 8:7, 8:62, 8:67, 8:67, 8:71, 9:32, 9:55, 9:85, 10:107, 11:15, 11:34, 11:79, 11:88, 11:88, 11:107, 14:10, 17:18, 17:18, 18:28, 18:28, 18:77, 20:63, 22:14, 22:16, 22:25, 23:24, 26:35, 28:5, 28:19, 28:19, 28:19, 28:27, 28:27, 28:79, 28:83, 30:38, 30:39, 33:13, 33:28, 33:29, 33:33, 34:43, 35:10, 36:23, 37:86, 40:31, 42:20, 42:20, 48:15, 51:57, 51:57, 52:42, 53:29, 61:8, 74:52, 75:5, 76:9, 85:16
perf. pass. 72:10
impf. pass. 38:6

LL, V3, p: 349, 350, 351, 352

Ra-Waw-Dad = to exercise, break (in a colt), train, bore. aradza - to quench one's thirst. rawdah - watery meadow, luxuriant garden.

rawdah n.f. 30:15, pl. 42:22

LL, V3, p: 352, 353

Ra-Waw-Gh = to turn (attention), come, slant, incline.

ragha vb. (1)
perf. act. 37:91, 37:93, 51:26

LL, V3, p: 355, 356

Ra-Waw-Ha =
Raha - To go or do a thing at evening. Violently windy; good or pleasant wind. Become cool or pleasant [by means of the wind]. Become brisk, lively sprightly, active, agile, or quick [as though one felt the wind and was refreshed by it].
Rawahun - he went, journeyed, worked, or did a thing in the evening [or any time of the night or day], or in the afternoon (declining of the sun from its meridian until night).
Ruhun - Soul, spirit, vital principle, breath which a man breathes and pervades his whole body. Inspiration or divine revelation [since it is like the vital principle is to the body and quickens man].

raha vb. (1)
n.vb. (1) 34:12
n.vb. (2) 12:87, 12:87, 56:89

riyah n.m. (pl. aryah) 2:164, 3:117, 7:57, 8:46, 10:22, 10:22, 12:94, 14:18, 15:22, 17:69, 18:45, 21:81, 22:31, 25:48, 27:63, 30:46, 30:48, 30:51, 33:9, 34:12, 35:9, 38:36, 41:16, 42:33, 45:5, 46:24, 51:41, 54:19, 69:6

rayhan n.m. 55:12, 56:89

ruh n.m. 2:87, 2:253, 4:171, 5:110, 15:29, 16:2, 16:102, 17:85, 17:85, 19:17, 21:91, 26:193, 32:9, 38:72, 40:15, 42:52, 58:22, 66:12, 70:4, 78:38, 97:4

araha vb. (4) impf. act. 16:6

LL, V3, p: 343, 344, 345, 346, 347, 348, 349

= **Ra-Wa-Meem** = desired/sought after, to seek/search, to wait/pause/expect, be patient, to mock/ridicule. Greeks, Byzantines, Romans.

rum n. 30:2

LL, V3, p: 359, 360

Ra-Ya-Ayn =

reeAA n.m. 26:128

LL, V3, p: 367, 368

Ra-Ya-Ba = to make uncertain, cast one into doubt, calamity, suspicion, disturb, cause doubt, cause uneasiness of mind, cause affliction, create evil opinion, make false charge.

raba vb. (1)
n.vb. 2:2, 2:23, 3:9, 3:25, 4:87, 6:12, 9:45, 10:37, 17:99, 18:21, 22:5, 22:7, 32:2, 40:59, 42:7, 45:26, 45:32, 52:30

ribah n.f. 9:110

araba vb. (4) pcple. act. 11:62, 11:110, 14:9, 34:54, 41:45, 42:14, 50:25

irtaba vb. (8)
perf. act. 5:106, 9:45, 24:50, 29:48, 57:14, 65:4
impf. act. 2:282, 49:15, 74:31
pcple. act. 40:34

LL, V3, p: 363, 364, 365

Ra-Ya-Nun = to be rusty, be dirty, feel qualmish, blind anyone (passion), be involved in a scrape, commit vice. rayn - rust, dirt, qualm, misgiving.

rana vb. (1) 3rd. m. sing. perf. act. 83:14

LL, V3, p: 370, 371

Ra-Ya-Shiin = to fit feathers (to an arrow), do good. rishun - adornment, feather, fine clothing, source of elegance and protection, plumage, ornament, beauty.

rish n.m. gen. 7:26

LL, V3, p: 366

Ra-Zay-Qaf = to provide, supply, bestow, grant. turzaqan - you both shall be supplied. rizq - bounty, gift. raziq - one who provides or supplies. razzaq -great provider/supplier.

razaqa vb. (1)
perf. act. 2:3, 2:57, 2:172, 2:254, 4:39, 5:88, 6:140, 6:142, 7:50, 7:160, 8:3, 8:26, 10:93, 11:88, 13:22, 14:31, 16:56, 16:72, 16:75, 16:114, 17:70, 20:81, 22:28, 22:34, 22:35, 28:54, 30:28, 30:40, 32:16, 35:29, 36:47, 40:64, 42:38, 45:16, 63:10
impf. act. 2:212, 3:27, 3:37, 6:151, 10:31, 17:31, 20:132, 22:58, 24:38, 27:64, 29:60, 34:24, 35:3, 42:19, 65:3, 67:21
impv. 2:126, 4:5, 4:8, 5:114, 14:37
perf. pass. 2:25, 2:25
impf. pass. 3:169, 12:37, 40:40
n.vb. 2:22, 2:25, 2:60, 2:233, 3:37, 7:32, 8:4, 8:74, 10:59, 11:6, 11:88, 13:26, 14:32, 16:67, 16:71, 16:71, 16:73, 16:75, 16:112, 17:30, 18:19, 19:62, 20:131, 20:132, 22:50, 22:58, 24:26, 28:57, 28:82, 29:17, 29:17, 29:60, 29:62, 30:37, 33:31, 34:4, 34:15, 34:36, 34:39, 37:41, 38:54, 39:52, 40:13, 42:12, 42:27, 45:5, 50:11, 51:22, 51:57, 56:82, 65:7, 65:11, 67:15, 67:21, 89:16
pcple. act. 5:114, 15:20, 22:58, 23:72, 34:39, 62:11

razzaq n.m. 51:58

LL, V3, p: 242, 243

Zay = •

Zay-Ayn-Miim = to assert/claim/allege, the conveyor, to convey, to promise, assertion, responsible/answerable/amenable, to make covet or eagerly desire.

zaama vb. (I) - perf. act. 6:94, 17:56, 17:92, 18:48, 18:52, 34:22, 62:6, 64:7

impf. act. 4:60, 6:22, 6:94, 28:62, 28:74

n. vb. 6:136, 6:138

za'im n.m. - 12:72, 68:40

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 398, 399, 400

Zay-Ba-Dal = fresh butter, froth/foam/spume/scum, state of commotion of a liquid (e.g. water in a cooking pot), a tumultuous/frothing sea, blossomed, become intensely white.

zabad n.m. - 13:17, 13:17, 13:17

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 375, 376

Zay-Ba-Nun = pushed/thrust it (a thing) away, remove/withdraw/retire to a distance, simpleton/fool/unintelligent, a tent/house standing apart from others, a side/lateral/adjacent part or tract or quarter, one who pushes/thrusts away, difficult/stubborn war/battle, certain angels (the tormenters of the damned in Hell).

zabaniyah n.m. (pl. of *zabani*, or *zabin* or *zibniyah*) - 96:18

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 379, 380

• • •

Zay-Ba-Ra = case the well, wall internally, construction of one part above another, check/ restrain/forbade, prevented/hindered/witheld, write well/skillfully/firmly, read/recite, become large/courageous/brave (man), came forth, stones, understanding/restraint/ intellect, a thing written, psalms, Book of David, books of Moses/David/Muhammad together, piece of iron, anvil, upper part of the back, strong/bulky, black mud.

zabur n.m. (pl. zubur) - 3:184, 4:163, 16:44, 17:55, 21:105, 26:196, 35:25, 54:43, 54:52

zubar n.f. (pl. of zubrah) - 18:96

zubur n.f. (pl. of zubrah) - 23:53

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 376, 377

Zay-Fa-Fa = to hasten, go quickly, he walked in a comely manner (said of a man), running vehemently.

zaffa vb. (I) - impf. act. 37:94

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 401, 402

Zay-Fa-Ra = a sigh/sob, draw in breath due to distress, to groan, moan in grief, a sea that makes a roaring, one who carries loads/burdens, calamity/misfortune.

zafir n.m. - 11:106, 21:100, 25:12

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 402, 403

Zay-ha-Dal = he abstained from it (meaning from something that would gratify the passions or senses), relinquished it, forsook it, shunned it or avoided it, did not desire it, he computed or determined its quantity/measure/size/bulk/proportion/amount/sum/ number or computed by conjecture its quantity/amount, become undesired due to littleness/worth, he reckoned it little, to despise, a small quantity, a narrow valley that receives little water.

zahada vb. (I)
zahid pcple. act. 12:20

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 426, 427

Zay-ha-Qaf = went/passed forth, departed, perished, dying, came to naught, went swiftly.

zahaqa vb. (I)
perf. act. 17:81
impf. act. 9:55, 9:85
pcple. act. 21:18

zahuq n.m. (adj.) - 17:81

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 428, 429

Zay-ha-Ra = shone/glistened, become white/beautiful/bright, to give light, a fire/lamp, flower, flowered/blossomed, mindful of it, rejoice/energetic in it, a want.

zahrah n.f. - 20:131

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 427, 428

Zay-Ha-Fa = a company of men walked/marched or went on foot, crept/crawled along, walked leisurely/gently or little by little, to drag, become fatigued.

zahafa vb. (I)
zahf n. vb. - 8:15

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 385, 386

Zay-Ha-Zay-Ha = to remove, remove/push/thrust away, become far away, distant, remote.

zahzaha vb. (quad I)

zuhziha perf. pass. 3:185

muzahzih pcple. act. 2:96

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 384

Zay-Jiim-Jiim = to pierce/thrust/spear, a thing pointed, to cast or throw a thing from oneself, become narrow and long, glass, glass vessels, lamp.

zujajah n.f. - 24:35, 24:35

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 381, 382

Zay-Jim-Ra = To prohibit, drive away, interdict, chide away, cry out, scare away, rebuke, deter, discourage, repel, restrain, chide by a cry, by voice, or by reproof, check him, restrained him, or forbade him, with rough speech: or prevented, hindered, restrained, or withheld, him: or forbade, or prohibited, him [by any kind of cry or speech].

••••• muzdajarun - Deterrent [54:4]

•••• zajran (V) - Driving away vigorously [37:2]

•••• zajratun (N) - Single driving shout [37:19; 79:13]

•••••• waizdujira - (and) He was spurned and chided [54:9]

••••••••• faalzzajirati - (and) Those who drive away [37:2]

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 382, 383

Zay-Jiim-Waw = to drive, to urge on, become in a right state, It (a bad piece of money) passed or had currency, it was or became easy of collection, the acting with penetrative energy and effectiveness in an affair, effect/accomplish it, pushed it gently so it may go on, a small or scanty thing that may be pushed or driven away because of the little account that is made of it, paltry, weak.

azja vb. (IV)

impf. act. 17:66, 24:43

muzjat n.f. 12:88

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 383, 384

Zay-Kaf-Ra = to fill a vessel or water skin, become large/full, it (a beverage) became collected, a receptacle for a liquid. Zachariah.

zakariya n. prop. - 3:37, 3:37, 3:38, 6:85, 19:2, 19:7, 21:89

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 405

• • •

Zay-Kaf-Waw = it increased/augmented, it throve/grew well/flourished/prospered and produced fruit, it was/became pure, purification, goodness/righteousness, lead/enjoy a plentiful/easy/soft/delicate life, put into a good/right state/condition, alms, poor-rate/due

zaka vb. (I)
perf. act. - 24:21
zakat n.f. - 2:43, 2:83, 2:110, 2:177, 2:277, 4:77, 4:162, 5:12, 5:55, 7:156, 9:5, 9:11, 9:18, 9:71, 18:81, 19:13, 19:31, 19:55, 21:73, 22:41, 22:78, 23:4, 24:37, 24:56, 27:3, 30:39, 31:4, 33:33, 41:7, 58:13, 73:20, 98:5
zakiy n.m. (adj. comp. *azka*) - 2:232, 18:19, 18:74, 19:19, 24:28, 24:30

zakka vb. (II)
perf. act. - 91:9
impf. act. - 2:129, 2:151, 2:174, 3:77, 3:164, 4:49, 4:49, 9:103, 24:21, 53:32, 62:2

tazakka vb, (V)
perf. act. - 20:76, 35:18, 79:18, 87:14
impf. act. - 35:18, 80:3, 80:7, 92:18

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 406, 407

Zay-Kha-Ra-Fa = the adorning/decorating/embellishing/ornamenting a thing, anything embellished or varnished with a false colouring, lies, falsifying/adulterating of speech.

zukhruf n.m. - 6:112, 10:24, 17:93, 43:35

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 388, 389

• • •

Zay-Lam-Fa = draw near/close, advance, nearness/closeness/proximity

zulfa n.f. (pl. *zulaf*) - 11:114, 34:37, 38:25, 38:40, 39:3

zulfah n.f. (adv.) - 67:27

azlafa vb. (IV)
perf. act. 26:64
uzlifa perf. pass. 26:90, 50:31, 81:13

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 411, 412

Zay-Lam-Lam = it moved away or aside, slipped, make a mistake, deficient, pass along / transfer.

zalla vb. (I)
perf. act. 2:209
yazillu impf. act. 16:94

azalla vb. (IV) - perf. act. 2:36

istazalla vb. (X) - perf. act. 3:155

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 407, 408, 409

Zay-Lam-Miim = to cut off anything projecting or prominent, make little in quantity/ amount, to fill, make an arrow, an arrow without head or feathers, divining arrow.

azlam n.m. (pl. of *zalam*) - 5:3, 5:90

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 413, 414

Zay-Lam-Qaf = to slip/slide, to become disgusted by it and withdraw from it, he removed him from his place, he looked sharply or intently, a slippery place, to shave one's head, smooth rock

zaliqa vb. (I) -
zalaq n. vb. 18:40

azlaqa vb. (IV) - *yuzliqu* impf. act. 68:51

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 412, 413

Zay-Lam-Zay-Lam = to set in motion/commotion, agitation, convulsion, earthquake.

zalzala vb. (quad I)
zulzila perf. pass. 2:214, 33:11, 99:1

zilzal n. vb. 33:11, 99:1

zalzalah n.f. 22:1

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 408, 409

Zay-Miim-ha-Ra = grin and display teeth with a stern/morose look, intense/hurting cold, laughing as to show the teeth, intensely bright, angry.

zamharir n.m. - 76:13

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 420, 421

Zay-Miim-Lam = he bore it or carried it, followed another, wrapped (e.g. in a garment), also signifies the act of concealing, the requiting with beneficence, a load or burden, a company or collection, a traveling companion, a man wrapped in his garments.

izzammala vb. (V)
pcple. act. 73:1

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 418, 419

Zay-Miim-Ra = a company or congregated body of men, a party in a state of dispersion.

zumar n.f. (pl. of *zumrah*) - 39:71, 39:73

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 416, 417

Zay-Nun-Jiim-Ba-Lam = ginger, a certain herb that has a property that is heating/ warming/exhilarating to those who consume it.

zanjabil n.m. - 76:17

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 422

Zay-Nun-Miim = base, ignoble, mean, evil character.

zanim n.m. (adj.) - 68:13

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 425, 426

Zay-Nun-Ya = to mount, the mounting upon a thing, to commit fornication/adultery, fornicator/adulterer.

zana vb. (I)
yazni impf. act. 25:68, 60:12

zina n. vb. 17:32

pcple. act. (*zani* f., *zaniyah*) 24:2, 24:2, 24:3, 24:3, 24:3, 24:3

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 426

Zay-Qaf-Miim = gobbling, eating it quickly, to swallow, plague/pestilence, any deadly food, food of people of the fire (of Hell), a certain tree in Hell, a certain tree having small leaves stinking and bitter, dust-coloured tree having a pungent odour.

zaqqum n. prop. - 37:62, 44:43, 56:52

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 404, 405

Zay-Ra-Alif-Ya =

•••••• zarabiyyu {Plural form of Zirbiyyatun] - Rich, Velvety carpets [88:16]

Zay-Ra-Ayn = To sow seed, cast seed, till the ground, cause [the plants, children] to grow, give increase to, he who sows, reaps, what is raised by means of sowing, seed-produce, what is sown. (Zay Ra Waw 'Ayn = offspring, children, a child)

[P. 1225-26. Lane; P. 230-31. DofQ]

•••••• tazraAAoona - You shall sow, cultivate [12:47; 56:64]

•••• wazarAAun - Sowers [13:4]

•••••••• alzzariAAoona {Plural is zurra 'un] - The grower, the causer of the growth [56:64]

•••• zarAAan (N) - Seed, corn, corn-field, land sown with corn, cultable land, plant [18:32; 32:27; 39:21]

••••• wazurooAAin (N) - (and) Corn-fields [26:148; 44:26]

•••••• alzzarAAa - [6:141]

••• zarAAin (this is the root word) - [14:37]

••••• alzzarAAa - corn [16:11]

•••••• alzzurra - The sowers [48:29]

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 391, 392

Zay-Ra-Ba = small pillows, carpets, anything that is spread on which one can lean or recline.

zarabi n.f. (pl. of zurbiyah) - 88:16

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 390

Zay-Ra-Qaf = blue-eyed, grey-eyed, greenish hue in the eye, blindness (due to the pupil being grey due to ctaract), become very clear/bright, to show the whites of the eye, piercing (e.g. with a spear), look sharply/intently, intense colour of the eye.

zurq n.m. (adj., pl. of azraq) - 20:102

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 393, 394

Zay-Ra-Ya = he blamed, found fault with, despised, reproved him or his deed, become angry at him, mock/scoff/ridicule/deride, held it in little/light estimation or in contempt.

izdara vb. (VIII)
yazdari impf. act. 11:31

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 395

Zay-Waw-Dal = to furnish with grace/provision, provision for travelling or fixed residence, any acquirement in which one becomes changed in state/condition or rather whereby one provides for a change of state/condition as a traveller provides for a journey, a bag/ receptacle, stock.

zad n.m. - 2:197

tazawwada vb. (V)
impv. 2:197

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 433, 434

Zay-Waw-Jiim = to couple/join/pair/unite/wed, marriage, a pair, a fellow or like, spouse.

zawj n. com. (pl. azwaj) - 2:25, 2:35, 2:102, 2:230, 2:232, 2:234, 2:240, 2:240, 3:15, 4:1, 4:12, 4:20, 4:20, 4:57, 6:139, 6:143, 7:19, 7:189, 9:24, 11:40, 13:3, 13:23, 13:38, 15:88, 16:72, 16:72, 20:53, 20:117, 20:131, 21:90, 22:5, 23:6, 23:27, 24:6, 25:74, 26:7, 26:166, 30:21, 31:10, 33:4, 33:6, 33:28, 33:37, 33:37, 33:50, 33:50, 33:52, 33:53, 33:59, 35:11, 36:36, 36:56, 37:22, 38:58, 39:6, 39:6, 40:8, 42:11, 42:11, 43:12, 43:70, 50:7, 51:49, 53:45, 55:52, 56:7, 58:1, 60:11, 60:11, 64:14, 66:1, 66:3, 66:5, 70:30, 75:39, 78:8

zawwaja vb. (II)
perf. act. 33:37, 44:54, 52:20
impf. act. 42:50
perf. pass. 81:7

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 432, 433

Zay-Waw-Lam = it went away, passed away, departed/removed/shifted, ceased to exist, came to naught, become remote, to turn/swerve, quit, motion/commotion.

zala vb. (I)
perf. act. 35:41
impf. act. 14:46, 35:41
n. vb. 14:44

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 436, 437, 438

Zay-Waw-Ra = visit, visitor, incline towards, he honoured him, falsify/beautify/embellish, lie/untruth, adjust/correct, decline or turn aside from it, determination.

zara vb. (I)
perf. act. 102:2

zur n.m. 22:30, 25:4, 25:72, 58:2

tazawara vb. (VI) - impf. act. 18:17

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 434, 435, 436

• • •

Zay-Ya-Dal = increased/augmented/grew, exceeded, was/became redundant/superfluous, remain over & above, addition, exaggerate, accessory, surplus

zada vb. (I)
perf. act. 2:10, 2:247, 3:173, 7:69, 8:2, 9:47, 9:124, 9:124, 9:125, 11:101, 16:88, 17:97, 18:13, 25:60, 33:22, 35:42, 47:17, 72:6
impf. act. 2:58, 4:173, 5:64, 5:68, 7:161, 11:52, 11:63, 14:7, 17:41, 17:60, 17:82, 17:109, 19:76, 24:38, 35:1, 35:30, 35:39, 35:39, 37:147, 42:20, 42:23, 42:26, 71:6, 71:21, 71:24, 71:28, 74:15, 78:30
impv. 20:114, 38:61, 73:4
n.vb. 9:37, 10:26

mazid n.m. 50:30, 50:35

zayd n.prop. 33:37

izdada vb. (VIII)
perf. act. 3:90, 4:137, 18:25
impf. act. 3:178, 12:65, 13:8, 48:4, 74:31

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 441, 442

Zay-Ya-Gh = decline/deviate/swerve, turned aside, a doubting.

zagha vb. (I)
perf. act. 33:10, 38:63, 53:17, 61:5
impf. act. 9:117, 34:12
n.vb. 3:7

azagha vb. (IV) - perf. act. 61:5, impf. act. 3:8

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 443

Zay-Ya-Lam = (with negatives ma, la, or lam) does not cease, to continue, still yet. to put or set apart/aside, to separate/remove/disperse.

zala vb. (I) - perf. act. 21:15, 40:34, impf. act. 2:217, 5:13, 9:110, 11:118, 13:31, 22:55

zayyala vb. (II) (with prep. *bayna*, it means 'to set apart') perf. act. 10:28

tazayyala vb. (V) - perf. act. 48:25

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 444, 445

Zay-Ya-Nun = To adorn, deck. Adorn, grace, honor [said of an action, quality, or saying]. Embellished, dressed, or trimmed it [relating to language]. Adorned [ex. The earth, or land, became adorned with or by it's herbage], ornamented, decorated, decked, bedecked, garnished, embellished, beautified, or graced him/it. Of language it is said: "It was embellished, dressed up, or trimmed". Of action it is said: "It was embellished, dressed up"; i.e. commended to a person by another man. A grace, a beauty, a comely quality, a physical/ intellectual adornment, an honour or a credit, and anything that is the pride or glory of a person or a thing. A thing that does not disgrace or render unseemly a wise man in any of his states or conditions, either in the present world or in that which is to come. It [states] are of three kinds: Mental: Such as knowledge/science and good tenants. Bodily: Strength, tallness of stature, beauty of aspect. Extrinsic: Wealth, rank or station, dignity.

zinah n.f. - 7:31, 7:32, 10:88, 11:15, 16:8, 18:7, 18:28, 18:46, 20:59, 20:87, 24:31, 24:31, 24:31, 24:60, 28:60, 28:79, 33:28, 37:6, 57:20

zayyana vb. (II) - perf. act. 6:43, 6:108, 6:137, 8:48, 15:16, 16:63, 27:4, 27:24, 29:38, 37:6, 41:12, 41:25, 49:7, 50:6, 67:5
impf. act.15:39
perf. pass. 2:212, 3:14, 6:122, 9:37, 10:12, 13:33, 35:8, 40:37, 47:14, 48:12

izzayyana vb. (V) - perf. act. 10:24

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 445, 446

Zay-Ya-Ta = oil, olive-oil, olive-tree.

zayt n.m. 24:35

zaytunah n.f. (pl. m. *zaytun*) - 6:99, 6:141, 16:11, 24:35, 80:29, 95:1

Lane's Lexicon, Volume 3, pages: 440

Siin = س

Siin-Alif-Lam = to ask/interrogate/inquire/question/demand/pray/beg, a thing asked, a question/proposition/problem/petition/request, beggar, that which is demanded or inquired into, asked, questioned, responsible.

sa'ala vb. (1)
perf. act. 2:61, 2:186, 4:153, 5:102, 9:65, 10:72, 14:34, 18:76, 29:61, 29:63, 31:25, 33:53, 34:47, 39:38, 43:9, 43:87, 67:8, 70:1
impf. act. 2:108, 2:189, 2:215, 2:217, 2:219, 2:219, 2:220, 2:222, 2:273, 4:153, 5:4, 5:101, 5:101, 6:90, 7:6, 7:6, 7:187, 7:187, 8:1, 11:29, 11:46, 11:47, 11:51, 12:104, 15:92, 17:85, 18:70, 18:83, 20:105, 20:132, 23:72, 25:57, 26:109, 26:127, 26:145, 26:164, 26:180, 33:8, 33:20, 33:63, 36:21, 38:86, 42:23, 47:36, 47:37, 51:12, 52:40, 55:29, 60:10, 68:46, 70:10, 75:6, 79:42
impv. 2:211, 4:32, 7:163, 10:94, 12:50, 12:82, 16:43, 17:101, 21:7, 21:63, 23:113, 25:59, 33:53, 43:45, 60:10, 68:40
perf. pass. 2:108, 33:14, 81:8
impf. pass. 2:119, 2:134, 2:141, 16:56, 16:93, 21:13, 21:23, 28:78, 29:13, 34:25, 34:25, 43:19, 43:44, 55:39, 102:8
n.vb. 38:24
pcple. act. 2:177, 12:7, 41:10, 51:19, 70:1, 70:25, 93:10
pcple. pass. 17:34, 17:36, 25:16, 33:15, 37:24

sul n.m. 20:36

tasa'ala vb. (6) impf. act. 4:1, 18:19, 23:101, 28:66, 37:27, 37:50, 52:25, 74:40, 78:1

Lane's Lexicon, Volume 4, pages: 6, 7, 8

Siin-Alif-Miim = turn away in disgust, be averse, disgusted/loathed/nauseated it, have little patience, to feel disclaim/dislike/scorn, weary/tire.

saima vb. (1) impf. act. 2:282, 41:38, 41:49

LL, V4, p: 8

Siin-Ayn-Dal = to be prosperous/blessed/happy/auspicious/fortunate/lucky, be in a state of felicity, thrive, aid/assist/help, accommodated/adapted/disposed him to the right course, one who is blessed.

sa'ida vb. (1) perf. pass. 11:108

sa'id n.m. (adj) 11:105

LL, V4, p: 84, 85, 86, 87

Siin-Ayn-Ra = to light/kindle a fire, made it burn, provoke mischief, to be blasted, fire/ blaze/heat/hell/flame, madness/insanity/possessed/demonic, vehement hunger/thirst.

sa'ir n.f. 4:10, 4:55, 17:97, 22:4, 25:11, 31:21, 33:64, 34:12, 35:6, 42:7, 48:13, 67:5, 67:10, 67:11, 76:4, 84:12

su'ur n.m. 54:24, 54:47

sa'ara vb. (2) perf. pass. 81:12

LL, V4, p: 87, 88

Siin-Ayn-Ya = he walked or went along, to strive/exert/labour/work, go quickly, effort, endeavour, hasten/act/run, be active, diligent, age of running or work and assist (child).

sa'a vb. (1)
perf. act. 2:114, 2:205, 17:19, 22:51, 34:5, 53:39, 79:35
impf. act. 5:33, 5:64, 20:15, 20:20, 20:66, 28:20, 34:38, 36:20, 57:12, 66:8, 79:22, 80:8
impv. 62:9
n.vb. 2:260, 17:19, 17:19, 18:104, 21:94, 37:102, 53:40, 76:22, 88:9, 92:4

LL, V4, p: 90, 91

Siin-Ba-Alif =

saba n.prop. 27:22, 34:15

LL, V4, p: 10, 11

Siin-Ba-Ayn = to make a number up to seven, be the seventh of, seven (sub'un), seventy (sab'ina), sometimes used in a vague manner as meaning seven or more and seventeen or more or several or many. The Arabic equivalents of the numbers seven, seventy and seven hundred are all used to indicate a large number by the Arabs and for multiplicity, not indicating exactness in number. Devour/kill/bite, beast, bird of prey.

sab'ah n.num. 2:29, 2:196, 2:261, 12:43, 12:43, 12:43, 12:46, 12:46, 12:46, 12:47, 12:48, 15:44, 15:87, 17:44, 18:22, 23:17, 23:86, 31:27, 41:12, 65:12, 67:3, 69:7, 71:15, 78:12

sab'un n.num. 7:155, 9:80, 69:32

sabu n.m. 5:3

LL, V4, p: 20, 21, 22

Siin-Ba-Ba = to find the means of, occasion a thing, seek a living, be the cause of, use a thing as means for, rope, cause, occasion, way, means, road, account, love, relationship/ connection/tie.

sabba vb. (1) impf. act. 6:108, 6:108

sabab n.m. (pl. asbab) 2:166, 18:84, 18:85, 18:89, 18:92, 22:15, 38:10, 40:36, 40:37

LL, V4, p: 8, 9, 10

Siin-Ba-Gh = to be full/abundant, extend/enlarge/copious/ample/long/wide, coat of mail that is wide/ample/long, from above to below, without deficiency, plentifulness/ pleasantness/easiness/softness (e.g. of life), complete.

sabighah n.f. pl. 34:11

asbagha vb. (4) perf. act. 31:20

LL, V4, p: 22, 23

Siin-Ba-Ha = to swim, roll onwards, perform a daily course, float, the act of swimming, chain of business, those who are floating, went/travel far, being quick/swift. To praise/ glorify/hollow/magnify, sing/celebrate praise, holy, declaring God to be far removed or free for every imperfection/impurity.

[[PRL editor note: *sabih* is only used to/for God in 'al quran']]

sabaha vb. (1) impf. act. 21:33, 36:40
n.vb. 73:7, 79:3
pcple. act. 79:3

subhan n.m. 2:32, 2:116, 3:191, 4:171, 5:116, 6:100, 7:143, 9:31, 10:10, 10:18, 10:68, 12:108, 16:1, 16:57, 17:1, 17:43, 17:93, 17:108, 19:35, 21:22, 21:26, 21:87, 23:91, 24:16, 25:18, 27:8, 28:68, 30:17, 30:40, 34:41, 36:36, 36:83, 37:159, 37:180, 39:4, 39:67, 43:13, 43:82, 52:43, 59:23, 68:29

sabbaha vb. (2)
perf. act. 32:15, 57:1, 59:1, 61:1
impf. act. 2:30, 7:206, 13:13, 17:44, 17:44, 20:33, 21:20, 21:79, 24:36, 24:41, 38:18, 39:75, 40:7, 41:38, 42:5, 48:9, 59:24, 62:1, 64:1, 68:28
impv. 3:41, 15:98, 19:11, 20:130, 20:130, 25:58, 33:42, 40:55, 50:39, 50:40, 52:48, 52:49, 56:74, 56:96, 69:52, 76:26, 87:1, 110:3
n.vb. 17:44, 24:41
pcple. act. 37:143, 37:166

LL, V4, p: 13, 14, 15

Siin-Ba-Lam = cause, reason, way/path/road, necessity, means of access, responsibility, method/manner, plea to allege.
fi sabil Allah - in the way of Allah, in the cause of Allah, to carry the message of Allah.
ibn al-sabil - traveller, way farer, forlorn traveller.
salsabil - It is made up of two words: *sal* (ask, enquire about) & *sabil* (way), *salsala* - easy, sweet, rapid flowing water. As if it meant 'Inquiring ask your Lord the way to that sweet, easy palatable and rapid flowing fountain'. It is the name of a fountain of heaven.

sabil n.com. (pl. subul) 2:108, 2:154, 2:177, 2:190, 2:195, 2:215, 2:217, 2:218, 2:244, 2:246, 2:246, 2:261, 2:262, 2:273, 3:13, 3:75, 3:97, 3:99, 3:146, 3:157, 3:167, 3:169, 3:195, 4:15, 4:22, 4:34, 4:36, 4:43, 4:44, 4:51, 4:74, 4:74, 4:75, 4:76, 4:76, 4:84,

4:88, 4:89, 4:90, 4:94, 4:95, 4:98, 4:100, 4:115, 4:137, 4:141, 4:143, 4:150, 4:160, 4:167, 5:12, 5:16, 5:35, 5:54, 5:60, 5:77, 6:55, 6:166, 6:117, 6:153, 6:153, 7:45, 7:86, 7:142, 7:146, 7:146, 7:146, 7:146, 7:1488:36, 8:41, 8:47, 8:60, 8:72, 8:74, 9:5, 9:9, 9:19, 9:20, 9:24, 9:34, 9:34, 9:38, 9:41, 9:60, 9:60, 9:81, 9:91, 9:93, 9:111, 9:120, 10:88, 10:89, 11:19, 12:108, 13:33, 14:3, 14:12, 14:30, 15:76, 16:9, 16:15, 16:69, 16:88, 16:94, 16:125, 16:125, 17:26, 17:32, 17:42, 17:48, 17:72, 17:84, 17:110, 18:61, 18:63, 20:53, 21:31, 22:9, 22:25, 22:58, 24:22, 25:9, 25:17, 25:27, 25:34, 25:42, 25:44, 25:57, 27:24, 28:22, 29:12, 29:29, 29:38, 29:69, 30:38, 31:6, 31:15, 33:4, 33:67, 38:26, 38:26, 39:8, 40:7, 40:11, 40:29, 40:37, 40:38, 42:41, 42:42, 42:44, 42:46, 43:10, 43:37, 47:1, 47:4, 47:32, 47:34, 47:38, 49:15, 53:30, 57:10, 58:16, 59:7, 60:1, 60:1, 61:4, 61:11, 63:2, 68:7, 71:20, 73:19, 73:20, 76:3, 76:29, 80:20

salsabil n.prop. 76:18

LL, V4, p: 25, 26, 27

Siin-Ba-Qaf = to be in advance, go/pass before, surpass, get the better of, get in advance, precede, overtake, come first to the goal, outstrip, overcome, go forth previously, escape, go speedily, go first, race/strive/excel, prevent, the act of advancing. One who precedes or outstrips in race, foremost.
masbuq - one who is surpassed or beaten or is out run in a race.

sabaqa vb. (1)
perf. act. 7:80, 8:59, 8:68, 10:19, 11:40, 11:110, 20:99, 20:129, 21:101, 23:27, 29:28, 37:171, 41:45, 42:14, 46:11, 59:10
impf. act. 15:5, 21:27, 23:43, 29:4
n.vb. 79:4
pcple. act. 9:100, 23:61, 29:39, 35:32, 36:40, 56:10, 56:10, 79:4
pcple. pass. 56:60, 70:41

sabaqa vb. (3) impv. 57:21

istabaqa vb. (8)
perf. act. 12:25, 36:66
impf. act. 12:17
impv. 2:148, 5:48

LL, V4, p: 23, 24

Siin-Ba-Ta = to take rest, cease from work, repose, keep the Sabbath, be confused/ perplexed/confounded, cut, stop, sleep, unfold, Sabbath-day, week, addicted to sleep, rest/lethargic/motionless.

sabata vb. (1) impf. act. 7:163

sabt n.prop. 2:65, 4:47, 4:154, 7:163, 7:163, 16:124

subat n.m. 25:47, 78:9

LL, V4, p: 11, 12, 13

Siin-Ba-Tay = To be lank (hair), loose, have branches. To become extended or stretched [he fell on the ground, and became extended or stretched, in consequence of being beaten, or from disease], upon the ground, in consequence of being beaten. Particularly distinguished, and choiciest of children. A man, one of the fathers of tribes, tree having many branches [where the father signifies the tree and his children the branches]. asbat - Tree having many branches, grandson, tribe.

asbat n.m. (pl. of sibt) 2:136, 2:140, 3:84, 4:163, 7:160

LL, V4, p: 18, 19

Siin-Dal = to make barrier, partition, rampart, obstacle, bar/stop/close/obstruct/dam/ shut, a thing with which a breach/gap is stopped/closed.

sadd n.m. 18:93, 18:94, 36:9, 36:9

Siin-Dal-Dal = to be straight to the point, hit the right point, speak or act rightly, be well directed, right thing, true, just.

sadid n.m. (adj) 4:9, 33:70

LL, V4, p: 52, 53, 54

Siin-Dal-Ra = to rend (a garment), hang or let down a garment, lose (one's hair), be dazzled/confounded/perplexed, be dazzled by a thing at which one looked.

sidratun - Lote-tree. when the shade of lote-tree becomes dense and crowded it is very pleasant and in the hot and dry climate of Arabia the tired and fatigued travelers take shelter and find rest under it and thus it is made to serve as a parable for the shade of paradise and its blessings on account of the ampleness of its shadow. The qualification of *sidrah* by the word *al-muntaha* shows that it is a place beyond which human knowledge does not go.

sidrah n.f. (pl. sidrun) 34:16, 53:14, 53:16, 56:28

LL, V4, p: 55, 56

Siin-Dal-Siin = to take a sixth part, be the six, make up the number six, one sixth.

sadis n.num. 18:22, 58:7

suds n.num. 4:11, 4:11, 4:12

LL, V4, p: 56

Siin-Dal-Ya = at will , in vain.

suda n.m. (adv) 75:36

LL, V4, p: 59, 60

Siin-Fa-Ayn = to smote/burn/blacken/tinge, to drag, slap/struck/beat, strike with the wings (when fighting), charge upon, assault/attack.

safa'a vb. (1) acc. impf. act. 1st. pl. 96:15

LL, V4, p: 96, 97

Siin-Fa-ha = to be foolish/stupid/silly/fickle/ignorant/imprudent, want of judgement, folly, light or witted, to become unwise, lose the mind, deem anyone foolish, destroy,

deny miserably, levity, one who is foolish.

safiha vb. (1) perf. act. 2:130
n.vb. safah 6:140
n.vb. safahah 7:66, 7:67

safih n.m. (pl. sufaha) 2:13, 2:13, 2:142, 2:282, 4:5, 7:155, 72:4

LL, V4, p: 100, 101

Siin-Fa-Ha = to shed/flow, outpoured/spilled, *musafihun* - one who commits fornication or adultery, take unlawfully (women). *saffaha* - to work without profit.

safaha vb. (1) pcple. pass. 6:145

safaha vb. (3) pcple. act. 4:24, 4:25, 5:5

LL, V4, p: 93

Siin-Fa-Kaf = to shed/pour.

safaka vb. (1) impf. act. 2:30, 2:84

LL, V4, p: 98

Siin-Fa-Lam = to be low/lower/lowest, mean/despicable/vile/base/inferior, nethermost, downward, below.

safil n.m. (adj. comp. *asfal*) 95:5, 4:145, 8:42, 9:40, 11:82, 15:74, 33:10, 37:98, 41:29, 95:5

LL, V4, p: 98, 99

Siin-Fa-Nun = to sculpture, cut, hew, pare. *safina'tun* - boat, ship, bark, ark as it

cleaves, slits, tears the water.

safinah n.f. 18:71, 18:79, 18:79, 29:15

LL, V4, p: 99, 100

Siin-Fa-Ra = to scribe, sweep, disperse, separate, depart, travel, set out on a journey, shine (dawn), subside, unveil, dispel (the clouds), write.

asfar n.m. (pl. of sifr) 62:5

safar n.m. (pl. asfar) 2:184, 2:185, 2:283, 4:43, 5:6, 9:42, 18:62, 34:19

safarah n.m. (pl. of safir) 80:15

asfara vb. (4) perf. act. 74:34
pcple. act. 80:38

LL, V4, p: 94, 95, 96

Siin-Gh-Ba = to be hungry, suffer from hunger and want. *masghabah* - starvation/ hunger/famine, privation to hunger.

masghabah n.f. 90:14

LL, V4, p: 91

Siin-ha-Lam = to be smooth, even, plain level (earth), easy (affair).

sahl n.m. (pl. suhul) 7:74

LL, V4, p: 177, 178

Siin-ha-Miim =

sahama vb. (3) perf. act. 37:141

LL, V4, p: 178, 179

Siin-ha-Ra = to be watchful, spend the night awake, flash by night. *sahiratun* - surface of the earth, open (e.g. eye, space), awakened, wide land having no growth.

sahirah act. sing. n. f. 79:14

LL, V4, p: 175, 176

Siin-ha-Waw = to overlook, neglect, be heedless, unmindful, give no heed.

saha vb. (1) pcple. act. 51:11, 107:5

LL, V4, p: 179, 180, 181

Siin-Ha-Ba = to drag, trail, drag along the ground. *sahab* - cloud.

sahaba vb. (1) impf. pass. 40:71, 54:48

sahab n.m. (coll) 2:164, 7:57, 13:12, 24:40, 24:43, 27:88, 30:48, 35:9, 52:44

LL, V4, p: 38

Siin-Ha-Lam = to come to the seashore, seacoast, bank of a river.

sahil act. n. m. sing. 20:39

LL, V4, p: 43, 44, 45

Siin-Ha-Qaf = to be distant, far removed (from good), sahiq - far off place, distant and remote place, deep place. sahaqa - to pound/crush, sweep (the earth), wind, wear out, destroy. suhqan - be far away, be cursed. Ishaq - Abraham's son.

sahuqa vb. (1) n.vb. 67:11

ishaq n.prop. 2:133, 2:136, 2:140, 3:84, 4:163, 6:84, 11:71, 11:71, 12:6, 12:38, 14:39, 19:49, 21:72, 29:27, 37:112, 37:113, 38:45

sahiq n.m. (adj) 22:31

LL, V4, p: 42, 43

= **Siin-Ha-Ra** = To turn it/him from his course, way, or manner of being. The turning of a thing from its proper manner of being to another.
Lane says that "He (an enchanter) apparently turned the thing from its proper manner of being, making what was false to appear in the form of the true, or real; causing the thing to be imagined different from what it really was."
To deceive, delude, beguile, or outwit. The producing what is false in the form of truth. Embellishment by falsification and deceit. A kind of enchantment, or fascination which captivates the eye and the like. Skillful eloquence [something which is praiseworthy]. Early in the morning, or the first part of day (the time of), a little before daybreak, or the false dawn. Whiteness overspreading blackness. Food marred or spoilt. Having little milk, or large in her udder but having little milk. To guild, fascinate, bewitch, wheedle, turn anyone from, enchant, practice sorcery, hoax, deprive of understanding.

sahara vb. (1)
perf. act. 7:116, 7:132
impf. act. 23:89
n.vb. 2:102, 5:110, 6:7, 7:116, 10:76, 10:77, 10:81, 11:7, 20:57, 20:58, 20:63, 20:66, 20:71, 20:73, 21:3, 26:35, 26:49, 27:13, 28:36, 28:48, 34:43, 37:15, 43:30, 46:7, 52:15, 54:2, 61:6, 74:24
pcple. act. 7:109, 7:112, 7:113, 7:120, 10:2, 10:77, 10:79, 10:80, 20:63, 20:69, 20:69, 20:70, 26:34, 26:38, 26:40, 26:41, 26:46, 38:4, 40:24, 43:49, 51:39, 51:52
pcple. pass. 15:15, 17:47, 17:101, 25:8

sahar n.m. (pl. ashar) 3:17, 51:18, 54:34

sahhar n.m. 26:37

sahhara vb. (2) pcple. pass. 26:153, 26:185

LL, V4, p: 40, 41, 42

Siin-Ha-Ta = to gain what is unlawful, destroy utterly, eradicate, extirpate, make unlawful profit, doing of anything that leads to destruction, devour that is forbidden, gain anything that is prohibited, take bribe. *suhtun* - thing forbidden, unlawful trade, bribe, that which is foul and of bad repute, anything paltry, mean and inconsiderable.

suht n.m. 5:42, 5:62, 5:63

20:61

LL, V4, p: 38, 39

••• = **Siin-Jiim-Dal** = lowly, humble, submissive, worship, adore, prostrate, make obeisance, lower/bend oneself down towards the ground, lower the head, to salute/ honour/magnify, to pay respect, to stand up, to look continuedly and tranquily.
MSJD - parts of a man that are the places of SJD, e.g. forehead/nose/hands/knees/feet etc. Any mode/place/practice in which the act of SJD is done.

sajada vb. (1)
perf. act. 2:34, 4:102, 7:11, 15:30, 17:61, 18:50, 20:116, 38:73
impf. act. 3:113, 7:12, 7:206, 13:15, 15:33, 16:49, 17:61, 22:18, 25:60, 27:24, 27:25, 38:75, 41:37, 55:6, 84:21
impv. 2:34, 3:43, 7:11, 17:61, 18:50, 20:116, 22:77, 25:60, 41:37, 53:62, 76:26, 96:19
n.vb. 48:29, 50:40, 68:42, 68:43
pcple. act. (sajid, pl. sajidun, sujjad, sujud) 2:58, 2:125, 4:154, 7:11, 7:120, 7:161, 9:112, 12:4, 12:100, 15:29, 15:31, 15:32, 15:98, 16:48, 17:107, 19:58, 20:70, 22:26, 25:64, 26:46, 26:219, 32:15, 38:72, 39:9, 48:29

masjid n.m. (pl. masajid) 2:114, 2:144, 2:149, 2:150, 2:187, 2:191, 2:196, 2:217, 5:2, 7:29, 7:31, 8:34, 9:7, 9:17, 9:18, 9:19, 9:28, 9:107, 9:108, 17:1, 17:1, 17:7, 18:21, 22:25, 22:40, 48:25, 48:27, 72:18

LL, V4, p: 31, 32

Siin-Jiim-Lam = to pour out, spill (liquid), write a paper or a scroll, decide judicially.
sijil - written scroll, writing-roll, deed, writ, judicial record, scribe.

sijjil - hardened and petrified clay, stones of clay which had been written or decreed for them that they should be punished therewith, scroll of writing, scribe.

sijill n.m. 21:104

sijjil n.m. 11:82, 15:74, 105:4

LL, V4, p: 34, 35, 36

Siin-Jiim-Nun = to imprison/jail, restrain/conceal, register/record, register in which the actions of the wicked are recorded, prison, written book, *sahib al-sijn* (fellow prisoner), anything hard/vehement/severe/continuous.

sajana vb. (1)
impf. act. 12:35
impf. pass. 12:25, 12:32
pcple. pass. 26:29

sijjin n.prop. 83:7, 83:8

sijn n.m. 12:33, 12:36, 12:39, 12:41, 12:42, 12:100

LL, V4, p: 36

Siin-Jiim-Ra = to fill (oven) with fuel, heat, burn, fill (with water), stock, groan, pour forth, overflow, drain away, swell, unite. *masjur* - dry, empty, swollen. *sajjara* - to become dry/empty.

sajara vb. (1)
3rd. m. plu. impf. pass. 40:72
m. sing. pcple. pass. 52:6

sajjara vb. (2) 3rd. f. sing. perf. pass. 81:6

LL, V4, p: 32, 33

Siin-Jiim-Ya = to be calm/quiet/still, be covered or spread out with darkness.

saja vb. (1) 3rd. m. sing. perf. act. 93:2

LL, V4, p: 36, 37

Siin-Kaf-Ba = to pour out/forth. *maskub* - ever flowing, falling from heights.

sakaba vb. (1) pcple. pass. m. sing. 56:31

LL, V4, p: 112, 113

Siin-Kaf-Nun = to be quiet, rest/repose/dwell/lodge, inhabit, stop/still, subside. Tranquillity, security, mercy, blessing. masakin - poor/destitute/weak/penniless, humble/ submissive, one who is in a state of lowliness/humiliation/abasement/submissiveness, one who cannot move to earn his livelihood because of his physical/mental/financial disability. *sikkin* - knife, as it is cause of making still after slaughtering.

sakana vb. (1)
perf. act. 6:13, 14:45, 65:6
impf. act. 7:189, 10:67, 27:86, 28:72, 28:73, 30:21, 40:61
impv. 2:35, 7:19, 7:161, 17:104
impf. pass. 28:58
n.vb. 6:96, 9:103, 16:80
pcple. act. 25:45
pcple. pass. 24:29

maskan n.m. (pl. masakin) 9:24, 9:72, 14:45, 20:128, 21:13, 27:18, 28:58, 29:38, 32:26, 34:15, 46:25, 61:12

maskanah n.f. 2:61, 3:112

miskin n.com. (pl. masakin) 2:83, 2:177, 2:184, 2:215, 4:8, 4:36, 5:89, 5:95, 8:41, 9:60, 17:26, 18:79, 24:22, 30:38, 58:4, 59:7, 68:24, 69:34, 74:44, 76:8, 89:18, 90:16, 107:3

sakinah n.f. 2:248, 9:26, 9:40, 48:4, 48:18, 48:26

sikkin n.com. 12:31

askana vb. (4)
perf. act. 14:37, 23:18
impf. act. 14:14, 42:33
impv. 65:6

LL, V4, p: 116, 117, 118, 119

= **Siin-Kaf-Ra** = intoxicated, inebriated, drunken, violent/angry, full/still/motionless/ calm, abolish, do away with, be dim, dazzled, rage against, be confused of judgement, bewildered, hindrance, bar, obstacle, obstruction, prevention, brake or stoppage between a person and his understanding and wits and he takes a wrong decision, become silly or blockhead, fail to understand, become cursed in intellect, lose one's wits, dam, to shut or close up, burn/hot, dazzle/cover/confuse, grief, any disturbing element which may distract one's attention or observe one's reason, in a state of mental disequilibrium, one who has no sense as he is in raptures of love/passion/amour, sugar, sweet substance, very sweet date, sakr - sugar.

sakar n.m. 16:67

sakrah n.f. 15:72, 50:19

sukara n.m. (pl. sakran) 4:43, 22:2, 22:2

sakkara vb. (2) perf. pass. 15:15

LL, V4, p: 114, 115, 116

Siin-Kaf-Ta = to be silent, appeased, abated.

sakata vb. (1) 3rd. perf. act. m. sing. 7:154

LL, V4, p: 113, 114

Siin-Kha-Ra = to mock/laugh/scoff at, make fun of, ridicule, look down, deride, taunt, jeer.
Siin-Kha-Kha-Ra = to compel to work without payment, make subservient, press into service, harness, bring under domination or control, subjugate, constrain anyone to

forced work.

sakhira vb. (1)
perf. act. 6:10, 9:79, 11:38, 21:41
impf. act. 2:212, 9:79, 11:38, 11:38, 11:38, 37:12, 49:11
pcple. act. 39:56

sikhri n.m. 23:110, 38:63

sukhri n.m. 43:32

sakhkhara vb. (2)
perf. act. 13:2, 14:32, 14:32, 14:33, 14:33, 16:12, 16:14, 21:79, 22:36, 22:37, 22:65, 29:61, 31:20, 31:29, 35:13, 38:18, 38:36, 39:5, 43:13, 45:12, 45:13, 69:7
pcple. pass. 2:164, 7:54, 16:12, 16:79

istaskhara vb. (10) impf. act. 37:14

LL, V4, p: 48

Siin-Kha-Tay = to be displeased/enraged/offended

sakhita vb. (1) perf. act. 5:80
impf. act. 9:58
n.vb. 3:162

askhata vb. (4) perf. act. 47:28

LL, V4, p: 48, 49

Siin-Lam-Ba = to snatch away, carry off, deprive.

salaba vb. (1) impf. act. 22:73

LL, V4, p: 122, 123, 124

Siin-Lam-Fa = to be past (event), outgo, proceed, predecessor/ancestor, sent in advance.

salafa vb. (1)
perf. act. 2:275, 4:22, 4:23, 5:95, 8:38
n.vb. 43:56

aslafa vb. (4) perf. act. 10:30, 69:24

LL, V4, p: 131, 132, 133

Siin-Lam-Ha = to arm anyone, arms/weapons.

aslihah n.m. (pl. of silah) 4:102, 4:102, 4:102, 4:102

LL, V4, p: 126, 127

Siin-Lam-Kaf = to make a way, travel, thread a pathway, cause to go along (a way), embark, insert, penetrate, walk, enter.

salaka vb. (1)
perf. act. 20:53, 26:200, 39:21, 74:42
impf. act. 15:12, 71:20, 72:17, 72:27
impv. 16:69, 23:27, 28:32, 69:32

LL, V4, p: 135, 136

Siin-Lam-Kha = to flay, pluck off, withdraw, strip off.

salakha vb. (1) impf. act. 36:37

insalakha vb. (7) perf. act. 7:175, 9:5

LL, V4, p: 127, 128

= **Siinn-Lam** = draw forth/out from another thing (e.g. like a hair from dough, sword from sword case), fall out from something, strive to outstrip/come forth/surpass, take/ steal secretly, connect one thing with another, extraction, extract, slip, essence.

sulalah n.f. 23:12, 32:8

tasallala vb. (5) impf. act. 24:63

LL, V4, p: 119, 120, 121, 122

••• = **Siin-Lam-Miim** = safety/security/freedom/immunity, to escape, salutation/ greeting/peace, deliver/acknowledge, pay in advance, submit, sincerity, humility, submission/conformance/obedience, resign/quit/relinquish, to be in sound condition, well without blemish, gentle/tender/soft/elegant. Solomon/Sulaiman.

salima vb. (1) pcple. act. 68:43

salam n.m. 4:90, 4:91, 16:28, 16:87, 39:29

salam n.m. 4:94, 5:16, 6:54, 6:127, 7:46, 10:10, 10:25, 11:48, 11:69, 13:24, 14:23, 15:46, 15:52, 16:32, 19:15, 19:33, 19:47, 19:62, 20:47, 21:69, 25:63, 25:75, 27:59, 28:55, 33:44, 36:58, 37:79, 37:109, 37:120, 37:130, 37:181, 39:73, 43:89, 50:34, 51:25, 51:25, 56:26, 56:26, 56:91, 59:23, 97:5

salim n.m. (adj) 26:89, 37:84

salm n.m. 8:61, 47:35

silm n.com. 2:208

sulayman n.prop. 2:102, 2:102, 4:163, 6:84, 21:78, 21:79, 21:81, 27:15, 27:16, 27:17, 27:18, 27:30, 27:36, 27:44, 34:12, 38:30, 38:34

sullam n.m. 6:35, 52:38

sallama vb. (2)
perf. act. 2:233, 8:43
impf. act. 4:65, 24:27
impv. 24:61, 33:56
n.vb. 4:65, 33:22, 33:56
pcple. pass. f. 2:71, 4:92, 4:92

aslama vb. (4)
perf. act. 2:112, 2:131, 3:20, 3:20, 3:20, 3:83, 4:125, 5:44, 6:14, 27:44, 37:103, 49:14, 49:17, 72:14
impf. act. 6:71, 16:81, 31:22, 40:66, 48:16
impv. 2:131, 22:34, 39:54
n.vb. 3:19, 3:85, 5:3, 6:125, 9:74, 39:22, 49:17, 61:7
pcple. act. 2:128, 2:128, 2:132, 2:133, 2:136, 3:52, 3:64, 3:67, 3:80, 3:84, 3:102, 5:111, 6:163, 7:126, 10:72, 10:84, 10:90, 11:14, 12:101, 15:2, 16:89, 16:102, 21:108, 22:78, 27:31, 27:38, 27:42, 27:81, 27:91, 28:53, 29:46, 30:53, 33:35, 33:35, 39:12, 41:33, 43:69, 46:15, 51:36, 66:5, 68:35, 72:14

istaslama vb. (10) pcple. act. 37:26

LL, V4, p: 136, 137, 138, 139, 140, 141

Siin-Lam-Qaf = to hurt (by words), scold, boil, abuse, glay, lash, assail (tauntingly), smite.

salaqa (vb. (1) perf. act. 33:19

LL, V4, p: 133, 134, 135

Siin-Lam-Siin-Lam = to join/chain one thing to another, connect, fetter with manacle, chain.

silsilah n.f. (pl. salasil) 40:71, 69:32, 76:4

• • • = **Siin-Lam-Tay** = prevailed/overcame/predominated, firm/established in superior power/force, strength, possess power of dominion/sovereignty/rule/authority, sharp/ eloquent, miracle

sultan n.com. 3:151, 4:91, 4:144, 4:153, 6:81, 7:33, 7:71, 10:68, 11:96, 12:40, 14:10, 14:11, 14:22, 15:42, 16:99, 16:100, 17:33, 17:65, 17:80, 18:15, 22:71, 23:45, 27:21, 28:35, 30:35, 34:21, 37:30, 37:156, 40:23, 40:35, 40:56, 44:19, 51:38, 52:38, 53:23, 55:33, 69:29

sallata vb. (2) perf. act. 4:90
impf. act. 59:6

LL, V4, p: 129, 130

Siin-Lam-Waw = to be careless about a thing, diverted from, console, be dispelled from (grief). salwatun - comfort, consolation. salwa - quail, honey, consolation, a kind of bird, a symbol of flesh or meat which is given as provision. Whatever renders one content in a case of privation.

salwa n.f. 2:57, 7:160, 20:80

LL, V4, p: 141, 142

Siin-Miim-Ayn = to hear, hearken, listen.

sami'a vb. (1)
perf. act. 2:93, 2:181, 2:285, 3:181, 3:193, 4:46, 4:46, 4:140, 5:7, 5:83, 8:21, 8:31, 12:31, 21:60, 23:24, 24:12, 24:16, 24:51, 25:12, 28:36, 28:55, 32:12, 35:14, 38:7, 46:30, 58:1, 67:7, 68:51, 72:1, 72:13
impf. act. 2:75, 2:171, 3:186, 6:36, 7:100, 7:179, 7:195, 7:198, 8:20, 8:21, 9:6, 10:67, 16:65, 19:42, 19:62, 19:98, 20:46, 20:108, 21:45, 21:100, 21:102, 22:46, 25:44, 26:72, 28:71, 30:23, 31:7, 32:26, 35:14, 41:4, 41:26, 43:80, 45:8, 45:8, 50:42, 56:25, 58:1, 63:4, 67:10, 78:35, 88:11
impv. 2:93, 2:104, 4:46, 4:46, 5:108, 36:25, 64:16
n.vb. 2:7, 2:20, 6:46, 10:31, 11:20, 15:18, 16:78, 16:108, 17:36, 18:101, 23:78, 26:212, 26:223, 32:9, 41:20, 41:22, 45:23, 46:26, 46:26, 50:37, 67:23, 72:9

sami n.m. (adj) 2:127, 2:137, 2:181, 2:224, 2:227, 2:244, 2:256, 3:34, 3:35, 3:38, 3:121, 4:58, 4:134, 4:148, 5:76, 6:13, 6:115, 7:200, 8:17, 8:42, 8:53, 8:61, 9:98, 9:103, 10:65, 11:24, 12:34, 14:39, 17:1, 21:4, 22:61, 22:75, 24:21, 24:60, 26:220, 29:5, 29:60, 31:28, 34:50, 40:20, 40:56, 41:36, 42:11, 44:6, 49:1, 58:1, 76:2

samma n.m. 5:41, 5:41, 5:42, 9:47

asma'a vb. (4)
perf. act. 8:23, 8:23
impf. act. 10:42, 27:80, 27:80, 27:81, 30:52, 30:52, 30:53, 35:22, 43:40
impv. 18:26, 19:38
pcple. act. 35:22

pcple. pass. 4:46

tasamma'a vb. (5)
impf. act. 37:8

istama'a vb. (8)
perf. act. 21:2, 72:1
impf. act. 6:25, 10:42, 17:47, 17:47, 26:25, 39:18, 46:29, 47:16, 52:38, 72:9
impv. 7:204, 20:13, 22:73, 50:41
pcple. act. 26:15, 52:38

LL, V4, p: 151, 152, 153, 154

Siin-Miim-Dal = to hold up one's head in pride, stand in astonishment, be perplexed, divert one's self, remain proudly heedless and haughty.

samada vb. (1) pcple. act. 53:61

LL, V4, p: 147, 148

Siin-Miim-Kaf = to raise/ascend, be lofty/high. samkun - roof, the highest part of an interior of a building, height, canopy oh heaven, thickness.

samk n.m. 79:28

LL, V4, p: 154, 155

Siin-Miim-Miim = to poison, penetrate, be burning hot. sammun - hole, eye of a needle, small doorway at the side of a large gate. samun - pestilential scorching wind which penetrate into the bodies.

samm n.m. 7:40

samum n.f. 15:27, 52:27, 56:42

LL, V4, p: 142, 143, 144, 145

Siin-Miim-Nun = to be fat, become fleshy, nourish, fat one.

samin (pl. siman) 12:43, 12:46, 51:26

asmana vb. (4) impf. act. 88:7

LL, V4, p: 156, 157

Siin-Miim-Ra = to pass night awake in idle talk, talk nonsense by night.

samara vb. (1) pcple. act. 23:67

samiri n.prop. 20:85, 20:87, 20:95

LL, V4, p: 148, 149, 150

Siin-Miim-Waw = to be high/lofty, raised, name, attribute. samawat - heights/heavens/ rain, raining clouds. ismun - mark of identification by which one is recognised. It is a derivation of wsm (pl. asma). ism - stands for a distinguishing mark of a thing, sometimes said to signify its reality.

ism n.m. (pl. asma) 1:1, 2:31, 2:31, 2:33, 2:33, 2:114, 3:45, 5:4, 6:118, 6:119, 6:121, 6:138, 7:71, 7:180, 7:180, 11:41, 12:40, 17:110, 19:7, 20:8, 22:28, 22:34, 22:36, 22:40, 24:36, 27:30, 49:11, 53:23, 55:78, 56:74, 56:96, 59:24, 61:6, 69:52, 73:8, 76:25, 87:1, 87:15, 96:1

sama n.com. (pl. samawat) 2:19, 2:22, 2:22, 2:29, 2:29, 2:33, 2:59, 2:107, 2:116, 2:117, 2:144, 2:164, 2:164, 2:164, 2:255, 2:255, 2:284, 3:5, 3:29, 3:83, 3:109, 3:129, 3:133, 3:180, 3:189, 3:190, 3:191, 4:126, 4:131, 4:131, 4:132, 4:153, 4:170, 4:171, 5:17, 5:18, 5:40, 5:97, 5:112, 5:114, 5:120, 6:1, 6:3, 6:6, 6:12, 6:14, 6:35, 6:73, 6:75, 6:79, 6:99, 6:101, 6:125, 7:40, 7:54, 7:96, 7:158, 7:162, 7:185, 7:187, 8:11, 8:32, 9:36, 9:116, 10:3, 10:6, 10:18, 10:24, 10:31, 10:55, 10:61, 10:66, 10:68, 10:101, 11:7, 11:44, 11:52, 11:107, 11:108, 11:123, 12:101, 12:105, 13:2, 13:15, 13:16, 13:17, 14:2, 14:10, 14:19, 14:24, 14:32, 14:32, 14:38, 14:48, 15:14, 15:16, 15:22, 15:85, 16:3, 16:10, 16:49, 16:52, 16:65, 16:73, 16:77, 16:79, 17:44, 17:55, 17:92, 17:93, 17:95, 17:99, 17:102, 18:14, 18:26, 18:40, 18:45, 18:51, 19:65, 19:90, 19:93, 20:4, 20:6, 20:53, 21:4, 21:16, 21:19, 21:30, 21:32, 21:56, 21:104, 22:15,

22:18, 22:31, 22:63, 22:64, 22:65, 22:70, 23:18, 23:71, 23:86, 24:35, 24:41, 24:42, 24:43, 24:64, 25:2, 25:6, 25:25, 25:48, 25:59, 25:61, 26:4, 26:24, 26:187, 27:25, 27:60, 27:60, 27:64, 27:65, 27:75, 27:87, 29:22, 29:34, 29:44, 29:52, 29:61, 29:63, 30:8, 30:18, 30:22, 30:24, 30:25, 30:26, 30:27, 30:48, 31:10, 31:10, 31:16, 31:20, 31:25, 31:26, 32:4, 32:5, 33:72, 34:1, 34:2, 34:3, 34:9, 34:22, 34:24, 35:1, 35:3, 35:27, 35:38, 35:40, 35:41, 35:44, 36:28, 36:81, 37:5, 37:6, 38:10, 38:27, 38:66, 39:5, 39:21, 39:38, 39:44, 39:46, 39:63, 39:67, 39:68, 40:13, 40:37, 40:57, 40:64, 41:11, 41:12, 41:12, 41:12, 42:4, 42:5, 42:11, 42:12, 42:29, 42:49, 42:53, 43:9, 43:11, 43:82, 43:84, 43:85, 44:7, 44:10, 44:29, 44:38, 45:3, 45:5, 45:13, 45:22, 45:27, 45:36, 45:37, 46:3, 46:4, 46:33, 48:4, 48:7, 48:14, 49:16, 49:18, 50:6, 50:9, 50:38, 51:7, 51:22, 51:23, 51:47, 52:9, 52:36, 52:44, 53:26, 53:31, 54:11, 55:7, 55:29, 55:33, 55:37, 57:1, 57:2, 57:4, 57:4, 57:5, 57:10, 57:21, 58:7, 59:1, 59:24, 61:1, 62:1, 63:7, 64:1, 64:3, 64:4, 65:12, 67:3, 67:5, 67:16, 67:17, 69:16, 70:8, 71:11, 71:15, 72:8, 73:18, 77:9, 78:19, 78:37, 79:27, 81:11, 82:1, 84:1, 85:1, 85:9, 86:1, 86:11, 88:18, 91:5

samiy n.m. 19:7, 19:65

samma vb. (2)
perf. act. 3:36, 7:71, 12:40, 22:78, 53:23
impf. act. 53:27
impv. 13:33
impf. pass. 76:18
n.vb. 53:27
pcple. pass. 2:282, 6:2, 6:60, 11:3, 13:2, 14:10, 16:61, 20:129, 22:5, 22:33, 29:53, 30:8, 31:29, 35:13, 35:45, 39:5, 39:42, 40:67, 42:14, 46:3, 71:4

LL, V4, p: 157, 158, 159

Siin-Nun-Ba-Lam = to put forth ears (of corn). Some consider it to be derived from: sabala - to allow, put out ears (crops), let down, hang down (hairs or ears of corn).

sunbulah n.f. (pl. sanabil and sunbulat) 2:261, 2:261, 12:43, 12:46, 12:47

LL, V4, p: 164

Siin-Nun-Dal = stay/rely/lean upon, confide, strengthen, assist, prop, wear on a streaked garment. sinadun - kind of streaked clothes. musannadatun - clad in garments, propped up.

sannada vb. (2) f. sing. pcple. pass. 63:4

LL, V4, p: 166, 167, 168

Siin-Nun-Dal-Siin = fine silk-brocade (also see siin-nun-dal).

sundus n.m. 18:31, 44:53, 76:21

LL, V4, p: 168, 169

Siin-Nun-ha = to be advance in age, change colour/taste/smell, become rotten, have action of time, be musty/mouldy through age.

tasannaha vb. (5) impf. act. 2:259

LL, V4, p: 171, 172

Siin-Nun-Miim = to raise/ascend, rise high. sanam - camel's hump, prominence, chief of a tribe. sanamatun - blossom, summit. tasnim - water (of life) coming from above signifying spirituality/knowledge from Allah.

tasnim n.prop. 83:27

LL, V4, p: 170, 171

Siin-Nun-Nun = to clean (the teeth), seize with the teeth, establish the law, follow a path, form. sinnun - tooth. sunnatun/sunanun - line of conduct, mode of life, behaviour, example, dispensation. masnun - formed, made/moulded into shape, polished, shiny and bright (face).

sanna vb. (1)
pcple. pass. 15:26, 15:28, 15:33
sinn n.f. 5:45, 5:45
sunnah n.f. (pl. sunan) 3:137, 4:26, 8:38, 15:13, 17:77, 17:77, 18:55, 33:38, 33:62,

33:62, 35:43, 35:43, 35:43, 40:85, 48:23, 48:23

LL, V4, p: 159, 160, 161, 162, 163, 164

Siin-Nun-Waw = to blaze (fire, lightning), flash. sana - brightness, splendour, gleaming, light. sanatun - year, sinin - years.
There is a difference between the words sinatun & AAam (2:259) both words are used for year but sinatun is used for years with drought/death/hard/distresing and AAam are those years in which there is ampleness/abundance/life/herbage.

sana n.m. 24:43

sanah n.f. (pl. sinin) 2:96, 5:26, 7:130, 10:5, 12:42, 12:47, 17:12, 18:11, 18:25, 20:40, 22:47, 23:112, 26:18, 26:205, 29:14, 30:4, 32:5, 46:15, 70:4

LL, V4, p: 172, 173, 174

Siin-Qaf-Fa = to roof or ceil (a house), roof/ceiling.

saqf n.m. (pl. suquf) 16:26, 21:32, 43:33, 52:5

LL, V4, p: 106, 107

Siin-Qaf-Miim = to be ill/sick/weak, not well.

saqim n.m. (adj) 37:89, 37:145

LL, V4, p: 107, 108

= **Siin-Qaf-Ra** = to injure by heat, to scorch/burn/heat/melt, anything that changes the nature of by melting it, fire (of the Hell).

saqar n.f. 54:48, 74:26, 74:27, 74:42

LL, V4, p: 103

Siin-Qaf-Tay = to fall down, collapse, smitten with remorse, grievously repented, regretted, become confounded and perplexed and unable to see his right course.

saqata vb. (1)
perf. act. 9:49
impf. act. 6:59
perf. pass. 7:149
pcple. act. 52:44

saqata vb. (3)
impf. act. 19:25

asqata vb. (4)
perf. act. 17:92, 34:9
impv. 26:187

LL, V4, p: 103, 104, 105, 106

Siin-Qaf-Ya = to water, give/ask to drink, irrigate. siqayatun - drinking cup.

saqa vb. (1)
perf. act. 28:24, 28:25, 76:21
impf. act. 2:71, 12:41, 26:79, 28:23, 28:23
perf. pass. 47:15
impf. pass. 13:4, 14:16, 76:17, 83:25, 88:5

siqayah n.f. 9:19, 12:70

suqya n.m. 91:13

asqa vb. (4)
perf. act. 15:22, 72:16, 77:27
impf. act. 16:66, 23:21, 25:49

istasqa vb. (10) perf. act. 2:60, 7:160

LL, V4, p: 108, 109, 110

Siin-Ra-Ayn = to hasten, be quick, swift/prompt/sudden, strive with one another.

sari n.m. (pl. sira, comp. adj. asra) 2:202, 3:19, 3:199, 5:4, 6:62, 6:165, 7:167, 10:21, 13:41, 14:51, 24:39, 40:17, 50:44, 70:43

sara'a vb. (3)
impf. act. 3:114, 3:176, 5:41, 5:52, 5:62, 21:90, 23:56, 23:61
impv. 3:133

LL, V4, p: 73, 74

Siin-Ra-Ba = to go freely, flow, run, go manifestly, go about freely. sarab - plain of sand, substance, mound of loose sand, optical illusion, mirage, nothing.

sariba vb. (1)
pcple. act. 13:10

sarab n.m. 18:61

sarab n.m. 24:39, 78:20

LL, V4, p: 64, 65, 66, 67

Siin-Ra-Ba-Lam = to clothe, put on the garment, be confused. sirbil - shirt, clothing/ garment, breast plate, coat of mail.

sarabil n.m. (pl. of sirbal) 14:50, 16:81, 16:81

LL, V4, p: 67

Siin-Ra-Dal = to link/stitch/perforate/pierce, coordinate the thread, continue, follow uninterruptedly, get the best of.

sard n.m. 34:11

LL, V4, p: 70, 71

Siin-Ra-Dal-Qaf = to set a pavilion, cover with an awning, set upper story or housetop, shed (courtyard).

suradiq n.m. 18:29

LL, V4, p: 71, 72

Siin-Ra-Fa = to eat away, excess, suckle (a child), be ignorant, be unmindful/heedless, exceed the undue bounds or just limits, commit many faults/offences/crimes/sins. asrafa - to squander one's wealth, act immoderately, be prodigal, extravagant, transgress. musrif - one who is wasteful.

asrafa vb. (4)
perf. act. 20:127, 39:53
impf. act. 6:141, 7:31, 17:33, 25:67
n.vb. 3:147, 4:6
pcple. act. 5:32, 6:141, 7:31, 7:81, 10:12, 10:83, 21:9, 26:151, 36:19, 40:28, 40:34, 40:43, 43:5, 44:31, 51:34

LL, V4, p: 74, 75, 76

Siin-Ra-Ha = to send, release, set free, drive to pasture (flock).

saraha vb. (1)
impf. act. 16:6
n.vb. 33:28, 33:49

sarraha vb. (2)
impf. act. 33:28
impv. 2:231, 33:49
n.vb. 2:229

LL, V4, p: 68, 69, 70

Siin-Ra-Jiim = to shine, be beautiful, sun/lamp.

siraj n.m. 25:61, 33:46, 71:16, 78:13

LL, V4, p: 67, 68

Siin-Ra-Miim-Dal = perpetual/continuous, long, follow uninterruptedly.

sarmad n.m. 28:71, 28:72

LL, V4, p: 77

Siin-Ra-Qaf = to steal. sariqa - be concealed. istaraqa - to wish to steal. sariqun - one who is addicted to theft, one who steals.

saraqa vb. (1)
perf. act. 12:77, 12:81
impf. act. 12:77, 60:12
pcple. act. 5:38, 5:38, 12:70, 12:73

istaraqa vb. (8)
perf. act. 15:18

LL, V4, p: 76

Siin-Ra-Ra = glad/delight/happiness/joy/rejoice. sarra - to speak secretly, divulge a secret, manifest a secret. secret, heart, conscience, marriage, origin, choice part, mystery, in private, to conceal/reveal/manifest. sarir - couch/throne.

sarra vb. (1)
impf. act. 2:69
n.vb. 76:11
pcple. pass. 84:9, 84:13

sara'ir n.f. (pl. of sarirah) 86:9

sarra n.m. 3:134, 7:95

sirr n.m. 2:235, 2:274, 6:3, 9:78, 13:22, 14:31, 16:75, 20:7, 25:6, 35:29, 43:80

surur n.m. (pl. of sarir) 15:47, 37:44, 43:34, 52:20, 56:15, 88:13

asarra vb. (4)
perf. act. 5:52, 10:54, 12:19, 12:77, 13:10, 20:62, 21:3, 34:33, 66:3, 71:9
impf. act. 2:77, 11:5, 16:19, 16:23, 36:76, 60:1, 64:4
impv. 67:13
n.vb. 47:26, 71:9

LL, V4, p: 61, 62, 63, 64

Siin-Ra-Ya = to travel during the night, to depart/pass. asra - to make anyone to travel by night, repair to an upland. sarat - highest point, summit. sariyyan - rivulet, fountain, stream, chief of the nation.

sara vb. (1)
impf. act. 89:4

sariy n.m. 19:24

asra vb. (4)
perf. act. 17:1
impv. 11:81, 15:65, 20:77, 26:52, 44:23

LL, V4, p: 79, 80

Siin-Ta-Ra = to cover/veil/conceal, veil/covering/curtain/screen, modesty, covered one, hide oneself.

satara vb. (1)
pcple. pass. 17:45

sitr n.m. 18:90

istatara vb. (8)

impf. act. 41:22

LL, V4, p: 28, 29

Siin-Ta-Ta = sittun - six, sittah - sixty.

sittah n.num. 7:54, 10:3, 11:7, 25:59, 32:4, 50:38, 57:4

sittun n.num. 58:4

LL, V4, p: 28

Siin-Tay-Ha = to spread out, level, expand, stretch.

sataha vb. (1) perf. pass. 88:20

LL, V4, p: 81

Siin-Tay-Ra - To write, inscribe, draw, throw down, cut, cleanse, manage the affairs, ward, exercise authority, oversee, prostrate, set in. To embelllish stories with lies, falsehoods; stories having no foundation. To read, recite. To exercise absolute authority, to pay frequent attention to.

satara vb. (1)
impf. act. 68:1
pcple. pass. 17:58, 33:6, 52:2

asatir n.f. (pl. of usturah) 6:25, 8:31, 16:24, 23:83, 25:5, 27:68, 46:17, 68:15, 83:13

istatara vb. (8) pcple. pass. 54:53

LL, V4, p: 81, 82

Siin-Tay-Waw = to attack/assail, leap upon with violence.

sata vb. (1) impf. act. 22:72

LL, V4, p: 83, 84

Siin-Waw-Alif = to treat badly, do evil to disgrace, be evil/wicked/vicious, ill, anything that makes a person sad and sorrowful, bad action, mischief and corruption, sin, evil doer, wretched or grievous, vex, annoy. su'atun (pl. suat) - corpse, external portion of both sexes, shame.

sa'a vb. (1)
perf. act. 4:22, 4:38, 4:97, 4:115, 5:66, 6:31, 6:136, 7:177, 9:9, 16:25, 16:59, 17:32, 18:29, 20:101, 25:66, 26:173, 27:58, 29:4, 37:177, 45:21, 48:6, 58:15, 63:2
impf. act. 3:120, 5:101, 9:50, 17:7
perf. pass. 11:77, 29:33, 67:27
n.vb. 9:98, 16:60, 19:28, 21:74, 21:77, 25:40, 48:6, 48:6, 48:12

saw'ah n.f. 5:31, 5:31, 7:20, 7:22, 7:26, 7:27, 20:121

sayyi n.m. 4:85, 9:102, 17:38, 35:43, 35:43, 39:35, 41:27

sayyiah n.f. 2:81, 2:271, 3:120, 3:193, 3:195, 4:18, 4:31, 4:78, 4:79, 5:12, 5:65, 6:160, 7:95, 7:131, 7:153, 7:168, 8:29, 10:27, 10:27, 11:10, 11:78, 11:114, 13:6, 13:22, 16:34, 16:45, 23:96, 25:70, 27:46, 27:90, 28:54, 28:84, 28:84, 29:4, 29:7, 30:36, 35:10, 39:48, 39:51, 39:51, 40:9, 40:9, 40:40, 40:45, 41:34, 42:25, 42:40, 42:48, 45:21, 45:33, 46:16, 47:2, 48:5, 64:9, 65:5, 66:8

su' n.m. 2:49, 2:169, 3:30, 3:174, 4:17, 4:110, 4:123, 4:148, 4:149, 6:54, 6:157, 7:73, 7:141, 7:165, 7:167, 7:188, 9:37, 11:54, 11:64, 12:24, 12:25, 12:51, 12:53, 13:11, 13:18, 13:21, 13:25, 14:6, 16:27, 16:28, 16:59, 16:94, 16:119, 20:22, 26:156, 27:5, 27:11, 27:12, 27:62, 28:32, 33:17, 35:8, 39:24, 39:47, 39:61, 40:37, 40:45, 40:52, 47:14, 60:2

su'a n.f. 30:10

asa'a vb. (4)
perf. act. 17:7, 30:10, 41:46, 45:15, 53:31

pcple. act. 40:58

LL, V4, p: 181, 182, 183

Siin-Waw-Ayn = to let run free, pasture freely, be lost. sa'atun - while, present time, distance, hour, time.

sa'ah n.f. 6:31, 6:40, 7:34, 7:187, 9:117, 10:45, 10:49, 12:107, 15:85, 16:61, 16:77, 18:21, 18:36, 19:75, 20:15, 21:49, 22:1, 22:7, 22:55, 25:11, 25:11, 30:12, 30:14, 30:55, 30:55, 31:34, 33:63, 33:63, 34:3, 34:30, 40:46, 40:59, 41:47, 41:50, 42:17, 42:18, 43:61, 43:66, 43:85, 45:27, 45:32, 45:32, 46:35, 47:18, 54:1, 54:46, 54:46, 79:42

suwa n.prop. 71:23

LL, V4, p: 191, 192

Siin-Waw-Dal = to be lord/noble/glorious, rule/lead, overcome in glory. sawida - to be black, bold. iswadda - to beget a black boy, boy who is chief. swad - great number. al-siyyidda - blessed lady. aswad - black, greater. aswadda wajhuhu - his face became expressive of grief or sorrow. He became sorrowful/confounded/disgraced. It is a token of bad conclusion and failure and sorrow.

aswad n.m. (pl. sud) 2:187, 35:27

sayyid n.m. (pl. sadah) 3:39, 12:25, 33:67

iswadda vb. (9)
perf. act. 3:106
impf. act. 3:106
pcple. act. 16:58, 39:60, 43:17

LL, V4, p: 184, 185, 186, 187, 188

Siin-Waw-Gh = to pass easily, agreeably and pleasantly down the throat (e.g. food/drink). to be easily swallowed, pleasant to drink.

sagha vb. (1)
pcple. act. 16:66, 35:12

asagha vb. (4) impf. act. 14:17

LL, V4, p: 192, 193

Siin-Waw-Ha = to lead a wandering life. sahatun - open space, square, courtyard open to sky.

sahah n.f. 37:177

LL, V4, p: 184

Siin-Waw-Lam = to delude, entice, contrive, suggest, prepare, embellish, deceive, lead one to error.

sawwala vb. (2) perf. act. 12:18, 12:83, 20:96, 47:25

LL, V4, p: 197, 198

= **Siin-Waw-Miim** = to go to pasture, afflict, impose a hard task or punishment upon. Swooping, sweeping, making a terrific onslaught. sima - sign/mark.

sama vb.(I) impf. act. - 2:49, 7:141, 7:167, 14:6.
seema means an identifiable feature/sign/mark. [2:273, 7:46, 7:48, 47:30, 48:29, 55:41]
muawussim one who makes a mark of distinction, person of mark or distinction, marked with a *simatun* or brand.
musawwimin vb. (II) - 3:125, 3:14, 11:83, 51:34.
asama vb. (IV) - to turn out to graze, to pasture. [16:10]

LL, V4, p: 198, 199, 200

Siin-Waw-Qaf = to drive/impel/urge. yusaquna - they are driven or led. saiqun - driver. suq (pl. aswaq) - market, stem, leg, kashafat an saqaiha (27:44) is a well known Arabic idiom meaning to become prepared to meet the difficulty or to become perturbed/ perplexed or taken aback, the literal meaning is "she uncovered and bared her shanks". yukshafu an saqin (68:42) means ther eis severe affliction and the truth laid here, it is

indicative of a grievous and terrible calamity and difficulty. masaq - the act of driving.

saqa vb. (1)
perf. act. 7:57, 35:9
impf. act. 19:86, 32:27
perf. pass. 39:71, 39:73
impf. pass. 8:6
pcple. act. 50:21

aswaq n.f. (pl. of suq) 25:7, 25:20

masaq n.m. 75:30

saq n.f. (pl. suq) 27:44, 38:33, 48:29, 68:42, 75:29, 75:29

LL, V4, p: 194, 195, 196, 197

= **Siin-Waw-Ra** = leap/spring upon, overpowering influence, rose/elevated, ascend/ mount upon, assault/assail (gives a common example of usage: assault the head, i.e. rush upon the head, like wine), wall, bracelet, climb/scale, uppermost structure, force/ strength, height, chapter, eminence/nobility, high/elevated station/rank, any degree of a structure.

aswirah n.f. (pl. *asawir*) 18:31, 22:23, 35:33, 43:53, 76:21,
sur n.m. - 57:13,
surah n.f. (pl. *suwar*) - 2:23, 9:64, 9:86, 9:124, 9:127, 10:38, 11:13, 24:1, 47:20, 47:20

tasawwara vb. (5) - 38:21

LL, V4, p: 188, 189

Siin-Waw-Tay = to mingle, mix, begin (war), be oppressed, sout - mixture, scourage, portion, leather whip, lash, lot. sauta adhab - mixture of various punishment resembling a scourage, share or portion of punishment, whip of punishment.

sawt n.m. 89:13

LL, V4, p: 190, 191

Siin-Waw-Ya = to be worth, equivalent to. sawwa - to level, complete, arrange, make uniform, even, congruous, consistent in parts, fashion in a suitable manner, make adapted to the exigencies or requirements, perfect a thing, put a thing into a right or good state. istawa - to establish, become firm or firmly settled, turn to a thing, to direct one's attention to a thing, mount. ala sawain - on terms of equality, i.e. in such a manner that each party should know that it is free of its obligations, at par. sawiyyun -even, right, sound in mind and body. sawiyyan - being in sound health.
sawwa (vb. 2) to proportion, fashion, perfect, level, equal, fill the space. sawa - midst.

sawa n.m. 2:6, 2:108, 3:64, 3:113, 4:89, 5:12, 5:60, 5:77, 7:193, 8:58, 13:10, 14:21, 16:71, 21:109, 22:25, 26:136, 28:22, 30:28, 36:10, 37:55, 38:22, 41:10, 44:47, 45:21, 52:16, 60:1, 63:6

sawiy n.m. 19:10, 19:17, 19:43, 20:135, 67:22

suwa n.m. 20:58

sawwa vb. (2)
perf. act. 2:29, 15:29, 18:37, 32:9, 38:72, 75:38, 79:28, 82:7, 87:2, 91:7, 91:14
impf. act. 26:98, 75:4
impf. pass. 4:42

sawa vb. (3) perf. act. 18:96

istawa vb. (8)
perf. act. 2:29, 7:54, 10:3, 11:44, 13:2, 20:5, 23:28, 25:59, 28:14, 32:4, 41:11, 43:13, 48:29, 53:6, 57:4
impf. act. 4:95, 5:100, 6:50, 9:19, 11:24, 13:16, 13:16, 16:75, 16:76, 32:18, 35:12, 35:19, 35:22, 39:9, 39:29, 40:58, 41:34, 43:13, 57:10, 59:20

LL, V4, p: 200, 201, 202, 203, 204

Siin-Ya-Ba = to wander at random, be set free to pasture. saibatun (from saba) - it ran by itself and wandered at random and was set free to pasture. It signifies any domestic beast left to pasture without attention. Liberation of certain domestic animals to pasture and prohibiting their use or slaughter in honour of idols was a practice the Arabs in pre-Islamic days. They were selected mainly on the basis of the number, sex and sequence of their springs. According to some the animal set free was to be the mother of a bahirah an animal which had brought forth females at successive births.

sa'ibah n.prop. 5:103

LL, V4, p: 205, 206

Siin-Ya-Ha = to flow over the ground (water), run backwards and forwards, turn, move. siyahat - travel/journey/tour. saihun - devotee, wandering, one who fasts, one who holds himself back from doing or saying or thinking evil.

saha vb. (1) impv. 9:2
pcple. act. 9:112, 66:5

LL, V4, p: 206, 207

Siin-Ya-Lam = to flow, sailun - brook, torrent, flood, water course.

sala vb. (1) perf. act. 13:17

sayl n.m. 13:17, 34:16

asala vb. (4) perf. act. 34:12

LL, V4, p: 210, 211

Siin-Ya-Nun = Mount Sinai, Mount where Moses received the ten commandments.

sayna n.prop. 23:20

sinin n.prop. 95:2

LL, V4, p: 211

Siin-Ya-Ra = to go, travel, be current, move, journey. sairun - the act of giving, journey. siratun - state/condition, make/form. sayyaratun - company of travellers, caravan.

sara vb. (1)
perf. act. 28:29
impf. act. 12:109, 22:46, 30:9, 35:44, 40:21, 40:82, 47:10, 52:10
impv. 3:137, 6:11, 16:36, 27:69, 29:20, 30:42, 34:18
n.vb. 34:18, 52:10

sayyarah n.f. 5:96, 12:10, 12:19

sirah n.f. 20:21

sayyara vb. (2) impf. act. 10:22, 18:47
perf. pass. 13:31, 78:20, 81:3

LL, V4, p: 207, 208

Siin-Ya-Tay-Ra =

saytara vb. (quad 1) pcple. act. 52:37, 88:22

Shiin = •

Shiin-Alif-Miim = to draw ill, cause dismay, be struck with wretchedness and contempt. shu'mun - wretchedness, contempt, calamity, unrighteousness. ashab al mash'amah - the wretched ones, those who have lost themselves in evil and are prone to unrighteousness.

mash'amah n.f. 56:9, 56:9, 90:19

Lane's Lexicon, Volume 4, pages: 214, 215

Shiin-Alif-Nun = to pursue an aim, perform a thing well, know care for, matter/ business/thing/affair/state/condition/concern, natural, propensity, way, state of glory.

sha'n n.m. 10:61, 24:62, 55:29, 80:37

LL, V4, p: 215, 216

Shiin-Ayn-Ba = to separate, collect, appear, scatter, repair, impair, send (a message to), branch off. shu'ub (pl. of sha'bun) - large tribe, nation, collection. shu'abin (pl. of shu'batun) - twigs or branches of a tree, space between two branches, portion. shu'ayb - name of a prophet sent to the Midianites.

shu'ab n.f. (pl. of shubah) 77:30

shu'ayb n.prop. 7:85, 7:88, 7:90, 7:92, 7:92, 11:84, 11:87, 11:91, 11:94, 26:177, 29:36

shu'ub n.m. (pl. of sha'b) 49:13

LL, V4, p: 279, 280, 281, 282

Shiin-Ayn-Lam = to kindle, light (fire). ishta'ala (vb. 8) - to be lighted, become shining

and inflamed. ishta'ala shayban - to become hoary, glisten with grey hairs.

ishta'ala vb. (8) perf. act. 19:4

LL, V4, p: 287, 288

= **Shiin-Ayn-Ra** = to know/perceive/understand, to acquaint, perceive by senses.
make verses, remark, poetry, poet, verse, art of poetry, feeling, knowledge.
Sirius, which was worshipped by the Arabs in Pagan times.
mark/marker/signs/rites/symbols/observances/ceremonies/practices, the obligatory ordinances/statutes of God.
a place where a thing is known to be.
measure of length.
sheep/goat.
hair, innermost garment.
trees.
a sign of people in war and in a journey, a call or cry by means of which to know another, banner.
mash'ar al-Haram - holy mosque in *Muadhalifah* (a place which lies between *Makkah* and *Arafat*, six miles from *Kabah*). The name *Mash'ar al-Haram* is a compound of *Mash'ar* meaning the place of perception or knowledge and *Haram* meaning sacred. *Ash'ara* to make anyone understand, make known to.

sha'ara vb. (I) - 2:9, 2:12, 2:154, 3:69, 6:26, 6:123, 7:95, 12:15, 12:107, 16:21, 16:26, 16:45, 23:56, 26:113, 26:202, 27:18, 27:50, 27:65, 28:9, 28:11, 29:53, 39:25, 39:55, 43:66, 49:2,
ash'ar n.m. (pl. of *sha'r*) - 16:80,
mash'ar n.m. - 2:198,
sha'air n.f. (pl. of *shi'arah*) - 2:158, 5:2, 22:32, 22:36,
sha'ir n.m. (pl. *shu'ara*) - 2:158, 5:2, 22:32, 22:36,
sha'ir n.m. (pl. *shu'ara*) - 21:5, 26:224, 37:36, 52:30, 69:41,
shi'r n.m. - 36:69,
shi'ra n. prop. - 53:49,
ash'ara vb. (IV) - 6:109, 18:19

LL, V4, p: 283, 284, 285, 286

= **Shiin-Ba-ha** = to be like, to resemble/assimilate/liken/imitate, to compare one thing with another due to an attribute connecting them or is common to them: can be real or ideal - real: "this dollar is like this dollar" ideal: "John is like the lion/ass (i.e. strength/

stupidity)", appear like another thing, ambiguous/dubious/obscure, comparison/ similitude/parable/simile, co similar, resemble (in quality or attributes), conformable. With reference to the *Quran* is that of which the meaning is not be learned from its words and this is of two sorts: one is that of which the meaning is known by referring to what is termed "*muhkam*" and the other is that of which the knowledge of its real meaning is not attainable in any way or it means what is not understood without repeated consideration. (e.g. 3:7)

shabbaha vb. (2) perf. pass. 4:157

tashabaha vb. (6) perf. act. 2:70, 2:118, 3:7, 13:16
pcple. act. 2:25, 3:7, 6:99, 6:141, 6:141, 39:23

ishtabaha vb. (8) pcple. act. 6:99

LL, V4, p: 223, 224, 225

Shiin-Dal-Dal = to bind tightly, strap, strengthen firmly, run, establish, make firm, hard, strong, be advanced (day), be intense. ushdud - harden, strengthen. shadiid (pl. shidaad & ashidda'u - great, firm, strict, vehement, strong, violent, severe, mighty, terrible, stern, grievous, miserly, niggardly. (adj. of the forms fa'iil and fiaal are used indifferently for both m. and f.): ashuddun: age of full strength, maturity. ishtadda (vb. 8) - to act with violence, become hard.

shadda vb. (1)

perf. act. 38:20, 76:28
impf. act. 28:35
impv. 10:88, 20:31, 47:4

ashudd n.m. 6:152, 12:22, 17:34, 18:82, 22:5, 28:14, 40:67, 46:15

shadid n.m. (adj. pl. ashidda and shidad) 2:74, 2:85, 2:165, 2:165, 2:191, 2:196, 2:200, 2:211, 3:4, 3:11, 3:56, 4:66, 4:77, 4:84, 4:84, 5:2, 5:82, 5:98, 6:124, 7:164, 8:13, 8:25, 8:48, 8:52, 9:69, 9:81, 9:97, 10:70, 11:80, 11:102, 12:48, 13:6, 13:13, 14:2, 14:7, 17:5, 17:58, 18:2, 19:69, 20:71, 20:127, 22:2, 23:77, 27:21, 27:33, 28:78, 30:9, 33:11, 34:46, 35:7, 35:10, 35:44, 37:11, 38:26, 40:3, 40:21, 40:22, 40:46, 40:82, 41:15, 41:15, 41:27, 42:16, 42:26, 43:8, 47:13, 48:16, 48:29, 50:26, 50:36, 53:5, 57:20, 57:25, 58:15, 59:4, 59:7, 59:13, 59:14, 65:8, 65:10, 66:6, 72:8, 73:6, 78:12, 79:27, 85:12, 100:8

ishtadda vb. (8) perf. act. 14:18

LL, V4, p: 241, 242, 243

Shiin-Fa-Ayn = to make even that which was odd, make double, pair, make a thing to be one of the pair, adjoin a thing to its like, provide a thing which was alone with another, protect, mediate, intercede, be an intercessor. shaf'un - pair, double. shafa'at - likeness/similarity, intercede or pray for a person.

shafa'a vb. (1)
impf. act. 2:255, 4:85, 4:85, 7:53, 21:28
n.vb.f. 2:48, 2:123, 2:254, 4:85, 4:85, 19:87, 20:109, 34:23, 36:23, 39:44, 43:86, 53:26, 74:48
pcple. act. 26:100, 74:48

shaf n.m. 89:3

shafi n.m. (pl. shufa'a) 6:51, 6:70, 6:94, 7:53, 10:3, 10:18, 30:13, 32:4, 39:43, 40:18

LL, V4, p: 295, 296, 297

Shiin-Fa-ha = to strike on the lips, lip.

shafah n.f. dual. 90:9

LL, V4, p: 298

Shiin-Fa-Qaf = to pity, be anxious about, fear. shafaq - fear, pity, evening, twilight with its redness or whiteness, after sunset. ashfaqa - to be afraid. mushfiqun - one who is afraid or is in terror, compassionate, fearful one, tender.

shafaq n.m. 84:16

ashfaqa vb. (4)
perf. act. 33:72, 58:13
pcple. act. 18:49, 21:28, 21:49, 23:57, 42:18, 42:22, 52:26, 70:27

LL, V4, p: 297, 298

Shiin-Fa-Waw = to be at the point of, near its setting (sun), appear (new moon), extremity, brink, remainder of life, light.

shafa n.m. 3:103, 9:109

LL, V4, p: 298, 299

Shiin-Fa-Ya = to cure, quench, restore to health. shifa - recovery, remedy, healing.

shafa vb. (1)
impf. act. 9:14, 26:80
n.vb. 10:57, 16:69, 17:82, 41:44

LL, V4, p: 298, 299

Shiin-Gh-Fa = to affect deeply, affect in the heart's core, inspire (with violent love). shaghfun - bottom of the heart, pericardium. shaghaf - passionate love.

shaghafa vb. (1) perf. act. 12:30

LL, V4, p: 290, 291

Shiin-Gh-Lam = to occupy, keep busy. shughlun - occupation, work, employment.

shaghala vb. (1) perf. act. 48:11
n.vb. 36:55

LL, V4, p: 291, 292

Shiin-ha-Ba = to burn/scorch, become of a colour in which whiteness predominates over blackness. shihaab (pl. shuhub) - flaming fire, bright blaze/meteor, star, penetrating

flame, shining star, brisk/sprightly, flame, brand, radiating or gleaming fire, shooting or falling star. shihaab al-herb - dauntless warrior, one who is penetrating sharp and energetic in war.

shihaab n.m. (pl. shuhub) 15:18, 27:7, 37:10, 72:8, 72:9

LL, V4, p: 332, 333

••• = **Shiin-ha-Dal** = told/gave information, to witness/see, to be present, give evidence/testimony, bear witness. mushhad - time or place of being present or of giving or hearing evidence, meeting place. mashhuud - that which is witnessed.

shahida vb. (1)
perf. act. 2:185, 3:18, 3:86, 4:15, 6:130, 6:130, 6:150, 7:37, 7:172, 12:26, 12:81, 27:49, 41:20, 41:21, 43:19, 43:86, 46:10
impf. act. 2:84, 3:70, 4:166, 4:166, 6:19, 6:19, 6:150, 6:150, 9:107, 21:61, 22:28, 24:2, 24:8, 24:24, 25:72, 27:32, 36:65, 41:22, 59:11, 63:1, 63:1, 83:21
impv. 3:52, 3:64, 3:81, 5:111, 11:54
n.vb. 2:140, 2:282, 2:283, 5:106, 5:106, 5:107, 5:107, 5:108, 6:19, 6:73, 9:94, 9:105, 13:9, 23:92, 24:4, 24:6, 24:6, 24:8, 32:6, 39:46, 43:19, 59:22, 62:8, 64:18, 65:2, 70:33
pcple. act. (shahid, pl. shuhud and shahidun) 3:53, 3:81, 5:83, 5:113, 9:17, 10:61, 11:17, 11:18, 12:26, 21:56, 21:78, 28:44, 33:45, 37:150, 40:51, 46:10, 48:8, 73:15, 74:13, 85:3, 85:7
pcple. pass. 11:103, 17:78, 85:3

mashad n.m. 19:37

shahid n.m. (pl. shuhada) 2:23, 2:133, 2:143, 2:143, 2:282, 2:282, 2:282, 2:282, 3:98, 3:99, 3:140, 4:33, 4:41, 4:41, 4:69, 4:72, 4:79, 4:135, 4:159, 4:166, 5:8, 5:44, 5:117, 5:117, 6:19, 6:144, 6:150, 10:29, 10:46, 13:43, 16:84, 16:89, 16:89, 17:96, 22:17, 22:78, 22:78, 24:4, 24:6, 24:13, 24:13, 28:75, 29:52, 33:55, 34:47, 39:69, 41:47, 41:53, 46:8, 48:28, 50:21, 50:37, 57:19, 58:6, 85:9, 100:7

ashada vb. (4)
perf. act. 7:172, 18:51
impf. act. 2:204, 11:54
impv. 2:282, 4:6, 65:2

istashada vb. (10) impv. 2:282, 4:15

LL, V4, p: 333, 334, 335

Shiin-ha-Qaf = to draw in the breath while sighing, sigh, roaring.

shahaqa vb. (1) n.vb. 11:106, 67:7

LL, V4, p: 337

= **Shiin-ha-Ra** = make it notable/known/manifest/public/infamous (in a bad or good sense), hire/contract for a month, stay a month, month old, month, new moon, moon, full moon, any evil thing that exposes its author to disgrace, a vice/fault or the like, big & bulky, reputable/eminent.

shahr n.m. (pl. shuhur and ashur) 2:185, 2:185, 2:194, 2:194, 2:197, 2:217, 2:226, 2:234, 4:92, 5:2, 5:97, 9:2, 9:5, 9:36, 9:36, 34:12, 34:12, 46:15, 58:4, 65:4, 97:3

LL, V4, p: 336, 337

Shiin-ha-Ya =

shahwah n.f. (pl. shahawat) 3:14, 4:27, 7:81, 19:59, 27:55

ishtaha vb. (8)
perf. act. 21:102
impf. act. 16:57, 34:54, 41:31, 43:71, 52:22, 56:21, 77:42

LL, V4, p: 338

Shiin-Ha-Ha = to be avaricious, niggardly, stingy, greedy. shuhhun - avarice, selfishness, greed, niggardliness, covetousness.

ashihhah n.m. (pl. of shahih) 33:19, 33:19

shuhh n.m. 4:128, 59:9, 64:16

Shiin-Ha-Miim = to live or feed with fat, fats/salts/pulp, fleshy part.

shuhum n.m. (pl. of shahm) 6:146

LL, V4, p: 237, 238

Shiin-Ha-Nun = to fill/load/furnish.

shahana vb. (1) m. sing. pcple. pass. 26:119, 36:41, 37:140

LL, V4, p: 238

Shiin-Jiim-Ra = to avert, be a matter of controversy, dispute about, turn aside, thrust (with a spear), be disputed between. shajar alamru bainahun - the affair or case became complicated and confused so as to be a subject of disagreement and difference between them. shajarun/shajaratun - tree, plant having a trunk or stem, stock or origin of a person.

shajara vb. (1)
perf. act. 4:65

shajarah n.f. 2:35, 7:19, 7:20, 7:22, 7:22, 14:24, 14:26, 16:10, 16:68, 17:60, 20:120, 22:18, 23:20, 24:35, 27:60, 28:30, 31:27, 36:80, 37:62, 37:64, 37:146, 44:43, 48:18, 55:6, 56:52, 56:72

LL, V4, p: 230, 231, 232

Shiin-Kaf-Kaf = to doubt.

shakk n.m. 4:157, 10:94, 10:104, 11:62, 11:110, 14:9, 14:10, 27:66, 34:21, 34:54, 38:8, 40:34, 41:45, 42:14, 44:9

LL, V4, p: 306, 307

Shiin-Kaf-Lam = to mark, fashion, shackle. shakilatun - likeness, mode, way, manner, disposition, rule of conduct, fashion, peculiar manner. shakl - similitude/likeness.

shakilah n.f. act. sing. 17:84

shakl gen. n.m. 38:58

LL, V4, p: 310, 311, 312

Shiin-Kaf-Ra = to give thanks, be grateful, realize or acknowledge one's favour, praise. shukrun - giving thanks, gratitude. shaakirun - one who gives thanks or is grateful, appreciated and bountiful in reward.
shakruurun - thankful. Sometimes a distinction is made between this word and shaakirun. The former is used to denote a person who is thankful for little or for nothing, the latter grateful for large favours.
mashkuurun - gratefully accepted, acceptable.

shakara vb. (1)
perf. act. 4:147, 14:7, 27:40, 54:35
impf. act. 2:52, 2:56, 2:185, 2:243, 3:123, 5:6, 5:89, 7:10, 7:58, 8:26, 10:60, 12:38, 14:37, 16:14, 16:78, 22:36, 23:78, 27:19, 27:40, 27:40, 27:73, 28:73, 30:46, 31:12, 31:12, 32:9, 35:12, 36:35, 36:73, 39:7, 40:61, 45:12, 46:15, 56:70, 67:23
impv. 2:152, 2:172, 16:114, 29:17, 31:12, 31:14, 34:15
n.vb. 25:62, 34:13, 76:9
pcple. act. 2:158, 3:144, 3:145, 4:147, 6:53, 6:63, 7:17, 7:144, 7:189, 10:22, 16:121, 21:80, 39:66, 76:3, 17:19
pcple. pass. 76:22

shakur n.m. (adj.) 14:5, 17:3, 31:31, 34:13, 34:19, 35:30, 35:34, 42:23, 42:33, 64:17

LL, V4, p: 308, 309

Shiin-Kaf-Siin = to be perverse, stubborn, cross-tempered. Tashaakasa - to wrangle, quarrel. Mutashakisun - quarreling, at variance with each other.

tashakasa vb. (6) m. sing. pcple. act. 39:29

LL, V4, p: 309, 310

Shiin-Kaf-Waw = to complain/accuse, bewail. ashka - to listen to the complaint, remove the cause of complaint, satisfy the complaint of anyone by. shakwatun - small water-skin, pillar on which a lamp is put. ishtakaa - to make a complaint. mishkaat - niche for a lamp in the wall, pillar on which a lamp is put.

shaka vb. (1) impf. act. 12:86

mishkat n.f. 24:35

ishtaka vb. (8) impf. act. 58:1

LL, V4, p: 313, 314

Shiin-Kh-Sad = to be raised up, fixed (the eyes) in horror, fixedly stare (in horror).

shakhasa vb. (1) impf. act. 14:42
pcple. act. f. 21:97

LL, V4, p: 240, 241

Shiin-Miim-Alif-Zay = to feel aversion for, be seized with horror, feel disgust at, loathe a thing. ishma'azza - to shrink from, shrink with aversion, creep or contract with horror.

ishma'azza vb. 11 (quad 4) perf. act. 39:45

Shiin-Miim-Kh = to be high and lofty, tall.

shamakha vb. (1) f. act. pcple. pl. acc. 77:27

LL, V4, p: 319

Shiin-Miim-Lam = to include, contain, conceive, comprise, comprehend. shimaal (pl.

shamaa'il) - left, norths.

shamaa'il n.f. pl. 7:17, 16:48

shimaal n.m. 18:17, 18:18, 34:15, 50:17, 56:41, 56:41, 69:25, 70:37

ishtamala vb. (8) 6:143, 6:144

LL, V4, p: 323, 324, 325, 326

Shiin-Miim-Siin = to be bright with sunshine, be glorious, be sunny. shams - sun.

shams n.f. 2:258, 6:78, 6:96, 7:54, 10:5, 12:4, 13:2, 14:33, 16:12, 17:78, 18:17, 18:86, 18:90, 20:130, 21:33, 22:18, 25:45, 27:24, 29:61, 31:29, 35:13, 36:38, 36:40, 39:5, 41:37, 41:37, 50:39, 55:5, 71:16, 75:9, 76:13, 81:1, 91:1

LL, V4, p: 320, 321

Shiin-Miim-Ta = to rejoice at another's evil

shamita vb. (1) impf. act. neg. m. sing. 7:150 (tushmit)

LL, V4, p: 318, 319

Shiin-Nun-Alif = to hate/loathe, shanaanan - hatred, insult, adversity, enmity, hostility, malice, abhorring. shaaniun - insulter, enemy, foe, adversary, antagonist. shaan'ka - your enemy.

shana'a vb. (1)
n.vb. 5:2, 5:8
pcple. act. m. sing. 108:3

LL, V4, p: 327, 328

= **Shiin-Qaf-Qaf** = pass along the way, cross, open a way/passage/vent/channel, cut/split/divided/clave/ripped/tore.

shaqqa vb. (1)
perf. act. 80:26
impf. act. 28:27
n.vb. 80:26
pcple. act. 13:34

shiqq n.m. 16:7

shuqqah n.f. 9:42

shaqqa vb. (3)
perf. act. 8:13, 47:32, 59:4
impf. act. 4:115, 8:13, 16:27, 59:4
n.vb. 2:137, 2:176, 4:35, 11:89, 22:53, 38:2, 41:52

tashaqqaqa vb. (5) impf. act. 2:74, 25:25, 50:44

inshaqqa vb. (7)
perf. act. 54:1, 55:37, 69:16, 84:1
impf. act. 19:90

LL, V4, p: 299, 300, 301, 302, 303

Shiin-Qaf-Ya = to be miserable, be wretched, in distress, be unhappy, unblessed, disappointed. ashqaa - most wretched.

shaqiya vb. (1)
perf. act. 11:106
impf. act. 20:2, 20:117, 20:123

shaqiy n.m. (adj. comp. ashqa) 11:105, 19:4, 19:32, 19:48, 87:11, 91:12, 92:15

shiqwah n.f. 23:106

LL, V4, p: 306

Shiin-Ra-Ayn = to be seated upon a road, open a street (door), establish a law, begin, appoint a religion. shurra'un (pl. of shaari'un) - in shoals, upon shoals, breaking the water surface, holding up (their heads), appearing manifestly. shir'atun & shari'atun - law or institution prescribed by God, right way or mode of action, clear highway/course/path.

shara'a vb. (1)
perf. act. 42:13, 42:21
pcple. act. (shurra, pl. of shari) 7:163

shariah n.f. 45:18

shir'ah n.f. 5:48

LL, V4, p: 258, 259, 260

Shiin-Ra-Ba = to drink, swallow, sunk in, absorb. shirbun - portion of water, time of drinking. shurbun - drinking. shaaribun - one who drinks. sharaabun - drink, beverage, portion. mashrabun - drinking place. ashraba (vb. 4) - to give to drink, make to drink, permeate as. ushribu fi-qalbihi - love of such and such a thing permeated his heart, the word is so used because love is like alcohol that intoxicates one who partakes of it.

shariba vb. (1)
perf. act. 2:249, 2:249
impf. act. 23:33, 23:33, 56:68, 76:5, 76:6, 83:28
impv. 2:60, 2:187, 7:31, 19:26, 52:19, 69:24, 77:43
n.vb. (1) 26:155, 26:155, 54:28
n.vb. (2) 56:55
pcple. act. 16:66, 37:46, 47:15, 56:54, 56:55

mashrab n.m. 2:60, 7:160, 36:73

sharab n.m. 2:259, 6:70, 10:4, 16:10, 16:69, 18:29, 35:12, 38:42, 38:51, 76:21, 78:24

ashraba vb. (4) perf. pass. 2:93

LL, V4, p: 249, 250, 251, 252, 253

Shiin-Ra-Dal = to become a fugitive, flee, escape, depart, run away at random. sharrida (vb. 2) - to disperse/scatter.

sharrada vb. (2) impv. m. sing. 8:57 (sharrida)

LL, V4, p: 255, 256

Shiin-Ra-Dhal-Miim = this word is possibly derived from sharradh for sharrada (to scatter). Band, despicable and dispersed people, party, company of people. Its plu. id shraadhim.

shirdhimah n.m. 26:54

LL, V4, p: 256

Shiin-Ra-Ha = to open/enlarge/expand/spread, uncover/disclose/explain.

sharaha vb. (1)
perf. act. 16:106, 39:22
impf. act. 6:125, 94:1
impv. 20:25

LL, V4, p: 254, 255

Shiin-Ra-Kaf = to be a companion, be sharer/partner. shirkun - share, participation, polytheism, idolatry, making associate/partner with Allah. shariik (pl. shurakaa) - associate, partner, sharer. Nouns of the second declension when followed by the affixed pronouns take the three inflexions thus shurakaa, shurakaa'i, shurakaa'a. shaarak (vb. 3) - to share with. ashraka (vb. 4) - to make a sharer or associate, give companions (e.g. to God), be a polytheist or idolater. ashraktumuuni - you associated me as partner. mushrik - one who gives associate to God, polytheist. mushtarikun (vb. 8) - one who partakes or shares.

sharika vb. (1)
n.vb. 31:13, 34:22, 35:14, 35:40, 46:4

sharik n.m. (pl. shuraka) 4:12, 6:22, 6:94, 6:100, 6:136, 6:136, 6:136, 6:137, 6:139, 6:163, 7:190, 7:195, 10:28, 10:28, 10:34, 10:35, 10:66, 10:71, 13:16, 13:33, 16:27, 16:86, 16:86, 17:111, 18:52, 25:2, 28:62, 28:64, 28:74, 30:13, 30:13, 30:28, 30:40, 34:27, 35:40, 39:29, 41:47, 42:21, 68:41, 68:41

sharaka vb. (3) impv. 17:64

ashraka vb. (4)
perf. act. 2:96, 3:151, 3:186, 5:82, 6:22, 6:81, 6:81, 6:88, 6:107, 6:148, 6:148, 7:173, 10:28, 14:22, 16:35, 16:86, 22:17, 39:65
impf. act. 3:64, 4:36, 4:48, 4:116, 5:72, 6:19, 6:41, 6:64, 6:78, 6:80, 6:151, 7:33, 7:190, 7:191, 9:31, 10:18, 11:54, 12:38, 13:36, 16:1, 16:3, 16:54, 18:26, 18:38, 18:42, 18:110, 22:26, 22:31, 23:59, 23:92, 24:55, 27:59, 27:63, 28:68, 29:8, 29:65, 30:33, 30:35, 30:40, 31:13, 31:15, 39:67, 40:42, 40:73, 52:43, 59:23, 60:12, 72:2, 72:20
impv. 20:32
impf. pass. 4:48, 4:116, 40:12
pcple. act. 2:105, 2:135, 2:221, 2:221, 2:221, 2:221, 3:67, 3:95, 6:14, 6:23, 6:79, 6:106, 6:121, 6:137, 6:161, 9:1, 9:3, 9:4, 9:5, 9:6, 9:7, 9:17, 9:28, 9:33, 9:36, 9:113, 10:105, 12:106, 12:108, 15:94, 16:100, 16:120, 16:123, 22:31, 24:3, 24:3, 28:87, 30:31, 30:42, 33:73, 33:73, 40:84, 41:6, 42:13, 48:6, 48:6, 61:9, 98:1, 98:6

ishtaraka vb. (8) pcple. act. 37:33, 43:39

LL, V4, p: 265, 266, 267

Shiin-Ra-Qaf = to split, rise, slit. sharqiyyun - of or pertaining to the east, eastern. mashriq - place of sunrise, east. mashriqain - two easts/horizons, two places where the sun rises (in winter and summer, East and West). mashaariq - different points of sunrise, whence the sun rises in the course of the year, beam, gleam, eastern parts. ashraqa (vb. 4) - to shine, rise. ishraaq - sunrise. mushriqun - one on whom the sun has risen, who does anything at sunrise, one entering at the sunrise.

mashriq n.m. (pl. mashariq) 2:115, 2:142, 2:177, 2:258, 7:137, 26:28, 37:5, 43:38, 55:17, 70:40, 73:9

sharqi n.m. (adj.) 19:16, 24:35

ashraqa vb. (4)
perf. act. 39:69
n.vb. 38:18
pcple. act. 15:73, 26:60

LL, V4, p: 263, 264, 265

Shiin-Ra-Ra = to do evil, be ill natured, wicked. yashirru/yasharru - to find fault, defame. sharrun (pl. ashrar) - evil, bad, wicked, vicious ones. It is noteable that shurrun is an exceptional form of elative adjective while the measure for elative in Arabic is afa'la. shararun (pl. ashraar) - sparks of fire.

sharar n.m. (coll) 77:32

sharr n.m. 2:216, 3:180, 5:60, 5:60, 8:22, 8:55, 10:11, 12:77, 17:11, 17:83, 19:75, 21:35, 22:72, 24:11, 25:34, 38:55, 38:62, 41:49, 41:51, 70:20, 72:10, 76:7, 76:11, 98:6, 99:8, 113:2, 113:3, 113:4, 113:5, 114:4

LL, V4, p: 248, 249

Shiin-Ra-Tay = to impose a condition. ashraatun (pl. of shartun) - sign, token.

ashrat n.m. (pl. of sharat) 47:18

LL, V4, p: 256, 257, 258

Shiin-Ra-Ya = to buy/sell/barter/purchase, conclude a sale, give or take in exchange, refuse, choose, prefer, give up anything and take another, lay hold on another.

shara vb. (1)
perf. act. 2:102, 12:20
impf. act. 2:207, 4:74

ishtara vb. (8)
perf. act. 2:16, 2:86, 2:90, 2:102, 2:175, 3:177, 3:187, 9:9, 9:111, 12:21
impf. act. 2:41, 2:79, 2:174, 3:77, 3:187, 3:199, 4:44, 5:44, 5:106, 16:95, 31:6

LL, V4, p: 268, 269, 270

Shiin-Ta-Ta = to separate, be scattered, be dispersed, be various, be divided, be diversed.

ashtat n.m. (pl. of shatt) 24:61, 99:6

shatta n.m. (pl. of shatit) 20:53, 59:14, 92:4

LL, V4, p: 225, 226

Shiin-Ta-Waw = to pass winter, be cold, winter.

shita n.m. 106:2

LL, V4, p: 227, 228

Shiin-Tay-Alif = to bring out the stalk (of a plant), sprout forth, walk on the bank of a river or valley. shat'un - the stalk of a plant. shaati'un (pl. shawaatiun) - branch of or shoot of a river or valley.

shat n.m. 48:29

shatt n.m. 28:30

LL, V4, p: 273

= **Shiin-Tay-Nun** (root of *shaytan*) = become distant/far/remote, enter firmly / become firmly fixed therein / penetrate and be concealed, turn away in opposition (from direction/ aim), devil, one excessively proud/corrupt, unbelieving/rebellious/insolent/audacious/ obstinate/perverse, rope, deep curved well, it burned, became burnt, serpent, any blameable faculty or power of a man.

shaytan n.m. (pl. shayatin) 2:14, 2:36, 2:102, 2:102, 2:168, 2:208, 2:268, 2:275, 3:36, 3:155, 3:175, 4:38, 4:60, 4:76, 4:76, 4:83, 4:117, 4:119, 4:120, 5:90, 5:91, 6:43, 6:68, 6:71, 6:112, 6:121, 6:142, 7:20, 7:22, 7:27, 7:27, 7:30, 7:175, 7:200, 7:201, 8:11, 8:48, 12:5, 12:42, 12:100, 14:22, 15:17, 16:63, 16:98, 17:27, 17:27, 17:53, 17:53, 17:64, 18:63, 19:44, 19:44, 19:45, 19:68, 19:83, 20:120, 21:82, 22:3, 22:52, 22:52, 22:53, 23:97, 24:21, 24:21, 25:29, 26:210, 26:221, 27:24, 28:15, 29:38, 31:21, 35:6, 36:60, 37:7, 37:65, 38:37, 38:41, 41:36, 43:36, 43:62, 47:25, 58:10, 58:19, 58:19, 58:19, 59:16, 67:5, 81:25

It has been suggested the root is Shiin-Ya/Alif-Tay, see the following note from Lane here.

LL, V4, p: 275, 276

Shiin-Tay-Ra = to part in two, divide into halves, the direction of, towards.

shatr n.m. 2:144, 2:144, 2:149, 2:150, 2:150

LL, V4, p: 274, 275

Shiin-Tay-Tay = to be far off, wrong anyone, treat with injustice, go beyond due bounds. shattan - extravagant lie, exceeding, redundant, excess. ashatta (vb. 4) - to act unjustly.

shatat n.m. 18:14, 72:4

ashatta vb. (4) impf. act. 38:22

LL, V4, p: 272, 273

Shiin-Waw-Ba = to mingle/mix, he adulterated/sophisticated it, to confound/confuse. shawb - mixture for drink.

shawb n.m. 37:67

LL, V4, p: 339

Shiin-Waw-Kaf = to prick, be sharp-pointed, thorn, show vigour. shaukatun - weapon, power, might, spur.

shawkah n.f. 8:7

LL, V4, p: 344, 345

= **Shiin-Waw-Ra** = gather, extract, exhibit, show, display, examine, consult, debate, counsel, advice, make known, notify, command, order, enjoin.

shura n.f. 42:38

shawara vb. (3) impv. :159

ashara vb. (4) perf. act. 19:29

tashawara vb. (6) n.vb. 2:233

LL, V4, p: 340, 341, 342

Shiin-Waw-Ya = to roast/scald/grill. shawan - scalp, skin of head, skin even to the extremities (of the body).

shawa (1) vb. (1) impf. act. 18:29

shawa (2) n.m. (pl. of shawat) 70:16

LL, V4, p: 348, 349

Shiin-Waw-Za = to abuse, use abusive language, brawl, hurl abuses. shuwaazun - smokeless blaze, flame, smoke, intenseness of fire/heat, heat of sun, vehement burning/ thirst, thirst for revenge, scream/shriek/screech.

shuwaaz n.m. 55:35

LL, V4, p: 343

Shiin-Ya-Alif = to will/wish. shaiun (pl. ashyaa'un) - thing/matter, affair in any way, at all, what is willed or wished, aught, any extent. In direct objective case it is often used to denote the meaning "a little", "bit", "at all". Adverbially it means "in any way", "at all".

sha'a vb. (1)
perf. act. 2:20, 2:35, 2:58, 2:70, 2:220, 2:223, 2:253, 2:253, 2:255, 4:90, 5:48, 6:35,

6:41, 6:107, 6:112, 6:128, 6:137, 6:148, 6:149, 7:19, 7:155, 7:161, 7:176, 7:188, 9:28, 10:16, 10:49, 10:99, 11:33, 11:107, 11:108, 11:118, 12:99, 16:9, 16:35, 16:93, 17:86, 18:29, 18:29, 18:39, 18:69, 18:77, 23:"4, 24:62, 25:10, 25:45, 25:51, 25:57, 27:87, 28:27, 32:13, 33:24, 37:102, 39:15, 39:68, 41:14, 41:40, 42:8, 43:20, 48:27, 73:19, 74:37, 74:55, 76:28, 76:29, 78:39, 80:12, 80:22, 81:28, 82:8, 87:7

impf. act. 2:90, 2:105, 2:142, 2:212, 2:213, 2:247, 2:251, 2:261, 2:269, 2:272, 2:284, 2:284, 3:6, 3:13, 3:26, 3:26, 3:26, 3:26, 3:27, 3:37, 3:40, 3:47, 3:73, 3:74, 3:129, 3:129, 3:179, 4:48, 4:49, 4:116, 4:133, 5:17, 5:18, 5:18, 5:40, 5:40, 5:54, 5:64, 6:39, 6:39, 6:80, 6:83, 6:88, 6:111, 6:133, 6:133, 6:138, 7:89, 7:100, 7:128, 7:155, 7:155, 7:156, 8:31, 9:15, 9:27, 10:25, 10:107, 11:87, 12:56, 12:56, 12:76, 12:76, 12:100, 12:110, 13:13, 13:26, 13:27, 13:31, 13:39, 14:4, 14:4, 14:11, 14:19, 14:27, 16:2, 16:31, 16:93, 16:93, 17:18, 17:30, 17:54, 17:54, 18:24, 21:9, 22:5, 22:18, 24:21, 24:35, 24:38, 24:43, 24:43, 24:45, 24:46, 25:16, 26:4, 28:56, 28:68, 28:82, 29:21, 29:21, 29:62, 30:5, 30:37, 30:48, 30:48, 30:54, 33:51, 33:51, 34:9, 34:13, 34:36, 34:39, 35:1, 35:8, 35:16, 35:22, 36:43, 36:47, 36:66, 36:67, 39:4, 39:23, 39:34, 39:52, 39:74, 40:15, 42:8, 42:12, 42:13, 42:19, 42:22, 42:24, 42:27, 42:29, 42:33, 42:49, 42:49, 42:49, 42:50, 42:51, 42:52, 43:60, 47:4, 47:30, 48:14, 48:14, 48:25, 50:35, 53:26, 56:65, 56:70, 57:21, 57:29, 59:6, 62:4, 74:31, 74:31, 74:56, 76:30, 76:30, 76:31, 81:29, 81:29

shay n.m. (pl. ashya) 2:20, 2:29, 2:48, 2:106, 2:109, 2:113, 2:113, 2:123, 2:148, 2:155, 2:170, 2:178, 2:216, 2:216, 2:229, 2:231, 2:255, 2:259, 2:264, 2:282, 2:282, 2:284, 3:5, 3:10, 3:26, 3:28, 3:29, 3:64, 3:92, 3:116, 3:120, 3:128, 3:144, 3:154, 3:154, 3:165, 3:176, 3:177, 3:189, 4:4, 4:19, 4:20, 4:32, 4:33, 4:36, 4:59, 4:85, 4:86, 4:113, 4:126, 4:176, 5:17, 5:17, 5:19, 5:40, 5:41, 5:42, 5:68, 5:94, 5:97, 5:101, 5:104, 5:117, 5:120, 6:17, 6:19, 6:38, 6:44, 6:52, 6:52, 6:69, 6:80, 6:80, 6:91, 6:93, 6:99, 6:101, 6:101, 6:102, 6:102, 6:111, 6:148, 6:151, 6:154, 6:159, 6:164, 7:85, 7:89, 7:145, 7:145, 7:156, 7:185, 7:191, 8:19, 8:41, 8:41, 8:60, 8:72, 8:75, 9:4, 9:25, 9:39, 9:39, 9:115, 10:36, 10:44, 11:4, 11:12, 11:57, 11:57, 11:72, 11:85, 11:101, 12:38, 12:67, 12:68, 12:111, 13:8, 13:14, 13:16, 14:18, 14:21, 14:38, 15:19, 15:21, 16:20, 16:35, 16:35, 16:40, 16:48, 16:70, 16:73, 16:75, 16:76, 16:77, 16:78, 16:89, 17:12, 17:44, 17:74, 18:23, 18:33, 18:45, 18:54, 18:70, 18:71, 18:74, 18:76, 18:84, 19:9, 19:27, 19:42, 19:60, 19:67, 19:89, 20:50, 20:98, 21:30, 21:47, 21:66, 21:81, 22:1, 22:5, 22:6, 22:17, 22:26, 22:73, 23:88, 24:35, 24:39, 24:45, 24:55, 24:64, 25:2, 25:3, 26:30, 26:183, 27:16, 27:23, 27:88, 27:91, 28:57, 28:60, 28:88, 29:12, 29:20, 29:42, 29:62, 30:40, 30:50, 31:33, 32:7, 33:27, 33:40, 33:52, 33:54, 33:54, 33:55, 34:16, 34:21, 34:39, 34:47, 35:1, 35:18, 35:44, 36:12, 36:15, 36:23, 36:54, 36:82, 36:83, 38:5, 38:6, 39:43, 39:62, 39:62, 40:7, 40:16, 40:20, 40:62, 40:74, 41:21, 41:39, 41:53, 41:54, 42:9, 42:10, 42:11, 42:12, 42:36, 44:41, 45:9, 45:10, 45:19, 46:8, 46:25, 46:26, 46:33, 47:32, 48:11, 48:21, 48:26, 49:14, 49:16, 50:2, 51:42, 51:49, 52:21, 52:35, 52:46, 53:26, 53:28, 54:6, 54:49, 54:52, 57:2, 57:3, 57:29, 58:6, 58:7, 58:10, 58:17, 58:18, 59:6, 60:4, 60:11, 60:12, 64:1, 64:11, 65:3, 65:12, 65:12, 66:8, 66:10, 67:1, 67:9, 67:19, 72:28, 76:1, 78:29, 80:18, 82:19, 85:9

LL, V4, p: 349, 350, 351

= **Shiin-Ya-Ayn** = become spread/published/known/revealed/apparent, scattered/ dispersed, conforming/agreeing with another, befriend/friendly, went along together, like/ similar, follower/assistant/friend/comrade/sharer/partner, separate/distinct party/sect, way of doctrine/system/practice.

sha'a vb. (1) impf. act. 24:19

shi'ah n.f. (pl. shiya and ashya) 6:65, 6:159, 15:10, 19:69, 28:4, 28:15, 28:15, 30:32, 34:54, 37:83, 54:51

LL, V4, p: 355, 356, 357

Shiin-Ya-Ba = to be hoary (hair), to grow old, go grey.

shaba vb. (1) n.vb. 19:4, 30:54

shib n.m. (pl. of ashyab) 73:17

LL, V4, p: 351, 352

Shiin-Ya-Dal = to plaster or coat (a wall), raise (a building), lofty, fortify.

shada vb. (1) pcple. pass. 22:45

shayyada vb. (2) pcple. pass. 4:78

LL, V4, p: 353, 354

Shiin-Ya-Kha = to be old, old/aged man.

shaykh n.m. (pl. shuyukh) 11:72, 12:78, 28:23, 40:67

LL, V4, p: 352, 353

Saad = ص

Sad

38:1

Lane's Lexicon, Volume 4, pages: 361

Sad-Ayn-Dal = to ascend, mount, run, move with quick steps faster than when walking, go up, be hard (affair). sa'adun - severe/vehement, overwhelmingly stern (punishment). sauudun - calamity, torment. as'ada (vb. 4) - to mount up. sa'iidan - soil, earth, surface of the earth, elevated land.

saida vb. (1)
impf. act. 35:10

sa'ad n.m. (adj.) 72:17

sa'id n.m. 4:43, 5:6, 18:8, 18:40

sa'ud n.m. 74:17

as'ada vb. (4)
impf. act. 3:153

tasa'ada vb. (5)
impf. act. 6:125

LL, V4, p: 411, 412, 413

Sad-Ayn-Qaf = to smite or strike (lightning, thunderbolt), swoon, become unconscious, be stunned, faint. sa'iqun - one in a swoon. saa'iqatun (pl. sawaaiq) - stunning noise as of a thunderbolt, vehement cry, thunderbolt, thunderclap, destructive calamity, death, noise.

sa'iqa vb. (1)
perf. act. 39:68
impf. pass. 52:45

sa'iq n.m. 7:143

sa'iqah n.f. (pl. sawa'iq) 2:19, 2:55, 4:153, 13:13, 41:13, 41:13, 41:17, 51:44

LL, V4, p: 414

Sad-Ayn-Ra = to turn (the face), have (the face) distorted. sa'ara (vb. 2) - to make wry face.

sa'ara vb. (2)
impf. act. neg. 31:18

LL, V4, p: 413, 414

Sad-Ba-Alif = to change one's religion, lead (a troop), rise (star), touch, wish. saabii (pl. saabiuun) - the word refers to certain religious sects that were found in parts of Arabia and countries bordering it.

2:62, 5:69, 22:17, 38:1?????

Sad-Ba-Ayn = to point out with the finger. asaabi - finger.

asabi n.m. (pl. of isba) 2:19, 71:7

LL, V4, p: 370, 371

Sad-Ba-Ba = to pour out, be poured out. sabbun - the act of pouring. sabban - the act of pouring heavily.

sabba vb. (1)

perf. act. 80:25, 89:13
impv. 44:48
impf. pass. 22:19
n.vb. 80:25

LL, V4, p: 362, 363, 364

Sad-Ba-Gh = to dye, colour, baptize, dip, immerse, hue, assume the attribute, mode, mature, code of law, religion, nature.

sibgh n.m. 23:20

sibghah n.f. 2:138, 2:138

LL, V4, p: 371, 372, 373

Sad-Ba-Ha = to visit or greet in the morning. subhun/sabahun/isbaahun - the morning. misbaahun (pl. masaabih) - lamp. sabbah (vb. 2) - to come to, come upon, greet, drink in the morning. asbaha - to enter upon the time of the morning, appear, begin to do, to be, become, happen. musbih - one who does anything in or enters upon the morning.

isbah n.m. 6:96

misbah n.m. (pl. masabih) 24:35, 24:35, 41:12, 67:5

sabah n.m. 37:177

subh n.m. 11:81, 11:81, 74:34, 81:19, 100:3

sabbaha vb. (2) perf. act. 54:38

asbahah vb. (4)
perf. act. 3:103, 5:30, 5:31, 5:53, 5:102, 7:78, 7:91, 11:67, 11:94, 18:42, 18:45, 26:157, 28:10, 28:18, 28:82, 29:37, 41:23, 46:25, 61:14, 67:30, 68:20
impf. act. 5:52, 18:40, 18:41, 22:63, 23:40, 30:17, 49:6
pcple. act. 15:66, 15:83, 37:137, 68:17, 68:17

LL, V4, p: 364, 365, 366, 367

Sad-Ba-Ra = to bind, be patient or constant, endure patiently, steadily adhere to reason and command, restrain from what reason and law forbid, restrain from manifesting grief, agitation and impatience. The word being the contrary of jaz'a (manifestation of grief and agitation).

sabara vb. (1)
perf. act. 6:34, 7:137, 11:11, 13:22, 13:24, 14:21, 16:42, 16:96, 16:110, 16:126, 23:111, 25:42, 25:75, 28:54, 29:59, 32:24, 41:35, 42:43, 46:35, 49:5, 76:12
impf. act. 2:61, 3:120, 3:125, 3:186, 4:25, 12:90, 14:12, 18:68, 25:20, 41:24, 52:16
n.vb. 3:200, 7:87, 7:128, 8:46, 10:109, 11:49, 11:115, 16:127, 18:28, 20:130, 30:60, 31:17, 38:6, 38:17, 40:55, 40:77, 46:35, 50:39, 52:16, 52:48, 68:48, 70:5, 73:10, 74:7, 76:24, 2:45, 2:153, 2:250, 7:126, 12:18, 12:83, 16:127, 18:67, 18:72, 18:75, 18:78, 18:82, 70:5, 90:17, 103:3
pcple. act. 2:153, 2:155, 2:175, 2:177, 2:249, 3:17, 3:142, 3:146, 8:46, 8:65, 8:66, 8:66, 16:126, 18:69, 21:85, 22:35, 28:80, 33:35, 33:35, 37:102, 38:44, 39:10, 47:31

sabbar n.m. 14:5, 31:31, 34:19, 42:33

sabara vb. (3) impv. 3:200

istabara vb. (8) impv. 19:65, 20:132, 54:27

LL, V4, p: 367, 368, 369, 370

Sad-Ba-Ya = to be inclined, yearn, long for, have child-like propensities, feel a youthful propensity. sabiyyan - boy/lad/male, child, young boy.

saba vb. (1) impf. act. 12:33

sabiyyan n.m. 19:12, 19:29

LL, V4, p: 373, 374, 375

Sad-Dal-Ayn = to split, expound, cleave, profess openly, divide, cross, proclaim, promulgate aloud, declare openly, be affected with headache, manifest, make clear. sad'un - fissure. suddi'a - to oppress with or suffer from headache. issada'a (vb. 5) - to be split up or divided. mutasaddiun - that which is cloven or splits in two.

sada'a vb. (1)
impv. 15:94
n.vb. 86:12

sadda'a vb. (2) impf. pass. 56:19

tasadda'a vb. (5)
impf. act. 30:43
pcple. act. 59:21

LL, V4, p: 387, 388

Sad-Dal-Dal = to turn away, divert, hinder, avert. sadiidan - to shun a thing, shrink from, raise, clamour, shout, cry aloud. saddun - the act of hindering, diverting or turning away. sadiid - anything that is repulsive, hot or boiling water.

sadda vb. (1)
perf. act. 4:55, 4:167, 5:2, 9:9, 16:88, 16:94, 27:24, 27:43, 29:38, 34:32, 47:1, 47:32, 47:34, 48:25, 58:16, 63:2
impf. act. 3:99, 4:61, 5:91, 7:45, 7:86, 8:34, 8:36, 8:47, 9:34, 11:19, 14:3, 14:10, 20:16, 22:25, 28:87, 34:43, 43:37, 43:57, 43:62, 63:5
perf. pass. 13:33, 40:37
n.vb. (1) 2:217, 4:160
n.vb. (2) 4:61

sadid n.m. 14:16

LL, V4, p: 382, 383

Sad-Dal-Fa = to turn away, shun aside, hinder, prevent, bar, prohibit. sadaf - barrier, obstacle, obstruction, hindrance, restriction, prevention, interruption, limitation, prohibition, check, steep side of a mountain.

sadafa vb. (1)
perf. act. 6:157
impf. act. 6:46, 6:157, 6:157

sadaf n.m. 18:96

LL, V4, p: 389, 390

Sad-Dal-Qaf = to be truthful, true, sincere, speak the truth, establish or confirm the truth of what another has said, verify, keep faith, observe a promise faithfully, fulfill, speak veraciously, hold anyone as trustworthy. sadaqa fi al-qitaali - to fight gallantly. tsaddaqa - to give alms. sidqun - truth, veracity, sincerity, soundness, excellence in a variety of different objects, salubrious and agreeable, favourable entrance, praise. saadiqun - one who is true and sincere, one who speaks the truth. saadiqah - perfect woman. sadaqat (pl. saduqaat) - dowry. siddiiq - person who is trustworthy, sincere. saddaqa - to confirm, verify, fulfil. asdaqu - more true.

sadaqa vb. (1)
perf. act. 2:177, 3:95, 3:152, 5:113, 9:43, 12:26, 21:9, 27:27, 29:3, 33:22, 33:23, 36:52, 39:74, 47:21, 48:27
n.vb. 5:119, 6:115, 10:2, 10:93, 17:80, 17:80, 19:50, 26:84, 33:8, 33:24, 39:32, 39:33, 46:16, 54:55
pcple. act. 2:23, 2:31, 2:94, 2:111, 3:17, 3:93, 3:168, 3:183, 4:87, 4:122, 5:119, 6:40, 6:143, 6:146, 7:70, 7:106, 7:194, 9:119, 10:38, 10:48, 11:13, 11:32, 12:17, 12:27, 12:51, 12:82, 15:7, 15:64, 19:54, 21:38, 24:6, 24:9, 26:31, 26:154, 26:187, 27:49, 27:64, 27:71, 28:49, 29:29, 32:28, 33:8, 33:24, 33:35, 33:35, 34:29, 36:48, 37:157, 40:28, 44:36, 45:25, 46:4, 46:22, 49:15, 49:17, 51:5, 52:34, 56:87, 59:8, 62:6, 67:25, 68:41

sadaqah n.f. 2:196, 2:263, 2:264, 2:271, 2:276, 4:114, 9:58, 9:60, 9:79, 9:103, 9:104, 58:12, 58:13

sadiq n.m. 24:61, 26:101

saduqat n.f. (pl. of saduqah) 4:4

siddiq n.m. 4:69, 5:75, 12:46, 19:41, 19:56, 57:19

saddaqa vb. (2)
perf. act. 34:20, 37:37, 37:105, 39:33, 66:12, 75:31, 92:6
impf. act. 28:34, 56:57, 70:26
n.vb. 10:37, 12:111
pcple. act. 2:41, 2:89, 2:91, 2:97, 2:101, 3:3, 3:39, 3:50, 3:81, 4:47, 5:46, 5:46, 5:48, 6:92, 35:31, 37:52, 46:12, 46:30, 61:6

tasaddaqa vb. (5)
perf. act. 2:280, 5:45
impf. act. 4:92, 9:75
impv. 63:10, 12:88

pcple. act. 12:88, 33:35, 33:35, 57:18, 57:18

LL, V4, p: 390, 391, 392, 393

Sad-Dal-Ra = To return from, come back, proceed, issue or emanate from, go forward, advance or promote, come to pass, happen, emanate from, strike on the chest/breast, commence. Anything that fronts, or faces one; hence breast, chest or bosom [often meaning his mind]. The fore part of anything. Going, or turning back and away.
sadr - heart/breast/chest, mind, prominent place.

sadara vb. (1) impf. act. 99:6

sadr n.m. (pl. sudur)
3:29, 3:118, 3:119, 3:154, 3:154, 4:90, 5:7, 6:125, 6:125, 7:2, 7:43, 8:43, 9:14, 10:57, 11:5, 11:5, 11:12, 15:47, 15:97, 16:106, 17:51, 20:25, 22:46, 26:13, 27:74, 28:69, 29:10, 29:49, 31:23, 35:38, 39:7, 39:22, 40:19, 40:56, 40:80, 42:24, 57:6, 59:9, 59:13, 64:4, 67:13, 94:1, 100:10, 114:5

asdara vb. (4) impf. act. 28:23

LL, V4, p: 384, 385, 386, 387

Sad-Dal-Ya = to clap the hands, receive with honour, applaud, pay attention, address, direct one's regard or attention or mind, incline.

sadda vb. (2) n.vb. 8:35

tasadda vb. (5) impf. act. 80:6

LL, V4, p: 394, 395

Sad-Fa-Dal = to bind, fetter, chains, favour or gift bestowed on someone because it binds the receiver to the giver.

asfad n.m. (pl. of safad) 14:49, 38:38

LL, V4, p: 420, 421

= **Sad-Fa-Fa** = evenly, side by side, laid out, a rank/row/line, in order, with reference to a bird: extend its wings in a line, expand/spread its wings (i.e. not flapping).

saffa vb. (1)
pcple. act. 22:36, 24:42, 37:1, 37:165, 67:19
pcple. pass. f. 52:20, 88:15

saff n.m. 18:48, 20:64, 37:1, 61:4, 78:38, 89:22, 89:22

LL, V4, p: 417, 418

Sad-Fa-Ha = to pardon/forgive/overlook, avoid, turn one's self away, repel, put out, go off. safhun - pardon. safhan - turning away, avoidance.

safaha vb. (1)
impf. act. 24:22, 64:14
impv. 2:109, 5:13, 15:85, 43:89
n.vb. 15:85, 43:5

LL, V4, p: 418, 419, 420

Sad-Fa-Nun = to stand on three feet (as a horse). safinaat - horses standing on three feet, well-bred coursing horses.

safana vb. (1) pcple. act. f. 38:31

LL, V4, p: 426, 427

Sad-Fa-Ra = to dye or paint yellow. safraa'un (f. of asfaru, pl. sufrun) - yellow, tawny. musfarun (vb. 9) - that which is or becomes yellow and pale.

safra n.f. (adj. pl. sufr) 2:69, 77:33

isfarra vb. (9) pcple. pass. 30:51, 39:21, 57:20

LL, V4, p: 421, 422, 423

Sad-Fa-Sad-Fa = gurd, level plain.

safsaf n.m. acc. (adj.) 20:106

LL, V4, p: 418

= **Sad-Fa-Waw** = it became clear/limpid/pure (often said of a drink), opposite of Kaf-Dal-Ra, free from turbidness/thickness/muddiness, free from admixture, became cloudless (said of air/atmosphere, but also said of love/life/mind/heart), clear/pure/best/choice/favoured part/potion, clear/clarify, true/sincere, distinguish particularly/specially, select/elect/prefer, serenity of life, comfort, reciprocal sincerity/purity.
take the best of, to choose in preference to, grant to another a preference in the choice of anything.
abound with milk (said of a she-camel/ewe/goat/sheep), palm-tree heavy with fruit, reached stone (said of a digger).
the portion of the spoil, which the chief/commander chooses for himself before the division.
become destitute/devoid.
stone, smooth stone/rock, stone that doesn't give growth to anything, hard broad stone, a certain place in Mekkeh.

safa - n. 2:158
safwan - n.m. 2:264

saffa vb. (II) - 47:15

asfa vb. (IV) - 17:40, 43:16

istafa vb. (VIII) - perf. act. 2:130, 2:132, 2:247, 3:33, 3:42, 7:144, 27:59, 35:32, 37:153, 39:4, impf. act. 22:75, pcple. pass. 38:47.

LL, V4, p: 427, 428

Sad-Gh-Ra = to be small/little. saaghirun - one who is small/little/subdued/abject or in a state of subjection. saghiir - small. asghar - smaller. saghaar - vileness, contempt, humiliation.

saghara vb. (1) pcple. act. 7:13, 7:119, 9:29, 12:32, 27:37

saghar n.m. 6:124

saghir n.m. (adj. comp. asghar) 2:282, 9:121, 10:61, 17:24, 18:49, 34:3, 54:53

LL, V4, p: 415, 416

Sad-Gh-Ya = to incline, lean, pay attention, give ear, hearken.

saghiya vb. (1)
perf. act. 66:4
impf. act. 6:113

LL, V4, p: 416, 417

Sad-ha-Ra =

sahara vb. (1) impf. pass. 22:20

sihr n.m. 25:54

LL, V4, p: 462, 463

Sad-Ha-Ba = to company, associate, be the friend of or companion to. saahibun (pl. sahbuun and ashaabun) - companion, associate, possessor of any quality or thing, one in an intimate relation with anything, fellow and showing any type of connection or link, helper. saahibatun - spouse, consort, wife. saahaba - to bear company. ashaba (vb. 4) - to preserve, hinder, keep from, defend from. yushabuun - they will be accompanied.

sahib n.m. (pl. ashab) 2:39, 2:81, 2:82, 2:119, 2:217, 2:257, 2:275, 3:116, 4:36, 4:47, 5:10, 5:29, 5:86, 6:71, 6:101, 7:36, 7:42, 7:44, 7:44, 7:46, 7:47, 7:48, 7:50, 7:50, 7:184, 9:40, 9:70, 9:113, 10:26, 10:27, 11:23, 12:39, 12:41, 13:5, 15:78, 15:80, 18:9,

18:34, 18:37, 20:135, 22:44, 22:51, 25:24, 25:38, 26:61, 26:176, 29:15, 34:46, 35:6, 36:13, 36:55, 38:13, 39:8, 40:6, 40:43, 46:14, 46:16, 50:12, 50:14, 51:59, 53:2, 54:29, 56:8, 56:8, 56:9, 56:9, 56:27, 56:27, 56:38, 56:41, 56:41, 56:90, 56:91, 57:19, 58:17, 59:20, 59:20, 59:20, 60:13, 64:10, 67:10, 67:11, 68:17, 68:48, 70:12, 72:3, 74:31, 74:39, 80:36, 81:22, 85:4, 90:18, 90:19, 105:1

sahaba vb. (3)
impf. act. 18:76
impv. 31:15

ashaba vb. (4) impf. pass. 21:43

LL, V4, p: 376, 377

Sad-Ha-Fa = to write or read, dig. sahfatun (pl. sihaaf) - hollow, large dish. sahiifa - surface of the earth. sahiifatun (pl. suhuf) - heap of a book.

sihaf n.f. (pl. of sahfah) 43:71

suhuf n.f. (pl. of sahifah) 20:133, 53:36, 74:52, 80:13, 81:10, 87:18, 87:19, 98:2

LL, V4, p: 378, 379

Sad-Kaf-Kaf = to strike upon, smite, slap.

sakka vb. (1) 3rd. perf. act. f. sing. 51:29

LL, V4, p: 432, 433

Sad-Kh-Kh = to strike sound on the ear, strike (iron) upon (stones), deafen (the ears, noise), accuse (of great crime). sakhkhah - deafening cry/shout/noise.

sakhkhah n.f. sing. act. 80:33

LL, V4, p: 381

Sad-Kh-Ra = to be rocky (place). sakhr - rock

sakhr n.m. sing. 18:63, 31:16, pl. 89:9

LL, V4, p: 382

Sad-Lam-Ba = to put to death by crucifixion, extract marrow from bones. salb - a well known way of killing, crucifying. salabahuu - he put him to death in a certain well known manner, he crucified. aslaab (pl. of sulbun) - backbones, loins. masluub - crucified. saliibun - put to death in a certain well known manner.

salaba vb. (1)
perf. act. 4:157
impf. pass. 12:41

sulb n.m. (pl. aslab) 4:23, 86:7

sallaba vb. (2)
impf. act. 7:124, 20:71, 26:49
impf. pass. 5:33

LL, V4, p: 435, 436, 437

Sad-Lam-Dal = to be hard, bare and smooth, to shun or turn away.

sald n.m. acc. 2:264

LL, V4, p: 439, 440

Sad-Lam-Ha = to be right/good/honest/upright/sound/righteous, suit, fit. aslaha - to set a thing aright, reform, do good. saalihaat - good works, fit and suiting deeds. aslaha (vb. 4) - to make whole sound, set things right, effect an agreement between, render fit. islaah - uprightness, reconciliation, amendment, reformation. muslihun - reformer, one who is upright, righteous, a person of integrity, peacemaker, suitable.
saalih - name of a prophet sent to the tribe of Thamuud.

salaha vb. (1)
perf. act. 13:23, 40:8
pcple. act. 2:25, 2:62, 2:82, 2:130, 2:277, 3:39, 3:46, 3:57, 3:114, 4:34, 4:57, 4:69, 4:122, 4:124, 4:173, 5:9, 5:69, 5:84, 5:93, 5:93, 6:85, 7:42, 7:168, 7:189, 7:190, 7:196, 9:75, 9:102, 9:120, 10:4, 10:9, 11:11, 11:23, 11:46, 12:9, 12:101, 13:29, 14:23, 16:97, 16:122, 17:9, 17:25, 18:2, 18:30, 18:46, 18:82, 18:88, 18:107, 18:110, 19:60, 19:76, 19:96, 20:75, 20:82, 20:112, 21:72, 21:75, 21:86, 21:94, 21:105, 22:14, 22:23, 22:50, 22:56, 23:51, 23:100, 24:32, 24:55, 25:70, 25:71, 26:83, 26:227, 27:19, 27:19, 28:27, 28:67, 28:80, 29:7, 29:9, 29:9, 29:27, 29:58, 30:15, 30:44, 30:45, 31:8, 32:12, 32:19, 33:31, 34:4, 34:11, 34:37, 35:7, 35:10, 35:37, 37:100, 37:112, 38:24, 38:28, 40:40, 40:58, 41:8, 41:33, 41:46, 42:22, 42:23, 42:26, 45:15, 45:21, 45:30, 46:15, 47:2, 47:12, 48:29, 63:10, 64:9, 65:11, 65:11, 66:4, 66:10, 68:50, 72:11, 84:25, 85:11, 95:6, 98:7, 103:3

salih n. prop. 7:73, 7:75, 7:77, 11:61, 11:62, 11:66, 11:89, 26:142, 27:45

sulh n.m. 4:128, 4:128

aslaha vb. (4)
perf. act. 2:160, 2:182, 3:89, 4:16, 4:146, 5:39, 6:48, 6:54, 7:35, 16:119, 21:90, 24:5, 42:40, 47:2
impf. act. 2:224, 4:128, 4:129, 10:81, 26:152, 27:48, 33:71, 47:5
impv. 7:142, 8:1, 46:15, 49:9, 49:9, 49:10
n.vb. 2:220, 2:228, 4:35, 4:114, 7:56, 7:85, 11:88
pcple. act. 2:11, 2:220, 7:170, 11:117, 28:19

LL, V4, p: 438, 439

Sad-Lam-Lam / Sad-Lam-Sad-Lam = to resound, clash, be dried up. sallatun - sound, clank, dry earth. salsaal - dry ringing clay, sounding/dried clay.

salsal n.m. 15:26, 15:28, 15:33, **25:33?**, 55:14

LL, V4, p: 433, 434, 435

••• = **Sad-Lam-Waw** = prayer, supplication, petition, oration, eulogy, benediction, commendation, blessing, honour, magnifiy, bring forth, follow closely, walk/follow behind closely, to remain attached.
In a horse race when the second horse follows the first one so closely that its head always overlaps the first horse's body that horse is called AL-MUSSALLI (i.e. the one who

follows closely / remains attached).
Central portion of the back, portion from where the tail of an animal comes out, the rump.

musalla (••••) n. m. - 2:125

salat (••••) n. f. sing. - 2:3, 2:43, 2:45, 2:83, 2:110, 2:153, 2:177, 2:238, 2:277, 4:43, 4:77, 4:101, 4:102, 4:103, 4:103, 4:103, 4:142, 4:162, 5:6, 5:12, 5:55, 5:58, 5:91, 5:106, 6:72, 6:92, 6:162, 7:170, 8:3, 8:35, 9:5, 9:11, 9:18, 9:54, 9:71, 9:103, 10:87, 11:87, 11:114, 13:22, 14:31, 14:37, 14:40, 17:78, 17:110, 19:31, 19:55, 19:59, 20:14, 20:132, 21:73, 22:35, 22:41, 22:78, 23:2, 24:37, 24:41, 24:56, 24:58, 24:58, 27:3, 29:45, 29:45, 30:31, 31:4, 31:17, 33:33, 35:18, 35:29, 42:38, 58:13, 62:9, 62:10, 70:23, 70:34, 73:20, 98:5, 107:5
salawat (•••••) nom. gen. n. plu. - 2:157, 2:238, 9:99, 22:40, 23:9

salla (•••) vb.II m.
perf. act. 75:31, 87:15, 96:10
impf. act. 3:39, plu. neg. 4:102, plu. 4:102, *tusalli* (•••) neg. 9:84, *yusallee* (••••) sing. 33:43, *yusalloona* (•••••) plu. 33:56
salli (••) impv. 9:103, *salloo* (••••) plu. 33:56, 108:2
musalleena (•••••) pcple. act. plu. acc. gen. 70:22, 74:43, 107:4

LL, V4, p: 444, 445

Sad-Lam-Ya = to warm at the fire, endure heat, to roast/fry/broil/burn.

sala vb. (1)
impf. act. 4:10, 14:29, 17:18, 38:56, 58:8, 82:15, 84:12, 87:12, 88:4, 92:15, 111:3
impv. 36:64, 52:16
n.vb. 19:70
pcple. act. 37:163, 38:59, 83:16

salla vb. (2)
impv. 69:31
n.vb. 56:94

asla vb. (4)
impf. act. 4:30, 4:56, 4:115, 74:26

istala vb. (8) impf. act. 27:7, 28:29

LL, V4, p: 445, 446

Sad-Miim-Ayn = to detain anyone by persuasion, strike with a stick. sam'atun - recess in wall. sauma'a - monastery, monk's cell, cloister.

sawami n.f. (pl. of sawma'ah) 22:40

LL, V4, p: 452

Sad-Miim-Dal = to set up, erect a thing, adorn, wish, repair, strike. samad - chief, lord, eternal, one to whom obedience is rendered, one to whom recourse is had, one who is independent, everything goes back to him as its source.

ssamadu (n. m. sing.) - 112:2

LL, V4, p: 450, 451

Sad-Miim-Miim = to be deaf, cork (a bottle), stop (a flask), be obstructed (ear-hole).

samma vb. (I) - 5:71, 5:71

summ n. m. (pl. of *asamm*) - 2:18, 2:171, 6:39, 8:22, 10:42, 11:24, 17:97, 21:45, 25:73, 27:80, 30:52, 43:40

asamma vb. (IV) - perf. m. act. - 47:23

LL, V4, p: 446, 447, 448, 449

Sad-Miim-Ta = to remain silent. saamitun - one who holds his peace, silent, lifeless, mute.

samata vb. (1) pcple. act. m. pl. 7:193 (saamituuna)

LL, V4, p: 449, 450

Sad-Nun-Ayn = to make/do/create/build, work a thing, nourish, bring up. sun'un - an act, that which is done. masna'un (pl. masani) - cistern, palace, citadel, fine building, fortress. san'atun - making, art of making.

sana'a vb. (1)
perf. act. 11:16, 13:31, 20:69, 20:69
impf. act. 5:14, 5:63, 7:137, 11:38, 16:112, 24:30, 29:45, 35:8
impv. 11:37, 23:27
impf. pass. 20:39
n.vb. 18:104, 27:88

masani n.m. (pl. of masna) 26:129

san'ah n.f. 21:80

istana'a vb. (8) perf. act. 20:41

LL, V4, p: 456, 457, 458, 459

Sad-Nun-Miim = to be offensive (smell), become strong. sanama - to shape out idols for worship. sanam (pl. asnaam) - idol, everything that is worshipped other than Al-laah.

asnam n.m. (pl. of sanam) 6:74, 7:138, 14:35, 21:57, 26:71

LL, V4, p: 459, 460

Sad-Nun-Waw = a palm or other tree springing from the same root as others. Water, stones between two mountains. sinwan - one of the pair or more than two intertwined trees, trees growing in clusters from one root. Related family members.

sinwan n.m. (pl. of sinw) 13:4, 13:4

LL, V4, p: 460

Sad-Ra-Ayn = to stick down, prostrate, fling. sar'aa - lying or thrown prostrate, fallen down.

sarAA n.m. (pl. of sinw) 69:7

LL, V4, p: 402, 403, 404

Sad-Ra-Fa = to turn away, divert, avert, propound, set forth, vary. sarfun - act of averting. masrifun - place to turn to, refuge. masruufun - averted. sarrafa (vb. 2) - to explain. tasrif - change (of wind). insarafa (vb. 7) - to turn aside.

sarafa vb. (1)
perf. act. 3:152, 9:127, 12:34, 46:29
impf. act. 7:146, 12:24, 12:33, 24:43
impv. 25:65
perf. pass. 7:47
impf. pass. 6:16, 10:32, 39:6, 40:69
n.vb. 25:19
pcple. pass. 11:8

masrif n.m. 18:53

sarrafa vb. (2)
perf. act. 17:41, 17:89, 18:54, 20:113, 25:50, 46:27
impf. act. 6:46, 6:65, 6:105, 7:58
n.vb. 2:164, 45:5

insarafa vb. (7) perf. act. 9:127

LL, V4, p: 404, 405, 406, 407

Sad-Ra-Ha = to make manifest, explain, clarify. sarhun - palace, high tower, lofty structure, castle.

sarh n.m. 27:44, 27:44, 28:38, 40:36

LL, V4, p: 399, 400

Sad-Ra-Kh = to cry out loudly, cry/implore for help/assistance, shout for succour.

sarikh n.m. 36:43

asrakha vb. (4) pcple. act. 14:22, 14:22

istarakha vb. (8) impf. act. 35:37

istasrakha vb. (10) impf. act. 28:18

LL, V4, p: 400

Sad-Ra-Miim = to cut off, reap, pluck, be broken, gather (fruit), trim. saarim - one who cuts or gathers (fruit). sariim - garden whose fruit has all been cut, dark night as though it were burnt up and black.

sarama vb. (1)
impf. act. 68:17
pcple. act. 68:22

sarim n.m. 68:20

LL, V4, p: 407, 408, 409

Sad-Ra-Ra = to resolve, persist, persevere in. asarra (vb. 4) - to be obstinate, persist obstinately. asarruu - they persisted. sirrun - intense cold. sarratin - moaning, vociferating.

sarrah n.f. 51:29

sirr n.m. 3:117

asarra vb. (4)
perf. act. 71:7
impf. act. 3:135, 45:8, 56:46

LL, V4, p: 395, 396, 397, 398

Sad-Ra-Sad-Ra = This is a quadrilateral verb derived from sarra - to cry out, make a chattering noise (as a green woodpecker). sarsarun - loud roaring and furious wind, blast of cold, wind, vehement wind, raging furious and intense cold (wind).

sarsar n.m. (adj) 41:16, 54:19, 69:6

LL, V4, p: 395, 396, 397, 398

Sad-Ra-Tay = a path which is even, wide enough and can be trodden without difficulty. A road/way/path, long sword.

sirat n.m. 1:6, 1:7, 2:142, 2:213, 3:51, 3:101, 4:68, 4:175, 5:16, 6:39, 6:87, 6:126, 6:153, 6:161, 7:16, 7:86, 10:25, 11:56, 14:1, 15:41, 16:76, 16:121, 19:36, 19:43, 20:135, 22:24, 22:54, 23:73, 23:74, 24:46, 34:6, 36:4, 36:61, 36:66, 37:23, 37:118, 38:22, 42:52, 42:53, 43:43, 43:61, 43:64, 48:2, 48:20, 67:22

LL, V4, p: 402

Sad-Waw-Ayn = to measure, measuring vessel.

suwa n.m. 12:72

LL, V4, p: 469, 470

Saad-Waw-Ba = to pour forth, hit the mark, come down. asaaba - to overtake, happen to, befall, fall upon, will, affect injuriously, meet with, send down, pour down upon, afflict or punish, intend, desire. sawaabun - that which is right, straight forward course, rightness. musiibun - that which happens. musiibatun - calamity.

Lane: "...it poured forth (said of rain), it descended, a calamity that falls upon or becomes settled/fixed..."

musibah n.f. 2:156, 3:165, 4:62, 4:72, 5:106, 9:50, 28:47, 42:30, 57:22, 64:11

sawab n.m. 78:38

sayyib n.m. 2:19

asaba vb. (4)
perf. act. 2:156, 2:264, 2:265, 2:266, 2:266, 3:117, 3:146, 3:153, 3:165, 3:165, 3:166, 3:172, 4:62, 4:72, 4:73, 4:79, 4:79, 5:106, 7:100, 11:81, 11:89, 16:34, 22:11, 22:11, 22:35, 30:48, 31:17, 38:36, 39:51, 42:30, 42:39, 57:22, 64:11
impf. act. 2:265, 3:120, 4:78, 5:49, 5:52, 6:124, 7:131, 7:156, 8:25, 9:50, 9:50, 9:51, 9:52, 9:90, 9:120, 10:107, 11:89, 12:56, 13:13, 13:31, 24:43, 24:63, 24:63, 28:47, 30:36, 39:51, 40:28, 42:48, 48:25, 49:6
pcple. act. 11:81

LL, V4, p: 463, 464, 465, 466

Sad-Waw-Fa = to wear wool, wool-fleece.

aswaf n.m. (pl. of suf) 16:80

LL, V4, p: 471, 472

Sad-Waw-Miim = to fast/abstain.

sama vb. (1)
impf. act. 2:184, 2:185
n.vb. (1) 19:26
n.vb. (2) 2:183, 2:187, 2:187, 2:196, 2:196, 4:92, 5:89, 5:95, 58:4
pcple. act. 33:35, 33:35

LL, V4, p: 473, 474

Sad-Waw-Ra = to shape/form, fashion mark, picture, adorn, prepare, make.

sara vb. (1) impv. 2:260

sur n.m. 6:73, 18:99, 20:102, 23:101, 27:87, 36:51, 39:68, 50:20, 69:13, 78:18

surah n.f. (pl. suwar) 40:64, 64:3, 82:8

sawwara vb. (2)
perf. act. 7:11, 40:64, 64:3
impf. act. 3:6
pcple. act. 59:24

LL, V4, p: 468, 469

Sad-Waw-Ta = to emit a sound, utter a cry. saut (pl. aswat) - voice, sound.

sata vb. (1) n.vb. (sawt, pl. aswat) 17:64, 20:108, 31:19, 31:19, 31:19, 49:2, 49:2, 49:3

LL, V4, p: 466, 467

Sad-Ya-Dal = to hunt/chase/fish. saidun - hunting, shooting, fishing, fish or game caught, pray.

sada vb. (1) n.vb. 5:1, 5:94, 5:95, 5:96, 5:96

istada vb. (8) impv. 5:2

LL, V4, p: 476, 477

Sad-Ya-Fa = to pass the summer.

safa vb. (1) n.vb. 106:2

LL, V4, p: 479, 480, 481

Sad-Ya-Ha = to shout/cry, make noise. sayhatun - thunderbolt, shout, blast, terrible and mighty noise.

sayhah n.f. 11:67, 11:94, 15:73, 15:83, 23:41, 29:40, 36:29, 36:49, 36:53, 38:15, 50:42, 54:31, 63:4

LL, V4, p: 475, 476

Sad-Ya-Ra = to go, become, tend towards. masiir - the act of going, journey, departure. To retreat, result, issue.

sara vb. (1)
impf. act. 42:53
n.vb. 2:126, 2:285, 3:28, 3:162, 4:97, 4:115, 5:18, 8:16, 9:73, 14:30, 22:48, 22:72, 24:42, 24:57, 25:15, 31:14, 35:18, 40:3, 42:15, 48:6, 50:43, 57:15, 58:8, 60:4, 64:3, 64:10, 66:9, 67:6

LL, V4, p: 477, 478, 479

Sad-Ya-Sad = to protect/defend/preserve/guard, keep safe. siisah - fortress, cocks spur, horn, anything that is used for protection and safety/defence/preservation.

sayasi n.f. (pl. of siisah) 33:26

LL, V4, p: 479

- **=** Dad

Dad-Alif-Nun = to have numerous sheep, set apart, detach, separate, set apart the sheep from the goat.

Da'n noun. masculine. (pl. of *Da'in*) - 6:143

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 45

= **Dad-Ayn-Fa** = to be weak/feeble/infirm. To think repute, esteem, treat or hold a person weak. To exceed, twofold, manyfold, double, triple, multiple words. Like, an equal portion or as much again.

adz'afan, mudza'afah are not used in 3:130, 4:131 as a qualifying phrase to restrict the meaning of *riba* (interest or usury) so as to confine it to a particular kind of *riba*. They are used as descriptive clause to point to the inherent nature of *riba* which continually goes on increasing.

Da'ufa
vb. (I) perf. act. - 3:146, 22:73,
n.vb. - 8:66, 30:54,

Da'if n.m. (adj.) - 2:266, 2:282, 4:9, 4:28, 4:76, 9:91, 11:91, 14:21, 19:75, 40:47, 72:24,

Di'f n.m. (pl. of *aD'af*) - 2:245, 2:265, 3:130, 7:38, 7:38, 17:75, 17:75, 33:30, 33:68, 34:37, 38:61,

Da'afa
vb. (III) impf. act. - 2:245, 2:261, 4:40, 57:11, 64:17,
impf. pass. - 11:20, 25:69, 33:30, 57:18,
pcple. pass. - 3:130,

aD'afa vb. (IV) - pcple. act. 30:39,

istaD'afa
vb. (X) perf. act. 7:150,
impf. act. 28:4,
perf. pass. 7:75, 28:5, 34:31, 34:32, 34:33,
impf. pass. 7:137,
pcple. pass. 4:75, 4:97, 4:98, 4:127, 8:26

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 75, 76, 77

= Dad-Ba-Ha = to pant, breathe in running (horses), snore, yelp, snorting, the act of panting and soaring, cried out, raising the voice in reading.

Dabaha noun. verb. accusative - 100:1

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 48, 49

Dad-Dal-Dal = to overcome anyone, contradict, oppose. Hostile, adversary, contrary, one pitted against, against, repugnant.

Didd n.m. - 19:82

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 60

Dad-Fa-Dal-Ayn = frogs (if said to water), shrank or became contracted (if said to a man), a certain reptile of the rivers

Dafaadi'a n.m. (pl. dafda) - 7:133

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 80

Dad-Ghayn-Nun = He (or one's bosom) became affected with rancour, malevolence, malice, or spite. It became crooked. He became affected with desire or with yearning or with longing for the soul. The lion (because he is very rancorous, malevolent, malicious, or spiteful).

aDghaanahum - n.m. (pl. of dahgn) 47:29 , *aDghaanakum* - 47:37

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 79

Dad-Gh-Tha = Collected, confused or confounded. Washed without cleansing. Felt (for a

certain purpose). Complications.

A handful of herbs mixed together, fresh and dry. A handful of twigs of trees or shrubs or of the fruit-stalks of the raceme of a palm-tree. Whatever that is collected or bundled together and grasped with the hand.

A deed that is of mixed kind, not pure or not sincere. Something which is no good.

To be said of a she-camel, of which one doubts whether she be fat, and which one therefore feels with his hand (the hump), to know whether she be fat or not.

One who hides himself in a thicket or the like, and frightens boys by a sound reiterated in his fauces.

Rain that moistens the earth and the herbage.

aDghaathu - n.m. (pl. adghath) 12:44, 21:5 , *Dighthan* - 38:44

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 77, 78

Dad-ha-Ya = Resembled, conformed, imitated. Became gentle, tender, courteous, behaved gently.

daha vb. (3)
yuDaahiuu impf. act. 9:30

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 92

• • • **=** **Dad-Ha-Kaf** = to wonder, menstruate, rejoice, inspire with awe, ridicule, laugh at, laugh, become clear.

Dahika vb. (I)
perf. act. - 11:71,
impf. act. - 9:82, 23:110, 43:47, 53:60, 83:29, 83:34,
pcple. act. - 27:19, 80:39.

aDhaka vb. (IV)
perf. act. 3rd. m. sing. - 53:43

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 56, 57

Dad-Ha-Ya = to be smitten by sunbeams, suffer from the heat of the sun, become uncovered, be revealed, appear conspicuously.
Can also means those hours of the morning which follow shortly after sunrise, full brightness of the sun, sunshine, part of the forenoon when the sun is already high, bright part pf the day when the sun shines fully, early afternoon, high noon, daytime/daylight.

Dahiya vb. (I) impf. act. - 20:119,

Duha n.com. - 7:98, 20:59, 79:29, 79:46, 91:1, 93:1

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 57, 58, 59

• • • = **Daad-Jiim-Ayn** = to incline to setting, incline. Slumber, way of reclining, bed-fellow, sleeping room/bed, resting place, couch.

maDaji n.m. (pl. of *maDja'*) - 3:154, 4:34, 32:16

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 54, 55

Dad-Lam-Lam = Erred, strayed, or went astray. Deviated from the right way or course. Missed or lost the right way. Lost something but does not know its place. Confounded or perplexed and unable to see the right course.
Become hidden, unperceived, concealed, absent, or escaped. Went away.
A lost state. A state of perishing, coming to naught, or passing away.
Confusion, perplexity, and inability to see the right course.
Skill in guiding, or directing aright, in journeying.
One with whom is no good.
Water running beneath a rock, or among trees, which the sun does not reach.
Ragged land or ground, a hard and stony place.

dalla vb. (1)
Dalla/Dalluu/Dillu perf. act. 2:108, 4:116, 4:136, 4:167, 5:12, 5:77, 5:77, 5:105, 6:24, 6:94, 6:140, 7:37, 7:53, 7:149, 10:30, 10:108, 11:21, 16:87, 16:125, 17:15, 17:48, 17:67, 18:104, 20:92, 25:9, 25:17, 27:92, 28:75, 33:36, 34:50, 37:71, 39:41, 40:74, 41:48, 46:28, 53:2, 53:30, 60:1, 68:7
Dalaltu – 6:56
Dalalnaa – 32:10

taDilla/taDilluu/yaDillu impf. act. 2:282, 4:44, 4:176, 6:117, 10:108, 17:15, 20:52, 20:123, 34:50, 38:26, 39:41

Dalaalin/Dalaalan/Dalaalu/Dalaali n.vb. 3:164, 4:60, 4:116, 4:136, 4:167, 6:74, 7:60, 10:32, 12:8, 12:30, 13:14, 14:3, 14:18, 19:38, 21:54, 22:12, 26:97, 28:85, 31:11, 33:36, 34:8, 34:24, 36:24, 36:47, 39:22, 40:25, 40:50, 42:18, 43:40, 46:32, 50:27, 54:24, 54:47, 62:2, 67:9, 67:29, 71:24
Dalaalika – 12:95

Dalliina/Dalluuna/Dallan pcple. act. 1:7, 2:198, 3:90, 6:77, 15:56, 23:106, 26:20, 26:86, 37:69, 56:51, 56:92, 68:26, 83:32, 93:7
aDallu – 5:60, 7:179, 15:56, 25:34, 25:42, 25:44, 28:50, 41:52, 46:5,

Dalaalata/Dalaalatu/Dalaalati n.f. 2:16, 2:175, 4:44, 7:30, 7:61, 16:36, 19:75, 27:81, 30:53

dallala vb. (2)
taDliilin n.vb. 105:2

adalla vb. (4)
aDalla/aDalluuna/aDlalna/aDlaltum/aDallaana perf. act. 4:88, 5:77, 7:38, 14:36, 20:79, 20:85, 25:17, 25:29, 26:99, 30:29, 33:67, 36:62, 41:29, 45:23, 47:1, 47:8, 71:24

yuDillu/yuDilluu/yuDilla/yuDlil impf. act. 2:26, 2:26, 3:69, 3:69, 4:60, 4:88, 4:113, 4:113, 4:119, 4:143, 6:39, 6:116, 6:119, 6:125, 6:144, 7:155, 7:178, 7:186, 9:115, 10:88, 13:27, 13:33, 14:4, 14:27, 14:30, 16:25, 16:37, 16:93, 17:97, 18:17, 22:4, 22:9, 25:42, 31:6, 35:8, 38:26, 39:8, 39:23, 39:36, 40:33, 40:34, 40:74, 42:44, 42:46, 47:4, 71:27, 74:31

yuDallu impf. pass. 9:37

muDilliin/muDillun pcple. act. 18:51, 28:15, 39:37

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 81, 82, 83, 84

Dad-Miim-Miim = Drew, put, brought, gathered together. Collected or contracted a thing to a thing. Be gentle, courteous, easy to deal with or compliant.
Grasped, took. Drew near or close. Became conjoined, accompanied, comprised.
Severe calamity or misfortune.
A thing or thread, string, cord, or the like, by means of which one thing is drawn, and joined, or adjoined, to another thing. A lion that grasps everything. Angry, daring, bold (applied to a man).
Any valley [flowing with water] along which one goes between two long hills of the kind termed *akamat*.

Niggardly in the utmost degree.
One who takes, or gets, everything within his grasp, drawing it to himself. One who eats much, has an inordinate appetite for food, who appropriates to himself exclusively of others.
A company or collection of men not of one stock, but of different tribes mixed together.
A place of assembling (of military forces).
Lean or slander in the belly (as though one part thereof were drawn and adjoined to another).

damma vb. (1)
wauDmum impv. 20:22, 28:32

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 86, 87

Dad-Miim-Ra **=** Became lean or light of flesh, or slender, and lank in the belly by reason of leanness. Became lean and weak. Became withered, contracted and small.
To feed with food barely sufficient to sustain, after becoming fat. Fed with a fodder so that it became fat, and then reduced it to food barely sufficient to sustain it, which is done during forty days. A training-place in which horses are prepared for racing by being fed with food barely sufficient to sustain them, after they have become fat.
Determined or resolved upon something in the heart and mind. Concealed or suppressed in the heart and mind.
A place or a valley that is depressed concealing one who is journeying in it.
Property of which one hopes not for the return. A debt of which payment is not hoped for, or for the payment of which no period is fixed for. A gift that is not hoped for.
Contracted pearls or pearls having somewhat of contraction in the middle.

Daamirin n.m. 22:27

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 88, 89

Dad-Nun-Kaf = Became narrow or strait (indicate hardship). Became weak in judgment, in body, in soul, in intellect.
Hard, firm, and compact in the flesh (applied to a man). Affected with a constant or chronic, pervading disease.
Became redundant, increased, or augmented.
Children or offspring.

danuka vb. (1)
Dankan n.vb. 20:124

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 91, 92

Dad-Nun-Nun = Became niggardly, tenacious, stingy, or avaricious. A thing highly esteemed, of which one is tenacious. Courageous, brave, or strong-hearted.

biDaniinin n.m. 81:24

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 90, 91

• • • = **Dad-Ra-Ayn** = to humiliate, abase, object, humble, lower one's self, humility/ submissiveness. Dry, bitter, thorny herbage.

Dari n.m. - 88:6.

taDarra vb. (V)
perf. act. 6:43,
impf. act. 6:42, 7:94, 23:76,
n.vb. 6:63, 7:55, 7:205.

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 72, 73

• • • = **Daad-Ra-Ba** = to heal, strike, propound as an example, put forth a parable, go, make a journey, travel, mix, avoid, take away, put a cover, shut, mention, state, propound, set forth, compare, liken, seek a way, march own, set, impose, prevent, fight, traffic with anyone's property for a share in the profit, leave for sake, take away thing (with 'an).
Depressed ground, hard ground in a plain, sandy valley, commissioner as he has to travel much.
Kind manner, lean, thin, similar, alike, the act of striking, a blow, going from place to place, vicissitude of life, affliction especially that which relates to one's person, as disease, death, degradation is common and general suffering.
beat, struck, smote, hit, the making a thing fall upon another thing, discipline/train, to cast forth, threw or flung it, seal/stamp, veil/curtain/cover/barrier, to point or make a sign, prohibit/hinder/prevent/withheld/restrain, collision, corrupted/disordered/ disturbance/unsettled/confused, turn away, avoid, shun, fashion/mould/adapt, mention or set forth (e.g. a parable/example), explain, make a way, multiplying, go/travel, went away, it was or became long, excite/incite/urge/instigate, contend, dispose/ accommodate, retract/digression/transition, to silence, tremble/shiver, share/portion.
Location where something is struck, wool or goat's hair separated or plucked or beaten

with a mallet, sword, tent-peg, mallet.

daraba vb. (I) - perf. act. 3:156, 4:94, 4:101, 5:106, 14:24, 14:45, 16:75, 16:76, 16:112, 17:48, 18:11, 25:9, 25:39, 30:28, 30:58, 36:78, 39:27, 39:29, 43:17, 43:58, 66:10, 66:11,
impf. act. 2:26, 8:50, 13:17, 13:17, 14:25, 16:74, 24:31, 24:31, 24:35, 29:43, 43:5, 47:3, 47:27, 59:21, 73:20,
impv. 2:60, 2:73, 4:34, 7:160, 8:12, 8:12, 18:32, 18:45, 20:77, 26:63, 36:13, 38:44,
perf. pass. 2:61, 3:112, 3:112, 22:73, 43:57, 57:13,
n. vb. 2:273, 37:93, 47:4]

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 62, 63, 64, 65, 66, 67, 68

Dad-Ra-Ra = to harm/hurt/injure/afflict, make inconvenient, annoy, evil adversity, famine, vicissitude of time, disease/death, loss/tribulation/hardship, to compel, drive forcibly, driven by necessity.

Darra vb. (I) :
impf. act. 2:102, 3:111, 3:120, 3:144, 3:176, 3:177, 4:113, 5:42, 5:105, 6:71, 9:39, 10:18, 10:106, 11:57, 21:66, 22:12, 25:55, 26:73, 47:32,
n.vb. - 5:76, 6:17, 7:188, 10:12, 10:12, 10:12, 10:49, 10:107, 12:88, 13:16, 16:53, 16:54, 17:56, 17:67, 20:89, 21:83, 21:84, 22:13, 23:75, 25:3, 30:33, 34:42, 36:23, 39:8, 39:38, 39:38, 39:49, 48:11, 72:21,
pcple. act. - 2:102, 58:10.

Darar n.m. - 4:95.

Darra n.f. - 2:177, 2:214, 3:134, 6:42, 7:94, 7:95, 10:21, 11:10, 41:50.

Darra vb. (III) -
impf. pass. 2:233, 2:282, 65:6, n.vb. 2:231, 9:107,
pcple. act. 4:12,

iDtarra vb. (VIII) -
impf. act. 2:126, 31:24,
perf. pass. 2:173, 5:3, 6:119, 6:145, 16:115,
pcple. pass. 27:62.

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 60, 61, 62

Dad-Tay-Ra =

aDTarruhu - 2:126

iDTurra - 2:173, 5:3, 6:145, 16:115

muDTarra - 27:62

Dad-Waw-Alif = Brought to light, made visible, discovered, or revealed. One who stood in the dark to see people by the light of their fire, without their seeing him.

Diyaa-an/Diyaa-in n.m. 10:5, 21:48, 28:71

ada'a vb. (4)
aDaa-a(t) perf. act. 2:17, 2:20

yuDii-u impf. act. 24:35

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 94

• • • **=** **Dad-Ya-Ayn** = perished, came to nought, passed away, became lost, left alone, neglected, unmindful, destroyed, wasted.

ada'a vb. (4)
aDaa'uu perf. act. 19:59
yuDii'a/yuDii'u/nuDii'u impf. act. 2:143, 3:171, 3:195, 7:170, 9:120, 11:115, 12:56, 12:90, 18:30

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 97, 98

• • • **=** **Dad-Ya-Fa** = Inclined, approached, drew near to setting (said of the sun). Menstruation (said of a woman). Become a guest, refuge of someone. Become correlative to something. Correlation, or reciprocal correlation, so that one cannot be conceived in the mind without the other. Beign collected, joined, added together. Ran, hastened, fled, sped, turned away.
Beset by distress of mind. Hardship, difficulty, or distress.
Asking, or calling, for an aid.

Dayfi n.m. 11:78, 15:51, 15:68, 51:24, 54:37

dayyafa vb. (2)
yuDayyifuu impf. act. 18:77

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 98, 99, 100

Dad-Ya-Qaf = Became narrow or strait. Became choked, surcharged, or overfilled with something.
Treated or behave towards someone with hardness or harshness.
Means of living became straitened, property went away, poor.
An evil state of condition.

daqa vb. (1)
Daaqat/Daaqa perf. act. 9:25, 9:118, 9:118, 11:77, 29:33
yaDiiqu impf. act. 15:97, 26:13
waDaa-iqun pcple. act. 11:12

Dayqin/Dayyiqan n.m. 6:125, 16:127, 25:13, 27:70

dayyaqa vb. (2)
lituDayyiquu impf. act. 65:6

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 100, 101

Dad-Ya-Ra = Harmed, injured, hurt, mischiefed, or damaged.

dara vb. (1)
Dayra n.vb. 26:50

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 97

Dad-Ya-Zay = Deviated from the right course. Acted unjustly, wrongfully, injuriously, or tyrannically. One who deprived or defrauded, of a part or whole, of another's right or due. Unjust or defective.

Diizaa n.f. adj. 53:22

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 97

Dad

• = Tay

Tay-Ayn-Miim = ate/taste/swallowed, to flavour/savour, appetite/desire, to feed/ supply, way of eating, food/meal, cultivate, ripened fruit, an approvable quality in a man (e.g. intelligence/prudence/discretion), good state/condition in respect of food, one who feeds much, place of eating.

ta'ima vb. (I)
perf. act. 5:93, 33:53
impf. act. 2:249, 6:138, 6:145
n. vb. 47:15
pcple. act. 6:145

taAAm n. m. - 2:61, 2:184, 2:259, 3:93, 5:5, 5:5, 5:75, 5:95, 5:96, 12:37, 18:19, 21:8, 25:7, 25:20, 33:53, 44:44, 69:34, 69:36, 73:13, 76:8, 80:24, 88:6, 89:18, 107:3

at'ama vb. - perf. act. 36:47, 106:4
impf. act. 5:89, 6:14, 26:79, 36:47, 51:57, 74:44, 76:8, 76:9
impv. 22:28, 22:36
impv. pass. 6:14
n. vb. 5:89, 58:4, 90:14

istat'ama vb. (X) - perf. act. 18:77

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 138, 139, 140

Tay-Ayn-Nun = to thrust, defame/discredit, to speak ill of someone, traducing, assail, revile, scoff, pierce, spear, wound, calumniate.

ta'ana vb. (1)
perf. act. 9:12
n. vb. 4:46

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 140, 141

Tay-Ba-Ayn = to seal/imprint/print/stamp/impress/brand/fashion, make to be dirty, rusted, covering over a thing and securing oneself from a thing entering it, adaptation/ disposition to a thing, become sluggish/lazy/indolent, to disgrace/dishonour, to have no penetrative energy, i.e. no sharpness of mind like the sword covered with much rust, load well/heavily, *tabba'a* - to impress strongly.

taba'a vb. (1)
perf. act. 4:155, 9:93, 16:108, 47:16
impf. act. 7:100, 7:101, 10:74, 30:59, 40:35
perf. pass. 9:87, 63:3

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 108, 109

Tay-Ba-Qaf = to cover/overwhelm, to make a thing match/conform/suit/correspond/ agree with another thing, to hit/get right, become accustomed/habituated, a thing that is equal of another thing of any kind in its measure so that it covers the whole extent of the latter like the lid, *tibaqun* - fittings, adapting, in order one above another, stages, layers, stories, series, plane, floors, stratum.

tabaq n.m. 84:19, 84:19
tibaq n.f. (pl. of *tabaqah*) 67:3, 71:15

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 109, 110, 111, 112, 113

Tay-Fa = to be near, be within reach, raise, *taffafa* - to give a deficient measure, redundance of a measure, *tatfif* (II) - giving short measure, to default in one's duty, *mutaffifin* - one who gives short measure or defaults in one's duty, stinter/niggardly. Make defective/deficient.

taffafa vb. (2) - pcple. act. m. plu. 83:1

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 142, 143

Tay-Fa-Alif/Waw = to extinguish / to put out / to quench - (e.g. fire/light).

atfa'a vb. (4) - perf. act. 5:64
impf. act. 9:32, 61:8

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 143, 144

Tay-Fa-Lam = baby/infant/child, to be of tenderage, young one, tiny baby, tender/soft. The sun rose/set (red/orange sky).

tifl n. m., sing. - 22:5, 40:67, *atfal*/*tiflun* plu. 24:31, 24:59

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 144, 145, 146

Tay-Fa-Qaf = begin/start to do something, to take to doing something, to set about, commence/initiate, continue uninterruptedly.

tafiqa vb. (I) - perf. act. 7:22, 20:121, 38:33

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 144

Tay-Ghayn-Ya = exceed a limit, to transgress, wander from its orbit, exceed the bound, wayward, to rise high, to overflow, to rage, go astray, deviate, be incurious, mischievous, impious, tyrannical, inordinate, rebellious, exorbitant, exceedingly wicked, insolence, injustice, infidelity, rebellion, storm of thunder & lightning of extreme severity, outburst, powers of evil, lead to evil, be overbold, contumacy, extravagantly disobedient, immoderate, corrupt, top or upper part of a mountain, idol/demon, source of wickedness.

taghiya vb. (1) - perf. act. 20:24, 20:43, 53:17, 69:11, 79:17, 79:37, 89:11
impf. act. 11:112, 20:45, 20:81, 55:8, 96:6
n. vb. 2:15, 5:64, 5:68, 6:110, 7:186, 10:11, 17:60, 18:80, 23:75
pcple. act. 37:30, 38:55, 51:53, 52:32, 53:52, 68:31, 68:31, 78:22

taghiyah n. f. - 69:5

taghut n. m. - 2:256, 2:257, 4:51, 4:60, 4:76, 5:60, 16:36, 39:17

taghwa n. f. - 91:11

atgha vb. (4) - perf. act. 50:27]

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 141, 142

Tay-ha

see **20:1** = according to some sources it is a meaningful expression on its own signifying "O man!" (found in Abyssinian/Syriac/Nabathaean) synonymously "*Ya rajulu*", in dialect of Akks, an old Arab tribe, it means "*Ya habibi*" (O my beloved! O great man! O perfect man!), by some the expression is interpreted as "Be you at rest" or "Be thou still".

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 171

Tay-ha-Alif/Ya = to spread out, extend, scatter/disperse, to execute/perform a matter firmly/soundly/thoroughly.

taha vb. (1) perf. act. 91:6

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 173

Tay-ha-Ra = to be or become clean/pure or free of dirt, made it or caused it to be distant/remote, cleanse/wash/purify, refrain, remove oneself, to clear/clean, ablution.

tahara vb. (1) - impf. act. 2:222
athar n.m. (comp. adj. of tahir) 2:232, 11:78, 33:53, 58:12
tahur n.m. (adj.) 25:48, 76:21

tahhara vb. (2) - perf. act. 3:42
impf. act. 5:6, 5:41, 8:11, 9:103, 33:33
impv. 2:125, 22:26, 74:4
n. vb. 33:33
pcple. act. 3:55
pcple. pass. 2:25, 3:15, 4:57, 56:79, 80:14, 98:2

tatahhara vb. (5) - perf. act. 2:222
impf. act. 7:82, 9:108, 27:56
impv. 5:6
pcple. act. 2:222, 9:108

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 171, 172, 173

Tay-ha/Ha-Ya = spread out, extend/expand.

taha vb. (1) - perf. act. 91:6

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 117

Tay-Lam-Ayn = to ascend/rise, go up, learn, come on, come towards anyone, start from, climb upon, reach, sprout, notice, look, seek, examine, expose, explain, appear, inform, occur, consider, know. tal'un - the spathe or sheath in which the flowers of the date palm are enclosed, also the fruit when it first appears, fruit, ranged dates. tuluu - rising. matla'un - twilight of rising (of sun). atla'a (vb. 4) - to make manifest to anyone, cause one to understand. ittala'a for itta'ala'a (vb. 8) - to mount up, penetrate. attala'a for a'attala'a - has he penetrated (here the hamzah of union waslah being omitted after the interrogative hamzah).

tala'a vb. (1) - perf. act. 18:17
impf. act. 18:90
n. vb. 20:130, 50:39

matala n.m. 18:90

matli n.m. 97:5

tal n.m. 6:99, 26:148, 37:65, 50:10

atla'a vb. (4) - impf. act. 3:179

ittala'a vb. (8) - perf. act. 18:18, 19:78, 37:55
impf. act. 5:13, 28:38, 40:37, 104:7
pcple. act. 37:54

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 152, 153, 154, 155

Tay-Lam-Ba = to seek/ask/desire/follow. talabun - act of searching for. taalibun - seeks. matluub - they sought. talaban - seeking.

talaba vb. (1) - impf. act. **7:54?**
n. vb. 18:41
pcple. act. 22:73
pcple. pass. 22:73

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 149, 150

Tay-Lam-Ha = acacias, plantains, banana trees

talh n.f. (pl. of talhah) 56:29

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 150, 151

Tay-Lam-Lam = dew, light moisture, shower

tall n.m. 2:265

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 146, 147, 148, 149

Tay-Lam-Qaf = to be free from bond, be divorced, be repudiated. talaaq - divorce. ta'allaqa (vb. 2) - to divorce/quit/leave. mutallaqatun - divorced woman. intalaqa - to start doing something, depart, set out in doing something, go ones way, be free or loose.

talaqa vb. (1) - n.vb. 2:227, 2:229

tallaqa vb. (2) - perf. act. 2:230, 2:230, 2:231, 2:232, 2:236, 2:237, 33:49, 65:1, 66:5
impv. 65:1
pcple. pass. f. 2:228, 2:241

intalaqa vb. (7) - perf. act. 18:71, 18:74, 18:77, 38:6, 48:15, 68:23
impf. act. 26:13
impv. 77:29, 77:30

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 156, 157, 158, 159

Tay-Lam-Ta = Saul

talut n. prop. 2:247, 2:249

Tay-Miim-Ayn = to covet, eagerly desire, long or hope for, yearn for. tama'un - desire, hoping and longing for, causing to be full of hope.

tami'a vb. (1) - impf. act. 2:75, 5:84, 7:46, 26:51, 26:82, 33:32, 70:38, 74:15
n. vb. 7:56, 13:12, 30:24, 32:16

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 166, 167

Tay-Miim-Miim = to cover up, overflow, overwhelm, swallow up, fill to the brim. taammatun - calamity, overwhelming event.

tammah n.f. 79:34

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 162, 163

Tay-Miim-Alif-Nun = to rest from, rely upon, bend down, still, a thing quiet, tranquillize. itma'anna (vb. 4) - to be quiet, rest securely in, satisfied by, be free from disquieted, in tranquillity, secure from danger. mutma'innun - one who rests securely, enjoys peace and quiet, contend and satisfaction, rests at ease, is peaceful. itmi'naan - he was in a state of quietness and tranquillity.

itma'anna vb. (quad 4) - perf. act. 4:103, 10:7, 22:11
impf. act. 2:260, 3:126, 5:113, 8:10, 13:28, 13:28
pcple. act. 16:106, 16:112, 17:95, 89:27

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 167 (under Tay-Miim-Nun)

Tay-Miim-Siin = to be effaced, disappear, go far away, destroy, be corrupted, wipe out, obliterate, alter, put out, lose brightness, be remote, blot out the trace of.

tamasa vb. (1) - perf. act. 36:66, 54:37
impf. act. 4:47
impv. 10:88
perf. pass. 77:8

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 165, 166

Tay-Miim-Tha = to touch (a female sexually), to deflower, devirgination.

tamatha vb. (1) - impf. act. 55:56, 55:74

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 163

Tay-Ra-Dal = to drive away, send away, get somebody out, drive out, drive away, one who drives away, expel/banish, charge upon, assault/attack, hunt/pursue.

tarada vb. (1) - perf. act. 11:30
impf. act. 6:52, 6:52
pcple. act. 11:29, 26:114

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 123, 124, 125

• • •

= **Tay-Ra-Fa** = attack the extremity of the enemy's lines, chose a thing, extremity, edge, lateral/adjacent/outward part, side, border, end, newly acquired, proximity, fringes. leaders/thinkers/scholars, best of the fruits.
Look from outer angle of eye, twinkle in eye, putting eyelids in motion, looking, glance, blinking, raise/open eyes, hurt the eye and make it water.
descend from an ancient family, noble man in respect of ancestry.

tarafa vb. (1) n.vb. 14:43, 27:40, 37:48, 38:52, 42:45, 55:56

taraf. n.m. (pl. atraf) 3:127, 11:114, 13:41, 20:130, 21:44

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 126, 127, 128, 129, 130, 131

Tay-Ra-Ha = to cast, fling, throw, remove, reject, put it away, put at a distance, separate, make long, distance/remoteness.

taraha vb. (1) impf. act. prt. m. plu. - 12:9

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 122, 123

Tay-Ra-Qaf = to come by night, beat something, knock, strike, tariq - one who comes or appears by night, morning star that comes at the end of the night, night-visitant, star, tariqan - way/path, line of conduct, behaviour.

tariq n.m. 86:1, 86:2

tariq n.com. 4:168, 4:169, 20:77, 46:30

tariqah n.f. (pl. tarai'q) 20:63, 20:104, 23:17, 72:11, 72:16]

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 131, 132, 133, 134, 135, 136

Tay-Ra-Ya = fresh, succulent, juicy, moist, praise, first stage and the quickness/ youthfulness.

tariy n.m. (adj.) 16:14, 35:12

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 120

Tay-Siin =

27:1

22:71 ?

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 137

Tay-Siin-Miim =

26:1, 28:1

Tay-Waw-Ayn = to obey, permit/consent, obedience, to do voluntarily, do an act with effort. istaa'a - to be able, have power, be capable of.

ta'a vb. (1)
n.vb. 38:3, 9:53, 13:15, 41:11
pcple. act. 41:11

ta'ah n.f. 4:81, 24:53, 47:21

tawwa'a vb. (2) perf. act. 5:30

ata'a vb. (4) perf. act. 2:285, 3:168, 4:34, 4:46, 4:80, 5:7, 6:121, 23:34, 24:47, 24:51, 33:66, 33:66, 33:67, 43:54
impf. act. 3:100, 3:149, 4:13, 4:69, 4:80, 6:116, 9:71, 18:28, 24:52, 24:54, 25:52, 26:151, 29:8, 31:15, 33:1, 33:48, 33:71, 47:26, 48:16, 48:17, 49:7, 49:14, 59:11, 68:8, 68:10, 76:24, 96:19
impv. 3:32, 3:50, 3:132, 4:59, 4:59, 5:92, 8:1, 8:20, 8:46, 20:90, 24:54, 24:54, 24:56, 26:108, 26:110, 26:126, 26:131, 26:144, 26:150, 26:163, 26:179, 33:33, 43:63, 47:33, 47:33, 58:13, 64:12, 64:12, 64:16, 71:3
impf. pass. 4:64, 40:18
pcple. pass. 81:21

tatawwa'a vb. (5) perf. act. 2:158, 2:184
pcple. act. 9:79

istata'a vb. (10) perf. act. 2:217, 3:97, 6:35, 8:60, 9:42, 10:38, 11:13, 11:88, 17:64, 18:97, 18:97, 36:67, 51:45, 55:33, 64:16
impf. act. 2:273, 2:282, 4:25, 4:98, 4:129, 5:112, 7:192, 7:197, 11:20, 16:73, 17:48, 18:41, 18:67, 18:72, 18:75, 18:78, 18:82, 18:101, 21:40, 21:43, 25:9, 25:19, 26:211, 36:50, 36:75, 58:4, 68:42

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 175, 176, 177

Tay-Waw-Dal = to be firm and immoveable, steadfast, it rose or ascended in the air, lofty/great/mighty/high mountain/building, cliff, mound, elevated or overlooking tract of land, go round about/much.

tawd n.m. 26:63

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 174, 175

= **Tay-Waw-Fa** = act of going/walking, going/walking around or otherwise, to go or wander about, circuited/compassed, journeyed, came to him, come upon, visitation, visit, approach, drew near, to go round or round about often, encompass,
"the men/people/locusts filled the land like the TWF/flood/deluge", overpowering/ overwhelming rain/water that covers,
a servant that serves one with gentleness and carefulness,
a detached/distinct part/portion, a piece or bit, a party/division/sect,
a sort of raisins of which the bunches are composed of closely-compacted berries, a garment in which one goes round or circuits, a place of going round or round about.

tafa vb. (1) impf. act. 52:24, 55:44, 56:17, 76:19
impf. pass. 37:45, 43:71, 76:15
pcple. act. 2:125, 22:26

ta'ifah n.f. 3:69, 3:72, 3:122, 3:154, 3:154, 4:81, 4:102, 4:102, 4:113, 6:156, 7:87, 7:87, 8:7, 9:66, 9:66, 9:83, 9:122, 24:2, 28:4, 33:13, 49:9, 61:14, 61:14, 73:20

tawwaf n.m. 24:58

tufan n.m. 7:133, 29:14

tatawwafa vb. (5) impf. act. 2:158, 22:29

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 177, 178, 179

Tay-Waw-Lam = to be long, continue for a long time, be lasting, be protracted. taulu - plenty of wealth, sufficiency of personal social and material means, power. tuulun - height. tawiilun - long. tatawala - to spread, be lengthened/prolonged.

tala vb. (1) perf. act. 20:86, 21:44, 57:16
n.vb. 17:37

tawil n.m. (adj.) 73:7, 76:26

tawl n.m. 4:25, 9:86, 40:3

tatawala vb. (6) perf. act. 28:45

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 180, 181, 182, 183

Tay-Waw-Qaf = to be able, be in a position to do something. taaqatun - ability, power, strength. ataaqa (vb. 4) - to be able to do a thing. tawwaqa (vb. 2) - to twist a collar, put a neck-ring on, impose a difficult task on a person, enable, hang around neck, impose, lay upon, encircle. ataaqa (vb. 4) - to be able to do a thing, find extremely hard and difficult to bear, do a thing with great difficulty. taaqat - the utmost that a person can do.

taqah n.f. 2:249, 2:286

tawwaqa vb. (2) impf. pass. 3:180

ataqa vb. (4) impf. act. 2:184

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 179, 180

Tay-Waw-Ra = went or hovered round about it, approach, time or one time, repeated times, quantity/measure/extent/limit, aspect/form/disposition, way of action, manner, kind/class, stage/state, Mount Sinai, Mount of Olives, applied to several other mountains, mountain which produces trees, mountain, wild or to estrange oneself from mankind, stranger, utmost point, encounter two extremes.

atwar n. m. (pl. of *tawr*) - 71:14
tur n. m. - 2:63, 2:93, 4:154, 19:52, 20:80, 23:20, 28:29, 28:46, 52:1, 95:2

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 175

Tay-Waw-Ya = roll up, fold.

tawa vb. (1) impf. act. 21:104

n. vb. 21:104
pcple. pass. 39:67

tuwa 20:12, 79:16

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 183, 184, 185

Tay-Ya-Ba = to be good, pleasant, agreeable, lawful. tibna - of their (women's) own free will and being good (to you). tuuba - joy, happiness, an enviable state of bliss. tayyib - good/clean/wholesome/gentle/excellent/fair/lawful.

taba vb. (1) perf. act. 4:3, 4:4, 39:73

tayyib n.m. (pl. tayyibat) 2:57, 2:168, 2:172, 2:267, 3:38, 3:179, 4:2, 4:43, 4:160, 5:4, 5:5, 5:6, 5:87, 5:88, 5:100, 7:32, 7:58, 7:157, 7:160, 8:26, 8:37, 8:69, 9:72, 10:22, 10:93, 14:24, 14:24, 16:32, 16:72, 16:97, 16:114, 17:70, 20:81, 22:24, 23:51, 24:26, 24:26, 24:26, 24:26, 24:61, 34:15, 35:10, 40:64, 45:16, 46:20, 61:12

tuba n.f. 13:29

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 185, 186, 187, 188

Tay-Ya-Fa =

tafa vb. (1) perf. act. 68:19
pcple. act. 7:201, 68:19

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 190, 191

Tay-Ya-Nun = to plaster with clay or mud, clay/mud.

tin n.m. 3:49, 5:110, 6:2, 7:12, 17:61, 23:12, 28:38, 32:7, 37:11, 38:71, 38:76, 51:33

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 191

• • •

= **Tay-Ya-Ra** = flew, hasten to it, outstripped, become foremost, fled, love, become attached, famous, conceive, scatter/disperse, fortune.

tara vb. (1) impf. act. 6:38
pcple. act. 6:38, 7:131, 17:13, 27:47, 36:19

tayr n.m. (coll) 2:260, 3:49, 3:49, 5:110, 5:110, 12:36, 12:41, 16:79, 21:79, 22:31, 24:41, 27:16, 27:17, 27:20, 34:10, 38:19, 56:21, 67:19, 105:3

ittayyara vb. (5) perf. act. 27:47, 36:18
impf. act. 7:131

istatara vb. (10) pcple. act. 76:7

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 188, 189, 190

Za = •

• • •

Za-Ayn-Nun = went away, departure, migration, journey, remove

zAAna vb. (I)
n. vb. - 16:80

LL, V5, pages: 196, 197

• • •

Za-Fa-Ra = gain possession, attain, victorious/succeed, claw/talon/nail.

zufur n.m. - 6:146

azfara vb. (4) perf. act. - 48:24

LL, V5, pages: 197, 198, 199

Za-ha-Ra = to appear, become distinct/clear/open/manifest, come out, ascend/mount, get the better of, know, distinguish, be obvious, go forth, enter the noon, neglect, have the upper hand over wound on the back. zahara - to help, back, support in the sense of collaboration. zihar - was a practice of the pre-Islamic days of the Arabs by which the wife was kept in suspense, sometimes for the whole of her life having neither the position of a wife nor that of a divorced woman free to marry elsewhere. The word *zihar* is derived from *zahr* meaning back.

zahara vb. (1)
perf. act. 6:151, 7:33, 9:48, 24:31, 30:41
impf. act. 9:8, 18:20, 18:97, 24:31, 43:33
pcple. act. 6:120, 13:33, 18:22, 30:7, 31:20, 34:18, 40:29, 57:3, 57:13, 61:14

zahir n.m. 17:88, 25:55, 28:17, 28:86, 34:22, 66:4

zahirah n.f. 24:58

zahr n.m. (pl. zuhur) - 2:101, 2:189, 3:187, 6:31, 6:94, 6:138, 6:146, 7:172, 9:35, 21:39, 35:45, 42:33, 43:13, 84:10, 94:3

zihri n.m. 11:92

zahara vb. (3)
perf. act. 33:26, 60:9
impf. act. 9:4, 33:4, 58:2, 58:3

azhara vb. (4)
perf. act. 66:3
impf. act. 9:33, 30:18, 40:26, 48:28, 61:9, 72:26

tazahara vb. (6)
perf. act. 28:48, 66:4
impf. act. 2:85

LL, V5, pages: 211, 212, 213, 214, 215

Za-Lam-Lam = to remain, last, continue doing a thing, be, become, grow into, remain, persevere, went on doing. zallala and azalla - to shade, give shade over. zillun - shade, shadow, shelter. zullatun - awning, shelter, booth, covering, cloud giving shade, protection, state of ease and happiness.

zalla vb. (1)
perf. act. 15:14, 16:58, 20:97, 26:4, 30:51, 43:17, 56:65
impf. act. 26:71, 42:33

zalil n.m. (adj.) 4:57, 77:31

zill n.m. (pl. zilal) 4:57, 13:15, 13:35, 16:48, 16:81, 25:45, 28:24, 35:21, 36:56, 56:30, 56:43, 76:14, 77:30, 77:41

zullah n.f. (pl. zulal) 2:210, 7:171, 26:189, 31:32, 39:16, 39:16

zallala vb. (2)
perf. act. 2:57, 7:160

LL, V5, pages: 199, 200, 201, 202

Za-La-Miim =

Zalima - To be dark, obscure. To give shade [shelter, protection]. A thing that covers, protects, [or shades] one, overhead.

••••• thulumati/in/un - Obscurity, darkness [2:17, 19; 6:59, 63, 97; 24:40; 27:63; 39:6]

•••• athlama/u - He becomes dark, enters upon the darkness [2:20, 114, 140; 6:21, 93, 144, 157; 7:37; 10:17; 11:18; 18:15, 57; 29:68; 32:22; 39:32; 53:52; 61:7]

••••••• thulumati/u - Obscurity, darkness [2:257 (2x); 5:16; 6:1, 39, 122; 13:16; 14:1, 5; 21:87; 33:43; 35:20; 57:9; 65:11]

Zalama - To do wrong or evil, treat unjustly, ill-treat, oppress, harm, suppress, tyrannize, misuse, act wrongfully, deprive anyone of a right, misplace, injure, be oppressive, be guilty of injustice, act wickedly, be wanting in or fail. [P. 1920-23. Lanes; P. 351-52. QD]

•••••••• thalimeena - Wrongdoers [2:35, 124, 145, 193, 258; 3:57, 86, 140, 151; 5:29, 51,

107; 6:33, 52, 68, 129, 144; 7:19, 41, 44, 47, 150; 9:19, 109; 10:39, 85, 106; 11:18, 31, 44, 83; 12:75; 14:13, 22, 27; 17:82; 19:72; 21:29, 59, 87; 22:53; 23:28, 11, 94; 26:10; 28:21, 25, 40, 50; 40:52; 42:21, 22, 40, 44, 45; 43:76; 45:19; 46:10; 59:17; 61:7; 62:5; 66:11; 71:24, 28]

••••• thalamtum - You wronged [2:54; 43:39]

••••••• thalamna - We wronged [11:101; 16:118; 43:76]

•••• thalimun - One who treats unjustly [18:35; 35:32]

•••• thalamtu - I wronged, did wrong [10:54; 27:44; 28:16]

•••••• yathlimoona/yuthlamoona - They wronged, they shall be wronged [2:57, 281; 3:25, 117, 161; 4:49, 124; 6:160; 7:9, 160, 162, 177; 9:70; 10:44, 47, 54; 16:33, 111, 118; 17:71; 19:60; 23:62; 29:40; 30:9; 39:69; 42:42; 45:22; 46:19]

••••••• yathlima - He was to do wrong [9:70]

•• •••• lam tathlimu/tuthlamu - Stinted not, failing not; you were wronged [18:33; 21:47; 36:54]

••••••• yathlima - He was to do wrong [9:70; 29:40; 30:9]

•••••••• thalimoon - Wrongdoers [2:229, 254; 3:94; 5:45; 6:21, 47, 93, 135; 9:23; 12:23; 14:42; 17:47, 99; 19:38; 21:64; 24:50; 25:8; 28:37; 29:49; 31:11; 34:31; 35:40; 49:11; 60:9]

•••••• mathlooman - Oppressed, vexed, wronged [17:33]

•••• thulmin - Wrongdoing [6:82, 131; 11:117; 22:25]

•••••• thalimoona - Wrongdoers [2:51, 92; 3:128; 16:113; 23:107; 28:59; 29:14]

••• thalama/thulima/thulma - He wronged/He was wronged [2:231; 4:148; 18:87; 27:11; 40:17; 65:1]

•••• yathlim/u - He does wrong [4:40, 110; 10:44; 18:49; 25:19]

•••••• thalimeena - Wrongdoers [7:5, 148; 8:54; 21:14, 46, 97; 26:209; 29:31; 68:29]

•••••• thalim - [4:75; 25:27]

•••••• tathlimoo - O you! Wrong not [9:36]

•••• athlama/u - To do unjustly, evil [2:20, 114, 140; 6:21, 93, 144, 157; 7:37; 10:17; 11:18; 18:15, 57; 29:68; 32:22; 39:32; 53:52; 61:7]

LL, V5, pages: 205, 206, 207, 208

Za-Miim-Alif = to be thirsty, desire a thing, alter a thing (heat), jade.

zami'a vb. (1)

impf. act. 20:119
n. vb. 9:120
zaman n.m. 24:39

LL, V5, pages: 208

Za-Nun-Nun = To think, suppose, doubt, assume, deem, believe, know, imagine, suspect, conjunctive, be sure of something in view of one's observations. As a general rule often this verb is succeeded by 'anna or 'an, that means to be sure about.

••••• yathunnoona - They know/believe/conjecture [2:46, 78, 249; 3:154; 45:24]

••• thannaan - Thinking, conjecture, idea [2:230; 10:36; 45:32]

•• thannu/a - He thought, imagined, deemed, believed, assumed, conjectured, suspected; He was sure [3:154; 10:60; 12:42; 24:12; 38:27; 48:6, 12; 84:14]

•••• thanni/a - [4:157; 6:116, 148; 10:36, 66; 49:12 (2x); 53:23; 28 (2x)]

••••• thunnuka - Believe, think [7:66]

••••• thannoo - They imagined [7:171; 9:118; 10:22; 12:110; 28:39; 41:48; 59:2]

••••• thanantum - You thought [41:22, 23; 48:12; 59:2; 72:7]

•••• thannoo - They thought [72:7]

••• thanna - Conclude [10:24; 38:24; 75:28]

••••• nathunnu - We think [11:27]

•••••• thunnoona - Diverse thoughts, You thought [17:52; 33:10]

••••• thunnu - I think [17:101, 102]

••••• thannoo - They imagined [18:53]

••• thanna - He imagined [21:87]

••• yathunnu - He thinks [22:15; 83:4]

•••• nathunnu - We deem [26:186]

••••• athunnu - I think [28:38; 40:37]

••• thanna - His idea [34:20]

•••• thannu - [37:87; 41:23]

••• nathunnu - We deem [45:32]

••••••• thanneena - Entertainers of evil thought [48:6]

•••• thanantu - I was sure [69:20]

•••• thanannaan - We thought [72:5, 12]

••• Tathunnu - She thinks [75:25]

LL, V5, pages: 209, 210, 211

Ayn = •

Ayn-Ba-Alif = to care for, be solicitous, hold to be of any weight or worth, attach any weight or value, have concern.

aba'a vb. (1) impf. act. 25:77

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 218

• • •

Ayn-Ba-Dal = serve, worship, adore, venerate, accept the impression of a thing, obey with submissiveness or humility, approve, apply, devote, obedience, slave, keep to inseparably, subdue, assemble together, enslave.

abada vb. (1)
perf. act. 5:60, 16:35, 43:20, 109:4

impf. act. 1:5, 2:83, 2:133, 2:133, 2:172, 3:64, 5:76, 6:56, 7:70, 9:31, 10:18, 10:28, 10:104, 10:104, 10:104, 11:2, 11:26, 11:62, 11:62, 11:87, 11:109, 11:109, 11:109, 12:40, 12:40, 13:36, 14:10, 14:35, 16:73, 16:114, 17:23, 18:16, 19:42, 19:44, 19:49, 21:66, 21:67, 21:98, 22:11, 22:71, 24:55, 25:17, 25:55, 26:70, 26:71, 26:75, 26:92, 27:43, 27:91, 28:63, 29:17, 29:17, 34:40, 34:41, 34:43, 36:22, 36:60, 37:22, 37:85, 37:95, 37:161, 39:3, 39:11, 39:14, 39:17, 39:64, 40:66, 41:14, 41:37, 43:26, 46:21, 51:56, 60:4, 98:5, 106:3, 109:2, 109:2, 109:3, 109:5

impv. 2:21, 3:51, 4:36, 5:72, 5:117, 6:102, 7:59, 7:65, 7:73, 7:85, 10:3, 11:50, 11:61, 11:84, 11:123, 15:99, 16:36, 19:36, 19:65, 20:14, 21:25, 21:92, 22:77, 23:23, 23:32, 27:45, 29:16, 29:17, 29:36, 29:56, 36:61, 39:2, 39:15, 39:66, 43:64, 53:62, 71:3

impf. pass. 43:45

n.vb. 4:172, 7:206, 10:29, 18:110, 19:65, 19:82, 21:19, 40:60, 46:6

pcple. act. 2:138, 9:112, 21:53, 21:73, 21:84, 21:106, 23:47, 43:81, 66:5, 109:3, 109:4, 109:5

abd n.m. (pl. ibad/abid) 2:23, 2:90, 2:178, 2:178, 2:186, 2:207, 2:221, 3:15, 3:20,

3:30, 3:79, 3:182, 4:118, 4:172, 5:118, 6:18, 6:61, 6:88, 7:32, 7:128, 7:194, 8:41, 8:51, 9:104, 10:107, 12:24, 14:11, 14:31, 15:40, 15:42, 15:49, 16:2, 16:75, 17:1, 17:3, 17:5, 17:17, 17:30, 17:53, 17:65, 17:96, 18:1, 18:65, 18:65, 18:102, 19:2, 19:30, 19:61, 19:63, 19:93, 20:77, 21:26, 21:105, 22:10, 23:109, 24:32, 25:1, 25:17, 25:58, 25:63, 26:52, 27:15, 27:19, 27:59, 28:82, 29:56, 29:62, 30:48, 34:9, 34:13, 34:39, 35:28, 35:31, 35:32, 35:45, 36:30, 37:40, 37:74, 37:81, 37:11, 37:122, 37:128, 37:132, 37:160, 37:169, 37:171, 38:17, 38:30, 38:41, 38:44, 38:45, 38:83, 39:7, 39:10, 39:16, 39:16, 39:17, 39:36, 39:46, 39:53, 40:15, 40:31, 40:44, 40:48, 40:85, 41:46, 42:19, 42:23, 42:25, 42:27, 42:27, 42:52, 43:15, 43:19, 43:59, 43:68, 44:18, 44:23, 50:8, 50:29, 53:10, 54:9, 57:9, 66:10, 50:11, 66:10, 71:27, 72:19, 76:6, 89:29, 96:10

abbada vb. (2) perf. act. 26:22

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 219, 220, 221

Ayn-Ba-Qaf-Ra = great, excellent, beautiful, fine, of finest quality, chief, glittering, surpassing, surpassingly efficient, extraordinary, superior, pre-eminent, superseding, quick-witted, expert, vigorous, effective, magnificent, grand, sublime, high, exalted, dignified, learned, perfect, accomplished, mighty/powerful/strong, rich carpet, garment splendidly manufactured, variegated cloth, garment of silk, brocade, thing that surpasses every other thing. (there is no other word in Arabic to indicate the fine of finest quality)

abqariy n.m. 55:76

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 225

Ayn-Ba-Ra = to cross, interpret, state clearly, pass over. i'tabara - to consider, ponder over, take into account, get experience from, take warming. abratun (pl. i'bar) - regard/ consideration, admonition, warning, example, instructive warning. abir (pl. abirina) - one who passes over. i'tabara - to take warning, learn a lesson.

abara vb. (1)
impf. act. 12:43
pcple. act. 4:43

ibrah n.f. 3:13, 12:111, 16:66, 23:21, 24:44, 79:26

itabara vb. (8) impv. 59:2

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 221, 222, 223, 224

Ayn-Ba-Siin = to frown, look sternly, austere, grim.

abasa vb. (1) perf. act. 74:22, 80:1

abus n.m. 76:10

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 224

Ayn-Ba-Th = to play sport in a frivolous manner, amuse one's self, busy one's self about trifles, in vain/sport/play, nonsense, useless.

abatha vb. (1)
impf. act. 26:128
n.vb. 23:115

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 218, 219

Ayn-Dal-Dal = to count, number, reckon, make the census of. addun - number, computation, determined number. adadun - number. iddatun - a number, prescribed term, counting, to count, legal waiting period for a woman after she is divorced or becomes a widow before she may marry again. a'dd - to prepare, make ready. addina - those who count. ma'dudun - counted one.

adda vb. (1)
perf. act. 19:94
impf. act. 14:34, 16:18, 19:84, 22:47, 32:5, 38:62
n.vb. 19:84, 19:94
pcple. act. 23:113
pcple. pass. 2:80, 2:184, 2:203, 3:24, 11:8, 11:104, 12:20

adad n.m. 10:5, 17:12, 18:11, 23:112, 72:24, 72:28

iddah n.f. 2:184, 2:185, 2:185, 9:36, 9:37, 18:22, 33:49, 65:1, 65:1, 65:4, 74:31

uddah n.f. 9:46

addada vb. (2) perf. act. 104:2

a'adda vb. (4)
perf. act. 4:93, 4:102, 9:46, 9:89, 9:100, 33:8, 33:29, 33:35, 33:44, 33:57, 33:64, 48:6, 58:15, 65:10, 76:31
impv. 8:60
perf. pass. 2:24, 3:131, 3:133, 57:21

i'tadda vb. (8) impf. act. 33:49

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 254, 255, 256, 257

Ayn-Dal-Lam = to act and deal justly, equitably, with fairness and proportion, adjust properly as to relative magnitude, establish justice, hold as equal, pay as an aquivalent, dispose aright, straighten, deviate from the right path, turn aside, stray from. adlun - justice, equity, accuracy, recompense, ransom, equivalent, compensation, instead (thereof).

adala vb. (1)
perf. act. 82:7
impf. act. 4:3, 4:129, 4:135, 5:8, 6:1, 6:70, 6:150, 7:159, 7:181, 27:60, 42:15
impv. 5:8, 6:152

adl n.m. 2:48, 2:123, 2:282, 2:282, 4:58, 5:95, 5:95, 5:106, 6:70, 6:115, 16:76, 16:90, 49:9, 65:2

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 257, 258, 259, 260

Ayn-Dal-Nun = to abide constantly, stay in (a place), remain, everlasting.

adn n. 9:72, 13:23, 16:31, 18:31, 19:61, 20:76, 35:33, 38:50, 40:8, 61:12, 98:8

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 261, 262

Ayn-Dal-Siin = to toil, tend (a flock), treat (a thing). adasa fi ard - to journey. udisa - to have red pimples. adasun - lentils.

adas n.m. 2:61

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 257

Ayn-Dal-Waw = to pass by, overlook, transgress, turn aside.
adwun - wickedly, unjustly, spitefully, wrongfully.
adi'yat - companies of warriors, chargers, horses of the warriors, wayfarers who run fast on their journey, swift horses.
aduwatun - enmity. udwan - hostility, injustice. aduwwan (pl. aduwun) - enemy.

ada vb. (1)
impf. act. 4:154, 7:163, 18:28
n.vb. 6:108, 10:90
pcple. act. 2:173, 6:145, 16:115, 23:7, 26:166, 70:31

adawah n.f. 5:14, 5:64, 5:82, 5:91, 41:34, 60:4

adiyah n.f. (pl. adiyat) 100:1

aduw n.m. (pl. a'da) 2:36, 2:97, 2:98, 2:98, 2:168, 2:208, 3:103, 4:45, 4:92, 4:101, 6:112, 6:142, 7:22, 7:24, 7:129, 7:150, 8:60, 8:60, 9:83, 9:114, 9:120, 12:5, 17:53, 18:50, 20:39, 20:80, 20:117, 20:123, 25:31, 26:77, 28:8, 28:15, 28:15, 28:15, 28:19, 35:6, 35:6, 36:60, 41:19, 41:28, 43:62, 43:67, 46:6, 60:1, 60:1, 60:2, 61:14, 63:4, 64:14

udwah n.f. 8:42, 8:42

udwan n.m. 2:85, 2:193, 4:30, 5:2, 5:62, 28:28, 58:8, 58:9

ada vb. (3) perf. act. 60:7

ta'adda vb. (5) impf. act. 2:229, 4:14, 65:1

itada vb. (8)
perf. act. 2:65, 2:178, 2:194, 2:194, 5:94, 5:107
impf. act. 2:61, 2:190, 2:229, 2:231, 3:112, 5:2, 5:78, 5:87
impv. 2:194
pcple. act. 2:190, 5:87, 6:119, 7:55, 9:10, 10:74, 50:25, 68:12, 83:12

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 262, 263, 264, 265, 266

Ayn-Thal-Ba = chastisement, castigate, punishment, torture, torment, retribution, abstain/desist, relinquish, quit.
adhb - sweet (usually water), e.g. 25:53, 35:12.

adhab n.m. 2:7, 2:10, 2:49, 2:85, 2:86, 2:90, 2:96, 2:104, 2:114, 2:126, 2:162, 2:165, 2:165, 2:166, 2:174, 2:175, 2:178, 2:201, 3:4, 3:16, 3:21, 3:56, 3:77, 3:88, 3:91, 3:105, 3:106, 3:176, 3:177, 3:178, 3:181, 3:188, 3:188, 3:191, 4:14, 4:18, 4:25, 4:37, 4:56, 4:93, 4:102, 4:138, 4:147, 4:151, 4:161, 4:173, 5:33, 5:36, 5:36, 5:37, 5:41, 5:73, 5:80, 5:94, 5:115, 6:15, 6:30, 6:40, 6:47, 6:49, 6:65, 6:70, 6:93, 6:124, 6:157, 7:38, 7:39, 7:59, 7:73, 7:141, 7:156, 7:164, 7:165, 7:167, 8:14, 8:32, 8:35, 8:50, 8:68, 9:3, 9:34, 9:39, 9:52, 9:61, 9:68, 9:74, 9:79, 9:90, 9:101, 10:4, 10:15, 10:50, 10:52, 10:54, 10:70, 10:88, 10:97, 10:98, 11:3, 11:8, 11:20, 11:26, 11:39, 11:39, 11:48, 11:58, 11:64, 11:76, 11:84, 11:93, 11:103, 12:25, 12:107, 13:34, 13:34, 14:2, 14:6, 14:7, 14:17, 14:21, 14:22, 14:44, 15:50, 15:50, 16:26, 16:45, 16:63, 16:85, 16:88, 16:88, 16:94, 16:104, 16:106, 16:113, 16:117, 17:10, 17:57, 17:57, 17:58, 18:55, 18:58, 18:87, 19:45, 19:75, 19:79, 20:48, 20:61, 20:71, 20:127, 20:134, 21:46, 22:2, 22:4, 22:9, 22:18, 22:22, 22:25, 22:47, 22:55, 22:57, 23:64, 23:76, 23:77, 24:2, 24:8, 24:11, 24:14, 24:19, 24:23, 24:63, 25:19, 25:37, 25:42, 25:65, 25:65, 25:69, 26:135, 26:156, 26:158, 26:189, 26:201, 26:204, 27:5, 28:64, 29:10, 29:23, 29:29, 29:53, 29:53, 29:54, 29:55, 30:16, 31:6, 31:7, 31:21, 31:24, 32:14, 32:20, 32:21, 32:21, 33:8, 33:30, 33:57, 33:68, 34:5, 34:8, 34:12, 34:14, 34:33, 34:38, 34:42, 34:46, 35:7, 35:10, 35:36, 36:18, 37:9, 37:33, 37:38, 37:176, 38:8, 38:26, 38:41, 38:61, 39:13, 39:19, 39:24, 39:25, 39:26, 39:40, 39:47, 39:54, 39:55, 39:58, 39:71, 40:7, 40:45, 40:46, 40:49, 41:16, 41:16, 41:17, 41:27, 41:50, 42:16, 42:21, 42:26, 42:42, 42:44, 42:45, 43:39, 43:48, 43:50, 43:65, 43:74, 44:11, 44:12, 44:15, 44:30, 44:48, 44:56, 45:8, 45:9, 45:10, 45:11, 46:20, 46:21, 46:24, 46:31, 46:34, 48:16, 48:17, 48:25, 50:26, 51:37, 52:7, 52:18, 52:27, 52:47, 54:16, 54:18, 54:21, 54:30, 54:37, 54:38, 54:39, 57:13, 57:20, 58:4, 58:5, 58:15, 58:16, 59:3, 59:15, 61:10, 64:5, 65:8, 65:10, 67:5, 67:6, 67:28, 68:33, 68:33, 70:1, 70:11, 70:27, 70:28, 71:1, 72:17, 73:13, 76:31, 78:30, 78:40, 84:24, 85:10, 85:10, 88:24, 89:13, 89:25

adhb n.m. 25:53, 35:12

adhdhaba vb. (2)
perf. act. 9:26, 48:25, 59:3, 65:8
impf. act. 2:284, 3:56, 3:128, 3:129, 4:173, 5:18, 5:18, 5:40, 5:115, 5:115, 5:118, 8:33, 8:34, 9:14, 9:39, 9:55, 9:66, 9:74, 9:85, 9:101, 9:106, 17:54, 18:86, 18:87, 18:87, 20:47, 27:21, 29:21, 33:24, 33:73, 48:6, 48:14, 48:16, 48:17, 58:8, 88:24, 89:25
pcple. act. 7:164, 8:33, 17:15, 17:58
pcple. pass. 26:138, 26:213, 34:35, 37:59

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 266, 267, 268

Ayn-Thal-Ra = to beg pardon, to excuse, to free anyone from guilt or blame, excuse/ plea, those who put forth excuses, apologists.

udhr n.m. 18:76, 77:6

ma'dhirah n.f. 7:164, 30:57, 40:52, 75:15

adhdhara vb. (2) pcple. act. 9:90

i'tadhara vb. (8) impf. act. 9:66, 9:94, 9:94, 66:7, 77:36

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 268, 269, 270, 271, 272

Ayn-Dad-Dal = to aid/assist/support, succour, strike on the arm, supporter, upper arm, helper, stay, side, assistance, strength.

adud n.m. 18:51, 28:35

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 254, 255, 256, 257

Ayn-Dad-Dad = to bite the hands in sorrow, seize with the teeth.

adda vb. (1)
3:119
impf. act. 25:27

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 354, 355, 356

Ayn-Dad-Lam = to straighten, withhold unjustly, prevent, hinder.

adala vb. (1) impf. act. 2:232, 4:19

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 359, 360

Ayn-Dad-Waw = to divide into parts, separate parts, bits, enchantments, lies, slanders.

idah n.f. (pl. idun) 15:91

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 361, 362

Ayn-Fa-Fa = to abstain from what is unlawful, be abstinent, restrain. (The verb is of the assimilated type. In genitive cases shadda is removed and cluster is pronounced separelt as in 4:6 ta'affuf - modest/abstinence)

ta'affafa vb. (5) n.vb. 2:273

ista'affa vb. (10)
3rd. m. sing. impf. act. 4:6, 24:33, f. pl. acc. 24:60

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 373, 374

Ayn-Fa-Ra = to roll on earth, hide in the dust, roll in the dust, soil with dust, roast. ifrun & afirun - wicked, mischievous. afarun - wheat boiled without grease. ufratun - intenseness of heat. ifrit (pl. afarit) - cunning, who exceeds the bounds, one evil in disposition, wicked, malignant, stalwart, audacious, who is of large stature, one strong and powerful, sharp, vigorous and effective in an affair, exceeding ordinary bounds therein with intelligence and sagacity, chief who wields great authority.

ifrit n.m. 27:39

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 374, 375, 376

Ayn-Fa-Waw = to forgive/pardon, abound, pass over, forgo, grow, multiply, obliterate all traces, remit, give more than what is due, relinquish right or remit in whole or in part. afina (oblique pl. of afin) - forgiving. afuwwan - very forgiving, name of Allah. afwun - forgiveness, indulgence, surplus, superfluity. ya'fu - to pardon. ufiya - he is pardoned. (It does not necessarily imply the committing of a sin on the part of a person about whom it

is used.)

afa vb. (1)
perf. act. 2:52, 2:187, 3:152, 3:155, 4:153, 5:95, 5:101, 7:95, 9:43, 42:40
impf. act. 2:237, 2:237, 2:237, 4:99, 4:149, 5:15, 9:66, 24:22, 42:25, 42:30, 42:34, 64:14
impv. 2:109, 2:286, 3:159, 5:13
perf. pass. 2:178
n.vb. 2:219, 7:199
pcple. act. 3:134

afuw n.m. 4:43, 4:99, 4:149, 22:60, 58:2

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 377, 378, 379, 380

Ayn-ha-Dal = to enjoin/charge/impose/swear. ahdun - treaty/covenant/promise/ agreement/compact/oath, bond, condition, bequest, responsibility, guarantee, time, epoch, acquaintance, true, friendship, affection, security.

ahida vb. (1)
perf. act. 2:125, 3:183, 7:134, 20:115, 43:49
impf. act. 36:60

ahd n.m. 2:27, 2:40, 2:40, 2:80, 2:80, 2:100, 2:124, 2:177, 3:76, 3:77, 6:152, 7:102, 8:56, 9:4, 9:7, 9:12, 9:111, 13:20, 13:25, 16:91, 16:95, 17:34, 17:34, 19:78, 19:87, 20:86, 23:8, 33:15, 70:32

ahada vb. (3) perf. act. 2:100, 2:177, 8:56, 9:1, 9:4, 9:7, 9:75, 16:91, 33:15, 33:23, 48:10

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 467, 468, 469

Ayn-ha-Nun = to whither, dry up, be broken or bent. ihn (pl. uhun) - wool, dyed wool, multicoloured wool.

ihn n.m. 70:9, 101:5

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 470

Ayn-Jiim-Ba = to wonder, marvel, be astonished, be amazed, delight, please, admire, astounding, matter of wonder.

ajiba vb. (1)
perf. act. 7:63, 7:69, 37:12, 38:4, 50:2
impf. act. 11:73, 13:5, 53:59

ajab n.m. 10:2, 13:5, 18:9, 18:63, 72:1

ajib n.m. 11:72, 50:2

ujab n.m. 38:5

ajaba vb. (4)
perf. act. 2:221, 2:221, 5:100, 9:25, 33:52, 57:20
impf. act. 2:204, 9:55, 9:85, 48:29, 63:4

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 241, 242, 243

Ayn-Jiim-Fa = to become lean, emaciate (animal).

ijaf n.f. (pl. of ajfa) 12:43, 12:46

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 247, 248

Ayn-Jiim-Lam = to hasten, make speed, accelerate, be hasty, act hastily, hurry over, do speedily. ajalun - precipitation, haste. ajil - that which hastens away, transitory. ista'jala - to seek or desire to hasten, urge one to make haste in doing anything. ijlun - calf

ajila vb. (1)
perf. act. 7:150, 20:84
impf. act. 19:84, 20:114, 75:16
pcple. act. f. 17:18, 75:20, 76:27

ajal n.m. 21:37

ajul n.m. 17:11

ijl n.m. 2:51, 2:54, 2:92, 2:93, 4:153, 7:148, 7:152, 11:69, 20:88, 51:26

ajjala vb. (2)
perf. act. 17:18, 18:58, 48:20
impf. act. 10:11
impv. 38:16

ajala vb. (4) perf. act. 20:83

ta'ajjala vb. (5) perf. act. 2:203

ista'jala vb. (10)
perf. act. 46:24
impf. act. 6:57, 6:58, 10:50, 10:51, 13:6, 16:1, 21:37, 22:47, 26:204, 27:46, 27:72, 29:53, 29:54, 37:16, 42:18, 46:35, 51:14, 51:59
n.vb. 10:11

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 248, 249, 250, 251

Ayn-Jiim-Miim = to chew, try by biting. a'jama - to speak Arabic imperfectly, abstruse (language). a'jamiyyun - foreign, non-Arab, one who has an impediment in speech. a'jamiyyan - foreign tongue. a'jamina - non-Arabs.

ajamiy n.m. 16:103, 41:44, 41:44, pl. acc. 26:198

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 251, 252, 253

Ayn-Jiim-Zay = to become behind, lack, become in the rear, lag behind (strength), become incapable, powerless, be weak. ujuzun - old women. a'jaza (vb. 4) to weaken, frustrate, find one to be weak. mu'ajiz - one who baffles. ajzun (pl. a'jazun) - portion of the trunk that is below its upper part.

ajaza vb. (1) perf. act. 5:31

ajaz n.m. pl. 54:20, 69:7

ajuz n.f. 11:72, 26:171, 37:135, 51:29

ajaza vb. (3) pcple. act. 22:51, 34:5, 34:38

ajaza vb. (4)
impf. act. 8:59, 35:44, 72:12, 72:12
pcple. act. 6:134, 9:2, 9:3, 10:53, 11:20, 11:33, 16:46, 24:57, 29:22, 39:51, 42:31, 46:32

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 244, 245, 246, 247

= **Ayn-Kaf-Fa** = to arrange, set a thing in order, he kept or clave to it constantly and perseveringly, continue intently, they went round something, advance/approach it, withheld/detain/confined, to seclude oneself, remain/stay/dwell.

akafa vb. (1)
impf. act. 7:138
pcple. act. 2:125, 2:187, 20:91, 20:97, 21:52, 22:25, 26:71
pcple. pass. 48:25

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 406, 407

= **Ayn-Lam-Miim** = to mark/sign/distinguish, creations/beings, world, science/learning/knowledge/information, aware/know. By means of which one knows a thing, hence it signifies world or creation, because by it the Creator is known. alim (pl. ulama) - one who is learned/wise or knows.

alima vb. (1)
perf. act. 2:60, 2:65, 2:102, 2:187, 2:235, 4:83, 5:116, 7:160, 8:23, 8:66, 11:79, 12:51, 12:73, 12:81, 12:89, 15:24, 17:102, 21:65, 24:33, 24:41, 28:38, 28:75, 33:50, 37:158, 45:9, 48:18, 48:27, 50:4, 56:62, 60:10, 73:20, 81:14, 82:5
impf. act. 2:13, 2:22, 2:26, 2:30, 2:30, 2:33, 2:33, 2:42, 2:75, 2:77, 2:77, 2:78, 2:80, 2:101, 2:102, 2:103, 2:106, 2:107, 2:113, 2:118, 2:143, 2:144, 2:146, 2:151, 2:169, 2:184, 2:188, 2:197, 2:216, 2:216, 2:220, 2:230, 2:232, 2:232, 2:235, 2:239, 2:255, 2:259, 2:270, 2:280, 3:7, 3:29, 3:29, 3:66, 3:71, 3:75, 3:78, 3:135, 3:140, 3:142, 3:142, 3:166, 3:167, 3:167, 4:43, 4:63, 4:113, 5:40, 5:94, 5:97, 5:97, 5:99, 5:104, 5:113, 5:116, 5:116, 6:3, 6:3, 6:33, 6:37, 6:50, 6:59, 6:59, 6:59, 6:60, 6:67, 6:81, 6:91, 6:97, 6:105, 6:114, 6:135, 7:28, 7:32, 7:33, 7:38, 7:62, 7:62, 7:75, 7:123, 7:131, 7:182, 7:187, 7:188, 8:27, 8:34, 8:60, 8:60, 8:70, 9:6, 9:11, 9:16, 9:41, 9:42, 9:43, 9:63, 9:78, 9:78, 9:93, 9:97, 9:101, 9:101, 9:104, 10:5, 10:5, 10:18, 10:55, 10:68, 10:89, 11:5, 11:6, 11:31, 11:39, 11:49, 11:79, 11:93, 12:21, 12:40, 12:46, 12:52, 12:68, 12:80, 12:86, 12:86, 12:96, 12:96, 13:8, 13:19, 13:33, 13:42, 13:42,

14:9, 14:38, 14:52, 15:3, 15:96, 15:97, 16:8, 16:19, 16:23, 16:38, 16:39, 16:41, 16:43, 16:55, 16:56, 16:70, 16:74, 16:74, 16:75, 16:78, 16:91, 16:95, 16:101, 16:103, 17:12, 18:12, 18:21, 18:22, 19:65, 19:75, 20:7, 20:71, 20:110, 20:135, 21:4, 21:7, 21:24, 21:28, 21:39, 21:110, 21:110, 22:5, 22:54, 22:70, 22:70, 22:76, 23:84, 23:88, 23:114, 24:19, 24:19, 24:25, 24:29, 24:63, 24:64, 25:6, 25:42, 26:49, 26:132, 26:197, 26:227, 27:25, 27:52, 27:61, 27:65, 27:74, 28:13, 28:13, 28:57, 28:69, 28:78, 29:3, 29:3, 29:11, 29:11, 29:16, 29:41, 29:42, 29:45, 29:52, 29:64, 29:66, 30:6, 30:7, 30:30, 30:34, 30:56, 30:59, 31:25, 31:34, 32:17, 33:5, 33:18, 33:51, 34:2, 34:14, 34:21, 34:28, 34:36, 36:16, 36:26, 36:36, 36:76, 37:170, 38:88, 39:9, 39:9, 39:26, 39:29, 39:39, 39:49, 39:52, 40:19, 40:57, 40:70, 41:3, 41:22, 42:18, 42:25, 42:35, 43:86, 43:89, 44:39, 45:18, 45:26, 47:19, 47:26, 47:30, 47:31, 48:25, 48:27, 49:16, 49:18, 50:16, 52:47, 54:26, 56:61, 56:76, 57:4, 57:25, 57:29, 58:7, 58:14, 61:5, 61:11, 62:9, 63:1, 63:8, 64:4, 64:4, 65:12, 67:14, 67:17, 67:29, 68:33, 68:44, 69:49, 70:39, 71:4, 72:24, 72:28, 73:20, 74:31, 78:4, 78:5, 82:12, 87:7, 96:5, 96:14, 100:9, 102:3, 102:4, 102:5
impv. 2:194, 2:196, 2:203, 2:209, 2:223, 2:231, 2:233, 2:235, 2:235, 2:244, 2:260, 2:267, 5:34, 5:49, 5:92, 5:98, 8:24, 8:25, 8:28, 8:40, 8:41, 9:2, 9:3, 9:36, 9:123, 11:14, 28:50, 47:19, 49:7, 57:17, 57:20
impf. pass. 24:31
n.vb. 2:32, 2:120, 2:145, 2:247, 2:255, 3:7, 3:18, 3:19, 3:61, 3:66, 3:66, 4:157, 4:162, 4:166, 5:109, 6:80, 6:100, 6:108, 6:119, 6:140, 6:143, 6:144, 6:148, 7:7, 7:52, 7:89, 7:187, 10:39, 10:93, 11:14, 11:46, 11:47, 12:22, 12:68, 12:76, 13:37, 13:43, 16:25, 16:27, 16:70, 17:36, 17:85, 17:107, 18:5, 18:65, 19:43, 20:52, 20:98, 20:110, 20:114, 21:74, 21:79, 22:3, 22:5, 22:8, 22:54, 22:71, 24:15, 26:112, 27:15, 27:40, 27:42, 27:66, 27:84, 28:14, 28:78, 28:80, 29:8, 29:49, 30:29, 30:56, 31:6, 31:15, 31:20, 31:34, 33:63, 34:6, 35:11, 38:69, 39:47, 40:7, 40:42, 40:83, 41:47, 42:14, 43:20, 43:61, 43:85, 44:32, 45:17, 45:23, 45:24, 46:4, 46:23, 47:16, 48:25, 53:28, 53:30, 53:35, 58:11, 65:12, 67:26, 102:5
pcple. act. 6:73, 9:94, 9:105, 12:44, 13:9, 21:51, 21:81, 23:92, 29:43, 30:22, 32:6, 34:3, 35:38, 39:46, 59:22, 62:8, 64:18, 72:26
pcple. pass. 2:197, 15:4, 15:21, 15:38, 22:28, 26:38, 26:155, 37:41, 37:164, 38:81, 56:50, 70:24, 77:22

alamin n.m. (pl. of alam) 1:2, 2:47, 2:122, 2:131, 2:251, 3:33, 3:42, 3:96, 3:97, 3:108, 5:20, 5:28, 5:115, 6:45, 6:71, 6:86, 6:90, 6:162, 7:54, 7:61, 7:67, 7:80, 7:104, 7:121, 7:140, 10:10, 10:37, 12:104, 15:70, 21:71, 21:91, 21:107, 25:1, 26:16, 26:23, 26:47, 26:77, 26:98, 26:109, 26:127, 26:145, 26:164, 26:165, 26:180, 26:192, 27:8, 27:44, 28:30, 29:6, 29:10, 29:15, 29:28, 32:2, 37:79, 37:87, 37:182, 38:87, 39:75, 40:64, 40:65, 40:66, 41:9, 43:46, 44:32, 45:16, 45:36, 56:80, 59:16, 68:52, 69:43, 81:27, 81:29, 83:6

alam n.m. (pl. a'lam) 16:16, 42:32, 55:24

a'lam n.m. comp. 2:140, 3:36, 3:167, 4:25, 4:45, 5:61, 6:53, 6:58, 6:117, 6:117, 6:119, 6:124, 10:40, 11:31, 12:77, 16:101, 16:125, 16:125, 17:25, 17:47, 17:54, 17:55, 17:84, 18:19, 18:21, 18:21, 18:22, 18:26, 19:70, 20:104, 22:68, 23:96,

26:188, 28:37, 28:56, 28:85, 29:10, 29:32, 39:70, 46:8, 50:45, 53:30, 53:30, 53:32, 60:1, 60:10, 68:7, 68:7, 84:23

alim n.m. (pl. ulama) 2:29, 2:232, 2:95, 2:115, 2:127, 2:137, 2:158, 2:181, 2:215, 2:224, 2:227, 2:231, 2:244, 2:246, 2:247, 2:256, 2:261, 2:268, 2:273, 2:282, 2:283, 3:34, 3:35, 3:63, 3:73, 3:92, 3:115, 3:119, 3:121, 3:154, 4:11, 4:12, 4:17, 4:24, 4:26, 4:32, 4:35, 4:39, 4:70, 4:92, 4:104, 4:111, 4:127, 4:147, 4:148, 4:170, 4:176, 5:7, 5:54, 5:76, 5:97, 6:13, 6:83, 6:96, 6:101, 6:115, 6:128, 6:139, 7:109, 7:112, 7:200, 8:17, 8:42, 8:43, 8:53, 8:61, 8:71, 8:75, 9:15, 9:28, 9:44, 9:47, 9:60, 9:97, 9:98, 9:103, 9:106, 9:110, 9:115, 10:36, 10:65, 10:79, 11:5, 12:6, 12:19, 12:34, 12:50, 12:55, 12:76, 12:83, 12:100, 15:25, 15:53, 15:86, 16:28, 16:70, 21:4, 22:52, 22:59, 23:51, 24:18, 24:21, 24:28, 24:32, 24:35, 24:41, 24:58, 24:59, 24:60, 24:64, 26:34, 26:37, 26:197, 26:220, 27:6, 27:78, 29:5, 29:60, 29:62, 30:54, 31:23, 31:34, 33:1, 33:40, 33:51, 33:54, 34:26, 35:8, 35:28, 35:38, 35:44, 36:38, 36:79, 36:81, 39:7, 40:2, 41:12, 41:36, 42:12, 42:24, 42:50, 43:9, 43:84, 44:6, 48:4, 48:26, 49:1, 49:8, 49:13, 49:16, 51:28, 51:30, 57:3, 57:6, 58:7, 60:10, 62:7, 64:4, 64:11, 66:2, 66:3, 67:13, 76:30

allam n.m. 5:109, 5:116, 9:78, 34:48

allama vb. (2)
perf. act. 2:31, 2:32, 2:239, 2:251, 2:282, 4:113, 5:4, 5:4, 5:110, 12:37, 12:68, 12:101, 18:65, 20:71, 21:80, 26:49, 36:69, 53:5, 55:2, 55:4, 96:4, 96:5
impf. act. 2:102, 2:102, 2:129, 2:151, 2:151, 2:282, 3:48, 3:79, 3:164, 5:4, 12:6, 12:21, 16:103, 18:66, 49:16, 62:2
perf. pass. 6:91, 18:66, 27:16
pcple. pass. 44:14

ta'allama vb. (5) impf. act. 2:102, 2:102

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 423, 424, 425, 426, 427

Ayn-Lam-Nun = to be open/manifest/public, become known, reveal.

alaniyah n.f. adv. 2:274, 13:22, 14:31, 35:29

alana vb. (4)
perf. act. 60:1, 71:9
impf. act. 2:77, 11:5, 14:38, 16:19, 16:23, 27:25, 27:74, 28:69, 36:76, 64:4

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 427

Ayn-Lam-Qaf = to adhere to, hang, love, leech, have an attachment, cling, hold fast, pertain, catch, concern, become attached by love, suspend, fasten a thing, cleave, clot of blood, germ-cell, fertilised female ovum. alqun/ilqun - precious thing. alaqatun - true love, attachment. ilaqatun - love, affection.

alaqah n.f. (pl. alaq) 22:5, 23:14, 23:14, 40:67, 75:38, 96:2

allaqa vb. (2) pcple. pass. f. 4:129

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 417, 418, 419, 420, 421, 422, 423

Ayn-Lam-Waw = to be high, elevated, lofty, exalted, ascend, overcome, be proud/upon/over, go up, rise in rank or dignity, raise, take up, mount, overtop.

ala vb. (1)
perf. act. 17:7, 23:91, 28:4
impf. act. 17:4, 27:31, 44:19
n.vb. 17:4, 17:43, 27:14, 28:83
pcple. act. 10:83, 11:82, 15:74, 23:46, 38:75, 44:31, 69:22, 76:21, 88:10

aliy n.m. (f. ula, comp. a'la) 2:255, 3:139, 4:34, 9:40, 16:60, 19:50, 19:57, 20:4, 20:68, 20:75, 22:62, 30:27, 31:30, 34:23, 37:8, 38:69, 40:12, 42:4, 42:51, 43:4, 47:35, 53:7, 79:24, 87:1, 92:20

illiyun n. 83:18, 83:19

ta'ala vb. (6)
perf. act. 6:100, 7:190, 10:18, 16:1, 16:3, 17:43, 20:114, 23:92, 23:116, 27:63, 28:68, 30:40, 39:67, 72:3
impv. 3:61, 3:64, 3:167, 4:61, 5:104, 6:151, 33:28, 63:5
pcple. act. 13:9

ista'ala vb. (10) perf. act. 20:64

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 427, 428, 429, 430, 431, 432, 433

Ayn-Lam-Ya / Ala = Preposition: on, upon, at, under, against, provided, so that, in respect, before, against, according to, for the sake of, to, above, inspite of, near. (e.g.

ala hudan - they are on guidance)

Ayn-Miim-Dal = to intend, support, place columns or pillars, place lofty structure, prop up, resolve, aim, direct, propose, commit (a sin intentionally), lofty structure, tent, pole, base, chief.

imad n. com. (pl. amad) 13:2, 31:10, 89:7, 104:9

ta'ammada vb. (5)
perf. act. 33:5
pcple. act. 4:93, 5:95

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 436, 437, 438

Ayn-Miim-ha = to be confounded/perplexed/confused, wander blindly, stumble to and fro, unable to find the right course, mental blindness.

amaha vb. (1) impf. act. 2:15, 6:110, 7:186, 10:11, 15:72, 23:75, 27:4

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 445

Ayn-Miim-Lam = to do/make/act/work/operate/perform/construct/manufacture, practice a handcraft, be active, one who does.

amila vb. (1)
perf. act. 2:25, 2:62, 2:82, 2:277, 3:30, 3:30, 3:57, 4:57, 4:122, 4:173, 5:9, 5:69, 5:93, 5:93, 6:54, 6:132, 7:42, 7:153, 10:4, 10:9, 11:11, 11:23, 13:29, 14:23, 16:34, 16:97, 16:111, 16:119, 18:30, 18:49, 18:88, 18:107, 19:60, 19:96, 20:75, 20:82, 22:14, 22:23, 22:50, 22:56, 24:38, 24:55, 24:64, 25:23, 25:70, 25:71, 26:227, 28:67, 28:80, 28:84, 29:7, 29:9, 29:58, 30:15, 30:41, 30:44, 30:45, 31:8, 31:23, 32:19, 34:4, 34:37, 34:37, 35:7, 36:35, 36:71, 38:24, 38:28, 39:35, 39:70, 40:40, 40:40, 40:58, 41:8, 41:33, 41:46, 41:50, 42:22, 42:23, 42:26, 45:15, 45:21, 45:30, 45:33, 46:16, 46:19, 47:2, 47:12, 48:29, 53:31, 58:6, 58:7, 64:7, 65:11, 84:25, 85:11, 95:6, 98:7, 103:3
impf. act. 2:74, 2:85, 2:96, 2:110, 2:134, 2:140, 2:141, 2:149, 2:233, 2:234, 2:237, 2:265, 2:271, 2:283, 3:98, 3:99, 3:120, 3:153, 3:156, 3:163, 3:180, 4:17, 4:18, 4:94, 4:108, 4:110, 4:123, 4:124, 4:128, 4:135, 5:8, 5:62, 5:66, 5:71, 5:105, 6:43, 6:60, 6:88, 6:108, 6:122, 6:127, 6:132, 7:43, 7:53, 7:53, 7:118, 7:129, 7:139, 7:147, 7:180,

8:39, 8:47, 8:72, 9:9, 9:16, 9:94, 9:105, 9:121, 10:12, 10:14, 10:23, 10:41, 10:41, 10:61, 11:16, 1:78, 11:92, 11:111, 11:112, 11:123, 12:19, 12:69, 14:42, 15:93, 16:28, 16:28, 16:32, 16:93, 16:96, 16:97, 17:9, 17:84, 18:2, 18:79, 18:110, 20:112, 21:27, 21:74, 21:82, 21:94, 22:68, 23:51, 23:100, 24:24, 24:28, 24:53, 26:112, 26:169, 26:188, 26:216, 27:19, 27:84, 27:90, 27:93, 28:84, 29:4, 29:7, 29:8, 29:55, 31:15, 31:29, 32:12, 32:14, 32:17, 32:19, 33:2, 33:9, 33:31, 34:11, 34:12, 34:13, 34:25, 34:44, 35:37, 35:37, 36:54, 37:39, 37:61, 37:96, 39:7, 39:35, 41:20, 41:22, 41:27, 41:40, 43:72, 45:28, 45:29, 46:14, 46:15, 48:11, 48:24, 49:18, 52:16, 52:19, 56:24, 57:4, 57:10, 58:3, 58:11, 58:13, 58:15, 59:18, 60:3, 62:8, 63:2, 63:11, 64:2, 64:8, 64:9, 65:11, 66:7, 77:43, 99:7, 99:8
impv. 6:135, 9:105, 11:93, 11:121, 23:51, 34:11, 34:11, 34:13, 39:39, 41:5, 41:40
n.vb. 2:139, 2:139, 2:167, 2:217, 3:22, 3:195, 5:5, 5:53, 5:90, 6:108, 7:147, 8:48, 9:17, 9:37, 9:69, 9:94, 9:102, 9:105, 9:120, 10:41, 10:41, 10:61, 10:81, 11:7, 11:15, 11:46, 11:111, 14:18, 16:63, 18:7, 18:30, 18:103, 18:105, 18:110, 21:82, 23:63, 24:39, 25:23, 25:70, 26:168, 27:4, 27:24, 28:15, 28:55, 28:55, 29:38, 33:19, 33:71, 35:8, 35:10, 39:65, 40:37, 42:15, 42:15, 46:19, 47:1, 47:4, 47:8, 47:9, 47:14, 47:28, 47:30, 47:32, 47:33, 47:35, 49:2, 49:14, 52:21, 66:11, 67:2, 99:6
pcple. act. 3:136, 3:195, 6:135, 9:60, 11:93, 11:121, 23:63, 29:58, 37:61, 39:39, 39:74, 41:5, 88:3

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 443, 444, 445

Ayn-Miim-Miim = uncle on the fathers side, paternal uncle/aunt, become common/general/universal/comprehensive, include the whole/bulk/mass within the compass of its relation/effects/influence, become long/tall, a company/tribe of men/numerous company.

amm n.m. (pl. a'mam) 24:61, 33:50

ammah n.f. (pl. ammat) 4:23, 24:61, 33:50

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 433, 434, 435

Ayn-Miim-Qaf = to be deep/long, far extending place, far off, distant.

amiq n.m. act. 22:27

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 442, 443

= **Ayn-Miim-Ra** = to inhabit, dwell, mend, repair/revive, tend, build, promote, cultivate, make habitable, to make better, to develop, populate, to serve/uphold/observe/regard, to visit, to colonize, aimed at it, frequently visit, a visit in which is the cultivation of love/ affection, repairing to an inhabited place.
perform a sacred visitation, minor pilgrimmage, pilgrimmage with fewer rites.
to remain alive (save life), to live, life, age, long-life, old-age.

amara vb. (I) - perf. act. 30:9 x2, impf. act. 9:17, 9:18, pcple. pass. 52:4,
amr n.m. 15:72,
imarah n.f. 9:19,
imran n. prop. 3:33, 3:35, 66:12,
umrah n.f. 2:196 x2,
umur n.m. 10:16, 16:70, 21:44, 22:5, 26:18, 28:45, 35:11,

ammara vb. (II) - impf. act. 35:37, 36:68, impf. pass. 2:96, 35:11, pcple. pass. 35:11,

itamara vb. (VIII) - 2:158,

istamara vb. (X) - perf. act. 11:61

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 438, 439, 440, 441, 442

Ayn-Miim-Ya = to swerve from duty, stray from the right course, be or become blind, ignorant, obscure and dubious, deprive of the sight, rend abstruse, blind, dark, conceal.
amaha - mental blindness, amaya - mental and physical blindness.

amiya vb. (1)
perf. act. 5:71, 5:71, 6:104, 28:66
impf. act. 22:46, 22:46

ama n.m. 41:17, 41:44

a'ma n.m. (pl. umi) 2:18, 2:171, 6:50, 10:43, 11:24, 13:16, 13:19, 17:72, 17:72, 17:97, 20:124, 20:125, 24:61, 25:73, 27:81, 30:53, 35:19, 40:58, 43:40, 48:17, 80:2

ami n.m. (pl. amun) 7:64, 27:66

amma vb. (2) perf. pass. 11:28

a'ma vb. (4) perf. act. 47:23

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 445, 446, 447

Ayn-Nun-Ba = to produce grapes, grape.

inab n.m. (pl. a'nab) 2:266, 6:99, 13:4, 16:11, 16:67, 17:91, 18:32, 23:19, 36:34, 78:32, 80:28

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 452, 453

Ayn-Nun-Dal = to go out of the right way, decline, deviate, be rebellious, tyrant, opposing, obstinate to resist, transgress the bounds.

anid sing. n.m. 11:59, 14:15, 50:24, 74:16

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 455, 456, 457

Ayn-Nun-Dal / Inda = Preposition: here, with, by, at the point of, about, from, in the presence of. The word denotes the idea of nearness, whether it be actual in the sense of possession or ideational, it also denotes a sense of rank or dignity or opinion, time and place.

Ayn-Nun-Kaf-Ba = ill conformed

ankabut n. common gender. 29:41, 29:41

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 462, 463

Ayn-Nun-Qaf = to be long-necked, become thin in the neck. ta'anaqa - to embrace. unuqun (pl. a'naq) neck, company (of men), trunk (of a tree), stalk (of a leaf or fruit), heads or chiefs of men, great ones. In 17:29 it is used as a metaphorical phrase to mean: do not keep your hand stackled to your neck out of miserliness, do not be niggardly. In verse 17:13 unuqun is metaphorically used and refers to the principle that

every action produces an effect which is "made to cling to a person" and that his deeds will be recorded in a Book and that their effect will be seen on the day of resurrection. "Clinging to the neck" indicates the inseparability of one thing from another, thus establishing the law of cause and effect.

unuq n. com. (pl. a'naq) 8:12, 13:5, 17:13, 17:29, 26:4, 34:33, 36:8, 38:33, 40:71

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 460, 461, 462

Ayn-Nun-Ta = to meet with difficulty, fall into distress, be overburdened, commit a crime, be spoiled, constrain anyone to do a thing, cause anyone to perish, beat harshly. a'nata - to bring anyone into difficulty, beat roughly, cause annoyance, confuse. anatun - sin/crime/mistake/difficulty.

anita vb. (1)
perf. act. 3:118, 9:128, 49:7
n.vb. 4:25

a'nata vb. (4) perf. act. 2:220

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 453, 454

Ayn-Nun-Waw = to submit humbly, be downcast, distress, become submissive, obedient, take a thing peaceably.

ana vb. (1) 3rd. m. pl. perf. act. 20:111

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 463, 464, 465

Ayn-Qaf-Ba = to succeed, take the place of, come after, strike on the heel, come at the heel, follow anyone closely. aqqaba - to endeavour repeatedly, return, punish, requitt, retrace one's step. aqab - to die, leave offsprings, give in exchange. aqabatun - place hard to ascent. uqbun - success. ta'aqqaba - to take careful information, shout, follow step by step. aqub - heel, son, grandson, offspring, pivot, axis. uqba - requital, result, reward, end, success. iqab (pl. aqubat) - punishment after sin, one who puts off or reverses, who looks at the consequence or result of the affair. mu'aqqibat - who succeed each other, some thing that comes immediately after another thing or succeeds another

thing without interruption. It is a double plural feminine of mu'aqqib. The plural feminine form indicates the frequency of the deeds, since in Arabic the feminine form is sometimes employed to impart emphasis and frequency.

aqabah n.f. 90:11, 90:12

aqib n. com. (pl. a'qab) 2:143, 3:144, 3:144, 3:149, 6:71, 8:48, 23:66, 43:28

aqibah n.f. 3:137, 6:11, 6:135, 7:84, 7:86, 7:103, 7:128, 10:39, 10:73, 11:49, 12:109, 16:36, 20:132, 22:41, 27:14, 27:51, 27:69, 28:37, 28:40, 28:83, 30:9, 30:10, 30:42, 31:22, 35:44, 37:73, 40:21, 40:82, 43:25, 47:10, 59:17, 65:9

iqab n.m. 2:196, 2:211, 3:11, 5:2, 5:98, 6:165, 7:167, 8:13, 8:25, 8:48, 8:52, 13:6, 13:32, 38:14, 40:3, 40:5, 40:22, 41:43, 59:4, 59:7

uqb n.m. 18:44

uqba n.f. 13:22, 13:24, 13:35, 13:35, 13:42, 91:15

aqqaba vb. (2)
impf. act. 27:10, 28:31
pcple. act. 13:11, 13:41

aqaba vb. (3)
perf. act. 16:126, 22:60, 60:11
impv. 16:126
perf. pass. 16:126, 22:60

a'qaba vb. (4) perf. act. 9:77

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 382, 383, 384, 385, 386, 387, 388, 389

Ayn-Qaf-Dal = to tie in a knot, make a knot, strike a bargain, contract, make a compact, enter into an obligation, bind, judgement, consideration of one's affairs, management, promise of obedience or vow of allegiance.

aqada vb. (1) perf. act. 4:33, 5:89

aqd n.m. (pl. uqud) 5:1

uqdah n.f. (pl. uqad) 2:235, 2:237, 20:27, 113:4

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 389, 390, 391, 392

Ayn-Qaf-Lam = to bind, keep back, be intelligent, become wise, understand, pay the blood price for anyone, ascend on the summit of a mountain, use understanding, abstain.

aqala vb. (1)
perf. act. 2:75
impf. act. 2:44, 2:73, 2:76, 2:164, 2:170, 2:171, 2:242, 3:65, 3:118, 5:58, 5:103, 6:32, 6:151, 7:169, 8:22, 10:16, 10:42, 10:100, 11:51, 12:2, 12:109, 13:4, 16:12, 16:67, 21:10, 21:67, 22:46, 23:80, 24:61, 25:44, 26:28, 28:60, 29:35, 29:43, 29:63, 30:24, 30:28, 36:62, 36:68, 37:138, 39:43, 40:67, 43:3, 45:5, 49:4, 57:17, 59:14, 67:10

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 398, 399, 400, 401

Ayn-Qaf-Miim = to be barren (womb), become dry, be unproductive, be gloomy, distressing, grievous (day), be childless, destructive.

aqim n.m. 22:55, 42:50, 51:29, 51:41

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 401, 402

Ayn-Qaf-Ra = to cut/wound/slay, hamstrung, produce no result, be barren (e.g. womb).

aqara vb. (1) perf. act. 7:77, 11:65, 26:157, 54:29, 91:14

aqir n.f. 3:40, 19:5, 19:8

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 392, 393, 394, 395

= **Ayn-Ra-Ba** = Arab, Arabic, become Arabic/Arabian, corrupted/disordered/bad, swollen/abundant (said of a camel's hump or water), recrudescent, brisk/lively/sprightly, reply against/to, lopping/pruning a palm-tree, drinking much/clear water.
Clear/plain/distinct speech free from error/incorrectness.

Dwelt/abode in the desert, amorous/loving/passionate, a river that flows with strong/ vehement current, obscene/foul speech.
Friday (an ancient name of that day in the Time of Ignorance, or an Arabicized Nabathaen word according to some), the magnified/manifest, seventh heaven.

a'rab n.m. pl. (no sing.) 9:90, 9:97, 9:98, 9:99, 9:101, 9:120, 33:20, 48:11, 48:16, 49:14

arabiy n.m. 12:2, 13:37, 16:103, 20:113, 26:195, 39:28, 41:3, 41:44, 42:7, 43:3, 46:12

urub n.f. (pl. of arub) 56:37

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 276, 277, 278, 279, 280

Ayn-Ra-Dad = to take place, happen, offer, present, show, propound, set before, give a hint, come against, propose, expose, review (troops), view, prepare. aruDa - to be broad, widened. arDun - goods, width. irDun - honour. urDatun -

arada vb. (1)
perf. act. 2:31, 18:100, 33:72
perf. pass. 18:48, 38:31
impf. pass. 11:18, 40:46, 42:45, 46:20, 46:34, 69:18
n.vb. 3:133, 18:100, 57:21, 57:21

arad n.m. 4:94, 7:169, 7:169, 8:67, 9:42, 24:33

arid n.m. 41:51

arid n.m. 46:24, 46:24

urdah n.f. 2:224

arrada vb. (2) perf. act. 2:235

a'rada vb. (4)
perf. act. 17:67, 17:83, 18:57, 20:100, 20:124, 28:55, 32:22, 34:16, 41:4, 41:13, 41:51, 42:48, 66:3
impf. act. 4:135, 5:42, 9:95, 17:28, 54:2, 72:17
impv. 4:16, 4:63, 4:81, 5:42, 6:68, 6:106, 7:199, 9:95, 11:76, 12:29, 15:94, 32:30, 53:29
n.vb. 4:128, 6:35
pcple. act. 2:83, 3:23, 6:4, 8:23, 9:76, 12:105, 15:81, 21:1, 21:24, 21:32, 21:42, 23:3,

23:71, 24:48, 26:5, 36:46, 38:68, 46:3, 74:49

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 287, 288, 289, 290, 291, 292, 293, 294, 295, 296, 297, 298

= **Ayn-Ra-Fa** = he knew it, had cognition of it, to discern, became acquainted with it, perceiving a thing by reflection and by consideration of the effect, he requited, to acknowledge a part, manager/orderer/overseer, become submissive/tractable/pleasant, the making to know, fragrant, to inform oneself, learn/discover, seek/desire knowledge, benefaction/goodness, mane (of a horse) waves (of the sea), elevated place/portion, higher/highest, first/foremost, a question or questioning respecting a subject of information in order to know it, commonly received/known, to confess/acknowledge/ indicate, high mountain, Mount Arafat.
The difference between arafa & alima is that the former refers to distinct and specific knowledge, while the latter is more general. Opposite to arafa is ankara (to deny) and opposite ot alima is jahila (to be ignorant).
al araf - the elevated place, high dignity, distinguished position, place of discernment or acknowledgement, highest or most elevated faculties of discernment or ma'rifah (knowledge of right and wrong).
ma'ruf - honourable, known, recognised, good, befitting, fairness, kindness, custom of society, usage.

'arafaat (pl. of 'arafat, masculine 'araf, being a version of 'aarif, the active form of 'arafa and/or &arfun, the informational noun of 'arafa) means 'familiarizations, approbations, recognitions.'

arafa vb. (1)
perf. act. 2:89, 5:83, 12:58, 47:30
impf. act. 2:146, 2:146, 2:273, 6:20, 6:20, 7:46, 7:48, 12:62, 16:83, 22:72, 23:69, 27:93, 47:30, 83:24
impf. pass. 33:59, 55:41
pcple. pass. 2:178, 2:180, 2:228, 2:229, 2:231, 2:231, 2:232, 2:233, 2:233, 2:234, 2:235, 2:236, 2:240, 2:241, 2:263, 3:104, 3:110, 3:114, 4:5, 4:6, 4:8, 4:19, 4:25, 4:114, 7:157, 9:67, 9:71, 9:112, 22:41, 24:53, 31:15, 31:17, 33:6, 33:32, 47:21, 60:12, 65:2, 65:2, 65:6

a'raf n.m. (pl. of urf) 7:46, 7:48

arafat n. 2:198

urf n.m. (pl. a'raf) 7:199, 77:1

arrafa vb. (2) perf. act. 47:6, 66:3

ta'arafa vb. (6) impf. act. 10:45, 49:13

i'tarafa vb. (8) perf. act. 9:102, 40:11, 67:11

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 298, 299, 300, 301, 302

Ayn-Ra-Jiim = to ascend/mount. To limp, be lame.

araja vb. (1) impf. act. 15:14, 32:5, 34:2, 57:4, 70:4

a'raj n.m. comp. 24:61, 48;17

ma'arij n.m. (pl. of ma'raj) 43:33, 70:3

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 280, 281, 282

Ayn-Ra-Jiim-Nun = to strike with a stick, imprint and stamp with a fig or date-stalk. urjun - dry date-stalk, branch or bough of a tree.

urjun n.m. 36:39

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 282

Ayn-Ra-Miim = to strip meat off from a bone, gnaw (a bone), treat harshly, be ill-natured. arima - hard, wicked. arimatun - dam, vehement or violent rain, mound (for banking in a body of water).

arim n. 34:16

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 309, 310, 311

Ayn-Ra-Ra = to manure, bring evil upon, afflict, disgrace, be scabby. ta'arra - to be

restless (in bed). i'tarra - to address anyone humbly. m'arratun - crime, sin, annoyance. mu'tar - poor, seeking favour, one addressing humbly. One who does not beg, though poor, who is forced to beg, who is in need.

ma'arrah n.f. 48:25

i'tarra vb. (8) pcple. pass. 22:36

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 274, 275, 276

Ayn-Ra-Shiin = to construct/build, make trellis (for grape-wine), make a vine-stalk, roof, raise (a house or structure), settle. arsh - throne, arbour, pavillion, roof, power, dominion, sovereignty.

arasha vb. (1)
impf. act. 7:137, 16:68
pcple. pass. 6:141, 6:141

arsh n.m. (pl. urush) 2:259, 7:54, 9:129, 10:3, 11:7, 12:100, 13:2, 17:42, 18:42, 20:5, 21:22, 22:45, 23:86, 23:116, 25:59, 27:23, 27:26, 27:38, 27:41, 27:41, 27:42, 32:4, 39:75, 40:7, 40:15, 43:82, 57:4, 69:17, 81:20, 85:15

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 284, 285, 286

Ayn-Ra-Waw = to come to a person, befall, overwhelm, smite, afflict. i'tara - to come down upon. urwatun - support, handle, everlasting, valuable property.

urwah n.f. 2:256, 31:22

i'tara vb. (8) perf. act. 11:54

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 312, 313, 314

Ayn-Ra-Ya = to become naked, denude of (garments). ara - bare desert or place, open field, waste land, shore.

ariya vb. (1) impf. act. 20:118

ara n.m. 37:145, 68:49

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 314, 315

Ayn-Siin-Lam = to season with honey (food), to supply honey, honey.

asal n. com. 47:15

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 330, 331, 332

Ayn-Siin-Qaf =

42:2

Ayn-Siin-Ra = to be difficult/hard, be hard to one another, hardship.

asara vb. (1) n.vb. 2:185, 18:73, 65:7, 94:5, 94:6

asir n.m. 25:26, 54:8, 74:9

usra n.f. 92:10

usrah n.f. 2:280, 9:117

ta'asara vb. (4) perf. act. 65:6

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 327, 328, 329

Ayn-Siin-Siin = to begin to depart, dissipate the darkness of night. as'asa - to advance, approach, depart, fall in. isas - darkness.

as'asa vb. (quad 1) perf. act. 81:17

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 324, 325

Ayn-Shiin-Ra = to take away a tenth part, make ten by adding one to nine, be the tenth. ashrun/asharun (f.), asharatun/ashratun (m.): ten, decade, period from three to ten. After twenty there is no difference between feminine and masculine. ashara - to consort, live with, cultivate one's society, become familiar. ashirun - companion, ashiratun - kindred, ma'sharun - company, race, multitude, who live in close communion with (pl. ashair).

ashir n.m. 22:13

ashirah n.f. 9:24, 26:214, 58:22

ashr n.m. (num. f. asharah) 2:196, 2:234, 5:89, 6:160, 7:142, 11:13, 20:103, 28:27, 89:2

ishar n.f. (pl. of ushra) 81:4

ishrun n.m. num. 8:65

ma'shar n.m. 6:128, 6:130, 55:33

mi'shar n.m. num. 34:45

ashara vb. (3) impv. 4:19

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 335, 336, 337, 338

• • • = **Ayn-Shiin-Waw** = to go by night, be weak sighted, be night blind, withdraw, forsake. isha - commencement of darkness, early night, dusk, evening. ashiyyatan - nightpath, evening. ya'shu - to take or collect the produce of the earth, aid, succour, save, preserve, give something to someone, do some benefit to someone.

asha vb. (1) impf. act. 43:36

ashiy n.m. (f. ashiyah) 3:41, 6:52, 18:28, 19:11, 19:62, 30:18, 38:18, 38:31, 40:46, 40:55, 79:46

isha n.m. 12:16, 24:58

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 339, 340, 341

Ayn-Sad-Ba = to wind/twist/bind/lighten/surround, take a thing by force, become difficult, become dry in the mouth (saliva). usbatun - band/troop/gang/party. asib - very difficult, vehemently distressful, hard, woeful.

asib n.m. 11:77

usbat n.f. 12:8, 12:14, 24:11, 28:76

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 342, 343, 344, 345

Ayn-Sad-Fa = to blow violently (wind), blow in a gale, be quick, rag swiftly. asfun - leaves and stalks, straw, green, crop, bladder, stubbles, husk. asafa - to cut corn when green, AAasafa - to perish. asifatun - storm, whirlwind, hurricane. asifun - violent wind, stormy, vehement.

asafa vb. (1)
n.vb. 77:2
pcple. act. 10:22, 14:18, 21:81, 77:2

asf n.m. 55:12, 105:5

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 348, 349

Ayn-Sad-Miim = to protect/defend/preserve/abstain/save, keep any one safe from evil, prevent/hinder, hold fast, formally seek refuge. ismatun - defence, guardianship, prevention, preservation, protection, immunity from sin, virtue, chastity.

asama vb. (1)
impf. act. 5:67, 11:43, 33:17
pcple. act. 10:27, 11:43, 40:33

isam n.f. (pl. of ismah) 60:10

i'tasama vb. (8)
perf. act. 4:146, 4:175
impf. act. 3:101
impv. 3:103, 22:78

ista'sama vb. (10) perf. act. 12:32

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 351, 352, 353

Ayn-Sad-Ra = to press/squeeze/wring, withdraw a thing from. i'sar - whirlwind, violent wind heavy rain, hurricane. mu'sirat - clouds emitting rain, rain clouds. asr - age, time, afternoon, history, succession of ages, evening, century, epoch, time that is measurable, consisting of a succession of periods, in distinction from dahr (Dal-ha-Ra) which signifies unlimited time without beginning or end. asran - night and the day, morning and evening.

asara vb. (1)
impf. act. 12:36, 12:49

asr n.m. 103:1

a'sara vb. (4)
n.vb. 2:266
pcple. act. 78:14

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 346, 347, 348

Ayn-Sad-Waw = to strike with a stick. asiya/ya'sa - to take a stick, come together, collection, accumulation, amazing, gathering, assemblage, congregation. asa - staff, stick, rod, supports, nation, mastery, people, party, tongue, skin, bone. idrib bi asaka al hajer - strike with your staff on the rock, go forth with your people.

asa n.f. (pl. isiy) 2:60, 7:107, 7:117, 7:160, 20:18, 20:66, 26:32, 26:44, 26:45, 26:63, 27:10, 28:31

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 353, 354

Ayn-Sad-Ya = to rebel, disobey, oppose, resist, transgress.

asa vb. (1)
perf. act. 2:61, 2:93, 3:112, 3:152, 4:42, 4:46, 5:78, 6:15, 10:15, 10:91, 11:59, 11:63, 14:36, 20:93, 20:121, 26:216, 39:13, 69:10, 71:21, 73:16, 79:21
impf. act. 4:14, 18:69, 33:36, 60:12, 66:6, 72:23
n.vb.(1) 49:7
n.vb. (2) 58:8, 58:9

asiy n.m. adj. 19:14, 19:44

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 354

Ayn-Ta-Ba = to be angry, blame. ist'ataba (vb. 10) - to seek to remove, blame, seek favour/pleasure, please, be allowed to make amends for his sins, accept any excuse in defence, take favour, be allowed to approach the threshold, be given leave to seek pleasure of, regard with favours, grant goodwill. a'taba - to satisfy. ta'attab - to accuse anyone of a blameworthy action. atabatun - threshold, hold of a door, step of a ladder, ascent of hill. utba - favour granted. itab - blame, reproof, complaint, charge.

a'taba vb. (4) pcple. act. 41:24

ista'taba vb. (10)
impf. act. 41:24
impf. pass. 16:84, 30:57, 45:35

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 228, 229, 230

Ayn-Ta-Dal = to be ready, prepared, at hand, provide a thing for the future.

atid n.m. 50:18, 50:23

a'tada vb. (4) perf. act. 4:18, 4:37, 4:151, 4:161, 12:31, 17:10, 18:29, 18:102, 25:11, 25:37, 33:31, 48:13, 67:5, 76:4

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 230, 231

Ayn-Ta-Lam =

atala vb. (1) impv. 44:47

utull n.m. 68:13

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 233, 234

Ayn-Ta-Qaf = to be old, ancient, freed, emancipate, beautiful, excellent, noble.

atiq n.m. sing. act. 22:29, 22:33

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 231, 232, 233

Ayn-Ta-Waw = to drag, push violently, draw along, pull, carry anyone away forcibly. atiya - to be quick to do evil. utuyyun - prone/quick to do evil, wicked, rough, glutton, rude, hard-hearted ruffian, cruel, greedy, violent, ignoble, ill-mannered. atiyatin - blowing with extraordinary force.

ata vb. (1)
perf. act. 7:77, 7:166, 25:21, 51:44, 65:8
n.vb. 25:21, 67:21
pcple. act. 69:6

itiy n.m. 19:8, 19:69

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 236

Ayn-Tha-Ra = to obtain knowledge, become acquainted with, light upon.

athara vb. (1) 3rd. m. sing. perf. pass. 5:107

a'thara vb. (4) 1st. pl. perf. act. 18:21

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 237, 238

Ayn-Tha-Waw = to do evil, perpetrate crime, act corruptly/wickedly.

atha vb. (1) 3rd. pl. impf. act. 2:60, 7:74, 11:85, 26:183, 29:36

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 240

Ayn-Tay-Fa = to incline towards, be well disposed towards, lean towards. itfun - side, shoulder, side of person from the head to the hip, to turn one's side.

itf n.m. 22:9

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 364, 365, 366, 367

Ayn-Tay-Lam = to be without care, be abandoned and not be used. mu'attalaltin - abandoned without care.

attala vb. (2)
3rd. f. sing. perf. pass. 81:4
pcple. pass. 22:45

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 367, 368

Ayn-Tay-Waw/Ya = to take, receive. ataun - gift bestowment, present. a'ta - to give a present, offer. ta'ata (vb. 6) - took.

ata n.m. 11:108, 17:20, 17:20, 38:39, 78:36

a'ta vb. (4)
perf. act. 20:50, 53:34, 92:5, 108:1
impf. act. 9:29, 93:5
perf. pass. 9:58
impf. pass. 9:58

ta'ata vb. (6) 54:29

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 369, 370, 371

Ayn-Waw-Dal = to return, turn away, come back, repeat, restore. aidun - one who returns. ma'adun - place where one returns, another name of Makkah. a'ada (vb. 4) - to cause to return, restore. The verb a'ada is transitive to mean to get some one return or cause to return or bring back (what has passed away).
AAad - An Arab tribe which lived in the south of the Arabian peninsula and occupied land extending from the north of the Persian Gulf to the southern end of the Red Sea. The tribe of AAad spoken of in The Quran is also called the first/ancient AAad (53:50) in order to distinguish them from the people of Thamud who are called the second AAad. The Adramites of Yemen mentioned in the Greek history are considered to be this tribe.

ada vb. (1)
perf. act. 2:275, 5:95, 6:28, 7:89, 17:8, 17:8, 23:107, 36:39
impf. act. 7:29, 7:88, 7:89, 8:19, 8:19, 8:38, 14:13, 24:17, 58:3, 58:8
pcple. act. 44:15

AAad n. 7:65, 7:74, 9:70, 11:50, 11:59, 11:60, 11:60, 14:9, 22:42, 25:38, 26:123, 29:38, 38:12, 40:31, 41:13, 41:15, 46:21, 50:13, 51:41, 53:50, 54:18, 69:4, 69:6, 89:6

ma'ad n.m. 28:85

a'ada vb. (4)
impf. act. 10:4, 10:34, 10:34, 17:51, 17:69, 18:20, 20:21, 20:55, 21:104, 27:64, 29:19, 30:11, 30:27, 34:49, 71:18, 85:13
perf. pass. 22:22, 32:20

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 473, 474, 475, 476, 477

Ayn-Waw-Thal =

adha vb. (1)
perf. act. 40:27, 44:20
impf. act. 2:67, 11:47, 19:18, 23:97, 23:98, 72:6, 113:1, 114:1

ma'adh n.m. 12:23, 12:79

a'adha vb. (4) impf. act. 3:36

ista'adha vb. (10) impv. 7:200, 16:98, 40:56, 41:36

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 477, 478

Ayn-Waw-Jiim = crooked, curvature, bent, uneven, distorted, wrap, be ill-natured, deviate, turn aside, insincerity, difficult.

iwaj n.m. - 3:99, 7:45, 7:86, 11:19, 14:3, 18:1, 20:107, 20:108, 39:28

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 472, 473

####

Ayn-Waw-Lam = to swerve, turn aside, neglect other side, do injustice/wrong, impose hardship, commit oppression or dishonesty, have a large family, provide for one's family, feed poor persons, to feed/nourish/sustain a family/household. a'ilan - having a large family. a'ilatun/a'ilatan - family, poverty, want.

ala vb. (1) impf. act. 4:3

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 485, 486, 487

Ayn-Ya-Lam = he was or became poor and in want, have a family/household, neglect feeding of one's family, poverty.

ala vb. (1) pcple. act. 93:8

aylah n.f. 9:28

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 497, 498

Ayn-Waw-Miim = swam, course along, a year, to enter a contract with someone for one year, a few years, two years. amun (nom.) aman (acc.) - year. amaini (oblique dual) - two years.

AAam 2:259, 2:259, 9:28, 9:37, 9:37, 9:126, 12:49, 29:14, 31:14

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 487, 488

Ayn-Waw-Nun = to be of middle age. yu'inu (vb. 4) - to aid/assist/help. ta'awana (vb. 4) - to help one another. ista'ana (vb. 10) - to implore for help, seek aid, turn and call for assistance. musta'an - one whose help is to be implored.

awan n.f. 2:68

a'ana vb. (4)
perf. act. 25:4
impv. 18:95

ta'awana vb. (6) impf. act. 5:2, 5:2

ista'ana vb. (10)
impf. act. 1:5
impv. 2:45, 2:153, 7:128
pcple. pass. 12:18, 21:112

LL, V5, p: 488, 489

Ayn-Waw-Qaf = to keep back, delay, hinder/prevent/restrain/impede.

awwaqa vb. (2) pcple. act. m. pl. 33:18

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 483, 484, 485

Ayn-Waw-Ra = To come within power or reach, to interchange, by turns [such as ascending a pulpit one after another, by turns; whenever one goes another comes after], to ask or seek a loan, weakness, faultiness, unsoundness, badness, foulness, or unseemliness in a thing, disgrace or disfigurement, a gap or opening [thus exposure or exposing a thing]. Anything which is veiled or conceals by reason of disdainful pride, or shame of prudency; anything of which one is ashamed when it appears. This root also refers to the pudendum [or external genital organs] of a human being because it is abominable to uncover and look at them. The parts or part of a person which is indecent to expose. Now this is relative because for the slave women it will be indecent to expose what is between the navel and the knee and of the free women it will be indecent to expose everything except the hands and face. A fault, defect, imperfection or blemish.

awrah n.f. 24:31, 24:58, 33:13, 33:13

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 478, 479, 480

Ayn-Ya-Ba = bad, damaged, defective/faulty/unsound/unserviceable, have a blemish.

aba vb. (1) impf. act. acc. 18:79

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 491, 492

Ayn-Ya-Dal =

AAeed n.m. 5:114

Ayn-Ya-Nun =

ayn n.f. (pl. uyun) 3:13, 5:45, 5:45, 5:83, 7:116, 7:179, 7:195, 8:44, 8:44, 9:92, 11:31, 11:37, 12:84, 15:88, 18:28, 18:101, 19:26, 20:39, 20:40, 20:131, 21:61, 23:27, 25:74, 28:9, 28:13, 32:17, 33:19, 33:51, 36:66, 40:19, 43:71, 52:48, 54:14, 54:37, 90:8, 102:7

ayn (2) (pl. a'yun) 2:60, 7:160, 15:45, 18:86, 26:57, 26:134, 26:147, 34:12, 36:34, 44:25, 44:52, 51:15, 54:12, 55:50, 55:66, 76:6, 76:18, 77:41, 83:28, 88:5, 88:12

AAin n.f. (pl. a'yan) 37:48, 44:54, 52:20, 56:22

mAAin n.m. 23:50, 37:45, 56:18, 67:30

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 498, 499, 500, 501, 502, 503, 504

Ayn-Ya-Ra = to wander, go backwards and forwards. irun - caravan, caravan of camels carrying corn.

AAeera n. 12:70, 12:82, 12:94

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 492, 493, 494, 495

Ayn-Ya-Siin = Jesus.

AAeesa n. 2:87, 2:136, 2:253, 3:45, 3:52, 3:55, 3:59, 3:84, 4:157, 4:163, 4:171, 5:46, 5:78, 5:110, 5:112, 5:114, 5:116, 6:85, 19:34, 33:7, 42:13, 43:63, 57:27, 61:6, 61:14

Ayn-Ya-Shiin = to live in a certain manner, pass ones' life, possessed of life, seek sustenance. ishatun - livelihood, time for seeking livelihood. ma'ishatun - existence, manner of living, rituals, necessities of life, means of life and subsistence, means of obtaining that whereby one lives.

ishah n.f. 69:21, 101:7

ma'ash n.f. 78:11

ma'ishah n.f. (pl. ma'ayish) 7:10, 15:20, 20:124, 28:58, 43:32

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 495, 496

Ayn-Ya-Ya = to be wearied with, hesitate, he hindered so as to be unable to complete a thing, lack power or ability, be tired, be jaded, be impracticable.

aya vb. (1)
1st. pl. perf. act. 50:15
3rd. sing. m. impf. act. 46:33

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 490, 491

Ayn-Zay-Ba = to be away from, hidden, distant, remote, absent from, escape, go far away.

azaba vb. (1)
3rd. m. sing. impf. act. 10:61, 34:3

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 318, 319

Ayn-Zay-Lam = to set aside, remove from. ma'zilun - a place separate from the rest, secluded spot, place of retirement, far away. ma'zulun - removed. i'tizal (vb. 8) to separate or remove one self from.

azala vb. (1)
perf. act. 33:51
pcple. pass. 26:212

ma'zil n.m. 11:42

i'tazala vb. (8)
perf. act. 4:90, 18:16, 19:49
impf. act. 4:91, 19:48
impv. 2:222, 44:21

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 321, 322

Ayn-Zay-Miim = to resolve, determine, decide, propose, carry out a resolution, set one's heart upon, fixed determination.

azama vb. (1)
perf. act. 2:227, 3:159, 47:21
impf. act. 2:235
n.vb. 3:186, 20:115, 31:17, 42:43, 46:35

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 322, 323

Ayn-Zay-Ra = to prevent, turn away, reprehend, support, assist. Uzayr/Uzair (Ezra) - he lived in the 5th century B.C. and was considered to be the son of God by elements of the Jewish people.

uzayr n. 9:30

azzara vb. (2)

perf. act. 5:12, 7:157
impf. act. 48:9

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 319, 320

Ayn-Zay-Waw =

izin n.f. (pl. of izah) 70:37

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 323, 324

= **Ayn-Zay-Zay** = mighty/potent/powerful/strong, noble/honourable/glorious, resisted/ withstood, invincible, overcome (e.g. in argument), exalt, prevail, highly esteemed, precious, glory, vanity, excellent, proud and hard manner, stern.
uzza - name of an idol of the pagan Arabs regarded by them as God's daughter.

azza vb. (1)
perf. act. 38:23
n.vb. 19:81

aziz n.m. (pl. a'izzah) 2:129, 2:209, 2:220, 2:228, 2:240, 2:260, 3:4, 3:6, 3:18, 3:62, 3:126, 4:56, 4:158, 4:165, 5:38, 5:54, 5:95, 5:118, 6:96, 8:10, 8:49, 8:63, 8:67, 9:40, 9:71, 9:128, 11:66, 11:91, 11:92, 12:30, 12:51, 12:78, 12:88, 14:1, 14:4, 14:20, 14:47, 16:60, 18:34, 22:40, 22:74, 26:9, 26:68, 26:104, 26:122, 26:140, 26:159, 26:175, 26:191, 26:217, 27:9, 27:34, 27:78, 29:26, 29:42, 30:5, 30:27, 31:9, 31:27, 32:6, 33:25, 34:6, 34:27, 35:2, 35:17, 35:28, 36:5, 36:38, 38:9, 38:66, 39:1, 39:5, 39:37, 40:2, 40:8, 40:42, 41:12, 41:41, 42:3, 42:19, 43:9, 44:42, 44:49, 45:2, 45:37, 46:2, 48:3, 48:7, 48:19, 54:42, 57:1, 57:25, 58:21, 59:1, 59:23, 59:24, 60:5, 61:1, 62:1, 62:3, 63:8, 64:18, 67:2, 85:8

izzah n.f. 2:206, 4:139, 4:139, 10:65, 26:44, 35:10, 35:10, 37:180, 38:2, 38:82, 63:8

uzza n. 53:19

azzaza vb. (2) perf. act. 36:14

a'azza vb. (4) impf. act. 3:26

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 315, 316, 317, 318

Ayn-Za-Miim = great, important, big, regard, honour, mighty, glorious, a man of moment, All-mighty, All-glorious, grievous, bounty/abounding, magnify/increase. azzama - to make great.

azim n.m. 2:7, 2:49, 2:105, 2:114, 2:255, 3:74, 3:105, 3:172, 3:174, 3:176, 3:179, 4:13, 4:27, 4:40, 4:48, 4:54, 4:67, 4:73, 4:74, 4:93, 4:95, 4:113, 4:114, 4:146, 4:156, 4:162, 5:9, 5:33, 5:41, 5:119, 6:15, 7:59, 7:116, 7:141, 8:28, 8:29, 8:68, 9:20, 9:22, 9:63, 9:72, 9:89, 9:100, 9:101, 9:111, 9:129, 10:15, 10:64, 12:28, 14:6, 15:87, 16:94, 16:104, 17:40, 19:37, 21:76, 22:1, 23:86, 24:11, 24:14, 24:15, 24:16, 24:23, 26:63, 26:135, 26:156, 26:189, 27:23, 27:26, 28:79, 31:13, 33:29, 33:35, 33:53, 33:71, 37:60, 37:76, 37:107, 37:115, 38:67, 39:13, 40:9, 41:35, 42:4, 43:31, 44:57, 45:10, 46:21, 48:5, 48:10, 48:29, 49:3, 56:46, 56:74, 56:76, 56:96, 57:10, 57:12, 57:21, 57:29, 61:12, 62:4, 64:9, 64:15, 68:4, 69:33, 69:52, 73:20, 78:2, 83:5

azm n.m. (pl. *izam*) - 2:259, 6:146, 17:49, 17:98, 19:4, 23:14, 23:14, 23:35, 23:82, 36:78, 37:16, 37:53, 56:47, 75:3, 79:11

azzama vb. (2) impf. act. 22:30, 22:32

a'zama vb. (4) impf. act. 65:5

Lane's Lexicon, Volume 5, pages: 371, 372, 373

- = Ghayn

Ghayn-Ba-Nun = cheated, deceived, overreached, defrauded, endamaged, suffer loss or damage or detriment

taghabana vb. (5) n.vb. 64:9 (taghaabuni) = signifies mutuality in the endeavor of cheating, endamaging, or overcoming.

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 11

Ghayn-Ba-Ra = remained, lasted, continued, tarried, stayed, waited, passed/went away, recrudescent, dust-colored

ghabara vb. (1) pcple. act. 7:83, 15:60, 26:171, 27:57, 29:32, 29:33, 37:135 (ghabireen)

ghabarat n.f. 80:40

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 7, 8

Gh-Dal-Qaf = spring or source abounded with water, abundant, generous

ghadaq n.m. 72:16

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 17, 18

Gh-Dal-Ra = perfidious, treacherous, unfaithful, faithless, to neglect

ghadara vb. (1) impf. act. 18:47, 18:49 (ghaadir, ghaadiru)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 15, 16, 17

Gh-Dal-Waw = early part of morning, morrow, morning, time between the prayer of daybreak and sunrise, first part of the day

ghada vb. (1)
perf. act. 3:121, 68:25 (ghathaw)
impv. 68:22 (aghthuu)

ghad n.m. 12:12, 18:23, 31:34, 54:26, 59:18 (ghathan, ghathin on 59:18)

ghada n.m. 18:62 (ghathaa)

ghadat n.f. 6:52, 18:28 (ghathaati)

ghudw n.m. 7:205, 13:15, 24:36, 34:12, 40:46 (ghuthuwwi, ghuthuwwu, ghuthuwwan)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 18, 19

• • •

Ghayn-Daad-Ba = anger/wrath/stern, intense/deep redness

ghadiba vb. (1)
perf. act. 4:93, 5:60, 42:37, 48:6, 58:14, 60:13 (ghadiba, ghadibuu on 42:37)
n.vb. 2:61, 2:90, 2:90, 3:112, 7:71, 7:152, 7:154, 8:16, 16:106, 20:81, 20:81, 20:86, 24:9, 42:16 (bighadabin, ghadabin, ghadabun, ghadabu, ghadabii, ghadaba)
pcple. pass. 1:7 (maghduubi) = an object of anger

ghadban n.m. 7:150, 20:86 (ghadbaana)

ghadaba vb. (3) pcple. act. 21:87 (mughaadiban)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 49, 50

Gh-Dad-Dad = lowered, contracted, lessened

ghadda vb. (1)
impf. act. 24:30, 24:31, 49:3 (yaghudduuu)
impv. 31:19 (waghdud)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 48, 49

Gh-Fa-Lam = unmindful, forgetful, neglectful, heedless, intentionally neglecting or leaving or turning away

ghafala vb. (1)
impf. act. 4:102 (taghfuluuna)
pcple. act. 2:74, 2:85, 2:140, 2:144, 2:149, 3:99, 6:131, 6:132, 6:156, 7:136, 7:146, 7:172, 7:179, 7:205, 10:7, 10:29, 10:92, 11:123, 12:3, 12:13, 14:42, 16:108, 23:17, 24:23, 27:93, 30:7, 36:6, 46:5 (bighaafilin, ghaafilun, laghaafilin, ghaafiliin, laghaafiluun, ghaafilan, ghafilaati, ghafiluun)

ghaflah n.f. 19:39, 21:1, 21:97, 28:15, 50:22 (ghaflatin)

aghfala vb. (4) perf. act. 18:28 (aghfalnaa)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 59, 60

Gh-Fa-Ra = protect, cover over, shield, forgive, pardon.

ghafara vb. (1)
perf. act. 28:16, 36:27, 38:25, 42:43 (ghafuuru, ghafara, faghafarnaa)
impf. act. 2:58, 2:284, 3:31, 3:129, 3:135, 4:48, 4:116, 4:137, 4:168, 5:18, 5:40, 5:118, 7:23, 7:149, 7:161, 8:29, 8:70, 9:80, 11:47, 12:92, 14:10, 20:73, 24:22, 26:51, 26:82, 33:71, 39:53, 42:37, 45:14, 46:31, 47:34, 48:2, 48:14, 57:28, 61:12, 63:6, 64:14, 64:17, 71:4, 71:7 (yaghfira, yaghfir, yaghfiru, yaghfiruuna, yaghfiruu, liyaghfira, ghafuuran, ghafuurun, astaghfarta, taghfiruu, litaghfira)
impv. 2:286, 3:16, 3:147, 3:193, 7:151, 7:155, 14:41, 23:109, 23:118, 26:86, 28:16, 38:35, 40:7, 59:10, 60:5, 66:8, 71:28 (aghfirlanaa, aghfirlii, aghfir, yastaghfiruuna)
impf. pass. 7:169, 8:38 (sayughfaru, yughfar)
pcple. act. 7:155, 40:3 (ghaafiriin, ghaafiri)

ghaffar n.m. 20:82, 38:66, 39:5, 40:42, 71:10 (laghaffaarun, ghaffaaru, ghaffaari, ghaffaaran)

ghafur n.m. 2:173, 2:182, 2:192, 2:199, 2:218, 2:225, 2:226, 2:235, 3:31, 3:89, 3:129, 3:155, 4:23, 4:25, 4:43, 4:96, 4:99, 4:100, 4:106, 4:110, 4:129, 4:152, 5:3, 5:34, 5:39, 5:74, 5:98, 5:101, 6:54, 6:145, 6:165, 7:153, 7:167, 8:69, 8:70, 9:5, 9:27, 9:91, 9:99, 9:102, 10:107, 11:41, 12:53, 12:98, 14:36, 15:49, 16:18, 16:110, 16:115, 16:119, 17:25, 17:44, 18:58, 22:60, 24:5, 24:22, 24:33, 24:62, 25:6, 25:70, 27:11, 28:16, 33:5, 33:24, 33:50, 33:59, 33:73, 34:2, 34:15, 35:28, 35:30, 35:34, 35:41, 39:53, 41:32, 42:5, 42:23, 46:8, 48:14, 49:5, 49:14, 57:28, 58:2, 58:12, 60:7, 60:12, 64:14, 66:1, 67:2, 73:20, 85:14 (ghafuurun, ghafuuran, ghafuuru, ghafuurin)

ghufran n.m. 2:285 (ghufraa)

maghfirah n.f. 2:175, 2:221, 2:263, 2:268, 3:133, 3:136, 3:157, 4:96, 5:9, 8:4, 8:74, 11:11, 13:6, 22:50, 24:26, 33:35, 34:4, 35:7, 36:11, 41:43, 47:15, 48:29, 49:3, 53:32, 57:20, 57:21, 67:12, 74:56 (maghfirati, maghfiratun, maghfiratan, maghfiratin)

istaghfara vb. (10)
perf. act. 3:135, 4:64, 4:64, 38:24, 63:6 (astaghfaru, astaghfara, astaghfarta)
impf. act. 4:110, 5:74, 8:33, 9:80, 9:80, 9:113, 12:98, 18:55, 19:47, 27:46, 40:7, 42:5, 51:18, 60:4, 63:5, 63:6 (yastaghfiri, tastaghfir, yaghfira, yastaghfiruu, astaghfirulaka, tastaghfiruuna, yastaghfiruuna, astaghfira, yastaghfir, tastaghfir)
impv. 2:199, 3:159, 4:106, 9:80, 11:3, 11:52, 11:61, 11:90, 12:29, 12:97, 24:62, 40:55, 41:6, 47:19, 48:11, 60:12, 71:10, 73:20, 110:3 (astaghfiruu, astaghfirlahum, astaghfiri. Tastaghfirlahum, astaghfirlanaa, astaghfir)
n.vb. 9:114 (istighfaaru)
pcple. act. 3:17 (mustaghfiriina)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 57, 58, 59

Gh-Lam-Ba = overcame, conquered, subdued, mastered, surpassed, superior in power or force

ghalaba vb. (1)
perf. act. 2:249, 18:21, 23:106 (ghalabat, ghalabuu)
impf. act. 4:74, 8:65, 8:65, 8:66, 8:66, 30:3, 41:26, 58:21 (yaghlib, yaghlibuu, yaghlibuuna, taghlibuuna, aghlibanna)
perf. pass. 7:119, 30:2 (faghulibuu, ghulibati)
impf. pass. 3:12, 8:36 (yughlabuuna, satughlabuuna)
n.vb. 30:3 (sayaghlibuuna)
pcple. act. 3:160, 5:23, 5:56, 7:113, 8:48, 12:21, 21:44, 26:40, 26:41, 26:44, 28:35, 37:116, 37:173 (ghaaliba, ghaalibuuna, ghalibiina, ghaalibun)
pcple. pass. 54:10 (maghluubun)

ghulb n.m. (pl. of aghlab) 80:30 (ghulban)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 63, 64

Gh-Lam-Fa = put into, furnished with, daubed, smeared, a species of trees with which one tans, uncircumcised, a plant which is eaten by monkeys or apes, covering, enclosing, envelope

ghulf n.m. (pl. of aghlaf) 2:88, 4:155 (ghulfun)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 67

Gh-Lam-Lam = to [make something] enter, clad with, put upon, burning with thirst, became unfaithful, collar, shackle, a thing in which one hides himself, dishonesty, insincerity, revenue from the land

ghalla vb. (1)
perf. act. 3:161 (ghalla)
impf. act. 3:161, 3:161 (yaghulla, yaghlul)
impv. 69:30 (faghulluhu)
perf. pass. 5:64 (ghullat)
pcple. pass. 5:64, 17:29 (maghluulatun, maghluulatan)

aghlal n.m. (pl. of ghull) 7:157, 13:5, 34:33, 36:8, 40:71, 76:4 (aghlaala, aghlaalu, aghlaalan)

ghill n.m. 7:43, 15:47, 59:10 (ghillin, ghillan)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 61, 62, 63

Gh-Lam-Miim = excited with lust, stirred up, tumultuous, period from birth to the seventeenth year, youth, young man

ghulam n.m. 3:40, 12:19, 15:53, 18:74, 18:80, 18:82, 19:7, 19:8, 19:19, 19:20, 37:101, 51:28, 52:24 (ghulaamun, bighulaamin, ghulaaman, ghulaamu, ghulaamaini, bighulaami, bighulaamin, ghilmaa)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 70, 71

Gh-Lam-Qaf = went away/far, rightful possession, stuck fast, state of perdition, contending for a bet, being or becoming closed or bolted

ghallaqa vb. (2) perf. act. 12:23 (ghallaqati)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 68, 69, 70

Gh-Lam-Waw = excessive, exorbitant, luxuriant, grow tall, utmost extent of a shot or throw, behaving with forced hardness or rigor

ghala vb. (1) impf. act. 4:171, 5:77 (taghluu)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 71

Gh-Lam-Ya = boiled, vehemently angry

ghala vb. (1)
impf. act. 44:45 (yaghlii)
n.vb. 44:46 (kaghalyiii)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 72, 73

Gh-Lam-Za = thick, gross, bulky, coarse, rough, hardness, strength, vehemence

ghaluza vb. (1) impv. 9:73, 66:9 (aghluzh)

ghaliz n.m. 3:159, 4:21, 4:154, 11:58, 14:17, 31:24, 33:7, 41:50, 66:6 (ghaliizha, ghaliizhun, ghaliizhan, ghaliizhin, ghilaazhun)

ghilzah n.f. 9:123 (ghilzhatan)

istaghlaza vb. (10) perf. act. 48:29 (astaghlazha)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 66, 67

Gh-Miim-Dad = unapparent, unperceived, hidden, concealed, low, mean, vile

aghmada vb. (4) impf. act. 2:267 (tughmiduu)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 80

Gh-Miim-Miim = covered, veiled, concealed, confusedness, obscureness, calamity, misfortune

ghamma vb. (1)
n.vb. 3:153, 3:153, 3:154, 20:40, 21:88, 22:22 (ghamman, bighammin)

ghamam n.m. 2:57, 2:210, 7:160, 25:25 (ghamaama, ghamaami)

ghummah n.f. 10:71 (ghummatan)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 73, 74, 75

Gh-Miim-Ra = much in quantity, abundant, copious, ignorant, immerged, plunged, intensely, inexperienced, unintelligent, drowning, overwhelming ignorance

ghamrah n.f. 6:93, 23:54, 23:63, 51:11 (ghamaraati, ghamaratihim, ghamratin)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 75, 76, 77

Gh-Miim-Zay = press, squeeze, made a sign with the eye, cattle of a bad quality, limping, halting, suspected of a fault

taghamaza vb. (6) impf. act. 83:30 (yataghaamazuuna)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 77, 78

Gh-Nun-Miim = obtained, got, took (usually in reference to spoils or booties); acquisition without difficulties, regaining, sheep or goats collected together

ghanima vb. (1) perf. act. 8:41, 8:69 (ghanimtum); see No. 1

ghanam n.coll. 6:146, 20:18, 21:78 (ghanami, ghanamii, ghanamu)

maghnam n.m. (pl. maghanim) 4:94, 48:15, 48:19, 48:20 (maghaanimu, maghaanima)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 84, 85

Gh-Nun-Ya = free from wants, having no wants, in a state of competence or sufficiency or rich or wealthy; dwelt, abode; sing, chanted; eulogized, satirized

ghaniya vb. (1) impf. act. 7:92, 10:24, 11:68, 11:95, (yaghnaw, taghna)

ghaniy n.m. 2:263, 2:267, 2:273, 3:97, 3:181, 4:6, 4:131, 4:135, 6:133, 9:93, 10:68, 14:8, 22:64, 27:40, 29:6, 31:12, 31:26, 35:15, 39:7, 60:6, 64:6 (ghaniyyun, aghniyaa, ghaniyyan, ghaniyyu)

aghna vb. (4)
perf. act. 7:48, 9:74, 11:101, 15:84, 26:207, 39:50, 40:82, 46:26, 53:48, 69:28, 93:8, 111:2 (aghnaa, aghnaahumu, aghnat)
impf. act. 3:10, 3:116, 4:130, 8:19, 9:25, 9:28, 10:36, 10:101, 12:67, 12:68, 19:42, 24:32, 24:33, 36:23, 44:41, 45:10, 45:19, 52:46, 53:26, 53:28, 54:5, 58:17, 66:10, 77:31, 80:37, 88:7, 92:11 (tuhgniya, yughni, tughni, yughniikumu, yughnii, tughnii, aghnii, yughnihimu, yughniyahumu, yughnuu, yughniyaa, yughniihi)
pcple. act. 14:21, 40:47 (mughnuuna)

istaghna vb. (10) perf. act. 64:6, 80:5, 92:8, 96:7 (astaghnaa)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 85, 86, 87, 88

• • •

= **Ghayn-Ra-Ba** = went/passed away, depart/retire/remove, become remote/distant/ absent/hidden/black, withdraw, western, foreign/strange, exceed, abundance, sharpness, (maghrib = sunset), black.

gharaba vb. (1)
perf. act. 18:17 (gharabat)
impf. act. 18:86 (maghriba)

gharabib n.m. (pl. of ghirbib) 35:27 (gharaabiibu)

gharbiy n.m. 24:35, 28:44 (gharbiyyatin, gharbiyyi)

ghurab n.m. 5:31, 5:31 (ghuraaban, ghuraabi)

ghurub n.m. 20:130, 50:39 (ghuruubihaa, ghuruubi)

maghrib n.m. (pl. magharib) 2:115, 2:142, 2:177, 2:258, 7:137, 18:86, 26:28, 55:17, 70:40, 73:9 (maghribu, maghribi, maghaaribahaa, taghrubu, maghribaini, maghaaribi)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 24, 25, 26, 27, 28, 29

Gh-Ra-Fa = took, cut, cut off, clip, bent, broken; a species of trees with which one tans; quantity (of water) that is taken by the hand; chamber in the uppermost story, the highest of the places of Paradise; a certain large measure of capacity; having much water; swift

ghurfah n.f. (pl. ghuraf or ghurufat) 2:249, 25:75, 29:58, 34:37, 39:20, 39:20 (ghurfata, ghurfatan, ghurufaati, ghurafun)

ghurfah n.f. 2:249 (aghtarafa)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 33, 34

Gh-Ra-Miim = paid, discharged, gave against will, taking upon oneself that which is not obligatory upon him; damage or loss that befalls a man in his property; lasting evil, perdition; shacked or burdened or captived

gharima vb. (1) pcple. act. 9:60 (ghaarimiina)

gharam n.m. 25:65 (gharaaman)

maghram n.m. 9:98 (maghraman), 52:40, 68:46 (maghramin)

aghrama vb. (4) pcple. pass. 56:66 (mughramuuna)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 36, 37

Gh-Ra-Qaf = sank, drowned, went downwards and disappeared, became without need, drew the bow to the full (with vehement fulling), outstripped, engrossed, a man overwhelmed by trials, single draught, ornamented, obligatory

ghariqa vb. (1) n.vb. 10:90 (gharaqu)

gharq n.m. 79:1 (gharqan)

aghraqa vb. (4)
perf. act. 2:50, 7:64, 7:136, 8:54, 10:73, 17:103, 21:77, 25:37, 26:66, 26:120, 29:40, 37:82, 43:55 (aghraqnaa, aghraqnaahum, aghraqnaahu)
impf. act. 17:69, 18:71, 36:43 (yughriqakum, tughriqa, nughriqhum)
perf. pass. 71:25 (ughriquu)
pcple. pass. 11:37, 11:43, 23:27, 44:24 (mughraquuna, mughraqiina)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 34, 35

Gh-Ra-Ra = deceived, beguiled, inexperienced or ignorant in affairs, act childish, exposed to perdition or destruction without knowing, gargled; whiteness, clearness of complexion; noble or eminent man, chief, lord, most precious and excellent; peril, danger, hazard; deficiency of, imperfect performance of; vain things, vanities

gharra vb. (1)
perf. act. 3:24, 6:70, 6:130, 7:51, 8:49, 45:35, 57:14, 57:14, 82:6
impf. act. 3:196, 31:33, 31:33, 35:5, 35:5, 40:4 (gharra, gharuuru, yaghurra, taghurra, yaghrur)

gharur n.m. 31:33, 35:5, 57:14 (taghurra, gharra)

ghurur n.m. 3:185, 4:120, 6:112, 7:22, 17:64, 33:12, 35:40, 57:20, 67:20 (ghuruuri, ghuruuran, bighuruurin, ghuruurin)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 21, 22, 23, 24

Gh-Ra-Waw = glued, made adhere with, attached, fond, desirious, wondered; a certain red dye

aghra vb. (4)
perf. act. 5:14 (aghrainaa)
impf. act. 33:60 (nughriyannaka)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 37, 38

Gh-Siin-Lam = wash, removing of dirt or filth, cleanse; covered much or often; water with which one washes himself; a certain plant, growing in places that exude water and

produce salt; a place in which the dead are washed

ghasala vb. (1) impv. 5:6 (aghsiluu)

ghislin n.m. 69:36 (ghisliinin)

mughtasal n.m. 38:42 (mughtasalun)

ightasala vb. (8) impf. act. 4:43 (taghtasiluu)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 42, 43, 44

Gh-Siin-Qaf = darkness, the night; shed tears, poured water; intense coldness; watery/ thick purulent matter that flows or drips; intensely red (applied to she-camel)

ghasaqa vb. (1) n.vb. 17:78 (ghasaqi)

ghasiq n.m. 113:3 (ghaasiqin)

ghassaq n.m. 38:57, 78:25 (ghassaaqun, ghassaaqan)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 41, 42

Gh-Shiin-Ya = cover, conceal, overwhelm, occupy one's self; whiteness of the head or face, a horse whose whole head is white distinct from its body; the resurrection; calamity, misfortune; a certain disease that attacks the belly or chest; petitioners, visitors, seekers of favors; swoon, senseless

ghashiya vb. (1)
perf. act. 20:78, 20:78, 31:32 (ghasyiyahum)
impf. act. 3:154, 14:50, 24:40, 29:55, 44:11, 53:16, 53:16, 91:4, 92:1 (yaghsyaa, taghsyaa, yaghsyaahu, yaghsyaahumu, yaghsyaahaa)
impf. pass. 33:19 (yughsyaa)
pcple. pass. 47:20 (maghsyiyyi)

ghashiyah n.f. 7:41, 12:107, 88:1 (ghawaasyin, ghaasyiyatun, ghaasyiyati)

ghishawah n.f. 2:7, 45:23 (ghisyaa, ghisyaawatan)

ghashsha vb. (2)

perf. act. 53:54, 53:54 (faghasy-syaahaa, ghasy-syaa)
impf. act. 8:11 (yughasy-syiikumu)

aghsha vb. (4)
perf. act. 36:9 (aghsyainaahum)
impf. act. 7:54, 13:3 (yughsyii)
perf. pass. 10:27 (aghsyiiyat)

taghashsha vb. (5) perf. act. 7:189 (taghasy-syaahaa)

istaghsha vb. (10)
perf. act. 71:7 (astaghsyaw)
impf. act. 11:5 (yastaghsyuu)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 45, 46

Gh-Sad-Ba = take wrongfully, unjustly, forcefully, without the owner's permission; force or compel someone to do something

ghasb n.m. 18:79 (ghashban)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 47

Gh-Sad-Sad = throat or fauces became choked or obstructed; straitened (applied to land); filled [and as it were choked up]

ghussah n.f. 73:13 (ghush-shatin)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 46, 47

Gh-Thal-Waw = became abundant; rubbish, scum; broken pieces of herbage that are seen upon a torrent; the low or vile of mankind; the lion

ghutha n.m. 23:41, 87:5 (ghuthaa)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 14, 15

Gh-Tay-Shiin = became dark, became weak, feigning negligence or heedlessness,

aghtasha vb. (4) perf. act. 79:29 (aghtasyaa)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 54, 55

Gh-Tay-Ya = cover or conceal a thing, to clad a thing, the overflowing of something; power of resistance or defense; ignorance

ghita n.m. 18:101, 50:22 (ghitaa)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 56, 57

Gh-Waw-Lam = destroy; take someone unexpectedly or unaware; death or decree of death; cast away, cause to fall; a place which roads or ways are unapparent so it causes people to go astray; hastening; become altered in state or appearance; dubious, confused; far extent, extremities; distress, trouble, molestation; unfaithfulness; a kind of jinn or demon that destroys men; bad or corrupt conduct, evil, mischief

ghawl n.m. 37:47 (ghawlun)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 94, 95

Gh-Waw-Ra = low land or country, has gone quickly, entered deeply, examine minutely or deeply, sank or become depressed; bestow upon; alighting or sleeping in the middle of the day; hasten, pushed, pressed, quickly; sudden, unexpected; derived, obtained; swollen; cave in a mountain; army; the bottom or lowest part; the sun; abundance of the produce of the earth

ghara vb. (1) n.vb. 18:41, 67:30 (ghawran)

ghar n.m. 9:40 (ghaari)

magharah n.f. 9:57 (maghaaraati)

aghara vb. (4) pcple. act. 100:3 (mughiiraati)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 90, 91, 92

Gh-Waw-Sad = dive in, descend beneath; immersed, immerged, dipped, plunged

ghasa vb. (1) impf. act. 21:82 (yaghuushuuna)

ghawwas n.m. 38:37 (ghawwaashin)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 92, 93

Gh-Waw-Thal = cry for aid, succor, desiring aid; traveling provision; food to give aid; waters; a certain idol from the Medhij tribe, a certain good man who lives between Adam and Noah of whom after death became object of worship

yaghuth n. 71:23 (yaghuutsa)

istaghatha vb. (10)
perf. act. 28:15 (astaghaatsahu)
impf. act. 8:9, 18:29, 46:17 (tastaghiitsuuna, yastaghiitsuu, yastaghiitsaani)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 89, 90

• • •

= **Ghayn-Waw-Tay** = enter/sank into a thing, become hidden/ descended/sloped in the ground, dug/excavated/hollowed out, make deep, cavity/pit, Lane gives the example of 4:43 & 5:6 to mean "place in which one satisfies a want of nature" (i.e. toilet), human excrement

al-ghaaiti 4:43, 5:6

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 93

Gh-Waw-Ya = unmindful, neglectful, inattentive, inadvertent, inconsiderate, heedless, forgetful; journey in the darkness, went far away therein; darkness, intensely black, the deepest black; the first part or state of youth; the belly

ghawa vb. (1)
perf. act. 20:121, 28:63, 53:2 (faghawaa, ghawaynaa, ghawaa)
n.vb. 2:256, 7:146, 7:202, 19:59 (ghayyi, ghayyan)
pcple. act. 7:175, 15:42, 26:91, 26:94, 26:224, 37:32 (ghaawiina, ghaawuuna)

ghawiy n.m. 28:18 (ghawiyyun)

aghwa vb. (4)
perf. act. 7:16, 15:39, 28:63, 28:63, 37:32 (aghwaytanii, aghwaynaa)
impf. act. 11:34, 15:39, 38:82 (yughwiyakum, ughwiyannahum)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 88

• • •

= Ghayn-Ya-Ba = absent/remote/hidden/concealed, absent from the range or beyond the reach of perception by sense or of mental perception, unseen/invisible.

To read the full Lane's Lexicon entry, please click here.

ghaba vb. (1)
n.vb. 2:3, 2:33, 3:44, 3:179, 4:34, 5:94, 5:109, 5:116, 6:50, 6:59, 6:73, 7:188, 9:78, 9:94, 9:105, 10:20, 11:31, 11:49, 11:123, 12:52, 12:81, 12:102, 13:9, 16:77, 18:22, 18:26, 19:61, 19:78, 21:49, 23:92, 27:65, 32:6, 34:3, 34:14, 34:48, 34:53, 35:18, 35:38, 36:11, 39:46, 49:18, 50:33, 52:41, 53:35, 57:25, 59:22, 62:8, 64:18, 67:12, 68:47, 72:26, 72:26, 81:24 (ghaybi, ghayba, ghuyuubi, ghaybu, ghaybihi)
pcple. act. 7:7, 27:20, 27:75, 82:16 (ghaa-ibiina, ghaa-ibatin)

ghayabah n.f. 12:10, 12:15 (ghayaabati)

ightaba vb. (8) impf. act. 49:12 (yaghtab)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 96, 97, 98

Gh-Ya-Dad = became scanty or little in quantity, decreased, diminished, became deficient, fell short; sank into the earth, disappeared in the earth, went away into the earth or enters or collects, place where water sinks [applied to water]; an abortive fetus (not completely formed, less than seven months old)

ghada vb. (1)

impf. act. 13:8 (taghiidu)
perf. pass. 11:44 (ghiida)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 100, 101

Gh-Ya-Ra = bring, convey, benefit, bestowed upon; alter or change a thing for the worse, corrupted, tainted, infected, render it ill-smelling; adjusting, repairing; difference between two persons; become jealous; procure; other than (exclusively), except, without; lies; [a man's] dislike of another's participation in what supposedly his right; care of what is sacred or inviolable to avoid suspicion of disdain; cognizance or badge of a free non-Muslim subjects in a Muslim government; one who puts off the furniture of his camel from off him to relieve and ease him.

ghayyara vb. (2)
impf. act. 4:119, 8:53, 13:11, 13:11 (falaghayyirunna, yughayyiru, yughayyiruu)
pcple. act. 8:53 (mughayyiran)

taghayyara vb. (5) impf. act. 47:15 (ghayri)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 98, 99, 100

Gh-Ya-Thal = watered (with rain), rained upon, rain; [of a blind man] search, seek; [of a camel] became fat

ghatha vb. (1)
impf. pass. 12:49, 18:29 (yughaatsu)

ghayth n.m. 31:34, 42:28, 57:20 (ghaytsa, ghaytsin)

istaghatha vb. (10) 18:29 (yastaghiitsuu)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 98

Gh-Ya-Za = anger, wrath, rage, vehemence, distress; cooking-pot

ghaza vb. (1)
impf. act. 9:120, 22:15, 48:29 (yaghiizhu, yaghiizha)
n.vb. 3:119, 3:119, 3:134, 9:15, 33:25, 67:8 (ghayzhi, ghayzha)

pcple. act. 26:55 (laghaa-izhuuna)

taghayyaza vb. (5) n.vb. 25:12 (taghayyuzhan)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 101, 102

Gh-Zay-Lam = spun the cotton or wool; [applied to a dog can mean] flagged, became remiss, became confounded with a young gazelle; he talked with her and acted in an amatory and enticing manner; turned around or made to revolve; attempted as a self-imposed task; follower of, lover of; amorous or enticing gestures or manners; the sun when high or rising; a vender or spinner of thread; a slender cord

ghazala vb. (1) n.vb. 16:92 (ghazlahaa)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 39, 40, 41

Gh-Zay-Waw = will, desire, sought, aim at, intended it; went forth or engaged in warring or plundering; intended sense or meaning; a woman whose husband is absent [to war]; a she-camel whose impregnation is difficult

ghaza vb. (1) pcple. act. 3:156 (ghuzzan)

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 41

• = Fa

Fa = A prefixed conjunction particle having conjunctive power. It implies a close connection between the sentences before and after it. This connection may be either definite cause and effect or a natural sequence of events signifying: and, then, for, therefore, so that, so, in order that, in that case, in consequence, afterwards, at least, lest, because, for fear of, truly, after, by, but, thus, consequently, in order to. It is also expletive and a prefix to other particles, e.g. fa-amma, fa-anna, fa-inni, fa-aina etc.

• • •

= **Fa-Alif-Dal** = to hurt in the heart, be affected with heart disease, be struck in the heart. Motion, putting in motion When said of fuel; It burned, burned up, burned brightly or fiercely, blazed, or flamed: and so when said of the heart; It became excited with ardour, or eagerness. Heart, mind/intellect, sharpness/acuteness of mind.

fuad n.m. (pl. afidah) 6:110, 6:113, 11:120, 14:37, 14:43, 16:78, 17:36, 23:78, 25:32, 28:10, 32:9, 46:26, 46:26, 53:11, 67:23, 104:7

Lane's Lexicon, Volume 6, pages: 107, 108

Fa-Alif-Waw = to split/clave/smote/strike, it became cracked/open/split.
An interval, low/depressed place (usually surrounded by mountains).
A party/portion/division, distinct body, company or congregated body.

fi'ah n.f. 2:249, 2:249, 3:13, 3:13, 4:88, 8:16, 8:19, 8:45, 8:48, 18:43, 28:81

LL, V6, p: 110

• • •

Fa-Ayn-Lam = to do something, He did it, the suffering or receiving the effect of an act, to commit, a doing, to do a deed, a custom/habit/manner/wont.

fa'ala vb. (1)

perf. act. 2:234, 2:240, 3:135, 3:135, 4:66, 4:66, 5:79, 6:112, 6:137, 7:28, 7:155, 7:173, 10:106, 12:89, 14:45, 16:33, 16:35, 18:82, 21:59, 21:62, 21:63, 26:19, 26:19, 26:20, 49:6, 54:52, 89:6, 105:1
impf. act. 2:24, 2:24, 2:71, 2:85, 2:197, 2:215, 2:231, 2:253, 2:279, 2:282, 3:28, 3:40, 3:115, 3:188, 4:30, 4:114, 4:127, 4:147, 5:67, 5:79, 6:159, 8:73, 10:36, 10:46, 11:36, 11:87, 12:32, 14:27, 16:50, 16:91, 21:23, 22:14, 22:18, 24:41, 25:68, 26:74, 26:226, 27:34, 27:88, 30:40, 33:6, 37:34, 39:70, 42:25, 58:13, 60:1, 61:2, 61:3, 63:9, 66:6, 77:18, 82:12, 83:36, 85:7
impv. 2:68, 22:77, 37:102
perf. pass. 34:54
impf. pass. 46:9, 75:25
pcple. act. 12:10, 12:61, 15:71, 18:23, 21:17, 21:68, 21:79, 21:104, 23:4
pcple. pass. 4:47, 8:42, 8:44, 17:5, 17:108, 33:37, 73:18
fa'al n.m. 11:107, 85:16

fi'l n.m. (alternative fa'l) 21:73, 26:19

LL, V6, p: 204, 205

Fa-Dal-Ya = he gave a thing, ransom, purchase, he loosed him or set him free, *mufadat* - giving a man and taking a man in exchange, a collection.

fada vb. (1)
perf. act. 37:107
n.vb. 47:4

fidyah n.f. 2:184, 2:196, 57:15

fada vb. (3) impf. act. 2:85

iftada vb. (8)
perf. act. 2:229, 3:91, 10:54, 13:18, 39:47
impf. act. 5:36, 70:11

LL, V6, p: 137, 138

Fa-Dad-Dad = to break/perforate/destroy, to separate/disperse/scatter/distribute, broke it up, silver, to make wide/ample/large/liberal, small number of men in a state of dispersion, calamity/misfortune,

fiddah n.f. 3:14, 9:34, 43:33, 76:15, 76:16, 76:21

infadda vb. (7)
perf. act. 3:159, 62:11
impf. act. 63:7

LL, V6, p: 192, 193, 194

• • •

Fa-Dad-Ha = expose vices/faults or evil qualities/actions, to disgrace, put to shame, the daybreak/dawn because it exposes everything, white but not intensely so.

fadaha vb. (1) impf. act. 15:68

LL, V6, p: 194

• • •

= **Fa-Dad-Lam** = excel, distinguish, surpass, superior, gain/gift, bestow benefit/bounty/favour/grace

fadl n.m. 2:64, 2:90, 2:105, 2:198, 2:237, 2:243, 2:251, 2:268, 3:73, 3:74, 3:152, 3:170, 3:171, 3:174, 3:174, 3:180, 4:32, 4:37, 4:54, 4:70, 4:83, 4:113, 4:113, 4:173, 4:175, 5:2, 5:54, 7:39, 8:29, 9:28, 9:59, 9:74, 9:75, 9:76, 10:58, 10:60, 10:107, 11:3, 11:3, 11:27, 12:38, 16:14, 17:12, 17:66, 17:87, 24:10, 24:14, 24:20, 24:21, 24:22, 24:32, 24:33, 24:38, 27:16, 27:40, 27:73, 28:73, 30:23, 30:45, 30:46, 33:47, 34:10, 35:12, 35:30, 35:32, 35:35, 40:61, 42:22, 42:26, 44:57, 45:12, 48:29, 49:8, 57:21, 57:21, 57:29, 57:29, 57:29, 59:8, 62:4, 62:4, 62:10, 73:20

faddala vb. (2)
perf. act. 2:47, 2:122, 2:253, 4:32, 4:34, 4:95, 4:95, 6:86, 7:140, 16:71, 17:21, 17:55, 17:70, 27:15, 45:16
impf. act. 13:4
perf. pass. 16:71
n.vb. 17:21, 17:70

tafaddala vb. (5) impf. act. 23:24

LL, V6, p: 195, 196, 197

Fa-Dad-Ya = become wide/spacious/empty/vacant/void, it reached a thing/person, reach one another, to communicate / make known, to mix, share in common.

afda vb. (4) perf. act. 4:21

LL, V6, p: 197, 198

Fa-ha-Miim = he understood it or knew it with the mind, he apprehended its meaning.

fahhama vb. (2) perf. act. 21:79

LL, V6, p: 237, 238

• • •

Fa-Ha-Shin = became excessive/immoderate/enormous/exorbitant/overmuch/beyond measure, foul/bad/evil/unseemly/indecency/abominable, lewd/gross/obscene, committing excess which is forbidden, transgress the bounds/limits, avaricious, adultery/ fornication.

fahishah n.f. (pl. fawahish) 3:135, 4:15, 4:19, 4:22, 4:25, 6:151, 7:28, 7:33, 7:80, 17:32, 24:19, 27:54, 29:28, 33:30, 42:37, 53:32, 65:1

fahsha n.f. 2:169, 2:268, 7:28, 12:24, 16:90, 24:21, 29:45

LL, V6, p: 128, 129

Fa-Jiim-Jiim = wide apart, part something widely, open it widely, the making an interval/opening between two things, a wide road between two mountains, depressed road, wide and conspicuous road, opening/intervening space, disorderly/much talking/ babbling, valley, wide valley, cleft ground, ravine.

fajj n.m. (pl. fijaj) 21:31, 22:27, 71:20

LL, V6, p: 123, 124

••• =**Fa-Jiim-Ra** = cut/divide lengthwise, break open, vent, incline/decline/deviate, dawn/sunrise/daybreak, source, abundantly and suddenly, ample bounty/generosity, a place from which water flows.

fajara vb. (1)
impf. act. 75:5
n.vb. 91:8
pcple. act. (pl. fajarah/fujjar) 38:28, 71:27, 80:42, 82:14, 83:7

fajara vb. (1) impf. act. 17:90

fajr n.m. 2:187, 17:78, 17:78, 24:58, 89:1, 97:5

fajjara vb. (2)
perf. act. 18:33, 36:34, 54:12
impf. act. 17:91, 76:6
perf. pass. 2.3
n.vb. 17.91, 76.6

tafajjara vb. (5) impf. act. 2:74

infajara vb. (7) perf. act. 2:60

LL, V6, p: 124, 125, 126

Fa-Jiim-Waw = opening, set apart, open wide, a fissure.

fajwah n.f. 18:17

LL, V6, p: 127

• • •

Fa-Kaf-ha = became cheerful/happy, free from straitness/burden, enjoy, to jest/laugh/joke, be amused/pleased, entertain, fruit, wonderment, indulge in pleasantry, rejoice, admiration.

fakiha vb. (1) pcple. act. 36:55, 44:27, 52:18

fakih n.m. 83:31

fakihah n.f. (pl. fawakih) 23:19, 36:57, 37:42, 38:51, 43:73, 44:55, 52:22, 55:11, 55:52, 55:68, 56:20, 56:32, 77:42, 80:31

tafakkaha vb. (5) impf. act. 56:65

LL, V6, p: 216, 217

Fa-Kaf-Kaf = open a thing, create a gap/breach/break, separate, set loose or free, let go, liberate, release, emancipate, to assist, dislocated/disjointed, aged/old/weak man.

fakka vb. (1) n.vb. 90:13

infakka vb. (7) pcple. act. 98:1

LL, V6, p: 214, 215

• • •

Fa-Kaf-Ra = thought upon it, considered it in order to obtain a clear knowledge of it, examined it (mentally), to employ the mind, having much thought, reflect.

fakkara vb. (2) perf. act. 74:18

tafakkara vb. (5) impf. act. 2:219, 2:266, 3:191, 6:50, 7:176, 7:184, 10:24, 13:3, 16:11, 16:44, 16:69, 30:8, 30:21, 34:46, 39:42, 45:13, 59:21

LL, V6, p: 215

Fa-Kha-Ra = self-glorification/magnification, boast, to disdain/scorn, proud/haughty, long/tall/great, excellent quality, baked pottery/clay, earthen vessel.

fakhkhar n.m. 55:14

fakhur n.m. 4:36, 11:10, 31:18, 57:23

tafakhara vb. (6) n.vb. 57:20

LL, V6, p: 133, 134

Fa-Lam-Ha = cut/slit/crack/split/fissure, furrowed/plough/cultivate, agriculture, till the ground, to prosper be successful, attain/acquire, become fortunate/happy, become independent, permanence/lastingness/duration.

aflaha vb. (4)
perf. act. 20:64, 23:1, 87:14, 91:9
impf. act. 2:189, 3:130, 3:200, 5:35, 5:90, 5:100, 6:21, 6:135, 7:69, 8:45, 10:17, 10:69, 10:77, 12:23, 16:116, 18:20, 20:69, 22:77, 23:117, 24:31, 28:37, 28:82, 62:10
pcple. act. 2:5, 3:104, 7:8, 7:157, 9:88, 23:102, 24:51, 28:67, 30:38, 31:5, 58:22, 59:9, 64:16

LL, V6, p: 222, 223

Fa-Lam-Kaf = become round, anything circular, persist/persevere, ship, Ark, the place of the revolving of the stars, the celestial sphere, vault of heaven, firmament, surrounding spheres, sky, revolvement, circling, circuit, going to and fro, in a state of commotion, whirl of a spindle, one who goes round.

falak n.m. 21:33, 36:40

fulk n.com. 2:164, 7:64, 10:22, 10:73, 11:37, 11:38, 14:32, 16:14, 17:66, 22:65, 23:22, 23:27, 23:28, 26:119, 29:65, 30:46, 31:31, 35:12, 36:41, 37:140, 40:80, 43:12, 45:12

LL, V6, p: 227, 228

Fa-Lam-Nun = so-and-so (reference to a nameless person), such a one, such a man/ woman.

fulan n.m. 25:28

LL, V6, p: 228

Fa-Lam-Qaf = it became split/cleft/cloven/cracked, divided it lengthwise, fissure, longitudinal division, daybreak/dawn, uttered/performed what was admirable/wonderful, to strive/exert, become big/bulky/fat/plump, whole creation, all beings/things that are created, a piece/fragment broken off, the cleaver.

falaqa vb. (1) pcple. act. 6:95, 6:96

falaq n.m. 113:1

infalaqa vb. (7) perf. act. 26:63

LL, V6, p: 225, 226, 227

Fa-Nun-Dal = lie, utter a falsehood, to err or make a mistake, weak in judgement, unsound in mind, lack in ability, dotard.

fannada vb. (2) impf. act. 12:94

LL, V6, p: 232, 233

Fa-Nun-Nun = drove away, disperse, delay/defer, cheat/deceive/defraud/overreach, consist of different sorts/modes/manners, diversification, mix/confuse/vary, versatility, sorts/species, a branch of a tree, have branches.

afnan n.m. (pl. of fanan/fann) 55:48

LL, V6, p: 230, 231, 232

Fa-Nun-Ya = passed away, come to an end, vanish, become spent/exhausted, failed entirely, cease, perish, become aged.

fana vb. (1) pcple. act. 55:26

LL, V6, p: 235, 236

Fa-Qaf-Ayn = intensely yellow/white (free from admixture), red/tanned skin, become active and grown up (said of a young man), die of heat exhaustion, become red, bright in colour, calamity/misfortune/poverty.

faqa'a vb. (1) pcple. act. 2:69

LL, V6, p: 211, 212, 213

Fa-Qaf-Dal = to loose, want, miss, be depressed of. tafaqqada - to review, make an inquisition into, search out things lost or missed.

faqada vb. (1) impf. act. 12:71, 12:72

tafaqqada vb. (5) perf. act. 27:20

LL, V6, p: 208, 209

Fa-Qaf-ha = to be learned, skilled in divine law, endowed with penetration, understand a thing.

faqiha vb. (1)
impf. act. 4:78, 6:25, 6:65, 6:98, 7:179, 8:65, 9:81, 9:87, 9:127, 11:91, 17:44, 17:46, 18:57, 18:93, 20:28, 48:15, 59:13, 63:3, 63:7

tafqqaha vb. (5) impf. act. 9:122

LL, V6, p: 213, 214

Fa-Qaf-Ra = to be poor/destitute/needy, in want of, poverty. faqira / faqara - to overwhelm with back breaking calamity, feel a pain in the vertebrae.

faqara vb. (1) n.vb. 2:268

faqir n.m. (pl. fuqara) 2:271, 2:273, 3:181, 4:6, 4:135, 9:60, 22:28, 24:32, 28:24, 35:15, 47:38, 59:8

faqirah n.f. 75:25

LL, V6, p: 209, 210, 211

Fa-Ra-Ayn = to ascend, go down, overtop, surpass, branch, top of a tree, sprout, hair, consequence of a principle. Appellation of the ancient kings of Egypt and not the name of a particular king.

farAAuha n. m. - 14:24

LL, V6, p: 162, 163, 164

Fa-Ra-Ayn-Nun = Pharaoh

2:49, 2:50, 3:11, 7:103, 7:104, 7:109, 7:113, 7:123, 7:127, 7:130, 7:137, 7:141, 8:52, 8:54, 8:54, 10:75, 10:79, 10:83, 10:83, 10:88, 10:88, 10:90, 11:97, 11:97, 11:97, 17:101, 17:102, 20:24, 20:43, 20:60, 20:78, 20:79, 23:46, 26:11, 26:16, 26:23, 26:41, 26:44, 26:53, 27:12, 28:3, 28:4, 28:6, 28:8, 28:8, 28:9, 28:32, 28:38, 29:39, 38:12, 40:24, 40:26 , 40:28 , 40:29 , 40:36 , 40:37, 40:37, 40:45, 40:46, 43:46, 43:51, 44:17, 44:31, 50:13, 51:38, 54:41, 66:11, 66:11, 69:9, 73:15, 73:16, 79:17, 85:18, 89:10

LL, V6, p: 164, 165

Fa-Ra-Dal = to be alone, separated, single, sole, simple, uncompound, secede, isolate, busy oneself soley about a thing, seclude oneself from the world, without companions/ offspring.

fard n.m. (pl. furada) 6:94, 19:80, 19:95, 21:89, 34:46

LL, V6, p: 147, 148, 149

Fa-Ra-Dal-Sin = to feel anyone, fashion, prostrate before one's adversaries, throw down violently, spread on the ground. fardasatun - width, broodiness, to produce opulent and of various kind. fardasan - to be ample/broad/wide/large/capacious, comfortable, take a wide range. sadrun mufardasun - large chest. To fill and stuff the basket. firdaus - fertile land, the garden which contains everything that should be in a garden, orchard, fruitful valley, the best place of paradise.

firdaws n.m. 18:107, 23:11

LL, V6, p: 149

Fa-Ra-Dad = to impose law, prescribe, ordain, enact, settle, fix, ratify, appoint, command an observation or obedience to, sanction, assign, be aged. faridzun - old cow. faridzatun - ordinance, settlement, settled portion, jointure stipulation. mafrudz - appointed, determinate, settled one, allotted.

farada vb. (1)
perf. act. 2:197, 2:237, 2:237, 24:1, 28:85, 33:38, 33:50, 66:2
impf. act. 2:236
pcple. pass. 4:7, 4:118

farid n.f. 2:68

faridah n.f. 2:236, 2:237, 4:11, 4:24, 4:24, 9:60

LL, V6, p: 157, 158, 159

Fa-Ra-Ghayn = to be empty, vacant, to finish a thing, cease from, be unoccupied, be free from (other things)

faragha vb. (1)
perf. act. 94:7
impf. act. 55:31

pcple. act. 28:10

afragha vb. (4)
impf. act. 18:96
impv. 2:250, 7:126

LL, V6, p: 165, 166, 167

Fa-Ra-ha = to do skillfully, briskly, lively, cleverly, be elated with greatness, behave insolently.

fariha vb. (1)
pcple. act. 26:149

LL, V6, p: 173, 174

Fa-Ra-Ha = to be glad/happy/delighted/cheerful/pleased, rejoice, exult, who exults, lively.

fariha vb. (1)
perf. act. 6:44, 9:81, 10:22, 13:26, 30:36, 40:83, 42:48
impf. act. 3:120, 3:188, 10:58, 13:36, 27:36, 28:76, 30:4, 40:75, 57:23

farih n.m. 3:170, 9:50, 11:10, 23:53, 28:76, 30:32

LL, V6, p: 145, 146

Fa-Ra-Jiim = To open, separate, cleave, split, enlarge, part, let a space between, make a room, comfort anything in, dispel cares. An opening, intervening space [gap or breach] between two things. Ex: Parting hind legs or intervening spaces between fingers.
He opened, made room, ample space.
Furijat - Cloven, split, rent, opened.
Farjun (Pl. Furuj) - Pudenda (sex organ); chastity, space between legs (of horse or mare), part/s of a person (male/female) indecent to expose, external portions of the organs of generation [of a male/female]. Also the posterior pudendum because it is a place of opening, of between the legs.

faraja vb. (1) perf. pass. 77:9

farj n.m. (pl. furuj) 21:91, 23:5, 24:30, 24:31, 33:35, 50:6, 66:12, 70:29

LL, V6, p: 143, 144, 145

Fa-Ra-Qaf = to separate/distinguish/divide/split/decide. farqun - the act of distinction or separating. fariq - who separates, discriminates. firqun - separate part, heap. firqatun - band of human beings. fariqun - part/portion, some party or band of human beings. furqan - criterion of right or wrong, draft, evidence or demonstration, a name of The Quran, aid, victory, argument, proof, dawn, distinction.
faraqa (vb. 2) to make a division or distinction, make a schism. tafriq - division, dissension.
faraqa (vb. 3) To quit, depart.
mutafarriqun - diverse, different. fariqa - to fear, be frightened, plunge in the wave, seek refuge in fear, succour. yafraqu - to be timid and afraid, appear in one's true colour, be cowardly, be ridden by fear.

faraqa vb. (1)
perf. act. 2:50, 17:106
impv. 5:25
impf. pass. 44:4
n.vb. 77:4
pcple. act. f. pl. 77:4

fariqa vb. (1) impf. act. 9:56

fariq n.m. 2:75, 2:85, 2:87, 2:87, 2:100, 2:101, 2:146, 2:188, 3:23, 3:78, 3:100, 4:77, 5:70, 5:70, 6:81, 7:30, 7:30, 8:5, 9:117, 11:24, 16:54, 19:73, 23:109, 24:47, 24:48, 27:45, 30:33, 33:13, 33:26, 33:26, 34:20, 42:7, 42:7

firq n.m. 26:63

firqah n.f. 9:122

furqan n.m. 2:53, 2:185, 3:4, 8:29, 8:41, 21:48, 25:1

farraqa vb. (2)
perf. act. 6:159, 20:94, 30:32
impf. act. 2:102, 2:136, 2:285, 3:84, 4:150, 4:152
n.vb. 9:107

faraqa vb. (3)
impv. 65:2
n.vb. 18:78, 75:28

tafarraqa vb. (5)
perf. act. 3:105, 42:14, 98:4
impf. act. 3:103, 4:130, 6:153, 30:14, 42:13
pcple. act. 12:39, 12:67

LL, V6, p: 167, 168, 169, 170, 171

Fa-Ra-Ra = to flee, run away/off, escape, fleeing, flight, act of fleeing/running away. mafarr - refuge, shift, place of refuge.

farra vb. (1)
perf. act. 26:21, 33:16, 74:51
impf. act. 62:8, 80:34
impv. 51:50
n.vb. 18:18, 33:13, 33:16, 71:6

mafarr n.m. 75:10

LL, V6, p: 139, 140, 141

Fa-Ra-Shiin = to spread out, extend, stretch forth, furnish. furshan - to low (carry burden), be thrown down (for slaughter) of small animals of which flesh is used for food. farashun (gen. n.) moths. firashun (plu. furushun) - carpet, thing that is spread out to lie upon, bed. Wife/spouse (metaphorically).

farasha vb. (1)
perf. act. 51:48
n.vb. 6:142

farash n.m. 101:4

firash n.m. (pl. furush) 2:22, 55:54, 56:34

LL, V6, p: 153, 154, 155

Fa-Ra-Ta = to be sweet (water), thirst quenching, The Euphrate/Tigris.

furat n.m. 25:53, 35:12, 77:27

LL, V6, p: 142

Fa-Ra-Tha = to let out the contents, scatter and give out, to feel heaving in the stomach, contents of stomach, filth, dung, faeces.

farth n.m. 16:66

LL, V6, p: 142, 143

Fa-Ra-Tay = to precede, neglect, remiss, omit, excess, forsake, act hastily or unjustly, fall short, exceed bounds, be extravagant/excessive, injustice, outstrip others. mufratun - to be sent in advance and abandoned and left.

farata vb. (1) impf. act. 20:45

furut n.m. 18:28

farrata vb. (2)
perf. act. 6:31, 6:38, 12:80, 39:56
impf. act. 6:61

afrata vb. (4) pcple. pass. 16:62

LL, V6, p: 159, 160, 161, 162

Fa-Ra-Ya = to cut/split/cleave, slander, fabricate (a lie). In this root the letter Ya is changed to Alif when the verb is joined to the pronominal. fariya - to be astonished/ amazed, blame, repair. farriyun - new, strange, wonderful, remarkable, unheard, unprecedent.

fariy n.m. 19:27

iftara vb. (8)
perf. act. 3:94, 4:48, 6:21, 6:93, 6:144, 7:37, 7:89, 10:17, 10:38, 11:13, 11:18, 11:35, 11:35, 18:15, 20:61, 21:5, 23:38, 25:4, 29:68, 32:3, 34:8, 42:24, 46:8, 46:8, 61:7
impf. act. 3:24, 4:50, 5:103, 6:24, 6:112, 6:137, 6:138, 7:53, 10:30, 10:59, 10:60, 10:69, 11:21, 16:56, 16:87, 16:105, 16:116, 16:116, 17:73, 20:61, 28:75, 29:13, 46:28, 60:12,
impf. pass. 10:37, 12:111
n.vb. 6:138, 6:140
pcple. act. 7:152, 11:50, 16:101
pcple. pass. 11:13, 28:36, 34:43

LL, V6, p: 175, 176

Fa-Sin-Dal = to become evil/corrupted, invalid, decomposed, bad/spoiled/tainted, wrong, vicious, make mischief or foul deal. fasad - corruption/violence.

fasada vb. (1)
perf. act. 2:251, 21:22, 23:71

fasad n.m. 2:205, 5:32, 5:33, 5:64, 8:73, 11:116, 28:77, 28:83, 30:41, 40:26, 89:12

afsada vb. (4)
perf. act. 27:34
impf. act. 2:11, 2:27, 2:30, 2:205, 7:56, 7:85, 7:127, 12:73, 13:25, 16:88, 17:4, 26:152, 27:48, 47:22
pcple. act. 2:12, 2:60, 2:220, 3:63, 5:64, 7:74, 7:86, 7:103, 7:142, 10:40, 10:81, 10:91, 11:85, 18:94, 26:183, 27:14, 28:4, 28:77, 29:30, 29:36, 38:28

LL, V6, p: 180, 181

Fa-Sin-Ha = to be spacious, make room for, make long strides. to be wide/broad, enlarge, take one's ease in (a place).

fasaha vb. (1)
impf. act. 58:11
impv. 58:11

tafassaha vb. (5) impv. 58:11

LL, V6, p: 179

Fa-Sin-Qaf = to commit disobedience, go astray, transgress commandment, live in profligacy, disorder, become wicked, profligate, commit lewdness, become perverted, be impious, act wickedly.

fasaqa vb. (1)
perf. act. 10:33, 17:16, 18:50, 32:20
impf. act. 2:59, 6:49, 7:163, 7:165, 29:34, 46:20
n.vb. (fisq) 5:3, 6:121, 6:145
n.vb. (fusuq) 2:197, 2:282, 49:7, 49:11
pcple. act. 2:26, 2:99, 3:82, 3:110, 5:25, 5:26, 5:47, 5:49, 5:59, 5:81, 5:108, 7:102, 7:145, 9:8, 9:24, 9:53, 9:67, 9:80, 9:84, 9:96, 21:74, 24:4, 24:55, 27:12, 28:32, 32:18, 43:54, 46:35, 49:6, 51:46, 57:16, 57:26, 57:27, 59:5, 61:5, 63:6

LL, V6, p: 181, 182

Fa-Sin-Ra = to discover, explain, interpret, disclose (a hidden thing), comment. tafsir - explanation/commentary.

fassara vb. (2) n.vb. 25:33

LL, V6, p: 181

Fa-Shin-Lam = to become weak-hearted, coward, flag, grow spiritless or languid, loose heart, remiss.

fashila vb. (1)
perf. act. 3:152, 8:43
impf. act. 3:122, 8:46

LL, V6, p: 185, 186

Fa-Sad-Ha = to use good clear language, be eloquent.

fasih n.m. 28:34

LL, V6, p: 187, 188

Fa-Sad-Lam = he separated/divided or put apart a thing from another thing, made a separation/partition, distinct/plain/clear/manifest, explain in detail, to distinguish, deciding between two things (e.g. what is true and what is not), distinct portion/section.

FASALA: To set apart, separate, distinguish, set a limit, part, depart, decide, set out, divide into parts, expatiate into detail, make clear (statement), distinct, judge, narrate a thing with all its particulars.
FASLUN: Distinguishing, Decisive
MUFASSALAN: Clearly explained
FUSSILAT: Detailed
MUFASSALAT: Fully detailed

fasala vb. (1)
perf. act. 2:249, 12:94
impf. act. 22:17, 32:25, 60:3
n.vb. 37:21, 38:20, 42:21, 44:40, 77:13, 77:14, 77:38, 78:17, 86:13
pcple. act. 6:57

fasilah n.f. 70:13

fisal n.m. 2:233, 31:14, 46:15

fassala vb. (2)
perf. act. 6:97, 6:98, 6:119, 6:126, 7:52, 17:12
impf. act. 6:55, 7:32, 7:174, 9:11, 10:5, 10:24, 13:2, 30:28,
perf. pass. 11:1, 41:3, 41:44
n.vb. 6:154, 7:145, 10:37, 12:111, 17:12
pcple. pass. 6:114, 7:133

LL, V6, p: 189, 190, 191, 192

Fa-Sad-Miim = to break or crack without being separated.

infasama vb. (7) n.vb. 2:256

LL, V6, p: 192

Fa-Ta-Alif = to cease from, forget, break, desist (it is always used in a negative sense).

fata'a vb. (1) perf. act. 12:85

LL, V6, p: 111

Fa-Ta-Ha = to open, explain, grant, disclose, let out, give victory, conquer, judge, decide, ask for assistance/judgement/decision, seek succour/victory. mafatih (pl. of miftah) - keys/treasures.

fataha vb. (1)
perf. act. 2:76, 6:44, 7:96, 12:65, 15:14, 23:77, 48:1, 54:11
impf. act. 34:26, 35:2
impv. 7:89, 26:118
perf. pass. 21:96, 39:71, 39:73, 78:19
n.vb. 4:141, 5:52, 8:19, 26:118, 32:28, 32:29, 48:1, 48:18, 48:27, 57:10, 61:13, 110:1
pcple. act. 7:89

fattah n.m. 34:26

mafatih n.m. (pl. of miftah) 6:59, 24:61, 28:76

fattaha vb. (2)
impf. pass. 7:40
pcple. pass. f. 38:50

istaftaha vb. (10)
perf. act. 14:15
impf. act. 2:89, 8:19

LL, V6, p: 111, 112, 113

Fa-Ta-Lam = to twist (a rope or thread). fatilan - a thing of no value, small skin in the cleft of a date stone, whit, wick, dirt of the skin rolled between the fingers, in the least, pellicle of a date stone.

fatil n.m. 4:49, 4:77, 17:71

LL, V6, p: 117, 118

Fa-Ta-Nun = to try or prove, persecute, burn, assay, put into affliction, distress and hardship, slaughter, cause to err, seduce from faith by any means, mislead, sow dissension or difference of opinion, mischief, put in confusion, punish, give reply or excuse, tempt, lead to temptation, make an attempt upon, seduce. fitnatun - persecution, trial, probation, burning, assaying, reply, excuse, war, means whereby the condition of a person is evinced in respect of good or evil, hardship, punishment, answer, temptation, burning with fire.

fatana vb. (1)
perf. act. 6:53, 20:40, 20:85, 29:3, 38:24, 38:34, 44:17, 57:14, 85:10
impf. act. 4:101, 5:49, 7:27, 9:49, 10:83, 17:73, 20:131, 72:17
perf. pass. 16:110, 20:90
impf. pass. 9:126, 27:47, 29:2, 51:13
n.vb. 20:40
pcple. act. 37:162
pcple. pass. 68:6

fitnah n.f. 2:102, 2:191, 2:193, 2:217, 3:7, 4:91, 5:41, 5:71, 6:23, 7:155, 8:25, 8:28, 8:39, 8:73, 9:47, 9:48, 9:49, 10:85, 17:60, 21:35, 21:111, 22:11, 22:53, 24:63, 25:20, 29:10, 33:14, 37:63, 39:49, 51:14, 54:27, 60:5, 64:15, 74:31

LL, V6, p: 118, 119, 120

Fa-Ta-Qaf = to cleave asunder, split, break, disjoin, disunite, rend apart.

fataqa vb. (1) perf. act. 21:30

LL, V6, p: 115, 116

Fa-Ta-Ra = to flag, abate, diminish, feel weak, desist, become weak after vigour, be quiet. fatratun - cessation, internal of time.

fatara vb. (1)

3rd. m. plu. impf. act. 21:20

fatrah n.f. 5:19

fattara vb. (2)
3rd. m. sing. impf. pass. 43:75

LL, V6, p: 114, 115

Fa-Ta-Ya = to be young, full-grown, brave, generous, manly qualities, bold, courageous, fine fellow, gallant, young comrade, young slave, servant.
afta - to advise, give an opinion/instruction, decision, judgement or decision in a matter of law, give a formal legal decree, announce of inform a legal order, issue a (divine) decree or sacred law, explain the meaning, pronounce, furnish explanation.

fata n.m. (pl. fityan) 12:30, 12:36, 12:62, 18:10, 18:13, 18:60, 18:62, 21:60

fatayat n.f. (pl. of fatat) 4:25, 22:33

afta vb. (4)
impf. act. 4:127, 4:176
impv. 12:43, 12:46, 27:32

istafta vb. (10) impf. act. 4:127, 4:176, 12:41, 18:22
impv. 37:11, 37:149

LL, V6, p: 120, 121

Fa-Tay-Ra = to create out of nothing, cleave/split/crack/break, be broken into pieces, cleave asunder, begin to create. fitrat - natural disposition or constitution with which a child is created. The faculty of knowing God and capability of accepting the religion of truth, religion. fatir -creator, one of the names of Allah. futur - crack/flaw. munfatirun - split one, cloven one, one rent asunder.

fatara vb. (1)
perf. act. 6:79, 11:51, 17:51, 20:72, 21:56, 30:30, 36:22, 43:27
pcple. act. 6:14, 12:101, 14:10, 35:1, 39:46, 42:11

fitrah n.f. 30:30

futur n.m. 67:3

tafattara vb. (5) impf. act. 19:90, 42:5

infatara vb. (7)
perf. act. 82:1
pcple. act. 73:18

LL, V6, p: 114, 115

Fa-Waw-Dad = to interest any one with an affair, give jurisdictions, submit a thing to the judgement of another, confide, submit, give full power.

fawwada vb. (2)
1st. sing. impf. act. 40:44

LL, V6, p: 243

Fa-Waw-ha = to pronounce a latter or word, a discourse. famun/fumun (pl. afwah) - mouth.

fah n.m. (pl. afwah) 3:118, 3:167, 5:41, 9:8, 9:30, 9:32, 13:14, 14:19, 18:5, 24:15, 33:4, 36:65, 61:8

LL, V6, p: 248, 249, 250

Fa-Waw-Jim = to become fat/bulky/corpulent/large. naqatun fai'jun - a fat and bulky she camel. faujun - collection of persons, party/troop/company/group/crowd/band/army, people to who fallow a leader, host.

fawj n.m. (pl. afwaj) 27:83, 38:59, 67:8, 78:18, 110:2

LL, V6, p: 239

Fa-Waw-Mim = to make bread. fumun - bread, wheat, corn, any grain used for bread. fumatun - ear of corn, pinch of a thing, garlic.

fum n.m. 2:61

LL, V6, p: 247, 248

Fa-Waw-Qaf = to be superior in rank or excellence, overcome, surpass, to be above/over, on, upon, more, on high. fauq - it is a preposition meaning above/upon/over/more/superior. fawaq - time between two milkings/sucklings, between the opening of one's hand and grasping with it the udder and then lets it go for milking or a delay and space of time between the opening and closing of the hand during milking. afaqa - to come to one's self, recover (after a swoon or ilness), awake (from sleep), recollect.

fawaq n.m. 38:15

afaqa vb. (4) perf. act. 7:143

LL, V6, p: 244, 245, 246, 247

Fa-Waw-Ra = to boil, boil over, gush forth, run, do in haste, rush, come in a headlong manner, be raised, be in a fit of passion, be in a hurry, come instantly, come immediately, fall of a sudden, make a sudden rush.

fara vb. (1)
perf. act. 11:40, 23:27
impf. act. 67:7
n.vb. 3:125

LL, V6, p: 240, 241, 242

Fa-Waw-Ta = to pass away, slip (an opportunity), escape, loose, miss. tafawut - disparity, oversight, flaw, incongruity, fault, irregularity, want of proportion.

fata vb. (1)
perf. act. 3:153, 57:23, 60:11
n.vb. 34:51

tafawata vb. (6) n.vb. 67:3

LL, V6, p: 238, 239

Fa-Waw-Zay = to succeed, gain victory, achieve a goal, triumph, get possession, obtain one's desires, escape, salvation, safety, acquire, gain. mafazatun - time/place of safety/ refuge/felicity/serenity, of escape.

faza vb. (1)
perf. act. 3:185, 33:71
impf. act. 4:73
n.vb. 4:13, 4:73, 5:119, 6:16, 9:72, 9:89, 9:100, 9:111, 10:64, 33:71, 37:60, 40:9, 44:57, 45:30, 48:5, 57:12, 61:12, 64:9, 85:11
pcple. act. 9:20, 23:111, 24:52, 59:20

mafaz n.m. 78:31

mafazah n.f. 3:188, 39:61

LL, V6, p: 242

Fa-Ya / fi = Proposition which points to cause, space or time. In, into, amongst, in company with, during, with, of, for, for the sake of, upon, concerning, after, in comparison, about, among, on account of, respecting, by the side of, on, by, against, according to, in respect of.

Fa-Ya-Alif = to return, go back, go from (a vow), bring under the authority, change its place, shift, turn (shadow). fai - shade, gain of war, prisoner of war.

fa'a vb. (1)
perf. act. 2:226, 49:9
impf. act. 49:9

afa'a vb. (4) 33:50, 59:6, 59:7

tafayya'a vb. (5) impf. act. 16:48

LL, V6, p: 251, 252, 253

Fa-Ya-Dad = to be copious, overflow, abound, flow freely, spread. afada - to pour, proceed, return, be immersed in any business or communication, go from a place to another in a crowd. (it is both transitive and intransitive)

fada vb. (1) impf. act. 5:83, 9:92

afada vb. (4)
perf. act. 2:198, 2:199, 24:14
impf. act. 10:61, 46:8
impv. 2:199, 7:50

LL, V6, p: 255, 256, 257

Fa-Ya-Dal =

fil n.m. 105:1

LL, V6, p: 254, 255

Fa-Zay-Ayn = to be afraid, frightened, terrified, smitten with fear.

fazi'a vb. (1)
perf. act. 27:87, 34:51, 38:22
n.vb. 21:103, 27:89

fazza'a vb. (2) perf. pass. 34:23

LL, V6, p: 177, 178

Fa-Zay-Zay = to remove, provoke, expel, unsettle, be scared away from, turn away, startle. istafazza (vb. 10) - to excite, make active, deceive, unsettle, remove, expel, lead to destruction, make weak by humiliating, entail loss of right of citizenship.

istafazza vb. (10)
impf. act. 17:76, 17:103
impv. 17:64

LL, V6, p: 176

Fa-Za-Za = to be rough, rude, hardhearted, harsh, unmanly, severe.

fazz n.m. 3:159

LL, V6, p: 202, 203

Qaf = •

Qaf

50:1

Lane's Lexicon, Volume 7, pages: 5

= **Qaf-Ayn-Dal** = to sit down, remain behind, to hold back, to tarry, lie in wait, sit still, remain unmoved, desist, abstain, refrain, lurk in ambush, set snares, neglect, act of sitting, foundations/bases, women who are past child bearing age, elderly spinsters past child bearing age, one who sits at home, one who sits still, seat or place of sitting, station, encampment.

qa'ada vb. (I) - perf. act. 3:168, 9:90,
impf. act. 4:140, 6:68, 7:16, 7:86, 17:22, 17:29, 72:9,
impv. 9:5, 9:46, 9:83,
n. vb. 3:191, 4:103, 9:83,
pcple. act. (*qa'id*, pl. *qu'ud*) 4:95, 5:24, 9:46, 9:86, 10:12, 85:6,

maq'ad n.m. (pl. *maqa'id*) 3:121, 9:81, 54:55, 72:9,

qa'id n.compound. (adj.) 50:17,

qawa'id n.f. (pl. of *qa'idah*) 2:127, 16:26, 24:60

LL, V7, p: 72, 73, 74, 75

Qaf-Ayn-Ra = to dig deep, descend, sink, reach the bottom, cut empty, cut from the root, crush. taqa'ara - to be hollow, deep, felled. inqa'ara - to be uprooted. munqa'ir - that which is torn up by the roots, uprooted one, uprooted and hallowed.

inqa'ara vb. (7) m. sing. pcple. act. 54:20

LL, V7, p: 75, 76

• • • = **Qaf-Ba-Daad** = take with hand by actual touch/feel, close, grasp, clutch, seize, contract/draw/collect together, take posession, with reference to birds = contract their wings, quick in flight/pace.

qabada vb. (1)
perf. act. 20:96, 25:46
impf. act. 2:245, 9:67, 67:19
n.vb. 25:46
pcple. pass. 2:283

qabdah n.f. 20:96, 39:67

LL, V7, p: 9, 10, 11

Qaf-Ba-Ha = to abhor/disapprove, render ugly, be ugly/hideous/foul/abominable. maqbuhun - abhorred, rendered loathsome, hateful, shameful, deprived of all good, removed or driven from good, bereft.

qabaha vb. (1) pcple. pass. 28:42

LL, V7, p: 7, 8

• • • = **Qaf-Ba-Lam** = to accept/admit/receive/agree, meet anyone, to face/encounter someone/something, advance/approach, correspond, counteract/compare/requite/ compensate, the front part (12:26), accept with approval, show favour.
qablu - before/formerly,
qubulun - the fore-part, face to face, before, plural of *qabilum*,
qibalun - power, side, part,
qiblah - towards, in the direction of, facing, alongside,
qiblatun - anything before, opposite, the point in the direction of which prayer is performed, the Ka'bah at Makkah, a place of worship,
qabulun - favourable reception, gracious acceptance,
qabilun - tribe, host, plural *qabilatun*,
qabailun - tribe,
aqbala - to come near, draw near, approach, turn towards, rush upon,
taqabbala - to accept,
mutaqabilun - opposite to, facing one another,
mustaqbilun - proceeding towards, heading towards.

qabila vb. (1)
impf. act. 9:104, 24:4, 42:25
impf. pass. 2:48, 2:123, 3:85, 3:90, 3:91, 9:54
n.vb. 3:37
pcple. act. 40:3

qabil n.f. (pl. qaba'il) 7:27, 49:13

qabil n.m. 17:92

qibal n.m. or preposition. 2:177, 27:37, 57:13, 70:36

qiblah n.f. 2:142, 2:143, 2:144, 2:145, 2:145, 2:145, 10:87

qubul n.m. 6:111, 12:26, 18:55

aqbala vb. (4)
perf. act. 12:71, 12:82, 37:27, 37:50, 37:94, 51:29, 52:25, 68:30
impv. 28:31

taqabbala vb. (5)
perf. act. 3:37
impf. act. 5:27, 46:16
impv. 2:127, 3:35, 14:40
perf. pass. 5:27, 5:36
impf. pass. 5:27, 9:53

taqabala vb. (6) pcple. act. 15:47, 37:44, 44:53, 56:16

istaqbala vb. (10) pcple. act. 46:24

LL, V8, p: 237, 238

Qaf-Ba-Ra = to bury (the dead). aqbara - to cause to be buried, have a grave day, have anyone buried. Grave, tomb, intermediate state in which the soul lives after death till the resurrection. maqabir - cemetery, place of burying.

maqabir n.f. (pl. of maqbarah) - 102:2

qabr n.m. (pl. qubur) - 9:84, 22:7, 35:22, 60:13, 82:4, 100:9

aqbara vb. (4) perf. act. 80:21

LL, V7, p: 8

Qaf-Ba-Siin = to ask or take fire, learn, teach, catch, get a light from another. qabas - burning stick, fire brand, burning brand. iqtabsa (vb. 8) - to take light from another.

qabas n.m. 20:10, 27:7

iqtabassa vb. (8) perf. act. 57:13

LL, V7, p: 8, 9

Qaf-Dal-Dal = to rend, cut, tear, pull sharply apart. qaddat - she rent. qidad - parties of men at variance among themselves, companies of diverse and different (way).

qadda vb. (1)
perf. act. 12:25
perf. pass. 12:26, 12:27, 12:28

qidad n.f. (pl. of qiddah) 72:11

LL, V7, p: 17, 18, 19, 20

Qaf-Dal-ha =

qadaha vb. (1) n.vb. 100:2

Qaf-Dal-Miim = to precede, come forward, head a people. qadima - to come, return, come back from, turn, advance, set upon, betake one's self. qadamun - merit, rank, precedence, human foot, footing, foundation, example, strength. qadama sidqin - advancement, going forward in excellence, footing of firmness, strong and honourable footing, true rank, precedence of truthfulness. qadim - old, ancient. aqdamuna - forefathers. qaddama (vb. 2) - to bring upon, prefer, send before, prepare beforehand.

taqaddama (vb. 5) - to advance, proceed, go forward, be previously (done or said), bring upon, send before, put forward (a threat), (threaten) beforehand, obtrude (opinion), be promoted, proposed, surpass, outstrip any one. istaqdama - to desire to advance, wish to anticipate, advance boldly. mustaqdimun - one who goes forward or desires to advance, who goes ahead, who lived before, foremost.

qadima vb. (1)
perf. act. 25:23
impf. act. 11:98

qadam n.f. (pl. aqdam) 2:250, 3:147, 8:11, 10:2, 16:94, 41:29, 47:7, 55:41

qadim n.m. 12:95, 26:76, 36:39, 46:11

qaddama vb. (2)
perf. act. 2:95, 3:182, 4:62, 5:80, 8:51, 12:48, 18:57, 22:10, 28:47, 30:36, 36:12, 38:60, 38:61, 42:48, 50:28, 59:18, 62:7, 75:13, 78:40, 82:5, 89:24
impf. act. 2:110, 49:1, 58:13, 73:20
impv. 2:223, 58:12

taqaddama vb. (5)
perf. act. 48:2
impf. act. 74:37

istaqdama vb. (10)
impf. act. 7:34, 10:49, 16:61, 34:30
pcple. act. 15:24

LL, V8, p: 239, 240

Qaf-Dal-Ra = to measure/decree/determine/stint/straiten, to have power, to be able, a measure, means, ability, a term/decree, doom, destiny, measured, decreed.
qudrun - knowledge, law, value, power, measure, majesty, ability, glory, honour, standard, limit, destiny. taqdir - knowledge, law, measuring decree, judgement, ordering. maqduran - made absolute, executed. miqdar - due measurement, definite quantity. qidr (pl. qudurun) - cooking pot. qaddara - to make possible, prepare, devise, lay plan, facilitate. muqtadir - powerful, able to prevail.

qada/ira vb. (1)
perf. act. 6:91, 22:74, 39:67, 77:23, 89:16
impf. act. 2:264, 5:34, 13:26, 14:18, 16:75, 16:76, 17:30, 21:87, 28:82, 29:62, 30:37, 34:36, 34:39, 39:52, 42:12, 48:21, 57:29, 90:5

perf. pass. 54:12, 65:7
n.vb. (1) 2:236, 2:236, 13:17, 15:21, 20:40, 23:18, 33:38, 42:27, 43:11, 54:49, 77:22
n.vb. (2) 6:91, 22:74, 39:67, 65:3, 97:1, 97:2, 97:3
pcple. act. 6:37, 6:65, 10:24, 17:99, 23:18, 23:95, 36:81, 46:33, 68:25, 70:40, 75:4, 75:40, 77:23, 86:8
pcple. pass. 33:38

miqdar n.m. 13:8, 32:5, 70:4

qadir n.m. 2:20, 2:106, 2:109, 2:148, 2:259, 2:284, 3:26, 3:29, 3:165, 3:189, 4:133, 4:149, 5:17, 5:19, 5:40, 5:120, 6:17, 8:41, 9:39, 11:4, 16:70, 16:77, 22:6, 22:39, 24:45, 25:54, 29:20, 30:50, 30:54, 33:27, 35:1, 35:44, 41:39, 42:9, 42:29, 42:50, 46:33, 48:21, 57:2, 59:6, 60:7, 64:1, 65:12, 66:8, 67:1

qudur n.com. (pl. of qidr) 34:13

qaddara vb. (2)
perf. act. 10:5, 15:60, 25:2, 27:57, 34:18, 36:39, 41:10, 56:60, 74:18, 74:19, 74:20, 76:16, 80:19, 87:3
impf. act. 73:20
impv. 34:11
n.vb. 6:96, 25:2, 36:38, 41:12, 76:16

iqtadara vb. (8) pcple. act. 18:45, 43:42, 54:42, 54:55

LL, V7, p: 22, 23, 24

Qaf-Dal-Siin = to be pure, holy, spotless. qudusun - purity, sanctity, holiness. al quddus - the holy one, one above and opposite to all evil, replete with positive good. muqaddas - sacred. An earthen or wooden pot.

quddus n.m. 59:23, 62:1

qudus n.m. 2:87, 2:253, 5:110, 16:102

qaddasa vb. (2)
impf. act. 2:30
pcple. pass. f. 5:21, 20:12, 79:16

LL, V7, p: 24, 25 (V8: 239)

Qaf-Dal-Waw = to draw near, be agreeable and palatable in taste and smell. iqtada (vb. 8) - to imitate, copy, follow agreeably.

iqtada vb. (8)
m. sing. impv. 6:90
m. pl. pcple. act. 43:23

LL, V8, p: 240

Qaf-Dhal-Fa = to pelt, cast, inspire, hurt, do away, throw, plunge, charge anyone with (foul and evil actions), shoot, dart.

qadhafa vb. (1)
perf. act. 20:87, 33:26, 59:2
impf. act. 21:18, 34:48, 34:53
impv. 20:39, 20:39
impf. pass. 37:8

LL, V8, p: 240

Qaf-Dad-Ba = to cut off, strike with a rod, qadban - vegetable, edible plants.

qadaba vb. (1) n.vb. acc. 80:28

LL, V7, p: 65, 66, 67

Qaf-Dad-Dad = to bore/pierce, fall/tumble down. inqadda (vb. 7) to threaten to fall down.

inqadda vb. (7) impf. act. acc. assim. 18:77

LL, V7, p: 64, 65

• • • = **Qaf-Dad-Ya** = to finish entirely by word/deed, decreed/ordained/pronounced/ decide judicially, pass a sentence, create, bring to an end, attained/obtained/ accomplished/satisfied, execute, settle, discharge, to make known, reveal.

qada vb. (1)
perf. act. 2:117, 2:200, 3:47, 4:65, 4:103, 6:2, 12:68, 15:66, 17:4, 17:23, 19:35, 28:15, 28:28, 28:29, 28:44, 33:23, 33:36, 33:37, 33:37, 34:14, 39:42, 40:68, 41:12
impf. act. 8:42, 8:44, 10:93, 20:72, 22:29, 27:78, 40:20, 40:20, 43:77, 45:17, 80:23
impv. 10:71, 20:72
perf. pass. 2:210, 6:8, 6:58, 10:11, 10:19, 10:47, 10:54, 11:44, 11:110, 12:41, 14:22, 19:39, 39:69, 39:75, 40:78, 41:45, 42:14, 42:21, 46:29, 62:10
impf. pass. 6:60, 20:114, 35:36
pcple. act. 20:72
pcple. pass. 19:21, 19:71

qadiyah n.f. 69:27

LL, V8, p: 243

Qaf-Fa-Lam = to preserve, store up. qaffala - to lock up. qufl - lock/bolt.

aqfal n.m. (pl. of qufl) 47:24

LL, V8, p: 245

= **Qaf-Fa-Waw/Ya** = to go after, to pursue, walk behind, follow in the track of, follow the footsteps of, to cause to follow or succeed.

qafa vb. (1) impf. act. 17:36

qaffa vb. (2) 2:87, 5:46, 57:27, 57:27

LL, V8, p: 245, 246

Qaf-ha-Ra = to oppress, compel against one's wishes, subdue, overcome, become superior in power or force, overbear, get mastery over, constrain, treat harshly, thwart. qahir - master, victorious, one who subdues.

qahara vb. (1)
impf. act. 93:9
pcple. act. 6:18, 6:61, 7:127

qahhar n.m. 12:39, 13:16, 14:48, 38:65, 39:4, 40:16

LL, V7, p: 97, 98

Qaf-Ha-Miim = to rush, enter, undertake, attempt (the uphill path), make haste, try, plunge, invade, jump, impel, embark boldly.

iqtahama vb. (8)
3rd. m. sing. perf. act. 90:11
m. sing. pcple. act. 38:59

LL, V8, p: 239

Qaf-Lam-Ayn = to remove, extract, abate, pluck, snatch of, drive away, dismiss, take off, swallow, cease, wrap, collect, refrain, withdraw, abandon, leave off. aqla'a (vb. 4) - to abate and stop, have no trace.

aqla'a vb. (4) f. sing. impv. 11:44

LL, V8, p: 246

Qaf-Lam-Ba =

To turn, return, repentance and grief, turn a thing upside down, change, change direction, turn it about to it's face and back, turn inside out, change condition. *qalb* = heart. mutaqallabun - time or place where any one is busily employed. munqalabin - place or time of turmoil, reverse, turn, the end. munqalibun - one who returns.

qalaba vb. (1) impf. pass. 29:21

munqalab n.m. 18:36, 26:227

mutaqallab n.m. 47:19

qalb n.m. (pl. qulub) 2:7, 2:10, 2:74, 2:88, 2:93, 2:97, 2:118, 2:204, 2:225, 2:260, 2:283, 3:7, 3:8, 3:103, 3:126, 3:151, 3:154, 3:156, 3:159, 3:167, 4:63, 4:155, 5:13, 5:41, 5:41, 5:52, 5:113, 6:25, 6:43, 6:46, 7:100, 7:101, 7:179, 8:2, 8:10, 8:11, 8:12, 8:24, 8:49, 8:63, 8:70, 9:8, 9:15, 9:45, 9:60, 9:64, 9:77, 9:87, 9:93, 9:110, 9:110, 9:117, 9:125, 9:127, 10:74, 10:88, 13:28, 15:12, 16:22, 16:106, 16:108, 17:46, 18:14, 18:28, 18:57, 21:3, 22:32, 22:35, 22:46, 22:46, 22:53, 22:53, 22:54, 23:60, 23:63, 24:37, 24:50, 26:89, 26:194, 26:200, 28:10, 30:59, 33:4, 33:5, 33:10, 33:12, 33:26, 33:32, 33:51, 33:53, 33:53, 33:60, 34:23, 37:84, 39:22, 39:23, 39:45, 40:18, 40:35, 41:5, 42:24, 45:23, 47:16, 47:20, 47:24, 47:29, 48:4, 48:11, 48:12, 48:18, 48:26, 49:3, 49:7, 49:14, 50:33, 50:37, 57:16, 57:27, 58:22, 59:2, 59:10, 59:14, 61:5, 63:3, 64:11, 66:4, 74:31, 79:8, 83:14

qallaba vb. (2)
perf. act. 9:48
impf. act. 6:110, 18:18, 18:42, 24:44
impf. pass. 33:66

taqallaba vb. (5)
impf. act. 24:37
n.vb. 2:144, 3:196, 16:46, 26:219, 40:4

inqalaba vb. (7)
perf. act. 3:144, 3:174, 7:119, 9:95, 12:62, 22:11, 83:31, 83:31
impf. act. 2:143, 3:127, 3:144, 3:149, 5:21, 26:227, 48:12, 67:4, 84:9
pcple. act. 7:125, 26:50, 43:14

LL, V7, p: 80, 81, 82, 83

Qaf-Lam-Dal = twisted/wound/wreathed a thing, rope, necklace, garland, collar, bracelet, to hang up (e.g. sword on belt), piece of skin, sandal.
Irrigated, irrigated land.
Lane's Lexicon on 5:2 - prefects or the like with offices of administration, permanent badge (of favour), authority, mode of order-giving, impose upon a thing.
Management.
Drown, to seize, close upon, cover.
Key, phrase: "I threw to him the keys of the affairs" meaning "I committed to him disposal/management of the affairs", treasure, repository/store-room/treasury/magazine, the place of the suspended thing (e.g. neck, belt), a chief upon whom are imposed the affairs of the people.

qalaid n. .f (pl. of *qiladah*) - 5:2, 5:97

maqalid n. m. (pl. of *miqlad*) - 39:63, 42:12

LL, V7, p: 85, 86

Qaf-Lam-Lam = to be few in number, small in quantity, rare. qalilun - few, little, small, rare, seldom. aqall - fewer, poorer. qallala - to appear as few.

qalla vb. (1) perf. act. 4:7

qalil n.m. 2:41, 2:79, 2:83, 2:88, 2:126, 2:174, 2:246, 2:249, 2:249, 3:77, 3:187, 3:197, 3:199, 4:46, 4:66, 4:77, 4:83, 4:142, 4:155, 5:13, 5:44, 7:3, 7:10, 7:86, 8:26, 8:43, 8:44, 9:9, 9:38, 9:82, 11:40, 11:116, 12:47, 12:48, 16:95, 16:117, 17:52, 17:62, 17:74, 17:76, 17:85, 18:22, 18:39, 23:40, 23:78, 23:114, 26:54, 27:62, 28:58, 31:24, 32:9, 33:16, 33:18, 33:20, 33:60, 34:13, 34:16, 38:24, 39:8, 40:58, 44:15, 48:15, 51:17, 53:34, 56:14, 67:23, 69:41, 69:42, 72:24, 73:2, 73:3, 73:11, 77:46

qallala vb. (2) impf. act. 8:44

aqalla vb. (4) perf. act. 7:57

LL, V8, p: 246

Qaf-Lam-Miim = to cut, pierce. qalam - pen, headless arrow used in casting lots.

qalam n.m. (pl. aqlam) 3:44, 31:27, 68:1, 96:4

LL, V8, p: 247

Qaf-Lam-Ya =to hate, detest, abhor, dislike, forsake.

qala vb. (1)
perf. act. 93:3
pcple. act. 26:168

LL, V8, p: 247

Qaf-Miim-Ayn = to beat on the head, subdue, tame, goad (an elephant) on the head, persecute, overpower, apply a mace or whip or grips, curb, restrain, hold in subjection, bring to submission. miqma'ah - mace, red whip.

maqami n.f. (pl. of miqma'ah) 22:21

LL, V8, p: 247

Qaf-Miim-Ha = to raise the head and refuse to drink (a camel). muqmahun (vb. 4) - one whose head is forced up so that he cannot see, stiff-necked, proud.

aqmaha vb. (4) m. pl. pcple. pass. 36:8

LL, V7, p: 88, 89, 90

Qaf-Miim-Lam = to swarm with lice or vermin. qummalun - lice, tick, small ants, red-winged insects.

qummal n.m. pl. 7:133

LL, V8, p: 247

Qaf-Miim-Ra = to be white. qamarun - moon (especially from the 3rd to 26th night).

qamar 6:77, 96, 7:54, 10:5, 12:4, 13:2, 14:33, 16:12, 21:33, 22:18, 25:61, 29:61, 31:29, 35:13, 36:39, 36:40, 39:5, 41:37, 41:37, 54:1, 55:5, 71:16, 74:32, 75:8, 75:9, 84:18, 91:2

LL, V7, p: 90, 91

Qaf-Miim-Sad = to canter or bound. qamis - long shirt.

qamis n.m. 12:18, 12:25, 12:26, 12:27, 12:28, 12:93

LL, V7, p: 91, 92

Qaf-Miim-Tay-Ra = to frown, scorn, knit the brow, show displeasure or distress.

qamtarir n.m. acc. 76:10

LL, V7, p: 93

Qaf-Nun-Ayn = to be content, satisfied with what is within one's approach, not looking for more, beg with some reservation, beseech earnestly. qani'un (pl. qunna'un) - one who is deserving charity but does not beg, content. muqni'un (vb. 4) - one who lifts up the head. aqna'a - to raise (the head), outstretched neck.

qana'a vb. (1) m. sing. pcple. act. 22:36

aqna'a vb. (4) m. pl. pcple. act. 14:43

LL, V8, p: 247

Qaf-Nun-Ta = to be devout, obedient, fully and wholeheartedly in all humility to stand long in prayer. qanitun - one who is fully, wholehearted and in all humility devout and obedient.

qanata vb. (1)
impf. act. 33:31
impv. 3:43
pcple. act. 2:116, 2:238, 3:17, 4:34, 16:120, 30:26, 33:35, 33:35, 39:9, 66:5, 66:12

LL, V7, p: 94, 95

Qaf-Nun-Tay = to despair, lose courage, hinder, abandon hope.

qanata vb. (1)
perf. act. 42:28
impf. act. 15:56, 30:36, 39:53
pcple. act. 15:55

qanut n.m. (adj.) 41:49

LL, V7, p: 96

Qaf-Nun-Tay-Ra = to have a heap of wealth, have a large sum of money, have treasures, have talent. qintar - heap of wealth/treasure/talent, ancient unit of money and weight.

qantara vb. (quad 1) pcple. pass. f. 3:14 (muqantara)

qintar (pl. qanatir) n.m. 3:14, 3:75, 4:20

LL, V7, p: 96, 97

Qaf-Nun-Waw = to get, acquire, appropriate a thing, create. qinwan - bunches or clusters of dates.

qinwan n.m. (pl. of qina) 6:99

LL, V8, p: 248

Qaf-Nun-Ya = to acquire a thing, bring into his possession and not to depart from his hand. aqna (vb. 4) - to cause to acquire, make contended, satisfy, preserve, make satisfy with a given thing.

aqna vb. (4) perf. act. 53:48

LL, V8, p: 248

••• = **Qaf-Ra-Alif** = to recite/read, compilation, collection, reading, recitation, explanation, study, investigation.

qara'a vb. (I): perf. act. 16:98, 17:45, 26:199, 75:18

yaqra'u - impf. act. 10:94, 17:71, 17:93, 17:106

iqra - impv. 17:14, 69:19, 73:20, 73:20, 96:1, 96:3

quri'a - perf. pass. 7:204, 84:21

qur'an - n.m. 2:185, 4:82, 5:101, 6:19, 7:204, 9:111, 10:15, 10:37, 10:61, 12:2, 12:3, 12:31, 15:1, 15:87, 15:91, 16:98, 17:9, 17:41, 17:45, 17:46, 17:60, 17:78, 17:78, 17:82, 17:88, 17:89, 17:106, 18:54, 20:2, 20:113, 20:114, 25:30, 25:32, 27:1, 27:6, 27:76, 27:92, 28:85, 30:58, 34:31, 36:2, 36:69, 38:1, 39:27, 39:28, 41:3, 41:26, 41:44, 42:7, 43:3, 43:31, 46:29, 47:24, 50:1, 50:45, 54:17, 54:22, 54:32, 54:40, 55:2, 56:77, 59:21, 72:1, 73:4, 73:20, 75:17, 75:18, 76:23, 84:21, 85:21

quru n.m. - 2:228

aqra'a vb. (IV) - 87:6 (to cause to read/recite)

LL, V7, p: 30, 31, 32

Qaf-Ra-Ayn = to knock, strike, beat, hit the butt, gnash (the teeth), strike with severity. qari'atun - great calamity that destroys a nation, adversity that comes suddenly, a name of the day of resurrection, great abuse.

qari'ah n.f. act. sing. 13:31, 69:4, 101:1, 101:2, 101:3

LL, V8, p: 241

Qaf-Ra-Ba = to be near to, approach, offer, be near in relationship or rank, be at hand, draw near. qurbatun - proximity, means of drawing nigh, kindred, relationship. qurubatan (pl. qurubatun) - pious works and good deeds which draw people nigh to Allah, means by which an approach is sought. qaribun - night, near at hand (either in time or place). min qaribin - soon after. qurba - affinity, relationship. qurban - sacrifice, offer made for God,

means of access to God. aqrabu - closer, closest. aqrabun - kinsfolk, kindred, those most nearly related. qarrab (vb. 2) - to set before, cause to draw nigh, make an offering, offer (sacrifice). muqarrabun (pl. maqarrabuna) - one who is made or permitted to approach, who is brought nigh.

qariba vb. (I) - impf. act. 2:35, 2:187, 2:222, 4:43, 6:151, 6:152, 7:19, 9:28, 12:60, 17:32, 17:34

aqrabun n.m. (pl) - 2:180, 2:215, 4:7, 4:7, 4:33, 4:135, 26:214

maqrabah n.f. - 90:15

qarib n.m. (adj. comp. aqrab) - 2:186, 2:214, 2:237, 3:167, 4:11, 4:17, 4:77, 5:8, 5:82, 7:56, 9:42, 11:61, 11:64, 11:81, 13:31, 14:44, 16:77, 17:51, 17:57, 18:24, 18:81, 21:109, 22:13, 33:63, 34:50, 34:51, 42:17, 48:18, 48:27, 50:16, 50:41, 56:85, 59:15, 61:13, 63:10, 70:7, 72:25, 78:40

qurba n.f. - 2:83, 2:177, 4:8, 4:36, 4:36, 5:106, 6:152, 8:41, 9:113, 16:90, 17:26, 24:22, 30:38, 35:18, 42:23, 59:7

qurbah n.f. (pl. qurubat) - 9:99, 9:99

qurban n.m. - 3:183, 5:27, 46:28

qarraba vb. (II) - perf. act. 5:27, 19:52, 51:27, impf. act. 34:37, 39:3, pcple. pass. 3:45, 4:172, 7:114, 26:42, 56:11, 56:88, 83:21, 83:28

iqtaraba vb. (VIII) - perf. act. 7:185, 21:1, 21:97, 54:1, impv. 96:19

LL, V7, p: 32, 33, 34, 35, 36, 37

Qaf-Ra-Dal = to cling to the ground, lie in dust, become abject or mean. qiradatan - apes, monkeys.

qiradah n.m. (pl. of qird) 2:65, 5:60, 7:166

LL, V7, p: 40, 41

Qaf-Ra-Dad = to cut, turn away from, severe, do good deed.

qarada vb. (1)
impf. pass. 18:17
n.vb. 2:245, 5:12, 57:11, 57:18, 64:17, 73:20

aqrada vb. (4)
perf. act. 5:12, 57:18
impf. act. 2:245, 57:11, 64:17
impv. 73:20

LL, V7, p: 43, 44

Qaf-Ra-Fa = to earn, peel (the bark or skin), commit, perform (a crime, foolish act), acquire, gain, learn, fabricate, mix truth with falsehood, transgress.

iqtarafa vb. (8)
perf. act. 9:24
impf. act. 6:113, 6:120, 42:23
pcple. act. 6:113

LL, V8, p: 241

Qaf-Ra-Ha = to wound/hurt, blow, sore, outer injury.

qaraha vb. (1) n.vb. 3:140, 3:140, 3:172

LL, V7, p: 37, 38, 39, 40

Qaf-Ra-Nun = to join one thing with another, couple. qarnin/qarnan - generation, century. qarn (dual qarnani, oblique qaraini, plu. qurun) - horn, trumpet. Often used to symbolise strength/power/glory. qarunun (pl. qurana) - mate, comrade, intimate companion. muqarranin - bound together. muqrinina - capable of subduing. muqtarinin - those formed in serried ranks, accompanying ones.
Dzu al Qarnain (Zulqarnain/dhul-qarnayn) - the two horned one, one belonging to two century, or two generation, master of two states/kingdoms. The surname of Cyrus (Darius 1) the ruler of Media and Persia which were combined into a single kingdom under him.

Qarun (Korah) - he was fabulously rich and stood high in favour of Pharaohs.

qarn n.m. (pl. qurun) 6:6, 6:6, 10:13, 11:116, 17:17, 19:74, 19:98, 20:51, 20:128, 23:31, 23:42, 25:38, 28:43, 28:45, 28:78, 32:26, 36:31, 38:3, 46:17, 50:36

dhul-qarnayn n. 18:83, 18:86, 18:94

qarin n.m. (pl. qorana) 4:38, 4:38, 37:51, 41:25, 43:36, 43:38, 50:23, 50:27

qarun n. 28:76, 28:79, 29:39, 40:24

qarrana vb. (2) pcple. pass. 14:49, 25:13, 38:38

aqrana vb. (4) pcple. act. 43:13

iqtarana vb. (8) pcple. act. 43:53

LL, V8, p: 241, 242

Qaf-Ra-Ra = to be or become cool, remain quiet, be steadfast, be firm, refresh, be stable, be firm, receive satisfy, affirm, agree, settle, last. qarar - stability, a fixed or secure place, depository, place ahead. qurratun - coolness, delight. aqarra (vb. 4) - to confirm, cause to rest or remain. istaqarra (vb. 10) - to remain firm. mustaqirrun - that which remains firmly fixed or confirmed, in hiding, is lasting, which certainly comes to pass, which is settled in its being/goal/purpose. mustaqar - firmly fixed/established, sojourn, abode. qurratun - coolness, refreshment, source of joy and comfort. qawarir (pl. of qaruratun) - glasses, crystals.

qarra vb. (1)
impf. act. 20:40, 28:13, 33:51
impv. 9:26, 33:33
n.vb. 14:26, 14:29, 23:13, 23:50, 27:61, 38:60, 40:39, 40:64, 77:21

mustaqarr n.m. 2:36, 6:67, 6:98, 7:24, 11:6, 25:24, 25:66, 25:76, 36:38, 75:12

qawarir n.f. (pl. of qarurah) 27:44, 76:15, 76:16

qurrah n.f. 25:74, 28:9, 32:17

aqarra vb. (4)
perf. act. 2:84, 3:81, 3:81

impf. act. 22:5

istaqarra vb. (10)
perf. act. 7:143
pcple. act. 27:40, 54:3, 54:38

LL, V7, p: 27, 28, 29, 30

Qaf-Ra-Shiin = to cut off, curtail, he gained/earned/acquired and collected (for his family). Big fish, victorious, name of an Arab tribe descended from Abraham of which Muhammad's grandfather was the chief.

quraysh n. 106:1

LL, V8, p: 240

Qaf-Ra-Tay-Siin = to shoot, take aim, hit the mark, perish. qirtas (pl. qaratis) - parchment, what one writes upon, sheet of paper, scroll of paper, writing, book, skin used as target.

qirtas n. 6:7, pl. 6:91

LL, V7, p: 45, 46

Qaf-Ra-Ya = To entertain a guest, that with which a guest is entertained. To collect, run to/into. To explore; investigate; with a much and diligent search, city/town.

qaryah n.f. (pl. qura) 2:58, 2:259, 4:75, 6:92, 6:123, 6:131, 7:4, 7:82, 7:88, 7:94, 7:96, 7:97, 7:98, 7:101, 7:161, 7:163, 10:98, 11:100, 11:102, 11:117, 12:82, 12:109, 15:4, 16:112, 17:16, 17:58, 18:59, 18:77, 21:6, 21:11, 21:74, 21:95, 22:45, 22:48, 25:40, 25:51, 26:208, 27:34, 27:56, 28:58, 28:59, 28:59, 29:31, 29:34, 34:18, 34:18, 34:34, 36:13, 42:7, 43:23, 43:31, 46:27, 47:13, 47:13, 59:7, 59:14, 65:8

LL, V8, p: 242

Qaf-Siin-Miim = to divide, dispose, separate, apportion, distribute. qasamun - oath. qismatun - partition, division, dividing, apportionment. maqsumun - divided/distinct. muqassimun (vb. 2) - one who takes oath, who apportions. qasama (vb. 3) - to swear. aqsama (vb. 4) - to swear. taqasama (vb. 6) - to swear one to another. muqtasimun (vb. 8) - who divides. istaqsama (vb. 10) - to draw lots. tastaqsimu - you seek division.

qasama vb. (1)
perf. act. 43:32
impf. act. 43:32
pcple. pass. 15:44

qasam n.m. 56:76, 89:5

qismah n.f. 4:8, 53:22, 54:28

qassama vb. (2) pcple. act. 51:4

qasama vb. (3) perf .act. 7:21

aqsama vb. (4)
perf. act. 5:53, 6:109, 7:49, 14:44, 16:38, 24:53, 35:42, 68:17
impf. act. 5:106, 5:107, 24:53, 30:55, 56:75, 69:38, 70:40, 75:1, 75:2, 81:15, 84:16, 90:1

taqasama vb. (6) impv. 27:49

iqtasama vb. (8) pcple. act. 15:90

istaqsama vb. (10) impf. act. 5:3

LL, V8, p: 242

Qaf-Siin-Ra = to force any one, compel. qaswarat (pl. qasawiratun) - lion, sturdy, powerful.

qaswarat n.m. sing. 74:51

LL, V7, p: 50

Qaf-Siin-Siin = to slander any one, think evil, seek after a thing, pasture cleverly, become a priest, become good herdsman. qissis - savant, Christian, priest, devoted to learning.

qissis n.m. pl. 5:82

LL, V7, p: 49

Qaf-Siin-Tay = to swerve from justice, act or deal unjustly/wrongfully. qasuta - to act justly. qist - justice, equity. qasit - one who acts unjustly/unrighteously. aqsatu - more just. aqsata (vb. 4) - to be just. muqsitun - one who observes justice.

qasata vb. (1) pcple. act. 72:14, 72:15

aqsat n.m. 2:282, 33:5

qist n.m. 3:18, 3:21, 4:127, 4:125, 5:8, 5:42, 6:152, 7:29, 10:4, 10:47, 10:54, 11:85, 21:47, 55:9, 57:25

aqsata vb. (4)
impf. act. 4:3, 60:8
impv. 49:9
pcple. act. 5:42, 49:9, 60:8

LL, V7, p: 50, 51

Qaf-Siin-Tay-Siin = balance/scale.

qistas n.m. 17:35, 26:182

LL, V7, p: 51

Qaf-Siin-Waw = to be or become hard, hardness, harder, unyielding, pitiless.

qasa vb. (1)
perf. act. 2:74, 6:43, 57:16
n.vb. 2:74

pcple. act. 5:13, 22:53, 39:22

Qaf-Shiin-Ayn-Ra = to snipe, shudder, shiver, tremble, become rough.

iqsha'arra vb. (quad 4)
3rd. f. sing. impf. act. 39:23

LL, V7, p: 54

Qaf-Sad-Dal = to intend, be moderate, steer a middle course, go or proceed straight away, aim at, intend, repair, purpose, act moderately. qasdun - the right way, middle path, right direction, leading the right path, aim, intention, straight and right road, just. qasidun - easy or moderate (journey). muqtasidun - one who keeps to the right and moderate path, who falls between the two extremes or upper limit and lower limit, of good intentions.

qasada vb. (1)
impv. 31:19
n.vb. 16:9
pcple. act. 9:42

iqtasada vb. (8) pcple. act. 5:66, 31:32, 35:32

LL, V7, p: 59, 60

Qaf-Sad-Fa = to roar and resound (thunder), rumble. qasifun - heavy gale of wind, hurricane, fierce storm, raging tempest.

qasif n.m. act. acc. sing? 17:69

LL, V8, p: 243

Qaf-Sad-Miim = to break in pieces, shatter, demolish utterly, destroy completely.

qasama vb. (1) perf. act. 21:11

LL, V8, p: 243

= **Qaf-Sad-Ra** = become short, have little or no power, become niggardly, fall short, i.e. not to reach something, left/relinquish/abstain/desist/cease, took from its length, clip/ shove, restricted/confined/limited, kept within certain bounds or limits, restrain/withheld, hinder/prevent, contract or draw oneself together, obedient, last part of day. qasr (pl. qusur) - ample and spacious house, castle, palace.

qasara vb. (1)
impf. act. 4:101
pcple. act. 37:48, 38:52, 55:56
pcple. pass. 55:72

qasr n.m. (pl. qusur) 7:74, 22:45, 25:10, 77:32

qassara vb. (2) pcple. act. 48:27

aqsara vb. (4) impf. act. 7:202

LL, V7, p: 60, 61, 62, 63, 64

Qaf-Sad-Sad = to impart, tell/communicate/narrate/recount, follow one's track, retrace, retaliate, cut off, relate, declare, make mention of. qasasun - narrative, act of following. qisas - just retaliation.

qassa vb. (1)
perf. act. 4:164, 16:118, 28:25, 40:78
impf.act. 4:164, 6:57, 6:130, 7:7, 7:35, 7:101, 11:100, 11:120, 12:3, 12:5, 18:13, 20:99, 27:76, 40:78
impv. 7:176, 28:11
n.vb. 3:62, 7:176, 12:3, 12:111, 18:64, 28:25

qisas n.m. 2:178, 2:179, 2:194, 5:45

LL, V7, p: 54, 55, 56

Qaf-Sad-Waw = distant/remote, far, go far away. quswa - more remote, further.

qasiyyan n.m. act. acc. 19:22
aqsa (elative) 17:1, 28:20, 36:20
quswa (elative f.) 8:42

LL, V8, p: 243

= **Qaf-Ta-Lam** = to kill, put to death, be accused, slay/murder/kill/slaughter, attempt to kill, render person like to one killed, to wage war/combat/battle, to master, contend/ fight, deadly, knew a thing thoroughly/well, become acquainted with it.

qatala vb. (I)
perf. act. 2:72, 2:251, 3:183, 4:92, 4:157, 4:157, 4:157, 5:30, 5:32, 5:32, 5:95, 5:95, 6:140, 8:17, 18:74, 18:74, 20:40, 28:19, 28:33
impf. act. 2:61, 2:85, 2:87, 2:91, 3:21, 3:21, 3:112, 4:29, 4:92, 4:93, 5:27, 5:28, 5:28, 5:70, 5:95, 6:151, 6:151, 7:150, 8:17, 8:30, 9:111, 12:10, 17:31, 17:33, 25:68, 26:14, 28:9, 28:19, 28:20, 28:33, 33:26, 40:26, 40:28, 60:12
impv. 2:54, 2:191, 2:191, 4:66, 4:89, 4:91, 9:5, 12:9, 29:24, 40:25
perf. pass. 3:144, 3:154, 3:156, 3:157, 3:158, 3:168, 3:169, 3:195, 17:33, 22:58, 47:4, 51:10, 74:19, 74:20, 80:17, 81:9, 85:4
impf. pass. 2:154, 4:74, 9:111
n. vb. 2:191, 2:217, 3:154, 3:181, 4:155, 5:30, 6:137, 17:31, 17:33, 33:16

qatala n.m. (pl. of qatil) - 2:178,

qattala vb. (II)
impf. act. 7:127, 7:141
perf. pass. 33:61
impf. pass. 5:33,
n. vb. 33:61

qatala vb. (III)
perf. act. 2:191, 3:146, 3:195, 4:90, 9:30, 33:20, 48:22, 57:10, 57:10, 60:9, 63:4
impf. act. 2:190, 2:191, 2:191, 2:217, 2:246, 2:246, 2:246, 3:13, 3:111, 4:74, 4:74, 4:75, 4:76, 4:76, 4:90, 4:90, 4:90, 9:13, 9:36, 9:83, 9:111, 48:16, 59:14, 60:8, 61:4, 73:20
impv. 2:190, 2:193, 2:244, 3:167, 4:76, 4:84, 5:24, 8:39, 9:12, 9:14, 9:29, 9:36, 9:123, 49:9
perf. pass. 59:11, 59:12
impf. pass. 22:39
n. vb. 2:216, 2:217, 2:217, 2:246, 2:246, 3:121, 3:167, 4:77, 4:77, 8:16, 8:65, 33:25, 47:20

iqtatala vb. (VIII) perf. act. 2:253, 2:253, 49:9, impf. act. 28:15

LL, V8, p: 238

Qaf-Ta-Ra = to be stingy, tight-fisted, niggardly, have scantily, be barely sufficient (sustenance), give bare sustenance. qatarun & qataratun - dust, gloom (of sorrow), darkness, stinginess. qaturun - niggardly. muqtirun - to be in reduced circumstances, straitened.

qatara vb. (1) impf. act. 25:67

qatar n.m. (f. qatarah) 10:26, 80:41

qatur n.m. 17:100

aqtara vb. (4) pcple. act. 2:236

LL, V7, p: 14

Qaf-Tha-Alif = to eat a thing that makes sound and crunch under the molar teeth while chewing, for example while eating cucumber, to abound in cucumbers. qiththa - cucumber.

qiththa n.m. 2:61

LL, V7, p: 15

Qaf-Tay-Ayn = to cut/sever/disunite/separate/detach, to disable in prosecuting, unable to proceed in, withdrew, break down, perish/cease/finish/fail, cut short / stop, intercepted/interrupted, put an end/stop to, a piece/bit/part/portion cut off from a whole, herd, distinct portion.

qata'a vb. (1)
perf. act. 7:72, 59:5, 69:46
impf. act. 2:27, 3:127, 8:7, 9:121, 13:25, 22:15, 29:29
impv. 5:38

perf. pass. 6:45
pcple. act. 27:32
pcple. pass. 15:66, 56:33

qit n.m. 11:81, 15:65

qita n.f. (pl. of qitah) 10:27, 13:4

qatta'a vb. (2)
perf. act. 7:160, 7:168, 12:31, 12:50, 47:15
impf. act. 7:124, 20:71, 26:49, 47:22
perf. pass. 13:31, 22:19
impf. pass. 5:33

taqatta'a vb. (5)
perf. act. 2:166, 6:94, 21:93, 23:53
impf. act. 9:110

LL, V8 supplement, p: 244

Qaf-Tay-Fa = to gather (grapes), pluck (fruits), snatch, cluster of fruit.

qutuf n.m. (pl. of qitf) 69:23, 76:14

LL, V8, p: 245

Qaf-Tay-Miim-Ra = husk of a date-stone, thin skin which envelopes a date-stone, integument of a date-stone.

qitmir n.m. 35:13

LL, V7, p: 71

Qaf-Tay-Nun = he resided in the place, resident, closet (i.e. a small chamber within a large chamber), lower part of the loins, lower part of the back.

yaqtin n.m. 37:146

LL, V8, p: 245

Qaf-Tay-Ra = to drop, drip (liquid). taqattara - to fall on the side. taqatara - to walk side by side. aqtar (pl. of qutrun) - sides, regions. qitran - molten copper, liquid pitch.

aqtar n.m. (pl. of qutr) 33:14, 55:33

qatiran n.m. 14:50

qitr n.m. 18:96, 34:12

LL, V7, p: 70, 71

Qaf-Tay-Tay = to cut, mend, make portions. qittun - portion, share.

qitt n.m. 38:16

LL, V7, p: 67, 68, 69

Qaf-Waw-Ayn = to cover, lag behind, walk cautiously, even, soft, depressed, desert, waterless, barren place, desolate.

n.m. sing. *acc. qaAAan* 20:106, plu. *qeeAAtin* 24:39

LL, V8, p: 248

Qaf-Waw-Ba = to dig a hole like an egg, draw near, fly away. qab - space between the middle and the end of a bow, portion of a bow that is between the part which is grasped by the hand and the curved extremity, space of one extremity of the bow to the other, short measure of space/length/distance (often used to imply closeness of relationship).

qaba n.m. 53:9

LL, V7, p: 98, 99

Qaf-Waw-Lam = to say/speak, to call, to be named, word/speech, utterance, a thing said, greeting, discourse, one who says/speaks. To inspire/transmit/relate/answer/think/profess, emit an opinion on, indicate a state or condition or circumstance. qa'ilun - speaker, indicator.

qala vb. (1)
perf. act. 2:11
impf. act. 2:8
impv. 2:58, 2:80, 2:83, 2:91, 2:93, 2:94, 2:97, 2:104, 2:111, 2:120, 2:135, 2:136,
2:139, 2:140, 2:142, 2:189, 2:215, 2:217, 2:219, 2:219, 2:220, 2:222,
3:12, 3:15, 3:20, 3:20, 3:26, 3:29, 3:31, 3:32, 3:61, 3:64, 3:64, 3:73, 3:73, 3:84,
3:93, 3:95, 3:98, 3:99, 3:119, 3:154, 3:154, 3:165, 3:168, 3:183,
4:5, 4:8, 4:63, 4:77, 4:78, 4:127, 4:176,
5:4, 5:17, 5:18, 5:59, 5:60, 5:68, 5:76, 5:77, 5:100,
6:11, 6:12, 6:12, 6:14, 6:14, 6:15, 6:19, 6:19, 6:19, 6:19, 6:37, 6:40, 6:46, 6:47,
6:50, 6:54, 6:56, 6:56, 6:57, 6:58, 6:63, 6:64, 6:65, 6:66, 6:71, 6:71, 6:90, 6:91,
6:91, 6:109, 6:135, 6:143, 6:144, 6:145, 6:147, 6:148, 6:149, 6:150, 6:151, 6:158,
6:161, 6:162, 6:164,
7:28, 7:29, 7:32, 7:32, 7:33, 7:158, 7:161, 7:187, 7:187, 7:188, 7:195, 7:203,
8:1, 8:38, 8:70,
9:24, 9:51, 9:52, 9:53, 9:61, 9:64, 9:65, 9:81, 9:83, 9:94, 9:105, 9:129,
10:15, 10:16, 10:18, 10:20, 10:21, 10:31, 10:31, 10:34, 10:34, 10:35, 10:35, 10:38,
10:41, 10:49, 10:50, 10:53, 10:58, 10:59, 10:59, 10:69, 10:101, 10:102, 10:104,
10:108,
11:13, 11:35, 11:121,
12:81, 12:108,
13:16, 13:16, 13:16, 13:16, 13:16, 13:27, 13:30, 13:33, 13:36, 13:43,
14:30, 14:31,
15:89,
16:102,
17:23, 17:24, 17:28, 17:42, 17:50, 17:51, 17:51, 17:53, 17:56, 17:80, 17:81, 17:84,
17:85, 17:88, 17:93, 17:95, 17:96, 17:100, 17:107, 17:110, 17:111,
18:22, 18:24, 18:26, 18:29, 18:83, 18:103, 18:109, 18:110,
19:26, 19:75,
20:44, 20:47, 20:105, 20:114, 20:135,
21:24, 21:42, 21:45, 21:108, 21:109,
22:49, 22:68, 22:72,
23:28, 23:29, 23:84, 23:85, 23:86, 23:87, 23:88, 23:89, 23:93, 23:97, 23:118,
24:30, 24:31, 24:53, 24:54,
25:6, 25:15, 25:57, 25:77,
26:16, 26:216,
27:59, 27:64, 27:65, 27:69, 27:72, 27:92, 27:93,

28:49, 28:71, 28:72, 28:85,
29:20, 29:46, 29:50, 29:52, 29:63,
30:42,
31:25,
32;11, 32:29,
33:16, 33:17, 33:28, 33:32, 33:59, 33:63, 33:70,
34:3, 34:22, 34:24, 34:24, 34:25, 34:26, 34:27, 34:30, 34:36, 34:39, 34:46, 34:47,
34:48, 34:49, 34:50,
35:40,
36:79,
37:18,
38:65, 38:67, 38:86,
39:8, 39:9, 39:10, 39:11, 39:13, 39:14, 39:15, 39:38, 39:38, 39:39, 39:43, 39:44,
39:46, 39:53, 39:64,
40:66,
41:6, 41:9, 41:13, 41:44, 41:52,
42:15, 42:23,
43:24, 43:81, 43:89,
45:14, 45:26,
46:4, 46:8, 46:9, 46:10,
48:11, 48:15, 48:16,
49:14, 49:14, 49:16, 49:17,
52:31,
56:49,
62:6, 62:8, 62:11,
64:7,
67:23, 67:24, 67:26, 67:28, 67:29, 67:30,
72:1, 72:20, 72:21, 72:22, 72:25,
79:18,
109:1,
112:1,
113:1,
114:1
perf. pass. 2:11
impf. pass. 21:60, 41:43, 83:17
n.vb. 2:59, 2:113, 2:118, 2:204, 2:235, 2:263, 3:147, 3:181, 4:5, 4:8, 4:9, 4:63,
4:108, 4:148, 4:155, 4:156, 4:157, 5:63, 6:73, 6:112, 7:162, 7:205, 9:30, 9:30, 10:65,
11:40, 11:53, 13:5, 13:10, 13:33, 14:27, 16:40, 16:86, 17:16, 17:23, 17:28, 17:40,
18:93, 19:34, 20:7, 20:28, 20:44, 20:89, 20:94, 20:109, 21:4, 21:27, 21:110, 22:24,
22:30, 23:27, 23:68, 24:51, 27:19, 27:82, 27:85, 28:51, 28:63, 32:13, 33:4, 33:32,
33:32, 33:70, 34;31, 36:7, 36:58, 36:70, 36:76, 37:31, 39:18, 41:25, 41:33, 46:18,
47:21, 47:30, 49:2, 50:18, 50:29, 51:8, 58:1, 58:2, 60:4, 63:4, 67:13, 69:40, 69:41,
69:42, 69:44, 73:5, 74:25, 81:19, 81:25, 86:13
pcple. act. 12:10, 18:19, 23:100, 33:18, 37:51

qil n.m. 4:122, 43:88, 56:26, 73:6

taqawwala vb. (5) perf. act. 52:33, 69:44

LL, V7, p: 248, 249

= **Qaf-Waw-Miim** = stand still or firm, rose/stand up, managed/conducted/ordered/ regulated/superintended, established, made it straight/right, maintain/erect/observe/ perform, set up, people/community/company, abode, stature/dignity/rank. aqama - to keep a thing or an affair in a right state.

qama vb. (1)
perf. act. 2:20, 4:142, 4:142, 5:6, 18:14, 72:19
impf. act. 2:275, 2:275, 4:102, 4:127, 5:107, 9:84, 9:108, 9:108, 14:41, 26:218, 27:39, 30:12, 30:14, 30:25, 30:55, 34:46, 40:46, 40:51, 45:27, 52:48, 57:25, 73:20, 78:38, 83:6
impv. 2:238, 73:2, 74:2
n.vb. 51:45
pcple. act. 3:18, 3:39, 3:75, 3:113, 10:12, 11:71, 11:100, 13:33, 18:36, 22:26, 39:9, 41:50, 59:5, 62:11, 70:33

maqam n.m. 2:125, 3;97, 5:107, 10:71, 14:14, 17:79, 19:73, 26:58, 27:39, 37:164, 44:26, 44:51, 55:46, 79:40

muqam n.m. 25:66, 25:76, 33:13, 35:35

qawam n.m. 25:67

qawim n.m. (adj. comp. aqwam, pl. qiyam) 2:282, 3:191, 4:46, 4:103, 17:9, 25:64, 39:68, 73:6

qawm n.m. 2:54, 2:54, 2:60, 2:67, 2:118, 2:164, 2:230, 2:258, 2:264, 2:286, 3:86, 3:86, 3:117, 3:140, 3:147, 4:78, 4:90, 4:90, 4:91, 4:92, 4:92, 4:104, 5:2, 5:8, 5:11, 5:20, 5:20, 5:21, 5:22, 5:25, 5:26, 5:41, 5:50, 5:51, 5:54, 5:58, 5:67, 5:68, 5:77, 5:84, 5:102, 5:108, 6:45, 6:47, 6:66, 6:68, 6:74, 6:77, 6:78, 6:80, 6:83, 6:89, 6:97, 6:98, 6:99, 6:105, 6:126, 6:133, 6:135, 6:144, 6:147, 7:32, 7:47, 7:52, 7:58, 7:59, 7:59, 7:60, 7:61, 7:64, 7:65, 7:66, 7:67, 7:69, 7:73, 7:75, 7:79, 7:80, 7:81, 7:82, 7:85, 7:88, 7:89, 7:90, 7:93, 7:99, 7:109, 7:127, 7:127, 7:128, 7:133, 7:137, 7:137, 7:138, 7:138, 7:142, 7:145, 7:148, 7:150, 7:150, 7:150, 7:155, 7:159, 7:160, 7:164, 7:176, 7:177, 7:188, 7:203, 8:53, 8:58, 8:65, 8:72, 9:6, 9:11, 9:13, 9:14, 9:19, 9:24, 9:37, 9:39, 9:53, 9:56, 9:70, 9:70, 9:80, 9:96, 9:109, 9:115, 9:122, 9:127, 10:5, 10:6, 10:13, 10:24, 10:67, 10:71, 10:71, 10:74, 10:75, 10:83, 10:84, 10:85, 10:86, 10:87, 10:98, 10:101, 11:25, 11:27, 11:28, 11:29, 11:29, 11:30, 11:36, 11:38, 11:44, 11:49, 11:50, 11:51, 11:52, 11:57, 11:60, 11:61, 11:63, 11:64, 11:70, 11:74, 11:78, 11:78,

11:84, 11:85, 11:88, 11:89, 11:89, 11:89, 11:89, 11:89, 11:92, 11:93, 11:98, 12:9, 12:37, 12:87, 12:110, 12:111, 13:3, 13:4, 13:7, 13:11, 13:11, 14:4, 14:5, 14:6, 14:9, 14:28, 15:15, 15:58, 15:62, 16:11, 16:12, 16:13, 16:59, 16:64, 16:65, 16:67, 16:69, 16:79, 16:107, 18:15, 18:86, 18:90, 18:93, 19:11, 19:27, 19:97, 20:79, 20:83, 20:85, 20:86, 20:86, 20:87, 20:90, 21:11, 21:52, 21:74, 21:77, 21:77, 21:78, 21:106, 22:42, 22:43, 22:43, 23:23, 23:23, 23:24, 23:28, 23:33, 23:41, 23:44, 23:46, 23:47, 23:94, 23:106, 25:4, 25:18, 25:30, 25:36, 25:37, 26:10, 26:11, 26:70, 26:105, 26:117, 26:160, 26:166, 27:12, 27:12, 27:24, 27:43, 27:46, 27:47, 27:51, 27:52, 27:54, 27:55, 27:56, 27:60, 27:86, 28:3, 28:21, 28:25, 28:32, 28:46, 28:50, 28:76, 28:76, 28:79, 29:14, 29:16, 29:24, 29:24, 29:28, 29:29, 29:30, 29:35, 29:36, 29:51, 30:21, 30:23, 30:24, 30:28, 30:37, 30:47, 32:3, 36:6, 36:19, 36:20, 36:26, 36:28, 37:30, 37:85, 37:115, 37:124, 38:12, 38:13, 39:39, 39:42, 39:52, 40:5, 40:29, 40:30, 40:31, 40:32, 40:38, 40:39, 40:41, 41:3, 43:5, 43:26, 43:44, 43:51, 43:51, 43:54, 43:54, 43:57, 43:58, 43:88, 44:17, 44:22, 44:28, 44:37, 45:4, 45:5, 45:13, 45:14, 45:20, 45:31, 46:10, 46:21, 46:23, 46:25, 46:29, 46:30, 46:31, 46:35, 47:38, 48:12, 48:16, 49:6, 49:11, 49:11, 50:12, 50:14, 51:25, 51:32, 51:46, 51:46, 51:53, 52:32, 53:52, 54:9, 54:33, 58:14, 58:22, 59:13, 59:14, 60:4, 60:13, 61:5, 61:5, 61:5, 61:7, 62:5, 62:5, 63:6, 66:11, 69:7, 71:1, 71:1, 71:2, 71:5

qawwam n.m. 4:34, 4:135, 5:8

qayyim n.m. 6:161, 9:36, 12:40, 18:2, 30:30, 30:43, 98:3, f. 98:5

qayyum n.m. 2:255, 3:2, 20:111

qiyam 4:5, 5:97

qiyamah n.f. 2:85, 2:113, 2:174, 2:212, 3:55, 3:77, 3:161, 3:180, 3:185, 3:194, 4:87, 4:109, 4:141, 4:159, 5:14, 5:36, 5:64, 6:12, 7:32, 7:167, 7:172, 10:60, 10:93, 11:60, 11:98, 11:99, 16:25, 16:27, 16:92, 16:124, 17:13, 17:58, 17:62, 17:97, 18:105, 19:95, 20:100, 20:101, 20:124, 21:47, 22:9, 22:17, 22:69, 23:16, 25:69, 28:41, 28:42, 28:61, 28:71, 28:72, 29:13, 29:25, 32:25, 35:14, 39:15, 39:24, 39:31, 39:47, 39:60, 39:67, 41:40, 42:45, 45:17, 45:26, 46:5, 58:7, 60:3, 68:39, 75:1, 75:6

qawwama vb. (II) n.vb. 95:4

aqama vb. (IV)
perf. act. 2:177, 2:277, 4:102, 5:12, 5:66, 7:170, 9:5, 9:11, 9:18, 13:22, 18:77, 22:41, 35:18, 35:29, 42:38
impf. act. 2:3, 2:229, 2:229, 2:230, 5:55, 5:68, 8:3, 9:71, 14:31, 14:37, 18:105, 27:3, 31:4, 98:5
impv. 2:43, 2:83, 2:110, 4:77, 4:103, 6:72, 7:29, 10:87, 10:105, 11:114, 17:78, 20:14, 22:78, 24:56, 29:45, 30:30, 30:31, 30:43, 31:17, 33:33, 42:13, 55:9, 58:13, 65:2, 73:20
n.vb. 16:80, 21:73, 24:37

pcple. act. 4:162, 5:37, 9:21, 9:68, 11:39, 14:40, 15:76, 22:35, 39:40, 42:45

istaqama vb. (X)
perf. act. 9:7, 41:30, 46:13, 72:16
impf. act. 81:28
impv. 9:7, 10:89, 11:112, 41:6, 42:15
pcple. act. *mustaqim* 1:6, 2:142, 2:213, 3:51, 3:101, 4:68, 4:175, 5:16, 6:39, 6:87, 6:126, 6:153, 6:161, 7:16, 10:25, 11:56, 15:41, 16:76, 16:121, 17:35, 19:36, 22:54, 22:67, 23:73, 24:46, 26:182, 36:4, 36:61, 37:118, 42:52, 43:43, 43:61, 43:64, 46:30, 48:2, 48:20, 67:22

LL, V8, p: 249, 250

Qaf-Waw-Siin = to compare by measurement, precede anyone, measure a thing, imitate anyone. qausun - bow.

qaws n.m. dual. gen. 53:9 (oblique dual? common gender?)

LL, V7, p: 102, 103

Qaf-Waw-Ta = to nourish/feed, nourishments/sustenances/provisions. muqitan - protector/controller/observer, controller of distribution, powerful keeper, who watches.

aqwat n.m. (pl. of qut) 41:10

aqata vb. (4) pcple. act. 4:85

LL, V7, p: 99, 100

Qaf-Waw-Ya = to be, become strong, prevail, be able to do, be powerful, be vigorous, be forceful. quwwatun (pl. quwan) - power, strength, vigour, resolution, firmness, determination. qawun - desert. aqwa - to stay in desert. muqwin - dwellers of desert/ wilderness (it is derived from the verb qawiya which means: it became desolate or deserted).

qawiy n.m. 8:52, 11:66, 22:40, 22:74, 27:39, 28:26, 33:25, 40:22, 42:19, 57:25, 58:21

quwah n.f. (pl. quwa) 2:63, 2:93, 2:165, 7:145, 7:171, 8:60, 9:69, 11:52, 11:52, 11:80, 16:92, 18:39, 18:95, 19:12, 27:33, 28:76, 28:78, 30:9, 30:54, 30:54, 35:44, 40:21, 40:82, 41:15, 41:15, 47:13, 51:58, 53:5, 81:20, 86:10

aqwa vb. (4) pcple. act. 56:73

LL, V8, p: 251

Qaf-Ya-Dad = to break the shell (chicken), be broken, split, hallow, assimilate, assign. qayyada (vb. 2) - to be destined, be assigned, prepare for any one.

qayyada vb. (2)
perf. act. 41:25
impf. act. 43:36

LL, V7, p: 106, 107

Qaf-Ya-Lam = to make a siesta at noon, sleep in the middle of the day. qailun - one who takes siesta at midday. maqil - place of repose at noon, resting place.

qala vb. (1)
pcple. act. m. pl. 7:4

maqil n.m. acc. 25:24

LL, V8, p: 251

Kaf = •

Kaf-Alif-Siin = drinking-cup when there is in it something to drink. Sometimes it can refer to the drink itself, e.g. wine. If there is no beverage in it, the drinking cup is called *Qadehun* (root: Qaf-Dal-Ha).

ka's n. f. 37:45, 52:23, 56:18, 76:5, 76:17, 78:34

Lane's Lexicon, Volume 7, pages: 109, 110

• • •

Kaaf-Ayn-Ba = swell/prominent/protuberant/projection/budding (common examples include a woman's breasts), jointed-stem, fold, went away, joint/juncture/division of bones (more commonly the ankle bone), tarsus (in animals), swift, eminence/nobility/glory, anything elevated, square/cubic house/chamber, square-form.
Quote from Lane's lexicon: "*a house or temple belonging to the tribe of Rabee'ah, who used to compass it, or perform circuits round it (as is done round the Kabbeh of Mekkeh)*".

Hans Wehr - Knot, knob, node (of cane); joint, articulation, ankles, anklebone; heel (of foot or shoe) ferule; die; cube; high rank, fame, glory, honor.

Everything that the male of the form fa'lun (being the representation of the Cl. Arabic form in question, universally applied to all roots) can mean, so can the female (fa'latun or modernly and colloquially fa'lah), with the added meaning of emphasis that the feminization of the word gives; where it is clear that there could be intensification. The female form can be found in 5:95, 5:97.

- 78:33.

kab n.m. 5:6

kabah n.f. 5:95, 5:97

Kawa'ib (plural of *ka'ib*) n.f. 78:33

LL, V7, p: 143, 144

Kaf-Ba-Ba = To invert, overthrow, throw one with the face to the ground, throw face downwards, prostrate anyone on (the face), he prostrated him, he bent his head towards the ground, to fall down, turn a thing upside down.
Charge/onslaught/assault, in war.

kabba (vb. I) - *kubba* - passive. perfect. 27:90

akabba (vb. IV) - *mukibb* - active. participle. singular. accusative case. 67:22

LL, V7, p: 110, 111

Kaf-Ba-Kaf-Ba = to prostate on the face, turn a thing upside down, be hurled/thrown into.

kabkaba (vb. quad. I) - *kubkibu* - passive. perfect. 3rd person. masculine. 26:94

Kaf-Ba-Dal = hit/hurt/smote/wound his liver, affect anyone painfully (e.g. by intense cold), purpose a thing.
Large/thick/big in the middle.
Kabida / Yakbudu : To have complaint/pain of the liver, face difficulty, struggle against difficulty/severity/trouble, reach in the middle.
Kabad plu. *Akba'd* : Liver; middle part; become in the middle or main part of something, Misery/Distress/Affliction/Trouble/Obstacle; Cavity of the belly; Hard struggle; Inside/ Interior (e.g. of the earth); Centre; Side.

kabadin - verbal noun. m. 90:4

LL, V7, p: 112, 113

Kaf-Ba-Ra = To be hard, become hard, be grievous, grow up, be great.

Kabira/Yakburu: To be exceed anyone in age, become stout and tall, grow big, become great, illustrious, become momentous (affair).

kabira vb. (1)
impf. act. 4:6
n.vb. 2:266, 3:40, 14:39, 15:54, 17:23, 19:8

kabura vb. (1)
perf. act. 6:35, 10:71, 18:5, 40:35, 42:13, 61:3
impf. act. 17:51
n.vb. 24:11, 40:56

kaba'ir n.f. (pl. of kabirah) 4:31, 42:37, 53:32

kabir n.m. (pl. kubara, comp. adj. m. akbar, f. kubra)
4:34, 13:9, 22:62, 31:30, 34:23, 40:12
2:45, 2:143, 2:217, 2:217, 2:217, 2:219, 2:282, 3:118, 4:2, 4:153, 6:19, 6:78, 6:123, 8:73, 9:3, 9:72, 9:121, 10:61, 11:3, 11:11, 12:78, 12:80, 16:41, 17:4, 17:9, 17:21, 17:21, 17:31, 17:43, 17:60, 17:87, 18:49, 20:23, 20:71, 21:58, 21:63, 21:103, 25:19, 25:21, 25:52, 26:49, 28:23, 29:45, 32:21, 33:47, 33:67, 33:68, 34:3, 35:7, 35:32, 39:26, 40:10, 40:57, 42:22, 43:48, 44:16, 53:18, 54:53, 57:7, 67:9, 67:12, 68:33, 74:35, 76:20, 79:20, 79:34, 85:11, 87:12, 88:24

kibriya n.f. 10:78, 45:37

kubbar n.m. 71:22

kabbara vb. (2)
impf. act. 2:185, 22:37
impv. 17:111, 74:3
n.vb. 17:111

akbara vb. (4) perf. act. 12:31

takabbara vb. (5)
impf. act. 7:146
pcple. act. 16:29, 39:60, 39:72, 40:27, 40:35, 40:76, 59:23

istakbara vb. (10)
perf. act. 2:34, 2:87, 4:173, 7:36, 7:40, 7:75, 7:76, 7:88, 7:133, 10:75, 14:21, 23:46, 25:21, 28:39, 29:39, 34:31, 34:32, 34:33, 38:74, 38:75, 39:59, 40:47, 40:48, 41:15, 41:38, 45:31, 46:10, 71:7, 74:23
impf. act. 4:172, 5:82, 6:93, 7:48, 7:206, 16:49, 21:19, 32:!5, 37:35, 40:60, 46:20
n.vb. 35:43, 71:7
pcple. act. 16:22, 16:23, 23:67, 31:7, 45:8, 63:5

LL, V7, p: 113, 114, 115

Kaf-Ba-Ta = To abase, throw down, restrain, overwhelm, prostrate, expose ignominy, humble, vanquish with humiliation, be laid low and humbled, cause to perish.

kabata vb. (1)
impf. act. 3:127
perf. pass. 58:5, 58:5

LL, V7, p: 111

Kaf-Dal-ha = To toil, exert, make every effort to carry out a thing, labour hard and actively, toil hard, labouring, laboriously, one who labours.

kadaha vb. (1)
n.vb. 84:6
pcple. act. 84:6

LL, V7, p: 123?

Kaf-Dal-Ra = To be muddy, be obscure, lose light, fall.

inkadara vb. (7) perf. act. 81:2

LL, V7, p: 124, 125

Kaf-Dal-Ya = To restrain, detain, give little, stop hand, be niggardly.

kada vb. (4) perf. act. 53:34

Kaf-Thal-Ba = To lie, say what is not a fact, lie to falsely invent, tell lies about or against, fabricate a lie, relate a lie, say a falsehood, be wrong, be cut off, deceive, disappoint the expectation of.

kathaba vb. (1)
perf. act. 6:24, 9:90, 11:18, 12:27, 39:32, 39:60, 53:11
impf. act. 2:10, 9:77, 36:15
perf. pass. 12:110
n.vb. 3:75, 3:78, 3:94, 4:50, 5:41, 5:42, 5:103, 6:21, 6:93, 6:144, 7:37, 7:89, 10:17, 10:60, 10:69, 11:18, 12:18, 16:62, 16:105, 16:116, 16:116, 16:116, 18:5, 18:15, 20:61,

23:38, 29:68, 34:8, 40:28, 42:24, 58:14, 61:7, 72:5
pcple. act. 3:61, 6:28, 7:66, 9:42, 9:43, 9:107, 11:27, 11:93, 12:26, 12:74, 16:39, 16:86, 16:105, 23:90, 24:7, 24:8, 24:13, 26:186, 26:223, 27:27, 28:38, 29:3, 29:12, 37:152, 39:3, 40:28, 40:37, 56:2, 58:18, 59:11, 63:1, 96:16
pcple. pass. 11:65

kaththab n.m. 38:4, 40:24, 40:28, 54:25, 54:26

kaththaba vb. (2)
perf. act. 2:39, 2:87, 3:11, 3:184, 5:10, 5:70, 5:86, 6:5, 6:21, 6:31, 6:39, 6:49, 6:57, 6:66, 6:147, 6:148, 6:150, 6:157, 7:36, 7:37, 7:40, 7:64, 7:64, 7:72, 7:92, 7:96, 7:101, 7:136, 7:146, 7:147, 7:176, 7:177, 7:182, 8:54, 10:17, 10:39, 10:39, 10:41, 10:45, 10:73, 10:74, 10:95, 15:80, 16:113, 17:59, 20:48, 20:56, 21:77, 22:42, 22:57, 23:26, 23:33, 23:39, 23:44, 23:48, 25:11, 25:11, 25:19, 25:36, 25:37, 25:77, 26:6, 26:105, 26:117, 26:123, 26:139, 26:141, 26:160, 26:176, 26:189, 27:84, 29:18, 29:37, 29:68, 30:10, 30:16, 34:45, 34:45, 35:25, 36:14, 37:127, 38:12, 38:14, 39:25, 39:32, 39:59, 40:5, 40:70, 50:5, 50:12, 50:14, 54:3, 54:9, 54:18, 54:23, 54:33, 54:42, 57:19, 62:5, 64:10, 67:9, 67:18, 69:4, 75:32, 78:28, 79:21, 91:11, 91:14, 92:9, 92:16, 96:13
impf. act. 6:27, 6:33, 22:42, 23:105, 26:12, 27:83, 28:34, 29:18, 32:20, 34:42, 35:4, 35:25, 37:21, 52:14, 55:13, 55:16, 55:18, 55:21, 55:23, 55:25, 55:28, 55:30, 55:32, 55:34, 55:36, 55:38, 55:40, 55:42, 55:43, 55:45, 55:47, 55:49, 55:51, 55:53, 55:55, 55:57, 55:59, 55:61, 55:63, 55:65, 55:67, 55:69, 55:71, 55:73, 55:75, 55:75, 55:77, 56:82, 68:44, 74:46, 77:29, 82:9, 83:11, 83:12, 83:17, 84:22, 95:7, 107:1
perf. pass. 3:184, 6:34, 6:34, 22:44, 35:4
n.vb. (1) 85:19
n.vb. (2) 78:28, 78:35
pcple. act. 3:137, 6:11, 16:36, 43:25, 52:11, 56:51, 56:92, 68:8, 69:49, 73:11, 77:15, 77:19, 77:24, 77:28, 77:34, 77:37, 77:40, 77:45, 77:47, 77:49, 83:10

LL, V7, p: 125, 126, 127, 128

Kaf-Fa-Alif = To equal, compare.

Kufuwan: Equal, like comparable; corresponding.

kufu n.m. 112:4

LL, V7, p: 145, 146

Kaf-Fa-Fa = To withhold, desist, refrain from, withdraw, keep back, hold out the hand.

kaffa vb. (1)
perf. act. 5:11, 5:110, 48:20, 48:24
impf. act. 4:84, 4:91, 21:39
impv. 4:77

kaff n.f. 13:14, 18:42

kaffah n.f. 2:208, 9:36, 9:36, 9:122, 34:28

LL, V7, p: 145, 146

Kaf-Fa-Lam = To take care of, nourish, bring up for another, be guardian of, be responsible for, entrust, stand security or surety.

kafala vb. (1)
impf. act. 3:44, 20:40, 28:12

kafil n.m. 16:91

kifl n.m. 4:85, 57:28

dhu al-kifl n. 21:85, 38:48

kaffala vb. (2) perf. act. 3:37

akfala vb. (4) impv. 38:23

LL, V8, p: 255

= **Kaf-Fa-Ra** = to conceal, to cover, to reject, to disbelieve, to be thankless, unthankful, ungrateful, to disown, deny, faithless, black horse, dark night, tiller/farmer.

[[Perhaps it should be noted that its primary meaning is to cover/conceal (hence farmer), with active/conscious intent. From this, is born: to reject/disbelieve because this is a conscious decision made by a person. Please note one can only reject something after hearing/seeing/experiencing it, not before.]]

kafara vb. (1)
perf. act. 2:6, 2:26, 2:39, 2:89, 2:89, 2:102, 2:102, 2:105, 2:126, 2:161, 2:171, 2:212, 2:253, 2:257, 2:258, 3:4, 3:10, 3:12, 3:55, 3:55, 3:56, 3:86, 3:90, 3:91, 3:97, 3:106,

3:116, 3:127, 3:149, 3:151, 3:156, 3:178, 3:196, 4:43, 4:51, 4:56, 4:76, 4:84, 4:89, 4:101, 4:102, 4:137, 4:137, 4:167, 4:168, 5:3, 5:10, 5:12, 5:17, 5:36, 5:72, 5:73, 5:73, 5:78, 5:80, 5:86, 5:103, 5:110, 6:1, 6:7, 6:25, 7:66, 7:90, 8:12, 8:15, 8:30, 8:36, 8:36, 8:38, 8:50, 8:52, 8:55, 8:59, 8:65, 8:73, 9:3, 9:26, 9:30, 9:37, 9:40, 9:40, 9:54, 9:66, 9:74, 9:80, 9:84, 9:90, 10:4, 11:7, 11:27, 11:60, 11:68, 13:5, 13:7, 13:27, 13:31, 13:32, 13:33, 13:43, 14:7, 14:9, 14:13, 14:18, 14:22, 15:2, 16:39, 16:84, 16:88, 16:106, 16:112, 17:69, 17:98, 18:37, 18:56, 18:102, 18:105, 18:106, 19:37, 19:73, 19:77, 21:30, 21:36, 21:39, 21:97, 22:19, 22:25, 22:55, 22:57, 22:72, 22:72, 23:24, 23:33, 24:39, 24:55, 24:57, 25:4, 25:32, 27:40, 27:67, 28:12, 29:23, 29:52, 30:16, 30:44, 30:58, 31:12, 31:23, 32:29, 33:25, 34:3, 34:7, 34:17, 34:31, 34:33, 34:43, 34:53, 35:7, 35:26, 35:36, 35:39, 36:47, 37:170, 38:2, 38:27, 38:27, 39:63, 39:71, 40:4, 40:6, 40:10, 40:12, 40:22, 40:84, 41:26, 41:27, 41:29, 41:41, 41:50, 41:52, 45:11, 45:31, 46:3, 46:7, 46:10, 46:11, 46:20, 46:34, 47:1, 47:3, 47:4, 47:8, 47:12, 47:32, 47:34, 48:22, 48:25, 48:25, 48:26, 51:60, 52:42, 57:15, 57:19, 59:2, 59:11, 59:16, 60:1, 60:4, 60:5, 61:14, 63:3, 64:5, 64:6, 64:7, 64:10, 66:7, 66:10, 67:6, 67:27, 68:51, 70:36, 73:17, 74:31, 84:22, 85:19, 88:23, 90:19, 98:1, 98:6

impf. act. 2:28, 2:61, 2:85, 2:90, 2:91, 2:99, 2:102, 2:121, 2:152, 2:256, 3:19, 3:21, 3:70, 3:98, 3:101, 3:106, 3:112, 4:60, 4:89, 4:131, 4:136, 4:150, 4:150, 4:170, 5:5, 5:115, 6:30, 6:70, 6:89, 8:35, 10:4, 10:70, 11:17, 13:30, 14:8, 16:55, 16:72, 18:29, 19:82, 27:40, 28:48, 29:25, 29:66, 29:67, 30:34, 30:51, 34:33, 35:14, 36:64, 39:7, 40:10, 40:42, 41:9, 43:33, 46:34, 60:2
impv. 3:72, 59:16
perf. pass. 54:14
impf. pass. 3:115, 4:140
n.vb. (1) kufr 2:88, 2:93, 2:108, 2:217, 3:52, 3:80, 3:90, 3:167, 3:176, 3:177, 4:46, 4:137, 4:155, 4:155, 4:156, 5:41, 5:61, 5:64, 5:68, 9:12, 9:17, 9:23, 9:37, 9:74, 9:97, 9:107, 14:28, 16:106, 18:80, 30:44, 31:23, 35:39, 35:39, 35:39, 39:7, 39:8, 49:7
n.vb. (2) kufur 17:89, 17:99, 25:50
pcple. act. (kafir, pl. kafirun, kafarah, kuffar, and f. kawafir) 2:19, 2:24, 2:34, 2:41, 2:89, 2:90, 2:98, 2:104, 2:109, 2:161, 2:191, 2:217, 2:251, 2:254, 2:264, 2:286, 3:13, 3:28, 3:32, 3:91, 3:100, 3:131, 3:141, 3:147, 4:18, 4:37, 4:101, 4:102, 4:139, 4:140, 4:141, 4:141, 4:144, 4:151, 4:161, 5:44, 5:54, 5:57, 5:67, 5:68, 5:102, 6:89, 6:122, 6:130, 7:37, 7:45, 7:50, 7:76, 7:93, 7:101, 8:7, 8:14, 8:18, 9:2, 9:26, 9:32, 9:37, 9:49, 9:55, 9:68, 9:73, 9:85, 9:120, 9:123, 9:125, 10:2, 10:86, 11:19, 11:42, 12:37, 12:87, 13:14, 13:35, 13:42, 14:2, 16:27, 16:83, 16:107, 17:8, 18:100, 18:102, 19:83, 21:36, 22:44, 23:117, 25:26, 25:52, 25:55, 26:19, 27:43, 28:48, 28:82, 28:86, 29:47, 29:54, 29:68, 30:8, 30:13, 30:45, 32:10, 33:1, 33:8, 33:48, 33:64, 34:34, 35:39, 36:70, 38:4, 38:74, 39:32, 39:59, 39:71, 40:14, 40:25, 40:50, 40:74, 40:85, 41:7, 41:14, 42:26, 43:24, 43:30, 46:6, 47:10, 47:11, 47:34, 48:13, 48:29, 50:2, 54:8, 54:43, 57:20, 58:4, 58:5, 60:10, 60:11, 60:13, 61:8, 64:2, 66:9, 67:20, 67:28, 69:50, 70:2, 71:26, 74:10, 74:31, 76:4, 78:40, 80:42, 83:34, 83:36, 86:17, 109:1

kaffar n.m. 2:276, 14:34, 39:3, 50:24, 71:27

kaffarah n.f. 5:45, 5:89, 5:89, 5:95

kafur n.m. 11:9, 17:27, 17:67, 22:38, 22:66, 31:32, 34:17, 35:36, 42:48, 43:15, 76:3, 76:24, 80:17

kafur 76:5

kufran n.m. 21:94

kaffara vb. (2)
perf. act. 5:65, 47:2
impf. act. 2:271, 3:195, 4:31, 5:12, 8:29, 29:7, 39:35, 48:5, 64:9, 65:5, 66:8
impv. 3:193

LL, V7, p: 148, 149, 150, 151

Kaf-Fa-Ta = To gather together, draw things to itself, hasten, be quick and swift in running, urge vehemently, fly, contract, grasp, take.

kifat n.m. 77:25

LL, V7, p: 146, 147

Kaf-Fa-Ya = To be enough, sufficient.

kafa vb. (1)
perf. act. 4:6, 4:45, 4:45, 4:50, 4:55, 4:70, 4:79, 4:81, 4:132, 4:166, 4:171, 10:29, 13:43, 15:95, 17:14, 17:17, 17:65, 17:96, 21:47, 25:31, 25:58, 29:52, 33:3, 33:25, 33:39, 33:48, 46:8, 48:28
impf. act. 2:137, 3:124, 29:51, 41:53
pcple. act. 39:36

LL, V8, p: 256

Kaf-ha-Fa =To fill caves or places of protection.

kahf n.m. 18:9, 18:10, 18:11, 18:16, 18:17, 18:25

Kaf-ha-Lam = To reach old mature age, be full-grown, be of the age when a person's hair becomes intermixed with hoariness, be of the age between thirty and sixty years or of middle age.

kahl n.m. 3:46, 5:110

LL, V8, p: 258

Kaf-ha-Nun = To be priest or soothsayer, pretend to be diviner.

kahin n.m. 52:29, 69:42

Kaf-ha-Ya-Ayn-Sad = Initial letters of the 19th chapter of The Quran.

19:1

Kaf-Lam-Alif = To protect, keep guard, keep safe.

kala'a vb. (1) impf. act. 21:42

LL, V7, p: 151, 152

Kaf-Lam-Ba = To bark (for days).

Kalbun: Dog; Any animal of prey.

kalb n.m. 7:176, 18:18, 18:22, 18:22, 18:22

kallaba vb. (1) pcple. act. 5:4

LL, V7, p: 152, 153, 154, 155

Kaf-Lam-Fa = To take pains, be zealous, be engrossed by an object.

kallafa vb. (2) impf. act. 2:233, 2:286, 4:84, 6:152, 7:42, 23:62, 65:7

takallafa vb. (5) pcple. act. 38:86

LL, V8, p: 256

Kaf-Lam-Ha =To put on a sour, austere, harsh, astringent, stern, grave look; look with frown, wear a grin of pain and anguish, express foolish satisfaction, endure pain, show disappointment, grin with lips, make contracted face and its surrounding parts; stern, severe, forbidding look.

kalaha vb. (1) pcple. act. 23:104

LL, V7, p: 156

Kaf-Lam-Lam = To lose father and child, lose direct heirs, be weary, tired, weak, have only remote relations.

kalla vb. (1) n.vb. 16:76

kalalah n.f. 4:12, 4:176

LL, V8, p: 256

Kaf-Lam-Miim = To speak, express.

kalam n.m. 2:75, 7:144, 9:6, 48:15

kalimah n.f. (pl. kalimat, and kalim) - word, command, agreement, common term. 2:37, 2:124, 3:39, 3:45, 3:64, 4:46, 4:171, 5:13, 5:41, 6:34, 6:115, 7:137, 7:158, 8:7, 9:40, 9:40, 9:74, 10:19, 10:33, 10:64, 10:82, 10:96, 11:110, 11:119, 14:24, 14:26, 18:5, 18:27, 18:109, 18:109, 20:129, 23:100, 31:27, 35:10, 37:171, 39:19, 39:71, 40:6, 41:45, 42:14, 42:21, 42:24, 43:28, 48:26, 66:12

kallama vb. (II) - to speak to ro with, act of speaking, directly.

perf. act. - 2:252, 4:164, 6:111, 7:143, 12:54
impf. act. - 2:118, 2:174, 3:41, 3:46, 3:77, 5:110, 7:148, 19:10, 19:26, 19:29, 23:108, 27:82, 36:65, 42:51
perf. pas. - 13:31
n. vb. 4:164

takallama vb. (V) - to speak
impf. act. - 11:105, 24:16, 30:35, 78:38

LL, V8, p: 257

Kaf-Miim-ha = one who is blind

akmah n.m. (adj.) - 3:49, 5:110

LL, V8, p: 257

Kaf-Miim-Lam = complete, in total, in all, perfect achieved.

kamala vb. (1)
pcple. act. - 2:196, 2:233, 16:25

akmala vb. (4) - perfect/fulfil/complete
perf. act. - 5:3
impf. act. 2:185

LL, V8, p: 257

Kaf-Miim-Miim = sheaths (e.g. of a fruit tree)

akmam n.m. (pl. of kimm) - 41:47, 55:11

LL, V8, p: 257

Kaf-Nun-Dal = ungrateful

kanud n. compound. (adj.) - 100:6

Kaf-Nun-Nun = To cover, conceal, keep secret, keep from site, hidden, refuge, veil/ covering

kanna vb. (I)
pcple. pass. 37:49, 52:24, 56:23, 56:78

aknan n.m. (pl. of kinn) - 16:81

akinnah n.m. (pl. of kinn) - 6:25, 17:46, 18:57, 41:5

akanna vb. (IV)
perf. act. 2:235
impf. act. 27:74, 28:69

LL, V8, p: 257, 258

Kaf-Nun-Siin =Setting planets.

kunnas n.m. - 81:16

LL, V7, p: 161, 162

Kaf-Nun-Zay = to collect and store up, treasure, bury in the ground a treasure.

kanaza vb. (1)
perf. act. 9:35
impf. act. 9:34, 9:35
n. vb. (kanz, pl. kunuz) - 11:12, 18:82, 18:82, 25:8, 26:58, 28:76

LL, V7, p: 161

Kaf-Ra-Ba = To grieve, afflict, overburden, distress, twist a rope, tighten.

karaba vb. (I)
n.vb. (karb) 6:64, 21:76, 37:76, 37:115

LL, V7, p: 130, 131

Kaf-Ra-ha = To find difficult, dislike, disapprove, feel aversion to, be averse from, loathe, abhor, hate, detest, be unwilling.

kariha vb. (I)
perf. act. - 4:19, 8:8, 9:32, 9:33, 9:46, 9:81, 10:82, 40:14, 47:9, 47:26, 47:28, 49:12, 61:8, 61:9
impf. act. - 2:216, 4:19, 16:62
n. vb. - 2:216, 3:83, 4:19, 9:53, 13:15, 41:11, 46:15, 46:15
pcple. act. - 7:88, 8:5, 9:48, 9:54, 11:28, 23:70, 43:78
pcple. pass. 17:38

karraha vb. (II) - 49:7

akraha vb. (IV)
perf. act. 20:73
impf. act. 10:99, 24:33, 24:33
perf. pass. 16:106
n. vb. 2:256, 24:33

LL, V8 supplement, p: 254

Kaf-Ra-Miim = To be productive, generous, precious, valuable, honourable, noble, All-Generous, Most Generous

karim n.m. (comp. adj. Akram)
4:31, 8:4, 8:74, 12:31, 17:23, 22:50, 23:116, 24:26, 25:72, 26:7, 26:58, 27:29, 27:40, 31:10, 33:31, 33:44, 34:4, 36:11, 44:17, 44:26, 44:49, 49:13, 56:44, 56:77, 57:11, 57:18, 69:40, 80:16, 81:19, 82:6, 82:11, 96:3

karrama vb. (II)
perf. act. 17:62, 17:70
pcple. pass. 80:13

akrama vb. (IV)
perf. act. 89:15, 89:15

impf. act. 89:17
impv. 12:21
n. vb. 55:27, 55:78
pcple. act. 22:18
pcple. pass. 21:26, 36:27, 37:42, 51:24, 70:35

LL, V8 supplement, p: 253, 254

Kaf-Ra-Ra = To return to, return successively, run against, repeat, come back, follow by turns, be wound (thread).

karrah n.f. 2:167, 17:6, 26:102, 39:58, 67:4, 79:12

LL, V7, p: 128, 129, 130

Kaf-Ra-Siin = To found (a building); to gather.

kursiy n.m. 2:255, 38:34

LL, V7, p: 133, 134

Kaf-Siin-Ba = To gain, acquire, seek after, gather (riches), do, commit, earn.

kasaba vb. (1)
perf. act. 2:81, 2:134, 2:134, 2:141, 2:141, 2:202, 2:225, 2:264, 2:267, 2:281, 2:286, 3:25, 3:155, 3:161, 4:88, 5:38, 6:70, 6:70, 6:158, 10:27, 13:33, 14:18, 14:51, 18:58, 30:41, 35:45, 39:48, 39:51, 39:51, 40:17, 42:22, 42:30, 42:34, 45:10, 45:22, 52:21, 74:38, 111:2
impf. act. 2:79, 4:111, 4:111, 4;112, 6:3, 6:120, 6:129, 6:164, 7:39, 7:96, 9:82, 9:95, 10:8, 10:52, 13:42, 15:84, 31:34, 36:65, 39:24, 39:50, 40:82, 41:17, 45:14, 83:14

iktasaba vb. (8)
perf. act. 2:286, 4:32, 4:32, 24:11, 33:58

LL, V7, p: 136, 137

Kaf-Siin-Dal = To be dull (market), sell badly, slacken, fail in finding customers.

kasada vb. (1) n.vb. 9:24

LL, V7, p: 138

Kaf-Siin-Fa = fragments, pieces, lumps, to shatter, to make into fragments

kisf n.m. 17:92, 26:187, 30:48, 34:9, 52:44

Kaf-Siin-Lam = To be lazy, idle, slothful, sluggish, listless, languish.

kusala n.m. (pl. of kaslan) 4:142, 9:54

LL, V8, p: 254

Kaf-Siin-Waw (Kaf-Siin-Ya) = To dress, clothe.

kasa vb. (1)
perf. act. 23:14
impf. act. 2:259
impv. 4:5

kiswah n.f. 2:233, 5:89

LL, V8, p: 254

Kaf-Shiin-Fa = To pull away, remove, take off, open up, lay open lay base, uncover.

kashafa vb. (1)
perf. act. 7:134, 7:135, 10:12, 10:98, 16:54, 21:84, 23:75, 27;44, 43:50, 50:22
impf. act. 6:41, 27:62
impv. 44:12
impf. pass. 68:42
n.vb. 17:56

pcple. act. 6:17, 10:107, 39:38, 44:15, 53:58

Kaf-Shiin-Tay = To remove, take off (the cover), strip, scrape, skin (a camel), discover, unveil, be laid bare.

kashata vb. (1) perf. pass. 81:11

Kaf-Ta-Ba = he wrote it, to dictate it, prescribe/appoint/ordain, judged / passed sentence / decreed, drew/brought together, collected, conjoined / bound, he sewed it, what is written (e.g. of law), mode/manner of writing, book, bookseller, a thing in which or on which one writes, record/register/writ, revealed scripture, a writer/scribe/secretary, an army/military force, troop.

kataba vb. (1)
perf. act. 2:79, 2:187, 4:66, 4:77, 5:21, 5:32, 5:45, 6:12, 6:54, 7:145, 9:51, 21:105, 57:27, 58:21, 58:22, 59:3
impf. act. 2:79, 2:282, 2:282, 2:282, 2:282, 2:282, 3:181, 4:81, 7:156, 10:21, 19:79, 36:12, 43:80, 52:41, 68:47
impv. 2:282, 3:53, 5:83, 7:156
perf. pass. 2:178, 2:180, 2:183, 2:183, 2:216, 2:246, 2:246, 3:154, 4:77, 4:127, 9:120, 9:121, 22:4
impf. pass. 43:19
pcple. act. 2:282, 2:282, 2:282, 2:283, 21:94, 82:11
pcple. pass. 7:157

kitab n.m. (pl. kutub) 2:2, 2:44, 2:53, 2:78, 2:79, 2:85, 2:87, 2:89, 2:101, 2:101, 2:105, 2:109, 2:113, 2:121, 2:129, 2:144, 2:145, 2:146. 2:151, 2:159, 2:174, 2:176, 2:176, 2:177, 2:213, 2:231, 2:235, 2:285, 3:3, 3:7, 3:7, 3:19, 3:20, 3:23, 3:23, 3:48, 3:64, 3:65, 3:69, 3:70, 3:71, 3:72, 3:75, 3:78, 3:78, 3:78, 3:79, 3:79, 3:81, 3:98, 3:99, 3:100, 3:110, 3:113, 3:119, 3:145, 3:164, 3:184, 3:186, 3:187, 3:199, 4:24, 4:44, 4:47, 4:51, 4:54, 4:103, 4:105, 4:113, 4:123, 4:127, 4:131, 4:136, 4:136, 4:136, 4:140, 4:153, 4:153, 4:159, 4:171, 5:5, 5:5, 5:15, 5:15, 5:15, 5:19, 5:44, 5:48, 5:48, 5:57, 5:59, 5:65, 5:68, 5:77, 5:110, 6:7, 6:20, 6:38, 6:59, 6:89, 6:91, 6:92, 6:114, 6:114, 6:154, 6:155, 6:156, 6:157, 7:2, 7:37, 7:52, 7:169, 7:169, 7:170, 7:196, 8:68, 8:75, 9:29, 9:36, 10:1, 10:37, 10:61, 10:94, 11:1, 11:6, 11:17, 11:110, 12:1, 13:1, 13:36, 13:38, 13:39, 13:43, 14:1, 15:1, 15:4, 16:64, 16:89, 17:2, 17:4, 17:13, 17:14, 17:58, 17:71, 17:71, 17:93, 18:1, 18:27, 18:49, 18:49, 19:12, 19:16, 19:30, 19:41, 19:51, 19:54, 19:56, 20:52, 21:10, 21:104, 22:8, 22:70, 23:49, 23:62, 24:33, 25:35, 26:2, 27:1, 27:28, 27:29, 27:40, 27:75, 28:2, 28:43, 28:49, 28:52, 28:86, 29:27, 29:45, 29:46, 29:47, 29:47, 29:48, 29:51, 30:56, 31:2, 31:20, 32:2, 32:23, 33:6, 33:6, 33:26, 34:3, 34:44, 35:11, 35:25, 35:29, 35:31, 35:32, 35:40, 37:117, 37:157, 38:29, 39:1, 39:2, 39:23, 39:41, 39:69, 40:2, 40:53, 40:70, 41:3, 41:41, 41:45, 42:14, 42:15, 42:17, 42:52, 43:2, 43:4, 43:21,

44:2, 45:2, 45:16, 45:28, 45:29, 46:2, 46:4, 46:12, 46:12, 46:30, 50:4, 52:2, 56:78, 57:16, 57:22, 57:25, 57:26, 57:29, 59:2, 59:11, 62:2, 66:12, 68:37, 69:19, 69:19, 69:25, 74:31, 74:31, 78:29, 83:7, 83:9, 83:18, 83:20, 84:7, 84:10, 98:1, 98:3, 98:4, 98:6

kataba vb. (3) impv. 24:33

iktataba vb. (8) perf. act. 25:5

LL, V7, p: 117, 118, 119

Kaf-Ta-Miim = To conceal, restrain (anger), hide, keep back (evidence), hold.

katama vb. (1)
perf. act. 2:140
impf. act. 2:33, 2:42, 2:72, 2:146, 2:159, 2:174, 2:228, 2:283, 2:283, 3:71, 3:167, 3:187, 4:37, 4:42, 5:61, 5:99, 5:106, 21:110. 24:29, 40:28

LL, V8, p: 252

Kaf-Tha-Ba = To gather, heap up, make up, collect into one place.

kathib n.m. 73:14

LL, V7, p: 120, 121

Kaf-Tha-Ra = To surpass in number or quantity, increase, multiply, happen often; To be much, many, numerous.

kathura vb. (1)
perf. act. 4:7, 8:19

kathir n.m. 2:26, 2:26, 2:100, 2:109, 2:243, 2:245, 2:249, 2:269, 3:41, 3:110, 3:146, 3:186, 4:1, 4:12, 4:19, 4:82, 4:94, 4:100, 4:114, 4:160, 5:15, 5:15, 5:32, 5:49, 5:59, 5:62, 5:64, 5:66, 5:68, 5:71, 5:77, 5:80, 5:81, 5:103, 6:37, 6:91, 6:111, 6:116, 6:119, 6:137, 7:17, 7:102, 7:102, 7:131, 7:179, 7:187, 8:34, 8:43, 8:45, 9:8, 9:25, 9:34, 9:69, 9:82, 10:36, 10:55, 10:60, 10:92, 11:17, 11:91, 12:21, 12:38, 12:40, 12:68, 12:103, 13:1, 14:36, 16:38, 16:75, 16:83, 16:101, 17:6, 17:70, 17:74, 17:89, 18:34, 18:54, 20:33, 20:34, 21:24, 22:18, 22:18, 22:40, 23:19, 23:21, 23:70, 25:14, 25:38, 25:44,

25:49, 25:50, 26:8, 26:67, 26:103, 26:121, 26:139, 26:158, 26:174, 26:190, 26:223, 26:227, 27:15, 27:61, 27:73, 27:76, 28:13, 28:57, 28:78, 29:63, 30:6, 30:8, 30:9, 30:30, 30:42, 31:25, 33:21, 33:35, 33:41, 34:28, 34:35, 34:36, 34:41, 36:7, 36:62, 37:71, 38:24, 38:51, 39:29, 39:49, 40:57, 40:59, 40:61, 40:82, 41:4, 41:22, 42:30, 42:34, 43:73, 43:78, 44:39, 45:26, 48:19, 48:20, 49:4, 49:7, 49:12, 52:47, 56:32, 57:16, 57:26, 57:27, 58:7, 62:10, 71:24

kathrah n.f. 5:100, 9:25

kawthar n.m. 108:1

kaththara vb. (2) perf. act. 7:86

akthara vb. (4) perf. act. 11:32, 89:12

takathara vb. (6)
n.vb. 57:20, 102:1

istakthara vb. (10)
perf. act. 6:128, 7:188
impf. act. 74:6

LL, V7, p: 121, 122

Kaf-Waw-Ba (Kaf-Alif-Ba) = To drink out of a goblet.

akwab n.m. (pl. of kub) 43:71, 56:18, 76:15, 88:14

LL, V7, p: 163

Kaf-Waw-Kaf-Ba (Kaf-Alif-Kaf-Ba) = To shine, glisten.

kawkab n.m. (pl. kawakib) 6:76, 12:4, 24:35, 37:6, 82:2

Kaf-Waw-Nun (Kaf-Alif-Nun) = To be, exist, happen, occur, take place, become, be such or so.

kana vb. (1)(also an auxiliary verb, impf. act. yakunu)
impv. 2:65, 2:117, 3:47, 3:59, 3:79, 4:135, 5:8, 6:73, 7:144, 7:166, 9:119, 15:98, 16:40, 17:50, 19:35, 21:69, 36:82, 39:66, 40:68, 61:14

makan n.m. 4:20, 5:60, 7:95, 7:143, 10:22, 10:28, 12:77, 12:78, 14:17, 16:101, 16:112, 19:16, 19:22, 19:57, 19:75, 20:58, 22:26, 22:31, 25:12, 25:13, 25:34, 28:82, 34:51, 34:52, 34:53, 41:44, 50:41

makanah n.f. 6:135, 11:93, 11:121, 36:67, 39:39

(yakoonoo? 4:102)

LL, V8, p: 258

Kaf-Waw-Ra (Kaf-Alif-Ra) = To wind, twist.

kawwara vb. (2)
impf. act. 39:5, 39:5
perf. pass. 81:1

LL, V7, p: 165, 166

Kaf-Waw-Ya (Kaf-Alif-Ya) = To burn, sear, scorch, brand, cauterize.

kawa vb. (1) impf. pass. 9:35

LL, V8, p: 258

Kaf-Ya-Dal (Kaf-Alif-Dal) = To be about to, be just on the point of, be well nigh, intend, wish.

kada vb. (1)
perf. act. 12:76
impf. act. 12:5, 21:57, 86:15, 86:16
impv. 7:195, 11:55, 77:39
n.vb. 3:120, 4:76, 7:183, 8:18, 12:5, 12:28, 12:28, 12:33, 12:34, 12:50, 12:52, 20:60, 20:64, 20:69, 21:70, 22:15, 37:98, 40:25, 40:37, 52:42, 52:46, 68:45, 77:39, 86:15, 86:16, 105:2

pcple. pass. 52:42

LL, V7, p: 166, 167

Kaf-Ya-Lam (Kaf-Alif-Lam) = To measure, weigh, compare.

kala vb. (1)
perf. act. 17:35, 83:3
n.vb. 6:152, 7:85, 12:59, 12:60, 12:63, 12:65, 12:65, 12:88, 17:35, 26:181

mikyal n.m. 11:84, 11:85

iktala vb. (8)
perf. act. 83:2
impf. act. 12:63

LL, V8, p: 259

Kaf-Ya-Nun (Kaf-Alif-Nun) = To submit, humble, resign.

istakana vb. (10) perf. act. 3:146, 23:76

LL, V8, p: 259

Kaf-Za-Miim = To shut, stop, abstract, suppress one's anger, choke, tight or fill something with a check, abstain from chewing the end.

kazama vb. (1)
pcple. act. 3:134, 40:18
pcple. pass. 68:48

kazim n.m. 12:84, 16:58, 43:17

LL, V8, p: 255

Lam = •

lam = Negative particle giving to the present the sense of the perfect; not.

= **Lam-Alif-Kaf** = To send, to send a message, to send anyone towards.

malak n.m (pl. *malaikah*), see also *malak* (Miim-Lam-Kaf)

2:30, 2:31, 2:34, 2:98, 2:161, 2:177, 2:210, 2:248, 2:285, 3:18, 3:39, 3:42, 3:45, 3:80, 3:87, 3:124, 3:125, 4:97, 4:136, 4:166, 4:172, 6:93, 6:111, 6:158, 7:11, 8:9, 8:12, 8:50, 13:13, 13:23, 15:7, 15:8, 15:28, 15:30, 16:2, 16:28, 16:32, 16:33, 16:49, 17:40, 17:61, 17:92, 17:95, 18:50, 20:116, 21:103, 22:75, 23:24, 25:21, 25:22, 25:25, 33:43, 33:56, 34:40, 35:1, 37:150, 38:71, 38:73, 39:75, 41:14, 41:30, 42:5, 43:19, 43:53, 43:60, 42:27, 53:27, 66:4, 66:6, 70:4, 74:31, 78:38, 97:4

= **Lam-Alif-Lam-Alif** = To shine, glitter, blaze, be bright, pearl, a perfect/complete rejoicing.

lu'lu n.m. (coll) 22:23, 35:33, 52:24, 55:22, 56:23, 76:19

• • • = **Lam-Ayn-Ba** = played/sported/gamed/jested/joked, passtime (in an unserious thing), engage in idle sport without meaning or purpose, slaver/drivel, stupid/fool.

la'iba vb. (1)
impf. act. 6:91, 7:98, 9:65, 12:12, 21:2, 43:83, 44:9, 52:12, 70:42
n.vb. 5:57, 5:58, 6:32, 6:70, 7:51, 29:64, 47:36, 57:20
pcple. act. 21:16, 21:55, 44:38

LL, V7, p: 189, 190, 191

= **Lam-Ayn-Lam** = Perhaps; may be that; it is hoped; to be happy. It is used to denote

either a state of hope or fear, whether that state pertains to the speaker or to the addressee or to someone else, expectation.

LL, V8, p: 265

• • • = **Lam-Ayn-Nun** = To drive away, execrate, deprive one of mercy and blessings, condemn, curse.
The base or lower part of a palm-tree.

la'ana vb. (I)
perf. act. 2:88, 4:46, 4:47, 4:52, 4:93, 4:118, 5:13, 5:60, 7:38, 9:68, 33:57, 33:64, 47:23, 48:6
impf. act. 2:159, 2:159, 4:47, 4:52, 29:25
impv. 33:68
perf. pass. 5:64, 5:78, 24:23
n.vb. 33:68
pcple. act. 2:159
pcple. pass. 17:60, 33:61

la'nah n.f. - 2:89, 2:161, 3:61, 3:87, 7:44, 11:18, 11:60, 11:99, 13:25, 15:35, 24:7, 28:42, 38:78, 40:52

LL, V8, p: 265

= **Lam-Ba-Ba** = To be gifted with a penetrative mind, be kind hearted, tender/ affectionate/compassionate, remain/dwelt & kept to it, expert/clever, insightful, posessed of understanding/intellect, mind.

albab n.m. (plural of *lubb*) - 2:179, 2:197, 2:269, 3:7, 3:190, 5:100, 12:111, 13:19, 14:52, 38:29, 38:43, 39:9, 39:18, 39:21, 40:54, 65:10

LL, V7, p: 169, 170, 171, 172

= **Lam-Ba-Dal** = stuck/clave/adhered (to the ground/thing), remain fixed/steady and looked or considered, remain/continue/dwelt/stay in a place, become intermingled/ compacted/coherent, make together, become felted, aquat, swarm, stifling crowd, that which is packed densely, abundant/much.

libad n.f. (plural of *libdah*) - 72:19, *lubad* n.m. (adj.) - 90:6

LL, V7, p: 173, 174

Lam-Ba-Nun = milk

laban n.m. - 16:66, 47:15

• • • = **Lam-Ba-Siin** = To wear/cover, put on a garment, be clothed in, envelop, conceal, conformed, cloak/disguise, that which is worn.
Obscure/confuse/confound, mystify, render a thing obscure and confused to another.
Employed/busied/occupied himself with/within a thing, become involved/entangled/ complicated, to mix/mingle/accompany a thing.

labasa vb. (I)
perf. act. 6:9
impf. act. 2:42, 3:71, 6:65, 6:82, 6:137
labs n.vb - 50:15

labisa vb. (I) - 16:14, 18:31, 35:12, 44:53
labus n.m. - 21:80
libas n.m. - 2:187, 2:187, 7:26, 7:26, 7:27, 16:112, 22:23, 25:47, 35:33, 78:10]

LL, V7, p: 175, 176

• • • = **Lam-Ba-Tha** = to delay, tarry, sojourn, to pause/wait/expect/stop/remain, was patient.

labitha vb. (I)
perf. act. 2:259, 2:259, 2:259, 10:16, 11:69, 12:42, 17:52, 18:12, 18:19, 18:19, 18:19, 18:25, 18:26, 20:40, 20:103, 20:104, 23:112, 23:113, 23:114, 26:18, 29:14, 30:55, 30:56, 34:14, 37:144
impf. act. 10:45, 17:76, 46:35, 79:46, 78:23

talabbatha vb. (V) - perf. act. 33:14

LL, V7, p: 172, 173

= **Lam-Dal-Dal** = To hold an alteration with anyone, quarrel, contend violently, stubborn/rigid/contentious, withhold, hinder.

aladd n.m. (pl. ludd) - 2:204, 19:97

LL, V7, p: 184, 185

= **Lam-Dal-Nun** = At; near; with; from; presence; in the presence of; for. *Ladun*: Particle of a place or preposition.

Ladai/Lida = At; near; with; from; presence; in the presence of; for. A particle of place or preposition. The meanings of *Ladun* and *Ladai* and *Lida* are the same.

(with prep. *min*) that which proceeds from the presence of, of one's part, from before (often translated as "from").

ladun n.m. [3:8, 3:38, 4:40, 4:67, 4:75, 11:1, 17:80, 18:2, 18:10, 18:65, 18:76, 19:5, 19:13, 20:99, 21:17, 27:6, 28:57]

LL, V8, p: 263

= **Lam-Fa** = To find a thing or anyone.

[*alfaya* (IV) dual 3rd person - 12:25, *alfou* (IV) plural 3rd person 37:69, *alfaina* (IV) 1st person plural 2:170]

= **Lam-Fa-Fa** = To roll up, fold, wrap, involve, conjoin, be entangled (trees), be heaped, joined thick/dense and luxuriant/abundant.

[*alfaf* n.m. (pl. of *liff*) - 78:16, 17:104, *iltaffa* vb. (VIII) - 75:29]

75:29 is said to be an idiomatic phrase denoting the affliction is combined with affliction,

as the noun '*saq*/shank/leg' is often used in the sense of hardship/difficulty/distress in many Arabic phrases.

LL, V8, p: 265

= **Lam-Fa-Ha** = To burn/scorch/hurt/smite/strike.

lafaha vb. (1) impf. act. 23:104

LL, V7, p: 194

= **Lam-Fa-Ta** = To turn aside/round, pervert, bend, look back/about, wring, twist, avert (the face) from.

lafata vb. (I) - 10:78

iltafata vb. (VIII) - 11:81, 15:65

LL, V7, p: 193, 194

Lam-Fa-Waw = to find/encounter

alfaw vb. (4) perf. act. 2:170, 12:25, 37:69

LL, V8, p: 265, 266

• • • = **Lam-Fa-Za** = To cast forth, eject, reject, pronounce/utter/spoke, express, remainder/residue.

lafaza vb. (1) impf. act. 50:18

LL, V7, p: 194, 195

• • • = **Lam-Ghayn-Ba** = To be fatigued, weary, weak, tired, spoiled/marred.

laghaba vb. (1) n.vb. 35:35, 50:38

LL, V7, p: 191, 192

• • • = **Lam-Ghayn-Waw** = To talk nonsense speech, to make mistake consciously or unconsciously, use vain words, idle talk, make noise and raise a hue and cry (to interrupt), talk frivolously (to drown the hearing of another), a slip in talk, unintentional talk, babble.

laghiya vb. (I)
impv. 41:26
n. vb. 2:225, 5:89, 19:62, 23:3, 25:72, 28:55, 52:23, 56:25, 78:35

laghiyah n.f. - 88:11

= **Lam-ha-Ba** = To blaze fiercely/intensely, inflame, burn with anger, Ardour of fire, flame, fiery tempered person, abu lahab - father of flame.
A gap/space between two mountains, a cleft/fissure in a mountain.
Nickname of the Holy Prophet's uncle, whose real name was Abdul Uzza. [[This is a traditional understanding may conflict with 49:11. Does 'abu lahab' describe a specific person or a personality archetype/model?]]

lahab n. [111:1, 77:31, 111:3]

LL, V7, p: 202, 203

• • • = **Lam-ha-Tha** = To thirst, let the tongue hang out, loll the tongue (dog), pant, gasp for breath, fatigue.

lahatha vb. (1) impf. act. 7:176 x2

LL, V7, p: 203

= **Lam-ha-Miim** = To swallow, gulp down food, glut. Instinct, natural feeling, inspiration.

alhama vb. (4) perf. act. 91:8

LL, V8, p: 268

= **Lam-ha-Waw** = become diverted from it as to forget it, To preoccupy, beguile, distract, sport/play/amusement, divert, diversion, forget, delight/cheer, turn away, what is thrown, unmindful/careless.

laha vb. (I)
n.vb. 6:32, 6:70, 7:51, 21:17, 29:64, 31:6, 47:36, 57:20, 62:11, 62:11
pcple. act. 21:3

alha vb. (IV)
perf. act. 102:1
impf. act. 15:3, 24:37, 63:9

talahha vb. (V) impf. act. 80:10

LL, V8, p: 268

= **Lam-Ha** = To change colour, become visible, scorching one, broad table or plate, tablet.

[*lauhun* n.sing. - 85:22, *alwah* n.plu. - 7:145, 7:150, 7:154, 54:13, *lawwahatun* v.adj. of intensity - 74:29]

LL, V7, p: 180, 181

= **Lam-Ha-Dal** = To make a niche or receptacle for a corps, a trench.
Deviate/swerve from, stray from the right path, act unfairly, to blaspheme/dispute, make covert hints, to use profanity, to pervert/distort/violate/decry.
Lodging/refuge/concealment/protection.

alhada vb. (IV)
impf. act. 7:180, 16:103, 41:40
n.vb. 22:25

iltahada vb. (VIII) pcple. pass. 18:27, 72:22

LL, V7, p: 182

= **Lam-Ha-Fa** = To cover with a cloak or a sheet, wrap in a garment, single lining garment (i.e. not doubled or stuffed), to be importune, demand with importunity, persist.

alhafa vb. (IV) - n.vb. *ilhaf* 2:273

LL, V8, p: 262

= **Lam-Ha-Miim** = flesh/meat, to feed with flesh, skin/hide/cloth.

[*lahm* n.m. (pl. *luhum*) - 2:173, 2:259, 5:3, 6:145, 16:14, 16:115, 22:37, 23:14, 35:12, 49:12, 52:22, 56:21]

LL, V8, p: 262, 263

= **Lam-Ha-Nun** = To incline, modulate, make a change in the tone, way of speaking, tenor not to speak straight, oblique pronounciation, speak incorrectly, intent of speech, speech with a mode showing speakers inner feeling contrary to the obvious meaning of the word.

[*lahana* vb. (I) n.vb. *lahn* 47:30]

LL, V8, p: 263

• • •

Lam-Ha-Qaf = To overtake, reach, attain, catch up, cleave, join, become or made

himself on a par, ensue, affiliate, coherent with.

lahiqa vb. (I)
impf. act. 3:170, 62:3

alhaqa vb. (IV)
perf. act. 34:27, 52:21
impv. 12:101, 26:83

LL, V8, p: 262

= **Lam-Ha-Ya** = Beard, part of turban under lower jaw, jaw-bone, bark of a tree, skin of grapes.

lihyah n.f. - 20:94]

LL, V8, p: 263

= **Lam-Jiim-Alif** = To take refuge, retreat, shelter, protection, flee to, preservation, lodging, concealment, to rely upon and seek aid, defense.

[*malja* n.m. - 9:57, 9:118, 42:47]

LL, V7, p: 179

= **Lam-Jiim-Jiim** = To exceed the limit, persist obstinately, persevere, insist upon a thing, be querulous, continue in opposition/contention/litigation/wrangling.
Main sea or body of water, fathomless deep sea, great expanse of sea of which the limits cannot be seen, great & confused.
Fluctuating, come and go repeatedly, stammer/stutter in speech, confused noise/voices.
The side of a valley/shore/sea, mirror/silver, sword, rugged part of a mountain.

lajja vb. (I)
perf. act. 23:75, 67:21

lujjah n.f. - 27:44

lujji n.m. adj. - 24:40

LL, V7, p: 178, 179

---

lakin = But (after a negation); but not (after an affirmation).

---

lima = Why? For what reason?

= **Lam-Miim-Miim** (lamma) = To gather, collect, amass, assemble, pick up greedily, lesser offences, unwilled offences, small faults, inadvertent sins.

[*lamam* vb.n. - 53:32, *lamm* n.masc.accusative - 89:19]

• • • = **Lam-Miim-Ha** = To shine, glister, give a glance with the eye, twinkling (of an eye).

lamaha vb. (1) n.vb. *lamh* [16:77, 54:50]

LL, V7, p: 200

= **Lam-Miim-Siin** = To touch, feel with the hand, to stretch towards, seek, inquire after, have intercourse.

lamasa vb. (I) perf. act. 6:7, 72:8

lamasa vb. (III) perf. act. 4:43, 5:6

iltamasa vb. (VIII) impv. 57:13

LL, V7, p: 201, 202

• • • = **Lam-Miim-Zay** = To wink, make a sign with the eye or hand, defame, reproach, blame, find fault, speak ill, slanderer, strike, repel, traduce.

lamaza vb. (I)
impf. act. 9:58, 9:79, 49:11
lumazah n.common gender - 104:1

LL, V7, p: 200, 201

= **Lam-Nun** (*lana*) = To soften, make tender, lenient, gentle, smooth.
linatun - apalm-tree of which the dates are of very inferior quality and are unfit for human consumption.

[*linta, talinu, alanna, layyina*]

= **Lam-Qaf-Ba** = To give nickname to another, revile, give name of reproach, call one by a nickname/by-name/surname.

[*alqab* n.plu. - 49:11]

LL, V7, p: 195, 196

• • • = **Lam-Qaf-Fa** = To catch up hurriedly, seize, swallow up quickly, destroy, undo, eat up, catch and retain, collapse, fall upon the enemy, crumble down.

laqifa vb. (1) impf. act. [7:117, 20:69, 26:45]

LL, V8, p: 266

= **Lam-Qaf-Ha** =To impregnate, vaccinate, fertilize, conceive, receive, fecundation.

laqaha vb. (1) pcple. act. [15:22]

LL, V7, p: 196, 197

= **Lam-Qaf-Miim** = Take in the mouth, clog up, obstruct (a path), stop, gobble, ate quickly, morsel/mouthful, kiss/embrace/clasp.

Luqman noun proper - 31:12, 31:13

iltaqama vb. (VIII) perf. act. 37:142

LL, V8, p: 266

• • • = **Lam-Qaf-Tay** = To pick up/out, take up, took it, raised it, gather, glean, collect, acquire, anything that is scattered.

iltaqata vb. (8) perf. act. 28:8
impf. act. 12:10

LL, V7, p: 197, 198, 199

• • • = **Lam-Qaf-Ya** = To meet, meet with, encounter, find, find out a thing, see, come across, experience, suffer from, occur, undergo, endure, lean upon, recieve, come face to face, go in the direction of or towards.
This root has occurred in al quran in 45 forms, and been used about 145 times.

laqiya vb. (I)
perf. act. 2:14, 2:76, 3:119, 8:15, 8:45, 18:62, 18:74, 47:4,
impf act. 3:143, 9:77, 17:13, 19:59, 25:68, 33:44,
n.vb. 6:31, 6:130, 6:154, 7:51, 7:147, 10:7, 10:11, 10:15, 10:45, 13:2, 18:105, 18:110, 23:33, 25:21, 29:5, 29:23, 30:8, 30:16, 32:10, 32:14, 32:23, 39:71, 41:54, 45:34,
pcple. act. 28:61

tilqa n.m. - 7:47, 10:15, 28:22

laqqa vb. (II)
perf. act. 76:11,
impf. pass. 25:75, 27:6, 28:80, 41:35, 41:35,

laqa vb. (III)
impf. act. 43:83, 52:45, 70:42,
pcple. act. 2:46, 2:223, 2:249, 11:29, 62:8, 69:20, 84:6,

alqa vb. (IV)
perf. act. 4:90, 4:94, 4:171, 5:64, 7:107, 7:116, 7:150, 10:81, 12:96, 15:19, 16:15, 16:28, 16:86, 16:87, 20:20, 20:39, 20:65, 20:87, 22:52, 26:32, 26:44, 26:45, 31:10, 38:34, 50:7, 50:37, 75:15, 84:4,
impf. act. 2:195, 3:44, 3:151, 4:91, 7:115, 8:12, 20:39, 20:65, 22:52, 22:53, 26:223, 40:15, 60:1, 73:5,
impv. 7:116, 7:117, 10:80, 12:10, 12:93, 20:19, 20:66, 20:69, 26:43, 27:10, 27:28, 28:7, 28:31, 37:97, 50:24, 50:26,
perf. pass. 7:120, 20:70, 25:13, 26:46, 27:29, 43:53, 54:25, 67:7, 67:8,
impf. pass. 17:39, , 25:8, 28:86, 41:40,
pcple. pass. 7:115, 10:80, 26:43, 77:5,

talaqqa vb. (V)
perf. act. 2:37, 24:15
impf. act. 21:103, 50:17
pcple. act. 50:17

talaqa vb. (VI) - 40:15,

iltaqa vb. (VIII)
perf. act. 3:13, 3:155, 3:166, 8:41, 8:44, 54:12
impf. act. 55:19

LL, V8, p: 266, 267

= **Lam-Siin-Nun** = a tongue/speech/language, to seize one by the tongue, bite one in words, make a thing sharp pointed, eloquent speech.

lisan n.com. (pl. *alsinah*) 3:78, 4:46, 5:78, 14:4, 16:62, 16:103, 16:103, 16:116, 19:50, 19:97, 20:27, 24:15, 24:24, 26:13, 26:84, 26:195, 28:34, 30:22, 33:19, 44:58, 46:12, 48:11, 60:2, 75:16, 90:9

LL, V8, p: 264

= **Lam-Tay** = To be fixed in the affections, cleave to (-the mind thought), take away a

thing, *laut* - sympathy/active/nimble.
Lut/Lot comes from this root (see Lam-Waw-Tay). This occurs about 27 times.

LL, V7, p: 188

• • • = **Lam-Tay-Fa** = To be delicate, subtle, slender, graceful, courtesy, elegant, gentle, kind, fine, nice, sooth/caress, gift/present.

latif n.m. - 6:103, 12:100, 22:63, 31:16, 33:34, 42:19, 67:14

talattafa vb. (V) impf. act. 18:19

LL, V8, p: 264

= **Lam-Thal** = To take refuge in surrounding, seek refuge with another, seek protection, slipping away privately.

[*liwathan* v.n.acc. - 24:63]

LL, V7, p: 185, 186

= **Lam-Thal-Thal** =To be sweet (or savoury), delicious, delightful, pleasant, gratifying the senses, find agreeable, take pleasure/delight/enjoyment in.

laththa vb. (1)
impf. act. 43:71

laththah n.f. 37:46, 47:15

LL, V7, p: 185, 186

= **Lam-Waw** (law) - optative particle, if/though/although, conditional.
Often at the start of verses/sentences.

LL, V8, p: 268

Lam-Waw-Ha =

lawh n.m. (pl. *alwah*) 7:145, 7:150, 7:154, 54:13, 85:22

lawwah n.m. 74:29

LL, V7, p: 207, 208

= **Lam-Waw-Miim** (*lama*) = To blame someone for something, accuse.

[*lumtunna, yatalawamuna, lumu, la talumu, laumatun, laimun, lawwamatun, nafs lawwamatun, muliman, malumina*] This root with its 10 forms occurs about 14 times.

lama vb. (1)
perf. act. 12:32
impf. act. 14:22
impv. 14:22
pcple. act. 5:54
pcple. pass. 17:29, 17:39, 23:6, 51:54, 70:30

lawmah n.f. 5:54

lawwam n.m. (f. *lawwamah*) 75:2

alama vb. (4) pcple. act. 37:142, 51:40

talawama vb. (6) impf. act. 68:30

LL, V8, p: 268

= **Lam-Waw-Nun** = Colour; external form; species; hue; appearance; kind; sort; state. variegated or diversified in colour, variable, mood/disposition/character.

[*lawn* n.m. (pl. *alwan*) - 2:69, 2:69, 16:13, 16:69, 30:22, 35:27, 35:27, 35:28, 39:21]

LL, V8, p: 268, 269

Lam-Waw-Ta =

lata vb. (1) perf. act. 38:3

LL, V7, p: 205

Lam-Waw-Tay =
Also see Lam-Tay

Lut n. 6:86, 7:80, 11:70, 11:74, 11:77, 11:81, 11:89, 15:59, 15:61, 21:71, 21:74, 22:43, 26:160, 26:161, 26:167, 27:54, 27:56, 29:26, 29:28, 29:32, 29:33, 37:133, 38:13, 50:13, 54:33, 54:34, 66:10

LL, V7, p: 209, 210

Lam-Waw-Thal =

latha vb. (1) n.vb. 24:63

LL, V7, p: 208, 209

= **Lam-Waw-Ya** = To twist, pervert/distort, turn back, bend/contort/curled/curved/ coiled, wound, avert (the face) from, lean, feel an inclination, very contentious.

lawa vb. (1)
impf. act. 3:78, 3:153, 4:135
n.vb. 4:46

lawwa vb. (2) perf. act. 63:5

LL, V8, p: 269

• • •

Lam-Ya-Lam = night, evening.

layl n.m. (f. *laylah*, pl. *layali*) 2:51, 2:164, 2:187, 2:187, 2:274, 3:27, 3:27, 3:113, 3:190, 6:13, 6:60, 6:76, 6:96, 7:54, 7:142, 7:142, 10:6, 10:24, 10:27, 10:67, 11:81, 11:114, 13:3, 13:10, 14:33, 15:65, 16:12, 17:1, 17:12, 17:12, 17:78, 17:79, 19:10, 20:130, 21:20, 21:33, 21:42, 22:61, 22:61, 23:80, 24:44, 25:47, 25:62, 27:86, 28:71, 28:72, 28:73, 30:23, 31:29, 31:29, 34:18, 34:33, 35:13, 35:13, 36:37, 36:40, 37:138, 39:5, 39:5, 39:9, 40:61, 41:37, 41:38, 44:3, 44:23, 45:5, 50:40, 51:17, 52:49, 57:6, 57:6, 69:7, 71:5, 73:2, 73:6, 73:20, 73:20, 74:33, 76:26, 76:26, 78:10, 79:29, 81:17, 84:17, 89:2, 89:4, 91:4, 92:1, 93:2, 97:1, 97:2, 97:3

Lam-Ya-Nun =

lana vb. (1)
perf. act. 3:159
impf. act. 39:23

layyin n.m. 20:44

linah n.f. 59:5

alana vb. (4) perf. act. 34:10

LL, V8, p: 269

= **Lam-Ya-Siin** = It was not; is not. It is one of the verbs of the class of *kana* which govern the attribute in the accusative. This verb has occurred about 89 times.

LL, V7, p: 212

= **Lam-Ya-Ta** (*laita*) = May it be that? Would that! Particle of desire and expressing a wish impossible to be realized. It is one of those particles which like *anna* require a following noun to be an accusative.

This particle has occurred 14 times.

LL, V7, p: 211

Lam-Ya-Ta = To give a reply which was not called for, shift, shun a question, conceal, diminish, withold, prevent.
Al-Lat - female idol of the pagan Arabs, the prototype of the Greek semi-goddess Leto, one of the wives of Zeus and mother of Apollo.

lata vb. (1)
impf. act. juss. 3rd person. m. sing. *yalit* 49:14

al-lat n. 53:19

[from Lane's Lexicon 1, 2 and 3]

= **Lam-Za-Ya** = To blaze, stir (fire), burn with (anger), furnace, flame.

laza n.f. - 70:15

talazza vb. (V) impf. act. 92:14

= **Lam-Zay-Ba** = To stick/cling, adhere, be fixed firmly/closely/constantly, intermixed, cohered and hardened (clay), strait/narrow, little in quantity, adversity/difficulty/drought/ distress, indispensable/necessary, very avaracious/tenacious/niggardly.

lazaba vb. (1) pcple. act. 37:11

LL, V7, p: 186, 187

= **Lam-Zay-Miim** = To stick close to, to cling, associate, adhere, belong, intend, fasten, remain, made incumbent/obligatory.

lazima vb. (III)
n.vb. 20:129, 25:77

alzama vb. (IV)
perf. act. 17:13, 48:26
impf. act. 11:28

LL, V8, p: 263, 264

Miim = •

Miim-Alif-Ya = hundred

mi'ah n.f. 2:259, 2:259, 2:261, 8:65, 8:65, 8:66, 8:66, 18:25, 24:2, 37:147

Miim-Ayn-Nun = charity, small kindness, neighbourly needs, succour

ma'un n.m. 107:7

LL, V8, p: 276

Miim-Ayn-Ya = A narrow and depressed place; bowels or intestines into which food passes from the stomach.

am'a n.com. (pl. of ma'y) 47:15

LL, V8, p: 276

Miim-Ayn-Zay = To be hard, to be abundant in goats

ma'z n.m. 6:143

LL, V7, p: 252

Miim-Dal-Dal = to draw a thing (namely a rope), pull a thing, stretch a thing, strain a thing, extend by drawing or pulling, stretch forth, to prolong, expand/elongate/lengthen a thing, spread or spread out, delay or defer a thing, continue a thing, to help or aid someone, to advance, to increase, to supply ink (put ink into a thing), apply ink to a thing, manure land (with dung).

madda vb. (1)
perf. act. 13:3, 15:19, 25:45, 50:7
impf. act. 2:15, 7:202, 15:88, 19:75, 19:79, 20:131, 22:15, 31:27
impv. 84:3
n.vb. 19:75, 19:79
pcple. pass. 56:30, 74:12

madad n.m. 18:109

midad n.m. 18:109

muddah n.f. 9:4

maddada vb. (2)
pcple. pass. 104:9

amadda vb. (4)
perf. act. 17:6, 26:132, 26:133, 52:22
impf. act. 3:124, 3:125, 17:20, 23:55, 27:36, 71:12
pcple. act. 8:9

LL, V7, p: 223, 224, 225, 226

Miim-Dal-Nun = city

madinah n.f. (pl. *mada'in*) 7:111, 7:123, 9:101, 9:120, 12:30, 15:67, 18:19, 18:82, 26:36, 26:53, 27:48, 28:15, 28:18, 28:20, 33:60, 36:20, 63:8

madyan (noun, proper) - *Midian*
7:85, 9:70, 11:84, 11:95, 20:40, 22:44, 28:22, 28:23, 28:45, 29:36

LL, V7, p: 272

Miim-Dad-Ghayn = A piece or bit of flesh, a morsel or gobbet of flesh; heart and tongue of a person; a foetus when it becomes like a lump of flesh.

mudghah n.f. 22:5, 23:14, 23:14

LL, V8, p: 275

Miim-Dad-Ya = To advance or proceed, pass/pass away, go or go away, press onward, execute/perform/accomplish a thing, to be sharp, to cut or penetrate, excel or surpass in doing a thing.

mada vb. (1)
perf. act. 8:38, 43:8
impf. act. 18:60
impv. 15:65
n.vb. 36:67

LL, V8, p: 275

Miim-ha-Dal = To make a place or thing plain or even or smooth, to prepare or establish, to gain or earn, seek to gain, to work for oneself, to spread or be spread (namely a bed).

mahada vb. (1)
impf. act. 30:44
pcple. act. 51:48

mahd n.m. 3:46, 5:110, 19:29, 20:53, 43:10

mihad n.m. 2:206, 3:12, 3:197, 7:41, 13:18, 38:56, 78:6

mahhada vb. (2)
perf. act. 74:14
n.vb. 74:14

LL, V7, p: 267, 268

Miim-ha-Lam = To act gently or softly, act in a leisurely manner, leave one alone or grant one delay or respite.

muhl n.m. 18:29, 44:45, 70:8

mahhala vb. (2) impv. 73:11, 86:17

amhala vb. (4) impv. 86:17

LL, V8, p: 279

Miim-ha-Nun = To use a thing for service or work, hold a thing in mean estimation, to be contemptible or abject, to be weak, have little judgement and discrimination.

mahin n.m. 32:8, 43:52, 68:10, 77:20

LL, V8, p: 279

Miim-Ha-Lam = To labour skillfully, excercise art or management.

mahala vb. (1)
n. vb. *mihal* 13:13

LL, V8, p: 272

Miim-Ha-Nun = to test/try

imtahana vb. (8)
perf. act. 49:3
impv. 60:10

LL, V8, p: 272

Miim-Ha-Qaf = To render a thing deficient and deprive it of its blessing or increase, annihilate/annull/obliterate a thing, do away with a thing wholly so that no trace of it remains.

mahaqa vb. (1) impf. act. 2:276, 3:141

LL, V8, p: 272.

Miim-Ha-Sad = To be clear/pure/free from admixture or imperfection, run vehemently or vigorously, to be quick or swift in running.

mahhasa vb. (2) impf. act. 3:141, 3:154

LL, V7, p: 219, 220

Miim-Ha-Waw = To efface or erase a thing, to obliterate/cancel/remove/do away with a thing, to dispell a thing.

maha vb. (1)
perf. act. 17:12
impf. act. 13:39, 42:24

LL, V8, p: 272

Miim-Jiim-Dal = To be possessed of or characterized by glory or honour or dignity or nobility, to be magnificent/magnified, large/abundant/much, exalted or sublime.

majid n.m. 11:73, 50:1, 85:15, 85:21

LL, V7, p: 217, 218

Miim-Jiim-Siin = To follow or practice the Magian religion.

majus n. 22:17

LL, V7, p: 218, 219

= **Miim-Kaf-Kaf** = Sucking, Sucking up, Absorbing, drinking up, Destruction/Destroying, diminishing, diminution/failing; failure, to cast, to throw away, to discard, to straighten/ tighten or impede/restrict, to beseech/ask/accept, crowding, competition (*izdihaam*).

makkah n.f. 48:24

Miim-Kaf-Lam =

mikal n. 2:98

Miim-Kaf-Nun = To give or assign someone a place, to establish or settle in an abode, to enable or empower someone to do a thing.

makin n.m. 12:54, 23:13, 77:21, 81:20

makkana vb. (2)
perf. act. 6:6, 7:10, 12:21, 12:56, 18:84, 18:95, 22:41, 46:26, 46:26
impf. act. 6:6, 24:55, 28:6, 28:57

amkana vb. (4) perf. act. 8:71

LL, V8, p: 276

Miim-Kaf-Ra = To practice deceit or guile or circumvention, practice evasion or elusion, to plot, to excercise art or craft or cunning, act with policy, practice strategem.

makara vb. (1)
perf. act. 3:54, 3:54, 7:123, 13:42, 14:46, 16:26, 16:45, 27:50, 40:45, 71:22
impf. act. 6:123, 6:123, 6:124, 8:30, 8:30, 8:30, 10:21, 12:102, 16:127, 27:70, 35:10
n.vb. 7:99, 7:99, 7:123, 10:21, 10:21, 12:31, 13:33, 13:42, 14:46, 14:46, 14:46, 27:50, 27:50, 27:51, 34:33, 35:10, 35:43, 35:43, 71:22
pcple. act. 3:54, 8:30

LL, V7, p: 256

Miim-Kaf-Tha = To tarry, to tarry and wait/expect, to loiter, to stay, pause in expectation, to not haste, be slow of speech.

makatha vb. (1)
perf. act. 27:22
impf. act. 13:17
impv. 20:10, 28:29
n. vb. 17:106
pcple. act. 18:3, 43:77

LL, V7, p: 256

Miim-Kaf-Waw = *Bird so called,* because of its color.

maka vb. (1) n. vb. 8:35

LL, V8, p: 276

Miim-Kh-Dad = To churn/beat/agitate (milk), extract or fetch out the butter from milk, shake or agitate vehemently, turn over or revolve a thing.

makhad n.m. (coll) 19:23

LL, V7, p: 221, 222, 223

Miim-Kh-Ra = To cleave, to run and cleave a thing with a noise, to make a noise or sound, advance and retire, face or turn towards the wind, plough through.

makhara vb. (1)
pcple. act. f. (*mawakhir* pl. of *makhirah*) 16:14, 35:12

LL, V7, p: 221

Miim-Lam-Alif = To fill, satisfy, help. "The sap or vigour of youth, or young manhood became fuller mantled in a person". Satisfy/Glut. Aid, assist, conform with to do a thing. Assembly. Utmost [such as pulling a bow as far back as possible]. "The utmost of his power and ability was accomplished". Sufficient in quantity or dimension for filling. Disposition, nature [as one rich in needul qualities], manners. Principle persons, chiefs

[because they are rich in needful things]. That which is satisfactory or satisfies [such as a majestic person]. An ewe in whose belly are water and matter so that one thinks her to be pregnant.

mala'a vb. (1)
impf. act. 7:18, 11:119, 32:13, 38:85
perf. pass. 18:18, 72:8
pcple. act. 37:66, 56:53

mala n.m. 2:246, 7:60, 7:66, 7:75, 7:88, 7:90, 7:103, 7:109, 7:127, 10:75, 10:83, 10:88, 11:27, 11:38, 11:97, 12:43, 23:24, 23:33, 23:46, 26:34, 27:29, 27:32, 27:38, 28:20, 28:32, 28:38, 37:8, 38:6, 38:69, 43:46

mil n.m. 3:91

imtala'a vb. (8) perf. act. 50:30

Miim-Lam-Ha = To suckle or give suck, to be saltish or bitter, to become fat, to be goodly/beautiful/pretty, pleasing to the eye or ear, inclining to gray or whiteness, adopt one as a foster brother.

milh n. com. 25:53, 35:12

LL, V7, p: 259, 260, 261, 262

Miim-Lam-Kaf = to rule/command/reign, be capable, to control, power/authority, king, kingdom.

malaka vb. (1)
perf. act. 4:3, 4:24, 4:25, 4:36, 16:71, 23:6, 24:31, 24:33, 24:58, 24:61, 30:28, 33:50, 33:52, 33:55, 70:30
impf. act. 5:17, 5:25, 5:41, 5:76, 7:188, 10:31, 10:49, 13:16, 16:73, 17:56, 17:100, 19:87, 20:89, 25:3, 25:3, 27:23, 29:17, 34:22, 34:42, 35:13, 39:43, 43:86, 46:8, 48:11, 60:4, 72:21, 78:37, 82:19
n.vb. (1) *malk* 20:87
n.vb. (2) *mulk* 2:102, 2:107, 2:247, 2:247, 2:247, 2:248, 2:251, 2:258, 3:26, 3:26, 3:26, 3:189, 4:53, 4:54, 5:17, 5:18, 5:40, 5:120, 6:73, 7:158, 9:116, 12:101, 17:111, 20:120, 22:56, 24:42, 25:2, 25:2, 25:26, 35:13, 38:10, 38:20, 38:35, 39:6, 39:44, 40:16, 40:29, 42:49, 43:51, 43:85, 45:27, 48:14, 57:2, 57:5, 64:1, 67:1, 76:20, 85:9
pcple. act. 1:4, 3:26, 36:71

pcple. pass. 16:75

malak n.m. 2:102, 6:8, 6:8, 6:9, 6:50, 7:20, 11:12, 11:31, 12:31, 17:95, 25:7, 32:11, 53:26, 69:17, 89:22

malakut n.m. 6:75, 7:185, 23:88, 36:83

malik n.m. (pl. *muluk*) 2:246, 2:247, 5:20, 12:43, 12:50, 12:54, 12:72, 12:76, 18:79, 20:114, 23:116, 27:34, 59:23, 62:1, 114:2

malik n.m. 54:55

malik n. prop. 43:77

LL, V8, p: 277

Miim-Lam-Lam = to dictate, embrace a religion, creed/faith.

millah n.f. - 2:120, 2:130, 2:135, 3:95, 4:125, 6:161, 7:88, 7:89, 12:37, 12:38, 14:13, 16:123, 18:20, 22:78, 38:7

amalla vb. (IV)
impf. act. 2:282 x3

LL, V7, p: 257, 258. V8: 276, 277

Miim-Lam-Qaf = To flay a person, also to behave in a loving and affectionate manner towards someone, run swiftly, be vehement in journeying.

amlaqa vb. (4) n.vb. 6:151, 17:31

LL, V8, p: 277

Miim-Lam-Ya = To live long, enjoy a thing.

maliy n.m. 19:46

amla vb. (4)
perf. act. 13:32, 22:44, 22:48, 47:25
impf. act. 3:178, 3:178, 7:183, 68:45
impf. pass. 25:5

LL, V8, p: 277

Miim-Nun-Ayn = To prevent or hinder or hold back, to impede/withhold/arrest/restrain, to keep/debar/preclude/inhibit, to forbid/prohibit/interdict, deny or refuse, also to protect or defend or guard a thing, dispute or contest, resist or withstand, to strengthen or fortify, to make a thing inaccessible or unapproachable or difficult of access.

mana'a vb. (1)
perf. act. 2:114, 7:12, 9:54, 17:59, 17:94, 18:55, 20:92, 38:75
impf. act. 4:141, 21:43, 107:7
perf. pass. 12:63
pcple. act. f. 59:2
pcple. pass. 56:33

manna n.m. 50:25, 68:12

manu n.m. 70:21

LL, V8, p: 278.

Miim-Nun-Nun = To confer or bestow a benefit or favour to someone, to be bountiful or beneficent or gratuitous, to be reasonable (too reasonable to do that which is deemed bad), *min* often means *some of* or *among*, *min* can be used in the sense of *fi* meaning *in* or *on*.

manna vb. (1)
perf. act. 3:164, 4:94, 6:53, 12:90, 20:37, 28:82, 37:114, 52:27
impf. act. 14:11, 26:22, 28:5, 49:17, 49:17, 49:17, 74:6
impv. 38:39
n.vb. 2:262, 2:264, 47:4
pcple. pass. 41:8, 68:3, 84:25, 95:6

mann n.m. 2:57, 7:160, 20:80

manun n.m. 52:30

LL, V8, p: 278

Miim-Nun-Ya = To try or to prove someone, to mediate, to wish or desire.

manat n. 53:20

mani n.m. 75:37

umniyah n.f. (pl. *amani*) 2:78, 2:111, 4:123, 4:123, 22:52, 57:14

manna vb. (2)
impf. act. 4:119, 4:120

amna vb. (4)
impf. act. 56:58
impf. pass. 53:46, 75:37

tamanna vb. (5)
perf. act. 22:52, 28:82, 53:24
impf. act. 2:95, 3:143, 4:32, 62:7
impv. 2:94, 62:6

LL, V8, p: 279.

Miim-Qaf-Ta = To hate a person, to be hateful, to be an object of hatred, odious.

maqata vb. (1)
n.vb. 4:22, 35:39, 40:10, 40:10, 40:35, 61:3

LL, V7, p: 255.

Miim-Ra-Alif = It *(food)* was wholesome or approved in its result, easy to swallow, not attended by trouble, quick in digesting, light to the stomach, to descend well, to be salubrious in its air (land), in the habit of doing what is approved and shunning what is held base, preserve the soul from filthy actions, to be possessed of manly perfection or

manly virtue or moral goodness, give food (on the occasion of building a house or marrying).

imra'ah 2:282, 3:35, 3:40, 4:12, 4:128, 7:83, 11:71, 11:81, 12:21, 12:30, 12:51, 15:60, 19:5, 19:8, 27:23, 27:57, 28:9, 28:23, 29:32, 29:33, 33:50, 51:29, 66:10, 66:10, 66:11, 111:4

imru n.m. 2:102, 4:176, 8:24, 19:28, 24:11, 52:21, 70:38, 74:52, 78:40, 80:34, 80:37

mari n.m. 4:4

LL, V7, p: 230, 231

Miim-Ra-Dal = To seep or soak bread (or corn) in water, to crumble or soften, rub a thing in water, make a thing soft, to polish a thing, to be beardless or without facial hair (youth or young man), exalt oneself, to be insolent and audacious/bold, excessively proud or corrupt, extravagant in acts of wrongdoing and disobedience, to be accustomed/ habituated/inured to a thing, care not for a thing, be destitute of good, to strip or peel a thing, lofty or high, to be brisk/lively/sprightly.

marada vb. (1)
perf. act. 9:101
pcple. act. 37:7

marid n.m. 4:117, 22:3

marrada vb. (2) pcple. pass. 27:44

LL, V7, p: 233, 234

Miim-Ra-Dad = To be diseased/disordered, distempered, to be ill or sick, languid or weak or feeble, deficient in strength, defective or deficient, to be right or nearly right (in judgement or opinion).

marida vb. (1)
perf. act. 26:80
n.vb. 2:10, 2:10, 5:52, 8:49, 9:125, 22:53, 24:50, 33:12, 33:32, 33:60, 47:20, 47:29, 74:31

marid n.m. (pl. *marda*) 2:184, 2:185, 2:196, 4:43, 4:102, 5:6, 9:91, 24:61, 48:17, 73:20

LL, V7, p: 236, 237

Miim-Ra-Ha = To be weak, to leak or let flow water or tears, to be joyful or glad, rejoice above measure (excessively/exceedingly), proud and self-conceited, behave unthankfully or ungratefully.

mariha vb. (1)
perf. act. 40:75
n.vb. 17:37, 31:18

LL, V7, p: 232, 233

• • • = **Miim-Ra-Jiim** = pasture, *maraja* = mixed (one thing with another), flow & flow freely (as separate entities), set forth, *mariija* = marred/spoiled/corrupted/impaired/ disturbed/unsteady/confused.

maraja vb. (1)
perf. act. 25:53, 55:19

marij n.m. 55:15

marij n.m. 50:5

marjan n.m. 55:22, 55:58

LL, V7, p: 232

Miim-Ra-Ra = To pass or pass by or pass beyond, proceed, go along or go through or go over, go away or pass away, to run or flow (namely water), go across a thing, come upon, overcome, make a thing bitter or displeasing, to drag a thing along, to twist or turn a thing in an attempt to throw it down, to go on in a continuous/constant manner or course, to be firm/resolute/determined/strong, firmly resist a thing, to murmur or grumble, to shake or quiver or quake, move to and fro or from side to side, to be in a state of commotion, overcome by bile.

marra vb. (1)
perf. act. 2:259, 7:189, 10:12, 11:38, 25:72, 25:72, 83:30
impf. act. 12:105, 27:88, 37:137
n.vb. 27:88

amarr n.m. (comp. adj. of *murr*) 54:46

marrah n.f. 2:229, 6:94, 6:110, 8:56, 9:13, 9:80, 9:83, 9:101, 9:126, 17:4, 17:7, 17:51, 18:48, 20:37, 24:58, 28:54, 33:31, 36:79, 41:21

mirrah n.f. 53:6

istamarra vb. (10) pcple. act. 54:2, 54:19

LL, V7, p: 227, 228, 229, 230

Miim-Ra-Ta = Render a thing smooth, remove a thing from its place, to break a thing, to be without water and herbage (land or tract of land).

marut n. 2:102

LL, V7, p: 231

= **Miim-Ra-Waw** = flint stones, white fragile stone where a cooking fire is started, the stone on which an animal is slaughtered.
The eminence in the immediate vicinity of Ka'bah, a mountain near Mecca called Marwah.

marwah n. 2:158

Miim-Ra-Ya = To draw forth a thing, to dispute or contend, to doubt.

miryah n.f. 11:17, 11:109, 22:55, 32:23, 41:54

mara vb. (3)
impf. act. 18:22, 42:18, 53:12
n.vb. 18:22

tamara vb. (6)
perf. act. 54:36
impf. act. 53:55

imtara vb. (8)
impf. act. 6:2, 15:63, 19:34, 43:61, 44:50
pcple. act. 2:147, 3:60, 6:114, 10:94

LL, V8, p: 273

Miim-Ra-Ya-Miim =

maryam n. 2:87, 2:253, 3:36, 3:37, 3:42, 3:43, 3:44, 3:45, 3:45, 4:156, 4:157, 4:171, 4:171, 5:17, 5:17, 5:46, 5:72, 5:75, 5:78, 5:110, 5:112, 5:114, 5:116, 9:31, 19:16, 19:27, 19:34, 23:50, 33:7, 43:57, 57:27, 61:6, 61:14, 66:12

Miim-Siin-Dal = To twist a rope, twist a thing well, pursue or journey laboriously or with energy, hold on or continue a journey, render (person or animal) lean/lank/light of flesh/ slender, render one lank in the belly, also to render it firm, tall and slender, of goodly stature, compact of make (applied to a woman).

masad n.m. 111:5

LL, V7, p: 243, 244

Miim-Siin-ha = to wipe/rub/stroke, passing one's hand over something, chosen/ anointed, messiah

masaha vb. (1)
impv. 4:43, 5:6, 5:6
n.vb. 38:33

al-masih n. 3:45, 4:157, 4:171, 4:172, 5:17, 5:17, 5:72, 5:72, 5:75, 9:30, 9:31

Miim-Siin-Kaf = To retain, withhold, maintain, be tenacious or niggardly, hold fast a thing, arrest a thing, restrain/detain/confine/imprison a person, restrain or abstain from a thing, grasp/clutch/seize a thing, take a thing with the hand, intelligent or sound in judgement.

misk n.com. 83:26

massaka vb. (2)
impf. act. 7:170

amsaka vb. (4)
perf. act. 5:4, 17:100, 35:41, 67:21
impf. act. 2:231, 16:59, 16:79, 22:65, 35:2, 35:41, 39:42, 60:10, 67:19
impv. 2:231, 4:15, 33:37, 38:39, 65:2
n.vb. 2:229
pcple. act. 35:2, 39:38

istamsaka vb. (10)
perf. act. 2:256, 31:22
impv. 43:43
pcple. act. 43:21

LL, V8, p: 273, 274

Miim-Siin-Kh = To transform or metamorph a thing, change or alter a thing, tasteless or insipid, to wound or render an animal lean, to be dissolved, to deform, render a thing ugly in make or form, to make a bow or bows.

masakha vb. (1) perf. act. 36:67

LL, V7, p: 243

Miim-Siin-Siin = To meet or touch or feel a thing with the hand, touch a thing without intervention or interference, strike or smite, afflict or befall, be distressing or difficult of accomplishment.

massa vb. (1)
perf. act. 2:214, 3:140, 7:95, 7:188, 7:201, 8:68, 10:12, 10:12, 10:21, 11:10, 12:88, 15:54, 16:53, 17:67, 17:83, 21:46, 21:83, 24:14, 30:33, 38:41, 39:8, 39:49, 41:49, 41:50, 41:51, 50:38, 70:20, 70:21

impf. act. 2:80, 2:236, 2:237, 3:24, 3:47, 3:120, 3:140, 3:174, 5:73, 6:17, 6:17, 6:49, 7:73, 10:107, 11:48, 11:64, 11:113, 15:48, 19:20, 19:45, 24:35, 26:156, 33:49, 35:35, 35:35, 36:18, 39:61, 56:79
n.vb. 2:275, 54:48

massa vb. (3)
n.vb. 20:97

tamassa vb. (6)
impf. act. 58:3, 58:4

LL, V7, p: 239, 240

Miim-Siin-Waw =

amsa vb. (4)
impf. act. 30:17

LL, V8, p: 274

Miim-Shiin-Jiim = To mix or confuse, make a confusion or disturbance, mix one thing with another.

amshaj n.m. (pl. of *mashij*) 76:2

LL, V7, p: 244, 245

Miim-Shiin-Ya = To walk, to go or go along, to go afoot/on foot, move from place to place, march/travel/trod/pace/step, to go on or continue in a course of action, to pass, to be current, move/be in motion, walk about.

masha vb. (1)
perf. act. 2:20
impf. act. 6:122, 7:195, 17:37, 17:95, 20:40, 20:128, 24:45, 24:45, 24:45, 25:7, 25:20, 25:63, 28:25, 31:18, 32:26, 57:28, 67:22, 67:22
impv. 38:6, 67:15
n.vb. 31:19

mashsha n.m. 68:11

LL, V8, p: 274, 275

= **Miim-Sad-Ra** (e.g. *misra*, *maseeru*) = he made it (namely a town) a limit/boundary between two things, partition, barrier, limit, great town, Egypt.

misr n. 2:61, 10:87, 12:21, 12:99, 43:51

Miim-Ta-Ayn = to enjoy/benefit, gift, anything useful/advantageous, goods (e.g. utensils, furniture), a commodity.

mata n.m. (pl. *amti'ah*) 2:36, 2:236, 2:240, 2:241, 3:14, 3:185, 3:197, 4:77, 4:102, 5:96, 7:24, 9:38, 10:23, 10:70, 11:3, 12:17, 12:65, 12:79, 13:17, 13:26, 16:80, 16:117, 21:111, 24:29, 28:60, 28:61, 33:53, 36:44, 40:39, 42:36, 43:35, 56:73, 57:20, 79:33, 80:32

matta'a vb. (2)
perf. act. 10:98, 15:88, 20:131, 21:44, 25:18, 26:205, 28:61, 37:148, 43:29
impf. act. 2:126, 11:3, 11:48, 31:24, 33:28
impv. 2:236, 33:49
impf. pass. 26:207, 33:16

tamatta'a (5)
perf. act. 2:196
impf. act. 15:3, 29:66, 47:12
impv. 11:65, 14:30, 16:55, 30:34, 39:8, 51:43, 77:46

istamta'a vb. (10)
perf. act. 4:24, 6:128, 9:69, 9:69, 9:69, 46:20

LL, V8, p: 270

Miim-Ta-Nun = To render/make a thing firm/strong/stout/hard, season skin (with rob or inspissated juice), well seasoned, possess any quality in a strong degree, more sweet.

matin n.m. 7:183, 51:58, 68:45

LL, V8, p: 271

Miim-Tha-Lam = Stand erect, mutilate or castrate (namely a sheep or goat), to set up a thing, affect to be like or to imitate a thing, apply a proverb, apply a thing proverbially, be nearly in a sound or healthy state, near to convalescence, obey/follow a command or order, to resemble, be of likeness or equivalent.

amthal n.m. (comp. adj. feminine is *muthla*) 20:63, 20:104

mathal n.m. (pl. *amthal*) 2:17, 2:17, 2:26, 2:26, 2:171, 2:171, 2:214, 2:261, 2:261, 2:264, 2:264, 2:265, 2:265, 3:59, 3:59, 3:117, 3:117, 6:122, 7:176, 7:176, 7:176, 7:177, 10:24, 11:24, 11:24, 13:17, 13:35, 14:18, 14:24, 14:25, 14:26, 14:45, 16:60, 16:60, 16:74, 16:75, 16:76, 16:112, 17:48, 17:89, 18:32, 18:45, 18:54, 22:73, 24:34, 24:35, 25:9, 25:33, 25:39, 29:41, 29:41, 29:43, 30:27, 30:28, 30:58, 36:13, 36:78, 39:27, 39:29, 39:29, 43:8, 43:17, 43:56, 43:57, 43:59, 47:3, 47:15, 48:29, 48:29, 56:23, 57:20, 59:15, 59:16, 59:21, 62:5, 62:5, 62:5, 66:10, 66:11, 74:31

mathulat n.f. (pl. of *mathulah*) 13:6

mithl n.m. (pl. *amthal*) 2:23, 2:106, 2:113, 2:118, 2:137, 2:194, 2:228, 2:233, 2:275, 3:13, 3:73, 3:140, 3:165, 4:11, 4:140, 4:176, 5:31, 5:36, 5:95, 6:38, 6:93, 6:124, 6:160, 6:160, 7:169, 7:194, 8:31, 10:27, 10:38, 10:102, 11:13, 11:27, 11:89, 13:17, 13:18, 14:10, 14:11, 16:126, 17:88, 17:88, 17:99, 18:109, 18:110, 20:58, 21:3, 21:84, 22:60, 23:24, 23:33, 23:34, 23:47, 23:81, 24:17, 26:154, 26:186, 28:48, 28:79, 35:14, 36:15, 36:42, 36:81, 37:61, 38:43, 39:47, 40:30, 40:31, 40:40, 41:6, 41:13, 42:11, 42:40, 46:10, 47:10, 47:38, 51:23, 51:59, 52:34, 56:61, 60:11, 65:12, 76:28, 89:8

tamathil n.m. (pl. of *timthal*) 21:52, 34:13

tamaththala vb. (5) perf. act. 19:17

LL, V8, p: 271, 272

Miim-Tay-Ra = sky, rain, shower, went quickly or hastened.

matara vb. (1)

n.vb. 4:102, 7:84, 25:40, 26:173, 26:173, 27:58, 27:58

amtara vb. (4)
perf. act. 7:84, 11:82, 15:74, 26:173, 27:58
impv. 8:32
perf. pass. 25:40
pcple. act. 46:24

LL, V7, p: 249, 250

Miim-Tay-Waw = to go or walk haughtily or arrogantly

tamatta vb. (5) impf. act. 75:33

Miim-Waw-ha = water, rain

ma' n.m. 2:22, 2:74, 2:164, 4:43, 5:6, 6:99, 7:50, 7:57, 8:11, 10:24, 11:7, 11:43, 11:44, 11:44, 13:4, 13:14, 13:17, 14:16, 14:32, 15:22, 16:10, 16:65, 18:29, 18:41, 18:45, 20:53, 21:30, 22:5, 22:63, 23:18, 24:39, 24:45, 25:48, 25:54, 27:60, 28:23, 29:63, 30:24, 31:10, 32:8, 32:27, 35:27, 39:21, 41:39, 43:11, 47:15, 47:15, 50:9, 54:11, 54:12, 54:28, 56:31, 56:68, 67:30, 67:30, 69:11, 72:16, 77:20, 77:27, 78:14, 79:13, 80:25, 86:6

Miim-Waw-Jiim = To be in a state of commotion, to be agitated, tumultuous, conflict or dash, to be in a confused and disturbed state, perplexed or amazed, move backwards and forwards, move from side to side.

maja vb. (1)
impf. act. 18:99

mawj n.m. (coll) 10:22, 11:42, 11:43, 24:40, 24:40, 31:32

LL, V7, p: 271

Miim-Waw-Lam = To be abundant in weath, possess an abundance of property.

mal n.m. (pl. amwal) 2:155, 2:177, 2:188, 2:188, 2:247, 2:261, 2:262, 2:264, 2:265, 2:274, 2:279, 3:10, 3:116, 3:186, 4:2, 4:2, 4:2, 4:5, 4:6, 4:6, 4:10, 4:24, 4:29, 4:34, 4:38, 4:95, 4:95, 4:161, 6:152, 8:28, 8:36, 8:72, 9:20, 9:24, 9:34, 9:41, 9:44, 9:55, 9:69, 9:81, 9:85, 9:88, 9:103, 9:111, 10:88, 10:88, 11:29, 11:87, 17:6, 17:34, 17:64, 18:34, 18:39, 18:46, 19:77, 23:55, 24:33, 26:88, 27:36, 30:39, 33:27, 34:35, 34:37, 47:36, 48:11, 49:15, 51:19, 57:20, 58:17, 59:8, 61:11, 63:9, 64:15, 68:14, 69:28, 70:24, 71:12, 71:21, 74:12, 89:20, 90:6, 92:11, 92:18, 104:2, 104:3, 111:2

LL, V8, p: 230.

Miim-Waw-Ra = Move from side to side, move to and fro, come and go, move round about, be in a state of commotion or tumult, to circulate.

mara vb. (1)
impf. act. 52:9, 67:16
n.vb. 52:9

LL, V7, p: 271, 272

Miim-Waw-Siin = Musa/Moses

separated by chapter (*sura*)

2:51, 2:53, 2:54, 2:55, 2:60, 2:61, 2:67, 2:87, 2:92, 2:108, 2:136, 2:246, 2:248,
3:84,
4:153, 4:153, 4:164,
5:20, 5:22, 5:24,
6:84, 6:91, 6:154,
7:103, 7:104, 7:115, 7:117, 7:122, 7:127, 7:128, 7:131, 7:134, 7:138, 7:142, 7:143, 7:143, 7:144, 7:148, 7:150, 7:154, 7:155, 7:159, 7:160,
10:75, 10:77, 10:80, 10:81, 10:83, 10:84, 10:87, 10:88,
11:17, 11:96, 11:110,
14:5, 14:6, 14:8,
17:2, 17:101, 17:101,
18:60, 18:66,
19:51,
20:9, 20:11, 20:17, 20:19, 20:36, 20:40, 20:49, 20:57, 20:61, 20:65, 20:67, 20:70, 20:77, 20:83, 20:86, 20:88, 20:91,
21:48,

22:44,
23:45, 23:49,
25:35,
26:10, 26:43, 26:45, 26:48, 26:52, 26:61, 26:63, 26:65,
27:7, 27:9, 27:10,
28:3, 28:7, 28:10, 28:15, 28:18, 28:19, 28:20, 28:29, 28:30, 28:31, 28:36, 28:37, 28:38, 28:43, 28:44, 28:48, 28:76,
29:39,
32:23,
33:7, 33:69,
37:114, 37:120,
40:23, 40:26, 40:27, 40:37, 40:53,
41:45,
42:13,
43:46,
46:12, 46:30,
51:38,
53:36,
61:5,
79:15,
87:19

LL, V7, p: 272

Miim-Waw-Ta = To die, to pass away from the earthly life, to be destitute or deprived of life, deprived of sensation, deprived of the intellectual faculty, to be still/quiet/ motionless, to be calm/still, to sleep, lifeless, to be assuaged, dried up by the earth, to cease, wear out/be worn out, to be poor/reduced to poverty, abject/base/despicable/vile, disobedient or rebellious, lowly/humble/submissive, to be soft/loose/flabby/relaxed, lack spirit or life.

mata vb. (1)
perf. act. 2:161, 3:91, 3:144, 3:156, 3:157, 3:158, 9:84, 9:84, 9:125, 19:23, 19:66, 21:34, 22:58, 23:35, 23:82, 37:16, 37:53, 47:34, 50:3, 56:47
impf. act. 2:132, 2:217, 3:102, 3:145, 4:18, 7:25, 16:38, 19:15, 19:33, 20:74, 23:37, 25:58, 31:34, 35:36, 39:42, 45:24, 87:13
impv. 2:243, 3:119
n.vb. 2:19, 2:56, 2:94, 2:133, 2:164, 2:180, 2:243, 2:259, 3:143, 3:168, 3:185, 4:15, 4:18, 4:78, 4:100, 4:159, 5:106, 5:106, 6:61, 6:93, 8:6, 11:7, 14:17, 16:65, 21:35, 23:99, 25:3, 29:57, 29:63, 30:19, 30:24, 30:50, 32:11, 33:16, 33:19, 34:14, 34:14, 35:9, 39:42, 44:56, 45:5, 47:20, 50:19, 56:60, 57:17, 62:6, 62:8, 63:10, 67:2

mamat n.m. 6:162, 17:75, 45:21

mawtah n.f. 37:59, 44:35, 44:56

mayt n.m. (pl. amwat) 2:28, 2:154, 3:169, 6:122, 16:21, 25:49, 35:22, 43:11, 49:12, 50:11, 77:26

maytah n.f. 2:173, 5:3, 6:139, 6:145, 16:115, 36:33

mayyit n.m. (pl. mawta and mayyitun) 2:73, 2:260, 3:27, 3:27, 3:49, 5:110, 6:36, 6:95, 6:95, 6:111, 7:57, 7:57, 10:31, 10:31, 13:31, 14:17, 22:6, 23:15, 27:80, 30:19, 30:19, 30:50, 30:52, 35:9, 36:12, 37:58, 39:30, 39:30, 41:39, 42:9, 46:33, 75:40

amata vb. (4)
perf. act. 2:259, 40:11, 53:44, 80:21
impf. act. 2:28, 2:258, 2:258, 3:156, 7:158, 9:116, 10:56, 15:23, 22:66, 23:80, 26:81, 30:40, 40:68, 44:8, 45:26, 50:43, 57:2

LL, V7, p: 269, 270, 271

Miim-Ya-Dal = To be shaken, moved, agitated, spread, give food. It was/became in a state of motion or commotion. Was/Became agitated: in a state or violent motion or commotion; or violently agitated. Turn/Twist about. Become contorted and convulsed. Quivered, trembled. Confound, perplex, amazed. Inclining from side to side. Confer bestow benefit/s or favor/s.

Ma-idatan (2x) - A table with food upon it. From m-y-d "it was in a state of motion" as the table moved about from what was on it. Or m-y-d "he brought wheat or food" since food is brought on it. Or m-y-d "he gave" because what is this called given by the owner to the people [who are to eat]. Table spread, table with food upon it, food. Knowledge, because knowledge is the spiritual food.

mada vb. (1)
impf. act. 16:15, 21:31, 31:10

ma'idah n.f. 5:112, 5:114

LL, V7, p: 273, 274, 275

Miim-Ya-Lam = To incline or lean, bend/propend/tend, decline/deviate/deflect, conform with/assist/aid a person, to express love towards a person, to wrong someone, be

inimical to a person, waver or vacillate between two things.

mala vb. (1)
impf. act. 4:27, 4:102, 4:129
n.vb. 4:27, 4:129

maylah n.f. 4:102

LL, V8, p: 280

Miim-Ya-Ra = To bring or convey, purvey, bring a thing to someone, give to someone.

mara vb. (1) impf. act. 12:65

LL, V7, p: 275

Miim-Ya-Zay = To set apart or away or aside a thing, remove or seperate a thing, to sever, distinguish/discriminate/discern/distinct, burst asunder, withdraw from a thing, to shift or quit.

maza vb. (1) impf. act. 3:179, 8:37

tamayyaza vb. (5) impf. act. 67:8

imtaza vb. (8) impv. 36:59

LL, V7, p: 275, 276

Miim-Zay-Jiim = To mix/mingle/incorporate/blend, exasperate/irritate/enrage a person, to give something, contend or dispute with a person, various in disposition or temperament.

mizaj n.m. 76:5, 76:17, 83:27

LL, V7, p: 238, 239

Miim-Zay-Nun = Clouds, white clouds or clouds of any kind, clouds containing water.

muzn n.m. 56:69

LL, V8, p: 273

Miim-Zay-Qaf = To scatter or disperse, mangle/rent much/dissunder, shatter/ disorganize/dissipate, to mar or impair, tear or cut much, to slit a thing.

mazzaqa vb. (2)
perf. act. 34:19
perf. pass. 34:7
pcple. pass. 34:7, 34:19

LL, V8, p: 273.

Nun

Nun

68:1

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 5

Nun-Alif-Ya = to remove, be remote, turn away, keep anyone aloof, avert, retire.

na'a vb. (1)
perf. act. 17:83, 41:51
impf. act. 6:26

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 5, 281

Nun-Ayn-Jiim = to go quickly, be very white, eat the flesh of sheep/ewe, ewe/sheep.

najah n.f. (pl. ni'aj) 38:23, 38:23, 38:24, 38:24

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 68, 69

Nun-Ayn-Lam = to give shoes to anyone. The command in the verse 20:12 to take off your shoes can be taken as a metaphorical expression for making the heart vacant from worldly relations.

na'l n.f. dual. 20:12

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 289

Nun-Ayn-Miim = to lead an easy life, enjoy the comforts and conveniences of life, be joyful, comforts/delights. in'aam - beneficence, favour to a person, gifted (with speech/ talent/reason etc).

na'ima vb. (1) pcple. act. f. 88:8

ni'ma (an irregular verb that appears only in the 3rd person singular) 2:271, 3:136, 3:173, 4:58, 8:40, 8:40, 13:24, 16:30, 18:31, 22:78, 29:58, 37:75, 38:30, 38:44, 39:74, 51:48, 77:23

na'am n.m. (pl. an'am) 3:14, 4:119, 5:1, 5:95, 6:136, 6:138, 6:138, 6:138, 6:139, 6:142, 7:179, 10:24, 16:5, 16:66, 16:80, 20:54, 22:28, 22:30, 22:34, 23:21, 25:44, 25:49, 26:133, 32:27, 35:28, 36:71, 39:6, 40:79, 42:11, 43:12, 47:12, 79:33, 80:32

na'ma n.f. 11:10

na'im n.m. 5:65, 9:21, 10:9, 22:56, 26:85, 31:8, 37:43, 52:17, 56:12, 56:89, 68:34, 70:38, 76:20, 82:13, 83:22, 83:24, 102:8

na'mah n.f. 44:27, 73:11

ni'mah n.f. (pl. an'um) 2:40, 2:47, 2:122, 2:150, 2:211, 2:231, 3:103, 3:103, 3:171, 3:174, 5:3, 5:6, 5:7, 5:11, 5:20, 5:110, 8:53, 12:6, 14:6, 14:28, 14:34, 16:18, 16:53, 16:71, 16:72, 16:81, 16:83, 16:112, 16:114, 16:121, 26:22, 27:19, 29:67, 31:20, 31:31, 33:9, 35:3, 37:57, 39:8, 39:49, 43:13, 46:15, 48:2, 49:8, 52:29, 54:35, 68:2, 68:49, 92:19, 93:11

na'ama vb. (2) perf. act. 89:15

an'ama vb. (4) perf. act. 1:7, 2:40, 2:47, 2:122, 4:69, 4:72, 5:23, 8:53, 17:83, 19:58, 27:19, 28:17, 33:37, 33:37, 41:51, 43:59, 46:15

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 289, 290

Nun-Ayn-Qaf = to cry out to (sheep), bleat, call out.

na'aqa vb. (1) impf. act. 2:171

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 288, 289

Nun-Ayn-Siin = to drowse, doze, be weak, be somnolent.

na'asa vb. (1) n.vb. 3:154, 8:11

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 69, 70

= **Nun-Ba-Alif** (root of *nabi*) = to be high, lofty, become exalted/elevated, to aquaint/ inform, utter in a low voice/sound, cry, bark, gift of prophecy, prophet.
To come/go forth, to assault/come upon, went forth, brought/produce.
Information; a piece of information; intellegence; an announcement; news; tidings; a piece of news; an account; a narrative, or narration; a story (something that is related from one to another). An announcement of great utility, from which results either knowledge or a predominance of opinion, and true.
Eminence/protuberence in the ground/earth.
An evident/clear way.
Bull, a torrent that comes forth from another land, a man coming forth unexpectedly from an unknown quarter.

naba n.m. (pl. of anba) - news/tiding/story/tale
3:44, 5:27, 6:5, 6:34, 6:67, 7:101, 7:175, 9:70, 10:71, 11:49, 11:100, 11:120, 12:102, 14:9, 18:13, 20:99, 26:6, 26:69, 27:22, 28:3, 28:66, 33:20, 38:21, 38:67, 38:88, 49:6, 54:4, 64:5, 78:2

nabiy n.m. (pl. nabiyun and anbiya) - prophet, the prophet (al-nabiy)
2:61, 2:91, 2:136, 2:177, 2:213, 2:246, 2:247, 2:248, 3:21, 3:39, 3:68, 3:80, 3:81, 3:84, 3:112, 3:146, 3:161, 3:181, 4:69, 4:155, 4:163, 5:20, 5:44, 5:81, 6:112, 7:94, 7:157, 7:158, 8:64, 8:65, 8:67, 8:70, 9:61, 9:73, 9:113, 9:117, 17:55, 19:30, 19:41, 19:49, 19:51, 19:53, 19:54, 19:56, 19:58, 22:52, 25:31, 33:1, 33:6, 33:7, 33:13, 33:28, 33:30, 33:32, 33:38, 33:40, 33:45, 33:50, 33:53, 33:56, 33:59, 37:112, 39:69, 43:6, 43:7, 49:2, 60:12, 65:1, 66:1, 66:3, 66:8, 66:9

nubuwah n.f. - prophecy/prophethood
3:79, 6:89, 29:27, 45:16, 57:26

nabba'a vb. (II) - to tell
perf. act. 9:94, 12:37, 66:3
impf. act. 3:15, 3:49, 5:14, 5:48, 5:60, 5:105, 6:60, 6:108, 6:159, 6:164, 9:64, 9:94, 9:105, 10:18, 10:23, 12:15, 12:45, 13:33, 18:78, 18:103, 22:72, 24:64, 26:221, 29:8, 31:15, 31:23, 34:7, 35:14, 39:7, 41:50, 58:6, 58:7, 62:8
impv. 6:143, 12:36, 15:49, 15:51, 54:28
impf. pass. 53:36, 64:7, 75:13

anba'a vb. (IV) - to tell
perf. act. 2:33, 66:3
impv. 2:31, 2:33

istanba'a vb. (X) - to ask or be told

impf. act. 10:53

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 6, 7

Nun-Ba-Ayn = to spring, gush/issue forth, flow out, emerge.

yanbu n.m. (pl. yanabi) 17:90, 39:21

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 281

Nun-Ba-Dhal/Thal = to throw, fling, give up, cast off, reject, throw a thing because of its worthlessness or not taking into account.

nabadha vb. (1)
perf. act. 2:100, 2:101, 3:187, 20:96, 28:40, 37:145, 51:40
impv. 8:58
perf. pass. 68:49
impf. pass. 104:4

intabadha vb. (8) perf. act. 19:16, 19:22

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 10, 11

Nun-Ba-Ta = to produce (tree), germinate, grow, sprout (plant), grow up (child). nawaabit - offspring of human beings or cattle.

nabata vb. (1)
impf. act. 23:20
n.vb. 3:37, 6:99, 7:58, 10:24, 18:45, 20:53, 57:20, 71:17, 78:15

anbata vb. (4)
perf. act. 2:261, 3:37, 15:19, 22:5, 26:7, 27:60, 31:10, 37:146, 50:7, 50:9, 71:17, 80:27
impf. act. 2:61, 16:11, 27:60, 36:36

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 7, 8

Nun-Ba-Tay = to gush or flow out, draw water, reach water by digging well. anbata - to bring a thing to light, deduce a thing. istanbata - to find out, elicit, elucidate. nabatun - internal state of a person.

istanbata vb. (10) 3rd. m. plu. impf. act. 4:83

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 13, 14, 281

Nun-Ba-Zay = to call names, give nickname, defame, change name, name of reproach.

tanabaza vb. (6) impf. act. 49:11

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 12

Nun-Dal-Dal = to flee, run away, defame, divulge (secret). nid - match, a like, opponent, equal, image, idol, compeer, rival, object of adoration to which some or all of Gods qualities are ascribed whether it be conceived as deity in its own right or a saint.

andad n.m. (pl. of nidd) 2:22, 2:165, 14:30, 34:33, 39:8, 41:9

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 31, 32

Nun-Dal-Miim = to regret as repentance and penitence as a result of a sinful act.

nadima vb. (1)
n.vb. 10:54, 34:33
pcple. act. 5:31, 5:52, 23:40, 26:157, 49:6

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 284

Nun-Dal-Waw/Ya = proclaim, call, summon, invite, call anyone to convey something, hail, call out, raising the voice, assembly

nadi n.m. 29:29, 96:17

nadiy n.m. 19:73

nada vb. (3)
perf. act. 3:39, 5:58, 7:22, 7:44, 7:46, 7:48, 7:50, 11:42, 11:45, 19:3, 19:24, 19:52, 21:76, 21:83, 21:87, 21:89, 26:10, 28:46, 37:75, 37:104, 38:3, 38:41, 43:51, 43:77, 54:29, 68:48, 79:16, 79:23
impf. act. 3:193, 28:62, 28:65, 28:74, 41:47, 49:4, 50:41, 57:14
impv. 18:52
perf. pass. 7:43, 20:11, 27:8, 28:30, 62:9
impf. pass. 40:10, 41:44
n.vb. 2:171, 19:3
pcple. act. 3:193, 50:41

tanada vb. (6) perf. act. 68:21, 40:32

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 284

Nun-Dhal/Thal-Ra = to dedicate, make a vow, warn, admonish, caution, promise voluntarily, offer present. nadhiir - warner, one who informs and averts calamity, who cautions and put one on guard.

nadhara vb. (1)
perf. act. 2:270, 3:35, 19:26
n.vb. 2:270 , 22:29, 76:7

nadhir n.m. (pl. nudhur) 2:119, 5:19, 5:19, 7:184, 7:188, 11:2, 11:12, 11:25, 15:89, 17:105, 22:49, 25:1, 25:7, 25:51, 25:56, 26:115, 28:46, 29:50, 32:3, 33:45, 34:28, 34:34, 34:44, 34:46, 35:23, 35:24, 35:24, 35:37, 35:42, 35:42, 38:70, 41:4, 42:23, 46:9, 48:8, 51:50, 51:51, 53:56, 67:8, 67:9, 67:17, 67:26, 71:2, 74:36

nudhr n.m. 77:6

nudhur n.m. 10:101, 46:21, 53:56, 54:5, 54:16, 54:18, 54:21, 54:23, 54:30, 54:33, 54:36, 54:37, 54:39, 54:41

andhara vb. (4)
perf. act. 2:6, 36:10, 41:13, 46:21, 54:36, 78:40, 92:14
impf. act. 2:6, 6:19, 6:92, 6:130, 7:2, 7:63, 7:69, 9:122, 18:2, 18:4, 19:97, 21:45, 28:46, 32:3, 35:18, 36:6, 36:10, 36:11, 36:70, 39:71, 40:15, 42:7, 42:7, 46:12
impv. 6:51, 10:2, 14:44, 16:2, 19:39, 26:214, 40:18, 71:1, 74:2
perf. pass. 18:56, 36:6, 46:3
impf. pass. 14:52, 21:45
pcple. act. 2:213, 4:165, 6:48, 13:7, 18:56, 26:194, 26:208, 27:92, 37:72, 38:4, 38:65,

44:3, 46:29, 50:2, 79:45
pcple. pass. 10:73, 26:173, 27:58, 37:73, 37:177

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 35, 36

Nun-Dad-Dal = to pile up one over the other, set in order.

nadada vb. (1) pcple. pass. 11:82, 56:29

nadid n.m. 50:10

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 61, 62

Nun-Dad-Jiim = to be thoroughly burnt.

nadija vb. (1) 3rd. f. sing. perf. act. 4:56

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 59, 60

Nun-Dad-Kha = to sprinkle, gush out (spring).

naddakh n.m. 55:66

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 61

Nun-Dad-Ra = to be soft, beautiful, shining, fresh, bright, pleasant, splendid and plentiful life, endow with brilliance.

nadara vb. (1) pcple. act. f. 75:22

nadrah n.f. 76:11, 83:24

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 62, 63

Nun-Fa-Ayn = to profit, do good, be useful, beneficial.

nafAA vb. (1)
perf. act. 10:98, 87:9
impf. act. 2:102, 2:123, 2:164, 5:119, 6:71, 6:158, 10:18, 10:106, 11:34, 12:21, 13:17, 20:109, 21:66, 22:12, 25:55, 26:73, 26:88, 28:9, 30:57, 32:29, 33:16, 34:23, 40:52, 40:85, 43:39, 51:55, 60:3, 74:48, 80:4
n.vb. 2:219, 4:11, 5:76, 7:188, 10:49, 13:16, 20:89, 22:13, 25:3, 34:42, 48:11

manafi n.f. (pl. of manfa'ah) 2:219, 16:5, 22:28, 22:33, 23:21, 36:73, 40:80, 57:25

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 290

Nun-Fa-Dal = to vanish, fail, cease, pass away, be exhausted, consumed, spent.

nafida vb. (1)
perf. act. 18:109, 31:27
impf. act. 16:96, 18:109
n.vb. 38:54

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 76

Nun-Fa-Dhal/Thal = to pierce a thing through (arrow), transpires, pass through, carry out skillfully, go beyond.

nafadha vb. (1)
impf. act. 55:53, 55:33
impv. 55:33

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 76, 77

Nun-Fa-Ha = to spread its odour, blow, diffuse itself, strike any one slightly.

nafhah n.f. 21:46

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 74, 75

Nun-Fa-Kha = to blow with the mouth, breathe.

nafakha vb. (1)
perf. act. 15:29, 21:91, 32:9, 38:72, 66:12
impf. act. 3:49, 5:110
impv. 18:96
perf. pass. 18:99, 23:101, 36:51, 39:68, 39:68, 50:20, 69:13
impf. pass. 6:73, 20:102, 27:87, 78:18

nafkhah n.f. 69:13

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 75, 76

= **Nuun-Fa-Lam** = give spoil, gift, voluntary gift, accession/addition, something that exceeds the original, a deed beyond what is obligatory.

anfal n.m. (pl. of nafal) 8:1, 8:1

nafilah n.f. 17:79, 21:72

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 290

Nun-Fa-Qaf = to be saleable, to come out of a hole, be exhausted (store), consumed, spent, expenditure. To enter into another hole where there is another outlet, so is a hypocrite who professes to believe first one thing and then another, thus entering faith through one door and leaving it through another.

nafaqan (n.acc.) hole with another outlet, tunnel.
nafaqatun (n.) worthy to be spent, expenditure.
nafaqu (prt. 3rd p. m. plu. III) practised hypocrisy.
nafaqa (v.) to profess hypocrisy, believe in one thing and then another.
munafiqun (m. plu. III acc.) those who are hypocrite.
munafiqin (m. plu. III acc.) those who are hypocrite.
munafiqat (f. plu. III) hypocrite women
nifaq (v. n. III) hypocrisy
nifaqan (v. n. III acc.) hypocrisy
anfaqa (perf. 3rd p. m. sing. IV) he had spent

anfaqta (perf. 2nd p. m. sing. IV) thou hath spent.
anfaqu (perf. 3rd p. m. plu. IV) they have spent
anfaqtum (perf. 2nd p. m. plu. IV) Ye have spent
yunfiqu (imp. 3rd p. m. sing. IV) spends
tunfiquna (imp. 3rd p. m. plu. IV) Ye spend
tunfiqu (imp. 2nd p. m. plu. IV acc.) Ye spend
anfiqu prt. m. plu. IV) spend
infaq (v. n.) spending
munfiqina (m. plu.) those who spend

nafaq n.m. 6:35

nafaqah n.f. 2:270, 9:54, 9:121

nafaqa vb. (3)
perf. act. 3:167, 59:11
n.vb. 9:77, 9:97, 9:101
pcple. act. 4:61, 4:88, 4:138, 4:140, 4:142, 4:145, 8:49, 9:64, 9:67, 9:67, 9:67, 9:68, 9:68, 9:73, 9:101, 29:11, 33:1, 33:12, 33:24, 33:48, 33:60, 33:73, 33:73, 48:6, 48:6, 57:13, 57:13, 63:1, 63:1, 63:7, 63:8, 66:9

anfaqa vb. (4)
perf. act. 2:215, 2:262, 2:270, 4:34, 4:39, 8:63, 13:22, 18:42, 25:67, 34:39, 35:29, 57:7, 57:10, 57:10, 60:10, 60:10, 60:10, 60:11
impf. act. 2:3, 2:215, 2:219, 2:261, 2:262, 2:264, 2:265, 2:267, 2:272, 2:272, 2:272, 2:273, 2:274, 3:92, 3:92, 3:117, 3:134, 4:38, 5:64, 8:3, 8:36, 8:36, 8:60, 9:34, 9:54, 9:91, 9:92, 9:98, 9:99, 9:121, 14:31, 16:75, 22:35, 28:54, 32:16, 42:38, 47:38, 57:10, 63:7, 65:7, 65:7
impv. 2:195, 2:254, 2:267, 9:53, 36:47, 57:7, 63:10, 64:16, 65:6
n.vb. 17:100
pcple. act. 3:17

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 290

Nun-Fa-Ra = to run away from fight, go forth from any business (as from war), march, grow wild, restive.

nafara vb. (1)
perf. act. 9:122
impf. act. 9:39, 9:81, 9:122
impv. 4:71, 4:71, 9:38, 9:41
n.vb. 17:41, 17:46, 25:60, 35:42, 67:21

nafar n.m. 18:34, 46:29, 72:1

nafir n.m. 17:6

istanfara vb. (10) pcple. act. 74:50

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 77, 78, 79

• • • = **Nun-Fa-Siin** = was or became high in estimation, of high account or excellent, highly prized/precious/valuable and therefore desired with much emulation or much request, desired, it became loved or highly esteemed, console, cheer, envy.
Was or became avaricious/tenacious/niggardly of it because of its being in high estimation or excellent, little to much good.
Brought forth (e.g. gave birth to a child), menstruated, blood.
Clear away grief/anxiety/sorrow, ease/relieve, delay.
Breath, gust, drew breath, sigh, spoke long (due to regular intake of breath), become extended/long/increased, ability.
Soul/spirit, the vital principle, intellect/reason/mind, inner desire or feeling, knowledge, pride, self-magnification, a state where there is ample scope for action, 'willingly' when used as adverb, *nafs* - soul of discrimination (mental) and *ruh* - soul of breath (physical), oneself/ itself, whole, essential constituent, reality, sometimes *ghayb* and *nafs* are synonymous, a person/being/individual, quantity, man, life, soul + body, life-blood, body, contention/ thought/face/substance, heart, stomach, gulp, drought.
Brother or co-partner in faith/religion/relationship.
Wide space, distance, width.
Greatness, nobility, glory, scarcity, absoluteness, unseen, hidden reality which is beyond human perception, intention, requital, punishment.

nafs n.f. (pl. anfus and nufus) 2:9, 2:44, 2:48, 2:48, 2:54, 2:54, 2:57, 2:72, 2:84, 2:85, 2:87, 2:90, 2:102, 2:109, 2:110, 2:123, 2:123, 2:130, 2:155, 2:187, 2:207, 2:223, 2:228, 2:231, 2:233, 2:234, 2:234, 2:235, 2:235, 2:240, 2:265, 2:272, 2:281, 2:284, 2:286, 3:25, 3:28, 3:30, 3:30, 3:61, 3:61, 3:69, 3:93, 3:117, 3:117, 3:135, 3:145, 3:154, 3:154, 3:161, 3:164, 3:165, 3:168, 3:178, 3:185, 3:186, 4:1, 4:4, 4:29, 4:49, 4:63, 4:64, 4:65, 4:66, 4:79, 4:84, 4:95, 4:95, 4:97, 4:107, 4:110, 4:111, 4:113, 4:128, 4:135, 5:25, 5:30, 5:32, 5:32, 5:45, 5:52, 5:70, 5:80, 5:105, 5:116, 5:116, 6:12, 6:12, 6:20, 6:24, 6:26, 6:54, 6:70, 6:93, 6:98, 6:104, 6:123, 6:130, 6:130, 6:151, 6:152, 6:158, 6:164, 7:9, 7:23, 7:37, 7:42, 7:53, 7:160, 7:172, 7:177, 7:188, 7:189, 7:192, 7:197, 7:205, 8:53, 8:72, 9:17, 9:20, 9:35, 9:36, 9:41, 9:42, 9:44, 9:55, 9:70, 9:81, 9:85, 9:88, 9:111, 9:118, 9:120, 9:120, 9:128, 10:15, 10:23, 10:30, 10:44, 10:49, 10:54, 10:100, 10:108, 11:21, 11:31, 11:101, 11:105, 12:18, 12:23, 12:26, 12:30, 12:32, 12:51, 12:51, 12:53, 12:54, 12:68, 12:77, 12:83, 13:11, 13:16, 13:33, 13:42, 14:22, 14:45, 14:51, 16:7, 16:28, 16:33, 16:72, 16:89, 16:111, 16:111, 16:111, 16:118, 17:7, 17:14, 17:15, 17:25, 17:33, 18:6, 18:28, 18:35, 18:51, 18:74, 18:74, 20:15, 20:40, 20:41, 20:67, 20:96, 21:35, 21:43, 21:47, 21:64, 21:102, 23:62, 23:103, 24:6, 24:12, 24:61, 24:61, 25:3, 25:21, 25:68, 26:3, 27:14, 27:40, 27:44, 27:92, 28:16, 28:19, 28:33, 29:6, 29:40, 29:57,

30:8, 30:9, 30:21, 30:28, 30:28, 30:44, 31:12, 31:28, 31:34, 31:34, 32:13, 32:17, 32:27, 33:6, 33:37, 33:50, 34:19, 34:50, 35:8, 35:18, 35:32, 36:36, 36:54, 37:113, 39:6, 39:15, 39:41, 39:42, 39:53, 39:56, 39:70, 40:10, 40:17, 41:31, 41:46, 41:53, 42:11, 42:45, 43:71, 45:15, 45:22, 47:38, 48:10, 49:11, 49:15, 50:16, 50:21, 51:21, 53:23, 53:32, 57:14, 57:22, 58:8, 59:9, 59:9, 59:18, 59:19, 61:11, 63:11, 64:16, 64:16, 65:1, 65:7, 66:6, 73:20, 74:38, 75:2, 75:14, 79:40, 81:7, 81:14, 82:5, 82:19, 82:19, 86:4, 89:27, 91:7

tanaffasa vb. (5) perf. act. 81:18

tanafasa vb. (6)
impf. act. 83:26
pcple. act. 83:26

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 80, 81, 82, 83

Nun-Fa-Shiin = to card the pie or wool, scatter or pull into pieces (cotton or wool), flatter, pasture, stray for food by night, pasture during the night without shepherd (cattle).

nafasha vb. (1)
perf. act. 21:78
pcple. pass. 101:5

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 83, 84

Nun-Fa-Tha = to whisper (evil suggestions), below designed, occult endeavours, suggest a thing into the heart, inspire or whisper into the mind, puff/blow without spitting (e.g. blowing on knots), eject from the mouth, enchanting.

naffathah int. n.f. pl. 113:4

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 73

Nun-Fa-Ya = to drive away, expel, ban, cast out, remove.

nafa vb. (1) impf. pass. 5:33

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 290, 291

Nun-Ghayn-Dad = to move the head to another person as amazed, be wonder-struck, wag (the heads), expressing wonder and disbelief.

anghada vb. (4) impf. act. 17:51

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 72

Nun-ha-Jiim = to trace, follow (a way) or track, make chart, be clear, point out the way, be opened, broaden (road). minhaaj - well defined way (a code in secular matters), manifest, plainly defined, apparent and open road.

minhaaj n.m. 5:48

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 110

• • • = **Nuun-ha-Ra** = to cause stream to flow, repulse, reproach, flow abundantly, drive back, brow beat, chide, do in the day time, day, daytime, daylight hours (from dawn to dusk).

nahara vb. (1) impf. act. 17:23, 93:10

nahar n.m. (pl. anhar) 2:25, 2:74, 2:249, 2:266, 3:15, 3:136, 3:195, 3:198, 4:13, 4:57, 4:122, 5:12, 5:85, 5:119, 6:6, 7:43, 9:72, 9:89, 9:100, 10:9, 13:3, 13:35, 14:23, 14:32, 16:15, 16:31, 17:91, 18:31, 18:33, 20:76, 22:14, 22:23, 25:10, 27:61, 29:58, 39:20, 43:51, 47:12, 47:15, 47:15, 47:15, 47:15, 48:5, 48:17, 54:54, 57:12, 58:22, 61:12, 64:9, 65:11, 66:8, 71:12, 85:11, 98:8

nahar n.m. 2:164, 2:274, 3:27, 3:27, 3:72, 3:190, 6:13, 6:60, 7:54, 10:6, 10:24, 10:45, 10:50, 10:67, 11:114, 13:3, 13:10, 14:33, 16:12, 17:12, 17:12, 20:130, 21:20, 21:33, 21:42, 22:61, 22:61, 23:80, 24:44, 25:47, 25:62, 27:86, 28:72, 28:73, 30:23, 31:29, 31:29, 34:33, 35:13, 35:13, 36:37, 36:40, 39:5, 39:5, 40:61, 41:37, 41:38, 45:5, 46:35, 57:6, 57:6, 71:5, 73:7, 73:20, 78:11, 91:3, 92:2

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 111, 112

Nun-ha-Waw/Ya = to prevent, forbid, chide away, prohibit, make one to stop from, restrain, interdict, hinder, desist, refrain.

naha vb. (1)
perf. act. 7:20, 22:41, 59:7, 79:40
impf. act. 3:104, 3:110, 3:114, 5:63, 6:26, 7:22, 7:157, 7:165, 9:67, 9:71, 11:62, 11:88, 11:116, 15:70, 16:90, 29:45, 60:8, 60:9, 96:9
impv. 31:17
perf. pass. 4:161, 6:28, 6:56, 7:166, 40:66, 58:8, 58:8
impf. pass. 4:31
pcple. act. 9:112

muntaha n.m. 53:14, 53:42, 79:44

nuha n.m. 20:54, 20:128

tanaha vb. (6) impf. act. 5:79

intaha vb. (8)
perf. act. 2:192, 2:193, 2:275, 8:39
impf. act. 5:73, 8:19, 8:38, 9:12, 19:46, 26:116, 26:167, 33:60, 36:18, 96:15
impv. 4:171, 59:7
pcple. act. 5:91

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 109, 293

Nun-Ha-Ba = to weep/cry/wail, vow, travel at a quick pace.

nahaba vb. (1) n.vb. 33:23

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 26, 27

Nun-Ha-Lam = to make a gift, dower a woman, make a wedding gift, free gift. nihlatun - unasked, willingly, cheerfully and as agreed gift, without demand and without expecting a return for it. It is distinguishable from hibah (free gift), as every hibah is a nihlah but not every nihlah is a hibah.

nahl n.com. 16:68

nihlah n.f. 4:4

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 283

Nun-Ha-Ra = t slaughter, sacrifice, injure the jugular vein, put hand on upper part of chest.

nahara vb. (1) impv. 108:2

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 28, 29

Nun-Ha-Siin = to be fatal, red like copper, ill-luck, inauspicious.

nahs n.m. 41:16, 54:19

nuhas n.m. 55:35

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 29

Nun-Ha-Ta = to scrape, carve, prepare by scraping, cut, shape, emicate.

nahata vb. (1) impf. act. 7:74, 15:82, 26:149, 37:95

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 27, 28

Nun-Jiim-Dal = to overcome, prevail over, become manifest.

najd n.m. 90:10

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 20, 21, 22

= **Nuun-Jiim-Lam** = evangel, to become verdant, disclose/manifest, have wide/large eyes.
anjala: to pasture (cattle) on herbage.
minjal: luxuriant (robes), clever camel-driver.

Has been implied to mean "good news" due to 61:6. Much of the message of Jesus is implied to have been forgotten by his people, see 5:14.
wide wound, reaping hook, toothed/serrated/plain edge.

injil n.com. 3:3, 3:48, 3:65, 5:46, 5:47, 5:66, 5:68, 5:110, 7:157, 9:111, 48:29, 57:27

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 282

Nun-Jiim-Miim = to appear/rise/begin, accomplish, ensue, proceed.

najm n.m. (pl. nujum) 6:97, 7:54, 16:12, 16:16, 22:18, 37:88, 52:49, 53:1, 55:6, 56:75, 77:8, 81:2, 86:3

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 282

Nun-Jiim-Siin = to be unclean, impure/filthy/dirty. It is of two kinds: one that can be seen by sight (basaarat) the other that can be perceived by intelligence (basiirat).

najisa vb. (1) n.vb. 9:28

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 24, 25

Nun-Jiim-Waw = to be saved, delivered, rescued, escape, go free. najaa/najwan - to whisper (a secret), confide.

naja vb. (1)
perf. act. 12:45, 28:25
n.vb. (1) 40:41
n.vb. (2) 4:114, 9:78, 17:47, 20:62, 21:3, 43:80, 58:7, 58:8, 58:10, 58:12, 58:13
pcple. act. 12:42

najiy n.m. 12:80, 19:52

najja vb. (2)
perf. act. 2:49, 7:89, 10:73, 11:58, 11:58, 11:66, 11:94, 17:67, 20:40, 21:71, 21:74, 21:76, 21:88, 23:28, 26:170, 29:65, 31:32, 37:76, 37:115, 37:134, 41:18, 44:30, 54:34
impf. act. 6:63, 6:64, 10:92, 10:103, 19:72, 29:32, 39:61
impv. 10:86, 26:118, 26:169, 28:21, 66:11, 66:11

perf. pass. 12:110
pcple. act. 15:59, 29:33

naja vb. (3) perf. act. 58:12

anja vb. (4)
perf. act. 2:50, 6:63, 7:64, 7:72, 7:83, 7:141, 7:165, 10:22, 10:23, 11:116, 14:6, 20:80, 21:9, 26:65, 26:119, 27:53, 27:57, 29:15, 29:24
impf. act. 10:103, 21:88, 61:10, 70:14

tanaja vb. (6)
perf. act. 58:9
impf. act. 58:8, 58:9
impv. 58:9

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 18, 19, 282, 283

Nun-Kaf-Ba = to go a side, swerve from, render unhappy (circumstances), blow oblique (wind), defend, protect, incline, hurt, throw a thing away, deviate, turn aside.

nakaba vb. (1) pcple. act. 23:74

manakib n.m. (pl. of mankib) 67:15

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 98, 99, 100

Nun-Kaf-Dal = to be hard, painful, refuse what is asked, niggardly, have little water with little and scattered sowing (farm).

nakid n.m. 7:58

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 102, 103

Nun-Kaf-Fa = to refuse/reject, abstain from, disdain, feel too proud.

istankafa vb. (10)
perf. act. 4:173

impf. act. 4:172, 4:172

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 292

Nun-Kaf-Ha = to tie, make a knot, contract, to marry, marriage.

nakaha vb. (1)
perf. act. 4:22, 33:49
impf. act. 2:221, 2:230, 2:232, 4:22, 4:25, 4:127, 24:3, 24:3, 33:53, 60:10
impv. 4:3, 4:25
n.vb. 2:235, 2:237, 4:6, 24:33, 24:60

ankaha vb. (4)
impf. act. 2:221, 28:27
impv. 24:32

istankaha vb. (10) impf. act. 33:50

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 101, 102

Nun-Kaf-Lam =

ankal n.m. (pl. of nikl) 73:12

nakal n.m. 2:66, 5:38, 79:25

nakkala vb. (2) n.vb. 4:84

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 292

Nun-Kaf-Ra = to dislike, be unacquainted with, disown, disapprove with tongue or punishment, be hard, difficult, feel a repugnance towards, make charge.

nakira vb. (1) perf. act. 11:70

nakir n.m. 22:44, 34:45, 35:26, 42:47, 67:18

nukr n.m. (nukur in 54:6) 18:74, 18:87, 31:19, 54:6, 65:8

nakkara vb. (2) impv. 27:41

ankara vb. (4)
impf. act. 13:36, 16:83, 40:81
pcple. act. 12:58, 16:22, 21:50, 23:69
pcple. pass. 3:104, 3:110, 3:114, 5:79, 7:157, 9:67, 9:71, 9:112, 15:62, 16:90, 22:41, 22:72, 24:21, 29:29, 29:45, 31:17, 51:25, 58:2

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 103, 104, 105

Nun-Kaf-Siin = to upset, turn upside down, reverse, invert, make a thing in the wrong way, lower (the head) carelessly or in shame.

nakasa vb. (1)
perf. pass. 21:65
pcple. act. 32:12

nakkasa vb. (2) impf. act. 36:68

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 105, 106

Nun-Kaf-Sad = to fall back, retreat, withdraw from, desist, lose (in trade), turn back, refrain.

nakasa vb. (1)
perf. act. 8:48
impf. act. 23:66

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 106

Nun-Kaf-Tha = to break (promise), violate (treaty), untwist (cord), unravel, break into thread.

nakatha vb. (1)
perf. act. 9:12, 9:13, 48:10
impf. act. 7:135, 43:50, 48:10

ankath n.m. (pl. of nikth) 16:92

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 101

Nun-Kha-Lam = to sift, send down, snow, drizzle, cloud, select, pick out the best of. nakhal lahuu alnasiihaten - to give earnest advice.

nakhlah n.f. (pl. nakhl and nakhil) 2:266, 6:99, 6:141, 13:4, 16:11, 16:67, 17:91, 18:32, 19:23, 19:25, 20:71, 23:19, 26:148, 36:34, 50:10, 54:20, 55:11, 55:68, 69:7, 80:29

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 283, 284

Nun-Kha-Ra = to be decayed, worm eaten, wasted, crumbled, hallow

nakhirah n.f. 79:11

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 31

Nun-Miim-Lam = to slander, disclose a thing maliciously, climb. Ant. namil - clever man. Name of a valley situated between Jibrin and Asqalaan a town on the seacost 12 miles to the north of Gaza, in Sinai and namlah is the name of a tribe living in this valley. anaamil - fingers.

anamil n.f. (pl. of ammulah) 3:119

namlah n.f. (pl. naml) 27:18, 27:18, 27:18

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 292

Nun-Miim-Miim = to spread or diffuse an odour, relate (talks malevolently), fill (speech) with lies to sow discord, make mischief, go about with slander and defaming tales.

namim m. sing. act. 68:11

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 292

Nun-Miim-Ra-Qaf = cushions.

namaariq n.m. (pl. of namraq) 88:15

Nun-Qaf-Ayn = to soak, macerate, raise, shout, increase.

naqa'a vb. (1) n.vb. 100:4

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 291, 292 (nun-qaf-ya)

Nun-Qaf-Ba = to pierce (a wall), bore (a hole), go through (a country), be a chief, journey, pass or wander through.

naqaba vb. (1) n.vb. 18:97

naqib n.m. 5:12

naqqaba vb. (2) perf. act. 50:36

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 87, 88, 89

Nun-Qaf-Dhal/Thal = to liberate, rescue, deliver.

anqadha vb. (4)
perf. act. 3:103
impf. act. 36:23, 39:19
impf. pass. 36:43

istanqadha vb. (10) impf. act. 22:73

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 91

Nun-Qaf-Dad = to pull down, demolish, break (contract), undo a thing, violate (treaty), unravel/untwist.

naqada vb. (1)
perf. act. 16:92
impf. act. 2:27, 8:56, 13:20, 13:25, 16:91
n.vb. 4:155, 5:13

anqada vb. (4) perf. act. 94:3

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 96, 97, 98

Nun-Qaf-Miim = to punish, accuse, develop hate, revenge, persecute, find fault, disapprove, dislike with tongue or punishment.

naqama vb. (1)
perf. act. 9:74, 85:8
impf. act. 5:59, 7:126

intaqama vb. (8)
perf. act. 7:136, 15:79, 30:47, 43:25, 43:55
impf. act. 5:95
n.vb. 3:4, 5:95, 14:47, 39:37
pcple. act. 32:22, 43:41, 44:16

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 291

Nun-Qaf-Ra = to strike, revile, engrave, play (lute), hallow out, sound, blow (bugle), pierce.

naqara vb. (1) perf. pass. 74:8

naqir n.m. 4:53, 4:124

naqur n.m. 74:8

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 91, 92, 93

Nun-Qaf-Sad = to diminish, decrease, run low, lessen, cause loss or deficiency, consume, fall short, waste, abate.

naqasa vb. (1)
impf. act. 9:4, 11:84, 13:41, 21:44, 50:4
impv. 73:3
impf. pass. 35:11
n.vb. 2:155, 7:130
pcple. pass. 11:109

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 95, 96

Nun-Siin-Ayn / Alif = staff/stick, ruling power and glory.

minsa'ah n.f. 34:14

nasi n.m. 9:37

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 286

Nun-Siin-Ba = to give or ask one's genealogy, ask the pedigree or linage of, kinship, relationship.

nasaba vb. (1) n.vb. 23:101, 25:54, 37:158

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 40, 41

Nun-Siin-Fa = to uproot, reduce to powder, scatter, throw down, destroy, shatter, smash, blown down to pieces.

nasafa vb. (1)
impf. act. 20:97, 20:105
perf. pass. 77:10
n.vb. 20:97, 20:105

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 286

= **Nun-Siin-Kaf** = to lead a devout life, be pious, be godly, worship/serve God, sacrifice, slaughter an animal by way of sacrifice, act of worship/servitude, performers/observers of such acts, rite of devotion, to wash and purify, to apply oneself.

nasaka vb. (I)
n. vb. 2:196, 6:162
pcple. act. 22:67,

mansak n.m. (pl. manasik) 2:128, 2:200, 22:34, 22:67.

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 286

Nun-Siin-Kha = to abolish, destroy, abrogate, nullify, obliterate, conceal, transfer, substitute, copy, transcribe, rule out.

nasakha vb. (1) impf. act. 2:106, 22:52

nuskhah n.f. 7:154

istansakha vb. (10) impf. act. 45:29

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 42, 43

Nun-Siin-Lam = to beget, be fruitful in progeny. nasila - to hasten, crash.

nasala vb. (1) impf. act. 21:96, 36:51

nasl n.m. 2:205, 32:8

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 286

Nun-Siin-Ra = to remove, take off, scrape, rubout, pack, tear with the beak. nasran - eagle/vulture, idol in the shape of an eagle.

nasr n.prop. 71:23

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 43, 44

= **Nun-Siin-Waw** = women. There is no singular of this word.

nisa n.f. 2:49, 2:187, 2:222, 2:223, 2:226, 2:231, 2:232, 2:235, 2:236, 3:14, 3:42, 3:61, 3:61, 4:1, 4:3, 4:4, 4:7, 4:11, 4:15, 4:19, 4:22, 4:23, 4:23, 4:24, 4:32, 4:34, 4:43, 4:75, 4:98, 4:127, 4:127, 4:129, 4:176, 5:6, 7:81, 7:127, 7:141, 14:6, 24:31, 24:31, 24:60, 27:55, 28:4, 33:30, 33:32, 33:32, 33:52, 33:55, 33:59, 40:25, 48:25, 49:11, 49:11, 58:2, 58:3, 65:1, 65:4

niswah n.f. 12:30, 12:50

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 287

Nun-Siin-Ya = to forsake/forget/neglect, pretend to forget.

nasiya vb. (1)
perf. act. 2:286, 5:13, 5:14, 6:44, 7:51, 7:53, 7:165, 9:67, 9:67, 18:24, 18:57, 18:61, 18:63, 18:73, 20:88, 20:115, 20:126, 25:18, 32:14, 32:14, 36:78, 38:26, 39:8, 45:34, 58:6, 59:19
impf. act. 2:44, 2:237, 6:41, 7:51, 20:52, 28:77, 45:34, 87:6
impf. pass. 20:126
pcple. pass. 19:23

nasiy n.m. 19:64

nasy n.m. 19:23

ansa vb. (4)
perf. act. 12:42, 18:63, 23:110, 58:19, 59:19
impf. act. 2:106, 6:68

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 287

= **Nuun-Shiin-Alif** = lived, arose, become elevated/high, grow up, create/produce/ originate, it happened/occurred, raise, to found/build, began, specifically discussing 73:6 = rising in the night, first part/hours of the night, every hour of the night in which one rises,

every hour of the night.

nasha'a vb. (1) pcple. act. f. 73:6

nash'ah n.f. 29:20, 53:47, 56:62

nashsha'a vb. (2) impf. pass. 43:18

ansha'a vb. (4)
perf. act. 6:6, 6:98, 6:133, 6:141, 11:61, 21:11, 23:14, 23:19, 23:31, 23:42, 23:78, 28:45, 36:79, 53:32, 56:35, 56:72, 67:23
impf. act. 13:12, 29:20
n.vb. 56:35
pcple. act. 56:72
pcple. pass. 55:24

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 44, 45

Nun-Shiin-Ra = to spread out, bring back to life, resuscitate, be extended, lay open, unfold, expand, display, spread abroad.

nashara vb. (1)
impf. act. 18:16, 42:28
perf. pass. 81:10
n.vb. (1) 77:3
n.vb. (2) 25:3, 25:40, 25:47, 35:9, 67:15
pcple. act. f. 77:3
pcple. pass. 17:13, 52:3

nashshara vb. (2) pcple. pass. 74:52

anshara vb. (4)
perf. act. 43:11, 80:22
impf. act. 21:21
pcple. pass. 44:35

intashara vb. (8)
impf. act. 30:20
impv. 33:53, 62:10
pcple. act. 54:7

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 47, 48, 49

Nun-Shiin-Tay = to exert oneself (in the discharge of duties), release, draw, go out from a place.

nashata vb. (1)
n.vb. 79:2
pcple. act. f. 79:2

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 50, 51

Nun-Shiin-Zay = to be high, lifted up, rise up, behave ill, be disobedient, ill treat, be rebellious, hate, detest, be indifferent, treat unjustly, be unkind, desert.

nashaza vb. (1)
impv. 58:11, 58:11
n.vb. 4:34, 4:128

anshaza vb. (4) impf. act. 2:259

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 49, 50

Nun-Saad-Ba = to fix, raise/setup/establish. nasiba - to use diligence, toil/labour, be instant.

nasaba vb. (1) perf. pass. 88:19

nasiba vb. (1) impv. 94:7
n.vb. (1) 38:41
n.vb. (2) 9:120, 15:48, 18:62, 35:35

pcple. act. f. 88:3

nasib n.m. 2:202, 3:23, 4:7, 4:7, 4:7, 4:32, 4:32, 4:33, 4:44, 4:51, 4:53, 4:85, 4:118, 4:141, 6:136, 7:37, 11:109, 16:56, 28:77, 40:47, 42:20

nusub n.m. (pl. ansab) 5:3, 5:90, 70:43

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 53, 54, 55

Nun-Saad-Fa = half, reach its middle/midst, divide a thing into halves.

nisf n.m. 2:237, 4:11, 4:12, 4:25, 4:176, 73:3, 73:20

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 287

Nun-Saad-Ha = to be pure, unmixed, genuine, act sincerely, give sincere advice, counsel earnestly, be faithful.

nasaha vb. (1)
perf. act. 7:79, 7:93, 9:91
impf. act. 7:62, 11:34
n.vb. 11:34
pcple. act. 7:21, 7:68, 7:79, 12:11, 28:12, 28:20

nasuh n.f. 66:8

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 55, 56

Nun-Saad-Ra = to assist/aid, succour, protect.

nasara vb. (1)
perf. act. 3:123, 7:157, 8:72, 8:74, 9:25, 9:40, 21:77, 37:116, 46:28, 59:12
impf. act. 3:81, 3:160, 3:160, 7:192, 7:197, 9:14, 9:40, 11:30, 11:63, 18:43, 22:15, 22:40, 22:40, 22:60, 26:93, 28:81, 30:5, 40:29, 40:51, 42:46, 47:7, 47:7, 48:3, 57:25, 59:8, 59:11, 59:12, 67:20
impv. 2:250, 2:286, 3:147, 21:68, 23:26, 23:39, 29:30
impf. pass. 2:48, 2:86, 2:123, 3:111, 11:113, 21:39, 23:65, 28:41, 36:74, 39:54, 41:16, 44:41, 52:46, 59:12
n.vb. 2:214, 2:214, 3:13, 3:126, 6:34, 7:192, 7:197, 8:10, 8:26, 8:62, 8:72, 12:110, 21:43, 22:39, 25:19, 29:10, 30:5, 30:47, 36:75, 48:3, 61:13, 110:1
pcple. act. 3:22, 3:56, 3:91, 3:150, 16:37, 29:25, 30:29, 45:34, 47:13, 72:24, 86:10
pcple. pass. 17:33, 37:172

nasir n.m. (pl. ansar) 2:107, 2:120, 2:270, 3:52, 3:52, 3:192, 4:45, 4:52, 4:75, 4:89, 4:123, 4:145, 4:173, 5:72, 8:40, 9:74, 9:100, 9:116, 9:117, 17:75, 17:80, 22:71, 22:78, 25:31, 29:22, 33:17, 33:65, 35:37, 42:8, 42:31, 48:22, 61:14, 61:14, 61:14, 71:25

nasrani n.m. (pl. nasara) 2:62, 2:111, 2:113, 2:113, 2:120, 2:135, 2:140, 3:67, 5:14, 5:18, 5:51, 5:69, 5:82, 9:30, 22:17

tanasara vb. (6) impf. act. 37:25

intasara vb. (8)
perf. act. 26:227, 42:41, 47:4
impf. act. 26:93, 42:39, 55:35
impv. 54:10
pcple. act. 18:43, 28:81, 51:45, 54:44

istansara vb. (10) perf. act. 8:72, 28:18

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 56, 57

Nun-Saad-Ta = to keep quiet/silent.

ansata vb. (4) impv. 7:204, 46:29

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 55

Nun-Saad-Ya/Waw = forelock, get the mastery over, get hold of.

nasiyah n.f. (pl. nawasi) 11:56, 55:41, 96:15, 96:16

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 287

Nun-Ta-Qaf = to shake, pull, rise up, break out.

nataqa vb. (I) perf. act. 7:171

Nun-Tha-Ra = to scatter/disperse/sprinkle a thing, to hasten or be quick??????????????

nathara vb. (1) pcple. pass. 25:23, 76:19

intathara vb. (8) perf. act. 82:2

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 16, 17, 18

Nun-Tay-Fa = to flow gently, extrude, ooze, exude, drop, pour, trickle.

nutfah n.f. 16:4, 18:37, 22:5, 23:13, 23:14, 35:11, 36:77, 40:67, 53:46, 73:37, 76:2, 80:19

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 288

Nun-Tay-Ha = to butt or strike with the horns, gore to death. natiihatu - that which has been forced to death by the horns of an animal

natihah 2nd. sing. n.f. act. 5:3

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 63

Nun-Tay-Qaf = to speak, utter, articulate sounds, speak clearly.

nataqa vb. (1)
impf. act. 21:63, 21:65, 23:62, 27:85, 37:92, 45:29, 51:23, 53:3, 77:35
n.vb. 27:16

antaqa vb. (4) perf. act. 41:21, 41:21

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 288

Nun-Waw-Alif / Nun-Alif-hamza = to weigh down, get up with hardship/difficulty, rise painfully, fall down from fatigue, grove under the burden.

na'a vb. (1) impf. act. 28:76

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 114, 115, 116

Nun-Waw-Ba = to supply the place of another. anaaba - to repent and turn again and again and consecutively (to God) with sincere deeds.

anaba vb. (4)
perf. act. 13:27, 31:15, 38:24, 38:34, 39:17, 60:4
impf. act. 11:88, 40:13, 42:10, 42:13
impv. 39:54
pcple. act. 11:75, 30:31, 30:33, 34:9, 39:8, 50:8, 50:33

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 116, 117

Nun-Waw-Ha = Noah/Nuh. To lament, wail, coo.

nuh n. 3:33, 4:163, 6:84, 7:59, 7:69, 9:70, 10:71, 11:25, 11:32, 11:36, 11:42, 11:45, 11:46, 11:48, 11:89, 14:9, 17:3, 17:17, 19:58, 21:76, 22:42, 23:23, 25:37, 26:105, 26:106, 26:116, 29:14, 33:7, 37:75, 37:79, 38:12, 40:5, 40:31, 42:13, 50:12, 51:46, 53:52, 54:9, 57:26, 66:10, 71:1, 71:21, 71:26

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 117, 118

Nun-Waw-Miim = to sleep, slumber, become calm, abate, dull, be numbed, dose.

nama vb. (1)
n.vb. 2:255, 25:47, 78:9
pcple. act. 7:97, 68:19

manam n.m. 8:43, 30:23, 37:102, 39:42

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 294

Nun-Waw-Nun = (lit. "lord of the fish", i.e. Jonah)

nun n. 21:87

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 294

Nun-Waw-Qaf = to clean the flesh from fat, train a camel, set in order, do carefully.
niiqatun - zeal, skill, daintiness, refined, best, top of a mountain, a big and long mountain.
naaqatun - she camel, as it is the best thing according to Arabs.

naaqah n.f. 7:73, 7:77, 11:64, 17:59, 26:155, 54:27, 91:13

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 293

Nun-Waw-Ra = fire, flame, heat, war, light, shine, sparkle, irritate, vex or provoke war.

nar n.f. 2:17, 2:24, 2:39, 2:80, 2:81, 2:126, 2:167, 2:174, 2:175, 2:201, 2:217, 2:221, 2:257, 2:266, 2:275, 3:10, 3:16, 3:24, 3:103, 3:116, 3:131, 3:151, 3:183, 3:185, 3:191, 3:192, 4:10, 4:14, 4:30, 4:56, 4:145, 5:29, 5:37, 5:64, 5:72, 6:27, 6:128, 7:12, 7:36, 7:38, 7:38, 7:44, 7:47, 7:50, 8:14, 9:17, 9:35, 9:63, 9:68, 9:81, 9:109, 10:8, 10:27, 11:16, 11:17, 11:98, 11:106, 11:113, 13:5, 13:17, 13:35, 14:30, 14:50, 15:27, 16:62, 18:29, 18:53, 18:96, 20:10, 20:10, 20:10, 21:39, 21:69, 22:19, 22:72, 23:104, 24:35, 24:57, 27:7, 27:8, 27:90, 28:29, 28:29, 28:29, 28:41, 29:24, 29:25, 32:20, 32:20, 33:66, 34:42, 35:36, 36:80, 38:27, 38:59, 38:61, 38:64, 39:76, 39:8, 39:16, 39:19, 40:6, 40:41, 40:43, 40:46, 40:47, 40:47, 40:49, 40:72, 41:19, 41:24, 41:28, 41:40, 45:34, 46:20, 46:34, 47:12, 47:15, 51:13, 52:13, 52:14, 54:48, 55:15, 55:35, 56:71, 57:15, 58:17, 59:3, 59:17, 59:20, 64:10, 66:6, 66:10, 71:25, 72:23, 74:31, 85:5, 87:12, 88:4, 90:20, 92:14, 98:6, 101:11, 104:6, 111:3

nur n.m. 2:17, 2:257, 2:257, 4:174, 5:15, 5:16, 5:44, 5:46, 6:1, 6:91, 6:122, 7:157, 9:32, 9:32, 10:5, 13:16, 14:1, 14:5, 24:35, 24:35, 24:35, 24:35, 24:35, 24:40, 24:40, 33:43, 35:20, 39:22, 39:69, 42:52, 57:9, 57:12, 57:13, 57:13, 57:19, 57:28, 61:8, 61:8, 64:8, 65:11, 66:8, 66:8, 71:16

anara vb. (4) pcple. act. 3:184, 22:8, 25:61, 31:20, 33:46, 35:25

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 118, 119, 120

Nun-Waw-Siin = to swing, halt in a place, move, toss. Mankind, people, others, men.

nas (pl. of insan)
2:8, 2:13, 2:21, 2:24, 2:44, 2:83, 2:94, 2:96, 2:102, 2:124, 2:125, 2:142, 2:143, 2:143, 2:150, 2:159, 2:161, 2:164, 2:165, 2:168, 2:185, 2:187, 2:188, 2:189, 2:199, 2:200, 2:204, 2:207, 2:213, 2:219, 2:221, 2:224, 2:243, 2:243, 2:251, 2:259, 2:264, 2:273, 3:4,

3:9, 3:14, 3:21, 3:41, 3:46, 3:68, 3:79, 3:87, 3:96, 3:97, 3:110, 3:112, 3:134, 3:138, 3:140, 3:173, 3:173, 3:187, 4:1, 4:37, 4:38, 4:53, 4:54, 4:58, 4:77, 4:79, 4:105, 4:108, 4:114, 4:133, 4:142, 4:161, 4:165, 4:170, 4:174, 5:32, 5:32, 5:44, 5:49, 5:67, 5:82, 5:97, 5:110, 5:116, 6:91, 6:122, 6:144, 7:85, 7:116, 7:144, 7:158, 7:187, 8:26, 8:47, 8:48, 9:3, 9:34, 10:2, 10:2, 10:11, 10:19, 10:21, 10:23, 10:24, 10:44, 10:44, 10:57, 10:60, 10:92, 10:99, 10:104, 10:108, 11:17, 11:85, 11:103, 11:118, 11:119, 12:21, 12:38, 12:38, 12:40, 12:46, 12:49, 12:68, 12:103, 13:1, 13:6, 13:17, 13:31, 14:1, 14:25, 14:36, 14:37, 14:44, 14:52, 16:38, 16:44, 16:61, 16:69, 17:60, 17:60, 17:89, 17:89, 17:94, 17:106, 18:54, 18:55, 19:10, 19:21, 20:59, 21:2, 21:61, 22:1, 22:2, 22:3, 22:5, 22:8, 22:11, 22:18, 22:25, 22:27, 22:40, 22:49, 22:65, 22:73, 22:75, 22:78, 24:35, 25:37, 25:50, 26:39, 26:183, 27:16, 27:73, 27:82, 28:23, 28:43, 29:2, 29:10, 29:10, 29:43, 29:67, 30:6, 30:8, 30:30, 30:30, 30:33, 30:36, 30:39, 30:41, 30:58, 31:6, 31:18, 31:20, 31:33, 32:13, 33:37, 33:63, 34:28, 34:28, 34:36, 35:2, 35:3, 35:5, 35:15, 35:28, 35:45, 38:26, 39:27, 39:41, 40:57, 40:57, 40:59, 40:61, 40:61, 42:42, 43:33, 44:11, 45:20, 45:26, 46:6, 47:3, 48:20, 49:13, 54:20, 57:24, 57:25, 57:25, 59:21, 62:6, 66:6, 83:2, 83:6, 99:6, 101:4, 110:2, 114:1, 114:2, 114:3, 114:5, 114:6

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 120, 121

Nun-Waw-Shiin = to take, receive, seize, attain.

tanawasha vb. (6) n.vb. 34:52

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 121

Nun-Waw-Saad = to flee away, shun, evade, retreat, escape, take shelter.

manas n.m. 38:3

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 121, 122

Nun-Waw-Ya = to intend, propose, design, resolve scheme, aim, date-stone.

nawa n.m. 6:95

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 294

Nun-Ya-Lam = to obtain/procure, get, attain, reach, matter.

nala vb. (1)
impf. act. 2:124, 3:92, 5:94, 7:37, 7:49, 7:152, 9:74, 9:120, 22:37, 22:37, 33:25
n.vb. 9:120

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 294

Nun-Zay-Ayn = to draw forth, take away, pluck out, bring out, snatch away, remove, strip off, tear off, extract, withdraw, draw out sharply, perform ones duty, yearn, depose high officials, resemble, draw with vigour, invite others to truth, rise, ascend, draw from the abode or bottom, carry off forcibly, deprive.

naza'a vb. (1)
perf. act. 7:43, 7:108, 11:9, 15:47, 26:33, 28:75
impf. act. 3:26, 7:27, 19:69, 54:20
pcple. act. f. 79:1

nazza'ah n.f. 70:16

naza'a vb. (3) impf. act. 22:67

tanaza'a vb. (6)
perf. act. 3:152, 4:59, 8:43, 20:62
impf. act. 8:46, 18:21, 52:23

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 284, 285

Nun-Zay-Fa = to exhaust, deprive of intellectual facilities.

nazafa vb. (1) impf. pass. 37:47, 56:19

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 285

Nun-Zay-Ghayn = to incite to evil, to provoke, foment discord between, make strife, slander, provocation, sow, disseminate, blacken any one's character, wound in words, set

people at variance, stir up discord.

nazagha vb. (1)
perf. act. 12:100
impf. act. 7:200, 17:53, 41:36
n.vb. 7:200, 41:36

Nun-Zay-Lam = to descend, come down, go down, happen, alight at, settle in a place, lodge. anzala - to send down, give. nazulun - that which is prepared for a guest's entertainment, abode, gift. manzil - mansion, station. nazzala - to cause to descend, send down. tanziil - sending down, divine revelation, orderly arrangement and authentic compilation, gradual revelation.

nazala vb. (1)
perf. act. 17:105, 26:193, 37:177, 57:16
impf. act. 34:2, 57:4

manazil n.f. (pl. of manzil) 10:5, 36:39

nazlah n.f. 53:13

nuzul n.m. (pl. of nazl) 3:198, 18:102, 18:107, 32:19, 37:62, 41:32, 56:56, 56:93

nazzala vb. (2)
perf. act. 2:23, 2:297, 2:176, 3:3, 4:47, 4:136, 4:140, 6:7, 6:111, 7:71, 7:196, 15:9, 16:89, 16:102, 17:95, 17:106, 20:80, 25:1, 26:198, 29:63, 39:23, 43:11, 47:26, 50:9, 67:9, 76:23
impf. act. 2:90, 3:151, 4:153, 5:112, 6:37, 6:81, 7:33, 8:11, 15:8, 15:21, 16:2, 16:101, 17:82, 17:93, 22:71, 24:43, 26:4, 30:24, 31:34, 40:13, 42:27, 42:28, 57:9
perf. pass. 6:37, 15:6, 16:44, 25:25, 43:31, 47:2, 47:20
impf. pass. 2:105, 3:93, 5:101, 9:64, 30:49
n.vb. 17:106, 20:4, 25:25, 26:192, 32:2, 36:5, 39:1, 40:2, 41:2, 41:42, 45:2, 46:2, 56:80, 69:43, 76:23
pcple. act. 5:115
pcple. pass. 6:114

anzala (1) vb. (4)
impv. 23:29
pcple. act. 12:59, 23:29
pcple. pass. 23:29

anzala (2) vb. (4)
perf. act. 2:22, 2:41, 2:57, 2:59, 2:90, 2:91, 2:99, 2:159, 2:164, 2:170, 2:174, 2:213, 2:231, 3:3, 3:4, 3:7, 3:53, 3:154, 4:61, 4:105, 4:113, 4:136, 4:166, 4:166, 4:174, 5:44,

5:44, 5:45, 5:47, 5:47, 5:48, 5:48, 5:49, 5:49, 5:104, 6:8, 6:91, 6:91, 6:92, 6:93, 6:99, 6:114, 6:155, 7:26, 7:57, 7:160, 8:41, 9:26, 9:26, 9:40, 9:97, 10:24, 10:59, 10:94, 12:2, 12:40, 13:17, 13:37, 14:1, 14:32, 15:22, 15:90, 16:10, 16:24, 16:30, 16:44, 16:64, 16:65, 17:102, 17:105, 18:1, 18:45, 20:2, 20:53, 20:113, 21:10, 21:50, 22:5, 22:16, 22:63, 23:18, 23:24, 24:1, 24:1, 24:34, 24:46, 25:6, 25:48, 27:60, 28:24, 29:47, 29:51, 30:35, 31:10, 31:21, 33:26, 35:27, 36:15, 36:28, 38:29, 39:2, 39:6, 39:21, 39:41, 41:14, 41:39, 42:15, 42:17, 44:3, 45:5, 47:9, 48:4, 48:18, 48:26, 53:23, 56:69, 57:25, 57:25, 58:5, 59:21, 64:8, 65:5, 65:10, 78:14, 97:1
impf. act. 6:93
impv. 5:114
perf. pass. 2:4, 2:4, 2:91, 2:102, 2:136, 2:136, 2:185, 2:285, 3:65, 3:72, 3:84, 3:84, 3:199, 3:199, 4:60, 4:60, 4:162, 4:162, 5:59, 5:59, 5:64, 5:66, 5:67, 5:68, 5:81, 5:83, 6:8, 6:156, 6:157, 7:2, 7:3, 7:157, 9:86, 9:124, 9:127, 10:20, 11:12, 11:14, 13:1, 13:7, 13:19, 13:27, 13:36, 25:7, 25:51, 28:87, 29:46, 29:46, 29:50, 34:6, 38:8, 39:55, 46:30, 47:20
pcple. act. 29:34, 36:28, 56:69
pcple. pass. 3:124

tanazzala vb. (5)
perf. act. 26:210
impf. act. 19:64, 26:221, 26:222, 41:30, 65:12, 97:4

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 285, 286

Nun-Za-Ra = to see, look at, glance, gaze, observe, behold, consider, regard, listen to, be patient towards, wait, contemplate, grant respite, put off, scrutinise, show kindness, examine, search, reflect. nazara - the look with affection, to perplex, dazzle.

nazara vb. (1)
perf. act. 9:127, 37:88, 74:21
impf. act. 2:50, 2:55, 2:210, 3:77, 3:143, 6:158, 7:53, 7:129, 7:143, 7:185, 7:198, 8:6, 10:14, 10:43, 12:109, 16:33, 18:19, 22:15, 27:27, 27:41, 30:9, 33:19, 35:43, 35:44, 36:49, 37:19, 38:15, 39:68, 40:21, 40:82, 42:45, 43:66, 47:10, 47:18, 47:20, 50:6, 51:44, 56:84, 59:18, 78:40, 80:24, 83:23, 83:35, 86:5, 88:17
impv. 2:104, 2:259, 2:259, 2:259, 3:137, 4:46, 4:50, 5:75, 5:75, 6:11, 6:24, 6:46, 6:65, 6:99, 7:84, 7:86, 7:103, 7:143, 10:39, 10:73, 10:101, 16:36, 17:21, 17:48, 20:97, 25:9, 27:14, 27:28, 27:33, 27:51, 27:69, 28:40, 29:20, 30:42, 30:50, 37:73, 37:102, 43:25, 57:13
n.vb. 47:20
pcple. act. 2:69, 7:108, 15:16, 26:33, 27:35, 33:53, 75:23

nazirah n.f. 2:280

nazrah n.f. 37:88

anzara vb. (4)
impf. act. 7:195, 10:71, 11:55
impv. 7:14, 15:36, 38:79
impf. pass. 2:162, 3:88, 6:8, 16:85, 21:40, 32:29
pcple. pass. 7:15, 15:8, 15:37, 26:203, 38:80, 44:29

intazara vb. (8)
impf. act. 10:102, 33:23
impv. 6:158, 7:71, 10:20, 10:102, 11:122, 32:30
pcple. act. 6:158, 7:71, 10:20, 10:102, 11:122, 32:30

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 38, 39

Waw = •

Waw-Alif-Dal = to bury alive

wa'ada vb. (1)
pcple. pass. f. 81:8

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 167, 168

Waw-Alif-Lam = to seek refuge, find escape, seek shelter.

maw'il n.m. 18:58

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 302

Waw-Ayn-Dal = to promise, give one's word, threaten, promise good, threaten (depending on context).

wa'ada vb. (1)
perf. act. 3:194, 4:95, 5:9, 7:44, 7:44, 9:68, 9:72, 9:77, 9:114, 14:22, 14:22, 19:61, 22:72, 24:55, 28:61, 33:12, 33:22, 36:52, 40:8, 43:42, 48:20, 48:29, 57:10
impf. act. 2:268, 2:268, 4:120, 4:120, 7:70, 7:77, 8:7, 10:46, 11:32, 13:40, 17:64, 20:86, 23:35, 23:95, 35:40, 40:28, 40:77, 46:17, 46:22
impv. 17:64
perf. pass. 13:35, 23:83, 25:15, 27:68, 47:15
impf. pass. 6:134, 19:75, 21:103, 21:109, 23:36, 23:93, 26:206, 36:63, 38:53, 41:30, 43:83, 46:16, 46:35, 50:32, 51:5, 51:22, 51:60, 70:42, 70:44, 72:24, 72:25, 77:7
n. vb. 3:152, 4:122, 9:111, 10:4, 10:48, 10:55, 11:45, 11:65, 13:31, 14:22, 14:47, 16:38, 17:5, 17:5, 17:7, 17:104, 17:108, 18:21, 18:98, 18:98, 19:54, 19:61, 20:86, 21:9, 21:38, 21:97, 21:104, 22:47, 25:16, 27:71, 28:13, 28:61, 30:6, 30:6, 30:60, 31:9, 31:33, 34:29, 35:5, 36:48, 39:20, 39:74, 40:55, 40:77, 45:32, 46:16, 46:17, 67:25, 73:18
pcple. pass. 85:2

maw'id n.m. (f. in 9:114), 11:17, 11:81, 15:43, 18:48, 18:58, 18:59, 20:58, 20:59, 20:86, 20:87, 20:97, 54:46

mi'ad n.m. 3:9, 3:194, 8:42, 13:31, 34:30, 39:20

wa'id n.m. 14:14, 20:113, 50:14, 50:20, 50:28, 50:45

wa'ada vb. (3)
perf. act. 2:51, 7:142, 20:80
impf. act. 2:235

aw'ada vb. (4)
impf. act. 7:86

tawa'ada vb. (6) perf. act. 8:42

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 206, 207

Waw-Ayn-Ya = to preserve in the memory, keep in mind, retain, contain, collect, understand, learn, pay attention, recover ones senses, store up.

wa'a vb. (1)
impf. act. 69:12
pcple. act. f. 69:12

wi'a n.m. (pl. awiyah) 12:76, 12:76, 12:76

aw'a vb. (4)
perf. act. 70:18
impf. act. 84:23

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 310

Waw-Ayn-Za = to admonish, exhort, preach, advise, warn, remind of that which should soften the heart by the mention of reward or punishment, give good advice or counsel, remind of the result of affairs, exhort which leads to repentance and reformation.

wa'aza vb. (1) perf. act. 26:136
impf. act. 2:231, 4:58, 7:164, 11:46, 16:90, 24:17, 31:13, 34:46
impv. 4:34, 4:63
impf. pass. 2:232, 4:66, 58:3, 65:2
pcple. act. 26:136

maw'izah n.f. 2:66, 2:275, 3:138, 5:46, 7:145, 10:57, 11:120, 16:125, 24:34

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 207

Waw-Ba-Lam = to pour forth, rain to in large drops, pursue eagerly.

wabal n.m. 5:95, 59:15, 64:5, 65:9

wabil n.m. 2:264, 2:265, 2:265

wabeelan 73:16

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 302

Waw-Ba-Qaf = to perish/destroy/wreck/ruin, place of destruction, gulf (of doom).

mawbiq n.m. 18:52

awbaqa vb. (4) impf. act. 42:34

Waw-Ba-Ra = to have soft hair, stay in a place.

awbar n.m. (pl. of wabar) 16:80

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 169, 170

Waw-Dal-Ayn = to leave/depart/forsake/overlook/disregard, place/deposit.

wada'a vb. (1) impv. 33:48

mustawada n.m. 6:98, 11:6

wadda'a vb. (2) perf. act. 93:3

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 305

Waw-Dal-Dal = to love, wish for, desire, be fond of, will, long.

wadda vb. (1) perf. act. 2:109, 3:69, 3:118, 4:89, 4:102, 60:2, 68:9
impf. act. 2:96, 2:105, 2:266, 3:30, 4:42, 8:7, 15:2, 33:20, 70:11
n. vb. 19:96

mawaddah n.f. 4:73, 5:82, 29:25, 30:21, 42:23, 60:1, 60:1

wadd n. prop. 71:23

wadud n.m. 11:90, 85:14

wadda vb. (3) impf. act. 58:22

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 185, 186

Waw-Dal-Qaf = to drop (rain), approach (rain), drizzle, any kind of rain (heavy or light).

wadq n.m. 24:43, 30:48

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 305

Waw-Dal-Ya = to pay the blood money, pay a fine as expiation for human life, compensate for murder.

diyah n.f. 4:92, 4:92

wadi (pl. awdiyah) 9:121, 13:17, 14:37, 20:12, 26:225, 27:18, 28:30, 46:24, 79:16, 89:9

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 305

Waw-Dhal-Ra = to leave/forsake/neglect, fall upon, wound, cut in slices, let, desist.

wadhara vb. (1) impf. act. 2:234, 2:240, 3:179, 4:129, 6:110, 7:70, 7:127, 7:127, 7:186, 10:11, 19:72, 20:106, 21:89, 26:166, 37:125, 51:42, 71:23, 71:23, 71:26, 71:27, 74:28, 75:21, 76:27
impv. 2:278, 6:70, 6:91, 6:112, 6:120, 6:137, 7:73, 7:180, 9:86, 11:64, 12:47, 15:3, 23:54, 40:26, 43:83, 48:15, 52:45, 62:9, 68:44, 70:42, 73:11, 74:11

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 187

Waw-Dad-Ayn = he put it or laid it in/on a place, put it or threw it down from his hand, opposite of Ra-Fa-Ayn, put down a thing, brought forth, to appoint, to impose/remit, give over, relinquish, lowered his grade/rank/condition, suffer loss, did not gain in it, lowered/ humbled, depository, the proper place of a thing.

wada'a vb. (1) perf. act. 3:36, 3:36, 3:36, 46:15, 55:7, 55:10, 94:2
impf. act. 4:102, 7:157, 21:47, 22:2, 24:58, 24:60, 35:11, 41:47, 47:4, 65:4, 65:6
perf. pass. 3:96, 18:49, 39:69
pcple. pass. 88:14

mawadai n.m. (pl. mawdi) 4:46, 5:13, 5:41

awda'a vb. (4) perf. act. 9:47

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 309, 310

Waw-Dad-Nun = to plate or fold a thing with one part over another, interwove, encrust, inlay (with gold and precious jewels).

wadana vb. (1) pcple. pass. 56:15

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 310

Waw-Fa-Dal = to call upon, come to, reach.

wafada vb. (1) n.vb. wafd 19:85

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 209

Waw-Fa-Dad = to hasten/run.

awfada vb. (4) impf. act. yufidu 70:43

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 211

Waw-Fa-Qaf =to reconciliate, to find suitable/fit/useful.

waffaqa vb. (2) impf. act. 4:35
n.vb. 4:62, 11:88

wafaqa vb. (3) n. vb. 78:26

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 311

Waw-Fa-Ra = to be plentiful, copious/numerous/ample, increase.

wafara vb. (1) pcple. pass. 17:63

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 209, 210

Waw-Fa-Ya = to reach the end, keep ones promise, fulfil ones engagement, pay a debt, perform a promise. tawaffa - to die. wafaat - death.

wafiy n.m. (adj. comp. awfa) 9:111, 53:41

waffa vb. (2)
perf. act. 24:39, 53:37
impf. act. 3:57, 4:173, 11:15, 11:111, 24:25, 35:30, 46:19
perf. pass. 3:25, 39:70
impf. pass. 2:272, 2:281, 3:161, 3:185, 8:60, 16:111, 39:10

pcple. act. 11:109

awfa vb. (4)
perf. act. 3:76, 48:10
impf. act. 2:40, 12:59, 13:20, 22:29, 76:7
impv. 2:40, 5:1, 6:152, 6:152, 7:85, 11:85, 12:88, 16:91, 17:34, 17:35, 26:181
pcple. act. 2:177

tawaffa vb. (5)
perf. act. 4:97, 5:117, 6:61, 47:27
impf. act. 4:15, 6:60, 7:37, 8:50, 10:46, 10:104, 13:40, 16:28, 16:32, 16:70, 32:11, 39:42, 40:77
impv. 3:193, 7:126, 12:101
impf. pass. 2:234, 2:240, 22:5, 40:67
pcple. act. 3:55

istawafa vb. (10) impf. act. 83:2

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 311

Waw-ha-Ba = to give/grant/bestow, dedicate, offer as a present/gift.

wahaba vb. (1)
perf. act. 6:84, 14:39, 19:49, 19:50, 19:53, 21:72, 21:90, 26:21, 29:27, 33:50, 38:30, 38:43
impf. act. 19:19, 42:49, 42:49
impv. 3:8, 3:38, 19:5, 25:74, 26:83, 37:100, 38:35

wahhab n.m. 3:8, 38:9, 38:35

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 222, 223

Waw-ha-Jiim = blazing, brightly burning, glowing, heat, kindle, dazzle.

wahhaj n.m. (adj.) 78:13

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 224

Waw-ha-Nun = to be weak/feeble/faint/infirm, remiss, languid.

wahana vb. (1)
perf. act. 3:146, 19:4
impf. act. 3:139, 4:104, 47:35
n. vb. 31:14, 31:14

awhan n.m. (comp. adj. of wahn) 29:41

awhana vb. (4) pcple. act. 8:18

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 315, 316

Waw-ha-Ya = to be weak/frail, torn/burst.

waha vb. (1) pcple. act. f. 69:16

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 316

Waw-Ha-Dal = to be one, alone, unique, unparalleled, remain lowly, be apart, assert the unity. waahidun - cardinal, number one, single. wahda - alone.

wahd n.m. (adv) 7:70, 17:46, 39:45, 40:12, 40:84, 60:4

wahid n. num. 2:61, 2:133, 2:163, 2:213, 4:1, 4:3, 4:11, 4:11, 4:12, 4:102, 4:171, 5:48, 5:73, 6:19, 6:98, 7:189, 9:31, 10:19, 11:118, 12:31, 12:39, 12:67, 13:4, 13:16, 14:48, 14:52, 16:22, 16:51, 16:93, 18:110, 21:92, 21:108, 22:34, 23:52, 24:2, 25:14, 25:32, 29:46, 31:28, 34:46, 36:29, 36:49, 36:53, 37:4, 37:19, 38:5, 38:15, 38:23, 38:65, 39:4, 39:6, 40:16, 41:6, 42:8, 43:33, 54:24, 54:31, 54:50, 69:13, 69:14, 79:13

wahid n.m. (adv) 74:11

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 180, 181, 182

Waw-Ha-Shiin = to throw away for escaping. wahhasha - to desolate. wuhuush - wild beasts.

wuhush n.m. (pl. of wahsh) 81:5

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 182, 183, 184

Waw-Ha-Ya = to indicate/reveal/suggest, point out, put a thing into (the mind), despatch a messenger, inspire, speak secretly, hasten, make sign, sign swiftly, suggest with speed, write, say something in a whisper tone so that only the hearer hears it clearly but not the person standing close to him.

waha vb. (1)
wahy n. vb. 11:37, 20:114, 21:45, 23:27, 42:51, 53:4

awha vb. (4)
perf. act. 4:163, 4:163, 4:163, 5:111, 7:117, 7:160, 10:2, 10:87, 12:3, 12:15, 13:30, 14:13, 16:68, 16:123, 17:39, 17:73, 17:86, 19:11, 20:38, 20:77, 21:73, 23:27, 26:52, 26:63, 28:7, 35:31, 41:12, 42:7, 42:13, 42:52, 53:10, 53:10, 99:5
impf. act. 3:44, 6:112, 6:121, 8:12, 11:49, 12:102, 12:109, 16:43, 21:7, 21:25, 34:50, 42:3, 42:51
perf. pass. 6:19, 6:93, 6:106, 6:145, 11:36, 18:27, 20:48, 29:45, 39:65, 43:43, 72:1
impf. pass. 6:50, 6:93, 7:203, 10:15, 10:109, 11:12, 18:110, 20:13, 20:38, 21:108, 33:2, 38:70, 41:6, 46:9, 53:4

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 304

Waw-Jiim-Ba = to fall down dead (after they are slaughtered). wajabat al-shamsu - setting of sun.

wajaba vb. (1) perf. act. 22:36

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 175, 176, 177

Waw-Jiim-Dal = to find what was lost, perceive, obtain, find any one or anything (such and such).

wajada vb. (1)
perf. act. 3:37, 4:64, 4:82, 4:89, 5:104, 7:28, 7:44, 7:44, 7:102, 7:102, 9:5, 10:78, 12:65, 12:79, 18:49, 18:65, 18:77, 18:86, 18:86, 18:90, 18:93, 21:53, 24:39, 26:74,

27:23, 27:24, 28:15, 28:23, 28:23, 31:21, 38:44, 43:22, 43:23, 43:24, 51:36, 72:8, 93:7, 93:8
impf. act. 2:96, 2:110, 2:196, 2:283, 3:30, 4:43, 4:52, 4:65, 4:88, 4:91, 4:92, 4:100, 4:110, 4:121, 4:123, 4:143, 4:145, 4:173, 5:6, 5:82, 5:82, 5:89, 6:145, 7:17, 7:157, 9:57, 9:79, 9:91, 9:92, 9:92, 9:123, 12:94, 17:68, 17:69, 17:75, 17:77, 17:86, 17:97, 18:17, 18:27, 18:36, 18:53, 18:58, 18:69, 20:10, 20:115, 24:28, 24:33, 24:39, 28:27, 33:17, 33:62, 33:65, 35:43, 35:43, 37:102, 48:22, 48:23, 58:4, 58:12, 58:22, 59:9, 71:25, 72:9, 72:22, 73:20, 93:6
perf. pass. 12:75

wujd n.m. 65:6

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 178, 179

Waw-Jiim-Fa = being athrob (heart), beating painfully, to urge, to prick (e.g. an animal to make it go faster). To be agitated in a most disturbed condition, palpitate, run.

wajafa vb. (1) pcple. act. 79:8

awjafa vb. (4) perf. act. 59:6

• • • **= Waw-Jiim-ha** = to face/encounter/confront, face, will, course/purpose/object one is pursuing, place/direction one is going/looking, way of a thing, consideration/regard.

wajh n.m. (pl. wujuh) 2:112, 2:115, 2:144, 2:144, 2:144, 2:149, 2:150, 2:150, 2:177, 2:272, 3:20, 3:72, 3:106, 3:106, 3:106, 3:107, 4:43, 4:47, 4:125, 5:6, 5:6, 5:108, 6:52, 6:79, 7:29, 8:50, 10:26, 10:27, 10:105, 12:9, 12:93, 12:96, 13:22, 14:50, 16:58, 17:7, 17:97, 18:28, 18:29, 20:111, 21:39, 22:11, 22:72, 23:104, 25:34, 27:90, 28:88, 30:30, 30:38, 30:39, 30:43, 31:22, 33:66, 39:24, 39:60, 43:17, 47:27, 48:29, 51:29, 54:48, 55:27, 67:22, 67:27, 75:22, 75:24, 76:9, 80:38, 80:40, 83:24, 88:2, 88:8, 92:20

wajih n.m. (adj) 3:45, 33:69

wijhah n.f. 2:148

wajjaha vb. (2) perf. act. 6:79
impf. act. 16:76

tawajjaha vb. (5) perf. act. 28:22

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 304, 305

Waw-Jiim-Lam = to quake/fear, be afraid, feel quick.

wajila vb. (1) perf. act. 8:2, 22:35
impf. act. 15:53

wajil n.m. (adj) 15:52, 23:60

Waw-Jiim-Siin = to feel an apprehension about, dread a thing.

awjasa vb. (4) perf. act. 11:70, 20:67, 51:28

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 180

Waw-Kaf-Alif = to recline.

muttaka n.m. 12:31

tawakka'a vb. (5) impf. act. 20:18

ittaka'a vb. (8) impf. act. 43:34
pcple. act. 18:31, 36:56, 38:51, 52:20, 55:54, 55:76, 56:16, 76:13

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 216

Waw-Kaf-Dal = to confirm, assert, affirm, ratify.

wakkada vb. (2) n. vb. 16:91

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 217, 218

Waw-Kaf-Lam = to entrust, confirm, give, charge, dispose affairs, lean upon, reply upon.

wakil n.m. 3:173, 4:81, 4:109, 4:132, 4:171, 6:66, 6:102, 6:107, 10:108, 11:12, 12:66, 17:2, 17:54, 17:65, 17:68, 17:86, 25:43, 28:28, 33:3, 33:48, 39:41, 39:62, 42:6, 73:9

wakkala vb. (2) perf. act. 6:89
perf. pass. 32:11

tawakkala vb. (5)
perf. act. 7:89, 9:129, 10:71, 10:85, 11:56, 11:88, 12:67, 13:30, 42:10, 60:4, 67:29
impf. act. 3:122, 3:160, 5:11, 8:2, 8:49, 9:51, 12:67, 14:11, 14:12, 14:12, 16:42, 16:99, 29:59, 39:38, 42:36, 58:10, 64:13, 65:3
impv. 3:159, 4:81, 5:23, 8:61, 10:84, 11:123, 25:58, 26:217, 27:79, 33:3, 33:48
pcple. act. 3:159, 12:67, 14:12, 39:38

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 313

Waw-Kaf-Zay = to strike with a fist, drive back.

wakaza vb. (1) perf. act. 28:15

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 218

Waw-Lam-Dal = to beget, give birth.

walada vb. (1)
perf. act. 37:152, 58:2, 90:3
impf. act. 11:72, 71:27, 112:3
perf. pass. 19:15, 19:33
impf. pass. 112:3
pcple. act. (f. walidah, du. walidan) 2:83, 2:180, 2:215, 2:233, 2:233, 4:7, 4:7, 4:33, 4:36, 4:135, 5:110, 6:151, 14:41, 17:23, 19:14, 19:32, 27:19, 29:8, 31:14, 31:14, 31:33, 31:33, 46:15, 46:15, 46:17, 71:28, 90:3
pcple. pass. 2:233, 2:233, 31:33

walad n.m. (pl. awlad) 2:116, 2:233, 2:233, 2:233, 2:233, 3:10, 3:47, 3:116, 4:11, 4:11, 4:11, 4:12, 4:12, 4:12, 4:12, 4:171, 4:176, 4:176, 6:101, 6:137, 6:140, 6:151,

8:28, 9:55, 9:69, 9:85, 10:68, 12:21, 17:31, 17:64, 17:111, 18:4, 18:39, 19:35, 19:77, 19:88, 19:91, 19:92, 21:26, 23:91, 25:2, 28:9, 31:33, 34:35, 34:37, 39:4, 43:81, 57:20, 58:17, 60:3, 60:12, 63:9, 64:14, 64:15, 71:21, 72:3

walid n.m. (pl. wildan) 4:75, 4:98, 4:127, 26:18, 56:17, 73:17, 76:19

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 220, 221, 222

Waw-Lam-Jiim = to enter, penetrate in, go in, pass through, gain.

walaja vb. (1) impf. act. 7:40, 34:2, 57:4

walijah n.f. 9:16

awlaja vb. (4) impf. act. 3:27, 3:27, 22:61, 31:29, 31:29, 35:13, 35:13, 57:6, 57:6

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 219, 220

Waw-Lam-Ya = to be close, near, follow, be up to.

verb 5:
tawalla (prf. 3rd. m. sing.) - turneth away.
tawallau (prf. 3rd. m. pl.) - they turned away.
tawallaitum (prf. 2nd. m. pl.) - ye turned away.
yatawalla (impf. 3rd. m. pl.) - he turns away.

wala vb. (I) -
impf. act. 9:123
n. vb. 8:72, 18:44
pcple. act. 13:11

awla n.m. (adj.) 3:68, 4:135, 5:107, 8:75, 19:70, 33:6, 33:6, 47:20, 75:34, 75:34, 75:35, 75:35

mawla n.m. (pl. *mawali*) 2:286, 3:150, 4:33, 6:62, 8:40, 8:40, 9:51, 10:30, 16:76, 19:5, 22:13, 22:78, 22:78, 33:5, 44:41, 44:41, 47:11, 47:11, 57:15, 66:2, 66:4

waliy n.m. (pl. *awliya*) 2:107, 2:120, 2:257, 2:257, 2:282, 3:28, 3:68, 3:122, 3:175, 4:45, 4:75, 4:76, 4:89, 4:89, 4:119, 4:123, 4:139, 4:144, 4:173, 5:51, 5:51, 5:55,

5:57, 5:81, 6:14, 6:51, 6:70, 6:121, 6:127, 6:128, 7:3, 7:27, 7:30, 7:155, 7:196, 8:34, 8:34, 8:72, 8:73, 9:23, 9:71, 9:74, 9:116, 10:62, 11:20, 11:113, 12:101, 13:16, 13:37, 16:63, 17:33, 17:97, 17:111, 18:17, 18:26, 18:50, 18:102, 19:5, 19:45, 25:18, 27:49, 29:22, 29:41, 32:4, 33:6, 33:17, 33:65, 34:41, 39:3, 41:31, 41:34, 42:6, 42:8, 42:9, 42:9, 42:28, 42:31, 42:44, 42:46, 45:10, 45:19, 45:19, 46:32, 48:22, 60:1, 62:6

walla vb. (II) -
perf. act. 2:142, 9:25, 9:57, 17:46, 18:18, 27:10, 27:80, 28:31, 30:52, 31:7, 46:29, 48:22
impf. act. 2:115, 2:144, 2:177, 3:11, 4:115, 6:129, 8:15, 8:16, 21:57, 33:15, 40:33, 54:45, 59:12
impv. 2:144, 2:144, 2:149, 2:150, 2:150
pcple. act. 2:148

tawalla vb. (V) -
perf. act. 2:64, 2:83, 2:137, 2:205, 2:246, 3:20, 3:32, 3:63, 3:64, 3:82, 3:155, 4:80, 4:89, 4:115, 5:49, 5:92, 7:79, 7:93, 8:23, 8:40, 9:3, 9:76, 9:92, 9:129, 10:72, 12:84, 16:82, 20:48, 20:60, 21:109, 22:4, 24:11, 28:24, 37:90, 44:14, 47:22, 48:16, 51:39, 53:29, 53:33, 58:14, 64:6, 64:12, 70:17, 75:32, 80:1, 88:23, 92:16, 96:13
impf. act. 3:23, 5:43, 5:51, 5:56, 5:80, 7:196, 8:20, 9:23, 9:50, 9:74, 11:3, 11:52, 11:57, 16:100, 24:47, 24:54, 47:38, 48:16, 48:17, 57:24, 60:6, 60:9, 60:9, 60:13
impv. 27:28, 37:174, 37:178, 51:54, 54:6

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 314, 315

Waw-Nun-Ya = to be slack, negligent, remiss, tire.

wana vb. (1) impf. act. 20:42

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 315

Waw-Qaf-Ayn = to fall down, befall, come to pass, be conformed, happen, take place, ascertain.

waqa'a vb. (1) perf. act. 4:100, 7:71, 7:118, 7:134, 10:51, 27:82, 27:85, 56:1, 69:15
impf. act. 22:65
impv. 15:29, 38:72
pcple. act. 7:171, 42:22, 51:6, 52:7, 70:1, 77:7

mawaqi n.m. (pl. of mawqi) 56:75

waqah n.f. 56:2

waqiah n.f. 56:1, 69:15

waqa'a vb. (3) pcple. act. 18:53

awqa'a vb. (4) impf. act. 5:91

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 311, 312

Waw-Qaf-Ba = to set, come upon, overspread, disappear (sun or moon), enter.

waqaba vb. (1) perf. 3rd. m. sing. act. 113:3

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 211, 212

Waw-Qaf-Dal = to set fire, kindle, light fire.

waqud n. m. 2:24, 3:10, 66:6, 85:5

awqada vb. (4) perf. act. 5:64
impf. act. 13:17, 36:80
impv. 28:38
impf. pass. 24:35
pcple. pass. f. 104:6

istawqada vb. (10) perf. act. 2:17

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 213

Waw-Qaf-Dhal/Thal = to beat to death, beat severely, strike violently, be killed by a blow.

waqadha vb. (1) pcple. pass. f. 5:3

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 213, 214

Waw-Qaf-Fa = to stand, make someone to stand.

waqafa vb. (1) impv. 37:24
perf. pass. 6:27, 6:30
pcple. pass. 34:31

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 312, 313

Waw-Qaf-Ra = to be heavy (in ear), deaf, heaviness in the ear, be gentle, gracious, respected.

waqara vb. (1) n. vb. 6:25, 17:46, 18:57, 31:7, 41:5, 41:44

waqar n. m. 71:13

wiqr n. m. 51:2

waqqara vb. (2) impf. act. 48:9

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 214, 215

= **Waw-Qaf-Ta** = to fix, defined/determined/limited a thing as to time, appoint/declare/ assign a time, measure of time (e.g. season).

waqata vb. (1) n. vb. 7:187, 15:38, 38:81
pcple. pass. 4:103

miqat n.m. (pl. mawaqit) 2:189, 7:142, 7:143, 7:155, 26:38, 44:40, 56:50, 78:17

waqqata vb. (2) perf. pass. 77:11

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 212

Waw-Qaf-Ya = to protect, save, preserve, ward off, guard against evil and calamity, be secure, take as a shield, regard the duty. muttaqii - one who guard against evil and against that which harms and injures and is regardful of his duty towards human beings and God.

waqa vb. (1) perf. act. 40:45, 44:56, 52:18, 52:27, 76:11
impf. act. 16:81, 16:81, 40:9
impv. 2:201, 3:16, 3:191, 40:7, 40:9, 66:6
impf. pass. 59:9, 64:16
pcple. act. 13:34, 13:37, 40:21

taqiy n.m. (adj. comp. atqa) 19:13, 19:18, 19:63, 49:13, 92:17

taqwa n.f. 2:197, 2:237, 5:2, 5:8, 7:26, 9:108, 9:109, 20:132, 22:32, 22:37, 47:17, 48:26, 49:3, 58:9, 74:56, 91:8, 96:12

tuqat n.f. 3:28, 3:102

ittaqa vb. (8)
perf. act. 2:103, 2:189, 2:203, 2:212, 3:15, 3:76, 3:172, 3:198, 4:77, 5:65, 5:93, 5:93, 5:93, 7:35, 7:96, 7:201, 12:109, 13:35, 16:30, 16:128, 19:72, 33:32, 39:20, 39:61, 39:73, 53:32, 92:5
impf. act. 2:21, 2:63, 2:179, 2:183, 2:187, 2:224, 2:282, 2:283, 3:28, 3:120, 3:125, 3:179, 3:186, 4:9, 4:128, 4:129, 6:32, 6:51, 6:69, 6:69, 6:153, 7:63, 7:65, 7:156, 7:164, 7:169, 7:171, 8:29, 8:56, 9:115, 10:6, 10:31, 10:63, 12:57, 12:90, 16:52, 20:113, 23:23, 23:32, 23:87, 24:52, 26:11, 26:106, 26:124, 26:142, 26:161, 26:177, 27:53, 37:124, 39:24, 39:28, 41:18, 47:36, 65:2, 65:4, 65:5, 73:17
impv. 2:24, 2:41, 2:48, 2:123, 2:189, 2:194, 2:196, 2:197, 2:203, 2:206, 2:223, 2:231, 2:233, 2:278, 2:281, 2:282, 3:50, 3:102, 3:123, 3:130, 3:131, 3:200, 4:1, 4:1, 4:131, 5:2, 5:4, 5:7, 5:8, 5:11, 5:35, 5:57, 5:88, 5:96, 5:100, 5:108, 5:112, 6:72, 6:155, 8:1, 8:25, 8:69, 9:119, 11:78, 15:69, 16:2, 22:1, 23:52, 26:108, 26:110, 26:126, 26:131, 26:132, 26:144, 26:150, 26:163, 26:179, 26:184, 29:16, 30:31, 31:33, 33:1, 33:37, 33:55, 33:70, 36:45, 39:10, 39:16, 43:63, 49:1, 49:10, 49:12, 57:28, 58:9, 59:7, 59:18, 59:18, 60:11, 64:16, 65:1, 65:10, 71:3
pcple. act. 2:2, 2:66, 2:177, 2:180, 2:194, 2:241, 3:76, 3:115, 3:133, 3:138, 5:27, 5:46, 7:128, 8:34, 9:4, 9:7, 9:36, 9:44, 9:123, 11:49, 13:35, 15:45, 16:30, 16:31, 19:85, 19:97, 21:48, 24:34, 25:15, 25:74, 26:90, 28:83, 38:28, 38:49, 39:33, 39:57, 43:35, 43:67, 44:51, 45:19, 47:15, 50:13, 51:15, 52:17, 54:54, 68:34, 69:48, 77:41, 78:31

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 313

Waw-Ra-Dal = to be present, arrive at (any water to drink), go down into, draw near to (a place).

warada vb. (1) perf. act. 21:99, 28:23
pcple. act. 12:19, 19:71, 21:98
pcple. pass. 11:98

wardah n.f. 55:37

warid n.m. 50:16

wird n.m. 11:98, 19:86

awrada vb. (4) perf. act. 11:98

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 189, 190

Waw-Ra-Qaf = to put forth leaves. waraqun is both sing. and pl. and is substantive noun from the verb waraqa. auraaq al-rajulu - the man became rich. warqun - leaves, foliage, sheet of paper, prime and freshness of a thing, young lads of a community, beauty of a thing.

waraq n.m. (f. s. waraqah) 6:59, 7:22, 20:121

wariq n.m. 18:19

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 305, 306

Waw-Ra-Tha = to inherit, be heir to anyone, survive, be owner or sustainer of somebody after some one, succeed.

waritha vb. (1) perf. act. 4:11, 7:169, 27:16
impf. act. 4:19, 4:176, 7:100, 19:6, 19:6, 19:40, 19:80, 21:105, 23:11
n. vb. 89:19
pcple. act. 2:233, 15:23, 21:89, 23:10, 26:85, 28:5, 28:58

mirath n.m. 3:180, 57:10

awratha vb. (4) perf. act. 7:137, 26:59, 33:27, 35:32, 39:74, 40:53, 44:28

impf. act. 7:128, 19:63
perf. pass. 7:43, 42:14, 43:72
impf. pass. 4:12

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 188

= **Waw-Ra-Ya** = made/produce fire, allude to equivocally/ambigiously, meant such a thing pretended another, hide/conceal/cover, behind a thing covering/concealing, aider/ follower, The Book of The Law (revealed to Moses).

See also Ta-Alif/Waw-Ra.

wara n.m. 2:91, 2:101, 3:187, 4:24, 4:102, 6:94, 11:71, 11:92, 14:16, 14:17, 18:79, 19:5, 23:7, 23:100, 33:53, 42:51, 45:10, 49:4, 57:13, 59:14, 70:31, 76:27, 84:10, 85:20

wara vb. (3) impf. act. 5:31, 5:31, 7:26
perf. pass. 7:20

tawara vb. (3) perf. act. 38:32
impf. act. 16:59

awra vb. (4) impf. act. 56:71
pcple. act. f. 100:2

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 306

Waw-Siin-Ayn = to be ample, take in, comprehend, embrace.

wasi'a vb. (1) perf. act. 2:255, 6:80, 7:89, 7:156, 20:98, 40:7
n.vb. (1) 2:247, 4:100, 4:130, 24:22, 65:7, 65:7
n.vb. (2) 2:233, 2:286, 6:152, 7:42, 23:62
pcple. act. 2:115, 2:247, 2:261, 2:268, 3:73, 4:97, 4:130, 5:54, 6:147, 24:32, 29:56, 39:10, 53:32

awsa'a vb. (4) pcple. act. 2:236, 51:47

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 306, 307

Waw-Siin-Lam = to seek the favour, seek the means of nearness/approach/access, honourable, rank, degree, affinity, tie, nearness, come closer.

wasilah n.f. 5:35, 17:57

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 307

Waw-Siin-Miim = to brand/stamp/mark/impress/depict.

wasama vb. (1) impf. act. 68:16

tawassama vb. (5) pcple. act. 15:75

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 307

Waw-Siin-Nun = to be in sleep, slumber, drowsiness.

sinah n.f. 2:255

Waw-Siin-Qaf = to gather/collect what is scattered.

wasqa vb. (1) perf. act. 84:17

ittasaqa vb. (8) perf. act. 84:18

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 307

• • •

Waw-Siin-Tay = middle, midst, among, best, best part of a thing, mediate/intercede between, most remote from the extremes, equidistant, intermediate, most conforming/ equitable/just/balanced, most excellent of them in particular.

wasata vb. (1) perf. act. 100:5

wasat n.m. 2:143, 2:238, 5:89, 68:28

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 194, 195, 196, 306

Waw-Siin-Waw-Siin =

waswasa vb. (quad 1) perf. act. 7:20, 20:120
impf. act. 50:16, 114:5

waswas n.m. 114:4

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 193, 194

Waw-Shiin-Ya = to paint (cloth), be with an admixture of colours.

shiyah n.f. 2:71

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 308

Waw-Sad-Ba = to be perpetual, incumbent, be firm, last, continue.

wasaba vb. (1) pcple. act. 16:52, 37:9

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 198, 199

Waw-Sad-Dal = to be fast, firm, remain in a place, build a store, enclosure, close (a door), stop, shut.

wasid n.m. 18:18

awsada vb. (4) pcple. pass. f. 90:20, 104:8

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 199

Waw-Sad-Fa = to describe (good or bad), assert something as a fact, achieve, ascribe, specify.

wasafa vb. (1) impf. act. 6:100, 12:18, 12:77, 16:62, 16:116, 21:18, 21:22, 21:112, 23:91, 23:96, 37:159, 37:180, 43:82

n.vb. 6:139

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 308

= **Waw-Saad-Lam** = attain, reach, connect, apply, make close, to come/deliver/convey, to continue, union (of companions/friends/lovers).

wasala vb. (1) impf. act. 4:90, 6:136, 6:136, 11:70, 11:81, 13:21, 28:35
impf. pass. 2:27, 13:21, 13:25

wasilah n. prop. 5:103

wassala vb. (2) perf. act. 28:51

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 308, 309

Waw-Sad-Ya = to join to, be joined, be contiguous, to have dense vegetation. wassa - to bequeath, recommend, order, command with wise counsel and sermon, charge, exhort, enjoin, make a will.

wasiyah n.f. 2:180, 2:240, 4:11, 4:12, 4:12, 4:12, 4:12, 5:106

wassa vb. (2) perf. act. 2:132, 4:131, 6:144, 6:151, 6:152, 6:153, 29:8, 31:14, 42:13, 42:13, 46:15
n. vb. 36:50

awsa vb. (4) perf. act. 19:31
impf. act. 4:11, 4:11, 4:12, 4:12

impf. pass. 4:12
pcple. act. 2:182

tawasa vb. (6) perf. act. 51:53, 90:17, 90:17, 103:3, 103:3

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 309

Waw-Ta-Dal = to drive in a stake, fix a stake into the ground, fix a thing firmly. autaad - stakes, hosts, pegs, chiefs, armies, poles of tents.

awtad n.m. (pl. of watad) 38:12, 78:7, 89:10

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 170, 171

Waw-Ta-Nun = to injure in the aorta, which rises from the upper part of the heart through which blood is carried from the left side of the heart, flow continuously.

watin n.m. 69:46

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 302, 303

Waw-Ta-Ra = to suffer loss, defraud, hate, render odd, harass, do mischief, render any one solitary, be single.

watara vb. (1) impf. act. 47:35

watr n.m. 23:44, 89:3

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 302

Waw-Tha-Nun = to remain on one condition, set up as a sign, raise to dignity, erect, raise for honouring, set up, remain in a place. wathan - idol.

awthan n.m. (pl. of wathan) 22:30, 29:17, 29:25

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 303

Waw-Tha-Qaf = to place trust in any one, rely upon, bind.

mawthiq n.m. 12:66, 12:66, 12:80

mithaq n.m. 2:27, 2:63, 2:83, 2:84, 2:93, 3:81, 3:187, 4:21, 4:90, 4:92, 4:154, 4:154, 4:155, 5:7, 5:12, 5:13, 5:14, 5:70, 7:169, 8:72, 13:20, 13:25, 33:7, 33:7, 57:8

wathaq n.m. 47:4, 89:26

wuthqa n.f. (comp. adj. of wathiqah) 2:256, 31:22

wathaqa vb. (3) perf. act. 5:7

awthaqa vb. (4) impf. act. 89:26

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 303

Waw-Tay-Alif = to tread upon, walk on, press the ground or anything beneath the feet, trample on, level, make plain. tawaata'a - to agree with each other respecting the affair.

wati'a vb. (1) impf. act. 9:120, 33:27, 48:25

n.vb. 73:6

mawti n.m. 9:120

wata'a vb. (3) impf. act. 9:37

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 202, 203

Waw-Tay-Nun = to remain in a place, settle, dwell, inhabit.

mawatin n.m. (pl. of mawtin) 9:25

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 310

Waw-Tay-Ra = a thing necessary to be done, want, object, aim in view, need.

watar n.m. 33:37, 33:37

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 204

Waw-Ya-Lam = word of interjection, dispraise or threat, woe!

wayl n.m. 2:79, 2:79, 2:79, 5:31, 11:72, 14:2, 18:49, 19:37, 20:61, 21:14, 21:18, 21:46, 21:97, 25:28, 28:80, 36:52, 37:20, 38:27, 39:22, 41:6, 43:65, 45:7, 46:17, 51:60, 52:11, 68:31, 77:15, 77:19, 77:24, 77:28, 77:34, 77:37, 77:40, 77:45, 77:47, 77:49, 83:1, 83:10, 104:1, 107:4

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 316

Waw-Zay-Ayn = to keep pace, rouse, grant, inspire, set in ranks according to the battle order.

waza'a vb. (1) impf. pass. 27:17, 27:83, 41:19

awza'a vb. (4) impv. 27:19, 46:15

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 306

Waw-Zay-Nun = to weigh/judge/measure.

wazana vb. (1) perf. act. 83:3
impv. 17:35, 26:182
n.vb. 7:8, 18:105, 55:9
pcple. pass. 15:19

mizan n.m. (pl. mawazin) 6:152, 7:8, 7:9, 7:85, 11:84, 11:85, 21:47, 23:102, 23:103,

42:17, 55:7, 55:8, 55:9, 57:25, 101:6, 101:8

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 306

Waw-Zay-Ra = to carry a burden, bear a load, perpetrate (a crime).

wazara vb. (1) impf. act. 6:31, 6:164, 16:25, 17:15, 35:18, 39:7, 53:38
n.vb. 6:31, 6:164, 16:25, 16:25, 17:15, 20:87, 20:100, 35:18, 39:7, 47:4, 53:38, 94:2
pcple. act. f. 6:164, 17:15, 35:18, 39:7, 53:38

wazar 75:11

wazir n.m. 20:29, 25:35

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 192, 193

• = ha

ha-Alif-Ta = bring ye, produce. *hatoo* (compound word of ha & tu)

hati vb. (?) impv. 2:111, 21:24, 27:64, 28:75

---

ha-Ba-Ta = to go forth, descend, cause to come down, descend from a high state to a low one, move from one place to another, enter into, change in condition, come forth from, become low, degraded.

habata vb. (1)
impf. act. 2:74
impv. 2:36, 2:38, 2:61, 7:13, 7:24, 11:48, 20:123

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 128, 129

---

ha-Ba-Waw = to rise so as to float in the air (dust), be turned into ashes (embers).

haba n.m. 25:23, 56:6

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 095

---

ha-Dal-Dal = to break/crush, overthrow, crumble down, pull down, demolish, fall down into pieces.

hadda vb. (1) n.vb. 19:90

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 136, 137

---

ha-Dal-Miim = to overturn, break, demolish, put down, fall down into pieces.

haddama vb. (2) perf. pass. 22:40

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 296

---

ha-Dal-ha-Dal = to coo (as a dove), grumble (as a camel), dandle (as a child), throw (a thing down). hadhadatun - murmuring sound. hadaahid - patience. hudhud - bird, hoopoe upupa, lapwing, peewit.

hudhud n.m. 27:20

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 136, 137

• • •

= **ha-Dal-Ya** = to guide/direct to the way, take/follow right way/course, rightly guided/ directed, a way/course/method/mode/manner of conduct. Gift.

hada (1) vb. (1) n.vb. 2:196, 2:196, 2:196, 5:2, 5:95, 5:97, 48:25

hada (2) vb. (1)
perf. act. 2:143, 2:185, 2:198, 2:213, 3:8, 4:68, 6:71, 6:80, 6:84, 6:84, 6:87, 6:90, 6:149, 6:161, 7:30, 7:43, 7:43, 9:115, 13:31, 14:12, 14:21, 14:21, 16:9, 16:36, 16:121, 19:58, 20:50, 20:79, 20:122, 22:37, 37:118, 39:18, 39:57, 41:17, 49:17, 76:3, 87:3, 90:10, 93:7
impf. act. 2:26, 2:142, 2:213, 2:258, 2:264, 2:272, 3:86, 3:86, 4:26, 4:88, 4:137, 4:168, 4:175, 5:16, 5:16, 5:51, 5:67, 5:108, 6:77, 6:88, 6:125, 6:144, 7:100, 7:148, 7:155, 7:159, 7:178, 7:181, 9:19, 9:24, 9:37, 9:80, 9:109, 10:9, 10:25, 10:35, 10:35, 10:35, 10:35, 10:43, 12:52, 13:27, 14:4, 16:37, 16:93, 16:104, 16:107, 17:9, 17:97, 18:17, 18:24, 19:43, 20:128, 21:73, 22:4, 22:16, 24:35, 24:46, 26:62, 26:78, 27:63, 28:22, 28:50, 28:56, 28:56, 29:69, 30:29, 32:24, 32:26, 33:4, 34:6, 35:8, 37:99, 39:3, 39:23, 39:37, 40:28, 40:29, 40:38, 42:13, 42:52, 42:52, 43:27, 43:40, 45:23, 46:10, 46:30, 47:5, 48:2, 48:20, 61:5, 61:7, 62:5, 63:6, 64:6, 64:11, 72:2, 74:31, 79:19
impv. 1:6, 37:23, 38:22
perf. pass. 3:101, 22:24, 22:24
impf. pass. 10:35
n.vb. 2:2, 2:5, 2:16, 2:38, 2:38, 2:97, 2:120, 2:120, 2:159, 2:175, 2:185, 2:185, 2:272, 3:4, 3:73, 3:73, 3:96, 3:138, 4:115, 5:44, 5:46, 5:46, 6:35, 6:71, 6:71, 6:71, 6:88, 6:90, 6:91, 6:154, 6:157, 7:52, 7:154, 7:193, 7:198, 7:203, 9:33, 10:57, 12:111, 16:37, 16:64, 16:89, 16:102, 17:2, 17:94, 18:13, 18:55, 18:57, 19:76, 20:10, 20:47, 20:123, 20:123, 22:8, 22:67, 27:2, 27:77, 28:37, 28:43, 28:50, 28:57, 28:85, 31:3, 31:5, 31:20, 32:13, 32:23, 34:24, 34:32, 39:23, 40:53, 40:54, 41:17, 41:44, 45:11, 45:20, 47:17, 47:25,

47:32, 48:28, 53:23, 61:9, 72:13, 92:12, 96:11
pcple. act. 7:186, 13:7, 13:33, 22:54, 25:31, 27:81, 30:53, 39:23, 39:36, 40:33

ahda n.m. comp. 4:51, 6:157, 17:84, 28:49, 35:42, 43:24, 67:22

hadiyah n.f. 27:35, 27:36

ihtada vb. (8)
perf. act. 2:137, 3:20, 5:105, 10:108, 17:15, 19:76, 20:82, 20:135, 27:92, 34:50, 39:41, 47:17, 53:30
impf. act. 2:53, 2:135, 2:150, 2:170, 3:103, 4:98, 5:104, 6:97, 7:43, 7:158, 10:108, 16:15, 16:16, 17:15, 18:57, 21:31, 23:49, 24:54, 27:24, 27:41, 27:41, 27:92, 28:64, 32:3, 43:10, 46:11
pcple. act. 2:16, 2:70, 2:157, 6:56, 6:82, 6:117, 6:140, 7:30, 7:178, 9:18, 10:45, 16:125, 17:97, 18:17, 28:56, 36:21, 43:22, 43:37, 43:49, 57:26, 68:7

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 296

---

ha-Dad-Miim = to withold one's dues, be near break, oppress, do wrong, fall on each other, be slander.

hadama vb. (1) n.vb. 20:112

hadim n.m. 26:148

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 297, 298

---

ha-Jiim-Ayn = to sleep and slumber at night calmly and quietly.

haja'a vb. (1) impf. act. 51:17

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 295

---

ha-Jiim-Dal = to sleep watch, remain awake. hajjada - to awake from sleep, pray in the night. ahjad - to lay the neck upon the ground (camel). tohajjad - remain awake.

tahajjada vb. (5) impv. 17:79

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 133

---

ha-Jiim-Ra = to leave/abandon/desert/forsake/depart/renounce/quit, separate oneself from, break with, abstain from, shun, leave with body or tongue or heart, leave lust and bad manners. hijr - bad manner, shameful action, nonsense talk.

hajara vb. (1)
impf. act. 23:67
impv. 4:34, 19:46, 73:10, 74:5
n.vb. 73:10
pcple. pass. 25:30

hajara vb. (3)
perf. act. 2:218, 3:195, 8:72, 8:74, 8:75, 9:20, 16:41, 16:110, 22:58, 33:50, 59:9
impf. act. 4:89, 4:97, 4:100, 8:72, 8:72
pcple. act. 4:100, 9:100, 9:117, 24:22, 29:26, 33:6, 59:8, 60:10

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 133, 134, 135

---

ha-Lam-Ayn = anxious, impatient, fretful.

halu n.m. 70:19

---

ha-Lam-Kaf = to die, perish, wasted, be lost, destroyed, spoiled.

halaka vb. (1)
perf. act. 4:176, 8:42, 40:34, 69:29
impf. act. 8:42
pcple. act. 12:85, 28:88

mahlik n.m. 18:59, 27:49

tahlukah n.f. 2:195

ahlaka vb. (4)
perf. act. 3:117, 6:6, 6:6, 7:4, 7:155, 8:54, 10:13, 15:4, 17:17, 18:59, 19:74, 19:98, 20:128, 20:134, 21:6, 21:9, 21:95, 22:45, 26:139, 26:208, 28:43, 28:58, 28:78, 32:26,

36:31, 38:3, 43:8, 44:37, 46:27, 47:13, 50:36, 53:50, 54:51, 67:28, 90:6
impf. act. 2:205, 5:17, 6:26, 7:129, 7:155, 7:173, 9:42, 11:117, 14:13, 17:16, 45:24, 77:16
perf. pass. 69:5, 69:6
impf. pass. 6:47, 46:35
pcple. act. 6:131, 7:164, 17:58, 28:59, 28:59, 29:31
pcple. pass. 23:48

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 298

---

ha-Lam-Lam = to appear (new moon), beginning (of lunar month). ahalla - to invoke the name of God upon an animal before slaughtering it.

ahalla vb. (4)
perf. pass. 2:173, 5:3, 6:145, 16:115

ahillah n.m. (pl. of hilal) 2:189

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 298

---

ha-Lam-Miim = come/produce/bring, get ready, lo!

halumma vb. (?) impv. 6:150, 33:18

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 298

---

ha-Miim-Dal = to be lifeless, barren.

hamada vb. (1) pcple. act. f. 22:5

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 153, 154

---

ha-Miim-Miim = to worry/regard/care, concern, ponder anything in one's mind, desire, meditate, think about, design, anxious, plot against, intend, purpose.

hamma vb. (1)
perf. act. 3:122, 4:113, 5:11, 9:13, 9:74, 12:24, 12:24, 40:5

ahamma vb. (4) 3rd. f. sing. perf. act. 3:154

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 298, 299

---

ha-Miim-Nun = to put a thing in a purse or girdle. The title of a high priest, head of an organisation, in charge of treasury/soldiers/granary/craftsmen.

haman n. 28:6, 28:8, 28:38, 29:39, 40:24, 40:36

---

ha-Miim-Ra = to pour forth (rain), pour down in torrent.

inhamara vb. (7) m. sing. pcple. act. 54:11

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 154

---

ha-Miim-Siin = to whisper, utter an indistinct word, murmur faintly

hamasa vb. (1) n.vb. 20:108

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 155, 156

---

ha-Miim-Zay = to backbite, defame, push back with a blow, pinch, repel, find fault with, suggest evil, break, throw (on the ground), squeeze, bite.

hamazat n.f. 23:97

hammaz n.m. (intransitive?) 68:11

humazah n.com. 104:1

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 154, 155

---

ha-Nun-Alif = to anoint a camel with pitch, be wholesome, make the food, wholesome, easy to digest, do good, promote health. hani'un - take it and make use of it, make use of your advantage and profit.

hani n.m. sing. (adv.) 4:4, 52:19, 69:24, 77:43

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 156, 157

---

ha-Ra-Ayn = to walk with quick & trembling gait, run or rush, flow quickly, hurry, hasten.

hara'a vb. (1) impf. pass. 11:78, 37:70

---

ha-Ra-Ba = to run away, flee, escape.

haraba vb. (1) n.vb. acc. 72:12

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 143

---

ha-Ra-Nun = Aaron.

harun n. 2:248, 4:163, 6:84, 7:122, 7:142, 10:75, 19:28, 19:53, 20:30, 20:70, 20:90, 20:92, 21:48, 23:45, 25:35, 26:13, 26:48, 28:34, 37:114, 37:120

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 297

---

ha-Ra-Ta = to spear/slit/widen/impair, have a wide mouth, have wide sides of the mouth, tear up. haaruut according to some is from harata and is a descriptive name meaning one who tore up, whilst maruut comes from marata meaning he broke.

harut n. 2:102

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 144

---

ha-Shiin-Miim = to crush/break.

hashim n.m. act. sing. 18:45, 54:31

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 297

---

ha-Shiin-Shiin = to beat down the leaves of a tree.

hashsha vb. (1) impf. act. 1st. sing. (assimilated?) 20:18

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 148, 149

---

ha-Tay-Ayn = to hasten forward, go along fearfully in looking fixedly at a point. ahta'a - to walk fast while stretching the neck (camel).

ahta'a vb. (4) pcple. act. 14:43, 54:8, 70:36

---

ha-Waw = *huwa* = He (pronoun. masculine 3rd. sing.)

2:29, 2:29, 2:37, 2:54, 2:137, 2:139, 2:163, 2:255, 2:255, 3:2, 3:6, 3:6, 3:7, 3:18, 3:18, 3:62, 3:150, 4:87, 4:108, 4:142, 5:17, 5:72, 5:76, 5:120, 6:2, 6:3, 6:13, 6:14, 6:17, 6:17, 6:18, 6:18, 6:19, 6:57, 6:59, 6:60, 6:61, 6:62, 6:65, 6:72, 6:73, 6:73, 6:97, 6:98, 6:99, 6:101, 6:102, 6:102, 6:103, 6:103, 6:106, 6:114, 6:115, 6:117, 6:117, 6:119, 6:127, 6:141, 6:165, 7:57, 7:87, 7:!40, 7:158, 7:187, 7:189, 7:196, 8:61, 8:62, 9:31, 9:33, 9:51, 9:104, 9:104, 9:118, 9:129, 9:129, 10:5, 10:22, 10:56, 10:65, 10:67, 10:68, 10:107, 10:107, 10:109, 11:4, 11:7, 11:14, 11:34, 11:56, 11:61, 11:66, 12:34, 12:64, 12:80, 12:83, 12:92, 12:98, 12:100, 13:3, 13:12, 13:!3, 13:16, 13:30, 13:33, 13:41, 14:4, 14:52, 15:25, 15:86, 16:10, 16:14, 16:51, 16:60, 16:125, 16:125, 17:1, 18:38, 18:44, 20:8, 20:98, 21:4, 21:33, 22:6, 22:58, 22:62, 22:62, 22:64, 22:66, 22:78, 22:78, 22:78, 23:72, 23:78, 23:79, 23:80, 23:88, 23:116, 24:25, 25:47, 25:48, 25:53, 25:54, 25:62, 26:9, 26:68, 26:78, 26:79, 26:80, 26:104, 26:122, 26:140, 26:159, 26:175, 26:191, 26:220, 27:26, 28:16, 28:56, 28:70, 28:70, 28:88, 29:5, 29:26, 29:42, 29:60, 30:5, 30:27, 30:27, 30:50, 30:54, 31:9, 31:26, 31:30, 31:30, 32:25, 33:4, 33:43, 34:1, 34:2, 34:23, 34:26, 34:27, 34:39, 34:47, 35:2, 35:3, 35:15, 35:39, 36:79, 36:81, 39:4, 39:5, 39:6, 39:53, 39:62, 39:70, 40:3, 40:13, 40:20,

40:56, 40:62, 40:65, 40:65, 40:67, 40:68, 41:15, 41:21, 41:36, 42:4, 42:9, 42:9, 42:9, 42:11, 42:19, 42:25, 42:28, 42:28, 42:29, 42:39, 43:64, 43:84, 43:84, 44:6, 44:8, 44:42, 45:37, 46:8, 46:8, 48:4, 48:24, 48:28, 51:30, 51:58, 52:28, 53:30, 53:30, 53:32, 53:32, 53:43, 53:44, 53:48, 53:49, 55:29, 57:1, 57:2, 57:3, 57:3, 57:4, 57:4, 57:6, 57:9, 57:24, 58:7, 58:7, 58:7, 59:1, 59:2, 59:22, 59:22, 59:22, 59:23, 59:23, 59:24, 59:24, 60:6, 61:1, 61:9, 62:2, 62:3, 64:1, 64:2, 64:13, 65:3, 66:2, 66:4, 67:1, 67:2, 67:14, 67:15, 67:23, 67:24, 67:29, 68:7, 68:7, 73:9, 74:31, 74:56, 85:13, 85:14, 112:1

---

ha-waw / alif-dal, ya-ha(o)-dal = To become a Jew, be guided, return to one's duty gently. *Tahweed*: to creep, crawl; Repentance.

hada vb. (1)
perf. act. 2:62, 4:46, 4:160, 5:41, 5:44, 5:69, 6:146, 7:156, 16:118, 22:17, 62:6
pcple. act. 2:111, 2:135, 2:140

hud n. 7:65, 11:50, 11:53, 11:58, 11:60, 11:89, 26:124

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 159, 160

---

ha-Waw-Nun = to be light, vile, owe, despicable, quiet, become weak, gentle, contemptible, base. hawwana - to facilitate, despise, condemn. ahaana - to despise, scorn.

hana vb. (1)
n.vb. (1) 25:63
n.vb. (2) 6:93, 16:59, 41:17, 46:20

hayyin n.m. 19:9, 19:21, 24:15, 30:27

ahana vb. (4)
perf. act. 89:16
impf. act. 22:18
pcple. act. 2:90, 3:178, 4:14, 4:37, 4:102, 4:151, 22:57, 31:6, 33:57, 34:14, 44:30, 45:9, 58:5, 58:16
pcple. pass. 25:69

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 300

---

ha-Waw-Ra = to fall to ruin, crumble, be about to fall, fall from a high place. He demolished or pulled down or pulled to pieces, it fell to pieces or broke down and collapsed. Noth intransitive and transitive.

har n.m. 9:109?

inhara vb. (7) perf. act.

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 160, 161

---

ha-Waw-Ya = to fall steep as a bird to its prey, rev, perish, pull down, destroy, disappear, yearn, fancy, beguile, infatuate, be blown, inspire with low passion.

hawa vb. (1)
perf. act. 20:81, 53:1
impf. act. 22:31

hawiya vb. (1) impf. act. 2:87, 5:70, 14:37, 53:23

hawa n.m. (pl. ahwa) 2:120, 2:145, 4:135, 5:48, 5:49, 5:77, 6:56, 6:119, 6:150, 7:176, 13:37, 18:28, 20:16, 23:71, 25:43, 28:50, 30:29, 38:26, 42:15, 45:18, 45:23, 47:14, 47:16, 53:3, 54:3, 79:40

hawa n.m. 14:43

hawiyah n. 101:9

ahwa vb. (4) perf. act. 53:53

istahwa vb. (10) perf. act. 6:71

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 300

---

ha-Ya-Alif = to be prepared, make ready, long for.

hay'ah n.f. 3:49, 5:110

hayya'a vb. (2)
impf. act. 18:16

impv. 18:10

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 162

---

ha-Ya-ha-Ta = away! very far.

hayhat vb. (?) 23:36, 23:36

---

ha-Ya-Jiim = to rush forth, be moved, agitated, raised, excited, wither, fade, rush forth.

haja vb. (1) 3rd. m. sing. impf. act. 39:21, 57:20

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 164, 165

---

ha-Ya-Lam = to pour out, heap up.

hala vb. (1) f. sing. pcple. pass. 73:14

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 301

---

ha-Ya-Miim = to wander about without any purpose, love passionately, rage with thirst from disease, thirsty camel because of disease.

hama vb. (1) 3rd. m. pl. impf. act. 26:225

him n.f. (pl. of hayma) 56:55

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 301

---

ha-Ya-Miim-Nun = to watch over, oversee, expand the wings (hen over their chickens), control. To be witness to, offer security and peace, protect, determine what is true. muhaimanun - guardian to watch and determine what is true and what is false witness,

afforder of security and peace, controller and superintendent of all the affairs, protector.

haymana vb. (quad 1) pcple. act. 5:48, 59:23

---

ha-Ya-Ta = come! come forth, come on. I am ready and prepared.

hayta vb. (?) impv. 12:23

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 163, 164

• ••

= **ha-Zay-Alif** = to bring down disgrace upon, send down contempt. To mock/ridicule/ deride/laugh. (e.g. *huzuwan*, 2:67) .

hazi'a vb. (1) n.vb. 2:67, 2:231, 5:57, 5:58, 18:56, 18:106, 21:36, 25:41, 31:6, 45:9, 45:35

istahza'a vb. (10)
impf. act. 2:15, 6:5, 6:10, 9:65, 11:8, 15:11, 16:34, 21:41, 26:6, 30:10, 36:30, 39:48, 40:83, 43:7, 45:33, 46:26
impv. 9:64
perf. pass. 6:10, 13:32, 21:41
impf. pass. 4:140
pcple. act. 2:14, 15:95

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 141

---

ha-Zay-Lam = to be thin and lean, useless, fruitless, unprofitable, unproductive, vain, exhausted, joke, talk idle.

hazila vb. (1) n.vb. 86:14

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 297

---

ha-Zay-Miim = to rout, defeat, overcome, put to flight.

hazama vb. (1)
perf. act. 2:251
impf. pass. 54:45
pcple. pass. 38:11

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 297

---

ha-Zay-Zay = to shake, brandish wave, thrill, stir, throb, shift, wrangle.

hazza vb. (1) impv. 19:25

ihtazza vb. (8)
perf. act. 22:5, 41:39
impf. act. 27:10, 28:31

Lane's Lexicon, Volume 8, pages: 140, 141

Ya = •

Ya-Alif-Siin = to despair, desperate, to give up hope, to know.

ya'isa vb. (I) perf. act. 5:3, 29:23, 60:13, 65:4
impf. act. 12:87, 12:87, 13:31

ya'us n.m. (adj.) 11:9, 17:83, 41:49

istay'asa vb. (10) 12:80, 12:110

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 227, 228

Ya-Ayn-Qaf (Ayn-Waw-Qaf) = name of an idol worshipped before the Flood, and then by the Pagan Arabs. It was in the shape of a horse. Banu Hamadan were its worshippers.
M. Asad: As is evident from early sources, these five gods were among the many worshipped by the pre-Islamic Arabs as well (see the book Kitab al-Asnam by Hisham ibn Muhammad al-Kalbi, ed. Ahmad Zaki, Cairo, 1914) Their cult had probably been introduced into Arabia from Syria and Babylonia, where it seems to have existed in early antiquity.

ya'uq n. prop. 71:23

Lane's Lexicon, Volume 5, page: 484 (end of page), 485

Ya-Ayn-Qaf-Ba = Jacob; Israel, son of Isaac, the son of Abraham.

yaAAqoob n.prop. 2:132, 2:133, 2:136, 2:140, 3:84, 4:163, 6:84, 11:71, 12:6, 12:38, 12:68, 19:6, 19:49, 21:72, 29:27, 38:45

Ya-Ba-Siin = withered, dry.

yabisa vb. (1) pcple. act. 6:59, 12:43, 12:46

yabas n.m. 20:77

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 228, 229

Ya-Dal-Ya = to touch, aid, do good, be beneficent, show power and superiority, a hand. By his agency/means.
With a willing hand, out of hand, having financial ability.
In acknowledgement of the superior power, in ready money and not in the form of deferred payment, considering it as a favour, on account of help, (payment should be made by the hand of the parties themselves without the intervention of a third party and without reluctance.
baina yadaihi - before him, in his presence hit, between his two hands.
ulill aidi - men of power (lit. gifted with hands)
suqaita fi aidihim (idiomatic expression) they repented, the idea seems to be that they hit their fingers in grief and contrition.
Handy, Might, Power, Superiority, Benefit, Possession, Favour, Generosity. The idea behind those expressions is that the use of the hand is the real source of the superiority and power.
Under his authority, upper hand, arm, foreleg of a beast, handle of a tool, wing of a bird.
ma qaddamat yada - that is what thou hast deserved.

yad n.f. (dual *yadan*, plural *aydi*) 2:66, 2:79, 2:79, 2:95, 2:97, 2:195, 2:237, 2:249, 2:255, 3:3, 3:26, 3:50, 3:73, 3:182, 4:43, 4:62, 4:77, 4:91, 5:6, 5:11, 5:11, 5:28, 5:28, 5:33, 5:38, 5:46, 5:46, 5:48, 5:64, 5:64, 5:64, 5:94, 6:7, 6:92, 6:93, 7:17, 7:57, 7:108, 7:124, 7:149, 7:195, 8:51, 8:70, 9:14, 9:29, 9:52, 9:67, 10:37, 11:70, 12:31, 12:50, 12:111, 13:11, 14:9, 17:29, 18:57, 19:64, 20:22, 20:71, 20:110, 21:28, 22:10, 22:76, 23:88, 24:24, 24:40, 25:27, 25:48, 26:33, 26:49, 27:12, 27:63, 28:32, 28:47, 30:36, 30:41, 34:9, 34:12, 34:31, 34:46, 35:31, 36:9, 36:35, 36:45, 36:65, 36:71, 36:83, 38:44, 38:75, 41:14, 41:25, 41:42, 42:30, 42:48, 46:21, 46:30, 48:10, 48:10, 48:20, 48:24, 48:24, 49:1, 57:12, 57:29, 58:12, 58:13, 59:2, 59:2, 60:2, 60:12, 61:6, 62:7, 66:8, 67:1, 72:27, 78:40, 80:15, 111:1

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 317 (Ya-Dal)

Ya-Gh-Waw-Tha = name of an idol of the Pagan Arabs. The tribe of Murad was its worshipper. It was in the shape of a lion.
M. Asad: As is evident from early sources, these five gods were among the many worshipped by the pre-Islamic Arabs as well (see the book Kitab al-Asnam by Hisham ibn Muhammad al-Kalbi, ed. Ahmad Zaki, Cairo, 1914) Their cult had probably been introduced into Arabia from Syria and Babylonia, where it seems to have existed in early antiquity.

71:23

Ya-ha-Dal (ha-Waw-Alif-Dal) = Jews

yahudi n.prop. (pl. yahud) 2:113, 2:113, 2:120, 3:67, 5:18, 5:51, 5:64, 5:82, 9:30

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 159, 160

Ya-Jiim-Jiim = Gog. Name of the tribes of barbarians near the Caspian sea.
M. Asad: Vague references to them in the Bible (Genesis x, 2, I Chronicles i, 5, Ezekiel 38, 2 and 39, 6, Revelation of St. John 20, 8). Most of the post-classical commentators identify these tribes with the Mongols and Tatars.

yajuj n.prop. 18:94, 21:96

Ya-Miim-Miim = sea, river, to aim at getting, to intend, to have recourse to, to resort to, to head for.

yamm n.m. 7:136, 20:39, 20:39, 20:78, 20:97, 28:7, 28:40, 51:40

tayammama vb. (5) impf. act. 2:267
impv. 4:43, 5:6

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 318

Ya-Miim-Nun = right side, right, right hand, oath.

ayman n.m. 19:52, 20:80, 28:30

maymanah n.f. 56:8, 56:8, 90:18

yamin n.f. (pl. *ayman*) 2:224, 2:225, 3:77, 4:3, 4:24, 4:25, 4:33, 4:36, 5:53, 5:89, 5:89, 5:89, 5:89, 5:108, 5:108, 6:109, 7:17, 9:12, 9:12, 9:13, 16:38, 16:48, 16:71, 16:91, 16:92, 16:94, 17:71, 18:17, 18:18, 20:17, 20:69, 23:6, 24:31, 24:33, 24:53, 24:58, 29:48, 30:28, 33:50, 33:50, 33:52, 33:55, 34:15, 35:42, 37:28, 37:93, 39:67, 50:17, 56:27, 56:27, 56:38, 56:90, 56:91, 57:12, 58:16, 63:2, 66:2, 66:8, 68:39, 69:19, 69:45, 70:30, 70:37, 74:39, 84:7

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 318

Ya-Nun-Ayn = to be ripe, reach maturity.

yanAA vb. (1) n.vb. 6:99

Ya-Qaf-Nun = certainty, surely, of a certainty, to be sure/certain, to ascertain, one who is certain.

yaqin n.m. 4:157, 15:99, 27:22, 56:95, 69:51, 74:47, 102:5, 102:7

ayqana vb. (4) impf. act. 2:4, 2:118, 5:50, 13:2, 27:3, 27:82, 30:60, 31:4, 32:24, 45:4, 45:20, 52:36
pcple. act. 6:75, 26:24, 32:12, 44:7, 51:20

istayqana vb. (10) perf. act. 27:14
impf. act. 74:31
pcple. act. 45:32

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 317, 318

Ya-Qaf-Ta = rubies, gems.

yaqut n.m. (collective) 55:58

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 233

Ya-Qaf-Za = awake

ayqaz n.m. (pl. of yaquz) 18:18

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 233

Ya-Siin = O perfect man! O perfect leader!

36:1

Ya-Siin-Ayn = Elisha, he was a disciple and successor of Elijah (Ilyas) and lived from 938 B. C to 828 B.C in the northern Israel during the reign of Ahziah.

alyasAA n. prop. 6:86, 38:48

Ya-Siin-Fa = Jopeph, a prophet, the eleventh son of the prophet Jacob, and the elder of the two sons of Rachel. The meaning given to the name is 'shall add' or the Lord shall add to me another son (Gen, 30:24).

yoosuf n. prop. 6:84, 12:4, 12:7, 12:8, 12:9, 12:10, 12:11, 12:17, 12:21, 12:29, 12:46, 12:51, 12:56, 12:58, 12:69, 12:76, 12:77, 12:80, 12:84, 12:85, 12:87, 12:89, 12:90, 12:90, 12:94, 12:99, 40:34

• • •

Ya-Siin-Ra = become gentle/tractable/manageable/easy/submissive/liberal, become little in quantity/paltry / no weight or worth, come from left, divide into parts/portions, make easy/ smooth, adapt/accommodate, play with gaming arrows (*al maysiri*), a game for stakes/ wagers involving risk.

For those who always wanted to know what "arrows of chance / gaming arrows" were. Lane gives quite a detailed description of what was involved. I'll explain my take on it: a group of 10 (or however many there are) buys an animal on credit (e.g. camel), they slaughter the animal and divide it into 10 portions (equaling the number of people in the group). They assign a number to each portion of meat, e.g. portion 1 is marked 1, portion 2 is marked 2, portion 3 is marked 3 etc up to 10. They take 10 arrow heads (no feathers) and mark each arrow head with a number, arrow head 1 marked 1 (this corresponds to meat portion 1), arrow head 2 marked 2 (this corresponds to meat portion 2) etc up to 7, arrows 8, 9 and 10 are left with no mark. They assign a person to shuffle the arrow heads and distribute them to the 10 players. If someone gets arrow 1 they take meat portion 1, if someone gets arrow 2 they take meat portion 2 and so on. Whoever gets the unmarked arrows (3 people in this example) have to pay the entire value of the slaughtered animal, that was initially bought on credit.

yasura vb. (1) n. vb. 2:185, 18:88, 51:3, 65:4, 65:7, 94:5, 94:6
pcple. pass. 17:28

maysarah n.f. 2:280

maysir n.m. 2:219, 5:90, 5:91

yasir n.m. 4:30, 4:169, 12:65, 22:70, 25:46, 29:19, 33:14, 33:19, 33:30, 35:11, 50:44, 57:22, 64:7, 74:10, 84:8

yusra n.f. 87:8, 92:7

yassara vb. (2) perf. act. 19:97, 44:58, 54:17, 54:22, 54:32, 54:40, 80:20
impf. act. 87:8, 92:7, 92:10
impv. 20:26

tayassara vb. (5) perf. act. 73:20, 73:20

istaysara vb. (10) perf. act. 2:196, 2:196

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 229, 230, 231, 232

Ya-Ta-Miim = orphan

yatim n.m. (pl. *yatama*) 2:83, 2:177, 2:215, 2:220, 4:2, 4:3, 4:6, 4:8, 4:10, 4:36, 4:127, 4:127, 6:152, 8:41, 17:34, 18:82, 59:7, 76:8, 89:17, 90:15, 93:6, 93:9, 107:2

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 317

Ya-Tha-Ra-Ba = *Yathrib* (the earlier name for Medina?)

33:13

Ya-Waw-Miim = day, era, time, today, this/that day, age/period of time.

yawm n.m. (pl. *ayyam*)

1:4, 2:8, 2:48, 2:62, 2:80, 2:85, 2:113, 2:123, 2:126, 2:174, 2:177, 2:184, 2:185, 2:196, 2:203, 2:203, 2:212, 2:228, 2:232, 2:249, 2:254, 2:259, 2:259, 2:264, 2:281, 3:9, 3:24, 3:25, 3:30, 3:41, 3:55, 3:77, 3:106, 3:114, 3:140, 3:155, 3:161, 3:166, 3:167, 3:180, 3:185, 3:194, 4:38, 4:39, 4:42, 4:59, 4:87, 4:109, 4:136, 4:141, 4:159, 4:162, 5:3, 5:3, 5:5, 5:14, 5:36, 5:64, 5:69, 5:89, 5:109, 5:119, 6:12, 6:15, 6:16, 6:22, 6:73, 6:73, 6:93, 6:128, 6:130, 6:141, 6:158, 7:8, 7:14, 7:32, 7:51, 7:51, 7:53, 7:54, 7:59, 7:163, 7:163, 7:167, 7:172, 8:16, 8:41, 8:41, 8:48, 9:3, 9:18, 9:19, 9:25, 9:29, 9:35, 9:36, 9:44, 9:45, 9:77, 9:99, 9:108, 10:3, 10:15, 10:28, 10:45, 10:60, 10:92, 10:93, 10:102, 11:3, 11:7, 11:8, 11:26, 11:43, 11:60, 11:65, 11:66, 11:77, 11:84, 11:98, 11:99, 11:103, 11:103, 11:105, 12:54, 12:92, 14:5, 14:18, 14:31, 14:41, 14:42, 14:44, 14:48, 14:49, 15:35, 15:36, 15:38, 16:25, 16:27, 16:27, 16:63, 16:80, 16:80, 16:84, 16:87, 16:89, 16:92, 16:111, 16:124, 17:13, 17:14, 17:52, 17:58, 17:62, 17:71, 17:97, 18:19, 18:19, 18:47, 18:52, 18:99, 18:100, 18:105, 19:15, 19:15, 19:15, 19:26, 19:33, 19:33, 19:33, 19:37, 19:38, 19:38, 19:39, 19:85, 19:95, 20:59, 20:64, 20:100, 20:101, 20:102, 20:102, 20:104, 20:108, 20:109, 20:124, 20:126, 21:47, 21:103, 21:104, 22:2, 22:9, 22:17, 22:28, 22:47, 22:55, 22:56, 22:69, 23:16, 23:65, 23:100, 23:101, 23:111, 23:113, 23:113, 24:2, 24:24, 24:25, 24:37, 24:64, 25:14, 25:17, 25:22, 25:22, 25:24, 25:25, 25:26, 25:26, 25:27, 25:59, 25:69, 26:38, 26:82, 26:87, 26:88, 26:135, 26:155, 26:156, 26:189, 26:189, 27:83, 27:87, 27:89, 28:41, 28:42, 28:61, 28:62, 28:65, 28:66, 28:71, 28:72, 28:74, 29:13, 29:25, 29:36, 29:55, 30:4, 30:12, 30:14, 30:14, 30:43, 30:43, 30:55, 30:56, 30:56, 30:57, 31:33, 32:4, 32:5, 32:14, 32:25, 32:29, 33:21, 33:44, 33:66, 34:18, 34:20, 34:40, 34:42, 35:14, 36:54, 36:55, 36:59, 36:64, 36:65, 37:20, 37:21, 37:26, 37:33, 37:144, 38:16, 38:26, 38:53, 38:78, 38:79, 38:81, 39:13, 39:15, 39:24, 39:31, 39:47, 39:60, 39:67, 39:71, 40:9, 40:15, 40:16, 40:16, 40:17, 40:17, 40:18, 40:27, 40:29, 40:30, 40:32, 40:33, 40:46, 40:49, 40:51, 40:52, 41:9, 41:10, 41:12, 41:16, 41:19, 41:40, 41:47, 42:7, 42:45, 42:47, 42:47, 43:39, 43:65, 43:67, 43:68, 43:83, 44:10, 44:16, 44:40, 44:41, 45:14, 45:17, 45:26, 45:27, 45:27, 45:28, 45:34, 45:34, 45:35, 46:5, 46:20, 46:20, 46:21, 46:34, 46:35, 50:20, 50:22, 50:30, 50:34, 50:38, 50:41, 50:42, 50:42, 50:44, 51:12, 51:13, 51:60, 52:9, 52:11, 52:13, 52:45, 52:46, 54:6, 54:8, 54:19, 54:48, 55:29, 55:39, 56:50, 56:56, 57:4, 57:12, 57:12, 57:13, 57:15, 58:6, 58:7, 58:18, 58:22, 60:3, 60:6, 62:9, 64:9, 64:9, 64:9, 65:2, 66:7, 66:8, 68:24, 68:39, 68:42, 69:7, 69:15, 69:16, 69:17, 69:18, 69:24, 69:35, 70:4, 70:8, 70:11, 70:26, 70:42, 70:43, 70:44, 73:14, 73:17, 74:9, 74:9, 74:46, 75:1, 75:6, 75:10, 75:12, 75:13, 75:22, 75:24, 75:30, 76:7, 76:10, 76:11, 76:27, 77:12, 77:13, 77:14, 77:15, 77:19, 77:24, 77:28, 77:34, 77:35, 77:37, 77:38, 77:40, 77:45, 77:47, 77:49, 78:17, 78:18, 78:38, 78:39, 78:40, 79:6, 79:8, 79:35, 79:46, 80:34, 80:37, 80:38, 80:40, 82:15, 82:17, 82:18, 82:19, 82:19, 83:5, 83:6, 83:10, 83:11, 83:15, 83:34, 85:2, 86:9, 88:2, 88:8, 89:23, 89:23, 89:25, 90:14, 99:4, 99:6, 100:11, 101:4, 102:8

Lane's Lexicon, Volume 8, page: 318

Ya-Waw-Nun = Man of the fish, Jonah.

yunus n. prop. 4:163, 6:86, 10:98, 37:139

Yaa

Project Root List

Email address of coordinator:
info@studyquran.co.uk

Disclaimer: All information contained within this document is correct to the best of our (the contributors) knowledge only and thus should not be taken as a fact. One should always verify information and seek knowledge when possible. This approach is recommended by The Reading (*al quran*) itself. [17:36, 20:114, 35:28, 49:6, 58:11]

Aim: To list ALL the roots used in *Al Quran*, including possible meanings (from SEVERAL Classical Arabic dictionaries/lexicons), give ALL examples of usage (allowing cross-reference) and detailed grammar information for EVERY word used. Its goal is to be the most comprehensive *Quran* study tool in the English language.

Why? When one reads a translation of *Al Quran*, they are actually reading the translator's interpretation of the original Arabic. Thus, mistakes are to be expected. A translation will have the translator's own thoughts/experiences/education/bias/ imperfections. By listing the possible meanings of the roots with all of their occurrences & comments on grammar, we allow you to study the meanings and usage for yourself. We hope this project will aid the study of students of the scripture.

Some introductory questions have been answered, aimed primarily at beginners:
What is a root?
Which root is being used?
Which root meaning is correct? **(a must read)**

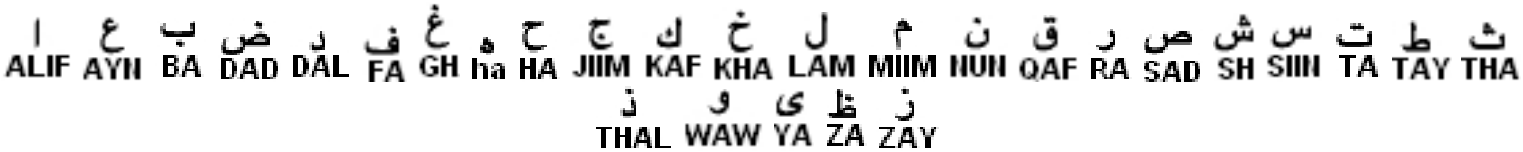
To use, click on the first Arabic letter of the root, from the Arabic letters shown above. The Arabic letters are arranged in a similar order to the English alphabet.

All information contained within this document may be copied, printed and distributed freely.
However, if this is done, credit should be given to the original source document.

The grammatical abbreviations used in Project Root List are as follows:

acc = accusative
act = active
f = feminine
gen = genitive
impf = imperfect
impv = imperative
m = masculine
n = noun

neg = negative
nom = nominative
pcple = participle
perf = perfect
pl = plural
plu = plural
sing = singular
vb = verb (followed by a number representing verb form, e.g. II / 2)



HOME | What is a root? | Which root is being used? | Which root meaning is correct? | Download PRL | Search

Your browser does not support inline frames or is currently configured not to display inline frames.

لغات القرآن

باب دوم

جیسا کہ سابقہ باب میں لکھا جا چکا ہے ' عربی زبان کے ہر لفظ کا (بجز حروف کے) ایک مادہ ہوتا ہے اور لغت میں وہ لفظ اپنے مادہ کے تحت لکھا جاتا ہے - عربی جاننے والوں کے لئے تو یہ معلوم کر لینا مشکل نہیں ہوتا کہ فلاں لفظ کا مادہ کیا ہے ' لکن جو لوگ عربی زبان سے واقف نہیں ان کے لئے الفاظ کے مادے معلوم کرنا مشکل (بلکہ بعض اوقات ناممکن) ہوتا ہے - اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی کو ایک لفظ کا مادہ ہی معلوم نہیں ہوگا تو وہ اسے لغت میں تلاش کیسے کریگا ؟ مثلاً ایک لفظ ہے "مُتَّقِیْنَ" - عربی نہ جاننے والا اسے " م ت " کے نیچے تلاش کرے گا ' اور اس کا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہیں ہوگا کہ یہ لفظ " و ق ی " کے تحت ملے گا جو اس کا مادہ ہے - چونکہ ہماری کوشش یہ ہے کہ اس لغت کی مدد سے عربی نہ

جاننے والے حضرات قرآنی مطالب کو براہ راست سمجھ سکیں اس لئے ان کی سہولت کے لئے قرآنی الفاظ کی ایک فہرست مرتب کر دی گئی ہے ۔ اس فہرست میں قرآن کا ہر لفظ اسی شکل میں دیا گیا ہے جس میں وہ قرآن کے اندر موجود ہے اور اس کے سامنے وہ مادہ دیا گیا ہے جس کے تحت وہ لفظ لغت میں ملے گا ۔ آپ قرآن کے جس لفظ کے معانی معلوم کرنا چاہیں ' اسے فہرست میں ' عام ڈکشنریوں کے قاعدے کے مطابق ' تلاش کرلیں ۔ پھر ' اس کے سامنے جو مادہ دیا گیا ہو اسے زیر نظر لغت میں (ڈکشنری کے قاعدے کے مطابق) اس کے مقام میں دیکھ لیں ۔ مطلوبہ لفظ اس مادہ کے تحت مل جائیگا ۔

اس فہرست میں :

(۱) عام طور پر قرآنی الفاظ پر اعراب (زبر ۔ زیر ۔ پیش ۔ جزم وغیرہ) نہیں دیئے گئے ۔ ایسا کیا جاتا تو فہرست (بلا ضرورت) طویل ہو جاتی ۔ مثلاً اَسْتَغْفَرَ ۔ اَسْتَغْفِرُ ۔ اِسْتَغْفِرْ کو الگ الگ لکھنے کی بجائے ' ایک ہی جگہ (استغفر کی شکل میں بلا اعراب) لکھ دیا گیا ہے اور اس کے سامنے اس کا مادہ (غ ف ر) دیدیا گیا ہے ۔ البتہ جہاں اعراب کے بدل جانے سے مادہ بدل جاتا ہے وہاں الفاظ پر اعراب لگا دیئے گئے ہیں ۔ مثلاً صَفَّا کا مادہ (ص ف ف) ہے اور صَفَا کا مادہ (ص ف و) ۔ ان پر اعراب دیدئے گئے ہیں ۔

اسی طرح عربی میں ' مختلف وجوہ کی بنا پر ' اسم کے آخری حرف پر زبر (ـَ یا ـً) زیر (ـِ یا ـٍ) پیش (ـُ یا ـٌ) آتے ہیں ۔ فہرست میں ایسے الفاظ کی بھی صرف ایک شکل دی گئی ہے ۔ مثلاً قرآن میں کہیں عِلْمًا ہے ۔ کہیں اَلْعِلْمَ ' عِلْمِ اَلْعِلْمُ ' عِلْمٌ اور اَلْعِلْمِ ۔ فہرست میں آپ کو صرف (علم) ملے گا ۔

(۲) عربی زبان میں بعض اوقات اصل لفظ سے پہلے (ا ل) یا (ف) وغیرہ کے حروف آ جاتے ہیں ۔ مثلاً اَلْبَیِّنٰت ۔ یا فَذَکِّرْ ۔ زیر نظر فہرست میں ایسے الفاظ اپنی اصل شکل میں ملینگے ۔ یعنی (اَلْبَیِّنٰتُ) آپ کو (اَلْ) کے نیچے نہیں ملے گا بلکہ

بَیْتٌ کے مقام پر ملے گا - لیکن جہاں (اَلْ) کسی لفظ کا جزو ہے تو وہ لفظ (اَلْ) ہی کے تحت ملے گا - مثلاً (اَلْوَاحٌ) - ہمیں اس کا احساس ہے کہ عربی زبان نہ جاننے والوں کے لئے بعض اوقات یہ متعین کرنا بھی مشکل ہوگا کہ (اَلْ) اس لفظ کا اصلی جزو ہے یا نہیں - لیکن اس دشواری کا اس کے سوا کوئی حل نہیں کہ ایسے الفاظ کو آپ (اَلْ) کے تحت بھی دیکھ لیں اور (اَلْ) کے بغیر اصل لفظ کے تحت بھی -

اسی طرح عربی میں متعدد حروف ' اسم اور فعل سے پہلے ' اور مختلف ضمیریں اسم اور فعل کے بعد ' اس طرح ملا کر لکھدی جاتی ہیں کہ عربی نہ جاننے والوں کے لئے انہیں الگ الگ کر کے الفاظ کی اصلی شکلیں جاننا مشکل ہو جاتا ہے - مثلاً اَفَتُمَارُوْنَهٗ مجموعہ ہے اَ+فَ+تُمَارُوْنَ+هُ کا - اور فَقَتَلَنَا مجموعہ ہے فَ+قَ+تَلَ+نَا ' کا - اور فَاَلْهَمَهَا مجموعہ ہے ف+اَلْهَمَ+هَا کا - اور اَلْهٰكُمُ مجموعہ ہے اَلْهٰى+كُمْ کا - لہٰذا ان میں سے جس لفظ (یا حرف) کے معنی دیکھنے مقصود ہوں اسے الگ کر کے لغت میں دیکھئے -

(۳) بعض اوقات لفظ کے مادہ میں بھی تھوڑی سی دقت پیش آ جاتی ہے - ایسا ان مادوں میں ہوتا ہے جن میں (ی) یا (و) آئے - مثلاً (تَرَاقِی) کا مادہ (ر ق ی) بھی ہو سکتا ہے اور (ر ق و) بھی - ایسے الفاظ کی صورت میں فہرست میں دونوں مادے دیدئے گئے ہیں - لیکن اگر کسی جگہ ایسا نہ کیا جا سکا ہو تو ان مادوں کو (ی) میں بھی دیکھ لینا چاہئے اور (و) میں بھی - اس ضمن میں مزید دیکھئے تتمہ صـ۱۸۰۲ جلد چہارم عنوان تمہید.

(۴) فہرست میں حروف مقطعات مثلاً الٓرٰ - كٓهٰيٰعٓصٓ - وغیرہ نہیں دئے گئے - اس ضمن میں مزید دیکھئے تتمہ صـ۱۸۰۵ جلد چہارم عنوان تمہید.

آخر میں اتنا واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ اگرچہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ فہرست ہر لحاظ سے مکمل ہو لیکن اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ اس میں بعض قرآنی الفاظ نہ آ سکے ہوں یا کوئی اور غلطی رہ گئی ہو - قارئین سے درخواست ہے کہ اگر انہیں کہیں اس قسم کا سہو یا غلطی نظر آئے تو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی تصحیح کر دی جائے -

اب فہرست الفاظ ملاحظہ فرمائیے - ہر صفحہ پر تین خانے ہیں - اور ہر خانے میں " لفظ " کے نیچے قرآنی الفاظ ہیں اور " مادہ " کے نیچے وہ مقام جہاں وہ الفاظ لغت میں ملیں گے -



قرآنی الفاظ کی فہرست

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
اَ	أ	آخذین	ا خ ذ	آسفوا	ا س ف
آباء	ا ب و	آخر	ا خ ر	آسن	ا س ن
آت	ا ت ی	آخران	,,	آصال	ا ص ل
آتی	,,	آخرة	,,	آفاق	ا ف ق
آتوا	,,	آخرون	,,	آفلین	ا ف ل
آتی	,,	آخرین	,,	آکلون	ا ک ل
آتیت	,,	آدم	ا د م	آل	ا و ل
آتیة	,,	آذان	ا ذ ن	آلاء	ا ل و (الی)
آتیتم	,,	آذن	,,	آلآن	أ+ا و ن
آتیتموا	,,	آذنا	,,	آلاف	ا ل ف
آتین	,,	آذنت	,,	آلهة	ا ل ہ
آتینا	,,	آذوا	ا ذ ی	آمر	ا م ر
آثار	ا ث ر	آذیتمو	,,	آمرون	,,
آثر	,,	آزر	ا ز ر	آمن	ا م ن
آثم	ا ث م	آزفة	ا ز ف	آمنا	,,
آثمین	,,	آسی	ا س و	آمنت	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
آمنة	ا م ن	ائتيا	ا ت ی	ابرئ	ب ر أ
آمنتم	,,	ائذن	ا ذ ن	ابرار	ب ر ر
آمنوا	,,	ائذنوا	,,	ابراهيم	ا براهيم
آمنون	,,	ائمة	ا م م	ابرح	ب ر ح
آمنين	,,	اه ص	ا م ر	ابرص	ب ر ص
آمين	ا م م	اَبٌ	ا ب و	ابرموا	ب ر م
آنٌ	ا و ن	اَبّ	ا ب ب	ابسلوا	ب س ل
آنَ	ا ن ی	ابی	ا ب ی	ابشروا	ب ش ر
آناء	,,	اباييل	ا ب ل	ابصار	ب ص ر
آنس	ا ن س	اباريق	ب ر ق	ابصر	,,
آنستم	,,	ابت	ا ب و	ابصرنا	,,
آنف	ا ن ف	ابتدءوا	ب د ع	ابعث	ب ع ث
آلية	ا ن ی	ابتر	ب ت ر	ابعثوا	,,
آوى	ا و ی	ابتغ	ب غ ی	ابغي	ب غ ی
آووا	,,	ابتغى	,,	ابق	ا ب ق
آوى	,,	ابتغاء	,,	ابقى	ب ق ی
آوينا	,,	ابتغوا	,,	ابكى	ب ک ی
آيات	ا ی ی	ابتغي	,,	ابكار	ب ک ر
آية	,,	ابتغيت	,,	ابكم	ب ک م
آيتين	,,	ابتلى	ب ل و	ابل	ا ب ل
ائت	ا ت ی	ابتلوا	,,	ابلعي	ب ل ع
ائتمروا	ا م ر	ابجر	ب ح ر	ابلغ	ب ل غ
ائتمن	ا م ن	ابدا	ا ب د	ابلغت	,,
ائتوا	ا ت ی	ابدل	ب د ل	ابلغوا	,,

لفظ	ماده
ابلیس	ب ل س
ابن	ب ن ی
ابنَ	ب ن و(بنی)
ابن السبیل	ب ن و+س ب ل
ابناء	ب ن و(بنی)
ابنة	,,
ابنتی	,,
ابنوا	ب ن ی
ابنی	ب ن و
ابو	ا ب و
ابوا	ا ب ی
ابواب	ب و ب
ابوین	ا ب و
ابی	,,
ابی لهب	اب و+ل هب
ابیض	ب ی ض
ابیضت	,,
أبین	ا ب ی
أبین	ب ی ن
اتی	ا ت ی
اتباع	ت ب ع
اتبع	,,
اتبعت	,,
اتبعتم	ت ب ع
اتبعنا	,,
اتبعوا	,,
اتت	ا ت ی
اتخاذ	ا خ ذ
اتخذ	,,
اتخذت	,,
اتخذتم	,,
اتخذتموا	,,
اتخذنا	,,
اتخذوا	,,
اتخذی	,,
اتراب	ت ر ب
اترفتم	ت ر ف
اترفنا	,,
اترفوا	,,
اترك	ت ر ك
اتسق	و س ق
اتق	و ق ی
اتقی	,,
اتقن	ت ق ن
اتقوا	و ق ی
اتقیتن	,,
اتقین	,,
اتل	ت ل و
اتلوا	,,
اتم	ت م م
اتمم	,,
اتممت	,,
اتممنا	,,
اتموا	,,
اتوا	ا ت ی
اتوب	ت و ب
اتوکأ	و ک أ
اتیا	ا ت ی
اتیت	,,
اتین	,,
اتینا	,,
اثاب	ث و ب
اثاث	ا ث ث
اثارة	ا ث ر
اثاروا	ث و ر
اثاقلتم	ث ق ل
اثبتوا	ث ب ت
اثخنتموا	ث خ ن
اثر	ا ث ر
اثرن	ث و ر
اثقال	ث ق ل

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اثقلت	ث ق ل	اجرمنا	ج ر م	احب	ح ب ب
اثل	ا ث ل	اجرموا	,,	احباء	,,
اثم	ا ث م	اجسام	ج س م	احبار	ح ب ر
اثمر	ث م ر	اجعل	ج ع ل	احببت	ح ب ب
اثنان	ث ن ی	اجعلوا	,,	احبط	ح ب ط
اثنتین	,,	اجل	ا ج ل	احترقت	ح ر ق
اثیم	ا ث م	اجلب	ج ل ب	احتمل	ح م ل
اجاء	ج ی ء	اجلت	ا ج ل	احتملوا	,,
اجاج	ا ج ج	اجلدوا	ج ل د	احتنکن	ح ن ک
اجتبی	ج ب ی	اجلین	ا ج ل	احد	ا ح د
اجبتم	ج و ب	اجمعوا	ج م ع	احدی	,,
اجتبیت	ج ب ی	اجمعون	,,	احدث	ح د ث
اجتبینا	,,	اجمعین	,,	احذر	ح ذ ر
اجتثت	ج ث ث	اجنب	ج ن ب	احذروا	,,
اجترحوا	ج ر ح	اجنة	ج ن ن	احرص	ح ر ص
اجتمعت	ج م ع	اجنح	ج ن ح	احزاب	ح ز ب
اجتمعوا	,,	اجنحة	,,	احس	ح س س
اجتنبوا	ج ن ب	اجور	ا ج ر	احسان	ح س ن
اجد	و ج د	اجیب	ج و ب	احسن	,,
اجداث	ج د ث	اجیبت	,,	احسنتم	,,
اجدر	ج د ر	اجیبوا	,,	احسنوا	,,
أَجر	ا ج ر	احادیث	ح د ث	احسوا	ح س س
أَجر	ج و ر	احاط	ح و ط	احشروا	ح ش ر
اجرام	ج ر م	احاطت	,,	احصی	ح ص ی

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
احصرتم	ح ص ر	اعمى	ع م ى	اختين	ا خ و
احصرو	,,	احي	ح ى ى	اخدان	خ د ن
احصن	ح ص ن	احياء	,,	اخدود	خ د د
احصنت	ح ص ن	احيط	ح و ط	اخذ	ا خ ذ
احصوا	ح ص ى	احوى	ح و و	اخذة	ا خ ذ
احصينا	,,	احيي	ح ى ى	اخذت	,,
احضرت	ح ض ر	احييت	,,	اخذتم	,,
احطت	ح و ط	احيينا	,,	اخذن	,,
احطنا	,,	اخ	ا خ و	اخذنا	,,
احفظوا	ح ف ظ	اخاف	خ و ف	اخذوا	,,
احق	ح ق ق	اخالف	خ ل ف	اخر	ا خ ر
احقاب	ح ق ب	اخبار	خ ب ر	اخرى	,,
احقاف	ح ق ف	اخبتوا	خ ب ت	اخراج	خ ر ج
احكم	ح ك م	اخت	ا خ و	اخرت	ا خ ر
احكمت	,,	اختار	خ ى ر	اخرج	خ ر ج
احل	ح ل ل	اخرت	,,	اخرجت	,,
احلام	ح ل م	اخترنا	,,	اخرجتم	,,
احلت	ح ل ل	اختصموا	خ ص م	اخرجنا	,,
احلل	,,	اختلاف	خ ل ف	اخرجوا	,,
احللنا	,,	اختلاق	خ ل ق	اخرنا	ا خ ر
احلوا	,,	اختلط	خ ل ط	اخزى	خ ز ى
احمال	ح م ل	اختلف	خ ل ف	اخزيت	,,
احمد	ح م د	اختلفتم	,,	اخسئوا	خ س أ
احمل	ح م ل	اختلفوا	,,	اخسرون	خ س ر

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
اخشوا	خ ش ی	اخوة	ا خ و	ادفعوا	د ف ع
اخضر	خ ض ر	اخیار	خ ی ر	ادکر	ذ ک ر
اخطأتم	خ ط أ	اخیه	ا خ و	ادل	د ل ل
اخطانا	خ ط أ	اد	ا د د	ادنٰی	د ل و
اخفی	خ ف ی	ادآء	ا د ی	ادنی	د ن و
اخفض	خ ف ض	ادارأتم	د ر أ	ادوا	ا د ی
اخفي	خ ف ی	ادارك	د ر ك	ادهی	د ه ی
اخفیتم	,,	ادارکوا	د ر ك	اِذْ	ا ذ
اخلاء	خ ل ل	ادبار	د ب ر	اِذًا	ا ذ ن
اخلاص	خ ل ص	ادبر	,,	اِذَا	ا ذ ا
اخلد	خ ل د	ادخل	د خ ل		
اخلصنا	خ ل ص	ادخلا	,,	اذاعوا	ذ ی ع
اخلصوا	,,	ادخلنا	,,	اذاق	ذ و ق
اخلع	خ ل ع	ادخلوا	,,	اذان	ا ذ ن
اخلف	خ ل ف	ادخلي	,,	اذبح	ذ ب ح
اخلفت	,,	ادری	د ر ی	اذکر	ذ ک ر
اخلفتم	,,	ادرء وا	د ر أ	اذکروا	,,
اخلفنا	,,	ادرك	د ر ك	اذقان	ذ ق ن
اخلفوا	,,	ادری	د ر ی	اذقنا	ذ و ق
اخلق	خ ل ق	ادریس	ادریس	اذل	ذ ل ل
اخن	خ و ن	ادع	د ع و	اذلة	,,
اخوات	ا خ و	ادعوا	,,	اذلین	,,
اخوال	خ و ل	ادعیاء	,,	اذن	ا ذ ن
اخوان	ا خ و	ادفع	د ف ع	اذنت	,,

لفظ	ماده
اذنین	ا ذ ن
اذهب	ذ ه ب
اذهبا	,,
اذهبتم	,,
اذهبوا	,,
اذی	ا ذ ی
ار	ر أ ی
ارائک	ا ر ک
اراد	ر و د
ارادا	,,
ارادوا	,,
اراذل	ر ذ ل
اربی	ر ب و
ارباب	ر ب ب
اربة	ا ر ب
اربع	ر ب ع
اربعه	,,
اربعین	,,
ارتاب	ر ی ب
ارتابت	,,
ارتابوا	,,
ارتبتم	,,
ارتد	ر د د
ارتدا	,,
ارتدوا	ر د د
ارتضی	ر ض ی
ارتقب	ر ق ب
ارتقبوا	,,
ارجاء	ر ج و
ارجع	ر ج ع
ارجعوا	,,
ارجعي	,,
ارجل	ر ج ل
ارجم	ر ج م
ارجوا	ر ج و
ارجه	,,
ارحام	ر ح م
ارحم	,,
اردی	ر د ی
اردت	ر و د
اردتم	,,
اردن	,,
اردنا	,,
ارذل	ر ذ ل
ارذلون	,,
ارزق	ر ز ق
ارزقوا	,,
ارسی	ر س و
ارسل	ر س ل
ارسلت	,,
ارسلتم	,,
ارسلنا	ر س ل
ارسلوا	,,
ارصاد	ر ص د
ارض	ا ر ض
ارضعت	ر ض ع
ارضعن	,,
ارضعي	,,
ارعوا	ر ع ی
ارغب	ر غ ب
ارکب	ر ک ب
ارکبوا	,,
ارکس	ر ک س
ارکسوا	,,
ارکض	ر ک ض
ارکعوا	ر ک ع
ارکعی	,,
ارم	ا ر م
اروا	ر أ ی
ارهبوا	ر ه ب
ارهق	ر ه ق
اری	ر أ ی

لفظ	ماده
ارید	ر و د
ارینا	ر أ ی
از	ا ز ز
ازاغ	ز ی غ
ازدادو	ز ی د
ازدجر	ز ج ر
ازر	ا ز ر
ازلت	ا ز ف
ازکی	ز ک و
ازل	ز ل ل
ازلام	ز ل م
ازلفت	ز ل ف
ازلفنا	,,
ازواج	ز و ج
ازید	ز ی د
ازین	ز ی ن
ازینت	,,
اساء	س و ء
اساتم	,,
اساء وا	,,
اساری	ا س ر
اساطیر	س ط ر
اسال	س أ ل
اسالوا	,,
اساور	س و ر
اسباب	س ب ب
اسباط	س ب ط
اسبغ	س ب غ
استاجر	ا ج ر
استاجرت	,,
استاذن	ا ذ ن
استاذنوا	,,
استبدال	ب د ل
استبرق	استبرق
استبشروا	ب ش ر
استبقا	س ب ق
استبقوا	,,
استجاب	ج و ب
استجابوا	,,
استجار	ج و ر
استجب	ج و ب
استجبتم	,,
استجیب	,,
استجیبوا	,,
استحبوا	ح ب ب
استحفظوا	ح ف ظ
استحق	ح ق ق
استحقا	,,
استحوذ	ح و ذ
استحیاء	ح ی ی
استحیوا	,,
استحیي	ح ی ی
استخرج	خ ر ج
استخف	خ ف ف
استخلص	خ ل ص
استخلف	خ ل ف
استرق	س ر ق
استرهبوا	ر ه ب
استزل	ز ل ل
استسقی	س ق ی
استشهدوا	ش ه د
استضعفوا	ض ع ف
استطاع	ط و ع
استطاعوا	,,
استطعت	,,
استطعتم	,,
استطعما	ط ع م
استطعنا	ط و ع
استعجال	ع ج ل
استعجلتم	,,
استعذ	ع و ذ
استعصم	ع ص م

لفظ	مادہ
استعلی	ع ل و
استعمر	ع م ر
استعینوا	ع و ن
استغاث	غ و ث
استغشوا	غ ش ی
استغفار	غ ف ر
استغفر	,,
استغفرت	,,
استغفروا	,,
استغفری	,,
استغلظ	غ ل ظ
استغنی	غ ن ی
استفت	ف ت ی
استفتحوا	ف ت ح
استفزز	ف ز ز
استقاموا	ق و م
استقر	ق ر ر
استقم	ق و م
استقیا	,,
استقیموا	,,
استکانوا	ک و ن
استکبار	ک ب ر
استکبر	,,
استکبرت	,,
استکبرتم	ک ب ر
استکبروا	,,
استکثرت	ک ث ر
استکثرتم	,,
استمتعتم	م ت ع
استمتعوا	,,
استمسك	م س ک
استمع	س م ع
استمعوا	,,
استنصر	ن ص ر
استمتع	م ت ع
استنصروا	ن ص ر
استنکفوا	ن ک ف
استوی	س و ی
استوت	,,
استوقد	و ق د
استویت	س و ی
استویتم	,,
استهزئی	ه ز أ
استهزء وا	,,
استهوت	ه و ی
استیأس	ی أ س
استیأسوا	,,
استیسر	ی س ر
استیقنت	ی ق ن
اسجد	س ج د
اسجدوا	,,
اسجدی	,,
اسحار	س ح ر
اسحٰق	اسحٰق
اسخط	س خ ط
اَسٰر	ا س ر
اَسٰر	س ر ی
اَسَرَ	س ر ر
اَسٰری(فعل)	س ر ی
اَسٰری(اسم)	ا س ر
اسرائیل	اسرائیل
اسرار	س ر ر
اسراف	س ر ف
اسرح	س ر ح
اسررت	س ر ر
اسرع	س ر ع
اسرف	س ر ف
اسرفوا	,,
اسروا	س ر ر
اسس	ا س س
استطاعوا	ط و ع
اسعوا	س ع ی

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
اسفا	ا س ف	اسلمنا	س ل م	اشحة	ش ح ح
اسفی	,,	اسلموا	,,	اشد	ش د د
اسفار	س ف ر	اسلنا	س ی ل	اشداء	,,
اسفر	,,	اسم	س م و	اشدد	,,
اسفل	س ف ل	اسماء	,,	اشر	ا ش ر
اسفلین	,,	اسمع	س م ع	اشرار	ش ر ر
اسقط	س ق ط	اسمعوا	,,	اشراط	ش ر ط
اسقي	س ق ی	اسمٰعیل	اسمٰعیل	اشراق	ش ر ق
اسقینا	,,	اسوأ	س و ء	اشربوا	ش ر ب
اسکن	س ک ن	اسواق	س و ق	اشربي	,,
اسکنا	,,	اسوة	ا س و	اشرح	ش ر ح
اسکنت	,,	اسود	س و د	اشرقت	ش ر ق
اسکنوا	,,	اسودت	,,	اشرك	ش ر ك
اسلام	س ل م	اسورة	س و ر	اشرکت	,,
اسلحة	س ل ح	اسیر	ا س ر	اشرکتم	,,
اسلفت	س ل ف	اشاء	ش ی ء	اشرکتموا	,,
اسلفتم	,,	اشارت	ش و ر	اشرکنا	,,
اسلك	س ل ك	اشتات	ش ت ت	اشرکوا	,,
اسلکوا	,,	اشتدت	ش د د	اشعار	ش ع ر
اسلکي	,,	اشتری	ش ر ی	اشفقتم	ش ف ق
اسلم	س ل م	اشتروا	,,	اشفقن	,,
اسلما	,,	اشتعل	ش ع ل	اشق	ش ق ق
اسلمت	,,	اشتملت	ش م ل	اشقی	ش ق ی
اسلمتم	,,	اشتهت	ش ه و	اشکر	ش ک ر

لفظ	ماده
اشکروا	ش ک ر
اشکرا	ش ک و
اشمأزت	ش م ز
اشهاد	ش ه د
اشهد	،،
اشهدت	،،
اشهدوا	،،
اشهر	ش ه ر
اشیاء	ش ی ء
اشیاع	ش ی ع
اصاب	ص و ب
اصابت	،،
اصابع	ص ب ع
اصب	ص ب و
اصباح	ص ب ح
اصبتم	ص و ب
أصبح	ص ب ح
اصبحت	،،
اصبحتم	،،
اصبحوا	،،
اصبر	ص ب ر
اصبروا	،،
اصبنا	ص و ب
اصحاب	ص ح ب
اصحاب الیمین	ص ح ب ی م ن
اصحاب الفیل	ص ح ب ف ی ل
اصحاب الکهف	ص ح ب ک ه ف
اصدع	ص د ع
اصدق	ص د ق
اصر	ا ص ر
اصرف	ص ر ف
اصروا	ص ر ر
اصطادوا	ص ی د
اصطبر	ص ب ر
اصطفی	ص ف و
اصطفیت	،،
اصطفینا	،،
اصطنعت	ص ن ع
اصغر	ص غ ر
اصفی	ص ف و
اصفاد	ص ف د
اصفح	ص ف ح
اصفحوا	،،
اصل	ا ص ل
اصلاب	ص ل ب
اصلاح	ص ل ح
اصلب	ص ل ب
اصلح	ص ل ح
اصلحا	،،
اصلحنا	،،
اصلوا	ص ل ی
اصلی	،،
اصم	ص م م
اصنام	ص ن م
اصنع	ص ن ع
اصوات	ص و ت
اصوافه	ص و ف
اصول	ا ص ل
اصیب	ص و ب
اصیل	ا ص ل
اضاء	ض و ء
اضاءت	،،
اضاءوا	ض ی ع
اضحك	ض ح ك
اضرب	ض ر ب
اضربوا	،،
اضطر	ض ر ر
اضطررتم	،،
اضعافه	ض ع ف
اضعف	،،

لفظ	ماده
اضغاث	ض غ ث
اضغاث احلام	ض غ ث / ح ل م
اضغان	ض غ ن
اضل	ض ل ل
اضلا	,,
اضللتم	,,
اضلان	,,
اضلوا	,,
اضمم	ض م م
اضيع	ض ی ع
اطاع	ط و ع
اطاعوا	,,
اطراف	ط ر ف
اطرحوا	ط ر ح
اطعام	ط ع م
اطعتم	ط و ع
اطعتموا	,,
اطعم	ط ع م
اطعموا	,,
اطعن	ط و ع
اطعنا	,,
اطغی	ط غ ی
اطغیت	,,

لفظ	ماده
اطفا	ط ف أ
اطفال	ط ف ل
اطلع	ط ل ع
اطلعت	,,
اطمان	ط م ن (طمأن)
اطمانتم	,,
اطمانوا	,,
اطمس	ط م س
اطمع	ط م ع
اطوار	ط و ر
اطهر	ط ه ر
اطهروا	,,
اطیرنا	ط ی ر
اطیروا	,,
اطیعوا	ط و ع
اظفر	ظ ف ر
اظلم	ظ ل م
اظن	ظ ن ن
اظهر	ظ ه ر
اعادة	ع و د
اعان	ع و ن
اعبد	ع ب د
اعبدوا	,,
اعتبروا	ع ب ر

لفظ	ماده
اعتدی	ع د و
اعتدت	,,
اعتدنا	,,
اعتدوا	,,
اعتدینا	,,
اعتری	ع ر ی
اعترفنا	ع ر ف
اعترفوا	,,
اعتزل	ع ز ل
اعتزلتموا	,,
اعتزلوا	,,
اعتصموا	ع ص م
اعتلوا	ع ت ل
اعتمر	ع م ر
اعثرنا	ع ث ر
اعجاز	ع ج ز
اعجب	ع ج ب
اعجبت	,,
اعجل	ع ج ل
اعجمی	ع ج م
اعجمین	,,
اعد	ع د د
اعداء	ع د و
اعدت	ع د د

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اعدل	ع د ل	اعقاب	ع ق ب	اغترف	غ ر ف
اعدلوا	,,	اعقب	,,	اغدوا	غ د و
اعدوا	ع د د	اعلى	ع ل و	اغرقنا	غ ر ق
اعذب	ع ذ ب	اعلام	ع ل م	اغرقوا	,,
اعراب	ع ر ب	اعلم	,,	اغرينا	غ ر و
اعراض	ع ر ض	اعلموا	,,	اغسلوا	غ س ل
اعراف	ع ر ف	اعلنت	ع ل ن	اغشيت	غ ش ى
اعرج	ع ر ج	اعلنتم	,,	اغشينا	,,
اعرض	ع ر ض	اعلون	ع ل و	اغضض	غ ض ض
اعرضتم	,,	اعمى	ع م ى	اغطش	غ ط ش
اعرضوا	,,	اعمال	ع م ل	اغفر	غ ف ر
اعز	ع ز ز	اعمام	ع م م	اغفلنا	غ ف ل
اعزة	,,	اعمل	ع م ل	اغلال	غ ل ل
اعصار	ع ص ر	اعملوا	,,	اغلب	غ ل ب
اعصر	ع ص ر	اعناب	ع ن ب	اغلظ	غ ل ظ
اعصي	ع ص ى	اعناق	ع ن ق	اغنى	غ ن ى
اعط	ع ط و	اعنت	ع ن ت	اغنت	,,
اعطى	,,	اعوذ	ع و ذ	اغنياء	,,
اعطوا	,,	اعهد	ع ه د	اغوى	غ و ى
اعطينا	,,	اعيب	ع ى ب	اغويت	,,
اعظ	و ع ظ	اعيدوا	ع و د	اغوينا	,,
اعظم	ع ظ م	اعيذ	ع و ذ	اف	ا ف ف
اعف	ع ف و	اعين	ع ى ن	افاء	ف ى أ
اعفوا	,,	اعينوا	ع و ن	افاض	ف ى ض

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
افاق	ف و ق	افل	ا ف ل	اقترفتموا	ق ر ف
افاك	أ ف ك	افلت	,,	اقتل	ق ت ل
افئدة	ف أ د	افلح	ف ل ح	اقتلوا	,,
افت	ف ت ی	افنان	ف ن ن	اقدام	ق د م
افتح	ف ت ح	افواج	ف و ج	اقدمون	,,
افتدی	ف د ی	افواه	ف و ه	اقذفي	ق ذ ف
افتدت	,,	افوز	ف و ز	اقرأ	ق ر أ
افتدوا	,,	افوض	ف و ض	اقرء وا	,,
افتراء	ف ر ی	افيضوا	ف ی ض	اقرب	ق ر ب
افترى	,,	اقام	ق و م	اقربون	,,
افتريت	,,	اقاموا	,,	اقررتم	ق ر ر
افترينا	,,	اقاويل	ق و ل	اقررنا	,,
افتوا	ف ت ی	اقبر	ق ب ر	اقرضتم	ق ر ض
افرغ	ف ر غ	اقبل	ق ب ل	اقرضوا	,,
افرق	ف ر ق	اقبلت	,,	اقسط	ق س ط
افسحوا	ف س ح	اقبلنا	,,	اقسطوا	,,
افسدوا	ف س د	اقبلوا	,,	اقسم	ق س م
افصح	ف ص ح	اقتت	و ق ت	اقسمتم	,,
افضى	ف ض و	اقتتل	ق ت ل	اقسموا	,,
افضتم	ف ی ض	اقتتلوا	,,	اقصى	ق ص و
افعل	ف ع ل	اقتحم	ق ح م	اقصد	ق ص د
افعلوا	,,	اقتد	ق د و	اقصص	ق ص ص
افق	ا ف ق	اقترب	ق ر ب	اقض	ق ض ی
افك	ا ف ك	اقتربت	,,	اقضوا	,,

لفظ	مادہ
اقطار	ق ط ر
اقطع	ق ط ع
اقطعوا	,,
اقعد	ق ع د
اقعدوا	,,
اقفال	ق ف ل
اَقُلّ	ق و ل
اَقَلُّ	ق ل ل
اقلام	ق ل م
اقلت	ق ل ل
اقلعي	ق ل ع
اقم	ق و م
اقمت	,,
اقمّ	,,
اقمن	,,
اقنى	قَ ن ى
اقنتي	ق ن ت
اقوات	ق و ت
اقول	ق و ل
اقوم	ق و م
اقيموا	,,
اك	ک و ن
اكابر	ک ب ر
اكاد	ک و د
اكالون	ا ک ل
اكبر	ک ب ر
اكبرن	,,
اكتالوا	ک ی ل
اكتب	ک ت ب
اكتبوا	,,
اكتتب	,,
اكتسب	ک س ب
اكتسبت	,,
اكتسبن	,,
اكتسبوا	,,
اكثر	ک ث ر
اكثرت	,,
اكثروا	,,
اكدى	ک د ی
اكرام	ک ر م
اكراه	ک ر ہ
اكرم	ک ر م
اكرمن	,,
اكرمي	,,
اكره	ک ر ہ
اكرهت	,,
اكسوا	ک س و
اكشف	ک ش ف
اكفر	ک ف ر
اكفرن	,,
اكفروا	,,
اكفل	ک ف ل
اكل	ا ک ل
اكلا	,,
اكلم	ک ل م
اكلوا	ا ک ل
اكمام	ک م م
اكملت	ک م ل
اكمه	ک م ہ
اكن	ک و ن
اكنان	ک ن ن
اكنة	,,
اكنتم	,,
اكواب	ک و ب
اكون	ک و ن
اكيد	ک ی د
اَلْ	ا ل
اَلَّ	ا ل ل
اَلَا	الَّا
اَلَّا	اَلَّا
اَلَا	اَلَا−اَ+لا

لفظ	مادہ
الی	ا ل ی
الآن	ا و ن
الٰہ	ا ل ہ
اللہ	,,
الٰہین	,,
الباب	ل ب ب
التفت	ل ف ف
التقی	ل ق ی
التقتا	,,
التقط	ل ق ط
التقم	ل ق م
التقیتم	ل ق ی
التمسوا	ل م س
التنا	و ل ت
التي	الذی
الحاد	ل ح د
الحاف	ل ح ف
الحق	ل ح ق
الحقتم	,,
الحقنا	,,
اَلَدُّ	ل د د
اَلِدُ	و ل د
الـلذان	الذی

لفظ	مادہ
الذی	الذی
الذین	,,
الزم	ل ز م
الزمنا	,,
السنة	ل س ن
العن	ل ع ن
الغوا	ل غ و
الف	ا ل ف
الفاف	ل ف ف
الفت	ا ل ف
الفوا	ل ف ی
الفیا	,,
الفین	ا ل ف
الفینا	ل ف ی
الق	ل ق ی
القی	,,
القاب	ل ق ب
القت	ل ق ی
القوا	,,
القي	,,
القیا	,,
القیت	,,
القینا	,,
اللائي	الذی

لفظ	مادہ
اللاتی	الذی
اللہ	ا ل ہ
اللّٰھمّ	,,
الواح	ل و ح
الوان	ل و ن
الوف	ا ل ف
الهی	ل ہ و
الهم	ل ہ م
اِلَیَّ	الی+ی
اَلیاس	الیاس
الیاسین	الیاس
الیسع	الیسع
الیم	ا ل م
اَمْ	اَم
اُمّ	ا م م
اِمّا	اِمّا
اَمّا	اَمّا
اماء	ا م و
امات	م و ت
امارة	ا م ر
امام	ا م م
امانة	ا م ن
امانات	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
اماني	م ن ی	امروا	ا م ر	اٰمم	ا م م
اَمَتْ	ا م ت	امس	ا م س	امن	ا م ن
أَمَتٌ	م و ت	امساك	م س ك	امنت	,,
اَمَةٌ	ا م و	امسحوا	م س ح	امنة	,,
اُمَّةٌ	ا م م	امسك	م س ك	امنتم	,,
امتازوا	م ی ز	امسكتم	,,	امنن	م ن ن
امتحن	م ح ن	امسكن	,,	امني	م ن ی
امتحنوا	,,	امسكوا	,,	امنية	,,
امتع	م ت ع	امشاج	مشج	اموات	م و ت
امتعة	,,	امشوا	م ش ی	اموال	م و ل
امتلئت	م ل أ	امضوا	م ض ی	اموت	م و ت
امثال	م ث ل	امطر	م ط ر	امور	ا م ر
امثل	,,	امطرت	,,	امهات	ا م م
اَمَدٌ	ا م د	امطرنا	,,	امهل	م ھ ل
اَمَدٌ	م د د	امعاء	م ع ی	امي	ا م م
امددنا	,,	امكثوا	م ک ث	اميت	م و ت
اَمرٌ	ا م ر	امكن	م ک ن	امين	ا م ن
اَمَرَّ	م ر ر	امل	ا م ل	اميون	ا م م
اٰمرٌ	ا م ر	املأ	م ل أ	اميين	,,
اَمرؤ	م ر أ	املى	م ل و	انَّ	انَّ
امراة	,,	املاق	م ل ق	اَنَّ	اَنَّ
امرءتان	,,	املك	م ل ک	اَنْ	اَنْ
امرت	ا م ر	املي	م ل و	اِنْ	اِنْ
امرنا	,,	امليت	,,		

لفظ	ماده
اَنَّى	اَنَّ
اَنَا	اَنَا
اِنَا	ا ن ی
اَنَّا	اِنَّ+نَا
اناب	ن و ب
اناٰبوا	,,
اناث	ا ن ث
اناس	ا ن س
اناسي	,,
انام	ا ن م
انامل	ن م ل
انباء	ن ب أ
انبأ	,,
انبّی	,,
انبّؤا	,,
انبت	ن ب ت
انبتت	,,
انبتنا	,,
انبجست	ب ج س
انبذ	ن ب ذ
انبعاث	ب ع ث
انبعث	,,
انبنا	ن و ب

لفظ	ماده
انبیاء	ن ب أ-ن ب و
اَنْتَ	اَنْتَ
اَنْتِ	اَنْتِ
انتبذت	ن ب ذ
انتشرت	ن ش ر
انتشروا	,,
انتصر	ن ص ر
انتصروا	ن ص ر
انتظر	ن ظ ر
انتظروا	,,
انتقام	ن ق م
انتقمنا	,,
اَنْتُمْ	اَنْتُمْ
اَنْتُمَا	اَنْتُمَا
انتهى	ن ه ی
انتهوا	,,
انثى	ا ن ث
انثيين	,,
انجى	ن ج و
انجيت	,,
اَنْجِيلُ	اَنْجِيلَ
اَنْجَيْنَا	ن ج و
انحر	ن ح ر

لفظ	ماده
انداد	ن د د
انذر	ن ذ ر
انذرت	,,
انذرنا	,,
انذروا	,,
انزل	ن ز ل
انزلت	,,
انزلتموا	,,
انزلنا	,,
انس	ا ن س
انسلخ	ن س ی
انساب	ن س ب
انسان	ا ن س
انسلخ	س ل خ
انسوا	ن س ی
انسی	ا ن س
انشأ	ن ش أ
انشاء	,,
انشأتم	,,
انشأنا	,,
انشر	ن ش ر
انشرنا	,,
انشزوا	ن ش ز
انشق	ش ق ق

لفظ	ماده
انشقت	ش ق ق
انصاب	ن ص ب
انصار	ن ص ر
انصب	ن ص ب
انصتو	ن ص ت
انصح	ن ص ح
انصر	ن ص ر
انصرفوا	ص ر ف
انصروا	ن ص ر
انطق	ن ط ق
انطلق	ط ل ق
انطلقا	,,
انطلقتم	,,
انطلقوا	,,
انظر	ن ظ ر
انظروا	,,
انظری	,,
انعام	ن ع م
انعم	,,
انعمت	,,
انعمنا	,,
انف	ا ن ف
انفاق	ن ف ق
انفال	ن ف ل

لفظ	ماده
انفجرت	ف ج ر
انفخ	ن ف خ
انفخوا	,,
انفذوا	ن ف ذ
انفروا	ن ف ر
انفس	ن ف س
انفصام	ف ص م
انفضو	ف ض ض
انفطرت	ف ط ر
انفق	ن ف ق
انفقت	,,
انفقتم	,,
انفقوا	,,
انفلق	ف ل ق
انقذ	ن ق ذ
انقص	ن ق ص
انقض	ن ق ض
انقلب	ق ل ب
انقلبتم	,,
انقلبوا	,,
انکاث	ن ک ث
انکال	ن ک ل
انکحوا	ن ک ح
انکدرت	ک د ر

لفظ	ماده
انکر	ن ک ر
اَنَّمَا	ان+ما
اِنَه	ن ه ی
انهی	,,
اَنْهَارٌ	ن ه ر
اَنْهَارَ	ه و ر
اَنّٰی	اَنّٰی
انیب	ن و ب
انیبوا	,,
اَوْ	اَوْ
اواب	ا و ب
اوابین	,,
اواری	و ر ی
اواه	ا و ه
اوبار	و ب ر
اوبی	ا و ب
اوتی	ا ت ی
اوتین	,,
اوتاد	و ت د
اوتوا	ا ت ی
اوتي	,,
اوتیت	,,

لفظ	مادہ
اوتيتم	,,
اوتينا	,,
اوثان	و ث ن
اوجس	و ج س
اوجفتم	و ج ف
اوحى	و ح ى
اوحي	,,
اوحيت	,,
اوحينا	,,
اودية	و د ى
اوذوا	ا ذ ى
اوذي	,,
اوذينا	,,
اورث	و ر ث
اورثتمو	,,
اورثنا	,,
اورثوا	,,
اورد	و ر د
اوزار	و ز ر
اوزع	و ز ع
اوسط	و س ط
اوصى	و ص ى
اوضعوا	و ض ع
اوعى	و ع ى
اوعية	و ع ى
اوف	و ف ى
اوفى	,,
اوفوا	,,
اوقد	و ق د
اوقدوا	,,
اول	ا و ل
اُولٰى	,,
اَولٰى	و ل ى
اُولٰٓئِ	اُولٰٓ ء
اُولٰٓئِكَ	اُولٰٓئِكَ
اولات	اُولُوٓ
اولات الاحمال	اُولُوٓ +ح م ل
اولاد	و ل د
اولى لك	و ل ى
اولو	اُولُوٓ
اولى النعمة	اُولُوٓ +ن ع م
اولون	ا و ل
اولياء	و ل ى
اوليان	,,
اولين	ا و ل
اوهن	و ه ن
اهان	ه و ن
اهانن	ه و ن
اهب	و ه ب
اهبط	ه ب ط
اهبطا	,,
اهبطوا	,,
اهتدى	ه د ى
اهتدوا	,,
اهتديت	,,
اهتديتم	,,
اهتزت	ه ز ز
اهجر	ه ج ر
اهجروا	,,
اهد	ه د ى
اهدى	,,
اهدوا	,,
اهدي	,,
اهشن	ه ش ش
اُهِلَّ	ه ل ل
اَهَلَّ	ا ه ل
اهلة	ه ل ل
اهلك	ه ل ك
اهلكت	,,
اهلكنا	,,
اهلكوا	,,

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اهلون	ا ه ل	ایام	ی و م	ایدنا	ا ی د
اهمت	ه م م	ایامی	ا ی م	ایدی	ی د ی
اهواء	ه و ی	ایان	أَيَّانَ	ایقاظ	ی ق ظ
اهوی	,,	ایانا	اِيَّا + نَا	ایکة	ا ی ک
اهون	ه و ن	ایاه	,, + هُ	ایلاف	ا ل ف
اِی	اِي	ایاها	,, + هَا	اَیمانٌ	ی م ن
اَیٍّ	اَيٍّ	ایاهم	,, + هُم	اِیمَان	ا م ن
اَیٍّ	اَيٍّ	اياي	,, + ی	اَیمن	ی م ن
ایاب	ا و ب	ایة	ا ی ی	اَین	اَین
ایاك	اِيَّا + كَ	ایتاء	ا ت ی	اَینَمَا	اَین + مَا
ایاکما	اِيَّا + كُمَا	اید	ا ی د	اَیُّوب	اَیوب
ایاکم	اِيَّا + كُم	ایدت	,,	ایها	ای + ها

ب

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ب	ب	باخع	ب خ ع	بازغة	ب ز غ
باد	ب د د	بادون	ب د و	باس	ب أ س
باء	ب و ء	بادي	,,	باساء	,,
بائس	ب أ س	بارد	ب ر د	باسرة	ب س ر
بئر	ب أ ر	بارزة	ب ر ز	باسط	ب س ط
بئس	ب أ س	بارزون	,,	باسطون	,,
بائع	ب ی ع	بارك	ب ر ك	باسقات	ب س ق
باء وا	ب و ء	بارکنا	,,	باشروا	ب ش ر
بئیس	ب أ س	بارئ	ب ر أ	باطل	ب ط ل
باب	ب و ب	بازغ	ب ز غ	باطن	ب ط ن
بابل	بابل				

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
باطنة	ب ط ن	بدءوا	ب د أ	بروج	ب ر ج
باعد	ب ع د	بدأنا	,,	برهان	ب ر ه
باغ	ب غ ی	بدت	ب د و	برهانان	,,
باق	ب ق ی	بدر	ب د ر	بريء	ب ر ا
باقون	,,	بدع	ب د ع	بريئون	,,
باقيات	,,	بدعة	,,	برية	,, - ب ر ی
باقية	,,	بدل	ب د ل	بس	ب س س
بال	ب و ل	بدلنا	,,	بساط	ب س ط
بالغ	ب ل غ	بدلوا	,,	بست	ب س س
بالغة	,,	بدن	ب د ن	بسر	ب س ر
بالغون	,,	بدو	ب د و	بسط	ب س ط
بايع	ب ی ع	بديع	ب د ع	بسطة	,,
بايعتم	,,	بر	ب ر ر	بسطت	,,
بث	ب ث ث	برا	ب ر أ	بشر	ب ش ر
بحار	ب ح ر	برءاء	,,	بشری	,,
بحر	,,	براءة	,,	بشرتموا	,,
بحران	,,	برد	ب ر د	بشرنا	,,
بحرين	,,	برزة	ب ر ر	بشروا	,,
بحيرة	,,	برز	ب ر ز	بشرين	,,
بخس	ب خ س	برزت	,,	بشير	,,
بخل	ب خ ل	برزخ	ب ر ز خ	بصائر	ب ص ر
بخلوا	,,	برزوا	ب ر ز	بصر	,,
بدا	ب د و	برق	ب ر ق	بصرت	,,
بدأ	ب د أ	برکات	ب ر ك		
بدار	ب د ر				

لفظ	مادہ
بصل	ب ص ل
بصیر	ب ص ر
بصیرة	,,
بضاعة	ب ض ع
بضع	,,
بطائن	ب ط ن
بطانة	,,
بطر	ب ط ر
بطرت	,,
بطش	ب ط ش
بطشة	,,
بطشتم	,,
بطل	ب ط ل
بطن	ب ط ن
بطون	,,
بعث	ب ع ث
بعثر	ب ع ث ر
بعثرت	,,
بعثنا	ب ع ث
بعد	ب ع د
بعدت	,,
بعض	ب ع ض
بعل	ب ع ل
بعوضة	ب ع ض

لفظ	مادہ
بعولة	ب ع ل
بعید	ب ع د
بعیر	ب ع ر
بغی	ب غ ی
بغاء	,,
بغال	ب غ ل
بغت	ب غ ی
بغتة	,,
بغضاء	ب غ ض
بغوا	ب غ ی
بغی	,,
بقر	ب ق ر
بقرات	,,
بقرة	,,
بقعة	ب ق ع
بقل	ب ق ل
بقی	ب ق ی
بقیة	,,
بکة	ب ک ک
بکت	ب ک ی
بکر	ب ک ر
بکرة	,,
بکم	ب ک م
بکی	ب ک ی

لفظ	مادہ
بَلْ	بَلْ
بَلٰی	بَلٰی
بلاء	ب ل و
بلاد	ب ل د
بلاغ	بلغ
بلد	ب ل د
بلدة	,,
بلغ	ب ل غ
بلغا	,,
بلغت	,,
بلغن	,,
بلغنا	,,
بلغوا	,,
بلونا	ب ل و
بَلِیغ	ب ل غ
بنی	ب ن ی
بناء	,,
بنات	ب ن و ـ ی
بنان	ب ن ن
بنوا	ب ن ی
بنون	ب ن و
بنی	ب ن و
بنی اسرائیل	بنی اسرائیل

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
بنیان	ب ن ی	بهتان	ب ہ ت	بیع	ب ی ع
بنی	,,	بهجة	ب ہ ج	بین	ب ی ن
بنینا	,,	بهیج	,,	بین‌ایدی	,, + ی د ی
بوأ	ب و أ	بهیمة	ب ہ م	بینا	,,
بوانا	,,	بیات	ب ی ت	بینات	,,
بوار	ب و ر	بیان	ب ی ن	بینة	ب ی ن
بور	,,	بیت	ب ی ت	بینوا	,,
بورك	ب ر ك	بیض	ب ی ض	بیوت	ب ی ت
بهت	ب ہ ت	بیضاء	,,		

ت

ت	ت	تاتون	ا ت ی	تارکوا	ت ر ك
تائب	ت و ب	تاتي	,,	تؤز	أ ز ز
تائبات	,,	توثرون	ا ث ر	تاس	ا س و
تائبون	,,	تاثیم	ا ث م	تاسرون	ا س ر
تاب	,,	تاجر	ا ج ر	تاسوا	ا س و
تابا	,,	تاجیل	ا ج ل	تافك	ا ف ك
تأبی	أ ب ی	تاخذ تاخذوا	ا خ ذ ,,	تاکل	ا ک ل
تابع	ت ب ع	تاخذون	,,	تاکلوا	,,
تابعین	,,	تاخر	ا خ ر	تاکلون	,,
تابوا	ت و ب	تودوا	ا د ی	تالمون	ا ل م
تابوت	تابوت	تاذن	ا ذ ن	تالیات	ت ل و
تاتني	ا ت ی	تارة	ت و ر	تامر	ا م ر
تاتوا	,,	تارك	ت ر ك	تامرون	,,

لفظ	مادہ
تامرين	ا م ر
تامن	ا م ن
تاويل	ا و ل
تب	ت و ب
تبّ	ت ب ب
تباب	,,
تبار	ت ب ر
تبارك	ب ر ك
تباشروا	ب ش ر
تبايعتم	ب ى ع
تبت	ت و ب
تبت	ت ب ب
تبتئس	ب أ س
تبتم	ت و ب
تبتغون	ب غ ى
تبتغي	,,
تبتل	ب ت ل
تبتيل	ب ت ل
تبخسوا	ب خ س
تبخلوا	ب خ ل
تبد	ب د و
تبدل	ب د ل
تبدوا	ب د و
تبدون	ب د و
تبدى	,,
تبديل	ب د ل
تبذر	ب ذ ر
تبذير	,,
تبرأ	ب ر أ
تبرئ	,,
تبرانا	,,
تبرءوا	,,
تبرج	ب ر ج
تبرجن	,,
تبرنا	ت ب ر
تبروا	ب ر ر
تبسط	ب س ط
تبسل	ب س ل
تبسم	ب س م
تبشر	ب ش ر
تبشرون	,,
تبصر	ب ص ر
تبصرة	,,
تبصرون	,,
تبطلوا	ب ط ل
تبع	ت ب ع
تبعثون	ب ع ث
تبعوا	ت ب ع
تبغ	ب غ ى
تبغوا	,,
تبغون	,,
تبغي	ب غ ى
تبقي	ب ق ى
تبكون	ب ك ى
تبلى	ب ل و
تبلغ	ب ل غ
تبلغوا	,,
تبلوا	ب ل و
تباون	,,
تبنون	ب ن ى
تبوء	ب و ء
تبوءا	,,
تبوءوا	,,
تبور	ب و ر
تبهت	ب ه ت
تبيان	ب ى ن
تبيد	ب ى د
تبيض	ب ى ض
تبيع	ت ب ع
تبين	ب ى ن
تبينت	,,
تبينوا	,,
تتبدلوا	ب د ل
تتبع	ت ب ع
تتبعان	ت ب ع

لفظ	مادہ
تتبعون	,,
تتبیب	ت ب ب
تتبیر	ت ب ر
تتجافی	ج ف و
تتخذ	ا خ ذ
تتخذون	,,
تتذکرون	ذ ک ر
تتری	و ت ر
تترک	ت ر ک
تترکون	,,
تتفرقوا	ف ر ق
تتفکر	ف ک ر
تتقلب	ق ل ب
تتقون	و ق ی
تتکبر	ک ب ر
تتلی	ت ل و
تتلقی	ل ق ی
تتلوا	ت ل و
تتاون	,,
تتاری	م ر ی
تتمنوا	م ن ی
تتناجوا	ن ج و
تتنزل	ن ز ل
تتوبا	ت و ب
تتوفی	و ف ی
تتولوا	و ل ی
تثبیت	ث ب ت
تثریب	ث ر ب
تثقفن	ث ق ف
تثیر	ث و ر
تجادل	ج د ل
تجاداون	,,
تجارة	ت ج ر
تجارون	ج أ ر
تجاهدون	ج ہ د
تجتنبون	ج ن ب
تجدوا	و ج د
تجدون	,,
تجرمون	ج ر م
تجری	ج ر ی
تجریان	,,
تجزی	ج ز ی
تجزون	,,
تجسسو	ج س س
تجعل	ج ع ل
تجعلون	,,
تجلی	ج ل و
تجمعوا	ج م ع
تجوع	ج و ع
تجهر	ج ہ ر
تجهروا	,,
تجهلون	ج ہ ل
تحاجون	ح ج ج
تحاضون	ح ض ض
تحاور	ح و ر
تحبرون	ح ب ر
تحبسون	ح ب س
تحبط	ح ب ط
تحبون	ح ب ب
تحت	تحت
تحدث	ح د ث
تحدثون	,,
تحذرون	ح ذ ر
تحرثون	ح ر ث
تحرض	ح ر ض
تحرك	ح ر ک
تحرم	ح ر م
تحرموا	,,
تحروا	ح ر ی
تحریر	ح ر ر
تحزن	ح ز ن
تحزنون	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
تحزنی	ح ز ن	تحید	ح ی د	تخسروا	خ س ر
تحس	ح س س	تحیطوا	ح و ط	تخسیر	خ س ر
تحسب	ح س ب	تحیون	ح ی ی	تخشی	خ ش ی
تحسبون	,,	تحیی	ح ی ی	تخشع	خ ش ع
تحسدون	ح س د	تخاصم	خ ص م	تخشوا	خ ش ی
تحسسوا	ح س س	تخاطب	خ ط ب	تخضعن	خ ض ع
تحسنوا	ح س ن	تخاف	خ و ف	تخط	خ ط ط
تحسون	ح س س	تخافا	,,	تخطف	خ ط ف
تحشرون	ح ش ر	تخافت	خ ف ت	تخفی	خ ف ی
تحصن	ح ص ن	تخافون	خ و ف	تخفوا	,,
تحصنون	,,	تخافي	,,	تخفون	,,
تحصوا	ح ص ی	تخالطوا	خ ل ط	تخفي	,,
تحط	ح و ط	تخبت	خ ب ت	تخفیف	خ ف ف
تحکم	ح ك م	تختانون	خ و ن	تخلت	خ ل و
تحکمون	,,	تختصموا	خ ص م	تخلدون	خ ل د
تحل	ح ل ل	تختصمون	,,	تخاف	خ ل ف
تحلوا	,,	تختلفون	خ ل ف	تخلق	خ ل ق
تحلة	,,	تخر	خ ر ر	تخلقون	,,
تحلقوا	ح ل ق	تخرج	خ ر ج	تخوف	خ و ف
تحمل	ح م ل	تخرجون	,,	تخونون	خ و ن
تحملون	,,	تخرصون	خ ر ص	تخویف	خ و ف
تحنث	ح ن ث	تخرق	خ ر ق	تخیرون	خ ی ر
تحویل	ح و ل	تخزون	خ ز ی	تدارك	د ر ك
تحیة	ح ی ی	تخز	,,	تداینتم	د ی ن

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
تدخرون	ذ خ ر	تذکرة	ذ ک ر	تربصتم	ر ب ص
تدخل	د خ ل	تذکرون	,,	تربصوا	,,
تدخلوا	,,	تذکروا	,,	تربصون	,,
تدرسون	د ر س	تذکیر	,,	ترتابوا	ر ی ب
تدرك	د ر ك	تذل	ذ ل ل	ترتدوا	ر د د
تدرون	د ر ی	تذلیل	,,	ترتیل	ر ت ل
تدري	,,	تذودان	ذ و د	ترثوا	و ر ث
تدع	د ع و	تذوقوا	ذ و ق	ترجع	ر ج ع
تدعی	,,	تذهب	ذ ه ب	ترجعون	,,
تدعوا	,,	تذهبوا	,,	ترجف	ر ج ف
تدعون	,,	تذهبون	,,	ترجمون	ر ج م
تدلی	د ل و	تذهل	ذ ه ل	ترجو	ر ج و
تدلوا	,,	ترآی ترى	,,	ترجون	,,
تدمر	د م ر	ترآء	,,	ترجی	,,
تدمیر	,,	ترآئب	ت ر ب	ترحم	ر ح م
تدور	د و ر	ترآءت	ر أ ی	ترحمون	,,
تدهن	د ه ن	تراب	ت ر ب	ترد	ر د د
تدیرون	د و ر	تراث	و ر ث	تردی	ر د ی
تذبحوا	ذ ب ح	تراض	ر ض ی	تردن	ر و د
تذر	و ذ ر	تراضوا	,,	تردون	ر د د
تذرن	,,	تراضیتم	,,	تردین	ر د ی
تذروا	ذ ر و	تراقي	رق‌ی-رق‌و	ترزق	ر ز ق
تذرون	و ذ ر	تراود	ر و د	ترزقان	,,
تذکر	ذ ک ر	تربص	ر ب ص	ترضی	ر ض ی

لفظ	مادہ
ترضع	ر ض ع
ترضون	ر ض ی
ترغبون	ر غ ب
ترفع	ر ف ع
ترفعوا	,,
ترق	ر ق ی
ترقب	ر ق ب
ترک	ت ر ک
ترکب	ر ک ب
ترکبون	,,
ترکبوا	,,
ترکت	ت ر ک
ترکتم	,,
ترکتموا	,,
ترکضوا	ر ک ض
تَرَکَنَّ	ت ر ک
تَرْکَنُ	ر ک ن
ترکنا	ت ر ک
ترکنوا	ر ک ن
ترکوا	ت ر ک
ترمی	ر م ی
ترون	ر أ ی
ترهبون	ر ه ب

لفظ	مادہ
ترهق	ر ه ق
تری	ر أ ی
تریحون	ر و ح
ترید	ر و د
تریدون	,,
ترین	ر أ ی
تزال	ز و ل
تزاور	ز و ر
تزد	ز ی د
تزداد	,,
تزدری	ز ر ی
تزر	و ز ر
تزرعون	ز ر ع
تزعمون	ز ع م
تزغ	ز ی غ
تزکی	ز ک و
تزکو	,,
تزل	ز ل ل
تزودوا	ز و د
تزول	ز و ل
تزولا	,,
تزهق	ز ه ق
تزیدون	ز ی د
تزیلوا	ز ی ل

لفظ	مادہ
تساءلون	س أ ل
تساقط	س ق ط
تسأل	س أ ل
تسالون	,,
تسأموا	س أ م
تسبح	س ب ح
تسبحون	,,
تسبق	س ب ق
تسبوا	س ب ب
تسبیح	س ب ح
تستاخرون	ا خ ر
تستانسوا	ا ن س
تستبدلون	ب د ل
تستبین	ب ی ن
تسترون	س ت ر
تستجیبون	ج و ب
تستخرجون	خ ر ج
تستخفون	خ ف ف
تسترضعوا	ر ض ع
تستطع	ط و ع
تستطیع	,,
تستطیعون	,,
تستعجل	ع ج ل
تستعجلون	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
تستعجلوا	ع ج ل	تسریح	س ر ح	تسیمون	س و م
تستغفر	غ ف ر	تسع	ت س ع	تشاء	ش ی أ
تستغفرون	,, ,,	تسعة	,,	تشاؤن	,,
تستغیثون	غ و ث	تسعة عشر	,,+ع ش ر	تشابه	ش ب ہ
تستفت	ف ت ی	تسعون	,,	تشابهت	,,
تستفتحوا	ف ت ح	تسعی	س ع ی	تشاقون	ش ق ق
تستفتیان	ف ت ی	تسفکون	س ف ک	تشاور	ش و ر
تستقدمون	ق د م	تسقط	س ق ط	تشتروا	ش ر ی
تستقسموا	ق س م	تسقی	س ق ی	تشتکی	ش ک و
تستکبرون	ک ب ر	تسکن	س ک ن	تشتهی	ش ہ و
تستکثر	کثر	تسکنون	,,	تشخص	ش خ ص
تستمعون	س م ع	تسلکوا	س ل ک	تشربون	ش ر ب
تستووا	س و ی	تسلموا	س ل م	تشرک	ش ر ک
تستوی	,,	تسلیم	,,	تشرکون	,,
تستهزءون	ہ ز أ	تسمع	س م ع	تشطط	ش ط ط
تسجد	س ج د	تسمعون	,,	تشعرون	ش ع ر
تسجدوا	,,	تسمی	س م و	تشقی	ش ق ی
تسحر	س ح ر	تسمیة	,,	تشقق	ش ق ق
تسحرون	,,	تسنیم	س ن م	تشکرون	ش ک ر
تسخرون	س خ ر	تسوء	س و ء	تشمت	ش م ت
تسر	س ر ر	تسوی	س و ی	تشهد	ش ہ د
تسرحون	س ر ح	تسود	س و د	تشهدون	,,
تسرقوا	س ر ف	تسوروا	س و ر	تشیع	ش ی ع
تسرون	س ر ر	تسیر	س ی ر	تصاحب	ص ح ب

لفظ	مادہ
تصبح	ص ب ح
تصبحون	,,
تصبر	ص ب ر
تصبرون	ص ب ر
تصدی	ص د ی
تصدق	ص د ق
تصدقوا	,,
تصدقون	,,
تصدون	ص د د
تصدیة	ص د ی
تصدیق	ص د ق
تصرف	ص ر ف
تصرفون	,,
تصریف	,,
تصطلون	ص ل ی
تصعدون	ص ع د
تصعر	ص ع ر
تصغی	ص غ و
تصف	و ص ف
تصفحوا	ص ف ح
تصفون	و ص ف
تصلی	ص ل ی
تصلحون	ص ل ح
تصل تَصِلُ	ص ل و و ص ل
تصلیة	ص ل ی
تصنع	ص ن ع
تصنعون	,,
تصوموا	ص و م
تصیب	ص و ب
تصیبوا	,,
تصیر	ص ی ر
تضار	ض ر ر
تضاروا	,,
تضحی	ض ح و
تضحکون	ض ح ك
تضربوا	ض ر ب
تضرع	ض ر ع
تضرعوا	,,
تضرون	ض ر ر
تضع	و ض ع
تضعون	,,
تضل	ض ل ل
تضلوا	,,
تضلیل	,,
تضیقوا	ض ی ق
تطئوا	و ط أ
تطاول	ط و ل
تطرد	ط ر د
تطع	ط و ع
تطعمون	ط ع م
تطغوا	ط غ ی
تطلع	ط ل ع
تطمئن	ط م ن
تطمعون	ط م ع
تطوع	ط و ع
تطهر	ط ه ر
تطهرن	,,
تطهیر	,,
تطیرنا	ط ی ر
تطیعوا	ط و ع
تظاهرا	ظ ه ر
تظاهرون	,,
تظلم	ظ ل م
تظلمون	,,
تظما	ظ م ا
تظن	ظ ن ن
تظنون	,,
تظهرون	ظ ه ر
تعارفو	ع ر ف
تعاسرتم	ع س ر
تعاطی	ع ط و
تعالیٰ	ع ل و

لفظ	مادہ
تعالوا	ع ل و
تعالین	,,
تعاونوا	ع و ن
ثعبثون	ع ب ث
تعبد	ع ب د
تعبدوا	,,
تعبدون	,,
تعبد	,,
تعبرون	ع ب ر
تعتدوا	ع د و
تعتدون	ع د د
تعتذرو	ع ذ ر
تعثو	ع ث ی
تعجب	ع ج ب
تعجبون	,,
تعجبین	,,
تعجل	ع ج ل
تعدو	ع د و
تعدو	و ع د
تعدان	,,
تعدل	ع د ل
تعدلوا	,,
تعدوا	ع د و
تعدون	ع د د
تعذب	ع ذ ب

لفظ	مادہ
تعری	ع ر ی
تعرج	ع ر ج
تعرض	ع ر ض
تعرضوا	,,
تعرضون	,,
تعرف	ع ر ف
تعرفون	,,
تعریف	,,
تعز	ع ز ز
تعزروا	عز ر
تعزموا	ع ز م
تعس	ت ع س
تعضلوا	ع ض ل
تعظون	و ع ظ
تعفف	ع ف ف
تعفوا	ع ف و
تعقلون	ع ق ل
تعلم	ع ل م
تعلموا	,,
تعلمون	ع ل م
تعلن	,,
تعلنون	ع ل ن
تعلوا	ع ل و
تعمی	ع م ی
تعمدت	ع م د
تعمل	ع م ل

لفظ	مادہ
تعملون	ع م ل
تعودوا	ع و د
تعولوا	ع و ل
تعی	و ع ی
تغابن	غ ب ن
تغتسلوا	غ س ل
تغر	غ ر ر
تغرب	غ ر ب
تغرق	غ ر ق
تغشی	غ ش ی
تغفر	غ ف ر
تغفروا	,,
تغفلون	غ ف ل
تغلبون	غ ل ب
تغلوا	غ ل و
تغمضوا	غ م ض
تغن	غ ن ی
تغنی	,,
تغیض	غ ی ض
تغیظ	غ ی ظ
تفاخر	ف خ ر
تفادون	ف د ی
تفاوت	ف و ت
تفتئو	ف ت أ

لفظ	ماده
تفتح	ف ت ح
تفترون	ف ر ی
تفتری	,,
تفتن	ف ت ن
تفتنون	,,
تفث	ت ف ث
تفجر	ف ج ر
تفجیر	,,
تفرح	ف ر ح
تفرحوا	,,
تفرضوا	ف ر ض
تفرق	ف ر ق
تفرقوا	,,
تفرون	ف ر ر
تفریق	ف ر ق
تفسحوا	ف س ح
تفسدون	ف س د
تفسقون	ف س ق
تفسیر	ف س ر
تفشلا	ف ش ل
تفشلوا	,,
تفصیل	ف ص ل
تفضحوا	ف ض ح
تفضیل	ف ض ل
تفعل	ف ع ل
تفعلون	,,
تفقد	ف ق د
تفقدون	,,
تفقهون	ف ق ه
تفکهون	ف ک ه
تفلحون	ف ل ح
تفندوا	ف ن د
تفور	ف و ر
تفیٔ	ف ی أ
تفیض	ف ی ض
تفیضون	,,
تقاة	و ق ی
تقاتل	ق ت ل
تقاتلون	,,
تقاسموا	ق س م
تقبل	ق ب ل
تقبلوا	,,
تقتل	ق ت ل
تقتلون	,,
تقتیل	,,
تقدروا	ق د ر
تقدیر	,,
تقدم	ق د م
تقدموا	ق د م
تقر	ق ر ر
تقرأ	ق ر أ
تقرب	ق ر ب
تقربا	,,
تقربوا	,,
تقربون	,,
تقرض	ق ر ض
تقرضوا	,,
تقسطوا	ق س ط
تقسموا	ق س م
تقشعر	ق ش ع ر
تقصروا	ق ص ر
تقصص	ق ص ص
تقضي	ق ض ی
تقطع	ق ط ع
تقطعت	,,
تقطعوا	,,
تقطعون	,,
تقع	و ق ع
تقعد	ق ع د
تقعدوا	,,
تقف	ق ف و
تقلب	ق ل ب

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
تقلبون	ق ل ب	تکرمون	ک ر م	تلذ	ل ذ ذ
تقم	ق و م	تکرہ	ک ر ہ	تلظی	ل ظ ی
تقنطوا	ق ن ط	تکرھون	,,	تلفت	ل ف ت
تقوی	و ق ی	تکسب	ک س ب	تلفح	ل ف ح
تقول	ق و ل	تکسبون	,,	تلقاء	ل ق ی
تقولون	,,	تکفر	ک ف ر	تلقی	,,
تقوم	ق و م	تکفرون	,,	تلقف	ل ق ف
تقوموا	,,	تکاف	ک ل ف	تلقوا	ل ق ی
تقویم	,,	تکلم	ک ل م	تلقون	,,
تقھر	ق ھ ر	تکلمون	,,	تلک	ذلك
تقي	و ق ی	تکلیم	,,	تلکما	,,
تقیموا	ق و م	تکلوا	ک م ل	تلکم	,,
تَکُ	ک و ن	تکن	کننکون	تلمزو	ل م ز
تکاثر	ک ث ر	تکنزون	ک ن ز	تلوت	ت ل و
تکاد	ک و د	تکوی	ک و ی	تلوسون	ل و م
تکبروا	ک ب ر	تکون	ک و ن	تلوون	ل و ی
تکبیر	,,	تکونا	,,	تلھی	ل ھ و
تکتب	ک ت ب	تکونون	,,	تلیت	ت ل و
تکتبوا	,,	تل	ت ل ل	تلین	ل ی ن
تکتموا	ک ت م	تلی	ت ل و	تم	ت م م
تکتمون	,,	تلاق	ل ق ی	تماثیل	م ث ل
تکذبان	ک ذ ب	تلاوۃ	ت ل و	تمار	م ر ی
تکذبون	,,	تلبثوا	ل ب ث	تماروا	,,
تکذیب	,,	تلبسون	ل ب س	تمارون	,,

لفظ	ماده
تمام	ت م م
تمت	,,
تمترون	م ر ی
تمترن	,,
تمتع	م ت ع
تمتعوا	,,
تمتعون	,,
تمثل	م ث ل
تمد	م د د
تمدون	,,
تمر	م ر ر
تمرحون	م ر ح
تمرون	م ر ر
تمس	م س س
تمسحن	,,
تمسكوا	م س ک
تمسوا	م س س
تمسون	م س و
تمشون	م ش ی
تمشی	,,
تمكرون	م ک ر
تملی	م ل و
تملک	م ل ک
تملكون	,,
تمنی	م ن ی
تمن	م ن ن
تمنع	م ن ع
تمنن	م ن ن
تمنوا	م ن ی
تمنون	م ن ن
تمنون	م ن ی
تموت	م و ت
تموتون	,,
تمور	م و ر
تمهید	م ه د
تمید	م ی د
تمیز	م ی ز
تمیلوا	م ی ل
تنابزوا	ن ب ز
تناجوا	ن ج و
تناجیتم	,,
تناد	ن د و
تنادوا	,,
تنازعتم	ن ز ع
تنازعوا	,,
تناصرون	ن ص ر
تنال	ن ی ل
تنالوا	,,
تناوش	ن و ش
تنبیٔ	ن ب أ
تنبئون	,,
تنبت	ن ب ت
تنبتون	,,
تنتشرون	ن ش ر
تنتصران	ن ص ر
تنته	ن ه ی
تنتهوا	,,
تنجي	ن ج و
تنحتون	ن ح ت
تنذر	ن ذ ر
تنزع	ن ز ع
تنزل	ن ز ل
تنزلت	,,
تنزیل	,,
تنسی	ن س ی
تنسون	,,
تنشق	ش ق ق
تنصر	ن ص ر
تنصروا	,,
تنصرون	,,
تنطقون	ن ط ق
تنظر	ن ظ ر

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
تنظرون	ن ظ ر	تنهی	ن ه ی	توصية	و ص ی
تنفخ	ن ف خ	تنیا	و ن ی	توعدون	و ع د
تنفد	ن ف د	تواب	ت و ب	توعظون	و ع ظ
تنفذون	ن ف ذ	توابین	,,	توف	و ف ی
تنفروا	ن ف ر	تؤاخذ	أ خ ذ	توفی	,,
تنفس	ن ف س	توارت	و ر ی	توفت	,,
تنفع	ن ف ع	تواصوا	و ص ی	توفکون	ا ف ك
تنفقون	ن ف ق	تواعدتم	و ع د	توفون	و ف ی
تنقذ	ن ق ذ	تواعدون	,,	توفیت	,,
تنقص	ن ق ص	توب	ت و ب	توفیق	و ف ق
تنقصوا	,,	توبة	,,	توقدون	و ق د
تنقضوا	ن ق ض	توبوا	,,	توقروا	و ق ر
تنقلبوا	ق ل ب	تونؤن	ا ت ی	توقنون	ی ق ن
تنقم	ن ق م	توقی	,,	توکل	و ک ل
تنقمون	,,	توثرون	ا ث ر	توکلت	,,
تنکح	ن ک ح	توجل	و ج ل	توکلنا	,,
تنکحوا	,,	توجه	و ج ه	توکلوا	,,
تنکرون	ن ک ر	تود	و د د	توکید	و ک د
تنکصون	ن ک ص	تودون	,,	تول	و ل ی
تنکیل	ن ک ل	تؤذون	ا ذ ی	تولی	,,
تنوء	ن و ء	تورون	و ر ی	تولوا	,,
تنور	ت ن و ر	توریٰة	تورات	تولون	,,
تنهر	ن ه ر	توسوس	و س و س	تولیتم	,,
تنهون	ن ه ی	توصون	و ص ی	تومر	ا م ر

لفظ	ماده
تومرون	ا م ر
تومن	ا م ن
تومنون	,,
تووی	ا و ی
تهاجروا	ه ج ر
تهتدون	ه د ی
تهتدی	,,
تهتز	ه ز ز
تهجد	ه ج د
تهجرون	ه ج ر
تهدوا	ه د ی
تهدی	,,
تهلک	ه ل ک
تهلکة	,,
تهنوا	و ه ن
تهوی	ه و ی
تیئسوا	ی أ س
تیسر	ی س ر
تیمموا	ی م م
تین	ت ی ن

ث

لفظ	ماده
ثابت	ث ب ت
ثاقب	ث ق ب
ثالث	ث ل ث
ثالثة	,,
ثامن	ث م ن
ثانی	ث ن ی
ثاوی	ث و ی
ثبات	ث ب ی
ثبت	ث ب ت
ثبتنا	,,
ثبتوا	,,
ثبط	ث ب ط
ثبوت	ث ب ت
ثبور	ث ب ر
ثجاج	ث ج ج
ثری	ث ر ی
ثعبان	ث ع ب
ثقل	ث ق ل
ثقفتموا	ث ق ف
ثقفوا	,,
ثقلان	ث ق ل
ثقلت	,,
ثقیل	,,
ثلاث	ث ل ث
ثلثون	,,
ثلة	ث ل ل
ثلث	ث ل ث
ثلثان	,,
ثنی	ث ن ی
ثُمَّ	ث م م
ثُمَّ	ث م م
ثَمَّ	ث م م
ثمانی	ث م ن
ثمانیة	,,
ثمانین	,,
ثمر	ث م ر
ثمرة	,,
ثمن	ث م ن
ثمود	ث م د
ثواب	ث و ب
ثوب	,,
ثریب	ث ر ب
ثیاب	ث و ب
ثیبات	ث ی ب

ج

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
جآء	ج ی أ	جالوت	جالوت	جبل	ج ب ل
جاءت	,,	جامدة	ج م د	جبلة	,,
جآئر	ج و ر	جامع	ج م ع	جبين	ج ب ن
جاءوا	ج ی أ	جان	ج ن ن	جثی	ج ث و
جئت	,,	جئنا	ج ی أ	جحدوا	ج ح د
جئتم	,,	جانب	ج ن ب	جحيم	ج ح م
جئتموا	,,	جاوز	ج و ز	جد	ج د د
جابوا	ج و ب	جاوزا	,,	جدار	ج د ر
جاثية	ج ث و	جاوزنا	,,	جدال	ج د ل
جاثمين	ج ث م	جاهد	ج ه د	جدد	ج د د
جادل	ج د ل	جاهدا	,,	جدر	ج د ر
جادلت	,,	جاهدوا	,,	جدلا	ج د ل
جادلتم	,,	جاهل	ج ه ل	جدل	,,
جادلوا	,,	جاهلون	,,	جديد	ج د د
جار	ج و ر	جاهلية	,,	جذاذ	ج ذ ذ
جاريات	ج ر ی	جب	ج ب ب	جذع	ج ذ ع
جارية	,,	جبار	ج ب ر	جذوة	ج ذ و
جاز	ج ز ی	جبارين	,,	جذوع	ج ذ ع
جاسوا	ج و س	جبال	ج ب ل	جراد	ج ر د
جاعل	ج ع ل	جباه	ج ب ه	جرحتم	ج ر ح
جاعلون	,,	جبت	ج ب ت	جرز	ج ر ز
		جبريل	جبريل	جرف	ج ر ف

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
جرم	ج ر م	جم	ج م م	جنود	ج ن د
جروح	ج ر ح	جمال	ج م ل	جنی	ج ن ی
جرین	ج ر ی	جمالة	,,	جو	ج و و
جزء	ج ز أ	جمع	ج م ع	جواب	ج و ب۔ج ب ی
جزاء	ج ز ی	جمعان	,,	جوار	ج ر ی
جزعنا	ج ز ع	جمعة	,,	جوارح	ج ر ح
جزوع	,,	جمعنا	,,	جودی	ج و د
جزیت	ج ز ی	جمعوا	,,	جوع	ج و ع
جزیة	,,	جمل	ج م ل	جوف	ج و ف
جسد	ج س د	جملة	,,	جهاد	ج ہ د
جسم	ج س م	جمیع	ج م ع	جهار	ج ہ ر
جعل	ج ع ل	جمیل	ج م ل	جهاز	ج ہ ز
جعلا	,,	جن	ج ن ن	جهالة	ج ہ ل
جعلت	,,	جنا	ج ن ی	جهد	ج ہ د
جعلتم	,,	جنات	ج ن ن	جهر	ج ہ ر
جعلنا	,,	جناح	ج ن ح	جهرة	,,
جعلوا	,,	جناحی	,,	جهز	ج ہ ز
جفاء	ج ف و	جنبه	ج ن ب	جهنم	جهنم
جفان	ج ف ن	جنة	ج ن ن	جهول	ج ہ ل
جلاء	ج ل و	جنتان	,,	جیاد	ج و د
جلی	,,	جنحوا	ج ن ح	جیب	ج ی ب
جلابیب	ج ل ب	جند	ج ن د	جید	ج ی د
جلال	ج ل ل	جنف	ج ن ف	جیوب	ج ی ب
جلدة	ج ل د	جنوب	ج ن ب	جیٔ	ج ی أ

ح

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
حاج	ح ج ج	حافين	ح ف ف	حجاب	ح ج ب
حاجة	ح و ج	حاق	ح ی ق	حجارة	ح ج ر
حاجتم	ح ج ج	حاقة	ح ق ق	حجة	ح ج ج
حاجز	ح ج ز	حاكمين	ح ک م	حجج	,,
حاجزين	,,	حال	ح و ل	حجر	ح ج ر
حاجوا	ح ج ج	حام	ح م ی	حجرات	,,
حاد	ح د د	حامدون	ح م د	حجور	,,
حاذرون	ح ذ ر	حاملات	ح م ل	حدائق	ح د ق
حارب	ح ر ب	حاملين	,,	حداد	ح د د
حاسبنا	ح س ب	حامية	ح م ی	حلب	ح د ب
حاسبين	,,	حب	ح ب ب	حدث	ح د ث
حاسد	ح س د	حبال	ح ب ل،	حدود	ح د د
حاش	ح ا ش	حبب	ح ب ب	حديث	ح د ث
حاشرين	ح ش ر	حبة	,,	حديد	ح د د
حاصب	ح ص ب	حبط	ح ب ط	حذر	ح ذ ر
حاضرة	ح ض ر	حبطت	,,	حر	ح ر ر
حاضرى	,,	حبك	ح ب ک	حرام	ح ر م
حافرة	ح ف ر	حبل	ح ب ل	حرب	ح ر ب
حافظ	ح ف ظ	حتى	حتّى	حرث	ح ر ث
حافظات	,,	حتم	ح ت م	حرج	ح ر ج
حافظوا	,,	حثيثا	ح ث ث	حرد	ح ر د
حافظون	,,	حج	ح ج ج	حرس	ح ر س

لفظ	مادہ
حرصت	ح ر ص
حرصتم	,,
حرض	ح ر ض
حرف	ح ر ف
حرقوا	ح ر ق
حرم	ح ر م
حرمات	,,
حرمت	,,
حرمنا	,,
حرموا	,,
حرور	ح ر ر
حرير	,,
حريص	ح ر ص
حريق	ح ر ق
حزب	ح ز ب
حزبين	,,
حزن	ح ز ن
حساب	ح س ب
حسابيه	,,
حسان	ح س ن
حسب	ح س ب
حسبان	,,
حسبت	,,
حسبتم	,,
حسبوا	ح س ب
حسد	ح س د
حسرات	ح س ر
حسرة	,,
حسرتى	,,
حسن	ح س ن
حسنى	,,
حسنات	,,
حسنة	,,
حسنت	,,
حسنين	,,
حسوم	ح س م
حسيب	ح س ب
حسير	ح س ر
حسيس	ح س س
حشر	ح ش ر
حشرت	,,
حشرنا	,,
حصاد	ح ص د
حصب	ح ص ب
حصحص	ح ص ص (حصحص)
حصدتم	ح ص د
حصرت	ح ص ر
حصل	ح ص ل
حصور	ح ص ر
حصون	ح ص ن
حصيد	ح ص د
حصير	ح ص ر
حضر	ح ض ر
حضروا	,,
حطام	ح ط م
حطب	ح ط ب
حطة	ح ط ط
حطمة	ح ط م
حظ	ح ظ ظ
حفدة	ح ف د
حفرة	ح ف ر
حفظ	ح ف ظ
حفظة	,,
حفظنا	,,
حففنا	ح ف ف
حفي	ح ف ى
حفيظ	ح ف ظ
حق	ح ق ق
حق اليقين	ح ق ق + ى ق ن
حقب	ح ق ب
حقت	ح ق ق
حقيق	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
حکام	ح ک م	حمئة	ح م أ	حوایا	ح و ی
حکم	,,	حمد	ح م د	حوب	ح و ب
حکمة	,,	حمر	ح م ر	حوت	ح و ت
حکمت	,,	حمل	ح م ل	حور	ح و ر
حکمتم	,,	حملت	,,	حول	ح و ل
حکیم	,,	حملتم	,,	حولین	,,
حل	ح ل ل	حملنا	,,	حي	ح ی ی
حلائل	,,	حملوا	,,	حیوة	,,
حلاف	ح ل ف	حمولة	,,	حیة	,,
حلال	ح ل ل	حمیة	ح م ی	حیتان	ح و ت
حلفتم	ح ل ف	حمید	ح م د	حیث	ح ی ث
حلقوم	ح ل ق	حمیر	ح م ر	حیثما	,,
حلتم	ح ل ل	حمیم	ح م م	حیران	ح ی ر
حلم	ح ل م	حناجر	ح ن ج ر	حیل	ح و ل
حلوا	ح ل ی	حنان	ح ن ن	حیلة	,,
حلي	,,	حنث	ح ن ث	حین	ح ی ن
حلیة	,,	حنفاء	ح ن ف	حینئذ	حین+اذ
حلیم	ح ل م	حنیذ	ح ن ذ	حیوا	ح ی ی
حما	ح م أ	حنیف	ح ن ف	حیوان	,,
حمار	ح م ر	حنین	ح ن ن	حیوك	,,
حمالة	ح م ل	حواری	ح و ر	حیتم	,,

خ

خائبین	خ ی ب	خائف	خ و ف	خائنة	خ و ن
خائضین	خ و ض	خائفین	,,	خائنین	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
خاب	خ ی ب	خافية	خ ف ی	خبيث	خ ب ث
خاتم	خ ت م	خال	خ و ل	خبيثة	,,
خادع	خ د ع	خالات	,,	خبيثون	,,
خارج	خ ر ج	خالد	خ ل د	خبير	خ ب ر
خارجين	,,	خالدين	,,	ختار	خ ت ر
خازنين	خ ز ن	خالص	خ ل ص	ختام	خ ت م
خاسئ	خ س أ	خالصة	,,	ختم	,,
خاسئين	,,	خالفين	خ ل ف	خد	خ د د
خاسرة	خ س ر	خالق	خ ل ق	خذ	ا خ ذ
خاسرون	,,	خالقون	,,	خذوا	,,
خاشع	خ ش ع	خالقين	,,	خذول	خ ذ ل
خاشعات	,,	خالية	خ ل و	خر	خ ر ر
خاشعة	,,	خامدون	خ م د	خراب	خ ر ب
خاشعون	,,	خامسة	خ م س	خراج	خ ر ج
خاصة	خ ص ص	خانتا	خ و ن	خراصون	خ ر ص
خاضعين	خ ض ع	خانوا	,,	خرج	خ ر ج
خاضوا	خ و ض	خاوية	خ و ی	خرجت	,,
خاطئة	خ ط أ	خبأ	خ ب أ	لخرجتم	,,
خاطئون	,,	خبائث	خ ب ث	خرجن	,,
خاطبهم	خ ط ب	خبال	خ ب ل	خرجنا	,,
خاف	خ و ف	خبت	خ ب و	خرجوا	,,
خافت	,,	خبث	خ ب ث	خردل	خ ر د ل
خافضة	خ ف ض	خبر	خ ب ر	خرطوم	خ ر ط م
خافوا	خ و ف	خبز	خ ب ز	خرق	خ ر ق

لفظ	مادہ
خرقت	خ ر ق
خرقوا	,,
خروا	خ ر ر
خروج	خ ر ج
خزآئن	خ ز ن
خزلة	,,
خزی	خ ز ی
خسار	خ س ر
خسر	,,
خسران	,,
خسروا	,,
خسف	خ س ف
خسفنا	,,
خسوف	,,
خشب	خ ش ب
خشع	خ ش ع
خشعت	,,
خشوع	,,
خشی	خ ش ی
خشیت	,,
خشیة	,,
خشنیا	,,
خصاصة	خ ص ص
خصام	خ ص م

لفظ	مادہ
خصم	خ ص م
خصم خصمٰن	,, ,,
خصمون	,,
خصیم	,,
خضتم	خ و ض
خضر	خ ض ر
خطأ	خ ط أ
خطاب	خ ط ب
خطایا	خ ط أ
خطب	خ ط ب
خطبة	,,
خطف	خ ط ف
خطفة	,,
خطوات	خ ط و
خطیئة	خ ط أ
خفاف	خ ف ف
خفت	خ و ف
خفت	خ ف ف
خفتم خفف	خ و ف خ ف ف
خفی	خ ف ی
خفیة	,,
خفیف	خ ف ف
خلا	خ ل و
خلائف	خ ل ف

لفظ	مادہ
خلاف	خ ل ف
خلاق	خ ل ق
خلال	خ ل ل
خلت	خ ل و
خلة	خ ل ل
خلد	خ ل د
خلصوا	خ ل ص
خلطاء	خ ل ط
خلطوا	,,
خلف	خ ل ف
خلفاء	,,
خلفة	,,
خلفتموا	,,
خلفوا	,,
خلق	خ ل ق
خلقت	,,
خلقنا	,,
خلقوا	,,
خلوا	خ ل و
خلود	خ ل د
خلیفة	خ ل ف
خلیل	خ ل ل
خمر	خ م ر
خمس	خ م س

لفظ	ماده
خمسة	خ م س
خمسين	,,
خمط	خ م ط
خنازير	خنزير
خناس	خ ن س
خنزير	خنزير
خنس	خ ن س
خوار	خ و ر
خوالف	خ ل ف
خوان	خ و ن
خوض	خ و ض
خوف	خ و ف
خول	خ و ل
خولنا	,,
خياط	خ ی ط
خيام	خ ی م
خيالة	خ و ن
خير	خ ی ر
خيرات	,,
خيرة	,,
خيط	خ ی ط
خيط الابيض	خ ی ط + ب ی ض
خيط الاسود	خ ی ط + س و د
خيفة	خ و ف
خيل	خ ی ل

د

لفظ	ماده
دآئبين	د أ ب
دآئرة	د و ر
دآئم	د و م
دآئمون	,,
داود	داود
دأب	د أ ب
دأبا	,,
دابة	د ب ب
دابر	د ب ر
داحضة	د ح ض
داخرون	د خ ر
داخرين	,,
داخلون	د خ ل
دار	د و ر
داع	د ع و
داعی	,,
دافع	د ف ع
دافق	د ف ق
ماء دافق	م و ه + د ف ق
دامت	د و م
دامو	,,
دان	د ن و
دانية	,,
دبر	د ب ر
دحی	د ح و ـ ی
دحورا	د ح ر
دخان	د خ ن
دخل	د خ ل
دخلت	,,
دخلتم	,,
دخلتموا	,,
دخلوا	,,
دخول	,,
دراسة	د ر س
دراهم	د ر ه م
درجات	د ر ج
درجة	,,
درست	د ر س
درسوا	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
درك	د ر ك	دف ء	د ف أ	دمدم	د م د م
دری	د ر ر	دفع	د ف ع	دمر	د م ر
دسی	دسس(دسو)	دفعتم	,,	دمع	د م ع
دسر	د س ر	دك	د ك ك	دنی	د ن و
دُع	و د ع	دكاء	,,	دنیا	,,
دَع	د ع ع	دكت	,,	دوآئر	د و ر
دعا	د ع و	دكة	,,	دواب	د ب ب
دعاء	,,	دكتا	,,	دولة	د و ل
دعائی	,,	دل	د ل ل	دون	د و ن
دعوا	,,	دلی	د ل و	دهاق	د ه ق
دعوی	,,	دلو	,,	دهان	د ه ن
دعوة	,,	دلوك	د ل ك	دهر	د ه ر
دعوت	,,	دلیل	د ل ل	دهن	د ه ن
دعوتم	,,	دم	د م و	دیار	د و ر
دعوتموا	,,	دماء	,,	دیة	و د ی
دعي	,,	دمت	د و م	دین	د ی ن
دعیتم	,,	دمتم	,,	دینار	د ن ر

ذ

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ذا	ذ ا	ذئب	ذ أ ب	ذاقوا	ذ و ق
ذا	ذ و	ذات	ذ و	ذالك	ذ ا
ذا النون	ذا النون	ذاریات	ذ ر و	ذاكرات	ذ كر
ذائقة	ذ و ق	ذاقا	ذ و ق	ذاكرین	,,
ذآئقون	,,	ذاقت	,,	ذالک	ذ ا

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ذلکم	ذ ا	ذریة	ذ ر ر (ذری)	ذمة	ذ م م
ذلکما	,,	ذریات	,,	ذنب	ذ ن ب
ذلکن	,,	ذق	ذ و ق	ذنوب	,,
ذان	,,	ذکر	ذ ک ر	ذو	ذ و
ذانک	,,	ذکری	,,	ذوالکفل	ذوالکفل
ذاهب	ذ ه ب	ذکران	,,	ذوالقرنین	ذوالقرنین
ذباب	ذ ب ب	ذکرت	,,	ذوا	ذ و
ذبح	ذ ب ح	ذکرتم	,,	ذواتا	,,
ذبحوا	,,	ذکروا	,,	ذواتی	,,
ذر	و ذ ر	ذکرین	,,	ذوقوا	ذ و ق
ذرنی	,,	ذکور	,,	ذوی	ذ و
ذرأ	ذ ر أ	ذکیتم	ذ ک و	ذه	ذ ا
ذرأنا	,,	ذل	ذ ل ل	ذهاب	ذهب
ذراع	ذ ر ع	ذلة	,,	ذهب	,,
ذراعی	,,	ذلل	,,	ذهبت	,,
ذرة	ذ ر ر	ذللت	,,	ذهبنا	,,
ذرع	ذ ر ع	ذللنا	,,	ذهبوا	,,
ذَرَوا	ذ ر و	ذلول	,,	ذی	ذ و
ذَرَوا	و ذ ر				

ر

رابطوا	ر ب ط	رابیة	ر ب و	راجفة	ر ج ف
رابع	ر ب ع	رأت	ر أ ی	راحمین	ر ح م
رابیا	ر ب و	راجعون	ر ج ع	راد	ر د د

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
رادفة	ر د ف	راودتن	ر و د	ربيا	ر ب و
رادو	ر د د	راودوا	,,	ربيون	ر ب ب
رادي	,,	رؤس	ر أ س	رتق	ر ت ق
رازقين	ر ز ق	رءوف	ر أ ف	رتل	ر ت ل
رأس	ر أ س	راي	ر أ ى	رتلنا	,,
رءوس	,,	رئى	,,	رج	ر ج ج
راسخون	ر س خ	رويا	,,	رجال	ر ج ل
راسيات	ر س و	رايت	,,	رجت	ر ج ج
راشدون	ر ش د	رايتم	,,	رجز	ر ج ز
راضية	ر ض ى	رايتموا	,,	رجس	ر ج س
راعنا	رعن(رعى)	راين	,,	رجع	ر ج ع
راعون	ر ع ى	رب	ر ب ب	رجعى	,,
راغ	ر و غ	ربو	ر ب و	رجعت	,,
راغب	ر غ ب	رباٮٔب	ر ب ب	رجعتم	,,
راغبون	,,	رباط	ر ب ط	رجعنا	,,
رافة	ر أ ف	رباع	ر ب ع	رجعوا	,,
رافع	ر ف ع	ربانيون	ر ب ب	رجفة	ر ج ف
رافعة	,,	ربانيين	,,	رجل	ر ج ل
راق	ر ق ى	ربت	ر ب و	رجلان	,,
راكع	ر ك ع	ربحت	ر ب ح	رجلين	,,
راكعون	,,	ربطنا	ر ب ط	رجم	ر ج م
ران	ر ى ن	ربع	ر ب ع	رجمنا	,,
رأوا	ر أ ى	ربما	ربّ	رجوع	ر ج ع
راودت	ر و د	ربوة	ر ب و	رجوم	ر ج م

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
رجیم	ر ج م	وزق	ر ز ق	رغبت	ر غ ب
رحال	ر ح ل	وزقنا	,,	رغد	ر غ د
رحبت	ر ح ب	وزقوا	,,	رفات	ر ف ت
رحل	ر ح ل	رس	ر س س	رفث	ر ف ث
رحلة	,,	رسالة	ر س ل	رفد	ر ف د
رحما	ر ح م	رسل	,,	رفرف	ر ف ف
رحم	,,	رسول	,,	رفع	ر ف ع
رحماء	,,	رشاد	ر ش د	رفعت	,,
رحمة	ر ح م	رشد	,,	رفعنا	,,
رحمن	,,	رشيد	,,	رفيق	ر ف ق
رحمنا	,,	رصد	ر ص د	رفيع	ر ف ع
رحيق	ر ح ق	رضاعة	ر ض ع	رق	ر ق ق
رحيم	ر ح م	رضوا	ر ض ی	رقاب	ر ق ب
رخاء	ر خ و	رضوان	,,	رقبة	,,
رد	ر د د	رضي	,,	رقود	ر ق د
ردأ	ر د أ	رضيت	,,	رقی	ر ق ی
ردت	ر د د	رضيتم	,,	رقيب	ر ق ب
رددت	,,	رطب	ر ط ب	رقيم	ر ق م
رددنا	,,	رعاء	ر ع ی	ركاب	ر ک ب
ردف	ر د ف	رعاية	,,	ركام	ر ک م
ردم	ر د م	رعب	ر ع ب	ركب	ر ک ب
ردوا	ر د د	رعد	ر ع د	ركبا	,,
ردوا	,,	رعوا	ر ع ی	ركبان	,,
رزاق	ر ز ق	رغب	ر غ ب	ركبوا	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
رکز	ر ک ز	رواسی	ر س و	رهط	ر ه ط
رکع	ر ک ع	رواکد	ر ک د	رهق	ر ه ق
رکن	ر ک ن	روح	ر و ح	رهوا	ر ه و
رکوب	ر ک ب	روضات	ر و ض	رهین	ر ه ن
رمی	ر م ی	روضة	,,	رهینة	,,
رماح	ر م ح	روع	ر و ع	رئاء	ر ا ی
رماد	ر م د	روم	ر و م	ریاح	ر و ح
رمان	ر م ن	رویدا	ر و د	ریب	ر ی ب
رمز	ر م ز	رهان	ر ه ن	ریبة	,,
رمضان	ر م ض	رهب	ر ه ب	ریح	روح
رمیت	ر م ی	رهبان	,,	ریحان	ر و ح
رمیم	ر م م	رهبانیة	,,	ریش	ر ی ش
رواح	ر و ح	رهبة	,,	ریع	ر ی ع

ز

زاجرات	ز ج ر	زالتا	ز و ل	زجاجة	ز ج ج
زاد	ز ی د	زانی	ز ن ی	زجر	ز ج ر
زادت	,,	زانیة	,,	زجرة	,,
زادوا	,,	زاهدین	ز ه د	زحزح	ز ح ز ح
زارعون	ز ر ع	زاهق	ز ه ق	زحف	ز ح ف
زاغ	ز ی غ	زبانیة	ز ب ن	زخرف	ز خ ر ف
زاغت	,,	زبد	ز ب د	زد	ز ی د
زاغوا	,,	زبر	ز ب ر	زدنا	,,
زالت	ز و ل	زبور	,,	زرابی	ز ر ب

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
زراع	ز ر ع	زلزلت	زلل (زلزل)	زوجت	ز و ج
زرتم	ز و ر	زلزلة	,,	زوجنا	,,
زرق	ز ر ق	زلزلوا	,,	زوجين	,,
زرع	ز ر ع	زلف	ز ل ف	زور	ز و ر
زروع	,,	زلفى	,,	زهرة	ز ه ر
زعم	ز ع م	زلفة	,,	زهق	ز ه ق
زعمت	,,	زلق	ز ل ق	زهوق	
زعمتم	,,	زللتم	ز ل ل	زيادة	ز ي د
زعيم	,,	زمرا	ز م ر	زيت	ز ي ت
زفير	ز ف ر	زمهرير	ز م ه ر	زيتون	,,
زقوم	ز ق م	زنا	ز ن ى	زيتونة	,,
زكى	ز ك و	زنجبيل	زنجبيل	زيد	زيد
زكوٰة	,,	زنوا	و ز ن	زيغ	ز ى غ
زكريا	زكريا	زنيم	ز ن م	زيلنا	ز و ل
زكى	ز ك و	زوال	ز و ل	زين	ز ى ن
زكية	,,	زوج	ز و ج	زينا	,,
زلتم	ز و ل	زوجان	,,	زينت	,,
زلزال	زلل (زلزل)			زينة	,,
				زينوا	,,

س

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
س	س	سائحون	س ى ح	سابحات	س ب ح
ساء	س و ء	سائغ	س و غ	سابغات	س ب غ
سائبة	س ى ب	سائق	س و ق	سابق	س ب ق
ساءت	س و ء	سائل	س أ ل	سابقات	,,
سائحات	س ى ح	سائلين	,,	سابقوا	,,

لفظ	ماده
سابقون	س ب ق
ساجد	س ج د
ساجدون	,,
ساحة	س ی ح
ساحر	س ح ر
ساحران	,,
ساحرون	,,
ساحل	س ح ل
ساخرین	س خ ر
سادة	س و د
سادس	س د س
سار	س ی ر
سارب	س ر ب
سارعوا	س ر ع
سارق	س ر ق
سارقة	,,
سارقون	,,
ساعة	س و ع، س ی ع
سافل	س ف ل
سافلین	,,
ساق	س و ق
ساقط	س ق ط
ساقی	س و ق
ساکن	س ک ن
سال	س أ ل
سئل	,,
سألتَ	,,
سألتَ	س ی ل
سئلت	س أ ل
سالتم	,,
سالتموا	,,
سالمون	س ل م
سالوا	س أ ل
سئلوا	,,
سامدون	س م د
سامر	س م ر
سامری	,,
سؤل	س أ ل
ساوی	س و ی
ساهرة	س ه ر
ساهم	س ه م
ساهون	س ه و
سبا	سبأ
سبات	س ب ت
سبب	س ب ب
سبت	س ب ت
سبح	س ب ح
سبحان	,,
سبحوا	س ب ح
سبع	س ب ع
سبعة	,,
سبق	س ب ق
سبقت	س ب ق
سبقوا	,,
سبل	س ب ل
سبیل	,,
ستة	س ت ت
ستر	س ت ر
ستین	س ت ت
سجی	س ج و
سجد	س ج د
سجدا	,,
سجدوا	,,
سجرت	س ج ر
سجل	س ج ل
سجن	س ج ن
سجود	س ج د
سجیل	س ج ل
سجین	س ج ن
سحاب	س ح ب
سحابة	,,
سحار	س ح ر

لفظ	مادہ
سحت	س ح ت
سحر	س ح ر
سحران	,,
سحرة	,,
سحروا	,,
سحق	س ح ق
سحيق	,,
سخر	س خ ر
سخرنا	,,
سخروا	,,
سخري	,,
سخط	س خ ط
سد	س د د
سدی	س د ی
سدر	س د ر
سدرة	,,
سدس	س د س
سديد	س د د
سدين	,,
سر	س ر ر
سراء	,,
سرائر	,,
سراب	س ر ب
سرابيل	س ر ب ل
سراج	س ر ج
سراح	س ر ح
سرادق	س ر د ق
سراع	س ر ع
سرب	س ر ب
سرحوا	س ر ح
سرد	س ر د
سرر	س ر ر
سرق	س ر ق
سرمد	س ر م د
سرور	س ر ر
سری	س ر ی - و
سرير	س ر ر
سريع	س ر ع
سطحت	س ط ح
سعی	س ع ی
سعة	و س ع
سعدوا	س ع د
سعر	س ع ر
سعرت	,,
سعوا	س ع ی
سعي	,,
سعيد	س ع د
سعير	س ع ر
سفاهة	س ف ہ
سفر	س ف ر
سفرة	,,
سفلی	س ف ل
سفه	س ف ہ
سفهاء	,,
سفينة	س ف ن
سفيه	س ف ہ
سقی	س ق ی
سقاية	,,
سقر	س ق ر
سقط	س ق ط
سقطوا	,,
سقف	س ق ف
سقنا	س و ق
سقوا	س ق ی
سقيا	,,
ستيت	,,
سقيم	س ق م
سكاری	س ک ر
سكت	س ک ت
سكر	س ک ر
سكرة	,,
سكرت	,,

لفظ	مادہ
سکن	س ک ن
سکنتم	,,
سکین	,,
سکینة	,,
سل	س أ ل
سلالة	س ل ل
سلاسل	س ل س ل
سلام	س ل م
سلسبیل	س ب ل
سلسلة	س ل س ل
سلط	س ل ط
سلطان	,,
سلطانیه	,,
سلف	س ل ف
سلقوا	س ل ق
سلک	س ل ک
سلکنا	,,
سلم	س ل م
سلمتم	,,
سلموا	,,
سلوی	س ل و
سلیم	س ل م
سلیمان	سلیمان
سم	س م م
سماعون	س م ع
سماء	س م و
سمان	س م ن
سموات	س م و
سمع	س م ع
سمعت	,,
سمعتم	,,
سمعتموا	,,
سمعنا	,,
سمعوا	,,
سمک	س م ک
سموا	س م و
سموم	س م م
سمی	س م و
سمیت	,,
سمیتمو	,,
سمیع	س م ع
سمین	س م ن
سن	س ن ن
سنا	س ن ی
سنابل	س ن ب ل
سنبل	,,
سنبلة	,,
سنة	و س ن
سنة	س ن و ـ ه
سنة	س ن ن
سندس	س ن د س
سنن	س ن ن
سنین	س ن و ـ ه
سوء	س و ء
سوی	س و ی
سواء	,,
سوای	س و أ
سوآت	,,
سوءة	س و ء
سواع	سواع
سؤال	س أ ل
سؤل	,,
سود	س و د
سور	س و ر
سورة	,,
سوط	س و ط
سوف	سوف
سوق	س و ق
سول	س و ل
سولت	,,
سوی	س و ی
سویت	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
سهول	س ه ل	سيحوا	س ی ح	سيق	س و ق
سيء	س و ء	سيد	س و د	سيل	س ی ل
سيئات	,,	سير	س ی ر	سيما	س و م
سيئة	,,	سيرة	,,	سيناء	سيناء
سيئت	,,	سيرت	,,	سينين	سينين
سيارة	س ی ر	سيروا	,,		

ش

شاء	ش ی ء	شان	ش أ ن	شر	ش ر ر
شئت	,,	شانئ	ش ن أ	شراب	ش ر ب
شئتما	,,	شاور	ش و ر	شرب	,,
شئتم	,,	شاهد	ش ه د	شربوا	,,
شئنا	,,	شاهدون	,,	شرح	ش ر ح
شاخصة	ش خ ص	شبه	ش ب ه	شرد	ش ر د
شاربون	ش ر ب	شتاء	ش ت و	شرذمة	ش ر ذ م
شارك	ش ر ك	شتى	ش ت ت	شرر	ش ر ر
شاطئ	ش ط أ	شجر	ش ج ر	شرع	ش ر ع
شاعر	ش ع ر	شجرة	,,	شرعة	,,
شافعين	ش ف ع	شح	ش ح ح	شرعوا	,,
شاقوا	ش ق ق	شحوم	ش ح م	شرقي	ش ر ق
شاكر	ش ک ر	شداد	ش د د	شرقية	,,
شاكرون	,,	شددنا	,,	شرك	ش ر ك
شاكلة	ش ک ل	شدوا	,,	شركاء	,,
شاهقات	ش م خ	شديد	,,	شروا	ش ر ی

لفظ	مادہ
شریعة	ش ر ع
شریك	ش ر ك
شطأ	ش ط أ
شطر	ش ط ر
شطط	ش ط ط
شعائر	ش ع ر
شعب	ش ع ب
شعر	ش ع ر
شعراء	ش ع ر
شعری	,,
شعوب	ش ع ب
شعیب	شُعَيْبٌ
شغف	ش غ ف
شغل	ش غ ل
شغلت	,,
شَفَا	ش ف و
شِفَاءٌ	ش ف ی
شفاعة	ش ف ع
شفة	ش ف ہ (شفو)
شفتین	,,
شفع	ش ف ع
شفعاء	,,
شفق	ش ف ق
شفیع	ش ف ع

لفظ	مادہ
شق	ش ق ق
شقاق	,,
شقة	,,
شققنا	,,
شقوا	ش ق ی
شقوة	,,
شقي	,,
شك	ش ك ك
شكر	ش ک ر
شكرتم	,,
شكل	ش ک ل
شكور	ش ک ر
شمال	ش م ل
شمائل	,,
شمس	ش م س
شنآن	ش ن أ
شوی	ش و ی
شواظ	ش و ظ
شوب	ش و ب
شوری	ش و ر
شوكة	ش و ك
شهاب	ش ہ ب
شهب	,,
شهادة	ش ہ د

لفظ	مادہ
شهادات	ش ہ د
شهد	,,
شهداء	,,
شهدتم	,,
شهدنا	,,
شهدوا	,,
شهر	ش ہ ر
شهرین	,,
شهوة	ش ہ و
شهوات	,,
شهود	ش ہ د
شهور	ش ہ ر
شهید	ش ہ د
شهیدین	,,
شهیق	ش ہ ق
شيءٌ	ش ی أ
شیاطین	ش ط ن
شیب	ش ی ب
شیبة	,,
شیخ	ش ی خ
شیطان	ش ط ن
شیع	ش ی ع
شیعة	,,
شیوخ	ش ی خ
شیة	و ش ی

ص

لفظ	مادہ
صائم	ص و م
صائمات	,,
صابئون	ص ب أ
صابر	ص ب ر
صابرة	,,
صابروا	,,
صابرون	,,
صاحب	ص ح ب
صاحب الحوت	ص ح ب ح و ت
صاحبة	ص ح ب
صاجي	,,
صاخة	ص خ خ
صادق	ص د ق
صادقات	,,
صادقون	,,
صارمين	ص ر م
صاعقة	ص ع ق
صاغرون	ص غ ر
صافات	ص ف ف
صافنات	ص ف ن
صافون	ص ف ف
صال	ص ل ی
صَالِحٌ	صَالِحٌ
صالح	ص ل ح
صالحات	,,
صالحون	,,
صالحين	,,
صالوا	ص ل ی
صامتون	ص م ت
صبّ	ص ب ب
صباح	ص ب ح
صبار	ص ب ر
صبينا	ص ب ب
صبح	ص ب ح
صبر	ص ب ر
صبرتم	,,
صبرنا	,,
صبروا	,,
صبغ	ص ب غ
صبغة	,,
صبوا	ص ب ب
صبي	ص ب و
صحاف	ص ح ف
صحف	ص ح ف
صخر	ص خ ر
صخرة	,,
صد	ص د د
صددتم	,,
صددنا	,,
صدر	ص د ر
صدع	ص د ع
صدف	ص د ف
صدفين	,,
صدق	ص د ق
صدقات	,,
صدقة	,,
صدقت	,,
صدقنا	,,
صدقوا	,,
صدوا	ص د د
صدود	,,
صدور	ص د ر
صديد	ص د د
صديق	ص د ق
صديقة	,,

لفظ	مادہ
صدیقون	ص د ق
صِرٌّ	ص و ر
صِر	ص ر ر
صِراط	ص ر ط
صرة	ص ر ر
صرح	ص ر ح
صرصر	ص ر ر
صرعیٰ	ص ر ع
صرف	ص ر ف
صرفت	,,
صرفنا	,,
صریخ	ص ر خ
صریم	ص ر م
صعد	ص ع د
صعق	ص ع ق
صعقا	,,
صعود	ص ع د
صعید	,,
صغار	ص غ ر
صغت	ص غ و
صغیر	ص غ ر
صغیرة	,,
صف	ص ف ف

لفظ	مادہ
صَفًّا	ص ف ف
صَفَنا	ص ف و
صفح	ص ف ح
صفر	ص ف ر
صفراء	,,
صفصف	ص ف ف
صفوان	ص ف و
صکت	ص ک ک
صل	ص ل و
صلّی	,,
صلٰوة	,,
صلب	ص ل ب
صلبوا	,,
صلح	ص ل ح
صلد	ص ل د
صلصال	ص ل ص ل
صلنا	ص ل و
صلوات	,,
صلي	ص ل ی
صم	ص م م
صمد	ص م د
صموا	ص م م

لفظ	مادہ
صنع	ص ن ع
صنعة	,,
صنعوا	,,
صنوان	ص ن و
صواب	ص و ب
صواع	ص و ع
صواعق	ص ع ق
صواف	ص ف ف
صوامع	ص م ع
صوت	ص و ت
صور	ص و ر
صورة	,,
صورنا	,,
صوم	ص و م
صهر	ص ہ ر
صیاصي	ص ی ص
صیام	ص و م
صیب	ص و ب
صیحة	ص ی ح
صید	ص ی د
صیف	ص ی ف

ض

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ضائق	ض ی ق	ضراء	ض ر ر	ضغث	ض غ ث
ضاحك	ض ح ك	ضرار	,,	ضفادع	ض ف د ع
ضاحكة	,,	ضرب	ض ر ب	ضل	ض ل ل
ضار	ض ر ر	ضربت	,,	ضلال	,,
ضاق	ض ی ق	ضربتم	,,	ضلالة	,,
ضاقت	,,	ضربنا	,,	ضلت	,,
ضال	ض ل ل	ضربوا	,,	ضللنا	,,
ضالين	,,	ضرر	ض ر ر	ضلوا	,,
ضامر	ض م ر	ضريع	ض ر ع	ضناك	ض ن ك
ضان	ض أ ن	ضعاف	ض ع ف	ضنين	ض ن ن
ضبح	ض ب ح	ضعف	,,	ضياء	ض و ء
ضحى	ض ح و	ضعفاء	,,	ضير	ض ی ر
ضحكت	ض ح ك	ضعفوا	,,	ضيزى	ض و ز
ضد	ض د د	ضعفين	,,	ضيف	ض ی ف
ضر	ض ر ر	ضعيف	,,	ضيق	ض ی ق

ط

طائر	ط ی ر	طائفتين	ط و ف	طاعة	ط و ع
طائعين	ط و ع	طائفين	,,	طاعم	ط ع م
طائف	ط و ف	طاب	ط ی ب	طاغوت	ط غ ی
طائفة	,,	طارد	ط ر د	طاغون	,,
طائفتان	,,	طارق	ط ر ق	طاغية	,,

لفظ	مادہ
طاغين	ط غ ی
طاف	ط و ف
طاقة	ط و ق
طال	ط و ل
طالب	ط ل ب
طالوت	طَالُوتُ
طامة	ط م م
طباق	ط ب ق
طبتم	ط ی ب
طبع	ط ب ع
طبق	ط ب ق
طبن	ط ی ب
طحى	ط ح ی
طرائق	ط ر ق
طردت	ط ر د
طرف	ط ر ف
طرفي	,,
طري	ط ر ی
طريق	ط ر ق
طريقة	,,
طعام	ط ع م
طعم	,,
طعمتم	,,

لفظ	مادہ
طعموا	ط ع م
طعن	ط ع ن
طعنوا	,,
طغى	ط غ ی
طغوا	,,
طغوى	,,
طغيان	,,
طفق	ط ف ق
طفقا	,,
طفل	ط ف ل
طل	ط ل ل
طلاق	ط ل ق
طلب	ط ل ب
طلح	ط ل ح
طلع	ط ل ع
طلعت	,,
طلق	ط ل ق
طلقتم	,,
طلقتمو	,,
طلقوا	,,
طلوع	ط ل ع
طمست	ط م س
طمسنا	,,

لفظ	مادہ
طمع	ط م ع
طوى	ط و ی
طوافون	ط و ف
طوبٰى	ط ی ب
طود	ط و د
طور	طور
طوع	ط و ع
طوعت	,,
طوفان	ط و ف
طول	ط و ل
طويل	,,
طهر	ط ه ر
طهرا	,,
طهور	,,
طي	ط و ی
طيب	ط ی ب
طيبات	,,
طيبة	,,
طيبون	,,
طير	ط ی ر
طين	ط ی ن

ظ

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ظالم	ظ ل م	ظلتم	ظ ل ل	ظمآن	ظ م أ
ظالمة	,,	ظلل	,,	ظن	ظ ن ن
ظالمون	,,	ظللنا	,,	ظنا	,,
ظانين	ظ ن ن	ظلم	ظ ل م	ظننا	,,
ظاهر	ظ ه ر	ظلمات	,,	ظننت	,,
ظاهرة	,,	ظلمة	,,	ظننتم	,,
ظاهروا	,,	ظلمت	,,	ظنوا	,,
ظاهرين	,,	ظلمتم	,,	ظنون	,,
ظعن	ظ ع ن	ظلمنا	,,	ظهر	ظ ه ر
ظفر	ظ ف ر	ظلموا	,,	ظهور	,,
ظل	ظ ل ل	ظلوا	ظ ل ل	ظهري	,,
ظلال	,,	ظلوم	ظ ل م	ظهير	,,
ظلام	ظ ل م	ظليل	ظ ل ل	ظهيرة	,,
ظلة	ظ ل ل	ظماء	ظ م أ		
ظلت	,,				

ع

عائدون	ع و د	عابري	ع ب ر	عَادٌ	عَادٌ
عائل	ع ى ل (عول)	عابر	,,	عَادَ	ع و د
عابد	ع ب د	عاتية	ع ت و	عادوا	,,
عابدات	,,	عاجلة	ع ج ل	عادون	ع د و
عابدون	,,	عَاد	ع د و	عاديات	,,
عابدين	,,				

لفظ	مادہ
عادیتم	ع د و
عادین	ع د د
عارض	ع ر ض
عاشروا	ع ش ر
عاصف	ع ص ف
عاصفات	,,
عاصفة	,,
عاصم	ع ص م
عافین	ع ف و
عاقب	ع ق ب
عاقبة	,,
عاقبتم	,,
عاقبوا	,,
عاقر	ع ق ر
عاکف	ع ک ف
عال	ع ل و
عالم	ع ل م
عالمون	,,
عالمین	,,
عالي	ع ل و
عالیة	,,
عالیهم	,,
عالین	,,
عام	ع و م
عامل	ع م ل
عاملة	,,
عاملون	,,
عامین	ع و م
عاهد	ع ه د
عاهدا	,,
عاهدت	,,
عاهدتم	,,
عاهدوا	,,
عباد	ع ب د
عبادة	,,
عبث	ع ب ث
عبد	ع ب د
عبدت	,,
عبدتم	,,
عبدنا	,,
عبدین	,,
عبرة	ع ب ر
عبس	ع ب س
عبقری	ع ب ق ر
عبوس	ع ب س
عبید	ع ب د
عتت	ع ت و
عتل	ع ت ل
عتو	ع ت و
عتوا	,,
عتي	,,
عتید	ع ت د
عتیق	ع ت ق
عثر	ع ث ر
عجاب	ع ج ب
عجاف	ع ج ف
عجب	ع ج ب
عجبت	,,
عجبتم	,,
عجبوا	,,
عجزت	ع ج ز
عجل	ع ج ل
عجلت	,,
عجلتم	,,
عجلنا	,,
عجوز	ع ج ز
عجول	ع ج ل
عجیب	ع ج ب
عد	ع د د
عداوة	ع د و
عدة	ع د د
عدتم	ع و د

لفظ	مادہ
عدد	ع د د
عدس	ع د س
عدل	ع د ل
عدن	ع د ن
عدنا	ع و د
عدو	ع د و
عدوان	,,
عدوة	,,
عذاب	ع ذ ب
عذب	,,
عذبنا	,,
عذت	ع و ذ
عذر	ع ذ ر
عراء	ع ر ی
عرب	ع ر ب
عربی	,,
عرجون	ع ر ج ن
عرش	ع ر ش
عرض	ع ر ض
عرضة	,,
عرضتم	,,
عرضنا	,,
عرضوا	,,
عرف	ف
عرفات	ع ر ف
عرفت	,,
عرفوا	,,
عرم	ع ر م
عروة	ع ر و
عروش	ع ر ش
عریض	ع ر ض
عز	ع ز ز
عزة	,,
عزرتموا	ع ز ر
عزروا	,,
عززنا	ع ز ز
عزلت	ع ز ل
عزم	ع ز م
عزمت	,,
عزموا	,,
عزی	ع ز ز
عزیر	عزیر
عزیز	ع ز ز
عزین	ع ز و
عسی	ع س ی
عسر	ع س ر
عسری	,,
عسرة	,,
عسعس	ع س ع س
عسل	ع س ل
عسیتم	ع س ی
عسر	ع س ر
عشاء	ع ش و
عشار	ع ش ر
عشر	,,
عشرة	,,
عشرون	,,
عشي	ع ش ی
عشیة	,,
عشیر	ع ش ر
عشیرة	,,
عصا	ع ص و
عصی	ع ص ی
عصبة	ع ص ب
عصر	ع ص ر
عصف	ع ص ف
عصم	ع ص م
عصوا	ع ص ی
عصي	ع ص و
عصيّ	ع ص ی
عصیان	,,
عصیب	ع ص ب

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
عصيت	ع ص ی	عقد	ع ق د	عَلَوْا	ع ل و
عصيتم	,,	عقدة	,,	علي	,,
عصينا	,,	عقدت	,,	عليا	,,
عضد	ع ض د	عقدتم	,,	عليم	ع ل م
عضوا	ع ض ض	عقر	ع ق ر	عليون	ع ل و
عضين	ع ض و	عقروا	,,	عليهم	على + هم
عطاء	ع ط و	عقلوا	ع ق ل	عَمَّ	عن + ما
عطف	ع ط ف	عقود	ع ق د	عَمَّ	ع م م
عطلت	ع ط ل	عقيم	ع ق م	عمات	,,
عظ	و ع ظ	علا	ع ل و	عماد	ع م د
عظام	ع ظ م	علٰى	علٰى	عمارة	ع م ر
عظم	,,	علام	ع ل م	عمد	ع م د
عظوا	و ع ظ	علامات	,,	عمر	ع م ر
عظيم	ع ظ م	علانية	ع ل ن	عمران	,,
عفا	ع ف و	علق	ع ل ق	عمرة	,,
عفريت	عفريت	علقة	,,	عمروا	,,
عفو	ع ف و	علم	ع ل م	عمل	ع م ل
عفونا	,,	علماء	,,	عملت	,,
عفي	,,	علمت	,,	عملتم	,,
عقاب	ع ق ب	علمتم	,,	عملوا	,,
عقب	,,	علمتموا	,,	عموا	ع م ی
عقبا	,,	علمنا	,,	عمون	,,
عقبة	,,	علموا	,,	عمي	,,
عقبي	,,	عُلُوًّا	ع ل و	عميان	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
عميت	ع م ی	عنكبوت	ع ن ك ب	عيد	ع و د
عميق	ع م ق	عنيد	ع ن د	عير	ع ی ر
عمين	ع م ی	عوان	ع و ن	عيسىٰ	عيسىٰ
عن	عن	عوج	ع و ج	عيشة	ع ی ش
عنب	ع ن ب	عورات	ع و ر	عيلة	ع ی ل (عول)
عَنَتٌ	ع ن ت	عورة	,,	عين	ع ی ن
		عوقب	ع ق ب	عينان	,,
عَنَتَ	ع ن و	عوقبتم	,,	عينين	,,
عنتم	ع ن ت	عهد	ع ه د	عيون	,,
عند	عند	عهدنا	,,	عيينا	ع ی ی
عنق	ع ن ق	عهن	ع ه ن		

غ

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
غائبة	غ ی ب	غافرين	غ ف ر	غدو	غ د و
غائبون	,,	غافل	غ ف ل	غدوا	,,
غائبين	,,	غافلات	,,	غدوت	,,
غائط	غ و ط	غالب	غ ل ب	غر	غ ر ر
غائظون	غ ی ظ	غاوون	غ و ی	غراب	غ ر ب
غابرين	غ ب ر	غبرة	غ ب ر	غرابيب	,,
غار	غ و ر	غثاء	غ ث و	غرام	غ ر م
غارمين	غ ر م	غد	غ د و	غربت	غ ر ب
غاسق	غ س ق	غداء	,,	غربي	,,
غاشية	غ ش ی	غداة	,,	غربية	,,
غافر	غ ف ر	غدق	غ د ق	غرت	غ ر ر

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
غرف	غ ر ف	غفران	غ ف ر	غمرات	غ م ر
غرفات	,,	غفرنا	,,	غمة	غ م م
غرفة	,,	غفلة	غ ف ل	غمام	,,
غرق	غ ر ق	غفور	غ ف ر	غنم	غ ن م
غروب	غ ر ب	غل	غ ل ل	غنمتم	,,
غرور	غ ر ر	غلاظ	غ ل ظ	غني	غ ن ی
غزی	غ ز و	غلام	غ ل م	غوی	غ و ی
غزل	غ ز ل	غلامين	,,	غواش	غ ش ی
غساق	غ س ق	غلب	غ ل ب	غواص	غ و ص
غسق	,,	غلبت	,,	غور	غ و ر
غسلين	غ س ل	غلبوا	,,	غول	غ و ل
غشی	غ ش ی	غلت	غ ل ل	غوي	غ و ی
غشاوة	,,	غلظة	غ ل ظ	غوينا	,,
غصب	غ ص ب	غلف	غ ل ف	غي	,,
غصة	غ ص ص	غلقت	غ ل ق	غيابت	غ ی ب
غضب	غ ض ب	غلمان	غ ل م	غيب	,,
غضبان	,,	غلوا	غ ل ل	غيث	غ ی ث
غطبوا	,,	غلي	غ ل و ـ ی	غير	غ ی ر
غطاء	غ ط و	غليظ	غ ل ظ	غيض	غ ی ض
غفار	غ ف ر	غم	غ م م	غيظ	غ ی ظ
غفر	,,	غمرة	غ م ر	غيوب	غ ی ب

ف

ف	ف	فاءت	ف ی أ	فائزون	ف و ز

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
فآءوا	ف ی أ	فالق	ف ل ق	فجرة	ف ج ر
فات	ف و ت	فان	ف ن ی	فجرت	,,
فئة	ف أ و	فاه	ف و ه	فجرنا	,,
فئتان	,,	فتی	ف ت ی	فجوة	ف ج و
فئتين	,,	فتاح	ف ت ح	فجور	ف ج ر
فاتحين	ف ت ح	فتح	,,	فحشا	ف ح ش
فاتنين	ف ت ن	فتحت	,,	فخار	ف خ ر
فاجر	ف ج ر	فتحنا	,,	فخور	,,
فاحشة	ف ح ش	فتحوا	,,	فدآء	ف د ی
فار	ف و ر	فترة	ف ت ر	فدية	,,
فارض	ف ر ض	فتقنا	ف ت ق	فدينا	,,
فارغ	ف ر غ	فتنا	ف ت ن	فرات	ف ر ت
فارقات	ف ر ق	فتنة	,,	فرادیٰ	ف ر د
فارقوا	,,	فتنتم	,,	فرار	ف ر ر
فارهين	ف ر ه	فتنوا	,,	فراش	ف ر ش
فاز	ف و ز	فتون	,,	فراق	ف ر ق
فاسق	ف س ق	فتيات	ف ت ی	فرت	ف ر ر
فاصلين	ف ص ل	فتيان	,,	فرث	ف ر ث
فاطر	ف ط ر	فتية	,,	فرج	ف ر ج
فاعل	ف ع ل	فتيل	ف ت ل	فرجت	,,
فاقرة	ف ق ر	فج	ف ج ج	فرح	ف ر ح
فاقع	ف ق ع	فجاج	,,	فرحوا	,,
فاكهة	ف ک ه	فجار	ف ج ر	فرحون	,,
فاكهون	,,	فجر	,,	فرد	ف ر د

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
فردوس	ف ر د س	فریضة	ف ر ض	فطر	ف ط ر
فررت	ف ر ر	فریق	ف ر ق	فطرة	,,
فررتم	,,	فریقان	,,	فطور	,,
فرش	ف ر ش	فریقین	,,	فظ	ف ظ ظ
فرشنا	,,	فزع	ف ز ع	فعال	ف ع ل
فرض	ف ر ض	فزعوا	,,	فعل	,,
فرضتم	,,	فساد	ف س د	فعلة	,,
فرضنا	,,	فسدت	,,	فعلت	,,
فرط	ف ر ط	فسدتا	,,	فعلتم	,,
فرطت	,,	فسق	ف س ق	فعلن	,,
فرطتم	,,	فسقوا	,,	فعلنا	,,
فرطنا	,,	فسنیسره	ی س ر	فعلوا	,,
فرع	ف ر ع	فسوق	ف س ق	فقر	ف ق ر
فرعون	فرعون	فشلتم	ف ش ل	فقرآء	,,
فرغت	ف ر غ	فصال	ف ص ل	فقیر	,,
فرق	ف ر ق	فصل	,,	فلك	ف ک ک
فرقان	,,	فصلت	,,	فکر	ف ک ر
فرقة	,,	فصلنا	,,	فکهین	ف ک ه
فرقت	,,	فصیلته	,,	فلان	ف ل ن
فرقنا	,,	فضة	ف ض ض	فلق	ف ل ق
فرقوا	,,	فضل	ف ض ل	فلك	ف ل ک
فروا	ف ر ر	فضلت	,,	فواحش	ف ح ش
فروج	ف ر ج	فضلنا	,,	فؤاد	ف أ د
فري	ف ر ی	فضلوا	,,	فواق	ف و ق

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
فواکه	ف ک ہ	فوز	ف و ز	فهمنا	ف ہ م
فوت	ف و ت	فوق	ف و ق	فی	فِ
فوج	ف و ج	فوم	ف و م	فیل	ف ی ل
فور	ف و ر				

ق

ق	و ق ی	قاسیة	ق س و	قام	ق و م
قَآئِلٌ	ق و ل	قاصد	ق ص د	قاموا	,,
		قاصرات	ق ص ر	قالت	ق ن ت
قَآئِلُوْنَ	ق ی ل	قاصرات الطرف	ق ص ر + ط ر ف	قانتات	,,
قائم	ق و م			قانتون	,,
قائمة	,,	قاصف	ق صف	قانطین	ق ن ط
قائمون	,,	قاض	ق ض ی	قانع	ق ن ع
قاب	ق و ب	قاضیة	,,	قاهر	ق ہ ر
قاب قوسین	ق وب + ق وس	قاطعة	ق ط ع	قبائل	ق ب ل
قابل	ق ب ل	قاع	ق ی ع	قبر	ق ب ر
قاتل	ق ت ل	قاعد	ق ع د	قبس	ق ب س
قاتلا	,,	قاعدون	,,	قبض	ق ب ض
قاتلوا	,,	قال	ق و ل	قبضة	,,
قادر	ق د ر	قالا	,,	قبضت	,,
قارعة	ق ر ع	قالت	,,	قبضنا	,,
قارون	قَارُوْنُ	قالتا	,,	قبل	ق ب ل
قاسطون	ق س ط	قالوا	,,	قبلة	,,
قاسم	ق س م	قالین	ق ل ی - و	قبور	ق ب ر

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
قبول	ق ب ل	قدمت	ق د م	قربان	ق ر ب
قبیل	,,	قدمتم	,,	قربنا	,,
قتال	ق ت ل	قدمتموا	,,	قرة	ق ر ر
قتر	ق ت ر	قدمنا	,,	قرح	ق ر ح
قترة	,,	قدموا	,,	قردة	ق ر د
قتل	ق ت ل	قدور	ق د ر	قرض	ق ر ض
قتلی	,,	قدوس	ق د س	قرطاس	ق ر ط س
قتلت	,,	قدیر	ق د ر	قَرَنَ	و ق ر
قتلتم	,,	قدیم	ق د م	قَرَنَ	ق ر ن
قتلتموا	,,	قذف	ق ذ ف	قرنآء	,,
قتلنا	,,	قذفنا	,,	قرنین	,,
قتلوا	,,	قری	ق ر ی	قروء	ق ر أ
قتور	ق ت ر	قرأ	ق ر أ	قرون	ق ر ن
قثاء	ق ث أ	قریً	,,	قری	ق ر ر
قَدَ	قَدَ	قرأت	,,	قریب	ق ر ب
قُدَّ	ق د د	قرار	ق ر ر	قریة	ق ر ی
قدت	,,	قراطیس	ق ر ط س	قریتین	,,
قدح	ق د ح	قرآن	ق ر أ	قریش	قریش
قدد	ق د د	قرانا	,,	قرین	ق ر ن
قدر	ق د ر	قرب	ق ر ب	قست	ق س و
قدرنا	,,	قربا	,,	قسط	ق س ط
قدروا	,,	قربی	,,	قسطاس	,,
قدس	ق د س	قربات	,,	قسم	ق س م
قدم	ق د م	قربة	,,	قسمة	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
قسمنا	ق س م	قطران	ق ط ر	قلم	ق ل م
قسوة	ق س و	قطع	ق ط ع	قلن	ق و ل
قسورة	ق س ر	قطعت	,,	قلنا	,,
قسيسين	ق س س	قطعتم	,,	قلوب	ق ل ب
قص	ق ص ص	قطعن	,,	قليل	ق ل ل
قصاص	,,	قطعنا	,,	قليلة	,,
قصد	ق ص د	قطمير	ق ط م ر	قم	ق و م
قصر	ق ص ر	قطوف	ق ط ف	قمتم	,,
قصص	ق ص ص	قعد	ق ع د	قمر	ق م ر
قصصنا	,,	قعدوا	,,	قمطرير	ق م ط ر
قصمنا	ق ص م	قعوا	و ق ع	قمل	ق م ل
قصوى	ق ص و	قعود	ق ع د	قميص	ق م ص
قصور	ق ص ر	قعيد	,,	قناطير	ق ن ط ر
قُصِّي	ق ص ص	قفوا	و ق ف	قنطار	,,
قَصِيٍّ	ق ص و	قفينا	ق ف و	قنطوا	ق ن ط
قضىٰ	ق ض ى	قُلْ	ق و ل	قنوان	ق ن و
قضب	ق ض ب	قَلَّ	ق ل ل	قنوط	ق ن ط
قضوا	ق ض ى	قلى	ق ل ى	قوا	و ق ى
قضي	,,	قلائد	ق ل د	قوىٰ	ق و ى
قضيت	ق ض ى	قلب	ق ل ب	قوارير	ق ر ر
قضيتم	,,	قلبوا	,,	قواعد	ق ع د
قضينا	,,	قلبين	,,	قوام	ق و م
قط	ق ط ط	قلت	ق و ل	قوامون	,,
قطر	ق ط ر	قلتم	,,	قوة	ق و ى

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
قولتم	ق ت ل	قولی	ق و ل	قیضنا	ق ی ض
قولوا	,,	قوم	ق و م	قیعة	ق ی ع
قوس	ق و س	قوموا	,,	قیل	ق و ل
وسین	,,	قوي	ق، و ی	قیله	,,
قول	ق و ل	قهار	ق ه ر	قیم	ق و م
قولا	,,	قیام	ق و م	قیمة	,,
قولوا	,,	قیامة	,,	قیوم	,,

ك

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ک	ک	کارهون	ک ر ه	کالوا	ک ی ل
کَ	کَ	کارهین	,,	کامله	ک م ل
ک	کَ	کاس	ک أ س	کاملین	,,
کاتَب	کَ ت ب	کاشف	ک ش ف	کَاَنَّ	کَأَنَّ
کاتبوا	,,	کاشفة	,,	کائما	,,
کاتبون	,,	کاشفوا	,,	کَانَ	ك و ن
کاتبین	,,	کاظمین	ک ظ م	کانا	,,
کاد	ک و د	کاف	ک ف ی	کانت	,,
کادت	,,	کافة	ک ف ف	کانتا	,,
کادح	ک د ح	کافر	ک ف ر	کانوا	,,
کادوا	ک و د	کافرة	,,	کاهن	ک ه ن
کاذب	ک ذ ب	کافرون	,,	کاین	کَأَيِّن
کاذبة	,,	کافرین	,,	کبآئر	کَ ب ر
کاذبون	,,	کافور	,,	کبار	,,
کاذبین	,,	کالحون	ک ل ح	کُبِّتَ	ك ب ب

لفظ	مادہ
کُبِّتَ	ک ب ت
کبتوا	,,
کبد	ک ب د
کبر	ک ب ر
کبرٰی	,,
کبراء	,,
کبرت	,,
کبکبوا	ک ب ب
کبریاء	ک ب ر
کبیرة	,,
کتاب	ک ت ب
کتابیه	,,
کتب	,,
کتبت	,,
کتبنا	,,
کتم	ک ت م
کثر	ک ث ر
کثرة	,,
کثرت	,,
کثیب	ک ث ب
کثیر	ک ث ر
کثیرة	,,
کدت	ک و د
کدح	ک د ح
کدنا	ک ی د
کذاب	ک ذ ب
کذالک	ک + ذ ا
کذالکم	,,
کذب	ک ذ ب
کذبت	ک ذ ب
کذبتم	,,
کذبنا	,,
کذبوا	,,
کرام	ک ر م
کراما کاتبین	ک ر م / ک ت ب
کرب	ک ر ب
کرة	ک ر ر
کرتین	,,
کرسي	ک ر س
کرمت	ک ر م
کرمنا	,,
کره	ک ر ہ
کرهتموا	,,
کرهوا	,,
کریم	ک ر م
کساد	ک س د
کسالیٰ	ک س ل
کسب	ک س ب
کسبا	ک س ب
کسبت	,,
کسبتم	,,
کسبوا	,,
کسف	ک س ف
کسوة	ک س و
کسونا	,,
کشطت	ک ش ط
کشف	ک ش ف
کشفت	,,
کشفنا	,,
کظیم	ک ظ م
کعبة	ک ع ب
کعبین	,,
کف	ک ف ف
کفا	,,
کفیٰ	ک ف ی
کفات	ک ف ت
کفار	ک ف ر
کفارة	,,
کفر	,,
کفران	,,
کفرة	,,
کفرت	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
كفرتم	ك ف ر	كلام	ك ل م	كُنَّا	ك و ن
كفرنا	,,	كاب	ك ل ب	كُنتُ	,,
كفروا	,,	كلتا	كلا	كُنتُمْ	,,
كففت	ك ف ف	كلتم	ك ى ل	كُنتُنَّ	,,
كفل	ك ف ل	كلم	ك ل م	كنز	ك ن ز
كفلين	,,	كلما	ك ل ل	كنزتم	,,
كفؤ	ك ف أ ـ و	كلمات	ك ل م	كنس	ك ن س
كفوا	ك ف ف	كلمة	,,	كنود	ك ن د
كفور	ك ف ر	كلوا	ا ك ل	كوكب/كواكب	ك و ك ب
كفي	ك ف ف	كلي	,,	كونوا	ك و ن
كفيل	ك ف ل	كَمْ	كَمْ (حرف)	كوني	,,
كفينا	ك ف ى	كُمْ	كُم (ضمير)	كهف	ك ه ف
كُلٌّ	ك ل ل	كُمَا	كُمَا ,,	كهل	ك ه ل
كُلٌّ	كُلٌّ (حرف)	كُمُوا	كُمْ ,,	كيف	كَيْفَ (حرف)
كلَا	كلَا(حرف)	كُنْ	ك و ن	كي	كَيْ ,,
كَلَّا	كَلَّا ,,	كُنَّ	ك ن ن	كيد	ك ى د
كُلَا	أ ك ل	كُنَّ	ك و ن + كُنَّ(ضمير)	كيدوا	,,
كلالة	ك ل ل			كيل	ك ى ل

ل

ل	لَ (حرف جر)	لابثين	ل ب ث	لاعبين	ل ع ب
ل	لَ (حرف تاكيد)	لَاتَ	لَاتَ	لاعنون	ل ع ن
لا	لَا (حرف)	لَاتٌ	لَاتٌ	لاغية	ل غ و
لاثم	ل و م	لازب	ل ز ب	لاقي	ل ق ى

لفظ	ماده
لٰكِنْ	ل ك ن
لٰكِنَّ	ل ك ن
لٰكِنَّا	ل ك ن
لامستم	ل م س
لؤلؤ	ل أ ل أ
لاهية	ل ه و
لباس	ل ب س
لبث	ل ب ث
لبثت	,,
لبثتم	,,
لبثنا	,,
لبثوا	,,
لبد	ل ب د
لبس	ل ب س
لبسنا	,,
لبن	ل ب ن
لبوس	ل ب س
لجة	ل ج ج
لجوا	,,
لجي	,,
لحم	ل ح م
لحن	ل ح ن
لحوم	ل ح م

لفظ	ماده
لحية	ل ح ى
لد	ل د د
لدى	لَدَىٰ
لَدُنْ	لَدُنْ
لَدَيَّ	لَدَىٰ+ىَ
لَدَيْنَا	لَدَىٰ+نَا
لذة	ل ذ ذ
لزام	ل ز م
لسان	ل س ن
لست	لَيْسَ
لستم	,,
لستن	,,
لطيف	ل ط ف
لظى	ل ظ ى
لعب	ل ع ب
لعل	لَعَلَّ
لعن	ل ع ن
لعنا	,,
لعنة	,,
لعنت	,,
لعنوا	,,
لغو	ل غ و

لفظ	ماده
لغوب	ل غ ب
لفيف	ل ف ف
لقاء	ل ق ى
لقى	,,
لقمان	لقمان
لقوا	ل ق ى
لقيا	,,
لقيتم	,,
لقينا	,,
لِكَيْلَا	ل+كَيْ+لَا
لِمَ	ل+ما
لَمْ	لَمْ
لَمَّا	لَمَّا
لَمَّا	ل م م
لَمْ+تَرَ	لَمْ+رأى
لمتن	ل و م
لمح	ل م ح
لمزة	ل م ز
لمسنا	ل م س
لمسوا	,,
لمم	ل م م
لَنْ	لَنْ
لنت	ل ى ن

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
لَوْ	لَوْ	لوموا	ل و م	لَيْسَتَ	لَيْسَتَ
لواحة	ل و ح	لون	ل و ن	ليس	لَيْسَ
لواذ	ل و ذ	لووا	ل و ى	ليست	,,
لواقح	ل ق ح	لَهُ	لَ+هُ	ليسوا	,,
لوامة	ل و م	لهب	ل ه ب	ليل	ل ى ل
لوح	ل و ح	لهو	ل ه و	ليلة	,,
لوط	ل و ط	لي	ل و ى	لين	ل ى ن
لَوْلَا	لَوْ+لَا	ليال	ل ى ل	لينبذن	ن ب ذ
لَوْمَا	لَوْ+مَا	ليالي	,,	لينة	ل ى ن
لومة	ل و م				

م

ما	مَا	مَا ذَا	ماذا	مالكون	م ل ك
مآء	م و ه	مٰارب	ا ر ب	مامن	ا م ن
مائة	م ء ى	مارج	م ر ج	مامون	,,
مائتين	,,	مارد	م ر د	مانعة	م ن ع
مآئدة	م ى د	ماروت	ماروت	ماوى	ا و ى
مٰاب	ا و ب	ماعون	م ع ن	ماهدون	م ه د
مات	م و ت	ماكثون	م ك ث	ماهيه	ما+هى
ماتوا	,,	ماكرين	م ك ر	مبارك	ب ر ك
ماتي	ا ت ى	ماكول	ا ك ل	مباركة	,,
ماجوج	أ ج ج	مال	م و ل	مبتلي	ب ل و
مَادُمْتَ	د و م	مالئون	م ل أ	مبتلين	,,
مَادُمْتُم	,,	مالك	م ل ك	مبثوث	ب ث ث

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
مبثوثة	ب ث ث	مناب	ت و ب	متصدقة	ص د ق
مبدل	ب د ل	متاع	م ت ع	متصدقين	,,
مبدي	ب د و	متبر	ت ب ر	مطهرة	ط ه ر
مبذرين	ب ذ ر	متبرجات	ب ر ج	متطهرين	,,
مبرءون	ب ر أ	متبعون	ت ب ع	متعال	ع ل و
مبرمون	ب ر م	متتابعين	,,	متعت	م ت ع
مبسوطتان	ب س ط	متجاورات	ج و ر	متعت	,,
مبشر	ب ش ر	متجانف	ج ن ف	متعتم	,,
مبشرات	,,	متحرف	ح و ف	متعمدا	ع م د
مبشرون	,,	متحيز	ح ي ز	متعنا	م ت ع
مبصر	ب ص ر	متخذ	أ خ ذ	متعوا	,,
مبصرات	,,	متخذات	,,	متفرقة	ف ر ق
مبصرون	,,	متراكبا	ر ك ب	متفرقون	,,
مبطلون	ب ط ل	متربة	ت ر ب	متقابلين	ق ب ل
مبعدون	ب ع د	متربص	ر ب ص	متقلب	ق ل ب
مبعوثون	ب ع ث	متربصون	,,	متقلبان	,,
مبلسون	ب ل س	متردية	ر د ي	متقون	و ق ي
مبلغ	ب ل غ	مترفوا	ت ر ف	متقين	,,
مبوأ	ب و أ	مترفين	,,	متكأ	و ك أ
مبين	ب ي ن	متشابه	ش ب ه	متكئون	,,
مبينات	,,	متشابهات	,,	متكئين	,,
مبينة	,,	متشاكسون	ش ك س	متكبر	ك ب ر
مت	م و ت	متصدع	ص د ع	متكبرين	,,
متى	مَتَى	متصدقات	ص د ق	متكلفين	ك ل ف

لفظ	مادہ
متلقیان	ل ق ی
مُتمّ	ت م م
مُتِمّ	
مُتِمُّ	م و ت
مَتنا	,,
متنافسون	ن ف س
متوسمین	و س م
متوفی	و ف ی
متوکل	و ک ل
متوکلون	,,
متوکلین	,,
متین	م ت ن
مثابة	ث و ب
مثاني	ث ن ی
مثبور	ث ب ر
مثقال	ث ق ل
مثقالة	,,
مثقاون	,,
مثل	م ث ل
مثلٰی	,,
مثلات	,,
مثلي	,,
مثنیٰ	ث ن ی
مثوی	ث و ی
مثوبة	ث و ب
مجالس	ج ل س
مجاهد	ج ہ د
مجتمعون	ج م ع
مجذوذ	ج ذ ذ
مجری	ج ر ی
مجرم	ج ر م
مجرمون	,,
مجمع	ج م ع
مجموع	,,
مجموعون	,,
مجنون	ج ن ن
مجوس	مجوس
مجیب	ج و ب
مجید	م ج د
محاریب	ح ر ب
محاسبة	ح س ب
محال	م ح ل
محبة	ح ب ب
محتضر	ح ض ر
محتظر	ح ظ ر
محجوبون	ح ج ب
محجور	ح ج ر
محدث	ح د ث
محذور	ح ذ ر
محراب	ح ر ب
محرر	ح ر ر
محرم	ح ر م
محرمة	,,
محروم	,,
محرومون	,,
محسن	ح س ن
محسنات	,,
محسنون	,,
محسنین	,,
محسور	ح س ر
محشورة	ح ش ر
محصنات	ح ص ن
محصنة	,,
محصنین	,,
محضر	ح ض ر
محضرون	,,
محظور	ح ظ ر
محفوظ	ح ف ظ
محکمات	ح ک م
محکمة	,,
محل	ح ل ل
محلقین	ح ل ق
محلي	ح ل ل

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
محله	ح ل ل	مخلصون	خ ل ص	مدهنون	د ه ن
محمد	ح م د	مخلصين	,,	مدين	مدين
محمود	,,	مخلف	خ ل ف	مدينة	م د ن
محونا	م ح و	مخلفون	,,	مدينون	د ى ن
محي	ح ى ى	مخلقة	خ ل ق	مدينين	,,
محيا	,,	مخمصة	خ م ص	مذءوم	ذ ا م
محيص	ح ى ص	مد	م د د	مذبذبين	ذ ب ب
محيض	ح ى ض	مدآئن	م د ن	مذعنين	ذ ع ن
محيط	ح و ط	مداد	م د د	مذكر	ذ ك ر
محيطة	,,	مدبر	د ب ر	مذكور	,,
مخاض	م خ ض	مدبرات	,,	مذموم	ذ م م
مخبتين	خ ب ت	مدبرين	د ب ز	مر	م ر ر
مختال	خ ى ل	مدة	م د د	مره	م ر أ
مختلف	خ ل ف	مدت	,,	مرآء	م ر ى
مختوم	خ ت م	مدثر	د ث ر	مرات	م ر ر
مخذول	خ ذ ل	مدحضين	د ح ض	مراضع	ر ض ع
مخرج	خ ر ج	مدحور	د ح ر	مراغم	ر غ م
مخرجون	,,	مدخل	د خ ل	مرافق	ر ف ق
مخرجين	,,	مدد	م د د	مرة	م ر ر
مخسرين	خ س ر	مددنا	,,	مرت	,,
مخضرة	خ ض ر	مدرار	د ر ر	مرتاب	ر ى ب
مخضود	خ ض د	مدركون	د ر ك	مرتان	م ر ر
مخلدون	خ ل د	مدكر	ذ ك ر	مرتفق	ف ق
مخلص	خ ل ص	مدهامتان	د ه م	مرتقبون	

لفظ	مادہ
مرج	م ر ج
مرجان	,,
مراجع	ر ج ع
مرجفون	ر ج ف
مرجوا	ر ج و
مرجوبين	ر ج م
مرجون	ر ج و
مرح	م ر ح
مرحب	ر ح ب
مرحمة	ر ح م
مرد	ر د د
مردفين	ر د ف
مردوا	م ر د
مردود	ر دد
مردودون	,,
مرسى	ر س و
مرسل	ر س ل
مرسلات	,,
مرسلة	,,
مرسلوا	,,
مرسلون	,,
مرشد	ر ش د
مرصاد	ر ص د
مرصد	,,

لفظ	مادہ
مرصوص	ر ص ص
مرض	م ر ض
مرضى	,,
مرضات	ر ض ى
مرضت	م ر ض
مرضعة	ر ض ع
مرضية	ر ض ى
مرعى	ر ع ى
مرفق	ر ف ق
مرفود	ر ف د
مرفوع	ر ف ع
مرفوعة	,,
مرقد	ر ق د
مرقوم	ر ق م
مركوم	ر ك م
مروا	م ر ر
مروة	م ر و
مرئ	م ر أ
مريب	ر ى ب
مرية	م ر ى
مريج	م ر ج
مريد	م ر د
مريض	م ر ض
مريم	مريم

لفظ	مادہ
مزاج	م ز ج
مزجاة	ز ج و
مزحزح	ز ح زح
مزدجر	ز ج ر
مزقتم	م زق
مزقنا	,,
مزمل	ز م ل
مزن	م ز ن
مزيد	ز ى د
مس	م س س
مساجد	س ج د
مساس	م س س
مسافحات	س ف ح
مسافحين	,,
مساق	س و ق
مساكن	س ك ن
مساكين	,,
مسئول	س أ ل
مسئولون	,,
مسبحون	س ب ح
مسبوقين	س ب ق
مست	م س س
مستاخرين	أ خ ر
مستانسين	أ ن س

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
مستبشرة	ب ش ر	مستهزؤن	ه ز أ	مسكوب	س ک ب
مستبصرين	ب ص ر	مستيقنين	ی ق ن	مسكونة	س ک ن
مستبين	ب ی ن	مسجد	س ج د	مسكين	,,
مستخف	خ ف ی	مسجور	س ج ر	مسلم	س ل م
مستخلفين	خ ل ف	مسجونين	س ج ن	مسلمات	,,
مستسلمون	س ل م	مسح	م س ح	مسلمة	,,
مستضعفون	ض ع ف	مسحرين	س ح ر	مسلمون	,,
مستطر	س ط ر	مسحور	,,	مسلمين	,,
مستطير	ط ی ر	مسحورون	,,	مسمى	س م ی
مستعان	ع و ن	مسخر	س خ ر	مسمع	س م ع
مستغفرين	غ ف ر	مسخرات	,,	مسنا	م س س
مستقبل	ق ب ل	مسخنا	مسخ	مسندة	س ن د
مستقدمين	ق د م	مسد	م س د	مسنون	س ن ن
مستقر	ق ر ر	مسرف	س ر ف	مسود	س و د
مستقيم	ق و م	مسرفون	,,	مسودة	,,
مستكبر	ک ب ر	مسرفين	,,	مسومة	س و م
مستكبرون	,,	مسرور	س ر ر	مسومين	,,
مستمر	م ر ر	مسطور	س ط ر	مسیٔ	س و ء
مستمسكون	م س ک	مسغبة	س غ ب	مسيح	م س ح
مستمع	س م ع	مسفرة	س ف ر	مسيطر	س ط ر
مستمعون	,,	مسفوح	س ف ح	مسيطرون	,,
مستنفرة	ن ف ر	مسک	م س ک	مشاء	م ش ی
مستودع	و د ع	مسكن	س ک ن	مشارب	ش ر ب
مستور	س ت ر	مسكنة	,,	مشارق	ش ر ق

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
مشئمة	ش أ م	مصباح	ص ب ح	مضاعفة	ض ع ف
مشتبه	ش ب ه	مصبحين	ص ب ح	مضت	م ض ی
مشتركون	ش ر ک	مصدق	ص د ق	مضطر	ض ر ر
مشحون	ش ح ن	مصدقات	ص د ق	مضعفون	ض ع ف
مشرب	ش ر ب	مصدقين	,,	مضغة	م ض غ
مشرق	ش ر ق	مصر	م ص ر	مضل	ض ل ل
مشرقين	,,	مصرخ	ص ر خ	مضلين	,,
مشرك	ش ر ک	مصروف	ص ر ف	مطاع	ط و ع
مشركات	,,	مصطفين	ص ف و	مطر	م ط ر
مشركة	,,	مصفى	,,	مطففين	ط ف ف
مشركون	,,	مصفر	ص ف ر	مطلع	ط ل ع
مشركين	,,	مصفوفة	ص ف ف	مطلعون	,,
مشعر	ش ع ر	مصلى	ص ل و	مطلقات	ط ل ق
مشفقون	ش ف ق	مصلح	ص ل ح	مطلوب	ط ل ب
مشكوة	ش ک و	مصلحون	,,	مطمئن	ط م ن
مشكور	ش ک ر	مصلين	ص ل و	مطمئنة	,,
مشوا	م ش ی	مصور	ص و ر	مطمئنين	,,
مشهد	ش ه د	نصيب	ص و ب	مطوعين	ط و ع
مشهود	,,	مصيبة	,,	مطويات	ط و ی
مشي	م ش ی	مصير	ص ی ر	مطهر	ط ه ر
مشيد	ش ی د	مصيطر	س ط ر	مطهرة	,,
مشيدة	,,	مضى	م ض ی	مطهرون	,,
مصابيح	ص ب ح	مضاجع	ض ج ع	مظالم	ظ ل م
مصانع	ص ن ع	مضار	ض ر ر	مظلمون	,,

لفظ	مادہ
مظلوم	ظ ل م
مَعَ	مع
معاجزین	ع ج ز
معاد	ع و د
معاذ	ع و ذ
معاذیر	ع ذ ر
معارج	ع ر ج
معاش	ع ی ش
معایش	,,
معتبین	ع ت ب
معتد	ع د و
معتدون	,,
معتر	ع ر ر
معجز	ع ج ز
معجزین	,,
معدود	ع د د
معدودات	,,
معدودة	,,
معذب	ع ذ ب
معذبون	,,
معذبین	,,
معذرة	ع ذ ر
معذرون	,,
معرة	ع ر ر

لفظ	مادہ
معرضون	ع ر ض
معرضین	,,
معروشات	ع ر ش
معروف	ع ر ف
معروفة	,,
معز	م ع ز
معزل	ع ز ل
معزولون	,,
معشار	ع ش ر
معشر	,,
معصرات	ع ص ر
معصیة	ع ص ی
معطلة	ع ط ل
معقب	ع ق ب
معقبات	,,
معکوف	ع ک ف
معلقة	ع ل ق
معلم	ع ل م
معلوم	,,
معلومات	,,
معمر	ع م ر
معمور	,,
موقوتین	ع و ق
معیشة	ع ی ش

لفظ	مادہ
معین	ع ی ن-م ع ن
مغارات	غ و ر
مغارب	غ ر ب
مغاضب	غ ض ب
مغانم	غ ن م
مغتسل	غ س ل
مغرب	غ ر ب
مغربین	,,
مغرقون	غ ر ق
مغرم	غ ر م
مغرمون	,,
مغشي	غ ش ی
مغضوب	غ ض ب
مغفرة	غ ف ر
مغلوب	غ ل ب
مغلولة	غ ل ل
مغنم	غ ن م
مغنون	غ ن ی
مغیر	غ ی ر
مغیرات	غ و ر
مفاتح	ف ت ح
مفاتیح	,,
مفاز	ف و ز
مفازة	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
مفتحة	ف ت ح	مقتحم	ق ح م	مقطوعة	ق ط ع
مفتر	ف ر ی	مقتدر	ق د ر	مقعد	ق ع د
مفترى	,,	مقتدرون	,,	مقمحون	ق م ح
مفترون	,,	مقتدون	ق د و	مقنطرة	ق ن ط ر
مفتريات	,,	مقتر	ق ت ر	مقنعي	ق ن ع
مفتون	ف ت ن	مقترفون	ق ر ف	مقوين	ق و ی
مفر	ف ر ر	مقترنين	ق ر ن	مقيت	ق و ت
مفرطون	ف ر ط	مقتسمين	ق س م	مقيل	ق ی ل
مفروض	ف ر ض	مقتصد	ق ص د	مقيم	ق و م
مفسد	ف س د	مقتصرة	ق ص ر	مقيمين	,,
مفسدون	,,	مقدار	ق د ر	مكاء	م ک و
مفصل	ف ص ل	مقدس	ق د س	مكان	ک و ن
مفصلات	,,	مقدسة	,,	مكانة	م ك ن
مفعول	ف ع ل	مقدور	ق د ر	مكب	ک ب ب
مفلحون	ف ل ح	مقربة	ق ر ب	مكة	م ک ك
مقابر	ق ب ر	مقربون	,,	مكتوب	ک ت ب
مقاعد	ق ع د	مقرنين	ق ر ن	مكث	م ک ث
مقاليد	ق ل د	مقسطين	ق س ط	مكذبون	ک ذ ب
مقام	ق و م	مقسمات	ق س م	مكذوب	,,
مقامة	,,	مقسوم	,,	مكر	م ک ر
مقامع	ق م ع	مقصرين	ق ص ر	مكرتموا	,,
مقبوحين	ق ب ح	مقصورات	,,	مكرم	ک ر م
مقبوضة	ق ب ض	مقضى	ق ض ی	مكرمة	,,
مقت	م ق ت	مقطوع	ق ط ع	مكرمون	,,

لفظ	مادہ
مکرنا	م ک ر
مکروا	,,
مکروہ	ک ر ہ
مکظوم	ک ظ م
مکابین	ک ل ب
مکن	م ک ن
مکنا	,,
مکنون	ک ن ن
مکیال	ک ی ل
مکیدون	ک ی د
مکین	م ک ن
ملأ	م ل أ
ملء	,,
ملئہ	,,
ملائکۃ	الک - م ل ک
ملئت	م ل أ
ملاقي	ل ق ی
ملاقوا	,,
ملۃ	م ل ل
ملتحد	ل ح د
ملجأ	ل ج أ
ملح	م ل ح
ملعونۃ	ل ع ن
ملعونین	,,
ملقون	ل ق ی
ملقیات	ل ق ی
مَلَک	الک + م ل ک
مُلک	م ل ک
ملکت	,,
ملکتم	,,
ملکوت	الک + م ل ک
ملکین	,,
ملوک	م ل ک
ملوم	ل و م
ملومین	,,
ملی	م ل و
ملیک	م ل ک
ملیم	ل و م
مم	من + ما
ما	,,
مات	م و ت
ممترین	م ر ی
ممد	م د د
ممدود	,,
ممدودۃ	,,
ممرد	م ر د
ممزق	م ز ق
ممسک	م س ک
ممسکات	م س ک
ممطر	م ط ر
مملوک	م ل ک
ممن	مِن + مَن
ممنوعۃ	م ن ع
ممنون	م ن ن
مَن	مَن
مِن	مِن
مُن	م ن ن
منوٰۃ	منوٰۃ
مناد	ن د و - ی
منادی	,,
منازل	ن ز ل
مناسک	ن س ک
مناص	ن و ص
مناع	م ن ع
منافع	ن ف ع
منافقات	ن ف ق
منافقون	,,
منافقین	,,
مناکب	ن ک ب
منام	ن و م
منبث	ب ث ث

لفظ	مادہ
منتشر	ن ش ر
منتصر	ن ص ر
منتظرون	ن ظ ر
منتقمون	ن ق م
منتهی	ن ه ی
منتهون	,,
منثور	ن ث ر
منجوا	ن ج و
منخنقة	خ ن ق
من ذا	من+ذا
منذر	ن ذ ر
منذرون	,,
منذرین	,,
منزل	ن ز ل
منزلون	,,
منزلین	,,
منسأة	ن س أ
منسک	ن س ک
منسی	ن س ی
منشأت	ن ش أ
منشئون	,,
منشرة	ن ش ر
منشرین	,,
منشور	,,
منصور	ن ص ر
منضود	ن ض د
منطق	ن ط ق
منظرون	ن ظ ر
منع	م ن ع
منفطر	ف ط ر
منفقون	ن ف ق
منفکین	ف ک ک
منفوش	ن ف ش
منقعر	ق ع ر
منقلب	ق ل ب
منقلبون	,,
منقوص	ن ق ص
منکر	ن ک ر
منکرة	,,
منکرون	,,
منا	م ن ن
منوع	م ن ع
منون	م ن ن
منهاج	ن ه ج
منهمر	ه م ر
منی	م ن ی
منیب	ن و ب
منیبین	,,
منیر	ن و ر
مواخر	م خ ر
موازین	و ز ن
مواضع	و ض ع
مواطن	و ط ن
مواقع	و ق ع
مواقعوا	,,
مواقیت	و ق ت
موئل	و أ ل
موالی	و ل ی
موؤدة	و أ د
موبق	و ب ق
موت	م و ت
موتی	,,
مؤتفکات	أ ف ک
مؤتفکة	,,
موتوا	م و ت
مؤتون	أ ت ی
موثق	و ث ق
موج	م و ج
موجل	أ ج ل
مودة	و د د
مؤذن	أ ذ ن
مور	م و ر

لفظ	مادہ
مورود	و ر د
موريات	و ر ی
موزون	و ز ن
موسىٰ	موسىٰ
موسعون	و س ع
موص	و ص ی
مؤصدة	أ ص د
موضوعة	و ض ع
موضولة	و ض ن
موطا	و ط أ
موعد	و ع د
موعدة	,,
موعظة	و ع ظ
موعود	و ع د
موفوا	و ف ی
موفور	و ف ر
موفون	و ف ی
موقدة	و ق د
موقنون	ی ق ن
موقوت	و ق ت
موقوذة	و ق ذ
موقوفون	و ق ف
مولى	و ل ی
مؤلفة	أ ل ف
مولود	و ل د
مولي	و ل ی
مومن	ا م ن
مؤمنة	,,
مؤمنون	,,
مومنين	,,
موهن	و ه ن
مهاجر	ه ج ر
مهاجرات	,,
مهاجرين	,,
مهاد	م ه د
مهان	ه و ن
مهتد	ه د ی
مهتدون	,,
مهتدين	,,
مهجور	ه ج ر
مهد	م ه د
مهدت	,,
مهزوم	ه ز م
مهطعين	ه ط ع
مهل	م ه ل
مهلك	ه ل ک
مهلكون	,,
مهلكوا	,,
مهلکی	ه ل ک
مهلكين	,,
مها	مها
مهيل	ه ی ل
مهيمن	ه ی م ن
مهين	ه و ن
مهين	م ه ن
ميت	م و ت
ميتة	,,
ميتون	,,
ميثاق	و ث ق
ميراث	و ر ث
ميزان	و ز ن
ميسر	ی س ر
ميسرة	,, ه
ميسور	,,
ميعاد	و ع د
ميقات	و ق ت
ميكال	ميكال
ميل	م ی ل
ميلة	,,
ميمنة	ی م ن

ن

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ن (ثقیلہ یا خفیفہ)	ن	ناشرات	ن ش ر	نبیٓ	ن ب أ
ن (وقایہ)	ن	ناشطات	ن ش ط	نَبَّأْت	,,
نا	نا (ضمیر)	ناصبة	ن ص ب	نَبَّأْتُ	ن ب ت
نأ	ن أ ی	ناصح	ن ص ح	نبئوا	ن ب أ
نائم	ن و م	ناصحون	,,	لبتغي	ب غ ی
نالی	أ ت ی	ناصر	ن ص ر	نبتلي	ب ل و
نؤتی	,,	ناصرین	,,	نبتهل	ب ه ل
ناج	ن ج و	ناصیة	ن ص و	نبدل	ب د ل
ناجیتم	,,	ناضرة	ن ض ر	نبذ	ن ب ذ
ناخذ	أ خ ذ	ناظرة	ن ظ ر	نبذت	,,
نادی	ن د و ـ ی	ناظرین	,,	نبذنا	,,
نادت	,,	ناعمة	ن ع م	نبذوا	,,
نادمین	ن د م	نافقوا	ن ف ق	نبرأ	ب ر أ
نادوا	ن د و ـ ی	نافلة	ن ف ل	نبرح	ب ر ح
نادی	,,	ناقة	ن و ق	نبشر	ب ش ر
ناديتم	,,	ناقور	ن ق ر	نبطش	ب ط ش
ناديٰنا	,,	ناكبون	ن ک ب	نبعث	ب ع ث
نار	ن و ر	ناكسوا	ن ک س	نبغي	ب غ ی
نازعات	ن ز ع	نأكل	أ ک ل	نبلوا	ب ل و
ناس	ا ن س	ناهون	ن ه ی	نبویٓ	ب و أ
ناسكو	ن س ک	نبأ	ن ب أ	نبوة	ن ب أ
ناشئة	ن ش أ	نبؤ	,,	نبي	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
نبیت	ب ی ت	نجب	ج و ب	نحن	نحن ۹۸
نبیون	ن ب أ	نجد	و ج د	نحي	ح ی ی
نبین	ب ی ن	نجدین	ن ج د	نخاف	خ و ف
نبیین	ن ب أ	نجزی	ج ز ی	نختم	خ ت م
نتبرأ	ب ر أ	نجس	ن ج س	نخرة	ن خ ر
نتبع	ت ب ع	نجعل	ج ع ل	نخرج	خ ر ج
نتبوأ	ب و أ	نجم	ن ج م	نخزی	خ ز ی
نتجاوز	ج و ز	نجمع	ج م ع	نخسف	خ س ف
نتخذ	ا خ ذ	نجني	ن ج و	نخشی	خ ش ی
نتخطف	خ ط ف	نجوی	,,	نخفی	خ ف ی
نتربص	ر ب ص	نجوت	,,	نخل	ن خ ل
نترك	ت ر ك	نجوم	ن ج م	نخلة	,,
نتقبل	ق ب ل	نجي	ن ج و	نخاف	خ ل ف
نتقنا	ن ت ق	نجینا	ن ج و	نخلق	خ ل ق
نتکلم	ك ل م	نحاس	ن ح س	نخوض	خ و ض
نتلو	ت ل و	نحب	ن ح ب	نخوف	خ و ف
نتنزل	ن ز ل	نحرق	ح ر ق	نخیل	ن خ ل
نتوفی	و ف ی	نحس	ن ح س	نداء	ن د و ـ ی
نتوکل	و ك ل	نحسات	,,	ندامة	ن د م
نثبت	ث ب ت	نحضر	ح ض ر	نداول	د و ل
نج	ن ج و	نحفظ	ح ف ظ	ندخل	د خ ل
نجی	,,	نحل	ن ح ل	ندری	د ر ی
نجاة	,,	نحلة	,,	ندعوا	د ع و
نجازی	ج ز ی	نحمل	ح م ل	ندل	د ل ل

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ندی	ن د و	نزداد	ز ی د	نسف	ن س ف
نذر	ن ذ ر	نزع	ن ز ع	نسفت	,,
نَذَرُ	و ذ ر	نزعنا	,,	نسفع	س ف ع
نذرت	ن ذ ر	نزغ	ن ز غ	نسقط	س ق ط
نذرتم	,,	نزل	ن ز ل	نسقي	س ق ی
نذق	ذ و ق	نزلة	,,	نسک	ن س ک
نذکر	ذ ک ر	نزلت	,,	نسکن	س ک ن
نذل	ذ ل ل	نزلنا	,,	نسل	ن س ل
نذور	ن ذ ر	نزید	ز ی د	نسلخ	س ل خ
نذهب	ذ ه ب	نساء	ن س و	نسلک	س ل ک
نذیر	ن ذ ر	نسارع	س ر ع	نسلم	س ل م
نذیق	ذ و ق	نسئل	س أ ل	نسم	و س م
نری	ر أ ی	نسب	ن س ب	نسمع	س م ع
نراود	ر و د	نسبح	س ب ح	نسوا	ن س ی
نرب	ر ب و	نستبق	س ب ق	نسوة	ن س و
نرث	و ر ث	نستحوذ	ح و ذ	نسوق	س و ق
نرد	ر د د	نستحیي	ح ی ی	نسوی	س و ی
نرزق	ر ز ق	نستدرج	د ر ج	نسی	ن س ی
نرسل	ر س ل	نستعین	ع و ن	نسيَ	ن س أ
نرفع	ر ف ع	نستنسخ	ن س خ	نسیا	ن س ی
نری	ر أ ی	نسجد	س ج د	نسیت	,,
نرید	ر و د	نسخة	ن س خ	نسیتم	,,
نزاعة	ن ز ع	نسخر	س خ ر	نسیر	س ی ر
نزد	ز ی د	نسر	نسر	نسینا	ن س ی

لفظ	ماده
نشاء	ش ى أ
نشأة	ن ش أ
نشترى	ش ر ى
نشد	ش د د
نشر	ن ش ر
نشرت	,,
نشرح	ش ر ح
نشرك	ش ر ك
نشط	ن ش ط
نشور	ن ش ر
نشوز	ن ش ز
نشهد	ش ه د
نصارى	نصارى
نصب	ن ص ب
نصبت	,,
نصبر	ص ب ر
نصح	ن ص ح
نصحت	,,
نصحوا	,,
نصدق	ص د ق
نصر	ن ص ر
نصراني	نصارى
نصرف	ص ر ف
نصرنا	ن ص ر
نصروا	ن ص ر
نصف	ن ص ف
نصلي	ص ل ى
نصوح	ن ص ح
نُصَيِّب	ن ص ب
نُصَيِّب	ص و ب
نصير	ن ص ر
نضاختان	ن ض خ
نضجت	ن ض ج
نضرب	ض ر ب
نضرة	ن ض ر
نضطر	ض ر ر
نضع	و ض ع
نضيد	ن ض د
نضيع	ض ى ع
نطبع	ط ب ع
نطعم	ط ع م
نطفة	ن ط ف
نطق	ن ط ق
نطمس	ط م س
نطمع	ط م ع
نطوي	ط و ى
نطيحة	ن ط ح
نطيع	ط و ع
نظر	ن ظ ر
نظرة	,,
نظل	ظ ل ل
نظن	ظ ن ن
نعاج	ن ع ج
نعاس	ن ع س
نعبد	ع ب د
نعجة	ن ع ج
نعجز	ع ج ز
نَعُدْ	ع و د
نَعُدْ	و ع د
نَعُدَّ	ع د د
نعذب	ع ذ ب
نعف	ع ف و
نعقل	ع ق ل
نعلم	ع ل م
نعلن	ع ل ن
نعلي	ن ع ل
نعم	ن ع م
نعماء	,,
نعما	نعم+ما
نعمة	ن ع م

لفظ	مادہ
نعمر	ع م ر
نعمل	ع م ل
نعود	ع و د
نعید	,,
نعیم	ن ع م
نغادر	غ د ر
نغرق	غ ر ق
نغرین	غ ر و
نغفر	غ ف ر
نفاثات	ن ف ث
نفاد	ن ف د
نفاق	ن ف ق
نفتن	ف ت ن
نفحة	ن ف ح
نفخ	ن ف خ
نفخة	,,
نفخت	,,
نفخنا	,,
نفد	ن ف د
نفدت	,,
نفر	ن ف ر
نفرغ	ف ر غ
نفرق	ف ر ق
نفس	ن ف س

لفظ	مادہ
نفسد	ف س د
نفشت	ن ف ش
نفصل	ف ص ل
نفضل	ف ض ل
نفع	ن ف ع
نفعت	,,
نفعل	ف ع ل
نفق	ن ف ق
نفقات	,,
نفقة	,,
نفقد	ف ق د
نفقه	ف ق ه
نفور	ن ف ر
نفوس	ن ف س
نفیر	ن ف ر
نقاتل	ق ت ل
نقب	ن ق ب
نقبوا	,,
نقتبس	ق ب س
نقتل	ق ت ل
نقدر	ق د ر
نقدس	ق د س
نقذف	ق ذ ف
نُقِرَ	ن ق ر

لفظ	مادہ
نُقِرَ	ق ر ر
نقره	ق ر أ
نقرب	ق ر ب
نَقَصَ	ن ق ص
نَقُصُّ	ق ص ص
نقصص	,,
نقض	ن ق ض
نقضت	,,
نقع	ن ق ع
نقعد	ق ع د
نقلب	ق ل ب
نقموا	ن ق م
نقول	ق و ل
نقیب	ن ق ب
نقیر	ن ق ر
نقیض	ق ی ض
نقیم	ق و م
نَلِكُ	ک و ن
نکاح	ن ک ح
نکال	ن ک ل
نکتب	ک ت ب
نکتل	ک ی ل
نکتم	ک ت م
نکث	ن ک ث

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
نكثوا	ن ك ث	نمل	ن م ل	نواصي	ن ص و
نكح	ن ك ح	نملة	,,	نؤت	ا ت ى
نكحتم	,,	نملي	م ل و	نؤثر	ا ث ر
نكد	ن ك د	نمن	م ن ن	نوح	نوح
نكذب	ك ذ ب	نمنع	م ن ع	نوحي	و ح ى
نكر	ن ك ر	نموت	م و ت	نوخر	ا خ ر
نكروا	,,	نميت	,,	نودوا	ن د و ـ ى
نَكَسُوا	ك س و	نمير	م ى ر	نودي	,,
نُكِسُوا	ن ك س	نميم	ن م م	نور	ن و ر
نكص	ن ك ص	ننبي	ن ب أ	نورث	و ر ث
نكفر	ك ف ر	ننجي	ن ج و	نوف	و ف ى
نكلف	ك ل ف	ننزع	ن ز ع	نولي	و ل ى
نكلم	ك ل م	ننزل	ن ز ل	نوم	ن و م
نكن	ك و ن	ننس	ن س ى	نومن	ا م ن
نكون	,,	ننسها	,,	نون	ن و ن
نكير	ن ك ر	ننسخ	ن س خ	نهى	ن ه ى
نلزم	ل ز م	ننسف	ن س ف	نهار	ن ه ر
نلعب	ل ع ب	ننشئ	ن ش أ	نهتدي	ه د ى
نلعن	ل ع ن	ننشز	ن ش ز	نهدي	,,
نلقي	ل ق ى	ننصر	ن ص ر	نهر	ن ه ر
نمارق	ن م ر ق	ننظر	ن ظ ر	نهلك	ه ل ك
نمتع	م ت ع	ننقص	ن ق ص	نهوا	ن ه ى
نمد	م د د	ننكس	ن ك س	نهيت	,,
نمكن	م ك ن	ننهها	ن ه ى	نيسر	ى س ر
		نوى	ن و ى	نيل	ن و ل

و

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
و	و	واقعة	و ق ع	وجلون	و ج ل
وابل	و ب ل	وال	و ل ی	وجوه	و ج ہ
واثق	و ث ق	والد	و ل د	وجه	,,
واجفة	و ج ف	والدات	,,	وجهة	,,
واحد	و ح د	والدة	,,	وجهت	,,
واحدة	,,	والدين	,,	وجيه	,,
واد	و د ی	واهية	و ہ ی	وحد	و ح د
وادی المقدس	,, + ق د س	وبال	و ب ل	وحده	,,
وارث	و ر ث	وبيل	,,	وحوش	و ح ش
وارثون	و ر ث	وتر	و ت ر	وحي	و ح ی
وارد	و ر د	وتين	و ت ن	وحيد	و ح د
واردون	,,	وثاق	و ث ق	وُدّ	وَ دّ
وازرة	و ز ر	وثقى	,,	وُدّ	وَ دّ
واسع	و س ع	وجبت	و ج ب	وُدّ	وَ دّ
واسعة	,,	وجد	و ج د	ودت	,,
واصب	و ص ب	وجدا	,,	ودع	و د ع
واعدنا	و ع د	وجدت	,,	ودق	و د ق
واعظ	و ع ظ	وجدتم	,,	ودوا	و د د
واعظين	,,	وجدنا	,,	ودود	,,
واعية	و ع ی	وجدوا	,,	ورآء	و ر ی
واق	و ق ی	وجلة	و ج ل	ورث	و ر ث
واقع	و ق ع	وجلت	,,		

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ورثوا	و ر ث	وصيد	و ص د	وقع	و ق ع
ورد	و ر د	وصيلة	و ص ل	وقعة	,,
وردة	,,	وصينا	و ص ى	وقعت	,,
وردوا	,,	وضع	و ض ع	وقفوا	و ق ف
ورق	ورق	وضعت	,,	وقود	و ق د
ورقة	,,	وضعنا	,,	وكز	و ك ز
وريد	و ر د	وطأ	و ط أ	وكل	و ك ل
وزر	و ز ر	وطر	و ط ر	وكلنا	,,
وزن	و ز ن	وعاء	و ع ى	وكيل	,,
وزنوا	,,	وعد	و ع د	ول	و ل ى
وزير	و ز ر	وعدت	,,	ولى	,,
وسط	و س ط	وعدنا	,,	ولاية	,,
وسطى	,,	وعدوا	,,	ولد	و ل د
وسطن	,,	وعظت	و ع ظ	ولدان	,,
وسع	و س ع	وعيد	و ع د	ولدت	,,
وسعت	,,	وفى	و ف ى	ولدن	,,
وسق	و س ق	وفاق	و ف ق	ولوا	و ل ى
وسواس	و س و س	وفد	و ف د	ولي	,,
وسوس	,,	وفيت	و ف ى	وليت	,,
وسوسة	,,	وقى	و ق ى	وليتم	,,
وسيلة	و س ل	وقار	و ق ر	وليجة	و ل ج
وصى	و ص ى	وقب	و ق ب	وليد	و ل د
وصف	و ص ف	وقت	و ق ت	ووری	و ر ى
وصلنا	و ص ل	وقر	و ق ر	وهاب	و ه ب
وصية	و ص ى				

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
وهاج	و ه ج	وهبنا	و ه ب	وَيْكَأَنَّ	وی+كأن
وهب	و ه ب	وهن	و ه ن	ويل	و ی ل
وهبت	,,	وهنوا	,,	ويلتى	,,

ه

ه	ه (ضمیر)	هارون	هارون	هديت	ه د ی
ه	ه (سکته)	هكذا	ها+ك+ذا	هدية	,,
ه	ه (وقف)	هالك	ه ل ك	هدينا	,,
ها	ها (ضمیر)	هالكين	,,	هرب	ه ر ب
ها	ها (حرف تنبیه)	هامان	هامان	هزل	ه ز ل
هَاؤُلَاءِ	هؤلاء	هامدة	ه م د	هزموا	ه ز م
هاؤم	هاؤم (اسم فعل)	هاوية	ه و ی	هزؤ	ه ز ا
هاتوا	ه ی ت	هٰهنا	هنا	هزی	ه ز ز
هاتين	هذا	هب	و ه ب	هشيم	ه ش م
هاجر	ه ج ر	هباء	ه ب و	هضم	ه ض م
هاجرن	,,	هجر	ه ج ر	هضيم	,,
هاجروا	,,	هد	ه د د	هل	ه ل
هادوا	ه و د	هدى	ه د ی	هلك	ه ل ك
هادي	ه د ی	هداية	,,	هلم	ه ل م
هٰذا	هٰذا	هدمت	ه د م	هلوع	ه ل ع
هٰذان	,,	هدنا	ه و د	هم	ه م
هٰذه	,,	هدوا	ه د ی	هم	ه م م
هار	ه و ر	هد هد	هد هد	هما	ه م ا
هاروت	هاروت	هدي	ه د ی	هماز	ه م ز

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
همت	ه م م	هنيئا	ه ن أ	هيئ	ه ى أ
همزات	ه م ز	هو	هُوَ	هيئة	,,
همزة	,,	هوى	ه و ى	هيت	هيت
همس	ه م س	هواء	,,	هيم	ه ى م
هموا	ه م م	هود	ه و د	هين	ه و ن
هن	هُنَّ	هون	ه و ن	هيئه	هنى + ه
هنالك	هُنَا	هِيَ	هِيَ	هيهات	هيهات

ى

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ي	ي (ضمير)	ياخذون	أ خ ذ	يالمون	أ ل م
يا	يا (حرف ندا)	يوخر	أ خ ر	يالون	أ ل و
ياايها	,,	يودي	أ د ى	يا + ليت + ها	يَا لَيْتَهَا
ياب	أ ب ى	ياذن	أ ذ ن	يامر	أ م ر
يابس	ى ب س	يبعث	ب ع ث	يامرون	,,
يابسات	,,	يئس	ى أ س	ياسن	أ م ن
ياتل	أ ل و	يئسن	,,	يامنوا	,,
ياتمرون	أ م ر	يئسوا	,,	يان	أ ن ى
ياتون	أ ت ى	يافكون	أ ف ك	يَؤُدُ	أ و د
ياتي	,,	ياقوت	ياقوت	يَئُودُ	أ د ى
ياتيان	,,	ياكل	أ ك ل	يؤس	ى أ س
ياتين	,,	ياكلان	,,	يؤيد	أ ى د
ياجوج	ياجوج (اج ج)	ياكان	,,	يبايعن	ب ى ع
ياخذ	أ خ ذ	ياكلون	,,	يبايعون	,,

لفظ	مادہ
يبتغ	ب غ ی
يبتغون	,,
يبتكن	ب ت ك
يبتلي	ب ل و
يبث	ب ث ث
يبحث	ب ح ث
يبخس	ب خ س
يبخسون	,,
يبخل	ب خ ل
يبخلون	,,
يبدء	ب د أ
يبدل	ب د ل
يبدلون	,,
يبدون	ب د و
يبدئ	ب د أ
يبدين	ب د و
يبس	ی ب س
يبسط	ب س ط
يبسطوا	,,
يبشر	ب ش ر
يبصر	ب ص ر
يبصرون	,,
يبطئ	ب ط أ
يبطئن	,,
يبطش	ب ط ش
يبطشون	,,
يبطل	ب ط ل
يبعث	ب ع ث
يبعثون	,,
يبغون	ب غ ی
يبغي	,,
يبغيان	,,
يبقى	ب ق ی
يبكون	ب ک ی
يبلى	ب ل ی
يبلس	ب ل س
يبلغ	ب ل غ
يبلغا	,,
يبلغوا	,,
يبلغون	,,
يبلو	ب ل و
يبلون	,,
يبلي	,,
يبور	ب و ر
يبيتون	ب ی ت
يبين	ب ی ن
يتاخر	أ خ ر
يتامى	ی ت م
يتبدل	ب د ل
يتبروا	ت ب ر
يتبع	ت ب ع
يتبعون	,,
يتبوء	ب و أ
يتبين	ب ی ن
يتجرع	ج ر ع
يتجنب	ج ن ب
يتحاجون	ح ج ج
يتحاكموا	ح ک م
يتخافتون	خ ف ت
يتخبط	خ ب ط
يتخذ	أ خ ذ
يتخذون	,,
يتخطف	خ ط ف
يتخلفون	خ ل ف
يتخيرون	خ ی ر
يتدبرون	د ب ر
يتذكر	ذ ك ر
يتذكرون	,,
يتر	و ت ر
يتراجعا	ر ج ع
يتربص	ر ب ص
يتربصن	,,

لفظ	مادہ
یتربصون	ر ب ص
یترددون	ر د د
یترقب	ر ق ب
یترقبون	,,
یترك	ت ر ك
یترکوا	,,
یتزکّٰی	ز ک و
یتساءلون	س أ ل
یتسللون	س ل ل
یتسنه	س ن ہ
یتضرعون	ض ر ع
یتطهر	ط ہ ر
یتطهرون	,,
یتعارفون	ع ر ف
یتعد	ع د و
یتعلمون	ع ل م
یتغامزون	غ م ز
یتغیر	غ ی ر
یتفجر	ف ج ر
یتفرقا	ف ر ق
یتفرقون	,,
یتفضل	ف ض ل
یتفطرن	ف ط ر
یتفقهوا	ف ق ہ
یتفکرون	ف ک ر
یتفیؤا	ف ی أ
یتقبل	ق ب ل
یتقدم	ق د م
یتقون	و ق ی
یتقي	,,
یتکئون	و ک أ
یتکبرون	ک ب ر
یتکلم	ک ل م
یتکلمون	,,
یتلیٰ	ت ل و
یتلاوسون	ل و م
یتلطف	ل ط ف
یتلقی	ل ق ی
یتلو	ت ل و
یتلون	,,
یتم	ت م م
یتاسا	م س س
یتمتعون	م ت ع
یتمطیٰ	م ط ی
یتمنوا	م ن ی
یتمنون	,,
یتناجون	ن ج و
یتنازعون	ن ز ع
یتنافس	ن ف س
یتناهون	ن ہ ی
یتنزل	ن ز ل
یتواری	و ر ی
یتوب	ت و ب
یتوبون	,,
یتوفی	و ف ی
یتوفون	,,
یتوکل	و ک ل
یتوکاون	,,
یتولیٰ	و ل ی
یتولون	,,
یتیم	ی ت م
یتیمین	,,
یتیهون	ت ی ہ
یثبت	ث ب ت
یثبتوا	,,
یثخن	ث خ ن
یثرب	ث ر ب
یثقفوا	ث ق ف
یثنون	ث ن ی
یجادل	ج د ل
یجادلون	,,
یجار	ج و ر

لفظ	مادہ
یجارون	ج أ ر
یجاورون	ج و ر
یجاھد	ج ہ د
یجاھدون	,,
یجبٰی	ج ب ی-و
یجتبی	,,
یجتنبون	ج ن ب
یجحد	ج ح د
یجحدون	,,
یجد	و ج د
یجدون	,,
یجر	ج ر ر
یجرم	ج ر م
یجری	ج ر ی
یجزیٰ	ج ز ی
یجزون	,,
یجعل	ج ع ل
یجعلون	,,
یجلي	ج ل و
یجمحون	ج م ح
یجمع	ج م ع
یجمعون	,,
یجنب	ج ن ب
یجھلون	ج ہ ل
یجیب	ج و ب
یجیر	ج و ر
یحاجون	ح ج ج
یحادون	ح د د
یحاربون	ح ر ب
یحاسب	ح س ب
یحاط	ح و ط
یحافظون	ح ف ظ
یحاور	ح و ر
یحب	ح ب ب
یحبب	,,
یحبرون	ح ب ر
یحبس	ح ب س
یحبط	ح ب ط
یحبطن	,,
یحبون	ح ب ب
یحتسب	ح س ب
یحتسبون	,,
یحتسبوا	,,
یحدث	ح د ث
یحذر	ح ذ ر
یحذرون	,,
یحرفون	ح ر ف
یحرم	ح ر م
یحرمون	ح ر م
یحزن	ح ز ن
یحزنون	,,
یحسب	ح س ب
یحسبون	,,
یحسدون	ح س د
یحسنون	ح س ن
یحشر	ح ش ر
یحشرون	,,
یحض	ح ض ض
یحضرون	ح ض ر
یحضن	ح ی ض
یحطم	ح ط م
یحف	ح ف ی-و
یحفظن	ح ف ظ
یحفظون	,,
یحق	ح ق ق
یحکم	ح ک م
یحکمان	,,
یحکمون	,,
یحل	ح ل ل
یحلفون	ح ل ف
یحلل	ح ل ل
یحلون	,,

لفظ	مادہ
یحسبون	ح س ب
یحسبہم	,,
یحسبہن	,,
یحسبہا	,,
یحسبہ	,,
یحسبوا	,,
یحسبوہ	,,
یحسبوہم	,,
یحسبوہن	,,
یحسبوہا	,,
یحسبوہ	,,
یحسبون	,,
یحسبونہم	,,
یحسبونہن	,,
یحسبونہا	,,
یحسبونہ	,,
یحسبی	,,
یحسبیہم	,,
یحسبیہن	,,
یحسبیہا	,,
یحسبیہ	,,
یحسبین	,,
یحسبینہم	,,
یحسبینہن	,,
یحسبینہا	,,
یحسبینہ	,,
یحسبنی	,,
یحسبنیہم	,,
یحسبنیہن	,,
یحسبنیہا	,,
یحسبنیہ	,,
یحسبنا	,,
یحسبنایہم	,,
یحسبنایہن	,,
یحسبنایہا	,,
یحسبنای

لفظ	ماده
يدعون	د ع و
يدعّون	د ع ع
يدمغ	د م غ
يدنين	د ن و
يدهنون	د ه ن
يدى	ى د ى
يدينون	د ى ن
يذبح	ذ ب ح
يذبحون	,,
يذر	و ذ ر
يذرون	,,
يذكر	ذ ك ر
يذكرون	,,
يذوق	ذ و ق
يذوقون	,,
يذهب	ذ ه ب
يذهبا	,,
يذهبن	,,
يذهبوا	,,
يذيق	ذ و ق
يرى	ر أ ى
يراءون	,,
يراد	ر و د
يربط	ر ب ط
يربوا	ر ب و
يربي	,,
يرتاب	ر ى ب
يرتابوا	,,
يرتد	ر د د
يرتدد	,,
يرتع	ر ت ع
يرتقوا	ر ق ى
يرث	و ر ث
يرثون	,,
يرجع	ر ج ع
يرجعون	,,
يرجموا	ر ج م
يرجوا	ر ج و
يرجون	,,
يرحم	ر ح م
يردّ	ر د د
يرد	ر و د
يردّوا	ر د د
يردون	,,
يردن	ر و د
يردوا	ر د ى
يرزق	ر ز ق
يرزقون	ر ز ق
يرسل	ر س ل
يرشدون	ر ش د
يرضى	ر ض ى
يرضعن	ر ض ع
يرضون	ر ض ى
يرضين	,,
يرغب	ر غ ب
يرغبون	,,
يرغبوا	,,
يرفع	ر ف ع
يرقبون	ر ق ب
يركبون	ر ك ب
يركضون	ر ك ض
يركعون	ر ك ع
يركم	ر ك م
يرمون	ر م ى
يرمي	,,
يروا	ر أ ى
يرون	,,
يرهبون	ر ه ب
يرهق	ر ه ق
يري	ر أ ى
يريد	ر و د

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
یرید ان	ر و د	یسام	س أ م	یستخفون	خ ف ی
یرید ون	,,	یسامون	,,	یستخلف	خ ل ف
یرید کموا	ر أ ی + کم	یسبتون	س ب ت	یستسخرو	س خ ر
یزال	ز و ل	یسبح	س ب ح	یستصرخ	ص ر خ
یزالون	,,	یسبحن	,,	یستضعف	ض ع ف
یزجي	ز ج و	یسبحون	,,	یستضعفوہ	,,
یزداد	ز ی د	یسبق	س ب ق	یستطع	ط و ع
یزدادوا	,,	یسبقون	,,	یستطیع	,,
یزرون	و ز ر	یسبوا	س ب ب	یستطیعون	,,
یزعمون	ز ع م	یستاخرون	أ خ ر	یستعتبوا	ع ت ب
یزفون	ز ف ف	یستاذن	أ ذ ن	یستعتبون	,,
یزکی	ز ک و	یستاذنون	,,	یستعجل	ع ج ل
یزکون	,,	یستبدل	ب د ل	یستعجلون	,,
یزلقون	ز ل ق	یستبدلون	,,	یستعفف	ع ف ف
یزنون	ز ن ی	یستبشرون	ب ش ر	یستعففن	,,
یزنین	,,	یستثنون	ث ن ی	یستغشون	غ ش ی
یزوج	ز و ج	یستجیب	ج و ب	یستغفر	غ ف ر
یزید	ز ی د	یستجیبون	,,	یستغفرون	,,
یزیدون	,,	یستحبون	ح ب ب	یستغیثان	غ و ث
یزیغ	ز ی غ	یستحسرون	ح س ر	یستغیثوا	,,
یسارعون	س ر ع	یستحیون	ح ی ی	یستفتحون	ف ت ح
یساقون	س و ق	یستحیي	,,	یستفتون	ف ت ی
یسئل	س أ ل	یستخرجا	خ ر ج	یستفز	ف ز ز
یسئلون	,,	یستخف	خ ف ف	یستفزون	,,

لفظ	مادہ
یستقدمون	ق د م
یستقیم	ق و م
یستکبر	ك ب ر
یستکبرون	,,
یستمع	س م ع
یستمعون	,,
یستنبؤن	ن ب أ
یستنبطون	ن ب ط
یستنقذوا	ن ق ذ
یستنکح	ن ك ح
یستنکحا	,,
یستنکف	ن ك ف
یستوفون	و ف ی
یستوون	س و ی
یستوی	,,
یستویان	,,
یستهزیٔ	ه ز أ
یستهزأ	,,
یستهزؤن	,,
یستیقن	ی ق ن
یسجد	س ج د
یسجدان	,,
یسجدون	,,
یسجرون	س ج ر

لفظ	مادہ
یسجن	س ج ن
یسحبون	س ح ب
یسحت	س ح ت
یسخر	س خ ر
یسخرون	,,
یسخطون	س خ ط
یسر	ی س ر
یسر	,,
یسر	,,
یسر	س ر ی
یسریٰ	ی س ر
یسرف	س ر ف
یسرفوا	,,
یسرق	س ر ق
یسرقن	,,
یسرنا	ی س ر
یسرون	س ر ر
یسطرون	س ط ر
یسطون	س ط و
یسع	و س ع
یسعیٰ	س ع ی
یسعون	,,
یسفك	س ف ك
یسقی	س ق ی

لفظ	مادہ
یسقون	س ق ی
یسقین	,,
یسکن	س ك ن
یسکنوا	,,
یسلب	س ل ب
یسلط	س ل ط
یسلك	س ل ك
یسلم	س ل م
یسلموا	,,
یسلمون	,,
یسمع	س م ع
یسمعون	,,
یسمون	س م و
یسمن	س م ن
یسوؤا	س و أ
یسوم	س و م
یسومون	,,
یسیر	س ی ر
یسیر	ی س ر
یسیروا	س ی ر
یسیغ	س و غ
یشآء	ش ی أ
یشاؤن	,,

لفظ	مادہ
یشاقق	ش ق ق
یشترون	ش ر ی
یشتری	,,
یشتهون	ش ہ و
یشرب	ش ر ب
یشربون	,,
یشرح	ش ر ح
یشرك	ش ر ك
یشرکن	,,
یشرکون	,,
یشرون	ش ر ی
بشری	,,
یشعر	ش ع ر
یشعرون	,,
یشفع	ش ف ع
یشفعون	,,
یشفي	ش ف ی
یشقیٰ	ش ق ی-و
یشقق	ش ق ق
یشقي	ش ق ی-و
یشکر	ش ک ر
یشکرون	,,
یشوي	ش و ی
یشهد	ش ہ د
یشهدون	ش ہ د
یصب	ص ب ب
یصبح	ص ب ح
یصبحوا	,,
یصبر	ص ب ر
یصبروا	,,
یصبحون	ص ح ب
یصد	ص د د
یصدر	ص د ر
یصدعون	ص د ع
یصدفون	ص د ف
یصدق	ص د ق
یصدقوا	,,
یصدفون	,,
یصد	ص د د
یصدوا	,,
یصدون	,,
یصدن	,,
یصر	ص ر ر
یصرف	ص ر ف
یصرفون	,,
یصرمون	ص ر م
یصرمن	,,
یصروا	ص ر ر
یصرون	ص ر ر
یصطرخون	ص ر خ
یصطفي	ص ف و
یصعد	ص ع د
یصعقون	ص ع ق
یصفحوا	ص ف ح
یصفون	و ص ف
یصلیٰ	ص ل ی
یصلب	ص ل ب
یصلبوا	,,
یصلح	ص ل ح
یصلحا	,,
یصلحون	,,
یَصْلَوْنَ	ص ل ی
یَصْلُوْنَ	و ص ل
یَصْلَوْنَ	ص ل و
یصلي	,,
یصم	ص و م
یصنع	ص ن ع
یصنعون	,,
یصور	ص و ر
یصهر	ص ہ ر
یصیب	ص و ب
یضار	ض ر ر

لفظ	مادہ
یضاعف	ض ع ف
یضاهئون	ض ہ ی
یضحکون	ض ح ك
یضر	ض ر ر
یضرب	ض ر ب
یضربن	,,
یضربون	,,
یضرعون	ض ر ع
یضرون	ض ر ر
یضع	و ض ع
یضعن	و ض ع
یضل	ض ل ل
یضلل	,,
یضلون	,,
یضیٔ	ض و أ
یضیع	ض ی ع
یضیفوا	ض ی ف
یضیق	ض ی ق
یطاع	ط و ع
یطاف	ط و ف
یطئون	و ط أ
یطبع	ط ب ع
یطعم	ط ع م
یطعمون	,,

لفظ	مادہ
یطغیٰ	ط غ ی
یطفئوا	ط ف أ
یطلب	ط ل ب
یطلع	ط ل ع
یطمئن	ط م ن
یطمث	ط م ث
یطمع	ط م ع
یطمعون	,,
یطوف	ط و ف
یطوفوا	,,
یطوفون	,,
یطوقون	ط و ق
یطهر	ط ہ ر
یطهرن	,,
یطیر	ط ی ر
یطیروا	,,
یطیع	ط و ع
یطیعون	,,
یطیقون	ط و ق
یظاهرون	ظ ہ ر
یظلان	ظ ل ل
یظلم	ظ ل م
یظلمون	,,
یظن	ظ ن ن

لفظ	مادہ
یظنون	ظ ن ن
یظهر	ظ ہ ر
یظهرون	,,
یعبؤ	ع ب أ
یعبد	ع ب د
یعبدوا	,,
یعبدون	,,
یعتدون	ع د و
یعتذرون	ع ذ ر
یعتزلوا	ع ز ل
یعتصم	ع ص م
یعجب	ع ج ب
یعجز	ع ج ز
یعجزون	,,
یعجل	ع ج ل
یعد	و ع د
یعدلون	ع د ل
یعدون	ع د و
یعذب	ع ذ ب
یعرج	ع ر ج
یعرجون	,,
یعرشون	ع ر ش
یعرض	ع ر ض
یعرضوا	,,

لفظ	مادہ
یعرضون	ع ر ض
یعرف	ع ر ف
یعرفن	,,
یعرفون	,,
یعزب	ع ز ب
یعش	ع ش و
یعص	ع ص ی
یعصرون	ع ص ر
یعصم	ع ص م
یعصون	ع ص ی
یعصین	,,
یعض	ع ض ض
یعطوا	ع ط و
یعطي	,,
یعظ	و ع ظ
یعظم	ع ظ م
یعفوا	ع ف و
یعفون	,,
یعقب	ع ق ب
یعقل	ع ق ل
یعقلون	,,
یعقوب	یعقوب
یعکفون	ع ک ف
یعلم	ع ل م

لفظ	مادہ
یعلمان	ع ل م
یعلمون	,,
یعلنون	ع ل ن
یعمر	ع م ر
یعمروا	,,
یعمل	ع م ل
یعملون	,,
یعمهون	ع م ہ
یعودون	ع و د
یعوذون	ع و ذ
یعوق	یعوق
یعید	ع و د
یعیدوا	,,
یعي	ع ی ی
یغاث	غ و ث
یغاثوا	,,
یغادر	غ د ر
یغتب	غ ی ب
یغر	غ ر ر
یغرر	,,
یغرق	غ ر ق
یغرن	غ ر ر
یغشیٰ	غ ش ی
یغشي	,,

لفظ	مادہ
یغضضن	غ ض ض
یغضون	,,
یغفر	غ ف ر
یغفرون	,,
یغل	غ ل ل
یغلب	غ ل ب
یغلبوا	,,
یغلبون	,,
یغلل	غ ل ل
یغلي	غ ل و ی
یغنوا	غ ن ی
یغني	,,
یغنیا	,,
یغوث	یغوث
یغوصون	غ و ص
یغوي	غ و ی
یغیر	غ ی ر
یغیروا	,,
یغیظ	غ ی ظ
یفتح	ف ت ح
یفتدوا	ف د ی
یفتدي	,,
یفتر	ف ت ر
یفترىٰ	ف ر ی

لفظ	مادہ
يَفترون	ف ر ی
يفتري	,,
يفترين	,,
يفتن	ف ت ن
يفتنون	,,
يفتنن	,,
يفتي	ف ت ی
يفجر	ف ج ر
يفجرون	,,
يفر	ف ر ر
يفرح	ف ر ح
يفرحون	,,
يفرط	ف ر ط
يفرطون	,,
يفرق	ف ر ق
يفرقون	,,
يفسح	ف س ح
يفسد	ف س د
يفسدون	,,
يفسقون	ف س ق
يفصل	ف ص ل
يفعل	ف ع ل
يفعلون	,,
يفقهون	ف ق ہ

لفظ	مادہ
يفلح	ف ل ح
يفلحون	,,
يقاتل	ق ت ل
يقاتلون	,,
يقال	ق و ل
يقبض	ق ب ض
يقبضن	,,
يقبضون	,,
يقبل	ق بُ ل
يقتتلان	ق ت ل
يقترف	ق ر ف
يقترفون	,,
يقتروا	ق ت ر
يقتل	ق ت ل
يقتلن	,,
يقتلوا	,,
يقتلون	,,
يقدر	ق د ر
يقدرون	,,
يقدم	ق د م
يقذف	ق ذ ف
يقذفون	,,
يقرءون	ق ر أ
يقربوا	ق ر ب

لفظ	مادہ
يقرض	ق ر ض
يقسم	ق س م
يقسمان	,,
يقسمون	,,
يقص	ق ص ص
يقصرون	ق ص ر
يقصون	ق ص ص
يقضي	ق ض ی
يقضون	,,
يقطع	ق ط ع
يقطعون	,,
يقطعن	يقطين
يقلب	ق ل ب
يقلل	ق ل ل
يقنت	ق ن ت
يقنط	ق ن ط
يقنطون	,,
يقول	ق و ل
يقولا	,,
يقولون	,,
يقوم	ق و م
يقومان	,,
يقيما	,,
يقيموا	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
یقیمون	ق و م	یکفرون	ک ف ر	یلج	و ل ج
یقین	ی ق ن	یکفل	ک ف ل	یلحدون	ل ح د
یَـلـغُ	ک و ن	یکفلون	,,	یلحقوا	ل ح ق
یکاد	ک و د	یکفون	ک ف ف	یلد	و ل د
یکادون	,,	یکفي	ک ف ی	یلدوا	,,
یکبت	ک ب ت	یکؤ	ک ل أ	یلعب	ل ع ب
یکبر	ک ب ر	یکاف	ک ل ف	یلعبون	,,
یکبروا	,,	یکلم	ک ل م	یلعن	ل ع ن
یکتب	ک ت ب	یَـکُـنْ ۸	ک و ن	یلفظ	ل ف ظ
یکتبون	,,	یکنزون	ک ن ز	یلق	ل ق ی
یکتم	ک ت م	یکور	ک و ر	یلقیٰ	,,
یکتمن	,,	یـکـون	ک و ن	یلقوا	,,
یکتمون	,,	یکونا	,,	یلقون	,,
یکد	ک و د	یکونون	,,	یلمز	ل م ز
یکذب	ک ذ ب	یکیدون	ک ی د	یلمزون	,,
یکذبون	,,	یلاقوا	ل ق ی	یلون	و ل ی
یکره	ک ر ہ	یلبثون	ل ب ث	یلوون	ل و ی
یکرھون	,,	یلبس	ل ب س	یله	ل ہ و
یکسب	ک س ب	یلبسوا	,,	یلهث	ل ہ ث
یکسبون	,,	یلبسون	,,	یم	ی م م
یکشف	ک ش ف	یلت	و ل ت	یمارون	م ر ی
یکف یَکُفَّ	ک ف ف ک ف ف ی	یلتفت	ل ف ت	یمت	م و ت
یکفر	ک ف ر	یلتقط	ل ق ط	یمترون	م ر ی
یکفروا	,,	یلتقیان	ل ق ی	یمتع	م ت ع

لفظ	مادہ
يمتعون	م ت ع
يمح	م ح و
يمحص	م ح ص
يمحق	م ح ق
يمحو	م ح و
يمد	م د د
يمدد	,,
يمدون	,,
يمرون	م ر ر
يمس	م س س
يمسس	,,
يمسك	م س ك
يمسكون	,,
يمشون	م ش ى
يمشي	,,
يمكث	م ك ث
يمكر	م ك ر
يمكرون	,,
يمكن	م ك ن
يمكنن	,,
يمل	م ل ل
يملك	م ل ك
يملكون	,,
يملل	م ل ل

لفظ	مادہ
يمن	م ن ن
يمنى	م ن ى
يمنعون	م ن ع
يمنون	م ن ن
يمني	م ن ى
يموت	م و ت
يموتون	,,
يموتوا	,,
يموج	م و ج
يمهدون	م ه د
يميت	م و ت
يميز	م ى ز
يميلون	م ى ل
يمين	ى م ن
ينابيع	ن ب ع
ينادون	ن د ى-و
ينادي	,,
ينازع	ن ز ع
ينال	ن و ل
ينالون	,,
ينشون	ن أ ى
ينبئ	ن ب أ
ينبأ	,,
ينبت	ن ب ت

لفظ	مادہ
ينبذ	ن ب ذ
ينبغي	ب غ ى
ينبوع	ن ب ع
ينتصرون	ن ص ر
ينتظر	ن ظ ر
ينتظرون	,,
ينتقم	ن ق م
ينته	ن ه ى
ينتهون	,,
ينجي	ن ج و
ينحتون	ن ح ت
ينذر	ن ذ ر
ينذرون	,,
ينزع	ن ز ع
ينزغ	ن ز غ
ينزغنك	,,
ينزفون	ن ز ف
ينزل	ن ز ل
ينسى	ن س ى
ينسخ	ن س خ
ينسف	ن س ف
ينسلون	ن س ل
ينسي	ن س ى

لفظ	مادہ
ینشؤا	ن ش أ
ینشیٔ	,,
ینشر	ن ش ر
ینشرون	,,
ینصرٔ	ن ص ر
ینصرون	,,
ینطق	ن ط ق
ینطقون	,,
ینطلق	ط ل ق
ینظر	ن ظ ر
ینظرون	,,
ینع	ی ن ع
ینعق	ن ع ق
ینغضون	ن غ ض
ینفخ	ن ف خ
ینفد	ن ف د
ینفروا	ن ف ر
ینفضوا	ف ض ض
ینفع	ن ف ع
ینفعون	,,
ینفق	ن ف ق
ینفقون	,,
ینفوا	ن ف ی
ینقذون	ن ق ذ

لفظ	مادہ
ینقص	ن ق ص
ینقصوا	,,
ینقض	ق ض ض
ینقضون	ن ق ض
ینقلب	ق ل ب
ینقلبون	,,
ینکث	ن ک ث
ینکثون	,,
ینکح	ن ک ح
ینکحن	,,
ینکر	ن ک ر
ینکرون	,,
ینکسون	ن ک س
ینهیٰ	ن ه ی
ینهون	,,
ینیب	ن و ب
یواخذ	أ خ ذ
یوادون	و د د
یواری	و ر ی
یواطئوا	و ط أ
یوبق	و ب ق
یؤت	أ ت ی
یوتی	,,
یوتون	,,

لفظ	مادہ
یوثر	أ ث ر
یوثرون	,,
یوثق	و ث ق
یوجه	و ج ه
یوح	و ح ی
یوحیٰ	,,
یوحون	,,
یوحي	,,
یوخذ	أ خ ذ
یؤخر	أ خ ر
یُؤَدّ	أ د ی
یَوَدّ	و د د
یودون	,,
یوذن	أ ذ ن
یؤذون	أ ذ ی
یؤذي	أ ذ ی
یؤذین	,,
یورث	و ر ث
یوزعون	و ز ع
یوسف ,, ۸ ,,	یوسف
یوسوس	و س و س
یوصی	و ص ی
یوصل	و ص ل

لفظ	ماده
يوصين	و ص ی
يوعدون	و ع د
يوعظ	و ع ظ
يوعظون	,,
يوعون	و ع ی
يوف	و ف ی
يوفى	,,
يوفضون	و ف ض
يوفق	و ف ق
يوفك	أ ف ك
يوفكون	,,
يوفون	و ف ی
يوفي	,,
يوق	و ق ی
يوقد	و ق د
يوقدون	و ق د
يوقع	و ق ع
يوقنون	ی ق ن
يول	و ل ی
يولج	و ل ج
يولد	و ل د
يولف	ا ل ف
يولون	و ل ی
يولون	ا ل و
يوم	ی و م
يومئذ	,, + اذا
يومرون	ا م ر
يومن	ا م ن
يومنون	,,
يومين	ی و م
يونس	يونس
يهاجر	ه ج ر
يهاجروا	,,
يهب	و ه ب
يهبط	ه ب ط
يهتدون	ه د ی
يهجعون	ه ج ع
يهد	ه د ی
يهدى	,,
يهدون	ه د ی
يهرعون	ه ر ع
يهزم	ه ز م
يهلك	ه ل ك
يهلكون	,,
يهن	ه و ن
يهود	يهود
يهودي	يهود
يهيئ	ه ی أ
يهيج	ه ی ج
يهيمون	ه ی م
ييئس	ی أ س

اغـــلاط نـامه مبادیات و فہرست

کوشش کے باوجود طباعت میں غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ بہتر ہو کہ آپ ان غلطیوں کی تصحیح ابھی کر لیں۔ ان میں بعض مقامات پر تو صرف حروف اڑ گئے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۷ سطر ۱۰- کام کرنے والا۔ صفحہ ۱۴- نہی کے صیغے۔ صفحہ ۳۷- مر بجائے امر۔ صفحہ ۴۳ سطر ۱۲- مضارع۔ صفحہ ۴۸- وزان بجائے اوزان۔ لیکن ذیل کی غلطیاں ایسی ہیں جن کا اثر معانی پر پڑتا ہے اس لئے ان کی تصحیح بہت ضروری ہے۔

صفحہ	سطر	تصحیح
۲۲	۵	فَعلَ کی جگہ فَعلَ
۳۵	۱	اِفتعالَ کی جگہ اِفْتعالَ
۳۵	۵	یَوَاعَدُ کی جگہ یُوَاعَدُ
۳۹	۶	اِستَبِیعْ کی جگہ اِستَبِعْ
۷۵		آنَسَ کے سامنے ا ن س
۷۶		ہوا کی جگہ ابوا
۸۸		اقطار کے سامنے ق ط ر
۸۹		الھم کے سامنے ل ھ م
۱۰۴		تصبر کے سامنے ص ب ر
۱۱۴		حصل کے سامنے ح ص ل
۱۲۳		زالتا کے سامنے ز و ل
۱۲۵		ساھرۃ کے سامنے س ھ ر
۱۳۱		صلی کی جگہ صلیٰ
۱۵۱		مُستَمّ کے سامنے ت م م
		متوکل کے سامنے و ک ل
۱۶۱		تا کے سامنے تا
۱۶۲		تتبراء کی جگہ تتبرأ
۱۶۳		تذھب کے سامنے ذ ھ ب
۱۷۳		یحکم کے سامنے ح ک م
۱۷۷		یسفی کے بجائے یسقی
۱۷۸		پہلا کالم آخری سطر کے بجائے یشھد۔ ش ھ د
۱۸۳		یؤذون کے سامنے ا ذ ی

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

مفہوم القرآن

الحمد سے والناس تک مسلسل

قرآن کریم کے سمجھنے اور سمجھانے کا بالکل نیا انداز

از پرویز

یہ قرآن کریم کا ترجمہ، نہ تفسیر بلکہ اسکا مفہوم ایسے واضح مسلسل مربوط اور دل کش انداز میں پیش کیا گیا ہے جس سے قرآنی مطالب تابندہ ستاروں کی طرح نگہ بصیرت کے سامنے ابھر کر آجاتے ہیں

جلد اول ——— پارہ ——— ۱ تا ۱۰

طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب مفہوم القرآن (جلد اول)

مصنف پرویز

ایڈیشن اول 1961ء

دہم جنوری 2002ء

ناشر **طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)**

25 بی گلبرگ II لاہور، پاکستان

فون: 5753666,5764484

Web: www.toluislam.com

مطبع عالمین پریس

طلوع اسلام ٹرسٹ کی کتب سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

مفہوم القرآن میں قرآن مجید کی سورتوں کی فہرست

نمبر شمار	سورت	نمبر صفحہ	شمار پارہ
۱	الفاتحہ	۱-الف	۱
۲	البقرہ	۲	۱-۲-۳
۳	آل عمران	۱۱۵	۳-۴
۴	النساء	۱۷۵	۴-۵-۶
۵	المائدہ	۲۳۷	۶-۷
۶	الانعام	۲۸۴	۷-۸
۷	الاعراف	۳۳۶	۸-۹
۸	الانفال	۳۹۳	۹-۱۰
۹	التوبہ	۴۱۵	۱۰-۱۱
۱۰	یونس	۴۵۷	۱۱
۱۱	ھود	۴۸۹	۱۱-۱۲
۱۲	یوسف	۵۲۱	۱۲-۱۳
۱۳	الرعد	۵۴۹	۱۳
۱۴	ابراہیم	۵۶۵	۱۳
۱۵	الحجر	۵۷۹	۱۳-۱۴
۱۶	النحل	۵۹۳	۱۴
۱۷	بنی اسرائیل	۶۲۶	۱۵
۱۸	الکھف	۶۵۷	۱۵-۱۶
۱۹	مریم	۶۸۶	۱۶
۲۰	طٰہٰ	۷۰۳	۱۶
۲۱	الانبیاء	۷۲۷	۱۷
۲۲	الحج	۷۵۰	۱۷
۲۳	المومنون	۷۷۳	۱۸
۲۴	النور	۷۹۳	۱۸
۲۵	الفرقان	۸۱۵	۱۸-۱۹
۲۶	الشعراء	۸۳۳	۱۹
۲۷	النمل	۸۶۰	۱۹-۲۰
۲۸	القصص	۸۸۳	۲۰
۲۹	العنکبوت	۹۰۹	۲۰-۲۱
۳۰	الروم	۹۲۹	۲۱
۳۱	لقمان	۹۴۵	۲۱
۳۲	السجدہ	۹۵۵	۲۱
۳۳	الاحزاب	۹۶۳	۲۱-۲۲
۳۴	السباء	۹۸۷	۲۲
۳۵	فاطر	۱۰۰۳	۲۲
۳۶	یٰسین	۱۰۱۷	۲۲-۲۳
۳۷	صافات	۱۰۳۳	۲۳
۳۸	ص	۱۰۵۲	۲۳
۳۹	الزمر	۱۰۷۶	۲۳-۲۴
۴۰	المومن	۱۰۸۸	۲۴

نمبر شمار	سورت	نمبر صفحہ	شمار پارہ
۴۱	حم السجدہ	۱۱۰۸	۲۴-۲۵
۴۲	الشوریٰ	۱۱۲۵	۲۵
۴۳	الزخرف	۱۱۴۱	۲۵
۴۴	الدخان	۱۱۵۷	۲۵
۴۵	الجاثیہ	۱۱۶۵	۲۵
۴۶	الاحقاف	۱۱۷۳	۲۶
۴۷	محمد	۱۱۸۴	۲۶
۴۸	الفتح	۱۱۹۴	۲۶
۴۹	الحجرات	۱۲۰۴	۲۶
۵۰	ق	۱۲۱۱	۲۶
۵۱	الذاریات	۱۲۱۹	۲۶-۲۷
۵۲	الطور	۱۲۲۹	۲۷
۵۳	النجم	۱۲۳۷	۲۷
۵۴	القمر	۱۲۴۸	۲۷
۵۵	الرحمان	۱۲۵۶	۲۷
۵۶	الواقعہ	۱۲۶۵	۲۷
۵۷	الحدید	۱۲۷۵	۲۷
۵۸	المجادلہ	۱۲۸۶	۲۸
۵۹	الحشر	۱۲۹۴	۲۸
۶۰	الممتحنہ	۱۳۰۳	۲۸
۶۱	الصف	۱۳۰۸	۲۸
۶۲	الجمعہ	۱۳۱۳	۲۸
۶۳	المنافقون	۱۳۱۷	۲۸
۶۴	التغابن	۱۳۲۰	۲۸
۶۵	الطلاق	۱۳۲۶	۲۸
۶۶	التحریم	۱۳۳۱	۲۸
۶۷	الملک	۱۳۳۸	۲۹
۶۸	القلم	۱۳۴۵	۲۹
۶۹	الحاقہ	۱۳۵۲	۲۹
۷۰	المعارج	۱۳۵۷	۲۹
۷۱	نوح	۱۳۶۳	۲۹
۷۲	الجن	۱۳۶۹	۲۹
۷۳	المزمل	۱۳۷۴	۲۹
۷۴	المدثر	۱۳۷۹	۲۹
۷۵	القیامہ	۱۳۸۶	۲۹
۷۶	الدھر	۱۳۹۳	۲۹
۷۷	المرسلات	۱۳۹۸	۲۹
۷۸	النباء	۱۴۰۳	۳۰
۷۹	النازعات	۱۴۰۸	۳۰
۸۰	عبس	۱۴۱۳	۳۰
۸۱	التکویر	۱۴۱۸	۳۰
۸۲	الانفطار	۱۴۲۲	۳۰
۸۳	المطففین	۱۴۲۵	۳۰
۸۴	الانشقاق	۱۴۳۰	۳۰

نمبر شمار	سورت	نمبر صفحہ	شمار پارہ
۸۵	البروج	۱۴۳۳	۳۰
۸۶	الطارق	۱۴۳۶	۳۰
۸۷	الاعلیٰ	۱۴۳۹	۳۰
۸۸	الغاشیه	۱۴۴۲	۳۰
۸۹	الفجر	۱۴۴۵	۳۰
۹۰	البلد	۱۴۵۰	۳۰
۹۱	الشمس	۱۴۵۳	۳۰
۹۲	اللیل	۱۴۵۶	۳۰
۹۳	الضحیٰ	۱۴۵۹	۳۰
۹۴	الم نشرح	۱۴۶۱	۳۰
۹۵	التین	۱۴۶۳	۳۰
۹۶	العلق	۱۴۶۵	۳۰
۹۷	القدر	۱۴۶۸	۳۰
۹۸	البینه	۱۴۷۰	۳۰
۹۹	الزلزال	۱۴۷۲	۳۰
۱۰۰	العادیات	۱۴۷۴	۳۰
۱۰۱	القارعه	۱۴۷۶	۳۰
۱۰۲	التکاثر	۱۴۷۸	۳۰
۱۰۳	العصر	۱۴۸۰	۳۰
۱۰۴	الهمزه	۱۴۸۲	۳۰
۱۰۵	الفیل	۱۴۸۴	۳۰
۱۰۶	قریش	۱۴۸۵	۳۰
۱۰۷	الماعون	۱۴۸۶	۳۰
۱۰۸	الکوثر	۱۴۸۸	۳۰
۱۰۹	الکافرون	۱۴۹۰	۳۰
۱۱۰	النصر	۱۴۹۲	۳۰
۱۱۱	اللهب	۱۴۹۴	۳۰
۱۱۲	الاخلاص	۱۴۹۶	۳۰
۱۱۳	الفلق	۱۴۹۸	۳۰
۱۱۴	الناس	۱۵۰۰	۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن العظیم

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است　　ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

تاریخِ انسانیت پر نگاہ ڈالئے۔ یہ' تعمیر و تخریب کی عبرت انگیز داستان' اور آبادی و ویرانی کی حدیث خونچکاں نظر آئے گی۔ ہر دور کے انسان کی جد و جہد اور سعی و کاوش کا ملخص یہ دکھائی دے گا کہ وہ اپنے لئے ایک عظیم الشان نظامِ تمدن تعمیر کرتا ہے۔ اس فلک بوس و کہکشاں گیر عمارت کے لئے انواع و اقسام کے نوادرات جمع کرتا ہے۔ وہ عمارت' اُس کے حسین تصورات کی مرکز۔ اس کی شاداب آرزوؤں کی محور اور گل پوش تمناؤں کی آماجگاہ بنتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس ایوانِ رفیع الشان کی تکمیل میں ارتقائے انسانیت کا راز پوشیدہ

انسانی تاریخ کی عبرت سامانی

ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا وجود دُنیا کے ستائے ہوئے انسانوں کے لئے پناہ گاہ ہے جو اسے ظلم و استبداد کے پنجۂ آہنی کی گرفت سے بچا کر' امن و سکون عطا کر دے گا۔ وہ ایک عرصہ تک اِن تصورات کی دُنیا میں محو اور اس قصرِ عظیم المرتبت کی تکمیل و تزئین میں سرگرداں رہتا ہے' اور جوں جوں اُس کی دیواریں اوپر کو اُبھرتی ہیں' اُس کی نگاہوں میں چمک اور مسرتوں میں بالیدگی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے ـــــ لیکن وہ عمارت ہنوز تکمیل تک بھی نہیں پہنچنے پاتی کہ دنیا اس عبرت انگیز تماشے کو بصد حیرت دیکھتی ہے کہ وہی انسان' اُس عظیم و حسین عمارت کو خود اپنے ہاتھوں سے زمین پر گرا دیتا ہے' اور یوں اُس کی آرزوؤں اور تمناؤں کا وہ شگفتہ و شاداب مرقع' خاک کا ڈھیر بن جاتا ہے' اور' اُس کے بعد' اُس کے کھنڈرات' ایک حسین خواب کی پریشاں تعبیر کی نشاندہی کے لئے باقی رہ جاتے ہیں۔ بابل اور نینوا۔ مصر اور یونان۔ چین اور ترکستان۔ روم اور ایران کی تہاذیب کے کھنڈرات کو دیکھئے اور پہچانئے کہ وہ کیسے کیسے عظیم المرتبت تمدنوں کے مدفن ہیں' جن میں انسانی ناکامیوں اور نامرادیوں کی تاسف انگیز اور جگر پاش داستانیں محوِ خواب ہیں ـــــ وہ داستانیں جو ہر قلب حساس سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا (۱۶/۹۲)

دیکھنا! تمہاری مثال اُس بڑھیا کی سی نہ ہو جائے جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا اور پھر خود ہی اپنے ہاتھوں سے اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

تہذیب حاضر

اگر آپ کو تاریخ کی ان کہنہ داستانوں کی ورق گردانی اور اقوام سابقہ کے اُجڑے ہوئے کاشانوں کی عبرت سامانی سے انسانی سعی و کاوش کے اس مآل و انجام تک پہنچنے کی فرصت نہیں، تو ایک نظر خود اپنے زمانے کے قصرِ تہذیب و تمدن پر ڈالئے جس کی چمک دمک نے اقوامِ عالم کی نگاہوں میں خیرگی پیدا کر رکھی ہے۔ ہمارا دورِ تہذیب مغرب کا دور کہلاتا ہے۔ اِس تہذیب کی سطوت و شروت اور دبدبہ و طنطنہ کا یہ عالم ہے کہ انسان نے فطرت کی بڑی بڑی مہیب قوتوں کو مسخر کر لیا ہے۔ اسباب رسل و رسائل اور ذرائع آمد و رفت کی محیر العقول برق رفتاری سے زمین کی طنابیں کھنچ گئی ہیں۔ سمندر اس کے تابع فرمان ہے۔ پہاڑ اس کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ زمین اس کے پاؤں کی ٹھوکروں سے اپنے دبے ہوئے خزانے اُگل رہی ہے۔ آسمان کی بجلیاں اس کے اشاروں پر ناچتی ہیں۔ ایٹم کی غیر مرئی جناتی توانائیاں اس کی مٹھی میں ہیں۔ وہ چاند اور سورج کو اپنے زیر دام لا رہا ہے۔ وہ کہکشاں پر کمندیں پھینکنے کی سوچ رہا ہے۔ انسان کو اپنی ساری تاریخ میں، کبھی اس قدر کائنات گیر قوت حاصل نہیں ہوئی تھی۔

لیکن ابھی اس تہذیب کی عمر نصف صدی سے بھی زیادہ ہونے نہیں پائی کہ اِن بے پناہ قوتوں کا حامل انسان پکار اٹھا ہے کہ

> ہم نے زندگی کی ابتدا سائنس کی کاریگری سے کی، اس وثوق کے ساتھ کہ سادی کامرانیاں زندگی کے عقدوں کو حل کر دیں گی۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم غلطی پر تھے۔ زندگی کے مسائل اتنے آسان نہیں۔[۱]

بلکہ یہاں تک کہ

> ہماری موجودہ تہذیب، اپنے قومی، معاشی، عائلی، اخلاقی، مذہبی اور ذہنی نظام کے ہر شعبہ میں، حماقت، جہالت، فریب اور ظلم کا مستقل مظاہرہ ہے۔[۲]

چنانچہ اس قصرِ فلک بوس کی بنیادیں بری طرح سے کھوکھلی ہو رہی ہیں، اور ہر قلب حساس متوحش ہے کہ اگر گذشتہ دو عالمگیر لڑائیوں کے بعد، ایک اور دھچکا لگا، تو نہ صرف یہ کہ اس کاخِ بلند کا نام و نشان تک مٹ جائے گا بلکہ اس کے سائے کے نیچے بیٹھی ہوئی انسانیت بھی کچل کر رہ جائے گی۔

---

۱ J. W. T. MASON — in — Creative Freedom.

۲ G. A. DORSEY — in — CIVILISATION

۲- سوال یہ ہے کہ انسان کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ دورِ قدیم کے تمدن کے ایوانات ہوں یا عصرِ حاضر کی تہذیب کے محلات، نہ انھیں پاگلوں نے بنایا تھا نہ انہیں دیوانوں نے تعمیر کیا ہے۔ یہ نظاہائے تہذیب و تمدن، ہر دور کے انسانوں کی عقل و دانش کا ماحصل، اور اُن کی تدبیری اور انتظامی صلاحیتوں کا نچوڑ تھے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ انسانیت کی تاریخ کے مُطالعہ کے بعد، ہر صاحبِ علم و بصیرت، لامحالہ اِس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ

ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

> ہم نے تلخ تجارب کے بعد یہ سیکھا ہے کہ معاشرتی زندگی کی گتھیاں تنہا عقل کی رُو سے نہیں سُلجھ سکتیں..... اس لئے ہمیں تنہا عقل کو اپنا خدا نہیں بنا لینا چاہیئے۔ اس خدا کے عضلات (MUSCLES) تو بہت مضبوط ہیں لیکن اس کی ذات (personality) نہیں ہے۔ عقل، اسباب و ذرائع پر تو خوب نگاہ رکھتی ہے لیکن مقاصد و اقدار کی طرف سے اندھی ہوتی ہے[۵۱]۔

یعنی، انسانی عقل، فطرت کی قوتوں کو تو مسخر کر سکتی ہے لیکن انسانی معاملات کا اطمینان بخش حل دریافت نہیں کر سکتی۔ یہ اس کے دائرۂ منصب سے باہر کی چیز ہے۔ انسانی معاملات کے حل کے لئے ضروری ہے کہ یہ متعین کیا جائے کہ انسانی زندگی کا مقصد اور نصب العین کیا ہے۔ افراد اور اقوام کے مفاد میں تصادم کیوں ہوتا ہے اور اسے کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ کونسی چیز عالمگیر انسانیت کے لئے منفعت بخش ہے اور کون سی مضرت رساں۔ نوعِ انسان میں مشترک اقدار کونسی ہیں اور ان کا باہمی تعلق کیا ہے۔ ان اقدار کی حفاظت کیوں ضروری ہے۔ انسان کے بنیادی حقوق کیا ہیں اور ان حقوق کا تحفظ کس طرح ممکن ہے۔ ان امور کا تعین، عقل اور اس کے مظاہر، علوم سائنس، کے بس کی بات نہیں۔

> سائنس صرف یہ بتا سکتی ہے کہ "کیا ہے"۔ وہ یہ نہیں بتا سکتی کہ "کیا ہونا چاہیئے"۔ اِسلئے، اقدار کا تعین کرنا اسکے دائرے سے باہر ہے۔ سائنس کے علمبرداروں نے اکثر اوقات اس امر کی کوشش کی ہے کہ وُہ سائنس کی رُو سے، اقدار کے متعلق قطعی فیصلہ نافذ کر دیں۔ (لیکن یہ اُنکی غلطی ہے)..... سائنس کے نزدیک بس ایک "شے" ہوتی ہے۔ اسکی دُنیا میں، آرزو۔ اقدار۔ خیر و شر، نصب العین، حیات کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ سائنس، اقدار متعین کر سکتی ہے، اور نہ ہی انہیں انسانی سینے کے اندر داخل کر سکتی ہے[۵۲]۔

۳- سوال یہ ہے کہ اگر انسانی معاملات کا حل انہی امور پر منحصر ہے اور ان کا تعین عقلِ انسانی کے بس کی بات نہیں، تو کیا، عقل کے علاوہ، کوئی اور سرچشمۂ علم بھی ہے جس سے ان امور کا تعین ہو سکے اور کاروانِ انسانیت، راستے کے خطرات سے محفوظ و مصئون، اپنی منزلِ مقصود کی طرف قدم بڑھاتا جائے؟

---

۵۱ ALBERT EINSTEIN — OUT OF MY LATER DAYS

۵۲ EINSTEIN (IBID)

ہدایت خداوندی ظاہر ہے کہ اِس سوال کا جواب عقل انسانی کی رُو سے نہیں مل سکتا۔ اس لئے کہ عقل، اپنے علاوہ کسی اور سرچشمۂ علم کو جانتی ہی نہیں۔ اِس کا جواب ہمیں ایک اور گوشے سے ملتا ہے، جو پورے حتم و یقین سے کہتا ہے کہ

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی ○ (۲۰/۵۰)

یعنی جس خدا نے کائنات کی ہر شے کو پیدا کیا ہے، اُسی نے یہ انتظام بھی کر رکھا ہے کہ ان اشیاء کو بتائے کہ ان کی منزلِ مقصود کونسی ہے اور وہ اس منزل تک کس طرح پہنچ سکتی ہیں۔ اِس راہ نمائی کو وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو خدا کی طرف سے براہ راست ملتی ہے۔

وحی کا سلسلہ اشیائے کائنات میں، وحی (یعنی خدا کی طرف سے براہ راست راہ نمائی ملنے) کا یہ سلسلہ از خود جاری و ساری ہے۔ ہر شے کی تخلیق کے ساتھ، اس کے اندر اُس حقیقت کا علم رکھ دیا گیا ہے کہ اُس کی نشو و نما کے ذرائع کونسے ہیں اور اس نے اُنہیں کس طرح حاصل کرنا ہے۔ اُس کے فرائض زندگی کیا ہیں، اور انہیں کس طرح سرانجام دیا جائے گا۔ خارجی کائنات میں، اِس راہ نمائی (ہدایت) کو قوانین فطرت کہا جاتا ہے، اور حیوانات کی دنیا میں اسے جبلّت (INSTINCT) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہر شے، ان قوانین (یا جبلّت) کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اور ان کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۵)۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب قوانین خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ کسی کو ان سے یارائے سرکشی و مجال سرتابی نہیں۔ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ (۱۶/۵۰)۔ یہی وجہ ہے کہ یہ محیر العقول کارگہ کائنات، اس نظم و نسق اور حسن و زیبائی سے سرگرم عمل ہے کہ اس میں کہیں انتشار و اختلال نہیں۔ کسی قسم کا فتور یا فساد نہیں مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (۶۷/۳)۔

انسان کی راہ نمائی لیکن انسان کی کیفیت اِس سے مختلف ہے۔ اِس کی راہ نمائی (دیگر اشیائے کائنات کی طرح) پیدائش کے ساتھ، اِس کے اندر ودیعت نہیں کی گئی۔ بکری کا بچہ، پیدائشی طور پر جانتا ہے کہ اس کے لئے گھاس "حلال" ہے اور گوشت "حرام"۔ شیر کو، از خود، علم ہوتا ہے کہ اس کے لئے گوشت "جائز" ہے اور گھاس "ناجائز"۔ لیکن انسانی بچہ کو کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق بھی اتنا علم نہیں ہوتا کہ اس کے لئے کونسی شے نفع بخش ہے اور کونسی مضرت رساں۔ چہ جائیکہ اُسے خیر و شر کی تمیز اور صحیح اور غلط اقدار کی تعیین کی استعداد از خود حاصل ہو۔

آدمی اندر جہان خیر و شر — کم شناسد نفع خود را از ضرر
کس نداند زشت و خوب کار چیست — عادۂ ہموار و ناہموار چیست

۴۔ **انسانی اختیار و ارادہ** انسان کے اندر یہ راہ نمائی (وحی) اس لئے نہیں رکھی گئی کہ اگر ایسا کیا جاتا تو یہ بھی (دیگر اشیائے کائنات کی طرح) اِس راہ نمائی کے مطابق چلنے پر مجبور ہو جاتا — صاحب اختیار

وارادہ نہ رہتا — اس کا اختیار وارادہ وہ شرفِ عظیم ہے جس سے یہ دیگر اشیائے کائنات سے ممتاز و متمیز ہے۔ یہی اس کی سرفرازی و سربلندی کا باعث ہے اور اسی سے یہ مسجودِ ملائکہ اور مخدومِ خلائق ہے۔ اگر انسان کو قوتِ انتخاب حاصل نہ ہوتی تو یہ پتھر کا بت ہوتا یا زندانِ فطرت میں محبوس و پابجولاں قیدی۔ اگر اس میں سرکشی و سرتابی کی استعداد نہ ہوتی تو اس کی اصول پرستی کبھی وجہِ شرف اور باعثِ تحسین و تبریک نہ ہوتی۔ اس لئے کہ نیکی وہی نیکی ہے جو بدی کی قدرت رکھتے ہوئے کی جائے۔ اطاعت وہی اطاعت ہے جو سرکشی کی استطاعت کے باوجود اختیار کی جائے۔ اُس سر کے جھکنے میں خوبی ہے جس کی پیشانی میں سرفرازیاں جھلک رہی ہوں۔ جس میں انتقام کی قوت نہیں، اس کے عفو میں کیا خوبی ہے۔ جس میں ہمسری کی ہمت نہیں اس کا کسی کو جھک کر سلام کرنا خوئے غلامی ہے۔ اختیار رکھتے ہوئے، اپنے آپ پر کنٹرول رکھنا ہی وجہِ شرفِ انسانیت ہے۔ اسی سے اس کی ممکنات مشہود ہوتی ہیں اور زندگی ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل بنتی ہے۔ اس کے اختیار وارادہ کا تقاضا تھا کہ خدا کی طرف سے راہ نمائی اس کے اندر ودیعت کر کے نہ رکھی جاتی۔

تو کیا انسان کو اس راہ نمائی کے بغیر چھوڑ دیا گیا؟ نہیں۔ اسے بھی یہ راہ نمائی دی گئی لیکن اس کے لئے طریق دوسرا اختیار کیا گیا۔ یہ راہ نمائی، مشیتِ خداوندی کے پروگرام کے مطابق، ایک فرد کی طرف وحی کی جاتی جو اسے دوسرے انسانوں تک پہنچاتا اور اسے اُن کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا کہ وہ اسے علیٰ وجہ البصیرت، قبول کرلیں، یا اس سے انکار کر دیں۔ انہیں بتا دیا جاتا کہ اگر وہ اس کے مطابق زندگی بسر کریں گے تو ہر قسم کی شادابیاں اور سرفرازیاں ان سے ہمکنار ہوں گی۔ اگر اس کے خلاف چلیں گے تو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا۔

خدا کی یہ وحی، ان مقتدر ہستیوں کی وساطت سے جنہیں انبیاء کرامؑ کہا جاتا ہے، مختلف ادوار میں ملتی رہی، لیکن زمانہ کے حوادث اور انسانی تحریف کے ہاتھوں، وہ اپنی اصلی شکل میں محفوظ نہ رہی۔ یہ وحی، آخری اور مکمل شکل میں، اب سے قریباً چودہ سو سال پہلے، محمد رسول اللہؐ کی وساطت سے، انسانوں تک پہنچی۔ اس کے مجموعہ کا نام القرآن العظیم ہے۔

قرآن کریم

۵۔ قرآن کریم، خدا کی طرف سے بتدریج نازل ہوتا رہا اور قریب تیئیس سال کے عرصہ میں تکمیل تک پہنچا۔ نبی اکرمؐ نے اس کی کتابت اور حفاظت کا پورا پورا اہتمام و انتظام کیا۔ چنانچہ حضورؐ کی وفات کے وقت یہ اپنی مکمل شکل میں، کتابی صورت میں بھی موجود تھا اور سینکڑوں حفاظ کے سینوں میں بھی محفوظ۔ یہی کتاب اپنی اصلی شکل اور ترتیب کے ساتھ، اس وقت ہمارے پاس موجود ہے اور تاریخی شہادات سے ثابت ہے کہ ان چودہ صدیوں میں، اس میں ایک حرف کا بھی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدائے جلیل نے لے رکھا ہے۔ یہ عظیم المرتبت کتاب، ابدی حقائق کا مجموعہ اور مستقل اقتدار کا صحیفہ ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے ہر گوشے کے لئے مکمل راہ نمائی موجود ہے۔

انسانی تصنیف' اپنے ماحول کی پیداوار' اور ایک خاص مقصد کی ترجمان ہوتی ہے' اس لئے اس کی زندگی ہنگامی اور وقتی' اور اس کی افادیت محدود ہوتی ہے۔ لیکن آسمانی کتاب کی کیفیت اس سے مختلف ہوتی ہے۔ وہ فضا اور ماحول کے اثرات سے بلند اور زمان و مکان کی حدود سے ماورا رہوتی ہے۔ نہ اس کی تعلیم کبھی پرانی اور فرسودہ ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کسی مقام پر انسان سے یہ کہتی ہے کہ میں اس سے آگے نہیں جاسکتی۔ وہ ہمیشہ زمانے کی امامت کرتی ہے اور انسانی زندگی کے ہر تقاضے کا اطمینان بخش حل بتاتی ہے۔ اس میں افراد کی صلاحیتوں کی نشوونما تقاریر کے اصول بھی ہوتے ہیں اور اقوام کے عروج و زوال سے متعلق قوانین بھی ——— قرآن کریم ان تمام خصوصیات کی حامل' آسمانی کتاب ہے' اور نوع انسان کے لئے آخری ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے' ہر حیثیت سے مکمل اور ہمہ گیر ہے۔

انسانی ناکامیوں کی وجہ

۶- رب جلیل کی اس کتاب عظیم نے بتایا کہ انسان کی ناکامیوں اور نامرادیوں۔ تباہیوں اور بربادیوں۔ خوں ریزیوں اور فساد انگیزیوں کی بنیادی وجہ وہ تصورِ حیات ہے' جو اس نے' غلط نگہی اور کج فہمی کی بنا پر' انسانی زندگی کے متعلق قائم کر رکھا ہے۔ یہ نظریہ وہ ہے جسے عصر حاضر کی اصطلاح میں' مادّی تصوّر زندگی (MATERIALISTIC CONCEPT OF LIFE) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نظریہ کی رُو سے سمجھا یہ جاتا ہے کہ انسان' حیوانات ہی کی بڑھی ہوئی شکل ہے اور اس کی ہستی' اس کے مادی پیکر (جسم) سے وابستہ ہے' اور بس۔ اس کی زندگی' حیوانات کی طرح' طبیعی قوانین کے تابع سرگرم عمل رہتی ہے' اور انہی قوانین کے مطابق' ایک دن اس کے جسم کی مشینری بند ہو جاتی ہے۔ اس سے زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس فرد کا کچھ باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا' انسان کے سامنے نہ حیوانی تقاضوں سے بلند کوئی تقاضا ہے' نہ طبیعی مقاصد کے علاوہ کوئی اور مقصد۔ عقل کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ان تقاضوں کی تسکین کا سامان بہم پہنچائے اور اس کے لئے جو وسائل و ذرائع اختیار کرے' ان کے جواز کے دلائل تراشے۔ اس نظریہ کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں کے سامنے' "جنگل کے قانون" (یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس) سے بلند کوئی اور قانون ہو نہیں سکتا ——— اور اس کا نتیجہ ظاہر ہے ——— اس سے' مختلف افراد کے مفاد میں تصادم ہوتا ہے' اور جب یہی تصادم' افراد سے آگے بڑھ کر' اقوام تک پہنچتا ہے تو اس کی زلزلہ خیزیوں اور آتش فشانیوں سے انسانی دُنیا کا گوشہ گوشہ ویران ہو جاتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ انسان نے اپنی تمدنی زندگی کے لئے جس قدر راستے اختیار کئے' وہ اسے' سکون و اطمینان کی جنّت کے بجائے' تباہی اور بربادی کے جہنم کی طرف لے گئے' اور اس کے قصرِ حیات کی کوئی منزل بھی اپنی بنیادوں پر قائم نہ رہ سکی۔ اس لئے کہ

> انسانی ہیئتِ اجتماعیہ کا کوئی نظام جس کی بنیاد باطل اصولوں پر ہو کبھی قائم نہیں رہ سکتا' خواہ اس باطل نظام کو کیسے ہی حسنِ تدبّر اور دانش اطواری سے کیوں نہ چلایا جائے۔ اس کی بنیادی

کمزوری' خارجی نظم وضبط اور اِدھر اُدھر کی جُزئی مرمّت سے' کبھی رفع نہیں ہوسکتی۔[۵]

دُوسرا تصوّرِ حیات اس کے برعکس قرآنی تصوّرِ حیات یہ ہے کہ انسان صرف اس کے طبیعی جسم سے عبارت نہیں۔ اسے' جسم کے علاوہ' ایک اور شے بھی عطا ہوئی ہے' جسے' انسانی ذات (Human personality) کہا جاتا ہے۔ انسانی ذات' نشوونما یافتہ شکل میں نہیں ملتی' بلکہ مضمر اور خوابیدہ صورت میں ملتی ہے۔ اس کی مضمر صلاحیتوں کو نشوونما دے کر' اس کی ممکنات کو مشہود کرتے جانا' انسانی زندگی کا مقصود ہے۔ اگر انسانی ذات کی مناسب نشوونما ہوجائے تو' اس سے انسانی زندگی' موت کے بعد' مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہوجاتی ہے۔ اسے جنتی زندگی کہتے ہیں۔ جس طرح انسان کی جسمانی زندگی کی پرورش کیلئے قوانین مقرر ہیں' اسی طرح اس کی ذات کی نشوونما کے لئے بھی قوانین متعین ہیں۔ یہ قوانین' وحی کے ذریعے عطا کئے گئے ہیں اور قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں۔

۷۔ انسانی ذات کی نشوونما انفرادی طور پر نہیں ہوسکتی' بلکہ معاشرہ کے اندر رہتے ہوئے ہوسکتی ہے۔ اس لئے انسانی ذات کی نشوونما کے لئے جو قوانین' قرآن کریم میں درج ہیں' ان سے انسانی معاشرہ کی تشکیل کے لئے بھی راہ نمائی ملتی ہے۔ **انسانی معاشرہ کی تشکیل** جو معاشرہ اِن قوانین کے مطابق متشکل ہوتا ہے' اس کے پیشِ نظر پوری کی پوری انسانیت کی نشوونما ہوتی ہے۔ اِس میں نہ افراد کے مفاد میں باہمی تصادم ہوتا ہے' نہ اقوام کے مفاصد میں تزاحم۔ اس لئے کہ انسانی ذات کی نشوونما کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ جو شخص' جس قدر دوسروں کی نشوونما کرے گا' اسی قدر اس کی ذات کی نشوونما ہوگی۔ ظاہر ہے کہ جس معاشرہ میں ہر فرد کی کوشش یہ ہو کہ وہ زیادہ سے زیادہ دوسروں کی منفعت کا کام کرے (تاکہ اس سے اس کی ذات کی نشوونما ہو) اُس میں مفاد کے ٹکراؤ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اور جب باہمی مفاد میں تصادم نہیں ہوگا تو وہ الجھنیں خود بخود ختم ہوجائیں گی جن کی وجہ سے انسانی تاریخ' یفسد فی الارض ویسفك الدماء (عالمگیر فساد انگیزیوں اور خونریزیوں) کا عبرت انگیز صحیفہ' اور اس کا ہر ورق انسانی چیرہ دستیوں اور ستم کوشیوں کا بھیانک مرقع بن رہا ہے۔ ان قوانین کو' جو خدا کی اس عظیم المرتبت کتاب میں منقوش ہیں' مستقل اقدار یا غیر متبدل اصولِ حیات کہا جاتا ہے۔ یہ اصول' انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہیں اور عالمگیر انسانیت کی ابدی راہ نمائی کے لئے کافی۔ ان میں نہ کسی تغیّر و تبدّل کی ضرورت ہے' نہ حک و اضافہ کی گنجائش۔ یہ ساحلِ حیات پر روشنی کے مینار کی طرح استادہ ہیں اور زندگی کی تلاطم خیزیوں اور زمانے کی طوفان انگیزیوں میں انسانی کشتی کے ناخداؤں کی منزلِ مقصود کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔ عقلِ انسانی کو ان روشنی کے میناروں کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح انسانی آنکھ کو سورج کے نور کی احتیاج۔

۵؎ ROBERT BRIFFAULT —— *The MAKING OF HUMANITY.*

ان مستقل اقدار اور غیر متبدل اصولوں کے مطابق، آج سے چودہ سو سال پہلے، سرزمین حجاز میں نبی اکرمؐ اور حضورؐ کے رفقائے کارؓ کے مقدس ہاتھوں، قرآنی معاشرہ کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس معاشرہ نے جس قدر انسانیت ساز اور جنت بداماں نتائج مرتب کئے، انسانی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

جنتی معاشرہ

> دنیا کے اور بڑے بڑے انسانوں نے صرف اسلحہ، قانون اور سلطنتیں پیدا کیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ مادی قوتوں کی تخلیق کر سکے جو اکثر اوقات خود ان کی آنکھوں کے سامنے راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئیں۔ لیکن اس انسان (محمدؐ) نے صرف جیوش و عساکر، مجالس قانون ساز، وسیع سلطنتوں، قوموں اور خاندانوں ہی کو حرکت نہیں دی بلکہ ان کروروں انسانوں (کے قلوب) کو بھی جو اس زمانے کی آباد دنیا کے ایک تہائی حصہ میں بستے تھے.... اس نے ایک ایسی کتاب کی اساس پر، جس کا ایک ایک لفظ قانون کی حیثیت رکھتا ہے، ایک ایسی قومیت کی بنیاد رکھی جس نے دنیا کی مختلف نسلوں، اور زبانوں کے امتزاج سے ایک "امت واحدہ" پیدا کر دی — یہ لافانی امت، باطل کے خداؤں سے سرکشی اور تنفر اور خدائے واحد کے لئے والہانہ جذب و عشق — یہ ہیں دنیا میں اس عظیم ہستی کی یادگاریں۔ بہت بڑا مفکر۔ بلند پایہ خطیب۔ پیغامبر۔ مقنن۔ سپہ سالار۔ معتقدات کا فاتح۔ صحیح نظریہ حیات کو علیٰ وجہ البصیرت قائم کرنے کا ذمہ دار۔ اس نظام کا بانی جسمیں باطل خدا، ذہنوں کی دنیا تک میں بار نہ پا سکیں۔ بلیں دنیاوی سلطنتوں اور اس کے اوپر ایک آسمانی بادشاہت کا بانی۔[1]

دنیاوی سلطنتوں کے اوپر یہ "آسمانی بادشاہت" انہی مستقل اقدار اور غیر متبدل اصولوں کی فرمانروائی تھی جن کی حدود کے اندر رہتے ہوئے قرآنی معاشرہ اپنا نظم و نسق سرانجام دیتا ہے، اور جس سے انسانیت کے ہر گوشے سے، حیات نو کے چشمے ابلتے اور اس کی کشت امید کو سیراب کرتے ہیں۔ جب تک یہ نظام قائم رہا، نوع انسان اس کی منفعت بخشیوں سے متمتع ہوتی رہی۔ اس کے بعد جب انسانوں نے اس کا دامن چھوڑ دیا، تو، حیوانی سطح زندگی کے تقاضے پھر غالب آ گئے اور انسانی ذات کا تصور ان کے نیچے دب گیا۔ نتیجہ یہ کہ تباہیوں اور بربادیوں کے جس عذاب میں باقی اقوام عالم مبتلا تھیں، اسی میں یہ قوم بھی ماخوذ ہو گئی، اس لئے کہ قانون خداوندی کی نگاہ میں نہ کوئی قوم چہیتی ہے، نہ سوتیلی۔

اس کے بعد

---

[1] LAMARTINE — HISTORY DE LA TURQUIE (VOL. II)

جو قوم، قرآن کی مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرے گی، خوشگواریوں اور سرفرازیوں کی جنت سے بہرہ یاب ہوگی۔ جو ان کے خلاف جائے گی، نکبت و زبوں حالی کے جہنم میں جا گرے گی۔

۹- اُس دورِ ہمایوں کے بعد، قرآنی نظام دنیا میں کہیں قائم نہیں ہوا، لیکن خدا کا کائناتی قانون، دنیا کو بتدریج، آہستہ آہستہ، قرآنی اقدار کے قریب لا رہا ہے۔ "آہستہ آہستہ" اس لئے کہ کائناتی قانون کی رفتار بڑی سُست ہوتی ہے۔ قرآن کے الفاظ میں، اس کا ایک ایک دن، ہمارے حساب و شمار سے، ہزار ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ دنیا کس طرح ان اقدار کے قریب آ رہی ہے، اس کا اندازہ دو چار مثالوں سے لگائیے۔

چند مثالیں

نزولِ قرآن سے پہلے، ذہنِ انسانی کا فیصلہ یہ تھا کہ ملوکیت، عین "انسانی فطرت" کے مطابق نظامِ جہاں بانی ہے۔ قرآن کریم نے اس تصور کی تردید کی اور کہا کہ انسانوں کو اپنے معاملات باہمی مشاورت سے طے کرنے چاہئیں۔ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ دوسرے انسانوں سے اپنا حکم منوائے۔ قرآن نے یہ تصور دیا اور نبی اکرمؐ نے اس کے مطابق نظامِ مملکت قائم کر کے دکھا دیا۔ اُس وقت عام انسانی ذہن کے لئے یہ تصور نامانوس تھا، اس لئے اُس نے اسے نہ اپنایا۔ لیکن آپ دیکھئے کہ وہی ذہن، کس طرح اپنے سابقہ تصور کو چھوڑ کر، قرآنی تصورِ مملکت کی طرف آ رہا ہے۔

انسانی ذہن کا اُس وقت فیصلہ یہ تھا کہ غلاموں کا وجود معاشرہ کا جزو لاینفک ہے، اور فطرت کی صحیح تقسیم کا نتیجہ۔ قرآن نے یہ انقلابی تصور دیا کہ تمام افرادِ انسانیہ اپنی پیدائش کے اعتبار سے یکساں واجب التکریم ہیں، اس لئے کسی فرد کا دوسرے کو غلام بنا لینا، خلافِ انسانیت ہے۔ اُس وقت کے ذہن کی عام سطح نے اس تصور کو ناقابلِ قبول سمجھا، لیکن اس کے بعد انسان نے خود اس تصور کے خلاف بغاوت کی اور غلامی کو انسانیت کے لئے لعنت قرار دیا۔

اُس وقت یہ تصور عام تھا کہ رنگ اور نسل کے اعتبار سے، ایک انسان کو دوسرے انسان پر فضیلت حاصل ہے۔ قرآن کریم نے کہا کہ یہ محض توہم پرستی ہے۔ انسان کی قدر و قیمت اس کے جوہرِ ذاتی کی ہے، نہ کہ انتسابات نسبی کی بنا پر۔ اُس زمانے نے اس تصور کو اپنے لئے ناآشنا پایا، لیکن اب دیکھئے کہ دنیا سے یہ قدیم تصور کس طرح اُٹھتا جا رہا ہے، اور قرآنی تصور اس کی جگہ لے رہا ہے۔

اُس زمانے میں جاگیرداری۔ زمینداری۔ سرمایہ داری کا نظام عین مطابق فطرت سمجھا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے یہ انقلاب انگیز تصور پیش کیا کہ رزق کے سرچشموں کا مقصد نوعِ انسانی کی نشوونما ہے، اس لئے وسائلِ پیداوار تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہنے چاہئیں، اور معاوضہ محنت کا ہونا چاہیئے، نہ کہ سرمایہ کا۔ اُس زمانے کے انسانی ذہن نے اس عظیم انقلابی تصور کو ٹھکرا دیا۔ لیکن اب دنیا، رفتہ رفتہ، اپنے نظام کہن سے تنگ آ کر، قرآنی نظام کی طرف قدم بڑھا رہی ہے۔

اُس زمانے میں' دنیا مختلف قبائل اور اقوام میں بٹی ہوئی تھی' اور عالمگیر انسانیت کا تصوّر کسی کے سامنے نہیں تھا۔ قرآن کریم نے بتایا کہ نوعِ انسان ایک ہمہ گیر برادری ہے اور اس کی عملی تشکیل کا طریق یہ ہے کہ ساری دنیا کا نظامِ حکومت ایک ہو' اور یہ نظام وحی کی عطا کردہ مستقل اقدار کے مطابق قائم ہو۔ یہ بات اُس زمانے کے محدود ذہن میں سما نہ سکی' لیکن اب دیکھئے' دنیا کس طرح اقوام کی تفریق و تقسیم سے تنگ آکر' ایک عالمگیر نظام کی تلاش میں مضطرب و بیقرار ہے۔ اگرچہ اُسے اس کی بنیاد نہیں ملتی — اس کی بنیاد صرف قرآنی اقدار سے مل سکے گی۔

اس قسم کی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں' لیکن ہم' بغرضِ اختصار' انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ زبانِ وحی نے صدیوں پہلے بتا دیا کہ نوعِ انسان کے لئے صحیح نظامِ زندگی کونسا ہے۔ جن لوگوں نے اس کی صداقت پر یقین کیا' انہوں نے اس نظام کو متشکل کر دیا' اور اسکے زندگی بخش' تعمیری نتائج نے وحی کے دعوے کو سچا ثابت کر دکھایا۔ دوسرے لوگوں نے اس سے انکار کیا۔ اور اپنے لئے تنہا عقل کی راہ نمائی کو کافی سمجھا۔ عقل نے بھی بالآخر اسی سمت کو صحیح پایا جس کی نشاندہی وحی نے کی تھی' لیکن اُسے اس نتیجہ تک پہنچنے میں ڈیڑھ ہزار سال کا عرصہ لگ گیا' اور اس کے لئے انسان کو جن جانکاہ مشقتوں اور جگر پاش مصیبتوں سے گزرنا پڑا' اس کی شہادت تاریخ کے رنگین اوراق دیتے ہیں۔

عقل کا تجرباتی طریق

عقل کا طریق تجرباتی ہے۔ یہ' کسی عقدہ کے حل کے لئے ایک تدبیر سوچتی ہے۔ اس پر عمل شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن صدیوں کے تجربہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ تدبیر غلط تھی۔ اس پر عقلِ انسانی دوسری تدبیر سامنے لاتی ہے۔ پھر اس پر عمل شروع ہو جاتا ہے۔ یوں پیہم ناکام تجارب کے بعد' کہیں ہزاروں سال میں عقلِ انسانی صحیح نتیجہ تک پہنچتی ہے۔ لیکن انسان کو اِس کی جس قدر قیمت ادا کرنی پڑتی ہے' اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اِس کے برعکس' وحی' پہلے ہی دِن' حقیقت کو بے نقاب کر کے سامنے لے آتی ہے اور اس طرح' ایک طرف انسان کا اِس قدر قیمتی وقت بچا دیتی ہے اور دوسری طرف' اسے ان تمام ہلاکتوں اور تباہیوں سے محفوظ رکھتی ہے جو عقل کے تجرباتی طریق کا لازمی نتیجہ ہیں۔ گذشتہ ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ انسان' آخر الامر' اُس نظامِ زندگی کو اختیار کرے گا جسے قرآن کریم نے پیش کیا تھا — اس کے سوا اسے کوئی چارہ ہی نہیں — لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ انسان نے (الف لیلہ کی روایتی بوتل کا کارک کھول کر) تباہی اور بربادی کی جن مہیب عفریتی قوتوں کو فضا میں منتشر کرنا شروع کر دیا ہے' اور وہ جس تیزی سے انسانی زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں' کیا اس سے اِسے اتنی مہلت ملے گی کہ یہ عقل کے تجرباتی طریق سے' قرآنی نظامِ زندگی کی پناگاہ تک صحیح و سلامت پہنچ جائے؟ واقعات اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔

نزولِ قرآن کے وقت' دنیائے تہذیب و تمدّن کی حالت کیا ہو چکی تھی' اس کا نقشہ' ایک

مغربی مؤرخ نے اِن الفاظ میں کھینچا ہے۔

اُس وقت ایسا دکھائی دیتا تھا کہ تہذیب کا وہ قصرِ مشیّد جس کی تعمیر میں چار ہزار سال صَرف ہوئے تھے، منہدم ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا اور نوعِ انسانی پھر اسی بربریت کی طرف لوٹ جانے والی تھی جہاں ہر قبیلہ، دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا تھا اور آئین وضوابط کو کوئی جانتا تک نہ تھا۔ ....

نزول قرآن کے وقت دُنیا کا نقشہ

غرضیکہ وقت وہ آچکا تھا جبکہ ہر طرف فساد ہی فساد نظر آتا تھا۔ تہذیب کا وہ بلند وبالا درخت جس کی سرسبز وشاداب شاخیں کبھی ساری دُنیا پر سایہ فگن تھیں اور آرٹ، سائنس اور لٹریچر کے سنہری پھلوں سے لدی ہوئی تھیں، اب لڑکھڑا رہا تھا۔ عقیدت واحترام کی زندگی بخش نمی اسکے تنے سے خشک ہو چکی تھی اور وہ اندر سے بوسیدہ اور کھوکھلا ہو چکا تھا۔ جنگ وجدال کے طوفان نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے جو صرف پرانی رسموں کے بندھن سے یک جا کھڑے تھے اور جن کے متعلق خطرہ تھا کہ اب گرے یا اب۔

اس کے بعد یہ مؤرخ یہ سوال سامنے لاتا ہے کہ

کیا ان حالات میں کوئی ایسا جذباتی کلچر پیدا کیا جاسکتا تھا جو نوعِ انسان کو ایک مرتبہ پھر ایک نقطہ پر جمع کر دے؟

اور خود ہی اس سوال کا جواب اِن الفاظ میں دیتا ہے کہ

یہ امر موجبِ حیرت واستعجاب ہے کہ اس قسم کا نیا کلچر عرب کی سرزمین سے پیدا ہوا۔ اور اُس وقت پیدا ہوا جبکہ اس کی اشد ضرورت تھی۔

قرآن اَب بھی سنبھال سکتا ہے

آج دُنیا کی حالت اُس سے کہیں زیادہ نازک اور تشویش انگیز ہو چکی ہے جو زمانہ نزولِ قرآن کے وقت تھی۔ لیکن جس طرح قرآن کریم نے انسانیت کو تباہی اور بربادی کے جہنم میں گرنے سے اُس وقت بچا لیا تھا، آج بھی اس میں اتنی قوت اور صلاحیت ہے کہ وہ گرتی ہوئی انسانیت کو سنبھال لے، اور راستے کی پُرخطر گھاٹیوں سے بچا کر اسے صحیح وسلامت منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ اور دُنیا ایک بار پھر اس عظیم حقیقت کو بے نقاب دیکھ لے کہ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ (۲/۳۸)۔ جو قوم قوانین خداوندی کا اتباع کرے گی، وہ خوف وحزن سے مامون رہے گی۔

۱؎ QUOTED BY IQBAL IN HIS LECTURES.

قرآن پریشاں خاطر و افسردہ حال، حیران و سرگرداں، راہ گم کردہ انسانیت کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (۳/۱۳۹)۔ تم تباہی و بربادی کی مہیب قوتوں سے مت خوف کھاؤ۔ تاریک مستقبل کی اندوہناکیوں اور ہلاکت سامانیوں سے مت گھبراؤ۔ جی نہ چھوڑو۔ حوصلہ نہ ہارو۔ مایوس نہ ہو۔ میں جو نظام پیش کرتا ہوں اس کی صداقت پر بھروسہ کر کے اسے عملاً آزماؤ۔ اور پھر دیکھو کہ تم شکست و ریخت کی ان تمام قوتوں پر غلبہ پا کر، کس طرح، خاک کی پستیوں سے آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچتے ہو۔ یہ نظام اس کے سوا کیا ہے کہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے، ان کے حاصل کو وحی کی عطا کردہ اقدار کے مطابق، نوعِ انسان کی نشوونما کے لئے صرف کیا جائے اور اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ

مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ (۱۳/۱۷)

دُنیا میں وہی نظام حیات باقی رہ سکتا ہے جو تمام نوعِ انسانی کیلئے منفعت بخش ہو۔

اِس کا عملی طریق اس کا عملی طریق یہ ہے کہ ایک خطۂ زمین کو اِس نظام کی تجربہ گاہ بنا کر، اس کے درخشندہ و تابناک، حیات بخش و انسانیت ساز نتائج کو دُنیا کے سامنے لایا جائے اور یوں مضطرب و پریشان اقوامِ عالم کو بتایا جائے کہ ان کے لئے امن و سلامتی کا راستہ کونسا ہے۔ ان سے کہا جائے کہ

چارہ این است کہ از عشق کشادے طلبیم
پیشِ او سجدہ گذاریم و مرادے طلبیم

تم نے تنہا عقل کی راہ نمائی کو آزما کر دیکھ لیا۔ اب ذرا وحی کی شمع نورانی کو دلیلِ راہ بنا کر دیکھو!

لیکن یہ عملی طریق وہی قوم اختیار کر سکتی ہے جو ایک طرف قرآنی نظام کو اچھی طرح سمجھے اور دوسری طرف عصرِ حاضر کے تقاضوں پر اس کی نگاہ ہو۔ میں گذشتہ پچیس تیس سال سے قرآن کو اسی انداز سے قوم کے سامنے پیش کرتا چلا آ رہا ہوں۔ مفہوم القرآن، جس کا تعارف آئندہ صفحات میں آپ کے سامنے آئے گا، اسی جہد پیہم اور سعی مسلسل کی ایک اہم کڑی ہے جو میرے مدت العمر کے تدبر فی القرآن کا ماحصل ہے۔ مقصد اس سے اس عظیم حقیقت کا واشگاف کرنا ہے کہ قرآن کریم، نوعِ انسانی کے لئے کس قسم کا نظامِ زندگی تجویز کرتا ہے اور وہ مستقل اقدار کونسی ہیں جن کی بنیادوں پر اس فلک بوس و کہکشاں گیر نظام کی حسین و جمیل عمارت استوار ہوتی ہے۔ اور وہ کس طرح، غلط نظہائے زندگی کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے انسان کے لئے گوشۂ عافیت اور مرکزِ حیات بنتی ہے۔ جب نوعِ انسانی کا یہ آخری ملجا و ماویٰ وجود میں آئے گا تو نوامیسِ فطرت اس کی طرف آنے والے انسانوں کا استقبال لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ[1] ○ (۴۱/۳۱) کی نشاط آور بشارتوں سے کریں گے۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ[2] ○ (۳۶/۵۸) کی نوید جاں فزا و نشیدِ دل نواز ان کے لئے فردوسِ گوش

---

[1] اس میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جسے تمہارا جی چاہے اور جس کی تم آرزو کرو۔ [2] خدائے رحیم کی طرف سے امن و سلامتی کی نویدِ جاں فزا۔



بنے گی۔ اور ندائے جمال' جنّت سے نکلے ہوئے آدم سے' بکمال شفقت و محبّت کہے گی کہ

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۴۳/۷۲)

یہ ہے وہ جنت جس کے تم اپنے اعمال کی بدولت وارث بنائے گئے ہو۔

(اب تمہیں اس سے کوئی نہیں نکال سکے گا۔)

اور' کامیاب و شاد کام' انسان' ہزار مسکراہٹوں سے' آسمان کی طرف دیکھ کر کہے گا کہ

دیدۂ آغازم ——— انجامم نگر۔

قرآن عظیم یہ کچھ کر کے دکھا سکتا ہے۔

گر زمینی! آسماں سازد ترا — آنچہ حق می خواہد آں سازد ترا
خستہ باشی' استوارت می کند — پختہ مثل کوہسارت می کند
صیقلش آئینہ سازد سنگ را — از دلِ آہن رباید زنگ را
نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ اُو رحمۃ للعالمین

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ (۱۷/۹)[1]

۲۵۔بی — گلبرگ
لاہور

پرویز
جولائی ۱۹۷۶ء



[1] یقیناً یہ قرآن' سفرِ زندگی میں' اُس راہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی' ہموار اور محکم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



تعارف

چُوں مُسلماناں اگر داری جگر در ضمیر خویش و در قرآں نگر
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست

خدائے جلیل کی کتاب عظیم کا مختصر سا تعارف' سابقہ صفحات میں کرایا جا چکا ہے۔ وہیں یہ حقیقت بھی سامنے آچکی ہے کہ انسانی زندگی کے معاملات' تنہا عقل کی رُو سے حل نہیں ہو سکتے۔ اِن کا حل اسی صورت میں مل سکتا ہے جب عقل' وحیٔ خداوندی کی روشنی میں کام کرے۔ یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں' قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے' اور تمام نوعِ انسان کے لئے' ہمیشہ کیلئے' ضابطۂ ہدایت ہے۔ یہ کتاب عظیم' ہر فرد اور ہر قوم کو' ہر زمانے میں' زندگی کے دوراہے پر بتاتی ہے کہ صحیح راستہ کونسا ہے اور غلط کونسا۔ انسانیت کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے' نہ اس کتاب کی راہ نمائی سے مفر ہو سکتا ہے' نہ ہی اس کا کوئی بدل ہے۔ سوال یہ ہے کہ حقائق و معارف کے اس بے بہا خزینہ اور رشد و ہدایت کے اس بے مثال گنجینہ سے' عصرِ حاضر میں کس طرح راہ نمائی حاصل کی جائے۔

قرآن فہمی کی اہمیت

۲- یوں تو دُنیا کی ہر کتاب کی یہ کیفیت ہے کہ جب تک اُسے سمجھا نہ جائے اس سے مستفید نہیں ہوا جا سکتا' لیکن جس کتاب کی پوزیشن یہ ہو کہ انسان کو' زندگی کے ہر معاملہ میں' اُس سے راہ نمائی حاصل کرنی ہے' اُسے کما حقہٗ سمجھنے کی اہمیت کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔

یہ کتاب، زندگی کے مسائل کے لئے عملی اُصول (فارمولے) دیتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عملی اُصول (فارمولا) اُسی صورت میں صحیح نتیجہ پیدا کرسکتا ہے، جب اس کے ہر جزو، مختلف اجزا کی ترتیب اور اس کے مجموعی طریقِ عمل کا صحیح صحیح علم ہو۔ اگر ان میں سے کسی ایک عنصر کے سمجھنے میں بھی غلطی ہوجائے، تو وہ اُصول کبھی صحیح نتائج مُرتب نہیں کرے گا اور انسان کی ساری محنت رائگاں جائیگی۔ اِس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ قرآن کریم کی صداقت پر ایمان رکھتے اور اسے ضابطۂ حیات سمجھتے ہیں، اُن کے لئے، اِس کتاب کا صحیح طور پر سمجھنا کس قدر ضروری ہے۔ اُن کی تو زندگی، اور زندگی کی کامیابیوں کا دارومدار ہی اِس پر ہے۔

۳۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ایک عرصہ تک اِس کتاب عظیم کی یہ حیثیت، اور اِس کے سمجھنے کی اہمیت، ہماری نگاہوں سے اوجھل رہی (اور اس کا خمیازہ بھی ہم نے بھگتا۔ اور ابھی تک بھگت رہے ہیں)۔ اسے ایک "مقدس صحیفہ" سمجھا جاتا رہا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اسے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر، اونچے طاقوں پر رکھا جائے، تاکہ اُس کی جانب پُشت ہوجانے سے اس کی بے ادبی نہ ہو۔ یا، اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لئے، اس کی قسم کھائی جائے۔ اور اگر اسے پڑھا جائے تو محض بغرض "ثواب" ——— خواہ وہ ثواب اپنے لئے ہو یا مُردوں کو بخشنے کے لئے۔ لیکن مقامِ مسرّت ہے کہ اب، رفتہ رفتہ، اس بلند و بالا کتاب کا صحیح مقام سامنے آرہا ہے، اور اسے سمجھ کر پڑھنے کی اہمیت نمایاں ہورہی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا رجحان اس کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس کے حقائق کو بے نقاب دیکھنے کی تڑپ ان کے دل میں پیدا ہورہی ہے۔ لیکن اسے شکایت ہے کہ مروّجہ ترجموں سے قرآن کریم سمجھ میں نہیں آتا، اور تفاسیر کا

نوجوان طبقہ کی مُشکلات یہ عالم ہے کہ کثرتِ تعبیر سے، خواب، پریشاں سے پریشاں تر ہوجاتا ہے۔ اِس سے نوجوان گھبرا اُٹھتا ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرے۔ اِس کے شوق کا یہ عالم ہے کہ وہ بار بار قرآن کریم کی تلاوت شروع کرتا ہے، لیکن اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ ذوق اور عقیدت کی بنا پر، پہلے پارہ کے رُبع یا نصف تک بمشکل پہنچتا ہے، اور اس کے بعد اسے مجبوراً بند کردیتا ہے۔

۴۔ میں قرآن کریم کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں۔ میں نے اپنی عمر اس کے سمجھنے اور سمجھانے میں صرف کی ہے۔ قرآنی فکر کو دوسروں تک پہنچانے کے سلسلہ میں میرا اوّلین مخاطب طبقہ، قوم کا یہی نوجوان، تعلیم یافتہ گروہ رہا ہے (اور اب تک ہے)۔ میں نے نوجوانوں کی نفسیات کا مطالعہ کیا ہے۔ اِن کے دل کی گہرائیوں میں اُتر کر، اِن کے جذبات و احساسات، اور رجحانات و میلانات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اِن کے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات پر بنظرِ تعمق غور کیا ہے اور اُن اسباب و علل کی تحقیق کی ہے جن کی وجہ سے یہ، اکثر، "مذہب" سے برگشتہ ہوجاتے ہیں۔ میں ہزارہا نوجوانوں سے ملا ہوں جن کے سینے میں، عدمِ یقین اور تذبذب کی آتش خاموش

سلگ رہی تھی لیکن ہنوز بھڑکی نہیں تھی۔ اور ان ژولیدہ مو' آشفتہ مغز' بیباک سرپھروں سے بھی جن کی یہ آگ 'شعلہ بن کر اٹھی' اور جوالہ مکھی کی طرح پھٹ پڑی تھی' اور جنہیں مذہب' اور اس کی طرف منسوب کردہ ہر شے سے بیزاری ہی نہیں بلکہ چڑ سی ہو گئی تھی۔ میں نے' نہ کبھی اوّل الذکر گروہ کے تذبذب اور ڈھلمل یقینی کو "لاحول" پڑھ کر ٹھکرایا' اور نہ ہی ثانی الذکر کے سرکش جذبات کو ماتھے کی شکنوں سے دھتکارا۔ میں نے ان کے لئے' ہمیشہ' اپنے سینے کو کھلا رکھا اور انہیں سمجھنے اور قریب لانے کی کوشش کی۔ اس کے لئے میں نے' قرآن کریم کے ابدی حقائق کو' اپنے دور کی علمی سطح کے مطابق' عقل و بصیرت کی روشنی میں ان کے سامنے پیش کیا' اور ان کے شکوک و شبہات کی خلشوں کو' دلائل و براہین سے دُور کرنے کی کوشش کی۔ اِس کا نتیجہ بالعموم یہ نکلا' کہ جو مذہب کو گالیاں دیتے ہوئے آتے وہ دینِ خداوندی کے گرویدہ بن کر جاتے۔ میں' اس طرح' آہستہ آہستہ' اِس طبقہ کو قرآن کریم تک لے آتا' اور اِس کے بعد ان سے کہتا کہ وہ اسے خود سمجھنے کی کوشش کریں ——— وہ اِس کے لئے کوشش کرتے' اور نہایت نیک نیتی سے ایسا کرتے' لیکن (جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں)' ہار تھک کر پکار اٹھتے' کہ مروّجہ ترجموں سے قرآن کریم ان کی سمجھ میں نہیں آتا!

میں نے جب ان کی مشکلات پر غور کیا تو ان کی شکایت کو دُرست پایا۔ وہ ایسا کہنے میں حق بجانب تھے کہ قرآن کریم مروّجہ تراجم سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اِن میں سے جنہوں نے' تراجم سے آگے بڑھ کر' کسی تفسیر کو دیکھا تھا' ان کا کہنا یہ تھا کہ اس سے' قرآن کریم کا سمجھ میں آنا تو ایک طرف' انسان کے ذہن میں مزید الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ اجمال تھوڑی سی تفصیل چاہتا ہے۔

روایات کی رُو سے تفسیر

۵۔ کہا یہ جاتا ہے کہ قرآن کریم نبی اکرمؐ پر نازل ہوا اور حضورؐ نے اسے صحابہؓ کی جماعت کو سمجھایا۔ ظاہر ہے کہ اس آسمان کے نیچے اِس ذاتِ اقدس و اعظمؐ سے بہتر نہ تو کوئی قرآن کو سمجھانے والا ہو سکتا ہے' اور نہ قدوسیوںؓ کی اس جماعت سے بہتر' سمجھنے والا ——— اِس لئے ہمیں قرآن فہمی کے سلسلہ میں کسی اور طرف رُخ کرنے کی ضرورت ہی نہیں"۔ یہ بالکل بجا اور درست ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جو کچھ حضورؐ نے سمجھایا تھا وہ اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں ہم تک نہیں پہنچا۔ اِس کا واضح اور بیّن ثبوت یہ ہے کہ قرآن کریم کی جس تفسیر کو نبی اکرمؐ کی ذاتِ گرامی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' وہ زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ وہ حضورؐ کی حقیقی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ مثلاً' صحیح بخاری کو احادیث نبویؐ کا مستند ترین مجموعہ قرار دیا جاتا ہے۔ اِس میں ایک حصّہ کِتَابُ التَّفْسِیْر کا ہے۔ یعنی اس میں قرآنی آیات کی وہ تفسیر درج کی گئی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نبی اکرمؐ نے بیان فرمائی تھی۔ یہ تفسیر کس قسم کی ہے' اِس کے لئے آپ سورۂ بقرہ کی اس آیت کو لیجئے جو اُس میں سب سے پہلے درج ہے۔ یعنی' وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ

عَلَّمَ (۲/۳۱) - "آدم کو خدا نے تمام چیزوں کے نام بتادیئے" اِس کی تفسیر میں لکھا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ رسولِ خداؐ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سب مسلمان جمع ہوکر مشورہ کریں گے کہ آج ہم کسی کو اپنا شفیع بنائیں۔ اور آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ سب کے باپ ہیں۔ آپ کو اللہ نے ملائکہ سے سجدہ کرایا ہے اور آپ کو تمام نام سکھائے ہیں۔ آپ ہماری شفاعت کریں تاکہ ہم آج اس جگہ کی تکلیف سے راحت پائیں۔ وہ کہیں گے کہ آج میں اِس قابل نہیں۔ اور اپنا گناہ یاد کریں گے (خلافِ حکم درخت کا پھل کھالیا تھا) اور اللہ سے شرمائیں گے۔ اور کہیں گے کہ تم نوحؑ کے پاس جاؤ۔ ان کو اللہ نے سب سے پہلا نبی بنا کر زمین پر بھیجا تھا۔ سب آدمی ان کے پاس آئیں گے۔ وہ کہیں گے کہ آج میں اس قابل نہیں اور اپنا گناہ یاد کرکے شرمائیں گے۔ اور کہیں گے کہ تم ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ سب ان کے پاس آئیں گے۔ یہ بھی ایسا ہی کہیں گے اور کہیں گے کہ تم موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ اللہ نے ان سے باتیں کی ہیں اور توریت عطا فرمائی ہے۔ وہ ان کے پاس آئیں گے۔ وہ بھی کہیں گے کہ میں آج کے دن تمہارا شفیع نہیں ہوسکتا' اور اپنا گناہ یاد کرکے اللہ سے شرمائیں گے اور کہیں گے کہ تم عیسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ وہ رسول اللہ اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ جب ان کے پاس آئیں گے یہ بھی ایسا ہی کہدیں گے اور کہیں گے کہ تم محمدؐ کے پاس جاؤ جن کے اللہ نے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے ہیں۔ وہ اس وقت میرے پاس آئیں گے۔ میں ان کو اللہ کے پاس بخشوانے لے جاؤں گا اور اللہ کے حضور (داخلہ کی) اجازت طلب کروں گا تو مجھ کو (آنے کی) اجازت ملے گی۔ تو جس وقت میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا اور اللہ جو بات میرے دل میں ڈالے گا وہ کہوں گا۔ پھر اللہ کی طرف سے کہا جائے گا (اے محمدؐ) سر کو اُٹھا اور سوال کر تاکہ عطا کیا جائے۔ اور کہہ' تیرا کہنا سنا جائے گا اور تیری شفاعت قبول کرلی جائے گی۔ اِس وقت میں سر اٹھاؤں گا۔ اور جیسے اللہ نے مجھے تعلیم دی تھی ویسے ہی اس کی تعریف بجالاؤں گا۔ پھر شفاعت کروں گا۔ اس وقت ایک گروہ بخشا جائے گا (یعنی مہاجرین و انصار' اور بڑے بڑے نیک بندے۔ اولیاء، شہداء) اور ان کو جنت میں بھجوادوں گا۔ پھر اللہ کی طرف آؤں گا اور دیکھ کر سجدے میں جاؤں گا اور شفاعت کروں گا۔ اس مرتبہ بھی ایک گروہ بخشا جائے گا۔ اسی طرح تیسری دفعہ۔ پھر چوتھی دفعہ ایسے ہی شفاعت کروں گا۔ پھر اللہ سے کہوں گا کہ کوئی باقی نہیں رہا سوائے ان کے جن کو قرآن نے روکا ہے اور ان پر ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے کا حکم ہے۔ ابو عبداللہ بخاری کہتے ہیں' جن کے بارے میں

یہ آیت (خَالِدِیْنَ فِیْهَا) ہے۔

(ترجمہ مرزا حیرت دہلوی۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴۱۹)۔

ظاہر ہے کہ یہ روایت 'وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا' کی تشریح نہیں کرتی۔ اور اس کا مضمون بتا رہا ہے کہ یہ نبی اکرمؐ کی بیان فرمودہ تفسیر کا صحیح ریکارڈ نہیں ہو سکتی۔

ایک اور آیت لیجئے۔ سورۂ مائدہ میں ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ... (۵/۸۷)۔ "اے ایمان والو! جس کو اللہ نے تمہارے لئے حلال اور پاک کر دیا ہے اس کو تم حرام مت بناؤ"۔ اس کی تفسیر میں صحیح بخاری میں حسب ذیل روایت مذکور ہے۔

> عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ ہم رسولؐ خدا کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہ تھیں (اور عورتوں سے جدائی کی برداشت نہ ہوتی تھی بوجہ حرارت اور قوت کے) تو ہم نے عرض کیا۔ آیا ہم خصی ہو جائیں۔ آپ نے منع فرمایا' اور پھر اجازت دیدی کہ عورت سے تھوڑے یا زیادہ دن مقرر کر کے' جس میں وہ عورت راضی ہو نکاح کر لو (تاکہ اس فعل یعنی خصی ہونے سے بچو اور نگاہ بدکسی پر نہ پڑے)۔ پھر یہ آیت پڑھی (ایضاً صفحہ ۷۶۸)

آیت کا مطلب صاف تھا' لیکن اس تفسیر نے ذہن میں جو اُلجھاؤ پیدا کر دیا وہ ظاہر ہے۔ (اس سے چند دنوں کے لئے عارضی نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے)۔ لہٰذا' یہ تفسیر نبی اکرمؐ کی نہیں ہو سکتی۔

میں ان دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگر آپ تفصیل میں جانا چاہتے ہوں تو صحیح بخاری (یا صحاح ستہ میں سے کسی اور کتاب) میں تفسیری روایات ملاحظہ فرمالیں۔ بات واضح ہو جائے گی کہ ان روایات کی رُو سے' جنہیں نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جن کا مضمون بتاتا ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے ارشادات گرامی نہیں ہو سکتے' قرآن کریم سمجھ میں نہیں آسکتا۔

تفسیر ابن کثیر

۶۔ کتب احادیث کے بعد' ہمارے سامنے کتب تفاسیر آتی ہیں۔ ان میں اس تفسیر کو معتبر ترین سمجھا جاتا ہے جس کی تائید میں کوئی حدیث یا صحابہؓ میں سے کسی کا قول درج ہو۔ ان تفاسیر میں' تفسیر ابن کثیر بڑی قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے۔ اس میں آیت (وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا) کی تفسیر میں لکھا ہے۔

> فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام بتائے۔ یعنی ان کی تمام اولاد کے' سب جانوروں کے' زمین' آسمان' پہاڑ' تری' خشکی' گھوڑے' گدھے' برتن بھانڈے' چرند پرند' فرشتے تارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے نام..... صحیح قول یہی ہے کہ تمام چیزوں کے نام سکھائے تھے۔ ذاتی نام بھی اور صفاتی نام بھی۔ اور کاموں کے نام بھی۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ گوز کا نام بھی بتایا گیا تھا۔ (ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی۔ پارہ اول، صفحہ)

(اس کے بعد' صحیح بخاری کی وہ روایت مذکورہ ہے جسے اوپر درج کیا جا چکا ہے۔)۔

ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ

۷۔ کتب احادیث و تفاسیر کے بعد' تراجم کی طرف آیئے۔ اردو کے موجودہ تراجم میں شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ مستند ترین سمجھا جاتا ہے۔ اس ترجمہ کا انداز اس قسم کا ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ○ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ○ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ○ (۲/۱۷-۱۹)

مثال ان کی جیسے مثال اس شخص کی جلاوے آگ۔ پس جب روشن کیا جو کچھ گرد اس کے تھا' لے گیا اللہ روشنی ان کی اور چھوڑ دیا ان کو بیچ اندھیرے کے نہیں دیکھتے۔ بہرے ہیں' گونگے ہیں۔ اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں پھرتے۔ یا مانند مینہ کے آسمان سے بیچ اس کے اندھیرے ہیں اور گرج ہے اور بجلی۔ کرتے ہیں انگلیاں اپنی بیچ کانوں اپنے کے' کڑک سے ڈر موت کے سے۔ اور اللہ گھیرنے والا ہے کافروں کو۔

اس ترجمہ پر تنقید مقصود نہیں' لیکن یہ تو واضح ہے کہ جب ایک تعلیمیافتہ نوجوان اس کی شکایت کرے کہ اس ترجمہ سے قرآن کا مفہوم اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو اس کی یہ بات ایسی نہیں جس پر اُسے جھڑک دیا جائے۔ اس پر توجہ دینا ضروری ہے۔

ترجمہ مفہوم کو واضح کر ہی نہیں سکتا

۸۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ' خواہ وہ دُنیا کی کسی زبان میں بھی کیوں نہ ہو' قرآنی مفہوم کو واضح کر ہی نہیں سکتا ——— حتیٰ کہ اگر قرآن کریم کے الفاظ کی جگہ' خود عربی زبان کے دوسرے الفاظ رکھ دیئے جائیں' تو بھی بات کچھ سے کچھ ہو جائے گی۔ قرآن کریم کا انداز اور اسلوب بالکل نرالا ہے۔ یہ اپنی مثال آپ ہے۔ الفاظ تو اس کے عربی زبان ہی کے ہیں' لیکن ان میں جامعیت اس قدر ہے کہ نہ ان الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ لے سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی ترتیب میں رَدّ و بدل کرنے سے' وہ بات باقی رہ سکتی ہے۔ اس لئے' قرآن کریم کے ترجمہ میں اس کا پورا پورا مفہوم آ نہیں سکتا۔ اِبن قتیبہؒ

اِمام ابن قتیبہ کی رائے

ہیں' امام ابن قتیبہؒ (متوفی ۲۷۶ھ)' کتاب القرطین میں عربی کے مختلف اسالیب بیان کی خصوصیات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قرآن کریم کا نزول' ان تمام اسالیب کلام کے مطابق ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ترجمہ کرنے والا' قرآن کریم کا ترجمہ کسی زبان میں (کماحقہٗ) نہیں کرسکتا' جیسا کہ ترجمہ کرنے والوں نے' انجیل کا ترجمہ سریانی زبان سے' حبشی یا رومی زبان میں کرلیا تھا' ایسے ہی زبور اور تورات کے تراجم اور باقی کتب الٰہیہ کے تراجم عربی زبان میں کرلئے گئے تھے۔ کیونکہ عجمی زبانوں میں' مجاز کی وہ وسعت نہیں جو عربی زبان میں ہے[1]۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ اگر آپ قرآن کریم کی اس آیت کا ترجمہ کرنا چاہیں —

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ (۸/۵۸)

تو آپ قیامت تک ایسے الفاظ مہیا نہیں کرسکتے جو ان معنوں کو ادا کردیں جو اس آیت میں ودیعت ہیں' بجز اس کے کہ آپ اس نظم وترتیب کو توڑ کر الگ الگ چیزوں کو ملائیں اور جو چیزیں اس میں ودیعت کی گئی تھیں' انہیں اس طرح ظاہر کردیں' اور یوں کہیں کہ "اگر تمہارے درمیان اور کسی قوم کے درمیان صلح اور معاہدہ ہو' اور تمہیں ان سے خیانت اور نقض عہد کا اندیشہ ہو' تو پہلے انہیں بتا دو کہ جو شرائط تم نے ان کے لئے منظور کی تھیں' تم نے انہیں توڑ دیا ہے' اور اس کے ساتھ ہی ان کے خلاف اعلانِ جنگ بھی کردو تاکہ تم اور وہ دونوں نقض عہد کو جان لینے میں برابر سرابر ہوجاؤ"۔

ایسے ہی قرآن کریم کی ایک دوسری آیت ہے۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا (۱۸/۱۱)

اگر آپ چاہیں کہ اس مضمون کو کسی دوسری زبان کے الفاظ میں منتقل کردیں تو اس سے وہ مضمون قطعاً نہیں سمجھا جاسکے گا جو ان الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "ہم نے انہیں چند سال تک سُلائے رکھا" تو اب بھی آپ نے مضمون کا ترجمہ تو کردیا' مگر الفاظ کا ترجمہ نہیں کرسکے۔

ایسے ہی قرآن کریم کی تیسری آیت ہے

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا (۲۵/۷۳)

---

[1] اس میں شبہ نہیں کہ عجمی زبانوں میں' عربی زبان کی سی وسعت نہیں' لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ' عربی زبان کے علاوہ' اس میں قرآن کریم کے خاص اسلوب کو بنیادی دخل ہے۔ اور یہ خصوصیت ہر آسمانی کتاب کی ہوتی ہے۔ وحی کا انداز ہی نرالا ہوتا ہے خواہ اس کی زبان کوئی بھی ہو۔ آج ہمارے سامنے' قرآن کریم کے علاوہ' کوئی اور آسمانی کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں' ورنہ ہم دیکھتے کہ وحی کی زبان کا ترجمہ (کماحقہ) ہو نہیں سکتا' خواہ وہ کوئی آسمانی کتاب ہو۔ انجیل اور تورات کے جو تراجم ہمارے سامنے ہیں' اوّل تو وہ اصل کتابوں کے براہ راست تراجم نہیں۔ اور اگر (بفرض محال) یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وہ اصل کتابوں کے تراجم ہیں' تو کون کہہ سکتا ہے کہ اصل کیا تھا اور وہ ترجمہ میں آکر کیا ہوگیا؟

اگر آپ اس آیت کا ترجمہ' اس کے الفاظ کے مطابق کریں گے تو وہ ایک مغلق بات بن جائیگی۔ اور اگر آپ یوں کہیں گے کہ " وہ لوگ اس سے تغافل نہیں برتتے " تو اس سے آپ نے مضمون کو دوسرے الفاظ میں ادا کر دیا ہے۔ ترجمہ نہیں کیا۔ (قرطبین جلد دوم۔ صفحہ ۱۶۳)۔

ایک مستشرق کی رائے

یہ تو اپنوں کی رائے ہے۔ غیروں میں سے بھی جس نے قرآن کریم کا مطالعہ بنظرِ غائر کیا ہے' وہ اسی نتیجہ پر پہنچا ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ (کما حقہٗ) کسی زبان میں نہیں ہوسکتا۔ مشہور مستشرق گب (H.A.R. GIBB)' اپنی کتاب (Modern Trends in Islam -- 1945 ed.) میں لکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا ——— جس طرح کسی بلند شاعری کا ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ وحی کی زبان ہی مختلف ہوتی ہے۔..... قرآن کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرو تو اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ اس کے عربی زبان کے 'تراشے ہوئے نگینوں کے گوشوں کو جامع طور پر سامنے لانے کے بجائے' مترجم اپنے وضع کردہ ایسے الفاظ استعمال کریگا جو اصلی الفاظ کی وسعت اور جامعیت کو مقید کر دیں گے۔ ایسی آیات میں' جن میں عام واقعات یا قوانین و احکام مذکور ہوں' ترجمہ کا یہ نقص شاید زیادہ نقصان رساں نہ ہو' لیکن' بایں ہمہ' جو مدوجزر' جو نشیب و فراز' جو بلندیاں اور گہرائیاں' جو لطافتیں اور باریکیاں' اور اس کے ساتھ جو جوش و خروش' اصل کتاب میں جلوہ فرما ہے' وہ ترجمہ میں کیا آسکے گا! ذرا اس صاف اور سیدھی سی آیت کو لیجئے۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝ (۵۰/۴۳)

اور انگریزی ہی نہیں' دنیا کی کسی زبان میں اس کا ترجمہ کرکے دکھایئے۔ اس کے چھ الفاظ میں' جو پانچ مرتبہ "ہم" (WE) کی تکرار ہے' اسے کونسی زبان ادا کر سکے گی؟

(صفحہ ۴ ترجمہ رواں)

اس مشکل کا حل

۹۔ میں قرآن کریم کے ترجمہ کی ان مشکلات پر ایک مدت تک غور کرتا رہا' اور اس کے بعد' اس نتیجہ پر پہنچا کہ کرنے کا کام یہ ہے کہ

(۱) عربی زبان کی مستند کتب لغت و تفاسیر کی مدد سے' قرآن کریم کے تمام الفاظ کے معانی' پوری وسعت اور جامعیت کے ساتھ متعین کئے جائیں' اور اس کے لئے جہاں تک پیچھے جاسکتے ہوں' جائیں' تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ نزولِ قرآن یا اس سے قریب تر زمانہ میں ان الفاظ سے' بالعموم کیا مفہوم لیا جاتا تھا۔

(ii) پھر یہ دیکھا جائے کہ قرآن کریم نے ان الفاظ کو کن کن معانی میں استعمال کیا ہے۔ اسکا انداز یہ ہے کہ وہ ایک بات کو مختلف مقامات پر بیان کرتا ہے' اور ان تمام مقامات کو بیک وقت سامنے لانیسے ان الفاظ کا مفہوم نمایاں طور پر سامنے آجاتا ہے۔ یہ کام میرے لئے آسان تھا اِس لئے کہ میں اُس سے پہلے سالہا سال کی محنت سے قرآن کریم کی تبویب (CLASSIFICATION) کا کام مکمل کر چکا تھا۔

(iii) علاوہ ازیں جن الفاظ کو قرآن کریم نے بطور اصطلاحات استعمال کیا ہے' ان کا مفہوم بھی قرآن کریم سے متعین کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ ان جامع اصطلاحات سے' اپنی تعلیم کے کس قسم کے تصورات (concepts) پیش کرتا ہے۔ یہ نکتہ بڑا اہم ہے۔ اسے ذرا آگے چل کر تفصیلاً بیان کیا جائیگا۔

لُغات القرآن اس پروگرام کے مطابق میں نے قرآنی مفردات کے معانی متعین کرنے کے لئے تحقیق شروع کی' اور مدّتِ دراز کی مسلسل محنت کے بعد' ایک ایسا جامع لُغت مُرتب کیا جس میں ہر لفظ کا مفہوم' نہایت وضاحت سے سامنے آجاتا ہے۔ بعض مقامات پر ایک لفظ کے مفہوم کی وضاحت کے لئے' دس دس' بارہ بارہ' صفحات درکار ہوئے ہیں۔ یہ لُغت قریب ساڑھے اٹھارہ سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

اِس کے بعد اگلا مرحلہ سامنے آیا۔ یعنی قرآنی الفاظ کے جو معانی اِس طرح متعین کئے

مفہوم القرآن گئے ہیں' ان کی رُو سے' آیات قرآنی کا مفہوم متعین کیا جائے اور اِس طرح (اَلْحَمْدُ سے وَالنَّاس تک) پُورے قرآن کریم کا (مسلسل) مفہوم سامنے آجائے۔ کافی غور و خوض کے بعد' میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس کے لئے وہی انداز اختیار کیا جائے جس کی طرف امام ابن قتیبہؒ نے اشارہ کیا ہے۔ یعنی قرآنی آیات کا ترجمہ نہ کیا جائے (کیونکہ ترجمہ سے بات واضح نہیں ہو سکتی)۔ بلکہ ان کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیا جائے خواہ یہ کتنی ہی جگہ کیوں نہ گھیر لے۔ چنانچہ میں نے اس کام کو بھی ہاتھ میں لے لیا' اور اپنی استعداد اور بصیرت کے مطابق' جو کچھ کر سکا' وہ' "مفہوم القرآن" کی شکل میں احباب کے سامنے ہے۔

قرآنی اِصطلاحات

۹۔ جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے' قرآن فہمی کے سلسلہ میں' سب سے اہم سوال' قرآنی اصطلاحات کے صحیح مفہوم کی تعیین ہے۔ کوئی فن یا موضوع ہو' اس میں اصطلاحات کی حیثیت بنیادی اور کلیدی ہوتی ہے' اور جب تک ان اصطلاحات کا صحیح تصوّر سامنے نہ آئے' متعلقہ موضوع یا فن سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اصطلاحات کے الفاظ تو اسی زبان کے ہوتے ہیں جس میں باقی کتاب لکھی گئی ہو' لیکن ان کا مفہوم بڑا جامع اور مخصوص ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو الفاظ اصطلاحات کے لئے استعمال کئے جائیں' اُن کے معانی کا اصطلاحات کے معانی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا' ایسا نہیں ہے۔ اصطلاحات کے معانی کی بنیاد' ان الفاظ کے معانی ہی پر رکھی جاتی ہے' البتہ ان کے مفہوم میں وسعت

پیدا ہوجاتی ہے' قرآن کریم نے بھی اپنی اصطلاحات اسی طرح وضع کی ہیں' اوران کے معانی کی خود ہی وضاحت کردی ہے۔ اِن معانی کے سمجھنے کا طریق یہ ہے کہ پہلے ان الفاظ کے بنیادی معانی کو سمجھا جائے جن سے وہ اصطلاحات وضع کی گئی ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم کے ان تمام مقامات کو سامنے لایا جائے جن میں وہ اصطلاحات آئی ہیں۔ ایسا کرنے سے ان کے معانی واضح طور پر سامنے آجائیں گے۔ میں نے لغات القرآن میں' ان اصطلاحات کے معانی اسی طرح متعین اور بیان کئے ہیں' اور وہی معانی اب مفہوم القرآن میں پیش کئے گئے ہیں۔ مثلاً

صلوٰۃ قرآن کریم کی ایک خاص اصطلاح " اقامتِ صلوٰۃ "ہے جس کے عام معنی نماز قائم کرنا یا نماز پڑھنا کئے جاتے ہیں۔ لفظ صلوٰۃ کا مادہ (ص - ل - و) ہے' جس کے بنیادی معنی کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں۔ اس لئے صلوٰۃ میں' قوانینِ خداوندی کے اتباع کا مفہوم شامل ہوگا۔ بنابریں' اقامتِ صلوٰۃ سے مفہوم ہوگا ایسے نظام یا معاشرہ کا قیام جس میں قوانین خداوندی کا اتباع کیا جائے۔ یہ اس اصطلاح کا وسیع اور جامع مفہوم ہے۔ نماز کے اجتماعات میں' قوانین خداوندی کے اتباع کا تصور محسوس اور سمٹی ہوئی شکل میں سامنے آجاتا ہے' اس لئے قرآن کریم نے اس اصطلاح کو ان اجتماعات کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ قرآنی آیات پر تھوڑا سا تدبر کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ کس مقام پر' اقامتِ صلوٰۃ سے مراد اجتماعاتِ نماز ہیں اور کس مقام پر قرآنی نظام یا معاشرہ کا قیام۔ مفہوم القرآن میں یہ معانی' اپنے اپنے مقام پر واضح کردیئے گئے ہیں۔

زکوٰۃ اسی طرح' مثلاً زکوٰۃ کی اصطلاح ہے۔ اس لفظ کا مادہ (ز - ک - و) ہے۔ جس کے بنیادی معنی' بڑھنا - پھولنا - پھلنا۔ نشوونما پانا ہیں۔ قرآن کریم نے اسلامی نظام یا مملکت کا فریضہ ایتائے زکوٰۃ بتایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نظام قائم اس لئے کیا جاتا ہے کہ نوعِ انسان کو سامانِ نشوونما فراہم کیا جائے۔ زکوٰۃ کا مروّجہ مفہوم یہ ہے کہ اپنی دولت میں سے ایک خاص شرح کے مطابق روپیہ نکال کر' خیرات کے کاموں میں صرف کیا جائے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اس میں بھی زکوٰۃ کے قرآنی مفہوم کی ایک جھلک پائی جاتی ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اسے' ان خاص معانی میں استعمال نہیں کیا۔ اس لئے اس اصطلاح کو انہی معانی کے لئے مخصوص کردینا قرآنی مفہوم کی وسعت اور ہمہ گیری کو مقید کردینا ہوگا۔

دیگر اصطلاحات یہی صورت قرآن کریم کی دیگر اصطلاحات کی ہے ـــــــ مثلاً کتاب - حکمت - ملائکہ - دین - دُنیا - آخرت - قیامت - ساعت - جنّت - جہنّم - ایمان - کفر - نفاق - فسق - اثم - عدوان - تقویٰ - عبادت - وغیرہ۔ مروّجہ تراجم میں ان اصطلاحات کے صرف وہی معنی دیئے گئے ہیں جو ہمارے ہاں متداول ہیں۔ لیکن مفہوم القرآن میں ان کے وہ وسیع اور ہمہ گیر معانی دیئے گئے ہیں جو مذکورہ بالا طریق سے متعین کئے گئے ہیں۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی کہ ان اصطلاحات کے مروجہ مقید مفہوم سے قرآنی تعلیم کس طرح

سمٹ جاتی ہے' اور ان کے قرآنی مفہوم سے اس کی وسعتیں کس طرح حدود فراموش ہوجاتی ہیں۔ ایک ایسی کتاب کو' جو زمان و مکان کے حدود سے ماوراء' اور تمام نوع انسان کے لئے' ہمیشہ کے لئے' ضابطہ ہدایت ہو' ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔

اس نکتہ کی وضاحت کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی ہے کہ (میرا تجربہ بتاتا ہے کہ) یہی

مُروّجہ مفہوم سے اختلاف؟ وہ مقامات ہیں جہاں اعتراض کیا جاتا ہے کہ میں نے قرآن کریم کو بالکل نئے معنی پہنا دیئے ہیں۔ بعض حضرات تو جوش مخالفت میں یہانتک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اسے "دین میں تحریف" قرار دیدیتے ہیں اور اس کے لئے دلیل یہ دیتے ہیں کہ میں نے ان مقامات میں مروجہ مفہوم سے اختلاف کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے' یہ مروجہ مفہوم سے اختلاف نہیں' بلکہ مروجہ مفہوم کی محدودیت کو قرآن کی وسعت سے ہمکنار کر دینا ہے۔ ان مقامات میں دیکھنا یہ چاہیئے کہ جو مفہوم میں نے پیش کیا ہے' وہ ان الفاظ کے بنیادی معانی اور قرآن کریم کی کُلّی تعلیم کے خلاف تو نہیں۔ اس کے لئے لغات القرآن کے متعلقہ مقامات کا مطالعہ ضروری ہوگا' جہاں سے آپ کو میرے پیش کردہ مفہوم کی تشریح' دلیل اور سند مل سکے گی (مروّجہ تراجم سے اختلاف کا ذکر ذرا آگے چل کر کیا جائیگا)۔

مذہب اور دین (۱۰) قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے "مذہب" اور "دین" کے بنیادی فرق کا سامنے رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اسلام' دین ہے — مذہب نہیں۔ "مذہب" سے مفہوم یہ ہے کہ انسان، خدا کے ساتھ اپنا پرائیویٹ رشتہ جوڑے۔ اپنی نجات کی فکر کرے۔ اس کے لئے خدا کی "پرستش" کرتا رہے۔ باقی رہے دنیاوی امور اور اجتماعی مسائلِ حیات' سو انہیں اپنی صوابدید کے مطابق خود حل کرے۔ مذہب کا ان سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس کے برعکس' دین سے مقصود یہ ہے کہ

(۱) خارجی کائنات اور انسانی زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اٹل قوانین مقرر کئے ہیں۔ ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے سے کاروانِ انسانیت اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

(۲) خارجی کائنات کے قوانین' علوم سائنس کی رُو سے معلوم کئے جاسکتے ہیں' لیکن انسانی دنیا سے متعلق قوانین' وحی کی رُو سے عطا ہوئے ہیں جو اب اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں۔

(۳) ان قوانین کا پورا پورا اتباع' انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر' ایک نظام اور معاشرہ کے اندر ہوسکتا ہے۔ اسی کا نام نظامِ خداوندی یا قرآنی معاشرہ (مملکت) ہے۔ جو معاشرہ' اپنا تمام کاروبار قرآن کریم کے غیر متبدل اصول و احکام کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے سرانجام دے گا' وہ قرآنی معاشرہ کہلائے گا۔ اس معاشرہ کا قیام اور استحکام' جماعتِ مومنین کا فریضہ ہے۔

(۴) اس نظام کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ

(ا) افراد کی ذات کی نشوونما ہوگی جس سے وہ' اس زندگی کے بعد' حیاتِ اُخروی میں' زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔

(ب) اس قوم کو' اس دنیا میں' سرفرازیاں اور سربلندیاں نصیب' اور ایسی بین الاقوامی پوزیشن حاصل ہوگی جس سے وہ اقوام عالم میں عدل ومساوات کا آئین قائم کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ اور

(ج) دنیا میں عدل واحسان اور امن وسلامتی کا دور دورہ ہو جائے گا۔

مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ اس معاشرہ میں انسان کو' دنیا اور آخرت دونوں میں جنت کی زندگی نصیب ہوگی۔

دین کے اس تصوّر کو سامنے رکھنے سے' قرآنی تعلیم بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔

متشابہات

۱۱- اسی سلسلہ میں ایک اور اہم نکتہ کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔ قرآن کریم میں جو کچھ خارجی کائنات یا انسانی دنیا (انفس وآفاق) کے متعلق کہا گیا ہے' یا جن امور کو تشبیہات اور تمثیلات کے انداز میں بیان کیا گیا ہے' ان کا مفہوم انسانی علم کی وسعت کے ساتھ زیادہ نکھر کر سامنے آتا جائے گا۔ ان مقامات کو' ہر زمانے کے انسان' اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق سمجھ سکتے ہیں۔ لہٰذا ان مقامات میں قرآنی فہم' ہر دور میں بدلتا (اور انسانی علم کی بلندی کے ساتھ بلند ہوتا) جائے گا۔ جو شخص ان مقامات کو آج سمجھنا چاہتا ہے اس کے سامنے انسانی علم کی موجودہ سطح کا ہونا ضروری ہے۔ پھر بھی' اسے یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ جو کچھ اس نے سمجھا ہے وہ اس باب میں حرفِ آخر ہے۔ حرفِ آخر' کا حق تو' آخری انسان کے لئے ہی چھوڑنا ہوگا' اور وہ بھی ان میں سے بعض امور کی کنہ وحقیقت کے متعلق اتنا ہی سمجھ سکے گا جتنا' شعور کی موجودہ سطح پر' انسان کے لئے سمجھنا ممکن ہے۔ اس کی تفصیل لغات القرآن میں ملے گی۔

علاوہ ازیں' جوں جوں انسان کی تمدّنی اور عمرانی زندگی پھیلے گی' زندگی کے نئے نئے مسائل اور انسانیت کے نئے نئے تقاضے سامنے آئیں گے۔ قرآن کریم کے بیان کردہ اصولوں میں اتنی جامعیت ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ان تقاضوں کا آخری حل اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن یہ حل معلوم کرنے کے لئے ضروری

انسانیت کے نئے مسائل

ہے کہ ایک طرف انسان کے سامنے قرآن کریم کے جامع' عالمگیر اور غیر متبدل اصول ہوں' اور دوسری طرف زندگی کے نئے نئے تقاضے بھی اس کے پیش نظر ہوں۔ اپنے دور سے الگ ہٹ کر' نہ قرآنی تعلیم کو کما حقہٗ سمجھا جا سکتا ہے' نہ اس سے مطلوبہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اقوامِ سابقہ

۱۲- یہ بھی واضح رہے کہ قرآن کریم نے جو کچھ اقوام سابقہ' یا خود زمانۂ نزولِ قرآن کے مخاطبین کے متعلق کہا ہے' اس سے ان کی تاریخ پیش کرنا مقصود نہیں۔ ان سے یہ بتانا مطلوب ہے کہ جب انسان' قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا نتیجہ کس قدر تباہ کن اور ہلاکت انگیز ہوتا ہے' اور جب وہ اپنے معاشرہ کو ان قوانین کے مطابق متشکل کرتا ہے تو اس سے اس قوم کو کس قدر شادابیاں اور سرفرازیاں نصیب ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو اقوام گذشتہ کی داستانیں' قوانین خداوندی کے اٹل نتائج کی زندہ شہادتیں بن کر ہمارے سامنے آتی ہیں۔ لہٰذا ان واقعات کا تعلق ماضی سے نہیں' بلکہ خود ہمارے حال سے ہے۔ قرآن فہمی کے سلسلہ میں اس حقیقت کا سامنے رکھنا بھی ضروری ہے۔

مروّجہ مسالک

۱۳- ہمارے مروّجہ عقائد اور مسلک میں بہت کچھ ایسا بھی ہے جو قرآن کریم کے خلاف یا اس سے خارج ہے۔ چونکہ مفہوم القرآن سے مقصد قرآن کریم کا مفہوم بیان کرنا ہے' اس لئے اس میں خارج از قرآن کسی بات کو نہیں آنے دیا گیا۔ یہ بھی یاد رہے کہ میرے نزدیک یہ شرک ہے کہ انسان اپنے ذہن میں' پہلے سے کوئی خیال لے کر قرآن کریم کی طرف آئے' اور پھر قرآن سے اسکی تائید تلاش کرنا شروع کر دے۔ قرآن سے صحیح راہ نمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خالی الذہن ہو کر اس کی طرف آئے' اور اس کے ہاں سے جو کچھ ملے' اسے سن و عن قبول کرے' خواہ یہ اس کے ذاتی خیالات' رجحانات' معتقدات اور معمولات کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ ہمارا مقصد ہے اپنے ایمان و عمل کو قرآن کے مطابق بنانا۔ نہ کہ (معاذ اللہ) قرآن کو اپنے ایمان و عمل کے قالب میں ڈھالنا۔ میں نے قرآن کریم سے' اسی انداز سے راہ نمائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں میرے فہم نے کہیں غلطی کی ہو۔ لیکن میں نے قرآنی تعلیم کو اپنے کسی خیال یا رجحان کے تابع رکھنے کی جسارت کبھی نہیں کی۔ اللہ اس سے محفوظ رکھے۔

فرد واحد کی کوشش

۱۴- میں جانتا ہوں کہ تبویب القرآن' معارف القرآن (قرآنی انسائیکلوپیڈیا)' لغات القرآن اور مفہوم القرآن جیسے کام تنہا افراد کے کرنے کے نہیں ہوتے۔ یہ کام جماعتوں کے کرنے کے ہوتے ہیں ـــــ لیکن میرا شروع ہی سے انداز یہ رہا ہے کہ اگر کسی ایسے کام کے لئے' جس کا کرنا ضروری ہو' کوئی جماعت میسر نہ آئے' تو انسان کو یہ کہہ کر خاموش نہیں بیٹھ جانا چاہیئے کہ میں تنہا کیا کر سکتا ہوں۔ اسے چاہیئے کہ وہ جو کچھ کر سکتا ہے' ضرور کرے۔ اگر اس کام میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہے تو وہ زندہ رہے گا۔ اس کے بعد جب دیگر افراد یا جماعتیں' اس کی طرف توجہ دیں گی تو اس کی یہ محنت "بنیادی ذرّہ" (FIRST CRYSTAL) کا کام دے گی۔ میں نے ہمیشہ اسی اصول کے مطابق کام کیا ہے جس کا نتیجہ ـــــ سلسلۂ معارف القرآن ـــــ من و یزداں' ابلیس و آدم' جوئے نور' برق طور' شعلۂ مستور' معراج انسانیت (یعنی صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ خود قرآن کی روشنی میں)' اسباب زوال اُمّت' اسلامی معاشرت' نظام ربوبیّت' فردوس گمگشتہ' سلیم کے نام خطوط' طاہرہ کے نام خطوط' انسان نے کیا سوچا' لغات القرآن اور مفہوم القرآن کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ "تبویب القرآن" کا مبسوط سلسلہ (جو ابھی شائع نہیں ہوا) اس سے الگ ہے۔ اس میں قرآن کریم کی آیات کو' سینکڑوں عنوانات کے تابع تقسیم کیا گیا ہے تاکہ جس عنوان کے متعلق آپ چاہیں' تمام آیات بیک وقت آپ کے سامنے آجائیں - مابنا طلوع اسلام کے ہزارہا صفحات پر پھیلے ہوئے میرے مضامین اس پر مستزاد ہیں۔

۱۵- مفہوم القرآن کی اشاعت سے پہلے سورۂ بقرہ کی چند ابتدائی آیات کا مفہوم' بطور نمونہ شائع کیا گیا تھا' اور احباب سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنی آراء اور مشوروں سے مجھے سرفراز فرمائیں۔ بللہ الحمد کہ ان کی طرف سے مجھ تک یہ آواز متفقہ طور پر پہنچی ہے کہ یہ کوشش' مقصد پیش نظر کے لئے کامیاب ہے

اور اِس سے قرآن کریم کا مفہوم، بغیر کسی دقت اور کاوش کے، بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ لیکن بہرحال یہ خشت اوّل ہے۔ بعد میں آنے والے اس بنیاد پر اس سے کہیں بہتر عمارت استوار کرسکینگے۔

۱۵۔ مفہوم القرآن کے متعلق یہ بھی کہا جائے گا کہ یہ اکثر مقامات پر مروجہ تراجم سے مختلف ہے۔

مُروّجہ تراجم اور مفہوم القرآن اس ضمن میں سب سے پہلے اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ یہ قرآن کریم کی آیات کا مفہوم ہے، اِن کا ترجمہ نہیں۔ اور ترجمہ اور مفہوم میں جو فرق ہوسکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ جو مفہوم دیا گیا ہے وہ عربی لُغت اور قرآن کریم کے مُطابق ہے یا نہیں۔

دوسرے یہ کہ مروجہ تراجم بھی سب کے سب ایک دوسرے کے مطابق نہیں۔ ان میں بھی باہمی اختلاف ہے۔ مثال کے طور پر دو (مستند) تراجم کو لیجئے۔ شاہ عبدالقادرؒ کے مشہور ترجمہ قرآن کریم میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحوم نے ترمیم کی اور مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے اس پر حواشی لکھے۔ گویا یہ ترجمہ اتنے بڑے پایہ کے تین علماء کرام کے نزدیک صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

تراجم میں اختلاف

اِس میں سورۂ بقرہ کی آیت

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ (۲/۱۰۲)

کا ترجمہ یہ لکھا ہے۔

(اور اس علم کے پیچھے ہو لئے) جو اترا دو فرشتوں پر شہر بابل میں۔

اس ترجمہ کی رو سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا یہ ہے کہ بابل میں دو فرشتوں پر کچھ نازل ہوا تھا۔

دوسرا ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا لیجئے۔ اِس میں اِس آیت کا ترجمہ یہ دیا ہے۔

یہ بھی صحیح نہیں کہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اس طرح کی کوئی بات نازل ہوئی تھی۔

اس ترجمہ سے ظاہر ہوا کہ بابل میں ہاروت و ماروت فرشتوں پر کچھ نازل نہیں ہوا تھا۔ یہ دونوں ترجمے ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں، بلکہ ان میں باہمی تضاد ہے۔ اگر اس تضاد کے باوجود، ان پر اعتراض نہیں

اختلاف مبنی بر تدبّر فی القرآن ہوسکتا تو، مفہوم القرآن کے بعض مقامات کا موجودہ تراجم سے اختلاف موجب اعتراض کیوں سمجھا جائے؟ متقدمین اور متاخرین نے جو کچھ قرآن کریم کے متعلق لکھا ہے، میں نے، بقدر استطاعت اس سے استفادہ کیا ہے۔ وہ ہمارے بزرگوں کا علمی سرمایہ ہے جس کے ہم وارث ہیں۔ اِس لئے اس سے کیوں نہ استفادہ کیا جائے؟ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے کسی بات میں اختلاف کرنا جُرم یا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں غور و تدبر کا حکم ہر دور کے انسانوں کو دیا ہے۔ اگر آج کسی کے غور و تدبر کا نتیجہ کسی سابقہ دَور کے حضرات (یا موجودہ دور کے دیگر حضرات) کے غور و تدبر سے مختلف ہو، تو محض یہ اختلاف باعث اعتراض کیوں سمجھا جائے؟ اختلاف کا حق

کسی سے نہیں چھینا جا سکتا۔ (جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے) دیکھنا یہ چاہیئے کہ جو کچھ کہا گیا ہے' وہ عربی زبان اور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف تو نہیں۔ میں ارباب بصیرت سے درخواست کروں گا کہ وہ مفہوم القرآن کا غائر نگاہ سے مطالعہ کریں' اور اگر ان کی دانست میں کوئی مقام ایسا ہو جو عربی لغت یا قرآنی تعلیم کے خلاف جاتا ہے' تو مجھے مطلع فرمائیں۔ میں ان کا شکر گذار ہوں گا اور ان کے اعتراض پر پوری توجہ دوں گا۔ لیکن جو حضرات یہ کہیں کہ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ (۲۳/۲۴)۔ تو وہ مجھے معذور سمجھیں۔

حروف مقطعات

۱۶۔ چند الفاظ حروفِ مقطعات (الٓمٓ وغیرہ) کے سلسلہ میں ضروری ہیں۔ میں نے لغات القرآن میں ان کے معانی بیان نہیں کئے۔ اس لئے کہ اس میں' قرآنی مفردات کے معانی ان کے مادّوں کی روشنی میں متعین کئے گئے ہیں' اور مقطعات درحقیقت مفردات ہیں ہی نہیں۔ مقطعات کے متعلق' متقدمین سے لے کر متاخرین تک نے بہت کچھ لکھا ہے اور اس باب میں مختلف ارباب تحقیق کی آراء مختلف ہیں۔ اس حد تک قریب قریب سب کا اتفاق ہے کہ عربوں میں الفاظ کو مخفف کر کے بولنے کا رواج تھا۔ مخفف کرنے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ اہم الفاظ کا ایک ایک حرف لے لیا جائے اور ان حروف کے مجموعہ کو' ان الفاظ کا مجموعہ تصوّر کر لیا جائے۔ قرآن کریم کے مقطعات کے متعلق میرا بھی یہی خیال ہے۔ یہ بالعموم اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کے مخففات ہیں۔ مثلاً الٓمٓ "اللہ۔ علیم و حکیم" کا مخفف ہے۔ وقس علیٰ ذالک۔ میں نے ان کے مفہوم کے متعلق یہی انداز اختیار کیا ہے۔

تصریف آیات

۱۷۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے' قرآن کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ ایک مضمون کو مختلف مقامات پر بیان کرتا ہے اور اس طرح تصریف آیات (یعنی آیات کو پھیر پھیر کر لانے) سے اپنے مفہوم کی وضاحت کر دیتا ہے۔ مفہوم القرآن میں قرآن کریم کے اس انداز کو التزاماً سامنے رکھا گیا ہے اور ہر متعلقہ مقام پر اُس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے وہ مفہوم لیا گیا ہے۔ مثلاً آپ کو' سورۂ بقرہ کی آیت ۲ (ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ) کا مفہوم یوں ملے گا ؎

تم جس ہدایت کی آرزو رکھتے ہو (۱/۵) وہ ہمارے اس ضابطۂ قوانین
کے اندر محفوظ ہے (۱۵/۱) جس میں نہ بے یقینی اور تذبذب ہے' نہ کوئی نفسیاتی
اُلجھن۔

(۱/۵) کا مطلب یہ ہے کہ یہ مضمون آپ کو پہلی سورہ (الفاتحہ) کی پانچویں آیت میں ملے گا۔ وہاں دیکھئے۔ اسی طرح (۱۵/۱) سے مراد یہ ہے کہ یہ مضمون پندرھویں سورہ (الحجر) کی نویں آیت میں ملے گا۔ یہ ضروری ہے کہ آپ ان آیات کو جن کا اس طرح حوالہ دیا گیا ہے' ساتھ کے ساتھ دیکھتے جائیں۔ چونکہ قرآن کریم کے تمام نسخوں میں آیات کے نمبر یکساں نہیں' اس لئے اگر کسی وقت متعلقہ آیت نمبر کے مطابق نہ ملے' تو ایک دو آیات آگے پیچھے دیکھ لی جائیں۔

باقی رہا یہ کہ مندرجہ بالا آیت (۲/۲) میں' لفظ رَیب کا مفہوم بے یقینی' تذبذب' اور نفسیاتی اُلجھن

کس طرح ہے، تو اس کے لئے لغات القرآن دیکھئے۔ اگر آپ نے مفہوم القرآن کو اس طریق سے سمجھنا شروع کیا تو آپ دیکھیں گے کہ قرآن کریم کس طرح آپ سے خود باتیں کرنے لگتا ہے۔

۱۸- آخر میں، پھر اس حقیقت کو دُہرا دینا چاہتا ہوں کہ جو کچھ مفہوم القرآن میں پیش کیا گیا ہے، وہ

انسانی کوشش

فہم قرآن کی انسانی کوشش ہے، اور انسانی کوشش کبھی سہو و خطا سے منزّہ نہیں ہو سکتی، نہ ہی اسے کبھی حرفِ آخر کہا جا سکتا ہے۔ میں نے قرآن فہمی کے سلسلہ میں اپنی بصیرت کے مطابق، ایک نئی طرح ڈالی ہے۔ اگر میری یہ کوشش نتیجہ خیز ہوئی، تو مجھ سے بہتر صلاحیتیں رکھنے والے، اسے واضح سے واضح تر کرتے جائیں گے، اور یوں یہ سلسلہ، قانونِ کائنات کے مطابق، اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ قرآن فہمی کا سلسلہ نہ کسی دور میں ختم ہو سکتا ہے، نہ کسی انسان تک پہنچ کر رک سکتا ہے۔ یہ ایک جوئے رواں ہے جو لامتناہی وسعتوں کا امکان رکھتی ہے۔ جوں جوں انسانی علم وسیع ہوگا، قرآنی حقائق، بیش از پیش بے نقاب ہوتے جائیں گے۔ یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا، حتیٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔

۱۹- مفہوم القرآن کا اوّلین مخاطب قوم کا تعلیمیافتہ طبقہ ہے۔ یہ بنیادی طور پر انہی کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ اگر میری اس کوشش سے، ایک سوچنے والا ذہن بھی قرآن کریم کے قریب آ گیا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ثمر بار ہو گئی اور مجھے میری دیدہ ریزیوں اور جگر کاویوں کا صلہ مل گیا —— اور سب سے بڑا صلہ تو اس بارگاہ صمدیت سے مل سکتا ہے، جس کے قانونِ حیات کے مطابق چلنے سے، انسانی کوششیں صحیح نتائج مرتب کرتی ہیں۔ اس لئے جب میں اپنی محنت کا یہ ماحصل، اپنی کوتاہ دامنی کے اعتراف کے ساتھ، اربابِ فکر و نظر کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں، اس کے ساتھ ہی میرے دل کی گہرائیوں سے اُبھرنے والی آرزو میں، یہ دُعا بن کر میرے لب تک آجاتی ہیں کہ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ (۲/۲۸۶)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ (۲/۱۲۷)

۲۵- بی گل برگ
لاہور

پرویز
جولائی ۱۹۶۱ء

مفہوم اور لغات کا تعلق

(ایک مثال)

سابقہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ مفہوم القرآن' آیاتِ قرآنی کے الفاظ کے اُن معانی پر مبنی ہے جو از روئے لغت متعین کئے گئے ہیں اور جن کی مزید وضاحت خود قرآن کریم کے دیگر مقامات سے ہوتی ہے۔ اسے ایک مثال سے سمجھئے۔ سُورۂ فاتحہ کے الفاظ کے مَعانی' لغات القرآن کی رُو سے حسب ذیل ہیں:-

حمد۔ کسی نہایت حسین اور نادر شاہکار کو دیکھ کر انسان کے دل میں تحسین وستائش (APPRECIATION) کے جو جذبات پیدا ہوں' ان کے اظہار کا نام حمد ہے' جس سے مقصد اُس شاہکار کے خالق کی عظمت و برتری کا اعتراف ہوتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جس شاہکاری کی ستائش کی جا رہی ہے وہ محسوس شے ہو اور تحسین کرنے والے کو اُس کا ٹھیک ٹھیک علم ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز' خالق کائنات کی اسکیموں پر غور و فکر سے پیدا ہو گی جو زندگی کے مختلف گوشوں میں کارفرما ہیں۔

رب۔ کسی شے کی بتدریج نشوونما کرتے ہوئے اسے تکمیل تک پہنچا دینا' ربوبیت کہلاتا ہے۔ مثلاً بچے کا نشوونما پا کر جوان ہو جانا۔ بیج کا درخت بن جانا۔ ایسا کرنے والے کو ربّ کہتے ہیں۔

عالمین۔ وہ شے جس کے ذریعے کسی چیز کا علم حاصل کیا جائے' عَالَمٌ کہلاتی ہے۔ اس کی جمع عَالَمِیْن ہے۔ چونکہ خالق کائنات کا علم' کائنات سے حاصل ہوتا ہے' اس لئے کائنات اور نوعِ انسان' عالمین میں شامل ہیں۔

رحمٰن و رحیم۔ وہ سامان نشوونما (خواہ یہ نشوونما جسم کی ہو یا شرفِ انسانیت کی) جو خدا کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ ملے رَحْمَۃٌ کہلاتا ہے۔ جیسے بچہ کی رحمِ مادر میں پرورش۔

سائنس کی تحقیقات بتاتی ہیں کہ کائنات میں ارتقاء (نشوونما پا کر آگے بڑھتے جانے) کا ایک طریق یہ ہے کہ ہر شے کی اگلی کڑی سلسلۂ علت و معلول (CAUSE AND EFFECT) کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔ اسے تدریجی عملِ ارتقاء (PROGRESSIVE EVOLUTION) کہتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شے' کئی کڑیاں پھاند کر آگے بڑھ جاتی ہے۔ اسے ہنگامی یا انقلابی ارتقاء (Emergent Evolution) کہتے ہیں۔ عربی زبان

کے قاعدے کی رُو سے اوّل الذکر کے لئے رَحِیْم کا لفظ آئے گا اور ثانی الذکر کے لئے رحمٰن کا۔
الفاظ قرآنی کے ان معانی کو سامنے رکھ کر آپ سورۂ فاتحہ کی پہلی دو آیات کے مفہوم کو دیکھئے (جو آگے دیا گیا ہے)۔ بات سمجھ میں آجائے گی۔

مَالِك - وہ جسے کسی شے پر پورا پورا اختیار، اقتدار اور کنٹرول حاصل ہو۔

یوم - وَقت۔ زمانہ۔ دن۔ سب کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

دین - اس کے ایک معنی، خدا کا وہ قانون ہے جس کی رُو سے انسان کا ہر عمل اپنا ٹھیک ٹھیک نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ یوم الدین سے مراد، انسانی اعمال کے نتائج کے ظاہر ہونے کا وقت ہوگا۔

اِن معانی سے تیسری آیت کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ اِس میں قرآن کریم کی جن دیگر آیات کا حوالہ دیا گیا ہے، وہاں سے اس مفہوم کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

نعبد۔ عبادت کے بنیادی معنی ہیں کسی کی محکومیت اختیار کرنا، کسی کے قوانین واحکام کے مطابق چلنا۔ اپنی قوتوں کو کسی پروگرام کے مطابق صرف کرنا۔

نستعین - استعان کے معنی ہیں اپنی ذات کیلئے اعتدال (BALANCED DEVELOPMENT) کی خواہش کرنا اور اس کے لئے کسی کی مدد طلب کرنا۔ اِن معانی کے پیش نظر، چوتھی آیت کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔

صراط المستقیم - صراط - سیدھا راستہ۔ اور مُستقیم وہ جس کا توازن (EQUILIBRIUM) بھی درست ہو۔

انعام - انسانی زندگی کے ہر پہلو کا خوشگوار، کُشادہ، ملائم، آسودہ، بلند اور اذیت سے دور ہونا، نِعمۃ کہلاتا ہے۔ مُنعم علیہ، وہ قوم ہے جسے یہ سب کچھ میسر ہو۔ اس میں اِس دنیا اور آخرت، دونوں کی نعماء شامل ہیں۔

مغضوب وضالین - بعض قومیں اپنے جرائم میں اس حد تک آگے بڑھ جاتی ہیں کہ اِن میں زندہ رہنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ انہیں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کہا جائے گا۔ لیکن بعض قومیں ایسی ہوتی ہیں کہ صحیح راستہ ان کے سامنے نہیں ہوتا۔ وہ کبھی اپنے قیاس کے مطابق ایک طرف چل نکلتی ہیں، کبھی توہم پرستی کے پیچھے دوسری طرف۔ اس طرح وہ چلتی تو رہتی ہیں، لیکن ان کی کوششیں رائگاں جاتی ہیں۔ وہ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتیں۔ انہیں ضالین کہا جائے گا۔

۲۔ الفاظ قرآنی کے ان معانی کی رُو سے، سورۂ فاتحہ کا جو مفہوم مرتب کیا گیا ہے،

اسے آپ سامنے کے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے۔ اُس کے ساتھ ہی آپ اس سورہ کے مروجہ ترجموں کو دیکھئے۔ "مفہوم" اور "ترجمہ" کا نمایاں فرق آپ کے سامنے آجائے گا۔ مثلاً شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

> سب تعریف واسطے اللہ کے جو پروردگار ہے عالموں کا۔ بخشش کرنے والا مہربان۔ خداوند دن جزا کا۔ تجھی کو عبادت کرتے ہیں ہم اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم۔ دکھا ہم کو راہ سیدھی۔ راہ ان لوگوں کی کہ نعمت کی ہے تو نے اوپر اُن کے۔ سوائے ان کے جو غصہ کیا گیا ہے اوپر ان کے۔ اور نہ گمراہوں کی۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم، جو پُرشکوہ الفاظ میں قرآن کریم کا رواں ترجمہ کرتے ہیں، سورۂ فاتحہ کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں۔

> ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے۔ جو رحمت والا ہے اور جس کی رحمت تمام مخلوقات کو اپنی بخششوں سے مالا مال کر رہی ہے۔ جو اُس دن کا مالک ہے جس دن کاموں کا بدلہ لوگوں کے حصے میں آئے گا۔ (خدایا!) ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تو ہی ہے جس سے (اپنی ساری احتیاجوں میں) مدد مانگتے ہیں۔ (خدایا!) ہم پر (سعادت کی) سیدھی راہ کھول دے۔ وہ راہ جو ان لوگوں کی راہ ہوئی جن پر تو نے انعام کیا۔ ان کی نہیں جو پھٹکارے گئے۔ اور نہ انکی جو راہ سے بھٹک گئے۔

آپ اِن تراجم کا مقابلہ "مفہوم" سے کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ ترجموں میں جو بات مجمل یا مبہم رہ گئی ہے، "مفہوم" میں اسکی وضاحت بھی ہو گئی ہے، اور قرآن کریم جو تصورات پیش کرتا ہے، وہ بھی سامنے آگئے ہیں۔ یہی "مفہوم القرآن" سے مقصود ہے۔

۳- تصریحاتِ بالا سے یہ بھی واضح ہے کہ اگر آپ یہ سمجھنا چاہیں کہ فلاں آیت کا یہ مفہوم کس طرح متعین کیا گیا ہے تو اسکے لئے ضروری ہو گا کہ آپ اس آیت کے الفاظ کے معانی لغات القرآن میں دیکھیں، اور جن دیگر آیات کا حوالہ دیا گیا ہے، انہیں بھی سامنے رکھیں۔ اس کے لئے آپ کو کچھ محنت تو کرنی پڑے گی لیکن اس سے جو کچھ حاصل ہو گا وہ اس کے مقابلہ میں بڑا گراں بہا ہے۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۴۳/۷۲)

۴- اَبْ بِسْمِ اللّٰہِ کیجئے اور مفہوم القرآن کی طرف آئیے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ ٭

مفہوم القرآن

قرآنِ کریم کے سمجھنے اور سمجھانے کا بالکل نیا انداز

علامہ پرویز کی تمام تصانیف کے جملہ حقوق محفوظ ہیں اور اِس کی نشر و اشاعت کی سعادت طلوعِ اسلام ٹرسٹ کو حاصل ہے۔ اِس لٹریچر کو (ہارڈ کاپی، سی ڈی یا دیگر کسی ذریعہ سے) بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔ (پروفیسر ڈاکٹر زاھدہ درانی۔ ایگزیکٹو ھیڈ۔ طلوعِ اسلام ٹرسٹ)

القرآن العظیم

تعارف

مفہوم اور لغات کا تعلق ۔۔۔۔ ایک مثال

قرآنِ کریم کی سورتوں کی فہرست

۱۔فاتحہ	۱۶۔نحل	۳۱۔لقمان	۴۶۔احقاف	۶۱۔صف	۷۶۔دھر	۹۱۔شمس	۱۰۶۔قریش	
۲۔بقرہ	۱۷۔بنی اسرآءیل	۳۲۔سجدہ	۴۷۔محمد	۶۲۔جمعہ	۷۷۔مرسلات	۹۲۔لیل	۱۰۷۔ماعون	
۳۔اٰلِ عمران	۱۸۔کھف	۳۳۔احزاب	۴۸۔فتح	۶۳۔منافقون	۷۸۔نبا	۹۳۔ضحیٰ	۱۰۸۔کوثر	
۴۔نساء	۱۹۔مریم	۳۴۔سبا	۴۹۔حجرات	۶۴۔تغابن	۷۹۔نازعات	۹۴۔انشراح	۱۰۹۔کافرون	
۵۔مائدہ	۲۰۔طٰہٰ	۳۵۔فاطر	۵۰۔ق	۶۵۔طلاق	۸۰۔عبس	۹۵۔تین	۱۱۰۔نصر	
۶۔انعام	۲۱۔انبیآء	۳۶۔یٰسٓ	۵۱۔ذاریات	۶۶۔تحریم	۸۱۔تکویر	۹۶۔علق	۱۱۱۔لھب	
۷۔اعراف	۲۲۔حج	۳۷۔صٰفّٰت	۵۲۔طور	۶۷۔ملک	۸۲۔انفطار	۹۷۔قدر	۱۱۲۔اخلاص	
۸۔انفال	۲۳۔مؤمنون	۳۸۔صٓ	۵۳۔نجم	۶۸۔قلم	۸۳۔مطففین	۹۸۔بینۃ	۱۱۳۔فلق	
۹۔توبہ	۲۴۔نور	۳۹۔زمر	۵۴۔قمر	۶۹۔حاقۃ	۸۴۔انشقاق	۹۹۔زلزال	۱۱۴۔ناس	
۱۰۔یونس	۲۵۔فرقان	۴۰۔مؤمن	۵۵۔رحمٰن	۷۰۔معارج	۸۵۔بروج	۱۰۰۔عادیات		
۱۱۔ھود	۲۶۔شعرآء	۴۱۔حٰمٓ السجدہ	۵۶۔واقعہ	۷۱۔نوح	۸۶۔طارق	۱۰۱۔قارعۃ		
۱۲۔یوسف	۲۷۔نمل	۴۲۔شوریٰ	۵۷۔حدید	۷۲۔جن	۸۷۔اعلیٰ	۱۰۲۔تکاثر		
۱۳۔رعد	۲۸۔قصص	۴۳۔زخرف	۵۸۔مجادلۃ	۷۳۔مزمل	۸۸۔غاشیہ	۱۰۳۔عصر		
۱۴۔ابرٰھیم	۲۹۔عنکبوت	۴۴۔دخان	۵۹۔حشر	۷۴۔مدثر	۸۹۔فجر	۱۰۴۔ھمزہ		
۱۵۔حجر	۳۰۔روم	۴۵۔جاثیہ	۶۰۔ممتحنہ	۷۵۔قیامۃ	۹۰۔بلد	۱۰۵۔فیل		

مفہوم القرآن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خدائے رحمٰن و رحیم نے اس کتاب عظیم کو اس لئے نازل کیا ہے کہ اُس نے اشیائے کائنات اور نوعِ انسان کی نشوونما کی جو ذمہ داری لے رکھی ہے، وہ پوری ہو جائے۔ (۶/۱۲ ؛ ۶/۵۴)۔ یہ نشوونما، وحی کی راہ نمائی کے بغیر ممکن نہیں۔ (۱۰/۵۸ ؛ ۱۰/۵۷ ؛ ۱۷/۸۲)۔

چونکہ انسانی دنیا میں خدا کی ذمہ داریاں انسانوں کے ہاتھوں پوری ہوتی ہیں، اس لئے خدا کے بندوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس کام کا بھی ارادہ کریں اُس سے مقصدِ خدا کے اِس پروگرام کی تکمیل ہو۔ (۶/۱۶۳)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ

۱-۲ جب انسان اس کارگہ کائنات کے نظم ونسق پر غور کرتا ہے تو اس کے سامنے یہ حقیقت بے نقاب ہوکر آجاتی ہے کہ اس میں ہر شے کو وہ سامانِ نشوونما کس طرح بلا مزد ومعاوضہ ملتا چلا جاتا ہے جس سے وہ اپنے نقطۂ آغاز سے بتدریج مقامِ تکمیل تک پہنچ جاتی ہے۔ اس حیرت انگیز نظامِ ربوبیت کو دیکھ کر ہر صاحبِ بصیرت کی زبان پر بے اختیار کلماتِ تحسین وآفرین آجاتے ہیں اور وہ بلا ساخت پکار اٹھتا ہے کہ: "اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو نے اس کائنات کی کسی شے کو نہ بیکار پیدا کیا ہے اور نہ بے تخریبی نتائج کے لئے" (۳/۱۹۰ — ۹۰)۔ یہی وہ اربابِ علم وایقان ہیں جو صحیح معنوں میں خدا کی حمد کرنے والے ہیں (۳۵/۲۸ — ۲۷)؛ (۹/۱۱۲)۔

خدا کے اس پروگرام کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ جو مستبد قوتیں دوسروں کی نشوونما کی راہ میں حائل ہوں انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے۔ یہ حمدیت کا قدمِ اوّل ہے (۶/۴۵)۔

۳ ان مستبد قوتوں کو راستے سے ہٹانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ایسا نظام قائم ہوجائے گا جس میں نہ کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج ہوگا نہ محکوم۔ اس میں تمام امور کے فیصلے خدا کے قوانین کے مطابق ہوں گے (۹۲/۱۹ — ۱۸؛ ۱۷/۱۱۱؛ ۴۳/۸۴)۔ یہی وہ نظام ہے جسے آخر الامر انسانوں کے تمام خود ساختہ نظامہائے حیات پر غالب آکر رہنا ہے (۹/۳۳)۔

۴ یہ نظام ان افراد کے ہاتھوں متشکل ہوگا جو اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان اور عملاً

إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٤﴾ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٥﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿٦﴾
غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٧﴾

اس اعلان کی تصدیق کریں گے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی اطاعت اور محکومیت اختیار نہیں کرتے (۱۲/۴۰) ؛ (۳/۷۸)۔ اس کا عملی طریق اُس کی کتاب عظیم (قرآن مجید) کے احکام و اصول کی اطاعت ہے (۵/۴۸، ۴۹)

۵ یہ افراد (جماعت مومنین) جب سفر حیات کے لئے قدم اُٹھاتے ہیں تو یہ حسین تمنائیں اور مقدس آرزوئیں، دعا بن کر ان کے لبوں تک آجاتی ہیں کہ: بارِ الٰہا! زندگی کا وہ سیدھا اور ہموار راستہ ابھار اور نکھر کر ہمارے سامنے آجائے جو ہمیں بلا خوف و خطر ہماری منزلِ مقصود تک لے جائے۔

۶ یعنی وہ راستہ جس پر چل کر سعادت مند امم سابقہ زندگی کی خوشگواریوں اور سرفرازیوں سے بہرہ یاب ہوئیں۔ اس سے انہوں نے کائنات کی قوتوں کو مسخر کر کے اپنی ہم عصر اقوام میں امتیازی حیثیت حاصل کر لی (۳۱/۲۰ ؛ ۲/۴۷)۔

۷ جب تک یہ قومیں تیرے متعین کردہ راستے پر چلتی رہیں، زندگی کی شادابیوں سے بہرہ یاب رہیں۔ جب ان کے نظریۂ حیات میں تبدیلی آگئی تو یہ نعمتیں ان سے چھن گئیں (۵/۵۳) اور وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہو گئیں (۲/۶۱ ؛ ۷/۱۵۲)۔ ان کی سعی و عمل کی کھیتیاں جھلس کر راکھ کا ڈھیر بن گئیں۔ اور چونکہ صحیح راستہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا اس لئے ان کا کاروانِ حیات اپنی قیاس آرائیوں کے پیچ و خم میں کھو کر رہ گیا۔ وہ کبھی آنکھیں بند کر کے اپنے آباو اجداد کی فرسودہ راہوں پر چلتے رہے (۴۳/۲۲ — ۳۷/۶۹) اور کبھی انہوں نے خود اپنے جذبات ہی کو اپنا راہ نما بنا لیا (۴۵/۲۳)۔ جب اس سفرِ بے منزل کی بھول بھلیوں میں کھو کر مایوس ہو گئے تو یہ کہہ کر اپنے آپ کو فریب دے لیا کہ خدا کو منظور ہی نہ تھا کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھاتا (۶/۱۴۹)

بارِ الٰہا! ہم تجھ سے تیرے بتلائے ہوئے راستہ پر چلنے کی توفیق طلب کرتے ہیں تاکہ ہمارا حشر بھی ان سوختہ سامانوں کا سا نہ ہو جائے، کہ ہم جانتے ہیں کہ جو قوم تیری راہنمائی سے منہ موڑے اسے کوئی صحیح راستہ نہیں دکھا سکتا (۶۱/۵)۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ راستہ انہی کے سامنے آسکتا ہے جو اس کی تلاش کے لئے جدوجہد کریں (۲۹/۶۹) —— ہم تجھ سے اس جدوجہد کی بھی توفیق طلب کرتے ہیں۔

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ (۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ② الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ
وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ③ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ
وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

---

① خدائے علیم و حکیم کا ارشاد ہے کہ

② تم جس ہدایت کی آرزو رکھتے ہو (۱/۵) وہ ہمارے اِس ضابطۂ قوانین کے اندر محفوظ ہے (۱۵/۹) جس میں نہ بے یقینی اور تذبذب ہے اور نہ کوئی نفسیاتی اُلجھن۔

یہ ضابطۂ قوانین 'سفرِ زندگی میں' اُن لوگوں کو اِنسانیت کی منزلِ مقصود کی طرف لے جانے والی راہ بتاتا ہے جو غلط راستوں کے خطرات سے بچنا چاہیں۔

③ یہ وہ لوگ ہیں جو اُن حقیقتوں پر یقین رکھتے ہیں جو نگاہوں سے اوجھل ہیں، اور صحیح روِش کے اُن نتائج پر بھروسہ رکھتے ہیں جو اگرچہ ابتداءً اُن کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن جن کا آخرالامر سامنے آجانا یقینی ہوتا ہے۔

اِس مقصد کے لئے یہ لوگ اُس نظام کو قائم کرتے ہیں جس میں تمام اَفراد قوانینِ خداوندی کا اِتباع کرتے جائیں۔ اور جو سامان نشو و نما اُنھیں دیا جاتا ہے، اُس میں سے اپنی ضروریات کے بقدر لے کر (۹/۱۰) باقی نوعِ انسان کی پرورش کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔

④ یہ وہ لوگ ہیں جو اُن تمام صداقتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو (اے رسول!) تجھ پر بذریعہ وحی نازل کی گئی ہیں، اور جو تجھ سے پہلے پیغمبروں کو اُن کے اپنے اپنے وقت میں دی گئی تھیں (اور جو اَب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں) —— اِن صداقتوں پر ایمان رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ صحیح تاریخی شہادتوں سے اِس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ اِس پروگرام پر اِس سے پہلے بھی کئی بار عمل ہو چکا ہے اور اِس سے ہر بار وہی نتائج پیدا ہوئے ہیں جنکا اب وعدہ کیا جاتا ہے، اس لئے اب بھی وہی نتائج مرتب ہوں گے —— وہ اِس طرح اِس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ اِس ضابطۂ خداوندی پر عمل کرنے سے ایک نئی زندگی کی نمود

الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ خَتَمَ
اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۷

ہو جاتی ہے اور یوں حال کی جدوجہد سے اِنسان کا مستقبل روشن ہو جاتا ہے ـــــ وہ مستقبل جس کا سلسلہ اِسی دنیا تک محدود نہیں بلکہ وہ مرنے کے بعد بھی آگے چلتا ہے۔

۵ یہ وہ سعادت مند لوگ ہیں جو اپنے نشو و نما دینے والے کے قانون ربوبیت کی راہ نمائی میں سفرِ زندگی طے کرتے جاتے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی کھیتیاں آخرالامر پروان چڑھتی ہیں۔ ($\frac{۲۳}{۱-۱۱}$ ؛ $\frac{۳۱}{۲-۵}$)

۶ یہ گروہ اُن لوگوں کا ہے جو غلط روشِ زندگی کے تباہ کُن نتائج سے بچنا چاہتے ہیں اور اُن کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ صحیح راستہ اُن کے سامنے آجائے۔

اِن کے برعکس، دوسرا گروہ اُن لوگوں کا ہے کہ زندگی کا صحیح راستہ نمایاں طور پر اُن کے سامنے آجاتا ہے لیکن وہ ضد۔ حسد۔ تکبر۔ سرکشی اور اپنی مفاد پرستیوں کی بنا پر اُسے اختیار نہیں کرتے ($\frac{۲}{۱۰۹ ؛ ۹۰}$ - $\frac{۲۷}{۱۴}$ - $\frac{۳۵}{۴۲-۴۳}$ - $\frac{۴۷}{۳۲}$)۔ وہ خود بھی اِس راستے پر نہیں چلتے اور دُوسروں کو بھی اِس پر چلنے سے روکتے ہیں۔ ($\frac{۶}{۲۶}$ ، $\frac{۴۱}{۲۶}$ ؛ $\frac{۴۷}{۳۲}$)

اِن لوگوں کو اُن کی اِس رَوِش کے تباہ کُن نتائج سے آگاہ کیا جائے یا نہ کیا جائے، اِن کے لئے برابر ہے۔ یہ صحیح راستہ کبھی اختیار نہیں کریں گے۔ (جو شخص خودکشی پر تُلا بیٹھا ہو اُس سے یہ کہنا کہ سنکھیا ہلاک ہوتا ہے، اِس سے بچنا، بے سُود ہوتا ہے)۔ ایسی نصیحت اُسی کے لئے نفع بخش ہو سکتی ہے جو زندہ رہنا چاہے۔ ($\frac{۳۶}{۷۰-}$)

۷ اِن لوگوں کی اِس رَوش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اِن میں دیکھنے بھالنے اور سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی (جس طرح غصّے میں اِنسان پاگل ہو جاتا ہے)۔ اِن کی آنکھوں پر جذبات پرستی کے ایسے گہرے پردے پڑ جاتے ہیں کہ وُہ نشاناتِ راہ کو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ اِن کے کانوں میں ایسے ڈاٹ لگ جاتے ہیں کہ وہ آوازِ جرس سے بھی کارواں کا سُراغ نہیں پا سکتے۔ اِن کے قلب و دماغ پر اِس قسم کے غلاف چڑھ جاتے ہیں کہ وہ گرد و پیش پر غور کرنے سے بھی صحیح ہمت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ سب اِن کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے جو خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق مُرتّب ہوتا ہے ($\frac{۱۵}{۴۹}$ ؛ $\frac{۱۵}{۵۷}$ ؛ $\frac{۴۱}{۴-۵}$ ؛ $\frac{۴۵}{۲۳}$ ؛ $\frac{۵۳}{۱۴}$)

یہ لوگ اِس طرح اپنے آپ کو زندگی کی حقیقی شیرینیوں سے محروم کر لیتے ہیں اور تباہی و بربادی کے جہنم میں گر جاتے ہیں۔ کس قدر اَلم انگیز ہے اِن کا یہ انجام!

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝٨ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ
وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝١٠ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝١١
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝١٢ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا

---

۸ یہ دو گروہ تو وہ ہیں جو یا کھُلے بندوں حقیقت کا اِقرار کرتے ہیں' یا کھُلے بندوں اِس سے انکار کرتے ہیں۔ تیسرا گروہ اُن لوگوں کا ہے جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم اِس ضابطۂ خداوندی کی صداقتوں پر یقین رکھتے ہیں اور قانون مکافات اور اُخروی زندگی پر ہمارا ایمان ہے' لیکن وہ درحقیقت اِن پر ایمان نہیں رکھتے۔ (یہ لوگ یا تو سطحی جذبات پرست ہوتے ہیں اور یا ابن الوقت اور موقعہ پرست۔ اِس لئے اِن لوگوں کی رفاقت پر کبھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا)۔

۹ یہ لوگ نظامِ خداوندی اور اُس کے قائم کرنے والی جماعتِ مومنین سے دُورخی چالیں چلتے ہیں اور بزعمِ خویش سمجھتے ہیں کہ ہم اِنھیں فریب دے رہے ہیں' حالانکہ اگر یہ عقل و شعور سے کام لیتے تو اِن پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ وہ خود اپنے آپ کو فریب میں رکھ رہے ہیں۔

۱۰ اِس قسم کی جذبات پرستانہ اور فریب کارانہ زندگی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اِن کا قلب و دماغ صحت مندانہ توازن کھو بیٹھتا ہے۔ اور خدا کا قانون یہ ہے کہ غیر متوازن ذہن جس قدر مصروفِ کار رہے گا اُسی قدر اُس کا توازن اور بگڑتا جائے گا۔
اِس رَوِش کو نبھانے کے لئے اِنہیں قدم قدم پر جھوٹ بولنا اور ہر موقعہ پر نیا بہروپ بدلنا پڑتا ہے۔ اندازہ لگاؤ کہ اِس سے اِن کی جان کس قدر اَلم انگیز عذاب میں رہتی ہے۔

۱۱ جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ ناہمواریاں پیدا کر کے معاشرہ کے نظام کو تباہ مت کرو' تو یہ نہایت ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ ہم معاشرہ کو بگاڑتے کب ہیں' ہم تو اِسے
۱۲ سنوارنے والے مُصلحین ہیں ——— یاد رکھو! یہی لوگ تباہ کاریاں اور ناہمواریاں پیدا کرنے والے ہیں۔ (اِس لئے کہ جن کی اپنی داخلی زندگی میں ہمواریاں نہ ہوں وہ معاشرہ میں کس طرح ہمواریاں پیدا کر سکتے ہیں!)

اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۴ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ
بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۵ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ
تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۶

حیرت ہے کہ یہ لوگ اِس کا بھی اِحساس نہیں کرتے کہ اِن کے قول و فعل کا یہ تضاد، اِن کی اَصل و حقیقت کو کِس طرح بے نقاب کر دیتا ہے!

۱۳ جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اِس ضابطۂ زندگی کو اِسی طرح مانو اور اختیار کرو جس طرح جماعتِ مومنین کے افراد اِسے صحیح تسلیم کرتے اور اِس کے مُطابق چلتے ہیں، تو یہ اِس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ تو بے وقوف ہیں جنھیں اپنے نفع نقصان کا بھی خیال نہیں، اور مفت ہاتھ آجانے والے فائدوں کو چھوڑ کر "اُصُول پرستی" کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں! کیا ہم بھی اِنہی جیسے احمق بن جائیں؟
یاد رکھو! نفع نقصان سے بے خبر اور احمق خود یہ لوگ ہیں جو اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ عارضی مفاد کی خاطر مستقل منافع کو چھوڑ دینا، اچھی تجارت نہیں کہلا سکتی۔

۱۴ اِن کی دوُرخی زندگی کا یہ عالم ہے کہ جب یہ اُن لوگوں کے سامنے آتے ہیں جو اِس ضابطۂ خداوندی کو اختیار کیے ہیں، تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم بھی تمھاری طرح اِسکی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن جب یہ اپنی پارٹی کے سرغنوں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم اندر سے تو تمھارے ہی ساتھ ہیں، صرف ظاہرا طور پر اِن لوگوں سے ملتے اور اِنھیں بے وقوف بنا کر اِن کا مذاق اُڑاتے رہتے ہیں۔

۱۵ اے کاش! یہ اِس کا اندازہ کر سکتے کہ یہ دوسروں کو بیوقوف بنا کر اُن کا مذاق کیا اُڑائیں گے، خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے (حقائق کی دُنیا میں) خود اپنا مذاق اُڑاتے ہیں۔ یہ لوگ، اپنی قوّت و اقتدار کے نشے میں بدمست ہو کر غلط راستے پر پڑ جاتے ہیں اور پھر حیران و سرگرداں مارے مارے پھرتے ہیں، اور جوں جوں آگے بڑھتے ہیں، منزل سے دُور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

۱۶ یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو دھوکا دے کر ناجائز فائدے حاصل کر رہے ہیں، اور خوش ہیں کہ ہمارا کاروبار بڑا نفع بخش ہے۔ حالانکہ

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ
لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۸﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَ
بَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾

حقیقت یہ ہے کہ اِن جیسا نادان ہی کوئی نہیں کہ اِنہوں نے زندگی کی صحیح رَوِش کے بدلے میں غلط راستہ خرید لیا ہے۔ اِن کی یہ تجارت کبھی نفع بخش ثابت نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے کہ یہ غلط راستے پر چل کر زندگی کی منزلِ مقصود تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔

۱۷ اِن عارضی اور عاجلہ مفاد کے پیچھے پھرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جنگل کی تاریک رات میں راستہ معلوم کرنے کے لئے آگ سُلگائے جس سے اُس کے اِرد گرد کی فضا روشن ہو جائے۔ لیکن اِس کے فوری بعد آگ بجھ جائے اور اِس طرح خدا کا قانون اُسے تاریکیوں میں اِس طرح چھوڑ دے کہ اُسے کچھ دکھائی نہ دے۔ (یعنی مفاد عاجلہ کی تابناکیاں ایک دفعہ تو نگاہوں میں چکاچوند پیدا کر دیتی ہیں لیکن اِس کے بعد ایسا اندھیرا چھا جاتا ہے کہ اِس میں) صرف نگاہیں ہی بیکار نہیں ہوتیں بلکہ سوجھ بوجھ کے تمام راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ اور انسان

۱۸ بہرا، گونگا اور اندھا۔ یعنی عقل و فکر سے عاری (صُمٌّ) اور جذبات سے مغلوب ہو کر نفع و نقصان کی تمیز سے محروم ہو جاتا ہے (بُكْمٌ)۔ اور اُس کے لئے صحیح راستے کی طرف لوٹنے کی کوئی صُورت باقی نہیں رہتی۔

۱۹ یا (اِن کے تمدّنی اور معاشی نظام) کی مثال، جو اِن کے خود ساختہ قوانین سے مُرتّب ہوتا ہے، ایسی ہے جیسے، وقت پر مینہ برسانے والا بادل، لیکن اُس کے ساتھ گھٹا ٹوپ اندھیرا، گرج اور بجلی کی چمک بھی۔ (یعنی سامانِ زیست کے ساتھ اسبابِ ہلاکت ملے ہوئے)۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ بارش کی منفعت بخشیوں سے تو فائدہ اُٹھا لیں لیکن رعد و برق کی تباہ کاریوں سے بچ جائیں۔ اس کا طریقہ اِن کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لی جائیں ——— نہ یہ ہیبت ناک آوازیں سُنائی دیں، نہ وہ موت کے مُنہ میں جائیں ——— اِن نادانوں کو اتنا معلوم نہیں کہ بجلی کی تباہ کاریاں کانوں کے راستے ہی اندر نہیں جایا کرتیں۔ وہ تو پوری کی پوری فضا میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ (یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ اگر تدبّر کی فسوں سازی سے اُن رخنوں کو بند کر دیا جائے جن کے راستے اِن کی دانست میں، تباہیاں آتی ہیں تو غلط نظامِ زندگی کے

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ ۖ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ
اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ
الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾

عواقب سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ لیکن ان کا خیال خام ہے۔ خدا کا قانون مکافات اُس قوم کو چاروں طرف سے گھیرے رہتا ہے جو حقائق سے انکار کرتی ہے۔ (۱۸۳/۳ ؛ ۵۹/۵۴ ؛ ۳۶/۳۲ ؛ ۱۶/۳۲) -

۲۰ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ کڑک کے ڈر سے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیں (اور اسطرح بزعم خویش اپنے آپ کو اس خطرہ سے محفوظ خیال کرلیں) تو بجلی کی چمک اِن کی بینائی اُچک کر لے جائے۔ یعنی سامانِ زیست کی فراوانی اِن کی نگاہوں میں ایسی خیرگی پیدا کردے کہ اِن کی آنکھیں خطرہ کے مقامات کو بھانپنے کے قابل ہی نہ رہیں۔ یا یہ ایک خطرہ کی روک تھام کا انتظام کریں تو دوسرا خطرہ، کسی غیر متوقع مقام سے اُبھر کر اُنھیں تباہ کردے (۱۸۳/۳) -

مختصراً یوں سمجھو کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جو قوم بھی فطرت کی قوتوں کو مسخر کرلے وہ اُن سے نفع یاب ہوجاتی ہے (۱۸/۱۵ ؛ ۲۱) لیکن صرف طبیعی زندگی کے مفاد پر نگاہ رکھنے والوں کی یہ نفع یابیاں عارضی ہوتی ہیں، اور بلند اقدار کو سامنے رکھنے والوں کی مستقل اور پائیدار۔ (۲۰/۲۰۱ ؛ ۱۵/۱۱ ؛ ۲۰/۴۲)۔ اوّل الذکر کی حالت یوں سمجھو جیسے کوئی شخص بادلوں سے گھری ہوئی تاریک رات میں صحرا میں راہ گم کردہ کھڑا ہو۔ جب بجلی کی چمک سے ذرا راستہ روشن ہوجائے تو وہ اُس میں چار قدم چل لے، لیکن جب پھر اندھیرا چھا جائے تو کھڑے کا کھڑا رہ جائے۔

ہم چاہتے تو ایسا بھی کرسکتے تھے کہ ان لوگوں کے ذرائع علم (سماعت و بصارت) سلب ہوجاتے اور اس طرح اُنھیں قدرتی سامانِ نشو و نما سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ہی نہ دیا جاتا لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ ہم نے ہر بات کیلئے اندازے اور پیمانے مقرر کردیئے، اور قوانین و ضوابط ٹھیرا دیئے ہیں۔ کائنات کی کوئی شے اِن پیمانوں سے باہر نہیں جاسکتی۔ اِن پر ہمارا پورا پورا کنٹرول ہے۔

۲۱ لہٰذا، اے گروہِ نسلِ انسانی! تمھیں اِن اقوام کے خود ساختہ نظام کی نگاہ فریب جگمگاہٹ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ تمھیں چاہیئے کہ اپنے آپ کو، اپنے نشو و نما دینے والے کے قوانین کے تابع لے آؤ۔ وہ نشو و نما دینے والا جس نے تمھیں اور تمھارے

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾

آباء اجداد کو پیدا کیا' اور کائنات کی اِس قدر تخریبی قوتوں کے باوجود' نسلِ انسانی کو مختلف مراحل میں سے گذارتے ہوئے اِس مقام تک لے آیا (۷/۱۷۲)۔ بس یہی ایک طریق ہے جس سے تم راستے کے خطرات سے محفوظ رہ سکو گے۔

۲۱ یہ حفاظت تمھیں خدا کے عالمگیر نظام ربوبیّت کی رُو سے مِل سکے گی جس کے مطابق اُس نے تمھارے لئے زمین میں ٹھکانے کا سامان پیدا کر دیا۔ اُوپر فضا میں کُرّے بکھیر دیئے تاکہ باہمی کشش و جذب سے یہ اپنی اپنی جگہ برقرار رہیں۔ پھر ایسا انتظام کر دیا کہ آسمان سے پانی برسے جس سے تمھارے لئے سامانِ رزق پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام سامانِ زیست تمھیں خدا کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ ملا ہے۔ اِس پر ملکیت خدا ہی کی ہے' تمھیں صِرف اِس کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ لہٰذا تم نے ایسا نہ کرنا کہ انسانوں کو اِس کا مالک بنا دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ' جانتے بوجھتے' خدا کے ساتھ شرک ہو گا۔

۲۳ اگر تم اِس قدر محکم دلائل و شواہد کے باوجود' اِس باب میں کسی شک و شبہ یا نفسیاتی اُلجھن میں مُبتلا ہو کہ جو ضابطۂ زندگی ہم نے' اپنے بندے کی وساطت سے' تمھیں دیا ہے' وہ واقعی حقیقت پر مبنی ہے یا نہیں' تو اِس کے دُور کرنے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے لئے جو نقشہ یہ ضابطہ پیش کرتا ہے' اُس کے بجائے کوئی متبادل نقشہ تم مُرتّب کر کے دِکھاؤ —— پُوری کی پوری عمارت کا نہیں تو اِسکی کسی ایک منزل ہی کا سہی —— یعنی اِس ضابطہ کی کسی ایک شق جیسی شق بنا کر لاؤ۔ (۱۰/۳۸ ؛ ۱۱/۱۳) - اِس کے لئے کسی ایک شخص پر ذمّہ داری ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ جتنے ادیب و مفکّر اور تمدّنی اور سیاسی مقنّن تمھارے معاشرہ میں پائے جاتے ہوں' اِن سب کی ایک کمیٹی بنا لو' بس ایک اللہ کی وحی کو الگ چھوڑ دو' اور اُن سے کہو کہ ایسا کر کے دکھائیں۔ اگر تم واقعی اپنے اِس دعوے میں سچّے ہو کہ تم اِس کا فیصلہ نہیں کر پاتے کہ یہ ضابطہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں' اور محض اپنی مفاد پرستیوں سے چمٹے رہنے کی خاطر شکوک و شبہات کا ساز نہیں بجا رہے'

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ
رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۖ وَأُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيْهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

تو تمھیں اس چیلنج کو ضرور قبول کر لینا چاہیئے۔

﴿۲۴﴾ لیکن اگر تم نے ہمارے چیلنج کو قبول نہ کیا ـــــ اور ہم بتائے دیتے ہیں کہ تم اسے ہرگز قبول نہیں کرو گے ـــــ اور عقل و بصیرت کی رو سے بات سمجھنے کی کوشش نہ کی بلکہ اپنی مخالفت میں اندھا دھند آگے بڑھتے گئے اور حق کے راستے میں روک بن کر کھڑے ہو گئے، تو اس کا نتیجہ وہ تباہی و بربادی کا جہنم ہو گا جس میں تمھارے عوام اور خواص، اور چالاک لیڈر اور ان کے متبعین، سب اپنی دولت و حشمت کے ساتھ، جا گریں گے۔ ـــــ خواہ یہ جنگ کی صورت میں ہو، جس کی آگ انسانوں کے ہاتھوں سے اور معدنی آلاتِ حرب و ضرب کے ذریعے بھڑکائی جاتی ہے۔ اور خواہ غلط نظامِ زندگی کے تباہ کن انجام کی شکل میں ہو۔ بہرحال، یہ وہ جہنم ہے جو صحیح ضابطۂ زندگی سے انکار اور سرکشی برتنے والوں کے اعمال نے ان کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

﴿۲۵﴾ اس ٹکراؤ میں اُس جماعت کے لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں جو قوانین خداوندی اور زندگی کی بلند اقدار کی صداقتوں پر یقین رکھتی ہے، اور خدا کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا رہتی ہے۔ اے رسول! تو انھیں خوشخبری دیدے کہ ان کے لئے ایک ایسا معاشرہ متشکل ہو جائے گا جس کی شادابیاں سدا بہار، اور جس کی آسائشیں زوال ناآشنا ہوں گی (۱۴/۲۵)۔ اس زندگی میں بھی خزاں نادیدہ بہاریں، اور بعد کی زندگی میں بھی حیاتِ جاوید۔

یہ چیزیں صرف انہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جب اور جہاں بھی کسی جماعت نے ایسی روش اختیار کی اس کا یہی نتیجہ نکلا (۲۴/۵۵ ؛ ۳۹/۴۴)۔ ان اعمال کے نتائج ہمیشہ ایک جیسے ہوتے ہیں، البتہ ان کے پیکر زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے ملتے جلتے ہیں۔

اس معاشرہ میں ان کے ساتھ اور لوگ بھی ملتے جائیں گے اور ان کے رفیق بنتے جائیں گے۔ یہ بھی ان ہی جیسی پاکیزہ سیرتوں کے حامل ہوں گے۔ جب تک

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ
وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ
وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ ۚ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ
اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾

یہ معاشرہ قوانین خداوندی کی بنیادوں پر استوار رہے گا' یہ اپنے پھل اسی طرح دیتا جائے گا۔ اس میں فساد اور تغیّر واقع نہیں ہوگا۔

۲۶ ہم نے اس معاشرہ کو ایک سرسبز و شاداب باغ (جنّت) کہہ کر پکارا ہے' اور اور ان کے اعمالِ حسنہ کے نتائج کو لذیذ پھلوں سے تشبیہ دی ہے' تو اس لئے کہ بلند حقیقتیں، محسوس تشبیہات سے سمجھائی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا یہ بات شانِ خداوندی کے منافی نہیں کہ وہ حقائق کو تمثیلات کے ذریعے بیان کرتا ہے۔ یہ تو خیر پھر بھی باغات اور پھلوں کی مثالیں ہیں' اگر ضرورت پیش آئے تو اُسے اس میں بھی کسی قسم کا باک نہیں ہوگا کہ وہ مچھر جیسی حقیر شے' یا اُس سے بھی کسی کمتر چیز کی مثال دے کر بات واضح کر دے۔ جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے (وحی کے ذریعے) بیان ہو رہا ہے' وہ ان مثالوں سے سمجھ جائینگے کہ یہ' اُن کے نشو و نما دینے والے کی طرف سے حقیقتِ ثابتہ ہے۔ لیکن جو لوگ اس بنیادی حقیقت ہی سے انکار کرتے ہیں وہ ان تمثیلات اور تشبیہات میں بھی ہزار نقص نکالیں گے' اور کہیں گے کہ اس قسم کی مثالوں سے بالآخر مقصد کیا ہے؟ اس سے تم سمجھ لو کہ ایک ہی بات سے کس طرح دو متضاد نتیجے اخذ کئے جا سکتے ہیں' فرق زاویۂ نگاہ کا ہوتا ہے۔ ایک اندازِ نگاہ سے دیکھو تو اُسی سے گمراہی کے راستوں پر جا پڑو۔ اور دوسری نگاہ سے دیکھو تو اُسی سے کامیابیوں اور کامرانیوں کی راہیں کشادہ ہو جاتیں۔ لیکن غلط راہوں پر صرف وہ لوگ چل نکلتے ہیں جو قوانین خداوندی کے قالب کے اندر زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے' بلکہ ان سے گریز کی راہیں نکال کر' اپنے لئے الگ راستے اختیار کر لیتے ہیں۔

۲۷ یہ وہ لوگ ہیں جو اُن تمام ذمّہ داریوں کے قبالہ کو ریزہ ریزہ کر ڈالتے ہیں جو اُن پر خدا کی ربوبیتِ عالمینی کی رُو سے عائد ہوتی ہیں' نیز اُس عہد کو بھی توڑ ڈالتے ہیں جو اُنھوں نے نظامِ خداوندی سے باندھا تھا (۹/۱۱۱)۔ اور اس طرح' انسانیت کے تمام رشتوں کو منقطع کر کے (۱۳/۲۱ ؛ ۱۳/۲۵) انفرادی مفاد پرستی کو زندگی کا نصب العین

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

بنا لیتے ہیں' حالانکہ خدا کے قانونِ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اِن رشتوں کو جوڑ کر' تمام نوعِ انسان کو ایک برادری کے افراد اور ایک درخت کی شاخیں سمجھا جائے (۲/۲۱۳ ؛ ۱۹/۹۲ ؛ ۳۱/۲۸)۔ اِس روش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور آخر الامر تباہی اور بربادی کے سوا اِن کے حصّے میں کچھ نہیں آتا۔

۲۸ اِن لوگوں سے (جن کی روشِ زندگی کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) کہو کہ تم قانونِ خداوندی کا اِنکار کس دلیل سے کر سکتے ہو' جبکہ خود تمھاری اپنی ہستی اِس کی زندہ شہادت ہے۔ تم کسی انداز سے بھی غور کرو' اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک وقت ایسا تھا کہ تم زندگی سے محروم تھے۔ (زندگی تو ایک طرف' تم کوئی قابلِ ذکر شے ہی نہیں تھے۔ (۷۶/۱)۔ پھر تم میں زندگی آگئی۔ ظاہر ہے کہ زندگی تمھاری پیدا کردہ نہیں' اِسے خدا ہی نے عطا کیا ہے۔ اِس کے بعد جب تم طبیعی قانونِ خداوندی کے مطابق مر جاؤ گے تو خدا کیلئے کونسی مشکل ہو گی کہ تمھیں پھر زندہ نہ کر سکے (۳۰/۵۰ ؛ ۴۰/۱۱ ؛ ۴۶/۳۳)۔ لہٰذا' موت سے زندگی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ زندگی آگے چلتی ہے' اور آگے چلتی ہے مکافاتِ عمل کیلئے۔ اِس لئے تم اِس قانون کی گرفت سے باہر جا ہی نہیں سکتے۔ تم اِس سے ہزار بھاگنے کی کوشش کرو' تمھیں آخر الامر اِس کی طرف لوٹ کر آنا ہو گا ـــــ بلکہ یوں سمجھو کہ اب بھی تمھارا ہر قدم اِسی کی طرف اُٹھ رہا ہے۔

۲۹ یہ قانون اُس خدا کا متعین کردہ ہے جس نے تمھیں اِس زمین پر پیدا کیا تو تمھارے لئے سامانِ نشو و نما بھی ساتھ ہی مہیا کر دیا۔ پھر تم کائنات کی پہنائیوں میں غور کرو کہ اُس میں متعدد اجرامِ فلکی کس توازن و اعتدال کے ساتھ اپنے اپنے فرائض کی سرانجامدہی میں سرگرمِ عمل ہیں (۳۶/۴۰)۔ یہ بھی خدا ہی کے قانون کے مطابق ہو رہا ہے۔ اُس خدا کے قانون کے مطابق جو ہر شے کی مضمر قوتوں اور تقاضوں سے اچھی طرح باخبر ہے۔

ارض و سما کا یہ کائناتی نظام اِس لئے سرگرمِ عمل ہے کہ انسانوں کے اعمال کے ٹھیک ٹھیک نتائج مرتب ہوں (۵۳/۳۱ ـــ ۱۱)۔ اِس حقیقت کے سمجھنے کے لئے

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا
وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ وَعَلَّمَ
اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَاۗءِ هٰٓؤُلَاۗءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱

ضروری ہے کہ پہلے انسانی خصوصیات اور کائنات میں اِس کے مقام کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ اِسے قصۂ آدم کے تمثیلی انداز میں بیان کیا جاتا ہے، جو درحقیقت خود انسان ہی کی سرگذشت ہے۔

۳۰ جب زندگی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی پیکرِ انسانی میں پہنچی، اور مشیت کے پروگرام کے مطابق وہ وقت آیا کہ انسان، اپنے سے پہلی آبادیوں کی جگہ زمین میں آباد ہو (۱۵/۱۴)، تو کائناتی قوتوں کو اِس پر تعجب ہوا۔ اس لئے کہ اس سے پہلے کائنات میں کوئی ایسی مخلوق نہیں تھی جسے قوانینِ خداوندی سے مجالِ سرتابی ہو (۵۰-۱۶/۴۹)، لیکن اِس جدید مخلوق کو صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا جا رہا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی بھی کر سکتا تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے عرض کیا کہ بارالٰہا! یہ کس قسم کی مخلوق ہے جسے اب زمین میں بسایا جا رہا ہے؟ یہ تیرے قانون سے سرکشی برتے گا جس کا نتیجہ ناہمواریاں اور خوں ریزیاں ہوگا۔ اِس کے برخلاف ہم ہیں کہ جو فرائض ہمارے سپرد کئے گئے ہیں ہم اُن کی سرانجامدہی میں ہمیشہ سرگرمِ عمل رہتے ہیں اور تیرے پروگراموں کو وجۂ حمد و ستائش بنانے کے لئے جہاں تک جانا پڑے جاتے ہیں۔ اِس پر خالقِ کائنات نے کہا کہ ہمارے اِس جدید پروگرام کو تم نہیں سمجھ سکتے۔ ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں۔

۳۱ اِنسان میں اس امر کی امکانی استعداد رکھ دی گئی تھی کہ یہ اُن قوانین کا علم حاصل کر سکے جن کے مُطابق مختلف اشیائے کائنات سرگرمِ عمل ہیں۔ چنانچہ اُن کائناتی قوتوں سے کہا گیا کہ اگر تم اپنے اِس خیال میں سچے ہو کہ یہ جدید مخلوق تمھارے مقابلہ میں فروتر ہے، تو بتاؤ کیا تمھیں بھی یہ استعداد حاصل ہے؟

لہ انسانی زندگی کے ارتقائی منازل کے لئے حسب ذیل آیات دیکھئے۔
۶/۲ ; ۷/۱۰۹ ; ۲۲/۵ ; ۲۳/۱۳-۱۲ ; ۲۵/۵۴ ; ۳۲/۷-۹ ; ۳۵/۱۱ ; ۳۷/۱۱ ; ۷۱/۱۷

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ
بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ
اسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪
وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

---

۳۲ اِس پر اُنھوں نے عجز سے اپنی گردن جھکا دی اور کہا کہ تیرے پروگرام ہماری حدِّ نگاہ سے بہت آگے ہوتے ہیں۔ ہم تو صرف اُتنا ہی جانتے ہیں جتنا ہمیں علم دیا گیا ہے۔ اِس سے زیادہ اکتساباً کچھ معلوم کر لینے کی ہم میں استعداد ہی نہیں۔ تجھے کائنات کا کُلّی علم ہے اور تو ہی اپنے پروگرام کی غرض و غایت سے باخبر ہے۔

۳۳ جب اِس طرح انسانی ممکنات کی یہ پہلی جھلک اُن کے سامنے آگئی تو اُن سے کہا گیا کہ ہم کائنات اور اِس میں پیدا کی جانے والی مخلوق کے متعلق وہ کچھ جانتے ہیں جو تمھاری نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ دوسری طرف ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم سے سرِدست کیا کچھ ظہور میں آرہا ہے اور تمھاری مضمر صلاحیتیں کیا ہیں (جن کی نمود انسان کے ہاتھوں ہوگی)۔

۳۴ اس پر کائناتی قوتیں سب انسان کے سامنے جُھک گئیں، لیکن ایک چیز ایسی بھی تھی جس نے اِس کے سامنے جُھکنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے سرکشی اختیار کی۔ یہ تھے انسان کے خود اپنے جذبات جن کے غالب آجانے سے اس کی عقل و فکر ماؤف ہو جاتی ہے اور اتنی بڑی قوتوں کا مالک، خود اپنے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے، اور اس پر چاروں طرف سے مایوسیاں چھا جاتی ہیں۔

۳۵ اِن صلاحیتوں کے ساتھ انسان کو دُنیا میں بسایا گیا۔ اِس کی ابتدائی زندگی کا نقشہ یہ تھا کہ اِسکی ضروریات بہت محدود تھیں اور سامانِ نشو و نما کی بڑی فراوانی تھی۔ (۲۰/۱۱۸)۔ اِس لئے اِن میں نہ باہمی تصادم تھا، نہ تزاحم۔ نہ اختلاف تھا، نہ افتراق۔ تمام انسان ایک برادری کی طرح رہتے تھے (۲/۲۱۳ ؛ ۱۰/۱۹)۔ چنانچہ اِن سے کہہ دیا گیا کہ اگر تم نے باہمی اختلافات شروع کر دیئے تو یہ جنتی زندگی تم سے چھن جائے گی اور تم (زندگی کے بلند مقاصد تو ایک طرف) سامانِ زیست کے حصول کیلئے بھی جانکاہ مشقتوں میں مُبتلا ہو جاؤ گے (۲۰/۱۱۷)، اور اِس طرح خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ پر زیادتی کر بیٹھو گے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ
مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾
قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

---

(۳۶) لیکن انسان پر اُس کی انفرادی مفاد پرستیوں کے جذبات غالب آگئے اور اس نے اپنے خود ساختہ نظام کے مطابق تمدنی زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ اس سے اسکی وہ جنتی زندگی چھن گئی۔ انسان مختلف گروہوں میں بٹ گیا' اور ایک گروہ دوسرے گروہ کا دشمن ہو گیا۔ اِن میں مفادِ خویش کی پیچریں حائل ہو گئیں۔

لیکن دُنیا میں انسانی زندگی کوئی ایک آدھ دن کی بات نہ تھی کہ یوں بھی گذر ہو جاتا۔ اِس نے یہاں ایک مدت تک رہنا اور سامان زیست سے ہر ایک نے فائدہ اٹھانا تھا۔ تو کیا انسان کیلئے اُسکی خود پیدا کردہ مصیبت کا کوئی حل نہیں تھا؟

(۳۷) اس کا حل تو تھا لیکن یہ' اُس کے عقل کے بس کی بات نہیں تھی۔ عقل انسانی' ہر فرد کو اُس کے مفاد کے تحفظ کی راہیں تو بتا سکتی ہے' عالمگیر انسانیت کے امن و سلامتی کا طریق نہیں بتا سکتی۔ یہ اُس نظریۂ زندگی اور نظامِ حیات کی رو سے مُمکن تھا جو خدا کی طرف سے بذریعہ وحی مل سکتا تھا' اور جسے اختیار کرنے سے اسے پھر سے وہی جنتی زندگی حاصل ہو سکتی تھی۔

(۳۸) چنانچہ جب وہ جنّت کی زندگی اِس سے چھن گئی تو اس سے کہدیا گیا کہ تمھارے لئے مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں — خواہ تم سب کے سب غلط راستے پر چل نکلو پھر بھی مایوسی کی کوئی بات نہیں ہماری طرف سے' ہمارے رسولوں کی معرفت (۲۰:۱۲۳) تمھاری طرف راہ نمائی آتی رہے گی۔ جو لوگ اُس راہ نمائی کے مُطابق زندگی بسر کریں گے وہ ہر قسم کے خوف و ہراس سے محفوظ رہیں گے (۲۰:۱۲۳)

(۳۹) لیکن جو لوگ اس راہ نمائی کے قبول کرنے سے انکار کریں گے اور اس کی صداقتوں کو جھٹلائیں گے' تو' ہمارے قانون مکافات کے مطابق وہ مستقل عذاب کی زندگی جئیں گے —
— اِس دنیا میں بھی' اور اس کے بعد بھی —

کائناتی قوتوں کو مُسخّر کر لینا مقامِ آدم ہے (یعنی کائنات میں انسان کا صحیح مقام) اور ان قوتوں کو وحیٔ خداوندی کے مُطابق' عالمگیر انسانیت کی بہبود کی خاطر استعمال کرنا' مقامِ مومن ہے۔ اگر ان قوتوں کو مختلف قومیں اپنی خواہشات اور ذاتی مفاد کیلئے استعمال کریں تو اسکا نتیجہ عالمگیر فساد ہے۔

یہ ہے سرگذشتِ آدم کا تمثیلی بیان اور اس کا ماحصل۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾
وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

---

۴۰ جو اُصول اوپر بیان کیا گیا ہے (یعنی یہ کہ جو قوم قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے گی' وہ سرسبز و شاداب رہے گی اور جو اِن کے خلاف چلے گی' وہ تباہ و برباد ہو جائے گی) اُس کی زندہ مثال قوم بنی اسرائیل ہے' جو اِسوقت (اے رسول!) اِن قوانین کی اِس شدّت سے مخالفت کر رہی ہے۔ تم اِن سے کہدو کہ تم اپنی تاریخ کے اُس عہد کو سامنے لاؤ جب تم قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ تم نے دیکھ لیا تھا کہ اُس دور میں تمہیں کس قدر آسائشیں اور راحتیں' سرفرازیاں اور سربلندیاں نصیب تھیں۔
پھر تم نے اُس رَوش کو چھوڑ دیا' تو اِس کا نتیجہ بھی تمھارے سامنے ہے۔ یعنی دُنیا بھر کی ذِلّت و رُسوائی (۲/۶۱)۔
اب پھر ایسا موقعہ آیا ہے کہ تم چاہو تو اپنی گم گشتہ جنّت کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہو۔ تم (میرے قوانین کے اِتّباع سے) اپنے عہد کو پورا کرو' اور پھر دیکھو کہ میں کس طرح اُن تمام ذمّہ داریوں کو پورا کرتا ہوں جن کا میں نے تم سے' اِس کے بدلے میں' وعدہ کیا تھا (۲/۱۱۱)۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم' تمام غیر خدائی قوتوں کا خوف اپنے دِل سے نکال ڈالو' اور صِرف میرے قوانین کے سامنے جھکو' اور اِن کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے ڈرو' اور محتاط رہو۔

۴۰ اِس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ تم اُس ضابطۂ قوانین (قُرآن) پر ایمان لاؤ جسے ہم نے (اِس رسول پر) نازل کیا ہے۔ یہ (علاوہ اور باتوں کے) اُن تمام دعاوی کو بھی سچ کر دکھائے گا جو تمھارے ہاں نظری طور پر موجود ہیں۔ چونکہ اِس کی تعلیم بنیادی طور پر وہی ہے جو کبھی تمھیں بھی دی گئی تھی (اور جواب اپنی اصلی شکل میں تمھارے پاس نہیں)' اِس لئے تمھیں چاہیئے تھا کہ تم لپک کر اِسکی طرف آتے۔ لیکن' اس کے برعکس' تم نے اوروں سے بھی پہلے اِس کی مخالفت شروع کر دی۔ ایسا نہ کرو۔ ہم جانتے ہیں کہ تمھیں' مذہبی پیشوائیت کی بنا پر کچھ دُنیاوی مفاد حاصل ہیں (۲/۷۹ — ۱۰۶)' اور تمھارے خود ساختہ عقائد و رسومات

وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ
الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾
وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

تمھاری قومی گروہ بندی کا موجب بن رہے ہیں جس کا چھوڑنا تم پر گراں گذرتا ہے (۲۹/۲۵)' لیکن اِس ضابطہ کے اتباع سے جو کلّی مفاد حاصل ہوں گے' وہ اِن سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوں گے۔ لہٰذا تم اِسی کے مطابق زندگی بسر کرو۔

۴۲ تمھاری موجودہ رَوِش یہ ہے کہ کہیں تم حقیقت پر یکسر پردہ پوشی کرکے' اُسے لوگوں کے سامنے آنے ہی نہیں دیتے (۲/۱۵۹)' اور کہیں' (وحی کے ساتھ اپنی خودساختہ شریعت کو ملاکر) حق اور باطل کو اِس طرح خلط ملط کر دیتے ہو کہ باطل' حق بن کر دکھائی دیتا ہے—اور تم یہ سب کچھ' اپنے مفاد کی خاطر دیدہ و دانستہ کرتے ہو۔

۴۳ تم اپنی اِس رَوِش کو چھوڑ دو' اور (قرآن کو اپنی زندگی کا ضابطہ بنانیکے بعد) نظامِ صلوٰۃ قائم کرو' اور نوعِ انسان کی نشوونما کا سامان فراہم کرو' اور اِسطرح تم بھی اُن کے ساتھی بن جاؤ جو قوانین خداوندی کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے ہیں (۹/۱۱۲ : ۵۹/۲۹)۔

۴۴ اِس کتمانِ حقیقت اور تلبیسِ حق و باطل کی رَوِش کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ تمھاری اپنی زندگی میں عجیب تضاد اور منافقت پیدا ہو چکی ہے۔ تم دوسروں کو تو تاکید کرتے ہو کہ وہ بھلائی اور کشاد کی راہ اختیار کریں (۲/۱۷۷) لیکن جب اپنی باری آتی ہے تو تمھیں یہ سب وعظ و نصیحت بھول جاتی ہے۔ اور اِس کے ساتھ تم اِسکے بھی مدعی ہو کہ تم کتاب اللہ کا اِتّباع کرتے ہو! ذرا عقل و فکر سے کام لے کر سوچو کہ کیا خدا کی کتاب اِس قسم کی رَوِش اِختیار کرنے کی تعلیم دے گی؟

۴۵ یاد رکھو! تمھاری صلاحیتوں کی نشوونما' اور تمھاری زندگی میں صحیح توازن' اُسی صورت میں پیدا ہو سکے گا کہ تم نہایت استقامت اور استقلال سے نظامِ صلوٰۃ پر کاربند رہو (۲/۱۵۳)۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ راستہ تمھیں بڑا دشوار گذار' اور یہ منزل بڑی کٹھن نظر آئے گی (اس لئے کہ تم دوسروں کی کمائی پر تن آسانی کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہو چکے ہو (۴/۱۶۱ ؛ ۹/۳۴)۔ لیکن اگر تمھیں اِس کا خیال رہے کہ تم نے خدا (کے قانون مکافات) کا سامنا کرنا ہے۔ تم اُس

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ
عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا
شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ
يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

---

۴۳ قانون کی زد سے باہر نہیں جا سکتے۔ تمھارا ہر قدم اُسی کی طرف اُٹھ رہا ہے، تو پھر تمھارے دل میں یقیناً وہ جھکاؤ پیدا ہو جائے گا جس سے انسان، اپنے ذاتی میلانات کو چھوڑ کر، قوانینِ خداوندی کے سامنے سر جھکا دیا کرتا ہے۔

۴۴ تمھیں تو یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ ان قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا نتیجہ کیا ہوا کرتا ہے۔ تم اِس کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو، جب تمھیں اِن کی بدولت، زندگی کی ہر قسم کی آسائشیں نصیب ہو گئی تھیں، اور تم اپنی ہم عصر اقوام میں، ایسی ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے تھے کہ کوئی اور قوم تمھارا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی (۲/۱۲۲)۔

۴۵ اِس نظام کو چھوڑنے کے بعد، تمھاری حالت یہ ہو گئی کہ آئین و قوانین کا احترام اور عدل و انصاف کی پاسداری، تمھارے ہاں سے بالکل اُٹھ گئی —— لیکن اب یہ دھاندلی زیادہ عرصہ تک نہیں چل سکتی۔ اب (قرآنی نظام کے قیام سے) وہ دور جلد آنے والا ہے جس میں کوئی شخص کسی مجرم کا ذرا سا بوجھ بھی نہیں بٹا سکے گا۔ ہر ایک کو اپنے کیے کی سزا خود بھگتنی پڑے گی (۶/۱۶۵)۔ نہ ہی کسی کی سفارش کسی کے کام آسکے گی۔ نہ ہی کسی سے، اُس کے جرم کے معاوضہ میں کچھ (رشوت) لے کر اُسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور نہ ہی کوئی شخص، کسی مجرم کی مدد کو پہنچ سکے گا۔
یہ اِس دنیا میں بھی ہو گا جب (قرآن کا) نظام عدل قائم ہو گا، اور آخرت میں بھی، جب تمام فیصلے خدا کے قانون مکافات کی رُو سے ہوں گے۔

۴۶ تمھیں یاد ہے کہ جب تم قومِ فرعون کی محکومی میں تھے تو وہ تم پر، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر طرح طرح کے عذاب وارد کیا کرتے تھے۔ اُن میں، بدترین عذاب یہ تھا کہ وہ تمھارے اندر پارٹیاں پیدا کرتا رہتا تھا (۲۸/۴) اور اِس طرح کرتا یہ تھا کہ تمھاری قوم کے معزز افراد کو، جن میں اُسے جوہرِ مردانگی کی جھلک دکھائی دیتی تھی اور جن سے اُسے خطرہ کا امکان نظر آتا تھا، ذلیل و خوار کر کے غیر مؤثر بناتا رہتا تھا، بالخصوص اُنھیں

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ
لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾
وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

جو موسےٰ پر ایمان لاتے تھے۔ (۴۰/۲۵)' اور جو طبقہ اِن جوہروں سے عاری ہوتا' اُسے اپنا معتزز و مقرّب بناکر آگے بڑھاتا رہتا تھا۔ اِس طرح مجموعی حیثیت سے تمھاری قوم کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی تھی (۲۸/۵)۔ [سیاستِ ملوکیت کا انداز ہی یہی ہوتا ہے۔ ۲۴/۳۴]۔

تم نے قوانین خداوندی کا اتباع کیا تو اُس نے تمھیں سب سے پہلے فرعون کے اِس عذاب سے نجات دلائی۔ یہ چیز' تمھارے نشوونما دینے والے کی طرف سے' تمہارے لئے ایک عظیم نعمت تھی' کیونکہ اِس سے تمھیں اپنی بازآفرینی کے مواقع حاصل ہوگئے (۱۴۱/۲)۔

۵۰ اور پھر (قومِ فرعون کے ساتھ کشمکش کے بعد) وہ وقت آگیا کہ تم مصر کو چھوڑکر چل نکلے اور فرعون کا لشکر تمھارے تعاقب میں آیا' تاآنکہ تم اُس مقام پر پہنچ گئے جہاں سامنے سمندر (یا دریا) کا حصّہ تھا اور پیچھے فرعون اور اُس کی فوج۔ تم اِس طرح گھر چکے تھے کہ ہماری راہ نمائی سے تمھیں سمندر (یا دریا) میں خشک راستہ مل گیا' اور اِسطرح' ہم نے تمھیں فرعون کے لشکر کی دستبرد سے بچالیا' اور وُہ' اور اُس کا لشکر' سب غرق ہوگئے۔ اور یہ کچھ تمھاری آنکھوں کے سامنے ہوا (۱۳۸/۲ ؛ ۱۰/۹۰ ؛ ۳۰/۷۷ ؛ ۲۶/۶۳ ؛ ۴۴/۲۴)۔

۵۱ اور سینا کی وادی میں پہنچ کر' (جہاں تمھاری تربیت ہو رہی تھی)' موسےٰ ہمارے حکم کے مُطابق چالیس راتوں کے لئے تم سے الگ ہوا (۱۴۲/۷)' تو تم نے اتنے ہی عرصہ میں' (خدا کو چھوڑکر' مصریوں کے دیوتا) بچھڑے کی پرستش شروع کردی' اور اِس طرح' قوانینِ خداوندی سے سرکشی اختیار کرلی۔

۵۲ لیکن ہم نے' اِس پر بھی' تمھیں راندۂ درگاہ نہیں کردیا' بلکہ (جیسا کہ آگے چل کر مذکور ہے۔ (۵۴/۲)' تمھاری اِس غلط رَوِش کے مُضر اثرات کو مٹا دیا' اور تمھیں پھر موقعہ دیا کہ تم اپنی صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما کرلو۔

۵۳ اِس مقصد کے لئے' ہم نے موسےٰ کو ایسا ضابطۂ قوانین دیا' جو حق و باطل کو نکھارکر' الگ کردینے والا' اور مستقل اقدار کا پیمانہ تھا۔ یہ اِس لئے دیا کہ تم' اُس کی

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

روشنی میں، اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکو۔

۵۴ جب موسیٰؑ (چالیس راتوں کے بعد) اپنی قوم کی طرف واپس آیا، اور اُس نے دیکھا کہ قوم گوسالہ پرستی میں مصروف ہے، تو اُس نے اُن سے کہا کہ تم نے اِس بچھڑے کو اپنا معبود بنا کر، اپنا ہی نقصان کیا ہے، کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ تم اِس سے، انسانی سطح سے بہت نیچے گر گئے ہو (۲/۵۴)۔ اب پھر اُس مقام کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنی غلطی کا اعتراف کرو، اور نہایت عجز و انکسار سے، قوانینِ خداوندی کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دو۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے تم قوانین خداوندی کے اُن خوشگوار اور زندگی بخش نتائج سے پھر مستفید ہو سکتے ہو، جو اِس وقت تم سے مُنہ موڑ چکے ہیں۔ اِن قوانین میں یہ خصوصیت ہے کہ جب بھی کوئی اِن کی طرف رجوع کرتا ہے، تو یہ، ربوبیّت کے تمام سامان اپنے ساتھ لئے، اپنا رُخ اُس کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

۵۵ ہم نے تمھیں ایک واضح ضابطۂ قانون دیا تھا جس کے نتائج نے تمھیں خود بخود بتا دینا تھا کہ وہ (واقعی) خدا کا قانون ہے، کسی انسان کا خود ساختہ نہیں۔ لیکن بجائے اِس کے کہ تم اُس پر عمل پیرا ہو کر اُس کے نتائج سے خدا کو پہچانتے، تم اِس قدر محسوسات کے خوگر ہو چکے تھے، کہ تم موسیٰؑ سے یہ کہنے لگے کہ ہم تیری کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں جب تک ہم اُس خدا کو (جس کی طرف سے، تم کہتے ہو کہ، یہ قانون نازل ہوا ہے) خود اپنی آنکھوں سے بے نقاب نہ دیکھ لیں۔ (حالانکہ ظاہر ہے کہ خدا کوئی مادّی پیکر نہیں جسے آنکھوں سے دیکھا جا سکے۔ اُس کا تو، اُس کی خدائی اور اُس کے قوانین کے نتائج سے، بہ چشمِ بصیرت ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے)۔

تقاضا تمھارا خدا کو بے نقاب دیکھنے کا تھا، اور ہمّت کا یہ عالم کہ زلزلہ کی گرج دار آواز، اور ارتعاش سے (۲/۵۵) تمھارے ہوش اُڑ گئے، حالانکہ تم دیکھ رہے تھے کہ وہ زلزلہ ہی ہے۔ (یہ اِس لئے کہ تمہاری توہّم پرستیوں نے،

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ
وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا
هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ
وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا
مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

(ع ۱۳ / ۶)

جن کی وجہ سے تم نے بچھڑے تک کو دیوتا بنا لیا تھا' اِن مظاہرِ فطرت کا خوف تمہارے دِل میں پیدا کر رکھا تھا۔ شرک کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے)۔

۵۶ ہم نے اِس کے بعد بھی تمہیں اٹھا کھڑا کیا اور اِسکا موقعہ دیا کہ تمہاری صلاحیتوں کی پوری پوری نشو و نما ہو سکے اور تمہاری کوششیں ثمر بار ہو سکیں۔

۵۷ اِس کے لئے تمہیں' بلا مزد و معاوضہ' سامانِ معیشت کی فراوانیاں عطا کی گئیں۔ اُس بیابان میں' پانی سے بھرے ہوئے بادل تمہارے سروں پر سایہ فگن تھے' اور کھانے کے لئے نہایت خوشگوار غذا ـــــ پرندوں کا گوشت اور نباتاتی شیرینی ـــــ تمہارے لئے وجہِ سکون و اطمینان بنتی تھی۔
لیکن تم اِس پر بھی ہمارے قوانین کے اتباع پر قائم نہ رہے! اِس سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوا' تم نے اپنا ہی نقصان کیا' اور خود اپنے ہاتھوں سے ایسا کیا۔

۵۸ ہماری تجویز یہ تھی کہ تم فلسطین کی سرزمین میں فاتحانہ حیثیت سے رہو (۵/۲۱) اور اس طرح' اپنے اِختیار و اِرادہ سے' جیسے اور جب جی چاہے' سامانِ رزق سے فائدہ اُٹھاؤ' فقط اِس ایک شرط کے ساتھ کہ تم ہمارے قوانین کے سامنے اپنا سر جھکائے رکھو۔ اِس طرح' تمہاری صحرانوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی بھی ختم ہو جاتی' اور تم سے جو غلطیاں ہو چکی تھیں اُن کے مُضر اثرات سے تمہیں سامانِ حفاظت بھی مِل جاتا۔ اور' اگر تم اُس کے بعد بھی حُسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتے' تو اُن فتوحات کا سلسلہ اور بھی آگے بڑھتا چلا جاتا۔

۵۹ لیکن تم نے سپاہیانہ اور مجاہدانہ زندگی کے مقابلہ میں آرام طلبی اور تساہل انگیزی کی زندگی کو پسند کیا (۵/۲۴)' اور اِس طرح' ہمارے تجویز کردہ راستے

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ
اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى
لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَ
عَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ
وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

کو چھوڑ کر، ایک الگ راہ اختیار کر لی۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے سماوی قانونِ مکافات کے مطابق تم میں کمزوری آتی چلی گئی اور تمہاری ٹانگیں بُری طرح لڑکھڑانے لگ گئیں۔ تم میں جرأت و ہمت باقی نہ رہی (۲۴ — ۵ — ۴۲)۔ [اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی سرزمین، جس کی ملکیت کا قبالہ تمہارے نام لکھا جا چکا تھا، (۳ — ۲۱) چالیس سال تک تمہارے قبضے میں نہ آسکی۔ (۵ — ۲۶)]۔

۶۰ تم اپنی تاریخ کے اُس واقعہ کو بھی یاد کرو جب تمھیں پانی کی دقت ہوئی، اور موسیٰؑ نے اِس کے لئے ہم سے درخواست کی تو ہم نے اُس کی راہ نمائی اُس مقام کی طرف کر دی جہاں پانی کے چشمے مستور تھے۔ وہ اپنی جماعت کو لے کر وہاں پہنچا، چٹان پر سے مٹی ہٹائی، تو اُس میں سے، ایک دو نہیں لکھٹے، بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اُس نے اُن چشموں کو نامزد کر دیا اور ہر قبیلہ کو بتا دیا کہ اُن کا چشمہ کونسا ہے۔ اِس طرح ہم نے تمھیں سامانِ معیشت کی فکر سے نجات دلا دی اور کہہ دیا کہ دیکھو! اب جبکہ تمہاری مَعاشی ضروریات پوری ہو رہی ہیں، تم نے معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کر کے اِس کا شیرازہ منتشر نہ کر دینا۔

۶۱ (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے — ۵ — ۵۶) تم نے، سپاہیانہ زندگی پر شہری زندگی کو ترجیح دی۔ اِس کے لئے موسیٰؑ سے کہا کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم (اِس صحرائی زندگی میں) صبح و شام ایک ہی قسم کا کھانا کھاتے رہیں۔ اِس لئے تم اپنے نشو و نما دینے والے سے ہمارے لئے زمینی پیداوار طلب کرو ——— سبزیاں ترکاریاں، گیہوں، لہسن (یا مختلف قسم کے اناج)، مسور، پیاز (وغیرہ) ——— حالانکہ صحرائی زندگی تمہاری عسکری تربیت گاہ تھی اور وہاں کی خوراک ایسی تھی جو تم میں زندگی کی حرارت

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ
خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

پیدا کر دیتی۔

موسیٰؑ نے کہا کہ (کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ) تم اُس بہترین زندگی کی بجائے جو تمہارے لئے تجویز کی جا رہی تھی، اس قسم کی ادنیٰ زندگی اختیار کرنا چاہتے ہو۔ اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو جاؤ شہر کی زندگی اختیار کر لو۔ وہاں تمھیں یہ سب کچھ مل جائے گا۔

اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن میں عسکریت اور کشور کشائی کی صلاحیتیں مفقود ہو گئیں اور محکومیت اور تساہل انگیزی کی خصلتیں پیدا ہو گئیں۔ اور اِس طرح اُن پر ذلت و خواری کا عذابِ خداوندی مستولی ہو گیا۔ یہ سب اِس لئے ہوا کہ اُنھوں نے قوانین خداوندی کے مُطابق زندگی بسر کرنے سے اِنکار کر دیا اور اپنے انبیاء کی عزت و توقیر کے بجائے، اُنہیں ناحق ذلیل کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ نیز بعض کی جان تک کے لاگو ہو گئے۔ یہ سب کچھ اُن کی سرکشی اور حدود فراموشی کا نتیجہ تھا۔

۶۲ یہ تو تمہاری روش رہی ہے، اور اس کے باوجود تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ تم خدا کی چہیتی اولاد ہو (۵/۱۸) اور جنت تمہاری نسل کے لئے مخصوص ہے (۲/۱۱۱) —— یہ تمہاری خام خیالی ہے —— جنت کسی نسل کے لئے مخصوص نہیں۔ ہمارا قانون یہ ہے کہ، یہودی ہوں یا نصرانی۔ صابی ہوں یا وہ لوگ جو بغیر رسمی گروہ میں داخل ہوئے ویسے ہی خدا کو مانتے ہیں —— یا خود مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والے —— غرضیکہ کوئی بھی ہو، جو بھی خدا کے اقتدارِ اعلیٰ، زندگی کے تسلسل، اور اُس کے قانونِ مکافات پر اُس طرح ایمان رکھے جس طرح اِس قرآن میں بتایا گیا ہے (۲/۶۲)، اور اِس کے دیئے ہوئے پروگرام کے مطابق صلاحیت بخش کام کرے، تو اُن کے نشوونما دینے والے کے قانون مکافات کے مُطابق، اُن کا اجر ملے گا، (جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ) نہ کسی قسم کا خوف اُن کے دامنگیر ہوگا، نہ حزن، وجہ افسردگی بنے گا۔

۶۳ (اِس ضمنی گوشہ کے بعد تم پھر اپنی تاریخ کی طرف پلٹو) اور اس حقیقت کو سامنے لاؤ کہ تمہاری طبیعی حفاظت کا سامان اِس طرح کر دیا گیا تھا کہ تمھارے سر پر پہاڑ کھڑا تھا اور تم اِس کے دامن میں تھے —— اور تمہاری انسانیت کی حفاظت کے لئے

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ
اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا
وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا
هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

تمہیں ضابطۂ قوانین دیا گیا تھا۔ اِس کے بعد ہم نے تم سے کہا تھا کہ تم نے اِس ضابطۂ ہدایت کو نہایت مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ یعنی جو کچھ اِس میں کہا گیا ہے اُسے ہر وقت اپنے پیشِ نظر رکھنا، تاکہ تم زندگی کے ہر خطرے سے محفوظ رہ سکو۔ تم نے اِسکا محکم عہد کیا تھا۔

۶۴ لیکن اِس محکم عہد و پیمان کے بعد، تم اِس سے پھر گئے۔ یہ تو ہمارا قانونِ مہلت تھا جس کی وجہ سے تم پر فوراً گرفت نہ کی گئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم سے زندگی کی وہ خوشگواریاں اور سامانِ نشو و نما کی فراوانیاں، جو تمہیں حاصل تھیں، فوراً چھن جاتیں اور تم بالکل تباہ و برباد ہو جاتے۔

۶۵ ضابطۂ خداوندی کو مضبوطی سے تھامنا تو بہت بڑی چیز تھی، تمہاری ناپختگیٔ سیرت اِس حد تک پہنچ چکی تھی کہ تم سے کہا گیا کہ ہفتے میں ایک دن اپنا کاروبار بند رکھو، اور مچھلیاں نہ پکڑو (۷/۱۶۳)۔ لیکن تمہاری حرص و ہوس اتنی سی پابندی کی متحمل بھی نہ ہو سکی (۴/۱۵۴ ؛ ۱۶/۱۲۴)۔ اور تم نے اُس نظم و ضبط کو توڑ ڈالا۔ (اِس سے ہمارا تو کچھ نہ بگڑا) تم خود ہی ذلت و مسکنت کے چلتے پھرتے پیکر بن گئے۔ سرکش قوتوں کی محکومی کے شکنجے میں جکڑے گئے (۵/۶۰ ؛ ۷/۱۶۷)۔ اور زندگی کی شادابیوں سے محروم رہ گئے (۲/۶۴)۔

۶۶ تمہاری یہ ذلت و خواری، ہر اُس قوم کے لئے جو تباہیوں سے بچنا چاہے، عبرت و موعظت کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے۔ اُن کے لئے بھی جو اُس وقت تمہارے ہم عصر تھے، اور اُن کیلئے بھی جو اُن کے بعد آئے، اور اُنھوں نے تاریخی نوشتوں سے تمہارے حالات کو پڑھا۔

۶۷ پھر، تمہاری خوئے بہانہ سازی کا یہ عالم ہو چکا تھا، کہ جب تمہیں خدا نے حکم دیا کہ ایک سانڈ ذبح کر ڈالو تاکہ تمہارے دل سے گوسالہ پرستی کا وہ جذبۂ عقیدت نکل جائے جو تم نے قبطیوں کی دیکھا دیکھی اپنے اندر پیدا کر لیا تھا (۲/۵۴ ؛ ۷/۱۵۲)، تو پہلے تو تم نے اِس حکم ہی کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا، حالانکہ تمہیں معلوم تھا

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ ۖ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا
مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ
النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ
لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۖ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ
فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

کہ تمہیں وہ حکم خداوندی' ایک پیغمبر کی وساطت سے ملا ہے' اور یہ بات ایک پیغمبر کے شایانِ شان نہیں ہوتی کہ وہ جہالت آمیز باتیں کرے۔

۶۸ جب تمہیں بتایا گیا کہ یہ خدا کا حکم ہے اور اس کی تعمیل ضروری' تو تم نے خواہ مخواہ موشگافیاں شروع کر دیں' اور کہنے لگے کہ خدا سے کہو کہ وہ ذرا واضح طور پر بتلائے کہ وہ سانڈ کس قسم کا ہونا چاہیئے۔

جب تم نے خود ان جزئیات کا تعین چاہا تو تم سے کہا گیا کہ وہ سانڈ نہ بوڑھا ہونا چاہیئے نہ بچہ' بلکہ اس کے بین بین ادھیڑ عمر کا ہونا چاہیئے۔ لہٰذا اب تم اس حکم کی تعمیل میں لیت ولعل مت کرو۔

۶۹ تم نے کہا کہ نہیں' بات اب بھی واضح نہیں ہوئی۔ اپنے رب سے پوچھ کر یہ بتاؤ کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ کہا گیا کہ گہرے زرد رنگ کا سانڈ' جو دیکھنے والوں کی نگاہوں میں اچھا لگے۔

۷۰ اس پر بھی تم آمادۂ عمل نہ ہوئے' اور مزید حجت بازی کے لئے کہا کہ بات اب بھی کچھ مشتبہ ہی سی رہی۔ ذرا اور وضاحت سے بیان کیجئے تاکہ ہم صحیح بات تک پہنچ جائیں اور جو کچھ خدا کا منشاء ہے ٹھیک اسی کے مطابق کریں۔

۷۱ کہا گیا کہ ایسا سانڈ جسے نہ ہل میں جوتا گیا ہو اور نہ کنویں پر چلایا گیا ہو' ہر طرح سے صحیح وسالم اور بے داغ ——— کہا کہ ہاں! اب تم نے ٹھیک ٹھیک پتہ بتایا۔

سو تم نے ایک معمولی سی بات میں بھی اس قدر موشگافیاں شروع کر دیں۔ یہ کچھ تم نے اس لئے نہیں کیا تھا کہ پہلے بات واضح نہ تھی۔ تمہیں شروع ہی سے معلوم تھا کہ ہم تمہارے ہاتھوں سے سانڈ (دیوتا) اس لئے ذبح کرانا چاہتے تھے کہ تم نے اسے

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۷۲ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ
الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۷۳

معبُود بنا رکھا تھا' اور ہم چاہتے تھے کہ تمہارے دِل سے یہ جذبۂ عقیدت نکل جائے۔ لیکن تمہارا جی نہیں چاہتا تھا کہ تم اُسے ذبح کرو۔ اُس کی محبت تمہارے دِل کی گہرائیوں تک اُتر چکی تھی (۲/۹۳)۔ لیکن تم اِس کا اظہار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے' اِس لئے تم نے حیلہ سازیاں کرنی شروع کر دیں' اور اِس قدر لمبی چوڑی باتوں کے بعد اِس حکم کی تعمیل کی۔

یاد رکھو! تعمیلِ احکام میں وہ باتیں کُرید کُرید کر نہیں پوچھنی چاہئیں جو خدا نے خود نہ کہی ہوں (۵/۱۰۱)

۷۲ ایک طرف تو تمہاری یہ حالت کہ ایک جانور کے ذبح کرنے میں اس قدر حیل و حجت' اور دوسری طرف یہ عالم کہ ایک انسانی جان ناحق لے لی۔ اُسے (خفیہ طور پر) مار دیا' اور جب تفتیش شروع ہوئی تو لگے ایک دوسرے کے سر الزام دھرنے۔ یعنی تم میں اِتنی اخلاقی جرأت بھی نہ تھی کہ جُرم ہو گیا ہے تو کھلے بندوں اُس کا اقرار کر لو۔ لیکن جس بات کو تم چھُپانا چاہتے تھے خدا اُسے ظاہر کر دینا چاہتا تھا' تاکہ جُرم بلاقصاص نہ رہ جائے۔

۷۳ مشرکانہ توہم پرستیوں سے' جن میں تم مبتلا ہو چکے تھے' انسان کی نفسیاتی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اُسے کسی ذرا سی خلافِ معمول بات کا سامنا کرنا پڑے تو اُس پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے (۲۲/۳۱)۔ چونکہ خدا تمہاری اِس نفسیاتی کیفیت سے واقف تھا' اِس لئے اُس نے قاتل کا سُراغ نکالنے کے لئے ایک نفسیاتی ترکیب بتائی' (جو انسان کی اُس زمانے کی ذہنی سطح کے اعتبار سے' بڑی خلافِ معمول تھی)۔ اُس نے کہا کہ تم میں سے ایک ایک جاؤ اور مقتول کے کسی حصّۂ جسم کو اُٹھا کر' لاش کے ساتھ لگا دو۔ (چنانچہ جو مجرم تھا جب وہ لاش کے قریب پہنچا تو خوف کی وجہ سے اُس سے ایسے آثار نمایاں ہو گئے جو اُس کے جُرم کی غمازی کرنے کے لئے کافی تھے)۔ اِس طرح اللہ نے اُس قتل کے راز کو بے نقاب کر دیا اور مجرم سے قصاص لے کر موت کو زندگی سے بدل دیا۔ کیونکہ قصاص میں قوم کی حیات کا راز پوشیدہ ہوتا ہے (۲/۱۷۹)۔

اللہ اِس طرح تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے تاکہ تم' عقل و شعور سے کام لے کر' ایسے معاملات کو سُلجھا لیا کرو' اور اِس حقیقت کو سمجھ لو کہ نفسیاتی تعقید سے

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ
اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾
اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

(افراد سے آگے بڑھ کر) کس طرح خود قوموں کی حالت بدل جاتی ہے (۱۳/۱۱)۔

۷۴ غرضیکہ تمہارے ساتھ یہ کچھ ہوتا رہا۔ تم بگڑتے اور بنتے رہے۔ آخر الامر تم نے ضابطۂ خداوندی سے یکسر منہ موڑ لیا۔ اِس سے تمہارے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے، بلکہ اُس سے بھی زیادہ سخت۔ اِس لئے کہ، بعض پتھر بھی ایسے ہوتے ہیں کہ اُن سے ندیاں پھوٹ نکلتی ہیں، اور بعض ایسے کہ وہ پھٹ جاتے ہیں تو اُن کے اندر سے (ندیاں نہ سہی) پانی کے چشمے ضرور بہ نکلتے ہیں۔ اور ایسے پتھر بھی ہوتے ہیں کہ وہ قانون خداوندی کے سامنے سختی کو چھوڑ کر اپنے مقام سے نیچے اُتر آتے ہیں یعنی نرم پڑ جاتے ہیں — ایسے نرم کہ انہیں آسانی سے پسپا جا سکتا ہے اور بعض کو پگھلایا بھی۔ لیکن تمہارے دل ہیں کہ نہ وہ انسانیت کی غمخواری میں نرم ہوتے ہیں اور نہ قانونِ خداوندی کے سامنے جھکتے ہیں!

لیکن اِس سے خود تمہارا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ تمہاری کوئی حرکت ہمارے قانونِ مکافات کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔ اِن میں سے ایک ایک کا نتیجہ مرتب ہو کر رہیگا۔

(اے جماعتِ مومنین دیکھنا! تم نے بھی کہیں اِن جیسا نہ ہو جانا۔ (۵۹/۱۹)۔

۷۵ اے قرآنی انقلاب کی طرف دعوت دینے والی جماعت! ہم جانتے ہیں کہ تم دل سے چاہتے ہو کہ یہود بھی اِس انقلاب میں تمہارا ساتھ دیں، اور اِس طرح، وہ خود بھی اِس ذلت و خواری کی زندگی سے نجات حاصل کر لیں اور انسانیت بھی اِن کی دسیسہ کاریوں سے خلاصی پائے۔ لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ اِس قسم کی قوم، جس کی قلبی کیفیت وہ ہو چکی ہو جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، کبھی تمہارا ساتھ دے سکتی ہے؟ بالخصوص، جب اِن کی حالت یہ ہے کہ وہ یہ کچھ لاعلمی سے نہیں کرتے۔ اِن میں (مذہبی پیشواؤں کا) گروہ موجود ہے جو قوانین خداوندی کو سنتے ہیں، سمجھتے ہیں، اور پھر جان بوجھ کر اُس میں تغیّر و تبدل کر دیتے ہیں اور اُس کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جن سے بات کچھ سے کچھ بن جاتی ہے — باقی لوگ اِنہی کا اتباع کرتے رہتے ہیں۔

جو لوگ دیدہ دانستہ یہ کچھ کریں اُن سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ حق کو

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝
وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ
بِاَيْدِيْهِمْ ۤ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ
لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝

قبول کرلیں گے ؟

۷۶ تم انہیں ایماندار سمجھتے ہو' حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ جب تمھارے پاس آتے ہیں تو اپنے آپ کو ایماندار ظاہر کرتے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ' اس جماعت سے خلا ملا رکھنا تو اچھا ہے' لیکن ہمیں اس کی احتیاط برتنی چاہیئے کہ ان سے اپنی کتابوں کی وہ باتیں نہ کہہ دی جائیں جنہیں یہ ہمارے خلاف بطور دلیلِ خداوندی لاکر' ہمارا منہ بند کردیں۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

۷۷ لیکن یہ اتنا نہیں سوچتے کہ جس خدا کی طرف سے انہیں وہ باتیں ملی تھیں' یہ' اُسی خدا سے ان باتوں کو چھپانا چاہتے ہیں! ان سے پوچھئے کہ کیا خدا سے یہ باتیں چھپی رہ سکتی ہیں؟ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ لوگ ظاہر کیا کرتے ہیں اور چھپا کر کیا رکھتے ہیں۔

۷۸ یہ لوگ دوسروں کے ساتھ ہی اس قسم کی فریب کاری نہیں کرتے' خود اپنوں کے ساتھ بھی یہی کچھ کرتے رہتے ہیں۔ (مثلاً) ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو پڑھے لکھے نہیں۔ وہ' خوش عقیدگی کی پیدا کردہ جھوٹی آرزوؤں کو پلّے باندھے رکھتے ہیں' اور توہم پرستیوں اور قیاس آرائیوں میں مست رہتے ہیں۔ اور شریعت کے متعلق جو کچھ انھوں نے پوچھنا ہو' اُس کے لئے اپنے احبار و رہبان (علماء و مشائخ) کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۷۹ ان کے علماء کرتے یہ ہیں کہ شریعت کے احکام خود اپنے ذہن سے' اپنی مرضی کے مطابق' وضع کرلیتے ہیں' اور ان اَن پڑھ لوگوں سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب ارشاداتِ خداوندی ہیں۔ اور اس طرح اُن سے ناجائز فائدہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ اُن کی یہ خود ساختہ شریعت' اور اُس کے ذریعے کمائی ہوئی دولت' سراسر تباہی اور بربادی کا موجب ہے۔

ان کی یہ خوئے فریب دہی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ' اور تو اور' یہ خود اپنے آپ

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ
تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰي مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗـــَٔتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا ع
مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

---

۸۰ کو بھی دھوکا دینے سے نہیں چوکتے۔ چنانچہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم جو جی میں آئے کریں، ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ ہم، زیادہ سے زیادہ، چند دنوں تک جہنم میں رہیں گے (یعنی صرف اتنے وقت کے لئے جب تک ہمارے شفاعت کرنیوالے ہمیں خدا سے بخشوا نہیں لیں گے)۔ ان سے پوچھو کہ کیا تم نے اس کے متعلق خدا سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس لئے کہ خدا اپنے عہد سے پھرا نہیں کرتا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ تم خدا کے متعلق اس قسم کی باتیں کرتے ہو جن کے لئے تمہارے پاس کوئی علم و دلیل نہیں۔

۸۱ (تم سے کس نے کہہ دیا کہ خدا کے ہاں سفارشیں چلتی ہیں؟ وہاں کسی کی سفارش نہیں چل سکتی، نہ ہی اس کی کوئی چہیتی قوم ہے)۔ اس کا غیر متبدل قانون یہ ہے کہ جس قوم نے بھی قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کی، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارا معاشرہ خطاکاریوں سے بھر گیا اور ہر سمت فساد ہی فساد رونما ہو گیا، تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی کھیتیاں جھلس کر رہ جائیں گی، اور وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

۸۲ اِن کے برعکس، جو قوم خدا کے قانون پر یقین رکھتے ہوئے صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہو گی، تو اِن لوگوں کو جنتی زندگی نصیب ہو گی۔ اور اِن کی کھیتیاں ہمیشہ لہلہاتی رہیں گی۔

۸۳ (تمہارا خدا سے یہ عہد نہیں تھا کہ تم جو کچھ بھی کرتے رہو گے، تم سے اسکی بازپرس نہیں ہو گی)۔ تمہارا عہد یہ تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کے قوانین و احکام کی اطاعت نہیں کرو گے۔ (ضعیف) ماں باپ سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ گے۔ نیز اپنے رشتہ داروں سے، اور اُن لوگوں سے جن کا چلتا ہوا کاروبار رُک جائے اور اُنکی زندگی کی گاڑی کھڑی ہو جائے۔ اِن سب سے ایسا برتاؤ کرو گے کہ اُن کی کمیاں پوری ہو جائیں

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾
ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ
بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ
الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور اِس طرح معاشرہ کا توازن بگڑنے نہ پائے۔

تم نے یہ عہد بھی کیا تھا کہ تم لوگوں سے ہمیشہ خوش معاملگی سے پیش آؤ گے' اور اُنھیں اچھی باتوں کی تلقین کرو گے۔ نیز یہ کہ تم ایسا نظام قائم کرو گے جس میں تمام افراد قوانینِ خداوندی کا پورا پورا اتباع کریں۔ اور اُن کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچتا رہے ـــــ لیکن تم نے اِس عہد کے بعد' گریز کی راہیں نکالنی شروع کر دیں اور' معدودے چند کے سوا' سب کے سب' سیدھا راستہ چھوڑ کر دوسری طرف چل نکلے ـــــ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں تھی۔ تمہاری نفسیاتی کیفیت ہی ایسی ہو چکی تھی کہ تم قانونِ خداوندی کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چل نکلتے!

۸۴ تم نے یہ عہد بھی کیا تھا کہ تم باہمی خونریزی نہیں کرو گے' اور اپنے میں سے کمزوروں اور غریبوں کو اُن کے گھروں سے نکال باہر نہیں کر دو گے۔ تم نے اِس کا اقرار کیا تھا' اور سب کچھ دیکھتے بھالتے' سوچتے سمجھتے اقرار کیا تھا ـــــ تم اب بھی اسے تسلیم کرتے ہو ـــــ

۸۵ لیکن تم ہو کہ ایسے محکم قول و اقرار کے بعد' باہمی خونریزیاں کرتے ہو اور' اپنے غریب بھائیوں کو اُن کے گھروں سے نکال باہر کرتے ہو۔ اور بجائے اِس کے کہ تمہاری سوسائٹی' اِن مجرمین کے خلاف' کوئی کارروائی کرے' تم اُلٹے اِن غریبوں کے خلاف ظلم و استبداد میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو ـــــ کہیں کمزوروں کو کمزور تر بنانے سے اور کہیں اِن سرکشوں کی حوصلہ افزائی کرنے سے ـــــ اور ستم ظریفی یہ کہ جب اِن گھروں سے نکالے ہوئے غریبوں کو دوسرے لوگ پکڑ کر لے جاتے ہیں' تو تم بڑے خداترس بنتے ہوئے آگے بڑھتے ہو' اور اُن کا زرِ فدیہ ادا کر کے اُنھیں چھڑا لیتے ہو' اور اِس سے سمجھتے یہ ہو کہ تم نے بڑا نیکی کا کام کیا! حالانکہ خود اِن لوگوں کو اُنکے گھروں سے نکالنا وہ سنگین جرم تھا جس سے تمہیں منع کیا گیا تھا۔ سو تمہاری حالت یہ ہے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا
مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِن بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ
رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾

کہ تم ضابطۂ خداوندی کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے دوسرے حصے سے انکار کرتے ہو۔ (حالانکہ جس طرح انسانی زندگی کے حصے بخرے نہیں کئے جا سکتے' اُسی طرح اس ضابطۂ خداوندی کو بھی ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جا سکتا۔ اسے مانا جائیگا' تو سب کا سب مانا جائے گا۔ اور انکار کیا جائے گا تو پورے کے پورے سے انکار کیا جائے گا۔ جس طرح جسم کے دو ٹکڑے کر دینے سے کوئی ٹکڑا بھی زندہ نہیں رہ سکتا' اُسی طرح' جو قوم ضابطۂ خداوندی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے' اور جو حصہ مفید مطلب ہو اُس پر عمل کرتی ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیتی ہے' تو) اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا کہ ایسی قوم کے حال کی زندگی بھی ذلت اور رسوائی کی زندگی ہو اور مستقبل کی زندگی بھی اندوہناک تباہیوں سے لبریز۔ دُنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی رُسوائی۔

ضابطۂ خداوندی سے اِس قسم کا برتاؤ کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ یاد رکھو! خدا کے قانونِ مکافات کی نگاہوں سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

۸۶ یہ لوگ محض ذاتی مفاد کی خاطر' ضابطۂ خداوندی کے ساتھ اِس قسم کا سلوک کرتے ہیں' اور طبیعی زندگی کی آسائشوں کے لئے مستقبل کی سرفرازیوں کو بیچ ڈالتے ہیں (لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے' اِن کی یہ زندگی بھی تباہ ہو جاتی ہے' اور آخرت کی زندگی بھی خراب۔) اور یہ تباہی بڑھتی چلی جاتی ہے' اور کوئی ایسا نہیں ہوتا جو اِس حال سے نکلنے میں اِن کی مدد کر سکے۔

۸۷ تمہاری طرف قوانین خداوندی بھیجنے کا سلسلہ موسیٰ تک ہی نہیں رہا' بلکہ اُسکے بعد بھی' تمہارے پاس' مختلف رسول' یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ آخر میں عیسیٰ ابن مریم آیا۔ اُسے بھی ہم نے واضح دلائل و براہین دیئے تھے۔ یعنی ہم نے اُسے اُس وحی کی رُو سے تائید و تقویت عطا کی تھی جو ہماری طرف سے بلا آمیزش اُس تک پہنچی تھی — اور تمہارے پاس انبیائے سابقہ کی جو وحی رہ گئی تھی اُس میں تم نے اپنی طرف سے ہزار ملاوٹیں کر رکھی تھیں۔

لیکن تمہاری روش ہمیشہ یہ رہی کہ جب کبھی کسی رسول نے ایسی بات کہی جو تمہارے

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸ وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَي الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝۸۹

مفاد و رجحان کے خلاف جاتی تھی' اور اس لئے تمہارا دل اُسے پسند نہیں کرتا تھا' تو تم وہیں اکڑ گئے۔ پھر ان رسولوں میں سے بعض کی تم نے تکذیب کی اور بعض کے قتل تک کے درپے ہو گئے۔

یہی کچھ اب تم اِس کتاب کے متعلق کر رہے ہو' تاکہ اِس میں تمہاری منشاء کے مطابق تبدیلی کر دی جائے۔ (۱۵/۱۰ ؛ ۱۱/۱۱۳ ؛ ۴۷/۲۵ ؛ ۶۸/۹)۔

۸۸ قرآنی تعلیم سے ان کی بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ اِس پر غور کرنا تو ایک طرف یہ اِسے سننا تک بھی نہیں چاہتے۔ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر اِس کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ (اِن سے کہو کہ یہ کوئی خوبی اور فخر کی بات نہیں کہ تمہارے دِل اِس کا اثر قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ دِل کا فِطری فریضہ تو ہر بات پر غور و فکر کر کے سچی بات کو قبول کرنا ہے۔ جو دل ایسا نہیں کرتے' سمجھ لو کہ) وہ اپنی اِس فِطری استعداد اور صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں ——— اور دلوں کی یہ حالت اِس طرح ہو جایا کرتی ہے کہ جو بات سامنے آئے' اُس پر غور و فِکر کرنے کے بجائے' پہلے ہی یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ ہم نے اسے ماننا ہی نہیں۔ (۲/۴)۔

اِس قسم کی ذہنیت والوں میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں کہ صحیح بات کو سمجھ سوچ کر اُسے تسلیم کر لیں۔

۸۹ اِن کی یہ حالت اُس وقت ہو رہی ہے جب اِن کے پاس اللہ کی طرف سے وُہ ضابطۂ قوانین آچکا ہے جو اُن اخلاقی اقدار اور دعاوی کو سچ کر کے دکھانے والا ہے جو تعلیم خداوندی میں سے اِن کے ہاں موجود ہیں' اور جس کے لئے یہ خدا سے دعائیں مانگا کرتے تھے کہ وہ آئے تو یہ کفّار پر غلبہ پا سکیں۔ یہ خوب پہچانتے ہیں کہ یہ ضابطۂ قوانین خدا ہی کی طرف سے نازل ہوا ہے' لیکن' اِس کے باوجود' یہ اِس سے انکار کر رہے ہیں۔ لیکن اِس انکار سے انہوں نے اِس ضابطۂ خداوندی کا کیا بگاڑا؟ اِس سے ہوا یہ کہ یہ خود اُس کی برکات سے محروم رہ گئے۔

تمہیں معلوم ہے کہ اِن کے اِنکار کی اصلی وجہ کیا ہے؟ صرف یہ حسد کہ یہ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۭ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

---

۹۰ رسول غیر اسرائیلی کیوں ہے! (انہوں نے از خود یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ دنیا بھر کی برکات وسعادات بنی اسرائیل کے لئے مخصوص ہو چکی ہیں، حتیٰ کہ نبوت بھی انہی کی قومیت کے دائرے میں محدود ہے)۔ حالانکہ نبوت ایک ایسی موہبت ہے جو خدا کے قانون مشیت کے مطابق جسے دی جاتی ہے جسے اُس کا اہل سمجھا جائے۔ (اس میں، قوم اور وطن اور زبان اور رنگ کی کوئی خصوصیت نہیں)۔

بہرحال، ان کی اس ضد سے اس کے سوا اور کیا ہوا کہ یہ زندگی کی تمام خوشگواریوں سے محروم رہ گئے۔ ان کی امیدوں کی کھیتی جل کر راکھ ہو گئی اور ان کا انکار اور سرکشی ان کے لئے ایسی ذلت آمیز تباہی کا موجب بن گئی جس نے ان کی ساری اجتماعی قوت کو توڑ کر رکھ دیا۔ کتنا بُرا ہے یہ سودا جو انہوں نے اپنی زندگی کے عوض کیا ہے!!

اور یہ انجام ہر اُس قوم کا ہوتا ہے جو قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کرے۔

۹۱ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ 'آؤ! اس ضابطۂ خداوندی کی صداقت پر ایمان لاؤ' تو اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو صرف اُسی پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوا تھا۔ اُس کے سوا ہم کسی اور تعلیم پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ یہ قرآن (اُن کی طرف بھیجی ہوئی سچی تعلیم کے خلاف نہیں، بلکہ) اُن اقدار اور دعاوی کو سچ کر کے دکھانے والا ہے جو تعلیم خداوندی میں سے اُن کے پاس موجود ہیں۔

ان سے کہو کہ (اگر تمہارا اعتراض یہی ہے کہ ہم اس قرآن کو اس لئے نہیں مانتے کہ یہ ایک غیر اسرائیلی کی طرف نازل ہوا ہے تو) بتاؤ کہ، اس سے قبل، جو اسرائیلی انبیاء تمہاری طرف آتے رہے تھے، تم اُن کی تذلیل و تحقیر پر کیوں اُتر آیا کرتے تھے اور اُن کی جان تک کے دشمن کیوں بن جایا کرتے تھے؟ تمہارا یہ دعوےٰ کہ تم اسرائیلی انبیاء پر ایمان لایا کرتے تھے، خود تمہاری اپنی تاریخ کی رُو سے جھوٹا ثابت ہو رہا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ
وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۪ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ
بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ
اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

---

۹۲ دیگر انبیائے بنی اسرائیل کو تو چھوڑو، تم نے خود موسیٰؑ کے ساتھ کیا کیا؟ وہ تمہارے پاس ایک واضح ضابطۂ قوانین لایا تھا (جس کی بنیادی تعلیم توحید تھی)، لیکن تم نے اُسے چھوڑ کر، گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ کہو! یہ ایمان تھا یا کفر؟ یہ اطاعت تھی یا سرکشی؟

۹۳ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے (۲/۶۳) جب ہم نے تم سے، دامنِ کوہ میں، اِس بات کا پختہ عہد لیا تھا کہ تم اُس ضابطۂ خداوندی کو پوری قوت سے تھامے رہو گے، تو تم سے کہہ دیا گیا تھا کہ تم اِس بات کو دِل کے کانوں سے سُن لو! اور اچھی طرح سمجھ لو۔ تم نے جواب دیا تھا کہ ہم نے اِسے اچھی طرح سُن اور سمجھ لیا ہے۔ لیکن اُس کے بعد کیا ہوا؟ ہوا یہ کہ تم نے اُن قوانین کی اطاعت کے بجائے اُن سے سرکشی اختیار کر لی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ (توحید کا اثر تمہارے دلوں سے زائل ہو گیا اور) گوسالہ کی محبت اُن کی گہرائیوں میں اُتر گئی۔

اِن سے کہو کہ یہ ہے تمہارا سابقہ ریکارڈ! لہٰذا، تمہارا یہ کہنا کہ ہم اِس لئے قرآن پر ایمان نہیں لاتے کہ ہم اُس ضابطۂ خداوندی پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوا تھا، خود فریبی اور فریب دہی سے زیادہ کچھ نہیں۔ اگر تمہارا ایمان تمہیں یہی کچھ سکھاتا ہے، اور اِس قسم کی زندگی بسر کرنے کا حکم دیتا ہے تو ہزار افسوس ہے ایسے ایمان پر!

۹۴ اِن سے کہو کہ تمہارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ تم خدا کی چہیتی اولاد ہو (۵/۱۸)۔ اور آخرت کا گھر، یعنی جنت، تمہارے لئے مخصوص ہے (۲/۹۴)، اور غیر اسرائیلیوں کا اس میں کوئی حصّہ نہیں (۲/۱۱۱)۔ اگر تم اپنے اِس دعوے میں سچّے ہو تو تمہیں موت سے کبھی نہیں ڈرنا چاہیئے، بلکہ اُس کی تمنا کرنی چاہیئے۔ (تمہیں نکھر کر میدانِ جنگ میں سامنے آنا چاہیئے۔ چھُپ چھُپ کر سازشیں نہیں کرنی چاہئیں۔ موت تو حُسنِ عمل کا پہلا امتحان ہے، (۶۲/۶ : ۶۷/۲)

۹۵ لیکن تم دیکھو گے کہ یہ لوگ مرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے، اِس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ انہوں نے اپنی مستقبل کی زندگی کیلئے کیا کمائی کر کے آگے بھیجی ہوئی ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَوٰةٍ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ۖ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ
مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ
بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ
وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ﴿٩٨﴾

اللہ اِس قسم کے فریب کار سرکشوں کی ابلہ فریبیوں سے خوب واقف ہے۔

۹۶ مرنے کی تمنا تو ایک طرف! تم دیکھو گے کہ یہ لوگ، زندہ رہنے کے لئے، مشرکین عرب سے بھی زیادہ حریص ہیں۔ اِن میں سے ایک ایک کی تمنا یہ ہے کہ اُسے ہزار سال کی عمر مل جائے۔ لیکن، یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ اس درازیٔ عمر سے کیا ہوگا؟ کیا اِس سے یہ اپنے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے بچ جائیں گے؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ خدا کا قانونِ مکافات اِن کے ایک ایک کام پر نگاہ رکھتا ہے۔ اِس لئے اِن کے ہر عمل کا نتیجہ اِن کے سامنے آکر رہے گا۔

۹۷ یہ لوگ جبریل سے ناراض ہو رہے ہیں کہ اُس نے ایک غیر اسرائیلی کو وحی کیوں دیدی (؟)۔ اِن سے کہو کہ اِس میں جبریل سے ناراض ہونے کی کونسی بات ہے؟ اِس لئے کہ وہ از خود کسی کی طرف وحی نہیں لے جاتا۔ اُس نے اِس قرآن کو قلب محمدؐ پر خدا کے حکم کے مطابق نازل کیا ہے۔ اور جو کچھ نازل کیا ہے اُس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اُن دعاوی کو سچ کر کے دکھانے والا ہے جو خود تمہارے ہاں موجود ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ 'یہ وحی' ہدایت وسعادت کو بنی اسماعیل میں محدود نہیں کرتی (کہ تمہیں شکایت ہو کہ تم اِس سے محروم کر دیئے گئے ہو)۔ یہ تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر کھلی ہے، اور اُن لوگوں کو، جو اِس کی صداقتوں پر ایمان لائیں، زندگی کی صحیح منزل کی طرف راہ نمائی کرتی ہے اور حال و مستقبل کی خوشگواریوں کی خوشخبری دیتی ہے (خواہ وہ کسی نسل سے کیوں نہ ہوں)۔

۹۸ (اِن سے کہو کہ) تمہارے اِس اعتراض کی نشتر، صرف جبریل تک ہی نہیں پہنچتی۔ یہ تو خود خدا پر اعتراض ہے۔ اور اُس کے تمام نظامِ وحی پر، اور ان وسائط پر جو، اُس کے حکم سے، تدبیرِ امور کرتے ہیں —— یعنی جبریل و میکائیل سمیت تمام ملائکہ پر اعتراض —— اِس قسم کا اعتراض، درحقیقت، خدا اور اس کے نظام سے کھلا ہوا انکار ہے۔ سوچو، کہ جو لوگ اِس قسم کی روش اختیار کئے ہوں، خدا اُن کا دوست کیسے ہو سکتا ہے!

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۘ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ
سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا
يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ
لَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۭ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

---

۹۹ (ان سے کہدو کہ تمہاری تمام مخالفت' اور حسد و عناد کے علی الرغم) خدا نے یہ واضح تعلیم تیری طرف نازل کی ہے۔ اس سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو زندگی کے صحیح راستے کو چھوڑ کر' غلط راہوں پر چل نکلے ہوں۔

۱۰۰ (یہ تو ہے ان کی اعتقادی زندگی کا عالم۔ باقی رہی ان کی عملی زندگی' سو اُس کی کیفیت یہ ہے کہ) جب یہ کسی سے عہد و پیمان کرتے ہیں تو (اگرچہ وہ عہد و پیمان پوری کی پوری قوم کی طرف سے ہوتا ہے لیکن) ان میں سے ایک جماعت اُس معاہدہ کو' ردی کاغذ کا ٹکڑہ سمجھ کر پھینک دیتی ہے' اور اُس کا کوئی احترام نہیں کرتی —— یہ اس لئے کہ یہ لوگ کسی مستقل قدر اور غیر متبدل اصول پر ایمان ہی نہیں رکھتے' (مصلحت کوشی ان کا شیوہ' اور مفاد پرستی ان کا شعار ہے۔ وہ کسی طریق سے بھی حاصل ہو!)

۱۰۰ (اے رسول! یہ جو اس طرح تمہاری مخالفت کر رہے ہیں' تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ ہمیشہ یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ مثلاً' تم سے پہلے) جب ان کی طرف ایک رسول (عیسٰیؑ) آیا —— وہ رسول جو (تمہاری طرح) اُن اقرار و دعاوی کو سچ کر کے دکھانے والا تھا جو تعلیم خداوندی میں سے ان کے پاس موجود تھے۔ (اور وہ بنی اسرائیل میں سے تھا' اور انکی کتابوں میں اُس کا صریح ذکر بھی موجود تھا) لیکن' اس کے باوجود' ان لوگوں کے ایک گروہ نے جو کتاب الٰہی اپنے پاس رکھتے تھے' اُس کتاب کو یوں پس پشت ڈال دیا' گویا وہ اُسے جانتے تک نہ تھے (اور اُس رسول کے قتل تک کے درپے ہو گئے)۔

۱۰۰ (ان لوگوں کا شیوہ ہی یہ رہا ہے کہ یہ خدا کی سچی تعلیم کو ٹھکراتے رہے) اور

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اپنے خود ساختہ افسانوں کے پیچھے لگے رہے۔ اُن افسانوں میں ایک یہ بھی تھا کہ (انہوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ خدا کا برگزیدہ پیغمبر) سلیمانؑ حقائقِ خداوندی کو چھوڑ کر سحر آفرینیوں اور شعبدہ بازیوں کو ماننے لگ گیا تھا۔

سلیمانؑ خدا کا پیامبر، اور اِس قسم کی کافرانہ روش کا حامل! یہ یکسر افترا پردازی تھی، جو اُس کی نبوت کے خلاف اِن شیاطین نے تراش رکھی تھی۔ اِس باطل روش کا اتباع سلیمانؑ نے نہیں کیا تھا، خود اِن کے فتنہ پرداز سرغنوں نے کیا تھا۔ وہ لوگوں کو جادو ٹونے سکھاتے تھے (اور اُسے منسوب کرتے تھے سلیمانؑ کی طرف)۔

پھر ایک افسانہ یہ بھی تھا (جو انہوں نے مشہور کر رکھا تھا) کہ بابل میں دو فرشتے تھے ـــ ہاروت و ماروت ـــ اُن پر خدا نے اِس علم (جادو) کو نازل کیا تھا۔ لوگ اُن کے پاس جا کر اِس قسم کے تعویذ، گنڈے سیکھتے جن سے میاں بیوی میں افتراق پیدا ہو جائے۔ لیکن وہ (فرشتے) یہ کچھ سکھانے سے پہلے لوگوں سے (صاف صاف) کہہ دیتے کہ بھائی! ہم تو ایک فتنہ ہیں۔ تم یہ کچھ سیکھ کر کیوں کافر بنتے ہو۔ (لیکن اِس کے باوجود، لوگ اُن سے یہ باتیں سیکھتے ـــ اِن باتوں میں لذت ہی ایسی ہوتی ہے)۔

لیکن یہ سب افسانہ ہی افسانہ ہے۔ نہ بابل میں اِس قسم کے کوئی فرشتے تھے۔ اور نہ ہی خدا نے اُنھیں کوئی باطنی علم سکھایا تھا۔ یہ سب ان لوگوں کی خود ساختہ کہانیاں ہیں۔

باقی رہے یہ گنڈے، تعویذ۔ سو یہ، اِن کے ذریعے کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ نفع و نقصان، سب قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔ تعویذ، گنڈے سیکھنے (اور کرنے) والوں کو، اِس سے کچھ دنیاوی مفاد ضرور حاصل ہو جاتے ہیں، لیکن (ذرا بہ نظرِ تعمق دیکھا جائے تو یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ) اِس میں اِن کا نقصان ہی ہے، نفع نہیں۔ اِس لئے کہ اِس سے اِنہیں دنیاوی مفاد حاصل ہو جاتے ہیں، لیکن مستقبل کی خوشگواریوں میں اِن کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔ (اور یہ حقیقت ہے کہ مستقبل کی خوشگواریوں کے مقابلہ میں، عاجلہ مفاد کچھ وزن نہیں رکھتے) ـــ جو شخص جان دے کر، جسم کی لذتیں خریدتا ہے، اُس کی تجارت، نفع کا سودا کس طرح قرار پا سکتی ہے؟ اے کاش! یہ اِس قدر کھلی ہوئی بات کو سمجھ سکتے۔

۱۰۳ اگر یہ لوگ، اِن افسانوں کے پیچھے لگنے کے بجائے، قرآنی حقائق پر ایمان لے آتے اور قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرتے، تو خدا کے ہاں سے اِنہیں اِس کا بہت اچھا بدلہ (نتیجہ) ملتا ـــ کاش، یہ عقل و فکر سے کام لیتے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۴ اے جماعتِ مومنین! اِس مقام پر ایک اہم حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ یہودیوں کی ذہنیت یہ تھی کہ وہ موسیٰؑ سے بار بار اِس قسم کے مطالبے کرتے تھے کہ ہمارے لئے یہ مہیا کر دو تو ہم تمہاری بات مانیں گے۔ یہ رَوِش زندگی غلط ہے۔ تم نے یہ نہ کرنا کہ اپنے نظام سے اِس قسم کی سودے بازی شروع کر دو۔ تمہارا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیئے کہ تم اپنے رسول (نظامِ خداوندی کے مرکز) سے یہ کہو کہ آپ ہم پر نگاہ رکھیں کہ ہم بے راہ نہ ہونے پائیں، اور ہم آپ کی اطاعت کرتے جائیں گے۔
نیز باہمی گفتگو میں، ذو معنی الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ نہ ہی بات کو توڑ مروڑ کر کرنا چاہیئے۔ یہودیوں کی یہ بھی عادت ہے (پہم)۔
یاد رکھو! یہ باتیں یوں تو بڑی عام سی دکھائی دیتی ہیں، لیکن اِن کے اثرات بڑے دُور رس ہوتے ہیں۔ جو لوگ اِن حقیقتوں سے اِنکار کرتے ہیں وہ الم انگیز عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۱۰۵ اِن اہلِ کتاب، اور مشرکینِ عرب میں سے جو لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے، وہ اِسے دیکھ ہی نہیں سکتے کہ تمہاری طرف خدا کی وحی آئے (۳/۲۱ ؛ ۱۲/۳۰) - اور اُس کی بنا پر تمہیں زندگی کی خوشگواریاں حاصل ہوں۔ لیکن اِس میں اِن کے چاہنے یا نہ چاہنے کا کیا سوال ہے؟ یہ سب کچھ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے، وہ جس فرد کو چاہتا ہے وحی کے لئے چُن لیتا ہے، اور پھر جو چاہے اُس وحی کی خیر و برکت سے مستفید ہو سکتا ہے۔ اُس کی نعمتوں کا دسترخوان ہر شخص کیلئے کھُلا ہے۔ جو ہاتھ بڑھا کر اُٹھانا چاہے، اُٹھا لے۔

۱۰۶ اِن (اہلِ کتاب) کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ جب خدا کی کتابیں پہلے سے موجود تھیں، تو پھر ایک نئی کتاب (قرآن) کی ضرورت کیوں پڑ گئی۔ نیز یہ بھی کہ اگر یہ کتاب خدا ہی کی طرف سے ہے تو اِس میں ایسے احکام کیوں ہیں جو خدا کی پہلی وحی (تورات) کے خلاف ہیں۔
اِن سے کہدو کہ ہماری طرف سے وحی کا انداز یہ ہے کہ کسی سابقہ رسول کی وحی کے ایسے احکام جو وقتی طور پر نافذ العمل رہنے کے لئے دیئے گئے تھے، اُنھیں، بعد میں آنے والے

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۰۷ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝۱۰۸

رسول کی وحی کے احکام سے بدل دیا جاتا ہے' اور یہ نئے احکام' پہلے احکام سے بہتر ہوتے ہیں۔ جن سابقہ احکام کے متعلق اُس کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اُنہیں علیٰ حالہٖ رہنے دیا جائے' یا جنہیں سابقہ رسولوں کی قومیں ترک یا فراموش کر دیتی ہیں' یا اُن میں اپنی طرف سے آمیزش کر دیتی ہیں (۲/۲۲)۔ اُن کی جگہ' اُنہی جیسے احکام' جدید وحی میں دیدیئے جاتے ہیں (۱۶/۱۰۱)۔ اور یہ سب کچھ ہمارے مقرر کردہ اندازوں کے مطابق ہوتا ہے جن پر ہمارا پورا پورا کنٹرول ہے۔

انہی اندازوں کے مطابق اب یہ آخری ضابطۂ حیات دیا گیا ہے' جس میں تمام سابقہ سچائیاں آگئی ہیں (۵/۴۸)۔ جو ہر طرح سے مکمل ہے (۶/۱۱۶)' اور جو ہمیشہ محفوظ رہے گا (۱۵/۹)۔ اس لئے یہ ضابطہ' اب تمام سابقہ ضوابط کی جگہ لے لیگا' اور ہمیشہ نافذ العمل رہے گا۔

۱۰۷ اِن سے کہو کہ اِس بارے میں کوئی شخص خدا پر اعتراض نہیں کر سکتا کہ اُس نے وحی کا انتظام ایسا کیوں رکھا ہے؟ کیا اِنہیں اِس کا علم نہیں کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں سب اقتدار اُسی کا ہے' اِس لئے وہی جانتا ہے کہ کونسا قانون کب نافذ کرنا چاہیئے۔ (اِن سے کہہ دو کہ) اِسکے باوجود اگر تم اِس ضابطۂ قوانین کی اطاعت سے اِنکار کرتے رہو گے تو تم خود دیکھ لو گے کہ کوئی دوسرا ضابطہ' زندگی کی مشکلات دور کرنے میں' تمہارا کارساز اور مددگار نہیں ہو سکے گا۔

۱۰۸ اِس سلسلہ میں (اے جماعتِ مومنین!) تم بھی ایک بنیادی حقیقت کو سمجھ لو۔ اور وہ یہ کہ جس قدر احکام و قوانین کا دیا جانا خدا کو مقصود ہے' وہ سب' از خود' قرآن میں دیدیئے جائیں گے' اور جن امور کے متعلق کچھ نہیں کہا جائے گا' اُن کے متعلق سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسا دانستہ کیا گیا ہے' خدا سے بھول نہیں ہو گئی۔ لہٰذا اِن امور کے متعلق' تم نے اپنے رسول سے اُس قسم کے سوالات نہ شروع کر دینا جس قسم کے سوالات' اِس سے پہلے بنی اِسرائیل' اپنے رسول' موسیٰؑ سے کیا کرتے تھے۔ (اِس کرید کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ایسی باتوں کو اپنے لئے غیر متبدل شریعت بنا لیا جن کا ہمیشہ کے لئے نباہنا مشکل تھا۔ آخر الامر اُنہیں اُن سے اِنکار کرنا پڑا۔ سو تم نے بھی ایسا نہ کرنا۔ ۵/۱۰۱)۔ جو قوم بھی ایمان

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ
الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ
وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾ وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ
الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾

سے بہرہ یاب ہو کر پھر کفر کی روش اختیار کرلے' تو فلاح و بہبود کی راہ اس سے گم ہو جاتی ہے۔

(۱۰۹) ان اہل کتاب میں سے اکثر چاہتے ہی یہ ہیں کہ تمہارے اس ایمان کے بعد تمہیں پھر کفر کی طرف لوٹا دیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ حقیقت ان پر واضح نہیں ہوئی۔ حقیقت تو انکے سامنے نکھر کر آچکی ہے' لیکن یہ اپنے قومی تعصب کی بنا پر اس دین کو اختیار کرنے کیلئے تیار نہیں' اور نہ ہی یہ دیکھ سکتے ہیں کہ اس نظامِ زندگی کی برکات سے تم فیضیاب ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کا علاج کیا ہے؟ تم ابھی اپنے نظام کے ابتدائی دور سے گذر رہے ہو' اس لئے ان سے اُلجھ کر اپنا وقت اور توانائی ضائع مت کرو۔ اس وقت تک کہ فیصلہ کن انقلاب کا مرحلہ سامنے نہ آجائے' تم ان سے اعراض برتو' اور ان کا خیال کئے بغیر اپنے پروگرام کی تکمیل میں آگے بڑھتے جاؤ' اور جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے درگذر کرو (۵/۱۳ : ۱۵/۸۵ : ۴۳/۸۹ : ۴۴/۱۱)۔ خدا ہر بات کے انداز سے واقف ہے اور حالات پر پورا پورا کنٹرول رکھتا ہے۔ اس لئے وہ جانتا ہے کہ کس موقعہ پر کونسی روش اختیار کرنی چاہیئے۔

(۱۱۰) اس پروگرام کی تکمیل' اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے ہوگی۔ یعنی ایسا معاشرہ قائم کرنے سے جس میں ہر فرد قوانین خداوندی کے پیچھے چلتے ہوئے' ان کی رُو سے عائد شدہ فرائض کو ادا کرتا جائے' اور نوعِ انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچاتا رہے (۲/۳)۔ اس ابتدائی مرحلہ میں ایسا محسوس ہوگا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو' اس کا کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہو رہا۔ لیکن یقین رکھو کہ تمہاری محنت رائگاں نہیں جائیگی۔ تم اپنی محنتوں کا نتیجہ خدا کے قانون مکافات کے مطابق' وقتِ مقررہ پر' اپنے سامنے دیکھ لوگے۔ (۵۳/۳۹)۔ کسی کا کوئی عمل' اس کے قانون مکافات کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکتا۔

(۱۱۱) ان (اہلِ کتاب) کا دعوےٰ ہے کہ جنت بس انہی (یہود و نصاریٰ) کے لئے مخصوص ہو چکی ہے' ان کے علاوہ' اس میں کسی اور کا داخلہ نہیں ہو سکتا۔ (۲/۱۳۵)

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ
الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ
قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

یہ اِن کی خوش فہمی ہے جو اِن کے فریب نفس اور جہالت نے پیدا کر رکھی ہے۔ اِن سے کہو کہ ذرا جذبات سے الگ ہٹ کر، علم و بصیرت کی رو سے بات کریں، اور اگر یہ اپنے اِس دعوے میں سچے ہیں، تو اِس کی تائید میں دلائل و براہین پیش کریں حقائق کے فیصلے خوش آیند جذبات کی رُو سے نہیں ہوا کرتے، علم و برہان سے ہوتے ہیں۔

۱۱۲ اور علم و برہان کا فیصلہ یہ ہے کہ زندگی کی خوشگواریاں اور کامرانیاں، قومی گروہ بندیوں اور دل خوش کن آرزوؤں سے وابستہ نہیں۔ اِن کے لئے ایک ابدی اور غیر متبدل قانون ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ جس کسی نے بھی اپنے آپ کو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکا دیا، جس نے اپنا رُخ اُس منزل کی طرف کر لیا جو اللہ نے انسانوں کے لئے مقرر کی ہے — اور اِس کے بعد (افراط و تفریط کو چھوڑ کر (۲/۱۴۳ ؛ ۴/۱۷۱)، حسن کارانہ انداز سے (قرآن کے مطابق) زندگی بسر کی، تو اُس کے اِس ایمان و عمل کا نتیجہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق، اُسے مل جائے گا۔ ایسے لوگوں کی نشانی یہ ہوگی کہ نہ اُن کیلئے کسی قسم کا خوف و خطر ہوگا، اور نہ ہی افسردگی اور غمگینی۔

۱۱۳ حق کی مخالفت کرنے والوں کی حالت بھی عجیب ہوتی ہے۔ اِن کے باہمی اختلافات خواہ کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں، دینِ خداوندی کی مخالفت میں یہ سب متحدہ محاذ بنا لیتے ہیں۔ یہی کیفیت اِن یہود و نصاریٰ کی ہے۔ تمہاری مخالفت میں یہ سب ایک ہو جاتے ہیں، لیکن باہمی اختلافات کا یہ عالم ہے کہ یہودی، عیسائیوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا مذہب کچھ نہیں۔ عیسائی، یہودیوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ سچائی پر نہیں۔ اور لُطف یہ کہ دونوں اِس کے مُدّعی ہیں کہ وہ اُس کتاب کی پیروی کرتے ہیں جس کا سرچشمہ ایک ہے (یعنی عہد نامۂ عتیق و جدید)۔ یہی حالت اِن (مشرکین عرب) کی ہے جنہیں کتاب (وغیرہ) کا کوئی علم نہیں۔ وہ بھی اپنے معتقدات کو حق پر مبنی قرار دیتے ہیں اور دوسروں کی مخالفت کرتے ہیں۔ پارٹی بازی کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ اِن کے یہ اختلافات (جو خدا کا عذاب ہیں ۳/۱۰۴) اُس وقت تک نہیں مٹ سکتے جب تک قرآن کی رُو سے انسانی معاشرہ میں انقلاب عظیم واقع نہیں ہو جاتا (۱۱/۱۱۸-۱۱۹)۔ اُس وقت عالمگیر انسانیت، اور وحدتِ اقتدارِ قانون کا تصوّر غالب آجائے گا، اور یوں اختلافات

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

ہٹ جائیں گے ـــــ یا پھر مرنے کے بعد' ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ حق پر تھا یا باطل پر۔

۱۱۴ قرآن کے اِس انقلاب آفریں نظام کی بنیاد' مومنین کی جماعت کے ہاتھوں رکھی جا رہی ہے' اور وہ اِس کی ابتدا اُس مقام سے کر رہی ہے' جہاں صرف خدا کے قانون کے سامنے جھکنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہی مقامات (مساجد) ان کے نظام کے مراکز ہیں۔ (اِن مراکز کی آبادی صرف اِس جماعت کے ہاتھوں سے ہوگی' نہ کہ اُن ہاتھوں سے جو خدا کے قانون کے ساتھ' انسانوں کے خود ساختہ قوانین بھی شامل کرلیں (۹/۱۹ — ۱۶) ' یا جو جماعت میں تفریق پیدا کرنے کا موجب بنیں (۹/۱۰۷)۔

اب سوچو کہ اُن لوگوں سے زیادہ سرکش اور انسانیت کا دشمن اور کون ہو سکتا ہے' جو اِس نظام کی تخریب کیلئے کوشاں ہوں' اور ہر قسم کی رُکاوٹیں ڈالیں کہ دین کے اِن مراکز میں' خالص قانون خداوندی کا چرچا نہ ہونے پائے (۲/۱۱۴)۔

انہیں چاہیئے تھا کہ اِن مراکز کی طرف آتے تو' سرکشی کے جذبات لئے ہوئے نہیں' بلکہ' اپنی تخریبی کارروائیوں کے تباہ کن نتائج سے ڈرتے ہوئے آتے۔ بہرحال اُن کی موجودہ رَوش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اِنھیں دنیاوی زندگی میں ذِلت و رسوائی نصیب ہوگی اور آخرت کی کی زندگی میں تباہی و بربادی۔

۱۱۵ اِنہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ لوگ اگر اِس نظام کو' اِس مقام (مکہ) میں سردست قائم نہ بھی ہونے دیں گے' جیسے ہم نے انسانیت کا "پہلا گھر" کہہ کر پکارا ہے (۳/۹۶)' تو اِس سے اِس نظام کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ یہ نظام کسی خاص مقام کے ساتھ وابستہ نہیں۔ یہ اُس خدا کا نظام ہے جو جہت اور سمت' اور زمان و مکان کی نسبتوں سے بلند ہے۔ وہ کائنات کی تمام پہنائیوں پر چھایا ہوا ہے۔ اِس لئے (اے جماعتِ مومنین!) تم جہاں بھی اُسکی طرف متوجہ ہو گئے' اُسکی طرف لے جانیوالا راستہ تمہارے سامنے ہوگا۔ خدا کا نظام بڑی وسعتوں کا مالک اور سرتاپا علم و بصیرت پر مبنی ہے۔

۱۱۶ یہودیوں سے ہٹ کر' ذرا اِن عیسائیوں سے پوچھو کہ تم کس منہ سے خدا پر

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا
اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ایمان کے مدعی بنتے ہو جبکہ خدا کے متعلق تمہارا تصور اس قدر پست ہے کہ تم کہتے ہو کہ اُسکا ایک بیٹا بھی ہے۔ تم نے' اِس طرح' خدا کو انسانوں کی سطح پر لاکر رکھ دیا۔ وہ اِس سطح سے بہت اونچا اور اِس تصور سے بہت دُور ہے۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے وہ سب اُس کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے وجود میں لایا گیا ہے' اور سب اُس کے قوانین کے اطاعت گذار ہیں۔ اِس لئے وہ' انسانوں کی طرح' بیٹوں کا محتاج نہیں۔

۱۱۰ تمہارا محدود ذہن تمہیں یہی بتا سکا ہے کہ خدا کا طریق آفرینش بھی تولید[1] کا ہے۔ یعنی وہ طریق جس کی رُو سے ایک باپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ خدا وہ ہے جو ساری کائنات کو پہلی مرتبہ (عدم سے) وجود میں لایا ہے۔ اُس کا اندازِ تخلیق یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے' تو اِس کے ساتھ ہی اُس شے کی تخلیق کا آغاز ہو جاتا ہے۔

ایسی قوتوں کے مالک' خدا' کو بیٹے کی کیا احتیاج ہے؟

۱۱۱ اِن میں سے بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ (خدا کو اگر ہماری راہ نمائی مقصود ہے تو وہ) ہم سے براہ راست باتیں کیوں نہیں کرتا۔ یا کوئی ایسی محسوس نشانی ہمارے سامنے کیوں نہیں لے آتا جس سے ہم پہچان لیں کہ یہ واقعی خدا کی طرف سے وحی ہے؟ اِن کی یہ باتیں وحی کی ماہیت سے لاعلمی پر مبنی ہیں' اور پہلی مرتبہ نہیں کہی گئیں۔ اِن سے پہلے بھی' اِس قسم کی ذہنیت رکھنے والے لوگ' یہی کچھ کہا کرتے تھے۔

اِنہیں کون بتائے کہ ہماری کتنی نشانیاں اِن کے سامنے نمایاں طور پر موجود ہیں۔ لیکن یہ نشانیاں اُنہی کو نظر آسکتی ہیں جو علم و بصیرت سے کام لے کر اعترافِ حقیقت کے لئے آمادہ ہوں۔

اگر یہ عقل و فکر سے کام لیتے تو یہ حقیقت اِن کی سمجھ میں آجاتی کہ صاحبِ اختیار و ارادہ مخلوق (یعنی انسانوں) کی راہ نمائی کے لئے طریقہ یہ ہے کہ خدا اپنی باتیں کسی

---

[1] PROCREATION

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ
وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ
مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖٓ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ایک شخص (رسول) کی وساطت سے انسانوں تک پہنچاتا ہے (۴۲/۵۱) اور اِسے پھر انسانوں پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ جی چاہے تو اُس راہ نمائی کو قبول کرلیں اور جی چاہے تو اُس سے اِنکار کردیں (۱۸/۲۹ ؛ ۴۶/۳۵)

۱۱۹ یہی وہ اُصول ہے جس کے مطابق ہم نے 'اے رسول' تجھے حق کے ساتھ انسانوں کی راہ نمائی کے لئے بھیجا ہے 'تاکہ تو لوگوں کو بتادے کہ خدا کی وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نتیجہ کس قدر خوشگوار ہوگا اور اس کی خلاف ورزی سے کس طرح ہلاکت اور تباہی آجائیگی۔ تو ان تک یہ پیغام پہنچادے اور پھر انہیں اِن کے حال پر چھوڑ دے کہ جس کا جی چاہے اِس سے اِنکار کردے۔ جو انکار کرے گا وہ تباہ و برباد ہو جائے گا' اور اُس کی اِس ہلاکت کی ذمہ داری تمہارے سر پر نہیں ہوگی۔ تمہارا فریضہ اِس پیغام کو لوگوں تک پہنچادینا ہے (۱۳/۴۰)۔

۱۲۰ اصل یہ ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ' اِس قسم کی باتیں حق کی جستجو کے لئے نہیں کررہے۔ انہوں نے تو پہلے ہی فیصلہ کر رکھا ہے کہ تم جس راستے پر چل رہے ہو' یہ اُسے کبھی اختیار نہیں کریں گے۔ اِس لئے یہ تم سے کسی صورت میں راضی نہیں ہوسکتے جب تک تم (اے رسول) اپنا راستہ چھوڑ کر اِن کا مسلک نہ اختیار کرلو۔

اِن سے کہہ دو کہ 'سوال میرے راستے یا تمہارے راستے کا نہیں۔ راستہ وہی صحیح ہوسکتا ہے جس کی طرف خدا کی وحی راہ نمائی کرے۔ (اور وہ وحی اپنی اصلی شکل میں تمہارے پاس نہیں۔ قرآن کے اندر ہے۔)

اب ظاہر ہے کہ اگر' اِن حالات کے ماتحت' جبکہ خدا کی وحی تمہاری طرف آچکی ہے' تم (اے رسول' بفرضِ محال) اِن لوگوں کے پست خیالات اور خواہشات کا اتباع کرنے لگ جاؤ' (تو تم بھی اِنہی جیسے ہو جاؤ گے) اور اِس غیر خداوندی راستے پر چلنے سے جو تباہی آئے گی' اُس سے بچانے کے لئے تمہارا کوئی چارہ ساز اور مددگار نہیں ہوسکے گا۔ (۲/۱۰۷ ؛ ۲۹/۲۲)۔

۱۱۰ تمہاری جماعت کے لوگ' جنہیں ہم نے یہ ضابطہ قوانین (قرآن) دیا ہے' اِسکا

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ
عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ
بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

پورا پورا اتباع کرتے ہیں' یہی خدا کے مقرر کردہ معیار کے مطابق' سچے مومن ہیں۔ ان کے برعکس' جو لوگ اِس کی صداقتوں سے انکار کرتے ہیں (وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکینِ عرب)' تو ایسے لوگ تباہ و برباد ہو کر رہیں گے۔

۱۲۲ جو کچھ ہم نے اوپر کہا ہے وہ کس قدر حقیقت پر مبنی ہے' اِس کے لئے اِن یہودیوں (بنی اسرائیل) سے کہو کہ تم اپنی تاریخ پر ایک مرتبہ پھر غور کرو' اور دیکھو کہ (جب تم نے خدا کی راہ نمائی اختیار کی تھی تو اُس کی بدولت) تمہیں کس طرح زندگی کی خوشگواریاں نصیب ہو گئی تھیں' اور کس طرح تمہیں' تمہاری ہم عصر اقوام پر فضیلت حاصل ہو گئی تھی۔

۱۲۳ لیکن (جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں۔ (۲/۸۵))۔ اُس ضابطہ ہدایت کو چھوڑ دینے سے دنیا بھر کی خرابیاں تمہارے اندر پیدا ہو گئیں۔ تم میں نہ آئین و قوانین کا احترام باقی رہا اور نہ ہی عدل و انصاف کا کوئی خیال ـــــ لیکن اب یہ دھاندلی زیادہ دیر تک نہیں چل سکتی۔ اب وہ دَور آنے والا ہے جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کے جُرم کا ذرا سا بوجھ بھی نہیں بٹا سکے گا۔ ہر ایک کو اپنے کئے کی سزا خود بھگتنی پڑے گی (۶/۱۶۵)۔ نہ ہی کسی کی سفارش کسی کے کام آسکے گی۔ نہ ہی کسی سے' اُس کے جُرم کے عوض' کچھ (رشوت وغیرہ) لے کر اُسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور نہ ہی کوئی کسی مجرم کی مدد کو پہنچ سکے گا۔
یہ اِس دُنیا میں بھی ہو گا جب قرآن کا نظامِ عدل قائم ہو گا' اور آخرت میں بھی' جب ظہورِ نتائج کا وقت آئے گا۔

۱۲۴ اِس میں شبہ نہیں کہ اِس قسم کے نظامِ حق و صداقت کی اقامت کے لئے کھڑے ہونے میں بڑی ہمت اور استقامت کی ضرورت ہوتی ہے' لیکن تاریخ اِس پر شاہد ہے کہ جو اِس ہمت اور استقامت کے ساتھ کھڑا ہو جائے' اُسے کس قدر مقامِ بلند نصیب ہو جاتا ہے۔ تمہیں اپنے مورثِ اعلیٰ' ابراہیمؑ کے کوائفِ حیات کا تو علم ہی ہے۔ اُسے' مملکت کی بلند ترین پیشوائیت کا منصب وراثت میں مل سکتا تھا۔ لیکن اُس نے اُسے پائے استحقار سے ٹھکرا دیا' اور نظامِ خداوندی کی اقامت کے لئے'

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

پورے عزم و استقلال کے ساتھ کھڑا ہو گیا (۹۷/۳۷ ؛ ۸۲/۶۰) - اِس کے بعد اُسے کتنے ہی صبر آزما اور جانگسل مراحل سے گذرنا پڑا۔ لیکن یہ تمام مراحل اُس کی نمودِ ذات کے مواقع بن گئے۔ وہ اِن سب میں پورا اُترا' اور اِس طرح اُس نے ثابت کر دیا کہ اُس کی صلاحیتوں کی کس قدر نشوونما ہو چکی ہے۔

اِس کا نتیجہ کیا ہوا ؟ وہ نوعِ انسان کی امامت (لیڈرشپ) کا مستحق قرار پا گیا' اور اُس کا مسلک' انسانی معاشرہ کی سیدھ اور ٹیڑھ کے پرکھنے کا معیار بن گیا۔

یہ سب ابراہیمؑ کی سعی و عمل کا نتیجہ تھا۔ لیکن تم ہو کہ محض اولادِ ابراہیمؑ ہونے کی بنا پر اپنے آپ کو نوعِ انسان کی امامت کا مستحق سمجھے بیٹھے ہو' حالانکہ اِس حقیقت کو اُسی وقت واضح کر دیا گیا تھا کہ اولادِ ابراہیمؑ میں سے بھی جو اِس راستہ سے ہٹ کر' ظلم اور سرکشی کی راہ اختیار کر لے گا' تو وہ مقامِ بلند اُس سے چھین لیا جائے گا۔ (چنانچہ جب تم نے اُس مسلک کو چھوڑ دیا' تو وہ امامت بھی تم سے چھن گئی)۔

۱۲۵ ابراہیمؑ کا قائم کردہ یہی وہ نظام تھا جس کا مرکز' کعبہ قرار دیا گیا تھا' تاکہ تمام نوعِ انسان' اپنے اختلافات دُور کر کے' ایک نقطہ پر جمع ہو جائے اور اس طرح' ہر قسم کے خطرات سے (جو گروہ بندیوں اور قومیت پرستی کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں) محفوظ و مامون ہو جائے ——— یہی وہ مرکز ہے جس پر نوعِ انسان نے آخرالامر جمع ہونا ہے۔ اِسی سے اِنسانیت اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو سکے گی (۹۶/۳ ؛ ۹۷/۵ ؛ ۳۵/۱۴ ؛ ۲۵/۲۲)۔

اگر تم بھی مقامِ ابراہیمی کو حاصل کرنا چاہتے ہو' تو اُس کے مسلک و منہاج کے پیچھے پیچھے چلو۔

ہم نے (معمارانِ حرم) ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے تاکید کی تھی کہ وہ اِس مقام کو عالمگیر نظامِ انسانیت کا مرکز بنائیں' اور اُسے' انسانوں کے خود ساختہ تصوّرات و معتقدات سے پاک و صاف رکھ کر' اُس جماعت (۲/۱۴۳) کی تنظیم و تربیت کے لئے مخصوص کر دیں جس کا شیوۂ زندگی یہ ہے کہ وہ قوانین خداوندی کے سامنے جھک کر' اور اُن کی پوری پوری اطاعت کر کے' ایسی پوزیشن اختیار کر لے کہ وہ تمام اقوامِ عالم کی نگران و پاسبان ہو' اُن کے اُلجھے ہوئے معاملات کو سنوارے' اور اُنکے بکھرے ہوئے شیرازہ کو مجتمع کرے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ
مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

---

(۱۲۶) ابراہیمؑ نے اِس مرکزیت کی بنیاد رکھ دی اور خدا سے التجا کی کہ' اے وہ جو تمام کائنات کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچانے والا ہے! تو ایسا کر دے کہ یہ مقام' ساری دنیا کے ستائے ہوئے انسانوں کے لئے' امن اور پناہ کی جگہ بن جائے (۹۵/۳)' اور اُن میں سے جو لوگ تیرے قوانین کی صداقتوں پر یقین' اور مستقبل کی زندگی پر ایمان رکھیں' خواہ وہ کہیں کے رہنے والے بھی کیوں نہ ہوں (۲۲/۲۵)' اُنہیں زندگی کی آسائشیں اور سامانِ زیست کی فراوانیاں عطا کر دے۔ (۱۴/۳۷)۔

خدا نے کہا کہ بیشک اِن لوگوں کو یہ کچھ ملے گا۔ باقی رہے وہ جو اِس سے اِنکار کرینگے' تو ہمارے طبیعی قوانین کے مطابق' اُنھیں بھی زندگی کے عاجلہ مفاد ضرور حاصل ہوں گے (۱۶/۲۰ — ۱۸)' لیکن انجام کار وہ نہایت بے بسی کی حالت میں مصیبت کی زندگی کی طرف کھنچے چلے جائیں گے — کس قدر سوختہ بخت ہے وہ قوم جس کا مآل یہ ہو!

(۱۲۷) اِن حسین تمناؤں اور مقدس آرزوؤں کے ساتھ' ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے اِس مرکزِ نظامِ خداوندی کی بنیاد رکھی تھی۔ اُن کے ہاتھ اِسکی تعمیر میں مصروف تھے' اور لب پر یہ وجد انگیز دعائیں تھیں کہ' اے ہمارے نشو و نما دینے والے! تو ہماری اِن ناچیز کوششوں کو شرفِ قبولیت عطا فرما دے' کہ تو' دِل میں مچلنے والی آرزوؤں کو جانتا اور لب تک آنے والی تمناؤں کو سُنتا ہے' اِس لئے تو خوب جانتا ہے کہ ہم کن ارادوں کے ماتحت اِس مرکز کی تعمیر کے لئے کوشاں ہیں۔

(۱۲۸) اور وہ ارادے اِس کے سوا کیا ہیں کہ' اِس مرکز کے ساتھ وابستہ رہ کر' ہم تیرے ضابطۂ قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں اور ہمارے سر اِس کے سامنے جھکے رہیں — نہ صرف ہم ہی' بلکہ ہماری آنے والی نسلوں میں بھی وہ لوگ پیدا ہوں جو اِسی طرح' تیرے قوانین کی اِطاعت کرنے والے ہوں۔

اے ہمارے نشو و نما دینے والے! تو ہمیں وہ طور طریق بتا دے جن سے

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾ وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ
الصَّالِحِينَ ﴿۱۳۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۱﴾

ہم اِس مقصدِ عظیم کے حصول میں کامیاب ہو جائیں' اور تیری عنایات و انعامات کا رُخ ہماری طرف رہے۔ اِس لئے کہ تیرا ہی قانون وہ قانون ہے کہ جونہی کسی نے اُس کی طرف رُخ کیا' وہ اپنے سامانِ رحمت و ربوبیت کو لئے خود اُس کی طرف بڑھ آیا (۲/۱۸۶)۔

۱۲۹ اے ہمارے پروردگار! ہماری اولاد میں یہ سلسلہ اِسی طرح قائم رہے' تاآنکہ اُن میں سے' اِس دعوتِ انقلاب کو لے کر' وہ رسول اُٹھ کھڑا ہو جو تیرے ضابطہ قوانین کو اُس کی آخری اور مکمل شکل میں اُن کے سامنے پیش کر دے (۶/۱۱۹)۔ اُنہیں اُس ضابطہ (کتاب) کی تعلیم بھی دے اور یہ بھی بتائے کہ اِن قوانین کی غرض و غایت کیا ہے اور اِن پر عمل کرنے سے کیا نتائج مرتب ہوں گے (۲/۲۳۱ ؛ ۱۵/۹ ؛ ۳۳/۳۴)۔ اور (صرف نظری طور پر ہی یہ تعلیم نہ دے' بلکہ عملاً ایسا نظام متشکل کر دے جس میں) لوگوں کی صلاحیتوں کی بروئے کار آوری اور اُن کی ذات کی نشو و نما ہوتی جائے۔

اِس قسم کی نشو و نما' قوت اور حکمت' دونوں کے امتزاج سے ہو سکتی ہے' اور اِن دونوں کا امتزاج تیرے متعین کردہ نظام ہی کے اندر ممکن ہے (۲/۲۶۹)۔

۱۳۰ یہ تھا وہ مسلکِ زندگی جس پر ابراہیمؑ گامزن تھا ——— وہ مسلک جس سے اُسے اِس دنیا میں بھی ممتاز اور برگزیدہ زندگی حاصل ہو گئی تھی' اور جس سے آخرت میں بھی اُس کا شمار اُن خوش بخت لوگوں میں ہو گا جو اُس بلند و بالا زندگی کے بسر کرنے کی صلاحیتیں اپنے اندر رکھتے ہیں۔ (۲/۱۲۴ ——— ۱۶/۱۲۰)۔

اب غور کرو کہ جو شخص ایسے مسلکِ حیات سے روگردانی کر کے' دوسرے راستوں پر چل نکلے' وہ اگر فریبِ نفس میں مبتلا نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ روش وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جس نے کبھی اپنے متعلق غور و فکر سے کام ہی نہ لیا ہو۔ جس نے کبھی سوچا ہی نہ ہو کہ انسانی ذات کی قدر و قیمت کیا ہے اور اس کی صلاحیتوں کی بروئے کار آوری کس قدر ضروری ہے۔

۱۳۰ یہ تھا مسلکِ ابراہیمیؑ ——— یعنی اُس ابراہیمؑ کا مسلک کہ جب اُس کے نشو و نما دینے والے

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ
كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ
وَلَا تُسْـَٔـلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

نے اُس سے کہا کہ ہمارے قوانین کے سامنے جھک جاؤ' تو وہ اِس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اُن قوانین کے سامنے پوری طرح جھک گیا ـــــ اُن قوانین کے سامنے جن کی رُو سے تمام کائنات کی نشوونما ہو رہی ہے۔

۱۳۲ وہ خود بھی اِس مسلک پر قائم رہا' اور اپنے بیٹوں کو بھی اِسی پر قائم رہنے کی تلقین کی۔ اِسی طرح' (اِن یہودیوں کے جدامجد' اسرائیل' یعنی) یعقوبؑ نے بھی اِسی مسلک کی تلقین کی۔ اِس نے اپنی اولاد سے کہا کہ یہی وہ نظامِ زندگی ہے جسے خدا نے تمہارے لئے منتخب کیا ہے۔ لہٰذا تمہیں اپنی تمام زندگی اِس کے مطابق بسر کرنی چاہیئے' اور مرتے دم تک اِس کی اِطاعت کرتے رہنا چاہیئے۔

۱۳۳ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یعقوبؑ نے مرتے وقت اپنی اولاد سے کیا کہا تھا؟ اُس نے اُن سے پوچھا تھا کہ تم' میرے بعد' کِس کی محکومیت اختیار کرو گے؟ اُنہوں نے کہا کہ اُس خدا کے قوانین کی جو تیرا بھی خدا ہے اور تیرے آباء' ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ کا بھی خدا۔ وہ خدا جس کے سوا کائنات میں کسی کا اقتدار و اختیار نہیں۔ ہم اُس کے قوانین کے سامنے سربسجود رہیں گے۔

۱۳۴ یہ تھے (اِن) یہودیوں کے اسلاف' جن میں سے ہر ایک نے قانونِ خداوندی کے مطابق اپنی عمر بسر کی۔ اب اُن کے یہ اخلاف ہیں جو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ محض' اُن کی اولاد ہونے کی بنا پر زندگی کی اُن تمام خوشگواریوں سے بہرہ یاب ہو جائیں گے جو اُنکے بزرگوں کو' اُن کے حسنِ عمل کی بدولت ملی تھیں۔ اِن سے کہو کہ اعمال کے نتائج اپنے اپنے ہوتے ہیں۔ اِس میں وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو کچھ اُنہوں نے کیا اُسکے ثمرات و برکات اُن کے حصّے میں آئے۔ جو کچھ تم کرو گے اُس کا پھل تمہیں ملے گا۔ تم سے' تمہارے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا۔ یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے اسلاف کے اعمال کِس قسم کے تھے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ
النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ
اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

---

۱۳۵ یہ کہتے ہیں کہ تمہیں ہدایت کی راہ اُسی صورت میں مل سکتی ہے کہ تم (موجودہ) یہودیوں یا عیسائیوں کا مسلک اختیار کرو۔ اِن سے کہو کہ تم مسلکِ ابراہیمیؑ کی طرف دعوت کیوں نہیں دیتے؛ ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ عیسائی (۳/۶۷)۔ وہ خالص دین خداوندی کا متبع تھا اور اِس میں کسی غیر خدائی تصوّر کو شریک نہیں کرتا تھا۔ (اِس کے برعکس تم ہو کہ، تم نے کہیں انسانوں کی خودساختہ شریعت کو احکام خداوندی قرار دے رکھا ہے اور کہیں خدا کے رسول کو خود خدا بنا دیا ہے!)۔

۱۳۶ اِن سے کہو کہ آؤ، تمہیں بتائیں کہ وہ کونسا مسلک ہے جسے اختیار کر کے ہم تمہاری خودساختہ گروہ بندی اور نسل پرستی سے بلند ہو چکے ہیں۔ وہ مسلک یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اُس ضابطۂ حیات پر ایمان رکھتے ہیں جو اُس نے (اِس رسول کے ذریعے) ہماری طرف بھیجا ہے۔ (یہ اپنی اصل کے اعتبار سے اُسی قسم کا ضابطہ حیات ہے جس قسم کا، اِس سے پہلے) ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ، اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کی طرف نازل ہوا تھا۔ ہم اِس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ اُنھیں بھی (اپنے اپنے وقت میں) خدا کی طرف سے ضوابطِ حیات ملے تھے نیز موسیٰؑ کو بھی اور عیسیٰؑ کو بھی۔ بلکہ تمام انبیاءؑ کو۔ ہم اِن تمام انبیاءؑ کو ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں سمجھتے ہیں اور، نبی ہونے کی جہت سے، اُن میں سے کسی کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔
یہ ہے وہ مسلک جس کی رُو سے ہم (خالص) قوانین خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں۔

۱۳۷ اِن سے کہو کہ یہ ہے ہماری دعوت۔ اگر یہ لوگ بھی اُسی طرح اِس ضابطۂ حیات پر ایمان لے آئیں جس طرح تم لائے ہو، تو اُس وقت یہ خدا کے متعین کردہ صحیح راستہ پر ہوں گے۔ اور اگر یہ اِس سے اعراض برتیں گے، تو اُن کا یہ اِعراض اُس راستے سے ہٹ جانے کے مرادف ہوگا جس پر تمام انبیاءؑ سابقہ چلتے رہے ہیں۔
اگر اِنہوں نے اِس راستے کو اختیار نہ کیا اور اپنی ضد پر قائم رہے، تو اِن کی مخالفت بدستور رہے گی۔ لیکن تمہیں اِس کی قطعاً پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ ہمارے

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ
اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

نظام میں، جس کی تم اطاعت کرتے ہو، اتنی قوت موجود ہے کہ وہ تمہیں ان کی ضرر رسانیوں سے محفوظ رکھ سکے — اس لئے کہ یہ اُس خدا کا نظام ہے جو سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔

۱۳۸ ان (نصاریٰ) سے کہو کہ نجات و سعادت، رنگ چھڑکنے (بچوں کو بپتسمہ دینے) سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ قانونِ خداوندی سے یک رنگ و ہم آہنگ ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس رنگ سے زیادہ حسین رنگ اور کونسا ہو سکتا ہے؟

ان سے کہو کہ ہم نے اپنے لئے یہی رنگ تجویز کیا ہے۔ یعنی ہم نے خالص قانونِ خداوندی کی اطاعت اختیار کی ہے۔ اُس کے سوا ہم کسی کی محکومیت کو تسلیم نہیں کرتے۔

۱۳۹ یہ کہیں گے کہ جب ہم پہلے ہی خدا کو مانتے ہیں تو پھر تم ہمیں خدا پر ایمان لانے کی دعوت کیوں دیتے ہو؟ ان سے کہو کہ آؤ، ہم بتائیں کہ تمہارے خدا کے ماننے اور ہمارے ماننے میں کیا فرق ہے؟

تم اُس خدا کو مانتے ہو جس کی رحمت صرف بنی اسرائیل (کی کھوئی ہوئی بھیڑوں) تک محدود ہے، اور ہم اُس خدا کو مانتے ہیں جس کی رَبُوبیت، ہمارے، تمہارے (اور تمام نوعِ انسان کے) لئے عام ہے۔ (۲/۱)

تم اُس خدا کو مانتے ہو جو کسی انسان (مسیحؑ) کی جان کا کفارہ لے کر دوسروں کے گناہوں کو بخشدیتا ہے۔ اور ہم اُس خدا کو مانتے ہیں جس کے قانونِ مکافات کے مطابق، ہر ایک کو اُس کے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اس میں نہ کسی کی سفارش کام دیتی ہے، نہ کفارہ اور فدیہ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ (۲/۲۳)

اب تم نے سمجھا کہ تمہارے اور ہمارے خدا کے ماننے میں کیا فرق ہے؟ اس کے بعد بھی اگر تم اِس باب میں ہم سے جھگڑتے ہو، تو تمہاری مرضی۔ ہم تم سے، اور تمہارے جیسے اور لوگوں سے، قطع نظر کر کے، خالصتہً خدائے رب العالمین کے قوانین کی اطاعت اختیار کرتے ہیں۔

۱۴۰ اس قدر وضاحت کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنی اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ و یعقوبؑ اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل، یہودی

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۰ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔـلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۱

(ع ۱۲ / ۱۶)

یا نصرانی تھے' تو ان سے کہو کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں' خدا کی طرف سے عطا شدہ علم (وحی) کی بنا پر کہتے ہیں۔ لہذا بتاؤ کہ حقیقت کا علم تمہیں زیادہ ہو سکتا ہے یا خدا کو؟

حقیقت یہ ہے کہ تم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہو' اور پھر دانستہ غلط بیانی کرتے ہو۔ لیکن سوچو کہ جو شخص اس حقیقت پر پردہ ڈالے جو اسے خدا کی طرف سے ملی ہو اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے؟

لیکن تم' ہم سے تو یہ باتیں چھپا سکتے ہو' اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ وہ تمہاری ایک ایک حرکت سے باخبر ہے۔

(۱۴۱) بہرحال' اگر اس کے باوجود تم اصرار کرتے ہو کہ تمہارے اسلاف ایسے نہیں تھے' ایسے تھے' تو اس سے اصل بات پر کیا اثر پڑتا ہے۔ وہ جیسے بھی تھے' ان کے اعمال ان کے لئے تھے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔ تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے اسلاف کس روش پر چلتے تھے اور کیسے کام کرتے تھے۔ تم سے تو یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے کس قسم کے کام کئے تھے ——— یہ ہے دین کی اصل' جس میں کسی جھگڑے کی گنجائش نہیں۔

ختم پارۂ اوّل



سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ
كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ
اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ
عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰي عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَي الَّذِيْنَ
هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

---

۱۴۲ ان لوگوں (یہودیوں) کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ، جب سابقہ اہل کتاب کا قبلہ (مرکز) بیت المقدس چلا آرہا تھا، تو مسلمانوں نے، اُس سے رُوگردانی کرکے، کعبہ کو اپنا قبلہ (مرکز) کیوں بنالیا؟ یعنی اُس کے بجائے اِسے کیوں اپنا قبلہ قرار دیا؟

یہ اعتراض بھی جہالت اور نادانی پر مبنی ہے، ورنہ بات واضح ہے۔ بیت المقدس بنی اسرائیل کا قومی مرکز ہے اور اسلام، تمام نوع انسان کو ایک مرکز پر جمع ہونے کی دعوت ہے۔ سو ظاہر ہے کہ اِس عالمگیر دعوت کا مرکز وہی ہونا چاہیئے جو مشرق و مغرب (ساری دنیا) کو محیط ہو، نہ وہ جو کسی خاص قوم یا نسل کا منتہائے نگاہ ہو۔ اِس مقصد کے پیش نظر، خدا نے، اپنے قانونِ مشیت کے مطابق، اِس ملت (جماعت مومنین) کی راہ نمائی انسانیت کی صحیح راہ کی طرف کر دی ہے۔

۱۴۳ (سو، اے جماعتِ مومنین! تم اِن کے اِس اعتراض کا قطعاً خیال نہ کرو)۔ اِس پروگرام سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ تمہیں ایک ایسی قوم بنا دیا جائے جسے تمام دُنیا میں بین الاقوامی پوزیشن حاصل ہو۔ جس سے دُنیا کی ہر قوم یکساں فاصلہ پر ہو۔ وہ نہ کسی کی طرف جھکی ہوئی ہو، نہ کسی سے کھنچی ہوئی۔ اور اُس کا فریضۂ زندگی یہ ہو کہ وہ تمام اقوامِ عالم کے اعمال کی محاسب و نگران ہو۔ (وہ دیکھے کہ کوئی قوم، ظلم اور زیادتی پر تو نہیں اُتر آئی)۔ اور اُن کے اپنے اعمال کا محاسب و نگران، اُن کا رسول ہو، جسے اِس نظامِ خداوندی کی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

بنابریں، تعیّنِ قبلہ (مرکز) کا سوال بڑا اہم تھا۔ یہ سوال، درحقیقت، قوی مرکز

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

کی جگہ انسانیت کے عالمگیر مرکز کے اختیار کرنے کا سوال تھا۔ اِس لئے جس قبلہ کو (اے رسول!) تو نے اختیار کیا ہے' اُسے ہم نے اِس لئے قبلہ بنایا ہے تاکہ دونوں قسم کی ذہنیتیں الگ الگ ہو جائیں اور یہ واضح ہو جائے کہ وہ کون ہے جو رسول کے اتباع میں' اپنا رُخ پھیر کر' ہر قسم کی قومی نسبتوں کو چھوڑ کر' خالص اِنسانیت کی نسبت اختیار کرتا ہے' اور وہ کون ہے جو قومی نسبت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

یہ تبدیلی' فی الواقعہ' ان لوگوں پر گراں گذرنی تھی جن کے دِل ابھی تک قومیتوں کے تنگ دائرے میں گھرے ہوئے ہیں۔ اِن تنگناؤں سے نکلنا اُسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان اپنے ذاتی رجحانات کے بجائے قانون خداوندی کو اپنا راہ نما بنالے۔

قومیت کے تنگ دائرے میں رہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ انسانیت کی وسعتوں میں پھیل جانے سے اس کا جتھہ کمزور ہو جاتا ہے اور اس سے بڑا نقصان پہنچتا ہے (۲۹/۲۵)' لیکن تم نے اِن کی باتوں میں نہ آجانا۔ عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود پر تمہارا ایمان کبھی رائگاں نہیں جائے گا۔ خدا کے قانون کے مطابق چلنے سے اِنسان' تخریبی قوتوں سے بھی محفوظ رہتا ہے اور اسے سامانِ نشوونما بھی بافراط ملتا ہے۔

۱۴۴ ہمیں اِس کا بھی علم ہے کہ تمہارے دِل میں بار بار یہ آرزو اُبھر رہی ہے کہ جس مقام (مکّہ) کو ہم نے اپنے نظام کا مرکز قرار دیا ہے' اس پر قبضہ و تصرّف بھی ہمارا ہی ہونا چاہیئے۔ یہ ٹھیک ہے۔ ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔ (تمہارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ) تم اپنی تمام توجہات' اسی نقطہ (یعنی خانہ کعبہ کو غیر خداوندی قوتوں سے آزاد کرانے) پر مرکوز کر دو۔ تم دنیا کے کسی گوشے میں ہو (اور زندگی کے کسی شعبہ میں مصروف تگ و تاز ہو)' تم اپنی توجہات کا رُخ اسی سمت کو رکھو۔

اصل یہ ہے کہ یہ اہلِ کتاب بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہاری یہ دعوت' اُن کے نشوونما دینے والے کی طرف سے' ایک حقیقت ہے (اِس لئے کہ خود اِن کے یہاں اِس کا ذکر موجود ہے)' لیکن' اِس کے باوجود' یہ محض ضِد اور تعصّب کی بنا پر' اِس کی مخالفت کئے جا رہے ہیں۔ ہم اِن کی ایک ایک حرکت سے باخبر ہیں۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ
بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾
اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا
يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

(۱۴۵) یہ ظاہر ہے کہ جہاں ضد اور تعصب کارفرما ہو' وہاں دلیل و برہان کچھ اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ اِس لئے اگر تو اِن کے سامنے دنیا جہان کی دلیلیں بھی پیش کر دے' یہ پھر بھی تمہارے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی تم (علم و بصیرت کے خلاف) اِن کے قبلہ کی پیروی کر سکتے ہو۔ اِن کی تو خود اپنی حالت یہ ہے کہ (تمہاری مخالفت میں تو ایک دوسرے کے ساتھ ہیں لیکن) اپنے اپنے قبلے الگ رکھتے ہیں' اور ایک مرکز پر جمع ہی نہیں۔

بہرحال' ایک عالمگیر انسانیت کی طرف دعوت دینے والا' اُن لوگوں سے مفاہمت کر ہی نہیں سکتا جو قومیتوں کے تنگ دائرے میں مقید ہوں۔ اگر (بفرضِ محال)' وحی کی رُو سے حقیقتِ حال کا علم ہو جانے کے بعد بھی' تو اِن کی خواہشات کا اتباع کرنے پر آمادہ ہو جائے' تو تیرا شمار انہی میں سے ہو گا جو توہینِ خداوندی سے سرکشی اختیار کرتے ہیں۔

(۱۴۶) یہ لوگ اِن تمام حقائق سے اچھی طرح باخبر ہیں' اور تمہاری اِس دعوت کو اُسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح انسان اپنے بیٹوں کو پہچان لیتا ہے (اِس لئے کہ یہ سب اِن کے نوشتوں میں موجود ہے۔ لیکن) اِن کے احبار و رہبان' دیدہ و دانستہ اِن حقائق کو چھپاتے ہیں۔

(۱۴۷) بہرحال' یہ وہ حقیقت ہے جو تیرے نشو و نما دینے والے کی طرف سے تم پر واضح ہو چکی ہے۔ اب اِس معاملہ میں اِن سے بحث و جدل کی ضرورت نہیں۔

(۱۴۸) لیکن' تعینِ مرکز کی اِس قدر اہمیت کے باوجود' اِس حقیقت کو نظر انداز نہ کر دینا کہ کسی خاص مقام کو مرکز بنا لینا مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ اِس طرح تو ہر قوم نے اپنے لئے کوئی نہ کوئی مرکز تجویز کر رکھا ہے۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ تم نوعِ انسان کی بھلائی کے کاموں' اور اپنی ذات کی وسعتوں میں دیگر اقوام سے کس قدر آگے بڑھتے ہو (۲/۱۰۲) —— محض طبعی زندگی کی عیش سامانیوں میں نہیں (۵/۶۴ ؛ ۲/۱۰۲)' بلکہ حقیقی فوز و فلاح کے کاموں میں (۵/۳۳) —— اگر تم نے اس مقصد کو سامنے رکھا تو پھر تم' دنیا کے کسی گوشے اور

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ
لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي
وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَ
يُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

زندگی کے کسی شعبے میں بھی ہو' خدا کا قانون تم میں حقیقی اجتماعیت پیدا کر دے گا (کیونکہ حقیقی اجتماعیت کا مدار' وحدتِ مقصد' آئیڈیالوجی' پر ہے' نہ کہ وطن اور نسل کے اشتراک پر)۔ یاد رکھو! خدا کا قانون ہر شے کے اندازوں سے واقف ہے اور اُن پر پورا پورا کنٹرول رکھتا ہے۔

۱۴۹ اس اجتماعیت کا عملی طریق یہ ہے کہ تم کسی مقام سے بھی آگے بڑھنے کے لئے قدم اُٹھاؤ' اپنی توجہات اِسی مرکز کی طرف مرکوز کر لو۔ یہ تیرے نشو و نما دینے والے کی طرف سے مبنی بر حقیقت پیغام ہے۔ اِس کی خلاف ورزی کبھی نہ کرنا۔ یاد رکھو! تمہارا کوئی کام بھی خدا کے قانونِ مکافات کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔

۱۵۰ پھر سُن لو کہ تمہارے لئے سفرِ حیات میں بنیادی اُصول کیا ہے؟ یہ کہ تم دُنیا کے کسی گوشے میں بھی ہو' اور وہاں سے کسی طرف بھی قدم اُٹھانے کا ارادہ کرو (تمہارے سامنے کوئی پروگرام بھی ہو)' اپنی نگاہ ہمیشہ اپنے مرکز کی طرف رکھو ـــــ اے رسول! تم بھی ایسا ہی کرو' اور تمہاری یہ جماعت بھی ایسا ہی کرے ـــــ اگر تم ایسا کرتے رہے' تو تمہاری سعی و عمل کے درخشندہ نتائج' تمہارے نظام کی صداقت کی دلیل بنتے جائیں گے' اور کسی کو اس کے خلاف ایک لفظ تک کہنے کی جرأت نہیں ہو گی' سوائے اُن لوگوں کے جو (اپنے ضد اور تعصب میں) حق و انصاف کی راہوں سے بہت دور نکل چکے ہوں۔ لیکن اِن لوگوں سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ ڈرنا تمہیں صرف اِس بات سے چاہیئے کہ کہیں قانونِ خداوندی کا دامن تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔

ہم نے تو یہ ضابطۂ حیات دیا ہی اِس لئے ہے کہ تمہیں زندگی کی تمام خوشگواریاں حاصل ہوں (۵/۳) اور تمہارا ہر قدم منزلِ مقصود کی طرف اُٹھتا جائے۔

۱۵۱ اِسی مقصد کے لئے ہم نے تمہاری طرف اِس رسول کو بھیجا ہے۔ یہ ہمارا پیغام تم تک پہنچاتا ہے۔ تمہیں بتاتا ہے کہ قانونِ خداوندی کیا ہے اور اس کی غرض و غایت

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ
إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا
تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ
الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾

کیا ـــــ یعنی وہ کچھ بتاتا ہے جس سے تم (وحی سے پہلے) قطعاً واقف نہ تھے۔ (اگر واقف ہوتے تو پھر وحی کی ضرورت ہی کیا تھی؟)۔ اِس کے ساتھ ہی وہ ایسا عملی نظام قائم کرتا ہے جس میں تمہاری ذات کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔

۱۵۲ اگر تم نے اِس قانونِ خداوندی کو اپنے پیشِ نظر رکھا' تو خدا تمہارے حقوق کی حفاظت کرے گا اور تمہیں شرف اور عظمت عطا کر دے گا (۲۱/۱۰ ؛ ۲۱/۲۴ ؛ ۲۳/۷۰ ؛ ۴۳/۴۴)۔
لہٰذا تمہیں جو ایسی عظیم نعمت دی گئی ہے' اِس کی قدر کرو۔ اِس ضابطہ کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دو۔

۱۵۳ لیکن اِس نظام کی اقامت کی راہ میں (جو محدود گروہوں اور قوموں کے مفاد کے خلاف عالمگیر انسانیت کے مفاد کا علمبردار ہے)' بڑی بڑی رکاوٹیں پیش آئیں گی اور سخت مشکلات کا سامنا ہوگا (مفاد پرست گروہ اسے آسانی سے قائم نہیں ہونے دیں گے)۔ اِن مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے دو باتوں کو یاد رکھو۔ ایک تو یہ کہ کچھ بھی کیوں نہ ہو' استقامت اور ثبات کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اور دوسرے یہ کہ مخالفین خواہ کوئی راہ کیوں نہ اختیار کریں' تم اُسی راستے پر چلو جو تمہارے خدا نے تمہارے لئے تجویز کیا ہے۔
اِس سے تمہیں' ہمارے قانون کی رو سے' بڑی قوت حاصل ہوگی۔

۱۵۴ یاد رکھو! دنیا میں نظامِ خداوندی متشکل کرنا پھولوں کی سیج نہیں' کانٹوں کی راہ ہوتی ہے۔ اِس میں' اور تو اور' جان تک بھی دے دینی پڑتی ہے۔ لیکن جو اس جدوجہد میں جان دیتا ہے' وہ مرتا نہیں ـــ اُسے مردہ سمجھنا ہی نہیں چاہیئے (۳/۱۶۹)۔ وہ حیاتِ جاوداں سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔ لیکن' جس طرح تم اِس طبیعی زندگی کا ادراک' حواس کے ذریعے کر سکتے ہو ـــــ یعنی تم دیکھ سکتے ہو کہ فلاں شخص زندہ ہے یا نہیں ـــــ اُس زندگی کا ادراک اِس طرح نہیں کر سکتے۔ وہ محسوسات کی دُنیا سے باہر کی چیز ہے۔ (البتہ اُسکے امکان کو سمجھ سکتے ہو)۔

۱۵۵ اِس جدوجہد میں بیشتر مواقع ایسے آئیں گے جن میں تمہیں اِس امر کا اندازہ ہو سکے گا کہ تمہاری صلاحیتوں کی کس حد تک نشوونما ہو چکی ہے۔ (ٹکراؤ کے بغیر انسان اپنی صلاحیتوں کا

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

صحیح اندازہ کر ہی نہیں سکتا (۶۷/۲)۔ اِس میں کہیں جنگ و قتال اور دیگر خطرات کا اندیشہ ہوگا۔ کہیں سامانِ خورد و نوش کی کمی ہوگی۔ کہیں مال اور جان کا نقصان ہوگا۔ کہیں کھیت اور باغ اجڑیں گے۔ یہ سب کچھ ہوگا۔ لیکن آخر الامر، فتح و کامرانی کی خوشخبریاں
۱۵۶ اُن کے لئے ہوں گی جو اِس جدوجہد میں ثابت قدم رہیں گے، اور مصائب و مشکلات کے ہجوم میں اُن کی نگاہیں اِس نقطہ سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہٹیں گی کہ ہمارا مقصدِ زندگی نظامِ خداوندی کا قیام ہے۔ ہم نے اپنے آپ کو اِس کے لئے وقف کر رکھا ہے (۶/۱۶۲)۔ مشکلیں آتی ہیں تو آئیں، ہمارا ہر قدم اِسی نصب العین کی طرف اُٹھے گا (۹/۵۹)۔ وہی ہمارا مقصود و منتہیٰ ہے اور ہم ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کریں گے۔

۱۵۷ یہی وہ انقلابی جماعت ہے جو اپنے نشو و نما دینے والے کے نزدیک مستحق ہزار تبریک و تہنیت ہے۔ اِنہیں اُس کے قانون کی تائید حاصل ہے (۳۳/۴۳ ; ۳۳/۵۶)۔ اِنہی کے لئے سامانِ نشو و نما کی فراوانیاں اور الطاف و اکرام کی بارشیں ہیں۔ اور اُنکا اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جانا یقینی ہے۔

۱۵۸ اِس تگ و تاز کے بعد وہ نظام قائم ہوگا جس کا مرکز، کعبہ قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ نظام قائم ہوگا تو متعدد مسائل ایسے سامنے آتے رہیں گے جن کا فیصلہ ملت کے باہمی مشورہ سے ہوگا (۴۲/۳۸)۔ اِس کے لئے ضروری ہوگا کہ سال میں ایک مرتبہ (حج) یا عند الضرورت کئی بار (عمرہ کی شکل میں) ملت کا اجتماع ہو۔ اِن اجتماعات سے مقصد تو وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، لیکن ایسی تقاریب پر جو باتیں ملی شعار کے طور پر چلی آ رہی ہوں، یا اختیار کی جائیں، اُن کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں ہوتا (بشرطیکہ وہ دین کے کسی اُصول سے نہ ٹکرائیں) —— مثلاً صفا اور مروہ کی درمیانی وادی میں چکر لگانا۔ لیکن اِن رسوم کو اصل مقصد نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ اصل مقصد تو "مسابقت فی الخیرات" ہے —— یعنی انسانیت کے فلاح و بہبود کے کاموں میں آگے بڑھنا (۲/۱۴۸) —— سو جو شخص، دل کی پوری رضامندی سے، اِن کاموں میں حصہ لے تو اُس کی کوششیں بھرپور نتائج پیدا کریں گی، اِس لئے کہ خدا کا قانونِ مکافات ظواہر سے آگے بڑھ کر نیتوں تک سے

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ
وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ
الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۳﴾

بھی واقف ہوتا ہے۔ (۴۰/۱۹)۔

۵۹/۱ یہ ہے مقصدِ حج کے اجتماع سے۔ یعنی اُس ضابطۂ ہدایت کو، جسے خدا نے اپنی کتاب (قرآن) کے الفاظ میں واضح طور پر بیان کیا ہے، عملاً دنیا کے سامنے پیش کرنا، تاکہ اُسکے نتائج مشہود طور پر سامنے آجائیں (۲۲/۲۸)۔ لیکن اگر تم نے اِن بلند مقاصد کو رسومات کے پردے میں چھپائے رکھا تو تم اِس ضابطۂ خداوندی کے ثمرات سے محروم رہ جاؤ گے، اور ان قوتوں کی تائید و نصرت سے بھی جو اِس کے نتائج مرتب کرنے میں ممد و معاون بن سکتی ہے۔

۵۹/۲ لیکن، اگر تم کسی وقت ایسا کر بیٹھو، تو یہ نہ سمجھ لینا کہ بس، اب یہ محرومی ابدی ہے۔ نہیں! ایسا ہرگز نہیں۔ تم جب بھی اُس مقام پر واپس آجاؤ جہاں سے تمہارا قدم غلط سمت کو اُٹھ گیا تھا، اور صحیح راستے پر چل پڑو، اور اِس طرح، اِس نظام کو پھر سے عملاً متشکل کر کے نمایاں طور پر دُنیا کے سامنے لے آؤ، تو اِس کی برکات پھر تمہاری طرف لوٹ آئینگی۔ اِس لئے کہ خدا کا قانون، اپنی برکات و ثمرات کو لئے، اُس قوم کی طرف تیزی سے بڑھ آتا ہے جو اُس کی طرف رُخ کرتی ہے، اور اُس کے لئے برومندی کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔

۶۰ لیکن جو قوم ایسا نہیں کرتی، اور عمر بھر غلط روش پر ہی چلے جاتی ہے، تو وہ یقیناً اِس ضابطۂ قانون کی برکات سے، فطرت کی قوتوں کی تائید سے، اور اُن تمام انسانوں کے تعاون سے محروم رہ جاتی ہے، جنہوں نے اِس باب میں اُن کا ساتھ دینا تھا۔

۶۱ اُس قوم کی یہی حالت رہتی ہے اور اُن کی تباہیوں اور بربادیوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ نہ ہی اُنھیں پھر مہلت ملتی ہے (اس لئے کہ اعمال کے نتائج کا ظہور ہوتا ہی مُہلت کے وقفہ کے بعد ہے۔ لہذا، ظہورِ نتائج کے وقت، مہلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔

۶۳/۱ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے، وہ ٹھیک اِسی طرح ہو کر رہتا ہے، اِس لئے کہ کائنات میں قانون صرف ایک ہی کا جاری و ساری ہے۔ یعنی خدا کا قانون جس کے سوا کوئی

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ
مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ
الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ
الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

صاحب اختیار و اقتدار نہیں۔ اُس کی مشیت کا پروگرام یہ ہے کہ کائنات، نشو و نما حاصل کرتے ہوئے، ارتقائی مدارج طے کرتی چلی جائے (۲/۲)۔ اِس لئے جو تخریبی قوتیں اُس کے راستے میں روڑے اٹکاتی ہیں، اُنہیں راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اسی کا نام قوموں کی تباہی ہے۔ (۲/۶)۔

۱۶۴ تم نے یہ دیکھنا ہو کہ کائنات میں کس طرح خدائے واحد کا قانون کارفرما ہے، اور وہ قانون کس طرح تعمیری نتائج مرتب کرتا ہے، تو، اِس کے لئے، کائنات کی حیرت انگیز مشینری پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کی پستیوں اور بلندیوں کی تخلیق کس طرح عمل میں آئی ہے۔ دِن اور رات کی گردش مدام کس نظم و ضبط سے جاری ہے۔ اتنے اتنے بڑے جہاز منفعت بخش سامان سے لدے ہوئے، کس طرح سینۂ بحر پر تیرتے پھرتے ہیں (اور وہ کونسا قانون ہے جو اُنھیں اِس طرح تھامے ہوئے ہے)۔ اُس صاف اور شفاف پانی کو دیکھو جو بادلوں سے برستا ہے اور زمینِ مُردہ کو حیاتِ تازہ عطا کرتا ہے۔ نیز، اِس حقیقت پر بھی غور کرو کہ صفحۂ ارض پر انواع و اقسام کے چلنے پھرنے والے ذی حیات، کس طرح پھیل رہے ہیں۔ ہوائیں کس طرح، خاص خاص موسموں میں، اپنی سمت بدلتی ہیں۔ بادل کس طرح زمین اور آسمان کی درمیانی فضا میں، قانون فطرت کی زنجیروں میں جکڑے، اِدھر سے اُدھر کھنچے چلے جاتے ہیں۔

اِن تمام مظاہر فطرت پر غور کرنے سے انسان ایک ہی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ کائنات کا نظم و ضبط ایک ہی ذی اقتدار ہستی کے کنٹرول میں ہے۔ لیکن اس نتیجہ پر وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو عقل و فکر سے کام لیں۔

۱۶۵ لیکن دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو، خدا کے علاوہ اور ہستیوں کے متعلق بھی سمجھتے ہیں کہ وہ اُنہی اقتدارات و اختیارات کی مالک ہیں جو خدا کو حاصل ہیں۔ وہ اُن کے احکام و

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَ
قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ
اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی ع ۲۴
الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾

ارشادات کی اُسی طرح اطاعت کرتے ہیں جس طرح خدا کے احکام کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ لیکن جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں' وہ نہایت شدت سے اِن قوانین کی اِطاعت کرتے ہیں اور کسی انسان کو خدائی قوتوں میں شریک نہیں سمجھتے۔ وہ قوانین خداوندی کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کرتے ہی نہیں (ع ۲۴)۔

لیکن یہ بات' اِن (اوّل الذکر) لوگوں کی سمجھ میں ابھی نہیں آسکتی۔ جب اِن کی اِس غلط روش کے نتائج اِن کے سامنے آئیں گے تو اُس وقت یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ فی الواقعہ کائنات میں اقتدار و اختیار صرف خدا کو حاصل ہے۔ اُسکے سوا اور کسی کو نہیں۔ اُس کے قوانین کو چھوڑ کر' دیگر قوانین پر عمل پیرا ہونے' اور اس طرح انسانوں کو خدا کا درجہ دیدینے' کا نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔

۱۶۶ یہ بات اِن کی سمجھ میں اُس وقت آئے گی جب یہ دیکھیں گے کہ جن (حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں) کی یہ پیروی کیا کرتے تھے' وہ کس طرح اِن کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ وہ سہارے کس طرح ٹوٹ رہے ہیں جو اِنہوں نے اُن سے وابستہ کر رکھے تھے۔ اور اِن کے باہمی رشتے کس طرح منقطع ہو رہے ہیں!

۱۶۷ اُس وقت یہ لوگ کہیں گے کہ اگر وقت کا دھارا ایک بار پیچھے کی طرف مُڑ جائے تو ہم بھی اِن حاکموں اور پیشواؤں سے اِسی طرح آنکھیں پھیر کر بتائیں جس طرح انہوں نے ہم سے آنکھیں پھیری ہیں۔ یوں ان کے اعمال کے نتائج بے نقاب ہو کر ان کے سامنے آجائیں گے۔ اور یہ دیکھ لیں گے کہ جن ہستیوں کو وہ اپنے لئے اس قدر قوت کا موجب سمجھتے تھے' اُنہوں نے اِنھیں کس قدر عاجز و ناتواں بنا ڈالا ہے۔ ایسا عاجز و ناتواں اور افسردہ و واماندہ کہ ان میں اِس تباہی سے نکلنے کی سکت ہی باقی نہیں رہی۔

کس قدر حسرتناک ہے اِن کا یہ انجام!

۱۶۸ ۱۶۹ یہ اپنے آپ بن بیٹھنے والے حاکم' اور مذہبی پیشوا' لوگوں کو یہ سبق پڑھاتے ہیں کہ

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ
اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ
لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا
دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کرو اور صرف اپنے مفاد کا خیال رکھو اور زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرتے چلے جاؤ ——— اور لطف یہ کہ اِس خود ساختہ مسلک کے متعلق کہتے یہ ہیں کہ یہ فرمودۂ خداوندی ہے۔ شریعتِ حقہ ہے۔

اے نوعِ انسان! دیکھنا، تم نے اِن، قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتنے والے، مفاد پرستوں کے پیچھے نہ لگ جانا۔ اِن کی کوئی بات نہ ماننا۔ یہ تمہارے بھلے کی نہیں کہتے۔ یہ تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔ خدا کا فرمان یہ نہیں کہ تم سب کچھ سمیٹ کر اپنے ہی لئے رکھ لو اور اس طرح معاشرہ میں ایسی شکل پیدا کر دو کہ کسی کے ہاں انبار کے انبار لگے ہوئے ہیں اور کسی کو ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ اُس کا فرمان یہ ہے کہ تم رزق کے سرچشموں کو تمام نوعِ انسان کی پرورش کے لئے کھلا رکھو۔ اِس میں سے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق، نہایت خوشگوار طریق سے، کھاؤ پیو (۲/۲۲ ؛ ۴۱/۱۰)۔ اور خدا کی طرف ایسی باتوں کو منسوب نہ کرو جن کا تمہیں علم نہ ہو۔

۱۶۹ اِن لوگوں کے پاس اپنے غلط نظام کی سند صرف یہ ہے کہ یہ نظام اُن کے اسلاف سے متوارث چلا آرہا ہے۔ سوچئے کہ یہ بھی کوئی سند ہے؟ یاد رکھو! غلط اور صحیح۔ حق اور باطل کی سند اور معیار صرف یہ ہے کہ خدا کی کتاب کا کیا فیصلہ ہے۔ لیکن یہ کبھی اُسے معیارِ تسلیم نہیں کریں گے۔ چنانچہ جب ان سے کہا جائے گا کہ جو کچھ خدا نے (قرآن میں) نازل کیا ہے اُس کا اتباع کرو، تو یہ کہیں گے کہ نہیں! ہم اُسی کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے اسلاف کو چلتے دیکھا ہے ——— یعنی خواہ ان کے اسلاف نہ عقل و بصیرت رکھتے ہوں اور نہ ہی وحی کے صحیح راستے پر گامزن ہوں، یہ پھر بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلتے رہیں گے! (۵/۱۰۴ ؛ ۱۱/۷۸ ؛ ۱۱/۶۲ ؛ ۲۱/۵۳ ؛ ۲۳/۲۴ ؛ ۳۴/۴۳ ؛ ۳۷/۷۰ ؛ ۴۳/۲۳)۔

۱۷۰ تقلید کی یہ راہ انسان کو حیوانوں کی سطح پر پہنچا دیتی ہے جو عقل و فکر سے کام لینے کی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ
عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ
عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

صلاحیت ہی نہیں رکھتے (۱۷۰/۵)۔ اِن کی، اور اِن کے پیشواؤں کی مثال یوں سمجھئے کہ بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ ہے جس کے پیچھے چرواہا ہے۔ چرواہے نے اپنے بڑے بوڑھوں سے کچھ آوازیں سیکھ رکھی ہیں، بلا الفاظ۔ اور کچھ الفاظ یاد کر رکھے ہیں، بلا مطلب۔ وہ یہ آوازیں نکالتا اور اِن الفاظ کو دہراتا رہتا ہے، اور بھیڑ بکریاں، اِن اشاروں پر اِدھر اُدھر مڑتی رہتی ہیں۔ نہ چرواہے کو اِس کا علم ہوتا ہے کہ اِن آوازوں اور الفاظ کا مطلب کیا ہے، اور نہ ہی وہ بھیڑ بکریاں اِن آوازوں کے علاوہ کچھ اور سمجھنے کے قابل ہوتی ہیں۔

یہ ہیں آباء کی تقلید کرنے والے۔ بہرے، گونگے، اندھے۔ عقل و فکر سے کچھ کام نہ لینے والے۔ انہیں انسان کون کہہ سکتا ہے؟

۱۷۲ اے جماعتِ مومنین! تم نے کہیں یہ راہ اختیار نہ کر لینا۔ تم تو علم و بصیرت کی روشنی میں، ابدی حقائق پر ایمان لائے ہو۔ تم نے یہ نہ دیکھنا کہ ہوا کیا چلا آ رہا ہے، یا دوسری قومیں کونسی روش اختیار کر رہی ہیں۔ مثلاً اِن قوموں کو تم دیکھو گے کہ اَسلاف کی اَندھی تقلید نے اِنہیں، قدم قدم پر، غیر فطری زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے —— یہ حرام ہے، وہ حلال ہے۔ یہ جائز ہے، وہ ناجائز ہے —— یہ سب اِن کی خود ساختہ پابندیاں ہیں۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ اُس نے جو سامانِ زیست تمہارے لئے پیدا کیا ہے، اُس میں سے، اُن چیزوں کو چھوڑ کر جنہیں اُس نے حرام قرار دیا ہے، باقی سب، نہایت خوشگوار طریق سے کھاؤ پیو، اور اُنہیں خدا کے متعین کردہ پروگرام کے مطابق صرف میں لاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو سمجھ لیا جائے گا کہ تم واقعی خدا کے احکام و قوانین کی اِطاعت کرتے ہو۔ اُس کے سوا کسی اور کی اِطاعت نہیں کرتے۔

۱۷۳ اب یہ سُن لو کہ خدا نے حرام کس کس چیز کو قرار دیا ہے —— مُردار۔ بہتا ہوا خون (۶/۱۴۵)۔ خنزیر کا گوشت۔ اور، ہر وہ شے جسے اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دیا جائے۔

پھر اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ کھانے کے لئے اور کچھ نہ ملے، اور تم (جان بچانے کے لئے) مجبور ہو جاؤ، تو ایسی حالت میں، اِن چیزوں کو بھی کھا سکتے ہو جنہیں حرام قرار دیا گیا ہے، بشرطیکہ تم واقعی مجبور ہو جاؤ اور تمہاری نیت قانون شکنی یا ہوس پروری کی نہ ہو۔ ایسی حالت میں، اِن چیزوں کے کھانے سے تمہاری ذات پر جو مضر اثرات مرتب

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ
بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

ہوں گے' قانون کے احترام کا محکم احساس' تمہیں اُن اثرات سے محفوظ رکھے گا اور تمہاری صلاحیتوں کی نشوونما بدستور ہوتی رہے گی۔

۱۷۴ حرام وحلال کے متعلق خدا کا قانون یہی ہے ($\frac{۵}{۳}$ ، $\frac{۵}{۸۷}$ ، $\frac{۶}{۱۱۹-۲۰}$ ، $\frac{۶}{۱۲۲}$ ، $\frac{۶}{۱۴۶}$ ، $\frac{۱۰}{۵۹}$ ، $\frac{۱۶}{۱۱۵-۱۱۶}$ ، $\frac{۲۲}{۳۰}$ ، $\frac{۶۶}{۱}$)۔ جو لوگ اِس قانون کو چھپا کر' اپنی طرف سے حرام وحلال کی فہرستیں مرتب کرنے لگ جائیں' اور خدائی اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لے کر' انھیں دنیاوی مفاد حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیں' تو وہ بظاہر کتنے ہی مرفہ الحال اور مقدس کیوں نہ دکھائی دیں' یوں سمجھو کہ وہ آگ کے شعلوں سے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ' ظہور نتائج کے وقت' قانون خداوندی کی رُو سے ملنے والی سعادتیں اور خوشگواریاں اُن سے بات تک نہیں کریں گی' اور اُن کی صلاحیتوں کی کبھی نشوونما نہیں ہو سکے گی۔ یہ بڑا ہی الم انگیز عذاب ہوگا۔ اُس وقت اِنہیں اِس کا اندازہ ہوگا کہ انھوں نے شرف انسانیت کو جن داموں بیچا تھا' وہ کس قدر حقیر اور کم مایہ تھے۔

۱۷۵ اِس لئے کہ اِنہوں نے خدا کی متعین کردہ سیدھی راہ کو بیچ کر' غلط راستوں کو خریدا۔ خدا کی حفاظت کے بدلے میں تباہیاں مول لیں —— ذرا سوچو کہ' سب کچھ دیکھتے بھالتے' اِس طرح تباہیوں کے جہنم کی طرف بڑھے چلے جانا' کتنی بڑی جسارت کا کام ہے! یہ اپنی قوتِ برداشت کے متعلق کس قدر غلط اندازہ لگا رہے ہیں! یہ اُس تباہی کا مقابلہ ہی نہیں کر سکیں گے۔

۱۷۶ اِن کا یہ انجام اِس لئے ہوگا کہ خدا نے جو کتاب نازل کی ہے وہ اٹل حقیقتوں پر مبنی ہے' جس میں اختلاف کا شائبہ تک نہیں (۴/۸۲) لیکن جب اِنسان اپنے ذہن سے شریعتیں وضع کر کے اُس کتاب میں اختلافات پیدا کرنے لگ جائیں' تو پھر وہ صحیح راستے سے بہت دُور ہٹ جاتے ہیں۔ اِس کا نتیجہ تباہی و بربادی ہوتا ہے۔

یہ لوگ' اِس طرح دین کے مقصد سے بیگانہ ہو جاتے ہیں' اور چند رسوم و مناسک

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
الْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ
السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا
عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۷ کو اصل دین سمجھ کر اُن کی پابندی کو اُس کی غایت سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن، تم نے کہیں اِس فریب میں نہ آجانا۔ تم اِس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ قانونِ خداوندی کی رُو سے، وسعت وکشادگی کی راہ (جس سے انسان معیارِ خداوندی پر پورا اُترتا ہے) یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف [اگرچہ اُمت میں وحدت اور یک جہتی پیدا کرنے کے لئے اِس قسم کے محسوس شعائر کی پابندی بھی ضروری ہوتی ہے۔ لیکن یہ مقصود بالذات نہیں ہوتے۔] مقصود اُس نظام کا قیام ہے جس کے اُصول اساسی یہ ہیں:

اللہ پر ایمان، قانونِ مکافات اور حیاتِ اُخروی پر ایمان، اُن کائناتی قوتوں پر ایمان جو مشیت کے پروگرام کو بروئے کار لانے میں واسطہ بنتی ہیں۔ انبیاء کرامؑ پر ایمان جن کی وساطت سے خدا کا پیغام انسانوں تک آتا رہا ہے۔ اور اُن کی وساطت سے ملی ہوئی کتابوں پر ایمان (۲/۴)۔

اِس ایمان (آئیڈیالوجی) کے بعد عملی دنیا میں یہ روش کہ مال و دولت کی محبت کے باوجود، اُسے دوسروں کی پرورش کے لئے عام کر دینا (۳/۹۱) —— وہ رشتہ دار ہوں یا ایسے لوگ جو معاشرہ میں لاوارث اور تنہا رہ جائیں۔ یا وہ لوگ جن کا چلتا ہوا کاروبار رُک جائے، یا ان میں کام کاج کی استعداد باقی نہ رہے۔ یا ایسے مسافر جو کسی طرح زادِ سفر سے محروم رہ جائیں۔ یا وہ لوگ جن کی کمائی اُن کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو۔ اِن کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اپنی دولت کو وقف کر دینا۔ مختصر الفاظ میں، نظامِ صلوٰۃ کو قائم کرنا تاکہ تمام ضرورتمندوں کو سامانِ نشوونما مہیا ہوتا رہے۔ اپنے عہد و پیمان کا احترام کرنا اور قول و اقرار کا پکا ہونا۔ لیکن اگر مخالف قوتیں آمادۂ پیکار ہو جائیں تو پھر مصائب و مشکلات کا نہایت ثابت قدمی اور استقامت سے مقابلہ کرنا، اور خوف و ہراس کو پاس نہ پھٹکنے دینا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى
بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۷۸

جو لوگ اِس رَوش پر استقامت سے گامزن رہتے ہیں' وہی اپنے دعوئے ایمان میں سچے ہوتے ہیں اور انہی کو یہ کہنے کا حق ہے کہ وہ قانون خداوندی کی نگہداشت کرتے ہوئے خطرات کی گھاٹیوں سے بچتے ہیں (نہ وہ جو چند رسومات کے مجموعہ کا نام دین رکھ کر' اُن کی ادائیگی سے جنّت کے وارث بننے کا دعوٰے کرتے ہیں)۔

۱۷۸ یاد رکھو! جس اصول کے مطابق' مستبد قوم سے اجتماعی طور پر جنگ کرنا ضروری ہوجاتا ہے (یعنی حقوق انسانیت کے تحفظ کی خاطر) اُسی اُصول پر' اپنے معاشرہ میں' انفرادی طور پر' جرم قتل کی سزا دینی بھی ضروری قرار پاتی ہے' کیونکہ اِس کے بغیر کسی کی جان محفوظ نہیں رہ سکتی' اور انسانی جان کی قیمت بہت بڑی ہے (۵/۳۲) - لہٰذا اِس باب میں قانون یہ مقرر کیا جاتا ہے کہ قاتل کو معاشرہ کی طرف سے سزا ضرور دی جائے (یعنی اسے خود معاشرہ یا نظام کے خلاف جرم سمجھا جائے' افراد متعلقہ کے خلاف نہیں)۔

سزا کے سلسلہ میں' عدل اور مساوات کے بنیادی اصولوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یعنی اِس میں بڑے اور چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ سوال مقتول یا قاتل کی پوزیشن کا نہیں۔ اصل سوال تقاضائے عدل کا ہے' جس کی رُو سے ہر انسانی جان یکساں قیمت رکھتی ہے۔ (مثلاً) اگر قاتل آزاد مرد ہے تو وہی آزاد مرد سزا پائے گا۔ اگر قاتل غلام ہے تو اُسی غلام کو سزا دی جائے گی۔ اگر وہ عورت ہے' تو اُس کا عورت ہونا اُسے سزا سے نہیں بچا سکے گا' اُسے بھی سزا بھگتنی پڑے گی۔

جرم قتل کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ قتل بالارادہ (قتل عمد) یا سہواً (نادانستہ) قتل۔ اوّل الذکر کی صورت میں سزائے موت ہے (زرِ فدیہ نہیں) ——— یا جرم کی نوعیت کے لحاظ سے' انتہائی سزا سے کم تر کوئی اور سزا (۴۲/۴۰) ——— لیکن سزا کو جرم کی حد سے بڑھ نہیں جانا چاہیئے (۴۲/۴۰ ؛ ۱۱/۳۳)۔

لیکن اگر قتل' عمداً نہیں کیا گیا۔ یونہی سہواً ہو گیا ہے' تو اِس صورت میں (۴/۹۲) کے مطابق)' دیت (معاوضہ) کی سزا دی جائے گی۔ اس دیت (کی رقم سے) اگر مقتول کا وارث' برضا و رغبت کچھ چھوڑنا چاہے' تو اُسے اِس کا اختیار دیا گیا ہے (۱۱/۳۳) - اِس صورت

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

میں مجرم کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ طے ہو گیا ہے کہ اُس کی پابندی کرے اور حسن کارانہ انداز سے اِس کی ادائیگی کرے۔ (قتل سہو کی سزا مقرر کرنے میں) تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے قانون میں رعایت رکھ دی گئی ہے تاکہ اس سے تم سب کی صلاحیتیں مناسب نشوونما پاتی رہیں۔

لیکن جو شخص' اِس طرح معاملہ طے ہو جانے کے بعد' زیادتی کرے تو اُسے سخت سزا دی جائے۔

۱۷۹ اگر تم' سطحی جذبات سے ہٹ کر' عقل و فکر کی رُو سے غور کرو گے تو تم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قصاص کے اِس قانون میں تمہاری اجتماعی زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔ اِس سے تم لاقانونیت کے خطرات سے محفوظ رہ سکو گے۔

۱۸۰ جان کی حفاظت کے بعد' معاشرہ میں مال کی حفاظت کا سوال سامنے آتا ہے (جب مال انفرادی تحویل میں ہو)۔ اِس کے لئے قانون یہ مقرر کیا جاتا ہے کہ جب تم دیکھو کہ تمہاری موت قریب ہے' اور تم اپنے پیچھے کچھ مال و دولت چھوڑ رہے ہو' تو تم اپنے والدین اور اقربین کے لئے' قاعدے کے مطابق وصیت کر جاؤ۔ ایسا کرنا تمام متقین (مسلمانوں) پر فریضۂ خداوندی ہے۔ (ترکہ کی تقسیم' وصیت پوری کرنے کے بعد ہو گی۔ ۴/۱۱)

۱۸۱ وصیت دو عادل گواہوں کے سامنے ہونی چاہیئے (۵/۱۰۶)۔ اگر کوئی شخص وصیت سُننے کے بعد اُس میں ردوبدل کر دے' تو ایسے لوگ (قانون کی نگاہ میں) مجرم ہوں گے (انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ بات زبانی ہوئی تھی' اِس لئے کسے معلوم کہ متوفی نے کیا کہا تھا اور ہم نے کیا بیان دیا ہے۔ لیکن وہ یہ بھول گئے کہ) اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔

۱۸۲ لیکن اگر کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ وصیت کرنے والے نے انصاف سے کام نہیں لیا' بلکہ وہ کسی کی طرف بیجا طور پر جھک گیا ہے' تو اُسے چاہیئے کہ متعلقین میں مصالحت کی صورت پیدا کر دے (وصیت کرنے والے کی زندگی میں یا اِس کے بعد)۔ یہ وصیت بدلدینے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

کے جرم کے مرادف نہیں ہوگا۔ بلکہ اِس سے قانونِ خداوندی اُن لوگوں کو حق تلفی سے محفوظ کرے گا جن سے انصاف نہیں ہوا تھا۔ اور یہی اُس کے قانون مرحمت کا تقاضا ہے۔

۱۸۳ لیکن میدان جنگ میں ثبات واستقامت کا سوال ہو' یا معاشرتی اور معاشی دنیا میں نظامِ عدل ومساوات کا قیام' یہ صرف اُسی صورت میں ممکن ہے کہ تمہیں اپنے آپ پر ضبط ہو۔ یعنی جب کبھی ایسا ہو کہ تمہارے کسی جسمانی (حیوانی) تقاضہ اور بلند انسانی قدر میں ٹکراؤ ہو' تو تم اس قدر کو جسمانی تقاضہ پر ترجیح دو۔ نیز تم جفاکشی اور مشقت طلبی کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہو جاؤ۔ اِس مقصد کے لئے تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں' جس طرح تم سے پہلی اقوام پر فرض کئے گئے تھے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنے کے قابل ہو سکو' اور زندگی کے سفر میں راستے کے خطرات سے محفوظ رہو۔

۱۸۴ یہ روزے گنتی کے دنوں کے ہیں (گنتی کا تعین' بجائے خویش' ڈسپلن پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے)۔ پھر' جو کوئی تم میں سے مریض ہو' یا سفر میں ہو' تو وہ دوسرے اوقات میں اِس گنتی کو پورا کرلے۔ لیکن اگر شکل یہ ہو کہ ایک شخص نہ تو بیمار ہے اور نہ ہی حالتِ سفر میں' لیکن اُس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ روزے کو بہ مشقت نباہ سکتا ہے (تو اُس کے لئے دوسرے اوقات میں روزے پورے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔ اسے چاہیئے کہ روزے کے عوض کسی حاجتمند کی روٹی کا انتظام کردے۔ (اس سے کم از کم' معذور اشخاص کا قلبی تعلق' اِس اجتماعی فریضہ کے ساتھ قائم رہے گا۔)

یہ ظاہر ہے کہ اس بات کا فیصلہ قانونی طور پر نہیں کیا جاسکتا کہ تم روزہ بہ مشقت نباہ سکتے ہو۔ یہ چیز تمہارے اپنے فیصلہ کرنے کی ہے۔ لہٰذا اپنی حالت کا جائزہ تم خود لو۔ اگر تم دیکھو کہ صورت بین بین ہے' تو پھر تمہارے لئے روزہ رکھنا بہتر ہے' خواہ اِس میں (مقابلتہً) تھوڑی سی تکلیف بھی کیوں نہ ہو۔ اِس لئے کہ جو مقصد روزے سے حاصل ہو سکتا ہے وہ اُس کے فدیہ سے نہیں ہو سکتا ——— بشرطیکہ تم روزے کی حکمت سے واقف ہو۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ
شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝

(۱۸۵) یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اجتماعی اور عسکری ٹریننگ (اور تربیت نفس) کے لئے رمضان کے مہینے کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ اس لئے کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی تھی ——— وہ قرآن جو تمام نوع انسانی کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی ایسی راہ بتاتا ہے جو واضح اور اُبھری ہوئی ہے' اور جو مستقل اقدار کے پیمانے پیش کرتا ہے تاکہ حق اور باطل میں تمیز ہوتی رہے۔ روزوں کا منظم و ضبط' اس عظیم پروگرام کے لئے مستعد رہنے کی سالانہ ٹریننگ ہے۔ سو جو شخص' اس مہینے میں' اپنے گھر پر موجود ہو' تو اُسے چاہیئے کہ اس مہینے کے روزے رکھے۔ لیکن جو مریض ہو' یا حالتِ سفر میں' تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ (اور جو بہ مشقت روزہ رکھ سکتا ہو اس کے متعلق پہلے کہا جا چکا ہے۔ یہ رعایتیں اس لئے ہیں کہ) خدا تمہارے لئے آسانیاں چاہتا ہے۔ سختی اور تنگی پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے تم دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر لیا کرو۔

پھر سن لو کہ روزے محض رسم پوری کرنے کے لئے نہیں۔ ان سے مقصد یہ ہے کہ تم اس قابل ہو جاؤ کہ' خدا نے جو تمہیں راہ نمائی عطا کی ہے' اس کے ذریعے تم قانون خداوندی کو ساری دنیا کے قوانین سے بلند کر سکو (۹/۳۳)۔ اور اس مقصد کے لئے تم جو کوشش کرو' وہ بھرپور نتائج کی حامل ہو۔

(۱۸۶) نہ ہی روزوں کے حکم سے' تمہارے ذہن میں یہ خیال پیدا ہونا چاہیئے کہ' مادی لذتوں اور جسمانی ضرورتوں کے ترک کر دینے سے انسان خدا کا مقرب بن جاتا ہے (جیسا کہ مسلکِ خانقاہیت میں' مختلف ریاضتوں اور مشقتوں کے متعلق سمجھا جاتا ہے)۔ (اے رسول) جب میرے بندے تم سے میرے متعلق دریافت کریں تو اُن سے کہہ دو کہ میں ہر وقت ان کے قریب ہوں۔ (وہ اس طرح کہ) جب بھی کوئی شخص' اپنی راہ نمائی کے لئے

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

مجھے پکارتا ہے تو' میرا قانونِ ہدایت جو قرآن کے اندر محفوظ ہے' اُس کی پکار کا جواب دیتا ہے (اور اُبھر کر اُس کے سامنے آجاتا ہے) - لہٰذا' اِن سے کہہ دو کہ قربِ خداوندی کا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ میرے قانون کی صداقت پر یقینِ محکم رکھتے ہوئے' اُس کی پوری پوری اطاعت کریں ($\frac{۵}{۵۶}$ ؛ $\frac{۵}{۲۴}$ ؛ $\frac{۳۲}{۱۵—۱۶}$ ؛ $\frac{۴۰}{۲}$ ؛ $\frac{۴۲}{۲۹}$) - یہ ہے وہ طریق جس سے یہ زندگی کے صحیح راستے پر پختگی سے چلتے رہیں گے - یہ سب کچھ اِن کے اپنے اعمال سے ہوگا ($\frac{۳}{۱۶۴}$)-

یہ بھی سمجھ لو کہ روزہ دن ہی دن کا ہے - رات کے وقت نہ کھانے پینے کی ممانعت ہے نہ ہی بیویوں کی طرف رجوع کرنے کی —— بیویوں سے جنسی اختلاط' "قربِ خداوندی" کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا (یہ بھی مسلک خانقاہیت کا پیدا کردہ تصور ہے)- میاں بیوی کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے' اور ایسا قریبی رشتہ کہ اِن کے درمیان کوئی تیسرا حائل نہیں ہو سکتا - اللہ جانتا ہے کہ نفسِ انسانی کے تقاضے کیا ہیں اور مسلک رہبانیت میں انسان کے دِل میں کس کس قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں جن سے وہ خود اپنے آپ سے خیانت کرتا رہتا ہے ($\frac{۵۷}{۱۹}$) - لہٰذا' خدا کا قانون' اِس بارے میں' انسانوں کی خود ساختہ حدود سے آگے بڑھتا ہے' اور تمہارے دِل میں جو وساوس پیدا ہو رہے تھے' اُن سے درگذر کرتے ہوئے اِس کی وضاحت کرتا ہے کہ تم' رات کے وقت' منشائے قانون خداوندی کے مطابق' اپنی بیویوں کے پاس بھی جا سکتے ہو اور کھا پی بھی سکتے ہو' تا آنکہ صبح کی سفیدی رات کی سیاہی سے نمایاں ہو جائے - اِس کے بعد' رات تک روزہ پورا کرو - لیکن اگر تم' اِس ٹریننگ کے کسی خاص کورس کے لئے' تربیت و اطاعت کے مراکز (مساجد) میں رُکے ہوئے ہو' تاکہ تم اُلجھے ہوئے معاملات کو اچھی طرح سلجھا سکو' تو پھر تم اِن راتوں میں بھی بیویوں سے اختلاط نہ کرو (اور اپنی توجہ کو پوری یک سوئی سے معاملاتِ پیشِ نظر پر مرکوز رکھو)-

۱۰۰

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ
بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِىَ مَوَٰقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ
الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَٰبِهَا ۚ وَاتَّقُوا
اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾

بس یہ ہیں وہ حدود جو اِس باب میں قانون خداوندی نے مقرر کر دی ہیں۔ اِن کی نگہداشت کرو۔ اِس طرح اللہ اپنے احکام و قوانین کو نمایاں طور پر بیان کر دیتا ہے تاکہ لوگ اِن کی پوری پوری نگہداشت کر سکیں۔

۱۸۸ اِس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے) روزے سے مقصد یہ ہے کہ تم میں ایسا ضبط نفس پیدا ہو جائے کہ تم 'زندگی کے ہر گوشے میں' جائز اور ناجائز میں تمیز کر سکو' اور 'خواہ تمہاری مفاد پرستی کا تقاضا کچھ ہی کیوں نہ ہو' ناجائز کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ (مثلاً) آپس میں ایک دوسرے کا مال 'ناجائز طریق پر نہ کھاؤ۔ یا اگر معاملہ عدالت تک جا چکا ہے' تو ایسا نہ کرو کہ حکام کو رشوت دے کر ایسا فیصلہ لے لو جس سے دوسروں کا کچھ مال ناجائز طور پر تمہیں مل جائے' حالانکہ تم جانتے ہو کہ جو مال اس طرح حاصل کیا جائے اس کے نتائج کیا ہوا کرتے ہیں؟

روزوں سے تمہاری اِس قسم کی تربیت ذات مقصود ہے۔

۱۸۹ ہم نے اوپر کہا ہے کہ روزے رمضان کے مہینے کے ہیں۔ اِس سے اِن لوگوں کے دِل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ بعض مہینے مبارک ہوتے ہیں اور بعض منحوس' اِس لئے انہوں نے اے رسول! تم سے اِس کی بابت دریافت کیا ہے۔ اِن سے کہہ دو کہ مہینوں (یا دنوں) میں سعد و نحس کا خیال تو ہم پرستی ہے۔ اِن کی حقیقت اِس کے سوا کچھ نہیں کہ اِن سے اوقات کا تعین ہو جاتا ہے ـــــ اور اس کے فوائد ظاہر ہیں ـــــ اسی طرح' یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ حج کب ہو گا۔

اِن سے واضح طور پر کہہ دو کہ دین میں تو ہم پرستی کو کوئی دخل نہیں مثلاً یہ جو تم سمجھتے ہو کہ حج کے دوران' مکانوں میں سامنے کے دروازے سے نہیں آنا چاہیئے' پچھواڑے سے آنا چاہیئے (تو یہ محض توہم پرستی ہے)۔ سعادت اور کشاد کی راہیں اِس قسم کی توہم پرستانہ رسوم سے وابستہ نہیں ہوتیں۔ کشاد کی راہ صرف ایک ہی ہے'

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۹۰ وَاقْتُلُوْهُمْ
حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ
الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹۱ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۹۲

اور وہ یہ کہ تم کس حد تک قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرتے ہو' اور تم میں کیریکٹر کی کتنی بلندی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا' تم اِن جہالت آمیز باتوں کو چھوڑو' اور جس طرح' اور دنوں' گھروں میں دروازوں کے راستے آتے ہو اسی طرح حج کے دنوں میں بھی آؤ جاؤ۔

قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرو اور معمول کے مطابق زندگی بسر کرو۔ یہی کامیابی کا طریقہ ہے۔

۱۹۰ بعض مہینوں میں البتہ جنگ کی اجازت نہیں (۲/۲۱۷ ؛ ۹/۳۶)۔ لیکن اِس کے یہ معنی نہیں کہ باقی مہینوں میں تم جس کے خلاف چاہو یونہی جنگ چھیڑ دو۔ جنگ اور صلح' تمہاری ذاتی مصلحتوں اور مفاد پرستیوں کے مطابق نہیں ہوگی' یہ بھی قانونِ خداوندی کے مطابق ہوگی۔ اس باب میں سب سے پہلا اور بنیادی اُصول یہ ہے کہ تم اُنہی سے جنگ کرو جو تمہارے خلاف جنگ پر اُتر آئیں اور اس طرح تمہارے لئے لڑائی کے علاوہ کوئی اور راستہ باقی نہ رہنے دیں (۲/۱۹۳)۔ یہ جنگ "خدا کی راہ" میں ہوگی ـــــ یعنی انسانیت کے تحفظ کی خاطر ـــــ اور اِس میں بھی قانون کی حد سے کبھی آگے نہیں بڑھا جائے گا۔ حدود شکنی' قانونِ خداوندی کی رُو سے بڑی ناپسندیدہ بات ہے۔

۱۹۱ جب تم اِن حالات میں جنگ کے لئے مجبور کر دیئے جاؤ' تو پھر دشمن کو جہاں پاؤ اُنکا مقابلہ کرو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے' تم بھی اُنہیں وہاں سے نکال دو۔ یہ اِس لئے کہ انسانی دنیا میں ظلم اور فساد' جنگ سے بھی زیادہ تباہیوں اور خرابیوں کا موجب ہوتا ہے۔ اِس کا البتہ خیال رکھو کہ ہم نے کعبہ کو امن کا مقام قرار دیا ہے (۲/۱۲۵)' اِس لئے تم ان سے اُس کے قرب و جوار میں جنگ نہ کرو۔ لیکن اگر دشمن وہاں بھی جنگ سے باز نہ آئے' تو پھر تم بھی اُس سے جنگ کرو۔ اِس لئے کہ جو لوگ اِس قسم کے (بین الاقوامی) آئین و ضوابط کا بھی احترام نہ کریں تو اُن کا علاج اِسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اُن کے حملے کا جواب دیا جائے۔

۱۹۲ لیکن اگر وہ وہاں جنگ سے رُک جائیں' تو تم بھی رُک جاؤ۔ (روزوں کی ٹریننگ

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

سے مقصود ہی یہ تھا کہ تم میں ایسی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ جہاں بڑھنے کا حکم دیا جائے بڑھ جاؤ' اور جہاں رکنے کے لئے کہا جائے' رک جاؤ' خواہ آگے بڑھنے میں کتنا ہی فائدہ کیوں نہ دکھائی دے۔ یاد رکھو! اگر تم قانون خداوندی کی اس طرح نگہداشت کرتے رہے تو وہ تمہاری حفاظت کے اسباب بھی پیدا کر دے گا اور سامانِ نشو و نما بھی (بے حد و شمار) بہم پہنچائے گا۔

۱۹۳ بہرحال' ان حدود و شرائط کے ساتھ تم ان کے خلاف جنگ کرو' تاآنکہ جو فتنہ انھوں نے اُبھار رکھا ہے' وہ فرو ہو جائے' اور ایسی فضا پیدا ہو جائے کہ دین کے معاملہ میں کسی پر کسی قسم کا جبر و اکراہ نہ ہو (۲/۲۵۶)' جو چاہے اسے خالصتہً للہ اختیار کر سکے۔ سو جس مقام پر بھی تم دیکھو کہ یہ لوگ اس قسم کی فساد انگیزیوں سے باز آ گئے ہیں' تم جنگ روک لو۔ (اس لئے کہ جنگ سے مقصد یہی ہے کہ مستبد اور سرکش قوتوں کو حد سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ لہذا) جو سرکش نہ رہے اس کی سرکوبی کیسی؟

۱۹۴ جنگ کو اگر مسلسل جاری نہ رکھا جائے' بلکہ اس میں وقفہ پڑ جائے تو اس سے صلح اور امن کے امکانات روشن ہو سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے سال میں کچھ مہینے ایسے رکھے جانے ضروری ہیں جن کے احترام میں جنگ روک دی جائے۔ لیکن جنگ دو مخالف فریقوں میں ہوتی ہے' اس لئے یہ التوا اسی صورت میں ممکن ہے کہ دونوں فریق اس معاہدہ کا احترام کریں۔ ایسی باتیں ادلے بدلے کے طریق پر ہی ممکن ہوتی ہیں۔ لہذا اگر فریق ثانی اس کا احترام نہ کرے اور زیادتی پر اُتر آئے' تو تم بھی اُس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو جیسا وہ تمہارے ساتھ کرتا ہے۔ (یعنی اُس کا مقابلہ کرو۔ حرمت کے خیال سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھے رہو) لیکن ان تمام امور میں تم قوانین خداوندی کی ہمیشہ نگہداشت کرو اور اس حقیقت کو یاد رکھو کہ قانون خداوندی کی تائید و نصرت انہی کے ساتھ ہوتی ہے جو ان حدود کی نگہداشت کرتے ہیں۔

۱۹۵ حق کے نظام کے قیام اور باطل کی سرکش قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ بھی

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۭ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۠ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

ضروری ہے کہ تم اپنے مال و دولت کو' اِس مقصد میں صرف کرنے کے لئے کھلا رکھو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو تم اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو تباہی میں ڈال لوگے ـــــ غرضیکہ تم زندگی کے ہر شعبے میں حسن کارانہ انداز سے' مصروف جدوجہد رہو۔ مستقل اقدار کی حفاظت کے لئے جہاں مال کی ضرورت ہو' مال خرچ کرو۔ جہاں جان دینے کی ضرورت پیش آجائے' بلا توقف جان دیدو۔ یہی روش معیار خداوندی پر پوری اُترتی ہے اور اسی سے انسانیت کا حسن نکھرتا ہے۔

۱۹۶ تم نے دیکھا کہ نظام عدل و مساوات کے قیام اور استحکام کے لئے کس قدر جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اِس کے لئے ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً تمہارے اجتماعات ہوتے رہیں جن میں باہمی مشوروں سے اِس عظیم پروگرام کی تکمیل کے طریقے سوچے جائیں ـــــ انہی اجتماعات کا نام حج اور عمرہ ہے۔

اِن اجتماعات کا مقام' تمہارے نظام کا مرکز' یعنی کعبہ ہے۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ تم وہاں پہنچنے سے روک دیئے جاؤ' تو تم سے جو کچھ آسانی سے ہو سکے' تحفتہً وہاں بھیجدو (تاکہ وہ اُن لوگوں کے کام آئے جو اِس مقصد کے لئے وہاں جمع ہوئے ہیں) جب تک یہ تحائف اپنی منزل تک نہ پہنچ جائیں' تم' (اُن لوگوں کے ساتھ قلبی ہم آہنگی قائم رکھنے کے لئے) حجامت نہ بنواؤ۔ جب وہ وہاں پہنچ جائیں تو پھر تم (اُن لوگوں کی مطابقت کرتے ہوئے) اپنے سر کے بال منڈواؤ۔ لیکن اگر تم میں سے کوئی مریض ہو' یا اُس کے سر میں کوئی تکلیف ہو' تو وہ اِس کے بدلے میں روزے رکھ لے۔ یا کوئی عطیہ دیدے۔ یا کوئی اور عمل خیر کرے جسے وہ اپنے اوپر واجب قرار دے لے۔ پھر جب تم حالت امن میں ہو' (اور اِن اجتماعات میں خود شریک ہو سکو)' تو تم میں سے جو شخص حج اور عمرہ' دونوں سے مستفید ہونا چاہے' تو جو تحفہ میسر آئے ساتھ لے جائے۔ جسے کوئی تحفہ نہ مل سکے تو وہ حج کے دوران میں تین دن کے

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ ۚ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي
الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي
الْأَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ
فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ ۚ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ
الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾

اور واپسی پر سات دِن کے' روزے رکھ لے' اور یوں دس دن کے روزے پورے کر لے۔ یہ اُس کے لئے ہے' جس کے اہل و عیال اُس کے ساتھ' کعبہ میں' موجود نہ ہوں۔

یاد رکھو! اِن اجتماعات سے اصل مقصد تو قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرنا ہے' لیکن اِن تقریبات پر بعض رسوم بطور ملی شعائر اختیار کرنی جاتی ہیں۔ اِن سے مقصود' باہمی یک رنگی اور ہم آہنگی ہوتا ہے جس کا مظاہرہ محسوس شکلوں میں ہی ہو سکتا ہے۔ سو تم اپنی نگاہ اصل مقصود پر رکھو۔ یعنی قوانین خداوندی کی نگہداشت پر۔ اگر ایسا نہ کرو گے (اور محض رسومات ہی کو اصل مقصود سمجھنے لگ جاؤ گے) تو اِس کا نتیجہ سخت تباہی ہو گا۔

۱۹۷ حج کے اجتماعات کے مہینے معلوم و متعین ہونے چاہئیں۔ پھر جو شخص اِس فریضہ کو اپنے ذِمّے لے' تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ اِس کی تمام شرائط پوری کرے۔ اَزاں جُملہ' یہ بھی کہ اِس اجتماع میں کوئی بات پایۂ ثقاہت سے گری ہوئی نہیں ہونی چاہیئے ۔ نہ فحش کلامی یا دیگر جنسی میلانات کی باتیں۔ نہ درشت کلامی یا کوئی اور معیوب حرکت۔ نہ' باہمی مشاورت میں' دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کے لئے یونہی باتیں بڑھاتے جانا اور مناظرانہ جنگ و جدل پر اُتر آنا ــــ اِن میں سے کوئی بات بھی نہیں ہونی چاہیئے ــــ مختصراً یوں سمجھو کہ یہ اجتماعات نوعِ انسان کی منفعت بخشیوں کی تجاویز سوچنے کے لئے ہیں (۲۲/۲۸) - سو اِن میں کوئی بات ایسی نہ ہو جو تمہیں اِس مقصد سے دور لے جائے۔ یاد رکھو! تمہارا ہر عمل خدا کے قانون مکافات کی نگاہ میں ہوتا ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ اِس سفر کے لئے تمہارے پاس زادِ راہ بھی ہو۔ اِس کا فائدہ یہ ہو گا کہ تم وہاں بھیک مانگنے کی ذِلّت سے محفوظ رہو گے۔

نیز' اِن اجتماعات میں شریک اُنہی کو ہونا چاہیئے جو عقل و بصیرت کی رُو سے سوچ سکیں کہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کس طرح کی جا سکتی ہے (اور اُنہیں عملاً نافذ کرنے کی صورتیں کیا ہیں)۔

۱۹۸ اِس حقیقت کو بھی فراموش نہ کرو کہ یہ اجتماعات' کوئی "یاترا" کی قسم کی چیز نہیں کہ وہاں

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ
مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي
الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

"دُنیاداری" کے دھندوں کی کوئی بات نہ ہوسکے۔ اِس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم اِن اجتماعات میں (ملّت کے لئے) سامانِ نشوونما اور معاشی وسائل کے اخذ وطلب کے لئے جدوجہد کرو۔ پھر جب تم' اِن مسائل کے طے کر لینے کے بعد عرفات کے میدان سے واپس آجاؤ (جہاں تمہارا باہمی تعارف ہو چکا ہے)' تو مشعر الحرام کے قریب آکر' پھر جمع ہو' اور قانون خداوندی کی راہ نمائی میں' نظامِ خداوندی کے مختلف گوشوں کو سامنے لاؤ۔

ممکن ہے تمہارے دِل میں یہ خیال گذرے کہ ہم تو حج کو محض ایک "مذہبی فریضہ" سمجھتے تھے لیکن مذکورہ بالا احکام وہدایات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ 'نظامِ خداوندی کا ایک اہم گوشہ ہے جس کا تعلق ہماری معاشرتی اور تمدنی دنیا سے ہے۔ تو تمہارا پہلا نظریہ غلط تھا۔ صحیح بات وہی ہے جو تمہیں اب بتائی گئی ہے۔

۱۹۹ اِن تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد' تم عام لوگوں کی طرح اپنے اپنے ہاں واپس آجاؤ (یہ نہ سمجھ لو کہ تم اِن سے الگ کچھ اور بن گئے ہو) اور جو پروگرام وہاں طے ہوا ہے اُس کے مطابق' اپنی حفاظت کے سامان کی طلب وجستجو میں سرگرمِ عمل رہو۔ یقیناً اِس طرح اللہ کا قانون تمہاری حفاظت کا سامان بھی کر دے گا اور پوری پوری نشوونما کا بھی۔

۲۰۰ وہاں سے واپسی کے بعد' تم یہ نہ سمجھ لو کہ جو کچھ تم پر واجب تھا' سب ادا ہو گیا اور اب تم پر کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہی۔ وہاں سے واپسی پر بھی تم قوانین خداوندی کو ہر وقت اپنے پیشِ نظر رکھو' اُسی طرح جیسے تم' اِس سے پہلے' اپنے اسلاف کے مسلک کو اپنے سامنے رکھا کرتے تھے ـــــ بلکہ اُس سے بھی زیادہ شدت اور گہرائی کے ساتھ۔

یہ بھی یاد رکھو کہ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اِن اجتماعات میں تم اپنے دنیاوی مفاد کے متعلق بھی غور وفکر کرو اور اِس کے حصول کی راہیں سوچو' تو اِس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارے دین کا منتہیٰ' دنیاوی مفاد کا حصول ہے' اور بس۔ بالکل نہیں۔ اِس حقیقت کو سمجھ لو کہ جو لوگ محض دنیاوی مفاد کو منتہائے نگاہ قرار دے لیتے ہیں' اُنہیں یہ مفاد تو حاصل ہو جاتے ہیں' لیکن مستقبل کی خوشگواریوں میں ان کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔ (۱۶ ـــ ۱۸)

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

---

۲۰۱ ان کے برعکس، دوسرے لوگ وہ ہیں جن کی طلب و آرزو یہ ہوتی ہے کہ انہیں دُنیاوی زندگی کی خوشگواریاں بھی حاصل ہوں اور اُخروی زندگی کی خوشگواریاں بھی۔ اور وہ ہر قسم کی تباہیوں سے محفوظ رہیں۔

۲۰۲ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں، اُن کے عمل کے مطابق، دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریوں سے حصّہ مل جاتا ہے۔ خدا کا قانونِ مکافات کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ وہ ہر عمل کا نتیجہ ساتھ کے ساتھ مُرتب کرتا جاتا ہے۔ (البتہ نتائج کے ظہور کا وقت الگ ہوتا ہے)۔

۲۰۳ یہ اجتماعات (جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے اور) جن کا مقصد قوانینِ خداوندی کو سامنے لانا ہے، ایک متعین مُدت تک رہنے چاہئیں۔ اگر کسی کو جلد واپس آجانا ہو تو وہ دو دن کے بعد چلا جائے۔ جو زیادہ دیر تک ٹھہر سکتا ہے، وہ واپسی میں تاخیر کردے۔ نہ اُس میں کوئی حرج کی بات ہے، نہ اِس میں۔ اصل چیز تو قانونِ خداوندی کی نگہداشت ہے۔ لہٰذا تمہاری نگاہ اِس مقصد پر رہنی چاہیئے اور اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ تمہارے اجتماع کی آخری منزل اور غایت وہ ہے جو تمہارے خدا نے تمہارے لئے مقرر کی ہے۔ تمہارا ہر قدم اُس کی طرف اُٹھنا چاہیئے۔

۲۰۴ یاد رکھو! دُنیا میں تمہیں دو قسم کے انسان ملیں گے۔ ایک وہ جن کے پیشِ نظر صرف دنیاوی (طبیعی) زندگی کا مفاد ہوگا۔ جب یہ لوگ دنیاوی معاملات کے متعلق گفتگو کریں گے تو وہ تمہیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیں گے۔ وہ اپنے سچے ہونے کے ثبوت میں، قدم قدم پر، خدا کو گواہ ٹھہرائیں گے۔ (بات بات پر اُس کی قسم کھائیں گے)۔ حالانکہ اِن کے دِل، دشمنی اور خصومت کے جذبات سے لبریز ہوں گے۔

وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَإِذَا
قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي
نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۖ
وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۲۰۸﴾ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ
فَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۰۹﴾

---

۲۰۵ جب اِن لوگوں کو حکومت اور اقتدار مل جائے، تو اِن کی ساری کوشش یہ ہو گی کہ ملک میں تباہیاں اور ویرانیاں عام ہو جائیں۔ فصلیں تباہ ہو جائیں۔ نسلِ انسانی ہلاک ہو جائے ـــــ نہ معاشی نظام میں توازن رہے، نہ عمرانی نظام میں ـــ انہیں صرف اپنی مفاد پرستی کا خیال ہوتا ہے۔ اِس کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی کہ ملک پر کیا گذر رہی ہے ـــــ حالانکہ جس خدا کو یہ بات بات پر بطور گواہ پیش کرتے ہیں، وہ کبھی پسند نہیں کرتا کہ دنیا میں تباہی اور ویرانی پھیلائی جائے۔

۲۰۶ جب اِن لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو، تو نشۂ حکومت کی بدمستیاں اور جھوٹی عزّت کا خیال، اِنہیں اور خرابیوں کے لئے اُکساتا ہے۔ اِن کا مقام تباہی اور بربادی کا جہنم ہے جہاں اِنسانیت ذبح ہوتی ہے ـــــ کتنا بُرا ہے یہ مقام!

۲۰۷ دوسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو منشائے خداوندی کو پورا کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں اور اس کے لئے اگر اُنہیں اپنی جان تک بھی دینی پڑے تو اُسے بخوشی قربان کر دیتے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جنہیں قانون خداوندی کی رُو سے ہر قسم کی حفاظت اور نشوونما کا سامان حاصل ہوتا ہے۔

۲۰۸ لہٰذا اے جماعتِ مومنین! تم یہی رَوِش اختیار کرو، اور اِس نظامِ خداوندی میں، جو امن و سلامتی کا ضامن ہے، اجتماعی طور پر پورے کے پورے، داخل ہو جاؤ اور چند قدم چل کر رُک نہ جاؤ، بلکہ اس کی آخری حد تک پہنچو۔ اپنے اُن (حیوانی سطحِ زندگی کے) جذبات کے پیچھے نہ لگ جاؤ جنہیں اگر بے باک چھوڑ دیا جائے تو وہ انسان کو بلند اقدار کی سطح تک آنے نہیں دیتے۔ یہ رَوِش انسان کی سخت دشمن ہے اس سے بچنا۔

۲۰۹ ہم نے زندگی کے اُصول و قوانین، واضح طور پر تمہارے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ اگر

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ
الْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾ سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ
اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾

اِس کے بعد تمہارے پاؤں میں لغزش آگئی تو یہ نہ سمجھ لو کہ تم سے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہوگا۔ ہمارا قانون مکافات بڑی قوتوں کا مالک ہے۔ وہ ہر ایک پر غالب آکر رہتا ہے۔ لیکن اُس کا غلبہ اندھی قوتوں کا غلبہ نہیں ہوتا' قاعدے اور قانون۔ اور حکمت و بصیرت کے مطابق ہوتا ہے۔

۲۱۰ یہ تمہارے مخالفین ابھی تک اُنہی خیالات میں مست ہیں جو اِن کی توہم پرستیوں نے پیدا کر رکھے ہیں۔ مثلاً یہ کہ قوموں کی تباہی کے لئے' خدا خود بادلوں (کے رتھ) میں بیٹھ کر' فرشتوں کے جلو میں' آیا کرتا ہے' اور یوں آخری فیصلہ ہو جاتا ہے۔

اِن سے کہو کہ قوموں کی تباہی اور بربادی اِس طرح نہیں ہُوا کرتی۔ وہ خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ تمہارا ہر عمل تمہیں' خدا کے قانونِ مکافات کی طرف کشاں کشاں لئے جاتا ہے۔ تم اُس کی گرفت سے کہیں باہر نہیں جا سکتے۔ تباہی اور بربادی اِس طرح آتی ہے۔

۲۱۱ اِس کی شہادت چاہتے ہو تو اِن یہودیوں (بنی اسرائیل) سے پوچھو (جو تمہارے گرد و پیش بستے ہیں)۔ انہیں (قوموں کی زندگی اور موت کے متعلق) واضح قوانین دیئے گئے تھے۔ اِنہوں نے اُن قوانین کا اتباع کیا تو اِن پر خدا کی نعمتوں کے دروازے کھل گئے۔ پھر اِنہوں نے ایسے کام کئے جن سے وہ نعمتیں' ذلتوں اور خواریوں میں بدل گئیں۔ اور یہ سب کچھ خدا کے اُس قانونِ مکافات کی رُو سے ہوا جس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔

۲۱۲ یہ اِس طرح ہوتا ہے کہ لوگ' زندگی کی بلند سطح کا انکار کر کے' محض طبیعی زندگی کو اصلِ حیات سمجھ لیتے ہیں۔ اِس زندگی کی عیش سامانیاں اُن کا مقصود بن جاتی ہیں اور یہ چیزیں بڑی حسین بن کر دکھائی دیتی ہیں۔ یہ اُن لوگوں کا مذاق اُڑاتے ہیں' جو بلند اقدار پر ایمان رکھتے ہیں۔ اپنے پروگرام کے ابتدائی دور میں یہ لوگ کمزور اور ناتواں سے

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ
الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۱۳

دکھائی دیتے ہیں کیونکہ یہ مادی مفاد کے حصول کے لئے (فریق مخالف کی طرح) ہر حربہ استعمال نہیں کرتے۔ لیکن آخر الامر معاشرہ میں جب آسمانی انقلاب نمودار ہو جاتا ہے' تو اُس وقت ساری دُنیا دیکھ لیتی ہے کہ جو لوگ مستقبل اقدار کی نگہداشت کرتے تھے' وہ اُن لوگوں پر فوقیت رکھتے ہیں جو محض دُنیاوی مفاد کو مقصدِ حیات سمجھتے تھے اور اُس کے حصول میں کسی قاعدے اور اُصول کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اُس وقت یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ جو قوم قانونِ خداوندی کے مطابق رزق حاصل کرنا چاہتی ہے' اُسے کس طرح بلاحد وحساب رزق کی فراوانیاں نصیب ہو جاتی ہیں (یہ انسان کی بھول ہے جو ابتدائی محنت سے گھبرا کر' غلط راستے اختیار کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے اُسے بڑی کامیابی حاصل ہوگی)۔

یہ حقائق قوم بنی اسرائیل ہی سے مخصوص نہیں۔ نوع انسان کی ساری تاریخ ان کی آئینہ دار ہے۔ انسانی زندگی کا پہلا دور وہ تھا جب (وہ تمدنی زندگی سے ناآشنا تھا۔ قدرتی پیداوار پر اس کا گذارہ تھا اور وہ ہر ایک کو بافراط مل جاتی تھی اس لئے ان کے باہمی مفاد میں ٹکراؤ نہیں ہوتا تھا) سب ایک برادری کی شکل میں رہتے تھے۔ اس کے بعد' اُنھوں نے تمدنی زندگی شروع کی تو باہمی مفاد میں ٹکراؤ ہوا (۲/۳۶) اور اس طرح' اُن میں اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے (۲/۱۴)۔ ان اختلافات کا مٹانا تنہا عقلِ انسانی کے بس کی بات نہ تھی' کیونکہ ہر فرد اور ہر گروہ کی عقل اُس کے ذاتی مفاد کا تحفظ چاہتی ہے۔ دوسروں کا مفاد اُس کے سامنے ہوتا ہی نہیں۔ اس مقصد کے لئے اللہ نے انبیاء کو اپنی وحی دے کر بھیجا وہ انہیں اختلافی زندگی کے نتائج وعواقب سے آگاہ کرتے اور ایک برادری بن کر رہنے کی زندگی کے خوشگوار ثمرات کی خوش خبری سُناتے۔ ہر نبی اپنے ساتھ قوانینِ خداوندی کا ضابطہ (الکتاب) لاتا جو حق پر مبنی ہوتا' تاکہ وہ لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ کرے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ
وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾
يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ
وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾

ہر نبی اِس ضابطہ کی رُو سے' وحدت پیدا کر کے چلا جاتا' لیکن' اِس کے بعد' وہ لوگ جنہیں وہ ضابطہ دیا گیا تھا' باوجود ایسی واضح تعلیم کے' باہمی ضد اور مخالفت' اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کے خیال سے' پھر اختلافات شروع کر دیتے (۱۶/۹۲ ؛ ۵۶/۹۰)۔ لیکن اِن میں سے جو لوگ اِس ضابطہ کی صداقت پر یقین رکھتے' انہیں خدا' اپنے قانون کے مطابق' اختلافات سے بچنے کی راہ دکھا دیتا۔ یہی وہ طریق ہے جس سے اللہ' ہر اُس قوم کو جو اختلافات سے بچنا چاہتی ہے زندگی کی توازن بدوش' سیدھی راہ کی طرف راہ نمائی کر دیتا ہے۔

۲۱۴ دعی کی راہ نمائی' تمام اِنسانوں کو ایک برادری میں منسلک کر دینا چاہتی ہے لیکن چونکہ اِس سے اِنفرادی مفاد چاہنے والوں کے مقاصد پر زد پڑتی ہے' اِس لئے وہ اِسکی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ لہٰذا' اِس جنتی معاشرہ کے قائم کرنے کے لئے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ——— سو' اے جماعتِ مومنین! تم نے یہ نہ سمجھ لینا کہ تم اِس معاشرہ کو یونہی قائم کر لوگے' اور' مفت میں' جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ تمہیں بھی اُن جاں گداز مراحل سے گذرنا پڑے گا جن سے وہ لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اِس سے پہلے' اِس انقلاب آفرینی کی کوشش کی۔ سختیاں اور مصیبتیں اُنہیں چاروں طرف سے گھیر لیتیں۔ اُن کی شدت سے اُن کے دِل دہل جاتے۔ یہاں تک کہ وہ' اور ان کا رسول' پکار اُٹھتے کہ بارالٰہا! ہماری کوششوں کی بار آوری کا وقت کب آئے گا (۳/۱۴۲ ؛ ۹/۱۶ ؛ ۲۹/۲ ؛ ۳۳/۱۰)۔ ایسے ایسے ہمت شکن اور صبر آزما مراحل کے بعد کہیں جا کر اُن کی کوششیں کامیاب ہوتیں اور تائید ایزدی اُن کی سعی و عمل کو ثمر بار کرتی۔

تمہیں بھی انہی مراحل میں سے گذرنا ہوگا۔

۲۱۵ اِس کے لئے' سب سے پہلا مرحلہ' مالی قربانی کا ہے۔ اے رسول! تمہارے ساتھی تم سے پوچھتے ہیں کہ اِس کے لئے کس قدر مال کی ضرورت ہوگی اور اُسے کہاں

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ
هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ (۲۱۶)
وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ
اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ
مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

خرچ کرنا ہوگا۔ اِن سے کہو کہ اِس پروگرام کی ابتدا معاشرہ کے محدود دائروں سے کی جائے گی۔ اِس لئے سرِدست تم یہ دیکھو کہ اِن دائروں میں وہ کون کون سے افراد ہیں جو دوسروں کی مدد کے محتاج ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے اپنے گھروں میں اپنے والدین کو دیکھو۔ پھر اپنے گھر کی چار دیواری کو وسیع کر کے اپنے گرد و پیش میں بسنے والے اقربا کو دیکھو۔ پھر اور آگے بڑھو تو اُنہیں دیکھو جو معاشرہ میں بے یار و مددگار رہ گئے ہیں۔ نیز اُنہیں جن کا چلتا ہوا کاروبار رُک گیا ہے۔ پھر اِس سلسلہ کو اپنی بستی سے آگے بڑھاؤ اور باہر سے آنے والوں کے متعلق دیکھو کہ اُنہیں تمہاری مدد کی کس قدر ضرورت ہے۔ (اِس کی آخری حد وہ ہے جسے (۲/۲۱۹) میں بیان کیا گیا ہے)۔

تم اِن لوگوں کی ضروریات کو پورا کرو، اور اس پر یقین رکھو کہ جو کچھ بھی تم دوسروں کی بھلائی کے لئے کرو گے وہ سب اللہ کے علم میں رہے گا۔ اس میں سے ایک ذرہ برابر بھی بے نتیجہ نہیں رہنے پائے گا۔

۲۱۶ مال کے بعد جانوں کی قربانی کا مرحلہ آئے گا۔ یعنی تمہیں مخالفین سے جنگ بھی کرنی پڑے گی۔ یہ مرحلہ تم پر گراں گذرے گا، کیونکہ تم لوٹ مار کی خاطر جنگ کرنے کے عادی ہو۔ انسانیت کی بہبود کیلئے جس میں ایثار ہی ایثار ہو، ذاتی منفعت کوئی نہ ہو، جنگ کرنا کارے دارد۔ لیکن اِن معاملات میں تم اپنی انفرادی عقل اور جذبات سے فیصلہ نہ کراؤ۔ اِس لئے کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ عقلِ خود بیں تمہیں ایک بات کو سخت ناپسندیدہ بنا کر دکھائے، لیکن وہ (تمہاری ذات کی بہبود کے نقطۂ نگاہ سے) تمہارے لئے بڑی خیر و برکت کی موجب ہو۔ اِسکے برعکس، عقل و جذبات کے سطحی تقاضے کسی چیز کو بڑا خوش آیند بنا کر دکھائیں لیکن وہ درحقیقت (تمہاری ذات کی نشوونما کے لئے) بڑی مضرت رساں ہو۔ اسلئے اِن امور کا فیصلہ وحی کی روشنی میں کرو، کیونکہ وحی کی نگاہ دُور رس حقیقت کو دیکھتی ہے اور تمہاری جذبات کے تابع چلنے والی عقل کی نگاہ محدود ہوتی ہے۔ وہ حقیقت کو نہیں جان سکتی۔

۲۱۶ لیکن صلح ہو یا جنگ، قانونِ خداوندی کی پاسداری ہر حالت میں لازمی ہے۔ مثلاً

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ
نَّفْعِهِمَا ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

جس مہینے میں تمہیں جنگ سے روکا گیا ہے' اُس میں جنگ کرنا بہت بڑا جُرم ہے۔ دوسری طرف' اِس حقیقت کو بھی پیشِ نظر رکھو کہ لوگوں کو خدا کے راستے کی طرف آنے سے روکنا' اُس کے قوانین کی صداقت سے انکار و سرکشی برتنا۔ مسجد حرام تک میں جنگ کرنے سے باز نہ رہنا اور جو لوگ اُس میں پناہ لے چکے ہوں' اُنہیں وہاں سے نکال باہر کرنا۔ یہ جرائم بہت زیادہ سنگین ہیں۔ یہ فتنہ پردازی ہے' اور فتنہ پردازی قتل سے بھی زیادہ ہلاکت انگیز نتائج کا موجب ہوتی ہے۔

اِسے بھی یاد رکھو کہ یہ لوگ جو تم سے برسرِ پیکار ہیں' کبھی جنگ سے ہاتھ نہیں اُٹھائیں گے جب تک ـــــ اگر ان میں اس کی استطاعت ہو ـــــ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دیں۔ (جنگ سے اِن کا مقصد ہی یہ ہے)۔ لیکن' اِسے سمجھ لو کہ تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اور حالتِ کفر میں اُس کی موت واقع ہو جائے' تو یہ وہ لوگ ہوں گے کہ دُنیا اور آخرت' دونوں میں اِن کے اعمال اِن کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ اِن کی سعی و عمل کی کھیتیاں جُھلس کر رہ جائیں گی۔ (۵/۵۳) - یہ بات کہ یہ کسی وقت دین کے صحیح راستے پر تھے' اِنہیں اِس تباہی سے نہیں بچا سکے گی۔

۲۰ اِن کے برعکس' جو لوگ اِس نظام کی صداقت پر یقین رکھیں۔ اور اِس کے قیام کی راہ میں جو چیز بھی حائل ہو' اُس سے اپنا دامن چھڑا کر' آگے بڑھ جائیں۔ حتیٰ کہ اگر اس کے لئے وطن بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دیں۔ اور اِس کے حصول کے لئے مسلسل جد و جہد کرتے رہیں۔ (اور مرتے دم تک اسی روش پر قائم رہیں۔ ۲/۲۱۷) - تو یہی لوگ ہیں جو رحمتِ خداوندی کے صحیح معنوں میں امیدوار ہیں۔ خدا کا قانونِ ربوبیت' اِن کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں کے مضرت رساں اثرات سے' اِن کی حفاظت کر دیتا ہے (۵/۶۵) اور ان کی نشوونما کا پورا پورا سامان مہیا کر دیتا ہے۔

۲۱ اِس مقام پر یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ نظامِ خداوندی کے قیام کی راہ میں کون کون سی چیزیں حائل ہوتی ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔ اِس سلسلہ میں پہلی اُصولی بات یہ ہے کہ جو چیز بھی انسان کی عقل و خرد کو ماؤف کر کے' اِس کے قوائے عملیہ کو

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾

مضمحل کر دے' وہ اِس نظام کی راہ میں موانعات سے ہے ـــــ ہر نشہ آور چیز اور وہ دولت جو بلا محنت و مشقت مِل جائے (جس میں قمار بازی بھی شامل ہے) اِس کی بیّن مثالیں ہیں۔ اِن میں اضافی طور پر منافع بھی ہیں' لیکن اِن سے انسانی ذات میں ایسی افسردگی' سہل انگاری' سستی اور اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے جو اُسے زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑتا۔ یہ نقصان اِن چیزوں کے عارضی نفع کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہلاکت انگیز ہے۔

لہٰذا مفت میں ہاتھ آجانے والی دولت کے پیچھے نہ پڑو۔ اپنی محنت سے کماؤ (۵۳/۳۹)۔ اِس میں سے بقدر اپنی ضروریات کے اپنے لئے رکھو' اور جس قدر اِن سے زائد ہو' سب کا سب' نوعِ انسان کی پرورش کے لئے' کھلا رکھو (تاکہ نظامِ خداوندی اُسے ضروری مصرف میں لا سکے)۔

اِس طرح خدا اپنے احکام و قوانین کو تمہارے لئے واضح طور پر بیان کر دیتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو' اور سوچو کہ تمہارا حال اور مستقبل (دنیا اور آخرت) دونوں کس طرح روشن ہو سکتے ہیں۔

یہ نظام ہر ضرورتمند کی دستگیری کرے گا۔ اِن میں خصوصیت سے وہ لوگ سامنے آتے ہیں جو دُنیا میں بے یار و مددگار رہ جائیں ـــــ اِن میں وہ بچے بھی شامل ہیں جن کے ماں باپ مر جائیں ـــــ اِن کے معاملات کو سلجھانا موجبِ خیر ہے۔ اگر تم اِن سے مل جل کر رہتے ہو' یا اِن کے معاملات میں شرکت کرتے ہو' تو ہمیشہ اِس کا خیال رکھو کہ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ یاد رکھو! ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے کون اصلاح چاہتا ہے اور کس کی نیت میں فتور ہے۔ تمہیں یہ واضح ہدایات اِس لئے دی گئی ہیں کہ تمہارے لئے اصلاح کا راستہ آسان ہو جائے۔ اگر اِس کا قانونِ مشیت ایسا نہ ہوتا تو وہ تمہیں اِس قسم کی ہدایات نہ دیتا اور اِس سے تم مشکل میں پھنس جاتے۔ لیکن خدا تمہارے لئے آسانیاں چاہتا ہے (۲/۱۸۵)۔

لیکن آسانیوں کے یہ معنی نہیں کہ تم جو کچھ چاہو کرو۔ تم پر کسی کا کنٹرول ہی نہ ہو۔ خدا کا قانونِ مکافات' ہر بات پر پورا پورا غلبہ رکھتا ہے' اگرچہ اِس کا یہ غلبہ عین حکمت پر مبنی ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا
الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ
عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ
فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

۲۲۱ تم جس جنتی معاشرہ کے قیام کی فکر میں ہو' اُس کی ابتدا تمہاری گھر کی زندگی سے ہوتی ہے۔ لہذا سب سے پہلے ضروری ہے کہ تم اپنے گھر کو جنت بناؤ۔ اِس کے لئے بنیادی سوال یہ ہے کہ میاں بیوی کا انتخاب کس معیار کے مُطابق ہونا چاہیئے؟ اُسی معیار کے مُطابق' جسکی رُو سے تمہاری اُمت کی تشکیل ہوتی ہے۔ یعنی آئیڈیالوجی کے اشتراک کی بناپر۔ تمہاری آئیڈیالوجی یہ ہے کہ اطاعت صرف ایک خدا کے قوانین کی ہے۔ اِس میں کسی اور کو شریک نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا' میاں بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اِس آئیڈیالوجی میں متفق ہوں۔

بنابریں' تم کسی مشرک عورت سے شادی نہ کرو تا وقتیکہ وہ ایمان نہ لے آئے۔ مشرک آزاد عورت سے' مومن لونڈی[1] بہتر ہوتی ہے' خواہ' اوّل الذکر تمہیں کتنی ہی جاذبِ نگاہ دِکھائی کیوں نہ دے۔ اسی طرح' مومن عورتیں مُشرک مردوں سے شادی نہ کریں' تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں۔ مُشرک آزاد مرد سے مومن غلام بہتر ہے' خواہ اوّل الذکر کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگے۔ یہ اِس لئے کہ متضاد آئیڈیالوجی رکھنے والوں کا یک جا جمع کر دینا' جہنم پیدا کر دے گا۔ اِس لئے خدا کا قانون تمہیں اِس سے روکتا ہے۔ وہ تمہارے گھر کی زندگی کو جنت کی آسودگیاں عطا کرنا چاہتا ہے اور تمہیں ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔

خدا' اِس طرح اپنے احکام کو لوگوں کے لئے واضح کر دیتا ہے تاکہ وہ حقیقت کو اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لیں۔

۲۲۲ نکاح کے بعد' مقاربت کا سوال آتا ہے۔ سو ایامِ حیض میں اِس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

---

[1] یہ اسلام کے ابتدائی ایام کا ذکر ہے' جس میں ہنوز زمانۂ جاہلیت کی لونڈیاں اور غلام مسلمانوں کے ہاں موجود تھے۔ اسلام نے اُن غلاموں اور لونڈیوں کو آہستہ آہستہ اپنے معاشرہ کا جُزو بنا لیا اور آیندہ کے لئے غلامی کا دروازہ بند کر دیا۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٤﴾ لَّا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَّلِيمٌ ﴿٢٢٥﴾

اِس لئے کہ حیض عورت کے لئے ایک قسم کی واماندگی کا موجب ہوتا ہے اور اس میں مجامعت نقصان کا باعث۔ لہذا اِن ایام میں عورتوں سے الگ رہنا چاہیئے تاوقتیکہ وہ اِس سے فارغ نہ ہو جائیں۔ جب یہ عرصہ ختم ہو جائے تو جس طرح خدا کے طبیعی قانونِ تولید کا اشارہ ہے[1]، تم اُس طرح اِن سے مقاربت کر سکتے ہو۔

اگر تم اِس سے پہلے ایسا نہیں کرتے تھے، تو اب صحیح راستے کی طرف لوٹ آؤ۔ قانونِ خداوندی کی رُو سے پسندیدہ لوگ وہی ہیں جو غلط راستہ کو چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کر لیں اور ناخوش آیند امور سے دُور رہیں۔

۲۲۳ میاں بیوی کے جنسی اختلاط کے معاملہ میں اس اُصول کو یاد رکھو کہ اِس سے مقصود افزائشِ نسل (اولاد پیدا کرنا) ہے۔ اِس اعتبار سے تمہاری بیویوں کی مثال کھیتی کی سی ہے۔ جس طرح کسان اُس وقت تخم ریزی کرتا ہے جب اُسے فصل اُگانا مقصود ہو، اِسی طرح تم بھی اُس وقت اپنی "کھیتی" میں جاؤ جب تم اولاد پیدا کرنا چاہو۔

لیکن اِس کے ساتھ اِس حقیقت کو بھی سمجھ لو کہ انسانی زندگی کا مقصود و منتہیٰ، اولاد پیدا کرنا ہی نہیں۔ اصل مقصود اپنی ذات کی نشوونما کرنا ہے۔ حیاتِ جاوید بقائے ذات سے حاصل ہوتی ہے، اولاد کے ذریعے نہیں۔ اِس لئے تم یہ بھی دیکھو کہ تم نے بقائے ذات کیلئے کیا کیا ہے۔ اِس کا طریقہ یہ ہے کہ تم ہمیشہ قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو، اور اِس حقیقت کو پیشِ نظر رکھو کہ تم خدا کے قانونِ مکافات کی زد سے بچ نہیں سکتے۔ تمہیں اُس کا سامنا کرنا ہے — زندگی کی خوشگواریاں انہی کے لئے ہیں جو اِس حقیقت پر ایمان رکھیں۔

۲۲۴ عائلی زندگی کے سلسلہ میں دوسری بات یہ یاد رکھو کہ بعض لوگ، یونہی کوئی لغو سی قسم کھا لیتے ہیں (کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا)۔ پھر جب اُن سے، بھلائی اور تقویٰ اور لوگوں میں اِصلاح کے کاموں کے لئے کہا جائے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے ایک قسم

[1] قرآن کریم نے طبیعی قوانین کے فطری طریق کو بھی تسلیم خداوندی سے تعبیر کیا ہے۔ دیکھئے (۵۴/۴۹ ؛ ۹۶/۵ : ۲/۲۸۲)۔

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا
الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن
يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي
ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾

کھا رکھی ہے اِس لئے ہم اِن کاموں میں حصّہ نہیں لے سکتے۔

۲۲۵ یاد رکھو! خدا اِس قسم کی لغو قسموں پر گرفت نہیں کرتا جو تم' یونہی' بلا سوچے سمجھے کھا لو۔ وُہ اُن قسموں پر گرفت کرتا ہے جو تم دِل کے ارادے سے کھاؤ (۵/۸۹)۔ وہ سب کچھ سُننے والا' جاننے والا ہے۔ نیز' اُس کا قانون ایسا نہیں جو یونہی ذرا ذرا سی باتوں پر بھڑک اُٹھے۔ اِس میں بڑی سہار ہے اور مقصد تمہاری حفاظت ہے' نہ کہ تباہی۔

۲۲۶ اِس تمہیدی اُصول کے بعد' اب تم معاملہ کی بات کی طرف آؤ۔ جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیں' تو عورت کو اِس معلق حالت میں غیر متعین عرصہ کے لئے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اُنہیں' زیادہ سے زیادہ' چار ماہ تک انتظار کرنا چاہیئے۔ اگر وہ اِس عرصہ میں باہمی تعلقات کی طرف رجوع کر لیں' تو اُنہیں اِس کی اجازت ہے' کیونکہ قانونِ خداوندی میں اِس قسم کی لغزشوں سے حفاظت اور مرحمت کی گنجائش رکھی گئی ہے (۵/۸۹ ؛ ۳۳/۵ ؛ ۵/۳۹)۔

۲۲۷ لیکن اگر وہ معاہدۂ نکاح سے آزاد ہو جانے کا فیصلہ کر لیں (جسے طلاق کہتے ہیں) تو انہیں ایسا کر لینا چاہیئے۔ اِس لئے کہ یہ اُس خدا کا قانون ہے جو ہر بات کا سُننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (اُسے معلوم ہے کہ جب نباہ کی شکل باقی نہ رہے تو پھر الگ ہو جانا ہی بہتر ہوتا ہے)۔

۲۲۸ طلاق یافتہ عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ' اپنے آپ کو' (نکاحِ ثانی سے) اِتنا عرصہ روکے رکھیں جتنے میں اُن کے تین حیض پورے ہوں۔ [جنہیں کسی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اُن کی عدّت تین ماہ کی ہے (۶۵/۴)۔ اور جس عورت کی طلاق' مقاربت سے پہلے ہو جائے' اُس کی کوئی عدّت نہیں (۳۳/۴۹)]۔ اگر وہ حاملہ ہوں تو اُنہیں اِس امر کا اظہار کر دینا چاہیئے۔ اِن کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں کہ اللہ نے جو کچھ اِن کے رحم میں پیدا کر دیا ہے وہ اُسے چھپائے رکھیں۔ خدا کے قانون (اللہ اور آخرت) کو مان لینے کے بعد' اِس قسم کی جزئیات تک کی پابندی بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ [حمل کی صورت میں اِن کی عدّت وضعِ حمل تک

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
شَيْـــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا
افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۲۲۹

ہوگی۔ (۶۵/۴)]۔

عدّت کے دوران میں عورت کسی جگہ نکاح نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر اِس دوران میں' اُن کے خاوند اِس امر کا احساس کر لیں کہ اُن سے غلطی ہوئی ہے اور وہ آیندہ کے لئے اپنی اصلاح کا ارادہ کر لیں' تو وہ اپنی مطلقہ بیوی سے' عدّت کے دوران میں بھی نکاح کر سکتے ہیں [بشرطیکہ بیوی بھی اِس کے لئے رضامند ہو (۲/۲۳۴)] ۔ بس یہ ایک بات ہے جس میں عورت کے مقابلہ میں' مرد کو فوقیت حاصل ہے (یعنی عورت کے لئے عدّت ہے اور مرد کے لئے عدّت نہیں) ورنہ' قانونِ خداوندی کی رو سے' مرد اور عورت کے حقوق و فرائض یکساں ہیں۔ اِس لئے کہ یہ اُس خدا کا قانون ہے جو ہر معاملہ کی حکمت سے واقف ہے' اور ہر ایک کو اُس کے صحیح مقام پر رکھنے پر قادر اور غالب۔

۲۲۹ یاد رکھو! ایک مرد اور عورت کی ازدواجی زندگی میں دو مرتبہ تو ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ طلاق کے بعد' عدّت کے دوران میں' پھر سے قانون کے 'مطابق' آپس میں نکاح کر لیں' یا حُسن کارانہ انداز سے الگ ہو جائیں۔ [لیکن اگر تیسری مرتبہ طلاق کی نوبت آجائے' تو اُس کے بعد وہ ایسا نہیں کر سکیں گے (۲/۲۳۰)]۔ طلاق کی صورت میں' اِس کی اجازت نہیں کہ جو کچھ تم عورتوں کو دے چکے ہو اُس میں سے کچھ بھی واپس لے لو۔ ہاں اگر کسی وقت ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ایک طرف یہی چیز اُن کی علیحدگی کے راستے میں حائل ہو رہی ہو' اور' دوسری طرف' میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے میں اُنہیں خدشہ ہو کہ (تعلقات کی کشیدگی کی بنا پر) وہ حقوق و واجبات ادا نہیں کر سکیں گے جو قانونِ خداوندی نے اُن پر عائد کر رکھے ہیں ——— اور معاشرہ کا نظامِ عدالت بھی اِسی نتیجہ پر پہنچے اور سمجھے کہ کہ خاوند کو واقعی کچھ معاوضہ ملنا چاہیئے' تو اِس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ دے' اور معاہدۂ نکاح سے آزادی حاصل کر لے۔

یہ قانونِ خداوندی کی حدود ہیں جن کی نگہداشت ضروری ہے۔ جو کوئی اِن حدّود سے تجاوز کرے گا' وہ قانون کی نگاہ میں مجرم ہوگا۔

۲۲۹ اگر کسی میاں بیوی کی ازدواجی زندگی میں دو مرتبہ کی طلاق (اور تین مرتبہ کی

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا
إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ
أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ
يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ
عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾

نکاح) کے بعد تیسری مرتبہ طلاق ہو جائے، تو اُس کے بعد یہ عورت اپنے سابقہ خاوند کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ ہاں! البتہ، اگر وہ کسی اور شخص سے نکاح کرے اور اُس سے بھی طلاق ہو جائے، تو پھر اِس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر لے، بشرطیکہ اُنہیں توقع ہو کہ وہ اب قانون خداوندی کی حدود کی نگہداشت کر سکیں گے۔

یہ ہیں عائلی زندگی سے متعلق وہ قوانین جنہیں اللہ ان لوگوں کے لئے واضح طور پر بیان کرتا ہے جو معاشرتی زندگی کی مصلحتوں کا علم رکھتے ہیں۔

۲۳۱ عدت کے دوران میں عورت کا نان نفقہ، رہنا سہنا، سابقہ خاوند کے ذمے ہوگا (۶۵/۶) ۔ اُس کے بعد جب مطلقہ عورت کی عدت کا زمانہ ختم ہونے کو آئے تو (جیسا کہ ۲/۲۲۸ میں کہا گیا ہے) یا اُسے نکاح میں لے آؤ یا قاعدے کے مطابق رخصت کر دو۔ [اور یہ فیصلہ دو معتبر گواہوں کے روبرو کرو تاکہ بات واضح ہو جائے (۶۵/۲)]۔

اور یاد رکھو! اِن عورتوں سے دوبارہ نکاح اِس نیت سے نہ کرو کہ اُن پر زیادتی کر کے اُنہیں تکلیف پہنچائی جائے۔ جو ایسا کرے گا، وہ خود اپنے آپ کو نقصان پہنچائے گا۔ لہٰذا قانون خداوندی کو یونہی مذاق نہ سمجھو۔ اِس کے نتائج و عواقب بڑے دور رس ہوتے ہیں۔ یہ تو اللہ کی نوازشات میں سے ہے کہ اُس نے تمہیں ایسا واضح ضابطۂ قوانین عطا کر دیا ہے ——— اور صرف قانون ہی نہیں بتایا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ قانون کی غرض و غایت کیا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے نتائج کیا نکلیں گے ———

لہٰذا، تم اِن قوانین کی پوری پوری نگہداشت کرو اور اِس حقیقت پر یقین رکھو کہ یہ اُس خدا کا قانون ہے جو سب کچھ جانتا ہے۔

۲۳۲ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کے قریب پہنچ جائیں، اور یہ سابقہ میاں بیوی پھر ازدواجی زندگی بسر کرنے پر رضامند ہوں اور آپس میں قانون کے مطابق

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ
بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ
اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا
لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ
تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا
سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

نکاح کرنا چاہیں' تو (اے افرادِ معاشرہ!) تم اِن عورتوں کو' اِس سے مت روکو۔ یہ تلقین ہر اُس شخص کو کی جاتی ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اِن قوانین کی اطاعت میں تمہاری ذات کی نشوونما کا سامان اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا راز پوشیدہ ہے۔ یاد رکھو! یہ قوانین اُس خدا کے عطا کردہ ہیں جو اُن باتوں کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے۔ (اس لئے تم اِن کی اطاعت کرو۔ اِن کے نتائج خود بخود بتا دیں گے کہ یہ کس قدر حقیقت اور حکمت پر مبنی ہیں)۔

۲۳۳ اگر طلاق کی صورت میں' ماں کی آغوش میں دودھ پیتا بچہ ہو' اور باپ چاہے کہ وہ اس بچے کو پوری مدت تک دُودھ پلائے تو ماں کو چاہیئے کہ وہ پورے دو سال تک بچے کو دودھ پلائے (۳۱/۱۴ : ۴۶/۱۵)۔ اِس صورت میں' قاعدے اور قانون کے مطابق' اِس عورت کے روٹی کپڑے کا اِنتظام' اُس مرد کے ذمے ہوگا۔ یہ انتظام اُس مرد کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اِس باب میں اُصول یہ ہے کہ کسی شخص پر اُس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ (فیصلہ کرنے والی عدالت کو چاہیئے کہ اِس چیز کو پیشِ نظر رکھے کہ) نہ تو اُس بچے کی وجہ سے ماں کو ناحق تکلیف پہنچے اور نہ ہی اُس کے باپ کو۔ اگر اُس بچہ کا باپ (اِس اثنا میں) فوت ہو جائے تو اِس کی ذمہ داری اُس کے وارث کے سر پر ہوگی۔

اگر وہ دونوں' باہمی رضامندی اور مشورہ سے' (قبل از وقت) دودھ چھڑا کر کوئی اور اِنتظام کر لینا چاہیں) تو اِس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر تم بچے کے لئے کسی اور دودھ پلانے والی کا انتظام کرنا چاہو تو اِس میں بھی کوئی قباحت نہیں' بشرطیکہ جو کچھ تم نے بچے کی ماں سے

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ
اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا
تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

طے کیا تھا وہ اُسے پورا پورا دیدو۔

بہرحال، تم ہمیشہ قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرو اور اِس حقیقت کو پیشِ نظر رکھو کہ خدا کا قانونِ مکافات تمہارے ہر عمل اور نیت پر نگاہ رکھتا ہے۔ (اِس لئے نہ تو قانون کی محض رسمی پابندی کرو اور نہ ہی اس سے گریز کی راہیں تلاش کرو)۔

۲۳۴ (یہ تو تھی طلاق کی وجہ سے مفارقت کی صورت۔ دوسری شکل یہ ہے کہ) تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور اپنے پیچھے اپنی بیوہ چھوڑ جائیں، تو اُنہیں چار ماہ اور دس دن تک (نکاحِ ثانی کے لئے) انتظار کرنا چاہیئے۔ جب اُن کی عدّت ختم ہونے کو آئے، تو وہ اپنے لئے، قاعدے اور قانون کے مطابق، جو فیصلہ بھی کرنا چاہیں، اُنہیں اِس کا اختیار ہے۔ تم پر اِس بارے میں کوئی الزام نہیں ہوگا (کہ اُنہوں نے یوں کیوں کیا اور یوں کیوں نہ کیا)۔ یاد رکھو! جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے خبردار ہے۔

۲۳۵ اِن عورتوں کی عدّت کے دوران میں، اگر تم اِن سے نکاح کی بابت کچھ اشارۃً کنایتہً کہدو، یا اپنے دِل میں اِس کا ارادہ پوشیدہ رکھو، تو اِس میں کوئی مضائقہ نہیں —— خدا کو اِس کا علم ہے کہ تمہیں اِن سے نکاح کرنے کا خیال آئے گا ——— لیکن اِن سے خفیہ خفیہ نکاح کا وعدہ مت لے لو۔ ہاں! (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) قاعدے قانون کے مطابق اِن سے بات چیت کرو۔ لیکن عدّت کے دوران میں نکاح کی گرہ کو پختہ مت کرو۔ اِس حقیقت کو پیشِ نظر رکھو کہ (ظاہر اعمال تو ایک طرف) خدا تمہارے دل میں گذرنے والے خیالات تک سے بھی واقف ہے ——— اور یہ بھی سمجھ لو کہ اِن حدود و قیود سے خدا تم پر کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا۔ اِس سے مقصود یہ ہے کہ تمہارا معاشرہ غلط روی کے نقصانات سے محفوظ رہے۔ خدا ایسا نہیں کہ وہ تمہاری غلط روی پر بھڑک اُٹھے اور تمہیں سخت توانین کی زنجیروں میں جکڑ دے۔ ——— یہ کچھ مستبد حکمران کیا کرتے ہیں۔ خدا ایسا نہیں کرتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى
الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِنْ
طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ
يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ
اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾
فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾

---

۲۳۶ اور اگر ایسی صورت ہو کہ تم نے ابھی اپنی منکوحہ بیوی کو چھوا نہیں۔ اور نہ ہی اُس کا مہر مقرر ہوا تھا۔ اور طلاق کی نوبت آجائے، تو، اِس صورت میں بھی قانون کے مطابق طلاق دیدینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن چاہیئے کہ اُس مطلقہ کو کچھ ساز وسامان دے دیا جائے۔ صاحب وسعت اپنی حیثیت کے مطابق، اور تنگدست اپنی بساط کے مطابق — تاکہ مطلقہ ہونے کی وجہ سے، اُس عورت کو جو نقصان پہنچا ہے، اُس کی کچھ تلافی ہو جائے۔ اِس قسم کا حسن کارانہ سلوک تم پر واجب ہے۔

۲۳۷ اور اگر ایسا ہو کہ تم نے اپنی منکوحہ سے مقاربت نہیں کی، لیکن اُس کا مہر مقرر ہو چکا تھا، اور طلاق کی نوبت آجائے، تو اُس صورت میں اُس کے مہر کا نصف ادا کرنا ضروری ہے۔
لیکن اگر صورت وہ ہو جسے (۲/۲۲۹) میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی مرد کو کچھ معاوضہ دلایا جانا مقصود ہو، تو عورت اپنا حق چھوڑ سکتی ہے۔ اور اگر شکل یہ ہو کہ، نکاح کی گرہ کو مرد کھولنا چاہتا ہے (یعنی طلاق کا مطالبہ اُس کی طرف سے ہے) تو وہ، نصف کے بجائے پورا مہر ادا کر دے تو زیادہ اچھا ہے۔ اِس قسم کا باہمی مراعات کا برتاؤ قانونِ خداوندی کے منشاء سے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے تم آپس میں حسنِ سلوک کو کبھی نہ بھولو — الگ بھی ہو تو فراخ دلی کا ثبوت دے کر الگ ہو۔ اللہ کا قانونِ مکافات تمہارے ہر عمل پر نگاہ رکھتا ہے۔

۲۳۸ یہ ہیں (عائلی زندگی کے سلسلہ میں) تمہارے فرائض منصبی جن کی محافظت ضروری ہے۔ لیکن تمہارا مرکزی فریضہ، جس کی محافظت اشد ضروری ہے، یہ ہے کہ تم، زندگی کے
۲۳۹ ہر گوشے میں، ہمیشہ، قوانین خداوندی کی اطاعت میں کمربستہ کھڑے رہو — خوف کی

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ
خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ
مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى
الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ
فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

حالت میں 'پیادہ چل رہے ہو یا سواری پر۔ اور حالتِ امن میں' اُٹھتے بیٹھتے۔ لیٹتے۔ (۳/۱۹۰ ۔ ۴/۱۰۳)' ہر حال میں قوانین خداوندی کو اِس طرح سامنے رکھو جس طرح اُس نے تمہیں بتایا ہے — تم' اِس سے پہلے' اِن امور سے واقف نہیں تھے۔

۲۴۰ اِس اُصولی نقطہ کو سمجھ لینے کے بعد' پھر اُنہی عائلی قوانین کی طرف آجاؤ جن کا ذکر پیچھے سے چلا آرہا تھا۔ تم میں سے جو لوگ بیوہ عورتیں چھوڑ کر مرجائیں' اُنہیں چاہیئے کہ اپنی بیویوں کے متعلق وصیت کرجائیں کہ' سال بھر تک' اُنہیں گھر سے نہ نکالا جائے اور اُنہیں سامانِ زندگی دیا جائے' لیکن اگر وہ از خود چلی جائیں' اور قاعدے قانون کے مُطابق' اپنے لئے کچھ اور فیصلہ کرلیں' تو اِس سے تم پر کوئی الزام نہیں آتا۔ یاد رکھو! اللہ کا قانون بڑی قوت والا لیکن' اُس کے ساتھ ہی حکمت پر مبنی بھی ہے۔

۲۴۱ اسی طرح مُطلّقہ عورتوں کو بھی' قاعدے قانون کے مطابق' عدّت کے دوران میں' سامانِ زندگی مہیا کرو (۲/۲۴۱ ۔ ۶۵/۶) ۔ یہ اُن لوگوں پر واجب ہے جو قانون خداوندی کی نگہداشت کرتے ہیں۔

۲۴۲ اِس طرح اللہ اپنے قوانین کو تمہارے لئے واضح طور پر بیان کردیتا ہے تاکہ تم عقل و فکر سے کام لے کر' اِنہیں سمجھ سکو۔

۲۴۳ بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ' جو قوتیں تمہارے نظام کی راہ میں حائل ہوں گی تمہیں اُن کا مقابلہ کرنا ہوگا (۲/۲۱۶ ۔ ۲/۲۱۸) ۔ لیکن خارجی قوتوں کا مقابلہ وہی قوم کرسکتی ہے جس کا داخلی نظام پرسکون اور اطمینان بخش ہو۔ اِس کے لئے تمہیں عائلی زندگی کے متعلق قوانین دیئے گئے (۲/۲۲۱ ۔ ۲/۲۴۲) ۔ اب تم پھر اصل موضوع کی طرف آؤ۔ یعنی اِس موضوع کی طرف کہ تمہاری اجتماعی زندگی میں استحکام کس طرح پیدا ہوسکتا ہے۔ اِس مقصد کے لئے تم قوم بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ پر غور کرو۔ یہ لوگ

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ
بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ

ہزاروں کی تعداد میں تھے' لیکن جب دشمن کا سامنا ہوا' تو وہ اپنا گھربار' سب کچھ' چھوڑ چھاڑ' بھاگ کھڑے ہوئے ـــــ اُنہوں نے اِس قدر بزدلی کا ثبوت کیوں دیا؟ محض اِس لئے کہ وہ موت سے ڈرتے تھے۔ لیکن وہ زندگی کے اِس اُصول کو بھول گئے کہ زندہ وہی رہتا ہے جو موت سے نہیں ڈرتا (۳/۱۴۵)۔ جو موت سے بھاگتا ہے' اُسے موت آگے بڑھ کر دبوچ لیتی ہے۔ ـــــ جب اُنہوں نے اِس راز کو پا لیا تو اُنہیں حیاتِ نو عطا کر دی گئی۔ وہ دشمنوں کے مقابلہ پر ڈٹ گئے اور آخر الامر فتحمند ہوئے۔

یہی وہ قانونِ حیات ہے جس سے اقوامِ عالم کو افضلیت و فوقیت حاصل ہوتی ہے' لیکن اکثر لوگ اِس قانون کی قدر دانی نہیں کرتے۔

۲۴۴ ہم نے اُن سے کہا تھا کہ تم' موت سے ڈر کر بھاگنے کے بجائے' حق و انصاف کی راہ خداوندی میں' دشمنوں کا جم کر مقابلہ کرو۔ اُن سے ڈٹ کر لڑو۔ یاد رکھو! تمہاری کوئی قربانی ضائع نہیں ہوگی۔ اِس لئے کہ اللہ ہر ایک بات کو سُنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

۲۴۵ اِس کے ساتھ ہی اُن سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ' تمہاری اجتماعی قوت کے لئے مال کی بھی ضرورت ہوگی۔ اِس کے لئے نہایت حسن کارانہ انداز سے "قرض" دو۔ اسے "قرض" اِس لئے کہا جاتا ہے کہ' بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ' یہ دولت تمہارے ہاتھ سے نکل کر' کسی اور کے پاس چلی جاتی ہے۔ لیکن' درحقیقت یہ روپیہ کسی اور کے پاس نہیں جاتا۔ یہ چند در چند (کئی گنا ہو کر) تمہارے پاس واپس آ رہا ہوتا ہے۔

یاد رکھو! دولت کا بڑھنا اور گھٹنا' خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ تم اپنے لئے جس قسم کے قوانین جی چاہے بنا لو' آخر الامر نتیجہ خدا کے قانون کے مطابق ہی مرتب ہوگا۔ تم اُس سے ہٹ کر کہیں اور جا نہیں سکتے۔ تمہارا ہر قدم اُسی کی طرف اُٹھ رہا ہے۔

اور وہ قانون یہ ہے کہ دولت جس قدر' نظامِ حق و انصاف کے قیام' اور عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کی جائے' وہ اُسی قدر بڑھتی ہے۔

هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ
أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ
عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ
بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

---

۲۴۶ اِس ضمن میں وہ واقعہ بھی غور طلب ہے جو موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل کے سردارانِ قوم کو پیش آیا۔ انہوں نے ' اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے کوئی کمانڈر مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اُس کے زیرِ کمان ' اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ اُن کے نبی نے اُن سے کہا کہ اِس وقت تو تم جنگ کے لئے اِس قدر شوق اور آمادگی کا اظہار کر رہے ہو' لیکن (تمہاری جو نفسیاتی کیفیت ہو چکی ہے اُس سے) کچھ بعید نہیں کہ جب تمہیں جنگ کا حکم دیا جائے تو تم اُس سے گریز کرو۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں جنگ نہ کریں' درآنحالیکہ ہم اپنے گھروں سے نکال باہر کئے گئے ہیں اور اپنے بچوں تک سے علیحدہ کر دیئے گئے ہیں۔

لیکن ہوا وہی جو اُن کے نبی نے کہا تھا۔ جب اُنہیں جنگ کا حکم دیا گیا تو اُن میں سے' بجز معدودے چند' سب گریز کی راہیں نکالنے لگے۔ لیکن یہ کوئی غیر متوقع بات نہ تھی۔ جو لوگ قانون شکنی اور نافرمانی کے عادی ہو چکے ہوں' اُن میں نظم و ضبط کے ساتھ' دشمن کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور صلاحیت کہاں رہ سکتی ہے؟ اللہ اُن کی اِس نفسیاتی کیفیت سے واقف تھا' اور اسی لئے اُن کے نبی نے اُن سے کہا تھا کہ جب جنگ سامنے آئے گی تو تم بھاگ کھڑے ہو گے۔

۲۴۷ بہرحال' جب اُنہوں نے کمانڈر مقرر کرنے کی درخواست کی' تو اُن کے نبی نے اُن سے کہا کہ اللہ نے اُن کے لئے طالوت کو کمانڈر مقرر کر دیا ہے۔ انہوں نے چھٹتے ہی اس پر اعتراض کر دیا کہ وہ ہم پر کیسے کمان کر سکتا ہے۔ اُس کے مقابلہ میں' اِس منصب اور اقتدار کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ وہ غریب آدمی ہے۔ اُس کے پاس مال و دولت کہاں ہے؟ اس نے اُن سے کہا کہ جنگ کی کمان کے لئے مال و دولت معیار نہیں ہوا کرتا۔ اِس کا معیار یہ ہوتا ہے کہ اُس شخص کا علم کس قدر ہے اور جسمانی توانائی کا کیا حال ہے۔ طالوت کو یہ کچھ فراوانی سے میسّر ہے اور' سب سے بڑی بات یہ کہ' وہ اپنی ان صلاحیتوں اور قوتوں

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

کو اپنے ذاتی فائدے کے لئے ہی صرف نہیں کرتا' دوسرے لوگ بھی اِن سے نفع اندوز ہوتے ہیں۔ اللہ کا یہی قانون ہے جس کے مطابق کسی کو منصب و اقتدار کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ اور' اُس کا یہ قانون' کشادہ نگہی اور علم و حقیقت پر مبنی ہے۔ تمہارے خود ساختہ معیاروں کا پابند نہیں۔

۲۴۸ اُن کے نبی نے اُن سے یہ بھی کہا کہ خدا نے جو اقتدار و اختیار طالوت کو سونپا ہے' اُس کا (پہلا) نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں' تمہارے موجودہ قلوب کی جگہ (جو خوف اور اضطراب کے نشیمن ہیں) ایسا قلب عطا ہوگا جو سکون و اطمینان سے لبریز ہوگا۔ نیز وہ تمہیں' اُن تمام بہترین اور باقی رہنے والی خصوصیات اور تعلیمات کا وارث بنا دے گا جو موسیٰ اور ہارونؑ کے متبعین نے چھوڑی ہیں' اور جن کی حفاظت' خدا کی کائناتی قوتیں کرتی چلی آ رہی ہیں۔

اگر تم خدا کے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہو' تو تمہارے لئے یہ بات اس امر کا پختہ نشان بن جائے گی کہ طالوت کا انتخاب فی الواقعہ صحیح تھا۔

۲۴۹ بہرحال' طالوت کمانڈر مقرر ہو گیا۔ جب وہ' لشکر کے ساتھ' دشمن کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوا تو اُس نے' یہ دیکھنے کے لئے کہ اُن میں کس قدر ڈسپلن پیدا ہو چکا ہے' اُن سے کہا کہ دیکھو! راستے میں ایک ندی آئے گی۔ اُس سے پانی نہ پینا۔ جو اُس سے پانی پیئے گا وہ سمجھ لے کہ وہ ہمارے لشکر میں رہنے کے قابل نہیں۔ جو اُس سے پانی نہ پیئے گا' بجز اِس کے کہ یونہی' حلق تر کرنے کے لئے' چلو بھر پانی پی لے' تو اِس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ وہ ہمارا ساتھی ہوگا۔

لیکن وہ اِس پہلی آزمائش میں ہی فیل ہو گئے۔ اِن میں سے سوائے چند ایک کے'

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

سب نے پانی پی لیا۔ (لیکن اس کے بعد انہوں نے یقین دلایا کہ وہ آیندہ ایسا نہیں کریں گے)۔

چنانچہ جب طالوت 'انہیں' اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان پر پکے رہے تھے 'ساتھ لے کر' پار ہوا' تو اُن بزدلوں نے (جنہوں نے پہلے معافی مانگی تھی) کہہ دیا کہ ہم میں جالوت اور اُس کے لشکر سے لڑنے کی ہمت نہیں۔ اِس پر اِن لوگوں نے 'جنہیں خدا کے سامنے جانے کا خیال (فلہذا' اُس کے قانون مکافات عمل پر پورا پورا یقین تھا) اُن سے کہا کہ دشمن کی تعداد کی کثرت سے مت گھبراؤ۔ خدا کے قانون میں یہ بھی ہے کہ تعداد کی کمی' سیرت و کردار کی قوت سے پوری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اِس اُصول کے مطابق (تاریخ میں) کئی واقعات ایسے سامنے آتے ہیں جن میں' کم تعداد کے لوگ 'گروہِ کثیر پر غالب آ گئے تھے۔ اصل چیز استقلال و استقامت ہے۔ جو حق پر ثابت قدم رہے' خدا کے قانون کی تائید اُس کے شاملِ حال رہتی ہے۔

۲۵۰ چنانچہ جب یہ باہمت لوگ 'جالوت اور اُس کے لشکر کے سامنے صف آرا ہوئے' تو اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے نشو و نما دینے والے! (تو دیکھتا ہے کہ ہم تھوڑے ہیں' اور دشمن جم غفیر لے کر ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ سو) تو ہمارے دلوں کو ہمت اور استقلال سے لبریز کر دے۔ اور ہمارے قدموں کو ثبات عطا فرما دے۔ اور ہمیں اِن لوگوں پر غلبہ عنایت کر دے جو تیرے قوانین سے انکار کرتے اور ان سے سرکشی برتتے ہیں۔

۲۵۱ چنانچہ اُنہوں نے خدا کے اِس قانون کے مُطابق (کہ فتح و ظفرمندی' حق پر جم کر کھڑے ہو جانے سے وابستہ ہوتی ہے) اپنے دشمن کو شکست فاش دے دی اور داؤدؑ کے ہاتھوں (جو اُن کے لشکر میں تھا)' جالوت مارا گیا۔ اور خدا نے (اُس کے بعد) اُسے حکومت و اقتدار' اور فہم و فراست عطا فرما دیا' اور اُسے' اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق (وحی کا) علم بھی دیا۔

یہ ہے طالوت کا واقعہ۔ مقصد اِس کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ اگر اللہ' مستبداؤ

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۵۲

سرکش قوتوں کی روک تھام کا انتظام نہ کرے' تو دُنیا میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ اُس نے یہ انتظام اِس لئے کر رکھا ہے کہ وہ انسانیت کی تباہی اور بربادی نہیں چاہتا' اُس کی تعمیر اور ترقی چاہتا ہے (۲/۲۵۱)۔

لیکن یاد رہے کہ مستبد قوتوں کی روک تھام' انسانی جماعتوں کے ہاتھوں ہی سے ہوتی ہے۔ خدا براہ راست ایسا نہیں کیا کرتا۔ اِس لئے دُنیا میں ایسی جماعت کا رہنا بڑا ضروری ہے۔

۲۵۲ یہ ہیں وہ قوانین' جنہیں ہم' اے رسول! حق و صداقت کے ساتھ تمہیں دے رہے ہیں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہم اِس قسم کے قوانین اپنے تمام پیغمبروں کو دیتے چلے آئے ہیں' اور تو بھی اُنہی میں سے ہے۔

دوسرا پارہ ختم ہوا



تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ
كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ
اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۠ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

(ع ۱)

۲۵۳ یہ تمام رسول' منصبِ رسالت کے اعتبار سے تو ایک جیسے تھے (۲/۲۸۵)' لیکن اپنی تعلیم کے دائرۂ اثر و نفوذ کے لحاظ سے' اِن میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل رہی ہے۔ اِن میں وہ بھی ہیں جن سے خدا نے (جبریل کے واسطے کے بغیر) براہ راست باتیں کیں (مثلاً موسےٰؑ۔ (۴/۱۶۴)]۔ بعض کے درجے (دیگر امور میں) بلند کئے۔ اِنہی میں عیسےٰؑ ابن مریم بھی ہے' جسے ہم نے واضح دلائل دیئے اور مقدس وحی سے اُس کے لئے سامانِ تقویت بہم پہنچایا۔

اگر ہمارا قانونِ مشیّت یہ ہوتا کہ انسان بھی' دیگر اشیائے کائنات کی طرح' مجبور زندگی بسر کرے' تو اِن رسولوں کی اِس قدر واضح تعلیم کے بعد اِن کے متبعین' آپس میں جنگ وجدال اور اختلافات نہ کرتے' لیکن چونکہ انسان کو اِس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جو نسا راستہ جی چاہے منتخب کرلے (۱۸/۲۹)' اِس لئے' اُنہوں نے' آپس میں اختلاف کیا —— بعض نے ایمان کی راہ پسند کی۔ بعض نے کفر کا راستہ اختیار کرلیا —— پھر سن لو' کہ اگر مشیت کا قانون یہ ہوتا کہ انسان کو جبراً ایک ہی راہ پر چلایا جائے' تو یہ کبھی آپس میں جنگ وقتال نہ کرتے۔

(ممکن ہے تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ خدا نے انسان کو صاحبِ اختیار بنایا ہی کیوں؟ نہ اسے اختیار دیا جاتا' نہ دنیا میں جنگ وقتال ہوتے۔ لیکن اِن امور کے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۵۴ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۲۵۵

فیصلے تمہاری منشاء کے مطابق نہیں ہو سکتے) - یہ سب خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے' جو تمام نظامِ کائنات کو اپنے محیطِ کُل ارادے (پروگرام) کے مطابق چلا آرہا ہے۔ انسان کا صاحبِ اختیار ہونا بھی اسی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔

۲۵۳ اے جماعتِ مومنین! انبیائے سابقہ اور اقوامِ گذشتہ کے یہ تمام احوال و کوائف اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ زندگی کی خوشگواریاں حاصل کرنے کا راز نظامِ خداوندی قائم کرنے میں پوشیدہ ہے۔ اِس کے لئے ضروری ہے کہ تمہیں جو کچھ بھی خدا نے دیا ہے' اُسے اِس مقصد کے لئے کھلا رکھو۔ اِس وقت تم ایسا کرنے پر قادر ہو۔ لیکن اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر (دنیا اور آخرت کی) اِن خوشگواریوں کا حصُول ممکن نہیں ہوگا۔ اِس لئے کہ یہ وہ جنس نہیں جسے تم جس وقت چاہو بازار سے خرید لو۔ نہ ہی یہ کسی دوست سے اِحساناً مل سکتی ہے۔ اور نہ ہی کسی کی سفارش سے حاصل ہو سکتی ہے۔

جو اِس حقیقت سے انکار کرتا ہے' وہ اپنا نقصان آپ کرتا ہے۔

۲۵۵ یاد رکھو! نظامِ خداوندی' اُس خدا کا نظام ہے جس کے سوا' کائنات میں کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ جو سب کو زندگی عطا کرتا ہے' لیکن اپنی زندگی کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔ وہ ہر شے کو قیام اور توازن عطا کرتا ہے' لیکن اُسے' اپنے قیام کے لئے' کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ وہ کائنات کی حفاظت سے نہ کبھی غافل ہوتا ہے' نہ بے خبر۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے' سب اُس کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرمِ عمل ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو' کسی کا ساتھی بن کر' (قانونِ خداوندی کے خلاف) اُس کی مدد کر سکے۔ یہ مدد بھی قانونِ خداوندی کے مطابق ہی ہو سکتی ہے۔ جو کچھ اِس کائنات میں سامنے ہے' اور جو کچھ اِس کے پیچھے ہے' وہ سب کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کے علم میں سے کسی کو

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى
الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

ذرہ برابر بھی نہیں مل سکتا' بجز اُس طریق کے جو اُس کے قانونِ مشیت نے مقرر کر رکھا ہے (یعنی وحی اور بصیرت وغیرہ)۔ اُس کا علم و اقتدار' کائنات کی پستیوں اور بلندیوں' سب پر چھایا ہوا ہے' اور اِن کی حفاظت و نگہبانی سے وہ کبھی تھکتا نہیں۔ یہ' اُس پر قطعاً گراں نہیں گزرتا۔ اُس کا علم و اقتدار' اور غلبہ و تسلط' کائنات کی بنیادوں سے لے کر انتہائی بلندیوں تک کو محیط ہے۔

۲۵۶ اِس قدر عظیم قوتوں کا مالک خدا' اگر چاہتا تو' جس طرح خارجی کائنات میں اُس کا نظام از خود قائم ہے' انسانی دنیا میں بھی از خود قائم ہو جاتا' اور انسان اُس کے مطابق چلنے پر مجبور ہوتا۔ لیکن ہم اِس باب میں' زبردستی نہیں کرنا چاہتے۔ اِسے انسانوں کو' اپنے دل کی رضامندی سے' قائم اور اختیار کرنا چاہیئے۔ اِس کے لئے ہم نے کیا یہ ہے کہ (وحی کے ذریعے) صحیح اور غلط راستے واضح کر دیئے ہیں اور انسان سے کہہ دیا ہے کہ وہ جو نسا راستہ جی چاہے اختیار کر لے۔

سو جو قوم' غیر خداوندی نظام سے مُنہ موڑ کر' اِس نظام کی صداقت پر ایمان لے آئیگی اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لے گی' تو سمجھ لو کہ اُس نے ایسے محکم سہارے کو تھام لیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اِس لئے کہ یہ نظام اُس خدا کا تجویز کردہ ہے جو ہر بات کا سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

۲۵۷ اِس نظام کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ کا قانون اُس جماعت کا نگران و محافظ اور یار و مددگار ہوگا' جو اِس کی صداقت پر یقین رکھ کر اِسے قائم کرنے کی کوشش کریگی۔ وہ اُنہیں غلط راستوں کی تاریکیوں سے نکال کر' صحیح راہ کی روشنی میں لے آئے گا۔ اِن کے برعکس جو لوگ اِس نظام کی صداقت سے انکار کرتے ہیں' اُن کے معاملات دنیا کی سرکش (غیر خداوندی) قوتوں کے سپرد ہو جاتے ہیں' جو اُنہیں صحیح راستے کی روشنی سے ہٹا کر' غلط راہوں کی تاریکیوں کی طرف لے جاتی ہیں — اُن تاریکیوں میں جہاں انسانیت کی کھیتی جُھلس کر راکھ کا ڈھیر ہو جاتی ہے' اور اِس تباہی سے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ
قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ
الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ
قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ

---

۲۵۸ (اے جماعت مومنین! اِس نظام کے قائم کرنے کی راہ میں، تمہیں بڑی بڑی مشکلات نظر آتی ہیں، اور بظاہر اُس کے قیام کی کوئی صُورت دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن تاریخ کی شہادت سے، جن میں سے کچھ پہلے بیان ہو چکی ہیں اور دو ایک اب سامنے لائی جا رہی ہیں، تم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی، کہ ایسا ہونا، ناممکن نہیں)۔ پہلی مثال ابراہیمؑ کی ہے جو اس دعوت کو لے کر اُٹھا، تو، اور تو اور، وہاں کا بادشاہ تک اُس کا مخالف تھا۔ اُس کی مخالفت علم و بصیرت اور دلیل و برہان کی بنا پر نہیں تھی، محض حکومت اور طاقت کے گھمنڈ پر تھی۔ جب اُن میں بحث شروع ہوئی تو ابراہیمؑ نے اُس سے کہا کہ جس نظام کی طرف میں دعوت دیتا ہوں، اُس میں زندگی اور موت کے فیصلے، قانون خداوندی کے مطابق ہوتے ہیں (۳۲/۴)۔ کسی فرد کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتے۔ اُس نے کہا کہ یہاں زندگی اور موت کے فیصلے میری مرضی کے مطابق ہوتے ہیں۔ میری مملکت میں، میرے اوپر، کسی کا اقتدار نہیں۔

ابراہیمؑ نے کہا کہ اگر تمہاری مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ تمہارا نہیں ہے، اس کے اوپر کسی کا اقتدار نہیں، تو دیکھو کہ خدا کے قانون کے مطابق، سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ تم اسے حکم دو کہ وہ تمہاری مملکت پر مغرب کی طرف سے نمودار ہوا کرے۔

یہ، قانونِ خداوندی کے اقتدارِ اعلیٰ کی، ایسی مُسکت دلیل تھی کہ اسے سُن کر وہ ہکا بکا رہ گیا۔ لیکن اِس کے باوجود وہ سیدھی راہ پر نہ آیا۔ اس لئے کہ جو لوگ حدود شکنی اور سرکشی کو اپنا شیوہ بنا چکے ہوں، وہ آئین و قانون کی راہ کب اختیار کرتے ہیں؟

۲۵۹ (دوسری مثال بنی اسرائیل کی نشأۃِ ثانیہ کی ہے۔ وہ بخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی اور بربادی کے بعد قریب سو سال تک، غلامی اور محکومی کی ذلت آمیز زندگی بسر کرتے رہے، اور اس کے بعد، جب وہ اپنی حیاتِ اجتماعی سے یکسر مایوس ہو چکے تھے، کیخسرو نے انہیں پھر بیت المقدس میں آباد کر دیا۔ تمثیلی انداز میں اسے یوں سمجھو کہ، ایک شخص کا گذر ایک ایسی بستی پر ہوا جس کے مکانات مسمار ہو کر کھنڈر بن چکے تھے۔ اُس نے کہا کہ کیا اِس قسم کی

يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ
حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ
قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن
قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ
جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾

ع ۳۰ ۲

ویران بستی کو' اس کی موت کے بعد' پھر سے زندگی مل سکتی ہے؟ اللہ نے اُسے ایک سو سال تک موت کی حالت میں رکھا اور اس کے بعد اُسے دوبارہ زندگی عطا کر دی۔ اُس سے پوچھا گیا کہ تم بھلا کتنی مدت تک اِس حالت میں رہے ہو؟ اُس نے کہا کہ بس' ایک آدھ دن۔ اللہ نے کہا کہ تم سو سال تک اِس حالت میں رہے ہو! بایں ہمہ' دیکھو' کہ تمہارا کھانا اور پانی تک خراب نہیں ہوا۔ اِسی طرح تمہارا گدھا بھی (ویسے کا ویسا) کھڑا ہے۔ یہ اِس لئے کیا گیا ہے کہ تم' لوگوں کیلئے اس بات کی نشانی بن جاؤ (کہ قانون خداوندی کی رُو سے' مُردہ اقوام کو بھی زندگی مل سکتی ہے)۔ کیا تم جنین کی حالت پر غور نہیں کرتے کہ ہم' کس طرح' خون کے لوتھڑے سے' ہڈیاں اُبھارتے ہیں۔ اُنہیں سخت کرتے ہیں۔ اور پھر اُن پر گوشت پوست چڑھا کر' اُنہیں ایک جیتا جاگتا بچہ بنا دیتے ہیں۔

جب اِس مثال کے ذریعے اُس پر بات واضح ہو گئی تو اُس نے کہا کہ ہاں! اب میں نے سمجھ لیا ہے کہ اللہ نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں اور اُن پر اُس کا پورا پورا کنٹرول ہے۔ موت اور حیات کے فیصلے بھی انہی پیمانوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ جب تک ہم اِن پیمانوں کو نہیں سمجھتے' ایک بات کو مستبعد تصور کر لیتے ہیں۔ جب وہ سمجھ میں آجاتے ہیں' وہی ناممکن بات' ممکن نظر آنے لگ جاتی ہے۔

بنی اسرائیل کو قریب سو سال کے بعد' حیاتِ نو' انہی پیمانوں کے مطابق ملی تھی۔

۵۵ یہ خیال کہ جب تو موں پر اس طرح مُردنی چھا جائے' تو پھر اُنہیں حیات نو کس طریق سے مل سکتی ہے' خود ابراہیمؑ کے دِل میں بھی پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ' جب اُس نے اپنی قوم کی حالت پر غور کیا اور دیکھا کہ اُن میں زندگی کی کوئی رمق نظر نہیں آتی' تو اللہ سے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اِس قسم کی مُردہ قوم بھی' از سرِ نو' زندہ ہو جائے؟ اور اگر یہ ممکن ہے تو مجھے بتا دیجئے کہ اس کے لئے کیا طریق

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ
مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

اختیار کیا جائے! اللہ نے کہا کہ پہلے تو یہ بتاؤ کہ تمہارا اس پر ایمان ہے کہ نہیں کہ مُردہ قوموں کو حیاتِ نو مل سکتی ہے؟ ابراہیمؑ نے کہا کہ اس پر تو میرا ایمان ہے' لیکن میں اس کا اطمینان چاہتا ہوں کہ یہ کس طریق سے ہوگا' تاکہ میں پوری جمعیتِ خاطر سے اُس پروگرام پر عمل پیرا ہوں۔ اللہ نے کہا کہ (اس طریق کو سمجھنے کے لئے یوں کرو کہ) تم چار پرندے لو۔ وہ شروع میں تم سے دُور بھاگیں گے۔ انہیں اس طرح' آہستہ آہستہ سدھاؤ کہ وہ تم سے مانوس ہو جائیں۔ آخرالامر اُن کی یہ حالت ہو جائے گی کہ اگر تم اُنہیں' الگ الگ' مختلف پہاڑیوں پر چھوڑ دو' اور انہیں آواز دو تو وہ اُڑتے ہوئے تمہاری طرف آجائیں گے۔ بس' یہی طریقہ ہے اِن (حق سے نامانوس) لوگوں میں زندگی پیدا کرنے کا۔ تم انہیں اپنے قریب لاؤ اور نظامِ خداوندی سے اچھی طرح مانوس کراؤ۔ یہ نظام اپنے اندر اتنی قوت اور حکمت رکھتا ہے کہ اُسے چھوڑ کر یہ کہیں نہیں جاسکیں گے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ بڑا صبر آزما مرحلہ ہے۔ "وحشی جانوروں" کا رام کرنا بڑا حوصلہ' بُردباری' اور استقامت چاہتا ہے۔ ایک داعیٔ انقلاب کے لئے یہ خصوصیات لاینفک ہیں (۳/۱۵۸؛ ۱۵/۹۹؛ ۲۶/۲۱۵)۔

۲۶۱ اِن تاریخی شہادات کے بعد' پھر اُسی مقام کی طرف لوٹ آؤ جہاں سے نظامِ خداوندی کی تشکیل کی بات شروع ہوئی تھی (یعنی انفاق فی سبیل اللہ کی طرف۔ ۲/۲۵۴)۔ اِس نظام کے قیام کے لئے اپنی محنت کی کمائی کو کھلا رکھنا' درحقیقت بیج ڈال کر کھیتی اگانا ہے۔ ظاہر بیں نگاہیں دیکھتی ہیں کہ بیج کا دانہ مٹی میں مل کر ضائع ہو گیا۔ لیکن کسان کی دوررس نگاہوں کو نظر آتا ہے کہ اُس ایک دانہ سے کس قدر بالیں پیدا ہوں گی' اور ہر بال میں کس طرح سینکڑوں دانے ہوں گے۔ اس طرح' اللہ کا قانونِ مشیت' ہر اُس قوم کے لئے جو اُس پر عمل پیرا ہو' ایک ایک کے' سو سو کر کے دیتا ہے۔ اِس لئے کہ خدا کا قانون' بڑی فراخیاں اپنے اندر رکھتا ہے اور یکسر علم و حقیقت پر مبنی ہے۔

۲۶۲ جو لوگ نظامِ خداوندی کے قیام کے لئے ——— جو نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے ——— اپنی کمائی کو کھلا رکھتے ہیں' اور' اس کے بعد' انہیں اِسکا خیال تک بھی نہیں آتا کہ اس سے انہوں نے کسی پر احسان کیا ہے' اور نہ ہی وہ اِس سے دوسروں کے لئے خواہ مخواہ

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۖ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۗ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

کی مصیبت بن جاتے ہیں' (وہ شکریہ تک کے متمنی نہیں ہوتے۔ ۲۶۴) تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی محنتوں کا معاوضہ اور قربانیوں کا صلہ' اُس نظام کے قیام کی شکل میں' بایں نمط ملتا ہے کہ انہیں نہ کسی خارجی خطرہ کا خوف ہوتا ہے' اور نہ داخلی کشمکش یا اضمحلال کے خیال سے غمگینی اور افسردگی۔

۲۶۳ جس دینے کے بعد انسان' احسان جتا جتا کر' دوسروں کے لئے مصیبت بن جائے' اُس سے کہیں اچھا یہ ہے کہ وہ' قاعدے کے مطابق' اچھے انداز سے' جواب دیدے' اور اس طرح دوسروں کو اذیت رسانی سے محفوظ رکھے۔ یاد رکھو! خدا کا نظام ایسی کمزور بنیادوں پر استوار نہیں ہوتا کہ ذرا ذرا سی کمی سے اُس میں زلزلہ آجائے۔ یہ اُس خدا کا نظام ہے جو تمام کائنات سے بے نیاز' اور اپنی قوتوں میں بڑا مستحکم اور بُردبار ہے۔

۲۶۴ اے جماعت مومنین! اگر تم 'نظامِ خداوندی کے قیام کے لئے کچھ دیکر احسان جتاتے پھرو اور دوسروں کے لئے مصیبت بن جاؤ' تو اس سے تمہارا انفاق' تعمیری نتائج کے بجائے' تخریبی نتائج پیدا کرنے کا موجب بن جائے گا۔ دیکھنا! تم نے ایسا نہ کرنا۔ یہ کچھ تو وہی شخص کر سکتا ہے جسے قوانین خداوندی کی صداقت اور مستقبل کی زندگی پر یقین نہ ہو' لیکن اس خیال سے کہ میں نے انہی لوگوں میں رہنا ہے' اس لئے ان سے بنا کر رکھنا ضروری ہے' اس مد میں کچھ دیدے۔ اس انفاق کی مثال یوں سمجھو جیسے کسی سخت چٹان پر یونہی ذرا سی مٹی جم جائے (اور یوں دکھائی دے کہ وہ بڑی عمدہ زمین ہے جس میں اچھی کھیتی اُگے گی۔ لیکن) جب اُس پر بارش کا ایک تیز سا چھینٹا پڑے' تو سب مٹی بہہ جائے' اور نیچے چٹان کی چٹان باقی رہ جائے۔ اس طرح (ایک ایک دانہ سے سینکڑوں دانے ملنا تو ایک طرف) فصل کاشت کرنے میں جس قدر محنت صرف ہوئی تھی' وہ بھی اکارت چلی جائے (۲۶۴/۶۶)۔

یاد رکھو! جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت پر ایمان نہ رکھیں (اور محض لوگوں کے دکھاوے کے لئے "نیک کام" کریں تو) اُن پر فلاح وسعادت کی راہیں کشادہ نہیں ہوتیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ
اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ
اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ
الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

(اعمال کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے ایمان — صحیح مقصد — کا ہونا اشد ضروری ہے)

۲۶۵ اِن کے برعکس، جو لوگ اپنی محنت کی کمائی کو کھلا رکھتے ہیں تاکہ اُسے قوانین خداوندی کے مطابق صرف کیا جائے، اور اِس سے (نوع انسانی کی پرورش اور) اُن کی اپنی ذات کا استحکام و ثبات ہو جائے، اُن کی مثال ایسی ہے کہ کسی اونچی زمین پر (جس تک سیلاب نہ پہنچ سکے) ایک باغ اُگایا جائے۔ اُس پر اگر زور کی بارش ہو تو دُگنا پھل دے۔ اور اگر یونہی ہلکی سی پھوار بھی پڑ جائے تو وہ بھی اُس کی شادابی کے لئے کافی ہو۔

خدا کا قانون مکافات، جو علم و بصیرت پر مبنی ہے، ان لوگوں کے اعمال کے خوشگوار نتائج مرتب کرتا ہے۔

۲۶۶ ذرا سوچو کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اِس بات کو پسند کرے گا کہ اُس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، جس میں پانی کی ندیاں رواں ہوں (تاکہ وہ سرسبز و شاداب رہے) اور اس میں کثرت سے پھل آئے۔ (اور یوں اُس شخص کی اپنی اور اُس کی اولاد کی زندگی خوشحالی میں گذرے)۔ لیکن اُس کے بعد، جب وہ بوڑھا ہو جائے، اور اُس کے بچے چھوٹے ہوں، عین اُس وقت، جُھلسا دینے والی آندھی کا ایک بگولہ اُٹھے اور سارے باغ کو تباہ کر کے رکھ دے۔ سوچو کہ اس سے اُس کا اور اُس کی اولاد کا کیا حشر ہو گا؟

(بعینہٖ یہی حالت ہے اُن لوگوں کی جو صرف انفرادی مفاد عاجلہ پر نگاہ رکھتے ہیں اور مستقبل کے متعلق کچھ نہیں سوچتے۔ خدا کا نظام ربوبیت قائم ہی اِس لئے کیا جاتا ہے کہ معاشرہ میں ایسی حالت کبھی نہ پیدا ہونے پائے، اور کوئی خاندان کسی وقت بھی اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے)۔

یوں اللہ، مختلف مثالوں سے، اپنے قوانین کو وضاحت سے بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر سے کام لو اور سوچو کہ کیا، نوع انسان کو، محتاجی اور مفلسی، اور تباہی و بربادی سے محفوظ رکھنے کیلئے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ
مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾ الشَّيْطَانُ
يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُؤْتِي
الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

کوئی اور نظام بھی ہو سکتا ہے؟

۲۶۶ لہٰذا، اے جماعت مومنین! تم زمین کی پیداوار میں سے بھی، اور اپنی صنعت و حرفت سے جو کچھ کماؤ، اس میں سے بھی بہترین حصہ کو نظامِ ربوبیت کے قیام کے لئے کھلا رکھو۔ اِس قسم کا بھولے سے بھی ارادہ نہ کرو کہ اِس مد میں، ایسی نکمی چیزیں دیدی جائیں جنہیں تم اُن کی اصلی قیمت پر خریدنے کیلئے تیار نہ ہو بلکہ ان میں نقص کی وجہ سے اُن کی قیمت کم کراؤ۔ یاد رکھو! خدا کا نظام ایسا نہیں کہ وہ بھیک مانگتا پھرے اور تم اس کی جھولی میں بچے کھچے ٹکڑے ڈال دو۔ وہ اس قسم کی خیرات سے بے نیاز اور ہر قسم کی ستائش کا سزاوار ہے۔ (وہ تم سے جو کچھ مانگتا ہے، تمہارے فائدے کے لئے مانگتا ہے۔ اپنے لئے نہیں مانگتا)۔

۲۶۵ اِس مقام پر یہ بھی سمجھ لو کہ تمہارے اِنفرادی مفاد کے خیالات تمہیں یہ کہہ کر ڈرائیں گے کہ اگر تم نے، سب کچھ، دوسروں کے لئے دیدیا تو تم مفلس اور نادار ہو جاؤ گے۔ کل کو تم پر بُرا وقت آگیا تو کیا کرو گے؟ اس لئے تم اپنا پیسہ اپنے پاس رکھو۔

لیکن یاد رکھو! خدا کا نظامِ ربوبیت، تمہیں، ہر قسم کی احتیاج سے محفوظ رکھنے اور خوش حالی کی زندگی بسر کرانے کی ضمانت دیتا ہے۔ اور یہ ضمانت اِس بنا پر دیتا ہے کہ یہ نظام اُس خدا کا ہے جو بڑی وسعتوں کا مالک ہے اور اس کی ہر بات علم و حقیقت پر مبنی ہے۔

۲۶۹ لیکن یہ باتیں اُس عقل کی رُو سے سمجھ میں نہیں آسکتیں جس کا کام ایک فرد کے ذاتی مفاد کا تحفظ، اور اُس کے سطحی جذبات کی تسکین ہو ($\frac{۲۰}{۵۰}$ ؛ $\frac{۳۰}{۲۹}$)۔ یہ وحی پر مبنی حکمت کی رُو سے سمجھ میں آسکتی ہیں، جو خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق انبیائے کرام کو ملتی ہے ($\frac{۱۷}{۳۹}$)، اور، اُن کی وساطت سے، دوسرے انسانوں کو جس قوم کو یہ حکمتِ ربانی مل جائے، اُسے زندگی کی خوش حالیاں اور اختیارات کی وسعتیں بیحد و حساب مل جاتی ہیں ($\frac{۱۶}{۱۶}$)۔ لیکن اِس بات کو وہی لوگ اپنے پیشِ نظر رکھ سکتے ہیں جو جذبات

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا
الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ
لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۣ
يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

سے الگ ہو کر عقل و بصیرت سے کام لیں۔

۲۷۰ جو کچھ تم خرچ کرنے کی چیزوں سے خرچ کرتے ہو۔ یا جو کچھ تم (مالی امداد کے علاوہ دیگر امور میں) اپنے اوپر واجب قرار دے لیتے ہو' تو' اُن میں سے ہر بات 'خدا کے قانونِ مکافات کی نگاہوں میں ہوتی ہے۔ اور وہی تمہارا مؤیّد اور مددگار رہتا ہے۔ وہ' اُن کا حامی و ناصر نہیں ہوتا جو قوانین خداوندی سے سرکشی برتیں۔

۲۷۱ جو کچھ تم اجتماعی ضروریات کے لئے دیتے ہو' اُسے کھلے بندوں دو' تو بھی اچھا ہے۔ اور (اگر نظام کے ابتدائی مراحل میں اُسے) اہل حاجت تک چپکے سے پہنچا دو' تو بھی ٹھیک ہے۔ یہ چیزیں ہر صورت میں' تمہاری ناہمواریوں اور کمزوریوں کو دور کر دیں گی —— اور ایسا ضرور ہو کر رہے گا' کیونکہ خدا کا قانونِ مکافات تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔

۲۷۲ اے رسول! تم اِن لوگوں کو 'نظامِ خداوندی کی یہ راہ دکھا دو۔ تمہارے ذمے اتنا ہی ہے۔ انہیں اِس راستے پر چلا دینا تمہارے ذمے نہیں ($\frac{5}{49}$ ؛ $\frac{28}{56}$)۔ کسی کا صحیح راستے پر چلنا خدا کے قانونِ مشیّت کے مطابق ہوتا ہے' جس کی رُو سے 'اُس نے' انسان کو اپنے لئے آپ راستہ منتخب کرنے کا اختیار دے رکھا ہے —— تم اِن لوگوں کو اتنا بتا دو کہ تم جو کچھ بھی اس ضمن میں' خرچ کرو گے' اُس کا فائدہ خود تمہاری اپنی ذات کو ہو گا' بشرطیکہ یہ کچھ 'قانونِ خداوندی کے مطابق' نظامِ خداوندی کی تشکیل کیلئے خرچ کیا جائے۔ اِس کا جذبہ محرکہ کچھ اور نہ ہو۔ یوں جو کچھ تم خرچ کرو گے' وہ تمہیں پورا پورا واپس مل جائے گا۔ اِس میں ذرہ برابر کمی نہیں ہو گی۔

۲۷۳ یہ بھی یاد رکھو کہ اُس روپیہ کو' پیشہ ور بھک منگوں پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ
مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ
جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

یہ اُن حقیقی ضرورت مندوں کے لئے ہوگا جو' اِس نظام کی تشکیل کے سلسلہ میں' کہیں روک دیئے گئے ہوں۔ وہ نہ وہاں سے کسی اور جگہ جاسکیں اور نہ ہی وہاں رہتے ہوئے اپنی ضروریات پوری کرسکیں۔ اُن میں (سیرت کی پختگی کی وجہ سے استغنار کا یہ عالم ہو کہ) ناواقف یہی سمجھے کہ اُن کے پاس بہت کچھ ہے۔ اُنہیں کسی چیز کی کمی نہیں۔ البتہ جاننے والے' اُنہیں' اُن کے چہروں پر نمودار ہوجانے والے اثرات سے پہچان لیں۔ یہ لوگ لپٹ لپٹ کر مانگنے والے گداگر نہیں ہوتے۔

اِن لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے تم جو کچھ دو گے' اللہ کو اس کا پورا پورا علم ہوگا۔ یعنی اُسے دینے والوں کی نیت کا بھی علم ہوتا ہے اور لینے والوں کی ضروریات کا بھی۔

۲۷۴ اس انداز سے دینے والے' وہ لوگ ہیں جو اپنا مال دن رات' کھلے بندوں اور خاموشی سے' اِس مقصد کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ اِنہی کی قربانیوں سے وہ نظام قائم ہوتا ہے جس میں نہ کسی کو کسی قسم کا خوف و خطر رہتا ہے' نہ افسردگی اور غمگینی۔

۲۷۵ ایک طرف تو یہ لوگ ہیں جو' اپنا پیٹ کاٹ کر' ضرورتمندوں کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں (۲۷۴)۔ اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو قرض دیتے ہیں تو' اُن کی احتیاج سے فائدہ اُٹھا کر جتنا دیتے ہیں اُس سے زیادہ وصول کرتے ہیں۔ اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے لوگوں کی حالت یوں سمجھو جیسے کسی کو سانپ نے ڈس لیا ہو اور وہ دیوانہ وار' اِدھر اُدھر بھاگتا پھرے (یعنی ہوسِ زر' ان کے سینے میں آگ لگا دیتی ہے جس سے وہ ہر وقت مضطرب و بیقرار رہتے ہیں)۔ یہ لوگ اپنی اِس روش کے جواز میں' دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ربٰو (روپے پر زیادہ وصول کرنا) تجارت کی مثل ہے۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں (جس طرح تجارت میں' دوکاندار' گاہک سے' اپنے اصل زر سے زائد لیتا ہے' اسی طرح ربٰو میں' روپیہ دینے والا' اپنے اصل سے زیادہ وصول کرتا ہے)۔ یہ ان کی کٹ حجتی ہے۔ تجارت میں انسان روپیہ بھی

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

لگاتا ہے اور اُس کے ساتھ' محنت بھی کرتا ہے۔ جو کچھ وہ زائد لیتا ہے' وہ اُس کے روپے کا منافع نہیں ہوتا' اُس کی محنت کا معاوضہ ہوتا ہے۔ اور یہ بالکل جائز ہے۔ اِس کے برعکس' ربٰو میں' محنت کچھ نہیں کی جاتی۔ محض روپے پر منافع لیا جاتا ہے۔ یہ ناجائز ہے۔ (اس ضمن میں اس اُصول کو یاد رکھو کہ جائز صرف محنت کا معاوضہ ہے۔ (۵۳/۹) خالی سرمایہ لگا کر دوسروں کی محنت کا ماحصل خود لے لینا جائز نہیں ہے۔ اِس کو ربٰو کہتے ہیں)۔

سو جس شخص تک خدا کا یہ قانون پہنچ جائے' اور وہ اپنی سابقہ روش سے رُک جائے' تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا ہے' وہ اُس کا ہے۔ نظامِ خداوندی کی رُو سے' اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ لیکن جو اِس سے نہ رُکے۔ یا دوبارہ یہی روش اختیار کرلے۔ تو یہ لوگ ہیں جن کی سعی و عمل کی کھیتیاں جھلس جائیں گی اور ان کے لئے اِس عذاب سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

۲۷۶ یاد رکھو! ربٰو' جس کے متعلق انسان بظاہر یہ سمجھتا ہے کہ اِس سے سرمایہ بڑھتا ہے' درحقیقت خود بھی مٹتا ہے اور اُس قوم کو بھی مٹا دیتا ہے۔ اِس کے برعکس' جو کچھ دوسروں کی نشوونما کے لئے دیا جاتا ہے' اور جس کے متعلق بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے سرمایہ میں کمی آجاتی ہے' خود بھی بڑھتا ہے اور اُس قوم کے بڑھنے' پھولنے' پھلنے کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔

ربٰو سے یہ ذہنیت عام ہو جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے' سامانِ زیست کو لوگوں سے چھپا کر رکھا جائے تاکہ وہ اِس کے لئے محتاج ہوں' اور قرض لینے پر مجبور۔ اور قرض دینے والا' اُن کی محنت کی کمائی پر عیش اُڑائے۔ اِس سے انسان کی قوتِ عمل مفلوج ہو جاتی ہے' اور وہ سفرِ زندگی میں آگے بڑھنے کے قابل نہیں رہتا۔ لہٰذا' نظامِ سرمایہ داری کی حامل قوم' تباہ و برباد ہو کر رہتی ہے۔

۲۷۷ خدا پر ایمان رکھنے' اور اُس کے تجویز کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا رہنے والے' بھلا ایسا انسانیت سوز نظام کس طرح قائم کر سکتے ہیں؟ وہ ایسا نظام قائم کرتے ہیں جس میں ہر فرد قوانینِ خداوندی کا اتباع کرے' اور اس طرح' نوعِ انسان کی نشوونما کا سامان فراہم کرتا چلا جائے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے حسنِ عمل کا صلہ' نظامِ ربوبیت کی شکل میں' سامنے آتا ہے اور اِس طرح انہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا
بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ
ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ
فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۡ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ
بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ

نہ کسی قسم کا خوف لاحق ہوتا ہے، نہ غمگینی ستاتی ہے۔

۲۷۸ لہٰذا، اے جماعتِ مومنین! تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو، اور ربٰو میں سے جو کچھ کسی کے ذمے باقی رہ گیا ہے، اُسے معاف کر دو۔ تمہارے ایمان کا یہی تقاضا ہے۔

۲۷۹ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یاد رکھو! تمہاری اس روش کو نظام خداوندی کے خلاف اعلان جنگ سمجھا جائے گا (اس لئے کہ دینِ خداوندی، نظام سرمایہ داری کا کھلا ہوا دشمن ہے، اور ان دونوں میں کبھی مفاہمت نہیں ہو سکتی)۔ اگر تم، اِس روش سے باز آجاؤ، تو تم اپنا اصل زر واپس لے سکتے ہو، تاکہ نہ تم پر کوئی زیادتی ہو، نہ مقروض پر۔

۲۸۰ اگر مقروض تنگدست ہے، تو اُسے اتنی مہلت دو کہ وہ قرض بسہولت ادا کر سکے۔ اور اگر تم اُسے بالکل ہی معاف کر دو، تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے، بشرطیکہ تم، دور رس نگاہ سے، دیکھ سکو کہ اس میں کس قدر اجتماعی مفاد مضمر ہیں۔

۲۸۱ تم ہمیشہ اس (آنے والے انقلاب کے) زمانے کو اپنے سامنے رکھو جس میں تمہارے ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے قانون کے مطابق ہوگا۔ ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اور کوئی کسی کی محنت کو چھین کر نہیں لے جائے گا۔
(یہ اِس دُنیا میں بھی ہوگا اور مرنے کے بعد بھی)۔

۲۸۲ (جب تک نظام ربوبیت قائم نہیں ہو جاتا، تمہیں ایک دوسرے سے انفرادی طور پر قرض لینے کی ضرورت پڑیگی۔ سو) جب تم کسی سے، ایک مقررہ مدت کے لئے، کچھ قرض لو، تو اسے لکھ لیا کرو۔ اور چاہیئے کہ ایک لکھنے والا، تمہارے اس باہمی معاملہ کو عدل کے ساتھ لکھ دے۔ وہ اس سے انکار نہ کرے۔ جب اُسے اللہ نے علم عطا کیا ہے، تو اُسے چاہیئے کہ اُس سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ قرض لینے والا اِس تحریر کو لکھوائے۔ کاتب کو چاہیئے کہ وہ قانون خداوندی کی

يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ
شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ
بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا
مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا
تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ
بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾

نگہداشت کرے اور جو کچھ لکھوایا جائے اُس میں کسی قسم کی کمی (بیشی) نہ کرے۔

اگر قرض لینے والا کم عقل ہو۔ یا ضعیف ہو۔ یا اِس تحریر کو لکھوانے کی بھی قابلیت نہ رکھتا ہو تو اسکی طرف سے، اُس کا کوئی دوست یا سرپرست، عدل و انصاف کے ساتھ لکھوا دے۔

اور ایسے معاملات کے وقت، اپنے میں سے دو مرد بطور گواہ بھی بلا لیا کرو۔ اگر کسی وقت دو مرد موجود نہ ہوں، تو ان میں سے جن پر فریقین ضامند ہوں، ایک مرد اور دو عورتیں، بطور گواہ بلا لیا کرو —— دو عورتیں اس لئے کہ اگر اُن میں سے کسی کو کچھ اشتباہ ہو جائے تو اُسے دوسری یاد دلا دے (۴۳/۱۸)۔ اور جب گواہ بلائے جائیں تو اُنہیں چاہیئے کہ وہ انکار نہ کریں۔

قرض تھوڑا ہو یا بہت، اُس کی میعاد کے اندر دستاویز لکھنے میں کوتاہی نہ کرو۔ قانون خداوندی کی رُو سے، یہ چیز تقاضائے انصاف کے زیادہ قریب ہے، اور شہادت کو محکم بنانے کا طریق، اور شکوک و شبہات کے ازالہ کی عمدہ تدبیر۔

لیکن اگر تم آپس میں کوئی نقد سودا کرو، جس کے لئے تم عام طور پر لین دین کرتے رہتے ہو، تو اِس میں کچھ ہرج نہیں کہ اُسے تم ضبطِ تحریر میں نہ لاؤ۔ البتہ ایسی خرید و فروخت کے وقت بھی گواہ ضرور رکھ لیا کرو۔

یہ بھی یاد رکھو، کہ کاتب یا گواہ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے۔ اگر تم ایسا کرو گے

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ
أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾
لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ ۖ
فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾

تو یہ قانون خداوندی سے سرتابی ہوگی۔ تم ہر معاملہ میں قانون خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اللہ تمہیں اِن قوانین کا (وحی کے ذریعے) علم عطا کرتا ہے ——— اور وہ ہر شے کا عِلم رکھتا ہے۔

۲۸۳ اگر تم حالتِ سفر میں ہو' اور تمہیں کاتب نہ مل سکے' تو قرض لینے والے کی کوئی چیز' بطورِ ضمانت اپنے پاس رکھ لو۔ اور اگر تم ایک دوسرے پر اعتماد کرو' تو جس شخص پر اعتماد کیا گیا ہے' اُسے چاہیئے کہ اپنی امانت کو (پوری پوری دیانت سے) واپس کر دے۔ اور' اِس طرح اپنے نشوونما دینے والے کے قانون کی نگہداشت کرے۔

اور تم شہادت کو کبھی نہ چھپاؤ۔ جو ایسا کرتا ہے' (تو اگر' لوگوں کو اُس کا پتہ نہ بھی چلے' اور وہ اُن میں معتبر بنا رہے' پھر بھی) اُس کا دل ضرور مجرم ہوتا ہے اور اُس کی ذات کی نشوونما کی قوتیں مضمحل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اِس لئے کہ خدا کے قانونِ مکافات سے تو کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اُسے ہر بات کا علم ہوتا ہے۔

۲۸۴ یاد رکھو! کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے' سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرمِ عمل ہے (اور مقصد اس تگ و تاز سے' یہ ہے کہ انسان کا کوئی کام بلا نتیجہ نہ رہنے پائے ($\frac{۳۴}{۳}$ ؛ $\frac{۴۵}{۲۲}$ ؛ $\frac{۵۳}{۳۱}$)۔ لہٰذا' اِس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ تم دِل میں چھپا کیا رکھتے ہو اور ظاہر کیا کرتے ہو۔ خدا کے قانونِ مکافات کی نظروں میں دونوں یکساں ہیں۔ وہ تمہارے ہر عمل کا محاسبہ کرتا ہے۔ اور اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ وہ کونسے اعمال ہیں جن کے مضر اثرات سے تم محفوظ رہ سکتے ہو' اور کون سے ایسے جن کی تباہی سے تم بچ نہیں سکتے۔ یہ سب کچھ خدا کے قانون مشیت کے مطابق ہوتا ہے' جس کی رُو سے' اُس نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں اور اُن پر اسے پورا پورا کنٹرول ہے۔

یہ تمام قوانین واضح طور پر اس وحی کی رُو سے واضح کر دی گئی ہیں جو اس رسول پر نازل کیجاتی ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۲۸۵ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ

۲۸۵ رسول' اور اس کے ساتھ جماعتِ مومنین' سب اس ضابطۂ حیات کی صداقت پر یقینِ محکم رکھتے ہیں۔ ——— یہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر' ملائکہ پر' اُسکی طرف سے بھیجے ہوئے قانونی ضابطوں پر۔ اور اُن رسولوں پر جن کے ذریعے یہ ضوابط دوسرے انسانوں تک پہنچتے رہے۔ یہ سب ایک ہی سلسلۂ رشد و ہدایت کی کڑیاں تھیں۔ اس لئے' جماعتِ مومنین کا مسلک یہ نہیں ہوتا کہ وہ' ان میں سے کسی ایک کو مان لیں اور باقیوں کو چھوڑ دیں۔ وہ ان سب کو خدا کے سچے رسول مانتے ہیں اور منصبِ رسالت کے اعتبار سے ایک دوسرے میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

وہ اس طرح ایمان لاتے ہیں' اور اس کے بعد ان کی عملی زندگی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اُنہیں جو حکم ملتا ہے اسے دل کے کانوں سے سنتے ہیں اور بطیبِ خاطر اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس سے اُن کی ذات میں ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ' خدا کے قانونِ ربوبیت کے مطابق' ہر قسم کے تخریبی عناصر کی ضرر رسانی سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور یوں' رفتہ رفتہ اُس منزل تک پہنچ جاتے ہیں جو اُن کے خدا نے ان کے لئے تجویز کر رکھی ہے۔

۲۸۶ یاد رکھو! ان تو انین و احکام کی اطاعت اِس لئے نہیں کرائی جاتی کہ اس سے خدا کا کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ اِس سے مقصود صرف یہ ہے کہ تمہاری ذات میں وسعتیں پیدا ہوتی جائیں ($\frac{۶}{۱۵۳}$ ؛ $\frac{۲۳}{۶۲}$)۔ انسانی ذات کی تعمیر و تخریب کا دار و مدار' انسان کے اپنے اعمال پر ہے۔ اس کے لئے اُصول یہ ہے کہ ہر وہ کام' جس میں' تمہارے اپنے فائدے کے ساتھ' دوسروں کا فائدہ بھی مقصود ہو' انسانی ذات کی تقویت کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن ایسا کام جس سے صرف اپنا ذاتی فائدہ مقصود ہو (اور دوسروں کے مفاد کا خیال نہ رکھا جائے) اس کے لئے نقصان رساں ہوتا ہے۔

یہ جماعتِ مومنین' اِسی راستے پر گامزن رہتی ہے ——— نگاہیں منزلِ مقصود پر اور دل میں مچلتی ہوئی یہ آرزوئیں کہ ———

بارالٰہا!

اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے' یا نشانہ خطا ہو جائے' تو یہ چیز ہماری نشوونما کے راستے میں حائل نہ ہو۔

أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾

ع ۳۰

ہم جہالت اور استبداد کے اُس بوجھ تلے نہ دب جائیں جس کے نیچے اقوامِ سابقہ دب گئی تھیں، (اور جس سے نوعِ انسان کو آزاد کرانے کے لئے تیرا یہ رسول آیا ہے (۷/۱۵۷)۔

ہم پر ایسی ذمہ داریاں عائد نہ ہوں جن کے ہم متحمل نہ ہو سکیں۔ (یعنی ہمیں ہر ذمہ داری کے مناسب قوت حاصل رہے)۔

اگر ہم سے کہیں لغزش ہو جائے تو ہمیں اس کی توفیق ہو کہ ہم اپنے حسنِ عمل سے، اُس کے مضر اثرات کو مٹا سکیں (۱۱/۱۱۴)۔

ہم تمام تخریبی عناصر کے حملوں سے محفوظ رہیں۔

ہماری نشو و نما کے لئے ضروری سامان و ذرائع، تیرے قانونِ ربوبیت کے مطابق ملتے رہیں۔

اس لئے کہ تیرا قانونِ ربوبیت ہی ہمارا پرستار اور کارساز ہے۔ اور اسی کی تائید و نصرت سے ہم حق کے مخالفین پر غلبہ اور کامیابی چاہتے ہیں۔

بارالٰہا!

ہماری ان آرزوؤں کو شرفِ تکمیل عطا فرما!

ختم سورۃ بقرۃ

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ② نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ
وَلَا فِي السَّمَآءِ ⑤ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑥

---

① خدائے علیم وحکیم کا ارشاد ہے کہ

① اُس کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جسے یہ حق حاصل ہو کہ کسی سے اپنے قانون اور فیصلوں کی اطاعت کرائے۔ کائنات میں اقتدارِ اعلیٰ اسی کا ہے۔ وہ زندہ ہے اور زندگی بخش۔ خود قائم ہے اور ہر ایک کو قیام عطا کرتا ہے۔

① اُس نے (اے رسول!) تمہیں یہ ضابطہ عطا کیا ہے جو سرتاپا حق ہے' اور اُن تمام حقائق دعاوی کو سچ کر دکھانے والا ہے جو اِس سے پہلے خدا کی طرف سے آچکے ہیں۔ (مثلاً) تورات و انجیل' جو اس سے پہلے' نوعِ انسان کی راہ نمائی کے لئے اُس نے بھیجی تھیں۔ اُن کے بعد اب یہ ضابطۂ ہدایت آیا ہے جو حق اور باطل کو نکھار کر الگ کر دے گا (۲۵)۔

جو لوگ ایسے کھلے ہوئے قوانین خداوندی کی صداقت سے انکار کریں گے' اور ان سے سرکشی برتیں گے تو (خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق) اُن کی اس روش کا نتیجہ' سخت تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا ـــــ یہ خالی دھمکی نہیں۔ یہ اُس خدا کا قانونِ مکافات ہے' جو اتنی قوت رکھتا ہے کہ ہر عمل کو اُس کے آخری نتیجہ تک پہنچا کر رہے۔

① اِس قدر عظیم قوت کے ساتھ' اُس کے علم کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کوئی شے نہیں جو اُس سے پوشیدہ ہو۔

① اُس کے قانونِ مشیت کی ہمہ گیری کی یہ کیفیت ہے کہ وہ انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے' رحمِ مادر میں اُسے موزوں پیکر عطا کر دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

یہ ہے وہ خدا جس کے علاوہ کائنات میں کسی کا قانون کارفرما نہیں۔ اُس کا قانون، بڑی قوت کا مالک ہے، لیکن اندھی قوت کا نہیں ——— ایسی قوت کا جو بیکراں حکمت پر مبنی ہے۔

اُس خدا نے، جس کا قانون، کائنات میں اِس طرح کارفرما ہے، انسانوں کی راہ نمائی کے لئے یہ ضابطۂ حیات بھیجا ہے۔ اِس میں ایک حصّہ تو وہ ہے جو مستقل اقدار، قوانین اور احکام پر مشتمل ہے۔ یہ حصّہ، اِس ضابطہ کی اصل و بنیاد ہے۔ ان امور کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر لفظ اپنے متعین معانی سامنے لے آتا ہے۔

دوسرا حصّہ وہ ہے جو اُن حقائق پر مشتمل ہے جو مادی کائنات سے ماورا ہیں (مثلاً خدا کی ذات یا حیاتِ اُخروی وغیرہ)۔ اِن حقائق کو سمجھانے کے لئے، انہیں تشبیہات اور استعارات کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ سو جن لوگوں کے دِل، حق کی راہ چھوڑ کر، دوسری طرف جھک جاتے ہیں۔ جو کجروی اختیار کرتے ہیں، وہ محض فتنہ پیدا کرنے کے لئے، اِن الفاظ کو پکڑ لیتے ہیں جن سے اِن حقائق کو تشبیہہ دی گئی ہے (مثلاً خدا کے اقتدار اور کنٹرول کے لئے عرش کا لفظ، اور اُس کے علم کی وسعت کے لئے کُرسی کا لفظ)۔ وہ یا تو ان الفاظ ہی کو اصل و حقیقت قرار دیدیتے ہیں (مثلاً یہ کہ خدا سچ مچ ایک تخت کے اوپر بیٹھا ہے)۔ اور یا یونہی قیاسات کی رُو سے، اِن کی کنہ و حقیقت متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں (مثلاً یہ کہ خدا کی ذات کی اصل و حقیقت کیا ہے) اور ایسا کرنے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ یاد رکھئے! ان میں بعض حقائق تو ایسے ہیں جن کی ماہیت اور حقیقت صرف خدا ہی جانتا ہے۔ البتہ یہ بات، عقل و بصیرت کی رُو سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اُن کے بیان کرنے سے مقصود کیا ہے۔ اور بعض حقائق ایسے ہیں، جن کی حقیقت انسانی علم کی سطح کے بلند ہونے سے سامنے آسکتی ہے (۴۲/۵۲) ——— لیکن اُنہی لوگوں کے سامنے جو مسلسل غور و تدبر اور محنت شاقہ سے علم میں پختگی حاصل کرتے جائیں۔

ان لوگوں کی بھی یہ کیفیت ہے کہ وہ اِن تشبیہی امور کے متعلق ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سب خدا کی طرف سے حقیقت کا بیان ہے، اور اُس کے بعد غور و فکر سے، علیٰ حدِ بشریت، ان حقائق کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں (۴۲/۲۱)۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝٨ رَبَّنَا
إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝٩ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ
أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝١٠ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ
مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝١١

---

۱ یہ وہ لوگ ہیں جن کی (علمی تحقیقات اور حقیقت فہمی کی کوششوں میں) ہمیشہ یہ آرزو رہتی ہے کہ اُن کے قلوب (قرآن کی صحیح) راہ نمائی کے بعد کسی اور طرف نہ جھک جائیں اور اُن کی قلبی اور ذہنی صلاحیتیں اسی کی روشنی میں بروئے کار ہوں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ انسان کو اُس کی صحیح منزل کی طرف راہ نمائی تنہا عقل کی رُو سے نہیں مل سکتی۔ یہ صرف وحی کی رُو سے ممکن ہے جو خدا کی طرف سے (حضرات انبیائے کرامؑ کو) وہبی طور پر ملتی تھی۔ کسب و ہنر سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔

۱ یہی وہ خدا کی راہ نمائی ہے جس کی رُو سے انسان اپنے اختلافات چھوڑ کر ایک نقطہ پر جمع ہو سکیں گے۔ یہ اُس انقلابی دور میں ہوگا جس کے واقع ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں — اس لئے کہ یہ خدا کے قانون کے مطابق ہوگا اور خدا کے قوانین اٹل ہیں۔
اس دُنیا کے علاوہ انسانوں کا اجتماع اُخروی دنیا میں بھی ہوگا جس کا تشبیہی بیان قرآن میں آیا ہے لیکن انسان اپنے شعور کی موجودہ سطح پر اُس کی کیفیت کو نہیں سمجھ سکتا —— لیکن اُس کی کیفیت اور حقیقت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے اُس کے واقع ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

۱ جو لوگ اس راہ نمائی کی صداقت سے انکار کر کے اپنے لئے دوسری روش اختیار کر لیں تو اس سے اُنہیں کتنے ہی مفاد عاجلہ (مال اور اولاد وغیرہ کی کثرت) کیوں نہ حاصل ہو جائیں غلط روش کے تباہ کن نتائج سے وہ کبھی نہیں بچ سکیں گے۔ اُن کی یہ روش فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کا موجب بنتی ہے جس میں وہ خود بھی جل کر راکھ ہو جاتے ہیں اور اُن کے ساتھی بھی۔

۱ اس حقیقت پر تاریخ کے اوراق شاہد ہیں (مثلاً) تم قوم فرعون اور اُس سے پہلی قوموں کے طور طریق پر غور کرو اور اُن لوگوں کے انجام کو دیکھو۔ انہوں نے ہمارے قوانین کو جھٹلایا اور اپنے لئے دوسری راہیں اختیار کر لیں تو اُن غلط راہوں کے عواقب نے انہیں آن پکڑا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ خدا کا قانونِ مکافات مجرمین کا پیچھا کس شدت سے کیا کرتا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ
الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ
بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ
النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ
وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭

---

۱۱ لہٰذا یہ لوگ، جو اِس نظام کی اِس طرح مخالفت کر رہے ہیں، اُن کے سامنے تاریخ کے یہ واقعات دُہراؤ اور اُن سے کہو کہ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب تم سب مغلوب ہو جاؤ گے اور تباہی و بربادی کے جہنم کی طرف ہنکائے جاؤ گے۔

سوچو کہ وہ زندگی کتنی بری زندگی ہو گی!

۱۱ اِس کی ہلکی سی جھلک، تم اُس تصادم میں دیکھ چکے ہو جو (ابھی ابھی بدر کے میدان میں) تم دونوں جماعتوں کے درمیان ہو چکا ہے ——— ایک گروہ 'نظام خداوندی کی اقامت کے لئے شمشیر بکف تھا' اور دوسرا گروہ مخالفین کا تھا۔ تعداد کے لحاظ سے مخالفین کی جماعت بہت زیادہ تھی' (لیکن چونکہ جماعت مومنین' ایک عظیم مقصد کے لئے میدانِ جنگ میں آئی تھی' اس لئے اس کے حوصلے بڑے بلند تھے۔ وہ دشمن کے اس گروہ کثیر کو زیادہ سے زیادہ اپنے سے 'دگنا محسوس کرتے تھے۔ (اس لئے کہ اپنے سے دگنی تعداد پر کامیابی کا انہیں بہرحال یقین تھا (۶۶ : ۳۳)۔
چنانچہ اُنہیں فتح نصیب ہوئی۔ اِس طرح 'قانون خداوندی کی تائید ان لوگوں کو حاصل ہو جاتی ہے جو صحیح روش پر چل کر اُس کی تائید کو حاصل کر لینا چاہیں۔
جو لوگ آنکھیں رکھتے ہیں' انہیں اسی ایک واقعہ سے سبق حاصل کر لینا چاہیئے کہ اُن کی مخالفت کا آخر الامر نتیجہ کیا نکلے گا؟

۱۳ اِن دونوں جماعتوں میں جو بنیادی فرق ہے' اُس کے لئے ایک اُصولی بات کا سمجھ لینا ضروری ہے ——— انسانی زندگی کی حالت یہ ہے کہ یہاں بے شمار پسندیدہ اور خوشنما چیزیں ہیں جو انسان کے لئے وجہ جاذبیت ہیں۔ مثلاً بیوی بچوں کی محبت۔ چاندی، سونے (مال و دولت) کے ذخیرے۔ چنے ہوئے عمدہ گھوڑے۔ مال، مویشی۔ کھیتی باڑی۔ وغیرہ۔ انسان ان کی طرف کھنچتا ہے۔ یہ بُری بات نہیں۔

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّن ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ الَّذِينَ يَقُولُونَ
رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾

لیکن' انہی چیزوں کو مقصودِ حیات اور منتہائے زندگی سمجھ لینا غلط ہے۔ یہ صرف انسان کی طبیعی زندگی کا ساز و سامان ہیں (جو لوگ انہی کو مقصودِ حیات سمجھ لیتے ہیں' وہ کسی بڑی قدر اور اصول کی خاطر جان دینا تو ایک طرف' ذرا سی تکلیف گوارا کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اس کے برعکس' جماعتِ مومنین ہے' جس کا ایمان یہ ہے کہ دنیاوی زندگی اور اس کا ساز و سامان مقصودِ حیات نہیں' ایک بلند مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ وہ بلند مقصد ہے' انسانی ذات کی نشوونما جو مستقل اقدار کے تحفظ سے ہوتی ہے۔ اس لئے' جب دنیاوی مفاد اور بلند اقدار میں تصادم ہوتا ہے' تو وہ بلند اقدار کی حفاظت کے لئے دنیاوی مفاد کو بطیب خاطر قربان کر دیتے ہیں' اور یوں) اس بلند مقام کو پا لیتے ہیں جو حقیقی زندگی کے لئے بڑا ہی خوشگوار اور حسین ہے۔

۱۳ لہٰذا' جو لوگ دنیاوی سامانِ زیبست ہی کو اصل و مقصود سمجھ رہے ہیں' اُن سے کہو کہ آؤ! میں تمہیں ایک ایسی چیز کا پتہ نشان بتاؤں جو اس تمام ساز و متاع سے کہیں بہتر ہے ـــــ یعنی شگفتگی اور شادابی کی ایسی زندگی جس کی بہاروں پر کبھی خزاں نہیں آسکتی۔ جس میں تمام رفقاء (انہی کی طرح) پاکیزہ سیرت اور بلند کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ اس میں ہر قدم' قانون خداوندی کی ہم آہنگی میں اٹھتا ہے۔

یہ زندگی' اُن سعادتمند لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو قانونِ خداوندی کی پوری پوری نگہداشت کرتے ہیں۔ یہ انہیں' ان اعمال کے بدلے میں ملتی ہے جو خدا کے قانونِ مکافات کی نگاہوں کے سامنے رہتے ہیں۔

۱۵ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نشوونما دینے والے کے ضابطہ قوانین کو اپنا نصب العین حیات قرار دے لیتے ہیں۔ اس کے بعد اُن کی کوشش اور آرزو یہ ہوتی ہے کہ وہ ان تمام غلط باتوں کے اثرات سے محفوظ رہیں جو مخالفین اُن کے پیچھے چھپا دیتے ہیں' تاکہ اُن کا دامن ان خاردار جھاڑیوں میں اُلجھ کر نہ رہ جائے۔ اور وہ اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو تعمیری مقاصد میں صرف کر کے' زندگی کی تباہیوں سے محفوظ رہیں۔

الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ
اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ
يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

۱۷ یہ لوگ' اپنے نصب العین پر ثبات و استقامت سے جمے رہتے ہیں اور ہر مخالفت کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔
اپنے دعوئے ایمان کو عملاً سچ کر کے دکھاتے ہیں۔
ہر وقت قوانین خداوندی کے سامنے جھکے رہتے ہیں' اور اپنی صلاحیتوں کو انہی کے مطابق صرف کرتے ہیں۔
اپنی محنت کے ماحصل کو' نوعِ انسان کی پرورش کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔
اور اپنے ہر پروگرام کو شروع کرنے سے پہلے' اس امر کا اطمینان کر لیتے ہیں کہ' اُن کے پاس پورا پورا سامانِ حفاظت موجود ہے ——— دشمن سے بچاؤ کے لئے بھی' اور خود اپنے دل میں پیدا ہونے والے خدشات کی مدافعت کے لئے بھی۔

۱۸ بات یہاں سے شروع ہوئی تھی (۳-) کہ کائنات میں اقتدارِ اعلیٰ' خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اِس حقیقت کبریٰ کی شہادت ایک تو' خود ذاتِ خداوندی کا صحیح تصور مہیا کرتا ہے (کہ اگر کائنات میں ایک سے زیادہ صاحبِ اقتدار قوتیں ہوتیں تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جاتا (۲۱/۲۲)۔
اِس کے بعد اِس کی شہادت' کائناتی قوتیں' بہم پہنچاتی ہیں جن کے مطالعہ اور مشاہدہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ساری کائنات ایک "وحدت" ہے اور اس میں ایک عالمگیر قانون کارفرما ہے۔
پھر اِس کی شہادت وہ صاحبانِ علم و بصیرت بہم پہنچاتے ہیں جو عدل و مساوات کی بنیادوں پر معاشرہ کا نظام قائم کرتے ہیں۔ اِس نظام کے زندہ نتائج' اُن کی شہادت کی دلیل بنتے ہیں۔
یہ تمام شہادات' انسان کو اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہیں کہ کائنات میں اقتدارِ اعلیٰ صرف ذاتِ خداوندی کو حاصل ہے۔ اور یہ تمام سلسلہ اُس کے بے مثال غلبہ و قوت' اور بے نظیر حکمت کے مطابق سرگرمِ عمل ہے۔

۱۹ اسی کا نام اسلام ہے۔ اور یہی وہ نظامِ حیات ہے جو تمام کائنات اور نوعِ انسان کے لئے قانونِ خداوندی کے مطابق تجویز ہوا ہے۔ یہ کوئی نیا نظام نہیں تمام انبیائے سابقہؑ اسی نظام کو لے کر آتے رہے' لیکن اُن کے بعد' اُن کے متبعین' باہمی ضد اور سرکشی کی بنا پر' اس میں اختلافات

فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ وَالْأُمِّيِّـۧنَ
ءَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾
إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِـَٔايٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ
مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۱﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ
وَمَا لَهُم مِّن نّٰصِرِينَ ﴿۲۲﴾

کرنے لگ جاتے۔ اس طرح یہ نظام، اپنی اصلی شکل میں اُن کے پاس نہ رہتا، اور وہ دوسری راہوں پر چل نکلتے ——— اور اس کا نتیجہ بھی بھگتتے۔ اس لئے کہ خدا کا قانون مکافات نتائج مرتب کرنے میں دیر نہیں لگایا کرتا۔

۱۹ یہی حالت اِس وقت، اُن لوگوں کی ہے جو اِس نظامِ خداوندی کی مخالفت میں پیش پیش ہیں۔ سو اگر، یہ تم سے اس باب میں جھگڑا، تنازعہ کریں، تو اِن سے کہہ دو کہ (تم اپنے لئے جو فیصلہ کرنا چاہتے ہو کر لو) جہاں تک میرا اپنا، اور اُس جماعت کا تعلق ہے جو میرے پیچھے چلتی ہے، ہم نے اپنی تمام توجہات اِسی نظام کی تشکیل پر مرکوز کر رکھی ہیں۔

اس کے بعد تم ان لوگوں سے، جو اپنے آپ کو اہلِ کتاب کہتے ہیں، اور اُن سے بھی جو کسی آسمانی کتاب کے مدعی نہیں، پوچھو کہ وہ اِس نظام کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ اس کی اطاعت کریں گے تو زندگی کی کامرانیوں کی راہیں ان پر کھل جائیں گی۔ لیکن اگر یہ اِس سے روگردانی کریں گے تو تم پر اِس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ تمہارا فریضہ ان تک پیغام پہنچا دینا ہے۔ (ماننا نہ ماننا اِن کے اپنے اختیار کی بات ہے)۔

اِس کے بعد جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ خدا کا قانونِ مکافات، تمام انسانوں کے اعمال پر نگاہ رکھتا ہے۔

۲۱ جو لوگ اِس ضابطۂ حیات کی صداقت سے انکار کرتے ہیں، اور ناحق، اِس کی طرف دعوت دینے والے انبیاءؑ کی تخریب کے درپے ہو جاتے ہیں، اور اُنہیں قتل کرنے پر اُتر آتے ہیں، اور اُن کے ساتھ، اُن لوگوں کو قتل کرنے پر بھی جو قوانینِ خداوندی کے مطابق، عدل و مساوات کا نظام قائم کرتے ہیں تو اِن لوگوں کو آگاہ کر دو کہ اِن کی سب کوششیں رائگاں جائیں گی اور آخر الامر اِن پر سخت تباہی آئے گی۔

۲۲ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ یہ کرتے ہیں، نہ دنیا میں اِن کے کسی کام آسکے گا، نہ آخرت میں

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

——— اور نہ ہی کوئی ایسا ہوگا جو ان کی کسی قسم کی مدد کر سکے۔

۲۲ یہ 'اہلِ کتاب' وہ ہیں جنہیں اس ضابطۂ خداوندی کا (جو اب مکمل شکل میں قرآن میں آیا ہے) ایک حصّہ دیا گیا تھا۔ انہیں چاہیئے تھا کہ وہ اس مکمل ضابطہ کی طرف لپک کر آتے (۲/۱۰۱)۔ لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ جب انہیں اس ضابطہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ان کے باہمی معاملات کا فیصلہ کرے تو ان میں کا ایک گروہ (بالخصوص ان کے مذہبی پیشوا) اس سے روگردانی کرتا ہے ——— ان لوگوں کی مفاد پرستیوں نے ان کی ذہنیت ہی ایسی بنا دی ہے کہ انہیں جب بھی حق کی طرف دعوت دی جائے یہ اس سے روگردانی کریں۔

۲۳ یہ اس لئے کہ خدا کے قانونِ مکافات پر ان کا ایمان ہی نہیں۔ یہ اس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ ہمیں جہنم کی آگ چھو نہیں سکتی۔ اور اگر ہمیں وہاں جانا بھی پڑے گا تو محض چند دنوں کے لئے (۲/۸۰)۔ اس کے بعد جنت کے وارث ہم ہی ہوں گے۔

یہ عقیدہ ان کا خود ساختہ ہے۔ اور اس نے انہیں ان کے دین کے بارے میں، سخت فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

۲۴ لیکن ان کی یہ خود فریبی، انہیں خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت سے نہیں بچا سکتی۔ اس قانون کی رُو سے، ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدل مل جاتا ہے اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوتی۔

اس کا مظاہرہ ایک تو ابھی ہو جائے گا جب یہ میدان جنگ میں سامنے آئیں گے اور ذلت و خواری سے یہاں سے نکالے جائیں گے (۵۹/۲)۔ اور پھر حیاتِ اخروی میں بھی، اسی قسم کی رسوائیاں ان کے حصّے میں آئیں گی۔

۲۵ ان سے کہدو کہ دنیا میں کوئی قوم بھی خدا کی چہیتی اولاد نہیں۔ ہر قوم کے ساتھ خدا کے قانون مشیّت کے مطابق برتاؤ ہوتا ہے ——— اور وہ قانون یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کی سعی و عمل کا پھل ملتا

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ
تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى
اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

ہے (۵۳/۳۹)۔ ہر ایک کے درجات اس کے اعمال کے مطابق متعین ہوتے ہیں (۴۶/۱۹) —— اس قانون کے مطابق، عزت و عظمت اور غلبۂ اقتدار اُسے ملتا ہے جس میں اُسکی صلاحیت ہوتی ہے (۲/۲۴۷ ؛ ۲۱/۱۰۵)۔ اور جب وہ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرلے جس سے یہ صلاحیت باقی نہ رہے، تو اُس سے عزت و اقتدار چھن جاتا ہے (۵۳/۳۹ ؛ ۱۳/۱۱)۔ اس قانون کا سررشتہ خدا کے اپنے ہاتھ میں ہے، اس لئے، اُسے اس پر پورا پورا کنٹرول حاصل ہے کہ اس کے خلاف کچھ نہ ہونے پائے۔

۱۳ یہ حقیقت کہ خدا کے فیصلے اُس کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتے ہیں، اور اُن کے خلاف کچھ نہیں ہوتا، خارجی کائنات کے نظم و نسق سے واضح ہے۔ تم دیکھو کہ وہ کس طرح اپنے مقرر کردہ قانون کے مطابق، رات کی تاریکی کو دن کے اُجالے میں داخل کرتا ہے اور دن کی روشنی کو رات کی تاریکی میں لے جاتا ہے۔ موت اور حیات کا سلسلہ کس طرح اُس کے قانون کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب زمین مردہ میں نشوونما دینے کی صلاحیت بیدار ہو جاتی ہے، تو اُس سے نباتات اُگتی ہے جو زندگی کا لہلہاتا نشان ہے۔ لیکن جب وہی پودا، اپنا رشتۂ زندگی بخش عناصر سے منقطع کر لیتا ہے، تو اُس کی زندگی موت سے بدل جاتی ہے۔

لہذا، یہاں اُصول یہ کارفرما ہے کہ جب اور جہاں بھی، نظامِ زندگی، قانون خداوندی کے مطابق ہو جائے، تو اس سے سامان زیست اس قدر فراوانی سے ملتا ہے جو تمہارے حساب و شمار سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

۱۴ ظاہر ہے کہ اس نظام کی رُو سے دنیا کے انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے —— ایک وہ جو اس نظام کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیں گے، انہیں مومنین کہا جائے گا۔ دوسرے وہ جو اس کی مخالفت کریں گے —— یہ 'کفار' یعنی نہ ماننے والے، کہلائیں گے —— ان دونوں گروہوں میں اُصولی اختلاف اور مخالفت ہوگی۔

اب ظاہر ہے کہ جماعتِ مومنین کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں ہوگا کہ وہ جماعتِ کفار کو اپنا دوست اور رفیق بنائے۔ انہیں یہ تعلقات، صرف مومنین کے ساتھ وابستہ رکھنے ہوں گے۔ جو ان (مخالفین

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۹ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ
سُوْۗءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۳۰ ع ۲
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱

کو اپنا) دوست بنائے گا' اُس کا نظام خداوندی سے کسی قسم کا تعلق باقی نہیں رہے گا (۳/۱۱۷ ؛ ۳/۱۹ ؛ ۶۰/۴)۔ (لہٰذا اے جماعتِ مومنین!) تمہیں (ان مخالفین سے) بہت زیادہ محتاط رہنا چاہیئے اور اپنی حفاظت کا پورا پورا سامان تیار رکھنا چاہیئے۔ تمہیں بڑی شدت سے خدا کے قانونِ مکافات کی احتیاط اور نگہداشت کرنی چاہیئے۔ وہی تو تمہارا آخری مقام اور پناہ گاہ ہے۔

۲۸ ہم نے بات بالکل واضح کر دی ہے۔ اِس کے بعد جو تم میں سے سمجھتا ہے کہ وہ اِن (مخالفین) سے اپنے تعلقات منقطع نہیں کر سکتا (یا کرنا نہیں چاہتا) تو وہ اِدھر سے ہٹ کر کھلے بندوں اُن کے ساتھ جا ملے۔ یہ غلط ہے کہ تمہارے دل میں کچھ اور ہو اور ظاہراً روش کچھ اور — اِس روش سے 'بالآخر' حاصل کیا ہوگا' جبکہ حالت یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے' تم اُسے چھپاؤ یا ظاہر کرو' وہ خدا کے قانونِ مکافات سے کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ تمہارے دِل کے پردے کیا شے ہیں' کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے' وہ ان سب سے باخبر ہے۔ اور' صرف باخبر ہی نہیں' سب پر کنٹرول بھی اُسی کا ہے۔

۲۹ اِسی قانونِ مکافات کے مطابق' ہر شخص' ظہورِ نتائج کے وقت' اپنے اپنے کام کے نتیجہ کو — خواہ وہ خوش آیند ہو یا ناپسند — اپنے سامنے موجود پائے گا' اگرچہ وہ ہزار جان سے چاہے گا کہ اُسکے اعمال کا ناپسندیدہ نتیجہ اس سے کوسوں دور رہے۔ (لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا)۔ اِس لئے خدا کے قانونِ مکافات سے ہر وقت محتاط رہنا چاہیئے۔

انفرادی طور پر تمہیں اِس قانون کی سخت گیری کچھ اچھی نہیں لگے گی' لیکن اگر تم' انسانیت کے مفاد کل کو سامنے رکھو' تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قانونِ مکافات کی سخت گیری نوعِ انسان کے لئے باعثِ رافت و رحمت ہے۔ اِس لئے کہ اگر قانونِ عدل کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے' یا وہ رعایتیں برتنے لگ جائے' تو انسانوں کے لئے جینا محال ہو جائے۔

۳۰ اب اِس نظام کی عملی تشکیل کی طرف آؤ۔ اِس کے لئے' اِن (مومنین) سے کہہ دو کہ اگر تم اِس

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ
نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾
اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾

نظامِ خداوندی کو واقعی دل سے پسند کرتے ہو' تو تم اس کی پوری پوری اطاعت کرو اور میرے پیچھے پیچھے چلتے جاؤ۔ خدا کا نظام تمہاری صلاحیتوں کی نشوونما کرے گا۔ اور تمہاری کوششوں کو ثمربار۔ تمہاری کوتاہیوں اور نادانستہ لغزشوں کے مضر اثرات سے تمہیں محفوظ رکھے گا۔ اس لئے کہ اس کا قانون' تخریبی قوتوں کے خلاف سپر کا کام بھی دیتا ہے اور انسانوں کی نشوونما کا سامان بھی بہم پہنچاتا ہے۔

۳۲ پس' یہ ہے' نظامِ خداوندی کی تشکیل و استحکام کا عملی طریقہ ——— یعنی قانونِ خداوندی کی پوری پوری اطاعت۔ لیکن اپنے اپنے طور پر نہیں' بلکہ اجتماعی حیثیت سے' (اس نظام کے مرکز' یعنی) رسول کے فیصلوں کے مطابق' قانونِ خداوندی کی اطاعت۔

جو لوگ اس نظامِ اطاعت سے روگردانی کریں' تو یہ کفر ہوگا' اسلام نہیں ہوگا۔ اور یہ تم جانتے ہی ہو کہ کفر کی روش خدا کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔

۳۳ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے (۳/۱۸)' یہ نظام پہلی بار نہیں بھیجا گیا۔ اس مقصد کے لئے' مختلف زمانوں میں' مختلف حضرات اور اقوام کو منتخب کیا جاتا رہا ہے ——— مثلاً انسان کی تمدنی زندگی کا ابتدائی دور' جسے "داستانِ آدم" کے تمثیلی انداز میں بیان کیا جا چکا ہے (۲/۳۰ ——— ۲/۳۹)۔ پھر دعوتِ نوحؑ کا دور۔ آلِ ابراہیمؑ کا دور۔ اُسی کی ایک شاخ' آلِ عمران (یعنی سلسلۂ موسیٰؑ و ہارونؑ) کا دور ——— اور اب' آلِ ابراہیمؑ کی دوسری شاخ آلِ اسمٰعیلؑ کا دور آیا ہے ———

۳۴ یہ سب ایک دوسرے کی نسل سے تھے۔ اُن کا یہ انتخاب یونہی عمل میں نہیں آگیا تھا۔ اُس خدا کی طے کردہ اسکیم کے مطابق ہوا تھا جو سب کچھ سننے والا اور تمام حالات کا جاننے والا ہے۔

۳۵ (دورِ آلِ عمران کی آخری شخصیت' عیسےٰؑ کی تھی۔ اُس کے متعلق' اُسکے متبعین اور یہودیوں نے عجیب عجیب قسم کی غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں ——— خود اُس کی ذات کے متعلق۔ اُسکی والدہ کے متعلق۔ اُس کے مشن اور تعلیم کے متعلق اور اُس کی جماعت کے متعلق ——— ایسی غلط فہمیاں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ' اِس نظامِ خداوندی کا داعی نہیں تھا' بلکہ کچھ اور ہی تعلیم دینے آیا تھا ——— اس لئے آگے بڑھنے سے پیشتر' ان غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے)

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي
سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ
وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ

اِس داستان کا آغاز اُس واقعہ سے کیا جاتا ہے جب آلِ عمران کی ایک عورت نے اپنے رَب کی منّت مانی کہ میں اپنے پیدا ہونے والے بچّے کو' تمام دُنیا دی علائق سے آزاد کر کے' تیرے لئے وقف کرتی ہوں (کہ وہ تیرے مقدس گھر' ہیکل' کی خدمت کرے)۔ اے میرے پروردگار! تو میری اِس نذر کو شرفِ قبولیت عطا فرما۔ تو سب کچھ سُننے والا اور جاننے والا ہے۔ اِس لئے تجھے معلوم ہے کہ میں نے کس حُسنِ نیت سے یہ منّت مانی ہے۔

۳۶ اِس نے اپنے دل میں خیال کیا تھا کہ پیدا ہونے والا بچّہ' لڑکا ہوگا جو ہیکل کا راہب بن جائے گا۔ اور اپنی پوری عمر' اُس کی خدمت کے لئے وقف کر دے گا۔ لیکن اُس کے ہاں پیدا ہوئی لڑکی! اِس لئے اُس کے دل میں خیال گذرا کہ لڑکا پیدا ہوتا تو زیادہ اچھا تھا۔

لیکن خدا کو خوب معلوم تھا کہ اُس کے ہاں جو لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ کن خوبیوں کی مالک تھی' اور اُس نے آگے چل کر' خانقاہیت کی غیر خداوندی قیود کو توڑنے میں' کتنے بڑے انقلاب کا موجب بننا تھا۔ لہٰذا اگر وہ لڑکا ہوتا تو' اِس لڑکی کے برابر نہیں ہو سکتا تھا۔

بہرحال' اُس کی ماں نے کہا کہ میں اِس کا نام مریم رکھتی ہوں۔ اور اسے ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کرتی ہوں۔ میں دُعا کرتی ہوں کہ خدا اِسے' اور (جب یہ بعد میں شادی کرے تو) اِس کی اولاد کو شیطان مردود کے وَساوِس سے محفوظ رکھے۔

لہ یہودیوں کے ہاں شروع میں خانقاہیت کا رواج نہیں تھا۔ یہ بہت بعد کی اختراع ہے۔ اُنکی تاریخ بتاتی ہے کہ اُن کے ہاں' یہ رواج' حضرت عیسٰیؑ سے کچھ ہی پہلے شروع ہوا تھا۔ ابتداءً ہیکل کی خانقاہیں صرف مرد راہب تھے۔ پھر راہبات کا سلسلہ شروع ہوا تو انہیں صرف زمانۂ قبل از حیض تک وہاں رہنے کی اجازت تھی۔ پھر اِس میں یہ ترمیم ہوئی کہ اِن راہبات کی شادی ہیکل کے پیشواؤں کی جماعت کے اندر ہو سکتی تھی۔ آخر کار یہ راہبات' عیسائی (NUNS) کی طرح ساری عمر تجرّد کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دی گئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مریم کی والدہ نے منّت مانی ہے تو اُس وقت راہبہ کے لئے شادی کا دروازہ کھلا تھا لیکن اُسے شادی صرف ہیکل کے پیشواؤں کے اندر کرنی ہوتی تھی۔ حضرت مریم نے اسی (غیر خداوندی) رسم خانقاہیت کو توڑا تھا۔

قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾
هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾
فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا
وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ
قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

---

۳۶ سو اُس کے رب نے' اُس کی منت کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور مریم کی پرورش کا نہایت عمدہ انتظام کر دیا۔ یعنی اُسے زکریّا (جیسے نیک انسان) کی کفالت میں دے دیا۔ مریمؑ اپنے زہد و ریاضت کی بنا پر اُس درجہ مرجع انام بن گئی کہ اس کے پاس نذر و نیاز کی چیزیں آنی شروع ہو گئیں۔ چنانچہ جب کبھی زکریّا عبادت گاہ (قربان گاہ) میں آتا تو مریمؑ کے پاس کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھتا۔ وہ (بربنائے احتیاط) اُس سے پوچھتا کہ اے مریم! تجھے یہ چیزیں کہاں سے ملتی ہیں۔ (کیونکہ اُس کی کفالت تو زکریّا کے ذمے تھی)۔ وہ' اِس کے جواب میں کہہ دیتیں کہ (اُنہیں یہ چیزیں ہیکل کا کوئی آدمی نہیں دیتا بلکہ) یہ اللہ کی طرف سے آجاتی ہیں۔ (یعنی جو لوگ اللہ کی نذریں مانتے ہیں' وہ دے جاتے ہیں)۔ اللہ اپنی مشیّت کے پیمانوں کے مطابق اِس طرح رزق کا سامان مہیا کر دیتا ہے جو عام طور پر لوگوں کے خیال میں نہیں ہوتا۔ (مریمؑ کا مقبولِ خلائق ہو جانا اِسکا ذریعہ بنا)۔

۳۷ اُس وقت تک زکریّا کے ہاں' اپنی اولاد کوئی نہیں تھی۔ اُس لڑکی کی پرورش سے اُس کے دل میں اولاد کی خواہش بیدار ہوئی' اور یہ دُعا بن کر اُس کے لب تک آگئی کہ اے میرے نشو و نما دینے والے! مجھے بھی اپنے ہاں سے اچھی اولاد عطا فرما۔ تو دعاؤں کا سننے والا ہے (۵ — ۱۹ — ۱)۔

۳۸ وہ ابھی قربانگاہ میں کھڑا' مصروفِ دُعا تھا کہ ملائکہ نے اُسے آواز دی اور کہا کہ اللہ تمہیں (ایک بیٹے) یحییٰؑ کی بشارت دیتا ہے۔ وہ قانونِ خداوندی کو سچ کر دکھانے والا ہوگا۔ ایک بڑی جماعت کا لیڈر۔ صاحب نظم و ضبط اور بلند ترین صلاحیتوں کا مالک۔

۳۹ (زکریّا اس خوشخبری سے خوش تو ہو گیا' لیکن جب اُسے اپنے طبیعی موانعات کا خیال آیا تو اُس نے کہا کہ) اے میرے پروردگار! میرے ہاں اب لڑکا پیدا ہونے کا کونسا وقت ہے' جبکہ میں اس قدر بوڑھا ہو چکا ہوں' اور میری بیوی بانجھ ہے۔ (کیا مجھے وہ بیٹا اِسی طرح ملے گا جس طرح یہ بیٹی' مریم' مل گئی ہے' یا وہ میرے اپنے ہاں پیدا ہوگا؟)۔ اللہ نے کہا کہ (نہیں۔ مریم کی طرح نہیں بلکہ) اُسی

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا
وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ
عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

طرح جیسے میرے قانونِ مشیت کے مطابق اولاد پیدا ہوا کرتی ہے۔ (بوڑھے مرد اور عقیم عورت میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کا بیدار ہو جانا ناممکنات میں سے نہیں۔ چنانچہ اُن کی صورت میں یہی ہوا تھا (۲۱/۹۰)۔

۴۱ اُس نے کہا کہ اس ضمن میں کوئی خاص حکم ہو تو ارشاد فرما دیجئے۔ خدا نے کہا کہ اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہ تم تین شب و روز تندرست ہونے کے باوجود لوگوں سے بات نہ کرو سوائے اشارہ کے[1] (۱۹/۱۰)۔ قانونِ خداوندی کو شدت سے اپنے سامنے رکھو۔ اور (باقی جس طرح تمہارا معمول ہے) اپنے فرائض کی تکمیل میں صبح شام مصروفِ سعی و عمل رہو۔

۴۲ زکریا کے اِس ضمنی تذکرہ کے بعد پھر مریم کی بات شروع کی جاتی ہے۔

(اب مریم جوان ہو چکی تھی۔ خانقاہیت کی زندگی میں راہبہ کنواریوں کی طرف عام پجاریوں کی للچائی ہوئی نظریں جس بری طرح اٹھتی ہیں تاریخ اِس پر شاہد ہے بالخصوص جب اُنہوں نے یہ قانون بھی وضع کر رکھا ہو کہ راہبات اُن پیشواؤں کے اندر ہی شادی کر سکتی ہیں (زکریا تو مردِ صالح تھے لیکن دوسرے پجاری ان جیسے نہیں تھے)۔ لیکن مریم بڑی پاکباز تھی اور پاکباز رہنا چاہتی تھی۔ وہ اِن پیشواؤں کی آلودہ دامنی سے سخت متنفر تھی۔ اِس لئے اُسے اب ہیکل کی زندگی بڑی مخدوش نظر آتی تھی۔ چنانچہ وہ دن رات اسی کشمکش میں مبتلا رہنے لگی) تا آنکہ اس کے دل میں خدا کی طرف سے یہ اطمینان پیدا کر دیا گیا کہ وہ گھبرائے نہیں۔ ایسے سامان پیدا کر دیئے جائیں گے کہ وہ ہیکل کی ہوس کارانہ فضا سے نکل کر اپنی مرضی کے مطابق گھر کی پاک اور صاف زندگی بسر کرے اور اس طرح (راہ و رسم خانقاہیت کے خلاف جہاد کر کے) اپنے دور کی تمام عورتوں سے ممتاز ہو جائے۔ (اُسے یہ اطمینانِ قلب ملائک کے ذریعے اسی طرح دِلایا گیا تھا جس طرح مؤمنین کو ملائکہ کے ذریعے بشارتیں ملتی ہیں (۴۱/۳۰) اور اُن کے سکونِ قلب کا سامان پیدا کر دیا جاتا ہے۔ (۱۲/۴ ؛ ۴۸/۴)]

۴۳ اُس سے کہا گیا کہ وہ اپنے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا کرے اور خانقاہیت کی غیر خداوندی پابندیوں

[1] یہودیوں میں روزہ رکھا جاتا تھا جس میں بولنا بھی منع تھا (۱۹/۱۰)۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

کو توڑ کر اپنی فطری صلاحیتوں کو قانون خداوندی کے مطابق صرف کرنے کا تہیہ کر لے۔ اور یوں، اس تجرد اور علیحدگی کی زندگی کو چھوڑ کر، اسی طرح تو اپنے اوپر خداوندی کی پابندی کرے جس طرح دنیا کے دوسرے لوگ کرتے ہیں۔

۴۳ مریمؑ کے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔ پجاریوں نے فیصلہ کیا کہ اب اسے زکریاؑ کی کفالت میں نہیں رہنے دیا جائے گا۔ لیکن چونکہ اس باب میں خود ان کے اپنے اندر بھی اختلاف تھا (اور ہر ایک چاہتا تھا کہ مریمؑ، اسکی کفالت میں آجائے) اسلئے انہوں نے کہا کہ اسکا فیصلہ قرعہ اندازی سے کر لیا جائے۔

یہ واقعات وہ ہیں جو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ ہم تمہیں (اے رسول!) ان کا علم وحی کے ذریعے دے رہے ہیں۔ (اس لئے یہ حقیقت پر مبنی ہیں، اور اُن بے بنیاد باتوں کے ازالہ کا موجب ہیں جو لوگوں نے اس سلسلہ میں خواہ مخواہ پھیلا رکھی ہیں)۔

۴۵ اسی سلسلہ میں ملائکہ نے مریمؑ سے کہا تھا کہ خدا تمہیں اپنی طرف سے ایک بات کی خوشخبری دیتا ہے۔ یعنی ایک بیٹے کی جس کا نام مسیحؑ (اور) عیسےٰؑ ابن مریم ہوگا۔ دنیا میں صاحب وجاہت اور آخرت میں خدا کے مقربین میں سے۔

۴۶ تندرست و توانا۔ چھوٹی عمر میں خوب باتیں کرنے والا اور پختہ عمر تک پہنچنے والا (۵/۱۱۰) نہایت عمدہ صلاحیتوں کا مالک، پاکباز انسان۔ (اس سے ان تہمات کا دور کرنا مقصود تھا جو ایک راہبہ کے دل میں اس خیال سے پیدا ہو سکتے ہیں کہ وہ خانقاہیت کی شریعت کے علی الرغم متاہل زندگی اختیار کر رہی ہے۔ اس سے کہیں وہ یا اس کا بچہ کسی آفت میں مبتلا نہ ہو جائے۔ بعض اوقات اس قسم کے توہمات کا ایسا نفسیاتی اثر ہوتا ہے کہ سچ مچ ایسا ہو جاتا ہے۔ لہذا، اس کے دل سے ان خیالات کا دور کرنا ضروری تھا)۔

۴۷ اس پر مریمؑ نے (زکریاؑ کی طرح۔ ۳/۳۹) تعجب سے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میں ایک

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ
جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا
تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

کنواری راہبہ ہوں ——— راہبہ کے ہاں اولاد کا کیا سوال؟ ——— اس کے جواب میں اُس سے وہی کچھ کہا گیا جو زکریّا سے کہا تھا (۳/۴۰) کہ یہ خدا کے اُس قانونِ مشیّت کے مطابق ہوگا جس کی رو سے عام تخلیق ہوتی ہے ——— وہ قانون جو اس اُصول پر مبنی ہے کہ خدا جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اُس اسکیم کا آغاز ہو جاتا ہے (۲/۱۱۷)۔

۴۷ مریمؑ سے یہ بھی کہا گیا کہ وہ تمہارا بیٹا' عام لڑکوں جیسا نہیں ہوگا۔ خدا اسے کتاب حکمت کی تعلیم دے گا ——— یعنی توریت و انجیل کا علم عطا کرے گا۔ اور یوں اُسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔

۴۸ وہ اِس مُردہ قوم سے کہے گا کہ میں تمہارے نشو و نما دینے والے کی طرف سے زندگی بخش پیغام لے کر آیا ہوں۔

میں' اِس وحی کے ذریعے' تمہیں ایسی حیاتِ نو عطا کروں گا جس سے تم اپنی موجودہ پستی (خاکنشینی) سے اُبھر کر فضا کی بلندیوں میں اُڑنے کے قابل ہو جاؤ گے' اور اس طرح تمہیں فکر و عمل کی رفعتیں نصیب ہو جائیں گی (۷/۱۷۶)۔

یہ آسمانی روشنی' تمہاری بے نور آنکھوں کو ایسی بصیرت عطا کرے گی جس سے تم زندگی کے صحیح راستے پر چلنے کے قابل ہو جاؤ گے۔

اس سے تمہاری قوم کی ویران کھیتی' جس پر تر و تازگی کا کوئی نشان باقی نہیں رہا' پھر سے سرسبز و شاداب ہو جائے گی۔ تمہاری وہ کمینہ خصلتیں دور ہو جائیں گی جن کی وجہ سے تمہیں کوئی اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتا۔

مختصراً یہ کہ ذلّت و خواری کی وہ موت' جو اِس وقت تم پر چاروں طرف سے چھا رہی ہے (۳/۱۱۱) ایک نئی زندگی میں بدل جائے گی (۶/۱۲۲)۔

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۴۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۰﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

میں' (تمہارے موجودہ نظام سرمایہ داری کی جگہ) ایسا نظام قائم کروں گا جو اس کا جائزہ لیتا رہے گا کہ تم کھانے پینے کی چیزوں میں سے کس قدر اپنے مصرف میں لاتے ہو اور کسقدر ذخیرہ (HOARDING) کرتے ہو کہ اس سے ناجائز نفع کمایا جائے۔

اس قانون اور نظام میں تمہارے لئے باز آفرینی (ایک نئی زندگی حاصل کر لینے) کی بہت بڑی نشانی ہے' بشرطیکہ تم اس کی صداقت پر یقین کر لو۔

۴۹ وہ' بنی اسرائیل سے یہ بھی کہے گا کہ یہ قانون' جو مجھے وحی کے ذریعہ ملا ہے' کوئی نیا قانون نہیں۔ یہ اُن باتوں کو سچا کر دکھائے گا جو' اس سے پہلے تورات میں آ چکی ہیں۔ اور جو خود ساختہ پابندیاں تم نے (شریعت کے نام سے) خواہ مخواہ اپنے اوپر عائد کر رکھی ہیں' اِن سے تمہیں آزاد کر دے گا۔

غرضیکہ' وہ اِن سے کہے گا کہ میں تمہارے نشو و نما دینے والے کا قانون حیات لایا ہوں۔ تم اس قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ تم اس طرح کرو جس طرح میں کہتا ہوں۔ (اس سے تم میں وہ اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جو دین کا مقصود ہے)۔

۵۰ اُس نظام کی بنیاد اس ایمان پر ہے کہ تمہاری اور میری' سب انسانوں کی' نشو و نما کا ذمہ دار خدا ہے' اس لئے محکومیت صرف اسی کی اختیار کی جا سکتی ہے۔

یہ ہے وہ سیدھی اور متوازن راہ جو تمہیں منزلِ مقصود تک پہنچا دیگی۔

۵۰ (یہ باتیں ہم نے مریمؑ سے کہی تھیں۔ اُس کے بعد عیسٰےؑ پیدا ہوئے اور اپنے وقت پر اُنہیں خدا کی طرف سے نبوت ملی۔ اُنہوں نے اُسی انقلابی پروگرام کو' جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے' بنی اسرائیل تک پہنچایا۔ ظاہر ہے کہ اس پیغام کی مخالفت' ہیکل کے مذہبی پیشواؤں اور نظام سرمایہ داری کے دیگر علمبرداروں کی طرف سے ہونی تھی۔ اور ہوئی)۔ چنانچہ جب عیسٰےؑ نے محسوس کیا کہ قوم اُس پیغام کو ماننے کے لئے تیار نہیں تو اُس نے' اُن لوگوں کو الگ کر لینا چاہا جو اُس پر ایمان لا چکے تھے۔ اِس مقصد کے لئے' اُس نے آواز دی اور کہا کہ بتاؤ! اِس نظامِ خداوندی کے قیام کے لئے کون میرا مددگار بنتا ہے؟ اِس پر قوم کے مخلص انسانوں نے کہا کہ نظامِ

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ
خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ع ۱۳
وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

خداوندی کے قیام کے لئے ہم آپکے رفیقِ کار بنیں گے۔ ہم اِس نظام کی صداقت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔ آپ دیکھ لیں گے کہ ہم اِس کی کس طرح اطاعت کرتے ہیں۔

۵۰ چنانچہ اُنہوں نے اپنے نشوونما دینے والے سے اِس کا اقرار کیا کہ ہم اِس ضابطۂ ہدایت پر ایمان لاتے ہیں جسے تو نے نازل کیا ہے۔ ہم اِس مقصد کے لئے تیرے اِس رسول کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ سو تو ہمیں اُن میں شمار کر لے جن کی زندگیاں اِس نظام کی صداقت کی جیتی جاگتی شہادت ہوتی ہیں۔

۵۳ یوں وہ قوم دو جماعتوں میں بٹ گئی۔ ایک حق کی حمایت کرنے والوں کی۔ دوسری اُس کے مخالفین کی۔ مخالفین نے عیسٰےؑ پر ہاتھ ڈالنے کے لئے بڑے بڑے خفیہ طریقے اور تدبیریں شروع کر دیں۔ اُن کے مقابلے میں خدا نے (انہیں بچانے کے لئے) پوشیدہ اسباب و ذرائع پیدا کر دیئے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کے تجویز کردہ طریقے ہر نوع بہتر ہوتے ہیں۔

۵۰ (اُن کی آخری تدبیر یہ تھی کہ عیسٰےؑ کو گرفتار کر کے صلیب پر لٹکا دیا جائے اور اس طرح اُسے بزعم خویش ذلت و رسوائی کی موت مار دیا جائے)۔ خدا نے عیسٰےؑ سے کہہ دیا کہ تم اطمینان رکھو۔ اِن کی یہ سازش کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی ـــــ تم اپنی طبیعی موت مرو گے۔ میری طرف سے تمہارے مدارج بلند ہوں گے۔ میں تمہیں اِن مخالفین کی دسترس سے بہت دُور لے جاؤں گا اور جو الزامات یہ تمہارے خلاف تراشتے ہیں، ان سے تمہاری برئت کروں گا۔ (اِس وقت تمہاری جماعت کے افراد کمزور نظر آتے ہیں، لیکن آخر الامر) میں اُن لوگوں کو جو تیرا اتباع کریں گے، ہمیشہ کے لئے اُن پر فوقیت دوں گا جو تیرا انکار کر رہے ہیں۔

یاد رکھو! اِس قسم کی کشمکش کے فیصلے لوگوں کی اپنی اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کے مطابق نہیں ہوا کرتے۔ یہ ہمارے قانونِ مکافات کی رُو سے ہوتے ہیں جس کی طرف ہر ایک کھنچے چلا آ رہا ہے۔ جس کے دائرے سے کوئی بھی باہر نہیں رہ سکتا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾
وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ
نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ
تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَنِسَاۗءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَ
اَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

---

۵۵ اِس قانون کی رُو سے اُن لوگوں پر جو قوانین خداوندی سے انکار کرتے ہیں' اِس دُنیا میں بھی (آخرالامر) سخت تباہی آتی ہے' اور آخرت میں بھی بربادی ـــــ ایسی تباہی اور بربادی جس سے کوئی شخص اُنہیں بچا نہیں سکتا۔ کوئی ان کا یار و مددگار نہیں ہو سکتا۔

۵۶ اِن کے برعکس' جو لوگ اِن قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور جماعے مقرر کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں' انہیں' اُن کی محنت کا پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے۔ اس میں ذرا بھی کمی نہیں کی جاتی ـــــ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انہیں پسند ہی نہیں کرتا جو کسی کے حقوق میں کمی کریں۔

۵۷ یہ ہیں وہ پُر از حکمت تاریخی حقائق اور قوانین جو تمہیں (اے رسول!) بذریعہ وحی دیئے جا رہے ہیں۔

۵۸ یہاں تک بات یہودیوں کے متعلق تھی۔ اب آؤ عیسائیوں کے اِس دعوے کی طرف کہ "عیسےٰ بن باپ پیدا ہوتے تھے اور اِس لئے وہ خدا کے بیٹے ہیں"۔ سو ان سے کہہ دو کہ یہ تمہارے ذہن کی تراشیدہ باتیں ہیں۔ خدا کے نزدیک عیسےٰ کی پیدائش کی بھی وہی کیفیت ہے جو ہر آدمی کی پیدائش کی ہوتی ہے ـــــ انسان کے سلسلۂ پیدائش کی ابتداء مٹی (جمادات) سے ہوتی ہے' اور پھر وہ' خدا کی مقرر کردہ اسکیم کے مطابق' مختلف مراحل طے کرتا ہوا' پیکرِ بشریت میں آجاتا ہے ($\frac{۲۲}{۵}$: $\frac{۳۰}{۲}$) ـــــ اسی طرح عیسےٰ کی پیدائش ہوئی تھی۔ (اس لئے نہ وہ' عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق خدا ہے' نہ خدا کا بیٹا)۔

۵۹ یہ ہے اس باب میں اصلی اور حقیقی بات جو تیرے رب نے بیان کر دی ہے۔ سو تیرے لئے اس معاملہ میں بحث و جدل کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

۶۰ اگر اس علم و حقیقت کے بعد بھی' فریق ثانی جھگڑنے پر مصر ہو' تو ان سے کہہ دو کہ میں بس

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ
اللّٰهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ﴿٦٤﴾
اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا
اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرٰهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ
وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾

معاملہ میں جھگڑنا نہیں چاہتا۔ اگر تم دلائل و براہین اور علم و بصیرت کے باوجود حق کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے تو ایسی صورت میں ہماری روش یہ ہوا کرتی ہے کہ ہم کنارہ کشی اختیار کر لیا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم اپنے آپ کو اپنے آدمیوں اور عورتوں کو اپنی طرف الگ کر لیتے ہیں، اور تم اسی طرح اپنے آپ کو اور اپنے مردوں اور عورتوں کو لے کر ہم سے الگ ہو جاؤ۔ پھر ہم ایک دوسرے کے معاشرہ میں دخل نہ دیں (۱۵/۸۵ ؛ ۴۳/۸۹)۔ ہر ایک کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور اپنے اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتے جائیں۔ نتائج خود بخود بتا دیں گے کہ ہم میں سے کون جھوٹا ہے (۳۶/۶۴)۔

۶۱ یہ چیلنج تم پوری شد و مد سے دیدو۔ اس لئے کہ حقیقت وہی ہے جو تم سے بیان کی گئی ہے کہ کائنات میں خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ کوئی اس کی شانِ الوہیت میں شریک نہیں۔ سارا غلبہ و اقتدار جو سراسر حکمت و بصیرت پر مبنی ہے اس کا ہے۔ اس لئے کسی یا کسی اور کے الٰہ ہونے کا عقیدہ یکسر باطل ہے۔

۶۲ اگر یہ لوگ عدم مداخلت کے اس قول و اقرار کے بعد اس سے پھر جائیں اور خواہ مخواہ فساد پر اتر آئیں تو اللہ یہ بھی جانتا ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ کس قسم کا معاملہ کرنا چاہیئے۔

۶۳ تم ان یہود و نصاریٰ (دونوں) سے کہو کہ ان جزئی باتوں کو چھوڑو اور اس اصل الاصول کی طرف آؤ جس کے ماننے کے تم بھی دعویدار ہو اور جس کی طرف ہم بھی دعوت دیتے ہیں۔ یعنی یہ کہ
اللہ کے سوا کسی اور (کے قوانین) کی محکومی اختیار نہ کی جائے۔
اس کے اس اقتدار و اختیار میں کائنات کی کسی شے کو شریک نہ کیا جائے۔ نہ ہی اس کے سوا ہم ایک دوسرے میں سے کسی (انسان) کو خدائی اختیارات کا حامل سمجھیں۔
اگر یہ لوگ توحید کے اس مرکزی نقطہ پر جمع ہو جائیں تو ہو المراد۔ اور اگر اس سے روگردانی کرنا چاہیں تو ان سے کہدو کہ تم جس طرف جانا چاہتے ہو جاؤ۔ ہم صرف ایک خدا کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اسے تم خود دیکھ رہے ہو۔

۶۴ ان سے کہو کہ تم (کم از کم) ابراہیمؑ کے بارے میں (جسے تم اپنا مورثِ اعلیٰ مانتے ہو)

هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ۝۶۷ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۸ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ ۝۶۹ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝۷۰

یہ جھگڑے تو نہ نکالو کہ وہ یہودی تھا یا نصرانی (۳/۶۵) - وہ یہودی یا نصرانی کیسے ہو سکتا ہے جبکہ تورات اور انجیل اس کے (بہت) بعد نازل ہوئی ہیں۔ کیا تم ایسی بدیہی بات سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے؟

۶۵ تم نے اُن باتوں کے متعلق جھگڑا کر کے دیکھ لیا جن کی بابت تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا (اور اُن میں بھی مُنہ کی کھائی)۔ اِس کے بعد سوچو کہ تم اُن معاملات میں کیا جھگڑ سکو گے جن کے متعلق تمہیں سرے سے کوئی علم ہی نہیں۔ (بتاؤ کہ مسلک ابراہیمیؑ کے متعلق تمہیں کیا علم ہے؟) تمہیں اس کی بابت کچھ علم نہیں اور جھگڑتے ہو تم اُس خدا کے ساتھ جسے اس کا پورا پورا علم ہے۔

۶۶ یاد رکھو! ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھا نہ نصرانی۔ یہ تمہاری خود ساختہ نسبتیں ہیں۔ وہ خالص مُسلم تھا۔ وہ دین میں گروہ بندیاں پیدا کرنے والے مشرکین میں سے نہیں تھا (۳۰/۳۱-۳۲) - یہ کچھ تم ہی کرتے ہو۔

۶۷ پھر تمہارا ابراہیمؑ سے بھی کیا تعلق ہے؟ (محض اُس کی نسل سے ہونا، اُس کے ساتھ کوئی تعلق پیدا نہیں کر سکتا)۔ اُس کے ساتھی اور قریبی وہ لوگ تھے جنہوں نے اُس کی ملّت کا اتباع کیا (۴/۱۲۵) - اور اب اُس کا قریبی، یہ نبیؐ ہے اور جماعتِ مومنین، جو اُس مسلک توحید کے علمبردار ہیں جس کی طرف ابراہیمؑ دعوت دیتا تھا۔ یہی ہیں وہ لوگ جنہیں خدا کی رفاقت اور سرپرستی حاصل ہے۔

۶۸ اِن اہلِ کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ تم تھوڑی سی مداہنت اختیار کر لو (۶۸/۹) اور قرآن میں اپنے مطلب کے مطابق کچھ تبدیلی کر دو (۱۰/۱۵) تو یہ تم سے مصالحت کر لیں۔ لیکن یاد رکھو! حق اپنے مقام پر قائم ہوتا ہے اور وہ اُس سے نیچے اُتر کر کسی سے مفاہمت نہیں کر سکتا۔ اس لئے، اِن لوگوں کی یہ خواہش درحقیقت تمہیں حق سے روگرداں کر دینے کی کوشش ہے۔ لیکن اِس قسم کی ناکام کوششوں سے یہ خود اپنے آپکو حق سے روگرداں کرتے ہیں، اور نہیں سمجھتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

۶۹ اِن سے کہو کہ تم قانونِ خداوندی سے کیوں انکار کرتے ہو، حالانکہ اُس کے سچے ہونے کی

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ
طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ
مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

اِس قدر نشانیاں تمہارے سامنے موجود ہیں۔

۷۰ یہ صرف حق سے انکار ہی نہیں کرتے۔ ان کا اِس سے بھی سنگین جُرم یہ ہے کہ یہ حق اور باطل کو خلط ملط کر دیتے ہیں جس سے حق مُشتبہ ہو جاتا ہے اور حق کو چھپاتے بھی ہیں —— اور یہ کچھ دیدہ و دانستہ کرتے ہیں —— ان سے پوچھو کہ اِس سے بالآخر ان کا مقصد کیا ہے؟

۷۱ (اے جماعتِ مومنین! آؤ، تمہیں بتائیں کہ اِن لوگوں کی سازش کیا ہے؟) یہ اپنے لوگوں سے کہتے ہیں کہ جاؤ! صبح کے وقت، مسلمانوں کے دین میں (منافقانہ طور پر) شامل ہو جاؤ (لو اِس طرح، اِن میں گھل مل کر، دین کی طرف سے اِن کے دل میں شبہات پیدا کرتے رہو) اور شام کو اِس سے انکار کر دو۔ اِس سے یہ ممکن ہے کہ اِن میں سے کچھ لوگ، اِس دین کو ترک کر کے تمہارے ساتھ واپس آجائیں۔

۷۲ اور (یہ) اپنے لوگوں سے اِس کی بھی تاکید کرتے ہیں کہ سوائے اُن لوگوں کے، جو تمہارے مسلک کا اتباع کریں، اور کسی کی بات پر اعتماد نہ کرو۔ نیز اُن سے کہتے ہیں کہ (اس کا تو تصوّر تک بھی دِل میں نہ لاؤ کہ) جو دین تمہیں دیا گیا تھا، اُس جیسا دین کسی اور کو بھی مل سکتا ہے، یا خدا کے حضور، تمہارے خلاف کسی کی حجت چل سکتی ہے۔ (یہ اپنے لوگوں کو اِس طرح پکّا کرتے رہتے ہیں)۔

اِن سے کہو کہ

(۱) جہاں تک کسی کی بات ماننے کا تعلق ہے، اِس میں ہماری بات یا تمہاری بات کا سوال ہی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ زندگی کا صحیح راستہ کونسا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ صحیح راستہ وہی ہو سکتا ہے جو اللہ نے بتایا ہو۔ تم بتاؤ کہ وہ راہ نمائی تمہارے پاس موجود ہے؟

(۲) اب رہا یہ کہ جس قسم کا دین تمہیں ملا تھا، ویسا دین کسی اور کو نہیں مل سکتا سو

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ
يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾
بَلٰي مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ
اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰۗىِٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

اِس بات کا اختیار کسی انسان کو حاصل نہیں۔ اِس کا اختیار صرف خدا کو حاصل ہے۔ وہ اپنی مشیت کے مطابق جسے چاہتا ہے وحی سے نوازتا ہے۔ خدا کی نگہ انتخاب' تمہاری گروہ بندیوں میں گھر کر نہیں رہ سکتی۔ وہ بڑی وسعتوں کا مالک ہے اور لامحدود علم رکھتا ہے۔

۷۳ اِس وسعتِ علم کی بنا پر وہ خوب جانتا ہے کہ وحی کی امانت سونپنے کے لئے کونسا قلب سب سے زیادہ موزوں ہے۔ وہ صاحب فضل عظیم ہے۔ تمہارے جیسا تنگ نظر نہیں۔

۷۴ اِن اہل کتاب کے ہاں چونکہ دین ایک اجتماعی نظام کی شکل میں نہیں' محض انفرادی ضابطۂ اخلاق کی صورت میں ہے' اِس لئے ان میں' انفرادی طور پر' ایسے لوگ مل جائیں گے کہ اگر اُن کے پاس چاندی سونے کا ڈھیر بھی بطور امانت رکھ دو' تو وہ' جوں کا توں' واپس کر دیں۔ اور ایسے بھی کہ اگر اُن پر ایک روپے کا بھی بھروسہ کرو تو وہ اُسے کبھی واپس نہ کریں' بجز اس کے کہ تم اُن کے سر پر (ڈنڈا لے کر) سوار رہو۔ یہ اس لئے کہ (جیسا کہ ہر گروہ بندی میں ہوتا ہے) اِن کے دِل میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا گیا ہے کہ تم غیر اہل کتاب کے ساتھ جو جی میں آئے کرو' اس سے تم پر کوئی الزام عائد نہیں ہوگا۔ اور تماشا یہ کہ انہیں بتایا جاتا ہے کہ اِس بات کی اجازت خود خدا نے دے رکھی ہے۔ حالانکہ یہ اللہ کے خلاف صریح کذب افترا ہے۔ اور (اِن کے مذہبی پیشوا جو عوام سے ایسا کہتے ہیں) خوب جانتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔

۷۵ حقیقت یہ ہے کہ خدا کا قانون' اس باب میں' انسان اور انسان میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ اُس کا قانون یہ ہے کہ جس شخص نے بھی اپنا عہد پورا کیا' اور اس طرح قوانین خداوندی کی نگہداشت کی' تو یہی لوگ ہیں جو خدا کی نگاہ میں پسندیدہ ہیں۔

۷۶ اِس کے برعکس' جو لوگ اپنے عہد معاہدہ' اور قول اقرار کو' جن کی پابندی کی تاکید قانونِ خداوندی

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

اِس شدّت سے کرتا ہے' دنیاوی مفاد کی خاطر بیچ ڈالتے ہیں' تو انہیں مفاد عاجلہ تو حاصل ہو جاتے ہیں' لیکن مستقبل کی خوشگواریوں میں ان کا کوئی حصّہ نہیں ہو سکتا ——— اور یہ ظاہر ہے کہ اس دنیا کا فائدہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو' مستقبل کے مفاد کے مقابلہ میں اس کی کچھ قیمت نہیں ہو سکتی ——— مستقبل کی خوشگواریوں کے سلسلہ میں قانونِ خداوندی ایسے لوگوں سے بات تک نہیں کریگا۔ ان کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھے گا۔ اُن خوشگواریوں میں حصّہ نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی صلاحیتیں دَب کر رہ جائیں گی۔ ان کی ذات کی نشوونما نہیں ہوگی۔ اور اِس طرح یہ دردانگیز عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

۷۸ اِن میں (مذہبی پیشواؤں کا) گروہ ایسا ہے جو اپنی طرف سے باتیں وضع کرتے ہیں اور پھر انہیں وحیٔ خداوندی کے ساتھ اس طرح بٹ دیتے ہیں کہ وہ دونوں مل کر ایک ہی نظر آئیں' اور یوں انسانوں کی باتیں خدا کی شریعت بن جائیں۔ جب اِن سے پوچھو تو پوری دیدہ دلیری سے کہدیتے ہیں کہ وہ باتیں بھی خدا ہی کی طرف سے ہیں' حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتیں۔ اِس طرح یہ لوگ' دیدہ دانستہ' خدا کے خلاف جھوٹ بولتے اور اِفترا پردازی کرتے ہیں۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ لوگوں سے اپنی باتیں منوائیں اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلائیں۔

۷۹ لیکن یہ چیز دین کے بنیادی اُصول کے خلاف ہے۔ دین کا اُصول یہ ہے کہ محکومیت خدا کے قانون کے سوا اور کسی کی اختیار نہیں کی جا سکتی۔ اِس باب میں اُس کا فیصلہ یہ ہے کہ کسی انسان کو اِس کا حق حاصل نہیں کہ' خدا اُسے ضابطہ قوانین' حکومت اور نبوّت عطا کرے[1]' اور وُہ لوگوں سے

[1] خدا کی طرف سے عطا شدہ ضابطہ قوانین (کتاب) میں رسول اور اس کے متبعین دونوں شامل ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ کتاب' رسول کی وساطت سے دوسرے انسانوں کو بھی ملتی ہے۔ اِسی طرح حکومت میں بھی۔ لیکن نبوّت میں نبی کے علاوہ کوئی اور شریک نہیں ہوتا۔ اِس لئے کتاب۔ حکومت اور نبوت کہنے سے نبی اور غیر از نبی' سب آگئے۔ دیکھئے (۶/۹۰ ؛ ۴۵/۱۶)۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۚ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ
مُسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ ﴿٨١﴾
مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ
إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٢﴾ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٨٣﴾

یہ کہنا شروع کر دے کہ تم خدا کے احکام کی جگہ میرے احکام کی اطاعت کرو۔ اس کی تعلیم یہی ہو گی کہ تم سب اُس کتاب خداوندی کی اطاعت سے، جس کی تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو اور جس پر غور و تدبر سے اس کے مغز تک پہنچتے ہو، ربانی (یعنی اُس کے نظام ربوبیت کے علمبردار) بن جاؤ۔

۹۔ وہ یہ بھی نہیں کہے گا کہ تم ملائکہ کی پرستش شروع کر دو، یا نبیوں کو خدا بنا لو اور اس طرح اشخاص پرستی میں اُلجھ کر رہ جاؤ۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم تو قوانین خداوندی کے سامنے جھکنے کا عہد کرو اور وہ تمہیں کفر کی تعلیم دے؟

۹۔ یہ سلسلۂ ہدایت کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ ایک ہی پیغام ہے جو شروع سے اخیر تک مسلسل چلا آ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ انبیاءؑ کے ذریعے اُن کی امتوں سے عہد لیا کرتا تھا کہ تمہیں یہ کتاب و حکمت دی گئی ہے، لیکن اس کے بعد، جب ہم (عند الضرورت) کوئی دوسرا رسول بھیجیں، جو اُس تعلیم کو سچا کر دکھائے جو تمہیں دی گئی تھی، تو تم نے گروہ بندانہ تعصب کی بنا پر اُس کی مخالفت نہ شروع کر دینا، بلکہ اس کی صداقت پر ایمان لانا، اور اُس کی مدد کرنا۔

یہ اس قدر اہم اُصول تھا کہ اللہ اُن سے بتاکید پوچھتا کہ کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور مجھ سے اس کا عہد کرتے ہو (کہ ایسا ہی کرو گے)؟ وہ کہتے کہ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں (یعنی یہ چیزیں ان کا جزو ایمان ہوتی تھیں)۔ اس پر اللہ ان سے کہتا کہ اب تم نے اپنے اس عہد و اقرار کی نگرانی کرنا۔ اور میں بھی اس کی نگرانی کروں گا (کہ تم اسے نباہتے ہو یا نہیں)۔

یہ اقرار اُمم سابقہ سے لیا جاتا تھا۔ (ایک اقرار خود انبیاءؑ سے بھی لیا جاتا تھا جس کا ذکر (۳۳/۷) میں آئے گا)۔

۱۰ اسی سلسلۂ رشد و ہدایت کے مطابق، اب یہ خدا کا آخری نبی آیا ہے۔ اس کی آمد کا اقرار بھی ان (یہود و نصاریٰ) سے لیا گیا تھا۔ لیکن یہ اس عہد و اقرار سے روگردانی کرتے ہیں۔ سو

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٨٤﴾

ظاہر ہے کہ جو بھی اِس قسم کے عہد و پیمان سے روگردانی کرے گا' وہ یقیناً سیدھی راہ سے منحرف ہوگا۔

۸۲ یہی ہے وہ دین جو انسانوں کو شروع سے ملتا چلا آرہا تھا' اور اب' اس قرآن کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ (یعنی اطاعت صرف قوانین خداوندی کی ہے' اور بس!)۔ تو کیا یہ لوگ اِس دین (نظام زندگی) کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کوئی بھی ہے' قانون خداوندی کے سامنے جھکا ہوا ہے' اور اُسے اس قانون کی اطاعت سے مفر نہیں (۱۳/۱۵)۔ خارجی کائنات کی ہر شے' قانون خداوندی کی اطاعت' طوعاً (بطیب خاطر) کر رہی ہے (۴۱/۱۱)۔ اُن کی تخلیق ہی اِس طرح ہوئی ہے۔ باقی رہے انسان' سو انہیں خدا کے قوانین طبیعی کی اِطاعت تو بہرحال کرنی ہوتی ہے۔ اِس میں یہ مجبور ہیں۔ جہاں تک خلاقی قوانین کا تعلق ہے' بعض لوگ طوعاً (دل کی رضامندی سے) ان کی اطاعت کرتے ہیں (انہیں مومن کہا جاتا ہے) اور دوسروں کو زمانے کے تقاضے مجبور کر کے اِن قوانین کی طرف لے آتے ہیں' اِس لئے انہیں ان کی اطاعت کرنا (مجبوراً) کرنی پڑتی ہے اِس طرح' کائنات کی ہر شے کی گردش قانون خداوندی کے محور کے گرد ہوتی ہے' اور جو لوگ اوّلاً اس سے روگردانی کرتے ہیں انہیں بھی بالآخر اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہوتا ہے۔

۸۳ اِن سے کہدو کہ ہم اس دین (نظام زندگی) کو طوعاً (بطیب خاطر) اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اِس کے لئے ہم' خدا کی وحی پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ وحی' جو اب ہماری طرف نازل ہوئی ہے' اساسا اور بنیاداً وہی ہے جو اس سے پہلے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ اور ان کی اولاد (میں سے انبیاءؑ) پر نازل ہوئی تھی۔ اور جو موسےٰؑ اور عیسےٰؑ اور دیگر انبیاءؑ کو دی گئی تھی (۲/۱۳۶)۔ ہم ان تمام انبیاءؑ کو دین خداوندی کا پیامبر سمجھتے ہیں اور اس اعتبار سے ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔

یہ ہے وہ طریق جس سے ہم قوانین خداوندی کے سامنے جھکتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ
يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ
بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

۸۴ اِس نظام کا نام ہے الاسلام۔ اور یہی نظام خدا کی طرف سے تمام عالم انسانیت کے لئے تجویز ہوا ہے۔ سو جو فرد یا قوم اِس نظام کے علاوہ زندگی کے لئے کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہے تو میزانِ خداوندی میں اُس کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اِس سے اُس قوم کو مفاد عاجلہ تو حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن مستقبل میں وہ سخت نقصان میں رہیگی۔

۸۵ اب رہے وہ (بدنصیب) جو ایمان لانے کے بعد کفر کی راہ اختیار کرلیں۔ یعنی صحیح اسلامی نظام قائم ہو جانے کے بعد پھر غیر اسلامی نظام کی طرف لوٹ جائیں، درانحالیکہ (اِس نظام کے درخشندہ نتائج نے) یہ بات واضح کر دی تھی کہ اُن کے رسول نے جو کچھ کہا تھا وہ کس قدر حقیقت پر مبنی تھا!

سو ظاہر ہے کہ جو قوم، صداقت کو اِس طرح بے نقاب دیکھ لینے کے بعد بھی اِس نظام سے سرکشی اختیار کر جائے، تو اُس پر زندگی کی کامرانیوں کی راہ کس طرح کھل سکتی ہے؟

۸۶ یاد رکھو! ان لوگوں کی رَوِش کا نتیجہ اِس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ نظامِ خداوندی کے خوشگوار ثمرات سے بھی محروم رہیں۔ کائناتی قوتوں کی برکات بھی اِن کے حصے میں نہ آئیں۔ اور اقوامِ عالم بھی انہیں ذلیل و خوار سمجھ کر اپنے سے دُور دُور رکھیں، اور یوں اُنہیں ہر طرف سے محرومی و نامرادی کی پھٹکار پڑے۔

۸۷ یہ ذلت و خواری ان پر مسلط رہے گی اور (خدا اور رسول کا زبانی اقرار) ان کی سزا میں ذرا سی تخفیف نہیں کر سکے گا اور نہ ہی ان کے اعمال کے نتائج کے ظہور میں تاخیر کی جائے گی۔ وہ اِسی دنیا میں ان کے سامنے آجائیں گے۔

۸۸ اب سوال یہ ہے کہ اِن کے لئے اِس ذلت و محرومی کے عذاب سے نکلنے کی کوئی صورت بھی ہوگی

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾

یا یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جائیں گے؟ ان کے بچ نکلنے کا امکان ہے۔ اور اس کی شکل یہ ہے کہ جس دوراہے پر ان کے قدم غلط راستے کی طرف اُٹھ گئے تھے' یہ پلٹ کر پھر وہیں جائیں۔ وہاں سے سیدھا راستہ اختیار کریں' اور خدا کے تجویز کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اِس طرح یہ ہلاکت سے بھی محفوظ رہ جائیں گے اور انہیں سامان نشو و نما بھی مل جائے گا۔

۸۹ لیکن اگر یہ ایسا نہ کریں' اور زبان سے توبہ توبہ کہتے' لیکن عملاً اُسی غلط راستے پر چلتے رہیں' اور اس میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے جائیں' تو' ظاہر ہے کہ غلط راستے پر چلنے والا' صحیح منزل پر کس طرح پہنچ سکتا ہے؟

۹۰ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے' کہ اِس باز آفرینی کا امکان اسی زندگی تک ہے۔ اِس کے بعد اگر یہ چاہیں کہ زندگی کی سرفرازیاں نصیب ہو جائیں تو ایسا ہونا ناممکن ہوگا خواہ یہ' اس کے بدلے میں' دنیا بھر کی دولت بھی کیوں نہ دیدینا چاہیں۔ اِن کے لئے دردناک عذاب کی زندگی ہوگی اور کوئی ایسا نہیں ہوگا جو اِس حالت میں اِن کی کوئی مدد کر سکے۔

ختم تفسیر آیات ۸۶ تا ۹۱



لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ
عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾
فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

---

۹۱ اس کے بعد سوال یہ سامنے آتا ہے کہ جو لوگ دنیا اور آخرت، دونوں میں کامیاب زندگی بسر کرنا چاہیں، وہ کیا کریں؟ بات سیدھی ہے۔ تم زندگی کی وسعتیں اور کشادچاہتے ہو۔ اس کے لئے کرنا یہ ہوگا کہ (مال و دولت میں سے) جو چیزیں تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہوں، انہیں، صرف اپنے لئے سمیٹ کر نہ رکھو، بلکہ (نوع انسان کی عالمگیر ربوبیت کے لئے) کھلا رکھو۔ جو کچھ تم اس طرح ربوبیت عامہ کے لئے، صرف کرو گے، خدا کو اس کا علم ہوگا، اس لئے تمہارا کوئی عمل نظر انداز نہیں ہونے پائیگا۔

۹۲ اس ضمنی سوال کے بعد، پھر سابقہ موضوع کی طرف آؤ۔ یہود کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ قرآن میں بعض ایسی چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے جو اُن کے ہاں حرام ہیں، اس لئے اس کا یہ دعوے کس طرح صحیح قرار پا سکتا ہے کہ یہ اُسی دین کا پیامبر ہے جو انبیائے سابقہ کو دیا گیا تھا؟ (۳/۱۰۰)۔

ان سے کہو کہ تم ابراہیمؑ کو اپنا مورث اعلیٰ مانتے ہو۔ جو چیزیں اُس کی ملت میں حرام تھیں انہی کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے (۳/۹۳)۔ باقی چیزوں کے متعلق ہوا یہ تھا کہ نزول تورات سے پہلے، یعقوبؑ (اسرائیل) نے بعض چیزوں کو اپنی ذات پر حرام قرار دے لیا تھا۔ سو یہ چیزیں، خدا کی طرف سے، ابدی طور پر حرام قرار نہیں دی جا سکتیں۔ نیز بعض چیزوں کو، یہودیوں پر، بطور سزا حرام قرار دیا گیا تھا (۶/۱۴۶ ؛ ۴/۱۶۰)۔ تم تورات لاؤ اور اُس میں یہ دکھاؤ کہ کونسی چیزیں تھیں جو ملت ابراہیمی میں ابدًا حرام قرار دی گئی تھیں اور انہیں اب حلال قرار دے دیا گیا ہے؟ یہ سب باتیں تم نے خود وضع کی ہیں، اور انہیں منسوب کرتے ہو خدا کی طرف!

۹۳ یاد رکھو! جو اس طرح حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی، خدا پر بہتان باندھے تو یہ لوگ،

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ
وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ
وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ
فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۤ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي
مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

عدالتِ خداوندی میں' مجرمین کی صف میں کھڑے ہوں گے۔

۹۴ اِن سے کہو کہ سچی بات وہی ہے جسے خدا نے بتا دیا ہے۔ اِس لئے' تمہیں چاہیئے کہ اپنی کٹ حجتی چھوڑ کر' ملتِ ابراہیمیؑ کی پیروی کرو۔ (ہماری دعوت بھی وہی ہے)۔ ابراہیمؑ نے' ہر طرف سے مُنہ موڑ کر' خالص خدا کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ مشرکین میں سے نہیں تھا (کہ خدا کے قانون کے ساتھ کچھ اپنی طرف سے بھی ملا لیتا)۔

۹۵ اِن کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن نے' بیت المقدس کی بجائے' کعبہ کو کیوں مرکز قرار دیا ہے؟ (۲/۱۴۴)۔ اِن سے کہو کہ' دنیا میں سب سے پہلے جس مقام کو نوعِ انسان کا مرکز تجویز کیا گیا تھا' وہ مکہ تھا۔ اسی مرکز سے' اقوامِ عالم کو ثبات و استحکام اور نشو و نما کا سامان ملنا تھا' اور اسی کو وہ روشنی کا مینار بننا تھا جس سے عالمگیر انسانیت کے سامنے زندگی کا صحیح راستہ آسکے۔

۹۶ یہ راہ نمائی بڑی بیّن اور واضح ہے۔ یہی وہ مرکز تھا جہاں سے ابراہیمؑ کو اقوامِ عالم کی امامت کا مقامِ بلند حاصل ہوا تھا (۲/۱۲۴ — ۲/۱۲۵)۔ اِس کی خصوصیت کبریٰ یہ ہے کہ' جو شخص بھی اِس مرکز میں داخل ہو جائے' اُسے ہر طرف سے امن و سلامتی حاصل ہو جائے گی۔ اِس کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہیں (۲۲/۲۵)۔ سو جو لوگ بھی اِس تک پہنچنے کی استطاعت رکھیں' وہ یہاں جمع ہوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ' جس نظام کا یہ مرکز ہے وہ نوعِ انسان کے لئے کس قدر منفعت بخش ہے (۲۲/۲۸)۔ بشرطیکہ اُن کا اِس طرح جمع ہونا خالص خدا کے لئے ہو' اگر وہ بندانہ مصلحتوں کے پیشِ نظر نہ ہو۔

یہ ہیں اِس مرکزِ نظامِ خداوندی کی خصوصیات۔ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ اِس قسم کے نظام' اور اُس کے مرکز سے انکار کریں' وہ اپنا ہی نقصان کریں گے۔ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ خدا تو تمام اقوامِ عالم سے بے نیاز ہے۔

۹۷ اِن اہلِ کتاب سے کہو کہ تم (اِس قسم کے منفعت بخش) قوانینِ خداوندی سے کیوں انکار کرتے ہو

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ
يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ

یاد رکھو! جو کچھ تم کرتے ہو' اللہ کا قانونِ مکافات اُس کی پوری پوری نگرانی کر رہا ہے۔ اس کا نتیجہ تمہارے سامنے آکر رہے گا۔

۹۸ ان سے کہو کہ تم' اِس نظام میں داخل ہونا نہیں چاہتے تو نہ ہو' لیکن' جو شخص اِس کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے' اُسے اِس کی طرف آنے سے کیوں روکتے ہو؟ نیز' تم یہ بھی چاہتے ہو کہ' خدا کی طرف لے جانے والی' اُس سیدھی راہ میں' ابھاؤ پیدا کر دو تاکہ لوگ' اُس کے پیچ و خم میں کھو کر رہ جائیں اور منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکیں' حالانکہ تم حقیقتِ حال سے اچھی طرح باخبر ہو۔
بہرحال' جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔

۹۹ جو لوگ اِس نظام کی صداقت پر ایمان لا چکے' اور اِسے' اپنی زندگی کا نصب العین بنا چکے ہیں' انہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ' اگر وہ' اِن اہلِ کتاب کے ایک گروہ کی باتوں میں آکر ان کے پیچھے لگ گئے' تو وہ انہیں' اِن کے ایمان کے بعد' پھر حالتِ کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

۱۰۰ اے جماعتِ مومنین! تم حالتِ کفر کی طرف کس طرح لوٹ سکتے ہو؟ اِس لئے کہ' ایمان کے راستے پر قائم رہنے کے لئے' دو بنیادی باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ قوانینِ خداوندی (اپنی اصلی شکل میں) انسان کے سامنے ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ' اُن قوانین پر عملی طور پر چلانے کے لئے' ایک زندہ اتھارٹی موجود ہو۔ یہ دونوں چیزیں تمہارے ہاں موجود ہیں ——— خدا کی کتاب اور اُس کا رسول۔
یاد رکھو! جس نے اِس کتاب' اور نظامِ خداوندی کے مرکز کو' محکم طور پر تھام لیا' اور اسے اپنی حفاظت کا ذریعہ بنا لیا' تو اُسے یقیناً' زندگی کی سیدھی اور متوازن راہ کی طرف راہ نمائی مل گئی۔ (جب تک تم میں قرآن' اور قرآن پر چلانے والا نظام باقی رہیگا تم گمراہ نہیں ہوگے)۔

۱۰۱ لہٰذا' تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اِس ضابطۂ خداوندی کی نگہداشت کرو' جیسا کہ

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا
نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنتُمْ عَلَىٰ
شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾ وَلْتَكُن مِّنكُمْ
أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾
وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾

نگہداشت کرنے کا حق ہے۔ اور یہ نگہداشت' محض ہنگامی اور وقتی طور پر نہ کرو' بلکہ اپنی ساری زندگی اسی نہج پر گذار دو۔ اور جب تمہیں موت آئے' تو وہ بھی اس عالم میں کہ تم قوانین خداوندی کے سامنے جھکے ہوئے ہو۔

۱۰۳ یاد رکھو! دین نہ انفرادی مسلک کا نام ہے' نہ گروہ بندیوں کے طریقے کا۔ لہٰذا تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم' سب کے سب' بلا استثناء' اجتماعی طور پر' اس نظام کے ساتھ' محکم طور پر' وابستہ رہو اور امت میں فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کو مت آنے دو (کہ فرقہ پرستی شرک ہے، (۳۰/۳۲ — ۳۱) اور پارٹی بازی' خدا کا عذاب (۶/۶۵)۔ تم ذرا اپنی پچھلی حالت کو یاد کرو' جب تم اجتماعی زندگی کے بجائے' فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ تم ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ خدا نے اس حالت میں' تمہیں ایسا نظام زندگی عطا کیا جس سے (تم میں صرف ظاہرا اتحاد ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ) تمہارے دل ایک دوسرے سے جڑ گئے' اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے —— تمہارا اس طرح ایمان کے رشتے میں منسلک ہو کر' ایک برادری بن جانا' کتنا بڑا انعام خداوندی تھا —— تم' اس سے پہلے' ہلاکت اور تباہی کے جہنم کے کنارے پہنچ چکے تھے' کہ اس (نظام خداوندی) نے تمہیں' اس میں گرنے سے بچا لیا۔

اللہ اس طرح' اپنے قوانین وضوابط' اور ان کے نتائج وثمرات' واضح طور پر بیان کرتا ہے' تاکہ زندگی کا صحیح راستہ تمہارے سامنے رہے۔

۱۰۴ اس نظام کے قیام سے مقصد یہ ہے کہ تم ایسی جماعت بن کر رہو (۳/۱۰۴ ؛ ۲/۱۴۳) جس کا فریضہ یہ ہو کہ وہ تمام نوع انسان کو قرآن کی طرف دعوت دے (۲۲/۷۸)۔ ان امور کو عملاً نافذ کرے جنہیں قرآن صحیح تسلیم کرے اور ان سے رکے جو اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہوں۔ یہی ہیں وہ لوگ جن کی سعی عمل کی کھیتیاں پروان چڑھتی ہیں اور جو نہایت کامیاب زندگی بسر کرتے ہیں (۲۳/۱۰۲)۔

۱۰۵ یاد رکھو! تم نے کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو واضح قوانین خداوندی آجانے

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ۖ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ
الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

کے بعد فرقوں میں بٹ گئے (۶/۱۶۰ ؛ ۳۰/۳۲ ؛ ۴۲/۱۳) اور باہمد گر اختلافات کرنے لگ گئے۔ یہ بڑا سنگین جرم ہے۔ اس لئے اس کی سزا بھی بڑی سخت ہے۔ اس سے قومیں ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔

۱۰۳ یہ دونوں گروہ ہمارے سامنے ہیں ـــــ ایک وہ جو نظام خداوندی کے رشتے میں منسلک ہو کر امت واحدہ کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔ دوسرے وہ جو فرقوں میں بٹ کر کفر و شرک کے مسلک پر چل نکلیں ـــــ پہلا گروہ وہ ہے جن کے چہرے کامیابیوں اور کامرانیوں سے چمک رہے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو ذلت اور رسوائیوں کی وجہ سے روسیاہ ہے۔

یہ روسیاہ وہ ہیں جو ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی حالت کی طرف لوٹ گئے۔ یعنی فرقوں میں بٹ گئے۔ اُن کے اس کافرانہ مسلک کی وجہ سے اُن پر ذلت اور تباہی کا عبرت انگیز عذاب چھا گیا۔

۱۰۴ جن کے چہرے روشن ہیں، وہ خدا کی رحمتوں کے سائے میں ہیں (۱۱۹/۱۱ ـــ ۱۱۸)۔ جب تک یہ وحدت اور اخوت کی زندگی بسر کریں گے خدا کی رحمتوں کے بادل ان پر سایہ فگن رہیں گے۔

۱۰۵ یہ ہیں قوموں کی موت و حیات کے متعلق وہ قوانین و ضوابط جنہیں خدا ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر بیان کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ تو بڑا ظلم ہوتا کہ جن اصولوں کے تابع چلنے سے انسانی زندگی نے کامیاب ہونا تھا، وہ اصول انسان کو نہ بتائے جاتے۔

۱۰۶ خدا نے یہ انداز کچھ تمہارے ہی لئے اختیار نہیں کیا۔ خارجی کائنات میں بھی اسی قسم کے قوانین و ضوابط کارفرما ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اُس کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اور ہر تدبیر کا قدم اُس کی طرف اُٹھ رہا ہے۔ کائنات کی ہر اسکیم اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھ رہی ہے۔

۱۰۷ فرق یہ ہے کہ خارجی کائنات میں خدا کے قوانین از خود کارفرما ہیں، اور انسانی

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ
مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

دُنیا میں' انہیں نافذ کرنے کے لئے' انسانوں کی جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ مقصد جس کے لئے ہم نے اے جماعتِ مومنین! تمہیں اُٹھا کھڑا کیا ہے تاکہ تم انسانی نظام قائم کرو جو عالمگیر انسانیت کے لئے نفع رساں ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اُن باتوں کا حکم دو جسے قرآن صحیح تسلیم کرتا ہے' اور اُن سے روکو جو اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں — لیکن تم دوسروں سے یہ کچھ اسی صورت میں کہہ سکتے ہو جب تم خود ان قوانین کی صداقت پر پورا پورا یقین رکھو۔

اگر یہ اہلِ کتاب بھی' اس نظام کی صداقت پر ایمان لاکر اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں' تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو اس پر ایمان لائے ہیں' لیکن اکثریت اُن کی ہے جو غلط راستوں پر چل رہے ہیں۔ (اور اس نظام کی سخت مخالفت کرتے ہیں)۔

۱۱۰ لیکن یہ لوگ' اس مخالفت سے تمہیں' بجز ذرا سی تکلیف اور پریشانی کے' اور کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اگر یہ میدانِ جنگ میں' تمہارے مدِمقابل آئیں گے تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے اور ان کا کوئی یار و مددگار اور پشت پناہ نہیں ہوگا۔

۱۱۲ تم دیکھتے نہیں کہ یہ کس قدر ذلت و خواری کی زندگی بسر کر رہے ہیں؟ دنیا میں ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ انہیں کہیں پناہ نہیں ملتی۔ بجز اس کے کہ کسی نے انہیں آسمانی کتاب کے حامل سمجھ کر پناہ دیدی۔ یا کسی قوم سے انہوں نے کوئی عہد و پیمان کر لیا اور اُس کی وجہ سے اُنہوں نے ان کی حفاظت کا ذمہ لے لیا۔ ورنہ' ان کی عام حالت یہی ہے کہ خدا کا عذاب ان کے پیچھے لگا ہوا ہے اور یہ سخت محتاجی اور بدحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے قوانین خداوندی سے سرکشی برتی — اس حد تک سرکشی کہ نبیوں تک کو ناحق قتل کر دیا۔

سوچو کہ جو قوم' اس درجہ سرکش اور بے باک ہو جائے' وہ دنیا میں ذلیل و خوار نہیں ہوگی' تو اور کیا ہوگا؟

۱۱۳ لیکن' اس کے یہ معنی نہیں کہ اب ان کی ساری نسل میں صحیح راستے کی طرف آنے کی صلاحیت مفقود ہو چکی ہے۔ ان میں ہنوز صلاحیت موجود ہے' اور یہی وجہ ہے کہ' ان میں سے جو لوگ اسلام

يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ
اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾
اِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ
هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ اَصَابَتْ
حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۷﴾

لے آئے ہیں (۳/۱۹۸) اُن میں مومنانہ صفات کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ یہ لوگ حق پر قائم رہتے ہیں۔ راتوں کو اُٹھ کر قوانینِ خداوندی کا مطالعہ کرتے ہیں' اور پھر اُن کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں۔

۱۱۳ یہ ہیں' اِن میں سے' وہ لوگ جو صحیح معنوں میں اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اُن باتوں کا حکم دیتے ہیں جنہیں قرآن صحیح تسلیم کرتا ہے اور اُن سے روکتے ہیں جنہیں وہ ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔ نوعِ انسان کی بھلائی کے کاموں میں تیزی سے قدم اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ صالحین (مومنین) کے زمرے میں شامل ہو چکے ہیں۔

۱۱۴ خدا کا قانونِ مکافات' اِن کے حسنِ عمل کو اِس لئے نہیں ٹھکرا دے گا کہ یہ بنی اسرائیل کے گھروں میں پیدا ہو گئے تھے۔ اسلام کا دروازہ' ہر انسان کے لئے کھلا ہے۔ اِس لئے جو اِس کے دائرے میں آجائے' اُسے اُس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملتا ہے' اِس میں شرف و سعادت کا معیار صرف ایک ہے' اور وہ یہ کہ قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کون کرتا ہے' اور کس حد تک کرتا ہے (۴۹/۱۳)۔

۱۱۵ اِس کے برعکس' جو لوگ قوانینِ خداوندی سے انکار کر کے' دوسری روش اختیار کرتے ہیں' اُن کے پیشِ نظر صرف ذاتی مفاد کا خیال ہوتا ہے' لیکن' ان کی یہ مفاد پرستی — خواہ کثرتِ اولاد کی صورت میں ہو یا مال و دولت کی شکل میں — نظامِ خداوندی کے مقابلہ میں' اُن کے کسی کام نہیں آسکے گی۔ اُن کی غلط روش' انہیں اِس طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دے گی کہ وہ پھر اُٹھنے کے قابل ہی نہیں رہیں گے — اِس دنیا میں بھی تباہ و برباد' اور اُخروی زندگی میں بھی ذلیل و خوار۔

۱۱۶ اُن کے پیشِ نظر صرف طبیعی زندگی کی آسائشیں ہوتی ہیں۔ اِس مقصد کے حصول کے لئے جو کچھ صرف کیا جائے' اس کی مثال ایسی ہے' جیسے شدت کی سرد ہوا چلے اور اُن لوگوں کی کھیتی تک جا پہنچے جنہوں نے' قوانینِ خداوندی کے مطابق' اُس کی حفاظت کا سامان نہیں کر رکھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ
الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱۸
هٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا
عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۱۹

تو یہ ہو اُن کی کھیتی کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔

یاد رکھو! اُن کی یہ تباہی خدا کی طرف سے زیادتی نہیں ہوتی۔ یہ نتیجہ ہوتی ہے اس بات کا کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کو غصب کر کے خود اپنے آپ پر زیادتی کرتے ہیں۔

۱۱۷ تصریحاتِ بالا سے واضح ہے کہ انسانوں کی تقسیم خون۔ رنگ۔ زبان۔ وطن۔ قومیت کے بجائے آئیڈیالوجی (ایمان) کی بنا پر ہوگی۔ جو لوگ وحی کی رُو سے عطا شدہ مستقل اقدار پر ایمان رکھیں اور نظامِ خداوندی کے قیام کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیں وہ ایک جماعت۔ اِن کے برعکس جو لوگ اِن اقدار سے انکار کر کے اپنے لئے کوئی اور نظام تجویز کریں وہ دوسری جماعت کے افراد۔ چونکہ وحدت اور یگانگت کے لئے نصب العین کا اشتراک بنیادی شرط ہے اس لئے ظاہر ہے کہ اِن دو متضاد آئیڈیالوجی رکھنے والوں میں قلبی تعلقات کبھی قائم نہیں ہو سکتے۔

لہٰذا اے جماعتِ مومنین! تم نے اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا کسی کو اپنا رازدان نہ بنانا۔ یہ (دوسرے) لوگ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ اِن کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ تم ایسی جانکاہ مصیبتوں مبتلا ہو جاؤ جن سے تمہاری قوت ٹوٹ جائے۔ تمہارے خلاف بغض و عداوت کی بعض باتیں تو ان کی زبان پر بے اختیار آجاتی ہیں لیکن جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا رہتا ہے وہ اِس سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ ہم نے یہ باتیں اس لئے واضح طور پر بیان کر دی ہیں کہ تم عقل و ہوش سے کام لے کر اِن کی طرف سے محتاط رہو۔

۱۱۸ دیکھو! ایسا کبھی نہ کرنا کہ تم انہیں اپنا دوست بنا لو۔ اگر تم ایسا کرو گے بھی تو وہ تمہیں کبھی اپنا دوست نہیں بنائیں گے حالانکہ تم اُن تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں اور اُن میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جو اِن (تمہارے مخالفین) کے انبیاء کی طرف نازل ہوئی تھیں تم یہ کچھ خلوصِ قلب سے کرتے ہو لیکن اِن کی یہ حالت ہے کہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی (قرآن پر) ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو شدتِ عداوت سے تمہارے خلاف غصہ میں اپنی اُنگلیاں کاٹتے ہیں۔ اِن سے کہو کہ جاؤ! اپنے غصے میں مرمٹو۔ اللہ جانتا

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ
كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ
لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ہے کہ تم ظاہر کیا کرتے ہو اور تمہارے سینے میں کیا چھپا ہوا ہے۔ تمہاری نفسیاتی کشمکش اور دورخی زندگی تمہارے لئے سامانِ ہلاکت بن جائے گی۔

۱۱۹ اِن کے خُبثِ باطن کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی اچھی بات تمہیں چھو کر بھی گزر جائے، تو انہیں سخت ناگوار گذرتی ہے۔ اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے، تو یہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ لیکن تم اِن کی باتوں کی کوئی پرواہ نہ کرو۔ اگر تم اپنے پروگرام میں ثابت قدم رہے، اور قوانین خداوندی کی پوری پوری نگہداشت کرتے رہے، تو اِن کی تدبیریں اور سازشیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ اللہ کا قانونِ مکافات انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اِس لئے نتائج اس کے مطابق مرتب ہوں گے، نہ کہ اِن کی خواہشات کے مطابق۔

۱۲۱ (اِس حقیقت کو سمجھنے کے لئے کہ صبر و تقویٰ کا پھل کیا ہوتا ہے اور استقامت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینے کا نتیجہ کیا، تم اُس جنگ — احد — کا واقعہ سامنے لاؤ) جب تو (اے رسول!) صبح سویرے اپنے گھر سے نکلا تھا تاکہ جماعتِ مومنین کو لڑائی کے مرکزی مقامات پر متعین کر دے۔ اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا تھا۔

۱۲۲ (اُس دن مقابلہ ایسا سخت تھا کہ) تم میں سے دو گروہوں کے دل میں ہمت ہار دینے کا خیال پیدا ہو گیا، حالانکہ اُنہیں قانونِ خداوندی کی تائید اور سرپرستی حاصل تھی —— اور مومن کی تو خصوصیت ہی یہ ہے کہ اُسے قانونِ خداوندی کی تائید اور سرپرستی پر پورا پورا بھروسہ ہوتا ہے —— (اِس خیال کا نتیجہ اور عین میدانِ جنگ میں نظم و ضبط چھوڑ دینے کا ماں کیا ہوا، اسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو — (۳/۱۵۲ — ۱۵۱)۔

۱۲۳ حالانکہ، اِس سے پہلے، جنگ بدر میں تم یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ، دشمن کے مقابلہ میں، تعداد کے لحاظ سے، کم ہونے کے باوجود اللہ نے کس طرح تمہاری مدد کی تھی (۳/۱۲۳) —— وہ نتیجہ تھا استقامت اور تقویٰ کا —— اِس لئے تمہیں، ہمیشہ تقویٰ شعار رہنا چاہئے (یعنی قوانین خداوندی

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿١٢٤﴾ بَلَىٰ إِنْ
تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾
وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١٢٦﴾
لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿١٢٧﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ
أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢٨﴾

کی پوری پوری نگہداشت کرنی چاہیئے) تاکہ تمہاری کوششیں بھرپور نتائج پیدا کریں۔

۱۲۳ (جنگ احد میں) جب تو (اے رسول!) اپنی جماعت سے کہہ رہا تھا کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ اللہ اُن تین ہزار ملائکہ سے تمہاری مدد کرے جو تمہارے دل کی گہرائیوں میں اُتر کر تمہارے لئے ثبات و طمانیت کا موجب بنیں۔ ($\frac{3}{125}$ ؛ $\frac{3}{10}$ ؛ $\frac{3}{12}$ ؛ $\frac{3}{41}$) - [تین ہزار ملائکہ اس لئے کہ دشمن کی تعداد بھی اسی قدر تھی]

۱۲۴ اور جب کبھی ایسا ہو کہ دشمن تم پر پورے جوش و خروش سے حملہ کرے اور تم اُس حملے کا جواب پوری استقامت سے دو اور قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو تو (اگر دشمن کی تعداد پانچ ہزار ہوگی) تو وہ تمہاری مدد پانچ ہزار ملائکہ سے کریگا جو دشمن کو تباہ کر دیں گے۔

۱۲۵ اِن ملائکہ کی امداد سے مفہوم یہ ہے کہ (اِس یقین سے کہ تم حق و صداقت کی راہ میں لڑ رہے ہو اس لئے خدا کی کائناتی قوتوں کی تائید تمہارے شامل حال ہے) تمہارے دلوں میں پوری پوری طمانیت پیدا ہو جائے گی اور فتح و ظفر کی خوش خبریاں تمہارے لئے باعثِ تقویت بن جائیں گی۔ یہ ہے وہ حقیقی تائید و نصرت جو خدا کے قانون کے علاوہ اور کسی سے نہیں مل سکتی — وہ خدا جو ہر شے پر غلبۂ اقتدار رکھتا ہے اور نظامِ کائنات کو اپنی حکمت بالغہ کے مطابق چلا رہا ہے۔

۱۲۶ یہ اِس لئے کہ نظامِ خداوندی کی مخالفت کرنے والوں کی ایک جماعت کو (اِن کے اعمال کی وجہ سے) ہلاک کر دیا جائے (اور باقیوں کو) اِس طرح شکست دے کر کمزور کر دیا جائے کہ وہ خاسر و ناکام واپس چلے جائیں۔

۱۲۷ اِن مخالفین میں سے کون کون اپنی سرکشی کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوگا اور کسے (سرزنش کے بعد) معاف کر دیا جائے گا، اِس کا فیصلہ (اے رسول!) تیرے (یا کسی اور انسان کے ذاتی طور پر) کرنے کا نہیں۔ یہ فیصلہ خدا کے قانون کے مطابق کیا جائے گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ
الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

---

۱۲۸ یعنی خدا کے اُس قانون کے مطابق جس کی رُو سے ساری کائنات اُس کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل میں مصروفِ عمل ہے۔ اُسی کے مطابق قوموں کو تباہیوں اور بربادیوں سے حفاظت کا سامان ملتا ہے' اور اُسی کے مطابق ان کی گرفت اور ہلاکت ہوتی ہے (۴۷/۳۸)۔ جو قوم' اپنے آپ کو جس سلوک کا مستحق بنالے' اس سے ویسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ اُس کے قانون میں (گرفت اور سزا کے ساتھ) حفاظت اور پرورش کا سامان بھی موجود ہے۔ (لہٰذا' اُس میں کسی کے ذاتی انتقام کو کوئی دخل نہیں ہوسکتا)۔

۱۲۹ لیکن تم نے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ میدانِ جنگ میں فتح حاصل ہوگئی تو دین کا مقصد پورا ہوگیا۔ وہاں کی فتح سے صرف اُن تخریبی قوتوں کی مدافعت ہوتی ہے جو تمہارے نظام کی راہ میں حائل ہوں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ تمہارا معاشرہ صحیح خطوط پر متشکل ہو۔ (۱۹/۲ — ۲۱۷)۔
جیسا کہ پہلے بھی بتایا جاچکا ہے (۲۷۹/۲ — ۲۷۵) 'معاشرتی تباہی میں سب سے بڑا حصہ' بیاج کا ہے (یعنی محض سرمایہ سے نفع کمانا)۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ اس سے دولت بڑھتی ہے۔ (انفرادی طور پر تو ایسا ہی نظر آتا ہے) لیکن درحقیقت اس سے (قومی دولت میں) کمی اور کمزوری واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا' اے جماعتِ مومنین! تم نے ربٰو کے (سرمایہ دارانہ) نظام کو اختیار نہ کرلینا۔ تم ہمیشہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ یہی کامیابی کی صحیح راہ ہے۔

۱۳۰ اگر تم نے محنت سے دولت پیدا کرنے کے بجائے' سرمایہ کے زور پر دوسروں کی محنت کی کمائی غصب کرنی شروع کردی' تو' ہر اُس قوم کی طرح جو نظامِ خداوندی کی مخالفت کرتی ہے' تمہارا معاشرہ بھی جہنمی معاشرہ بن جائے گا۔

۱۳۱ لہٰذا' تم غلط نظامِ زندگی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو' اور خدا کے اُس نظام کی اطاعت کرو جسے اُس کے رسولؐ نے متشکل کیا ہے۔ اِس سے تمہاری انسانی صلاحیتوں کی صحیح نشوونما ہوسکے گی۔

۱۳۲ اور (اِس طرح) اپنے نشوونما دینے والے کے سایۂ حفاظت میں جلدی سے پہنچ جاؤ'

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳۴ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ
وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۡ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۵ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ
مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۱۳۶
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۳۷

اور ربوبیتِ خداوندی کی اُس جنت کو حاصل کرلو جو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے (۵/۲۱)۔ یہ جنت اُن لوگوں کے لئے تیار رکھی ہے جو قوانین خداوندی کی نگہداشت کرتے ہیں۔

۱۳۳ یعنی اُن لوگوں کیلئے جو (دوسروں کی کمائی پر نگاہ رکھنے کے بجائے) زندگی کی ہر حالت — غم و مسرت اور تنگی اور آسودگی —— میں، اپنی محنت کی کمائی کو نوع انسان کی پرورش کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔ جو اپنی زائد قوت اور حرارت کو (خواہ مخواہ مشتعل ہو کر تباہ و برباد کر دینے کے بجائے) تعمیری کاموں کی طرف منتقل[1] کر دیتے ہیں، اور اس بات کا قطعاً خیال نہیں کرتے کہ دوسروں کی طرف سے اُن کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے۔ اُن کا مقصد اپنی ذات اور معاشرہ میں حسن پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ روش نظامِ خداوندی کے نزدیک بڑی پسندیدہ ہے۔

۱۳۴ اگر اُن سے کبھی (غلطی سے) کوئی معیوب حرکت سرزد ہو جاتی ہے، یا وہ اپنے آپ پر (یا ایک دوسرے پر) زیادتی کر بیٹھتے ہیں، تو اُس پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے، بلکہ فوراً قانونِ خداوندی کو اپنے سامنے لے آتے ہیں، اور اُس کے مطابق اپنی اصلاح کر کے اپنی غلطی کے مُضر اثرات سے حفاظت کا سامان طلب کر لیتے ہیں —— اور حقیقت یہ ہے کہ غلط اقدامات کے مضر اثرات سے، قانونِ خداوندی کے علاوہ اور کہاں سے حفاظت مل سکتی ہے؟

۱۳۵ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنی اصلاح کا صلہ یہ ملتا ہے کہ خدا کا قانونِ ربوبیت اُن کی سابقہ غلطی کے مُضر اثرات سے اُن کی حفاظت کر دیتا ہے اور اُنہیں زندگی کی سدا بہار خوشگواریاں نصیب ہو جاتی ہیں —— اِس دنیا میں بھی اور اِس کے بعد کی زندگی میں بھی۔

کام کرنے والوں کا یہ معاوضہ کس قدر حسین و خوشگوار ہے!

۱۳۶ (اِس ضمنی بیان کے بعد پھر اُسی موضوع کی طرف آؤ جو مسلسل چلا آ رہا تھا۔ اُصول یہ بیان

(1) Sublimate

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا
بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾
وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

کیا جارہا تھا کہ حق و باطل کے ٹکراؤ میں' باطل کی قوتیں شکست کھا کر خاسر و نامراد رہ جاتی ہیں۔ یہ کوئی نیا اُصول نہیں جو پہلی بار وضع کیا گیا ہو۔ یہ خدا کا ابدی قانون ہے جو شروع سے اسی طرح چلا آرہا ہے۔ چنانچہ تم سے پہلے' بہت سے نظام اور بہت سی اقوام گذر چکی ہیں۔ تم تاریخ کے اوراق پر غور کرو' اور ان برباد شدہ قوموں کی اُجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھو۔ تمہیں نظر آجائے گا کہ قوانینِ خداوندی کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا کرتا ہے؟

۱۳۸ یہ اندازِ تذکیر (یعنی تاریخی شہادتوں سے نتائج اخذ کرنے کا طریق) اس لئے بتایا گیا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے حقیقت اُبھر کر آجائے' اور اُن میں سے جو غلط رَوش کی تباہیوں سے بچنے کے آرزو مند ہوں' انہیں منزلِ مقصود تک پہنچنے کی سیدھی راہ' اور اخلاقی اقدار کے نشانات مل جائیں۔

۱۳۹ (خدا کے اس ابدی قانون کے مطابق) اگر تم بھی غلبہ و تسلّط کی زندگی چاہتے ہو' تو اس کیلئے ایک اُصول یاد رکھو۔ اور وہ یہ کہ جب فتح و کامرانی سے' سامانِ زیست کی فراوانی حاصل ہو' تو اس سے تمہارے اندر سُستی اور کسلمندی نہ پیدا ہو جائے۔ اور اگر کسی وقت حالات ناسازگار ہو جائیں' تو اس سے تم پر افسردگی نہ چھا جائے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب تمہیں قوانین خداوندی کی صداقت پر پورا پورا یقین ہو۔

جب تم مومن ہو تو غمگینی اور افسردگی کے کیا معنی؟ جب تک تم اس رَوش پر قائم رہو گے' تم پر کوئی غالب نہیں آسکے گا۔ (۴/۱۳۹)۔

۱۴۰ یہ بھی یاد رکھو کہ' مخالفین کے ساتھ تمہارا ٹکراؤ ضروری ہے' ٹکراؤ میں ایسا ہوتا ہے کہ آج تمہیں کوئی تکلیف پہنچ گئی۔ کل فریقِ مقابل کو شکست ہو گئی ـــــ انسان کی ساری تاریخ اسی گردش و دولابی کا ریکارڈ ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اس امر کی' ہر وقت' جانچ پرکھ ہوتی رہے کہ تمہارا ایمان کس قدر قوی ہے اور تم میں سے کون اپنے ایمان کی عملی شہادت پیش کرتا ہے۔

اس شکست و فتح میں جو لوگ قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کر جائیں وہ اُس کی نگاہ میں مستحسن قرار نہیں پا سکتے۔

۱۴۱ یہی وہ ٹکراؤ ہے جس سے' وہ جماعت جو قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھتی ہے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ
كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ
إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ
وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۴۴﴾

ناسازگار حالات کی کھٹالی میں سے نکل کر کندن بن جاتی ہے۔ اُسے ثبات و استحکام نصیب ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اِن قوانین سے انکار کرتے ہیں کمزور ہوتے ہوتے مٹ جاتے ہیں۔

۱۴۲ یہ ہے محو و ثبات کا وہ محکم اُصول جس کے مطابق قومیں منتی اور باقی رہتی ہیں۔ اِس کے بعد تم سوچو کہ اگر تم اِس خیالِ خام میں مگن رہو کہ تمہیں یونہی بیٹھے بٹھائے کامرانیوں اور خوشگواریوں کی جنتی زندگی مل جائے گی تو یہ تمہاری کتنی بڑی بھول ہوگی۔ یہ جنت حاصل کرنے کے لئے تمہیں اپنے کردار سے بتانا ہوگا کہ تم میں سے کون مسلسل جدوجہد کرتا ہے اور باطل کے ساتھ ٹکراؤ میں ثابت قدم رہتا ہے۔ (۲/۲۱۴)

۱۴۳ تمہیں یہ محکم اصول بھی بتایا گیا تھا کہ جیتا وہی ہے جو (حق کی راہ میں) مرنے کے لئے تیار رہتا ہے (۴/۹۴ ؛ ۳/۱۵۷)۔ اِس اصول کے مطابق تم ہمیشہ مرنے کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اُس وقت اِس کا موقع نہیں آیا تھا۔ لیکن اب وہ وقت آگیا ہے۔ اب تمہارا باطل کے ساتھ ٹکراؤ ہوگا جس میں موت تمہارے سامنے کھڑی ہوگی اور تم اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوگے۔ اب معلوم ہو جائے گا کہ تم میں سے کس کی تمنا خام تھی اور کس کی پختہ!

۱۴۴ موت اور مقاتلہ کا ذکر آگیا ہے تو اِس ضمن میں ایک اور اہم اصول کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ تم اپنی زندگی اور قوت کا راز اپنے نظام کے استحکام میں سمجھو۔ اِسے شخصیتوں کے ساتھ وابستہ مت کرو۔ چھوٹی چھوٹی شخصیتیں تو ایک طرف، اِس باب میں تو محمدؐ جیسی بلند ترین شخصیت کا بھی یہ عالم ہے کہ وہ صرف خدا کا پیغام پہنچانے والا ہے۔ اِس سے پہلے اِسی طرح بہت سے پیغام پہنچانے والے آئے اور اپنا فریضہ ادا کر کے چلے گئے۔ لہٰذا اگر یہ پیغام رساں (محمدؐ) بھی کل کو مر جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم سمجھو گے کہ اِس کی موت سے یہ سارا نظام ختم ہو گیا؟ اور اُس کے بعد تم اپنی قدیم روش کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو ایسا کرے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا خود اپنا ہی نقصان کرے گا۔ لیکن جو

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ایمان کی روش پر قائم رہے گا اور اس نظام کی قدر شناسی کرے گا' تو اُسے اس کی کوششوں کا پورا پورا صلہ ملے گا۔

۱۴۴ اگر اشخاص کی موت سے تمہارا نظام بگڑنے لگا' تو پھر یہ نظام کسی صورت میں بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ موت تو ہر شخص کو آنی ہے۔ (۳/۱۸۵) - موت خدا کے (طبیعی) قانون کے مطابق واقع ہوتی ہے' اور اُسی کے مطابق انسان کی عمر گھٹتی بڑھتی ہے (۳۵/۱۱) - لہٰذا' نظام کو اشخاص کی زندگی اور موت کے ساتھ وابستہ نہیں رہنا چاہیئے۔

اب رہا اس نظام کا نصب العین' سو دنیا میں دو قسم کے لوگ ملیں گے۔ ایک وہ جو محض دنیاوی زندگی کے مفاد کو اپنا مقصود اور منتہیٰ سمجھیں۔ اور دوسرے وہ جو' دنیاوی مفاد کے علاوہ' اُخروی زندگی کے مفاد کو بھی سامنے رکھیں۔ ہمارا قانون یہ ہے کہ جو شخص (یا قوم) جس مفاد کے حصول کیلئے کوشش کرے اسے وہی مل جاتا ہے (۱۷/۱۸-۲۰) - تمہارا نظام وہ ہے جس میں اِس زندگی اور اس کے بعد کی زندگی' دونوں کی خوشگواریاں مل جاتی ہیں (۳/۱۴۸) - لہٰذا' جو تم میں سے اِس نظام سے وابستہ رہے گا' اُس کی کوششوں کے نتائج' بہت جلد' اُس کے سامنے آجائیں گے (۲۴/۵۵) -

۱۴۶ یہ بات کہ تمہیں' اپنے نظام کے مخالفین کا مقابلہ کرنا ہوگا' کوئی نئی بات نہیں۔ تم سے پہلے کتنے ہی نبی گذرے ہیں' جن کی معیت میں' نظامِ ربوبیت کے علمبرداروں نے' مخالفین سے جنگ کی۔ اِس راہ میں اُنہیں جو تکالیف پیش آئیں اُن سے نہ تو اُن کے عزائم میں لغزش آئی۔ نہ اُن میں کمزوری پیدا ہوئی۔ نہ ہی وہ مسلسل محنت سے تھک کر ہمت ہار گئے اور انہوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ وہ ان تمام مشکل مراحل میں ثابت قدم اور مستقل مزاج رہے' اور اسی لئے خدا کا قانون اُن کا ساتھ دیتا رہا —— اُسکے ہاں' ثبات اور استقامت بڑی پسندیدہ خصلت ہے۔

۱۴۷ یہ لوگ اپنے آہنی عزم کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ اُن کی زبان پر اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
(۵)(۶)

اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ
وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ
بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ
تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ

اے ہمارے نشو ونما دینے والے! اگر ہم سے کوئی لغزش یا کوتاہی ہو جائے' یا کسی معاملہ میں ہم حد سے بڑھ جائیں' تو ہمیں' ہماری ان غلطیوں کے مُضر اثرات سے محفوظ رکھنا۔ ہمیں ثابت قدم رہنے کی توفیق دینا' اور مخالفین پر غلبہ اور کامیابی عطا کرنا۔

(۱۴۸) یہ تھے وہ لوگ جنہیں ہم نے اُن کے حسنِ عمل کے بدلے دنیا کی خوشگواریاں بھی عطا کیں اور آخرت کی زندگی کی نعمتیں بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قانونِ خداوندی کے نزدیک وہی لوگ پسندیدہ قرار پاتے ہیں جو حسن کارانہ انداز سے بلند کردار کا ثبوت دیں۔

(۱۴۹) اے جماعتِ مومنین! تم اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ نظام' کسی شخص کی موت سے درہم برہم نہیں ہو سکے گا (۳/۱۴۴)۔ اس میں خرابی واقع ہو گی تو اس طرح کہ تم اُن لوگوں کی بات ماننے لگ جاؤ (اور اُن جیسے کام کرنے لگ جاؤ) جو اس نظام کے مخالف ہیں۔ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ لوگ تمہیں پھر اُسی راستے کی طرف لے جائیں گے' جس پر تم' اس سے پہلے چلتے تھے۔ اس سے تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

(۱۵۰) تمہیں اطاعت صرف قوانین خداوندی کی کرنی چاہیئے۔ وہی تمہارا مربی اور دمساز ہے' اور وہی حامی و ناصر۔

(۱۵۱) اگر تم قوانین خداوندی کی اطاعت کرتے رہے تو تمہارے دل بے خوف اور بے باک ہو جائیں گے' ——— کیونکہ توحید کا لازمی نتیجہ بے خوفی ہے (۲/۳۸)۔ اس کے برعکس' جو لوگ توحید سے انکار کر کے شرک کرنے لگ جاتے ہیں' وہ مقامِ آدمیت سے گر جاتے ہیں۔ میزانِ زندگی میں اُن کا کوئی وزن نہیں رہتا (۲۲/۳۱)۔ اور اُن کے سینے خوف کے نشیمن بن جاتے ہیں۔ شرک' انسان کا خود ساختہ عقیدہ اور ذہن کی پستی کی علامت ہے۔ خدا کی طرف سے' اس کے لئے کوئی سند نازل نہیں ہوئی۔ شرک کا نتیجہ خوف' اور خوف کا نتیجہ وہ جہنم کی آگ ہے جس کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں۔ (۳/۱۵۱)۔ سو دیکھو کہ جو لوگ قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کریں ان کا ٹھکانہ کس قدر المناک اور

مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُم عَنهُم لِيَبتَلِيَكُم وَلَقَد عَفَا عَنكُم وَاللَّهُ ذُو فَضلٍ عَلَى المُؤمِنِينَ ﴿۱۵۲﴾ إِذ تُصعِدُونَ وَلَا تَلوُونَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدعُوكُم فِي أُخرَاكُم فَأَثَابَكُم غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيلَا تَحزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُم وَلَا مَا أَصَابَكُم وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعمَلُونَ ﴿۱۵۳﴾

ناخوشگوار ہوتا ہے!

۱۵۱ صرف دُنیاوی مفاد پر نگاہ رکھنے سے کس قدر اجتماعی نقصان ہوتا ہے' اس کا تجربہ تم خود (ایک جنگ میں) کر چکے ہو۔ تم 'قانونِ خداوندی کے مطابق' دشمن کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ تمہیں غلبہ حاصل ہو رہا تھا' اور اس طرح خدا کا وہ وعدہ پورا ہو رہا تھا جو اُس نے تم سے کر رکھا تھا۔ لیکن عین اُس وقت' تمہارے پاؤں میں لغزش پیدا ہو گئی۔ معاملہ پیش نظر میں تم نے باہمی تنازعہ شروع کر دیا۔ اور (تمہارے کمانڈر نے جو حکم تمہیں دے رکھا تھا) تم نے اُس کی نافرمانی کی' حالانکہ فتح و کامرانی' جو تمہارا محبوب مقصد تھا' تمہاری آنکھوں کے سامنے تھا — تمہیں معلوم ہے کہ ایسا کیوں ہوا تھا؟ اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ قریبی مفاد پر ٹوٹ پڑے' اور کچھ ایسے رہ گئے جن کی نگاہیں مستقبل کے مفاد پر تھیں۔ یوں تمہارا رُخ 'دشمن سے ہٹ کر' دوسری سمت کو پھر گیا' (تمہیں شکست ہو گئی اور) اس طرح تم پر اپنی حقیقت واشگاف ہو گئی۔

بہرحال' (اس کے بعد تم نے اپنی غلطی کو محسوس کیا۔ پھر اپنے مقام پر واپس آ گئے۔ تمہیں کامیابی حاصل ہو گئی اور یوں) تمہاری لغزش کے اثرات مٹ گئے۔ اللہ کا قانون یہی ہے کہ ایک بار کی لغزش سے انسان' ہمیشہ کے لئے کامرانیوں سے محروم نہیں ہو جاتا۔ وہ جب بھی غلطی کا احساس کر کے صحیح راستے پر آ جائے' خدائی نوازشات سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔

۱۵۲ اس شکست میں' بدحواسی سے تمہاری حالت یہ ہو رہی تھی کہ تم منہ اُٹھائے بھاگے چلے جا رہے تھے اور کوئی' ایک دُوسرے کی طرف مُڑ کر نہیں دیکھتا تھا (کہ اُس پر کیا گذر رہی ہے) حالانکہ تمہارا رسول' تمہیں پیچھے سے آوازیں دے رہا تھا۔ یوں تمہیں نقصان پر نقصان ہوا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ تم آئندہ کے لئے نصیحت پکڑو کہ اپنے مقام سے 'از خود' کبھی نہیں ہلنا چاہیئے۔ اگر تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی چیز تمہارے ہاتھوں سے نکلے جا رہی ہے' تو تم' اس خیال سے کہ اگر میں اپنی ڈیوٹی پر کھڑا رہا تو یہ چیز جاتی رہے گی' اپنی جگہ کو چھوڑ کر اس کے پیچھے نہ لپک پڑو۔ یا اگر کوئی سخت مصیبت آ رہی ہے تو اُس سے گھبرا کر اپنا مقام نہ چھوڑ دو۔ تم اپنی جگہ پر جمے رہو۔ خدا اچھی طرح جانتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو؟

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ
يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ
يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ
فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ
مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ
الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

۵۳ رسول کی اِس آواز میں چھپے ہوئے عزم و ثبات نے میدانِ جنگ کا نقشہ بدل دیا' اور اِس طرح شکست کے غم و حُزن کے بعد' تم پر اطمینان و سکون کی فضا طاری ہو گئی (۳/۱۱۱)۔ لیکن اطمینان و سکون کی یہ کیفیت صرف انہی پر طاری ہوئی جن کے ایمان پختہ تھے' اور ان سے محض یہ عارضی لغزش ہو گئی تھی۔ اِن کے برعکس' دوسرا گروہ منافقین کا تھا جنہیں اب بھی اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے' اور اُن کا دِل' خدا کے متعلق' جہالت کی بنا پر' عجیب قسم کے خیالات کی آماجگاہ بن رہا تھا —— ایسے خیالات جو زمانۂ جاہلیت میں تو عام تھے لیکن اُنہیں اسلام نے دور کر دیا تھا —— کبھی وہ کہتے کہ جنگ کے معاملہ میں ہمارا بھی کچھ اختیار ہونا چاہیئے تھا۔ اِس بات کا فیصلہ کہ جنگ کرنا چاہیئے یا نہیں' اور اگر کرنا چاہیئے تو اُسکا پروگرام کیا ہونا چاہیئے' ہماری مرضی کے مطابق ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اِس قسم کے فیصلے کسی فرد یا گروہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہوا کرتے۔ یہ معاملات' نظامِ خداوندی کے طے کرنے کے ہوتے ہیں اور اُسی کو اِس کا کُلی اختیار ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ اِس قسم کی باتیں محض دکھانے کے لئے کر رہے ہیں۔ جو کچھ اِن کے دل میں ہے اُسے ظاہر نہیں کرتے۔ (اُن کے دل میں دین ہی کی طرف سے شک ہے)۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس باب میں ہمیں کچھ اختیار دیا جاتا تو ہم اِس مقام (پر آکر) کبھی قتل نہ ہوتے۔ (ہم اپنے گھروں میں رہتے)۔ اِن سے کہدو کہ اگر تم اپنے گھروں میں رہنے کا فیصلہ بھی کر لیتے' تو جماعتِ مؤمنین تمہاری تقلید نہ کرتی۔ جب اِن پر جنگ واجب قرار دی جاتی تو یہ خود بخود' میدانِ جنگ کی طرف آجاتے۔

اِس شکست سے ہوا یہ کہ جو کچھ کسی کے دل میں تھا' اُبھر کر سامنے آگیا۔ منافقین کی منافقت ظاہر ہو گئی اور پختہ ایمان والے' مصائب کی اِس بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔ اِس لئے کہ اللہ تو دلوں میں گذرنے والے خیالات تک سے واقف ہے۔

۵۴ جب (اُس دن) دونوں لشکر آمنے سامنے آئے ہیں' تو تم میں سے جو لوگ لڑائی سے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

منہ موڑ کر بھاگ نکلے تھے' اُس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اُن کے ایمان میں فرق آگیا تھا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ انکی بعض کمزوریوں کے باعث پیش پا افتادہ مفاد کی کشش نے اُن کے قدم ڈگمگا دیئے تھے۔ اِس قسم کی ہنگامی لغزشوں سے خدا کا قانون درگذر کر لیتا ہے اور ملت کا اجتماعی حسن عمل' افراد کی ایسی لغزشوں کے مُضر اثرات کی روک تھام کر دیتا ہے۔ خدا کا قانون ذرا ذرا سی باتوں پر بھڑک نہیں اُٹھتا۔ وہ بڑا بھاری بھرکم ثقہ اور وزنی ہے۔

۱۵۵ اے جماعت مومنین! دیکھنا۔ تم نے کہیں اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کر لی۔ یعنی یہ ذہنیت پیدا کر لی کہ اگر اُن کے بھائی بند باہر سفر میں گئے ہوں' یا جنگ میں مصروف ہوں' تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہماری طرح گھروں میں رہتے' تو کاہیکو مرتے' یا قتل ہوتے! یہ اندازِ فکر' انسان کے سامنے یہ محکم اصول آنے ہی نہیں دیتا کہ زندگی خطرات میں جینے کا نام ہے۔ اِس قسم کے لوگوں کی زندگی' جو مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں' اور اُن کی اِس زندگی کے قابل رشک نتائج' ایسے لوگوں کے دل میں داغ حسرت بن کر رہ جاتے ہیں جو چوڑیاں پہن کر گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ زندگی محض سانس لینے' اور موت' سلسلۂ تنفس کے منقطع ہو جانے کا نام نہیں۔ حقیقی موت اور حیات کا تصور اس سے مختلف ہے۔ اور وہ خدا کے قانون سے وابستہ ہے' جو انسان کے ہر عمل پر نگاہ رکھتا ہے۔ اِس قانون کی رو سے' حیات' مرگِ باشرف کو کہتے ہیں اور موت' حیاتِ بے شرف کا نام ہے۔ زندگی' مجاہدانہ تگ و تاز سے عبارت ہے اور بے عملی کا دوسرا نام موت ہے۔

۱۵۶ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنے ذاتی مفاد اور نفس پروری کی خاطر خطرات مول لے اور اس طرح جان دیدینے کو "مرگِ باشرف" قرار دے لے۔ "مرگِ باشرف" اُنہی کی ہے جو نظامِ خداوندی کے قیام اور بقا کے لئے (جس کا مقصد نوعِ انسان کی عالمگیر ربوبیت ہے) خطرات کا مقابلہ کریں اور عند الضرورت اپنی جان تک دیدیں۔ ایسا کرنے والے اگر اِس کوشش میں مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں' تو ان کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں کے مُضر اثرات سے ان کی حفاظت' خود

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ
الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ
يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ہے اور انہیں' اُن کی ذات کی نشوونما کا سامان بھی مل جاتا ہے۔ یہ چیز اُس تمام سرمایہ سے بہتر ہے جسے انسان ذاتی مفاد کیلئے جمع کرتا ہے۔

۱۵۸ اِس لئے کہ طبیعی موت یا قتل ہو جانے سے زندگی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ زندگی' گروہ در گروہ' کارواں در کارواں' اُس منزل کی طرف بڑھے جا رہی ہے جو خدا نے اُس کے لئے مقرر کر رکھی ہے۔ اِس طرح' رفتہ رفتہ' سب اُس نقطہ کے گرد جمع ہونے والے ہیں۔

۱۵۹ چونکہ مرکزِ جماعتِ مومنین (یعنی رسول اللہؐ) کی ذات میں خدائی صفات (علیٰ حدِ بشریت) منعکس ہیں (اور ایسی ہی ذات کو اِس نظام کا مرکز ہونا چاہیئے)' اِس لئے یہ رسول' مستبد اور سخت گیر نہیں' بلکہ اپنے اندر نرمی اور لچک رکھتا ہے۔ اے رسول! اگر تم سخت مزاج اور سنگدل ہوتے' اور انسانی کمزوریوں کی رعایت کے لئے تمہارے دل میں نرم گوشہ نہ ہوتا' تو تمہاری جماعت کے افراد تم سے الگ ہو کر' منتشر ہو چکے ہوتے۔ اِس لئے (جس حد تک قانونِ خداوندی اجازت دے) تم ان کی نادانستہ کوتاہیوں سے درگذر کرو' اور ان کیلئے سپر بن جاؤ ——— ان کی حفاظت کا سامان طلب کرو ——— اور معاملات میں ان سے مشورہ کرو۔

لیکن نرم دِل ہونے سے یہ مراد نہیں کہ تم ذرا ذرا سی بات سے متاثر ہو کر' کبھی کچھ اور کبھی کچھ کرنے لگ جاؤ۔ تمہارا عزم پختہ ہونا چاہیئے۔ ایسا پختہ کہ جب باہمی مشاورت کے بعد' تم کسی بات کا فیصلہ کر لو تو پھر قانونِ خداوندی پر پورا پورا بھروسہ کر کے' اپنے فیصلے پر کاربند رہو۔ یہی روش ہے جو قانونِ خداوندی کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔

۱۶۰ یہ ہے وہ قانونِ خداوندی جس کے مطابق فتح اور کامرانی نصیب ہوتی ہے ——— اور یہ یاد رکھو کہ جس کے ساتھ خدا کے قانون کی تائید شامل ہو' اُس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ لیکن جس کا ساتھ' خدا کا قانون چھوڑ دے' اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اِسلئے' جماعتِ مومنین کا شیوہ یہ ہونا چاہیئے کہ وہ قانونِ خداوندی پر پورا پورا بھروسہ رکھے' اور اُس کا دامن کبھی نہ چھوڑے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۱۶۴﴾

---

۱۶۰ لیکن، قانون پر اس قسم کا بھروسہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ اُس کی صداقت پر پورا پورا یقین ہو۔ جو قانون کسی نبی کے ذریعے ملے اُس کی صداقت میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ نبی سے ایسا ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنی وحی میں کسی قسم کی خیانت کرے (انبیاءؑ کے بعد ان کے نام لیوا البتہ ایسا کر دیتے ہیں۔ لیکن) جن لوگوں نے انبیائے سابقہ کی وحی میں ایسا کیا ہے، اب ان کی قلعی کھل جائے گی، جب قرآنی انقلاب کے دور میں، خدا کی خالص وحی، سب کے سامنے آجائے گی، اور خیانت کے مجرمین کو ان کے کئے کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا، اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔

جو اس سے یہاں بچ جائے گا، اس کے ساتھ یہی کچھ مرنے کے بعد کی زندگی میں ہوگا — زندگی تو مسلسل آگے چلتی ہے، اس لئے یہاں اور وہاں ایک ہی بات ہے۔

۱۶۲ یاد رکھو! جو شخص وحیٔ خداوندی سے پورا پورا ہم آہنگ ہو جائے۔ اُس کی کامل اطاعت کرے۔ اُس کی حالت کبھی اُس شخص جیسی نہیں ہو سکتی جو اس کے خلاف چلے، اور یوں عذابِ خداوندی کا مستوجب بن جائے (جو قوانین خداوندی سے سرکشی برتنے کا فطری نتیجہ ہے)۔ ایسے شخص کا مقام جہنم ہے کیسی بُری ہے یہ منزل جہاں انسان کی بے راہ روی اُسے پہنچا دیتی ہے!

۱۶۳ اس کے برعکس، قوانین خداوندی کے مطابق چلنے والوں کے درجات، اُن کی سعی و عمل کی نسبت سے، متعین ہوتے ہیں (۶/۱۳۲)۔ وہ شرفِ انسانیت کے ارتقاء کی سیڑھیاں چڑھتے، بلند سے بلند تر مقامات پر پہنچتے جاتے ہیں (۴/۹۵)۔ خدا کے قانونِ مکافات کی نگاہوں سے کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں رہتا۔

۱۶۴ جب کامیابی اور ناکامی، صحیح اور غلط روش کا دار و مدار قانونِ خداوندی پر ٹھہرا، وحی کے ذریعے ملتا ہے، تو نوعِ انسان کے پاس، اس قانون کا، اپنی حقیقی شکل میں رہنا نہایت ضروری تھا۔ اس مقصد کے لئے، خدا نے، انہی میں سے، ان کی طرف اپنا ایک رسول بھیجا،

أَوَلَمَّآ أَصَٰبَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ
عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَآ أَصَابَكُمْ يَوْمَ ٱلْتَقَى ٱلْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ ٱللَّهِ وَلِيَعْلَمَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾
وَلِيَعْلَمَ ٱلَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَٰتِلُوا فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَوِ ٱدْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا
ٱتَّبَعْنَٰكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَٰنِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَٰهِهِم مَّا لَيْسَ فِى قُلُوبِهِمْ ۗ
وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾

یہ ایمان والوں پر خدا کا احسان ہے' اس لئے کہ وحی کسب و ہنر سے نہیں مل سکتی۔ خدا کی طرف سے وہی طور پر مل سکتی تھی۔ وہ رسول' ان کے سامنے' قوانین خداوندی پیش کرتا ہے۔ ایک ایسا نظام قائم کرتا ہے جس میں ان کی صلاحیتوں کی نشوونما ہو جاتی ہے۔ انہیں قانون اور اس کی غرض و غایت کی تعلیم دیتا ہے یعنی وہ قوانین خداوندی کی اطاعت اندھا دھند نہیں کراتا۔ ہر بات کو اچھی طرح سمجھا کر' ذہن نشین کرا کر علی وجہ البصیرت اطاعت کراتا ہے۔ اگر خدا کی طرف سے ایسا انتظام نہ ہوتا تو لوگ اسی طرح' حیران و سرگرداں راہ گم کردہ' کھوئے ہوئے پھرتے' جس طرح اس سے پہلے پھرتے تھے۔

۱۶۴ تمہیں' اس وحی کے مطابق نظام قائم کرنے میں' دنیا بھر کی مخالف قوتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس مقابلہ میں کامیابی اور ناکامی کا مدار اس پر ہے کہ تم کس حد تک قوانین خداوندی کی اطاعت کرتے ہو۔ (جنگ بدر میں تم نے کامل اطاعت کی تو دشمن کو شکست فاش دیدی۔ دوسری جنگ میں تم سے لغزش ہو گئی تو تمہیں نقصان اٹھانا پڑا)۔ ہر چند یہ نقصان' اس نقصان سے کہیں کم تھا جو اس سے قبل دشمن تمہارے ہاتھوں اٹھا چکا تھا' لیکن پھر بھی تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ نقصان کس کی وجہ سے ہوا؟

ان سے کہہ دو کہ خود تمہاری اپنی وجہ سے! اگر تم پوری پوری اطاعت کرتے تو ایسا کیوں ہوتا؟ یاد رکھو! اللہ نے ہر چیز کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں۔ سب کچھ ان پیمانوں کے مطابق ہوتا ہے۔ ان کے خلاف کچھ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان پر خدا کا پورا پورا کنٹرول ہے۔

۱۶۵ اسی قانون کے مطابق تمہیں (اس جنگ میں) نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مومن اور منافق' نکھر کر الگ الگ ہو گئے۔

۱۶۷ جب ان (منافقین) سے کہا گیا کہ چلو! نظام خداوندی کے قیام کے لئے دشمن سے جنگ کرو' یا (حسب موقعہ) مدافعت کرو' (تو یہ بہانے بنا کر ادھر ادھر کھسک گئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ تمہیں کامیابی ہوئی ہے) تو اب کہتے ہیں کہ ہمیں اس کا یقین نہیں تھا کہ وہاں

الَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

جنگ ہوگی۔ اگر ہمیں اس کا یقین ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ ہم تمہیں اکیلا چھوڑ دیتے؟ اِن کا یہ انداز ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب ہے۔ یہ لوگ زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ——— اور اللہ پر خوب روشن ہے کہ یہ ظاہر کیا کرتے ہیں اور چھپاتے کیا ہیں۔

۱۶۸ اِن کی کیفیت یہ ہے کہ یہ خود بھی میدانِ جنگ میں نہ گئے' اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور جو لوگ جنگ میں شریک ہوئے' ان کے متعلق کہتے ہیں کہ انہوں نے ناحق جان گنوائی۔ اگر وہ ہماری بات مانتے تو کبھی قتل نہ ہوتے۔ اِن سے کہو کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جو جنگ میں نہ جائے وہ موت سے محفوظ رہتا ہے' تو تم ذرا ایسا کر کے دکھاؤ کہ جب تمہارے سامنے موت آکھڑی ہو' تو اُسے نکال باہر کرو' اور اس طرح ہمیشہ زندہ رہو!

۱۶۹ اِن کوتاہ اندیشوں کو کیا خبر کہ موت اور زندگی کسے کہتے ہیں؟ اِن سے کہو کہ جو لوگ نظامِ خداوندی کی راہ میں قتل ہو جائیں' اُن کے متعلق یہ گمان تک بھی نہ کرو کہ وہ مر گئے (۳/۱۵۴)۔ اُن کی موت' حیاتِ باشرف ہے (۳/۱۵۵)۔ اُنہیں اُن کے نشوونما دینے والے کی طرف سے' زندگی اور ارتقاء کے تمام سامان میسر ہوتے ہیں۔ (زندگی' موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی)[1]۔

۱۷۰ وہ اپنے بلند مقامات کو دیکھ کر' جو انہیں عنایاتِ خداوندی سے ملتے ہیں بہت خوش ہوتے

[1] طبیعی موت' ہر ذی حیات کے لئے ہے (۳/۱۸۴)۔ اس میں کسی کی استثناء نہیں (۳۹/۳۰)۔ اسی طرح مرنے کے بعد' زندگی بھی ہر انسان کے لئے ہے (۳۶/۲۲)۔ یہاں مقتولین فی سبیل اللہ کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ مخالفین نے کہا تھا کہ اگر وہ جنگ میں نہ جاتے تو مارے نہ جاتے۔ ویسے بھی اہلِ جنت کی زندگی اور جہنمیوں کی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جہنم والے نہ زندہ ہوتے ہیں نہ مردہ (۸۷/۱۳)۔ انہیں چاروں طرف سے موت آتی دکھائی دیتی ہے لیکن وہ مرتے بھی نہیں (۱۴/۱۷)۔ اہلِ جنت کی زندگی بشارتوں کی زندگی ہے (۱۰/۶۴)۔ یہ خصوصیت بھی صرف انہی کیلئے نہیں جو میدان جنگ میں قتل ہو جائیں۔ جو اس جدوجہد میں قتل ہو جائے یا ویسے مر جائے' اس میں سب شامل ہیں (۳/۱۵۶ ؛ ۴/۷۴ ؛ ۹/۱۱۱—۱۱۲)۔ یہ بھی واضح رہے کہ جو اس دنیا سے چلا جائے اس کا اس دنیا والوں سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ (۳۵/۱۴ ؛ ۴۶/۵—۶)۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ
وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ
قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ
وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ
وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

ہیں' اور اس احساس سے کہ ان کی اس قربانی سے' اُن لوگوں کے لئے جو ابھی دُنیا میں موجود ہیں' ایسا معاشرہ قائم ہو گیا ہے جس میں وہ ہر طرح کے خوف و حزن سے مامون ہیں' ان کی خوشی دوبالا ہو جاتی ہے۔

۱۷۰ وہ اِن آسائشوں اور راحتوں سے' جو نوازشاتِ خداوندی سے انہیں حاصل ہوتی ہیں' بیحد خوش ہوتے ہیں۔ نیز اِس حقیقت سے کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ خدا کسی ایمان والے کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ اُسکا پورا پورا بدلہ دیتا ہے۔

۱۷۱ اُن مومنین کے اعمال کا بدلہ جو مصائب و مشکلات کے زخم خوردہ ہونے کے باوجود' اللہ اور رسول (نظامِ خداوندی) کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے' سرفروشانہ باہر نکل آتے ہیں۔ (اسی سے وہ حقیقی زندگی کے مستحق قرار پاتے ہیں ۲۴)۔
یہ ہے قانونِ خداوندی کی نگہداشت کا وہ حسن کارانہ شعار' زندگی جس کا ایسا عظیم اَجر ملتا ہے۔

۱۷۲ یہ وہ صاحبانِ عزم و یقین ہیں کہ جب اِن سے لوگ کہتے ہیں کہ دشمن نے تمہارے خلاف لشکر جرار جمع کر رکھا ہے' اس لئے تمہیں اُس سے ڈرنا چاہیئے' تو اِس سے ان کا ایمان اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے اور وہ دل کے پورے اطمینان سے کہتے ہیں کہ دشمن کا لشکر بڑا ہے تو ہوا کرے' ہمارے ساتھ قانونِ خداوندی کی تائید و نصرت ہے۔ اور یہ وہ قوت ہے جس کے بعد کسی اور قوت کی حاجت نہیں رہتی' اور جس پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۷۳ یہ اِس عزم و یقین کے ساتھ کارزارِ حیات میں مردانہ وار آگے بڑھتے ہیں' اور کسی قسم کا نقصان اٹھائے بغیر خدا کی عطا کردہ آسودگیوں اور خوش حالیوں سے جھولیاں بھر بھر کر واپس آتے ہیں۔ یہ سب اِس لئے کہ انہوں نے قوانین خداوندی کا پورا پورا اتباع کیا تھا۔ اور قانون خداوندی اپنے نتائج کے اعتبار سے بڑا پُرثمر اور بارآور واقع ہوا ہے۔

۱۷۴ یاد رکھو! اِن سرکش قوتوں کی (جو تم سے برسرِ پیکار ہیں) چال یہ ہوتی ہے کہ یہ اپنی

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ
حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا
اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۚ اِنَّمَا
نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ
حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ

پارٹی کی طرف سے دوسروں کے دل میں ڈر اور خوف پیدا کرتے رہتے ہیں (۳/۱۷۵)۔ لیکن تم جب مومن ہو تو تمہارے لئے ان سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ڈرنا تو صرف قوانین خداوندی کی خلاف ورزی سے چاہیئے۔

۱۷۶ اے رسول! جو لوگ کفر کی راہ میں اس تیزی سے بڑھے جا رہے ہیں' تمہارے لئے' ان کی وجہ سے افسردہ خاطر ہونے کی کوئی بات نہیں۔ وہ اپنے اس انکار و سرکشی سے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس سے انکا اپنا ہی نقصان ہوگا۔ (وہ کچھ قریبی مفاد حاصل کر لیں تو کر لیں' لیکن) مستقبل کی خوشگواریوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہو سکتا۔ ان کے لئے گھل گھل کر مرجانا اور تباہ ہو جانا ہے۔

۱۷۷ یہ چیز کچھ انہی سے مخصوص نہیں۔ جو لوگ بھی قوانین خداوندی کو چھوڑ کر' دوسری راہیں اختیار کر لیتے ہیں' تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ ان کا انجام بڑا المناک اور دردانگیز ہوتا ہے۔

۱۷۸ ان لوگوں کو جو کچھ قریبی مفاد حاصل ہو جاتے ہیں تو یہی چیز انہیں مغالطہ میں ڈال دیتی ہے۔ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ خدا کا قانونِ مکافات کوئی شے نہیں۔ اس کی یونہی دھمکی دی جاتی ہے۔ یہ ان کی غلط نگہی ہے۔ ہمارا قانون یہ ہے کہ ہر عمل کا نتیجہ فوراً سامنے نہیں آجاتا۔ ایک وقت کے بعد ظہور میں آتا ہے (جس طرح بیج کو پھل بننے کیلئے ایک مدت درکار ہوتی ہے)۔

یہ قانونِ مہلت' ان لوگوں کے لئے نفع بخش ثابت ہو سکتا ہے جو آخری تباہی سے پہلے' اپنی روش میں اصلاح کر لیں۔ لیکن جو لوگ اپنی کفر کی روش میں آگے بڑھتے جائیں' ان کیلئے یہ مہلت کا وقفہ' نفع بخش نہیں بلکہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ ان کے جرائم کا وزن بڑھتا جاتا ہے۔ اور اسی نسبت سے ان کی انسانی صلاحیتیں مضمحل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ تا آنکہ وہ ذلت و خواری کے جہنم میں جا گرتے ہیں۔

مَنْ يَّشَآءُ ۚ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ
يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

۱۰۸ اس کا بھی یقین رکھو کہ خدا کا قانون ایسا نہیں کہ وہ تمہارے معاشرے کو اس حالت میں رہنے دے جس میں وہ اب ہے۔ کوئی تحریک بھی ہو اُس میں ابتداءً ہر قسم کے لوگ شامل ہو جاتے ہیں۔ اُس کے بعد مصائب اور مشکلات کی بھٹیاں آہستہ آہستہ کھرے اور کھوٹے کو الگ کرتی جاتی ہیں یہ بات شروع ہی میں، از خود نہیں بتا دی جاتی کہ کون کھرا ہے اور کون کھوٹا۔ آزمائشوں سے ان کی چھانٹ ہوتی جاتی ہے، اور (اس طرح) کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہیں ملتا کہ مجھے محض بدگمانی کی بنا پر اپنے اندر شامل نہیں ہونے دیا گیا، یا الگ کر دیا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ ہم نے تمہیں غیب سے یہ بات نہیں بتا دی (کہ فلاں منافق ہے اور فلاں مومن) اس میں شبہ نہیں کہ ہم، اپنے قانونِ مشیت کے مطابق، اپنے رسولوں کو بذریعہ وحی بعض امورِ غیب کا علم دیدیتے ہیں (۷۲/۲۶ — ۷۲/۲۶) لیکن اس بات کا علم رسول کو بھی نہیں دیا گیا۔ وہ بھی منافقین کو اُن کے انداز ہی سے پہچان سکتا ہے۔ (۴۰/۳۰ — ۴۰/۲۹)

انذر میں حالات، تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم خدا کے قانون، اور اُس کے لانے والے کی صداقت پر یقین محکم رکھو (اور یہ نہ خیال کرو کہ اگر یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے تو اُس نے شروع ہی میں کیوں نہ بتا دیا کہ منافق کون کون ہے)۔ اگر تم نے اس یقین کو محکم کر لیا اور ان قوانین کی نگہداشت کی تو تمہارے لئے اس کا اجر بہت بڑا ہوگا۔

۱۰۹ اس نظام کا مقصد ہے نوعِ انسان کی عالمگیر پرورش۔ سو جو لوگ، اُس سامانِ معیشت کو جسے اللہ نے انہیں دے رکھا ہے اُن لوگوں سے روک لیں جنہیں اُس کی ضرورت ہے، تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ روش اُن کے حق میں بہت اچھی ہے۔ نہیں! یہ روش اُن کے لئے بڑی خرابی کا موجب ہے۔ جب نظامِ ربوبیت کے انقلاب کا وقت آئے گا، تو یہی سامان اُن کے گلے کا ہار ہو جائے گا۔ اسی طرح مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی یہ اُن کیلئے عذاب کا موجب ہوگا۔

انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام اشیائے کائنات، جن سے ان کا جمع کردہ مال اور اسباب ترکیب پاتا ہے، خدا کی ملکیت ہیں (اور اُس نے انہیں تمام انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے (۵۵/۱۰) ۔ اس لئے کسی کا انہیں صرف اپنے فائدے کے لئے سمیٹ کر رکھ لینا منشائے خداوندی کے خلاف ہے۔ (ان سے کہدو کہ) تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس سے باخبر ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ
بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ
النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

---

۱۸۰ ہمیں اُن کا بھی علم ہے جو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ کسی کے محتاج نہیں' اور خدا کا یہ نظام' جو ان سے مال و دولت طلب کرتا ہے' اُن کا محتاج ہے۔ ہم اِن کی اِن تمام باتوں کو' ایک ایک کر کے' نوٹ کر رہے ہیں۔ یہی لوگ تھے جو اِس زعم باطل میں ہیں کہ وہ کسی کے محتاج نہیں ـــــ انہیں کسی کی کیا پرواہ ہے ـــــ اِس نظام کی طرف دعوت دینے والے انبیاءؑ کی تخریب اور قتل کے ناحق درپے ہو گئے۔
وہ دن آنے والا ہے جب ان کا سرمایہ اور اندوختہ اِن کے کسی کام نہیں آئے گا' اور زندگی کی تمام لذتیں اِن کے لئے زہر کا گھونٹ بن جائیں گی۔

۱۸۱ ان سے یہ کچھ ظلم اور زیادتی کی بنا پر نہیں ہوگا ـــــ خدا کے قانون میں ظلم اور زیادتی کا کیا کام؟ ـــــ یہ نتیجہ ہوگا اُن کے اپنے اعمال کا۔

۱۸۲ یہ (یہودی) یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ تم نے کسی رسول پر ایمان نہ لانا جب تک وہ تمہارے پاس سوختنی قربانیوں کا حکم نہ لائے۔ (یہ سب اِن کی من گھڑت باتیں ہیں۔ اللہ نے اِن سے کہیں ایسا نہیں کہا تھا)۔ اِن سے کہو کہ اگر تمہارا اعتراض یہی ہے تو یہ بتاؤ کہ مجھ سے پہلے تمہاری طرف بہت سے رسول آئے جو اپنے ساتھ واضح احکام و دلائل لائے۔ اور (بقول تمہارے) انہوں نے سوختنی قربانی کا بھی حکم دیا۔ تو تم' اُن پر ایمان لانے کے بجائے' اُن کی تخریب اور قتل تک کے درپے کیوں ہو گئے؟ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو اِس کا جواب دو؟

۱۸۳ سو (اے رسول!) اگر یہ لوگ' اس قدر واضح دلائل کے باوجود' تمہیں جھٹلاتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ایسا ہوتا ہی چلا آیا ہے۔ تم سے پہلے بھی رسولوں کی اِسی طرح تکذیب ہوتی رہی ہے' جو واضح دلائل اور آسمانی صحیفے' یعنی (انسانی عقل کو) روشنی عطا کرنے والے قوانین' لائے تھے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ
فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿١٨٥﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۖ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا
الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ
عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿١٨٦﴾ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ۖ
فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾

---

۱۸۵ (ان سے کہو کہ ہو سکتا ہے کہ تم اس قسم کی کٹ حجتیوں اور فریب کاریوں، اور اپنی موجودہ غلط روش سے دُنیاوی مفاد حاصل کر لو لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ) ہر ذی حیات کو ایک دن مرنا ہے، اور جن اعمال کے نتائج اس زندگی میں سامنے نہیں آ سکے ان کا پورا پورا بدلہ اُخروی زندگی میں سامنے آ کر رہنا ہے۔ اُس زندگی میں جو شخص تباہ کن عذاب سے دُور رکھا گیا، اور جنت کی خوشگوار زندگی کا مالک بنایا گیا، تو وہ درحقیقت کامیاب ہوا۔ (۳۹/۶۱)۔ اس کے برعکس جو شخص صرف دنیاوی زندگی کے مفاد کو مقصد حیات سمجھتا ہے (اور مستقبل کی زندگی کو نظر انداز کر دیتا ہے) اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو بہت بڑے دھوکہ میں رکھے ہوئے ہے۔ کامیاب وہ ہے جسے اس دُنیا کی خوشگواریاں بھی حاصل ہوں اور اُخروی زندگی کی کامرانیاں بھی۔ (۳/۱۰۲ ؛ ۶۴/۱۰ ؛ ۶۳/۱۴ ؛ ۲۷/۱۴)۔

۱۸۶ تمہارا مقابلہ انہی لوگوں سے رہے گا، اور اس ٹکراؤ میں، تم پر ایسی گردشیں آئیں گی جن میں تمہارے مال اور جان کا نقصان ہوگا (۳/۱۵۵)۔ اور ان اہل کتاب اور مشرکین عرب سے، بڑی دکھ دینے والی باتیں سننی پڑیں گی۔ سو اگر تم نے ان مشکلات کا مقابلہ ثابت قدمی سے کیا اور قانون خداوندی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، تو یہ تمہارے عزم بلند کی دلیل ہوگا، اور بڑی ہمت کی بات۔

۱۸۷ (یہ اہل کتاب، جواب کہہ رہے ہیں کہ ہم سے اللہ نے یہ عہد لیا تھا اور وہ عہد لیا تھا۔ ان سے اس قسم کا کوئی عہد نہیں لیا گیا تھا)۔ ان سے عہد یہ لیا گیا تھا کہ "جو کچھ تمہیں (وحی کے ذریعے) دیا گیا ہے، اُسے چھپا کر نہ رکھنا، لوگوں کے سامنے کھول کھول بیان کرنا"۔ لیکن انہوں نے، اُسے پس پشت ڈال دیا۔ (اور عمل درآمد اپنی خود ساختہ شریعت پر کرنے لگے، کیونکہ) انہیں، اس سے دنیاوی مفاد حاصل ہوتے تھے ——— اگر یہ ذرا عقل و فکر سے کام لیتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ ان کا یہ سودا کس قدر خسارے کا ہے (۲/۱۶)۔

یہ تھا وہ عہد جو ان سے لیا گیا تھا، اور یہ ہے وہ انداز جس سے انہوں نے اپنے اس عہد کو

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ
مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ ۱۰
يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ
هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

پورا کیا تھا!

۱۸۸ یہ لوگ (اہلِ کتاب کے مذہبی پیشوا) اپنی اِس رَوش پر بہت خوش ہیں' اور چاہتے یہ ہیں کہ یہ' جو باتیں لوگوں سے (بطور وعظ و نصیحت) کہتے ہیں' لیکن خود ان پر عمل نہیں کرتے' اُن کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے۔ (حالانکہ تعریف' کام کی ہوتی ہے' باتوں کی نہیں)۔
یہ لوگ اپنے ذہن میں سمجھے بیٹھے ہیں کہ (جس طرح ہم دنیا والوں کو دھوکا دے لیتے ہیں اسی طرح خدا کو بھی دھوکا دے لیں گے)۔ تم ان کے متعلق خیال تک بھی نہ کرو کہ یہ خدا کے عذاب سے چھوٹ جائیں گے۔ اُس کے قانونِ مکافات کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ اُس سے کوئی نہیں چھوٹ سکتا۔ ان لوگوں کی تباہی بڑی دردانگیز ہوگی۔

۱۸۹ اِس لئے کہ تمام کائنات میں اقتدار اور اختیار خدا ہی کا کارفرما ہے۔ یہ سلسلۂ کائنات اِس لئے سرگرمِ عمل ہے کہ ہر ایک کام کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ مرتب ہوتا رہے (۱/۴ ؛ ۳۴/۴ ؛ ۵۳/۳۱)۔ ہر شے پر خدا کا پورا پورا کنٹرول ہے۔

۱۹۰ لیکن یہ بات غور و فکر سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ عقل و بصیرت سے کام لیتے ہیں' اُن کے لئے کائنات کی پیدائش اور دن اور رات کی گردش میں' قوانینِ خداوندی کی محکمیت اور ہمہ گیری کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

۱۹۱ اُن صاحبانِ عقل و بصیرت اور اربابِ فکر و نظر کیلئے' جو زندگی کے ہر گوشے میں' کھڑے بیٹھے۔ لیٹے' قانونِ خداوندی کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتے ہیں' اور کائنات کی تخلیقی ترکیب (انداز پیدائش) پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنی تحقیقات کے بعد علیٰ وجہ البصیرت پکار اُٹھتے ہیں کہ' اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو نے اس کارگہِ ہستی کو نہ تو عبث اور بیکار پیدا کیا ہے اور نہ ہی تخریبی نتائج مرتب کرنے کے لئے۔ تیری ذات' اِس سے بہت بعید ہے کہ تو کسی شے کو بے مقصد

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا
يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۣ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا
مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

اور بلا غرض و غایت یا تخریبی نتائج مرتب کرنے کیلئے پیدا کر دے۔ (یہ ہماری کم علمی اور کوتاہ نگہی ہے کہ ہم تحقیق سے کام نہیں لیتے اور اس طرح اشیائے کائنات کے نفع بخش پہلوؤں سے بے خبر رہ کر عذاب کی زندگی بسر کرتے ہیں)۔ تو ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم (علمی تحقیقات اور عملی تجربات کے بعد) اشیائے کائنات سے صحیح صحیح فائدہ اٹھائیں اور اس طرح) تباہ کن عذاب کی زندگی سے محفوظ رہیں۔

۱۹۱ جو قومیں، اس قسم کی تحقیقات نہ کرنے سے، اشیائے کائنات کی نفع بخشیوں سے محروم رہتی ہیں، ان کی سعی و عمل کی کھیتیاں جھلس کر رہ جاتی ہیں اور وہ ذلت و خواری کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ —— اور ظاہر ہے کہ ایسی ذلیل و خوار قوموں کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوتا۔

۱۹۲ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے، انہیں دنیا کی تباہی کے لئے استعمال نہ کیا جائے، بلکہ نوعِ انسان کی ربوبیتِ عامہ کیلئے صرف میں لایا جائے۔ یہ وہی قوم کر سکتی ہے جو خدا کی رہنمائی پر ایمان رکھے۔

لہٰذا، اِن اربابِ عقل و بصیرت کی پکار یہ بھی ہوتی ہے کہ "اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہم نے ایک پکارنے والے کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ آؤ! اپنے نشوونما دینے والے کے قانون کی صداقت کو تسلیم کرو، اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین بناؤ —— ہم نے اِس دعوت پر لبیک کہا، اور خدا کے قانون کی صداقت پر ایمان لے آئے۔

اِس کے بعد، اِن صاحبانِ عقل و ایمان کے سینے میں اِس قسم کی آرزوئیں بیدار ہوتی ہیں کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہم سے اگر کوئی بھول چوک ہو جائے تو اُس کے مضرت رساں نتائج سے ہمیں محفوظ رکھنا۔ (۲/۲۸۶)۔

ہماری چھوٹی موٹی کوتاہیوں اور تدبیری ناہمواریوں کے اثرات مٹاتے رہنا۔

اور ہمارا انجام ان لوگوں کی رفاقت اور معیت میں کرنا، جن کے سامنے زندگی کی وسعتیں اور کشاد کی راہیں کھل چکی ہیں۔

۱۹۳ اے ہمارے نشوونما دینے والے!

تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے، جن خوشگواریوں اور سرفرازیوں کا وعدہ کیا ہے (۳/۲۴) اُن سے ہمیں بہرہ یاب کرنا۔ اور ایسا نہ کرنا کہ اعمال کے ظہورِ نتائج کے وقت ہم ذلیل و خوار ہو جائیں۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ
هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾ لَا
يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ
اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ اللَّهِ
خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

ہمیں یقین ہے کہ تو وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔ تیرا ہر قانون صحیح صحیح نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے۔

۱۹۴ اُنہوں نے اِن حسین آرزوؤں کے ساتھ خدا کی دعوت پر لبیک کہا' اور خدا کے قانون نے آگے بڑھ کر ان کی پکار کا جواب دیا (۳/۱۸۹) اور کہا کہ تم میں سے جو بھی ہمارے قانون کے مطابق عمل کرے گا — وہ مرد ہو یا عورت' کہ تم ایک دوسرے کے جزو ہو' الگ الگ نہیں ہو — اسکی محنت کبھی رائگاں نہیں جائیگی۔

لیکن اِسے اچھی طرح سمجھ لو کہ ہمارے قوانین کے مطابق معاشرہ کی تشکیل میں' تمہیں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں تمہیں اپنی ہر عزیز متاع کو چھوڑنا پڑے۔ تم گھروں سے بے گھر ہو جاؤ۔ بُری طرح سے ستائے جاؤ۔ لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ جانیں دینی پڑیں — سو جو لوگ اِس پروگرام میں پورے اُتریں گے' ان کے حسنِ عمل کی بدولت' ان کی چھوٹی موٹی ناہمواریوں کو مٹا دیا جائے گا' اور انہیں زندگی کی ایسی شادابیاں عطا ہوں گی جن پر کبھی' افسردگی اور پژمردگی نہیں چھائے گی۔ وہ ہمیشہ تر و تازہ رہیں گی۔ یہ خدا کی طرف سے' اُن کے اعمال کا بدلہ ہوگا — اور حقیقت یہ ہے کہ اعمال کا ایسا حسن کارانہ بدلہ' قانون خداوندی کی رُو ہی سے مل سکتا ہے۔

۱۹۵ اِس نظام کی مخالفت کرنے والوں کی چہل پہل۔ بستیوں میں اِن کی گہما گہمی' تمہاری نگاہ کو فریب نہ دیدے' اور تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ اِس قانون کے خلاف چلنے سے بھی زندگی کی خوشگواریاں مل سکتی ہیں!

۱۹۶ یہ خوشگواریاں بڑی بے حقیقت ہیں' اور اِن سے محض تھوڑی سی مدت کے لئے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اُس کے بعد تباہی اور بربادی کا جہنم ہوگا' اور یہ ہوں گے — اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

۱۹۷ اِن کے برعکس' جو لوگ خدا کے قانونِ ربوبیت کی نگہداشت کرتے ہیں' اور وحیِ خداوندی کے مطابق' بلند کردار زندگی بسر کرتے ہیں' تو اُن کے لئے خوشگواریوں کی سدا بہار جنتیں ہیں۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

خدا کے ہاں اُن کی ایسی قدر و منزلت ہوگی جیسی معزز مہمانوں کی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بلند کردار اور راست باز انسانوں کے لئے خدا کے ہاں جو کچھ بھی ہے یکسر خیر ہے۔ اس میں خرابی کا شائبہ تک بھی نہیں ہو سکتا۔

۱۹۸ اور خدا کی اس جنت کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہیں — اِن اہل کتاب (یہودیوں) کے لئے بھی جن کا عقیدہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ کوئی اور جنت میں جا ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان اہلِ کتاب میں سے بھی جو لوگ (اس طرح) اللہ پر ایمان لے آئے ہیں (جس طرح تم لائے ہو)۔ اور اپنی سابقہ کتابوں پر ایمان لانے کے بعد اس کتاب (قرآن) پر ایمان لائے ہیں جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اور انہوں نے اس طرح قوانین خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے اور اپنی سابقہ روش کو چھوڑ دیا ہے جس میں وہ احکام خداوندی کو دنیاوی مفاد کے عوض بیچ دیا کرتے تھے۔ تو (ان کا بنی اسرائیل کے گھرانے میں پیدا ہونا اِن کے راستے میں حائل نہیں ہوگا)۔ اِن کے ایمان و اعمال کا اجر اُن کے ربّ کے قانونِ مکافات کی رُو سے ملے گا۔ وہ قانون جو انسان کے ہر عمل کا حساب بلا تاخیر کر دیتا ہے۔ (۳/۱۱۳ — ۱۱۲)۔

۲۰۰ لیکن یہ سب کچھ اُس معاشرہ میں ہو سکتا ہے جس میں تمام افراد کی کیفیت یہ ہو کہ وہ اپنے نظام پر نہایت ثابت قدمی سے قائم رہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کی استقامت کا موجب بنیں اور اس میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کریں۔ مخالفین کے مقابلہ میں استقامت دکھائیں۔ اپنی حفاظت کا پورا پورا انتظام رکھیں۔ ایک دوسرے سے جُڑ کر رہیں۔ مقصدِ پیشِ نظر کے حصول میں مسلسل کوشش کریں۔ اور ہر قدم پر قانونِ خداوندی کی نگہداشت کریں۔

اے جماعتِ مومنین! تم نے یہی رَوش اختیار کرنا تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔

سورۃ النساء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①
وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

---

① اے نوعِ انسان! اپنے نشوونما دینے والے کے قانون کی نگہداشت کرو جس نے تمہاری پیدائش کی ابتدا' ایک جرثومۂ زندگی سے کی (۴/۱ + ۳/۴) - ازاں بعد یہ جرثومہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا' جس سے نر و مادہ کی تقسیم وجود میں آئی - اور یوں نر و مادہ کے اختلاط سے' اُس نے کرۂ ارض پر کثیر آبادی پھیلا دی جو مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہے۔

(جب نوعِ انسان' اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی درخت کی شاخیں ہے تو انسانوں کی خود ساختہ تقسیم و تفریق کے کیا معنی ہیں؟ تم تمام انسانوں کو ایک برادری سمجھو) اور اِس طرح خدا کے نظامِ ربوبیت کی نگہداشت کرو جس کے ذریعے تمہاری وہ ضروریات پوری ہوتی ہیں جن کیلئے تم ایک دوسرے کے تعاون کے محتاج ہو (۱۴/۳۴)۔

خدا کے نظامِ ربوبیت کے قیام کی ابتدا' اپنے خاندانی رشتے استوار کرنے سے کرو (جب یہ ہو جائے تو پھر اِس حلقہ کو وسیع کرتے چلے جاؤ تا آنکہ پوری کی پوری انسانیت اِس کے دائرہ کے اندر آجائے) - اگر تم نے ایسا کیا تو قانونِ خداوندی تمہاری ہر طرح سے نگرانی اور نگہبانی کرتا جائے گا۔

② اِس قانون کی رُو سے' تمہارے اپنے بچوں اور یتیموں میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اِس لئے' اُن کے مفاد اور حقوق کی بھی اسی طرح نگہداشت کرو جس طرح تم اپنی اولاد کے مفاد کی نگہداشت کرتے ہو - اُن کا مال و اسباب' بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھو' ایسا نہ کرو کہ اُن کی اچھی

---

1. Life-cell 2. Spermatazoon & Ovum

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا
تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ
فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــًٔا مَّرِيْۗـــًٔا ۝ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ
لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

اچھی چیزیں' اپنی نکمی چیزوں سے بدل لو۔ اُن کا مال الگ رکھو' اپنا الگ۔ اُن کے مال میں تردد برد کرنا بڑی بے انصافی کی بات ہے۔ (جو بچارا معاشرہ میں تنہا رہ جائے' اُس کی مدد کرنی چاہیئے' نہ کہ اُلٹا اس کا حق تلف کر لینا چاہیئے)۔

۳ (لیکن یتیموں کا مسئلہ ان کے مال و اسباب کی حفاظت ہی سے طے نہیں ہو جاتا۔ بات اس سے آگے بھی چلتی ہے۔ اگر کبھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں ـــ مثلاً جنگ کی وجہ سے ـــ کہ معاشرہ میں مرد ضائع ہو جائیں اور بیوہ عورتیں اور یتیم بچے (لڑکے' لڑکیاں) زیادہ رہ جائیں ـــ بالخصوص بے شوہر عورتیں۔ ۴/۱۲۷)۔ اور اس مسئلہ کا کوئی خاطر خواہ منصفانہ حل نہ ملتا ہو یا کہیں انفرادی طور پر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو ایسے حالات میں تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ ان یتیموں اور بیواؤں کی حفاظت اور پرورش کی خاطر تم ان بے شوہر عورتوں سے' حسب پسند (جو تمہارے نکاح میں آنا چاہیں' ۴/۱۲۹) نکاح کر لو۔ (اس مقصد کیلئے "ایک مرد ایک بیوی" کے قانون میں استثنا کی جاتی ہے۔ اس صورت میں' جیسا بھی حالات کا تقاضا اور معاشرہ کا فیصلہ ہو تم) دُو دُو۔ تین تین۔ چار چار بیویاں تک (نکاح میں لا سکتے ہو)۔ لیکن اگر تم دیکھو کہ تم' اس طرح مختلف افراد خاندان میں عدل قائم نہیں رکھ سکو گے' تو پھر اسی "ایک بیوی" والے قانون پر کاربند رہو۔ یا وہ لونڈیاں جنہیں تم' اس سے قبل اپنے نکاح میں لا چکے ہو (کیونکہ اسکے بعد تو غلام اور لونڈیوں کا سلسلہ ہی ختم کر دیا گیا ہے)۔ بے انصافی (یا کثرتِ اولاد کے بوجھ) سے بچنے کیلئے یہ راہ زیادہ قرینِ صواب ہے۔

(یاد رکھو یہاں جس عدل کا مطالبہ کیا گیا ہے' اس سے مراد مختلف بیویوں میں سلوک اور برتاؤ کا عدل ہے' نہ کہ جذبات کا عدل۔ اس لئے کہ جذبات میں مساوات اور یکسانیت رکھنا نفسیاتی محال ہے جس کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ۴/۱۲۹)۔

۱ اور اپنی بیویوں کا مہر کسی معاوضہ کا خیال کئے بغیر' اس طرح دیدیا کرو جس طرح شہد کی مکھی شہد دیتی ہے (اس میں کسی قیمت یا بدل کا خیال تک بھی نہیں آتا۔ اس لئے کہ مہر تو ایک تحفہ ہے' نہ کہ کسی چیز کا بدلہ)۔ ہاں! اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو اسے بلا تامل اپنے صرف میں لا سکتے ہو۔

۵ یہ بھی یاد رکھو کہ مال کو' خدا نے' تمہاری قومی معیشت کا ذریعہ (قیام کا موجب)

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ
اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ
بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ
مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ
مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝

بنایا ہے۔ اِس سے قومیں اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہوتی ہیں۔ اِس لئے اِسے ایسے لوگوں کی تحویل میں نہ دو جو اِس کے انتظام کی سوجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں۔ ایسے لوگوں کے روٹی کپڑے اور صحیح تربیت کا انتظام کر دیا کرو۔

۳ اور یتیموں کی بھی صحیح تربیت کرو اور اُن کی جانچ پڑتال کرتے رہو کہ ان کی صلاحیتوں کی کس حد تک نشوونما ہوتی ہے حتّٰی کہ وہ نکاح کی عمر (سنِ بلوغت ۱۲ ؛ ۱۵ ؛ ۱۸) تک پہنچ جائیں۔ پھر اگر اُن میں عقل کی پختگی نظر آئے تو اُن کا مال اُنہیں واپس دیدو (اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر ۴ کے مطابق کرو) اور اِس خیال سے کہ وہ اب سنِ بلوغت کو جلدی پہنچ جائیں گے اور اُن کا مال انہیں واپس دینا ہوگا فضول خرچ کر کے ان کا مال ہڑپ نہ کر جاؤ۔ باقی رہا ان کے مال کی حفاظت اور اُن کی پرورش کا معاوضہ سو تم میں سے جو ضرورتمند نہ ہو اُسے کچھ نہیں لینا چاہیئے۔ لیکن جو ضرورت مند ہو (یعنی ان کی جائیداد کے انتظام کیلئے اُسے جو وقت صرف کرنا پڑے اُس سے اس کی اپنی آمدنی پر اثر پڑتا ہو اور اس طرح وہ تنگدست ہو جائے) تو وہ قاعدے اور قانون کے مطابق حق الخدمت لے لیا کرے۔ پھر جب تم اُن کا مال ان کے سپرد کرنے لگو تو اس پر گواہ لے لیا کرو۔ اور حساب سپرد کے وقت اِس حقیقت کو سامنے رکھو کہ تم یہ حساب خدا کو دے رہے ہو جو ظاہر اور پوشیدہ ہر بات سے واقف ہے اِس لئے ٹھیک ٹھیک حساب لینے والا ہے۔

۱ اب قانون وراثت کی تفصیل سنو۔ مَردوں کیلئے حصّہ ہے اُس مال میں سے جو اُن کے والدین یا دوسرے قریب ترین رشتے دار (جن کا ذکر آگے آتا ہے) چھوڑ کر مریں۔ اِسی طرح عورتوں کے لئے حصّہ ہے اُس مال میں سے جو ان کے والدین یا قریب ترین رشتے دار چھوڑ کر جائیں۔ خواہ وہ تھوڑا سا مال ہو یا زیادہ۔ اِس میں ہر ایک کا حصّہ مقرر ہے۔ (اِن حصّوں کا ذکر آگے آتا ہے۔ لہٰذا عورتیں اپنا حق ملکیت الگ رکھتی ہیں۔ یہ نہیں کہ ہر چیز کا مالک مرد ہوتا ہے۔ عورت مالک ہی نہیں ہو سکتی (۴/۳۴)۔

لہ اقرب کے معنی ہیں وہ متوفی جس کے اور اُس کے وارث کے درمیان اُن کی لائن میں کوئی اور حصّہ دار حائل نہ ہو۔ مثلاً میں زید بکر کا اقرب ہے۔ لیکن اگر بکر (اپنے باپ زید کی زندگی میں) فوت ہو چکا ہو تو زید (اپنے پوتے) عمر کا اقرب ہو جائے گا۔

زید بکر عمر

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا
مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا
قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ
وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۠ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ
اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ

---

۸ اگر تقسیم وراثت کے وقت ایسے رشتہ دار بھی موجود ہوں جن کا ترکہ میں حصّہ نہ ہو یا دوسرے یتیم اور مساکین، تو انہیں بھی اس میں سے کچھ دیدو، اور سمجھا دو کہ ترکہ کی تقسیم قانون اور قاعدے کے مطابق ہوگی، جس کی رُو سے انہیں بطور حق کچھ نہیں مل سکتا۔ جو کچھ انہیں دیا گیا ہے محض اُن کی دل جوئی کی خاطر ہے۔

۱ ترکہ کی تقسیم صحیح قاعدے کے مطابق کرنی چاہیئے، اور اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے کہ اگر تم بھی اپنے پیچھے ناتواں اولاد چھوڑ جاؤ، تو تم کبھی نہیں چاہو گے کہ اُن سے بے انصافی ہو۔ لہٰذا تم قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرو، اور ان معاملات میں ایسی بات کرو جو بالکل صاف، سیدھی اور محکم ہو۔

۱ یاد رکھو! جو لوگ ظلم اور ناانصافی سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، اُن کے متعلق یوں سمجھو گویا وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں جس سے اُن کے جذبات حرص و ہوس اور بھڑک اُٹھتے ہیں۔ اُن کی نیت نہیں بھرتی اور وہ ناجائز دولت کے پیچھے پاگلوں کی طرح مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔ اس سے اُن کی صلاحیتیں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جاتی ہیں۔

۱ اس اُصولی تمہید کے بعد قانونِ وراثت تمہارے سامنے آتا ہے۔ اس باب میں اولاد کے متعلق خدا کا حکم یہ ہے کہ

(۱) لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصّہ ہے — یعنی لڑکی ۔ $\frac{1}{3}$ اور لڑکا ۔ $\frac{2}{3}$ (اس لئے کہ کنبے کے اخراجات کا کفیل مرد ہے، عورت نہیں ۔ $\frac{2}{3}$)۔

(۲) اگر لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا $\frac{2}{3}$ حصّہ ہے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو، نصف۔

(۳) اور متوفی کے ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا ($\frac{1}{6}$) حصّہ ہے بشرطیکہ متوفی کی اولاد بھی

مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ
فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ
نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۱﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن
لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ
وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ
وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا
أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۲﴾

ہو۔ لیکن اگر اُس کی اولاد نہ ہو' اور صرف ماں باپ اُس کے وارث ہوں' تو اس کی ماں کا حصّہ تیسرا (⅓) ہے (اور باپ کا (⅔)۔ اور اگر اس کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا حصّہ چھٹا (⅙) ہے۔ یاد رکھو! یہ تقسیم متوفی کی وصیت (جو فرض ہے ⅔) پوری کر دینے اور قرضہ چکا دینے کے بعد ہوگی۔ (یعنی ترکہ سے سب سے پہلے متوفی کا قرضہ ادا کرو۔ پھر دیکھو کہ اُس کی وصیت کیا ہے۔ اگر وصیت پورے مال پر حاوی نہ ہو۔ یا وہ وصیت کر ہی نہ سکا ہو۔ تو اُس صورت میں ترکہ کی تقسیم مذکورہ بالا حصّوں کے مطابق کرو)۔ اِس لئے کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ یا تمہاری اولاد میں سے کونسا رشتہ نفع رسانی کے لحاظ سے تم سے قریب تر ہے۔ اِس لئے یہ حصّے خدا نے خود مقرر کر دیئے ہیں' کیونکہ اُس کا ہر فیصلہ علم اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

اب عقدی رشتوں (میاں بیوی) کے متعلق سنو۔

(۱) جو کچھ تمہاری بیویاں چھوڑ مریں' اُس میں سے تمہارا حصّہ نصف (½) ہے' بشرطیکہ اُن کی اولاد نہ ہو۔ لیکن اگر اُن کی اولاد ہو' تو پھر اُن کے ترکہ میں سے تمہارا حصّہ چوتھا (¼) ہے۔
یہ تقسیم اُس وصیت کے پورا کرنے کے بعد ہوگی جو انہوں نے کی ہو۔ یا اُن کے قرضہ کی ادائیگی کے بعد۔

(۲) تمہارے ترکہ میں' تمہاری بیویوں کا چوتھا حصّہ (¼) ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۳ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۴ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ

اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہاری بیویوں کا حصہ آٹھواں (⅛) ہے ـــــ تمہاری وصیت پوری کرنے یا قرضہ ادا کرنے کے بعد۔

[لہٰذا قاعدہ یہ ٹھہرا کہ پہلے قرضہ اور وصیت کو دیکھ لیا جائے۔ اُس کے بعد اگر کچھ بچے تو پہلے عقدی رشتوں (میاں بیوی) کے حصّوں کی تقسیم کر دی جائے (۱/۴ ، ۱/۸) - اور باقیماندہ نسبی رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائے۔ "اولاد" میں اولاد در اولاد' اور والدین میں دادا' نانا' دادی، نانی سب شامل ہیں' جب متوفی ان کا اقرب ہو]۔

تیسرا قانون یہ ہے کہ متوفی لاولد ہو اور اس کے بھائی بہن بھی ہوں اور ماں باپ بھی۔

اگر ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ (⅙)۔

اور اگر بھائی بہنوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی (⅓) میں شریک ہوں گے۔

(جب ایسے متوفی کے ماں باپ بھی نہ ہوں تو اُسکے ترکہ کی تقسیم (۱/۶ ، ۱/۳) کے مطابق ہوگی)۔

یہ تقسیم بھی وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔ بشرطیکہ یہ وصیت کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے نہ کی گئی ہو (جس کا فیصلہ نظام معاشرہ کرے گا)۔ یہ اللہ کی طرف سے مقررہ حکم ہے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ جذبات میں بہ جانے والا نہیں۔

۱۳ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔ سو جو لوگ اس نظام خداوندی کی اطاعت کریں گے جس کی تشکیل رسول اللہؐ کے ہاتھوں سے ہوئی ہے' اُن کے لئے ایسا جنتی معاشرہ پیدا ہو جائیگا جس کی شادابیاں سدا بہار ہوں گی۔ اور یہ بہت بڑی کامرانی ہے۔

۱۴ اور جو اس نظام کی نافرمانی کرے گا۔ یعنی اِن حدود اللہ سے تجاوز کرے گا۔ تو اُسکی زندگی ایسے ذلت آمیز عذاب میں گذرے گی جو اُس کی انسانی صلاحیتوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دے گا۔

۱۵ (حفاظتِ مال کے بعد' تحفظ عصمت کی طرف آؤ جو تمہاری معاشرتی زندگی میں ایک بنیادی قدر کی حیثیت رکھتی ہے' اِس لئے اُس کی نگہداشت ضروری ہے)۔

اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِى الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ
لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ
فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ
حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۗ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا
لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۗ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا
بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى

اگر تمہاری عورتوں میں سے کسی سے ایسی بیحیائی کی حرکت سرزد ہو (جو زنا کی طرف لے جانے کا موجب ہو سکتی ہے) تو اُن کے خلاف اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔ اگر وہ اس کی شہادت دیں (اور جرم ثابت ہو جائے) تو ان عورتوں کو باہر آنے جانے سے روک دو تا آنکہ انہیں موت آجائے یا خدا کا قانون اُن کے لئے ایسی صورت پیدا کر دے جس سے وہ اس قسم کی حرکات سے رک جائیں — مثلاً اگر وہ شادی شدہ نہیں تو اُن کی شادی ہو جائے۔ (زنا کی سزا کا ذکر ۲۴/۲ میں ہے اور تہمت لگانے کا ۲۴/۴ میں)۔

۱۶ اور اگر دو مرد اس قسم کی حرکت کے مرتکب ہوں تو انہیں (مناسب) سزا دو۔ لیکن اگر وہ اپنے کئے پر نادم ہو کر اس سے باز آجائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگذر کرو۔ اللہ کے قانون میں معافی کی گنجائش بھی ہے (جو اکثر حالات میں جرم کی روک تھام کا موجب بن کر باعثِ) رحمت بن جاتی ہے۔

۱۶ لیکن اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ معافی اُن کے لئے ہے جو غلطی سے کوئی جرم کر بیٹھیں اور پھر اس کا احساس بیدار ہونے پر فوراً اصلاح کی طرف لوٹ آئیں۔ خدا کے قانون میں معافی انہی کے لئے ہے۔ اس لئے کہ اُس کا قانون علم و حکمت پر مبنی ہے۔

۱۶ اُن کے لئے معافی نہیں جو عادی مجرم ہوں اور اپنی حرکات پر اُس وقت نادم ہوں جب موت ان کے سامنے آکھڑی ہو۔ نہ ہی ان کے لئے جو قانون کو سرے سے تسلیم ہی نہ کریں اور ساری عمر اسی سرکشی میں بسر کر دیں۔ انہیں دردناک سزا دینی چاہیئے۔

۱۶ اب معاشرہ کی اگلی شق (عائلی زندگی) کی طرف آؤ۔ اس باب میں یہ بنیادی نقطہ سمجھ لینا چاہیئے کہ (جیسا کہ مردوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ بیوی کا انتخاب اپنی مرضی سے کریں۔ ۴/۲۵)۔

أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ
إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ
تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ
آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا ۖ وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾

اُسی طرح نکاح کے لئے عورتوں کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن جاؤ۔ اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اگر وہ تمہارے نکاح میں نہ رہنا چاہیں تو انہیں اس نیت سے روک رکھو کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ ہتیا لو۔ ایسا قطعاً جائز نہیں، بجز اس کے کہ ان سے کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب ہوا ہو۔ (اس صورت میں عدالت تمہیں اُس میں سے کچھ دلا سکتی ہے)۔ تم اپنی بیویوں سے قاعدے اور قانون کے مطابق حسن سلوک سے رہو سہو۔ اگر ان کی کوئی بات تمہیں ناپسند ہو (تو یونہی بے قابو ہو کر جھٹ سے قطع تعلق پر آمادہ نہ ہو جاؤ۔ تحمل اور برداشت سے کام لو)۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں (نظر بظاہر) ناپسند ہو اور اللہ نے اس میں تمہارے لئے بہت سی خوش گواریاں رکھ دی ہوں۔ (اس لئے فیصلہ میں جلد بازی سے کام نہ لو)۔

۲۰ اور اگر تم یہ فیصلہ کر لو کہ ایک بیوی کو طلاق دے کر کسی اور جگہ نکاح کرنا ہے —— اس کا یہ مطلب نہیں کہ محض نئی عورت سے شادی کرنے کا شوق طلاق کے لئے وجہ جواز ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ان شرائط کے مطابق، جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا، طلاق تک کی نوبت پہنچ جائے —— اور تم اپنی بیوی کو سونے کا ڈھیر بھی دے چکے ہو، تو اس سے کچھ واپس نہ لو (البتہ اگر طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہو تو پھر اس میں سے کچھ لیا جا سکتا ہے (۲/۲۲۹)۔ یا اگر اس سے بے حیائی کا ارتکاب ہوا ہو تو۔ ۴/۱۹) لیکن جب ایسی صورت نہ ہو اور تم اس (بیچاری) کے خلاف ناحق تہمتیں لگا کر کچھ وصول کرنا چاہو، تو یہ ایک کھلا ہوا گناہ ہے —— یعنی ایسی معیوب حرکت جس کے مذموم ہونے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

۲۱ جو کچھ تم نے اُسے دیا تھا، وہ کیسے واپس لے سکتے ہو، درانحالیکہ تم میں زناشوئی کے تعلقات رہ چکے ہیں، اور تمہاری بیویاں نکاح کے وقت تم سے اپنے حقوق کے تحفظ کا پختہ عہد بھی لے چکی ہیں۔ لہذا تمہارے لئے اس معاہدہ کا احترام ضروری ہے۔

۲۲ اب یہ دیکھو کہ کون کون سی عورتیں ہیں جن سے تمہارا نکاح جائز نہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو، انہیں اپنے نکاح میں مت لاؤ۔ جو کچھ تم اس سے پہلے کر چکے ہو، وہ کر چکے۔ اب ایسا نہ کرنا۔ یہ بڑی بے حیائی کی بات، مکروہ اور مردود رسم اور بہت بُرا دستور تھا

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ
الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ
نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ
أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

جو تم میں رائج تھا۔ اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دو۔

(۲۳) علاوہ ازیں، تم پر حسب ذیل رشتوں کی عورتیں بھی نکاح کے لئے حرام قرار دی گئی ہیں۔

تمہاری —— (۱) مائیں۔ (۲) بیٹیاں۔ (۳) بہنیں۔ (۴) پھوپیاں۔ (۵) خالائیں۔ (۶) بھتیجیاں۔ (۷) بھانجیاں۔ (۸) وہ عورتیں جن کا تم نے دودھ پیا ہو۔ وہ بمنزلہ ماؤں کے ہیں۔ (۹) تمہاری دودھ شریک بہنیں۔ (۱۰) تمہاری بیویوں کی مائیں۔ (۱۱) تمہاری بیویوں کی (سابقہ شوہر سے) لڑکیاں جو تمہاری حفاظت میں پرورش پاتی ہیں اس لئے بمنزلہ تمہاری اولاد کے ہیں۔ اس میں شرط یہ ہے کہ تم ان بیویوں سے خلوت کر چکے ہو۔ اگر خلوت نہ کی ہو تو پھر ان لڑکیوں سے نکاح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۱۲) تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں۔ (منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز ہے۔ ۳۳/۳۷)۔

(۱۳) نیز یہ بھی حرام ہے کہ (جب ۴/۳ کے مطابق تعدد ازدواج کی ضرورت پڑ جائے تو) تم بیک وقت دو بہنوں کو اپنے نکاح میں لے آؤ۔[1]

ان احکام سے پہلے جو کچھ ہو چکا، سو ہو چکا۔ اب ان کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ یاد رکھو! تمہاری ذات کی حفاظت اور نشوونما صرف قوانین خداوندی کی اطاعت سے ہو سکتی ہے۔

چوتھا پارہ ختم ہوا

[1] نکاح کے متعلق مزید اور مسلسل احکام اگلے پارہ کی ابتدائی آیات میں ملیں گے۔



وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ
بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ
الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ

---

۲۴ ان کے علاوہ وہ عورتیں بھی حرام ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں۔ بجز اُن کے جو اس سے پہلے تمہارے نکاح میں آچکی ہوں —— ان میں لونڈیاں بھی شامل ہیں' اور وہ عورتیں بھی جن کی اجازت (۶۰/۱۰) میں دی گئی ہے —— یہ تمہارے خدا کی طرف سے عاید کردہ قانون ہے۔

ان عورتوں کے علاوہ' اور سب تمہارے لئے حلال ہیں' لیکن صرف اُسی صورت میں کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو' اور اس طرح زوجین اُن پابندیوں میں گھر جائیں جو میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے میں ایک دوسرے پر عائد ہوتی ہیں۔ یہ نہیں کہ تم ان سے محض شہوت رانی کے لئے تعلقات پیدا کرو' (خواہ اس کے لئے نکاح کی رسم بھی کیوں نہ ادا کرلی جائے)۔

نیز نکاح کی ایک شرط مہر بھی ہے۔ اس لئے تم (حلال عورتوں میں سے جس سے نکاح کرکے) منفعت کے طالب ہو —— یعنی بہ حیثیت میاں بیوی رہنا چاہتے ہو —— تو اُن کے جو مہر مقرر کئے گئے ہیں اُنہیں دیدو۔ البتہ اگر تم' باہمی رضامندی سے اس میں کمی بیشی کرلو' تو اس میں کوئی ہرج کی بات نہیں۔ (۴/۴) یاد رکھو! خدا کا قانون علم و حکمت پر مبنی ہے۔

۲۵ اگر تم میں سے کسی میں اس کی استطاعت نہ ہو کہ وہ آزاد مومن عورت سے شادی کرے' تو وہ کسی ایسی مومن عورت سے شادی کرلے جو کسی کی لونڈی ہو (تاکہ وہ لونڈیاں جو اس وقت تمہارے معاشرہ میں موجود ہیں' رفتہ رفتہ معاشرہ کا جزو بنتی جائیں اور اس طرح غلامی کا خاتمہ ہو جائے)۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ لونڈی سے شادی کرنا باعثِ ذلت ہے۔ جب وہ ایمان لے آئی اور تمہارے نکاح میں آگئی' تو مرتبہ میں برابر ہو گئی۔ اللہ کی نگاہ تمہارے

فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ
بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ
اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَي الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ
الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۵

ایمان پر ہے۔ یہی معیارِ فضیلت ہے۔ اسی کی بنا پر تم ایک دوسرے کے اجزا بنتے ہو۔ کوئی غیر نہیں رہتا۔

لیکن لونڈیوں کے ساتھ اُن کے مالک کی اجازت سے نکاح کرو اور قاعدے اور قانون کے مطابق اُن کے مہر ادا کر دو۔ وہ ایک پاکباز منکوحہ بیوی کی حیثیت سے رہنے کیلئے نکاح کرے۔ محض تمہاری شہوت رانی کا ذریعہ بننے کے لئے نہیں خواہ اسکے لئے رسم نکاح ادا کر لی گئی ہو یا ان تعلقات کو پوشیدہ رکھا جائے۔ دونوں شکلیں ناجائز ہیں (۵/۵)۔ جائز صورت یہی ہے کہ باقاعدہ میاں بیوی کی زندگی بسر کرنے کے لئے ان سے نکاح کیا جائے —— یہ بھی یاد رکھو کہ جنسی اختلاط سے مقصد جائز طریق سے انتزاعِ نسل ہے۔ محض جنسی تسکین اور لذت کشی نہیں۔ جو اختلاط محض حصولِ لذت کیلئے ہو وہ منشائے فطرت کے خلاف ہے خواہ معاشرہ اسے معیوب سمجھے یا نہ۔

جب یہ لونڈیاں تمہارے نکاح میں آجائیں اور اسکے بعد بےحیائی (زنا) کی مرتکب ہوں تو انکی سزا آزاد عورتوں کی سزا (۲۴/۲) سے نصف ہے۔ (اس لئے کہ ان کی تربیت اچھے ماحول میں نہیں ہوئی اور ان کی پہلی زندگی میں اس قسم کی حرکات معیوب تصور نہیں کی جاتی تھیں اس لئے ان سے اخلاق کا وہ بلند معیار متوقع نہیں ہو سکتا جو شریف گھرانے کی عورتوں سے متوقع ہوتا ہے۔ سزا کے تعین میں ان امور کا خیال رکھنا ضروری ہے)۔

یہ بھی یاد رکھو کہ جس انداز سے لونڈیوں کی تربیت ہوتی ہے اس سے ان کی ذہنیت پست رہتی ہے۔ لہذا لونڈیوں سے شادی انہی کو کرنی چاہیئے جو سمجھتے ہوں کہ نکاح کے بغیر وہ ہلاکت میں پڑ جائیں گے۔ اگر تم خیالات کی بلندی بھی چاہتے ہو تو پھر ضبط سے کام لو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ خدا کا قانون جو تمہیں عفت و پاکبازی کی تعلیم دیتا ہے تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہاری سیرت کی نشوونما کا ذریعہ بنے گا —— یاد رکھو! ضبطِ نفس ناممکن نہیں (۲۴/۳۳)۔ جنسیات کے معاملہ میں بھوک پیاس کی طرح اضطراری حالت پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ بھوک کی

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

اضطراری حالت میں تو حرام کھا لینے کی اجازت ہے (۲/۱۷۳) لیکن جنسی اختلاط کے لئے ناجائز فعل کی کسی حالت میں اجازت نہیں۔

۲۶ عائلی زندگی کے یہ احکام اس وضاحت سے اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں بتائے کہ اقوام سابقہ میں سے جنہوں نے معاشرتی اور ازدواجی زندگی کو صحیح قوانین کے تابع رکھا اُن کی زندگی کس قدر خوشگوار تھی' اور جنہوں نے اس میں توازن برقرار نہیں رکھا' وہ کس طرح تباہ ہوگئیں۔ اللہ کا قانون' جو سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہے' تم پر اپنی توجہات مرکوز رکھنا چاہتا ہے (تاکہ تم تباہ اور برباد نہ ہو جاؤ)۔

۲۷ پھر سن لو کہ خدا کا قانون چاہتا ہے کہ تم تباہیوں سے بچ جاؤ۔ اس لئے وہ بار بار لوٹ کر تمہاری طرف آتا ہے۔ لیکن جو لوگ محض اپنے جذبات کے پیچھے چلتے ہیں' وہ یہی چاہیں گے کہ تم بھی (اُن کی طرح) اعتدال چھوڑ کر' افراط و تفریط کی راہ اختیار کر لو۔

۲۸ خدا کو اِس کا علم ہے کہ اگر انسان کو علی حالہٖ چھوڑ دیا جائے تو یہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ خدا نے یہ قوانین و ضوابط اس لئے عطا کر دیئے ہیں کہ وہ انسانوں کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے ——— وہ نہ اُن کے جذبات کو رہبانیت کے شکنجوں میں کسنا چاہتا ہے (۵۷/۲۷)۔ اور نہ ہی اُنہیں بدلگام چھوڑ کر انسان کے لئے سامانِ ہلاکت پیدا کرنا چاہتا ہے۔

۲۹ انسان کا جذبات سے مغلوب ہو جانے کا نتیجہ ہے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ دوسرے کا مال بھی اُس کے پاس آجائے' خواہ اس کے لئے اُسے کیسے ہی حربے کیوں نہ استعمال کرنے پڑیں۔ یہ بڑی تباہ کن ذہنیت ہے۔ لہٰذا' اے جماعتِ مومنین! تم نے ایسا نہ کرنا کہ دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھا جاؤ۔ معاشرہ میں' ضروریاتِ زندگی کی چیزوں کا سادلہ ہوتا ہے

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝۳۱ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۳۲

(جسے تجارت کہتے ہیں)۔ اس کا انتظام باہمی رضامندی سے ہونا چاہئے' اس اصول کے مطابق کہ ہر شخص کو اس کی محنت کا معاوضہ مل جائے (۵۳/۳۹)۔ یہ نہیں کہ ایک شخص محض سرمایہ کے زور پر دوسروں سے زیادہ سے زیادہ بٹور لینے کی کوشش کرے (۵۹/۷)۔ اگر ایسا کرو گے تو تم اپنے آپ کو تباہ کر لو گے۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سب کی نشوونما ہوتی رہے۔ لہٰذا جس معاشی نظام میں یہ مقصد فوت ہو جائے' وہ جائز نہیں قرار پا سکتا۔

۳۰ ایسی کھلی کھلی تاکید کے بعد بھی' جو قوم اپنا کاروبار اس انداز پر رکھے گی کہ ہر شخص دوسرے کے حق میں کمی کرے اور اپنی حد سے تجاوز کر جائے' تو وہ معاشرہ بہت جلد تباہیوں کی آگ سے جھلس کر رہ جائے گا۔ قانون خداوندی کی رُو سے ایسا نہایت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ جو نظام' منفعتِ عامہ کے خلاف قائم ہو اس کی تباہی کے سامان خود اُس کے اندر موجود ہوتے ہیں۔

۳۱ جن باتوں سے تمہیں روکا جا رہا ہے' یہ معمولی باتیں نہیں۔ یہ انسانیت کے خلاف سنگین جرائم ہیں۔ اگر تم ان سے بچتے رہے تو تمہاری چھوٹی چھوٹی ناہمواریاں خود بخود دور ہو جائیں گی اور تمہیں عزت اور مرفہ الحالی کی زندگی نصیب ہو جائے گی (۴۲/۳۷ ؛ ۵۳/۳۲)۔

۳۲ ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کے سلسلہ میں' اس غلط تصور کا ازالہ بھی ضروری ہے جس کی رُو سے سمجھا جاتا ہے کہ حقوقِ ملکیت مرد کو حاصل ہوتے ہیں' عورت کو نہیں ہوتے۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے (۴/۷)' عورت اپنے مال و جائداد کی آپ مالک ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ کمائی کرنا صرف مرد کا کام ہے' عورت ایسا نہیں کر سکتی۔ مرد اور عورت دونوں اکتسابِ رزق کر سکتے ہیں۔ جو کچھ مرد کمائے وہ اس کا حصہ ہے۔ جو عورت کمائے وہ اس کا حصہ۔ یہ ٹھیک ہے کہ جہاں تک فطری فرائض کا تعلق ہے بعض باتوں میں مردوں کو برتری حاصل ہے اور بعض میں عورتوں کو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں اپنے آپ کو اپاہج بنا کر مردوں کی کمائی کو تکتی رہیں اور خود کچھ نہ کریں۔ انہیں چاہیئے کہ خدا سے زیادہ سے زیادہ معاشی اکتساب کی توفیق طلب کرتی رہیں۔ خدا خوب

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ
إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾ اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۚ وَالّٰتِي تَخَافُونَ
نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۚ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ
سَبِيلًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾

جاتا ہے کہ وہ کیا کچھ کر سکتی ہیں۔

۳۳ مردوں اور عورتوں کے جداگانہ حقوق ملکیت کا فطری تقاضا ہے کہ مرنے والے کے ترکہ میں ان سب کا حصّہ ہو ——— صرف مردوں ہی کا نہ ہو ——— چنانچہ جو کچھ کسی کے والدین یا اقربا چھوڑ جائیں، ہم نے اس کے لئے حصّے دار مقرر کر دیئے ہیں۔ یہ صرف نسبی رشتوں تک محدود نہیں۔ عقدی رشتے (میاں بیوی) بھی اس میں شامل ہیں۔ بلکہ اصول یہ ہے کہ عقدی رشتہ داروں کا حصّہ پہلے نکال کر پھر نسبی رشتے داروں کے حصّے تقسیم کرو۔ (اس طرح بیوہ کو اپنے مرحوم خاوند کے ترکہ سے سب سے پہلے حصّہ ملے گا)۔ اسے اچھی طرح یاد رکھو کہ خدا کی نگاہ ہر بات پر رہتی ہے۔

۳۴ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، جہاں تک فطری فرائض کا تعلق ہے، مردوں اور عورتوں کی بعض صلاحیتوں میں فرق ہے۔ کسی میں مردوں کو برتری حاصل ہے کسی میں عورتوں کو۔ ان فرائض کی سرانجام دہی کا نتیجہ ہے کہ عورت، بیشتر وقت کے لئے کسب معاش سے معذور ہو جاتی ہے اور اسکی ضروریات کا کفیل مرد ہوتا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سے مرد کو عورت پر کوئی خاص حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ مرد اور عورت کے حقوق اور فرائض دونوں برابر کے ہیں (۲/۲۲۸، ۳۳/۳۵)۔

جب صورت حالات یہ ٹھہری کہ بعض فطری فرائض ایسے ہیں جنہیں عورت ہی سرانجام دے سکتی ہے، مرد نہیں دے سکتے۔ اور ان فرائض کی سرانجامدہی کے سلسلہ میں، عورت کو جو عارضی معذوری پیش آتی ہے اس کی وجہ سے مرد کو اس پر کوئی خاص فوقیت حاصل نہیں ہو جاتی، تو نہ مرد کے دل میں کسی قسم کا احساس برتری پیدا ہونا چاہیئے، نہ عورت کے دل میں احساس کمتری۔ لہٰذا اللہ نے عورتوں کو جو مضمر صلاحیتیں ودیعت کر رکھی ہیں، انہیں چاہیئے کہ ان کی حفاظت کریں اور (جب تک کوئی خاص عذر لاحق نہ ہو) اس مقصد کو پورا کریں جس کے لئے وہ صلاحیتیں

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلٰحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴿۳۶﴾

دی گئی ہیں۔ اور یوں قانونِ فطرت کی اطاعت کریں۔

لیکن اس کے باوجود اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ عورتیں (بلا کسی معقول وجہ کے) اس سے سرکشی اختیار کر لیں تو ارباب حل وعقد کو چاہیئے کہ انہیں سمجھانے کی کوشش کریں۔ اگر وہ اس سے بھی صحیح راستے پر نہ آئیں تو اگلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ اُن کے خاوندان سے علیحدگی اختیار کر لیں اور اس نفسیاتی اثر سے ان میں ذہنی تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور اگر وہ اس پر بھی سرکشی سے باز نہ آئیں تو عدالت انہیں بدنی سزا بھی دے سکتی ہے۔

لیکن جس وقت وہ قانون کی اطاعت کر لیں تو پھر اُن کے خلاف کوئی راہِ عقوبت تلاش نہیں کرنی چاہیئے۔ یاد رکھو! نظامِ خداوندی میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ قانون سے سرکشی برتنے والوں کو سزا دے سکے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں اتنی بلند نگہی بھی ہوتی ہے کہ سرکشی چھوڑ دینے والوں کے خلاف انتقام کے جذبات نہ اُبھریں۔ اُن سے درگزر کر لیا جائے۔ (مردوں کی طرف سے سرکشی کا ذکر (۴/۳۴) میں آتا ہے۔)

۳۵ یہ تو رہا عام مردوں اور عورتوں کا معاملہ۔ اگر کسی خاص میاں بیوی میں ناچاقی کا خدشہ ہو تو ایک ثالث خاوند کے خاندان سے اور ایک بیوی کے خاندان سے مقرر کرو۔ اس طرح اگر میاں بیوی باہمی مصالحت کا ارادہ کر لیں (یا یہ دونوں ثالث اُن میں اصلاح کی نیت سے موافقت پیدا کرنے کی کوشش کریں) تو قانونِ خداوندی اُن میں موافقت پیدا کر دے گا۔ اس لئے کہ اس کا قانون علم وآگہی پر مبنی ہے۔

۳۶ میاں بیوی کے بعد دوسرے رشتہ داروں کا سوال سامنے آتا ہے۔ لیکن معاملہ کسی کا بھی ہو اصول ہر جگہ یہی کارفرما رہے گا کہ تم نے صرف قانونِ خداوندی کی اطاعت کرنی ہے۔ اس کے ساتھ نہ اپنے ذاتی جذبات کو شامل کرنا ہے نہ کسی دوسرے انسان کے فیصلے کو۔ خدا کے قانون کا فیصلہ یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ اسی طرح دوسرے رشتے داروں کے ساتھ۔ رشتے داروں سے آگے بڑھ کر اُن تمام لوگوں کے ساتھ جو (والدین کے

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ
وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝

فوت ہوجانے سے' یا ویسے ہی) معاشرہ میں تنہا رہ جائیں۔ یا جو حرکت سے معذور ہو جائیں (اور ان کا چلتا ہوا کاروبار رک جائے)۔ اور ہمسایہ کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آؤ' خواہ وہ قریب کا ہمسایہ ہو یا دُور کا — وہ اپنا ہو یا بیگانہ — رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار — نیز اپنے رفقائے کار کے ساتھ بھی' اور ان مسافروں کے ساتھ بھی' جن کے پاس زادِ راہ نہ رہا ہو' یا وہ ویسے ہی تمہارے حُسنِ سلوک کے متمنی ہوں — ہر مسافر حسن سلوک کا متمنی ہوتا ہے — اور ان لوگوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آؤ جو تمہارے ماتحت کام کریں۔

دوسروں کے ساتھ حسن سلوک سے وہی پیش آسکتا ہے جس کا سینہ جوہرِ انسانیت سے معمور ہو۔ جو اخلاقِ کریمانہ کا پیکر ہو۔ جو دوسروں کی امداد میں خوشی محسوس کرے۔ لیکن جو لوگ اپنے متعلق خود فریبی میں مبتلا ہوں۔ کوئی جوہر اُن میں ہو نہ' اور وہ باتیں بڑی بڑی کریں۔ شیخی بہت بگھاریں' لیکن دیں کسی کو کچھ نہ۔ تو ایسے لوگ' قانونِ خداوندی کی نگاہوں میں کس طرح مستحقِ ستائش ہو سکتے ہیں۔

۳۷ اِن لوگوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ سب کچھ اپنے لئے سمیٹ کر رکھتے ہیں' اور کسی کو کچھ نہیں دینا چاہتے۔ پھر ایسے قوانین وضوابط بناتے ہیں جس سے معاشرہ کی عام رَوش یہی ہو جائے اور بخل کو معیوب ہی نہ سمجھا جائے۔ اور یوں ہر شخص' اُن چیزوں کو اپنے لئے چھپا چھپا کر رکھتا چلا جائے جو اسے خدا کے فضل و کرم سے عطا ہوئی ہوں۔

یاد رکھو! جو لوگ خدا کی نعمتوں کی ناسپاس گزاری کرتے ہیں — اور ناسپاس گزاری یہ ہے کہ انہیں چھپا چھپا کر رکھا جائے اور نوعِ انسان کی پرورش کے لئے صرف نہ کیا جائے — اُن کی اس رَوش کا نتیجہ دردانگیز تباہی ہے۔

۳۸ یہ تو اُن لوگوں کا حال ہے جو مال و دولت کو اپنے مفاد کیلئے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو اسے خرچ تو کرتے ہیں' لیکن اس لئے نہیں کہ وہ خدا کے عالمگیر نظامِ ربوبیت کی صداقت' قانونِ مکافاتِ عمل' اور موت کے بعد زندگی کے مسلسل آگے بڑھنے پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ محض لوگوں میں اپنی نمود و نمایش کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ اسکا

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾
فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰي هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

جذبۂ محرکہ اپنے ایغو کی تسکین ہوتا ہے اور بس۔ سو ظاہر ہے کہ جس عمل کی بنیاد اس قسم کے پست جذبات پر ہو' اسکا نتیجہ کس طرح خوشگوار ہو سکتا ہے؟

۳۹ یہ محض نگاہ کا پھیر اور پست ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ ورنہ اگر یہ لوگ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کی صداقت' اور قانونِ مکافات پر یقین رکھتے' اور دولت کو انہی مقاصد کے لئے صرف کرتے' نہ کہ اپنی نمود کی خاطر' تو ان پر کونسی قیامت ٹوٹ پڑتی؟ لیکن خدا کو خوب علم ہے کہ انسان کس جذبہ کے ماتحت کونسا کام کرتا ہے۔

۴۰ اور چونکہ ہر عمل اُس مقصد کے مطابق نتیجہ پیدا کرتا ہے جس کے لئے وہ کیا جائے' اس لئے جو لوگ' اپنی نمود و نمایش کے لئے دولت خرچ کرتے ہیں' اگر' میزانِ خداوندی میں اُن کے اس عمل کا کوئی وزن نہیں ہوتا' تو یہ اُن پر ظلم و زیادتی نہیں ہوتی۔ اللہ کسی پر ذرہ برابر ظلم اور زیادتی نہیں کرتا۔ انہوں نے لوگوں کو دکھانے' اور اُن میں بڑا بننے کے لئے یہ کچھ کیا۔ اُن کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اگر ان کا مقصد' قانونِ خداوندی کی اطاعت ہوتا' تو یہ ایسا حسنِ عمل تھا جس کا بدلہ اُن کے صرف کردہ مال سے کئی گنا زیادہ ملتا۔ اس سے معاشرہ میں خوشگوار نتائج پیدا ہوتے اور ان کی اپنی ذات کی نشوونما ہوتی۔ یہ ہے وہ اجرِ عظیم جو قانونِ خداوندی کی رُو سے ملتا ہے۔

۴۱ ان لوگوں نے یہ رَوش اس لئے اختیار کر رکھی ہے کہ ان کا خیال ہے کہ معاشرہ کا نقشہ ہمیشہ اسی انداز پر رہنا ہے جس میں فریب اور تصنع سے کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ ان کا یہ خیال خام ہے۔ اس نے ایسی شکل اختیار کر کے رہنا ہے جس میں مختلف جماعتوں کے سربراہ نمائندے لکھے ہوں گے اور رسول اللہ' اُن سب پر نگران کار ہوں گے (۲/۱۴۳ ؛ ۱۶/۸۹ ؛ ۱۶/۸۴)۔

۴۲ اُس وقت یہ لوگ' جو اب قوانین خداوندی سے انکار' اور رسول کے فیصلوں سے سرتابی

لہ حیوانی سطح زندگی کے جذبات کو ہم نے ایغو (EGO) سے تعبیر کیا ہے' اور جو جذبات خدا کی متعین کردہ مستقل اقدارِ انسانیت کے لئے بروئے کار آئیں' وہ انسانی ذات (PERSONALITY) کی نمود ہوتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳

اختیار کر رہے ہیں' سخت پشیمانی اور ندامت سے اس کی تمنا کریں گے کہ اے کاش! ہم اس سے پہلے نسیاً منسیاً ہو چکے ہوتے۔ اس لئے کہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں' خدا پر خوب روشن ہے۔

اگر ان میں سے کسی پر یہ وقت یہاں نہ آیا' تو موت کے بعد ایسا ہو گا۔ اس لئے کہ خدا کے قانونِ مکافات کا سلسلہ یہاں سے وہاں تک برابر پھیلا ہوا ہے۔

۴۳ اس معاشرہ کے قیام و استحکام کے لئے صلوٰۃ کے اجتماعات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان اجتماعات میں شرکت کے سلسلہ میں چند ضروری ہدایات یہ ہیں کہ۔

(۱) جب تم ہوش کی حالت میں نہ ہو۔ یعنی تمہیں معلوم نہ ہو کہ کیا کہہ رہے ہو خواہ اس کی وجہ کوئی بھی ہو) تو اجتماعِ صلوٰۃ میں شریک نہ ہو۔ اُس صلوٰۃ سے فائدہ کیا جس میں تم سمجھو ہی نہیں کہ کیا کہہ رہے ہو!

(۲) جب تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کئے بغیر اس اجتماع میں شریک نہ ہو۔ (اگر ایسی حالت میں پانی نہ ملے تو اس کے لئے آگے ہدایت دی گئی ہے)۔ البتہ ایسی حالت میں اگر تمہیں اس اجتماع میں سے یونہی گذرنا پڑے' تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۳) اگر تم مریض ہو ——— اور پانی سے تکلیف پہنچنے کا احتمال ہے۔

یا حالتِ سفر میں ہو۔
یا۔ جائے ضرور سے فارغ ہو کر آئے ہو
یا عورت سے ہم آغوش ہوئے ہو
} اور پانی نہیں ملتا۔

تو ان حالات میں' وضو کرنے کے بجائے (پھر) تیمم کر لیا کرو۔ یعنی پاک مٹی سے آلائش صاف کر لی اور ہاتھ منہ ویسے پونچھ لئے۔

یہ رعایت اس لئے دی گئی ہے کہ خدا کا قانون' مجبوری کی حالت پر نگاہ رکھتا ہے۔ اس لئے ان مخصوص حالات میں' عام حکم کی پابندی سے درگذر کر دیتا ہے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ ان اجتماعات میں شریک

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

نہ ہونے سے تمہیں جو نقصان پہنچ سکتا تھا' اس سے تمہاری حفاظت ہو جائے۔

۴۴ اس ضمنی گوشے کے بعد پھر انہی لوگوں کی کیفیت کو سامنے لاؤ' جو نظامِ خداوندی کی مخالفت کرتے ہیں (اور جن کا ذکر ۴۴ میں کیا جا رہا تھا)۔ ان میں ان لوگوں کی حالت خاص طور پہ قابلِ غور ہے' جنہیں اس ضابطۂ ہدایت کا' جس کی تکمیل اب قرآن میں ہوئی ہے' ایک حصہ دیا گیا تھا۔ یہ لوگ اپنی ساری کوششیں گمراہی خریدنے میں صرف کر رہے ہیں' اور چاہتے یہ ہیں کہ تم بھی صحیح راستے سے بھٹک جاؤ۔

۴۵ اللہ تمہارے ان تمام دشمنوں سے واقف ہے (تم ان سے مت ڈرو)۔ تمہارے لئے قانون خداوندی کی سرپرستی اور نصرت کافی ہے۔

۴۶ ان میں سے یہودی تو بہت ہی پست سطح پر اتر آتے ہیں۔ یہ' وحی کے الفاظ تک کو' ان کے اصلی مقام سے ہٹا کر' ان میں ردّوبدل کر دیتے ہیں (۵/۴۱)۔ اور عام گفتگو میں عجیب انداز سے ذو معنی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً بجائے اس کے کہ "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" کہیں۔ (یعنی ہم نے آپ کی بات سُن لی ہے اور ہم اس کی اطاعت کریں گے)۔ یہ "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" کہیں گے۔ (یعنی ہم نے اسے سنا ہے اور ہم اس کی نافرمانی کریں گے)۔ یا کہیں گے "اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ" (تو ہماری بات سن' اگرچہ تیری بات نہیں سنی جائے گی۔ یا طنزاً کہیں گے کہ تو بہرہ ہو جائے)۔ یا یوں کہیں گے کہ تم ہمیں فلاں رعایت دو تو پھر ہم تمہاری بات سنیں گے (۴/۴۶)۔ غرضیکہ یہ عجیب انداز سے زبان کو توڑ مروڑ کر باتیں کریں گے ـــــ اور مطلب اس سے یہ ہے کہ دینِ خداوندی کو ہدفِ طعن و تشنیع بنایا جائے۔ اس کا مذاق اڑایا جائے ـــــ اگر ان کی نیت نیک ہوتی اور یہ سیدھی طرح کہتے کہ "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" (ہم نے سنا اور ہم اس کی اطاعت کریں گے)۔ یا "اِسْمَعْ وَانْظُرْنَا" (ہماری بات سنئے اور ہم پر نگہ التفات رکھئے) تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور بات صاف اور سیدھی ہو جاتی۔ لیکن انکار و سرکشی کی وجہ سے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

ان کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ یہ عام معاشرتی حسن آداب سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ ان میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جو ایمان لے آئیں ـــــ جن لوگوں کی ذہنیت اس حد تک پست ہو چکی ہو، وہ ایسی بلند تعلیم کو کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں!

۴۷ ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اس ضابطۂ ہدایت پر ایمان لاؤ جو تمہارے دعاوی کو سچ کر دکھانے والا ہے (کہ آنے والا آئے گا ـــــ باطل کو شکست ہوگی۔ حق کا غلبہ ہوگا۔ زمین پر خدا کی مرضی چلے گی۔ وغیرہ) ـــــ اس پر ایمان لے آؤ، قبل اس کے کہ دونوں فریقوں کے آخری ٹکراؤ کی نوبت آجائے۔ اُسوقت یاد رکھو، تمہارے ان بڑے بڑے لوگوں کا نام و نشان تک مٹ جائے گا، اور وہ ذلیل و خوار ہو جائیں گے، یا وہ، زندگی کی خوشگواریوں سے اس طرح محروم رہ جائیں گے جس طرح تمہارے اسلاف میں سے "اصحاب سبت" محروم رہ گئے تھے (جن کا ذکر ۲/۶۵ میں آچکا ہے)۔

یاد رکھو! یہ تنبیہ یونہی دھمکی نہیں۔ یہ قانونِ خداوندی کا اعلان ہے اور خدا کے قانون کے نتائج سامنے آکر رہا کرتے ہیں۔ اس کی کوئی اسکیم ناکام نہیں رہ سکتی۔

۴۸ یاد رکھو! سہو و خطا سے کوئی لغزش ہو جانا اور بات ہے۔ اُس کے نقصانات سے انسان، قانونِ خداوندی کے مطابق، محفوظ رہ سکتا ہے۔ لیکن جو شخص خدا کے قوانین کے ساتھ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کو شامل کرلے۔ یا اُن کے علی الرغم اپنے جذبات ہی کی اطاعت شروع کر دے (۴/۱۱۶)۔ یا جو صفات اور قوتیں صرف خدا کے لئے مخصوص ہیں، ان میں دوسروں کو بھی شریک سمجھ لے تو اس روش کے تباہ کن نتائج سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اس لئے کہ یہ تصور کہ کائنات میں خدا کے علاوہ اور بھی حقیقی اقتدار ہو سکتے ہیں۔ یہاں، اُس کے علاوہ کسی اور کا قانون بھی چل سکتا ہے، ذہنِ انسانی کا خود ساختہ تصور ہے جو بڑی غلط بنیادوں پر اٹھایا ہوا ہے۔ اس سے انسان کا دل، خوف کا نشیمن بن جاتا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے ذہن کے تراشیدہ "خداؤں" سے ڈرتا رہتا ہے اور اس طرح اس کی جرأت و بیباکی کی قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں ـــــ ایسا شخص ان تباہیوں سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟

۴۹ جو لوگ اس باطل تصور کو دل میں جگہ دیتے ہوتے ہیں، ذرا اُن کی حالت پر غور کرو۔ انکا یہ

انْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ
الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ
الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ
اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ
مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

دعوے ہے کہ ہم جس نہج پر چل رہے ہیں اس سے ہماری ذات کی نشوونما ہو رہی ہے۔ اس سے ہم "روحانیت کی منزلیں" طے کر رہے ہیں۔

۵۰ یاد رکھو! انسانی ذات کی نشوونما صرف اُس ضابطۂ خداوندی کی رُو سے ہو سکتی ہے جسے اُس نے اپنی مشیت کے مطابق بذریعہ وحی عطا کیا ہے۔ اُس کے مطابق' جو چاہے اپنی ذات کی نشوونما کر سکتا ہے۔ اس کی سعی و عمل میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی۔ وہ اپنا نتیجہ ٹھیک ٹھیک مرتب کئے جاتے ہیں۔

۵۱ دیکھو! (یہ "روحانیت" کے مدعی) کس طرح اپنے خود ساختہ مشرب و مسلک کو' خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں' اور اس طرح 'کتنا بڑا جھوٹ بولتے ہیں۔ لیکن اس سے خدا کا کیا بگڑتا ہے۔ ان کی اپنی ذات میں (تقویت اور نشوونما کے بجائے) ضعف و اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہی چیز ان کی تباہی کے لئے کافی ہے ایسا کھلا ہوا جھوٹ۔ اتنا واضح جُرم۔ اور دعویٰ یہ کہ ہم خدا کے مقرّب ہیں!

۵۲ (یہ ان کے "اہل طریقت" کا حال ہے۔ دوسری طرف) 'ان اہل کتاب کے ارباب شریعت کو دیکھو! یہ چند بے جان رسومات اور بے حقیقت معتقدات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں' اور غیر خدائی قوتوں (مذہبی پیشواؤں اور حکمرانوں) کے بنائے ہوئے قوانین پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ضد کا یہ عالم ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں' کافر زیادہ سیدھی راہ پر ہیں۔ (حالانکہ تم' ان اہل کتاب کو' کفار پر ترجیح دیتے ہو)۔

۵۳ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے صحیح اور سچے ضابطۂ ہدایت کی برکات سے محروم رہ گئے۔ اور جو اس ضابطہ کی برکات سے محروم رہ جائے' اسکا کوئی حامی و ناصر نہیں ہو سکتا۔

۵۴ یہ تو غنیمت ہے کہ انہیں ملک میں اقتدار و اختیار حاصل نہیں' ورنہ یہ لوگوں کو تل کے برابر بھی کوئی شے نہ دیتے۔

۵۵ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات پر سخت حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کے فریق مقابل

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا
لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ
ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ
أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾

(جماعتِ مومنین) کو اس قدر خوشگواریاں کیوں عطا کر دی ہیں؟ ان سے کہو کہ خدا کے فضل و کرم کی یہ بارش کسی قومی طرفداری کی بنا پر نہیں ہوئی۔ یہ قانونِ خداوندی کی اطاعت کا فطری نتیجہ ہے۔ اسی طرح اِس سے پہلے خود ان کے اسلاف یعنی آلِ ابراہیمؑ کو کتاب و حکمت عطا ہوئی تھی۔ اور اسکے ساتھ ایک عظیم مملکت بھی۔ اُسی آلِ ابراہیمؑ میں ایک گروہ وہ ہے جو اس ضابطۂ خداوندی پر ایمان لے آیا ہے (لہٰذا اسکی برکات سے متمتع ہو رہا ہے) اور دوسرا گروہ وہ ہے جو اس کی طرف نہیں آیا۔ ان کی غلط روش، ان کی سعی و کاوش کو نذرِ آتش کر رہی ہے۔ اور یہ (بجائے اسکے کہ صحیح راہ اختیار کر کے ان خوشگواریوں میں برابر کے حصّہ دار ہو جائیں) جل بھن کر اُن سے حسد کرتے ہیں۔

۵۶ ان سے کہدو کہ جو لوگ بھی قوانینِ خداوندی کی صداقت سے انکار کریں گے اور ان سے سرکشی اختیار کریں گے، وہ تباہ و برباد ہو کر رہیں گے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ ایک دفعہ مقابلہ کیلئے اٹھیں گے تو انہیں ایسی شکست ملے گی جس سے انکی قوت ٹوٹ جائے گی۔ یہ پھر قوت فراہم کر کے سامنے آئیں گے اور پھر شکست کھائیں گے۔ اس طرح پیہم شکستوں اور ناکامیوں سے ان کی سختی اور شدّتِ قوت اور صلاحیت ختم ہو جائے گی۔ ایسا ہو کر رہے گا، اس لئے کہ خدا کا قانونِ مکافات، بڑی قوتوں کا مالک ہو اپنی جگہ محکم ہے۔ سنکھیا کھانے والا ہلاکت سے کیسے بچ جائے گا؟

۵۷ اس کے برعکس، جو لوگ ہمارے قانونِ حیات کی صداقت پر یقین رکھیں گے اور اسکے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوں گے، تو وہ ایسی شادابیوں کی زندگی بسر کریں گے جو کبھی پژمردہ نہیں ہوں گی۔ وہ، اور ان کے رفقاء جو انہی کی طرح پاکباز ہوں گے، سب اس جنتی زندگی میں شریک ہونگے اور انہیں خدا کی حفاظت اور سایۂ عاطفت نصیب ہوگا۔

۵۸ اس نظام کے قیام اور استحکام کے لئے ضروری ہے کہ یہ عظیم ذمہ داریاں اُنہی کے سپرد کی جائیں جو ان سے عہدہ برا ہونے کے اچھی طرح اہل ہوں۔ انہیں، نااہلوں کے سپرد نہ کرو۔ یہ ذمہ داریاں،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ
اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى
الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى
الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝

درحقیقت نظام خداوندی کی امانتیں ہیں جن میں کبھی خیانت نہیں ہونی چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ جب تم لوگوں کے معاملات میں فیصلہ دو تو یہ فیصلہ عدل کے مطابق ہونا چاہیئے۔ جو حکومت (فیصلے کرنے کی مشینری) عدل کی بنیادوں پر قائم نہیں ہوتی تباہ ہو کر رہتی ہے۔ یاد رکھو! یہ بڑی اہم بات ہے جو تم سے کہی گئی ہے۔ امورِ حکومت کو سرانجام دیتے وقت ہمیشہ اس حقیقت کو سامنے رکھو کہ جب کوئی اور سننے والا نہ ہو' اُس وقت بھی ایک سننے والا' اور جب کوئی اور دیکھنے والا نہ ہو' اس وقت بھی ایک دیکھنے والا (اللہ) موجود ہوتا ہے۔

۵۹ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ تم اس نظام کی پوری پوری اطاعت کرو' جسے قوانین خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے' رسول نے قائم کیا ہے۔ اور اس نظام کے مرکز کے مقرر کردہ نمایندگان حکومت (افسرانِ ماتحت) کی بھی اطاعت کرو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ تم میں اور ان افسرانِ ماتحت میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے' تو اس کے لئے مرکز کی طرف رجوع کرو ـــــ یعنی افسرانِ ماتحت کے فیصلوں کے خلاف' مرکزی اتھارٹی سے اپیل کرو' جو اس معاملہ کا' قوانین خداوندی کے مطابق فیصلہ کر دے گی (۴/۶۵)۔ مرکزی اتھارٹی کے فیصلہ کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہو سکتی۔ اس کا فیصلہ آخری ہوگا۔ اور چونکہ وہ فیصلہ قانون خداوندی کے مطابق ہوگا' جس پر تم ایمان رکھتے ہو' اس لئے اُس فیصلہ کو بطیب خاطر تسلیم کرو۔ اُس کے خلاف دل میں بھی کوئی گرانی محسوس نہ کرو (۴/۶۵)۔

یہ شہادت ہوگی اس بات کی کہ تم واقعی خدا کے ضابطۂ ہدایت' اور قانونِ مکافاتِ عمل اور حیاتِ اُخروی پر یقین رکھتے ہو۔ یہ روش نہایت عمدہ' اور انجامِ کار معاشرہ کا صحیح صحیح توازن قائم رکھنے کا موجب ہوگی۔

۶۰ یہ تو سچے مومنین کا شیوہ ہے۔ اِن کے برعکس' اُن لوگوں کی حالت قابلِ غور ہے جن کا دعوٰے یہ ہے کہ وہ قرآن پر اور کتب سابقہ پر ایمان رکھتے ہیں' لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی رُو سے کرائیں' حالانکہ ان سے کہدیا گیا تھا کہ قرآن پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ہر غیر خدائی قانون سے انکار کر دیا جائے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾
فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۚ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ
اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

اِن کی یہ رَوش اس لئے ہے کہ یہ قانونِ خداوندی کے اتباع کے بجائے اپنے مفاد پرستانہ جذبات کے پیچھے چلنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ چیز انہیں راہِ راست سے بھٹکا کر کہیں کا کہیں لے جاتی ہے۔

۶۱ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اپنے معاملات کے فیصلے کے لئے خدا کے قانون اور اسے عملاً نافذ کرنیوالے رسول کی طرف آؤ تو جیسا کہ (اے رسول) تم دیکھتے ہو یہ لوگ تم سے اعراض برتتے ہیں اور معاملات کے فیصلے کے لئے تمہاری طرف آنے سے رکتے ہیں —— یہ ایمان نہیں منافقت ہے۔ کفر ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ قرآن کے مطابق فیصلے نہیں کرتے انہی کو کافر کہا جاتا ہے (۵/۴۴)۔

۶۲ ذرا سوچو کہ اُس وقت اِن کی کیا حالت ہوگی جب اِن پر ان کی اپنی کرتوتوں کی وجہ سے مصیبت آئے گی تو یہ تیرے پاس خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے آئیں گے اور کہیں گے کہ دوسروں کی طرف رجوع کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ آپس میں میل ملاپ رہے اور حسن کارانہ طور پر زندگی بسر ہو۔ ورنہ ہمارا ایمان بڑا مضبوط ہے۔

۶۳ لیکن خدا خوب جانتا ہے کہ ان کے دل میں کیا ہے اور یہ زبان سے کیا کہتے ہیں۔ یہ بالکل جھوٹے ہیں (۶۳/۱)۔ سو تم انہیں اپنی جماعت میں شامل نہ کرو۔ ان سے اعراض برتو۔ البتہ انہیں حق و صداقت کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے رہو اور اس انداز سے تلقین کرو کہ بات ان کے دل کی گہرائیوں تک اتر جائے —— حق و صداقت کی زندگی اُسی وقت بسر ہو سکتی ہے جب انسان میں داخلی انقلاب پیدا ہو جائے۔ جب تک دل نہ بدلے انسان کی رَوش نہیں بدل سکتی۔ اِس وقت ایمان محض ان کی زبانوں تک ہے۔ اِن کے قلب کے اندر جاگزیں نہیں ہوا۔

۶۴ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا سلسلۂ ہدایت محض نظری عقائد اور رسومات کے لئے نہیں آتا۔ نہ ہی دین، خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق کا نام ہے کہ زبان سے خدا کا اقرار کر لیا اور پھر جس طرح جی چاہا، اپنے اپنے طور پر زندگی بسر کرتے رہے۔ دین، ایک اجتماعی نظام کا نام ہے جو سب سے پہلے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

خود رسول کے ہاتھوں متشکل ہوتا ہے اور اُس میں اِس کی حیثیت مرکزی اتھارٹی کی ہوتی ہے۔ قانون خداوندی کے مطابق اِس کی اطاعت' خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔ اپنے اپنے طور پر اپنے اپنے ذہن کے مطابق "خدا کی اطاعت" اطاعتِ خداوندی نہیں کہلا سکتی۔ اِس اطاعت کی عملی شکل وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ توانین خداوندی کے ساتھ' رسول کو بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے۔

اِن تصریحات کی روشنی میں دیکھو کہ خدا کی اطاعت' اور خدا اور بندے کے تعلق کی عملی شکل کیا بنتی ہے۔ اگر کوئی شخص' خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی سے اپنے آپ پر زیادتی کر بیٹھے' اور اُس کے بعد اس پر نادم ہو' تو (خدا اور بندے کے پرائیویٹ تعلق کے نظریہ کے ماتحت) وہ' اپنے گھر میں بیٹھا' توبہ کرے گا اور خدا سے معافی مانگ لے گا۔ لیکن دین کے نظام میں اس کی شکل مختلف ہوگی۔ اِس میں' اُس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ (اے رسول!) تمہارے پاس آئے اور اپنی لغزش کی سزا سے بچنے کے لئے' قانون خداوندی سے حفاظت طلب کرے (اسے معافی مانگنا کہتے ہیں)۔

یہ معافی تم' (اے رسول!) ذاتی طور پر نہیں دے سکتے۔ اُس کی معافی قانونِ خداوندی کی رُو سے ہوگی اِس کے لئے تم دیکھو کہ قانون خداوندی میں اس معافی کی گنجائش ہے یا نہیں۔ اگر گنجائش ہو تو تم اسے معافی دیدو۔

اِس معافی کا حکم اگرچہ تمہاری طرف سے صادر ہوگا' لیکن یہ درحقیقت خدا کی طرف سے معافی ہوگی کیونکہ قانون خداوندی میں اس کی گنجائش نہ ہوتی تو تم معافی نہیں دے سکتے تھے۔

تم نے دیکھا کہ دین کے نظام میں مجرم۔ رسول۔ اور خدا کا باہمی تعلق کیا ہوتا ہے۔ نہ مجرم براہ راست خدا سے معافی طلب کر سکتا ہے' نہ خدا اسے براہ راست معافی دیتا ہے۔ یہ سب کچھ اس نظام کی وساطت سے ہوتا ہے جو توانین خداوندی کے نفاذ کے لئے قائم ہوتا ہے۔ اور جب یہ نظام اسے معافی دیتا ہے' تو یہ معافی اُس نظام کی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ یہ اُس کے قانون کے مطابق ملی تھی۔

۶۵ یہ ہے خدا پر ایمان کا عملی مفہوم۔ لہذا' اے رسول! تم ان لوگوں کو ہماری طرف سے کہدو کہ خدا کا قانون اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے اختلافی معاملات میں تمہیں حَکَم (فیصلہ کرنے والا ثالث) نہ بنائیں۔ اور جو فیصلہ تم صادر کرو' اس کے سامنے اس طرح سر تسلیم خم نہ کر دیں کہ اپنے دل کی گہرائیوں میں بھی اُس کے خلاف

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ۝

گرانی اور کبیدگی محسوس نہ کریں (۳۳/۳۶ ؛ ۲۴/۶۳)۔ دل میں گرانی اور کبیدگی محسوس نہ کرنے کا اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ فیصلہ کسی مستبد حاکم کا فیصلہ نہیں جسے طوعاً و کرہاً تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہ فیصلہ اُس قانون کا ہے جس کی صداقت پر یہ بطیب خاطر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اس ایمان کا فطری نتیجہ ہے کہ اس فیصلہ کو دل کی رضامندی سے تسلیم کیا جائے۔ اگر اس کے خلاف دل میں کبیدگی پیدا ہو تو یہ اس بات کی شہادت ہوگی کہ انہوں نے اس قانون کو بہ طیب خاطر قبول نہیں کیا تھا۔ ان کا اس پر ایمان نہیں تھا۔ رسولؐ قرآن کے مطابق ہی فیصلے کرتا ہے۔ اپنی طرف سے نہیں کرتا (۵/۴۸ ؛ ۴/۱۰۵)۔

۶۶ جن لوگوں کی عام معاملات میں یہ حالت ہے کہ اگر غیر خدائی قانون میں ذرا زیادہ فائدہ دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑے دوڑے جاتے ہیں اگر کہیں ایسا وقت آجائے کہ نظام خداوندی کی خاطر انہیں جان دینی پڑے یا گھر بار چھوڑنا پڑے، تو ان میں بہت تھوڑے ایسے نکلیں گے جو ان احکام کی تعمیل کریں۔ حالانکہ اگر یہ اپنی زندگی کو اُس نہج پر ڈال لیں جس کی انہیں تلقین کی جاتی ہے، تو یہ ان کے لئے ہزار خیر و برکت کا موجب ہو، اور مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے ثبات و استقامت کا باعث بنے۔

۶۷ ۶۸ اگر یہ ایسا کر لیتے تو انہیں، ہمارے قانون مکافات کے مطابق، بہت بڑا معاوضہ ملتا اور یہ اُس توازن بدوش سیدھی راہ پر چلتے رہتے جو انہیں زندگی کی منزلِ مقصود تک پہنچا دیتی۔

۶۹ یہ اُن لوگوں کی راہ ہے جو انعاماتِ خداوندی سے نوازے جاتے ہیں (۱/۴) — انبیاء صدیق، شہداء اور صالحین کی راہ ——— انبیاء، جنہیں یہ قانون منجانب اللہ ملتا ہے۔ صدیق، جو اس قانون کے دعاوی کو عملاً سچ کر دکھاتے ہیں۔ شہداء، جو اس نظام کے بقاء و استحکام کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور صالحین، وہ افراد معاشرہ جن کی صلاحیتیں اس نظام کے مطابق نشوونما پاتی ہیں اور وہ ان صلاحیتوں کو اس نظام کے تجویز کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے صرف کرتے ہیں۔

لہٰذا جو شخص بھی خدا و رسول کی اس طرح اطاعت کرتا ہے جس طرح اوپر کہا گیا ہے، وہ مذکورہ بالا جماعتوں کا رفیقِ سفر بن جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سفرِ زندگی میں ان سے بہتر رفیق اور

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ (۹) (۱۰) (۶)
انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ
اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ وَلَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ
كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ
وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

کون ہو سکتے ہیں۔

۷۰ یہ اللہ کی عنایات اور نوازشات ہیں جنہیں جو شخص چاہے حاصل کر سکتا ہے۔ یہ یونہی نہیں کہا جا رہا۔ علمِ خداوندی کی رو سے کہا جا رہا ہے جس کے بعد کسی اور سند اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

۷۱ اس نظام کے استحکام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تم اپنی حفاظت کا پورا پورا سامان' ہر وقت تیار رکھو۔ اور عند الضرورت' جنگ کے لئے نکلو —— الگ الگ ٹولیوں میں' یا سب کے سب اکٹھے۔ جیسا بھی حالات کا تقاضا ہو۔

۷۲ اور (ہم جانتے ہیں) کہ تم میں اکا دکا ایسا بھی ہے جو جنگ کی آواز پر (مختلف بہانوں سے) خود بھی سستی کر کے پیچھے رہ جاتا ہے اور دوسروں کو بھی سست بنا دیتا ہے۔ پھر اگر ایسا ہو کہ اس جنگ میں تمہیں نقصان پہنچے تو کہتا ہے کہ اللہ کا شکر ہے اور اس کا احسان کہ میں ان کے ساتھ نہ گیا' ورنہ مجھ پر بھی یہ مصیبت آجاتی۔

۷۳ اور اگر تمہیں بفضلِ خدا' کامیابی نصیب ہو تو کہتا ہے کہ اے کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تاکہ ان کامرانیوں میں' میرا بھی برابر کا حصہ ہوتا۔
یہ اس قسم کی باتیں یوں کرتا ہے گویا' اس میں اور تم میں کبھی کوئی تعلق اور رابطہ ہی نہ تھا۔ (حالانکہ یہ تمہاری جماعت کا فرد ہونے کا مدعی ہے!)۔

۷۴ یہ درحقیقت وہ لوگ ہیں جو مفادِ عاجلہ کو مستقبل کے مفادِ پر اور اپنی طبیعی زندگی کو آخرت کی حیاتِ جاوداں پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں جماعتِ مومنین ہے کہ جب دنیاوی زندگی کے کسی تقاضے اور مستقل اقدار میں ٹکراؤ ہوتا ہے' تو وہ اوّل الذکر کو قربان کر دیتے ہیں اور مستقل قدر کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کو جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے چاہیئے کہ وہ (بلا کسی حیل و حجت کے) اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ اس میں دونوں طرح فائدہ ہے۔ اگر انہیں کامیابی ہو جائے تو بھی اجرِ عظیم

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا
مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ
لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ

اور اگر میدانِ جنگ میں مارے جائیں تو بھی صلۂ جزیل۔

۷۵ اِسوقت حالات کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ تمہاری جماعت کے جو افراد پیچھے (مکہ میں) رہ گئے ہیں اُن پر سخت مظالم توڑے جا رہے ہیں۔ اُن کے بے بس اور ناتواں مرد۔ عورتیں۔ بچے سب پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے اِس قدر ظالم اور سفاک ہیں۔ اور ہمارے لئے اپنی جناب سے کوئی محافظ و نگران کوئی سرپرست اور مددگار بھیجدے۔ اِن مظلوموں کی امداد کے لئے پہنچنا "اللہ کی راہ میں" جنگ کرنا ہے۔

اِن سے پوچھو کہ اِس کے بعد اب کونسی چیز باقی رہ گئی ہے جس کے انتظار میں یہ بیٹھے ہیں اور اِن مظلومین کی امداد کے لئے نہیں اٹھتے؟ یہی تو وہ حالات تھے جن میں تمہیں جنگ کی اجازت دی گئی تھی! (۲۲/۳۹)۔

۷۶ بعض حالات میں جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اور جنگ دو فریقوں میں ہوتی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ کون کس مقصد کے لئے جنگ کرتا ہے۔ ایک جنگ دُنیا سے ظلم و استبداد مٹانے کے لئے ہوتی ہے۔ اِسے اللہ کی راہ میں" جنگ کہا جائے گا۔ دوسری جنگ مظلوموں اور کمزوروں کا گلا گھونٹنے کے لئے ہوتی ہے۔ یہ "طاغوت کی راہ میں" جنگ ہے۔ (طاغوت ہر وہ قوت یا نظام ہے جو قوانین حق و صداقت سے سرکشی اختیار کر کے دنیا میں اپنی من مانی کرے)۔

ایمان والے ہمیشہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ کفار طاغوت کے لئے جنگ کرتے ہیں۔ سوائے جماعتِ مومنین! تم اُن قوتوں کے خلاف جنگ کرو جن کا مقصد ہی قوانین حق و عدل سے سرکشی اختیار کرنا ہے۔ اور اِس کا یقین رکھو کہ یہ لوگ تمہارے خلاف کتنی ہی خفیہ تدبیریں اور سازشیں

اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۷۷
اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا
هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ
فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝۷۸

کیوں نہ کریں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جو تدبیریں ظلم و استبداد کے لیے کی جائیں' اُن میں قوت کہاں سے آسکتی ہے؛ ریت کی بنیادوں پر قلعے تعمیر نہیں ہوا کرتے!

۷۷ تم اِن لوگوں کی حالت پر غور کرو کہ جب "اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ" کے نظام کا ابتدائی دور تھا' جس میں اس تصور کو محض فکری طور پر پیش کیا جاتا تھا' اور کسی سے ٹکراؤ کی شکل پیدا نہیں ہوئی تھی' (تو یہ لوگ کس مستعدی کا ثبوت دیتے تھے۔ یوں نظر آتا تھا کہ وقت آنے پر یہ اپنا سب کچھ اس نظام کی خاطر قربان کر دیں گے)۔ لیکن جب امتحان کا وقت آیا' اور انہیں جنگ کا حکم دیا گیا' تو اِن میں سے ایک گروہ کی حالت یہ ہو گئی کہ وہ فریقِ مقابل کے اپنے ہی جیسے انسانوں سے یوں ڈرنے لگ گئے جیسے اللہ (کے قانونِ مکافات) سے ڈرنا چاہیے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ۔ اور کہنے لگے کہ یا اللہ! تو نے یہ جنگ ہم پر کیوں فرض قرار دیدی؛ اسے کچھ وقت کے لیے اور ملتوی کیوں نہ رکھا (تاکہ ہم کچھ اور دنیاوی مفاد حاصل کر لیتے)۔ اِن سے کہو کہ طبیعی زندگی کے مفاد' خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں' اُخروی زندگی کے مفاد کے مقابلہ میں کچھ قیمت نہیں رکھتے۔ جو لوگ قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ مستقبل کے مفاد کس قدر خیر و برکت لیے ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی و عمل کے معاوضہ میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

۷۸ باقی رہا یہ خیال کہ میدانِ جنگ میں جانے سے موت آجائے گی۔ سو موت کو تو بہرحال آنا ہے۔ اگر تم نہایت محکم اور مضبوط قلعوں کے اندر بھی ہو' وہ (ایک دن) وہاں بھی آکر رہے گی جب حقیقت یہ ہے تو پھر ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو کیوں ترجیح نہ دی جائے ـــــ طبیعی موت ایک بے اختیار عمل ہے' اور حق کے خاطر جان دیدینا' عمل با اختیار۔ اسی میں رازِ حیات ہے۔

اِن کی حالت یہ ہے کہ جب انہیں کوئی کامیابی ہوتی ہے اور اس سے حالات خوشگوار ہو جاتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ (اس میں رسول کے حسنِ تدبر کا کیا دخل ہے) ہمیں یہ سب خدا کی طرف سے ملا ہے۔ اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تمہاری (رسول اللہؐ کی غلط تدبیروں کا نتیجہ ہے

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۘ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

اِن سے کہو کہ اگر تم دھاندلی سے اپنی ہی بات پر جمے رہنا چاہتے ہو اور کچھ سننا سمجھنا نہیں چاہتے تو اور بات ہے' ورنہ اصل حقیقت کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے مُرتب ہوتا ہے — اچھے کا اچھا' بُرے کا بُرا — لہٰذا' اِس اعتبار سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ (سب کچھ خدا کی طرف سے ہوتا ہے)۔

۷۹ دوسری بات یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوگا' اس کا نتیجہ ہمیشہ خوشگوار ہوگا' اور جو کام تم' قوانین خداوندی کے خلاف' اپنے ذاتی فیصلوں کے مطابق کروگے' اس کا نتیجہ ناخوشگوار ہوگا — یعنی مصیبتیں تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہیں (۴۲/۳۰)۔ (اس قسم کی باتیں پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ اور انہیں بھی اس حقیقت سے آگاہ کر دیا جاتا تھا کہ لوگوں کے اعمال اور خدا کے قانونِ مکافات میں کیا تعلق ہے۔ ۳۱/۳۴)۔ باقی رہا یہ رسول۔ سو یہ چونکہ ہمارا رسول ہے اس لئے یہ ہمارے احکام کے مطابق کام کرتا ہے (۶/۱۰۶)۔ لیکن چونکہ یہ تمام نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اس لئے اس کے پیشِ نظر عالمگیر انسانیت کا مفاد ہوتا ہے۔ کسی خاص گروہ یا پارٹی کا مفاد نہیں۔ لہٰذا' عالمِ انسانیت کے لئے' اسکے پروگرام کا نتیجہ ناخوشگوار ہو نہیں سکتا۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر خود خدا شاہد ہے۔ اِس شہادت کے بعد' اور کس بات کی ضرورت باقی رہ سکتی ہے؟

۸۰ لہٰذا' جو شخص اس رسول کی اطاعت کرتا ہے' وہ قانونِ خداوندی ہی کی اطاعت کرتا ہے۔ اور جو شخص (اپنے مفاد کی خاطر) اِس سے روگردانی کرتا ہے' تو وہ اس کا نتیجہ خود بھگتے گا۔ (اے رسول!) تمہارا کام یہ نہیں کہ تم انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح گھیر گھیر کر' باڑے میں روکے رکھو تاکہ یہ تباہیوں سے محفوظ رہیں۔ (انہیں' اپنے لئے خود فیصلہ کرنے دو۔ اِس نظام میں وہی لوگ شامل رہ سکتے ہیں جو دل کی رضامندی سے اس کی اطاعت اختیار کریں)۔

۸۱ تمہاری طرف سے جبر کی اطاعت تو ایک طرف' جو لوگ اپنی کسی مصلحت کی خاطر تمہارے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں (اور یوں ان کی اطاعت' دل کی رضامندی سے نہیں بلکہ اپنی منفعت کی

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَاۗءَهُمْ
اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ
يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ
بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾

خاطر ہوتی ہے) اِن کی بھی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اطاعت قبول کی لیکن جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو راتوں کو چپکے چپکے اُن باتوں کے خلاف مشورے کرتے ہیں جو تم کہتے ہو (اور جی میں سمجھتے ہیں کہ اسکا کسے پتہ چل سکتا ہے؟ حالانکہ) خدا کا قانونِ مکافات ان کی تمام باتوں کا ریکارڈ محفوظ رکھتا ہے۔

سو تم ان لوگوں سے قطع نظر کرو اور قانون خداوندی کی محکمیت پر کامل اعتماد کرتے ہوئے اپنے پروگرام پر کاربند رہو۔ یہ قانون تمہارے لئے کافی کارساز ثابت ہوگا۔

۸۲ (ضمناً) اِن لوگوں کی اس روش سے غور و تدبر کرنے والوں پر یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ انسانی جذبات اور ضابطۂ خداوندی میں کیا فرق ہے؟ انسانی جذبات کا یہ عالم ہے کہ یہ لوگ ابھی کچھ کہتے ہیں ابھی کچھ دن کو کچھ کرتے ہیں رات کو کچھ۔ زبان پر کچھ ہوتا ہے دل میں کچھ۔ لیکن خدا کا ضابطہ قوانین (قرآن) ہے کہ اس میں کہیں کوئی بات ایک دوسرے کے خلاف نہیں ملے گی۔ یہاں سے وہاں تک ایک ہی حقیقت جسے مختلف پہلوؤں سے سامنے لایا گیا ہے۔ اگر یہ خدا کے بجائے کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔

۸۳ اِن کے دعوئے اطاعت کوشی کی یہ کیفیت ہے کہ جب یہ کہیں سے امن یا خوف کی کوئی اُڑتی ہوئی سی بات سُن پاتے ہیں تو اُسے لے دوڑتے ہیں اور خوب پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ نظام سے وابستگی اور اطاعت کا تقاضا ہے کہ ایسی باتوں کو رسول (مرکزی اتھارٹی) یا اپنے افسرانِ ماتحت تک پہنچایا جائے تاکہ وہ لوگ جو بات کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیں۔

یہ تو اس نظامِ خداوندی کی برکات و رحمت ہے کہ ان لوگوں کی اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ اور سازشانہ حرکات سے تمہارا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو تم میں سے اکثر اس قسم کی افواہوں کے پیچھے لگ کے تباہیاں لے آتے۔

۸۴ سو (اے رسول!) تم اس کی پرواہ کیے بغیر کہ یہ لوگ تمہارا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ

نظامِ خداوندی کے قیام و بقا اور مظلومین کی امداد و حفاظت کے لئے مخالفین کا میدانِ جنگ میں مقابلہ کرو۔ تم صرف اپنی ذات کی ذمہ داری لے سکتے ہو' اوروں کی نہیں۔ البتہ تم مناسب تعلیم و تربیت اور ان کی صلاحیتوں کی نشوونما سے اپنی جماعت کے افراد کی کمزوریوں کو رفع کرتے جاؤ تاکہ وہ بہبودِ زندگی میں مردانہ وار شریک ہونے کے قابل ہو جائیں۔ اگر تم ایسا کرتے رہے' تو وہ وقت دُور نہیں جب خدا' تمہارے مخالفین کی پیدا کردہ مشکلات و مصائب کی روک تھام کا انتظام کر دیگا۔ اس لئے کہ خدا کا قانون' بڑی قوتوں کا مالک اور ایسا محکم گیر ہے کہ وہ ان سرکشوں کو جکڑ کر رکھ دے گا۔

۸۵ تم صرف اپنی ذات پر' اور اپنے مخلص رفقاء کے بھروسے پر اپنا پروگرام بناؤ۔ اس کے بعد اگر کوئی اور بھی اس نظامِ حسنہ کے قیام کے لئے تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے گا تو اسے بھی اس کے خوشگوار نتائج سے حصہ مل جائے گا۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص فریقِ مخالف کا ساتھ دے گا اور غلط نظام کی تائید میں کوشش کرے گا' تو اس کے تباہ کن عواقب میں وہ بھی شریک ہوگا۔

خدا کے قانونِ ربوبیت کی رُو سے سامانِ نشوونما سب کو ملتا ہے —— انگور کے بیج کو بھی' اور ببول کے تخم کو بھی —— انگور کا بیج اس سامانِ نشوونما سے انگور بن جاتا ہے' ببول کا تخم' ببول۔ اس کے ساتھ ہی اس کا قانون یہ بھی ہے کہ جو مٹی انگور کے بیج کا ساتھ دے گی اور اس میں جذب ہو جائے گی وہ انگور بن جائے گی۔ جو ببول کے تخم کے ساتھ رہے گی وہ ببول کے کانٹو کی شکل اختیار کرے گی۔ لہٰذا' کسی کام کی ابتدا کرنے والا' اور اس کے بعد' اس کا ساتھ دینے والا' دونوں اس کے نتائج میں شریک ہوتے ہیں۔

۸۶ جو (تمہارے ساتھ کھڑا ہو کر) تمہارے لئے زندگی اور سلامتی کا سامان بہم پہنچاتے' تم اُس کے لئے' اس سے بہتر اور حسین تر حیات بخش سامان بہم پہنچاؤ۔ اور اگر ہنوز' حالات ایسے سازگار نہ ہوں کہ تم اسے' اس کی پیش کش سے زیادہ دے سکو' تو کم از کم اُسے اتنا ہی لوٹا دو۔ نظامِ خداوندی ان تمام امور کا پورا پورا حساب رکھتا ہے۔

۸۷ بہرحال کوئی تمہارا ساتھ دے یا نہ دے' تم اس آواز کو بلند کئے جاؤ کہ کائنات میں اقتدار

حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ ﴿۸۸﴾
اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً ﴿۸۹﴾
فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَ
جَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

واختیار صرف ایک خدا کا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کا قانون ایسا نہیں جس کے سامنے جھکا جائے اور اسکی محکومی اختیار کی جائے۔ انسانوں کی دنیا میں بھی صرف اُسی کا قانون رائج ہونا چاہیئے۔ اس آواز کی مخالفت ہوگی اور سخت مخالفت۔ لیکن اس مخالفت کا فیصلہ اُس وقت ہوگا جب آنے والے انقلاب کے وقت، تم اور تمہارے مخالفین میدانِ جنگ میں ایک ساتھ جمع ہونگے۔ یہ مکراؤ ہو کر رہے گا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یہ بات خدا کی طرف سے کہی جا رہی ہے، اور ظاہر ہے کہ خدا سے زیادہ سچی بات کہنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟

۸۸ باقی رہے یہ منافقین، جن کا دعوائے رفاقت اپنی مصلحت کوشیوں پر مبنی ہے، وہ بظاہر تمہارے دوست بنتے ہیں لیکن بباطن تمہاری تخریب چاہتے ہیں۔ ان کی پوزیشن ایسی واضح ہے کہ ان کی بابت دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ اس لئے ایسا کیوں ہو کہ تم میں سے کچھ لوگ ان کے بارے میں ایک خیال کے ہو جائیں، اور کچھ لوگ دوسرے خیال کے، درانحالیکہ وہ اپنی غلط روش اور بدعملی کی وجہ سے راہ حق سے پھر چکے ہیں۔

تم یہ سوچو کہ جو لوگ اس طرح صحیح راستے سے ہٹ کر دوسری راہیں اختیار کر چکے ہوں، تم انہیں کس طرح صحیح راستے پر لا سکتے ہو؟ یاد رکھو! جو شخص قانونِ خداوندی کی رُو سے غلط راستے پر جا پڑے، اس کے لئے (بجز قانونِ خداوندی کے اتباع کے) صحیح راہ کی طرف آنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی ——— اور قانونِ خداوندی یہ ہے کہ انسان، بطیب خاطر، پوری دیانتداری سے، صحیح راستہ اختیار کرے۔ لوگوں کو فریب دینے کے لئے منافقت نہ برتے۔

۸۹ (تم سمجھتے ہو کہ تم انہیں اپنے ساتھ ملا لوگے۔ اور) ان کے ارادے یہ ہیں کہ جس طرح یہ خود کفر اختیار کر چکے ہیں، اسی طرح تم بھی دینِ حق کو چھوڑ دو، تاکہ اس طرح یہ اور تم، دونوں، ایک سطح پر آجاؤ۔ لہٰذا، ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور دمساز نہ بناؤ، تاآنکہ یہ اپنے دعوئے ایمان کی صداقت کا عملی ثبوت نہ دیں۔ اور وہ ثبوت یہ ہے کہ یہ نظامِ خداوندی کی خاطر، وہ سب کچھ چھوڑ دیں جس کا چھوڑنا ضروری قرار دیا جائے ——— گھر بار۔ اعزہ۔ رفقاء۔ مال و دولت وغیرہ ——— ان سے

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن
يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ
وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَ
يَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۖ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا
أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾ وَمَا كَانَ
لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ

یہ بات واضح طور پر کہہ دو۔ اگر یہ اس کے بعد گریز کی راہیں نکالیں تو انہیں گرفتار کر لو (تاکہ یہ اس فتنہ پردازی سے رک جائیں)۔ اور اگر یہ تم سے جنگ کریں تو تم بھی ان سے جنگ کرو اور جہاں پاؤ انہیں قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو بھی اپنا دوست اور حمایتی تصور نہ کرو۔

۹۰ لیکن اگر یہ لوگ (تمہارے دشمنوں کا ساتھ چھوڑ کر) ایسے لوگوں سے جا ملیں جن کے ساتھ تمہارے عہد و پیمان ہو چکے ہیں (تو پھر یہ بھی اس حلیف قوم کے افراد سمجھے جائیں گے)۔ یا یہ جنگ سے تنگ آ کر تمہارے پاس آ جائیں، اور نہ تم سے جنگ کریں اور نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم کے خلاف جنگ کریں (غیر جانبدار رہنا چاہیں۔ تو اس صورت میں بھی ان سے کچھ مواخذہ نہیں کرنا چاہیئے)۔ اس لئے کہ اگر ان کے پاس، خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق، تم پر غالب آ جانے کی قوت ہوتی تو یہ ضرور تم سے جنگ کرتے۔ لہٰذا، اگر یہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں، صلح کی درخواست کریں، تو پھر تمہیں، ان کے خلاف کچھ کرنے کی اجازت نہیں —— اس لئے کہ نظامِ خداوندی میں مقصود کسی سے انتقام لینا نہیں، بلکہ اُن سرکش لوگوں کا زور توڑنا ہے جو دنیا میں عدل و انصاف کا نظام قائم کرنے کی مخالفت کریں۔ سو جب ان کا زور ٹوٹ جائے تو پھر ان کے خلاف کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

۹۱ لیکن تم ایسے لوگ بھی دیکھو گے کہ وہ (یوں تو) تمہاری طرف سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی۔ لیکن جب کبھی ان کی قوم انہیں تمہارے خلاف فتنہ برپا کرنے کے لئے بلائے تو وہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے بلکہ اس فتنے کی آگ میں، اندھا دھند کود جاتے ہیں۔ سو اگر یہ لوگ، اس قسم کی فتنہ پردازی کے بعد، نہ تو تم سے کنارہ کش ہوں، نہ صلح کی

إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ
مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾

درخواست کریں۔ اور نہ ہی اپنی دست درازیوں سے باز آئیں۔ تو انہیں گرفتار کرو (تاکہ یہ فتنہ رک جائے)۔ لیکن اگر وہ تم سے جنگ کریں تو ان سے جنگ کرو اور جہاں پاؤ انہیں تہ تیغ کرو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف اس قسم کی کارروائی کرنے کی تمہیں اجازت ہے۔

۹۲ لیکن اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں' تو پھر انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس لئے کہ کسی مومن کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر دے' اِلّا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ اگر کسی کے ہاتھوں' کوئی مومن غلطی سے مارا جائے تو وہ اس کے بدلے میں' ایک مومن غلام آزاد کرے۔ نیز مقتول کے وارثوں کو اس کا خوں بہا ادا کرے (۴/۹۲)۔ اگر وہ خوں بہا معاف کر دیں تو پھر اور بات ہے۔

لیکن اگر ایسا ہو کہ کوئی قوم تم سے برسرِ پیکار ہے اور ان میں کوئی مومن فرد ہے جو تمہارے ہاتھوں غلطی سے مارا جاتا ہے' تو اس کے کفارہ کے طور پر ایک مومن غلام آزاد کیا جائے گا۔ (خوں بہا نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ جنہیں تم خوں بہا دو گے وہ تو تم سے جنگ کر رہے ہیں)۔ لیکن اگر وہ شخص اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدۂ صلح ہے' تو اس صورت میں اسکے وارثوں کو خوں بہا بھی دینا ہو گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا بھی۔ لیکن اگر وہ آزاد کرنے کے پاس غلام آزاد کرنے کی مقدرت نہ ہو۔ یا ایسی صورت ہو کہ غلام ملے ہی نہیں۔ تو وہ دو مہینے کے متواتر روزے رکھے۔ یہ چیز' قانونِ خداوندی کی رُو سے عفوِ خطا کا موجب بن جائے گی' اُس قانون خداوندی کی رُو سے جو سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہے۔

۹۳ لیکن اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو عمداً قتل کر ڈالے تو ——— خونِ ناحق کی سزا موت تو ہو گی ہی (۵/۳۲) ——— مرنے کے بعد بھی وہ جہنم میں جائے گا جہاں ہمیشہ رہنا ہو گا۔ قانونِ خداوندی کی نگاہوں میں وہ معتوب ہو گا۔ اسے حقوقِ شہریت وغیرہ سے محروم کر دیا جائے گا۔ اور سخت قسم کی سزا دی جائے گی[1] ——— قتلِ عمد میں خوں بہا یا کفارہ نہیں ہو گا۔

---

[1] ان تصریحات سے مشرح ہوتا ہے کہ قتلِ عمد میں بھی' مجرم کی نوعیت کے اعتبار سے' موت سے کم سزا دی جا سکتی ہے۔ مثلاً کسی نے فوری جذبۂ غیرت سے مشتعل ہو کر کسی کو قتل کر دیا تو اسے دوسری قسم کی سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

---

۹۴ اے جماعتِ مومنین! جب تم خدا کی راہ میں (جنگ کرنے کے لئے) باہر نکلو تو پہلے تحقیق کرلو کہ کون دوست ہے اور کون دشمن۔ یونہی ہر ایک کو دشمن تصور کر کے اس پر حملہ نہ کر دو۔ اگر کوئی تمہاری طرف امن و سلامتی کا پیغام بھیجے تو اس کے متعلق تمہارا پہلا ردِ عمل یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ ایمانداری سے ایسا نہیں کر رہا۔ منافقت برتتا ہے۔ اس کے متعلق تحقیق کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچو۔ یونہی ہر ایک سے لڑائی کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم خدا کی راہ میں جنگ کی غرض سے باہر نہیں نکلے دنیاوی مفاد (مالِ غنیمت وغیرہ) کی خاطر نکلے ہو۔ تم نے ایسا خیال تک بھی دل میں نہ لانا۔ تم تو آئین خداوندی کے مطابق چلتے رہو اور پھر دیکھو کہ تمہیں کس قدر ساز و سامان جائز طریق سے ملتا ہے۔ اسلام سے پہلے تمہاری یہی حالت تھی کہ تم محض مالِ غنیمت کی خاطر لڑائیاں لڑا کرتے تھے۔ لیکن اللہ نے زندگی کا یہ نیا ضابطہ دیکر تم پر بڑا کرم کیا اور تمہارے مقاصدِ حیات اور نقاطِ نظر کو بدل دیا۔ اس لئے اب تمہارے لئے ضروری ہے کہ معاملہ کی پوری پوری تحقیق کرو اور صرف انہی سے جنگ کرو جن کے خلاف حق و صداقت کی خاطر جنگ کرنا ضروری ہو۔ یاد رکھو! اللہ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔ اس لئے تم اپنی نیت کو اس سے نہیں چھپا سکتے۔

۹۵ مومنین میں سے بھی جو لوگ بلا عذر سست روی سے کام لیں اور جو نہایت ذوق و شوق سے خدا کی راہ میں مصروفِ جد و جہد رہیں اور اس میں مال اور جان تک کی پرواہ نہ کریں تو ظاہر ہے کہ یہ دونوں ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ قانونِ خداوندی کی میزان میں جان و مال سے جد و جہد کرنے والوں کے مدارج سہل انگاروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔

اسکے یہ معنی نہیں کہ نظامِ خداوندی کی خوشگواریوں میں سست رو افراد کا کوئی حصہ نہیں۔ وہ تو سب کے لئے ہیں۔ لیکن جب سوال فرقِ مراتب کا آئیگا تو مجاہدین کے مدارج بہرحال سست رفتاروں سے بڑھ کر ہوں گے۔

۹۶ یہ مدارج وہ سیڑھیاں ہیں جن سے انسانی ذات اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۹۷ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹۸ فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۹۹

(۴/۱۴) - ان لوگوں کی مجاہدانہ سعی و عمل ان کی چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کے مُضر اثرات سے ان کی حفاظت کرتی ہے اور قانونِ خداوندی کی رُو سے ان کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جاتی ہے۔ خدا کے قانون میں حفاظت اور پرورش کے سب سامان موجود ہیں۔

۹۷ یہ تو ہوا مجاہدین اور قاعدین (یعنی تیز گام اور سُست رَو مومنین) کے متعلق۔ اب رہے وُہ جو غیر خداوندی نظام کے ماتحت اطمینان سے بیٹھے زندگی بسر کرتے اور اس طرح اپنی ذات کا نقصان کرتے رہیں۔ اگر اسی حالت میں ان کی موت آجائے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ تم غیر خداوندی نظام کی محکومی میں پڑے رہے؟ وہ کہیں گے کہ ہم بہت کمزور و ناتواں اور بے بس و معذور تھے۔ ان سے کہا جائے گا کہ (یہ ٹھیک ہے کہ تم میں اتنی قوت نہیں تھی کہ تم وہاں کا باطل نظام بدل کر نظامِ خداوندی قائم کر لیتے۔ لیکن) خدا کی زمین اس قدر وسیع تھی۔ کیا تم ہجرت کر کے کسی ایسے مقام کی طرف نہیں جا سکتے تھے جہاں نظامِ خداوندی قائم تھا یا جہاں کی فضا اس کے لئے سازگار تھی؟

یہ لوگ، جو یوں اپنی کمزوری اور ناتوانی کا سہارا لے کر غیر خداوندی نظام کے تابع قانع اور مطمئن ہو کر بیٹھے رہیں، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے — اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ یہاں بھی جہنم کا طاغوتی نظام کی غلامی میں رہنے۔ اور وہاں بھی جہنم کہ اِن کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہی نہیں ہوئی۔

۹۸ البتہ، اِن میں وہ کمزور و ناتواں، مرد، عورتیں اور بچے شامل نہیں جو فی الواقعہ اس قدر معذور ہو چکے تھے کہ نہ تو انہیں وہاں تبدیلیٔ حالات پر کوئی قدرت حاصل تھی اور نہ ہی وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ کھلا تھا۔

۹۹ اِس قسم کی — نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کی — حالت قابلِ معافی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانونِ خداوندی میں ان جیسوں کے لئے، عفو و حفاظت کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا
ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۡ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ
مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۡ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ
يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۡ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ

---

۱۰۰ خاکِ وطن کی جاذبیت محض جذباتی چیز ہے۔ جب کبھی ایسا ہو کہ وطن' اور نظامِ خداوندی کے کسی تقاضے میں ٹکراؤ ہو' تو اُس وقت' وطن کی جاذبیت کو اس بلند مقصد کے خاطر قربان کر دینا چاہیئے۔ جو شخص' اِس عظیم مقصد کی خاطر' وطن کو چھوڑ دے گا' اسے دوسرے مقامات میں بہت سی پناہ گاہیں اور کشائش کی راہیں کھلی ملیں گی۔

جو شخص' اِس طرح' "خدا و رسول" کی طرف جانے کے ارادے سے گھر سے نکل کھڑا ہو' تو اسکا یہ عزم ہی اتنے بڑے اجر کا موجب بن جاتا ہے کہ اگر وہ اپنی منزلِ مقصود تک نہ بھی پہنچ پائے' اور اُسے راستے ہی میں موت آجائے' تو خدا کے ہاں سے اُسے پورا پورا اجر مل جاتا ہے۔ خدا کے قانون میں ایسے افراد کے لئے حفاظت اور رحمت کے پورے پورے سامان موجود ہیں۔

واضح رہے کہ یہ ہجرت ایسے مقام کی طرف ہوگی جہاں نظامِ خداوندی قائم ہو' یا اُس کے قیام کے امکانات روشن ہوں ـــــ اسی کو "خدا و رسول" کی طرف ہجرت کہا جائے گا۔ یونہی ترکِ وطن کا نام ہجرت نہیں۔

۱۰۱ اور جب تم (جنگ کے لئے) باہر نکلو اور تمہیں دشمن کی طرف سے ضرر رسانی کا خطرہ ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ تم اجتماعِ صلوٰۃ کو مختصر کر لیا کرو۔ اس لئے کہ مخالفین تو تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔ وہ ایسے مواقع کی گھات میں رہتے ہیں۔

۱۰۲ اور (اے رسول!) جب تو خود اپنی جماعت کے ساتھ ہو' اور قیامِ صلوٰۃ کا انتظام کرے' تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک گروہ آکر تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتھیار سنبھالے رکھے۔ اور جب یہ سجدہ کر چکیں' تو تمہارے پیچھے چلے جائیں' اور دوسرا گروہ' جس نے ابھی تک

وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ
كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۰۲
فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ
الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝۱۰۳ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ
فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۰۴

صلوٰۃ ادا نہیں کی' تیرے ساتھ صلوٰۃ میں شامل ہو جائے۔ یہ بھی اسی طرح احتیاط برتیں اور اپنے ہتھیار سنبھالے رکھیں۔ اس لئے کہ تمہارے مخالفین تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم ذرا اپنے اسلحہ اور سامان سے غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔ (اس لئے تم ہتھیاروں کو حالتِ صلوٰۃ میں بھی الگ نہ کرو)۔ ہاں اگر تمہیں بارش کی وجہ سے کوئی تکلیف ہو' یا تم مریض ہو' تو پھر ہتھیاروں کو الگ رکھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اس صورت میں بھی اپنی حفاظت کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔
ان مخالفین کے لئے' خدا کی طرف سے رسوا کن (شکست) کی سزا تیار رکھی ہے جو انہیں مل کر رہے گی۔

۱۰۳ جب تم اس طرح صلوٰۃ ختم کر چکو (تو یہ نہ سمجھ لو کہ تم فریضۂ خداوندی سے سبکدوش ہو گئے۔ صلوٰۃ تو تمہاری ساری زندگی کو محیط ہے۔ جو کچھ تم نے اس وقت کیا ہے وہ مؤقت اجتماع میں شرکت ہے جو کُلی صلوٰۃ کا ایک جزو ہے۔ اس لئے تم اس کے بعد بھی) اٹھتے' بیٹھتے' لیٹے' ہر وقت اور ہر حال میں' قانون خداوندی کو اپنے سامنے رکھو (جیسا کہ ۳/۱۹۰ میں کہا جا چکا ہے)۔
اور جب تم دشمن کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ تو پھر' اجتماعاتِ صلوٰۃ کو عام انداز سے قائم کرو۔ یاد رکھو! صلوٰۃ کے اجتماعات میں شرکت' ایک ایسا فریضہ ہے جسے وقتِ مقررہ پر ادا کرنا ہوگا۔ یعنی جو وقت اس اجتماع کے لئے مقرر ہو' اس وقت وہاں شرکت ضروری ہوگی۔

۱۰۴ اور دیکھو! میدانِ جنگ میں دشمن کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو۔ بات بالکل واضح ہے۔ اگر (لڑائی میں) تمہیں کچھ مشقت اٹھانی پڑتی ہے تو فریقِ مخالف کو بھی اسی طرح مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ (لہٰذا' اس باب میں' تم اور وہ برابر ہو)۔ لیکن نظامِ خداوندی کے قیام سے جو ثمرات و برکات تمہیں حاصل ہونگی' وہ' انہیں تو حاصل نہیں ہوں گی' (اس لحاظ سے' تم اُن کے مقابلہ میں کہیں فائدے میں رہے)۔ یاد رکھو! اللہ کا قانون جو تمہیں اس قسم کے تاکیدی احکام دیتا ہے'

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿١٠٥﴾ وَّا
سْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيْمًا ﴿١٠٧﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى
مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿١٠٨﴾ هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ
يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿١٠٩﴾

یونہی اندھا دھند ایسا نہیں کرتا۔

۱۰۵ (یہ تو رہے جنگ سے متعلق احکام۔ تمدنی اور معاشرتی زندگی کے متعلق اس حقیقت کو ہمیشہ سامنے رکھو کہ) اللہ نے (اے رسول!) تمہاری طرف یہ کتاب (ضابطہ قوانین) نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے نزاعی امور کے فیصلے اس علم کے مطابق کرو جو اللہ نے تمہیں اس طرح عطا کیا ہے۔ اور ایسا کبھی نہ کرو کہ دغابازاور خیانت کرنے والوں کی طرف سے وکیل بن کر جھگڑنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہو۔

۱۰۶ حکومت اور عدالت کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ اس میں انسان کے ذاتی میلانات' فیصلوں پر اثرانداز ہو جایا کرتے ہیں۔ اس سے انسان اسی صورت میں بچ سکتا ہے کہ وہ' ہر وقت' قانونِ خداوندی کو اپنے سامنے رکھے' اور اسی کے پیچھے پناہ لے۔ تم اسی طرح' اپنی حفاظت کا سامان طلب کرتے رہو۔ قانونِ خداوندی میں ایسی حفاظت اور مرحمت کا پورا پورا انتظام ہے۔

۱۰۷ اس بات کو پھر سمجھ لو کہ جو لوگ ایک دوسرے سے یا خود اپنی ذات سے' خیانت کرتے ہیں' اُن کی طرف سے وکیل بن کر جھگڑنے کے لئے نہ اُٹھ کھڑے ہو۔ خیانت کرنے والا سمجھتا ہے کہ اس سے اسے کچھ مل گیا ہے' حالانکہ' اس سے' اس کی ذات میں ایسی کمزوری آجاتی ہے جس سے اس کی انسانی صلاحیتیں مضمحل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ (اسی کو خود اپنی ذات سے خیانت کہتے ہیں)۔ سو ایسے لوگ قانونِ خداوندی کی نگاہ میں کیسے پسندیدہ قرار پا سکتے ہیں؟

۱۰۸ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم' اپنے جرائم' لوگوں سے چھپا سکتے ہیں' اس لئے ہم پر کیا گرفت ہوگی؟ لیکن یہ خدا کے قانون کی نگاہوں سے کیسے چھپ سکتے ہیں؟ وہ تو اُس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب یہ راتوں کو چھپ چھپ کر' ناپسندیدہ امور کے متعلق مشورے کرتے ہیں۔ خدا کا قانونِ مکافات ان کے تمام اعمال کو محیط ہے (۴/۱۲۶)۔

۱۰۹ (یاد رکھو! خدا کا قانونِ مکافات ایسا نہیں کہ اس کا سلسلہ صرف اسی دنیا تک محدود ہو'

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا
يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗـــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــًٔا
فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ

کہ اگر کسی نے ایسا انتظام کرلیا کہ وہ یہاں قانون کی گرفت سے بچ جائے تو وہ مواخذہ سے چھوٹ گیا۔ بالکل نہیں ہر جرم کا اثر مجرم کی ذات پر مرتب ہوتا ہے (۱۱۱/۴)۔ اور انسانی ذات اس کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی۔ اس کا سلسلہ آگے بھی چلتا ہے۔ اسلئے انسان کے اعمال کے نتائج مرنے کے بعد بھی سامنے آجاتے ہیں۔ بنا بریں) اگر تم کسی مجرم کے طرفدار بن کر' اس کی طرف سے' اس دنیاوی زندگی میں جھگڑتے ہو (اور اس طرح اسے غلط بیانیوں سے' قانون کی گرفت سے بچا بھی لیتے ہو) تو یہ بتاؤ کہ اس کے اعمال کے ظہور نتائج کے وقت' اس کی طرف سے کون جھگڑے گا' اور کون اس کی وکالت کیلئے کھڑا ہو سکے گا؟

۱۱۰ تم اس محکم اصول کو یاد رکھو کہ جرم کسی اور کے خلاف سرزد ہو' یا خود اپنی ذات کے خلاف (مثلاً قلب و نگاہ کی خیانت۔ برے ارادے۔ تخریبی اسکیمیں وغیرہ) تو تم دنیاوی قانون کی گرفت میں آ جاؤ یا اس سے بچ جاؤ۔ قانون خداوندی کی گرفت سے کبھی نہیں بچ سکتے۔ اس خطا کے ازالے کی صرف ایک صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ تم اپنے کئے پر نادم ہو۔ آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کرو (۱۷/۴)۔ اور جتنا بڑا تم نے جرم کیا ہے' اس سے کہیں زیادہ بھلائی کا کام کرو (۱۱۴/۱۱)۔

اگر تم نے ایسا کیا' اور یوں' قانون خداوندی کے مطابق اپنے جرم کے مضر اثرات سے حفاظت طلب کر لی' تو اس نقصان سے تمہاری حفاظت بھی ہو جائے گی اور تمہاری ذات کی نشوونما کا مزید سامان بھی مل جائے گا۔ (جرم سے انسانی ذات کی نشوونما رک جائے تو اس کی کشائش کی یہی صورت ہے)۔

۱۱۱ اسے پھر سن لو کہ جو شخص جرم کرتا ہے' اس جرم کا اثر خود اس کی ذات پر مرتب ہوتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جرم دوسرے کے خلاف نہیں ہوتا' بلکہ درحقیقت' خود اپنی ذات کے خلاف ہوتا ہے ——— اور یہ اثر' خدا کا قانون ہی زائل کر سکتا ہے جو علم و حکمت پر مبنی ہے۔

۱۱۲ اس بنیادی حقیقت کے سمجھ لینے کے بعد' تم سوچو کہ اگر کوئی شخص جرم یا خطا تو خود کرے اور اسے تھوپ دے کسی دوسرے بے گناہ کے سر' تو یہ' بجائے خود کتنا بڑا جرم ہے۔ اس طرح اس نے اپنے اوپر دوہرا بوجھ لاد لیا۔ ایک تو اس جرم کا بوجھ جو اس سے سرزد ہو گیا تھا' اور دوسرا اس بہتان کا بوجھ جو اس نے دوسرے پر لگا دیا۔

يُضِلُّوكَ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ ۖ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَيْءٍ ۚ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ
عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾ لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ
أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ
نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْ
مِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا
دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾

(۱۱۳) یہ تو خدا کا خاص فضل و اُس کی رحمت ہے کہ اُس نے تمہیں اِس قسم کا ضابطہ ہدایت دے دیا جس میں اِن تمام امور کے متعلق واضح ہدایت ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اِن قوانینِ خداوندی کی لِم اور حکمت، غرض اور غایت کیا ہے' اور اِس طرح تمہیں وہ کچھ سکھا دیا جو تم (تنہا عقل کی رُو سے) کبھی نہیں سیکھ سکتے تھے۔ اگر تم پر خدا کا یہ فضل نہ ہوتا تو منافقین کا ایک گروہ اس کا تہیہ کر چکا تھا کہ تمہیں صحیح راستے سے بھٹکا دے۔ اب اِس قسم کے ارادوں سے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' خود اپنے لئے سامانِ ہلاکت بہم پہنچاتے ہیں۔

(۱۱۴) یہ منافقین (جماعتِ مومنین سے الگ ہو کر) باہمی مشورے کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ مشورے بیشتر ایسے ہوتے ہیں جن میں کوئی بھلائی کی بات نہیں ہوتی۔ مشورے وہی اچھے ہوتے ہیں جو رفاہ عامہ کے کسی کام کیلئے عطیات دینے کیلئے ہوں۔ یا معاشرے کے اُن کاموں کے متعلق جنہیں قانون صحیح تسلیم کرے یا لوگوں کی اصلاح کی خاطر ہوں۔ جو لوگ ایسا کریں — اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اِس میں ذاتی مفاد کا خیال نہ ہو' خالصۃً لوجہ اللہ ہو۔ تو ایسے لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ خوشگوار ہوگا اور انہیں اسکا بہت بڑا اجر ملے گا۔

(۱۱۵) لیکن جو شخص' ایسے واضح قوانین کے بعد بھی' رسول (یا اُس کے بعد اُس کے جانشین' مرکزِ نظامِ خداوندی) کی مخالفت کرے۔ اور جو راستہ جماعتِ مومنین باہمی مشورہ سے تجویز کریں (۴/۵۹) اُس کے خلاف جائے' تو اُسکا تعلق تم سے نہیں رہا' تمہارے مخالفین سے ہو گیا۔ اِس لئے قانونِ خداوندی کی رُو سے اُس کا شمار اُنہی کے ساتھ ہوگا جن سے اُس نے اپنا ناطہ جوڑ لیا ہے۔ اُس کی یہ روش اُسے سیدھا جہنم کی طرف لے جائے گی۔ اور وہ بہت بُری جگہ ہے جانے کی۔

(۱۱۶) غور سے دیکھو تو صاف نظر آجائے گا کہ منافقین کی یہ رَوش درحقیقت شرک کے مرادف ہے۔

إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا ۖ وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ
عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿۱۱۸﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ
فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿۱۱۹﴾

اس سے بڑا شرک اور کیا ہوگا کہ جن باتوں میں تمہیں فائدہ نظر آئے ان میں خدا کے قانون کا اتباع کرو اور اُس جماعت کے ساتھ ساتھ چلو جو اُس قانون کو نافذ کرنے کے لئے عمل پیرا ہے۔ لیکن جب اپنا مفاد کسی دوسرے طریق میں نظر آئے تو اس جماعت اور نظام کا ساتھ چھوڑ کر جھٹ دوسری راہ اختیار کر لو۔

انسان کی معمولی لغزشیں اور خطائیں قابل معافی ہوتی ہیں اور جو شخص (قانون کے مطابق) معافی چاہے اسے معافی مل سکتی ہے۔ لیکن شرک ایسا جرم عظیم ہے جس سے معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا (۴/۴۸)۔ یہ تو خدا کے مقابلہ میں متوازی حکومت قائم کرنا ہے۔ یہ روش انسان کو صحیح راستے سے دور لیجاتی ہے —— بہت ہی دور۔

۱۱۷ اس طرح شرک کرنے والے خدا کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے اور ان کے پیچھے چلتے ہیں —— خواہ وہ خود اپنے جذبات ہوں (۲۵/۴۳) یا مذہبی پیشوا۔ وہ بیجان بت ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی قوت ہی نہیں ہوتی۔ علاوہ بریں قوانین خداوندی سے سرکشی برتنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی کوششیں صحیح نتائج و ثمرات سے محروم رہتی ہیں۔

۱۱۷ شاخ خزاں دیدہ یا بنجر زمین کی طرح محروم —— اور تمہیں معلوم ہے کہ ان کے مذہبی پیشوا انہیں ان راستوں کی طرف کیوں لیجاتے ہیں؟ محض اس لئے کہ خدا کے بندوں کی کمائی میں سے ایک مقررہ حصہ (مفت میں) خود لے لیں —— چند پیسوں کی خاطر اتنی بڑی قبیح حرکت! کیسی ملعون ہے یہ زندگی اور کتنے مذموم ہیں یہ مقاصد؟

۱۱۹ انہوں نے یہ غلط راہیں —— باطل عقائد اور توہم پرستانہ رسومات —— تجویز تو کر رکھی ہیں محض اپنی ذاتی منفعت کی خاطر لیکن لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ اس سے اُن کی مرادیں پوری ہو جائیں گی۔ اُن کی آرزوئیں بر آئیں گی۔ اس کے لئے کبھی اُن سے کہتے ہیں کہ وہ اس طرح اپنے جانوروں کے کان چیرا کریں۔ اور کبھی یہ کہ وہ اشیائے فطرت میں یوں تغیر و تبدل کر دیا کریں —— وہ اپنے مفاد کی خاطر انہیں اس قسم کی توہم پرستیوں میں الجھائے رکھتے ہیں اور یہ (اُن کے متبعین) اپنے پست جذبات کی تسکین کے لئے ان گورکھ دھندوں میں اُلجھے رہتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ جو قوم عقل و بصیرت اور قانون خداوندی کو چھوڑ کر اس قسم کا توہم پرستانہ

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا
مَحِيصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ
مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ
مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾

مسلک اختیار کرلے' اور ان پیشواؤں کو' اپنا کارساز اور رفیق بنالے' تو اس کا نتیجہ' کھلی ہوئی تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

۱۲۰ شیطان (کے یہ نمائندے) لوگوں کو جنت کے وعدے دیتے اور اُن کی آرزوئیں بر آنے کے مژدے سُناتے ہیں۔ لیکن اِن کے یہ تمام وعدے اور مژدے' دھوکا اور فریب ہیں۔

۱۲۱ اِن کا انجام جہنم کی تباہی ہے جس سے نکل بھاگنے کی کوئی راہ نہیں۔

۱۲۲ اِن کے برعکس' جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں' تو یہ لوگ ابدی شادابیوں کی جنت کی زندگی بسر کریں گے ——— اِس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ——— یہ خدا کا وہ وعدہ ہے جو ٹھوس حقیقت بن کر سامنے آجائے گا ——— اور یہ ظاہر ہے کہ خدا سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟

۱۲۳ اِس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ زندگی کی شادابیاں اور خوشگواریاں' نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق مل سکتی ہیں۔ نہ فریق مخالف کی۔ اِس میں کسی کے ذاتی جذبات کا سوال ہی نہیں۔ یہ سب کچھ ایک محکم اور غیر متبدل قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ جو کوئی غلط روش اختیار کرے گا' اُس کے نتائج بھگتے گا۔ وہ ہزار جتن کرے کہ اُسے کوئی ایسا دوست اور مددگار مل جائے جو اُسے ان تباہیوں سے بچالے' ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ اُسے اِن تباہیوں سے صرف خدا کا قانون بچا سکتا تھا جس سے اُس نے سرکشی اختیار کرلی تھی۔

۱۲۴ اِس کے برعکس' جو شخص قانون خداوندی کی صداقت پر یقین رکھے اور اس کے تجویز کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہو ——— وہ مرد ہو یا عورت ——— ایسے لوگ زندگی کی شادابیوں سے بہرہ یاب ہوں گے۔ اور ان کی محنت کے ماحصل میں ذرّہ برابر کمی نہیں کی جائے گی۔ ایسا کرنا ظلم ہوگا۔ اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ
اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَ
يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا
لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

---

۱۲۵ ان تصریحات کے بعد ان سے پوچھو کہ اُس نظامِ زندگی سے زیادہ حسین نظام اور کونسا ہو سکتا ہے جس میں ہر فرد اپنے جذبات، توجہات بلکہ پوری کی پوری ذات کو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکا دے اور پھر نہایت حسن کارانہ انداز کی زندگی بسر کرے —— یعنی اُس مسلک کا اتباع کرے جسے ابراہیمؑ نے تمام غیر خداوندی سمتوں سے مُنہ موڑ کر اختیار کیا تھا —— اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ خدا نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست اور رفیق بنا لیا تھا۔ سوچئے کہ جس شخص کو خود خدا اپنی رفاقت کے لئے چُن لے اُس سے زیادہ خوش بخت اور کون ہو سکتا ہے؟ یہی خوش بختی تمہارے حصّے میں بھی آ سکتی ہے۔

۱۲۶ یہی وہ نظام ہے جو ساری کائنات میں جاری و ساری ہے۔ جہاں ہر شے خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرمِ عمل ہے۔ اور خدا کا قانون اِن اشیاء کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ کوئی بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔

اگر انسان بھی یہی روش اختیار کرے تو اس کا نظامِ زندگی اسی حُسن و خوبی سے چل سکتا ہے جس حُسن و خوبی سے نظامِ کائنات چل رہا ہے —— اِس فرق کے ساتھ کہ کائنات میں یہ کچھ مجبوراً ہو رہا ہے اور انسان اِسے اپنی مرضی اور ارادہ سے اختیار کرے گا جس سے اس کی ذات کی نشوونما بھی ہوتی جائے گی۔ یعنی معاشرہ کی زندگی بھی جنتی ہو گی اور افراد کی ذات کی تکمیل بھی ہوتی جائے گی۔

۱۲۷ یہی وہ نظام ہے جس کے ایک گوشے (معاشرتی اور عائلی زندگی) کے متعلق کچھ احکام پہلے (ابتدائے سورۃ میں) دیئے جا چکے ہیں۔ اِسی ضمن میں "اے رسول! لوگ تجھ سے عورتوں کے بارے میں مزید باتیں دریافت کرتے ہیں۔ اِن سے کہہ دو کہ اِن امور کے متعلق اللہ تمہیں اُن احکام کے تسلسل میں جو پہلے دیئے جا چکے ہیں، مزید احکام دیتا ہے۔ یہ احکام یتیم لڑکیوں یا اُن عورتوں کے متعلق ہیں جو بلا خاوند رہ جائیں (بیوہ ہو کر یا ویسے ہی خاوند نہ ملنے کی وجہ سے)۔ تم اِن کا

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۲۸ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۲۹

وہ حق تو دیتے نہیں جو قانون خداوندی نے اِن کے لئے مقرر کیا ہے اور چاہتے یہ ہو کہ انہیں اپنے نکاح میں لے آؤ۔ یہ غلط ہے۔ اِن کے واجبات انہیں ضرور دو۔ یہی حکم ان یتیم لڑکوں کے متعلق ہے جو بے کس اور ناتواں رہ جائیں۔ مختصراً یہ کہ یتیم کوئی بھی ہو ـــــ عورتیں ہوں، لڑکیاں ہوں، یا لڑکے ہوں ـــــ ان کے ساتھ ہمیشہ انصاف کرو۔ بلکہ انصاف سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر اُن سے حسن سلوک کرو۔ جو بھلائی تم اُن کے ساتھ کرو گے وہ رائیگاں نہیں جائے گی۔ خدا تمہارے ہر عمل کا علم رکھتا ہے۔

۱۲۸ (جو عورتیں سرکشی پر اُتر آئیں، ان کے متعلق (۴/۳۴) میں حکم دیا جا چکا ہے)۔ اِس کے برعکس اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی طرف سے سرکشی یا بے رغبتی محسوس کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ جن شرائط پر بھی چاہیں، آپس میں مصالحت کر لیں۔ اس لئے کہ مصالحت بہرحال جھگڑے سے بہتر ہوتی ہے۔ (مصالحت کے لئے ثالثوں کے تقرر کے متعلق پہلے بتایا جا چکا ہے ۴/۳۵)۔ مصالحت کے معاملہ میں بالعموم روپے پیسے کا سوال سدِّراہ ہو جایا کرتا ہے اور معاملات سلجھنے نہیں پاتے۔ اس لئے کہ انسان کی طبیعت میں بخل ہوتا ہے۔ اگر تم اس جذبہ پر قابو پا کر حُسنِ سلوک سے کام لو، اور اس طرح قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرو، تو اس کا تمہیں اجر ملے گا۔ خدا کا قانونِ مکافات تمہارے ہر عمل سے باخبر ہوتا ہے۔

۱۲۹ تیسری بات یہ یاد رکھو کہ جب ان حالات کے مطابق جن کا ذکر (۴/۳) میں آچکا ہے، تمہارے عقد میں ایک سے زیادہ بیویاں آجائیں تو تمہیں ان سے عدل کرنا ہوگا۔ جہاں تک محبت اور جاذبیت کا تعلق ہے، مختلف بیویوں سے ایک جیسا سلوک ناممکن ہے۔ تم ہزار چاہو، ایسا کر نہیں سکو گے۔ اس لئے کہ ان باتوں کا تعلق جذبات سے ہے اور جذبات میں یکسانیت ممکن نہیں۔ جو عدل مقصود اور ممکن ہے وہ یہ ہے کہ تم کسی ایک بیوی کی طرف اس قدر نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیوی بالکل اُدھر لٹکی رہ جائے ـــــ یعنی نہ خاوند والی، نہ بے خاوند کی ـــــ معاشرتی معاملات میں ان سب سے ایک جیسا سلوک اور برتاؤ کرو۔ یہ چیز قانونِ خداوندی کی رُو سے تقاضائے عدل کو پورا

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا
فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي
ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

کردے گی' اور جو عدم مساوات' جذبات کی رُو سے پیدا ہوگی' اس کے مُضر اثرات سے تمہاری حفاظت ہو جائیگی۔ قانون خداوندی' اِس طرح' حفاظت اور مرحمت کی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے۔

۱۳۰ لیکن اگر باہمی نباہ کی کوئی صورت ممکن نہ رہے (اور مصالحتی کوششیں بھی ناکام رہ جائیں) تو اس کا علاج علیحدگی (طلاق) کے سوا کچھ نہیں۔ تم اس علیحدگی (طلاق) سے اس لئے نہ رُکے رہو کہ اس سے معاشی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ یہ ذمہ داری نظام خداوندی کی ہے کہ وہ اپنے وسیع ذرائع سے تم دونوں کی ضروریات کا سامان بہم پہنچائے۔ اس نظام کی بنیاد ہی وسعت و حکمت پر ہے۔

۱۳۱ تم خارجی کائنات میں نہیں دیکھتے کہ کس طرح ہر شے نظام خداوندی کی تکمیل کیلئے سرگرم عمل ہے' اور ان کی کس طرح نشوونما ہوتی جارہی ہے! اسی لئے ہم نے' ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے ضوابط قانون دیئے تھے' کہا تھا' اور وہی بات اب تمہیں کہتے ہیں کہ تم ہمیشہ قوانین خداوندی کی نگہداشت رکھو۔ اس میں تمہارا ہی بھلا ہے۔ اگر تم نے اس روش سے انکار کیا تو اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اُس کا سلسلۂ کائنات بدستور اسی طرح چلتا رہے گا۔ اُسے خارجی سہاروں کی ضرورت نہیں۔ اور یہی چیز اس کے لئے وجہ حمد و ستائش ہے۔

۱۳۲ خدا کے نظام کو کسی اور کارساز و کارفرما کی ضرورت نہیں۔ اور اس حقیقت پر کائنات کی پستیاں اور بلندیاں شاہد ہیں۔

۱۳۳ لیکن انسان کا معاملہ دیگر اشیائے کائنات سے' اِن معنوں میں' مختلف ہے کہ اشیائے کائنات کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ خدا کے قانون سے سرکشی برت سکیں' اور انسان کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو اُس کا قانون اختیار کرلے اور چاہے اس سے انکار کردے۔ ہم نے یہ کچھ اپنی مشیّت کے پروگرام کے مطابق کیا ہے' ورنہ ہمارے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ ہم موجودہ نوع انسان کو (جو صاحب اختیار و ارادہ ہے) ختم کرکے' اس کی جگہ ایسی نوع لے آئیں جو

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ (۱۹ ع ۵ ۲۶)
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ
اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ
عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اشیائے کائنات کی طرح بے چون وچرا قوانین خداوندی کی اطاعت کئے جائے۔ ہم ایسا کرنے پر قادر ہیں (۲۰ — ۱۴ / ۱۹)۔

۱۳۴ لیکن ہم ایسا کرنا نہیں چاہتے۔ ہم انسان کے اختیار وارادے کو سلب نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن ہم اسے آگاہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ تم قوانین خداوندی کو چھوڑ کر دوسرے راستے اس لئے اختیار کرتے ہو کہ تمہیں دنیاوی مفاد حاصل ہو جائیں۔ ہمارے قوانین کی اطاعت سے تمہیں دنیاوی مفاد بھی حاصل ہو سکتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اُخروی زندگی کی کامیابیاں اور کامرانیاں بھی۔ خدا تمہاری موجودہ زندگی کی آسائش طلبی کی درخواستوں کو بھی سنتا ہے اور مستقبل کی شادابیوں کو بھی نگاہ میں رکھتا ہے۔ خدا کے علاوہ کسی اور کے قانون میں یہ ممکن نہیں۔

۱۳۵ اس نظام کے قیام کے لئے، جس میں حال اور مستقبل دونوں کی خوشگواریاں حاصل ہوتی ہیں، بنیادی شرط یہ ہے کہ تم دنیا میں عدل وانصاف کے محافظ ونگران بن کر رہو (۵/۸)۔ عدل کے لئے ایک بنیادی عنصر سچی شہادت ہے۔ تم شہادت، نہ مدعی کی طرف سے دو نہ مدعا علیہ کی طرف سے۔ تم خدا کی طرف سے گواہ بن کر کھڑے ہو اور ہمیشہ عدل وانصاف کو مدنظر رکھ کر سچی سچی شہادت دو، خواہ یہ شہادت (اور تو اور) خود تمہارے اپنے خلاف جائے۔ یا تمہارے والدین یا دیگر رشتہ داروں کے خلاف۔ اس باب میں امیر اور غریب میں بھی کوئی امتیاز نہ کرو (حتیٰ کہ دشمن سے بھی عدل کرو ۵/۸)۔ تم جادۂ حق وصداقت سے ہٹ کر ان کے خیر خواہ مت بنو۔ خدا کو ان کی خیر خواہی کی زیادہ فکر ہے۔ اس کا خیال رکھو کہ تمہارے جذبات کہیں عدل کی راہ میں حائل نہ ہو جائیں۔ نہ ہی کوئی پیچدار بات کرو نہ شہادت دینے سے پہلو تہی کرو۔ یاد رکھو! اللہ کا قانون مکافات تمہارے تمام اعمال (جذبات ورجحانات تک) سے اچھی طرح واقف ہے۔

۱۳۶ اس نظام کے سلسلہ میں ایک اور اہم اور بنیادی حقیقت کو بھی سامنے رکھو۔ اس نظام کے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا
لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ
مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾

حاصل وہ افراد نہیں ہوں گے جو محض مسلمانوں کے گھر پیدا ہو جانے سے سمجھ لیں کہ وہ جماعتِ مومنین کے ممبر ہیں۔ یہ جماعت 'آئیڈیالوجی (ایمان) کی بنیادوں پر متشکل ہوتی ہے اور وہی شخص اس کا ممبر ہو سکتا اور رہ سکتا ہے جو اس آئیڈیالوجی کی صداقت پر یقین رکھے۔ لہٰذا 'اے جماعتِ مومنین! تم ہمیشہ اس نظام کے بنیادی اصولوں کی صداقت پر یقین رکھو (۲/۴) - اور وہ بنیادی اصول ہیں — اللہ پر ایمان۔ اس کے رسول پر ایمان۔ اس کتاب پر ایمان جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی۔ اور ان تمام کتابوں پر ایمان جو اس نے اس سے پہلے نازل کی تھیں۔ (اور ملائکہ اور حیاتِ اُخروی پر ایمان)۔ جو شخص 'اللہ' اس کے ملائکہ۔ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر۔ اور حیاتِ اُخروی پر ایمان نہیں رکھتا' ان سے انکار کرتا ہے۔ تو وہ زندگی کے صحیح راستے سے بہت دور جا پڑتا ہے۔ (مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے والوں کے متعلق اصولاً تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ ان امور پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ علیٰ وجہ البصیرت بھی ان امور پر یقین رکھیں)۔

۱۳۷ ایمان سے مفہوم یہ ہے کہ انسان کے دل میں کسی وقت بھی تذبذب پیدا نہ ہو۔ اگر کیفیت یہ ہو کہ ابھی ایک بات کو مان لیا۔ پھر اس سے انکار کر دیا۔ اور اس طرح انکار میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ تو ایسے لوگ 'قانون خداوندی کے سائے میں' اپنی حفاظت کا سامان نہیں پا سکتے' اور نہ ہی انہیں زندگی کی خوشگواریوں کا راستہ مل سکتا ہے۔

۱۳۸ نہ ہی ایمان کا یہ مطلب ہے کہ اختیار تو کر لیا اس آئیڈیالوجی کا' اور اتباع کرتے رہے اپنے جذبات و مفاد کی۔ یا ظاہرداری سے' ساتھ تو رہے جماعتِ مومنین کے' لیکن رپورٹ ملتے رہے جماعتِ مخالف سے۔ ایسے لوگوں کو منافق کہتے ہیں۔ ان کی اس روش کا نتیجہ اَلم انگیز تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

۱۳۹ یہ لوگ جو جماعتِ مومنین کو چھوڑ کر مخالفین کے ساتھ یارانہ گانٹھتے ہیں' تو کیا یہ اُن کے پاس عزت اور قوت حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں؟ اگر یہ اس خیال کے ماتحت ایسا کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ حقیقی عزت اور قوت 'صرف قوانین خداوندی کی اطاعت سے مل سکتی ہے۔ اس کے سوا کہیں اور سے نہیں مل سکتی۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى
يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾
الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ
قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَنْ
يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ع ۱۷
وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

---

۱۴۰ فریق مخالف (کفار) کے ساتھ دوستی کے تعلقات تو ایک طرف رہے' خدا نے اپنے ضابطہ قوانین میں اس باب میں' حکم یہ دیا ہے کہ جب تم کہیں دیکھو کہ آیاتِ خداوندی کا انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے' تو تم ایسی مجلس میں بھی نہ بیٹھو۔ ان سے کنارہ کش ہو جاؤ تا آنکہ وہ اس قسم کی باتیں چھوڑ کر دوسری باتوں میں نہ لگ جائیں۔ اگر تم ان کی اس قسم کی باتوں میں شریکِ محفل رہے تو اُس وقت تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے' حالانکہ تم میں اور اُن میں کوئی چیز وجہ جامعیت نہیں ہو سکتی۔ جامعیت اور اشتراک تو کفار اور منافقین میں ہے — اور یہ جامعیت یہاں سے لے کر جہنم تک برابر چلی جاتی ہے۔

۱۴۱ اِن منافقین کی حالت یہ ہے کہ یہ تمہارے متعلق ہمیشہ انتظار میں رہتے ہیں۔ اگر بفضلِ ایزدی تمہاری فتح ہو تو یہ جھٹ سے کہہ دیں گے کہ ہم تمہارے ساتھ تھے۔ اور اگر فریق مخالف کے حصے میں کامیابی آجائے تو ان سے جا کہیں گے کہ یہ سب ہمارے طفیل ہے۔ ہم نے ہی تمہیں ترغیب دلا کر مسلمانوں پر حملہ کے لئے آمادہ کیا تھا۔ ہم ہی نے تمہاری جرأت بڑھائی۔ اور ہم ہی نے جماعتِ مؤمنین سے تمہاری حفاظت کی تھی۔

اِن سے کہہ دو کہ یہ دورُخی چالیں کب تک چل سکتی ہیں؟ عنقریب وہ آخری انقلاب آنے والا ہے (جب مخالف اور موافق جماعتیں' نکھر کر ایک دوسرے کے خلاف کھڑی ہو جائیں گی)۔ اُس وقت تمہارے متعلق بھی کھلا کھلا فیصلہ ہو جائے گا کہ تم کس کے ساتھ ہو۔ تم کچھ بھی کر لو۔ یہ کبھی نہیں ہو گا کہ خدا کفار کو مومنین پر غالب آجانے دے (۳/۱۴۸)۔

یہ منافقین اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں' حالانکہ یہ اپنی اِس رَوِش سے' خود اپنے آپکو

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

دھوکے میں رکھتے ہیں (۴/۹)۔ جب یہ 'طوعاً و کرہاً' اجتماعِ صلوٰۃ میں شریک ہوتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ اس سے قوانینِ خداوندی کی یاد تازہ کرلی جائے' بلکہ محض لوگوں کو دکھانے کے لئے (کہ ہم بھی تمہاری جماعت میں شامل ہیں)۔ ان سے کہو کہ جس طرح تانت اور کمان کے الگ الگ رہنے سے روئی نہیں دُھنی جاسکتی' اسی طرح جب تک تمہاری ظاہری نقل و حرکت کے ساتھ نیک نیتی شامل نہ ہو کوئی تعمیری نتیجہ مرتب نہیں ہوسکتا (۹/۵۴ ؛ ۱۰۷/۵)۔

۱۴۳ ان کی اس روش سے انہیں وہ اطمینان حاصل ہی نہیں ہوسکتا جو یقینِ محکم کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ پریشاں خاطر حواس باختہ' درمیان میں لٹکے رہتے ہیں ـــــ نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے (۲۲/۱۱)۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ 'قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی سے' خود اپنے اوپر زندگی کی خوشگواریوں کی راہ بند کرلیں' اُن پر اس راہ کو کون کھول سکتا ہے؟ (یہ راہیں تو یقینِ محکم اور عملِ پیہم ہی سے کھلا کرتی ہیں)۔

۱۴۴ اے جماعتِ مومنین! تمہارے رفیق صرف وہی ہونے چاہئیں جو تمہاری جماعت کے افراد ہوں۔ اس لئے تم ایسا کبھی نہ کرو کہ کفار (مخالفین) کو اپنا دوست اور کارساز بنالو۔ یہ ایک ایسا جرم ہوگا' جو قانونِ خداوندی کی رُو سے تمہیں سزا کا مستوجب قرار دینے کے لئے 'کسی ثبوت اور دلیل کا محتاج نہیں ہوگا۔ تمہاری یہ روش' تمہیں مجرم ثابت کرنے کے لئے اپنی دلیل آپ بن جائے گی۔

۱۴۵ یقیناً منافقین' جہنم کے سب سے نچلے درجے کے مستحق ہیں۔ یہ وہیں رکھے جائیں گے ـــــ ان کا کوئی رفیق اور مددگار نہیں ہوسکتا۔

۱۴۶ ہاں مگر جو ان میں سے اپنی روش سے باز آجائیں' آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کرلیں اس ضابطہ خداوندی کو محکم طور پر پکڑ لیں اور اطاعت و فرماں پذیری خالصتہً خدا کے لئے مختص

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

کردیں' تو اِس سے یہ لوگ جماعتِ مومنین کے افراد بن سکیں گے اور اُس اجرِ عظیم میں شریک ہوجائیں گے جو قانونِ خداوندی کی رُو سے' عنقریب جماعتِ مومنین کو ملنے والا ہے۔

ان سے کہو کہ اگر تم ضابطۂ خداوندی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالو اور خدا کی طرف سے عطا شدہ نعمتوں کی قدر کرو یعنی جس مقصد کے لئے وہ دی گئی ہیں انہیں اسی کے لئے صرف کرو۔ تو خدا تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ خدا کا قانونِ مکافات ہر ایک کے عمل سے واقف ہے اور اُس کی کوششوں کے بھرپور نتائج دیتا ہے۔

پارۂ پنجم ختم



لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا
قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ
بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾

۱۴۸ جو لوگ' اس طرح' سابقہ روش کو چھوڑ کر اپنی اصلاح کر لیں' تو ان کی گذشتہ غلطیوں کی تشہیر مت کرو۔ بیجا تشہیر کسی کی بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ بات قانون خداوندی کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ ہاں اگر کسی شخص کے خلاف زیادتی ہوئی ہو اور وہ (اس کے مداوا کے لئے) اس کا اعلان کر دے تو اور بات ہے۔ خدا کا قانون سب کی سنتا اور ہر بات کا علم رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تشہیر کس مقصد کے لئے کی جا رہی ہے۔

۱۴۹ باقی رہیں بھلائی کی باتیں۔ تو انہیں کھلے طور پر کرو یا پوشیدہ۔ یا برائی سے درگزر کرو۔ (تو ان میں سے کوئی بات بھی خدا کی نگاہوں سے چھپی نہیں رہ سکتی)۔ خدا کا قانون جہاں جرم کی سزا دینے کی قوت رکھتا ہے' وہاں' اس میں' درگزر کر دینے کی بھی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔

۱۵۰ جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں۔ یا خدا کو تو مانتے ہیں (کہ کارگہ کائنات میں اس کے قوانین جاری و ساری ہیں' لیکن جہاں تک انسانوں کی دنیا کا تعلق ہے وہ) اس قانون سے انکار کرتے ہیں جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعے بھیجا ہے (۶۲/۳ - ۶۱/۲۹)۔ یا اس کے قانون کو مانتے ہیں تو اس طرح کہ کسی ایک رسول کی طرف نازل شدہ قانون کے من جانب اللہ ہونے کو تسلیم کر لیا اور دوسروں کی تکذیب کر کے ان کے من جانب اللہ ہونے سے انکار کر دیا (۴/۲ - ۲/۸۵)۔ یا ایک ہی ضابطۂ قوانین کی ایک بات

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَ
(٢١) (٢١) (١) لَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾
يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِن ذَٰلِكَ فَقَالُوا
أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ
فَعَفَوْنَا عَن ذَٰلِكَ ۚ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿١٥٣﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْ
خُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿١٥٤﴾

مان لی اور دوسری سے انکار کر دیا (۴/۵۵)۔ اور اس طرح' اقرار اور انکار کے بین بین تیسری راہ اختیار کرنے کی سوچتے رہے۔

۱۵۱ تو یاد رکھو! یہ اقرار کی راہ نہیں' یکسر انکار کی راہ ہے۔ ایسے لوگوں کا انجام بالکل وہی ہوگا جو دوسرے منکرین اور مخالفین کا ہونے والا ہے۔ یعنی رسوا کن تباہی۔

۱۵۲ مومن وہ ہیں جو خدا کو مانیں اور اس کے بھیجے ہوئے قانون کو مانیں۔ اور اسے بھی مانیں کہ یہ سلسلۂ رشد و ہدایت شروع سے حضرات انبیاء کرامؑ کی وساطت سے آتا رہا ہے۔ وہ سب خدا کی طرف سے سچے نبی تھے۔ منصب نبوت کے اعتبار سے' ان میں کوئی فرق نہیں ——— ان لوگوں کی کوششوں کے ثمرات انہیں عنقریب مل جائیں گے۔ اور اگر ان سے کوئی کوتاہی ہو جائے گی' تو اس کے مضر اثرات سے ان کی حفاظت کر دی جائے گی اور ان کی نشوونما میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ خدا کے قانون میں اس کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔

۱۵۳ یہ اہل کتاب (یہودی) تم سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اس صورت میں خدا کا سچا رسول مانیں گے' کہ تم ایک بنی بنائی کتاب آسمان سے اتار کر دکھاؤ۔
تم ان کی اس قسم کی جہالت آمیز باتوں سے کبیدہ خاطر مت ہو۔ یہ لوگ (خود اپنے پیغمبر) موسیٰؑ سے اس سے بھی بڑھ کر مطالبے کیا کرتے تھے۔ اُس سے کہا کرتے تھے کہ خود خدا کو ہمارے سامنے لا کر دکھاؤ (۴/۵۵ ؛ ۷/۱۵۵)۔ انہیں ان کی اس بیہودگی کی سزا ملی تو انہوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی (۲/۹۲) حالانکہ اس سے قبل ان کے پاس خدا کی واضح تعلیم آچکی تھی۔ ہم نے ان کی اس حماقت سے بھی درگزر کیا' اور موسیٰؑ کو کھلا ہوا اقتدار اور غلبہ عطا کر دیا۔

۱۵۴ پھر ہم نے ان سے' کوہ طور کے دامن میں' قانون خداوندی پر کاربند رہنے کا پختہ

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ
بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا
عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ
شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا
قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾

عہد لیا (۲/۶۳) - اور (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ۲/۸۳) ان سے کہا کہ ہمارے قانون کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ۔ نیز ان سے یہ بھی کہا تھا کہ سبت سے متعلق احکام و ضوابط کی خلاف ورزی مت کرنا (۲/۶۵) - اور ان سے ان تمام باتوں کا پختہ عہد لیا تھا۔

۱۵۵ لیکن انہوں نے اپنے کسی عہد کی پابندی نہ کی۔ اُن میں سے ایک ایک کو توڑا۔ احکام خداوندی سے کھلا ہوا انکار کیا۔ ان سے سرکشی برتی۔ اپنے انبیاء کو ناحق ذلیل و رسوا کیا۔ بعض کو جان تک سے مار دیا۔ انہیں جب کبھی قانون خداوندی کی طرف دعوت دی گئی، تو انہوں نے اس دعوت کو نہایت استکبار سے، یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ ہم اس سے بے نیاز ہیں۔ ہمارا دل ان باتوں کا اثر قبول نہیں کرتا۔ ہمارے اپنے پاس بہت کچھ ہے (۲/۸۸)۔

ان کے اس انکار، سرکشی اور تکبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اب ان میں سے، سوائے معدودے چند کوئی ایمان نہیں لاتا۔

۱۵۶ ان کے جرائم کی فہرست یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ اس سے آگے بھی چلتی ہے۔ حق و صداقت سے انکار اور نخوت و خودستائی پر اصرار سے ان کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے مریمؑ جیسی پاکباز خاتون کے خلاف بہت بڑا بہتان باندھ دیا۔ اور

۱۵۷ عیسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کے متعلق اب تک بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم نے اسے قتل کر کے ذلت کی موت مار دیا تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ انہوں نے اُسے قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر چڑھا کر، بزعم خویش، ذلت کی موت مارا۔ ہوا کچھ اور، اور یہ سمجھے کچھ اور۔ یوں ان پر اصل بات مشتبہ ہو کر رہ گئی[1]۔ دوسری طرف جو لوگ اس باب میں یہودیوں سے اختلاف کرتے ہیں (یعنی عیسائی) اصل بات کا انہیں بھی

[1] حضرت عیسیٰؑ ان کے ہاتھ ہی نہیں آئے تھے۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ

علم نہیں۔ وہ بھی محض ظن وقیاس کی بنا پر باتیں کرتے ہیں۔ یعنی صحیح واقعہ کا علم نہ یہودیوں کو ہے نہ عیسائیوں کو۔ ان میں سے کسی کا علم بھی یقینی نہیں۔ اصل بات وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے (کہ مسیح نہ تو قتل ہوا اور نہ ہی بزعم یہود صلیب پر لعنتی موت مرا)

۱۵۸ بلکہ اللہ نے اُس کے مدارج کو بلند کر دیا تھا (۱۹/۵۷)۔ اور اللہ کا یہ انتظام (کہ مسیح صحیح وسلامت ان لوگوں کے چنگل سے نکل گیا خدا کی) زبردست قوت اور حکمت پر دلالت کرتا ہے یعنی خدا کے قانون میں جہاں یہ قوت ہے کہ وہ دشمن پر غالب آجائے' وہاں وہ ایسی حسن تدبیر بھی اپنے اندر رکھتا ہے کہ عند الضرورت دشمن سے محفوظ رہا جائے۔

۱۵۹ اور عیسائیوں کا تو یہ عالم ہے کہ (باوجودیکہ حقیقت حال کا انہیں بھی یقینی طور پر علم نہیں) وہ مسیح کے صلیب پر جان دینے اور اس طرح ان کے گناہوں کا کفارہ بن جانے پر ایسا محکم یقین رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی موت کے وقت اس کا اقرار کرتا ہے (خود پادری آکر اس سے کفارہ پر ایمان کا اقرار لیتا ہے)۔ لیکن جب یہ لوگ مسیح کے کفارہ پر ایمان کی بنا پر اپنی بخشش کے لئے خدا کے حضور جائیں گے تو خود مسیح ان کے خلاف شہادت دیں گے کہ انہوں نے ان سے اس قسم کے عقائد رکھنے کا نہیں کہا تھا۔ یہ عقائد سب ان کے وضع کردہ ہیں (۵/۱۱۷ — ۱۱۶)۔

۱۶۰ (بہرحال' یہ ہیں وہ بنی اسرائیل جو آج تم سے اس قسم کے مطالبات کر رہے ہیں کہ آسمان سے لکھی لکھائی کتاب اتار کر بتاؤ)۔ ان کی اس قسم کی زیادتیوں اور سرکشیوں کا نتیجہ تھا کہ وہ خوشگوار چیزیں جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں' سزا کے طور پر ان پر حرام قرار دیدی گئیں۔ (۶/۱۴۶)۔ ان کے جرائم کی فہرست طویل ہے۔ لیکن مختصراً یہ سمجھو کہ یہ لوگ ہمیشہ نظام خداوندی

۱۶۱ کی راہ میں جو عالمگیر انسانیت کے لئے نفع بخشیوں کی راہ ہے' روک بن کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ یہ محتاجوں کی مدد کرنے کے بجائے' ان کی احتیاج سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ انہیں کچھ قرض دیتے تھے تو اصل سے زیادہ واپس لیتے تھے' حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا۔ یہ اس طرح' نیز دوسرے طریقوں سے' لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھا جایا کرتے تھے —— اور اب تک یہی کچھ کرتے ہیں۔

أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۶۱﴾ لَٰكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ
الْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ
الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۶۲﴾ إِنَّا أَوْحَيْنَا ۳۲ ۴۰ ۲
إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَ
يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿۱۶۳﴾
وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿۱۶۴﴾

یہ ہیں ان کے جرائم جن کی وجہ سے یہ قوم اس قدر دردانگیز عذاب میں مبتلا ہے۔

۱۶۲ (لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ اب 'من حیث القوم' راندۂ درگاہ ہو چکے ہیں اور ان کے گھر پیدا ہونے والا بچہ' محض بنی اسرائیل کی نسل سے متعلق ہونے کی وجہ سے' ہمیشہ کیلئے اس عذاب میں مبتلا رہے گا۔ ان میں سے جو شخص بھی' اسلاف کی اندھی تقلید کے بجائے غور و فکر سے کام لے کر' علیٰ وجہ البصیرت' اپنی روش بدل لے گا' وہ اس عذاب سے نکل جائیگا) ۔چنانچہ ان میں کے ایسے لوگ' جنہوں نے ذاتی تحقیق سے علم میں پختگی حاصل کرلی ہے' اس ضابطۂ ہدایت (قرآن) پر بھی ایمان لے آئے ہیں جو تجھ پر نازل کیا گیا ہے' اور ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اس سے پہلے انبیائے سابقہ پر نازل کی گئی تھیں۔ یہ لوگ اب' (جماعت مومنین کے افراد بن کر) قیام صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے نظام کو متشکل کریں گے جس کی بنیادیں اللہ اور آخرت پر ایمان پر استوار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی محنتوں کا اجر عظیم بہت جلد مل جائے گا (اور ان کا بنی اسرائیل کی نسل سے ہونا ان کے خلاف نہیں جائے گا۔ اس لئے کہ اسلام انسانیت کا دین ہے' یہودیوں کے عقیدہ کے مطابق 'کسی خاص نسل میں محدود کر کے نہیں رکھ دیا گیا)

۱۶۳ یہ کوئی نیا دین نہیں۔ (اصلاً) وہی دین ہے جو نوحؑ اور اسکے بعد دیگر انبیاءؑ کو بذریعہ وحی دیا گیا تھا —— جو ابراہیمؑ' اسحٰقؑ' یعقوبؑ اور ان کی اولاد کو دیا گیا تھا۔ جو عیسیٰؑ' ایوبؑ' یونسؑ' ہارونؑ' اور سلیمانؑ کو دیا گیا تھا۔ یہی ضابطۂ ہدایت (دیگر انبیاءؑ کی طرح) داؤدؑ کو بھی دیا گیا تھا۔ اور خود یہودیوں کے پیغمبر موسیٰؑ سے بھی خدا نے یہی باتیں کی تھیں۔

۱۶۴ غرضیکہ تمام انبیائے سابقہ کو یہی دین دیا گیا تھا۔ ان میں سے بعض کا ذکر ہم اس سے

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰکِنِ اللّٰہُ یَشْہَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْکَ اَنْزَلَہٗ بِعِلْمِہٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَشْہَدُوْنَ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَہُمْ وَلَا لِیَہْدِیَہُمْ طَرِیْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِیْقَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ﴿۱۶۹﴾

پہلے کر چکے ہیں لیکن بعض کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن ذکر کیا ہو یا نہ' اصلاً ہر رسول کو یہی دین دیا گیا تھا (اور رسول دنیا کی ہر قوم کی طرف آئے تھے۔ ۱۳ : ۳۵/۲۴)۔

۱۶۵ ان رسولوں کا مشن یہی تھا کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ نظامِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے کیا کیا خوشگوار نتائج مرتب ہوں گے' اور اس کے خلاف جانے سے کیا کیا تباہیاں آئیں گی۔ یہ رسول اس لئے بھیجے جاتے تھے کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں صحیح راستہ تو بتایا نہیں گیا اور تباہیاں یونہی مسلط کر دی گئیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا کا قانونِ مکافات جہاں اتنی بڑی قوتوں کا مالک ہے کہ اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا' وہ وہاں اس قدر پُرحکمت بھی ہے کہ یونہی اندھا دھند تباہیاں نہیں لے آتا۔

۱۶۶ اب وہی دین علم و بصیرت کی بنیادوں پر تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اس پر خود خدا کی شہادت موجود ہے۔ اور اس کی کائناتی قوتوں کی شہادت جو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ کائنات میں ہر کام قانون کے مطابق ہوتا ہے اور قانون ہی کے مطابق ہر عمل کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ اور وہ بنیادی شہادت' جس کے بعد کسی خارجی شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی' خود اس قانونِ خداوندی کی داخلی شہادت ہے۔ یہ اپنے نتائج سے بتا دے گا کہ میں اسی خدا کا قانون ہوں جس کا قانون ساری کائنات میں جاری و ساری ہے۔

۱۶۷ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ دین سے انکار کریں اور نظامِ خداوندی کے قیام کی راہ میں' جو ربوبیتِ عامہ کی راہ ہے' سنگِ گراں بن کر بیٹھ جائیں' تو ان سے بڑھ کر گمراہی اور کس کی ہو سکتی ہے؟

۱۶۹ ۱۶۸ ان کی انکار اور سرکشی کی روش' سوائے اس کے کہ انہیں تباہیوں کے ابدی جہنم کی طرف لے جائے' اور کیا نتیجہ مرتب کرے گی؛ خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے' انہیں اس

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۷۰ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۱۷۱ ع ۲۳ ۹ ۳

تباہی سے کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔

اعمال کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ مرتب کرنا خدا کے قانون کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔

۱۷۰ سو اے نوع انسان! یہ رسول تمہارے خدا کا قانون ربوبیت لے کر تمہاری طرف حق و صداقت کے ساتھ آگیا ہے۔ اگر تم اس کی صداقت پر یقین کر کے اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنالوگے تو یہ تمہارے لئے اچھا ہوگا۔ اس سے یہ نظام جلدی متشکل ہو جائے گا اور تم اس کے ثمرات سے بہرہ یاب ہو جاؤ گے۔ لیکن اگر تم نے اس سے انکار کر دیا اور اپنی روش پر چلتے رہے تو پھر خدا کا کائناتی قانون، جو سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہے اور جو ارض و سما میں جاری و ساری ہے، اپنے انداز اور اپنی رفتار کے مطابق اسے بتدریج آگے بڑھاتا جائے گا۔ خدا کا کائناتی قانون تمہارے سہاروں کا محتاج نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کی رفتار تمہارے حساب و شمار کے مطابق بہت سست ہے۔ اس کا ایک ایک "دن" ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے (۳۲/۵)۔ بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا (۷۰/۴)۔

۱۷۰ ہم نے اوپر کہا ہے کہ یہ وہی دین ہے جو تمام انبیاء کو شروع سے دیا جاتا رہا لیکن اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ہاں بہت سی باتیں ہیں جنہیں موجودہ دین (جو قرآن کے اندر ہے) غلط قرار دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے دین میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اور اسے اس کے صحیح مقام پر نہیں رہنے دیا۔ ان سے کہہ دو کہ تم اس باب میں حقیقت سے تجاوز نہ کرو (۱۸۱ — ۱۸۰) اور اللہ کی طرف حق بات کے علاوہ، اور کوئی بات منسوب نہ کرو۔ (مثلاً تم نے مسیح کے متعلق عجیب و غریب اعتقادات و تصورات قائم کر رکھے ہیں — یہودیوں نے تفریط کی طرف اور عیسائیوں نے افراط کی طرف)۔ حالانکہ صحیح پوزیشن یہ ہے کہ وہ اللہ کا رسول تھا، اور اس رشد و ہدایت کے پروگرام کی ایک کڑی جس کے متعلق مریم کو بتا دیا گیا

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

تھا۔ اور اس کی تعلیم وحیٔ خداوندی پر مبنی تھی۔ سو تم (مسیح کی الوہیت کے عقیدے کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور اس کے رسولوں کو بس رسول سمجھو۔ اور تثلیث کا غلط عقیدہ چھوڑ دو۔ اگر تم اس قسم کے باطل عقائد کو چھوڑ دو گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔

یاد رکھو! کائنات میں الا صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ اللہ کی ذات ہے۔ وہ اس سے بہت بلند ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ اولاد تو انسانوں کے ہاں ہوتی ہے کہ ان کے کسی کام آئے۔ ضعیفی میں ان کا سہارا بنے۔ خدا کو اولاد کی کیا ضرورت ہے جبکہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو خود ساری کائنات کے لئے محکم سہارا ہے۔

۱۷۲ تم (تثلیث کے عقیدے کی رو سے) مسیحؑ اور روح القدس (فرشتے) کو خدا کی شان الوہیت کا شریک بنا رہے ہو! اس خیال سے کہ اس سے چھوٹا درجہ ان کے شایان شان نہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسیحؑ اور خدا کے مقرب ملائکہ اس حقیقت کے اعتراف میں قطعاً عار محسوس نہیں کرتے کہ وہ خدا کے بندے ہیں۔ جو کوئی خدا کا بندہ ہونے (اللہ کی محکومیت) میں ننگ و عار محسوس کرے اور اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ ان تمام باتوں کے نتائج خدا کے قانون مکافات کی رو سے مرتب اور ظاہر ہوں گے۔ تم اس کے دائرے سے کہیں باہر نہیں جا سکتے۔ تمہیں گھیر کر وہیں لایا جائے گا۔

۱۷۳ جو لوگ خدا کو اپنا الٰہ اور اپنے آپ کو اس کا عبد و محکوم سمجھتے ہیں اور اس کے احکام و قوانین کے مطابق عمل کرتے ہیں انہیں ان کے حسن عمل کا پورا پورا بدلہ ملیگا — بلکہ خدا کی سہولت بخشیوں کی رو سے ان کی توقعات اور اندازوں سے بھی زیادہ — لیکن جو لوگ خدا کا بندہ (محکوم) ہونے میں عار محسوس کریں گے اور اپنے آپ کو اس سے بلند سمجھیں گے کہ خدا کی اطاعت کی جائے تو ان کی اس روش کے نتائج دردانگیز تباہی کی شکل میں ان کے سامنے آئیں گے۔ وہ بری طرح برباد ہوں گے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ
وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۶﴾
يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا
تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً

۱۷۴ اُس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ سب سے بڑی ذات خدا ہی کی ہے۔ سارا اقتدار اسی کیلئے ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ ساز اور مددگار نہیں ہو سکتا۔

۱۷۵ اے نوع انسان! تمہارے پاس، تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے، واضح دلائل آگئے۔ یعنی اس نے تمہاری طرف ایک ایسا ضابطۂ ہدایت بھیج دیا ہے جو خود روشن ہے اور ہر چیز کو روشن کرتا ہے۔ (روشنی کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے تعارف اور نمود کے لئے کسی دوسری روشنی کی محتاج نہیں ہوتی ——— روشن چراغ کو دوسرے دیئے کی روشنی سے تلاش نہیں کیا جاتا۔ اس کی اپنی روشنی دیکھنے والے کو خود بخود اپنی طرف لے آتی ہے۔ نیز وہ ہر شے کا صحیح صحیح مقام متعین کر دیتی ہے اور بتا دیتی ہے کہ وہ کیا ہے۔ یہی کیفیت قرآن کی ہے)۔

۱۷۶ سو جو لوگ اللہ کے اس روشن اور تابناک ضابطۂ ہدایت کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے لیں، اور اس سے محکم طور پر وابستہ رہیں، تو خدا کا نظام ربوبیت، ان کی ذات کی نشوونما کا سامان بہم پہنچا دے گا اور ان پر معاشی خوش حالیوں اور سہولتوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور اس طرح وہ، اس سیدھی اور متوازن راہ پر چل نکلیں گے جو انہیں بلا خوف و خطر ان کی منزل مقصود تک لے جائے گی ——— اور یہ منزل اس کے سوا کیا ہے کہ:-

(۱) تمام نوع انسان ایک عالمگیر برادری بن جائے۔ (۲/۲۱۳)۔
(۲) کسی کو کسی قسم کا خوف و حزن نہ رہے (۲/۳۸)
(۳) کوئی انسان نہ کسی دوسرے انسان کا محکوم ہو (۳/۷۸)۔ نہ اپنی ضروریات کے لئے کسی کا محتاج۔ (۲۰/۱۱۸ — ۱۱۹)۔
(۴) تمام معاملات قوانین خداوندی کے مطابق طے پائیں (۵/۴۴)۔
(۵) نظام عدل و احسان اس درخشندگی سے قائم ہو کہ زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے۔ (۳۹/۶۹)۔

رِجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع ۲۴ ۵ ۴

(۶) اور اس نور سے تمام افراد کی ذات کی صلاحیتوں کی اس طرح نشو ونما ہو جائے کہ وہ اس زندگی سے اگلی زندگی کی ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جائیں۔ (۴/۱۹)۔
اسی راہ کو خدا کی طرف لیجانے والی صراط مستقیم کہتے ہیں۔

۱۷۶ (اس سورۃ کے شروع میں وراثت کے قوانین بیان کئے گئے تھے، جن میں کلالہ۔ یعنی لاولد کا ذکر بھی آیا تھا۔ وہاں اُس لاولد مرنے والے کا ذکر تھا جس کے ماں باپ اور بہن بھائی موجود ہوں ۴/۱۲)۔ اسی ضمن میں یہ لوگ تم سے کچھ مزید دریافت کرتے ہیں۔ کہو کہ اسکے متعلق تمہیں خدا خود بتاتا ہے۔
اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی نہ اولاد ہو نہ ماں باپ۔ تو اس کے ترکہ کی تقسیم یوں ہوگی۔
(۱) اگر متوفی مرد ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کا حصہ نصف ہوگا۔
(۲) اگر متوفیہ عورت ہو تو اس کے ترکہ کا وارث اس کا بھائی ہوگا۔
(۳) اگر ایک بہن کے بجائے دو بہنیں ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا دو تہائی (۲/۳) حصہ ہوگا۔
—— دو سے زیادہ بہنوں کے لئے بھی یہی اصول ہوگا۔ (۴/۱۱)۔
(۴) اور اگر بھائی بہن ملے جلے ہوں تو "ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ" کا اصول کارفرما ہوگا۔ (۴/۱۱)۔
(یہ تقسیم قرضہ کی ادائیگی اور وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگی۔ ۴/۱۲)۔
اللہ تمہیں یہ احکام کھول کھول کر بتاتا ہے تاکہ تم غلطی میں نہ پڑو۔ اور اللہ ہر بات کا صحیح صحیح علم رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے احکام و قوانین علم و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

ختم سورۃ نساء

سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا

---

① اے جماعتِ مومنین! تم پر قوانینِ خداوندی کی رُو سے جتنی پابندیاں عائد ہوتی ہیں، اور تم انہیں پورا کرنے کا عہد کرتے ہو (اس لئے کہ یہ "ایمان" کا اولین تقاضا ہے)، انہیں پورا کرو۔ (مثلاً) کھانے پینے کی چیزوں میں، بجز اُن کے جن کے متعلق قرآن کریم میں الگ حکم دیا گیا ہے (۵/۳)، تمام چرنے چگنے والے مویشی حلال ہیں لیکن اگر تم حج میں ہو تو پھر ان کے شکار کرنے کی ممانعت ہے۔ یہ احکام خدا کے اس قانون کی رُو سے دیئے گئے ہیں جسے وہ خود اپنے اختیارِ وارادے سے متعین کرتا ہے۔

② اب تم اپنی معاشرتی زندگی کی طرف آؤ۔ اس میں شبہ نہیں کہ اصل شے نظامِ خداوندی سے وابستگی اور اس کی اطاعت ہے، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ جو چیزیں، اس نظام کی نمایندگی کے لئے بطور محسوس علامات مقرر کی جائیں، اُن کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ اس لئے کہ اُن کی بے حُرمتی اس امر کی دلیل ہوگی کہ تمہارے دل میں نظامِ خداوندی کا احترام نہیں (جس طرح کسی مملکت کے جھنڈے کا عدمِ احترام اس امر کی شہادت ہوتا ہے کہ اُس شخص کے دل میں اس مملکت کا احترام نہیں)۔ نیز، جن مہینوں میں جنگ کا سلسلہ ملتوی کر کے امن عامّہ کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ان کی بے حرمتی نہ کرو۔ نہ ہی اُن تحائف اور جانوروں کی جو حج کے بین الاقوامی اجتماع کے لئے بھیجے جائیں۔ یا ان لوگوں کی جو اس اجتماع میں شرکت کیلئے جائیں تاکہ وہاں ملت کے معاشی فوائد کے حصول، اور زندگی کو قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ کرنے کی

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ

تدابیر سوچیں۔

اور جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ تو پھر شکار کر سکتے ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ تمہارے مدمقابل وہ قوم ہے جس نے تمہیں سخت ایذائیں پہنچائی تھیں۔ حتیٰ کہ تمہیں کعبہ تک پہنچنے سے روک دیا تھا (۴۸/۲۵)۔ اب تم ان پر غالب آ گئے ہو تو دیکھنا! کہیں ان پر ظلم اور زیادتی نہ کرنے لگ جانا۔ یاد رکھو! کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے زیادتی کرو۔ تم ان سے ہمیشہ عدل کرو (۵/۸)' اور ان تمام امور میں' جو انسانیت کی فلاح و بہبود کی راہیں کشادہ کریں' اور قوانین خداوندی کی نگہداشت کا موجب بنیں' ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ لیکن ان امور میں کبھی تعاون نہ کرو جو انسانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا موجب ہوں' یا خدا کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کا باعث۔ تم ہمیشہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو' اور اس حقیقت کو پیش نظر رکھو کہ خدا کا قانون مکافات' ہر عمل کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے۔ اس کی گرفت بڑی سخت ہے اور وہ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔

۳ (جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے (۲/۱۷۳) تم پر یہ چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں۔

(۱) مردار ——— اس میں وہ جانور بھی شامل ہے جو اپنی طبعی موت مر جائے اور وہ بھی جو گلا گھٹ کر مر جائے۔ چوٹ کھا کر مر جائے۔ جو اوپر سے گر کر مر جائے۔ یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مر جائے یا جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو۔

اگر ان جانوروں کو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو پھر ان کا کھانا جائز ہے۔

(۲) بہتا ہوا خون (۶/۱۴۶)۔

اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ
مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ
لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ

(۳) لحم خنزیر (سور کا گوشت)۔
(۴) اور ہر وہ شے جسے خدا کے علاوہ کسی اور کے نام سے منسوب کر دیا جائے۔
نیز وہ جانور بھی حرام ہے جسے کسی استھان پر چڑھاوے کے طور پر ذبح کیا جائے۔
یعنی اُن مقامات پر جو لوگوں نے نذر نیاز کے لئے مقرر کر رکھے ہوں۔
لیکن اگر کوئی شخص بھوک سے مجبور ہو جائے —— یہ نہیں کہ جان بوجھ کر ممنوع اشیاء کے کھانے کی طرف مائل ہو —— تو وہ بقدر ضرورت' ان حرام چیزوں کو بھی کھا سکتا ہے (۱۷۳/۲)۔
قانون خداوندی میں جو انسانوں کی حفاظت چاہتا ہے' خدا کی مہربانی سے اس کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔

اور یہ بات بھی حرام ہے کہ تم قرعہ اندازی سے چیزوں کی تقسیم کیا کرو یا فالیں نکالا کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم صحیح راستہ چھوڑ کر دوسری طرف نکل جاؤ گے۔
تمہارے مخالفین' اس وقت تک اس امید میں تھے کہ تمہارے ساتھ شاید کوئی مفاہمت کی راہ نکل آئے' لیکن کھانے پینے کی چیزوں میں حلت و حرمت' دو ٹوک فیصلہ کر دیتی ہے' اس لئے اب یہ لوگ دین کے معاملہ میں تم سے مایوس ہو گئے ہیں' اور یقینی طور پر سمجھ چکے ہیں کہ یہ دین' ان سے کسی صورت میں مفاہمت نہیں کرے گا۔ لیکن تمہیں' ان سے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم صرف اس سے ڈرو کہ کہیں قانون خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہو جائے کیونکہ اس کے نتائج فی الواقعہ ایسے تباہ کن ہوتے ہیں کہ انسان ان سے خائف ہو۔ تمہاری کمزوری کا ابتدائی دور ختم ہو جانے کے بعد' ہم نے تمہارے مخالفین پر تمہارے دینی غلبہ کو مکمل کر دیا ہے' اور اس طرح ہم نے تم پر اپنی ان نعمتوں کو پورا کر دیا ہے جن کی تم آرزو کیا کرتے تھے (۱/۴)۔ اور تمہارے لئے' اسلام کو بطور نظام زندگی تجویز کر دیا ہے (جس کے ساتھ کسی اور نظام حیات کی مفاہمت کا سوال پیدا ہی نہیں ہو سکتا)۔

حرام چیزوں کی تفصیل ہم نے بتا دی۔ اس کے بعد یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ حلال چیزیں کون کونسی ہیں۔ ان سے کہو کہ جب حرام کی فہرست بتا دی گئی تو باقی سب

أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٤﴾ الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٥﴾

خوشگوار اور صاف ستھری چیزیں حلال ہیں۔ حتیٰ کہ وہ شکار بھی جو شکاری جانور تمہارے لئے پکڑیں، جنہیں تم اپنی خداداد ذہانت اور مناسب طریق سے شکار کرنا سکھاتے ہو[1]۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ تم اس پر اللہ کا نام لے لیا کرو۔ اور اسے ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ تم قانون خداوندی کی پابندی کر رہے ہو۔ اور یہ کہ تمہارا کوئی عمل نتیجہ مرتب کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ بعض اعمال کے نتائج کا ظہور دیر میں جا کر ہو۔ اس لئے تم نے یہ نہ سمجھ لینا کہ حرام حلال کی پابندی کا کیا ہے؟ حرام کھانے سے کونسا نقصان ہو جاتا ہے؟

۵ تم نے غور کیا کہ حلت و حرمت کے قرآنی احکام نے انسانی زندگی میں کیا خوشگوار انقلاب پیدا کر دیا ہے؟ اس سے پہلے انسانوں کی خود ساختہ شریعتوں نے اس باب میں ہزار قسم کی پابندیاں عائد کر رکھی تھیں جس سے انسانی آزادی کا دم گھٹ رہا تھا۔ قرآنی دور میں چند چیزوں کو حرام قرار دے کر باقی تمام خوشگوار چیزیں حلال قرار دیدی گئیں۔ اس سے کس قدر میدان وسیع ہو گیا؟

نیز اہل کتاب کے ہاں کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے بشرطیکہ (اس میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو تمہارے ہاں حرام ہے اور) وہ تمہارے ہاں کا کھانا اپنے لئے جائز سمجھیں۔

کھانے پینے سے آگے بڑھ کر ازدواجی زندگی کی طرف آؤ تو تمہارے لئے مومن پاکدامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، عقد نکاح میں لانے کے لئے جائز ہیں، جب تم ان کے مہر ادا کر دو۔ بشرطیکہ اس سے مقصد ازدواجی زندگی

---

[1] مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ کے لفظی معنی ہیں اس (علم) کی رو سے جسے اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔ "اللہ کے سکھانے" سے مطلب ہے وہ فطری طریقہ جس سے انسان علم حاصل کرتا ہے۔ اس کے لئے دیکھئے (۲/۲۲۲ ؛ ۲/۲۰۳ ؛ ۹۶/۵)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ
مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ
مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝۶

کی تمام پابندیاں پوری کرنی ہوں' نہ محض جنسی جذبہ کی تسکین (خواہ اس کے لئے رسمی طور پر "نکاح" کی شرط بھی کیوں نہ پوری کر لی جائے) یا ان تعلقات کو پوشیدہ رکھا جائے۔ دونوں شکلیں ناجائز ہیں۔ جائز صورت یہی ہے کہ باقاعدہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کے لئے نکاح کیا جائے اور اس سے عائد ہونے والی تمام ذمہ داریوں کو پورا کیا جائے (۴/۲۵)۔

یہ ہیں وہ پابندیاں جن کی نگہداشت ہر ایمان والے کے لئے ضروری ہے۔ سو جو شخص ان پابندیوں کو توڑ کر عملاً اپنے ایمان سے انکار کر دے تو اس کے دوسرے اعمال بھی وہ نتائج نہیں پیدا کر سکیں گے جو اسلامی نظام کے اندر رہتے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔ دین ایک کلی نظامِ زندگی کا نام ہے جس میں یہ نہیں ہو سکتا کہ بعض باتوں کو مان لیا جائے اور بعض سے انکار کر دیا جائے (۲/۸۵)۔ ایسی روش سے یہ تو ہو سکتا ہے کہ انسان کو کچھ پیشیں پا افتادہ مراد حاصل ہو جائیں لیکن انجام کار اس کا نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

۶ اس نظام کے قیام کے لئے جس میں تمام افراد قوانین خداوندی کا اتباع کرتے جائیں' اجتماعات صلوٰۃ نہایت ضروری ہیں۔ جب تم صلوٰۃ کیلئے کھڑے ہو (یعنی عزم صلوٰۃ کرو) تو تم اپنا منہ' اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لیا کرو۔ اور اپنا سر بوچھ لیا کرو۔ اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔ اور (جیسا کہ ۴/۴۳ میں بتایا جا چکا ہے) اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو (نہا دھو کر) پاک صاف ہو جایا کرو (اور پھر اجتماع صلوٰۃ میں شریک ہو)۔ اور اگر تم مریض ہو (اور پانی سے تکلیف پہنچنے کا احتمال ہو ۴/۴۳) یا حالتِ سفر میں ہو' یا جائے ضرور سے فارغ ہو کر آئے ہو' یا عورت سے ہم آغوش ہوئے ہو' اور پانی نہیں ملتا۔ تو ان حالات میں' وضو کرنے کے بجائے تیمم کر لیا کرو۔ یعنی پاک مٹی سے آلائش صاف کر لی اور منہ ہاتھ ویسے پونچھ لئے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا
يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰

حقیقت یہ ہے کہ خدا کا قانون یہ نہیں چاہتا کہ تم پر خواہ مخواہ تنگی عائد کر دے۔ وہ تو فقط اتنا چاہتا ہے کہ تم پاک صاف رہو۔ اس طرح وہ تمہیں ایک پاکیزہ اور شائستہ جماعت بنا کر تم پر اپنی نعمتوں کا اتمام کرنا چاہتا ہے تاکہ تمہاری کوششیں بھرپور نتائج مرتب کر سکیں۔

۷ تم اس حقیقت کو سامنے رکھو کہ خدا نے اس قسم کا ضابطہ حیات دے کر تم پر کس طرح اپنی نعمتوں کو عام کر دیا ہے۔ لیکن یہ نعمتیں یونہی نہیں مل جائیں گی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اپنے اس عہد و پیمان کو یاد رکھو جو تم نے اپنے خدا سے پختہ طور پر کر رکھا ہے (۹/۱۱۱)۔ وہ عہد جس کی رُو سے تمہارا فریضہ ہے کہ تم نظامِ خداوندی کے احکام کو سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ اور اپنی زندگی کو قوانین الٰہیہ سے ہم آہنگ رکھو ——— نہ صرف ظاہرا اعمال کو، بلکہ اپنی خواہشوں، آرزوؤں اور دلی خیالات تک کو بھی ——— اس لئے کہ خدا کا قانونِ مکافات، دل میں گذرنے والے خیالات تک کا بھی علم رکھتا ہے۔

۸ اس نظام کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ تم دنیا میں عدل و انصاف کے محافظ و نگران بن کر رہو (۴/۱۳۵)۔ اس حد تک محافظ و نگران کہ کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس سے عدل نہ کرو (۵/۲)۔ ہمیشہ عدل کرو۔ اور دوست، دشمن، ہر ایک سے عدل کرو۔ یہ روش تمہیں اس معیارِ زندگی کے نزدیک تر لے آئے گی جس تک تمہیں خدا لانا چاہتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ اس روش کی پابندی کرو۔ یاد رکھو! اللہ کا قانونِ مکافات تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

۹ یاد رکھو! خدا کا یہ اٹل قانون ہے کہ جو لوگ بھی اس ضابطہ حیات کی صداقت پر یقین رکھ کر اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں گے، اور پھر اس کے تجویز کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوں گے، تو زندگی کے خطرات سے ان کی حفاظت ہوگی اور ان کی محنت کے نتائج نہایت عظیم الشان ہوں گے۔

۱۰ اِن کے برعکس، جو لوگ اس ضابطہ کی صداقت سے انکار کریں گے اور اس کے قوانین کی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ
اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ
اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ
وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫

تکذیب کریں گے' تو اُن کی سعی و عمل کی کھیتیاں جھلس جائیں گی۔ وہ تباہی اور بربادی کا شکار ہو جائیں گے اور ان کی نشوونما رک جائے گی۔

⑪ اس ضابطۂ ہدایت کے مطابق عمل کرنے سے' خطرات سے کس طرح حفاظت مل جاتی ہے اس کا مشاہدہ تم خود کر چکے ہو۔ تمہارے مخالفین تہیہ کر چکے تھے کہ تم پر دست درازی کریں لیکن اِس نظام نے اُن کے ہاتھوں کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔ اُنہیں روک دیا۔ لہٰذا' تم اِس ضابطہ قوانین کی نگہداشت کرو اور اس کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھو۔ ایمان کے معنی ہی یہ ہیں کہ اپنے نصب العین کی صداقت اور قانون کی محکمیت پر مکمل اعتماد ہو۔

⑫ (اِس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھو کہ نہ تو یہ نظام ہی کوئی نیا نظام ہے اور نہ ہی یہ تجربہ کوئی انوکھا تجربہ' جو اس کے متعلق شبہ لاحق ہو جائے کہ ممکن ہے یہ کامیاب ہو یا نہ ہو۔ یہ نظام اقوام سابقہ کو بھی دیا جاتا رہا' اور تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں کہ اس کے نتائج کیا نکلے۔ ان میں بنی اسرائیل کی تاریخی شہادت نمایاں طور پر تمہارے سامنے ہے)۔ اُن سے بھی اِس نظام کے قیام کا عہد لیا گیا تھا اُن کے بارہ قبائل تھے اور تنظیم کی غرض سے ہر قبیلہ کا ایک نقیب تھا جو ان کے حالات کی خبر گیری کرتا تھا۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تم نے نظام صلوٰۃ کو قائم رکھا۔ نوع انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچاتے رہے۔ ہماری طرف سے بھیجے ہوئے پیغامبروں کی بات کو سچا مانتے رہے۔ ان کے مشن اور پروگرام کی تعظیم کرتے ہوئے ان کے رفیق اور مددگار بنے۔ اور نوع انسان کی مرفہ الحالی کے لئے اپنا سرمایہ تقسیم کرتے رہے' تو ہماری تائید و نصرت تمہیں نصیب ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے معاشرہ کی ناہمواریاں دور ہو جائیں گی اور تمہیں خوش حالی آسودگی' اور خوش گواری کی ایسی جنتی زندگی نصیب ہو جائے گی جس کی شادابی اور تازگی کبھی مرجھانے کی نہیں۔ اس طرح تمہارا تقسیم کردہ سرمایہ سونا

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور ہزار گنا ہو کر تمہیں واپس مل جائے گا۔ (۲/۲۶۱)۔

لیکن جو اس کے بعد اس روش سے انکار اور سرکشی اختیار کر کے اپنی خود ساختہ روش پر چل نکلے گا' تو زندگی کی ہموار راہیں اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گی اور وہ اپنی منزلِ مقصود سے بہت دور جا پڑے گا۔ قوموں کی کامیابی اور ناکامی کا یہی اصول ہے۔

۱۳ چنانچہ جب تک بنی اسرائیل اس روش پر قائم رہے' انہیں اقوامِ عالم میں نہایت ممتاز مقام حاصل رہا (۲/۴۷)۔ لیکن جب انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا تو وہ ان خوشگواریوں سے محروم ہو گئے' اور ان کے وہ قلوب جن سے ربوبیتِ عامہ کے چشمے پھوٹتے تھے' یکسر پتھر بن گئے (۲/۷۴ ؛ ۵/۱۳ ؛ ۵/۶۰)۔ چونکہ وہ ضابطہ قوانین جو انہیں وحی کے ذریعے دیا گیا تھا' ان کی مفاد پرستیوں کی راہ میں حائل ہوتا تھا' اس لئے انہوں نے اس میں ایر پھیر کرنا شروع کر دیا۔ جس جگہ یہ کچھ نہ کر سکے' اس پر ویسے ہی عمل کرنا چھوڑ دیا۔ یہ لوگ' بجز معدودے چند' اب تک یہی کچھ کرتے ہیں اور تمہیں ان کی خیانتوں کا پتہ بھی چلتا رہتا ہے۔

جن لوگوں کی حالت یہاں تک پہنچ چکی ہو' ان سے الجھنا بیکار ہے۔ اس لئے' تم ان سے دامن بچاتے ہوئے' اپنے پروگرام کے مطابق آگے بڑھتے جاؤ۔ یہی تمہارے لئے حسن کارانہ روش ہے اور یہی روش' قانونِ خداوندی کی رُو سے پسندیدہ ہے (۵/۱۵ ؛ ۵/۶۳ ؛ ۵/۶۴)۔

۱۴ یہ تو یہودیوں کا حال ہے۔ باقی رہے وہ جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ تو ان سے بھی ہم نے اسی قسم کا عہد لیا تھا' لیکن انہوں نے بھی ہمارے ضابطۂ قوانین سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا اور اس کے ایک معتدبہ حصہ کو چھوڑ بیٹھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ وہ فرقوں میں بٹ گئے اور (جیسا کہ فرقہ پرستی میں ہوتا ہے) ان میں باہمی عداوت اور کینے کی آگ بھڑک اٹھی جو ہمیشہ تک رہے گی۔ (کیونکہ نہ ان کے فرقے مٹینگے' نہ باہمی عداوت ختم ہو گی)۔ لیکن

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۭ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۶ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷

اب جو نظامِ خداوندی قائم ہو رہا ہے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس خود ساختہ روش کو یہ آسمانی راہ نمائی کہہ کر پیش کرتے تھے' اس کی حقیقت کیا تھی۔

۱۵ اِن اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے کہہ دو کہ تمہاری طرف خدا کا رسول آگیا ہے جو بہت سی ایسی باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے جنہیں تم کتاب خداوندی میں سے چھپاتے رہے ہو۔ اور بہت سی باتوں سے جن کی چنداں اہمیت نہیں' درگذر کر دیتا ہے۔ تم پر زندگی کی راہیں تاریک ہو چکی تھیں۔ ایسے میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی۔ یعنی ایک کھلا ہوا' واضح ضابطہ قوانین۔

۱۶ اس (ضابطۂ قوانین) کے ذریعے' اللہ' ہر اس قوم کو' جو اپنی زندگی کو قوانین خداوندی سے ہم آہنگ رکھے' سلامتی کے راستے دکھاتا ہے' اور انہیں ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر زندگی کی جگمگاتی روشنی میں لے آتا ہے۔ اور اپنے قانون کے مطابق سیدھے اور توازن بدوش راستے کی طرف ان کی راہ نمائی کر دیتا ہے' تاکہ وہ رواں دواں اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔

۱۷ تم میں سے نصاریٰ کا کفر تو بالکل واضح ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا خود مسیحؑ ابن مریم کی شکل میں دنیا میں آگیا۔ اے رسول! ان سے کہو کہ اگر اللہ اس کا ارادہ کرتا کہ مسیحؑ اور اس کی والدہ تو ایک طرف' کرۂ ارض پر جو کچھ ہے' ان سب کو ہلاک کر دے تو' کسے اتنی قوت حاصل تھی کہ وہ اس کا ہاتھ روک دیتا؟ یاد رکھو! کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' ان سب پر خدا کا' اور صرف خدا کا اقتدار و اختیار ہے۔ ہر شے کی تخلیق اُس کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتی ہے' اور ہر شے پر اس کا کنٹرول ہے۔ اس لئے کہ کوئی انسان' خدا نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی خدا' انسانی پیکر اختیار کر کے دنیا

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ
بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ
وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا
مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۹ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰي
لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۡ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ
اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰

میں آیا کرتا ہے۔

۱۸ ان یہود و نصاریٰ دونوں کا دعویٰ ہے کہ ہم خدا کے محبوب اور اس کی چہیتی اولاد ہیں۔ ان سے کہو کہ اگر ایسا ہی ہے تو خدا تمہیں تمہارے جرموں کی سزا کیوں دیتا رہتا ہے (جس کے تذکرے سے تمہاری کتابیں بھری پڑی ہیں)۔ حقیقت یہ ہے کہ تم بھی (اور انسانوں کی طرح) خدا کے پیدا کردہ انسان ہو اور جزا و سزا کا جو قانون دوسروں پر حاوی ہے' اسی کا اطلاق تم پر بھی ہوتا ہے۔ اس میں کسی کے چہیتے اور کسی کے سوتیلے ہونے کا سوال ہی نہیں۔ جو قوم بھی قوانین خداوندی کا اتباع کرے گی زندگی کی تباہیوں سے محفوظ رہے گی۔ جو ان کے خلاف چلے گی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ دونوں راستے کھلے ہیں۔ جو سا راستہ جس کا جی چاہے اختیار کر لے۔ یہ کچھ اسی قانون کے مطابق ہوتا ہے جس کی رُو سے کائنات کا ایسا عظیم القدر سلسلہ اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے' اور اس کا ہر قدم اس منزل کی طرف اٹھ رہا ہے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر رکھی ہے۔

۱۹ اے اہل کتاب! یہ ہمارا رسول تمہارے پاس اس وقت آیا ہے جب سابقہ رسولوں کی دعوت کی گرمجوشی دھیمی پڑ چکی تھی۔ وہ اُن تمام حقائق کو پھر سے واضح کر رہا ہے جنہیں تم ضائع کر چکے تھے۔ یہ اس لئے کہ تم یہ نہ کہو کہ ہماری طرف کوئی ایسا پیغامبر نہ آیا جو ہمیں بتاتا کہ زندگی کی خوشگواریاں کس طرح حاصل ہو سکتی ہیں اور غلط راستے پر چلنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ یہ رسول' اسی فریضہ کی سرانجامدہی کے لئے آیا ہے' اور خدا کے مقرر کردہ پیمانوں کے مطابق آیا ہے۔

۲۰ ذرا ان یہود کا حال سنئے جو کہہ رہے ہیں کہ ہم خدا کی چہیتی اولاد ہیں۔ ان سے' ان کے پیغمبر موسیٰ نے کہا کہ تم' اُن انعامات خداوندی کو ہمیشہ پیش نظر رکھو جن کی رُو سے' اُس نے تم میں

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾
قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا
دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا
دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ
اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

انبیاء پیدا کیے۔ اور تمہیں صاحب اقتدار و مملکت بنایا۔ اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو اس زمانے میں کسی اور قوم کے حصے میں نہیں آیا تھا۔

۲۱ اِن انعاماتِ خداوندی کی یاد تازہ کرانے کے بعد اُن سے کہا کہ تم اُٹھو، اور فلسطین کی اس بابرکت زمین میں فاتح و منصور داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمہارے نام لکھ دیا ہے۔ تم آگے بڑھو اور اس ملک پر قابض ہو جاؤ۔ دیکھنا! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دشمن کو دیکھ کر میدان سے پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلو۔ اگر ایسا کرو گے تو سخت نقصان اٹھاؤ گے (۵/۵۸)۔

۲۲ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اے موسیٰؑ! اس ملک میں تو بڑے بڑے زبردست لوگ بستے ہیں۔ جب تک یہ اس سے نہ نکل جائیں ہم وہاں قدم نہیں رکھنے کے۔ اگر یہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم بڑے شوق سے وہاں چلے جائیں گے۔

۲۳ یہ جواب ساری کی ساری قوم کی طرف سے تھا، بجز دو آدمیوں کے، جو اُن جیسے نہیں تھے اور جو خدا کے قانون سے اس قسم کا مذاق کرنے سے خوف کھاتے تھے۔ انہیں خدا نے حقیقت بینی کی نعمت سے نوازا تھا ـــــ یہ دونوں، خود موسیٰؑ اور ہارونؑ تھے ـــــ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ (تم اس قدر بزدل کیوں بن رہے ہو؟) ایک دفعہ ہلہ بول کر شہر کے دروازے میں دَر آنہ گھس جاؤ۔ پھر دیکھو، تم کس طرح ان پر غالب آجاتے ہو؟۔ جن لوگوں کا اللہ پر ایمان ہو وہ اس طرح ہمت نہیں ہارا کرتے۔ وہ اللہ کے قانون کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ بزدلی تو عدمِ یقین اور تذبذب سے پیدا ہوتی ہے۔

۲۴ لیکن اُن پر ان باتوں کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اے موسیٰؑ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، ہم کبھی آگے نہیں بڑھنے کے۔ تمہیں اگر اللہ کے قانون اور نصرت پر ایسا ہی بھروسہ ہے تو تم اور تمہارا خدا دونوں جا[1] اور ان سے جنگ کرو۔ ہم یہاں بیٹھے نتیجہ کا

---

[1] اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اور تمہارا بڑا بھائی (ہارونؑ) دونوں جاؤ۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا
مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾
وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ
قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾

انتظار کرتے ہیں۔ (جب تم غالب آجاؤ تو ہمیں آواز دے لینا۔ ہم فوراً پہنچ جائیں گے)۔

۲۵ اس پر موسیٰؑ نے تنگ آکر کہا کہ اے میرے پروردگار! تو دیکھتا ہے کہ یہ لوگ کیا کچھ کر رہے ہیں۔ میرا اب ان پر کوئی بس نہیں۔ میرا اختیار تو 'سمٹ سمٹا کر' خود میری ذات تک' یا زیادہ سے زیادہ اپنے بھائی تک رہ گیا ہے۔ اب ہم میں' اور اس قسم کی بے راہ رو قوم میں' تو ہی کوئی فیصلہ کر دے کہ ان کے متعلق ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

۲۶ چنانچہ خدا نے فیصلہ دے دیا۔ اور فیصلہ یہ تھا کہ وہ لوگ' اس سرزمین سے' جسے ان کے نام لکھ دیا گیا تھا' چالیس سال تک محروم کر دیئے گئے۔ اور وہ اس بیابان میں مارے مارے پھرتے رہے ——— سرگردان و پریشان۔ تباہ حال و خستہ خراب۔

یقیناً اُن کی یہ حالت' موسیٰؑ جیسے مشفق داعیٔ انقلاب کے لئے بڑی تاسف انگیز تھی (اور ہر نبی کی یہی کیفیت ہوتی ہے ۱۵ : ۳۶ ؛ ۳۵ : ۸)۔ لیکن ہم نے اسے کہہ دیا کہ اس قسم کی بے راہ رو قوم کا یہی حشر ہوا کرتا ہے ——— اس لئے تم ان کی حالت پر افسردہ خاطر مت ہو۔ جو اپنے آپ کو خود تباہی میں ڈالے اسے کون بچا سکتا ہے؟

یہ ہے خدا کی چہیتی اولاد ہونے کی مدعی قوم کا ماضی!

۲۷ (یہودیوں کی نافرمانیاں اور سرکشیاں اسی زمانہ (حضرت موسیٰؑ) تک ہی محدود نہ تھیں۔ اس کے بعد بھی وہ یہی کچھ کرتے رہے۔ ان کا آخری جرم حضرت عیسیٰؑ کے قتل کے درپے ہونا تھا۔ ان کے ان پیہم جرائم کی وجہ سے' خدا نے اُن سے' اپنی عنایات' ایک ایک کر کے چھین لیں' اور ان (عنایات) کا رُخ ان کے بھائی (اسماعیلؑ) کی شاخ کی طرف پھیر دیا۔ اب بجائے اس کے کہ وہ یہ سمجھتے کہ اُن کی یہ محرومی ان کی اپنی کرتوتوں کا نتیجہ ہے' وہ اُلٹا حسد کرنے لگ گئے اور اس داعی الی الحق کے درپے آزار ہو گئے (جو بنی اسماعیلؑ میں سے ہے)۔ ان سے کہو کہ یہ تو اُن دو فرزندانِ آدم کے قصے کی سی بات ہو گئی (جن کا ذکر خود تمہارے ہاں تورات میں موجود ہے لیکن جس میں تم نے بہت سی رنگ آمیزیاں کر رکھی ہیں۔ اس لئے) میں تمہیں ٹھیک ٹھیک

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾
اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ
لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ
لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۚ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ
فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

بتاتا ہوں کہ بات کیا ہوئی تھی۔

اِن دونوں بھائیوں نے (اپنے خیال کے مطابق) خدا کے ہاں مقرب بننے کے لئے قربانیاں پیش کیں۔ اُن میں سے (ان کے عقیدہ کے مطابق) ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی نہ ہوئی۔ اس پر اس دوسرے کو غصہ آگیا اور اپنے بھائی سے کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اُس نے کہا کہ اللہ متقیوں کی پیش کش قبول کیا کرتا ہے' اس لئے اگر میری قربانی قبول ہوگئی ہے تو اس میں تمہارے لئے غصہ کی کونسی بات ہے' اور میرا کیا قصور ہے جس کی وجہ سے تم مجھے قتل کرنیکے درپے ہو رہے ہو؟

۲۸ بایں ہمہ' اگر تم دھاندلی سے میرے خلاف دست درازی کرو گے تو میں (اپنی مدافعت تو کروں گا لیکن) تمہیں قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ میں تو خدائے رب العالمین کے قانون مکافات سے

۲۹ ڈرتا ہوں کہ ناحق کسی کو قتل کر دوں۔ میں چاہتا ہوں کہ زیادتی ہو تو تمہاری طرف سے ہو' میری طرف سے نہ ہو۔ اور اگر میری اس مدافعت میں تمہیں کچھ نقصان پہنچ جائے تو میرے اس گناہ کا بار بھی تمہاری ہی گردن پر ہو —— اِس طرح تمہارے ذمے دو جرم ہو جائیں گے۔ میرے قتل (یا اس کے ارادے) کا جرم' اور میری طرف سے تمہیں جو نقصان پہنچے' اس کا جرم —— اِس قسم کے مجرم کی سزا جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔

۳۰ لیکن اس نے غصے میں ایک نہ سنی۔ جذبات سے مغلوب ہو کر بھائی کو قتل کر دیا۔ اور اس طرح' خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو تباہ کر لیا۔ (جذبات سے مغلوب ہو جانے کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے)۔

۳۱ اُس نے جوش غضب میں بھائی کو قتل تو کر دیا لیکن جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو بیٹھ کر سوچنے لگا کہ یہ میں نے کیا کر دیا؟ وہ اِسی حالت میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اتفاق سے سامنے

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ
ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا
مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

ایک کوا دیکھا جو زمین کو کرید رہا تھا۔ وہ اپنے کیے پر نادم تو پہلے ہی ہو رہا تھا' کوے کی اس حرکت سے اس کا خیال اس طرف منتقل ہو گیا کہ کوا مجھ سے یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے (بفرضِ محال) اپنے بھائی میں کوئی برائی دیکھی بھی تھی تو اس پر یوں مغلوب الغضب ہونے کی بجائے اسے دبانے اور چھپانے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ اس پر اس نے اپنے آپ کو کوسا' اور جی میں کہا کہ کس قدر باعثِ افسوس ہے یہ امر کہ مجھ میں ایک جانور جتنی سمجھ بھی نہ ہوئی!

چنانچہ ان خیالات سے وہ اپنے دل میں بہت ہی نادم ہوا۔

۳۲ یہ قصہ (جو بنی اسرائیل کے ہاں عام تھا) درحقیقت ان کی اپنی جذباتی کیفیت کا ترجمان تھا کہ وہ بات بات پر آمادہ بہ قتل ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ہم نے ان کی طرف یہ تاکیدی حکم بھیجا تھا کہ یاد رکھو! جو شخص کسی دوسرے کو قتل کر ڈالے ——— بجز اس کے کہ وہ جرمِ قتل کے قصاص میں ہو (یعنی قتلِ ناحق کے لئے سزائے موت کے طور پر) یا ملک میں فساد برپا کرنے والے مجرمین کو قانون کے مطابق موت کی سزا دی جائے ——— تو اس قسم کے بے گناہ قتل کے متعلق یوں سمجھو گویا اس شخص نے (ایک فرد کو قتل نہیں کیا) پوری کی پوری نوعِ انسان کو قتل کر دیا۔ اس کے برعکس جس شخص نے کوئی ایک جان بچالی' تو اس نے گویا پوری نوعِ انسان کی جان بچالی۔

یہی نہیں کہ انہیں یہ حکم صرف ایک بار دیا گیا اور پھر فراموش کر دیا گیا۔ ان کی طرف ہمارے پیغامبر واضح احکام و دلائل لے کر آتے رہے' اور انہی باتوں کو دہراتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود' ان کی اکثریت کا یہ عالم رہا (اور اب تک ہے) کہ وہ حدود شکنی اور زیادتی کرتے رہے۔

۳۳ اُن کی اسی مفسدانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ اب جبکہ' اس ملک میں نظامِ عدل و احسان

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (ع ۵ ۹)
اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ

قائم ہو چکا ہے' جس میں انہیں ہر طرح کا امن اور آرام حاصل ہے' بجائے اس کے کہ یہ اطمینان سے بیٹھیں' یہ بدستور تخریبی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ عدل و آئین پر مبنی نظام خداوندی کے خلاف بغاوت ہے۔ اس باب میں ہمارا قانون یہ ہے کہ جو لوگ نظام خداوندی کے خلاف بغاوت کریں' یا ملک میں فساد برپا کرنے کی کوشش کریں' تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ یا سولی پر چڑھا دیا جائے۔ یا مخالف سمت سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں[1]۔ یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے (یا نظر بند کر دیا جائے اور عام سراعات سے محروم کر دیا جائے) —— غرضیکہ جرم کی نوعیت' اور ملک کے حالات کے پیش نظر جو سزا مناسب سمجھی جائے دی جائے۔ یہ سزا ان کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی کا موجب ہو گی۔ باقی رہی آخرت' سو وہاں بھی ان کے لئے سخت تباہی ہو گی —— اس لئے کہ اس جرم کا ایک اثر تو سوسائٹی کے نظام پر پڑتا ہے۔ اس کی روک تھام کے لئے سزا ضروری ہے۔ اور دوسرا اثر خود مجرم کی اپنی ذات پر پڑتا ہے (۴/۱۱۱)۔ اس کا نتیجہ اس کی ذات کا ضعف و انتشار ہے جو حیات اُخروی میں تباہی کا موجب ہے۔

۳۴ لیکن جو لوگ اس روش سے از خود باز آجائیں' قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پا لو' تو اس حقیقت کو فراموش نہ کرو کہ قانون خداوندی کی رُو سے ایسے لوگ سزا سے بھی محفوظ رکھے جا سکتے ہیں اور انہیں عام سہولتوں سے بھی محروم نہیں کیا جا سکتا۔

۳۵ اے جماعت مومنین! دیکھنا کہیں تم نے نظام خداوندی سے سرکشی اختیار نہ کر لینا۔ تمہارا فریضۂ حیات یہ ہے کہ تم ہمیشہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو' اور اس میں بلند ترین مقام اور مرتبہ حاصل کرنے کی تڑپ اپنے دل میں پیدا کرو۔ اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ اس نظام کے قیام اور استحکام کے لئے پوری پوری جدوجہد کرو۔ اسی سے تم اس مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہو۔ ("خدا تک پہنچنے" کے لئے انسانوں کو "وسیلہ" بنانے کا تصور غلط ہے۔ ۲/۱۸۶ ؛ ۱۷/۵۷)

۳۶ جو لوگ اس نظام کی مخالفت کریں گے' انہیں' آنیوالے انقلاب میں' دردناک سزا

---

[1] اس کے معنی الٹی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ڈال دینا بھی ہو سکتے ہیں۔

لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَّمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٩﴾

مل کر رہے ہے گی۔ اگر اُن کے پاس دنیا بھر کے خزانے اور اُن کی مثل اور بھی ہوں' اور وہ چاہیں کہ انہیں بطور فدیہ دے کر اس تباہی اور بربادی سے بچ جائیں تو ایسا ہونا ناممکن ہوگا۔ (کوئی شخص اپنے سرمائے کے زور پر ان تباہیوں سے نہیں بچ سکتا جو ان لوگوں پر آتی ہیں جو عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود کے نظام کے راستے میں روک بن کر بیٹھ جائیں)۔

۳۷ اُس وقت' اُن کی وہ دولت جسے وہ نوع انسان کی خوش حالی کے لئے تقسیم نہیں کرتے تھے' ان کے لئے جہنم کا ایندھن بن جائے گی (۹/۳۵ — ۳۴)۔ اور یہ آگ ان کے دلوں کے اندر بھڑک رہی ہوگی (۱۰۴/۱ — ۹)۔ اس وقت وہ ہزار چاہیں کہ اس عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو جائے' ایسا نہیں ہو سکے گا۔ وہ عذاب ان کے سر پر مسلط رہے گا۔

۳۸ ملک میں بغاوت پھیلانے اور فساد برپا کرنے کے بعد' بدترین جرم چوری کا جرم ہے جس سے معاشرہ میں امن اور سکون باقی نہیں رہتا — چور مرد ہو یا عورت' مجرم ہونے کے اعتبار سے یکساں ہیں۔ اس لئے ان کی سزا میں بھی کوئی فرق نہیں۔ اس کے لئے ایسا طریق اختیار کرنا چاہیئے جس سے خود چور کے ہاتھ چوری کرنے سے رُک جائیں' اور وہ دوسروں کے لئے بھی قانونِ خداوندی کی رُو سے روک بن جائے۔ یعنی وہ مجرم کے لئے' موجبِ اصلاح (CURATIVE) ہو اور دوسروں کے لئے جرم سے اجتناب کا باعث (PREVENTIVE)۔ لیکن اگر یہ دیکھو کہ پانی سر سے گذر چکا ہے اور یہ جرم عام ہو رہا ہے' تو اسکی انتہائی سزا یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ بہرحال' مقصد اس جرم کی روک تھام ہے — خواہ غلبہ اور قوت سے ہو' خواہ حسنِ تدبیر سے۔ (عَزِيزٌ حَكِيمٌ میں دونوں باتیں آجاتی ہیں)۔

۳۹ مقصد چونکہ جرم کی روک تھام ہے' اس لئے جو شخص ارتکابِ جرم کے بعد' اپنے کئے پر نادم ہو' اور اپنی اصلاح کر لینے کا یقین دلائے' تو قانونِ خداوندی میں اس کے لئے معافی کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ ایسے شخص کو سزا سے بھی محفوظ رکھا جائیگا اور عام سہولتوں سے بھی محروم نہیں کیا جائے گا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۰ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۴۱

---

۴۰ یاد رکھو! مجرم کو سزا دیکر خدا اپنی قوت و جبروت کا سکہ دلوں پر بٹھانا نہیں چاہتا۔ اس کی قوت اور اقتدار کی زندہ شہادت تو یہ پوری کارگہ کائنات ہے جو اس کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے سرگرم عمل ہے۔ تعزیری قانون سے مقصد یہ ہے کہ جو شخص ارتکاب جرم سے خود اپنے آپ کو سزا کا مستوجب قرار دے لے اسے اس کے کئے کا بدلہ مل جائے۔ جو امن پسند ہونے کی ضمانت دیدے اس کی حفاظت کر دی جائے۔ نظام خداوندی میں (خواہ وہ خارجی کائنات میں ہو یا انسانوں کی دنیا میں) ہر عمل ایک خاص پیمانے کے مطابق نتیجہ مرتب کرتا ہے جس پر خدا کو پورا پورا کنٹرول حاصل ہے۔

۴۱ ان ضمنی احکام کے بعد اے رسول! پھر اسی موضوع کی طرف آؤ جس کا ذکر پہلے کیا جارہا تھا۔ یعنی منافقین اور یہود کی تخریبی ذہنیت کی طرف۔ منافقین' زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن وہ دل سے مومن نہیں ہوتے۔ یہودیوں کی یہ حالت ہے کہ وہ تمہاری مجلسوں میں آتے ہیں۔ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ جو کچھ یہاں بیان کیا جاتا ہے' اسے دل کے کانوں سے سن رہے ہیں' لیکن درحقیقت وہ جھوٹ موٹ کے کان لگائے رہتے ہیں۔ اُن کے خیالات کہیں اور ہوتے ہیں اُن کے آنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہاں سے اُٹھ کر اپنے اُن ساتھیوں کے پاس جائیں جو یہاں نہیں آتے' اور جو کچھ یہاں سنا ہو' اس میں جھوٹ سچ ملا کر' اور بات کو کچھ سے کچھ بنا کر' انہیں سنائیں۔ اس کے بعد' یہ ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر رسول وہی باتیں کہے جو ہم نے تم سے بیان کی ہیں تو اس کی بات سانو۔ اور اگر اس کے خلاف کچھ کہے تو اُسے ہرگز قبول نہ کرو۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ
عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾
وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

(۶) (ع ۹) (۱۰)

ان دونوں گروہوں کی یہ حالت ہے کہ بظاہر دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ ان کی رغبت ایمان کی طرف ہے' لیکن درحقیقت یہ کفر کی طرف تیزی سے جا رہے ہیں۔

ان کی تو یہ حالت ہے اور تم اس غم میں گھلے جا رہے ہو کہ یہ تباہ اور برباد نہ ہو جائیں ($\frac{۱۸}{۶}$ ؛ $\frac{۳۶}{۳}$ ؛ $\frac{۳۵}{۲۰}$)۔ تم سوچو کہ جو شخص خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق خود اپنی پیدا کردہ مصیبت میں مبتلا رہنا چاہے' تم' اس قانون کے خلاف' اس کے لئے کیا کر سکتے ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق خدا کے قانونِ مکافات کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے دل' اس قسم کے خیالات سے' پاک اور صاف نہیں ہو سکتے —— وہ ان خیالات کو چھوڑنا ہی نہیں چاہتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے لئے اس دنیاوی زندگی میں بھی ذلت و رسوائی کا عذاب ہے اور آخرت میں بھی سخت مصیبت کا سامنا۔

۴۲ ان کا جرم بھی تو کچھ کم نہیں۔ یہ لوگ تیری باتیں سننے کیلئے آتے ہی اسلئے ہیں کہ ان میں جھوٹ ملا کر باہر بیان کریں' اور اس قسم کی غلط بیانیوں سے' دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھاتے رہیں۔ (یہ ان کے مذہبی پیشواؤں کا حال ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ' اگرچہ یہ اپنے ہم مذہبوں کے معاملات کے فیصلے اپنی شریعت کے مطابق کر سکنے کے مجاز ہیں' لیکن اگر یہ دیکھیں کہ کسی معاملہ میں ان کی شریعت کا حکم سخت ہے' تو یہ' فریقِ متعلقہ سے کچھ لے لوا کر' اس سے کہہ دیتے ہیں کہ تم اپنا مقدمہ مسلمانوں کی عدالت میں لے جاؤ۔ وہاں سے فیصلہ تمہارے حق میں ہو جائے گا)۔

لہٰذا' اگر یہ لوگ تیرے پاس اپنے مقدمات لیکر آئیں تو تجھ پر اس کی کوئی پابندی نہیں کہ تو ضرور ان کا مقدمہ سنے۔ تمہارا جی چاہے تو ان کا مقدمہ سن لو یا ان سے کہہ دو کہ جن معاملات میں تمہارے مذہبی پیشوا فیصلہ دینے کے مجاز ہیں (جیسا کہ اسلامی مملکت میں شخصی معاملات میں غیر مسلموں کو اختیار دیدیا جاتا ہے) اُن میں ان سے فیصلہ کراؤ۔ ایسا کہنے میں کوئی ہرج اور نقصان کی بات نہیں۔ لیکن جب ان کا مقدمہ سنو تو (جیسا کہ تمہارے ہاں مسلمہ اصول ہے) انکا فیصلہ عدل و انصاف سے کرو۔ اسلئے کہ عدل و انصاف سے کام لینے والے ہی خدا کے ہاں پسندیدہ قرار پاتے ہیں۔

۴۳ ذرا سوچو کہ جب ان کے پاس تورات موجود ہے' جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ

إِنَّآ أَنزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا
وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ
وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِـَٔايٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ
فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ
قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿۴۵﴾

اِس میں احکام خداوندی درج ہیں۔ تو پھر اسے چھوڑ کر اپنے مقدمات تمہارے پاس لے کر کیوں آتے ہیں؟ (بات صاف ہے کہ ان لوگوں کا ایمان کسی چیز پر بھی نہیں۔ ان کا ایمان مصلحت بینی اور مفاد پرستی پر ہے۔ جب دیکھا کہ تورات کا حکم ان کے منشاء کے مطابق ہے' اس پر عمل کرتے رہے۔ جس معاملے میں اسے اپنے خلاف پایا) اس سے منہ موڑ کر تمہاری طرف رُخ کر لیا۔

۴۴ دین (یعنی قانونِ خداوندی) کی سرگذشت یہ ہے کہ ہم نے تورات نازل کی (جو اُن مختلف صُحف کا مجموعہ ہے جو انبیائے بنی اسرائیل کو وقتاً فوقتاً ملتے رہے)۔ اُس میں (ہر آسمانی کتاب کی طرح) صحیح راستے کی طرف راہ نمائی اور روشنی تھی۔ اُن کے انبیاء جو سب کے سب مسلم تھے' (یعنی قانون خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے) ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ' جو اپنے آپ کو یہودی کہتے تھے (حالانکہ انہیں بھی اپنے آپ کو مسلم ہی کہنا چاہیئے تھا) اسی "نور و ہدایت" کے مطابق کرتے تھے۔ اور اُن کے علماء و مشایخ بھی انہی صُحف کے مطابق احکام دیتے تھے جو اُن کے انبیاء کی طرف نازل کیے گئے تھے' اور جن کا انہیں (علماء و مشائخ کو) محافظ ٹھیرایا گیا تھا۔ اور وہ ان کے نگران بننے کے مدعی بھی تھے۔ ان سے خاص طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ تمام امور کے فیصلے انہی ضوابط کے مطابق کرو اور لوگوں سے مت ڈرو۔ ڈرو صرف قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی سے۔ اور قانون فروشی کی دکان مت لگا بیٹھو۔ یاد رکھو! جو شخص اس قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتا جسے خدا نے نازل کیا ہے' وہ کافر ہے' خواہ وہ زبان سے اس قانون پر ایمان رکھنے کا مدعی بھی کیوں نہ ہو ——— کافر و مومن کی تمیز ہی اس سے ہوتی ہے۔

۴۵ اُنہی صُحف میں ہم نے انہیں حکم دے رکھا تھا کہ جس شخص نے کسی کو (ناحق) قتل کر دیا اس کی سزا موت ہوگی ——— جان کا بدلہ جان۔ آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ ناک کا بدلہ ناک۔ کان کا بدلہ کان۔ دانت کا بدلہ دانت ——— یعنی صرف جرمِ قتل ہی مستوجبِ سزا نہیں۔ کسی کو زخمی کر دینا

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۙ
وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ
اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤٧﴾ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ
مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا
آتَاكُمْ ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٤٨﴾

بھی ایسا جرم ہے جس کی سزا دی جائے گی۔ اور سزا جرم کے مثل ہوگی۔ لیکن اگر مستغیث مجرم کو خود معاف کر دے تو یہ چیز مجرم کی سزا کا کفارہ ہو جائے گی۔

یہ تھا وہ قانون قصاص جو ان کی کتابوں میں ان کے لئے دیا گیا تھا۔ انہیں اسی کے مطابق فیصلے کرنے چاہئیں تھے' اس لئے کہ جو شخص اس ضابطہ قوانین کے مطابق فیصلے نہ کرے جسے خدا نے نازل کیا ہے' تو یہی لوگ ہیں جو حق و انصاف سے کام نہیں لیتے۔ ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔

۴۶ پھر انہی انبیائے سابقہ کے نقوش قدم پر ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا۔ اس کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ جو کچھ انبیائے بنی اسرائیل کے صحف میں سے یہودیوں کے پاس رہ گیا تھا' اسے سچا ثابت کر دکھائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے' ہم نے اسے انجیل دی جس میں صحف سابقہ کی طرح' نور اور ہدایت تھی' اور جو ان صحف کی حقیقی تعلیم کو صحیح کر دکھانے والی تھی۔ اس میں' ان لوگوں کے لئے جو زندگی کے خطرات سے بچنا چاہتے سامان ہدایت و موعظت تھا۔

۴۷ ہم نے اہل انجیل سے بھی کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے معاملات کا فیصلہ اس کے مطابق کریں جسے خدا نے نازل کیا ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ اس قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جسے خدا نے نازل کیا ہے' تو ان کا شمار فاسقین میں ہوتا ہے۔ یعنی صحیح راستہ چھوڑ کر غلط راہیں اختیار کر لینے والے۔

۴۸ اب' ان تمام کتب سابقہ کے بعد (جب وہ اپنی اصلی حالت پر نہ رہیں اور مشیت کے پروگرام کے مطابق وہ وقت آگیا کہ تمام نوع انسان کے لئے واحد اور مکمل ضابطہ حیات دیدیا جائے جو ہمیشہ تک ان کی راہ نمائی کرے) ہم نے تیری طرف یہ کتاب نازل کی ہے جو

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ

تمام ٹھوس حقیقتوں کو اپنے آغوش میں رکھتی ہے۔ اُن تمام وعدوں اور دعووں کو سچ کر کے دکھانے والی ہے جو کتب سابقہ میں کیے گئے تھے۔ اور اس اُصولی تعلیم کی جامع' اور نگران و نگہبان ہے جو اس سے پہلے وقتاً فوقتاً دی جاتی رہی اور جس کا ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رکھنا مقصود ہے۔

یہ ہے اس کتاب عظیم کی پوزیشن۔ لہٰذا اب تم لوگوں کے معاملات کے فیصلے اسی کتاب کے مطابق کرو۔ اور' اس قسم کے حقائق مل جانے کے بعد' لوگوں کے خیالات اور خواہشات کے پیچھے مت چلو۔

اس مقام پر ممکن ہے تمہارے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر خدا نے تمام انسانوں کے لئے شروع سے اخیر تک اُصولاً ایک ہی ضابطۂ حیات تجویز کیا تھا' تو ایسا انتظام کیوں نہ کر دیا کہ تمام لوگ اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرتے رہتے۔ اگر خدا چاہتا تو ایسا بھی کر سکتا تھا کہ انسانوں کو' حیوانوں اور پتھروں کی طرح' مجبور پیدا کر دیتا اور وہ' اس کی طرف سے مقرر کردہ رَوش پر طوعاً و کرہاً چلتے رہتے۔ لیکن اس کے قانونِ مشیت کا یہ تقاضا نہیں تھا۔ اِس نے انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا کہ وہ جونسا راستہ جی چاہے اختیار کر لے۔ یہ وجہ ہے کہ ہم تم میں سے ہر ایک کو اُس کے اپنے اختیار کردہ منہاج اور طریقے پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور سب کو ایک ہی راستے پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کرتے۔ انسان کا اختیار و ارادہ ہی ایسے مواقع پیدا کرتا ہے کہ وہ نوع انسان کی بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جائیں' اور اس طرح خود ان کی ذات میں وسعت پیدا ہوتی جائے۔

لیکن انسان کے اختیار و ارادہ کے یہ معنی نہیں کہ یہ ہمیشہ غلط راستے پر چلتا رہے گا۔ غلط راستوں پر چلنے کے تباہ کن نتائج (جنہیں زمانے کے تقاضے کہہ کر پکارا جاتا ہے) اور وحیِ خداوندی سے متاثر فضا' اسے رفتہ رفتہ' بتدریج' صحیح راستے کی طرف لئے چلے جائیں گے' اور یوں لوگوں کی خود ساختہ' مختلف رَوشیں' زندگی کی صحیح شاہراہ میں آ کر ملتی جائیں گی۔

(یہ طریق کار (جسے عقل کا تجرباتی طریق کہتے ہیں) بہت طول طویل ہوتا ہے اور اس طرح انسان کو صحیح راستے تک پہنچنے کے لئے بڑی بڑی جانکاہ مصیبتوں اور جگر پاش مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر انسان چاہتا ہے کہ ان تباہیوں اور بربادیوں میں سے گزرے بغیر بخیر و خوبی منزلِ مقصود تک پہنچ جائے تو اس کا طریق یہ ہے کہ وہ وحیِ خداوندی کا اتباع کرے اور اپنے معاملات کے فیصلے اسی کے مطابق کرائے)۔

لہٰذا' اے رسول! تم ان لوگوں کے فیصلے' اس کتاب کے مطابق کرو جسے خدا نے

اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝۴۹ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَاۗءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ
فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۱ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ
فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ
فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝۵۲

تمہاری طرف نازل کیا ہے۔ اور اس میں لوگوں کے ذاتی مفاد اور خواہشات کی قطعاً رعایت نہ کرو۔ اس کا خاص طور پر خیال رکھنا تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کے مفاد اور میلانات ایسی صورت پیدا کر دیں کہ تمہارا نظام اس ضابطہ حیات سے جسے خدا نے نازل کیا ہے' ادھر اُدھر ہو جائے ——— خواہ ذرا سا بھی کیوں نہ ہو۔ ایسا بالکل نہ ہونے دینا۔

اگر یہ لوگ' جن کے سامنے اپنی مفاد پرستیوں کے سوا کچھ نہیں' اس نظام سے روگردانی کریں' تو سمجھ لو کہ ان کے جرائم' ان پر تباہیاں لانے والے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ چاہتے ہی یہ ہیں کہ

۵۰ صحیح راستے سے منہ موڑ کر' غلط راہوں پر چل نکلیں اور اس طرح پھر اُسی نظامِ جاہلیت کو اختیار کریں جس پر وہ قرآن سے پہلے قائم تھے۔ لیکن جو لوگ اس نظامِ خداوندی کی صداقت اور محکمیت پر یقین رکھتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ نوعِ انسان کے لئے ضابطہ خداوندی سے بہتر اور کوئی ضابطہ نہیں ہو سکتا۔

۵۱ اے جماعتِ مومنین! تمہارے سامنے یہود اور نصاریٰ کی حقیقت بھی آ گئی اور یہ بھی کہ تم کس نظام کے قیام کیلئے کھڑے کئے گئے ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ اُن کے مطمحِ نگاہ اور تمہارے مقصدِ زندگی میں کس قدر بنیادی فرق ہے۔ لہٰذا' تم نے کبھی انہیں اپنا دوست اور چارہ ساز نہ بنانا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ یہ باہمی' ایک دوسرے کے دوست اور چارہ ساز بن جائیں' لیکن تمہارے دلی دوست کبھی نہیں ہو سکتے۔

اس وضاحت کے بعد بھی' تم میں سے جو شخص انہیں اپنا رفیق اور دوست بنائیگا تو اس کا شمار انہی میں ہوگا۔ اسلئے کہ جو لوگ یوں دیدہ و دانستہ غلط راستے اختیار کر لیں وہ صحیح راستے پر کیسے ہو سکتے ہیں؟

۵۲ جن لوگوں کے دل میں منافقت کا مرض ہے تو دیکھے گا کہ وہ ان (یہود و نصاریٰ)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي
اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا
وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

کی دوستی کی طرف کیسے دوڑ کر جاتے ہیں' اور اس کے لئے وجۂ جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ ہمیں ڈر ہے کہ ان کی رفاقت چھوڑ دی تو ہم کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں۔

تم ان کی باتیں سنتے رہو۔ وہ وقت دُور نہیں کہ تمہیں ایک فیصلہ کن کامیابی حاصل ہو جائے اور اس طرح تم پر کشاد کی راہیں کھل جائیں۔ یا خدا کی طرف سے کوئی اور بات واقع ہو جائے اُس وقت وہ تمام باتیں' جنہیں یہ اِس وقت اپنے دِل میں چھپاتے ہیں' اُبھر کر سامنے آجائیں گی اور انہیں اپنی حرکات پر سخت شرمندہ ہونا پڑے گا۔

۵۳ اُس وقت جماعتِ مومنین کے افراد کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جو خدا کی سخت قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں!

ان (منافقین) کی تمام کوششیں غارت ہو جائیں گی اور یہ انجام کار سخت نقصان میں رہیں گے۔ منافقت کا ہمیشہ یہی انجام ہوتا ہے۔

۵۴ اے ایمان والو! جو تم میں سے نظامِ خداوندی سے پھر جائے (تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اللہ کا کیا بگاڑے گا) اللہ اُنکی جگہ ایسی قوم لے آئیگا جسکے افراد دنیا کی ہر شے کے مقابلہ میں نظامِ خداوندی کو زیادہ عزیز رکھیں گے اور ان کی اِس رَوِش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا بھی انہیں عزیز رکھے گا۔ ان کی خصوصیات یہ ہوں گی کہ وہ اس نظام کے ماننے والوں کے سامنے ریشم کی طرح نرم' اور شاخِ ثمردار کی طرح خمیدہ ہوں گے' لیکن اس نظام کے مخالفین کے مقابلہ میں فولاد کی طرح سخت (۴۸/۲۹)۔ وہ اس نظام کے قیام اور استحکام کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہیں گے اور کسی کی طعن و تشنیع سے نہیں ڈریں گے۔ یہ نوازشاتِ خداوندی کسی خاص گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جو قوم بھی انہیں' قانونِ خداوندی کے مطابق حاصل کرنا چاہے اسے حاصل ہو سکتی ہیں۔ خدا کے ہاں نہ تو گروہ بندانہ تنگ نظری ہے اور نہ ہی انعامات کی اندھا دھند تقسیم۔

۵۵ یاد رکھو! تمہارا رفیق اور چارہ ساز صرف یہ نظامِ خداوندی ہے جو رسول کے ہاتھوں

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۱۳)
لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ
اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

متشکل ہوا ہے۔ نیز تمہاری اپنی جماعت کے لوگ جو اس کی صداقت پر یقین رکھتے ہوئے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے عظیم فریضہ کی سرانجامدہی میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ قوانین خداوندی کے سامنے جھکے رہتے ہیں۔

۵۶ سو جو لوگ بھی خدا کے اس نظام کو جو اس کے رسول کے ہاتھوں متشکل ہوا ہے نیز اپنے ان رفقاء کو جو اس نظام کی صداقت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں اپنا دوست اور چارہ ساز سمجھیں، تو ان کا شمار "خدا کی پارٹی" میں ہو جائے گا۔ اور "خدا کی پارٹی" ہی آخر الامر غالب آئے گی۔

۵۷ اے ایمان والو! اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور کفار میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق سمجھ رکھا ہے اور اس کی تحقیر و تذلیل کے لئے اس کی ہنسی اڑاتے ہیں، انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ تم مومن ہو تو ہمیشہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ دین کے مخالفین سے تمہارا کیا واسطہ؟

۵۸ ان کی دنائت کا تو یہ عالم ہے کہ جب تم اجتماع صلوٰۃ کے لئے لوگوں کو آواز دیتے ہو تو یہ اسکی بھی ہنسی اڑاتے اور مذاق کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے، ورنہ اس حقیقت کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں تھا کہ جو اجتماعات، نوع انسان کی فلاح اور بہبود کے لئے منعقد ہوں، ان کے انعقاد میں خود انہی کا فائدہ ہے۔ ان کا مذاق اڑانا خود اپنا مذاق اڑانا ہے۔

۵۹ ان اہل کتاب سے پوچھو کہ تم ہم سے کس بات پر بگڑتے ہو اور کون سے جرم کی سزا دینا چاہتے ہو؟ ہمارا "جرم" اس کے سوا کیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس قانون کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں جو خدا نے ہماری طرف نازل کیا ہے، اور ان تمام قوانین پر جو اس سے پہلے (خود تمہاری طرف) نازل ہوئے تھے، لیکن تم میں سے اکثر نے اس راہ کو چھوڑ کر دوسری

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

راہیں اختیار کرلی تھیں۔

تو کیا تم ہم سے اس بات پر بگڑتے ہو کہ ہم نے خدا کے تجویز کردہ راستے کو کیوں اختیار کر رکھا ہے؟

۶۰ ان سے کہو کہ تم ہمارے خلاف ہزار جذباتِ عناد و عداوت اپنے دل میں رکھو' اس سے ہمارا کچھ نہیں بگڑ سکتا۔ انجام اُسی کا خراب ہوتا ہے جو قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے۔ ایسے لوگ زندگی کی سعادتوں اور خوشگواریوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اِن کی انسانی صلاحیتیں جھلس کر راکھ بن جاتی ہیں۔ ان سے کہو کہ تم تو خود اپنی تاریخ میں دیکھ چکے ہو کہ احکام سبت کی خلاف ورزی کرنے والوں کا کیا حشر ہوا تھا؟ ان میں انسانیت کا شائبہ تک باقی نہیں رہا تھا۔ ان کی سیرت بدترین حیوانوں جیسی ہوگئی تھی (۲/۶۵)۔ ان پر ذلت اور محکومی کی مار پڑی (۳/۱۱۲) ——— اور محکومی بھی کس کی؟ ان کی جن کی سرکشی اور تمرّد کی کوئی حد نہ تھی!

یہ ہیں وہ لوگ جو صحیح راستے سے بہت دُور نکل جاتے ہیں اور آخرالامر اس مقام تک جا پہنچتے ہیں جو انسان کے لئے بدترین مقام ہو سکتا ہے۔

۶۱ اس ذہنیت کی وجہ سے ان کی اب تک یہ حالت ہے کہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں ——— حالانکہ جب یہ آتے تھے تو اس وقت بھی ان کے دلوں میں کفر بھرا ہوا تھا اور جب گئے ہیں تب بھی اپنے ساتھ کفر ہی لے کر گئے ہیں' ایمان لے کر نہیں گئے ——— اِن میں اتنی اخلاقی جرأت بھی نہیں رہی کہ کھلے بندوں کہیں کہ ہم تمہاری روش اختیار نہیں کر سکتے۔ حالانکہ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ انکی اِس قسم کی فریب کارانہ حرکات سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ یہ اپنے دل میں چھپاتے ہیں خدا کو اس کا پورا پورا علم ہے۔

۶۲ تو ان میں سے اکثر کو دیکھے گا کہ وہ جرم و سرکشی اور حرام خوری میں سب سے تیز ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

——— کیا ہی برے ہیں یہ کام جنہیں یہ لوگ (دن رات) کرتے رہتے ہیں۔

۶۳ اور تماشا یہ کہ ان کے علماء اور مشائخ بھی انہیں ان جرائم اور حرام خوری سے نہیں روکتے۔ انہوں نے بھی مذہب کو کاروبار بنا رکھا ہے ——— کس قدر گھناؤنا ہے ان کا یہ کاروبار!

۶۴ جب ہم جماعت مومنین سے کہتے ہیں کہ نظام خداوندی کے قیام کے لئے مال و دولت صرف کرو تو یہ (یہود) اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذرا ان کے خدا کو دیکھو' جو ان سے کہتا ہے کہ ہماری راہ میں خرچ کرو۔ ہمیں قرضہ دو! کیا اُس خدا کے اپنے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں جو وہ انسانوں سے خرچ کرنے کو کہتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ خود بخیل بن چکے ہیں۔ فلاح انسانیت کے کاموں میں کچھ خرچ نہیں کرتے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہو چکے ہیں' اس لئے اس قسم کی باتیں کر کے اپنے دل کا غبار نکالتے رہتے ہیں۔ ان سے کہو کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ——— اس کے دونوں ہاتھ کھلے اور کشادہ ہیں۔ وہ اپنے قانون مشیت کے مطابق اپنے خزانوں کے مُنہ کھلے رکھتا ہے۔

تم نے دیکھا کہ خدا کے وہی احکام' جن سے ایمان والوں کے جذبات اطاعت اُبھرتے اور بڑھتے ہیں' کس طرح' ان لوگوں کی سرکشی اور انکار کے جذبات کو بھڑکانے کا موجب بن جاتے ہیں ——— یہ ہے اندازِ نگاہ کا فرق اور نفسیاتی تبدیلی کا اثر! ان کی اس ذہنیت' اور مذہب کو کاروبار بنا لینے کا نتیجہ یہ ہے کہ خود ان میں باہمی بغض و عداوت پیدا ہو چکی ہے ——— نہ یہ اپنی ذہنیت بدلیں گے' نہ بغض و عداوت کے جذبات مٹیں گے ——— ان کی حالت یہ ہے کہ یہ جہاں رہیں گے' ملک میں بدامنی پھیلانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ انہوں نے کئی مرتبہ جنگ کی آگ بھڑکانے کی بھی کوشش کی لیکن اللہ نے (دوسری

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾
وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ
اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ (۹ ۶ ۱۳)
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾

جماعتوں کے ذریعے روک تھام کر کے ۲/۶۴) اسے بجھا دیا۔ اس لئے کہ اللہ فساد انگیزی اور خون ریزی کو پسند نہیں کرتا۔

۶۵ لیکن اس کے باوجود ہم نے ان پر سعادت و برکات کے دروازے بند نہیں کئے۔ اگر یہ لوگ (قرآن پر) ایمان لے آتے اور اس طرح زندگی کی تباہیوں سے بچنا چاہتے' تو ہم ان کی (خود پیدا کردہ) ناہمواریوں کو دور کر دیتے اور انہیں زندگی کی سرفرازیوں اور خوشگواریوں سے نوازتے۔

۶۶ جب یہ لوگ' پہلے بھی زندگی کی خوشگواریوں سے محروم کئے گئے تھے تو اس کی وجہ کوئی ذاتی عناد نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے قوانین خداوندی کا اتباع چھوڑ دیا تھا۔ اگر یہ تورات و انجیل کی حقیقی تعلیم پر کاربند رہتے تو ان پر زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھل جاتے اور ہر مقام سے رزق کے چشمے ابلتے چلے آتے (۵/۶۴ ؛ ۵/۶۶) - لیکن انہوں نے بجز معدودے چند' جنہوں نے میانہ روی اختیار کی' اپنے لئے بری بری راہیں تلاش کر لیں اور سخت معیوب حرکات شروع کر دیں۔

اب پھر ان کے لئے باز آفرینی کا موقعہ آیا تھا۔ اگر یہ اس ضابطہ ہدایت (قرآن) پر کاربند ہو جاتے تو پھر انہی برکات سے بہرہ یاب ہو جاتے۔ لیکن انہوں نے اس کی بھی مخالفت شروع کر دی۔

۶۷ بایں ہمہ' اے رسول! تم اس ضابطہ ہدایت کو' جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے' تمام انسانوں تک یکساں طور پر پہنچاتے رہو' تاکہ کوئی شخص صحیح راہ نمائی نہ پہنچنے کی وجہ سے ہلاک نہ ہو جائے (۶/۱۳۰) - تمہارا فریضہ اس پیغام کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے (۱۳/۴۰) - اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ فریضۂ رسالت کی عدم ادائیگی ہو گی۔ تم ان لوگوں کی مخالفت کی قطعاً

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۶۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۹ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا

پرواہ نہ کرو۔ اللہ تمہارے مشن کو مخالفین کی شرانگیزیوں سے محفوظ رکھے گا (۵/۶۷)۔

تم اس حقیقت کو بھی یاد رکھو کہ تمہارے ذمے اس پیغام کا پہنچا دینا ہے۔ تم اس کے مکلف نہیں کہ لوگ اسے بالضرور قبول بھی کرلیں (۲/۲۷۲، ۱۰/۹۹، ۳۶/۳، ۲۸/۵۶)۔ جو لوگ اس کا فیصلہ کرلیں کہ ہم نے کسی کی بات ماننی ہی نہیں' خواہ وہ کیسی ہی حق و صداقت اور علم و بصیرت پر مبنی کیوں نہ ہو' تو ایسے لوگ کبھی راہ راست پر نہیں آسکتے (۷/۱۷۶)۔

۶۸ ان اہل کتاب سے کہدو کہ یونہی زبان سے ایمان کا دعوے کرنے' اور اس طرح خود بھی دھوکے میں رہنے اور دوسروں کو دھوکا دینے کی کوشش کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ جب تک تم تورات و انجیل کی حقیقی تعلیم پر' جو اب اس ضابطۂ خداوندی میں محفوظ کردی گئی ہے' قائم نہیں ہوجاتے تمہاری کوئی بات قابل اعتنا نہیں سمجھی جاسکتی۔

لیکن تم دیکھو گے کہ قرآن کی طرف دعوت ان لوگوں کے جذبات سرکشی اور عداوت کو اور تیز کردیگی سو تم ان کی تباہی پر تاسف نہ کرو' اس لئے کہ انہوں نے دیدہ و دانستہ اپنی تباہی کو اپنے ہاتھوں خرید رکھا ہے۔ اس سے انہیں کون بچا سکتا ہے؟

۶۹ تم ان سے برابر کہتے جاؤ کہ اسلام کے دروازے ہر قوم اور ملت کے لئے یکساں طور پر کھلے ہیں۔ ہمارا قانون یہ ہے کہ یہودی ہوں یا نصرانی۔ صابی ہوں یا وہ لوگ جو کسی رسمی گروہ میں داخل ہوئے بغیر' ویسے ہی خدا کو مانتے ہیں —— یا خود مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والے —— غرضیکہ کوئی بھی ہو' جو بھی خدا کے اقتدار اعلیٰ' زندگی کے تسلسل اور اس کے قانون مکافات پر اس طرح ایمان لائے جس طرح قرآن میں بتایا گیا ہے (۲/۱۳۶) اور اس کے دیئے ہوئے پروگرام کے مطابق صلاحیت بخش کام کرے تو انہیں کسی قسم کا خوف و خطر اور حزن و ملال نہیں ہوگا۔ وہ انتہائی اطمینان اور امن کی زندگی بسر کریں گے (۲/۶۲)۔

وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا
كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ
وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ
الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ

---

۷۰ یہی پیغام تھا جو ہم نے مختلف پیغامبروں کی معرفت' بنی اسرائیل کی طرف بھی بھیجا تھا اور ان سے اس پر قائم رہنے کا عہد لیا تھا۔ لیکن ان کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ جب کسی رسول نے ایسی بات کہی جو ان کے مفاد و رجحان کے خلاف جاتی تھی' اور اس لئے انہیں ناپسند تھی' تو یہ وہیں اکڑ جاتے۔ پھر ان رسولوں میں سے بعض کی تکذیب کرتے اور بعض کو قتل بھی کر دیتے۔ (۲/۸۷)۔

۷۱ انہوں نے اپنے دل میں سمجھ رکھا تھا کہ ہم جو جی میں آئے کریں' ہم سے کون باز پرس کرنے والا ہے' اور کون ہمیں تکلیف پہنچا سکتا ہے؟ اس تکبر اور نخوت کا نتیجہ تھا کہ یہ بالکل اندھے اور بہرے ہو گئے۔ (شدتِ جذبات میں ہوتا ہی ایسا ہے)۔ لیکن اس کے باوجود قانونِ خداوندی نے انہیں مہلت دی اور جب انہوں نے اپنی روش بدل لی تو پھر زندگی کی خوشگواریوں سے متمتع ہو گئے۔ لیکن' اس کے بعد' پھر ان کی وہی حالت ہو گئی اور انہوں نے پھر شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر حقائق کی طرف سے اپنی آنکھیں پھیر لیں' اور صداقت کی آواز کی طرف سے اپنے کان بند کر لئے ——— اور خدا کا قانونِ مکافات برابر دیکھ رہا تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟

۷۲ انہی اہل کتاب کا ایک گروہ (نصاریٰ) یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مسیحؑ ابن مریم' خدا ہے۔ یہ صریحاً کفر ہے۔ مسیحؑ نے اپنی قوم' بنی اسرائیل' سے وہی کچھ کہا تھا جو دوسرے انبیاءؑ کہتے چلے آئے تھے۔ یعنی یہ کہ تم خدا کی محکومیت اختیار کرو۔ وہ تمہارا پروردگار بھی ہے' اور میرا بھی۔ جو شخص اللہ کی حاکمیت میں کسی اور کو شریک کر لیتا ہے اس پر جنت حرام ہو جاتی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے۔ یہ بڑی زیادتی ہے کہ انسانوں کو خدا کا درجہ دیدیا جائے۔ ایسے لوگوں کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہو سکتا۔

۷۳ یہ کہہ دیں گے کہ ہم اکیلے مسیحؑ کو خدا نہیں مانتے۔ ہم "باپ۔ بیٹا۔ روح القدس" تینوں کے مجموعہ کو خدا تسلیم کرتے ہیں' اس لئے ہم خدا کے خدا ہونے سے انکار نہیں کرتے۔ ان سے کہو کہ یہ کونسا توحید کا عقیدہ ہے؟ یہ بھی کھلا ہوا کفر ہے۔ یاد رکھو! خدائے واحد کے علاوہ اور کوئی

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا
رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ
لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ
وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ
ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾

(۱۰) (۱۱) (۱۲)

الٰہ نہیں۔ نہ ہی اس کی شانِ الوہیت میں کوئی اور شریک ہے۔
اگر اس کے باوجود یہ لوگ اپنے ان باطل عقائد سے باز نہیں آئیں گے تو اس کفر کا نتیجہ الم انگیز عذاب کے سوا اور کیا ہوگا؟

۷۴ کیا (اس کے بعد بھی) یہ لوگ ان عقائد کو چھوڑ کر خدا (کی کتاب قرآن) کی طرف نہیں آنا چاہتے، جہاں سے انہیں اپنے سابقہ غلط عقائد کے مضرت رساں نتائج سے حفاظت بھی مل جائے گی اور ان کی ذات کی نشوونما کا سامان بھی۔
کیا یہ خدا سے اپنی حفاظت بھی طلب نہیں کرنا چاہتے؟

۷۵ مسیحؑ ابنِ مریم خدا کا پیغام بر تھا —— اس سے پہلے بھی خدا کے پیغامبر ہو گزرے ہیں اور اس کی والدہ ایک راستباز، سچی عورت تھی۔ وہ دونوں انسان تھے اور عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے (ان کے خدا ہونے کے خلاف یہی دلیل کافی ہے)۔
دیکھو! ہم کس طرح نکھار اور ابھار کر بات واضح کر رہے ہیں اور یہ کس طرح اپنے انہی باطل عقائد کی طرف لئے پھر رہے ہیں!

۷۶ ان سے کہو کہ کیا تم خدا سے ڈرتے ہی، ان ہستیوں کو اپنا الٰہ (صاحب اقتدارِ خدا) تسلیم کر لیتے ہو جنہیں نہ تمہارے نفع کا اختیار ہے، نہ نقصان کا۔ ان کے برعکس خدا وہ ہے جو سب کچھ سننے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

۷۷ ان سے کہو کہ اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو (مبالغہ) نہ کرو۔ ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر رکھو۔ اس سے آگے نہ بڑھاؤ۔ خدا کو خدا مانو۔ رسول کو رسول۔ اور اُن

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝
وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

لوگوں کے جذبات و تصورات کے پیچھے نہ لگو جو اس سے پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنے ساتھ اور بہت سوں کو گمراہ کر دیا۔ یہ سب سیدھے راستے سے بھٹک کر کہیں سے کہیں چلے گئے۔

یاد رکھو! انبیاء کی نبوت سے انکار ہی گمراہی نہیں۔ اُنہیں' ان کے مقام سے آگے بڑھا دینا بھی گمراہی ہے' اور سخت گمراہی۔

۷۸ بنی اسرائیل کے گمراہ کن عقائد اور تباہ کن روش کے متعلق جو کچھ اس وقت کہا جا رہا ہے' وہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ لوگ' اِس سے قبل' اپنی سرکشی اور نافرمانی کی بنا پر خود اپنے دو برگزیدہ پیغمبروں' داؤدؑ اور عیسیٰؑ کی زبان سے ملعون قرار دیئے گئے تھے۔ یعنی انہوں نے ان سے کہدیا تھا کہ ان کی اس غلط رَوش کی وجہ سے ان سے نوازشات خداوندی چھینی جا رہی ہیں۔

۷۹ اُس وقت ان کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ ان کے معاشرہ میں برائیاں عام ہو چکی تھیں' اور یہ ایک دوسرے کو روکتے ٹوکتے بھی نہیں تھے۔

۸۰ اور اب تک ان کی یہ حالت ہے کہ یہ' ان لوگوں سے اپنا یارانہ گانٹھتے ہیں جو دینِ خداوندی کے منکر اور مخالف ہیں۔

کتنا بُرا ہے یہ مسالہ جسے یہ' اپنے مستقبل کی تعمیر کے لئے تیار کر رہے ہیں! خدا کے قانون سے اس طرح سرکشی برتنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ یہ ذلّت و رسوائی کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

۸۱ جن کفار سے یہ اس وقت یوں دوستانہ تعلقات قائم کرتے ہیں' اگر وہ اللہ پر اور اِس نبی پر اور جو کچھ اس پر نازل کیا گیا ہے' اُس پر ایمان لے آتے' تو یہ کبھی انہیں اپنا دوست نہ بناتے۔ لہٰذا' اِن کفّار کے ساتھ اِن کی دوستی محض اس لئے ہے کہ وہ اسلام کے دشمن ہیں۔ ان کی دوستی کی اور کوئی بنیاد نہیں۔ وہ اگر آج اسلام کی دشمنی چھوڑ دیں' تو یہ ان سے دوستی چھوڑ دیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

ان میں اکثریت ان کی ہے جو سیدھی راہ کو چھوڑ چکے ہیں۔

۸۲ اے رسول! تم یہود اور مشرکین (عرب) کو جماعتِ مومنین کے شدید ترین دشمن پاؤ گے۔ ان کے برعکس، جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، تو دیکھے گا کہ وہ تمہاری جماعت کے ساتھ دوستی میں قریب تر ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں منکسر المزاج عالم اور تارک الدنیا راہب ہیں جن کی طبیعت میں تکبر اور سرکشی نہیں ہوتی۔



وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ
تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا
نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ
بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

۸۳ یہی وجہ ہے کہ جب وہ قرآن کریم کی آیات سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں۔ اِس لئے کہ اِن آیات میں اُنہیں حقیقت بے نقاب نظر آجاتی ہے اور وہ اسے فوراً پہچان لیتے ہیں۔ اور پکار اٹھتے ہیں کہ 'اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہم اس پر ایمان لاتے ہیں' سو تو ہمارا شمار بھی اس جماعت میں کرلے جو حق کی نگہبان اور نوع انسان کے اعمال کی نگران ہے۔ (۳/۱۴۳)۔

۸۴ وہ کہتے ہیں کہ 'حقیقت کو اس طرح بے نقاب دیکھ لینے کے بعد کونسی بات باقی رہ جاتی ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کتاب پر ایمان نہ لے آئیں جو سرتاسر حق و صداقت ہے۔ اور اس بات کی آرزو نہ کریں کہ ہمارا پروردگار ہمیں صالحین کے زمرے میں شامل کرلے۔

۸۵ یہ لوگ اِس طرح 'جماعت مومنین میں شامل ہوگئے اور اپنے حسن کارانہ عمل کی وجہ سے زندگی کی ان خوشگواریوں سے بہرہ یاب ہوگئے جن پر کبھی افسردگی نہیں آسکتی۔ یہ ان کے ایمان و عمل کا بدلہ ہے۔

۸۶ ان کے برعکس' جو لوگ اس صداقت سے انکار کرتے ہیں اور ہمارے قوانین کو جھٹلاتے ہیں'

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۸۷
وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ
بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ
مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ
كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۸۹

تو یہ لوگ زندگی کی ارتقائی منزل میں آگے نہیں جاسکیں گے۔ ان کے لئے شادابیوں کی جنت کے بجائے' تباہیوں کا جہنم ہے۔

۸۷ ان عیسائی راہبوں کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے زندگی کی خوشگوار چیزوں کو' جنہیں خدا نے حلال قرار دیا تھا' مسلکِ خانقاہیت کی بنا پر' اپنے اوپر حرام قرار دے لیا —— یعنی یہودی اگر افراط کی طرف چلے گئے اور حرام خوری تک اتر آئے تو یہ (عیسائی راہب) تفریط کی طرف چلے گئے اور انہوں نے حلال وطیب چیزوں کو بھی اپنے اوپر حرام قرار دے لیا —— وہ بھی غلط تھا' یہ بھی غلط۔

اے جماعتِ مومنین! تم نے ایسا نہ کرنا کہ جن خوشگوار چیزوں کو خدا نے حلال قرار دیا ہے انہیں اپنے اوپر حرام قرار دے لو۔ نہ ہی یہ کہ جن چیزوں پر اس نے پابندیاں عائد کی ہیں' تم ان پابندیوں کو توڑنے لگ جاؤ۔ حد سے گزر جانا' یعنی افراط وتفریط' دونوں اطراف میں برا ہوتا ہے۔

۸۸ حق کی راہ یہ ہے کہ تم' قرآن کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے' زندگی کی خوشگواریوں سے بہرہ یاب ہو' اور اس طرح' جو کچھ اللہ نے سامانِ رزق عطا کیا ہے اسے حلال وطیب طریق سے کھاؤ پیو۔ اور یوں اُس خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

۸۹ اگر تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ہم نے فلاں فلاں حلال چیزوں کے نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے اس لئے اب اس قسم کو کس طرح توڑیں؟ تو یاد رکھو۔ لغو اور مہمل قسموں پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا (۲۲۵/۲) - باقی رہیں وہ (غلط) قسمیں جو تم نے قصد وارادہ سے نہایت محکم طور پر کھائی ہوں' تو انہیں بھی توڑا جاسکتا ہے' لیکن اس صورت میں کچھ کفارہ دینا ہوگا۔ یہ کفارہ' دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ کھانا ویسا ہی ہونا چاہئے جیسا تم عام

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

طور پر اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔ یا دس مسکینوں کو کپڑا دینا۔ یا کسی غلام (گردن) کا آزاد کرانا۔[1] لیکن جسے یہ کچھ میسّر نہ ہو (یا حالات ایسے ہوں جن میں یہ کچھ ممکن نہ ہو — مثلاً کوئی محتاج یا غلام موجود نہ ہو) تو وہ تین دن کے روزے رکھ لے۔ یہ کفّارہ ہے تمہاری اُن (غلط) قسموں کا جو تم نے بالارادہ کھائی ہوں۔ لیکن جو قسمیں قوانین خداوندی کے خلاف نہ ہوں' ان کی پاسداری نہایت ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ قسمیں درحقیقت عہد و پیمان کی حیثیت رکھتی ہیں؛ اور عہد کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے (خواہ وہ عہد دوسروں کے ساتھ کیا گیا ہو یا خود اپنے ساتھ)۔

اس طرح' اللہ اپنے قوانین و احکام کو واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تمہاری کوششیں بھرپور نتائج پیدا کریں۔

۹۰ (قسموں پر قائم رہنا اس امر کی شہادت ہے کہ تمہارا عزم و ارادہ محکم ہے۔ تمہاری قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ بہت مضبوط ہے۔ اس سے سیرت میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ اِسکے برعکس' ہر وہ کام جس سے عقل و فکر ماؤف' حوصلہ اور ہمّت پست' اور عزم و ارادہ کمزور ہو جائے اس قابل ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ مثلاً) خمر۔ میسرہ۔ انصاب۔ ازلام (جن کا ذکر ۲/۲۱۹؛ ۵/۳ میں آچکا ہے) ایسے کام ہیں جن سے معاشرہ میں تخریب پیدا ہوتی ہے اور انسان کے قلب و دماغ کی صلاحیتیں ماؤف ہو جاتی ہیں (۱۰/۱۰۰)۔ لہٰذا تم ان سے اجتناب کرو تاکہ یہ تمہاری کامیابی کے راستے میں روڑا بن کر نہ اٹک جائیں۔

۹۱ اگر تم اپنے پست جذبات کی تسکین کے لئے خمر اور میسرہ جیسی عادات پر اتر آئے تو یہ چیزیں (انفرادی کمزوری پیدا کرنے کے علاوہ) تم میں باہمی عداوت اور کینہ پیدا کر دیں گی' اور قوانین خداوندی کو پیشِ نظر رکھنے اور نظامِ صلوٰۃ کے قائم کرنے سے تمہیں روک دیں گی۔

کیا اس قدر وضاحت کے بعد بھی تم ان چیزوں سے باز نہیں رہو گے؟

۹۲ تمہارے لئے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ تم اس نظام کی اطاعت کرو جو قوانین خداوندی کے مطابق ہے

---

[1] محکوموں اور مظلوموں کی آزادی اسی زمرہ میں آجائے گی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ
بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

رسول کے ہاتھوں متشکل ہوا ہے' اور ہر اس کام سے بچو جو اس نظام کے ضعف کا باعث ہو لیکن اگر تم (یہ سب کچھ سمجھ لینے کے بعد بھی) گریز کی راہیں نکالو اور اس سے منہ موڑ لو' تو اس کا خمیازہ تم خود بھگتو گے۔ ہمارے رسول کے ذمے اتنا ہی ہے کہ وہ تم تک ہمارے قوانین و احکام واضح طور پر پہنچا دے۔ یہ تمہارے اختیار کی بات ہے کہ تم ان پر عمل کرو یا ان کی خلاف ورزی کرو (تم جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے)۔

۹۳ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں' اور خدا کے بتائے ہوئے صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہو رہے ہیں' ان پر کھانے پینے کے معاملہ میں کوئی بندش نہیں (کہ یوں کھائیں اور یوں نہ کھائیں) بشرطیکہ وہ اُن چیزوں سے بچیں جن سے انہیں روک دیا گیا ہے۔ اور اس طرح اپنے ایمان و کردار کا عملی ثبوت دیں۔ اس کے بعد' جن اور باتوں سے روکا جائے' ان سے بھی بچیں اور یوں اپنے ایمان کا عملی ثبوت دیتے جائیں — قابل اجتناب باتوں سے رکتے جائیں اور حسن کارانہ طور پر زندگی بسر کرتے رہیں۔ یاد رکھو! کامیابی و کامرانی کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ انسان تخریبی (منفی[1]) امور سے بچے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تعمیری (مثبت[2]) کاموں میں حصہ لے۔ یہی انداز زندگی قانونِ خداوندی کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

۹۴ اس قسم کی پابندیاں عائد کرنے سے مقصد خود تمہاری ذات میں استحکام اور ثبات پیدا کرنا ہے۔ (مثلاً) ذرا تصور میں لاؤ اس منظر کو کہ تم حرم کعبے کے اندر ہو اور شکار تمہارے ہاتھ کے نیچے یا نیزے کی زد کے اندر آ چکا ہے۔ اب ایک طرف یہ شکار ہے جو تمہارے ہاتھ میں آیا ہوا ہے۔ دوسری طرف خدا کا حکم ہے کہ حرم کے اندر شکار نہیں پکڑا جائے گا۔ اس شکار میں بظاہر تمہیں کوئی نقصان رساں بات نظر نہیں آتی۔ لیکن تمہارا ایمان ہے کہ خدا نے

---

[1] NEGATIVE OR DESTRUCTIVE

[2] POSITIVE OR CONSTRUCTIVE

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ
النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا
لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۹۵

جو پابندی لگائی ہے' اُس کے توڑنے میں یقیناً ایسے مضرات پوشیدہ ہیں جو تمہیں سر دست دکھائی نہیں دیتے۔

اس کشمکش میں دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ تم پر پیش پا افتادہ فائدہ کی کشش غالب آتی ہے یا احکامِ خداوندی کے اَن دیکھے نتائج کا احساس۔ اس قسم کی کشمکش' زندگی میں قدم قدم پر تمہارے سامنے آئے گی۔ سو جو شخص خدا کی عائد کردہ پابندی کو توڑ کر حدود شکنی کرے گا تو اسکا اذیت رساں نتیجہ اُس کے سامنے آجائے گا۔

۹۵ لہٰذا' اے جماعتِ مومنین! تم حدودِ حرم کے اندر شکار مت مارو۔ (ہم نے کعبہ کو امن کا مقام قرار دیا ہے۔ $\frac{۳}{۹۶}$۔ ہماری اِس ضمانت کا تقاضا ہے کہ انسان تو انسان' حیوان بھی اس کے اندر آجائے تو اسے امن مل جائے)۔ اگر تم میں سے کوئی حدودِ حرم کے اندر ارادۃً شکار کرلے تو اس کی سزا یہ ہے کہ جو جانور تم نے مارا ہے' اس کی مثل کوئی مویشی تحفتہً کعبہ تک پہنچا دیا جائے (تاکہ وہ ضرورتمندوں کے کھانے کے کام آئے $\frac{۲۲}{۲۸}$)۔ اس بات کا فیصلہ کہ کونسا جانور اُس جانور کے ہم پلّہ ہے جسے شکار کیا گیا تھا' تم میں سے دو صاحب انصاف آدمی کریں (جنہیں اسکا علم ہو کہ کونسا جانور کس جانور کے ہم پلّہ ہوتا ہے)۔

یا اس کا کفارہ اُس جانور کی قیمت کے برابر مسکینوں کا کھانا ہے۔ یا اُس کے برابر روزے رکھنا (اس حساب سے جس کا ذکر $\frac{۵}{۸۹}$ میں کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ تین روزے دس مسکینوں کے کھانے کے برابر ہوتے ہیں)۔

یہ اِس لئے ہے کہ تم نے جو دیدہ دانستہ حدود شکنی کی ہے اس کا خمیازہ بھگتو (اور تمہارا نفس پابندیوں کے احترام کا خوگر ہو جائے)۔

یہ حکم اب سے نافذ ہوگا۔ اس سے پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا۔ جو اس کے بعد ایسا کریگا اُسے سزا دی جائے گی۔ اِس لئے کہ وہ قانون' قانون ہی نہیں ہوتا جس کی خلاف ورزی کی سزا نہ ہو۔ اور اگر اُس کے پیچھے ایسی قوت نہ ہو جو اُس سزا کو عمل میں لا سکے تو وہ قانون وعظ بن کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا' نظامِ خداوندی میں' قانون شکنی کی سزا بھی ہے اور ایسی قوت بھی جو

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۚ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾

اس سزا کو نافذ کر سکے۔

۹۶ یہ پابندی، کہ حدود حرم کے اندر شکار کرنا حرام ہے، خشکی کے جانوروں تک محدود ہے۔ جہاں تک پانی کے جانوروں کا تعلق ہے، ان کا کھانا جائز ہے —— خواہ انہیں تم خود شکار کرو۔ یا انہیں پانی اچھال کر خشکی پر پھینک دے یا پانی کے پیچھے ہٹ جانے سے وہ خشکی پر رہ جائیں —— یہ تمہارے لئے، اور اہل قافلہ کے لئے سامانِ زیست ہے۔ سو تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو، جس کی خاطر تم، ہر طرف سے کھنچ کر، اس مرکز میں جمع ہوتے ہو۔

۹۷ یہ مرکز کعبہ ہے۔ یعنی وہ واجب الاحترام مقام جس کی مرکزیت سے مقصود یہ ہے کہ تمام نوع انسان اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائے اور کوئی فرد یا قوم، کسی دوسرے فرد یا قوم کی محتاج نہ رہے۔

یہ مقام اجتماع۔ اور وہ مہینے جن میں جنگ کی ممانعت کر دی گئی ہے تاکہ لوگ امن و سلامتی سے یہاں جمع ہو سکیں۔ اور وہ نخائف اور جانور جو اس اجتماع کی ضروریات کیلئے بھیجے یا لائے جائیں۔ یہ سب اسی عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ یعنی عالمگیر انسانیت کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جانے کے قابل بنا دینا۔

یہ باتیں تمہیں اس لئے بتائی جا رہی ہیں کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ جس طرح خدا کائنات کے تقاضوں سے واقف ہے اور وہ، بغیر کسی خارجی سہارے کے اس حسن و خوبی سے چل رہی ہے، اسی طرح وہ نوع انسان کے تقاضوں سے بھی واقف ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی اجتماعی زندگی کا توازن بھی اسی طرح ٹھیک ٹھیک قائم رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسکا ہمہ گیر قانون، تمام اشیائے کائنات اور عالم انسانیت کی ضروریات، مصالح اور تقاضوں سے باخبر ہے۔

۹۸ سو جو قوم اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرے گی، اس کیلئے حفاظت اور پرورش کے تمام سامان مہیا ہو جائیں گے۔ اور جو اس کے خلاف جائے گی، اسے سخت عواقب کا سامنا

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ
الطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

کرنا پڑے گا۔

۹۹ اِن عواقب سے بچنے کا یہ طریقہ نہیں کہ تم زبان سے اِن قوانین کی صداقت کا اقرار کر لو اور دِل میں ان کے خلاف چلنے کی آرزوئیں بیدار رکھو۔ بالکل نہیں۔ خدا کا قانونِ مکافات تمہارے ظاہر و باطن دونوں پر پوری پوری نگاہ رکھتا ہے۔

باقی رہا یہ ہمارا رسول سو اس کے ذمے اِس پیغام کا تم تک پہنچا دینا ہے۔ اس کی اطاعت یا خلاف ورزی کرنا تمہارے اپنے اختیارِ وارادہ کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم اپنی روش کے ذمہ دار آپ قرار پاتے ہو۔

۱۰۰ زندگی کی دو ہی روشیں ہیں ——— ایک طیّب ہے دوسری خبیث ——— تم ان میں سے جو روش چاہو اختیار کر لو۔ لیکن اس حقیقت کو کبھی نہ بھولو کہ وہ رَوش جو زندگی کے خوشگوار تعمیری پہلوؤں کو اُبھارے اور اُس کے ثمرات نوعِ انسان کے لئے نشوونما کا باعث ہوں ——— یہی وہ رَوش ہے جسے ہم نے طیّب کہہ کر پکارا ہے ——— اور وہ رَوش جو ناخوشگوار تخریبی نتائج پیدا کرے اور اُس سے نوعِ انسان کی نشوونما رک جائے (اسے خبیث سے تعبیر کیا گیا ہے)۔ یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتیں، خواہ یہ بات تمہارے لئے کتنی ہی تعجب انگیز کیوں نہ ہو۔ اِس لئے کہ دنیا میں بالعموم دَور دورہ اِس دوسری رَوش کا رہا ہے اور یہی ہر جگہ چھائی ہوئی ہے۔ (یہ چیز اِس روش کے صحیح ہونے کا ثبوت نہیں۔ یہ انسان کی کوتاہ نگہی ہے جو اسے اس بنا پر صحیح قرار دیتا ہے کہ عام چلن اسی کا ہے)۔

لہٰذا، اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو اور کوتاہ نگہی اور بے بصری سے کام نہیں لیتے تو تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اِسی سے تم کامیاب زندگی بسر کر سکو گے۔

۱۰۱ ہم نے "طیّب" اور "خبیث" روشیں کہہ کر، عالمگیر اصول بیان کر دیئے ہیں۔ انکی تفاصیل نہیں دیں۔ ان عالمگیر اصولوں کی روشنی میں تم خود متعین کر سکتے ہو کہ کون سے کام

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّ
لَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

"طیّب" کی شق میں آتے ہیں اور کون سے "خبیث" کے ضمن میں۔ زندگی کے اصول غیر متبدل ہوتے ہیں اور جن پیکروں میں وہ اُصول کارفرما ہوتے ہیں' وہ بدلتے رہتے ہیں۔ انہی کو ان اصولوں کی جزئیات و تفاصیل کہا جاتا ہے۔ ہم نے قرآن میں 'بالعموم' اصول دیئے ہیں۔ (بجز مستثنیات) ان کی جزئیات نہیں دیں۔

لہٰذا' جن چیزوں کی تفصیل ہم نے نہیں دی' تم ان کے متعلق کُرید کُرید کر نہ پوچھا کرو' کیونکہ اگر ہم نے ان تفاصیل کو بھی متعین کر دیا (تو وہ بھی غیر متبدل قرار پا جائیں گی اور جب وہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکیں گی تو ان کا نباہنا تمہارے لئے مشکل ہو جائے گا۔ اور اس طرح وہ تفاصیل تم پر ناگوار گزریں گی) اور یہ ظاہر ہے کہ جب نزول وحی کا سلسلہ جاری ہے تو تمہارے اصرار پر ان امور کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ بہرحال تم اس کا خاص خیال رکھو۔ جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا ہے اس سے ہم درگزر کرتے ہیں۔ آئندہ کیلئے تم احتیاط برتو۔ خدا کے قانون میں سابقہ غلطیوں کی معافی اور چھوٹی چھوٹی لغزشوں پر بردباری کی گنجائش ہے۔

۱۰۲ یہ جو تمہیں تنبیہ کی گئی ہے تو اس لئے کہ تم سے پہلے ایک قوم (بنی اسرائیل) نے اس قسم کے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے تھے (۲/۱۰۸)۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اتنی قیود اور پابندیاں اپنے اوپر عائد کر لیں جن کا نباہنا اُن کے لئے مشکل ہو گیا' اور وہ (ان جزئیات کی پابندی سے گھبرا کر) اصل دین ہی سے منحرف ہو گئے۔

۱۰۳ یاد رکھو! قانونِ خداوندی کی رُو سے' نہ بحیرہ کی کوئی اصل ہے نہ سائبہ کی۔ نہ وصیلہ کی نہ حامؔ کی۔ (یہ سب تو ہم پرستی کی رسومات ہیں)۔ ان لوگوں نے' جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے' ان رسومات کو خود وضع کر لیا ہے اور اس کے بعد انہیں خواہ مخواہ خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اس قسم کی مضحکہ خیز اور احمقانہ رسومات کو دینِ خداوندی سے کچھ واسطہ نہیں ہو سکتا! دینِ خداوندی تو یکسر علم و بصیرت پر مبنی ہے۔

۱۰۴ تو ہم پرستانہ رسوم کو دین سمجھنے والوں کی حالت یہ ہے کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے

لہ عرب جاہلیہ میں' بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے تھے (جیسے ہندوؤں کے ہاں سانڈ چھوڑ دیتے ہیں) اور انہیں متبرک سمجھا جاتا تھا۔ یہ اسی قسم کے مختلف جانوروں کے نام ہیں۔ (تفصیل لغات القرآن میں دیکھئے)۔

تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ
اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ
بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ
ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْ
تَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

کہ اس قانون کی طرف آؤ جسے خدا نے نازل کیا ہے' اور اس کے رسول کی طرف (جو اسکے مطابق ایک عملی نظام متشکل کر رہا ہے) تو یہ اس کے جواب میں کہہ دیتے ہیں کہ نہیں! جو مسلک ہمارے اسلاف سے چلا آ رہا ہے' وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ (۲/۱۷۰)۔

(کس قدر احمقانہ ہے یہ جواب کہ جو کچھ اسلاف سے ہوتا چلا آ رہا ہے اس کے پرکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہم اسی پر آنکھیں بند کئے چلے جائیں گے' خواہ) ان کے یہ اسلاف نہ علم و بصیرت رکھتے ہوں' اور نہ ہی خدا کی بتائی ہوئی راہ پر ہوں۔

۱۰۵ اے ایمان والو! اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ رکھو کہ تمہاری ذات کی حفاظت کی ذمہ داری تمہارے اپنے اوپر ہے (تمہارے اسلاف پر نہیں۔ ۲/۱۴۱) نہ ہی تمہیں اس سے ڈرنا چاہیئے کہ اسلاف کی روش کی خلاف ورزی سے' وہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچا دیں گے۔ بالکل نہیں) اگر تم سیدھے راستے پر چلتے جاؤ گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اُن کے اور تمہارے سب کے اعمال' خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے سامنے پیش ہوں گے۔ اور وہیں سے یہ فیصلہ ہو گا کہ کس کے اعمال کس قسم کے ہیں۔

۱۰۶ اوپر کہا گیا ہے کہ ہم نے بالعموم دین کے اصول دیئے ہیں' اُن کی جزئیات متعین کر کے نہیں دیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم نے کسی قانون کی جزئیات بھی متعین نہیں کیں بعض اہم قوانین کی جزئیات اور عملی طریق ہم نے متعین کر دیئے ہیں۔ ان میں قانونِ وصیت و شہادت بھی ہے۔ اس باب میں یاد رکھو کہ اگر تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آ جائے' اور وہ وصیت کر رہا ہو (کیونکہ وصیت کرنا فرض ہے۔ ۲/۱۸۰) تو اس کے لئے گواہ

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ
اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۖ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ اِنَّكَ
اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

کی ضرورت ہوگی۔ سو تم اپنے لوگوں میں سے دو ایسے گواہ مقرر کر لو جو انصاف پسند ہوں۔ لیکن اگر تم سفر کی حالت میں ہو' اور ایسی جگہ پر جہاں اپنے آدمی موجود نہیں۔ اور وہاں موت کا سامنا ہو جائے۔ تو پھر دوسرے لوگ ہی گواہ بنا لو۔

پھر جب ان کی شہادت کی ضرورت پڑے تو تمہارے جج انہیں' صلوٰۃ کے بعد (مسجد میں) ٹھیرائیں (کیونکہ وہی تمہاری عدالت گاہ ہے)۔ اگر تمہیں شبہ ہو کہ وہ ویسے سچ سچ نہیں کہیں گے' تو وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم نے اس گواہی کے عوض کسی سے کچھ نہیں لیا' خواہ وہ ہمارا قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ اور نہ ہی ہم سچی شہادت کو چھپائیں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم مجرم ہوں گے۔

۱۰۷ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے سچی گواہی نہیں دی' تو جس پارٹی کے خلاف انہوں نے غلط گواہی دی تھی' اُس پارٹی کے دو گواہ سامنے آئیں اور خدا کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی سابقہ گواہوں کے مقابلہ میں زیادہ سچی ہے۔ ہم حق سے ذرا بھی تجاوز نہیں کریں گے۔ اگر ایسا کریں تو ہم مجرم قرار دیئے جائیں۔

۱۰۸ (قانون خداوندی میں شہادت پر شہادت لینے کی گنجائش اس لئے رکھ دی گئی ہے کہ اس سے) اس امر کا امکان ہے کہ گواہ' حقیقت کے مطابق شہادت دیں کیونکہ انہیں اس کا خدشہ ہوگا کہ دوسرے گواہوں کی شہادت سے' اُن کی شہادت کی تردید ہو جائے گی (اور اس طرح وہ مجرم بھی قرار پائیں گے اور معاشرہ میں ان کی بدنامی بھی ہوگی)۔

اب تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو اور ان باتوں کو دل کے کانوں سے سنو۔ اگر تم اس راہ کو چھوڑ کر کسی دوسری راہ پر چل نکلے' تو وہ راہ تمہیں کبھی منزلِ مقصود تک نہیں لے جائے گی۔

۱۰۹ (یہ قوانین وضوابط معاشرہ کا توازن برقرار رکھنے کے لئے ہیں' لیکن اس کے نقص

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْــَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۰

اس حقیقت کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ انسان کے تمام اعمال کا اثر اس کی ذات پر مرتب ہوتا ہے اور انہی اثرات کے مطابق اس کا مستقبل تعمیر ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر ہم جھوٹ بول کر عدالت کی نگہ احتساب سے بچ گئے تو بس چھٹی پائی۔ قطعاً نہیں۔ اس کا جو اثر تمہاری ذات پر مرتب ہوا ہے اس کا نتیجہ بہرحال سامنے آئے گا —— اس زندگی میں نہیں تو اس کے بعد کی زندگی میں۔ جب اللہ تمام رسولوں سے پوچھے گا کہ لوگوں نے تمہاری دعوت کو کس طرح قبول کیا تھا —— دل سے مانا تھا یا محض ظاہرداری سے —— تو وہ کہیں گے کہ ہم تو نظر بظاہر ہی دیکھ سکتے تھے (کیونکہ عدالت اتنا ہی کر سکتی ہے) دلوں کی حالت کا علم تو تجھے (خدا) ہی (کو) ہو سکتا ہے۔

۱۱۰ اس باب میں (اے ہمارے رسول!) عیسیٰؑ کے متبعین کی حالت خاص اہمیت رکھتی ہے، اس لئے اسے خصوصیت سے بیان کیا جاتا ہے۔ اس مقام تک پہنچنے سے پہلے اس پس منظر کو سامنے لاؤ، جب اللہ عیسیٰؑ ابن مریم سے کہیگا کہ میں نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو جن نعمتوں سے نوازا تھا، وہ تمہیں یاد ہوں گی۔ میں نے اس وحی کے ذریعے تمہیں تائید و تقویت عطا کی تھی جو بلا آمیزش تم تک پہنچی تھی اور جس سے تمہاری دعوتِ انقلاب کو دُور دُور تک پھیل جانا تھا (۲/۲۵۳)۔ تم ابتدائی عمر میں بھی عمدہ باتیں کیا کرتے تھے اور پھر (یہودیوں کی سازش کے علی الرغم، جو تمہیں مار دینا چاہتے تھے) پختہ عمر تک پہنچ کر بھی (۳/۴۶)۔ پھر میں نے تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔ یعنی تورات و انجیل کا علم دیا۔ یہی وہ تعلیم تھی جس کی انقلابی قوت کی بنا پر تم بنی اسرائیل سے کہتے تھے کہ میں تمہیں ایسی آیات تو عطا کر دوں گا جس سے تم اپنی موجودہ پستی (خاک نشینی) سے اُبھر کر، فضا کی بلندیوں میں اُڑنے کے قابل ہو جاؤ گے، اور اس طرح، تمہیں فکر و عمل کی رفعتیں نصیب ہو جائیں گی (۳/۴۹)۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ
الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا
مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

یہ آسمانی روشنی' تمہاری بے نور آنکھوں کو ایسی بصیرت عطا کر دے گی جس سے تم زندگی کے صحیح راستے پر چلنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ اس سے تمہاری قوم کی ویران کھیتی جس پر تر و تازگی کا نشان تک باقی نہیں رہا' پھر سے سرسبز و شاداب ہو جائے گی' اور تمہاری وہ پست خصلتیں دور ہو جائیں گی جن کی وجہ سے تمہیں کوئی اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتا۔ مختصراً یہ کہ وہ ذلت و خواری کی موت جو اس وقت تم پر چاروں طرف سے مسلط ہے' ایک نئی زندگی میں تبدیل ہو جائے گی۔ (۳/۱۱۱ ؛ ۳/۱۴۸ ؛ ۶/۱۲۳)۔

تم (اے عیسیٰؑ!) اس قوم کے لئے یہ کچھ کر رہے تھے اور وہ لوگ تمہاری جان کے لاگو ہو رہے تھے۔ لیکن میں نے ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیا اور تمہیں اُن کی دست درازیوں سے محفوظ رکھا۔ تم ان کے پاس دلائل و براہین لے کر آئے اور انہوں نے ان سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

۱۱۱ اور جب میں نے تمہارے حواریوں کو (انجیل میں بذریعہ وحی) حکم دیا تھا (جس طرح اب جماعتِ مومنین کو قرآن میں حکم دیا گیا ہے) کہ وہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں۔ اس پر انہوں نے کہا تھا کہ ہم ایمان لائے۔ تم گواہ رہنا کہ ہم نے قوانین خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔

۱۱۲ اس کے بعد اُس جماعتِ مومنین نے تم سے کہا تھا کہ کیا ہمارا نشو و نما دینے والا ہماری اس آرزو کو پورا کر دے گا کہ ہم معاش کے لئے انفرادی سہاروں کے محتاج نہ رہیں اور ہمارے لئے سامانِ نشو و نما خدا کے نظامِ ربوبیت سے ملا کرے —— یعنی معیشت کے موجودہ "ارضی نظام" کی جگہ "سماوی نظام" قائم ہو جائے۔ اِسکے جواب میں تم نے ان سے کہا تھا کہ جب تم نظامِ خداوندی کی صداقت پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں چاہیئے کہ تم اُس کے قوانین کی پوری پوری نگہداشت کرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو اُس کا وہ نظام قائم ہو جائے گا جس میں رزق کی ذمہ داری خود نظام کے سر ہو گی۔ افراد پر نہیں ہو گی۔

۱۱۳ انہوں نے کہا کہ ہماری تو دلی خواہش یہی ہے کہ ہم بلا منتِ غیرے' نظامِ ربوبیت ہی سے

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ۭ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

رزق حاصل کریں تاکہ اس طرف سے ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو جائے' اور ہمیں یقین آجائے کہ جو کچھ تو ہم سے کہتا ہے وہ بالکل سچ ہے' اور ہم اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس کی شہادت دیں۔

۱۱۴ اس پر تم نے (اے عیسٰےؑ!) ہمارے حضور التجا کی تھی کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری نشوونما کا سامان' نظامِ ربوبیت کی رُو سے عطا ہو جائے تاکہ یہ چیز اس جماعت کے السابقون الاولون (سب سے پہلے ایمان لانے والوں) کے لئے بھی جشنِ مسرت کا موجب ہو اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے بھی۔ نیز یہ تیرے قانون کی صداقت کی عملی نشانی بن جائے۔ تو ہمیں اس طرح سامانِ زیست عطا فرما۔ اس لئے کہ جو رزق تیرے نظام کی رُو سے ملے وہ اُس سے کہیں بہتر ہوتا ہے جو انسانوں کی وساطت سے حاصل ہو —— انسانوں کے ہاتھ سے ملنے والے رزق سے تو پرواز میں سخت کوتاہی آجاتی ہے۔ اس رزق سے تو موت اچھی ہے۔

۱۱۵ اس پر ہم نے کہا تھا کہ ہم تمہارے رزق کا اسی طرح انتظام کریں گے۔ لیکن اپنے متبعین سے کہہ دو کہ اگر تم نے اس نظام کی صحیح صحیح قدر دانی نہ کی اور جن بنیادوں پر اسے قائم کیا گیا ہے' تم اُن سے پھر گئے' تو اس کی ایسی سخت سزا ملے گی جو دنیا میں کسی اور قوم کو نہ ملی ہو۔

۱۱۶ اس کے بعد خدا' (اپنے رسول) عیسٰےؑ سے پوچھے گا کہ تمہارے بعد' تمہارے نام لیواؤں نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو معبود بنا کر' خدائی کا درجہ دیدیا تھا اور کہتے تھے کہ یہ خود تمہاری تعلیم تھی۔ کیا تم نے ان سے ایسا کہا تھا؟ (یہ تھی وہ بات جس کا ذکر ۱۷۲ میں آیا تھا اور جس کے

لہ حضرت عیسٰےؑ اور آپ کی جماعت کی زندگی کے جو بچے کھچے حالات تاریخ میں ملتے ہیں (جس میں خود اناجیل بھی شامل ہیں) ان میں اس نظامِ معیشت کے خط و خال نظر آتے ہیں۔ رسول اللہؐ کے عہدِ مبارک میں یہ نظام ابھر کر سامنے آگیا تھا۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا
تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ
اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾

لئے یہ پس منظر سامنے لایا گیا ہے۔)

وہ' اس کے جواب میں کہے گا کہ تیری ذات اِس سے بلند ہے کہ تیرے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جائے۔ مجھے بھلا یہ کب زیبؔ دیتا تھا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق حاصل نہیں تھا؟ اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہوتی تو وہ تجھ سے کیسے مخفی رہ سکتی تھی! یہ تو ہو سکتا ہے (اور امر واقعہ بھی یہی ہے) کہ جن باتوں کا علم تو اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہے' وہ میرے (یا کسی اور کے) علم میں نہ آسکیں۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ تیرے بندوں کے دل میں جو بات ہو' وہ تجھ سے پوشیدہ رہ جائے؟ تو' تو ہر سربستہ راز' اور مستقبل میں واقع ہونے والے حوادث تک سے واقف ہے۔ (اس لئے اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو وہ تجھ سے کیسے چھپی رہ سکتی تھی؟)۔

۱۱۷ میں نے ان سے وہی کچھ کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ یعنی یہ کہ تم صرف اللہ کی عبودیت اختیار کرو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور میرا بھی۔ میں جب تک ان میں رہا' ان کا نگران رہا (کہ وہ کوئی غلط قدم نہ اٹھائیں)۔ لیکن جب تو نے مجھے وفات دیدی تو میری نگرانی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد تو ہی ان کا نگہبان تھا —— اُنہی کا کیا' تو' تو کائنات کی ہر شے کا نگران و نگہبان ہے!

۱۱۸ انہوں نے جو کچھ کیا ہے' اُس کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ اگر ان کا جرم' سزا کا مستوجب ہے تو انہیں اس سے مجال سرتابی کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ تو تیرے بندے ہیں۔ اور اگر وہ ایسا ہے کہ اُن کے دوسرے اعمال اُس کی تلافی کر سکتے ہیں' تو وہ سزا سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ بہرحال دونوں صورتوں میں فیصلہ تیرے قانون مکافات کی رُو سے ہوگا جو سرتاسر حکمت پر مبنی ہے اور اس کے نفاذ کا تجھے پورا پورا اختیار حاصل ہے۔

۱۱۹ اللہ کہے گا کہ یہ' اعمال کے نتائج کے ظہور کا دن ہے۔ اِس میں' صرف ان لوگوں کا ایمان انہیں فائدہ دے گا جو اپنے دعوئے ایمان میں سچے تھے۔ یعنی انہوں نے اپنے ایمان کو اپنے

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

اعمال سے سچ کر دکھایا تھا۔ اُن کے لئے ایسی پر بہار زندگی ہے جس کی شادابیاں ہمیشہ ہمیشہ قائم رہیں گی۔ انہوں نے اپنے آپ کو قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ رکھا تو خدا کے قانونِ مکافات نے انہیں اپنے ثمرات و برکات سے ہم کنار کر دیا۔ یہ یقیناً بہت بڑی کامیابی و کامرانی ہے۔

۱۲۰ یہ ہے خدا کا قانونِ مکافات جو کائنات کے گوشے گوشے میں جاری و ساری ہے۔ اس لئے کہ تمام کائنات اقتدارِ خداوندی کے تابع ہے۔ اس پر اس کا پورا پورا کنٹرول ہے۔

یوں رسولوں کی شہادت' اُن کے غلط رو متبعین کے خلاف جائے گی (۱۰۹/۵) چہ جائیکہ وہ ان کی سفارش کریں' یا ان کے گناہوں کا کفارہ بن سکیں؛



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ
یَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ
تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

۱ کائنات کا گوشہ گوشہ اپنے پیدا کرنے والے کی حمد و ستائش کا زندہ پیکر ہے (۱)۔ اس میں ظلمت اور نور۔ تاریکی اور اُجالے کی نمود بھی اُسی کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ (یہ نہیں کہ جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے 'تاریکی کا خدا' اہرمن ہے اور روشنی کا خدا' یزداں)۔ یہ اُن لوگوں کی غلط فہمی ہے جو توحید کا انکار کر کے خدا کے ساتھ اوروں کو بھی برابر کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

۲ تاریکی اور روشنی تو پھر بھی کُروں کی گردش کا نتیجہ ہے۔ خدا تو وہ ہے جس نے تمہاری تخلیق کی ابتدا بے جان مادّہ سے کی اور پھر (تمہاری طبیعی زندگی کے لئے) ایک میعاد ٹھہرا دی۔ افراد کی موت و حیات کے علاوہ' اقوام کی موت اور حیات کے لئے بھی ایک میعاد ہوتی ہے۔ یہ میعاد قانون خداوندی کے مطابق متعین ہوتی ہے[1]۔

۳ لہٰذا' یہ نہ سمجھ لو کہ خدا کا قانون' خارجی کائنات تک ہی محدود ہے۔ انسانوں کی زندگی اس کے دائرۂ اثر و نفوذ سے باہر ہے (۲۹/۶۳ ؛ ۲۹/۶۱)۔ کائنات میں بھی اسی کا قانون نافذ العمل ہے اور تمہاری تمدنی اور معاشی زندگی میں بھی۔ (۲۱/۲۲ ؛ ۲۱/۲۱ ؛ ۴۳/۸۴)۔ وہ تمہاری اُن باتوں

---

[1] افراد کی مُدّتِ حیات خدا کے طبیعی قوانین کے مطابق متعین ہوتی ہے (۳/۱۴۴ ؛ ۵۶/۶۰)۔ اور اسی کے مطابق عمر گھٹ بڑھ سکتی ہے (۳۵/۱۱)۔ اسی طرح قوموں کی موت و حیات کیلئے بھی قانون مقرر ہے۔ مدت پہلے سے مقرر نہیں۔ قانون مقرر ہے جس کے مطابق وہ قوم اپنی زندگی کی مدت خود مقرر کرتی ہے (۱۰/۴۹ ؛ ۱۳/۳۸ ؛ ۷/۳۴)۔ جب اس قانون کے مطابق کسی قوم کی زندگی کے دن ختم ہو جاتے ہیں تو اسے اس سے مفر نہیں ہو سکتا۔ (۷/۳۴)۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ
فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ
فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَ
هْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ
بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

سے بھی واقف ہے جو اُبھر کر سامنے آجاتی ہیں اور اُن سے بھی جو چھپی رہتی ہیں۔ (وہ تمہاری مضمر اور مشہود، دونوں صلاحیتوں کو جانتا ہے) ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

۴ لیکن اس کے باوجود، لوگوں کی حالت یہ ہے کہ (خدا کے کائناتی قوانین ـــــ قوانینِ فطرت۔ کے تو اسدرجہ قائل ہیں کہ ان پر علوم سائنس کی اتنی عظیم عمارت قائم کر رکھی ہے لیکن) جب اُسی خدا کی طرف سے، (ان کی تمدنی اور معاشی زندگی سے متعلق) کوئی قانون آتا ہے تو اُس سے مُنہ پھیر لیتے ہیں۔

۵ یہی کیفیت اِن مخاطبین کی ہے۔ جب خدا کا وہ ضابطۂ قوانین جو ٹھوس حقائق اپنے اندر رکھتا ہے، ان کی طرف آیا تو انہوں نے اُسے جھٹلا دیا اور جس انقلاب کا اِس میں ذکر کیا گیا ہے، اُس کی ہنسی اُڑانے لگے۔ لیکن کیا اس سے، وہ انقلاب رُک جائے گا؟ وہ تو آکر رہے گا۔

۶ یہ اپنی قوت اور دولت کے نشے میں بدمست ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کا نظامِ زندگی، جس سے انہیں اس قدر خوشحالی اور فراوانی حاصل ہے، انہیں کبھی تباہی کی طرف نہیں لے جاسکتا۔ لیکن کیا انہوں نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ ان سے پہلے، کتنی قومیں تباہ ہو چکی ہیں جنہیں اِس قدر ثروت اور سطوت حاصل تھی جو انہیں بھی حاصل نہیں۔ ان پر رزق کی فراوانیوں کی بارش ہوتی تھی، اور معاشی خوش حالیوں کی نہریں بہتی تھیں۔ لیکن وہ اپنے غلط نظامِ زندگی کی وجہ سے (جس میں عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود کے بجائے، محدود مفاد پرستی کو پیشِ نظر رکھا گیا تھا) تباہ اور برباد ہو گئیں۔ اور ان کی جگہ دوسری قوموں نے لے لی۔

۷ ہم نے، اپنے نظام کے حق، اور ان کے نظام کے باطل ہونے کے ثبوت میں خارجی کائنات، انسانی تخلیق، اور تاریخی شواہد سے ایسے واضح دلائل پیش کر دیئے ہیں کہ اِن کے بعد

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ
مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ
سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

کسی صاحب عقل و بصیرت کو اس سے مجالِ انکار نہیں ہو سکتی۔ لیکن اِن کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم دلائل و براہین کو نہیں جانتے۔ ہمیں کوئی معجزہ دکھاؤ تب ہم مانیں گے۔ لیکن یہ بھی ان کی محض کٹ حجتی ہے۔ اگر ہم ایسا کرتے کہ تم پر کوئی لکھی لکھائی کتاب آسمان سے نازل کر دیتے، جسے یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیتے کہ وہ سچ مچ کی کتاب ہے، تو جنہوں نے نہیں ماننا وہ اس پر بھی کہہ دیتے کہ یہ کھلا ہوا فریب ہے۔

۸ یہ کہتے ہیں کہ اس رسول پر کوئی ایسا فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوتا (جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں)۔ اِن سے کہو کہ فرشتے اُس وقت آیا کرتے ہیں جب قوموں کی تباہی کا وقت آجاتا ہے۔ اُسوقت اِن کے معاملہ کا دوٹوک فیصلہ ہو جایا کرتا ہے اور کسی کو اِس کی مہلت نہیں دی جاتی کہ وہ اپنی رَوش میں تبدیلی کر کے اُس تباہی سے بچ جائے۔

۹ باقی رہا اِن کی طرف پیغام رسانی کا معاملہ، سو اِس مقصد کیلئے اگر ہم کوئی ایسا فرشتہ بھیجتے جو انہیں نظر آسکتا تو وہ بھی اِن کے سامنے انسانی شکل ہی میں آتا۔ اُس صورت میں یہ پھر انہی شبہات میں مبتلا رہتے جن میں اب ہیں۔

۱۰ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس اہم معاملہ کو سنجیدگی سے (SERIOUSLY) لیتے ہی نہیں۔ یونہی ہنسی مذاق سمجھ رہے ہیں۔ یہ کچھ (اے رسول!) تمہارے ساتھ ہی نہیں ہو رہا۔ تم سے پہلے بھی جس قدر رسول آئے، اُن کا اِسی طرح مذاق اڑایا گیا۔ جب انہوں نے اقتدار پرستوں اور مفاد طلبوں سے کہا کہ تمہارا غلط نظامِ زندگی تمہیں تباہی کی طرف لئے جا رہا ہے، تو انہوں نے اُن کی ہنسی اڑائی۔ لیکن اُن ہنسی اڑانے والوں کو اس تباہی نے آگھیرا جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

۱۱ اِن سے کہو کہ جاؤ! زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ ان قوموں کا کیا حشر ہوا جنہوں نے قانونِ خداوندی کو جھٹلایا تھا۔

۱۲ ان سے کہو کہ ان تاریخی شواہد کے ساتھ، نظامِ کائنات پر بھی غور کرو اور دیکھو کہ

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ ۭ وَلَا
تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮

اس میں اقتدار اور قانون کس کا کارفرما ہے' اور یہ کس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے یوں سرگرم عمل ہے؟ ان سے کہو کہ (جیسا کہ تمہیں خود اس کا اعتراف ہے ۲۹/۶۱) یہ تمام سلسلہ خدا کے پروگرام کے مطابق چل رہا ہے' اور چل اس لئے رہا ہے کہ ہر شے کو اس کی نشوونما کا سامان ملتا رہے۔ اس لئے کہ جس نے اسے پیدا کیا ہے اس نے سامان نشوونما کا بہم پہنچانا بھی اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ خارجی کائنات میں تو یہ نظام بلا روک ٹوک جاری رہتا ہے لیکن انسان اپنی دنیا میں' اس کی مزاحمت کرتا ہے۔ لیکن اس کی مزاحمت کیسے روا رکھی جا سکتی ہے؟ لہٰذا سوچو کہ اگر تم اس نظام ربوبیت کے راستے میں روک بن کر کھڑے ہو جاؤ تو تمہیں کھڑا رہنے دیا جائے گا؟ ایسا نہیں ہو گا۔ تمہیں ایک عظیم انقلاب سے دوچار ہونا پڑے گا ——— اور ضرور ہونا پڑے گا۔

ان حقائق کی موجودگی میں' ایسی عظیم صداقت سے انکار وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنے آپ کو تباہ کر چکے ہوں۔

۱۳ رات کی تاریکیاں ہوں یا دن کا اُجالا' خدا کے لئے یکساں ہے۔ اس لئے نہ تم اس سے بھاگ کر کہیں جا سکتے ہو' نہ اس کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ سکتے ہو۔ وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔

۱۴ ان سے کہو کہ کیا تم چاہتے ہو کہ ایسے خدا کو چھوڑ کر' جس نے اس عظیم سلسلۂ کائنات کو پیدا کیا اور پھر ہر شے کی نشوونما کا ذمہ لیا' میں کوئی اور رفیق و کارساز تجویز کر لوں؟ اس خدا کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر ایک کو سامانِ زیست عطا کرتا ہے لیکن خود سامانِ زیست کا محتاج نہیں۔ اس لئے اس کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے بلا مزد و معاوضہ ملتا ہے۔ وہ کسی کی محنت اور مشقت میں سے اپنے لئے کچھ نہیں لینا چاہتا۔

یہی ہے وہ خدا جس کے متعلق مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اس کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں' اور اس کی حاکمیت میں کسی اور کو شریک نہ کروں (۶/۱۶۴)

۱۵ ان سے کہو کہ میں کس طرح خدا کے قوانین سے سرکشی اختیار کر سکتا ہوں جبکہ مجھے معلوم ہے کہ ظہورِ نتائج کے وقت' ان کی خلاف ورزی کی پاداش ایسی سخت ہو گی جس سے مجھے

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲

ڈرنا چاہیئے۔

۱۶ جو شخص اُس دن اس عقوبت سے محفوظ رہا تو سمجھ لو کہ اُس پر خدا کا بڑا ہی فضل ہوا۔ یہ اُس کی بڑی کامیابی و کامرانی ہوگی جو اُسے اُس کے اعمالِ حسنہ کے نتیجہ میں ملے گی۔

۱۷ یاد رکھو! انسان کو جو نقصان تو انین خداوندی کی خلاف ورزی سے پہنچتا ہے اُس کے ازالہ کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ انسان اُسی کے قوانین کا اتباع کرے۔ یہی صورت نفع پہنچنے کی ہے۔ اِس لئے کہ نفع اور نقصان کے پیمانے سب اُس کے قوانین کی رُو سے متعین ہوتے ہیں جن پر اُسے پورا پورا کنٹرول ہے۔

۱۸ اس کے قوانین کی زد سے کوئی شخص باہر نہیں جا سکتا ـــــ وہ سب پر غالب ہیں لیکن اس کا یہ غلبہ استبداد اور دھاندلی کا نہیں۔ وہ ہر بات سے باخبر ہے اور اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

۱۹ ان سے پوچھو کہ اِن حقائق کی صداقت کے لئے (جنہیں میں بیان کرتا ہوں) کس کی شہادت سب سے بڑی ہو سکتی ہے؟ میرے اور تمہارے درمیان خود خدا کی شہادت موجود ہے۔ اُسی کا فیصلہ سب سے بہتر ہو سکتا ہے۔ اس کی یہ شہادت اور فیصلہ اس قرآن میں موجود ہے جو مجھے بذریعہ وحی دیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور انہیں بھی جن تک یہ بعد ازاں پہنچے زندگی کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کروں۔ (۱۰/۳۷)۔

کیا تم یہ کہتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی ہے جس کے قوانین کی اطاعت کی جائے؟ ان سے کہو کہ اگر تمہارا یہی دعویٰ ہے تو میں اس کی صداقت کی شہادت نہیں دے سکتا۔ میرا دعویٰ تو یہی ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی اور ایسی ہستی نہیں جس کے قانون کی اطاعت کی جائے۔ جنہیں تم خدا کے اقتدار و اختیار میں شریک ٹھہراتے ہو میرا ان سے

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ
مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ
جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ
فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۭ وَضَلَّ عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ

کوئی تعلق نہیں۔ میں ان سے بیزار ہوں۔

۲۰ جن لوگوں کو اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی' وہ اس حقیقت کو اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ یہ قرآن خدا ہی کی طرف سے ہے —— یوں پہچانتے ہیں جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو پہچانتے ہوں۔ اس لئے ان کا انکار حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے نہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ یہ اپنے آپ کو تباہ و برباد کر چکے ہیں۔ (اور خطرات سے حفاظت وہی چاہتا ہے جسے زندہ رہنے کی آرزو ہو۔ ۳۶/۷)۔

۲۱ ذرا سوچو کہ اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اپنی طرف سے بات بنائے اور اسے خدا کی طرف منسوب کر دے۔ اسی طرح اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا کون ہے جو خدا کے سچے قوانین کو جھٹلائے۔ یہ دونوں ظالم ہیں —— وہ جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کرتا ہے۔ اور یہ سچ کو جھوٹ قرار دیتا ہے —— ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

۲۲ جس دن یہ سب مغلوب و محکوم ہو کر تمہارے سامنے آئیں گے (یا حیاتِ اُخروی میں ان کے اعمال کے نتائج' ان کے سامنے آئیں گے) تو اس وقت ان لوگوں سے جو خدا کے ساتھ اوروں کو بھی شریک ٹھیراتے ہیں' پوچھا جائے گا کہ بتاؤ! وہ کہاں ہیں جن کے متعلق تمہارا دعوےٰ تھا کہ وہ خدائی اختیارات میں شریک ہیں۔ (۱۶/۲۷)۔

۲۳ اس وقت ان کے پاس کوئی بات کہنے کے لئے نہیں ہو گی' بجز اس کے کہ وہ خدا کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلائیں گے کہ ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا کرتے تھے۔

۲۴ اس وقت کہا جائے گا کہ دیکھو! یہ لوگ کس طرح خود اپنے خلاف جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ جس قدر افترا پردازیاں کیا کرتے تھے' وہ سب بیکار ثابت ہو چکی ہوں گی۔

وَقُرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ
اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۵ اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو محض دکھاوے کی خاطر تیری طرف کان لگائے بیٹھے رہتے ہیں' ورنہ ضد اور تعصب کی بنا پر' ان کے دلوں پر ایسے پردے پڑے ہوتے ہیں کہ ان میں بات سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ اور تکبّر و نخوت کی وجہ سے' ان کے کانوں میں ایسے ڈاٹ لگ چکے ہیں کہ کوئی آواز' ان کے دماغ تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ ان کی یہ حالت ہو چکی ہے کہ اگر ان کے سامنے (دو' چار' دس نہیں) وہ تمام نشانیاں بھی آجائیں جن سے صداقت پہچانی جا سکتی ہے' تو یہ پھر بھی اُس پر ایمان نہ لائیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بات بات پر تجھ سے الجھتے اور جھگڑتے رہتے ہیں۔ قرآن سے انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس میں' اس کے سوا رکھا ہی کیا ہے کہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہیں یہ دہراتا رہتا ہے۔

۲۶ اس طرح یہ لوگ' خود بھی قرآن کی راہ نمائی سے بے نصیب رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے رہتے ہیں۔ لیکن اتنا نہیں سمجھتے کہ اس سے ہم کسی اور کا نقصان نہیں کرتے' خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

۲۷ اس وقت تو یہ یوں بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہیں۔ (لیکن اے مخاطب!) اگر تو اُس منظر کو دیکھ سکتا جب یہ تباہی اور بربادی کے جہنم کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی' تو یہ کس حسرت و یاس سے کہیں گے کہ اگر ہمیں ایک موقعہ اور دیدیا جائے' تو ہم قوانین خداوندی کی کبھی تکذیب نہ کریں اور ان پر ضرور ایمان لے آئیں۔

۲۸ یہ کچھ وہ اسلئے نہیں کہیں گے کہ وہ واقعی اپنی حالت بدلنا چاہتے تھے۔ بلکہ اسلئے کہ جو کچھ وہ دوسروں سے چھپا کر کیا کرتے تھے (اور یوں مجرم ہونے کے باوجود' لوگوں کی نگاہوں میں' بڑے معتبر بنے رہتے تھے) وہ بے حجاب ہو کر سامنے آجائے گا اور انہیں اپنے جرائم کے چھپانے کے لئے کوئی پردہ نہیں مل سکے گا۔ ورنہ ان کی کیفیت یہ ہے کہ اگر انہیں اور موقعہ بھی دیدیا جائے تو پھر وہی کچھ کرنے لگ جائیں جن سے انہیں روکا گیا تھا۔ (ایسا ہر روز ہوتا ہے۔ جب آدمی مصیبت میں پھنس جاتا ہے اور اس سے چھٹکارے کی

وَ قَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ
هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ
عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ

کوئی صورت نظر نہیں آتی تو گڑگڑا گڑگڑا کر معافیاں مانگتا ہے اور وعدے کرتا ہے کہ اگر ایک دفعہ اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل ہو جائے تو آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا لیکن اس کے بعد پھر وہی کچھ کرنے لگ جاتا ہے)۔

لہٰذا یہ لوگ ایسا کہنے میں بھی سچے نہیں ہوں گے کہ اگر انہیں ایک موقعہ اور مل جائے تو وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔

۲۹ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے۔ اس کے بعد کچھ نہیں۔ اس لئے اگر ہم یہاں ایسا انتظام کر لیں کہ کسی کی گرفت میں نہ آسکیں۔ یا گرفت میں آنے کے بعد جھوٹ سچ بول کر سزا پانے سے بچ جائیں، تو پھر اپنے آپ کو جائز اور ناجائز کی پابندیوں میں کیوں جکڑے رکھیں۔

یہی وجہ ہے کہ ارتکاب جرم سے انسان اسی صورت میں بچ سکتا ہے، جب اُسے خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل، اور زندگی کے تسلسل (حیات اُخروی) پر محکم یقین ہو (۲۴/۵۱)

۳۰ اگر تم اُس وقت کا تصور کر سکو، جب یہ ظہورِ نتائج کے وقت اپنے نشوونما دینے والے کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ بتاؤ! زندگی کے تسلسل اور حیاتِ اُخروی کا عقیدہ حقیقتِ ثابتہ تھا یا نہیں؟ تو انہیں یہ کہنے کے سوا چارہ ہی نہیں ہوگا کہ ہاں! ہمارا نشوونما دینے والا اس پر شاہد ہے کہ یہ فی الواقعہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ اُس وقت اِن سے کہا جائے گا کہ اب اس اعترافِ حقیقت سے کیا فائدہ؟ اب تم اپنے اعمال کی سزا بھگتو جس سے تم یوں انکار کیا کرتے تھے۔

غلط رَوش کے نتائج، اِس زندگی میں بھی سامنے آسکتے ہیں اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی۔ غلط نظام کی قومی اور اجتماعی تباہیاں یہیں سامنے آجاتی ہیں۔

۳۰ جو لوگ خدا کے قانونِ مکافات سے انکار کرتے ہیں، وہ خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ جب وہ تباہ کن انقلاب، یک لخت اُن کے سامنے آئے گا تو وہ بصد حسرت و یاس

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى
اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِي الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ
فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى

کہیں گے کہ ہم سے بڑی تقصیر ہوئی۔ لیکن اُس وقت ایسا کہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ اپنے غلط اعمال کے بوجھ کے نیچے دبے ہوں گے ——— اور کسقدر برا ہے وہ بوجھ جس سے اِنسان کی انسانیت یوں کچلی جائے!

۳۲ یہ سب اِس لئے کہ انہوں نے سمجھ رکھا تھا کہ انسان کی طبیعی زندگی ہی بس حقیقی زندگی ہے اور اس کے تقاضوں کا پورا کرنا ہی مقصودِ حیات' حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ طبیعی زندگی کے تقاضوں کی اہمیت کے باوجود، جب کبھی ایسا ہو کہ اِن تقاضوں میں اور انسان کی ذات کے تقاضوں میں تصادم واقع ہو جائے تو اُس وقت طبیعی زندگی کے تقاضا کو کھیل تماشے سے زیادہ اہمیّت نہیں دینی چاہیئے' اور انسانی زندگی کے تقاضا کو اس پر سبقت نہیں کر دینا چاہیئے۔ جو لوگ تباہی سے بچنا چاہتے ہیں اُن کے نزدیک ایسے وقت میں انسانی زندگی کا تقاضا' طبعی تقاضا کے مقابلہ میں کہیں زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔
کیا ان کی سمجھ میں اتنی سی بات بھی نہیں آتی کہ زندگی محض حیوانی سطح کی زندگی نہیں' اِس سے بلند انسانی سطح کی زندگی بھی ہے۔ اور انسانی زندگی' بہر نوع' حیوانی زندگی سے بلند ہوتی ہے۔

۳۳ (اے رسول!) ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ یہ لوگ اس نظام کے متعلق جو باتیں کرتے ہیں وہ تمہارے لئے سخت ملال اور افسردگی کا باعث ہوتی ہیں۔ لیکن یہ تجھے تو جھوٹا نہیں سمجھتے (جو یہ بات تم پر اس طرح گراں گزرے) یہ تو قانونِ خداوندی کو جھٹلاتے ہیں (حالانکہ ان کا دل اسے صحیح تسلیم کرتا ہے ۲۷/۱۴)۔ اِس لئے' اِن کی اِن باتوں سے دل پر بُرا اثر لینے کی کوئی وجہ نہیں۔ (اگر تم کسی سے کہو کہ سنکھیا ہلاک ہوتا ہے اور وہ کہے کہ نہیں' وہ ممدِ حیات ہے' تو اِس سے اُس کی جہالت پر افسوس تو ہو سکتا ہے۔ ضیق اور ملال نہیں ہونا چاہیئے)۔

۳۴ پھر یہ بات کوئی نئی بھی نہیں۔ تم سے پہلے بھی جو رسول آئے ان کے ساتھ یہی کچھ ہوتا رہا۔ اُن کی پیش کردہ تعلیم کی بھی اسی طرح تکذیب ہوتی رہی۔ لیکن انہوں نے

الْهُدٰى لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۘ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ

يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

اِن باتوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور نہایت استقلال اور استقامت سے اپنے پروگرام پر عمل پیرا رہے۔ اور جسقدر تکالیف مخالفین کی طرف سے پہنچتی رہیں' انہیں ہمت سے برداشت کیا۔ یہاں تک کہ بالآخر (ہمارے قانون کے مطابق) ہماری طرف سے نصرت آپہنچی —— پہنچتی کیوں نہ؟ خدا کا قانون اٹل ہے۔ اس میں کوئی ردّوبدل نہیں کرسکتا —— یہ حقیقت اُن انبیاءؑ کے احوال و کوائف سے واضح ہوجاتی ہے جن کے تذکرے (اس قرآن میں) تم تک پہنچ چکے ہیں۔

۳۵ اِن لوگوں کی طرف سے اِسقدر مخالفت کے باوجود' تم اس غم سے نڈھال رہتے ہو کہ یہ صحیح راستے کی طرف کیوں نہیں آتے؟ کیوں اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں (۱۸/۶)؟ لیکن تم لاکھ غم کھاؤ اور ہزار افسوس کرو' یہ پھر بھی صحیح راستے پر نہیں آنے کے۔ اگر تم ایسا کرسکو کہ زمین میں کوئی سرنگ لگاکر (پاتال تک جا پہنچو)۔ یا آسمان میں سیڑھی لگاکر عالم بالا تک پہنچ جاؤ۔ اور وہاں سے کوئی ایسا معجزہ لے آؤ جس سے ان کی تسلی ہوجائے' تو یہ اس پر بھی ایمان نہیں لائیں گے (۹۰ — ۹۳)۔ (تمہاری یہ آرزو کہ لوگ صحیح راستے پر آجائیں' تمہارے خلوص اور انسانیت کے ساتھ تمہاری گہری ہمدردی کی دلیل ہے۔ لیکن اِنہیں زبردستی صحیح راستے پر لانے کا سوال نہیں۔ اگر انسان کا اختیار و ارادہ سلب کرکے سب کو ایک طریق پر چلانا مقصود ہوتا تو خدا کے لئے ایسا کرنا کیا مشکل تھا؟ (۹۸ — ۹۹)۔ لیکن اس کا مقصد یہ ہے نہیں۔ وہ انسان کا اختیار نہیں چھیننا چاہتا۔ یہ ہے اسکی وجہ۔ سو تم نے اُن لوگوں میں سے نہ ہوجانا جو حقیقت سے بےخبر ہونے کی وجہ سے کہا کرتے ہیں کہ اللہ نے تمام انسانوں کو نیک ہی کیوں نہ بنا دیا!

۳۶ ہم نے ہدایت اور گمراہی کے لئے قانون یہ مقرر کردیا ہے کہ جو شخص عقل و بصیرت سے کام نہیں لے گا اس پر حقیقت مشتبہ رہے گی (۱۰/۱۰۰)۔ اس کے برعکس' جو بات کو دل کے کانوں سے سنے گا' وہ اس پر لبیک کہے گا۔ باقی رہے وہ جو بےحس ہیں' تو وہ آہستہ آہستہ بیدار ہوں گے اور رفتہ رفتہ دین خداوندی کی طرف آئیں گے۔ (اس کے لئے تمہیں بڑی استقامت سے کام لینا ہوگا (۲/۲۰۶)۔ لیکن جو لوگ سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں ختم کرچکے ہوں گے اور ضد اور تعصب کی بنا پر کچھ سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوں گے' وہ تباہ ہوجائیں گے۔ (۲/۷)۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا
فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ
يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ
اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

---

۳۷ اِن (کٹ مجتی کرنے والوں) کا اعتراض یہ ہے کہ خدا اپنے رسول پر کوئی نشانی (حسّی معجزہ) کیوں نہیں نازل کرتا۔ اِن سے کہو کہ حسّی معجزات کا ردنما کر دینا' خدا کیلئے ناممکن نہیں لیکن انہیں اس حقیقت کا علم نہیں کہ خدا چاہتا ہے کہ تم اپنی عقل و بصیرت سے کام لے کر غلط اور صحیح میں امتیاز کرو۔ وہ تمہاری عقل و فکر کو ماؤف کر کے تم سے حقیقت منوانا نہیں چاہتا۔

۳۸ یہ طریق کار (کہ سب کو مجبوراً ایک ہی راستہ پر چلایا جاتے) خارجی کائنات میں اختیار کیا گیا ہے۔ تم دیکھو کہ جس قدر زمین پر چلنے والے ذی حیات ہیں۔ یا فضائے آسمانی میں اُڑنے والے پرندے' طبیعی تخلیق کے اعتبار سے' وہ بھی تمہارے ہی جیسی انواع ہیں۔ ان کے لئے ہم نے کتابِ فطرت میں تمام قوانین مکمل طور پر دے رکھے ہیں اور وہ سب کے سب' بلا چون و چرا اپنے پروردگار کی طرف سے دی ہوئی راہ نمائی کے گرد جمع رہتے ہیں۔ اُس سے ذرا اِدھر اُدھر نہیں ہٹتے (۲۴/۴۵)۔ یہ اسلئے کہ انہیں اختیار و ارادہ نہیں دیا گیا۔ مجبور پیدا کیا گیا ہے۔

۳۹ (لیکن انسان کی حالت اُن سے مختلف ہے۔ اسے عقل و فکر دے کر' صاحب اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ عقل و فکر سے کام لے کر خدا کی راہ نمائی اختیار کر لیتے ہیں۔ باقی) عقل کے دیئے گل کر کے' اُس کے قوانین کو جھٹلاتے رہتے ہیں' اور یوں بہرے اور گونگے بن کر' جہالت اور تعصب کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

انسانوں کے لئے یہی خدا کا مقرر کردہ قانون ہے۔ سو جو شخص' اِس قانون کے مطابق' غلط راستہ اختیار کر لے' وہ غلط راستے پر رہتا ہے۔ اور جو' صحیح راستہ اختیار کرنا چاہے' اُس کے سامنے زندگی کی سیدھی اور توازن بدوش راہ آجاتی ہے۔

۴۰ اِن سے کہو کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ خدا کے علاوہ اور قوتیں بھی اختیار و اقتدار رکھتی ہیں' تو جس وقت کوئی طبیعی آفت (آندھی۔ سیلاب۔ وبا وغیرہ) آتی ہے'

بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِنْ
قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا
وَلَٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴿۴۴﴾

یا کوئی تباہ کن انقلاب برپا ہونے لگتا ہے تو تم ان قوتوں کو اپنی مدد کے لئے کیوں نہیں پکارتے؟

۴۱ (بے ساختہ) خدا ہی کو کیوں پکارتے ہو؟ اُس وقت تم ان تمام قوتوں کو بھول جاتے ہو — پھر وہ مصیبت بھی خدا ہی کے قانون کے مطابق رفع ہوتی ہے۔ (لیکن اس کے بعد تم قانونِ خداوندی کو پس پشت ڈال کر پھر غیر خدائی قوتوں کے پیچھے چلنے لگ جاتے ہو)۔

۴۲ (اے رسول!) یہ کچھ تمہارے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ شروع سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ تم سے پہلے بھی ہم دیگر اقوام کی طرف اپنے پیغامبر بھیجتے رہے ہیں۔ انہوں نے ہمارے قوانین کی خلاف ورزی کی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ عام مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہو گئے۔ یہ ابتدائی تنذیر ہوتی ہے تاکہ لوگ محتاط ہو جائیں اور اپنی اصلاح کر کے قانون خداوندی کے سامنے جھک جائیں۔

۴۳ لیکن اس تنذیر سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے ان کے دل اور زیادہ سخت ہو جاتے۔ اس لئے کہ ان کی مفاد پرستیوں کے جذبات اُن کے کاروبار کو ان کی نگاہوں میں بڑا خوشنما بنا کر دکھاتے، اور ان سے کہتے کہ جس کام میں اس قدر جلد اور آسانی سے مفاد حاصل ہو رہے ہوں، انہیں چھوڑ دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟

۴۴ اُنہیں یہ مفادِ عاجلہ حاصل اِس لئے ہوتے کہ ہمارا قانونِ مکافاتِ عمل اور اس کے نتیجہ کے ظہور میں ڈھیل کا وقفہ رکھتا ہے۔ اس لئے انسان کی غلط روش سے یہ نہیں ہوتا کہ وہ فوراً تباہ ہو جاتے — چنانچہ وہ لوگ خدا کے قانون کو پس پشت ڈال دیتے، لیکن اس کے باوجود اُن پر سامانِ زیست کے دروازے کھلے رہتے (۱۶/۱۱۲)۔ وہ اسی طرح، قوت اور دولت کے نشہ میں بدمست ہوتے چلے جاتے، اور اس کے ساتھ ہی، اُن کی غلط روش کے تباہ کن اثرات بھی آہستہ آہستہ جمع ہوتے رہتے، تا آنکہ اُن کے ظہور کا وقت آجاتا، تو وہ قوم اپنی توقعات کے یکسر خلاف گرفت میں آجاتی۔ اور اُن پر ایسا زوال آتا کہ اُن کی بازآفرینی کی کوئی صورت

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

باقی نہ رہتی۔

۴۵ اِس طرح اس قوم کی جڑ کٹ جاتی جو دوسروں کے حقوق کو غصب کر کے انسانیت پر ظلم اور زیادتی کرتی تھی۔ جب اِن کی تباہی سے نظامِ ربوبیت کی راہ میں حائل ہونے والے موانع دور ہو جاتے' تو وہ نظام' دنیا کے لئے وجہِ ہزار حمد و ستائش بن جاتا۔ اس طرح' یہ تخریبی مرحلہ تعمیری منزل کا پیش خیمہ بن جاتا۔ یہی ہمارا قانون ہے۔ یہاں ہر تعمیر سے پہلے تخریب ہوتی ہے۔ حق کے نظام کے متمکن ہونے کے لئے' باطل کے نظام کی شکست و ریخت ضروری ہے۔ جب تک ظالم کی جڑ نہ کٹے' مظلوم کی کھیتی ہری نہیں ہوتی۔

۴۶ (اِن تاریخی شواہد کو سامنے لانے کے بعد' ان سے پوچھو کہ تم عوام کے حقوق کو یہ سمجھ کر غصب کرتے ہو کہ تم عقل و فکر میں اُن سے آگے ہو' اِس لئے تمہیں حق پہنچتا ہے کہ تم' مکر و فریب سے اُن کا سب کچھ چھین جھپٹ لو۔ لیکن یہ بتاؤ کہ عقل و خرد کی یہ تمام صلاحیتیں دی ہوئی کس کی ہیں؟ یہ نہ تمہاری خود پیدا کردہ ہیں' نہ تم نے انہیں کہیں سے خریدا ہے۔ یہ تمہیں خالقِ فطرت کی طرف سے ملی ہیں) اگر وہ سمع و بصر و قلب کی ان صلاحیتوں کو سلب کر لے' تو کیا کوئی اور قوت ایسی ہے جو ان صلاحیتوں کو تمہیں واپس دیدے؟ دیکھو ہم کس طرح مختلف دلائل و براہین کو پھیر پھیر کر ان کے سامنے لاتے ہیں' لیکن یہ' اس کے باوجود' حق و صداقت سے منہ موڑے رکھتے ہیں۔

۴۷ اِن سے پوچھو کہ اگر وہ تباہ کن انقلاب تم پر اچانک آجائے۔ یا اُس کی علامات قبل از وقت اُبھر کر تمہارے سامنے آجائیں' تو اُس سے تمہاری ہلاکت ہو گی یا کسی اور قوم کی؟ ہم تمہیں بتا چکے ہیں کہ جو قوم دوسروں پر ظلم و زیادتی کرتی ہے وہ ہلاک ہو کر رہتی ہے' اور چونکہ تم ایسا ہی کرتے ہو اس لئے تمہارے سوا اور کونسی قوم ہلاک ہو گی! اس انقلاب میں تمہاری ہی بربادی اور تباہی ہو گی۔

۴۸ ہمارا قانون' جو پیغمبروں کی وساطت سے بھیجا جاتا ہے' ہر دو نظامہائے زندگی کے

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ
وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ
اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا
شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ

نتائج کو کھلے کھلے طور پر بیان کر دیتا ہے —— صحیح نظام کا نتیجہ زندگی کی خوشگواریاں۔ غلط نظام کا مآل تباہی اور بربادی —— اس کے بعد جو قوم صحیح روشِ زندگی اختیار کر لیتی ہے اسے کسی قسم کا خوف و حزن نہیں ہوتا۔

۴۹ اس کے برعکس، جو قوم ہمارے قوانین کو جھٹلا کر غلط روشِ زندگی پر مُصر رہتی ہے اُس پر تباہی اور بربادی کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے —— بے راہ روی کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

۵۰ (ان سے کہدو کہ میں بھی، انبیائے سابقہ کی طرح، تمہیں یہی بتانے کے لئے آیا ہوں کہ کونسی روش کا نتیجہ کیا ہوگا؟) میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں۔ یا میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔ یا میں کوئی فرشتہ ہوں۔ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں، اور جو کچھ مجھ پر خدا کی طرف سے وحی ہوتا ہے اس کا اتباع کرتا ہوں۔ اور اس کی روشنی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر راستہ چلتا ہوں۔ اس کے برعکس تم نہ وحی کا اتباع کرتے ہو۔ نہ عقل و فکر سے کام لیتے ہو۔ بس اپنے اسلاف کے راستے پر آنکھیں بند کئے چلے جا رہے ہو۔
مجھے بتاؤ کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم اتنا بھی نہیں سوچ سکتے؟

۵۱ اے رسول! تو اس قرآن کی رُو سے اُن لوگوں کو زندگی کے پُرخطر راستوں سے آگاہ کرتا رہ جو خدا کے قانونِ مکافات پر یقین رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کی تو نہ ان کا کوئی رفیق و مددگار ہو سکتا ہے نہ سفارشی، جو انہیں اُس کے تباہ کن نتائج سے بچا سکے۔
انہیں اس طرح سمجھانے سے مقصد یہ ہے کہ شاید یہ زندگی کے خطرات سے اپنی حفاظت کر لیں۔

۵۲ اس دعوتِ انقلاب پر سب سے پہلے کمزوروں اور مظلوموں کا طبقہ لبیک کہے گا، اور اکابرین یہ کہہ کر اس کی مخالفت کریں گے کہ ہم اُس تحریک میں کس طرح شامل ہو جائیں

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾
وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾
وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ
مِنْكُمْ سُوْۗءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

جس میں ہم اور یہ پست درجہ کے لوگ ایک ہی صف میں بٹھا دیئے جائیں؟ انہیں اس جماعت سے خارج کر دو تب ہم تمہارے ساتھ شامل ہوں گے۔

سو دیکھنا! کہیں ایسا نہ کرنا کہ (ان لوگوں کی خاطر) اپنی جماعت کے اُن لوگوں کو دُور دُور رکھنا شروع کر دو جو خالصتہً لوجہ اللہ اِس دعوت کے عام کرنے میں، صبح شام سرگرداں رہتے ہیں اور اپنا کوئی ذاتی مفاد ان کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ یہ چیز کہ تمہاری جماعت میں بیشتر غریب اور مظلوم شامل ہوتے ہیں تمہیں کسی طرح موردِ الزام نہیں ٹھیرا سکتی۔ اس لئے تمہاری یہ خواہش کہ اس جماعت میں بڑے بڑے لوگوں کو بھی شامل ہونا چاہیئے، تاکہ وہ دین کی تقویت کا موجب بنیں، کسی طرح اِن غریبوں کے خلاف نہیں جانی چاہیئے۔ اگر تم نے اپنی اس خواہش کے پیش نظر اِن لوگوں کو دور ہٹا دیا، تو یہ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ (۲۷/۳۰ ؛ ۱۱/۱۱۱ ؛ ۲۶/۱۱۴ ؛ ۱۸/۲۸ ؛ ۸۰/۱۱ ؛ ۸/۶۴)۔

۵۳ یہ بڑے لوگ، اِن چھوٹے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لو! یہ ہیں وہ جنہیں ہم میں سے انعاماتِ خداوندی کے لئے چن لیا گیا ہے۔ ذرا ان کی حالت تو دیکھو؟

تم نے دیکھا کہ اِن باتوں سے اِن لوگوں کی نفسیاتی کیفیت کس طرح نکھر کر سامنے آگئی اور صاف معلوم ہو گیا کہ وہ کونسا جذبہ ہے جو انہیں حق و صداقت کی طرف آنے سے روک رہا ہے؟ تم اِن سے کہہ دو کہ اس نظام میں عزت اور ذلت کے معیار بالکل مختلف ہیں۔ یہاں، جو جسقدر قوانین خداوندی کا پاسدار اور قدر شناس ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ واجب التکریم سمجھا جاتا ہے (۴۹/۱۳)۔

۵۴ لہٰذا، جب تمہاری جماعت کے لوگ تمہارے پاس آئیں تو ان سے کہو کہ وہ بالکل نہ گھبرائیں ان کے لئے ہر طرح کا امن اور سلامتی ہے۔ یہ نظام ان بڑے لوگوں کی خاطر تمہارا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر واجب قرار دے رکھا ہے کہ تمہاری پوری پوری نشوونما ہو جائے۔ حتیٰ کہ اگر تم میں سے کسی سے کوئی بھول چوک بھی ہو جائے، اور اُس کے بعد وہ اپنے کیئے پر نادم ہو، اور آیندہ کے لئے اپنی اصلاح کر لے، تو اُسے بھی اِس نظام کی حفاظت اور

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ ۶ ع ۵ ۱۳
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَاۗءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰي بَيِّنَةٍ
مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ
الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾
وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ
ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

مرحمت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

۵۵ ہم اس طرح اپنے قوانین کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ (سہو و خطا سے لغزش کرنے والوں اور دیدہ و دانستہ جرم کرنیوالوں کی راہیں ایک دوسرے سے متمیز ہو جائیں۔

۵۶ لہذا (ان بڑے بڑے لوگوں سے) کہدو کہ تم خدا کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو مجھے ان کی اطاعت سے روک دیا گیا ہے۔ میں تمہاری خاطر ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر میں ایسا کروں تو میں بھی تمہاری طرح راہ گم کردہ ہو جاؤں گا۔ سیدھے راستے پر نہیں رہوں گا۔

۵۷ میں اپنے نشو و نما دینے والے کیطرف سے ایک واضح راستے پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو۔ (اسلئے مجھ میں اور تم میں مفاہمت کس طرح ہو سکتی ہے؟ تمہارا راستہ اور میرا اور) باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ جس تباہی اور بربادی سے تم ہمیں ڈرا رہے ہو وہ جلدی کیوں نہیں آتی تو عمل اور اسکا نتیجہ برآمد ہونے میں ایک وقفہ ہوتا ہے (جیسے درخت کے پھل لانے کیلئے ایک مدت درکار ہوتی ہے)۔ یہ میرے بس کی بات نہیں کہ میں اس مدت میں تخفیف کر کے تباہی کو تمہارے سامنے جلدی لے آؤں۔ ان باتوں کا فیصلہ خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ اپنے قانون کو ٹھیک ٹھیک طور پر بتا دیتا ہے اور پھر اسی کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ اس سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی اور نہیں۔

۵۸ ان سے کہو کہ جس تباہی کیلئے تم جلدی مچا رہے ہو اگر اسکا حیلہ لے آنا میرے اختیار میں ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا لیکن (یہ چیز میرے بس کی نہیں)۔ اسکا علم تو خدا ہی کو ہے کہ زیادتی کرنے والوں کے اعمال کے نتائج کے ظہور کا وقت کونسا ہے۔

۵۹ اعمال کے ان دیکھے نتائج اور انسانی نگاہوں سے مستور حقائق و حوادث کو سامنے

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ
ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ
اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَ
هُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾

لے آنے والا قانون اُسی کا ہے۔ اسکا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ کائنات کی خشکی اور تری (بحر و بر) میں کیا ہو رہا ہے۔ کس درخت سے کوئی پتہ کب جھڑیگا۔ زمین کی تاریکیوں میں دبا ہوا دانہ کب پھوٹے گا۔ کوئی تازہ یا خشک میوہ کب کھانے کے قابل ہوگا۔ یہ سب کچھ اسکے کائناتی قوانین کے مطابق ہوتا ہے اور یہ قانون فطرت کی کھلی ہوئی کتاب میں درج ہے۔ (جو لوگ اس کتاب کو پڑھ لیں، انہیں ان امور کا علم حاصل ہو سکتا ہے)۔

۶۰ (خارجی کائنات میں بہار و خزاں کی گردشوں کی طرح، خود تمہاری زندگی میں بھی لیل و نہار کی گردشیں جاری رہتی ہیں)۔ وہ جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو۔ اس کے بعد وہ تمہیں رات کو سُلا دیتا ہے، اور پھر تم دن میں اُٹھ بیٹھتے ہو۔ اِس طرح وقت گزرتا جاتا ہے تاکہ تمہارے اعمال کے نتائج کے ظہور کی مُدّت پوری ہو جائے۔ اس دوران میں تمہارا ہر قدم اسی سمت کو اُٹھ رہا ہوتا ہے (اگرچہ تم اپنے ذہن میں سمجھ رہے ہوتے ہو کہ وہ بات آئی گئی ہو گئی)۔ حتّٰی کہ وہ وقت آجاتا ہے جب تمہارے اعمال کے نتائج محسوس شکل میں تمہارے سامنے آکھڑے ہوتے ہیں۔

۶۱ اُس کا قانونِ مکافات تمام انسانوں پر غالب ہے۔ اُس نے ایسی قوتیں مقرر کر رکھی ہیں جو تم پر نگران رہتی ہیں (تاکہ تمہارا کوئی عمل بے نتیجہ نہ رہنے پائے۔ اِس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ ظہورِ نتائج، انسان کی اِسی زندگی میں ہو جائے۔ زندگی کا سلسلہ اس سے آگے بھی چلتا ہے۔ چنانچہ) جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے کارندے (قانون فطرت کے مطابق) اس کی دنیاوی زندگی کی مدّت کو پورا کر دیتے ہیں۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کرتے۔

۶۲ اِس کے بعد زندگی اگلے دور میں داخل ہو جاتی ہے اور وہاں نتائج، ٹھوس حقیقت بن کر سامنے آجاتے ہیں۔ یہ نتائج، خدا کے قانون کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ اس میں کسی اور کا قانون نہیں چل سکتا۔ فیصلہ اُسی کا فیصلہ ہے۔ اُس کا قانونِ مکافات، نتائج مرتب کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کرتا۔ یہ ساتھ کے ساتھ ہوتا رہتا ہے (یہ الگ بات ہے کہ ان کا مجموعی اثر

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ
يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ
اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾

ایک وقت کے بعد جا کر نمودار ہو)۔

۶۳ ان سے پوچھو کہ بحر و بر میں، جب کہیں بھی کسی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے تو تمہیں اس مصیبت سے چھٹکارا کس کے قانون کے مطابق مل سکتا ہے؟ تم اُس وقت، اپنی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں، کبھی گڑگڑا کر اور کبھی چپکے چپکے دل میں اسی کو مدد کے لئے پکارتے ہو، اور کہتے ہو کہ اگر خدا ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا دے تو ہم ہمیشہ اس کے شکر گذار رہیں۔

۶۴ ان سے کہو کہ ان مصیبتوں سے، بلکہ تمام مصیبتوں سے چھٹکارا، خدا کے قانون کے مطابق ہی ملتا ہے۔ لیکن، اس کے باوجود، تمہاری یہ حالت ہے کہ تم (اپنی زندگی کے معاملات میں) قوانینِ خداوندی کے ساتھ، اور قوانین بھی شامل کر لیتے ہو۔ اور یوں ایک غلط نظام قائم کر کے اپنے لئے تباہی مول لے لیتے ہو۔

۶۵ غلط نظام کی پیدا کردہ تباہی مختلف شکلوں میں آتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سوسائٹی کے اوپر کے طبقہ میں خرابیاں عام ہو جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ کبھی نیچے کے طبقہ میں لاقانونیت کی وبا پھیل جاتی ہے تو وہ تباہی مچا دیتے ہیں (۴۷ — ۱۶ — ۴۵)۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ دونوں طبقے مخلوط پارٹیوں میں بٹ جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے لڑنے لگ جاتے ہیں (۶ — ۱۳۰) اور یوں تباہ ہو جاتے ہیں۔
دیکھو! ہم کس طرح اپنے قوانین کو مختلف پہلوؤں سے سامنے لاتے ہیں تاکہ لوگ اچھی طرح بات سمجھ سکیں۔

۶۶ لیکن تیری یہ قوم اس پر بھی نہیں سمجھتی، اور ایسی ٹھوس حقیقت کو برابر جھٹلائے چلی جا رہی ہے۔ تم ان سے کہہ دو کہ (میرا کام تمہیں نیک و بد سمجھانا ہی) میں تم پر داروغہ نہیں مقرر کیا گیا کہ تمہیں زبردستی صحیح راستے پر چلاؤں۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى
يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾
وَمَا عَلَي الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ
لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ
شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

۶۷ تم جو کچھ کر رہے ہو اسکا نتیجہ اپنے وقت پر نمودار ہو جائے گا۔ اس لئے کہ خدا کا قانون یہ ہے کہ ہر واقعہ کے نتیجہ خیز ہونے کا ایک مقام ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ بات آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ کچھ ہو ہی نہیں رہا۔ تا آنکہ وہ ایک مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے۔ (۱۸۲ — ۱۸۳)۔

۶۸ اور جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو ہمارے قوانین (قرآن) کو سنجیدگی سے نہیں سنتے بلکہ اس کے متعلق لغو اور بیکار باتیں کرتے ہیں، تو اُن سے کنارہ کش ہو جاؤ تا آنکہ وہ اس موضوع کو چھوڑ کر کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ اور اگر تم اپنے خیالات میں منہمک یا گفتگو میں جذب ہونے کی وجہ سے اس بات کو بھول جاؤ، تو جس وقت بھی یہ بات یاد آئے، ان لوگوں سے اٹھ آؤ۔ یہ لوگ قرآن جیسی بلند حقیقت کے متعلق اس قسم کا رویہ اختیار کر کے بڑی زیادتی کرتے ہیں۔

۶۹ جو لوگ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرتے ہیں، اُن پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ یہ لوگ قرآن کے متعلق اس قسم کی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ ہم نے انہیں (ایسے لوگوں سے الگ ہو جانے کی) تاکید اس لئے کی ہے کہ ان کے لئے ایسی باتوں سے بچنا ضروری ہے۔

۷۰ جن لوگوں کی یہ حالت ہو کہ وہ (نظام خداوندی تو ایک طرف) خود اُس آئین اور ضابطہ کو بھی کچھ اہمیت نہ دیں جسے انہوں نے اپنے لئے اختیار کر رکھا ہے، اور انسانی زندگی کو محض کھیل تماشا سمجھیں، اور اس دھوکے میں رہیں کہ مقصد حیات عیش و عشرت ہے، اور بس۔ تم ایسے لوگوں کے پیچھے اپنی جان مت کھپاؤ۔ انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ البتہ قرآنی تعلیم ان کے سامنے پیش کرتے رہو اس لئے کہ کسی شخص کو، اس کے غلط اعمال کی وجہ سے، قرآن سے محروم

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ
الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَ
اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۱ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۲ وَهُوَ الَّذِىْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۷۳ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى

نہیں رکھنا چاہیئے۔ یہ الگ بات ہے کہ اُسے اس کے غلط اعمال کے نتائج سے قانونِ خداوندی کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ اس کے لئے نہ اُس کا کوئی رفیق اور مددگار ہو سکتا ہے نہ سفارشی۔ نہ ہی وہ کچھ بدلہ (کفّارہ) دے کر ان کے نتائج سے بچ سکتا ہے۔ ان لوگوں کو اُن کے اعمال کے حوالے کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کی سزا بھگتیں۔ ($\frac{۵۲}{۲۱}$ ؛ $\frac{۷۴}{۳۸}$)۔ وہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ چیزیں بھی، جو عام حالات میں انسان کی پرورش کا موجب بنتی ہیں، اُن کے لئے تلخابۂ حیات، اور سوہانِ روح ہو جاتی ہیں۔ اِس لئے کہ انہوں نے صحیح راستے پر چلنے سے انکار کر دیا تھا اور حق و صداقت سے سرکشی برتی تھی۔

۷۱ ان سے کہو کہ کیا تم چاہتے ہو کہ ہم خدا کے قانون کو چھوڑ کر، ایسی ہستیوں کو پکارنے لگ جائیں جو ہمیں نفع و نقصان پہنچانے کا اختیار ہی نہیں رکھتیں، اور اس طرح ہم صحیح راستے پر گامزن ہو جانے کے بعد الٹے پاؤں پھر جائیں، اُس شخص کی طرح جسے اس کے خود سر جذبات نے صحیح راستے سے بھٹکا کر لق و دق صحرا میں چھوڑ دیا ہو، جہاں وہ حیران و پریشان کھڑا ہو — راہ گم کردہ، تنہا — اور اُس کے ساتھی اُسے آوازیں دے رہے ہوں کہ تو کدھر چلا گیا۔ اِدھر ہماری طرف آ۔ صحیح راستہ یہ ہے۔ (لیکن وہ، ان کی آوازیں سننے کے باوجود، ان تک نہ پہنچ سکے)۔

ان سے کہدو کہ زندگی کا صحیح راستہ ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے اللہ کی طرف سے عطا شدہ راہ نمائی (قرآن) کا راستہ — یعنی وہ راستہ جو عالمگیر انسانیت کی پرورش کرنیوالے کا تجویز کردہ ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اُسی راستہ کو اختیار کریں اور خدا کے عالمگیر نظام ربوبیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔

۷۲ اس کیلئے ضروری ہے کہ ہم نظامِ صلوٰۃ کو قائم کریں اور خدا کے قانون کی پوری پوری نگہداشت کریں۔ اور اس حقیقت پر یقین رکھیں کہ نوعِ انسان نے آخرالامر اسی مرکز کے گرد جمع ہونا ہے۔

۷۳ یہ اُس خدا کا قانون ہے جس نے کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو ایک حقیقت کے

الصُّوْرِ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا
مَّاٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ
الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾

طور پر تعمیری نتائج مرتب کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اس کی قوتوں کا یہ عالم ہے کہ جونہی وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے' وہ واقع ہو جاتی ہے۔

۷۴ اس کی ہر بات مبنی بر حقیقت ہوتی ہے (۱۳/۸۶ — ۱۴) یونہی شاعری نہیں ہوتی (۶۹/۴۱) اس لئے کہ کائنات میں ہر جگہ اسی کا اقتدار اعلیٰ کام کر رہا ہے۔ وہ ہر شے کی موجودہ حالت کو بھی جانتا ہے اور اس کے امکانات اور مضمر صلاحیتوں سے بھی واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس وقت کیا ہو رہا ہے' اور اسکے بعد کیا ہونے والا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ جس انقلاب کی اس وقت خبر دی جا رہی ہے وہ آ کر رہے گا۔ حق اور باطل کی قوتوں کا ٹکراؤ ہو گا۔ اور یہ ٹکراؤ یونہی اتفاقیہ رونما نہیں ہو جائے گا بلکہ خدائے خبیر و علیم کی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ہو گا ——— وہی اسکیم جس کے مطابق حق و باطل کی قوتوں کا ٹکراؤ ہوتا چلا آ رہا ہے اور جس میں حق' فاتح و منصور ہو کر سامنے آ جاتا ہے (۸/۷ ؛ ۲۱/۱۸ ؛ ۳۴/۴۸ — ۴۹ ؛ ۴۲/۲۴)۔

۷۵ حق و باطل کی یہی کشمکش تھی جس سے ابراہیمؑ دوچار ہوا۔ اس کی ابتدا خود اس کے اپنے گھر سے ہوئی' جب اس نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ یہ کیا ہے کہ تم نے اپنے ہاتھ کی تراشیدہ مورتیوں اور غیر خدائی قوتوں کو اپنا الٰہ بنا رکھا ہے! میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

۷۶ اس مقصد کے لئے ہم نے ابراہیمؑ کو کائناتی نظام کا مشاہدہ کرایا تھا جس سے اسے یہ یقین حاصل ہو گیا کہ ساری کائنات میں فقط خدائے واحد کا قانون جاری و ساری ہے۔ اس لئے نہ تو کائنات کی کوئی شے اپنے اندر خدا بننے کی قوت رکھتی ہے اور نہ ہی یہاں ایک سے زیادہ ہستیوں کا اقتدار چل سکتا ہے۔

۷۷ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ مشاہداتی دلائل سے اپنی قوم کے باطل عقائد کا ابطال کرتا تھا۔ (مثلاً) جب رات کے وقت ستارہ نمودار ہوتا (جس کی وہ قوم پرستش کرتی تھی) تو ابراہیمؑ ان سے کہتا کہ اچھا! تم کہتے ہو کہ یہ میرا پروردگار ہے (اس کے سامنے جھکنا چاہیئے؟)۔ اس کے بعد جب وہ ستارہ

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا
رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ
قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ۚ
وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ۚ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

ڈوب جاتا تو وہ ان سے کہتا کہ 'کیوں! یہی ہے جسے تم پروردگار ٹھیراتے ہو؟ بھلا ایسی چیز بھی پروردگار ہو سکتی ہے جو ابھی سامنے چمکتی ہو اور ابھی غروب ہو جائے۔ جو تغیر پذیر ہو' وہ خدا کیا ہوا!

۷۸ اسی طرح جب چمکتا ہوا چاند نکلتا (اور اس کی پرستش کی جاتی) تو وہ اپنی قوم سے کہتا کہ تم کہتے ہو' یہ میرا پروردگار ہے؟ اُس کے بعد جب وہ بھی غروب ہو جاتا تو وہ اُن سے کہتا کہ تم مجھ سے کہتے تھے کہ اِسے پروردگار تسلیم کر لوں؟ اگر میرے نشو و نما دینے والے نے میری راہ نمائی حقیقت کی طرف نہ کی ہوتی تو میں بھی تمہاری طرح گمراہ ہو جاتا' اور اس قسم کے عناصر کو خدا ماننے لگ جاتا جنہیں اپنے آپ پر بھی کوئی اختیار نہیں۔

۷۹ جب سورج اپنی تابناکیوں کے ساتھ طلوع ہوتا' اور وہ قوم اس کی پرستش کرتی' تو وہ اُن سے کہتا کہ تم کہتے ہو کہ یہ بہت بڑا ہے اِس لئے اسے پروردگار تسلیم کر لو؟ جب وہ بھی غروب ہو جاتا تو وہ ان سے کہتا کہ یہ دیکھو' تمہارے پروردگار کا کیا حشر ہوا!

ان کائناتی دلائل کے بعد وہ اُن سے کہتا کہ تم جن قوتوں کو خدائی اختیارات و اقتدارات میں شریک سمجھتے ہو (وہ خواہ اجرامِ سماوی ہوں یا دیوی دیوتا۔ خواہ تمہارے مذہبی پیشوا ہوں یا خود تمہارا بادشاہ) میں ان کے خدا ہونے کے تصور تک سے بیزار ہوں۔

۸۰ میں اپنی تمام توجہات کا مرکز صرف اس ذات بے ہمتا کو سمجھتا ہوں جو اس تمام کائنات کو عدم سے وجود میں لائی ہے (اور جس کا قانون یہاں اِس طرح نافذ العمل ہے کہ اُس سے نہ ستاروں کو مفر ہے' نہ چاند اور سورج کو مجالِ سرتابی) اس لئے میں' اُس کے اقتدار میں کسی کو شریک نہیں کر سکتا۔ یہ میرا دو ٹوک فیصلہ ہے۔

۸۱ وہ قوم اسی طرح' ابراہیمؑ سے رد و کد کرتی اور چاہتی کہ اُسے' اس کے مسلک سے ہٹا دے۔ وہ اُن سے کہتا کہ تم مجھ سے خدا کے بارے میں رد و کد کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ
الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ
الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ
حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾

میں اُس کا راستہ چھوڑ دوں (لیکن میں تمہاری بات کیسے مان سکتا ہوں جبکہ) خدا نے مجھے سیدھی راہ دکھادی ہے۔ (تم مجھ سے کہتے ہو کہ تمہارے معبود بڑی قوتوں کے مالک ہیں اس لئے مجھے اُن سے ڈرنا چاہیئے۔ لیکن میں اُن کی حقیقت سے باخبر ہوں، اِس لئے) اُن سے قطعاً نہیں ڈرتا۔ یہ مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ نقصان صرف قانون خداوندی کے مطابق پہنچتا ہے اور اس کی نگاہوں سے کوئی شے پوشیدہ نہیں رہ سکتی (اس لئے مجھے صرف اُس کی احتیاط کرنی چاہیئے کہ اس کے قانون کی خلاف ورزی نہ ہو)۔ حیرت ہے کہ اس قدر واضح دلائل کے بعد بھی تم، حقیقت کو نہیں مانتے؟

۸۲ بھلا میں اِن مٹی کی مورتیوں (معبودانِ باطل) سے کیوں ڈروں جنہیں کوئی اختیار و اقتدار حاصل نہیں۔ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے جو اللہ جیسی مختار کل ہستی کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہراتے ہو حالانکہ اللہ نے تم سے کہیں یہ نہیں کہا کہ یہ واقعی میرے اختیارات میں شریک ہیں۔

اگر تمہاری سمجھ میں یہ بات آگئی ہے تو بتاؤ کہ تم میں اور مجھ میں، کون امن و اطمینان کا زیادہ حقدار ہے (اور کسے لرزاں و ترساں رہنا چاہیئے!) تمہیں یا مجھے؟ (خوف، شرک کا لازمی نتیجہ ہے۔ توحید سے انسان کے دل میں اس قدر قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتا)۔

۸۳ ان حقائق کی روشنی میں، اس میں شک کی گنجائش کہاں ہے کہ امن و اطمینان انہی کے لئے ہے جو قانونِ خداوندی کی صداقت پر یقین رکھیں اور عملاً اُس کی خلاف ورزی نہ کریں (کیونکہ امن اور بے خوفی کے لئے ایمان اور اعمالِ صالح، بنیادی شرط ہے۔ ۲/۶۲)۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ پر گامزن ہوں گے۔

۸۴ یہ تھے وہ قاطع دلائل جو ہم نے ابراہیمؑ کو، اس کی قوم کے عقیدہ و مسلک کے خلاف دیئے تھے۔ (حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی ہمارے کائناتی نظام پر غور و فکر کے بعد وحدتِ خالق اور وحدتِ قانون کی صداقت کو تسلیم کر لیتا ہے) ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَ
يُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۵ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۶ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۷ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ
وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۸۸ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ
يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۹ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ

اسے بلند مقامات عطا کر دیتے ہیں۔ یقیناً تمہارے نشوونما دینے والے کے فیصلے علم و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ (یہ نہیں کہ یونہی' جسے جی چاہا مقام بلند عطا کر دیا۔ جسے جی چاہا ذلیل و خوار کر دیا!)۔

۸۵ (ابراہیمؑ اپنے مشن میں کامیاب ہوا۔ ازاں بعد) ہم نے اسے اسحٰقؑ جیسا بیٹا اور یعقوبؑ جیسا پوتا عطا کیا۔ ان سب کو ہم نے زندگی کی سیدھی راہ دکھا دی تھی۔ وہی راہ جو اُس سے پہلے نوحؑ کو دکھائی تھی۔ اور پھر ابراہیمؑ کی نسل میں داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ ایوبؑ۔ یوسفؑ موسٰےؑ اور ہارونؑ کو دکھائی تھی۔ (اور وہ' اس راہ پر چل کر کامیاب و کامران ہوتے تھے۔) یوں ہم ان لوگوں کی محنت کو بار آور کیا کرتے ہیں جو حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کریں۔

۸۶ انہی میں زکریاؑ۔ یحییٰؑ۔ عیسٰےؑ اور الیاسؑ کا شمار ہے۔ یہ سب صالحین میں سے تھے۔

۸۷ نیز' اسماعیلؑ۔ الیسعؑ۔ یونسؑ اور لوطؑ' اسی زمرہ میں شامل تھے۔ ان سب کو' زندگی کی خوشگواریوں میں' اقوامِ عالم پر فضیلت حاصل تھی۔

۸۸ اور اُن کے آباء و اجداد' اور اُن کی نسل' اور اُن کے بھائی بندوں میں سے بھی ہم نے کتنوں کو برگزیدہ کیا اور زندگی کی اسی توازن بدوش' سیدھی راہ پر چلایا۔

۸۹ یہ' خدا کی طرف سے عطا شدہ' وہ راہ نما ئی ہے جس سے ہر وہ شخص جو صحیح راستے پر چلنا چاہے' صحیح راستے کا پتہ نشان پا لیتا ہے۔ لیکن اگر یہ لوگ' اس راستے کے ساتھ دوسرے راستوں کو بھی ملا لیں' تو ان کی محنت رائگاں جائے گی (اُس مسافر کی طرح جو کبھی ایک راستے پر چل دے' کبھی دوسرے پر' یوں' دن بھر چلنے سے وہ تھک تو ضرور جائے گا' لیکن منزلِ مقصود تک کبھی نہیں پہنچ پائیگا۔ منزل تک وہی پہنچے گا جو ٹھیک اُس راستے پر چلتا جائے جو اُس کی منزل کی طرف جاتا ہے۔)۔

۹۰ یہ (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب (ضابطہ قوانین) حکومت

وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ
فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ
قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ
قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ
خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۲﴾

(لوگوں میں کتاب خداوندی کے مطابق فیصلے کرنے کے اختیارات) اور نبوّت (خدا کی طرف سے وحی پانے کا امتیاز خصوصی) عطا کئے تھے[1] (۳/۷۸ ؛ ۴۵/۱۶)۔

اگر یہ (اہل کتاب جو ان انبیاءؑ کے اتباع کے مدعی ہیں) اس ضابطہ خداوندی پر چلنے سے انکار کرتے ہیں جو اب قرآن میں دیا گیا ہے تو اس سے یہ ضابطہ لاوارث ہو کر نہیں رہ گیا) اسے ہم نے ان لوگوں کے سپرد کر دیا ہے جو اس کی صداقت سے انکار نہیں کرتے۔ (۳۵/۳۲)۔

۹۱ یہ (انبیاءؑ) وہ ہیں جنہیں اللہ نے زندگی کی صحیح راہ دکھا دی تھی۔ پس (اے رسولؐ) تم بھی اُسی راستے پر چلو جس پر اللہ نے انہیں چلایا تھا۔ (اور لوگوں کو اسی راہ کی طرف دعوت دیتے جاؤ۔ اور ان سے کہدو کہ) میں اس راہ نمائی کے لئے تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ یہ تو تمام نوعِ انسان کے لئے ضابطہ حیات ہے (میری ذاتی ملکیت نہیں کہ تم سے اس کی قیمت وصول کروں)۔

۹۲ جب یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسول تو عام انسانوں جیسا ایک انسان ہے۔ خدا اس کی طرف اپنی وحی کیسے بھیج سکتا ہے' تو (اس سے نظر آتا ہے کہ) یہ لوگ خدا کے متعلق صحیح اندازہ ہی نہیں لگا سکے۔ (انہوں نے سمجھ رکھا ہے کہ خدا کی ہر بات نرالی اور اچنبھے کی ہونی چاہیئے)۔

ان سے پوچھو کہ اگر تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ جس کتاب کو کسی بشر (انسان) کی طرف

---

[1] جن کا اوپر ذکر آیا ہے اُن میں انبیاء اور غیر انبیاء سب شامل ہیں (انبیاء کے آباء۔ نسل۔ اور بھائی بندوں میں غیر انبیاء بھی شامل ہیں)۔ لہٰذا' ان میں سے انبیاء کرامؑ پر وحی کے ذریعے کتاب نازل کی (۲/۲۱۳)۔ انبیاءؑ کی وساطت سے' کتاب اُن کے متبعین کو ملی۔ اور اسے نافذ کرنے کی عملی قوت بھی۔ اس طرح کتاب و حکومت میں نبی اور غیر نبی دونوں شامل ہو جاتے ہیں' اور نبوت صرف انبیاء کا خاصہ ہوتا ہے۔ رسول اللہؐ کے بعد نبوت ختم ہو گئی اور کتاب و حکومت' حضورؐ کی اُمت میں آگے چلی۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ
الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى
كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ

نازل کیا جائے' وہ من جانب اللہ نہیں ہوسکتی' تو وہ کتاب کس کی طرف سے آئی تھی جو موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ (موسیٰؑ بھی تو عام انسانوں جیسا انسان ہی تھا)۔ اُس کتاب میں بھی حقائق کی روشنی اور انسانوں کے لئے صحیح راہ نمائی تھی۔ تم نے اس کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اب تم اُس میں سے تھوڑے سے حصّے کو (اپنی مصلحتوں کے مطابق) ظاہر کرتے ہو اور باقی کتاب کو چھپا کر رکھتے ہو۔ حالانکہ اُس کتاب میں اُن امور کا علم دیا گیا تھا جنہیں نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے آباء و اجداد۔

اِن سے کہو کہ اُس کتاب کو بھی اللہ ہی نے نازل کیا تھا (اور ایک انسان ہی کی طرف نازل کیا تھا۔ اگر یہ لوگ' اِس کے باوجود' اپنی ضد سے باز نہ آئیں تو ان کے پیچھے جان کھپانے کی ضرورت نہیں) انہیں چھوڑ دو کہ یہ اپنی لغویات سے کھیلتے رہیں۔

۹۳ اسی طرح خدا نے اِس کتاب کو ایک انسان پر نازل کیا ہے۔ یہ بڑی بابرکت کتاب ہے، اور اُس تعلیم کو سچ کر دکھانے والی ہے جو اس سے پہلے دی گئی تھی۔ (اے رسول!) تم اس کے ذریعے (پہلے) اس مرکزی مقام (مکّہ) اور اس کے گرد و پیش کے باشندوں کو اُن کی غلط روش زندگی کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرو۔ اس پر وہی لوگ ایمان لائیں گے جو زندگی کو صرف اِسی دنیا کی زندگی نہیں سمجھتے بلکہ اس کے بعد کی زندگی کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور انہیں یقین ہے کہ موجودہ غلط نظام کی جگہ ایک صحیح نظام آکر رہے گا۔ اس مقصد کے لئے یہ لوگ خدا کے مقرر کردہ نظامِ صلوٰۃ کی حفاظت کرتے ہیں۔

۹۴ اِن سے کہو کہ اُس سے بڑھ کر سنگین مجرم اور کون ہوسکتا ہے جو اپنے ذہن سے باتیں وضع کرے اور انہیں منسوب کر دے خدا کی طرف یعنی یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی طرف سے وحی آئی ہے

اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ (۱۱ ع ۱۶)
النَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۶﴾ فَالِقُ الْاِ

حالانکہ اس پر کچھ وحی نہ ہوتی ہو۔

اور پھر اس سے بڑھ کر مجرم کون ہے جو یہ کہے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے، میں بھی اس جیسا دے سکتا ہوں (۶/۹۳)۔ یاد رکھو! وحی کی مثل کوئی شے نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی کسی انسان کا کلام وحی کا درجہ رکھ سکتا ہے۔

یہ لوگ، اِس وقت تو یوں بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہیں، لیکن (اے مخاطب) کاش تو اُس منظر کو دیکھ سکتا جب، حق و باطل کے تصادم کے وقت، یہ لوگ میدانِ جنگ میں دُم توڑ رہے ہوں گے۔ اور ہماری کائناتی قوتیں (ملائکہ) ان پر مسلط ہو رہی ہوں گی کہ اُس ایغو[1] کو باہر نکالو، جو تمہارے غرور کا باعث تھا۔ اب وہ وقت آچکا ہے جب تمہیں (شکست کی) رسوا کن سزا ملے گی کیونکہ تم خدا کے خلاف ناحق افترا کیا کرتے تھے اور، غرورِ نفس کی بنا پر، اُس کے قوانین سے سرکشی برتا کرتے تھے۔

۹۵ اور خدا کہے گا کہ (تمہیں اپنے متبعین کی جمعیت پر بڑا ناز تھا۔ لیکن) آج تم ہماری عدالت میں تنہا آگئے۔ ایسے ہی تنہا جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ اور جو کچھ ہم نے تمہیں (مال و دولت وغیرہ) عطا کیا تھا سب پیچھے چھوڑ آئے۔ ہم تمہارے ساتھ، تمہارے ان رفقاء کو بھی نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تمہیں زعم تھا کہ وہ ہر حالت میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ آج تمہارے اور اُن کے تعلقات منقطع ہو گئے۔ اور جسے تم حقیقت سمجھا کرتے تھے وہ سراب نکلا۔

یہی خدا کا قانونِ مکافات ہے۔ نہ کوئی فرد پیدا ہوتے وقت، کسی اور کے یا اپنے سابقہ جنم کے گناہوں کے اثرات اپنے ساتھ لاتا ہے (وہ سادہ لوح لے کر آتا ہے) اور نہ ہی اُسکے اعمال کے نتائج بھگتنے میں کوئی دوسرا اُسکا شریک ہو کر اُس کی مصیبت کو بانٹ سکتا ہے۔ اپنے اعمال کے نتائج کو خود بھگتنا، انسانی ذات کی انفرادیت کا فطری نتیجہ ہے (۱۹/۱۵)۔

۹۶ افراد کی طرح، اقوام کی موت اور زندگی، کا فیصلہ بھی انکے اعمال کے مطابق ہوتا ہے۔ جس دانہ یا گٹھلی میں زندگی کی صلاحیت ہوتی ہے، جب وہ شق ہوتی ہے تو اس میں سے ہری بھری کونپل پھوٹتی ہے۔ کونپل بڑھ کر پودا بن جاتی ہے۔ جب تک اس میں زندہ رہنے

---

[1] EGO۔ پندارِ نفس، جو جھوٹی عزت کے احساس سے انسان کو اعترافِ حق سے باز رکھتا ہے۔

صَبَاحًا وَّجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ
النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ
مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ
مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ

کی صلاحیت ہوتی ہے' وہ پودہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ جب یہ صلاحیت ختم ہو جاتی ہے تو' وہ پژمردہ ہو کر گر پڑتا ہے۔ اس طرح خدا کا قانون' موت سے زندگی پیدا کرتا اور زندگی کو موت میں تبدیل کرتا رہتا ہے۔ یہی قانون' قوموں کی موت اور حیات کا فیصلہ کرتا ہے۔

یہ ہے خدا کا قانونِ موت و حیات۔ تم اس سے منہ موڑ کر کدھر بھٹکے جا رہے ہو!

۹۷ خدا کا یہی قانونِ گردش ہے جو رات کا پردہ چاک کر کے' نورِ سحر کو نمودار کر دیتا ہے (اور اسطرح شب کی تاریکیوں کو دن کے اجالے میں بدل دیتا ہے)۔ تم دن بھر کام کرتے ہو۔ اس کے بعد وہ دن کے کاروبار پر رات کا پردہ گرا دیتا ہے اور تمہارے لئے آرام و سکون کا وقت آجاتا ہے۔ اسی قانون کے مطابق' چاند اور سورج اپنے اپنے وقت پر طلوع و غروب ہوتے رہتے ہیں اور اس طرح' تمہارے لئے مہینے اور سال شمار کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں ($\frac{۱۰}{۵}$ ؛ $\frac{۱۷}{۱۲}$)۔ یہ سب اندازے اور پیمانے اُس خدا کے مقرر کردہ ہیں جو ہر شے کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے' اور ایسی زبردست قوتوں کا مالک ہے کہ کوئی شے اس کے مقرر کردہ انداز سے ذرا اِدھر اُدھر نہیں ہٹ سکتی۔

۹۸ اُس کے اِسی کنٹرول کا نتیجہ ہے کہ فضائے آسمانی میں تیرنے والے ستارے ($\frac{۲۱}{۳۳۰}$ ؛ $\frac{۳۶}{۴۰۰}$) یوں ٹھیک ٹھیک انداز سے گردش کرتے ہیں' کہ تم بیابانوں اور سمندروں کے سفر میں' رات کی تاریکیوں میں' ان سے راستے کے نشانات متعین کر لیتے ہو (اور اس میں کبھی غلطی نہیں ہوتی)۔

ہم نے ان لوگوں کے لئے جو علم و بصیرت سے کام لیتے ہیں' اپنے قوانین کو کس قدر واضح کر دیا ہے۔ (کہ وہ ذرا سے غور و فکر سے' انہیں بخوبی سمجھ سکتے ہیں)۔

۹۹ (یہ خارجی کائنات میں قوانین خداوندی کی کارفرمائی تھی۔ اب وہاں سے نیچے اتر کر ذرا انسانی دنیا کی طرف آؤ اور دیکھو کہ وہاں اُس کا قانون ارتقاء کس حسن و خوبی سے عمل پیرا ہے) اس قانون کی رُو سے تمہاری زندگی کی ابتداء' ایک جرثومۂ حیات[۵۱] سے ہوئی ($\frac{۴۲}{۱}$ ؛ $\frac{۳۹}{۶}$)۔ اس کے بعد

---

۵۱ SINGLE LIFE-CELL

طَلْعُهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۹۹ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۰۰ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ

تم نے ارتقائی منازل طے کرنا شروع کیں، اِس طرح کہ تمہارا کاروانِ زندگی کچھ وقت کے لئے ایک منزل میں ٹھیرا۔ پھر اُس منزل نے اُسے دوسری منزل کے سپرد کر دیا (۹۸)۔ اس طرح یہ قافلہ منزل بہ منزل آگے بڑھتا گیا تا آنکہ تم مقامِ آدمیت تک پہنچ گئے۔

ہم نے اپنے قوانین کو اُس قوم کے لئے کس قدر نکھار کر بیان کر دیا ہے جو سمجھ سوچ سے کام لیتی ہے۔

۹۹ تم اس پر بھی غور کرو کہ اُس نے تمہیں پیدا کیا تو اس کے ساتھ ہی (بلکہ اس سے بھی پہلے) تمہاری نشوونما کا سامان کس حسن و خوبی سے بہم پہنچا دیا۔ وہ اس کے لئے بادلوں سے مینہ برساتا ہے جس سے ہر قسم کی روئیدگی نکلتی ہے۔ پھر اس روئیدگی سے ہری ہری ٹہنیاں اُبھرتی چلی جاتی ہیں۔ اور ٹہنیوں میں گُتھے ہوئے اناج کی بالیں لٹکنے لگ جاتی ہیں۔ اسی طرح کھجور کے درخت سے پھل پیدا ہوتے ہیں جس کے خوشے جھکے پڑتے ہیں۔ یہی صورت انگور، زیتون اور انار (اور دوسرے پھلوں) کے باغوں کی ہے ـــــ کوئی آپس میں ملتے جلتے۔ کوئی بالکل الگ ـــــ تم اِن کے پھلوں کو اُس وقت دیکھو جب وہ شروع میں شاخوں میں لگتے ہیں اور اُس کے بعد یہ دیکھو کہ وہ کس طرح بتدریج، غیر محسوس طور پر پختگی تک پہنچتے ہیں۔

جو لوگ نظامِ کائنات کی محکمیت پر یقین رکھتے ہیں، اُن کے لئے خدا کے قانونِ ارتقاء میں، حقیقت تک پہنچنے کی، کتنی بڑی نشانیاں ہیں۔

۱۰۰ یہ ہے وہ خدا جس کے متعلق ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ تنہا کائنات کا نظم و نسق قائم نہیں رکھ سکتا۔ کچھ غیر مرئی (UN-SEEN) قوتیں بھی ہیں جو اس کے ساتھ شریک ہیں۔ حالانکہ یہ غیر مرئی قوتیں (جو کائنات میں جاری و ساری ہیں) خود خدا ہی کی پیدا کردہ ہیں۔

پھر ان کی اس جہالت کو بھی دیکھو کہ انہوں نے خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بھی بنا رکھی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے متعلق، انسان، اِس قسم کے تصوّرات، اپنے ذہن سے تراش لیتا ہے۔ وہ (خدا) اِن باطل تصوّرات سے برتر اور بلند ہے۔

۱۰۱ ذرا سوچو کہ "خدا کے بیٹے" کا عقیدہ کس قدر باطل ہے۔ بیٹا، سلسلۂ توالُد[a] کا نتیجہ ہوتا ہے۔

[a] PROCREATION

وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ
اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَاۗءَكُمْ بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ
بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ

جس کے لئے بیوی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اور خدا وہ ہے جس نے اس تمام سلسلۂ کائنات کو (ORIGINATE) کیا ہے۔ یعنی وہ اسے بغیر کسی ذریعے اور واسطے کے' براہ راست' عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اور وہ ہر شے کا خالق ہے۔ اس کا عمل تخلیق' سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہے۔ لہذا اس کی طرف عمل تولید کو منسوب کرنا بڑی حماقت ہے۔

۱۰۳ یہ ہے اللہ جو تمہارا نشوونما دینے والا ہے اور جس کا قانون' تمام کائنات میں جاری و ساری ہے۔ اُس کے سوا کسی اور کا اقتدار و اختیار نہیں۔ وہ ہر شے کا خالق اور کارساز ہے۔ لہذا تم بھی اُسی کے قوانین کی محکومیت اختیار کرو۔

۱۰۴ انسان کا علم' محسوسات تک محدود ہے۔ اس کی نگاہیں' غیر محدود و غیر محسوس ذاتِ خداوندی کی کنہ و حقیقت تک پہنچ ہی نہیں سکتیں۔ اس کے برعکس' علم خداوندی' تمام نگاہوں کو محیط ہے۔ وہ ایسا لطیف ہے کہ محسوسات کے دائرے میں آ ہی نہیں سکتا۔ اس کے ساتھ ایسا خبیر کہ تمام اشیائے کائنات کے احوال و کوائف سے واقف ہے۔

۱۰۵ لہذا' اے رسول! تم اِن سے کہدو کہ تم سے مطالبۂ ذاتِ خداوندی کی کنہ و حقیقت تک پہنچنے کا نہیں۔ مطالبہ اس کے قوانین کی اطاعت کا ہے۔ اور یہ قوانین' جو یکسر علم و بصیرت پر مبنی ہیں' وحی کے ذریعے تمہارے پاس آ چکے ہیں۔ پس جو شخص عقل و بصیرت سے کام لے کر ان قوانین کی صداقت کو تسلیم کریگا' اسکا فائدہ خود اس کی ذات کو پہنچے گا۔ جو ان کی طرف سے آنکھیں بند کرلے گا' اسکی غلط روش کا تباہ کن نتیجہ اسی کو بھگتنا پڑے گا۔ میں تم پر پاسبان مقرر نہیں کیا گیا کہ تمہیں' بھیڑ بکریوں کی طرح' ایک خاص راستے پر چلنے کے لئے مجبور کروں۔

۱۰۳ اس طرح ہم اپنے قوانین کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتے رہتے ہیں تاکہ یہ تسلیم کریں کہ تم نے انہیں نہایت دل نشیں انداز سے بیان کر دیا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان قوانین کی حقیقت و اہمیت انہی پر واضح ہو سکے گی جو علم و بصیرت سے کام لیں گے۔

مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۚ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ
حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ
عِلْمٍ ۚ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ
جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ

---

۱۰۷ بہرحال' اے رسول! یہ تمہارا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ تم اُس ضابطہ خداوندی کا اتباع کرتے جاؤ جو تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے' تمہاری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ یاد رکھو! خدا کے سوا کسی اور کا قانون ایسا نہیں جس کا اتباع کیا جائے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے قانون کے ساتھ' اوروں کے قوانین بھی شامل کئے جا سکتے ہیں —— یا یہ خیال کرتے ہیں کہ خارجی کائنات میں تو خدا کا قانون نافذ العمل ہے' لیکن انسانی دنیا میں' انسانوں کا خود ساختہ قانون چلنا چاہیئے —— تم ان سے کنارہ کشی اختیار کر لو۔ (۲۱/۲۲ ؛ ۲۹/۶۳ ؛ ۲۹/۶۱)۔

۱۰۸ اور اس سے افسردہ خاطر مت ہو کہ یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اپنے کائناتی قانون کے مطابق' انسانوں کو مجبور پیدا کر دیتے —— اور اس طرح' یہ کبھی دوسرے قوانین کی اطاعت اختیار نہ کرتے' لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے کہ ہم' انسان کا اختیار و ارادہ' جو ہم نے اسے دیا ہے' سلب نہیں کرنا چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے تمہیں نہ ان پر پاسبان مقرر کیا ہے نہ حوالدار' کہ تم انہیں مجبوراً صحیح راستے پر چلاؤ۔

۱۰۹ اے جماعتِ مومنین! اس میں شبہ نہیں کہ ان لوگوں کے معبود' باطل ہیں اور تم باطل پرست نہیں ہو۔ لیکن دیکھنا! تم نے ایسی پست سطح پر نہ اتر آنا کہ ان کے معبودوں کو گالیاں دینے لگ جاؤ۔ تم نے ایسا کیا تو یہ لوگ' جہالت کی بنا پر' خدا کو گالیاں دینے لگ جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ دُنیا میں (دانستہ سرکشی اختیار کرنیوالوں کے علاوہ) جو کچھ کوئی کرتا ہے' اچھا سمجھ کر ہی کرتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ جہالت کی وجہ سے اچھے اور بُرے میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اسلئے غلط راستے پر چلنے والے پر' اس کی غلط روی کو واضح کرنا چاہیئے اور اس کے سامنے صحیح راستہ لانا چاہیئے۔ اُسے بُرا بھلا کہنے سے اس میں الٹی ضد پیدا ہو جائے گی۔ اگر وہ سمجھانے کے باوجود صحیح راستہ کی طرف نہ آئے' تو اس میں بھی غصے ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اس کا نقصان اُسی کو ہوگا۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

(۱۴) ۴۰ (۱۹)

یاد رکھو! تمام لوگوں کے اعمال کے نتائج خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہو رہے ہیں۔ ان کا ہر قدم اُسی کی طرف اُٹھ رہا ہے۔ ظہورِ نتائج کے وقت انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ وہ صحیح رَوش پر چل رہے تھے یا غلط پر۔

۱۱۰ یہ (مخالفین) خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر انہیں کوئی محسوس نشانی دکھا دی جائے تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اے رسول! تم ان سے کہہ دو کہ اس قسم کی نشانیاں بھیجنے نہ بھیجنے کا معاملہ خدا سے متعلق ہے۔ (میرا کام تو خدا کا پیغام تم تک پہنچانا ہے)۔

(اے جماعتِ مومنین! اِن مخالفین کے اس مطالبہ سے تم میں سے بھی بعض کے دِل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر انہیں اس قسم کا کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو اچھا ہی ہے۔ یہ اس طرح ایمان لے آئیں گے) لیکن تمہیں اِن کی دلی کیفیت معلوم نہیں۔ یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لانے کے (اس لئے تم' اِن کی اِن باتوں کا خیال نہ کرو۔ بس قرآن کو عقل و بصیرت کی بنا پر پیش کرتے رہو)۔

۱۱۱ یہ پیغام' اس سے پہلے بھی اِن کی طرف آتا رہا لیکن یہ اس پر ایمان نہیں لائے۔ اس لئے کہ پیغامِ خداوندی کی صداقت کو عقل و بصیرت کی رُو سے پرکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ ضد اور تعصب۔ توہم پرستی اور اسلاف کی اندھی تقلید کو اپنا مسلک بنا لیں' اُن کی عقلیں اوندھی ہو جاتی ہیں' اور وہ اپنی پیدا کردہ تاریکی کی طغیانیوں میں بہے چلے جاتے ہیں۔



وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ
حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ
كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ
غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۲ یقین مانو۔ اگر ہم اِن کی طرف فرشتے نازل کر دیتے۔ اِن سے مردے باتیں کرنے لگ جاتے اور ہم اِن کے سامنے دنیا جہان کی چیزیں لا کھڑی کرتے۔ تو یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ اِس لئے کہ ایمان وہی لا سکتا ہے جو وہ طریقہ اختیار کرے جسے خدا نے ایمان لانے کیلئے تجویز کر رکھا ہے۔ (یعنی عقل و بصیرت سے کام لینا۔ ۱۰/۱۰۰) ۔ اور ان میں سے اکثر کا یہ عالم ہے کہ وہ عقل و بصیرت کے پاس تک نہیں پھٹکتے۔ اور اپنی جہالت پر نازاں رہتے ہیں اسلئے اس قسم کے لوگ کیسے ایمان لے آئیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے انکار اور سرکشی کی وجہ کچھ اور ہے اور وہی چیز انہیں اس طرف آنے نہیں دیتی۔ یعنی ان کی مفاد پرستی۔

۱۱۳ اور یہ بات کچھ نئی نہیں۔ جو نبی بھی آیا اس کی قوم کے بڑے بڑے سرغنے خواہ وہ شہروں میں بسنے والے متمدن افراد تھے یا باہر بدویت کی زندگی بسر کرنے والے غیر مہذب اُس کی مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ (اس لئے کہ اِس دعوتِ انقلاب کی اُن کی مفاد پرستیوں پر زد پڑتی تھی)۔ اس کے لئے وہ باہمی خفیہ سازشیں کرتے اور عوام کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے ان سے طرح طرح کی ملمع سازی کی باتیں کرتے۔ (اس لئے اے رسول! تم ان کی اِس رَوش سے کبیدہ خاطر نہ ہو)۔ اگر مقصود یہ ہوتا کہ دعوتِ آسمانی کی

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ
اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

کہیں سے مخالفت ہی نہ ہو اور سب لوگ اسے طوعاً و کرہاً مانتے چلے جائیں' تو ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ایسا بھی کر سکتے تھے۔ لیکن یہ ہمارے پروگرام کے خلاف ہوتا جس کی رُو سے ہم نے انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا ہے۔ اِس لئے تم ان سے اور اِن کی فریب کاریوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے' انہیں اِن کے حال پر چھوڑ دو (اور اپنے پروگرام کی تکمیل میں سرگرمِ عمل رہو)۔

۱۱۳ اِن ملمع سازیوں اور فریب کاریوں سے اِن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو دنیاوی زندگی کے مفاد ہی کو منتہیٰ سمجھتے ہیں اور حیاتِ اُخروی' اور خدا کے قانونِ مکافات پر یقین نہیں رکھتے' اِن کی طرف جھکے رہیں۔ اِن کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں۔ اور جو کارستانیاں یہ کرتے ہیں' وہ بھی ان میں شریک رہیں ——— یہ چاہتے ہیں کہ سارا معاشرہ اِنہی کے ڈھب پر چلتا جائے تاکہ کوئی کسی کو روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔ (وہ تم سے بھی اسی قسم کی مفاہمت کرنا چاہتے ہیں)۔

۱۱۴ ان سے پوچھو کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کے قانون کے مطابق تمہارے معاملات کے فیصلے کرنے لگ جاؤں' حالانکہ اُس نے تمہاری طرف ایک واضح اور نکھرا ہوا ضابطہ قوانین بھیج دیا ہے۔ جن لوگوں کو یہ کتاب دی گئی ہے (یعنی جماعتِ مومنین کے اربابِ علم و بصیرت۔ ۲۹/۴۱) وہ اس حقیقت کو پا گئے ہیں کہ یہ فی الواقعہ تیرے نشو و نما دینے والے کی طرف سے' حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ اِس لئے' ان مخالفین کے ساتھ جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔

۱۱۵ اِس قرآن میں' خدا کا ضابطہ قوانین' تمام صداقتوں کو اپنے اندر لئے' اور عدل و توازن کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے' مکمل ہو چکا ہے۔ اب اِن قوانینِ خداوندی میں کوئی تغیر و تبدل کرنے والا نہیں ——— یعنی' یہ مکمل ایسا ہے کہ اِس میں اضافے

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

کی گنجائش نہیں۔ اور محکم ایسا کہ اس میں کسی تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں۔ (اسی لئے اب کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی (۳۳/۴۰)۔ اور خدا نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔ (۱۵/۹)۔ یہ اس لئے کہ یہ اُس خدا کا ضابطۂ قوانین ہے جو سب کچھ سنتا اور ہر بات کا علم رکھتا ہے۔ (اس لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ انسانی راہ نمائی کے لئے جو کچھ دیا جانا ضروری تھا اُس میں سے کوئی بات لاعلمی کی بنا پر رہ گئی ہو)۔

۱۱۷ اب رہا یہ سوال کہ یہ ضابطۂ خداوندی اُس روش کے خلاف دعوت دیتا ہے جس پر نوعِ انسان کی اکثریت گامزن ہے تو یہ اعتراض کچھ وزن نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ کسی مسلک کے صحیح ہونے کی یہ کوئی دلیل نہیں کہ اسے اکثریت نے اختیار کر رکھا ہے۔ اگر تم (اس خیال کے مطابق) لوگوں کی اکثریت کا اتباع شروع کر دو تو یہ چیز تمہیں خدا کی راہ سے ہٹا کر گمراہ کر دے گی۔ دنیا کی اکثریت کا تو یہ عالم ہے کہ لوگ محض ظن و تخمین کے پیچھے ہو لیتے ہیں (اور یقینی علم کے بجائے) قیاس آرائیوں سے کام لیتے رہتے ہیں۔ (اس کے برعکس، خدا کی وحی جو کچھ پیش کرتی ہے وہ سرتاسر علم و حقیقت پر مبنی ہوتا ہے)۔

۱۱۸ لہٰذا، گمراہی اور راست روی کا معیار خدا کی وحی ہو سکتی ہے۔ یہی وہ معیار ہے جس کے مطابق تیرا پروردگار فیصلہ کرتا ہے کہ کون اُس کے تجویز کردہ راستے سے ہٹ گیا اور کون اُس پر چل رہا ہے۔

۱۱۹ (اس معیار کی روشنی میں تم ان اہل کتاب کے اس اعتراض کا جائزہ لو جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن نے بعض ایسی چیزوں کو حلال کیوں قرار دے دیا جنہیں وہ حرام سمجھتے ہیں۔ حرام اور حلال کا معیار، خدا کی وحی ہو سکتی ہے، کسی کا اپنا مسلک نہیں ہو سکتا خواہ اُس مسلک پر چلنے والوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو)۔

لہٰذا، اگر تم قوانین خداوندی (قرآن) پر ایمان رکھتے ہو تو (جن چیزوں کو خدا نے حلال قرار دیا ہے ان میں سے) جن پر خدا کا نام لیا جائے، انہیں نہایت اطمینان سے کھاؤ۔

لہ اس سے مقصد جانوروں کو ذبح کرتے وقت خدا کا نام لینا ہے۔ (۲۲/۳۶)

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

۱۱۹ جب خدا نے تمہیں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ کون کون سی چیزیں حرام ہیں —— اور وہ بھی مجبوری کی حالت میں جائز قرار پا جاتی ہیں۔ (۲/۱۷۳ ؛ ۶/۱۴۶)۔ تو جن چیزوں کو اُس نے حلال وطیب قرار دیا ہے اُن پر اللہ کا نام لے کر کھانے میں کیا تردد ہو سکتا ہے؟ (انہیں اگر خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کر دیا جائے تو وہ حرام ہو جاتی ہیں)۔ یہ لوگ جو اِس طرح کی باتیں کرتے ہیں (کہ فلاں چیز پہلے یہودیوں کے ہاں حرام تھی۔ اب تم اسے حلال کیوں قرار دیتے ہو) تو اِن کی کوئی بات وحی کے علم و یقین پر مبنی نہیں۔ محض اِن کے ذاتی خیالات ہیں جن کی بنا پر یہ تمہیں صحیح راستے سے بہکانا چاہتے ہیں۔ خدا نے حرام و حلال کی جو حدیں باندھی تھیں اِن لوگوں نے اُن حدوں کو از خود آگے بڑھا دیا۔ اب اس بات کا پورا پورا علم وحیِ خداوندی (قرآن) میں دیا گیا ہے کہ حرام و حلال کی صحیح حدود کونسی ہیں اور کون اِن حدوں سے آگے بڑھ رہا ہے۔

۱۲۰ پھر اِس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ رکھو کہ جن باتوں سے روکا جائے اُن سے محض رسمی طور پر مت رکو، بلکہ اُس ممانعت کی اصل روح کو بھی پیشِ نظر رکھو۔ یعنی اُن لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو سمجھتے ہیں کہ احکام کی صرف ظاہر پیروی ہی مقصود ہے، ان کی غرض و غایت سے کچھ واسطہ نہیں۔ نہ ہی اُن میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ احکام کے صرف باطنی مفہوم کا اتباع مقصود ہے، ظواہر کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ دونوں غلطی پر ہیں۔ جن باتوں کو ناجائز قرار دیا گیا ہے —— اس لئے کہ اِن سے تمہاری ذات میں اضمحلال واقع ہوتا ہے —— اُن کے ظاہر و باطن دونوں سے بچنا ضروری ہے تاکہ تمہارے فکر اور عمل میں پاکیزگی اور پختگی پیدا ہو۔ جو لوگ اس کی خلاف ورزی کریں گے، اِس کا نتیجہ انہیں یقیناً بھگتنا پڑے گا۔

۱۲۱ بنا بریں یہ نہ کہو کہ کسی چیز کو خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرنے سے کیا بگڑتا ہے۔ اور اس پر خدا کا نام لے دینے سے کیا سنورتا ہے۔ وہ چیز دونوں صورتوں میں یکساں

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ
لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٢﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا
لِيَمْكُرُوا فِيهَا وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ

رہتی ہے ——— اس سے ایک گہرا نفسیاتی اثر ہوتا ہے جس سے انسان کے قلب میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا' جس چیز پر خدا کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ[1]۔ یہ چیز تمہیں صحیح راستے سے دوسری طرف لیجائے گی۔ مخالفین کی جماعت کے سرغنے اپنے رفقاء کو اکساتے رہتے ہیں کہ وہ تم سے ان باتوں میں اُلجھتے جھگڑتے رہیں (اور کوشش کریں کہ تم ان کی بات مان جاؤ)۔ اے جماعتِ مومنین! اگر تم نے اِن کی بات مان لی تو تم بھی' انہی کی طرح مشرک ہو جاؤ گے

۱۲۳ تم اپنی اور اِن کی حالت کا موازنہ یوں کرو کہ' ایک شخص مردہ ہو۔ اُسے از سرِ نو زندگی عطا ہو جائے' اُس کے بعد اُسے ایسی نورانی قندیل دے دیجائے جس سے وہ خود بھی روشنی میں چلے اور دوسروں کو بھی صحیح راستے پر چلائے۔ اس کے برعکس' دوسرا شخص ہے جو سخت تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے' اور ان سے نکلنا نہیں چاہتا۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کبھی نہیں ——— یہی حالت اِن 'صداقت سے انکار کرنے والوں' کی ہے۔ انہیں چمگادڑ کی طرح اندھیرا بہت اچھا لگتا ہے اور روشنی آنکھوں میں کھٹکتی ہے۔ اس لئے یہ 'وحیِ خداوندی کے بجائے اپنے خود۔ ساختہ معتقدات و رسومات میں خوش رہتے ہیں۔

۱۲۴ یہ ہے وہ نفسیاتی کیفیت جس کی بنا پر ہمیشہ یہ ہوتا رہا کہ جہاں کسی نے خدا کے عالمگیر نظامِ ربوبیت کی دعوت دی' وہاں کے اکابر مجرمین نے اس دعوت کی مخالفت کے لئے منصوبے باندھنے شروع کر دیئے۔ اگر وہ ذرا بھی عقل و شعور سے کام لیتے تو اُن پر یہ حقیقت کھل جاتی کہ اُن کی اس منصوبہ بندی میں خود اُن کا اپنا نقصان تھا۔ اس لئے کہ نظامِ خداوندی کا قیام ان کی بہتری کے لئے تھا۔ (اگر کسی گاؤں کے لوگ اپنے ہاں ہسپتال بنانے کی مخالفت کریں تو یہ مخالفت خود اُن کے اپنے مفاد کے خلاف ہوگی)۔

۱۲۵ پھر' اِن کی کیفیت یہ ہے کہ جب اِن کی طرف ہماری کوئی وحی آتی ہے تو یہ کہتے ہیں

[1] جس جانور پر ذبح کرتے وقت خدا کا نام نہ لیا جائے (۶/۱۲۱) یا جس چیز کو غیر اللہ کی طرف منسوب کر دیا جائے وہ حرام ہو جائے گی۔

نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاۗءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

کہ ہم تو اِس پر صرف اُس صورت میں ایمان لائیں گے کہ جس طرح رسولوں پر وحی نازل ہوتی ہے اُسی طرح ہم پر بھی براہ راست وحی نازل ہو۔ (ان سے کہدو کہ خارجی دنیا میں تو خدا کا قانون یہی ہے کہ وہ ہر نوع کے ہر فرد کو براہ راست وہ راہ نمائی دے دیتا ہے جس کے مطابق اُس نے زندگی بسر کرنی ہوتی ہے' لیکن انسانی دنیا میں اُس کا یہ پروگرام نہیں۔ یہاں یہ قاعدہ ہے کہ ایک منتخب فرد کو وحی دی جاتی ہے اور وہ اس وحی کو دوسرے انسانوں تک پہنچاتا ہے (۴۲/۵۱)۔ اور یہ بات ان کی مرضی پر چھوڑتا ہے کہ وہ چاہے اُسے تسلیم کرلیں اور چاہے اُس سے انکار کردیں۔ اگر ہر فرد کو براہ راست وحی دی جائے' تو اشیائے کائنات کی طرح' انسان بھی اُس وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے اور عقل و فکر کو کام میں لاکر صحیح فیصلہ کرنے کا سوال باقی نہ رہے' حالانکہ یہی چیز باعث شرف انسانیت ہے)۔

اِس مقصد کے لئے خدا خوب جانتا ہے کہ وہ کونسا فرد ہے جسے اس بلند منصب (یعنی وحی دیئے جانے) کے لئے منتخب کرنا چاہیئے (۶/۱۲۴)۔

لیکن یہ سب ان کی کٹ حجتیاں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ناجائز کمائی کا لہو کچھ اس طرح اِن کے مُنہ کو لگ گیا ہے کہ یہ اُسے چھوڑنا چاہتے ہی نہیں۔ اِن سے کہدو کہ تم جو جی میں آئے کر دیکھو' تمہیں ایک دن' اِس نظام کے آگے جھکنا پڑے گا' اور اُس وقت تمہیں ان سازشوں کی سخت سزا ملے گی۔

۱۲۶ (اِس قسم کی دونوں جماعتیں شروع سے چلی آرہی ہیں ——— یعنی ماننے والوں کی اور مخالفت کرنے والوں کی ——— اور یہ کچھ خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے)۔ وہ قانون یہ ہے کہ جو شخص تعصب اور کم نظری کو چھوڑ کر' اپنی نگاہوں میں اتنی وسعت اور سینے میں اتنی کشادگی پیدا کرلے کہ اسلام کے حقائق پر کھلے دل سے غور و فکر کرسکے' اس پر صحیح راستہ واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن جو شخص تعصب اور تنگ نظری سے کام لے' اس پر یہ راہ واضح نہیں ہوتی۔ تعصب سے اُس کا سینہ اِس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ حق کا قبول کرنا اسکے

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ
وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَ
قَالَ اَوْلِيٰٓـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ
مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

نزدیک بڑی سخت گھاٹی پر چڑھنے کے مرادف ہو جاتا ہے جہاں قدم قدم پر اس کا سانس پھول جائے (۱۲/۱۱ = ۹۰)۔

جو لوگ عقل و فکر سے کام نہ لیں اور یونہی وحی کی صداقت سے انکار کئے جائیں (۲/۴) اُن پر بات واضح ہو نہیں سکتی۔ ان کے لئے معاملہ ہمیشہ مشتبہ رہتا ہے (۱۰/۱۰۰)۔

۱۲۷ اِن کے برعکس، جو لوگ عقل و فکر سے کام لے کر وحی کی صداقت پر ایمان لے آتے ہیں، وہ، تیرے نشوونما دینے والے کی طرف سے متعین کردہ سیدھی اور متوازن راہ پر چلتے ہیں۔

دیکھو! ہم اپنے قوانین و حقائق کو اُن لوگوں کے لئے جو انہیں پیش نظر رکھنا چاہیں کس قدر واضح طور پر بیان کر دیتے ہیں۔

۱۲۸ یہ وہ لوگ ہیں جن کے حسن عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں ان کے نشوونما دینے والے کی طرف سے، ہر طرح کی سلامتی نصیب ہوتی ہے، اور قانونِ خداوندی کی کارسازی اور رفاقت اُن کے حصے میں آجاتی ہے۔

۱۲۹ جب وہ نظام قائم ہو گا تو ان مخالفین کی تمام پارٹیاں اکٹھی کی جائیں گی شہری لوگ جو اسکیمیں بنایا کرتے تھے، اور بدوی جو ان اسکیموں کو کامیاب بنانے کے لئے ان کے دست و بازو بنا کرتے تھے — ان بدوی لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم نے ان شہری پارٹیوں سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ اور اُن پارٹیوں کے سرغنے اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہوں گے کہ ہم اس دعوت کی مخالفت میں ایک دوسرے کو استعمال کیا کرتے تھے تاآنکہ وہ وقت آپہنچا جو ہمارے اعمال کے ظہورِ نتائج کے لئے مقرر تھا (اور آج ہم اِس طرح بندھے کھڑے ہیں)۔ اُن سے کہا جائے گا کہ تمہارا ٹھکانہ تباہیوں کا وہ جہنم ہے جس میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہو گا۔ اس میں تبدیلی خدا ہی کے قانون کے مطابق ہو سکتی ہے۔ اور ایسا ہو گا نہیں[1]۔ وہ قانون یکسر علم و حکمت پر مبنی ہے۔

---

[1] قرآنی اسلوب یہ ہے کہ جہاں اِلّا کے بعد مَا شَاءَ اللّٰہ وغیرہ آئے جس سے مقصود مشیّتِ خداوندی ہوتی ہے، تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ پہلے کہا گیا ہے اُس کے خلاف کبھی نہیں ہو گا۔ ملاحظہ ہو لغات القرآن۔ جلد چہارم۔ صفحہ ۱۶۱۸، عنوان (ن۔ س۔ ی)۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى
بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ

(۱۳۰) اِس طرح ہم سرکش لوگوں کی مختلف پارٹیوں کو اُن کے مشترکہ جُرم کی بنا پر ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا کرتے ہیں۔ اور یوں وہ اپنے کئے کی سزا بھگتنے کے لئے ایک ہی بن جاتے ہیں۔

(۱۳۱) ہم اُس دن' اِن دونوں گروہوں —— بدویوں اور شہریوں —— سے پوچھیں گے کہ کیا تمہاری طرف ہمارے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہارے اپنے ہی بھائی بند تھے۔ کوئی غیر نہیں تھے۔ وہ تمہارے سامنے ہمارے قوانین پیش کرتے تھے اور تمہیں آگاہ کیا کرتے تھے کہ ایک دن تمہارے اعمال کے نتائج تمہارے سامنے آکر رہیں گے (۳۹/۷۱)۔ اس پر وہ اقرار کریں گے کہ یہ ٹھیک ہے۔ اِس کے لئے کسی خارجی شہادت کی بھی ضرورت نہیں' ہم خود اپنے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ صداقت تو اِن لوگوں کے سامنے آجاتی ہے اور اسے پہچاننے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوتی۔ لیکن طبیعی زندگی کے پیش پا افتادہ مفاد کی چمک دمک نگاہوں میں خیرگی پیدا کر دیتی ہے اور وہ اس کے فریب میں آجاتے ہیں۔ لیکن جب ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج ان کے سامنے آتے ہیں تو اُس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ اپنے خلاف آپ شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے حق وصداقت کا انکار کر کے واقعی جرم کیا تھا۔

(۱۳۲) (یہ سب کچھ اِس لئے بیان کیا گیا ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ) تیرا رب یہ نہیں کرتا کہ کسی قوم کو اس کا تو علم ہی نہ دیا جائے کہ وہ کون سے قوانین ہیں جن کے انکار سے تباہی آتی ہے' اور انہیں' اِس جرم کی پاداش میں تباہ کر دیا جائے کہ تم نے ان قوانین سے انکار کیوں کیا تھا۔ ایسا کرنا بڑی زیادتی ہے۔ اور خدا کسی پر زیادتی نہیں کیا کرتا۔

(۱۳۳) ہمارے قانون کی رُو سے' سزا اور جزا عمل کے مطابق ملتی ہے' اور عمل ہی کے مطابق ہر ایک کا درجہ متعین ہوتا ہے۔ اس کے لئے ہم نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ کسی کا کوئی عمل' ہمارے قانونِ مکافات کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہنے پائے۔

الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

---

۱۳۴ ان سے کہدو کہ خدا کا نظام کسی خاص قوم کا محتاج نہیں کہ وہ اُسی کے ہاتھوں قائم ہوگا۔ کسی اور کے ہاتھوں قائم نہیں ہو سکے گا۔ وہ اپنی مہربانی سے ہر قوم کو نشوونما حاصل کرنیکے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ اسی طرح اُس نے تمہیں بھی مواقع بہم پہنچائے ہیں اگر تم اُس کے قانون کے مطابق' ان مواقع سے فائدہ نہ اٹھاؤ گے اور اپنے اندر زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا نہیں کرو گے' تو وہ تمہیں زندہ قوموں کی صف سے نکال دے گا اور تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے لیگی۔ جس طرح اُس نے تمہیں (بنی اسرائیل کی تباہی کے بعد) ایک دوسری قوم (بنی اسماعیل) کی نسل سے اٹھا کھڑا کیا ہے۔

۱۳۵ (اسے بگوش ہوش سُن لو کہ ہماری یہ تنذیر خالی دھمکی نہیں)۔ جو کچھ تم سے کہا جاتا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ تم ہمیں ایسا کرنے سے باز نہیں رکھ سکتے' تم ہمیں بے بس نہیں کر سکتے۔

۱۳۶ ان سے کہدو کہ (اس باب میں کسی بحث وتمحیص' یا جھگڑے جھمیلے کی ضرورت نہیں)۔ تم اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتے جاؤ۔ میں اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتا ہوں۔ اس کے بعد نتائج خود بتا دیں گے ـــــ اور بہت جلد بتا دیں گے ـــــ کہ آخرالامر دنیا میں کامیابی کسے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ خدا کا اٹل قانون ہے کہ جو قوم انسانیت کے حقوق میں کمی کرتی ہے اس کی کھیتی کبھی بارآور نہیں ہو سکتی۔

۱۳۷ (یہ لوگ بھلا تمہارے مقابلے میں کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں' جن کی جہالت کا ابھی تک یہ عالم ہے کہ انہوں نے عجیب وغریب قسم کے عقائد ورسومات وضع کر رکھے ہیں جو یکسر توہم پرستی پر مبنی ہیں۔ مثلاً) یہ لوگ اُس فصل میں سے' اور اُن مویشیوں میں سے' جو خود خدا کے پیدا کردہ ہیں' ایک حصّہ الگ کر لیتے ہیں اور' بزعم خویش' کہتے ہیں کہ یہ حصّہ خدا کا ہے۔ اسی طرح' ایک اور حصّہ الگ کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَاۗءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاۗءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

(خدا کے) شریکوں کا ہے۔ جو حصہ اپنے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کے لئے مختص کرتے ہیں اسے ان کے پیر پروہت لے جاتے ہیں۔ اس میں سے اللہ تک کچھ نہیں پہنچتا۔ (یعنی خدا کے مستحق بندوں کو نہیں ملتا)۔ اور جو حصہ اللہ کے لئے نکالتے ہیں' وہ بھی ان کے پیر پروہت یہ کہہ کر لیجاتے ہیں کہ ہم اسے اللہ تک پہنچادیں گے۔ اِس طرح نام تو اللہ کا لیتے ہیں اور لے جاتے ہیں اِن کے وہ پروہت جو معبودانِ باطل کے نمایندے بنتے ہیں۔

ذرا سوچئے کہ اِن کے یہ عقائد کس قدر بُرے ہیں ؟

۱۳۸ یہیں تک بس نہیں۔ ان کی توہم پرستی اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ جنہیں یہ خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں ان کے متعلق اِن کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر ہم اُن کے حضور اپنی اولاد قربان کردیں تو یہ بہت بڑا نیکی کا کام ہے۔ (یہ سب ان کے مذہبی پیشواؤں کی کارستانیاں ہیں جو اس قسم کی توہم پرستیوں کو دینِ خداوندی کا نقاب اوڑھا کر پیش کرتے ہیں' اور سادہ لوح عقیدتمندوں کے ہاتھوں) ان کی اولاد جیسی عزیز شے کو ہلاک کرادیتے ہیں۔

(ہم جانتے ہیں کہ اس قسم کی باتوں کو دیکھ کر تمہارا جی بہت کڑھتا ہے اور تم چاہتے ہو کہ یہ اس قسم کے عقائد کو چھوڑ کر صحیح دین اختیار کرلیں۔ لیکن' جیسا کہ پہلے بھی کہا جاچکا ہے' یہ کچھ افہام و تفہیم کے ذریعے کرنا ہوگا۔ ورنہ اگر انسان کو مجبوراً سیدھے راستے پر چلانا مقصود ہوتا تو) ان کی کیا مجال تھی کہ یہ اس قسم کی حرکات کرتے (لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے تم ان تک ہمارا پیغام پہنچاتے رہو اور اس کے بعد) انہیں' مع ان کے خود تراشیدہ عقائد و مسالک کے ان کے حال پر چھوڑ دو۔

۱۳۹ (ان کی جہالت آمیز رسموں کا کیا پوچھتے ہو!) یہ' اپنے مویشیوں اور کھیتی میں سے کچھ حصہ الگ کرلیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے کوئی نہیں کھا سکتا بجز اُن کے جنہیں ہم' اپنے عقیدے کے مطابق' کھلانا چاہیں۔ اسی طرح' یہ بعض جانوروں کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ (یہ فلاں پیر کا اونٹ ہے) اس پر کوئی سواری نہیں کرسکتا۔ اسی طرح بعض جانور ہیں جنہیں

وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ
شُرَكَآءُ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ
حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ ۱۶ ۱۱ ۳۰
مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ
غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۪ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ
الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

ذبح کرتے وقت یہ اللہ کا نام نہیں لیتے (ان کا نام لیتے ہیں جن کے لئے انہیں بطور نذر نیاز ذبح کیا جاتا ہے)۔

اب عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ان کے اس قسم کے خود تراشیدہ عقائد و رسومات کے نتائج ان کے سامنے آجائیں گے۔ اب جہالت اور توہم پرستی کا دور جانے والا ہے۔

۱۴۰ اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ فلاں جانور کے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے صرف مرد کھا سکیں گے عورتوں پر اس کا گوشت حرام ہوگا۔ لیکن اگر وہ بچہ مُردہ پیدا ہو تو اس میں مرد اور عورتیں سب شریک ہو سکتے ہیں۔

اب عنقریب انہیں ان کی ان توہم پرستیوں کی سزا ملے گی (اور خدا کا وہ دین عام ہو جائیگا جو) یکسر علم و حکمت پر مبنی ہے۔

۱۴۱ ذرا سوچئے کہ جو لوگ ایسے باطل عقائد کی بنا پر محض جہالت اور حماقت سے اپنی اولاد جیسی متاعِ عزیز کو اپنے ہاتھوں ہلاک کر دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے کھانے پینے کو دیا ہے اسے محض اپنی افترا پردازیوں سے اپنے اوپر حرام قرار دے لیتے ہیں اور پھر ان توہمات کو منسوب کرتے ہیں خدا کی طرف تو ایسے لوگ اپنا کس قدر نقصان کرتے ہیں؟۔

جو لوگ اس طرح جہالت اور توہم پرستیوں کے غلط راستوں پر آنکھ بند کئے چلتے جائیں، اُن پر زندگی کی صحیح راہیں کس طرح کھل سکتی ہیں؟

۱۴۲ (یہ ہیں ان کے دیوی دیوتا اور پیر پروہت۔ ان کے برعکس) خدا کی ذات وہ ہے جس نے (تمام انسانوں کی پرورش کے لئے) باغات کا سلسلہ پھیلا دیا ہے۔ بعض بڑے بڑے مضبوط درخت جو بغیر کسی سہارے کے کھڑے ہیں۔ بعض نرم و نازک (انگور کی سی) بیلیں جو ٹٹیوں پر چڑھائی

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۴۲ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـــُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۴۳ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴۴

جاتی ہیں۔ نیز سرِفلک کھجوروں کے پیڑ۔ اور مختلف پیداوار والی کھیتیاں۔ اور زیتون اور انار —— ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور الگ تھلگ بھی۔

جب یہ درخت ثمربار ہوں تو ان کے پھل شوق سے کھاؤ۔ اور اس میں سے "خدا کا حق" دیدیا کرو (یعنی اپنی ضروریات پورا کرنے کے بعد باقی دوسرے انسانوں کی پرورش کے لئے عام کردو۔ ۲/۲۱۹۔ اور اپنی ضروریات کے تعین میں بھی) اسراف سے کام نہ لو۔ خدا اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۱۴۳ اور دیکھو! اُسی خدا نے تمہارے لئے چارپائے پیدا کر دیئے ہیں —— کچھ بلند قامت، جو بوجھ لادنے کے کام آتے ہیں۔ اور کچھ پست قامت (زمین سے لگے ہوئے)۔

جو کچھ اُس نے تمہارے لئے سامانِ رزق پیدا کیا ہے اُسے شوق سے کھاؤ۔ لیکن اپنے حیوانی سطح کے جذبات کے پیچھے نہ لگو (جن کا تقاضا یہ ہے کہ سب کچھ اپنے لئے سمیٹ کر رکھ لو) ایسا کرنا، عالمگیر انسانیت سے کھلی ہوئی دشمنی ہے —— نہ ہی تو ہم پرستی میں پڑو۔

۱۴۴ ان توہم پرستوں سے پوچھو کہ خدا نے اُن مویشیوں میں سے (جو تمہارے ہاں عام طور پر پائے جاتے ہیں) آٹھ قسمیں پیدا کی ہیں (۶/۱۴۳)۔ بھیڑ۔ نر اور مادہ —— اور بکری۔ نر اور مادہ (باقی چار کا ذکر آگے آتا ہے)۔ ان سے پوچھو کہ (تم نے جو حرام اور حلال کی فہرستیں از خود مرتب کر رکھی ہیں، اُن کی کوئی خدائی سند بھی ہے؟) خدا نے کہیں بھی یہ کہا ہے کہ ان (بھیڑ بکریوں) کے نر حرام ہیں (اور مادہ حلال) یا سادہ حرام ہیں (اور نر حلال)۔ یا اُن بچوں کو حرام قرار دیا ہے جو ان کے پیٹ میں ہوں۔ ان سے کہو کہ اگر تم اپنے اِس دعوے میں سچے ہو (کہ تمہاری حرام اور حلال کی فہرستیں خدا کی مرتب کردہ ہیں) تو مجھے بتاؤ کہ تمہارے پاس اس کی سند کیا ہے؟

۱۴۵ اسی طرح خدا نے نر اور مادہ اونٹ پیدا کئے ہیں اور گائے اور بیل بھی۔ (یہ سب مل کر آٹھ نر

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰي طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ
خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا
حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۚ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور مادہ ہو گئے۔ یعنی چار نر اور چار مادہ)۔ اِن سے پوچھو کہ کیا ان میں سے بھی خدا نے نروں کو حرام کیا ہے یا مادینوں کو۔ یا ان بچوں کو جو ان کے پیٹ میں ہوں۔ (تم جو کہتے ہو کہ تمہاری حرام وحلال کی تقسیم خدائی تقسیم ہے تو بتاؤ کہ) جب خدا نے ایسا حکم دیا تھا تو تم اُس وقت موجود تھے؟ (اے ان کے مذہبی پیشواؤ! تم سوچو کہ) تم جو بغیر علم وسندِ خداوندی کے لوگوں کو اس طرح گمراہ کرتے ہو اور اپنی خود ساختہ فہرستوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو تو اس سے بڑا جرم اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور ایسے اکابر مجرمین قانونِ خداوندی سے کس طرح ہدایت حاصل کر سکتے ہیں؟

(۱۴۶) ان سے کہو کہ (حرام وحلال کا اختیار صرف خدا کو ہے)۔ اُس نے میری طرف جو کچھ وحی کیا ہے، میں اس میں کسی چیز کو جسے عام طور پر لوگ کھاتے ہیں، حرام نہیں پاتا، بجز (ان چار چیزوں کے۔ یعنی) مردار۔ بہتا ہوا لہو۔ خنزیر کا گوشت۔ جسکم خداوندی کے علی الرغم، ان کا کھانا شرفِ انسانیت کی نشوونما کے روک دینے کا باعث اور غلط راستوں کی طرف لیجانے کا موجب ہے۔ نیز جس (حلال) چیز کو خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ (یہ چیزیں حرام ہیں۔ انہیں مت کھاؤ، بجز اس کے کہ) اگر کوئی شخص (حلال چیزوں کے نہ ملنے کی وجہ سے) مجبور ہو جائے اور اسکی نیت قانون شکنی یا ہوس پروری کی نہ ہو اور وہ اپنی اضطراری ضرورت سے آگے نہ بڑھے (تو اپنی جان کی حفاظت کے لئے ان چیزوں میں سے جو میسر آجائے اسے کھا سکتا ہے)۔ ایسی حالت میں، اِن چیزوں کے کھانے سے تمہاری ذات پر جو مضر اثرات مرتب ہوں گے، قانون کے احترام کا محکم احساس تمہیں ان اثرات سے محفوظ رکھے گا اور تمہاری صلاحیتوں کی نشوونما بدستور ہوتی رہے گی۔ (۲/۱۷۳ ؛ ۵/۳)۔

(۱۴۷) اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہم نے یہودیوں پر تمام ناخن دار جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری کی چربی بھی حرام کر دی تھی، بجز اُس چربی کے جو ان جانوروں کی پیٹھ یا انتڑیوں کے ساتھ لگی ہو۔ یا جو ہڈیوں کے اندر ملی ہو۔ (تو یہ چیزیں عام حالات میں حرام نہیں تھیں۔ بات یہ تھی کہ) انہیں اُن کی قانون شکنی کی سزا دی گئی تھی، اور بطور سزا ان چیزوں کو حرام قرار

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

دیدیا گیا تھا (۴/۱۶۰)۔ یہ ہے اصل واقعہ (لہٰذا ان کا یہ اعتراض کہ جن چیزوں کو خدا نے پہلے حرام قرار دیدیا تھا' اب انہیں کیسے حلال قرار دیا جا رہا ہے' بے بنیاد ہے)۔

۱۴۸ لیکن اگر اس تبیانِ حقیقت کے بعد بھی یہ لوگ نہ مانیں' اور تمہیں جھٹلاتے چلے جائیں۔ (اور کہیں کہ نہیں! یہ تمام چیزیں حرام ہیں) تو ان سے کہدو کہ خدا تو اپنی ربوبیت اور مرحمت کے دامن کو وسیع رکھنا چاہتا ہے۔ (لیکن اگر تم' اس کے باوجود' اسے سکیڑنا چاہتے ہو' اور اپنے ہاں کی حرام چیزوں کو اب بھی حلال نہیں تصور کرنا چاہتے' اور اس طرح اپنی سزا کی مدت کو ختم کرنے پر رضامند نہیں ہوتے' تو تمہاری مرضی)۔ جو خود مجرم بنے رہنا چاہے' اس سے سزا کیسے ٹل سکتی ہے! (جو اپنا دروازہ بند رکھنا چاہے' اس کے کمرے میں روشنی کیسے آسکتی ہے؟)۔

۱۴۹ یہ لوگ جب چاروں طرف سے لاجواب ہو جاتے ہیں اور اپنے مسلک کے جواز میں کوئی سند یا دلیل پیش نہیں کر سکتے' تو پھر یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ (دنیا میں خدا کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا)۔ اگر خدا کو منظور ہوتا تو ہم یا ہمارے آباء واجداد کبھی شرک نہ کرتے۔ نہ ہی کسی شے کو حرام قرار دیتے (اس لئے اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ یہ سب مرضیٔ مولا ہے)۔

یہ بات بھی کچھ نئی نہیں۔ ان سے پہلے لوگ بھی اس قسم کی کٹ حجتیوں سے حقیقت کو جھٹلاتے رہے' تا آنکہ انہوں نے' اپنی غلط روش کے نتیجہ میں' ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ ان سے پوچھو کہ کیا تمہارے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل ہے (کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار نہیں۔ یہ مجبورِ محض ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے)۔ اگر ہے تو اسے پیش کرو۔ (۳۶/۴۷؛ ۴۳/۲۰)۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی سند اور دلیل نہیں۔ تم محض ظن و قیاس کے پیچھے چلتے اور اٹکلیں دوڑاتے رہتے ہو۔

۱۵۰ ان سے کہو کہ محکم اور حقیقت رس دلیل صرف ایک ہے۔ اور وہ ہے وحیٔ الٰہی کی دلیل۔ (اگر تمہارے پاس وہ دلیل ہے تو اسے پیش کرو۔ باقی رہا مشیت کا مسئلہ۔ تو) اگر خدا

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ قُلْ ع ۱۵
تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۘ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا
تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

چاہتا تو وہ تمہیں بھی کائناتی قانون کے تابع رکھتا (اور اختیار وارادہ نہ دیتا) — اس صورت میں تم بھی (جبراً اور قہراً) سب کے سب اُس کے قانون کے مطابق چلتے۔ (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اُس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے تمہیں صاحب اختیار وارادہ پیدا کیا ہے)۔

۱۵۱ ان سے کہو کہ ذرا اُن لوگوں کو سامنے تو لاؤ جو اس کی گواہی دیں کہ ان چیزوں کو خدا نے حرام قرار دیا تھا۔ (اگر یہ اپنے احبار و رہبان کو لائیں، تو اُن سے اِس باب میں خدا کی سند مانگو۔ اگر وہ اِس پر بھی اپنی ضد سے باز نہ آئیں تو تم ان سے کہدو کہ) ہم تمہارے ساتھ، اس غلط مسلک کے صحیح ہونے کی شہادت نہیں دے سکتے۔

جو لوگ دینِ خداوندی کی تکذیب کریں، مستقبل کی زندگی اور خدا کے قانون مکافات پر یقین نہ رکھیں (کیونکہ اگر انہیں اس قانون پر یقین ہو تو وہ یہ کچھ کریں ہی کیوں؟) اور اپنی خود ساختہ شریعت کو وحیِ خداوندی کا درجہ دیدیں۔ تم ان کے مسلک کی پیروی مت کرو۔

۱۵۲ (یہ تو رہا کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق۔ اس کے بعد) ان سے کہو کہ آؤ! میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے نشوونما دینے والے نے تم پر کن باتوں کو واجب قرار دیا ہے۔ یہ کہ

(۱) خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ (یعنی اس کے قانون کے ساتھ کسی اور کے قانون کو واجب الاتباع نہ سمجھو۔ اطاعت صرف خدا کے قوانین کی کرو)۔

(۲) والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ (وہ بڑھاپے کی وجہ سے تمہاری نگرانی اور مدد کے محتاج ہیں۔ ان کی مدد کرو اور اس طرح جو کمی اُن میں آگئی ہے اسے پورا کردو)۔

(۳) اپنی اولاد کو، اس خدشہ سے کہ اُن پر خرچ کرنے سے تم غریب ہو جاؤ گے، صحیح تعلیم و تربیت اور نشوونما سے محروم نہ رکھو۔ ہمارا نظام اس بات کی ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ تمہارے لئے

لہ قَتْلٌ کے بنیادی معنی مارڈالنا اور ذلیل وخوار کرنا دونوں ہیں۔ یہاں (نیز ۶/۱۴۰ میں) کہا یہ گیا ہے کہ تم اپنی اولاد کو مفلسی کے
(باقی نٹ نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور تمہاری اولاد کے لئے سامانِ زیست مہیا کرے گا۔ (۱۷/۳۱)۔

(۴) بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ پھٹکو ـــــ خواہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی ہو یا پوشیدہ۔

(۵) کسی جان کو، جسے خدا نے واجب الاحترام قرار دیا ہے، ناحق قتل مت کرو (ناحق قتلِ نفس بڑا سنگین جرم ہے۔ ۱۷/۳۳)۔

یہ ہیں وہ اہم امور جن کا تمہیں خدا نے حکم دیا ہے تاکہ تم عقل و فکر سے کام لے کر اُن پر کاربند رہو۔

۱۵۳ اس کا یہ بھی حکم ہے کہ

(۶) یتیموں کے مال کو ہاتھ تک نہ لگاؤ، اِلّا یہ کہ خود اُن کے فائدے اور نگہداشت کے لئے عمدہ طریق سے کچھ خرچ کرنا پڑے۔ یہ بھی اُس وقت تک کہ وہ جوانی کی عمر کو نہ پہنچیں۔ (۶/۱۵۲؛ ۱۷/۳۴)۔

(۷) ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ (یعنی معاشی معاملات میں ہمیشہ حق اور انصاف کو پیشِ نظر رکھو۔ ۱۷/۳۵ ؛ ۸۳/۱-۳)۔

یاد رکھو! ان احکام سے یہ نہ سمجھو کہ تم پر خواہ مخواہ پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں۔ بات یہ نہیں۔ ہمارے احکام اور قوانین کا تو مقصد یہ ہے کہ انسانی ذات میں وسعتیں پیدا ہوں ـــــ صحیح

ڈر سے "قتل نہ کرو"۔ جہاں تک تاریخ بتاتی ہے، جاہلیہ عرب میں، ایک آدھ قبیلہ کے سوا، مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنے کا رواج کہیں نہیں ملتا۔ البتہ شرم کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی شہادت ملتی ہے۔ اور قرآن کریم نے بھی اس کا ذکر کیا ہے (مثلاً ۱۶/۵۸-۵۹ ؛ ۸۱/۸-۹ میں)۔ اس اعتبار سے ہم سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر افلاس کے ڈر سے اولاد کو مار ڈالنے کا ذکر نہیں۔ انہیں صحیح تعلیم و تربیت نہ دینے کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لئے ہم نے اس مفہوم کو ترجیح دی ہے۔ اس مفہوم کی رُو سے، یہ حکم کسی خاص قوم یا زمانہ سے مختص نہیں رہتا۔ اس کا اطلاق عموی ہو جاتا ہے۔ جہاں تک کسی کو مار ڈالنے کا تعلق ہے، اس کی بابت اسی مقام پر الگ کہا گیا ہے۔ اولاد کا مار ڈالنا اسی میں آ جائے گا۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ
وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ
وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ
اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ
دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾

قوانین کی پابندی سے انسانی ذات کی نشوونما ہوتی ہے (۲/۲۸۶ ؛ ۴/۳ ؛ ۲۳/۶۲)۔

(۸) اور تم جب بھی کوئی بات کہو عدل کو سامنے رکھو خواہ اس کی زد تمہارے کسی قریبی رشتہ دار پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

(۹) اپنے اُس عہد و پیمان کو پورا کرو جو تم نے مومن ہونے کی جہت سے اللہ کے ساتھ کر رکھا ہے (۹/۱۱۱)۔

یہ ہیں وہ احکام جنہیں خدا اس لئے بیان کرتا ہے کہ تم انہیں زندگی کے ہر گوشے میں اپنے سامنے رکھو۔

۱۵۴ (ان سے کہدو کہ) یہ ہے تمہارے خدا کی مقرر کردہ توازن بدوش راہ جو تمہیں سیدھی منزلِ مقصود تک لے جائے گی۔ میں بھی اسی راہ پر چلتا ہوں۔ تم بھی اسی پر چلو۔ اسے چھوڑ کر اور راستوں کو اختیار نہ کرو۔ وہ تمہیں خدا کی راہ سے الگ کر دیں گے۔ اُس نے تمہیں اسکا اسلئے حکم دیا ہے کہ تم زندگی کے تمام خطرات سے محفوظ رہ کر امن و سلامتی سے اپنے نصب العین تک جا پہنچو۔

۱۵۵ (ان سے یہ بھی کہدو کہ) ہم نے اس سے پیشتر موسیٰ کو بھی اسی قسم کا ضابطہ قوانین دیا تھا تاکہ اُس کے ذریعے اُس قوم پر اتمامِ نعمت کر دیا جائے جو حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرے۔ اُس میں تمام ضروری احکام کو الگ الگ کر کے نکھار کر بیان کر دیا گیا تھا۔ اُس میں صحیح راہ نمائی اور انسانی ذات کی نشوونما کا سامان تھا۔ یہ سب اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ قوم خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر یقین رکھے۔

۱۵۶ اب اُس کے بعد یہ مبارک کتاب (قرآن کریم) دی گئی ہے بس اب تم سب اسکا اتباع کرو اور تخریبی راستوں سے بچتے رہو تاکہ تمہاری انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہو سکے۔

۱۵۷ یہ کتاب اس لئے بھی تمہاری طرف نازل کی گئی ہے کہ تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّ
رَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْۗءَ
الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝۱۵۷ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ
اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ
فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝۱۵۸ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ
مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۱۶۰

کی طرف جو کتاب بھیجی گئی تھی ہم اُس کے پڑھنے پڑھانے سے ناواقف تھے۔

۱۵۸ یا تم یہ کہو کہ اگر ہماری طرف بھی ضابطہ قوانین بھیجا جاتا تو ہم ان سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ بن کر دکھاتے۔

لہٰذا، تمہاری طرف (بھی) تمہارے نشو و نما دینے والے کی طرف سے وہ کتاب آگئی جس میں واضح دلائل ہیں۔ اس میں (سفرِ زندگی کے لئے) صحیح راہ نمائی ہے اور انسانی ذات کی نشو و نما کا پورا پورا سامان۔

اب بتاؤ کہ اُس سے زیادہ بدبخت اور کون ہوگا جو احکامِ خداوندی کو جھٹلائے اور اُن سے منہ موڑ لے۔ لیکن جو لوگ ان سے منہ موڑتے ہیں وہ کسی اور کا نقصان نہیں کرتے۔ خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ اُن کی اِس رَوش کا نتیجہ ان کے لئے بدترین قسم کی تباہی ہوگا۔

۱۵۹ (اسقدر وضاحت کے ساتھ سمجھا دینے کے بعد بھی، یہ لوگ جو بات نہیں مانتے تو شاید انہیں اِس کا اِنتظار ہے کہ اِن پر فرشتے نازل ہوں۔ یا خود خدا ان کے پاس چل کر آئے۔ یا اُس کی طرف سے کچھ محسوس نشانیاں ان کے سامنے آکھڑی ہوں (تو یہ پھر ایمان لائیں)۔

ان سے کہدو کہ جس دن خدا کی "محسوس نشانیاں" سامنے آیا کرتی ہیں، اُسوقت کسی ایسے شخص کا ایمان لانا اس کے لئے نفع بخش نہیں ہوتا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا تھا۔ یا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ عملِ خیر نہیں کیا تھا۔ اِن سے کہو کہ تم اِن چیزوں کا انتظار کرو، اور میں اِسکا انتظار کرتا ہوں (کہ تم پر تباہی کی گھڑی کس وقت آتی ہے؟)۔

۱۶۰ دین، ایک راستے پر چلنے کا نام ہے۔ مختلف راستوں پر چلنے کا نہیں۔ جو لوگ اپنے

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ
وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ

دین میں تفرقہ پیدا کرلیں اور الگ الگ گروہ بن جائیں۔ اے رسول! تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ قانون خداوندی کے سپرد کردو۔ وہی بتائے گا کہ ان کی اس روش کا نتیجہ کیا ہوگا؟ (۳۰ : ۳۲)۔

۱۶۱ اِن سے کہدو کہ جو شخص (دین کی وحدت کو قائم رکھتے ہوئے) حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتا ہے' اُس کے عمل کے بیج' دس دس گنا پھل لاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی سے بُرائی سرزد ہو جائے تو اس کی سزا' اس کے برابر ہی ہوگی۔ اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔

۱۶۲ اِن سے کہدو کہ میرے نشوونما دینے والے نے' میری راہ نمائی' زندگی کی سیدھی اور متوازن راہ کی طرف کردی ہے۔ یعنی ایک ایسے نظامِ زندگی کی طرف جو خود بھی (اپنے زورِ دروں کی بنا پر) قائم ہے اور انسانیت کے قیام کا باعث بھی ہے۔ یہ وہی نظامِ زندگی ہے جسے ابراھیمؑ نے' ہر طرف سے مُنہ موڑ کر اختیار کیا تھا۔ یعنی وہ اس میں کسی اور روش اور طریقے کو شریک نہیں کرتا تھا۔

۱۶۳ اِن سے کہدو کہ (اس دین کو' اس انداز سے اختیار کرنے کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ) میرے تمام فرائضِ زندگی اور اُن کے ادا کرنے کے طور طریقے۔ میرا مرنا اور میرا جینا' خدا کے تجویز کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے وقف ہے۔

۱۶۴ میں اِس میں کسی اور مقصد' جذبہ' یا خواہش کو شریک نہیں کرتا۔ اِسی کا نام توحید ہے۔ اِسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں نے خود اس حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا ہے۔

۱۶۵ اِن سے کہو کہ کیا (تم چاہتے ہو کہ) میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور نشوونما دینے والے کو تلاش کروں؟ حالانکہ وہ کائنات کی ہر شے کا نشوونما دینے والا ہے۔ انسانی صلاحیتوں کے بارے میں اس کا قانونِ نشوونما یہ ہے کہ انسان اپنے ہر عمل کا ذمہ دار خود ہوتا ہے اور اُس کا نتیجہ اُسے ہی بھگتنا پڑتا ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کا

كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ
تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ
فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۶﴾

قدم خود بخود خدا کے قانونِ مکافات کی طرف اٹھتا ہے۔ ہر ایک کے اعمال کے نتائج اس کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ اور وہیں سے اُن معاملات کے فیصلے ہوتے ہیں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔

۱۶۶ خدا وہ ہے جس نے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہیں (سابقہ اقوام کا) جانشین بنایا ہے اُسی کے قانون کے مطابق مختلف اقوام کے مختلف مدارج متعین ہوتے ہیں تاکہ یہ دیکھ لیا جائے کہ جس قوم کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ اسے کس مقصد کے لئے کام میں لاتی ہے (۱۱/۱۴)۔ خدا کا قانونِ مکافات اقوام کے اعمال کے نتائج ساتھ کے ساتھ مرتب کئے جاتا ہے لیکن جو اقوام اُس کے قانون کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو کافی مستحکم کر لیتی ہیں وہ چھوٹی موٹی لغزشوں کے نقصان رساں اثرات سے محفوظ رہتی ہیں اور ان کی نشوونما میں فرق نہیں آتا (جو ایسا نہیں کرتیں وہ تباہ ہو جاتی ہیں)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ②
اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ
قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَاۗءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَاۗىِٕلُوْنَ ④

۱ خدائے علیم وحکیم و بصیر کا ارشاد ہے کہ۔

۲ ہم نے اس ضابطۂ قوانین کو تیری طرف نازل کیا ہے تاکہ تو اس کے ذریعے غلط راستے پر چلنے والوں کو ان کی روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کردے۔ اور جماعتِ مومنین کو ان کے فرائضِ زندگی کی یاد دلاتا رہے اور اس طرح یہ ان کے لئے شرف و عروج کا باعث بن جائے۔
اس فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں بڑی مشکلات کا سامنا ہوگا لیکن اس کی وجہ سے تمہیں قطعاً گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

۳ اے جماعتِ مومنین! تم اسی ضابطۂ قوانین (قرآن) کا اتباع کرو جسے تمہارے نشوونما دینے والے نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور اس کے علاوہ کسی کارساز و رفیقِ کار کا اتباع مت کرو۔ (انسانوں کے لئے صحیح روشِ زندگی یہی ہے۔ لیکن) بہت تھوڑے ہیں جو اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ (وہ ہدایتِ خداوندی کے ساتھ انسانوں کے فیصلوں کو بھی شامل کرلیتے ہیں۔ یہ شرک ہے)۔

۴ (ان سے پہلے) کتنی ہی بستیاں تھیں جنہیں (اُن کی غلط روی کی وجہ سے ہمارے قانونِ مکافات نے) ہلاک کردیا۔ اور یہ تباہی کسی قوم پر ایسے وقت میں آئی جب وہ لوگ رات کو (اطمینان سے) سو رہے تھے اور کسی پر اُس وقت جب وہ دوپہر کو آرام کر رہے تھے۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ
اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا
مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰

(یعنی وہ خوابِ غفلت میں پڑے تھے اور زندگی کے حقائق کی طرف سے یکسر غافل تھے)۔

۵ وہ اپنی دولت اور قوت کے نشے میں اس قدر بدمست تھے کہ انہیں اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ان پر تباہی آئے گی۔ اور جو شخص انہیں اس سے متنبہ کرتا تھا' اس سے کہتے تھے کہ ہم کوئی ایسے بُرے کام کرتے ہیں جن کی وجہ سے ہم پر تباہی آئے گی (۱۱/۲)۔ لیکن جب اُن پر تباہی کا عذاب آیا تو اُن کی آنکھ کھلی' اور وہ بے ساختہ پکار اٹھے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم واقعی ظلم اور زیادتی پر اترے ہوئے تھے۔

۶ یقیناً ہم اُن سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف ہم نے اپنے پیغامبروں کو بھیجا تھا (کہ تم نے اس پیغام کو سننے کے بعد کیا کہا تھا)۔ اور خود رسولوں سے بھی پوچھیں گے (کہ تمہاری دعوت کا جواب

۷ کیا ملا تھا؟ اور یہ پوچھنا کچھ اس قسم کا نہیں ہوگا جیسے کوئی ناواقف کسی بات کو دریافت کر رہا ہو) یہ سب کچھ ہمارے علم میں ہے کیونکہ ہم کسی وقت بھی غیر حاضر نہیں ہوتے۔ ہم سب کچھ خود بتا دیں گے (کہ اُنہوں نے کیا پہنچایا اور انہوں نے اس کا استقبال کیسے کیا)۔

۸ حقیقت یہ ہے کہ ظہورِ نتائج کے وقت' ہمارے قانونِ مکافات کی میزان' ہر ایک کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک وزن بتا دیتی ہے۔ جس کے مثبت تعمیری اور صلاحیت بخش اعمال کا پلڑا بھاری ہوتا ہے' وہ

۹ کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ (۱۰۱/۸)۔ اور جس کا وہ پلڑا ہلکا ہوتا ہے' تو یہی لوگ ہیں جو اپنا نقصان کرتے ہیں۔ اور یہ نتیجہ ہوتا ہے ہمارے قوانین سے سرکشی برتنے کا۔

۱۰ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم نے تمہیں زمین میں تمکن کیا' اور اس میں تمہاری روزی کا سامان رکھ دیا۔ (یہ سب کچھ بلا مزد و معاوضہ عطا کیا)۔ لیکن تم میں بہت کم ہیں جو اس کے قدر شناس ہیں۔ (یعنی بجائے اس کے کہ اس سامانِ زیست کو عالمگیر انسانیت کی نشو و نما کے لئے کھلا رکھتے' تم نے فساد یعنی ناہمواریاں پیدا کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں)۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ
مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ
وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ
الصّٰغِرِيْنَ ⑬ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ⑭

---

۱۱ یہ فساد کس طرح پیدا ہوتا ہے' اِس کے لئے تم اپنی سرگزشت پر غور کرو (جسے ہم قصۂ آدم کے عنوان سے' پہلے بھی بیان کر چکے ہیں (۲/۳۰ — ۳۸) اور جسے مزید تصریحات کے ساتھ پھر دہراتے ہیں)۔

وہ سرگذشت یہ ہے کہ ہم نے تمہاری پیدائش کی ابتدا بے جان مادہ سے کی (۲۳/۱۲)۔ پھر (زندگی کو مختلف ارتقائی مراحل سے گذارتے ہوئے اسے) پیکرِ بشریت میں لے آئے۔ پھر تم میں ایسی صلاحیتیں رکھ دیں جن کے سامنے کائناتی قوتیں جھک جائیں۔ (تم فطرت کی قوتوں کو مسخر کر لو) لیکن اس کے ساتھ' تمہارے جذبات بھی ہیں کہ (جن کی اگر صحیح تربیت نہ کی جائے تو وہ) تم سے سرکشی اختیار کر لیتے ہیں' اور تم اتنی بڑی قوتوں کے مالک ہونے کے باوجود' بے بس ہو کر رہ جاتے ہو۔

اسے تمثیلی انداز میں یوں سمجھو کہ ملائکہ سے ہم نے کہا کہ آدم کے سامنے جھک جاؤ' تو وہ جھک گئے لیکن ابلیس نے جھکنے سے انکار کر دیا۔

۲ ہم نے اس سے پوچھا کہ جب ہم نے تجھے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا' تو وہ کونسی بات تھی جس نے تمہیں اس حکم کی تعمیل سے باز رکھا؟

اُس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔ (آبِ و گِل کے پیکرِ انسان پر اُس کے تند و تیز جذبات غالب رہتے ہیں۔ لیکن جب وہ اپنے اندر وحی کے اتباع سے شرفِ انسانیت کو بیدار کر لیتا ہے' تو پھر وہ اِن جذبات سے مغلوب نہیں ہوتا (۴۰/۱۵ — ۴۴)۔

۱۳ ہم نے کہا کہ (یہ تمہاری غلط فہمی ہے)۔ یہ چیز (کہ تم میں تندی و سرکشی ہے) تمہاری بڑائی کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ تم اس زعمِ باطل کی وجہ سے اپنے مقام سے گر گئے۔ تم نے اپنے آپ کو ذلیل کر لیا۔ سو تم یہاں سے نکل جاؤ۔

۲ اس نے کہا کہ (اب اگر میرا اور آدم کا باہمی تصادم رہنا ہے تو) مجھے اُس وقت تک انسان کے ساتھ رہنے کی مہلت دیدے جب تک یہ اپنے راستے سے ان موانعات کو دُور نہ کر

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ
مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ
اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ
اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

جو اسے آگے بڑھنے سے روکتے ہیں۔ اُس وقت اسے ایسی حیاتِ نو مل جائے گی جس میں میرا غلبہ نہیں ہو سکے گا۔ یا جب تک یہ دنیا سے اٹھا نہ لیا جائے۔ (جذبات کی سرکشی اُسی صورت میں دُور ہو سکتی ہے کہ انسانی ذات میں اس قدر استحکام پیدا ہو جائے کہ وہ انہیں غالب نہ آنے دے۔ یہ اِس دنیا میں' انسان کی حیاتِ نو ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ جذبات مرتے دم تک غالب رہتے ہیں)۔

۱۵ جواب ملا کہ ہاں! تمہیں اُس وقت تک کی مُہلت ہو گی۔ (۳۹ — ۱۵ — ۳۵ : ۲۹ — ۳۰ — ۷۷)

۱۶ اس نے کہا کہ تو نے جو مجھ پر ہمیشہ کے لئے سعادت کی راہ بند کر دی ہے اور مجھے تباہ و برباد کر دیا ہے تو میں بھی بنی آدم کی گھات میں بیٹھا رہوں گا کہ وہ اُس توازن بدوش راہ سے بھٹک جائیں جو تیری طرف لیجانے والی ہے۔

۱۷ اس کے لئے میں ان پر ہر طرف سے یورش کروں گا — سامنے سے' پیچھے سے' دائیں سے' بائیں سے۔ پھر تو ان میں اکثر کو دیکھے گا کہ وہ تیری اُن عنایات کے' جو تو نے ان پر ارزاں فرمائی ہیں' قدر شناس نہیں ہوں گے۔

۱۸ خدا نے کہا کہ تو اِس حالت سے نکل جا۔ تو ذلیل' دھتکارا ہوا ہے۔ (سرکش جذبات' جو انسان کو شرفِ انسانیت سے محروم کر دیں' ایسے ہی ہوتے ہیں)۔ جو ان میں سے تیرا اتباع کرے گا' تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ (وہ حیوانی سطح پر جئیں گے اور ان کی انسانی صلاحیتیں جھلس کر رہ جائیں گی)

۱۹ انسان (مرد و عورت) کو اس قدر متضاد صلاحیتیں دے کر' دنیا میں بسایا گیا۔ (یعنی ایک طرف اس کی قوتوں کا یہ عالم کہ تمام اشیائے فطرت اس کے سامنے جھک جائیں۔ اور دوسری طرف اس کی یہ کیفیت کہ اپنے سرکش جذبات کو اپنے قابو میں نہ رکھے تو ان کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو جائے)۔

ابتداءً انسانی زندگی کا نقشہ یہ تھا کہ اس کی ضروریات بہت محدود تھیں اور سامان

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

نشوونما کی بڑی فراوانی تھی۔ چنانچہ ان سے کہا گیا کہ تم جہاں سے جی چاہو اپنی ضروریات پوری کرتے رہو۔ یہاں "میری اور تیری" کا کوئی سوال نہیں۔ لیکن اگر تم نے باہمی اختلافات شروع کر دیئے تو یہ جنتی زندگی تم سے چھن جائے گی (۲/۳۵)۔

۲۰ یہ زندگی بڑی فراوانی اور خوشگواری کی تھی (۲۰/۱۱۸)۔ لیکن انسان کے سرکش جذبات نے اس کے دل میں وسوسے پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان مرنا نہیں چاہتا۔ اس کی انتہائی خواہش یہ ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ جہاں تک ایک فرد کی طبیعی زندگی کا تعلق ہے' اسے موت سے مفر نہیں۔ اسے حیات جاوید اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ یہ وحی کے اتباع سے اپنی ذات کی نشوونما کرے۔ لیکن اس کے حیوانی تقاضے اسے اور طرف لے جانا چاہتے ہیں۔

مذکورہ بالا تمثیلی انداز میں یوں سمجھو کہ شیطان نے آدم کے کان میں یہ افسون پھونکا کہ خدا نے جو تمہیں کہا ہے کہ تمام انسانوں کو ایک عالمگیر برادری کی حیثیت سے رہنا چاہیئے' تو اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ تم کہیں حیاتِ جاوید حاصل نہ کر لو۔ تم ہمیشہ زندہ رہنا چاہتے ہو تو آؤ! میں تمہیں اس کا طریق بتاؤں (۲۰/۱۲۱)۔ تم زندہ رہ سکتے ہو اپنی اولاد کے ذریعے۔ مرنے کے بعد' تمہاری اولاد تمہارا نام زندہ رکھے گی۔ اس طرح تم ہمیشہ زندہ رہو گے۔ یوں اس نے انسان کے جنسی جذبات کی تسکین کو مقصودِ حیات بتا کر' اس کی زندگی کو حیوانی سطح تک محدود کر دیا۔ اور بلند انسانی زندگی کے تصور کو اس کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔

۲۱ شیطان نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں' اس میں میرا اپنا کوئی فائدہ نہیں۔ میں یہ سب کچھ تمہاری خیر خواہی کے لئے کہہ رہا ہوں۔

۲۲ چنانچہ اس نے' اس قسم کی باتوں سے انسان (مرد اور عورت[1]) کو بہکا دیا اور انہیں

[1] بائبل میں آدم کی لغزش کا ذمہ دار اس کی بیوی کو ٹھیرایا گیا ہے اور اس لئے عورت' کو تمام گناہوں کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مرد اور عورت دونوں کو ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ صرف عورت کو نہیں۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۖ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾

ان کے مقامِ بلند سے گرا دیا۔ جنسی شعور ہے تو حیوانی تقاضا لیکن آدمی کی زندگی میں پہنچ کر اس کے ساتھ حیا کا احساس شامل ہو جاتا ہے۔ اس لئے 'انسان' اسے 'حیوانات کی طرح' بلا حجاب پورا نہیں کرتا۔ اسے بہ تکلف چھپانا چاہتا ہے۔

بہرحال 'انسان کے سرکش جذبات نے اس کی توجہ 'انسانی ذات کی طرف سے ہٹا کر' محض حیوانی تقاضوں پر مرکوز کر دی۔ اس سے انفرادی مفاد پرستی غالب آگئی۔ انسانوں میں باہمی تشتت و افتراق پیدا ہو گیا اور عالمگیر انسانیت کا تصور نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ نسل کو وجہ یگانگت قرار دینے کا لازمی نتیجہ قبائلی اور قومی زندگی ہے جس سے عالمگیر انسانیت کا تصور ختم ہو جاتا ہے

چنانچہ خدا نے آدم (مرد و عورت) سے کہا کہ کیا میں نے تمہیں اس نہج زندگی سے روکا نہیں تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اس کے فریب میں نہ آجانا؟

۲۳ انہوں نے (مرد و عورت نے) کہا کہ اے ہمارے نشو و نما دینے والے! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا (جو تیری بات نہ مانی)۔ اگر تیری طرف سے ہماری حفاظت اور مرحمت کا انتظام نہ ہوا' تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

(جب خدا نے ابلیس سے کہا تھا کہ تم نے ہمارا حکم کیوں نہ مانا' تو اس نے اسکا ذمہ دار خدا کو قرار دیا تھا (۷/۱۶)۔ یہ جبر کا عقیدہ ہے جس سے انسان پر ابدی مایوسی طاری ہو جاتی ہے۔ (ابلیس کے بنیادی معنی یہی ہیں)۔ لیکن آدم نے اپنی خطا کا ذمہ دار' خود اپنے آپ کو قرار دیا۔ اس لئے اس کے لئے اپنی اصلاح کے امکانات پیدا ہو گئے۔)

۲۴ خدا نے کہا کہ ایسا بھی ہو جائے گا (۳۵/۷) لیکن اب تمہاری زندگی کا نقشہ کچھ اور ہو گا۔ تم نے اپنے آپ کو اس مقامِ بلند سے گرا لیا جس میں تم سب ایک برادری کی حیثیت سے رہتے تھے (۲/۱۳ و ۱۰/۱۹)۔ اب تم گروہوں میں بٹ جاؤ گے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کا دشمن ہو جائیگا۔ (نسلی رشتوں کو تمدن کی بنیاد قرار دینے کا یہ لازمی نتیجہ ہے)۔ اب تم نے یہاں ایک مدت تک رہنا ہے اور سامانِ زیست سے ہر ایک نے فائدہ اٹھانا ہے۔ (لہذا' اب تمہاری معاشی زندگی کی دشواریاں شروع ہو گئیں (۲۰/۱۱۹ — ۱۱۷)۔

۱؎ BIOLOGICAL URGES.

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْ
اٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيٓ
اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ
اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾
وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ

۲۵ تمہاری زندگی ارض (زمین) سے وابستہ ہے جو تمہارے رزق کا سرچشمہ ہے۔ اس کے غلط نظام سے تم پر موت طاری ہو جائے گی' اور جب اس نظام کو صحیح خطوط پر لے آؤ گے تو تمہیں حیاتِ نو مل جائے گی۔ اور یہ سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔

۲۶ اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ طبیعی زندگی کے تقاضے۔ یعنی اس دنیا کی زیب و زینت کی چیزیں —— مال' اولاد وغیرہ' —— قابلِ نفرت ہیں اور صحیح نظام وہ ہے جس میں ان سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ بالکل نہیں۔ ہم نے ان چیزوں کو تمہارے لئے وجہِ جاذبیت بنایا ہے۔ (۳/۱۴) انہیں کوئی حرام قرار نہیں دے سکتا (۷/۳۲)۔ اِن کے حصول اور استعمال میں قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو تو ان میں سے کوئی چیز بھی شر نہیں رہے گی سب خیر ہی خیر ہو گا۔

یہ امور ضابطۂ خداوندی سے متعلق ہیں اور اس لئے بیان کئے جاتے ہیں تاکہ لوگ انہیں اپنے پیشِ نظر رکھیں۔

۲۷ اے نوعِ انسانی! دیکھنا! تم نے کہیں شیطان (سرکش جذبات) سے مغلوب نہ ہو جانا' ورنہ وہ تمہارے لئے بھی اسی طرح مصیبت کا موجب بن جائے گا جس طرح اس نے تمہارے مورثین کو جنتی زندگی سے نکلوا دیا تھا' اور انہیں شرفِ انسانیت کے لباس سے عریاں کر دیا تھا۔ اس سے کبھی مامون اور غیر محتاط نہ رہنا۔ وہ اور اس کا گروہ' ایسے ایسے مقامات میں تمہاری گھات میں رہتا ہے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے۔ (یہ جذبات تمہارے دل کی گہرائیوں اور لاشعور میں چھپے رہتے ہیں)۔ لیکن یہ اُنہی کے رفیق و دمساز بنتے ہیں جو ہمارے قوانین پر ایمان نہیں رکھتے —— جو لوگ بلند انسانی زندگی۔ مستقل اقدار' قانونِ مکافاتِ عمل اور حیاتِ اخروی پر یقین رکھیں' وہ حیوانی سطح کے جذبات سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ وہ انہیں ہماری عائد کردہ حدود کے اندر رکھتے ہیں۔

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ
وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ
اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

۲۸ جب حیوانی جذبات انسان کو کسی بے حیائی کی بات پر آمادہ کرنا چاہیں' تو شروع شروع میں' اُنہیں' اس کے لئے کچھ زور لگانا پڑتا ہے۔ لیکن جب اس قسم کی باتیں دو ایک نسلوں تک متواتر آگے چلتی جاتیں تو پھر لوگوں میں وہ جھجک باقی نہیں رہتی۔ جب ان سے کہا جائے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو وہ کہدیتے ہیں کہ ہم نے اپنے اسلاف کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے' اور (چونکہ ہمارے اسلاف خدا کے احکام کو ہم سے بہتر جانتے تھے' اس لئے ظاہر ہے کہ اُنہیں) اس قسم کا حکم خدا ہی نے دیا ہوگا۔

اِن سے کہو کہ خدا بے حیائی کی باتوں کا حکم نہیں دیا کرتا۔ تم جس بات کا علم نہیں رکھتے اسے خدا کی طرف کیوں منسوب کرتے ہو؟ جس بات کے متعلق تم کہو کہ وہ شریعتِ خداوندی ہے' اس کے متعلق تمہیں خود علم ہونا چاہیئے کہ وہ واقعی ایسی ہے۔ یہ کہدینا کہ ہمارے اسلاف ہم سے زیادہ علم رکھتے تھے' اس لئے جس بات کو انہوں نے خدا کا حکم کہدیا ہے وہ واقعی خدا کا حکم ہوگا' کوئی دلیل اور سند نہیں۔

۲۹ اِن سے کہو کہ میرا نشو ونما دینے والا اعتدال کی زندگی بسر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ بے حیائی کی باتوں کا حکم نہیں دے سکتا۔ اس لئے تم' نہ تو اپنے جذبات کا بے باکانہ اتباع کرو۔ نہ اسلاف کی روش کو بطور سند پیش کرو۔ تم اپنی تمام توجہات کو قوانین خداوندی پر مرکوز رکھو اُن کے سامنے اپنا تسلیم خم کردو۔ اور اطاعت کو اُسی کے لئے خاص کردو۔ اس میں کسی اور کو شریک نہ کرو۔ اس طرح تم پھر اُسی جنتی زندگی کو حاصل کرلوگے' جس سے انسانیت کا آغاز ہوا تھا۔ (اور جس کا ذکر اوپر' قصۂ آدم میں کیا گیا ہے)۔

۳۰ لیکن ہم جانتے ہیں کہ تم' سب کے سب' اِس طریق کو اختیار نہیں کروگے۔ تم دو گروہ بن جاؤگے۔ ایک گروہ ہمارے قوانین کا اتباع کرکے زندگی کی سیدھی راہ پر گامزن رہے گا۔ دوسرا گروہ' اپنے جذبات یا اسلاف کی اندھی تقلید کی روش پر چلے گا' تو اُس پر سعادت کی راہیں بند ہوجائیں گی۔ اِس لئے کہ اُنہوں نے' اللہ کے قانون کو چھوڑ کر

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ
مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا
ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ
تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

دوسری قوتوں کو اپنا سازگار بنا لیا اور بزعم خویش سمجھتے رہے کہ ہم بالکل سیدھی راہ پر چلے جا رہے ہیں۔

۳۱ اے نوعِ انسانی! (یہ تصور غلط ہے کہ اطاعتِ خداوندی کے لئے ترکِ دنیا۔ ترکِ لذات۔ ترکِ زیبائش و آرائش ضروری ہے۔ دنیاوی زیب و زینت' اطاعتِ خداوندی کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس) اس اطاعت سے خود زیب و زینت کے پہلو اُبھرتے ہیں' کیونکہ اطاعتِ قوانینِ خداوندی کا لازمی نتیجہ اس دنیا کی خوشگواریاں حاصل ہونا ہے۔ لہٰذا' تم ان چیزوں سے ضرور فائدہ اٹھاؤ۔ کھاؤ۔ پیو۔ لیکن' اُن حدود کا خیال رکھو جو خدا نے مقرر کر رکھی ہیں۔ حدود شکنی' قانونِ خداوندی کی رُو سے پسندیدہ نہیں۔

۳۲ (اے رسول! تم ان' مسلکِ خانقاہیت کے پیروکاروں' سے پوچھو کہ) وہ کون ہے جس نے اُن زیب و زینت کی چیزوں کو اور خوشگوار اشیائے خورد و نوش کو حرام ٹھیرایا ہے جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے استعمال کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ چیزیں' اس دنیا کی زندگی میں' مومنین اور دوسروں کے لئے یکساں طور پر کھلی ہیں (اور ہمارے قانونِ طبیعی کے مطابق' جس کا جی چاہے انہیں حاصل کر سکتا ہے۔ ۲۰ — ۱۶ — ۱۸) اس وقت ان کے حاصل کرنے کے لئے جگر پاش مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں (۱۲۳ — ۲۰ — ۱۱۷) لیکن زندگی کے نئے انقلابی دور میں یہ بلا حزن و مشقت حاصل ہوں گی۔

اس طرح ہم' اُن لوگوں کے لئے جو علم و بصیرت سے کام لیں' اپنے قوانین واضح طور پر بیان کر دیتے ہیں۔

۳۳ ان چیزوں کو خدا نے حرام نہیں قرار دیا۔ جن چیزوں کو اس نے حرام قرار دیا ہے وہ یہ ہیں۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا
يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۚ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى

---

(۱) ہر قسم کی بے حیائی کی باتیں خواہ وہ کھلی ہوئی ہوں یا پوشیدہ (عملاً ہوں یا ان کی آرزوئیں دل میں کروٹیں لیتی رہیں)۔

(۲) ایسے امور جن سے انسانی صلاحیتوں میں افسردگی اور اضمحلال پیدا ہو۔ اور عملی قوتیں مفلوج ہو جائیں۔

(۳) دوسری طرف ناحق سرکشی اور زیادتی۔

(۴) خدا کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرنا (اس کے قوانین کے ساتھ انسانی قوانین کو واجب الاتباع سمجھنا)۔ اس کے لئے خدا نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ (سند صرف منزل من اللہ ہو سکتی ہے)۔

(۵) اور یہ کہ تم خدا کی طرف ایسی باتوں کو منسوب کرو جن کا تمہیں علم نہ ہو کہ وہ فی الواقعہ خدا کی ہیں۔ (خدا کی باتیں قرآن کریم کے اندر ہیں)۔

۳۴ ہمارا قانون یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم صحیح نظام پر کاربند رہتی ہے، اسے عروج حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ اس روش کو چھوڑ دیتی ہے، تو آہستہ آہستہ تنزل کی طرف چلی جاتی ہے، تاآنکہ وہ وقت آجاتا ہے جب اس کا شمار زندہ قوموں میں رہتا ہی نہیں۔ یہ اس قوم کی میعادِ زندگی کہلاتی ہے (۱۳/۳۰)۔ جب یہ وقت آجاتا ہے تو اس قوم کی تدبیریں اور اسکیمیں اسے ذرا بھی آگے پیچھے نہیں کر سکتیں (۱۵/۵ — ۴)۔

(ہمارا وہ قانون، جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ فلاح و بقا اسی نظام کے لئے ہے جس میں تمام نوعِ انسان کی بہبود اور منفعت پیشِ نظر رہے۔ ۱۳/۱۷)۔

۳۵ اسکے متعلق ہم نے انسان کی تمدنی زندگی کی ابتدا ہی میں بذریعہ وحی کہدیا تھا کہ تمہاری طرف ہمارے پیغامبر آئیں گے جو ہمارے قوانین تم تک پہنچائیں گے۔ سو جو لوگ بھی ان قوانین کی نگہداشت کریں گے اور زندگی اور کائنات کو سنوارنے والے کام کریں گے ان کے لئے کسی قسم کا خوف و حزن نہیں ہوگا۔

۳۶ اِن کے برعکس، جو قوم ان قوانین کو جھٹلائے گی اور ان سے سرکشی برتے گی، وہ

اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ
الْاِنْسِ فِى النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ
رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

تباہ و برباد ہو جائے گی اور ہمیشہ کے لئے زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جائے گی۔

۳۷ یہ ہے وہ اصول جس کے مطابق قوموں کی موت و حیات کے فیصلے ہوں گے۔ اور یہ قوانین ہماری طرف سے بذریعہ وحی ملیں گے۔ انسانوں کے خود ساختہ نہیں ہوں گے۔

اب یہ سوچو کہ اس سے بڑا مجرم اور کون ہوگا جو اپنے جی سے باتیں گھڑے' اور انہیں قوانین خداوندی کہہ کر پیش کر دے۔ (اس طرح وہ نامعلوم کتنے لوگوں کو تباہ کر دے گا)۔

دوسری طرف' اس سے زیادہ بدنصیب کون ہوگا جس کے پاس ہمارے صحیح قوانین پہنچیں اور وہ انہیں جھٹلا دے۔ ایسے مجرمین کی گرفت یقیناً ہوگی' لیکن ہمارا قانون مہلت ایسا ہے کہ اس کی رو سے اعمال کے نتائج کا ظہور' کچھ وقت کے بعد جا کر ہوتا ہے۔ اس دوران میں مجرمین بھی' باقی لوگوں کی طرح' قانون طبیعی کے مطابق' سامانِ زندگی سے بہرہ مند ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد' ان کی گرفت ہوتی ہے۔

جب ان کی گرفت ہوگی تو اُن سے پوچھا جائے گا کہ اب بتاؤ! وہ ہستیاں کہاں ہیں جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ وہ تو اب کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔ اُس کے بعد اُن کی حالت پکار پکار کر کہے گی کہ قوانین خداوندی سے انکار اور سرکشی کرنے والوں کا انجام یہ ہوا کرتا ہے۔

۳۸ ایسی قوموں سے کہا جائے گا کہ اب تم بھی' ان مہذب اور غیر مہذب قوموں کے زمرے میں شامل ہو جاؤ جو اس سے پہلے' قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کر کے' تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔

قوموں کی حالت بھی عجیب ہے۔ ایک قوم' دوسری قوم کی تقلید کرتی ہے' لیکن جب' کچھ عرصہ بعد' یہ بھی اسی گڑھے میں جا گرتی ہے جس میں پہلی قوم گری تھی' تو یہ (بعد میں آنے والی قوم) پہلی قوم کو مطعون کرنے لگ جاتی ہے کہ اُس کی وجہ سے اس کا بھی ایسا حشر ہوا۔ اس طرح قومیں تباہی کے جہنم میں اکٹھی ہوتی رہتی ہیں (تاریخ اقوام اس کی

وَقَالَتْ اُولٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ
فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ
كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۫ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۳﴾

شاہد ہے)۔ بعد میں آنے والی قومیں ہمیشہ پیش رو قوموں کو موردِ الزام قرار دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! ان قوموں نے ہمیں بھی گمراہ کر دیا تھا۔ اس لئے انہیں دُگنا عذاب دینا۔ (ایک عذاب اُن کی اپنی گمراہی کی وجہ سے اور دوسرا اس لئے کہ انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا)۔ انہیں جواب ملتا ہے کہ تم سب کو دگنا عذاب ملے گا — گمراہ کرنے والوں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور گمراہ ہونے والوں کو اس لئے کہ انہوں نے اپنی عقل و بصیرت سے کام لینے کی بجائے اُن کی اندھی تقلید کیوں کی۔ نیز اس لئے بھی کہ یہ بھی تو بعد میں آنے والی قوموں کے لئے گمراہی کا موجب بنی تھیں)۔

۳۹ اور پہلی قومیں بعد میں آنے والی قوموں سے کہتی ہیں کہ محض اس بنا پر کہ تم نے از خود کوئی غلط نظام وضع نہیں کیا تھا بلکہ ہمارے قائم کردہ نظام پر چلتی رہی تھیں تمہیں ہم پر کوئی فوقیت نہیں مل سکتی۔ اس لئے تم اپنے جرائم کی سزا بھگتو۔ یہ کیوں کہتی ہو کہ تمہارے جرائم کی سزا بھی ہم ہی بھگتیں؟

تاریخ انسانیت اقوامِ عالم کی انہی کیفیات کی داستان ہے۔

۴۰ حقیقت یہ ہے کہ جو قوم بھی قوانین خداوندی کی تکذیب کرے گی اور ان سے سرکشی برتے گی (خواہ وہ از خود ایسا کرے یا دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی یہ روش اختیار کر لے) وہ کبھی زندگی کی ان خوشگواریوں سے بہرہ یاب نہیں ہو سکے گی جو خدا کے متعین کردہ آسمانی نظام کے اتباع کا فطری نتیجہ ہیں (۵/۶۶ ؛ ۷/۹۶)۔ ان کا معاشرہ کبھی جنتی معاشرہ نہیں بن سکیگا۔ یہ ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کسی موٹے رسّہ کا سوئی کے ناکے میں سے گزر جانا۔ مجرمین کی غلط روش کے نتائج ایسے ہی ہوتے ہیں۔

۴۱ ایسی قوموں کا اوڑھنا بچھونا جہنم کا عذاب ہوتا ہے۔ ظلم و سرکشی کا نتیجہ یہی کچھ ہو کر رہتا ہے۔

۴۲ اِن کے برعکس جو قوم ہمارے قوانین کی صداقت کو تسلیم کرے گی اور ہمارے مقرر کردہ

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہو گی تو ان کا معاشرہ جنتی معاشرہ ہو گا ——— اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ——— وہ اسی میں رہیں گے ——— انہیں ہمارے قوانین کی اطاعت میں اپنے اوپر کچھ پابندیاں عائد کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن ان پابندیوں سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کی ذات کی وسعتیں بڑھ جائیں ——— صحیح نظام قائم کرنے کے لئے یہ بنیادی شرط ہے (۲/۲۸۶ ؛ ۶/۱۵۳ ؛ ۲۳/۶۲)۔

۴۳ اس جنتی معاشرہ کی خصوصیت یہ ہو گی کہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے بغض، کینہ، عداوت، سازش، مکر و فریب، غرضیکہ کوئی ایسی بات نہ ہو گی جسے انسان دوسرے سے چھپا کر رکھنا چاہے (۱۵/۴۷)۔ اس معاشرہ کی شادابیاں سدا بہار ہوں گی، جنہیں دیکھ کر وہ بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ کسقدر در خور حمد و ستائش ہے وہ ذات جس نے ہماری راہ نمائی اس حسین منزل کی طرف کر دی۔ اگر ہمیں یہ راہ نمائی نہ ملتی، اور ہم اسے اختیار نہ کرتے، تو کبھی اس مقام تک نہ پہنچ سکتے۔ خدا کے جو پیغامبر ہماری طرف آئے تھے وہ حقیقی تعلیم لے کر آئے تھے، اور انہوں نے جو کچھ کہا تھا، بالکل سچ کہا تھا۔ وہ واقعہ ہو کر رہا۔

انہیں آواز دی جائے گی کہ (پہلی جنت "انسان کو بے مزد و معاوضہ ملی تھی، اس لئے اس نے اس کی قدر نہ کی، اور وہ اس سے چھن گئی۔ لیکن) یہ جنت، تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے، اس لئے یہ تم سے نہیں چھینی جائے گی۔ اس کا ہم نے تمہیں وارث بنا دیا ہے۔ اسے تم نے اپنے خون جگر کے عوض خریدا ہے۔

۴۴ اور یہ (اہل جنت)، جہنم والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمارے نشو و نما دینے والے نے ہم سے جو وعدے کئے تھے، ہم نے انہیں اپنے سامنے ٹھیک ٹھیک دیکھ لیا ہے۔ وہ

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ
وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ
يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

سب پورے ہو گئے ہیں۔ کہو! کہ جو کچھ حد انتم سے کہا کرتا تھا (کہ تمہاری غلط روش کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا) وہ بھی ٹھیک نکلا یا نہیں؟ وہ کہیں گے کہ ہاں! بالکل ٹھیک نکلا۔ وہ سب نتائج' ایک ایک کر کے' ہمارے سامنے آ گئے۔

اِن کے درمیان ایک پکارنے والا پکارے گا کہ یہ بات پہلے ہی کہہ دی گئی تھی کہ جو قوم قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کرے گی' وہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جائیگی۔ سو وہ ہو کر رہا۔

۴۵ یعنی وہ قوم جو خدا کی طرف لے جانے والی راہ —— خدا کے نظام ربوبیت کے راستے —— میں روک بن کر کھڑی ہوگی اور انسانیت کو اس کی طرف آنے نہیں دے گی۔ اور ایسی سیدھی راہ میں پیچ وخم پیدا کرے گی۔ یہ لوگ درحقیقت نہ خدا کے قانون مکافات پر ایمان رکھتے تھے اور نہ ہی انہیں حیاتِ اخروی پر یقین تھا۔

۴۶ جنت اور دوزخ کی زندگی کا فرق تو اس قدر شدید ہے' لیکن کفر اور ایمان کے درمیان ایک اوٹ ہی سی ہوتی ہے۔ ذرا نگاہ میں تبدیلی ہو جائے تو انسان اِدھر سے اُدھر چلا جاتا ہے (۱۴/۵۷ — ۱۳)۔

جنتی معاشرہ کے اربابِ نظم ونسق' جو اپنے کردار اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے بلند مقامات پر ہوں گے (۱۴۳/۲ ؛ ۴۱/۴ ؛ ۱۱/۵۶ — ۱۰)۔ مختلف لوگوں کے انداز ورجحان سے جانچ لیں گے کہ ان کا رخ کس سمت کو ہے۔ وہ ان لوگوں سے' جو ہنوز اس معاشرہ میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے لیکن جو اس کی آرزو دل میں رکھتے ہوں گے' آگے بڑھ کر کہیں گے کہ (تمہیں انتظار کس بات کا ہے!) آگے بڑھو اور اس معاشرہ میں داخل ہو جاؤ تاکہ تمہیں بھی ہر طرح کی سلامتی حاصل ہو جائے۔

۴۷ یہ لوگ (جو ہنوز انتظار میں تھے) جب ان لوگوں کی حالت پر نظر ڈالیں گے جو جہنمی معاشرہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے' تو وہ (فوری فیصلہ کریں گے اور) پکار اٹھیں گے

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ
تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ
اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ
اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ
فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہم ان لوگوں کے ساتھی نہیں بننا چاہتے جنہوں نے تیرے قوانین سے سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔

۴۸ پھر وہ اربابِ نظم و نسق (اعراف والے) دوسری روش کے حامل لوگوں سے کہیں گے جنہیں وہ ان کے انداز و رجحان سے پہچان لیں گے کہ دیکھو! تمہاری سرمایہ داری تمہارے کسی کام نہ آسکی۔ نہ ہی وہ قوت و اقتدار جس کی بنا پر تم قوانین خداوندی سے سرکشی برتا کرتے تھے۔

۴۹ (وہ جنت میں جانے والوں کی طرف اشارہ کر کے ان جہنم والوں سے کہیں گے کہ) کیا یہ وہی لوگ نہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ انہیں کبھی خدا کی رحمت نصیب نہیں ہو سکے گی۔ دیکھو! آج انہی لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم پر جنت کے دروازے کھلے ہیں۔ تمہیں اس میں نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ حزن۔

۵۰ اور جہنمی معاشرہ والے، جنتی معاشرہ والوں سے کہیں گے کہ یا تو اُن زندگی بخش ذرائع نشوونما میں سے، جو تمہیں میسر ہیں، ہمیں بھی کوئی ذریعہ دیدو تاکہ ہماری کھیتیاں بھی سیراب ہو جائیں۔ یا جو سامانِ زیست تمہیں خدا کی طرف سے ملا ہے اُس میں سے تھوڑا سا ہمیں عطا کر دو۔

وہ کہیں گے کہ یہ چیزیں تو قوانین خداوندی پر ایمان لانے اور ان کے مطابق عمل کرنے کا فطری نتیجہ ہیں۔ انہیں ان لوگوں کی طرف منتقل کیا ہی نہیں جا سکتا جو ان قوانین سے انکار کرتے اور سرکشی برتتے ہوں۔ (جو اپنی آنکھیں بند کر رکھے اسے دوسرے کی بینائی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ نہ ہی کوئی شخص اپنی بصارت، دوسرے کی طرف منتقل کر سکتا ہے)۔

۵۱ یہ لوگ (جو ان نعمائے خداوندی سے یوں محروم رہ گئے ہیں) وہ ہیں جنہیں طبیعی

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا
تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا
مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

زندگی کی نگاہ فریب جاذبیتوں نے ایسا دھوکا دیا کہ انہوں نے اپنے نظام زندگی کو یونہی مذاق سمجھ لیا (۶/۲۹) اور یہ سوچا ہی نہیں کہ انسانی زندگی کا منتہیٰ یہی دنیاوی زندگی نہیں جو موت کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ سو یہ لوگ' بلند انسانی زندگی کے شرف و اعزاز سے اسی طرح محروم رہ جائیں گے جس طرح یہ اُس زندگی کے وجود سے منکر تھے' اور ہمارے قوانین سے محض ضد اور تعصب کی بنا پر انکار کیا کرتے تھے۔

۵۲ (اے رسول! ان مخاطبین سے کہدو کہ) ہم نے انہیں ایک ایسا ضابطہ حیات دیا ہے جو ہر بات کو' علم و حقیقت کی بنیادوں پر کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ اور ان لوگوں کیلئے جو اس کی صداقت پر یقین رکھیں' سامانِ ہدایت و رحمت اپنے اندر رکھتا ہے۔

۵۳ یہ لوگ (جو اس قدر واضح حقائق پر بھی ایمان نہیں لاتے) کیا اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُن کی غلط روش زندگی کے جس تباہ کن انجام کی انہیں خبر دی جا رہی ہے وہ اُن کے سامنے آجائے (تو پھر اُس پر ایمان لائیں؟)۔

اِن سے کہدو کہ جب غلط روش کا انجام سامنے آکھڑا ہوگا تو وہ لوگ' جنہوں نے اُسے آج یوں فراموش کر رکھا ہے' پکار اٹھیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نشو و نما دینے والے کی طرف سے' جو پیغامبر آئے تھے وہ واقعی حق پر تھے۔ اُس وقت وہ تلاش کریں گے اور کہیں گے کہ کوئی سفارشی ایسا مل جاتے جو ہمیں اس عذاب سے چھڑا دے۔ یا ہم پھر لوٹائے جائیں تو ہم جو کچھ (غلط) کام کیا کرتے تھے' ان کے برعکس کام کر کے دکھا دیں۔ لیکن اُس وقت یہ باتیں قطعاً فائدہ نہیں دیں گی۔ اُنہوں نے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو تباہ کر لیا اور ان کا ساختہ پرداختہ اُن کے کسی کام نہ آیا۔

۵۴ اِن سے کہدو کہ تمہارا نشو و نما دینے والا وہ خدا ہے جس نے کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو چھ مراحل[۵۴] میں پیدا کیا اور اُس کے بعد اس کا مرکزی کنٹرول خود اپنے دست

۵۴ PERIODS — OR — STAGES

الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ
وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٤﴾ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾
وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ
الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا

قدرت میں رکھا۔ اُس کے قانون کے مطابق آسمانی کرّے اس طرح گردش کرتے ہیں کہ رات کی تاریکیاں دن کی روشنی کو ڈھانپ لیتی ہیں اور پھر (یوں نظر آتا ہے جیسے) دن رات کے پیچھے لپکے چلا آرہا ہے۔ اور سورج اور چاند اور ستارے سب اُس کے قانون کے مطابق اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یاد رکھو! یہ عالمِ محسوسات اور اس کے ماوراء وہ عالم جہاں سے اِس کائنات کی تدبیرِ امور ہوتی ہے' سب خدا کے متعین فرمودہ پروگرام کی تکمیل میں مصروفِ کار ہیں۔

کس قدر بابرکت ہے وہ ذات جس نے کائنات کی نشوونما کے لئے ایسا محیر العقول انتظام کر رکھا ہے!

۵۵ جب حقیقت یہ ہے کہ ربوبیت اسی کے قانون اور نظام کے مطابق حاصل ہو سکتی ہے تو تم بھی اپنی نشوونما کے لئے اُسی کے قانون کو آواز دو ——— اپنے دل کے ایسے کامل جھکاؤ کے ساتھ جو تمہارے تحت الشعور کی گہرائیوں سے اُبھرے۔ اس لئے کہ سرکش ذہنیت کبھی پسندیدہ قرار نہیں پا سکتی۔

۵۶ جب اس طرح قانونِ خداوندی کے مطابق معاشرہ میں ہمواریاں پیدا ہو جائیں تو اُس میں پھر ناہمواریاں مت پیدا کرو۔ (تمہاری عقل خود بیں' کبھی تم سے کہے گی کہ تم دوسروں کی مدد کرتے کرتے خود تنگدست ہو جاؤ گے' اور کبھی تمہیں یہ لالچ دلائے گی کہ ذرا سی بددیانتی سے' مفت میں' اتنا کچھ حاصل ہو جائے گا۔ اسے کیوں چھوڑا جائے۔ تم اس کی کسی بات میں نہ آنا بلکہ ہر ایسے مقام پر اپنی راہ نمائی کے لئے قانونِ خداوندی کو آواز دینا۔ یاد رکھو! جو شخص بھی خدا کے قانون کے مطابق حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتا ہے' خدا کا عطا کردہ سامانِ نشوونما اُس کے ہر وقت قریب رہتا ہے۔ (اس لئے اُسے نہ افلاس کا خطرہ ہوتا ہے نہ زیادہ سمیٹنے کا لالچ)۔

۵۷ تم ذرا نظامِ کائنات پر غور کرو اور دیکھو کہ اُس میں خدا نے نشوونما کا کیا عجیب

سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ
نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾

انتظام کر رکھا ہے۔ وہ بارانِ رحمت سے پہلے خوشگوار ہوائیں بھیجتا ہے جو بارش کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر جب وہ ہوائیں، پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو لے کر اڑتی ہیں تو اُس کا قانون، انہیں زمین مردہ کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے، جہاں روئیدگی کا نشان تک نہیں ہوتا۔ وہاں اِن بادلوں سے پانی برستا ہے جس سے (اُسی زمینِ مردہ سے) ہر قسم کے پھول اور پھل پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر طرف زندگی کی نمود ہو جاتی ہے۔

ہم اِس طرح خارجی کائنات میں موت کو زندگی سے بدل دیتے ہیں۔ ہم ان حقائق کو بیان اس لئے کر رہے ہیں کہ تم انہیں اپنی دنیا میں بھی پیشِ نظر رکھو۔

۵۸ پھر اس حقیقت پر بھی غور کرو کہ زمین سے فصل پیدا ہونے کے لئے دو بنیادی چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک بارش، اور دوسرے اس زمین کا اچھا ہونا جس پر وہ بارش برسے۔ اس قانون کے مطابق اچھی زمین سے عمدہ فصل پیدا ہوتی ہے، لیکن زمین خراب ہو تو اس پر محنت اور مشقت بھی زیادہ کرنی پڑتی ہے اور اس کے بعد اس میں فصل بھی کم پیدا ہوتی ہے۔ اور جو پیدا ہوتی ہے وہ بھی ناقص!

دیکھو! اس طرح ہم اپنے قوانین کو، مختلف پہلوؤں سے سامنے لا کر واضح کرتے چلے جاتے ہیں تاکہ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی کوششیں بھرپور نتائج پیدا کریں وہ ان سے راہ نمائی حاصل کر لیں۔

(اوپر کی مثال میں بارش ہمارا قانون ہے۔ اور زمین، تمہاری کوششیں۔ دونوں کی ہم آہنگی سے عمدہ نتائج مرتب ہو سکتے ہیں)۔

۵۹ (خارجی کائنات پر غور و خوض کے بعد، تم تاریخی شواہد کی طرف آؤ اور دیکھو کہ خود عالمِ انسانیت میں ہمارا یہی قانون کس طرح کارفرما چلا آ رہا ہے)۔

ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف (یہی قانون دے کر) بھیجا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم خدا کے قانون کی محکومی اختیار کرو۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی قوت نہیں جس کی

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾
اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾
فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا
عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

محکومیت اختیار کی جائے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا (اور اپنی موجودہ روش پر قائم رہے) تو مجھے نظر آتا ہے کہ تم پر سخت تباہی آجائے گی۔

۶۰ جب اُس کی قوم کے اُن سرداروں نے جن کے ہاں مال و دولت کی فراوانی تھی' اس بات کو سُنا تو انہوں نے کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تم عجیب اُلٹے راستے پر چل رہے ہو (ہمیں اِس رَوش پر چلنے سے اِس قدر مال و دولت اور قوت و اقتدار حاصل ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ اِس سے ہم پر تباہی آجائے گی!)۔

۶۱ نوحؑ نے کہا کہ میں' نہ خود غلط راستے پر ہوں' نہ ہی تمہیں غلط راستے کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں اُس خدا کی طرف سے پیغامبر ہوں جو تمام کائنات کا نشوونما دینے والا ہے۔ (تمہیں یہ پیغام اس لئے انوکھا سا نظر آتا ہے کہ تم صرف اپنی نشوونما کی فکر کرتے ہو اور خدا کا قانون' عالمگیر انسانیت کی نشوونما کا ذمّہ دار ہے)۔

۶۲ یہ وہ پیغامات ہیں جو میں اپنے رب کی طرف سے تم تک پہنچا رہا ہوں۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں' بدخواہ نہیں ہوں۔ اور خدا کے عطا کردہ علم کی بنا پر تم سے وہ کچھ کہتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (تم یہی سمجھے بیٹھے ہو کہ تمہاری روش' فلاح و کامرانی کی راہ ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ یہ تباہی اور بربادی کی طرف لے جانے والا راستہ ہے)۔

۶۳ تمہیں اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ خدا اپنے پیغام کو تم تک ایک ایسے آدمی کے ذریعے کیوں پہنچا رہا ہے جو تم میں سے ہی ہے' اور تمہارے جیسا ہی ہے' تاکہ وہ تمہیں اس کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرے' اور تم تباہیوں سے بچ جاؤ' اور تمہاری نشوونما کا سامان بہم پہنچ جائے۔ (تمہارے ذہن میں یہ ہے کہ خدا کے پیغامبر کو عجیب الخلقت سا ہونا چاہیئے!)۔

۶۴ لیکن انہوں نے نوحؑ کی ہر بات کو جھٹلایا۔ آخرالامر ہم نے اُسے' اور اس کے ساتھیوں کو

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ
يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ
اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ

کشتی میں سوار کر کے بچا لیا' اور جن لوگوں نے ہمارے قوانین کو جھٹلایا تھا' انہیں غرق کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ عقل و خرد کو کھو کر بالکل اندھے ہو گئے تھے (ورنہ نوح ان کے سامنے کشتی بنا رہا تھا اور آنے والے سیلاب سے انہیں آگاہ کر رہا تھا۔ وہ ذرا بھی عقل و فکر سے کام لیتے تو اس کی بات ان کی سمجھ میں آجاتی)۔

۶۵ اسی طرح' ہم نے قوم عاد کی طرف' ان کے بھائی بندوں میں سے ہودؑ کو بھیجا۔ اس نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا کہ تم قوانین خداوندی کی اطاعت کرو۔ اس کے سوا کوئی قوت ایسی نہیں جس کی محکومیت اختیار کی جائے۔ کیا تم زندگی کی تباہیوں سے بچنا نہیں چاہتے؟

۶۶ (قوم نوحؑ کی طرح) اس کی قوم کے بڑے بڑے سرغنوں نے' جنہیں مال و دولت کی فراوانی حاصل تھی اور جو اس دعوت کی مخالفت کرتے تھے' کہا کہ ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ تم عقل و خرد کھو بیٹھے ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ تم جو کہتے ہو کہ ہماری روش ہمیں تباہیوں کی طرف لے جائے گی' اور یہ پیغام تمہیں خدا کی طرف سے ملا ہے' یہ جھوٹ ہے۔

۶۷ ہودؑ نے ان سے کہا کہ میں عقل و خرد نہیں کھو بیٹھا۔ (میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ٹھیک کہہ رہا ہوں)۔ میں اس خدا کی طرف سے پیغامبر ہوں جو تمام کائنات اور عالمگیر انسانیت کا نشوونما دینے والا ہے۔ (چونکہ یہ تصور تمہاری انفرادی مفاد پرستیوں کے خلاف جاتا ہے اس لئے تم اس کی مخالفت کرتے ہو)۔

۶۸ میں تمہاری طرف' اپنے نشوونما دینے والے کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔ میں تم کو امن و سلامتی کی راہ دکھا رہا ہوں۔

۶۹ کیا تمہیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ خدا نے تمہاری طرف' اپنا قانونِ ہدایت ایک ایسے انسان کے ذریعے کیوں بھیجا جو تمہارے جیسا ہے' اور تم میں سے ہی ایک ہے' تاکہ وہ تمہیں اس کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرے؟ (تم سمجھتے تھے کہ

جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ
سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾
فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾

خدا کا پیغامبر کوئی عجیب الخلقت انسان ہونا چاہیئے!)۔ تم سوچو کہ قوم نوحؑ کیوں تباہ ہوئی؟ اسی لئے کہ اس نے غلط روش اختیار کر رکھی تھی۔ اس کے بعد خدا نے تمہیں ان کا جانشین بنایا۔ تمہیں بڑی قوتیں اور فراخیاں عطا کیں۔ تم خدا کی ان قوتوں اور نعمتوں کو پیش نظر رکھو (اور اس کے قوانین کی خلاف ورزی مت کرو) تاکہ تم کامیاب ہو۔

۷۰ انہوں نے کہا کہ کیا تم ہمیں یہ کہنے کے لئے آئے ہو کہ جن ہستیوں اور قوتوں کو ہمارے آباؤ اجداد اپنا معبود مانتے چلے آئے ہیں' ہم انہیں چھوڑ دیں اور صرف ایک خدا کی محکومیت اختیار کر لیں؟ (ہم یہ کبھی نہیں کریں گے۔ تم کہتے ہو کہ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم پر تباہی کا عذاب آجائے گا)۔ سو اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو اس تباہی کو لا کر دکھاؤ۔

۷۱ اُس نے کہا کہ تم اُس تباہی کا انتظار کر رہے ہو' اور واقعہ یہ ہے کہ وہ تباہی تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے (تمہاری آنکھیں کھلی ہوتیں تو اس کے آثار سامنے نظر آجاتے)۔ جس اضطراب اور ہیجان میں تم مبتلا ہو' یہ خدا کے عذاب کی علامات نہیں تو اور کیا ہیں؟ باقی رہا تمہارے اسلاف کا مسلک' سو وہ قوتیں جنہیں تمہارے اسلاف نے اپنا معبود بنا رکھا تھا' ان کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ چند اصطلاحی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے اسلاف نے وضع کر رکھے ہیں۔ خدا کی طرف سے ان کے اقتدار و اختیار کی کوئی سند تمہارے پاس نہیں۔ اس نے ان کی معبودیت کی کوئی سند نازل ہی نہیں کی۔ (۵۳/۲۳)

اب رہا تمہارا یہ کہنا کہ جس تباہی سے تمہیں متنبہ کیا جا رہا ہے' میں اُسے جلدی سے لے آؤں' سو وہ خدا کے قانون مہلت کے مطابق' اپنے وقت پر نمودار ہو گی۔ تم اس کے لئے انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

۷۲ سو جب ظہور نتائج کا وقت آیا' تو ہم نے ہودؑ اور اُس کے رفقاء کو اپنی مہربانی سے'

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

تباہی سے بچالیا' اور جن لوگوں نے ہمارے قوانین کو تسلیم نہیں کیا تھا اور انہیں جھٹلایا تھا' ان کی جڑ کاٹ ڈالی۔

۷۳ اسی طرح' ہم نے قوم ثمود کی طرف' اُن کے بھائی بندوں میں سے صالحؑ کو بھیجا۔ اُس نے بھی ان سے یہی کہا کہ تم صرف قوانین خداوندی کی اطاعت کرو۔ اس کے سوا کوئی قوت ایسی نہیں جس کی محکومیت اختیار کی جائے۔ تمہارے پاس' تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے' واضح دلائل و قوانین آچکے ہیں۔ (اس وقت تمہارے معاشرہ کی کیفیت یہ ہے کہ تم میں سے بڑے بڑے لوگ خدا کی طرف سے دیئے ہوئے سامانِ زیست — چراگاہوں' نخلستانوں' پانی کے چشموں وغیرہ —— کو اپنی ذاتی ملکیت قرار دے لیتے ہیں اور کمزور انسان اُن کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ خدا کے نظامِ ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ رزق کے سرچشمے ہر ایک کے لئے حسبِ ضرورت کھلے رہیں' اور سب کے جانور' اپنی اپنی باری اُن سے سیراب ہوں۔ ۲۶/۱۵۶ — ۱۵۵ و ۹۱/۱۳ ۔ وہ اس پر بظاہر رضامند ہو گئے تو صالحؑ نے ان سے کہا کہ اس بات کا عملی ثبوت' کہ تم واقعی اپنے اقرار پر کاربند رہو گے' یہ ہے کہ) یہ ایک اونٹنی ہے جس کے متعلق یہ سمجھو کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں —— خدا کی زمین اور خدا کی اونٹنی —— میں اسے کھلا چھوڑتا ہوں کہ یہ چراگاہ میں چرے۔ اگر تم نے اسے آزاد چرنے دیا تو یہ اس بات کی نشانی ہو گی کہ تم اپنے عہد پر پابند ہو۔ اگر تم نے اسے کوئی تکلیف پہنچائی تو اس سے واضح ہو جائے گا کہ تم اپنی سابقہ روش سے باز نہیں آئے۔ اس کا نتیجہ تمہارے لئے الم انگیز تباہی ہو گا۔

۷۴ تم قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کا نتیجہ دیکھ چکے ہو۔ تم سے پہلے' قوم عادؑ نے ان قوانین سے سرکشی برتی تو وہ تباہ و برباد ہو گئی۔ تم اُسی قوم کے جانشین ہو۔ اُن کے بعد خدا نے تمہیں اس ملک میں اس طرح متمکن کر دیا کہ تم اس کے میدانوں میں محلات تعمیر کرتے ہو' اور پہاڑوں کو تراش تراش کر اُن میں مکانات بناتے ہو۔ تم خدا کی ان نعمتوں اور اُس کے

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ
صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ
اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ
لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ

قانون کی قوتوں کو اپنے پیش نظر رکھو اور ملک میں فساد مت برپا کرو۔

۷۵ اس پر اُس قوم کے سرکش اکابرین نے' جنہیں مال و دولت کی فراوانی نے بدمست کر رکھا تھا' جماعت مومنین سے کہا ——— اور یہ وہ لوگ تھے جنہیں وہ اکابرین' اُن کے افلاس وغیرہ کی وجہ سے' بہت کمزور اور حقیر سمجھتے تھے ——— کہ کیا تم واقعی یہ سمجھتے ہو کہ صالحؑ اپنے نشوونما دینے والے کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس میں کیا شبہ ہے؟ جو پیغامات اسے خدا کی طرف سے دیئے جاتے ہیں' ہم اُن پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔

(یہ حقیقت غور طلب ہے کہ نظام خداوندی کی مخالفت ہمیشہ ارباب قوت و دولت کی طرف سے ہوئی اور قوم کے مظلوم اور کمزور طبقہ نے اس پر لبیک کہا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس انقلاب کی غرض و غایت کیا ہوتی تھی)۔

۷۶ اِن سرکش اور متکبر سرداران قوم نے کہا کہ تم جس بات کو سچا مانتے ہو' ہم اُسے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

۷۷ انہوں نے اُس اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اس طرح اس بات کا ثبوت دے دیا کہ وہ قانون خداوندی سے سرکش ہیں۔ اور صالحؑ سے کہا کہ اگر تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو تو جس عذاب کی تم دھمکی دیتے تھے' اسے لا کر دکھاؤ۔

۷۸ سو ایک لرزا دینے والی تباہی (شدید زلزلہ۔ ۱۱/۷) نے انہیں گھیر لیا اور وہ اپنے اپنے مکانوں میں بے حس و حرکت پڑے رہ گئے۔

۷۹ یہ اُس کے بعد ہوا جب صالحؑ' اِن سے مایوس ہو کر کنارہ کش ہو چکا تھا۔ جاتے وقت اُس نے ان سے کہا تھا کہ اے میری قوم! میں نے اپنے نشوونما دینے والے کا پیغام تم تک

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ
النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ
اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ
مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ ع ۱۵
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا

پہنچایا' اور چاہا کہ تم کسی طرح تباہی سے بچ جاؤ۔ لیکن تمہیں میری خیر خواہی خوش نہ آئی۔ سو تم اپنی سرکشی کے نتائج بھگتو۔ میں بصد تاسف تم سے الگ ہو رہا ہوں۔

۸۰ اور اسی طرح ہم نے لوطؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اُس نے ان سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کے کام کرتے ہو جو تم سے پہلی قوموں میں سے کسی نے نہیں کیے۔

۸۱ تم' عورتوں کو چھوڑ کر' شہوت رانی کے لئے' مردوں کی طرف آتے ہو' اور اس طرح' افزائش نسل کے مادہ کو بے محل صرف کر کے ضائع کرتے ہو' اور ان حدود سے تجاوز کرتے ہو جو قانون فطرت نے اس باب میں مقرر کی ہیں۔

۸۲ اس قوم کے پاس اس کا کوئی معقول جواب نہیں تھا ——— جواب تھا تو وہی جو قوت کے نشہ میں بدمست لوگوں کے پاس ہوتا ہے ——— یعنی وہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں!

۸۳ سو ہم نے لوطؑ اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا ——— بجز اس کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ (اس لئے کہ معیار خداوندی کے مطابق "اپنے" وہی ہوتے ہیں جو ایمان میں مشترک ہوں۔ اگر بیوی بھی جماعت مومنین میں شامل نہیں تو وہ اپنوں میں سے نہیں' غیروں میں سے ہے)۔

۸۴ اور ہم نے (اس قوم پر) پتھروں کی بارش کی (جو آتش فشاں پہاڑ سے اُڑ اُڑ کر آ رہے تھے) سو تم دیکھو کہ ان مجرمین کا انجام کیا ہوا؟

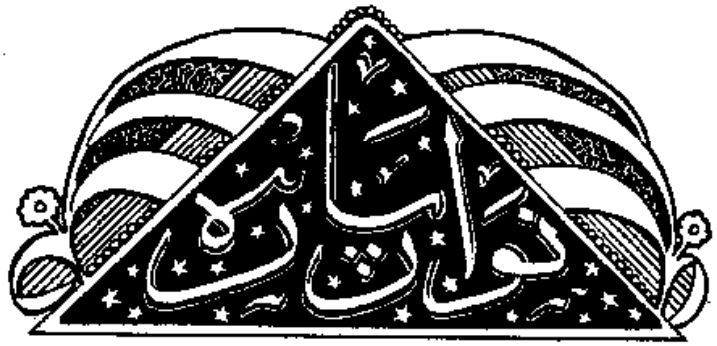
۸۵ اور اہل مدین کی طرف ہم نے' ان کے بھائی بندوں میں سے شعیبؑ کو بھیجا۔ اُس نے بھی اُن سے یہی کہا کہ قوانین خداوندی کی اطاعت کرو۔ اس کے سوا کوئی ایسی قوت نہیں جس کی محکومیت اختیار کی جائے۔ تمہارے پاس تمہارے نشوونما دینے والے

تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۚ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

کی طرف سے واضح تعلیم آچکی ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنے معاشی نظام میں عدل برتو۔ ماپ تول کو پورا رکھو۔ لوگوں کے حقوق و واجبات میں کمی نہ کیا کرو۔ اور معاشرہ میں ہمواریاں پیدا ہو جانے کے بعد ناہمواریاں نہ پیدا کرو۔ یہ سب کچھ تمہارے اپنے ہی بھلے کے لئے ہے اگر تم اس پر یقین رکھو۔

۸۶ دیکھو! ایسا نہ کرو کہ زندگی کے ہر راستے پر رہزنی کے لئے بیٹھ جاؤ۔ جو لوگ صحیح نظام خداوندی قائم کرنے کے لئے اٹھیں انہیں دھمکیاں دے دے کر اس راستے سے روکو اور انسانیت کی راہ میں کجی پیدا کرنے کے درپے رہو۔ تم اپنی اُس حالت کو یاد کرو جب تم تعداد میں بہت کم تھے (اور بے سروسامان بھی۔) سو خدا نے (امن و عافیت دے کر) تمہاری تعداد بھی بڑھا دی اور تمہیں ویسے بھی بہت کچھ دیا۔ (اب تم معاشرہ میں فساد برپا کرتے ہو) لیکن ذرا سے تو سوچ لو کہ معاشرہ میں فساد برپا کرنے والوں کا انجام کیا ہوا کرتا ہے؟

۸۷ اگر تم میں سے ایک گروہ اس ضابطہ پر ایمان لے آیا ہے جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا تو تم اُن ایمان لانے والوں کے خلاف یوں محاذ کیوں قائم کر رہے ہو؟ تم اپنے پروگرام کے مطابق کام کرو۔ انہیں ان کے پروگرام کے مطابق کام کرنے دو (۶/۱۳۶)۔ پھر انتظار کرو۔ خدا کا قانونِ مکافات خود بتا دے گا کہ کون حق پر ہے۔ جو فیصلہ وہاں سے ملے اس سے بہتر فیصلہ اور کونسا ہو سکتا ہے!



قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ
يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ
يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ
خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝

۸۸ اِس پر اُن اکابرین نے جو دولت اور قوّت کے نشے سے بدمست ہو رہے تھے، کہا کہ اے شعیبؑ! دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی۔ یا تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو پھر سے وہی قدیم مذہب اختیار کرنا ہوگا جسے چھوڑ کر، وہ تمہارے ساتھ ہو لئے ہیں۔ ورنہ ہم، تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے ——— تم خود سوچ لو کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس پر شعیبؑ نے اُن سے کہا کہ خواہ تمہارے مذہب کو ہم ناپسند ہی کیوں نہ کریں، پھر بھی ہمیں، تمہارے ڈر کی وجہ سے، اُسے زبردستی اختیار کرنا پڑے گا؟

۸۹ اگر ہم تمہارے مذہب کو اختیار کرلیں، حالانکہ خدا نے اپنی وحی کی روشنی عطا کر کے ہمیں اِس باطل مذہب سے نجات دلائی ہے، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ ہمیں خدا نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، تو یہ سب افترا اور خدا پر بہتان ہی ہے۔ تم کان کھول کر سن لو کہ ہم تمہارے مسلک کی طرف لوٹ کر نہیں آسکتے۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا[1]۔ ہم نے یہ دین اُس خدا کی طرف سے ملی ہوئی راہ نمائی کی بنا پر اختیار

[1] اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا کے یہی معنی ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے، اسلوب قرآن کریم میں "استثناء بالمشیّت"
(بقیہ فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ
نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

کیا ہے جس کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے۔ باقی رہیں تمہاری دھمکیاں' سو ہم ان سے بالکل نہیں ڈرتے۔ ہمارا بھروسہ قانونِ خداوندی کی محکمیت پر ہے۔

شعیبؑ نے پوری جرأت اور استقامت سے ان اکابرین کو یہ جواب دیا اور پھر کہا کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو اپنے قانونِ مکافات کی رُو سے' ہم میں اور ہماری قوم میں کھلا کھلا آخری فیصلہ کر دے۔ تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (کیونکہ تیرا فیصلہ قانون اور عدل پر مبنی ہوتا ہے۔ اس میں نہ کسی کی رعایت ہوتی ہے' نہ کسی کے خلاف تعصب اور انتقام کا جذبہ کارفرما)۔

۹۰ اب اس قوم کے اکابرین نے دوسرا حربہ اختیار کیا۔ انہوں نے شعیبؑ سے مزید بات کرنے کے بجائے' اس کے متبعین کو دھمکانا شروع کیا کہ اگر تم شعیبؑ کا اتباع کرتے رہے تو یاد رکھو' تم سخت نقصان اٹھاؤ گے۔

۹۱ اس کشمکش کے بعد ہوا یہ کہ جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا' انہیں لرزا دینے والے عذاب نے آگھیرا اور وہ اپنے گھروں میں' مٹی کے تودوں کی طرح بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے۔

وہ اس طرح نیست و نابود ہو گئے گویا وہ ان بستیوں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ (وہ شعیبؑ کے متبعین سے کہا کرتے تھے کہ تم اپنی روش سے باز آجاؤ' ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ لیکن ہوا یہ کہ) نقصان اُنہی کا ہوا جو شعیبؑ کی تکذیب کیا کرتے تھے ——— قوانینِ خداوندی کی تکذیب کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

۹۳ شعیبؑ' اس تباہی سے پہلے ہی ان سے الگ ہو گیا تھا۔ اس نے جاتے وقت ان سے

ثبوت اور استمرار کے لئے آتا ہے۔ یعنی جہاں اِلّا کے بعد مَا شَآءَ اللّٰہُ وغیرہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کے خلاف کبھی نہیں ہوگا۔ (ملاحظہ ہو لغات القرآن۔ جلد چہارم۔ صفحہ ۱۶۱۸۔ عنوان۔ ن۔ س۔ ی)

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

کہا تھا کہ اے میری قوم! میں نے تمہیں' اپنے نشوونما دینے والے کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں نے بہتیرا چاہا کہ تمہارا بھلا ہو جائے لیکن تم نے ایک نہ سنی۔ (اور اپنی غلط روش پر برابر آگے بڑھتے چلے گئے)۔ اب اس کے نتیجہ میں جو تباہی تم پر آ رہی ہے' میں اس پر کیا افسوس کروں!

۹۴ (یہ محض چند واقعات ہیں جنہیں اس مقام پر سامنے لایا گیا ہے۔ ورنہ تمام اقوام سابقہ کی تاریخی یادداشتیں اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ) ہم نے جب بھی کسی بستی کی طرف کوئی نبی بھیجا (تو اُس کے ارباب دولت وثروت نے اس کی مخالفت کی ۳۴/۳۴ ؛ ۴۳/۲۳ ۔ جب تک ان کی غلط روش' اس درجہ تک نہ پہنچی کہ وہ ان کی آخری تباہی کا موجب بن جائے') ان پر ہلکی ہلکی مصیبتیں اور مشکلیں آتیں۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ وہ اپنی غلط روش کا نتیجہ دیکھ کر' قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتنا چھوڑ دیں' اور اُن کے سامنے جھک جائیں۔ یہ مصیبتیں اور مشکلیں خود ان کے غلط نظام کی پیدا کردہ ہوتی تھیں۔

۹۵ وہ ان قوانین کے سامنے جھک جاتے' تو ان کی مصیبتیں' خوش حالیوں میں بدل جاتیں۔ جب اُن پر اس طرح ایک عرصہ گزر جاتا' تو وہ پھر بھول جاتے کہ بدحالی اور خوشگواری' قانونِ خداوندی سے وابستہ ہے (۲/۲۷)۔ وہ کہتے کہ اس قسم کی تبدیلیاں' یونہی اتفاقی طور پر رونما ہوتی رہتی ہیں۔ ہمارے اسلاف کی بھی یہی حالت رہی کہ اُن پر کبھی اچھے دن آجاتے' کبھی بُرے۔ اسلئے قانونِ مکافات کوئی چیز نہیں۔ وہ اس طرح' اپنی غلط روش میں اندھا دھند آگے بڑھتے چلے جاتے' تا آنکہ ظہورِ نتائج کا وقت آجاتا' اور وہ اس طرح اچانک پکڑے جاتے کہ اُن کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوتا کہ اُن پر یوں تباہی آجائے گی۔

۹۶ اگر یہ لوگ ہمارے قانون کی صداقت پر یقین رکھتے اور (اُس کے اتباع سے) زندگی کی تباہیوں سے محفوظ رہنے کی فکر کرتے' تو ہم اِن پر زمین اور آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے (۵/۶۶ ؛ ۷/۴۰)۔ لیکن انہوں نے اُسے جھٹلایا تو ان کے اعمال کے

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم
بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ
لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ
فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾

نتائج نے انہیں آن پکڑا۔

۹۷ (یہ ہیں وہ حقائق جو تاریخی شہادتوں سے ثابت ہیں) تو کیا اِس کے بعد بھی (یہ تمہارے مخاطب جو) مختلف بستیوں میں رہتے ہیں' اِس سے نڈر ہو چکے ہیں کہ ہمارا عذاب اِن پر رات کے وقت آئے جب وہ سو رہے ہوں۔

۹۸ کیا یہ اِس سے بالکل نچنت ہو رہے ہیں کہ ہمارا عذاب اِن پر چاشت کے وقت آجائے جب وہ بے خبر کھیل کود میں مشغول ہوں۔

۹۹ کیا یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ انہیں خدا کی تدبیروں کی طرف سے امان مل چکی ہے؟ یاد رکھو! اپنے آپ کو اِس قسم کی خود فریبی میں وہی قوم رکھ سکتی ہے جس نے تباہ اور برباد ہونا ہو۔

۱۰۰ یہ لوگ' جو پہلی قوموں کی تباہی کے بعد اُن کے ملک اور دولت کے وارث ہوئے ہیں' کیا اِن پر یہ بات اب بھی واضح نہیں ہوئی کہ ہمارا قانون' اِن کے جرائم کی بنا پر انہیں مصیبتوں میں مبتلا کر سکتا ہے؟

لیکن یہ جو اِس قدر واضح دلائل و شہادات کے باوجود ان باتوں پر کان نہیں دھرتے' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ' اسلاف کی اندھی تقلید' اور مفاد پرستیوں کے جذبات' نے اِن کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیتوں کو سلب کر دیا ہے۔

۱۰۱ بہرحال یہ ہیں وہ چند اقوام سابقہ جن کے حالات ہم نے تم سے بیان کئے ہیں۔ ان کے رسول' ان کی طرف واضح دلائل و احکام لے کر آتے۔ وہ لوگ بجائے اس کے کہ جو کچھ ان سے کہا جاتا اس پر غور و فکر کرتے' بلا سوچے سمجھے اُسے جھٹلا دیتے ——— کبھی اس بنا پر کہ اِس سے پہلے اُن کے آباء و اجداد اُسے جھٹلا چکے تھے۔ اور کبھی یوں کہ ایک دفعہ' جو بات یونہی مُنہ سے نکل گئی' اُس پر

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ
بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠٣﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي
رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَن لَّا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن
رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٠٦﴾
فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٠٧﴾

جم کر بیٹھ گئے ـــــ حقیقت سے انکار کرنے والوں کے دلوں پر یوں مہریں لگا کرتی ہیں۔ اسلاف کی اندھی تقلید اور اپنی بات کی پچ' انسان سے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت سلب کر لیا کرتی ہے۔

۱۰۲ ان اقوام سابقہ میں سے اکثر کی یہی حالت رہی کہ وہ قوانین خداوندی کے وفا شعار نہ رہے۔ انہوں نے خدا سے جو عہد کیا تھا اس پر قائم نہ رہے۔ وہ صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راہوں پر چلنے لگ گئے۔

۱۰۳ ان اقوام کے بعد' جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے' ہم نے موسیٰؑ کو اپنے واضح احکام و دلائل دے کر فرعون اور اس کے اکابرین قوم کی طرف بھیجا۔ لیکن انہوں نے بھی ان سے سرکشی برتی۔ سو دیکھو! کہ اُن لوگوں کا' جو معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کیا کرتے تھے' کیا انجام ہوا؟

۱۰۴ موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ (تم نے انسانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ ایک گروہ کو پامال کرتے ہو' دوسرے کو سر پر چڑھاتے ہو۔ اس سے معاشرہ میں سخت ناہمواریاں پیدا ہوتی ہیں ۲۸/۴)۔ میں اُس خدا کی طرف سے پیامبر ہوں جو تمام نوع انسان کا نشو و نما دینے والا ہے۔ (اُس کے نزدیک' انسان اور انسان میں کوئی فرق نہیں۔ یہی انداز' معاشرہ کا ہونا چاہئے)۔

۱۰۵ مجھ پر لازم ہے کہ میں خدا کے متعلق' حق کے سوا کچھ نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے نشو و نما دینے والے کی طرف سے' کھلے کھلے دلائل اور قوانین حیات لایا ہوں۔ (ان قوانین کی رُو سے کسی قوم کو اپنی غلامی اور محکومی میں رکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں)۔ لہٰذا تم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو۔ (تاکہ یہ آزادی کی فضا میں سانس لے سکیں)۔

۱۰۶ فرعون نے کہا کہ اگر تم خدا کی طرف سے کوئی واضح دلیل لائے ہو تو اُسے اپنے دعوے کی صداقت میں پیش کرو۔

۱۰۷ اس پر موسیٰؑ نے اُن قوانین و دلائل کو پیش کیا جن کی بنا پر اس نے وہ دعویٰ کیا تھا اور

وَنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾
يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

جنہیں وہ نہایت مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔ یہ محکم دلائل' اپنی صداقت کے زبردروں پر' اس طرح آگے بڑھے چلے جاتے تھے کہ ان کی قوت اور شدت واضح طور پر سامنے آرہی تھی[1] (اُن کی شدت سے مراد یہ تھی کہ ان کی خلاف ورزی کا نتیجہ کس قدر ہلاکت انگیز ہوگا)۔

۱۰۸ پھر وہ اُن روشن دلیلوں کو سامنے لایا جن کی رُو سے بتایا گیا تھا کہ ان قوانین کی اطاعت سے زندگی کا ہر گوشہ کس طرح تابناک ہو جائے گا۔ یہ بصیرت افروز دلائل ہر دیدۂ بینا کے لئے چراغ راہ بن سکتے تھے۔ (۲۱/۱۷ ؛ ۲۰/۳۲ ؛ ۲۶/۳۳ ؛ ۲۸/۳۲)۔

۱۰۹ اِس پر فرعون کے سردارانِ قوم نے ایک دوسرے سے کہا' کہ یہ تو بڑا ماہر سحر کار رستا ہے (جو اپنے زورِ بیان سے جھوٹ کو سچ بنا کر دکھاتا چلا جا رہا ہے[2])۔

۱۱۰ اِس کا منشا یہ نظر آتا ہے کہ (اِس طرح لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر) تمہیں اس ملک سے نکال باہر کرے' اور یہاں اپنی حکومت قائم کر لے۔ سو کہو کہ تمہارا اس باب میں کیا مشورہ ہے (۲۶/۳۵)۔

۱۱۱ انہوں نے (باہمی مشورہ کے بعد) فرعون سے کہا کہ تم موسیٰؑ اور اُس کے بھائی کے معاملہ کو تو سردست التوا میں رکھو۔ اور اس اثنا میں نقیبوں کو ملک کے بڑے بڑے

۱۱۲ شہروں میں بھیج دو کہ وہاں سے سحر کار مذہبی پیشواؤں کو اکٹھا کر کے لائیں (تاکہ وہ ان کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دے سکیں)۔

۱۱۳ چنانچہ اُن کے مذہبی پیشوا (ہامان اور اس کے ساتھی' پروہت) فرعون کے پاس جمع ہو گئے[3]۔ اُنہوں نے اس سے کہا کہ اگر ہم موسیٰؑ پر غالب آ گئے تو ہمیں امید ہے کہ ہمیں اِ بہت بڑا صلہ ملے گا۔

---

[1] یہ اِن الفاظ (عصا۔ ثعبان مبین۔ ید بیضا) کے مجازی معنی ہیں جنہیں' ہمارے نزدیک' استعارۃً استعمال کیا گیا ہے (اس کی سند لغات القرآن میں اپنے اپنے مقام پر ملے گی)۔ ویسے عصا کے حقیقی معنی لاٹھی۔ ثعبان مبین کے معنی نمایاں اژدھا۔ اور ید بیضا کے معنی سفید چمکیلا ہاتھ ہیں۔

[2] سحر کے معنی جھوٹ اور فریب کے بھی ہیں۔ [3] لفظی معنی "جادوگر" ہیں۔

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ﴿۱۱۵﴾
قَالَ أَلْقُوا ۚ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ
أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوا
هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صَاغِرِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ
مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَكَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ
لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۱۲۳﴾

۱۱۴ فرعون نے کہا کہ بیشک تمہیں صلہ بھی ملے گا اور تم میرے مقربین کے زمرہ میں بھی داخل ہو جاؤ گے۔
۱۱۵ انہوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ پہلے تم اپنے دلائل پیش کرو گے[1] یا ہم پہل کریں۔
۱۱۶ موسیٰؑ نے کہا کہ تم ہی پہل کرو۔ سو جب انہوں نے اپنے مسلک کو پیش کیا' تو ان کی سحر بیانی کی چمک نے لوگوں کی نگاہوں میں خیرگی پیدا کر دی۔ اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے لوگوں کو اس سے بھی ڈرایا (کہ تم نے فرعون کی مخالفت کی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟)۔ اور اس طرح انہوں نے بہت بڑے مکر و فریب کا جال بچھا کر رکھ دیا۔
۱۱۷ اور ہم نے موسیٰؑ سے' وحی کے ذریعے کہا کہ تم اپنی تنذیرات کو پوری قوت اور شدت کے ساتھ پیش کرو۔ جب اس نے انہیں بیان کیا تو مخالفین کا فریب باطل ملیامیٹ ہو کر رہ گیا۔
۱۱۸ سو اس طرح حق ثابت ہو گیا اور اُن کا کیا کرایا سب اکارت گیا۔
۱۱۹ اور فرعون اور اس کی قوم کو' وہیں دیکھتے دیکھتے' مغلوب اور ذلیل ہو کر پسپا ہونا پڑا۔
۱۲۰ ۱۲۱ اور اُن کے باطل پرست (لیکن حق شناس) مذہبی پیشواؤں نے' موسیٰؑ کے دلائل کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور کہا کہ ہم اس خدا پر ایمان لاتے ہیں جو تمام نوعِ انسان کی نشو و نما کرنے والا ہے ——— یعنی موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر۔
۱۲۲ ۱۲۳ (اس پر فرعون کے غصے کی آگ بھڑک اٹھی)۔ اُس نے کہا کہ کیا تم میری اجازت کے

[1] لفظی معنی ہیں "پہلے تم ڈالو گے یا ہم ڈالیں"۔ [2] یہاں پھر لفظ عصا آیا ہے۔

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿١٢٥﴾
وَمَا تَنْقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ﴿١٢٦﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ
مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ
وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾

بغیر ہی موسیٰؑ کے خدا پر ایمان لے آتے ہو؟ میں اب سمجھا کہ یہ تم سب کی ملی بھگت ہے۔ یہ تو ایک گہری سیاسی سازش معلوم ہوتی ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ تم میرے دارالخلافہ سے ارباب اقتدار کو نکال باہر کرو (اور خود مملکت پر قبضہ کرلو۔ تم سب اندر سے ملے ہوئے نظر آتے ہو) تمہیں ابھی معلوم ہوجائے گا کہ اس سازش کا نتیجہ کیا ہے۔

۱۲۴ میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے کٹواؤں گا (یا ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈلواؤں گا) اور پھر تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا۔

۱۲۵ (اُنہوں نے فرعون کی اس گرج کو نہایت سکون سے سنا اور پورے اطمینان سے کہا کہ ہم اپنے سابقہ باطل مسلک سے منہ موڑ کر) اپنے نشوونما دینے والے کے صحیح مسلک کی طرف پلٹ گئے ہیں۔ (اب ہم اس سے پھرنے والے نہیں)۔

۱۲۶ تم ہمارے خلاف اس کے سوا اور کونسا جرم عائد کرسکتے ہو کہ جب ہمارے سامنے ہمارے نشوونما دینے والے کی کھلی کھلی آیات آگئیں تو ہم نے انہیں سچا تسلیم کرلیا۔ (اگر یہ جرم ہے تو ہم بدل وجان اس جرم کے اقبالی ہیں)۔ ہم تم سے کوئی عرض معروض نہیں کرنا چاہتے۔ ہم صرف اپنے نشوونما دینے والے سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں کو صبر واستقامت سے لبریز کردے اور ہمیں اس حالت میں موت دے کہ ہم اُس کے احکام کے سامنے جھکے ہوئے ہوں۔

۱۲۷ فرعون کے درباریوں نے اس سے کہا کہ (تم نے اِن مذہبی پیشواؤں کے خلاف تو اپنا فیصلہ دیدیا لیکن) کیا تیرا ارادہ یہ ہے کہ موسیٰؑ اور اس کی قوم کو اسی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ ملک میں فتنہ وفساد برپا کرتے پھریں اور (ایسا پراپیگنڈا کریں جس سے خود تیری قوم) تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے۔

فرعون نے کہا کہ (نہیں! میں اِن کی طرف سے غافل نہیں ہوں۔ لیکن اِن کیلئے میرے ذہن میں دوسری تدبیر ہے۔ یہ ہماری محکوم قوم ہے۔ اسے ہم سیاسی حربوں سے کچل کر رکھدیں گے)۔ ہم اِس قوم کے معزز افراد کو، جن میں جوہر مردانگی کی جھلک دکھائی دیتی

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

ہے' اور جن سے خطرہ کا امکان ہے' ذلیل و خوار کر کے غیر مؤثر بنا دیں گے' اور جو طبقہ ان جوہروں سے عاری ہے' اسے معزز اور مقرب بنا کر آگے بڑھاتے جائیں گے[1]۔ اسطرح مجموعی حیثیت سے یہ قوم تباہ ہو جائیگی (۴۹/۲ ؛ ۲۵/۴۶)۔

۱۲۸ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ فرعون کی ان دھمکیوں سے مت ڈرو۔ تم قانونِ خداوندی کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو نشوونما دیتے جاؤ اور خدا سے اس کی توفیق مانگو (۴/۱) اور اپنے پروگرام پہ ثابت قدم رہو۔ (حکومت و مملکت ان کے باپ کی جاگیر نہیں کہ وہ ابدی طور پر انہی کے پاس رہے خواہ یہ کچھ ہی کیوں نہ کرتے رہیں)۔ یہ تو خدا کے قانون کے مطابق ملتی اور اسی کے مطابق چھنتی ہے۔ اور اُس کا قانون یہ ہے کہ یہ ملتی اُس قوم کو ہے جس میں اس کی صلاحیت ہو (۲۱/۱۰۵)۔ جو قوم اُس کے قانون کی نگہداشت کرے گی' یہ آخر الامر اُسی کے پاس جائے گی۔

۱۲۹ اس پر موسیٰؑ کی قوم نے کہا کہ جب تم یہاں نہیں تھے تو اُس وقت بھی ہمیں مصیبتوں کا سامنا رہا۔ (تمہارے آنے سے یہ امید بندھ گئی تھی کہ اب ہمارا پاپ کٹ جائے گا اور آرام سے زندگی بسر ہو گی۔ لیکن فرعون سے لڑائی مول لے کر) تم نے ہمیں پھر مصیبتوں میں ڈال دیا۔

موسیٰؑ نے کہا کہ گھبراتے کیوں ہو۔ (پہلے تمہاری مصیبتیں' محکومی اور غلامی کی وجہ سے تھیں' لیکن اب جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا' وہ حصولِ آزادی کے لئے ہوں گی۔ اگر تم نے ثبات و استقامت سے کام لیا تو تم دیکھو گے کہ) تمہارا نشوونما دینے والا کس طرح تمہارے دشمن کو تباہ اور برباد کر دیتا ہے اور اُس کی مملکت تمہارے حصے میں آجاتی ہے۔

اسکے بعد وہ (خدا) یہ دیکھے گا کہ تم' مملکت حاصل ہونیکے بعد' کس قسم کے کام کرتے ہو؟

۱۳۰ (اُس اصول کے مطابق جس کا ذکر ۹۴/۷ میں کیا جا چکا ہے) قوم فرعون کے غلط نظام کے نتائج رفتہ رفتہ سامنے آنے شروع ہو گئے۔ چنانچہ وہاں خشک سالی کی وجہ سے' فصلوں میں کمی ہو گئی تو سارے ملک میں قحط پھیل گیا۔ انہیں اس سے سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ (غلط نظام

[1] لفظی معنی "ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے"۔

فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ
عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣١﴾ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ
لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٢﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ ۖ
فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿١٣٣﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
عِندَكَ ۖ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٣٤﴾

معاشرہ میں قدرتی حادثات کے مقابلہ کی سکت نہیں ہوتی۔ اس قسم کے حوادث کے مضر اثرات کی روک تھام کا انتظام نظامِ ربوبیت ہی کی رُو سے ہو سکتا ہے)۔

(۱۳۱) لیکن ان کی کیفیت یہ تھی کہ جب اُن پر خوش حالی کا زمانہ آتا تو کہتے کہ یہ ہمارے حسنِ انتظام کا نتیجہ ہے۔ اور جب سختی آتی تو کہتے کہ یہ موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست کا نتیجہ ہے۔

اُن کی اس مصیبت کا سبب موسیٰؑ اور اُس کی جماعت کی نحوست نہ تھی (نحوست کسی میں نہیں ہوتی)۔ یہ اُن کی اپنی غلط رَوش کا نتیجہ تھا جو قانونِ خداوندی کے مطابق مرتب ہو رہا تھا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے (اور اپنے اعمال کا جائزہ لینے کے بجائے دوسروں کو اُن کا ذمہ دار قرار دیکر اپنے آپ کو فریب میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں)۔

(۱۳۲) قومِ فرعون موسیٰؑ سے کہتی کہ تو ہم سے اپنا باطل مذہب منوانے کے لئے جتنا جی چاہے زور لگالے اور جس قسم کی مصیبتیں ہم پر لا سکتا ہے لے آ۔ ہم تجھ پر کبھی ایمان نہیں لانے کے۔

(۱۳۳) اُن پر طوفان آتے۔ ٹڈی دَل نے تباہی مچائی۔ فصلوں کو برباد کرنے والے کیڑے پیدا ہوئے۔ مینڈکوں کی کثرت ہوگئی۔ فسادِ خون کی بیماریاں رُونما ہوگئیں۔ یہ سب کھلی کھلی علامات تھیں (اس بات کی کہ جب ملک کا نظام صحیح خطوط پر متشکل نہ ہو تو وہاں اس قسم کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں اور اربابِ نظم و نسق اپنی عیش پرستیوں میں اس قدر منہمک ہوتے ہیں کہ انہیں اس طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں ہوتی)۔ قوم پر اس قسم کی مصیبتوں کے باوجود اُس کا حکمران طبقہ اپنی سرکشی سے باز نہ آتا۔ وہ درحقیقت تھا ہی مجرموں کا گروہ! (جو کچھ ملک میں ہو رہا تھا وہ انہی کے جرائم کا نتیجہ تھا)۔

(۱۳۴) جب اُن پر تباہی آتی تو وہ کہتے کہ اے موسیٰؑ! تو اپنے رب سے دعا کر۔ اگر وہ ہم سے

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿١٣٥﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي
الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٣٦﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ
الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۛ بِمَا صَبَرُوا ۖ
وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿١٣٧﴾ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ
فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ ۚ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ
تَجْهَلُونَ ﴿١٣٨﴾

اس عذاب کو ٹال دے تو ہم تیری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے چونکہ (تو کہتا ہے کہ) خدا نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے' اس لئے وہ تیری دعا ضرور قبول کرلے گا۔

۱۳۵ سو جب ہم' کچھ وقت کے لئے' اُن سے اس سختی کو دُور کر دیتے' جس تک انہوں نے بالآخر اپنی غلط روش کی وجہ سے پہنچ کر رہنا تھا' تو وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے۔

۱۳۶ جب وہ اس طرح (مسلسل اور پیہم) ہمارے قانون کو جھٹلاتے رہے اور اُس کے نتیجہ خیز ہونے کی طرف سے لاپرواہ رہے' تو ہمارے قانونِ مکافات نے انہیں پکڑ لیا۔ صورت یوں ہوئی کہ وہ اپنی قوت کے نشے میں بدمست' موسیٰ اور اس کی قوم کا تعاقب کرتے ہوئے' سمندر (یا دریا) میں کود پڑے اور غرق ہو گئے۔ یوں ہم نے انہیں تباہ کر دیا۔

۱۳۷ اور جس قوم کو وہ اسقدر کمزور و ناتواں (اور ذلیل و حقیر) سمجھا کرتے تھے' اُسے (مختلف مراحل سے گزار کر) اُس ملک کے مشرقی اور مغربی حصّوں کا وارث بنا دیا جو ہمارے قدرتی خزائن اور پیداوار سے مالا مال تھا۔ یوں تیرے نشو و نما دینے والے کا پروگرام' بنی اسرائیل کے حق میں' اس حسن و خوبی سے تکمیل تک پہنچا۔ یہ اس لئے کہ اُنہوں نے اس تمام جدوجہد میں بڑی استقامت کا ثبوت دیا تھا۔ اُن کے برعکس' قوم فرعون کے ساختہ پرداختہ کو برباد' اور اُن کی عالیشان عمارات کو تہس نہس کر دیا۔

(لیکن یہ اس داستان کا آخری حصّہ ہے جسے ہم نے اس مقام پر بیان کیا ہے۔ اس کی درمیانی کڑیاں یوں ہیں کہ)

۱۳۸ قوم فرعون ڈوب گئی اور بنی اسرائیل کے لئے ہم نے ایسا انتظام کر دیا کہ وہ سمندر

لہ قرآن کریم نے اس جگہ کتنی بلند حقیقت کو بیان کیا ہے جب کہا ہے کہ مصیبت انسان کی طرف نہیں آتی۔ انسان خود مصیبت کی طرف جاتا ہے۔

إِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٩﴾ قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ
عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَإِذْ أَنجَيْنٰكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿١٤١﴾ وَوٰعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلٰثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنٰهَا
بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هٰرُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَ
لَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤٢﴾

(یادریا۔ ۲/۵۰) کے پار اتر گئے۔ اِس کے بعد اُن کا گذر ایک ایسی قوم پر سے ہوا جو اپنے بتوں کی پرستش پر جمی بیٹھی تھی (اور یہی چیز ان میں وجہ جامعیت تھی)۔ موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ سے کہا کہ جس قسم کے اِن کے دیوتا ہیں، ہمیں بھی اسی قسم کا ایک دیوتا بنا دو!

موسیٰؑ نے کہا کہ (میں اس کے سوا تم سے کیا کہوں کہ) تم بڑے ہی جاہل ہو۔

۱۳۹ جس مسلک پر یہ (بُت پرست) چل رہے ہیں، وہ مسلک تباہ ہو کر رہنے والا ہے، اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ یکسر باطل ہے۔ اس کا نتیجہ تخریب کے سوا کچھ نہیں۔

۱۴۰ اُس نے کہا کہ کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی اور آلہ تجویز کر دوں، حالانکہ وہ خدا ایسا ہے جس نے تمہیں اپنی ہم عصر اقوام پر فضیلت عطا کی ہے۔

۱۴۱ (اُس خدا کے، اور انعامات کو تو چھوڑو۔ تم اِس بات کو بھی بھول گئے کہ) اُس نے تمہیں اُس قوم فرعون سے نجات دلائی، جو تمہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا رکھتی تھی۔ وہ لوگ تمہارے ابنائے قوم کو ذلیل و خوار کیا کرتے تھے اور جو اُن میں سے جوہر مردانگی سے بیگانہ ہوتے، انہیں اپنا مقرب و معزز بنا کر، تمہیں آپس میں لڑایا کرتے تھے (۲/۴۹)۔ اُس قوم کے اِس عذاب سے نجات مل جانا، تمہارے لئے، تمہارے نشو و نما دینے والے کی طرف سے ایک عظیم نعمت تھی۔ (۲/۴۹ : ۴۰/۲۵)۔

۱۴۲ پھر ایسا ہوا کہ موسیٰؑ، ہمارے حکم کے مطابق، ایک ماہ دس دن کے لئے، اپنی قوم سے الگ ہوا (۷/۱۵۱)۔ اس نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا کہ تم نے، میری عدم موجودگی میں، میری جانشینی کرنا اور قوم کی اصلاح کی کوشش کرتے رہنا۔ اور دیکھنا، اِن میں ایسا شرارتی عنصر بھی ہے جو انتشار پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ان کی راہ نہ چلنا۔ اُن سے محتاط رہنا۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۡ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

۱۴۳ اور جب موسیٰؑ ہمارے مقرر کردہ وقت پر پہنچا اور اس کے رب نے اُس سے باتیں کیں تو وہ (شدتِ اشتیاق سے بے اختیار پکار اٹھا کہ) اے میرے پروردگار! تو میرے سامنے بے حجاب آجا تاکہ تیرے دیدار سے میری نگاہ بھی کامیاب ہو۔ اس نے کہا۔ اے موسیٰ! تو مجھے نہیں دیکھ سکتا لیکن تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر یہ اپنی جگہ پر ٹکا رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا۔ سو جب جلالِ خداوندی نے اِس پہاڑ پر اپنی نمود کی تو اُس نے اُسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ پھر جب وہ ہوش میں آیا تو کہا کہ بارالٰہا! تو واقعی اِس سے بہت بلند ہے کہ انسان تجھے دیکھ سکے۔ میں تیری طرف (ویسے ہی) متوجہ رہوں گا (جیسے تو نے کہا ہے)۔ میں اِس حقیقت پر سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں (کہ انسان کے لئے خدا کو دیکھنا محال ہے)۔

۱۴۴ اللہ نے کہا کہ اے موسیٰ! میں نے تجھے دوسرے لوگوں سے ممتاز کیا ہے دو باتوں میں۔ —— ایک تو یہ کہ تجھ سے میں نے باتیں کی ہیں (یہ نبوت ہے) اور دوسرے یہ کہ تجھے اِس پر مامور کیا ہے کہ جو کچھ تم سے کہا گیا ہے اُسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ (یہ رسالت ہے)۔ لہٰذا جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے —— یعنی احکامِ خداوندی —— اُسے نہایت مضبوطی سے تھامے رہو اور (ان پر عمل پیرا ہو کر) ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہو جاؤ جن کی محنتیں بھرپور نتائج پیدا کیا کرتی ہیں۔

۱۴۵ اور ہم نے اُن تختیوں پر (جن پر موسیٰؑ نے وحی لکھی تھی) دین کے ہر گوشے سے متعلق

لہ یہ نبوت کے مقامات ہیں جن کی حقیقت و ماہیت سے غیر از نبی آشنا نہیں ہو سکتا۔ ان حقائق کو بیان تو ہمارے ہی الفاظ میں کیا جاتا ہے لیکن ان کی اصل و غایت کچھ اور ہوتی ہے۔ جس طرح ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ جبریلؑ نبی پر وحی کس طرح لاتا تھا اسی طرح ہم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ نبی اور خدا کا تعلق کیا ہوتا ہے۔ ہم صرف نبی کی طرف نازل شدہ وحی کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کے ہم مکلف بھی نہیں۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

احکام اور اخلاقی قدریں صاف صاف بیان کر دی تھیں۔ (یعنی ہم نے ان امور کو موسیٰؑ پر وحی کیا اور موسیٰؑ نے انہیں اُس زمانے کے قاعدے کے مطابق تختیوں پر نقش کر لیا)۔ ہم نے موسیٰؑ سے کہہ دیا کہ وہ خود بھی ان پر پوری قوت کے ساتھ عمل پیرا رہے' اور اپنی قوم سے بھی کہدے کہ (وہ بھی انہیں ہر وقت پیش نظر رکھے اور) جو معاملہ سامنے آئے' یہ دیکھے کہ ان احکام میں سے کونسا حکم اُس کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اُس کا اتباع کرے (۳۹/۱۷)۔ (اگر تمہاری قوم نے ایسا کیا تو) وہ بہت جلد دیکھ لے گی کہ (ان کے مطابق عمل کرنے سے کیسے خوشگوار نتائج مرتب ہوتے ہیں اور) ان کے خلاف چلنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

۱۴۶ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ نوعِ انسانی کے لئے تعمیری کام کئے بغیر دنیا میں بڑائی حاصل کر لیں (۳۵/۱۰) وہ ہمارے قوانین سے اپنا رُخ پھیر لیتے ہیں[1]۔ اُن کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ خواہ وہ اپنی غلط روش کے ایک ایک نتیجہ کو بھی اپنے سامنے کیوں نہ دیکھ لیں' وہ پھر بھی صحیح رَوش اختیار نہیں کرتے۔ (اُن کا بے جا غرور انہیں اس طرف آنے ہی نہیں دیتا)۔ اُن کے سامنے زندگی کی صحیح رَوش کیسی ہی نمایاں طور پر کیوں نہ آجائے' وہ اُس پر کبھی نہیں چلتے۔ لیکن اگر غلط راستہ سامنے آجائے تو اُس پر فوراً چل پڑیں گے۔ ان کی یہ حالت اس لئے ہو جاتی ہے کہ وہ ہمارے قوانینِ زندگی کو جھٹلاتے ہیں اور اُس سے لاپرواہی برتتے ہیں۔

۱۴۷ یاد رکھو! جو لوگ بھی ہمارے قوانین کو جھٹلائیں' اور اسے کبھی تسلیم نہ کریں کہ اُن کی غلط رَوش کے نتائج' ہمارے قانونِ مکافات کے مطابق ضرور سامنے آکر رہیں گے (خواہ اس

---

[1] الفاظ یہ ہیں "ہم ان کا رُخ پھیر دیں گے"۔ قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ جو نتائج خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق برآمد ہوتے ہیں' ان کی نسبت خدا خود اپنی طرف کرتا ہے۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے (۹/۱۲۷ ؛ ۶۱/۵ ؛ ۵۳/۱۳)۔ اس ضمن میں (۴/۱۵۵) اور (۴/۱۵۵) بھی قابلِ غور ہیں۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا
يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴۸ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا
لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۱۴۹ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ
بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ

دنیا میں' یا اس کے بعد کی زندگی میں) اُن کا کیا کرایا سب رائگاں جاتا ہے۔ (اُس سے وہ خوشگوار نتائج کبھی مرتب نہیں ہوتے جو اُن لوگوں کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ جس قسم کا عمل' ویسا ہی اس کا نتیجہ۔ (لہٰذا' جن اعمال میں تعمیرِ انسانیت کا کوئی پہلو نہ ہو' اُن کا نتیجہ تعمیری کس طرح ہو سکتا ہے؟)۔

۱۴۸ بہرحال' موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں' اُس کی قوم نے کیا کیا کہ اپنے زیورات وغیرہ گلا کر' بچھڑے کا ایک دھڑ سا بنایا۔ (یعنی اس قسم کی طلائی مورتی بنالی جس کی پرستش اہلِ مصر کیا کرتے تھے۔ سامری نے اُس میں ایسی کاریگری رکھ دی (۲۰/۹۶) کہ اس میں سے 'ہوا سے) گائے جیسی آواز نکلتی تھی۔ تو ہم پرست' جاہل قوم کے لئے' یہی چیز' اس جسدِ بے جان کو معبود تسلیم کر لینے کے لئے کافی" ۔ حالانکہ اگر وہ ذرا بھی عقل و خرد سے کام لیتے تو یہ حقیقت ان پر واضح ہو جاتی کہ) وہ "معبود" اُن سے باتیں نہیں کرتا۔ (اس سے صرف ایک بے معنی سی آواز نکلتی ہے۔ اور وہ آواز ہمیشہ ایک ہی جیسی ہوتی ہے)۔ نہ ہی وہ کسی معاملہ میں ان کی راہ نمائی کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود' انہوں نے' اس بچھڑے کو اپنا دیوتا بنا لیا۔ وہ کس قدر راہِ حق سے ہٹی ہوئی قوم تھی؟—

(ایک مدت کی غلامی نے' اُن سے غور و فکر کی صلاحیتیں اس حد تک چھین لی تھیں' اور اُن میں اس قدر احساسِ کمتری پیدا ہو چکا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے حیوان کے بت کو' اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور اُس کے سامنے جھکتے تھے۔ شرک اسی لئے جرمِ عظیم ہے کہ وہ انسان کو اُس کے مقامِ بلند سے بہت نیچے گرا دیتا ہے)۔

۱۴۹ جب (موسیٰؑ کے سمجھانے سے انہوں نے اپنے کئے پر غور کیا تو) اُس پر سخت نادم ہوئے' اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ سخت غلطی کر بیٹھے ہیں۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ اگر ہمارے نشو و نما دینے والے نے ہم پر اپنی مہربانی نہ کی' اور ہماری اس حماقت کے تباہ کن نتائج سے ہمیں محفوظ نہ رکھا' تو ہم یقیناً سخت نقصان میں رہیں گے۔

يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۫ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۫ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰ

حِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

---

۱۵۰ جب موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف واپس آیا تھا تو (اُسے ان کی حماقت پر) غصہ بھی آیا تھا اور افسوس بھی۔ اُس نے اُن سے کہا کہ تم نے میری عدم موجودگی میں جو کچھ کیا ہے، بہت برا کیا ہے۔ مجھے یہاں سے گئے ہوئے کچھ ایسا لمبا عرصہ تو نہیں ہو گیا تھا کہ تم مایوس ہو گئے اور خدا کے غضب کو آوازیں دے دیکر بلا لیا (۲۰/۹۰)۔

پھر اُس نے الواحِ تورات کو ایک طرف رکھ دیا، اور (غصے میں) اپنے بھائی کے بال پکڑ کر کھینچے (۲۰/۹۴)۔ بھائی نے کہا کہ (مجھ پر اس طرح ناراض نہ ہو۔ میری بات سُن لو۔ میں نے انہیں اس بات سے اِس لئے زبردستی نہیں روکا کہ تو آکر کہے گا کہ تم نے قوم میں تفرقہ پیدا کر دیا اور میری واپسی کا انتظار تک نہ کیا۔ ۲۰/۹۴ ـــــ میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تو انہوں نے میری نرمی کو میری کمزوری پر محمول کر لیا۔ قریب تھا کہ یہ مجھے قتل ہی کر ڈالتے۔ سو تم اب یہ تو نہ کرو کہ مجھے بھی ان سرکش مجرموں کے زمرے میں شامل کر لو اور میرے ساتھ ایسا ذلت آمیز سلوک کرو جس سے ہمارے دشمن ہم پر ہنسیں۔

۱۵۱ (جب موسیٰؑ اِس طرح حقیقتِ حال سے باخبر ہوا تو اُس نے) کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھ سے اور میرے بھائی سے جو خطا ہو گئی ہو، اُس سے ہماری حفاظت کا سامان بہم پہنچا۔ اور اپنی نظرِ عنایت کو بدستور ہمارے شاملِ حال رکھ۔ اِس لئے کہ تجھ سے بڑھ کر سامانِ رحمت و عاطفت بہم پہنچانے والا اور کون ہے؟

۱۵۲ اس پر خدا نے کہا کہ (تم دونوں سے ہم نے درگذر کیا) لیکن جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی، انہیں، ہمارے قانونِ مکافات کے مطابق، سخت سزا ملے گی۔ انہوں نے اپنے آپ کو بے جان حیوان سے بھی زیادہ حقیر سمجھا، اس لئے وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہوں گے (۷/۱۷۹)۔ ہم افترا پردازوں کو اُن کی بدعملی کی اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں (۴/۱۵۴)۔

۱۵۳ لیکن جن لوگوں سے (سہواً) کوئی لغزش ہو جائے، اور اس کے بعد، وہ پھر اپنے مقام

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ
قَبْلُ وَاِيَّايَ ۚ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۚ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ
تَشَآءُ ۚ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي

کی طرف لوٹ آئیں (اپنے کئے پر نادم ہوں اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کرلیں)۔ اور خدا کے ضابطۂ حیات کو اپنا نصب العین بنالیں۔ تو تیرے نشوونما دینے والے کے قانون ربوبیت میں ان کی حفاظت اور مرحمت کی گنجائش ہے۔

۱۵۴ اور جب موسیٰؑ کا غصہ فرو ہوا تو اُس نے ان تختیوں کو اٹھایا جن پر وحی منقوش تھی۔ جو کچھ اُن پر لکھا تھا' اس میں' ان لوگوں کے لئے جو قانون خداوندی کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے خائف ہوں صحیح راستے کی طرف راہ نمائی اور سامانِ مرحمت تھا۔

۱۵۵ اور موسیٰؑ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے مقرر کردہ وقت کے لئے چُنے (۵۵/۲)۔ جب انہیں سخت زلزلے نے آپکڑا تو موسیٰؑ نے عرض کیا کہ اے میرے نشوونما دینے والے! اگر تو چاہتا تو مجھے اور ان لوگوں کو' اس سے پیشتر ہی (جب ان لوگوں نے یہ سوال کیا تھا ۵۵/۲) ہلاک کر دیتا۔ (لیکن جب تو نے ایسا نہ کیا تو اس سے ظاہر ہے کہ تیری مشیت یہی تھی کہ ہم اس طرح ہلاک نہ ہوں۔ تو اب) کیا تو اُس بات کی وجہ سے جو ہم میں سے کچھ بیوقوف لوگ کر بیٹھے ہیں' ہمیں ہلاک کر دے گا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ انگیزی' ہماری ہلاکت کے لئے نہیں' بلکہ یہ دیکھنے کے لئے ہے کہ ہم میں حوادث برداشت کرنے کی کس قدر صلاحیت آچکی ہے۔ (تاکہ ہم اپنے متعلق کسی غلط اندازے میں نہ رہیں)۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس قسم کے مقامات بڑے نازک ہوتے ہیں۔ ایسے نازک کہ عقل و فکر سے کام نہ لینے والے لوگ' انہی سے غلط راستوں پر پڑ جاتے ہیں' اور دوسرے لوگوں کا قدم صحیح راستے کی طرف اٹھ جاتا ہے۔

بہرحال' تو ہمارا کارساز اور سرپرست ہے۔ ہم سے جو غلطی ہو گئی ہے اُس کے مُضر نتائج سے ہماری حفاظت اور مرحمت کا سامان کر دے۔ اس لئے کہ سب سے بہتر سامانِ حفاظت عطا کرنے والا تیرا ہی قانون ربوبیت ہے۔

۱۵۶ اور ہمارے لئے اس دنیا کی زندگی میں بھی خوشگواریاں پیدا کر دے اور مستقبل کی

الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ
يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ
الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

زندگی میں بھی۔ اس لئے کہ ہم تیری طرف رجوع کر رہے ہیں۔

اِس پر خدا نے کہا کہ میری طرف سے تباہی میرے قانون مشیت کے مطابق صرف اس پر آتی ہے (جو میرے قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ ورنہ) میرا عام پروگرام یہی ہے کہ کائنات کی ہر شے 'نشوونما حاصل کر کے' اپنی تکمیل تک پہنچ جائے۔ (تم دیکھتے ہو کہ خارجی کائنات میں میرا یہ نظام ربوبیت و رحمت کس طرح کارفرما ہے۔ اسی طرح انسانوں کی دنیا میں) یہ ربوبیت انہیں مل سکتی ہے جو زندگی کی تباہیوں سے بچنا چاہیں اور دوسروں کی نشوونما کا سامان بہم پہنچائیں۔ یعنی وہ لوگ جو ہمارے قوانین کی صداقت پر پورا پورا یقین رکھیں۔

یہ تھا جو ہم نے موسیٰؑ سے کہا تھا۔

۱۵۷ (ہمارا یہ قانون' سابقہ انبیاءؑ کی وساطت سے بھی ملتا رہا' اور اب یہی قانون اس رسول کی معرفت آیا ہے۔ اس لئے اب ہماری ربوبیت اور رحمت ان لوگوں کے حصے میں آئے گی' جو نظام ربوبیت قائم کرنے کے لئے) اس رسول کے پیچھے پیچھے چلیں گے جو (قرآن ملنے سے پہلے) اُمّی تھا (۲۹/۴۸)۔ جس کی علامات (یہود و نصاریٰ) اپنے ہاں' تورات اور انجیل میں لکھی پاتے ہیں۔ وہ اُن باتوں کا حکم دیتا ہے جسے وحیٔ خداوندی صحیح تسلیم کرتی ہے' اور اُن امور سے روکتا ہے جو اس وحی کی رُو سے ناپسندیدہ ہیں۔ اسی وحی کی رُو سے وہ زندگی کی تمام پاکیزہ خوشگوار چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور اُن خباثت کو حرام ٹھیراتا ہے (جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے ۶/۱۴۵)۔ اور (مذہبی پیشواؤں کے جن خود ساختہ آئین و شرائع اور مستبد حکام کے جور و ستم کے) جس بوجھ کے نیچے انسانیت دبی چلی آرہی تھی' اُس بوجھ کو اُس کے سر سے اُتارتا ہے۔ اور (تقلید و اوہام کی جن زنجیروں میں انسانی قلب و دماغ جکڑا ہوا تھا) ان زنجیروں کو توڑتا ہے (۷/۴۶) —— اور اس طرح انسان

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ
وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ
عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا

صحیح آزادی عطا کرتا ہے کہ وہ (حدود اللہ کا پاس رکھتے ہوئے) اپنی سعی و کاوش سے جن بلندیوں تک جانا چاہے چلا جائے۔ اس کے راستے میں کوئی روک نہ ہو۔

لہٰذا، جو لوگ اس کی نبوت پر ایمان لے آئیں، اور اس کے پیش کردہ پیغام کے مخالفین کے لئے روک بن کر اُس کی مدافعت کریں۔ اس نظام کے قیام میں اُس کی مدد کریں۔ اور اس مقصد کے لئے اُس روشنی کو اپنے لئے چراغِ راہ بنائیں جسے اس رسول کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ تو یہی لوگ ہوں گے جن کی کھیتیاں پروان چڑھیں گی، اور جو کامیاب و کامران زندگی بسر کریں گے۔

۱۵۸ (اے رسول!) تم تمام نوعِ انسان سے پکار کر کہدو کہ میں (قبائل و اقوام کی قیود، اور نسلی، وطنی اور مذہبی گروہ بندیوں کی حدود سے بلند ہو کر) پوری کی پوری انسانیت کی طرف خدا کا پیغامبر بن کر آیا ہوں ـــــ اُس خدا کا پیغامبر جس کی حکومت کا تختِ اجلال تمام کائنات میں بچھا ہوا ہے جس کا قانون ہر جگہ کارفرما ہے۔ اُس کے سوا کائنات میں کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ افراد اور اقوام کی زندگی اور موت کے فیصلے اسی کے قانون کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہٰذا، تم (اپنے اپنے غلط معتقدات و تصورات کو چھوڑ کر) اُس خدا پر ایمان لاؤ۔ اور اُس کے رسول پر جو (قرآن ملنے سے پہلے۔ ۲۹/۴۸) اُمّی تھا۔ وہ خود بھی سب سے پہلے خدا پر اور اس کی طرف سے نازل کردہ قوانین پر ایمان لایا ہے۔ تم، ان قوانین کو عملاً متشکل کرنے کے لئے، اس رسول کے پیچھے پیچھے چلو۔ بس یہی ایک راستہ ہے جو تمہیں کامیابی کی منزل تک لے جائے گا۔

۱۵۹ (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، اسی قسم کا ضابطۂ ہدایت موسیٰؑ کو بھی دیا گیا تھا) اور اُس کی قوم میں بھی ایک گروہ ایسا تھا جو حق کے ساتھ لوگوں کی راہ نمائی کرتا تھا، اور اُسی کے مطابق لوگوں کے فیصلے عدل و انصاف سے کیا کرتا تھا۔

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا
هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْۗـــَٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ
السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

۱۶۰ (اس سے سلسلۂ کلام پھر داستان بنی اسرائیل کی طرف پلٹتا ہے)۔
قوم بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے اور وہ الگ الگ گروہوں میں بٹے ہوئے تھے جب اس کی قوم نے موسیٰ سے پانی کی درخواست کی تو (ہم نے اس کی راہ نمائی اس پہاڑی کی طرف کر دی جہاں پانی کے چشمے مستور تھے۔ چنانچہ) وہ اپنی قوم کو لے کر اس طرف گیا۔ چٹان پر سے مٹی ہٹائی تو اس میں سے (ایک چھوڑا کٹھے) بارہ چشمے پھوٹ نکلے (۲/۴۰)۔ اس نے ان چشموں کو نامزد کر دیا اور ہر قبیلہ کو بتا دیا کہ اس کا چشمہ کونسا ہے۔
پھر اس بیابان میں' پانی سے بھرے ہوئے بادل' ان کے سر پر سایہ فگن رہتے تھے۔ کھانے کے لئے پرندوں کا گوشت اور جنگل کی نباتاتی شیرینی' جو ان کے لئے وجہ سکون اور باعث اطمینان تھی۔ (۲/۵۷)۔
سامان رزق کی اس قدر فراوانیاں عطا کر کے ہم نے ان سے کہا کہ ان پاکیزہ اور خوشگوار چیزوں کو کھاؤ پیو۔ (لیکن' اس پر بھی' انہوں نے ہمارے قانون کا اتباع نہ کیا۔ سو) اس سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کیا۔

۱۶۱ ہم نے ان سے کہا کہ تم فلسطین کی سرزمین میں فاتحانہ حیثیت سے رہو سہو (۵۸ : ۲۱)۔ اور اس طرح اپنی مرضی سے' جیسے اور جب جی چاہے' سامان زیست سے فائدہ اٹھاؤ' اس شرط کے ساتھ کہ تم ہمارے قوانین کے سامنے اپنا سر جھکائے رکھو۔ اس طرح تمہاری صحرانوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی بھی ختم ہو جائے گی اور جو غلطیاں تم سے سرزد ہو چکی تھیں' ان کے مضر اثرات سے حفاظت کا سامان بھی مل جائے گا۔ اور اگر تم اس کے بعد بھی حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرو گے تو ان فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھتا چلا جائے گا (۵۸)۔

۱۶۲ لیکن تم نے' سپاہیانہ اور مجاہدانہ زندگی کے بجائے' آرام طلبی اور تساہل انگیزی کی زندگی اختیار کر لی (۲/۶۱)۔ اور اس طرح ہمارے قوانین سے سرکشی برتی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے سماوی قانون مکافات کے مطابق' تم میں مسلسل کمزوری آتی گئی' اور تم میں جرأت

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور ہمت باقی نہ رہی (۵۹/۲ ؛ ۲۴ — ۵ — ۲۲)۔

۱۶۳ اور ان سے اُن بستی والوں کا حال پوچھو جو دریا کے کنارے واقع تھی۔ (چونکہ یہودیوں کے ہاں سبت کے دن شکار کرنے کی ممانعت تھی اور رفتہ رفتہ مچھلیوں نے اس کا اندازہ کر لیا تھا کہ اُس دن انہیں کوئی نہیں پکڑتا' اس لئے وہ) سبت کے دن پانی کے اوپر تیرتی پھرتی نظر آیا کرتی تھیں' اور ہفتے کے دوسرے دنوں میں نیچے نیچے رہتی تھیں۔ جن لوگوں کے دل میں قانون شکنی کے جذبات پرورش پاتے وہ اتنا بھی ضبط نہ کر سکتے کہ سبت کے دن کاروبار بند رکھنے کی بات جو طے پایا تھا' اس کا احترام کرتے۔ چنانچہ وہ اس قاعدے کو توڑ کر بے راہ روی اختیار کر لیتے (۵۹/۲ ؛ ۴۷/۴ ؛ ۱۵۴/۴ ؛ ۶۰/۵ ؛ ۱۲۴/۱۶)۔

۱۶۴ (وہ لوگ جن کا ذکر (۵۹/۱۵۴) میں کیا گیا ہے' لوگوں کو اس قانون شکنی سے باز رہنے کی نصیحت کرتے رہتے' لیکن ان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوتا) اس پر دوسرے لوگ اُن سے کہتے کہ تم ان لوگوں کو وعظ و نصیحت کر کے اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ ان کی خوئے سرکشی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ' یا تو یکسر ہلاک ہو جائیں گے یا کسی سخت عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے (ان میں راہ راست پر آنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی)۔ اس پر وہ ان سے کہتے کہ ہم ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ شاید یہ تباہی سے بچ جائیں (اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو) کم از کم ہم تو خدا کے حضور سرخرو ہو جائیں کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کر دیا تھا۔

۱۶۵ چنانچہ جب ان لوگوں نے قانونِ خداوندی کو یکسر پس پشت ڈال دیا' تو ہم نے اُن لوگوں کو جو انہیں برائیوں سے روکا کرتے تھے' الگ کر لیا اور ان نافرمانوں کو ان کی سرکشی کی وجہ سے سخت فلت آمیز عذاب میں گرفتار کر دیا۔

۱۶۶ یعنی جب انہوں نے اس بات سے سرکشی اختیار کر لی جس سے انہیں روکا گیا تھا'

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ
وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ
بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ
عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ
مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

تو ہمارے قانون مکافات نے یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ ذلت و خواری کے چلتے پھرتے پیکر بن جائیں (۲/۶۵)۔ اور زندگی کی شادابیوں سے محروم رہ جائیں (۲/۶۴)۔

۱۶۷ (یہ تھی بنی اسرائیل کی مجموعی حالت۔ اس کی وجہ سے) تیرے نشوونما دینے والے نے (وحی کے ذریعے) اعلان کر دیا کہ (اگر یہ لوگ سرکشی سے باز نہ آئے تو) میں ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے' ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہوں گا جو انہیں بدترین قسم کی سزائیں دیں گے۔ (انہوں نے ہمارے قانونِ مکافات کو یونہی مذاق سمجھ رکھا تھا حالانکہ) یہ حقیقت ہے کہ وہ قانون' اپنے پیمانوں کے مطابق' نتائج مرتب کرنے میں کبھی دیر نہیں لگاتا۔ (اس میں مہلت کا وقفہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اگر لوگ اس دوران میں اپنی روش میں تبدیلی کر لیں تو ان کے لئے) سامان حفاظت و مرحمت مہیا ہو جائے۔

۱۶۸ (چنانچہ ان کے عذاب کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ) ان کی مرکزیت تباہ ہو گئی اور وہ مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے (کسی قوم کا مختلف پارٹیوں اور فرقوں میں بٹ جانا خدا کا سخت عذاب ہوتا ہے)۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا رہتے ہوئے' زندگی کو سنوارتے تھے' اور کچھ ایسے تھے جو اس روش کے خلاف چلتے تھے۔ ہم ان کی قومی زندگی کے مختلف پہلو بدلتے رہے۔ کبھی ان پر خوش حالی کا دور آجاتا کبھی بدحالی کا۔ (انہیں یک لخت تباہ نہیں کر دیا گیا تھا)۔ اور یہ اس لئے کہ ممکن ہے وہ قانون خداوندی کی طرف لوٹ آئیں۔

۱۶۹ (ابتداءً ان کی یہ حالت رہی) لیکن اس کے بعد جو نسلیں اُن کی جانشین ہو کر ہمارے ضابطہ قوانین کی وارث بنیں' اُن کی حالت یہ تھی کہ وہ پیش پا افتادہ دنیاوی مفاد پر جھپٹ پڑتے' اور کہتے کہ اس کی ہمیں معافی مل جائے گی۔ اُس کے بعد جب پھر اُس قسم کا کوئی اور

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ
فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَ
اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا
بَلٰي ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

مفاد سامنے آجاتا تو اسے بھی جھپٹ لیتے۔ یعنی ان کی روش ہی یہ ہوگئی کہ یونہی کوئی فائدہ سامنے آیا، اصول اور ضابطہ، قاعدہ اور قانون کو بالائے طاق رکھ کر اس کی طرف لپک پڑے۔

(ان سے کوئی پوچھتا کہ) کیا تم سے کتاب اللہ کے مطابق یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ تم خدا کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہو گے ——— اور یہ اُس کتاب کو پڑھتے پڑھاتے بھی رہتے ہیں۔ ——— (اُس کتاب میں یہ لکھا ہوا تھا کہ) اُن لوگوں کے لئے جو زندگی کی تباہیوں سے بچنا چاہتے ہیں، (حیوانی سطح زندگی کے قدریی مفاد کے مقابلہ میں) مستقبل کی خوشگواریاں کہیں بہتر ہیں۔ کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے؟

۱۷۰ (اور اُس کتاب میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ) جو لوگ خدا کے ضابطہ قوانین سے متمسک رہیں گے اور نظام صلوٰۃ کو قائم کریں گے۔ تو ہم اُن لوگوں کے اعمال کا اجر ضائع نہیں کریں گے جو اپنی زندگی اور معاشرہ کو سنوارنے والے ہوں۔

۱۷۱ اور جب اُس پہاڑ میں زلزلہ آیا جس کے دامن میں بنی اسرائیل ٹھہرے ہوئے تھے، اور وہ یوں نظر آنے لگا گویا ایک سائبان ہے جو اس طرح ہل رہا ہے کہ اُن کے سروں پر گرا چاہتا ہے۔ (اس سے اُن کی توہم پرستی نے اُن کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ ہم نے اُن سے کہا کہ ان حوادث فطرت سے گھبرانے کی کوئی بات نہیں) جو کچھ ہم نے تمہیں وحی کے ذریعے دیا ہے، اُس پر نہایت مضبوطی سے کاربند رہو اور اُس کی تعلیم کو ہر وقت سامنے رکھو۔ اس سے تم تمام خطرات سے محفوظ رہو گے۔

۱۷۲ (اے قوم مخاطب! تم نے بنی اسرائیل کی داستان سے دیکھا کہ قومیں کن خطرناک مراحل سے گزر کر، اور کیسے کیسے مہیب موانع کو راستے سے ہٹا کر آگے بڑھتی ہیں! یہ بات کسی خاص قوم تک محدود نہیں۔ خود نوع انسان کا مسلسل آگے بڑھتے چلے آنا، خدا کے قانونِ ربوبیت کی زندہ شہادت ہے)۔ تم ذرا اس پر غور کرو کہ اس قدر نامساعد حالات کے باوجود، بنی آدم کی نسل کا سلسلہ پشتہا پشت

أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾
وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ
مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿١٧٥﴾

سے جاری ہے' اور ان میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اِن کا وجود اِس حقیقت کی شہادت ہے کہ کائنات میں خدا کا قانونِ نشوونما کارفرما ہے۔ ہر نیا پیدا ہونے والا بچہ اِس حقیقتِ حال کی ناطق شہادت ہوتا ہے۔ ہم یہ دلائل و شواہد اس لئے تمہارے سامنے لا رہے ہیں کہ جب تمہارے تخریبی اعمال کے نتائج متشکل ہو کر تمہارے سامنے کھڑے ہوں' تو تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ مشیت کا پروگرام تعمیری کام چاہتا ہے یا تخریبی۔

۱۷۳ یا یہ کہدو کہ ہمارے اسلاف یہ مانتے چلے آ رہے تھے کہ کائنات میں اکیلے خدا کا قانونِ ربوبیت کارفرما نہیں۔ اور قوانین بھی ہیں۔ ہمارے اسلاف کا یہ عقیدہ تھا' اور ہم بعد میں آنے والے' انہی کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔ تو کیا ہمیں اُن لوگوں کے جُرم کی پاداش میں ہلاک کیا جا رہا ہے جو اِس قسم کے باطل عقائد رکھتے تھے؟

۱۷۴ ہم اِس طرح اپنے احکام و قوانین نکھار کر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ' غلط راستوں کو چھوڑ کر صحیح راہ کی طرف رجوع کریں۔

۱۷۵ لیکن حق کی راہ اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ایک دفعہ کسی قوم نے یہ روش اختیار کر لی تو اُس کے بعد آنے والی نسلیں جو جی میں آئے کریں' وہ زندگی کی خوشگواریوں سے بہرحال بہرہ یاب ہوتی رہیں گی —— قطعاً نہیں —— ہم اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔ اے رسول! تم اِسے اپنی جماعت (مومنین) کے سامنے پیش کرو اور اِن سے کہو کہ اِسے دل کے کانوں سے سُن لیں۔

ایک شخص کو خدا نے اپنے احکام و قوانین دیئے (وہ ان پر کاربند ہوا تو اُسے خوش حالی اور عُروج نصیب ہو گیا)۔ اُس کے بعد وہ اُنہیں چھوڑ کر اُن میں سے اس طرح صاف نکل گیا جس طرح سانپ اپنی کینچلی میں سے نکل جاتا ہے کہ اُس پر اُس کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہتا۔ جب اُس نے اِن قوانین کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو حیوانی سطح زندگی کے جذبات' اُس پر بری طرح غالب آ گئے اور وہ (حق کا راستہ چھوڑ کر) غلط راہوں پر چل نکلا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

۱۷۶ اگر وہ ہمارے قانونِ مشیت کے مطابق چلتا رہتا (جو اسے دیا گیا تھا) تو ہم اُسے (آسمان کی) بلندیوں تک لے جاتے۔ لیکن اس نے 'ہمارے قوانین کے بجائے' اپنے جذبات ہی کی پیروی شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ (آسمان کی بلندیوں کے بجائے) زمین کی پستیوں کے ساتھ چپک گیا۔ (اس کی زندگی کا سارا مقصد' دنیاوی مفاد کا حصول رہ گیا)۔ اب اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اسے دوڑاؤ اور اُکساؤ' تو بھی وہ ہانپے اور زبان لٹکائے۔ اور اگر ویسے چھوڑ دو' تو بھی ہانپے اور زبان لٹکائے۔ (یعنی پھر انسان کی ہوس کی تسکین ہی نہیں ہوتی' خواہ وہ کسی حالت میں بھی کیوں نہ ہو۔ اسے اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں ہوتا)۔

یہ حالت ہو جاتی ہے اس قوم کی جو ہمارے قانون ربوبیت کو جھٹلاتی ہے۔ سو اے رسول! تم انہیں یہ باتیں سناؤ تاکہ یہ ان پر غور و فکر کریں۔ اور یہ سمجھ سکیں کہ

۱۷۷ کس قدر بری حالت ہوتی ہے اُس قوم کی جو ہمارے قوانین کو جھٹلاتی ہے' اور یوں اپنے آپ پر زیادتی کرتی ہے۔

۱۷۸ اور (اتنا نہیں سمجھتی کہ) زندگی کے خوشگوار راستوں کی طرف راہ نمائی' صرف قوانین خداوندی کی رُو سے مل سکتی ہے۔ جو قوم ان قوانین کو چھوڑ دے' اسے صحیح راستہ کبھی نہیں مل سکتا اور وہ سخت نقصان اٹھاتی ہے۔

۱۷۹ (لیکن یہ باتیں تو عقل و فہم اور غور و تدبر سے سمجھ میں آسکتی ہیں) اور انسانوں کی

لہ یہ خود ہماری (مسلمانوں کی) داستان ہے جسے قرآن کریم نے اس انداز میں بیان کیا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

اکثریت کا یہ عالم ہے کہ ـــــ مہذب اقوام ہوں' یا جاہل بادیہ نشین ـــــ وہ زندگی جہنم میں گزارتے ہیں۔ یعنی سینے میں دل رکھتے ہیں' لیکن اس سے سمجھنے سوچنے کا کام کبھی نہیں لیتے۔ اُن کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں' لیکن اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ وہ کان بھی رکھتے ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں' بالکل حیوان ہوتے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔ (اس لئے کہ حیوان کم از کم اپنے جبلّی تقاضوں کے مطابق تو چلتے ہیں۔ اور اس قسم کے انسان' ان حدود سے بھی) بے خبر رہتے ہیں۔

۱۸۰ (اس جہنم کی زندگی کو جنّت سے بدلنے کا طریق یہ ہے کہ) تم صفات خداوندی کو ـــــ جو کامل حسن و توازن کی مظہر ہیں ـــــ اپنے اندر اجاگر کرتے جاؤ۔ اور اس میں اعتدال و توازن کا خیال رکھو۔ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اُن میں سے کسی ایک صفت کو لے کر افراط کی طرف نکل جاتے ہیں[1] (اور یوں زندگی کا توازن کھو دیتے ہیں۔ ۴/۱۷۱ ؛ ۴۱/۴۰)۔ ان کی غلط روش بہت جلد اپنا نتیجہ ان کے سامنے لے آئے گی۔

۱۸۱ اِن کے برعکس' ہماری مخلوق میں وہ لوگ بھی ہیں جو حق کے ساتھ دوسروں کی راہ نمائی کرتے ہیں' اور اُس کے ذریعے اعتدال اور توازن کو ہمیشہ برقرار رکھتے ہیں ـــ اسی کو حق و عدل کے ساتھ فیصلے کرنا کہتے ہیں۔

۱۸۲ جو لوگ ہمارے قوانین کو جھٹلاتے ہیں (ان کی گرفت فوری نہیں ہو جاتی) ہم انہیں' آہستہ آہستہ' بتدریج' تباہی و بربادی کے اُس مقام تک لے آتے ہیں جو اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

۱۸۳ (یہ اس لئے کہ ہمارا قانون یہی ہے کہ بیج ڈالنے اور فصل کے پکنے میں ایک مدت معینہ کا وقفہ

---

[1] جیسے عیسائیوں نے خدا کی صفت "رحم" میں اس قدر غلو کیا کہ اس کے قوانینِ مکافاتِ عمل کو یکسر نظر انداز کر دیا اور نجات و سعادت کو اعمال پر نہیں بلکہ اس کے رحم پر موقوف کر دیا۔ اس کا جو نتیجہ برآمد ہوا اس پر عیسائیت کی تاریخ شاہد ہے۔ قرآن کریم صفاتِ خداوندی میں اعتدال اور صحیح تناسب کی تعلیم دیتا ہے۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٨٤﴾ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ
حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾ مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٨٦﴾
يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٧﴾

رہے) یہی ان کے لئے مہلت کا وقفہ ہوتا ہے۔ (یہ بات نہیں کہ ان کی غلط کاریوں پر کوئی گرفت کرنے والا ہی نہیں ہوتا)۔ ہمارے قانون مکافات کی تدبیر بڑی محکم ہوتی ہے۔ (اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا)۔

۱۸۴ ان لوگوں کے انکار اور تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ اگر یہ عقل و فکر سے کام لیتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ ان کا یہ رفیق ـــــ یعنی ہمارا رسول۔ کوئی پاگل نہیں۔ وہ انہیں جن تباہیوں سے خبردار کر رہا ہے' وہ واقعی ان پر آنے والی ہیں۔

۱۸۵ اگر یہ لوگ کائنات کے عظیم سلسلہ اور تخلیق خداوندی پر ہی غور کر لیتے تو یہ بات ان کی سمجھ میں آجاتی کہ یہ رسول جو کچھ کہتا ہے صحیح کہتا ہے۔ تخریبی روش کا نتیجہ کبھی منفعت بخش نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ اپنی آنکھوں پر اس طرح پردے نہ ڈال لیتے تو انہیں نظر آجاتا کہ ان کی تباہی کا وقت کس قدر قریب آرہا ہے۔ (اس کی محسوس علامات سامنے کھڑی ہیں۔ اگر یہ اس پر بھی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے تو) اس کے بعد وہ کونسی بات باقی رہ جاتی ہے جسے دیکھ کر یہ ایمان لائیں گے؟ ـــــ خارجی دنیا میں کائنات کا ایسا محیر العقول نظام' اور ان کی داخلی دنیا میں اس قسم کی معاشرتی خرابیاں! ان شواہد کے بعد اور کونسی ایسی دلیل آجائے گی جس کی بنا پر یہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں گے کہ قانون خداوندی کے مطابق چلنے کا نتیجہ حسن و خوبی ہے' اور اس کی خلاف ورزی کا انجام تباہی و بربادی۔

۱۸۶ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ (خدا کے قوانین کو چھوڑ کر) غلط راستہ اختیار کر لیں تو پھر کوئی قوت ایسی نہیں ہوتی جو انہیں صحیح راستے کی طرف لے آئے۔ وہ اپنی سرکشی کی وجہ سے' خدا کے قانون کو چھوڑ دیتے ہیں تو خدا کا قانون انہیں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ زندگی کی تاریکیوں میں حیران و سرگرداں' بے سہارا بھٹکتے پھریں (۲/۱۵)

۱۸۷ یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ انقلاب کی وہ گھڑی (جس کی بابت تم اس قدر دھمکیاں دیتے ہو)

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ
الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۭ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ
خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا
خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

کب واقع ہوگی؟ ان سے کہو کہ اس کا علم میرے پروردگار ہی کو ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو اُسے اُس کے وقت پر نمودار کر دے۔ (لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ انقلاب ایسا عظیم ہوگا کہ) وہ زمین و آسمان سب پر بھاری ہوگا اور تم پر اچانک آجائے گا۔ (۳۳/۶۳ ؛ ۴۲/۱۷ ؛ ۷۹/۴۲)۔ یہ تجھ سے اس کے متعلق اس طرح پوچھ رہے ہیں گویا تو اسی کاوش میں لگا رہتا ہے (اس کے سوا تیرے لئے کوئی اور کام ہی نہیں)۔ ان سے کہدو کہ (میں اس کے متعلق قطعاً کوئی کاوش نہیں کرتا)۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے (اور اس کے متعلق یونہی قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں)۔

۱۸۸ ان سے کہو کہ (یہ تو بہت بڑی چیز ہے کہ میں بتا سکوں کہ یہ انقلاب کب آئے گا۔ میری تو یہ کیفیت ہے کہ) میں اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع نقصان کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ کچھ بھی خدا کے کائناتی قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اپنے لئے بہت سی نفع بخش چیزیں اکٹھی کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف چھو تک نہ سکتی۔ (میری پوزیشن تو صرف یہ ہے کہ) میں اس قوم کو جو خدا کے قوانین پر یقین رکھتی ہے، صحیح روش کے خوش گوار نتائج اور غلط روش کے تباہ کن عواقب سے آگاہ کرتا ہوں (کیونکہ مجھے اس کا وحی کے ذریعے علم دیا گیا ہے)۔

۱۸۹ ان لوگوں سے کہو کہ (میں جس خدا کے قانون کی طرف دعوت دیتا ہوں وہ) وہ خدا ہے جس نے تمہاری پیدائش کا سلسلہ آغاز ایک جرثومۂ حیات سے کیا۔ پھر وہ جوشِ نمو سے پھٹ کر نر اور مادہ میں تقسیم ہو گیا (۴/۱)۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ عورت اور مرد کا وجود عمل میں آگیا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور باہمی رفاقت سے انہیں سکون حاصل ہوتا ہے (۳۰/۲۱)۔ اسی سے نسلِ انسانی کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے۔ چنانچہ جب ایسا ہوتا ہے کہ مرد عورت کی طرف ملتفت ہوتا ہے تو اسے حمل قرار پا جاتا ہے۔ شروع شروع میں وہ اتنا ہلکا ہوتا ہے کہ اسے اس کا بوجھ محسوس ہی نہیں ہوتا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی شدت

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا
يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى
الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ
بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا

محسوس ہونے لگتی ہے۔ پھر جب وضع حمل کا وقت قریب آجاتا ہے تو میاں۔ بیوی' دونوں اپنے رب سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں ایک تندرست و توانا بچہ عطا کر دیا تو ہم تیرے شکر گذار ہوں گے۔

۱۹۰ لیکن جب وہ انہیں تندرست بچہ عطا کر دیتا ہے' تو وہ' اس بچہ کی پیدائش کے سلسلے میں' خدا کے ساتھ اوروں (زندہ اور مردہ' پیروں۔ فقیروں) کو بھی شریک کرنے لگ جاتے ہیں۔ (اور اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جنہیں وہ خدا کا ہمسر قرار دیتے ہیں) اللہ کا مقام اُن سے کس قدر بلند ہے۔

۱۹۱ ان کی حماقت دیکھئے کہ وہ خدا کا ہمسر انہیں بناتے ہیں' جن کی حالت یہ ہے کہ اُن کا کسی چیز کو پیدا کرنا تو ایک طرف' وہ خود کسی کے پیدا کردہ ہیں۔

۱۹۲ وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کی کوئی مدد کر سکیں۔ ان کی مدد کرنا تو ایک طرف' وہ خود اپنی مدد کرنے کے بھی قابل نہیں۔

۱۹۳ (ان لوگوں پر اپنے معبودانِ باطل کی عقیدت کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں' کسی کی بات تک سننے کے روادار نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ) اگر تم انہیں راہِ راست کی طرف دعوت دو' تو وہ تمہارا اتباع کبھی نہیں کریں گے۔ لہٰذا' تمہارے لئے یکساں ہے کہ تم انہیں صحیح راستے کی طرف دعوت دو' یا خاموش رہو (پ۹)۔

۱۹۴ (ان سے کہو کہ) جن ہستیوں کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو' وہ تمہارے ہی جیسے (خدا کے) بندے ہیں۔ ان میں کوئی خدائی قوت نہیں۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ ان میں خدائی قوتیں ہیں' تو تم انہیں اپنی احتیاجوں میں مدد کے لئے پکارو۔ پھر دیکھو کہ کیا وہ تمہاری احتیاج کو پورا کر دیتے ہیں؟

۱۹۵ (اور یہ مٹی اور پتھر کے بت' جن کی تم پرستش کرتے ہو' وہ ان سے بھی گئے گزرے

شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۚ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾
وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ
اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ
وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

ہیں۔ تم نے ان کے ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھ۔ کان۔ سب بنا دیئے ہیں۔ لیکن سوچو کہ) کیا ان کے پاؤں ایسے ہیں جن سے یہ چل سکیں۔ کیا ان کے ہاتھ ایسے ہیں جن سے یہ کچھ پکڑ سکیں۔ کیا ان کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے یہ دیکھ سکیں۔ یا ان کے کان ایسے ہیں جن سے یہ سُن سکیں؟

اے رسول! ان سے کہو کہ (یہی ہیں ناں تمہارے وہ معبود' جن کے بل بوتے پر تم سمجھتے ہو کہ مجھے شکست دیدو گے۔ سو) تم انہیں بلاؤ' اور سب کو دعوت دو کہ وہ میرے خلاف جو تدبیریں چاہیں کر لیں' اور مجھے' اس باب میں' ذرا سی بھی مہلت نہ دیں۔

۱۹۶ (میں اس چیلنج کو اس حتم و یقین' اور جرأت و بے باکی سے اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ) میرا رفیق و دمساز وہ خدا ہے جس نے مجھے اس قسم کا محکم ضابطہ حیات دیا ہے۔ اور وہ ان تمام لوگوں کی رفاقت اور کارسازی کرتا ہے جو اُس کے بتائے ہوئے صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتے' اور لوگوں کے بگڑے ہوئے کام سنوارتے ہیں۔

۱۹۷ اس کے برعکس' جن معبودوں کو تم' خدا کے سوا' پکارتے ہو' وہ نہ تمہاری کچھ کوئی مدد کر سکتے ہیں' نہ اپنے آپ کی۔

۱۹۸ (لیکن ان کی اندھی عقیدت کی شدت کا یہ عالم ہے' کہ اس قدر واضح دلائل کے باوجود) اگر تم انہیں راہ راست کی طرف دعوت دو' تو یہ تمہاری کبھی نہیں سنیں گے۔ تو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف تک رہے ہیں' لیکن وہ درحقیقت دیکھ نہیں رہے ہوتے۔ (ان کی آنکھیں بظاہر تمہاری طرف ہوتی ہیں' لیکن دل کہیں اور ہوتا ہے (۴۳ـــ۲۰۲ ؛ ۴۷ـــ۱۶)۔

۱۹۹ (بہرحال تم' اے رسول' انظام ربوبیت کے قیام کے سلسلہ میں عملی پروگرام اختیار کئے رکھو۔ اس پروگرام کی رو سے جماعت مومنین کا زائد از ضرورت مال' ان کے پاس رہنے کے بجائے' نظام اسلامی کی تحویل میں رہیگا۔ اس لئے تم اس مال کے وصول کرنیکا انتظام کرو۔ قرآنی قوانین کو عام کرتے جاؤ اور جہلاء سے کنارہ کش رہو کہ وہ ناحق تمہارا وقت ضائع نہ کریں۔

۲۰۰ اگر کسی قسم کا کوئی وسوسہ (یا ان مخالفین کا کوئی نزغہ) تم میں باہمی فساد ڈالنے

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴿٢٠١﴾ وَإِخْوَانُهُمْ
يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿٢٠٢﴾ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ
إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْ
مِنُونَ ﴿٢٠٣﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾

کی کوشش کرے (۱۷/۵۳) یا کسی اور خرابی کا موجب بنتا نظر آئے' تو تم ضابطۂ خداوندی کے ساتھ اور شدت سے متمسک ہو کر اس کی پناہ میں آجاؤ۔ یاد رکھو! (تمہارا) خدا سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

۲۰۱ جو لوگ زندگی کی تباہیوں سے بچنا چاہتے ہیں' ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس قسم کا کوئی خیال' یونہی گھومتے پھرتے بھی ان کے پاس سے گزر جائے' تو وہ فوراً قوانین خداوندی کو اپنے سامنے لے آتے ہیں۔ اس سے یوں ہو جاتا ہے جیسے تاریکی میں یکایک روشنی ان کے سامنے آگئی اور انہیں صاف نظر آنے لگ گیا کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

۲۰۲ (ان کے برعکس' جو لوگ قوانین خداوندی کی طرف رجوع نہیں کرتے' ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اوّل تو انہیں خود ہی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ کس تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ اور اگر کبھی ایسا ہونے کا امکان ہوتا ہے تو) ان کے بھائی بند (جو ڑی دار) انہیں ان کی غلط روی اور سرکشی میں کھینچ کر اور آگے لیجاتے ہیں۔ اور وہ کسی مقام پر رکتے ہی نہیں۔ (آگے ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں)۔

۲۰۳ (اے رسول! یہ لوگ تم سے مفاہمت کرنا چاہتے ہیں' لیکن اس شرط پر کہ تم ان کی مرضی کے مطابق قرآن کی آیات لاؤ۔ (۱۰/۱۵؛ ۱۱/۱۱۳؛ ۱۷/۷۴؛ ۶۸/۹)۔ جب تو انہیں اس قسم کی کوئی آیت نہیں دیتا' تو یہ کہتے ہیں کہ (اگر تمہارا خدا اس بات پر راضی نہیں ہوتا تو) تم اپنی طرف سے اس قسم کی آیات وضع کیوں نہیں کر لیتے؟

ان سے کہو کہ (میں کوئی بات اپنی طرف سے وضع نہیں کر سکتا۔) میں تو صرف اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو مجھے میرے نشوونما دینے والے کی طرف سے ملتی ہے۔ یہ ضابطۂ قوانین تمام دنیا کے لئے' بصائر و دلائل کا مجموعہ ہے۔ اور جو لوگ اس کی صداقت پر ایمان لائیں' ان کے لئے ہدایت و رحمت کا سرچشمہ۔

۲۰۴ (تم' ان لوگوں سے صرفِ نظر کر کے اپنی توجہات کو اپنی جماعت پر مرکوز رکھو۔ اور

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

ان سے کہو کہ) جب تمہارے سامنے قرآن پڑھا جائے' تو اسے پوری پوری توجہ کے ساتھ خاموشی سے سنا کرو۔ اس سے تمہیں' نوازشِ خداوندی سے سامانِ نشوونما مل جائے گا۔

۲۰۵ (اِن سے کہو کہ جب اس قانونِ خداوندی کو اچھی طرح سے سن لو تو یہ نہ سمجھ لو کہ بس مقصد پورا ہو گیا۔) اسے صبح شام' ہر وقت' اپنے پیش نظر رکھو' اور دل کے ایسے جھکاؤ کے ساتھ جو تمہارے تحت الشعور کی گہرائیوں سے ابھرے (۷/۵۵) اس کی پوری پوری اطاعت کرو۔ اِس سے مطمئن نہ ہو جاؤ کہ قرآن کو اونچے اونچے پڑھ لیا تو تلاوتِ قرآن کا فریضہ ادا ہو گیا۔ مقصد یہ ہے کہ تم اس سے کسی حالت میں بھی غافل نہ رہو۔

۲۰۶ خدا کے مقربین کی کیفیت ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ اُس کی اطاعت سے کبھی سرتابی اختیار نہیں کرتے۔ وہ اس کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل میں انتہائی جدوجہد کرتے ہیں' اور صرف اُسی کے قوانین کے سامنے جھکتے ہیں۔ کسی اور کے سامنے نہیں جھکتے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

۱ اے رسول! یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ حکومت کی جو آمدنی مقررہ واجبات کے علاوہ ہو' وہ کس کے پاس جائے گی؟[1] ان سے کہدو کہ وہ آمدنی "خدا و رسول" (نظام مملکت) کی ہوگی۔ (تم اس بارے میں جھگڑو نہیں بلکہ) قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو اور آپس میں معاملات درست رکھو اور ہمواریاں پیدا کرتے رہو۔ اور "خدا و رسول" —— نظامِ خداوندی —— کی اطاعت کرتے رہو۔ یہی مومنین کا شعار ہے۔

۲ مومنین کی تو خصوصیت ہی یہ ہے کہ جب قوانین خداوندی کا مجموعی تصور ان کے سامنے لایا جاتا ہے تو (اُن کی خلاف ورزی سے جو تباہی آتی ہے' اُس کے احساس سے) ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں' اور جب ان قوانین کی تفصیلات ان کے سامنے آتی ہیں تو (اُن پر عمل پیرا ہونے کے خوشگوار نتائج کے تصور سے) ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے نشوونما دینے والے (کی راہ نمائی) پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں' کہ وہ انہیں کبھی

---

[1] اَنْفَالٌ جمع ہے نَفْلٌ اور نَفَلٌ کی۔ اس کے معنی زیادتی کے ہیں۔ یعنی جو چیز زیادہ ہو۔ اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو مال لوگوں کی ضروریات سے زیادہ ہو (فاضلہ دولت) وہ ربوبیت عامہ کے لئے مملکت کی تحویل میں رہے گا۔ اس کی تائید ($\frac{۲}{۱۹}$ ۵) سے بھی ہوتی ہے۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ
رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَ
اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّاۗىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ

دھوکا نہیں دے گی۔

۳ یہ لوگ نظامِ صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں اور جو سامانِ نشوونما انہیں ملتا ہے اسے نوعِ انسان کی پرورش کے لئے کھلا رکھتے ہیں (۲/۳)۔

۴ یہ ہیں سچے مومن۔ ان کے نشوونما دینے والے کے ہاں ان کے مدارج بہت بلند ہیں اور ان کے لئے سامانِ حفاظت اور باعزت رزق فراواں ہے۔

۵ (لیکن یہ نظام یونہی قائم نہیں ہو جاتا' اور اس انداز کا رزقِ کریم بلا محنت و مشقت نہیں مل جاتا۔ اس کے لئے بڑی قربانیوں اور جاں فشانیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً بدر کی جنگ کا واقعہ ہی لو (جس میں) تو اپنے نشوونما دینے والے کے پروگرام کے مطابق' دشمن کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے باہر نکلا تھا' حالانکہ تمہاری جماعت (مومنین) میں سے ایک گروہ ایسا بھی تھا جس پر یہ امر ناگوار گزرا تھا[1]۔

۶ وہ تجھ سے اس باب میں جھگڑتے تھے کہ تمہارا یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں' حالانکہ معاملہ ان پر بالکل واضح ہو چکا تھا۔ (وہ باہر نکلنے سے اس طرح گھبراتے تھے) گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں' اور اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے کھڑا دیکھ رہے ہیں۔

۷ پھر جب تم آگے بڑھے تو حالات بتا رہے تھے کہ' اللہ کے اس وعدے کے مطابق جو

---

[1] ہم نے جس انداز میں مفہوم بیان کیا ہے اس سے مترشح ہوگا کہ یہ ایک گزرے ہوئے واقعہ کی داستان ہے۔ لیکن یُجَادِلُوْنَكَ اور يُسَاقُوْنَ (مضارع) کے پیشِ نظر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات عین اس وقت نازل ہوئیں جب واقعہ سرزد ہو رہا تھا۔ اس اعتبار سے' اس واقعہ کا بیان' زمانہ حال کے الفاظ میں کرنا زیادہ موزوں ہوگا۔ اور آیت ۸ کا مفہوم بھی زیادہ واضح ہو جائے گا۔ یعنی وہ وعدہ کسی گزرے ہوئے زمانہ میں نہیں ہوا تھا بلکہ حال ہی کا بیان ہے۔ خدا جماعتِ مومنین سے یہ وعدہ کر رہا ہے۔

اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٧ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝٨ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝١١

اس نے ایمان اور اعمال صالح کے نتیجے میں استخلاف فی الارض کے لئے' کر رکھا ہے (۲۴/۵۵) فریق مقابل کے دو گروہوں میں سے' ایک پر تم ضرور غالب آجاؤ گے۔ تم یہ چاہتے تھے کہ تمہارا ٹکراؤ اس گروہ کے ساتھ ہو جو غیر مسلح تھا اور لڑائی کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اللہ یہ چاہتا تھا کہ تمہارا مقابلہ ان کے لشکر سے ہو تاکہ اس طرح یہ ثابت ہو جائے کہ حق' باطل پر غالب آیا کرتا ہے' اور اس سے انکار کرنے والوں کی جڑ کٹ جایا کرتی ہے۔

۸ اور اس طرح حق' حق۔ اور باطل' باطل بن کر دنیا کے سامنے آجائے' خواہ مجرمین پر یہ بات کیسی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

۹ (تمہیں دشمن کی قوت کا اس درجہ احساس تھا کہ) تم خدا سے' فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ سو اللہ نے تمہاری دعائیں سن لیں اور کہا کہ (اگر دشمن کا لشکر ایک ہزار ہے تو گھبراؤ نہیں) میں تمہاری مدد ایک ہزار ملائکہ سے کروں گا جو لگاتار آئیں گے (کائناتی قوتیں تمہارے حق میں جائیں گی۔ ۸/۱۱)۔

۱۰ (کامیابی تو تمہیں ہونی ہی تھی) اللہ نے اس نصرت کے دعوے کو تمہارے لئے خوشخبری بنا دیا تاکہ تمہیں اس سے اطمینان قلب نصیب ہو جائے (۳/۱۲۵ ؛ ۸/۱۰)۔ حقیقت یہ ہے کہ فتح و نصرت خدا کے قانون کے مطابق ملتی ہے (اور تمہیں بھی اسی وجہ سے فتح حاصل ہوئی تھی کہ تم اُس کے قانون پر عمل پیرا تھے)۔ وہ قانون جس میں قوت اور تدبیر دونوں موجود ہوتی ہیں۔

۱۱ اس (خوشخبری) سے تم پر امن و سکون کی فضا طاری ہو گئی' اور خوف دہراس جاتا رہا (۳/۱۵۴)۔ پھر تم پر بادلوں سے پانی برسا تاکہ تم نہا دھو کر پاک و صاف اور تر و تازہ ہو جاؤ' اور فریق مخالف کی طرف سے پانی بند کر دینے کا جو خطرہ تمہیں لاحق ہو رہا تھا اس

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا
الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ
وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ
النَّارِ ﴿١٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَن يُوَلِّهِمْ
يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ
جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦﴾

تمہارا اطمینان ہوجائے۔ اور وہاں کی ریتلی زمین ایسی ہوجائے کہ تم وہاں اپنے پاؤں جماسکو۔
—— ایک بارش سے یہ تمام خطرات و وساوس دور ہو گئے اور تمہیں جمعیتِ خاطر نصیب ہوگئی۔
—— کائناتی قوتیں یوں بھی مدد کر دیتی ہیں۔

۱۲ (یہ وہ وقت تھا جب) تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا تھا کہ میری تائید و نصرت جماعتِ مومنین کے ساتھ ہے۔ تم ان کے دل میں اطمینان و سکون پیدا کر کے انہیں ثابت قدمی عطا کر دو۔ میں مخالفین کے دل میں ان کا رعب طاری کر دوں گا۔ (سو اے جماعتِ مومنین!) تم مخالفین کی گردنیں اڑاؤ۔ اور ان کی قوت اور گرفت کے تمام اسباب و ذرائع کو تہس نہس کر دو۔

۱۳ یہ اس لئے کہ یہ لوگ قانونِ خداوندی اور اس کے نافذ کرنے والے، رسول (یعنی نظامِ خداوندی) کی مخالفت کرتے ہیں۔ سو جو لوگ بھی اس نظام کی مخالفت کریں گے، خدا کا قانونِ مکافات انہیں سخت سزا دے گا۔

۱۴ ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال کی سزا ہے، سو اس کا مزہ چکھ لو۔ (اور یہ چیز صرف انہی کے ساتھ مخصوص نہیں)۔ قانونِ خداوندی کی مخالفت کرنے والے جہاں بھی ہوں گے، ان کے لئے اسی قسم کا تباہ کر دینے والا عذاب ہوگا۔

۱۵ اے جماعتِ مومنین! (فتح و ظفر کی ان خوش خبریوں اور تائید و نصرت کے ان تمام وعدوں کے بعد، تم اچھی طرح سن لو کہ) جب تمہارا مقابلہ دشمن کی فوج سے ہو تو انہیں پیٹھ

۱۶ مت دکھانا۔ یاد رکھو! جو ایسے وقت میں پیٹھ دکھلائے گا وہ خدا کے عذاب کا مورد بن جائیگا اور سیدھا تباہی و بربادی کے جہنم میں جا گرے گا۔ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ ہاں مگر جو

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ
مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱ اِنْ
تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ
تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ⑳

جنگ کی مصلحت کی بنا پر اپنا پینترا بدلے' یا اپنی پارٹی کی طرف پلٹنا چاہے' اور اس طرح اپنے مقام سے ہٹ کر ادھر اُدھر ہو جائے' تو اس کا مضائقہ نہیں۔

۱۷ اِن مخالفین کو تم نے میدانِ جنگ میں (از خود) قتل نہیں کیا' بلکہ انہیں درحقیقت اللہ نے قتل کیا۔ اور جو تیر اندازی تم نے کی' وہ بھی تم نے (از خود) نہیں کی' بلکہ خود اللہ ہی نے کی (اس لئے کہ تم نے یہ جنگ وقتاں خدا کی اجازت سے کیا ہے۔ ۲۲/۳۹۔ از خود نہیں کیا۔ اور خدا نے اس کا حکم اس لئے دیا تھا کہ اتنے عرصہ کی مسلسل جانکاہ مشقتوں کے بعد) جماعتِ مومنین کے سامنے (ان کی محنتوں کا ماحصل اور) زندگی کا خوشگوار پہلو آجائے۔ اس لئے کہ خدا کا قانونِ مکافات سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ (لہذا' کسی کی محنت رائگاں نہیں جاتی بشرطیکہ وہ صحیح طریق سے کی گئی ہو)۔

۱۸ اور یہ تو ابھی تمہاری پہلی فتح ہے۔ اس کے بعد سمجھ لو کہ اللہ' ان مخالفین کی تمام تدبیریں ناکام کر دینے والا ہے (انہیں شکست پر شکست ہوتی جائے گی)۔

۱۹ تم ان مخالفین سے کہدو کہ تم چاہتے تھے کہ تمہارے اور ہمارے درمیان دو ٹوک فیصلہ ہو جائے۔ سو وہ بھی تم نے دیکھ لیا۔ لہذا' اگر تم اب بھی رک جاؤ اور نظامِ خداوندی کی مخالفت سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ لیکن اگر تم پھر پلٹ کر جنگ کے لئے آؤ گے تو ہم بھی مقابلہ کے لئے آجائیں گے۔ اور تمہارا لاؤ لشکر تمہارے کسی کام نہیں آئے گا' خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ یہ اس لئے کہ خدا کا قانون' جماعتِ مومنین کے ساتھ ہے۔

۲۰ (یہ تو تم ان سے کہو' اور خود اس بات کو دل کے کانوں سے سُن لو کہ اس فتح سے تمہارے دل میں کہیں یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ ہمیں اب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھو! یہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔ اس کے بعد' ابھی تم نے بہت کچھ کرنا ہے۔ اسلئے)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ
الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾

تم "خدا اور رسول" کی پوری پوری اطاعت کرو اور اُس کے احکام کو سن کر ان سے کبھی گریز کی راہیں نہ نکالو۔

۲۱ دیکھنا! تم نے کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم نے احکام کو سن لیا ہے' لیکن درحقیقت وہ اُنہیں دل کے کانوں سے نہیں سنتے (یعنی ان پر غور و فکر نہیں کرتے)۔

۲۲ قانونِ خداوندی کی رُو سے' بدترینِ خلائق وہ لوگ ہیں جو بہرے اور گونگے بنے رہتے ہیں اور عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ (۲/۱۸ ; ۱۶/۷۹)۔

۲۳ (اس قسم کے لوگ' جو عقل و فکر سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں' اس قابل ہی نہیں رہتے کہ صحیح بات قبول کر سکیں)۔ اگر ان میں صحیح بات قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی تو اللہ (اپنے قانون کے مطابق) ایسا کر دیتا کہ وہ اسے قبول کر لیں۔ لیکن اگر وہ (اسے' اُن سے بغیر اس صلاحیت کے زبردستی) قبول کراتا' تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے' جیسا کہ وہ اب منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ (سو ان کا اعراض اس امر کی دلیل ہے کہ ان میں قبولِ حق کی استعداد ہی نہیں رہی' حالانکہ اتنے لمبے عرصہ تک انہیں حق کی تبلیغ کی جاتی رہی ہے)۔

۲۴ اے جماعتِ مومنین! (دیکھنا! تم نے کہیں ایسا نہ ہو جانا)۔ تم ہمیشہ "اللہ اور رسول" (نظامِ خداوندی) کی آواز پر لبیک کہو' جب وہ تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہے جو تمہیں زندگی عطا کرنے والی ہے۔ (اس کے لئے عزم راسخ اور ہمتِ بلند کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن انسان کے اندر ایسے جذبات بھی تو ہیں جو اس کے حوصلوں کو پست کر دیتے ہیں۔ لہٰذا تم اس حقیقتِ حال سے بے خبر نہ رہو کہ) ایسا بھی ہو جایا کرتا ہے کہ' بجائے اس کے کہ خدا کا حکم' انسان کے ارادوں کی پختگی کے ساتھ پیوست رہے' وہ اس کے جرأت مندانہ ارادوں' اور حوصلوں کے پست کر دینے والے جذبات کے درمیان گھر جاتا ہے اور اس طرح اس انسان میں تذبذب کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ (اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ تم ہر وقت اس حقیقت کو اپنے سامنے رکھو کہ) تمہیں نظامِ خداوندی کے مرکز

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾
وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ
اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا
اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ
وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

کے گرد ہی جمع ہونا ہے۔ اسے چھوڑ کر کسی اور طرف نہیں نکل جانا۔ اور تمہارے ہر اقدام کی تم سے جواب طلبی ہونی ہے۔ (یہ خیال تمہارے دل میں جاگزیں رہا تو پھر تمہارے ذاتی جذبات، تمہارے حوصلوں کو پست نہیں کر سکیں گے)۔

۲۵ (اور اسے بھی یاد رکھو کہ اگر جماعت میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو اس قسم کے تذبذب میں گرفتار ہوں) تو اس سے جو مصیبت آتی ہے وہ صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہتی۔ وہ سارے کے سارے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتی ہے۔ اس لئے کہ خدا کا قانون اپنی نتیجہ خیزی میں بڑا سخت واقع ہوا ہے (اجتماعی اعمال کے نتائج بھی اجتماعی ہوتے ہیں) اس لئے اس سے بہت محتاط رہو اور ایسا انتظام کرو کہ تمہارے ہاں ایسی صورت پیدا نہ ہونے پائے)۔

۲۶ (تم اس نظام کی اطاعت کے حسین نتائج کا اندازہ خود اپنی حالت سے لگاؤ۔ تمہاری کیفیت یہ تھی کہ) تم تعداد میں بھی کم تھے اور قوت کے اعتبار سے بھی بیحد کمزور تصور کئے جاتے تھے۔ تمہیں ہمیشہ یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ مخالفین تمہیں اُچک کر نہ لے جائیں۔ (ان حالات میں قانونِ خداوندی نے تمہاری اطاعت اور استقامت کے بدلے میں) تمہیں ایسا ٹھکانہ دیا جہاں تم اکٹھے رہ سکتے ہو۔ اور اپنی نصرت سے تمہیں تقویت پہنچائی۔ اور خوشگوار چیزیں دے کر تمہارے رزق کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ سب اس لئے کہ (نظامِ خداوندی کے قیام و بقا میں) تمہاری جدوجہد بھرپور نتائج پیدا کر سکے۔

۲۷ (جب تم ان باتوں کا خود تجربہ کر چکے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ) تم نہ تو اس نظامِ خداوندی (خدا اور رسول) سے کسی قسم کی خیانت کرو اور نہ ہی ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں جو تمہارے سپرد کی جائیں۔ تم جانتے ہو کہ ایسا کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔

۲۸ تم اسے بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ (انفرادی مفاد کے مقابلہ میں انسانیت کے مفادِ کلی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ

کو اپنا نصب العین قرار دینے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ مال اور اولاد کی کشش ہوتی ہے۔ اگر ان کی کشش تم پر غالب آ گئی تو یہ چیز تمہاری تباہی کا موجب بن جائے گی۔ لیکن اگر تم نے ان کی کشش و جاذبیت کے باوجود انسانیت کے مفاد کلی کو ترجیح دی، تو تم اس کٹھالی میں سے کندن بن کر نکلو گے، اور دیکھو گے کہ نظام خداوندی کی طرف سے اس کا کس قدر عظیم بدلہ ملتا ہے۔

۲۹ اگر تم ان کی بیجا کشش و جاذبیت سے بچتے، اور قوانین خداوندی کی نگہداشت کرتے رہے تو وہ تمہیں ایک امتیازی زندگی عطا کرے گا۔ اور تمہاری ناہمواریوں کو تم سے دور کر دیگا۔ اور تمام خطرات سے تمہاری حفاظت کا سامان بہم پہنچائے گا۔ یاد رکھو! اللہ کا نظام بڑی عظیم خوش حالیوں کا ضامن ہے۔

۳۰ (اے رسول! تم اُس وقت کو یاد کرو) جب فریق مخالف (کفار مکہ) اِس قسم کی تدبیریں کرتے تھے کہ تجھے قید کر دیں، یا قتل کر دیں۔ یا بستی سے باہر نکال دیں۔ وہ اُدھر اس قسم کی تدبیریں کرتے تھے، اور اِدھر ہمارا قانون بھی اپنی تدبیروں میں لگا ہوا تھا (اس کے بعد سب نے دیکھ لیا کہ) کارگر تدبیر ہمارے ہی قانون کی ہوئی۔

۳۱ اُن کی حالت یہ تھی کہ جب ان کے سامنے قرآن کی آیات پیش کی جاتیں تو وہ (عجیب حقارت آمیز انداز سے) کہتے کہ ہم نے انہیں سن لیا ہے۔ (ان میں کونسی خاص بات ہے) اگر ہم چاہیں تو انہی جیسی آیات ہم خود بھی بنا سکتے ہیں۔ ان میں اس کے سوا رکھا ہی کیا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں!

۳۲ (اور جب ان سے کہا جاتا کہ اس قانون کی خلاف ورزی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم پر خدا کی طرف سے تباہی آجائے گی، تو) وہ کہتے کہ اے اللہ! اگر یہ وعید فی الواقعہ تیری طرف سے ہے اور

اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ
اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ
فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ
يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

سچی ہے' تو پھر تجھے انتظار کس بات کا ہے؟ تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا دے۔ یا ہمیں کسی اور عذاب میں مبتلا کر دے۔

۳۳ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ اُن پر تباہی آجاتی' درانحالیکہ تم ہنوز اُن میں مصروف تبلیغ تھے اور اس کا امکان تھا کہ ان میں سے کئی لوگ حق کو قبول کر کے پناہ خداوندی میں آجائیں۔

۳۴ لیکن اب کونسی بات باقی رہ گئی ہے کہ اِن پر (ان کے اعمال کے نتیجے میں) تباہی نہ آجائے اور انہیں مزید ڈھیل دی جائے؟ ان کی حالت یہ ہے کہ انہوں نے اُن مقاصد اور مصالح کی راہیں بند کر رکھی ہیں جن کے لئے ہم نے کعبہ کو واجب الاحترام قرار دیا تھا۔ اس لئے یہ قطعاً اس قابل نہیں رہے کہ انہیں کعبہ کا محافظ و متولی رہنے دیا جائے۔ اس کے متولی صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو قانون خداوندی کی نگہداشت کریں۔ لیکن ان میں تو اکثر کا یہ عالم ہے کہ وہ جانتے تک بھی نہیں (کہ تولیت کعبہ کا مقصد کیا ہے؟)۔

۳۵ (کعبہ اور اس کی تولیت کا عظیم مقصد تو ایک طرف) ان کی تو خانۂ کعبہ میں صلوٰۃ تک بھی اس کے سوا کچھ نہیں رہ گئی کہ سیٹیاں بجائیں اور تالیاں پیٹیں —— یعنی چند بے معنی آوازیں اور کچھ بے مقصد حرکتیں —— یہ صلوٰۃ کی اصل و حقیقت سے یکسر انکار کے مرادف ہے۔ اس لئے ان سے کہو کہ تم اب اپنی ان حرکات کا نتیجہ بھگتو اور تباہی اور بربادی کا مزہ چکھو۔ (جو قوم بھی احکام خداوندی کی اصل و غایت کو نظر انداز کر کے' محض رسوم و ظواہر کو منتہا قرار دے لیتی ہے' وہ عذاب خداوندی میں ماخوذ ہو جاتی ہے)۔

۳۶ یہ لوگ جو نظام خداوندی سے اس طرح انکار کرتے اور سرکشی برتتے ہیں' اور اپنا مال

لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا
فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٣٧﴾ قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓا إِنْ يَّنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ
سَلَفَ ۖ وَإِنْ يَّعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَٰتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ
كُلُّهُ لِلّٰهِ ۚ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾

اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو "خدا کے راستے" کی طرف آنے سے روکیں۔ سو انہیں اپنی دولت اس طرح خرچ کرنے دو۔ اس سے کیا ہوتا ہے؟ اِن کی ان تمام حرکات کے علی الرغم نظامِ خداوندی قائم ہو کر رہے گا۔ اور اُس وقت یہ مغلوب ہو جائیں گے' اور بصد حسرت و یاس کہیں گے (کہ ہم نے اپنی دولت اس ناکام مقصد کے لئے ناحق صرف کی!)

ان سے کہدو کہ جو لوگ بھی قوانین خداوندی سے انکار کرتے ہیں' انہیں بالآخر تباہی و بربادی کے جہنم کی طرف ہانک کر اکٹھا کیا جاتا ہے۔

۳۷ یہ اس لئے کہ خدا کا قانونِ مکافات' خوشگوار نظریۂ حیات رکھنے والی جماعت کو' تخریب پیدا کرنے والی جماعت سے الگ کرلے۔ اور تمام تخریبی جماعتیں' حق کی مخالفت میں' ایک دوسرے کے ساتھ مل کر' انبار در انبار بن جائیں۔ اور پھر (قانون خداوندی) اِس پورے ڈھیر کو بربادی اور تباہی کے جہنم میں جھونک دے۔ اور اس طرح انہیں بتادے کہ وہ کس طرح خاسر و نامراد رہتے ہیں۔

۳۸ اِن مخالفین سے کہدو کہ اگر یہ اب بھی اپنی مخالفت سے باز آجائیں' تو جو کچھ یہ اس وقت تک کر چکے ہیں' اس کا ان سے کچھ مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر یہ وہی کچھ پھر کرنے لگ گئے تو جو کچھ اقوامِ گذشتہ کے ساتھ ہوا ہے' وہی ان کے ساتھ ہوگا۔

۳۹ بہرحال' جب تک یہ اپنی حرکات سے باز نہیں آتے' تم ان کے خلاف جنگ جاری رکھو' تاآنکہ (ظلم و استبداد کا) وہ فتنہ فرو ہو جائے جو انہوں نے برپا کر رکھا ہے' اور ایسی فضا پیدا ہو جائے جس میں' جس کا جی چاہے' پوری آزادی سے دین کو خالصتہً لوجہ اللہ (بلا جور و اکراہ) اختیار کر سکے (۲/۲۵۶)۔

اور اگر یہ لوگ اس فتنہ سے باز آجائیں' تو پھر ان سے مواخذہ کی ضرورت نہیں (کیونکہ جنگ سے مقصد ہی اس فتنہ کو ختم کرنا اور دین کے معاملہ میں لوگوں کو پوری پوری آزادی دینا تھا کہ جو چاہے اسے بطیب خاطر اختیار کرے' اور جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے) اس

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

صورت میں قانونِ خداوندی اس پر نگاہ رکھے گا کہ یہ اس کے بعد کیا کرتے ہیں۔

۴۰ اور اگر یہ بعد میں اپنے معاہدہ سے پھر جائیں (تو تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں)۔ تمہارا رفیق و دمساز تو بہرحال خدا کا قانون ہے۔ وہ کیسا اچھا رفیق و کارساز، اور کیسا اچھا معین و مددگار ہے۔



وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ
لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا
عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

۴۱ جنگ کے سلسلہ میں' اس اہم حقیقت کو بھی پیش نظر رکھو کہ' اس سے پہلے' تمہارا دستور یہ تھا کہ جنگ میں' جو کچھ کسی کے ہاتھ آجاتے' وہ اسی کا ہو۔ یہی لوٹ کا مال' وہ بنیادی جذبہ تھا جس کے لئے تم میدانِ جنگ میں جایا کرتے تھے۔ لیکن اب جنگ' ظلم کو روکنے اور نظامِ عدل و احسان قائم کرنے کے لئے ہوگی۔ اس لئے' اس میں جذبۂ محرکہ لوٹ کا مال حاصل کرنا نہیں ہوگا۔ یاد رکھو! میدانِ جنگ میں جو مالِ غنیمت بھی ملے گا' اس میں سے پانچواں حصہ' "خدا و رسول" ——— یعنی مملکت کی انتظامی ضروریات ——— کے لئے رکھ کر' باقی' ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے میں صرف کیا جائے گا ——— مثلاً (میدانِ جنگ میں جانے والوں' اور کام آجانے والوں کے) اقربا کے لئے۔ یتیموں اور معاشرہ میں بے یار و مددگار' تنہا' رہ جانے والوں کے لئے۔ اُن کے لئے جن کا چلتا ہوا کاروبار رک گیا ہو' یا جو کسی حادثے کی وجہ سے کام کاج کے قابل نہ رہے ہوں۔ نیز اُن مساضروں کے لئے جو مدد کے محتاج ہوں۔

ہم جانتے ہیں کہ' اس طرح ہاتھ آئے ہوئے مال سے' یوں دستکش ہو جانا کچھ آسان کام نہیں' لیکن اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو' اور ان احکام پر جو ہم نے اپنے بندے پر اُس دن نازل کئے تھے جب دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل آئے تھے اور جب حق و باطل نکھر کر سامنے آگیا تھا' (تو تمہارے لئے ایسا کرنا مشکل نہیں ہوگا۔

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۲﴾ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۴۳﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا

مستقل اقدار پر ایمان' اس قسم کی تمام جاذبیتوں کو ٹھکرا سکتا ہے)۔ اسے اچھی طرح یاد رکھو کہ اللہ نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں' اور اُن پر اُس کا پورا پورا کنٹرول ہے۔ (اس لئے اس کے قانون پر عمل پیرا ہونے سے تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوگا)۔

۴۰ اُس دن (جنگ بدر کے موقعہ پر) تم اِدھر قریب کے ناکے پر تھے' اور دشمن اُدھر دُور کے ناکے پر۔ اور قافلہ تم سے نچلی طرف سے گزر رہا تھا۔ اگر تم نے آپس میں ہی فیصلہ کرنا ہوتا کہ جنگ کی جائے یا نہ۔ اور کی جائے تو کب اور کہاں کی جائے' تو تمہارا' اس باب میں ضرور اختلاف ہو جاتا۔ (اس لئے کہ تم میں کچھ لوگ دشمن کی کثرت سے خائف تھے۔ اور کچھ قافلہ لوٹنا چاہتے تھے)۔ لیکن قانونِ خداوندی کا تقاضا یہ تھا کہ فریقِ مخالف سے تمہارا انکراؤ ہو جائے اور جو بات (آخر الامر) ہو کر رہنی ہے' اس کا فیصلہ ہو جائے۔ تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ بھی کھلی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو' اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی کھلی دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

۴۳ جب اللہ نے تیری نگاہ میں دشمنوں کی تعداد کو تھوڑا کر دکھایا تھا — یعنی تم جان گئے تھے کہ اُن کی کثرت اُن کے کسی کام نہیں آسکے گی۔ اور یہی آخر الامر ہوا بھی — اگر وہ تمہاری نظروں میں بہت زیادہ دکھائی دیتے تو تم ہمت ہار دیتے اور جنگ کے معاملہ میں باہم جھگڑنے لگ جاتے۔ لیکن اللہ نے تمہیں اس صورتِ حال سے بچا لیا۔ اس لئے کہ اللہ کو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں کیا کیا خیالات گزر رہے ہیں۔

۴۴ جب تم ایک دوسرے کے سامنے آئے تو دشمن کو تمہاری نظروں میں کم کر کے

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۴۵﴾
لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۚ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

دکھایا گیا (یعنی تم سے صرف دو چند حالانکہ وہ درحقیقت تم سے سہ چند سے بھی زیادہ تھے (۳/۱۳) اس لئے کہ تم خلوص اور استقامت کے ساتھ میدان میں آئے تھے۔ اس کی وجہ سے دشمن کی کثرت تمہیں مرعوب نہیں کر رہی تھی) اور ان کی نگاہوں میں تمہیں اور بھی تھوڑا کر کے دکھایا (کیونکہ وہ قوت کے نشہ میں بدمست تھے) یہ اس لئے کہ خدا اس معاملہ کا فیصلہ کر دے جو واقع ہو کر رہنے والا تھا۔ اور (یاد رکھو) تمام امور قوانین خداوندی کے گرد گردش کرتے اور انہی کی رُو سے تمام معاملات کے فیصلے ہوتے ہیں۔

۴۵ (اب سنو کہ کثیر لشکر کم کس طرح ہوا کرتا ہے اور چھوٹی جماعت بڑی پر غالب کیسے آیا کرتی ہے)۔ اس سلسلہ میں یاد رکھو کہ جب بھی تمہارا مقابلہ کسی جماعت سے ہو تم ثابت قدم رہو اور قوانین خداوندی کو شدت کے ساتھ اپنے سامنے رکھو (اور اپنا ہر قدم ان کی روشنی میں اٹھاؤ)۔ یہ کرو گے تو تمہیں یقیناً کامیابی ہو گی۔

۴۶ اور "اللہ و رسول" — یعنی اپنے نظام — کی پوری پوری اطاعت کرو۔ یہ نہ ہو کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگ جاؤ اور انفرادی مفاد کی خاطر باہمی ٹکراؤ شروع کر دو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہارے حوصلے پست ہو جائیں گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اس لئے تم ہمیشہ ثابت قدم رہو۔ یاد رکھو! قوانین خداوندی کی تائید و نصرت انہی کے ساتھ ہوتی ہے جو ثابت قدم رہتے ہیں۔

۴۷ اور دیکھنا! تم نے کہیں ان لوگوں (اپنے مخالفین) کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے (جنگ کے لئے) نکلے تو عجب انداز سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھاوے کی خاطر نکلے۔ یہ تو اُن کے اوچھے پن کی کیفیت تھی اور مقصد یہ کہ لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف آنے سے روکیں، جو نوع انسان کی سلامتی اور بہبود کی راہ ہے۔
لیکن خدا کا قانون انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھا۔ وہ ان کے تمام اعمال کو

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴۸ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۹ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰

محیط تھا۔

۴۸ اور جب ایسا ہوا تھا کہ ان کے ایک شریر سرغنے نے (جو انہیں جنگ کے لئے اکساتا تھا) اُن کے پروگرام کو ان کی نگاہوں میں بڑا خوشنما بنا کر دکھایا' اور ان کے کان میں یہ افسوں پھونک دیا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اور انہیں اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے ہیں' تو پچھلے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا اور صاف کہدیا کہ مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں' جو تم نہیں دیکھتے (مجھے نظر آتا ہے کہ تمہیں کس بری طرح شکست ہونے والی ہے) مجھے خدا (کی اس جماعت) سے بہت ڈر لگتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ان کے ہاتھوں تمہیں کس قدر سخت سزا ملنے والی ہے۔

۴۹ اور جب منافقین ——— یعنی وہ لوگ جن کی نیت میں خرابی تھی ——— کہتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکا دے رکھا ہے (جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم قلیل التعداد ہونے کے باوجود غالب آئیں گے کیونکہ ہم حق پر ہیں ——— انہیں اس کا علم نہیں کہ یہ دھوکا نہیں بلکہ حقیقت ہے جو اُن لوگوں کو صاف نظر آجاتی ہے) جو قانون خداوندی کے محکم اور استوار ہونے پر کامل اعتماد رکھتے ہیں ——— وہ قانون جو یہ بھی جانتا ہے کہ غالب کیسے آیا جاتا ہے اور یہ بھی کہ محکم تدبیریں کس طرح کی جاتی ہیں۔

۵۰ (یہ لوگ' اِس وقت تو یوں بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہیں لیکن اے مخاطب!) اگر تو کہیں اِن کی اُس حالت کو دیکھ سکے جب (میدانِ جنگ میں) ملائکہ ان کی رُوح قبض کر رہے ہوں گے اور انہیں آگے اور پیچھے سے' تو بُرا تو' مار پڑتی ہو گی۔ اور وہ اِن سے کہتے ہوں گے کہ اب تم اُس سوزناک عذاب کا مزہ چکھو (جس کی تم ہنسی اڑایا کرتے

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ
اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ
اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

تھے۔ ۶/۹۴)۔

۵۱ یہ سب تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے جو تم کر چکے ہو۔ خدا اپنے بندوں پر زیادتی نہیں کیا کرتا۔

۵۲ (یہ معاملہ جواب سامنے آرہا ہے ایسا ہی ہے) جیسا اس سے پہلے قوم فرعون کے ساتھ ہو گزرا ہے۔ نیز اُن اقوام کے ساتھ جو اس سے پہلے گزر چکی تھیں۔ انہوں نے قوانین خداوندی سے سرکشی برتی تو اُس کے قانون مکافات نے انہیں اُن کے جرائم کی پاداش میں پکڑ لیا۔ بیشک خدا کا قانونِ مکافات بڑی قوت والا اور مواخذہ کرنے میں بڑا ہی سخت ہے۔

۵۳ یاد رکھو! یہ سب اس لئے ہوا کہ خدا کا یہ محکم قانون ہے کہ وہ زندگی کی جو خوشگواریاں کسی قوم کو عطا کرتا ہے ان میں اُس وقت تک کوئی تبدیلی نہیں کرتا جب تک وہ قوم خود اپنے اندر ایسی نفسیاتی تبدیلی نہیں پیدا کر لیتی جس سے وہ ان خوشگواریوں کی اہل نہ رہے۔ جو قوم اپنی ذہنیت کو تخریب کی طرف نہ لے جائے اور اپنے معاشرہ کو قوانین خداوندی کی روشنی میں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ منطبق کرتی جائے اور جہاں کوئی ذرا سی خرابی نظر آئے اس کی سائنٹفک طریق سے اصلاح کر لے تو اس قوم کا عروج، مبدل بہ زوال نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ قوموں کا عروج و زوال یونہی اندھا دھند واقع نہیں ہو جاتا۔ یہ اُس خدا کے محکم اصولوں کے مطابق واقع ہوتا ہے جو سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے (۴۱/۱۱)۔

۵۴ یہی وہ قانون تھا جس کے مطابق (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے) قوم فرعون اور اُن کی پیشرو اقوام کی قسمتوں کے فیصلے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے نشوونما دینے والے کے قوانین کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں اُن کے جرائم کی پاداش میں پکڑ لیا۔ اور قوم فرعون کو غرق کر دیا۔ یہ تمام اقوام جو اس طرح تباہ ہوئیں وہی تھیں جنہوں نے ظلم و استبداد پر

إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ
يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ
خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا
اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ

کمر باندھ رکھی تھی۔

۵۵ یاد رکھو! معیارِ خداوندی کے مطابق' بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتتے ہیں' اور لاکھ سمجھائیے' انہیں ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔

۵۶ (اسی قسم کی یہ قوم ہے جو اب تمہارے مدِمقابل ہے۔) یہ وہ لوگ ہیں کہ جب تو ان سے کوئی معاہدہ کرتا ہے تو یہ' ہر بار' اپنے عہد و پیمان کو توڑ ڈالتے ہیں اور اس عہد شکنی کے نتائج سے بالکل نہیں ڈرتے۔

۵۷ سو اگر یہ لوگ میدانِ جنگ میں تمہارے سامنے آئیں تو انہیں ایسی سخت سزا دے کہ یہ خود بھی متوحش ہو کر بھاگ کھڑے ہوں' اور جو لوگ' اسی مقصد کے لئے' ان کے پیچھے آ رہے ہیں' انہیں دیکھ کر وہ بھی بھاگ اٹھیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ لوگ عبرت پکڑیں اور آئندہ کے لئے یاد رکھیں کہ عہد شکنی کا نتیجہ کیا ہوا کرتا ہے۔

۵۸ (عہد کی پابندی اتنی اہم ہے کہ) اگر تمہیں کسی پارٹی کی طرف سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو' تو تم انہیں اطلاع دیئے بغیر یونہی معاہدہ نہ توڑ ڈالو' بلکہ انہیں اس کی اطلاع دے کر معاہدہ ختم کرو اور اس طرح دونوں ایک سطح پر آ جاؤ۔ اور اگر' اس طرح یک لخت معاہدہ توڑنے سے' انہیں کوئی نقصان پہنچتا ہو تو اس کی تلافی کر کے ان سے مساوات کا سلوک کرو۔ اس لئے کہ' قانونِ خداوندی کی رُو سے' بدعہدی کو کبھی پسند نہیں کیا جا سکتا۔

۵۹ جو لوگ قوانینِ خداوندی سے انکار اور سرکشی اختیار کر کے بدعہدیوں پر اتر آتے ہیں' وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ خدا کے قانونِ مکافات کی دسترس سے آگے نکل جائیں گے۔ وہ اسے کبھی شکست نہیں دے سکتے۔ وہ اسے بے بس نہیں کر سکتے۔

۶۰ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ تم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاؤ اور سمجھ لو کہ مخالفین کو

لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۳

یونہی شکست ہوجائے گی۔ انہیں شکست تمہارے ہاتھوں ہی سے ملے گی۔ اس لئے تم دشمن کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہو۔ امکان بھر سامان حفاظت فراہم کرو۔ اپنی سرحدوں کو فوجی چھاؤنیوں سے مستحکم رکھو۔ تاکہ تم' ان کے ذریعے' ان لوگوں کو خائف رکھ سکو جو تمہاری ذات کے بھی دشمن ہیں اور نظام خداوندی کے بھی دشمن۔ اور ان کے علاوہ' انہی جیسے اور دشمنوں کو بھی جن کا ابھی تمہیں علم نہیں ہوا۔ اللہ کو ان کا علم ہے۔ ان تمام انتظامات کے لئے روپے کی بھی ضرورت ہوگی۔ سو تم سمجھ لو کہ تم نظام خداوندی کے قیام اور استحکام کے لئے جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا واپس مل جائے گا۔ اس میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

۶۱ اور اگر تمہارا دشمن صلح کی طرف سائل ہو تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ۔ (یہ نہ خیال کرو کہ اب ہمیں فتح حاصل ہونے لگی تھی تو وہ صلح کی طرف مائل ہوگیا۔ ہم صلح کیوں کریں؟ یاد رکھو! اس جنگ سے مقصد فتنہ فرو کرنا تھا۔ اگر وہ صلح سے فرو ہوجاتا ہے تو یہی تمہاری فتح ہے)۔ تم اپنا بھروسہ قانون خداوندی پر رکھو جس کے مطابق تم جنگ اور صلح کرتے ہو۔ یہ اس خدا کا قانون ہے جو سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔

۶۲ اور اگر دشمن (اپنے آپ کو سائل بہ صلح ظاہر کرکے) تمہیں دھوکا دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو (اے رسول!) تم گھبراؤ نہیں۔ تمہارے لئے خدا کا قانون کافی ہے۔ اُس خدا کا قانون جس نے اپنی مدد سے' اور اس جماعت مومنین کے ذریعے' تمہیں اس قدر سامانِ تقویت بہم پہنچایا ہے۔ ($\frac{۶}{۵۲}$ ؛ $\frac{۱۸}{۲۸}$ ؛ $\frac{۴۸}{۲۹}$)۔

۶۳ اور تمہاری جماعت کے افراد کے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی ہے۔ یہ وہ گرانمایہ متاع ہے جو دنیا بھر کی دولت خرچ کرنے سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ صرف قانون

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ
اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا
مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ
فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ
اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

خداوندی پر ایمان لانے سے ممکن تھا (جس سے ان کی توجہ انفرادی مفاد پرستیوں سے ہٹ کر زندگی کے بلند نصب العین کی طرف منتقل ہوگئی اور یہ چیز ان میں قلبی یگانگت کا موجب بن گئی)۔ خدا کا یہ قانون، غلبہ اور تدابیر دونوں اپنے اندر رکھتا ہے۔

۶۴ اے رسول! خدا کا یہ قانون، تیرے لئے بھی کافی ہے، اور ان مومنین کی جماعت کے لئے بھی جو (اس قانون کو عملاً نافذ کرنے کے لئے) تیرا اتباع کرتی ہے۔

۶۵ اے رسول! تو اپنے عملی پروگرام کے ذریعے، اپنی جماعت کی کمیوں اور کمزوریوں کو رفع کرتا رہ تاکہ یہ، جہاد زندگی میں، مردانہ وار حصہ لینے کے قابل ہو جائیں۔ اس سے ان میں ایسی توانائی پیدا ہو جائے گی کہ اگر تم میں بیس سپاہی ثابت قدمی دکھائیں گے تو وہ مخالفین کے دو سو سپاہیوں پر غالب آجائیں گے۔ اور اگر ایک سو ایسے جانباز ہوں گے تو وہ فریق مقابل کے ایک ہزار پر غالب آجائیں گے۔ یہ اس لئے کہ تمہارے مخالفین، عقل و فکر سے کام لینے کے بجائے انتقام اور نفرت کے جذبات سے اندھے ہو کر میدانِ جنگ میں آتے ہیں۔ اور کامیابی کے لئے اولیں شرط یہ ہے کہ لڑنے والے سمجھ اور سوچ سے کام لیں۔

۶۶ لیکن یہ، ایک اور دس کی نسبت (یعنی ایک سو کا ایک ہزار پر غلبہ حاصل کر لینا) اُسی صورت میں ہے جب کمی تعداد کے اعتبار سے ہو۔ سامانِ حرب و ضرب میں تمہاری اور دشمن کی پوزیشن یکساں ہو۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ اِس وقت پوزیشن ایسی نہیں۔ تم تعداد میں بھی کم ہو اور سامان کی بھی بڑی قلت ہے۔ اس لئے، اس وقت نسبت صرف ایک اور دو کی ہوگی۔ اگر تم میں ایک سو سپاہی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے۔ اگر ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر فتح پالیں گے۔ یہ سب خدا کے اس

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ
يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ
عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا
النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا
أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٧٠﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ

قانون کی رُو سے ہوگا جس کی تائید اُن لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو ثبات اور استقامت سے کام لیتے ہیں۔

۶۷ یاد رکھو! اس خیال کو اپنے دل میں کبھی نہ آنے دو کہ تم دشمن کے زیادہ سے زیادہ آدمی گرفتار کر لو تاکہ اُن کے زرِ فدیہ سے تمہارے پاس بہت سا مال جمع ہو جائے (۴۷/۴) جنگ سے تمہارا مقصد دولت حاصل کرنا نہیں۔ تمہارے پیش نظر نظام خداوندی کا قیام ہے۔ اس کے لئے تمہیں ملک میں ایسا غلبہ و اقتدار حاصل ہونا چاہیئے جس سے حق کے مخالفین بے دست و پا ہو کر رہ جائیں۔ تم قریبی پیش پا افتادہ مفاد حاصل کرنا چاہتے ہو اور قانونِ خداوندی کی نگاہ مستقبل پر ہے۔ یاد رکھو! قانون خداوندی غلبہ اور حکمت دونوں کو اپنے دامن میں رکھتا ہے۔

۶۸ اگر قانونِ خداوندی میں اس قسم کی فروگزاشتوں سے درگزر کر دینے کی گنجائش پہلے سے موجود نہ ہوتی تو جو کچھ تم کرنے لگے تھے اس پر تمہاری سخت گرفت ہو جاتی۔

۶۹ البتہ یہ مالِ غنیمت جسے تم نے فتح کے بعد حاصل کیا ہے، اسے حلال و طیب سمجھ کر کھاؤ۔ لیکن اس باب میں بھی ہمیشہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ یاد رکھو! حفاظت اور مرحمت کا سامان، قوانین خداوندی کی رُو سے حاصل ہوتا ہے۔

۷۰ اے رسول! ان قیدیوں سے، جو تمہاری گرفت میں آ چکے ہیں، کہدو کہ اگر ہم نے قانونِ خداوندی کی رُو سے دیکھا کہ تمہارے دل میں خیر سگالی کے جذبات موجود ہیں، تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے، تمہیں اس سے بہتر واپس دیدیا جائے گا۔ اور تمہاری ہر طرح سے حفاظت کی جائیگی۔ اللہ کے قانون میں حفاظت اور مرحمت کا سامان موجود ہے۔

۷۱ لیکن اگر یہ نظر آیا کہ تمہارے دل میں عہد شکنی اور خیانت کے جذبات پرورش پا رہے

قَبْلُ فَاٰمَكَّنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۷۲ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝۷۳

ہیں' تو تم پہلے بھی خیانت کر کے دیکھ چکے ہو کہ تمہارا کیا حشر ہوا تھا۔ اُس نے کس طرح' جماعتِ مومنین کو تم پر غلبہ عطا کر دیا تھا۔ اللہ کا قانون علم و حکمت پر مبنی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تمہاری نیت کیا ہے اور یہ بھی کہ تمہاری تخریبی کارروائیوں کی مدافعت کے لئے کیا تدبیر کرنی چاہیئے۔

۷۲ یاد رکھو! جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت پر ایمان لے آئے' اور اس نظام کی خاطر جس چیز کے چھوڑنے کی ضرورت پڑی اسے بلا ادنیٰ تامل چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ گھر بار تک کو چھوڑ کر' یہاں آ گئے' اور اپنے مال و جان کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔

دوسری طرف' وہ مومنین' جنہوں نے' ان سب کچھ چھوڑ کر آنے والوں کو' ٹھکانہ دیا اور ان کی ہر طرح سے مدد کی۔

یہی لوگ باہمد گر ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہیں۔

لیکن جو لوگ جماعتِ مومنین میں شامل تو ہو گئے لیکن انہوں نے اپنے وطن کو نہیں چھوڑا (اور بلا عذرِ غیر حسنِ خداوندی نظام میں' مخالفین کے ساتھ رہنا گوارا کر لیا)' تو ان کی اعانت و رفاقت کی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں' تا آنکہ وہ ہجرت کر کے تمہارے ساتھ نہ آ ملیں۔ البتہ اگر وہ وہاں بحالتِ مجبوری' گھر چکے ہوں (جیسے) اور دین کے معاملہ میں تم سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد واجب ہے' بشرطیکہ یہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے۔ اللہ کا قانون تمہارے تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔

۷۳ (ایک طرف یہ جماعتِ مومنین ہے' جس کے افراد ایک دوسرے کے دوست اور بہی خواہ ہیں۔ دوسری طرف) وہ لوگ ہیں جو اس نظام کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔ لہٰذا' اگر تم وہ کچھ نہ کرو گے جس کا اوپر حکم دیا گیا ہے (یعنی ان کا مقابلہ)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۷۴ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷۵

تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑی خرابی پیدا ہو جائے گی۔

۷۴ پھر سُن رکھو کہ جو لوگ اِس نظام کی صداقت پر ایمان لائے۔ اور پھر اس کی خاطر' سب کچھ' حتیٰ کہ وطن تک بھی چھوڑ دیا' اور اس کے قیام کی خاطر مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے ان خانہ ویرانوں کو رہنے کا ٹھکانہ دیا اور ان کی ہر طرح سے مدد کی۔ تو یہ ہیں وہ لوگ جو فی الحقیقت مومن کہلانے کے مستحق ہیں۔ ان کے لئے سامانِ حفاظت اور رزقِ باشرف کی فراوانیاں ہیں

۷۵ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت بھی کی' اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا' تو یہ لوگ بھی تم میں سے ہی ہیں۔ (یہ سب اس برادری کے افراد ہیں جو ایمان کی بنیادوں پر متشکل ہوئی ہے)۔ اگرچہ' جہاں تک قانونِ وراثت وغیرہ کا تعلق ہے' رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ فیصلہ اس خدا کا ہے جو سب کچھ جانتا ہے۔



بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③

---

① اے جماعتِ مومنین! تم اُن مشرکین عرب کے متعلق، جن کے ساتھ تم نے معاہدات کئے تھے لیکن وہ اپنے معاہدہ پر قائم نہیں رہے (۹/۴)، اعلان کر دو کہ نظام خداوندی ان معاہدات کو کالعدم قرار دیتا ہے۔

② یہ لوگ اس کے بعد، چار ماہ تک، بلا روک ٹوک، اس مملکت میں رہ سکتے ہیں (اس کے بعد اگر یہ مملکت کے شہری بن کر رہنا چاہیں تو فبہا، ورنہ ان سے جنگ ہوگی۔ ان سے کہدو کہ) تم اپنی ان حرکتوں سے نظامِ خداوندی کو بے بس اور مغلوب نہیں کر سکتے۔ اس نظام میں اتنی قوت ہے کہ وہ سرکشی اختیار کرنے والوں کو نیچا دکھا دے۔

③ آج، اِس اجتماع عظیم کے دن ——— جو تشکیلِ مملکت کے بعد سب سے بڑے اجتماع کا دن ہے۔ ——— تمام لوگوں کی اطلاع کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ نظام خداوندی مشرکین عرب کے عہد و پیمان سے بری الذمہ ہے۔ (اب ان کے ساتھ کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا۔ ان سے کہدو کہ) اگر تم اپنی سرکشی سے باز آجاؤ، تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ لیکن اگر تم نے (صحیح روش سے) اسی طرح منہ موڑے رکھا، تو اس خیال کو دل سے نکال دو کہ تم نظامِ خداوندی کو بے بس کر دو گے۔ تمہیں دردانگیز سزا دی جائے گی۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا
إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ
حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا
الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ
فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

۴ البتہ جن مشرکین عرب کے ساتھ تم نے معاہدات کئے تھے اور انہوں نے نہ تو اپنا معاہدہ پورا کرنے میں کسی قسم کی کمی کی اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کو مدد دی' تو ان کے ساتھ' جتنی مدت کے لئے معاہدہ ہوا تھا' اُس مدت کو پورا کرو۔ اس لئے کہ قانونِ خداوندی کی رُو سے' وہی لوگ پسندیدہ ہیں جو معاہدات کی نگہداشت کرتے ہیں۔

۵ جب چار ماہ کا عرصہ گزر جائے (اور اس کے بعد یہ نہ تو اس مملکت کے شہری بن کر رہنا چاہیں اور نہ ہی کسی دوسری جگہ منتقل ہوں تو ان کے خلاف لامحالہ جنگ کی جائیگی)۔ اس صورت میں' انہیں جہاں پاؤ قتل کرو۔ گرفتار کرو۔ ان کا محاصرہ کرو' اور ہر جگہ ان کی تاک میں رہو۔ (اس لئے کہ انہیں فتنہ و فساد پھیلانے کے لئے کھلا چھوڑا نہیں جا سکتا)۔

لیکن اگر یہ اپنی ان حرکتوں سے باز آجائیں (اور مملکت کے امن پسند شہریوں کی حیثیت سے) نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ میں تمہارے شریک حال ہو جائیں' تو پھر ان سے تعرض نہ کرو۔ نظامِ خداوندی میں' امن چاہنے والوں کے لئے حفاظت و مرحمت کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔

۶ اگر ان مشرکین میں سے (جن کے ساتھ معاہدات ختم کر دیئے گئے ہیں) کوئی تمہارے پاس آکر پناہ مانگے تو اسے پناہ دو۔ پھر اُسے اچھی طرح سمجھا دو کہ قوانین خداوندی کی رُو سے' اس نظام میں' اس کی پوزیشن کیا ہوگی۔ اگر اُس کے لئے' یہ پوزیشن قابلِ قبول نہ ہو' اور وہ مملکت سے چلا جانا چاہے' تو تم اُسے (بہ حفاظت) اس کی پناگاہ تک پہنچا دو۔

یہ اس لئے کہ یہ لوگ' جہالت کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں۔ (ورنہ اگر یہ علم و عقل سے کام لے کر سوچتے تو انہیں صاف نظر آجاتا کہ نظامِ خداوندی میں رہنا ان کے لئے

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

کس قدر منفعت بخش ہے)۔

۷ (تم سوچو کہ جو لوگ اس طرح بار بار عہد شکنی کریں نظامِ خداوندی کی رُو سے اُن کے عہد کو عہد کس طرح سمجھا جائے۔ عہد ان کا قابلِ اعتنا ہوگا جن کے ساتھ تم نے مسجدِ حرام کے نزدیک (اب) عہد کیا ہے۔ سو جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں، تم بھی عہد کو استوار رکھو۔ اس لئے کہ قانونِ خداوندی کی رُو سے وہی لوگ پسندیدہ ہیں جو اپنے عہد کی نگہداشت کرتے ہیں۔

۸ اِن لوگوں سے بھلا کیا عہد ہو سکتا ہے جن کی حالت یہ ہے کہ وہ اگر تم پر غالب آ جائیں تو عہد و پیمان تو ایک طرف رہا، وہ معاشرہ کے عام ضوابط و واجبات تک کو بھی بالائے طاق رکھ دیں۔ ان کی پاسداری بھی نہ کریں۔ یہ چکنی چپڑی باتوں سے تمہیں راضی رکھنا چاہتے ہیں، اور دل میں تمہارے خلاف نفرت اور عداوت کے جذبات بھرے رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر وہ ہیں جو (معاہدات کی رو سے طے شدہ حدود و قیود سے) اِدھر اُدھر نکل جاتے ہیں۔

۹ یہ لوگ ذرا سے فائدے کی خاطر جھٹ سے قوانینِ خداوندی کو بیچ ڈالتے ہیں۔ اور لوگوں کو خدا کے راستے کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ جو کچھ یہ کرتے ہیں وہ کس قدر برا ہے؟

۱۰ اس نظام کو قبول کرنا تو ایک طرف رہا، ان کی حالت یہ ہے کہ (ان میں سے) جو شخص اِس نظام کو تسلیم کر لیتا ہے یہ اس کے ساتھ، عام معاشرتی تعلقات و روابط کی بھی پاسداری نہیں کرتے۔ نہ ہی کسی عہد و پیمان کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے ہی حدود شکن واقع ہوئے ہیں۔

۱۱ بایں ہمہ اگر یہ لوگ اپنی موجودہ رَوِش کو چھوڑ کر (اسلام لے آئیں اور اس طرح)

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ
لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ
بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭ وَيُذْهِبْ غَيْظَ
قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑮

نظام صلوٰۃ وزکوٰۃ کے قیام میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائیں' تو وہ' اس طرح تمہارے بھائی بن جائیں گے۔ ہم ان لوگوں کے لئے' جو علم و بصیرت سے کام لیں' اپنے قوانین کو نکھار کر بیان کر دیتے ہیں۔

۱۲ لیکن اگر یہ لوگ' معاہدہ کر لینے کے بعد' پھر اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں' اور نظام خداوندی کے خلاف طعن و تشنیع شروع کر دیں' تو (پھر اس کے سوا چارہ نہیں کہ) آئینِ کفر کے ان سرغنوں کے خلاف جنگ کی جائے۔ پھر ان کا عہد' عہد ہی نہیں رہے گا —— اور یہ جنگ اس لئے کیجائے کہ یہ لوگ' ظلم و سرکشی سے باز آجائیں۔

۱۳ تم خود ہی سوچو کہ ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرنے میں کیا تامل و توقف ہو سکتا ہے' جنہوں نے اپنے معاہدات کو توڑ ڈالا۔ جنہوں نے اس بات کا تہیہ کر لیا کہ رسول کو' اس کے گھر بار سے باہر نکال دیں گے۔ (اور جب وہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ آگیا تو اس پر بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا) اور تمہارے خلاف جنگ کرنے کی پہل بھی انہی کی طرف سے ہوئی۔ لہٰذا اب کونسی بات باقی رہ گئی ہے جو ان کے خلاف قدم نہ اٹھایا جائے؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ سن رکھو کہ اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو پھر صرف خدا کا قانون ایسا ہے جس کی خلاف ورزی کے نتائج سے تمہیں ڈرنا چاہیئے (اس کے علاوہ' کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں)۔

۱۴ تم ان کے خلاف جنگ کے لئے نکلو' اور پھر دیکھو کہ خدا کس طرح انہیں' تمہارے ہاتھوں سے سزا دلواتا ہے۔ انہیں ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ اور تمہیں ان پر غلبہ عطا کرتا ہے۔ ایسا غلبہ جس سے جماعتِ مومنین کے دلی دکھ دور ہو جائیں گے۔

۱۵ اور وہ کرب اور بے چینی' جس میں یہ مومنین' اتنا عرصہ تک' ان مخالفین کے ہاتھوں مبتلا رہے ہیں' سب ختم ہو جائے گی۔ (ان مخالفین میں سے کچھ تو ختم ہو جائیں گے اور باقی

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا
رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ
اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿١٧﴾

تائب ہو کر اسلام لے آئیں گے۔ تمہیں اس پر تعجب تو ضرور ہو گا کہ ان کے اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی خدا کی طرف سے ان کے لئے باز آفرینی کا دروازہ کھلا رہے گا؟ ہاں! وہ کھلا رہے گا) ہمارا قانونِ مشیت یہ ہے کہ جو شخص (یا قوم) بھی چاہے کہ خدا اپنی عنایات کو اس کی طرف مبذول کر دے (اور وہ اپنے آپ کو اس کا مستحق بنا لے) تو خدا اپنی توجہات اس کی طرف پھیر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ اُس کے اس قانون کے مطابق ہوتا ہے جو سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہے۔

۱۶ اے جماعتِ مومنین! کیا تم سمجھ رہے ہو کہ چونکہ تم نے ایمان کا اقرار کر لیا ہے اس لئے اب تمہارے لئے سب کچھ خود بخود ہوتا چلا جائے گا اور تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی؟ یہ خیال خام ہے۔ دعوائے ایمان کے بعد یہ بھی دیکھا جائے گا کہ تم میں سے کون ہے جو نظامِ خداوندی کے قیام و استحکام کے لئے مصروفِ جد و جہد رہتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اور جماعتِ مومنین کے علاوہ، اور کسی کو اپنا دوست اور رازدار نہیں بناتا۔ یاد رکھو! خدا کی نگاہ تمہارے کاموں پر ہوتی ہے۔ فقط ایمان کا دعویٰ کافی نہیں ہوتا۔ (۲/۲۱۴ ؛ ۳/۱۴۱ ؛ ۲۹/۱-۲)۔

۱۷ یہ بھی سُن رکھو کہ تمہارا نظام خالص قوانینِ خداوندی کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے، اس لئے جو لوگ ایک خدا کے قوانین و احکام کی اطاعت گزار نہ ہوں، بلکہ مختلف نظریاتِ زندگی کے حامل ہوں، تمہارے نظام کا قیام اُن کے ہاتھوں سے نہیں ہو گا۔ یہ تمہاری مساجد (یعنی نظامِ خداوندی کے قیام و نفاذ کے مراکز) کی آبادی کا باعث نہیں ہو سکتے۔ یہ ان کی بربادی کا باعث بنیں گے (۴۲/۱۲)۔ نہ ہی اس نظام کا قیام ان لوگوں کے ہاتھوں سے ہو گا جو تمہاری جماعت میں تفرقہ پیدا کریں (۹/۱۰۷)۔ یہ بھی درحقیقت مشرک ہی ہوتے ہیں۔ (۳۰/۳۱)۔ ان کا تو وجود ہی اس حقیقت کی شہادت ہے کہ یہ اس نظام کے خلاف ہیں۔

(بہرحال، تم ان سے بالکل خائف نہ ہو) جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس سے کبھی

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ
إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۤجِّ وَعِمَارَةَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ
اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَ
مْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ

وہ نتائج مرتب نہیں ہوں گے جو ان کے پیش نظر ہیں۔ ان کی سعی و عمل کی کھیتیاں جھلس جائیں گی۔ وہ کبھی ثمر بار نہیں ہو سکیں گی۔

۱۸ نظامِ خداوندی کے مراکز کی تعمیر اور آبادی صرف ان لوگوں کے ہاتھوں سے ہو گی جو خدا اور اس کے قانونِ مکافات اور حیاتِ اخروی پر یقین رکھیں۔ اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام قائم کریں۔ اور ان کے دل میں قانونِ خداوندی کے علاوہ اور کسی کا ڈر نہ ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے سامنے سعادت اور خوشگواری کی راہ کھلی دیکھ لیں گے۔

۱۹ کیا تم سمجھتے ہو کہ حاجیوں کے لئے پانی کی سبیلیں لگا دینے اور خانہ کعبہ کی آبادکاری کے مختلف کام سرانجام دیدینے سے انسان اس شخص کے برابر ہو جاتا ہے جو قوانین خداوندی اور حیاتِ اخروی پر ایمان رکھے اور نظامِ خداوندی کے قیام و بقا کے لئے مسلسل جدوجہد کرے۔ (تم اپنے ذہن سے کچھ ہی کیوں نہ سمجھو) معیار خداوندی کے مطابق یہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ یاد رکھو! اللہ کا قانونِ مشیت کبھی ایسے لوگوں کو سعادت کی راہ نہیں دکھاتا جو ظلم سے باز نہ آئیں (اور اس قسم کے خیراتی کام کر کے اپنے آپ کو فریب دے لیں کہ ہم نے بڑا تیر مارا ہے۔ حقیقی عمل اس نظام کا قیام ہے جس سے دنیا میں ظلم باقی نہ رہے)۔

۲۰ یاد رکھو! جو لوگ خدا کے متعین کردہ نصب العین حیات پر یقین رکھتے ہیں اور نظامِ خداوندی کے قیام و بقا کے لئے اپنی جان و مال سے مسلسل جدوجہد کرتے ہیں اور اس بلند مقصد کے حصول کے لئے جو کچھ چھوڑنا پڑے اسے بلا تامل چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے مدارج معیارِ خداوندی کے مطابق بہت بلند ہیں۔ اور یہی لوگ کامیاب و کامران اور فائز المرام ہونے والے ہیں۔

مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَ
عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

۲۱ اِن کا نشوونما دینے والا انہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے سامانِ نشوونما اور عنایاتِ خداوندی کی فراوانی ہوگی۔ انہوں نے اپنی زندگی کو قوانین خداوندی سے یکسر ہم آہنگ رکھا ہے۔ اسکا نتیجہ ایک ایسی خوشگوار زندگی ہے جس میں سدا بہار نعمتیں ہوں گی۔

۲۲ یہ لوگ زندگی کی ان شادابیوں سے ہمیشہ بہرہ یاب رہیں گے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے کتنا بڑا اجر ملتا ہے۔

۲۳ اے ایمان والو! (اس حقیقت کو بھی اچھی طرح سے سمجھ لو کہ آئینِ خداوندی کی رُو سے' اپنوں اور بیگانوں کی تفریق' نسلوں اور خاندانی رشتوں کی بنا پر نہیں ہوگی' بلکہ نظریۂ زندگی کے اشتراک کی رُو سے ہوگی۔ لہذا' اور تو اور' اگر) تمہارے باپ اور بھائی بھی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو زیادہ پسند کریں' تو تم انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ یاد رکھو! اس تنبیہ کے بعد بھی جو انہیں دوست رکھے گا' تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ یہ قانونِ خداوندی سے سرکشی کے مرادف ہوگا۔

۲۴ (اے رسول!) ان لوگوں سے کہدو کہ اگر تمہارے باپ' بیٹے' بھائی' بیویاں اور دیگر اہل خاندان۔ اور مال و دولت جو تم کماتے ہو' اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو۔ اور وہ مکانات جنہیں تم اس قدر پسند کرتے ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں خدا اور اس کے رسول (نظامِ خداوندی) اور اس (کے قیام و بقا) کی راہ میں جد و جہد سے زیادہ عزیز ہے' تو پھر (تم اپنی اس رَوش کے نتائج کا) انتظار کرو تاآنکہ قانونِ خداوندی کی رُو سے اس کے ظہورِ نتائج کا وقت آجائے۔ یاد رکھو! خدا کبھی اس قوم کو سعادت اور کامیابی کی راہ نہیں دکھاتا جو صحیح راستے کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر نکل جائے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ
ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ
اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا
يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ
اِنْ شَآءَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

---

۲۵ (تم ان چیزوں کو اس لئے عزیز رکھتے ہو اور اپنے ان رشتہ داروں سے اس لئے تعلقات وابستہ رکھنا چاہتے ہو کہ تمہیں ڈر ہے کہ ان کے بغیر تم بے یار و مددگار رہ جاؤ گے۔ حالانکہ تم خود مشاہدہ کر چکے ہو کہ) اللہ نے بہت سے نازک مواقع پر کس طرح تمہاری مدد کی ہے۔ بالخصوص جنگ حنین کے موقعہ پر جب تم اپنی تعداد کی کثرت پر اترا گئے لیکن دشمن کے مقابلہ میں تمہاری کثرت تمہارے کسی کام نہ آسکی اور زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم میدان جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ اٹھے۔

۲۶ پھر اللہ نے مومنین اور اپنے رسول کے دل میں سکون پیدا کر دیا (۴۸/۴) اور (تمہارے قلوب کی دنیا میں) وہ لشکر اتارے جنہیں تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے (۹/۴۰ ؛ ۳/۱۲۵ ؛ ۴۱/۴)۔ جب اس طرح تمہارے دلوں کو سکون حاصل ہو گیا تو میدان جنگ کا نقشہ بدل گیا اور فریق مخالف کو سخت سزا ملی ——— زندگی کی صحیح روش سے انکار کرنے والوں کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔

۲۷ اور خدا کا یہ قانون اس کے بعد بھی جاری و ساری ہے کہ جس جماعت سے کوئی غلطی ہو جائے اور اس کے بعد وہ اپنی اصلاح کر لے تو خدا کی برکات پھر اس جماعت کی طرف لوٹ کر آجاتی ہیں (یعنی ایک بار کی لغزش سے قوم ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ نہیں ہو جاتی)۔ قانون خداوندی میں لغزش کے مضر اثرات سے حفاظت اور مرحمت کی گنجائش بھی رکھ دی گئی ہے۔

۲۸ اے جماعت مومنین! اس حقیقت کو بھی سمجھ رکھو کہ (کعبہ کی تولیت اس قوم کے

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ
دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ
عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

ہاتھ میں ہی رہ سکتی ہے جو خدائے واحد کے قوانین کی مطیع و محکوم ہو۔ مشرکین کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہو سکتا)۔ ان کی قلبی نجاست کی وجہ سے انہیں' اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ نظامِ خداوندی کے اس پاکیزہ مرکز کو ملوث کریں۔ اس لئے' یہ مشرکین اس سال کے بعد' مسجد حرام کے قریب تک نہ جائیں۔ اگر تمہیں اس کا اندیشہ ہو کہ ان کے یہاں نہ آنے سے تمہیں کاروبار میں نقصان ہو گا اور تم مفلس ہو جاؤ گے' تو اللہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہیں اس قدر سامانِ رزق عطا کر دے گا کہ تم کسی کے محتاج اور دست نگر نہیں رہو گے۔ یاد رکھو! خدا جب کسی بات کا حکم دیتا ہے تو اسے اس کا خوب علم ہوتا ہے کہ اس کے نتائج و عواقب کیا ہوں گے۔ اس کے پروگرام میں' اس کے لئے بھی ضروری تدابیر موجود ہوتی ہیں۔

۲۹ مشرکین کے علاوہ اُن اہلِ کتاب سے بھی جنگ کرو' جن کا یہ حال ہے کہ وہ نہ تو خدا اور آخرت پر (اس طرح) ایمان رکھتے ہیں (جس طرح تم ایمان رکھتے ہو ۔ ۲/۱۳۷)۔ اور نہ ہی اُن امور کو اپنے اوپر واجب ٹھہراتے ہیں جنہیں نظامِ خداوندی واجب قرار دیتا ہے۔ اور نہ ہی اِس' حق و صداقت پر مبنی نظام کی اطاعت اختیار کرتے ہیں۔ (یعنی اس مملکت کے اندر رہتے ہوئے اِس کے قوانین و احکام کا احترام اور اطاعت نہیں کرتے) تاآنکہ ان کی سرکشی کی قوت ٹوٹ جائے۔ وہ حکومت سے معاہدہ کریں جس کی رُو سے حکومت ان کی جان۔ مال۔ آبرو۔ معابد وغیرہ کی حفاظت کا ذمہ لے' اور وہ اس حفاظت و آسائش کے عوض' حکومت کا ٹیکس ادا کریں۔ (اس طرح' وہ اِس مملکت میں امن و امان سے باعزت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

۳۰ (یہ اہلِ کتاب وہ ہیں' کہ ان کے پاس خدا کی طرف سے وحی آجانے کے بعد بھی ان کی حالت یہ رہی کہ اِن میں سے) یہودیوں نے' مصری دیوتا عزیر (OSIRIS) کو خدا کا بیٹا تسلیم کر لیا اور اس کی پرستش شروع کر دی۔ اور عیسائیوں نے مسیح کو خدا کا بیٹا بنا لیا۔ (اس سے بڑھ کر کفر اور شرک اور کیا ہو سکتا ہے)۔ یہ بلا سوچے سمجھے

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا
لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ
بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْ
هُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں جن کی ان کے پاس اس کے سوا کوئی سند اور دلیل نہیں کہ۔ وہ لوگ جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اس قسم کے عقائد رکھتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی انہوں نے بھی یہ کچھ کہنا شروع کر دیا ——— خدا انہیں غارت کرے۔ یہ صحیح راستے کو چھوڑ کر کس طرف بہکے چلے جاتے ہیں؟

۳۱ (اتنا ہی نہیں، بلکہ) یہ لوگ اپنے علماء و مشایخ کو خدا سے ورے ہی اپنا خدا بنا لیتے ہیں (اور ان کی خود ساختہ شریعت کو دین خداوندی سمجھنے لگ جاتے ہیں) اور مسیحؑ ابن مریم کو بھی خدا تسلیم کر رہے ہیں۔ حالانکہ انہیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ یہ صرف خدائے واحد کی اطاعت اختیار کریں۔ اس کے سوا کائنات میں کسی اور کا اقتدار و اختیار نہیں۔ وہ اس سے بہت بلند ہے کہ اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک حکم کر لیا جائے۔

۳۲ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کے اس نور (قرآن) کو جو انہیں اس قسم کی تاریکیوں سے نکالنے کے لئے آیا ہے، پھونکیں مار مار کر بجھا دیں (الصف ۸)۔ لیکن ان کی ان باتوں سے کیا ہوتا ہے؟ اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ ان مخالفین پر یہ چیز کتنی ہی گراں کیوں نہ گذرے۔

۳۳ اللہ نے اپنے رسول کو ضابطۂ حیات۔ یعنی دین حق، دے کر بھیجا ہی اس لئے ہے کہ یہ نظام، تمام نظامہائے عالم پر غالب آئے، خواہ یہ بات ان لوگوں پر کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گذرے جو خدا کے ساتھ اوروں کو بھی شریک حکومت کرنا چاہتے ہیں۔

۳۴ ان کے علماء و مشایخ میں سے جنہیں یہ خدائی درجہ دیتے ہیں، اکثر کی یہ حالت ہے کہ وہ، جھوٹ اور فریب سے، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں۔ اور ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ، خدا کے راستے کی طرف نہ آنے پائیں (کیونکہ اس سے ان کی پیشوائیت اور اقتدار ختم ہو جاتا ہے)۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾

اے رسول! تم ان کے' ان علماء و مشایخ کو' اور ان کے ساتھ' ان لوگوں کو جو ان کی خود ساختہ شریعت کی آڑ میں' نظام سرمایہ داری کو منشائے خداوندی کے عین مطابق سمجھ کر) سونے چاندی (دولت) کے ڈھیر جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے' نوع انسان کی بہبود کے لئے عام نہیں کرتے' الم انگیز عذاب کی خبر سنا دو۔

۳۵ (نظام خداوندی کے دور میں) اس مال کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا (جس کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں ۱۰۴-۶) اور اس سے ان کی پیشانیاں' ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ مال جسے تم نے تنہا اپنے لئے جمع کر رکھا تھا (اور دوسروں کو اس سے محروم کر رکھا تھا)۔ سو جو کچھ تم نے یوں جمع کر رکھا تھا اس کا اب مزہ چکھو۔

۳۶ (یہ ہیں ——— مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری کے ——— وہ باطل نظام جنہیں ختم کرنے کے لئے خدا کا یہ نور ——— قرآن ——— اور اس کا رسول آیا ہے۔ اس مقصد کے لئے 'عند الضرورت' جنگ بھی کرنی پڑے گی۔ اس سلسلہ میں چند تمہیدی اصول پھر سن لو۔ سب سے پہلے یہ کہ) جنگ مسلسل جاری نہیں رکھی جائے گی۔ (بین الاقوامی معاہدات کی رو سے) سال میں چار مہینے ضرور ایسے رکھے جائیں جن میں جنگ ملتوی کر دی جائے (جب ایک دفعہ جنگ ملتوی کر دی جائے تو اس سے مشتعل جذبات میں سکون پیدا ہو جاتا ہے اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعد جنگ ختم ہو جاتی ہے) یہ محکم قانون ہے۔ اس کی پابندی ضرور کرو۔

قاعدہ تو تمہارے ہاں اب بھی یہ موجود ہے' لیکن تم اس سلسلہ میں کرتے یہ ہو کہ (ہر تیسرے سال ایک مہینے کا اضافہ کر کے) بارہ مہینوں کے بجائے' تیرہ مہینوں کا سال

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوا
عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ

بنا لیتے ہو اور پھر اُن مہینوں میں گڑبڑ کر دیتے ہو جن میں جنگ روک دی گئی ہے (۹/۳۶)۔ یہ غلط ہے۔ اس سے وہ مقصد فوت ہو جاتا ہے جس کے لئے ان مہینوں میں جنگ کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ مہینے متعین ہونے چاہئیں اور ہر ایک کو معلوم۔ اس کے لئے تم کر دیہ کہ سال کے بارہ مہینے ہی شمار کرو (کبھی بارہ اور کبھی تیرہ کا حساب مت رکھو)۔ یہ چیز اُس قانونِ فطرت کے مطابق ہے جو خدا نے تخلیقِ ارض و سما کے وقت مقرر کیا تھا۔ (یعنی زمین سورج کے گرد ایک سال میں چکر پورا کرتی ہے۔ اس مُدّت کی تقسیم بارہ ماہ سے کر لینی چاہئے) سو ان مہینوں میں گڑبڑ مچا کر خواہ مخواہ اپنے اوپر زیادتی مت کرو۔ تم (اے جماعتِ مومنین) ان مہینوں کو چھوڑ دو اور باقی سال میں، ان مخالفین سے پورے زور سے جنگ کرو جس طرح یہ تم سے، پوری شدت سے جنگ کرتے ہیں۔ اس میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ لیکن جنگ میں بھی قوانین خداوندی کو نظرانداز نہ ہونے دو۔ یاد رکھو! خدا کی تائید و نصرت انہی کے ساتھ ہوتی ہے جو ہر حال میں اس کے قوانین کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اور کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے۔

۳۷ یاد رکھو! جن مہینوں میں جنگ کو ناجائز قرار دیا جائے، انہیں اپنی جگہ سے ہٹا دینا، معاہدات کا عملی انکار اور بین الاقوامی قانون سے سرکشی ہے —— اور بہت بڑی سرکشی —— یہ لوگ کرتے یہ ہیں کہ ایک ہی مہینے کو ایک سال جنگ کے لئے جائز قرار دیتے ہیں اور دوسرے سال اسے ناجائز ٹھیرا دیتے ہیں۔ اس طرح ان مہینوں کی گنتی تو پوری کر دیتے ہیں جن میں خدا نے جنگ کو حرام قرار دیا ہے، لیکن مہینوں کو اِدھر اُدھر کر دینے سے عملاً خدا کے حرام قرار دیتے ہوئے کو حلال ٹھہرا دیتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ اس سے ہم کسی جُرم کے مرتکب نہیں ہوتے —— بلکہ اسے بڑی خوبی کی بات خیال کرتے ہیں —— حالانکہ یہ سیدھی سی بات ہے کہ جو امور ایک مرتب بین الاقوامی طور پر طے پا جائیں، کسی ایک قوم کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود ہی ان میں تغیر و تبدل کر لے۔ اس قسم کی قوم پر جو ایسی حرکت کی مرتکب ہو، کبھی کامیابی کی راہ کشادہ نہیں ہوتی۔

الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ
فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ
وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

۳۸ اے جماعتِ مومنین! (ایسے لوگ بھی ہیں کہ دنیاوی مفاد کی خاطر جنگ کرنے کے لئے تو وہ ہر وقت آمادہ ہوں گے لیکن) جب ان سے کہا جائے کہ وہ حق و صداقت کی راہ میں جنگ کے لئے نکلیں تو ان کے پاؤں من من بھر کے ہو جاتے ہیں۔ زمین سے اٹھتے ہی نہیں۔ ان سے کہو کہ کیا تم بلند انسانی مفاد اور مستقل اقتدار کو چھوڑ کر، طبعی زندگی کے مفاد کو پسند کرتے ہو؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ طبعی زندگی کے مفاد کتنے ہی گراں بہا کیوں نہ دکھائی دیں، وہ انسانی زندگی اور مستقبل کی خوشگواریوں کے مقابلہ میں متاعِ قلیل ہوتے ہیں۔

۳۹ ان سے واضح الفاظ میں کہہ دو کہ اگر تم نظامِ خداوندی کے قیام و بقا کی خاطر جنگ کے لئے نہیں نکلو گے، تو اس کا نتیجہ تمہارے لئے بڑا الم انگیز ہوگا۔ یعنی خدا تمہاری جگہ ایک اور قوم کو لے آئیگا اور تم اُس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکو گے۔ یاد رکھو! خدا کی ہر بات اُس کے مقرر کردہ قانون اور ضابطے کے مطابق ہوتی ہے جس پر اسے پوری پوری قدرت حاصل ہے۔ (اس کا قانون یہ ہے کہ زمین کی وراثت اُسی قوم کے حصے میں آتی ہے جس میں اسکی صلاحیت ہو۔ (۲۱/۱۰۵)۔

۴۰ اگر تم (نظامِ خداوندی کے قیام کے سلسلہ میں) رسول کی مدد نہیں کرتے (تو نہ کرو)۔ خدا نے اُس کی مدد اُس زمانے میں کی تھی (جب وہ، بظاہر بے یار و مددگار تھا) جب کفار نے اسے گھر سے باہر نکال دیا تھا، اِس حالت میں کہ اُس کے ساتھ صرف اس کا ایک رفیق تھا۔ وہ دونوں اپنی حفاظت کے لئے غار میں چھپے بیٹھے تھے (اور دشمن تعاقب میں تھا۔ ایسی مایوسی کے عالم میں بھی اُسے، خدا کی نصرت پر ایسا محکم یقین تھا کہ جب اس کا رفیق، اس خیال سے کہ رسول کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے، متردد دکھائی دیا،

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ۴۱ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَ
سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۴۲

تو) اس نے اس سے' دل کے پورے اطمینان سے کہا کہ مت غمگین ہو' یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ایسے اضطراب انگیز حالات میں' اللہ نے اپنے رسول کو سکون و قرار عطا فرمایا تھا۔ (اس کے بعد بدر کے میدان میں' جب حالات سخت نامساعد تھے) ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے تھے (۹/۲۶)۔ اس طرح' اس نے مخالفین کو سرنگوں کر دیا' اس کے بعد تم دیکھ رہے ہو کہ نظامِ خداوندی کو کس طرح سرفرازی و سربلندی' غلبہ و تسلط حاصل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس نظام میں صحیح تدابیر اور قوت دونوں موجود ہیں ——— نصب العین اس قدر بلند۔ بازوؤں میں قوت۔ ذہن میں حسن تدابیر کی صلاحیت۔ اس کے بعد کامیابی کے لئے اور کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

۴۱ (لہٰذا' اے جماعتِ مومنین! تم اس کا خیال نہ کرو کہ تم مخالفین کے مقابلہ میں کچھ ہلکے ہو)۔ تم ہلکے ہو یا بھاری۔ تم فراخی کی حالت میں ہو یا تنگی کی۔ تمہارے پاس اسلحہ بھی پورا ہے یا نہیں۔ تم ان باتوں سے نہ گھبراؤ۔ تم باہر نکل پڑو اور خدا کی راہ میں' اپنے مال اور جان سے سرتوڑ کوشش کرو۔ (تمہارا یقینِ محکم اور ثبات و استقامت تمہاری کمیوں کو پورا کر دے گا)۔ اگر تم بات کو اچھی طرح سمجھ لو تو تمہارا' مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہونا' تمہارے لئے بہتر ہے۔

۴۲ (باقی رہے یہ ڈھلمل یقین لوگ۔ سو ان کی حالت یہ ہے کہ) اگر تم انہیں ایسی لڑائی کے لئے کہتے جس میں انہیں فائدہ سامنے پڑا نظر آجاتا' اور سفر بھی زیادہ صعوبت انگیز نہ ہوتا' تو یہ ضرور تمہارے پیچھے چل پڑتے۔ لیکن اب ان کی کیفیت یہ ہے کہ یہ سفر انہیں بڑا لمبا اور پُرمشقت نظر آتا ہے۔ (اصل بات تو یہ ہے۔ لیکن یہ طرح طرح کی بہانہ سازیاں کریں گے اور) قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم میں اس کی استطاعت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ اس قسم کی منافقانہ باتوں سے اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں (کسی کا کچھ نہیں بگاڑ رہے)۔ کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا
يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ
فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ
فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا
خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

---

۴۳ تم نے (اے رسول! ان کی منافقانہ عذر داریوں کو سچا سمجھ کر) انہیں پیچھے رہنے کی اجازت دیدی۔ (تم نے کشادہ پیشانی سے کام لیا' لیکن انکی نیت نیک نہیں تھی۔ بہرحال) اللہ نے اس سے درگذر کر دیا ہے۔ (اگر تو ذرا اور توقف کرتا تو) تجھ پر خود بخود آشکارا ہو جاتا کہ تمہاری جماعت میں کون سچا ہے اور کون جھوٹی عذر داریاں کرتا ہے۔

۴۴ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ فی الواقعہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' وہ کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ ہم اپنے مال و جان سے جہاد کرنے سے معذور ہیں' اس لئے ہمیں اجازت دیدیجئے کہ ہم جنگ میں شریک نہ ہوں۔ (وہ تو ایسے مواقع کے آرزومند رہتے ہیں)۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ لوگ کون ہیں جو اپنے فرائض کی نگہداشت کرتے ہیں (اور کون ہیں جو ان سے جی چراتے ہیں)۔

۴۵ اس قسم کی اجازتیں وہی لوگ مانگا کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر سچے دل سے یقین نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں شکوک ہیں اور اسی وجہ سے وہ متذبذب ہیں۔ (ورنہ ایمان محکم کے بعد' عمل میں تذبذب کیسا؟)

۴۶ (یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ) اگر ان کی نیت جنگ میں شرکت کی ہوتی تو یہ (کچھ نہ کچھ) سفر کی تیاریاں کرتے —— اور یہ اچھا ہی ہے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ نہ جانے کا یہیں فیصلہ کر لیا اور پیچھے رک گئے۔ ورنہ اگر یہ مزید منافقت برتتے اور ساتھ چل پڑتے تو نظام خداوندی کے حق میں یہ کوئی اچھی بات نہ ہوتی۔ (اس کا نتیجہ نقصان رساں ہوتا)۔

۴۷ یہ' بجز اس کے' کچھ نہ کرتے کہ تمہاری جماعت میں انتشار پیدا کرتے۔ تمہیں

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٤٨﴾
وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ
بِالْكَافِرِينَ ﴿٤٩﴾ إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا
أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَ
عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾

مصیبت میں ڈالنے کے لئے بھاگے بھاگے پھرتے۔ ہر طرح کی خرابی کے لئے کوشش کرتے۔ اور (تم جانتے ہو کہ) تمہارے اندر ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی باتوں پر کان دھرنے والے ہیں (یا خود ان کے جاسوس ہیں)۔ اس لئے ان کا تمہارے ساتھ جانا تمہارے لئے بڑی خرابی کا موجب تھا۔ خدا خوب جانتا ہے کہ کون لوگ ظلم و زیادتی کرنے والے ہیں۔

۴۸ (ان کی یہ حرکتیں کچھ نئی نہیں ہیں) اس سے پہلے بھی یہ لوگ فتنہ انگیزی کی کوشش کرتے رہے ہیں اور انہوں نے تمہارے خلاف ہر قسم کا الٹ پھیر کر کے دیکھ لیا ہے۔ ان سب کا نتیجہ کیا نکلا؟ یہی کہ حق آگے بڑھ گیا۔ خدا کا نظام غالب آگیا۔ اور یہ کڑھتے ہی رہ گئے۔

۴۹ ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے پیچھے رہنے کی اجازت دیدیجئے۔ مجھے مصیبت میں نہ ڈالئے۔ (ایسے لوگوں کو اس کا احساس نہیں کہ یہ اپنی ان حرکات سے) مصیبت میں تو پہلے ہی پڑے ہوئے ہیں۔ (منافق کی زندگی راحت اور اطمینان کی زندگی تھوڑی ہوتی ہے؟)۔ جہنم کی آگ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے' اور اس میں پڑے جل بھن رہے ہیں۔

۵۰ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی خوشگوار واقعہ پیش آتا ہے تو وہ ان پر بہت شاق گزرتا ہے۔ اور اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے' تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی دور اندیشی سے کام لے کر اپنا انتظام کر لیا تھا۔ یہ کہہ کر بہت خوش ہوتے ہیں اور منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

۵۱ ان سے کہو کہ ہمیں جو واقعہ بھی پیش آئے گا' قانونِ خداوندی کے مطابق پیش آئے گا (دنیا میں سب کچھ قوانین خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لئے) ہمارا بھروسہ اسی کے قانون پر ہے۔ وہی ہمارا کارساز و کارفرما ہے ——— اور ایک ہم ہی پر کیا موقوف ہے۔ جو لوگ بھی اس کے قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں' انہیں اس پر پورا پورا بھروسہ

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَآ إِلَّآ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ
مِّنْ عِنْدِهِۦٓ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوٓا إِنَّا مَعَكُم مُّتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾ قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا
لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فَٰسِقِينَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ
كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِۦ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَوٰةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَٰرِهُونَ ﴿٥٤﴾
فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَٰلُهُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِى الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ
وَهُمْ كَٰفِرُونَ ﴿٥٥﴾

رکھنا چاہیئے۔

۵۲ ان سے کہدو کہ تم ہمارے متعلق دو ہی باتیں سوچ سکتے ہو ——— یا ہم میدانِ جنگ میں مارے جائیں اور یا فاتح و منصور واپس آئیں۔ ہمارے لئے یہ دونوں باتیں بڑی خوشگوار ہیں۔ اس کے برعکس، ہم تمہارے متعلق اس کا انتظار کرتے ہیں کہ تم پر قانونِ خداوندی کے مطابق کہیں باہر سے کوئی تباہی آجائے۔ یا خود ہمارے ہاتھوں سے تمہیں سزا مل جائے۔ سو تم اپنے خیال کے مطابق انتظار کرو اور ہم اپنے اس تصور کے مطابق انتظار کرتے ہیں۔ پھر دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے!

۵۳ (اور اگر یہ منافق چاہتے ہیں کہ) طوعاً و کرہاً کچھ مالی امداد دے کر جنگ میں جانے سے بچ جائیں، تو ان سے کہدو کہ تمہاری مالی امداد ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ اس لئے کہ تم صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راہوں کی طرف نکل گئے ہو۔

۵۴ ان سے کہدو کہ ان کی مالی امداد قبول نہ کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا دعوے ایمان صرف زبانی ہے۔ یہ درحقیقت خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتے۔ اُن سے انکار کرتے ہیں۔ تمہارے صلوٰۃ کے اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں تو مارے بندھے، محض دکھاوے کی خاطر (۴/۱۴۲) اور ایسے رسمی طور پر جس سے کوئی تعمیری نتیجہ مرتب نہ ہو (۱۰۷/۵)۔ اور اگر مالی امداد دیتے ہیں تو بطیب خاطر نہیں، بلکہ سخت مجبوری اور ناگواری سے (لہذا ایسے لوگ اس نظام کے ارکان کیسے بن سکتے ہیں جس کی ساری عمارت دل کی رضا و رغبت پر استوار ہوتی ہے)۔

۵۵ اس میں شبہ نہیں کہ ان کے پاس مال و دولت بھی بہت ہے، اور ان کے افرادِ

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً
اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ
اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

خاندان کی تعداد بھی کثیر ہے جس کی وجہ سے ان کا جتھہ کافی بڑا ہے۔ لیکن یہ باتیں تمہارے لئے وجہ تعجب نہیں ہونی چاہئیں۔ یہی چیزیں تو ہیں جو انہیں نظام خداوندی کی طرف آنے نہیں دیتیں۔ اس لئے' انہی کی وجہ سے ان کی دنیاوی زندگی ان کے لئے وبال جان بن جائے گی' اور یہ اپنے آپ کو کفر ہی کی خاطر ہلاک کرلیں گے (۹/۵۵)۔

۵۶ یہ لوگ خدا کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے ہیں کہ یہ تمہیں میں سے ہیں' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تم میں سے نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ بڑے بزدل ہیں (اور منافقت برتتا ہی وہ ہے جو بزدل ہو) اس لئے' اپنے آپ کو' تم میں سے ظاہر کرتے ہیں۔

۵۷ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر انہیں کہیں کوئی پناہ گاہ مل جائے۔ یا کوئی غار یا کسی قسم کا اور چھپنے کا مقام نظر آجائے' تو یہ تمہارا ساتھ چھوڑ کر' اس کی طرف یوں لپک کر چلے جائیں جیسے کوئی جانور رسہ تڑا کر بھاگ رہا ہو۔ (اگر یہ تمہارے ساتھ ہیں تو محض اس لئے کہ انہیں کہیں اور پناہ کی جگہ نظر نہیں آتی)۔

۵۸ (ان میں بعض لوگ بڑی کمینہ حرکات تک اتر آتے ہیں۔ مثلاً) وہ تمہارے خلاف یہ الزام تراشتے ہیں کہ تم نے صدقات کی تقسیم دیانتداری سے نہیں کی (مقصد اس سے یہ ہے کہ اس طرح تمہاری جماعت میں افتراق اور بدظنی پیدا ہوجائے)۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ اگر تو انہیں' ان کے حق سے کچھ زیادہ دے دیتا تو یہ بہت خوش ہو جاتے (اور پھر تمہاری تقسیم' عین مطابق حق و انصاف قرار پاجاتی)۔ لیکن چونکہ تم نے انہیں زیادہ نہیں دیا اس لئے یہ اس طرح بگڑ بیٹھے ہیں۔ (اور الزامات تراش کر اپنا غصہ نکال رہے ہیں)۔

۵۹ ان کے لئے کیا ہی اچھا ہوتا کہ انہیں' نظام خداوندی کی طرف سے جو کچھ حصہ رسد ملا تھا' اس پر مطمئن ہوجاتے (۹/۵۹)۔ اور کہتے کہ جو کچھ ہمیں' قاعدے اور قانون کے مطابق

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

ملا ہے' وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد ہمیں نظامِ خداوندی اور بہت کچھ دے گا۔ ہم اپنے دل کی پوری کشاد' اور ارادے کی وسعت کے ساتھ' اس نظام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۶۰ صدقات کے متعلق (یعنی اس مال کے متعلق جسے مملکت رفاہِ عامہ کے لئے صرف کرتی ہے) یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی تقسیم' کسی کے ذاتی مفاد یا انفرادی جذبات کی تسکین کے لئے نہیں ہوگی۔ یہ درحقیقت ان لوگوں کا حق ہے۔

(۱) جو اپنی نشوونما کے لئے دوسروں کے محتاج ہوں۔ یعنی کسی وجہ سے خود کمانے کے قابل نہ ہوں۔

(۲) جن کا چلتا ہوا کاروبار' یا نقل وحرکت (کسی وجہ سے) رک گئی ہو۔

(۳) جو لوگ صدقات (مملکت کی اس آمدنی) کی وصولی پر مامور ہوں (اُن کی کفالت کے لئے)۔

(۴) جن کی تالیفِ قلوب مقصود ہو (یعنی جو لوگ ویسے تو نظامِ خداوندی کی طرف آنے کے لئے تیار ہوں لیکن بعض معاشی موانع ان کے راستے میں اس طرح حائل ہوں کہ وہ انہیں اس طرف آنے نہ دیں۔ اِن موانع کے دُور کرنے میں ان کی امداد کی جائے)۔

(۵) جو لوگ دوسروں کی محکومی کی زنجیروں میں جکڑے ہوں' انہیں آزادی دلانے کیلئے۔

(۶) ایسے لوگ جو دشمن کے تاوان' یا قرض کے بوجھ کے نیچے اس طرح دب گئے ہوں کہ اس کا ادا کرنا ان کے بس میں نہ ہو۔

(۷) نیز' اُن باہر سے آنے والوں کا جنہیں مالی امداد کی ضرورت لاحق ہو جائے۔

(۸) ان کے علاوہ' اور جو کام بھی نظامِ خداوندی کے لئے مفید اور نوعِ انسان کی فلاح وبہبود کے لئے ممد ومعاون ہوں' انہیں سرانجام دینے کے لئے۔

یہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے ضوابط ہیں۔ اور اللہ کے ٹھہرائے ہوئے ضوابط علم وحکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

۶۱ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو (طرح طرح کی باتیں کرکے) نبی کو اذیت پہنچاتے رہتے

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا
اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ
الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ

ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو کانوں کا کچا ہے' ہر ایک کی بات سن لیتا ہے۔ ان سے کہو کہ (یہ کان کا کچا نہیں' اگرچہ) یہ حقیقت ہے کہ یہ ہر ایک کی سن لیتا ہے۔ اور یہ چیز تمہاری بہتری کے لئے ہے کہ تم اپنی ہر بات اس تک پہنچا سکتے ہو۔ (اس نے اپنے ہاں حاجب و دربان مقرر نہیں کر رکھے۔ نہ ہی وہاں یہ حالت ہے کہ اس تک خاص خاص لوگوں ہی کی رسائی ہو سکتی ہو۔ باقی رہا یہ الزام کہ یہ ہر ایک کی بات کا یقین کر لیتا ہے' تو یہ کس طرح ممکن ہے؟ اس لئے کہ یہ (رسول) خدا کے قوانین پر یقین محکم رکھتا ہے اس لئے یہ صرف ان لوگوں کی باتوں پر اعتماد کرتا ہے جو اس کی طرح' خدا کے قوانین پر یقین رکھتے ہیں۔

اس سے یہ نہ سمجھ لو کہ یہ' پارٹی بازی کی عصبیت کی وجہ سے' جماعتِ مومنین کی باتوں پر اعتماد کرتا ہے' اس لئے اس کے پیغام و نظام کی برکات بھی اپنی جماعت تک ہی محدود ہیں۔ اس کا پیغام و نظام تمام نوعِ انسان کے لئے باعثِ رحمت ہے (۲۱/۱۰۷)۔ لیکن یہ واضح ہے کہ اس رحمت سے وہی لوگ مستفیض ہو سکتے ہیں جو اس پیغام کی صداقت پر یقین رکھیں۔ یہ وجہ ہے کہ جماعتِ مومنین اس سے بہرہ یاب ہو جاتی ہے اور جو لوگ رسول کے لئے وجہِ اذیت بنتے ہیں' وہ اس سے محروم رہ کر الم انگیز تباہیاں مول لے لیتے ہیں۔

۶۲ اے جماعتِ مومنین! یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تمہارے سامنے قسمیں کھا کھا کر تمہیں راضی کر لیں۔ لیکن تم اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ (یہاں افراد کے راضی کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) اصل سوال خدا و رسول (نظامِ خداوندی) کو راضی کرنے کا ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اس نظام کی صداقت پر سچے دل سے ایمان لائیں۔

۶۳ کیا انہیں اس کا علم نہیں کہ جو شخص نظامِ خداوندی کی مخالفت کرتا ہے' تو اس کے لئے جہنم کا عذاب ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ـــــ اور یہ عذاب کیا ہے؟ بہت بڑی ذلت و رسوائی!

۶۴ یہ منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں کی طرف کوئی ایسی سورت

اسْتَهْزِءُوْٓا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝۶۴ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ
نَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶۵ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۶۶ ع ۱۳
اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ
يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۶۷

نازل نہ ہو جائے جو اُن باتوں کو ظاہر کر دے جو اِن منافقین کے دل میں پوشیدہ ہیں۔
اِن سے کہو کہ (تم زندگی سے مذاق کر رہے ہو) مذاق کئے جاؤ۔ جس بات کا تمہیں اندیشہ ہے' وہ تو ہو کر رہے گی۔ منافقت کب تک چھپی رہ سکتی ہے۔ وہ ایک دن ضرور ظاہر ہو کر رہتی ہے۔

۶۵ اگر تم ان سے پوچھو (کہ تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو تو) یہ کہدیں گے کہ ہم تو یونہی دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔ ان سے کہو کہ کیا تم خدا سے' اس کے احکام و قوانین سے' اور اس کے رسول سے' دِل لگی کرتے ہو (اور سوچتے نہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟)

۶۶ لیکن یہ سب باتیں یونہی بہانہ سازی کی ہیں۔ (سچی بات کیوں نہیں کہتے کہ) تم ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر چکے ہو۔ (لیکن تم میں بھی دو گروہ ہیں۔ ایک اُن کا' جو جان بوجھ کر جرم کفر کے مرتکب ہوتے ہیں) یہ مجرمین کا گروہ ہے۔ انہیں ضرور سزا دی جائے گی۔ (دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو یونہی' دوسروں کی دیکھا دیکھی بغیر جانے بوجھے' ان کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ اگر یہ لوگ صحیح راستے پر آجائیں تو) ان سے باز پرس نہیں ہوگی۔

۶۷ یاد رکھو! منافق مرد اور منافق عورتیں' ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے (کہ شیوۂ مومنین کے بالکل برعکس) جن باتوں سے قانونِ خداوندی منع کرتا ہے' یہ' لوگوں کو اُن کے کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور انہیں قانونِ خداوندی کے مطابق چلنے سے روکتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ (نظامِ خداوندی کے لئے خرچ کرنے سے) روکے رکھتے ہیں۔ جب انہوں نے اس طرح نظامِ خداوندی کو چھوڑ دیا تو نظامِ خداوندی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا' اور اپنی برکات و ثمرات سے انہیں محروم کر دیا۔ اس لئے

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۶۸ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ
فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ
خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۹ اَلَمْ
يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۷۰

کہ منافق (خواہ زبان سے کتنا ہی اقرار کیوں نہ کریں۔ درحقیقت) خدا کا راستہ چھوڑ کر' دوسری راہوں پر چل نکلتے ہیں۔

۶۸ یہ وجہ ہے کہ منافقین کا حشر بھی کفار جیسا ہی ہوگا۔ حقیقت کے اعتبار سے ان دونوں میں کچھ فرق نہیں' دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (بلکہ منافق' جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے۔ (۴/۱۴۵) یہ اس سے نکل نہیں سکیں گے۔ یہی ان کے اعمال کا صحیح صحیح بدلہ ہے ـــــ یعنی نظام خداوندی کی برکات و ثمرات سے محرومی' اور ہمیشہ رہنے والی تباہی۔

۶۹ (ان سے کہدو کہ) تمہاری حالت بالکل ان لوگوں کی سی ہو چکی ہے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں' وہ قوت میں بھی تم سے بڑھ کر تھے' اور دولت اور افراد خاندان کی کثرت کی وجہ سے' ان کی جتھہ بندی بھی زیادہ مضبوط تھی۔ لیکن وہ ان چیزوں سے صرف تھوڑے سے وقت کے لئے فائدہ اٹھا سکے (اس کے بعد تباہ ہو گئے) سو تم بھی' انہی کی طرح' ان چیزوں سے کچھ وقت کے لئے فائدہ اٹھا لو' اور جس طرح وہ بیہودہ اور فضول باتوں میں اپنی زندگی ضائع کرتے رہے' تم بھی ضائع کرتے رہو۔

یاد رکھو! یہی لوگ ہیں جن کے تمام پروگرام' خواہ وہ قریبی مفاد کے لئے ہوں یا مستقبل کے لئے ـــــ دنیا کے لئے ہوں یا آخرت کے لئے ـــــ سب بلا نتیجہ رہ جاتے ہیں۔ یعنی وہ نتائج مرتب نہیں کرتے جن کے لئے انہیں بروئے کار لایا جاتا ہے۔ ان کے حصے میں نقصان ہی نقصان ہوتا ہے۔

۷۰ کیا ان لوگوں تک' اقوام سابقہ کی سرگزشت نہیں پہنچی ـــــ یعنی قوم نوح۔ قوم

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

عادؑ - قوم ثمودؑ - قوم ابراہیمؑ - اہل مدین کی ـــــ نیز دیگر اقوام کی جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں - ان کے رسول ان کے پاس واضح قوانین لے کر آئے (لیکن انہوں نے اُن سے سرکشی اختیار کی اور اس طرح اپنے جرائم کی پاداش میں تباہ ہو گئے - یاد رکھو خدا نے ان پر زیادتی نہیں کی تھی ـــــ خدا کسی پر بھی زیادتی نہیں کرتا ـــــ انہوں نے خود اپنے آپ پر زیادتی کی اور ان کے اعمال انہیں لے ڈوبے -

۷۱ (یہ تو گروہ منافقین کی حالت تھی - ان کے برعکس دوسرا گروہ) مومن مردوں اور مومن عورتوں کا ہے - یہ سب نصب العین کے مشترک ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہوتے ہیں - یہ اُن باتوں کا حکم دیتے ہیں جنہیں ضابطۂ خداوندی صحیح تسلیم کرتا ہے اور اُن سے روکتے ہیں جنہیں وہ ناپسندیدہ قرار دیتا ہے - یہ نظامِ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور نوعِ انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچاتے ہیں - ہر معاملہ میں خدا اور اسکے رسول (نظامِ خداوندی) کی اطاعت کرتے ہیں - یہی لوگ ہیں جو خدا کے عطا کردہ سامانِ نشوونما سے فیضیاب ہوں گے اور دُنیا دیکھ لے گی کہ خدا کا قانون کس طرح قوت و حکمت پر مبنی ہے -

۷۲ یہ ہیں وہ مومنین ـــــ مرد اور عورت ـــــ جن کے لئے قانونِ خداوندی کی رو سے زندگی کی سدا بہار خوشگواریاں ہیں، جن سے یہ ہمیشہ متمتع ہوتے رہیں گے ـــ فردوس منظر چمنستان میں آرائش و آسائش کا نہایت پاکیزہ ساز و سامان - عمدہ رہنے کی جگہ ـــ اور ان سب سے بڑھ کر ایک اور چیز ـــ یعنی صفاتِ خداوندی سے ہم آہنگی و یک رنگی - یہ تھا وہ اصل مقصود جس کی خاطر وہ یہ سب کچھ کیا کرتے تھے - اس مقصد کا حصول ان کی حقیقی کامیابی ہے ـــ اور کتنی عظیم القدر ہے یہ کامیابی (جس سے ان کی ذات زندگی کے مزید ارتقائی مدارج طے کرنے کے قابل ہو جائے گی - (۵۷/۱۲ ؛ ۶۶/۸)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۷۳
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ
يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ
اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ
وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۷۴ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ

---

۷۳ ۔ اے رسول! تم ان منافقین اور کفار کے خلاف (جو نظام خداوندی کی مخالفت میں انتہا تک پہنچ چکے ہیں) پوری پوری جدوجہد کرو' اور شدت اور سختی سے ان کا مقابلہ کرو' تاآنکہ یہ تباہیوں اور بربادیوں کے جہنم میں پہنچ جائیں اور دیکھ لیں کہ زندگی کا یہ ٹھکانہ کس قدر صعوبت انگیز ہے۔

۷۴ ان کے کیریکٹر کی یہ حالت ہے کہ یہ کفر کی باتیں کرتے رہتے ہیں ——— باتیں ہی نہیں کرتے بلکہ یہ درحقیقت' اسلام لانے کے بعد' پھر کفر کی زندگی اختیار کر چکے ہیں' تمہاری تخریب کے لئے ہر قسم کے منصوبے باندھتے رہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں ان میں ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ حالت ان کی یہ ہے۔ لیکن' اس کے بعد' جب ان سے پوچھا جائے تو خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہہ دیں گے کہ ہم نے تو کوئی ایسی بات نہیں کہی!

ان سے کوئی پوچھے کہ تم جو جماعتِ مومنین سے اس طرح انتقام لے رہے ہو تو کس بات کا؟ ان کا بالآخر جرم کیا ہے؟ یہی نا کہ نظامِ خداوندی نے انہیں اس قدر خوش حال کیوں کر دیا ہے؟

بہرحال' یہ لوگ اگر اب بھی اپنی روش سے باز آجائیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا۔ لیکن اگر یہ اپنے وعدوں سے اسی طرح پھرتے رہے تو خدا کا قانونِ مکافات' انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں' سخت تریں سزا دے گا۔ اور ان کی حالت یہ ہو جائے گی کہ دنیا میں ان کا کوئی حامی اور مددگار نہیں ہوگا۔

۷۵ اِن میں وہ لوگ بھی ہیں جو وعدے کیا کرتے تھے کہ اگر اللہ ہمیں رزق کی فراوانی عطا کر دے تو ہم اسے نظامِ خداوندی کی راہ میں خرچ کر کے' اپنے قول کو سچ کر دکھائیں گے۔ اور اس طرح صالحین کے زمرے میں شامل ہو جائیں گے ——— یعنی اُن کے زمرے میں

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ
نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾
اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ
الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ
سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ

جو لوگوں کے کام سنوارتے ہیں۔

۷۶ لیکن جب اللہ نے انہیں رزق کی فراوانی عطا کر دی تو انہوں نے سب کچھ اپنے ہی لئے سمیٹ لیا اور اپنے وعدوں سے صاف پھر گئے ——— اور اب تک ان سے پھرے ہوئے ہیں۔

۷۷ ان کی ان مسلسل وعدہ خلافیوں اور کذب بیانیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ منافقت (کی وہ زندگی جسے انہوں نے شروع میں وقتی مصلحت کے طور پر اختیار کیا تھا) ان کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو گئی۔ اب یہ وہاں سے مرتے دم تک نہیں نکل سکتی۔

۷۸ کیا انہیں اس کا علم نہیں کہ اللہ ان کے خفیہ رازوں' اور پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے۔ اس لئے کہ وہ غیب کی باتوں کو جانتا ہے اور اچھی طرح سے جانتا ہے۔

۷۹ ان کی حالت یہ ہے کہ جماعت مومنین میں سے جو لوگ 'نظام خداوندی کے لئے' دل کی رضامندی سے مال خرچ کرتے ہیں' یہ انہیں ریاکاری کا طعنہ دیتے ہیں۔ اور جو ان (مومنین) میں ایسے ہیں کہ ان کے پاس دینے کے لئے روپیہ پیسہ نہیں ہوتا' لیکن وہ اس مقصد عظیم کے لئے اپنی محنت پیش کر دیتے ہیں' تو یہ (منافقین) ان کی غریبی پر ان کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ خدا کا قانون مکافات خود ان کی ہنسی اڑا رہا ہے (۲/۱۵) کہ یہ کس خود فریبی میں مبتلا ہیں اور انہیں اتنا نظر نہیں آتا کہ یہ' انہی فاقہ کش' محنت کرنے والوں کے ہاتھوں' کس طرح ایک الم انگیز عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں؟

۸۰ (اے رسول! ہم جانتے ہیں کہ تمہارا دل درد مند اب بھی یہ چاہتا ہے کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے جس سے یہ لوگ اس آنے والے عذاب سے محفوظ رہ سکیں لیکن) تمہارا

لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ
يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ
اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ۝ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا
مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝

ہزار آرزوئیں بھی انہیں اس تباہی سے نہیں بچا سکتیں جو خدا کے قانون مکافات کی رُو سے ان کے اعمال کے بدلے میں ان پر آنے والی ہے۔ (تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ اس نظام پر سچے دل سے ایمان تو رکھتے ہیں لیکن بعض کمزوریوں کی بنا پر ان سے سہواً کچھ لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ نہیں) یہ لوگ خدا و رسول (نظامِ خداوندی) سے دل سے انکار کرتے ہیں اور محض ظاہر داری سے اس کا اقرار کرتے ہیں — اب سوچو کہ جو لوگ اس طرح صحیح راستے سے الگ ہو جائیں، ان پر سعادت کی راہیں کس طرح کشادہ ہو سکتی ہیں؟

۸۱ جو (منافقین تمہارے ہمراہ جنگ کے لئے نہیں نکلے) پیچھے رہ گئے ہیں، وہ اپنے جی میں بہت خوش ہیں کہ ہم رسول اللہ کی خواہش کے علی الرغم پیچھے بیٹھے ہیں — انہیں راہِ خدا میں اپنے جان اور مال سے جہاد کرنا بہت ناگوار گزرا۔ (اس لئے یہ خود بھی پیچھے رہے اور دوسروں سے بھی) کہتے رہے کہ دیکھو! اس شدت کی گرمی میں جنگ کے لئے مت نکلو۔ ان سے کہدو کہ جہنم کی آگ موسم کی گرمی سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ اے کاش! یہ لوگ اس حقیقت کو سمجھ سکتے کہ اگر خدا کے نظامِ عدل و احسان کو شکست ہو جائے اور ظلم و استبداد کے نظام کے ماتحت زندگی بسر کرنی پڑے تو یہ عذاب کس قدر دردانگیز اور شدید ہوگا)۔

۸۲ یہ اپنی اس "کامیابی" پر بہت خوش ہیں۔ ان سے کہو کہ تم اس موہوم خوشی میں تھوڑا سا ہنس لو۔ اسکے بعد تمہارے لئے عمر بھر کا رونا ہوگا۔ اور یہ رونا ہوگا تمہارے اپنے اعمال کے بدلے میں!

۸۳ اگر (اس جنگ سے) واپسی پر، پھر ایسی صورت پیدا ہو کہ ان کا کوئی گروہ، تمہارے

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

ساتھ جنگ میں جانے کے لئے تم سے اجازت مانگے' تو ان سے صاف کہدینا کہ نہ تم میرے ساتھ کبھی باہر نکل سکتے ہو' نہ ہماری معیت میں' کسی دشمن سے جنگ کر سکتے ہو۔ اس لئے کہ تم وہی ہو جنہوں نے (اس نازک وقت میں) پیچھے رہ جانے کو ترجیح دی تھی۔ سو اب تم ہمیشہ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہو۔ ہمارے ساتھ تمہارا کیا کام؟

۸۴ یہی نہیں۔ بلکہ ان سے معاشرتی تعلقات بھی منقطع کر لو (تاکہ انہیں' اور ان جیسے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تم ان کی ان حرکات کی وجہ سے ان سے کس قدر خفا ہو) معاشرتی تعلقات کی ایک صورت' میت کی تجہیز و تکفین میں شرکت اور اسکے لئے نیک آرزوؤں کا اظہار بھی ہوتی ہے۔ تم ان کے ساتھ ان باتوں میں بھی شریک نہ ہو۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ عمر بھر نظامِ خداوندی سے سرکشی اختیار کئے رہتے ہیں اور اسی انکار و نافرمانی کی حالت میں مر جاتے ہیں (سو ایسے لوگوں سے' معاشرتی تعلقات کیوں رکھے جائیں؟)۔

۸۵ (جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے۔ ۹/۵۵) ان لوگوں کے مال و دولت کی فراوانی' اور افرادِ خاندان کی کثرت' تمہارے لئے وجہِ تعجب نہیں ہونی چاہئے۔ (یہی چیزیں تو ہیں جو انہیں حق و صداقت کے راستے کی طرف آنے نہیں دیتیں)۔ تم دیکھنا کہ یہی چیزیں' کس طرح' دنیاوی زندگی میں ان کے لئے وبالِ جان بن جاتی ہیں اور یہ کفر کی حالت ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں!

۸۶ ان کی حالت یہ ہے کہ جب کبھی ایسا حکم نازل ہوتا ہے کہ یہ' قوانینِ خداوندی پر دل سے یقین رکھتے ہوئے' رسول کی معیت میں جہاد کے لئے نکلیں' تو ان میں سے جو لوگ صاحبِ استطاعت ہیں' وہ تجھ سے اجازت مانگتے ہیں کہ انہیں پیچھے رہنے والوں میں چھوڑ دو۔

۸۷ یعنی وہ اپنے لئے یہ پسند کرتے ہیں کہ (مردوں کے ساتھ جنگ میں جانے کے بجائے) چوڑیاں پہن کر عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہیں۔ یہ اس لئے کہ ضد اور منافقت کی

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾
وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَي الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَي الْمَرْضٰى وَلَا عَلَي الَّذِيْنَ لَا
يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَي الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾

وجہ سے ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ (ورنہ بات ایسی صاف ہے کہ اسکے لئے لمبے چوڑے دلائل کی بھی ضرورت نہیں)۔

۸۸ ان کے برعکس' رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں' (جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں) اپنے مال و جان سے جہاد میں شرکت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے ہر قسم کی بھلائیاں اور خوشگواریاں ہیں۔ اور انہی کی کھیتیاں پروان چڑھیں گی۔

۸۹ ان کے لئے' ان کے خدا نے' ایسا جنتی معاشرہ تیار کر رکھا ہے جس کی شادابی اور شگفتگی میں کبھی فرق نہیں آئے گا —— اس دنیا میں بھی' اور آخرت کی زندگی میں بھی —— یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی اور کامرانی ہے۔

۹۰ (یہ شہری تو ایک طرف رہے) بدوؤں (صحرانشینوں) میں سے بھی بعض لوگ جھوٹے عذر لے کر آ رہے ہیں کہ انہیں پیچھے رہنے کی اجازت دی جائے (حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو جنگ کی طرف لپک کر جایا کرتے ہیں۔ لیکن وہ جنگ' لوٹ مار کے لئے ہوتی تھی' اور اب جنگ حق و انصاف کی مدافعت کے لئے ہے اس لئے اس جنگ سے جی چراتے ہیں) حقیقت یہ ہے کہ ایسی جنگ کے وقت وہی لوگ پیچھے رہتے ہیں جو نظام خداوندی سے وابستگی کے دعوے میں جھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جو (زبانی دعوائے ایمان کے باوجود' اس سے عملاً) انکار کرتے ہیں' الم انگیز سزا کے مستوجب ہیں۔

۹۱ البتہ جو لوگ کمزور یا بیمار ہیں۔ یا جن کے پاس (سامانِ جنگ کے لئے) خرچ کرنے کو کچھ نہیں (۴۸) ان کے لئے پیچھے رہ جانے میں کوئی حرج نہیں' بشرطیکہ وہ پیچھے رہ کر'

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ
مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ﴿۹۲﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ
أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۳﴾

نظامِ خداوندی کی بہی خواہی کے لئے کوشاں رہیں۔ معاشرہ کو انتشار سے بچائیں اور لوگوں میں اس کی خیر سگالی کے خیالات کو عام کریں۔ اس قسم کے حسن کارانہ انداز سے پیچھے رہ جانے والوں کے خلاف کوئی الزام نہیں۔ اسلئے کہ نظامِ خداوندی میں سب کے لئے سامانِ حفاظت و مرحمت ہے (بشرطیکہ وہ اپنے اپنے مقام پر اس نظام کے استحکام کے لئے کوشاں رہیں۔ مجاہدین اپنی جگہ۔ اور غیر محارب اپنی جگہ)۔

۹۲ نہ ہی وہ لوگ پیچھے رہ جانے میں موردِ الزام قرار دیئے جا سکتے ہیں، جن کی حالت یہ تھی کہ وہ (سفر کے لئے) سواری کی استطاعت نہیں رکھتے تھے اس لئے وہ تیرے پاس درخواست لے کر آئے کہ ان کے لئے سواری کا انتظام کر دیا جائے۔ اور تنگی کا یہ عالم تھا کہ تم بھی اسکا کچھ انتظام نہیں کر سکتے تھے، اس لئے تم نے بھی اپنی معذوری کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ وہ بے بس ہو کر لوٹ گئے دریں عالم کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور ان کا دل اس احساس سے پھٹا جاتا تھا کہ افسوس! آج ہمارے پاس اتنا بھی نہیں کہ ہم اس سے جہاد کے لئے سواری کا انتظام کر سکیں!

۹۳ الزام ان کے اوپر ہے جو سب کچھ رکھتے ہوئے (اور جہاد میں جانے کے قابل ہونے کے باوجود) تم سے اجازت مانگتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پیچھے عورتوں میں بیٹھے رہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ اسکا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس لئے نہیں سمجھتے کہ سہل انگاری اور مفاد پرستی کے جذبات نے ان کے دلوں پر مہر لگا رکھی ہے اور اس طرح، سمجھ اور سوچ کی سب راہیں ان پر مسدود ہو چکی ہیں۔



يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾

---

۹۴ جب تم میدانِ جنگ سے واپس آؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے طرح طرح کی معذرتیں پیش کریں گے۔ ان سے کہہ دینا کہ اس قسم کی بہانہ سازیوں کی باتیں مت کرو۔ ہم ان باتوں پر کبھی یقین نہیں کریں گے اِس لئے کہ اللہ نے ہمیں تمہارے متعلق صحیح صحیح باتیں بتادی ہیں۔ باقی رہا آئندہ کا معاملہ سو اللہ اور اس کا رسول (نظامِ خداوندی) تمہارے اعمال پر نگاہ رکھے گا اور تمہاری ہر نقل و حرکت اُس خدا کے قانونِ مکافات کی کسوٹی پر پرکھی جائے گی جو اُن باتوں سے بھی باخبر ہوتا ہے جو انسانوں کی نگاہ سے اوجھل ہوں اور اُن سے بھی جو محسوس طور پر سامنے آجائیں۔ وہ کسوٹی بتادے گی کہ تمہارے اعمال کی حقیقت کیا ہے اور تم کس قسم کے سلوک کے مستحق ہو۔

۹۵ تمہاری واپسی پر یہ لوگ خدا کی قسمیں کھا کھا کر اپنے سچا ہونے کا یقین دلائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ تمہیں چاہیئے کہ ان سے اعراض برتو۔ اس لئے کہ ان کے دلوں میں نفاق کا مرض ایسا ہے جو ان کے خیالات میں تکدر اور ان کے قلوب میں شکوک و اضطراب پیدا کرتا رہتا ہے ($\frac{9}{125}$)۔ اس لئے یہ تمہاری جماعت کے سچے رکن نہیں بن سکتے۔ ان کا ٹھکانہ یہ جنتی نظام نہیں جہنم ہے۔ جو ان کے

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾ الْأَعْرَابُ
أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ
الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۚ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَ
صَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٩﴾

اعمال کا صحیح صحیح بدلہ ہے۔

۹۶ یہ سمجھتے ہیں کہ تم لوگوں کو ان سے کوئی ذاتی رنجش ہے' اس لئے (جیسا کہ عام حکمرانوں کے سلسلے میں ہوتا ہے) اگر تمہیں کسی طرح راضی کرلیا تو سب معاملہ ٹھیک ہوجائیگا۔ اس مقصد کے لئے یہ قسمیں کھا کھا کر تمہیں راضی کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن انہیں اسکا علم نہیں کہ یہ معاملہ تمہاری ذات سے متعلق نہیں جو تمہیں ذاتی طور پر راضی کر لینے سے بات رفع دفع ہوجائے گی۔ اس معاملہ کا تعلق قانونِ خداوندی سے ہے' اور قانونِ خداوندی کبھی ان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا جو اس کا راستہ چھوڑ کر دوسری راہیں اختیار کرلیں۔ لہذا تمہارا ذاتی طور پر راضی کرلینا ان کے لئے ذرا بھی مفید مطلب نہیں ہوگا۔ (نظامِ خداوندی میں محبت یا عداوت' ذاتی جذبات کی رُو سے نہیں ہوتی' نظام کے نقطۂ نگاہ سے ہوتی ہے ۲۴ — ۹ — ۲۳)۔

۹۷ یہ صحرانشین بدو' کفر و نفاق میں (شہریوں سے بھی دو قدم) آگے' اور سخت متشدد واقع ہوئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے حالات ایسے ہیں کہ ان کے لئے' قرآنی تعلیم کا اچھی طرح سمجھنا ذرا دشوار ہے۔ اس لئے' قانون خداوندی کی رُو سے' جو سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہے' (شہریوں کے مقابلہ میں' ان سے' کچھ مختلف سلوک کیا جائے گا)۔

۹۸ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ وہ' جو کچھ نظامِ خداوندی کے لئے خرچ کرتے ہیں' اسے (جہالت کی بنا پر) اپنے اوپر جُرمانہ سمجھتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ تم پر کوئی گردش آجائے (تو یہ پلٹ جائیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ ان کی اس قسم کی حرکات سے) بُری گردش کے دن خود انہی پر آنے والے ہیں۔ یہ اُس خدا کا ارشاد ہے جو سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔

۹۹ لیکن انہی میں ایسے لوگ بھی ہیں جو سچے دل سے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ
رَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ
حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ ۡ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ
سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ
سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے خدا کے ہاں بلند درجات' اور رسول کی طرف سے تحسین و آفریں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ یقین رکھیں کہ اس سے انہیں واقعی خدا کے ہاں بلند مدارج حاصل ہوں گے اور اللہ انہیں اپنی رحمتوں کے سائے میں داخل کرلے گا۔ اس لئے کہ نظام خداوندی میں حفاظت اور مرحمت کے سامان موجود ہوتے ہیں۔

۱۰۰ اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اس نظام کے قیام کے لئے پہل کی' جبکہ حالات بڑے ہی نامساعد اور واقعات سخت حوصلہ شکن تھے۔ اور جن لوگوں نے حسن کار آ انداز سے اس کا اتباع کیا ——— وہ خواہ شہری ہوں یا دیہاتی ——— تو چونکہ انہوں نے قوانین خداوندی سے ہم آہنگی اختیار کی' اس لئے اس کی برکات و سعادات ان سے ہم آہنگ ہوگئیں۔ اور ان کے لئے ایسا جنتی معاشرہ تیار کر دیا گیا جس کی شادابیوں میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (اس زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی)۔ اور یہ انسان کی بہت بڑی کامیابی اور کامرانی ہے۔

۱۰۱ اور تمہارے اردگرد بسنے والے بدوؤں میں بعض لوگ منافق ہیں۔ اور مدینہ کے رہنے والوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ منافقت گویا ان کی گھٹی میں پڑ چکی ہے۔ تم انہیں نہیں جانتے۔ ہم جانتے ہیں۔ ہم انہیں (پہلے) دو مرتبہ معمولی سزا دیں گے۔ اور اگر یہ اس پر بھی باز نہ آئے تو انہیں سخت سزا دی جائے گی۔

۱۰۲ اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ انہوں نے کچھ کام اچھے بھی کئے ہیں' اور کچھ برے بھی۔ (اور چونکہ انہوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیا ہے اس لئے) قانون خداوندی کی رو سے ان کی معذرت قبول کر لی جائے گی۔ قانون خداوندی میں (غلطیوں کا اعتراف کر لینے والوں کے لئے) حفاظت و مرحمت کی گنجائش

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٣﴾
أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾
وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾ وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ﴿١٠٦﴾

رکھی ہوئی ہے۔

۱۰۳ لہٰذا' اب تم ان کی مالی امداد (اور واجبات جو مسلمانوں سے لئے جاتے ہیں) قبول کر لیا کرو۔ (جس کا مطلب یہ ہے کہ اب انہیں اس نظام کے ارکان تسلیم کر لیا گیا ہے)۔ اور جماعت کے دیگر ارکان کے ساتھ' تعلیم و تربیت سے ان کے قلب و دماغ کی تطہیر اور ان کی صلاحیتوں کی نشوونما کا انتظام کرو' اور ان کے اچھے کاموں کی تحسین و ستائش سے ان کی حوصلہ افزائی کرو۔ اس سے انہیں اطمینان خاطر اور سکونِ قلب حاصل ہو جائیگا۔ (اور اپنی سابقہ غلطیوں کی وجہ سے ان کے دل میں جو احساس کہتری پیدا ہو گیا تھا' وہ زائل ہو جائے گا)۔ یقیناً اللہ ہر ایک کی بات سننے والا' اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

۱۰۴ کیا انہیں اس کا علم نہیں کہ خدا کے بندوں میں سے' جو لوگ اپنی غلطیوں کا احساس کر کے' آئندہ کے لئے ان سے باز رہنے کا تہیہ کر لیتے ہیں' تو ان کی معذرت قبول کر لی جاتی ہے' اور (دیگر ارکانِ جماعت کی طرح) ان کے صدقات قبول کر لئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ قانون خداوندی میں' اس قسم کی دلی معذرت سے' سامان مرحمت عطا ہو جانے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

۱۰۵ ان سے کہہ دو کہ تمہاری معذرت قبول کر لی گئی ہے۔ اب تم اپنے اعمال سے ثابت کرو کہ یہ معذرت دل سے کی گئی ہے۔ اللہ اور اسکا رسول (نظامِ خداوندی کا مرکز) اور مومنین (اس نظام کے ارکان) تمہاری کارکردگی پر نگاہ رکھیں گے۔ تمہارے تمام کام اُس خدا کے قانون مکافات کی میزان میں تولے جائیں گے جو ان امور سے بھی باخبر ہوتا ہے جو انسانی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں' اور ان سے بھی جو محسوس شکل میں سامنے آجاتے ہیں۔ وہ میزان ہر عمل کا ٹھیک ٹھیک وزن بتا دیتی ہے۔

۱۰۶ اس کے بعد' ان تھوڑے سے لوگوں کا معاملہ تصفیہ طلب رہ جاتا ہے' جن کے

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ
لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ
بُنْيَانَهٗ عَلٰي شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۹

متعلق (ابھی تحقیقات مکمل نہیں ہوئیں اور) یہ طے نہیں پایا کہ انہیں سزا دی جائے یا معاف کر دیا جائے۔ (اس کا ذکر آگے چل کر ۹/۱۱۸ میں آئیگا)۔ اللہ کا قانون یکسر علم و حکمت پر مبنی ہے۔

۱۰۷ اور ان منافقین میں وہ لوگ بھی ہیں (جو اپنی چالوں میں اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے) ایک مسجد تعمیر کر ڈالی (اور اس طرح یہ ظاہر کیا کہ وہ بڑے پکے مومن اور نظام خداوندی کے خدمت گزار ہیں)۔ لیکن اس مسجد سے درحقیقت ان کی غرض یہ تھی کہ اس سے اس نظام کو نقصان پہنچایا جائے، اور کفر کی راہیں کشادہ کی جائیں۔ یعنی مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر دیا جائے اور اس طرح یہ مسجد ان لوگوں کے لئے کمیں گاہ بن جائے جو پہلے سے نظام خداوندی کے خلاف مصروفِ پیکار ہیں۔ یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم نے اس مسجد کو بڑی نیک نیتی سے تعمیر کیا ہے — لیکن خدا اس کی شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ بڑے جھوٹے ہیں۔

۱۰۸ تم نے، اے رسول! اس مسجد میں قدم تک نہ رکھنا (جو مسجد مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کیلئے بنائی گئی ہے)۔ کیا وہ اس قابل ہو سکتی ہے کہ اس میں قدم رکھا جائے؟ تمہارا، نہ ان لوگوں سے کچھ واسطہ ہو سکتا ہے، نہ ان کی تعمیر کردہ مسجد سے کچھ تعلق۔ (۶/۱۶۰)۔ اس کی مستحق صرف وہ مسجد ہے جس کی بنیاد پہلے دن سے، قوانین خداوندی کی نگہداشت کے اصولِ محکم پر رکھی گئی ہے۔ اس میں وہی لوگ آتے ہیں جو فرقہ بندی اور گروہ سازی کے شرک سے پاک اور صاف رہتے ہیں (۳/۳۰)۔ یہی وہ لوگ ہیں جو قانون خداوندی کی رُو سے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

۱۰۹ ان سے پوچھو کہ کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد، قوانین خداوندی کی

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾ إِنَّ اللَّهَ
اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَ
يُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا
بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

نگہداشت اور منشائے خداوندی سے ہم آہنگی پر رکھی ہو بہتر ہے' یا وہ شخص جس نے یہ بنیاد ریت کے ایسے تودوں کے کنارے پر رکھی ہو جو کٹ کٹ کر دریا میں گرتے چلے جا رہے ہوں' اور اس طرح وہ عمارت اپنے بنانے والے کو ساتھ لے کر جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس طرح قانون خداوندی سے سرکشی برتتے ہیں' ان پر زندگی کی کامرانیوں کی راہ کبھی نہیں کھل سکتی۔

۱۱۰ یاد رکھو! ان کی یہ عمارت' جو انہوں نے اس مقصد کے لئے بنائی ہے' ان کے دل میں کانٹا بن کر کھٹکتی رہے گی۔ اس سے ان کے دل کی بے چینی اور اضطراب بڑھتا چلا جائے گا۔ ان کے غصے اور حسد کی آگ میں کمی نہیں ہوگی۔ تاآنکہ ان کے دل شدت اضطراب سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ ان سے کہدو کہ خدا کی یہ باتیں یونہی دھمکی نہیں۔ علم و حکمت پر مبنی حقائق ہیں جو واقع ہو کر رہیں گے۔

۱۱۱ یہ منافقین کی حالت ہے۔ ان کے برعکس جماعت مومنین ہے جس کا نظام خداوندی کے ساتھ ایک عظیم معاہدہ ہوتا ہے[1]۔ اس معاہدہ کی رو سے' نظام خداوندی' ان کا جان اور مال خرید لیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں انہیں جنت کی زندگی کی ضمانت دیدیتا ہے۔ (یعنی اس دنیا میں ان کی تمام ضروریات زندگی کی بہم رسانی اور انکی صلاحیتوں

[1] اس معاہدہ کی رو سے کہا گیا ہے کہ خدا مومنین سے ان کا جان و مال خرید لیتا ہے اور اس کے عوض انہیں جنت عطا کرتا ہے۔ یہ معاہدہ محض ذہنی اور اعتقادی نہیں کہ آپ نے دل میں کہہ دیا کہ میں نے اپنا جان و مال خدا کے ہاتھوں بیچ دیا ہے اور خدا نے آپ کو جنت دیدی۔ یہ معاہدہ محسوس شکل میں' نظام خداوندی سے کیا جاتا ہے جسے سب سے پہلے رسول اللہؐ نے متشکل فرمایا تھا۔ اور جسے حضورؐ کے بعد آپ کے جانشینوں کے ہاتھوں قائم اور مستحکم رہنا تھا۔ اس دنیا میں جنتی زندگی کا وعدہ بھی اسی نظام کے ہاتھوں پورا ہونا تھا (اُخروی جنت کی کیفیت اور ہے)۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (۴۰)۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

کے نشوونما پانے کے تمام وسائل واسباب کی فراہمی اس نظام کے ذمے ہو جاتی ہے (۲۰/۱۱۸)۔ اس معاہدہ کے بعد وہ اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات زندگی کی طرف سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور نظام خداوندی کے استحکام کی خاطر عند الضرورت جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں نکل آتے ہیں۔ پھر یا تو دشمن کو قتل کر کے فاتح و منصور واپس آتے ہیں اور یا خود اپنی جان دیدیتے ہیں۔ اور مرنے کے بعد جنّت کی زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔

یہ معاہدہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ سابقہ آسمانی کتابوں —— تورات و انجیل —— میں بھی مذکور تھا اور اب اسی کی تجدید قرآن میں کی گئی ہے۔ اس عہد کا پورا کرنا اللہ نے خود اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا کوئی نہیں۔ سو (اے جماعت مومنین) تم اس سودے پر جو تم نے نظام خداوندی سے کیا ہے خوش ہو جاؤ۔ اس لئے کہ یہی زندگی کی سب سے بڑی کامرانی ہے۔

۱۱۲ ان افراد معاشرہ کی خصوصیات یہ ہوتی ہیں کہ

(۱) سفر حیات میں وہ جہاں محسوس کریں کہ ان کا قدم غلط راستے کی طرف اُٹھ گیا ہے وہ وہیں رک جاتے ہیں اور جہاں سے قدم غلط اٹھا تھا وہاں واپس آکر صحیح راستے پر ہو لیتے ہیں۔

(۲) وہ قوانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں اور اپنی جملہ صلاحیتوں کو خدا کے متعین کردہ پروگرام کے مطابق صرف کرتے ہیں (۱/۲)۔

(۳) وہ انفس و آفاق کی ہر شے پر غور و فکر کرنے کے بعد علیٰ وجہ البصیرت اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کارگہ کائنات کی ایک ایک چیز اپنے خالق کی حمد و ستائش کی منہ بولتی تصویر ہے (۱/۱ ؛ ۳/۱۹۰ ؛ ۴۱/۵۳)۔

(۴) اس مقصد کے لئے وہ دنیا بھر کا سفر کرتے ہیں۔

(۵) ہمیشہ قانونِ خداوندی کے سامنے جھکے رہتے ہیں اور

(۶) دل کے پورے جھکاؤ سے اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

(۷) وہ ان باتوں کا حکم دیتے ہیں جنہیں قانون خداوندی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ اور ان سے روکتے ہیں جنہیں وہ ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ
أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ
فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا
بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾

(۸) وہ ان تمام حدود کی نگہداشت کرتے ہیں جو قوانین خداوندی نے متعین کی ہیں' اور ان کے اندر رہتے ہوئے صحیح آزادی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ ہیں وہ مومنین جن کے لئے دنیا اور آخرت کی زندگی کی خوشگواریوں کی بشارتیں ہیں۔ (ان میں مرد اور عورتیں' دونوں شامل ہیں $\frac{۳۳}{۳۵}$ ؛ $\frac{۶۶}{۵}$)۔

۱۱۳ جماعت مومنین ان لوگوں پر مشتمل ہے جو صرف خدائے واحد کے قوانین کی اطاعت کرتے ہیں۔ جو لوگ اس میں' خدا کے علاوہ' اوروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں' اُن سے اس جماعت کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کے معاملہ میں تو خود نبی' یا مومنین کے لئے اتنا بھی جائز نہیں کہ جب وہ (مشرکین) قوانین خداوندی کے مطابق سزا کے لئے ماخوذ ہوں' تو ان کے لئے اس سزا سے محفوظ رہنے کی آرزو کریں' خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں درانحالیکہ ان پر واضح ہو چکا ہو (جیسا کہ ہر مشرک کے بارے میں واضح ہے) کہ وہ لوگ جہنم کی سزا کے مستحق قرار پا چکے ہیں۔

۱۱۴ اس پر تمہارے دل میں شاید یہ خیال پیدا ہو کہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ کی مغفرت کی آرزو کیوں کی تھی حالانکہ وہ بھی مشرک تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس (ابراہیمؑ) نے (اس توقع پر کہ اُس کا باپ خدا پر ایمان لے آئیگا) اُس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے لئے خدا سے مغفرت چاہے گا۔ لیکن جب ابراہیمؑ پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ وہ خدا پر ایمان نہیں لانے کا' بلکہ وہ اس کا دشمن ہے' تو وہ اس سے بیزار ہو گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابراہیمؑ بڑا ہی غمخوار اور بردبار تھا (جو اتنا عرصہ اس توقع میں رہا کہ اس کا باپ خدا پر ایمان لا کر اپنے آپ کو اس کی حفاظت میں لے آئیگا $\frac{۱۴}{۳۱}$ ؛ $\frac{۱۹}{۴۷}$ ؛ $\frac{۶۰}{۴}$)۔

۱۱۵ یہ بات خدا کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو صحیح راستہ دکھا کر' پھر اونہی اس پر کامیابی کی راہ بند کر دے۔ وہ پہلے اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ انہیں کن باتوں کی پابندی کرنی چاہیئے اور کن امور سے بچنا چاہیئے۔ اس وضاحت کے بعد' جو لوگ اُس کے

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾
لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ
يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَي الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا
حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ
اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

قوانین کی خلاف ورزی کریں' ان پر کامیابی کی راہ بند ہو جاتی ہے۔ (اس سے ظاہر ہے کہ نظامِ خداوندی میں مؤاخذہ اُسی عمل پر ہوگا جسے جرم قرار دے کر اسکا اعلان کر دیا گیا ہو)۔ یقیناً اللہ ہر بات کا علم رکھتا ہے۔

۱۱۶ یہ اس کے علم کی وسعت ہے، جس کی بنا پر کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں اُسی کا اقتدار اور کنٹرول ہے۔ اور اسی کے قانون کے مطابق' قوموں کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ یاد رکھو! قانونِ خداوندی کے سوا' تمہارا کارساز اور مددگار کوئی نہیں ہو سکتا۔

۱۱۷ یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو' اپنی رحمت سے نوازا۔ اور مہاجرین اور انصار کی اس جماعت کو بھی جس نے' بڑی عسرت اور بے سروسامانی کے عالم میں اس کے پیچھے قدم اٹھایا ——— ایسے نامساعد حالات میں' جب کیفیت یہ ہو چکی تھی کہ قریب تھا کہ (مشکلات اور صعوبات کے ہجوم کی وجہ سے) ان میں سے ایک گروہ کا دل ڈول جاتا اور قدم ڈگمگا جاتے۔ لیکن اللہ نے' ایسے ناسازگار حالات میں! انہیں' اپنی رحمت سے بہرہ یاب کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے قانون میں رافت و رحمت کی بڑی گنجائشیں ہیں۔

۱۱۸ اور اسی طرح' اُس نے اُن تین شخصوں کو بھی اپنی رحمت سے نوازا جو (جنگ میں) پیچھے رہ گئے تھے (اور جن کا معاملہ التوا میں رکھا گیا تھا ۹/۱۰۶)۔ ان کا معاملہ معلق رہنے کی وجہ سے ان کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ' زمین' اپنی تمام وسعتوں کے باوجود' ان پر تنگ ہو گئی۔ اور وہ خود اپنے آپ سے تنگ آ گئے۔ اور انہیں معلوم ہو گیا کہ نظامِ خداوندی کے حکم کی خلاف ورزی کے بعد انہیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی' بجز اسی نظام کے دامنِ عافیت کے۔ اس کے بعد اللہ ان کی طرف اپنی رحمت سے ملتفت ہوا اور ان کی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ
الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ
وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـــُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ
عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ
نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

معذرت قبول کرلی' تاکہ وہ اپنے معاشرہ کی طرف واپس آجائیں (جہاں سے انہیں الگ کر دیا گیا تھا)۔ اللہ کے قانون میں' دل سے معذرت کرنے والوں کے لئے سامان مرحمت کی گنجائش ہے۔

۱۱۹ (اس واقعہ کا ذکر' خصوصیت کے ساتھ' اس لئے کیا گیا ہے کہ جماعتِ مومنین پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے' کہ ان کا شعارِ زندگی یہ ہے کہ) وہ قوانینِ خداوندی کی پوری پوری نگہداشت کریں۔ (لیکن یہ چیز انفرادی طور پر نہیں ہو سکتی۔ اس کیلئے انہیں) صادقین کی جماعت کے ساتھ رہنا ہوگا۔ یعنی سفرِ زندگی' دیگر افراد کارواں کی معیت میں طے کرنا ہوگا۔ جماعت کے ساتھ رہ کر' قوانین خداوندی کی اطاعت یہ ہے جنت میں جانے کا راستہ (۹/۱۰۰)۔

۱۲۰ اہلِ مدینہ اور اس کے اردگرد بسنے والے بدوؤں کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ' جہاد کے وقت رسولؐ اللہ کا ساتھ چھوڑ دیتے' اور اپنے آپ کو' اس کے مقابلہ میں زیادہ عزیز رکھتے۔ (یہ انہوں نے اس لئے کیا کہ وہ اس راستے کی مشکلات اور مصائب سے ڈرتے تھے۔ حالانکہ' حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں) بھوک اور پیاس کی جس مصیبت کو وہ جھیلتے۔ جو تکان اور مشقت وہ اٹھاتے۔ انکا ہر وہ قدم جو اس مقام پر پڑتا جہاں اسکا پڑنا فریقِ مخالف کیلئے غیظ و غضب کا موجب ہوتا۔ حتیٰ کہ ہر وہ نقصان جو انہیں دشمن کی طرف سے پہنچتا۔ ان میں سے ایک ایک چیز اُن کیلئے عملِ صالح بنتی چلی جاتی۔ اس لئے کہ خدا کا قانونِ مکافات کسی کا حسن کارانہ عمل ضائع نہیں ہونے دیتا۔

۱۲۱ اسی طرح' یہ لوگ اس مقصد کے لئے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں ——— خواہ

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّ
ينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم
مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ
فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٢٤﴾
وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿١٢٥﴾

تھوڑا ہو یا بہت ——— یا جو منزل بھی وہ قطع کرتے ہیں' ان سب کے نتائج مرتب ہوتے چلے جاتے ہیں تاکہ خدا کا قانون مکافات' انہیں' ان کے اعمال کا حسین ترین صلہ دے۔

۱۲۲ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جنگ اور قتال میں مصروف رہنے کے یہ معنی نہیں کہ تم دین کے دوسرے شعبوں کو نظر انداز کر دو۔ یہ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ تعلیم و تعلم کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ لہٰذا' جماعتِ مومنین کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ سب کے سب ایک ہی کام کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ چاہیئے یہ کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ' (مرکز نظام خداوندی میں آکر) اس نظام کے متعلق پوری پوری سمجھ بوجھ حاصل کریں اور پھر اپنی جماعت کی طرف واپس جاکر انہیں اس سے آگاہ کریں۔ اس طرح پوری کی پوری قوم' اپنے آپ کو غلط باتوں سے محفوظ رکھ سکے گی (اور صحیح نظام کے مطابق چلنے کے قابل ہو جائے گی)۔

۱۲۳ دوسری طرف' دین کی حفاظت کے لئے جنگ کی ضرورت اور اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ تم ان مخالفین سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس پھیلے ہوئے ہیں تاکہ وہ تمہاری قوت اور شدت کو محسوس کر لیں (اور سمجھ لیں کہ تم یونہی نگلے نہیں جا سکتے)۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ خدا کی تائید ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے' جو اس کے قوانین کی نگہداشت کرتے ہیں۔

۱۲۴ جب ایسا ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے (جنگ و قتال کے سلسلے میں) کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو (منافقین میں سے) بعض لوگ' ازراہِ تمسخر کہتے ہیں کہ تم میں سے وہ کون ہیں جن کا ایمان ان نئے احکام نے بڑھا دیا ہے؟ سو جو لوگ فی الواقعہ صاحبِ ایمان ہیں' ان کا ایمان ان احکام سے یقیناً بڑھ جاتا ہے اور وہ اس پر خوشیاں مناتے ہیں

۱۲۵ لیکن جن لوگوں کے دل میں منافقت کا روگ ہے' تو اس قسم کے احکام سے

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ وَإِذَا
مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم
بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ
عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾

ان کے شکوک اور اضطرابات اور زیادہ ہو جاتے ہیں (۹/۹۵) اور وہ حالتِ کفر ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

۱۲۶ کیا یہ لوگ اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ کوئی سال ایسا نہیں گزرتا کہ وہ ایک یا دو مرتبہ (تمہارے ہاتھوں ۹/۱۴) کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے ہوں۔ اس پر بھی یہ اپنی غلط روش سے باز نہیں آتے اور اتنا نہیں سمجھتے (کہ منافقت ہمیشہ مصیبتوں کا موجب ہوا کرتی ہے۔

۱۲۷ حالت ان کی یہ ہے کہ جب کبھی (جنگ وغیرہ کے سلسلہ میں) کوئی احکام نازل ہوتے ہیں تو یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (یہ پوچھتے ہوئے کہ تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ (کیونکہ تمہارے چہرے کا تغیر، تمہاری قلبی کیفیت کی غمازی کر رہا ہے)۔ پھر وہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ (منہ پھیرنا کیسا؟) قانون خداوندی کی رُو سے، ان کے تو دل ہی پھر چکے ہیں کیونکہ یہ لوگ، عقل و فکر سے کام لینے کے بجائے، (اپنے جذباتِ نفرت و عداوت میں بہکے چلے جاتے ہیں)۔

۱۲۸ (اگر یہ ذرا بھی عقل و فکر سے کام لیتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ خدا کا کتنا بڑا احسان ہے کہ) ان کی طرف، انہی میں سے ایک رسول آیا ہے جس کی دردمندی اور غمگساری کا یہ عالم ہے کہ اگر انہیں کوئی ذرا سی تکلیف بھی پہنچتی ہے تو اُسے اس سے بیحد رنج ہوتا ہے۔ اور اس کی انتہائی آرزو یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان کی بھلائی کا سامان ہو جائے۔

پھر ان میں سے جو لوگ (اس کی مخالفت اور سرکشی چھوڑ کر) نظامِ خداوندی پر ایمان لے آتے ہیں، وہ ان کے ساتھ بڑی ہی شفقت اور مرحمت سے پیش آتا ہے اور ان کی حفاظت

فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

اور نشوونما کا پورا پورا انتظام کرتا ہے۔

۱۲۹ اگر یہ لوگ اس قسم کے نظام اور ایسے مشفق امیر کارواں سے روگردانی کریں تو (اے رسول!) تم ان سے کہدو کہ (مجھے تمہارے جیسے ساتھیوں کی ضرورت نہیں)۔ میرے لئے خدا کی تائید و نصرت کافی ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کسی کا اقتدار اور اختیار نہیں۔ مجھے اس کے قانون کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ ہے۔ اس لئے کہ وہ قانون اس خدا کا ہے جو کائنات کی مرکزی اور بنیادی قوتوں کو اپنے کنٹرول میں رکھے ہے اور تمام دنیا کی ربوبیت کا ضامن ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝١ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ
مُّبِيْنٌ ۝٢ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ

---

۱ خدائے علیم و رحیم کا ارشاد ہے کہ یہ اُس ضابطہ قوانین کی آیات ہیں جو سرتاسر حکمت پر مبنی ہے۔

۲ کیا ان لوگوں کو اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی کی طرف اپنی وحی کیوں بھیجی ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے تمام نوع انسان کو ان کی غلط روش زندگی کے نتائج سے آگاہ کرے، اور جو لوگ اس ضابطہ حیات پر ایمان لائیں انہیں خوشخبری دے کہ ان کے نشوونما دینے والے کے نزدیک ان کا مقام بہت بلند اور حقیقی شرف کا موجب ہے۔

(یہ لوگ بجائے اس کے کہ اس کتاب کی تعلیم پر غور و فکر سے اس نتیجہ پر پہنچیں کہ یہ کس قدر صداقت پر مبنی ہے، مطالبہ یہ کرتے ہیں کہ رسول کو فوق البشر ہونا چاہیئے جو انہیں کچھ عجوبے دکھلائے۔ اور جب یہ رسول ان کے جواب میں کہتا ہے کہ وہ انہی جیسا ایک انسان ہے تو یہ) مخالفین اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ یہ شخص بالکل جھوٹا ہے۔

۳ تمہارا پروردگار جس کی طرف سے یہ کتاب نازل ہوئی ہے، وہ ہے جس نے کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو چھ مختلف ادوار میں پیدا کیا، اور اس کے پورے کنٹرول کو اپنے

الْاَمْرَ ۭ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اِلَيْهِ
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ
جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ

ہاتھ میں رکھا۔ تمام کائنات کا نظم و نسق اُسی کے قوانین کے مطابق' اِس حسن و خوبی سے سرانجام پا رہا ہے۔ اس کا قانون یہ ہے کہ ایک شے کسی دوسری شے کے ساتھ مل کر ایک نیا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ اگر یہ چیزیں اس کے قانون کے مطابق آپس میں نہ ملیں' تو پھر وہ نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ (اسی طرح' اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی تائید و حمایت کے لئے اس کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے' تو اس کی یہ تائید و حمایت بھی اسی صورت میں بہتر نتائج پیدا کر سکتی ہے جب وہ قانون خداوندی کے مطابق ہو)۔

یہ ہے وہ اللہ جو (کائناتی اشیاء کی طرح) تمہارا بھی نشو و نما دینے والا ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ تم اسی کے قوانین کی اطاعت اور محکومیت اختیار کرو ——— کیا تم اس حقیقت کو اپنے سامنے نہیں رکھتے؟

۴ یاد رکھو! تم جو روش بھی چاہو اختیار کر لو۔ تمہارا ہر قدم اُسی کے قانون کی طرف اٹھے گا۔ تمہارے ہر عمل کا نتیجہ اس کے قانونِ مکافات کی رُو سے مرتب ہو گا۔ تم اُسکے احاطہ سے باہر جا نہیں سکتے۔ یہ ایک حقیقت ہے جو تم سے بیان کی گئی ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں اس کا کائناتی قانون یہ ہے کہ وہ مختلف اشیاء کو' ان کے نقطۂ آغاز سے پیدا کرتا ہے' اور پھر ان کے مختلف پہلو بدل کر' طرح طرح کی گردشیں دے کر' متعدد ارتقائی منازل کے بعد' انہیں تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ اُس کے اسی قانون کے مطابق انسانی اعمال بھی نتیجہ خیز ہوتے ہیں' یعنی وہ لوگ جو اس قانون پر ایمان لے آتے ہیں اور پھر اس کے متعین کردہ صلاحیت بخش (کائنات' انسانی معاشرہ اور خود انسانی ذات کو سنوارنے والے) پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں' انہیں' حق و انصاف کے مطابق' ان کے اعمال کا بدلہ مل جاتا ہے۔ اور جو لوگ اس قانون سے انکار کر کے' دوسری راہیں اختیار کر لیتے ہیں ان کے اعمال ایسے نتائج پیدا کرتے ہیں جن سے ان کی انسانی صلاحیتیں نشو و نما پانے کے بجائے' جھلس کر رہ جاتی ہیں' اور اس طرح انہیں بڑی ہولناک سزا ملتی ہے (۳۳/۲۴ ؛ ۳۴/۳ ؛ ۴۵/۲۲ ؛ ۵۳/۳۱)۔

۵ یہ اس خدا کا قانون ہے جس نے سورج کو ایسا درخشندہ' اور چاند کو ایسا

اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا
خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَ
نْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۹

تابناک بنادیا۔ اور چاند کی منازل متعین کردیں تاکہ تم اس سے برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو۔ (اسی طرح سورج کی رُو سے بھی حساب رکھا جاسکتا ہے (۶/۹۷ : ۱۶/۱۲)۔ اللہ نے یہ سب کچھ "مبنی برحقیقت" اور تعمیری نتائج پیدا کرنے کے لئے بنایا ہے۔ (نہ یہ محض "حلقہ دامِ خیال" ہے اور نہ ہی اس کا انجام تخریب ہے)۔ اس نے اپنے قوانین وحقائق کو اُن لوگوں کے لئے جو علم وبصیرت سے کام لیں کھول کھول کر بیان کردیا ہے۔

۶ یقیناً رات اور دن کی گردش میں اور خدا نے جو کچھ کائنات میں پیدا کیا ہے اس میں ان قوموں کے لئے جو غلط رَوشِ زندگی کے تباہ کن نتائج سے بچنا چاہیں بڑے بڑے حقائق پوشیدہ ہیں۔

۷ لیکن ان حقائق سے وہی لوگ صحیح معنوں میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اس حقیقت پر یقین رکھیں کہ جس طرح خدا کے قوانین خارجی کائنات میں کارفرما ہیں اسی طرح انسانی اعمال بھی اسی کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق نتیجہ خیز ہوتے ہیں۔ نیز وہ اس پر بھی ایمان رکھیں کہ زندگی صرف اس دنیا کی طبیعی زندگی نہیں، حیات کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ ان کے برعکس، جو لوگ ان حقائق سے غفلت برتیں گے اور اسی طبیعی زندگی کا مفاد، ان کا

۸ مقصود ومنتہیٰ ہوگا (وہ قوانین کائنات پر غور وفکر سے فطرت کی قوتوں کو تو مسخر کرسکیں گے۔ لیکن) وہ ان قوتوں کو جس طرح استعمال کریں گے اس سے ان کا معاشرہ جہنمی بن جائیگا۔

۹ ان کے برعکس، جو لوگ خدا کے قانون مکافاتِ عمل پر یقین رکھنے کے بعد (تسخیر فطرت کریں گے اور) ان قوتوں کو کائنات کے سنوارنے کے کام میں صرف کریں گے تو اللہ ان کے اس ایمان کی بنا پر ان کی راہ نمائی زندگی کے صحیح راستے کی طرف کردیگا — اس راستے کی طرف جو انہیں اس معاشرہ کی سمت لے جائے گا جس کی شادابیوں پر کبھی خزاں

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾
وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا
فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا
كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

نہیں آسکتی اور جس کی آسائشوں میں کبھی کمی واقع نہیں ہوسکتی۔

۱۰ وہ معاشرہ جوان کے اس دعوے کی زندہ شہادت ہوگا کہ یہ چیز خدا کے قانون سے بہت بعید ہے کہ وہ صحیح کوششوں کے تحریبی نتائج پیدا کردے۔ اس معاشرہ میں ہر فرد دوسرے افراد کے لئے حیات بخش آرزوئیں اور سلامتی عطا کرنے والی تمنائیں لئے ہوگا۔ اور ان کی اس دعوت کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نظامِ ربوبیت کے عالمگیر نتائج کو دیکھ کر ہر شخص پکار اٹھے گا کہ خدا کا یہ نظام کس قدر مستحقِ حمد وستائش ہے۔ (۱/۱)۔

۱۱ اور دیکھو! جس طرح انسان اپنا فائدہ حاصل کرنے کے لئے جلد بازی سے کام لیتا ہے اگر اللہ کا قانونِ مکافات اسی طرح نقصان پہنچانے میں جلدی کرتا تو ان لوگوں کا (جو غلط راستوں پر چلتے ہیں) کبھی کا وقت پورا ہوچکا ہوتا (لیکن اس نے تخم ریزی اور ثمر باری کے درمیان ایک وقفہ مقرر کر رکھا ہے۔ لہٰذا اس قانونِ مہلت کی رُو سے ہوتا یہ ہے کہ) جو لوگ خدا کے قانونِ مکافات سے انکار کرتے ہیں ان کی گرفت فوری نہیں ہوجاتی، انہیں ان کی سرکشی میں چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس میں حیران وسرگرداں پھرتے رہیں۔ (اگر غلط اقدام پر فوری گرفت ہوجائے تو ہم نے جو یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ انسان بلا جبر واکراہ، کامل غور وفکر کے بعد اپنی مرضی سے صحیح راستہ اختیار کرے اس کا مقصد ہی فوت ہوجائے)۔

۱۲ انسان (جب اپنے جذبات کے تابع چلتا ہے اور ہمارے قانون کا اتباع نہیں کرتا تو اس) کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کھڑا، بیٹھا، لیٹا ہمیں پکارتا ہے۔ لیکن جب اس سے وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو وہ اس طرح منہ موڑ کر چل دیتا ہے گویا اس نے ہمیں اپنی مصیبت میں کبھی پکارا ہی نہیں تھا۔ (اور اس کے بعد وہ پھر اسی غلط روش پر چلنے لگتا ہے۔ سو دیکھو کہ) جو لوگ ہمارے قوانین کی حد سے باہر نکل جاتے ہیں

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۳ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ
لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ۝۱۵

انہیں اُن کے اعمال کس قدر حسین اور خوشنما دکھائی دیتے ہیں (لیکن آخر الامر ان کی تباہی آجاتی ہے)۔

۱۳ (اسی قانون مہلت اور مکافات کے مطابق) ہم نے اس سے پہلے بہت سی قوموں کو تباہ کر دیا جب انہوں نے ہمارے قوانین سے سرکشی اختیار کر کے لوگوں پر ظلم اور زیادتی شروع کر دی۔ ان کی طرف ہمارے پیغامبر واضح قوانین اور کھلے کھلے دلائل لے کر آئے لیکن انہوں نے انکی صداقت کو تسلیم نہ کیا۔ (اور وہ تباہ ہو گئے) اسی طرح ہم ہر دور کے مجرمین کو ان کے کئے کا بدلہ دیتے ہیں۔

۱۴ ان اقوام سابقہ کے بعد ہم نے تمہیں ان کا جانشین بنایا ہے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو۔ (جس قسم کے تمہارے اعمال ہوں گے اسی کے مطابق تمہارے متعلق بھی فیصلہ ہوگا۔ ہمارا قانون مکافات سب پر یکساں نافذ ہوتا ہے)۔

۱۵ جب ان لوگوں کے سامنے ہمارے واضح قوانین پیش کئے جاتے ہیں تو جو لوگ ہمارے قانون مکافات کا سامنا نہیں کرنا چاہتے، وہ کہتے ہیں کہ یا تو تم اس قرآن کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ اور یا پھر اس (کے مطالب) میں ہی کچھ رد و بدل کر دو۔ (یعنی وہ خدا کے اٹل اور غیر متبدل قوانین کو اپنی منشاء اور مفاد کے مطابق تبدیل کرانا چاہتے ہیں) ان سے کہدو کہ یہ چیز میرے حیطۂ اختیار سے باہر ہے کہ میں اپنی طرف سے کسی قسم کا رد و بدل کر سکوں۔ میرا مقصد صرف اس وحی کی پیروی کرنا ہے جو میری طرف نازل ہوتی ہے۔ اگر میں اپنے نشو و نما دینے والے کے احکام سے سرتابی کروں تو اس کا قانونِ مکافات مجھے بھی نہیں چھوڑے گا۔ اس لئے میں اس کی گرفت سے بہت ڈرتا ہوں۔ اس کی سزا بڑی سخت ہوا کرتی ہے۔ (۱۱/۱۱۳ ؛ ۱۷/۷۴ ؛ ۶۸/۹)۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ
وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۶ (یہ لوگ اس قسم کی باتیں اس لئے کرتے ہیں کہ یہ سمجھتے ہیں کہ تم ان احکام کو اپنی طرف سے وضع کر کے ان کے سامنے پیش کرتے رہتے ہو اور کہتے یہ ہو کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں)۔ ان سے کہو کہ' میں تم میں کوئی اجنبی نہیں کہ تمہیں معلوم نہ ہو سکے کہ میرا کردار کیسا ہے۔ میں نے' اس دعوے نبوت سے پہلے' تم میں ایک عمر بسر کی ہے۔ میری یہ زندگی تمہیں کس بات کی شہادت دیتی ہے؟ کیا اس کی کہ میں جھوٹا اور فریبی ہوں یا یہ کہ میں سچا اور پاک باز انسان ہوں؟ تم اس حقیقت پر غور کرو اور عقل و فکر سے کام لے کر سوچو کہ اگر یہ چیز مشیت خداوندی کے مطابق نہ ہوتی' اور خدا تمہاری طرف وحی کا یہ علم نہ بھیجنا چاہتا' تو میں' یہ باتیں (اپنے جی سے گھڑ کر) کبھی تمہارے سامنے پیش نہ کرتا۔ کذب و افترا تو میری روش زندگی کے خلاف ہے۔

۱۷ اس کے بعد' تم اس حقیقت پر غور کرو کہ جو شخص اپنے جی سے باتیں گھڑے اور ان کے متعلق کہے کہ وہ خدا کی وحی ہیں' وہ کتنا بڑا مجرم ہوگا! دوسری طرف' وہ شخص بھی کچھ کم مجرم نہیں ہوگا جس کے سامنے خدا کی سچی وحی آئے اور وہ اسے جھٹلا دے۔

یہ دونوں یکساں مجرم ہیں۔ اور خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ مجرموں کو ان کے پروگرام میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتا۔

(لہذا' تم اپنے پروگرام کے مطابق کام کرو' مجھے اپنے پروگرام کے مطابق کام کرنے دو' اس کے بعد نتائج خود بخود بتا دیں گے کہ ہم میں سے کون جھوٹا اور مجرم ہے۔ جو ناکام رہا وہ جھوٹا ہوگا)۔

۱۸ یہ لوگ' خدا کو چھوڑ کر' ایسی چیزوں کو اپنا معبود بناتے ہیں جو نہ انہیں نفع پہنچا سکتی ہیں' نہ نقصان۔ اور کہتے ہیں کہ یہ معبود' خدا کے پاس ہماری سفارش کریں گے۔ (گویا ان کے معبود ان کے متعلق خدا کو ایسی باتیں بتائیں گے جن کی بنا پر یہ قابل معافی قرار پا جائیں گے)۔ ان سے کہو کہ کیا تم اللہ کو' اپنے متعلق' اُن کے ذریعے مطلع کرنا چاہتے ہو جن کی اپنی حالت یہ ہے کہ وہ

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ
يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا ۖ إِنِّي مَعَكُم
مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾

زمین و آسمان میں کسی بات کا علم نہیں رکھتے! خدا اس سے بہت دور ہے کہ وہ ان چیزوں کے ذریعے حقیقتِ حال معلوم کرنے کا محتاج ہو — وہ ان سے بہت بلند ہے جنہیں تم اس کا شریک قرار دیتے ہو۔

۱۹ (اے رسول! تمہاری دعوت' جس کی یہ اس قدر مخالفت کرتے ہیں' اس کے سوا کیا ہے کہ تم نوعِ انسان کے اختلافات مٹا کر انہیں ایک عالمگیر برادری بنانا چاہتے ہو۔ اور یہ چیز اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمام انسان ایک ضابطۂ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اسی کا نام توحید ہے جو شرک کی نقیض ہے۔ تمہاری یہ دعوت نہ کوئی نئی دعوت ہے' نہ انہونی بات)۔ نوعِ انسان کی تمدنی زندگی کی تاریخ یہ ہے کہ سب سے پہلے دور میں (جب ان کے مفاد میں باہمی تصادم نہیں ہوا تھا) سب ایک برادری کی شکل میں رہتے تھے (۲/۲۱۳)۔ اس کے بعد انفرادی مفاد پرستیوں نے' ان میں اختلافات پیدا کرنے شروع کر دیئے اور یہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے (۲/۲۱۴)۔ یہ ہو سکتا تھا کہ ہم انہیں پیدا ہی اس طرح کرتے کہ یہ اختلاف نہ کر سکتے۔ یا اگر یہ اختلاف کرتے تو ہم' اپنی قدرت سے' ان اختلافات کو زبردستی مٹا دیتے۔ (لیکن ہم نے' اس کے لئے ایک اور قاعدہ مقرر کیا جس سے انسانوں کی آزادی سلب نہیں ہوتی تھی۔ ہم نے وحی کے ذریعے ایسی تعلیم عطا کی جس سے یہ اختلافات مٹ سکتے تھے (۲/۳۸ ؛ ۲/۲۱۳) مفاد پرست لوگ اس تصور کی مخالفت کرتے ہیں' لیکن اس سے ہمارا پروگرام رک نہیں سکتا۔ نوعِ انسان کو آخر الامر ایک عالمگیر برادری بن کر رہنا ہے)۔

۲۰ اور یہ لوگ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ اس رسول کو' اس کے رب کی طرف سے' کوئی ایسا آسمانی نشان کیوں نہیں ملتا' جسے دیکھ کر ہم سمجھ لیں کہ یہ واقعی خدا کا رسول ہے۔ اے رسول! تم ان سے کہدو کہ میں تمہیں ایک نظامِ زندگی کی طرف دعوت دیتا ہوں' جس کے وہ نتائج جو ابھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں' خدا کے قانون کے مطابق مرتب ہو کر رہیں گے لیکن اس کے لئے کچھ وقت درکار ہوگا۔ لہٰذا تم اس وقت کا انتظار کرو جب اس کے محسوس نتائج تمہارے سامنے آجائیں۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ وہی نتائج میری صداقت

وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ ٱلَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى ٱلْفُلْكِ ۖ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ ٱلْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلشَّٰكِرِينَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ۗ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَٰعَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا

کے آسمانی نشان ہوں گے۔

۲۱ (لیکن یہ لوگ اتنا انتظار کہاں کریں گے)۔ انسان کی عجلت پسندی کا یہ عالم ہے کہ جب اسے ذرا سی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں چلا چلا کر پکارنے لگتا ہے (۱۰/۱۲)۔ لیکن جب اس کے بعد اسے راحت نصیب ہوتی ہے تو ہمارے قوانین سے اعراض برتنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں سوچنا شروع کر دیتا ہے۔

تم ان سے کہہ دو کہ اللہ کا قانون تدبیر سازی میں تم سے بھی تیز واقع ہوا ہے۔ اس کی اس مقصد کے لئے مقرر کردہ قوتیں تمہاری ہر ایک تدبیر کو ریکارڈ کرتی رہتی ہیں (اس لئے تمہاری تدابیر خدا کے سامنے ہیں اور اس کی گرفت سے باہر نہیں جا سکتیں)۔

۲۲ لوگوں کی اس عجلت پسندی اور تلون مزاجی کا تماشا دیکھنا ہو تو حالتِ سفر میں دیکھو۔ ان کا سفر خشکی اور تری دونوں میں ہوتا ہے۔ جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور ہوا موافق ہوتی ہے تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ لیکن جب باد مخالف کا تند اور تیز جھکڑ انہیں آلیتا ہے اور سمندر کی موجیں تلاطم خیز ہو کر چاروں طرف سے چڑھ آتی ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم ہلاکت میں گھر گئے تو یہ اللہ کو اس طرح پکارنے لگتے ہیں گویا اس کے احکام و قوانین کے مخلص اطاعت گزار یہی ہیں۔ اور اس کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو ہمیں اس ہجوم بلا سے نجات دلا دے تو ہم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تیرے شکر گزار رہیں گے۔

۲۳ لیکن جب انہیں اس مصیبت سے نجات مل جاتی ہے تو خدا اور اس کے احکام سب نسیاً منسیا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ملک میں ناحق سرکشی اور فساد پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔

اے رسول! تم فوج انسان سے پکار کر کہہ دو کہ اگر تم قوانین خداوندی سے سرکشی اور

مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ
بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۖ حَتّٰىٓ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ
قٰدِرُونَ عَلَيْهَا أَتٰىهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۖ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۲۵﴾
لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا

بغاوت اختیار کرو گے تو یہ درحقیقت خود تمہاری اپنی ذات کے خلاف بغاوت ہوگی۔ اس سے تمہیں اس طبیعی زندگی کے کچھ مفاد حاصل ہو جائیں گے' لیکن زندگی' تمہارے جسم کی طبیعی زندگی ہی تو نہیں۔ اصل حیات' انسانیت (انسانی ذات) کی زندگی ہے جس کے لئے ہماری طرف سے الگ قوانین مقرر ہیں۔ تمہارے ہر عمل کا نتیجہ ان قوانین کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔ ان سب کا مجموعی نتیجہ بالآخر تمہارے سامنے آکر رہے گا۔

۲۴ اس دنیاوی (طبیعی) زندگی کی مثال یوں سمجھو جیسے ہم نے بادلوں سے مینہہ برسایا' اور زمین کی روئیدگی' جو انسانوں کے لئے خوراک اور مویشیوں کے لئے چارہ کا کام دیتی ہے' اس سے مل کر (بڑھی' پھولی اور اس کی شگفتگی اور شادابی کا یہ عالم ہو گیا گویا) زمین نے رنگا رنگ کے پھولوں کے گہنے پہن رکھے ہیں اور تزئین و آرائش سے دلہن بن گئی ہے۔ اور کھیتی والوں نے سمجھ لیا کہ اب تمام فصلیں ہمارے قبضے میں آچکی ہیں' کہ اتنے میں' رات یا دن کے کسی ایک حصے میں' ہمارے قانون کی ایک گردش آئی تو اس سے وہ لہلہاتی فصلیں یوں' کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گئیں گویا کل ان کا یہاں نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ ہم اس قسم کی مثالوں سے اپنے قوانین کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ لیکن اس سے وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو غور و فکر سے کام لیں۔

۲۵ (لہٰذا' جو لوگ صرف دنیاوی مفاد کو اپنا نصب العین بنا لیں' اور مستقبل کی کوئی فکر نہ کریں' ان کی روش' وقتی خوشنمائیوں' لیکن آخر الامر تباہیوں کی موجب ہوتی ہے۔ اسکے برعکس) وہ روش ہے جس کی طرف خدا دعوت دیتا ہے۔ اسکا نتیجہ ہر قسم کی تباہی سے سلامتی اور بربادی سے عافیت ہوتا ہے۔ یہ ہے کامیابیوں کی وہ توازن بدوش راہ جس کی طرف خدا کا قانون ہر اس شخص کی راہ نمائی کرتا ہے جو اس سے راہ نمائی حاصل کرنا چاہے۔

۲۶ جو لوگ اس روش کو اختیار کر کے حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں' اس کا نتیجہ

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا
بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ
لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

آتا ہی نہیں ہوتا کہ ان کی اپنی زندگی حسین ہو جاتی ہے' بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی' کہ ان کا معاشرہ ذلت و رسوائی کے کرب انگیز عذاب سے محفوظ رہتا ہے' اور ایک ایسی جنّت میں تبدیل ہو جاتا ہے' جس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔ (۱۶/۳۰ ؛ ۵۵/۴۶ ؛ ۴۰/۴۳)۔

۲۷ اس کے برعکس' جو لوگ ناہمواریاں پیدا کرنے والی روش اختیار کرتے ہیں' تو اُسی قسم کی ناہمواریاں خود ان کی اپنی ذات میں پیدا ہو جاتی ہیں' اور اس طرح اس کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ اور ان کا معاشرہ بھی ذلیل اور روسیاہ ہو جاتا ہے۔ انہیں' اس رسوا کن عذاب سے جو قانون خداوندی کی رو سے واقع ہوتا ہے' کوئی نہیں بچا سکتا۔ ان کی روسیاہی کا یہ عالم ہوتا ہے گویا کسی نے رات کی تاریکی کا ایک ٹکڑا لے کر اس کا نقاب ان کے چہرے پر اوڑھا دیا ہو۔ ان کا معاشرہ جہنمی ہوتا ہے جس میں یہ ہمیشہ رہتے ہیں۔

۲۸ جب ہم ان سب کو یکجا اکٹھا کریں گے تو جو لوگ شرک کرتے تھے' ان سے کہیں گے کہ تم اور جنہیں تم ہمارے شریک ٹھہراتے تھے' اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ پھر انہیں الگ الگ کر دیا جائیگا۔ اس پر جن ہستیوں کو وہ خدا کا شریک ٹھیرایا کرتے تھے' اُن سے کہیں گے کہ یہ غلط ہے کہ تم ہمارے کہنے پر ہماری پرستش کیا کرتے تھے۔

۲۹ اس حقیقت پر خدا شاہد ہے ——— اور اس کی شہادت' ہمارے اور تمہارے دعوے کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے ——— کہ ہمیں اس کا قطعاً علم نہیں تھا کہ تم ہماری پرستش کرتے تھے (چہ جائیکہ ہم نے تم سے کہا ہو کہ تم ہماری پرستش کرو)۔

۳۰ غرضیکہ جو کچھ کسی انسان نے پہلے کیا ہوگا' وہ' اسوقت' نکھر کر سامنے آجائے گا۔ اور تمام اعمال' خدا کے قانونِ مکافات کی طرف لوٹائے جائیں گے' وہی اس حقیقی میزان کا مالک اور سرپرست ہے۔ اور جو کچھ' لوگ اپنے خود ساختہ تصورات کے مطابق کیا کرتے تھے' وہ سب رائگاں

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

جائیگا۔ (یعنی اس کا وہ نتیجہ نہیں نکلے گا جو ان کے ذہن میں تھا۔ عمل وہی نتیجہ خیز ہوتا ہے جو خدا کے قانون کے مطابق کیا جائے)۔

۳۱ اے رسول! ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو زمین و آسمان کی بخشائشوں کے ذریعے تمہارے لئے سامانِ زیست عطا کرتا ہے؟ وہ کون ہے جس کے قبضے میں تمہارے ذرائع علم' مثل سماعت و بصارت' ہیں؟ وہ کون ہے جو غیر ذی حیات اشیاء سے زندگی کی نمود کرتا ہے' اور زندہ چیزوں سے' مردہ اشیاء نکالتا رہتا ہے؟ (مختصراً) وہ کون ہے جو اس تمام کائنات کے نظم و نسق کو چلا رہا ہے؟ (تم دیکھو گے کہ وہ اس کے جواب میں) فوراً کہدیں گے کہ وہ اللہ ہے۔ تم ان سے کہو کہ (جب تمہیں اس کا اعتراف ہے کہ ساری کائنات میں خدا کا قانون جاری و ساری ہے تو تم اپنے معاشرہ میں اس کے قوانین کی) نگہداشت کیوں نہیں کرتے؟ (تم ایسا کیوں سمجھتے ہو کہ خارجی کائنات میں تو خدا کا قانون کارفرما ہے لیکن تمہاری معاشرتی زندگی اس کے حدود مملکت سے باہر ہے۔ اس میں اس کا قانون نہیں چلتا۔ یہ تصور یکسر باطل ہے۔ جو ذات' الٰہ السّمآء ہے (یعنی خارجی کائنات میں جس کا اقتدار و اختیار ہے) وہی الٰہ الارض ہے (انسان کی معاشرتی و معاشی زندگی بھی اسی کے قانون کے تابع رہنی چاہیئے۔ $\frac{۶}{۳}$ ؛ $\frac{۱۶}{۵۰ — ۵۱}$ ؛ $\frac{۲۱}{۲۱}$ ؛ $\frac{۲۹}{۶۰ — ۶۴}$ ؛ $\frac{۴۳}{۴۴}$)۔

۳۲ یہ ہے تمہارا حقیقی نشوونما دینے والا (جو خارجی کائنات کی نشوونما کا بھی ذمہ دار ہے اور انسانی دنیا کی نشوونما کا بھی۔ خدا ہونا اسی کو زیبا دیتا ہے)۔ اب سوچو کہ اس قسم کے خدا کے قوانین سے انکار کرنے کا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ان سے پوچھو کہ' اس خدا کو چھوڑ کر تم اپنا رُخ کس طرف کرنا چاہتے ہو؟

۳۳ (اگر یہ لوگ اس قدر واضح دلائل کے بعد بھی' قانونِ خداوندی پر ایمان نہیں لاتے' تو سمجھ لو کہ) ان کے بارے میں تمہارے خدا کا یہ قانون صادق آگیا کہ جو لوگ صحیح راستہ چھوڑ کر اس طرح اِدھر اُدھر نکل جاتے ہیں' وہ خدا کے قانون پر ایمان نہیں لایا کرتے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

---

۳۴ ان سے پوچھو کہ جن ہستیوں کو تم خدا کا شریک سمجھتے ہو' ان میں کوئی ایسی ہستی بھی ہے جو کسی شے کی تخلیق کی ابتدا کر سکے اور اس کے بعد اس شے کو' مختلف مراحل میں سے گردشیں دیتے ہوئے' ارتقائی منازل طے کراتی چلی جائے؟ ان سے کہو کہ ایسا کوئی اور نہیں کر سکتا۔ یہ صرف قانون خداوندی کی رو سے ہوتا ہے۔ وہی تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور وہی مخلوق اشیاء کو مختلف ادوار میں گردشیں دیتا ہوا اُن کے نقطۂ تکمیل تک لے جاتا ہے۔

سو جب حقیقت یہ ہے تو پھر تمہارے اُلٹے خیالات تمہیں کس طرف لئے جا رہے ہیں؟

۳۵ ان سے پوچھو کہ کیا ان غیر خدائی قوتوں میں سے' جنہیں تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو' کوئی قوت بھی ایسی ہے' جو تمہاری راہ نمائی کسی ایسے پروگرام کی طرف کر دے جو مبنی برحقیقت ہو اور ٹھوس تعمیری نتائج مرتب کرنے کا ذمہ دار! ان سے کہو کہ اس قسم کی راہ نمائی صرف قانون خداوندی کی رُو سے مل سکتی ہے۔

ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو پھر بتاؤ کہ کیا وہ قانون جو اس قسم کی راہ نمائی عطا کرے' اس کا مستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے' یا وہ ہستیاں جو خود اپنی راہ نمائی کے لئے بھی دوسروں کی محتاج ہوں؟

ان سے کہو کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایسے واضح حقائق کے بعد بھی' تم غلط فیصلے کرتے ہو!

۳۶ اصل یہ ہے کہ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جن کے پاس حقیقت کا یقینی علم کچھ نہیں' اور وہ محض ظن و قیاس کے پیچھے چلتے رہتے ہیں' حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ظن و قیاس' حق و یقین کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا' اور نہ ہی وہ کام دے سکتا ہے جو یقینی علم دیتا ہے۔ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں وہ خدا کے علم میں ہے۔ (وہ جانتا ہے کہ یہ کس طرح محض قیاسات

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ
الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا
مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ
وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

کے پیچھے چلتے ہیں)۔

۳۷ واقعہ یہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ خدا کے سوا کوئی اور ہستی قرآن جیسا ضابطہ قوانین مرتب کر سکے۔ اس لئے جھوٹا قرآن بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ (ذرا غور کرو کہ اس قرآن کی خصوصیات کیا ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ ایک عملی نظام کے ذریعے) یہ ان تمام اصول و قوانین کو سچ کر دکھانے والا ہے جو اس سے پہلے بذریعہ وحی دیئے جاتے رہے۔ پھر یہ اپنے قوانین کو اس طرح نکھار اور ابھار کر بیان کرتا ہے کہ ان میں نہ شک و شبہ کی گنجائش رہتی ہے اور نہ ہی کوئی اضطراب اور ذہنی کشمکش اور یہ قوانین اس خدا کی طرف سے دیئے گئے ہیں جو تمام کائنات اور عالمگیر انسانیت کی نشوونما کا ضامن ہے (لہٰذا اس میں نہ کسی خاص قوم سے رعایت برتی گئی ہے۔ اور نہ ہی کسی کی خواہ مخواہ مخالفت کی گئی ہے۔ یہ ضابطہ انسان اور انسان میں فرق ہی نہیں کرتا)۔

۳۸ غور کرو کہ یہ لوگ اس قسم کے ضابطۂ حیات کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں، اس رسول کا خود ساختہ ہے۔ ان سے کہو کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ اس قسم کا ضابطۂ حیات، انسان بنا سکتا ہے، تو اس دعوے کو ثابت کرنے کا آسان طریق یہ ہے کہ تم (سارا قرآن نہیں، صرف) اس کی ایک سورت کی مانند بنا کر دکھاؤ، اور اس مقصد کے لئے، تم، خدا کو چھوڑ کر، جس جس کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتے ہو بلا لو۔ (اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو اس چیلنج کو قبول کرو۔ ۲/۲۳ ؛ ۱۱/۱۳)۔

۳۹ (بات یہ نہیں کہ یہ لوگ، علم و بصیرت کے بعد، اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن منجانب اللہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ قرآن کی صداقت کو سمجھنے اور پرکھنے کا جو صحیح طریق ہے، یہ اسے اختیار ہی نہیں کرتے۔ قرآن کے سمجھنے کا طریق یہ ہے کہ

(i) انسان کی علمی سطح اتنی بلند ہو کہ وہ اس کے حقائق کا احاطہ کر سکے۔ یا

(ii) قرآن ایک عملی نظام پیش کرتا ہے جس کے محسوس نتائج اس کے دعاوی کی

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۚ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ
لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۚ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾

صداقت کا ثبوت بنتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان اس کا انتظار کرے کہ وہ نظام متشکل ہو اور اس کے نتائج سامنے آجائیں۔

(iii) اور اگر کوئی یہ بھی نہیں کرنا چاہتا' تو کم از کم تاریخی شواہد کا مطالعہ کرے اور دیکھے کہ اس سے پہلے جن قوموں نے ان اصولوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے سرکشی اختیار کی تھی' ان کا انجام کیا ہوا)۔

اب' ان لوگوں کی نہ تو علمی سطح اتنی بلند ہے' نہ ہی یہ اسے بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ ہی یہ اس کا انتظار کرتے ہیں کہ اس نظام کے نتائج سامنے آجائیں تو ان سے اندازہ لگایا جاسکے۔ بس یونہی اسے جھٹلائے جاتے ہیں۔ اور اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ جن لوگوں نے' ان سے پہلے ایسی روش اختیار کی تھی' ان کا انجام کیا ہوا تھا! (۲۷/۴۴ ؛ ۱۰/۴۱)۔

۴۰ اگر انہوں نے قرآنی حقائق کے پرکھنے کا یہ طریق اختیار کر لیا' تو ان میں سے کچھ لوگ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن جن لوگوں کی نیت میں فتور ہے اور وہ چاہتے ہی فساد برپا کرنا ہیں' تو ایسے لوگ کبھی ایمان نہیں لانے کے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ ایسے لوگ کون سے ہیں۔

۴۱ اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ تجھے جھٹلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ تم یونہی دھمکیاں دیتے ہو کہ ہماری روش کا نتیجہ تباہ کن ہوگا اور تمہارا نظام کامیاب ہو کر رہے گا) تو ان سے کہدو کہ (میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا) تم اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتے جاؤ اور مجھے اپنے پروگرام کے مطابق کام کرنے دو۔ تمہارے پروگرام کا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ میں اس سے بری الذمہ ہوں گا۔ میرے پروگرام کا نتیجہ میرے سامنے آجائے گا۔ اس کی کچھ ذمہ داری تمہارے سر نہیں ہوگی۔ بات صاف ہو جائے گی (۱۰/۶ — ۱۰۹)۔

۴۲ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تمہارے پاس آکر بیٹھتے ہیں تو اس طرح' گویا تمہاری باتیں بہت غور و خوض سے سن رہے ہیں' حالانکہ وہ محض سن ہی رہے ہوتے ہیں (ان کا خیال کہیں اور ہوتا ہے۔ (۴۷/۱۶) تم سوچو کہ تم ایسے بہروں کو کس طرح سنا سکتے ہو جو عقل و فکر

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ
شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ
يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

سے کام ہی نہ لیں؟)۔

۴۳ اور وہ بھی ہیں جو تمہاری مجلس میں آکر بیٹھتے ہیں اور تمہاری طرف تکتے رہتے ہیں گویا وہ ہمہ تن توجہ ہیں! لیکن وہ صرف تک ہی رہے ہوتے ہیں' دھیان ان کا بھی کہیں اور ہوتا ہے (۱۰/۱۹)۔ سوچو کہ تم ایسے اندھوں کو کس طرح راستہ دکھا سکتے ہو جو عقل و بصیرت سے کام نہ لیں؟

۴۴ (حالت ان کی یہ ہے۔ لیکن جب یہ تباہی اور بربادی کے عذاب میں گرفتار ہوں گے تو کہیں گے کہ ہم پر یہ ظلم کیوں؟ ہم تو اس جماعت کے ساتھ تھے۔ ان کی محفلوں میں بیٹھتے تھے اور ان کی باتیں سنا کرتے تھے!)۔ یقین رکھو! خدا کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔ لوگ خود اپنے آپ پر زیادتی کرتے ہیں' (اور اس کا نتیجہ بھگتتے ہیں)۔

۴۵ جس وقت اللہ انہیں (میدانِ جنگ میں) اکٹھا کرے گا (تاکہ یہ اپنی غلط روش کا نتیجہ اپنے سامنے دیکھ لیں تو) اس وقت انہیں احساس ہوگا کہ یہ تمام مدّت' جس میں وہ اپنی دولت اور قوت کے نشے میں بدمست رہے' اتنی سی تھی جیسے دن میں ایک گھڑی۔ اُس دن' آمنے سامنے کے لشکر ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اور جو لوگ' آج اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ انہیں کبھی قانون خداوندی کا سامنا کرنا ہوگا' اُس وقت سخت نقصان میں رہیں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے صحیح راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔[1]

۴۶ (تمہارے دل میں' اے رسول! یہ خیال پیدا ہوگا کہ فریقین میں یہ فیصلہ کن گھڑی کب آئے گی۔ تو) ہوسکتا ہے کہ' جن تباہیوں کی بابت ہم انہیں متنبہ کر رہے ہیں' ان میں سے کچھ تمہاری زندگی میں سامنے آجائیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے ظہور سے پہلے ہی تمہارا وقت

[1] اس کیفیت کا تعلق مرنے کے بعد کی زندگی سے بھی ہوسکتا ہے' لیکن ہم نے اس کے بعد کی آیات کے پیش نظر اس مفہوم کو ترجیح دی ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ
مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا
شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ
إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾

پورا ہو جائے (اس لئے کہ اس کا تعلق ہمارے قانونِ مکافات اور قانونِ مہلت سے ہے۔ کسی فرد کی عمر سے اسکا تعلق نہیں)۔ لیکن اس کا یقین رکھو کہ 'زود یا بدیر' ان سب کو لوٹ کر ہمارے قانونِ مکافات کے سامنے ضرور آنا ہے ——— اُس قانون کے سامنے جو ان کے ہر عمل کو اپنی نگاہ میں رکھے ہوئے ہے ——— یہ اس سے بچ نہیں سکتے۔ (۱۳/۴۰ ؛ ۲۳/۹۵ ؛ ۴۳/۴۲)۔

۴۷ ہمارے قانونِ مکافات کا یہ انداز شروع سے چلا آرہا ہے کہ ہر قوم کی طرف ہمارا پیغامبر آتا ہے۔ اور اس کے آنے پر تمام معاملات کا فیصلہ 'عدل و انصاف' کی رو سے کر دیا جاتا ہے۔ اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوتی۔

۴۸ خود یہ لوگ بھی تجھ سے پوچھتے ہیں 'کہ اگر تم اپنی ان باتوں میں سچے ہو تو بتاؤ کہ وہ تباہی 'جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے رہتے ہو' کب آئے گی؟

۴۹ ان سے کہو کہ (اس تباہی کا لے آنا میرے اختیار کی بات نہیں۔ وہ خدا کے قانونِ مکافات عمل کے مطابق واقع ہوگی۔ میری حالت تو یہ ہے کہ) میں خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ بھی خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس قانون کے مطابق 'ہر قوم کے اعمال کے ظہور نتائج کی ایک میعاد ہوتی ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ نہ ایک ثانیہ پیچھے رہ سکتی ہے 'نہ آگے بڑھ سکتی ہے (۱۳/۴۰ ؛ ۲۳/۴۳)۔

۵۰ ان سے کہو کہ (اس بات کو چھوڑو کہ تمہاری تباہی کا وقت کب آئے گا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ) اگر اس کا عذاب تم پر رات کے وقت آجائے 'یا دن کے وقت تمہیں گھیر لے (تو تمہارے پاس اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟)۔

(جب حالت یہ ہے کہ ان کے پاس اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو پھر) وہ سیاہ بات ہے جس کے لئے 'یہ مجرمین' اس قدر جلدی مچا رہے ہیں؟ (کیا اس وقت انہوں نے 'اس سے

أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ
الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنْتُمْ
بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَ ۵ ۱۳ ۱۰
قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۴﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ
حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾

حفاظت کی کوئی تدبیر سوچ رکھی ہے جو بعد میں بیکار ہو جائے گی؟)۔

۵۱ یا تم اس کا انتظار کر رہے ہو کہ وہ تباہی تمہارے سامنے آجائے تو اسے دیکھ کر تم ایمان لاؤ! (لیکن اُس وقت ایمان لانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس وقت تو تم سے صرف اتنا کہا جائیگا کہ) یہی وہ تباہی ہے جس کے لئے تم اتنی جلدی مچایا کرتے تھے۔ (اُس وقت تمہارے ایمان لانے سے وہ تباہی ٹل نہیں جائے گی۔ اس لئے کہ جب اعمال کے نتائج کے ظہور کا وقت آجاتا ہے تو پھر وہ نتائج پیچھے نہیں لوٹا کرتے)۔

۵۲ اُس وقت ان لوگوں سے، جو ظلم و زیادتی کیا کرتے تھے، کہا جائے گا کہ اب اس ہمیشہ رہنے والے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ سب تمہارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔

۵۳ یہ لوگ، تجھ سے (بار بار) پوچھتے ہیں کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو، کیا یہ واقعی سچ ہے؟ ان سے کہو کہ ہاں! میرا خدا اس پر شاہد ہے کہ یہ بالکل سچ ہے۔ یہ واقع ہو کر رہے گا۔ تم قانونِ خداوندی کو بے بس نہیں کر سکتے کہ جو کچھ اس کی رُو سے ہونا ہے، وہ نہ ہو سکے۔

۵۴ پھر یہی نہیں کہ اس تباہی کا آنا ہی یقینی ہے۔ وہ محکم گیر ایسی ہے کہ جس ظالم اور سرکش پر وہ آئے گی، اگر وہ چاہے کہ تمام دنیا کی دولت دے کر بھی اس سے چھٹکارا حاصل کرے تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔ ایسے لوگ جب اس تباہی کو دیکھیں گے تو اپنی ندامت کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ بہرحال، ان کے معاملہ کا فیصلہ بالکل حق و انصاف کے ساتھ کیا جائیگا۔ اور ان پر ذرا بھی زیادتی نہیں ہوگی۔

۵۵ (یہ لوگ، خدا کے قانونِ مکافات کو بے بس کس طرح کر سکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب پر اقتدار و اختیار خدا ہی کا ہے۔ اسلئے جس بات کے متعلق خدا نے کہدیا کہ وہ ایسے ہوگی، وہ ویسے ہو کر رہے گی۔ لیکن اکثر لوگ علم

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي
الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا
يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ
لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى
النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

بصیرت سے کام نہیں لیتے (اور اس خیال میں مگن رہتے ہیں کہ انہیں کوئی پوچھنے والا ہی نہیں)۔

۵۶ وہ قانونِ مکافات کہ (افراد اور اقوام کی) زندگی اور موت جیسا انقلاب عظیم بھی اسی کے مطابق واقع ہوتا ہے اور تمہارے تمام اعمال بھی اسی کی طرف لوٹ کر آتے ہیں —— اُس کے حیطۂ اقتدار سے باہر جا ہی نہیں سکتے۔ (سوچو کہ وہ قانون خداوندی کس قدر لاانتہا قوتوں کا مالک ہے)۔

۵۷ وہی قانون ہے جواب اے نوعِ انسان! تمہارے نشو ونما دینے والے کی طرف سے اس ضابطۂ ہدایت کی شکل میں تمہارے پاس آگیا ہے۔ اس میں ہر اس کشمکش کا علاج ہے جو تمہارے دل کو وقفِ اضطراب رکھتی ہے۔ جو ہر اس قوم کی جو اسے اپنا ضابطۂ حیات تسلیم کرلیتی ہے کامیابیوں کی راہ کی طرف راہ نمائی کر دیتا ہے اور انہیں سامانِ نشو ونما سے بہرہ یاب کر دیتا ہے۔

۵۸ ان سے کہو کہ اس قسم کے ضابطۂ ہدایت کا مل جانا خدا کے فضل و رحمت سے ہے تم کسی قیمت پر بھی اسے حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ تم اس کے ملنے پر جشن مسرت مناؤ۔ یہ ہر اس شے سے بہتر ہے جسے تم جمع کرتے رہتے ہو۔ یعنی زندگی کی ہر متاع سے زیادہ گراں بہا اور عزیز تر۔

۵۹ ان سے پوچھو کہ کیا تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے جو سامانِ رزق پیدا کیا ہے تم اس میں سے خود ہی (اپنے معتقدات کے مطابق) کسی کو حلال قرار دیدیتے ہو کسی کو حرام۔ ان سے پوچھو کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دے رکھی ہے (کہ تم خود ہی حرام و حلال کے فیصلے کرنے لگ جاؤ؟) حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے آپ ہی کچھ فیصلے کر لیتے ہو اور پھر انہیں شریعت کا نام دے کر خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہو۔ یہ بہت بڑا افترا ہے۔

۶۰ جن لوگوں کی جرأت اور بیباکی کا یہ عالم ہے کہ خود ہی کچھ فیصلے کر لیتے ہیں اور پھر انہیں

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

خدا کی طرف منسوب کر کے (دین کے نام سے نافذ کر دیتے ہیں)۔ ان سے پوچھو کہ انہوں نے بالآخر قیامت کے متعلق کیا سمجھ رکھا ہے؟ (کیا ان کا یہ خیال ہے کہ یہ جو جی میں آئے کرتے رہیں' انہیں کوئی پوچھنے والا ہی نہیں؟ کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کی یہی ڈگر ہمیشہ کے لئے قائم رہے گی اور کوئی ایسا انقلاب نہیں آئیگا جس سے ان کی زندگی کا نقشہ بدل جائے؟ اصل یہ ہے کہ ان کی یہ خود فریبی خدا کے قانون مہلت کی وجہ سے ہے جس کی رُو سے' اعمال کے نتائج ایک وقت کے بعد جا کر برآمد ہوتے ہیں۔ اس سے یہ لوگ خیال کر لیتے ہیں کہ مکافات عمل کا کوئی قانون ہی نہیں۔ حالانکہ اگر یہ غور کرتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ مہلت کا قانون) خدا کی طرف سے نوع انسان پر خاص فضل ہے (کیونکہ اس سے' تباہی آنے سے پہلے' اس سے بچ جانے کا امکان ہوتا ہے) لیکن مشکل یہ ہے کہ اکثر لوگ اس کی صحیح قدر نہیں پہچانتے۔

۶۱ ورنہ ہمارے قانون مکافات کا تو یہ عالم ہے کہ (اے رسول!) تم جس حال میں بھی ہو۔ اور قرآن کا کوئی سا حصہ بھی ان کے سامنے پیش کر رہے ہو۔ اور (اے لوگو!) تم جو کام بھی کرو —— خواہ تم اس میں اس قدر منہمک ہو کہ تمہیں اس کا احساس تک بھی نہ رہے کہ تم پر کس کی نگاہ ہے لیکن —— ہماری نگاہ برابر تم پر ہوتی ہے۔ زمین و آسمان میں ایک ذرّہ برابر بھی کوئی شے نہیں جو تیرے نشو و نما دینے والے کی نگاہوں سے چھپی رہے —— ذرّہ کے برابر' یا اس سے چھوٹی یا بڑی' کوئی چیز ہو' سب خدا کے قانون مکافات اور لوحِ علم کے واضح نوشتوں میں محفوظ رہتا ہے۔

۶۲ یاد رکھو! جو لوگ' قوانین خداوندی کی اطاعت سے' نظامِ خداوندی کے قیام کیلئے' اللہ کے رفیق (اولیاء اللہ) بن جاتے ہیں' انہیں نہ کسی خارجی قوت کا خوف رہتا ہے' نہ داخلی کشمکش سے اندوہناکی۔ ($\frac{۲}{۳۸}$)۔

۶۳ ان لوگوں (اولیاء اللہ) کا کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا۔ یہ وہی لوگ ہیں' جو خدا کے

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا
يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۚ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
مَنْ فِي الْاَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۗ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ
اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾

قوانین کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ (یعنی مومنین اور متقین ہی کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے)۔

۶۴ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی ہر قسم کی خوشگواریاں اور سرفرازیاں ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی شادابیاں اور کامرانیاں۔ (یعنی یہ نہیں کہ یہ لوگ دنیا میں محتاجی اور فقیری کی زندگی بسر کرتے ہیں اور مادی اشیاء سے نفرت اور قطع تعلق سے "روحانی ترقی" اور عاقبت سنوارنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہ خانقاہیت کا مسلک ہے جسے قرآنی نظام سے کوئی تعلق نہیں ۵۷)۔ یہ خدا کا قانون ہے (کہ ان کی دنیا اور آخرت دونوں کی زندگی نہایت کامیاب اور تابناک ہوگی) اور خدا کا قانون کبھی بدلا نہیں کرتا۔
یہ بہت بڑی کامیابی ہے جو ان کے حصے میں آتی ہے۔ (یعنی حال اور مستقبل دونوں کی خوشگواریاں)۔

۶۵ لہٰذا اے رسول! تم ان مخالفین کی باتوں سے دل گرفتہ مت ہو۔ (یہ کونسی قوتوں کے مالک ہیں جو تم پر غالب آجائیں گے اور تمہارے دین کو شکست دیدیں گے؟)۔ حقیقت یہ ہے کہ قوت و اقتدار تمام کا تمام خدا ہی کو حاصل ہے اور اُسی کے قوانین کی متابعت سے ملتا ہے۔ وہ خدا جو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

۶۶ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کائنات کا یہ عظیم القدر اور محیر العقول سلسلہ کس طرح اس کے قوانین کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ (تم خدا کے اقتدار کا اندازہ اسی ایک بات سے لگاؤ۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی شہادت علم و بصیرت کی بارگاہ سے مل سکتی ہے)۔ لیکن جو لوگ اس اقتدار میں خدا کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں، کیا وہ علم و بصیرت کا اتباع کرتے ہیں؟ بالکل نہیں۔ وہ صرف وہم و گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾
قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ
بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾
مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

۶۷ (یہ لوگ اگر علم و بصیرت کی رُو سے نظامِ کائنات کے صرف ایک گوشے پر ہی غور کرتے تو قانونِ خداوندی کی عظمت ان کے سامنے آجاتی۔ یہ دیکھتے کہ اس نے 'چاند' سورج جیسے عظیم الجثہ اجرامِ سماوی کو یوں اپنے اقتدار کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے کہ وہ برابر مصروفِ گردش ہیں۔ ان کی گردش سے) کبھی رات آجاتی ہے جس میں تم آرام کرتے ہو۔ پھر دن نکل آتا ہے جس کی روشنی میں تم اپنا کاروبار کرتے ہو۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو فی الحقیقت بات کو سنتے (اور سمجھتے) ہیں (قانونِ خداوندی کی ہمہ گیری اور محکمیت کی) بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

۶۸ انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کا ایک بیٹا بھی ہے (جو اسکے کاروبار میں اس کی مدد کرتا ہے)۔ ان سے کہو کہ خدا اس سے بہت بلند ہے کہ اسے اپنی مدد کے لئے اولاد کی احتیاج ہو۔ وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے' سب اس کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے مصروفِ عمل ہے۔ (جو خدا ایسی عظیم قوتوں کا مالک ہو' اسے کسی کی مدد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟) ان سے پوچھو کہ کیا تمہارے پاس اس عقیدہ کی تائید میں کوئی سند اور دلیل بھی ہے' یا تم خدا کی طرف یونہی ایسی باتیں منسوب کرتے رہتے ہو' جن کا تمہیں کچھ علم نہیں!

۶۹ ان سے کہدو کہ جو لوگ اپنے ذہن کے تراشیدہ عقائد کو' ناحق خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں' وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے (جوں جوں دنیا میں علم کی روشنی پھیلتی جائیگی اس قسم کے توہم پرستانہ معتقدات' باطل قرار پاتے جائیں گے)۔

۷۰ اس قسم کی خانہ ساز باطل پرستی سے (مذہبی پیشوائیت کو) کچھ دُنیاوی مفاد تو حاصل ہو جاتے ہیں' لیکن آخر کار' ان تمام امور کا فیصلہ ہمارے قانون کی رُو سے ہوگا۔ اُس وقت ان لوگوں کو' اپنی منکرانہ جدوجہد اور توہم پرستانہ عقائد کے سخت تباہ کن نتائج بھگتنے پڑیں گے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ۘ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى
اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا
تُنْظِرُونِ ﴿٧١﴾ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ
مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِآيَاتِنَا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿٧٣﴾

۷۱ (منکرانہ جدوجہد اور توہم پرستانہ عقائد کس قسم کے نتائج مرتب کیا کرتے ہیں' اس کے لئے ان کے سامنے اقوام گذشتہ کی سرگذشت لاؤ۔ سب سے پہلے) انہیں قوم نوحؑ کی داستان سناؤ۔ جب نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا اگر میرا یہاں ٹھیرنا اور تمہیں قوانین خداوندی سے آگاہ کرنا تم پر ایسا ہی شاق گزرتا ہے (تو گذرے میں تمہاری خاطر اپنے اس اہم فریضہ سے باز نہیں رہ سکتا۔ میں تمہاری مخالفت کی کچھ پرواہ نہیں کرتا)۔ تم میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو اس میں اپنا پورا زور لگا لو اور اس کے لئے' اپنے حمایتیوں کو بھی بلا لو۔ اور اسے اچھی طرح دیکھ بھال لو کہ میری مخالفت کا کوئی پہلو تمہاری نظروں سے اوجھل نہ رہ جائے۔ اور تم نے جو کچھ کرنا ہے کر گزرو۔ اور مجھے قطعاً مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ خدا پر ہے۔ (اگر میں اس کے قوانین کے مطابق چلونگا تو وہ مجھے کبھی ناکام نہیں رہنے دیگا)۔

۷۲ اور اگر تم اس مخالفت سے باز آجاؤ (اور حق کی راہ اختیار کر لو تو اس میں تمہارا ہی بھلا ہے)۔ میں اس کے لئے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ' میرا خدا مجھے خود عطا کر دے گا ـــــ وہ خدا جس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں جو اس کے قوانین و احکام کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ (اور دوسروں سے بھی کہوں کہ وہ بھی ایسا ہی کریں)۔

۷۳ (اس نے یہ کچھ اپنی قوم سے واضح طور پر کہہ دیا) لیکن انہوں نے اسے جھٹلایا (اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تو) ہم نے اسے' اور اس کے ساتھیوں کو جو کشتی میں سوار تھے' طوفان سے بچا لیا' اور انہیں ان کے مخالفین کا جانشین بنا دیا۔ اور جن لوگوں نے ہمارے قوانین کی تکذیب کی تھی انہیں غرق کر دیا۔
ان سے کہو کہ ذرا اس پر غور کرو کہ جن لوگوں کو ان کی غلط روش کے نتائج سے آگاہ

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ
مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى
فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا
اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ
السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ

کیا گیا تھا جب انہوں نے اس تنذیر پر کان نہ دھرا' تو ان کا انجام کیا ہوا؟

۷۴ نوحؑ کے بعد بھی ہم نے اسی طرح' مختلف اقوام کی طرف رسول بھیجے۔ وہ ان کے پاس واضح قوانین اور روشن دلائل لے کر آئے۔ لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ وہ ان کے پیغام کو اچھی طرح سننے سے پہلے ہی اسے جھٹلا دیتے' اور جس بات کو یوں جھٹلا دیتے' پھر اپنی بات کی پچ میں اسے کبھی قبول نہ کرتے' خواہ ان کے سامنے کتنی دلیلیں کیوں نہ لائی جائیں۔ جو لوگ اپنی ضد اور ہٹ میں اس قدر حدود فراموش ہو جائیں ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہا کرتی (۲/۷)۔

۷۵ ان اقوام کے بعد' ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اپنے قوانین دے کر' فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے بھی ان قوانین سے سرکشی اختیار کی' اس لئے کہ وہ ایک ایسی پارٹی بن چکے تھے جس کا شیوہ یہ تھا کہ وہ کمزوروں پر ظلم و زیادتی کریں اور ان کی محنت کے ماحصل کو لوٹ کھسوٹ کر لے جائیں' (وہ حق و انصاف کی بات پر کس طرح کان دھرتے؟)

۷۶ چنانچہ جب ان کے سامنے ہمارا وہ نظام پیش کیا گیا جو سرتاسر حق و صداقت پر مبنی تھا' تو انہوں نے یہ کہہ کر اس سے انکار کر دیا' کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ اور باطل ہے۔

۷۷ موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ کیا تم اس حق کے متعلق جو تمہارے سامنے اس طرح پیش کیا جا رہا ہے' یہ کہتے ہو کہ وہ جھوٹ اور باطل ہے۔ یاد رکھو! جن لوگوں کے دعوے جھوٹ اور باطل پر مبنی ہوتے ہیں' وہ کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھا کرتے۔ (اور تم دیکھ لو گے کہ میں اپنے مشن میں کس طرح کامیاب ہوتا ہوں)۔

۷۸ (جو قانون خداوندی موسیٰؑ نے پیش کیا تھا' وہ لوگ علم و براہین کی بنا پر تو اسکی تردید کر نہیں سکتے تھے' اس لئے انہوں نے وہی روش اختیار کی جو باطل پرستوں کے ہاں

وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ
لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ
إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨٢﴾ فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ
إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ
وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٨٣﴾

شروع سے چلی آرہی ہے)۔ انہوں نے کہا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اس مسلک سے برگشتہ کر دو جو ہمارے آباء و اجداد سے متوارث چلا آرہا ہے؟ اور اس طرح ہمارے اقتدار کو ختم کر کے' مملکت کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لو! (ہم تمہاری چالوں کو خوب سمجھتے ہیں اس لئے) ہم تمہاری کوئی بات ماننے کے نہیں۔

۷۹ فرعون نے حکم دیا کہ مملکت میں جس قدر سحر کار مذہبی پیشوا ہیں انہیں ہمارے حضور پیش کرو۔[1]

۸۰ چنانچہ جب وہ باطل پرست مذہبی پیشوا آگئے تو موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ تم جو کچھ پیش کرنا چاہتے ہو' پیش کرو۔

۸۱ جب انہوں نے اپنے دعاوی اور دلائل کو پیش کر دیا' تو موسیٰؑ نے کہا کہ جو کچھ تم نے پیش کیا ہے وہ یکسر باطل اور فریب پر مبنی ہے۔ (اس کی حقیقت کچھ نہیں) اسے اللہ عنقریب ملیا میٹ کر دے گا۔ اسلئے کہ تمہارے اس باطل مذہب اور نظام کا منشاء انسانیت میں فساد برپا کرنا ہے۔ اور خدا کا قانون یہ ہے کہ فساد آدمیت پیدا کرنے والوں کے کام کبھی سنورا نہیں کرتے۔

۸۲ لہذا' تم دیکھ لوگے کہ اللہ اپنے قانونِ محکم کے ذریعے' کس طرح (تمہارے فساد برپا کرنے والے نظام کے مقابلہ میں) تعمیری نتائج پیدا کرنے والے نظام حق و انصاف کو محکم طور پر قائم کرتا ہے' خواہ اس کا ثبات و قیام' اس پارٹی پر کتنا ہی گراں کیوں نہ گزرے جس نے ظلم و ستم پر کمر باندھ رکھی ہے۔

۸۳ (موسیٰؑ نے دلائل و براہین سے قوم فرعون کو قائل کر دیا کہ وہ حق پر نہیں) لیکن اس پر

[1] ان امور کی تفصیل (۲۶/۱۱۱ — ۴۲) میں گزر چکی ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ
رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى
مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا

سوائے اس کی اپنی قوم کے چند نوجوانوں کے کوئی ایمان نہ لایا۔ اس لئے کہ وہ لوگ ڈرتے تھے کہ فرعون' اور اس کی قوم کے اکابرین' انہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں۔ فرعون اپنی مملکت میں بڑا ہی سرکش اور مستبد تھا (اور جو لوگ اس کے مخالفین کے ساتھ جا ملیں ان سے انتقام لینے میں) کسی حد پر رکنے والا نہیں تھا۔

۸۴ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ جب تم قوانین خداوندی کی صداقت پر ایمان لا چکے ہو تو (پھر کسی سے نہ ڈرو۔ تم) ان قوانین کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھو۔ یہی ایک طریق ہے جس سے تم تمام غیر خداوندی قوانین سے منہ موڑ کر ان قوانین کی اطاعت کر سکو گے۔

۸۵ انہوں نے کہا کہ (آپ مطمئن رہئے) ہم ان قوانین پر پورا پورا بھروسہ رکھیں گے۔ پھر انہوں نے اپنے نشوونما دینے والے (خدا) کے حضور اپنی یہ آرزو پیش کی کہ تو ہمیں اس سے محفوظ رکھ کہ ہم فریق مخالف کے جور و ستم کا تختہ مشق بن جائیں۔

۸۶ تو ہمیں اپنی رحمت سے' اس لوگوں کے پنجۂ استبداد سے نجات دلا جو قانون حق و انصاف سے سرکشی برت رہے ہیں۔

۸۷ (اس کے بعد اس نظام کے لئے عملی اقدام کا آغاز کر دیا گیا)۔ اس کے لئے ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہا کہ سردست' مصر میں' جس جگہ تمہاری قوم ہے' وہیں ان کی ذہنی اور قلبی تربیت شروع کر دو۔ (فرعون اس کی اجازت نہیں دے گا کہ تم اپنی پارٹی کے لئے کوئی تربیتی مرکز بناؤ جہاں ان کے اجتماعات ہوا کریں۔ اس لئے) تم فی الحال' اپنی جماعت کے ممبروں کے گھروں کے اندر ہی یہ سلسلہ شروع کر دو' اور اس طرح اس نظام صلوٰۃ کی ابتدا کر دو (جسے آخرالامر تمام معاشرہ کو محیط ہو جانا ہے)۔ اور اپنی جماعت کو اس نظام کے نتائج و ثمرات کی خوشخبری دیتے رہو (تاکہ ان کی ہمتیں تازہ اور حوصلے بلند رہیں)۔

۸۸ موسیٰؑ نے کہا (کہ میں یہ سب کچھ کروں گا لیکن' میری قوم کے لوگوں کے دل میں رہ رہ کر

لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ
الْأَلِيمَ ﴿٨٨﴾ قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ وَجَاوَزْنَا
بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ
لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾

یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب خدا کا قانون یہ ہے کہ ظلم و استبداد پر مبنی نظام کبھی ثمر بار نہیں ہو سکتا تو یہ کیوں ہے کہ) فرعون اور اس کے سرداروں کو زینت و آرائش کا سامان' اور متاع زیست اس قدر فراوانی سے مل رہا ہے کہ اس کے بل بوتے پر وہ لوگوں کو خدا کے راستے کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اس لئے' اے نظام ربوبیت کے مالک! تو ان کے مال و دولت کو تباہ کر دے' اور جس عقل و فہم سے یہ اس قسم کی انسانیت سوز تدابیر سوچتے ہیں' اسے سلب کر لے۔ اس لئے کہ یہ لوگ تیرے قوانین کی صداقت پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ اس قسم کے الم انگیز عذاب کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گے۔

۸۹ اس پر اللہ نے کہا کہ ہم نے تم دونوں بھائیوں کی دعا کو سن لیا ہے اور اسے قبول بھی کر لیا ہے (لیکن اس کا پورا ہونا خود تمہاری جدوجہد پر موقوف ہے۔ لہذا) تم اپنے پروگرام میں پوری ثابت قدمی دکھاؤ۔ اور (جلد بازی میں) ان لوگوں کا طریق نہ اختیار کر لو جو (ہمارے قوانین' اور ان کے نتیجہ خیز ہونے کے انداز سے) واقف نہیں ہوتے (اس لئے وہ جلدی نتائج پیدا کرنے کے لئے غلط تدبیریں اختیار کر لیتے ہیں) (۱۰/۸۹ ؛ ۲۰/۴۳)۔

۹۰ (آخر الامر ہوا یہ کہ) ہم نے بنی اسرائیل کو (فرعون کی غلامی سے نجات دلائی اور انہیں) صحیح و سلامت دریا (یا سمندر) کے پار اتار دیا۔ فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا تاکہ انہیں پکڑ کر ان پر ظلم اور زیادتی کی جائے۔ (وہ قوت اور سرکشی کے نشے میں اس قدر بدمست ہو گئے کہ اسکا بھی اندازہ نہ لگایا کہ ہم غرق ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ خود غرق ہونے لگا (اور اس نے موت کو اپنے سامنے دیکھ لیا تو اس سے بچنے کے لئے) پکار اٹھا کہ میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ اس خدا کے سوا کسی کا اقتدار نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں۔ الٰہ بس وہی ایک ہے۔ میں بھی ان میں سے ہو جانا چاہتا ہوں جو اس کے قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

آلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ
اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ
رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

۹۱ (اس پر وحیٔ خداوندی نے بزبانِ موسیٰؑ کہا کہ) تو ساری عمر حق و انصاف کی راہ سے سرکشی اختیار کیے رہا اور ملک میں فساد انگیزیاں کرتا رہا۔ (تجھ سے بار بار کہا جاتا رہا کہ اس روش کو چھوڑ دو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ لیکن اس وقت تو نے ایک نہ مانی۔ اب جب موت سامنے کھڑی دکھائی دی تو) ایمان یاد آ گیا۔ اب اس ایمان کا کچھ فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ جو ایمان ڈر اور خوف کی بنا پر لایا جائے وہ ایمان کہلا ہی نہیں سکتا)۔

۹۲ اب تو تجھے غرق ہونا ہے۔ البتہ ہم ایسا کریں گے کہ تیری لاش کو سمندر کی موجوں سے محفوظ رکھ لیں تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے جو تیرے بعد آنے والے ہیں موجب عبرت ہو۔ اس لئے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں جو ہمارے قانونِ مکافات کی غیر محسوس نشانیوں سے اثر پذیر نہیں ہوتے۔ (ان کے لئے اس قسم کی محسوس نشانیاں ہی موجب عبرت و موعظت ہو سکتی ہیں)۔

۹۳ (یہ تو تھا اس پروگرام کا منفیانہ پہلو۔ یعنی فرعون اور اس کے لشکر کی تباہی اور بنی اسرائیل کی ان کے پنجۂ استبداد سے رستگاری۔ اس کا مثبت اور تعمیری پہلو یہ تھا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ایسی جگہ متمکن کر دیا جہاں سامانِ زیست کی فراوانیاں تھیں۔ اور اس طرح انہیں خوشگوار اور باعزت رزق سے بہرہ یاب کر دیا۔ (ہم نے تو انہیں ان نعمتوں سے نوازا، لیکن ان کی حالت یہ رہی کہ ان کی طرف مختلف انبیاء کی وساطت سے وحی آتی رہی لیکن وہ ہمیشہ اس میں اختلافات پیدا کرتے رہے۔ اسی رَوش کے مطابق یہ اب اس وحی (قرآن) سے بھی اختلاف رکھتے ہیں)۔ سو جن امور میں یہ اختلاف کرتے ہیں ان کا فیصلہ (دلائل و براہین سے نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے کہ یہ لوگ دلائل و براہین پر کان دھرنے کے لئے تیار ہی نہیں)۔ ان کا فیصلہ اس انقلاب عظیم کے وقت ہو گا جب ان کی تباہی تمہارے ہاتھوں سے آئے گی۔ ۵۹/۱۰۔ (اس وقت تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی اور جس طرح فرعون اور اس کے لشکروں کی تباہی ان کے سامنے ہوئی تھی، ان کی تباہی تمہارے سامنے ہو گی۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِن قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِن
رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِـَٔايٰتِ اللّٰهِ فَتَكُونَ مِنَ
الْخٰسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ ءَايَةٍ حَتّٰى يَرَوُا
الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ ءَامَنَتْ فَنَفَعَهَآ إِيمَٰنُهَآ إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ۖ لَمَّآ ءَامَنُوا كَشَفْنَا
عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ إِلٰى حِينٍ ﴿٩٨﴾

اس لئے کہ غلط روش کا نتیجہ ہمیشہ تباہی و بربادی ہوتا ہے' خواہ اس پر فرعون گامزن ہو یا بنی اسرائیل)۔

۹۴ اے قوم مخاطب! اگر تمہیں اس حقیقت میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو جو اس قرآن میں تمہاری طرف نازل کی گئی ہے (اور جس میں بتایا گیا ہے کہ ہمارا قانون مکافات کس طرح اقوام سابقہ میں کارفرما رہا ہے) تو جو لوگ' اس سے پہلے' کتاب خداوندی کے حامل رہے ہیں (یعنی یہود و نصاریٰ) ان سے پوچھ لو (کہ یہ واقعات جو بیان کئے گئے ہیں' درست ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد تمہیں یقین ہو جائے گا کہ) جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے بیان ہوا ہے' وہ حقیقت ثابتہ ہے۔ پس جب واقعہ یہ ہے تو تم ان لوگوں میں سے کیوں ہوتے ہو جو خواہ مخواہ جھگڑے کی صورت نکالتے رہتے ہیں۔

۹۵ یا ان لوگوں میں سے جو قوانین خداوندی کو جھٹلاتے رہتے ہیں۔ اگر تم بھی ویسے ہی ہو گئے تو انہی کی طرح' تم بھی نقصان اٹھاؤ گے۔

۹۶ (ہم نے یہ حقائق اس طرح واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں اور ان کی تائید میں دلائل و براہین اور تاریخی شہادتیں بھی پیش کر دی ہیں' اس سے ہر صاحب عقل و فراست اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان حقائق کے تسلیم کرنے میں اب کسی کو تامل و توقف نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن) جن لوگوں نے اپنے آپ کو ایسا بنا لیا ہے کہ ان پر دلائل و براہین کا کوئی اثر ہی نہیں ہو سکتا — یعنی جو اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں اور عقل و فکر سے کام نہیں لیتے (۱۰/۴۲ ؛ ۳۶/۶۵) وہ کبھی ایمان

۹۷ نہیں لائیں گے' خواہ ان کے سامنے کیسی ہی کھلی کھلی نشانیاں کیوں نہ آ جائیں۔ تا آنکہ وہ اپنے اعمال کی پاداش میں تباہی کے عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے نہ دیکھ لیں (۱۰/۱۰۱)۔ (یہ اس وقت' فرعون کی طرح ایمان لائیں گے۔ ۴/۱۸)۔ یہ سب کچھ ہمارے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

۹۸ ہمارے اس دعوے کی شہادت خود تاریخ سے ملتی ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں گذری

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۹۹
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۰ قُلِ
انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۱

جو تباہی سے پیشتر (حالتِ امن میں) ایمان لے آئی ہو' اور اس طرح اپنے ایمان کی نفع بخشیوں سے فیضیاب ہو کر تباہی سے بچ گئی ہو۔ اس میں اگر کوئی استثناء ہوئی ہے تو قوم یونس کی جو (عذاب آنے سے پہلے) ایمان لے آئی تو ہم نے ان سے اس عذاب کو دور کر دیا جو انہیں دنیا میں ذلیل کر دیتا۔ اور انہیں ایک مدت تک زندگی کی خوشگواریوں سے متمتع کیا۔ (۱۰/۹۸ — ۳۷/۱۴۷)۔

۹۹ یہ سب اس لئے ہے کہ ہمارا قانونِ مشیت یہ ہے کہ کفر یا ایمان کی راہ اختیار کرنا انسان کے اپنے فیصلے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ (اس میں ہم بالکل دخل نہیں دیتے۔ اگر ہم نے دخل دینا ہوتا تو ہم انسان کو بھی اسی طرح مجبور پیدا کر دیتے جس طرح کائنات کی دوسری چیزیں مجبور پیدا کی گئی ہیں اور وہ سب ہمارے مقرر کردہ قانون کے مطابق سرگرمِ عمل رہتی ہیں)۔ اس صورت میں تمام روئے زمین کے انسان' مومن ہی ہوتے۔ لہٰذا (جب ہمارا قانون یہ ہے کہ کفر اور ایمان کے معاملہ میں انسانی اختیار و ارادہ کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے تو اے رسول!) تو لوگوں کو کس طرح مجبور کر سکتا ہے کہ وہ سب کے سب ایمان لے آئیں؟

۱۰۰ یاد رکھو! کوئی شخص ایمان نہیں لا سکتا جب تک وہ' ہمارے قانون کے مطابق' عقل و فکر سے کام لے کر صحیح نتیجہ پر نہ پہنچے۔ اس لئے ہمارا قانون یہ ہے کہ جو لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے ان پر بات واضح نہیں ہو سکتی۔ وہ اندھیرے میں رہتے ہیں (۶/۱۲۶ ؛ ۱۰/۱۰۰)۔

۱۰۱ (عقل و فکر سے کام لینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان' جذبات سے الگ ہٹ کر خارجی کائنات کا گہری نظر سے مطالعہ کرے اور دیکھے کہ اس میں کونسا قانون کارفرما ہے۔ لہٰذا (اے رسول! ان سے کہو کہ) تم' خارجی کائنات اور خود انسان کی تمدنی زندگی پر غور و فکر کرو۔ (ان میں تمہیں حقیقت کی بڑی نشانیاں ملیں گی (۴۱/۵۳)۔

لیکن یہ نشاناتِ راہ' اور تباہیوں کا احساس پیدا کرنے والی تنبیہات' اس قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں جنہوں نے پہلے ہی فیصلہ کر رکھا ہو کہ ہمیں اس قانون کو

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾
ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي
شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ
أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٤﴾ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٥﴾

صحیح ماننا ہی نہیں (۷-۲-۲)۔

۱۰۲ جو لوگ اس قسم کی روش اختیار کرلیں' ان کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے' اور جو کچھ اقوام سابقہ کے ساتھ ہو چکا ہے' وہی کچھ ان سے ہو۔ اے رسول! تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ (اگر یہی بات ہے تو) تم انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں (تاکہ نتائج مرتب ہو کر سامنے آجائیں اور اس طرح تم یقین کے آخری نقطہ تک پہنچ جاؤ (۱۱-۱۳)۔

۱۰۳ (ان سے کہدو کہ جب ظہور نتائج کا وقت آجاتا ہے تو' اس تباہی سے) خدا کے پیغامبر اور ان کے ساتھیوں کی جماعت ہی محفوظ رہا کرتی ہے۔ اس لئے کہ اس جماعت کا محفوظ رکھا جانا ہمارے قانون کی رو سے واجب ہوتا ہے۔

۱۰۴ ان لوگوں سے کہدو کہ اگر تم میرے پیش کردہ' نظام زندگی کی صداقت کے بارے میں اب بھی شک میں ہو' تو تمہارے اس شک سے میرے یقین پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ان قوتوں کی اطاعت اور محکومیت اختیار کرلوں جنہیں تم خدا کے سوا' صاحب اقتدار و اختیار مانتے ہو۔ میں تو صرف اس خدا کی محکومیت اختیار کروں گا جس کے اقتدار کا یہ عالم ہے کہ' اور تو اور' خود تمہاری موت اور حیات بھی' اسی کے قانون کے ساتھ وابستہ ہے۔ مجھے اس کا یہی ارشاد ہے کہ میں اس جماعت میں رہوں جو اس کے قوانین کی صداقت پر ایمان رکھتی ہے۔

۱۰۵ اور اپنی توجہات کو ہر طرف سے ہٹا کر' اس نظام زندگی پر مرکوز کرلوں۔ اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جو زندگی کے مختلف پہلوؤں کے لئے' مختلف قوتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں' اور قوانین خداوندی کے ساتھ' غیر خداوندی قوانین کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ
يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ
اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾

---

۱۰۶ (میرا تم سے بھی یہی پیغام ہے کہ) تم خدا کو چھوڑ کر ان قوتوں کی اطاعت مت اختیار کرو (جنہیں تم محض اپنے اندھے عقیدے کی بنا پر اختیار و اقتدار کی مالک سمجھتے ہو' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں اس کی قدرت ہی نہیں کہ) وہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم بھی انہی میں سے ہو جاؤ گے جو قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کرتے ہیں (اور ان کا انجام تمہیں معلوم ہی ہے)۔

۱۰۷ یاد رکھو! اگر تمہیں' قانون خداوندی کی رُو سے کوئی تکلیف پہنچے' تو کائنات میں کسی کو اس کی قدرت حاصل نہیں کہ (اس کے قانون کے علی الرغم) اس تکلیف کو رفع کر سکے۔ وہ اُسی کے قانون کے مطابق رفع ہوگی۔ اور اگر اس کے قانون کے مطابق تمہیں کوئی نفع پہنچنے والا ہو' تو کوئی قوت ایسی نہیں جو اسے روک سکے۔ ان میں کسی کی تخصیص نہیں۔ جو شخص بھی' اس کے قانون کے مطابق' اس نفع بخش صورت کو حاصل کرنا چاہے' حاصل کر سکتا ہے۔ وہ نفع اسے ضرور مل جائے گا۔ یاد رکھو! نقصانات سے بچنے کا سامان ہو' یا نشوونما حاصل ہونے کے اسباب۔ سب اس کے قانون سے وابستہ ہیں۔

۱۰۸ (اے رسول! تم) تمام نوعِ انسان سے پکار کر کہہ دو کہ تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے وہ ضابطہ حیات آگیا ہے جو حقیقت پر مبنی ہے۔ اگر تم اس کی راہ نمائی میں سفرِ زندگی اختیار کرو گے تو اس سے تمہاری ہی ذات کو فائدہ پہنچے گا۔ اور اگر تم اسے چھوڑ کر اور راہیں اختیار کر لو گے تو اس کا نقصان بھی تمہیں ہی ہوگا۔ (اب یہ تمہارے اپنے فیصلے پر منحصر ہے کہ تم کونسی راہ اختیار کرنا چاہتے ہو) میں تم پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ تمہیں زبردستی سیدھی راہ پر چلاؤں۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿١٠٩﴾

۱۱ ع ۱۶

۱۰۹ (تم اس پیغام کو لوگوں تک پہنچا دو) اور خود اس ضابطہ (قرآن) کا اتباع کرتے رہو جو تمہیں وحی کے ذریعے دیا گیا ہے۔ اور اس پر ثابت قدمی سے جمے رہو، تا آنکہ خدا کا قانون مکافات تم میں، اور ان مخالفین میں آخری فیصلہ کر دے۔ وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۲ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

---

۱ خدائے علیم و حکیم کا ارشاد ہے کہ یہ وہ ضابطۂ حیات ہے جس کے قوانین محکم بنیادوں (مستقل اقدار) پر استوار کئے گئے ہیں اور ایسے واضح اور نکھرے ہوئے انداز سے بیان کئے گئے ہیں (کہ ان میں کسی قسم کا اشتباہ و ابہام نہیں رہ سکتا) اس لئے کہ یہ اُس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ جو کائنات کے تمام حالات اور انسانی مقتضیات سے واقف ہے' اور اسکا ہر کام' حکمت پر مبنی ہے۔

۲ اس ضابطۂ حیات کی تعلیم کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اطاعت صرف خدائے واحد کے قوانین کی کرو۔ اس کے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہ کرو۔ (اس باب میں' اور تو اور' خود اس رسول کی بھی پوزیشن یہ ہے کہ وہ تم سے اپنی اطاعت نہیں کراتا۔ وہ خدا ہی کے قوانین کی اطاعت کراتا ہے اور) تمہیں بتاتا ہے کہ ان کے مطابق زندگی بسر کرنے کے نتائج کس قدر خوشگوار ہوں گے' اور ان کی خلاف ورزی کرنے کا انجام کیسا تباہ کن ہوگا۔

۳ (اس سلسلہ میں وہ تم تک خدا کا یہ پیغام بھی پہنچاتا ہے کہ) تم خدا کے قانون ربوبیت سے اپنی حفاظت کا سامان طلب کرو' اور تمام گوشوں سے ہٹ کر' صرف اُسی کے قانون کی طرف رجوع کرو۔ وہ تمہیں' ایک مدتِ معینہ تک (جس کا تعین خود تمہارے اعمال و کردار کے مطابق ہوتا ہے) نہایت خوشگوار اور پسندیدہ سامانِ زیست سے

وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿٣﴾
إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤﴾ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا
مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٥﴾

بہرہ یاب کرے گا' اور تم جس قدر حصولِ معاش کی استعداد بڑھاتے جاؤ گے' وہ اسی قدر معاشی آسائشیں بہم پہنچاتا جائے گا۔ لیکن اگر تم اس اصول سے انحراف کرو گے' تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر سخت تباہی آجائے گی۔

۴ یاد رکھو! اس کے قانون سے روگردانی کر کے تم کہیں پناہ نہیں لے سکتے۔ تمہاری زندگی کی ہر گردش کا رُخ اُسی کی طرف ہے۔ اور تمہارے ہر عمل کا نتیجہ اسی کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔ اس نے عمل اور اس کے نتیجے کے لئے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں اور ان پر اسے پورا پورا کنٹرول حاصل ہے۔ (اس لئے انسان کا کوئی عمل' خدا کے قانون مکافات کی زد سے بچ نہیں سکتا)۔

۵ لہٰذا' ان کی یہ کوشش کہ یہ دُہری شخصیت[1] کی زندگی بسر کریں —— سینے کے اندر چھپا کر کچھ اور رکھیں اور باہر کچھ اور ظاہر کریں —— اور اس طرح سمجھ لیں کہ ہم اس کے قانون کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ یا اپنی شخصیت کو یکسر چھپانے کی کوشش کریں' تو یہ اس کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے)۔ اس لئے کہ جو کچھ یہ چھپائیں' اور جو کچھ ظاہر کریں' خدا کے قانون مکافات پر سب کچھ عیاں ہے۔ وہ تو دل میں گزرنے والے خیالات تک سے واقف ہے (۵/۷)

[1] DUAL PERSONALITY.



وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ
يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٦ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ
سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ
الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧

---

۶ (اوپر بتایا جا چکا ہے کہ قانون خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے رزق کی فراوانیاں حاصل ہوتی ہیں (۱۱/۳)۔ لیکن یہ فراوانیاں کسی خاص گروہ کے اندر محدود ہو کر نہیں رہ جانی چاہئیں رزق، زندگی کے قائم رکھنے کا ذریعہ ہے، اس لئے اسے ہر ذی حیات تک، حسب ضرورت، پہنچنا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ) روئے زمین پر کوئی ذی حیات ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا نے نہ لے رکھی ہو۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ ایک ذی حیات کو کسی ایک منزل میں ٹھیرنے اور پھر قانون ارتقا کی رُو سے، اگلی منزل تک پہنچنے کے لئے، کس قدر، اور کون کونسے سامان نشوونما کی ضرورت ہوگی (۶/۹۹)۔ یہ سب کچھ خدا کے قانون مشیّت کی کتاب میں واضح طور پر درج ہے (۵۵/۲۹)۔ (لہٰذا منشائے خداوندی کو پورا کرنے والا انتظام وہی ہو سکتا ہے جس میں کوئی ذی حیات رزق سے محروم نہ رہنے پائے۔ جو نظام، خدا کی ان ذمہ داریوں کو پورا کرے گا، وہی نظام خداوندی کہلا سکے گا۔ ۶/۱۵۲ ؛ ۲۹/۶۰ ؛ ۴۱/۱۰ ؛ ۳۶/۴۷)۔

۷ اُس کا نظام یہ ہے کہ اس نے کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو گوناگوں عناصر سے ترکیب دے کر، مختلف ادوار اور منازل سے گزارا (تا آنکہ وہ اس قابل ہو گئے کہ ان میں ذی حیات اشیاء کی نشوونما ہو سکے۔ اس نے زندگی کی بنیاد پانی پر رکھی۔ ۲۱/۳۰)۔

فَخُوْرٌ ۝۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱۱ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ
بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ
اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۱۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ
ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۳

بس میری تمام مصیبتیں رفع ہوگئیں۔ اور اس طرح وہ آپے سے باہر ہوجاتا ہے اور شیخیاں بگھارتا اور ڈینگیں مارتا پھرتا ہے۔ (گویا اُسے زندگی کا مقصود حاصل ہوگیا)۔

۱۱ لیکن جو لوگ (حیوانی سطح سے بلند ہوکر زندگی کی انسانی سطح پر یقین رکھتے ہیں' ان کی حالت ان کے برعکس ہوتی ہے۔ وہ عسر اور یسر — تنگی اور آسائش — دونوں حالتوں میں ایک ہی روش پر چلتے ہیں اور (اس پروگرام پر مستقل مزاجی سے عمل پیرا رہتے ہیں جو ان کی صلاحیتوں کو ابھارتا اور معاملات کو سنوارتا ہے۔ (وہ نہ مشکلات سے گھبرا کر مایوس ہوتے ہیں اور نہ آسائشوں پر اتراکر آپے سے باہر ہوجاتے ہیں)۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے' زندگی کی تباہیوں سے محفوظ رہنے کا سامان' اور بلندیاں اور توانائیاں پیدا کرنے والا اجر عظیم ہے۔

۱۲ (اس میں شبہ نہیں کہ ان لوگوں سے جو کہا جاتا ہے کہ ان پر تباہی آنے والی ہے' تو یہ بات انہیں سخت ناگوار گزرتی ہے۔ لیکن) یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تو' ان کی دل جوئی کے لئے' وحی کے ان مقامات کو چھوڑ دے جن میں اس قسم کی تنذیرات آتی ہیں۔

یہ بھی ٹھیک ہے کہ یہ لوگ جب کہتے ہیں کہ اگر تو خدا کا رسول ہے تو تجھ پر خزانے کیوں نہیں اتارے جاتے۔ یا فرشتے تیرے جلو میں کیوں نہیں چلتے' تو ان کی' ان طعن آمیز باتوں سے تو افسردہ خاطر ہوجاتا ہے۔ لیکن تو جب فریضۂ رسالت و انذار کے لئے مامور کیا گیا ہے تو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا۔ (یہ ذمہ داری بڑی سخت اور یہ فریضہ بڑا مشکل ہے۔ لیکن اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں)۔ اللہ کا قانون ہر معاملہ کی کارسازی کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ (اس لئے مآل کار سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا ۳ — ۹۴ — ۱)۔

۱۳ یا' یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن اپنی طرف سے بنا لیا ہے' اور اسے خدا کی طرف یونہی منسوب کر رہا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ (یہ خدا کی کتاب نہیں انسان کا کلام ہے) تو تم' اس قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ' اور' خدا کو چھوڑ کر'

فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ
بَعْضَ مَا یُوْحٰٓى اِلَیْكَ وَضَآىِٕقٌ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ اِنَّمَآ
اَنْتَ نَذِیْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّ
ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۳﴾

بس میری تمام مصیبتیں رفع ہوگئیں۔ اور اس طرح وہ آپے سے باہر ہوجاتا ہے اور شیخیاں بگھارتا اور ڈینگیں مارتا پھرتا ہے۔ (گویا اُسے زندگی کا مقصود حاصل ہوگیا)۔

۱۱ لیکن جو لوگ (حیوانی سطح سے بلند ہوکر زندگی کی انسانی سطح پر یقین رکھتے ہیں' ان کی حالت ان کے برعکس ہوتی ہے۔ وہ عسر اور یسر — تنگی اور آسائش — دونوں حالتوں میں ایک ہی روش پر چلتے ہیں اور) اس پروگرام پر مستقل مزاجی سے عمل پیرا رہتے ہیں جو ان کی صلاحیتوں کو ابھارتا اور معاملات کو سنوارتا ہے۔ (وہ نہ مشکلات سے گھبرا کر مایوس ہونے میں اور نہ آسائشوں پر اترا کر آپے سے باہر ہوجاتے ہیں)۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے' زندگی کی تباہیوں سے محفوظ رہنے کا سامان' اور بلندیاں اور توانائیاں پیدا کرنے والا اجر عظیم ہے۔

۱۲ (اس میں شبہ نہیں کہ ان لوگوں سے جو کہا جاتا ہے کہ ان پر تنبیہ آنے والی ہے' تو یہ بات انہیں سخت ناگوار گزرتی ہے۔ لیکن) یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تو' ان کی دل جوئی کے لئے' وحی کے ان مقامات کو چھوڑ دے جن میں اس قسم کی تنذیرات آتی ہیں۔

یہ بھی ٹھیک ہے کہ یہ لوگ جب کہتے ہیں کہ اگر تو خدا کا رسول ہے تو تجھ پر خزانے کیوں نہیں اتارے جاتے۔ یا فرشتے تیرے جلو میں کیوں نہیں چلتے' تو ان کی' ان طعن آمیز باتوں سے تو افسردہ خاطر ہوجاتا ہے۔ لیکن تو جب فریضۂ رسالت و انذار کے لئے مامور کیا گیا ہے تو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا۔ (یہ ذمہ داری بڑی سخت اور یہ فریضہ بڑا مشکل ہے۔ لیکن اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں)۔ اللہ کا قانون ہر معاملہ کی کارسازی کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ (اس لئے تا اِل کار سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا ۳ — ۹۴ — ۱)۔

۱۳ یا' یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن اپنی طرف سے بنا لیا ہے' اور اسے خدا کی طرف یونہی منسوب کر رہا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ (یہ خدا کی کتاب نہیں' انسان کا کلام ہے) تو تم' اس قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ' اور' خدا کو چھوڑ کر

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ
كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۗ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ
مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ

اور جسے بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہو کر لو۔ بات صاف ہو جائے گی (۲/۲۳ ؛ ۱۰/۳۸)۔

۱۴ لیکن اگر (نہ تو تم خود ہی ایسا کر سکو اور نہ ہی) وہ لوگ تمہاری اس دعوت کو قبول کریں جنہیں تم اس مقصد کے لئے اپنے ساتھ ملانا چاہو تو اس کے بعد تمہیں جان لینا چاہیئے کہ یہ قرآن علم خداوندی کی رو ہی سے نازل ہوا ہے (رسول کا خود ساختہ نہیں)۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ کائنات کا تمام اقتدار صرف خدا کے لئے ہے۔ اس میں کوئی اور شریک و سہیم نہیں۔
ان سے پوچھو کہ کیا تم اس کے بعد بھی اس ضابطہ خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے؟

۱۵ (لیکن اگر تم اس کے باوجود اپنی مفاد پرستیوں ہی کو زندگی کا مقصود بنائے رکھو تو تمہیں یہ مفاد حاصل رہیں گے۔ اس لئے کہ) ہمارا قانون یہ ہے کہ جو شخص صرف طبیعی زندگی کے مفاد اور زیب و زینت چاہتا ہے اسکی کوششوں کے پورے پورے نتائج اُسے اِسی دنیا میں مل جاتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جاتی (۱۷/۱۸)۔

۱۶ لیکن اِن لوگوں کا مستقبل (حیات آخرت) کی خوشگواریوں میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ جو کچھ وہ دنیا میں بناتے ہیں، وہ (آخرت میں) سب اکارت چلا جاتا ہے، اور ان کا کیا کرایا سب غارت ہو جاتا ہے۔ ان کے لئے وہاں ایسی تباہی و بربادی ہوگی جو سب کچھ جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیگی۔

۱۷ پہلے کہا جا چکا ہے کہ قرآن کی صداقت کے سمجھنے کے تین طریقے ہیں۔ علم و بصیرت کی رو سے۔ یا اس کے عملی پروگرام کے نتائج کو دیکھ کر۔ اور یا تاریخی شہادات سے (۱۰/۳۹)۔
تم ذرا سوچو کہ کیا وہ شخص جو (۱) اس عقل و بصیرت سے کام لے جو اُسے اس کے نشوونما دینے والے کی طرف سے عطا ہوئی ہے اور (۲) وہ دیکھے کہ ایک شخص ضابطہ خداوندی کے مطابق کام کرتا ہے اور اس کے اعمال کے نتائج اس ضابطہ کی صداقت کی عملی شہادت بنتے جا رہے ہیں۔ اور (۳) تاریخ کے یہ نوشتے بھی اس کے سامنے ہوں کہ اس سے قبل (مثلاً)

أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ
وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۸﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ
سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۱۹﴾ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَ
مَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا
يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾

موسیٰؑ نے بھی اس قسم کے ضابطہ خداوندی کو اپنا اور اپنی قوم کا راہ نما بنایا تھا تو اس سے انہیں کس قدر زندگی کی فراوانیاں مرحمت ہو گئی تھیں ——— (تو کیا ایسا شخص کبھی اس ضابطہ کی صداقت سے انکار کر سکے گا؟ کبھی نہیں۔) یہی وہ لوگ ہیں جو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔

ان کے برعکس، جو لوگ اس سے انکار کرتے ہیں، وہ خواہ کسی پارٹی سے متعلق ہوں، ان کا ٹھکانہ تباہی و بربادی کا جہنم ہے۔ تم (ان لوگوں کے انجام و مآل کے بارے میں) ذرا بھی شک نہ کرو۔ یہ ایک حقیقت ہے جو خدا کے قانون کے مطابق واقع ہو کر رہے گی۔ لیکن بہت سے لوگ (ایسے واضح دلائل و براہین کے باوجود) اسکا یقین نہیں کرتے۔

۱۸ (یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشوا کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن کے احکام ان کی شریعت کے خلاف ہیں، اس لئے یہ منجانب اللہ نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جسے یہ شریعت خداوندی کہتے ہیں، وہ ان کی خود ساختہ شریعت ہے اور اسے یہ منسوب خدا کی طرف کرتے ہیں۔ سوذرا غور کرو کہ) اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جو اپنے ذہن سے باتیں وضع کرے اور انہیں دین خداوندی کہہ کر پیش کرے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو عدالت خداوندی میں پیش ہوں گے اور گواہی دینے والے اس کی تصدیق کریں گے کہ انہوں نے فی الواقعہ اپنے رب کے خلاف بہتان باندھا تھا ——— یاد رکھو! اس قسم کے ظالم رحمت خداوندی سے یکسر محروم رہ جاتے ہیں۔

۱۹ ان کی حالت یہ ہے کہ یہ اپنے خود ساختہ مسلک کو شریعت خداوندی کا نام دیکر، لوگوں کو خدا کے سچے راستے کی طرف آنے سے روکتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اس کے صاف اور سیدھے راستے میں خواہ مخواہ پیچ و خم پیدا کر دیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ مستقبل کی زندگی (حیات اُخروی) پر ایمان ہی نہیں رکھتے (مذہب کو انہوں نے اپنا پیشہ بنا رکھا ہے)۔

۲۰ لیکن یہ، خدا کے قانونِ مکافات سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ نہ ہی قانونِ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَلَقَدْ

أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾

خداوندی کے سوا ان کا کوئی کارساز ہوسکتا ہے۔ (جس قدر ان کی سرکشی بڑھتی جارہی ہے' اسی نسبت سے) ان کی سزا میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ (انہوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسی حالت پیدا کرلی ہے کہ) نہ ان میں حق بات کے سننے کی تاب رہی ہے' اور نہ ہی یہ عقل و بصیرت سے کام لیتے ہیں۔

۲۱ یہ لوگ' اپنی اس روش سے' کسی اور کا کچھ نقصان نہیں کر رہے' خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ ان کی افترا پردازیاں سب اکارت چلی جائیں گی۔

۲۲ (انہیں اس سے کچھ دنیاوی فائدے ضرور حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن) یہ حقیقت ہے کہ آخرت میں یہ لوگ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ ان کا مستقبل بیحد خراب ہوگا۔

۲۳ ان کے برعکس' جو لوگ' ضابطہ خداوندی کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں' اور اس پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں جو ان کی صلاحیتوں کی نشوونما کرتا ہے اور انسانی زندگی کے بگڑے ہوئے کام سنوارتا ہے' اور (اس طرح) اپنے نشوونما دینے والے کے توانین کے سامنے عملاً سر جھکاتے ہیں۔ تو یہی لوگ ہیں جو زندگی کی سدا بہار شادابیوں سے بہرہ یاب ہوں گے۔

۲۴ ان دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور مبرہ ہو' اور ایک دیکھنے اور سننے والا۔ کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہوسکتی ہے؟ (۱۹ — ۱۳ — ۱۶ ؛ ۳۹ — ۱۹) — کیا اس کے بعد بھی تم سمجھتے سوچتے نہیں (کہ زندگی کی صحیح راہ کونسی ہوسکتی ہے؟)۔

۲۵ (اگر یہ لوگ' ان واضح دلائل کے بعد بھی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے' تو پھر ان کے سامنے وہ تیسرا طریق لاؤ (۱۰ — ۲۹) یعنی ان سے کہو کہ یہ تاریخ کی شہادات پر غور کریں اور دیکھیں کہ جب اقوام گذشتہ نے اس حقیقت سے انکار کیا تو ان کی اس روش کا نتیجہ کیا برآمد ہوا۔ مثلاً) ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور اس نے ان سے کہا کہ میں تمہیں واضح طور پر بتانے کے لئے آیا ہوں کہ تمہاری موجودہ روش کا نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ
اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ
فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ
رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ

---

۲۶ تمہیں چاہیئے کہ اپنی اس رَوش کو چھوڑ کر صرف قوانین خداوندی کی اطاعت اور محکومیت اختیار کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مجھے خطرہ ہے کہ تمہیں بہت بڑی تباہی گھیر لے گی۔

۲۷ اس پر اس کی قوم کے بڑے بڑے لوگوں نے' جن کے پاس سامانِ زیست کی فراوانی تھی ——— یعنی صاحب دولت و اقتدار طبقہ ——— جس نے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کر رکھی تھی ۔ کہا کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم ہمارے ہی جیسے ایک انسان ہو (اس لئے یہ کیسے مان لیں کہ تم خدا کے رسول ہو)۔ باقی رہے یہ لوگ جو تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں تو ان کی حیثیت کیا ہے؟ یہ ہم میں سے ادنیٰ درجہ کے (نیچ قوم کے) لوگ ہیں' اور یہ صاف دکھائی دے رہا ہے کہ انہوں نے تمہارا مسلک عقل و فکر کی رُو سے اختیار نہیں کیا۔ یونہی' بلا سوچے سمجھے تمہارے ساتھ ہو لئے ہیں۔ ہمیں تو کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس میں تمہیں' ہمارے مقابلہ میں' کوئی برتری حاصل ہو۔ لہٰذا' ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ تم اپنے اس دعوے میں بالکل جھوٹے ہو۔

۲۸ اس پر نوحؑ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے عطا کردہ علم و بصیرت سے کام لوں۔ اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے بطور موہبت' ایک ضابطہ ہدایت دیا ہو جو سرتاسر رحمت ہے۔ لیکن تمہیں ان میں سے کوئی بات بھی نظر نہ آئے۔ اور تم اسے بھی پسند نہ کرو کہ ان حقائق کو تمہیں دکھا اور سمجھا دیا جائے (تو میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہوں' جو کر رہا ہوں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ) ہم ان باتوں کو زبردستی تمہارے گلے منڈھ دیں۔ (اس لئے کہ ایمان' علم و بصیرت کی رُو سے' بطیب خاطر' دل کے فیصلے کا نام ہے۔ اسے یونہی کسی کے گلے منڈھا نہیں جاتا)۔

۲۹ پھر اس پر بھی غور کرو کہ میں جو کچھ تمہارے لئے کر رہا ہوں' اس کے معاوضہ میں تم سے کسی مال و دولت کا طالب نہیں ہوں (اس لئے مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ تم سے

اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَلٰکِنِّیْٓ اَرٰىکُمْ قَوْمًا تَجْھَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ
یٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰہِ اِنْ طَرَدْتُّھُمْ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ
اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُکُمْ لَنْ یُّؤْتِیَھُمُ اللّٰہُ
خَیْرًا اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَکْثَرْتَ
جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾

جھوٹ بولوں؟)۔ میری محنتوں کا معاوضہ میرے خدا کے ذمے ہے۔ لیکن میں یہ نہیں کرسکتا کہ جو لوگ اس نظام کی صداقت پر ایمان لے آئے ہیں' انہیں اس لئے نکال باہر کروں (کہ تم انہیں رذیل سمجھتے ہو اور ان کے ساتھ مل بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ اگر میں ایسا کروں تو) یہ جب اپنے رب سے ملیں گے تو میرے متعلق کیا کہیں گے؟ (یعنی یہ بات' منشائے خداوندی کے سخت خلاف ہوگی)۔ تم انہیں جاہل کہتے ہو' لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے جیسی جاہل قوم کوئی ہے ہی نہیں۔

۳۰ میں اگر' تمہاری خاطر' ان لوگوں کو ہنکا کر الگ کر دوں' تو (تم تو اس سے بیشک خوش ہو جاؤ گے' لیکن ذرا سوچو کہ) قانونِ خداوندی کی رو سے' اس جرم کی جو سزا مجھ پر وارد ہوگی' اس سے مجھے کون بچا سکے گا؟ وہ کون ہے جو قانونِ خداوندی کے مقابلہ میں میری مدد کر سکے۔

۳۱ باقی رہا تمہارا یہ اعتراض کہ میں تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں' اور ہم لوگوں کو تم پر کوئی معاشی برتری بھی حاصل نہیں۔ تو میں نے کب یہ دعوےٰ کیا ہے کہ) میرے پاس اللہ کے دیئے ہوئے دولت کے خزانے ہیں۔ اور میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔ اور یہ کہ میں (انسان نہیں بلکہ) فرشتہ ہوں۔ میں نے یہ کچھ کبھی نہیں کہا۔ البتہ یہ ضرور کہتا ہوں کہ' تم جو یہ سمجھتے ہو کہ یہ لوگ جنہیں تم اپنے معیار کے مطابق ذلیل اور رذیل خیال کرتے ہو' خدا کی نظروں میں بھی ذلیل اور رذیل ہیں' اور انہیں اس کے ہاں سے کوئی خوشگواری اور بہتری کا سامان نہیں مل سکتا۔ یہ غلط ہے۔ قانونِ خداوندی کی رو سے' معیارِ عزت و تکریم اور استحقاقِ خیر و برکت انسان کے ذاتی جوہر ہیں۔ اس کی نگاہ ظاہری پوزیشن پر نہیں بلکہ انسان کے دل پر ہوتی ہے۔ اگر اس باب میں میں تم سے متفق ہو جاؤں' تو میں بھی ان میں سے ہو جاؤں گا جو خدا کے قائم کردہ معیار سے سرکشی برتتے ہیں۔

۳۲ ان لوگوں کے پاس ان دلائل کا جواب تو کچھ تھا نہیں' کہنے لگے کہ اے نوحؑ! تم نے ہم سے

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ
لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ
افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا
مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ

مفت کا جھگڑا شروع کر دیا' اور اس میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ اب اس قصہ کو ختم کرو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو جس تباہی کی تم بار بار دھمکیاں دیتے ہو' اسے لے آؤ۔

۳۳ نوح نے کہا کہ اس تباہی کا لانا یا نہ لانا' میرے اختیار میں نہیں۔ وہ تو خدا کے قانون کے مطابق آئے گی۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ آکر ضرور رہے گی۔ تم قانون خداوندی کو عاجز اور بے بس نہیں کر سکتے کہ اس کی رُو سے جو کچھ ہوتا ہے وہ نہ ہو سکے۔

۳۴ یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم نے اپنے آپ کو' اپنے اعمال کی وجہ سے' عذاب خداوندی کا مستوجب بنا لیا تو پھر اگر میں بھی ہزار چاہوں کہ تمہارے چاکِ داماں کی رفوگری کروں' تو ایسا نہیں کر سکوں گا۔ اس وقت میری غمخواری بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکے گی۔ تمہارا آقا اور مالک' خدا ہے۔ میں نہیں۔ اور تمہارا ہر قدم اس کی طرف اٹھ رہا ہے۔ تمہارے تمام اعمال کے نتائج' اس کے قانونِ مکافات کی رُو سے مرتب ہوں گے۔ (اس میں' میں بھی کچھ نہیں کر سکوں گا)۔

۳۵ (خدا نے کہا کہ اے نوح!) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے یہ باتیں از خود وضع کر لی ہیں اور انہیں خدا کی طرف غلط منسوب کرتے ہو؟ ان سے کہدو کہ اگر میں نے ایسا کیا ہے تو میرا جرم مجھ پر ہے۔ (تم سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی)۔ اور جو جرائم تم کر رہے ہو' ان کی پاداش تمہیں اٹھانی پڑے گی۔ میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ (تم یہ کہہ کر مطمئن نہ ہو جاؤ کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ میرا خود ساختہ ہے۔ تم یہ دیکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو' وہ کیسا ہے؟)۔

۳۶ اس مقام پر نوح کی طرف وحی کی گئی کہ جو لوگ اس وقت تک ایمان لا چکے ہیں' ان کے علاوہ اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ لہٰذا' جو کچھ یہ کر رہے ہیں' اس پر تم (بیکار) غم نہ کھاؤ۔ (تمہاری غم خواریاں اور جانگدازیاں' ان کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکیں گی۔ اب وقت آگیا ہے کہ تم ان سے الگ ہو جاؤ)۔

۳۷ اب تم ہماری زیر نگرانی اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنانا شروع کر دو —

فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ
قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَ
يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ
وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٤٠﴾ وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ

اور دیکھو! ان سرکشوں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا۔ اس لئے کہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کی تباہی مسلم ہو چکی ہے۔ یہ سب غرق کر دیئے جائیں گے۔ (۲۳/۲۷)۔

۳۸ چنانچہ اس نے کشتی بنانی شروع کر دی۔ اس کی قوم کے سردار جب ادھر سے گزرتے اور اسے کشتی بناتے دیکھتے تو اس کا تمسخر اڑاتے۔ اس کے جواب میں نوح ان سے کہتا کہ اگر تم ہماری ہنسی اڑانا چاہتے ہو تو اڑا لو۔ جس طرح تم آج ہماری ہنسی اڑاتے ہو ایک وقت آئے گا کہ ہم اسی طرح تمہاری حماقتوں پر ہنسیں گے۔

۳۹ اور اس میں زیادہ وقت بھی نہیں لگے گا۔ تم عنقریب دیکھ لو گے کہ وہ عذاب کس پر آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا۔ اور وہ وقتی عذاب نہیں ہو گا بلکہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دینے والا ہو گا۔

۴۰ (چونکہ ان لوگوں نے اپنا یہ شیوہ بنا لیا تھا کہ نوح کی ہر بات کی مخالفت کی جائے اور ہر معاملہ میں اس کی ہنسی اڑائی جائے اس لئے انہوں نے نوح کی کشتی سازی کے معاملہ پر بھی سنجیدگی سے غور نہ کیا۔ ورنہ اگر وہ ذرا عقل و فکر سے کام لیتے اور جس طرح نوح انہیں آنے والے خطرہ سے آگاہ کر رہا تھا اس کی بات پر کان دھرتے تو وہ ایسا نہ کرتے۔ بہرحال وہ اس کا مذاق اڑاتے رہے تا آنکہ) جب قانون خداوندی کے مطابق وقت آ گیا تو اردگرد کی پہاڑیوں سے بارش کا پانی جوش مارتا ہوا وادی میں آنا شروع ہو گیا (۱۱/۴۰)۔ اور اس نے سیلاب کی شکل اختیار کر لی۔ ہم نے نوح سے کہا کہ ہر ضرورت کی شے کے دو دو جوڑے اپنے ساتھ کشتی میں رکھ لو۔ اور اپنے "اہل و عیال" کو بھی اپنے ساتھ لے لو بجز اس کے جس کے متعلق پہلے کہا جا چکا ہے کہ وہ اپنی غلط روش کی بنا پر عذاب کا مستحق ہو چکا ہے۔ (یعنی نوح کا بیٹا۔ ۱۱/۴۵۔ اور اس کی بیوی ۶۶/۱۰)۔ نیز ان لوگوں کو بھی ساتھ لے لو جو ایمان لا چکے ہیں۔ ان کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔

۴۱ چنانچہ نوح نے ان لوگوں سے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ۔ (انہوں نے پوچھا کہ جانا کہاں ہے؟ اس پر نوح نے کہا کہ اس کی بابت مت پوچھو۔ تم سوار ہونے کی کرو) اس کشتی کو

اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰی نُوْحُ
ابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ
مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ
الْمُغْرَقِیْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی
الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ

اللہ کے نام پر چلنا ہے اور اُسی کے نام سے رکنا ہے۔ (یہ سب کچھ اس کی وحی کے مطابق ہو رہا ہے۔ البتہ اس کا یقین رکھو کہ اس سے کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ خدا کا قانونِ ربوبیت جس کے مطابق یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے) اپنے اندر سامانِ حفاظت اور ذرائع پرورش سب رکھتا ہے۔

۴۲ چنانچہ (وہ چل پڑے) ان کی کشتی انہیں ایسی تلاطم انگیز موجوں میں (بحفاظت لئے) جا رہی تھی جو پہاڑ کی طرح اٹھ رہی تھیں۔

(کشتی کے روانہ ہونے سے قبل) نوحؑ نے اپنے بیٹے کو آواز دی، جو اس کی جماعت میں شامل نہیں ہوا تھا، الگ رہا تھا، کہ بیٹا! تم بھی ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور ان انکار کرنے والوں کا ساتھ چھوڑ دو۔

۴۳ اس نے کہا کہ (تم جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔ ایسا ہی ہوگا تو) میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جو مجھے سیلاب سے بچا لے گا۔ اس پر نوحؑ نے کہا کہ بیٹا! تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ آج اس طوفان سے، جو خدا کے قانون کے مطابق آ رہا ہے، کوئی بچانے والا نہیں۔ اس سے وہی بچ سکے گا جو خدا پر ایمان لا کر اس کی رحمت کے دامن میں پناہ لے لے۔

اتنی بات ہوئی تھی کہ ان دونوں کے درمیان ایک بلند موج حائل ہو گئی، اور وہ بھی دوسروں کے ساتھ ڈوب گیا۔

۴۴ اور پھر (اللہ کا حکم ہوا کہ) اے زمین! تو اپنا پانی پی لے۔ اور اے بادلو! تم تھم جاؤ۔ چنانچہ پانی کا چڑھاؤ اتر گیا اور یوں وہ حادثہ ختم ہو گیا۔ اور نوحؑ کی کشتی صحیح وسلامت، جودی پر ٹھہر گئی۔ اور جماعت مومنین کو بتا دیا کہ وہ ظالم (جو تمہیں اس طرح تنگ کیا کرتے تھے) زندگی اور اس کی کامرانیوں سے محروم ہو چکے ہیں۔

۴۵ جب یوں اطمینان ہو گیا تو نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ اے میرے نشوونما

الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ
مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا
لَيْسَ لِىْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِىْ وَتَرْحَمْنِىْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ
بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾

دینے والے! میرا بیٹا میرے اہل سے تھا۔ اور تیرا وعدہ تھا کہ میرے اہل کو بچا لیا جائے گا۔ اور تیرے وعدے ہمیشہ سچے ہوتے ہیں اور تیرے اوپر کوئی حاکم بھی نہیں جو تیرے فیصلوں کو بدل دے۔ ان حقائق کے پیش نظر میرے بیٹے کو تو محفوظ رہنا چاہیئے تھا۔ وہ کیوں غرق کر دیا گیا!

۴۶ اس پر خدا نے کہا کہ اے نوح! (تو نے "اہل" کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا۔ وہ بیشک تیرا بیٹا تھا) لیکن تیرے اہل میں سے نہیں تھا۔ (تیرے اہل میں سے وہی ہو سکتے ہیں جن کے اعمال صالح ہوں)۔ اور اس کے اعمال غیر صالح تھے۔ ("اپنے" اور "بیگانے" کا یہ وہ معیار ہے جس کا تجھے علم نہیں تھا)۔ لہذا تجھے اس چیز کا مجھ سے مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے جس کا تجھے علم نہ ہو۔ میں تمہیں ان باتوں کی اس لئے نصیحت کرتا ہوں کہ تمہیں حقائق کا علم ہو جائے۔

۴۷ نوح نے کہا کہ اے میرے نشوونما دینے والے! میں اگر تجھ سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کر لیتا ہوں جس کا مجھے علم نہیں ہوتا (تو تو جانتا ہے کہ وہ محض ناواقفی کی بنا پر ہوتا ہے۔ کسی اور خیال سے نہیں ہوتا)۔ اس لئے مجھے توقع ہے کہ ان امور میں تیری شفقت اور رافت میری پوری طرح دیکھ بھال کرتی رہے گی اگر تیری طرف سے مجھے سامانِ حفاظت اور پرورش نہ ملیگا تو میں برباد ہو جاؤں گا۔

۴۸ ہم نے کہا کہ اے نوح! اب کشتی سے اتر پڑو کیونکہ اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ (شاید تمہارے ساتھیوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جو زمین اتنے دنوں تک غرقاب رہی ہے اس میں سامانِ زندگی کہاں سے ملے گا؟ سو اس بات کی فکر نہ کرو)۔ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو سامانِ زیست بڑی فراوانی سے ملے گا۔ باقی رہیں وہ جماعتیں جو تمہارا ساتھ نہیں دیں گی۔ سو ہمارے قانون طبیعی کے مطابق انہیں بھی دنیا کی زندگی میں سامانِ زیست ملے گا لیکن ان کا مستقبل تاریک ہوگا اور وہ آخرالامر دردناک تباہی میں مبتلا ہوں گے۔ (۱۱/۱۹ — ۱۵)۔

تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ
الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ
إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾
وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَ
لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾

۴۹ اے رسول! یہ وہ غیب کی باتیں ہیں جو ہم تمہیں بذریعہ وحی بتا رہے ہیں۔ غیب کی اس لئے کہ اس سے پہلے تم' یا تمہاری قوم' ان تفاصیل سے واقف نہیں تھی۔ اور بتا اس لئے رہے ہیں کہ تاریخ کے ان نوشتوں سے تمہارے دل کو تقویت حاصل ہو کہ ابتداءً کتنی ہی مشکلات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے' آخر الامر کامیابی اسی جماعت کی ہوتی ہے جو قوانین خداوندی کی نگہداشت کرے۔ جب حقیقت یہ ہے تو تم نہایت استقامت سے اپنے پروگرام پر عمل پیرا رہو۔ تمہاری کامیابی یقینی ہے۔

۵۰ اسی طرح 'قوم عاد کی طرف' ان کے بھائی بندوں میں سے' ہودؑ کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے ان سے کہا کہ میری قوم! تم صرف قوانین خداوندی کی محکومیت اختیار کرو۔ اُس کے سوا' کائنات میں کسی کا اقتدار نہیں۔ اس لئے تمہارا الٰہ بھی اس کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اگر تم اس کے علاوہ کوئی اور عقیدہ رکھتے ہو' تو وہ تمہارا خود ساختہ 'من گھڑت مذہب ہے۔

۵۱ اے میری قوم! میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں' اور تمہاری بہبودی کے لئے جو کچھ کرنا چاہتا ہوں' اس کے لئے میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر و معاوضہ اس خدا کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اگر تم ذرا بھی عقل و فکر سے کام لو (تو یہ بات بآسانی تمہاری سمجھ میں آجائے کہ جس بات میں ایک شخص کا کوئی ذاتی فائدہ نہ ہو' وہ اخلاص ہی پر مبنی ہوگی)۔

۵۲ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ تم اپنی غلط روش کی وجہ سے آنے والی تباہی سے بچنے کے لئے قوانین خداوندی سے حفاظت طلب کرو۔ اور اپنے تمام باطل عقائد چھوڑ کر' اس کی طرف لوٹ آؤ۔ تم اس کی شانِ ربوبیت کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح تمہاری خشک زمینوں کو بارش سے سیراب کرتا ہے جس سے تمہاری قوتیں دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ تم اسکے قوانین کی اطاعت کر کے اپنی شکر گذاری کا ثبوت دو۔ نہ یہ کہ الٹا ظلم و ستم پر اتر آؤ اور مجرمین

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ
نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ
دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِىْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ
اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ
وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّىْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۡ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾

کی طرح اس کے توانین سے مُنہ موڑ لو۔

۵۳ انہوں نے ہودؑ سے کہا کہ تم نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جسے ہم واقعی محکم دلیل سمجھیں۔ ہم اپنے معبودوں کو' محض تمہارے کہنے کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ اس لئے ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے۔

۵۴ ہمیں کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ (تم نے جو ہمارے معبودوں کی گستاخی کی ہے تو) تم پر ان میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے (جو تم اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرنے لگ گئے ہو۔ ورنہ اس سے پہلے تم اچھے بھلے تھے)۔

اس کے جواب میں ہودؑ نے صرف اتنا کہا ——— اور اس قسم کی ذہنیت رکھنے والوں سے اور کہا بھی کیا جاتا! ——— کہ میں اس پر خدا کو گواہ ٹھیراتا ہوں' اور تم بھی گواہ رہنا کہ تم غیراللہ میں سے جس جس کو اُس کا شریک قرار دیتے ہو' میں ان سے یکسر بیزار ہوں۔

۵۵ تم جو کچھ میرے خلاف کرنا چاہتے ہو' سب کے سب مل کر کر لو۔ اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (اس کے بعد دیکھو کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے!)۔

۵۶ میرا بھروسہ خدا کے قانون مکافاتِ عمل پر ہے جو بڑا ہی محکم گیر اور قابل اعتماد ہے۔ اس خدا کا قانون جو میرا اور تمہارا' سب کا نشوونما دینے والا ہے۔ تم تو ایک طرف رہے' کائنات میں کوئی ذی حیات ایسا نہیں جو اس کے قانون مکافات کی گرفت سے باہر ہو۔ میرا خدا' (حق و عدل کی) سیدھی اور توازن بدوش راہ پر ہے۔ (لہٰذا' تم بھی' اس کے پیچھے پیچھے' اسی راہ پر چلو (۱/۵)۔

۵۷ اگر تم اس راہ سے روگردانی کرو گے تو اس کے نتائج کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوگی۔ میرے ذمے فقط اتنا تھا کہ میں تم تک خدا کا پیغام پہنچا دوں۔ سو وہ میں نے پہنچا دیا۔ اب تم دیکھ لو گے کہ خدا کا قانونِ مکافات تمہیں کس طرح تباہ و برباد کر کے) تمہاری جگہ ایک اور

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۗ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ
صٰلِحًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا
فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۗ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ ۗ اَتَنْهٰىنَآ

قوم کو لے آتا ہے۔ تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ وہ ہر چیز کا نگران حال ہے۔

۵۸ چنانچہ جب اس قوم کی غلط روش کے نتائج برآمد ہونے کا وقت آگیا' تو ہم نے ہودؑ اور اسکے ساتھیوں کو' جو خدا پر ایمان لائے تھے اپنی مرحمت سے' اس سخت عذاب سے محفوظ رکھا (جس میں وہ قوم مبتلا ہونے والی تھی)۔

۵۹ یہ ہے سرگذشت قوم عاد کی' جس نے اپنے پروردگار کے قوانین سے انکار کیا اور اس کے رسولوں (کی دعوت) سے سرکشی برتی۔ اور اپنے ان سرکش اور مستبد حکام کی اطاعت کرتے رہے جو جان بوجھ کر حق کی مخالفت کرتے تھے۔

۶۰ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ' حال اور مستقبل' دونوں کی زندگی میں' نوازشات خداوندی سے محروم رہ گئے ——— یاد رکھو! یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنے نشوونما دینے والے کے قوانین سے انکار کیا تھا ——— دیکھو! قوم عاد کس طرح زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ گئی!

۶۱ اسی طرح' قوم ثمود کی طرف' اس کے بھائی بندوں میں سے' صالحؑ کو رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے بھی ان سے یہی کہا کہ تم صرف قوانین خداوندی کی محکومیت اختیار کرو۔ اس کے سوا تمہارے لئے کوئی صاحب اقتدار نہیں۔ اس نے تمہیں اس ملک میں اٹھا کھڑا کیا اور اچھی طرح آباد کیا۔ تمہیں چاہیئے کہ تمہاری غلط روش کی بنا پر' جو تباہی تم پر آنے والی ہے' اس سے بچنے کے لئے' خدا کے قوانین سے حفاظت طلب کرو۔ ہر طرف سے منہ موڑ کر اس کی طرف رجوع کرو اور یوں اس کی رحمت کے سائے تلے آجاؤ۔ یاد رکھو! وہ تم سے دور نہیں' قریب ہے۔ اور تمہاری ہر پکار کا جواب دیتا ہے۔ (۲/۱۸۶)۔

۶۲ انہوں نے کہا کہ اے صالحؑ! تم سے تو ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں (کہ تم اپنے بزرگوں کے سچے جانشین بنو گے ہمارے معبودوں کا بول بالا کرو گے۔ اپنی قابلیت سے اس مذہب کو دور دور تک پھیلاؤ گے۔ لیکن تم نے اب ایسی باتیں شروع کر دیں جن سے ہماری تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔

أَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ
بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾
وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ
قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾

تم ذرا سوچو تو سہی کہ تم ہم سے کیا کہہ رہے ہو؟ تم ہم سے یہ کہتے ہو کہ ہم انہیں اپنا معبود ماننا چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء و اجداد کرتے چلے آئے ہیں۔ جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو' ہمیں تو اس کی صداقت میں بڑا ہی شک ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہمارے دل میں بڑا اضطراب پیدا ہوتا ہے (کیونکہ وہ ہمارے اسلاف کے مسلک کے خلاف ہے)۔

۶۳ اس پر صالحؑ نے کہا کہ اے میری قوم! کیا تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ خدا نے مجھے وحی جیسی نعمتِ کبریٰ سے نوازا ہے' اور اس کی بنا پر میں صحیح راستے کی طرف راہ نمائی دینے والی روشن قندیل لئے کھڑا ہوں۔ اگر اس کے باوجود میں اس کے احکام سے سرکشی اختیار کروں تو مجھے اسکے قانونِ مکافات کی گرفت سے کون بچا لے گا؟ تم جو کچھ مجھ سے چاہتے ہو' اس سے تم میرے بھلے کی بات نہیں کرتے بلکہ سراسر تباہی کی طرف لیجاتے ہو۔

۶۴ (تم نے اس سامانِ رزق پر' جو خدا کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ ملتا ہے' اور جو تمام نوعِ انسان کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہیئے' حد بندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ تم غریبوں اور کمزوروں کے جانوروں تک کو نہ کھلی زمین میں چرنے دیتے ہو' نہ چشموں سے پانی پینے دیتے ہو۔ تم نے ان سب کو اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ دیکھو!) یہ ایک اونٹنی ہے جو کسی کی ملکیت نہیں۔ میں اس اللہ کی اونٹنی کو' اللہ کی زمین میں' کھلے چھوڑتا ہوں تاکہ یہ اس میں چرے پھرے (اور اپنی باری پر پانی پیئے ۹۱/۱۳)۔ اگر تم نے اسے اس طرح چرنے دیا تو یہ اس امر کی نشانی ہوگی کہ تم اپنی موجودہ روش سے باز آجانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ لیکن اگر تم نے اسے نقصان پہنچایا تو اس سے ظاہر ہو جائے گا کہ تم اپنی غلط روش کو چھوڑنے والے نہیں۔ اس کے بعد' تم پر تباہی کا وہ عذاب آجائے گا جس کے ظہور کا وقت کچھ دُور نہیں۔ میری آنکھیں اسے بہت قریب دیکھ رہی ہیں۔

۶۵ انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس پر صالحؑ نے کہا کہ تم اپنے گھروں میں تین دن تک اور بس لو۔ اس کے بعد تم پر تباہی آجائے گی۔ یہ ایسا وعدہ ہے جو کبھی جھوٹا ثابت نہیں ہوگا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا
اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ
فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ
خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾

(چونکہ وہ صالحؑ کی کسی بات کو سچا نہیں مانتے تھے اس لئے انہوں نے اسے بھی دھمکی ہی سمجھا)۔

۶۶ چنانچہ جب ظہورِ نتائج کا وقت آگیا تو ہم نے صالحؑ کو اور اس کے ان ساتھیوں کو جو صدقِ دل سے ایمان تھے اپنی رحمت سے اس رسوا کن عذاب سے بچا لیا۔ یقیناً تیرے خدا کا قانون بڑا ہی طاقتور اور غالب رہنے والا ہے۔

۶۷ اور ان سرکش لوگوں کو ایک زور کی کڑک (اور زلزلہ نے) آلیا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے وحرکت پڑے رہ گئے۔

۶۸ اور وہ گھر اس طرح ویران ہو گئے گویا یہ لوگ ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔
یاد رکھو! ثمود نے تو اپنے خداوند سے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کر رکھی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ گئے۔

۶۹ (اور اسی طرح قوم لوط کی تباہی ہوئی۔ ان کا قصہ یوں ہے کہ) خدا نے اپنے فرستادگان ابراہیمؑ کی طرف بھیجے جنہوں نے اسے خوشخبری دی (جس کا ذکر آگے چل کر آتا ہے)۔ انہوں نے ابراہیمؑ کو سلامتی کی دعا دی جس کے جواب میں ابراہیمؑ نے بھی ویسی ہی دعا دی۔ اور اس کے بعد بلا توقف ان کے لئے ایک بھنا بچھڑا لے آیا کہ مہمانوں کی تواضع کی جائے۔

۷۰ لیکن اس نے دیکھا کہ وہ مہمان کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے۔ اس سے وہ ان کی طرف سے بدگمان سا ہوا اور دل میں خطرہ محسوس کیا۔ (کیونکہ اس ملک کا دستور تھا کہ جو کسی کے ہاں برے ارادے سے آئے وہ اس کے ہاں کھانا نہیں کھاتا تھا)۔ جب انہوں نے ابراہیمؑ کے ان وساوس کو محسوس کیا تو اس سے کہا کہ ڈرو نہیں۔ ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں (تاکہ ان کی تباہی سے پہلے اتمام حجت ہو جائے جس طرح ثمود کی تباہی سے پہلے ناقہ صالحؑ کے ذریعے اتمام حجت ہوا تھا۔ ۵۴/۲۷)۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا
عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ
عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا
فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾

---

۷۱ ابراہیمؑ کی بیوی بھی پاس ہی کھڑی تھی۔ اسے یہ سُن کر اطمینان ہوا اور وہ جی میں خوش ہوئی کہ خطرہ کی بات کوئی نہیں۔ عین اُسی وقت ہم نے اسے اسحٰقؑ کی پیدائش کی خوشخبری دی۔ اور یہ بھی کہ اسحٰقؑ کے بعد ان کے ہاں ان کا پوتا یعقوبؑ پیدا ہوگا اور اس طرح اس سرزمین پر (قوم لوط کی تباہی کے بعد) ان کی نسل پھیل جائے گی۔

۷۲ اس پر ابراہیمؑ کی بیوی نے کہا کہ یہ تو بڑی تعجب انگیز ـــــ اور میرے لئے عجوبہ کن ـــــ بات ہے کہ میرے ہاں اس عمر میں جبکہ میں اس قدر سن رسیدہ ہو چکی ہوں' اولاد ہوگی۔ اور یہ میرے خاوند بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں اولاد کا ہونا' حیرت انگیز سی بات ہے۔

۷۳ اس پر انہوں نے کہا کہ تم اللہ کے کاموں پر تعجب کیوں کرتی ہو؟ اے اہل خانہ! یہ تو تمہارے لئے خدا کی رحمت اور برکت کی خوش خبریاں ہیں۔ اسکی رحمتوں ہی سے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر سزاوار حمد و ستائش اور کس قدر فراوانیاں عطا کرنے والا ہے۔ (۵۱/۲۹)۔

۷۴ جب ابراہیمؑ کے دل سے' ان کی طرف سے پیدا شدہ گھبراہٹ دُور ہو گئی اور بیٹے کی خوشخبری سے اور بھی اطمینان حاصل ہوا' تو قوم لوط کے متعلق ان سے سوال و جواب کرنے لگا۔ کہ انہیں کیوں ہلاک کیا جا رہا ہے۔

۷۵ اس میں شبہ نہیں کہ ابراہیمؑ بڑا متحمل مزاج تھا اس لئے وہ ذرا ذرا سی بات پر یونہی بھڑک نہیں اٹھتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ سینے میں بڑا دردمند دل رکھتا تھا جس کی وجہ سے وہ دوسروں کی مصیبت کو بڑی شدت سے محسوس کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قوم لوط کی تباہی کی خبر کو اس نے اس طرح محسوس کیا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی' اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ہر معاملہ کے فیصلے کے لئے ہماری طرف رجوع کرتا تھا۔ اس لئے اس کی رقیق القلبی' اتباع قوانین پر غالب نہیں آتی تھی۔

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ
رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ
قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ
ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾
قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ

---

۷۶ انہوں نے کہا۔ اے ابراہیمؑ! تو اس بات کا خیال چھوڑ دے (کہ وہ قوم تباہی سے بچ جائے) حقیقت یہ ہے کہ تیرے پروردگار کے قانون کے مطابق' اس قوم کے اعمال کے نتائج کے ظہور کا وقت آچکا ہے۔ اب ان پر وہ تباہی آنے والی ہے جو پلٹ نہیں سکتی۔

۷۷ چنانچہ جب ہمارے فرستادگان' ابراہیمؑ سے رخصت ہو کر' لوطؑ کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے پریشان ہو گیا' اور اپنی بے بسی کے احساس سے' دل میں کہنے لگا کہ آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے! (اس کی پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتا تھا کہ وہاں کے لوگ' نو وارد اجنبیوں سے' کس قسم کا سلوک کیا کرتے ہیں۔ اور چونکہ یہ نو وارد' آکر ٹھہرے بھی لوطؑ کے پاس تھے' اس لئے وہ اور بھی زیادہ پریشان ہو گیا)۔

۷۸ اس کی قوم کے لوگ اجنبیوں کے آنے کی خبر سن کر' بدمستی میں دوڑتے ہوئے آئے —— وہ پہلے ہی سے اس روش بد کے خوگر تھے —— لوطؑ نے انہیں (الگ لے جا کر کہا کہ ذرا سوچو تو سہی کہ تم کیا کر رہے ہو!)۔ یہ تمہاری بیویاں' جو میرے لئے بمنزلہ میری بیٹیوں کے ہیں' تمہارے لئے جائز اور مناسب ہیں۔ ان کی طرف رجوع کرنا' بڑی پاکیزہ روش ہے۔ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو' اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو۔ (یہ بڑی شرم کی بات ہے)۔ کیا تم میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو شرافت سے کام لے اور عقل و ہوش کو ہاتھ سے نہ جانے دے!

۷۹ انہوں نے کہا کہ تو جانتا ہے کہ ہمیں عورتوں سے جنہیں تو اپنی بیٹیاں کہتا ہے' کچھ دلچسپی نہیں۔ اور تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارا ارادہ کیا ہے؟

۸۰ لوطؑ نے کہا کہ اے کاش! میرے پاس تمہارے مقابلہ کی خود طاقت ہوتی' یا کوئی قوی سہارا ہوتا جس کی مدد سے میں تمہیں ان حرکات سے روک سکتا۔

۸۱ لوطؑ کے مہمانوں نے کہا کہ تم گھبراؤ نہیں۔ ہم تیرے پروردگار کے فرستادہ ہیں (اور

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ
مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا
حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ۖ مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾ وَإِلَىٰ
مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ
إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾

اتمام حجت کے لئے ان کی طرف آئے ہیں)۔ یہ لوگ تجھ پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ تو ان کی دست درازیوں سے محفوظ رہے گا۔ یوں کرو کہ جب رات کا تھوڑا سا حصہ گذر جائے تو اپنے رفقاء کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ' اور اس سرزمین سے یوں دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہو کہ پھر اس کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھو۔ تمہارے سب رفیق تمہارے ساتھ چلے جائیں گے لیکن تمہاری بیوی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔ (یہ دوسری پارٹی سے تعلق رکھتی ہے اس لئے) اسے وہی کچھ پیش آئیگا جو دوسروں کو پیش آنے والا ہے۔ ان کی تباہی کے لئے صبح کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ اور صبح ہونے میں کچھ دیر نہیں۔

۸۲ چنانچہ جب اس تباہی کا وقت آگیا تو اس بستی کی تمام بلند عمارتیں نیچے گر کر پستیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ (آتش فشاں پہاڑ کے ایک جھٹکے نے اسے تہ و بالا کر دیا) اور اس کے ہر بڑے بڑے کھینگر ان پر بارش کی طرح برسنے لگے (۵۱/۳۳) —— پیہم اور مسلسل بارش کی طرح۔

۸۳ وہ پتھر خدا کے ہاں سے موت کا پیغام بن کر ان پر نازل ہونے شروع ہو گئے۔ اس لئے کہ قانونِ مکافات کی رُو سے' تباہی کا عذاب' ظالمین سے کچھ دُور نہیں ہوتا (کہ اسے وہاں تک پہنچنے میں دیر لگے اور وہ اتنے میں اپنی حفاظت کا سامان کر لیں)۔

۸۴ اور اسی طرح ہم نے قومِ مدین کی طرف' ان کے بھائی بند' شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے بھی ان سے یہی کہا کہ تم صرف خدا کی محکومیت اختیار کرو۔ اس کے سوا تمہارے لئے کوئی صاحب اقتدار نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس وقت تو تم بڑے خوشحال ہو' لیکن تم نے اپنے معاشرہ میں' سخت معاشی ناہمواریاں پیدا کر رکھی ہیں۔ اس حالت کو بدلو اور اپنے ناپ تول کے پیمانوں کو پورا رکھو۔ ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مجھے خطرہ ہے کہ تم پر ایسی تباہی آجائے گی جو تم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی۔

وَ يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾
بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ
مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ
عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا
الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

۸۵ اے میری قوم کے لوگو! اپنے معاشی نظام کی بنیاد عدل وانصاف پر رکھو اور کسی کے حق میں کمی نہ کرو۔ ایسا کروگے تو ملک میں سخت ناہمواریاں پیدا ہوجائیں گی اور معاشرہ تہس نہس ہوجائے گا۔

۸۶ یاد رکھو! (جو کچھ تم اس طرح فریب کاری اور سلب ونہب سے جمع کر لیتے ہو' اگرچہ وہ بظاہر بہت کچھ نظر آتا ہے' لیکن وہ تمہارے لئے قطعاً نفع بخش نہیں ہوسکتا)۔ ثبات ودوام صرف ان مفادات کے لئے ہے جو قانون خداوندی کے مطابق حاصل کئے جائیں —— اور خدا کا قانون یہ ہے کہ ثبات ودوام اسے حاصل ہوسکتا ہے جو نوع انسان کے لئے منفعت بخش ہو (۱۳/۱۷)۔ لیکن یہ بات تمہاری سمجھ میں اُس وقت آسکتی ہے جب تم خدا کے قانون کی صداقت کو تسلیم کرو۔ (اگر تم اس پر یقین نہیں رکھتے تو اسے تم سے جبراً نہیں منوایا جاسکتا)۔ اس لئے کہ میں تم پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

۸۷ انہوں نے کہا کہ اے شعیبؑ! (تم جو کچھ کہتے تھے اس سے ہم نے سمجھا تھا کہ تم صرف پوجا پاٹ کا کوئی اپنا طریق لے کر آئے ہو۔ اس لئے ہم نے اس سے کچھ تعرض نہیں کیا تھا۔ ہمارے ذہن میں تھا کہ ہم اپنے آبا واجداد کے طریقے پر پوجا پاٹ کرتے رہیں گے۔ تم اپنے طریق پر کرتے رہو۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ معاملہ صرف پوجا پاٹ کا نہیں۔ تیری صلوٰۃ صرف پرستش نہیں۔ یہ تو ہماری روزمرہ کی عملی زندگی کے اُن شعبوں میں بھی دخیل ہورہی ہے جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں)۔ کیا تیری صلوٰۃ تجھ سے یہ کہتی ہے کہ ہم اُن معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے اسلاف کرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ کہ نہ ہم جس طرح ہمارا جی چاہے دولت حاصل کریں۔ اور نہ ہی جس طرح جی چاہے اُسے خرچ کریں؟ چہ خوب! اسکا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے آبا واجداد' جن سے یہ موجودہ نظام منتقل ہوکر چلا آرہا ہے' سب ظالم اور جاہل تھے۔ اور عقل وفہم' تحمل وبردباری۔ غریبوں کی ہمدردی اور غمخواری' سب تمہارے حصے میں آگئی ہے!

۸۸ شعیبؑ نے کہا کہ اے میری قوم! ذرا اس پر غور کرو کہ میرے پروردگار نے عقل وبصیرت کے

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

نمایاں راستے میرے سامنے کشادہ کر دیتے ہوں۔ اور لوٹ کھسوٹ، بد دیانتی اور بے ایمانی سے حاصل کردہ روزی کے بجائے مجھے نہایت عمدہ خوشگوار اور حلال و طیّب روزی عطا کی ہو۔ (تو میں اس کے بعد بھی تمہیں صحیح راستے کی طرف آنے کی دعوت نہ دوں؟)۔ نہ ہی میں ایسا کر سکتا ہوں کہ جن باتوں سے میں تمہیں روکتا ہوں، انہیں خود اختیار کر لوں۔ میں جو کچھ دوسروں سے کہتا ہوں خود اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ میں تو اس کا تہیہ کر چکا ہوں کہ جہاں تک میرے بس میں ہوگا، میں تمہارے غلط نظام معاشرہ کی اصلاح کروں گا۔ (میں جانتا ہوں کہ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے جن اسباب و ذرائع کی ضرورت ہے وہ سر دست مجھے میسر نہیں۔ لیکن) مجھے وہ تمام اسباب قانونِ خداوندی کے مطابق عمل کرنے سے حاصل ہو جائیں گے۔ اس کے قانون کی محکمیت پر مجھے پورا پورا بھروسہ ہے۔ اور سفرِ حیات میں میرا ہر قدم اُسی سرچشمۂ خیر و خوبی کی طرف اٹھتا ہے۔

۸۹ اے میری قوم! دیکھنا! میری مخالفت میں تم کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھنا جس سے تمہارا بھی وہی حشر ہو جائے جو نوحؑ۔ ہودؑ یا صالحؑ کی قوم کا ہوا تھا۔ یا قومِ لوطؑ کا سا حال، جس سے تم اچھی طرح باخبر ہو کیونکہ وہ کچھ زیادہ عرصہ کی بات نہیں۔ نہ ہی ان کی تباہ شدہ بستیاں تم سے کچھ زیادہ دُور واقع ہوئی ہیں۔

۹۰ تم اپنی موجودہ غلط روش کے تباہ کن نتائج سے اس طرح بچ سکتے ہو کہ تم اس راستے کو چھوڑ کر خدا کے راستے کی طرف آجاؤ۔ اور سلب و نہب کے موجودہ نظام کی جگہ خدا کا نظامِ ربوبیت قائم کر کے اس سے اپنی حفاظت کا سامان طلب کرو ——— وہ نظامِ خداوندی نہایت شفقت آمیز انداز سے سامانِ رحمت عطا کرتا ہے۔

۹۱ انہوں نے کہا کہ اے شعیبؑ! پہلی بات یہ ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس میں سے بہت ہی باتیں ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں! اس لئے انہیں ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ تم کوئی ایسے صاحبِ قوت و اقتدار بھی نہیں کہ اسکی وجہ سے ہم تمہاری باتوں کو مجبوراً مان لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں محض تمہاری برادری کا لحاظ ہے۔ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ نہ ہوتے

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۹۲
وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ
وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝۹۳ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ
اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۹۴ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا
لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝۹۵ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۹۶ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ

تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور تم ہمارا کچھ بھی بگاڑ نہ سکتے۔

۹۲ شعیبؑ نے کہا کہ اچھا! تمہیں خدا کے قانونِ مکافات کا کوئی ڈر نہیں۔ ڈر ہے تو میری برادری کا ہے۔ میں اب سمجھا کہ تم جو خدا کا نام لیتے رہتے ہو' وہ محض برائے وزنِ بیت ہے۔ تم نے اسے بطور (EXTRA) اپنے ساتھ رکھ چھوڑا ہے' کہ جب اور کوئی ذریعہ باقی نہ رہے تو اس سے کام لے لیا جائے' ورنہ مدد اور سہارے کے لئے تمہاری نگاہیں اور ہی طرف اٹھتی ہیں۔ حالانکہ اگر تم آنکھیں رکھتے تو تمہیں نظر آجاتا کہ خدا کا قانونِ مکافات تمہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

۹۳ بہرحال میں نے سمجھ لیا ہے کہ وعظ و نصیحت کا تم پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اب میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ تم اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتے جاؤ اور مجھے میرے پروگرام کے مطابق کام کرنے دو۔ نتائج بہت جلد بتا دیں گے کہ وہ کون ہے جس پر رسوا کن تباہی کا عذاب آتا ہے۔ اور کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔

تم بھی انتظار کرو۔ میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

۹۴ چنانچہ جب ظہورِ نتائج کا وقت آگیا تو ہم نے شعیبؑ اور اسکے رفقاء کو جو اسکے ساتھ ایمان لائے تھے' اپنی رحمت کے مطابق بچا لیا اور جن لوگوں نے سرکشی اختیار کر رکھی تھی انہیں زلزلہ کے سخت عذاب نے گھیر لیا۔ اور جب صبح ہوئی تو دیکھا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں بے حس و حرکت پڑے تھے۔

۹۵ اور ان کے گھر اس طرح ویران ہو چکے تھے گویا ان میں کبھی کوئی بستا ہی نہ تھا۔

دیکھو! اہلِ مدین بھی اس طرح زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ گئے' جس طرح ان سے پہلے قوم ثمود محروم رہ گئی تھی۔

۹۶ اور اسی طرح ہم نے موسیٰؑ کو اپنے قوانین' اور واضح سند (اتھارٹی) دے کر فرعون اور
۹۷ اسکے سرداروں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے موسیٰؑ کی بات نہ مانی اور فرعون کا حکم مانتے رہے حالانکہ

مَلَإِيْهِ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ
النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ
مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَاۗىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ
عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾
وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

فرعون کے احکام یکسر استبداد پر مبنی تھے اور انہیں عقل و بصیرت سے بھی کوئی واسطہ نہ تھا۔

۹۸ (ہم نے موسیٰؑ سے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں) جب بنی اسرائیل تمہارے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں گے تو یہ (فرعونؑ) ان کی مخالفت میں اپنی قوم کو لے کر نکلے گا اور خود ان کی قیادت کرے گا اور اس طرح انہیں تباہی اور بربادی کے گھاٹ پر لے جائے گا' اور وہ بہت ہی برا گھاٹ ہوگا جس پر یہ لوگ پہنچیں گے (۱۱/۲۸)۔ یہی حالت ان کی آخرت کی زندگی میں ہوگی جہاں یہ (فرعون) اپنی قوم کو جہنم تک پہنچا دے گا۔

۹۹ چنانچہ یہی ہوا۔ وہ قوم اس دنیا میں بھی زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہو گئی اور مستقبل کی زندگی کی شادابیوں سے بھی۔ یہ کیسا نا خوشگوار صلہ ہے جو کسی کو اس کی جدوجہد کا ملے۔ (لیکن جب جدوجہد ہی غلط ہو تو اس کا صلہ کس طرح خوشگوار مل جائے؟)۔

۱۰۰ یہ اقوام گزشتہ میں سے چند ایک کی سرگذشت ہے جسے ہم تم سے بیان کر رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ آبادیاں تو ابھی تک موجود ہیں اور باقی اجڑ چکی ہیں۔

۱۰۱ (تم نے ان کے حالات سے دیکھ لیا ہوگا کہ) ہم نے ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی۔ انہوں نے خود ہی اپنے اوپر زیادتی کی (جو قوانین خداوندی کو چھوڑ کر غیر خداوندی قوتوں کی اطاعت اختیار کر لی)۔ سو جب ان کے اعمال کے نتائج کے ظہور کا وقت آ گیا تو وہ جن غیر خداوندی قوتوں کے احکام کی اطاعت کیا کرتے تھے اور انہیں اپنا خدا سمجھے بیٹھے تھے' وہ ان کے کسی کام بھی نہ آ سکیں۔ ان کی اطاعت اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکی کہ الٹا ان کی تباہی کا موجب بن جائے۔

۱۰۲ (لہٰذا' تاریخ کے ان نوشتوں سے تم اس محکم اصول کو یاد رکھو کہ) جب بھی کوئی قوم ظلم و سرکشی پر اتر آئے' تو خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت اسے پکڑ لیتی ہے۔ اور یہ گرفت بڑی سخت اور الم انگیز ہوتی ہے۔

لِمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ
مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ
لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ
رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۳ اقوام گذشتہ کی ان داستانوں میں' اور قانونِ مکافات کے اس غیر متبدل اصول میں جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے' اس قوم کے لئے واضح دلائل ہیں جو مستقبل کی تباہ کاریوں اور بربادیوں کے احساس سے خائف رہتی ہے اور اس سے بچنا چاہتی ہے۔
(اسی محکم قانون کے مطابق اس قوم کا بھی حشر ہوگا جو' اے رسول! تیری دعوت کی اس طرح مخالفت کر رہی ہے)۔ ان کی اس روش کے نتائج اُس دن سامنے آئیں گے جب دونوں فریق' ایک میدان میں' ایک دوسرے کے مقابل جمع ہوں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جب اعمال کے نتائج مشہود طور پر سامنے آجائیں گے۔ (یعنی اس انداز سے جسے سب محسوس طور پر دیکھ لیں)۔

۱۰۴ ہم اپنے قانونِ مہلت کے مطابق' اس دن کو ایک مدتِ معینہ کے لئے ملتوی کر رہے ہیں۔ (لیکن یہ آکر ضرور رہے گا)۔

۱۰۵ اُس وقت سب فیصلے قانونِ خداوندی کے مطابق ہوں گے' اور کوئی شخص اُسکے خلاف بات تک نہیں کر سکے گا۔ (آج کی طرح نہیں کہ جس نے کچھ قوت فراہم کر لی اس کی بات قانون بن گئی)۔
اُس وقت' دونوں گروہ نکھر کر الگ ہو جائیں گے (۳۶/۵۹) —— ایک وہ جو زندگی کی خوشگواریوں اور سرفرازیوں سے محروم رہ جائیں گے۔ یہ بڑے ہی بدقسمت ہوں گے۔ دوسرے وہ جو ان خوشگواریوں سے بہرہ یاب ہوں گے۔ یہ بڑے خوش بخت ہوں گے۔

۱۰۶ زندگی کی شادابیوں سے محروم رہ جانے والوں کی سعی و عمل کی کھیتیاں جھلس کر رہ جائیں گی (کہ وہ عمل تھے ہی ایسے نتائج پیدا کرنے والے)۔ اور ان کے لئے عمر بھر کا چیخنا چلّانا اور واویلا کرنا ہوگا (۲۱/۱۰۰)۔

۱۰۷ یہ وہ قومیں ہیں جن میں دوبارہ زندہ ہونے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے ان پر ہمیشہ کے لئے تباہی مسلط ہو جاتی ہے۔ یہ قوانین تیرے پروردگار نے کائنات کے کلی پروگرام

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً
غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِنَّا
لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ
بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۲﴾

کو سامنے رکھ کر اپنے اختیار و ارادہ سے بنائے ہیں' اس لئے نہ ان میں کوئی دخل دے سکتا ہے' نہ ان پہ معترض ہو سکتا ہے۔

۱۰۸ ان کے برعکس' خوش بخت قوم' زندگی کی خوشگواریوں سے شاد کام ہو گی' اور ان خوشگواریوں کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہو گا (۹۵)۔
یہی تقسیم اس زندگی کے بعد بھی قائم رہے گی۔ بدبخت جہنم میں ہوں گے' اور خوش بخت جنت میں۔

۱۰۹ سو یہ لوگ' جو خدا کو چھوڑ کر' دوسری قوتوں کے سامنے جھکتے ہیں' ان کے انجام کے متعلق تم اپنے دل میں ذرا سا شبہ پیدا نہ ہونے دو۔ یہ انہی قوتوں کی اطاعت کرتے ہیں جن کی اطاعت ان کے وہ آباء واجداد کرتے تھے (جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ سو جس قسم کا انجام اُن کا ہوا' اُسی قسم کا ان کا ہو گا)۔ ہمارا قانونِ مکافات' ہر عمل کا بدلہ' بلا کم و کاست' پورا پورا' دیدیا کرتا ہے۔

۱۱۰ اس سے پہلے' کتاب موسیٰؑ میں بھی ہم نے یہی کچھ کہا تھا۔ لیکن اس میں اختلاف پیدا کر دیا گیا (یہی وہ' ان کا' خود پیدا کردہ اختلاف ہے جس کی بنا پر یہ یہود تمہاری مخالفت کر رہے ہیں)۔ اگر تمہارے پروردگار کے قانون مکافات میں مہلت اور تدریج کی گنجائش نہ رکھی گئی ہوتی' تو ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا۔ یہ لوگ (اسی مہلت کی وجہ سے) اس قانون کی نتیجہ خیزی کے متعلق شبہ میں پڑ گئے اور ایک عجیب قسم کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔

۱۱۱ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ تیرے پروردگار کا قانونِ مکافات' ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے کر رہتا ہے۔ وہ ہر ایک کے عمل سے باخبر ہے۔

۱۱۲ لہٰذا' تم ان کے متعلق کوئی تشویش نہ کرو۔ تم' اور تمہارے ساتھ وہ لوگ جو اپنی غلط روش کو چھوڑ کر' سیدھے راستے پر آ جاتے ہیں' اور یوں تمہاری جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں' سب کے

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾
وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ

سب' اس توازن بدوش انقلاب کی راہ پر ثابت قدم رہو' جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے ـــــ پھر سن لو کہ اس میں' توازن اور اعتدال کو ہمیشہ ملحوظ رکھو اور حدود سے تجاوز نہ کرو۔ خدا کا قانون مکافات تمہارے اعمال پر بھی کڑی نگاہ رکھتا ہے۔

۱۱۳ (یہ لوگ تم سے مفاہمت کی بھی کوشش کریں گے اور چاہیں گے کہ کچھ تم پیچھے ہٹو' کچھ یہ آگے بڑھیں اور اس طرح مصالحت کر لی جائے۔ ۱۰/۱۵ و ۱۷/۴۲ ؛ ۶۵/۹۔ لیکن تم ہرگز ایسا نہ کرنا) اور یہ لوگ جو قانون خداوندی سے سرکشی برت رہے ہیں' ان کی طرف بالکل نہ جھکنا۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم بھی تباہی کی آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ جاؤ گے۔ اس تباہی سے بچانے والا صرف خدا کا قانون ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی حامی و ناصر نہیں۔ اگر اسکا سررشتہ ہاتھ سے چھوٹ گیا تو پھر کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

۱۱۴ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ تم اجتماعات صلوٰۃ کا نہایت پابندی سے اہتمام کرتے رہو ـــــ صبح' شام' رات گئے۔ اس سے معاشرہ کی تشکیل صحیح متوازن خطوط پر ہو جائیگی اور وہ ہمواریاں پیدا ہو جائیں گی جو تمام سابقہ ناہمواریوں کو دور کر دیں گی ـــــ یاد رکھو! ناہمواریاں دور کرنے کا طریق ہی یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہمواریاں پیدا کر دی جائیں۔ تخریبی کارروائیوں کے نقصان رساں اثرات مٹتے ہی تعمیری کاموں سے ہیں ـــــ یہ ہر اس قوم کے لئے محکم اصول حیات ہے جو قوانین خداوندی کو اپنے سامنے رکھنا چاہتی ہے۔

۱۱۵ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس پروگرام پر نہایت استقامت سے کاربند رہا جائے۔ (کیونکہ اس کے نتائج ایک وقت کے بعد جا کر برآمد ہوں گے)۔ یہ استقامت اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ تمہارا اس حقیقت پر ایمان محکم ہو کہ' جو قوم خدا کے تجویز کردہ پروگرام پر حسن کارانہ انداز سے عمل پیرا ہو' اس کی محنت کبھی ضائع نہیں جاتی۔ اسکے نتائج مرتب ہونے میں وقت تو لگتا ہے' لیکن اس کی محنت رائگاں نہیں جا سکتی ـــــ یہ' اس حقیقت پر یقین ہی ہے جو اس صبر آزما مرحلہ میں' کسی کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آنے دیتا۔

۱۱۶ (ان تمام تفاصیل کے بعد' جو اوپر دی گئی ہیں' تم دیکھو کہ اقوام گزشتہ کے احوال کو الف

يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَ
كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١١٧﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ
النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ
لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾

سے تم کس نتیجہ پر پہنچتے ہو؟ اسی نتیجہ پر کہ) جن لوگوں کو ہم تباہی سے بچا لیتے تھے' ان میں سے بھی (بعد میں) صرف معدودے چند ایسے رہ جاتے تھے جو اپنے مفاد کو قانون خداوندی کے مطابق حاصل کرنے کی کوشش کرتے (۱۱/۱۱۶)۔ اور لوگوں کو' ملک میں ناہمواریاں پیدا کرنے سے روکتے۔ ورنہ باقیوں کا تو یہ حال تھا کہ وہ' قوانین خداوندی سے سرکشی برت کر' اپنی اپنی مفاد پرستیوں کے پیچھے لگے رہتے۔ اور دوسروں کا سب کچھ لوٹ کھسوٹ کر لے جاتے تاکہ اُن کی آسودگیوں' اور تن آسانیوں میں فرق نہ آنے پائے (خواہ باقی انسانوں پر کچھ ہی کیوں نہ گزرے)۔ یہ تھے ان کے جرائم جن کی وجہ سے ان پر تباہی آتی تھی۔

۱۱۷ یاد رکھو! خدا نے کبھی ایسا نہیں کیا (نہ ہی وہ ایسا کرتا ہے) کہ کسی بستی کو یونہی (اندھا دھند) ظلم و زیادتی سے تباہ کر دے' درانحالیکہ اس کے رہنے والے اپنے' اور دوسرے لوگوں کے حالات کو سنوارنے والے ہوں۔

۱۱۸ (اس سے شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ خدا نے ایسا سلسلہ کیوں رکھا ہے کہ لوگ حق و صداقت کی مخالفت کرتے ہیں اور اس طرح باہمی کشمکش پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اس نے ایسا کیوں نہیں کر دیا کہ سب انسان ایک ہی راستے پر چلتے۔ سو جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے ۵/۴۸)۔ خدا کے لئے یہ قطعاً مشکل نہیں تھا کہ وہ انسانوں کو بھی' کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح' بلا اختیار و ارادہ پیدا کر دیتا اور اس طرح وہ سب' مجبوراً' ایک ہی راہ پر چلے جاتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے انسانوں کو صاحب اختیار و ارادہ پیدا کیا ہے جس کی وجہ سے وہ باہمد گر اختلاف کرتے ہیں۔

۱۱۹ ان اختلافات سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ لوگ' قوانین خداوندی کا اتباع کریں (۲/۳۸ — ۳۶)۔ ایک صاحب اقتدار ہستی کے قانون کا اتباع کرنے سے اختلافات خود بخود مٹ جاتے ہیں۔ یہ خدا کی رحمت ہے کہ اس نے ایسا قانون بھی عطا کر دیا ہے۔ انسان کو اس

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ
وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ ﴿١٢١﴾ وَ
انتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ

انداز سے پیدا کرنے کا مقصد ہی یہ تھا (۵/۴۸) کہ وہ اپنے اختیار وارادہ سے، قانونِ خداوندی کے اتباع سے اپنے اختلافات مٹا کر ایک امت بن کر رہے۔ ایسا بالآخر ہو کر رہے گا۔ (۲/۲۱۳؛ ۱۰/۱۹)۔ لیکن (اس دوران میں، جو لوگ علم وبصیرت سے کام لینے کے بجائے اپنے جذبات کے پیچھے لگے رہیں گے (۷/۱۷۹) وہ تباہیوں اور بربادیوں کے جہنم میں جائیں گے — خواہ وہ شہروں کی مہذب آبادی سے متعلق ہوں یا بدوی اور صحرائی زندگی بسر کرتے ہوں — یہ ہمارا اٹل قانون ہے (اور تاریخ کے نوشتے اس کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ کس طرح صحیح ثابت ہوتا چلا آرہا ہے)۔

۱۲۰ اے رسول! ہم تمہیں (اقوامِ سابقہ اور) انبیائے گزشتہ کی یہ داستانیں اس لئے سناتے رہتے ہیں کہ اس سے تمہارا دل مضبوط ہو۔ اس قرآن میں ہم نے تمام حقائق (واضح انداز میں) بیان کر دیئے ہیں۔ یہ حقائق اور اس کی اخلاقی قدریں، جماعتِ مومنین کو اس حقیقت کی یاد دلاتی ہیں (کہ ان کی زندگی کا نصب العین کیا ہے اور وہ کس طرح سے حاصل ہوگا)۔

۱۲۱ (اے رسول! ان دلائل وبراہین اور تاریخی شواہد کی روشنی میں، تم بھی اپنے مخالفین سے کہدو، جس طرح انبیائے سابقہ نے کہا تھا۔ (۱۱/۱۲۱) کہ تم اپنے پروگرام پر عمل کرتے رہو۔ ہم اپنے پروگرام پر عمل کرتے رہیں۔

۱۲۲ اس کے بعد تم بھی نتائج کا انتظار کرو۔ ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

۱۲۳ (تمہارا یہ چیلنج اس خدا کے اٹل قانون پر مبنی ہے) جس کے تجویز کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کی ہر شے مصروفِ عمل ہے اور تمام معاملات کا فیصلہ اُس کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ (اس لئے ہو نہیں سکتا کہ اس کے جس پروگرام کی تکمیل کے لئے تم اٹھے ہو، وہ کامیاب نہ ہو)۔ بس تم اُس کے قوانین کی کامل اطاعت کرتے رہو اور ان کی نتیجہ خیزی پر پورا پورا بھروسہ کرو۔ یاد رکھو! تمہارا پروردگار کسی کے

عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٢٣﴾

عمل سے بے خبر نہیں ہوتا کہ اس کا نتیجہ مرتب ہونے سے رہ جائے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ
الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۳ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ
يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ

خدائے علیم و حکیم کا ارشاد ہے کہ

۱ یہ ایک واضح ضابطہ قوانین کی آیات ہیں۔

۲ ہم نے قرآن کو واضح اور فصیح اس لئے بنایا ہے کہ تم اچھی طرح سمجھ بوجھ سے کام لے سکو۔

۳ اے رسول! ہم اس قرآن کو تم پر وحی کے ذریعے نازل کر کے تم سے انبیائے سابقہ اور اقوام گزشتہ کی سرگذشتیں بہترین طریق پر بیان کرتے ہیں۔ وہ سرگزشتیں جن سے تم نزولِ قرآن سے پہلے باخبر نہیں تھے۔ (انہی میں یوسفؑ کی سرگذشت ہے جسے اب بیان کیا جاتا ہے)۔

۴ آغاز داستان اُس وقت سے ہوتا ہے جب یوسفؑ نے اپنے باپ (یعقوبؑ) سے کہا کہ میں نے (خواب میں ۱۲/۱۰۰) دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے ہیں۔ اور چاند اور سورج یہ سب میرے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔

۵ باپ نے بیٹے سے کہا کہ اس خواب کو اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا (جو سوتیلے تھے ۱۲/۵۹) ورنہ وہ تیرے خلاف کسی منصوبے کی خفیہ تدبیریں کرنے لگ جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان (حسد و عداوت کا جذبہ) انسانوں میں تفرقہ پیدا کر کے، بھائی کو بھائی کا

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ
رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ
مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝
اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝ اقْتُلُوْا
يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ
لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝

بیری بنا دیتا ہے۔

۶ مجھے نظر آتا ہے کہ تیرا پروردگار تجھے کسی عظیم مقصد کے لئے منتخب کریگا اور تجھے ایسی فراست وبصیرت عطا کردے گا کہ تیری نگاہ معاملات کے انجام وماٰل تک فوراً پہنچ جائے۔ وہ تجھے اپنی عنایات سے سرفراز کرے گا۔ اور تیرے ذریعے یعقوبؑ کے گھرانے پر اتمام نعمت کرے گا' جس طرح اس نے' اس سے قبل' تیرے آباء واجداد —— ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ —— پر اتمام نعمت کیا تھا یقیناً تیرا پروردگار ہر بات سے واقف ہے اور اسکے فیصلے حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

۷ (آگے بڑھنے سے پہلے' اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اس قصہ سے یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کی آویزش کی داستان بیان کرنا مقصود نہیں) اس میں ہر اس شخص کے لئے عبرت وموعظت کی واضح نشانیاں ہیں جو اپنے آپ کو ان نشانیوں کا ضرورتمند سمجھے۔

۸ برادرانِ یوسفؑ' آپس میں کہا کرتے تھے کہ یہ عجیب بات ہے کہ' ہمارا باپ' ہماری نسبت یوسفؑ اور اس کے (حقیقی) بھائی سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ حالانکہ ہمارا جتھہ بڑا ہے' اور اس اعتبار سے ہماری قوت بھی بہت زیادہ ہے۔ یقیناً اس باب میں ہمارا باپ بڑی غلطی کرتا ہے۔

۹ چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اس مصیبت کا حل یہ ہے کہ یوسفؑ کو قتل کر دیا جائے یا کسی دور دراز جگہ پھینک دیا جائے تاکہ اسکے بعد' باپ کی ساری توجہ ہماری طرف مبذول رہے اور ہمارے سارے کام سنور جائیں۔

۱۰ ان میں سے ایک نے کہا کہ یوسفؑ کو قتل مت کرو۔ اگر تم نے اسکے خلاف ضرور کچھ کرنا ہی ہے تو اسے کسی (اندھے) کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو۔ کوئی راہ گیر قافلہ اِدھر سے

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا
لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾
قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ
فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً
يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ
لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

گذرتا ہوا اسے نکال کر لے جائے گا' اور اس طرح تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

۱۱ (چنانچہ اس اسکیم کو سب نے پسند کیا اور) باپ کے پاس آکر کہنے لگے کہ ابا جان! یہ کیا بات ہے کہ آپ یوسفؑ کے معاملہ میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے (اور اُسے ہمارے ساتھ کہیں آنے جانے نہیں دیتے) حالانکہ ہم اس کے دلی خیر خواہ ہیں۔

۱۲ ہم کل باہر جا رہے ہیں۔ اسے بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ یہ کھائے' پیئے۔ کھیل تفریح کرے۔ ہم سب اسکی حفاظت کریں گے۔

۱۳ باپ نے کہا کہ (بے اعتمادی کی بات نہیں) مجھے خطرہ یہ ہے کہ تم اسے جنگل میں سیر تفریح کے لئے ساتھ لے جاؤ' اور ذرا سی غفلت برتو' تو اسے بھیڑیا کھا جائے۔

۱۴ انہوں نے کہا کہ ابا جان! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ اگر ہمارے اتنے بڑے جتھے کی موجودگی میں بھی اسے بھیڑیا کھا گیا (تو حیف ہے ہمارے جینے پر!) اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہم بالکل ہی گئے گذرے ہو گئے۔

۱۵ چنانچہ وہ یوسفؑ کو ساتھ لے گئے اور سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ اسے گہرے کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔ (عین اس وقت جب وہ یوسفؑ کو کنوئیں میں گرا رہے تھے) ہم نے اُسے وحی کے ذریعے بتا دیا کہ (تم بالکل نہ گھبراؤ۔ تم صحیح وسلامت رہو گے۔ اور اس کے بعد ایک دن ایسا آئیگا کہ) تم انہیں بتاؤ گے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ کیا کیا تھا۔ اور ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا (کہ تم زندہ کیسے رہ گئے اور اس مقام تک کیسے پہنچ گئے)۔

۱۶ (یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈال دینے کے بعد) وہ رات کو اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔

۱۷ اور کہا کہ ابا جان! ہم جنگل میں گئے تو یوسفؑ کو سامان کے پاس بٹھا دیا' اور ہم

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ
عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ
بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ
مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ

دوڑ میں مصروف ہو گئے کہ دیکھیں کون آگے نکلتا ہے۔ اتنے میں ایک بھیڑیا آیا اور اس نے یوسفؑ کو پھاڑ کھایا۔

ہم جانتے ہیں کہ خواہ ہم کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں، آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے (لیکن واقعہ یہی ہے جو ہم نے آپ سے بیان کر دیا ہے)۔

۱۸ اور وہ یوسفؑ کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر بھی ساتھ لے آئے تھے۔ (باپ نے اس داستان کو سن کر اور کرتے کو دیکھ کر کہا کہ یوسفؑ کو بھیڑیے نے بالکل نہیں کھایا۔ یہ سب تمہاری خود ساختہ کہانی ہے) جسے تمہارے فریب نفس نے تمہیں بڑا خوشنما بنا کر دکھایا ہے (کہ یہ تدبیر بڑی کامیاب رہے گی)۔ بہرحال میرے لئے یہی بہتر ہے کہ میں صبر اور ہمت سے کام لوں (اور گھر کا شیرازہ بکھرنے نہ دوں) اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر خدا سے مدد مانگوں۔

۱۹ اُدھر ایسا ہوا کہ جنگل میں ایک قافلہ آیا اور انہوں نے اپنے پیش رس کو پانی کی تلاش میں بھیجا۔ وہ اس کنوئیں پر پہنچا اور اس میں ڈول لٹکایا۔ (نیچے سے یوسفؑ نے آواز دی۔ اس نے کنوئیں میں جھانکا تو دیکھا کہ وہاں ایک لڑکا ہے)۔ اس نے دوسرے افراد کارواں کو آواز دی اور کہا کہ ایک خوشخبری سنو! کنوئیں سے ایک لڑکا ملا ہے۔ انہوں نے اسے چھپا کر رکھ لیا کہ کہیں دور لے جا کر فروخت کریں گے۔

۲۰ قافلہ والوں نے یوسفؑ کو (مصر کے بازار میں) ظلم و تعدی سے (جیسا کہ غلاموں کی خرید و فروخت میں ہوا کرتا تھا) معمولی سی قیمت پر، جو چند درہموں سے زیادہ نہ تھی، بیچ ڈالا۔ انہوں نے اسکی فروخت میں بے رغبتی سے کام لیا، (اس لئے کہ ایک تو انہیں یہ مال مفت ملا تھا۔ اور دوسرے انہیں خیال ہو گا کہ اس کا کوئی دعویدار نکل آیا تو مشکل ہو جائے گی)

۲۱ جس شخص نے یوسفؑ کو خریدا تھا وہ (اسے اپنے گھر لے آیا اور) اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ (اس لڑکے کے ساتھ عام غلاموں کا سا برتاؤ نہ کرنا بلکہ) اسے عزت کے ساتھ رکھنا (کیونکہ اس کے

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ

چہرے بشرے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اچھے گھرانے کا لڑکا ہے۔ اس لئے) ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے کسی فائدے کا موجب بن جائے۔ یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔

اس طرح، ہم نے سرزمینِ مصر میں یوسفؑ کے پاؤں جما دیئے اور ایسا انتظام کر دیا کہ اس کی اچھی طرح سے تعلیم و تربیت ہو جائے اور اس میں معاملہ فہمی اور واقعات سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ اللہ اپنی اسکیموں کو کامیاب بنا کر رہتا ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں (کہ ایسا کیوں اور کس طرح ہو رہا ہے)۔

۲۲ چنانچہ جب یوسفؑ (اس قسم کے ماحول میں تربیت پا کر) جوان ہوا تو وہ کارفرمائی اور جہانداری کے سلیقوں سے واقف اور علم و بصیرت کی فراوانی سے مالا مال تھا۔ (یہ وہ چیزیں تھیں جو اسے اپنی صحرائی زندگی میں میسر نہیں آ سکتی تھیں)۔ لیکن اسے یہ حاصل اس لئے ہو گئیں کہ اس نے یہاں نہایت حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کی تھی۔

جو لوگ بھی اس طرح زندگی بسر کریں، انہیں اسکا ایسا ہی صلہ مل سکتا ہے۔ (وحی البتہ اس طرح نہیں مل سکتی)۔

۲۳ اور جس عورت کے گھر میں یوسفؑ رہتا تھا (یعنی عزیز کی بیوی) وہ اس پر ریجھ گئی، لیکن یوسفؑ کی نیت میں کبھی خرابی پیدا نہ ہوئی۔ بالآخر اس عورت نے تہیہ کر لیا کہ اسے بہلا پھسلا کر زبردستی کر دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف اس کی بات مان لے۔ چنانچہ اس نے ایک دن مکان کے تمام دروازے بند کر لئے اور یوسفؑ سے کہا کہ ادھر آؤ۔

یوسفؑ نے کہا کہ معاذ اللہ! (مجھ سے ایسی بات کبھی نہیں ہو سکتی)۔ میرے پروردگار نے مجھے سیرت و کردار کے ایسے بلند اور حسین مقام پر پہنچا دیا ہے۔ (کیا تو مجھے اس مقام سے نیچے گرانا چاہتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا)۔ یہ تو کھلی ہوئی حدود فراموشی ہے۔ اور حدود فراموش انسان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۲۴ لیکن وہ عورت اس بات کا تہیہ کر چکی تھی، اور اس نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ

رَبِّيْ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ
قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ
اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ
قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اگر یوسفؑ (کی جگہ کوئی اور ہوتا جس) کے سامنے اپنے پروردگار کی درخشندہ و تابندہ اخلاقی قدر نہ ہوتی تو وہ بھی اس پر آمادہ ہو جاتا۔ اس اخلاقی قدر کے پیش نظر رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس بے حیائی کے کام سے مجتنب رہا اور برائی کا مرتکب نہ ہوا' اور یوں اس نے اپنے حسن سیرت سے ثابت کر دیا کہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔

۲۵ یوسفؑ دروازے کی طرف بھاگا کہ کسی طرح باہر نکل جائے' اور وہ عورت اس کے پیچھے بھاگی کہ اسے نکلنے نہ دے۔ عورت نے پیچھے سے یوسفؑ کا کرتہ پکڑ لیا لیکن یوسفؑ تیزی سے آگے بڑھ گیا اور اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا۔

یوسفؑ نے لپک کر دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ سامنے اس عورت کا خاوند کھڑا ہے۔ (اس عورت نے ایک سیکنڈ میں بات بنائی اور جھٹ سے اپنے خاوند سے کہا کہ) جو شخص تیری بیوی سے بدکاری کا ارادہ کرے' اس کی سزا کیا ہونی چاہیئے؟ کیا اس کی سزا یہ نہیں ہونی چاہیئے کہ اسے جیل خانہ بھجوا دیا جائے؟ یا اُسے کوئی اس سے بھی زیادہ الم انگیز سزا دی جائے!

۲۶ یوسفؑ نے کہا کہ (یہ جھوٹ بولتی ہے۔ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ میں نے دست درازی نہیں کی۔ بلکہ) اس نے خود چاہا کہ مجھے میری مرضی کے خلاف' اس فعل شنیع پر آمادہ کر لے۔ (میں تو اس سے پیچھا چھڑا کر بھاگا تھا)۔

۲۷ (بات آگے بڑھی تو) خود اس عورت کے خاندان میں سے ایک حق پسند نے یہ فیصلہ دیا کہ اگر یوسفؑ کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے تو یہ عورت سچی ہے اور یوسفؑ جھوٹا۔ اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی اور یوسفؑ سچا ہے۔

۲۸ چنانچہ جب کرتے کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا تھا۔ (اس سے واضح ہو گیا کہ یوسفؑ سچا ہے اور عورت جھوٹی)۔ اس پر اُس عورت کے خاوند نے (بیوی سے) کہا تم عورتیں بڑی مکار ہوتی ہو

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۖ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿٢٩﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي
الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾ فَلَمَّا
سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ
عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا ۚ إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾
قَالَتْ فَذَٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ

تمہاری مکاریوں سے خدا کی پناہ! تمہاری چالیں کس قدر گہری اور تمہارے فریب کس قدر خطرناک ہوتے ہیں!

۲۹ بیوی سے یہ کہا۔ اور یوسفؑ سے کہا کہ (میاں صاحبزادے!) اس معاملہ سے درگذر کرو۔ (اس پر مٹی ڈالو۔ عورتیں ہوتی ہی ایسی ہیں۔ کیا کیا جائے)۔
پھر بیوی سے کہا کہ تم خطاکار ہو۔ یوسفؑ سے اپنے قصور کی معافی مانگو۔

۳۰ جب اس واقعہ کا چرچا ہوا تو شہر کی عورتوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ انہوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی نے اپنے غلام پر ڈورے ڈالنے شروع کئے ہیں۔ وہ اس کی محبت میں دیوانی ہو رہی ہے۔ لیکن اس کے لئے اس نے جو طریقہ اختیار کیا وہ غلط تھا (اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کا مقصد حاصل نہ ہوا۔ غلام بری الذمہ قرار پاگیا اور وہ مجرم ثابت ہوگئی۔ اسے یوں نہیں، یوں کرنا چاہئے تھا جس سے یا تو مقصد براری ہو جاتی اور یا غلام، مجرم قرار پاجاتا)۔

۳۱ جب عزیز کی بیوی نے ان کی تدبیر سنی (تو اس نے کہا کہ اسے بھی آزما دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ) اس نے انہیں (رازدارانہ طریق سے) کھانے پر بلایا۔ ان کے لئے مسندیں بچھادی گئیں اور چھریاں (چھپے وغیرہ) سامنے رکھ دیئے گئے۔ پھر اس نے یوسفؑ کو بلایا۔ (چنانچہ انہوں نے وہ سب کچھ کر دیکھا جس کے لئے اس قدر اہتمام کیا گیا تھا۔ لیکن ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اس پر وہ یوسفؑ کی سخت گیر سیرت کی قائل ہوگئیں) اور کہنے لگیں کہ سبحان اللہ! یہ انسان نہیں، واقعی کوئی واجب التکریم فرشتہ ہے۔ (اب وہ اپنی تدبیر کے دوسرے حصہ کی طرف آئیں ——— کہ اگر مقصد براری نہ ہو سکے تو یوسفؑ مجرم قرار پاجائے۔ اسکے لئے انہوں نے) اپنے ہاتھ زخمی کر لئے۔ (یہ ان کی بہت بڑی چال تھی۔ ۱۲/۵)۔

۳۲ (عزیز کی بیوی نے اپنی ان سہیلیوں سے کہا کہ کیوں؟ تم نے بھی آزما کر دیکھ لیا ناں!)

لَيُسْجَنُنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ
عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ
كَيْدَهُنَّ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾
وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ

یہ ہے وہ "غلام" جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں (کہ مجھ سے اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ ایک غلام کو رام کر لوں) میں نے اسے اس کے ارادے سے پھیرنے کے لئے سب کچھ کر دیکھا لیکن اس پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔ اگر اب بھی اس نے میرا کہنا نہ مانا تو اسے ضرور قید کرا کر رہوں گی۔ اور اسے ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔ (اس لئے کہ اب' تمہاری اس تدبیر کی وجہ سے' اس کے خلاف جرم ثابت کرنے کے لئے محکم ثبوت موجود ہے ——— کہ اس نے تم پر بھی ہاتھ ڈال دیا تھا اور اس کی مدافعت میں تمہارے ہاتھ زخمی ہو گئے)۔

۳۳ (یوسفؑ اب اچھی طرح دیکھ چکا تھا کہ ان عورتوں کے ارادے کیا ہیں۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرے گا لیکن اپنی سیرت کو داغدار نہیں ہونے دے گا) اس نے اپنے نشوونما دینے والے سے کہا کہ جس بات کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں' اس کے مقابلہ میں مجھے جیل جانا زیادہ پسند ہے۔ بارالٰہا! تو میری مدد کر اور مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ثابت قدم رہوں۔ اسلئے کہ اگر ایسا نہ ہوا اور میں ان کے فریب میں آ کر ان کی طرف مائل ہو گیا' تو یہ بڑی حق ناشناسی ہو گی

۳۴ سو اس کے پروردگار نے اس کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ چنانچہ ان کا جادو نہ چل سکا۔ اور وہ اسے اپنی طرف مائل کرنے میں ناکام رہیں۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔

۳۵ (یوں ناکام رہنے کے بعد ان عورتوں نے یوسفؑ کے خلاف جھوٹا مقدمہ کھڑا کر دیا) ججوں نے' مختلف قرائن سے دیکھ لیا کہ یوسفؑ بے گناہ ہے لیکن (اس کے باوجود) انہوں نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ یوسفؑ کو کچھ مدت کے لئے قید کی سزا دیدی جائے۔ (اس قسم کے معاشرہ میں' "اعلیٰ طبقہ" کی مصلحتیں کچھ ایسی ہی ہوتی ہیں! چنانچہ یوسفؑ کو داخل زنداں کر دیا گیا)۔

۳۶ یوسفؑ کے ساتھ' دو اور نوجوان بھی جیل خانہ میں آئے۔ (ایک دن) ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب بنانے کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوں اور پرندے انہیں (نوچ نوچ کر)

فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۶ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا
طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ
لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۷ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَاۗءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ
مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۸ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۳۹ مَا تَعْبُدُوْنَ

کھا رہے ہیں۔ ہمیں بتاؤ کہ ان کا مطلب اور مآل کیا ہے' کیونکہ تم بڑے سمجھدار اور نیک آدمی دکھائی دیتے ہو۔

۳۷ (ایک مبلغ پیغاماتِ خداوندی کی طرح' جو اس مقصد کے لئے کسی موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا' یوسفؑ نے سوچا کہ یہ نوجوان' اِس وقت اُس کی بات سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہیں' لہذا' ان کے کان میں توحید کی آواز ڈال دینی چاہیئے)۔ چنانچہ اس نے ان سے کہا کہ میں' تمہارے کھانے کے وقت سے پہلے تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔ (لیکن پہلے' یہ تو سن لو کہ میں کون ہوں اور میرا پیغام کیا ہے)۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اپنی طرف سے نہیں کہتا' بلکہ اس علم کی بنا پر کہتا ہوں جو مجھے' میرے پروردگار کی طرف سے ملا ہے۔

سب سے پہلے یہ سن لو کہ میں ان لوگوں کے مسلک پر نہیں ہوں جو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

۳۸ (تم نے ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ کا نام تو سنا ہوگا)' میں انہی کی اولاد میں سے ہوں اور انہی کے مسلک کا پیرو ہوں۔ ہم اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرتے۔ اس حقیقت کا پالینا (کہ اقتدارِ خداوندی میں کسی اور کو شریک نہیں کرنا چاہیئے) خدا کا بہت بڑا فضل ہے جو اس نے ہم پر اور دوسرے انسانوں پر (جو اس مسلک کے متبع ہیں) کیا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اُس کے اس فضلِ عظیم کی قدر شناسی نہیں کرتے۔

۳۹ (توحید کے اس نکتہ کو میں تمہیں ایک ڈرامائی انداز سے سمجھانا چاہتا ہوں) ایک شخص صرف ایک آقا کا نوکر ہے —— اور وہ آقا بھی ایسا ہے جو ہر قسم کے اختیارات رکھتا ہے —— اور دوسرا شخص بیک وقت بیس مالکوں کی نوکری کرتا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ ان میں سے کس کی زندگی اچھی طرح سے گذرے گی؟ ظاہر ہے کہ اُس کی زندگی اچھی ہوگی جو ایک آقا کا ملازم ہے اور

مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۰ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝۴۱ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّىْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

وہ اس کی تمام ضروریات پوری کرتا رہتا ہے۔

۴۰ بس یہی صورت ایک خدا کی اطاعت اختیار کرنے والوں کی' اور اُن کے مقابلہ میں' اُن کی ہے جو مختلف آقاؤں کو اپنا خدا مانیں۔ تم لوگ مختلف خداؤں کے سامنے جھکتے ہو۔ کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ ان خداؤں کی حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ بس اتنی ہی کہ یہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے رکھ چھوڑے ہیں۔ ورنہ ان کی اپنی کوئی حقیقت اور پوزیشن نہیں۔ (تم سے کہا جاتا ہے کہ یہ خدا کے نمائندے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے) خدا نے ان کے لئے کوئی سند نہیں بھیجی (کہ اس نے انہیں اپنے اختیارات دے رکھے ہیں)۔ یاد رکھو! اختیارات و اقتدارات کا واحد مالک خدا ہے۔ اس کے سوا حکومت کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ اس کا فرمان یہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی محکومیت اور اطاعت اختیار نہ کی جائے۔ یہ ہے زندگی کا محکم اور استوار نقشہ۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

۴۱ (اس تبلیغ کے بعد یوسفؑ نے ان سے کہا کہ اب سنو اپنے خوابوں کی تعبیر) تم میں سے ایک (جس نے دیکھا ہے کہ وہ انگور نچوڑ رہا ہے) اپنے آقا کی ساقی گری کرے گا اور دوسرا سولی پر چڑھا دیا جائے گا جہاں سے پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ تم نے جن خوابوں کے متعلق مجھ سے پوچھا ہے ان کی تعبیر یہ ہے۔ تعبیر کیا؟ بس یوں سمجھو کہ یہ قطعی فیصلہ ہے (میرا اندازہ یہی ہے ۱۲)

۴۲ ان میں سے جس کے متعلق یوسفؑ کا اندازہ یہ تھا کہ وہ چھوٹ جائیگا' اس سے (یوسفؑ نے) کہا کہ تم جب اپنے آقا کے پاس جاؤ' تو اس سے ان باتوں کا ذکر ضرور کرنا جو میں نے تم سے کی ہیں۔ چنانچہ وہ قید سے رہا ہو گیا۔ لیکن شیطان نے اسے بھلا دیا کہ وہ ان باتوں کا ذکر اپنے آقا سے کرے۔ اس بات کو کئی برس ہو گئے اور یوسفؑ بدستور قید میں پڑا رہا۔

۴۳ ایک رات بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی پتلی

عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا
تَعْبُرُوْنَ ۝۴۳ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۭ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۝۴۴ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا
مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝۴۵ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ
بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۴۶ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝۴۷

گائیں نگل رہی ہیں۔ اور سات خوشے ہرے ہیں اور (سات) سوکھے ہوئے۔
اس نے اپنے درباریوں سے اپنا خواب بیان کیا اور ان سے کہا کہ اگر تم خوابوں کی تعبیر بتا سکتے ہو تو بتاؤ میرے خواب کی تعبیر کیا ہے؟

۴۴ انہوں نے کہا کہ یہ خواب نہیں۔ محض پریشاں خیالی ہے۔ اور اس قسم کی پریشان خیالیوں کی تعبیر ہم نہیں جانتے۔

۴۵ اُن دو قیدیوں میں سے جس نے رہائی پائی تھی اسے (اس خواب کے سلسلہ میں) مدت کے بعد یوسفؑ کی یاد آگئی۔ اس نے کہا کہ مجھے قید خانے میں جانے دو۔ میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتا دوں گا۔

۴۶ چنانچہ وہ قید خانہ میں آیا اور یوسفؑ سے کہا کہ اے سچی تعبیریں بتانے والے! ہمیں اس خواب کی تعبیر بتاؤ کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں نگل رہی ہیں۔ اور سات سبز خوشے ہیں اور (سات) خشک۔ میں اس کی تعبیر کو ان لوگوں تک پہنچاؤں گا (جنہوں نے مجھے اس مقصد کے لئے یہاں بھیجا ہے) وہ اس سے تمہاری قدر و قیمت پہچان لیں گے۔

۴۷ یوسفؑ نے اُس سے (ایک حرفِ شکایت کہے بغیر کہ تم نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا) کہا (کہ میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بھی بتاتا ہوں اور وہ تدبیر بھی جس سے تمہارا ملک اس آنے والی تباہی سے بچ جائے گا۔ لو سنو)۔
تم لوگ سات سال تک خوب محنت سے کھیتی باڑی کرو۔ اور جب فصل کاٹو تو سوائے اتنے غلے کے جو تمہارے کھانے کے کام آئے باقی اناج بالوں کے اندر ہی رہنے دو (تاکہ وہ کیڑوں سے

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾
ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ
فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ
رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ

محفوظ رہے)۔

۴۸ اس کے بعد سات سال ایسے آئیں گے جو (قحط سالی کی وجہ سے) سخت مصیبت کے ہوں گے۔ اس قحط سالی کے زمانے میں وہ سارا غلّہ تمہارے کام آئے گا جسے تم نے ذخیرہ کر رکھا ہوگا۔ اس میں سے اتنا ضرور بچا رکھنا (جو بیج کے کام آئے)۔

۴۹ کیونکہ اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں عام بارش ہوگی (اناج بھی بافراط پیدا ہوگا اور انگور بھی) جس کا عرق لوگ نچوڑیں گے۔

۵۰ (جب اس شخص نے یہ تعبیر اور تدبیر بادشاہ تک پہنچائی تو وہ دنگ رہ گیا۔ اور) اس نے کہا کہ اس قیدی کو میرے پاس لاؤ (جس نے یہ تعبیر اور تدبیر بتائی ہے)۔ جب بادشاہ کا قاصد یوسفؑ کے پاس آیا (اور اسے قید سے نکلنے کے لئے کہا۔ تو) یوسفؑ نے کہا (کہ میں اس طرح 'ترحم خسروانہ' کی بنا پر قید سے نہیں نکلنا چاہتا) تم اپنے آقا کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ (وہ پہلے میرے مقدمہ کی از سر نو تحقیق کرائے تاکہ) یہ واضح ہو جائے کہ عورتوں کے ہاتھ کاٹ لینے کا ماجرا کیا تھا۔ اور وہ کتنا بڑا فریب تھا جو مجھے پھنسانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔ اِس وقت تو اِس حقیقت کا علم صرف میرے خدا کو ہے۔ (لیکن مقدمہ کی تحقیق کے بعد' اس کا علم عام ہو جائے گا کہ قصور کس کا تھا۔ اگر میں اس طرح بے گناہ ثابت ہو گیا تو پھر قید خانے سے باہر آؤں گا)۔

۵۱ (چنانچہ بادشاہ نے اس مقدمہ کی خود تحقیق کی) اور ان عورتوں سے کہا کہ سچ سچ بتاؤ کہ جب تم نے یوسفؑ کو اس کے ارادے سے پھیرنا چاہا تھا' تو اس وقت کیا بات پیش آئی تھی؟

انہوں نے کہا حاشا للہ! ہم نے یوسفؑ میں کوئی برائی کی بات نہیں دیکھی تھی۔ (یہ بالکل بے گناہ تھا)۔

حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۵۱ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝۵۲

(یہ سن کر عزیز کی بیوی بھی لب کشائی پر مجبور ہوگئی اور اس نے جھکی ہوئی نگاہوں اور لرزتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ) کہا کہ اب جبکہ حقیقت اس طرح بے نقاب ہوگئی ہے تو مجھے اسکا اقرار کرلینا چاہیئے کہ وہ میں ہی تھی جس نے یوسفؑ کو پھسلانا چاہا تھا۔ بیشک یوسفؑ اپنے بیان میں بالکل سچا ہے۔

۵۲ (یوسفؑ نے کہا کہ میں نے اس مقدمہ کی از سرِ نو تحقیق پر اس لئے بھی زور دیا تھا کہ میرے مربّی اور مہربان، عزیز کو معلوم ہوجائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی امانت میں خیانت نہیں کی تھی۔ اور یہ کہ خدا کا قانونِ مکافات خیانت کرنے والوں کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ (خیانت اس کی بیوی نے کی تھی۔ وہ خاسر و نامراد سامنے کھڑی ہے۔ میں امین تھا۔ آخرالامر کامیابی میرے ہی حصے میں آئی)۔



وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ
رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۳ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ
الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝۵۴ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝۵۵ وَكَذٰلِكَ

---

۵۳ عزیز کی بیوی نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں اپنے بے گناہ ہونے کا دعوٰے نہیں کرتی۔ میرے نفس نے مجھے بہکا دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے حیوانی جذبات اُسے برائی کے لئے اکساتے رہتے ہیں۔ اس سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جس پر خدا رحم کرے۔ وہی اس قسم کی لغزشوں سے محفوظ رکھنے والا اور مرحمت کرنے والا ہے۔

۵۴ بادشاہ نے (حقیقت حال سے باخبر ہونے کے بعد) کہا۔ یوسفؑ کو میرے پاس لاؤ۔ میں اسے دوسروں سے ممتاز کر کے خاص اپنے لئے مختص کر لینا چاہتا ہوں۔ (وہ میرا مشیرِ خاص ہو گا)۔ چنانچہ جب بادشاہ نے یوسفؑ سے بات چیت کی (تو اُس کے اور جوہر بھی اس پر نمایاں ہو گئے)۔ اس نے کہا کہ آج سے تم ہماری نگاہوں میں بڑی عزت و تمکین کے مالک قرار پا چکے ہو۔ تمہاری امانت و دیانت مسلم ہے۔

۵۵ یوسفؑ نے بادشاہ سے کہا کہ (مملکتِ مصر کی خوشحالی کا راز، اس کی زمین کے خزانوں میں مضمر ہے) تم ان خزانوں (زمین کی پیداوار اور معاشی معاملات) کو میری تحویل میں دیدو۔ میں ان کی حفاظت کروں گا۔ اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ کس طرح کیا جاتا ہے۔

۵۶ اس طرح ہم نے یوسفؑ کو مملکتِ مصر میں، صاحبِ اختیار بنا دیا ——— ایسا صاحبِ اختیار کہ وہ اس کے نظم و نسق کو جس طرح چاہتا چلاتا۔ ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق لوگوں

مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۚ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ
الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾ وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا
عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا
تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا
تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾

کو اپنی رحمتوں سے نوازتے ہیں۔ اور وہ قانونِ مشیت یہ ہے کہ جو شخص حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرے ہم اس کی محنت ضائع نہیں کرتے۔ اُسے اسکا اجر مل کر رہتا ہے۔

۵۷ حسنِ عمل کے ایسے خوشگوار نتائج اسی دنیا تک محدود نہیں رہتے۔ یہ آخرت کی زندگی میں بھی مسلسل ساتھ جاتے ہیں اور وہاں ان کی کیفیت اس دنیا کی خوشگواریوں سے بھی زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ جو لوگ بھی قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھیں اور تخریبی روش سے بچ کر اُن کے مطابق زندگی بسر کریں انہیں یہ سب کامرانیاں نصیب ہو جاتی ہیں۔

۵۸ (اس واقعہ پر کئی سال گزر گئے۔ اس کے بعد ملک میں قحط پڑا تو دور و نزدیک کے لوگ غلہ لینے کے لئے دارالسلطنت میں آنے لگے۔ اس سلسلہ میں) یوسفؑ کے بھائی بھی آئے۔ یوسفؑ نے انہیں پہچان لیا لیکن وہ اسے نہ پہچان سکے۔ (اس لئے کہ یہ بات اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ یوسفؑ اس مقام پر فائز ہوگا)۔

۵۹ جب یوسفؑ نے ان کے لئے غلہ وغیرہ لدوا دیا تو جاتے وقت اُن سے کہا کہ اب کے جو آؤ تو اپنے ساتھ اپنے اس بھائی کو بھی لیتے آنا (جس کے متعلق تم نے کہا ہے کہ وہ) باپ کی طرف سے تمہارا بھائی ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ (میں کوئی مستبد حاکم نہیں جو کسی پر ظلم و زیادتی کروں گا)۔ میں ماپ تول بھی پورا دیتا ہوں اور باہر سے آنے والوں کی مہمان نوازی بھی کرتا ہوں۔ (اس لئے تمہارے باپ کو ——— جس کے متعلق تم نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اُس بیٹے کو باہر بھیجنے پر آمادہ نہیں ہوگا ——— اُسے یہاں بھیجنے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہیئے)۔

۶۰ اگر تم اُسے میرے پاس نہ لائے تو نہ تمہیں غلہ مل سکے گا اور نہ ہی تم میرے قریب آسکو گے۔

۶۱ انہوں نے کہا کہ ہم پوری کوشش کریں گے کہ ہمارا باپ اپنے فیصلہ پر نظرثانی کرے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ ہم اس باب میں کامیاب ہو جائیں گے (اور اپنے بھائی کو اپنے ساتھ لیکر

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ
لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ
اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ

حاضر خدمت ہوں گے)۔

۶۲ یوسفؑ نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اِن لوگوں کی رقم جس کے عوض انہوں نے غلّہ خریدا ہے (میری طرف سے) ان کی بوریوں میں اس طرح رکھ دو کہ جب یہ گھر پہنچ کر اپنا سامان کھولیں تو (یہ رقم ان کے سامنے آجائے اور) یہ پہچان لیں کہ یہ انہی کی رقم ہے۔ اور اس طرح یہ دوبارہ غلّہ لینے کے لئے آجائیں۔

۶۳ چنانچہ جب وہ لوٹ کر اپنے باپ کے پاس گئے تو انہوں نے (دیگر واقعات بیان کرنے کے بعد) کہا کہ ہم سے یہ کہا گیا ہے کہ تمہیں دوبارہ غلّہ اُسی صورت میں مل سکے گا کہ تم اپنے بھائی کو بھی ساتھ لاؤ۔ (اگر ایسا نہ کیا تو 'غلہ ملنا تو ایک طرف' تم میرے قریب تک نہیں پھٹک سکو گے)۔ لہٰذا آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم غلہ لاسکیں۔ اور ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔

۶۴ اس پر (یعقوبؑ نے) کہا کہ کیا میں اس کے بارے میں بھی تم پر اُسی طرح اعتبار کرلوں جس طرح' اِس سے پہلے اِس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں تم پر اعتبار کیا تھا؟ اس لئے (میں اِسے تمہاری حفاظت میں نہیں دے سکتا)۔ یہ اللہ کی حفاظت میں ہی رہے گا کیونکہ وہی سب سے بہتر محافظ اور سامانِ رحمت مہیا کرنے والا ہے۔

۶۵ پھر جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ غلّے کے ساتھ' ان کی رقم بھی واپس کردی گئی ہے۔ اِس پر اُنہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ہمیں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے کہ' ہمیں غلہ بھی مل جائے اور قیمت بھی لوٹا دی جائے! (اب آپ سوچئے کہ اگر ہم محض اس لئے غلہ لینے نہ جاسکے کہ آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ نہیں بھیجنا چاہتے تو اس سے کس قدر نقصان ہوگا؟ لہٰذا ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اسے اپنے ساتھ لے جائیں اور) اپنے گھرانے کے لئے غلّہ لے آئیں۔ ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے (اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ہم اس کے حصّہ کا) ایک اونٹ کا

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ
أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ
اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ ۖ
وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا
دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ۖ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۖ

بوجھ اور بھی لا سکیں گے۔ جو غلہ ہم لائے ہیں وہ بہت تھوڑا ہے (یونہی ختم ہو جائے گا)۔

۶۶ باپ نے کہا کہ (اب جو تم مجھے اس طرح مجبور کر رہے ہو تو میں اسے تمہارے ساتھ بھیجے دیتا ہوں۔ لیکن اس شرط پر کہ) تم اللہ کو درمیان میں رکھ کر میرے ساتھ اقرار کرو کہ تم اسے میرے پاس ضرور واپس لے آؤ گے' بجز اس کے کہ تم خود ہی کہیں گھیر لئے جاؤ (اور اس طرح بالکل بے بس ہو جاؤ)۔ جب انہوں نے اس بات کا عہد دے دیا تو اُس نے کہا کہ ہم نے جو باہمی قول و قرار کیا ہے' اللہ اس پر نگہبان ہو۔

۶۷ جب وہ جانے لگے تو باپ نے اُن سے کہا کہ (دیکھو بیٹا!) جب تم اس شہر میں جاؤ' تو سب کے سب ایک ہی دروازہ سے شہر میں داخل نہ ہونا' الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔ (اکٹھے داخل ہوئے تو اجنبیوں کا ایک جتھہ دیکھ کر شہر والوں کی نظریں خواہ مخواہ تمہاری طرف اٹھنے لگ جائیں گی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ یہ میرے دل میں یونہی ایک خیال سا آگیا ہے جس کی بنا میں نے یہ بات احتیاطاً تم سے کہہ دی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ اس کے بعد تم ہر خطرہ سے مامون ہو جاؤ گے اور تمہیں کسی احتیاط اور انتظام کی ضرورت نہیں رہے گی)۔ میری یہ احتیاطی تدبیر تمہیں کسی چیز سے بے نیاز نہیں کر سکتی جو (وقت اور موقعہ کے لحاظ سے) قانون خداوندی کے مطابق کرنی چاہیئے۔ یاد رکھو! امن اور خطرہ۔ نفع اور نقصان۔ سب خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے) اس کے سوا کسی اور کو اس کا اختیار نہیں۔ میرا بھروسہ بھی اُسی پر ہے (اور تمہیں بھی اُسی پر اعتماد کرنا چاہیئے ——— اور ایک میں اور تم ہی کیا) ہر بھروسہ کرنے والے کو اس پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

۶۸ چنانچہ ان بھائیوں کا قافلہ اسی طرح شہر میں داخل ہوا جس طرح باپ نے کہا تھا لیکن (جیسا کہ ذرا آگے چل کر سامنے آئے گا) یہ تدبیر اُس واقعہ کو روک نہیں سکتی تھی جو قانونِ خداوندی

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ
قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي
رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾ قَالُوا
نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُم مَّا جِئْنَا
لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِن كُنتُمْ كَاذِبِينَ ﴿٧٤﴾

کی رو سے یہاں پیش آنے والا تھا (اور جس کی رو سے بن یامین کو یہاں روک لیا جانا تھا)۔ یہ تدبیری احتیاط محض ایک خیال کا نتیجہ تھی جو یعقوبؑ کے دل میں پیدا ہوا اور جس کی خلش کو اس نے اس طرح دور کر لیا۔ یہ خیال بھی علم و دانش پر مبنی تھا (یونہی توہم پرستی نہیں تھا) اس لئے کہ یعقوبؑ کو ہم نے علم و فراست عطا کر رکھی تھی —— وہ علم و فراست جس سے اکثر لوگ محروم ہوتے ہیں۔

۶۹ جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرایا اور اسے بتا دیا کہ میں تیرا بھائی (یوسفؑ) ہوں۔ اور ساتھ ہی اس کی بھی تلقین کر دی کہ دوسرے بھائیوں نے میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا' اس کی وجہ سے تم رنجیدہ خاطر نہ ہونا۔

۷۰ جب یوسفؑ نے ان کا (واپسی کا) سامان تیار کرا دیا' تو (ان بھائیوں میں سے ایک نے) شاہی کٹورا بن یامین کی بوری میں رکھ دیا (کہ اگر پتہ نہ چلا تو کٹورا گھر پہنچ جائے گا اور پتہ چل گیا تو بن یامین بدنام ہوگا۔ جب' ان کی روانگی کے بعد' یوسفؑ کے آدمیوں نے دیکھا کہ کٹورا گم ہے تو ان میں سے) ایک پکارنے والے نے پکارا کہ او قافلہ والو! ٹھہرو۔ تم چور ہو (۱۲/۷۵ ؛ ۱۲/۸۳ ؛ ۱۲/۸۹)۔

۷۱ وہ یوسفؑ کے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تمہارا کیا گم ہو گیا ہے (جو ہمیں چور ٹھہراتے ہو!)

۷۲ انہوں نے کہا کہ شاہی کٹورا گم ہو گیا ہے۔ جو شخص اسے ڈھونڈھ نکالے اُسے ایک بارِ شتر انعام ملے گا۔ (ان کارندوں کے سردار نے کہا) کہ اس کا میں ضامن ہوں (کہ یہ انعام ضرور ملے گا)۔

۷۳ یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا کہ خدا شاہد ہے کہ ہم یہاں اس لئے نہیں آئے کہ کسی قسم کی شرارت پیدا کریں یا قانون شکنی کریں (ہم یہاں پہلے بھی آ چکے ہیں۔ اس لئے) تم ہمارے متعلق جانتے ہو (کہ ہمارا اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ یقین مانتے)۔ ہم چور نہیں ہیں۔

۷۴ شاہی کارندوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلے تو اس کی کیا سزا؟

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ
وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ
اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْۤا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ
مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ؕ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

---

۷۵ (اُن میں سے جنہیں معلوم تھا کہ کٹورہ کس کی بوری میں ہے ۱۲) کہا کہ جس کی بوری میں سے کٹورا نکلے' وہ اس کے بدلے میں دھر لیا جائے۔ ہم اپنے ہاں مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

۷۶ تب شاہی کارندوں نے بوریوں کی تلاشی لینی شروع کی۔ پہلے اور بھائیوں کی بوریاں دیکھیں (تو ان میں کٹورا نہ ملا) آخر میں یوسفؑ کے بھائی کی بوری دیکھی تو اس میں سے کٹورا نکل آیا۔

(دیکھو! بات چلی کیسے تھی اور رُکی کہاں جا کر! اس سوتیلے بھائی نے بن یامین کی بوری میں کٹورا کس نیت سے رکھا تھا' لیکن اس کا یہ فعل 'یوسفؑ' کے لئے 'بن یامین کو اپنے پاس روک لینے کا موجب بن گیا)۔ اس طرح ہم نے 'یوسفؑ کے لئے بن یامین کو روک لینے کی تدبیر پیدا کر دی' ورنہ شاہِ مصر کے قانون کے مطابق' وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں روک سکتا تھا۔ اس کے لئے مشیت ہی کوئی تدبیر کر سکتی تھی (جس سے یوسفؑ کی دلی آرزو بھی پوری ہو جائے اور اُسے کوئی ایسی بات بھی نہ کرنی پڑے جس سے وہ اپنے مقامِ بلند سے گر جائے) یوں ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق بلندیٔ مدارج عطا کر دیتے ہیں۔ یاد رکھو! خدا کا علم' ہر صاحبِ علم کی علمی سطح سے بلند ہوتا ہے۔

۷۷ اس پر یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس کا ایک اور بھائی تھا۔ اس نے بھی اسی طرح' پہلے چوری کی تھی۔ (لہٰذا' یہ بات ان کے ہاں عادۃً چلی آ رہی ہے)۔

(اُف! کس قدر زہر یلا تھا یہ نشتر جو یوسفؑ کے دل کی گہرائیوں میں اتارا گیا؟ جی میں تو آیا ہو گا کہ ان کا سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دے۔ لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔ اس لئے یوسفؑ نے) اس بات کو اپنے دل میں رکھا۔ اور صرف اتنا کہا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کا

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ
مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا
نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمُوْنِيْ يُوْسُفَ ۚ
فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ ارْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ
فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾

یقینی علم تو صرف خدا کو ہے، لیکن (اگر واقعہ یہی ہے جو تم بیان کر رہے ہو تو) تم شریف لوگ نظر نہیں آتے۔ (اس لئے کہ تم سوتیلے ہی سہی۔ ہو تو انہی چوروں کے بھائی! خاندان تو تمہارا بھی وہی ہے)۔

۷۸ انہوں نے کہا کہ اے عزیز مصر! اس (بن یامین) کا باپ بہت بوڑھا ہے (اور وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے)۔ آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے اور اسے چھوڑ دیجئے۔ ہم نے آپ کو بڑا ہی نیک انسان پایا ہے۔ آپ بڑے ہمدرد ہیں (اس لئے ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری اس درخواست کو ضرور قبول کر لیں گے)۔

۷۹ یوسفؑ نے کہا کہ معاذ اللہ! بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس شخص کو تو چھوڑ دیں جس سے چوری کا مال برآمد ہوا ہے اور اس کی جگہ ایک بے گناہ کو پکڑ لیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو یہ صریح ظلم ہوگا۔

۸۰ جب وہ یوسفؑ کی طرف سے مایوس ہو گئے (کہ وہ ان کی بات نہیں مانے گا) تو الگ بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔ ان میں، سب سے بڑے بھائی نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ تمہارے باپ نے تم سے (بن یامین کے بارے میں) اللہ کو درمیان رکھ کر ایک محکم عہد لیا تھا۔ اور اس سے پہلے تم یوسفؑ کے معاملہ میں بھی بڑی زیادتی کر چکے ہو۔ اس لئے (کم از کم) میں تو یہیں رہوں گا (باپ کے سامنے ہرگز نہیں جاؤں گا) تا آنکہ خود باپ مجھے (وہاں آنے کی) اجازت دے۔ یا، اللہ میرے لئے کوئی اور فیصلہ کر دے۔ وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔

۸۱ تم باپ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تمہارے (لاڈلے) بیٹے نے (پرائے ملک میں) چوری کی ہے! (ہم نے بیشک تم سے اس کی نگرانی اور حفاظت کا عہد کیا تھا لیکن) ہم انہی امور میں اس کی نگرانی کر سکتے تھے جو ہمارے علم میں واقع ہوتے۔ اس قسم کی باتوں

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتَوَلّٰى
عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا
تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ
وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

میں' جو اُس نے ہم سے چھپا کر کرنی شروع کر دیں' ہم اس کی کیا نگرانی کر سکتے تھے!

۸۲ آپ اُن بستی والوں سے پوچھ لیجئے جہاں یہ واقعہ ہوا ہے۔ یا اُن قافلہ والوں سے دریافت کر لیجئے جن کے ساتھ ہم آئے ہیں' کہ ہم سچ کہتے ہیں یا جھوٹ بولتے ہیں۔

۸۳ (چنانچہ اس مشورہ کے بعد وہ باپ کے پاس پہنچے۔ باپ نے جب یہ کچھ سنا تو) کہا کہ (نہیں' بن یامین کبھی چوری نہیں کر سکتا) یہ سارا قصہ تمہارا خود وضع کردہ ہے جسے تمہارے دل نے تمہیں سجھا دیا ہے۔ (ورنہ حقیقت کچھ اور ہے)۔ میں اس پر بھی (وہی کہونگا جو اس سے پہلے یوسفؑ کے معاملہ پر کہا تھا۔ ۱۲/۱۸) کہ میرے لئے یہی بہتر ہے کہ میں صبر اور ہمت سے کام لوں (اور گھر کا شیرازہ بکھرنے نہ دوں)۔ مجھے امید ہے کہ ایک دن اللہ ان سب کو مجھ سے ملا دے گا — یعنی یوسفؑ۔ بن یامین اور وہ بڑا لڑکا جو وہاں رہ پڑا تھا —— اس لئے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور تمام معاملات کو حکمت اور تدبیر سے آخر تک پہنچانے والا ہے۔

۸۴ اس نے بیٹوں کی طرف سے رُخ پھیر لیا۔ اور (اس نئے زخم نے اس کے دل میں یوسفؑ کی یاد تازہ کر دی تو اس نے آہ بھر کر کہا) "ہائے! یوسفؑ کا در و فراق"۔ وہ اس صدمہ سے بیقرار رہتا تھا۔ اور شدت غم کی وجہ سے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی رہتی تھیں۔

۸۵ (باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹے —— بجائے اس کے کہ اس سے غمخواری اور غم گساری کریں۔ اکثر کہتے کہ) آپ اس قصے کو چھوڑیں گے بھی' یا ہر وقت "یوسف۔ یوسف" پکارتے رہیں گے؟ اگر آپ یہی کچھ کرتے رہے تو' خدا شاہد ہے' آپ اس کے غم میں گھل گھل کر مر جائیں گے۔ اور اگر مریں گے نہیں تو ازکار رفتہ ضرور ہو جائیں گے۔

۸۶ باپ' اس کے جواب میں کہتا کہ (میں تم لوگوں سے تو کچھ بھی نہیں کہتا)۔ میں تو اپنے غم و الم کا اظہار اپنے خدا کے سامنے کرتا ہوں۔ اس لئے کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

جو تم نہیں جانتے۔ (اس لئے میری امیدوں کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے بیٹے مجھ سے ایک دن ضرور ملیں گے۔ میں چاہتا یہ ہوں کہ اس انتظار کی مدت زیادہ طویل نہ ہو۔ لہٰذا)

۸۷ اے میرے بچو! تم ایک بار پھر جاؤ۔ یوسفؑ کا کچھ سراغ لگاؤ اور بن یامین کا حال احوال دریافت کرو۔ رحمتِ خداوندی کی نسیم جاں فزا سے کبھی مایوس نہ ہو۔ اس سے صرف وہ لوگ مایوس ہوتے ہیں جو اس کے اس قانون پر یقین نہیں رکھتے (کہ سعی و عمل اگر صحیح خطوط پر ہوں تو وہ کبھی بلا نتیجہ نہیں رہتے)۔

۸۸ (چنانچہ وہ پھر مصر گئے اور یوسفؑ سے کہا کہ) اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھرانے پر بڑی سختی کے دن آ گئے ہیں۔ (ہمارا منہ تو نہیں تھا کہ پھر آپ کے پاس آتے لیکن کیا کریں۔ ہم سخت مجبور اور لاچار ہو گئے ہیں۔ ہمارے پاس نہ غلہ رہا ہے' اور نہ ہی غلہ خریدنے کے لئے پوری رقم ہے۔ بس) یہ حقیر سی پونجی ہے جسے لے کر ہم آ گئے ہیں (اسے قبول کر لیجئے اور معاملہ خرید و فروخت کا نہ سمجھئے۔ بلکہ) ہمیں بطور خیرات پورا غلہ دیدیجئے۔ اللہ خیرات کرنے والوں کو نیک بدلہ دیتا ہے۔

۸۹ (یہ سن کر یوسفؑ کا جی بھر آیا' اور اب مزید توقف کی ضرورت نہ سمجھی۔ ان سے) کہا "کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے اپنی جہالت اور حماقت سے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ (بارہا) کیا کیا تھا؟"

۹۰ (اب جو انہوں نے غور سے دیکھا تو بات سمجھ گئے اور بے ساختہ پکار اٹھے کہ) ہیں! کیا تم یوسفؑ ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں! میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی' بن یامین ہے۔ (تم نے تو ہماری ہلاکت کے لئے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی' لیکن) ہمارے خدا نے ہم پر بڑا کرم کیا ——— اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی غلط راہوں سے بچتا ہوا' صحیح روش پر گامزن رہتا ہے' اور اس راستے میں جس قدر مشکلات آئیں' پامردی سے ان کا مقابلہ کرتا ہے تو

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ
اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا
تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَاۗءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰي وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ

وہ اس قسم کی حسن کارانہ زندگی بسر کرنے والوں کی محنت کو کبھی رائگاں نہیں جانے دیتا۔

۹۱ (یہ سن کر ان کے سر شرم اور ندامت سے جھک گئے۔ اور) انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! فی الواقعہ اللہ نے تمہیں ہم پر بڑی فضیلت دی ہے۔ اور ہم بڑے ہی خطا کار ہیں۔

۹۲ یوسفؑ نے کہا کہ جاؤ! اب میں تم پر کوئی سرزنش نہیں کرتا۔ تم نے جو کچھ میرے خلاف کیا میں اسے معاف کرتا ہوں۔ (لیکن اس سے جو کچھ تم نے خود اپنی ذات کے خلاف کیا ہے' اسے کون معاف کر سکتا ہے؟ اس کی معافی کی تو ایک ہی شکل ہے کہ) تم پھر سے قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کر کے خدا کی حفاظت میں آجاؤ۔ ان جرائم سے تمہاری ذات میں جو کمی واقع ہو گئی ہے' وہ اسے پورا کر کے اس کی نشوونما کر دے گا۔ وہ سب سے بہتر نشوونما کرنے والا ہے۔

۹۳ اب تم یوں کرو کہ (واپس گھر جاؤ اور) یہ میری قمیص اپنے ساتھ لے جاؤ (جو میری وجاہت اور منصب کی محسوس نشانی ہے)۔ جب تم اسے ابا جان کے سامنے پیش کرو گے تو وہ ساری بات سمجھ جائیں گے' اور جو کچھ تم کہو گے اس کا یقین کر لیں گے۔ پھر تم اپنے تمام اہلِ خاندان کو لے کر یہاں آجانا۔

۹۴ جب یوسفؑ کے بھائیوں کا قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو یعقوبؑ نے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ' اگر تم لوگ یہ نہ سمجھو کہ بڑھاپے کی وجہ سے میری عقل ماری گئی ہے' تو مجھے یوسفؑ اور اس کی عظمت و اقتدار کی مہک آرہی ہے۔

۹۵ سننے والوں نے کہا کہ بخدا! تم ابھی تک اپنے اسی پرانے خبط میں مبتلا ہو (یوسفؑ کا نام و نشان تک بھی گم ہو چکا ہے اور تمہیں اس کی عظمت و اقتدار کی مہک آرہی ہے!)

۹۶ چنانچہ جب وہ قافلہ کنعان پہنچ گیا' اور خوش خبری دینے والے نے یوسفؑ کا کرتہ یعقوبؑ کے سامنے پیش کیا تو اسے یقین آگیا (کہ فی الواقعہ یوسفؑ زندہ بھی ہے اور اس قدر شان و شوکت کا مالک بھی)۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ کیا میں تم سے نہیں کہا کرتا تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہے جو تمہیں نہیں دیا گیا۔

أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿٩٧﴾
قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٩٨﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ
وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ وَقَالَ
يَا أَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ
وَجَاءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ مِن بَعْدِ أَن نَّزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ۚ إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۚ
إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿١٠٠﴾

(یوسفؑ کا ایک کرتہ وہ تھا جس نے یعقوبؑ کی آنکھوں کے سامنے دنیا اندھیر کر دی تھی۔ اور ایک کرتہ یہ تھا جس سے اس کے دیدۂ ودل کی کائنات روشن اور تابناک ہوگئی)۔

۹۷ بیٹوں نے باپ سے کہا کہ ہم بڑے خطاوار ہیں۔ (ہم اس قابل تو نہیں کہ ہمیں معاف کیا جائے۔ لیکن ہماری پھر بھی آپ سے درخواست ہے کہ) آپ ہمارے لئے معافی طلب کر دیں۔

۹۸ یعقوبؑ نے کہا کہ میں تمہارے لئے اپنے رب سے سامانِ حفاظت طلب کروں گا۔ اس لئے کہ اس کے قانونِ مکافات میں (جرائم کے تائب ہو جانے والوں کے لئے) حفاظت و مرحمت کی گنجائش ہے۔

۹۹ جب وہ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے والدین کو خاص اپنے پاس ٹھیرایا۔ اور باقی اہلِ خاندان سے بھی کہا کہ اب تم مصر میں انشاءاللہ آرام سے رہو گے۔ (یعنی چونکہ یہ سب کچھ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہو رہا ہے اس لئے تم آرام سے رہو گے۔ امن مشروط ہے تو آئین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے)۔

۱۰۰ اس نے اپنے ماں باپ کو عزت و تکریم کی بلند مسندوں پر بٹھایا اور تمام متعلقین اہل کار اور خدام یوسفؑ کی وجہ سے ان کی تعظیم بجا لائے۔

اُس وقت یوسفؑ نے کہا۔ ابا جان! یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے اتنا عرصہ پہلے دیکھا تھا۔ میرے نشوونما دینے والے نے خواب کو حقیقت بنا کر دکھا دیا۔ اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید خانہ سے نکال کر (اس مقام بلند تک پہنچا دیا) اور مخالفت کی اس خلیج کو پاٹ کر جو شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان حائل کر دی تھی آپ سب کو صحرا سے یہاں

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنْتَ وَلِيّٖ
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰۱ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝۱۰۲ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ
بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳ وَمَا تَسْـَٔـلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۴ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ

منتقل کر دیا (کہ سب عزت اور آرام کی زندگی بسر کریں)۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا نشو و نما دینے والا اپنی اسکیموں کو بڑے ہی لطیف انداز سے بروئے کار لاتا اور تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ اس کی ہر بات علم و حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔

۱۰۱ (اِن تمام گذشتہ واقعات کی یاد سے یوسفؑ کے دل میں تشکر و امتنان کے جذبات موجزن ہو گئے۔ اور اس نے بحضور رب العزت عرض کیا کہ) اے میرے نشو و نما دینے والے! تیرا کتنا بڑا احسان ہے کہ تو نے مجھے اس قدر اختیارات و اقتدارات کا مالک بنا دیا۔ مجھے تدبیر امور اور عاقبت اندیشی کا علم و سلیقہ عطا فرما دیا۔

اے کائنات کے پیدا کرنے والے! تو ہی حال اور مستقبل — دنیا اور آخرت میں میرا کارساز و رفیق ہے۔ مجھے توفیق عطا فرما کہ میری ساری زندگی تیرے تو اپنی کی اطاعت میں گزرے اور میرا شمار ان خوش بخت لوگوں میں ہو جن کے سب کام سنور گئے ہوں!

۱۰۲ اے رسول! یہ وہ تاریخی سرگزشتیں ہیں جو تیرے علم میں نہیں تھیں، اور جنہیں ہم نے تمہیں وحی کے ذریعے بتایا ہے — تم برادرانِ یوسفؑ کے پاس کھڑے نہیں تھے جب وہ اپنی سازش پر متفق ہو گئے تھے اور وہ یوسفؑ کے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے۔ (اس لئے تمہیں ان واقعات کا علم کیسے ہو سکتا تھا!)۔

۱۰۳ (تمہارے رسول ہونے کی یہ بھی ایک واضح شہادت ہے لیکن اس کے باوجود) بہت سے لوگ اس پر ایمان نہیں لائیں گے خواہ تم کتنا ہی کیوں نہ چاہو۔

۱۰۴ حالانکہ تو ان سے اس کے معاوضے میں کچھ نہیں مانگتا۔ بلا مزد و معاوضہ ان کی بھلائی کے لئے اس قدر کوشش کر رہا ہے۔

(لیکن اس سے افسردہ خاطر ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کا پیغام کچھ انہی لوگوں کے لئے تھوڑا ہے کہ یہ نہ مانیں گے تو اس کا مشن ناکام رہ جائے گا) یہ تو تمام نوع انسان کے لئے ضابطہ زندگی ہے (یہ نہیں قبول کریں گے تو کوئی دوسری قوم قبول کر لے گی)۔

۱۰۵ (قرآن کی تعلیم تو پھر بھی ایک نظری دعوت ہے جو حروف و الفاظ کی شکل میں ان کے

وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾
اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ
سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ
اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ

سامنے پیش کی جاتی ہے۔ ان کی تو یہ حالت ہے کہ) کائنات میں' قوانین خداوندی کی کارفرمائی کی کتنی کتنی بڑی محسوس شہادات ہیں' جن سے یہ منہ پھیرے گزر جاتے ہیں (اور غور و فکر سے کام نہیں لیتے)۔

۱۰۶ (ان میں کچھ تو ایسے ہیں کہ قوانین خداوندی سے یکسر انکار کرتے ہیں۔ اور) اکثر ایسے کہ وہ خدا کے قانون کو مانتے تو ہیں لیکن اس کے ساتھ اور قوتوں کو بھی صاحب اقتدار و اختیار تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس طرح مومن کہلانے کے باوجود مشرک کے مشرک رہتے ہیں۔

۱۰۷ کیا یہ لوگ اس سے بالکل مطمئن ہو چکے ہیں کہ خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے آنیوالی تباہیوں میں سے ان پر کوئی ایسی تباہی نہیں آئے گی جو ان پر ہر طرف سے چھا جائے! یا وہ آنیوالا انقلاب اس طرح اچانک آجائے کہ انہیں اس کے آنے کا احساس تک بھی نہ ہو۔

۱۰۸ ان سے کہو کہ میری راہ تو بالکل (صاف اور سیدھی) ہے۔ اور وہ یہ کہ میں تمہیں خدا کی طرف' دلائل و براہین کی رُو سے' علیٰ وجہ البصیرت' دعوت دیتا ہوں ——— میں بھی ایسا کرتا ہوں اور جو میرے متبعین ہوں گے وہ بھی ایسا ہی کریں گے ——— خدا اس سے بہت بلند ہے کہ (اسے کائنات کے چلانے کے لئے' اور قوتوں کی بھی ضرورت ہو)۔ اس لئے میں ان میں سے نہیں ہوں جو قانون خداوندی کو بھی تسلیم کریں اور اس کے ساتھ اور قوتوں کو بھی اختیار و اقتدار کی مالک سمجھیں۔ (اور یوں' مومن کہلاتے ہوئے' مشرک کے مشرک رہیں)۔

۱۰۹ (اور یہ جو ان کا اعتراض ہے کہ ایک انسان کس طرح سے رسول ہو سکتا ہے تو ان سے کہو کہ) مجھ سے پہلے بھی خدا نے کسی رسول کو نہیں بھیجا بجز اس کے کہ وہ وہاں کی بستی کے رہنے والوں میں سے ایک آدمی تھا ۱۶/۴۳ ؛ ۲۱/۷)۔

کیا یہ لوگ' (جو اس قسم کی کٹ حجتیاں کرتے ہیں) دنیا میں چلے پھرے نہیں جو دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے ان سے پہلے (اسی قسم کی رَوش اختیار کی تھی)؛ اگر یہ لوگ

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٠٩﴾ حَتَّىٰ
إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَن نَّشَاءُ ۖ وَلَا يُرَدُّ
بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ
حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً

(آنکھیں کھول کر تاریخی شواہد کا مطالعہ کرتے اور) عقل و فکر سے کام لیتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ (حق و باطل کی کشمکش میں) آخر الامر کامیابی اور تمکن انہی کو حاصل ہوا جو تخریبی کارروائیوں سے بچتے ہوئے' قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ (لہذا' ان سے کہو کہ حق و باطل کا فیصلہ اس سے نہیں ہوتا کہ رسول' دوسرے انسانوں جیسا انسان ہوتا ہے یا' تمہارے تصور کے مطابق' مافوق البشر اس کا فیصلہ اس سے ہوتا ہے کہ جو قانون وہ پیش کرتا ہے اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے' اور اس کی خلاف ورزی کے عواقب کیا؟ اس کی شہادت' تاریخی سرگزشتیں بھی بہم پہنچاتی ہیں)۔

۱۱۰ (لیکن' یہ تاریخی شہادتیں یہ بھی بتائیں گی کہ حق و باطل کی اس کشمکش کا فیصلہ یونہی جھٹ سے نہیں ہو جاتا۔ اس کے لئے بڑا لمبا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ چنانچہ اقوام سابقہ کے سلسلہ میں بعض اوقات یہ عرصہ اتنا لمبا ہو جاتا تھا کہ) رسول مایوس ہو جاتے تھے کہ اب یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور لوگ اپنے دل میں سمجھ لیتے تھے کہ انہیں تباہی اور بربادی کے جس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے' وہ خالی دھمکیاں ہیں۔ تو اس وقت' ہمارے رسولوں کی طرف ہماری نصرت آتی تھی۔ سو ہم' اپنے قانون مشیت کے مطابق' (رسول اور اس کی جماعت کو) تباہی سے محفوظ رکھتے تھے' اور مجرمین سے وہ عذاب ٹلا نہیں کرتا تھا۔

(سو جس طرح' اقوام سابقہ کے ساتھ ہوا' اسی طرح ان لوگوں کے ساتھ ہو گا)۔

۱۱۱ ہم اقوام سابقہ کے جو احوال و کوائف بیان کرتے ہیں' ان میں ان لوگوں کے لئے سامان عبرت و موعظت ہے جو عقل و فکر سے کام لیں (اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ) قرآن' کوئی من گھڑت کتاب نہیں۔ یہ ان تمام دعاوی کو سچ کر کے دکھا دے گا' جو اس سے پہلے' انبیاء سابقہ کی وساطت سے کئے گئے تھے۔ اس میں وہ تمام اصول و قوانین دیدیئے گئے ہیں جن کی' نوع انسان کو' صحیح زندگی بسر کرنے کے لئے ضرورت تھی۔ ان اصول و قوانین

لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

کو اس طرح نکھار اور ابھار کر بیان کیا گیا ہے (کہ ان میں کسی قسم کا التباس نہیں رہا)۔
یہ وہ ضابطہ ہے جو ہر اس قوم کو، جو اس کی صداقت پر یقین رکھے سفرِ حیات میں راہ نمائی کا کام دے گا اور اس کے لئے سامان نشوونما فراہم کرے گا۔
(یہ ہے تمام نوعِ انسان کے لئے خدا کی طرف سے آخری اور مکمل ضابطہ حیات)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ
رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ
يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ

---

① خدائے علیم وحکیم ورحیم کا ارشاد ہے کہ یہ کتابِ خداوندی (قرآن) کی آیات ہیں۔ یعنی اُس ضابطۂ خداوندی کے قوانین، جو تیرے نشوونما دینے والے کی طرف سے تجھ پر بذریعہ وحی نازل کیا جاتا ہے اور جو کیسر مبنی بر حقیقت ہے۔ لیکن اکثر لوگ، اس کے باوجود اس کی صداقت پر ایمان نہیں لاتے۔

② یہ اُس خدا کی طرف سے ہے جس نے، اتنے بڑے بڑے اجرام فلکی کو فضا کی بلندیوں میں معلق کر رکھا ہے۔ اور جیسا کہ تم دیکھتے ہو کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں۔ (یہ صرف اس کا قانون کشش وجذب ہے جس کے سہارے یہ قائم ہیں)۔ اس لئے کہ کائنات کا مرکزی کنٹرول خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح اس نے سورج اور چاند سب کو اپنے قانون کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک، ایک مدتِ معینہ کے لئے اپنے اپنے راستے پر چلا جا رہا ہے۔

جس خدا کا ہمہ گیر قانون، خارجی کائنات میں یوں تدبیرِ امور کرتا ہے، وہی خدا، اپنے اُس قانون کو، جس کے مطابق انسان کو زندگی بسر کرنی چاہیئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تمہیں اس حقیقت کا یقین ہو جائے کہ تمہیں بھی اُسی کے قانون کا سامنا کرنا ہے۔ تم اس سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔

③ تم غور کرو کہ اس کا قانون ربوبیت، کائنات میں کس طرح کارفرما ہے۔ اس نے،

أَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(زمین کے گول ہونے کے باوجود) اس کی سطح کو اس طرح پھیلا دیا ہے (کہ تم اس پر آسانی سے رہ سکو)۔ اور اس میں پہاڑ بنا دیئے۔ اور اُن سے دریاؤں کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اور اس میں ہر ایک پھل کے جوڑے دو دو قسم کے پیدا کر دیئے۔ اور (زمین کی گردش کا ایسا قاعدہ مقرر کر دیا کہ اس سے) رات کی تاریکی دن کی روشنی کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ان تمام امور میں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں ہمارے قانون کی ہمہ گیری کی کتنی بڑی نشانیاں ہیں۔

۴ پھر اس پر بھی غور کرو کہ زمین کے مختلف قطعات ایک دوسرے سے ملحق ہوتے ہیں (لیکن ان میں) کسی میں انگور کے باغ ہیں کسی میں کھیتیاں۔ کہیں کھجور کے درخت ہیں — ان میں سے بعض ایک ہی جڑ سے پھوٹ کر الگ الگ ہو جاتے ہیں اور بعض الگ الگ جڑوں سے اگتے ہیں — یہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں لیکن مختلف درختوں کے پھل خوبیوں کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں (ایک میں ایک خوبی ہے تو دوسرے میں دوسری) اس طرح ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہوتی ہے۔

ان امور میں بھی ان لوگوں کے لئے جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں ہمارے نظام ربوبیت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

۵ (خدا کے قانون تخلیق و نشوونما کی اس قدر گوناگوں نشانیوں کے باوجود اے مخاطب!) اگر تو کوئی تعجب انگیز بات سننا چاہے تو وہ ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ "جب ہم گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا اس کے بعد ہم ایک نئے انداز سے پھر پیدا ہوں گے؟" حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ (جو سمجھتے ہیں کہ انسان کی زندگی بس اس طبیعی جسم کی زندگی ہے۔ اس سے آگے کچھ نہیں) خدا کے قانونِ تخلیق و ربوبیت سے انکار کرتے ہیں۔ (اس لئے کہ "ربوبیت" کے معنی ہی کسی شے کو اس کی تکمیل کے

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ
عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝٦ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا
أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧

آخری نقطہ تک پہنچانا ہیں۔ اور انسان کی تکمیل کا آخری نقطہ اس کی موت نہیں ہے)۔ ایسا کہنے والے وہ لوگ ہیں جو (جہالت اور تقلید کی) زنجیروں میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ (ان کی نگاہ دور تک جا ہی نہیں سکتی۔ وہ وسعتِ نظر اور کشادگیٔ علم سے کام ہی نہیں لے سکتے۔ یہ لوگ زندگی کی وسعتوں سے انکار کر کے، کسی اور کا نقصان نہیں کرتے بلکہ اپنے مستقبل کی کھیتیوں کو اس طرح جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا لیتے ہیں کہ ان میں نشوونما کا امکان ہی نہیں رہتا۔

۶ (ان کی اسی تنگ نظری کا نتیجہ ہے کہ یہ) بجائے اس کے کہ اس کا انتظار کریں کہ تمہاری جدوجہد کے حسین و خوشگوار نتائج سامنے آجائیں، تم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جس تباہی کے متعلق تم ان سے کہتے ہو، وہ جلدی سے آجائے۔ انہیں اسکا علم نہیں کہ ان سے پہلے قوموں کی تباہی کی ایسی سرگذشتیں گزر چکی ہیں جو دنیا میں کہاوتیں بن گئی ہیں!

اس باب میں تیرے نشوونما دینے والے کا قانون یہ ہے کہ لوگوں کے ظلم اور زیادتی کے باوجود (عمل اور اس کے نتیجے میں مہلت کا وقفہ رکھا جائے تاکہ جو لوگ اس دوران میں غلط روش کو چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کر لیں) آنے والی تباہی سے ان کی حفاظت ہو جائے۔ (لیکن جو لوگ اس مہلت کے وقفے سے فائدہ نہیں اٹھاتے، وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں)۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کا قانونِ مکافاتِ اعمال کا بیچا کرنے میں بڑا سخت گیر واقع ہوا ہے۔

۷ یہ لوگ جو اس ضابطہ قوانین کی صداقت کو تسلیم نہیں کرتے، درحقیقت "قانون" کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ اسی لئے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ رسول کوئی محسوس معجزہ کیوں نہیں دکھاتا؟ حالانکہ تیرا کام صرف یہ ہے کہ تو انہیں، خدا کے اس قانون سے آگاہ کر دے کہ اگر تم غلط روش پر قائم رہے تو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

پھر ایک بات اور بھی ہے۔ اگر تیری دعوت اسی قوم مخاطب تک محدود ہوتی تو معاملہ کچھ مختلف ہوتا۔ لیکن تجھے تو ہر (موجودہ اور آنے والی) قوم کے لئے راہ نما بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس لئے تیرا منصب یہی ہے کہ تو خدا کے عالمگیر، غیر متبدل، قوانین پیش کرے جو زمان و مکان کی حدود سے ماورا رہوں اور جن پر غور و فکر سے ہر قوم راہ نمائی حاصل کر سکے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝

---

۸ (یہ جو اوپر کہا گیا ہے کہ عمل اور اس کے نتیجے میں ایک وقفہ ہوتا ہے تو اس کی بین مثال ان کے سامنے ہے کہ کس طرح' حمل قرار پانے سے' بچہ پیدا ہونے تک کا عرصہ ناگزیر ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ علم خداوندی کے مطابق ہوتا ہے جو جانتا ہے کہ مادہ کے پیٹ میں کیا ہے' اور رحم کے اندر اس میں کون کونسی چیزیں کم ہوتی رہتی ہیں اور کون کون سی بڑھتی ہیں۔ نیز' کونسا بچہ تکمیل تک پہنچتا ہے اور کونسا' تمام رہ جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ان اندازوں کے مطابق ہوتا ہے جو خدا نے مقرر کر رکھے ہیں۔

۹ اُس خدا کے اندازوں کے مطابق جو جانتا ہے کہ کسی شے کی موجودہ حالت کیا ہے اور مستقبل میں وہ کن مراحل سے گزرنے والی ہے۔ (اس کے کون کون سے جوہر مشہود ہو چکے ہیں اور کون کون سے ہنوز پوشیدہ ہیں)۔ اس کا قانون' بڑی قوتوں کا مالک اور بلند ترین مقام پر متمکن ہے —— ایسے بلند ترین مقام پر کہ اُس تک کسی کا ہاتھ ہی نہیں پہنچ سکتا جو اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کر سکے۔ وہ ہر ایک کی دسترس سے باہر ہے۔

۱۰ اُس کے قانون کی نگاہ اس قدر باریک بیں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی بات کو چھپائے' یا اُسے ظاہر کر دے۔ یا کوئی شخص دن کی روشنی میں' کھلے بندوں' چلے یا رات کی تاریکی میں (اِدھر اُدھر کچھ کرتا پھرے)۔ اس کے نزدیک سب یکساں ہیں۔

۱۱ (اُس کے قانون مکافات کی کارفرمائی کے لئے) ہر انسان کے آگے اور پیچھے ایسی قوتیں متعین ہیں جو اس کے ہر عمل کا پیچھا کر کے اُسے' اس کے نتیجہ تک پہنچاتی ہیں (۱۳/۱۰ ۸۲)۔ اور یوں انسان کا ہر عمل محفوظ ہو جاتا (اور نتیجہ خیز ہو کر رہتا ہے۔ پھر چونکہ قوم' افراد ہی کا مجموعہ ہوتی ہے' اس لئے یہی قانون' آگے بڑھ کر اقوام کو بھی محیط ہو جاتا ہے۔ اس قانون کا نتیجہ ہے کہ) خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت کو نہ بدلے (چنانچہ جس طرح

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ
خِیْفَتِهٖ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾
لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ
لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

یہ ایک محکم اصول ہے کہ زندگی کی جو خوشگواریاں کسی قوم کو حاصل ہوں وہ اس سے نہیں چھنتیں جب تک وہ اُن کی صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہے۔ ۵۲ - (اسی طرح) یہ بھی ایک غیر متبدل قانون ہے کہ جب کسی قوم پر اس کے اعمال کے نتیجہ میں تباہی آتی ہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا' اور نہ ہی اُس قوم کا کوئی حامی و مددگار ہو سکتا ہے۔ ہاں' اگر وہ پھر قانونِ خداوندی کی طرف رجوع کرے تو وہ اسکی مدد کر سکتا ہے۔

۱۲ (تباہیوں کی ایسی یاس انگیز حالت میں' قانونِ خداوندی کی طرف رجوع کرنے کی امید افزا کیفیت کا اندازہ کرنے کے لئے تم پھر کائنات میں غور کرو کہ ایک ہی حادثہ میں کس طرح 'بیم و رجا' ملے جلے ساتھ آتے ہیں)۔ تم دیکھو کہ بجلی چمکتی ہے تو اس سے خوف و ہراس پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی' پانی سے بھرے ہوئے بادل اُمنڈے ہوئے چلے آتے ہیں جو تمہارے لئے نفع بخشیوں کے پیغام بر ہوتے ہیں۔

۱۳ ان بادلوں کی گرج۔ بلکہ تمام کائناتی قوتیں۔ قانونِ خداوندی کی ہیبت سے لرزہ براندام اپنے اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں سرگرم عمل رہتی ہیں تاکہ اُس کی ربوبیت اس طرح نکھر کر سامنے آجائے کہ ہر دیکھنے والے کی زبان پر بے ساختہ کلماتِ تحسین آجائیں (+)۔ باقی رہی بجلیوں کی تباہ کاریاں' تو وہ اُس پر گرتی ہیں جو اُن کی زد میں اپنا آشیانہ بنا کر خود تباہ ہونا چاہتا ہے۔ اور یہ کچھ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔

یہ لوگ (اس قدر زندہ شہادتوں کے باوجود) قانونِ خداوندی کے بارے میں تجھ سے جھگڑا کرتے رہتے ہیں۔ (اور نہیں سمجھتے کہ خدا کا جو قانون' کائنات میں یہ کچھ کر رہا ہے' وہ) انسانی دنیا میں بھی کس قدر سختی سے مواخذہ کرنے والا ہے۔

۱۴ (اس لئے جو قوم یہ چاہتی ہے کہ اس کی کوششیں' ٹھوس تعمیری نتائج پیدا کریں' اُسے اُس کے قوانین کا اتباع کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ) ٹھوس' تعمیری نتائج پیدا کرنے والی ہر مانگ کی

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا
كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

قوانین سے وابستہ ہے۔ جو لوگ یہ چاہیں کہ اس کے قانون کو چھوڑ کر کسی اور کے قانون کی رُو سے تعمیری نتائج پیدا کر لیں، تو ان کی یہ آرزو اور کوشش اسی طرح رائیگاں جائے گی جس طرح اس شخص کی آرزو اور کوشش رائیگاں جاتی ہے جو دور سے پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر سمجھے کہ پانی اس کے مُنہ تک خود بخود پہنچ جائے گا۔ حالانکہ اس طرح پانی اس کے ہونٹوں تک کبھی نہیں پہنچ سکتا (یہ چیز قانون خداوندی کے خلاف ہے)۔ لہٰذا اُس کے قانون سے انکار کرنے والوں کی آرزوئیں بارآور نہیں ہو سکتیں۔ (۴/۱۲۳)۔

۱۵ (یہ لوگ جو ہمارے قانون سے انکار کرتے ہیں، دیکھتے نہیں کہ) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کوئی ہے طوعاً و کرہاً ہمارے قانون کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہے[1] (۳/۸۳؛ ۴۱/۱۱) اگر یہ لوگ کائنات کی بڑی بڑی چیزوں کو دیکھنا نہیں چاہتے تو، کم از کم اپنے جسم پر ہی غور کریں جو خدا کے قانونِ طبیعی کے تابع ہے۔ وہ دیکھیں کہ) ان کا سایہ کس طرح، صبح سے دوپہر تک، ایک سمت میں، اور دوپہر سے شام تک دوسری سمت میں رہتا ہے۔ (کیا انہیں اس پر اختیار ہے کہ وہ اس سایہ کی سمت کو بدل دیں؟ یہ لوگ یہاں تک تو مانیں گے کہ اس کے بدلنے پر انہیں اختیار نہیں۔ لیکن، اسے تسلیم نہیں کریں گے کہ، خدا کا قانون، اُن کے سایہ سے آگے بڑھ کر، ان کی ذات پر اور انسانی معاشرہ پر بھی نافذ ہوتا ہے)۔

۱۶ (اِن کی اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ) اگر تم اِن سے پوچھو کہ خارجی کائنات (زمین و آسمان) میں کس کا قانون کارفرما ہے، تو، جس طرح تم کہتے ہو، یہ بھی اسی طرح کہہ دیں گے کہ وہاں اللہ ہی کا قانون نافذ العمل ہے (۹۰/۲۳؛ ۹۳/۲۹)۔ ان سے کہو کہ پھر تم اپنی اصلی دنیا میں (اس کے قانون کو چھوڑ کر) دوسری قوتوں کو کیوں کارساز بناتے ہو، جن کی بے بسی کا

---

[1] اس کی تشریح کے لئے (۴۱/۱۱) دیکھئے۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ
عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ
فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾

یہ عالم ہے کہ وہ (دوسروں کے لئے تو ایک طرف) خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع اور نقصان کی قدرت نہیں رکھتیں ——— تم جب خدا کو الٰہ السماء مانتے ہو' تو اُسے الٰہ الارض کیوں نہیں مانتے؟ ($\frac{۶}{۳}$; $\frac{۴۳}{۸۴}$; $\frac{۲۱}{۲۲ — ۲۱}$)۔

ان دلائل کے بعد' ان سے پوچھو کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا' دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یا' کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اندھیرا اور اجالا یکساں ہو جائے؟ ($\frac{۱۱}{۲۴}$; $\frac{۳۵}{۱۹}$)

یا' ان سے پوچھو کہ انہوں نے جن ہستیوں کو خدا کی کارسازی میں شریک ٹھیرا رکھا ہے' کیا انہوں نے بھی' خدا کی مخلوق کی طرح' کوئی مخلوق پیدا کی ہے' اور ان دونوں کی مخلوق ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے' جس سے یہ اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ خدا یگانہ نہیں۔ اُس جیسے اور بھی ہیں۔

ان سے کہو کہ ان کا یہ خیال باطل ہے۔ ہر شے کا خالق صرف خدا ہے۔ وہ بے مثل اور یگانہ ہے اور تمام قوتوں کا واحد مالک' اور سب پر غالب۔

۱۷ (اب رہی یہ بات کہ اگر کائنات میں سب کچھ اُسی کا پیدا کردہ ہے تو پھر یہ کیا معاملہ ہے کہ یہاں صاف اور ستھرے پانی کے ساتھ خس و خاشاک بھی ہے اور خوشگواریوں کے ساتھ ناخوشگواریاں بھی۔ خیر کے ساتھ شر بھی ہے اور حق کے ساتھ باطل بھی؟ ان سے کہو کہ یہ اس لئے ہے کہ یہاں حق و باطل کی کشمکش کا قانون کارفرما ہے اور اسی کشمکش سے' کائنات اپنے ارتقائی منازل طے کرتی' آگے بڑھتی جاتی ہے۔ اسے مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ) وہ بادلوں سے مینہ برساتا ہے تو ندی نالے' اپنے اپنے ظرف کے مطابق' بہ نکلتے ہیں۔ پانی کے بہاؤ سے' زمین کا میل کچیل' جھاگ بن کر' زمین کی سطح پر آجاتا ہے' تو سیلاب کی رَو اسے بہا کر لے جاتی ہے اور زمین صاف ستھری رہ جاتی ہے)۔

یا یوں سمجھو کہ جب کسی دھات کو آگ میں تپایا جاتا ہے تاکہ اس سے زیورات' یا دیگر ضروریات کی چیزیں بنائی جائیں' تو اس کا کھوٹ' جھاگ بن کر اوپر آجاتا ہے (اور خالص دھات نیچے رہ جاتی ہے)۔

اسی طرح کائنات میں' خدا کے قانونِ کشمکش کے مطابق' تعمیری قوتیں' تخریبی قوتوں

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ
مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾ أَفَمَن يَعْلَمُ
أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ
اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾

سے ٹکراتی رہتی ہیں' تو تخریبی قوتیں' جھاگ کی طرح رائگاں چلی جاتی ہیں' اور جو کچھ نوع انسان کے لئے نفع بخش ہوتا ہے' وہ باقی رہ جاتا ہے۔ یہ ہے خدا کا قانون محو و ثبات (۱۳/۳۹ ؛ ۲۱/۱۸ ؛ ۴۲/۲۴)۔

۱۸ اس طرح خدا مثالوں کے ذریعے بات واضح کر دیتا ہے' ان لوگوں کے لئے جو خدا کی دعوت پر نہایت حسن کارانہ انداز سے لبیک کہتے ہیں (تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ جس دعوت کو لے کر وہ اٹھے ہیں' اس میں کس طرح تخریبی قوتوں سے تصادم ہوگا اور بالآخر کس طرح حق کی کامیابی ہوگی)۔

باقی رہے وہ لوگ جو اس دعوت پر لبیک نہیں کہتے (بلکہ اس کی مخالفت کرتے ہیں' تو ان سے کہہ دو کہ قانون خداوندی کی رُو سے ان کی تباہی یقینی ہے۔ آج تو ان کے لئے موقعہ ہے کہ وہ اس دعوت کو تسلیم کر کے اس تباہی سے بچ جائیں۔ لیکن اگر انہوں نے ایسا نہ کیا' اور ظہور نتائج کا وقت آگیا' تو اُس وقت) اگر ایسا ہو کہ ان کے پاس تمام روئے زمین کی دولت ہو' اور اس کے ساتھ اتنی ہی دولت اور جمع ہو جائے' اور وہ چاہیں کہ اس تمام دولت کو دے کر' اس تباہی سے بچ جائیں۔ تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔ اُس وقت ان کے اعمال کا حساب' ان کے حق میں بہت بُرا ہوگا' اور ان کا ٹھکانہ تباہیوں کا جہنم ہوگا —— اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

۱۹ ذرا سوچو کہ ایک شخص وہ ہے جو اس پر یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ تیرے نشو و نما دینے والے کی طرف سے نازل ہوا ہے' وہ حق ہے' اور دوسرا وہ ہے جو اس حقیقت کی طرف سے بالکل اندھا ہے —— کیا یہ دونوں کبھی برابر ہو سکتے ہیں؟

لیکن ان مثالوں سے انہی لوگوں کے سامنے حقیقت آسکتی ہے جو عقل و دانش سے کام لیں۔

۲۰ (وہ عقل و دانش نہیں جو جذبات کے تابع چلتی اور انفرادی مفاد پرستیوں کی راہیں دکھاتی

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا
ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾
وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

ہے۔ بلکہ) ان لوگوں کی عقل و دانش

(۱) جو اس عہد کو پورا کرتے ہیں جو انہوں نے اللہ سے کر رکھا ہے (۹/۱۱۱) اور اپنے اقرار کو کبھی نہیں توڑتے۔

۲۱ (۲) جو انسانیت کے ان ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا تھا (۲/۲۷)۔ اس لئے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اسکا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا۔

۲۲ (۳) جو اس مقصد عظیم کے حصول کے لئے جو ان کے پروردگار نے اُن کے لئے متعین کر رکھا ہے' نہایت ثبات و استحکام سے سرگرم عمل رہتے ہیں اور نظام صلوٰۃ متشکل کرتے ہیں' اور جو سامانِ نشوونما انہیں دیا جاتا ہے —— خواہ ان کی مضمر صلاحیتیں ہوں یا محسوس سامانِ زیست —— اسے' نوعِ انسان کی بہبود کے لئے' حسبِ ضرورت خفیہ یا اعلانیہ صرف کرتے ہیں۔ اور یوں' معاشرہ کی ناہمواریوں کو' اپنے حسنِ عمل سے دور کرتے ہیں (۱۱/۱۱۴ : ۲۸/۵۴)۔

۲۳ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اِس گھر (دنیاوی زندگی) کا انجام نہایت اچھا ہے۔ یعنی جنتی معاشرہ جس میں وہ داخل ہوں گے —— وہ بھی اور ان کے ماں باپ۔ بیویاں اور اولاد بھی' بشرطیکہ ان کے اعمال صالح ہوں جن سے وہ اس زندگی کے اہل قرار پا چکے ہوں۔ اور ان پر چاروں طرف سے ملائکہ کا نزول ہوگا۔ (۱۳/۴۱)۔

۲۴ جو یہ خوش خبریاں لیتے ہوئے آئیں گے کہ تمہارے لئے ہر طرح کا امن اور سلامتی ہے۔ اس لئے کہ تم نے نہایت استقامت اور استقلال سے مشکلات کا مقابلہ کیا۔ سو دیکھو کہ اس جدوجہد کے بعد' تمہاری زندگی کا انجام کیسا خوشگوار ہوا۔

۲۵ ان کے برعکس' وہ لوگ ہیں جو اس عہد کو جو انہوں نے خدا کے ساتھ نہایت مضبوطی سے باندھا تھا' توڑ ڈالتے ہیں۔ اور انسانیت کے جن رشتوں کو جوڑنے کا اس نے حکم دیا تھا' انہیں

فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ
وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا
أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَ
تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾

ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں (۱۳/۲۱ ، ۲/۲۷) اور اس طرح دنیا میں فساد اور ناہمواریاں برپا کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور ان کا انجام بڑا ہی خراب ہوتا ہے۔

۲۶ یاد رکھو! دنیا میں سامانِ معیشت خدا کے قانون کے مطابق ملتا ہے۔ جو فراواں لینا چاہے (اور اس کے لئے کوشش کرے تو اسے) فراواں مل جائے گا۔ جو نپا تلا لینا چاہے اسے نپا تلا ملے گا۔ (یہ سب خدا کے قانونِ طبیعی کے مطابق ہوتا ہے۔ جو شخص اس قانون کے مطابق کھیتی میں زیادہ محنت کرتا ہے اس کی فصل اچھی ہوتی ہے۔ ۱۷/۱۸ ۔ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ جو لوگ انسانیت کے رشتوں کو منقطع کر دیتے ہیں ان کا انجام خراب ہوتا ہے تو یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ زندگی بس اسی دنیا کی ہے۔ اس کے بعد کچھ نہیں۔ لہٰذا) وہ اسی دنیا کے مفاد کو اپنا نصب العین قرار دے لیتے ہیں اور اس میں مگن رہتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اگر انسان کا مستقبل (اخروی زندگی) تاریک رہے تو اس زندگی کی خوش حالی کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ (۲۰/۱۰۱ ۔ ۲۰/۱۰۲)۔

۲۷ (اب پھر اسی اعتراض کی طرف آؤ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ۱۳/۷۔ یعنی) یہ لوگ جو اس ضابطہ خداوندی کی صداقت پر ایمان نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس رسول کو، اس کے نشوونما دینے والے کی طرف سے کوئی (محسوس، نشان (معجزہ) کیوں نہ ملا؟

ان سے کہدو کہ خدا کا قانون یہ ہے کہ غلط اور صحیح راستے پر چلنا انسان کے اختیار اور ارادے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ لہٰذا جو شخص غلط راستے پر چلنا چاہے گا قانون خداوندی اسے غلط راستے پر چلنے دیگا۔ اسے اس راستے سے موڑ کر زبردستی صحیح راستے کی طرف نہیں لائے گا۔ اور جو شخص صحیح راستے کی طرف رجوع کرے گا اسے خدا کا قانون صحیح راستے پر چلنے دے گا۔ (یہی وجہ ہے کہ خدا کی طرف دعوت علیٰ وجہ البصیرت پیش کی جاتی ہے تاکہ ہر شخص اپنے دل کے پورے اطمینان سے اسے تسلیم کرے۔ اس پر کسی قسم کی زبردستی نہ ہو ——— نہ جسمانی الزام، نہ ذہنی)۔

۲۸ یہی وہ خدا کا قانون ہے جس سے ذہنی اور قلبی اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اس

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ
اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ
بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا
يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ

قسم کے اطمینان کے بغیر ایمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایمان انہی کا ہے جو اس طرح 'بطیب خاطر' قلب و دماغ کے پورے اطمینان کے بعد حقیقت کو تسلیم کریں۔

پھر سن لو کہ صحیح اطمینانِ قلب خدا کے اس قانون کی رُو سے حاصل ہو سکتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ (یعنی انسان کے اختیار و ارادے پر کسی قسم کا دباؤ نہ ہو اور وہ بطیب خاطر اعتراف حقیقت کرے)۔

۲۹ جو لوگ اس طرح ایمان لائیں اور اس کے بعد خدا کے متعین کردہ پروگرام کے مطابق ایسے کام کریں جن سے ان کی ذات کی صلاحیتیں بیدار ہوں اور انسانیت کے بگڑے ہوئے کام سنور جائیں۔ ان کے لئے ہر قسم کی خوشگواریاں ہیں اور نہایت حسین و متوازن مقامِ زیست (۳/۱۳)۔

۳۰ اے رسول! ہم نے تجھے اس قوم کی طرف اسی طرح رسول بنا کر بھیجا ہے جس طرح ان سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف رسول بھیجے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ جو کچھ ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں تو ان کے سامنے پیش کر دے۔ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ یہ خدائے رحمٰن کو نہیں مانتے۔ تم ان سے کہدو کہ وہ میرا نشو و نما دینے والا ہے اور اس کے سوا کائنات میں کسی کا اختیار و اقتدار نہیں۔ میرا سارا بھروسہ اسی کے قوانین کی محکمیت اور نتیجہ خیزی پر ہے اور اسی لئے میں ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

۳۱ (ان لوگوں کی طرف سے جو محسوس معجزات کا مطالبہ ہوتا ہے۔ (۱۳/۲۷) تو اس سے خود تمہاری جماعت کے بعض افراد کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر ان کا مطالبہ پورا کر دیا جائے تو یہ سب ایمان لے آئیں۔ اور یہ بہت اچھا ہو۔ ان سے کہدو کہ) اگر کوئی ایسا قرآن بھی ہوتا جس سے پہاڑ چلنے لگ جاتے اور زمین کی دور دراز مسافتیں آنکھ جھپکنے میں طے ہو جاتیں، حتیٰ کہ اس سے مردے بھی بولنے لگ جاتے (تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ ۚ قُلْ سَمُّوهُمْ ۚ
أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَم بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۚ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا
عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾

$\frac{6}{7}$ ؛ $\frac{6}{25}$ ؛ $\frac{6}{112}$ ؛ $\frac{15}{15}$ ؛ $\frac{15}{14}$ ؛ $\frac{16}{92}$ ؛ $\frac{16}{90}$)۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے تمام امور کو اپنے (قوانین کے) تابع رکھا ہے ——— اور اس باب میں قانون یہ ہے کہ جو ہدایت حاصل کرنا چاہے وہ عقل و فکر سے کام لے ($\frac{10}{100}$)۔

کیا اب بھی تمہاری جماعت کے لوگ (مومنین) اس بات کو نہیں سمجھے کہ اگر لوگوں کو زبردستی مومن بنانا مقصود ہوتا تو خدا کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہ تھا (کہ وہ لوگوں کو پیدا ہی اس طرح کرتا کہ سب صحیح راستے پر چلتے۔ (لیکن اس نے عمداً ایسا نہیں کیا۔ اس نے اس بات کو انسان کے اختیار و ارادہ پر چھوڑا ہے۔ لہٰذا) جو لوگ اس دعوت سے انکار کر رہے ہیں' وہ سرکشی کی راہ اختیار کئے رہیں گے (اور اس کی مخالفت میں میدان جنگ تک میں اتر آئیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) ان پر ان کی کرتوتوں کی وجہ سے آفتیں آتی رہیں گی اور یہ سلسلہ یہاں تک بڑھے گا کہ جنگ کی مصیبت خود ان کے گھر (مکہ) کے قریب نازل ہو جائے گی ——— (یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا) تا آنکہ یہ کشمکش فیصلہ کن مرحلہ تک پہنچ جائے گی (اور انہیں آخری شکست ہو جائے گی)۔ ایسا ہو کر رہے گا کیونکہ خدا کا قانون اپنی نتیجہ خیزی میں اٹل ہے۔ اس کے وعدے پورے ہو کر رہتے ہیں۔

۳۲ (یہ سب کچھ آہستہ آہستہ ہوگا۔ اور اس دوران میں' یہ لوگ تمہاری باتوں کا مذاق اڑاتے رہیں گے۔ لیکن تم اس سے دل برداشتہ نہ ہونا) اس قسم کا استہزاء تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے۔ ان لوگوں کو بھی' ہمارے قانونِ مکافات کے مطابق مہلت کا وقت ملتا رہا۔ لیکن جب وہ' اس پر بھی' اپنی غلط روش سے باز نہ آئے تو ان کی گرفت ہوئی۔ (اُس وقت انہیں معلوم ہوا کہ) اُن کے اعمال کے نتائج کس طرح ان کا پیچھا کر رہے تھے' اور ہماری عقوبت کیسی سخت ہوتی ہے۔

۳۳ (ان سے کہو کہ ذرا اس پر غور کرو کہ) جس خدا کے قانونِ مکافات کی ہمہ گیری اور جزرسی کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر فرد کے اعمال پر اس طرح نگاہ رکھتا ہے' کیا وہ (اپنی مدد کے لئے ان کا محتاج

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ
الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

ہوسکتا ہے) جنہیں یہ لوگ اسکا شریک ٹھہراتے ہیں؟ ان سے کہو کہ (خدا کے علم کی وسعتوں کے متعلق تو تمہیں بتادیا گیا ہے۔ اب تم جن ہستیوں کو اس کا شریک قرار دیتے ہو ذرا) ان کے علم کی تفصیلات بھی بیان کرو تاکہ پتہ چلے کہ روئے زمین پر کونسی بات ایسی ہے جو خدا کے احاطۂ علم سے باہر رہ گئی ہے اور اس کی خبر تم' ان شرکاء کے ذریعے خدا کو دینا چاہتے ہو — اُن شرکاء کے ذریعے جو کچھ بھی نہیں جانتے!

یا کیا یہ بات ہے کہ تم نے ان امور کی گہرائیوں میں اتر کر کبھی غور نہیں کیا۔ محض سطحی طور پر (جو سنتے آئے وہی دُھرا دیا)۔

(حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس' اِن کے دعوے کی صداقت کی دلیل کوئی نہیں۔ یہ محض جذبات سے کام لیتے ہیں جن کی وجہ سے) انہیں اپنی تدابیر بڑی خوش آیند دکھائی دیتی ہیں۔ اور اسی سے یہ صحیح راستے کی طرف آنے سے رک گئے ہیں۔

خدا کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ عقل و فکر سے کام نہ لیں اور اپنے جذبات کی رَو میں بہے جائیں' وہ کبھی صحیح راستے کی طرف نہیں آسکتے۔ سو جو لوگ اس طرح غلط راستہ اختیار کرلیں انہیں کون صحیح راستہ دکھا سکتا ہے۔

۳۴ اِن کی غلط رَوش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان پر اس دنیا کی زندگی میں بھی تباہی آئے گی' اور آخرت کی تباہی اس سے بھی زیادہ جگر پاش ہوگی۔ انہیں خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

۳۵ (اِن کے برعکس' صحیح راستے پر چلنے والوں کے لئے جنت کی زندگی ہوگی) اُس جنت کی مثال یوں سمجھو کہ' ایک باغ ہے جس میں پانی کی ندیاں جاری ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ اس کے پھل' ختم نہیں' دائمی ہیں' اور اس کی آسائشیں پائدار۔ (۱۳/۲۲ ؛ ۳۹/۷۳) اسی قسم کا مآلِ زندگی ہوگا ان لوگوں کا جو غلط رَوش سے بچ کر' قوانین خداوندی کی نگہداشت کریں گے۔ ان کے برعکس' جو لوگ ان قوانین سے انکار کریں گے' ان کا انجام تباہی اور بربادی ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ
اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝۳۶ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ
اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝۳۷ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا
مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ
اَجَلٍ كِتَابٌ ۝۳۸

۳۶ جن لوگوں کو ہم نے اس قسم کا ضابطۂ ہدایت دیا ہے (جس پر عمل پیرا ہونے کے نتائج ایسے خوشگوار ہیں) وہ ہر اس بات پر جو تیری طرف نازل کی جاتی ہے جشنِ مسرت مناتے ہیں۔ باقی رہیں دوسری جماعتیں، سو اُن میں ایسے لوگ بھی ہیں، جن پر اس کے بعض احکام بہت ناگوار گزرتے ہیں۔ ان سے کہدو کہ (تمہیں خوش آئے یا ناگوار گزرے) مجھے تو اسی کا حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ کی اطاعت اور محکومیت اختیار کروں۔ اور اُس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کروں۔ اسی مسلک کی طرف میں تمہیں دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف خود بھی رجوع کرتا ہوں۔

۳۷ اور اسی مقصد کے لئے ہم نے اِس ضابطۂ قوانین کو نہایت واضح طور پر نازل کیا ہے۔ اے مخاطب! اگر تو اِس علم و حقیقت کے پا لینے کے بعد بھی اِن راہ گم کردہ لوگوں کے خیالات کا اتباع کرے تو یہ سمجھ لے کہ قانونِ خداوندی کے مقابلہ میں نہ تو تیرا کوئی دوست اور کارساز ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی گرفت سے تجھے کوئی بچا سکتا ہے۔

۳۸ (باقی رہا ان کا یہ اعتراض کہ انہی جیسا ایک انسان کس طرح رسول بنا دیا گیا، تو ان سے کہدو کہ) ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے تھے۔ (وہ بھی تمہاری طرح انسان ہی تھے اور) ان کے بیوی بچے بھی تھے۔

(اس کے بعد ان کے اِس تقاضا کی طرف آؤ کہ جس تباہی کا تم بار بار ذکر کرتے ہو وہ آتی کیوں نہیں۔ تو ان سے کہدو کہ) یہ بات کسی رسول کے اختیار میں نہیں ہوتی کہ وہ اس قسم کی کھلی نشانی کو جب جی چاہے اپنی مرضی کے مطابق لے آئے۔ یہ چیزیں اللہ کے قانون کے مطابق اپنے وقت پر ظہور میں آتی ہیں۔ اس کا قانون یہ ہے کہ ہر عمل اور اس کے نتیجے کے ظہور میں ایک وقفہ ہوتا ہے۔ اس وقفہ کو میعاد یا اجل کہتے ہیں۔ یہ اجل ایک قانون کے مطابق متعین ہوتی ہے یعنی اس بات کے لئے قانون مقرر ہے کہ ایک عمل اپنے نتیجہ خیز ہونے میں کتنا وقت لیتا ہے

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ
نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ
اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

اسی طرح تو موں کی بھی اجل ہے۔ (۱۳/۳۸)

۳۹ جو قوم' نظریۂ زندگی' یا نظام حیات' اس قابل نہیں ہوتا کہ باقی رہے' وہ خدا کے قانون کے مطابق' مٹا دیا جاتا ہے۔ اور جو اپنے آپ کو' قانون خداوندی کے مطابق' محکم اور استوار ثابت کر دیتا ہے' اسے باقی رکھا جاتا ہے (۱۳/۱۷ ؛ ۴۲/۲۴)۔

یہ سب کچھ اُن اصولی قوانین کے مطابق ہوتا ہے' جو تخلیق کائنات کے ساتھ اللہ نے مقرر کئے تھے اور جن کے مطابق اسکا نظم و نسق چل رہا ہے۔

۴۰ جن باتوں کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ تو بہر حال ہو کر رہیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض باتیں تیرے سامنے وقوع پذیر ہو جائیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تو اس سے پہلے ہی وفات پا جائے۔ (لہٰذا اسکا خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ نتائج کب برآمد ہوتے ہیں)۔ تیرا کام یہ ہے کہ تو اس ضابطۂ ہدایت کو لوگوں تک پہنچاتا جائے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ دیکھیں کہ ہمارے قانون کے مطابق' نتائج کب ظہور میں آتے ہیں۔

۴۱ (یہ جو' ہر وقت' تقاضا کرتے رہتے ہیں کہ وہ نظام ربوبیت کب قائم ہوگا جس میں ان کی انفرادی مفاد پرستیاں ختم ہو جائیں گی تو کیا انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ہم کس طرح زمین (وسائل پیداوار) کو' بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھ سے چھین کر' ان کے مقبوضات کو کم کرتے چلے جاتے ہیں (۲۱/۴۴) — اسی طرح ایک دن ایسا آجائے گا جب ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہیگا۔ سب کچھ نوع انسان کے لئے عام ہو جائے گا (۴۱/۱۰)۔

یہ خدا کا فیصلہ ہے۔ اور خدا جو فیصلے کرتا ہے' دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں جو ان فیصلوں کو ٹال سکے' یا رد کر سکے۔ وہ محاسبہ کرنے میں بڑا تیز ہے۔

۴۲ ان سے پہلے بھی (مفاد پرست گروہوں نے) بڑی بڑی تدبیریں کر دیکھیں (کہ خدا کے فیصلے نافذ نہ ہونے پائیں' لیکن کسی کی کچھ پیش نہ گئی) ان کی تدبیریں خدا کے قوانین کے مطابق ہی نتیجہ پیدا کرتی رہیں۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿٤٣﴾

حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص جو کچھ بھی کرے' خدا کو اس کا اچھی طرح علم ہوتا ہے۔ لہٰذا قوانینِ خداوندی سے انکار کرنے والوں کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ آخر الامر بازی کس کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ اور کس کا انجام کیا ہوتا ہے؟

۴۳ یہ لوگ' جو قانونِ خداوندی سے انکار کرتے ہیں' کہتے ہیں کہ تو خدا کا پیغامبر نہیں۔ (اس لئے کہ تو اس تباہی کو جلدی نہیں لاتا جس کی دھمکیاں دیتا ہے) ان سے کہدو کہ (میں اس بات پر تم سے' قطعاً جھگڑا نہیں کرنا چاہتا)۔ تمہارے اور میرے درمیان' جو فیصلہ قانونِ خداوندی کی رو سے ہوگا' وہ میری صداقت کی کافی شہادت ہوگا۔ یا اس شخص کی شہادت جو قانونِ خداوندی سے واقف ہو' (اور اس لئے سمجھ سکتا ہو کہ جو کچھ میں پیش کرتا ہوں وہ خدا کا قانون ہے یا میرا خود ساختہ!)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ① اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ② الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ③

---

① خدائے علیم و رحیم کا ارشاد ہے کہ یہ ضابطہ' قوانین ہم نے تیری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تو اس کے ذریعے نوع انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے (۱۴/۳۳) اور ان کے نشو و نما دینے والے کے قانون کے مطابق' انہیں اس خدا کے تجویز کردہ راستے پر ڈال دے جو جلال و جمال اور حسن و قوت کا مالک ہے (۶۴/۱)۔

② وہ خدا' کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اُس کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل میں سرگرم عمل ہے۔ جو لوگ اس کی تجویز کردہ راہ پر چلنے سے انکار کرتے ہیں' اُن کے لئے سخت تباہی اور بربادی ہے —— غلط راستے پر چلنے کا نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

③ یہ وہ لوگ ہیں' کہ جب' اس طبیعی (حیوانی) زندگی' اور سطح انسانیت کی (اُخروی) زندگی کے مفاد میں ٹکراؤ ہوتا ہے' تو یہ' طبیعی زندگی کے مفاد کو ترجیح دیتے ہیں' اور لوگوں کو صحیح راستے کی طرف آنے سے روکتے ہیں (کیونکہ اس سے ان کے مفاد پر زد پڑتی ہے) اور کوشش کرتے ہیں کہ اس سیدھی راہ میں (اپنے خود ساختہ مذہب و شریعت کی آڑ میں) کجی پیدا

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۚ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى
لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَ
يَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

کر دیں' اور اس طرح دین کو کچھ سے کچھ بنا دیں۔
یہ ہیں وہ لوگ جو ایک بہت بڑی گمراہی کا شکار ہو رہے ہیں۔

۴ اور ہم نے جتنے رسول بھی بھیجے ہیں' وہ اپنی قوم کی زبان میں پیغام حق پہنچاتے تھے تاکہ وہ اس طرح' لوگوں پر قوانین خداوندی کو بالکل واضح کر دیں۔ (اس کے بعد' لوگوں کو اختیار دیا گیا کہ) جو چاہے' قانونِ خداوندی کے مطابق' سیدھی راہ اختیار کر لے اور جو چاہے غلط راستے پر چلتا رہے۔ اللہ کا قانون غلبہ اور حکمت پر مبنی ہے۔

۵ اسی نہج کے مطابق ہم نے موسیٰؑ کو' اپنے ضابطہ قوانین کے ساتھ' بھیجا کہ وہ بنی اسرائیل کو موت کی تاریکیوں سے نکال کر' زندگی کی روشنی میں لے آئے اور انہیں' ان تاریخی سرگزشتوں کی یاد دلائے جن میں نظامِ خداوندی کو غلبہ و تسلط حاصل ہوا تھا۔ ان سرگزشتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں جو مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے کام لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی کوششیں بھرپور نتائج کی حامل ہوں۔

۶ جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم' ان عنایاتِ خداوندی کو یاد رکھو کہ اس نے تمہیں کس طرح' فرعون کے پنجۂ استبداد سے نجات دلائی۔ وہ لوگ' تم پر' ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر' سخت عذاب لاتے تھے۔ ان میں بدترین عذاب یہ تھا کہ وہ تمہاری قوم کے معزز افراد کو ذلیل کیا کرتے تھے اور جو جوہرِ مردانگی سے عاری ہوتے تھے' انہیں معزز و مقرب بنایا کرتے تھے (۲/۴۹)۔ تمہارے نشوونما دینے والے نے' تمہیں اس مصیبت سے نجات دلا کر' تمہاری قومی زندگی میں بہت بڑی تبدیلی پیدا کر دی۔ اور یہ اس کی طرف سے بہت بڑی نعمت تھی۔

۷ اور تمہارے نشوونما دینے والے نے تمہیں صاف صاف بتا دیا کہ اس عظیم انقلاب سے مقصد یہ ہے کہ تمہارے لئے یہ امکانات پیدا کر دیئے جائیں کہ تم اپنی صلاحیتوں کی نشوونما کر سکو۔

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝٧ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ
لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝٨ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ
لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۖ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا
أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝٩ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ

اگر تم نے ایسا کرلیا' اور ان صلاحیتوں کو ہمارے پروگرام کے مطابق صحیح مصرف میں لائے' تو جو کچھ تمہیں حاصل ہوا ہے' اس میں اور اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا' اور جو کچھ ملا ہے اس کی قدر نہ کی' تو اس کا نتیجہ سخت تباہی اور بربادی ہوگا۔

۸ چنانچہ موسیٰؑ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے' ان سے کہدیا کہ اگر تم نے خدا کی اس بخشائش کی قدر نہ کی ——— اور صرف تم ہی نہیں' اگر ساری دنیا کے انسان بھی اس طرح ناسپاس گزاری کی راہ اختیار کرلیں' تو اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ انسانوں کی اپنی ہی تباہی ہوگی۔ وہ تمہاری سپاس گزاری کا محتاج نہیں۔ پورا نظام کائنات' اس کے سزاوارِ حمد و ستائش ہونے کی زندہ شہادت ہے۔ (لہذا' وہ تم سے جن باتوں کا مطالبہ کرتا ہے' وہ تمہارے ہی فائدے کے لئے ہیں)۔

۹ (موسیٰؑ نے ان سے یہ بھی کہا کہ) کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ ان قوموں پر کیا بیتی تھی جو تم سے پہلے ہو گزری ہیں ——— قوم نوحؑ۔ قوم عاد۔ قوم ثمود۔ اور کئی قومیں جو اُن کے بعد آئیں' اور جن کے حالات کسی تاریخ میں محفوظ نہیں۔ صرف اللہ کو معلوم ہیں۔ ان کی طرف' ان کے پیغامبر واضح قوانین لے کر آئے۔ لیکن' ان لوگوں نے ان کی سخت مخالفت کی اور ہر ممکن کوشش کی کہ اُن کی آواز کو بلند نہ ہونے دیا جائے ان کی بات آگے نہ بڑھنے پائے۔ انہوں نے ان رسولوں سے اعلانیہ کہدیا کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو' ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اور جس نظام کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو' ہمیں اُس کی صداقت اور کامیابی پر قطعاً یقین نہیں۔ ہمارے دلوں میں' اُس کے متعلق بڑے شکوک اور اضطرابات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

۱۰ اُن رسولوں نے اُن سے کہا کہ کیا تمہیں اُس خدا کے بارے میں شک ہو رہا ہے جس نے اس تمام کائناتِ پست و بلند کو پیدا کیا ہے؟ ——— جو نظام اُس خدا کا تجویز فرمودہ ہو' کیا تمہیں اس کی صداقت اور کامیابی کے متعلق شک ہے؟ وہ تمہیں اس نظام کی طرف' صرف اِس لئے

وَالْاَرْضَ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠ قَالَتْ لَهُمْ
رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ
بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١١ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ

دعوت دیتا ہے کہ تمہارے لئے اس تباہی سے محفوظ رہنے کا سامان پیدا کر دے جو تمہارے جرائم کی وجہ سے تم پر آنے والی ہے۔ اور اس طرح تمہیں ایک مدتِ معینہ تک' زندگی کی کامرانیوں اور خوشگواریوں سے بہرہ یاب ہونے کا موقع عطا کر دے۔

اس کے جواب میں وہ کہتے کہ تم ہماری ہی طرح کے ایک انسان ہو (اس لئے تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے کہ تمہیں خدا کی طرف سے وحی ملتی ہے)۔ تم چاہتے ہو کہ جن ہستیوں کی اطاعت وعبودیت ہمارے اسلاف نے اختیار کر رکھی تھی' ان سے ہمیں روک دو۔ (تاکہ ہم تمہارا مسلک اختیار کر لیں)۔

نیز' انہوں نے کہا کہ تم ان دلائل اور تاریخی شہادات کو چھوڑو۔ تم جو کہتے ہو کہ تمہاری یہ دعوت ضرور غالب آئے گی' تو اسے غالب کر کے دکھاؤ ——— اس طرح غالب کر کے کہ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے ——— (اُس وقت ہم دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے)۔

۱۱ اُن کے رسولوں نے ان سے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ ہم تمہارے ہی جیسے انسان ہیں' لیکن خدا' اپنے قانون مشیت کے مطابق' اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے' نبوت بطور موہبت عطا کر دیتا ہے۔ باقی رہا غلبہ وتسلط۔ سو وہ قانون خداوندی کے مطابق ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ (وہ کب حاصل ہوگا' یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اس کا ہمیں یقین ہے کہ وہ حاصل ضرور ہوگا۔ ہمیں قانونِ خداوندی کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ ہے۔ اور یہ صرف ہم پر ہی موقوف نہیں) جو لوگ بھی قانون خداوندی کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں' انہیں اس کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ ہوتا ہے۔

۱۲ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ ہم اس کے قانون کی محکمیت پر اعتماد نہ کریں جبکہ اس نے زندگی کی مختلف راہوں کو ہمارے سامنے اس طرح واضح طور پر بے نقاب کر دیا ہے (کہ ہر حقیقت واشگاف ہو کر ہمارے سامنے آگئی ہے)۔ اس کے قانون کی محکمیت پر اعتماد ہی تو ہے جس کی

وَلَنُصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ
مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ
الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾
مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاۗءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ
مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

وجہ سے ہماری کیفیت یہ ہے کہ تم ہمیں جس قدر اذیتیں پہنچاؤ گے ہم انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے اور ان سے ہمارا قدم کبھی نہیں ڈگمگائے گا۔

جب خدا کا قانون اس قدر محکم ہے تو ہر بھروسہ کرنے والے کو اس پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

۱۳ اس پر اُن لوگوں نے' جو قوانین خداوندی سے انکار کرتے تھے' اپنے رسولوں سے کہا کہ (ہم زیادہ باتیں سننے کے لئے تیار نہیں)۔ یا تو (چپکے سے) ہمارا مسلک اختیار کر لو' ورنہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے باہر نکال دیں گے۔

اُنہوں نے انہیں یہ دھمکی دی۔ اور اُن کے نشوونما دینے والے نے انہیں بذریعہ وحی کہدیا کہ (گھبراؤ نہیں)۔ ہم ان ظلم و زیادتی کرنے والوں کو تباہ کر دیں گے۔

۱۴ اور ان کی تباہی کے بعد' تمہیں ان کے ملک میں آباد کر دیں گے۔ (یہ کچھ اس لئے نہیں ہوگا کہ ہمیں تمہاری طرفداری مقصود ہے اور ان سے یونہی' عداوت ہے۔ یہ سب ہمارے اٹل قانون کے مطابق ہوگا) اور ہر اس قوم کے حق میں ایسا ہی ہوگا جو جانتی ہے کہ کائنات میں قانون خداوندی کا مقام کیا ہے اور اس قانون کے خلاف چلنے کا نتیجہ کیا — اور وہ اس نتیجہ سے خائف رہتی ہے۔

۱۵ چنانچہ وہ لوگ دلائل و براہین سے نہ مانے اور انہوں نے چاہا کہ ایک فیصلہ کن بات سامنے آجائے' تو وہ آگئی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سرکش اور باغی (جس نے قانونِ خداوندی کا مقابلہ کیا تھا) ناکام و نامراد رہا۔

۱۶ (اور یہ ناکامی اور نامرادی وقتی نہ تھی' بلکہ یہ) ایک مستقل عذاب تھا جو ان کے پیچھے لگ گیا۔ اُس ذلت کی زندگی میں انہیں کھانے پینے کو ملتا تھا' لیکن بجائے اس کے کہ اُس سے ان کی نشوونما ہوتی' وہ اُن کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما میں اُلٹا روک بن جاتا تھا (۴۷/۱۵)۔

۱۷ (انہیں اس ذلت کی زندگی کا احساس تھا' اس لئے) یہ سامانِ زیست ان کے حلق سے

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا
عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ
يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ
الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا

نیچے نہیں اترتا تھا۔ لیکن انہیں طوعاً و کرہاً اسے نگلنا پڑتا تھا۔ انہیں چاروں طرف موت کے سامان دکھائی دیتے تھے (اور وہ چاہتے بھی تھے کہ انہیں موت آجائے تاکہ اس عذاب سے چھٹکارا ہو جائے) لیکن انہیں موت بھی نہیں آتی تھی (۲۰/۷۴ ؛ ۸۷/۱۳) بلکہ موت آنے کے بجائے اس عذاب کی شدت اور بڑھ جاتی تھی ——— (اُف! ذلت اور محکومی کا عذاب بھی کس قدر الم انگیز اور جانگسل ہوتا ہے!)۔ یہ عذاب اِس دنیا کا تھا۔ اُخروی زندگی کا عذاب اس سے بھی زیادہ جانکاہ ہوگا۔

۱۸ (اور یہ چیز صرف انہی کے ساتھ مخصوص نہیں) جو لوگ بھی قوانین خداوندی سے انکار کر کے غلط راستوں پر چل نکلتے ہیں (وہ کہیں ہوں' اور کسی زمانے میں ہوں ان کے اعمالِ زندگی کی مثال یوں سمجھو جیسے ہلکی سی راکھ ہو جس پر آندھی کے دن زور کا جھکڑ چلے اور وہ ساری راکھ اڑ کر کہیں کی کہیں چلی جائے' اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے (ان کے اعمال' کوئی ٹھوس تعمیری نتیجہ مرتب نہیں کرتے' اس لئے وہ رائگاں جاتے ہیں)۔

غور کرو کہ انسان کی ناکام اور بے نتیجہ کوششوں کی' اس سے بری مثال' اور کیا ہو گی؟

۱۹ (یہ اس لئے کہ ان کی زندگی کا نقشہ' کائناتی نقشہ کے یکسر خلاف ہے) کائناتی نظام پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ وہاں ہر شے تعمیری نتیجہ مرتب کرتی ہے (اور جس چیز میں اس کی صلاحیت نہیں رہتی' وہ ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ ایسی چیز لے لیتی ہے جس میں اس قسم کی صلاحیت ہوتی ہے) لہٰذا اگر تم [illegible] کر تمہارے اعمال تعمیری نتائج پیدا نہیں کریں گے تو تم کائناتی نقشہ میں فٹ نہیں بیٹھ سکو گے اور خدا کا کائناتی قانون تمہیں اٹھا کر باہر پھینکے گا اور تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق لے آئے گا (۴۷/۳۸ ؛ ۹/۳۹ ؛ ۵۶/۶۱)۔

۲۰ [illegible] اور ان کو خدا کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔

۲۱ (ابھی تو وہ انتظار کا وقفہ ہے جس میں آخری' فیصلہ کن' تصادم کی تیاری ہو رہی ہے۔

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۚ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ
الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ
دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّيْ
كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

جب یہ وقفہ گزر جائے گا) اور سب قانونِ خداوندی کا سامنا کرنے کے لئے نکھر کر میدان میں آجائیں گے اور وہ وقت ہوگا جب (مضمر) چھپے ہوئے نتائج' محسوس (مشہود اور بارز) شکل میں سامنے آجائیں گے' تو اس وقت' اس تباہی کو دیکھ کر کمزور لوگ (یعنی عوام' جو لیڈروں کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں) اپنے لیڈروں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے پیچھے چلا کرتے تھے' تو آج کیا تم ایسا نہیں کرو گے کہ اس تباہی سے بچنے کی کوئی سبیل پیدا کر دو؟ وہ کہیں گے کہ اگر ہمیں اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر آتی تو ہم تمہارے بچاؤ کی بھی کوئی شکل بتاتے۔ (لیکن اب تو حالت یہ ہے کہ ہمیں خود اپنے بچاؤ کی بھی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی' اس لئے تمہیں کیا بتائیں؟ اب تو وہ وقت آچکا ہے کہ خواہ ہم اپنی روش پر بدستور چلتے جائیں' خواہ اسے چھوڑ دیں' نتیجہ یکساں ہے۔ اب اس تباہی سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں۔ ($\frac{۳۳}{۶۷}$; $\frac{۳۴}{۳۲}$; $\frac{۳۷}{۲۹ \over ۲۷}$; $\frac{۳۸}{۶۰}$; $\frac{۴۰}{۴۷}$)۔

۲۲ اور جب اس تصادم کا آخری فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان (یعنی انفرادی مفاد پرستیوں کا باطل نظام' جس پر یہ لوگ چلے آرہے تھے) کہے گا کہ ایک بات تم سے نظامِ خداوندی نے کہی تھی' سو وہ بات' حقیقت بن کر تمہارے سامنے آگئی۔ اور ایک بات تم سے میں نے کہی تھی' تو واقعہ اسکے خلاف ہوا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کوئی ایسی قوت نہیں تھی کہ میں تمہیں اپنے پیچھے زبردستی لگا لیتا۔ جو کچھ ہوا وہ صرف یہ ہے کہ' میں نے تمہیں آواز دی تو تم نے اس پر فوراً لبیک کہہ دیا' اور اس طرح میرے بلاوے کو قبول کر لیا۔ لہٰذا' تم مجھے الزام مت دو۔ خود اپنے آپ کو الزام دو۔ اب میں بھی چیخ و پکار کرتا ہوں (کہ میں گیا) اور تم بھی چیخ و پکار کر رہے ہو (کہ تم تباہ ہوئے۔ سارا معاشرہ کہرام مچا رہا ہے۔ چھوٹے بڑے سب دھائی دے رہے ہیں۔ لیکن) نہ میں ہی تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہوں۔ نہ تم ہی مجھے بچا سکتے ہو۔ تم نے' اس سے پہلے جو یہ روش اختیار کر رکھی تھی کہ میرے قوانین و احکام کی اطاعت' قوانین خداوندی کی طرح کیا کرتے تھے' میں تمہاری اس روش سے بری الذمہ ہوں۔ (اسے تم نے خود ہی اختیار کیا تھا)۔

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿٢٣﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿٢٧﴾

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ بھی قوانین خداوندی سے سرکشی برتیں ان کے لئے الم انگیز تباہی ہی ہے۔

۲۳ ان کے برعکس جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھ کر اس کے تجویز کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوں گے انہیں شادکامیوں اور کامرانیوں کی جنت میں داخل کیا جائے گا جسکی بہاروں پر کبھی خزاں نہیں آئے گی۔ اور یہ سب کچھ خدا کے قانون ربوبیت کے مطابق ہوگا۔ اس (جنتی معاشرہ) میں ہر ایک کی آرزو اور کوشش یہ ہوگی کہ وہ دوسرے کے لئے زیادہ سے زیادہ زندگی اور سلامتی کا سامان بہم پہنچائے۔

۲۴ ذرا غور کرو کہ ان ہر دو متضاد نظریات حیات اور نظامہائے زندگی کو خدا کس طرح ایک مثال کے ذریعے واضح کرتا ہے۔ خوشگوار نظریۂ زندگی کی مثال ایک ایسے عمدہ پھل دار درخت کی سی ہے جسکی جڑیں (پاتال میں) محکم اور استوار ہوں اور اس کی شاخیں فضائے آسمانی میں جھولے جھول رہی ہوں۔ (یعنی اسے معاشی زندگی میں مادی تمکن بھی حاصل ہو اور اسکے ساتھ ہی وہ بلند اخلاقی اقدار سے بھی ہمکنار ہو جن کا سرچشمہ مادی کائنات سے ماورا ہے)۔

۲۵ وہ درخت قانون خداوندی کے مطابق ہر زمانے میں ہر وقت پھل دیئے جاتا ہے۔ اللہ اس طرح تجریدی اور نظری حقائق کو محسوس مثالوں کے ذریعے واضح کر دیتا ہے تاکہ لوگ انہیں اچھی طرح سمجھ جائیں۔

۲۶ اسکے برعکس غلط نظریۂ زندگی اور نظام حیات کی مثال ایک ایسے نکمے درخت کی سی ہے جس کی کھوکھلی سی جڑ زمین کے اوپر ہی اوپر ہو کہ اسے جب جی چاہے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ (جو غلط نظام اخلاقی اقدار خداوندی سے ہمکنار نہیں ہوتا اسے ثبات و قرار نصیب نہیں ہو سکتا)۔

۲۷ اس طرح اللہ اس محکم نظریۂ زندگی کی رو سے ایمان والوں کی جماعت کو ان کی دنیاوی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا
خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

اور اُخروی زندگی (دونوں) میں، ثبات اور تمکن عطا کر دیتا ہے۔ اور جو لوگ اس نظام سے سرکشی برتتے ہیں، ان کی کوششیں رائگاں چلی جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ اس کے قانون مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔

۲۸ (اب تم، اس قانونِ مشیت کو سامنے رکھ کر، اقوامِ عالم کی تاریخ پر نگاہ ڈالو اور) اُن رہنمایانِ قوم کی حالت پر غور کرو جنہیں اللہ نے زندگی کی خوشگواریاں اور فراوانیاں عطا کیں۔ لیکن انہوں نے اُن کی قدر نہ کی (ان کا غلط استعمال کیا)۔ اور اپنی ملت کے کارواں کو ایسی منڈی میں لاکر ٹھیرا دیا جس میں ہر طرف کساد بازاری تھی۔ جہاں اس جنس کا سکہ کا کوئی خریدار نہ تھا۔

۲۹ یعنی انہیں تباہی اور بربادی کے جہنم میں جھونک دیا۔ اور یہ کیسی بری جگہ تھی جہاں انہوں نے اس قافلہ کو اتارا!

۳۰ انہوں نے کیا یہ کہ (نام تو لیتے رہے قوانین خداوندی کا لیکن) اس کے ہم پایہ ٹھیراتے رہے غیر خداوندی قوانین کو، تاکہ اس طرح لوگوں کو، خدا کے تجویز کردہ راستے سے بہکا کر، دوسرے راستے پر ڈال دیں۔

تم اِن لوگوں سے کہدو کہ تم نے بھی ایسی ہی روش اختیار کر رکھی ہے۔ سو اس سے تھوڑے دنوں تک فائدے حاصل کر سکتے ہو۔ اس کے بعد، تمہارے لئے بھی تباہی اور بربادی ہے۔

۳۱ ان کے برعکس، تم میرے ان بندوں سے، جو میرے قوانین کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہدو کہ (وہ اس سے نہ گھبرائیں کہ باطل کا نظام ہر طرف مسلط ہے اس لئے، اُس سے کس طرح نکلا جائے گا؟) وہ نظامِ صلوٰۃ کو قائم کرتے جائیں، اور ہم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہے —— وہ ان کی مضمر صلاحیتیں ہوں یا محسوس سامانِ زیست —— اُسے حسبِ موقعہ و ضرورت، علانیہ اور پوشیدہ، اس بلند مقصد کیلئے صرف کرتے چلے جائیں۔ ابھی تو اس کا موقعہ ہے۔ اگر یہ وقت نکل گیا تو پھر مشکل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ یہ جنس وہ نہیں جسے جب جی چاہے، بازار سے خرید لیا جائے یا کسی دوست سے

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ
وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۚ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۚ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ
كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

احساناً مانگ لیا جائے (اسے تو' موقعہ پر' خونِ جگر سے حاصل کیا جاتا ہے ۲/۲۵۴)۔

۳۲ اس طرح انسانی دنیا میں وہ نظامِ ربوبیت قائم ہو جائے گا جس کے اسباب و ذرائع خارجی دنیا میں پہلے سے مہیا کر دیئے گئے ہیں۔ اس مقصد کے لئے خدا نے کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو پیدا کیا۔ وہ بادلوں سے مینہ برساتا ہے جس کی آبیاری سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں تاکہ وہ تمہارے لئے سامانِ زیست بنیں۔ اس نے تمہارے لئے کشتیوں (اور جہازوں) کو مسخر کر دیا تاکہ وہ' اس کے قانون کے مطابق سمندروں میں چلتے رہیں۔ اور تمہارے لئے دریا بھی مسخر کر دیئے (تاکہ تم ان سے آبپاشی کا کام لو)۔

۳۳ اور اس نے تمہارے لئے چاند اور سورج کو بھی قوانین کی زنجیروں میں جکڑ دیا —— وہ ایک مقرر قاعدے کے مطابق' برابر چلے جا رہے ہیں —— نیز' اس نے تمہارے لئے دن اور رات کو بھی مسخر کر دیا۔

۳۴ غرضیکہ اس طرح اس نے' (اپنے کائناتی قانون ربوبیت کے مطابق) تمہیں وہ سب کچھ دے دیا' جس کی تمہیں' اپنی نشوونما کے لئے ضرورت ہے (۱۴/۳۴)۔ یہ سامانِ رزق اس قدر متنوع اور فراواں ہے کہ اگر تم اسے گننے لگو تو اس کا احاطہ نہ کر سکو۔

(یہ سامانِ رزق ہم نے' تمام انسانوں کی عالمگیر پرورش کے لئے دیا تھا لیکن انسانوں نے اسے اپنے قبضے میں لے کر' ایسی دست درازیاں شروع کر دیں کہ) ہر ایک' دوسرے کے حقوق چھیننے لگا اور جو کچھ کسی کے ہاتھ آیا' اسے دبا کر بیٹھ گیا۔

۳۵ (سرکش انسانوں کی ان دست درازیوں اور ناہمواریوں کی روک تھام کے لئے' ابراہیمؑ نے' نظامِ خداوندی کی بنیاد رکھی اور اس کے لئے ایک مرکز قائم کیا۔ ۱۴/۳۵)۔ اور اس سلسلہ میں خدا سے دعا کی کہ اے نوعِ انسان کو نشوونما دینے والے! تو اس بستی کو (جسے میں تیرے نظام کا مرکز قرار دے رہا ہوں) ایسا بنا دے کہ یہ' سرکش اور مستبد قوتوں کے ستائے ہوئے انسانوں کے لئے' مقامِ امن بن جائے۔ اور مجھے' اور میری اولاد کو (جو اس مرکز کی محافظ ہو گی)' اسکی توفیق

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾
رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ
اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ

عطا فرما کہ ہم ہر اُس کام' اور اُس شے سے مجتنب رہیں جو تیرے قانون کی اطاعت کے راستے میں حائل ہو' اور ہمیں تجھ سے بیگانہ بنا دے۔

۳۶ اے میرے نشوونما دینے والے! ان غیر خدائی قوتوں اور جاذبیتوں نے' بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ (اور یہ جو میں نے دعا کی ہے کہ میری اولاد کو صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا ہو تو یہ اس لئے کہ اگر وہ تیرے راستے پر چلے گی تو اس نظام کے مرکز کی تولیت کی اہل رہے گی۔ اگر وہ اس راستے پر نہ چلے گی' تو محض میری اولاد ہونا' اسے اسکا اہل نہیں بنا سکے گا (۲/۱۲۴)۔ اس نظام میں "اپنے" اور "بیگانے" کا معیار ہی بدل جاتا ہے) بیز "اپنا" وہ ہوگا جو اُس مسلک کا اتباع کریگا جس پر میں چلتا ہوں۔ جو اُس سے سرکشی برتے گا (تو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا' خواہ وہ میری اولاد میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ ۶/۱۴)۔ البتہ اس کی حفاظت اور پرورش کا انتظام' تیرے طبیعی قانون کے مطابق' اسی طرح ہوگا جس طرح دوسرے انسانوں کا انتظام ہوتا ہے۔ (کیونکہ تیرا طبیعی قانون کافر و مومن' سب کے لئے یکساں ہے۔ ۱۱/۱۵)۔

۳۷ اے ہمارے نشوونما دینے والے! میں نے (اس مقصد عظیم کے لئے) اپنی کچھ اولاد کو تیرے واجب الاحترام گھر کے پاس لاکر بسا دیا (اسے "تیرا گھر" اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ تمام انفرادی نسبتوں سے بلند ہو کر' عالمگیر انسانیت کی مشترکہ جائے امن ہے)۔ یہ ایک ایسے مقام پر واقع ہے جہاں کھیتی کا نام و نشان تک نہیں۔

میں نے یہ سب اہتمام اس لئے کیا ہے کہ میری اولاد نظام صلوٰۃ کو قائم کرے — یعنی اس نظام کو جس میں تمام افراد تیرے قوانین کا اتباع کریں —— سوائے ہمارے نشوونما دینے والے! تو ایسا کر دے کہ (ان تمام' بظاہر نامساعد حالات کے باوجود) لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں۔ نیز تو' ان کے لئے' زمین کی پیداوار سے سامانِ رزق فراہم کر دے (۲/۱۲۶) تاکہ (یہ معیشت کی طرف سے مطمئن ہو کر' اس مقصد کے حصول کے لئے' ایسے جذب و انہماک سے کام کریں کہ) ان کی کوششیں بھرپور نتائج کی حامل ہوں۔

۳۸ اے ہمارے پروردگار! جو کچھ ہمارے دلوں کے اندر ہے اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں' تجھ پر سب

مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِن شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿٣٨﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى
الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٩﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا
وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿٤٠﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا
عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ
لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿٤٣﴾

روشن ہے۔ (اور ایک ہم ہی پر کیا موقوف ہے) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کچھ بھی ایسا نہیں جو تجھ سے پوشیدہ ہو۔ (اس لئے تو یہ بھی جانتا ہے کہ جس نظام کی ابتدا اس چھوٹے سے پیمانے پر ہمارے ہاتھوں کرائی جا رہی ہے' اس کا مستقبل کیا ہونے والا ہے)۔

۳۹ (میں اس کے مستقبل کے متعلق بڑا پُرامید ہوں۔ اس لئے کہ یہ کچھ تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں کہ حالات کی نامساعدت کے باوجود تیری عنایات سے وہ کچھ ہو جاتا ہے جس کی انسان کو عام طور پر توقع نہیں ہو سکتی۔ مثلاً) تو نے مجھے میری کبرسنی میں (جبکہ میں اولاد کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا) اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ جیسے بیٹے عطا کر دیئے' جو تیری حمد و ستائش کے زندہ پیکر ہیں۔ لہٰذا مجھے پورا پورا یقین ہے کہ میرا خدا' میری دعا کو ضرور شرف قبولیت عطا کرے گا۔

۴۰ اس دعا کو' کہ وہ مجھے اور میری اولاد کو اس قابل بنا دے کہ ہمارے ہاتھوں نظام صلوٰۃ قائم ہو جائے ——— اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو میری اس آرزو کو ضرور پورا کر دے۔

۴۱ نیز میری یہ بھی دعا ہے کہ مجھ سے' میرے ماں باپ سے' اور دوسرے مومنین سے اگر کوئی چھوٹی موٹی کوتاہیاں ہو جائیں تو' ظہورِ نتائج کے وقت' ہم ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہیں (۹/۱۱۴)۔

۴۲ (ان آرزوؤں اور التجاؤں کے ساتھ' ابراہیمؑ نے اس نظام کی ابتدا کی تھی جس کی تکمیل کے لئے' اے رسول! اب تم اٹھے ہو۔ اس لئے) تم یہ خیال نہ کرو کہ یہ ظالم اور سرکش لوگ جو کچھ کر رہے ہیں' ہم اس سے بے خبر ہیں۔ (ہمارا قانون مکافات سب کچھ دیکھ رہا ہے) لیکن یہ وقفہ مہلت کا ہے۔ جب ظہورِ نتائج کا وقت آ جائے گا' اُس وقت' تباہیوں کو اپنے سامنے بے نقاب دیکھ کر' ان کی حالت یہ ہو جائے گی کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ ان کے ڈھیلے باہر نکل آئیں گے۔

۴۳ افراتفری کا یہ عالم ہوگا کہ یہ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر' منہ اٹھائے' بدحواس بھاگے چلے جائیں گے۔

وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ
نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُم مِّن قَبْلُ مَا لَكُم مِّن زَوَالٍ ﴿٤٤﴾ وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا
أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِندَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ
وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
ذُو انتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾

(سب ان کا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ حتیٰ کہ) اِن کی نگاہ بھی کاشانۂ چشم میں لوٹ کر نہیں آئے گی۔ انکے دل امید سے خالی ہو جائیں گے۔ یاس انگیز جذبات ان پر بری طرح سے چھا جائیں گے۔

۴۴ اے رسول! تو ان مخالفین کو تباہی کے اس قسم کے ہولناک عذاب سے آگاہ کر دے اُس وقت یہ سرکش اور مستبد لوگ خدا سے گڑگڑا کر التجا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مہلت دیدے۔ ہم تیری دعوت کو قبول کر لیں گے اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں گے۔

ان سے کہا جائے گا کہ تم اس سے پہلے قسمیں اٹھا اٹھا کر کہا کرتے تھے کہ ہماری قوتوں کو زوال نہیں آسکتا۔ (اب دیکھو کہ زوال کسے کہتے ہیں اور وہ کیسے آیا کرتا ہے؟)۔

۴۵ تم اُن لوگوں کی بستیوں میں بسے تھے جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی تھی۔ ہم نے تمہیں اُن کے واقعات سے آگاہ کر دیا تھا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ ہمارا قانونِ مکافات اِس قسم کے لوگوں سے کیا کیا کرتا ہے۔ نیز اور بھی طرح طرح کی مثالوں سے تم پر حقیقت واضح کر دی تھی۔

۴۶ ہم نے تمہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ اُن لوگوں نے نظامِ خداوندی کی مخالفت کے لئے طرح طرح کی چالیں چلیں —— ایسی چالیں کہ اُن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں —— لیکن ہمارے قانونِ مکافات کے مقابلہ میں ان کی کوئی چال کارگر نہ ہو سکی۔

۴۷ لہٰذا تم اس زعمِ باطل میں نہ رہو کہ خدا اپنے پیغامبروں سے (جو اس انقلاب کی دعوت لے کر آتے ہیں) وعدہ خلافی کرے گا۔ (اس کی ہر بات پوری ہو کر رہے گی) اس لئے کہ وہ بڑی قوتوں کا مالک ہے اور اس کے قانونِ مکافات کی رُو سے ہر غلط عمل کی سزا مل کر رہتی ہے۔ اس سے کوئی اِدھر اُدھر نہیں بھاگ سکتا۔

۴۸ (اے رسول! ان سے کہدو کہ میری اس دعوت سے ایسا انقلاب واقع ہوگا کہ) یہ زمین ایک دوسری زمین بن جائے گی۔ آسمان اور آسمان ہو جائے گا[1] —— یہ زمین و آسمان

[1] اگر ان الفاظ کے (مجازی نہیں بلکہ) حقیقی معانی لئے جائیں تو اس سے مفہوم وہ کائناتی انقلاب ہوگا (مانا صفحہ ۵۷۸ دیکھئے)

وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ
اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا
أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

بدل جائیں گے۔ موجودہ معاشرہ کی جگہ ایک نیا معاشرہ وجود میں آجائے گا۔ اور تمام لوگ اُس خدا کے سامنے اُبھر اور نکھر کر آجائیں گے جس کے قانون کے سوا اور کسی کا قانون نہیں چل سکتا' اور جو بڑی قوتوں اور غلبہ کا مالک ہے۔

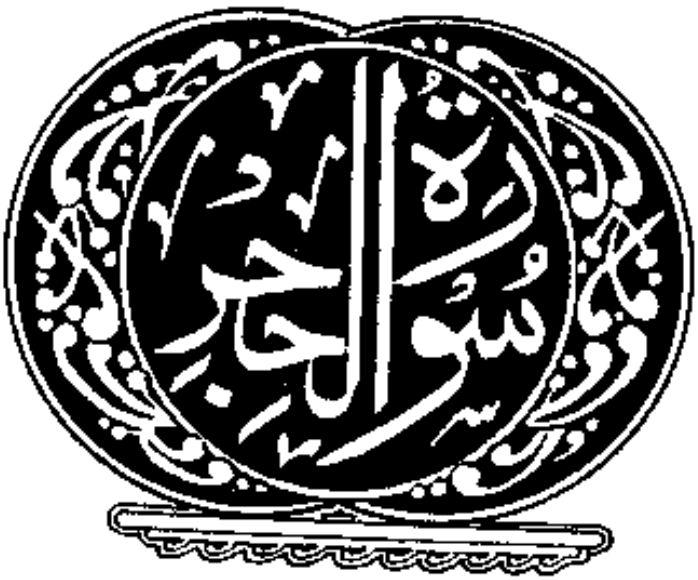
۴۹ اُس دن' تو ان مجرمین کو دیکھے گا (جو اس وقت یوں سرکشی اختیار کر رہے ہیں) کہ یہ (جنگی قیدیوں کی شکل میں) زنجیروں میں جکڑے چلے جا رہے ہوں گے۔

۵۰ ان کی زرہیں' جو انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے پہنی تھیں' تارکول کی طرح ان کے جسم سے چمٹ کر' ان کے لئے وبال جان بن رہی ہوں گی۔ ان کے چہرے' جنگ کی آگ سے جھلسے ہوئے ہوں گے۔

۵۱ یہ سب اِس لئے ہوگا کہ خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے' ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس کا قانون' اعمال کا محاسبہ کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتا۔ وہ بہت تیز واقع ہوا ہے۔

۵۲ یہ تمام حقائق اور واقعات اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ
(۱) اِن کی روشنی میں' انسانیت اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔
(۲) لوگ آگاہ ہو جائیں کہ غلط روشِ زندگی کا نتیجہ کس قدر تباہ کن ہوتا ہے۔
(۳) وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ کائنات میں اقتدار اور اختیار صرف خدا کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ اور
(۴) صاحبانِ عقل و بصیرت' ان حقیقتوں کو' اپنے سامنے رکھیں جنہیں عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے' اور ان سے عبرت حاصل کریں۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۵۷۷) جو کسی وقت آئیگا۔ اس کی کنہ و حقیقت کے متعلق ہم قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس سے مراد وہ انقلاب ہے جو نبی اکرمؐ کے ہاتھوں' اس معاشرہ میں رونما ہوا اور جس نے سب کچھ تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ اس اعتبار سے ہم نے اِن الفاظ کے مجازی معنی لئے ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

---

① خدائے علیم و رحیم کا ارشاد ہے کہ یہ اُس ضابطۂ خداوندی، یعنی قرآن کریم کی آیات ہیں جو اپنے مطالب کو بڑے واضح انداز میں بیان کرتا ہے۔



رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ذَرْهُمْ

يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝

---

۲ (اے رسول! اب یہ انقلاب اپنے فیصلہ کن مرحلہ پر پہنچ رہا ہے۔ اس کے بعد) یہ لوگ جو اسکی اِسطرح مخالفت کر رہے ہیں اس حسرت میں رہیں گے کہ اے کاش! ہم بھی اسے تسلیم کر لیتے!

۳ (اس وقت) تو انہیں اِن کے حال پر چھوڑ دے کہ یہ (زندگی کی حیوانی سطح پر) کھائیں پئیں اور سامانِ زیست سے فائدہ اٹھائیں (اسلئے کہ ان کے نزدیک زندگی کا مقصد ہی یہ ہے۔ یہ انہی مشاغل میں الجھے رہیں اور اس طرح) اِن کی لمبی چوڑی آرزوئیں (انہیں) انہیں (زندگی کے بلند مقاصد سے) غافل رکھیں۔ وہ وقت دُور نہیں کہ انہیں اپنی اس غلط رَوش کے انجام کا علم ہو جائے گا۔ (ابھی مہلت کا وقفہ ہے)۔

۴ اور (اِن سے پہلے بھی) ہم نے کسی قوم کو اِن کی مہلت کا وقفہ پورا ہونے سے پہلے تباہ نہیں کیا۔ یہ وقفہ ہمارے قانونِ مکافات کے مطابق متعین ہوتا ہے۔ اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ (۱۳/۳۸)

۵ ہمارا یہ قانونِ مہلت اس قدر اٹل ہے کہ نہ کوئی قوم اس وقفہ سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کے بعد زندہ رہ سکتی ہے۔ (غلط رَوش کے نتائج ٹھیک اپنے وقت پر ظہور میں آتے ہیں)۔

۶ (اِس وقت یہ لوگ خوابِ غفلت میں پڑے ہیں اور ان کے نشۂ قوت کی بدمستی کا یہ عالم ہے کہ)

لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ۝٧ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوٓا إِذًا مُّنْظَرِينَ
إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ۝٩ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝١٠ وَمَا يَأْتِيهِمْ
مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝١١ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝١٢ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ
خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝١٣ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝١٤

یہ کہتے ہیں کہ "اے وہ جس پر یہ قرآن نازل ہو رہا ہے' تو پاگل ہے"۔

۷ "اور اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئے؟"

۸ (اے کاش! یہ بات ان کی سمجھ میں آسکتی کہ) ہم ملائکہ کو یونہی نازل نہیں کیا کرتے۔ وہ اُس وقت نازل ہوا کرتے ہیں جب نتائج کے' حقیقت ثابتہ بن کر' سامنے آنے کا وقت آجائے۔ (وہی حق و باطل کی کشمکش کا آخری مرحلہ ہوتا ہے)۔ اُس کے بعد پھر کسی کو مہلت نہیں ملا کرتی۔

۹ اس قرآن کو ہم نے نازل کیا ہے (اس لئے اس کا ہر وعدہ سچا ہو کر رہے گا۔ اور چونکہ اسے' تمام نوع انسان کے لئے' ہمیشہ کے لئے' ضابطہ ہدایت بن کر رہنا ہے' اس لئے اسے ہر طرح سے مکمل کر دیا گیا ہے۔ اس میں کسی ردوبدل کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ ۶/۱۱۶)۔ اس لئے ہم خود اس کی حفاظت کریں گے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکے گی۔

۱۰ (اور تم کوئی نئے رسول نہیں ہو) ہم نے تم سے پہلے بھی مختلف گروہوں کی طرف رسول بھیجے تھے۔

۱۱ لیکن جو رسول بھی آیا' لوگوں نے اُس سے (اسی طرح) مذاق کیا (جس طرح یہ تم سے مذاق کرتے ہیں۔ لہٰذا تمہارے لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں)۔

۱۲ یہ سب مجرمین کی مشترکہ نفسیاتی کیفیت ہے (کہ وہ' اپنی قوت کے نشے میں' دلائل و براہین کا جواب استہزاء و استخفاف سے دیتے ہیں)۔

۱۳ یہی کیفیت تمہاری قوم کی ہے۔ یہ بھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے (اور جو کچھ پہلے لوگ کرتے رہے ہیں' وہی کچھ یہ بھی کریں گے)۔

۱۴ (یہ کہتے ہیں کہ اگر تو اپنے دعوئے رسالت میں سچا ہے تو ہمارے سامنے فرشتے لے آ۔ یہ ان کی محض کٹ حجتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ) اگر ہم ان کے سامنے' آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اُس میں چڑھنے بھی لگ جائیں (تو بھی یہ ایمان نہ لائیں)۔

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا
لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾
وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا
مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

---

۱۵ اُس وقت یہ کہنے لگ جائیں کہ ہماری نگاہ بند کر دی گئی ہے۔ یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (ایمان لانے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن پر غور و فکر کیا جائے۔ نہ یہ کہ اس قسم کی خارق عادات باتوں کا تقاضا کیا جائے)

۱۶ (باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ اس قسم کی باتیں جو قرآن میں بیان ہوتی ہیں' ان کو کاہن اور نجومی علم النجوم ــــ ستاروں کے علم ــــ کی رو سے بھی بتا سکتے ہیں۔ تو ستاروں کی کیفیت یہ ہے کہ ہم نے فضا کی بلندیوں میں' ابھرے ہوئے کرّے پھیلا رکھے ہیں' اور اُن سے روشنی منعکس ہوتی ہے تو وہ دیکھنے والوں کو بڑے خوشنما نظر آتے ہیں۔

۱۷ اور انہیں ہم نے ہر قسم کی تخریبی قوتوں سے محفوظ رکھا ہے۔ (اسی لئے تو یہ عظیم کارگہ کائنات' اس نظم و ضبط اور حسن و خوبی سے چل رہا ہے۔ یہ ہے ستاروں کی حقیقت جن کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ان کی گردش سے انسانی مقدرات اور واقعات کے متعلق پیش گوئیاں کی جا سکتی ہیں)۔

۱۸ (ان پیش گوئیوں کی بھی اس سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں کہ یہ) محض ان کی قیاس آرائیاں ہیں۔ (یہ قیاس آرائیاں اُس زمانے میں تو چل سکتی تھیں جب علم کی روشنی اس قدر عام نہ تھی۔ اب' قرآن کے بعد' ان کا دور ختم ہو گیا)۔ اب ہر قیاس و تخمین کے پیچھے علم و یقین کا ایک چمکتا ہوا شعلہ موجود ہے جو اُس کی حقیقت کو بے نقاب کر دیتا ہے۔ (۲۱۴ = ۲۶ × ۸۱ ؛ ۹ = ۳۶ × ۸ ؛ ۳۸ = ۵۲ ؛ ۵ = ۶۷ ؛ ۹ = ۷۲ × ۸)۔

۱۹ (حقیقت یہ ہے کہ یہ فضا' اور اس میں تیرنے والے کرّے' سب ہمارے نظام ربوبیت کے کل پرزے ہیں۔ بلندیوں کی طرف وہ کرّے اور پستی کی طرف) زمین کا کرّہ' جسے (گول ہونے کے باوجود) ہم نے پھیلا رکھا ہے اور اس میں بڑے بڑے پہاڑ بنا دیئے ہیں (جن سے دیگر فوائد کے علاوہ زمین کی آبپاشی کے لئے واٹر ورکس کا کام لیا جاتا ہے۔ اس پانی کے ذریعے) ہم نے زمین میں' نہایت عمدہ توازن اور تناسب سے' تمام چیزیں اُگائیں۔

۲۰ اور زمین کی اس پیداوار کو' تمہارے لئے وجہ معاش (روزی کا سامان) بنایا ــــ

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾
وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ
حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

تمہارے لئے بھی' اور اس مخلوق کے لئے بھی جن کے لئے تم رزق مہیا نہیں کرتے۔

۲۱ ہمارے پاس (کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں) ان چیزوں کے بے بہا ذخیرے ہیں (جو تمہارے لئے سامانِ زیست بنتی ہیں) لیکن ہم انہیں' ایک معینہ اندازے کے مطابق' باہر لاتے ہیں۔ (اس معینہ اندازے کا دوسرا نام قانونِ فطرت ہے)۔

۲۲ اس مقصد کے لئے' ہم ہوائیں چلاتے ہیں جو پانی کے بخارات سے لدی ہوتی ہیں۔ (برعکس آندھیوں کے۔ ۵۱/۴۱)۔ پھر ہم' انہی' بادلوں سے مینہ برساتے ہیں۔ اور اس کا پانی تمہارے پینے کے کام آتا ہے۔ (یہ ذخائر ہمارے پاس رہتے ہیں) تمہارے پاس نہیں رہتے۔

۲۳ اور (ہر شے کو ہمارے قانون کے مطابق) زندگی ملتی ہے اور اسی کے مطابق اُس پر موت طاری ہوتی ہے۔

(ان تصریحات سے واضح ہے کہ کائنات میں جس قدر سامانِ زیست ہے' اس کے) مالک ہم ہیں۔ (تم مالک نہیں ہو کہ اسے سمیٹ کر بیٹھ جاؤ۔ ۵۶/۶۳-۶۴)۔

۲۴ اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے کون (اپنی ہنرمندیوں اور چابک دستیوں کی بنا پر) آگے بڑھ جانے والے (اور اس طرح سامانِ معیشت کو اپنے قبضے میں لے لینے والے) ہیں۔ اور کون پیچھے رہ جانے والے ہیں۔

۲۵ (لیکن ہمارا نظامِ ربوبیت اس قسم کی تفریق و تقسیم کی اجازت نہیں دے سکتا) ہم ان سب کو یک جا اکٹھا کر دیں گے۔ اور یہ ہمارے اس قانون کی رو سے ہوگا جو سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہے۔

۲۶ (یہی وہ حقیقت ہے جسے' قصۂ آدم کے تمثیلی انداز میں' پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے اور جسے اب پھر دہرایا جاتا ہے)۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان کی پیدائش کی ابتدا' سیاہ کیچڑ سے ہوئی جو سوکھ کر کھنکھنانے لگتا ہے۔ (یعنی وہ طین لازب جس سے زندگی کا اوّلیں جرثومہ

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ
مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ
اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾
قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

وجود میں آیا (۳۷/۱۱)۔

۲۷ واضح رہے کہ انسانی تخلیق سے پہلے کرۂ ارض میں بے پناہ حرارت تھی۔ اس لئے ابتدائی یہاں ایسی مخلوق کی نمود ہوئی جس میں حرارت برداشت کرنے کی بڑی صلاحیت تھی۔ وہ مخلوق اب باقی نہیں رہی۔ انسان اسی کا جانشین ہے (۲/۳۰)۔

۲۸ اور جب تیرے نشوونما دینے والے نے کائناتی قوتوں سے کہا کہ میں سیاہ کیچڑ کی کھنکھنی مٹی سے انسان کی تخلیق کی ابتدا کرنے والا ہوں۔

۲۹ سو جب ایسا ہو کہ وہ زندگی کی مختلف ارتقائی منازل طے کر کے اس مقام تک پہنچ جائے جہاں اس میں ٹھیک ٹھیک تناسب اور توازن قائم ہو جائے اور میں اس میں اپنی توانائی کا ایک شمہ ڈال دوں اور یوں وہ صاحب اختیار وارادہ انسانی ذات کا حامل بشر بن جائے تو تم اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا۔

۳۰ چنانچہ اس پروگرام کے مطابق تمام کائناتی قوتیں اس کے سامنے جھک گئیں۔ (یعنی انسان میں یہ صلاحیت رکھ دی گئی کہ وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر سکے)۔

۳۱ لیکن اس کے اپنے سرکش جذبات اس کے سامنے نہ جھکے۔ انہوں نے اس سے انکار کر دیا اور سرکشی اختیار کر لی (۲/۳۴)۔

۳۲ خدا نے ابلیس (انسان کے سرکش جذبات) سے پوچھا کہ تم اس کے سامنے جھکنے والوں میں سے کیوں نہیں ہوتے؟ تم نے سرکشی کیوں اختیار کی؟

اس نے کہا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ایک ایسی مخلوق کے سامنے جھک جاؤں جسے سیاہ کیچڑ کی کھنکتی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے (یعنی انسان کی مادی تخلیق ایسی ہے کہ اسکے سرکش جذبات اس پر غالب رہتے ہیں۔ لیکن اسے جو خدائی توانائی کی جھلک — انسانی ذات — دیدی گئی ہے اس سے یہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کے جذبات اس پر غالب نہ آئیں)۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۳۴﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ
يُبْعَثُونَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿۳۷﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي
لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۴۰﴾ قَالَ
هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۱﴾

۳۴ خدا نے کہا کہ تو اس حالت سے نکل جا۔ تو ہر قسم کی سعادت سے محروم ہو گیا۔ (اگر انسان اپنے جذبات سے مغلوب ہو جائے' اور انہیں قوانین خداوندی کے تابع نہ رکھے تو وہ' زندگی کی سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے) (۱۵/۳۵)

۳۵ اور یہ محرومی انسان کے ساتھ مسلسل لگی رہتی ہے — اس دنیا میں بھی' اور اسکے بعد کی زندگی میں بھی۔

۳۶ اس نے کہا کہ مجھے انسان کی نشأۃ ثانیہ تک مہلت دیدی جائے۔ (اُس دور تک کہ انسان کی ترقی کے راستے میں جس قدر موانع ہیں' یہ انہیں دور کر کے' صحیح انسانی آزادی حاصل کر لے۔ جب انسان' ان تمام موانع کو دور کر کے' وحی الٰہی کے مطابق' صحیح آزادی حاصل کر لے گا تو اُسوقت' اس پر' اس کے تخریبی جذبات غالب نہیں آسکیں گے (۱۵/۱۴)۔

۳۷ خدا نے کہا کہ ہاں! تجھے اُس وقت تک کے لئے مہلت دی جاتی ہے۔ یعنی ایک وقتِ معلوم تک کے

۳۸ لئے۔ ("وقتِ معلوم" اِس لئے کہ انسان کی صحیح آزادی کا دور جس میں وہ اپنے پست جذبات پر غلبہ حاصل کر لے' ایسا نہیں جس کا کسی کو علم ہی نہ ہو سکے۔ یہ کوئی راز درون پردہ نہیں — اس کا ہر ایک کو علم ہو گا — اور ہوتا ہے)۔

۳۹ اس نے کہا کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے جو' اس طرح' زندگی کی سعادتوں سے محروم کر دیا' اور مجھ پر خوشگواریوں کی راہ مسدود کر دی ہے' تو میں بھی اب ایسا کروں گا کہ انسانوں کو' ان کی طبیعی زندگی کے مفاد و اسباب اس طرح خوشنما بنا کر دکھاؤں کہ وہ انہی میں الجھ کر رہ جائیں' اور انسانی زندگی کے بلند مقاصد کو یکسر نظر انداز کر دیں۔ (اور یوں' میری طرح' یہ بھی زندگی کی حقیقی سعادتوں سے محروم رہ جائیں)۔

۴۰ ہاں! جو تیرے مخلص بندے ہوں گے' ان پر میرا زور نہیں چل سکے گا۔ (وہ اپنے آپ کو وحی کے تابع رکھیں گے' اس لئے سرکش جذبات ان پر غالب نہیں آسکیں گے)۔

۴۱ خدا نے کہا کہ جس راہ پر یہ مخلص بندے چلیں گے' وہی' وہ توازن بدوش' راہ ہے جو

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿٤٢﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ
أَجْمَعِينَ ﴿٤٣﴾ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿٤٤﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾
ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿٤٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٧﴾ لَا
يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُم مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾

انہیں سیدھی زندگی کی منزل مقصود تک پہنچا دے گی۔ یہی راہ میری طرف لانے والی ہے (۱۶/۹)۔

۴۲ میرے ان بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکے گا۔ تیرا غلبہ انہی پر ہو سکے گا جو اس متوازن راہ کو چھوڑ کر تیرے پیچھے لگ جائیں۔

۴۳ یقیناً ان سب کے لئے تباہی اور بربادی کا جہنم ہے —— اور یہ وہاں پہنچ کر رہیں گے۔

۴۴ تباہی تو سب کے لئے ایک جیسی ہو گی' لیکن اس تک پہنچنے کے راستے مختلف ہوں گے۔ ان میں سے ہر گروہ کا الگ راستہ ہو گا جہاں سے وہ تباہی کے جہنم میں داخل ہو گا۔ (یعنی صراطِ مستقیم' جو جنت تک لیجاتی ہے ایک ہی ہے۔ لیکن جب اسے چھوڑ دیا جائے تو غلط راستے بے شمار ہوتے ہیں' اور مختلف لوگ' مختلف راستوں سے تباہی تک پہنچ جاتے ہیں —— ٹھیک نشانے کا مقام ایک ہی ہوتا ہے' غلط نشانے کے مقامات لاتعداد ہو سکتے ہیں۔ ٹھیک جواب ایک ہی ہوتا ہے۔ غلط جوابات کا شمار نہیں ہو سکتا۔ خدا کا دین ایک ہی ہے۔ انسانوں کے خود ساختہ مذاہب بے شمار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دین میں فرقے نہیں ہو سکتے۔ ۳۰/۳۱ —— ۳۰)۔

۴۵ ان کے برعکس متقین (زندگی کی تباہیوں سے بچ کر قوانین خداوندی کے مطابق چلنے والوں) کی منزل' سرسبز و شاداب باغات اور جاری چشمے ہوں گے۔

۴۶ اس جنتی معاشرہ میں (جو اس دنیا کی زندگی سے اُخروی زندگی تک مسلسل چلا جائے گا) وہ ہر تباہی سے مامون ہوں گے اور ان کی تمام صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہوتی جائے گی۔

۴۷ اس معاشرہ کے افراد کے دلوں میں (ایک دوسرے کی طرف سے جس قدر) گرہیں ہونگی سب صاف ہو جائیں گی —— بغض' کینہ' عداوت' فریب کی کوئی بات نہیں رہے گی۔ حتیٰ کہ کوئی راز ایسا نہیں ہو گا جسے وہ' ایک دوسرے سے پوشیدہ رکھیں (۳۳/۵۳)۔ وہ' بھائیوں کی طرح دل کھول کر' ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔

۴۸ وہاں انہیں' مشقت' تکان یا واماندگی چھو تک نہیں سکے گی۔ وہ ہر وقت تر و تازہ

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ
اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ
بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا
تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور ہشاش بشاش رہیں گے۔ نہ ہی وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

۴۹ (اے رسول!) میرے بندوں کو یہ خبر سنا دو کہ میرے ہاں ان کے لئے ہر قسم کی حفاظت اور نشوونما کا سامان ہے۔

۵۰ لیکن جو لوگ میرے قوانین کی خلاف ورزی کر کے اپنے لئے سامانِ ہلاکت خرید لیں گے ان کے لئے بڑی ہی الم انگیز تباہیاں ہوں گی۔

۵۱ الم انگیز تباہی کا یہ عذاب کس طرح آیا کرتا ہے' اس کے لئے انہیں (مثلاً) قوم لوط کی تباہی کا قصہ سناؤ جس کی ابتدا' ابراہیمؑ کے ہاں آنے والے مہمانوں سے ہوتی ہے۔ (۱۱/۶۹)۔

۵۲ وہ جب ابراہیمؑ کے ہاں آئے تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری سلامتی کے خواہاں ہیں۔ اس نے کہا کہ (تم اجنبی لوگ ہو اس لئے) مجھے تم سے کچھ اندیشہ سا ہے۔

۵۳ انہوں نے کہا کہ اندیشہ اور خطرہ کی کوئی بات نہیں۔ ہم تمہیں ایک ایسے بیٹے کی خوش خبری دیتے ہیں جو صاحبِ علم ہوگا۔

۵۴ اس نے کہا کہ تم مجھے بیٹے کی خوشخبری دیتے ہو' حالانکہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں — تم مجھے اولاد کی خوشخبری کن قرائن کی رُو سے دیتے ہو؟ اب میرے ہاں اولاد کی کیا امید ہو سکتی ہے؟

۵۵ انہوں نے کہا کہ ہم تمہیں بالکل سچی خوشخبری دیتے ہیں۔ تم ناامید مت ہو۔

۵۶ ابراہیمؑ نے کہا کہ نہیں! میں خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں۔ اُس سے تو وہی ناامید ہوتے ہیں جو اُس کا راستہ چھوڑ کر غلط راستوں پر چل نکلیں۔ یا جنہیں صحیح راستہ نہ مل سکے۔ جو اس کی راہ پہ چلیں' ان کے سامنے اسکی رحمت کے عالمگیر نقشے ہوتے ہیں۔ لہٰذا میں اسکی رحمت سے کیسے مایوس ہو سکتا ہوں؟ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ عام قرائن کے لحاظ سے اب میرے ہاں اولاد کی امید نہیں ہو سکتی۔

۵۷ پھر اس نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ تم جو بھیجے ہوئے آئے ہو' تو وہ کونسی مہم ہے جس کے لئے تم بھیجے ہو؟

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ؕ قَدَّرْنَآ
اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ
بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ
اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ
دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾

---

۵۸ انہوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ یعنی قوم لوطؑ کی طرف۔

۵۹ وہ ساری قوم تباہ ہو جائے گی' بجز لوطؑ کی اپنی جماعت کے لوگوں کے۔ انہیں بچا لیا جائے گا۔

۶۰ حتیٰ کہ لوطؑ کے اپنے گھرانے کے لوگوں میں سے' اس کی بیوی بھی تباہ ہو جائے گی۔ اس کے متعلق ہمارا اندازہ یہی ہے کہ وہ لوطؑ کے ساتھ نہیں جائے گی۔ قوم مخالف کے ساتھ پیچھے رہ جائے گی۔

۶۱ پھر جب وہ پیغامبر' قوم لوطؑ کے پاس آئے۔

۶۲ تو لوطؑ نے ان سے کہا کہ تم لوگ یہاں کے رہنے والے نہیں۔ اجنبی معلوم ہوتے ہو!

۶۳ انہوں نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ ہم یہاں کے رہنے والے نہیں۔ لیکن ہم وہ بات لے کر آئے ہیں جس کی بابت یہ لوگ تم سے جھگڑتے رہتے ہیں۔ (یعنی وہ تباہی جس سے تم انہیں آگاہ کیا کرتے ہو' اور یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو اسے لا کر دکھاؤ!)۔

۶۴ ہم اس تباہی کو ایک ٹھوس حقیقت بنا کر ان کے سامنے لانے کے لئے آئے ہیں۔ ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔ ایسا ہو کر رہے گا۔

۶۵ سو تم اپنی جماعت کو لے کر' کچھ رات گئے یہاں سے نکل جاؤ۔ آگے آگے انہیں جانے دو' اور ان کے پیچھے پیچھے تم خود چلو (کہ خطرہ کے وقت' امام۔ لیڈر۔ کو سب کے بعد جانا چاہیئے)۔ اور یہاں سے یوں دامن فشاں اٹھو کہ پھر اِس طرف مڑ کر بھی نہ دیکھو (۱۱/۸۱)۔ اور جس مقام کا تمہیں (خدا کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے' وہاں چلے جاؤ۔

۶۶ اور ہم نے لوطؑ کو بذریعہ وحی بتا دیا کہ صبح ہوتے ہی اس قوم کی جڑیں کٹ جائیں گی۔

۶۷ اِدھر یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ اُدھر جب بستی کے لوگوں کو ان نو واردوں کی اطلاع ملی تو

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

وہ خوشیاں مناتے ہوئے آپہنچے۔

۶۸ لوطؑ نے اُن سے کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں۔ تم ان سے کوئی نازیبا حرکت کر کے مجھے رسوا نہ کرو۔

۶۹ تم قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرو اور میری تذلیل کا باعث نہ بنو۔

۷۰ انہوں نے لوطؑ سے کہا کہ کیا ہم نے تم سے کہا نہیں تھا کہ تم دوسری قوموں کے لوگوں کو اپنے ہاں نہ ٹھیرایا کرو؟ (اب اگر تم وہی کچھ کرو جس سے ہم نے تمہیں روکا تھا تو اس کا خمیازہ بھگتو)۔

۷۱ اس پر لوطؑ نے ان سے کہا کہ (اگر کوئی اجنبی مرد ادھر آنکلے تو اس کے یہ معنی تھوڑے ہیں کہ تم اس پر پل پڑو!) یہ تمہاری عورتیں جو میرے لئے بمنزلہ میری اپنی بیٹیوں کے ہیں، موجود ہیں۔ (اپنی نفسانی خواہش کو ان سے پورا کرو)۔

۷۲ اس مقام پر ان فرستادگان نے لوطؑ سے کہا کہ (تم کن لوگوں کے ساتھ مغزماری کر رہے ہو) تمہاری زندگی کی قسم —— اور قسم اس دین کی جس پر تم ہو —— یہ لوگ تمہاری ایک نہیں سنیں گے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ کس طرح اپنی بدمستیوں میں اندھے ہو رہے ہیں!

۷۳ قصہ مختصر۔ ان لوگوں کو سورج نکلتے ہی ایک ہولناک زلزلے نے آپکڑا۔

۷۴ اور آتش فشاں پہاڑ سے ان پر مٹی کے پتھروں کی ایسی بارش ہوئی کہ ساری بستی تہ و بالا ہو گئی۔

۷۵ یقیناً اس واقعہ میں، ان لوگوں کے لئے عبرت کی بڑی نشانیاں ہیں جو فہم و فراست سے کام لے کر حقیقت تک پہنچنا چاہیں۔

۷۶ (قوم لوطؑ کی بستی کسی غیر معروف مقام میں نہیں تھی)۔ وہ اس راستے پر واقع تھی جہاں آمد و رفت کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔ (اس لئے یہ لوگ آتے جاتے اُس کے کھنڈرات دیکھ سکتے ہیں)۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ
مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨٠﴾ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ
مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ﴿٨٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ﴿٨٥﴾

---

۷۷ یقیناً ان کھنڈرات میں ان لوگوں کے لئے حقیقت شناسی کی نشانیاں ہیں جو خدا کے قانونِ مکافات پر یقین رکھتے ہیں۔

۷۸ اور اسی طرح' اصحاب الایکہ (گھنے جنگل کے رہنے والے' یعنی قبیلۂ مدین کے لوگ) بھی بڑے سرکش تھے۔

۷۹ سو ہم نے انہیں بھی' ان کی سرکشی کی سزا دی ـــــ اور یہ دونوں بستیاں (یعنی قوم لوطؑ اور قومِ مدین کے شہر) عام شاہراہ پر واقع ہیں۔

۸۰ اور اصحاب الحجر' یعنی قوم ثمودؑ نے بھی اپنے رسولوں کے پیغام کی تکذیب کی۔

۸۱ انہیں ہم نے واضح قوانین دیئے تھے' لیکن وہ ان سے روگرداں رہے۔

۸۲ (وہ بڑی طاقتور قوم تھی)۔ وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر' اپنے مکان بناتے تھے تاکہ (ان قلعہ نما گھروں میں) محفوظ رہیں۔

۸۳ (لیکن ان کے یہ محفوظ قلعے بھی انہیں' خدا کے عذاب سے نہ بچا سکے) صبح ہوتے ہی انہیں سخت ہولناک آواز کے ساتھ' عذاب نے آدبوچا۔

۸۴ اور جو کچھ انہوں نے اپنی کوششوں سے اپنے لئے بنا رکھا تھا' وہ اُن کے کسی کام نہ آیا۔

۸۵ (اے رسول! تم نے دیکھ لیا کہ اقوامِ سابقہ کو اُن کے غلط اعمال نے کس طرح تباہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ) یہ سلسلۂ کائنات (ارض و سما) پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ ٹھوس تعمیری نتائج مرتب کرتا رہے۔ (تخریبی قوتیں' کائنات کے پروگرام میں فٹ نہیں بیٹھ سکتیں' اس لئے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا' جو کچھ اُن اقوام کے ساتھ ہوا' وہی کچھ تمہاری مخاطب قوم کے ساتھ بھی ہوگا)۔ وہ فیصلہ کن انقلاب جس سے انہیں متنبہ کیا جاتا ہے' آکر رہے گا۔ لہٰذا' تم ان سے الجھو نہیں۔ (تبلیغ حق کا جس قدر ضروری کام تھا' وہ ہو چکا)۔ اب

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ
إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ
الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿٩١﴾

تم ان سے' نہایت خوش آیند طریق سے الگ ہو کر اپنے پروگرام کی تکمیل میں مصروف رہو۔ (۷۳/۱۰)

۸۶ یہ سب کچھ تیرے اُس پروردگار کی طرف سے کہا جا رہا ہے جس نے اس تمام سلسلۂ کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کس قسم کی سعی و عمل کا انجام کیا ہوتا ہے!

۸۷ ہم نے تمہیں اس تاریخ کے متعدد واقعات کا علم دیا ہے' جو اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی' یہ قرآنِ عظیم عطا کیا ہے (جو ان اصولوں کو اپنے اندر رکھتا ہے جن کے مطابق اقوام کی موت اور حیات کے فیصلے ہوتے ہیں) (۳۹/۲۳)۔

۸۸ (تاریخ کی ان سرگزشتوں' اور قرآن کے ان بنیادی حقائق کے بعد) تم طبیعی زندگی کے اُس ساز و سامان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے' ان میں سے مختلف طبقات کے لوگوں کو دے رکھا ہے۔ (اقوامِ سابقہ کو ان سے کہیں زیادہ ساز و سامانِ زیست حاصل تھا)۔ نہ ہی تم اپنے آپ کو اس غم میں گھلاتے رہو کہ یہ لوگ صحیح راستے کی طرف آ کر زندگی کی تباہیوں سے کیوں نہیں بچ جاتے! (نہ اقوامِ سابقہ نے اپنے پیغمبروں کی بات پر کان دھرا تھا۔ نہ یہ تمہاری بات سنیں گے)۔ تم اب (ان مخالفین کا خیال چھوڑ کر) اُن لوگوں کو' جو اس پیغام کی صداقت پر ایمان لے آئے ہیں' اپنے بازوؤں کے نیچے سمیٹتے جاؤ۔ (اور اس طرح مناسب تعلیم و تربیت سے' اپنی جماعتی تنظیم میں پختگی اور مرکزیت پیدا کرتے جاؤ۔ ۱۵/۹۴)۔

۸۹ اور فریقِ مخالف سے کہتے رہو کہ میں تمہیں' تمہاری غلط روش کے تباہ کن نتائج سے کھلے طور پر آگاہ کر رہا ہوں۔

۹۰ جن تباہیوں سے تو انہیں آگاہ کرتا ہے' ان کا کچھ اندازہ ان لوگوں کو ہو بھی چکا ہے۔

۹۱ یہ لوگ آپس میں قسمیں کھا کھا کر تمہاری مخالفت کرتے اور پھر جھوٹی قسموں سے تمہیں اپنی رفاقت کا یقین دلاتے تھے (۵/۵۳ ؛ ۹/۱۰۷ ؛ ۱۴/۴۴ ؛ ۱۶/۳۸ ؛ ۶۸/۱۰)۔ اور اپنا سارا زور یہ مشہور کرنے میں صرف کر دیتے تھے کہ قرآن' جھوٹ' افترا' سحر اور کہانت کے سوا کچھ نہیں۔ سو ہم نے انہیں طرح طرح کے مصائب و نوازل میں مبتلا کیا۔ (اور یہ تو ابھی ہلکے ہلکے جھٹکے تھے —— آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا ——)۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾
إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ
صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

۹۲ تیرے رب کا قانونِ مکافات اس پر شاہد ہے کہ ان سب سے ان کے اعمال کی باز پرس
۹۳ ہوگی۔ (اس قسم کی روش کا نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ اور ہو نہیں سکتا)۔
۹۴ لہٰذا اے رسول! تم ان کا خیال مت کرو، بلکہ (جیسا کہ تم سے کہا گیا ہے ۱۵/۸۹) ان سے الگ ہٹ کر اپنی جداگانہ تنظیم کرو، اور ان لوگوں سے اعراض برتو، جو خدا کے ساتھ اور قوتوں کو بھی شریک کرتے ہیں۔
۹۵ یہ لوگ، جو خدا کے اقتدار کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے ہیں، تمہاری ہنسی اڑا کر
۹۶ (بہت خوش ہوتے ہیں کہ بڑا کارنمایاں سرانجام دے رہے ہیں!)۔ ہم تیری طرف سے، ان کے لئے کافی ہیں۔ (ہمارا قانونِ مکافات ان سے نپٹ لے گا اور) انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان نے اس استہزاء کا انجام کیا ہے!
۹۷ ہمیں اس کا بھی علم ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس کا تمہارے قلبِ حساس پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس سے تم کبیدہ خاطر ہو جاتے ہو۔
۹۸ (لیکن تم ان کی باتوں کی قطعاً پرواہ نہ کرو۔ یہ تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ تمہیں ان باتوں میں الجھا کر تمہاری قوتوں کو منفیانہ طور پر ضائع کر دیں)۔ تم اپنے پروگرام کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف رہو تاکہ خدا کا نظامِ ربوبیت اس انداز سے متشکل ہو کر سامنے آجائے کہ وہ خدا کی حمد و ستائش کا زندہ پیکر بن جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم قوانین خداوندی کی کامل اطاعت کرتے جاؤ —— تم خود بھی ایسا کرو اور تمہاری جماعت بھی ایسا ہی کرے۔
۹۹ اور اس طرح اپنے نشو و نما دینے والے کی محکومیت پورے طور پر اختیار کر لو، تا آنکہ تمہارا یہ دعوٰے (کہ جس نظام کی طرف تم دعوت دیتے ہو، وہ نہایت خوشگوار نتائج کا حامل ہوگا، اور غلط نظام پر چلنے والوں کا انجام تباہی و بربادی ہوگا) پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے اور ایک ٹھوس حقیقت کی شکل میں دنیا کے سامنے آجائے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ① يُنَزِّلُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ
يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا

---

① (یہ مخالفین تقاضا کرتے ہیں کہ جس تباہی سے تم انہیں بار بار ڈراتے ہو اسے جلدی سے لے آؤ۔ $\frac{۲۹}{۵۴}$ - ان سے کہو کہ اس کے متعلق) خدا کا حکم آچکا ہے۔ اس کا ظہور عنقریب ہو جائے گا۔ تم اس کے لئے اس قدر جلدی کیوں مچاتے ہو۔ (وہ تمہارے لئے کونسی ایسی خوش بختی کی بات ہے جسے تم جلد حاصل کر لینا چاہتے ہو! تم اپنے ذہن میں خیال کئے بیٹھے ہو کہ جن قوتوں کو تم خدا کا ہمسر قرار دے رہے ہو، وہ اس فیصلۂ خداوندی کو روک لینگی۔ یہ خیال باطل ہے)۔ خدا ان سے بلند و بالاتر ہے۔

② وہ اپنے قانون مشیت کے مطابق اپنے بندوں میں سے جس کی طرف مناسب سمجھتا ہے، ملائکہ کو وحی دے کر بھیجتا ہے تاکہ اس (وحی) کے ذریعے لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ کائنات میں اختیار و اقتدار صرف خدا کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ لہٰذا تمہیں اُسی کے قوانین کی نگہداشت کرنی چاہیئے۔

③ اس نے بلند و پست کائنات کو بطور ایک حقیقت[1] کے تعمیری نتائج مرتب کرنے کے لئے

---

[1] قرآن کریم نے اس حقیقت کی بار بار وضاحت کی ہے کہ خدا نے کائنات کو بالحق پیدا کیا ہے۔ اس سے یہ بتلانا بھی مقصود ہے کہ
(باقی صفحہ ۵۹۴ پر)

يُشْرِكُونَ ﴿٣﴾ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٤﴾ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ
وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٥﴾ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ﴿٦﴾ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ
إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾

پیدا کیا ہے۔ (اور اس کا پورا کنٹرول اس کے ہاتھ میں ہے) جن قوتوں کے متعلق لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کی کارفرمائی میں شریک ہیں خدا ان سے بہت بلند ہے۔ (وہ اپنے اقتدار کے لئے کسی کی مدد کا محتاج نہیں)۔

۴ (ذرا کائنات کے مختلف گوشوں پر غور کرو)۔ سب سے پہلے انسان ہی کو لو، جو قانونِ خداوندی کی مخالفت میں اچھل اچھل کر سامنے آتا ہے۔ اس کی پیدائش ایک قطرۂ آب سے ہوئی جو ممکنات کی اتنی بڑی دنیا اپنے اندر لئے تھا۔ (سوچو کہ اگر یہاں خدا کے تعمیری قانونِ ربوبیت کے بجائے تخریبی قوتیں کارفرما ہوتیں، تو یہ قطرۂ آب کسی صورت میں بھی انسانی پیکر اختیار کر سکتا تھا؟)۔

۵ اس سے آگے بڑھو اور ان مویشیوں کو دیکھو جنہیں اس نے تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان میں تمہارے گرم لباس (کے لئے اون اور کھال) ہے۔ اسکے علاوہ کئی اور منفعت بخش چیزیں ہیں اور انہی میں ایسے جانور بھی ہیں جن کا گوشت تم کھاتے ہو۔

۶ (یہ تو اس کا افادی پہلو[1] ہے۔ اس کا دوسرا پہلو تحسین و جمال[2] کا ہے)۔ تم دیکھتے ہو کہ جب تم انہیں صبح (کی مرمریں روشنی اور شبنمی فضا میں) باہر جنگل میں چرانے کے لئے لے جاتے ہو۔ یا شام (کے شفق آگیں سکوت افزا سمے میں) انہیں چرا کر واپس لاتے ہو، تو یہ مناظر حسن و جمال کی کس قدر دلآویز کیفیتیں اپنے اندر لئے ہوتے ہیں۔

(کیا یہ کسی ایسے نظم و نسق کا نتیجہ ہو سکتا ہے جو تخریبی قوتوں کے بل بوتے پر چل رہا ہو؟)

۷ پھر دیکھو! یہی جانور (جو ایسے دل فریب مناظر کا موجب بنتے ہیں) تمہارے لئے بارِ برداری کا

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۵۹۳) کائنات ایک حقیقت (REALITY) ہے، خواب۔ وہم۔ سراب۔ مایا۔ فریب یا "حلقۂ دام خیال" نہیں۔ اس سے افلاطون کے قدیم تصور — کہ اشیائے کائنات محض پرچھائیاں ہیں — اور اس پر مبنی اس تمام فلسفہ کی تردید ہو جاتی ہے جس نے اس اڑھائی ہزار سال کے عرصہ میں مشرق اور مغرب کی قریب قریب ہر قوم کو مختلف انداز سے متاثر کیا ہے اور کائنات کے متعلق منفیانہ ردعمل پیدا کر کے انسانی قوائے عملیہ کو شل کر کے رکھ دیا ہے۔

[1] UTILITARIAN ASPECT

[2] AESTHETIC OR APPRECIATIVE ASPECT.

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨﴾ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا
جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩﴾ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ
فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿١٠﴾

کام دیتے ہیں۔ یہ تمہارا سامان اٹھا کر ایسے دور دراز شہروں میں لے جاتے ہیں کہ اگر تمہیں وہاں پیدل جانا پڑے (اور اس کے ساتھ ہی یہ بوجھ بھی اٹھانا پڑے) تو یہ سفر تمہارے لئے جانکاہ مشقتوں کا باعث بن جائے۔

غور کرو کہ تمہارے خدا کا نظام ربوبیت (جو کائنات کی وسعتوں میں پھیلا ہوا ہے) کسقدر رافت و رحمت کے سامان اپنے اندر رکھتا ہے!

۸ پھر تم گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو دیکھو کہ تم ان سے سواری کا کام بھی لیتے ہو، اور اسکے ساتھ ہی وہ تمہارے لئے موجب زینت بھی ہیں۔ (تاکہ افادیت[۵۱] اور حمدیت[۵۲] کے دونوں گوشے معمور رہیں)۔

ان کے علاوہ، وہ اور بھی بہت سی چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے جن کا تمہیں (ہنوز) علم نہیں۔

۹ تم دیکھتے ہو کہ یہ تمام جانور کس طرح آنکھ بند کئے اس راستے پر چلے جاتے ہیں جس پر چلنے کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ ان کا اپنے جبلی تقاضوں کے مطابق، صحیح راستوں پر چلے جانا، خدا ہی کے قانونِ ہدایت کی رُو سے ہے، حالانکہ ان کے سامنے اور راستے بھی موجود ہوتے ہیں جو ان کی جبلی خلقت سے دوسری طرف لے جاتے ہیں۔ لیکن وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

اسی طرح، اگر خدا چاہتا تو تمہیں بھی حیوانات کی طرح، مجبور پیدا کر دیتا، اور تم سب ان کی طرح، ایک مقررہ راستے پر چلے جاتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے تمہارے لئے ہدایت کا دوسرا طریق تجویز کیا ہے۔ (یعنی بذریعہ وحی و رسالت)۔

۱۰ (اب تم، اپنی اور حیوانات کی دنیا سے آگے بڑھ کر، خارجی کائنات کے دوسرے گوشوں پر غور کرو)۔ خدا وہ ہے جو (اپنے قانونِ طبیعی کے مطابق) بادلوں سے مینہ برساتا ہے جس میں سے کچھ تو تمہارے پینے کے کام آتا ہے اور کچھ زمین کو سیراب کرتا ہے جس سے جنگل پیدا ہوتے ہیں

---

۵۱ UTILITARIAN ASPECT

۵۲ AESTHETIC OR APPRECIATIVE ASPECT.

يُنۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالنَّخِيۡلَ وَالۡاَعۡنَابَ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ
يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ
يَّذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡكُلُوۡا مِنۡهُ لَحۡمًا طَرِيًّا وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡهُ حِلۡيَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ
وَتَرَى الۡفُلۡكَ مَوَاخِرَ فِيۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلۡقٰى فِى الۡاَرۡضِ رَوَاسِىَ

جن میں تم اپنے مویشی چراتے ہو۔

۱۱ اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتیاں پیدا کرتا ہے۔ نیز زیتون، کھجور، انگور، اور دیگر طرح طرح کے پھلوں کے باغات۔ یقیناً اس تمام سلسلۂ تخلیق میں، غور و فکر کرنے والوں کے لئے خدا کے نظام ربوبیت اور کائنات کے بالحق پیدا کئے جانے کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

۱۲ اور اس نے رات اور دن۔ چاند اور سورج کو تمہارے فائدے کے لئے، قانون کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ اور اسی طرح ستارے بھی، اس کے قانون کی رو سے تمہارے لئے مسخر ہیں۔ ان امور میں بھی ان لوگوں کے لئے، جو عقل و فکر سے کام لیں، حقیقت تک پہنچنے کی نشانیاں ہیں۔

۱۳ اور اس نے جو کچھ زمین میں تمہارے لئے پیدا کیا ہے، دیکھو! وہ کس قدر مختلف اقسام پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی ان لوگوں کے لئے، جو قوانین خداوندی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں منزل تک پہنچنے کا نشان ہے۔

۱۴ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر (جیسی حدود نا آشنا اور مہیب قوت) کو قانون کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے کہ تم اس سے، تر و تازہ گوشت، اور زیورات (کے لئے موتی) نکالو جنہیں تم پہنتے ہو۔ اور تم دیکھو کہ جہاز کس طرح سینۂ بحر کو چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں تاکہ تم (ان کے ذریعے، دور دور تک) تلاش معاش کرو، اور تمہاری کوششیں بھرپور نتائج پیدا کر سکیں۔

۱۵ اور اس نے زمین کو ایسا بنا دیا ہے کہ تم اس پر آرام اور سکون سے بیٹھے رہو اور وہ تمہیں لے کر گھومتی رہے۔ اور اس میں پہاڑ پیدا کر دیئے (جو تمہارے لئے واٹر ورکس کا بھی کام دیتے ہیں اور طرح طرح کے دیگر فوائد اپنے اندر رکھتے ہیں)۔ اور دریا اور خشکی کے راستے بنا دیئے تاکہ تم (بآسانی) اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جایا کرو۔ (۲۱/۳۱ ؛ ۳۱/۱۰)۔

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ
كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـــًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾
اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

---

۱۶ اور اس نے ایسے ایسے نشانات پیدا کر دیئے ہیں (جن سے راستہ چلنے والے دن کے وقت اپنی منزل کا تعین کر سکتے ہیں۔ باقی رہا رات کی تاریکیوں میں نشانِ راہ) سو اس کے لئے روشن ستارے بنا دیئے (جو جگمگاتی قندیلوں کی طرح) نشاناتِ راہ بنتے چلے جاتے ہیں۔

۱۷ (کائنات کے اس نظامِ تخلیق و ربوبیت پر غور کرو اور پھر سوچو کہ) کیا وہ جو یہ سب کچھ پیدا کر سکتا ہے اُس کے برابر ہو سکتا ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے اور اس سے حقیقت کو سامنے نہیں لا سکتے؟

۱۸ اور (ہم نے تو ابھی صرف چند چیزوں کا نام لیا ہے ورنہ اس مائدۂ ربوبیت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ) اگر تم خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو گننا چاہو تو وہ تمہارے حیطۂ شمار میں نہ آ سکیں۔ یہ نعمتیں دو قسم کی ہیں۔ کچھ وہ جو تخریبی قوتوں سے تمہاری حفاظت کرتی ہیں۔ اور دوسری وہ جو تمہارے لئے سامانِ نشوونما بہم پہنچاتی ہیں۔

۱۹ (ان حفاظتی اور نشوونما دینے والی نعمتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہاری ذات کی صلاحیتیں برومند ہوتی ہیں) وہ جانتا ہے کہ تمہاری کون کونسی صلاحیتیں نشوونما پا کر مشہود ہو چکی ہیں اور کون کونسی ہنوز مضمر ہیں۔ تم سے کیا کچھ ظاہر ہوتا ہے اور کیا کچھ چھپا رہتا ہے۔

۲۰ (یہ ہے وہ خدائے بزرگ و برتر جو عالمِ انفس و آفاق کا خالق، رازق اور رب ہے)۔ یہ لوگ اُس کے سوا، جن قوتوں سے اپنی مانگ وابستہ کرتے اور انہیں مدد کے لئے پکارتے ہیں، وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود مخلوق ہیں۔

۲۱ ان لوگوں کی یہ حالت ہے کہ زندہ انسانوں ہی سے نہیں بلکہ مُردوں تک سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں اور انہیں شریکِ خدائی سمجھتے ہیں ـــــ اُن مُردوں سے جنہیں اور باتوں کا علم ہونا تو ایک طرف، خود اپنے متعلق اتنا بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

۲۲ (لہٰذا، اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ) کائنات میں ایک ہی ہستی ایسی ہے جسے

لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا
أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ
يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ
الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

تم پر اقتدار حاصل ہے۔ وہ خدا کی ذات ہے۔ ان دلائل و براہین کے باوجود' جو لوگ (محض مفادِ عاجلہ کو سامنے رکھتے ہیں اور مستقبل کی زندگی پر ان کا ایمان نہیں' تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اُن کی عقلِ خود بیں' انہیں فریب کاریاں سکھاتی ہے اور اُسی کے بل بوتے پر' وہ بڑا بننے اور غرور اور سرکشی اختیار کرتے ہیں۔

۲۳ (لیکن یہ لوگ اس کا اقرار نہیں کریں گے کہ اُن کے اس نظام کو تسلیم نہ کرنے کی اصلی وجہ کیا ہے۔ مگر اللہ تو ان کے حال سے بے خبر نہیں) وہ جانتا ہے کہ ان کے دل میں کیا ہوتا ہے اور ظاہر کیا کرتے ہیں۔ جو لوگ اس طرح تکبّر اور سرکشی اختیار کریں' وہ خدا کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں قرار پا سکتے۔

۲۴ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ذرا اُس پر غور کرو جو تمہارے نشو و نما دینے والے نے نازل کیا ہے' (تو ان کے دل میں تو وہ جذبات موجزن ہوتے ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے' لیکن یہ صرف اتنا کہہ کر سرِ ملا دیتے ہیں کہ) یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (اس سے زیادہ اس میں رکھا ہی کیا ہے؟)۔

۲۵ (یہ کہہ کر' یہ لوگ خود بھی غلط رَوش پر اڑے رہتے ہیں۔ اور چونکہ معاشرہ میں انہیں ممتاز حیثیت حاصل ہے' اس لئے' ان کی دیکھا دیکھی' عوام بھی اسی رَوش پر چلے جاتے ہیں) یہ ہیں وہ لوگ جو ظہورِ نتائج کے وقت' اپنے اعمال کا پورا بوجھ بھی اپنی پیٹھ پر لادے ہوں گے' اور اُن لوگوں کے اعمال کے بوجھ کا کچھ حصّہ بھی' جنہیں یہ اس طرح' برنائے جہالت' گمراہ کر رہے ہیں (۲۹/۱۳)۔
اُف! کسقدر بڑا ہے وہ بوجھ جسے یہ لوگ اپنے اوپر لادے جا رہے ہیں۔

۲۶ (جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں' کوئی نئی بات نہیں)۔ ان سے پہلی قوموں نے بھی اسی قسم کی ڈپلومیسی اختیار کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوانین خداوندی نے ان کے نظام کی عمارت کی بنیاد تک کو ہلا دیا' اور اس کی چھتیں ان کے اوپر آ گریں۔ انہوں نے اپنی طرف سے ہر ممکن تدبیر کر رکھی تھی کہ ان کا نظام تباہ نہ ہو۔ لیکن ان پر تباہی اور بربادی کا عذاب' اُن راستوں سے آ پہنچا جو ان کی عقل و شعور میں نہیں تھے۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۷ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ
مِنْ سُوْۗءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى
الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۲۹ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۰

---

۲۷ (جو کچھ اُن لوگوں کے ساتھ ہوا' وہی کچھ ان لوگوں کے ساتھ ہونے والا ہے) ظہورِ نتائج کے وقت اُن کے حصے میں بھی ہر قسم کی رسوائیاں آئیں گی۔ اُس وقت اِن سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے وہ اعیان و مددگار کہاں ہیں جنہیں تم بزعم خویش خدا کا شریک سمجھتے تھے (۶/۲۲) اور جن کے بل بوتے پر تم اُس کے نظام کی مخالفت کیا کرتے تھے۔

جو لوگ حقیقت کا علم رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اُس وقت ہر قسم کی رسوائیاں اُن لوگوں کے لئے ہوں گی جو اس نظامِ حق و صداقت کی مخالفت کرتے ہیں۔

۲۸ (یعنی اُن لوگوں کے لئے جو سمجھتے یہ ہیں کہ وہ دوسروں کے خلاف زیادتیاں کرتے ہیں حالانکہ وہ زیادتی خود ان کی اپنی ذات کے خلاف ہوتی ہے۔ وہ اسی رَوش پر چلتے رہتے ہیں حتیٰ کہ موت کے فرشتے ان کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اُسوقت یہ لوگ چلّا اٹھیں گے کہ ہم بھی اس نظام کی تابعداری اختیار کرتے ہیں۔ اور کہیں گے کہ ہم کوئی خرابی کی بات نہیں کیا کرتے تھے۔

ان سے کہا جائے گا کہ تم غلط کہتے ہو۔ خدا کا قانونِ مکافات اچھی طرح جانتا ہے کہ تم کیا کچھ کرتے تھے۔

۲۹ اب تمہیں تباہی اور بربادی کے جہنم میں داخل ہونا پڑے گا اور اسی میں رہنا ہوگا۔

دیکھو! ذلت و خواری کی یہ زندگی ان لوگوں کے لئے کس قدر بری ہے جنہوں نے ناحق تکبّر اور سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔

۳۰ جن لوگوں نے قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی اختیار کر رکھی ہے (یعنی مومنین کی جماعت) اُن سے (یہ مخالفین) پوچھتے ہیں کہ جو کچھ تمہارے رب نے تمہاری طرف نازل کیا ہے' وہ ہے کیا؟ (اس کا ماحصل کیا ہے؟)۔ وہ اس کا جواب ایک لفظ میں دیتے ہیں۔ اور اسی ایک لفظ میں ساری

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۱
الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۲ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ
اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۳۳ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴

تفصیلات سمٹ کر آجاتی ہیں)۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے حاصل ہوگا ـــــ خیر ـــــ یعنی نفع بخشی اور زندگی کے ہر پہلو میں بہتری۔ بالفاظِ دیگر اس کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ اس کے مطابق حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کریں گے ان کے لئے اس دنیا کی زندگی میں بھی ہر طرح کی خوشگواریاں ہوں گی۔ اور مستقبل کی زندگی میں بھی ہر طرح کی بہتری۔ (۱۶/۹۷)۔

قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں کا گھر کتنا اچھا ہوگا!

۳۱ یعنی سدا بہار باغات کی خوشگواریاں جن کی شادابیوں میں کبھی فرق نہیں آئے گا۔ اُس میں وہ جو کچھ چاہیں گے انہیں میسر ہوگا۔

خدا کا قانون مکافات متقیوں کے حسن عمل کا اس طرح بدلہ دیا کرتا ہے۔

۳۲ یعنی ان لوگوں کے حسن عمل کا کہ (اُن کی زندگی تو ایک طرف) اُن کی موت بھی نہایت خوشگوار اور اطمینان بخش ہوتی ہے۔ ملائکہ انہیں امن و سلامتی کی خوش خبریاں دیتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنے اعمال کے بدلے میں جنت میں رہو سہو۔

(غور کرو کہ ان دونوں گروہوں ـــــ یعنی قوانین خداوندی کا انکار کرنے والوں اور انکے مطابق چلنے والوں ـــــ کی زندگی، دنیا اور آخرت، دونوں میں کس قدر مختلف ہوگی!)۔

۳۳ یہ (مخالفین) اب اس کے سوا اور کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ملائکہ ان پر عذاب لے کر اتر آئیں۔ یا تیرے رب کا فیصلہ (ویسے ہی) ظہور میں آجائے۔ یہی کچھ وہ لوگ بھی کیا کرتے تھے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ (چنانچہ جب ان کے اعمال کے ظہورِ نتائج کا وقت آگیا تو وہ تباہ و برباد ہو گئے)۔ اللہ نے ان پر ذرا بھی زیادتی نہیں کی (اللہ کسی پر بھی زیادتی نہیں کیا کرتا)۔ اُنہوں نے خود ہی اپنے آپ پر زیادتی کی تھی۔

۳۴ یعنی خود ان کے اعمال کے بُرے نتائج ان کے سامنے آگئے، اور جس تباہی سے آگاہ کرنے پر وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اُسی تباہی نے انہیں گھیر لیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ
مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ
رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ
فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰي هُدٰىهُمْ فَاِنَّ
اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

---

۳۵ یہ لوگ جو خدا کے اقتدار و اختیار میں دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں کہتے ہیں کہ "اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء و اجداد خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کرتے۔ اور نہ ہی اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ (یہ تو ہم اس لئے کر رہے ہیں کہ خدا کو منظور ہی ایسا ہے۔ اس میں ہمارا اختیار اور قصور کیا ہے؟ انسان مجبور ہے" ——— یہ بات کچھ انہی سے مخصوص نہیں)۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی قسم کی روش اختیار کر رکھی تھی۔ (وہ بھی اپنی غلط روش کے جواز میں "تقدیر کی آڑ لیا کرتے تھے) (۶/۱۴۹ ؛ ۳۶/۴۷ ؛ ۴۳/۲۰)۔

(اب سوچئے کہ جو لوگ اپنی گمراہی کا ذمہ دار خدا کو قرار دے دیں، انہیں کون راہ راست پر لا سکتا ہے؟) رسولوں کے ذمے تو اتنا ہی ہے کہ جو وحی انہیں دی جائے اسے واضح طور پر لوگوں تک پہنچا دیں۔

۳۶ ہم نے ہر قوم میں کسی نہ کسی رسول کو بھیجا کہ وہ ان سے کہدے کہ وہ صرف ایک خدا کے احکام کی اطاعت کریں اور ہر غیر خداوندی اقتدار کی محکومیت اور فرماں پذیری سے باز رہیں۔ سو ان میں سے بعض نے قانونِ خداوندی کے مطابق صحیح راستہ اختیار کر لیا، اور بعض نے اس سے انکار کیا تو گمراہی ان پر ثبت ہو گئی۔ (۱۶/۲۹)۔

سو تم مختلف ممالک میں جاؤ اور اقوامِ عالم کے تاریخی واقعات اور آثار پر غور کرو اور دیکھو کہ جن قوموں نے خدا کی طاقت اور قانون کو جھٹلایا تھا، ان کا انجام کیا ہوا؟

۳۷ (اے رسول! ہم جانتے ہیں کہ) تیری دلی آرزو ہے کہ یہ لوگ صحیح راستہ اختیار کر لیں (اور اس طرح تباہی سے بچ جائیں)۔ لیکن جو لوگ (اس اختیار کے مطابق جو انہیں خدا نے دیا ہے) غلط راستہ اختیار کر لیں، تو اللہ انہیں زبردستی سیدھی راہ پر نہیں چلایا کرتا۔ اور نہ ہی (قانونِ خداوندی کے خلاف) ان کا کوئی حامی و ناصر ہو سکتا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّمَا قَوْلُنَا
لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

---

۳۸ اور یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ جن قوموں پر (ایک دفعہ) مُردنی چھا جاتی ہے (اور ان کا شمار زندہ قوموں میں نہیں رہتا) وہ پھر نہیں اٹھ سکتیں۔ (اس لئے یہ جماعتِ مومنین جو کمزوروں اور ناداروں پر مشتمل ہے کبھی قوت حاصل نہیں کر سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں خدا کے قانون کا صحیح اندازہ نہیں) ان سے کہدو کہ یہ خدا کا وعدہ ہے جو حقیقت بن کر سامنے آجائے گا (اور اس کمزور جماعت کو ضرور غلبہ و اقتدار حاصل ہوگا)۔ لیکن اکثر لوگ (ان کی موجودہ حالت کو دیکھ کر) نہیں جانتے کہ یہ کیسے ہو جائے گا!

۳۹ انہیں ضرور زندگی اور قوت عطا ہوگی اور اس لئے عطا ہوگی کہ لوگ جن امور میں اِس وقت اختلاف کرتے ہیں (کوئی کہتا ہے کہ یہ دعوت برحق ہے۔ کوئی کہتا ہے باطل ہے) وہ ان کے سامنے کھل کر آجائیں۔ اور اس طرح وہ لوگ جو اس دعوت سے انکار کرتے ہیں جان لیں کہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹے تھے۔

۴۰ (ہمارے قانون کی قوتوں کا یہ عالم ہے کہ) ہم جب کسی بات کا ارادہ کر لیتے ہیں (اور یوں ہمارے قانون مشیت کی رُو سے طے پا جاتا ہے کہ اُسے یہ کچھ بننا ہے) تو ہم اسے کہدیتے ہیں کہ ہو جا۔ تو وہ (اپنے مختلف مدارج طے کرتی ہوئی) آخر الامر ظہور میں آجاتی ہے اور ایسا ہو کر رہتا ہے۔

۴۱ (اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت جماعتِ مومنین کی کمزوری اپنی انتہا تک پہنچ چکی ہے حتّٰی کہ انہیں اپنا گھر بار بھی چھوڑنا پڑا ہے۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے اسی قانون کے مطابق جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے) ان لوگوں کو جو ان مخالفین کے ظلم و تشدد سے تنگ آکر اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو رہے ہیں اس دنیا میں بھی نہایت عمدہ ٹھکانہ دیں گے۔ اور مستقبل کا اجر اس سے بھی بڑا ہوگا۔ اے کاش! یہ لوگ (جو ان کی بظاہر کمزوری اور ناتوانی کا تمسخر اڑا رہے ہیں) خدا کے اس قانون سے باخبر ہوتے کہ

۴۲ جو لوگ اپنے پروگرام پر استقامت سے جمے رہتے ہیں اور اپنے نشوونما دینے والے کے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ
وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ
مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ
يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾

قوانین کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں (انہیں یہ کچھ مل کر رہتا ہے)۔

۴۳ (اب رہا ان کا یہ اعتراض کہ انہی جیسا ایک انسان کس طرح رسول بنا دیا گیا۔ سو) ہم نے تجھ سے پہلے بھی جتنے رسولوں کو بھیجا تو اسی طرح بھیجا کہ وہ آدمی تھے اور ان کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔
ان سے کہو کہ اگر تمہیں خود اس کا علم نہ ہو تو ان اہلِ کتاب سے دریافت کر لو (کہ سابقہ رسول انسان تھے یا فرشتے تھے؟)۔

۴۴ ہم نے ان رسولوں کو واضح دلائل اور قوانین دے کر بھیجا تھا۔ اسی طرح ہم نے اے رسول! تیری طرف یہ ضابطہ قوانین بھیجا ہے تاکہ تو لوگوں پر اچھی طرح ظاہر کر دے کہ ان کے خدا نے ان کی طرف کیا نازل کیا ہے۔ اور اس طرح لوگ اس پر غور و فکر کریں۔

۴۵ یہ لوگ، جو تخریبی چالیں چلتے اور ناہمواریاں پیدا کرتے ہیں، کیا اس بات کی طرف سے بالکل مطمئن ہو چکے ہیں کہ ان کی قوتیں ماند پڑ جائیں، انہیں ملک میں ذلیل و خوار کر دیا جائے، یا ان پر کسی ایسے مقام سے تباہی آ جائے جو ان کے عقل و شعور میں بھی نہ ہو؟

۴۶ یا وہ انہیں ایسی حالت میں پکڑ لے جب یہ اپنی سکیموں کو بروئے کار لانے کیلئے تگ و دو اور الٹ پھیر کر رہے ہوں؟ یاد رکھو! یہ لوگ خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ نہ ہی اسے بے بس کر سکتے ہیں۔

۴۷ یا وہ، ان کی قوتوں کو آہستہ آہستہ کم کر کے انہیں بالآخر ختم کر دے۔ (۱۶/۴۵ ؛ ۱۷/۴)
یہ اس لئے کہ خدا کے نظامِ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ لوگ تخریبی قوتوں کے ظلم و استبداد سے محفوظ رہیں اور ان کی نشوونما ہوتی چلی جائے۔ (اس مقصد کے پورا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جو لوگ ظلم و ستم سے یوں باز نہ آئیں انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے تاکہ انسانیت آگے بڑھ سکے۔ اور لوگوں کے لئے قانونِ خداوندی کی اطاعت کی راہیں صاف ہو جائیں)۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾ وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿٥١﴾

۴۸ (یعنی انسانی دنیا میں بھی وہی نقشہ پیدا ہو جائے جس کے مطابق خارجی کائنات کا نظم و نسق جاری ہے۔ نظامِ کائنات کے بڑے بڑے کل پرزوں کو چھوڑو) کیا انہوں نے کبھی اس پر بھی غور نہیں کیا کہ مختلف چیزوں کے سائے کس طرح دائیں بائیں ڈھلتے رہتے ہیں؟ (اور اس سے انسان کس یقین کے ساتھ وقت کا اندازہ کر لیتا ہے۔ یہ کس طرح ہوتا ہے؟ اس طرح کہ چاند، سورج، اور روشنی کے دیگر سرچشمے اور وہ اشیاء جو ان کی روشنی کے سامنے آتی ہیں، سب) قوانین کے سامنے جھکی رہتی ہیں اور ان میں کوئی سرکشی نہیں برتتی۔

۴۹ (اور انہی چیزوں پر کیا منحصر ہے؟) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے، سب اُس کے قوانین کے سامنے سجدہ ریز ہے ——— خواہ وہ جاندار مخلوق ہو یا کائناتی قوتیں ——— ان میں سے کسی کو بھی مجالِ سرتابی نہیں۔ وہ اِن قوانین کی اطاعت سے کبھی سرکشی اختیار نہیں کرتیں۔

۵۰ وہ قانونِ خداوندی کی ہمہ گیری اور محکمیت سے جو ان پر مسلط ہے، اچھی طرح واقف ہیں (۲۴/۴۱) اور اس کی خلاف ورزی کے نتائج سے ہمیشہ خائف رہتی ہیں۔ اس لئے جس راستے پر انہیں لگایا گیا ہے، وہ سر جھکائے، اس پر چلتی رہتی ہیں۔ وہ خدا کے حکم کی سرتابی نہیں کرتیں۔

۵۱ (جس خدا کا ایسا محکم قانون، کائنات کی حدود فراموش پہنائیوں میں، اس نظم و ضبط سے کارفرما ہے) اُسی خدا نے انسانوں سے یہ کہا ہے کہ وہ اپنی دنیا میں بھی اُس کا قانون رائج کریں۔ یہ نہ کریں کہ خارجی کائنات میں تو خدا کا اقتدار و اختیار تسلیم کر لیں لیکن اپنی تمدنی اور عمرانی زندگی میں، اقتدار کسی اور کا تصور کر لیں (اور اسے انسانوں کے وضع کردہ قوانین کے تابع رکھیں)۔ انہیں اس حقیقت کا پورا پورا یقین ہونا چاہیئے کہ خارجی کائنات ہو یا انسانوں کی دنیا۔ سب میں اقتدار و اختیار صرف ایک خدا کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ سوا نہیں اُسی کے

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ
اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ
يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

قوانین کا اتباع کرنا چاہیئے اور اُن کی خلاف ورزی کے تباہ کن عواقب سے ڈرنا چاہیئے۔ (۲۱/۱۹ ؛ ۲۹/۶۱ ؛ ۴۳/۸۴)۔

۵۲ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اس کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ لہذا انسانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ اُس کے قوانین کی اطاعت کریں۔ اور التزاماً اور دواماً ایسا کریں۔

ان سے پوچھو کہ کیا ایسے واضح حقائق کے بعد بھی تم خدا کے علاوہ اوروں کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرو گے؟

۵۳ کیا تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ (خارجی کائنات میں) تمہارے لئے زندگی کی جس قدر سہولتیں موجود ہیں۔ اور کسب و ہنر کی جس قدر صلاحیتیں تمہیں نصیب ہیں سب خدا کی عطا کردہ ہیں —— نہ بنیادی طور پر یہ تمہاری پیدا کردہ ہیں، نہ ہی تم انہیں کہیں سے خرید سکتے ہو چنانچہ جب ان میں سے کوئی سہولت چھنتی ہے اور تمہیں نقصان پہنچتا ہے، تو تمہاری نالوں کا رخ خدا ہی کی طرف ہوتا ہے اور اسی کے قانون کے مطابق تمہاری مصیبتوں کا ازالہ ہوتا ہے۔

۵۴ لیکن جب وہ مصیبت دور ہو جاتی ہے —— جب نقصانات کا پردہ تمہاری اجتماعی زندگی سے اُٹھ جاتا ہے —— تو تمہاری سوسائٹی کا ایک گروہ (جمہور نہیں بلکہ اس سوسائٹی کا ایک گروہ) اس باب میں قانون خداوندی کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کر لیتا ہے۔ (اور لوگوں سے کہتا ہے کہ یہ سب ان کی ہنرمندی سے ہوا ہے۔ ۲۸/۷۸)۔

۵۵ تاکہ جو کچھ قوانین خداوندی کی رُو سے ملا ہے اسے دبا اور چھپا کر رکھیں —— عام نہ ہونے دیں۔ اور یوں خدا کی بخشائشوں کی ناسپاس گزاری کریں۔

ان سے کہدو کہ (تم اس رَوش کے مطابق کچھ دنوں کے لئے) ان سہولتوں سے فائدہ اٹھالو۔ اس کا نتیجہ بہت جلد تمہارے سامنے آجائے گا۔ (تمہارا یہ نظام دیر تک قائم نہیں رہ سکے گا۔ نظام وہی پائیدار ہوگا جس میں خدا کی نعمتیں، خدا کے بندوں کی ضروریات کے لئے عام اور کھلی رہیں۔ کوئی گروہ انہیں دبا کر نہ بیٹھ جائے ۱۴/۴)۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ
لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾
يَتَوٰرٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ
مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

۵۶ (اپنی اس روش کے جواز کے لئے یہ لوگ کرتے یہ ہیں کہ) جو کچھ ہم انہیں دیتے ہیں' اس میں سے ایک حصہ ان ہستیوں کے لئے الگ کر دیتے ہیں جنہیں حقیقت کا کچھ علم نہیں۔ (یعنی بطور نذر نیاز دید یتے ہیں یا چڑھاوے چڑھا دیتے ہیں۔ اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ باقی سارا مال پاک وصاف اور حلال وطیب ہو گیا)۔ یہ سب ان کے خود ساختہ معتقدات ہیں جن کی بابت ان سے پوچھا جائے گا کہ ان کے پاس ان کی سند کیا تھی؟

۵۷ (انسان کے خود ساختہ معتقدات کی بھلی پوچھی!) ان کا تو یہ بھی عقیدہ ہے کہ خدا کی بیٹیاں ہیں! (قطع نظر اس کے کہ خدا کی اولاد کا عقیدہ کس قدر باطل ہے' یہ لوگ' اولاد میں سے بھی اس کیلئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں) اور اپنے لئے کچھ اور (یعنی بیٹے) چاہتے ہیں۔

۵۸ حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کو یہ خبر ملتی ہے کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے تو اس کے چہرے کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے اور وہ غم میں ڈوب جاتا ہے۔

۵۹ وہ بیٹی کی پیدائش کی خبر کو اس قدر معیوب سمجھتا ہے کہ لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا ہے۔ —— اور سوچتا ہے کہ کیا بیٹی کو زندہ رکھ کر ہمیشہ کی ذلت برداشت کرے یا اسے زندہ دفن کر کے (اس ذلت سے نجات حاصل کر لے!)۔

اُف! کس قدر برا ہے یہ فیصلہ جو یہ لوگ اپنی معصوم بچیوں کے متعلق کرتے ہیں!!

۶۰ (یہ تو' تو ہم پرستی کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ) جو لوگ بھی مستقبل میں پیدا ہونے والی زندگی پر یقین نہیں رکھتے اور مفاد عاجلہ کے حصول ہی کو زندگی کا مقصود و منتہیٰ سمجھ لیتے ہیں' ان کی فکر و نظر اور سیرت و کردار کا سارے کا سارا ڈھانچہ بڑا ناہموار اور پست ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سیرت و کردار اور قلب و دماغ کے جو ڈھانچے' قانون خداوندی کے مطابق بنتے ہیں' وہ بڑے بلند ہوتے ہیں۔ یاد رکھو! قانونِ خداوندی' غلبہ اور حکمت' دونوں کو اپنے آغوش

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۚ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

میں لئے ہے اور جو ڈھانچے اس قالب میں ڈھلتے ہیں ان میں یہ اور دیگر صفاتِ خداوندی علیٰ حدّ بشریت منعکس ہوتی ہیں۔ (۳۰/۲۷)۔

۶۱ (یہ تخریبی اور تعمیری ڈھانچے یک لخت نمودار نہیں ہوجاتے۔ رفتہ رفتہ بنتے ہیں۔ اگر کائنات کے ارتقاء میں یہ تدریجی قانون کارفرما نہ ہوتا اور) خدا کا قانونِ مکافات لوگوں کی زیادتی پر فوراً انکی گرفت کرلیا کرتا، تو صفحۂ ارض پر کوئی چلنے والا (انسان) نظر نہ آتا (۳۵/۴۵)۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرتا، بلکہ انہیں مقررہ تاریخی منازل تک پہنچانے کے لئے ان کے انجام کو مؤخر کرتا جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہیں تو اس کے بعد نہ ایک ثانیہ کی دیر ہوتی ہے نہ سویہ (ان کے اعمال کا آخری فیصلہ کن نتیجہ سامنے آجاتا ہے)۔

تم نے دیکھا کہ قانونِ خداوندی میں حکمت اور غلبہ کس طرح کارفرما رہتا ہے!

۶۲ غور کرو کہ یہ لوگ کس طرح خدا کے متعلق ایسے تصورات قائم کرتے ہیں جنہیں خود اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتے۔ یہ زبان سے ہر جگہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ ان کے لئے خوشگواریاں ہی خوشگواریاں ہیں، (حالانکہ اندر سے ان کے دل جانتے ہیں کہ یہ غلط ہے)۔

بہرحال ان کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ یہ مصادمِ زندگی میں پیچھے رہ جائیں گے۔ یہاں بھی، اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی۔ (زندگی کے ارتقاء میں پیچھے رہ جانے والوں کا مقام جہنم ہے۔ جنتی آگے بڑھ جانے والے ہیں ۵۶/۱۰)۔

۶۳ اے رسول! خدا کا نظامِ ہدایت اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلی قوموں کی طرف بھی اپنے رسول بھیجے۔ لیکن اُن (غلط رو قوموں) کی مفاد پرستیوں نے اُن کے بُرے اعمال، ان کی نگاہوں میں خوشنما بناکر دکھائے۔ وہی مفاد پرستیاں آج ان لوگوں کے اعصاب پر سوار ہیں۔ وہی ان کی ہمدم اور کارساز ہیں۔ سو جس طرح اقوامِ سابقہ کے ساتھ ہوا، اُسی طرح ان کے ساتھ ہوگا۔ ان کے لئے بھی بڑی الم انگیز تباہی ہوگی۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾
وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَ
اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾
وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾

---

۶۴ اور ہم نے تیری طرف یہ ضابطۂ ہدایت (قرآن) بھیجا ہی اس لئے ہے کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، انہیں نمایاں کرکے دکھادے تاکہ باہمی اختلافات مٹنے کے بعد نوعِ انسانی اُمّتِ واحدہ بن سکے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس ضابطہ سے وہی لوگ راہ نمائی حاصل کرسکتے ہیں، اور یہ انہی کی نشوونما کا سامان بہم پہنچا سکتا ہے، جو اس کی صداقت پر یقین رکھیں۔

۶۵ (یہ ضابطۂ ہدایت) انسان کی انسانی زندگی کے لئے اسی طرح سامانِ نشوونما بہم پہنچاتا ہے جس طرح اس کی طبیعی زندگی کے لئے ہمارا کائناتی نظام سامانِ زیست عطا کرتا ہے۔ اس کیلئے خدا اپنے قانون کے مطابق بادلوں سے بارش برساتا ہے تو اس سے زمینِ مردہ کو از سرِ نو زندگی مل جاتی ہے۔

یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے حقیقت تک پہنچنے کی نشانی ہے جو حق کی آواز کو دل کے کانوں سے سنتے ہیں۔

۶۶ پھر تم مویشیوں پر غور کرو۔ معدے میں ان کی غذا ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے۔ اُدھر ان کے جسم میں خون دورہ کر رہا ہوتا ہے۔ اس قسم کی اشیا میں سے، دودھ جیسی صاف اور ستھری چیز پیدا ہوجاتی ہے جو پینے والوں کے لئے بڑی خوشگوار ہوتی ہے۔

اگر تم خدا کے اس نظامِ ربوبیت پر غور کرو تو اس سے بھی تمہارا ذہن ایک بلند حقیقت کی طرف منتقل ہوسکتا ہے۔ (۲۳/۲۱)۔

۶۷ اسی طرح تم کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں کو دیکھو۔ تم ان سے نشہ آور عرق اور خوشگوار کھانے کی چیزیں بناتے ہو۔ اس میں بھی ان لوگوں کے لئے حقیقت تک پہنچنے کی نشانی ہے جو عقل و فکر سے کام لیں۔

۶۸ (یہ دیکھنا ہو کہ کائنات میں خدا کا قانونِ ہدایت کس طرح کارفرما ہے اور ہر شے

ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ
أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۚ
وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٧٠﴾ وَاللَّهُ
فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

کس طرح' اس کی راہ نمائی میں محیر العقول کارنامے انجام دیتی ہے) تو شہد کی مکھی کو دیکھو۔ خدا نے جبلّی طور پر اس کے اندر یہ راہ نمائی رکھ دی ہے کہ وہ پہاڑوں میں درختوں میں' اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض کے لئے بنائی جاتی ہیں' اپنا چھتہ بنائے۔

۶۹ پھر ہر طرح کے پھولوں اور پھلوں سے رس چوستی پھرے۔ اور نہایت فرماں پذیری اور اطاعت گزاری سے' اُس راستے پر چلتی جائے جو خدا کے قانونِ ربوبیت نے اُس کے لئے تجویز کیا ہے۔ (چنانچہ جب وہ قانونِ فطرت کا یوں اتباع کرتی ہے تو) اسکے اندر سے مختلف رنگوں کا رس (شہد) نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے (غذائیت کے علاوہ) شفا بھی ہوتی ہے۔

اس میں بھی اُن لوگوں کے لئے حقیقت تک پہنچنے کی نشانی ہے جو فکر و تدبر سے کام لیں۔ (وہ دیکھیں گے کہ ان مکھیوں کے نظام میں کس طرح ہر ایک مکھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق سرگرمِ عمل رہتی ہے۔ اپنی محنت کے ماحصل کو اپنے مشترکہ "بیت المال" میں جمع کر دیتی ہے' اور وہاں سے ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق' سامانِ نشو و نما ملتا رہتا ہے۔ یہی نظام اگر انسانی دنیا میں رائج کر لیا جائے تو اس سے ان بے شمار امراض سے شفا مل جائے جو انسانیت کو لاحق ہوتی ہیں۔ اس نظام کی روشنی میں ذرا اپنی حالت پر غور کرو)۔

۷۰ اللہ تمہیں پیدا کرتا ہے پھر تمہیں جوانی تک پہنچاتا ہے جس میں بھرپور توانائیاں حاصل ہوتی ہیں۔ پھر تم میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو جوانی کے بعد بڑھاپے کی عمر تک پہنچتے ہیں جس میں قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور ذہن میں بھی اس حد تک کمزوری آجاتی ہے کہ انسان سمجھ بوجھ رکھنے کے بعد پھر نادان ہو جاتا ہے۔ یہ سب کچھ خدا کے قانونِ طبیعی کے مطابق ہوتا ہے جس کے اندازے علم پر مبنی ہیں۔ (۲۲/۵)۔

۷۱ (انسانی عمر کے مختلف مدارج میں' کام کرنے اور کمانے کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ بچوں میں بالکل نہیں ہوتی اور بوڑھوں میں بہت کم رہ جاتی ہے۔ تو کیا ہمارے کائناتی

فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ ۚ أَفَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٧١﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ
مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ
يَكْفُرُونَ ﴿٧٢﴾

نظامِ ربوبیّت اور خود تمہارے عائلی نظام (گھریلو زندگی) میں یہ اصول کارفرما ہوتا ہے کہ سامان پر درش، کمائی کے مطابق ملے یا یہ اصول کہ وہ سامان ضرورت کے مطابق ملے؟ اگر یہ اصول کارفرما ہو کہ سامانِ زندگی، کمائی کی نسبت سے ملے، تو کوئی بچّہ زندہ ہی نہ رہ سکے، اور بوڑھوں کے بھی تم گلے گھونٹ دیا کرو! تم ایسا نہیں کرتے بلکہ اسکے برعکس، دوسرے اصول پر کاربند ہوتے ہو۔ لیکن ذرا اس پر غور کرو کہ جس اصول پر تم اپنی گھریلو زندگی میں کاربند ہوتے ہو، اسے اپنی عام تمدنی اور معاشی زندگی میں بسطرح فراموش کر دیتے ہو۔ اس سے وہ معاشی ناہمواریاں پیدا ہوتی ہیں جن سے معاشرہ جہنمی بن جاتا ہے)۔

یہ حقیقت ہے کہ مختلف افراد میں، اکتسابِ رزق (کمانے کی) صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ ایک کو ایک قسم کی صلاحیت زیادہ حاصل ہوتی ہے، دوسرے کو دوسری قسم کی صلاحیت۔ (یہ اس لئے کہ دنیا میں مختلف قسم کے کام ہوتے ہیں جن کے لئے مختلف قسم کی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ۴۳/۳۲)۔ جن لوگوں میں اکتسابِ رزق کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے وہ اپنی ساری کمائی اپنے لئے سمیٹ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کی ضروریات سے زیادہ جو کچھ ہے، وہ ان لوگوں کا حق ہے جن کی ضروریات ان کی کمائی سے پوری نہیں ہوتیں۔ (۵۱/۱۹)۔ سو یہ لوگ، اپنی فاضلہ دولت کو، ان لوگوں کو واپس کیوں نہیں دیدیتے جو ان کے زیرِ ہدایت کام کرتے ہیں اور جن کا یہ درحقیقت حق ہے، تاکہ اس طرح سب لوگ خدا کی عطا کردہ معاشی سہولتوں میں برابر کے شریک ہو سکیں۔ (۳۰/۲۸)۔

جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ درحقیقت اس سے انکار کرتے ہیں کہ ان کی زیادہ صلاحیت انہیں خدا کی طرف سے بطور نعمت عطا ہوئی ہے۔ (حالانکہ ان کی بنیادی صلاحیتیں اور سامانِ رزق سب خدا کی طرف سے بطور نعمت عطا ہوتا ہے (۱۶/۵۳)۔ قارون کو بھی اسی قسم کا زعم تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نظامِ سرمایہ داری کی بنیاد ہی اسی غلط نظریہ پر قائم ہے۔ ۲۸/۷۸ ; ۳۹/۴۹)۔

۷۲ (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، تم پھر غور کرو کہ تم اپنے گھر کے اندر کس اصول پر کاربند رہتے ہو؟) اللہ نے تم میں سے تمہارے جوڑے پیدا کر دیئے۔ اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے پیدا کئے۔ پھر ایسے لوگ بھی ہیں جو گھر کے کام کاج میں تمہارے مددگار ہوتے ہیں۔ (تو تم ان

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۷۳﴾
فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا
مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَمَن رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا ۖ هَلْ

سب میں کھانے پینے کی چیزوں کی تقسیم کس طرح کرتے ہو؟ کیا اسی اصول کے مطابق نہیں کہ کمانے والے پوری پوری محنت سے کماتے ہیں' اور پھر خاندان میں' ہر فرد کی ضرورت کے مطابق' رزق تقسیم ہو جاتا ہے۔ ہمارا نظام ربوبیت یہ چاہتا ہے کہ تم پوری کی پوری نوع انسانی کو ایک خاندان سمجھو اور جس طرح ایک خاندان میں تقسیم کار اور تقسیم رزق کرتے ہو' اسی طرح پوری انسانی برادری میں کرو)۔ لیکن لوگ کرتے یہ ہیں کہ انسانی معاشرہ میں' اس صحیح اور تعمیری نظریہ کے بجائے' غلط اور تخریبی نظریہ کو اختیار کر لیتے ہیں' اور اس طرح خدا کی عطا کردہ نعمتوں کی ناسپاس گزاری کرتے ہیں۔

۷۳ (ظاہر ہے کہ جب سامانِ رزق اور انسانی صلاحیتیں' خدا کی عطا کردہ ہیں' تو رزق کی تقسیم بھی اسی کے متعین کردہ پروگرام کے مطابق ہونی چاہیئے)۔ لیکن لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ' غیر خداوندی نظام و قوانین کی اطاعت اختیار کر لیتے ہیں' حالانکہ وہ قوتیں نہ تو کائنات میں سامانِ رزق پر کچھ کنٹرول رکھتی ہیں اور نہ ہی انہیں اس کی استطاعت ہے (کہ وہ کسی کو خاص صلاحیتیں عطا کر سکیں)۔

۷۴ سو تم اپنے غلط معاشی نظام کو خدا کے متعلق اپنی خود ساختہ مثالوں (تصورات) کے ذریعے صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو ——— (مثلاً یہ کہہ کر کہ اگر خدا کا منشا یہی تھا کہ رزق میں سب انسان یکساں حقدار ہوں' تو اسے چاہیئے تھا کہ تمام انسانوں کو یکساں صلاحیتیں دیدیتا۔ اکتسابِ رزق کی استعداد میں اختلاف کے معنی یہ ہیں کہ استحقاقِ رزق میں اختلاف ہو۔ کوئی مفلس رہے کوئی تونگر ہو) ——— خدا کے متعلق اس قسم کے تصورات قائم نہ کرو۔ وہ جانتا ہے کہ اختلافِ استعداد کیوں رکھا گیا ہے اور استحقاقِ رزق میں' بقدرِ ضرورت کا اصول کیوں ضروری ہے۔ تم ان باتوں کی کنہ و حقیقت سے واقف نہیں ہو۔ اس لئے ان پر معترض ہوتے ہو۔

۷۵ (اگر تم صحیح مثالیں سننا چاہتے ہو تو سنو)۔ ایک شخص کسی کا غلام ہے۔ اور غلام بھی زر خرید۔ لہٰذا' وہ مجبورِ محض ہے۔ اسے کسی شے کا اختیار ہی نہیں۔ دوسرا وہ شخص ہے جسے ہم نے نہایت اچھی روزی دے رکھی ہے' اور وہ اسے اپنے اختیار و ارادہ سے' ظاہر اور پوشیدہ' زیبِ عام

يَسْتَوٗنَ ۚ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ
اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ
مَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ
السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

کے لئے صرف کرتا ہے۔ کہو یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

(اب سوچو کہ اگر تمام انسانوں کو یکساں استعداد دیدی جاتی تو انسان مشین کے پرزوں کی طرح مجبور ہوتا۔ صاحبِ اختیار وارادہ نہ رہتا۔ یہ نظام انسان کے شایانِ شان نہ ہوتا۔ اُس کے شرفِ انسانیت کا تقاضا تھا کہ ایسا نظام ہو تا کہ ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق کام کرے۔ اور جو زیادہ کمائے وہ بطیبِ خاطر اپنے اختیار وارادہ سے اپنی زائد کمائی سے دوسروں کی کمی کو پورا کرے۔ اور جس کی کمی کو پورا کرے وہ نہ اسے اپنے اوپر احسان سمجھے اور نہ ہی اسکی وجہ سے کام چور بنے۔ یہ ہے نظامِ خداوندی) جو ہر طرح کی حمد وستایش کا مستحق ہے لیکن اکثر لوگ، جو سطح بینی یا مفاد پرستی سے کام لیتے ہیں، اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

۷۶ یا مثلاً (خدا کی بیان کردہ یہ مثال کہ) دو آدمی ہیں۔ ایک ان میں سے ایسا ہے جو عقل و فکر سے عاری ہے کسی شے کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ خود اپنی ضروریات کے لئے بھی اپنے آقا پر بوجھ ہے۔ اس کا مالک اُسے جہاں بھی بھیجے، وہ کبھی خیر کی خبر نہیں لاتا۔ (اس سے کوئی اچھی بات بن ہی نہیں پڑتی۔ وہ بے بس اور مجبور ہے۔ اس میں نہ کسی کو نقصان پہنچانے کی استعداد ہے نہ نفع پہنچانے کی طاقت)۔ کیا یہ شخص، اُس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو خود زندگی کے توازن بدوش، سیدھے راستے پر چلا جاتا ہے، اور ہر معاملہ کا فیصلہ اپنے اختیار وارادہ سے، عدل کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر کرتا ہے؟ (یہ فرق ہے انسان کے مجبور اور صاحبِ اختیار وارادہ ہونے میں!)

۷۷ (اے رسول! تم ان حقائق کو ان لوگوں پر واضح کرتے جاؤ۔ اگر اس کے باوجود یہ نظامِ ربوبیت کی مخالفت کرتے ہیں، تو اس سے پریشان مت ہو۔ نہ ہی تم اس کی فکر کرو کہ وہ آنے والا انقلاب کب آئے گا) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں، وہ تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں، لیکن خدا انہیں خوب جانتا ہے (آنے والا انقلاب اس وقت ضمیرِ کائنات میں پہلو بدل رہا ہے۔ وہ بتدریج آگے بڑھ رہا ہے۔ جب وہ نمودار

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ
الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ
مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَ
اَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

ہوگا تو یوں سمجھو) جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ بلکہ اس سے بھی جلد تر۔ یقیناً خدا نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں (انہی پیمانوں کو قوانین خداوندی کہا جاتا ہے۔ اور ہر شے ان پیمانوں کے مطابق ظہور میں آتی رہتی ہے۔

۷۸ (تم خود اپنی حالت پر غور نہیں کرتے کہ تمہیں اپنی توانائیوں کی تکمیل تک پہنچنے میں کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے)۔ تم شکمِ مادر سے دنیا میں آتے ہو تو اس حالت میں کہ تمہیں کسی بات کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ وہ تمہیں سماعت و بصارت (ذرائع معلومات) اور پھر ان معلومات کی بنا پر نتائج اخذ کرنے کا ملکہ (قلب[۵۱]) عطا کرتا ہے تاکہ تم بتدریج اپنی ممکنات[۵۲] کو مشہود[۵۳] کر سکو۔

۷۹ (یہ تو رہا قانونِ خداوندی کی تدریج کا پہلو۔ اس کی محکمیت کو سمجھنا چاہتے ہو تو) پرندوں کی حالت پر غور کرو۔ وہ کس طرح فضا کی پہنائیوں میں، نہایت اطمینان و سکون سے اڑتے رہتے ہیں (۲۴/۴۱)۔ قانونِ خداوندی کے سوا اور کونسی قوت ہے جو انہیں اس خلا میں اس طرح تھامے رکھ سکتی ہے؟ اس میں ان لوگوں کے لئے حقیقت تک پہنچنے کے نشانات ہیں جو قانونِ خداوندی کی محکمیت پر یقین رکھتے ہیں۔

۸۰ (پھر تم دنیا میں اپنی معاشی سہولتوں پر غور کرو) خدا نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے رہنے کی جگہ بنایا۔ (یہ گھر تو ایک ہی جگہ قائم رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ) مویشیوں کی کھال سے تمہارے لئے خیمے بنا دیئے (جنہیں تم جہاں چاہو لئے لئے پھرتے ہو)۔ تم کہیں ڈیرا جماؤ یا وہاں سے کوچ کرو، دونوں حالتوں میں یہ خیمے بڑے ہلکے پھلکے رہتے ہیں —— نہ لگانے میں دقت نہ اٹھانے میں دشواری —— پھر بھیڑ اور دنبے کی اون۔ اونٹ کی پشم اور بکری

۵۱ MIND　۵۲ POTENTIALITIES　۵۳ ACTUALISED

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ
وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا
عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ
كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا

کے بالوں سے تمہارے لئے کتنے ہی سامان اور ضرورت کی چیزیں بنا دیں جو ایک وقت تک تمہارے کام آتی رہتی ہیں۔

۸۱ پھر اس نے تمہارے لئے اپنے پیدا کردہ درختوں کے سائے بنا دیئے (کہ جہاں نہ مکان ہو نہ خیمہ تم ان کے نیچے دھوپ سے پناہ لے سکو)۔ نیز پہاڑوں میں تمہارے لئے چھپنے کی جگہیں بنا دیں۔ اور تمہارے لئے کپڑے بنا دیئے جو تمہیں گرمی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اور آہنی لباس (زرہ بکتر) جو تمہیں ہتھیاروں کی زد سے بچاتا ہے۔

وہ اس طرح تمہیں اپنی پوری پوری نعمتیں عطا کرتا رہتا ہے تاکہ تم اس کے قانونِ ربوبیت کے سامنے جھک جاؤ۔

۸۲ اے رسول! اگر یہ لوگ اسقدر تبیانِ حقیقت کے بعد بھی اس نظام سے روگردانی کریں تو تیری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ تیرے ذمے اس پیغام کا ان تک پہنچا دینا ہے۔ (اس کے بعد تم اپنی جماعت کی تنظیم و تربیت میں لگ جاؤ۔ اسی سے انقلاب آئے گا۔ ۱۶/۸۲)۔

۸۳ یہ لوگ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو پہچاننے کے بعد ان سے انکار کرتے ہیں۔ عقلِ خود بیں کی فریب کاریاں انہیں یہی سکھاتی ہیں۔ یہی کفر کا شیوہ ہے جسے ان میں سے اکثر لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں (۱۶/۷۱)۔

۸۴ (انہیں اس کا احساس نہیں کہ ان کی یہ حالت اسی طرح رہنے والی نہیں۔ انقلاب کی فیصلہ کن گھڑی آنے والی ہے۔ (۱۶/۷۷)۔ اس انقلاب کے لئے کہیں باہر سے لوگ نہیں آئیں گے) خود انکی مختلف پارٹیوں میں سے ایسے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو اس نظامِ خداوندی کی صداقت کی شہادت دیں گے۔ (۱۶/۸۹؛ ۴۱/۴۴)۔ جو لوگ اس نظام سے سرکشی برت رہے ہیں، انہیں اس کی مزید اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور وہ ہزار چاہیں گے کہ ذلت اور رسوائیوں کا عذاب ان سے ٹل جائے لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا۔ (۴۱/۲۴)۔

۸۵ جب وہ عذاب ان لوگوں کے سامنے آجائے گا جو اس وقت یوں سرکشی برت رہے ہیں،

الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا
رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۶﴾
وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ
شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَ
هُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۸۹﴾

تو نہ اس عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

۸۶ اور جب یہ لوگ' جو خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں' انہیں دیکھیں گے جنہیں یہ شریکِ حکم خداوندی قرار دیا کرتے تھے' تو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں وہ جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے۔ تو وہ شرکاء ان کی بات لوٹا کر ان کے منہ پر دے ماریں گے اور کہیں گے کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ (ہم تمہاری کارستانیوں میں تمہارے شریک نہیں تھے)۔

۸۷ وہ لوگ اُس دن' نظام خداوندی کے سامنے سپر انداز ہو جائیں گے۔ اور ان کی تمام خود ساختہ تدابیر درہم برہم ہو جائیں گی۔

۸۸ وہ لوگ جنہوں نے خود بھی نظامِ خداوندی کے ماننے سے انکار کیا۔ اور (اپنی مفاد پرستیوں اور خود ساختہ مذہب کی بنا پر) دوسروں کو بھی اس نظام میں شرکت سے روکتے رہے۔ ہم ان پر عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے۔ یہ اس لئے کہ وہ معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کیا کرتے تھے اور مفسدہ پردازیوں سے باز نہیں آیا کرتے تھے۔ (اس قسم کی روش کا نتیجہ یہی ہوتا ہے)۔

۸۹ (جس دن یہ انقلاب آئے گا تو) ہم ہر پارٹی کے اندر سے' ان کے خلاف گواہ اٹھا کھڑا کریں گے۔ اور ان سب پر تمہیں گواہ لائیں گے۔ (۱۴) - (تمہاری گواہی یہ ہو گی کہ تم نے ان تک ہمارا وہ پیغام پہنچا دیا تھا جسے) ہم نے تیری طرف اس کتاب میں نازل کیا تھا' جو تمام امور کو ابھار اور نکھار کر پیش کر دیتی ہے' اور جو' ان لوگوں کے لئے جو اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں' انسانیت کی صحیح منزل کی طرف راہ نمائی' حال کی زندگی کے لئے

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا ۚ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾

سامانِ نشوونما اور مستقبل کے لئے خوشخبری کا سامان ہے۔

۹۰ جو کچھ ہم نے اس کتاب میں کہا ہے اس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ تم :-

(۱) ہر ایک سے عدل کرو۔ یعنی ہر ایک کا پورا پورا حق دو۔

(۲) جس میں کسی وجہ سے کوئی کمی رہ جائے' اس کمی کو پورا کرو' خواہ اسکے لئے اُسکے حق سے زیادہ دینا پڑے۔ اور اس طرح معاشرہ کے توازن کو قائم رکھو۔

(۳) اس "عدل واحسان" کی ابتدا اپنے قریبیوں ——— اہل خاندان اور آس پاس کے لوگوں ——— سے کرو' اور پھر اس کا سلسلہ عالمگیر کرتے چلے جاؤ۔

(۴) بخل سے ہمیشہ بچو۔ یعنی یہ نہ کرو کہ سب کچھ اپنی ذات کے لئے سمیٹ کر بیٹھ جاؤ۔

(۵) خدا نے تمہارے لئے جو حدود مقرر کر دی ہیں' ان سے کبھی تجاوز نہ کرو۔ کسی حالت میں بھی قانون شکنی نہ کرو۔

یہ اخلاقی اقدار اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ تم انسانی زندگی کے بلند مقصد کو ہمیشہ سامنے رکھو اور زندگی کو محض طبیعی (حیوانی) زندگی نہ سمجھ لو۔

۹۱ نیز

(۶) جب تم خدا کے ساتھ عہد کر لو (بالخصوص وہ بنیادی عہد جس کا ذکر ۹/۱۱۱ میں کیا گیا ہے) تو اپنے عہد کو پورا کرو۔

(۷) اور اپنے قول و اقرار پختہ کر لینے کے بعد انہیں مت توڑو' درآنحالیکہ تم اس پر خدا کو ضامن قرار دے چکے ہو۔ یاد رکھو! جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اسکا علم ہوتا ہے۔

۹۲ اور دیکھو! تمہاری حالت کہیں اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے بڑی محنت سے

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

سوت کاتا اور اس کے بعد خود اپنے ہاتھوں اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

تم اپنے معاہدات اور قول و اقرار کو (جو امن و سلامتی کے موجب اور ضامن ہونے چاہئیں) الٹا باہمی مکر و فساد کا موجب بنا لیتے ہو۔ اور یہ سب اس لئے کرتے ہو تاکہ تم میں سے ایک پارٹی دوسری پارٹی سے آگے بڑھ جائے۔ یعنی مال و دولت اور جھوٹی عزت اور قوت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے، تم عہد و پیمان کی بھی پروا نہیں کرتے (۹۲)۔ اللہ تمہارے اس قسم کے ارادوں کو ظاہر کرتا رہتا ہے (تاکہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو)۔ یاد رکھو! جن امور میں تم ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو، جب ظہورِ نتائج کا وقت آئے گا، تو وہ سب اُبھر کر سامنے آجائیں گے۔

۹۳ (تمہارے دل میں بار بار یہ خیال ابھرتا ہے کہ اگر اللہ کو ایسا ہی منظور تھا تو اس نے تمام انسانوں کو ایک جیسا کیوں نہ بنا دیا، اور سب کو ایک ہی راستہ پر کیوں نہ چلا دیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ) اگر وہ چاہتا تو اپنے قانونِ کائنات کے مطابق، تم سب کو ایک جیسا بنا دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے تمہیں صحیح راستہ دکھا دیا۔ اور اس کا فیصلہ تم پر چھوڑ دیا کہ چاہے اُسے اختیار کر لو اور چاہے اُسے چھوڑ کر غلط راستے پر چل نکلو (۱۶/۹)۔ اور یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ تم اپنے ہر عمل کے لئے ذمہ دار ٹھیرو۔

۹۴ اس لئے (اس بات کو پھر دہرایا جاتا ہے کہ) تم اپنے معاہدات اور قول اقرار کو باہمی مکر و فساد کا موجب مت بناؤ۔ یاد رکھو! اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے قدم، جم جانے کے بعد، پھر اکھڑ جائیں گے۔ اور تم پر مصیبت آجائے گی۔ اس لئے کہ تم نے اپنے آپ کو، خدا کے تجویز کردہ راستہ پر چلنے سے روک لیا۔ اس سے تم پر سخت تباہی کا عذاب آجائے گا۔ (جس معاشرہ میں عہد و پیمان کو اہمیت نہ دی جائے، اسے نہ استقلال نصیب ہو سکتا ہے نہ امن)۔

۹۵ اسی طرح جو معاہدہ تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے (۱۶/۹۱) اُسے تھوڑے سے ذاتی مفاد کی خاطر مت بیچ ڈالو۔ اگر تمہیں حقیقت کا علم ہو تو تم جان لو کہ جو کچھ تمہیں اس معاہدہ کے بدلہ میں

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾
اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ

(نظامِ خداوندی کی طرف سے) ملنے والا ہے' وہ اس طرح حاصل کردہ مفاد کے مقابلہ میں کہیں بہتر ہے۔

۹۶ تم جو کچھ بھی اپنے ذاتی مفاد کے لئے حاصل کرو' (وہ بظاہر کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو ضرور) ختم ہو کر رہے گا۔ لیکن جو کچھ نظامِ خداوندی کی رُو سے ملے گا' وہ باقی رہے گا۔ کبھی ختم نہیں ہوگا (۳۹/۵)۔ لیکن یہ ملے گا انہی کو جو اِس نظام کے قیام میں ثابت قدم رہیں گے اور حسن کارانہ انداز سے اپنے پروگرام پر عمل پیرا ہوں گے۔

۹۷ یاد رکھو! اس باب میں ہمارا قانون یہ ہے کہ تم میں سے جو بھی' نظامِ خداوندی کی صداقت پر یقین رکھ کر' ایسے کام کرے گا جو اس کی ذات اور معاشرہ کو سنوار دیں' تو ہم اسے نہایت خوشگوار زندگی بسر کرائیں گے۔ یہ نتیجہ ہوگا ان کے اعمال کا جو ان سے حسن کارانہ انداز سے ظہور میں آئیں۔

۹۸ جب تم قرآنی پروگرام پر عمل درآمد شروع کرو گے' (تو لوگوں کی ذاتی مفاد پر مبنی اور سرکش قوتیں اس کی سخت مخالفت کریں گی) اُس وقت ضرورت ہوگی کہ تم (اور زیادہ شدت کے ساتھ) قوانینِ خداوندی سے وابستہ رہ کر' تخریبی عناصر کی مضرت رسانیوں سے سامانِ حفاظت طلب کرو۔

۹۹ یاد رکھو! یہ تخریبی قوتیں (خواہ انسان کے اپنے اندر کی ہوں یا خارجی) اُن لوگوں پر کبھی غلبہ نہیں پا سکتیں جو قوانینِ خداوندی کی صداقت پر یقین' اور ان کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھیں۔

۱۰۰ اِن کا غلبہ و تسلط اُنہی لوگوں پر ہوتا ہے جو انہیں اپنا رفیق اور کارساز بناتے ہیں' یا ان پر جو قوانینِ خداوندی کے ساتھ' دیگر قوانین کو بھی شریک کر لیتے' اور ان کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ خالص قوانینِ خداوندی کے تابع رہنے والوں پر تخریبی قوتیں کبھی غلبہ

يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ
قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ
رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ
يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

نہیں پاسکتیں۔

۱۰۱ (جب ہم غیر خداوندی قوانین کا ذکر کرتے ہیں' تو یہ اہلِ کتاب کہتے ہیں کہ اگر قرآن کے احکام من جانب اللہ ہیں' تو ان میں سے بعض' ان احکام سے مختلف کیوں ہیں جو خدا نے اس سے پہلے اُن کی طرف بھیجے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو احکام ان کی طرف بھیجے گئے تھے' اُن میں سے اکثر تو ایسے ہیں جن میں انہوں نے تحریف کر رکھی ہے' یا انکے پاس اپنی اصلی شکل میں رہے ہی نہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو انہیں محض ہنگامی طور پر دیئے گئے تھے)۔ اب ان کی جگہ' ان سے بہتر احکام مستقل طور پر دیئے گئے ہیں۔ یہی ہے وہ مقام جہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ احکام من جانب اللہ نہیں۔ اس رسول کے خود وضع کردہ ہیں۔ حالانکہ خدا اچھی طرح جانتا ہے کہ کس وقت کس قسم کے احکام دینے چاہئیں۔ اور یہ لوگ اس کا علم نہیں رکھتے۔ (۲/۱۰۶)۔

۱۰۲ ان سے کہدو کہ اس قرآن کو روح القدس (۲/۹۷ ؛ ۲۶/۱۹۳)' تیرے نشو ونما دینے والے کی طرف سے' بطور حقیقتِ ثابتہ لے کر اترا ہے' تاکہ اس سے ایمان والوں کے دلوں کو مضبوط رکھا جائے' اور جو لوگ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں' ان کی' صحیح منزل کی طرف راہ نمائی کرے اور انہیں مستقبل کی خوشگواریوں کی خوش خبری دے۔

۱۰۳ ہمیں اس کا بھی علم ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (رسول) کو کوئی آدمی آکر یہ باتیں سکھا جاتا ہے (اور یہ انہیں وحی کہہ کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ ایسا کہتے وقت یہ لوگ اور تو اور' اتنا بھی نہیں سوچتے کہ) جس آدمی کی طرف یہ اسے منسوب کرتے ہیں اس کی زبان بڑی غیر فصیح ہے اور یہ قرآن' نہایت واضح' صاف اور نکھری ہوئی عربی زبان میں ہے (یعنی علاوہ اس کے کہ قرآن کے حقائق کسی انسان کے وضع کردہ نہیں ہو سکتے' اس کا اندازِ بیان بھی نہایت بلند ہے)۔

۱۰۴ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے پہلے ہی سے فیصلہ کر لیا ہو کہ انہوں نے قوانینِ خداوندی

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٥﴾ مَن كَفَرَ بِاللَّهِ
مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا
فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى
الْآخِرَةِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿١٠٧﴾

کو ماننا ہی نہیں' انہیں صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کیسے مل سکتی ہے؟ ان کے لئے المناک تباہی کا عذاب ہے۔ (۲/۴)

۱۰۵ جو لوگ توانینِ خداوندی کی صداقت پر ایمان نہیں لاتے (اُن کے انکار کی اصل وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ضد۔ تعصب۔ مفاد پرستی کی وجہ سے صحیح راستہ اختیار نہیں کرنا چاہتے' لیکن کھلے بندوں اسکے اعتراف و اظہار کی جرأت نہیں رکھتے اسلئے) وہ جھوٹی باتیں وضع کرتے رہتے ہیں' اور اس طرح دوسروں کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں' حالانکہ جھوٹے وہ خود ہوتے ہیں۔

۱۰۶ یہ تو وہ ہیں جو سرے سے ایمان لاتے ہی نہیں۔ اب رہا وہ شخص جو ایمان لانے کے بعد' قانونِ خداوندی کا منکر ہو جائے' بایں نمط کہ وہ اس کفر و انکار کے لئے اپنا دل کھول دے۔ تو یہی لوگ ہیں جن پر خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے' ایسی تباہی آتی ہے کہ ان کا سب کچھ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ جاتا ہے ——— مگر ہاں! جس شخص سے جبراً' کفر کا کوئی کام کرا لیا جائے' درآنحالیکہ اس کا دل اندر سے ایمان پر مطمئن ہو' تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

۱۰۷ ایمان لے آنے کے بعد کفر کی راہ وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو طبیعی زندگی کے مفادِ عاجلہ کو' مستقبل کی زندگی کے مفاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ (یعنی جب تک یہ کیفیت رہتی ہے کہ طبیعی زندگی کے مفاد اور مستقل اقدار میں تصادم نہیں ہوتا' وہ مومن رہتے ہیں لیکن جب ان میں ٹکراؤ ہو جائے تو ایمان کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ مفادِ عاجلہ کو مستقل قدر پر قربان کر دیا جائے۔ لیکن وہ' مفادِ عاجلہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے اس لئے ایمان کو چھوڑ دیتے ہیں ——— انسان جب بھی کسی مستقل قدر کے مقابلہ میں مفادِ طبیعی کو ترجیح دے گا' مستقل قدر پر اس کا ایمان نہیں رہے گا)۔ جو لوگ اس طرح مستقل اقدار سے انکار کرنا شروع کر دیں' انہیں زندگی کی صحیح منزل کی طرف راہ نمائی کس طرح مل سکتی ہے۔؟

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٨﴾
لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ
مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٠﴾ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ
تُجَادِلُ عَن نَّفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ

---

۱۰۸ یہ وہ لوگ ہیں جن پر جذبات اس طرح غالب آجاتے ہیں کہ ان میں سننے' دیکھنے اور سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔ اور یوں وہ' اپنے نفع نقصان سے بے خبر ہو کر' (اندھا دھند سطحی جذبات کی رو میں بہے چلے جاتے ہیں)۔

۱۰۹ (انہیں مفاد عاجلہ تو بے شک حاصل ہو جاتے ہیں لیکن) مستقبل کی خوشگواریوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ وہاں انہیں نقصان ہی نقصان رہتا ہے۔

۱۱۰ جن لوگوں کا دل ایمان پر مطمئن ہو' ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ انہیں سخت تکالیف پہنچائی جائیں تو بھی ان کا قدم نہیں ڈگمگاتا۔ حتیٰ کہ جب ان کے ایمان اور وطن تک میں تصادم ہو جائے' تو وہ' وطن کو خیرباد کہہ دیتے ہیں اور ایمان کو نہیں چھوڑتے' اور اس طرح کسی ایسے مقام کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں' جو ان کے ایمان کے تقاضوں کے لئے زیادہ سازگار ہو۔ وہاں وہ نظامِ خداوندی کے قیام کے لئے مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں اور ہر مشکل کا مقابلہ نہایت پامردی اور استقامت سے کرتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں' اس قدر مشکلات اور مصائب کے بعد' نظامِ خداوندی کی طرف سے' حفاظت اور نشوونما کا سامان عطا ہوتا ہے۔

۱۱۱ (یہ جو اوپر کہا گیا ہے کہ غلط روش پر چلنے والوں کا انجام تباہی ہوگا۔ ۱۶/۱۰۹) یہ اس وقت ہوگا جب اعمال کے نتائج بے نقاب ہو کر سامنے آجائیں گے۔ انہیں دیکھ کر ہر غلط رو خود اپنے آپ سے جھگڑنا شروع کر دے گا۔ وہ اپنی ذات کو مطعون کرے گا کہ میں نے یہ کچھ کیوں کیا؟ لیکن اس وقت' اس طعنِ خویش سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس وقت اعمال کے نتائج پورے کے پورے سامنے آجائیں گے۔ اور جو کچھ کسی کے ساتھ ہوگا' اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ کسی پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

۱۱۲ قوموں پر اس قسم کی تباہیاں کیوں' اور کب آتی ہیں' اسے ایک مثال سے سمجھو

مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ
اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ
مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ
وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ

ایک بستی تھی جسے خارجی خطرات سے امن اور داخلی کشمکش سے اطمینان حاصل تھا۔ اس کی طرف ہر سمت سے سامانِ رزق کھنچا چلا آتا تھا۔ اس کے رہنے والے بڑے خوش حال اور فارغ البال تھے۔ لیکن انہوں نے خدا کی ان بخشائشوں کی ناقدر شناسی کی۔ (بڑے بڑے لوگوں نے انہیں اپنے لئے سمیٹنا اور چھپانا شروع کر دیا)۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر بھوک اور خوف کا عذاب طاری ہو گیا۔ فارغ البالی کی جگہ انہیں فاقے آنے لگے اور ان کا امن خطرات سے بدل گیا۔ یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کا لایا ہوا تھا۔ خدا نے اپنی بخشائشیں نہیں روک لی تھیں' لیکن' انہوں نے اپنے لئے جو غلط نظام قائم کیا' یہ اس کا نتیجہ تھا۔ (۶/۴۴)۔

۱۱۳ ان کے پاس' خود انہی میں سے' خدا کا ایک پیغامبر آیا (اور اس نے انہیں بتایا کہ یہ اُن کے خود ساختہ غلط نظام کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ اس نظام کو' قوانین خداوندی کے مطابق متشکل کر لیں' تو پھر وہی آسائشیں حاصل ہو جائیں گی)۔ لیکن انہوں نے اُسے جھٹلایا' اور سرکشی برتی۔ اُن کے اس ظلم و سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تباہی اور بڑھ گئی۔

۱۱۴ لہٰذا (اے مخاطبین! تم اس مثال سے عبرت حاصل کرو' اور) جو سامانِ رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے' اسے' اُس کے مقرر کردہ طریقہ کے مطابق' خوشگوار اور پاکیزہ انداز سے کھاؤ پیو۔ اور یوں خدا کی بخشائشوں کی سپاس گزاری کا ثبوت دو۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم' اپنے ذاتی جذبات اور انفرادی مفاد سے قطع نظر کر کے' قوانین خداوندی کی محکومیت اختیار کرو۔

۱۱۵ یاد رکھو! کھانے پینے کی چیزوں میں سے یہ چار حرام ہیں ـــــ مُردار (بہتا ہوا (۶/۱۴۴) لہو۔ خنزیر کا گوشت اور جو کچھ خدا کے سوا کسی اور کے نام سے منسوب کیا جائے۔ لیکن جو شخص (بھوک سے) مجبور ہو جائے (تو اسے ان چیزوں کے کھا لینے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ) اس کی نیت قانون شکنی اور حدود فراموشی کی نہ ہو۔ ایسی صورت میں خدا کا قانون' اسے اُن مضر اثرات سے

الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾
وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ
مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

۱۵ ۱۶ ۱۷

محفوظ رکھے گا جو ان چیزوں کے استعمال سے نفس انسانی پر پڑتے ہیں اور جن سے اس کی ذات کی نشو ونما رک جاتی ہے۔

۱۱۶ اور دیکھو! ایسا نہ کرو کہ تمہاری زبان پر جو جھوٹی بات آجائے اسے بے دھڑک بیان کر دیا کرو اور یونہی کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام۔ (حلال و حرام کے تعین کا اختیار صرف خدا کو ہے اور اس نے اپنی کتاب میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ اس کے بعد اپنی طرف سے حلال اور حرام کی فہرستیں مرتب کرنا) خدا کے خلاف افترا پردازی ہے۔ اور جو لوگ خدا کے خلاف افترا کرتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۱۱۷ وہ ایسی باتوں سے تھوڑا سا فائدہ ضرور حاصل کر لیتے ہیں' لیکن آخر الامر ان کے لئے بڑی ہی دردناک سزا ہوتی ہے۔

۱۱۸ اور ہم نے یہودیوں پر وہ کچھ حرام قرار دیا تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے (۶/۱۴۶)۔ (وہ احکام' ان احکام کے مقابلہ میں سخت تھے لیکن) اُن پر ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ انہوں نے خود اپنے آپ پر زیادتی کی تھی جس کے نتیجے میں ان پر ایسی کڑی پابندیاں عائد کی گئی تھیں۔

۱۱۹ (یہ اس لئے ہوا تھا کہ انہوں نے قانون شکنی کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ اور جو ایسا کرے اسے اس کی سزا ملنی لازمی ہے)۔ ہاں' البتہ' جو لوگ نادانی سے کوئی حماقت کر بیٹھیں' اور اس کے بعد (اس کا احساس ہونے پر) فوراً پچھلے پاؤں لوٹ کر وہاں آجائیں جہاں سے ان کا قدم غلط سمت کی طرف اٹھ گیا تھا' اور یوں اپنی اصلاح کر لیں۔ تو اس کے بعد تیرے خدا کا قانون ربوبیت انہیں ان مضر اثرات سے بھی محفوظ رکھے گا جو اس غلط قدم اٹھانے کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ
وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾
ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ
رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ

اوران کی نشو ونما کو بھی بدستور جاری رکھے گا۔

۱۲۰ شکرِ نعمت کی وہ روش (جس کا ذکر ۱۶/۱۱۲ میں آچکا ہے) ابراہیمؑ نے اختیار کی تھی۔ (اس مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے اس نے کعبہ کی تعمیر کی تھی ۲/۱۲۶ — ۱۲۴ ؛ ۱۴/۳۷ — ۳۵)۔ ابراہیمؑ یوں تو ایک فرد تھا' لیکن اپنی جامع شخصیت کی بنا پر پوری کی پوری قوم تھا جو قوانین خداوندی کے سامنے جھکی ہو' اور ہر غیر خداوندی قوت سے منہ موڑ کر اپنی تمام توجہات' اسی مقصدِ عظیم پر مرکوز رکھے۔

۱۲۱ نعمائے خداوندی کی یہی شکرگزاری تھی جس کی بنا پر خدا نے اسے (نظامِ خداوندی کے مرکز کی تاسیس کے لئے) منتخب کیا تھا اور اس کی راہ نمائی زندگی کی سیدھی اور توازن بدوش راہ کی طرف کی تھی۔

۱۲۲ اور اسے اس دنیا میں بھی ہر طرح کی خوشگواریاں عطا کی تھیں۔ اور آخرت کی زندگی میں بھی اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کی صلاحیتیں نشو ونما پا چکی ہوں' اور جن کے سب کام سنور گئے ہوں۔

۱۲۳ (اے رسول! یہی وجہ ہے کہ) ہم نے تیری طرف یہ وحی کی ہے کہ تم' ہر طرف سے صرفِ نظر کرکے خالص مسلکِ ابراہیمیؑ کا اتباع کرو (۲/۱۳۵)۔ اس لئے کہ (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) اس نے خالص قوانین خداوندی کی محکومیت اختیار کی تھی۔ اس میں کسی اور کو شریک نہیں کیا تھا۔

۱۲۴ (یہ یہودی دعوے تو یہی کرتے ہیں کہ یہ ملتِ ابراہیمیؑ کے متبع ہیں لیکن) انہوں نے اس میں سخت اختلافات پیدا کر دیئے تھے (اور قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کر رکھی تھی جس کی وجہ سے ان پر) سبت کا عذاب آیا تھا (۴/۴۷ ؛ ۷/۱۶۳ ؛ ۴/۱۵۴)۔ تیرا نشو ونما دینے والا' ان امور کا جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں' اُس وقت فیصلہ کرے گا جب ظہورِ نتائج کا وقت آئیگا۔

۱۲۵ (تم اس وقت ان سے الجھو نہیں بلکہ) اپنے خدا کے راستے کی طرف' حکمت اور موعظتِ حسنہ

عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ
لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

کے ساتھ دعوت دیتے چلے جاؤ ـــــ یعنی قوانین خداوندی کی غرض وغایت اور اخلاقی اقدار کے منشاء ومقصود کو سامنے رکھتے ہوئے ـــــ اور اختلافی امور میں ان کے ساتھ نہایت حسن کارانہ انداز سے بات چیت کرو۔ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور کون سیدھے راستے پر چل رہا ہے۔

۱۲۶ اور اگر تمہیں ان کا پیچھا کرنا پڑے تو اسی حد تک پیچھا کرو جس حد تک انہوں نے تمہارا پیچھا کیا تھا۔ (یا داش عمل میں اس سے آگے نہ بڑھو)۔ اور اگر تم ان کے پیچھے جانے کے بجائے اپنے مقام پر جمے رہو تو اس روش کا انجام زیادہ اچھا ہوگا۔

۱۲۷ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم اپنے پروگرام پر استقامت سے جمے رہو ـــــ اور یہ قوانین خداوندی کی تائید ہی سے ہو سکے گا ـــــ اور ان کی تباہی کے احساس سے افسردہ خاطر نہ ہو (کہ جو لوگ کسی طرح مانیں ہی نہیں، وہ تباہی سے کس طرح بچ سکتے ہیں)۔ نہ ہی ان کی خفیہ سازشوں کی وجہ سے دل گرفتہ ہو۔

۱۲۸ اس لئے کہ خدا کی تائید ونصرت ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو غلط راستے کی تباہیوں سے بچنا چاہیں، اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر حسن کارانہ انداز سے چلتے جائیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①
وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ②

---

① (مخالفین کی جن ریشہ دوانیوں کی طرف پیچھے اشارہ کیا گیا ہے (۱۶/۱۲۷) اُن میں آخری اسکیم یہ تھی کہ رسولؐ کو چپکے سے قتل کر دیا جائے۔ لیکن) خدا کی اسکیمیں اتنی بلند و برتر ہیں کہ وہ اِن کے قیاس و گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ چنانچہ وہ اپنی اسکیم کے مطابق، اپنے بندے کو راتوں رات بیت الحرام (مکہ) سے نکال کر (مدینہ کی) کشادہ سرزمین کی طرف لے گیا، تاکہ اس دُور دراز مقام میں جاکر نظام خداوندی کی تشکیل کرے۔ ہم نے اُس مقام اور اُس کے گرد و پیش کو بڑا بابرکت بنایا ہے۔ اُس کی فضا اِس آسمانی انقلاب کے لئے بڑی سازگار ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ خدا اب اُن باتوں کو آشکارا کر دے جن کا وعدہ اتنے عرصہ سے کیا جاتا رہا ہے۔ (۲۰/۴۳)۔ یقیناً وہ سب کچھ دیکھنے سننے والا ہے۔ اس لئے اُس کا ہر فیصلہ علم و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

② (آسمانی دعوتِ انقلاب کے سلسلہ میں ہجرت کوئی نئی چیز نہیں۔ ایسا واقعہ قریب قریب ہر رسول کو پیش آیا ہے۔ اور موسیٰؑ کا اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جانا تو ایسا مشہور واقعہ ہے جس کی تفاصیل تک کا سب کو علم ہے۔ اُسی نوعیت کی یہ ہجرت بھی ہے)۔ ہم نے موسیٰؑ کو بھی اِسی طرح ضابطۂ ہدایت عطا کیا تھا اور اُسے بنی اسرائیل کے لئے قندیلِ راہ بنایا تھا، اور اُن سے کہہ دیا تھا

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴿٣﴾ وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ
لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿٤﴾ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ
عِبَادًا لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا ﴿٥﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ
الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿٦﴾ إِنْ أَحْسَنْتُمْ

کہ وہ اُس ضابطہ کے علاوہ اور کسی کو اپنا کارساز نہ سمجھیں۔ اور اُس پر پورا پورا بھروسہ رکھیں۔

۳ اِس بات پر یقین پیدا کرانے کے لئے کہ خدا کی تدابیر امن اور حفاظت کی ضامن ہوتی ہیں ہم نے اُن سے کہا تھا کہ تم اُن لوگوں کی نسل میں سے ہو جنہیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کرا کر طوفان سے نجات دلائی تھی۔ نوحؑ ہمارا بڑا سپاس گزار بندہ تھا۔ (اس لئے اگر تم بھی اُسی طرح سپاس گزاری اختیار کرو گے تو تمہیں بھی قوم فرعون کے عذاب سے نجات مل جائے گی۔ ہجرت سے یہی مقصود تھا)۔

۴ اِس کے ساتھ ہی ہم نے بنی اسرائیل کو تورات میں یہ بھی بتا دیا تھا کہ (تم فرعون کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کے بعد قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کرو گے اور) ملک میں دو مرتبہ بڑی تباہی مچاؤ گے اور شدید سرکشی اختیار کرو گے۔ (اِس کا نتیجہ خود تمہارے لئے تباہی اور بربادی ہوگا)۔

۵ چنانچہ جب ان دو مواقع میں سے (بخت نصر کے حملہ کے وقت) پہلا موقعہ آیا تو (اے بنی اسرائیل!) ہم نے تمہارے خلاف ایسے لوگ اٹھا کھڑے کئے جو بڑے طاقتور اور سخت گیر تھے۔ وہ تمہاری بستیوں کے اندر جا گھسے اور انہوں نے تمہیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پکڑا۔ اور خدا کے قانونِ مکافات نے جو کچھ کہا تھا وہ یوں پورا ہو کر رہا۔

۶ (تم نے اس سے عبرت پکڑی تو) ہم نے حالات کو اِس طرح پلٹا دیا کہ فضا تمہارے لئے سازگار اور تمہارے دشمنوں کے خلاف ہو گئی (ذوالقرنین نے بابلیوں کو شکست دی اور انہیں پھر سے تمہارے ملک میں آباد کرایا)۔ اِس طرح ہم نے مال و دولت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت سے تمہاری مدد کی اور بار دیگر تمہارا جتھہ بہت بھاری ہو گیا۔ تم پھر ایک عظیم قوم بن گئے۔

۷ اِس طرح تم نے دیکھ لیا کہ جب تم نے قوانین خداوندی کے مطابق حسن کارانہ انداز سے

اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۖ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا
الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ
عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ
يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

زندگی بسر کی تو تمہاری حالت کس قدر خوشگوار ہوگئی۔ اور جب تم نے اس کے خلاف ناہمواریوں کی راہ اختیار کر لی تو اس کا وبال بھی تمہارے اپنے ہی اوپر پڑا۔ (یہ ہے ہمارا قانونِ مکافاتِ عمل)۔

پھر جب دوسرا موقعہ آیا (تو ہم نے) ٹائٹس کی زیرِ سرکردگی رومیوں کو تمہارے خلاف اٹھا کھڑا کیا) تاکہ وہ تمہیں ذلیل و خوار کریں اور ہیکل میں اس طرح جا گھسیں جس طرح پہلی مرتبہ (بابلی) وہاں جا گھسے تھے۔ اور جو کچھ ان کے قابو آئے اُسے تہس نہس کر کے رکھ دیں۔ (۱۷/۱۰۴)۔

۵ (تمہاری وہ ذلت کی زندگی اِس وقت تک چلی آرہی ہے۔ لیکن اگر تم اب بھی باز آجاؤ اور ہمارے رسول کی معیت میں ——— جو اب 'تمہارے پاس' مدینہ میں' آگیا ہے' ——— سیدھی راہ اختیار کر لو۔ ۲/۵۷۔ تو) تمہارا نشوونما دینے والا' تمہیں پھر سامانِ نشوونما عطا کر دے گا۔ لیکن اگر تم نے' اِس کے ساتھ بھی وہی کچھ کیا جو کچھ تم اپنے انبیاء کے ساتھ کیا کرتے تھے' تو پھر تمہیں ویسی ہی سزا ملے گی جیسی' پہلے (دو بار) مل چکی ہے۔ تم دیکھ چکے ہو کہ ہم نے کس طرح جہنم کو اُن لوگوں کیلئے' جو صحیح روش پر چلنے سے انکار کرتے ہیں' روک کا مقام بنا رکھا ہے (یعنی ان کی آگے بڑھنے کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ وہیں کے وہیں رکے رہ جاتے ہیں۔ یہی قوموں کی تباہی ہے)۔

۹ (اب یہ صحیح روش قرآن کی راہ نمائی ہی میں مل سکتی ہے۔ اس لئے کہ) قرآن کا رُخ انسانیت کو' سفرِ زندگی میں' وہ راہ دکھاتا ہے جس سے زیادہ توازن بدوش اور سیدھی راہ اور کوئی نہیں۔ اور اُن لوگوں کو' جو اِس کی صداقتوں کو تسلیم کر لیتے ہیں' اور اس کے متعین کردہ پروگرام پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں' خوشخبری دیتا ہے کہ اُنہیں' اُن کے حسنِ عمل کا بہت بڑا اجر ملے گا۔

۱۰ اور یہ کہ' جو لوگ مستقبل کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے (اور اسی طبیعی زندگی کو منتہیٰ سمجھتے ہیں' اُن کی غلط روش کے نتیجے میں) اُن کے لئے دردناک تباہی کا عذاب ہے۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا
عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ
فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ⑬

---

۱۱ (مستقبل کی زندگی سے انکار اور صرف دنیا کی طبیعی زندگی کو مآل سمجھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ) انسان کا نصب العین، فادعاجلہ کا حصول رہ جاتا ہے۔ وہ انہیں جلدی جلدی سمیٹنے کی فکر کرتا ہے (۲۱/۳۷)۔ حرص و ہوس سے اُس کی نگاہوں پر اس قدر دبیز پردے پڑ جاتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی نفع و نقصان کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ وہ خیر اور شر میں تمیز نہیں کر سکتا۔ وہ نقصان رساں باتوں کو بھی اِسی طرح دعوت دیتا ہے جس طرح منفعت بخش امور کو۔

۱۲ (یہ بات وحیٔ خداوندی بتاتی ہے کہ خیر اور شر کسے کہتے ہیں اِن کا باہمی تعلق کیا ہے' اور ان کی کشمکش میں' خیر (نفع رسانی کی تعمیری) قوتیں' کس طرح شر کی تخریبی قوتوں پر غالب آتی ہیں۔ مثال کے طور پر) دن اور رات کو دیکھو۔ یہ بظاہر ایک دوسرے کی ضد نظر آتے ہیں' لیکن درحقیقت ایک ہی نظام کے دو پہلو ہیں۔ رات کی تاریکی' (زمین کی گردش سے) مٹ جاتی ہے تو دن اپنی تابانیوں کے ساتھ نمودار ہو جاتا ہے' تاکہ تم' اپنے نشوونما دینے والے کے قانون کے مطابق تلاشِ معاش کر سکو۔ نیز تم (دن اور رات کے اختلاف سے) برسوں کی گنتی کر سکو۔ اور اس سے ہر طرح کا حساب رکھ سکو۔ (۷۸/۱۰ ؛ ۵/۱۰)۔

اِس طرح ہم نے کائنات میں ہر شے کو' ایک دوسرے سے الگ الگ رکھ چھوڑا ہے۔ (لیکن اس کے باوجود' وہ ایک عظیم مشینری کے کل پرزے ہونے کی بنا پر' باہم گرہ بست بھی ہیں)

۱۳ (خیر و شر کی کشمکش خود انسانی زندگی میں بھی سرگرم عمل رہتی ہے)۔ اور اس سے ہر فرد کا اعمالنامہ مرتب ہو کر اس کی گردن میں لٹکا رہتا ہے' جس کے نتائج بد لینے پر اُسے کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ جب تک اُن نتائج کے ظہور کا وقت نہیں آتا' وہ اعمالنامہ گویا لپٹا رہتا ہے۔ جب نتائج کے ظاہر ہونے کا وقت آجاتا ہے' تو وہی' لپٹا ہوا اعمالنامہ ایک کھلی کتاب کی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

---

۱۴ اور انسان سے کہا جاتا ہے کہ لو! اپنا نامۂ اعمال خود پڑھ لو ـــــ تمہارا حساب کرنے کے لئے باہر سے کسی محاسب کے بلانے کی ضرورت نہیں۔ خود تمہاری اپنی ذات' تمہارے خلاف محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

۱۵ (یہ اعمالنامے کیا ہیں؟ اس حقیقت کی زندہ شہادت کہ) جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے اُس کی نفع بخشیاں خود اُس کی اپنی ذات کے لئے ہوتی ہیں۔ اور جو غلط راستہ اختیار کرتا ہے اُس کے نقصانات اُسی کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ یہاں' کوئی بوجھ اٹھانے والا' کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ (اس کے لئے ضروری ہے کہ غلط اور صحیح راستہ' انسان کے سامنے' واضح طور پر رکھ دیا جائے۔ سلسلۂ ہدایتِ آسمانی سے مقصد یہی ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ کسی قوم کی طرف اپنا پیغامبر نہ بھیجیں (جو انہیں غلط اور صحیح میں امتیاز کر کے بتائے اور اُس پر تنبیہ کر آئیں۔ (سلسلۂ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اب یہی مقصد قرآن کی رُو سے پورا ہو گا)۔

۱۶ قوموں کی تباہی کے لئے خدا کا قانون یہ ہے کہ جب وہ آرام پسند' محنت کئے بغیر زیادہ سے زیادہ مال و دولت حاصل کرنے کی خواہشمند' عیش پرست اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی حامل ہو جاتی ہیں' اور اس طرح' اُس صحیح راستے کو چھوڑ کر جو اُن کے سامنے واضح طور پر آچکا ہوتا ہے' غلط راستوں کو اختیار کر لیتی ہیں' تو' وہ تباہی کی مستوجب ہو جاتی ہیں' اور پھر اُنہیں' اس طرح ہلاک کر دیا جاتا ہے (کہ اُن کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا)۔

۱۷ تاریخ عالم کو سامنے لاؤ اور دیکھو کہ نوحؑ کے بعد' کتنی قومیں تھیں جنہیں ہم نے اسی طرح' (اپنے قانونِ مکافات کے مطابق) تباہ کر دیا۔ نیز انسان کو نما دینے والا' اپنے بندوں کے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا
مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ
سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

جرائم سے اچھی طرح باخبر رہتا ہے۔ وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ کسی کا کوئی عمل اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکتا۔

۱۸ (اس سے تمہارے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب خدا کا قانونِ مکافات اس قدر محکم گیر ہے' تو پھر وہ قومیں' جو نہ مستقل اقدار کو تسلیم کرتی ہیں اور نہ ہی مستقبل کی زندگی پر ایمان رکھتی ہیں' وہ مادی ترقی کس طرح کرتی جاتی ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ) ہمارا قانون یہ ہے کہ جو کوئی اِس دنیا میں' طبیعی مفادِ عاجلہ چاہتا ہے —— اور اس کے لئے طبیعی قوانین کے مطابق کوشش کرتا ہے —— ہم اُسے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق' جسے ہم نے اپنے اختیارِ ارادہ سے ایسا بنایا ہے' مادی مفاد دیدیتے ہیں۔ (جو کسان' ہمارے قوانین طبیعی کے مطابق' محنت کرکے فصل بوتا ہے' اُسے اُس کی محنت کا پھل مل جاتا ہے۔ اِس میں کافر و مومن کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ لیکن اِس کے بعد' مستقبل کی زندگی میں' اُس قوم کے لئے' تباہی کا جہنم ہوتا ہے جس میں وہ بدحال اور دھنکاری ہوئی داخل ہو جاتی ہے (۲۰/۲ ؛ ۱۶/۱۱ — ۱۵)۔

۱۹ اس کے برعکس' جو قوم (مفادِ عاجلہ کے ساتھ ساتھ ۲۰/۲) مستقبل کی خوشگواریاں بھی چاہتی ہے' اور اس کے لئے ایسی کوشش کرتی ہے' جیسا کوشش کرنے کا حق ہے۔ اور مستقل اقدار پر یقینِ کامل رکھتی ہے۔ تو یہ لوگ ہیں جن کی کوششیں' حال اور مستقبل دونوں میں' بھرپور نتائج کی حامل ہوتی ہیں۔

۲۰ ہم اس طرح دونوں گروہوں کو (یعنی صرف مفادِ عاجلہ طلب کرنے والوں' اور مفادِ عاجلہ کے ساتھ مستقبل کی خوشگواریاں چاہنے والوں کو) اپنے طبیعی قوانین کی رُو سے' ان کی کوششوں کے مطابق' آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں' اور تیرے نشوونما دینے والے کا عطا فرمودہ' سامانِ رزق ان سب کے لئے یکساں طور پر کھلا رہتا ہے۔ اُس کے راستے میں' کسی کے لئے بند نہیں لگائے جاتے۔ (جو چیز قانونِ طبیعی کے مطابق حاصل ہوتی ہے' وہ ہر اس شخص کو حاصل ہو سکتی ہے جو اُس قانون کے مطابق' اُس کے حصول کے لئے کوشش کرتا ہے۔ زندگی کی اِس دوڑ میں' کافر و مومن' دونوں کے لئے یکساں طور پر میدان کھلا رہتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ کافر کو'

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ
اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ
اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا
كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

اُس کی کوشش کے باوجود پکڑ کر پیچھے دھکیل دیا جائے' اور مومن کو' خواہ وہ کوشش نہ ہی کرے آگے بڑھا دیا جائے۔ (۴۲/۲۰)۔

۲۱ یہی وہ اٹل قانون ہے جس کی رُو سے' تم دیکھتے ہو کہ' حصولِ معاش میں کس طرح ایک قوم' اپنی سعی و عمل کے مطابق' دوسری قوم پر فوقیت حاصل کر لیتی ہے۔ ان میں' جہاں جائز فرق پڑتا ہے وہ مستقبل کی خوشگواریاں ہیں ——— یعنی' اس دنیا میں بھی انجام کار کو نظامِ زندگی' خوشگوار نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ اور اس سے بعد کی زندگی میں بھی کون آگے بڑھتا ہے۔ اس کے لئے' قانونِ طبیعی سے الگ' ایک اور قانون مقرر ہے' جو وحی کے ذریعے ملتا ہے۔ جس قوم کو یوں' مستقبل کی خوشگواریاں حاصل ہو جائیں' اُسی کے درجات بلند ہیں' اور اُسی کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے۔ درجات کی بلندی اور فوقیت کا معیار یہ ہے کہ اُس قوم کا حال بھی خوشگوار ہو اور مستقبل بھی درخشندہ۔

۲۲ اِس کے لئے ضروری ہے کہ تم صرف ایک خدا کے اقتدار و قانون کو تسلیم کرو۔ اُس کے ساتھ' کسی اور کے اقتدار کو شامل نہ کرو ——— (یہ نہ کرو کہ طبیعی زندگی میں تو قوانینِ خداوندی (قوانینِ فطرت) کے مطابق چلو' اور تمدنی زندگی کو' اپنے خود ساختہ قوانین کے تابع رکھو۔ نہ ہی یہ کہ قوانینِ خداوندی کو صرف اخلاقیات تک محدود رکھو اور طبیعی زندگی کے قوانین کو نظر انداز کر کے عمل رہبانیت اختیار کر لو)۔ ان دونوں صورتوں میں نتیجہ یہ ہوگا کہ تم' مصافِ زندگی میں' دھتکارے ہوئے انسانوں کی طرح' ذلت و خواری کے ساتھ' دوسروں سے پیچھے رہ جاؤ گے۔

۲۳ اسی مقصد کے پیشِ نظر تیرے نشوونما دینے والے نے' مستقل اقدار کا مکمل ضابطہ بذریعہ وحی دیدیا ہے' جس کی بڑی بڑی شقیں آئندہ آیات میں بیان کی جاتی ہیں۔ ان اقدار کا اصل الاصول اور نقطۂ ماسکہ یہ ہے کہ تم' قوانینِ خداوندی کے علاوہ' کسی کی اطاعت نہ کرو۔ اُس کے سوا کسی کو اپنا حاکم تسلیم نہ کرو۔ محکومیت صرف اُس کے قوانین کی اختیار کرو۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا
فِي نُفُوسِكُمْ ۖ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ﴿٢٥﴾ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَ
الْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾

اس اصل الاصول کی روشنی میں' دنیا میں' نظام ربوبیت ـــــ یعنی نوع انسان کی عالمگیر پرورش کا نظام ـــــ قائم کرو۔ اور اس کی ابتدا' اپنے گھر کی زندگی سے کرو۔ اس نظام کی بنیاد یہ ہے کہ جس شخص میں' کسی وجہ سے' کوئی کمی واقع ہو جائے' اُس کی کمی کو پورا کر دیا جائے۔ اِس کے لئے' تم اپنے ماں باپ کو دیکھو۔ وہ جوان تھے' اور کام کاج کے قابل' تو اپنے علاوہ' تمہاری پرورش بھی کرتے تھے۔ اب وہ بوڑھے ہو چکے ہیں' اور کمانے کے قابل نہیں رہے' تو تمہارا فرض ہے کہ ان کی اس کمی کو پورا کرو۔

بڑھاپے میں قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں اور انسان بچوں کی سی باتیں کرنے لگ جاتا ہے (۳۶/۶۸)۔ لہٰذا اگر تمہارا باپ یا ماں یا دونوں بوڑھے ہو جائیں' تو انہیں حقارت آمیز باتیں مت کہو۔ نہ ہی اُن سے سختی اور درشتی سے کلام کرو۔ اُن سے ادب اور عزت سے بات کرو اور کشادہ نگہی سے پیش آؤ۔

۲۴ اُن کی پرورش کے لئے' اُنہیں اپنے بازوؤں کے نیچے سمٹائے رکھو (جس طرح اُنہوں نے بچپن میں' تمہیں اپنے بازوؤں کے نیچے سمٹائے رکھا تھا) اور اُن کے حق میں ہمیشہ یہ آرزو کرو کہ جس طرح انہوں نے بچپن میں تمہاری پرورش کی تھی' تمہارا رب' تمہارے ہاتھوں' اُسی طرح اُنکی پرورش کا انتظام کرائے۔ (بچوں کی پرورش تو حیوانات بھی کرتے ہیں۔ لیکن بوڑھے والدین کی پرورش صرف انسان کا خاصہ ہے۔ اسی لئے اِس کی تاکید کی گئی ہے)۔

۲۵ تمہارا نشوونما دینے والا خوب جانتا ہے کہ تمہارے دل میں کیا ہوتا ہے۔ (تم بوڑھے والدین کی بچپن کی سی باتوں سے چڑ جاتے ہو' اور اس طرح' تمہارے دل میں' ان کے لئے تعظیم کا جذبہ نہیں رہتا۔ لیکن) اگر تم اپنی صلاحیتوں کو نشوونما دیتے رہو' اور اپنے سامنے نصب العین یہ رکھو کہ تم نے ہر ایک کے بگڑے ہوئے کام سنوارنے ہیں تو تم میں سہار اور برداشت کا مادہ پیدا ہو جائیگا۔ یہ ہے وہ طریقہ جس سے ہر اُس شخص کو خدا کی طرف سے سامانِ حفاظت مل جاتا ہے جو اپنی ذات کی حفاظت اور نشوونما کے لئے اُس کی طرف رجوع کرے۔ (لہٰذا' ماں باپ کی خدمت' خود تمہاری اپنی ذات کی نشوونما کا ذریعہ بن جاتی ہے)۔

۲۶ (اسی بنیادی اصول کو اب آگے بڑھاتے جاؤ) جو لوگ تمہارے قریبی (رشتہ دار) ہیں۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ
ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ
وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ
كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾

یا جن کا چلتا ہوا کاروبار کسی وجہ سے رک گیا ہے۔ یا جو مسافر زادِ راہ کے بغیر رہ گیا ہے۔ اُن سب کا تم پر حق ہے۔ ان کے حقوق بھی ادا کرو۔

لیکن مال کو بے جا صرف مت کرو اور اس اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ مال ملت کی کھیتی کے لئے بیج کے مانند ہے۔ اگر بیج برمحل بویا گیا تو ایک ایک دانے سے سات سات سو دانے پیدا ہوں گے (۲:۲۶۱)۔ اور اگر اُسے بے محل بکھیر دیا تو کھیتی کا اُگنا تو ایک طرف بیج بھی ضائع چلا جائے گا۔

۲۷ اس طرح مال کو ضائع کر دینے والے شیطان کے بھائی بند ہیں۔ اور شیطان اُسے کہتے ہیں جو خدا کے عطا کردہ سامانِ نشوونما کو تباہ و برباد کر کے اُس کی نعمتوں کی ناسپاس گزاری کرے۔

۲۸ (اور اگر کبھی ایسا ہو کہ ان حقداروں میں سے کوئی ضرورتمند تمہارے پاس اُس وقت آئے جب تمہارے پاس انہیں دینے کے لئے کچھ نہ ہو) اور تم اپنے پروردگار کے ہاں سے سامانِ رزق کی طلب و جستجو کر رہے ہو اور ہنوز متوقع مال کے انتظار میں ہو اور یوں تم اُن سے منہ پھیرنے پر مجبور ہو جاؤ۔ تو انہیں نرمی سے بات سمجھا دو۔ (سختی سے نہ جھڑکو)۔

۲۹ اپنے ذاتی اخراجات کے سلسلہ میں بھی اس اصول کو سامنے رکھو کہ نہ تو تم اپنے ہاتھ کو اتنا سکیڑ لو کہ وہ تمہاری گردن کے ساتھ بندھ جائے اور نہ اُسے بالکل کھلا چھوڑ دو۔ پہلی صورت (بخل) میں تم پر ہر طرف سے لعنت ملامت ہوگی۔ اور دوسری صورت میں تم خود درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔

۳۰ (اور اکتساب رزق کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرو۔ اس لئے کہ) تمہارے نشوونما دینے والے کا قانون یہ ہے کہ جو چاہتا ہے کہ اُسے کھلا رزق ملے اسے کھلا رزق ملتا ہے۔ اور جو نپا تلا لینا چاہے اسے نپا تلا ملتا ہے۔ وہ ہر ایک کی سعی و عمل سے باخبر ہے اور ہر ایک کی طلب و جستجو پر نگاہ رکھتا ہے۔ (اس کے ہاں اصول یہ ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کیلئے

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ
وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا
تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ
مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

وہ کوشش کرے (۵۳/۳۹)۔

۳۱ اور دیکھو! اس خدشہ سے کہ تم غریب ہو جاؤ گے اپنی اولاد کو علم و تربیت سے محروم نہ رکھو۔ تمہارے اور تمہاری اولاد کے رزق کی ذمہ داری نظامِ خداوندی پر ہے۔ (اس نظام کے قیام کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ یہ ہر فرد کو اُس کی ضروریاتِ زندگی کی ضمانت دے اور اس طرح انسان کو معاش کی طرف سے مطمئن کر کے اُسے بلند مقاصدِ انسانیت کے لئے فارغ کر دے ۹/۱۱۱ ؛ ۲۰/۱۱۸)۔ یاد رکھو! اولاد کو علم و تربیت سے محروم رکھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ (اور اُسے مار ڈالنا اتنا بڑا جرم جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا)۔

۳۲ اور زنا کے پاس تک بھی نہ پھٹکو۔ (اس کے مبادیات تک سے بھی بچو)۔ یاد رکھو! یہ ایسی حدود شکنی ہے جس سے معاشرہ میں فحاشی پھیل جاتی ہے اور چاروں طرف سے برائیوں کے راستے کھل جاتے ہیں۔

۳۳ (تحفظِ عصمت کے بعد تحفظِ جان کی طرف آؤ۔ اس کے لئے یہ بنیادی اصول یاد رکھو کہ) جس جان کا مارنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ (اُسے واجب الاحترام قرار دیا ہے۔ یعنی بے گناہ کا قتل۔ ۵/۳۲) اسے قتل مت کرو، بجز اس کے کہ ایسا کرنا قانونِ عدل کا تقاضا ہو۔ (۲/۱۷۸)۔ جو شخص ظلم سے ناحق مارا جائے (تو قاتل یہ نہ سمجھ لے کہ مقتول کے وارثوں کا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں، اس لئے کون مجھ سے باز پرس کر سکتا ہے) مقتول کے وارثوں کے لئے، ہم نے نظامِ خداوندی (اسلامی معاشرہ) کو صاحبِ غلبہ و اختیار بنایا ہے۔ اس لئے یہ نظام، خود مقتول کے وارثوں کا پشت پناہ بنے گا۔ لیکن معاشرہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جرم کی سزا قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے دے۔ اُن سے تجاوز نہ کرے (۶/۱۵۲ ؛ ۴۲/۴۰)۔

۳۴ (جان اور عصمت کے تحفظ کے بعد مال کی حفاظت کا سوال سامنے آتا ہے۔ اس کے لئے

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ
مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ
مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾

یہ اصول پیش نظر رکھو کہ) جو شخص معاشرہ میں تنہا اور کمزور رہ جائے۔ جو یتیم ہو جائے۔ اُس کے مال کے قریب تک بھی نہ جاؤ' بجز اُس صورت کے جو اس کے انتظام کے لئے ضروری ہو۔ (۱۵۲/۶)۔ جب یتیم' جوان ہو جائیں (اور اُن میں عقل و فکر کی پختگی آجائے۔ (۴/۶)۔ تو ان کی امانت ان کے حوالے کر دو)۔

اگلا اصول یہ ہے کہ اپنا عہد ہمیشہ پورا کرو۔ یاد رکھو! ایفائے عہد کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہو گی۔

۳۵ اور جب تم کسی چیز کو ماپو' تو ماپ کو پورا کرو۔ اور جب تولو' تو ہمیشہ درست ترازو سے تولو۔ (ڈنڈی مار لینے سے تھوڑا سا بے جا فائدہ تو ضرور ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھو!) صحیح منفعت' ماپ تول کے پورا رکھنے ہی سے ہوتی ہے' اور یہی دین کی یہی شکل ہے جو آلِ کار معاشرہ کے توازن کو قائم رکھ سکتی ہے۔

(ماپ تول کے پورا رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اپنا معاشی نظام' عدل و مساوات کے اصولوں پہ استوار کرو۔ نہ کسی سے' واجب سے زیادہ لو۔ نہ کسی کو اس کی محنت سے کم دو۔ (۸۳/۱-۳)۔

۳۶ اور یاد رکھو! جس بات کا تمہیں ذاتی طور پر علم نہ ہو (جس کی خود تحقیق نہ کر لو)۔ اُس کے پیچھے مت لگو۔ (ذاتی تحقیق کے معنی یہ ہیں کہ) تم اپنی سماعت و بصارت (حواس) کے ذریعے معلومات حاصل کرو' اور پھر ان معلومات کی بنا پر اپنے ذہن سے فیصلہ کرو' اور اس طرح صحیح نتیجہ پر پہنچو۔ ان میں سے اگر ایک کڑی بھی گم ہو گئی' تو تمہاری تحقیق ناقص رہ جائے گی۔ سوچو کہ اس باب میں تم پر کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ (اس لئے کہ خدا نے تمہیں صاحب اختیار و ارادہ بنایا ہے' مجبور مشین نہیں بنایا۔ اور اس اختیار کے استعمال کے لئے' ذرائع علم و تحقیق عطا کر دیئے ہیں۔ اِن سے کام نہ لینے والا اپنی ذمہ داری سے جی چراتا ہے)۔

۳۷ اور (باہمی معاملات کی طرح' اپنی رفتار و گفتار میں بھی اوچھا پن پیدا نہ ہونے دو۔ اس لئے کہ ان باتوں کا اثر بھی انسانی سیرت پر پڑتا ہے۔ مثلاً) تم یوں اکڑ کر نہ چلو جس سے ایسا معلوم ہو گویا تم زمین میں شگاف کر دینا چاہتے ہو' یا تن کر پہاڑوں کی لمبائی تک

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ
اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾
قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

پہنچ جانا چاہتے ہو۔ ایسا تو تم کر نہیں سکو گے البتہ اس سے تمہارا اسفلہ پن ظاہر ہو جائے گا۔ لہٰذا فساد میں میانہ روی اختیار کرو۔ (۳۱/۱۹)۔ (اکڑنا وہی ہے جو مفاد عامہ کے کام کئے بغیر بڑا بننے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ ۳/۱۸۷ ؛ ۴۰/۷۵)۔

۳۸ یہ تمام اخلاقی عیوب جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، قانونِ خداوندی کی رُو سے بُرے ناپسندیدہ ہیں۔ ان کا تمہاری ذات پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔

۳۹ یہ وہ پُر از حکمت امور (اخلاقی اقدار) ہیں جو تیرے نشو و نما دینے والے کی طرف سے تجھ پر وحی کئے گئے ہیں۔ (۱۷/۲۶۹)۔

تمہارے لئے زندگی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ تم خدا کے سوا کسی کی حاکمیت کو تسلیم نہ کرو۔ اطاعت اسی کے احکام و قوانین کی کرو۔ اُس کے ساتھ کوئی اور صاحبِ اقتدارِ ہستی شریک نہ کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے (یعنی خدا کے علاوہ کسی اور کو صاحبِ اقتدار تسلیم کر لو گے) تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم (شرفِ انسانیت سے گر جاؤ گے اور) طرح طرح کی ملامتوں کے ساتھ دھتکارے ہوئے جہنم کی تباہیوں میں جا گرو گے۔

۴۰ (یہی دین کا اصل الاصول ہے۔ یعنی یہ کہ کائنات میں اختیار و اقتدار صرف خدا کا ہے۔ اور کسی کا نہیں۔ اور یہی بات ان توہم پرست جہلا کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بہت سے دیوی دیوتا ہیں جو خدا کے اقتدار میں شریک ہیں۔ نیز خدا کی اولاد بھی ہے جو اُس کے کاروبار میں اس کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ اور فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں۔ ان سے پوچھو کہ) کیا تمہارے رب نے بیٹوں کو تو تمہارے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا ہے! یہ کتنی بڑی سخت بات ہے جسے تم یونہی بلا سوچے سمجھے زبان پر لے آتے ہو؟ (۱۶/۵۷)

۴۱ اور ہم نے قرآن میں، تبیانِ حقیقت کے لئے، مختلف پیرائے اختیار کئے ہیں، اور اس کے متنوع گوشوں کو، پھرا پھرا کر سامنے لاتے ہیں، تاکہ حقائق بالکل واضح ہو جائیں۔ لیکن (جن لوگوں نے تہیہ کر لیا ہو کہ ہم نے اس کی مخالفت ہی کرنی ہے، اُن پر اس سے کچھ اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے ان کی نفرت اور بڑھ جاتی ہے۔

۴۲ ان سے کہو کہ (جن چیزوں کے متعلق تم خیال کرتے ہو کہ انہیں خدائی میں اختیار و اقتدار

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ
مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ
جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ
يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

حاصل ہے) اگر انہیں واقعی اختیار و اقتدار حاصل ہوتا تو یہ قوتیں اُس خدا کے خلاف جسے کائنات پر مرکزی کنٹرول حاصل ہے مقابلے کی راہیں نکال لیتیں (اور جب کنٹرول بٹ جاتا تو کائنات میں فساد برپا ہو جاتا۔ (۲۱/۲۲) حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ نظامِ کائنات میں کہیں فساد اور خلفشار نہیں۔ (۶۷/۵ — ۴)۔

۴۳ اس سے واضح ہے کہ جو کچھ یہ لوگ خدا کے متعلق کہتے ہیں' خدا اس سے بلند ہے — بہت بلند اور ہر قسم کے غلبہ و اقتدار کا مالک۔ کائنات میں کبریائی صرف اس کے لئے ہے۔

۴۴ کائنات کی پستیاں اور بلندیاں' اور جو کوئی ان کے اندر ہے' سب خدا کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔ یہاں کوئی شے ایسی نہیں جو اُس پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرداں نہ ہو جس کے نتائج خدا کی حمد و ستائش کے زندہ پیکر بنکر سامنے آجاتے ہیں۔ لیکن تم نہیں سمجھتے کہ وہ کس طرح اپنے مفوضہ فرائض کی سرانجام دہی میں سرگرمِ عمل ہیں۔ (اسلئے کہ ہنوز تمہارے علم کائنات کی سطح بہت نیچی ہے۔ جب تمہیں اس کا علم حاصل ہو جائے گا تو تم خود اس کا اعتراف کر لو گے کہ ان میں سے کسی میں بھی الٰہ بننے کی قدرت نہیں۔ خدا اپنی تحمل آمیز قوتوں کے ساتھ' نہایت محکم انداز سے' نظمِ کائنات کو اپنے کنٹرول میں رکھے ہوتے ہے اور اس کی ہر طرح سے حفاظت کئے جا رہا ہے تاکہ اس میں کہیں فساد اور خلفشار رونما نہ ہونے پائے۔

۴۵ جو لوگ قرآن کے متعلق پہلے ہی اپنے دل میں جذباتِ نفرت لے کر آتے ہیں (۱۸/۱۴)۔ اور مستقبل کی زندگی پر ان کا ایمان نہیں ہوتا' اُن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب تو اُن کے سامنے قرآن پیش کرتا ہے' تو تمہارے اور اُن لوگوں کے درمیان ایک ایسا (نفسیاتی) پردہ حائل ہو جاتا ہے جو عام نگاہوں سے دیکھا نہیں جا سکتا۔

۴۶ اور اُن کے دلوں پر ایسے غلاف چڑھ جاتے ہیں جن کی وجہ سے' اُن کی سمجھ بوجھ کچھ کام نہیں دیتی۔ اور اُن کے کانوں میں ایسے ڈاٹ لگ جاتے ہیں (جس سے سچی بات اُن کے

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا
مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ
رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ
فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ
عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾

دل تک پہنچ ہی نہیں پاتی ـــــ نفرت کے جذبات' انسان کو' اس طرح اندھے اور بہرے بنا دیتے ہیں)
ـــــ انہی جذباتِ نفرت کا نتیجہ ہے کہ جب تو قرآن میں صرف خدائے واحد کا ذکر کرتا ہے' اور اسکے ساتھ اِن کے باطل معبودوں اور پیشواؤں کو نہیں ملاتا' تو یہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ (۳۹/۴۵ ؛ ۴۰/۱۲)۔

۴۷ (جب یہ لوگ تمہاری مجلسوں میں آکر بیٹھتے ہیں' اور بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ) یہ تیری باتوں کو بڑے غور سے سن رہے ہیں' تو جیسا کچھ یہ فی الحقیقت سن رہے ہوتے ہیں' ہم اُسے خوب جانتے ہیں۔ (۴۷/۱۹۸ ؛ ۱۰/۴۲ ؛ ۴۷/۱۶)۔ اس کے بعد یہ اپنے ہم نواؤں سے جا کر ملتے ہیں اور اُن سے خفیہ مشورے کرتے ہیں۔ اور مومنین سے' نہایت طعن آمیز انداز سے کہتے ہیں کہ تم ایک ایسے آدمی کے پیچھے لگ رہے ہو جس پر کسی نے جادو کر رکھا ہے (اور وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے)۔

۴۸ اے رسول! دیکھو' یہ لوگ تمہارے متعلق کس قسم کی باتیں کرتے ہیں؟ ان کا یہی تعصب ہے جس کی وجہ سے یہ ایسی گمراہی میں پڑ چکے ہیں کہ اب سیدھی راہ پا نہیں سکتے۔ (جس کی آنکھوں پر نفرت اور تعصب کی پٹی بندھی ہو' اسے سیدھی راہ نظر کیسے آسکتی ہے؟)۔

۴۹ (یہ لوگ' تمہاری جن باتوں کو بہکی بہکی قرار دیتے ہیں' ان میں ایک یہ بھی ہے جو) یہ کہتے ہیں کہ جب ہم (مرنے کے بعد) ہڈیاں رہ جائیں گے' اور گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا' اُس کے بعد بھی ہم' از سرِ نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟ (۱۷/۹۸)۔

۵۰ ان سے کہو کہ تم (مرنے کے بعد' ہڈیاں اور چورا ہی نہیں) پتھر بن جاؤ۔ لوہا بن جاؤ۔

۵۱ یا کوئی اور ایسی چیز بن جاؤ جس کا زندہ ہونا' تمہارے نزدیک' ناممکن ہو' تم کچھ ہی بن جاؤ۔ تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے)۔ اِس پر یہ کہیں گے کہ وہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ اِن سے کہو کہ وہی خدا جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا (جبکہ تمہاری ہڈیاں اور چورا تک بھی نہیں تھا)۔

يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٢﴾ وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي
هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿٥٣﴾ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِن
يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿٥٤﴾ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ
وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿٥٥﴾

(جس طرح مُردوں کو نئی زندگی مل سکتی ہے اُسی طرح اِس دنیا میں بھی اُن جماعتوں کو حیاتِ تازہ مل سکتی ہے جن کے متعلق تم سمجھتے ہو کہ اُن کا دوبارہ اُٹھنا ناممکنات میں سے ہے)

یہ سُن کر یہ لوگ تیرے سامنے سر ہلانے لگ جائیں گے اور کہیں گے کہ ایسا کب ہوگا؟ اِن سے کہو کہ عجب نہیں کہ اس کا وقت قریب ہی ہو۔

۵۲ جس دن وہ تمہیں بلائے گا اور تم (سرکشی اور مخالفت کے بجائے) اس کی حمد و ستائش کے مجسمے بنے اُس کی دعوت پر لبیک کہو گے۔ اور تمہیں خیال گزرے گا کہ جو وقت تم نے اِس سے پہلے گزارا ہے وہ کچھ زیادہ نہیں تھا۔ بہت تھوڑا سا تھا۔

۵۳ (اے رسول!) تم ان لوگوں سے جو میری اطاعت قبول کر چکے ہیں کہو کہ تم جو بات بھی کرو ایسی کرو جس میں حسن اور خوبصورتی ہو۔ جو نہایت متوازن اور ٹھیک ٹھیک ہو۔ خدا کی راہ سے بہکانے والی قوتیں ہمیشہ اس کوشش میں رہتی ہیں کہ تم میں بگاڑ اور فساد پیدا ہو جائے۔ (سو تم اُن سے محتاط رہنا)۔ یہ تخریبی قوتیں انسان کی کھلی ہوئی دشمن ہیں (اگرچہ یہ سامنے بڑے ہمدردانہ لباس میں آتی ہیں)۔

۵۴ تمہارا نشوونما دینے والا تمہارے تمام حالات سے باخبر ہے۔ اگر تم اُس کے قوانین کے مطابق چلو گے تو وہ تمہاری بالیدگی کا سامان مہیا کر دے گا۔ اگر اُن کے خلاف جاؤ گے تو تم پر تباہی آجائے گی۔

اے رسول! (یہ سب کچھ سمجھا دینے کے بعد یہ بات ان پر چھوڑ دو کہ یہ اپنے لئے کونسا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں)۔ ہم نے تمہیں اِن پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا (کہ تو انہیں زبردستی صحیح راستے پر چلائے) یا اِن کی روش کی بابت تم سے باز پرس ہو)۔

۵۵ (یہ کچھ انہی کے متعلق نہیں) اس کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کوئی بھی ہے تیرا نشوونما دینے والا اُن سب کے حالات سے باخبر ہے۔ (یہ ہمارے اسی علم کی بنا پر تھا کہ ہم نے

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ
مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ
فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

مختلف قوموں کے حالات اور کوائف کے مطابق اُن کی طرف اپنے رسول بھیجے۔ وہ بحیثیت رسول سب ایک جیسے تھے' لیکن ان کی تعلیم کے دائرۂ اثر و نفوذ کے اعتبار سے' ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل رہی ہے (۲/۲۵۳)۔ انہی میں داؤدؑ جیسا نبی بھی تھا' جسے ہم نے کتاب بھی دی (اور اس کے ساتھ ایسی عظیم مملکت جس کی مثال اُس دور میں نہیں ملتی — نبی ہونے کے اعتبار سے تو وہ بھی دیگر انبیاء کی طرح تھا' لیکن جب ایسی وسیع و عریض مملکت میں نظامِ خداوندی رائج ہو تو اس کی فضیلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے)۔

۵۶ اِن سے کہو کہ تم جن ہستیوں کو اپنے خیال میں خدا کے سوا صاحبِ اقتدار سمجھتے ہو ذرا انہیں پکار کر دیکھو تو سہی۔ تم دیکھو گے کہ اُن میں نہ تو اس کی طاقت ہے کہ وہ کسی ایسی مصیبت کو (جو ہمارے قانون کے مطابق) تم پر آ رہی ہو' تم سے ہٹا دیں۔ اور نہ اس کی مقدرت کہ تمہارے حالات بدل دیں۔

۵۷ جن ہستیوں کو یہ لوگ' صاحبِ اقتدار سمجھ کر' اپنی مدد کے لئے پکارتے ہیں' اُن کی اپنی حالت یہ ہے کہ ان میں سے جنہیں یہ سب سے زیادہ مقربِ خیال کرتے ہیں' وہ بھی ہمیشہ اس طلب اور خواہش میں رہتے ہیں کہ انہیں خدا کے ہاں اچھا مرتبہ اور درجہ مل جائے (۵/۳۵)۔ وہ' اس کی طرف سے' سامانِ نشوونما کے متوقع' اور اُس کے قوانین کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے خائف رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ تباہیاں ایسی ہیں جن سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

۵۸ (یہ لوگ اپنے غلط نظامِ زندگی پر نازاں ہیں' اور سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا مستحکم اور پائیدار ہے' اور اسے کوئی تباہ نہیں کر سکتا۔ اِن سے کہدو کہ غلط نظام کبھی پائیدار نہیں ہو سکتا) کوئی قوم ایسی نہیں کہ وہ غلط نظام کی حامل ہو' اور وہ' اِسی دنیا میں' تباہ' یا سخت عذاب میں مبتلا نہ ہو جائے۔ یہ سب کچھ ہمارے قانونِ مکافات کے ضابطہ میں درج ہے۔ (اور وہ قانون اٹل ہے)۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝۵۹ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝۶۰

۵۹ (ان لوگوں کا مطالبہ ہے کہ اگر ان پر تباہی آنے والی ہے تو اُس کی کوئی محسوس نشانی ان کے سامنے آنی چاہیئے۔ ان سے کہو کہ) ہمارے لئے اس قسم کی نشانیاں بھیجنا کچھ مشکل نہیں۔ ہم اقوامِ سابقہ کی طرف ایسی نشانیاں بھیجا کرتے تھے جو ان کے لئے ظہورِ عذاب کی خبر بن جائیں۔ مثلاً ہم نے قوم ثمود کی طرف اونٹنی کو اسی قسم کی نشانی بنا کر بھیجا۔ (یعنی اُن سے کہدیا کہ اگر اُنہوں نے اُس اونٹنی کو اس کی باری پر پانی نہ پینے دیا تو یہ اس امر کی نشانی ہوگا کہ وہ قانونِ خداوندی کی پاسداری نہیں کرنا چاہتے)۔ بجائے اس کے کہ وہ اس سے ڈر جاتے اور اپنی روش میں تبدیلی کر لیتے اُنہوں نے اُلٹا اُسے مار ڈالا۔ (اس قسم کی نشانیوں کے ساتھ جو کچھ اقوامِ سابقہ نے کیا وہی کچھ یہ لوگ کرتے۔ اس لئے انہیں اس سے کیا فائدہ ہوتا؟ ان سے کہو کہ جو کچھ ان سے کہا جاتا ہے وہ اس پر عقل و بصیرت سے غور کریں اور خود فیصلہ کریں کہ ان کی غلط روش کا نتیجہ فلاح و کامرانی ہوگا یا ہلاکت اور بربادی؟)۔

۶۰ (اگر یہ غور و فکر سے کام لینے والے ہوتے تو ان کے سامنے کتنی باتیں ایسی آچکی تھیں جن سے یہ اس نتیجہ تک پہنچ سکتے تھے کہ ان کی روش کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ مثلاً ہم نے تجھے بتایا کہ ہمارا قانونِ مکافات ان لوگوں کو گھیر کر تباہی کی طرف لئے چلا آرہا ہے۔ (اگر یہ اس پر غور کرتے تو قرائن و شواہد سے صاف پتہ چل جاتا کہ یہ بات درست ہے۔ لیکن انہوں نے اس پر کان ہی نہ دھرا)۔ پھر تم نے اپنا خواب بیان کیا کہ (تم فاتح و منصور مکہ میں داخل ہوگے ۴۸/۲۷)۔ تو اس کا بھی انہوں نے مذاق اڑا دیا (حالانکہ یہ اگر سوچتے تو بآسانی اس نتیجہ تک پہنچ جاتے کہ حالات جس انداز سے بدل رہے ہیں اور واقعات کا رُخ جس سمت کو ہے وہ اس حقیقت کا سراغ دے رہے ہیں کہ اس خواب کا سچ ہو جانا چنداں بعید نہیں)۔ اسی طرح ہم نے قرآن میں شجرۃ الزقوم کی مثال سے سمجھایا تھا (کہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو اس قدر معزز سمجھ رہے ہیں کس طرح ذلیل و خوار ہوں گے۔ ۳۷/۶۲ ؛ ۴۹/۴۴ — ۴۴/۴۴)۔

ہم انہیں اس طرح، ان پر آنے والی تباہی سے متنبہ اور خائف کرتے چلے آئے تھے لیکن اس سے یہ اور زیادہ سرکش اور بیباک ہوتے چلے گئے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ
هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ
تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ
عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا
غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

---

۶۱ (ان کی یہ سرکشی اور بیباکی اُنہی مفاد پرستانہ جذبات کا نتیجہ تھی جو انسان کے ساتھ شروع سے لگے چلے آرہے ہیں اور اُس کے صحیح راستے کی طرف آنے میں حائل ہوتے ہیں۔ ان کا تفصیلی ذکر قصّۂ آدم کے تمثیلی انداز میں پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ ۳۹ — ۲ — ۳۰۔ لیکن یاد دہانی کے طور پر اسے پھر دہرایا جاتا ہے۔ اور اس کا آغاز اُس موقعہ سے کیا جاتا ہے) جب ہم نے کائناتی قوتوں سے کہا کہ تم آدم کے سامنے جھک جاؤ تو وہ اُس کے سامنے جھک گئیں لیکن ابلیس نے ایسا نہ کیا۔ اُس نے کہا کہ کیا میں ایسے انسان کی اطاعت اختیار کرلوں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (یعنی جس میں مادی جاذبیتوں کی طرف میلان کا عنصر اس قدر غالب ہے۔ ۱۴ — ۶ — ۱۱ ؛ ۴۱ — ۱۵ — ۲۷)۔

۶۲ (اس پر جب ابلیس سے کہا گیا کہ تو سعادتوں سے محروم رہ جائے گا تو اُس نے کہا کہ) اگر تیرا یہی فیصلہ ہے کہ اس حقیر سی مخلوق کو مجھ پر فضیلت دی جائے تو مجھے یوم القیامت تک مہلت دے۔ پھر دیکھ کہ میں اس کی نسل کے ساتھ بجز معدودے چند کیا کرتا ہوں؟ میں کس طرح اِن کی تھوتھنی کو رسّی سے باندھ کر جدھر چاہے لئے لئے پھرتا ہوں۔

۶۳ اس پر خدا نے کہا کہ جاؤ! ان میں سے جو کوئی تیرے پیچھے چلے گا تو تم سب کی کشتِ حیات جھلس کر رہ جائے گی —— اور یہی تمہارے اعمال کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ہے۔

۶۴ (ہم جانتے ہیں کہ تم انہیں صحیح راستے سے بہکانے کے لئے کیا کیا حربے استعمال کرو گے)۔ ان میں سے بعض کو تو تم خالی پراپیگنڈے کے زور سے گڑبڑا کر اُن کے مقام سے ہٹا دو گے۔ (جو اس طرح خائف نہ ہوں گے) تم اُن پر اپنے بڑے بڑے لشکر لے کر چڑھ دوڑو گے —— ایسے لشکر جن میں سوار اور پیادے سب شامل ہوں گے —— بعض مقامات پر تم انہیں مالی امداد دینا شروع کر دو گے اور انہیں کاروبار میں اپنا شریک کر لو گے اور اس طرح اقتصادی تغلب سے انہیں اپنا ہم نوا بنا لو گے۔ بعض جگہ ایسی تعلیم گاہیں کھول دو گے جن سے ان کی آنے والی نسلیں

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٥﴾ رَّبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ
لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا
نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ
عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾

خود بخود تمہارے رنگ میں رنگی جائیں۔ تم ان سے بڑے بڑے وعدے کرو گے' حالانکہ تمہارے وعدے سب فریب پر مبنی ہوں گے۔ (اور یہ تمہارا فریب کھا جائیں گے)۔

۶۵ (تمہارے یہ حربے بڑے مؤثر اور تمہاری چالیں بڑی کارگر ہوں گی۔ بایں ہمہ) جو لوگ میرے قوانین کے مطابق چلیں گے' اُن پر تیرا کوئی زور نہیں چل سکے گا۔ تمہاری تمام چالوں کے مقابلہ میں' خدا کا نظام ربوبیت اُن کی کارسازی کے لئے کافی ہوگا۔ یہ اُس پر بھروسہ کریں گے' تو وہ انہیں کبھی دغا نہیں دے گا۔ (۴۲ — ۱۵ — ۴۰)۔

۶۶ (خدا کا قانون کس قدر بھروسے کے قابل ہے' اس کا مشاہدہ تم' طبیعی دنیا میں ہر روز کرتے ہو۔ مثلاً) تم دیکھتے ہو کہ بڑی بڑی کشتیاں' اتنا سامان لاد کر' کس طرح سمندر میں تیرتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم' ان کے ذریعے' تلاشِ رزق کر سکو۔ اُس کا یہ قانون (کس قدر بھروسے کے قابل — اور) تمہارے لئے موجب رحمت ہے۔؟

۶۷ (جب تمہاری کشتی' امن و عافیت سے چلی جاتی ہے تو تم' اور سینکڑوں قسم کے خیالات دل میں لاتے ہو لیکن اس طرف توجہ دینے کی ضرورت تک محسوس نہیں کرتے کہ یہ سب کچھ قانونِ خداوندی کے مطابق ہو رہا ہے۔ مگر جب وہ کشتی کسی مصیبت میں گھر جاتی ہے تو اُس وقت صرف وہی تدابیر کارگر ہو سکتی ہیں جو قانون خداوندی کے مطابق اختیار کی جائیں۔ اُس کے خلاف کسی ایسی قوت کی تدبیر جسے تم حالتِ امن میں پکارتے تھے' کارساز نہیں ہو سکتی۔ اُس کے بعد' جب تم صحیح و سلامت خشکی پر اُتر جاتے ہو' تو پھر اس حقیقت سے روگردانی کر لیتے ہو (کہ امن و عافیت قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے ہی سے مل سکتے ہیں)۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان (اگر وحی خداوندی کو چھوڑ کر' صرف اپنے جذبات و خیالات کے تابع چلے تو) بڑا ناسپاس گزار ہوتا ہے۔

۶۸ تم دریا سے بعافیت نکل کر خشکی پر آجاتے ہو تو' سمجھ لیتے ہو کہ تم قوانین خداوندی کی

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا
تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ
فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ
بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾

زد سے باہر نکل آئے حالانکہ اُس کے قوانین ساری کائنات کو محیط ہیں' اور جو' جس جگہ بھی اُنکی خلاف ورزی کرتا ہے' وہیں پکڑا جاتا ہے)۔ وہ خشکی کے قطعے پر بھی تمہیں اسی طرح تباہ کر سکتا ہے جس طرح پانی کے اندر۔ اگر وہاں پانی کا طوفان وجہ ہلاکت بن سکتا تھا تو یہاں آندھی اور جھکڑ کا تھپڑا تمہاری بربادی کا سامان پیدا کر سکتا ہے' جس سے تمہیں کوئی بچانے والا نہیں مل سکتا۔

۶۹ یا تم یہ سمجھتے ہو کہ سمندر کے طوفان سے ایک دفعہ بچ نکلنے پر تم ہمیشہ کے لئے محفوظ اور مامون ہو گئے ہو؟ یہ غلط ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جب تم بحری سفر کے لئے نکلو تو وہ تم پر سخت ہوا کا طوفان بھیج دے' جو تمہاری کشتی کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے' اور تمہیں سمندر میں غرق کر دے' اِس لئے کہ تم نے اُس کے قانون کی کسی شق کو نظر انداز کر دیا تھا —— اِسی کا نام قانون خداوندی کی ناسپاس گزاری اور انکار ہے —— اُس وقت کوئی ایسی قوت نہیں ہو سکتی جو اُس قانون کے خلاف تمہارے مقدمے کی پیروی کر سکے' یا ہم سے باز پرس کر سکے۔

۷۰ (یہ طبیعی قوتیں جو کائنات میں کارفرما ہیں' بڑی مہیب اور زبردست واقع ہوئی ہیں' لیکن ہم نے انسان کو ان سب پر برتری عطا کی ہے۔ ہم نے تمام فرزندانِ آدم کو واجب التکریم بنایا ہے۔ (اور انہیں قوانین طبیعی کا وہ علم دیا ہے جس کی بنا پر وہ) خشکی اور تری کی تمام قوتوں کو مسخر کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح' اپنے لئے' نہایت خوشگوار سامانِ زیست حاصل کر لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنی اکثر مخلوق پر فضیلت اور برتری عطا کی ہے۔

۷۱ (لیکن نہ تو انسان محض اس کے طبیعی جسم سے عبارت ہے' اور نہ ہی اُس کی جولانیوں اور کامرانیوں کا میدان صرف طبیعی کائنات ہے۔ حیوانی زندگی کے علاوہ' اس کی "انسانی زندگی" بھی ہے جو اُس کے اعمال کے مطابق مرتب ہوتی ہے۔ ۱۵)۔ اعمال کے نتائج کے

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا
قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ

ظہور کے وقت تمام انسانوں کو ان کے اعمالنامہ کے ساتھ بلایا جائے گا۔ جس کا اعمالنامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں ہوتا ہے (کہ یہ یمن و سعادت کا نشان ہے) تو یہ لوگ اُسے (خوشی خوشی) پڑھتے ہیں اور اُس میں اپنے تمام اعمال کا پورا پورا بدلہ موجود پاتے ہیں۔ اس میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں ہوتی۔

۷۲ (اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے کہ انسانی اعمال کے نتائج صرف اگلی زندگی میں ہی سامنے آتے ہیں۔ نہیں۔ اعمال کے نتائج اسی زندگی میں بھی سامنے آنے شروع ہو جاتے ہیں جس عمل کا نتیجہ اِس دُنیا کی خوشگواریاں بھی ہیں۔ یہی وہ محسوس معیار ہے جس سے دیکھا جا سکتا ہے کہ کسی قوم کے اعمال، قوانین خداوندی کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اگر اُسے عزت اور عروج حاصل ہے تو اُس کے اعمال اُن قوانین کے مطابق ہیں اگر وہ ذلت و خواری کی زندگی بسر کر رہی ہے تو وہ ان کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ یہ اصول یاد رکھو کہ) جو کوئی اِس دنیا میں اندھا ہے، وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا، اور راستہ سے یک قلم بھٹکا ہوا۔ (اسلئے کہ زندگی تو ایک جوئے رواں ہے ۲۰/۱۲۴)۔

۷۳ (چونکہ ان لوگوں کو خدائے واحد کی اطاعت سخت ناگوار گزرتی ہے۔ ۱۷/۴۶)۔ اس لئے انہوں نے اس بات کا تہیہ کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح تجھے وحی کے راستے سے ہٹا کر اِس پر آمادہ کر لیں کہ تو اِن سے مفاہمت کر لے اور اِن کی رعایت سے کوئی بات اپنی طرف سے بنا کر اُسے بطور وحیٔ خداوندی پیش کر دے۔ انہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر تو اس پر آمادہ ہو جائے تو یہ تیرے دوست بن جائیں۔

۷۴ اور (اس میں شبہ نہیں کہ ان کی چالیں اس قدر گہری تھیں کہ) اگر وحی کی صداقت پر یقین کامل نے تیرے قدم نہ جما دیئے ہوتے، اور تو بھی اُنکی طرح صرف مصلحت وقت کو سامنے رکھتا۔ تو ہو سکتا تھا کہ تو ان کی طرف کچھ نہ کچھ میلان کر لیتا (۱۰/۱۵ ؛ ۱۱/۱۱۳ ؛ ۶۸/۹)۔

۷۵ اگر (بفرضِ محال) ایسا ہو جاتا تو پھر ہم تجھے اس زندگی میں بھی دوہرا عذاب چکھاتے اور موت (کے بعد کی زندگی) کا بھی دوہرا عذاب۔ اور تجھے ہمارے مقابلہ میں کوئی یار و مددگار نہ ملتا۔ (اس لئے کہ تیری لغزش، صرف تمہیں ہی تباہ نہ کرتی پوری انسانیت کی تباہی کا موجب بن جاتی)۔

۷۶ (اور مدینہ کے یہود وغیرہ نے) اس کا بھی تہیہ کر لیا تھا کہ تجھے اتنا تنگ کیا جائے کہ تو

مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ
لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ
مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ

اس سرزمین کو بھی چھوڑ کر چلا جائے۔ اگر یہ ایسا کر دیتے تو تیرے بعد پھر انہیں بھی کچھ زیادہ مہلت نہ ملتی۔ (ان کی تباہی بہت جلد آجاتی)۔

۷۷ (بہرحال، جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے، انہیں لوگوں نے اسی طرح تنگ کیا۔ اور) ان کے بارے میں ہمارا یہ دستور رہا (کہ جب ان کی سرکشی انتہا تک پہنچ گئی اور اُن کی اصلاح کا کوئی امکان نہ رہا۔ تو وہ قوم تباہ ہو گئی)۔ وہی دستور یہاں بھی کارفرما ہوگا۔ ہمارے قوانین اور دستور اٹل ہوتے ہیں۔ تو ان میں کبھی تبدیلی نہیں پائے گا۔

۷۸ (لیکن یہ کچھ از خود نہیں ہو جائے گا۔ اس کے لئے تمہیں مسلسل جدوجہد کرنی ہوگی۔ تمہارا پروگرام یہ ہونا چاہیئے کہ) علی الصبح، طلوع آفتاب سے پہلے، قرآنی حقائق پر غور و تدبر کیا جائے اور دیکھا جائے کہ معاملات پیش نظر کے متعلق وہاں سے کیا راہ نمائی ملتی ہے —— علی الصبح، اس لئے کہ فجر کے سکوت افزا سے میں، انسان کے خیالات میں اس قدر یکسوئی ہوتی ہے کہ اس سے قرآنی حقائق، محسوس و مشہود شکل میں سامنے آسکتے ہیں اور دل ان کی صداقت کی بے اختیار گواہی دے دیتا ہے —— اس کے بعد طلوع آفتاب سے لے کر ابتدائے شب کی تاریکی (یعنی صبح سے شام) تک اس پروگرام پر مسلسل عمل پیرا رہا جائے۔ اس مقصد کے لئے ایسے اجتماعات بھی منعقد کئے جائیں جن میں باہمی مشاورت سے معاملات طے کئے جائیں (۴۲/۳۸)۔

۷۹ اور اگر حالات کا تقاضا اس سے بھی زیادہ کا ہو تو تم رات کے کچھ حصے میں بھی، اس مقصد کے لئے جاگتے رہو اور معاملات پر مزید غور و فکر کر دیہ اضافہ خصوصیت سے تمہارے لئے ہے (اس لئے کہ میرے کارواں کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اگرچہ عند الضرورت، دیگر افراد امت بھی اس میں شریک کئے جا سکتے ہیں۔ (۴۳/۳۲)۔

اگر تم نے اس نظام کے قیام کے لئے اس طرح جدوجہد کی تو وہ وقت دور نہیں کہ تو اُس مقام بلند پر فائز ہو جائے کہ دنیا، بلا ساختہ پکار اٹھے کہ خدا کے نظام ربوبیت کی طرف دعوت دینے والے کا مقام فی الواقعہ ایسا ہی قابل حمد و ستائش ہونا چاہیئے۔

اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ
الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ
وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ
یَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾

۸۰ (اِس پروگرام کے مطابق' مخالف قوتوں کے ساتھ کشمکش میں) تیری مانگ یہ ہونی چاہیئے کہ تیرا قدم آگے بڑھے تو صدق و عدل کو لئے ہوئے بڑھے۔ اور جہاں سے تیرا قدم پیچھے ہٹے' تو بھی صدق و عدل کے ساتھ پیچھے ہٹے —— فتح ہو یا شکست' صدق و عدل کا دامن تیرے ہاتھ سے کسی وقت بھی چھوٹنے نہ پائے —— اور تو جس مقام اور جس حال میں بھی ہو' تجھے قوانین خداوندی کی رُو سے تائید و غلبہ حاصل ہو۔

یہ تمہاری پیہم آرزو اور مستقل تمنا ہونی چاہیئے!

۸۱ (تو اِس پروگرام پر عمل پیرا ہو جا' اور اس کے بعد مخالفین سے للکار کر کہدے کہ) اب نظامِ حق و صداقت کا دور آگیا' اور باطل کی تخریبی قوتوں کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اس لئے کہ تخریبی قوتیں صرف اُس وقت تک باقی رہتی ہیں جب تک حق و صداقت کی تعمیری قوتیں برسرِ عمل نہ آئیں۔ اُن کی موجودگی میں تخریبی قوتیں ٹھہر ہی نہیں سکتیں۔

۸۲ یہ سب کچھ اُس قرآن کی رُو سے ہوگا جس کی تعلیم' جماعتِ مومنین کے دل کے تمام روگ مٹا دے گی۔ اُن کی نفسیاتی کمزوریاں اور داخلی کشمکش دور ہو جائے گی' اور مثبت طور پر اُن کی صلاحیتوں کی نہایت عمدگی سے نشو و نما ہو جائے گی۔ اِن کے برعکس' جو لوگ اس سے سرکشی برت رہے ہیں' اور ظلم و استبداد کی راہ اختیار کئے ہیں' اُن کے سامانِ ہلاکت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ (جس طرح طلوعِ سحر شب کی تاریکی کے لئے موجبِ ہلاکت ہوتی ہے' اسی طرح صدق و عدل پر مبنی نظامِ خداوندی کے قیام سے' ظلم و استبداد کی قوتوں کی تباہی ہوتی ہے)۔

۸۳ (لیکن یہ بات اُن لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی جن کا مقصود صرف طبیعی زندگی کی مفاد پرستیاں ہیں' اور جنہیں اِس وقت' دولت و ثروت کی فراوانیاں حاصل ہیں) جس انسان کا مقصدِ زندگی ہی یہ ہو' اُس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب اس کے پاس بخشائشِ خداوندی (سامانِ رزق) کی فراوانی ہو' تو وہ حق سے اعراض برتتا اور صحیح راستے سے روگردانی کرتا ہے۔ اور جب

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ وَيَسْـَٔـلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ
الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

اُس پر مصیبت آتی ہے (اور وہ مال و دولت اُس سے چھن جاتا ہے) تو چونکہ اُس کے سامنے اس سے بلند مقصد ہی کوئی نہیں ہوتا اس لئے) اس پر مایوسیاں چھا جاتی ہیں۔ (۴۱/۵۱)۔

۸۴ (یہ جو اوپر کہا گیا ہے کہ اسی قرآن کے مطابق ایک جماعت پر کامرانیوں کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں اور دوسری جماعت پر تباہیاں آتی ہیں' تو اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اُن کے ساتھ یہ کچھ انکی "تقدیر" کی رُو سے ہوتا ہے جس پر انہیں کوئی اختیار نہیں۔ بالکل نہیں۔ خدا نے' انسانی سعی و عمل کے لئے ایک میدان تجویز کر دیا ہے اور اُس میں' ہر انسان کو صاحب اختیار و ارادہ بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ مومن' اس کھلے میدان میں' سوائے ان حدود کے جو قوانین خداوندی نے متعین کر دی ہیں' اور کوئی پابندی اپنے اوپر عائد نہیں کرتا۔ لیکن' دوسرے لوگ اپنے پاؤں کو' ہزار قسم کے خود ساختہ بندھنوں سے باندھ لیتے ہیں۔ (۱۵/۷)۔ اب ظاہر ہے کہ ہر شخص اس حد تک ہی قدم اٹھا سکتا ہے جہاں تک اس کی زنجیر یا اجازت دے۔ (اس طرح' اس جہان سعی و عمل میں مومن آگے بڑھ جاتے ہیں کیونکہ اُن کے پاؤں بندھے ہوئے نہیں ہوتے۔ اور منکرین پیچھے رہ جاتے ہیں کہ وہ اپنی خود ساختہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یوں ہر انسان' اپنے اختیار کے دائرے کے اندر اپنے اپنے ڈھنگ پر کام کرتا اور اس میں اپنی آخری حد تک چلا جاتا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر ایک کا عمل صحیح اور حق پر ہوتا ہے)۔ اس کا علم خدا کو ہوتا ہے کہ' ان میں سے کون' زندگی کی سب سے زیادہ سیدھی راہ پر چل رہا ہے (اور وہ اُس پر کہاں تک چلا جائے گا۔ خدا کو علم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ قوانین خداوندی کے مطابق چلتے ہیں' وہ زندگی کی سیدھی راہ پر ہوتے ہیں)۔

۸۵ یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وحی کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ ان سے کہدو کہ وحی کا تعلق خدا کے "امر" سے ہے' محسوس کائنات سے نہیں۔ اور چونکہ تمہارا علم صرف محسوس کائنات تک محدود ہے' اس لئے تم' عالم امر سے متعلق حقائق کی ماہیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ (اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی کے علاوہ کوئی اس بات کو نہیں سمجھ سکتا کہ وحی کیسے نازل ہوتی ہے اور اس کی کنہ و حقیقت کیا ہے۔ لیکن وحی کی رُو سے دی ہوئی تعلیم ـــــ قرآن ـــــ کو ہر ایک سمجھ سکتا ہے)۔

۸۵ (اس حقیقت کا ثبوت ـــــ کہ وحی کا سرچشمہ محسوس کائنات سے ماورا ہے ـــــ یہ ہے کہ وحی' خود نبی کے ذہن کی پیدا کردہ نہیں ہوتی۔ نہ ہی اُسے اس پر کوئی قدرت و اختیار ہوتا ہے۔ چنانچہ) جو کچھ ہم نے اس رسول کی طرف نازل کیا ہے اگر ہم اُسے سلب کر لیں' تو کوئی قوت ایسی

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿٨٦﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿٨٧﴾ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ
الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿٨٨﴾
وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٨٩﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ
حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٩١﴾

نہیں جو اس کے خلاف ہم پر کوئی دعویٰ کر سکے' یا ہم سے باز پرس کر سکے۔ (یہ الگ بات ہے کہ ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ اس وحی میں سے کوئی بات بھی سلب نہ کی جائے بلکہ اُسے محفوظ رکھا جائے ۶/۱۱۴ ؛ ۱۵/۹ ؛ ۵۶/۷۷-۷۹)

۸۷ یہ خدا کی رحمت و ربوبیت کا ایک گوشہ ہے جس سے وحی ملتی ہے۔ اور تجھ پر (اے رسولؐ) خدا کا بہت بڑا فضل ہے جو اُس نے تجھے' اِس موہبتِ کبریٰ کے لئے' منتخب کیا ہے۔ یہ کسی کی محنت یا کسب و ہنر سے نہیں مل سکتی۔ (۲/۱۰۵ ؛ ۶/۱۲۵ ؛ ۱۴/۱۱)۔

۸۸ اور اس کے من جانب اللہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ اگر ساری دنیا کے انسان ـــــ حضری اور بدوی' سب کے سب ـــــ مل کر بھی کوشش کریں کہ اس قرآن جیسا قرآن بنا لیں' تو وہ ایسا نہیں کر سکیں گے' خواہ وہ ایک دوسرے کے کتنے ہی مددگار کیوں نہ بن جائیں (۲/۲۳ ؛ ۱۰/۳۸ ؛ ۱۱/۱۳)۔

۸۹ (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے' تم وحی کی کنہ و حقیقت کو تو نہیں پا سکتے لیکن اس کے بیان کردہ حقائق کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ اس کے لئے ہم نے انداز یہ اختیار کیا ہے کہ) ہم مختلف امور کو لوٹا لوٹا کر بیان کرتے ہیں۔ ان کے متنوع گوشے بار بار سامنے لاتے ہیں۔ لیکن' اس کے باوجود اکثر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ ضد اور تعصب کی بنا پر' بلا سوچے سمجھے اس سے انکار کئے چلے جاتے ہیں (۱۷/۴۱)۔

۹۰ یہ لوگ (بجائے اس کے کہ قرآن کی تعلیم پر غور و فکر کریں' اور علم و بصیرت کی رُو سے اسے سمجھنے کی کوشش کریں) اپنے اس طفلانہ مطالبہ پر زور دیئے جاتے ہیں (۱۷/۵۹) کہ ہم' اُس وقت تک تیری بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے جب تک تو اس قسم کے معجزات نہ دکھا دے۔

مثلاً تو اشارہ کرے اور زمین سے ایک چشمہ پھوٹ بہے۔

۹۱ یا تیرے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور تیرے حکم سے ان میں پانی کی ندیاں جاری ہو جائیں۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ
زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ
كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾
قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ

۹۲ یا' جیسا کہ تو اکثر ہمیں عذاب خداوندی سے ڈرایا کرتا ہے' تو آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے (اور اس طرح ہم پر ناگہانی آفت ٹوٹ پڑے۔ ۲۶/۱۸۷)۔
یا تو' خود خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کر دے۔ (۶/۳۵)۔

۹۳ یا تیرے لئے' ایک سونے کا محل تیار ہو جائے۔ یا تو (ہمارے دیکھتے دیکھتے) آسمان پر چڑھ جائے ——— اور صرف آسمان پر چڑھ ہی نہ جائے۔ کیونکہ محض اتنی بات سے ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ ——— وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب ہم پر اتار دے جسے ہم پڑھ کر دیکھ لیں (کہ اُسے واقعی خدا نے لکھا ہے۔

اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ میرا نشو و نما دینے والا اس سے بہت بلند ہے (کہ وہ تمہارے ایمان لانے کے لئے اس قسم کی باتیں کر دکھائے۔ باقی رہا میں خود۔ تو میں نے کبھی خدائی کا دعوےٰ نہیں کیا۔ میں تو' تمہارے جیسا' ایک انسان ہوں' اس فرق کے ساتھ کہ میں تم تک خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں۔

۹۴ (ہم جانتے ہیں کہ جب تو ان سے کہے گا کہ میں تمہارے جیسا ایک انسان ہوں' اور میرا فریضہ یہ ہے کہ میں خدا کا پیغام تم تک پہنچا دوں' تو یہ تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے کہ ذہنِ انسانی کے طفلانہ پن نے اسے ہمیشہ اس مغالطہ میں رکھا ہے کہ خدا کے رسول کو' انسانوں سے الگ' کوئی اعجوبہ سی مخلوق ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ) جب کبھی لوگوں کے پاس ہماری راہ نمائی آئی تو اُن کے' اُس راہ نمائی کے قبول کرنے کے راستے میں ہمیشہ یہ بات حائل رہی کہ ہدایت لانیوالا دوسرے انسانوں جیسا انسان کیوں ہے؟ (فرشتہ کیوں نہیں!)۔

۹۵ ان سے کہو کہ (انسانوں کو رسول بنا کر اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ دنیا میں انسان بستے ہیں)۔ اگر ایسا ہوتا کہ زمین میں فرشتے چلتے پھرتے' اور سکونت پذیر ہوتے' تو ہم ان کے لئے آسمان سے' فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (۴۳/۶۰)۔

۹۶ ان سے کہدو کہ (وحی اور رسالت کے متعلق میں نے کافی تفصیل سے بات سمجھا دی ہے۔

شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٩٦﴾ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ
أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ ۖ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا ۖ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ
سَعِيرًا ﴿٩٧﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا
جَدِيدًا ﴿٩٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ
أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ ۖ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ﴿٩٩﴾

اگر اس کے باوجود، تم میری وحی پر ایمان نہیں لاتے تو میرا تم پر کوئی زور نہیں)۔ میرے اور تمہارے درمیان، آخری فیصلہ خدا کی نگرانی میں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ تمام بندوں کے اعمال سے باخبر ہے اور ان پر نگاہ رکھتا ہے۔

۹۷ لیکن اس حقیقت کو یاد رکھو کہ صحیح راستے پر وہی انسان ہوتا ہے جو خدا کی دی ہوئی راہ نمائی کے مطابق چلتا ہے۔ جو شخص اس راستے کو چھوڑ دیتا ہے، اُس کا دنیا میں کوئی کارساز نہیں ہو سکتا —— اگر کارساز ہو سکتا ہے تو خدا ہی ہو سکتا ہے (جس کی راہ نمائی کو اس نے چھوڑا تھا)۔ اور ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اٹھائیں گے —— اس دنیا میں بھی ذلیل و خوار، اور اسکے بعد کی زندگی میں بھی —— اندھے، گونگے، بہرے۔ عقل و فکر سے عاری۔ ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جب کبھی اس کی آگ بجھنے کو ہوگی تو ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔ (یعنی ان کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی)۔

۹۸ یہ اس لئے کہ انہوں نے ہمارے قوانین کی صداقت سے انکار کر کے (اپنے لئے غلط راستہ تجویز کر لیا تھا جس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اِن کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم ایسا انتظام کر لیں کہ معاشرہ کی گرفت سے بچے رہیں، تو ہم سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی جو) یہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم (مرنے کے بعد) ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائیں گے اور ہمارا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے گا، تو کیا ہم پھر از سرِ نو پیدا کر کے، اٹھائے جائیں گے؟ (۱۷/۴۹)۔

۹۹ کیا ایسا کہنے والے، اس پر غور نہیں کرتے کہ جس خدا نے اس تمام سلسلۂ کائنات کو پیدا کیا (درآنحالیکہ پہلے کچھ بھی نہ تھا) کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ اِن (لوگوں) کی، اس زندگی کی مثل، اور زندگی پیدا کر دے۔ اِس مقصد کے لئے اُس نے موجودہ طبیعی زندگی کی ایک مدت مقرر کر رکھی ہے جس (کے بعد اُس حیاتِ نو کی نمود کے بارے) میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾

وہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ جن لوگوں نے ہمارے قوانین سے سرکشی برتنے کی ٹھان رکھی ہے' وہ انکار کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔

۱۰۰ (مستقبل کی زندگی سے انکار' اور اسی دنیا کی زندگی کو منتہائے نگاہ سمجھ لینے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مال و دولت کو صرف اپنے لئے سمیٹ کر رکھتے ہیں' اسے ربوبیتِ عامہ کے لئے کھلا نہیں رکھتے۔ جب ان سے کہئے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو ہماری ضروریات کے لئے بمشکل اکتفا کر سکے گا۔ اگر اسے دوسروں کو دیدیں' اور یہ ختم ہو جائے تو بوقتِ ضرورت ہم کیا کریں)۔ ان سے کہو کہ (بات یہ نہیں۔ یہ صرف ذہنیت کا فرق ہے۔ اس ذہنیت سے تمہاری حالت یہ ہو چکی ہے کہ) اگر تمہارے پاس خدا کی نعمتوں کے لامحدود خزانے بھی ہوتے تو تم انہیں باندھ باندھ کر رکھتے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائیں۔ اس لئے کہ (محض طبیعی زندگی کو منتہیٰ سمجھنے والا) انسان بڑا تنگ نظر اور بخیل ہوتا ہے۔ (یہ تو حیات کی جاودانی کا تصور ہے جو انسان کی نگاہوں میں وسعت اور دل میں کشادہ پیدا کرتا ہے)۔

۱۰۱ (یہ ذہنیتوں کا فرق ہی تو ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ' تمہاری اس قدر مخالفت کر رہے ہیں۔ ان سے کہو کہ اگر یہ سمجھنا چاہتے ہو کہ تمہاری اس مخالفت کا نتیجہ کیا ہوگا' تو اس کے لئے اقوامِ سابقہ کی سرگزشتوں پر نگاہ ڈالو۔ بالخصوص فرعون اور موسیٰ کی کشمکش پر جس کا ذکر پہلے بھی کئی بار آچکا ہے)۔ ہم نے موسیٰؑ کو (قومِ فرعون کی آخری تباہی سے پہلے) نو کھلی کھلی نشانیاں دی تھیں۔ (اگر یہ لوگ اس کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں تو ان سے کہو کہ یہ) بنی اسرائیل سے دریافت کر لیں۔ (۱۳۳ — ۱۳۰ : ۲۷/۱۲)۔

جب موسیٰؑ قومِ فرعون کی طرف آیا تو فرعون نے سب کچھ سننے کے بعد اس سے کہا کہ (تم جو کہتے ہو کہ تم خدا کی طرف سے رسول ہو تو اس باب میں یا تو تمہیں خود دھوکا لگ گیا ہے۔ یا) تم دوسروں کو دھوکا دیتے ہو۔

۱۰۲ موسیٰؑ نے اس سے کہا کہ تو (یقیناً اپنے دل میں اس حقیقت کو پا چکا ہے کہ) یہ روشن دلائل

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾

یہ قوانین وضوابط جنہیں میں نے تمہارے سامنے پیش کیا ہے' مجھ پر خدائے ارض وسمٰوٰت کے علاوہ اور کسی نے نازل نہیں کئے۔ (تم یہ سے متعلق کہتے ہو کہ مجھے کہیں دھوکا لگ گیا ہے) لیکن میں دیکھتا ہوں کہ دھوکے میں تم خود مبتلا ہو کہ تباہی تمہارے سر پہ منڈلا رہی ہے' تم اس میں چاروں طرف سے گھر چکے ہو' (اور وہ تمہیں نظر نہیں آتی)۔

۱۰۳ (اس پر فرعون نے سلوکیت کے انہی حربوں سے کام لیا جو مستبد حکمرانوں کے ہاں بکثرت استعمال میں لائے جاتے ہیں)۔ مقصد اُس کا یہ تھا کہ اس طرح 'قوم بنی اسرائیل کو ایسا گڑبڑا دے کہ اُن کے پاؤں اُکھڑ جائیں اور ان کے لئے وہاں جینا محال ہو جائے۔ لیکن (اس کا انجام یہ ہوا کہ ہم نے اُسے' اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا۔

۱۰۴ اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم (فلسطین کی) سرزمین میں نہایت اطمینان سے رہو سہو۔ (اس کے بعد دو مرتبہ تمہاری سخت بربادی ہوگی)۔ دوسری مرتبہ کی تباہی ایسی عالمگیر ہوگی کہ تمہیں ہر طرف سے گھیر گھیر کر' اکٹھا کر کے' ہلاک کیا جائے گا۔ (۱۷/۷ — ۴)۔

(اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اِس تباہی کے بعد تمہیں پھر بازآفرینی کا موقع دیا جائے گا' جب ہمارا آخری رسول آئے گا۔ اگر تم اُس پر ایمان لے آئے تو تمہیں پھر حیاتِ نو مل جائے گی۔ ۱۵/۶)۔

۱۰۵ اُسی وعدے کے مطابق' اب اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اور یہ حق کے ساتھ تم تک پہنچا ہے۔ یعنی جو قرآن لوگوں تک پہنچا ہے وہ وہی ہے جسے خدا نے حق کے ساتھ نازل کیا تھا۔ اس قرآن کے لانے والے رسول کا فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو بتا دے کہ اُس کے مطابق چلنے سے زندگی کی کس قدر خوشگواریاں نصیب ہوں گی اور اُس کی خلاف ورزی کرنے سے کیسی تباہیاں آئیں گی۔

لہٰذا بنی اسرائیل کے لئے بازآفرینی کا ایک اور موقع ہے۔ اگر وہ اس قرآن کو بطور ضابطۂ حیات تسلیم کر لیں گے تو اُن سے ذلت اور رسوائی کا عذاب ختم ہو جائے گا۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ
كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا
الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ
سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

۱۰۶ چونکہ نزولِ قرآن سے مقصد یہ تھا کہ لوگ اس پر اچھی طرح غور و فکر کے بعد فیصلہ کریں کہ وہ اسے تسلیم کرتے ہیں یا نہیں' اس لئے ہم نے اسے (تمام کا تمام یک لخت نازل نہیں کر دیا بلکہ) تھوڑا تھوڑا کر کے' بتدریج نازل کیا ہے۔ اور اس کے حقائق کو الگ الگ کر کے نکھار کر بیان کر دیا ہے۔ جب ایسی واضح کتاب کو لوگوں کے سامنے بتدریج پیش کیا جائے گا (تو جو لوگ حق کے متلاشی ہیں انہیں حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہو جائے گی)۔

۱۰۷ اے رسول! تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم اس کتاب کو مانو یا (اپنی ضد اور تعصب کی بنا پر) اس سے انکار کر دو۔ (اس سے) اس کتاب کی صداقت میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ یہ کتاب درحقیقت علم و بصیرت کی رو سے سمجھی جا سکتی ہے۔ لہٰذا جن لوگوں کے پاس پہلے سے علم ہے جب اسے اُن کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس کی عظمت کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے سامنے جھک جاتے ہیں۔

۱۰۸ اور پکار اٹھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہمارے نشو و نما دینے والے کے تمام وعدے پورے ہو کر رہیں گے۔

۱۰۹ اس کی عظمت و صداقت' اُن کے دلوں پر اس طرح چھا جاتی ہے کہ وہ سجدوں میں گر جاتے ہیں اُن کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور اُن کے قلب کا جھکاؤ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

۱۱۰ اے رسول! تم ان سے کہہ دو کہ (تم اپنی نگاہ حقیقت پر رکھو۔ لفظی نزاع میں نہ پڑو۔ تم خدا کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر (اس سے اصل حقیقت میں کچھ فرق نہیں آتا) اُسے اُس کے ذاتی یا صفاتی ناموں میں سے جس نام سے بھی پکارو ٹھیک ہے۔ یہ سب اُسی ذات کے حسن و زیبائی کے مختلف گوشے ہیں۔ ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔ (سوال یہ نہیں کہ خدا کو کس نام سے پکارا جائے۔ سوال یہ ہے کہ کس قسم کے خدا کو مانا جائے۔ خدا پر صحیح ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اُس کی اُن تمام صفات کو مانا جائے جن سے اُس نے قرآن میں اپنا تعارف کرایا ہے۔ اگر ان میں سے

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾

کسی ایک صفت کو مانا جائے اور دوسری کا انکار کر دیا جائے ۔۔۔ جیسے عیسائیت اُس کی صرف صفتِ رحم کو مانتی ہے صفتِ عدل (قانونِ مکافاتِ عمل) کو تسلیم نہیں کرتی ۔۔۔ تو اُسے خدا پر ایمان نہیں کہا جائے گا ۔۔۔۔

اور صلوٰۃ میں نہ تو اس کی ضرورت ہے کہ اسے چلا چلا کر پکارا جائے۔ اور نہ ہی بالکل خاموشی سے بلکہ ان دونوں کی درمیانی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔

۱۱۱ (خدا کا جو منزّہ تصور قرآن پیش کرتا ہے' وہی خدا کا حقیقی تصور ہے۔ اس تصور کی رُو سے

(۱) یہ بھی غلط ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔

(۲) یہ بھی غلط ہے کہ اُس کے اقتدار اور اختیار میں کوئی اُس کا شریک ہے۔

(۳) اور یہ بھی غلط ہے کہ اسے اپنی کمزوری کی وجہ سے کسی مددگار کی ضرورت ہے۔

وہ خدا' بلاشریک و سہیم' تمام قوتوں کا واحد مالک ہے۔ خدا کا یہی وہ تصور ہے جو درخورِ حمد و ستائش ہے۔ تمہاری زندگی کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اُس کے نظام اور قوانین کو' تمام دیگر نظامہائے حیات اور قوانینِ زندگی پر غالب کیا جائے اور یوں انسانوں کی دنیا میں بھی' اُس کی کبریائی کا تختِ اجلال اسی طرح بچھ جائے جس طرح وہ خارجی کائنات میں بچھا ہوا ہے۔ (۹/۳۳ نہ ۷۴/۳۰)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ﴿۱﴾ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ
وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ﴿۲﴾ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّيُنْذِرَ
الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ﴿۴﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ

---

۱ کائنات کا ہر حسین نقشہ اور تعمیری پروگرام' اس ذاتِ خداوندی کی حمد و ستائش کا زندہ پیکر ہے جس نے' (اسی مقصد کی تکمیل کے لئے) اپنے بندے پر یہ ضابطۂ قوانین نازل کیا ہے۔ وہ ضابطۂ قوانین جس میں کسی قسم کا پیچ و خم نہیں۔

۲ جو نہایت سیدھی' واضح اور متوازن بات کہتا ہے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ یہ' اُن لوگوں کو' جو اس کی صداقت سے انکار کریں' اُن کی غلط روش کے ہلاکت انگیز نتائج سے آگاہ کر دے اور جو اِس کے مطابق زندگی بسر کریں' اُنہیں' ان کے صلاحیت بخش اعمال کے خوشگوار نتائج کی بشارت دیدے۔

۳ وہ خوشگوار نتائج جن سے وہ ہمیشہ متمتع ہوتے رہیں گے۔ (۱۴/۲۵)

۴ غلط روش پر چلنے والوں میں' خصوصیت سے' وہ لوگ شامل ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کا ایک بیٹا بھی ہے۔ (حالانکہ یہ تصور یکسر باطل اور مبنی بر جہالت ہے ۱۱۱/۱۶)۔

۵ اس عقیدہ کی سند میں' نہ ان کے پاس کوئی علمی برہان ہے اور نہ ہی ان کے آباؤ اجداد کے پاس تھی' جنہوں نے اس عقیدے کی ابتدا کی تھی۔ یہ لوگ سوچتے ہی نہیں کہ یہ

اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝۵ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶ اِنَّا
جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝۸ اَمْ حَسِبْتَ
اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ

کیسی سخت بات ہے جسے یہ 'یونہی' بلاسوچے سمجھے' منہ سے نکال دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ سرتاسر جھوٹ ہے۔

۵ (اے رسول! ہم جانتے ہیں کہ تو اپنے سینہ میں ایسا دردمند دل رکھتا ہے کہ) اگر یہ لوگ ایسی واضح حقیقت پر بھی ایمان نہ لائے تو 'تو' ان پر آنے والی تباہی کے غم میں اپنی جان گھلا لیگا۔

۷ (یہ لوگ' جن کا تذکرہ اس وقت پیش نظر ہے' عیسائی ہیں۔ ان کی غلط روش صرف اسی قدر نہیں کہ انہوں نے خدا کی اولاد کا عقیدہ وضع کر رکھا ہے۔ ان کی عملی زندگی کی تباہ کن روش یہ ہے کہ انہوں نے 'دین خداوندی کی جگہ' جو یکسر انقلاب آفریں نظریۂ حیات تھا' خانقاہیت کو اپنا مسلک قرار دے لیا۔ (۵۷/۲۷)۔ جب دین خلوتی خانقاہیت میں بدل جاتا ہے تو اس تبدیلی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے' اسے ایک مثال سے سمجھئے)۔ روئے زمین پر جو کچھ بھی ہے اُسے ہم نے 'زمین' اور اس پر رہنے والوں کیلئے وجہ زینت بنایا ہے' تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کے استعمال میں' کون اعتدال اور توازن کی راہ اختیار کرتا ہے' جو فی الحقیقت زندگی کی حسن کارانہ راہ ہے۔ (۳۱/۲۰ ؛ ۱۸/۴۷ ؛ ۶۷/۲)۔

۸ جس زمین پر کاشت کا سلسلہ جاری نہ رکھا جائے' اُس کے متعلق ہمارا قانون یہ ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد چٹیل میدان بن جاتی ہے جس میں دھول اڑتی ہے اور پیداوار کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ (خانقاہیت میں یہی ہوتا ہے۔ اس میں انسانی زندگی کی تمام صلاحیتیں خشک ہو جاتی ہیں۔ باقی رہا یہ کہ خدا کا دین' جو انقلاب آفریں دعوت کا نام ہے' کس طرح خانقاہیت میں تبدیل ہو جاتا ہے' اس کے لئے ہم اُس واقعہ کو سامنے لاتے ہیں جو قصۂ 'اصحاب کہف' کے نام سے مشہور ہے)۔

۹ اے مخاطب! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ لوگ جنہیں "اَصْحٰبُ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ" کہہ کر پکارا جاتا ہے —— یعنی اُس غار والے لوگ جو بطرہ (پیٹرا) میں واقع تھی —— کوئی خارقِ عادت مخلوق یا اچنبے کی چیز تھے؟ (ایسا نہیں تھا۔ بات کچھ اور تھی' جسے بعد میں' لوگوں نے 'چیستان' بنا دیا اور اُس نے اسی طرح شہرت پکڑ لی)۔

۱۰ ہوا یہ تھا کہ کچھ نوجوان تھے (جو دین کے اصولوں پر معاشرہ میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے (۱۳/۱۴)۔ ان کی سخت مخالفت ہوئی' اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ) انہوں نے پہاڑوں کے اندر ایک بہت بڑے غار میں جا کر پناہ لی۔ (تاکہ وہاں' اپنے

رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ
الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ
هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ
قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ

مقصد کے حصول کے لئے تیاری کریں۔ اس کے لئے' انہوں نے ہم سے التجا کی کہ) اے ہمارے پروردگار! تو ایسا انتظام کر دے کہ ہمیں تیری طرف سے سامان زندگی بھی بہم پہنچتا رہے' اور ہم نے جس بات کا ارادہ کیا ہے' اسے کامیاب بنانے کے اسباب و ذرائع بھی میسر آ جائیں۔

۱۱ چنانچہ وہ اُس غار میں کئی برس تک اس طرح رہے کہ وہ باہر کی دنیا سے منقطع تھے۔

۱۱ (ایک مدت کے بعد جب اُن کی تیاری ہو گئی تو) ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا اور باہر نکالا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس مدت میں' جبکہ وہ غار میں پناہ گزیں تھے' اُن کی جماعت' اور اُن کی مخالف پارٹی میں سے کس نے' اس فرصت کے موقع سے اچھی طرح فائدہ اٹھا کر (تیاری کی ہے)۔

۱۳ (آگے بڑھنے سے پیشتر' اس حقیقت کو ایک بار پھر سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کے متعلق عوام میں طرح طرح کی باتیں مشہور ہو چکی ہیں۔ لیکن) ہم تمہیں اِن کی بابت ٹھیک ٹھیک بات بتلاتے ہیں۔ یہ چند نوجوان تھے جو اپنے نشو و نما دینے والے کی طرف سے متعین کردہ نظام کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا چکے تھے' اور اُس کے قیام کی راہیں اُن پر بہت دُور تک کھل چکی تھیں۔

۱۴ چنانچہ' جب وہ اِس انقلابی مقصد کو لے کر اٹھے ہیں تو ہم نے' اُن کے دلوں کو مضبوط کر دیا' اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ ان کے معاشرہ میں' اس خدا کا نظام قائم ہو گا جس کا نظام' کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں' ہر جگہ مسلط ہے۔ ہم اُس کے سوا کسی اور کا اقتدار و قانون ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یہ بات ہمیں حق کی راہ سے بہت دُور لے جائے گی۔

۱۱ (اس وقت' ہماری) قوم کے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ' انہوں نے' خدا کے علاوہ' اور بہت سی قوتوں کا اقتدار تسلیم کر رکھا ہے' (اور کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ کچھ خود خدا کے حکم کے مطابق کیا ہے)۔ حالانکہ' ان کے پاس' ان قوتوں کے اقتدار اور اختیار کی کوئی سند (اتھارٹی) نہیں۔ یہ خدا پر یکسر کذب اور افترا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ' اس سے زیادہ حد درجہ فراموش اور کون ہو سکتا ہے

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ
رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ
الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ
الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ

جو خدا پر اس طرح افترا باندھے؟

۱۶ (اُن کا یہ اعلان کرنا تھا کہ اُن پر چاروں طرف سے مخالفت کا ہجوم امنڈ آیا۔ چنانچہ اُنہوں نے باہمی مشورہ کیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ) جب تم نے اپنی قوم سے الگ مسلک اختیار کر لیا ہے' اور اُس (قوم) نے اللہ کو چھوڑ کر' جن ہستیوں کے اقتدار کو اختیار کر رکھا ہے' تم اُن سے بھی کنارہ کش ہو چکے ہو (تو تمہارا' اِن کے اندر رہنا ٹھیک نہیں۔ سردست ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیئے)۔ اور فلاں غار میں پناہ لے لینی چاہیئے۔ (اور وہاں خفیہ طور پر اپنی تیاریاں جاری رکھنی چاہئیں)۔ خدا کا قانونِ ربوبیّت (جسے متمکن کرنے کے لئے تم نے یہ آواز اٹھائی ہے) ایسا انتظام کر دے گا کہ تمہاری ضروریاتِ زندگی کی چیزوں کو وہاں تک پھیلا دے' اور تمہارے مقصد کی تکمیل کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت ہے' اُسے بھی سہل الحصول بنا دے۔

۷ اُنہوں نے جس غار میں جا کر پناہ لی تھی' وہ اس طرح واقع ہوئی تھی کہ جب سورج نکلے تو تم دیکھو کہ وہ اُس غار کے دہانہ سے دائیں جانب کو پھر جاتا ہے' اور جب وہ غروب ہو تو اُس کے دہانے سے بائیں طرف کترا تا ہوا نکل جاتا ہے۔ (یعنی سورج کی شعاعیں' اُس غار کے اندر دن کے کسی حصے میں بھی نہیں پہنچتی تھیں۔ وہ شمالاً جنوباً واقع تھی)۔ اُس غار کا دھانہ تو تنگ تھا لیکن اُس کے اندر' بہت کشادہ جگہ تھی (جو اُن کی جماعت کے لئے کافی تھی)۔ یہ انتظام خدا کی نشانیوں میں سے تھا (جو اُنہیں میسر آگیا تھا) اور خدا ہی نے اُن کی راہ نمائی اس طرف کر دی تھی — حقیقت یہ ہے کہ منزلِ مقصود تک وہی پہنچ سکتا ہے جسے خدا کی راہ نمائی میسر آجائے۔ جسے یہ راہ نمائی نصیب نہ ہو' اُس کا نہ کوئی رفیق ہو سکتا ہے' نہ راستہ بتانے والا۔

۸ وہ (دشمنوں کی مخالفت کی وجہ سے' اپنی حفاظت کے بارے میں اس قدر محتاط تھے کہ وہ) نیند کے وقت بھی اس سے غافل نہیں رہتے تھے' بلکہ اِس طرح' چاق و چوبند سوتے تھے جس سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ مزید احتیاط کی غرض سے' وہ ہماری

الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا
وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۚ قَالُوْا لَبِثْنَا
يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۚ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ
اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ

دی ہوئی بصیرت کے مطابق' غار میں اپنی پوزیشن بھی بدلتے رہتے تھے ـــــ کبھی غار کے دائیں جانب ہو جاتے' کبھی بائیں جانب ـــــ اور اُن کا کتا' غار کے دہانے پر' اپنے دونوں بازو پھیلائے راستہ روکے' بیٹھا رہتا تھا۔ (تاکہ انہیں خطرہ سے آگاہ کر دے)۔ غرضیکہ' انہوں نے وہاں کچھ ایسی شکل پیدا کر رکھی تھی کہ اگر کسی شخص کو پتہ بھی چل جائے کہ وہاں کوئی رہتا ہے تو اُس کے دل پر خوف طاری ہو جائے' اور وہ اندر جانے کی جرأت نہ کر سکے' بلکہ اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو (کہ نہ جانے غار کے اندر کون ہیں!)۔

۱۶ (بہرحال' وہ اس طرح اُس غار میں رہے' اور آہستہ آہستہ' اپنی تیاری کرتے رہے۔ اسکے بعد جب ہم نے سمجھ لیا کہ اُن کے باہر آنے کا وقت آگیا ہے تو) ہم نے انہیں' اس مقصد کے حصول کے لئے اٹھا کھڑا کیا۔ (وہ غار کی زندگی میں اس قدر منہمک' اور باہر کی دُنیا سے اس طرح منقطع رہے کہ اُنہیں یاد تک نہ تھا کہ اُنہوں نے وہاں کتنا عرصہ گزارا ہے۔ چنانچہ) وہ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ وہ' اُس حالت میں کتنا عرصہ رہے ہوں گے؟ کوئی کہتا اتنی مدّت۔ کوئی کہتا نہیں' اُس مدّت کا صرف اتنا عرصہ۔ بہرحال' انہوں نے کہا کہ اس بحث سے کیا حاصل کہ ہم نے اس حالت میں کتنا عرصہ گزارا ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم یہاں کتنے عرصہ سے ہیں۔ ہم' اس بات کو اس مقصد کے لئے ہی تو جاننا چاہتے ہیں کہ معلوم ہو جائے کہ اب باہر کے حالات کیسے ہیں۔ اس کا سیدھا طریقہ یہ ہے کہ) اپنے میں سے ایک آدمی کو' یہ سکہ دے کر' شہر کی طرف بھیجو۔ وہ وہاں دیکھے کہ کس دکان سے اچھا کھانا ملتا ہے۔ وہ وہاں سے کھانا خرید لے' لیکن اس میں' ایسی باریک بینی سے کام لے کہ تمہارے متعلق کسی کو پتہ نہ چلنے پائے۔ (اس طرح وہ باہر کے حالات سے واقف ہو جائے گا)۔

۲۰ انہوں نے کہا کہ اس احتیاط کی اس لئے سخت ضرورت ہے کہ اگر لوگوں نے ہماری خبر پالی' تو وہ چھوڑنے والے نہیں۔ وہ یا تو ہمیں سنگسار کر دیں گے اور یا مجبور کر دیں گے کہ ہم

أَوْ لَيُعِيدُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ﴿٨٨﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿٩٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩١﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۖ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٩٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٥﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾ أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠٣﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٠٦﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ﴿١٠٧﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٩﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿١١١﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿١١٢﴾ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿١١٤﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ﴿١١٥﴾ قَالَ أَلْقُوا ۖ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صَاغِرِينَ ﴿١١٩﴾ وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿١٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنْتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَكَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿١٢٣﴾ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ﴿١٢٦﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوا أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣٠﴾ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣١﴾ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٢﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ﴿١٣٣﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٣٤﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿١٣٥﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٣٦﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿١٣٧﴾ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ ۚ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿١٣٨﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٩﴾ قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿١٤١﴾ وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤٢﴾ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٤٣﴾ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي ۖ فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٤٥﴾ سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٤٦﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٧﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾ إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٥٣﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿١٥٤﴾ وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِمِيقَاتِنَا ۖ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۚ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ۖ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۖ وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿١٥٥﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ ۖ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٩﴾ وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾ وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٦٧﴾ وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ ۚ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۗ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦٩﴾ وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٧٠﴾ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧١﴾ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴿١٧٢﴾ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿١٧٥﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٧٦﴾ سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسَهُمْ كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٧٧﴾ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي ۖ وَمَنْ يُضْلِلْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٧٨﴾ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٧٩﴾ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١٨٤﴾ أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾ مَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٨٦﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٧﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٨﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا

وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَ قُلْ عَسٰۤى
اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَ لَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَ ازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾

تھے' چھٹا اُن کا کتا تھا ——— یعنی بغیر کسی سند یا علم کے یہ لوگ یونہی قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں ——— کوئی اور اٹھیں گے تو وہ اپنی یہ "تحقیق" پیش کریں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ (کوئی کہدے گا کہ تم لوگ اس بحث میں مت پڑو)۔ صرف اتنا کہو کہ ان کی گنتی شمار خدا ہی جانتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے اصلی حالات چند لوگوں کو معلوم تھے (اور اُن میں سے اب کوئی بھی باقی نہیں)۔

اے مخاطب! تم اِن تفاصیل کے متعلق کسی سے جھگڑا مت کرو۔ جتنی بات (قرآن کی رُو سے) واضح ہو چکی ہے' وہیں تک رہو۔ اور اس معاملہ میں' ان لوگوں سے تحقیق' تفتیش بھی نہ کرو (کیونکہ ان میں سے کسی کو حقیقت کا علم نہیں)۔

۲۳ (یہ غیب کے علم کی باتیں ہیں۔ انہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ غیب کے سلسلہ میں انسان کی یہ حالت ہے کہ کسی دوسرے کے متعلق تو ایک طرف) وہ خود اپنے متعلق بھی یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ میں کل ضرور ایسا کروں گا۔

۲۴ انسان جس کام کا ارادہ کرتا ہے' اگر اُس کے لئے' وہ تمام اسباب و ذرائع جمع ہو جائیں جو اُس کی کامیابی کے لئے' از روئے قوانین خداوندی ضروری ہیں' تو پھر وہ ارادہ پورا ہو سکتا ہے۔ اس لئے ارادہ کرنے کے بعد انسان کی توجہ اُن اسباب و ذرائع کے مہیا کرنے پر مرکوز ہونی چاہیئے۔ اگر اس سلسلہ کی کوئی کڑی بھول جائے' اور اس طرح' اُس میں کامیابی نہ ہو سکے تو ہمت ہار کر نہیں بیٹھ جانا چاہیئے بلکہ یہ سوچنا چاہیئے کہ وہ کونسی وجہ ہے جس سے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہو رہی' یا تاخیر ہو رہی ہے۔ اگر یوں' متعلقہ قوانین کی کڑیوں کو ایک ایک کر کے سامنے لایا جائے' تو منزلِ مقصود تک پہنچنے کا قریب تر راستہ سامنے آ سکتا ہے۔

لہذا' یقینی طور پر یہی کہنا چاہیئے کہ مقصد پیش نظر کے حصول کے لئے' قانونِ خداوندی کی رُو سے' جن اسباب و علل کی ضرورت ہے' اگر وہ مہیا ہو گئے' تو پھر یہ کام ہو جائے گا۔

۲۵ (یہ ضمنی بات تھی۔ ہم کہہ یہ رہے تھے کہ لوگ' بلا علم و دلیل' اس قسم کی قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں کہ اصحابِ کہف کی تعداد کتنی تھی)۔ یا یہ کہ وہ غار میں کتنا عرصہ رہے۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ وہاں تین سو سال تک رہے۔ (کوئی زیادہ محقق بنتا ہے تو کہتا ہے کہ) تین سو نہیں بلکہ تین سو نو سال تک رہے۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۚ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

---

۲۶ (اے رسول! جب تم یہ واقعہ ان لوگوں سے بیان کرو گے تو یہ اسی قسم کے سوالات تم سے بھی کریں گے)۔ تم جواب میں کہہ دینا کہ میرا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ وہاں کتنا عرصہ رہے۔ کائنات میں غیب کا علم اُسی کو ہے۔ وہی سب سے بہتر دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ (تم اس پر زور دینا کہ اس قصہ کے بیان کرنے سے میرا ایک مقصد تو اس حقیقت کی وضاحت تھی کہ) غار والی جماعت نے قانونِ خداوندی پر بھروسہ کیا اور نتائج نے بتا دیا کہ اُس قانون نے ان کی کس طرح سرپرستی کی۔ محکم سرپرستی قانونِ خداوندی کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ بتانا مقصود تھا کہ خدا کے نظام میں یہ بات نہیں چل سکتی کہ تم اُس کے قانون کے ساتھ کسی اور کے قانون کو بھی شامل کر لو۔ اُس کے قانون کے ساتھ کسی اور کے قانون کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔ (یہی اُن نوجوانوں کی دعوت تھی جس کی اس قدر مخالفت ہوئی۔ لیکن وہ اپنے دعوے پر استقامت سے جمے رہے تو آخر الامر کامیابی انہی کو ہوئی)۔

۲۷ (توحید کی یہی وہ تعلیم تھی جو تمام انبیائے سابقہ کو بذریعہ وحی دی جاتی رہی۔ اور اُسی کو اب اے رسول! تیری طرف وحی کیا گیا ہے۔ اس لئے) جو کچھ تجھے اس کتاب خداوندی (قرآن) میں بذریعہ وحی دیا جاتا ہے (۶/۱۹) تو اسے لوگوں کے سامنے پیش کرتا جا۔ یہ خدا کے غیر متبدل ابدی قوانین ہیں جنہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ (۶/۱۱۶)۔ (ان سے کہہ دو کہ اگر تم قوانین خداوندی کے علمبردار بن کر کھڑے ہو جاؤ گے تو جس طرح وہ غار میں پناہ لینے والے نوجوانوں کا پشت پناہ بن گیا تھا اُسی طرح تمہارا بھی کارساز بن جائے گا۔ لیکن اگر تم نے اُس کے قوانین کو چھوڑ دیا تو) تمہیں دنیا میں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی بجز اس کے کہ تم پھر انہی قوانین کی پناہ میں آ جاؤ۔

۲۸ (دوسری بات جو اصحاب کہف کے واقعہ سے سامنے آتی ہے یہ ہے کہ کامیابی کے لئے استقامت اور جماعت کے ساتھ رابطہ استوار لازمی شرط ہے۔ اس لئے) اے رسول! تو بھی اپنے ان رفقاء کے ساتھ جو صبح شام (ہر وقت) نظامِ خداوندی کی دعوت کو عام کرنے میں

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا ۝۲۹ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝۳۰ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى

لگے رہتے ہیں' اور اپنی تمام توجہات کو اسی مقصد پر مرکوز رکھتے ہیں' اس پروگرام پر استقامت کے ساتھ جمارہ (۶/۵۲ ؛ ۸/۶۲ ؛ ۹/۳۰ ؛ ۲۹)۔ ایسا کبھی نہیں ہونا چاہیئے کہ تو دنیاوی مفاد عاجلہ کی کشش وجاذبیت کے پیچھے لگ کر' ان لوگوں سے اپنی نگاہیں پھیر لے۔ (یہ مخالفین' تمہیں' ان رفقاء سے برگشتہ کرنے کی بڑی کوشش کریں گے) سو تم کسی ایسے شخص کی بات پر کان نہ دھرنا جس کے دل پر' ہمارے قوانین کی طرف سے' پردے پڑ چکے ہوں' اور وہ اپنے جذبات کے پیچھے لگ رہا ہو۔ ایسے شخص کا معاملہ حد سے گزر چکا ہوتا ہے۔

۲۹ تم ان لوگوں سے کہدو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے' یہ ضابطۂ حق وصداقت آگیا ہے۔ اب جس کا جی چاہے اس پر ایمان لے آئے' اور جس کا جی چاہے اس سے انکار کردے۔ لیکن وہ اتنا سمجھ لے کہ' ان قوانین سے انکار کر کے' دوسری راہیں اختیار کرنے والوں کا انجام' تباہی کا وہ عذاب ہے جو انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ جب وہ اس عذاب کی تلخی اور شدت کے خلاف فریاد کریں گے تو' اس مصیبت کو کم کرنے والی کوئی چیز انہیں نصیب نہ ہوگی۔ بلکہ وہی سامان جو' مساعد حالات میں' ممد حیات ہوتا ہے' ان کے لئے وجہ ہلاکت بن جائے گا۔ وہی سونا چاندی' جس کے بل بوتے پر یہ نظام خداوندی کی مخالفت کرتے تھے' یوں سمجھئے کہ اسے پگھلا کر' ان کے حلق میں انڈیلا جائے گا۔ (۹/۳۵ — ۳۴)۔ کس قدر ہلاکت انگیز ہوگا یہ تلخابہ' اور کس قدر تکلیف دہ ثابت ہوگا وہ سہارا جسے وہ اپنے لئے وجہ آسائش سمجھا کرتے تھے؟

۳۰ ان کے برعکس' جو لوگ' اس ضابطہ خداوندی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں گے' اور اس کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوں گے' تو ان کے حسن عمل کا اجر کبھی ضائع نہیں ہوگا۔

۳۱ ان کی قیامگاہ ایسے باغات میں ہوگی جن کی بہاریں خزاں ناآشنا ہیں۔ ان کے معاشرہ میں مستقل خوش حالیاں اور فارغ البالیاں رہیں گی۔ (سروری اور سرداری کے جس قدر گراں بہا

الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ
وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا
نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ
وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ
لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

اسباب تمہارے ذہن میں آسکتے ہیں' انہیں سب میسّر ہوں گے (مثلاً) سونے کے کنگن — جو سرداری کے امتیازی نشانات ہیں — دبیز اور باریک ریشمی ملبوسات — جو اعلیٰ ترین معیارِ زیست کی خصوصیات ہیں — بلند و بالا شہ نشینوں پر تکیہ لگائے — جو شاہانہ نشست کا نقشہ ہے — انہیں یہ سب کچھ میسّر ہوگا۔

کس قدر خوشگوار ہوگا ان کی محنتوں کا یہ معاوضہ اور کیسی حسین ہوں گی یہ آسائشیں جو ان کے لئے مزید ارتقاء (اوپر اٹھنے) کا توازن بدوش سہارا بنیں گی۔

۳۲ (زندگی کے ان دونوں نقشوں کو اور واضح طور پر سمجھانے کے لئے) ان سے یہ مثال بیان کر دو کہ دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک کے پاس انگوروں کے دو باغ تھے جن کے گرداگرد کھجوروں کے پیڑ تھے۔ اور ان کے درمیان ہری بھری کھیتی اُگ رہی تھی۔

۳۳ یہ دونوں باغ کثرت سے پھل دیتے تھے اور ان کی پیداوار میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں آبپاشی کے لئے آبِ رواں موجود تھا۔

۳۴ اس سے یہ شخص کافی مالدار ہوگیا۔ ایک دن اُس نے' باتوں باتوں میں' اپنے دوست سے کہا کہ دیکھو! میں تمہارے مقابلہ میں' کتنا زیادہ مالدار ہوں۔ اور میرا جتھا کتنا بڑا طاقتور ہے۔

۳۵ وہ یہ باتیں کرتا' اپنے باغ میں داخل ہوا — اُن خیالات میں بدمست جو اس کی تباہی کا باعث بن رہے تھے — (اُس کا دوست اُس سے کہا کرتا تھا کہ اسے' اپنی دولت پر اس طرح بے جا غرور نہیں کرنا چاہیئے۔ اُسے قوانین خداوندی کے تابع رکھنا چاہیئے' ورنہ وہ ایک دن تباہ ہو جائیگی۔ اُس نے جب اس بات کو دہرایا تو) اس نے کہا کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ یہ باغات اور کھیتیاں برباد ہو جائیں۔

۳۶ (تمہاری یہ باتیں سب واہمہ ہیں) میں نہیں سمجھتا کہ وہ انقلاب کی گھڑی (قیامت)

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا
هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ
تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ
فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾

جس سے تو مجھے ڈراتا رہتا ہے' کبھی آئے گی۔ (پھر مذاق سے کہنے لگا کہ) اگر ایسا ہو بھی گیا اور مجھے اپنے پروردگار کے حضور جانا پڑا تو مجھے وہاں اس سے بہتر ٹھکانہ ملے گا۔ (دولتمند یہاں بھی عیش کرتے ہیں۔ اور وہ خدا کے ہاں بھی مزے میں رہیں گے)۔

۳۷ اس کے دوست نے جو اُس سے باتیں کر رہا تھا' کہا کہ کیا تو اُس خدا کے قانونِ مکافات سے انکار کرتا ہے جس نے تیری پیدائش کا آغاز مٹی سے کیا۔ پھر اُسے نطفہ سے آگے بڑھایا۔ پھر مختلف عناصر میں اعتدال پیدا کر کے تجھے انسانی شکل میں نمودار کر دیا۔ (کیا' اس کے بعد بھی' تم سمجھ رہے ہو کہ تمہیں جو کچھ حاصل ہے' تمہاری اپنی ہنرمندی کی بنا پر ہے۔ $\frac{۲۸}{۷۸}$)۔ اس میں خدا کی موہبت کا کچھ دخل نہیں؟ سوچو کہ تمہاری یہ تمام صلاحیت اور استعداد تمہیں ملی کہاں سے ہے؟ اور اس پر بھی غور کرو کہ تمہارے باغات کی پیدائش میں تمہاری محنت کا کتنا دخل ہے اور بخشائشِ خداوندی کا کتنا حصہ؟ $\frac{۵۶}{۶۳}$ $\frac{۷}{۸}$)۔

۳۸ (تم ان حقائق سے انکار کر سکتے ہو' تو کرو۔ میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں کہ) انسان کو تمام سامان نشوونما' خدا کے قانونِ ربوبیت کی رو سے ملتا ہے۔ اس لئے اُسے' اُس کے قانونِ ربوبیت میں کسی اور کو شریک نہیں کرنا چاہیئے۔ کم از کم میں تو ایسا نہیں کر سکتا۔

۳۹ تجھے چاہیئے کہ تو جب بھی اپنے باغات میں آئے (اور ان کے پھلوں اور کھیتیوں کو دیکھے) تو کہے کہ یہ سب کچھ خدا کے قانونِ مشیت کے ماتحت ہو رہا ہے۔ اُس کے سوا اور کسی میں یہ قوت اور اقتدار نہیں کہ ان چیزوں کو پیدا کر سکے۔

۴۰ (باقی رہا یہ کہ اس وقت) مجھے' تمہارے مقابلہ میں' مال اور اولاد کم حاصل ہے (تو تجھے اس پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے) کیا عجب کہ میرا پروردگار مجھے' تیرے باغ سے بہتر باغ دیدے۔ اور تیرے باغ پر کوئی ایسی ناگہانی آفت آپڑے (مثلاً آندھی۔ جھکڑ۔ پالا۔ ٹڈی دل وغیرہ) جس سے اس کی سرسبزی اور شادابی سب ختم ہو جائے۔

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ
خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
كَمَاۗءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

۴۱ یا (مثلاً) تمہارے (چشموں کا) پانی اس قدر نیچے اُتر جائے کہ تم کسی طرح اُس تک پہنچ ہی نہ سکو۔ (۶۷/۳۰)۔

۴۲ (چنانچہ یہی ہوا کہ) اس کا مال و دولت تباہی کے گھیرے میں آگیا اور وہ کفِ افسوس مَل مَل کر کہنے لگا کہ میں نے ان باغات اور کھیتوں پر کس قدر روپیہ صرف کیا تھا۔ (وہ سب برباد گیا) اور باغات کی حالت یہ ہو گئی کہ ان کی ٹٹیاں گر کر زمین کے برابر ہو گئیں۔
اب وہ کہتا تھا کہ اے کاش! میں اپنے نشوونما دینے والے کے قانونِ ربوبیت کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرتا!

۴۳ (مال تو یوں گیا۔ اور) جن جتھوں پر اسے ناز تھا' وہ بھی' خدا کے قانون مکافات کے مقابلہ میں اُس کے کسی کام نہ آسکے۔ اور نہ ہی وہ خود' اپنی قوت سے' اس بربادی سے بچ سکا۔

۴۴ اس مثال سے مقصود یہ بتانا تھا کہ کائنات میں سارا اقتدار و اختیار صرف خدا کے لئے ہے۔ اُس کے قانون کے مطابق زندگی بسر کی جائے تو اُس کا معاوضہ بہت اچھا ملتا ہے' اور اس روش کا انجام بڑا عمدہ ہوتا ہے۔

۴۵ (اُس شخص کا انجام ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ اس نے اپنی نگاہ صرف مفاد عاجلہ پر رکھی۔ اس طبیعی زندگی کو منتہیٰ سمجھ لیا' اور اُن قوانین خداوندی کو نظر انداز کر دیا جن سے دنیا اور آخرت دونوں سنورتے ہیں)۔ اس قسم کی روش اختیار کرنے والوں کی زندگی کی مثال یوں سمجھو کہ ہم نے بادلوں سے مینہ برسایا۔ وہ زمین میں پیوست ہوا' تو زمین کی روئیدگی اُس کے ساتھ مل کر بڑھی پھولی۔ (اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے اب یہ ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ پھر کیا ہوا؟ یہ کہ) سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا' اور اُسے ہوا کے جھونکوں نے اڑا کر اِدھر اُدھر بکھیر دیا۔

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ
نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ
لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

یہ سب قانون خداوندی کے مطابق ہوتا ہے جس پر اُسے پورا پورا کنٹرول ہے۔ (کسان نے صرف کھیتی کے اُگ آنے کو کافی سمجھا' اور اس کے بعد قانون خداوندی کے مطابق کھیتی کی نگہداشت نہ کی تو اس کا انجام یہ ہوا۔ اس مثال کے مطابق یہ سمجھو کہ انسان اگر صرف قوانینِ طبیعی کے مطابق چلے' اور خدا نے انسانی دنیا کے متعلق جو راہ نمائی' وحی کے ذریعے دی ہے' اُسے نظر انداز کر دے' تو اُسے طبیعی قوانین کے مطابق عمل کرنے کا نتیجہ تو مل جائے گا' لیکن اُس کی انسانی زندگی تباہ و برباد ہو جائے گی)۔

۴۶ اس سے تم' یہ نہ سمجھ لینا کہ طبیعی زندگی اور دنیاوی زیب و زینت کی چیزیں' ایسی ہیں جن سے انسان نفرت کرے۔ بالکل نہیں۔ دولت۔ اولاد' سب حیاتِ ارضی کی زیبائش کی چیزیں ہیں جنہیں خدا نے حرام قرار نہیں دیا (۱۸/۷)۔ مطلب صرف یہ ہے کہ انہی چیزوں کو مقصود و منتہیٰ نہ سمجھ لیا جائے۔ یہ سب تغیر پذیر چیزیں ہیں۔ ناقابلِ تغیر' اور باقی رہنے والی' وہ متاعِ حیات ہے جس سے خدا کے قوانین ربوبیت کے مطابق انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے (۱۹/۷۶)۔ یہی وہ گراں بہا متاع ہے جس سے انسان کو اپنی بہترین توقعات وابستہ رکھنی چاہئیں۔

۴۷ (یہ حقیقت اُس دور میں محسوس طور پر سامنے آجائے گی) جب بڑے بڑے دولتمند اور صاحب اقتدار لوگوں کو' ان کے مقامات سے ہلا دیا جائے گا (۲۰/۱۰۵)' اور جن کمزور اور ناتواں لوگوں کو' انہوں نے اِس وقت پاؤں تلے روندرکھا ہے وہ ابھر کر اوپر آجائیں گے۔ اور دیوں انسانوں کی خودساختہ تفریق کو مٹا کر' تکریمِ آدم کے معیار کے مطابق' اِن سب کو ایک ہی جگہ اکٹھا کر دیا جائے گا۔ اِن میں سے کسی کو بھی (اُس کی موجودہ حالت میں) نہیں چھوڑا جائے گا۔

۴۸ اُس وقت' یہ سب خدا کے نظامِ ربوبیت میں' ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں گے۔ اور معاشرہ کی وہی کیفیت ہو جائے گی جس طرح انسانی تخلیق کے پہلے دور میں تھی۔ لیکن جس میں بعد میں اختلافات پیدا کر دیئے گئے (۲/۱۳۰ ؛ ۱۹/۱)۔

یہ لوگ اس زعمِ باطل میں ہیں کہ ان سے جو کچھ زبانِ وحی سے' کہا جاتا ہے' وہ وقوع

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ
صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ
اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ

میں نہیں آئے گا۔ (ان سے کہدو کہ ایسا ہو کر رہے گا)۔

۴۹ اُس دور میں' وحی کی رو سے دیا ہوا ضابطہ' قوانین نافذ العمل ہوگا' جس کے اصول و احکام کو دیکھ کر' وہ لوگ سخت لرزاں و ترساں ہوں گے جو دوسروں کے حقوق کو غصب کر لینے کے عادی تھے۔ وہ پکار اٹھیں گے کہ یہ کس قسم کا ضابطہ' قوانین ہے جو چھوٹی اور بڑی ہر بات کو محیط ہے' اور انسانی زندگی کا کوئی عمل ایسا نہیں جو اس کی زد سے باہر رہ سکے؟ پھر اس کی رو سے قائم کردہ نظام ایسا ہے کہ جو کچھ کوئی کرتا ہے' وہ سامنے آجاتا ہے۔ اور ہر بات کا فیصلہ عین مطابق عدل ہوتا ہے۔ کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوتی —— ایسا دور' اور ایسا نظام' فی الواقعہ مجرمین کے لئے خوف اور ہراس کا موجب ہونا ہے۔

۵۰ (انسانی معاشرہ کے جس پہلے دور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (۲/۳۰)۔ وہ دور ہے جسے "قصۂ آدم" میں جنتی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو مختصراً یوں ہے کہ ہم نے کائنات کی تمام قوتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کے سامنے جھک جائیں۔ چنانچہ وہ جھک گئیں۔ لیکن اُس کے حیوانی سطح کے جذبات نے اس سے سرکشی اختیار کر لی۔ یہ 'غیر مرئی' (آنکھوں سے نظر نہ آسکنے والے) جذباتی محرکات' انسان کو خدا کے مقرر کردہ راستے سے بہکا کر دوسری طرف لے جاتے ہیں۔

غلط معاشرہ میں ہوتا یہ ہے کہ لوگ' مستقل اقدار کو چھوڑ کر' جن سے معاشرہ جنتی خوشگواریوں کا حامل بنتا ہے' اپنی اپنی مفاد پرستیوں کے پیچھے ہو لیتے ہیں' اور اس طرح معاشرہ کو جہنم میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اب تم خود ہی سوچو کہ یہ تبدیلی کیسی بری تبدیلی ہے۔ وحی یہی بتانے کے لئے آتی ہے کہ یہ روش' نوع انسانی کی دشمن ہے۔ اسے اختیار نہ کیا جائے۔ (۲/۳۰ — ۳۸)۔

۵۱ (خدا کے تجویز کردہ راستے کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے کہ انسان خدا کے ساتھ اور ہستیوں کو بھی خدا کا ہمسر قرار دے لیتا ہے۔ حالانکہ اس عقیدہ کے باطل ہونے کی سب سے پہلی دلیل یہ ہے کہ یہ

لَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۖ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ
فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا
مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ
اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ

تمام ہستیاں مخلوق ہیں اور کائنات کی تخلیق کے بعد وجود میں آئی ہیں۔ لہٰذا جو چیزیں خود مخلوق ہوں وہ خالق کے کاروبار میں شریک کیسے ہو سکتی ہیں؟ نہ ہی خدا ایسا کمزور تھا کہ اسے انہیں اپنا دست و بازو بنانے کی ضرورت پڑ جاتی۔ یہ سب ذہن انسانی کی تراشیدہ ہستیاں ہیں جن کا مصرف اس کے سوا کچھ نہیں کہ لوگ ان کی وجہ سے غلط راستوں پر چل نکلیں

۵۲ جس دن خدا ان (باطل معبودوں کے پرستاروں) سے کہے گا کہ جنہیں تم بزعم خویش میرا شریک قرار دیتے تھے انہیں پکارو۔ وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دیں گے۔ اس طرح ان کے باہمی تعلقات، جو ان پرستاروں کے لئے وجہ ہلاکت تھے، منقطع ہو جائیں گے۔

۵۳ لیکن اس وقت تعلقات کے منقطع ہو جانے سے کیا فائدہ ہوگا؟ اس وقت خدا کے قانون مکافات کی رُو سے تباہی کی آگ ان کی آنکھوں کے سامنے بھڑک رہی ہوگی اور ہر قرینہ سے انہیں معلوم ہوگا کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں۔ وہ اس وقت اس تباہی سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں پائیں گے۔

۵۴ دیکھو! ہم کس طرح اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر قسم کی مثالیں لوٹا لوٹا کر بیان کرتے ہیں تاکہ بات ہر گوشے اور ہر پہلو سے صاف اور واضح ہو جائے۔ لیکن اس کے باوجود انسان کی حالت یہ ہے کہ (بجائے اس کے کہ بات واضح ہو جانے کے بعد اسے تسلیم کر لے) یہ اکثر جھگڑے نکالتا رہتا ہے۔

۵۵ ذرا سوچو کہ جب ان لوگوں کے پاس ہدایت اس وضاحت سے آ گئی تو پھر وہ کونسی بات تھی جو انہیں اس سے روکتی کہ وہ اس کی صداقت کو تسلیم کریں اور اپنے پروردگار کے قانون کی اطاعت سے اپنے لئے سامانِ حفاظت طلب کریں! یہ بات اس کے سوا کیا تھی کہ ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ پیش آئے جو اقوامِ سابقہ کے ساتھ پیش آتا رہا ہے، یہانتک

الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ
لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا
وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى
الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ
الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِلًا ﴿۵۸﴾

کہ ہمارا عذاب ان کے سامنے آکر کھڑا ہو جائے۔

۵۶ ہم تو اپنے پیغمبروں کو اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ لوگوں کو صحیح روشِ زندگی کے خوشگوار نتائج کی خوشخبری دیں اور غلط روش کے تباہ کن عواقب سے آگاہ کریں۔ لیکن جو لوگ' ہمارے قانون مکافات سے انکار کرتے ہیں' وہ' ہمارے رسولوں کے ساتھ باطل کے حربوں سے جھگڑتے ہیں' تاکہ وہ اس طرح' حق (سچائی) کو اس کے مقام سے پھسلا کر بیکار کر دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے نہ کبھی ہمارے قوانین پر سنجیدگی سے غور کیا ہے' اور نہ ہی ان تباہ کن نتائج پر جو ان کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتے ہیں اور جن سے انہیں متنبہ کیا جاتا ہے۔ یہ انہیں ہنسی مذاق ہی سمجھتے ہیں۔

۵۷ تم سوچو کہ اُس سے بڑھ کر اپنے آپ پر ظلم کرنے والا اور کون ہوگا' کہ اُس کے نشوونما دینے والے کے قوانین کو اُس کے سامنے لایا جائے اور وہ اُن سے اعراض برتے (پہلوتہی کرے) اور اِسے قطعاً بھول جائے کہ اُس کے تمام اعمال کے نتائج' اُس کے سامنے آنے والے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اِس روشِ پیہم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے دِل پر پردے پڑ جاتے ہیں جن سے' ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ اور اُن کے کانوں میں ایسی گرانی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ حق و صداقت کی کوئی بات سُن ہی نہیں سکتے۔

جن لوگوں کی حالت یہ ہو جائے' وہ صحیح راستہ کبھی اختیار نہیں کر سکتے' خواہ تو انہیں اس کی طرف لاکھ بلائے۔

۵۸ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں (اور جو حالت ان کی ہو چکی ہے)' اُس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کی فوراً گرفت ہو جائے' اور ان پر تباہی کا عذاب مسلط ہو جائے۔ لیکن' خدا کے قانون مکافات میں' مہلت کی شق بھی رکھ دی گئی ہے تاکہ جو لوگ' اِس دوران میں' اپنی اصلاح

وَتِلْكَ الْقُرٰى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى
اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾
فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

کرنا چاہیں انہیں اس تباہی سے حفاظت کا سامان مل جائے اور ان کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کا انتظام ہو جائے۔ لیکن جب یہ مہلت کا وقفہ ختم ہو جاتا ہے تو پھر انہیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی — خدا کے مقابلہ میں پناہ دے کون سکتا ہے؟

۵۹ (یہ ہے وہ سنت الاولین' یعنی ہمارا وہ اٹل قانون جو شروع سے اسی طرح چلا آرہا ہے ۱۸/۵۵۔ اور جس کے مطابق ہم نے اُن بستیوں کو ہلاک کر دیا جنہوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی۔ اسی قانون کے مطابق' تمہارے مخالفین کی بھی تباہی ہوگی۔ لیکن مہلت کا وقفہ پورا ہو جانے کے بعد۔

۶۰ (عمل' اور اُس کے نتیجے کے ظہور کا درمیانی عرصہ بڑا صبر آزما' اور اکثر لوگوں کے لئے' دھوکا کھانے کا موجب بن جاتا ہے۔ عقل عجلت پسند' فوری نتیجہ دیکھنا چاہتی ہے۔ وحی کی نگاہ مآلِ کار پر ہوتی ہے۔ وحی جب ایسے حقائق بیان کرتی ہے جو اُس وقت کی عام عقلی اور علمی سطح سے بلند ہوتے ہیں تو عقل اُس پر معترض ہو جاتی ہے' اور اتنا انتظار نہیں کرتی کہ زمانہ ذرا اور آگے بڑھ جائے' اور علمی تحقیقات کی وسعت کی بنا پر' وحی کے پیش کردہ حقائق بے نقاب ہو کر سامنے آجائیں۔ اس حقیقت کو اُس واقعہ سے سمجھنا چاہیئے جو موسیٰؑ کو زمانۂ قبل از نبوت میں پیش آیا تھا جب وہ تلاشِ حقیقت میں مضطرب و بیقرار پھرتا تھا' (۲۸/۲۲)۔ یہ واقعہ عقل کی بینائی اور وحی کی صبر طلبی کی عمدہ مثال ہے)۔

موسیٰؑ' اپنے ایک نوجوان رفیق کے ساتھ' مصروفِ جادہ پیمائی تھا۔ (سفر لمبا تھا۔ اُس کا رفیق اُکتا گیا۔ لیکن) موسیٰؑ نے کہا کہ میں تو بدستور چلتا جاؤں گا' جب تک اُس مقام تک نہ جا پہنچوں جہاں دونوں دریا ملتے ہیں' خواہ اس میں مجھے کتنا ہی وقت کیوں نہ لگ جائے۔

۶۱ پھر جب وہ اُس مقام پر پہنچے جہاں دونوں دریا ملتے تھے' تو ستانے' اور چڑھتے پانی سے حفاظت کے لئے' دریا کے کنارے ایک چٹان پر ٹھہر گئے (۱۸/۶۳)۔ پھر جب اُٹھ کر روانہ ہوئے' تو اُنہیں اُس مچھلی کا خیال نہ رہا جسے اُنہوں نے اپنے ساتھ بطور توشہ رکھ لیا تھا (مچھلی ہنوز زندہ تھی' اس لئے' اُس نے سرکتے سرکتے پتھروں کے اندر سے) دریا تک پہنچنے کا راستہ نکال لیا' اور اس طرح پانی میں جا پہنچی۔

۶۲ جب وہ اُس مقام سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰؑ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آج کے سفر نے

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۖ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى
الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ
عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ اِنَّكَ
لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ
اَعْصِىْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾

ہمیں بہت تھکا دیا۔ لاؤ ناشتہ کر لیں۔

۶۳ اس نے کہا کہ (ناشتہ کس چیز کا کریں؟) جب ہم نے دریا کے کنارے چڑھتے ہوئے پانی سے بچنے کے لئے چٹان پر پناہ لی تھی تو مجھے مچھلی کا خیال نہ رہا' اور وہ (سرکتے سرکتے) پانی میں چلی گئی۔ تعجب ہے کہ میں آپ سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا۔ اب' اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ شیطان نے یہ بات میرے ذہن سے نکال دی۔

۶۴ موسیٰؑ نے کہا کہ (اب مجھے خیال پڑتا ہے کہ) ہم جس مقام کی تلاش میں ہیں' وہ وہیں کہیں تھا۔ ہم غلطی سے آگے نکل آئے ہیں۔ سو وہ دونوں' پچھلے پاؤں لوٹے۔

۶۵ وہاں انہیں' ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ مل گیا جسے ہم نے' اپنے ہاں سے' سامانِ رحمت یعنی (وحی کا) علم عطا کر رکھا تھا۔

۶۶ جب وہ جانے لگا تو موسیٰؑ نے اس سے کہا کہ' اگر آپ اجازت دیں' تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں بشرطیکہ آپ اس پر آمادہ ہوں کہ' اس علم میں سے' جو آپ کو اس خوبی کے ساتھ دیا گیا ہے' مجھے بھی کچھ عطا فرما دیں۔

۶۷ اس نے کہا (کہ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن میں' اس تھوڑے سے وقت میں' جو کچھ دیکھ سکا ہوں اس سے میں نے تمہاری طبیعت کا اندازہ لگایا ہے کہ) تم ضبط اور تحمل سے میرا ساتھ نہیں دے سکو گے۔

۶۸ (میرا اندازہ یہ ہے کہ) جب تم کوئی ایسی بات دیکھو گے جو تمہاری سمجھ سے باہر ہو گی' تو تم ضبط نہیں کر سکو گے (اور اس پر اعتراض کرنا شروع کر دو گے)۔

۶۹ موسیٰؑ نے کہا کہ (نہیں؛ مجھے تو حصولِ علم کی طلب ہے' اس لئے) آپ دیکھیں گے کہ میں انشاءاللہ ضبط سے کام لوں گا' اور کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ
خَرَقَهَا ۖ قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ
لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ﴿٧٣﴾ فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ ۙ قَالَ
أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۗ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾

---

۷۰ اس نے کہا کہ اگر تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے تو ایک بات کا خیال رکھنا کہ جب تک میں خود تم سے بات نہ چھیڑوں تم مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔

۷۱ چنانچہ اس قول و اقرار کے بعد وہ دونوں چل پڑے۔ آگے جا کر وہ ایک کشتی میں سوار ہوئے تو موسیٰؑ کے ساتھی نے کشتی میں شگاف کر دیا۔ موسیٰؑ نے اُس سے جھٹ سے کہا کہ یہ آپ نے کیا کر دیا؟ آپ نے کشتی میں شگاف کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسافر غرق ہو جائیں گے۔ آپ نے یہ بڑا خطرناک کام کیا ہے!

۷۲ اس نے موسیٰؑ سے کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ضبط سے کام نہیں لے سکو گے؟

۷۳ موسیٰؑ نے کہا کہ مجھ سے بھول ہو گئی۔ اس (بھول) پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کیجئے (بڑے لوگوں کو) بھول چوک پر سختی نہیں کرنی چاہیئے۔

۷۴ چنانچہ وہ پھر آگے چل نکلے۔ یہاں تک (کہ ایک بستی کے قریب پہنچے تو وہاں) انہیں ایک نوجوان لڑکا ملا جسے موسیٰؑ کے ساتھی نے قتل کر دیا۔ اس پر پھر موسیٰؑ بے اختیار بول اٹھا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ ایک پلے پلوسے لڑکے کو یونہی قتل کر دیا۔ اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہوتا، اور اس جرم کی پاداش میں اسے قتل کر دیا جاتا، تو اور بات تھی۔ کسی کو بلا جرم قتل کر دینا تو بہت بُری بات ہے۔



قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ

اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ

اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ

لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ

---

۷۵ اس نے موسیٰؑ سے کہا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم سے ضبط نہیں ہو سکے گا؟

۷۶ موسیٰؑ نے کہا کہ (اب کے معاف کر دیجئے)۔ اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی سوال کروں تو بیشک مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا۔ اس صورت میں مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی

۷۷ چنانچہ وہ دونوں پھر آگے چل پڑے' یہاں تک کہ وہ ایک بستی میں پہنچے۔ انہوں نے بستی والوں سے کہا کہ ہمارے کھانے کا انتظام کر دو' تو انہوں نے اس سے صاف انکار کر دیا (بستی والوں نے تو اُن سے یہ سلوک کیا لیکن) اُنہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک بوسیدہ دیوار ہے جو گرا چاہتی ہے۔ یہ دیکھ کر موسیٰؑ کے ساتھی نے (اُس کی مرمت شروع کر دی اور) اُسے از سر نو کھڑا کر دیا۔ اس پر موسیٰؑ سے پھر نہ رہا گیا اور وہ بول اٹھا کہ (بستی والوں نے ہم سے وہ سلوک کیا اور آپ نے مفت میں ان کی دیوار بنا دی؛ میں کم از کم اتنا تو ضرور کہوں گا کہ) اگر آپ چاہتے تو اُن سے اس کا معاوضہ لے سکتے تھے۔

۷۸ اس پر موسیٰؑ کے ساتھی نے کہا کہ (بس اب انتہا ہو گئی۔ اب ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اب) ہماری علیحدگی کا وقت آ گیا۔ (بالخصوص اس لئے کہ' تم نے جو کچھ پہلے پوچھا تھا' وہ از رہِ استعجاب تھا۔ اب تمہارا اعتراض یہ ہے کہ میں نے بلا اُجرت کام کیوں کیا۔ یعنی تمہارا اعتراض یہ نہیں کہ اس دیوار کو کیوں بنایا۔ اعتراض یہ ہے کہ اس کا معاوضہ کیوں نہیں لیا۔ یہی مقام ہے جہاں عقل خود بیں' اور

صَبْرًا ﴿۸۲﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ
يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾
فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي
الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا
كَنْزَهُمَا ۚ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۚ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾

عقل جہاں بیں کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں)۔ اب تم جاؤ۔ لیکن جانے سے پہلے میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کیا تھا' اور جس پر تم سے ضبط نہیں ہو سکا تھا' ان باتوں کی اصل حقیقت کیا تھی۔ (اس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وحی کی کوئی بات ایسی نہیں ہوتی جو معقول وجہ پر مبنی نہ ہو۔ سطح بیں انسان حقیقت کے واشگاف ہونے کا انتظار نہیں کرتا اور جھٹ سے اعتراض کر دیتا ہے)۔

۷۹ سب سے پہلے کشتی کا معاملہ لو۔ وہ چند غریب آدمیوں کی کشتی تھی جو بچارے' دریا میں محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پال رہے تھے۔ وہ جس طرف کشتی لئے جا رہے تھے' اُدھر ایک بادشاہ ہے (بڑا ظالم)۔ وہ جس کی (اچھی) کشتی دیکھتا ہے' اُسے زبردستی چھین لیتا ہے۔ میں نے چاہا کہ اُن کی کشتی کو عیب دار بنا دوں (تاکہ وہ اسے ناقص دیکھ کر ہاتھ نہ ڈالے)۔

۸۰ باقی رہا لڑکے کا معاملہ۔ سو اسکے ماں باپ بڑے نیک اور امن پسند تھے' لیکن یہ لڑکا بڑا سرکش' باغی اور قانون شکن تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اُس کے ماں باپ' اُس کے جرائم کی وجہ سے مفت میں لپیٹ میں نہ آجائیں۔

۸۱ (میں نے اُسے قتل کر کے' لوگوں کو اُس کی فساد انگیزیوں سے محفوظ کر دیا' اور اُس کے ماں باپ کو' ناحق لپیٹ میں آجانے سے بچا لیا)۔ اُن کا پروردگار' انہیں اِس کے بدلے' اور لڑکا عطا کر دے گا جو عمدہ صلاحیتوں کا مالک ہو گا اور لوگوں سے محبت بھی کرے گا۔

۸۲ اور وہ جو دیوار تھی' تو (اس کا معاملہ ایسا تھا کہ) وہ گاؤں کے دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ اُنکے باپ نے' جو بڑا نیک آدمی تھا' اُس دیوار کے نیچے کچھ روپیہ دفن کر رکھا تھا۔ تیرے پروردگار کا منشا یہ تھا کہ (اُس روپے کو گاؤں والے نہ لے جائیں بلکہ) جب یہ لڑکے جوان ہوں تو اُس وقت اُسے خود نکال لیں' اور یوں یہ روپیہ' ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے لئے سامانِ رحمت بن جائے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳

(اگر وہ دیوار قبل از وقت گر جاتی' تو روپیہ گاؤں والے لیجاتے۔ میں نے اُس کی مرمت کر دی جس سے روپیہ محفوظ ہو گیا۔ تم بتاؤ کہ اس کام کے معاوضہ کا سوال کس طرح پیدا ہو سکتا تھا؟ نظامِ خداوندی غریبوں اور یتیموں کے حقوق کا تحفظ بلا معاوضہ کرتا ہے' اور یہی بات ہے جو عقلِ خود بیں کے کاروباری ذہن میں نہیں آتی)۔

یاد رکھو! میں نے یہ کچھ از خود نہیں کیا۔ (وحیِ خداوندی کی رُو سے کیا ہے) یہ ہے حقیقت اُن امور کی جن کے متعلق تم ضبط سے کام نہیں لے سکے تھے۔ (اب تم نے سمجھ لیا کہ وحی کا ہر فیصلہ کس طرح حکمت پر مبنی ہوتا ہے[1])۔

۸۳ اے رسول! تم سے یہ لوگ 'ذوالقرنین (سائرس یا کیخسرو) کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ (اسی سلسلہ میں ہم تمہیں اُس کا بھی کچھ حال بتاتے ہیں' کیونکہ وہ بھی کمزوروں کی حفاظت کے لئے بلا معاوضہ "دیواریں" بنایا کرتا تھا)۔ اِن سے کہو کہ لو! میں اس کا بھی مختصر حال بیان کرتا ہوں۔

---

[1] یہ قصہ یہاں پر ختم ہو جاتا ہے' اور متن میں جو مفہوم بیان کیا گیا ہے اس سے اس کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے متعلق بعض قدرتِ افسانوی باتیں مشہور ہو چکی ہیں کہ اس کے بعض مقامات کی مزید وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً

(۱) نبوت سے پہلے ہونے والے نبی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ اس کے ماحول میں ہو رہا ہوتا ہے وہ اس سے غیر مطمئن ہوتا ہے لیکن "اس کی جگہ ہونا کیا چاہیئے" اس کا اُسے علم نہیں ہوتا۔ لہٰذا' وہ تلاشِ حقیقت میں سرگرداں پھرتا ہے۔ نبی اکرمؐ کے متعلق جو قرآن میں آیا ہے وَوَجَدَكَ ضَاۗلًّا فَهَدٰى (۹۳/۷) "ہم نے تجھے تلاشِ حقیقت میں سرگرداں پایا' تو صحیح راستہ دکھایا" وہ اسی کیفیت کا بیان ہے۔ نبی کیفیت (قبل از نبوت) حضرت موسیٰؑ کی تھی جس کا تذکرہ اس قصہ میں آیا ہے۔ یہ نہیں تھا کہ ایک نبی' دوسرے نبی کے پاس حصولِ علم کے لئے گیا تھا۔

(۲) جن صاحب سے حضرت موسیٰؑ کی ملاقات ہوئی تھی' ان کے متعلق تصریح سے تو نہیں کہا گیا کہ وہ نبی تھے لیکن قرآن کریم کے بیان سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ صاحبِ وحی (خدا کے رسول) تھے۔ بالخصوص وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ (۱۸/۸۲) "میں نے یہ کچھ اپنی مرضی سے نہیں کیا" اس پر شاہد ہے۔

(۳) عام طور پر مشہور ہے کہ وہ "خضرؑ" تھے۔ لیکن قرآن کریم میں "خضر" نام کے کسی پیغمبر کا ذکر نہیں — نہ اس جگہ نہ کسی اور جگہ۔

(۴) اس قصہ میں جن تین واقعات کا ذکر ہے' ان کا تعلق ایسے امورِ غیب سے نہیں جن کا علم وحی کے بغیر نہ ہو سکتا ہو۔ لہٰذا' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان صاحب کو ان امور کا علم وحی کے ذریعے دیا گیا ہو یا انہیں از خود حاصل ہو۔ البتہ (بقیہ ۷۰۹ پر دیکھیے)

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ

۸۴ ہم نے اُسے ملک میں حکمرانی عطا کی تھی اور ہر قسم کا (ضروری) ساز و سامان بھی دے رکھا تھا۔

۸۵ اس نے پہلے ایک مہم کے لئے تیاری کی۔

۸۶ یہ مہم مغرب کی طرف (لیڈیا کی جانب) تھی۔ چنانچہ وہ چلتے چلتے ایک ایسے مقام تک جا پہنچا جہاں آگے پانی ہی پانی تھا (غالباً یہ بحیرہ اسود تھا)۔ اس نے دیکھا کہ سورج سیاہ کیچڑ والے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۶۷۸) جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کے متعلق قرآن کریم کی تصریح موجود ہے کہ اسے انہوں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا۔

(۵) ان تین واقعات میں لڑکے کے قتل کے متعلق بعض لوگوں کو کہتے سنا گیا ہے کہ کس طرح جائز قرار پا سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ۔

(ا) وہ لڑکا بچہ نہیں تھا۔ جوان تھا۔

(ب) وہ سرکش اور قانون شکن تھا۔ اس میں وہ تمام جرائم آسکتے ہیں جو معاشرہ میں فساد کا موجب بنتے ہیں — ڈاکہ زنی۔ قتل۔ غارت گری۔ مفسدہ پردازی۔ وغیرہ۔ نیز "يُرْهِقَهُمَا" (۸۰) سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ کچھ اس انداز سے کرتا تھا جس سے اندیشہ تھا کہ اس کے بے گناہ ماں باپ ناحق اس کے جرائم میں ملوث ہو جائیں۔ اس قسم کے سرکش اور مفسد کا قتل جائز نہیں ضروری ہو جاتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ جب تک کسی کو عدالت مجرم قرار نہ دیدے اسے سزا نہیں دی جا سکتی سو اوّل تو یہ چیز معاشرہ کی ایسی حالت میں ہو سکتی ہے جس میں عدلیہ کا باقاعدہ نظام موجود ہو — اور یہ ضروری نہیں کہ اس معاشرہ میں صورت ایسی ہو۔ دوسرے یہ کہ اس قسم کے مشہور سرکشوں اور مفسدہ پردازوں کے لئے عام حالات میں بھی "باضابطہ کارروائی" لاینفک نہیں ہوتی۔ آجکل بھی مشہور ڈاکوؤں کے سلسلہ میں رسمی کارروائیاں ضروری قرار نہیں دی جاتیں۔

(۶) آخر میں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے جس حقیقت کو سمجھانے کے لئے یہ قصہ بیان کیا ہے وہ کس قدر اہم ہے عقل انسانی اپنی محدود معلومات کی بنا پر وحی کے کسی حکم کے خلاف اعتراض کرتی ہے۔ لیکن جب اس کی معلومات میں اضافہ ہو جاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ جو کچھ وحی نے کہا تھا وہ صحیح تھا۔ لہٰذا عقل کے لئے صحیح روش یہی ہے کہ وہ وحی کی بات تسلیم کرے۔ اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتی رہے۔ جب اُسے صحیح معلومات حاصل ہو جائیں گی تو وہ خود بخود وحی کی تصدیق کرے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ

ہر دو امیر کاروان۔ ہر دو بمنزلے رواں
عقل بہ حیلہ می برد۔ عشق برد کشاں کشاں (اقبالؒ)

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْرًا ﴿٨٧﴾ وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذَٰلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾

پانی میں ڈوب رہا ہے۔ (اس لئے کہ وہاں تا بحد نگاہ سیاہ رنگ کا پانی تھا جس سے اسے ایسا دکھائی دیا گویا سورج 'اس پانی میں ڈوب رہا ہے)۔ اس کے قریب ہی اس نے ایک قوم کو دیکھا۔ (اس قوم نے اس کی مخالفت کی' لیکن وہ اس پر غالب آگیا۔ اب از روئے قانون وہ حق بجانب تھا کہ انہیں ان کی سرکشی کی سزا دیتا) سو ہم نے کہا کہ یہ تمہاری مرضی پر موقوف ہے۔ تم چاہے انہیں سزا دو' اور چاہے ان سے حسن سلوک سے پیش آؤ —— پہلا راستہ عدل کا ہے۔ دوسرا احسان کا ——

۸۷ ذوالقرنین نے ان سے کہا کہ (جو کچھ پہلے ہو چکا' اس سے میں درگذر کرتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد) جو شخص قانون سے سرکشی اختیار کرے گا تو ہم اسے سزا دیں گے۔ (اور چونکہ اس کی یہ سرکشی قوانین خداوندی کے خلاف ہوگی اس لئے اس کی سزا کا معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جائے گا)۔ جب وہ خدا کے ہاں جائے گا تو وہاں اسے اس سے بھی زیادہ سخت سزا ملے گی۔

۸۸ لیکن جو (قوانین خداوندی پر) ایمان لے آئے گا اور معاملات کو سنوارنے والے کام کریگا' تو اس کی اس روش کے نتائج بڑے خوشگوار ہوں گے' اور ہماری طرف سے اس کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی (اس لئے کہ وہ نظام خداوندی کا ممد و معاون ہوگا)۔

۸۹ پھر اس نے ایک اور مہم کے لئے سامانِ سفر تازہ کیا۔

۹۰ یہ مہم مشرق (بلخ) کی جانب تھی۔ چلتے چلتے' وہ ایک ایسی قوم تک پہنچا جو کھلے میدان میں رہتی تھی۔ ان لوگوں پر چڑھتے سورج کی شعاعیں سیدھی آکر پڑتی تھیں' اور' ان کے اور سورج کے درمیان کوئی اوٹ نہ تھی۔ یعنی وہ کھلے میدان میں' بے گھر' بے در (خانہ بدوشوں) کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔

۹۱ ان کی حالت ایسی ہی (ناگفتہ بہ) تھی۔ ان کے برعکس' ذوالقرنین کے پاس جو ساز و سامان تھا اس کا ہمیں علم تھا۔ (اس لئے وہ قوم اس کا کیا مقابلہ کر سکتی تھی؟ چنانچہ وہ ان کی شورش کو

ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِن دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوا
يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ
بَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ آتُونِي زُبَرَ
الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾
فَمَا اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ﴿۹۷﴾

بآسانی ختم کرکے واپس آگیا)۔

۹۲ پھر اس نے ایک اور مہم اختیار کی (جو کاکیشیا کی طرف تھی)۔ وہ ایک ایسی وادی میں تھی
۹۳ جس کے دونوں طرف پہاڑوں کی اونچی اونچی دیواریں کھنچ رہی تھیں۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک ایسی قوم آباد ہے جو اس کی کوئی بات نہیں سمجھتی۔

۹۴ اس قوم (کے نمائندوں نے ترجمانوں کی وساطت سے) کہا کہ اے ذوالقرنین! (ہم ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ آپ اگر اس سے ہمیں نجات دلادیں تو ہم آپ کے سپاس گزار ہوں گے۔ اُس سمت) یاجوج وماجوج (کے وحشی قبائل ہیں۔ نہایت شعلہ مزاج۔ تندخو۔ برق رفتار آندھی کی طرح امنڈ آنے والے۔ وہ ہمیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتے)۔ وہ ہمارے ملک میں آکر لوٹ مار کرتے رہتے ہیں (اور ہم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے)۔ اگر آپ ہمارے اور ان کے درمیان (اس درّہ کو بند کرنے کے لئے) ایک دیوار بنادیں تو ہم آپ کو خراج ادا کردیا کریں گے۔ (۲۱/۹۶)۔

۹۵ ذوالقرنین نے کہا کہ جو کچھ مجھے میرے پروردگار نے عطا کر رکھا ہے' وہ بہت ہے (اس لئے مجھے تمہارے خراج کی ضرورت نہیں۔ تم پر ظلم ہو رہا ہے' اور ظلم کی روک تھام میرا فریضہ ہے۔ اس لئے میں اس کام کو بطور فریضۂ خداوندی سرانجام دوں گا)۔ مجھے تم صرف اپنی محنت (LABOUR) سے مدد دیدو (مزدور مہیا کردو) تو میں تمہارے اور ان کے درمیان دیوار بنادوں گا۔

۹۶ تم یوں کرو کہ لوہے کی بڑی بڑی سلیں لاؤ۔ (چنانچہ جب یہ تمام سامان تیار ہوگیا اور) اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر کردی تو اس نے کہا کہ اب بھٹیاں سلگاؤ اور انہیں دھونکو۔ جب اس طرح وہ لوہا آگ کی مانند سرخ ہوگیا تو اس نے کہا کہ اب پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ اس پر انڈیل دیں۔

۹۷ اس طرح وہ دیوار اس قدر مضبوط اور بلند بن گئی کہ یاجوج وماجوج کے قبائل نہ تو اس پر

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ
يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ
اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ
دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

چڑھ سکتے تھے اور نہ ہی اس میں سرنگ لگا سکتے تھے۔

۹۸ (جب وہ اس عظیم کام سے فارغ ہوا تو اس نے بدرگاہِ رب العزت سجدۂ شکرانہ ادا کیا اور کہا کہ) یہ سب کچھ میرے نشوونما دینے والے کی طرف سے مہیا کردہ ساز و سامان اور قوتِ تدبیر کی بنا پر ہو گیا۔ (یہ دیوار اس قدر مضبوط بن گئی ہے کہ اسے کوئی گرا نہیں سکے گا۔ ہاں!) اگر میرے نشوونما دینے والے کے مقرر کردہ قانون کی بنا پر کوئی حادثہ رونما ہو جائے (مثلاً زلزلہ یا بے پناہ سیلاب یا کوئی اور تغیر) تو اس کے سامنے اس کی ہستی کچھ نہیں ہو گی۔ اس وقت یہ زمین کے ساتھ ہموار ہو جائے گی۔ اس لئے کہ میرے نشوونما دینے والے کا قانون اپنی جگہ اٹل ہے۔

۹۹ (ذوالقرنین نے ٹھیک کہا تھا۔ ایک زمانہ آئے گا کہ اس قسم کے موانعات اور روک تھام کے اسباب و ذرائع کچھ حقیقت نہیں رکھیں گے) یہ قومیں سمندر کی تلاطم انگیز موجوں کی طرح ایک دوسرے پر چڑھ دوڑیں گی (اور اس قسم کی رکاوٹیں ان کی یورشوں کے راستے میں قطعاً حائل نہیں ہو سکیں گی) جنگ کے بگل بجیں گے اور تمام قومیں (جنگ کے میدانوں میں) ایک دوسرے کے مقابلہ میں) اکٹھی ہو کر آ جائیں گی۔

۱۰۰ اس وقت ان لوگوں کے سامنے جنہوں نے ہمارے قوانین کی صداقت سے انکار کیا تھا جہنم کی عالمگیر تباہیاں نکھر اور ابھر کر آ جائیں گی۔

۱۰۱ اُن لوگوں کے سامنے جن کی آنکھوں پر ہمارے قوانین کی طرف سے پردے پڑ چکے تھے اور جن کے کانوں میں ان کی طرف سے گرانی آ چکی تھی۔ (اور وہ مملکتوں کا نظام قوانین خداوندی کے بجائے اپنے اپنے خود ساختہ قوانین و دساتیر کے مطابق چلاتے تھے جس کا لازمی نتیجہ تباہی اور بربادی کا جہنم تھا)۔

۱۰۲ (یہ حقائق بیان کرنے کے بعد تم ان لوگوں سے پوچھو کہ) جو لوگ ہمارے قوانین کی صداقت سے انکار کرتے ہیں کیا وہ اپنے ذہن میں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اگر بہت سے لوگ انکے

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ
صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذَٰلِكَ
جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ
الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾

رفیق اور کارساز بن جائیں (اور اس طرح اکثر قبائل اور اقوام غلط نظام پر متفق اور متحد ہو جائیں تو ہمارا قانون ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ یہ ان کی بھول ہے۔ غلط نظام زندگی کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا خواہ اسے تمام اقوام عالم بھی کیوں نہ اختیار کر لیں)۔ ہمارے قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے ان کے لئے جہنم کا عذاب تیار ہوتا ہے جو ان کی "مہمان نوازی" کرتا ہے۔

۱۰۳ (اِن، باطل کے نظام پر جمع ہو جانے والوں، سے کہو کہ) کیا ہم بتائیں کہ وہ کون ہیں جو اپنی سعی و عمل میں سخت نقصان میں رہتے ہیں؟

۱۰۴ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوششیں طبیعی زندگی کی مفاد کوشیوں میں ضائع ہو جاتی ہیں (اس لئے کہ وہ، اس زندگی کے ماورا، کسی اور زندگی کے قائل ہی نہیں)۔ اور وہ بزعم خویش سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ اپنی کاریگری سے بنا رہے ہیں، وہ بہت اچھا ہے۔

۱۰۵ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نشو و نما دینے والے کے قوانین زندگی سے انکار کرتے اور سرکشی برتتے ہیں، اور اس کا یقین ہی نہیں رکھتے کہ انہیں اُس کے قانونِ مکافات کا سامنا کرنا ہے۔ (یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی غلط روش سے کامیاب زندگی بسر کر لیں گے۔ ان کا یہ خیال خام ہے)۔ ان کی تمام تگ و تاز رائگاں جائے گی۔ (یعنی، ان کے اعمال سے وہ نتائج کبھی مرتب نہیں ہوں گے جو ان کے پیش نظر ہیں)۔ حتیٰ کہ ظہورِ نتائج کے وقت ان کے اعمال کا وزن معلوم کرنے کے لئے میزان تک کھڑی نہیں کی جائے گی۔ (وہ اپنی بے مائیگی کی شہادت آپ ہوں گے)۔

۱۰۶ یہ ہو گا تباہیوں کا وہ جہنم جو ان کے سامنے نمودار ہو جائے گا۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ ہمارے قوانین سے انکار کیا کرتے تھے ——— انکار ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ان قوانین کی، اور ان کے پیش کرنے والوں کی، ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

۱۰۷ ان کے برعکس، جو لوگ ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں گے اور ایسے کام کریں گے جن سے نظامِ کائنات اور خود ان کی سیرت و کردار سنور جائیں، تو ان کی مہمانی کے لئے فراخیوں اور

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ
وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ

کشادگیوں کا جنتی معاشرہ ہوگا ——— اِس دنیا میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی۔

۱۰۸ وہ اس میں رہیں گے' اور ایسی اطمینان کی زندگی بسر کریں گے کہ وہ وہاں سے منتقل ہونا نہیں چاہیں گے۔

۱۰۹ یہ سب کچھ خدا کے اُس نظام کے مطابق ہوگا جس کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ اگر سمندر' روشنائی بن جائے (اور زمین کے تمام درخت قلمیں۔ ۳۱/۲۷) تو سمندر کا پانی ختم ہوجائے لیکن میرے نشوونما دینے والے کے سامانِ ربوبیت کی حدود فراموش تفاصیل اور ان سے متعلق قوانین و دساتیر ختم نہ ہوں۔ اور اگر ان سمندروں کے ساتھ اور سمندروں کا اضافہ ہوجائے تب بھی وہ اس مقصد کے لئے کافی نہ ہوسکیں۔

۱۱۰ (یہ سب کچھ کہہ چکنے کے بعد اے رسول! ان پر اس حقیقت کو واضح الفاظ میں واشگاف کردو کہ یہ سب خدائے بلند و برتر کی کارفرمائی ہے۔ میری نہیں)۔ میری تو یہ کیفیت ہے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں' فرق صرف اتنا ہے کہ میری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ تمہارے لئے صاحب اقتدار و اختیار صرف خدا کی ذات ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ سو جو کوئی تم میں سے خدا کے قوانینِ مکافات کا سامنا کرنے کی امید رکھتا ہے' اسے چاہیئے کہ ایسے کام کرے جو نظامِ عالم کو سنواریں اور خود اس کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کا ذریعہ بن جائیں۔ اور سب سے بڑی اور بنیادی بات یہ کہ اطاعت اور محکومیت صرف اپنے نشوونما دینے والے کے قوانین کی اختیار کرے۔ اس میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔ (اس لئے کہ شرک' شرفِ انسانیت کے منافی ہے۔ شرک کے معنی یہ ہیں کہ انسان یا تو مظاہرِ فطرت میں سے کسی کو اپنے سے برتر سمجھے۔ یا خود انسانوں میں سے کسی انسان کو۔ سو یہ دونوں باتیں احترامِ آدمیت کے خلاف ہیں۔ فطرت کی قوتیں سب' انسان کے لئے مسخر کردی گئی ہیں' لہٰذا ان میں سے کسی کے سامنے جھکنا' مساجد کو مسجود بنالینا ہے۔ اور انسان' تمام کے تمام' انسان ہونے کی جہت سے برابر ہیں۔ لہٰذا کسی انسان کا دوسرے انسان کے سامنے جھکنا' انسانیت کی تذلیل ہے۔ انسان سے بلند صرف خدا کی ذات ہے۔ اس لئے جھکنا صرف اس کے قوانین کے سامنے چاہیئے۔ اس میں کسی اور کو شریک کرلینا' انسانیت کی توہین' لہٰذا ظلمِ عظیم ہے۔ ۲۵/۱۳۔ "ظلم" کے معنی ہیں کسی شے کو اسکے اصلی مقام پر نہ رکھنا۔ مظاہرِ فطرت' یا خود انسانوں میں سے کسی کو' انسان سے برتر سمجھ کر

عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

(۱۲ ع ۵ ۳)

خدائی اختیارات میں شریک کرلینا' اور خود اپنے آپ کو اس سے فروتر سمجھ لینا ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ توحید کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں 'خدا کے علاوہ' انسان سے برتر کوئی نہیں۔ لہٰذا اس کے سوا کسی کی محکومیت جائز نہیں)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ② اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ
وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ
مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ⑤ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ

---

① اللہ الکریم' الہادی' الحیّ' العلیم' البصیر کا ارشاد ہے کہ

② یہ اس رحمت و نوازش کا بیان ہے جو تیرے نشوونما دینے والے نے' اپنے بندے' زکریاؑ پر کی تھی۔

③ جب ایسا ہوا تھا کہ زکریاؑ نے اپنے نشوونما دینے والے کو انتہائی خاموشی سے پکارا (۳/۳۸)

④ اور کہا کہ اے میرے پروردگار! میں بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہوتا چلا جا رہا ہوں۔ میرے سر کے بال بالکل سفید ہو گئے ہیں۔ اے میرے نشوونما دینے والے! ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے تجھ سے کچھ مانگا ہو اور تو نے نہ دیا ہو۔ (تیری اس رحمتِ بے پایاں سے مجھے امید ہے کہ میری بڑھاپے کی یہ دعا بھی شرفِ قبولیت سے نوازی جائے گی)۔

⑤ (میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اس لئے بظاہر اب مجھے اولاد کا کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا۔ اور اولاد نہ ہونے کا مجھے غم اس لئے ہے کہ) ہمارے جدِ امجد حضرت یعقوبؑ کی برکات اور خصوصیات' اُس کے گھرانے میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی ہوئی' مجھ تک پہنچی ہیں۔ میرے بھائی بندوں میں کوئی اس قابل نہیں جو ان کا اہل ہو سکے۔ اس لئے مجھے ڈر ہے کہ وہ میرے بعد انہیں

⑥

يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ
سَمِيًّا ﴿٧﴾ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ
كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّي
آيَةً ۚ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾

ضائع کر دیں گے اور یہ سلسلہ آگے نہیں چل سکے گا۔ اس لئے میری دعا یہ ہے کہ تو اپنی جناب سے مجھے کوئی ایسا وارث عطا کر دے جو ان برکات و نعماء کا اہل بن سکے تاکہ میں انہیں اُس کے سپرد کر جاؤں۔ وہ ایسا ہونا چاہیئے جو اس منصب جلیلہ کے لئے ہر طرح سے موزوں' اور تیری نوازشات کا صحیح طور پر مستحق ہو۔

۷ (ہم نے اس کی دعا سن لی اور کہا کہ) اے زکریاؑ! ہم تمہیں ایک بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری دیتے ہیں۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام یحییٰؑ رکھنا۔ یہ ایسا لڑکا ہو گا جس کی نظیر (تمہارے خاندان میں) نہیں ملے گی (۱۹/۶۵)۔

۸ (زکریاؑ اس خوشخبری سے خوش تو ہو گیا' لیکن جب اسے اپنے طبیعی موانعات کا خیال آیا تو' اپنے اطمینان کی خاطر[1] کہا کہ) اے میرے نشوونما دینے والے! میرے ہاں اب لڑکا کس طرح پیدا ہو گا جبکہ میں بہت زیادہ عمر رسیدہ ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ (کیا وہ بیٹا خود میرے ہاں پیدا ہو گا یا کسی اور کا لڑکا مجھے مل جائے گا جسے میں اپنا بیٹا بنا لوں گا' جس طرح مریم بچی میری کفالت میں دیدی گئی ہے۔ ۳/۳۷)۔

۹ خدا نے کہا کہ (نہیں! خود تیرے ہاں بیٹا پیدا ہو گا اور) اسی طرح ہو گا جس طرح لوگوں کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں۔ تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ بڑھاپے میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کا بیدار ہو جانا' ہمارے قانون کی رو سے مستبعد نہیں۔ ہمارے جس قانون نے اس سے پہلے خود تجھے پیدا کیا' حالانکہ تیری ہستی کا نام و نشان بھی نہیں تھا (وہ بڑھاپے میں کسی کو صاحب اولاد کیوں نہیں کر سکتا)۔

۱۰ زکریاؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میرے لئے اس باب میں کوئی خاص حکم ہو تو ارشاد

---

[1] جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے یقین محکم کے باوجود اپنے اطمینان کے لئے دریافت کیا تھا۔ (۲/۲۶۰)۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ
الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ
يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ
انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۡ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا
بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾

فرمادیجئے۔ خدا نے کہا کہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ تم مسلسل تین دن اور رات (کا روزہ رکھ لو (۳/۴۰) اور جیسا کہ روزے میں ہوتا ہے) لوگوں سے بات چیت نہ کرو (۱۹/۲۶)۔

۱۰ اس کے بعد زکریا قربانگاہ سے نکلا اور جو لوگ اس کی اقتدا میں خدمات سرانجام دینے کیلئے ہیکل میں جمع تھے ان سے اشارہ سے کہا کہ (میری ہدایات کا انتظار نہ کرو بلکہ) معمول کے مطابق صبح شام اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے رہو۔

۱۲ (چنانچہ اس خوشخبری کے مطابق یحییٰ کی پیدائش ہوئی)۔ ہم نے اُسے چھوٹی عمر میں ہی ایسی ذہانت عطا کر دی تھی کہ وہ معاملات کے فیصلے نہایت عمدگی سے کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے اسے اپنی نوازش سے دلِ درد آشنا عطا کیا تھا۔ (بڑا ہوا تو) ہم نے اس سے کہا کہ وہ قانون خداوندی کی اطاعت ۱۳ محکم طور پر کرے۔ چنانچہ اس نے اس کے مطابق اپنی نگہداشت اس انداز سے کی اور ایسی پاکیزہ زندگی بسر کی کہ اس کی انسانی صلاحیتیں نہایت عمدگی سے نشوونما پاتی چلی گئیں۔

۱۴ علاوہ بریں وہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے لئے اپنے دل میں بڑی کشادگی رکھتا تھا۔ ان سے حسن سلوک سے پیش آتا تھا اور سخت گیر یا سرکش نہیں تھا۔

۱۵ (یہ تھیں وہ خوبیاں جن کا مالک وہ بچہ بنا)۔ اس کی پیدائش بھی ہر قسم کے نقص سے مبرّا تھی (یعنی بڑھاپے کی اولاد ہونے کے باوجود وہ صحیح وسلامت اور تندرست وتوانا پیدا ہوا)۔ اس کی موت بھی سلامتی در آغوش تھی۔ اور حیات اخروی میں بھی اس کے لئے سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔

زکریا اسی قسم کا بچہ چاہتا تھا۔

۱۰ اے رسول! اب تو اس کتاب (قرآن) میں لوگوں سے مریم کا قصہ بیان کر اور سلسلۂ کلام کا آغاز اس وقت سے کر جب وہ خانقاہیت کی زندگی کو چھوڑ کر (اپنے گاؤں ناصرہ میں) چلی گئی تھی جو (وہاں سے) مشرق کی سمت واقع تھا۔

۱۷ (خانقاہیت کی زندگی اور وہاں کے ناخوش آیند واقعات نے اس کے دل پر ایسا اثر چھوڑا تھا

قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾
قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ
آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

کہ وہ) وہاں بھی لوگوں سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ ہم نے (ان اثرات کو مٹانے کے لئے' اسے زندگی کے خوشگوار پہلوؤں کے متعلق) تقویت بخش اشارہ کیا (جو اس کے خواب میں) ایک اچھے بھلے انسان کی شکل میں سامنے آیا۔

۱۸ (مریم اسے دیکھ کر گھبرائی اور اس سے) کہا کہ اگر تو خدا کے قانون کا احترام کرتا ہے' تو میں تجھ سے خدائے رحمان کی پناہ میں آجانا چاہتی ہوں۔

۱۹ اس نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں تو تیرے نشوونما دینے والے کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں (۳/۴۶)۔ اور وہ پیغام یہ ہے کہ وہ تجھے نہایت عمدہ نشوونما یافتہ بچہ عطا کرے گا۔

۲۰ اس پر مریم نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب تک میں ہیکل میں رہی' پاک باز راہبہ کی زندگی بسر کی۔ وہاں کسی انسان نے مجھے چھوا تک نہیں۔ وہاں سے نکلی ہوں تو میں نے شادی نہیں کی کیونکہ یہ چیز ضابطۂ خانقاہیت کے خلاف ہے۔ (۳/۴۶؛ ۱۹/۲۸)۔

۲۱ اس نے کہا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ قانونِ تخلیق کے مطابق ہی ہوگا (۳/۴۶)۔ یہ اس کے نزدیک کچھ بھی مشکل نہیں (کہ جو موانعات تیرے ذہن میں ہیں' اور تمہیں اس طرح پریشان کر رہے ہیں' انہیں دور کر دے ۱۹/۹)۔ خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ بچہ عام بچوں جیسا نہیں ہوگا۔ وہ ہماری طرف سے لوگوں کے لئے' موجب رحمت اور حق و باطل کے پرکھنے کی نشانی ہوگا۔ (جو شخص اس کی نبوت پر ایمان لائے گا' وہ حق پر سمجھا جائے گا۔ جو اس سے انکار کرے گا' وہ باطل پر ہوگا)۔ اور یہ بات طے شدہ ہے (کہ وہ بچہ ہمارا پیغمبر بنے گا (۳/۴۷)۔

۲۲ (چنانچہ رفتہ رفتہ وہ موانع دور ہوتے گئے۔ ادھر مریم کے دل سے خانقاہیت کی غلط رسم کی خلاف ورزی کا خوف دور ہو گیا۔ ادھر ایک شخص' ہیکل کے احبار و رہبان کی تنبیہ و تخویف کے باوجود' مریم کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہو گیا)۔ مریم کو ہونے والے بچے کا حمل قرار پا گیا۔ اس پر ان دونوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ گاؤں سے کہیں دور چلے جائیں (تاکہ بچے کی ولادت کسی ایسی جگہ ہو جہاں ان کی جان پہچان کا کوئی نہ ہو' اور یوں وہ احبار و رہبان کے طعن و تشنیع کے نشتروں سے محفوظ رہیں)۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ
تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾
فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ
الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۚ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ

---

۲۳ وضع حمل کا وقت آیا تو دردِ زہ کا اضطراب مریم کو ایک کھجور کے درخت کی طرف لے گیا۔ آئین خانقاہیت کے خلاف تناہل زندگی۔ پہلے بچے کی ولادت۔ پردیس کا معاملہ۔ بے سروسامانی کا یہ عالم کہ سر پر چھت تک بھی نہیں۔ مریم گھبرا گئی۔ اور کہنے لگی کہ، اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہو چکی ہوتی!

۲۴ (اس کرب و یاس کے عالم میں اُسے اُس مقام کے نشیب کی طرف سے آواز آئی کہ اے مریم! گھبراؤ نہیں۔ اس طرف ایک (خوشگوار) پانی کی ندی ہے۔ (اور اوپر) کھجور کے درخت میں پکی ہوئی کھجوروں کے خوشے لٹک رہے ہیں

۲۵ تو اس پیڑ کی شاخ کو زور سے ہلا۔ تازہ اور پکی ہوئی کھجوریں تیرے قریب جھڑ پڑیں گی۔

۲۶ تو ان تازہ کھجوروں کو کھا۔ ندی کا ٹھنڈا پانی پی (پھر بچے کے نظارے سے) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ (باقی رہا تیرا یہ اضطراب کہ لوگوں کی باتوں کا کیا جواب دوں گی تو تم منت کا روزہ رکھ لینا) اور اگر کوئی آدمی تجھ سے کچھ پوچھے تو اشارہ سے کہہ دینا کہ میں نے خدائے رحمٰن کے لئے اپنے اوپر روزہ واجب کر رکھا ہے اس لئے میں آج کسی شخص سے بات چیت نہیں کر سکتی۔

۲۷ (اس طرح عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی۔ میاں بیوی اس بچے کو لے کر کسی دُور مقام میں جا بسے۔ وہ بڑا ہوا۔ شرفِ نبوت سے سرفراز کیا گیا تو اس کی والدہ اسے ساتھ لے کر اپنے وطن میں واپس آئی۔ (ایک تو لوگوں کے نزدیک مریم کی یہ حرکت ہی کچھ کم قابلِ اعتراض نہ تھی کہ اس نے راہبہ بن جانے کے بعد ہیکل کے ضابطہ کے خلاف اس طرح متاہل زندگی بسر کرنی شروع کر دی تھی۔ اس پر علیحدگی کی طرف سے احبار و رہبان کی خود ساختہ شریعت اور ان کی سیرت و کردار کے خلاف سختی سے نکتہ چینی ہوتی تھی)۔ چنانچہ وہ لوگ مریم سے کہتے کہ تم نے پہلے خود بھی عجیب و غریب حرکت کی اور اس کے بعد اس قسم کا انوکھا بیٹا لے کر آ گئی!

۲۸ وہ اُس سے کہتے کہ اے اُختِ ہارون! نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا۔ نہ ہی تیری ماں نے کبھی

سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّيْ
عَبْدُ اللّٰهِ ۖ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ
مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ
اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾

ہیکل کے قوانین وضوابط سے سرکشی اختیار کی تھی۔ (تم تو ایک شریف' مذہب پرست' پابند شریعت گھرانے کی لڑکی تھیں۔ تم نے یہ کیا کیا' اور اپنے بیٹے کو کس قسم کی تعلیم دلائی؟)۔

۲۹ اس کے جواب میں وہ خود کچھ نہ کہتی بلکہ عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کر دیتی کہ اپنی بات کا جواب اس سے لو۔ (بوڑھے احبار ورہبان' اپنی پیشوائیت کے گھمنڈ میں' نہایت نخوت وتکبر سے کہتے کہ) کیا ہم اس سے بات کریں جو ابھی کل تک جھولا جھولتا تھا!

۳۰ اس پر عیسیٰؑ ان سے کہتے کہ (یہ بھی کوئی انصاف کی بات ہے کہ چونکہ تم عمر میں بڑے ہو اس لئے تمہاری ہر بات کو سند تسلیم کر لیا جائے' اور میں عمر میں چھوٹا ہوں اس لئے تم مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہ کرو۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اسے بگوش ہوش سنو میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور منصب نبوت پر سرفراز فرمایا ہے۔

۳۱ اس نے مجھے' زندگی کے ہر گوشے میں بابرکت بنایا ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں (تمہاری خود ساختہ شریعت کی جگہ) صلوٰۃ وزکوٰۃ کا صحیح نظام قائم کروں۔ اور عمر بھر میرا یہی شعار رہے۔

۳۲ (تم میری والدہ کے خلاف اس طرح زبان درازی کرتے ہو؟ اس نے جو کچھ کیا ہے خدا کی سچی شریعت کے عین مطابق کیا ہے۔ اس لئے) میں اس سے ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آؤنگا۔ میں (معاذ اللہ) ایسا شقی وبدبخت نہیں کہ (تمہارے پیچھے لگ کر ایک بے گناہ خاتون سے سختی سے پیش آؤں)۔

۳۳ (تم میری پیدائش کو بھی قابل اعتراض قرار دیتے ہو! یہ تمہاری خود ساختہ شریعت کا فیصلہ ہے۔ میں جس خدا کا پیغام لے کر آیا ہوں' اس کے نزدیک) میری پیدائش بھی سلامتی کی مظہر ہے۔ میری ساری زندگی' آخری دم تک' سلامتی کی حامل ہوگی۔ اور حیات اخروی میں بھی میں امن وسلامتی میں ہونگا۔

۳۴ یہ ہے عیسیٰؑ ابن مریم کی صحیح صحیح سرگذشت جس کے بارے میں یہ لوگ اس قدر اختلاف

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۳۵ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ
رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۳۶ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۳۷ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۸ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ
الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۹ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا
يُرْجَعُوْنَ ۝۴۰

(۲ ع ۲۵ ۵)

کر رہے ہیں (کہ ایک گروہ 'یہود' اگر تفریط کی طرف' اس کی پیدائش تک کو قابلِ اعتراض ٹھیرا رہا ہے' تو دوسرا گروہ 'عیسائی' افراط کی طرف' اسے خدا کا بیٹا قرار دے رہا ہے)۔

۳۵ یہ بات خدا کے شایانِ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے (تاکہ وہ کاروبارِ خداوندی میں اس کا ہاتھ بٹائے)۔ وہ اس سے بہت بلند ہے۔ اس کی قوتوں کا تو یہ عالم ہے کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے' تو وہ حکم کرتا ہے کہ ہو جا' اور وہ ہو جاتا ہے۔ (اُسے اپنے ارادے اور احکام کو بروئے کار لانے کے لئے کسی مددگار کی ضرورت نہیں پڑتی)۔

۳۶ (باقی رہا ان کا یہ عقیدہ کہ مسیح خود خدا تھا' تو اس کی تردید کے لئے اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے کہ خود مسیحؑ کی دعوت یہ تھی کہ میرا اور تمہارا' سب کا نشوونما دینے والا' اللہ ہے۔ سو تم سب اس کی محکومیت اختیار کرو۔ یہ ہے زندگی کی صحیح' سیدھی اور متوازن راہ (۳/۵۰)۔

۳۷ اُس کی تعلیم تو یہ تھی' لیکن اُس کے بعد' اس کے متبعین میں سے) مختلف فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ سو جن لوگوں نے اصل حقیقت سے انکار کیا ہے' ان پر بیحد افسوس ہے۔ اُن کی اُس دن کیا حالت ہو گی جب حقیقتِ حال مشہود ہو کر سامنے آجائے گی۔ وہ وقت ان کے لئے بڑا ہی سخت ہو گا۔

۳۸ (آج تو یہ لوگ 'خدا کے ایک رسول کو خود خدا' یا اس کا بیٹا' بنا کر اس قدر ظلم کر رہے ہیں' اور حقیقت سے آنکھیں بند کئے' غلط راستے پر چلے جا رہے ہیں' لیکن اعمال کے ظہور ستانج کے دن یہ ایسا نہیں کر سکینگے۔ اُس وقت اِن کے کان کیسے سننے والے اور ان کی آنکھیں کیسی دیکھنے والی بن جائیں گی! (۵۰/۲۲)۔

۳۹ (اے رسول!) تم انہیں' اُس آنے والے وقت سے خبردار کر دو۔ وہ کس قدر پچھتاوے کا دن ہو گا جب تمام معاملات کے فیصلے ہو جائیں گے۔ اِس وقت یہ لوگ اپنے مآل کی طرف سے بالکل غافل ہیں' اسلئے ان باتوں کا یقین نہیں کرتے۔

۴۰ (اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی حکومت اور سلطنت کے نشے میں بدمست ہیں۔ لیکن انہیں

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۘ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ
وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰٓاَبَتِ
لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ
الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ

معلوم ہونا چاہیئے کہ زمین اور جو کچھ اس پر ہے —— وہ انسان ہوں یا دیگر مخلوق —— اس سب کے مالک ہم ہیں۔ اور تمام امور ہمارے قانونِ مکافات کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اس کے باہر نہیں رہ سکتے۔ (حکومت اور سلطنت بھی اُسی قانون کے مطابق ملتی اور چھنتی ہے۔ ۲۱/۱۰۵)

۴۱ (اے رسول!) اب تو اس کتاب (قرآن) میں ابراہیمؑ کی سرگزشت بیان کر۔ یقیناً وہ سچائی کا مجسمہ اور خدا کا نبی تھا۔

۴۲ (اس سرگزشت کا آغاز اُس وقت سے کر دے) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ تو نے ایک ایسی چیز کی پرستش کیوں اختیار کر رکھی ہے جو نہ سُن سکتی ہے نہ دیکھ سکتی ہے۔ اور نہ ہی تیرے کسی کام آسکتی ہے!

۴۳ اس نے کہا تھا کہ اے میرے باپ! حقیقت یہ ہے کہ مجھے علم کی ایک ایسی روشنی مل گئی ہے جس سے تو محروم ہے۔ لہٰذا (تو اس خیال کو چھوڑ دے کہ بیٹے کو باپ کے پیچھے چلنا چاہیئے) باپ کو بیٹے کے پیچھے نہیں چلنا چاہیئے۔ باپ ہو یا بیٹا، ہر ایک کو صداقت کے پیچھے چلنا چاہیئے۔ اور چونکہ میں حق و صداقت پر ہوں اس لئے تمہیں میرا اتباع کرنا چاہیئے۔ میں تمہیں زندگی کی وہ راہ دکھادوں گا جو تمہیں سیدھی منزلِ مقصود تک پہنچا دے گی۔

۴۴ اے میرے باپ! تو ان غیر خدائی سرکش قوتوں کی اطاعت کیوں کرتا ہے جنہوں نے خدائے رحمٰن سے بغاوت اختیار کر رکھی ہے؟

۴۵ اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تجھ پر خدا کی طرف سے کوئی عذاب آجائے اور تو بھی ان سرکشوں کا ساتھی بن کر خدا کی رحمتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم رہ جائے۔

۴۶ (ابراہیمؑ کا باپ یہ کچھ سن رہا تھا اور غصے سے اس کا خون کھول رہا تھا۔ بالآخر) اس نے کہا کہ اے ابراہیمؑ! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ (کیا تو اپنے آبائی مذہب و مسلک سے برگشتہ ہو گیا ہے؟) اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو یاد رکھ! میں تجھے دھتکار دوں گا۔ (اور

وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ
اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ
وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ
عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾

اِس طرح تو ان تمام مناصب واملاک سے جو تجھے مجھ سے ورثہ میں ملنے والی ہیں محروم رہ جائے گا۔ اگر تو اپنی خیر چاہتا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے سے دور ہو جا۔ اور اُس وقت تک میرے سامنے نہ آ (جب تک تو اپنے ان خیالات سے باز نہ آجائے)۔

۴۷ ابراہیمؑ نے (اس سخت کلامی کا جواب نہایت نرمی سے دیا اور کہا کہ) خدا آپ کو (صحیح راستے کی طرف ہدایت کر کے) امن و سلامتی میں رکھے۔ میں اپنے پروردگار سے دعا کرتا رہوں گا کہ وہ آپکو (ایمان عطا کر کے کفر کی تباہیوں سے) محفوظ رکھے۔ وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میرے حال پر اس کی عنایات بے پایاں ہیں۔

۴۸ (باقی رہا آپ کا یہ کہنا کہ یا میں حق کی بات کہنا چھوڑ دوں یا آپ سے الگ ہو جاؤں تو میرے لئے اس میں سوچنے کی بات ہی کچھ نہیں۔ میں حق کی دعوت کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ اس لئے) میں آپ سب کو بھی چھوڑتا ہوں۔ اور انہیں بھی جنہیں آپ خدا کے سوا پکارتے ہیں۔ میں صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر (زندگی اور اس کی کامرانیوں سے) محروم نہیں رہوں گا۔ (لہٰذا، مجھے آپ کی اس دھمکی کی بھی کچھ پرواہ نہیں کہ اس طرح میں ان مناصب و املاک سے محروم کر دیا جاؤں گا جن کا میں وارث بننے والا تھا ۶۰/۴۰)۔

۴۹ چنانچہ وہ اپنے اہل خاندان کو، اور ان کے معبودوں کو چھوڑ کر الگ ہو گیا (اور شام کے علاقے میں جا بسا۔ وہاں) ہم نے اسے اسحٰقؑ جیسا بیٹا اور (اس کے بعد) یعقوبؑ جیسا پوتا عطا کیا۔ اور ان سب کو ہم نے شرفِ نبوت سے سرفراز کیا۔

۵۰ اور انہیں اپنے ہاں سے زندگی کی تمام نعمتیں عطا کیں۔ اور ان کی زبانوں سے ایسی صدائیں بلند کرائیں جو صداقتوں اور رفعتوں کی علمبردار تھیں۔ (اور جن کی بدولت خود ان کا نام بھی دنیا میں روشن اور بلند ہے)۔

۵۱ (اسی طرح، اے رسول!) تو اس کتاب (قرآن) میں، موسیٰؑ کی سرگذشت بیان کر

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾
وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ
وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ
مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ
وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا
وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾

وہ بڑا مخلص انسان اور ہمارا فرستادہ نبی تھا۔

۵۲ اور ہم نے اُسے کوہ طور کی دائیں جانب سے پکارا اور وحی کے سربستہ راز بتانے کے لئے اپنے قریب کرلیا۔

۵۳ اور اسے اپنی عنایت سے ہارونؑ جیسا بھائی عطا فرمایا جو خود بھی نبی تھا۔

۵۴ (اسی طرح) قرآن میں اسمٰعیلؑ کی سرگذشت بیان کر (جو سلسلۂ بنی اسرائیل سے الگ دوسری شاخ ابراھیمیؑ کا مورث تھا)۔ وہ اپنے قول کا سچا اور ہمارا بھیجا ہوا نبی تھا۔

۵۵ وہ اپنے ساتھیوں کو صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی تلقین کرتا تھا (کہ یہی نظام خداوندی کے ستون ہیں)۔ اور وہ اپنے نشوونما دینے والے کے قوانین سے یکسر ہم آہنگ تھا۔

۵۶ (اسی طرح اے رسول!) تو قرآن میں ادریسؑ کی سرگذشت بیان کر۔ وہ بھی بڑا سچا نبی تھا۔

۵۷ اور ہم نے اسے بہت بلند مرتبہ عطا کیا تھا (۴/۱۵۸)۔

۵۸ یہ سب زمرۂ انبیاء میں شامل ہیں۔ انہیں خدا نے اپنی نعمتوں سے نوازا تھا۔ یہ سب نسلِ آدم سے (یعنی انسان) تھے۔ اور اُن لوگوں کی نسل سے جنہیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کرایا تھا۔ اور ابراھیمؑ اور اسرائیل (یعنی یعقوبؑ) کی نسل سے۔ انہیں ہم نے صحیح راہ نمائی عطا کی تھی اور (منصب نبوت کے لئے) چن لیا تھا۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ جب ان کے سامنے قوانینِ خداوندی آتے تو وہ دل کے پورے گداز کے ساتھ (علیٰ وجہ البصیرت ۲۵/۷۳) ان کے سامنے جھک جاتے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ
إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلٰمًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ
مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
نَسِيًّا ﴿۶۴﴾

---

۵۹ (یہ لوگ تو ان خصوصیات کے حامل تھے۔ لیکن) ان کے بعد ایسے ناخلف اُن کے جانشین ہوئے کہ انہوں نے نظامِ صلوٰۃ کو ضائع کر دیا یعنی (قوانین خداوندی کے اتباع کے بجائے) اپنے اپنے مفاد اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے۔ (اب ان کے لئے پھر ایک موقعہ آیا ہے۔ اگر انہوں نے اسے بھی کھو دیا تو یہ بہت جلد اپنی) ہلاکت کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ لیں گے۔

۶۰ لیکن ان میں سے جو لوگ اپنی غلط روش سے ہٹ کر اس ضابطۂ خداوندی پر ایمان لے آئیں گے اور اس کے بتلائے ہوئے صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوں گے جس سے انسانیت کے بگڑے ہوئے کام سنور جائیں گے' تو وہ اس دنیا میں بھی جنتی معاشرہ میں داخل ہو جائیں گے اور بعد کی زندگی میں بھی۔ اور ان کے اعمال کے بدلے میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

۶۱ اس دنیا کا جنتی معاشرہ (اس پروگرام کے ابتدائی مراحل میں) نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہے (۲/۳) اور جہاں تک اُخروی جنت کا تعلق ہے' وہ اس دنیاوی زندگی میں سامنے آ نہیں سکتی۔ لیکن اس بات کا وعدہ خدائے رحمٰن نے کر رکھا ہے (کہ ایمان و اعمال صالحہ کا لازمی نتیجہ' دنیا اور آخرت دونوں میں' جنتی زندگی ہے) اور خدا کے وعدے کے متعلق تو یوں سمجھئے جیسے وہ وقوع میں آ ہی گیا۔ یعنی ایسا یقینی کہ اس کے واقع ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

۶۲ اس معاشرہ میں کوئی ناشائستہ بات۔ کسی قسم کا بے مقصد شور و شغب یا بے نتیجہ ہنگامہ آرائی نہیں ہوگی۔ اس میں ہر بات' انسانی ذات کی تکمیل کا ذریعہ' اور انسانیت کے لئے موجب امن و سلامتی ہوگی۔ اور ہر ایک کو سامان نشوونما مسلسل اور متواتر ملتا رہے گا۔

۶۳ یہ ہے وہ جنت جس کا وارث' ہم' اپنے بندوں میں سے اُسے بناتے ہیں' جو ہمارے قوانین کی نگہداشت کر کے' زندگی کی تباہیوں سے بچ جائے۔

۶۴ (اس قسم کے لوگوں پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو ان تک' ان کے اعمال کے نتائج کی

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا
مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ
لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى
الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾

خوشخبریاں پہنچاتے ہیں۔ (۴۱/۳۱)۔ اور ان سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہارے نشوونما دینے والے کے حکم کے مطابق نازل ہوتے ہیں۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے۔ اور جو کچھ ہم نے پیچھے چھوڑا ہے۔ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (یعنی ماضی۔ حال اور مستقبل میں' جو کچھ تم نے کیا ہے' سب نوشتۂ خداوندی میں محفوظ ہے)۔ اس میں کسی قسم کی فروگزاشت کا امکان نہیں۔

۶۵ (اے رسول! یہ اُس خدا کا قانونِ مکافات ہے جو) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کا' اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' سب کا نشوونما دینے والا ہے۔ اسی کو حق پہنچتا ہے کہ اس کی محکومیت اختیار کی جائے) لہٰذا تو بھی اس کی محکومیت اختیار کر' اور اس پر ثبات اور استقامت سے جمارہ۔ کیا تیرے علم میں کوئی اور بھی ہے جو اُس جیسا ہو؟ (قطعاً نہیں۔ اس کا مثیل و نظیر کوئی نہیں)۔

۶۶ (ذرا اس پر غور کرو کہ قانونِ مکافات سے جی چرانے والا) انسان یہ کہتا ہے کہ کیا' جب میں مرجاؤں گا تو پھر دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جاؤں گا؟

۶۷ کیا اُسے یہ بات یاد نہیں رہتی کہ ہم اُسے' اس سے قبل پیدا کرچکے ہیں درآنحالیکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ (سو جو خدا' انسان کو عدم سے وجود میں لاسکتا ہے' اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اسے' اس کی طبیعی موت کے بعد' حیاتِ نو عطا کردے!)۔

۶۸ (حیاتِ آخرت سے انکار' درحقیقت' خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل سے انکار پر مبنی ہوتا ہے۔ اس سے' ان لوگوں کے دل میں یہ زعمِ باطل پیدا ہوجاتا ہے کہ ہم جو جی میں آئے کرتے رہیں' ہم پر گرفت کرنے والا کوئی نہیں۔ سو اے رسول! تو ان لوگوں سے کہدے کہ مرنے کے بعد کی زندگی کا عذاب تو ایک طرف' تم اسی دنیا میں دیکھ لوگے کہ خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت کیسی سخت ہوتی ہے)۔ ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہم انہیں اور ان کے باغی سرغنوں کو گھیر کر (جنگ کے میدانوں میں) اکٹھا کریں گے اور انہیں گھٹنوں کے بل جھکائے ہوئے ذلت و خواری کے جہنم کے گرد لاکھڑا کریں گے (۱۹/۷۲)۔ (اسکے بعد انکی یہی حالت اُخروی زندگی میں بھی ہوگی)۔

۶۹ پھر ان کی مختلف پارٹیوں کے سرغنوں کو' جو خدائے رحمٰن کے نظام کی مخالفت میں سب سے

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾
ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا
وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا
السَّاعَةَ ۚ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ﴿٧٥﴾

زیادہ متشدد تھے' باقیوں سے الگ کرلیا جائے گا۔

۷۰ ہم خوب جانتے ہیں کہ ان میں سے کون کون' عذابِ جہنم کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

۷۱ (لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جہنم میں صرف ان کے سر غنے ہی جائیں گے۔ ان سے کہدو کہ) تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کے عذاب سے بچ جائے گا۔ (یہ سب مجرم ہیں' اس لئے ان سب کو وہاں ہانک کرلایا جائے گا۔ ۱۹/۸۶ ؛ ۲۱/۹۹)۔ یہ بات' تیرے نشوونما دینے والے کے قانونِ مکافات کی رُو سے طے پاچکی ہے۔

۷۲ البتہ متقیوں کو اس سے محفوظ رکھا جائے گا۔ (وہ اس سے اتنی دور رہیں گے کہ اس کی آواز تک بھی ان کے کانوں میں نہیں آئے گی۔ ۲۱/۱۰۱)۔ اور وہ لوگ جو اس وقت قوانین خداوندی سے سرکشی برت رہے ہیں' اُس میں ذلت وخواری کی زندگی بسر کریں گے۔ (اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)۔

۷۳ ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے قرآنی احکام وقوانین پیش کئے جاتے ہیں تو یہ جماعتِ مومنین سے کہتے ہیں کہ تم یہ بتاؤ کہ ہم دونوں پارٹیوں میں سے کونسی ایسی ہے جس کی پوزیشن اعلیٰ اور جس کی محفل زیادہ آراستہ پیراستہ ہے۔ (بس اسی سے سمجھ لو کہ کون صحیح راستے پر ہے اور کون غلط راہ پر!)۔

۷۴ (اس میں شبہ نہیں کہ نظام خداوندی کے قیام کے ابتدائی مراحل میں جماعتِ مومنین کی حالت کمزور ہے اور مخالفین کے پاس دولت وثروت زیادہ ہے۔ لیکن انہیں اس کا علم نہیں کہ) ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو تباہ کرچکے ہیں جو ان سے کہیں بہتر ساز وسامان رکھتی تھیں اور انکی نمود ونمائش بھی ان سے کہیں زیادہ تھی۔

۷۵ ان سے کہدو کہ (یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت تمہارے پاس قوت اور دولت زیادہ ہے' لیکن

وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ أَفَرَءَيْتَ
الَّذِي كَفَرَ بِـَٔايٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ۚ
سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾

خدا کا قانون یہ ہے کہ) جو لوگ غلط راستہ اختیار کرتے ہیں (انہیں فوراً نہیں پکڑ لیا جاتا)۔ انہیں مہلت دی جاتی ہے' حتیٰ کہ وہ اس تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں جس کی بابت ان سے کہا جاتا تھا ——— پہلے ہلکی سی سزا (تاکہ وہ اپنی روش سے باز آجائیں۔ اور اگر وہ اس پر بھی باز نہ آئیں تو) پھر انقلاب کا ہلاکت انگیز عذاب۔

(اسی قانون کے مطابق یہ مخالفین بھی) عنقریب جان لیں گے کہ کس کی پوزیشن بدتر ہے اور کس کا جتھہ کمزور!

۷۶ (ان کے برعکس) جو لوگ صحیح روشِ زندگی اختیار کرتے ہیں' خدا کا قانونِ ہدایت ان پر فلاح و کامرانی کی راہیں اور کشادہ کئے چلا جاتا ہے۔ (اس حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھو کہ) ناقابلِ تغیر اور باقی رہنے والا سامانِ حیات وہی ہے جس سے' خدا کے قانونِ ربوبیت کے مطابق' انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس نظام کے قیام و استحکام میں جو کچھ صرف کیا جاتا ہے' یہ اس کا بہترین بدلہ ہوتا ہے' اور انجام کار یہی سب سے زیادہ نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ (اس لئے انسان کی نگاہ' مفادِ عاجلہ کی بجائے' ہمیشہ کاروبارِ حیات کے انجام کی منفعت پر رہنی چاہیئے)۔

۷۷ اس اصولِ زندگی سے انکار کرنے والے کو (جب مفادِ عاجلہ حاصل ہو جاتے ہیں تو وہ) اس فریب میں مبتلا رہتا ہے کہ اسے مال و دولت بھی فراواں ملتا رہے گا اور اس کی اولاد (اور جتھہ) کی بھی کثرت ہوگی (اور اس کی یہ حالت ہمیشہ ایسے ہی رہے گی)۔

۷۸ (اس سے پوچھو کہ) کیا اُسے' اس باب میں کہیں سے غیب کا علم حاصل ہو گیا ہے یا اس نے خدائے رحمٰن سے کوئی اقرار نامہ لکھوا رکھا ہے۔

۷۹ (یاد رکھو!) یہ جو کچھ کہتا' یا سمجھتا ہے' بالکل غلط ہے۔ ہم اس کی ایک ایک بات کو لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس وقت' اس کی مہلت کی رسّی کو دراز کئے جا رہے ہیں۔

۸۰ (جب یہ مہلت کا وقفہ ختم ہو جائے گا تو یہ دیکھ لے گا کہ جس مال اور اولاد کے زعم پر یہ اس طرح بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہا ہے) اس کے ہم ہی وارث ہوں گے۔ اور وہ ہمارے سامنے بالکل تنہا آئے گا۔ (یعنی اس کی تمام اضافی چیزیں موت کے ساتھ ختم ہو جائیں گی اور جیسا کچھ وہ اعمال کی بدولت

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾
اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ
الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ
اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿٨٩﴾

بن چکا ہے' وہ ہمارے سامنے آجائے گا۔ جو کچھ اس کا ہے' پیچھے رہ جائے گا۔ اور جو کچھ وہ خود ہے' اگلی دنیا میں آجائے گا۔ ($\frac{19}{95}$; $\frac{6}{95}$)۔

۸۱ اور ان لوگوں نے 'خدا کے سوا' اوروں کو بھی صاحب اقتدار تسلیم کر رکھا ہے تاکہ وہ ان کے لئے تقویت کا موجب بنیں۔

۸۲ (ان سے کہدو کہ ان کا یہ خیال بھی خام ہے)۔ جن کی یہ (اس خیال سے) محکومیت اختیار کئے ہیں' وقت آنے پر وہ ان کی اطاعت گزاری ہی سے انکار کر دیں گے اور (ان کے لئے موجب تقویت ہونے کے بجائے' الٹے) ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

۸۳ اصل یہ ہے کہ ان کی مفاد پرستیوں کے جذبات' اور ان کے سرغنے' ان کے اعصاب پر بری طرح سوار ہو چکے ہیں' اور انہیں' اس نظام حق و صداقت کی مخالفت پر اکساتے رہتے ہیں۔

۸۴ (سو ان کی تباہی میں جو دیر ہو رہی ہے' تو) اس باب میں تو جلدی نہ کر۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ ہم (اپنے قانون مہلت کے مطابق) ان کے دن گن رہے ہیں۔

۸۵ (وہ وقت عنقریب آنے والا ہے) جب ہم متقیوں کو' اپنے ہاں' عزت و رفعت' اور حصول عطایا و نوازشات کے لئے' نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ جمع کریں گے۔

۸۶ اور مجرمین کو اس طرح جہنم کی طرف ہنکائیں گے' جس طرح پیاسے جانوروں کو گھاٹ کی طرف ہنکایا جاتا ہے۔ (ہنکایا کیا جاتا ہے' ان کی تپش دروں انہیں خود کشاں کشاں اسکی طرف لے جاتی ہے؛)۔

۸۷ اس دن کوئی کسی کے ساتھ کھڑا نہیں ہوگا' سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے' اپنے آپ کو خدائے رحمٰن کے قانون کے سررشتہ سے باندھ رکھا ہے (اور اس طرح' ایک دوسرے کے رفیق دیاور بن گئے ہیں)۔

۸۸ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے (مسیح ابن مریم کو) اپنا بیٹا بنا رکھا ہے (اور وہ ہمارے گناہوں کو بخشوا دے گا)۔

۸۹ (ان سے کہو کہ) یہ کس قدر خطرناک بات ہے جو تم نے گھڑ رکھی ہے!

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾
وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾
لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾

---

۹۰ ایسی خطرناک بات کہ جس سے آسمان پھٹ پڑے۔ زمین کا سینہ شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر دھماکے سے گر پڑیں! (۴۲/۵)۔

۹۱ ذرا غور تو کرو کہ یہ کہتے کیا ہیں؟ یہ کہتے ہیں کہ خدا کا ایک بیٹا بھی ہے (الامان' والحفیظ)۔

۹۲ یہ بات ہرگز ہرگز خدا کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اپنے لئے بیٹا بنائے۔

۹۳ (اسے اپنی امداد کے لئے کسی کو بیٹا بنانے کی ضرورت کیا ہے جبکہ اس کے اقتدار کا عالم یہ ہے کہ) کائنات کی کوئی شے ایسی نہیں جو اس کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالنے کے حضور سر جھکائے کھڑی نہ ہو۔

۹۴ اس کے محیطِ کُل اقتدار نے ہر شے کو گھیر رکھا ہے۔ (کوئی شے اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر نہیں رہ سکتی)۔ اور اس کے قانونِ مکافات نے ایک ایک کا شمار کر رکھا ہے۔

۹۵ (جیسا کہ ۱۹/۹۳ میں کہا جا چکا ہے)۔ اعمال کے ظہورِ نتائج کے وقت' سب اُس کے سامنے تن تنہا آئیں گے (کوئی کسی کے ساتھ نہیں ہوگا۔ اور ہر ایک اپنے اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا۔ (انسان کی ذات کی انفرادیت کا تو تقاضا ہی یہ ہے کہ نہ کوئی کسی دوسرے کے اعمال کی سزا بھگتے۔ نہ کسی کے اعمال کسی اور کے کام آسکیں۔ نہ ہی کوئی اضافی شے اس کا ساتھ دے سکے۔ ۶/۹۵)

۹۶ (اے رسول!) جو لوگ ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور ان کے مطابق' صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔ (اس وقت تو یہ عالم ہے کہ ساری دُنیا اُن کی مخالفت پر تلی بیٹھی ہے) لیکن وہ وقت دُور نہیں جب خدائے رحمٰن لوگوں کے دلوں میں' ان کے لئے محبت و جاذبیت پیدا کر دے گا۔ (اور وہ فوج در فوج' اِن کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔ ۱۱/۲)۔

۹۷ (یہ سب اِس قرآن پر عمل کرنے سے ہوگا جسے) ہم نے تیری زبان میں (سمجھنے کے لئے) بڑا آسان کر دیا ہے۔ تو اس کے ذریعے' جماعتِ مومنین کو ان کے حسنِ عمل کے خوشگوار نتائج کی

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

(۶ ع ۱۶ ۹)

بشارت دیدے' اور جو لوگ سچائی کے مقابلہ میں ہٹ اور ضد پر اڑے ہوئے ہیں' انہیں' ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دے۔

۹۸ (اور ان سے کہدے کہ) ان سے پہلے' ہمارے قانون مکافات کے مطابق' کتنی قومیں تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ کیا ان میں سے تمہیں کوئی بھی دکھائی دیتی ہے؟ یا ان کی بھنک تک بھی تمہارے کان میں پڑتی ہے؟

(اگر تم نے بھی اس نظام کو قبول نہ کیا اور اپنی غلط روش پر اڑے رہے' تو جو حشر ان کا ہوا تھا' وہی تمہارا ہوگا)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ
الْعُلٰى ﴿۴﴾ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾

---

۱ اے مخاطب (رسول!)

۲ ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تجھ پر زندگی بار گراں بن جائے اور تو سعادتوں سے محروم رہ جائے۔ (یہ تو زندگی کی کامرانیاں اور خوشگواریاں عطا کرنے کا ضابطہ ہے۔ (۲۰/۱۱۸ : ۲۰/۱۲۳-۱۲۴) اس انقلابی پروگرام کے ابتدائی مراحل ضرور دشوار گزار ہیں لیکن اس کے بعد کامیابی تمہارے ہی حصے میں آئے گی۔ (۹۴/۵-۶)۔

۳ اس کے نازل کرنے سے مقصد یہ ہے کہ جو شخص ڈرتا ہو کہ وہ کہیں زندگی کی شادابیوں سے محروم نہ رہ جائے یہ اس کے لئے اقبال مندیوں اور سرفرازیوں کا موجب بنے۔

۴ یہ اس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے کائنات کی پستیوں اور بلند ترین پہنائیوں کو پیدا کیا ہے (اور ان میں اس کا قانون اس حسن و خوبی سے کارفرما ہے)۔

۵ وہ خدا جس کے قبضۂ قدرت میں کائنات کا پورا کنٹرول ہے —— بلند ترین پہنائیوں سے

۶ لے کر پست ترین گہرائیوں تک —— اور یہ تمام محیر العقول کارگہ اس کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے مصروف تگ و تاز ہے۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى ۝۷ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۝۸ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ
مُوْسٰى ۝۹ اِذْ رَاَ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ
هُدًى ۝۱۰ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰٓى ۝۱۱ اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۲

(اور یہ سارا کنٹرول اس لئے ہے کہ ہر شے کو سامان نشوونما ملتا رہے (۱/۲) اور ہر عمل کا صحیح صحیح نتیجہ مرتب ہوتا رہے (۴۵/۲۲)۔

۷ (جب اس کے قانونِ مکافات کی کارفرمائی کا یہ عالم ہے کہ یہ تمام سلسلۂ کائنات اسی کیلئے سرگرمِ عمل ہے، تو اس کے نزدیک یکساں ہے کہ) تو کوئی بات پکار کر کہے (یا چپکے سے)۔ وہ تو تمہارے ہر بھید بلکہ بھید سے بھی زیادہ مخفی شے (نیت اور ارادہ) تک سے بھی واقف ہے۔

۸ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں تمام اقتدار اور اختیار اسی کا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور صاحبِ اقتدار ہستی نہیں۔ اس کی تمام صفات (جو قرآن میں مذکور ہیں) انتہائی حسنِ توازن کے ساتھ اُس کی ذات کے مختلف پرتو ہیں۔

۹ (اِس حقیقت کبریٰ کو جاننے کے لئے کہ خدا کے ضابطۂ قوانین پر عمل پیرا ہونے سے کسطرح ابتدائی دشوار گزار مراحل کے بعد بالآخر کامیابیاں اور کامرانیاں نصیب ہوجاتی ہیں) تمہیں موسیٰؑ کی سرگزشت اپنے سامنے رکھنی چاہیئے۔

۱۰ (اس داستان کا آغاز ہم اس مقام سے کرتے ہیں) جب اُس نے (دُور سے) آگ دیکھی تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ تم یہاں ٹھیرو میں جاتا ہوں۔ ممکن ہے میں وہاں سے تمہارے لئے ایک انگارا لے آؤں۔ یا (کم از کم) الاؤ پر کوئی ایسا آدمی مل جائے جو ہمیں (اس اندھیری رات میں) راستے کا پتہ نشان بتا سکے۔

(تنہا عقل انسانی، وحی کی مدد کے بغیر اس طرح، قیاسات سے نشانِ راہ تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے)۔

۱۱ جب موسیٰؑ آگ کے قریب پہنچا تو ایک آواز آئی کہ اے موسیٰؑ!

۱۲ میں تیرا نشوونما دینے والا ہوں۔ تو اب اُس مقام تک آ پہنچا ہے جہاں تیرے لئے عقل کے تجرباتی اور قیاسی طریق سے نتائج تک پہنچنے کی طول طویل مسافتیں لپیٹ دی گئی ہیں، اور اس کی جگہ وحی کا مقدس راستہ کھول دیا گیا ہے جہاں حقائق از خود منکشف ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ لہٰذا، تو اب، اُس لمبے سفر کے ساز و سامان کو الگ رکھ کر، اطمینان سے بیٹھ جا۔

وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ﴿١٣﴾ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿١٤﴾
إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ
فَتَرْدَىٰ ﴿١٦﴾ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ

وہ دور ختم ہو گیا۔ (۷۹/۱۶)۔

۱۳ میں نے تجھے ایک عظیم مقصد کے لئے منتخب کیا ہے۔ سو جو بات تجھے اس وحی کے ذریعہ بتائی جاتی ہے اُسے دل کے کانوں سے سُن۔ (۲۰/۱۳)

۱۴ اس وحی کا اوّلیں پیغام یہ ہے کہ خدا میں ہی ہوں۔ میرے سوا کائنات میں کسی کا اقتدار و اختیار نہیں۔ اس لئے تو صرف میری محکومیت اختیار کر۔ اور میرے قانون اور نظام کو غالب کرنے کے لئے صلوٰۃ کا نظام قائم کر۔

۱۵ (اس حقیقت کو یاد رکھ کہ تیرے ہاتھوں ایک) انقلاب عظیم رونما ہونے والا ہے۔ ہمارا پروگرام یہ ہے کہ وہ انقلاب، جو اس وقت تک ظاہر بیں نگاہوں سے پوشیدہ تھا، اب نکھر کر سامنے آجائے۔ یہ انقلاب اس لئے آئے گا تاکہ ہر شخص کو اس کی محنت کا پورا پورا بدلہ مل سکے (اور سلب و نہب کا موجودہ فرعونی۔ قارونی اور ہامانی معاشرہ جس میں حالت یہ ہے کہ محنت کوئی کرتا ہے اور اس کا ماحصل کوئی لے جاتا ہے، الٹ کر رکھ دیا جائے۔ یہ انقلاب "نظام صلوٰۃ قائم کرنے سے" آئے گا)۔

۱۶ اس کے لئے ایک بات کو اچھی طرح سمجھ رکھو۔ جو لوگ اس آنے والے انقلاب کے واقع ہونے پر یقین نہ رکھیں اور اپنی مفاد پرستیوں کے پیچھے لگے رہیں (انہیں اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ ورنہ) وہ تمہارے راستے میں سنگ گراں بن کر حائل ہو جائیں گے، اور اپنے ساتھ، تیری تباہی کا بھی موجب بن جائیں گے۔ (یہ انقلاب انہی لوگوں کے ہاتھوں رونما ہوگا جو اس پر دل سے یقین رکھیں اور اپنی انفرادی مفاد پرستیوں کے خیال سے بالاتر ہو جائیں)۔

۱۷ (چنانچہ اس کے بعد موسیٰؑ کو اس انقلابی پروگرام کے سلسلہ میں ہدایات و احکام دیئے گئے۔ ان میں فریق مقابل کو روشن دلائل و براہین سے قائل کرنے کی ہدایات بھی تھیں، اور مقابلہ کے وقت، قوت اور سخت گیری سے کام لینے کے احکام بھی۔ جب یہ احکام دیئے جا چکے تو ندائے غیب نے کہا کہ اے موسیٰؑ! تم ان احکام و ہدایات پر، قوت اور برکت، ہر دو نقاطِ نگاہ سے غور کرو اور بتاؤ کہ تم انہیں کیسا پاتے ہو؟

۱۸ موسیٰؑ نے عرض کیا۔ بارِ الٰہا! یہ احکام کیا ہیں، میرے لئے تو سفرِ زندگی میں بہت بڑا

أُخْرَىٰ ﴿١٨﴾ قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ ﴿١٩﴾ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا
الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿٢٣﴾
(ع ۱ ۲۳ ۱۰)
اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾

سہارا ہیں۔ میں اب انہی کے آسرے سے چلوں گا اور ہر مشکل مقام پر انہیں مضبوطی سے تھامے رکھوں گا تاکہ میرا قدم کہیں نہ پھسلے۔ انہی کے ذریعے اب میں اپنے ریوڑ کو (یعنی بنی اسرائیل کو' جن کا گڈریا بنا کر تو مجھے بھیج رہا ہے) جھنجوڑوں گا اور اس طرح ان کے جمود و تعطل کو مبدّل بہ حرکت و عمل کر دوں گا۔ ان کے علاوہ' زندگی کے دیگر معاملات کے متعلق' جو میرے سامنے آئیں گے' ان سے بصیرت و راہ نمائی حاصل کروں گا۔[1]

۱۹ حکم ہوا کہ تم نے ٹھیک سمجھا ہے۔ اب تم انہیں لوگوں کے سامنے پیش کرو۔

۲۰ اس کے بعد جب موسیٰؑ نے اس مہم پر غور کیا جس کے لئے اسے مامور کیا جا رہا تھا تو اسے اندازہ ہوا کہ ان احکام کا لوگوں کے سامنے پیش کرنا آسان کام نہیں۔ اس نے ایسا محسوس کیا کہ وہ ضابطۂ احکام نہیں' ایک اژدھا ہے جو بڑی تیزی سے دوڑ رہا ہے (۲۶/۳۳ ؛ ۷/۱۰۸ ؛ ۲۸/۳۲)۔

۲۱ خدا نے موسیٰؑ کو اطمینان دلایا اور کہا کہ اس خیال سے مت گھبراؤ۔ ان احکام کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ ان کے متعلق جو بات تم نے پہلے کہی تھی (کہ ان سے غلاں فلاں منفعت بخش کام لوں گا) ہم انہیں ایسا ہی بنا دیں گے۔ (یہ اژدھا کی طرح ہلاکت آفریں ثابت ہوں گے' باطل کے لئے۔ لیکن تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے سہارا بن جائیں گے)۔

۲۲ اس مہم میں تو بالکل پریشان نہ ہو' بلکہ نہایت اطمینان و سکون' اور کامل دلجمعی سے اپنی دعوت کو واضح اور روشن دلائل کے ساتھ پیش کرتا چلا جا۔ تو تمام مشکلات سے محفوظ و مصئون باہر نکل آئے گا۔ تیری یہ کامیابی' تیری دعوت کی دوسری نشانی ہو گی (پہلی نشانی' دشمن کی تباہی اور دوسری نشانی' تمہاری جماعت کا تمکن اور سرفرازی)۔

۲۳ یہ احکام تجھے اس لئے دیئے گئے ہیں کہ تجھے دکھا دیں کہ ان کے ذریعے کتنا بڑا انقلاب عظیم رونما ہو جاتا ہے۔ (۵۹/۲۰)۔

۲۴ اب تم فرعون کی طرف جاؤ۔ وہ اپنے ظلم و استبداد میں بہت ہی زیادہ آگے بڑھ چکا ہے۔ اس کی سرکشی حدود فراموش ہو گئی ہے۔

---

[1] آیات نمبر ۱۷ تا نمبر ۲۲ میں الفاظ کے مجازی معانی لئے گئے ہیں۔ جو قارئین حقیقی معانی کو ترجیح دینا چاہیں وہ ان کے معانی کسی ترجمۂ قرآن میں دیکھ لیں۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ
لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾
وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَّ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ﴿۳۷﴾

اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾

---

۲۵ (جب موسیٰؑ نے یہ سنا کہ اسے کس مقصد عظیم کے لئے چنا گیا ہے اور اس کی ٹکر کن کن قوتوں کے ساتھ ہونے والی ہے تو) اس نے عرض کیا کہ اے میرے نشوونما دینے والے! (یہ مہم بڑی سخت ہے اسکے لئے تو) میرے سینے میں وسعت اور کشادگی عطا کر دے (کہ بڑی سے بڑی مشکل بھی مجھے پریشان نہ کر سکے۔ ۹۴/۱)۔

۲۶ اور جو جو دشواریاں میری راہ میں آئیں انہیں مجھ پر آسان کر دے۔ (۹۴/۵)

۲۷ اور میری زبان میں ایسی طاقت اور روانی پیدا کر دے (کہ میں تیرے پیغامات کو بطریق احسن فریق مقابل تک پہنچا سکوں)۔

۲۸ اور میری بات ان کی سمجھ میں آجائے۔ (اور سیدھی ان کے دل تک اتر جائے)۔

۲۹ (چونکہ یہ مہم بڑی سخت ہے اس لئے) میرے اہل خاندان میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو
۳۰ میرے ساتھ کر دے تاکہ وہ میرا بوجھ بٹائے۔ اس کی مدد سے میری قوت مستحکم ہو جائے گی۔ وہ اس عظیم
۳۲ مہم میں میرا شریک کار رہے گا۔

۳۳ یوں ہم دونوں مل کر تیرے تفویض کردہ پروگرام کی تکمیل میں بہت زیادہ سرگرم عمل رہیں گے
۳۴ اور تیرے قانون اور نظام کو غالب بنا دینے کے لئے بیش از بیش قدم اٹھا سکیں گے۔

۳۵ تو ہم دونوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے (اور جانتا ہے کہ ہم دونوں مل کر کس طرح اس مہم کو سر کریں گے)۔

۳۶ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰؑ! ہم نے تیری مانگ پوری کر دی۔ تیری درخواست منظور ہو گئی۔ (اب تو اس پروگرام پر جم کر کھڑا ہو جا اور کسی کی بات کی طرف دھیان مت دے۔ ۹۴/۱۰)۔

۳۷ (یہ سن کر موسیٰؑ کا سر نیاز اظہار تشکر کے لئے جھک گیا اور اس نے کہا کہ بار الٰہا! یہ تیرا بہت بڑا احسان ہے جو مجھ پر کیا گیا ہے۔ اس پر بارگاہ خداوندی سے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰؑ!) تم پر ہمارا یہ احسان کچھ پہلی مرتبہ نہیں ہوا۔ اس کا سلسلہ بہت پہلے سے شروع ہوا تھا۔

۳۸ جب ہم نے (تمہاری پیدائش کے ساتھ ہی) تمہاری ماں کی طرف (اپنے ایک بندے

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ
عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۖ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ
إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ
فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ ﴿٤٠﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾

کی معرفت) یہ حکم بھیجا تھا کہ

۳۹ وہ اپنے بچے کو صندوق میں ڈال دے۔ اور پھر اس صندوق کو دریا میں بہا دے۔ دریا کی لہریں اسے کنارے پر لگا دیں گی جہاں سے اسے وہ شخص لے جائے گا جو میرے احکام و قوانین کا بھی دشمن ہے اور خود اس بچے کا بھی دشمن۔

(اس طرح اے موسیٰ! تو فرعون کے محلات میں جا پہنچا۔ اور) ہم نے اپنی عنایت سے تجھے ایسا بنا دیا تھا کہ سب لوگ تجھ سے محبت کریں۔ یہ تمام انتظام اس لئے کیا گیا تھا کہ ہم چاہتے تھے کہ تمہاری پرورش و تربیت، ہماری زیر نگرانی (شاہی محلات میں) ہو (تاکہ تو ان رموز مملکت و سیاست سے اچھی طرح واقف ہو جائے، جن کا تجھے آخر الامر مقابلہ کرنا تھا)۔

۴۰ (تو جب وہاں پہنچ گیا تو فرعون کے گھر والوں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ تمہاری رضاعت (دودھ پلانے) کا کیا انتظام کیا جائے۔ اُس وقت) تمہاری بہن وہاں سے گزری تو اس نے ان سے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسی عورت کا پتہ بتاؤں جو اس کی پرورش کر سکے گی؟ (یہ عورت خود تمہاری والدہ تھی)۔ اس طرح ہم نے تجھے پھر تمہاری والدہ کی گود میں پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ (بیٹے کی جدائی کی وجہ سے) غمگین نہ ہو۔

(اس کے بعد تو بڑا ہوا تو) تو نے ایک آدمی کو مار ڈالا۔ لیکن ہم نے تجھے اس معاملہ کی پریشانی سے بھی نجات دلائی۔ (پھر تجھے، محلات سے نکال کر، سخت اور درشت زندگی کی کئی، کٹھالیوں میں ڈالا (تاکہ تو کندن بنتا چلا جائے)۔ اس طرح تو کئی برس تک مدین میں چرواہا بن کر رہا۔

اس قدر مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد، کہیں جا کر، تو ہمارے پیمانے پر پورا اترا۔

۴۱ اس طرح ہم نے، اے موسیٰ! تجھے اپنے ایک خاص کام کے لئے بنایا اور تیار کیا ہے۔ (یہ نہیں کہ تو بکریاں چراتے چراتے، اتفاق سے آگ لینے کے لئے اِدھر آ نکلا اور ہم نے تیرے سر پر

اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا
لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ
اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۬ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ
مِّنْ رَّبِّكَ ۬ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ

تاج نبوت رکھ دیا!)۔

۴۲ سو اب تم اور تمہارا بھائی' دونوں' ہمارے قوانین کو لے کر فرعون کی طرف جاؤ۔ اور دیکھنا! میرے پروگرام کے مطابق عمل کرنے میں ذرا بھی سستی نہ کرنا۔

۴۳ (اس کے بعد موسیٰؑ اس مہم کے لئے روانہ ہو گیا' اور جب اس کا بھائی ہارونؑ بھی اس کے ساتھ آملا' تو انہی ہدایات کا پھر اعادہ ہوا اور ان سے کہا گیا کہ) تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ۔ وہ اپنے ظلم و ستم میں حد سے زیادہ آگے بڑھ گیا ہے۔ اس کی سرکشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔

۴۴ جب اس کی طرف جاؤ تو اس سے نرمی سے بات کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح نصیحت پکڑ لے' یا اپنی سرکشی کے عواقب سے ڈر جائے۔

۴۵ ان دونوں نے کہا کہ اے ہمارے نشو و نما دینے والے! ہمیں ڈر ہے کہ فرعون ہماری مخالفت میں پیش دستی نہ کرے۔ یا سرکشی سے پیش نہ آئے۔

۴۶ خدا نے کہا کہ تم مت گھبراؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں سب کچھ سنتا ہوں سب کچھ دیکھتا ہوں۔ (اس لئے وہ تمہارا بال تک بیکا نہیں کر سکے گا)۔

۴۷ تم اس کے پاس بے دھڑک جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ اس کا پیغام یہ ہے کہ تم بنی اسرائیل پر اس قدر سختیاں نہ کرو بلکہ انہیں ہمارے ساتھ بھیج دو۔ اگر تم اس راستے پر چلو گے جو خدا کا بتایا ہوا ہے' تو تمہارے لئے سلامتی ہو گی۔ سلامتی ہوتی ہی اس کے لئے ہے جو خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔

۴۸ لیکن اگر تم پیغامِ خداوندی کو جھٹلاؤ گے اور اس سے سرتابی اختیار کرو گے' تو پھر تباہی اور بربادی کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

اب تم خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو کہ تم کونسا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہو۔

۴۹ (چنانچہ یہ دونوں بھائی' فرعون کے پاس پہنچے اور اس تک خدا کا یہ پیغام پہنچایا۔ اس پر)

فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾
قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ
فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

فرعون نے کہا کہ اے موسیٰؑ! پہلے یہ بتاؤ کہ (جس رب کی طرف سے تم یہ پیغام لائے ہو) تمہارا وہ رب کون؟ (تم جانتے ہو کہ ہر قبیلہ اور ہر قوم کا رب — دیوتا — الگ الگ ہوتا ہے۔ تمہارا رب کونسا ہے؟)۔

۵۰ موسیٰؑ نے کہا کہ ہمارا رب کسی خاص گروہ یا قوم کا رب نہیں۔ ہمارا رب وہ ہے جو ہر شے کو پیدا کرتا ہے اور پھر اسے وہ راستہ بتا دیتا ہے (جس پر چل کر وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتی ہے۔ انسانوں تک یہ راہ نمائی وحی کے ذریعے آتی ہے' جسے لے کر ہم تمہارے پاس آئے ہیں)۔

۵۱ (جب فرعون نے دیکھا کہ اس سوال کے جواب میں موسیٰؑ پر گرفت کی گنجائش نہیں نکل سکی تو اس نے بحث کا رخ بدلا اور خاص "حکمتِ فرعونی" سے کام لینا چاہا۔ اس کے گرد و پیش' امراء و وزراء بیٹھے تھے۔ وہ' اور ان کے آباء و اجداد مشرک تھے' اور موسیٰؑ کے معیار کے مطابق' جہنم کے سزاوار۔ اس لئے) اس نے موسیٰؑ سے کہا کہ یہ بتاؤ کہ جو لوگ پچھلے زمانے میں گزر چکے ہیں (یعنی ہمارے اسلاف) ان کا کیا حشر ہوگا (کیونکہ وہ تو تمہارے خدا پر ایمان نہیں رکھتے تھے)۔

۵۲ (اس نے یہ سوال اس نیت سے کیا تھا کہ جب اس کے جواب میں موسیٰؑ کہے گا کہ وہ سب جہنم میں جائیں گے تو اس کے اہلِ دربار مشتعل ہو جائیں گے اور یوں بنی اسرائیل کی آزادی کا مسئلہ مذہبی جذبات کے سیلاب میں بہ جائے گا۔ لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کا سابقہ کس سے پڑا ہے؟)۔ موسیٰؑ نے کہا کہ اس بات کا مجھے کچھ علم نہیں (کہ وہ لوگ کس حال میں ہیں)۔ اس کا علم میرے پروردگار کے نوشتے میں ہے۔ اس لئے ان کے معاملہ کا فیصلہ' خدا کے نوشتے کے مطابق ہو جائے گا)۔ وہ خدا ایسا نہیں کہ کھویا جائے۔ یا بھول میں پڑ جائے۔ (اس لئے ان کا فیصلہ ٹھیک ان کے اعمال کے مطابق ہو جائے گا۔ تم اپنے پہلے سوال کا جواب سنو کہ جس رب نے ہمیں تمہاری طرف بھیجا ہے' وہ رب کیسا ہے؟)۔

۵۳ وہ رب وہ ہے جس نے تم سب کے لئے اس وسیع و عریض زمین میں سامانِ پرورش جمع کر دیا' اور تمہاری نقل و حرکت کے لئے راستے بنا دیئے۔ وہ رب جو بادلوں سے مینہ برساتا ہے اور اس کی آبپاشی سے انواع و اقسام کی نباتات پیدا کر دیتا ہے۔

كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ﴿٥٤﴾ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ
تَارَةً أُخْرَىٰ ﴿٥٥﴾ وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَىٰ ﴿٥٦﴾ قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٥٧﴾
فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ
مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾

---

۵۴ تاکہ تم خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی کھلاؤ۔ اس تمام نظامِ فطرت میں صاحبانِ عقل و بصیرت کے لئے اس حقیقتِ کبریٰ کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں کہ کائنات میں پروردگاری صرف خدا کی ذات کے لئے ہے۔ (لہذا کسی فرعون کا یہ کہنا کہ "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی" میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ ۷۹/۲۴ - یہ زمین۔ یہ دریا۔ یہ ملک سب میری ملکیت ہیں۔ ۴۳/۵۱ - اس لئے تم میرے محتاج اور محکوم ہو" بے بنیاد دعویٰ اور حماقت پر مبنی تصور ہے)۔

۵۵ اس پروردگارِ حقیقی نے تم سب کو اس زمین (بے جان مادہ) سے پیدا کیا ہے۔ پھر وہ تمہارے بے جان مادی جسم کو اسی میں لوٹا دیتا ہے لیکن اس کے بعد تمہیں حیات نو عطا کر کے اس سے اٹھا کھڑا کریگا۔ (لہذا انسانوں میں آقا اور بندہ۔ حاکم اور محکوم کی تفریق کیسی؟ آقا اور حاکم صرف خدا ہے۔ سب انسان آپس میں برابر اور اس کے محکوم ہیں)۔

(کیا اب تم سمجھ گئے ہو کہ وہ خدا کونسا ہے جس کا پیغام لے کر ہم تمہاری طرف آئے ہیں؟)۔

۵۶ (اب فرعون واقعی سمجھ گیا کہ موسیٰؑ کا پیغام کیا ہے اور وہ ملک میں کس قسم کا انقلاب لانا چاہتا ہے)۔ موسیٰؑ نے خدا کے احکام و قوانین نہایت وضاحت سے اس کے سامنے پیش کر دیئے۔ اسے دکھایا کہ وہ کس قدر حق و صداقت پر مبنی ہیں۔ لیکن اس نے ان کی تکذیب کی اور انہیں ماننے سے انکار کر دیا۔

۵۷ اس نے موسیٰؑ سے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ اپنے باطل مذہب اور نگاہ فریب دلائل کے زور سے ہمیں ہماری مملکت سے نکال باہر کرے؟

۵۸ اگر یہی بات ہے تو ہم تیری اس سحر طرازیوں کا جواب سحر طرازیوں سے دیں گے۔ (اسکا جواب ہمارے مذہبی پیشوا دیں گے) سو تو ہمارے اور اپنے درمیان مقابلہ کے لئے ایک دن مقرر کر لے۔ اس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں نہ تم کرو۔ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ مقابلہ برابر کی سطح پر ہوگا۔

۵۹ موسیٰؑ نے کہا کہ بہت اچھا۔ تمہارے مقابلہ کے لئے جشن کا دن مقرر ہوا۔ دن چڑھے

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ
بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ
يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا
صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

لوگوں کو اکٹھا ہو جانا چاہیئے۔

۶۰ اس فیصلہ کے بعد فرعون نے ان کی طرف سے توجہ ہٹا لی۔ اپنی تمام تدابیر کو یک جا جمع کیا' اور مقررہ وقت پر مقابلہ کے لئے آگیا۔

۶۱ (جونہی پیشوا موسےٰ کے مقابلہ کے لئے بلائے گئے تھے' موسےٰ نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ یاد رکھو! تم تباہ ہو جاؤ گے۔ تم خدا کے خلاف افترا پردازی مت کرو۔ اپنی طرف سے مذہب تراش کر اسے اس کی طرف منسوب مت کرو۔ یاد رکھو! خدا کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں' وہ خائب و نامراد رہتے ہیں۔ وہ انہیں جڑ بنیاد سے اکھیڑ دیا کرتا ہے۔

۶۲ (اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ) ان مذہبی پیشواؤں نے آپس میں رد و کد شروع کر دی اور باہم سرگوشیاں کرنے لگ گئے۔ (عوام پر بھی اس کا بُرا اثر پڑا)۔

۶۳ (فرعون کے درباریوں نے جب مجمع کی یہ حالت دیکھی تو انہیں خطرہ لاحق ہو گیا) انہوں نے لوگوں سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ دونوں بھائی (موسےٰ اور ہارونؑ) کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ یہ باطل مذہب کے پیشوا ہیں[1] اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ اپنی فریب کاریوں سے اپنا تسلط جما لیں اور تمہیں تمہاری مملکت سے نکال باہر کریں۔ اور تمہارے مذہب و مسلک کو' جو اس قدر اعلیٰ درجہ کا ہے' تباہ کر کے رکھ دیں۔ اور اس طرح تمہارے ارباب حکومت اور پیشوایان طریقت کا تمام شرف و اقتدار چھین کر لے جائیں۔

۶۴ (پھر انہوں نے اپنے مذہبی مناظروں کو خصوصیت سے مخاطب کر کے کہا کہ اپنے باہمی اختلافات کو چھوڑ کر' اس مشترک دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے' اپنی تمام ہنرمندیوں اور تدابیر کو یکجا

---

[1] یہ ان الفاظ کا مجازی مفہوم ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے' جو قارئین حقیقی معانی کو ترجیح دینا چاہیں وہ ان الفاظ کے معانی کسی بامترجمہ قرآن کریم کے نسخے سے دیکھ لیں۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ
عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ
اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ
حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾

کرلو اور پھر پرا باندھ کر ان کے مقابلہ کے لئے ڈٹ جاؤ۔ یاد رکھو! یہ معرکہ بڑا فیصلہ کن ہے۔ جو آج بازی لے جائے گا وہی کامیاب ہوگا۔ (۱۱۳ — ۱۱۱ : ۷۹)۔

۶۵ انہوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ کیا (مناظرہ کے لئے) تم پہل کرو گے یا جو کچھ ہم نے کہنا ہے پہلے کہہ ڈالیں[1]۔

۶۶ موسیٰؑ نے کہا کہ تم ہی پہل کرو اور (اپنے دعاوی کی تائید میں) جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے پیش کرو۔ چنانچہ انہوں نے (حبل اللہ۔ دین خداوندی) کے مقابلہ میں اپنا مذہب (حبل) اور موسیٰؑ کے دعاوی کی تردید میں اپنے دعاوی پیش کئے۔ ان کا انداز بیان اس قدر سحر انگیز تھا کہ موسیٰؑ کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں ان کے دلائل (محض لفاظی کے زور پر) مؤثر نہ ہو جائیں اور اس طرح وہ کامیاب نہ ہو جائیں[2]۔

۶۷ اس احساس سے موسیٰؑ اپنے جی میں گھبرایا۔ (۱۱۶)۔

۶۸ تو ہم نے اسے (تسلی دی اور) کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تم ان پر ضرور غالب آ جاؤ گے۔

۶۹ انہوں نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ سب فریب انگیز ہیں۔ اور فریب دہی کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتی، خواہ وہ کسی کی طرف سے بھی کیوں نہ ہو۔ (یہ بات کہ ان مذہبی پیشواؤں کے ساتھ حکومت کی تائید بھی شامل ہے عوام کو مرعوب کر سکتی ہے لیکن تمہارے دلائل کے سامنے ان کی پیش نہیں جا سکتی) اس لئے تم ان قوانین خداوندی کو جنہیں تم نے باعث یمن و سعادت پایا تھا (۲۰/۷۶) روشن دلائل کے ساتھ پیش کرو۔

۷۰ چنانچہ جب موسیٰؑ نے اپنے دلائل پیش کئے تو وہی ہوا جو خدا نے کہا تھا۔ فرعون کے مذہبی

---

[1] یہ ان الفاظ کا مجازی مفہوم ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ جو قارئین حقیقی معانی کو ترجیح دینا چاہیں وہ ان الفاظ کے معانی کسی با ترجمہ قرآن کریم کے نسخے سے دیکھ لیں۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ
خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰي
مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ
اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝

پیشواؤں نے اعترافِ عجز کر لیا اور بے اختیار پکار اٹھے کہ ہم موسٰےؑ اور ہارونؑ کے پروردگار پر ایمان لاتے ہیں۔

۷۱ اس پر فرعون (مارے غصے کے لال پیلا ہو گیا اور ان سے گرج کر کہا کہ ہیں!) تم میرے حکم کے بغیر رب موسٰےؑ و ہارونؑ پر ایمان لے آئے ہو؟ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ موسٰےؑ) تمہارا پیر و مرشد ہے جس سے تم نے یہ سب فریب انگیزیاں سیکھی تھیں (اور یہ جو کچھ ہو رہا تھا سب تمہاری ملی بھگت تھی تم دیکھو میں تمہیں کیسی عبرت انگیز سزا دیتا ہوں)۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں گا (یا تمہیں الٹی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈلواؤں گا) اور تمہیں کھجوروں کے تنوں کے ساتھ لٹکا کر سولی دی جائے گی۔ اور اس طرح تم دیکھ لو گے کہ ہم دونوں (فرعون اور موسٰےؑ) میں سے کون زیادہ سخت اور دیرپا عذاب دے سکتا ہے۔

۷۲ (انہوں نے اس گرج کو نہایت اطمینان کے ساتھ سنا اور دل کے پورے سکون سے کہا کہ) جو حقیقت، دلائل و براہین کی رو سے ہم پر منکشف ہو چکی ہے، نہ ہم اس پر اپنی باطل پرستی کو ترجیح دیتے سکتے ہیں، اور نہ ہی ہم اُس خدا سے منہ موڑ کر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تمہارا حکم مان سکتے ہیں۔ تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے کر گزر۔ تیرا فیصلہ بہرحال ہماری اِسی دنیا کی زندگی سے متعلق ہو سکتا ہے۔ (اس سے زیادہ تیری دسترس میں ہے ہی کیا؟ سو اِس زندگی کی ہم پرواہ نہیں کرتے، کیونکہ زندگی یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ آگے بھی چلتی ہے۔ اور اُس زندگی پر تمہیں کوئی اختیار نہیں)۔

۷۳ ہم اپنے نشو و نما دینے والے پر ایمان لا چکے۔ اُس سے ہماری دعا یہ ہے کہ وہ ہماری سابقہ غلطیوں کے مہلک اثرات سے ہماری حفاظت کر دے — بالخصوص باطل پرستی کی اس خطاکارانہ روش کے اثرات سے جس پر چلنے کے لئے تم نے ہمیں مجبور کر رکھا تھا۔ (ہم اب دیکھ چکے ہیں کہ) خدا کا قانون ہی بہترین اور باقی رہنے والے نتائج کا حامل ہے۔

۷۴ (اگر تو ہمیں مجرم سمجھتا ہے تو اس کی بھی ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔ پرواہ اس بات کی

إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿٧٤﴾ وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ
فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ﴿٧٥﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ
مَن تَزَكَّىٰ ﴿٧٦﴾ وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ
دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ﴿٧٧﴾

کرنی چاہیئے کہ انسان خدا کے حضور مجرم کی حیثیت سے نہ جائے اس لئے کہ) جو شخص وہاں مجرم بن کر جائے گا' اس کے لئے جہنم کا وہ الم انگیز عذاب ہوگا جس سے انسان نہ زندوں میں شمار ہوگا' نہ مردوں میں۔ (۱۴/۱۷ ؛ ۸۷/۱۳)۔

۷۵ (اس کے برعکس) جو لوگ ایمان اور اعمالِ صالح کی متاعِ گراں بہا لے کر اس کے حضور جائیں گے تو یہی لوگ ہیں جن کے لئے بلند مدارج ہوں گے۔

۷۶ ان کے رہنے کے لئے ایسے باغات ہوں گے جن کی شادابیوں میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ یہ اس کا صلہ ہے جس نے اپنی ذات کی نشوونما کر لی۔

۷۷ (اس کے بعد موسےٰ اپنی قوم ـــــ بنی اسرائیل ـــــ کی تعلیم و تربیت میں لگے رہے۔ پھر ہم نے وقتِ مقررہ پر) موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جا' اور انہیں سمندر کے اُس حصے سے پار لے جا جہاں پانی خشک ہو چکا ہے[1]۔ اس طرح نہ تجھے تعاقب کرنے والوں کی گرفت کا خدشہ ہوگا' اور نہ ہی غرق ہو جانے کا اندیشہ۔ (۲۶/۶۳ ؛ ۴۴/۲۴)۔

[1] یہودیوں کی طرف سے حال ہی میں تورات کا جو نیا انگریزی ترجمہ شائع ہوا ہے' اس میں کہا گیا ہے کہ دورِ حاضر کی تحقیق کی رو سے معلوم ہوا ہے کہ بنی اسرائیل نے بحیرۂ قلزم کو عبور نہیں کیا تھا بلکہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو اُس مقام سے پار لے گئے تھے جو دلدل بن چکا تھا اور جہاں سرکنڈا اُگ رہا تھا۔ اسی نسبت سے اُسے (SEA OF REEDS) کہتے تھے۔ یہ مقام موجودہ نہر سویز کے قریب واقع تھا۔

(Announcement made by Mr. Lisser Zuesman,
Executive Director of the Jewish Publications
Society of America - Daily Telegraph,
-- September 1962).

فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ﴿٧٩﴾
يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ﴿٨٠﴾
كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ
هَوَىٰ ﴿٨١﴾ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ وَمَا أَعْجَلَكَ عَن قَوْمِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٨٣﴾
قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿٨٤﴾

---

۷۸ (جب موسیٰؑ اپنی قوم کے ساتھ مصر سے نکل گیا تو) فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔ لیکن سمندر کے پانی کا ریلا ان پر چھا گیا اور انہیں غرق کر دیا۔

۷۹ اور اس طرح فرعون اپنی قوم کو لے ڈوبا اور اس نے ان کی راہ نمائی سلامتی کے راستے کی طرف نہ کی (حالانکہ موسیٰؑ نے خدا کی یہ راہ نمائی اس کے سامنے واضح طور پر پیش کر دی تھی)

۸۰ اے قوم بنی اسرائیل! ہم نے اس طرح تمہیں، تمہارے دشمن سے نجات دلائی تھی اور طور کی دائیں جانب (موسیٰؑ پر وہ وحی کی تھی جس میں) تمہارے لئے، مستقبل کی کامرانیوں کے وعدے تھے۔ نیز تمہارے لئے، صحرائے سینا میں "من وسلویٰ" مہیا کر دیا (۲/۵۷)۔

۸۱ اور تم سے کہہ دیا کہ جو خوشگوار چیزیں تمہیں دی جا رہی ہیں، انہیں کھاؤ پیو۔ لیکن اس باب میں حد درجہ شکنی مت کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو (خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے) تم پر ہلاکت انگیز عذاب آ جائے گا ——— یاد رکھو! جس قوم پر وہ عذاب آ جائے، وہ ذلت کی پستیوں میں گر جایا کرتی ہے۔

۸۲ ان پستیوں سے نکلنے کا طریق یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم اپنی غلط روش کو چھوڑ کر، پھر خدا کے متعین کردہ صحیح راستے کی طرف آ جائے، اور ایسے کام کرے جن سے اس کے اپنے، اور انسانیت کے بگڑے ہوئے معاملات سنور جائیں ——— اور اس کے بعد اس راستہ پر قائم رہے، تو اس کی سابقہ لغزشوں کے تباہ کن نتائج سے اس کی حفاظت ہو جاتی ہے۔

۸۳ اور (اس داستان کے اس حصے کو بھی یاد کرو) جب ایک دفعہ موسیٰؑ (طور پر حاضر ہوا تو ہم نے کہا کہ) تو اپنی قوم کو چھوڑ کر یہاں جلدی سے کیوں چلا آیا۔ (ابھی کچھ وقت اور ان کی تربیت کرنی چاہیئے تھی)۔

۸۴ اس نے کہا کہ وہ میرے پیچھے، میرے نقشِ قدم پر ٹھیک چل رہی ہے (اس لئے میری اس

قَالَ وَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ
يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ
فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى
فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

عارضی غیر حاضری سے کچھ ہرج نہیں ہوگا۔ میں جلدی اس لئے چلا آیا کہ (تجھ سے مزید احکام حاصل کرکے) ان کے مطابق عمل پیرا ہوں (اور یہ پروگرام جلد از جلد تکمیل تک پہنچ جائے)۔

۸۵ خدا نے کہا کہ (تو نے تو یہ اندازہ کیا' لیکن ہوا یہ ہے کہ) تیرے پیچھے تیری قوم ایک مصیبت میں پھنس گئی ہے اور سامری نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔

۸۶ موسیٰ (نے یہ سنا تو) افسوس کرتا ہوا اور غصے سے بھرا ہوا اپنی قوم کی طرف لوٹا اور ان سے کہا (کہ یہ تم نے کیا گل کھلا دیا؟) کیا تمہارے نشوونما دینے والے نے تم سے زندگی کی خوشگواریوں کے وعدے نہیں کئے تھے؟ پھر کیا ان وعدوں کے پورا ہونے میں کوئی لمبا عرصہ لگ گیا تھا (جو تم اپنے خدا سے ناامید ہو گئے اور اس کی جگہ اور معبود تراش لیا!) یا کیا تم نے جان بوجھ کر تہیہ کر لیا ہے کہ تم پر خدا کا غضب نازل ہو کر رہے' اس لئے تم نے مجھ سے یوں عہد شکنی کی!

۸۷ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنی مرضی سے عہد شکنی نہیں کی (بلکہ معاملہ دوسرا پیش آ گیا۔ مصری قوم کی دیکھا دیکھی) ہم نے زیب و زینت کے جو زیورات وغیرہ پہن رکھے تھے (وہ شہری زندگی تک تو ٹھیک تھے' لیکن اس صحرائی زندگی میں' جہاں دن رات کا سفر درپیش رہتا ہے اور بود و ماند بڑی سخت ہے) وہ زیورات ہم پر مفت کا بوجھ بن رہے تھے۔ چنانچہ ہم نے اس بار دوش کو اتار پھینکا۔ یہ خیال ہمارے دل میں سامری نے ڈالا تھا۔

۸۸ سامری نے (ان زیورات کو لیا اور انہیں گلا کر) ایک بچھڑا سا بنا دیا۔ وہ تھا تو محض ایک بے جان دھڑ' لیکن سامری نے اُسے ایسا بنایا کہ اس میں سے (جیتے جاگتے) بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی۔ لوگ اسے دیکھ کر پکار اٹھے کہ یہ ہمارا بھی معبود ہے' اور موسیٰ کا بھی۔ لیکن یہ (سامری) اس بات کو بھول گیا (کہ موسیٰ آ کر کیا کہے گا)۔

۸۹ (لیکن ان کے یہ عذرات لغو تھے۔ اگر سامری نے بچھڑا بنا ہی دیا تھا تو کیا انہیں نظر نہیں

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا
اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ
ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ
اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ
بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾

آتا تھا کہ (بچھڑے میں سے آواز تو نکلتی ہے' لیکن) وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا۔ اور نہ ہی ان کے لئے کسی نفع یا نقصان کی قدرت رکھتا ہے۔

۹۰ علاوہ ازیں' ہارونؑ نے انہیں پہلے ہی کہدیا تھا کہ لوگو! یہ شخص تمہیں سخت گمراہی میں ڈال رہا ہے۔ (تمہارا رب یہ بچھڑا نہیں) وہ خدائے رحمٰن ہے۔ لہذا' تم (اس گمراہ کرنے والے کی بات مت سنو) میرے پیچھے پیچھے چلتے رہو اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کی اطاعت کرو۔

۹۱ لیکن انہوں نے اُسے صاف جواب دیدیا تھا کہ ہم اس کی پرستش سے باز نہیں آئیں گے۔ جب موسٰےؑ واپس آئے گا (تو اس وقت دیکھا جائے گا کہ وہ کیا کہتا ہے)۔

۹۲ موسٰےؑ نے (اب روئے سخن ہارونؑ کی طرف پھیرا اور) اس سے کہا کہ جب تو نے دیکھا تھا

۹۳ کہ قوم یوں گمراہ ہو رہی ہے تو تو نے انہیں (سختی سے) روکا کیوں نہیں؟ تو نے وہی کچھ کیوں نہ کیا جو ایسے وقت میں' میں کیا کرتا ہوں؟ وہ کونسا امر تھا جو تجھے ایسا کرنے سے مانع ہوا؟ یا تو نے بھی دیدہ و دانستہ مجھ سے سرکشی برتی؟

۹۴ ہارونؑ نے موسٰیؑ سے کہا کہ اے میرے بھائی! تو مجھ پر اس طرح خفا نہ ہو اور مجھے ہدفِ ملامت نہ بنا (۲۰:۹۴)۔ میں نے انہیں سختی سے اس لئے نہیں روکا کہ مجھے ڈر تھا کہ تو آکر یہ نہ کہے کہ تو نے قوم میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا کچھ پاس نہ کیا۔ میں نے قوم کی اس عارضی جہالت کو گوارا کر لیا' لیکن اسے تفرقہ سے بچا لیا۔ اس پر موسٰےؑ ہارونؑ کی طرف سے مطمئن ہو گیا)۔

۹۵ پھر وہ سامری کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے کہا کہ تجھ پر ایسی کیا بنی تھی کہ تو نے یہ کچھ کر دیا؟

۹۶ اس نے کہا کہ (میں جب اِدھر تمہاری قوم کی طرف آیا ہوں تو) میں نے وہ کچھ بھانپ لیا تھا جو ان کے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ میں نے تمہارے پیغامِ رسالت کو کماحقہٗ اخفیا

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۖ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ ۖ وَانْظُرْ إِلَىٰ إِلٰهِكَ
الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾ إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ
وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِن لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَّنْ
أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾ خَالِدِينَ فِيهِ ۖ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾

نہیں کیا تھا۔ اس میں سے بس تھوڑا سا حصہ لیا تھا (اور محض اپنے مقاصد کی خاطر تمہارے پیروؤں میں شامل ہو گیا تھا۔ تمہاری عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے) میرے دل نے یہ نقشہ میرے سامنے پیش کر دیا جو مجھے بڑا دل کش نظر آیا۔ چنانچہ میں نے تمہاری تعلیم کا وہ تھوڑا سا حصہ بھی جسے میں نے اختیار کر لیا تھا' الگ کر دیا (اور تمہاری قوم کو پھر بت پرستی کی طرف لے آیا)۔

۹۷ موسیٰ نے اس سے کہا کہ یہاں سے نکل جا۔ تیرے لئے عمر بھر کی سزا یہ ہے کہ تجھ سے تمام معاشرتی تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ اور (اگر کوئی ناواقف' بھولے سے تیرے قریب آجائے تو) تو اس سے کہدے کہ مجھے نہ چھونا۔ (میں وہی راندۂ درگاہ سامری ہوں!)۔ بس تیرے لئے یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جس سے تو کبھی بچ نہیں سکے گا۔

اور دیکھ! تیرے گھڑے ہوئے "خدا" کا اب کیا حشر ہوتا ہے جس کی پرستش پر تو اس طرح جم کر بیٹھا تھا۔ ہم اسے رگڑ کر ریت بنا دیں گے اور پھر اسے جلا کر سمندر میں بہا دیں گے (تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ یہ بت کس قدر بے بس تھا)۔

۹۸ (پھر موسیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف مخاطب ہوا اور ان سے کہا کہ یاد رکھو!) تمہارا الٰہ صرف وہ خدا ہے جس کے سوا کائنات میں کسی کا اقتدار و اختیار نہیں۔ اسی کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ (کوئی شے اس کے احاطہ سے باہر نہیں)۔

۹۹ (اے رسول!) اس طرح ہم گزری ہوئی سرگزشتوں میں سے بعض باتیں تجھ سے بیان کر دیتے ہیں۔ (ان تاریخی نوشتوں کے علاوہ) ہم نے تجھے ایک ایسا ضابطہ قوانین دیا ہے (جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ قوموں کا عروج و زوال کن اصولوں کے مطابق ہوتا ہے)۔

۱۰۰ جو کوئی بھی اس ضابطہ قوانین سے روگردانی کرے گا' وہ' ظہور نتائج کے وقت' اپنی غلط روش کے نتائج کا بوجھ خود اٹھائے گا (کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا)۔

۱۰۱ وہ اسی حالت میں رہے گا —— اس دن اس کا یہ بوجھ کس قدر برا ثابت ہوگا۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾
نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ
فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ
يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

۱۰۲ (اعمال کے نتائج کا ظہور اس دنیا میں بھی سامنے آنا شروع ہو جاتا ہے۔ ان مخالفین کے ساتھ یہی ہوگا) جب جنگ کا بگل بجے گا اور ان مجرمین کو اُن کے اعمال کا بدلہ اس طرح دیا جائے گا کہ مارے دہشت کے ان کی آنکھیں اندھی ہو جائیں گی (۲۰/۱۲۴)

۱۰۳ وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے ہوں گے (اور ایک دوسرے سے کہہ رہے ہوں گے) کہ ہماری عیش و عشرت کی زندگی (جس کے متعلق ہم سمجھتے تھے کہ ہمیشہ ایسی ہی رہے گی) کس قدر ناپائیدار اور مختصر نکلی بس یونہی ہفتہ عشرہ کے برابر (حیاتِ جاوداں کے مقابلہ میں مفاد عاجلہ کی مدت ایسی ہی ہوتی ہے۔ (۲۱/۲۰ — ۷۵ ؛ ۲۰/۷۶)۔

۱۰۴ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ (اس دہشت اور ہراسانی کے عالم میں) کس کس قسم کی باتیں کریں گے۔ ان میں سے جو سب سے زیادہ سوجھ بوجھ والا ہوگا وہ کہے گا کہ ہفتہ عشرہ بھی کہاں! حیاتِ جاوداں کے مقابلہ میں اُس کی مدت ایک دن سے بھی زیادہ نہ تھی۔ (وہ زندگی کس قدر شعلۂ مستعجل ثابت ہوئی!)۔

۱۰۵ (اس حیرت انگیز انقلاب کی باتیں سُن کر یہ لوگ تم سے تعجب کے ساتھ) پوچھتے ہیں کہ یہ بڑے بڑے اکابرین، جو پہاڑوں کی طرح کھڑے ہیں (کیا یہ بھی ختم ہو جائیں گے؟) ان سے کہدو کہ میرا نشوونما دینے والا انہیں جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر پرکاہ کی مانند اڑا دے گا۔ (۱۸/۴۷ ؛ ۵۶/۵ ؛ ۷۷/۲۰ ؛ ۷۸/۲۰)۔

۱۰۶ اور یہ ایسے صاف اور ہموار ہو جائیں گے کہ

۱۰۷ تو دیکھے گا کہ نہ ان میں کوئی ٹیڑھ پن باقی رہا ہے، نہ اونچ نیچ۔ (۲۰/۱۰۶)۔ (ان سب کے بل نکل جائیں گے اور عیاری و پُرکاری سے پیدا کردہ ناہمواریاں صاف ہو جائیں گی)۔

۱۰۸ اس وقت، سب لوگ، اس کے پیچھے چلیں گے جو آج اس انقلاب کی دعوت دے رہا ہے اور جس کی دعوت میں کسی قسم کا پیچ و خم نہیں (۱۸/۱)۔ اور مخالفت کی تمام آوازیں، خدائے رحمٰن (کے نظام)

لہ یہ اور اس کے بعد کا بیان، مرنے کے بعد کی زندگی سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا
خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ
يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا
فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۗ وَلَا تَعْجَلْ

کے سامنے خاموش ہو جائیں گی' اور سوائے قدموں کی خاموش آہٹ کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دے گی۔

۱۰۹ اس وقت کسی کی رفاقت و معیت کسی کے کام نہیں آئے گی' ہاں مگر اس کی جو خدائے رحمٰن کے قانون کے مطابق پسندیدہ بات کرے۔

۱۱۰ (یہ سب کچھ اسی طرح واقع ہو کر رہے گا' اس لئے کہ) خدا کا قانونِ مکافات جانتا ہے' کہ یہ لوگ کیا کچھ کر چکے ہیں' اور اسکے عواقب (جو ان کے پیچھے چلے آ رہے ہیں' اور جو اپنے وقت پر نمودار ہو جائیں گے) کیا ہیں۔ یہ بات (اس وقت) ان کے حیطۂ ادراک میں بھی نہیں آ سکتی (کہ یہ کیسے ہو گا)۔

۱۱۱ خدائے حیّ و قیوم کے (اس زندگی بخش) نظام میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی نمود ہو جائے گی۔ وہ اس نظام کے استحکام کے لئے بطیب خاطر اٹھ کھڑے ہوں گے اور قوانین خداوندی کی اطاعت دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ کریں گے۔ ان کے برعکس جو ظلم و زیادتی کرے گا وہ ناکام و نامراد رہے گا۔

۱۱۲ اور جو شخص' خدا کے ضابطہ قوانین کی صداقت کو تسلیم کر کے' صلاحیت بخش کام کرے گا' اُسے نہ کسی ظالم کے ظلم کا خوف ہو گا' اور نہ کسی حق تلفی کرنے والے کی سلب و نہب کا اندیشہ۔

۱۱۳ یہ ہے وہ عظیم مقصد جس کے لئے ہم نے اس قرآن کو' اس قدر واضح انداز میں نازل کیا ہے' اور اس میں مختلف انداز سے زندگی کی غلط روش کے نتائج و عواقب کو بیان کر دیا ہے' تاکہ لوگ اُس روش سے بچ کر چلیں۔ (تاریخی سرگزشتیں جو اس میں بیان ہوئی ہیں ان سے) ان کی سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں بیدار ہوں' اور انہیں سرفرازی و سربلندی عطا ہو جائے۔

۱۱۴ اور اس طرح یہ لوگ علیٰ وجہ البصیرت اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیں کہ قوانین خداوندی کے ساتھ وابستہ رہنے سے' کس طرح غلبہ و قوت اور بلندی و سرفرازی حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس خدا کے قوانین ہیں' وہ شاہنشاہِ حقیقی' بڑی عظمتوں کا مالک ہے۔

قرآنی پروگرام پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اے رسول! اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے

بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ
قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾
فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ
فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾

کہ جب تک (کسی معاملہ کے متعلق) وحی کی رو سے مکمل ہدایات نہ مل جائیں' اس میں عجلت نہیں کرنی چاہیئے بلکہ انتظار کرنا چاہیئے کہ تمہارے علم میں اضافہ ہو جائے (تو پھر قدم اٹھایا جائے۔ ۷۵/۱۶)۔

۱۱۵ (وحی کا علم حاصل کئے بغیر یا اس کے حصول کے بعد اسے چھوڑ کر اپنے جذبات کے تابع چلنے سے کس قدر نقصان ہوتا ہے' اسے مختلف مقامات پر قصۂ آدم کے تمثیلی بیان میں واضح کیا جا چکا ہے جیسا کہ اُن مقامات میں بتایا جا چکا ہے' یہ قصہ کسی فرد کی داستان نہیں' بلکہ خود انسان کی سرگزشت ہے جسے تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ۳۸/۲ ؛ ۳۰/۲۵ ؛ ۱۱/۷)

ہم نے آدم سے کہہ دیا تھا کہ وحی کی راہ نمائی کو نہ چھوڑنا۔ لیکن اس نے اُسے چھوڑ دیا۔ اصل یہ ہے کہ ہم نے اس میں عزم کی پختگی نہ پائی۔ (یہ انسان کا پہلا کمزور پہلو ہے کہ اس کے عزم میں بالعموم پختگی نہیں ہوتی۔ یہ کمزوری ایمان سے رفع ہو سکتی ہے)۔

۱۱۶ (یہ قصہ کے تمثیلی رنگ میں' اس وقت کی بات ہے) جب ہم نے ملائکہ سے کہا تھا کہ آدم کے سامنے جھک جاؤ' تو وہ سب جھک گئے۔ لیکن ابلیس نہ جھکا۔ اس نے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے سے انکار کر دیا۔ (یعنی فطرت کی قوتیں تو انسان کے سامنے جھک جاتی ہیں لیکن اس کے اپنے سرکش جذبات' ایسا نہیں کرتے۔ یہ بھی اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان اپنے جذبات کو وحی کے تابع رکھے)۔

۱۱۷ ہم نے آدم کو بتایا کہ یہ تیرا اور تیری رفیقہ کا دشمن ہے۔ (یعنی یہ جذبات صرف مرد یا تنہا عورت کے اندر نہیں ہوتے۔ مرد اور عورت دونوں کے اندر ہوتے ہیں) ہم نے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنتی زندگی سے نکال باہر کرے۔ (اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم زندگی کی ضروریات سے' جو تمہیں اس وقت اس آسانی سے فراواں میسر ہیں' محروم ہو جاؤ گے۔ اور پھر ان کے حصول کے لئے تم جگر پاش مشقتوں میں پڑ جاؤ گے۔

۱۱۸ اس وقت (جس نہج کی زندگی تم بسر کر رہے ہو' اس میں کیفیت یہ ہے کہ) نہ تمہیں روٹی کی فکر ستاتی ہے۔ نہ کپڑے کی۔

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ
الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ
الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا

---

۱۱۹ نہ پیاس کا خوف ہے' نہ سورج کی تپش کا۔ (تمہارے لئے کھانے کو روٹی۔ پینے کو پانی۔ پہننے کو کپڑا اور رہنے کو مکان۔ سب کچھ بلا مشقت موجود ہے)۔

(یہ تھا وہ معاشرہ جس میں انسان اپنی ابتدائی زندگی میں رہتا تھا)۔

۱۲۰ (لیکن اس کے بعد انفرادی مفاد پرستیوں نے اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ اس کے لئے سب سے بڑا خوف موت کا تھا۔ وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ شیطان ـــــ اس کے مفاد پرست جذبات۔ نے اس کے اس کمزور پہلو سے فائدہ اٹھایا اور) اس سے کہا کہ کیا میں تجھے ایک ایسے "درخت" کا پتہ نشان بتاؤں جس کا پھل کھانے سے تمہیں حیات جاوید حاصل ہو جائے اور تمہیں ایسی مملکت مل جائے جس پر کبھی زوال نہ آئے۔ (انسان پہلے ہی اس کا متمنی اور متلاشی تھا۔ اس نے کہا کہ اس کا پتہ نشان ضرور بتاؤ۔ اس نے کہا کہ یہ حاصل ہو گی اولاد کے ذریعے۔ وہی تمہاری بقا کا ذریعہ بنے گی۔ اور اسی سے تمہارا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا۔ لہٰذا' تم نوع انسانی کے مفاد کلی کے خیال کو چھوڑو' اور اس کی جگہ صرف اپنی اولاد کے مفاد کو پیش نظر رکھو۔ تمہیں دوسروں کی کیا پڑی ہے)۔

۱۲۱ (انسان اس کے فریب میں آ گیا اور نوع انسانی کی عالمگیر برادری کی جگہ' نسل پرستی کی تشتت وافتراق کی کشمکش میں الجھ گیا۔ اسے تمثیلی انداز میں یوں سمجھو کہ) آدم اور اس کی بیوی نے' اس درخت کا پھل کھا لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ستر ان پر کھل گئے اور وہ لگے اس باغ کے پتوں سے اپنا جسم ڈھانپنے۔

اس طرح انسان نے اپنے نشوونما دینے والے سے سرکشی اختیار کی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس کی معیشت خراب ہو گئی۔ اس کی روزی درہم برہم ہو گئی۔ اس کی زندگی برباد ہو گئی۔ وہ غلط راستوں پر چل نکلا اور بری طرح بھٹک گیا۔

۱۲۲ (لیکن اس سے انسان ابدی طور پر محروم و نامراد نہیں ہو گیا۔ اس کے لئے صحیح راستہ پر چلنے
۱۲۳ اور اس طرح زندگی کی خوشگواریاں حاصل کر لینے کے امکانات موجود تھے)۔ چنانچہ آدم سے کہہ دیا کہ اب تمہاری معاشرت کا نقشہ کچھ اور ہو جائے گا۔ تم اس حالت سے نیچے گر جاؤ گے اور تمہاری انفرادی

جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾
وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي
أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ ﴿١٢٦﴾ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ
أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِن بِآيَاتِ رَبِّهِ ۚ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ﴿١٢٧﴾

مفاد پرستیاں درمیان میں حائل ہو کر تمہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیں گی۔ لیکن ہماری طرف سے تمہارے پاس صحیح راستے کی طرف لیجانے والے قوانین زندگی آتے رہیں گے۔ جو کوئی ان قوانین کا اتباع کریگا تو نہ اس کی محنت رائگاں جائے گی اور نہ ہی وہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ کر ان جانکاہ مشقتوں میں پڑے گا (جن کا ذکر ۲۰/۱۱۲ میں کیا جا چکا ہے)۔ اس طرح خدا اپنے الطاف کریمانہ سے اس کی طرف متوجہ ہوا اور کشاد و سعادت کے راستوں کی طرف اس کی راہ نمائی کر دی — یوں انسان ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہونے سے بچ گیا۔

۱۲۴ اس کے ساتھ ہی انسان پر اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ جو کوئی میرے قوانین سے اعراض برتیگا تو اس کی معیشت (روزی) تنگ ہو جائے گی۔ اور ہم اسے ظہور نتائج (قیامت) کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ (زندگی کی روشن راہیں اس کے سامنے تاریک ہوں گی)۔

(اس کی غلط روش کا یہ انجام اس دنیا میں بھی ہوگا اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی۔ ۱۷/۷۲ ؛ ۲۰/۱۰۲)۔

۱۲۵ وہ کہے گا کہ اے میرے نشو و نما دینے والے! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا۔ میں تو اچھا خاصا دیکھنے والا تھا۔ (۲۲/۴۶)۔

۱۲۶ اس سے کہا جائے گا کہ یہ اس لئے کہ ہمارے قوانین تمہارے پاس پہنچتے رہے لیکن تم نے انہیں ناقابل اعتنا سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اس لئے آج تمہیں (زندگی کی روشنی سے) محروم کر دیا گیا ہے اور اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

۱۲۷ جو کوئی بھی اپنے نشو و نما دینے والے کے قوانین کی صداقت کو تسلیم نہیں کرتا اور ان سے سرکشی برتتا ہے اسے ہمارے قانونِ مکافات کے مطابق اسی قسم کا بدلہ ملتا ہے۔ (یعنی اس دنیا میں معیشت کی تنگی اور تباہی اور مستقبل کی زندگی میں اس سے بھی زیادہ شدید اور دیرپا عذاب۔

أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي
النُّهَىٰ ﴿١٢٨﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ﴿١٣٠﴾ وَلَا
تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ
وَأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ

---

۱۲۸ (اے رسول! کیا ان مخالفین پر) یہ حقیقت واضح نہیں ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے (اسی قانونِ مکافات کی رُو سے) کتنی قوموں کو تباہ کر دیا (جنہوں نے ہمارے قوانین سے سرکشی اختیار کی تھی) اور جن کی بستیوں میں اب یہ چلتے پھرتے ہیں۔ یقیناً (ان تاریخی شواہد میں) ان لوگوں کے لئے (حقیقت تک پہنچنے کی) نشانیاں ہیں جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں۔

۱۲۹ (حقیقت یہ ہے کہ) اگر تیرے نشوونما دینے والے کے قانونِ مہلت کے مطابق ظہورِ نتائج کا وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا (جس طرح تخم ریزی کے بعد فصل پکنے کا وقت مقرر ہوتا ہے) تو ہلاکت کا عذاب جس کا فیصلہ ہو چکا ہے' ان کے ساتھ کبھی کا چپک گیا ہوتا۔

۱۳۰ لہٰذا' جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں' اس سے تنگ نہ پڑو۔ نہ ہی حوصلہ ہارو۔ بلکہ اپنے مشن پر نہایت استقلال سے قائم رہو۔ صبح' شام۔ رات کی گھڑیوں میں دن کے اطراف میں۔ (یعنی دن رات' ایک کر کے) نظامِ خداوندی کے قیام میں اس طرح تگ و تاز کرتے رہو کہ وہ' اس کی حمد و ستائش کی زندہ شہادت بن کر' دنیا کے سامنے آجائے۔ اس طرح تیری تمام آرزوئیں پوری ہو جائیں گی۔

۱۳۱ اور جو کچھ ہم نے اِن لوگوں کے مختلف طبقات کو' دنیاوی زندگی کی آرائش و آسائش کا سامان عطا کر رکھا ہے' اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو (۱۵/۸۸)۔ (اور اس بات کا خیال تک بھی نہ کرو کہ غلط روش پر چلنے والے اس قدر خوش حال ہیں' اور ہم صحیح راستے پر چلنے والے' مشقتیں جھیل رہے ہیں! اصل یہ ہے کہ) یہ زیبائش و آرائش کا سامان ایک کٹھالی ہے جس میں ان لوگوں کو ڈال رکھا ہے (یہ اپنی آگ میں خود ہی جل کر بھسم ہو جائیں گے۔ ۱۰۴/۶ - اور انجام کار تم دیکھو گے) کہ جو کچھ خدا کے نظامِ ربوبیت کی رُو سے ملتا ہے' اس میں ہر طرح کی خوشگواری ہوتی ہے' اور اُسی کے لئے بقا ہوتی ہے (۱۳/۱۷)۔

۱۳۲ لہٰذا' تو اپنی جماعت کے لوگوں کو اس کی تاکید کرتا رہ کہ وہ فرائض خداوندی کی تکمیل کے لئے ہمیشہ سرگرمِ عمل رہیں۔ اور خود بھی اس پروگرام پر استقامت سے جما رہ۔ ان سے کہدو کہ یہ نظامِ خداوندی

لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ
اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

تم سے کھانے کے لئے کچھ نہیں مانگے گا (اگرچہ اس وقت یہی نظر آتا ہے کہ یہ تمہارا سب کچھ لئے جا رہا ہے۔ اس کے برعکس) یہ تمہارے سامانِ زیست کی ساری ذمہ داری اپنے سر لے لیگا۔ اور جو لوگ اس کی نگہداشت کریں گے انجام کار ہر قسم کی خوشگواریاں انہی کے لئے ہوں گی۔

۱۳۳ اور یہ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ رسول اپنے رب کی طرف سے کوئی واضح نشان کیوں نہیں لے آتا' (تاکہ اسے دیکھ کر سب ایمان لے آئیں۔ ان سے کہو کہ سچائی کو اس قسم کی نشانیاں دکھا کر نہیں منوایا جاتا ہے۔ دلیل اور برہان کی رو سے تسلیم کرایا جاتا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ) علم و برہان کی وہ کونسی بات ہے جو انبیاء سابقہ کے صحیفوں میں آئی تھی اور قرآن میں نہیں آچکی۔ (۲۰/۵۶)۔

۱۳۴ اگر ہم انہیں (اس قرآن کے نازل کرنے سے) پہلے ہی ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ اے ہمارے نشو و نما دینے والے! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیرے احکام کا اتباع کرتے۔ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو پھر ہمیں بیشک ذلیل و خوار کر دیا جاتا۔ (۲۰/۱۹)

۱۳۵ (بہرحال' تم ان سے کہدو کہ ان بے کار باتوں سے کیا حاصل ہے۔ تم اپنی راہ پر چلتے رہو میں اپنی راہ پر چلتا ہوں۔ اس کے بعد) میں اپنے پروگرام کے نتائج کا انتظار کرتا ہوں' تم بھی انتظار کرو۔ عنقریب تم جان لوگے کہ ہم میں سے کون ہے جو ہموار اور سیدھی راہ پر چل رہا ہے اور وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا (۲۰/۱۳۶)۔



سورۃ الانبیاء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۡ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝

---

۱ یہ لوگ جو کچھ کرتے رہے ہیں، اس کے نتائج سامنے آنے کا وقت سر پر آپہنچا ہے، لیکن یہ ابھی تک اسی طرح، خوابِ غفلت میں مدہوش، صحیح روشِ زندگی سے منہ موڑے، غلط راستے پر چلے جا رہے ہیں۔

۲ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ان کی طرف اِن کے نشو و نما دینے والے کی جانب سے جب بھی کوئی قوانین و ضوابط پہلی بار آئے، انہوں نے اُن پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ انہیں محض تفریحاً سنتے رہے۔ (۲۶/۵)۔

۳ اس طرح کہ بظاہر کان اِدھر لگے ہیں لیکن دل یکسر غافل ہیں۔ بلکہ ان میں سے جو زیادہ سرکش ہیں ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ راتوں کو چھپ چھپ کر مشورے کرتے ہیں (کہ کس طرح اس آواز کو آگے بڑھنے سے روک دیا جائے۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ) یہ تو تمہاری ہی طرح کا ایک عام انسان ہے۔ کیا تم اس لئے وہاں جاتے ہو کہ اس کی خود ساختہ جھوٹی باتیں سنو؟ تم سب کچھ دیکھتے بھالتے اِسکے

قُلْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۴ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ
اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ
مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ
الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝

فریب میں کیوں آجاتے ہو؟

۴ (ان کا رسول ان سے) کہتا ہے کہ (جو کچھ میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں' اس خدا کی طرف سے ہے) جو زمین و آسمان کی سب باتیں جانتا ہے۔ وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔

۵ اور یہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اس رسول کے اپنے ہی خیالاتِ پریشاں ہیں جو اسے خواب میں وحی بن کر دکھائی دیتے ہیں۔ (کچھ اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ 'نہیں! یہ شخص) ان باتوں کو دیدہ و دانستہ وضع کرتا ہے اور انہیں خدا کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں! یہ شاعر ہے (اور اپنے وجدان کو خدا کی وحی سمجھتا ہے)۔ اگر یہ فی الواقعہ خدا کا رسول ہے' تو (جس طرح ہم سنتے ہیں کہ پہلے رسولوں کو معجزات دیئے جاتے تھے' یہ بھی اسی طرح) کوئی معجزہ کیوں نہیں دکھاتا؟

۶ یہ باتیں' جو ان لوگوں کی طرف سے ہو رہی ہیں' کچھ نئی نہیں۔ ان سے پہلے جتنی قومیں تباہ ہوئیں اُن کی ضد اور سرکشی کا بھی یہی عالم تھا۔ (ہلاکت اُن کے دروازوں پر دستک دیتی تھی' لیکن وہ اس پر بھی) ایمان نہیں لاتے تھے۔ (لہٰذا' ان لوگوں کے سامنے ہزار دلائل پیش کرو' اور انہیں ان کی روش کے تباہ کن نتائج سے لاکھ آگاہ کرو) یہ کبھی ایمان نہیں لانے کے۔ (یہ بھی اسی طرح تباہ ہو کر رہیں گے جس طرح' ان جیسی اقوامِ سابقہ تباہ ہوئی تھیں)۔

۷ (باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ یہ رسول ہماری ہی طرح کا ایک انسان ہے۔ سو اے رسول! ان سے کہدو کہ) ہم نے اس سے پہلے بھی' جو پیغمبر بھیجے تھے' وہ آدمی ہی تھے۔ اگر تمہیں اس کا علم نہ ہو تو اُن لوگوں سے دریافت کر لو جنہیں' اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ (۱۲/۱۰۹ ، ۱۶/۴۳)

۸ نہ تو اُن رسولوں کے جسم ایسے بنائے گئے تھے کہ انہیں کھانے پینے کی ضرورت نہ ہو' اور نہ ہی وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے تھے۔ (وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے' اور پھر اپنے وقت پر وفات پا جاتے تھے۔ لہٰذا' یہ تصور ہی غلط ہے کہ رسول کو عام انسانوں سے الگ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہونا چاہیئے)۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ
ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ ع
فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ
وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝

۹ (وہ رسول' انہی جیسے انسان تھے۔ اور اُنہی کے ہاتھوں) ہم نے اُن باتوں کو سچا کر دکھایا جو اُنکے مخالفین سے کہی جاتی تھیں۔ (ان میں سے جنہوں نے اپنے رسول کی باتوں کو مان لیا) انہیں ہم نے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق' ہلاکت سے بچا لیا۔ جنہوں نے سرکشی اور حدود فراموشی اختیار کی' انہیں تباہ کر دیا۔

۱۰ (ان سے کہو کہ اسی پروردگار کے مطابق' اب) ہم نے تمہاری طرف یہ ضابطۂ قوانین نازل کیا ہے۔ اس میں خود تمہارے شرف اور عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔ اگر تم ذرا عقل و بصیرت سے کام لے کر سمجھنے کی کوشش کرو (تو یہ حقیقت تم پر واشگاف ہو جائے گی کہ یہ ضابطۂ قوانین تمہیں بلندیاں اور سرفرازیاں عطا کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اس سے خدا نے کوئی اپنا مقصد حاصل نہیں کرنا)۔ (۲۱/۲۴ ؛ ۲۳/۷۰ ؛ ۴۳/۴۴-۴۳)

۱۱ (اگر تم نے اپنی زندگی کا نقشہ اس کے مطابق مرتب کر لیا' تو تمہیں رفعت و عظمت حاصل ہو جائے گی۔ اگر اس کے خلاف چلے تو تم بھی اسی طرح تباہ و برباد ہو جاؤ گے جس طرح) ہم نے (تم سے پہلے) کتنی ایسی قوموں کو تباہ کر دیا جنہوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی۔ اور پھر اُن کے بعد اُن کی جگہ دوسری قوموں کو اٹھا کھڑا کیا۔

۱۲ (اُن کی غلط روش کے نتائج' غیر محسوس طور پر مرتب ہوتے چلے جا رہے تھے۔ انہیں اُن کے انجام سے آگاہ کیا جاتا تھا کہ وہ اُس روش سے باز آجائیں' لیکن وہ اس تنبیہ پر کان نہیں دھرتے تھے۔ چنانچہ وہ غیر محسوس نتائج' آہستہ آہستہ' آگے بڑھتے گئے' حتیٰ کہ) جب وہ محسوس طور پر سامنے آگئے تو وہ لگے بھاگنے۔ (۶/۸۲ ؛ ۱۶/۲۶)۔

۱۳ (لیکن اُس وقت بھاگنے کا کونسا موقعہ تھا۔ چنانچہ ہمارے قانونِ مکافات نے انہیں للکارا اور کہا کہ) اب کہاں بھاگ کر جا سکتے ہو؟ مت بھاگو۔ اب الٹے پاؤں انہی عیش سامانیوں کی طرف چلو (جن کی سرشاریاں تمہیں اس طرح مدہوش کئے تھیں) اور اپنے اُن محلات کی طرف پلٹو (جن کے اندر تم اپنے آپ کو اس قدر محفوظ سمجھا کرتے تھے)۔ وہاں چلو تاکہ تم سے پوچھا جائے کہ یہ کچھ

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ⑯ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ
اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ⑰ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا
تَصِفُوْنَ ⑱ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

کس کی محنت سے بنا تھا اور تمہارا اس پر کیا حق تھا؟ (۱۳/۱۸)

۱۴ اُس وقت اُنہیں اِس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر چارہ ہی نہ تھا کہ وہ واقعی ظالم تھے اور اپنے کئے پر سخت متاسف۔

۱۵ (لیکن اُس وقت اس تاسف سے کیا ہو سکتا تھا؛ جب نتائج مرتب ہو کر سامنے آجائیں تو پھر وہ پلٹا نہیں کرتے)۔ چنانچہ وہ برابر چلاتے رہے کہ جو زیادتیاں انہوں نے کی ہیں ان پر وہ بیحد متاسف ہیں لیکن ہمارے قانونِ مکافات نے انہیں ایسے کر دیا جیسے کٹا ہوا کھیت جس میں نشوونما کی صلاحیت باقی نہ رہے۔ (یا بجھا ہوا شعلہ جس میں زندگی کی حرارت ختم ہو جائے۔ ۳۶/۲۸)۔

۱۶ (وہ سمجھتے تھے کہ) ہم نے اس کارگہ کائنات کو محض کھیل تماشے کے طور پر پیدا کر رکھا ہے! (بالکل نہیں! اسے ہم نے تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ اس کا ایک عظیم مقصد ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ کسی کا کوئی عمل بلا نتیجہ نہ رہنے پائے۔ افراد ہوں یا اقوام سب کے اعمال صحیح صحیح نتیجہ مرتب کر کے رہیں۔ (۱۱/۷ ؛ ۴۵/۲۲ ؛ ۵۳/۳۱)۔

۱۷ اگر ہمارا یہ ارادہ ہوتا کہ سلسلۂ کائنات یونہی کھیل تماشے کے طور پر بلا مقصد رہے تو ہم اسے اپنی طرف سے ایسا ہی بنا دیتے۔ لیکن ہم نے اسے ایسا نہیں بنایا۔

۱۸ (اس کی تخلیق کو اس طرح عمل میں لایا گیا ہے کہ یہاں تخریبی اور تعمیری قوتوں میں کشمکش رہتی ہے) حق کی تعمیری قوتیں باطل کی تخریبی قوتوں پر برابر ضرب کاری لگاتی رہتی ہیں اور اس طرح ان کا سر کچل کر رکھ دیتی ہیں۔ اور باطل شکست کھا کر بھاگ اٹھتا ہے۔ (یہ ہے ہمارا کائناتی پروگرام۔ اس کے برعکس) یہ جو تم کہتے ہو (کہ یہ محض کھیل تماشے کے طور پر وجود میں آگیا ہے اور یہاں کوئی نظام ایسا نہیں جس سے انسانی اعمال پر گرفت ہو سکے اور غلط روش اپنا تباہ کن نتیجہ مرتب کر کے رہے) یہ یکسر غلط ہے اور قابلِ صد افسوس اور موجب ہزار تباہی۔

۱۹ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے

وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴿١٩﴾ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿٢٠﴾ أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ
يُنشِرُونَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٢٢﴾ لَا
يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ﴿٢٣﴾

(سرگرم عمل) ہے۔ کائنات کی کوئی توت اُس کے قانون کی اطاعت سے سرتابی اختیار نہیں کر سکتی' اور نہ ہی وہ کبھی اپنے فرائض کی سرانجام دہی سے تھکتی ہے۔

۲۰ وہ سب' رات دن' خدا کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہتی ہیں۔ اور اُن کی سرگرمیٔ عمل میں کبھی سستی نہیں ہوتی۔

۲۱ (اس حد تک تو یہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے' اور یہ اُسی کے قوانین کے مطابق سرگرم عمل ہے (۲۳/۸۵ ؛ ۲۹/۶۲ ؛ ۳۱/۲۵ ؛ ۳۹/۳۸ ؛ ۴۳/۹) لیکن یہ اسے ماننے کیلئے تیار نہیں کہ ان کی اپنی حیاتِ ارضی — معاشی اور معاشرتی زندگی — بھی اُسی کے قوانین کے تابع رہنی چاہیئے)۔ یہ اپنی حیات ارضی کے لئے اور معبود تراشتے ہیں۔ (یعنی سمجھتے ہیں کہ ان کی زندگی اِن کے اپنے' یا دوسرے انسانوں کے' وضع کردہ قوانین کے ماتحت رہنی چاہیئے)۔ اور انہی کے مطابق اس زندگی کو پھیلانا اور آگے بڑھانا چاہیئے۔ (بالفاظ دیگر آسمانوں کا خدا اور ہونا چاہیئے اور زمین کا خدا اور۔ آسمانوں میں خدا کی بادشاہت ہونی چاہیئے اور زمین پر انسانوں کی۔ یہ اِن کی بڑی بھول ہے)۔

۲۲ اگر کائنات میں' خدا کے علاوہ اور آلہ بھی ہوں۔ یعنی اِس کے ایک گوشے میں خدا کے قوانین نافذ ہوں اور دوسرے گوشے میں کسی اور کے' تو کائنات کا سارا سلسلہ تہس نہس ہو جائے۔ لہٰذا وہ ذاتِ خداوندی' جو کائنات کے نظام ربوبیت کا مرکزی کنٹرول اپنے' اور صرف اپنے' ہاتھ میں رکھے ہوئے ہے اُن تصورات سے بہت بلند ہے جو انسانوں نے اپنے ذہن میں قائم کر رکھے ہیں۔ (۶/۹۱ ؛ ۱۶/۵۱ ؛ ۳۹/۶۷ ؛ ۴۳/۸۴)۔

۲۳ پھر اُس کے اقتدار کا یہ عالم ہے کہ اُس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ اُس نے اس سلسلۂ کائنات کو ایسا کیوں بنایا ہے اور اس کے لئے اِس قسم کے قوانین کیوں نافذ کئے ہیں۔ (اسی کو' بالفاظ دیگر یوں کہا جائے گا کہ کائنات میں اقتدارِ اعلیٰ صرف خدا کے لئے ہے[1])۔ اس کے برعکس' اور سب سے پوچھا جا سکتا ہے کہ

---

[1] (SOVEREIGNTY) کی تعریف (DEFINITION) یوں کی گئی ہے۔

The power to do all things without accountability.

Robert Lansing- Notes on Sovereignty- P. 3
(Quoted by Jacques Maritain, in "Man and the State" P. 51)

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ وَذِكْرُ مَن قَبْلِي ۗ بَلْ
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٤﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي
إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ
مُّكْرَمُونَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

انہوں نے اپنے لئے جداگانہ نظام زندگی کیوں وضع کر رکھا ہے ("پوچھے جانے" سے مطلب یہ ہے کہ کوئی اور نظامِ زندگی، کارگہ کائنات کے کلی پروگرام میں فٹ بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ نہ ہی کسی کو اس کا حق اور اختیار دیا گیا ہے)۔

۲۴ کیا (ایسے واضح دلائل کے باوجود) ان لوگوں نے اپنے لئے 'خدا کے علاوہ' اور 'ارباب اقتدار' تجویز کر رکھے ہیں؟ ان سے کہو کہ تم اپنے اس مسلک کی تائید میں کوئی دلیل پیش کرو۔ (یہ اس کے لئے کوئی دلیل نہیں لا سکیں گے۔ ۲۳/۱۱۷)۔

ان سے کہدو کہ اس مسلک پر جسے میں پیش کر رہا ہوں 'میری جماعت کے لوگ میرے ساتھ ہیں۔ اور اسی مسلک پر وہ لوگ تھے جو مجھ سے پہلے (انبیاء اور ان کے ساتھی) گذر چکے ہیں۔ یہ ان کے لئے بھی باعث شرف و عزت ہے جس طرح ان کے لئے تھا۔ اصل یہ ہے کہ یہ مخالفین حقیقت سے واقف نہیں اور یونہی (جذبات کی رو میں بہ کر یا اندھی تقلید کی رو سے) اس مسلک حق و صداقت سے اعراض برتتے ہیں۔

۲۵ (یہ مسلک شروع ہی سے ایسا چلا آ رہا ہے)۔ چنانچہ ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس کی طرف یہ وحی نہ کی گئی ہو کہ کائنات میں اختیار و اقتدار صرف خدا کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ سو تم قوانین خداوندی ہی کی محکومی اور اطاعت اختیار کرو۔ (یہی وحی اب کی جا رہی ہے)۔

۲۶ ان کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ یہ خدا کی اولاد کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ جنہیں یہ خدا کی اولاد سمجھتے ہیں وہ اس کے معزز 'اطاعت گزار بندے ہیں۔

۲۷ ان کی اطاعت کا یہ عالم ہے کہ وہ کسی بات میں خدا سے سبقت نہیں کرتے۔ بس 'وہیں تک رہتے ہیں جہاں تک فرمان خداوندی ہوتا ہے۔ اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کے کرنے کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

۲۸ (یہ بھی نہیں کہ وہ ظاہر داری سے کچھ اور کرتے ہوں اور دل میں کچھ اور خیالات رکھتے ہوں۔ خدا اُن کے تمام احوال و کوائف سے واقف ہے)۔ اُن کے ماضی سے بھی اور مستقبل سے بھی[1]۔

---

[1] جسے ہم حال (PRESENT) کہتے ہیں 'وہ ماضی کا مستقبل' اور مستقبل کا ماضی ہوتا ہے۔

وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ
دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ
رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَهُمْ

ان کی تائید و نصرت کسی کے ساتھ نہیں ہوتی بجز اُس کے جو قوانین خداوندی سے ہم آہنگ ہو۔ وہ خود قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کے عواقب سے ڈرتے رہتے ہیں (۷۹/۱۵)۔

۲۹ (ان میں سے کوئی بھی اپنے الٰہ ہونے کا دعوےٰ نہیں کرسکتا۔ (۳/۷۸)۔ اگر بفرض محال) ان میں سے کوئی یہ بات کہے کہ خدا کے علاوہ 'میں الٰہ ہوں' (مجھے بھی خدائی اختیارات حاصل ہیں) تو اس کی پاداش میں ہم اسے جہنم رسید کردیں۔ اسی طرح' جس طرح ہم دوسرے سرکش لوگوں کو سزا دیا کرتے ہیں۔

۳۰ (بعض لوگ بربنائے جہالت' مظاہر فطرت کو دیوی دیوتا سمجھ لیتے ہیں' حالانکہ سلسلۂ کائنات تمام کا تمام' خدا کا پیدا کردہ اور اسی کے قوانین کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ اس وقت تو انہیں کائنات میں مختلف مظاہر الگ الگ کام کرتے دکھائی دیتے ہیں' لیکن) انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ تخلیق کے ابتدائی ادوار میں یہ سب ایک ہی ہیولیٰ تھے۔ پھر ہم نے انہیں الگ الگ کر دیا۔ (مثلاً کرۂ ارض' اس اوّلیں ہیولیٰ سے یوں الگ ہوا جس طرح گوپیے سے پتھر پھینکا جاتا ہے۔ (۷۹/۳۰)۔ اور اس طرح تمام کرّے اپنے اپنے مدار میں تیرنے لگ گئے (۲۱/۳۳ ؛ ۳۶/۴۰)۔ اس کے بعد جب زمین اس قابل ہوگئی کہ اس پر جاندار چیزیں رہ سکیں تو) ہم نے پانی سے زندگی کی نمود کی —— (تمام جاندار چیزیں پانی کے امتزاج سے پیدا ہوئیں۔ (۲۴/۴۵)۔ اور زندگی کے اس سرچشمہ پر خدا نے اپنا کنٹرول رکھا۔ (۱۱/۷)۔

کیا اس کے بعد بھی یہ لوگ اس حقیقت پر ایمان نہیں لاتے کہ ساری کائنات میں اقتدار و اختیار صرف خدا کا ہے کسی اور کا نہیں۔

۳۱ اور ہم نے زمین کو ایسا بنا دیا کہ وہ گھومتی بھی رہے اور انسان اس پر اطمینان سے سکونت پذیر بھی رہیں۔ (۱۶/۱۵)۔ نیز اس میں بڑے بڑے پہاڑ بنا دیئے (جو واٹر ورکس کا کام بھی دیتے ہیں اور دیگر سامان زیست کے ذخائر کا بھی)۔ اور ان میں درّے رکھ دیئے تاکہ ان سے راستوں کا کام لیا جاسکے۔

۳۲ اور کرۂ ارض کے اوپر ایسی فضا پیدا کردی جو خود بھی محفوظ ہے اور زمین کے رہنے والوں کو اوپر سے

ATMOSPHERE ۵

عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا
جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَاۗىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ
بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

گرنے والے شہاب ثاقب کی تباہی سے بھی محفوظ رکھتی ہے[1]۔

یہ سب کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (اس حقیقت کی کہ) اشیائے فطرت خود قوانینِ خداوندی کے تابع سرگرم عمل ہیں۔ ان میں سے کسی کو کوئی قوت و اقتدار حاصل نہیں۔ لیکن (اس کے باوجود) یہ لوگ ان حقائق سے منہ پھیرے رہتے ہیں۔

۳۳ خدا وہ ہے جس نے (زمین کی گردش سے) رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے کا سلسلہ قائم کیا۔ اور سورج اور چاند بنائے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیزی سے تیر رہا ہے۔

۳۴ (ہمارے قوانین کی صداقتیں ان آفاقی نشانیوں سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔ لیکن ان لوگوں کا اصرار ہے کہ رسول کو ایسی نشانیاں پیش کرنی چاہئیں جو ان قوانین فطرت کے خلاف ہوں، تاکہ معلوم ہوسکے کہ وہ کوئی ما فوق البشر ہستی ہے۔ ان سے کہو کہ رسول عام انسانوں جیسے ہی ہوتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں، اور اپنے وقت پر وفات پا جاتے ہیں)۔ تجھ سے پہلے بھی ہم نے کوئی انسان ایسا نہیں بنایا جو ہمیشہ کے لئے زندہ رہا ہو۔ نہ ہی تیرے لئے ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ پھر اگر تیرے لئے ایک دن مرنا ہے تو یہ کون سے ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں؟

۳۵ دنیا میں ہر ذی حیات کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ (باقی رہی یہاں کی زندگی اور اس کے حوادث سو اس میں تم سب) اچھی بری حالتوں کی کٹھالیوں سے گزرتے ہو تاکہ تمہاری مضمر صلاحیتوں کی نمود ہو جائے۔ تمہاری ہر نقل و حرکت کا رُخ ہمارے قانون مکافات کی طرف ہے۔ (تم اس سے الگ ہٹ کر کہیں نہیں جا سکتے)۔

---

[1] جنہیں ہم "ٹوٹنے والے تارے" (METEORS) کہتے ہیں وہ درحقیقت نظام شمسی کے چھوٹے چھوٹے اجرام ہوتے ہیں جو کشش ثقل کی قوت سے ٹوٹ کر نیچے گرتے ہیں اور ان کے پتھریلے ٹکڑے بارش کی طرح برستے ہیں۔ بعض اوقات کرۂ ارض اس "بارش" کے راستے میں آجاتا ہے لیکن اس کے اوپر کی فضا ان پتھروں کو پیس کر رکھ دیتی ہے اور جسے ہم "ٹوٹا ہوا تارہ" کہتے ہیں وہ ان کی چمکنے والی راکھ ہوتی ہے۔ کبھی کبھی یہ پتھر اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ فضا سے پس کر راکھ نہیں ہوتے۔ اس طرح ان کے بعض ٹکڑے زمین پر گرتے ہیں۔ لیکن یہ شاذ و نادر ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ فضا میں پس جاتے ہیں۔ اگر فضا ان "پتھروں کی بارش" کو پیس کر راکھ نہ بنا دے تو زمین پر زندگی محال ہو جائے۔ یوں یہ فضا، ہمارے لئے "محفوظ چھت" کا کام دیتی ہے۔

وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُم بِذِكْرِ
الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُولُونَ
مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَن وُجُوهِهِمُ النَّارَ
وَلَا عَن ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ
يُنظَرُونَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٤١﴾

۳۶ (اے رسول!) جب یہ لوگ جو ہمارے قوانین کی صداقتوں سے انکار کرتے ہیں تجھے دیکھتے ہیں تو (دلیل و برہان کی رُو سے تو تیری کسی بات کا جواب دے نہیں سکتے۔ کھسیانے ہو کر) تیرا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! یہ ہے وہ جو تمہارے معبودوں کا (اس طرح) ذکر کرتا ہے۔ (اور ان کی الوہیت کا انکار کرتا ہے! تجھے تو اپنے باطل معبودوں کے انکار پر ہدفِ استہزاء بناتے ہیں اور اپنی یہ حالت ہے کہ) خدائے رحمٰن ——— جو حقیقی الٰہ ہے ——— کا نام تک سننے کے روادار نہیں۔ اس سے یکسر انکار کرتے ہیں۔

۳۷ (یہ سب اس لئے کہ انسان دور تک نگاہ نہیں لے جاتا) بڑا جلد باز واقع ہوا ہے (۱۷/۱۱)۔ (چونکہ ان کے اس انکار و سرکشی کی وجہ سے ان پر فوری گرفت نہیں ہوتی اس لئے یہ تیری تنذیرات کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ) یوں جلدی مت مچاؤ۔ وہ دن دور نہیں جب خدا کی یہ نشانیاں حقیقت بن کر تمہارے سامنے آجائیں گی اور تم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔

۳۸ (ہمیں معلوم ہے کہ) یہ تم سے بار بار کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتاؤ کہ ہماری جس تباہی کے متعلق تم اکثر دھمکیاں دیتے رہتے ہو وہ کب آئے گی؟

۳۹ اگر ان منکرین قانونِ مکافات کو اس آنے والے انقلابی حادثہ کا کچھ بھی علم ہو جائے اور یہ جان لیں کہ جب (جنگ کی آگ بھڑک اٹھے گی تو) یہ اس کے شعلوں کو نہ اپنے سامنے سے ہٹا سکیں گے اور نہ ہی اپنے پیچھے سے۔ اور اُس وقت کوئی ان کی مدد کو بھی نہیں پہنچ سکے گا (تو یہ کبھی اس کے لئے جلدی نہ مچائیں)۔

۴۰ وہ آنے والا انقلاب ان کے سامنے یوں دفعتہً نمودار ہو جائے گا کہ یہ مبہوت رہ جائیں گے۔ پھر نہ تو انہیں اس کی قدرت ہو گی کہ یہ اُسے ہٹا کر کسی دوسری طرف پھرا دیں اور نہ ہی انہیں اس کی مہلت دی جائے گی (کہ یہ اُس کی زد سے بچنے کے لئے ایک طرف ہو جائیں)۔

۴۱ (حقیقت یہ ہے کہ ان کی طرف سے یہ استہزاء اور استخفاف کوئی نئی چیز نہیں) تجھ سے پہلے

قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ
تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ
وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ
اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۚ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾
وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

رسولوں کی بھی اسی طرح ہنسی اڑائی جا چکی ہے۔ لیکن ان کی اس ہنسی کا نتیجہ کیا نکلا؟ یہی کہ وہ جن باتوں کو مذاق سمجھا کرتے تھے انہوں نے سچ مچ آکر انہیں گھیر لیا۔

۴۲ (اے رسول! ان سے پوچھو کہ) دن ہو یا رات۔ کوئی قوت ایسی ہے جو خدا کی گرفت سے بچانے کے لئے تمہاری حفاظت کر سکے؟ لیکن (یہ اس کا جواب کیا دیں گے!) یہ تو اپنے نشو و نما دینے والے کے قانونِ مکافات سے یکسر منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

۴۳ کیا (یہ سمجھتے ہیں کہ) فی الواقعہ کوئی قوتیں ایسی ہیں جو انہیں ہماری گرفت سے بچا لیں گی؟ (جنہیں یہ اپنا معبود سمجھ رہے ہیں' وہ انہیں کیا بچا لیں گے! اُن کی تو یہ حالت ہے کہ) وہ خود اپنی مدد کرنے کی بھی استطاعت نہیں رکھتے۔ اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ نہ ہی ہم ان کی حفاظت کریں گے۔ (ہماری حفاظت انہی کو حاصل ہوتی ہے جو ہمارے قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں)۔

۴۴ اصل میں ہوا یہ ہے کہ انہیں' اور ان کے آباء و اجداد کو' زندگی کا ساز و سامان ایسی فراوانی سے مل گیا کہ یہ اُس کے نشہ میں مدہوش ہو گئے۔ اور پھر اس پر اتنا لمبا عرصہ گزر گیا کہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اب اسے ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا! لیکن کیا یہ اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ ہم معاشی ذرائع (ارض) کو بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھ سے چھین کر ان کی مقبوضات کو کس طرح کم کرتے چلے جا رہے ہیں (۱۳/۴۱)۔ کیا اس کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بالادست رہیں گے' اور ہمارا نظام ان پر غالب نہیں آسکے گا؟

۴۵ ان سے کہو کہ میں جو تمہیں' تمہاری روش کے انجام و عواقب سے آگاہ کرتا رہتا ہوں' تو وہ میرے ذاتی قیاسات کی بنا پر نہیں ہوتا۔ میں یہ سب کچھ وحیِ خداوندی کی بنا پر کہتا ہوں (اس لئے اس میں شک و شبہ یا غلطی کا امکان نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ) تم بالکل بہرے بن جاتے ہو' اور ہر بات اَن سُنی کر دیتے ہو۔ اس لئے میرا انذار تمہیں کیا فائدہ دے سکتا ہے؟

۴۶ حالانکہ اس آنے والے انقلاب کا عذاب اس قدر شدید ہے کہ اگر انہیں اس کی ایک لپٹ بھی

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ
مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ
عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

چھو جائے (تو ان کا سارا نشہ ہرن ہو جائے) اور یہ بے ساختہ پکار اٹھیں کہ ہم واقعی زیادتی کیا کرتے تھے۔ یہ تباہی ہم پر آنی چاہیئے تھی۔

۴۷ اور (یہ انقلابی عذاب یونہی اندھا دھند واقع نہیں ہو جائے گا۔ ہمارے ہاں سے کچھ بھی اندھا دھند نہیں ہوتا) ہم ظہورِ نتائج کے وقت عدل کی میزانیں کھڑی کر دیں گے اور کسی کے ساتھ ذرا بھی بے انصافی نہیں ہوگی۔ اگر کسی نے رائی کے دانے کے برابر بھی کچھ کیا ہوگا تو اسے بھی وزن میں لے لیا جائیگا۔ جب ہم خود حساب کرنے والے ہوں تو پھر کونسی چیز ہے جو حساب سے باہر رہ سکتی ہے۔ (۸ = ۹۹/۷)۔

۴۸ (اسی قسم کے انقلابات انبیائے سابقہ کے ہاتھوں بھی وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً موسیٰؑ اور ہارونؑ کے ہاتھوں) جنہیں ہم نے وہ ضابطۂ قوانین عطا کیا تھا جو صحیح اور غلط کو نکھار کر الگ الگ کر دینے والا' اور ان لوگوں کے لئے جو زندگی کی تباہیوں سے بچنا چاہیں' مشعلِ ہدایت اور وجۂ شرف تھا۔

۴۹ یعنی ان لوگوں کے لئے جو قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کے ان دیکھے نتائج سے ڈرتے تھے اور اس طرح آنے والے انقلاب کے تصور سے لرزتے تھے۔

۵۰ اور اب یہ قرآن ہماری طرف سے نازل کردہ ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کی خوشگواریوں کا ضامن ہے۔ تو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو؟

۵۱ اور ہم نے (موسیٰؑ اور ہارونؑ سے بھی) پہلے ابراہیمؑ کو وہ سمجھ بوجھ عطا کر دی تھی (جو اس کے منصب کے شایانِ شان' اور ان فرائض کی سرانجام دہی کے لئے ضروری تھی جو اس کے سپرد کئے جا رہے تھے)۔ اور ہم اس کی حالت سے خوب واقف تھے۔

۵۲ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پرستش پر تم اس طرح جم کر بیٹھ گئے ہو۔ اور جن کے تم مجاور بن رہے ہو؟ (ذرا عقل و بصیرت سے کام لو اور سوچو کہ

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا
اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ
وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ

تم بڑے ہو جنہوں نے انہیں بنایا ہے' یا یہ مورتیاں بڑی ہیں؟)۔

۵۳ انہوں نے جواب میں کہا کہ (ہم ان باتوں کو کچھ نہیں جانتے)۔ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو دیکھا کہ وہ ان کی پرستش کیا کرتے تھے (ہم بھی ویسا ہی کرنے لگ گئے)۔

۵۴ ابراہیمؑ نے کہا کہ تم بھی کھلی ہوئی گمراہی میں ہو' اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں تھے (جو اپنے ہاتھوں کی تراشیدہ مورتیوں کے سامنے جھکتے تھے اور اس طرح شرفِ انسانیت کو خاک میں ملا دیتے تھے)۔

۵۵ انہوں نے کہا کہ ابراہیمؑ! تو ہم سے یہ کچھ سچ مچ کہہ رہا ہے یا یونہی مذاق کر رہا ہے؟

۵۶ ابراہیمؑ نے کہا کہ (اس میں مذاق کی کونسی بات ہے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ جن مورتیوں کو تم خود بناتے ہو' وہ اس قابل ہو سکتی ہیں کہ انسان انہیں اپنا خدا بنا لے!) تمہارا نشوونما دینے والا وہ ہے جو تمام کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور اس کے بعد انہیں نشوونما دے رہا ہے۔
(تمہارے پاس تمہارے مسلک کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمہارے آباء و اجداد ایسا کرتے چلے آ رہے تھے۔ لیکن) میں اپنے اس دعوے پر خود گواہ ہوں (اور جس قسم کی محکم شہادت چاہو' پیش کر سکتا ہوں۔ سوچو کہ کس کی شہادت زیادہ قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے؟)۔

۵۷ (تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ جو شخص ان بتوں کی شان میں ذرا سی بھی گستاخی کرے' یا اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ یہ بتانے کے لئے کہ تمہارا یہ عقیدہ کس قدر غلط ہے' اور تمہارے یہ معبود کس قدر بے بس ہیں)، میں' تمہارے یہاں سے چلے جانے کے بعد' انہیں ٹھکانے لگاؤں گا۔ خدا گواہ ہے' میں ایسا ضرور کروں گا۔ (پھر تم دیکھ لینا کہ یہ بت کس قوت کے مالک ہیں! تمہارے یہاں سے چلے جانے کے بعد اس لئے کہ اگر میں نے تمہاری موجودگی میں ان پر ہاتھ اٹھایا تو تم ان کی حفاظت کے لئے اٹھ کھڑے ہو گے اور پھر لوگوں کو یہ کہہ کر فریب میں مبتلا کر دو گے کہ یہ شخص تمہارے معبودوں کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا۔ تمہاری عدم موجودگی میں' معاملہ میرے اور ان بتوں کے مابین ہو گا اور یہ بات واضح ہو جائیگی کہ ان میں خود اپنی حفاظت کی قوت بھی نہیں)۔

۵۸ چنانچہ ابراہیمؑ نے تنہائی میں' ان بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صرف ایک بت کو

جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾
قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾
قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا
يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

جوان میں سب سے بڑا تھا' چھوڑ دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ (یعنی ان سے کہا جاسکے کہ یہ تمہارا "سب سے بڑا معبود" موجود ہے اس سے پوچھو کہ یہ کیا ہوا ہے اور اس کی موجودگی میں کیسے ہوا ہے؟ اگر اُس بت کو بھی توڑ دیا جاتا تو اس دلیل وحجت کی گنجائش نہ رہتی)۔

۵۹ (چنانچہ جب لوگ معبد میں آئے تو اپنے معبودوں کا یہ حشر دیکھ کر کہنے لگے کہ) ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کچھ کس نے کیا ہے؟ جس کسی نے بھی کیا ہے' وہ بڑا ہی ظالم اور سرکش ہے۔

۶۰ (معبد کے پجاریوں کو اس کا علم تھا لیکن انہوں نے دانستہ بات کو چھپایا۔ کیونکہ اگر وہ یہ بتادیتے کہ ابراہیمؑ نے ان سے یہ کچھ پہلے ہی کہہ دیا تھا' تو عوام ان کے پیچھے پڑ جاتے کہ جب تمہیں اس کا علم ہو چکا تھا تو تم نے ان کی حفاظت کی طرف سے غفلت کیوں برتی؟ اس لئے وہ خاموش رہے۔ لیکن عوام میں سے بعض نے) کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کو' جسے ابراہیمؑ کہہ کر پکارتے ہیں' ان کے متعلق طرح طرح کی باتیں کرتے سنا ہے۔ (شاید یہ اسی کی حرکت ہو)۔

۶۱ (چنانچہ پجاریوں نے معتبر بننے کے لئے) کہا کہ ابراہیمؑ کو یہاں مجمع کے سامنے لاؤ تاکہ یہ لوگ اس کی شہادت دیں (کہ یہی وہ نوجوان ہے جو ان کے معبودوں کے متعلق اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا)۔

۶۲ (چنانچہ ابراہیمؑ کو بلایا گیا۔ لوگوں نے شہادت دی کہ یہی ہے وہ نوجوان جو ان کے بتوں کے خلاف

۶۳ باتیں کیا کرتا ہے۔ پجاریوں نے ملزم بننے کے بجائے' عدالت کی پوزیشن اختیار کرلی' ورنہ اُن کے خلاف یہ الزام کچھ کم سنگین نہیں تھا کہ اُنہوں نے بتوں کی حفاظت سے لاپرواہی برتی ہے)۔ انہوں نے ابراہیمؑ سے کہا کہ تمہارے خلاف الزام یہ ہے کہ تم نے ہمارے بتوں کے خلاف یہ حرکت کی ہے۔ کہو! تم اس الزام کے جواب میں کیا کہنا چاہتے ہو؟

ابراہیمؑ نے جس مقصد کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا' اب اُس کے حصول کا موقعہ آگیا تھا۔ وہ اگر یہ کہہ دیتا کہ تم اس قدر بھولے بن کر یہ کچھ کیوں پوچھ رہے ہو! کیا میں نے تم سے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے بتوں کا علاج کرنے والا ہوں' تو وہ ایک دم اودھم مچا کر عوام کے جذبات کو مشتعل کر دیتے

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾

اوران کے سامنے حقیقت واشگاف ہوکر نہ آسکتی۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ اس بات کو تو بعد میں دیکھا جاسکتا ہے[1]۔ تم ذرا اس پر غور کرو کہ تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ تمہارے یہ معبود بڑی قوتوں کے مالک ہیں۔ یہ اپنے پرستاروں کی تمام مرادیں برلاتے ہیں اور مخالفین کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑے دیوتا کی قوتیں تمہارے نزدیک غیر محدود ہیں۔ یہ سب کچھ اُس کے سامنے ہوا ہے۔ جس شخص نے یہ حرکت کی ہے اس بڑے بُت نے اپنی قوت کو کام میں لاکر اُسے اس سے روکا کیوں نہ اور اُسے تباہ و برباد کیوں نہ کر دیا؟

ابراہیمؑ کے اس سوال پر چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ اس کے بعد اس نے پجاریوں سے کہا کہ تم لوگوں سے کہا کرتے ہو کہ یہ بت غیب کا علم رکھتے ہیں۔ یہ ہر ایک بات کو جانتے ہیں۔ جب کوئی شخص تم سے کوئی بات پوچھنے آتا ہے تو تم کہتے ہو کہ ہم اسکا جواب ان دیوتاؤں سے پوچھ کر بتائیں گے۔ چنانچہ اسکے بعد تم اُس سے کہتے ہو کہ ہم نے دیوتاؤں سے پوچھا تھا۔ انہوں نے یہ جواب دیا ہے۔

اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ بت تم سے باتیں کیا کرتے ہیں تو تم مجھ سے کیوں پوچھتے ہو کہ یہ حرکت کس نے کی ہے۔ خود ان بتوں سے کیوں نہیں پوچھتے کہ تمہارے ساتھ یہ کچھ کس نے کیا ہے؟ (۳۷/۸۸ — ۹۸)۔

۶۴ (ابراہیمؑ کے ان سوالات نے پجاریوں کی پوزیشن عجیب کر دی! وہ مجمع سے الگ ہٹ کر آپس میں مشورہ کرنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ سچ تو یہ ہے کہ زیادتی ہم سے ہی ہوگئی ہے۔

۶۵ وہ حقیقت کے قائل تو ہو گئے لیکن پیشوائیت کی مسندیں کھلے بندوں اس کے اعتراف کی اجازت کب دیتی تھیں؟ وہ فکر و نظر کی ان بلندیوں پر پہنچنے کے بعد پھر جہالت و توہم پرستی کی انہی پستیوں میں آگرے۔ وہ ابراہیمؑ سے کہنے لگے کہ تم نے محض مناظرہ میں بازی جیتنے کے لئے ہم سے یہ سوال کیا ہے، ورنہ تمہیں خود معلوم ہے کہ یہ بُت باتیں نہیں کیا کرتے۔

---

[1] اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ان پجاریوں نے کہا ہو کہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ یہ کام تمہاری جماعت کا ہے۔ لیکن ہم جرم متعین کرنے کے لئے معلوم یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اسے خود تم نے کیا ہے، یا تمہاری جماعت کے کسی اور آدمی نے؟ اس کے جواب میں ابراہیمؑ نے کہا کہ کسی اور نے نہیں، بلکہ اُن کے سب سے بڑے قائد نے، جو تمہارے سامنے کھڑا ہے، خود یہ کچھ کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک، جواب کا وہ انداز جسے متن میں سامنے لایا گیا ہے اُس رشد ابراہیمیؑ سے زیادہ قریب ہے جس کا ذکر (۲۱/۵۱) میں آیا ہے۔

قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ
مِن دُونِ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا
يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا
إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٧٢﴾
وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ

---

۶۶ اس پر ابراہیمؑ نے کہا کہ کس قدر مقام تاسف ہے کہ تم نے "اللہ کو چھوڑ کر" جانتے بوجھتے ان چیزوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جو نہ تمہیں کچھ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتی ہیں نہ نقصان پہنچانے کی۔

۶۷ تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر! کیا تم ذرا بھی عقل و فکر سے کام نہیں لیتے؟

۶۸ اُن کے پاس ابراہیمؑ کے ان دلائل کا جواب اس کے سوا کیا تھا جو ہر دھاندلی باز گروہ کا جواب ہوتا ہے! انہوں نے عوام کو مشتعل کیا اور کہا کہ اگر تم میں کچھ ہمت ہے تو اٹھو اور اس شخص کو جس نے تمہارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے زندہ جلا دو اور اس طرح اپنے دیوتاؤں کا بول بالا کر دو۔

۶۹ وہ ابراہیمؑ کے خلاف عداوت اور انتقام کی آگ کو یوں بھڑکا رہے تھے اور ہم ایسا انتظام کر رہے تھے کہ اس آگ کے شعلے سرد پڑ جائیں اور وہ ابراہیمؑ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں۔

۷۰ چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں ابراہیمؑ کے خلاف جو تدبیر سوچی تھی۔ ہم نے اسے بیکار کر دیا اور یوں وہ سب اپنے منصوبے میں ناکام رہ گئے (۲۹/۲۴ ؛ ۳۷/۹۸)۔

۷۱ اور ابراہیمؑ اور (اس کے ساتھی) لوطؑ کو ان لوگوں کی سازشوں اور فتنہ انگیزیوں سے محفوظ رکھ کر امن و سلامتی سے اس سرزمین کی طرف بھیج دیا جسے ہم نے اقوام عالم کے لئے بڑا ہی بابرکت بنایا تھا۔ (۲۹/۲۶ ؛ ۳۷/۹۹)۔ (اس طرح خدا کے رسول ہجرت کر کے اپنے دشمنوں کی شعلہ سامانیوں سے محفوظ رہا کرتے ہیں)۔

۷۲ (ابراہیمؑ نے شام کے سرسبز و شاداب میدانوں میں ایک نئی زندگی شروع کی۔ وہ وہاں اپنے مشن میں بھی کامیاب ہوا اور ہم نے اسے اسحٰقؑ جیسا بیٹا اور یعقوبؑ جیسا پوتا عطا کیا۔ اور ان سب کو عمدہ صلاحیتوں کا مالک بنایا۔

۷۳ اور ہم نے انہیں لوگوں کی امامت (لیڈرشپ) عطا کی۔ وہ ہمارے قوانین کے مطابق

وَكَانُوا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۭ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى
مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ

اُن کی راہ نمائی زندگی کے صحیح راستے کی طرف کرتے تھے۔ ہم نے ان کی طرف وحی کے ذریعے ایسے احکام بھیجے تھے جن کی رُو سے وہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا انتظام کرتے اور نوعِ انسان کی بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ وہ سب ہمارے احکام و قوانین کی اطاعت کرتے تھے۔

۷۴ (ابراہیمؑ کے ساتھ) لوطؑ کو بھی ہجرت کی تھی۔ اُس وقت اس کا شمار عام مومنین کی صف میں تھا۔ لیکن بعد میں) ہم نے اسے نبوت کا علم اور اس کے مطابق لوگوں کے معاملات میں فیصلے کرنے کا منصب عطا کیا۔ اس کی بستی کے لوگ بڑے ناشائستہ کام کیا کرتے تھے۔ وہ صحیح راستے کو چھوڑ کر بڑی خراب راہوں پر چل رہے تھے۔ ہم نے اس بستی کو تباہ کر دیا اور لوطؑ کو وہاں سے محفوظ نکال کر دوسری جگہ لے گئے۔

۷۵ ہم نے اسے اپنی رحمتوں سے نوازا۔ وہ بھی صالحین کے زمرہ میں سے تھا۔

۷۶ اور اسی طرح نوحؑ کا معاملہ بھی ہے، جو ان انبیاء سے پہلے ہو گزرا تھا۔ (اس نے اپنی قوم کو مسلسل حق کی تبلیغ کی۔ لیکن ان لوگوں کی سرکشی بڑھتی چلی گئی۔ چنانچہ جب اُن کی طرف سے مخالفت انتہا تک پہنچ گئی تو) نوحؑ نے ہمیں پکارا اور ہم نے اس کی پکار کا جواب دیا، اور اُسے اور اُس کے رفقاء کو اس کربِ عظیم سے نجات دلائی۔

۷۷ اور اُن لوگوں کے مقابلہ میں اُس کی مدد کی جو ہمارے قوانین کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ وہ بہت بُرے لوگ تھے۔ سو ہم نے ان سب کو سیلاب میں غرق کر دیا۔

۷۸ اور اسی طرح داؤدؑ اور سلیمانؑ کا بھی معاملہ ہے۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ بنی اسرائیل کے لئے سلطنت کو مستحکم اور مرفہ الحال بنانے کی تدبیریں کرتے تھے لیکن اُن کی قوم اُسے یوں تباہ اور برباد کرنے کی فکر میں لگی رہتی تھی جس طرح کھلا ریوڑ چرواہے کے علم کے بغیر خود اپنے مالک کے کھیت کو چر کر تباہ کر دے۔ وہ قوم نظم و ضبط میں رہنا چاہتی ہی نہ تھی۔ اور ہم دیکھ رہے تھے کہ داؤدؑ و سلیمانؑ اس کے لئے کیا کیا تدابیر اختیار کرتے ہیں۔[۸۵]

۸۵ ۲۲ — ۳۸ — ۲۱ میں بھی ایک واقعہ مذکور ہے لیکن وہ اس سے الگ معلوم ہوتا ہے۔

فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِينَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۚ وَّسَخَّرْنَا مَعَ
دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِينَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ
بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۚ
وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ
وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

۷۹ داؤدؑ کے زمانے میں تو اُس قوم کی حالت زیادہ نہ سنور سکی۔ لیکن سلیمانؑ کی سمجھ میں اِس کی پوری پوری تدبیر آگئی (اور وہ اس ریوڑ کو ضبط کی رسّیوں سے باندھنے میں کامیاب ہوگیا)۔
ویسے ہم نے ان تمام انبیاءؑ کو علم نبوت اور منصب حکومت عطا کر رکھا تھا۔ اور داؤدؑ کی سلطنت کی قوت اور وسعت کا تو یہ عالم تھا کہ) ہم نے وہاں کے قبائل کے بڑے بڑے سرداروں کو اور قبیلۂ طیر کے شہسواروں کو (جن سے گھوڑوں کے رسالے ترتیب پاتے تھے۔ ۲۷/۱۶ ؛ ۳۴/۱۰) اس کے ساتھ کام میں لگا رکھا تھا اور وہ اپنے اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں سرگرداں رہتے تھے —— اور یہ ہمارے پروگرام مشیت کے عین مطابق تھا۔

۸۰ اور ہم نے اسے زرہ سازی کا علم بھی دیا' تاکہ تم' اسے پہن کر' لڑائی میں' دشمن کے ہتھیاروں سے محفوظ رہ سکو۔
لیکن تم اس پر بھی اس کے سپاس گزار نہیں ہوتے تھے (اور سلطنت کو کمزور کرنے کے لئے ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے)۔

۸۱ اور ہم نے سلیمانؑ کے لئے (سمندر کی تند اور تیز ہواؤں کو' فن بادبانی کی رُو سے' اس طرح) مسخر کر دیا تھا کہ وہ' اُس کے پروگرام کے مطابق' اس کی کشتیوں کو اُس سرزمین کی طرف لے جاتی تھیں جس میں ہم نے زندگی کی خوش حالیوں کا بہت سا سامان رکھ چھوڑا تھا —— اور ہم ہر بات کا علم رکھتے ہیں۔

۸۲ اور ہم نے بڑے بڑے سرکش قبائل کے لوگوں کو اس کا تابع فرمان بنا دیا تھا۔ وہ اس کے لئے سمندروں میں غوطہ زنی کرتے (اور اس میں سے موتی وغیرہ نکالتے) تھے۔ اس کے علاوہ' اور بھی بہت سے کام کرتے تھے۔ اور ہم ان کی نگہبانی کرتے تھے (کہ وہ سرکش نہ ہونے پائیں)۔ (۳۴/۱۳ ؛ ۳۸/۳۷)

۸۳ اور اسی طرح' ایوبؑ (کا معاملہ بھی یاد کرو) جب اس نے اپنے نشو و نما دینے والے کو پکارا تھا اور کہا تھا کہ خدایا! میں سخت تکلیف میں پڑ گیا ہوں۔ اور (جس سے نجات حاصل کرنے کے لئے

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾
وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ
سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَ
زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

تیری رحمت کی ضرورت ہے) یہ ظاہر ہے کہ تجھ سے بڑھ کر سامانِ ربوبیت و رحمت عطا کرنے والا اور کوئی نہیں (۳۸/۴۱)۔

۸۴ چنانچہ ہم نے اس کی پکار سن لی اور اس کی تکلیف رفع کر دی۔ اس کے بچھڑے ہوئے ساتھی اسے مل گئے۔ بلکہ ان جیسے اور لوگ بھی۔ یہ کچھ ہماری طرف سے مرحمت ہوا۔ اس واقعہ میں بھی ان لوگوں کے لئے سامانِ موعظت ہے جو ہمارے قانون کی اطاعت کرتے ہیں۔

۸۵ (اور اسی طرح کے انبیاء) اسمٰعیلؑ، ادریسؑ اور ذی الکفلؑ تھے۔ یہ بھی حق کی دعوت میں جم کر کھڑے رہے تھے۔

۸۶ ہم نے انہیں اپنی رحمتوں سے نوازا۔ یہ سب صالحین کے زمرے میں شامل تھے۔

۸۷ اور اسی طرح ذوالنونؑ کا معاملہ بھی ہے۔ وہ اپنی قوم کے لوگوں سے تنگ آ کر غصہ میں وہاں سے چلا گیا (حالانکہ اسے ابھی ہجرت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس نے یہ فیصلہ کسی سرکشی کے ارادے سے نہیں کیا تھا۔) اس نے خیال یہ کیا تھا کہ چونکہ یہ فیصلہ خدا کے کسی حکم کے خلاف نہیں اس لئے خدا اس پر مؤاخذہ نہیں کرے گا اور مجھے کسی سختی میں نہیں ڈالے گا۔ پھر جب وہ (اپنے غلط پروگرام کی وجہ سے) مشکلات میں گھر گیا تو اس نے ہمیں پکارا اور کہا کہ بارالٰہا! تیرے سوا اور کسی کو اس کا اقتدار و اختیار نہیں (کہ وہ مجھے ان مشکلات سے نجات دلا سکے) میں نے جو اس فیصلے میں عجلت کی اور تیرے حکم کا انتظار نہ کیا تو یہ میری زیادتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرا فیصلہ ہی ایسا ہوتا ہے جو ہر قسم کے نقص سے پاک ہوتا ہے۔ (۳۷/۱۳۹ ؛ ۶۸/۴۸)۔

۸۸ سو ہم نے اس کی پکار کو سن لیا اور اسے غم سے نجات دی۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کو غم و حزن سے نجات دیتے ہیں جو ہمارے قوانین کی صداقت و محکمیت پر یقین رکھتے ہیں۔

۸۹ اور اسی طرح زکریاؑ کا بھی معاملہ یاد کرو۔ جب اس نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ اے میرے

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۪ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝۹۰ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۱ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۡ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝۹۲ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝۹۳

نشوونما دینے والے! تو مجھے اس دنیا میں بغیر وارث کے تنہا نہ چھوڑ' اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ تو ہی ہم سب کا بہترین وارث ہے۔ (لیکن اس قسم کے وارث کی ضرورت بھی ظاہر ہے۔ ۳/۳۳ ؛ ۱۹/۷۵)۔

۹۰ ہم نے اس کی پکار سن لی اور اس کی بیوی میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر کے اسے یحییٰ جیسا بیٹا عطا کر دیا۔

یہ تمام انبیاء نوع انسان کی بھلائی کے کاموں میں نہایت تیزی سے آگے بڑھتے تھے۔ اور زندگی کے ہر گوشے میں ——— خواہ وہ امید افزا ہو یا یاس انگیز ——— ہم سے پوچھتے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ (وہ ہر معاملہ میں ہمارے حکم کا انتظار کرتے تھے) اور اسی کے سامنے جھکتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قوانین خداوندی کے خلاف قدم اٹھانے میں کس قدر خطرات پنہاں ہیں۔ وہ ان کی خلاف ورزی سے ہمیشہ ترساں و لرزاں رہتے تھے۔

۹۱ اور ان کے ساتھ ہی اس عفت مآب خاتون کا معاملہ بھی یاد کرو جسے ہم نے (یہودیوں کی خود ساختہ شریعت کے علی الرغم) عیسیٰ جیسا بیٹا عطا کیا۔ اور جس طرح ہر انسانی بچے میں خدائی توانائی کا شمہ ڈال کر اسے صاحب اختیار و ارادہ انسان بنا دیا جاتا ہے اسے بھی ایسا ہی بنایا۔ (۳/۴۴ ؛ ۱۹/۱۶ ؛ ۳۲/۹)۔ وہ دونوں اقوام عالم کے لئے اس بات کی نشانی تھے کہ احکام خداوندی اور انسانوں کی خود ساختہ شریعت کے فیصلوں میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ (یہودیوں کی خود ساختہ شریعت نے انہیں ——— معاذ اللہ ——— مردود و ملعون قرار دیا' اور خدا کی شریعت نے انہیں مقرب و مقبول ٹھہرایا)۔

۹۲ (اے رسول!) یہ تم انبیاء کا' گروہ شروع سے آخر تک ایک جماعت تھی۔ (ان کی تعلیم بھی ایک ہی تھی اور مقصد بھی ایک ——— ان کے خدا نے ان سے کہدیا تھا کہ تمہاری تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ) میں تمہارا نشوونما دینے والا ہوں۔ سو تم صرف میری اطاعت اختیار کرو۔ اس میں کسی اور کو شریک نہ کرو (۲۳/۵۲)۔

۹۳ (ظاہر ہے کہ جب یہ سب انبیاء' ایک ہی جماعت کے افراد تھے اور ان کی تعلیم بھی ایک ہی تھی'

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ
اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ
يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ
غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا
وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾

توان کے متبعین کو بھی امتِ واحدہ بن کر رہنا چاہئے تھا۔ لیکن) انہوں نے باہمی اختلافات سے اس وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ حالانکہ ان سب کو بالآخر ہمارے ہی قانون کی طرف آنا ہے۔ (اس کے سوا انسان کیلئے فلاح و سعادت کی کوئی اور راہ نہیں)۔

۹۴ (اور وہ بنیادی قانون یہ ہے کہ) جو کوئی بھی ضابطہ خداوندی کی صداقت پر ایمان رکھے اور اس کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہو جس سے اس کی ذات کی نشوونما بھی ہو جائے اور انسانی معاشرہ کے بگڑے ہوئے کام بھی سنور جائیں، تو اس کی کوششیں ناکام نہیں رہیں گی۔ (وہ بھرپور نتائج کی حامل ہوں گی)۔ اس لئے کہ ہمارا قانونِ مکافات ہر ایک کی سعی و عمل کو محفوظ رکھتا ہے۔

۹۵ اس کے برعکس جن قوموں کی صلاحیتیں نشوونما پانے سے رک جاتی ہیں، وہ تباہ ہو کر زندگی کی شادابیوں سے محروم رہ جاتی ہیں اور پھر لوٹ کر (مرفہ الحالی کی طرف) نہیں آسکتیں۔ (۱۷/۱۳)۔

۹۶ البتہ اس کی ایک شکل یوں ہو جاتی ہے کہ جب قوت و شوکت کی مالک تیز خرام قومیں اپنے ملکوں سے نکل کر ان پس ماندہ اقوام کے ملکوں میں ڈیرے ڈال دیں (۱۸/۹۴) تو کچھ عرصہ کے بعد بطور ردِ عمل ان کمزور قوموں میں زندگی کی حرارت ابھر آتی ہے اور وہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لئے مصروفِ تگ و تاز ہو جاتی ہیں۔ اس سے انہیں دوبارہ زندگی مل جاتی ہے۔

۹۷ (ان لوگوں سے کہدو کہ جیسا کہ شروع میں کہا جا چکا ہے) وہ انقلاب جو ٹھوس تعمیری نتائج کا حامل ہوگا قریب آرہا ہے۔ وہ لوگ جو ہمارے قانون کی صداقت سے انکار کرتے ہیں اُس وقت اُن کی حالت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور وہ بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ افسوس ہم پر! ہم اس آنے والے انقلاب سے بے خبر رہے اور اپنی سرکشی میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

۹۸ اُس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ تم اور تمہارے وہ اربابِ اقتدار جن کی تم قوانینِ خداوندی کو چھوڑ کر اطاعت کیا کرتے تھے سب کے سب تباہ کر دینے والے آتشیں عذاب کے ایندھن ہو گے۔

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ
مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ
الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ
وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

شعلے کہیں باہر سے نہیں آتے' خود تمہارے اپنے اعمال ہی شعلے بن جاتے ہیں' تم خود ہی اس آگ کو جلاتے ہو اور خود ہی) اس میں جل کر راکھ ہو جاتے ہو۔

۹۹ اگر یہ تمہارے معبود (ارباب اقتدار کسی قوت کے مالک ہوتے' تو اس تباہی کے عذاب میں کیوں مبتلا ہوتے؟ اب دیکھو یہ کس طرح اس میں ماخوذ رہتے ہیں!

۱۰۰ اس میں ان کی چیخ و پکار اس قدر شدید ہوگی کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے گی۔

۱۰۱ ان کے برعکس' جو لوگ اپنے اعمال کی بدولت' حسن کارانہ اندازِ زیست کے مستحق قرار پا چکے ہوں گے' وہ اس عذاب سے دور رکھے جائیں گے۔

۱۰۲ اتنے دور کہ وہ اس کی آہٹ تک بھی نہیں سن پائیں گے۔ (۱۹/۷۱)۔ ان کی تمام دلی آرزوئیں پوری ہوں گی' اور وہ اس کیفیت میں سرشار رہیں گے۔

۱۰۳ حتیٰ کہ اس انقلاب کی شدید ترین ہولناکی بھی انہیں ہراساں نہیں کر سکے گی۔ کائنات کی تمام تعمیری قوتیں ان کی رفیق کار ہوں گی۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ دور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ آکر رہے گا۔ (۲۷/۶۹)۔

۱۰۴ اس دور میں' ان بڑے بڑے لوگوں کو جو آج اس طرح بلندیوں پر متمکن ہیں' یوں لپیٹ کر رکھ دیا جائے گا جس طرح بہی کھاتے کو (حساب کتاب ہو چکنے کے بعد) لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا جاتا ہے (کہ اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس وقت' اخلاقی اقدار اور انسان کی معاشی زندگی ایک ہی مرکز کے تابع ہو جائیں گے۔ (۳۹/۶۷)۔ اور اس طرح' مساواتِ آدم کی پھر وہی کیفیت ہو جائے گی' جو تخلیق انسانی کے دورِ اول میں تھی۔ معاشرہ پھر اسی حالت کی طرف لوٹ آئے گا جس میں نوعِ انسان اُمتِ واحدہ تھی اور رزق کی عام فراوانی تھی۔ (۲/۲۱۳ ؛ ۱۰/۱۹)۔ یہ ہمارا وعدہ (طے شدہ پروگرام) ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے[1]۔

[1] اگر ان آیات کا تعلق مرنے کے بعد کی زندگی سے سمجھا جائے' تو پھر ان میں طبیعی کائنات کے زیر و زبر ہو جانے کی طرف (بقیہ ۴۵ پر دیکھئے)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ
عَابِدِينَ ﴿١٠٦﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَهَلْ أَنتُم
مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَم بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾

---

۱۰۵ ہم نے اس حقیقت کو' ہر کتاب وحی میں متعلقہ امور کو سامنے لانے کے بعد بطور ایک اساسی قانون کے لکھ دیا تھا کہ ارض (نظام مملکت وحکومت اور وسائل پیداوار وغیرہ) کے حقیقی وارث وہی لوگ ہوں گے جن میں ان امور کی صلاحیت ہوگی اور جو ہمارے قوانین کے تابع زندگی بسر کریں گے۔

۱۰۶ یہ اساسی قانونِ حیات ہر اس قوم کے لئے ایک دور رس حقیقت اپنے اندر رکھتا ہے جو ہمارے قوانین کے تابع زندگی بسر کرتی ہے ـــــ یعنی یہ قانون کہ وراثتِ ارض کے لئے صلاحیت اور قوانین خداوندی کی اطاعت شرط ہے۔ ان کے بغیر ہنگامی طور پر غلبہ تو حاصل ہو سکتا ہے' وراثت نہیں مل سکتی۔

۱۰۷ (وہ ضابطہ قوانین جس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے وراثتِ ارض حاصل ہوتی ہے'
اب' اے رسول! دنیا کو تمہاری وساطت سے دیا جا رہا ہے۔ تم اقوام عالم سے کہدو کہ ان کی صحیح نشوونما' جس سے انسانی صلاحیتیں بیدار ہوتی اور پروان چڑھتی ہیں' اسی ضابطہ کی اطاعت سے ہو سکتی ہے۔ جو قوم اس حقیقت سے انکار کرے گی' اس مرحمتِ ایزدی سے محروم رہ جائے گی۔ (۹/۶۱)۔ یوں تمہاری بعثت تمام اقوام عالم کے لئے حقیقی رحمت کا موجب بن جائے گی۔

۱۰۸ ان سے کہدو کہ میری تعلیم کا لب لباب' تو مجھے بذریعہ وحی ملی ہے' یہ ہے کہ اقتدار و اختیار کی مالک صرف خدا کی ذات ہے۔ اس کے سوا کوئی اس قابل نہیں کہ اس کی اطاعت و محکومیت اختیار کی جائے۔

ان سے پوچھو کہ کیا تم اس ضابطۂ قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہو (یا نہیں!)۔

۱۰۹ اگر یہ اس سے روگردانی کریں' تو ان سے کہدو کہ میں نے تمہیں (صحیح اور غلط روشِ زندگی کے نتائج و عواقب سے) یکساں طور پر آگاہ کر دیا ہے ـــــ ماننا نہ ماننا تمہارے اپنے اختیار کی بات ہے۔ نہ مانو گے تو تباہ ہو جاؤ گے ـــــ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ تباہ کن انقلاب کی گھڑی' جس کے متعلق تم سے کہا جا رہا ہے' جلد آجائے گی یا بدیر (لیکن وہ آئے گی ضرور)۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۷۴۷) اشارہ ہوگا' جس کے بعد تخلیق کے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ اس صورت میں یہ آیت ایک عظیم حقیقت کو سامنے لاتی ہے کہ اس کے بعد تخلیق کائنات کا از سرِ نو آغاز ہوگا جس طرح پہلے ہوا تھا۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١١٠﴾ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١١١﴾

قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١١٢﴾

۱۱۰ (اگر تم منافقانہ روش اختیار کرلو ـــــ کہ دل میں کچھ اور رکھو اور ظاہر کچھ اور کرو ـــــ تو اس سے بھی وہ تباہی رک نہیں سکتی۔ اس لئے) کہ خدا کا قانون مکافات تمہاری پوشیدہ اور ظاہر ہر بات سے واقف ہے۔

۱۱۱ (اور اگر اس کے آنے میں ہنوز کچھ دیر ہے تو) مجھے اس کا بھی علم نہیں کہ یہ تاخیر تمہارے لئے مزید مصیبت کا موجب بن جائے گی یا اس سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ تم کچھ وقت کیلئے اور متاعِ زندگی سے فائدہ اٹھالو۔

۱۱۲ (رسول نے ہدایتِ خداوندی کے مطابق قوم سے سب کچھ کہہ دیا۔ اور اسکے بعد) بدرگاہِ رب العزت عرض کیا کہ بارالٰہا! اب تو (مجھ میں اور ان لوگوں میں) حق کے ساتھ فیصلہ کردے ـــــ اسکے بعد قوم سے کہا کہ ہمارا نشو و نما دینے والا خدائے رحمٰن ہے۔ ہم اس سے اس امر کی توفیق طلب کرتے ہیں کہ وہ ہماری صلاحیتوں کو ایسی بھرپور نشو و نما عطا کردے جس سے ہم تمہاری ان باتوں کا اچھی طرح مقابلہ کرنے کے قابل ہوجائیں (ـــــ)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝۱ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝۲ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳

---

۱ اے نوعِ انسان! اپنے نشو ونما دینے والے کے قوانین کی نگہداشت کرو۔ (اور اپنے معاشرہ کو صحیح خطوط پر متشکل کر لو' اگر تم از خود ایسا نہ کرو گے تو) یہ ایک ایسے شدید انقلاب کی رو سے واقع ہو گا جو ہر شے کو اس کی جگہ سے ہلا دے گا۔

۲ جس دن یہ انقلاب رونما ہو گا' اس کی ہولناکیوں کا یہ عالم ہو گا کہ (کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہے گا حتیٰ کہ) دودھ پلانے والی مائیں' اپنے دودھ پیتے بچوں تک کو بھول جائیں گی اور اسکا انہیں قطعاً افسوس نہیں ہو گا۔ حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ لوگ یوں دکھائی دیں گے جیسے نشے میں مدہوش ہوں' حالانکہ درحقیقت کوئی نشے میں نہیں ہو گا۔ یہ کچھ خدا کے عذاب کی شدت کا نتیجہ ہو گا۔

۳ (خدا کے یہ قوانین بالکل صاف' سیدھے اور واضح ہیں۔ لیکن) ایسے لوگ بھی ہیں جو بلا علم و بصیرت' اس باب میں یونہی جھگڑے نکالتے رہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ محض اپنے سرکش جذبات کے پیچھے چلتے رہتے ہیں' اور نہیں سمجھتے کہ ان کی یہ روش انہیں کس طرح زندگی کی سعادتوں سے محروم

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٤﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ
فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ
مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ
وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ
هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿٥﴾

کر دیتی ہے۔

۴ بہرحال یہ ہمارا قانون ہے کہ جو شخص بھی (وحیٔ خداوندی کے بجائے) اپنے سرکش جذبات یا مفاد پرست رفقاء کا اتباع کرے گا' وہ غلط راستے پر جا پڑے گا جو اُسے تباہیوں کے جہنم کی طرف لے جائے گا۔

۵ یہ لوگ اس قسم کی روش اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس اسی دنیا کی ہے۔ موت سے انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کامیابی اسی کا نام ہے کہ جس طریق سے بھی ہو سکے' اس دنیا کے مفاد زیادہ سے زیادہ حاصل کر لئے جائیں۔

ان سے کہو کہ اگر تم مرنے کے بعد کی زندگی کے بارے میں اس لئے شک و شبہات میں ہو کہ ایسا ہونا تمہیں (نظر بظاہر) محال دکھائی دیتا ہے' تو ذرا اس حقیقت پر غور کرو کہ ہم نے تمہاری پیدائش کی ابتدا بے جان مادّہ[1] سے کی۔ (اُس میں' پانی کے امتزاج سے زندگی کے اولیں جرثومہ کی نمود ہوئی۔ پھر یہ کاروانِ حیات' مختلف منازل طے کرتا' اُس منزل میں آ پہنچا جہاں) افزائشِ نسل بذریعہ توالد ہوتی ہے۔ رحمِ مادر میں حمل قرار پاتا ہے۔ پھر وہ ایک جونک کی سی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر متشکل اور غیر متشکل گوشت کے ایک ٹکڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ اِن مراحل میں سے اس لئے گزرتا ہے کہ نطفہ میں جس قدر امکانات مضمر طور پر موجود تھے' وہ بتدریج نشو و نما پاتے ہوئے ظہور میں آ جائیں۔ (۲۳/۱۳)۔ وہ جنین' ہمارے قانونِ مشیت کے مطابق' کچھ وقت کے لئے رحم کے اندر رہتا ہے۔ پھر تم ایک جیتے جاگتے بچے کی شکل میں دنیا میں آ جاتے ہو۔ پھر رفتہ رفتہ اپنی جوانی کی حالت تک پہنچ جاتے ہو۔ (۴۰/۶۷)۔ تم میں سے بعض' جوانی کے عالم میں ہی انتقال کر جاتے ہیں' اور بعض بوڑھے ہو کر' عمر کی نکمی حالت کی طرف لوٹ جاتے ہیں جس میں کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ انسان سمجھ بوجھ حاصل

---

[1] INORGANIC MATTER

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ
فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ
مُّنِيْرٍ ۙ﴿۸﴾ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ
الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾

کر لینے کے بعد' پھر بے سمجھی کی طرف چلا جاتا ہے۔

(یہ تو خود تمہارے اپنے تخلیقی مراحل کی مثال ہے۔ اس کے بعد تم اپنے سے باہر کی دنیا کی طرف دیکھو اور) زمین کی حالت پر غور کرو کہ وہ کس طرح خشک اور ویران پڑی ہوتی ہے کہ اُس میں زندگی اور نمو کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا۔ پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں' تو وہ اچانک لہلہانے لگتی ہے اور اس کی روئیدگی روز بروز ابھرتی چلی جاتی ہے۔ اس طرح' (اس زمین مردہ سے) خوشنما مناظر کی ایک دُنیا ظہور میں آجاتی ہے۔

۶ یہ سب اس لئے ہے کہ خدا کی ہستی ایک حقیقتِ ثابتہ ہے اور اس کا قانون ہمیشہ ٹھوس تعمیری نتائج مرتب کرتا ہے۔ وہ بے جان اشیاء کو جاندار بناتا ہے۔ اس لئے مردوں کو زندگی عطا کر دینا اُس کے نزدیک کچھ بھی مشکل نہیں۔ اس نے ہر شے کے پیمانے (قوانین) مقرر کر رکھے ہیں جن پر اسے پورا پورا کنٹرول حاصل ہے۔

۷ انہی قوانین کی رُو سے دنیا میں مردہ اقوام کو زندگی عطا ہوتی ہے اور انہی کے مطابق انسان کو مرنے کے بعد زندگی ملتی ہے۔ لہٰذا وہ انقلاب جس کی رُو سے اس جماعت کو جسے تم اپنی ظاہر بین نگاہوں سے کمزور اور مردہ دیکھتے ہو' حیاتِ نو عطا ہوگی' ضرور آکر رہے گا۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح اس میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ خدا مردوں کو بھی زندگی عطا کرے گا۔

۸ لیکن (جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔ ۲۲/۱۱)۔ بعض لوگوں کی حالت یہ ہے کہ نہ اُن کے پاس علم و بصیرت کی کوئی روشنی ہے' نہ کسی طرح کی صحیح راہ نمائی۔ اور نہ ہی کوئی ایسا ضابطۂ حیات جو انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔ لیکن' اس کے باوجود وہ قوانین خداوندی کے بارے میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں۔

۹ (ایسے آدمی سے بات کرو تو وہ' اسے توجہ سے سننے اور معقولیت سے جواب دینے کے بجائے' نخوت و تکبر کے عالم میں' عجیب انداز سے) منہ پھیر کر چل دیتا ہے۔ اور (اتنا ہی نہیں کہ خود ہی غلط راستے پر

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ
اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ
هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾
يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۚ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

چلتا ہے بلکہ) دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کے راستے سے بھٹکاتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے دنیاوی زندگی میں ذلت و رسوائی ہے اور قیامت کے دن جھلسا دینے والا عذاب۔ (یعنی اس کا حال بھی تاریک ہوتا ہے اور مستقبل بھی)۔

۱۰ (اسے بتا دیا جائے گا کہ) یہ سب تیرے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ خدا اپنے بندوں پر کبھی ظلم اور زیادتی نہیں کیا کرتا (وہ اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتتے ہیں)۔

۱۱ (ایک طبقہ تو اُن لوگوں کا ہے جو قانونِ خداوندی سے اس طرح روگردانی کرتے ہیں۔ دوسرا طبقہ اُن کا ہے جن کی حالت یہ ہے کہ) وہ قانونِ خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں لیکن اس طرح گویا وہ کنارے پر کھڑے ہیں۔ اگر دیکھتے ہیں کہ اس قانون کی اطاعت میں فائدہ ہے، تو اس پر مطمئن رہتے ہیں۔ لیکن اگر اس سے انہیں کسی قسم کا نقصان ہوتا ہو تو وہ اس سے بلا تامل منہ پھیر لیتے ہیں (۲۲/۱۱)۔ اس روش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی حال کی زندگی بھی تباہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کی بھی ——— دنیا میں بھی خسارہ اور آخرت میں بھی ——— اور یہ خسارہ ایسا کھلا ہوا ہے (جس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں)۔

۱۲ (یہ ذہنیت اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ انہیں قوانینِ خداوندی کی محکمیت پر یقین نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب انہیں اِن قوانین کی اطاعت سے بزعمِ خویش نقصان ہوتا دکھائی دیتا ہو تو وہ) خدا کو چھوڑ کر دوسری قوتوں کو پکارنے لگتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں اس کی مقدرت ہی نہیں ہوتی کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں ——— کیا اس سے بڑی گمراہی کوئی اور بھی ہو سکتی ہے؟

۱۳ یہ ایسی قوتوں کو پکارتے ہیں جن کا نقصان اُن کے نفع سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ وہ کتنے بُرے ہیں اِن کے یہ کارساز، اور کتنے بُرے ہیں ان کے یہ رفیق!

(انسان خدا کو چھوڑ کر جس قوت کو بھی پکارے گا، وہ یا تو مظاہرِ فطرت میں سے کوئی شے ہوگی یا کوئی دوسرا انسان۔ اشیائے فطرت کو خدا نے انسانوں کے لئے مسخر کر رکھا ہے اس لئے

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿١٤﴾ مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾

اُن میں سے کوئی بھی انسان سے برتر نہیں ہو سکتی باقی رہے خود انسان تو وہ سب انسان ہونے کے اعتبار سے یکساں ہیں۔ اس لئے ان میں سے بھی کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔ بنابریں یہ چیز اس کے شرف انسانیت کی تذلیل ہے کہ وہ اپنے سے کمتر شے یا اپنے جیسے انسان کو اپنے سے بڑا سمجھے۔ اس سے بڑا نقصان اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی انسان اسے کچھ فائدہ پہنچا بھی دے گا تو جو فائدہ اپنے شرف و مجد کو بیچ کر حاصل کیا جائے اسے فائدہ سمجھنا ہی حماقت ہے۔ قرآن انسانوں کو باہمی تعاون کی تعلیم دیتا ہے جس میں انسان کسی کو ذلیل کئے بغیر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن جب ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے جھکتا اور جھولی پھیلاتا ہے تو اس سے اسکی انسانیت تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ سب سے بڑا زیاں ہے اور شرک۔ اسی لئے اس سے دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو جاتے ہیں)۔

۱۴ ان کے برعکس جو لوگ قوانین خداوندی کی محکمیت پر یقین رکھیں اور ان کے مطابق ایسے کام کریں جن سے ان کی ذات کی صلاحیتیں بیدار ہوں اور انسانی معاشرے کے بگڑے ہوئے کام سنوریں تو خدا انہیں ایسی زندگی عطا کر دیتا ہے جس کی شادابیوں میں کبھی فرق نہیں آتا۔ یہ سب کچھ خدا کے اُس قانون مکافات کے مطابق ہوتا ہے جسے اُس نے اپنے منشاء اور ارادے کے مطابق ایسا بنایا ہے۔

۱۵ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ انسانی اعمال کی نتیجہ خیزی میں کسی خارجی قانون اور اصول کو کوئی دخل نہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حال اور مستقبل کی خوشگواریاں خدا کی نصرت یعنی اس کے قانون کے مطابق چلنے سے حاصل ہوتی ہیں وہ غلطی پر ہیں تو اسے چاہیئے کہ اپنے تمام مادی ذرائع کو کام میں لا کر سماوی اقدار (قوانین خداوندی) سے اپنا رشتہ منقطع کر لے اور پھر دیکھے کہ کیا اس کی اس تدبیر سے وہ حقائق واقعی کالعدم ہو جاتے ہیں جن کے تصور سے اس کا خون کھولتا تھا؟ (ایسا ہونا ناممکن ہے؟ قوانین خداوندی کی صورت ایسی نہیں کہ تم انہیں مانو تو وہ اثر انگیز ہوں اور اگر انہیں ماننا چھوڑ دو تو تمہارے معاملات سے ان کا کوئی تعلق باقی نہ رہے۔ انسانی معاملات بہرحال ان کے تابع رہیں گے خواہ انہیں کوئی مانے یا نہ مانے۔ انسان ان سے اپنا رشتہ منقطع کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ان سے بھاگ کر کہیں جا ہی نہیں سکتا —— نہ اس دنیا میں نہ اسکے بعد کی زندگی میں)۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ
وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ
وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ﴿۱۸﴾

---

۱۶ کس قدر روشن دلائل اور واضح براہین ہیں جن کی تائید کے ساتھ ہم نے اس ضابطہ قوانین کو نازل کیا ہے' لیکن اس سے راہ نمائی اسی کو مل سکتی ہے جو راہ نمائی حاصل کرنے کا خواہشمند ہو۔ (جو شخص اپنی آنکھیں بند کر لے' اسے سورج کی روشنی کیا فائدہ دے سکتی ہے؟)۔

۱۷ (وحدتِ قانون کے اعتراف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہبی گروہ بندیاں ہیں۔ اسکی وجہ سے انسان اپنی آنکھوں پر اس طرح تعصب کی پٹی باندھ لیتا ہے کہ ہزار دلائل و براہین کے باوجود اسے صحیح راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ لہٰذا اس قسم کے لوگوں کا باہمی اختلاف یوں نہیں مٹ سکتا)۔ جماعتِ مومنین ہو یا یہودی صابئین ہوں یا نصاریٰ' مجوسی ہوں یا عرب کے مشرکین۔ ان کے اختلافی معاملات میں فیصلہ کی اب ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ اپنے اپنے طریق پر عمل پیرا رہیں۔ جب نتائج سامنے آئیں گے تو بات واضح ہو جائے گی کہ کون خدا کے مقرر کردہ راستے پر گامزن ہے' اور کون غلط راستے پر چل رہا ہے۔ خدا کی نگاہوں سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں' اس لئے ہر ایک کے عمل کا صحیح صحیح نتیجہ سامنے آجائے گا۔ ($\frac{6}{136}$ ؛ $\frac{11}{121}$ ؛ $\frac{22}{56}$ — $\frac{22}{55}$)۔

۱۸ (اگر یہ دیکھنا ہو کہ شکل و صورت۔ رنگ و بو اور عقائد و مسالک کے اختلاف کے باوجود ایک ہی قانونِ خداوندی سب پر کس طرح نافذ ہوتا ہے' تو اس کے لئے) خارجی کائنات پر غور کرو۔ وہاں نظر آجائے گا کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے —— چاند' سورج' ستارے' پہاڑ' درخت' جاندار مخلوق —— کس طرح قانونِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہیں۔ (تو کیا انسان جو اسی کائنات کا ایک حصہ ہے' اس قانون کی حدود سے باہر رہ سکتا ہے؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ فرق اتنا ہے کہ انسان کے علاوہ باقی مخلوق' قوانین خداوندی کی اطاعت پر مجبور ہے' اور انسان کو اسکا اختیار دیا گیا ہے کہ یہ چاہے تو ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرے اور چاہے اپنے لئے دوسرا راستہ اختیار کر لے۔ اس اختیار و ارادہ کا نتیجہ ہے کہ) اکثر انسان' قوانین خداوندی کا اتباع کرتے ہیں'

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُّصَبُّ مِنْ فَوْقِ
رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَآ
اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾

(۲ ع ۱۲ ۹)

اور اکثر ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ جو خلاف ورزی کرتے ہیں' وہ اس کی سزا بھگتتے ہیں۔ اور وہ سزا یہ ہے کہ ان کی زندگی ذلت و رسوائی کی زندگی ہوتی ہے —— اور جس پر قانون خداوندی کی خلاف ورزی سے ذلت و خواری کا عذاب مسلط ہو جائے' اسے کوئی عزت و تکریم عطا نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ عزت و تکریم' قانون خداوندی کی اطاعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ (۳۵/۱۰ ؛ ۸۹/۱۶)۔

خدا کے یہ قوانین (جن کے مطابق عزت و تکریم اور ذلت و خواری کے فیصلے ہوتے ہیں) اسکی مشیت کے مطابق مرتب ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی ذخیل نہیں ہو سکتا۔ (قوانین' خارجی کائنات سے متعلق ہوں یا انسانی زندگی سے' سب خدا کے متعین کردہ ہیں' کسی اور کے نہیں)۔

۱۹ (دیکھنے میں تو دنیا میں مذاہب کئی ایک ہیں۔ لیکن درحقیقت) انسانی گروہ دو ہی ہیں۔ ایک وہ جو خدا کے قانون ربوبیت کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے۔ دوسرا وہ جو اس سے انکار کرتا ہے۔ انہی میں باہمی کشمکش ہے۔

جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت سے انکار کرتے ہیں' ان کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ وہ عذاب (جس کے شعلے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، ۱۰۴/۶) انکی شخصیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔[1] ان کے سر جو اس وقت نخوت و تکبر میں یوں اٹھ رہے ہیں' شدت عذاب انہیں جھکا دے گی۔

۲۰ ان کے ظاہر و باطن کی سختیوں کو پگھلا دیا جائے گا۔

۲۱ (اس وقت یہ ظلم و استبداد میں حد درجہ فراموش ہو رہے ہیں اور دلائل و براہین کی رو سے اپنی روش چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے اسکے سوا اب چارہ نہیں کہ) انہیں اس روش سے زبردستی روکا جائے اور اس طرح' ان کا زور توڑ کر' انسانیت کو ان کے مظالم سے بچا لیا جائے۔ (۵۷/۲۵ ؛ ۲۱/۳۹)۔

۲۲ (اور یہ روک تھام محض وقتی اور ہنگامی نہ ہو بلکہ ایسا مستقل انتظام ہو کہ) یہ جب بھی اس عذاب سے گھبرا کر' نکل بھاگنے کی کوشش کریں' تو انہیں پھر وہیں دھکیل دیا جائے اور کہدیا جائے کہ

[1] DISINTEGRATION OF PERSONALITY.

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ
أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوا إِلَىٰ
صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ
سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ

جاؤ! اس عذاب کا مزہ چکھو جو تمہارا سب کچھ جلا کر اسے راکھ کا ڈھیر بنا دے گا۔
(ان کے ساتھ یہ کچھ اس دنیا میں بھی ہوگا اور مرنے کے بعد بھی)۔

۲۳ (ان کے برعکس دوسرا گروہ مومنین کا ہے)۔ یہ لوگ اپنے ایمان اور اعمال صالح کی بنا پر ایسے معاشرہ میں رہیں گے جس کی شادابیوں پر کبھی خزاں نہیں آئے گی۔ (انہیں حکومت کی سرداریاں حاصل ہوں گی' جن کے نشانات) سونے کے کنگن' موتیوں کے ہار اور حریر و اطلس کے ملبوسات ہوں گے۔

۲۴ اس لئے کہ انہیں ایسے نظریۂ حیات کی طرف راہ نمائی ملی تھی جو نہایت پاکیزہ اور خوشگوار ہے۔ انہیں اس راستے پر چلایا گیا تھا جو درخورِ ہزار حمد و ستائش ہے۔ (۲۲/۳۵)۔
(اس دنیا میں بھی ان کی زندگی ایسی ہوگی اور آخرت میں بھی)۔

۲۵ یہ نظام' جس کے حسین و خوشگوار نتائج کا ذکر اوپر کیا گیا ہے' اس کا مرکز کعبہ ہے۔ یہ وہ واجب الاحترام مقام ہے جو تمام انسانوں کے لئے اطاعتِ خداوندی کا سرچشمہ قرار پائے گا۔ اسے ہم نے تمام نوعِ انسان کے لئے' خواہ وہ یہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے' یکساں طور پر کھلا رکھا ہے۔ (اس کے دروازے' دنیا کے ہر ستائے ہوئے انسان کے لئے یکساں طور پر کھلے ہیں' اور سب اس کی منفعت بخشیوں میں شریک ہیں)۔ لیکن جو اس میں' ظلم و زیادتی کے ساتھ' حق کی راہ سے ذرا بھی اِدھر اُدھر ہٹے گا' اُسے الم انگیز سزا دی جائے گی۔

یہ لوگ اس نظامِ عدل و احسان سے خود بھی سرکشی برتتے ہیں' اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ (ان کی اس دھاندلی کو کب تک برداشت کیا جا سکتا ہے؟ وقت آگیا ہے کہ ان کی روک تھام کی جائے تاکہ انسانیت' ان کے جور و ستم سے امن میں رہے۔ ۲۱/۳۹)۔

۲۶ اس مرکزِ نظامِ خداوندی کی تاسیس ابراہیمؑ کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی تاکہ انسانوں کے لئے محکومیت صرف خدا کی رہ جائے۔ اس میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے۔ ہم نے اسے کہا تھا کہ وہ اس مرکز کو انسانوں کے خود ساختہ تصورات و معتقدات سے پاک اور صاف رکھ کر اس جماعت کی تنظیم

مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾
وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا
مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا
وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ

وتربیت کے لئے مخصوص کر دے جس کا فریضۂ زندگی یہ ہے کہ وہ تمام اقوام عالم کی نگرانی و پاسبانی کرے۔ نظام عدل و انصاف کو قائم رکھے اور قوانین خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے ان کی پوری پوری اطاعت کرے۔ (۲/۱۲۵ ؛ ۲/۱۹۷ ؛ ۳/۱۷ ؛ ۳/۹۵)۔

۲۷ (اس کے بعد ہم نے ابراہیمؑ سے کہا کہ اب) تم لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ اپنے معاملات میں آخری دلیل و حجت (فیصلہ) کے لئے یہاں آیا کریں ـــــ دنیا کے دور دراز گوشوں سے لمبی لمبی مسافتیں طے کرتے پاپیادہ یا ایسی سواریوں پر جو سفر کی مشقت سے تھک کر چور ہو جائیں۔

۲۸ وہ یہاں اس لئے آئیں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ یہ نظام ان کی (یعنی نوع انسان کی) منفعت کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے۔
اور ہم نے جو مویشی انہیں دے رکھے ہیں، انہیں اللہ کا نام لے کر، اس اجتماع کے مقررہ دنوں میں ذبح کریں اور ان کا گوشت خود بھی کھائیں اور (اگر وہاں کوئی) تکلیف زدہ محتاج ہو، تو اسے بھی کھلائیں۔

۲۹ (کھائیں پئیں بھی، اور باہمی مشاورت سے وہ تدبیریں بھی سوچیں جن سے) ان کی ملی زندگی کی تمام کثافتیں دور ہو جائیں اور وہ اُن ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو سکیں (جنہیں انہوں نے نوع انسان کی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں اپنے اوپر لے رکھا ہے)۔ اور اس طرح پوری کی پوری امت اس مرکز کی نگہبان بن جائے جو دنیا میں انسانوں کی حریت و آزادی، اور قوت و اقتدارِ خداوندی کا نشان[۱] ہے، اور جسے اس باب میں شرف اولیت اور سبقت حاصل ہے[۲]۔

---

[۱] SYMBOL [۲] جس طرح صلوٰۃ میں رکوع و سجود اس استمرار کا محسوس مظاہرہ ہے کہ ہم قوانین خداوندی کی کامل طاعت کرتے ہیں اور اس کے سوا کسی اور کی محکومیت اختیار نہیں کرتے۔ اسی طرح کعبہ کے گرد طواف، اس حقیقت کے اعتراف کا محسوس مظاہرہ ہے کہ ہم اس نظام خداوندی کی، جس کا یہ مرکز ہے، سرفروشانہ حفاظت کریں گے اور امن عالم کے ضامن اور نگہبان رہیں گے۔

الْعَتِيقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِندَ رَبِّهٖ ۗ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا
يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهٖ ۚ
وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿۳۱﴾

---

۳۰ یہ ہے مقصد اس اجتماع کا۔ سو جو شخص بھی خدا کی مقرر کردہ پابندیوں کا احترام اور ان کی عظمت کا اعتراف کرے' تو یہ چیز قانونِ خداوندی کی رُو سے اس کے لئے بڑی نفع بخش ہوگی۔

(ہم نے اوپر کہا ہے کہ اس اجتماع میں کھانے پینے کے سلسلہ میں جانور ذبح کریں۔ سو اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ) اُن جانوروں کو چھوڑ کر جن کی بابت قرآن میں حکم دیا جا چکا ہے کہ وہ حرام ہیں (۵/۳) باقی سب مویشی تمہارے لئے حلال ہیں۔

(لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ کھانے پینے کی چیزوں کی پابندی کی احتیاط کر لی تو دین کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ) ہر اُس شے سے بچو جو زندگی کی حرکت کو ساکن کر دینے والی ہو۔ جس سے ذہن پر جمود و تعطل طاری ہو جائے اور قوتِ عمل ساقط ہو جائے ——— بت پرستی اس کی محسوس شکل ہے ——— (جب زندگی میں حرکت نہ رہے تو پھر اس کے ہر گوشے میں کثافتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کی صلاحیتوں کی نشو و نما رک جاتی ہے۔ زندگی حرکتِ پیہم اور جدّ و جہدِ مسلسل کا نام ہے)۔

(لیکن حرکت کے یہ معنی نہیں کہ وہ بگولے کا سا رقص ہو۔ یعنی منزل کے تعین کے بغیر محض حرکت یہ بھی غلط ہے۔ حرکت کے معنی یہ ہیں کہ پہلے نصب العین متعین کر لیا جائے' اور پھر ہر قدم اُس نصب العین کی طرف اٹھے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ (انسان) ہر اس نظریہ سے بچے جو اُسے صحیح راستے سے ہٹا کر کسی دوسری طرف لیجانے کا موجب ہو۔

۳۱ صحیح روشِ زندگی یہ ہے کہ انسان' ہر طرف سے خیال ہٹا کر' اپنی توجہات کا مرکز قوانین خداوندی کی اطاعت قرار دے لے' اور اس میں کسی اور کی محکومیت کو شامل نہ کرے۔ یاد رکھو۔ جو شخص خدا کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کرتا اور اس کے سامنے جھکتا ہے' وہ شرفِ انسانیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال یوں سمجھو گویا وہ آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر آگرا اور ایسا بے کس و بے بس اور بے یار و مددگار رہ گیا جیسے (چڑیا کا بچہ اپنے گھونسلے سے نیچے زمین پر گر جائے تو) اسے چیل جھپٹ کر لے جائے۔ اور ایسا کمزور و ناتواں ہو گیا کہ ہوا کا ہر تیز جھونکا اسے (پرکاہ کی طرح) اڑائے اڑائے پھرے اور کسی دور دراز گوشے میں پھینک دے۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ
مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ
مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ
وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

۴ ع ۱۱

۳۲ یہ انجام ہوتا ہے غیر خداوندی قوتوں کے سامنے جھکنے کا۔ (اس کے برعکس) جو شخص خالصتہً نظامِ خداوندی (کی اطاعت کرے گا۔ اور اسکے اعتراف کے طور پر اس نظام) کے نشانات[1] کی تعظیم کرے گا تو یہ اس امر کا اظہار ہوگا کہ اسکے دل میں قوانین خداوندی کی نگہداشت کا احساس اور ان کا احترام موجود ہے۔ (لیکن اگر ان نشانات کی تعظیم ہی مقصود بالذات بن جائے۔ یا یہ چیز محض رسم بن کر رہ جائے تو یہ بات انسان کو دین کی حقیقت سے دور لے جائے گی)۔

۳۳ اس سلسلہ میں اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر سمجھ لو کہ تم جن جانوروں کو اس اجتماع میں کھانے پینے کے لئے ذبح کرو گے ان کے متعلق یہ تصور نہ کر لینا کہ یہ بھی اسی قسم کی قربانی ہے جیسی عام پرستش گاہوں میں کی جاتی ہے۔ اور یہ جانور مقدس ہو گئے ہیں۔ بالکل نہیں۔ یہ عام جانور ہیں جن تم دورانِ سفر میں، سواری یا بار برداری کے سلسلہ میں مختلف فائدے اٹھاتے ہو اور اس طرح انہیں یہاں (خانہ کعبہ میں) لا کر اپنی خوراک کے لئے ذبح کر لیتے ہو۔

۳۴ (یہ جو ہم نے جانوروں کو ذبح کرتے وقت خدا کا نام لینے کا طریق بتایا ہے تو یہ خصوصیت تمہارے لئے ہی نہیں)۔ ہم نے ہر قوم کے لئے یہ طریق مقرر کر دیا تھا کہ وہ جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا کریں (۶/۱۶۳ و ۲۲/۶۷)۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ خدا کا صحیح اور نکھرا ہوا تصور ہر وقت تمہارے پیش نظر رہے اور یہ حقیقت تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے کہ تمہارے اوپر اقتدار و اختیار صرف خدائے واحد کا ہے۔ اور کسی کا نہیں۔ سو تمہیں صرف اسکے قوانین کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ (یہ ہے دین کی وہ اصل جس میں کسی قسم کا تنازعہ نہیں ہو سکتا۔ ۲۲/۶۷)۔ سو جو لوگ اس اصل عظیم کے سامنے جھک جائیں انہیں زندگی کے خوشگوار نتائج کی بشارتیں سنا دو۔

۳۵ یعنی ان لوگوں کو کہ جن کے سامنے جب قانونِ خداوندی پیش کیا جاتا ہے تو اس کی خلاف ورزی

[1] SYMBOLS.

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا
وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾
لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا
اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾

کے تباہ کن نتائج کے تصور سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں (۲۲/۲)۔ پھر اس قانون پر چلنے کی راہ میں انہیں جو جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا نہایت ہمت اور حوصلہ سے مقابلہ کرتے ہیں اور ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آتی۔ اس طرح وہ نظام صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اسے (نوع انسان کی پرورش کے لئے) کھلا رکھتے ہیں۔

۳۶ اور وہ اونٹ بھی (جنہیں مذکورہ بالا مقصد کے لئے اس اجتماع کے موقعہ پر ذبح کیا جاتا ہے) نظام خداوندی کے نشانات میں سے ہیں ——— ہر وہ شے جو کسی نہ کسی طریق سے اس نظام کی اقامت اور استحکام کا موجب بنتی ہے اسکے شعائر میں شمار ہو جاتی ہے ——— (لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس طرح یہ جانور تمہارے لئے مقدس بن جاتے ہیں) یہ تمہارے فائدے کے لئے ہیں۔ انہیں اللہ کا نام لے کر قطار در قطار ذبح کرو۔ اور جب وہ ذبح ہو کر کسی پہلو پر گر پڑیں تو ان کا گوشت خود بھی کھاؤ اور دوسرے تکلیف زدہ ضرورت مندوں کو بھی کھلاؤ۔ ہم نے اس طرح مویشیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم (کھانے پینے کی طرف سے بے فکر ہو کر اپنے بلند مقصد کے لئے) ایسی کوشش کرو جو بہتر نتائج مرتب کر سکے۔

۳۷ (اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر سمجھ لو کہ یہ جانور تمہاری ضروریات پورا کرنے کے لئے ہیں۔ یہی ان کے اس موقعہ پر ذبح کرنے سے مقصود ہے)۔ اللہ تک ان کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا۔ اس کے ہاں تو صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ تم اسکے قوانین کی کس حد تک نگہداشت کرتے ہو۔ اس نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم (اپنی طبیعی ضروریات کی طرف سے بے فکر ہو کر) خدا کے اس ضابطہ قوانین کو جس سے اس نے تمہاری راہ نمائی کی ہے دنیا کے تمام قوانین و ضوابط پر غالب کر سکو (۲۲/۴۱) جو لوگ اس طرح قوانین خداوندی کے مطابق حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کریں گے ان کے لئے نہایت خوشگوار نتائج کی بشارتیں ہیں۔

۳۸ جو جماعت مومنین ایسا کرتی رہے گی اللہ انہیں ان کے دشمنوں کی دسترس سے محفوظ رکھے گا

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم
بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ
وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ
عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾

اس لئے کہ جو لوگ فلاح و بہبودِ انسانیت کے امین نہیں، جن پر کسی صورت میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو نظامِ خداوندی کی صداقت سے برسرِ شد و مد انکار کرتے ہیں، وہ خدا کے نزدیک کیسے پسندیدہ ہو سکتے ہیں؟

۳۹ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں (یعنی جماعتِ مومنین) کو، جن پر مخالفین کی طرف سے اس قدر مظالم توڑے گئے ہیں، اور جن کے خلاف اب وہ مخالفین میدانِ جنگ تک میں اتر آئے ہیں، دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔ اللہ ان مظلوموں کی مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

۴۰ یہ وہ مظلوم ہیں جنہیں ان کے گھروں تک سے ناحق نکال دیا گیا۔ ان کا کوئی جرم نہیں تھا، بجز اسکے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا نشو و نما دینے والا اللہ ہے۔ (لیکن سرکش قوتیں اس کی کب اجازت دیتی ہیں کہ کوئی اپنی مرضی کے مطابق کسی کو اپنا معبود بنا لے؟) تم سوچو کہ اگر اللہ اس کا انتظام نہ کرتا کہ ایک گروہ کی روک تھام دوسرے گروہ کے ذریعے ہو سکے (اور وہ سرکش لوگوں کو بدلگام چھوڑ دیتا کہ وہ جو چاہیں آئے کرتے چلے جائیں) تو (وہ چیزیں تو ایک طرف) کسی قوم کی عبادت گاہ تک بھی دنیا میں محفوظ نہ رہتی ——— خانقاہیں، گرجے، یہودیوں کے معبد، مساجد، جن میں خدا کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے ——— سب کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔ لہٰذا، جو جماعت بھی حق و انصاف کی مدافعت کے لئے اٹھے گی۔ (جس میں پرستش کی آزادی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے) اللہ کا قانون اس کی ضرور مدد کرے گا۔ یاد رکھو! خدا بڑی قوتوں کا مالک اور سب پر غالب ہے۔

۴۱ (مظلوموں کی یہ جماعت جو دنیا سے ظلم اور سرکشی کو مٹانے کے لئے اٹھی ہے)۔ اگر ہم نے انہیں ملک میں حکومت عطا کر دی۔ انہیں اقتدار حاصل ہو گیا (تو یہ ظلم اور استبداد نہیں کریں گے)۔ یہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے (تاکہ تمام افرادِ معاشرہ، قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتے چلے جائیں) یہ تمام نوعِ انسانی کو سامانِ نشو و نما بہم پہنچائیں گے۔ یہ ان احکام کو نافذ کریں گے جنہیں قانونِ

وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ إِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّ
أَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَأَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَأَيِّنْ
مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾
أَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا أَوْ ءَاذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا
تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

خداوندی (قرآن) صحیح تسلیم کرتا ہے۔ اور تمام ایسے کاموں سے روکیں گے جنہیں وہ جائز قرار نہیں دیتا۔ غرضیکہ یہ ہر پیش آمدہ معاملہ کے متعلق دیکھیں گے کہ اس باب میں خدا کا قانون کیا کہتا ہے۔ اس طرح ان کی حکومت میں، بحث و تمحیص اور باہمی مشاورت کے بعد، آخر الامر، ہر معاملہ کا فیصلہ قانونِ خداوندی کے مطابق ہوگا (۴۲/۵)۔

۴۲ (یہ ہے، اے رسول! تمہاری اس دعوت سے مقصود)۔ لیکن، اگر یہ لوگ (اس قدر وضاحت کے باوجود) تیری تکذیب کرتے ہیں (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) ان سے پہلی قومیں بھی اپنے اپنے رسولوں کی اسی طرح تکذیب کر چکی ہیں (مثلاً) قوم نوحؑ۔ قوم عاد۔ قوم ثمود۔

۴۳ قوم ابراہیمؑ۔ قوم لوطؑ۔

۴۴ مدین کے رہنے والے (قوم شعیبؑ)۔ اور اسی طرح موسیٰؑ کی تکذیب بھی ہوئی۔ ہم نے ان سرکشی اختیار کرنے والوں کو پہلے اپنے قانون مکافات کے مطابق مہلت دی (کہ وہ اپنی غلط روش سے باز آجائیں۔ لیکن جب وہ باز نہ آئے تو ہمارے قانون نے) انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ (پھر تاریخ کے اوراق سے پوچھو کہ) اُن کے اس انکار اور سرکشی کا نتیجہ کیا نکلا؟

۴۵ (تاریخ یہ بتائے گی کہ) کتنی ہی بستیاں تھیں جن کے رہنے والوں کو، ہمارے قانون مکافات نے اپنی گرفت میں لے کر تباہ کر دیا، اس لئے کہ انہوں نے ظلم و استبداد پر کمر باندھ رکھی تھی (اور کمزور و ناتواں انسان ان کے ہاتھوں سخت نالاں تھے)۔ وہ ایسی اُجڑیں کہ ان کی (سربفلک) عمارتیں اوندھی ہو کر گر پڑیں۔ ان کے کنویں بے کار ہو گئے۔ ان کے مستحکم قلعے کھنڈرات بن کر رہ گئے۔

۴۶ کیا یہ لوگ، اُن علاقوں میں چلے پھرے نہیں کہ (ان سابقہ اقوام کے عبرت انگیز انجام کو دیکھ کر) ان کے دلوں میں عقل و فکر سے کام لینے کی صلاحیت، اور ان کے کانوں میں بات سننے کی

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾
وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ
اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾

استطاعت پیدا ہو جاتی! (اصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے' تو یہ نہیں ہوتا کہ اس کی ماتھے کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں - (وہ تو بدستور بینا ہوتی ہیں۔ لیکن) ان کے دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں (اور اس طرح ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے)۔

۴۷ (یہ لوگ' بجائے اس کے کہ عقل و بصیرت سے کام لیں' تقاضہ پر تقاضہ کر رہے ہیں کہ) جس تباہی کی انہیں دھمکی دی جا رہی ہے' وہ جلدی کیوں نہیں آ جاتی۔ ان سے کہدو کہ خدا کا قانون اٹل ہے' ایسا ہو نہیں سکتا کہ تمہارے اعمال کے نتائج تمہارے سامنے نہ آئیں۔ (لیکن بات یہ ہے کہ جب یہ نتائج خدا کے کائناتی قانون کے مطابق مرتب ہوں تو ان کے ظہور میں دیر لگتی ہے۔ اس لئے کہ) خدا کے کائناتی نظام میں ایک ایک دن کی مقدار ایسی ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہو (۳۲/۵ ؛ ۷۰/۴)۔ (کائناتی تبدیلیاں' اور قوموں کے احوال و ظروف میں تغیرات' بڑے بڑے لمبے عرصے کے بعد رونما ہوتے ہیں)۔

۴۸ (لہٰذا' ان سے واضح طور پر کہدو کہ یہ بات کہ ان پر تباہی جلدی کیوں نہیں آتی' انہیں اس فریب میں مبتلا نہ رکھے کہ قانونِ مکافات محض ڈراوا ہی ہے۔ تاریخی سرگزشتیں اسی حقیقت کی شہادت دیں گی کہ کتنی ہی قومیں ایسی تھیں کہ وہ ظلم و استبداد کرتی تھیں۔ پہلے انہیں مہلت دی گئی' اور (جب وہ لوگ اپنی روش سے باز نہ آئے تو) انہیں پکڑ لیا گیا۔ (لہٰذا' انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کا انجام بھی ہمارے اسی قانون کے مطابق ہو کر رہنا ہے۔ یہ اس سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے)۔ انہیں' آخر الامر' اس کی طرف آنا ہے۔

۴۹ (ان سے کہدو کہ) اے لوگو! میری حیثیت اس باب میں فقط اتنی ہے کہ میں تمہیں خدا کے قانونِ مکافات سے کھلے کھلے الفاظ میں آگاہ کرتا ہوں۔

۵۰ سو جو لوگ' اس قانون کی صداقت پر یقین رکھ کر' صلاحیت بخش کام کریں گے' وہ تباہی اور بربادی سے بھی محفوظ رہیں گے' اور انہیں باعزت روزی بھی ملے گی۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ
رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ
ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

---

۵۱ اور جو لوگ اس کی کوشش کریں گے کہ قوانین خداوندی کی مخالفت کر کے کامیاب زندگی بسر کریں اور اس طرح انہیں عاجز اور ناکارہ کر کے رکھ دیں (تو وہ خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکیں گے)۔ ان پر سعادتوں اور کامرانیوں کے دروازے بند ہو جائیں گے اور وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ (اور اس طرح تباہ و برباد ہو جائیں گے)۔

۵۲ (یہ قوانین جن کی رُو سے قوموں کی سعادتوں اور ناکامیوں کے فیصلے ہوتے ہیں کوئی پہلی مرتبہ سامنے نہیں لائے گئے۔ انہیں ہم شروع ہی سے مختلف انبیاءؑ کی معرفت دیتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن ہوتا یہ رہا ہے کہ) ہمارا فرستادہ نبی آتا۔ لوگوں تک ہمارا پیغام پہنچاتا۔ اسکے چلے جانے کے بعد اپنی مفاد پرستیوں کے پیچھے چلنے والے لوگ اس کی وحی میں اپنی طرف سے آمیزش کر کے اسے کچھ سے کچھ بنا دیتے۔ (اس کے بعد خدا ایک اور رسول بھیج دیتا۔ اور سابقہ وحی کو) اس آمیزش سے پاک اور صاف کر کے اپنے قوانین کو پھر محکم کر دیتا۔ اس لئے کہ خدا کو ہر بات کا علم ہوتا ہے اور اس کے سب کام حکمت پر مبنی ہوتے ہیں (۶/۱۱۳)۔

۵۳ وحی خداوندی میں ان انسانی آمیزشوں سے ہونا یہ کہ جن لوگوں کے دل میں (انفرادی مفاد پرستیوں کا) مرض ہوتا یا جن کے دل حقائق قبول کرنے کی طرف سے سخت ہو جاتے وہ خود بھی اس فتنہ میں مبتلا ہوتے (اور دوسروں کو بھی اس میں مبتلا رکھتے)۔
غور کرو کہ جو لوگ قوانین خداوندی سے سرکشی برتتے ہیں وہ اس باب میں کہاں تک چلے جاتے ہیں! (یعنی وہ اس کی جرأت بھی کر لیتے ہیں کہ اپنی طرف سے "شریعت" وضع کر کے اسے خدا کی طرف منسوب کر دیں۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے؟ (۲/۷۹)۔

۵۴ یہی سلسلۂ وحی اب قرآن تک آ پہنچا ہے۔ اس میں وہ سب کچھ جو انبیاءؑ سابقہ کی طرف

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ
عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۚ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾

بھیجا گیا تھا۔ اصلی شکل میں جمع کر دیا گیا ہے۔ (۱۵/۹)۔ اس وحی میں انسانی آمیزش کا شائبہ تک نہیں۔ نہ ہی اس میں کوئی آمیزش ہو سکے گی' اس لئے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے (۱۵/۹)۔

جو لوگ علم و بصیرت سے کام لیں گے ان پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو کچھ قرآن میں دیا جا رہا ہے وہ تیرے نشو و نما دینے والے کی طرف سے ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ سو ان لوگوں کو چاہیئے کہ' (علم و بصیرت سے کام لے کر) قرآن کی صداقتوں پر ایمان لے آئیں اور اس طرح ان کے دل اس کے سامنے جھک جائیں ——— وہ اس کی اطاعت اختیار کر لیں۔ (ہمارا قانون یہ ہے کہ) جو لوگ وحی کی صداقت پر ایمان لے آتے ہیں' ہم ان کی راہ نمائی زندگی کی متوازن اور سیدھی راہ کی طرف کر دیتے ہیں۔

۵۵ (لیکن جو لوگ علم و بصیرت اور غور و تدبر سے کام نہیں لیں گے) وہ اس کی طرف سے برابر شک میں رہیں گے' تا آنکہ موعودہ انقلاب کی گھڑی اچانک ان کے سر پر آ جائے' یا ان پر وہ عذاب آ جائے جو ان کے شجر امید کو یکسر خشک کر کے رکھ دے' اور اس کے بعد وہ کبھی بار آور نہ ہو سکے۔

۵۶ اُس وقت قوت و اقتدار سب کا سب' قانون خداوندی کو حاصل ہو گا۔ اور تمام امور کے فیصلے اس (ضابطہ — قرآن) کے مطابق ہوں گے۔ اسی قانون کے مطابق یہ ہو گا کہ جو لوگ اس ضابطہ کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور اسکے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہو رہے ہیں' انہیں زندگی کی خوش حالیاں اور شادابیاں نصیب ہوں گی۔

۵۷ اور جو لوگ ان قوانین سے انکار کر رہے' اور انہیں جھٹلا رہے ہیں' انہیں ذلت آمیز سزا ملے گی۔

۵۸ (لیکن اس دوران میں) جو لوگ' اِس نظام کے قیام کی خاطر' اپنا گھر بار (اور سب کچھ) چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے ہیں' وہ اگر' اس جد و جہد میں' اپنی طبیعی موت مر جائیں' یا قتل کر دیئے جائیں (تو انہیں اس احساس سے افسردہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے کہ اس نظام کی تشکیل ان کے ہاتھوں سے تکمیل تک نہیں پہنچ سکی۔ انہوں نے اس جد و جہد میں پورا پورا حصہ لے لیا' اور اس طرح اپنے لئے حیات جاوید

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا
عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ
وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۡ فَتُصْبِحُ
الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾

کا سامان مہیا کر لیا ہے۔ لہٰذا) اللہ انہیں ان کی موت کے بعد بہترین سامانِ نشوونما عطا کرے گا جس سے وہ زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ بہترین سامانِ نشوونما عطا کرنے والا ہے۔

۵۹ وہ انہیں زندگی کی اس منزل میں داخل کرے گا جسے وہ بہت پسند کریں گے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ سب کچھ جاننے والا ہے' اور نہایت تحمل سے ہر بات کو اس کے انجام تک پہنچاتا ہے۔

۶۰ بہرحال (جس مقصد کے لئے تمہیں جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ ۲۲/۳۹ - وہ یہ ہے کہ) جس قوم نے دوسروں پر زیادتی نہیں کی بلکہ جس قدر ظلم و تشدد اس پر ہوا ہے' اس کا بدلہ لینے کے لئے قدم اٹھایا ہے ـــــ اور دشمن نے اس پر بھی اپنا ہاتھ نہیں روکا بلکہ وہ مزید زیادتی پر اتر آیا ہے۔ تو قانون خداوندی کی رُو سے اس مظلوم کی مدد ضرور کی جائے گی۔ اس کا قانون یقیناً ظلم و تشدد کو مٹا کر مظلوموں کے لئے سامانِ حفاظت بہم پہنچانے والا ہے۔

۶۱ (یہ اسلئے ہے کہ خود کائنات میں خدا کا یہ قانون جاری و ساری ہے کہ صورتِ حالات بدلتی رہے (۳/۱۴۰) یہ نہ ہو کہ مظلوم ہمیشہ ظلم و ستم سہتا رہے اور ظالم جور و تعدی کرتا رہے۔ کیا تم خارجی کائنات میں نہیں دیکھتے کہ) خدا کا قانون کس طرح رات کو دن کی مملکت میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات کی مملکت میں۔ وہ سب کچھ سننے والا' دیکھنے والا ہے۔

۶۲ یہ سب اس لئے ہے کہ حق' اللہ ہی کی ذات ہے۔ اس کے سوا لوگ جنہیں پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ ٹھوس تعمیری نتائج صرف اُس کے قانون کی رُو سے مرتب ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ سب تخریبی نتائج پیدا کرتے ہیں۔ اور خدا کا قانون' تمام غیر خدائی توانین پر غالب ہے اور سب سے بلند و برتر۔

۶۳ (یہ تعمیری نتائج پیدا کرنے والا قانون' کائنات میں کس طرح کارفرما ہے' اس کے لئے) کیا تو نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ بادلوں سے بارش برساتا ہے تو اس سے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے یقیناً

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ
لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ
اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ
الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى
رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾

خدا بڑا ہی باریک بین اور ہر شے کے حالات اور اس کی صلاحیتوں سے واقف ہے۔

۶۴ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اس کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اسے اپنے قانون کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ (وہ قانون اپنے زورِ دروں سے از خود نتیجہ خیز ہوتا ہے) اور اس کے نتائج خود اس کی حمد و ستائش کی زندہ شہادت بنتے ہیں۔

۶۵ پھر کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ زمین میں ہے اللہ نے اسے کس طرح تمہارے فائدے کے لئے قانون کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ کشتی کو دیکھو کہ وہ کس طرح اس کے قانون کے مطابق سینۂ بحر کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ اس نے کس طرح بارش کو روک رکھا ہوتا ہے کہ وہ زمین پر صرف اس کے قانون کے مطابق گرے۔

نظامِ کائنات قاعدے اور ضابطے کے مطابق اس لئے چل رہا ہے کہ ان موانع کی مدافعت ہو سکے جو انسانوں کی نشوونما کی راہ میں حائل ہیں اور انہیں سامانِ نشوونما نہایت عمدگی سے ملتا رہے۔

۶۶ یہی وہ قانون ہے جس کے مطابق اس نے تمہیں زندگی عطا کی۔ پھر اسی کے مطابق تمہارے طبیعی جسم پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ اور اسی کے مطابق وہ تمہیں پھر زندگی عطا کرے گا۔ (اسی طرح قوموں کی موت و حیات کا فیصلہ بھی خدا ہی کے قانون کے مطابق ہوتا ہے)۔

(یہ سب کچھ انسان ہی کے لئے ہو رہا ہے اور انسان کی حالت یہ ہے کہ یہ اپنی زندگی غیر خدا وہی قوانین کے تابع گزارنا چاہتا ہے)۔ یہ کس قدر ناسپاس گزار واقع ہوا ہے؟

۶۷ (یہ ہمارا بنیادی قانون ہے جو انسان کی راہ نمائی کے لئے شروع سے چلا آ رہا ہے۔ لیکن اس کے عملی نفاذ کی شکلیں مختلف ادوار میں زمانے کے تقاضوں کے ماتحت مختلف قوموں میں مختلف ہوتی رہی ہیں۔ اسی بنا پر مختلف قوموں کے رسوم و رواج اور طرزِ معاشرت الگ الگ ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ
تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ

نہیں جس پر جھگڑا کیا جائے۔ (۲/۱۷۷)۔ اصل چیز وہ بنیادی تعلیم ہے (جواب اپنی حقیقی شکل میں قرآن میں محفوظ کر دی گئی ہے)۔ اس کے متعلق کسی تنازع کی اجازت نہیں دی جا سکتی ——— یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ مخالفین سے مفاہمت کی خاطر اس میں کچھ رد و بدل کر دیا جائے یا اس کی مخالف تعلیم کے متعلق کہہ دیا جائے کہ وہ بھی برحق ہے۔ اب برحق اور صداقت پر مبنی صرف وہ تعلیم ہے جو قرآن کے اندر محفوظ کر دی گئی ہے ——— لہٰذا (تم اے رسول!) اس تعلیم ربانی کی طرف دعوت دیتے جاؤ۔ اس لئے کہ تم بالکل سیدھے اور متوازن راستے پر چلے جا رہے ہو۔

۶۸ اور اگر یہ لوگ اس باب میں تم سے جھگڑے پیدا کریں تو ان سے کہہ دو کہ (مجھے تم سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں) خدا کا قانون مکافات خوب جانتا ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔ (وہ اس کے مطابق نتائج مرتب کر دے گا)۔

۶۹ جب ظہور نتائج کا وقت آئے گا تو خدا کا یہی قانون ان تمام امور میں فیصلے کر دے گا جن میں تم اس وقت اختلاف کر رہے ہو۔ (۲/۲۱۳ ؛ ۲۲/۱۷ ؛ ۲۲/۵۶)۔

۷۰ کیا تو نہیں جانتا کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے علم میں ہے۔ کوئی شے اس کے قانون مکافات کی نگاہوں سے چھپی ہوئی نہیں۔ پھر جو کچھ کائنات میں ہوتا ہے سب اس کے قانون کی کتاب میں ضبط ہوتا جاتا ہے۔ اور خدا کے لئے ایسا کرنا بہت آسان ہے۔

۷۱ ان کے ان اختلافات کی وجہ یہ ہے کہ یہ قانون خداوندی کو چھوڑ کر ان قوتوں کی محکومیت اختیار کرتے اور ان احکام کی اطاعت کرتے ہیں جن کے لئے نہ اللہ نے کوئی سند نازل کی ہے اور نہ ہی یہ ان کی حقیقت سے خود ہی واقف ہیں۔ (محض آبا و اجداد کی تقلید سے ایسا کئے چلے جاتے ہیں۔ ۴۳/۲۲)۔ لیکن انہیں سمجھ رکھنا چاہیئے کہ جو لوگ خدا کے قوانین سے سرکشی برتتے ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔

۷۲ (ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ) جب ان کے سامنے ہمارا قانون وحی پیش کیا جاتا ہے تو ان کے دل میں نفرت اور سرکشی کے جذبات اس شدت سے مشتعل ہو جاتے ہیں کہ اس کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں پر ہلہ بول دیں گے جو ان کے سامنے

يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكُمُ ۗ النَّارُ ۖ
وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٧٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ
الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ
شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴿٧٣﴾ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ
عَزِيزٌ ﴿٧٤﴾ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٧٥﴾

ہمارا قانون پیش کرتے ہیں۔

ان سے کہو کہ کیا میں تمہیں اس سے ایک بدتر صورتِ حال کی خبر دوں؟ وہ ہے آگ (کا تباہ کن عذاب جو ہر شے کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیتا ہے)۔ یہ عذاب خدا کے قانون مکافات کے مطابق ان لوگوں کے لئے مقرر ہے جو اُس کے قوانین کی صداقت سے انکار کرتے اور اس سے سرکشی برتتے ہیں۔ یہ بہت ہی بُرا مقام ہے۔

۷۳ غیر خدا کی عبودیت اختیار کرنے والو! آؤ، تمہیں ایک مثال کے ذریعے بات سمجھائی جائے۔ اسے دل کے کانوں سے سنو۔ تم جن قوتوں کو خدا کے سوا صاحب اقتدار مان کر پکارتے ہو، ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک مکھی جیسی شے بھی پیدا نہیں کر سکتے، خواہ اس کے لئے وہ سب مل کر بھی کوشش کیوں نہ کر لیں۔ اتنا ہی نہیں۔ اگر کوئی مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے (اور ہضم کر لے) تو ان میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ اسے اُس سے واپس لے سکیں۔

اب تم خود ہی سوچو کہ ان معبودوں کی، اور تمہاری، جو اس قسم کے معبودوں کو خدا بنائے ہوئے ہو، بے بسی کہاں تک پہنچی ہوئی ہے؟ (ان معبودوں کی بے بسی یہ کہ وہ مکھی جیسی شے پر بھی قدرت نہیں رکھتے۔ اور تمہاری بے بسی یہ کہ تم ان جیسے بے بس معبودوں سے اپنی مرادیں طلب کرتے ہو)۔

۷۴ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے متعلق صحیح اندازہ لگایا ہی نہیں، جیسا کہ اندازہ لگانا چاہیئے۔ وہ بڑی قوتوں کا مالک اور ہر ایک پر غالب ہے۔ (الٰہ کو ایسا ہونا چاہیئے، نہ کہ ویسا جیسا تم نے تصور کر رکھا ہے۔ ۶/۹۲ ؛ ۳۹/۶۷)۔

۷۵ (باقی رہے ملائکہ اور انبیاء، جنہیں یہ لوگ اپنا معبود بنا لیتے ہیں۔ تو ان کی پوزیشن صرف اتنی ہے کہ) اللہ ان ملائکہ میں سے بعض کو اس کام کے لئے چن لیتا ہے (یہ کام ان کے ذمے لگا دیتا ہے)

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٧٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا
وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٧٧﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ
هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ
الْمُسْلِمِينَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ

کہ وہ اس کی وحی رسولوں تک پہنچادیں۔ اور انسانوں میں سے بعض کو منتخب کرلیتا ہے کہ وہ اس وحی کو دوسرے انسانوں تک پہنچادیں۔ (یہ ہستیاں نہ تو خود ہی کچھ مقدرت رکھتی ہیں' اور نہ ہی لوگوں کی حاجتوں کو خدا تک پہنچانے کا ذریعہ بنتی ہیں' اس لئے کہ خدا کو ان ذرائع کی ضرورت ہی نہیں) وہ سب کچھ سننے والا' دیکھنے والا ہے۔

۷۶ وہ تمام نوع انسان کے حال اور مستقبل تک سے واقف ہے' اور کائنات کے جملہ امور اس کے مرکزی اقتدار کے گرد گردش کرتے ہیں۔ (کوئی بات اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر نہیں رہ سکتی)۔

۷۷ (یہ ہے تمام قوتوں کا مالک خدا) لہٰذا' اے ایمان والو! تم اس خدا کی عبودیت (محکومیت) اختیار کرو۔ اس کے قوانین کے سامنے جھکو اور ان کی پوری پوری اطاعت کرو۔ اور اس طرح' ایسے کام کرو جن سے نوع انسان کا بھلا ہو' اور خود تمہاری ذات میں وسعتیں پیدا ہوں۔ اس سے تمہاری کھیتی پروان چڑھیں گی۔ تمہیں کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل ہوں گی۔

۷۸ یعنی نظام خداوندی کے قیام و بقا کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہو ——— جیسا کہ جہاد جدوجہد کرنے کا حق ہے ——— اس نے تمہیں' اس منصب جلیلہ کے لئے' منتخب کیا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ یہ کوئی بیگار ہے جو تم پر ڈالی جارہی ہے۔ (یہ خود تمہارے ہی فائدے کے لئے ہے۔ ۲/۲۰۰۰ ۔ اس سے تمہیں اقوام عالم کی امامت حاصل ہوگی۔ ۲/۱۴۳ ۔ نہ ہی یہ نظام کوئی نیا نظام ہے۔ یہ وہی نظام ہے جسے تمہارے مورث اعلیٰ' ابراہیمؑ کے ہاتھوں قائم کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ تمہاری جماعت کا نام ——— مسلم ——— بھی کوئی نیا نام نہیں' خدا نے اس قسم کی جماعتوں کا نام' پہلے بھی مسلم ہی رکھا تھا' اور اب' اس قرآن میں بھی' یہی نام تجویز کیا گیا ہے۔ اس نظام کے قیام کا عملی پروگرام یہ ہے کہ تمہارے اعمال کی نگرانی تمہارا رسول (اور اس کے بعد تمہارا مرکز ملت) کرے' اور تم تمام نوع انسان کے اعمال کی نگرانی کرو۔ اس کے لئے تم صلوٰۃ کا نظام قائم کرو۔ اور نوع انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچاؤ اور خدا کے نازل کردہ ضابطۂ قوانین (قرآن) کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ یاد رکھو! خدا

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۷۸

(۱۰ ع ۲ ۱۷)

اور صرف خدا ہی تمہارا کارساز و نگران و حاکم ہے ـــــ وہ بہت ہی اچھا کارساز اور بہت ہی اچھا مددگار ہے ـــــ (اس لئے اُس کے قوانین کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ کرو)۔

یہ ہے زندگی کی کامیابیوں کا عملی پروگرام۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝۴ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۶

---

۱ آؤ تمہیں بتائیں کہ وہ کون ہیں جن کی کھیتیاں پکیں گی۔ جن کی محنتیں ثمر بار ہوں گی۔ جو دنیا اور آخرت میں کامیاب و کامران زندگی بسر کریں گے؟
یہ وہ ہیں جنہوں نے ہمارے ضابطۂ قوانین کی صداقت کو تسلیم کر لیا اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا۔

۲ اور پھر دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ اس قانون کے پیچھے پیچھے چلتے رہے' یعنی اس کی رو سے جو فرائض اُن پر عائد ہوتے ہیں' انہیں بطیب خاطر سرانجام دیتے رہے۔

۳ اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا کہ ان کی توانائیاں ایسے کاموں میں ضائع نہ ہوں جن کا نتیجہ کچھ نہ نکلے۔ نیز وہ اُن تمام امور سے مجتنب رہے جو انہیں قرآن کی طرف آنے سے روکنے والے تھے (۲۵/۷۲)۔ انہوں نے ہر طرح کی لغویات سے پرہیز کیا۔

۴ اور وہ اُس پروگرام پر عمل پیرا ہو گئے جس سے تمام نوع انسان کو نشوونما کا سامان بہم پہنچتا ہے۔

۵ ۶ اور انہوں نے اپنی جنسی توانائیوں کو محفوظ رکھا اور انہیں صرف اپنی بیویوں پر صرف کیا'

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى
صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝٩ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١١ وَلَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝١٢ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝١٣ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً
فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ
اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝١٤

یا ان لونڈیوں پر جو (انسدادِ غلامی کے متعلق قرآنی احکام نازل ہونے سے پہلے ۴۷/۴) ان کی ملک میں آچکی تھیں (لیکن جنہیں نکاح کے بعد بیویوں کا ہم پلہ قرار دیا جا چکا ہے)۔ ان سے زنا شوئی کے تعلقات رکھنے پر کوئی ملامت نہیں۔

۷ جو کوئی اس کے علاوہ جنسی تعلق کی کوئی صورت اختیار کرے تو وہ قانون شکنی ہوگی اور حدودِ خداوندی سے تجاوز (جو سنگین جرم ہے۔ ۲۴/۲)۔

۸ اور جنہوں نے اپنی امانتوں اور معاہدوں کا پاس رکھا (۷۰/۳۲)۔

۹ (مختصراً یہ کہ کامیابی و کامرانی کی زندگی ان کی ہے) جنہوں نے خدا کے مقرر کردہ نظامِ صلوٰۃ کی پوری پوری محافظت کی۔ یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں اُن کا قدم قانونِ خداوندی کے اتباع میں اٹھا۔ (۲۴/۴۱)۔

۱۰ یہی وہ لوگ ہیں جو زندگی کی سعادتوں اور کامرانیوں کے وارث ہوں گے۔

۱۱ یعنی اس دنیا میں بھی ایسی زندگی کے مالک جس میں ہر طرح کی وسعتیں اور فراخیاں سرسبزیاں اور شادابیاں ہوں۔ اور آخرت میں بھی اسی قسم کی زندگی کے وارث۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے (۴۳/۷۱ ۔ ۴۳/۷۲)۔

یہ ہیں ان مومنین کی صفات و خصائص جو کامیابیوں کی زندگی بسر کریں گے۔ (۷۰/۳۲ ۔ ۲۳/۳۴)۔

۱۲ (یہ اس لئے کہ انسان کی زندگی محض حیوانی زندگی نہیں۔ یہ حیوانی زندگی کے مراحل طے کرنے کے بعد منزلِ انسانیت میں پہنچا ہے اور اب انسانی زندگی کے مراحل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے گا۔ اس کی حیوانی زندگی کے مراحل کی کیفیت یہ ہے کہ) ہم نے اس کی تخلیق کی ابتدا مٹی کے خلاصہ (بے جان مادہ) سے کی۔ (۲۲/۵)۔

۱۳ (پھر ہمارا یہ تخلیقی پروگرام اُس کڑی تک جا پہنچا جہاں افزائشِ نسل بذریعہ تولید ہوتی ہے۔ اس طرح) ہم نے اسے نطفہ بنایا جو (رحم کے اندر) ٹھیر گیا اور مادہ کے بیضہ میں قرار گیر ہو گیا۔

۱۴ پھر اس نطفہ کو علقہ (جونک کی سی شکل) میں تبدیل کیا۔ پھر اس علقہ کو گوشت کا لوتھڑا سا

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُونَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۖ
وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِينَ ﴿۱۷﴾ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنّٰهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ
لَقٰدِرُونَ ﴿۱۸﴾

بنا دیا۔ پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ ابھار دیا۔ پھر اس ڈھانچے پر گوشت کی تہ چڑھا دی۔
(یہاں تک کے مراحل حیوانی زندگی کے قانون طبیعی کے مطابق طے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ہم اس میں اپنی توانائی کا شمہ ڈال کر ۳۲/۹ ے) اسے ایک بالکل نئی قسم کی مخلوق کی شکل میں نمودار کر دیتے ہیں (۷۱/۱۴) ـــــ یہ جدید قسم کی مخلوق جو حیوانات سے یکسر مختلف ہے انسان ہے۔
سو دیکھو! خدا کا قانونِ تخلیق کتنی بڑی ممکنات کا حامل ہے (یوں تو انسان بھی مختلف چیزیں بناتا رہتا ہے لیکن اس کی تخلیق اور خدا کی تخلیق میں بڑا فرق ہے)۔ خدا کی تخلیق صحیح توازن و تناسب کا بہترین پیکر اور حسن و زیبائی کا بے مثال شاہکار ہوتی ہے۔ اس لئے وہ احسن الخالقین ہے۔

۱۵ پھر اس کے بعد تم سب کو مرنا ہے۔ (سو تم غور کرو کہ کیا تمہاری موت سے یہ مطلب ہوگا کہ تمہارے طبیعی جسم کے انتشار[1] سے تم بھی ختم ہو جاؤ گے؟ اگر تم فقط اپنے طبیعی جسم سے عبارت ہوتے تو پھر یہ تصور درست تھا کہ جسم کے مر جانے سے تم بھی ختم ہو جاتے۔ لیکن جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے انسان جسم کے علاوہ کچھ اور
۱۶ بھی ہے۔ اور وہ "کچھ اور" ـــــ جسے انسانی ذات کہا جاتا ہے ـــــ جسمانی موت سے فنا نہیں ہو جاتا۔ وہ آگے بھی چلتا ہے۔ چنانچہ) تم قیامت کے دن اٹھا کر کھڑے کر دیئے جاؤ گے۔ ۸۴/۱۹)۔
۱۷ (نہ ہی ہمارے تخلیقی پروگرام کی یہ صورت ہے کہ ہم نے ایک مرتبہ کائنات کو پیدا کر دیا اور اس کے بعد اس سے بے خبر ہو کر بیٹھ گئے) ہم نے تمہارے اوپر (فضا کی پہنائیوں میں) متعدد اجرام فلکی بنا دیئے ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔ (اور ہم اپنی مخلوق میں نت نئے اضافے کرتے رہتے ہیں۔ ۳۵/۱ حرف اضافے ہی نہیں کرتے بلکہ ہر شے کی نشوونما کا سامان بھی بہم پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ تم غور کرو کہ ہم نے تمہیں دنیا میں بسانے سے بھی پہلے تمہارے لئے سامانِ زیست کا کیسا عمدہ انتظام کر دیا۔ اس کے لئے)
۱۸ ہم بادلوں سے ایک خاص اندازے کے مطابق بارش برساتے ہیں اور اسے (حسبِ ضرورت مختلف شکلوں میں) زمین میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ حالانکہ ہم اس پر قادر ہیں کہ (جس طرح بارش کو بادلوں سے نیچے زمین کی طرف لاتے ہیں۔ اسی طرح اسے) فوراً اوپر اڑا کر لے جائیں۔ (لیکن ہم ایسا نہیں کرتے

[1] DISINTEGRATION

فَأَنشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ
مِن طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْآكِلِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي
بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا
إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا

بلکہ پانی کو زمین میں ٹھہرائے رکھتے ہیں تاکہ وہ تمہاری پرورش کا ذریعہ بنے)۔

۱۹ اس پانی سے ہم تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں (وغیرہ) کے باغات اگاتے ہیں۔ ان باغات میں کثرت سے پھل پیدا ہوتے ہیں، جنہیں تم کھاتے ہو —— اور دیگر مصارف میں بھی لاتے ہو۔

۲۰ اور اسی طرح (زیتون کے درخت کو بھی) اگاتے ہیں، جو سینا کی وادیوں میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اس سے تیل نکلتا ہے جس سے کھانے والوں کے لئے بہت اچھا سالن تیار ہوتا ہے۔

۲۱ اسی طرح، اگر تم اپنے مویشیوں پر غور کرو گے تو ان میں بہت سی ایسی باتیں ملیں گی جن سے تمہارا ذہن کہیں سے کہیں پہنچ جائے۔ تم سوچو کہ ان کے پیٹ میں بالآخر ہوتا کیا ہے؟ (۱۶/۶۶)۔ (کیا اس میں کوئی بھی ایسی چیز ہوتی ہے جسے خوشگوار یا خوش آیند کہا جا سکے۔ لیکن) ہم اسی سے تمہارے لئے دودھ جیسی عمدہ غذا پیدا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان مویشیوں میں تمہارے لئے طرح طرح کے اور فوائد بھی ہیں۔ اور ان میں سے بعض کا تم گوشت بھی کھاتے ہو۔

۲۲ اور تم (خشکی میں) ان پر سوار ہوتے ہو —— اور پانی میں کشتیوں پر سفر کرتے ہو۔

۲۳ (یہ سب سامان تمہارے جسم کی پرورش کے لئے ہے۔ لیکن ہماری ربوبیت کا تقاضا تھا کہ جس طرح تمہارے جسم کی نشوونما کا سامان بہم پہنچایا، اسی طرح تمہارے انسانی جوہروں کی نشوونما کا بھی انتظام کرتے۔ اس لئے کہ یہ ہماری شانِ ربوبیت سے بعید تھا کہ تمہیں انسان تو بناتے لیکن تمہارے جوہرِ انسانیت (انسانی ذات) کی نشوونما کا سامان نہ کرتے۔ اس کے لئے ہم نے، اپنی طرف سے، انبیاء کرامؑ کی معرفت، راہ نمائی بھیجنے کا انتظام کیا)۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی، نوحؑ تھا، جسے ہم نے اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اُس نے ان سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم صرف قوانین و احکام خداوندی کی اطاعت کرو۔ اُس کے سوا کوئی اور ہستی ایسی نہیں جس کی محکومیت اختیار کی جائے۔ سو تم بتاؤ کہ تم اُس کے قوانین کی نگہداشت کرنے کے لئے تیار ہو یا نہیں؟

۲۴ اُس کی قوم کے اکابرین نے، جنہیں سامانِ زندگی کی فراوانیاں حاصل تھیں، اس کی بات

مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَي الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے دوسرے لوگوں سے کہا کہ یہ (نوحؑ جو اپنے آپ کو خدا کا فرستادہ کہتا ہے) تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہے لیکن چاہتا یہ ہے کہ تم پر بڑائی حاصل کرلے۔ اگر اللہ نے ہماری طرف کوئی پیغام بھیجنا ہوتا تو فرشتے بھیجتا؛ (وہ ہمارے ہی جیسے ایک انسان کو اپنا پیغام بر کیوں بناتا؟ پھر جو کچھ یہ کہتا ہے وہ بالکل انوکھی بات ہے جسے) ہم نے اپنے آباء و اجداد سے کبھی نہیں سنا۔

۲۵ (ایسا نظر آتا ہے کہ) اس کا دماغ چل گیا ہے (اس لئے اس پاگل کی کسی بات پر کان نہ دھرو)۔ تم کچھ دنوں تک انتظار کرو اور دیکھو کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

۲۶ (نوحؑ نے انہیں ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی، لیکن بے سود۔ اس پر) اس نے اپنے خدا سے کہا کہ اے میرے پروردگار! یہ میری کوئی بات نہیں سنتے۔ اور بلا سنے، سمجھے، میری تکذیب کئے جا رہے ہیں تو ان کے خلاف میری مدد کر۔ (ان کا معاملہ اب حد سے بڑھ گیا ہے)۔

۲۷ اس پر ہم نے نوحؑ کی طرف وحی بھیجی کہ ہماری زیر نگرانی، ہماری وحی کے مطابق، ایک کشتی بناؤ۔ پھر جب ہمارے طے کردہ پروگرام کے مطابق پانی کے چشمے جوش مارنے لگیں (اور سیلاب امنڈ آئے) تو کشتی میں، ہر (ضروری) شے کے دو دو جوڑے ساتھ رکھ لے، اور اپنے رفقاء کو بھی اس میں بٹھا لے۔ بجز اُس کے جس کے کفر و عدوان نے پہلے ہی سے بتا رکھا ہے کہ وہ تمہاری جماعت میں شامل نہیں ہوگا۔ اور اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ یہ لوگ، جنہوں نے اس طرح سرکشی پر کمر باندھ رکھی ہے، سب غرق ہو جائیں گے۔ سو ان کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ کرنا۔

۲۸ اور جب تو، اپنی جماعت کے لوگوں کے ساتھ، کشتی میں جم کر بیٹھ جائے، تو تمہاری زبان سے یہ صدا اٹھنی چاہیئے کہ ہر طرح کی حمد و ستائش اُس ذات کے لئے ہے جس نے ہمیں اس ظالم قوم کے

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ
اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

پنجۂ استبداد سے نجات دلائی۔

۲۹ اس کے بعد تمہاری دعا یہ ہونی چاہیئے کہ اے میرے پروردگار! ہمیں زمین پر ایسی جگہ اتارنا جہاں اترنا ہمارے لئے خیر و برکت کا موجب ہو۔ تو سب سے بہتر اتارا دینے والا ہے۔

۳۰ قوم نوحؑ کے اس واقعہ میں تمہارے لئے ہمارے قانونِ مکافات کی محکم گیری کی نشانیاں ہیں۔ اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہم کس طرح قوموں کو گردش دے کر تغیرِ احوال کرتے رہتے ہیں۔

۳۱ (اسی گردش کا نتیجہ تھا کہ قوم نوحؑ تباہ ہو گئی اور) اس کے بعد ہم نے قوموں کا ایک اور دور شروع کر دیا۔

۳۲ چنانچہ (اس کے بعد آنے والی) قوم میں بھی ہم نے اپنا رسول بھیجا جس نے اسی پیغام کو دہرایا۔ یعنی یہ کہ تم صرف خدا کی اطاعت اختیار کرو۔ اس کے سوا اور کوئی ہستی ایسی نہیں جس کی محکومیت اختیار کی جائے۔ ہر قسم کا اقتدار صرف خدا کو حاصل ہے۔ سو تم بتاؤ کہ تم اس کے قوانین کی نگہداشت کرنے کے لئے تیار ہو یا نہیں۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو اپنی موجودہ غلط روش کی تباہیوں سے بچ جاؤ گے۔

۳۳ اس کی قوم کے اُن اکابرین نے جنہوں نے قوانینِ خداوندی سے انکار اور سرکشی کی راہ اختیار کر رکھی تھی جو خدا کے قانون مکافات اور مستقبل کی زندگی کے قائل نہیں تھے اور جنہیں سامانِ زندگی کی فراوانیاں حاصل تھیں (اور وہ دیکھتے تھے کہ نظامِ خداوندی کی زد اُن کے ذاتی مفادات پر پڑے گی) مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اُنہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ شخص (جو خدا کا پیغام برہونے کا مدعی ہے) تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہے۔ یہ بھی وہی کچھ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو وہی کچھ پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ (یہ تم سے کس حیثیت سے ممتاز ہے جو تم اس کی بات مانو!)۔

۳۴ اگر تم نے اس اپنے ہی جیسے انسان کی اطاعت اختیار کر لی تو سمجھ لو کہ تم تباہ ہو گئے۔ (اطاعت اس کی اختیار کرنی چاہیئے جو فوق البشر خصوصیات کا حامل ہو ـــــ اُسے ایشور کا اوتار

أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ﴿٣٥﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿٣٦﴾ إِنْ هِيَ
إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٣٧﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ
لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٣٩﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿٤٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

یا ظل اللہ علی الارض ہونا چاہیئے۔ ایک عام انسان کی اطاعت کے کیا معنی؟ پھر جس نظام کی طرف یہ دعوت دیتا ہے —— یعنی انسانی تکریم و مساوات کا نظام —— اس میں سراسر تمہاری تباہی ہے)۔

۳۵ (دولت تمہارے پاس۔ اقتدار تمہارے پاس۔ تم جو چاہو سو کرو۔ تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ لیکن یہ کہتا ہے کہ نہیں! خدا کا قانونِ مکافات ایسا ہے جس کی گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی تم اس کے احاطہ سے باہر نہیں جا سکتے۔ اسی لئے یہ) تمہیں دھمکیاں دیتا رہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیوں کا ڈھیر رہ جاؤ گے تو تم پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے (تاکہ جو ظلم اور زیادتی تم دنیا میں کرتے رہے ہو اس کی تمہیں سزا ملے)۔

۳۶ ذرا سوچو کہ یہ کیسی انہونی بات ہے! کیسی عقل سے دُور اور قیاس سے بعید بات جس سے یہ تمہیں ڈرا رہا ہے۔

۳۷ (مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا کیسا؟) زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے (ہماری آنکھوں کے سامنے ہر روز) لوگ مرتے رہتے ہیں اور نئے بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ (یہ سب اسی دنیا میں ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ) ہم مرنے کے بعد پھر اٹھائے جائیں گے[1]۔

۳۸ یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنی طرف سے جھوٹی باتیں بناتا ہے اور انہیں اللہ کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ ہم اس کی بات کبھی نہیں ماننے کے۔

۳۹ اس رسول نے خدا سے کہا کہ اے میرے پروردگار! یہ لوگ میری بات سنتے ہی نہیں، اور اندھا دھند تکذیب کئے جا رہے ہیں۔ تو ان کے خلاف میری امداد کر۔

۴۰ خدا نے کہا کہ (ان کی دہلت کا وقفہ ختم ہونے کو ہے) عنقریب ان کے اعمال کے نتائج انکے سامنے آجائیں گے اور یہ اپنی ان باتوں پر خود ہی شرمسار ہوں گے۔

۴۱ (چنانچہ زیادہ وقت گزرنے نہ پایا تھا کہ) ایک ہولناک آواز کے عذاب نے انہیں آپکڑا۔ اور ہم نے انہیں خس و خاشاک کی طرح پامال کر دیا۔ (کیونکہ وہ ہمارے تعمیری نتائج پیدا کرنے والے

---

[1] مادی تصورِ حیات (MATERALISTIC CONCEPT OF LIFE) کچھ ہمارے ہی دور کی اختراع نہیں۔ یہ تصور بہت پرانا ہے۔

بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ
اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ
بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا
وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾

پروردگار کے راستے میں سنگ گراں بن کر حائل تھے۔ اور بضد حائل تھے۔ (۱۱/۶۸)۔

سو دیکھو کہ جو لوگ ظلم و استبداد کی روش اختیار کرتے ہیں، وہ کس طرح زندگی کی کامرانیوں اور خوشگواریوں سے محروم رہ جاتے ہیں (یہ ہمارا اٹل قانون ہے جو شروع سے ایسا ہی چلا آرہا ہے۔ اور حق و انصاف پر مبنی ہے)۔

۴۲ پھر اُن کے بعد ہم نے اور قوموں کا دور شروع کیا۔

۴۳ (وہ بھی اسی طرح، اپنی غلط روش کے نتائج کی وجہ سے تباہ ہوگئیں۔ یاد رکھو! ہمارے قانونِ مکافات کی رُو سے، نہ تو کوئی قوم ظہورِ نتائج سے پہلے تباہ ہوتی ہے اور نہ ہی ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ ظہورِ نتائج کے بعد زندہ رہ سکے۔ اس میں کمی بیشی ہو نہیں سکتی (۳۴/۴۵ ؛ ۳۵/۲۰ ؛ ۱۵/۵)۔

۴۴ (چنانچہ یہ قومیں آتی رہیں اور جاتی رہیں) اور ہم نے، اپنے رسولوں کا سلسلہ بھی اسی طرح جاری رکھا کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد عند الضرورت، ایک رسول کے بعد دوسرا رسول آتا رہا۔ (اور ان قوموں کی بھی یہی روش رہی کہ) جب کسی قوم کے پاس اس کا رسول آیا، اس نے اس کی پیش کردہ تعلیم کی تکذیب کی۔ اس کے نتیجے میں، وہ یکے بعد دیگرے، ہلاک ہوتی رہیں — اس طرح ہلاک، کہ اُن کے بعد پھر اُن کے صرف افسانے باقی رہ گئے۔

ان اقوام کی تاریخ اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے کہ جو لوگ ہمارے قوانین کی صداقت سے انکار کر دیتے ہیں، اور اپنی غلط روش پر اڑے رہتے ہیں، وہ زندگی کی خوشگواریوں اور کامرانیوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ ہمارا اٹل قانون ہے جس پر اقوامِ سابقہ کی سرگزشتیں شاہد ہیں۔

۴۵ اسی پروگرام کے مطابق، ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی، ہارونؑ کو بھیجا۔ انہیں بھی ہم نے اپنے قوانین عطا کئے تھے، اور ان کے ساتھ ایسے واضح دلائل (جن سے ان قوانین کی صداقت اور محکمیت نکھر کر سامنے آجائے)۔

۴۶ انہیں ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے اکابرین کی طرف بھیجا تھا۔ (ان دونوں بھائیوں نے،

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ
اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾
يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾

اُن کے سامنے ہمارا سچا دین پیش کیا لیکن) انہوں نے اس سے سرکشی اور تکبر برتا۔ وہ تھے ہی بڑے مغرور، سرکش اور برخود غلط۔

۴۷ انہوں نے (بجائے اس کے کہ جو کچھ ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا' اس پر غور کرتے) کہا کہ کیا ہم ان کی بات مان لیں جو انسان ہونے کے اعتبار سے ہمارے ہی جیسے ہیں (مافوق البشر نہیں)۔ اور جہاں تک رتبہ اور درجہ کا تعلق ہے' وہ اس قوم کے افراد ہیں جو ہماری محکوم ہے۔ (محکوم قوم کے پاس عقل و بصیرت کہاں ہو سکتی ہے؟ اور پھر انہیں یہ جرأت کیسے ہو گئی کہ اپنی حاکم قوم کو آکر سبق پڑھانے لگے! یہ ہمارے لئے سخت باعث ذلت ہو گا اگر ہم ان کی بات مان لیں)۔

۴۸ چنانچہ انہوں نے ان دونوں کی تکذیب کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بھی ان قوموں میں سے ہو گئے جو تباہ ہو چکی تھیں۔ (اس لئے کہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے' جو قوم بھی زندگی کے صحیح اصولوں سے انحراف کرے گی تباہ ہو جائے گی)۔

۴۹ حالانکہ (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) ہم نے موسیٰ کو ضابطہ قوانین دیا تھا تاکہ وہ لوگ اس کے مطابق چل کر اس تباہی سے بچ جائیں۔

۵۰ (حق و باطل کی کشمکش کا یہ سلسلہ جاری رہا' تا آنکہ ہم نے عیسیٰ کو اپنا پیغام بر بنا کر بھیجا۔ یہودیوں نے عیسیٰ کی بھی سخت مخالفت کی کیونکہ وہ انہیں خدا کے صحیح دین کی طرف دعوت دیتا تھا۔ اور اس کی والدہ — مریمؑ — کی بھی کیونکہ اس نے ان کی خود ساختہ شریعت کی خلاف ورزی کی تھی) ہم نے ان دونوں کو اس قوم کی نجات اور تباہی کی نشانی بنا دیا۔ (یعنی اگر وہ ان کی مخالفت سے باز آ کر ان کا احترام کرتے اور جو دین خداوندی عیسیٰ نے پیش کیا تھا' اسے اختیار کر لیتے' تو وہ تباہی سے بچ جاتے۔ لیکن اگر وہ اس روش سے باز نہ آتے' تو ہلاک ہو جاتے۔ لیکن انہوں نے ان کی سخت مخالفت کی۔ بہرحال کہ) ہم نے ان دونوں کو' ان کی دستبرد سے محفوظ کر کے' ایک مرتفع مقام میں پناہ دی' جو ان کے رہنے کے لئے ہر طرح موزوں تھا۔ اس میں صاف اور شفاف پانی کے چشمے رواں تھے جن کی وجہ سے وہ جگہ نہایت سرسبز و شاداب تھی)۔

۵۱ (یہ تھا مختصر سا تذکرہ ہمارے رسولوں میں سے چند ایک کا) ہم نے ان کے لئے جو

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ
بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ
وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پروگرام تجویز کیا تھا اس میں ان سے کہا گیا تھا کہ تم زندگی کی تمام پاکیزہ خوشگواریوں سے متمتع ہو اور ایسے کام کرو جن سے انسانیت کے بگڑے ہوئے معاملات سنور جائیں۔ ہمارا قانونِ مکافات تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

۵۲ (اے رسول!) یہ تمہاری انبیاؑ کی جماعت ایک ہی جماعت ہے (۲۱/۹۲)۔ (اگرچہ اس جماعت کے افراد مختلف زمانوں میں، مختلف اقوام میں اور مختلف ممالک میں پیدا ہوئے، لیکن اس کے باوجود وہ ایک ہی جماعت کے افراد تھے اس لئے کہ ان کی آئیڈیالوجی (نظریۂ زندگی اور تعلیم) ایک ہی تھی اور وہ یہ تھی کہ) سب کا نشو ونما دینے والا ایک —خدا— ہے، اور سب کا نصب العین یہ کہ اُس خدا کے قوانین کی نگہداشت کی جائے (اس وحدتِ فکر و عمل کی بنا پر وہ سب ایک جماعت کے افراد تھے)۔

۵۳ (ظاہر ہے کہ جب ان تمام رسولوں کی تعلیم ایک تھی تو ان کے متبعین کو بھی ایک ہی ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن امر واقعہ یہ نہیں۔ مختلف انبیاؑ کے نام لیوا، ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کے چلے جانے کے بعد اُس کے متبعین، اُس کے پیغام کو فراموش کر کے اپنی خود ساختہ شریعتوں کا اتباع کرنے لگ جاتے جس سے) وہ مختلف گروہوں میں بٹ جاتے۔ ان میں فرقے پیدا ہو جاتے۔ اور چیز جیسا کہ فرقہ پرستی کا خاصہ ہے، ہر فرقہ اپنے اپنے مسلک پر جم کر بیٹھ جاتا اور اس خیال میں مگن رہتا (کہ وہی فرقہ حق پر ہے۔ باقی فرقے باطل ہیں ۳۰/۳۲)۔

۵۴ (اس وقت اے رسول! ان انبیاؑ کے سابقہ کے نام لیوا، اسی طرح مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، اور اُس دین کی مخالفت کر رہے ہیں جسے تو پیش کرتا ہے، اور کسی طرح سمجھائے نہیں سمجھتے۔ سو اب ان کا علاج (اس کے سوا کچھ نہیں کہ) تو انہیں کچھ وقت کے لئے غفلت میں مدہوش پڑا رہنے دے (تا آنکہ تمہارے دین کا نظام متشکل ہو کر سامنے آجائے اور اُس کے انسانیت ساز نتائج انہیں بتا دیں کہ حق و صداقت پر کون ہے)۔ (۲۲/۱۷ ؛ ۲۲/۵۵ — ۵۷)۔

۵۵ کیا یہ لوگ اس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ ہم جو انہیں مال و دولت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت سے آگے بڑھائے جا رہے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

۵۶ ہم (ان کے اعمال سے صرفِ نظر کر کے انہیں فی الواقعہ) زندگی کی خوشگواریاں عطا کر رہے

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُم
بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾ أُولَٰئِكَ
يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

ہیں اور ان کی طرف بعجلت تمام اپنی نعمتوں پر نعمتیں بھیجتے چلے جا رہے ہیں؟ نہیں! حقیقتِ حال کچھ اور ہے جس کا یہ شعور نہیں رکھتے۔

۵۷ (زندگی کی حقیقی خوشگواریوں کے اہل اور لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی) وہ لوگ جو قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے خائف رہتے ہیں۔

۵۸ اور ان کی صداقت اور محکمیت پر یقینِ کامل رکھتے ہیں۔

۵۹ اور اطاعت صرف احکام و قوانین خداوندی کی کرتے ہیں۔ اس میں کسی اور کو شریک نہیں کرتے۔

۶۰ اور نظامِ خداوندی کی عملی تشکیل، اور نوعِ انسان کی نشوونما کے لئے جتنا کچھ دے سکتے ہیں دیتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود اُن کے دل اس خیال سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہ ان کا کوئی قدم اس راستے سے ہٹ نہ جائے جو خدا کی طرف لیجانے والا ہے۔

۶۱ یہ ہیں وہ لوگ جو زندگی کی خوشگواریوں کے حصول کے لئے تیز گام رہتے ہیں، اور یہی ہیں جو شاہراہِ حیات پر سب سے آگے نکل جانے والے ہیں۔

۶۲ انکا اس حقیقت پر ایمان ہوتا ہے کہ قانون خداوندی کی رُو سے ہم پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں، ان سے یہ مقصد نہیں کہ خدا ہمیں خواہ مخواہ، جکڑبندیوں میں کسنا چاہتا ہے۔ وہ ان پابندیوں کو اس لئے عائد کرتا ہے کہ ان سے انسانی ذات میں وسعت و کشادگی پیدا ہوتی ہے۔ (۲/۲۸۶؛ ۵/۶؛ ۲۲/۷۸)
(یہ ہے وہ یقینِ محکم جس کی وجہ سے یہ لوگ نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اپنا سب کچھ دیدینے میں بھی اپنے دل میں کوئی گرانی محسوس نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کی اپنی ذات کی نشوونما ہوتی ہے)۔

اور وہ بالکل صحیح سمجھتے ہیں۔ ہمارے پاس قانونِ مکافات کا رجسٹر ہے جس میں ہر ایک کے اعمال کا ریکارڈ رہتا ہے۔ اور ہر عمل کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ مرتب ہوتا رہتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ
بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى
عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ
جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ

کسی کے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی ہو۔

۶۳ لیکن ان مخالفین کے دل اس حقیقت کی طرف سے یکسر غافل ہیں۔ یہ اپنی مفاد پرستیوں کے جذبات میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ ایسے کام کرتے ہیں جو صحیح روشِ زندگی سے بالکل الگ ہوتے ہیں ـــــ اور یہ اسی قسم کے کام کرتے رہیں گے۔

۶۴ تا آنکہ ہم ان کے مرفہ الحال سہولت پسند سرمایہ دار طبقہ کو عذاب میں گرفتار کرلیں گے (۲۳/۳۳)۔ اُس وقت تم دیکھو گے کہ ان کا تکبر کس طرح ٹوٹتا ہے اور وہ کیسے چیخنے چلانے اور آہ وزاری کرتے ہیں۔

۶۵ ان سے کہہ دیا جائے گا کہ اب اس صیح وپکار اور نالہ وفریاد سے کچھ حاصل نہیں۔ ہماری طرف سے اب تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ (تمہیں اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے ہوں گے)۔

۶۶ تمہاری یہ کیفیت تھی کہ جب ہمارے قوانین تمہارے سامنے پیش کئے جاتے تھے تو تم انہیں سننا تک گوارا نہیں کرتے تھے۔ انتہائی سرکشی اور تکبر سے الٹے پاؤں چل دیتے تھے۔

۶۷ اور اپنی محفلوں میں انہیں خوش گپیوں اور داستاں سرائیوں کا موضوع بنایا کرتے اور ان کے متعلق ایسا ہذیان بکتے تھے (جسے کوئی شریف آدمی سننا گوارا نہ کرے)۔

۶۸ (سوچنے کی بات ہے کہ یہ لوگ ایسی کھلی ہوئی واضح تعلیم کے ماننے سے انکار کیوں کرتے ہیں؟) کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس بات (قرآن کے پیغام) پر غور وفکر نہیں کرتے۔ یا یہ کوئی ایسی انوکھی چیز ہے جو ان (اہل کتاب) کے آبا واجداد کی طرف کبھی نہیں آئی تھی؟ (۴۶/۹)۔

۶۹ یا کیا یہ اس رسول (کی سابقہ زندگی سے) اس حقیقت کو پہچان نہیں سکے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا اس لئے اس کے دعوئے رسالت سے انکار کر رہے ہیں؟ (۱۰/۱۶)۔

۷۰ یا یہ سمجھ رہے ہیں کہ اسے جنون ہو گیا ہے؟
نہیں! ان میں سے کوئی بات بھی نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ یہ رسول ان کے سامنے حق پیش کرتا

جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۚ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا
فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۚ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِىْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾

ہے۔ (اور چونکہ حق ان کی مفاد پرستیوں کے خلاف جاتا ہے) اس لئے یہ اسے سخت ناپسند کرتے ہیں (اور چاہتے ہیں کہ وہ ان کے جذبات و مفاد کی رعایت سے اس میں کچھ تبدیلی کر کے ان سے مفاہمت کر لے۔ ۱۰/۱۵ ؛ ۱۱/۱۱۳ ؛ ۱۷/۷۴ ؛ ۶۷/۹)۔

۷۱ ان سے کہو کہ اگر حق لوگوں کی خواہشات کے تابع چلنے لگ جائے تو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کوئی شے اپنے مقام پر نہ رہے۔ ہر طرف فساد ہی فساد برپا ہو جائے اور نظام کائنات تہ و بالا ہو جائے۔

(ذرا ان لوگوں کی عقل کو دیکھو!) ہم ان کے پاس ان کی بڑائی اور عظمت، شرف و مجد، سرفرازی و سربلندی کا سامان لے کر آئے ہیں اور ان کی یہ حالت ہے کہ یہ اس عظمت و سرفرازی سے منہ موڑ رہے ہیں! (۷/۱۷۶ ؛ ۲۱/۲۴ ؛ ۴۳/۴۳)۔

۷۲ (اے رسول! کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ) تو ان سے کچھ مال و دولت چاہتا ہے؟ ان سے کہدو کہ تمہیں ان کے مال و دولت کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہیں خدا کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے وہ (ان کے مال و دولت سے کہیں) بہتر ہے۔ اس سے بہتر روزی دینے والا اور کوئی نہیں۔

۷۳ تُو تو انہیں (بلا مزد و معاوضہ) زندگی کی سیدھی اور متوازن راہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔

۷۴ لیکن جو لوگ مستقبل کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے، وہ اس راستہ سے دُور ہٹے رہتے ہیں (اور ادھر آنا نہیں چاہتے)۔

۷۵ (اس وقت ان پر ہلکی سی گرفت ہوئی ہے۔ لیکن اس سے بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ چنانچہ ان کا اب بھی یہ عالم ہے کہ) اگر ہم ان سے نرمی برتیں اور جو تکلیف انہیں پہنچ رہی ہے اسے دُور کر دیں، تو یہ اپنی سرکشی میں بدمست موج در موج آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔

۷۶ (اس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) ہم نے انہیں عذاب میں مبتلا کیا تھا، تو

حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ
وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا
وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾

اس پر بھی یہ اپنے نشوونما دینے والے کے قانون کے سامنے نہ جھکے۔ اور نہ ہی ان کے دل میں ذرا سا بھی گداز پیدا ہوا۔

۷۷ اب ہوگا یہ کہ جب ان پر عذاب شدید کا پھاٹک کھل جائے گا اور وہ ایک سیلاب بلا کی طرح اُن پر امنڈ آئے گا، تو پھر یہ یکسر مایوس ہو جائیں گے۔

۷۸ (ان سے کہو کہ خدا کا یہ عذاب یونہی اندھا دھند نہیں آجاتا)۔ اُس نے تمہیں سننے کے لئے کان۔ دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سوچنے سمجھنے کے لئے دل عطا کیا (تاکہ تم خوب دیکھ بھال اور سوچ سمجھ کر اپنے لئے صحیح راستہ اختیار کرو)۔ لیکن تم میں سے بہت تھوڑے ہیں جو صحیح فیصلہ تک پہنچنے کے لئے ان ذرائع علم سے کام لیتے ہیں۔ (وہ یا تو اپنے جذبات کے تابع چلتے ہیں یا اندھی تقلید کی رُو سے بلا سوچے سمجھے اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں)۔

۷۹ (تم عقل و بصیرت سے کام لو تو یہ حقیقت تم پر واضح ہو جائے کہ) خدا وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں ہر طرف پھیلا دیا ہے (اور تمہارے لئے سامانِ معیشت کی فراوانی عطا کر دی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کے پھیلاؤ سے تم اُس کے قانون مکافات کے دائرے سے باہر نکل گئے ہو۔ بالکل نہیں) تمہیں ہر طرف سے ہانک کر اس قانون کی طرف لایا جا رہا ہے۔ (تمہارا ہر قدم اسی کی طرف اٹھ رہا ہے ۹۶/۴۴)۔

۸۰ خدا وہ ہے جس کے قانون کے مطابق (افراد اور اقوام کی) موت اور حیات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ (اور ایک کے بعد دوسری قوم آتی رہتی ہے، جس طرح) رات کے بعد دن، اور دن کے بعد رات آتی ہے۔ کیا تم اپنی عقل و فکر سے ذرا کام نہیں لیتے؟

۸۱ (اگر یہ عقل و فکر سے کام لیتے تو ان کی روش ایسی کبھی نہ ہوتی جس کی رُو سے ان کی کیفیت یہ ہے کہ) جو کچھ ان کے اسلاف کہتے تھے، یہ بلا سوچے سمجھے وہی دہرائے چلے جاتے ہیں۔

۸۲ اور انہی کی تقلید میں کہہ دیتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیوں کا ڈھیر رہ جائیں گے، تو کیا پھر ہم دوبارہ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے؟

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ
فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ
وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ
يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

---

۸۳ (اور کہتے ہیں کہ یہ بات کہ انسان مرنے کے بعد زندہ ہوتا ہے' وہی ہے) جس کا ہم سے پہلے ہمارے آبا واجداد سے اسی طرح وعدہ ہوتا چلا آرہا ہے (لیکن آج تک کسی نے مردے کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ اس لئے جو کچھ ہم سے کہا جارہا ہے) بجز اس کے نیست کہ اگلے وقتوں کے لوگوں کی کہانیاں ہیں' جنہیں دہرایا جارہا ہے۔

۸۴ (تم ان سے اس باب میں زیادہ بحث نہ کرو۔ ان کے نظامِ زندگی کے متعلق بات کرو۔ ان سے پوچھو کہ) اگر تم جانتے ہو تو یہ بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے' وہ کس کی ملکیت ہے؟

۸۵ یہ تسلیم کریں گے کہ یہ اللہ کی ہے؟ تو ان سے کہو کہ کیا اس سے تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے (کہ جو کچھ اللہ کا ہے' اسے اللہ ہی کے لئے رہنا چاہیئے۔ اُسے انسان کو اپنی ملکیت نہیں بنالینا چاہیئے)۔

۸۶ پھر ان سے پوچھو کہ ان مختلف اجرامِ فلکی (اور ان کے اندر جو کچھ ہے ۱۶/۴۹ ؛ ۴۲/۲۹ اُن) کا نشوونما دینے والا کون ہے' اور وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ساری کائنات کی مرکزی ربوبیت کا کنٹرول ہے۔

۸۷ یہ اعتراف کریں گے کہ یہ بھی خدا ہی کرتا ہے اور ہر شے پر اُسی کا کنٹرول ہے۔ تو ان سے کہو کہ تم جو اشیائے کائنات پر اُس کے کنٹرول کے بجائے' اپنا کنٹرول رکھنا چاہتے ہو' تو تم' اس طرح خدا کا مقابلہ کرنے کے انجام وعواقب سے) ڈرتے نہیں؟ کیا تم اس تباہی سے بچنا نہیں چاہتے جو تمہاری اس غلط روش کا لازمی نتیجہ ہے؟

۸۸ ان سے پوچھو کہ' اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ' وہ کون ہے جس کا اقتدار تمام کائنات پر ہے۔ ایسا اقتدار کہ جو اس کی پناہ میں آجائے اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا' لیکن جو اس کے قوانین سے سرکشی اختیار کرلے' اسے کائنات میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

۸۹ یہ اسے بھی تسلیم کریں گے کہ یہ خدا ہی کے لئے ہے۔ (۲۹/۶۳ — ۲۱)۔

اب ان سے پوچھو کہ ان حقائق کے تسلیم کرلینے کے بعد وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے تمہیں دھوکا لگتا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ حق نہیں۔ میں اس کے سوا کیا کہتا ہوں کہ (۱) سامانِ زیست

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ
بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

جسے خدا نے تمام انسانوں کی پرورش کے لئے عطا کیا ہے اسے انسانوں کی پرورش کے لئے کھلا رہنا چاہیئے۔ اس پر صرف قوانین خداوندی کا کنٹرول ہونا چاہیئے۔ اور (۱۱) کسی انسان کو اس کا حق نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں پر اپنا اقتدار قائم کرے اور ان سے اپنا حکم منوائے۔ اقتدار اور حکومت کا حق صرف خدا کو حاصل ہے)۔

۹۰ (بات یہ نہیں کہ انہیں اس باب میں کہیں دھوکا لگتا ہے۔ بات وہی ہے جو پہلے کہی جا چکی ہے۔ ۲۳/۷۰ - یعنی یہ کہ) ہم ان کے پاس وہ ضابطہ قوانین لائے ہیں جو سرتاسر حق و صداقت پر مبنی ہے۔ (لیکن چونکہ اس کی زد ان کی مفاد پرستیوں پر پڑتی ہے اس لئے یہ اس سے انکار کرتے ہیں اور خدا پرستی کو صرف اس حد تک محدود رکھنا چاہتے ہیں کہ خارجی کائنات میں اس کا اقتدار و اختیار ہے ـــــ کیونکہ اس سے ان کی مفاد پرستیوں پر کوئی زد نہیں پڑتی ـــــ لیکن ان کی معاشرتی زندگی پر خدا کا کوئی اقتدار و اختیار نہیں ۲۱/۸۹ - یاد رکھو! خدا کا اس قسم کا اقرار کچھ معنی نہیں رکھتا۔ لہٰذا) یہ لوگ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں کہ یہ خدا کو مانتے ہیں۔

۹۱ (ان سے پوچھو کہ خدا کے علاوہ وہ کون ہے جس کے اقتدار و اختیار کے ماتحت تم رہنا چاہتے ہو؟)۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں (کہ تم بادشاہ کو چھوڑ کر اس کے ولی عہد کو اپنا حکمران بنانے کی سوچو)۔ نہ ہی اس کی ہمسر کوئی صاحب اقتدار ہستی ہے (کہ تم ایک کو چھوڑ کر دوسرے کی حکمرانی تسلیم کر لو اور اس کی مملکت میں چلے جاؤ)۔ ان سے کہو کہ اگر ایسا ہوتا کہ یہاں ایک سے زیادہ صاحب اقتدار ہستیاں ہوتیں تو ہر "خدا" اپنی اپنی مخلوق کو اپنے ساتھ لے لیتا' اور اس طرح یہ سب ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے (جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں میں ہوتا ہے)۔ بہرحال یہ لوگ خدا کے متعلق جس قسم کا تصور رکھتے ہیں وہ اس سے بہت بلند اور منزہ ہے۔

۹۲ جو کچھ تمہارے سامنے موجود ہے' اور جو موجود نہیں اُسے سب کا علم ہے۔ اور وہ ان تمام قوتوں اور ہستیوں سے بلند و بالا' اور ان پر غالب ہے' جنہیں یہ لوگ خدائی میں اس کا شریک ٹھیراتے ہیں۔

۹۳ (اے رسول! تیری یہ آرزو ہونی چاہیئے کہ) اے میرے نشو و نما دینے والے! جس آنے والی
۹۴ تباہی سے انہیں آگاہ کیا جا رہا ہے' اگر اسے میری زندگی میں واقع ہونا ہے' تو وہ ایسے وقت ظہور میں آئے جب میں اس سرکش قوم کے اندر نہ ہوں (میرے یہاں مکہ سے نکل جانے کے بعد ایسا ہو' تاکہ

وَإِنَّا عَلَىٰ أَن نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ ﴿٩٥﴾ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿٩٦﴾
وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ﴿٩٧﴾ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ ﴿٩٨﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ
الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِن وَرَائِهِم
بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾

اس کی لپیٹ میری جماعت کے افراد کو نہ چھو جائے۔ ۲۵/۳۵)۔

۹۵ (بایں ہمہ اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اگرچہ) ہم اس پر قادر ہیں کہ انہیں جس تباہی سے ڈرایا جاتا ہے وہ تیری زندگی میں واقع ہو جائے (لیکن وہ تیری زندگی میں ظہور میں آئے یا اس کے بعد اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اس کا فیصلہ ہمارے قانون مکافات کے مطابق ہوتا ہے۔ ۱۰/۴۶ ؛ ۱۳/۴۰ ؛ ۴۳/۴۲)۔

۹۶ (لہٰذا اس سوال سے قطع نظر کہ وہ تباہی کب آئے گی تم اپنے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہو۔ اور) ان کی پیدا کردہ ناہمواریوں کو اپنے حسن عمل سے دور کرتے رہو ——— جھوٹ، فریب، بددیانتی، ظلم، استبداد کا مقابلہ انہی حربوں سے مت کرو۔ اس سے ان برائیوں کا استیصال نہیں ہوگا۔ تم ایسا معاشرہ قائم کرو جس کی بنیادیں صداقت، دیانت، امانت، عدل اور احسان پر استوار ہوں۔ اس کے خوشگوار اور انسانیت ساز نتائج ان برائیوں کے راستے خود بخود روک دیں گے۔ ایسا کرنے میں تم ان لوگوں کی باتوں کی قطعاً پرواہ نہ کرو)۔ ہم ان کی سب باتوں کو جانتے ہیں۔

۹۷ تیری آرزو اور کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ان مخالفین کی طرف سے، جن کی ذہنیت ہی تنقیص و تخریب کی ہے، جو شرارتیں تمہاری جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے کی غرض سے کی جائیں، ان سے بچنے کیلئے ہمارے قوانین کے دامن میں پناہ مل جائے۔ ان کی تخریبی کوششوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ تمہاری جماعت قوانین خداوندی کے ساتھ اور شدت سے متمسک ہو جائے۔

۹۸ اور ان مخالفین کو تمہارے سامنے آنے کی جرأت ہی نہ ہو۔

۹۹ بہرحال ان کی روش یہی رہے گی تا آنکہ ان میں سے کسی کے سرہانے موت آ کھڑی ہو تو وہ اُس وقت پکارے گا کہ اے میرے پروردگار! تو مجھے ایک مرتبہ پھر دنیا میں لوٹا دے۔

۱۰۰ تاکہ جو مواقع میں نے زندگی میں کھو دیئے تھے، وہ پھر حاصل ہو جائیں تو میں اچھے کام کر کے دکھاؤں۔ (جواب ملیگا کہ) اب اس قسم کی باتیں بیکار ہیں۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا ——— (زندگی میں رجعت اور تکرار نہیں۔ ندی کا جو پانی آگے چلا جائے وہ واپس نہیں لوٹ سکتا)۔ ان کے اور پچھلی دنیا کے درمیان

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٠١﴾ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ
النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿١٠٤﴾ أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا
وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٠٨﴾
إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٠٩﴾

ایک اوٹ ہے۔ اس لئے یہ پیچھے مڑ نہیں سکتے۔ البتہ جو لوگ ابھی پیچھے ہیں، جب وہ مرنے کے بعد جی اٹھیں گے تو پھر یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں گے۔ (۳۹/۵۸)۔

۱۰۱ جب پیکروں میں زندگی کی توانائیاں پھونکی جائیں گی تو اُس وقت نہ آپس کی رشتہ داریاں باقی رہیں گی اور نہ ہی کوئی ایک دوسرے کا پرسانِ حال ہوگا۔

۱۰۲ اُس دن فیصلہ انسان کی ذاتی صلاحیتوں کے مطابق ہوگا۔ جن کی صلاحیتوں کا پلڑا بھاری ہوگا، وہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے۔

۱۰۳ اور جن کا وہ پلڑا ہلکا ہوگا، ان کی ذات کی نشوونما میں کمی رہ گئی ہوگی۔ لہٰذا وہ آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

۱۰۴ تباہی کی آگ کے شعلے ان کے چہروں کو جھلسا دیں گے اور وہ اس میں بری طرح منہ بگاڑ رہے ہوں گے۔

۱۰۵ (ان سے پوچھا جائے گا کہ) کیا ایسا نہیں ہو چکا کہ میرے قوانین تمہارے سامنے پیش کئے جاتے تھے اور تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔؟

۱۰۶ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! (یہ سب درست ہے۔ لیکن اب ہم اس کے سوا اور کیا کہیں کہ ہماری بدبختی ہم پر مسلط ہو گئی تھی اور ہماری پارٹی غلط راستے پر چل نکلی تھی (ہم بھی اسکے ساتھ ہی تھے)۔

۱۰۷ (اب حقیقت ہم پر آشکارا ہو گئی ہے۔ لہٰذا) اے ہمارے نشوونما دینے والے! اب تو ہمیں اس عذاب سے نکال دے۔ اگر اس کے بعد ہم پھر دوبارہ ویسے ہی کام کریں تو واقعی مجرم قرار دیئے جانے کے قابل ہوں گے۔

۱۰۸ (ان سے کہا جائے گا کہ زندگی کی وہ منزل پیچھے رہ گئی جس میں موجودہ منزل کے لئے کچھ کرنا تھا۔ اب وہ دوبارہ نہیں آسکتی)۔ اب تمہیں جہنم میں ذلت کی زندگی بسر کرنی ہوگی۔ اب باتیں کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔

۱۰۹ (تمہیں یاد نہیں کہ) میرے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا تھا جس کی پکار یہ تھی کہ

فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا
أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ
الْعَادِّينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١٤﴾ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا
لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿١١٦﴾

اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہم تیرے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں۔ تو (مخالفین کی ہلاکت سامانیوں سے) ہماری حفاظت کا سامان کر دے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایسا انتظام بھی کر دے کہ ہماری نشوونما اچھی طرح ہوتی رہے۔ اس لئے کہ تجھ سے بہتر پرورش اور نشوونما کرنے والا کوئی نہیں۔

۱۱۰ تم نے ان لوگوں کو اپنے استہزار اور تمسخر کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ اس میں تم اس حد تک بڑھ گئے کہ تمہارے دل میں ہماری یاد تک باقی نہ رہی۔

۱۱۱ تم ان کی ہنسی اڑاتے رہے لیکن وہ اپنی دعوت اور کوشش میں مستقل مزاج تھے۔ انکی استقامت کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ آج یوں کامیاب و کامران ہیں۔

۱۱۲ ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کچھ یاد پڑتا ہے کہ تم زمین میں کتنا عرصہ رہے تھے؟

۱۱۳ (ان کے شعور کی سطح اور زمان کا تصور اس قدر بدل چکا ہوگا کہ) وہ کہیں گے کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں۔ (باقی، اگر ٹھیک ٹھیک معلوم کرنا ہے تو ان سے پوچھ لیجئے جو اس کی گنتی کرتے رہے ہیں)۔

۱۱۴ ان سے کہا جائے گا (کہ تم وہاں کتنا عرصہ ہی کیوں نہ رہے ہو، اس زندگی کے مقابلہ میں، جو اب یہاں بسر کرنی ہوگی) وہ عرصہ بہت ہی تھوڑا تھا۔ اے کاش! تم اس حقیقت کو سمجھ لیتے۔ (اور اس زندگی کی خوشگواریوں کے لئے کچھ کر لیتے)۔

۱۱۵ (اے رسول! ان حقائق کو بیان کرنے کے بعد ان مخالفین سے پوچھو کہ) کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بے غرض و غایت، اور بلا مقصد و منزل پیدا کر دیا ہے (کہ اتفاقیہ دنیا میں آ گئے۔ کچھ دن زندہ رہے۔ پھر خاک میں مل گئے اور زندگی کا افسانہ ختم ہو گیا! اس لئے) جو کچھ تمہارا جی چاہے تم کرتے رہو۔ تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں؟ اور تم پر ہمارے قانون مکافات کی گرفت ہی نہیں؟ تمہیں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے ہماری طرف آنا ہی نہیں؟

۱۱۶ (یاد رکھو!) وہ خدا جو اپنے اقتدار اور قوتوں کو ٹھوس تعمیری نتائج کے لئے کام میں لاتا ہے،

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اس قسم کے بے مقصد کام کرے۔ (اس کا ہر کام حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ کائنات میں اس کے سوا کسی اور کا اقتدار نہیں۔ اور اسکے تمام نظم و نسق کا مرکزی کنٹرول اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی شاہنشاہِ حقیقی ہے۔

۱۱۷ یہ دعویٰ اس قدر علم و بصیرت پر مبنی ہے کہ جو اسکے خلاف کچھ کہے اور خدا کے سوا کسی اور کو پکارے تو اسے اپنے دعویٰ کی تائید میں کوئی دلیل نہیں مل سکے گی۔ (دلیل کیسے مل سکے گی جب) حقیقت یہ ہے کہ ایسا سمجھنے والے کے اپنے اعمال کا حساب بھی خدا ہی کے قانون کے مطابق ہوگا۔ لہٰذا جو لوگ اس کے اقتدار و اختیار سے انکار کریں، وہ اپنی کوششوں میں کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں؟ (کامیاب و کامران وہی ہوں گے جن کی خصوصیات کے ذکر سے اس سورۃ کا آغاز ہوا ہے)۔

۱۱۸ (بہرحال، یہ لوگ اس حقیقت کو تسلیم کریں یا نہ کریں، تیری پکار یہی ہونی چاہیئے کہ بارالٰہا! تو اپنے قانونِ ربوبیت کی رُو سے ایسا انتظام کر دے کہ ہم تخریبی قوتوں کی ہلاکت سامانیوں سے محفوظ رہیں اور اس کے ساتھ ہی ہمیں سامانِ نشوونما بھی ملتا رہے۔ اس لئے کہ تو سب سے بہتر نشوونما بالیدگی عطا کرنے والا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ
فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②

---

① اس سورۃ کو (بھی دیگر سورتِ قرآنیہ کی طرح) ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکام کو (بھی قرآن کے دیگر احکام کی طرح - ۳۳/۷۱) اطاعت کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ اس میں واضح احکام دیئے گئے ہیں تاکہ تم اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھ سکو کہ وہ کون سے امور ہیں جن کی تعمیل ضروری ہے اور کون سے ایسے جن سے بچنا لازمی)۔

② (فرد کی ذات کی نشوونما اور قوم کی فلاح و بہبود کے لئے عفت کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ حیوان اور انسان میں ایک اہم نقطۂ امتیاز یہ بھی ہے۔ حیوان عفت کے تصور سے ناآشنا ہوتا ہے۔ اس لئے اسلامی معاشرہ میں اس کی پابندی بڑی ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا حکم یہ ہے کہ زانی عورت اور زانی مرد دونوں کو سو سو کوڑوں کی سزا دو۔ یہ قانون کا معاملہ ہے اس لئے اس میں کسی قسم کی نرمی نہ برتو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو (یعنی اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہو کہ یہ احکام خداوندی ہیں اور ان کے نتائج تمہارے سامنے آکر رہیں گے — خواہ اس دنیا میں یا اس کے بعد کی زندگی میں)۔ یہ سزا مومنین کے ایک گروہ کی موجودگی میں نافذ کرو۔ (لونڈیوں کی سزا اس سے نصف ہے۔ ۴/۲۵ اور عام بے حیائی کی باتوں کے سلسلہ میں ۴/۱۵ میں حکم دیا جا چکا ہے)۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى
الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۳ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا
تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۵

۳ زنا کوئی معمولی جرم نہیں۔ ذرا اس کی نفسیات پر غور کرو۔ اس قسم کے جنسی تعلق[1] کے لئے وہی عورت رضامند ہوگی جو حفاظتِ عصمت کو مستقل قدر ہی نہ سمجھے۔ یا سرے سے رضا کی جگہ، اپنی خواہشات ہی کو اپنا معبود بنا لے کہ ان کے ہر تقاضے کے سامنے جھک جائے۔ (۲۴/۳۰)۔ اسی طرح اس قسم کے تعلق کے لئے وہی مرد آمادہ ہوگا جو اپنی خواہشات کا غلام ہو اور انسانی اور حیوانی زندگی میں کوئی تمیز نہ کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ زنا اسی صورت میں سرزد ہوتا ہے جب مرد اور عورت دونوں ہم خیال اور یک رنگ ہوں[2]۔ (۲۴/۲۶)۔ اگر ان میں سے ایک بھی پاکباز ہو تو زنا کا امکان نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ زنا کی سزا مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے)۔ مومنین کے لئے اس قسم کے تعلقات حرام ہیں۔

۴ جب عصمت اس قدر متاعِ گراں بہا اور مستقل قدر ہے تو اس کی حفاظت کے لئے بڑی پختہ تدابیر کرنی چاہئیں۔ اس سلسلہ میں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور اپنے دعوے کے ثبوت میں چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ اور اس کے بعد ایسے ساقط الاعتبار لوگوں کی جو دوسروں کے خلاف بے بنیاد الزامات لگائیں گواہی قبول نہ کرو اور انہیں ان حقوق سے بھی محروم کر دو جو اسلامی مملکت کے شریف افراد کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ اس پر بھی باز نہ آئیں تو انہیں اس سے بھی زیادہ سخت سزا دو۔ (۲۴/۲۳)۔ اس لئے کہ یہ لوگ صحیح راہ چھوڑ کر دوسری طرف نکل جاتے ہیں۔

۵ ہاں! اگر یہ لوگ اس کے بعد اپنی غلط روش سے باز آجائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو پھر انہیں معاف کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ قانونِ خداوندی میں توبہ و اصلاح کے بعد عفو و درگزر کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ (اس سے اتفاقی مجرم سزا سے محفوظ بھی رہ سکتا ہے اور وہ سامانِ نشوونما بھی

---

[1] یہاں ینکح سے مراد جنسی تعلق قائم کرنا ہے نہ کہ اصطلاحی نکاح۔ "نکاح" کا لفظ لغت میں ان معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

[2] زنا بالجبر کی نوعیت مختلف ہے۔ اس میں عورت مجرم نہیں قرار پا سکتی اور مرد کا جرم بھی دہرا ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ
اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۷ وَيَدْرَؤُا
عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ
اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۹ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ اِنَّ الَّذِيْنَ
جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ

محروم نہیں رہتا)۔

۶ جو لوگ خود اپنی بیویوں کے خلاف تہمت لگائیں اور ان کے پاس سوائے اپنے آپ کے اور کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے معاملہ میں یوں فیصلہ کیا جائے کہ مرد چار بار اللہ کو حاضر و ناظر جان کر گواہی دے کہ وہ سچ کہتا ہے۔

۷ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر میں نے جھوٹ بولا ہو تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ (یعنی میں ان تمام حقوق و مفادات سے محروم کر دیا جاؤں جو مجھے مملکتِ خداوندی (اسلامی حکومت) کا شہری ہونے کی حیثیت سے حاصل ہیں)۔

۸ (اس سے وہ عورت مجرم قرار پا جائے گی۔ لیکن اگر وہ اپنی مدافعت میں بھی) اسی طرح خدا کو حاضر و ناظر جان کر گواہی دے کہ وہ مرد جھوٹ بولتا ہے۔ اور

۹ پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو (یعنی مجھے اس حلف دروغ گوئی کی سزا ملے۔ تو اس سے وہ بری الذمہ ہو جائے گی)۔

۱۰ (اے جماعت مومنین!) یہ خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے اپنے قانون میں اس طرح عفو و درگزر اور نرمی کی گنجائش رکھ دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنی خطا اور لغزش کے احساس کے بعد اپنی غلط روش کو چھوڑ کر قانونِ خداوندی کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ قانون اپنی تمام مراعات کو لئے اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اس کی طرف رُخ کرتا ہے۔ اور یہ چیز عین حکمت کے مطابق ہے۔ — قانون سے مقصد فرد کی اصلاح اور معاشرہ کی سلامتی ہے۔ اگر یہ مقصد عفو اور درگزر سے حاصل ہو سکتا ہے تو سزا بالضرور کیوں دی جائے؟

۱۱ (ان احکام کی روشنی میں اس واقعہ پر غور کرو جو تمہارے ہاں ہوا تھا۔ اس میں) بعض لوگ جو تمہاری اپنی جماعت کے تھے، خود اپنی جماعت کے دوسرے لوگوں کے خلاف (۲۴/۱۲) جھوٹی

الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ
فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ
مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۴﴾

تہمت تراش لائے تھے۔ (انہوں نے اپنی طرف سے تو چاہا تھا کہ اس سے معاشرہ میں سخت خرابی پیدا ہو جائے گی' لیکن تم ایسا خیال نہ کرو کہ اس سے واقعی کوئی خرابی پیدا ہوئی ہے) بلکہ یہ تو تمہارے لئے اچھا ہی ہوا (کہ ایک ٹھوس مقدمہ سامنے آگیا جس کا فیصلہ ان قوانین کی رُو سے ہو گیا اور ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ اس قسم کے واقعات میں افرادِ معاشرہ کو کیا کرنا چاہیئے)۔ اب ان مجرمین میں سے ہر ایک کو اپنے کئے کی سزا ملے گی۔ اور جو اس شرارت کا بانی مبانی ہے' وہ اوروں سے بھی زیادہ سخت سزا کا مستوجب ہو گا۔

۱۲ (لیکن اس میں جہاں وہ لوگ قابل مواخذہ ہیں جنہوں نے یہ جھوٹی تہمت تراشی اور اس کی اس طرح تشہیر کی' وہاں تمہارے معاشرہ کے دوسرے افراد بھی بری الذمہ قرار نہیں پا سکتے۔ ان افراد سے پوچھو کہ) جب تم نے اس بات کو سنا تھا تو تم نے' مومن مردوں اور مومن عورتوں کا سا طرزِ عمل کیوں نہ اختیار کیا اور اپنے لوگوں کے متعلق (جن کے خلاف یہ بات کہی جا رہی تھی) حسنِ ظن سے کام کیوں نہ لیا۔ اس بات کے سننے پر تمہارا پہلا ردِ عمل یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ان لوگوں سے کہہ دیتے کہ یہ تو صریح تہمت نظر آتی ہے (جب تک تحقیق کے بعد یہ بات ثابت ہو جائے' اس وقت تک عام معاشرہ کا ردِ عمل یہی ہونا چاہیئے کہ وہ ملزم کو بے گناہ سمجھے۔ ملزم کو مجرم قرار دینا' عدالت کا کام ہے' نہ کہ عام افراد کا۔ جب تم کسی کے خلاف کوئی بات سُن کر اسے صحیح تسلیم کر لیتے ہو' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اُس شخص کو مجرم قرار دیدیتے ہو)۔

۱۳ اگلی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ الزام لگایا تھا ان پر واجب تھا کہ وہ اس الزام کے ثبوت میں چار گواہ پیش کرتے (۲۴/۴)۔ سو جب یہ لوگ گواہ نہیں لا سکے تو عدالتِ خداوندی کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔

۱۴ یہ تو خدا کا فضل اور اس کی رحمت تھی (کہ بات زیادہ نہیں بڑھی اور معاملہ سنبھل گیا۔ ورنہ) جس انداز سے تم اس فتنہ میں بہ گئے تھے' تم پر حال میں بھی تباہی آجاتی' اور اس کے اثرات اس قدر

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ
عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾
يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾
إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾

دور رس تھے کہ تم مستقبل میں بھی تباہ اور برباد ہو جاتے۔ (اس لئے کہ ہو سکتا تھا کہ اس سے تمہارے معاشرہ پہنچتا میں اس قدر خلفشار پھیل جاتا کہ خانہ جنگی شروع ہو جاتی جس سے تمہیں فوری نقصان بھی پہنچتا اور اسکی آگ دور تک بھی پھیل جاتی۔ اور اس تباہی کا سلسلہ تمہاری موجودہ زندگی تک ہی محدود نہ رہتا۔ تمہاری اُخروی زندگی بھی تباہ ہو جاتی۔ اس لئے کہ مومنین کا ایک دوسرے کو بالارادہ قتل کر دینا عذاب جہنم کا مستوجب ہوتا ہے ۴/۹۳)۔

۱۵ حقیقت یہ ہے کہ تم نے اس معاملہ کی اہمیت کا احساس ہی نہیں کیا۔ اسے یونہی معمولی بات سمجھتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم نے اس بات کو سنتے ہی زبانوں پر چڑھا لیا' اور اسے بلا تحقیق و تفتیش (۱۷/۲۴) آگے دہراتے چلے گئے — تم نے اسے معمولی بات سمجھ لیا حالانکہ قانون خداوندی کی رُو سے یہ بات بڑی اہم تھی۔

۱۶ جب تم نے اسے سنا تھا تو تمہیں کہنا یہ چاہیئے تھا کہ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم اس کے متعلق کوئی بات کریں۔ یوں تو معصوم خدا کی ذات ہے' لیکن یہ تہمت بڑی سنگین نظر آتی ہے۔

۱۷ (بہرحال' یہ واقعہ تو گزر گیا۔ لیکن) اللہ تمہیں اس کی بابت اس شدت سے اس لئے فہمائش کر رہا ہے کہ اگر تم اس کی بات ماننے والے ہو' تو اس قسم کی حرکت دوبارہ نہ کرنا۔

۱۸ یہ ہے وہ مقصد جس کے لئے اس نے تہمت تراشی کے جرم سے متعلق قانون کو اس وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ اللہ تمام امور کا علم رکھتا ہے اور اس کی ہر بات حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔

۱۹ یاد رکھو! جو لوگ چاہتے ہیں کہ جماعتِ مومنین کے اندر اس قسم کی بے حیائی کی باتیں پھیلائیں انہیں' اس زندگی میں بھی (از روئے قانون) سخت سزا ملے گی' اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ اللہ خوب جانتا ہے (کہ اس قسم کی باتیں کس قدر تباہی کا موجب ہوتی ہیں۔ اور) تم اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

۲۰ حقیقت یہ ہے کہ (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے۔ ۲۴/۱۴) اگر خدا کا فضل و رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتے (تو تم اس وقت تک سخت خطرے میں پڑ چکے ہوتے۔ وہ ان معاملات کے متعلق صحیح راہ نمائی

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ
وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى
مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ
يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اس لئے دیتا ہے کہ) وہ نہیں چاہتا کہ انسان یونہی بے خبری اور لاعلمی سے تباہ ہو جائے۔ وہ انسانوں کی حفاظت چاہتا ہے۔ تباہی نہیں چاہتا۔

۲۱ (ایسے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں جو معاشرہ میں فتنہ پھیلانا چاہتے ہیں) اے جماعت مومنین! تم اس قسم کے فتنہ پردازوں کی شیطنت کے پیچھے مت چلو۔ جو کوئی ان کے پیچھے چلتا ہے' یہ اسے برائیوں کا سبق پڑھاتے اور بے حیائیوں کے لئے اکساتے رہتے ہیں۔ (اس سے نہ صرف معاشرہ میں فساد پھیلتا ہے بلکہ افراد کی صلاحیتوں کی نشوونما بھی رک جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ) اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (اور وہ تمہیں قرآن جیسا ضابطۂ حیات نہ دیدیتا تو) تم میں سے کسی کی انسانی صلاحیتوں کی بھی نشوونما نہ ہو سکتی۔ اس لئے کہ انسانی نشوونما خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہی ہو سکتی ہے ـــــ اُس خدا کے قانون کے مطابق جو سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے ـــــ (اور جب تمہیں اس کا علم ہی نہ ہوتا کہ اس باب میں خدا کا قانون کیا ہے' تو تمہاری نشوونما کس طرح ہو سکتی؟)۔

۲۲ (بہرحال' اب یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا ہے۔ تم بھی اسے رفت گزشت سمجھو اور اس کا کوئی اثر اپنے ہاں باقی نہ رہنے دو۔ ہم جانتے ہیں کہ جن لوگوں کو اس تہمت تراشی سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تکلیف پہنچی ہے انہیں اس کا شدید احساس ہے' اور تہمت لگانے والوں کے خلاف ان کے دل میں غبار بھی ضرور ہو گا۔ لیکن جس معاملہ کو خدا کی عدالت نے قصۂ ماضی قرار دے دیا' اس کے اثرات تمہارے دلوں سے بھی مٹ جانے چاہئیں۔ لہٰذا' ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ) تم میں سے جو صاحبِ وسعت و استطاعت' اپنے اقربا اور مساکین اور مہاجرین کی امداد کرتے تھے' اور ان میں سے کوئی' بدقسمتی سے' اس واقعہ میں شامل تھا' تو وہ اس کی مدد کرنے سے ہاتھ روک لیں اور قسمیں کھالیں (کہ ہم اس سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ ایسا بالکل نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کے برعکس) انہیں چاہیئے کہ ایسے لوگوں سے

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ
عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ
أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ
لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾

(۳ ع ۹)

درگزر کریں اور اس غبار کو پیچھے چھوڑ کر خود آگے بڑھ جائیں۔ (اس بات پر ذرا اس زاویۂ نگاہ سے غور کرو تم سے بھی کبھی نہ کبھی کوئی لغزش ہو جاتی ہے)۔ کیا اس لغزش کے بعد تم نہیں چاہتے کہ اس کے مضر اثرات سے خدا تمہاری حفاظت کرے؟ ایسا ہی یہ لوگ چاہتے ہیں۔ اس لئے تم اپنے آپ کو ان کی پوزیشن میں رکھ کر سوچو کہ تم ان حالات میں اپنے ساتھ کس قسم کا سلوک چاہو گے! بس اسی قسم کا سلوک ان کے ساتھ کرو۔ یہ وجہ ہے کہ) خدا نے اپنے قانون میں مغفرت اور رحمت کی گنجائش رکھ دی ہے۔

۲۳ (قانون کا معاملہ دوسرا ہے۔ وہ عدل کا مقتضی ہوتا ہے۔ لیکن انسانی تعلقات' احسان بھی چاہتے ہیں۔ قانون کا فیصلہ یہی ہے کہ) جو لوگ ایسی پاک دامن عورتوں کے خلاف جو بدکاری کے نام تک سے ناآشنا ہوں' تہمت تراشیں انہیں (اس سزا کے علاوہ جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ ۲۹/۴) حقوق شہریت سے محروم کر دینا چاہئے۔ اور آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے۔ (لیکن بایں ہمہ ان سے جو سلوک ان کے انسان ہونے کی رو سے کیا جاتا تھا' یہ اس سے محروم نہ کئے جائیں۔ مجرم بہرحال انسان تو رہتا ہے۔ اسے انسانی سلوک سے محروم نہیں کرنا چاہیئے)۔

۲۴ (عدل کے تقاضے کی تو یہ کیفیت ہے کہ اگر کوئی ملزم حقیقت کو چھپا کر دنیاوی عدالت سے بری بھی قرار پا جائے' تو آخرت میں وہ اپنے جرم کی سزا سے بچ نہیں سکے گا)۔ وہاں اس کی زبان' اور اس کے ہاتھ پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے اور صاف صاف بتا دیں گے کہ اس نے کیا کیا تھا۔

۲۵ اُس وقت' ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا۔ اور وہ اس بات کو اچھی طرح جان لیں گے کہ خدا کا قانونِ مکافات ایک حقیقت ثابتہ ہے۔

۲۶ (عام حالات میں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک خبیث مجرم' اپنی خباثت کو چھپا کر' عدالت سے بری ہو جائے اور اس کا شمار حسب سابق' شریف انسانوں میں ہونے لگے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک بے گناہ' شریف خاتون کے خلاف اس طرح تہمت تراشی جائے کہ عدالت بھی اسے بری الذمہ قرار نہ دے اور یوں اس کا شمار خبیثوں میں ہونے لگ جائے۔ لیکن جب کسی جگہ صحیح نظام عدل قائم ہو جائے تو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۲۸ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝۲۹

اس میں ایسے واقعات شاذ و نادر ہو سکیں گے۔ اور اُخروی زندگی میں تو اس کا امکان ہی نہیں ہوگا) آخر وقت خبیث خبیثوں کے ساتھ ہوں گے اور شریف شریفوں کے ساتھ۔ اور جن کے خلاف غلط تہمتیں لگی ہونگی وہ ان سے بری الذمہ قرار پائیں گے۔ یوں انہیں خبیثوں کی فتنہ پردازیوں سے حفاظت بھی مل جائے گی اور نہایت آبرومندانہ سامانِ نشو و نما بھی۔ (۲۴/۳)۔

(یہاں کا معاشرہ جس قدر اُخروی معیارِ عدل کے مطابق ہوتا جائے گا اسی قدر اس میں زندگی جنتی زندگی کے مماثل ہوتی جائے گی)۔

۲۷ اے جماعتِ مومنین! (اب اگلا حکم سنو۔ اور وہ یہ ہے کہ) جب تم اپنے گھر کے علاوہ کسی اور کے ہاں جاؤ تو پہلے اُن سے اجازت طلب کرو اور جب وہ اجازت دیدیں تو اندر جاؤ اور تمام اہل خانہ کو سلامتی کی دعائیں دو اور ان کے لئے نیک آرزوئیں لے کر جاؤ۔

ان آدابِ معاشرت کی نگہداشت تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تمہارا معاشرہ انسانی روابط کے عمدہ ترین اصولوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے۔

۲۸ اور اگر تم دیکھو کہ اُس گھر میں کوئی نہیں تب بھی اس کے اندر نہ جاؤ ——— کوئی شکل بھی ہو۔ دوسروں کے گھروں میں صرف اس صورت میں داخل ہو جب تمہیں اس کی اجازت مل جائے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ آپ اس وقت واپس تشریف لے جائیں تو (دل میں کوئی گرانی لئے بغیر) واپس آجاؤ۔

ان امور کی نگہداشت سے تمہارے حالات سنورے رہیں گے۔ اللہ کا قانون تمہاری ہر بات کا اچھی طرح علم رکھتا ہے۔

۲۹ البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم ایسے مکانات میں بلا اجازت داخل ہو جاؤ جن میں کوئی بستا نہیں اور ان میں تمہارا سامان رکھا ہے۔ (جیسے گودام وغیرہ لیکن اگر وہ مشترکہ گودام ہے اور اس میں تم اکیلے داخل ہو رہے ہو تو تمہارے دل میں کسی قسم کی بددیانتی کا خیال نہیں آنا چاہئے) یاد رکھو! خدا کا قانونِ مکافات اچھی طرح جانتا ہے کہ تم ظاہر کیا کرتے ہو اور دل میں کیا چھپاتے ہو۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ
بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ
بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي
الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ

۳۰ (اے رسول! اب انہیں اگلا حکم سنا دو اور) مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہوں کو آوارہ اور بیباک نہ ہونے دیں' اور (اس بات کا خیال رکھیں کہ) ان کی عفت داغدار نہ ہونے پائے۔ (نگاہیں وہ کھڑکیاں ہیں جن سے انسان کے دل میں چور داخل ہوتے ہیں اور معاشرہ میں بے حیائی کے راستے کھلتے ہیں)۔ انسانی ذات کی نشوونما' قلب و نگاہ کی پاکیزگی سے ہوتی ہے۔

(انہیں یہ بھی سمجھا دو کہ وہ ان آداب کی پابندی محض میکانکی طور پر نہ کریں۔ انہیں اس طرح اختیار کریں کہ یہ ان کی سیرت کے مظاہر بن جائیں۔ اس لئے کہ) خدا کا قانون مکافات اس سے خوب واقف ہے کہ کس عمل کو محض مشینی طور پر اختیار کیا جاتا ہے (اور کونسا عمل دل کی گہرائیوں سے ابھرتا ہے)۔

۳۱ اسی طرح مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہوں کو آوارہ اور بیباک نہ ہونے دیں اور اپنی عفت کی پوری پوری حفاظت کریں۔ ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی زینت و آرائش کی چیزوں کو نمایاں نہ کریں۔ جس قدر وہ چلتے پھرتے از خود ظاہر ہو جائیں' انہیں اتنا ہی ظاہر ہونے دیں۔ انہیں خود نمایاں نہ کریں۔ (انہیں بالارادہ' نمایاں کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے دل میں نمائش حسن کا جذبہ کروٹیں لے رہا ہے[1])۔ اس کے علاوہ' انہیں چاہئے کہ اپنے اوڑھنے کی چادریں اپنے گریبانوں (سینوں) پر ڈال لیا کریں (تاکہ فتنہ پرداز لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ یہ شریف عورتیں ہیں' ورنہ ہم انہیں تنگ

---

[1] عورتوں کو جو نمائش زینت سے روکا گیا ہے تو اس کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ اس سے مردوں کے دل میں آوارہ خیالات بیدار ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے کہیں گہری وجہ ایک اور ہے۔ صدیوں کی غلط تربیت سے' عورت کے دل میں یہ خیال پیوست ہو چکا ہے (اور یہ خیال خود مرد کا پیدا کردہ ہے) کہ عورت کی زندگی کا مقصد' مرد کے بعض تقاضوں کا پورا کرنا ہے۔ اس کی زیست فی ذاتہ کوئی مقصد نہیں رکھتی۔ زینت اور اس کی نمائش سے' عورت' شعوری یا غیر شعوری طور پر سمجھتی ہے کہ وہ اپنے اس مقصد کو پورا کرتی ہے۔ اور مرد اس کی داد اس لئے دیتا ہے کہ عورت کے دل میں یہ خیال اور راسخ ہو جائے۔ قرآن کی رُو سے' عورت اور مرد' دونوں' برابر کے (بقیہ نوٹ ۳۲ پر دیکھئے)

مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ
مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَاۗىِٕكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۲

نہ کرتے ۳۳/۵۹)۔ اور چلتے وقت اپنے پاؤں اس زور سے زمین پر نہ ماریں کہ چھپے ہوئے زیورات کی جھنکار سے معلوم ہو جائے کہ انہوں نے کیا پہن رکھا ہے۔

اوپر جو کہا گیا ہے کہ عورتیں اپنی زینت و آرائش کی چیزوں کو نمایاں نہ کریں تو یہ احتیاط نامحرموں کی صورت میں ضروری ہے۔ اس میں محارم[1] شامل نہیں ـــــ یعنی انکے خاوندوں کے علاوہ باپ، سسر (خاوند کا باپ) ان کے اپنے بیٹے یا خاوند کے بیٹے (یعنی ان کے حقیقی بیٹے یا سوتیلے بیٹے)۔ بھائی۔ بھتیجے۔ بھانجے۔ یا (اپنے ہاں کی جانی پہچانی) عورتیں۔ یا وہ غلام اور لونڈیاں (جو اُس زمانے میں عربوں کے ہاں کام کاج کیا کرتے تھے۔ قرآن نے انہیں رفتہ رفتہ آزاد معاشرہ کا جزو بنا دیا اور آئندہ کے لئے غلامی کا دروازہ بند کر دیا) یا دیگر خدمت گاروں میں سے ایسے بوڑھے جو جنسی خواہشات سے آگے گزر چکے ہوں۔ یا ایسے بچے جو عورتوں کے پردے کی باتوں (جنسیات) سے ہنوز ناآشنا ہوں۔

یہ ہیں معاشرہ کے متعلق اس سلسلہ میں عام احکام، جن کی طرف تم سب مومنین (مردوں اور عورتوں) کو لوٹنا چاہیئے، تاکہ تمہیں زندگی کی کامرانیاں نصیب ہوں۔

۳۲ تمہارے معاشرہ کا یہ بھی فریضہ ہے کہ جن لوگوں ـــــ مردوں یا عورتوں ـــــ کی شادی نہ ہوئی ہو (خواہ وہ کنوارے ہوں یا رنڈوے مرد اور بیوہ عورتیں) ان کے نکاح کا مناسب انتظام کرے۔ نیز تمہارے غلاموں اور لونڈیوں[2] میں سے جو شادی کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کے نکاح کا بھی بندوبست کیا جائے۔ (یعنی معاشرہ ایسا انتظام کرے کہ لوگوں کو مناسب رشتہ تلاش کرنے میں آسانیاں ہوں۔ اور)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۸۰۱) انسان ہیں، اور دونوں کی زندگی مقصود بالذات ہے۔ عورت کی زندگی مرد کے کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ نہیں۔ اس لئے وہ عورت کے دل سے اس غلط خیال کو نکالنا چاہتا ہے جس کی وہ مدتوں سے شکار ہوتی چلی آ رہی ہے (اظہار زینت کے روکنے سے بھی یہی مقصد ہے)۔ وہ عورت کو مرد کا کھلونا نہیں بننے دینا چاہتا۔ وہ اسے اس کے بلند مقام سے آگاہ کرانا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ عورت اور مرد دو انسانوں کی حیثیت سے ملیں۔ جس دن دنیا نے اس حقیقت کو سمجھ لیا، یہاں کا نقشہ کچھ اور ہو جائے گا۔

[1] محارم۔ جن سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ نامحرم۔ جس سے نکاح ہو سکتا ہے۔

[2] قرآن کریم میں جہاں بھی غلام اور لونڈیوں کا ذکر آیا ہے ان سے مراد وہ غلام اور لونڈیاں ہیں جو اُس زمانے میں عربی معاشرہ میں عام طور پر موجود تھے۔ قرآن نے انہیں آہستہ آہستہ آزاد معاشرہ کا جزو بنا دیا اور آئندہ کے لئے غلامی کا دروازہ بند کر دیا۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ
أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ
عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٣٤﴾

ع ۴ ۱۰

جسے متابل زندگی بسر کرنے کے لئے معاشی امداد کی ضرورت ہو' اس کا بھی مناسب انتظام کیا جائے۔
یہ سب اُس خدا کے مقرر کردہ نظام کی طرف سے ہونا چاہیئے جو بڑی وسعتوں کا مالک اور ہر ایک کے حالات سے باخبر ہے۔ (قوانین خداوندی کے مطابق قائم شدہ نظام مملکت کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے)۔

۳۳ جن لوگوں کے لئے رشتے کا انتظام نہ ہو سکے' انہیں ضبطِ خویش سے اپنی عفت کو محفوظ رکھنا چاہیئے[1] تا آنکہ نظام خداوندی ان کے لئے ضروری سہولتیں بہم پہنچا دے۔
اور غلام اور لونڈیوں میں سے جو اپنی آزادی کے لئے تم سے تحریری سند لینا چاہیں' انہیں پروانۂ آزادی دیدینا چاہیئے' بشرطیکہ تم دیکھو کہ وہ اس قابل ہیں کہ اپنی بہبودی کا خود خیال رکھ سکیں گے (یعنی وہ ایسے نااہل اور بے سمجھ نہ ہوں کہ تم سے الگ ہو کر اپنے آپ کو بھی سنبھال نہ سکیں ۴/۶-۵)۔
اس مقصد کے لئے' اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے' انہیں کچھ ساتھ بھی دے دیا کرو۔
اور تمہاری نوجوان لڑکیاں (نوکرانیاں یا لونڈیاں) جو نکاح کا ارادہ رکھتی ہوں' انہیں اپنے دنیاوی مفاد کی خاطر' اس سے نہ روکو۔ اس طرح وہ بدکاری پر مجبور ہو جائیں گی۔ اور اگر کوئی انہیں اس طرح مجبور کرے' تو قانون خداوندی میں یہ شق بھی موجود ہے کہ وہ اس جبر کے خلاف' اُن کی حفاظت کرے اور انہیں سامانِ نشو و نما مہیا کرے۔ (نظام خداوندی کا فریضہ ہے کہ وہ ایسا کرے)۔

۳۴ ہم نے تمہاری طرف یہ احکامات نازل کر دیئے ہیں جو نہایت واضح ہیں۔ (اور ان کی تائید اور وضاحت کے سلسلہ میں) ہم نے' اقوام گزشتہ کی تاریخی شہادتوں سے یہ بھی بتا دیا ہے کہ جو معاشرہ احکام خداوندی

---

[1] قرآن کریم نے بھوک کے سلسلہ میں اضطراری حالت میں' حرام چیزوں کے کھانے کی (بقدر ضرورت) اجازت دیدی ہے (۲/۱۷۳)۔ لیکن جنسی خواہشات کے ضمن میں حرامکاری کی اجازت نہیں دی۔ اس لئے کہ بھوک پر انسان کا اپنا کنٹرول نہیں۔ اور غذا نہ ملنے سے انسان بیمار ہو جاتا ہے اور مر بھی جاتا ہے۔ لیکن جنسی خواہشات کی بیداری انسان کے اپنے کنٹرول کی چیز ہے اور اس کی تسکین نہ ہونے سے کچھ ہرج واقع نہیں ہوتا۔ اس لئے اس میں اضطراری حالت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ
دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ
نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾

کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کا انجام کیا ہوتا ہے)۔ لہٰذا ہمارے یہ احکام اور ان کی تائید میں تاریخی شہادات ان لوگوں کے لئے جو زندگی کی تباہیوں سے بچنا چاہیں، بلند اخلاقی اقدار کا کام دیتے ہیں۔

۳۵ (یہ ہدایات جو تمہیں خدا کی طرف سے دی جا رہی ہیں، وہ روشنی ہے جس سے تمہاری زندگی کی تاریک راہیں منور ہو جائیں گی۔ ۵/۱۵؛ ۴۲/۵۲)۔ یہ روشنی صرف تمہیں ہی نہیں دی گئی —— یہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ (خدا نے ہر شے کو پیدا کیا اور اسے اس راستے پر چلنے کے لئے راہ نمائی دی جو اس کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ ۲۰/۵۰۔ اور یہی وہ خدا کا نور ہے جو ہر جگہ پھیلا ہوا ہے۔ اشیائے کائنات میں یہ ہدایت، ان کی پیدائش کے ساتھ، ان کے اندر ودیعت کر کے رکھ دی گئی ہے۔ لیکن انسانوں کو یہ راہ نمائی کتاب کی شکل میں دی گئی ہے)۔ خدا کی اس مشعلِ ہدایت (وحی) کی مثال یوں سمجھو، جیسے کسی طاق میں، (جو پیچھے سے بند ہو، اس لئے محفوظ، اور سامنے سے کھلا ہو، جس سے روشنی ساری فضا میں پھیل جائے) ایک جگمگاتا چراغ ہو —— ایسا ٹھنڈی اور صاف روشنی دینے والا چراغ، جیسے ستارۂ صبحگاہی فضا کی تاریکیوں میں نور پاش ہو —— اور اس چراغ کو ایک صاف اور شفاف شیشے کے فانوس میں رکھ دیا گیا ہو، تاکہ وہ تمام خارجی اثرات سے محفوظ رہے (۴۱/۴۲)۔ خود فانوس بھی ایسا درخشندہ گویا وہ چمکتا ہوا تارہ ہے جس سے نور کی ندیاں رواں ہیں۔ وہ چراغ ایک ایسے بابرکت شجر زیتون (کے تیل) سے روشن ہو جو مشرق اور مغرب کی نسبتوں سے بلند تمام نوعِ انسان کے لئے یکساں ہو۔ ایسا تیل جو اس کا محتاج نہ ہو کہ کوئی خارجی روشنی اسے جلائے۔ وہ اپنے آپ روشن ہو اور دوسروں کو بھی روشنی دے (وہ اپنے معانی اور تفسیر کے لئے خارجی امداد کا محتاج نہ ہو)۔ وہ چراغ نہیں، روشنی کی تہیں ہیں جو ایک کے اوپر دوسری، تو بر تو، چڑھی ہوئی ہیں۔ وہ سارے کا سارا نور ہے۔ نورِ مجسم ہے۔ اس میں روشنی ہی روشنی ہے۔

یہ ہے خدا کا وہ نور (وحی) جس کی طرف وہ ہر اس شخص کی راہ نمائی کرتا ہے جو اس سے راہ نمائی لینا چاہے۔ اللہ (مجرد حقیقتوں کو) اس قسم کی محسوس (مثالوں کے ذریعے اس لئے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ مثالیں اس خدا کی طرف سے دی جاتی ہیں جو جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے اور اسے کس قسم کی مثالوں سے واضح کیا جانا چاہیئے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ
تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ
وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ
عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

---

۳۶ وحیٔ خداوندی کا یہ چراغ (جماعتِ مومنین کے ان) گھروں میں روشن رہتا ہے جن میں خدا کی گوناگوں صفات (واحکام) کا چرچا رہتا ہے' اور جو اس طرح (قوانینِ خداوندی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنے سے) دنیا میں بلند مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ ان گھروں کے رہنے والے' صبح شام (ہر وقت) نظامِ خداوندی کے قیام اور بقا کے لئے سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔

۳۷ (اس سے یہ نہ سمجھ لو کہ وہ راہبوں کی جماعت ہے جو دنیا ترک کر کے' حجروں اور خانقاہوں میں مصروفِ ورد و وظائف رہتی ہے)۔ یہ لوگ دنیا کے کاروبار کرتے ہیں۔ لیکن یہ کاروبار۔ یہ خرید و فروخت۔ نہ اُن کی نگاہوں سے' قانونِ خداوندی کو اوجھل ہونے دیتے ہیں' اور نہ ہی انہیں ان کے اہم فرائضِ حیات سے غافل۔ وہ اہم فرائضِ حیات کیا ہیں؟ نظامِ صلوٰۃ کا قیام' جس میں تمام افراد قوانینِ خداوندی کا امتیاج کرتے چلے جائیں' اور تمام نوعِ انسان کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچائیں۔ وہ اس انقلاب سے خائف رہتے ہیں جس میں دلوں اور آنکھوں کی حالت یکسر بدل جاتی ہے —— جس دن نگاہوں کے آگے پڑے ہوئے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور حقیقتیں بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہیں۔ (۵۰/۲۲)۔

۳۸ (یہ انقلاب خدا کے اس قانونِ مکافات کی رُو سے رونما ہوتا ہے جس کے مطابق ہر عمل کا نتیجہ مرتب ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ غلط اعمال کا تباہ کن نتیجہ۔ اور) اچھے اعمال کا حسین اور خوشگوار نتیجہ۔ اس کی رُو سے اچھے اعمال کے نتائج ایک ایک کے' سو سو ہو کر ملتے ہیں (۲/۲۶۱)۔

جو لوگ' قانونِ خداوندی کے مطابق' اس طرح رزق حاصل کرنا چاہیں' انہیں خدا کا 'قانون' ان کے اندازوں سے کہیں بڑھ کر دیتا ہے۔

۳۹ اس کے برعکس' جو لوگ اس آسمانی روشنی کی راہ نمائی سے انکار کرتے ہیں' ان کے اعمالِ حیات کی مثال یوں سمجھو جیسے کوئی پیاسا' چٹیل میدان میں' سراب کو پانی سمجھ کر اس کی طرف لپکے۔ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو وہاں اسے (پانی چھوڑ) کوئی شے بھی نہ ملے (جو کچھ اُسے نظر آ رہا تھا' وہ یکسر فریبِ نگاہ

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ﴿٤٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾

ثابت ہو)۔ ایسے مقام پر البتہ انسان کو ایک چیز ضرور مل جاتی ہے۔ یعنی خدا کا قانونِ مکافات' جو اُسے اس کی اس سعی لاحاصل کا پورا پورا حساب چکا دیتا ہے۔ اللہ کا قانونِ مکافات' اعمال کے حساب کرنے میں ذرا دیر نہیں لگاتا۔

۴۰ یا (آسمانی روشنی کے مقابلہ میں) ان کے اعمال کی مثال یوں سمجھو جیسے کسی تلاطم انگیز سمندر کی گہرائیوں میں انتہائی تاریکی ہو۔ اس تاریکی کو' اور تاریکیاں' موج در موج ظلمات کے گہرے پردے بن کر ڈھانپ رہی ہوں۔ ان تاریک موجوں کے اوپر' چاروں طرف' کالی گھٹائیں چھا رہی ہوں ـــــ مختصراً یہ کہ تاریکیوں پر تاریکیوں کی تہیں چڑھ رہی ہوں۔ اور حالت یہ ہو کہ اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اسے وہ ہاتھ بھی نظر نہ آئے (نظر آ بھی کیسے سکتا ہے؟) جس شخص کو وحیٔ خداوندی کی روشنی نصیب نہ ہو اُسے روشنی مل کہاں سے سکتی ہے؟

۴۰ (یہ انسان ہی ہے جو اس قسم کی عالمتاب روشنی کے ہوتے ہوئے' سخت تاریکیوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ کائنات کی اور کسی چیز کی یہ حالت نہیں)۔ تم اگر غور کرو گے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جائیگی کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو شے بھی ہے' اپنے اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں پورے جوش و خروش اور جذب و انہماک سے سرگرم عمل ہے۔ ذرا ان پرندوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح پَر پھیلائے فضا کی پہنائیوں میں' سینکڑوں۔ ہزاروں' میل دور نکل جاتے ہیں' اور بغیر کسی راستے کے نشان کے' اپنی اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس میں کبھی غلطی نہیں کرتے۔ یہ اس لئے کہ) کائنات کی ہر شے' اپنے اپنے فریضۂ زندگی (صلوٰۃ) کو بھی جانتی ہے' اور اپنے سعی و عمل کے دائرے (تسبیح) کو بھی پہچانتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اس کا فریضۂ حیات کیا ہے اور اسے اس نے کس طرح سرانجام دینا ہے۔ چنانچہ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے ہر وقت سرگرمِ عمل رہتی ہے۔

یہ سب خدا کے اس نور کی وجہ سے ہے جو کائنات میں ہر جگہ پھیلا ہوا ہے۔ یہی وہ روشنی ہے جس سے اشیائے کائنات' اپنی اپنی منزلوں' اور ان تک لے جانے والے راستوں' سے واقف ہیں' اور خدا کو بھی اس کا علم ہوتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ
يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ
يَّشَاۗءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَاۗءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

۴۲ یاد رکھو! اس تمام کائنات میں حکمرانی صرف خدا کی ہے۔ اس میں اسی کا قانون کارفرما ہے۔ اور ہر شے کا قدم اُسی کی طرف اٹھ رہا ہے۔ کوئی شے اس کے قانون کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتی۔

۴۳ کیا تم بادلوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح قانون خداوندی کے مطابق آہستہ آہستہ دبے پاؤں اِدھر اُدھر چلتے رہتے ہیں۔ پھر ان کا ایک ٹکڑہ دوسرے ٹکڑے میں اس طرح مدغم ہو جاتا ہے کہ دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ جب اس طرح ان کے تہ برتہ ڈھیر لگ جاتے ہیں تو وہ بارش بن کر برسنے لگتے ہیں اور یوں نظر آتا ہے گویا بارش کے قطرے ان کے اندر سے نکل کر زمین کی طرف آ رہے ہیں۔ یہی بادل جب پہاڑوں کی چوٹیوں پر آتے ہیں تو وہاں برف بن کر جم جاتے ہیں۔ (بعد ازاں یہی برف پانی بن کر بہ نکلتی ہے۔ اور) جو شخص اس پانی سے فائدہ اٹھانا چاہے وہ اس تک پہنچ جاتا ہے۔ اور جو ایسا نہ چاہے اس سے پانی کا رخ دوسری طرف پھر جاتا ہے۔ (پانی ہر ایک کے فائدے کے لئے ہے۔ لیکن اس سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو قانون فطرت کے مطابق اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہے۔ جو ایسا نہ کرے پانی اس سے منہ پھیر کر دوسری طرف چل دیتا ہے)۔
(بارش اور برف کے علاوہ انہی بادلوں سے) بجلی کی سی تیز چمک پیدا ہوتی ہے جو نگاہ کو خیرہ کر دیتی ہے۔ (۲۰-۱۹/۲)۔

۴۴ اسی خدا کا قانون دن اور رات کو گردش دینا رہتا ہے (کہ ایک کے بعد دوسرا آجاتا ہے)۔ ان آفاقی قوانین میں ارباب نظر کے لئے ایسا سامان بصیرت موجود ہے جس سے وہ خارجی کائنات سے آگے گزر کر خود انسانی معاشرہ کی طرف آسکتے ہیں (اور سمجھ سکتے ہیں کہ جب انسانی معاشرہ قوانین خداوندی کے تابع چلے تو اس سے کس قدر خوشگوار نتائج مرتب ہو سکتے ہیں)۔

۴۵ اور اللہ نے اپنے اس قانون کے مطابق ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ (یعنی زندگی کا آغاز پانی سے کیا اور اس کی بقا کا انحصار بھی پانی پر ہے۔ ۲۱/۳۰)۔ پھر ان میں وہ بھی ہیں جو پیٹ کے بل

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ
وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

ع ۶ ۱۰ ۱۲

رینگتے ہیں۔ بعض دو پاؤں پر چلنے والے ہیں۔ بعض چار پاؤں پر۔ اللہ اپنے قانونِ تخلیق کے مطابق جو چاہتا ہے پیدا کرتا رہتا ہے۔ اس نے ہر شے کے لئے اندازے اور پیمانے مقرر کر رکھے ہیں' اور ان سب پر اسی کا کنٹرول ہے۔

۴۶ دیکھو! ہم نے کس طرح ایسے قوانین نازل کئے ہیں جو ہر بات کو وضاحت سے بیان کر دیتے ہیں۔ سو جو شخص ان قوانین سے راہ نمائی لینا چاہے' یہ اس کی راہ نمائی' زندگی کی سیدھی اور متوازن راہ کی طرف کر دیتے ہیں۔

۴۷ (یہ متوازن اور سیدھی راہ صرف ان لوگوں کو مل سکتی ہے جو ان قوانین کی صداقت پر دل سے یقین رکھیں اور پھر ان کے مطابق عمل کریں۔ لیکن) بعض لوگ (منافقین) ایسے بھی ہیں جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں' اور ان کی اطاعت بھی کرتے ہیں' لیکن اس کے بعد ان کا ایک گروہ اس اطاعت سے روگردانی اختیار کر لیتا ہے۔ یہ درحقیقت مومن ہیں ہی نہیں۔

۴۸ (اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ) جب انہیں اس نظام کی طرف بلایا جاتا ہے' جسے رسول نے خدا کے احکامات نافذ کرنے کے لئے متشکل کیا ہے' تاکہ وہ ان کے متنازعہ فیہ معاملات کا فیصلہ کرے تو وہ گروہ (جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے) اس سے اعراض برتتا ہے۔

۴۹ لیکن اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ فیصلہ ان کے حق میں ہو گا' تو وہ اس کی اطاعت کے لئے لپک کر آتے ہیں۔

۵۰ (مخلص مومنین کے لئے ان کی یہ روش بڑی تعجب انگیز ہو گی' اور ان کے دل میں رہ رہ کر یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ بالآخر ان لوگوں کو ہو کیا گیا ہے؟) کیا یہ کسی نفسیاتی عارضہ میں مبتلا ہیں (جس کی وجہ سے ان میں اس قدر تلون پیدا ہو گیا ہے)۔ یا ان کے دل میں شک ہیں (کہ یہ ضابطۂ قوانین حق پر مبنی نہیں)۔ یا انہیں خدشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول —— یعنی یہ نظام

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ
أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُل لَّا تُقْسِمُوا ۖ طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ قُلْ
أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ
وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٥٤﴾

خداوندی ـــــ ان کے ساتھ بے انصافی کرے گا؟

(ان میں سے کوئی بات بھی نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اس نظام کی اطاعت چاہتے ہی نہیں۔ یہ اس سے سرکشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ قانون اس سے روکتا ہے کہ کسی پر ظلم اور زیادتی کی جائے' اور ان کا شیوہ ہی ظلم اور زیادتی ہے۔ ظلم کرنے والے نظامِ عدل کو اپنے مفاد کے خلاف پاتے ہیں' اس لئے اس کی طرف آتا ہی نہیں چاہتے۔

۵۱ جو لوگ اس نظام کی صداقت پر دل سے یقین رکھتے ہیں' ان کی روش یہ ہوتی ہے کہ انہیں جب بھی اس مقصد کے لئے بلایا جائے کہ ان کے متنازعہ فیہ معاملات کا تصفیہ کیا جائے' تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے کہ ہم نے اس بلاوے کو سن لیا ہے اور ہم اس کی فرمانبرداری کے لئے تیار ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کی کھیتیاں بار آور ہوں گی اور وہ کامیاب و کامران زندگی بسر کریں گے۔

۵۲ حقیقت یہ ہے کہ بامراد لوگ وہی ہو سکتے ہیں جو نظام خداوندی کی اطاعت کریں۔ یعنی جو قوانین خداوندی (سے سرکشی برتنے کے انجام و عواقب) سے خائف رہیں' اور ان کی پوری پوری نگہداشت کریں۔

۵۳ اور یہ (منافقین) بڑی بڑی سخت قسمیں کھا کر تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ اگر انہیں جنگ کے لئے باہر نکلنے کا حکم دیا جائے گا تو وہ سر بکف باہر نکل آئیں گے۔ ان سے کہو کہ قسمیں کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم عملاً اطاعت کر کے دکھاؤ۔ اطاعت اپنے تعارف کیلئے کسی قسم اور سوگند کی محتاج نہیں ہوتی۔ عمل محسوس اپنا تعارف آپ کرا دیتا ہے۔ اور خدا تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

۵۴ ان سے کہدو کہ (اس طرح قسمیں کھا کھا کر اعتماد پیدا کرنے کے بجائے) عملاً اللہ اور اس کے رسول (نظام خداوندی) کی اطاعت کر کے دکھاؤ (بات صاف ہو جائے گی)۔ اگر اس کے بعد یہ لوگ اس سے روگردانی کریں (تو اس کی ذمہ داری ہمارے رسول پر نہیں)۔ رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ تم تک

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶

احکام خداوندی واضح طور پر پہنچا دے۔ اس کے بعد تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اس کی اطاعت کرتے ہو یا نہیں۔ اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو تمہیں زندگی کے صحیح راستے کی طرف راہ نمائی مل جائے گی۔ (روگردانی کرو گے تو اس کا خمیازہ خود بھگتو گے)۔

۵۵ (باقی رہا یہ کہ ان قوانین کی اطاعت سے ملے گا کیا؟ تو) ہم نے ان لوگوں سے جو ان قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں اور ہمارے متعین کردہ پروگرام کے مطابق صلاحیت بخش کام کریں، یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم انہیں اس زمین میں حکومت عطا کریں گے (۲۴/۵۵) (اور ان کی حکومت، اس خطۂ ارض کو جنت بین تبدیل کر دے گی۔ ۳۹/۷۴) —— یہ ہمارا ابدی قانون ہے جس کے مطابق ہم نے اقوام سابقہ کو بھی اسی قسم کی حکومت (تمکن فی الارض) عطا کی تھی (۲۸/۶) —— اسی قانون کے مطابق ہم ان کے ایمان اور اعمال کے نتیجے میں انہیں حکومت عطا کریں گے اور ان کے اس نظام زندگی کو مستحکم کر دیں گے جسے ہم نے ان کیلئے پسند کیا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کا خوف، امن سے بدل جائے گا تاکہ وہ نہایت اطمینان سے، ہمارے اور صرف ہمارے قوانین کی اطاعت کریں اور ان پر کسی قسم کا جبر یا دباؤ نہ ہو کہ وہ اس کے ساتھ کسی اور کی بھی اطاعت کریں، اور اس طرح شرک کے مرتکب ہوں۔ (دنیا کی کوئی طاقت انہیں مجبور نہ کر سکے کہ وہ قوانین خداوندی کے ساتھ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی اطاعت کریں)۔

(لیکن اسے اچھی طرح سن رکھو کہ یہ سلسلہ اسوقت تک قائم رہے گا جب تک یہ قوم ہمارے قوانین پر عمل پیرا رہے گی)، جو لوگ، ایسا نظام قائم ہو جانے کے بعد اس سے عملاً انکار کر دیں گے (اور) احکام خداوندی کے بجائے، اپنے احکام نافذ کرنے لگ جائیں گے)، تو یہ لوگ، اس شاہراہ حیات کو چھوڑ کر جو انہیں صحیح منزل کی طرف لئے جا رہی تھی، اور راہوں کی طرف نکل جائیں گے۔ (اور اس لئے) اس جنتی معاشرہ کی برکتوں سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ برکات ایمان و عمل کا نتیجہ تھیں۔ جب ایمان و عمل نہ رہا تو وہ برکات کیسے باقی رہیں گی؟)۔

۵۶ لہٰذا، اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں اس قسم کا تمکن حاصل ہو جائے، اور اس کے بعد یہ اسی طرح

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ
وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ۭ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ
جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

قائم رہے' تو اس کے لئے نظام صلوٰۃ قائم کرو اور اپنے معاشرہ کو ان خطوط پر متشکل کرو جن سے نوع انسان کو زیادہ سے زیادہ سامان نشوونما ملتا جائے۔ (یہ چیز انفرادی نہیں' اجتماعی ہے۔ یہ سب کچھ ایک نظم و ضبط کے تابع ہوگا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم' اپنے اجتماعی نظام کے مرکز) رسول کی اطاعت کرو۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم پر نوازشات خداوندی کی بارش ہوگی۔

(یاد رکھو! دین کے تمکن — اسلامی زندگی بسر کرنے — کی شکل ہی یہ ہے کہ — ہیئت اجتماعیہ قرآنی خطوط پر متشکل کی جائے' اور تمام افراد' اس نظام کی اطاعت کریں)۔

۵۷ (تم اس پروگرام پر بے غل وغش اور بلا خوف وخطر عمل پیرا ہوتے جاؤ' اور) اس کا وہم وگمان تک بھی نہ کرو کہ جو لوگ اس نظام کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس پر غالب آجائیں گے اور یوں ہمارے قانون کو دنیا میں بے بس کر کے رکھ دیں گے۔ (قطعاً نہیں)۔ ان کی تمام کوششیں جل کر راکھ کا ڈھیر بن جائیں گی۔ اور ان کا انجام بہت برا ہوگا۔

۵۸ (ان تصریحات کے بعد پھر انہی معاشرتی ضوابط کی طرف آؤ جن کا ذکر پہلے کیا جا رہا تھا۔ گھروں کے اندر خلوت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ تمہارے ملازم' اور لڑکے بالے جو ابھی تک سن بلوغ کو نہ پہنچے ہوں' کام کاج کے لئے تمہارے گھروں میں پھرتے پھراتے رہتے ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر وہ ان اوقات میں تمہارے پاس آنا چاہیں جب تم اپنے کمرے میں خلوت (پرائیویسی) میں ہو — (مثلاً) صلوٰۃ الفجر سے پہلے۔ دوپہر کے وقت جب تم کپڑے اتار کر آرام کرتے ہو۔ اور صلوٰۃ العشاء کے بعد' جب سونے کا وقت آجاتا ہے — تو ان اوقات میں انہیں اجازت لے کر اندر آنا چاہیئے۔ اس سے' نہ تمہارے لئے کوئی وجہ پریشانی ہوگی' نہ اُن کے لئے۔ ان اوقات کے علاوہ' وہ کام کاج کے لئے بلا اجازت اندر باہر آجا سکتے ہیں۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۹ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ
ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰ لَيْسَ عَلَي الْاَعْمٰى
حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ

اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام واضح طور پر بیان کر دیتا ہے۔ وہ احکام جو سراپا علم و حکمت پر مبنی ہیں۔

۵۹ لیکن جب یہ لڑکے بالغ ہو جائیں تو انہیں تمہارے گھروں کے اندر آنے کے لئے اسی طرح اجازت طلب کرنی چاہئے جس طرح اور بالغ مردوں کو اجازت لینے کی ضرورت ہے (۲۴/۲۷)۔ اس طرح اللہ اپنے ان احکام کو، جو علم و حکمت پر مبنی ہیں، وضاحت سے بیان کر دیتا ہے۔

۶۰ (پہلے کہا جا چکا ہے۔ ۲۴/۳۱۔ کہ عورتیں اپنی چادروں کو اپنے سینے پر ڈال لیا کریں اور اپنی زینت کی چیزوں کی نمائش نہ کیا کریں۔ لیکن) جو سن رسیدہ عورتیں، زندگی کی اس منزل میں جا پہنچی ہوں جہاں انہیں نکاح کی آرزو اور امید باقی نہ رہی ہو، تو اس میں چنداں مضائقہ نہیں کہ وہ اپنی چادروں کو اوپر نہ اوڑھا کریں بشرطیکہ ایسا کرنے کا جذبۂ محرکہ زینت کی نمائش نہ ہو (۲۴/۳۳)۔ لیکن اگر وہ اس کی بھی احتیاط رکھیں (اور چادریں اوڑھ لیا کریں) تو ان کے لئے بہتر ہے۔ یاد رکھو۔ اللہ ہر بات کا سننے والا اور ہر نیت کا جاننے والا ہے۔ (اس لئے اس سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ چادریں نہ اوڑھنے سے تمہاری نیت کیا ہے۔ نیت اظہار زینت کی ہے یا ضرورۃً ایسا کیا جا رہا ہے)۔

۶۱ (یہ جو ہم نے کہا ہے کہ دوسروں کے ہاں جانے کے لئے اہل خانہ سے اجازت لینی ضروری ہے، تو اس سے یہ خیال نہ گزرے کہ اس طرح آپس میں مغائرت پیدا ہو جائے گی اور اپنے قریبی عزیزوں کے گھر بھی غیروں کے گھر متصور ہونے لگیں گے۔ بالکل نہیں۔ پرائیویسی کا لحاظ رکھنا اور بات ہے اور عزیز داری کے تعلقات قائم رکھنا اور بات۔ عزیز داری کے تعلقات کا مظاہرہ بالعموم اس سے ہوتا ہے کہ تم ان کے ہاں کھانا کھانے سے تکلف تو نہیں برتتے)۔ اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں

فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ
يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا
اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾

کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ۔ یا (عند الضرورت) اپنے باپ (دادا) کے گھر سے۔ یا اپنی والدہ کے گھر سے۔ یا اپنے بھائی، بہن، چچا، پھوپی، ماموں یا خالہ کے ہاں سے کھالو۔ یا ان گھروں سے جن کا نظم و نسق تمہارے ہاتھ میں ہو۔ یا اپنے دوستوں کے گھر سے۔ (اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ تم معذور یا محتاج ہو۔ یہ باہمی تعلقات کا مظاہرہ ہے۔ اس باب میں) معذور ——— اندھے، لولے، لنگڑے۔ مریض یا تندرست و توانا کی کوئی تمیز نہیں۔ سب یکساں ہیں، اور عزیز داری کے تعلقات کی بنا پر ایک دوسرے کے ہاں سے کھاتے ہیں۔ خیرات کے طور پر نہیں کھاتے۔

یہ ٹھیک ہے کہ تم (تمام مومنین) ایک ہی برادری کے افراد ہو اس لئے کھانے کی عمدہ شکل یہی ہے کہ تم سب آپس میں مل (بانٹ کر کھاؤ۔ تنہا خوری اچھی چیز نہیں۔ لیکن اس میں ایسا غلو نہ برتو کہ الگ کھانے کو معیوب سمجھنے لگ جاؤ۔ حسب ضرورت ایسا کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

(جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ۲۴/۲۷۔ جب تم دوسروں کے ہاں جاؤ تو اندر جانے کی اجازت لو۔ اور پھر) اپنے ان لوگوں کے لئے سلامتی اور ایسی پاکیزہ زندگی کی آرزو کا اظہار کرو جو خدا کی طرف سے برکات کا موجب اور ہزار خوشگواریوں کا باعث ہو۔

اس طرح اللہ اپنے احکام، واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم ان کی روشنی میں عقل و فکر سے کام لے کر معاشرہ میں رہو سہو۔

(ان معاشرتی ضوابط کے بعد اپنی ہیئت اجتماعیہ کی طرف آؤ۔ اس باب میں اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ مومن بننے کے لئے صرف معاشرتی رسوم و آداب کی پابندی کافی نہیں) حقیقی مومن وہ ہیں جو ان قوانین کی صداقت پر دلی یقین رکھتے ہیں جو خدا کی طرف سے، رسالت محمدیہ کی وساطت سے انہیں ملے ہیں۔ اس کے بعد ان کی عملی زندگی کی یہ کیفیت ہے کہ وہ جب کسی اجتماعی معاملہ میں، اس نظام کے مرکز (رسول) کے ساتھ ہوتے ہیں تو اس کام کو چھوڑ کر جاتے نہیں جب تک اس (رسول) سے اجازت نہ لے لیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ فی الواقعہ خدا و رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

۶۲

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ
الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

(اے رسول!) جب یہ لوگ تجھ سے اجازت مانگیں تو (ان کی ضرورت کے پیش نظر) جسے مناسب سمجھو اجازت دیدیا کرو۔ اس طرح جانے والے اُس حفاظت سے محروم نہیں رہیں گے جو اس اجتماعی معاملہ میں شرکت کرنے والوں کو از روئے قانون حاصل ہو۔ اس لئے کہ قانون خداوندی میں اس قسم کے استثنائی حالات کے لئے حفاظت و مرحمت کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔

۶۳ یاد رکھو! جب تمہارے پاس نظامِ خداوندی (کے مرکز رسول) کی طرف سے کوئی بلاوا پہنچے تو اس بلاوے کو اس قسم کا معمولی بلاوا نہ سمجھو جیسا تمہارا ایک دوسرے کو بلانا ہوتا ہے (۲۴/۶۲) (نہ ہی یہ سمجھو کہ اگر تم چپکے سے کھسک جاؤ گے تو اس کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا)۔ اللہ ان تمام لوگوں سے باخبر ہے جو تم میں سے عدول حکمی کا پہلو لئے ہوئے چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ لوگ جو اس طرح نظامِ خداوندی کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں اس بات سے محتاط رہنا چاہیئے کہ وہ اس قسم کی روش سے کسی آفت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ آفت ایک بلائے عظیم بن کر ان کی تباہی کا موجب بن جائے۔

۶۴ یاد رکھو! کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے قانونِ مکافات کو بروئے کار لانے کے لئے سرگرمِ عمل ہے (۵۳/۳۱)۔ وہ جانتا ہے کہ تم کس روش پر چل رہے ہو۔ جب ظہورِ نتائج کا وقت آئے گا تو وہ بتا دیگا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ کسی کا کوئی عمل بھی خدا کے علم سے باہر نہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝۱ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝۲ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ
اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ

---

۱ کس قدر فراوانیاں اور خوشگواریاں عطا کرنے والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر وہ کتاب نازل کی جو مستقل اقدار کی حامل اور حق و باطل اور غلط اور صحیح میں امتیاز کر دینے والی ہے۔ یہ کتاب اس لئے بھیجی گئی ہے تاکہ اس کے ذریعے تمام اقوامِ عالم کو آگاہ کر دیا جائے کہ اُن کے سفرِ زندگی میں کون کون سے خطرناک مقام آتے ہیں اور ان سے بچ کر چلنے کا طریق کیا ہے۔

۲ یہ کتاب اُس خدا کی طرف سے آئی ہے جس کے حیطۂ اقتدار سے کائنات کی کوئی شے باہر نہیں۔ کائنات میں ہر جگہ اُسی کا قانون کارفرما ہے۔ اُسے نہ تو اپنی امداد کے لئے اولاد کی ضرورت ہے اور نہ ہی اُس کے اقتدار میں کوئی اور قوت شریک ہے۔ اس نے ہر شے کو ایک خاص ترتیب دے کر پیدا کیا اور پھر اس کے امکانات اور صلاحیتوں کے پیمانے مقرر کر دیئے۔ (انہی پیمانوں کو ان اشیاء کی تقدیر کہا جاتا ہے۔ یعنی جو کچھ کسی شے کے آخر الامر بن جانے کا امکان ہے، وہ اُس کی تقدیر ہے)۔

۳ (خدا کی تو یہ شان ہے، لیکن ان لوگوں کی جہالت دیکھو کہ یہ) ان ہستیوں کو صاحبِ اقتدار تسلیم کر لیتے ہیں —— اپنا الٰہ بنا لیتے ہیں —— جو اس پر قطعاً قادر نہیں کہ کسی شے کو پیدا کر سکیں۔

لَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝۳ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ
جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝۴ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۵ قُلْ اَنْزَلَهُ
الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۶ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ
الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝۷

وہ تو خود خدا کی پیدا کردہ ہیں۔ اِن کی بے بضاعتی کا یہ عالم ہے کہ وہ اوروں کے لئے تو ایک طرف' خود اپنی ذات کے لئے بھی (قانونِ خداوندی کے خلاف) کسی نفع یا نقصان کی قدرت نہیں رکھتے۔ نہ ہی انہیں موت اور زندگی پر کوئی کنٹرول ہے۔ اور نہ ہی مر کر جی اٹھنے پر (افراد ہوں یا اقوام' سب کی زندگی قائم بھی خدا کے قانون کے مطابق رہتی ہے' اور آگے بھی اُسی کے قانون کے مطابق بڑھتی ہے — اِس دنیا میں بھی' اور آخرت میں بھی)

۴ جو لوگ قرآن کی صداقت سے انکار کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ (وحی وغیرہ کا دعویٰ یونہی ہے) یہ رسول' اس قرآن کو اپنے جی سے گھڑ لیتا ہے اور پھر اسے خدا کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ (اور اس کام کو یہ تنہا نہیں کرتا) ایک اور پارٹی ہے جو اس معاملہ میں اس کی مدد کرتی ہے (اور یہ سب مل کر اسے وضع کرتے ہیں)۔

ذرا سوچو کہ یہ لوگ کس قدر جھوٹ اور فریب سے کام لیتے ہیں!

۵ یہ کہتے ہیں کہ (یہ قرآن اس کے سوا کیا ہے کہ) پچھلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جنہیں (لوگ آکر اس سے بیان کرتے ہیں اور یہ انہیں) لکھ لکھا لیتا ہے۔ (یہ کچھ خفیہ طور پر ہوتا ہے۔ پھر' وہی چیزیں صبح شام اس کے ہاں کاتبوں کو لکھوائی جاتی ہیں۔ (اس کا نام وحی ہے)۔

۶ ان سے کہو کہ اس قرآن کو اُس خدا نے نازل کیا ہے جو کائنات کے اسرار و خفایا (پوشیدہ رموز) سے واقف ہے۔ (اگر یہ انسانوں کا بنایا ہوا ہے تو انہیں کائنات کے ان رموز و اسرار کا علم کیسے ہو گیا؟ اُس کے اس لاانتہا علم کا نتیجہ ہے کہ اس نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ) اشیائے کائنات' تخریبی عناصر سے محفوظ بھی رہیں' اور انہیں مناسب سامانِ نشوونما بھی ملتا رہے (۲۵/۵۹)۔

۷ (قرآن کے بعد) یہ لوگ خود رسول کے خلاف اعتراض کرتے ہیں کہ) یہ کیسا رسول ہے جو (عام انسانوں کی طرح) کھاتا پیتا' اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ (رسول کو فوق البشر ہونا چاہیئے۔ پھر) اس کے ساتھ کوئی فرشتہ نازل ہونا چاہیئے تھا جو لوگوں سے کہتا کہ اگر اس کی بات

أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿٨﴾
انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿٩﴾ تَبَارَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ
خَيْرًا مِّن ذَٰلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَل لَّكَ قُصُورًا ﴿١٠﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لِمَن
كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ﴿١١﴾ إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾ وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا

نہ سانو گے تو تم تباہ اور برباد ہو جاؤ گے۔

۸ یا اس کے پاس کوئی بہت بڑا خزانہ ہوتا۔ یا کوئی (وسیع و عریض) باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا پیتا۔

یہ ظالم اسی پر اکتفا نہیں کرتے' بلکہ لوگوں کو ورغلاتے رہتے ہیں کہ تم ایسے شخص کی پیروی کیوں کرتے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے (اور اس طرح اس کا دماغ چل گیا ہے)۔

۹ اے رسول! تم سنتے جاؤ کہ یہ تمہارے متعلق کیا کچھ کہتے ہیں؟ (لیکن اس سے تمہارا کیا بگڑتا ہے) یہ خود ہی زندگی کے صحیح راستے سے بھٹک چکے ہیں اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔

۱۰ (انہیں کون بتائے کہ) خدا کی ذات ایسی فراوانیوں اور خوشگواریوں کی مالک ہے کہ (جب یہ نظامِ ربوبیت' جس کے متشکل کرنے کی تم کوشش کر رہے ہو' قوانین خداوندی کے مطابق مستحکم ہو گیا تو) وہ تجھے ان چیزوں سے' جن کا یہ مطالبہ کرتے ہیں' بدرجہا بہتر چیزیں عطا کرے گا ——— ایک باغ چھوڑ' کئی ایسے باغات جو ہمیشہ سرسبز و شاداب رہیں۔ نیز (قیصر و کسریٰ کے) محلات۔

۱۱ اور یہ لوگ اس آنے والے انقلاب کے متعلق کہتے ہیں کہ یونہی دھمکیاں ہیں۔ (انہیں معلوم نہیں کہ) جو لوگ اس انقلاب کو جھٹلاتے ہیں۔ ہم نے ان کے لئے ایسا شعلہ بار عذاب تیار کر رکھا ہے (جو ان کی متاعِ حیات کو راکھ کا ڈھیر بنا دے گا)۔

۱۲ اس آنے والے انقلاب کی ہلاکت سامانیوں کا یہ عالم ہو گا کہ وہ انہیں دور سے دیکھ کر اسقدر جوش و خروش میں آ جائے گا کہ یہ (وہیں سے) اس کے دھاڑنے اور گرجنے کی آواز سنیں گے۔ (اس سے انہیں اندازہ ہو جائے گا کہ یہ تصادم کس قدر مہیب ہے)۔

۱۳ (اور جب وہ اس جنگ میں شکست کھا جانے کے بعد' قیدیوں کی حیثیت سے) زنجیروں میں جکڑے ہوئے' تنگ کوٹھڑیوں میں بند کئے جائیں گے' تو وہ (محسوس کریں گے کہ اس ذلت کی

مُقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ
اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كَانَ
عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ
هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ
اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

زندگی سے مرجانا بہتر ہے۔ اس لئے) وہ ہلاکت کو آوازدیں گے۔

۱۴ ان سے کہا جائے گا کہ تم صرف ایک ہلاکت کو آواز نہ دو۔ بہت سی ہلاکتوں کو بلاؤ۔

۱۵ (یہ کچھ بیان کرنے کے بعد ان سے) پوچھو کہ کیا انسان کے لئے اس قسم کی تباہی اور ذلت خواری کی زندگی بہتر ہوگی یا وہ سدا بہار شادابیوں کی زندگی جس کا وعدہ ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو اس کے قوانین کی نگہداشت کرتے ہیں۔ وہ حسین و شاداب معاشرہ ان کے اپنے حسن عمل کا نتیجہ ہوگا۔ اس میں ان کی ذات کی نشوونما ہوگی اور یہی انسانی تگ و تاز کا منتہیٰ و مقصود ہے۔ (یہ اس زندگی میں بھی ہوگا اور اُخروی زندگی میں بھی)۔

۱۶ اس زندگی میں سب کچھ ان کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ (وہ' جو چاہیں گے' وہی ہوگا۔ وہ کسی انسان کے محکوم اور تابع فرمان نہیں ہوں گے)۔ یہ انسانی حسن عمل کا ایسا نتیجہ ہے جس کی خدا سے آرزو کرنی چاہئے۔ اور یہ اُس کا حتمی وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔

۱۷ جب (ظہور نتائج کے وقت) اِن لوگوں کو' جو خدا کے اقتدار میں دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں' اُن کے معبودوں کے ساتھ اکٹھا کیا جائے گا' تو ان کے معبودوں سے پوچھا جائے گا کہ میرے ان بندوں کو صحیح راستے سے تم نے بہکایا تھا' یا یہ خود ہی بہک گئے تھے۔

۱۸ وہ کہیں گے کہ تیری ذات اس سے بہت بلند ہے (کہ ہم سمجھیں کہ تجھے حقیقت حال کا علم نہیں۔ لیکن جب ہم سے پوچھا گیا ہے' اور مقصد اس سے یہ ہے کہ ان لوگوں پر اتمام حجت ہو جائے تو ہم عرض کریں گے کہ) ہمارے لئے یہ شایانِ شان ہی نہ تھا کہ (اِن کا معبود بننا تو کجا') خود اپنے لئے بھی تیرے سوا کسی اور کو کارساز اور آقا تسلیم کرتے۔ ہوا یہ کہ ان لوگوں کو' اور ان کے آباء و اجداد کو زندگی کا ساز و سامان اس قدر فراوانی سے مل گیا کہ (یہ اُس کے نشے میں بدمست ہو کر) تیرے قانون کو بھول گئے۔ اور اس طرح انہوں نے اپنی تباہی خرید لی۔

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾
وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا
بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ ۗ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿٢٠﴾

۱۹ (اس پر ہم ان کے متبعین سے کہیں گے کہ سن لیا تم نے؟)۔ تم جو کہا کرتے تھے (کہ ہمیں ان بڑے بڑے لوگوں نے گمراہ کیا جن کی ہم اطاعت کرتے تھے)' تو انہوں نے تمہارے منہ پر اس کی تردید کر دی ہے۔ (اب تمہیں اس عذاب کو بھگتنا ہوگا) تم نہ تو اس کا رخ کسی دوسری طرف پھیر سکتے ہو اور نہ ہی کوئی تمہاری مدد کو پہنچ کر تمہیں اس سے بچا سکتا ہے۔ لہذا تم میں سے جس نے بھی ہمارے قوانین سے سرکشی برتی تھی' اسے سخت عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا۔ یہ ہمارے قانونِ مکافات کا فیصلہ ہے۔

۲۰ (باقی رہا ان کا یہ اعتراض کہ تم عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے' اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہو' تو ہم نے تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے تھے' وہ سب اسی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

(لیکن یہ لوگ اس قسم کے اعتراضات' اپنے شکوک رفع کرنے کی خاطر نہیں کرتے' محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اس لئے یہ دلائل و براہین سے نہیں مانیں گے۔ یہ اپنی مخالفت کو برابر جاری رکھیں گے' تا آنکہ یہ کشمکش' تصادم کی شکل اختیار کر جائے گی اور) وہاں ایک دوسرے کی قوتوں کی آزمائش ہو جائے گی۔ سو تم نہایت استقامت سے اپنے پروگرام پر عمل پیرا رہو۔ تمہارا خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے (کہ یہ کیا کر رہے ہیں' اور تمہاری جماعت کیا کر رہی ہے)۔

(نیز اگر رسولوں کو' انسانوں سے الگ' کسی اور قسم کی مخلوق بنا دیا جاتا' تو وہ مقصد ہی فوت ہو جاتا' جس کے لئے انسانوں کو اختیار و ارادہ دیا گیا ہے۔ اس صورت میں ہر شخص' رسولوں کی عجیب الخلقت ہیئت دیکھ کر ڈر کے مارے' ایمان لے آتا۔ انسانی اختیار کے استعمال کا موقعہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ' وہ کسی قسم کے فوق الفطرت دباؤ کے بغیر' عقل و بصیرت سے' بات کو سمجھے اور اس طرح جب وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ وہ بات حق و صداقت پر مبنی ہے' تو بطیب خاطر اسے قبول کرے۔ رسولوں کے عام انسانوں جیسا ہونے سے' انسانی اختیار و ارادہ کی آزمائش ہوتی ہے)۔



وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ

اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ

لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

---

۲۱ جو لوگ دل میں خیال کئے بیٹھے ہیں کہ انہوں نے کبھی ہمارے قانونِ مکافات کا سامنا کرنا ہی نہیں (وہ دین کو سنجیدگی سے لیتے ہی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اس رسول پر فرشتے نازل ہوتے ہیں تو) ہم پر بھی فرشتے کیوں نہیں نازل کئے جاتے؟ یا خدا کو ہم اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ یہ لوگ اس قسم کی باتیں اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ اتنی شدید سرکشی اختیار کر رہے ہیں۔

۲۲ (انہیں یہ معلوم نہیں کہ) جس دن انہیں فرشتے دکھائی دینے لگے، وہ دن، ان مجرمین کیلئے کسی خوشخبری کا دن نہیں ہوگا۔ اُس دن یہ چیخ اٹھیں گے اور کہیں گے کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ہم میں اور ان فرشتوں میں کوئی روک حائل ہو جائے۔ (جس سے یہ ہم تک پہنچ نہ سکیں)۔

۲۳ (ان کی یہ چیخ و پکار ہوگی اور) ہمارے سامنے ان کے اعمال ہوں گے۔ (وہ اس قدر بے وزن اور بے حقیقت ہوں گے کہ) گرد و غبار کی طرح فضا کی پہنائیوں میں اڑا دیئے جائیں گے۔ (اُن کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوگا۔ تخریبی اعمال کا یہی انجام ہوا کرتا ہے)۔

۲۴ اِن کے برعکس، اُس دور میں، جنتی زندگی بسر کرنے والوں کی یہ کیفیت ہوگی کہ اُن کی رہائش گاہوں میں جو آسانیاں اور فراوانیاں ہوں گی وہ تو ایک طرف رہیں، جہاں انہیں

يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّأَحْسَنُ مَقِيلًا ﴿٢٤﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنزِيلًا ﴿٢٥﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ
الْحَقُّ لِلرَّحْمَٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٦﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ
مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾ لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ
الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ﴿٣٠﴾

محض استراحتاً (آرام کرنے کے لئے) ٹھہرا ہوگا' وہ مقامات بھی حسن و خوبی کے آئینہ دار ہوں گے۔

۲۵ اُس دور میں خدا کے کائناتی قوانین' زندگی بخش اسباب و وسائل کو ساتھ لئے بے نقاب سامنے آجائیں گے' اور خدا کے پروگرام کو بروئے کار لانے والی کائناتی قوتوں کا پے در پے نزول ہوگا۔

۲۶ اُس دور میں' سب اقتدار و اختیار اُس خدا کے لئے ہوگا جو کائنات کی ہر شے کو نشو و نما دیتا ہوا' تکمیل تک لئے جا رہا ہے ——— یعنی جس طرح خارجی کائنات اُس کے قوانین کے تابع چل رہی ہے' اُسی طرح انسانی دنیا میں بھی اُسی کا قانون نافذ ہوگا۔

جو لوگ خدا کے قانون سے سرکشی برت کر اپنی من مانی کر رہے ہیں' اُن کے لئے وہ دور بڑی سختی اور عسرت کا ہوگا ——— اُن کی مفاد پرستیاں اور دست درازیاں ختم ہو جائیں گی۔

۲۷ اس دن ظالم غم و غصّہ سے اپنے ہاتھ کاٹ رہا ہوگا' اور نہایت حسرت و یاس سے کہے گا کہ اے کاش! میں بھی وہی راہ اختیار کرتا جسے اس نظام کو متشکل کرنے والے رسول نے تجویز کیا تھا' اور اس طرح اس کے قافلے میں شریک ہو کر کامرانیوں کی منزل تک پہنچ جاتا۔

۲۸ اور اے کاش! میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔

۲۹ اُسی نے مجھے' صحیح راستے سے بہکا کر' دوسری راہ پر لگا دیا' حالانکہ صحیح راستہ نکھر کر میرے سامنے آگیا تھا ——— حقیقت یہ ہے کہ شیطان (یعنی اپنے مفاد کی بنا پر دوستداری کے تعلقات رکھنے والے) کا کام ہی یہ ہے کہ وہ پہلے تو غمخوار اور رفیق بن کر ساتھ چلتا ہے' لیکن' جب مصیبت آتی ہے' تو اپنے ساتھی کو یوں تنہا چھوڑ دیتا ہے جیسے کوئی بھیڑیا گلے سے الگ ہو جائے۔

۳۰ اور رسول کہے گا کہ اے میرے نشو و نما دینے والے! یہی ہے میری وہ قوم جس نے اس قرآن کو' اپنے خود ساختہ معتقدات کی رسیوں سے' اس طرح جکڑ دیا تھا کہ یہ آزادی سے دو قدم چلنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا (انہوں نے اپنے آپ کو اسکے تابع رکھنے کے بجائے' اسے اپنے مسلک و مشرب

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ
بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ
مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾

کے تابع رکھ چھوڑا تھا)۔

۳۱ (لیکن یہ سلسلہ کسی ایک نبی کے ساتھ مخصوص نہیں رہا)۔ جس نبی نے 'جہاں اور جب' خدا کا پیغام پہنچایا' انسانیت کے خلاف جرم کرنے والے گروہ نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی۔ لہٰذا (اے رسول! تمہیں اس سے کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے)۔ تیرا نشوونما دینے والا' ان سب کے خلاف' اس کے لئے کافی ہے کہ وہ تجھے زندگی کی کامرانیوں کی راہ پر چلائے' اور ہر مشکل مقام پر تیری مدد کرے۔

۳۲ اور جو لوگ اس ضابطۂ حیات سے انکار کرتے ہیں' اُن کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اس رسول پر سارے کا سارا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ نازل ہو گیا (تاکہ ہمیں معلوم ہو جاتا کہ ہم سے کیا کیا باتیں منوائی جائیں گی)۔

اے رسول! اس قرآن کو اس طرح نجماً نجماً (بتدریج) اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ اس پر ساتھ کے ساتھ عمل ہوتا جائے' اور اس طرح' اس کے خوشگوار نتائج' تمہارے لئے' تقویت اور ثباتِ قلب کا موجب بنتے جائیں۔ اس کی تمام تعلیم' باہم گرمربوط ہے اور ایک خاص نظم وضبط کے ساتھ' سلسلہ در سلسلہ' آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ایک مسلسل پروگرام کو' اسی طرح ترتیب کے ساتھ سامنے آنا چاہیئے تھا۔ (۷۳/۴)۔۔

۳۳ (تم بالکل مطمئن رہو اور ان کی باتوں سے گھبراؤ نہیں)۔ یہ جو اعتراض بھی کریں گے اس کا جواب' حق وصداقت کے ساتھ' تمہارے سامنے آجائے گا اور وہ ایسا واضح اور مدلل ہوگا کہ اس کے بعد کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں رہے گی)۔

۳۴ (لیکن اس کا فائدہ تو انہی کو ہوگا جو عقل وبصیرت سے کام لیں گے۔ جو لوگ' ضد اور تعصب کی بنا پر اسکی مخالفت کرتے رہیں گے) وہ اوندھے منہ کشاں کشاں' جہنم کی طرف دھکیلے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صحیح راستے سے بہت دور جا پڑے ہیں' اور جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے' وہ انہیں

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا
لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ
الْاَمْثَالَ ۠ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ
كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

بدترین مقام پر لے جائے گا۔

۳۵ (حق و باطل کی کشمکش کا یہ سلسلہ کچھ نیا نہیں۔ یہ شروع ہی سے چلا آرہا ہے مثلاً) ہم نے موسیٰؑ کو ایک ضابطۂ حیات دیا تھا اور (چونکہ اُس کے پیش نظر مہم بڑی سخت تھی' اس لئے) ہم نے اُس کے بھائی۔ ہارونؑ — کو بھی اُس کے ساتھ کر دیا تھا' تاکہ وہ اُس کا بوجھ بٹائے۔

۳۶ ہم نے ان دونوں بھائیوں سے کہا تھا کہ وہ اُس قوم کی طرف جائیں جو ہمارے قوانین کی (کھلے بندوں' پوری سرکشی کے ساتھ) تکذیب کرتی ہے۔ (چنانچہ وہ ان کی طرف گئے۔ سخت کشمکش ہوئی — اور آخرالامر نتیجہ یہ نکلا کہ) ہم نے ان کے مخالفین کو بھی اُسی طرح تباہ کر دیا جس طرح ہم اِس قسم کی مجرم اقوام کو تباہ کیا کرتے ہیں۔

۳۷ اور اسی طرح (اُن سے پہلے) قوم نوح کا بھی ماجرا ہے۔ اُنہوں نے بھی اُن رسولوں کی تکذیب کی جو اُن کی طرف ہمارا پیغام لے کر گئے تھے۔ چنانچہ (اسی قسم کی کشمکش کے بعد) ہم نے انہیں غرق کر دیا (اور اس طرح' اُن کے انجام کو' دوسرے لوگوں کے لئے' اپنے قانون مکافات کی) نشانی بنا دیا۔ (تاکہ اس سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ) جو لوگ دوسروں پر ظلم کرتے ہیں' آخرالامر وہ خود ہی الم انگیز عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۳۸ اور اسی طرح' قوم عاد اور ثمود اور اصحاب الرس کا انجام بھی ایسا ہی ہوا۔ اور دیگر بہت سی اقوام کا بھی' جو اُن کے درمیان ہو گزریں۔

۳۹ اِن تمام اقوام کے سامنے ہم' تاریخی شواہد پیش کر کے' بتاتے رہے (کہ قوانین خداوندی سے سرکشی برتنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنی غلط روش پر اڑے رہے۔ اور آخرالامر) ہمارے قانونِ مکافات کی رُو سے تباہ اور برباد ہو گئے۔

۴۰ (ان قوموں کی داستانیں تو خیر' پھر بھی اِن مخاطبین — عربوں — کے لئے ذرا دُور کی باتیں

وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٤١﴾ إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا
لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ
إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ۖ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ
بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾

ہیں)۔ اُس (قوم لوط کی) بستی کے کھنڈرات پر سے تو ان کا گزر اکثر ہوتا رہتا ہے جسے کوہ آتش فشاں کے پتھروں کی بارش نے تباہ کر دیا تھا۔ کیا یہ لوگ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے کہ اُس قوم کا انجام کیا ہوا تھا؟ (دیکھتے تو ہیں' لیکن چونکہ یہ لوگ) قانون مکافاتِ عمل اور تسلسل حیات پر یقین نہیں رکھتے (اس لئے یہ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان دے لیتے ہیں کہ وہ ایک اتفاقی حادثہ تھا جو ہو گیا۔ ہمارے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا)۔

۴۱ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ جب تجھے دیکھتے ہیں تو مذاق کرتے ہیں اور (ایک ایسے انداز سے جس میں استہزاء و استخفاف کے نشتر پوشیدہ ہوں) کہتے ہیں کہ "اچھا! یہ ہیں وہ جنہیں خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے!

۴۲ اگر ہم اپنے مسلک پر ثابت قدم نہ رہتے تو اس نے ہمیں' ہمارے معبودوں سے بہکا دیا تھا۔" جب ان کے سامنے عذاب آجائے گا تو اُس وقت انہیں معلوم ہو گا کہ وہ کون ہے جو صحیح راستہ چھوڑ کر غلط راہ پر چل رہا ہے۔

۴۳ (حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی خواہشات اور جذبات ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے)۔ سو جو شخص اپنی خواہشات کا غلام اور پرستار بن جائے' اسے کون راہ راست پر لا سکتا ہے؟ اے رسول! کیا تیرے لئے ممکن ہے کہ تو اس قسم کے آدمی کی اس طرح نگہبانی کر سکے کہ وہ تباہی کے جہنم میں نہ گرے؟ تو' ایسے شخص کا' کبھی ذمہ نہیں لے سکتا!

۴۴ کیا تو سمجھتا ہے کہ اس قسم کے لوگ' دلائل و براہین پر کان دھرتے' اور عقل و خرد سے کام لیتے ہیں؟ (بالکل نہیں۔ جو شخص اپنے جذبات کے پیچھے چلتا رہے' وہ عقل و خرد سے کیسے کام لے سکتا ہے؟)۔ یہ لوگ (انسانی سطح زندگی تک پہنچے ہی نہیں)' محض حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ غلط راہ پر چلتے ہیں (اس لئے کہ حیوانات کم از کم' اپنے جبلی تقاضوں کے مطابق تو چلتے ہیں' اور اُس راہ سے کبھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتے۔ ان کے برعکس' جذبات کے تابع چلنے والا

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ
اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ
الَّذِىْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِىَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ
مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِىَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

انسان لمحہ بہ لمحہ اپنی روش بدلتا رہتا ہے)۔

۴۵ (حیوانات تو ایک طرف' خارجی کائنات میں بے جان اشیا تک بھی ایک ہی روش پر چلتی رہتی ہیں)۔ کیا تو نے اس پر غور نہیں کیا کہ خدا کا قانون کائنات کس طرح (زوال آفتاب کے بعد) سائے کو لمبا کرتا رہتا ہے۔ اگر ہم چاہتے تو ایسا قانون بھی بنا سکتے تھے کہ (زمین گردش نہ کرتی اور اس طرح) سایہ ہمیشہ ایک جیسا رہتا۔ (لیکن ہم نے زمین اور سورج کی گردش کا باہمی تعلق اس قسم کا رکھا ہے کہ) ہر شے کا سایہ' سورج کی نسبت سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے' اور اس طرح سورج' اس کے گھٹنے بڑھنے کی دلیل بن جاتا ہے —— یعنی سورج کے مقام سے ہم فیصلہ کر سکتے ہیں کہ فلاں وقت پر سایہ کا انداز کیا ہوگا۔

۴۶ (یوں' زوال آفتاب کے وقت سے سائے بڑھنے شروع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ) ہم انہیں آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ (یعنی غروب آفتاب کے ساتھ یہ سائے بھی ختم ہو جاتے ہیں)۔

۴۷ (اسی طرح' رات اور دن کی گردش بھی خدا کے اسی قانون کی رو سے واقع ہوتی ہے)۔ رات کو اس نے تمہارے لئے پردہ پوش بنایا (کہ تم اس کی تاریکیوں کی چادر میں اپنے آپ کو لپیٹ لیتے ہو) اور نیند کو ایسا بنایا کہ (اس میں) تمہارا شعور وقتی طور پر معطل ہو جاتا ہے اور اس طرح تمہارے اعصاب کو (سکون مل جاتا ہے۔ اس کے بعد' دن نمودار ہو جاتا ہے جس میں تم پھر اٹھ کھڑے ہوتے ہو اور اپنے کام کاج کے لئے ادھر اُدھر پھیل جاتے ہو۔

۴۸ (خدا کے اسی قانون کے مطابق زمینی پیداوار کا سلسلہ قائم ہے)۔ وہ' بارش سے پہلے' جو ہر ذی حیات کے لئے سامان نشوونما کا ذریعہ ہوتی ہے' خوشگوار ہواؤں کو قاصد بنا کر بھیجتا ہے کہ لوگوں کو جلد بارش کی خوشخبری دیں۔ پھر وہ بادلوں سے اس قسم کا پانی برساتا ہے جو خود بھی ہر قسم کی کثافتوں سے پاک اور صاف ہوتا ہے اور اس سے ہر قسم کی کثافتیں دور کی جاتی ہیں۔

۴۹ (بارش سے یہی مقصد نہیں ہوتا کہ اس سے لوگ نہا دھو لیں) اس سے ہم مُردہ بستیوں کو

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۚ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ
نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ
هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

زندگی عطا کرتے ہیں۔ (بنجر زمینوں سے نباتات اگتی ہیں)۔ نیز یہ، ہماری بے شمار مخلوق — مویشیوں اور انسانوں — کے پینے کے کام آتا ہے۔

۵۰ (یہ ہے وہ ہمارا قانونِ کائنات جسے) ہم مختلف پیراؤں میں (بار بار) پیش کرتے ہیں، تاکہ یہ لوگ، اس حقیقت کو سمجھ سکیں (کہ جب کائنات کی ہر شے، قوانین خداوندی کا اتباع کرتی ہے اور اس سے اس قدر تعمیری نتائج مرتب ہوتے ہیں، تو اگر انسان بھی اُس کے قوانین کے مطابق چلے تو اس کی زندگی بھی خوشگواریوں کی حامل ہو جائے۔ لیکن، اس کے باوجود) اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ انہیں قوانین خداوندی سے انکار اور سرکشی کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں۔

۵۱ (اسی سے ان لوگوں کے اس اعتراض کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ ان کے ہر قبیلے کی طرف الگ الگ رسول کیوں نہیں بھیجا گیا) اگر ہم چاہتے تو اُس سلسلہ کو بدستور قائم رکھ سکتے تھے جس کی رُو سے، رسول اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ (لیکن، ہماری مشیت کے پروگرام کے مطابق، اب وہ دَور آ گیا ہے جس میں رسالت کو قومی نہیں، بلکہ عالمگیر ہونا چاہیئے، جس طرح کائنات کے قوانین بھی عالمگیر ہیں اور اس میں بکھرا ہوا سامانِ رزق بھی عالمگیر۔ اس لئے ہم نے اس قرآن کو تمام نوع انسان کے لئے ضابطۂ حیات بنایا ہے۔ ۲۵/۱)۔

۵۲ لہٰذا، اے رسول! تو ان منکرینِ صداقت کی بات پر دھیان نہ دے (کہ ہر قبیلے میں الگ الگ رسول ہونا چاہیئے تھا)۔ اور ان کی بات نہ مان، بلکہ، ان کی مخالفت کا مقابلہ کرنے کے لئے، سر توڑ کوشش کئے جا — ایسی کوشش جو آخر الامر ان پر غالب آ کر رہے۔

۵۳ (اور اس کی فکمیت کر کہ یہ سب لوگ، اس دین کو قبول کر کے، ایک ہی اُمت کیوں نہیں بن جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں دونوں قسم کے انسان ملے جلے رہتے ہیں — حق کو قبول کرنے والے بھی اور اس سے سرکشی اختیار کرنے والے بھی — جس طرح، خدا کے قانونِ کائنات کی رُو سے، بعض مقامات پر، مختلف ذائقوں کے پانی اکٹھے بہتے رہتے ہیں — یہ نہایت شیریں، وہ بیحد کھاری اور کڑوا (۳۵/۱۲)۔ لیکن اس اختلاط کے باوجود، ان کے درمیان ایک آڑ اور روک رہتی ہے، جو دونوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتی۔ (اسی طرح، یہ، ایک جگہ رہنے والے انسان،

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَاۤ
اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَسَبِّحْ

بظاہر ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں' لیکن ان کی ذہنیتوں میں بڑا فرق ہے۔ اور ان کی ایک جگہ کی بود و ماند بھی اس فرق کو مٹا نہیں سکتی)۔

۵۴ (باقی رہا رسول کے ہم قوم اور ہم قبیلہ ہونے کا سوال۔ سو یہ بھی بے معنی بات ہے)۔ خدا نے اپنے قانونِ تخلیق کے مطابق' انسان کی پیدائش' قطرۂ آب سے کی ہے۔ (لہذا' پیدائش کے اعتبار سے' ایک انسان اور دوسرے انسان میں کچھ فرق نہیں۔ اس کے بعد معاشرتی ضروریات کے ماتحت) ہر انسان کے الگ الگ رشتے قائم ہو جاتے ہیں — اِدھر ددھیال کی طرف سے۔ اُدھر ننھیال کی طرف سے۔ (ان رشتہ داریوں سے انسانی وحدت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ لہذا' قبائلی اور خاندانی امتیاز کے کیا معنی؟ (۴۹/۱۳) خدا کی عالمگیر ربوبیت) اُسی کے مقرر کردہ پیمانوں کے مطابق عام ہونی چاہیئے' (نہ کہ انسانوں کے خود ساختہ معیاروں کے مطابق)۔

۵۵ اس کے برعکس' یہ لوگ' خدا کے عالمگیر ضابطۂ ہدایت کو چھوڑ کر' اپنے اپنے قبیلے کے بتوں کی پرستش' اور اکابر کی اطاعت کرتے ہیں' جو ان کے لئے کسی نفع یا نقصان کا اقتدار نہیں رکھتے۔
(لیکن سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ لوگ' زندگی کے ہر معاملہ میں قبائلی عصبیت پر بڑا زور دیتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر ایک قبیلہ' دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے۔ لیکن) جہاں خدا کی مخالفت کا سوال آتا ہے تمام قبیلے ایک دوسرے کے مددگار بن جاتے ہیں۔

۵۶ بہرحال' یہ لوگ قبائلی عصبیت کا شکار ہیں تو ہوا کریں۔ تمہارا فریضہ یہی ہے کہ تم ان سب کو قوانین خداوندی کے مطابق چلنے کے خوشگوار نتائج کی خوشخبریاں دو' اور ان کی مخالفت کے تباہ کن عواقب سے آگاہ کرتے رہو۔

۵۷ اور ان سے کہہ دو کہ میں جو تمہیں صحیح راستے کی طرف دعوت دیتا ہوں تو اس میں میری کوئی ذاتی غرض پنہاں نہیں ہیں تم سے اس کے معاوضے میں کچھ نہیں چاہتا۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ تم میں سے جو چاہے' اپنی مرضی سے' خدا کی طرف لیجانے والا راستہ اختیار کر لے۔ بس یہی میرا اجرِ رسالت ہے۔ (۳۴/۴۷ ؛ ۴۲/۲۳)۔

۵۸ اور اس کے بعد تم اُس خدا (کے اٹل قوانین کے غیر متبدل نتائج) پر کامل بھروسہ رکھو' جو

بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ
اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا

ہمیشہ زندہ ہے۔ کبھی مرنے والا نہیں۔ (اِس یقینِ محکم کے ساتھ' اس نظام کے قیام کے لئے سرگرمِ عمل رہو تا آنکہ ہر شخص' اس کے درخشندہ نتائج دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے کہ) وہ خدا' جس کا نظام اس قسم کے نتائج پیدا کرتا ہے' فی الواقعہ' ہر قسم کی حمد و ستائش کا مستحق ہے (۱/۱)۔

اس کے بعد' تم اس کی بھی پرواہ مت کرو کہ یہ لوگ' تمہارے خلاف' کیا کیا تہمتیں تراشتے اور الزامات لگاتے ہیں۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اس کے بندوں میں سے کون کیا کرتا ہے' اور اُس کے خلاف کیا کیا تہمتیں لگتی ہیں۔ (خدا' تمہیں ان کی تہمت تراشیوں کے مُضر اثرات سے محفوظ رکھے گا۔ ۴۸/۲)۔

۵۹ وہ خدا جس نے' کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو' اور جو کچھ ان کے اندر ہے' مختلف منازل سے گزارتے ہوئے' چھ ادوار میں بنایا۔ (اس کے بعد زمین اس قابل ہوئی کہ اس پر زندگی کی نمود ہو سکے) اور پھر اس سلسلۂ کائنات کا مرکزی کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھا' تاکہ کائنات کی ہر شے کی پوری پوری نشو و نما ہوتی رہے۔

(ان حقائق کو یہ لوگ کیا جانیں؟)۔ اے مخاطب! اگر تو اس خدائے رحمٰن کے نظامِ ربوبیت کے متعلق فی الواقعہ کچھ جاننا چاہتا ہے تو کسی ایسے شخص سے پوچھ جو (وحیٔ خداوندی کی روشنی میں' عقل و بصیرت سے کام لیتے ہوئے' اسرار و رموزِ کائنات سے) باخبر رہتا ہے (۳/۱۸۸-۹۰ ؛ ۳۵/۲۸)۔

نیز' جو کچھ تجھے مانگنا ہے' اس خدائے رحمٰن سے مانگ جو جانتا ہے کہ کس شے کو اپنی نشو و نما کے لئے کس کس سامان کی ضرورت ہے (۵۵/۲۹)۔ (تمہاری ہر مانگ اس کے نظام کی طرف سے پوری ہوگی)۔

۶۰ (ان' نہ جاننے والوں' کی تو یہ حالت ہے کہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو' تو یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا؟ (ہم اسے نہیں جانتے)۔ کیا ہم' جانے بوجھے بغیر' محض تیرے کہنے سے' اُس کے سامنے جھک جائیں؟ ہم تیرا حکم کیوں مانیں؟

اس سے ان کی نفرت اور بڑھ جاتی ہے۔

۶۱ (اب انہیں کون بتائے کہ) جس خدا نے کائنات میں' طبیعی روشنی کے لئے' فضا میں اجرامِ فلکی اس طرح پھیلا دیئے ہیں کہ وہ کہیں ستاروں کی قندیلیں بن کر جگمگاتے ہیں۔ کہیں سورج کی

مُنِيرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ
الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ
سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ
مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾

شمع فروزاں کی شکل میں سامنے آتے ہیں' اور کہیں چاند کے ساغر سیمیں کی صورت میں وجہ تابانی عالم ہوتے ہیں (اس نے انسانی عقل و بصیرت کی راہ نمائی کے لئے وحی کی روشنی عطا کر دی ہے)۔

۶۲ اور جس خدا نے' خارجی کائنات میں ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ رات اور دن' ایک دوسرے کے بعد آتے جاتے رہیں' تاکہ تاریکی کے بعد روشنی کی نمود ہوتی رہے۔ (اس نے انسانی دنیا میں بھی اسکا انتظام کر دیا ہے کہ کوئی قوم ہمیشہ تاریکی میں نہ رہے۔ اس تک وحی کی روشنی پہنچ جائے۔ تاکہ' جو چاہے اس کے ذریعے' صحیح راستے کو اپنے سامنے لے آئے اور اس طرح اپنی سعی و عمل کو بھرپور نتائج کا حامل بنالے۔

۶۳ جو لوگ اس طرح خدائے رحمٰن کی محکومیت اختیار کر لیتے ہیں' ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں زمین میں تمکن حاصل ہوتا ہے تو ان کی حکومت' قہر اور استبداد کی حکومت نہیں ہوتی۔ وہ نہایت نرم روی سے چلتے ہیں۔ خود بھی اطمینان و سکون سے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی سکون و طمانیت بخشتے ہیں۔ (۳/۱۳۸ ؛ ۳۱/۱۸ — ۱۷ ؛ ۲۲/۴۱)۔ حتیٰ کہ جب انہیں ان لوگوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے جو دور جاہلیت کے خصائص —— سفاہت' عصبیت' مخاصمت' درشتی' شعلہ مزاجی وغیرہ —— کے پیکر ہوتے ہیں' تو ان سے' صحیح اسلامی صفات —— امن و سلامتی' بلند نگہی' کشادہ ظرفی' نرم خوئی وغیرہ —— کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

۶۴ یہ لوگ' دن کے ہنگاموں سے فارغ ہو کر راتوں کی تنہائیوں میں یہ سوچتے رہتے ہیں کہ ہمیں نظام خداوندی کے قیام کے سلسلہ میں' کہاں کہاں جھکنا چاہیئے' اور کہاں کہاں اٹھنا۔ (۳۲/۱۶)۔

۶۵ اس تمام تگ و تاز میں' ان کی آرزو ایک ہی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ وہ' باطل کے نظام کے اس تباہ کن عذاب سے محفوظ رہیں جو ہر غلط رو انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے۔

۶۶ اور اس میں خواہ کوئی تھوڑی دیر کے لئے ٹھیرے یا مستقل طور پر قیام کرے' وہ بہرحال نہایت بری قیامگاہ ہے۔ (تھوڑی دیر کے لئے' اس دنیا میں' اور مستقل طور پر' اخروی زندگی میں)۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ
لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ
سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾
وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾

---

۶۷ یہ لوگ اپنی ضروریات سے زائد دولت کو نوعِ انسان کی نشوونما کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔ (۲/۲۱۹)۔ لیکن اس متاع کو اس نظم وضبط کے ساتھ صرف کرتے ہیں کہ نہ کہیں ضرورت سے زیادہ خرچ ہو جائے اور نہ ہی کسی کی ضرورت رکی رہے۔ وہ افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

۶۸ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے قانون واقتدار کے ساتھ کسی اور کا قانون واقتدار تسلیم نہیں کرتے۔ کسی کی اطاعت وحکومیت اختیار نہیں کرتے۔ اور انسانی زندگی کو جسے خدا نے واجب الاحترام قرار دیا ہے کبھی تلف نہیں کرتے بجز اس کے کہ انہیں حق وانصاف کی خاطر ایسا کرنا پڑ جائے۔ نہ ہی یہ لوگ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ جو قوم عفت کی حفاظت نہیں کرتی اس کے قوائے عملیہ مضمحل ہو جاتے ہیں اور وہ زندگی کی دوڑ میں ہمیشہ پیچھے رہ جاتی ہے۔ (یہی کیفیت افراد کی ہوتی ہے)۔

۶۹ ان کی یہ حالت اس دنیا میں ہوتی ہے۔ اور اُخروی زندگی میں ان کی تباہیاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اور وہ نہایت ذلت وخواری کی زندگی بسر کرتی ہیں۔

۷۰ البتہ جو (فرد یا قوم) اس روش کو چھوڑ کر (تحفظِ عفت کی صحیح روش اختیار کرلے) اور پھر ایسے کام کرے جس سے اس کی صلاحیتوں میں نشوونما ہوتی جائے تو خدا کا قانونِ مکافات ان کی غلط روش کی پیدا کردہ ناہمواریوں کو خوشگواریوں سے بدل دیتا ہے۔ خدا کے قانون میں اس کی گنجائش ہے کہ وہ اس قسم کے لوگوں کو اُن کی غلط رَوش کے نقصان رساں نتائج سے محفوظ بھی رکھے اور ان کی نشوونما کا سامان بھی کردے۔

۷۱ لہٰذا جو شخص بھی غلط روش کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کے بعد صلاحیت بخش کام کرتا ہے اس کا ہر قدم قانونِ خداوندی کی طرف اٹھتا ہے۔ (اور قانونِ خداوندی اسے بہترین نتائج سے بہرہ ور کرتا ہے)۔

۷۲ یہ لوگ کبھی ایسی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے جن میں چالبازی اور فریبکاری کی باتیں ہوتی

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا
وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً
وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

ہوں۔ (نہ ہی کبھی فریب کارانہ شہادت دیتے ہیں)۔ اگر انہیں کبھی ایسے مقامات سے گزرنا پڑ جائے جہاں لغو باتیں ہو رہی ہوں' تو وہاں سے نہایت شریفانہ انداز سے' اپنا دامن بچاتے ہوئے' گزر جاتے ہیں۔

۷۳ یہ لوگ یونہی جذبات کی رو میں نہیں بہ جاتے بلکہ اپنا ہر قدم' پورے غور و خوض کے بعد اٹھاتے ہیں (۳۴/۴۶)۔ یہاں تک کہ جب ان کے سامنے قوانین خداوندی بھی پیش کئے جائیں' تو وہ ایسا نہیں کرتے کہ علم و بصیرت اور عقل و فکر کو بالائے طاق رکھ کر' محض جذباتی طور پر ان پر گر پڑیں۔ وہ انہیں بھی اندھے' بہرے بن کر اختیار نہیں کرتے۔ سوچ سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ (ظاہر ہے کہ یہ لوگ جب قوانین خداوندی پر بلا سوچے سمجھے عمل نہیں کرتے' تو زندگی کے دوسرے معاملات کے فیصلے بے سوچے سمجھے کیسے کریں گے؟)۔

۷۴ ان کی اپنے پروردگار سے' ہمیشہ یہ آرزو ہوتی ہے کہ ان کے گھروں کی زندگی ایسی ہو کہ ان کے بیوی بچے' اور دیگر رفقاء' اُن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ہوں۔ اور معاشرہ میں ان کی پوزیشن ایسی ہو کہ جو لوگ غلط روش زندگی کی تباہیوں سے بچنا چاہیں' ان کی امامت (لیڈرشپ) ان کے حصے میں آئے۔

۷۵ یہ لوگ' نظام خداوندی کے قیام اور استحکام کے لئے نہایت استقامت اور ثبات کے ساتھ سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ سفر حیات میں' نہایت سبک رفتاری سے' بلند منازل کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں' اور اس طرح' اُن مقامات میں پہنچ جاتے ہیں جہاں سامان زیست کی ہر طرح فراوانیاں اور روانیاں ہوتی ہیں۔ اور ان کی سرسبز و شاداب زندگی' جوئے رواں کی طرح' آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس معاشرہ میں' امن و سلامتی کی زندگی بخش صدائیں' ہر سمت سے ان کا استقبال کرتی ہیں

۷۶ یہ وہ معاشرہ ہے کہ کوئی اس میں تھوڑے وقت کے لئے قیام کرے یا مستقل طور پر ٹھہرے' اس کی خوشگواریوں سے ضرور بہرہ یاب ہوتا ہے۔ (۲۹/۵۸ ; ۳۴/۳۷ ; ۳۹/۲۱)۔
یہ ہوگی ان لوگوں کی زندگی جسے وہ اس طرح بسر کریں گے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

(اے رسول! ان مخالفین سے) کہدو کہ یہ ہے میری دعوت۔ اگر تم اس دعوت میں میرا ساتھ نہیں دیتے، تو نہ دو۔ میرا نشوونما دینے والا تمہاری ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اس کی میزان میں تمہاری مخالفت کا پرکاہ جتنا بھی وزن نہیں۔ تم اس دعوت کی تکذیب کرتے ہو، تو اس سے اُس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس سے تم خود ہی تباہ ہوگے ـــــ اور یقین رکھو کہ وہ تباہی تمہارے سامنے آکر رہے گی۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤

۱ خدائے ذی الطول[1] وسمیع وعلیم کا ارشاد ہے کہ

۲ یہ اُس ضابطہ خداوندی کے احکام ہیں جو ہر بات کو وضاحت سے بیان کرتا ہے۔

۳ (اے رسول!) یوں نظر آتا ہے کہ تو اس غم میں کہ یہ لوگ اس ضابطہ زندگی پر ایمان کیوں نہیں لاتے' اپنی جان گھلا دے گا۔

۴ (تمہارے دلِ دردمند کا تقاضا یہی ہونا چاہئے۔ لیکن ہمارے قانون مشیت کا فیصلہ یہ ہے کہ کفر وایمان کے معاملہ میں انسانوں کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ ورنہ اگر انہیں زبردستی مومن بنانا مقصود ہوتا' تو ہمارے لئے یہ کیا مشکل تھا کہ) ہم آسمان سے کوئی ایسا کھلا ہوا نشان نازل کر دیتے جس کے سامنے ان بڑے بڑے اکابرین کی گردنیں جھک جاتیں۔ (لیکن ہم کسی کو اس طرح زبردستی مومن بنانا نہیں چاہتے۔ مومن وہی ہے جو' اپنے دل ودماغ کے پورے اطمینان سے' علیٰ وجہ البصیرت' ہمارے قوانین کی صداقت کو تسلیم کرے۔ اس قسم کے نشانات سے ذہن کو مأوف کر کے' بات منوالینا' ایمان نہیں کہلا سکتا)۔

۵ (چونکہ ہم انسان کے اختیار وارادے کو سلب نہیں کرتے' اس لئے ان کی حالت یہ ہے کہ)

---

[1] بڑی قوتوں والا۔

فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝٦ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ
زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝٧ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝٨ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝٩ وَإِذْ
نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝١٠ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ۝١١

جب بھی خدائے رحمٰن کی طرف سے ان کے پاس کوئی ایسا حکم آتا ہے جو ان کے مسلک میں پہلے سے موجود نہ ہو، تو یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ (۲۱/۲)۔

۶ اسی بنا پر یہ تمہارے پیغام کی بھی تکذیب کرتے ہیں (کیونکہ یہ ان کے نزدیک بالکل نئی چیز ہے)۔ لیکن (اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں)۔ جن باتوں کی یہ لوگ ہنسی اڑاتے ہیں، وہ ان کے سامنے آکر رہیں گی۔ (اس لئے کہ ہمارے قانونِ مکافات کی رُو سے ایسا ہو نہیں سکتا کہ کسی کا کوئی عمل بلا نتیجہ رہ جائے)۔

۷ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ زمین میں (مختلف بیجوں سے) کس طرح قسم قسم کی چیزیں اُگتی ہیں۔ (اسی طرح انسان کا ہر عمل ایک تخم کی طرح ہے جس میں پھل آنا ضروری ہے — گندم سے گندم، جَو سے جَو)۔

۸ غور کرنے والوں کے لئے تو اسی ایک بات میں (ہمارے قانونِ مکافات کی نتیجہ خیزی کے اصول کو پہچاننے کی) بہت بڑی نشانی ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ (وہ غور و فکر ہی نہیں کرتے اس لئے اس کی) صداقت پر ایمان نہیں لاتے۔

۹ لیکن (ان کے ایمان نہ لانے سے اس قانون پر کیا اثر پڑتا ہے؟ وہ اپنی آن سے بے نیاز، مصروفِ عمل رہتا ہے۔ اس لئے کہ) وہ اُس خدا کا قانون ہے جو بڑی قوتوں کا مالک ہے (اس لئے مخالفین کتنے ہی صاحبِ قوت کیوں نہ ہوں، اس کے قانون کو شکست نہیں دے سکتے۔ اور اس کے ساتھ ہی) وہ ہر شے کو نشوونما دینے والا ہے (اس لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ جو لوگ نوعِ انسان کی عالمگیر نشوونما کے راستے میں روک بن کر بیٹھ جائیں، وہ وہاں سے ہٹائے نہ جائیں)۔

۱۰ (اس حقیقت کی شاہد داستانِ بنی اسرائیل ہے، جسے اس جگہ مختصراً دہرایا جاتا ہے۔ اس کی ابتدا اس مقام سے کی جاتی ہے) جب ہم نے موسیٰؑ کو آواز دی اور اس سے کہا کہ تم اس قوم (فرعون) کی طرف جاؤ جس نے بڑی سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔

۱۱ ان کی طرف جاؤ اور ان سے پوچھو کہ کیا وہ اپنی غلط روش کے تباہ کن عواقب سے بچنا چاہتے ہیں یا نہیں؟

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ﴿١٣﴾
وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ﴿١٥﴾
فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٧﴾ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ
فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾

---

۱۲ موسیٰؑ نے عرض کیا کہ اے میرے نشو ونما دینے والے! مجھے ڈر ہے کہ وہ (میری بات نہیں مانیں گے بلکہ اُلٹا) مجھے جھٹلائیں گے۔

۱۳ (ہوسکتا ہے کہ ان کی مخالفت اس قدر شدّت اختیار کر جائے کہ اس کا مقابلہ کرنا تنہا میرے بس کی بات نہ رہے) میرا دم گھٹنے لگ جائے اور میں ان سے کھل کر بات بھی نہ کر سکوں۔ اس لئے تو ایسا کر کہ ہارونؑ کی طرف بھی پیغام بھیج دے (کہ وہ میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار رہے)۔

۱۴ (دوسری بات یہ بھی ہے کہ) وہ لوگ میرے خلاف قتل کا الزام دھرتے ہیں۔ اس لئے مجھے خدشہ ہے کہ وہ مجھے گرفتار کر کے قتل نہ کر دیں۔ (۲۸/۱۵)۔

۱۵ خدا نے کہا کہ (مت ڈرو)۔ ان کی مجال نہیں کہ وہ ایسا کریں۔ (لیکن یہ ٹھیک ہے کہ ہم کی سختی کے پیشِ نظر) ہارونؑ کو بھی تمہارے ساتھ جانا چاہیئے) پھر تم دونوں، ہمارے قوانین کو لے کر اُن کی طرف جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم ایک ایک بات کو سنتے (دیکھتے) رہیں گے۔ (۲۰/۴۶)

۱۶ سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم تمہاری طرف، خدائے ربّ العالمین کا ایک پیغام لے کر آئے ہیں۔

۱۷ اور وہ پیغام یہ ہے کہ تم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو۔ (تاکہ وہ تمہارے استبداد کے شکنجے سے نکل کر، قوانین حق اوندی کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ۲۰/۴۷)۔

۱۸ (چنانچہ وہ گئے اور فرعون تک خدا کا پیغام پہنچایا، تو) فرعون نے موسیٰؑ سے کہا کہ اے موسیٰؑ! کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے بچپن سے اپنے ہاں تمہاری پرورش کی، اور تم نے اپنی عمر کا ایک حصّہ ہمارے ہاں بسر کیا۔

۱۹ لیکن تم نے ان احسانات کا بدلہ یوں دیا کہ خود ہماری ہی قوم کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا — تم کیسے ناشکر گزار آدمی ہو۔؟

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ
اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

---

۲۰ موسیٰؑ نے کہا کہ میں نے دانستہ اُسے قتل نہیں کیا تھا۔ میں نے تو اُسے محض ایک مُکّا مارا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ وہ مُکّے سے مر ہی جائے گا۔ (۲۸/۱۵)

۲۱ اُس کے بعد میں یہاں سے بھاگ اس لئے گیا تھا کہ (مقتول تمہاری قوم کا آدمی تھا اس لئے) میں ڈرتا تھا کہ (تم انصاف سے نہیں، بلکہ قومی عصبیت سے کام لوگے، اور میرے ذمے جرم قتل عائد کردوگے)۔

اس کے بعد خدا نے مجھے نبوّت سے سرفراز فرمایا۔ مجھے معاملات میں صحیح فیصلے کرنے کی صلاحیت عطا کی۔ اور اس طرح میرا شمار خدا کے رسولوں کے زمرہ میں ہوگیا۔ (اور اب میں اسی حیثیت سے تمہارے پاس آیا ہوں)۔

۲۲ (باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ تم نے بچپن میں میری پرورش کی اور محلات میں ناز و نعمت سے پالا۔ تو) تم اپنے ان احسانات کا بدلہ یہ چاہتے ہو کہ پوری کی پوری قوم بنی اسرائیل کو اپنی محکومی کے شکنجے میں جکڑے رکھو! (تم نے ایک فرد پر جو احسانات کئے ہیں، انہیں تو جتاتے ہو، لیکن اُس کی پوری قوم پر جو مظالم کر رہے ہو، ان کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟)۔

۲۳ (اس پر فرعون کھسیانا ہوگیا، اور بات کا رُخ دوسری طرف موڑنے کے لئے کہنے لگا کہ تم جو کہتے ہو کہ تم خدائے ربّ العالمین کی طرف سے میری طرف پیغام لائے ہو) تو وہ ربّ العالمین — تمام اقوام عالم کا نشو و نما دینے والا —— کون ہے؟ (۲۶/۴۹)

۲۴ موسیٰؑ نے کہا کہ خدائے ربّ العالمین وہ ہے جو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں ہر شے کی نشو و نما کرتا ہے۔ سو اگر تمہیں اس کا یقین آجائے (کہ کائنات میں ہر شے کی ربوبیّت خدا کرتا ہے، تو تم اسے بھی بآسانی سمجھ جاؤ کہ خود انسانوں کی پرورش بھی وہی کرتا ہے، اور تمہارا یہ دعوٰے کہ تم اپنی رعایا کے رب ہو، قطعاً بے بنیاد ہے۔ ۴۳/۵۱ ؛ ۷۹/۲۴)۔

۲۵ اس پر فرعون نے اپنے درباریوں (پر ایک نظر ڈالی اور ان) سے کہا کہ تم سنتے ہو کہ یہ شخص

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾
قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ
لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾

کیا کہہ رہا ہے؟ (اس کی باتیں گہری توجہ کی محتاج ہیں۔ انہیں دل کے کانوں سے سنو!)۔

۲۶ (موسیٰؑ نے فرعون کی بات کو اَن سنی کر کے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا اور) کہا کہ وہ خدا صرف خارجی کائنات ہی کا رب نہیں۔ وہ خود تمہارا بھی رب ہے۔ اور تمہارے آبا و اجداد (سابقہ فراعنۂ مصر) کا رب بھی وہی تھا۔

۲۷ فرعون نے اپنے اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا کہ لو بھئی! خدا نے تمہاری طرف اپنا رسول بھی بھیجا تو ایک پاگل بھیجا!

۲۸ (موسیٰؑ نے اس کی ہفوات پر پھر کوئی توجہ نہ دی' اور اپنے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے) کہا کہ وہ خدا' مشرق و مغرب' اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' سب کا پرورش کرنے والا ہے۔ اگر تم ذرا بھی عقل و خرد سے کام لو تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔

۲۹ (اب فرعون سے نہ رہا گیا۔ اس نے طیش میں آکر موسیٰؑ سے کہا کہ اپنی زبان بند کرو' اور کان کھول کر سن لو کہ) اگر تم نے (میری مملکت میں رہتے ہوئے) میرے سوا کسی اور کو صاحب اقتدار تسلیم کیا (خواہ وہ تمہارا خدا ہی کیوں نہ ہو) تو یہ کھلی ہوئی بغاوت ہوگی' جس کی پاداش میں تمہیں جیل خانے بھجوا دوں گا۔

۳۰ موسیٰؑ نے کہا کہ اگر میں اپنے دعوے کی تائید میں کوئی کھلی ہوئی دلیل لے آؤں (تو کیا تم پھر بھی مجھے قید کر دو گے؟ کیا تم معاملہ کو دلائل و براہین کی رُو سے طے کرنے کے بجائے' دھاندلی سے کام لینا چاہتے ہو؟ کیا تمہارے ہاں استبداد فرعونی کے علاوہ اور کوئی قانون نہیں؟)۔

۳۱ (اس جواب سے فرعون کچھ جھینپا' اور موسیٰؑ سے) کہا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو' تو لاؤ' میں بھی دیکھوں' وہ کونسی نئی بات ہے جسے تم پیش کرنا چاہتے ہو؟

۳۲ اس پر موسیٰؑ نے وہ قوانین و ضوابط پیش کئے جو اسے خدا سے ملے تھے اور جنہیں وہ نہایت مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔ یہ قوانین و ضوابط کیا تھے' گویا ایک اژدھا تھا جو باطل کے معتقدات کو

وَنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ
يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ
حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ
مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ
لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾

نگلے جا رہا تھا۔ (ان کی رو سے بتایا گیا تھا کہ اہل فرعون کی غلط روش کا نتیجہ کس قدر تباہ کن ہوگا۔
۱۰۸ — ۷ — ۱۰۷ ؛ ۲۵ — ۲۰ — ۱۷ ؛ ۳۲ — ۲۸ — ۳۱)۔

۳۳ اس کے بعد موسیٰؑ ان براہین بیّنہ کو سامنے لایا جن کی رو سے واضح کیا گیا تھا کہ قوانین الٰہیہ کی اطاعت سے اُن کا مستقبل کس قدر روشن ہو جائے گا۔ ان دلائل کی درخشندگی اور تابناکی ہر دیدۂ بینا کو صاف نظر آ رہی تھی۔

۳۴ اس پر فرعون نے اپنے اہل دربار سرداران قوم سے کہا کہ یہ شخص یقیناً ایک ماہر سحر کار ہے جو جھوٹ کو سچ بنا کر دکھاتا چلا جا رہا ہے۔

۳۵ اس کا ارادہ یہ نظر آتا ہے کہ یہ اپنی فریب کاریوں سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر یہاں اپنی حکومت قائم کر لے اور تمہیں اس ملک سے نکال باہر کرے۔ سو بتاؤ کہ تمہارا اس باب میں کیا مشورہ ہے؟ (۱۱۰ — ۷)۔

۳۶ انہوں نے کہا کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ (ہر دست موسیٰؑ اور اس کے بھائی کے معاملہ کو
۳۷ معرض التوا میں رکھو اور مملکت کے بڑے بڑے شہروں میں ہرکارے بھیج دو کہ وہ مختلف معبدوں سے ماہرین سحر کار پروہتوں کو تمہارے پاس بلا لائیں۔

۳۸ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ملک کے بڑے بڑے سحر کار پروہت تاریخ اور وقت مقررہ پر موسیٰؑ کے مقابلہ کے لئے جمع ہو گئے۔

۳۹ علاوہ ازیں عام لوگوں سے بھی کہا گیا کہ وہ بھی جمع ہو جائیں۔

۴۰ تاکہ جب یہ پروہت کامیاب ہوں تو ان کا شاندار جلوس نکالا جائے۔

۴۱ جب وہ پروہت آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم موسیٰؑ پر غالب آ گئے تو کیا ہمیں کچھ انعام بھی دیا جائے گا؟

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٤٣﴾ فَأَلْقَوْا
حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ
مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٤٨﴾
قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَأُقَطِّعَنَّ

---

۴۲ اس نے کہا کہ بیشک۔ تمہارے لئے انعام بھی ہوگا۔ اور سب سے بڑا انعام تو یہ ہوگا کہ تم ہمارے مقرب بن جاؤ گے۔ (۱۱۳/۷)۔

۴۳ (مقابلہ شروع ہوا اور) موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ لاؤ۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے' اسے پیش کرو۔

۴۴ چنانچہ انہوں نے اپنے باطل مذہب کی تائید میں نہایت رکیک اور بودی دلیلیں پیش کیں۔ اور کہا کہ فرعون کے جاہ وجلال کی قسم' ہم آج ضرور میدان مار لیں گے۔ (یعنی دلیلیں توحید کمزور تھیں لیکن چونکہ وہ فرعون کی جاہ وحشمت اور قوت وجبروت کو اپنی پشت پر سمجھتے تھے' اس لئے انہیں اپنی کامیابی کا یقین تھا)۔

۴۵ اس پر موسیٰؑ نے نظام خداوندی کی تائید میں محکم دلائل پیش کئے جو پروہتوں کی' فریب پر مبنی' دلیلوں کو ایک ایک کر کے نگل گئے۔

۴۶ وہ دلائل اس قدر واضح' بین اور محکم تھے کہ ان کی روشنی میں' پروہتوں پر موسیٰؑ کی دعوت کی صداقت بے نقاب ہوگئی اور انہوں نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

۴۷ اور اعلان کر دیا کہ ہم خدائے رب العالمین پر ایمان لاتے ہیں۔

۴۸ یعنی اس خدا پر جس کی طرف موسیٰؑ اور ہارونؑ دعوت دیتے ہیں۔

۴۹ (فرعون اپنے پروہتوں کی شکست پر پہلے ہی غصے میں بھرا بیٹھا تھا۔ اب جو اس نے دیکھا کہ وہ برملا' موسیٰؑ کے خدا پر ایمان لے آئے ہیں' تو وہ ان پر برس پڑا' اور انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں' گرج کر بولا کہ ہیں!) تم میری اجازت کے بغیر ہی موسیٰؑ کے خدا پر ایمان لے آئے ہو؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ (موسیٰؑ) تمہارا پیر و مرشد ہے جس نے تمہیں یہ وہتی کا علم سکھایا تھا۔ (تم اندر سے سب ملے ہوئے تھے تاکہ مجھے شکست دے کر اپنی حکومت قائم کر لو)۔ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ تمہاری اس حرکت کی سزا کیا ہے۔ میں ابھی تمہاری مشکیں کسواتا ہوں۔ تمہیں

أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٩﴾ قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا
مُنقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَن كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ
أَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٥٢﴾ فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿٥٤﴾
وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ﴿٥٥﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَخْرَجْنَاهُم مِّن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٧﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ

الٹی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈلواتا ہوں۔ تمہارے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں۔ تم سب کو سولی پر چڑھاتا ہوں۔

۵۰ (انہوں نے اس کڑک اور گرج کو دل کے پورے سکون کے ساتھ سنا' اور نہایت اطمینان سے) کہا کہ تم جو جی میں آئے کرو اس سے ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔ (اب ہماری نگاہوں کا زاویہ بدل چکا ہے) ہماری تمام توجہات' اپنے نشوونما دینے والے کی طرف مرکوز ہیں صحیح منزل آشکارا ہو کر ہمارے سامنے آ چکی ہے۔ اور ہمارا ہر قدم اُس کی طرف اُٹھ رہا ہے۔ (تم ہمیں بے گناہ قرار دیدو یا مجرم۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ہماری آرزو یہ ہے کہ جب ہم اپنے خدا کے حضور جائیں تو اس کے سامنے مجرم نہ قرار پائیں)۔

۵۱ چونکہ ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کی دعوت پر سب سے پہلے ایمان لائے ہیں' اس لئے ہمیں امید کامل ہے کہ ہمارے خدا کا قانونِ ربوبیت' ہماری سابقہ غلط روش کے مضر اثرات سے ہمیں محفوظ رکھے گا۔

۵۲ (اس کے بعد دیگر واقعات پیش آئے اور آخر الامر) ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں (بنی اسرائیل) کو لے کر' وہاں سے راتوں رات نکل جا۔ اور (اتنا سمجھ رکھ کہ) فرعون ضرور تمہارا تعاقب کرے گا۔

۵۳ (حضرت موسیٰؑ کی تعلیم اور بنی اسرائیل کی تنظیم کا اثر ملک میں پھیل رہا تھا۔ اس کے ازالے کے لئے) فرعون نے مختلف شہروں میں ہرکارے دوڑائے۔

۵۴ (اور لوگوں سے کہا کہ) یہاں ذلیل لوگوں (یعنی ہماری محکوم قوم' بنی اسرائیل) کی ایک حقیر سی

۵۵ جماعت ہے جو اپنی فتنہ سامانیوں اور سازشوں سے ہمارے غصے کی آگ کو بھڑکا رہی ہے۔ (لیکن تم لوگ مطمئن رہو۔ یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس لئے کہ)

۵۶ ہمارے پاس بڑے بڑے مسلح لشکر ہیں۔ (ہم انہیں کچل کر رکھ دیں گے)۔

۵۷ (ادھر فرعون کی طرف سے یہ ڈونڈی پٹ رہی تھی' اور اُدھر خدا کا قانون مکافات اعلان کر رہا تھا کہ سب سننے والے سن لیں کہ) ہم نے فرعون اور اس کے سرداران قوم کو' ان کے باغات اور چشموں سے

۵۸ اور ان کے خزانوں' اور مناصب و مدارج سے نکال باہر کیا ہے۔

كَرِيمٍ ﴿٥٨﴾ كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾ فَأَتْبَعُوهُم مُّشْرِقِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعَانِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ
إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٦٢﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ
فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ﴿٦٤﴾ وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ
أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٦٦﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾

---

۵۹ پھر سن لو کہ ایسا ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ ان سے چھن چکا ہے اور اس کے مالک بنی اسرائیل بنا دیئے گئے ہیں۔

۶۰ (بہرحال بنی اسرائیل راتوں رات مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور) پو پھٹے فرعون کا لشکر ان کے تعاقب میں چل نکلا۔

۶۱ جب فریقین نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰؑ کے ساتھیوں نے کہا کہ لو! ہم پھنس گئے۔ (سامنے پانی ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر۔ اب ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں)۔

۶۲ موسیٰؑ نے کہا کہ گھبراؤ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ جس خدا نے مجھے اس طرح مصر سے نکلنے کا حکم دیا تھا وہ اب بھی) میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھے ضرور کوئی ایسا راستہ دکھائے گا (جس سے ہم بلا خوف و خطر اپنی منزل تک جا پہنچیں)۔

۶۳ چنانچہ ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی جماعت کو لے کر (فلاں سمت سے) سمندر (یا دریا) کی طرف چلو۔ اور وہاں سے انہیں اس راستے سے پار لے جاؤ جو خشک ہو چکا ہے (۲۰/۷۷ و ۲۶/۶۳)۔

جب صبح نمودار ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ دونوں جماعتیں، عظیم تودوں کی طرح، ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑی ہیں ——— بنی اسرائیل، سمندر (یا دریا) کے اس پار۔ اور فرعون کا لشکر اس طرف۔

۶۴ قوم فرعون، بنی اسرائیل کی دیکھا دیکھی، اور آگے بڑھ گئی۔ (راستے میں پانی چڑھ آیا اور وہ سب غرق ہو گئے)۔

۶۵ یوں ہم نے موسیٰؑ اور اس کے تمام ساتھیوں کو بخیر و خوبی مصر سے نکال لیا اور

۶۶ فرعون اور اس کے ساتھی غرق ہو گئے۔

۶۷ اس واقعہ میں یقیناً (ہر صاحب بصیرت کے لئے حق و باطل کی کشمکش کے انجام کی واضح) نشانی ہے۔ لیکن، اس کے باوجود، ان لوگوں میں سے اکثر (خدا کے قانون کی صداقت پر) ایمان نہیں لاتے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾
قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾
قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾ قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ
الْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٧﴾ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَ
يَسْقِينِ ﴿٧٩﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾

(اور کہہ دیتے ہیں کہ ایسے واقعات محض اتفاقی اور ہنگامی طور پر صادر ہو جاتے ہیں)۔

۶۸ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ خدا کے اس قانونِ مکافات کی رُو سے ہوتا ہے جو اتنی قوتوں کا مالک ہے کہ مخالفین پر پورا پورا غلبہ پاکر نظامِ حق و صداقت کے حاملین کی نشوونما کا سامان کرتا جائے۔

۶۹ اسی طرح (اے رسول!) انہیں داستانِ ابراہیمؑ بھی سناؤ۔

۷۰ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کن چیزوں کی پرستش کرتے ہو؟

۷۱ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور انہی کی پرستش کرتے رہیں گے۔

۷۲ ابراھیمؑ نے کہا کہ جب تم ان بتوں کو پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں؟

۷۳ یا ان میں اس کی قوت ہے کہ تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔

۷۴ (انہوں نے کہا کہ ہمیں ان باتوں کا تو پتہ نہیں۔ نہ ہی ہم اس بحث میں پڑنا چاہتے ہیں) ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ان کی پرستش کرتے دیکھا تھا اس لئے ہم بھی ویسا ہی کر رہے ہیں)۔

۷۵ ابراہیمؑ نے کہا کہ کیا تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ تم' اور تمہارے اسلاف' جن بتوں کی پرستش

۷۶ کرتے ہیں' ان کی حقیقت کیا ہے؟

۷۷ (بہرحال' تم انہیں جو کچھ سمجھتے ہو' سمجھتے رہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے) میں انہیں اپنا بدترین دشمن سمجھتا ہوں۔ میں دوست رکھتا ہوں اس خدائے رب العالمین کو

۷۸ جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اور جو زندگی کے صحیح راستے کی طرف میری راہ نمائی کرتا ہے۔

۷۹ وہ خدا' جو مجھے' اپنے قانونِ ربوبیت کے مطابق' کھانے پینے کو دیتا ہے۔ (مجھے ہی نہیں' بلکہ ساری مخلوق کو)

۸۰ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں' تو اُس کے قانونِ طبیعی کے مطابق مجھے شفا ملتی ہے (لہٰذا' تم جو سمجھتے ہو کہ ان بتوں میں سے کوئی رزق عطا کرنے والا ہے' اور کوئی شفا دینے والا۔ یہ سب تمہاری توہم پرستیاں

وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ
اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾
وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾
اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۹۰﴾

ہیں۔ کائنات میں سب کچھ خدا کے قوانین کے مطابق ہوتا ہے)۔

۸۱ پھر اسی کے قانون کے مطابق مجھے ایک دن موت آئے گی۔ اور وہی مجھے مرنے کے بعد زندگی عطا کرے گا۔

۸۲ اسی خدا سے میں اس کی امید رکھتا ہوں کہ مجھ سے کبھی کوئی بھول چوک ہو جائے تو وہ اعمال کے ظہور نتائج کے وقت اُس کے مضر اثرات سے میری حفاظت کرے گا۔

۸۳ خدا سے میری التجا ہے کہ وہ مجھے لوگوں کے متنازعہ فیہ معاملات میں (حق کے ساتھ) فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرمائے اور اُن لوگوں کے زمرے میں شامل کرے جن کی صلاحیتوں کی نشوونما ہو چکی ہو۔

۸۴ اور مجھ سے نوع انسان کی فلاح و بہبود کے ایسے اعلیٰ کام سرزد ہوں کہ آنے والی نسلیں میرا ذکر ایک سچے غمخوار کی حیثیت سے کریں۔ (اور اس طرح شرفِ انسانیت کی بنا پر میرا نام زندہ رہے)۔

۸۵ اور میں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں جنہیں زندگی کی آسائشیں اور مرفہ الحالیاں نصیب ہو جاتی ہیں (اس دنیا میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی)۔

۸۶ (اور اپنے خدا سے میری دعا یہ بھی ہے کہ) وہ ایسا کرے کہ میرا باپ جو اس وقت غلط راستے پر چل رہا ہے صحیح راستہ اختیار کر لے اور اس طرح وہ ان تباہیوں سے بچ جائے جو اس کی موجودہ روش کا لازمی نتیجہ ہے (۹/۱۱۴ ؛ ۱۴/۴۱ ؛ ۱۹/۴۷ ؛ ۶۰/۴)۔

۸۷ اور جب لوگ ظہور نتائج کے وقت اٹھائے جائیں تو اُس وقت میری رسوائی نہ ہو۔

۸۸ کیونکہ اُس وقت نہ تو کسی کا مال اُسے کچھ فائدہ پہنچا سکے گا اور نہ ہی اولاد۔

۸۹ اُس وقت فلاح و بہبود اسی کے حصے میں آئے گی جو "قلب سلیم" لے کر خدا کے سامنے جائیگا۔ (جو اپنے اختیار و ارادہ۔ خواہشات اور آرزوؤں کو قوانین خداوندی کے سامنے جھکا ہوا رکھے گا۔ جو ان قوانین سے کبھی سرکشی اختیار نہیں کرے گا)۔ (۳۷/۸۵)

۹۰ اور اُس وقت جنت کو اُن لوگوں کے قریب کر دیا جائے گا جو قوانین خداوندی کی پوری پوری

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ
يَنْتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾
تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا
مِنْ شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾

نگہداشت کرتے تھے۔

۹۱ اور جہنم کو ان لوگوں کے سامنے نمودار کر دیا جائے گا جو توانین خداوندی سے سرکشی برت کر غلط راستے اختیار کر لیتے تھے۔ (جہنم تو اب بھی کہیں دور نہیں۔ وہ ان سب کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ اُس وقت یہ اُسے اپنے سامنے ابھرا ہوا دیکھ لیں گے ۲۹/۵۴ ؛ ۷۹/۳۶ ؛ ۸۲/۱۶)۔

۹۲ اُس وقت اِن سے پوچھا جائے گا کہ بتاؤ! وہ تمہارے معبود کہاں ہیں جن کی تم 'خدا کو چھوڑ کر' پرستش کیا کرتے تھے۔

۹۳ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟ تمہاری مدد کرنا تو ایک طرف' کیا وہ خود اپنی مدد کے لئے بھی کسی کو بلا سکتے ہیں؟

۹۴ سو اُس دن 'عوام' اور ان کے گمراہ کرنے والے مذہبی پیشواؤں اور لیڈروں کو' اوندھے مُنہ' جہنم رسید کر دیا جائے گا۔

۹۵ یعنی ابلیس کے سارے لاؤ لشکر کو۔

۹۶ وہاں وہ (لیڈر اور ان کے متبعین) ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔

۹۷ وہ (متبعین' اپنے لیڈروں سے) کہیں گے کہ خدا کی قسم' ہم جو تمہارے پیچھے لگ گئے تو ہم نے بڑا ہی غلط راستہ اختیار کیا۔

۹۸ (ہماری' اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہو گی کہ) ہم تمہیں (اپنا اَن داتا — رازق — سمجھتے تھے اور اس طرح تمہیں) خدائے رب العالمین کا درجہ دیتے تھے۔

۹۹ (تم 'رزق کے سرچشموں کو اپنے ہاتھ میں لے کر' اور لوگوں کی عقل و فکر کو ماؤف کر کے انہیں مجبور کر دیتے تھے کہ وہ تمہارے پیچھے چلیں) تم سخت مجرم تھے جنہوں نے ہمیں اس طرح غلط راستوں پر ڈال دیا۔

۱۰۰ (آج پتہ چلا کہ تم جو کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے سچے غمخوار دوست ہیں' اور ہر مصیبت میں تمہارا ساتھ دیں گے' وہ کس قدر غلط تھا)۔ اب کوئی ایسا نہیں جو اس مصیبت میں ہمارے ساتھ کھڑا ہو۔

وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ
أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾
إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا
أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾

۱۰۱ اور نہ ہی کوئی غمخوار دوست ہے۔

۱۰۲ اے کاش! ہم ایک بار کہیں پھر اسی زندگی کی طرف لوٹ جائیں، تو سچے مومن بن کر دکھائیں ۔۔۔ (۲۳/۱۰۰ ۔۔۔ ۹۹ ؛ ۳۹/۵۸)۔

۱۰۳ (ابراہیمؑ کے اس واقعہ اور ان حقائق میں جو قانون مکافات پر مبنی ہیں، غور کرنے والوں کے لئے حقیقت تک پہنچنے کی) بڑی نشانی ہے لیکن، اس کے باوجود، ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے (اس لئے کہ وہ ان حقائق پر غور نہیں کرتے، اور قوم ابراہیمؑ کی طرح کہہ دیتے ہیں کہ ہم اپنے آباء و اجداد کے طریق کو نہیں چھوڑ سکتے)۔

۱۰۴ (لیکن یہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ خدا کا قانون اپنا کام کئے جا رہا ہے) وہ بڑی قوتوں کا مالک ہے، اس لئے وہ ان تمام مخالفتوں پر غالب آکر، خدا کے عطا کردہ سامانِ زیست کو نوعِ انسان کے لئے عام کرتا جائے گا۔

۱۰۵ (اسی طرح، نوحؑ کی بھی سرگزشت ہے)۔ اس کی قوم نے بھی خدا کی تکذیب کی۔

۱۰۶ تا آنکہ ان میں، خود ان کے بھائی بندوں میں سے، ایک رسول ۔۔۔ نوحؑ ۔۔۔ آیا۔ اس نے ان سے کہا کہ یہ بتاؤ کہ تم اپنی غلط روش کی تباہ کاریوں سے بچنا چاہتے ہو، یا نہیں؟

۱۰۷ (اگر بچنا چاہتے ہو، تو میری بات غور سے سنو)۔ مجھے خدا نے تمہاری طرف، امن و سلامتی کا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے۔

۱۰۸ اگر تم، ان تباہیوں سے امن میں رہنا چاہتے ہو، تو تم، قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اور اس کا عملی طریق یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔ (اس لئے کہ ان قوانین کی نگہداشت، اجتماعی طریق سے ہو سکتی ہے)۔

۱۰۹ (یہ نہ سمجھو کہ اس میں میرا کوئی اپنا مفاد مضمر ہے۔ بالکل نہیں۔ میں یہ تمہارے ہی بھلے کیلئے کہہ رہا ہوں)۔ میں تم سے اس کے لئے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا معاوضہ، اس خدا کے ذمے ہے جو تمام

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا
لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّ

اقوام عالم کا پرورش کرنے والا ہے۔

۱۱۰ تم صرف قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے میری اطاعت کرو۔

۱۱۱ انہوں نے کہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا ہم تمہیں اپنا لیڈر تسلیم کرلیں اور اس طرح تمہاری اس جماعت میں شامل ہو جائیں جس میں سوسائٹی کے وہ لوگ شامل ہیں جو نہایت پست ذلیل اور کمینے ہیں اور ادنیٰ درجے کے کام کاج کرتے ہیں (کیا ہم اس پارٹی میں شامل ہو کر ان رذیل لوگوں کو اپنا ہمسر بنالیں؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟)۔

۱۱۲ نوحؑ نے کہا کہ مجھے اس سے غرض نہیں کہ ان لوگوں کے پیشے کیا ہیں۔ نہ ہی مجھے اس کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ کیا کام کرتے ہیں۔

۱۱۳ (ہمارے ہاں تو صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کے دل کس قسم کے ہیں اور یہ نظام خداوندی کے لئے کیا کرتے ہیں۔ اسی کے مطابق ان کی قدر و قیمت کے پیمانے مقرر ہیں)۔ میرا خدا اس کا حساب رکھتا ہے۔
اے کاش! تم اس حقیقت کو سمجھ سکتے (کہ انسان کی عزت و تکریم اس سے ہے کہ وہ قوانین خداوندی کی کس قدر نگہداشت کرتا ہے $\frac{۴۹}{۱۳}$ - نہ اس سے کہ اس کا پیشہ کیا ہے)؟

۱۱۴ میں تمہاری خاطر ان لوگوں کو اپنے سے الگ نہیں کرسکتا جو قوانین خداوندی کی صداقت پر ایمان لاکر میرے رفیق کار بنے ہیں (میرے نزدیک یہ غریب اور ادنیٰ پیشوں کے حامل ان سرداران قوم سے کہیں زیادہ واجب الاحترام ہیں جو قوانین خداوندی کی مخالفت کرتے ہیں)۔

۱۱۵ بہرحال میرا فریضہ یہ تھا کہ میں تمہیں تمہاری غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کردوں۔ سو وہ میں نے کردیا۔ اور نہایت واضح انداز سے کردیا۔ (اب ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے)۔

۱۱۶ انہوں نے کہا کہ تم ان ادنیٰ درجے کے لوگوں کو مساوات کی تعلیم دے کر معاشرہ میں فساد برپا کر رہے ہو) اگر تم اس روش سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کردیں گے۔

۱۱۷ نوحؑ نے اپنے رب سے فریاد کی کہ اے میرے نشوونما دینے والے! یہ میری ہر بات کی تکذیب کئے جا رہے ہیں۔

۱۱۸ تو ان میں اور مجھ میں قطعی فیصلہ کردے اور مجھے اور میری جماعت کے لوگوں کو جو تیرے

نَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ
الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾
كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ
رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ع ۶ ۱۸ ۱۰

قوانین کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں' ان کی دست درازیوں سے محفوظ رکھ۔

۱۱۹ چنانچہ ہم نے نوحؑ کو' اور اس کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں سوار کیا' اور انہیں بخیر و خوبی نکال کر لے گئے۔

۱۲۰ اور اس کے بعد باقیماندہ لوگ (اپنی ضد' تکبر' نخوت اور حماقت کے ہاتھوں) غرق ہو گئے۔

۱۲۱ قوم نوحؑ کے اس واقعہ میں بھی' ارباب بصیرت کے لئے' (ہمارے قانون مکافات کی صداقت کی) بڑی نشانی ہے۔ لیکن اس کے باوجود' اکثر لوگ اس قانون پر ایمان نہیں لاتے۔

۱۲۲ (لیکن اس سے کبیدہ خاطر ہونے کی کوئی بات نہیں) خدا کا قانون بڑی قوتوں کا مالک ہے۔ وہ آخر الامر غالب آئے گا' اور خدا کی عالمگیر ربوبیت کو پھیلاتا چلا جائے گا۔

۱۲۳ اسی طرح قوم عاد نے بھی ہمارے پیغامبروں کی تکذیب کی۔

۱۲۴ جب (آخر میں) ہودؑ نے' جو ان کے بھائی بندوں میں سے تھا' ان سے کہا کہ کیا تم اپنی غلط روش کی تباہ کاریوں سے بچنا چاہتے ہو یا نہیں؟

۱۲۵ اگر بچنا چاہتے ہو تو سن لو کہ میں تمہاری طرف' خدا کے ہاں سے' امن و سلامتی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔

۱۲۶ لہذا' تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنے کے لئے' میری اطاعت کرو۔

۱۲۷ یہ بھی سن لو کہ میں' اس کے بدلے میں' تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا معاوضہ مجھے خدا کی ربوبیت عالمین کی طرف سے مل جائے گا۔

۱۲۸ تم اونچی اونچی پہاڑیوں پر اس قسم کے بڑے بڑے میموریل (یادگاریں) بناتے رہتے ہو جن کا کوئی مصرف نہیں۔ (ان سے بھلا نوع انسانی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ اگر کوئی عمارت بنانی ہے تو ایسی بناؤ جو کسی کے کام آسکے!)۔

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾
اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

---

۱۲۹ اور تم طرح طرح کے ساز و سامان (اور اسلحہ وغیرہ) بناتے رہتے ہو (اس لئے نہیں کہ اس سے ظلم کی روک تھام کرو بلکہ) اس لئے کہ کمزوروں پر تمہارے آہنی پنجے کی گرفت ڈھیلی نہ ہونے پائے اور
۱۳۰ تمہارا غلبہ و اقتدار اور جور و استبداد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم رہے۔

۱۳۱ (یہ روش بڑی غلط ہے' اسے چھوڑو اور) قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنے کے لئے اس نظام کی اطاعت کرو جو میں قائم کرنا چاہتا ہوں۔

۱۳۲ تم اُس خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو جس نے' جیسا کہ تم خود جانتے ہو' تمہیں سامانِ زیست کی اس قدر فراوانیاں عطا کر رکھی ہیں۔

۱۳۳ مال مویشی کی کثرت۔ قبیلے کے افراد کی بہتات۔ لہلہاتے باغات۔ اِن کی سیرابی کے لئے آبِ
۱۳۴ رواں کے چشمے۔ (یہ سب خدا نے دے رکھے ہیں۔ ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو بنیادی طور پر تمہاری پیدا کردہ ہو۔ لیکن تم اس سامان زیست سے حاصل کردہ قوت کو دوسروں پر ظلم و استبداد کے لئے استعمال کرتے ہو۔ $\frac{۲۶}{۱۳۰}$)۔

۱۳۵ مجھے ڈر ہے کہ تمہاری اس روش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم پر سخت تباہی آجائے گی۔

۱۳۶ (انہوں نے یہ سب کچھ سنا اور نہایت طنز و حقارت سے کہا کہ آپ کے اس وعظ کا شکریہ! لیکن ہمیں اس کی ضرورت نہیں) ہمارے لئے' تمہارا وعظ و نصیحت کرنا یا نہ کرنا' برابر ہے۔

۱۳۷ (خدا۔ اُس کا قانونِ مکافات۔ تباہیوں اور بربادیوں کا عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے دھمکاتے ہو۔ یہ سب) پرانے زمانے کے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں۔ (۳۶)۔

۱۳۸ (آپ ہمارے غم میں یونہی بیکار نہ گھلے جائیے)۔ ہم پر کوئی تباہی نہیں آئے گی۔

۱۳۹ چنانچہ اس طرح انہوں نے' ہودؑ کی ایک ایک بات کو غلط بتایا اور جھوٹ ٹھیرایا۔ نتیجہ اسکا یہ کہ ہمارے قانون مکافات نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾
اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ
مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

قوم عاد کی اس سرگزشت میں بھی سمجھنے والوں کے لئے (ہمارے قانون مکافات کی) بڑی نشانیاں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان لوگوں میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے۔

۱۴۰ (لیکن یہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ خدا کا قانون اپنا کام کئے جائے گا) وہ بڑی قوتوں کا مالک ہے۔ وہ ان تمام رکاوٹوں کو دور کر دے گا جو نوع انسانی کی نشوونما کے راستے میں حائل کی جاتی ہیں۔

۱۴۱ اسی طرح قوم ثمود نے بھی اپنے پیغامبروں کی تکذیب کی۔

۱۴۲ (آخر الامر) اُن کے بھائی بندوں میں سے صالحؑ ان کی طرف آیا اور ان سے کہا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنی غلط روش کی تباہیوں سے بچنا چاہتے ہو یا نہیں؟

۱۴۳ اگر بچنا چاہتے ہو تو سن لو کہ میں تمہاری طرف خدا کے ہاں سے امن وسلامتی کا پیغام لیکر آیا ہوں۔

۱۴۴ اس لئے تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اور اس کا عملی طریق یہ ہے کہ جو نظام میں متشکل کرتا ہوں اس کی اطاعت کرو۔

۱۴۵ اور دیکھو! میں اس بات کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا معاوضہ خدا کی ربوبیت عالمینی کے ذمے ہے۔

۱۴۶ (تم سوچو کہ اگر تم نے یہی روش جاری رکھی جس پر تم اسوقت چلے جا رہے ہو تو) کیا تم زندگی کی ان آسائشوں اور فراوانیوں میں جو تمہیں اس وقت میسر ہیں امن وچین سے علی حالہٖ رہنے دیئے جاؤ گے؟

۱۴۷ یعنی ان لہلہاتے باغات اور چشموں میں۔

۱۴۸ ان زرخیز زمینوں میں۔ اور ان نخلستانوں میں جہاں درختوں پر پھلوں کے نرم اور خوشگوار تہ بہ تہ خوشے لٹک رہے ہیں۔

۱۴۹ اور ان قلعہ نما محلوں میں جنہیں تم (مضبوطی اور حفاظت کی غرض سے) پہاڑوں کو تراش تراش کر

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾
قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ
هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾

بڑی صنعت کاری سے بناتے ہو' اور پھر اتراتے پھرتے ہو کہ یہاں تمہارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

۱۵۰ (یہ سب چیزیں اپنی اپنی جگہ مفید اور ضروری ہیں۔ لیکن چونکہ تم انہیں استعمال کرتے ہو نوع انسان کی سلب و نہب کے لئے' اس لئے اس روش کا نتیجہ تباہیوں اور بربادیوں کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اگر تم ان تباہیوں سے بچنا چاہتے ہو تو اسکا ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ تم) تو اتقین خداوندی کی نگہداشت کے لئے میری اطاعت کرو۔

۱۵۱ اور اپنے ان لیڈروں کا کہا مت مانو جو عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز کر کے' ملک میں

۱۵۲ ناہمواریاں پھیلاتے ہیں اور کبھی اس کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے۔

۱۵۳ (انہوں نے یہ سب کچھ سنا اور اس کے بعد نہایت حقارت سے کہا کہ ہمیں اس کا اندازہ ہو گیا ہے کہ) تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو اس فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں (کہ خدا ہم سے ہمکلام ہوتا ہے اور ہمیں دنیا کی اصلاح کے لئے مامور کرتا ہے!)۔

۱۵۴ تم تو ہمارے ہی جیسے ایک انسان ہو (اس لئے تم خدا کے رسول کس طرح ہو سکتے ہو؟) بہرحال' اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ہم پر تباہی آنے والی ہے' تو اس کے لئے کوئی نشانی پیش کرو۔

۱۵۵ (اس پر صالحؑ نے کہا کہ اس وقت تمہاری حالت یہ ہے کہ تم نے سامان زیست کے سرچشموں کو بڑے بڑے لوگوں کی ملکیت قرار دے رکھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ غریب آدمی اور ان کے مال مویشی سب' تمہارے رحم و کرم پر جیتے ہیں۔ تمہارا جی چاہا تو بھیک کے ٹکڑے کی طرح' کچھ ان کی جھولی میں ڈال دیا۔ نہ جی چاہا تو نہ دیا۔ وہ بچارے بطور حق کوئی چیز نہیں لے سکتے۔ یہ نظام وہ ہے جسے میں نے فساد' یا ناہمواریوں سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے برعکس' اصلاح اور ہمواریوں کا نظام یہ ہے کہ خدا کے دیئے ہوئے سامان رزق کو سب کے لئے اس طرح کھلا رکھا جائے کہ ہر شخص اپنی اپنی ضرورت کے مطابق لے لے۔ اب یہ دیکھنے کے لئے کہ تم اس روش پر چلنا چاہتے ہو یا نہیں' آسان سی ترکیب ہے)۔ یہ ایک اونٹنی ہے۔ (تمہیں اس سے سروکار نہیں کہ یہ کس کی اونٹنی ہے — کسی غریب آدمی کی ہے یا بڑے لوگوں میں سے کسی کی۔ بس یہ ایک جانور ہے جسے اور جانوروں کی طرح بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی۔ اس لئے

وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿١٥٧﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۗ إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ
الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾

اسے پانی بھی چاہیئے اور چارہ بھی)۔ ہم باریاں مقرر کر لیتے ہیں اور اس کا اعلان کر دیتے ہیں۔ یہ اونٹنی اپنی باری پر پانی پیا کرے گی اور تمہاری اونٹنیاں اپنی باری پر' اگر تم نے اس کی باری کے دن' اسے پانی پینے سے روکا اور کوئی اذیت پہنچائی تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ تم اپنی موجودہ روش سے باز نہیں آنا چاہتے۔ اور تمہاری یہ روش ایسی ہے جس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

۱۵۷ (چنانچہ انہوں نے اس وقت تو بات مان لی' لیکن اپنے عہد پر قائم نہ رہے)۔ اور اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ مارنے کو تو اسے مار دیا لیکن بعد میں سخت پشیمان ہوئے کہ اگر صالحؑ کی بات سچی نکلی تو پھر کیا ہوگا؟

۱۵۸ اور صالحؑ کی بات سچی نکلی ——— اسے سچا نکلنا ہی تھا ——— چنانچہ ان پر تباہی آ گئی۔ (جو قوم بھی کسی کو خدا کے دیئے ہوئے سامانِ زیست سے محروم رکھے گی اس پر تباہی آ جائے گی) اس واقعہ میں بھی غور و فکر کرنے والوں کے لئے ہزار سامانِ عبرت و موعظت ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان میں سے اکثر خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان نہیں لائیں گے۔

۱۵۹ (لیکن اس سے خدا کا کیا بگڑے گا؟) اس کا قانون بڑی قوتوں کا مالک ہے۔ وہ ان پر غالب آ کر رہے گا۔ اور ایسا نظام قائم ہوگا جس میں خدا کا عطا کردہ سامانِ رزق تمام مخلوق کی نشوونما کے لئے عام ہو۔

۱۶۰ اسی طرح قومِ لوط نے بھی پیغامبرانِ خداوندی کی تکذیب کی۔

۱۶۱ آخر الامر ان کی طرف' ان کے بھائی بندوں میں سے لوطؑ آیا۔ اور اس نے کہا کہ مجھے بتاؤ کہ تم اپنی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے بچنا چاہتے ہو یا نہیں؟

۱۶۲ میں تمہاری طرف خدا کے وہ قوانین لایا ہوں جو تمہارے امن و سلامتی کے ضامن ہیں۔

۱۶۳ لہٰذا' ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرو۔ اور اس کا عملی طریق یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔

۱۶۴ میں اس کے لئے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ خدا کے عالمگیر نظامِ ربوبیت

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾
قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي
مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَأَمْطَرْنَا
عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٣﴾

کے ذمّے ہے۔

۱۶۵ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم نے جنسی تسکین کے لئے' دنیا جہان سے الگ روش اختیار کر رکھی ہے۔

۱۶۶ تم عورتوں کو چھوڑ کر' جنہیں تمہارے نشوونما دینے والے نے اس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ (کہ ان سے افزائش نسل ہو) مردوں کے پاس جاتے ہو۔ تم تو بالکل حد سے گزر گئے!

۱۶۷ (انہوں نے لوطؑ کی اس بات کا تو کوئی جواب نہ دیا ـــــ وہ جواب دے ہی کیا سکتے تھے؟ ـــــ اور کہا کہ' ہم تمہاری باتیں سنتے سنتے تنگ آ گئے ہیں)۔ اگر تم اس سے باز نہ آئے' اور ہم سے یہی کچھ کہتے رہے' تو تمہیں بستی سے باہر نکال دیا جائے گا۔

۱۶۸ لوطؑ نے کہا کہ (تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو' میرے خلاف کر لو' لیکن میں تمہاری ان حرکات کے خلاف لب کشائی سے باز نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ) یہ ایسا مذموم فعل ہے جسے دیکھ کر میرا دل جل جاتا ہے۔ (میرے سینے میں' جذبات نفرت کا سیلاب امنڈ آتا ہے۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ جس فعل کو میں اس قدر شنیع سمجھوں' اس کے خلاف کچھ نہ کہوں۔ لہٰذا میں جو کچھ تم سے کہتا ہوں' اس سے باز نہیں آ سکتا)۔

۱۶۹ اس نے ان لوگوں سے یہ کہا' اور پھر اپنے نشوونما دینے والے سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھے' اور میرے رفقاء کو' اس تباہی سے بچا لے جو ان لوگوں پر' ان کے اعمال کے نتیجے میں آنے والی ہے۔

۱۷۰ چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو وہاں سے بحفاظت نکال لیا' بجز لوطؑ کی بڑھیا بیوی کے (۳۷/۱۳۴)۔

۱۷۱ جو اس جماعت کے ساتھ تھی' جو پیچھے رہ کر تباہ ہونے والی تھی۔

۱۷۲ چنانچہ ہم نے ان سب کو جو اس طرح پیچھے رہ گئے تھے' تباہ کر دیا۔

۱۷۳ اور یہ تباہی ان پتھروں سے ہوئی جو کوہ آتش فشاں نے ان پر برسائے تھے۔ کیسی

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾ كَذَّبَ أَصْحَابُ لْئَيْكَةِ
الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٧٩﴾
وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٨٠﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾
وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾

سیاہ کن تھی یہ بارش جو ان لوگوں پر ہوئی جنہیں پہلے متنبہ کر دیا گیا تھا کہ اگر تم نے لوطؑ کی بات نہ مانی تو ہلاک ہو جاؤ گے۔

۱۷۴ اس واقعہ میں بھی ارباب بصیرت کے لئے سامان صد موعظت ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان لوگوں میں سے اکثر خدا کے قانون مکافات پر ایمان نہیں لائیں گے۔

۱۷۵ لیکن اگر یہ ایمان نہیں لائیں گے تو نہ لائیں۔ اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس کا قانون مکافات بڑی قوتوں کا مالک ہے۔ وہ آخر الامر غالب آئے گا اور یہ لوگ نوع انسان کی نشوونما کے راستے میں جو روڑے اٹکا رہے ہیں وہ انہیں دور کر دے گا۔

۱۷۶ اسی طرح اہل مدین نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی۔

۱۷۷ آخر الامر ان کی طرف شعیبؑ آیا اور ان سے کہا کہ کیا تم اپنی روش کے تباہ کن نتائج سے بچنا نہیں چاہتے؟

۱۷۸ میں تمہاری طرف خدا کے ہاں سے ایسا ضابطہ قوانین لے کر آیا ہوں جو امن و سلامتی کا ضامن ہے۔

۱۷۹ تم ان قوانین کی نگہداشت کرو۔ اور اسکا عملی طریقہ یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔

۱۸۰ میں تم سے اس کے بدلے میں کچھ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ مجھے خدائے رب العالمین کے ہاں سے ملے گا۔

۱۸۱ تم اپنی غلط روش کو چھوڑ دو۔ ماپ تول کے پیمانے صحیح رکھو۔ کسی کو کم نہ دو۔

۱۸۲ ٹھیک ترازو سے تولو۔

۱۸۳ اور لوگوں کو ان کی چیزیں پوری پوری دو۔ مختصراً تم اپنے معاشی نظام کو عدل کے خطوط پر متشکل کرو۔ اور اس طرح ان ناہمواریوں کو دور کرو جو تم نے اس وقت اپنے غلط نظام کی رو سے پیدا کر رکھی ہیں۔ (انسانی معاشرہ میں معاشی ناہمواریاں پیدا کرنے کا نتیجہ بڑا تباہ کن ہوتا ہے)۔

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا
وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿١٨٦﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّي
أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾ وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾

۱۸۴ اس تباہی سے بچنے کا طریق یہ ہے کہ تم اس خدا کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے' اور تم سے پہلی قوموں کو بھی۔ (جس خدا نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے' اس نے ان کی پرورش کے لئے سامانِ زیست بھی عطا کر دیا ہے۔ اس سامان کی تقسیم اس طریق سے کرو کہ کوئی فرد' اپنی ضروریات سے محروم نہ رہنے پائے)۔

۱۸۵ انہوں نے کہا کہ ہمیں ایسا نظر آتا ہے کہ تو بھی انہی میں سے ہے جو اس فریب میں مبتلا ہو کر کہ خدا ان سے باتیں کرتا ہے' (قوم کے مصلح بننے کی کوشش کرتے ہیں)۔

۱۸۶ تو ہماری ہی طرح کا انسان ہے (اس لئے تو خدا کا رسول کس طرح ہو سکتا ہے؟)۔ ہم تمہیں' تمہارے دعوے میں سراسر جھوٹا سمجھتے ہیں۔

۱۸۷ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ہماری اس روش کے نتیجہ میں ہم پر تباہی آنے والی ہے' تو تم آسمان کا کوئی ٹکڑہ ہم پر گرا دو (اور اس طرح اس ناگہانی آفت کو ہم پر لے آؤ)۔

۱۸۸ شعیبؑ نے کہا کہ (میں تم پر آسمانی آفت کیا گراؤں گا)۔ میرا نشوونما دینے والا خوب جانتا ہے کہ تم کیا کرتے ہو' (اور تمہارے یہ اعمال' تم پر کس قسم کی تباہی لائیں گے)۔

۱۸۹ بہرحال' وہ اس کی تکذیب کرتے رہے تا آنکہ ان کی غلط روش کے نتائج کے ظہور کا وقت آگیا۔ اور وہ ہر طرف سے ان پر چھا گئے۔ وہ عذاب' بڑا ہی سخت تھا۔

۱۹۰ اِس قوم کی سرگزشت میں بھی اربابِ بصیرت کے لئے' ہمارے قانونِ مکافات کی صداقت کی نشانی ہے۔ لیکن' اس کے باوجود' ان میں سے اکثر لوگ' ان قوانین پر ایمان نہیں لائیں گے۔

۱۹۱ لیکن یہ قوانین' اس کے باوجود' اپنا کام کرتے جائیں گے۔ یہ بڑی قوتوں کے مالک ہیں۔ آخر الامر غلبہ انہی کا ہوگا' اور نوعِ انسان کی نشوونما کے راستے میں جو رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں' وہ دور ہو کر رہیں گی۔

۱۹۲ (یہ ہے ہمارا سلسلۂ رشد و ہدایت جو شروع سے چلا آرہا ہے۔ اب اس کی آخری کڑی'

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾
فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾

اس قرآن کی شکل میں نوعِ انسان کو دی گئی ہے)۔ اسے اُس خدا کی طرف سے بتدریج نازل کیا جارہا ہے جو تمام نوعِ انسان کا نشوونما دینے والا ہے۔ (اس سے مقصد یہی یہ ہے کہ ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں تمام افرادِ انسانیہ کے جسم اور ذات کی نشوونما ہوتی جائے)۔

۱۹۳ اسے ایک ایسی الوہیاتی توانائی نے تیرے قلب کی گہرائیوں میں اتارا ہے جو اس میں،

۱۹۴ اپنی طرف سے، کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کرتی (یعنی جو کچھ خدا بھیجتا ہے، جبریل اُسے اُسی طرح قلبِ نبوی میں اتار دیتا ہے۔ ۲/۹۷ ؛ ۱۶/۱۰۲)۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ تو (بھی انبیائے سابقہ کی طرح) لوگوں کو، ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کردے۔

۱۹۵ اسے ایسی واضح، صاف اور نکھری ہوئی زبان میں نازل کیا گیا ہے (جس میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔ کوئی الجھاؤ نہیں)۔

۱۹۶ اور اس کی تعلیم اصولاً وہی ہے جو انبیائے سابقہ کے صحیفوں میں تھی (اور جو وہاں محفوظ نہ رہی)۔

۱۹۷ (یہ قریشِ عرب اس حقیقت سے واقف نہیں کہ یہ تعلیم اصولاً وہی ہے جو انبیائے سابقہ کے صحیفوں میں تھی، کیونکہ ان کی طرف مدت سے کوئی رسول نہیں آیا۔ ۳۶/۶ - لیکن) کیا یہ بات ان کے لئے نشانی نہیں بن سکتی کہ اس حقیقت کو، علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں۔ (یہ چاہیں تو ان سے دریافت کرسکتے ہیں)۔

۱۹۸ (پھر جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) اس قرآن کو ہم نے انہی، قریش، کی فصیح و بلیغ زبان میں نازل کیا ہے، جس سے یہ از خود سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کتاب کسی انسان کی بنائی ہوئی ہے یا انسانوں سے بالاتر ہستی ــ خدا ــ کی نازل کردہ)۔ اگر ایسا ہوتا کہ ہم اسے کسی عجمی پر نازل کرتے۔

۱۹۹ اور وہ اسے انہیں پڑھ کر سناتا، (تو بھی ان کا اعتراض، قابلِ فہم ہوتا۔ لیکن اب ان کا انکار اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ یہ اپنی روش کو چھوڑ کر، صداقت کی راہ اختیار نہیں کرنا چاہتے۔

۲۰۰ یہ اسی قسم کے خیالات ہیں جو ان لوگوں کے دل میں اٹھا کرتے ہیں، جو اپنے جرائم سے

لَا يُؤْمِنُونَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾

باز نہیں آنا چاہتے۔

۲۰۱ اس سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ بھی اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے تا وقتیکہ اس الم انگیز تباہی کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں (جس سے انہیں متنبہ کیا جا رہا ہے)۔

۲۰۲ جب ان کے اعمال کے ظہور نتائج کا وقت آئے گا تو وہ عذاب ان کے سامنے اس طرح دفعتہً نمودار ہو جائے گا کہ ان کے سان گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ وہ کہاں سے آ گیا۔

۲۰۳ اُس وقت یہ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت نہیں دی جا سکتی (کہ ہم اپنی روش میں اصلاح کر لیں)۔

۲۰۴ تو کیا' اس کے باوجود' یہ لوگ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں؟

۲۰۵ جہاں تک اس مہلت کا تعلق ہے جو انہیں اس وقت دی جا رہی ہے' اس کے متعلق سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر ہم انہیں سالہا سال تک کی بھی مہلت دیدیں۔ اور یہ اُس مدّت میں' سامانِ زیست سے بھرپور فائدہ اٹھاتے رہیں (لیکن اس کے باوجود' اپنی غلط روش میں تبدیلی نہ پیدا کریں)۔

۲۰۶ اور اس کے بعد ان کے سامنے وہ عذاب آ جائے۔ تو ان کا ساز و سامان جو انہوں نے

۲۰۷ اس دوران میں اکٹھا کر لیا ہوگا' ان کے کسی کام نہیں آ سکے گا۔ وہ انہیں' اس تباہی سے ہرگز نہیں بچا سکے گا۔

۲۰۸ ہمارا انداز ہی یہ ہے کہ جب تک کسی قوم کے پاس ہمارا پیغامبر نہیں آ جاتا جو انہیں' ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے متنبہ کر دے' اور اس طرح انہیں اس کا موقعہ بہم پہنچا دے کہ وہ اپنی غلط روش سے باز آ جائیں' ہم اس قوم کو ہلاک نہیں کیا کرتے۔

۲۰۹ (یہ تو بڑی زیادتی ہوتی کہ کسی قوم کو بغیر آگاہ کئے اور بغیر اصلاحِ حال کا موقع دیئے یونہی تباہ کر دیا جاتا) یہ ظلم ہے۔ اور ہم کبھی ظلم نہیں کیا کرتے۔

۲۱۰ (ہاں' تو جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے' اس قرآن کو' خدا کی طرف سے "روح الامین" لے کر نازل ہوا ہے) یہ اس قسم کی چیز نہیں جسے ان کے کاہن اور نجومی پیش کیا کرتے ہیں (وہ

وَمَا يَنْۢبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿٢١٣﴾
وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا
تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾

انسانی شعبدہ بازیوں کے کرشمے ہوتے ہیں۔ وحی اس سے بالکل الگ چیز ہے)۔

۲۱۱ (وہ باتیں جس کا جی چاہے کسب و ہنر سے حاصل کر سکتا ہے)۔ لیکن وحی اس طرح حاصل نہیں کی جا سکتی۔ (وہ خدا کی طرف سے صرف اسے مل سکتی ہے جسے اس کا اہل سمجھا جاتا ہے)۔ کاہن اور ساحر وغیرہ اس کے اہل نہیں ہو سکتے۔

۲۱۲ (وحی کا پانا اور اس کا "آسمانوں" سے لے آنا تو ایک طرف یہ لوگ تو) اس مقام کی بھنک تک بھی نہیں پا سکتے۔ جو وحی کا سرچشمہ ہے۔ (۱۵/۱۲۔۱۸ ؛ ۳۷/۸ ؛ ۶۷/۵)۔

۲۱۳ لہٰذا یہ سمجھنا کہ انسان اپنی محنت اور کوشش سے وہی بات پیدا کر سکتا ہے جو خدا کی وحی کی ہوتی ہے خدا کے ساتھ انسان کو الٰہ تسلیم کر لینے کے مرادف ہے۔ (وحی کا تعلق خالصتہً علم و اقتدار خداوندی سے ہے جس میں کسی انسان کو دخل نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی کوئی انسان اس کی مثل بنا سکتا ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں ایک ہی قبیل سے ہیں وہ سخت گمراہی میں ہیں)۔ اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا —— تم ایسا نہ سمجھ لینا۔

۲۱۴ (یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ کہانت —— کشف و الہام وغیرہ —— انفرادی تجربے ہوتے ہیں۔ جن کی کیفیات فرد متعلقہ تک محدود رہتی ہیں۔ ان کا مقصد انسانی دنیا میں کسی قسم کا انقلاب پیدا کرنا نہیں ہوتا۔ نہ ہی وہ معاشرہ میں انقلاب لا سکتے ہیں۔ برعکس اس کے وحی کا مقصد انسانی معاشرہ میں انقلاب پیدا کرنا ہوتا ہے اسی لئے حاملِ وحی اس علم کو خدا سے پا کر انسانی دنیا کی طرف آتا ہے۔ یہی مقصد اے رسول! تیرے سامنے بھی ہے)۔ لہٰذا تو اس کے لئے سب سے پہلے اپنے معاشرہ میں سے ان لوگوں کو دعوت دے جو تجھ سے قریب تر ہیں۔ (یعنی سنتِ ابراہیمیؑ کے اتباع میں اس دعوت کا آغاز خود اپنے اہلِ خاندان سے کر)۔

۲۱۵ پھر ان میں سے جو ایمان لے آئے اور اس مقصد کے حصول کے لئے تیرا اتباع کرے اُسے اپنے دامنِ حفاظت و سایۂ عاطفت میں لے لے۔ اس طرح ان کی ایک جماعت متشکل ہوتی جائے گی جو اس انقلاب کی سب سے پہلی داعی ہو گی۔ (۱۵/۸۸)۔

۲۱۶ اس کے برعکس جو لوگ تیری دعوت سے سرکشی اختیار کریں ان سے کہدے کہ (میں نے

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿٢١٩﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٢٠﴾
هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَاءُ
يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿٢٢٤﴾

تم تک خدا کی بات پہنچا دی) اس کے بعد تم جو کچھ کرو گے اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوگی۔

۲۱۷ (تم اس پیغام کو ان تک پہنچاتے جاؤ' اور اس کے بعد) اپنا بھروسہ خدا کے اس قانون پر رکھو جو بڑی قوتوں کا مالک ہے' اور اس قابل کہ نوع انسان کی ہر نشوونما کے راستے میں جس قدر رکاوٹیں پیدا کی جائیں' انہیں دور کر دے۔

۲۱۸ وہ خدا تیرے سارے پروگرام اور تمام جد وجہد پر نگاہ رکھتا ہے۔ جب تو اٹھتا ہے' تو وہ اسے بھی دیکھتا ہے۔

۲۱۹ اور جب' اپنی جماعت کے ان افراد کے اندر چلتا پھرتا ہے' جو قانون خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہیں' تو یہ بھی اُس کی نگاہ میں ہوتا ہے۔

۲۲۰ وہ ہر بات کو سنتا اور ہر عمل کو دیکھتا ہے۔

۲۲۱ (علاوہ بریں' کہانت وغیرہ ایک فنی چیز ہے۔ جو بھی اس کی مشق کرے اُس میں یہ قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کے لئے تو یہ بھی ضروری نہیں کہ اس انسان کی زندگی پاکبازی کی ہو۔
آؤ تمہیں بتاؤں کہ وہ قوتیں کس کس قسم کے انسانوں تک کو حاصل ہو جاتی ہیں۔

۲۲۲ ان لوگوں کو بھی جو فریب کار اور کذب باف ہیں۔ جو جھوٹ بولتے اور مکاریاں کرتے ہیں۔ جن کی انسانی صلاحیتیں بُری طرح سے مضمحل ہو چکی ہوتی ہیں۔ (۴۵/۷)۔

۲۲۳ وہ اِدھر اُدھر کان لگاتے رہتے ہیں۔ کچھ قیاس سے کام لیتے ہیں' کچھ فریب سے۔ اکثر ان میں سے دانستہ جھوٹ بولتے ہیں۔ (بعض خود فریبی میں مبتلا ہوتے ہیں)۔

۲۲۴ (کاہنوں اور ساحروں کے علاوہ شاعروں کو بھی اس بات کا دعوےٰ ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں الہام کی رُو سے کہتے ہیں[1]۔ اس لئے وحی اور شعر کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یعنی وجدان — یہ بھی

---

[1] عربوں میں — اور دیگر اقوام میں بھی — یہ عقیدہ عام تھا کہ شاعر کو الہام ہوتا ہے۔ "نوائے سروش" اور "صدائے ہاتف" جیسے تصورات اسی عقیدہ کے مظاہر ہیں۔ اسی کو اب وجدان (INTUTION) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ وحی' ان تمام چیزوں سے بالکل الگ شے ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ

انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

(۱۱ ع ۱۵)

غلط ہے۔ ان دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ اتباع وحی کرنے والوں کی جماعت اپنے سامنے ایک متعین نصب العین رکھتی ہے اور ان کا ہر عمل ٹھوس تعمیری نتیجہ مرتب کرتا ہے۔ اس کے برعکس) شاعروں کے پیچھے چلنے والے وہ فریب خوردہ لوگ ہوتے ہیں جو جذبات کی رو میں بہے چلے جاتے ہیں۔ اور کبھی حقائق کا سامنا نہیں کرتے۔ تعداد کے لحاظ سے دیکھو تو ٹڈی دل کی طرح بے شمار۔ لیکن نتیجہ کے اعتبار سے دیکھو تو تخریب ہی تخریب۔

۲۲۵ باقی رہے خود شاعر (جو سمجھتے ہیں کہ ان کا تعلق عالم غیب سے ہوتا ہے) ان کی حالت اس اونٹ کی سی ہوتی ہے جو جھوٹی پیاس کی بیماری میں مبتلا ہو اور اس کی وجہ سے مختلف وادیوں اور بیابانوں میں مارا مارا پھرے اور اس کی پیاس کہیں بجھنے نہ پائے —— ساری عمر جذبات کا پرستار اور جذبات بھی جھوٹے اور بناوٹی۔

۲۲۶ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی اپنی زندگی اس کے مطابق نہیں ہوتی جو وہ کہتے ہیں۔ ان کے قال اور حال —— قول اور عمل —— میں تطابق نہیں ہوتا۔ (لہٰذا ایک آسمانی انقلاب لانے والا پیغامبر شاعر کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ اس کے شایانِ شان ہی نہیں ہوتا۔ $\frac{۳۶}{۶۹}$)۔

۲۲۷ ان کے برعکس وحی پر ایمان لانے والے ہیں جو ایک متعین نصب العین پر یقین رکھتے ہیں اور ایسے پروگرام پر عمل پیرا رہتے ہیں جو ان کی اپنی ذات کی صلاحیتوں کی بھی نشوونما کرے اور دنیا کے بگڑے ہوئے کام بھی سنوارے۔ وہ زندگی کے ہر گوشے میں قانون خداوندی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ اسے کبھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ جب ان پر کوئی ظلم اور زیادتی کرتا ہے (تو شاعروں کی طرح اس کی ہجو لکھ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا نہیں کر لیتے بلکہ) اس سے اس زیادتی کا بدلہ لیتے ہیں (اور ایک ایسا نظام قائم کرتے ہیں جس میں ظلم اور زیادتی کرنے والے بدلگام نہ پھرتے رہیں کہ جو ان کے جی میں آئے کریں۔ انہیں کوئی روکنے ٹوکنے والا ہی نہ ہو)۔ اس نظام میں ایسے لوگوں کو صاف نظر آجاتا ہے کہ انہیں ان کی غلط روش سے لوٹا کر کس مقام کی طرف لایا جائے گا اور ان کا ٹھکانہ کونسا ہوگا۔ (اس طرح مومنین کی جماعت ظالموں کا تختہ الٹ کر رکھ دیتی ہے)۔

یہ ہے فرق ایک نبی میں اور انِ مدعیانِ الہام و کہانت میں!



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ
يَعْمَهُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵

---

۱ خدائے ذی الطول وسمیع کا ارشاد ہے کہ یہ قوانین جو تمہارے سامنے آرہے ہیں، قرآن کریم — یعنی ایک واضح کتاب ہدایت —— کے ہیں۔

۲ جو اُن لوگوں کے لئے جو اس کی صداقتوں پر یقین رکھیں، صحیح راستہ کی طرف راہ نمائی کا موجب اور اُس راستہ پر چلنے کے خوشگوار نتائج کا مژدۂ جانفزا ہیں۔

۳ یعنی اُن لوگوں کے لئے جو (اس ضابطۂ حیات پر ایمان لانے کے بعد) نظامِ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور عالمگیر انسانیت کے لئے سامانِ نشوونما کی فراہمی کا انتظام کرتے ہیں۔ اور خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل، اور مستقبل کی زندگی پر یقینِ محکم رکھتے ہیں۔

۴ اِن کے برعکس، جو لوگ آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے (اور زندگی کو صرف اسی دنیا تک محدود، اور اسی کے مفاد کا حصول مقصودِ حیات سمجھتے ہیں) انہیں اپنے اعمال بڑے خوشنما دکھائی دیتے ہیں اور وہ اسی خود فریبی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

۵ یہ وہ لوگ ہیں جن کی غلط روشِ زندگی ان کے لئے بڑی تباہی کا موجب ہوتی ہے۔

وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝٦ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۖ
سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝٧ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَن بُورِكَ
مَن فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝٨

(انہیں اِس دنیا کے مفاد تو ضرور حاصل ہو جاتے ہیں' لیکن) ان کا مستقبل برباد ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ آخر الامر سخت نقصان میں رہتے ہیں۔

۶ (نوعِ انسان کو اسی نقصان اور تباہی سے بچانے کے لئے) تجھے اے رسول! یہ قرآن دیا گیا ہے۔ یہ اُس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جو تمام کائنات کو اپنی حکمت کے مطابق صحیح راستے پر چلا رہا ہے اور ہر شے کے مقتضیات سے واقف ہے۔ (اُسے معلوم ہے کہ کس شے نے صحیح نشوونما پا کر کیا بننا ہے' اور اسے وہ کچھ بننے کے لئے کیا کچھ درکار ہے)۔

۷ (یہ جو کہا گیا ہے کہ غلط راستے پر چلنے کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوتا ہے' اس کے لئے فرعون اور موسیٰؑ کی کشمکش کو دیکھو۔ اس داستان کا آغاز اُس واقعہ سے کرو جب' ایک تیرہ و تار شب میں' موسیٰؑ اور اس کے ساتھی' ایک پہاڑ کے دامن میں تھے۔ رات کی تاریکی میں راستے کا پتہ نشان نہیں ملتا تھا' اور سردی بلا کی تھی)۔ موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ مجھے (دور پہاڑ پر) آگ دکھائی دی ہے۔ تم یہیں ٹھیرو۔ میں جاتا ہوں' اور یا تو وہاں کسی سے راستے کے متعلق پتہ نشان لاتا ہوں' اور یا آگ کا انگارہ کہ تم لوگ اسے تاپ سکو (اور اس طرح رات بسر ہو جائے۔ ۲۸/۲۹)۔

۸ جب موسیٰؑ آگ کے قریب پہنچا تو اسے آواز سنائی دی کہ یہ مقام جس میں آگ نظر آ رہی ہے (یعنی طور کی چوٹی) اور اس کا اردگرد (ارض فلسطین) بڑی مبارک سرزمین ہے (جہاں اسقدر انبیاء پیدا ہونے والے ہیں اور جو بنی اسرائیل کے لئے انقلابِ عظیم کی آماجگاہ بننے والی ہے۔ ۷/۱۳۷ ؛ ۲۸/۳۰)۔

(لیکن تم اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ تمام برکات و سعادات اسی خطۂ زمین میں محدود ہیں۔ باقی دنیا ان سے محروم ہے۔ نہیں۔ ایسا نہیں)۔ وہ خدا جو تمام نوعِ انسان کو نشوونما دینے کا ذمہ دار ہے' وہ اس سے بہت بلند ہے (کہ وہ صرف کسی ایک خطۂ زمین کو اپنے سحابِ کرم کے لئے مخصوص کر لے اور باقی دنیا اس کی گہرباشیوں سے محروم رہے۔ اس کی طرف سے عطا شدہ سامانِ نشوونما —— خواہ اس کا تعلق طبیعی ضروریات سے ہو یا انسانی ذات سے —— تمام دُنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ سامانِ رزق بھی ہر قوم کو دیا ہے اور وحی کی راہ نمائی بھی)۔

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ

يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ڰ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْۗءٍ فَاِنِّىْ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۭ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

فٰسِقِيْنَ ۝۱۲

۹ (موسیٰؑ حیران تھا کہ یہ آواز کہاں سے آئی اور کس نے دی؟ اس پر ندائے جمال نے کہا کہ اے موسیٰؑ! یہ آواز تمہارے خدا کی طرف سے آئی ہے' جو بڑی قوتوں کا مالک اور عمدہ ترین تدابیر کا حامل ہے۔ (اس کی قوت و حکمت کا مظاہرہ اس کشمکش میں ہوگا جو تیرے سامنے آنے والی ہے)۔

۱۰ (پھر موسیٰؑ کو' اس مہم کے سلسلہ میں' مختلف احکام دے کر کہا کہ) ان احکام کو' جو تیرے لئے زندگی کا محکم سہارا' اور وجہ جامعیت ہیں' (فرعون کے سامنے جا کر پیش کرو۔ موسیٰؑ نے جب اس مہم اور اسے سر کرنے کے پروگرام پر غور کیا تو اسے یوں محسوس ہوا گویا وہ ایک جیتا جاگتا اژدھا ہے' جس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ موسیٰؑ نے اپنے خیال میں اس سے پیچھے ہٹنا چاہا اور فرعون کی طرف جانے سے خائف ہوا۔ (۲۸/۳۱ ؛ ۲۰/۲۲ ؛ ۲۶/۳۳)۔

آواز آئی کہ اے موسیٰؑ! ڈرو نہیں۔ جب ہم اپنے پیغمبروں کے ساتھ ہیں' تو پھر ان کے لئے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی (۳۶/۱۵)۔

۱۱ نہ ہی اُسے ڈرنے کی ضرورت ہے جس سے کبھی نادانستہ کوئی زیادتی ہو گئی ہو' لیکن اس نے اس سے توبہ کر کے زندگی کی حسین اور ہموار راہ اختیار کر لی ہو۔ اس لئے کہ ہمارے قانون مکافات میں اس کی گنجائش ہے کہ ایسے شخص کو' اس کی سابقہ لغزش کے نقصان رساں اثرات سے محفوظ رکھا جائے' اور اس کی نشوونما برابر ہوتی رہے۔ (لہٰذا' اگر تمہارے دل میں یہ خیال ہو کہ تم نے غلطی سے ایک شخص کو مار ڈالا تھا' اور اس طرح تم سے ایک جرم سرزد ہو گیا تھا' اس لئے اب اس عظیم مہم کو کس طرح سرانجام دیا جا سکے گا' تو اس خیال کو بھی دل سے نکال دو)۔

۱۲ پھر موسیٰؑ کو' ان احکام کی تائید میں' براہین بیّنہ عطا کیں جن میں ارباب عقل و بصیرت کے لئے روشنی اور تابناکی کا سامان تھا۔ وہ اگر ان پر غور و فکر کریں گے تو انہیں نظر آ جائے گا کہ احکام خداوندی کے اتباع میں کسی خرابی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ وہ تو سرتاپا خیر ہوتے ہیں' (۲۸/۳۲)۔

یہ دلائل ان نو (۹) احکام' سے متعلق تھے جنہیں لے کر موسیٰؑ' فرعون اور اس کی قوم کی طرف

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

گیا تھا — وہ قوم جو زندگی کے صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راہوں پر چل نکلی تھی۔

۱۳ لیکن جب اس قوم کے پاس ہمارے اسفد بصیرت افروز احکام آئے تو بجائے اس کے کہ وہ لوگ ان پر ایمان لے آتے اُلٹا کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جھوٹ ہے (کہ موسیٰؑ کو خدا نے یہ احکام دے کر ہماری طرف بھیجا ہے۔ اور اگر ہم نے انہیں نہ مانا تو ہم پر تباہی آجائے گی)۔

۱۴ حالانکہ انہیں دل میں یقین ہو چکا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں، لیکن انہوں نے محض اپنی سرکشی اور تکبّر کی بنا پر ان سے انکار کر دیا۔ سو تم دیکھو کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جنہوں نے انسانی معاشرہ میں اس طرح فساد برپا کر رکھا تھا (انسانی معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کرنا عدالتِ خداوندی میں سب سے بڑا جرم ہے)۔

۱۵ اور ہم نے (بنی اسرائیل میں) داؤدؑ اور سلیمانؑ جیسے (اولوالعزم) پیغمبر پیدا کئے اور انہیں وحی کے علم سے نوازا۔ وہ اس موہبتِ عظمیٰ پر خدا کے حضور شکر گزار تھے اور اس احساس سے کہ اس نے انہیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی ہے قدم قدم پر اس کی حمد و ستائش کے گیت گاتے تھے۔

۱۶ داؤدؑ کے بعد سلیمانؑ اس کا جانشین ہوا (اس لئے نہیں کہ وہ اس کا بیٹا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اس منصب بلند کا اہل تھا اور خدا نے اسے اس کے لئے منتخب کیا تھا۔ یہ محض اتفاقی بات تھی کہ وہ ایک نبی اور صاحب مملکت کا بیٹا تھا)۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ (اس سلطنتِ خداداد کی قوتوں اور شوکتوں کو دیکھو) ہمیں ہر قسم کا ساز و سامان میسر ہے — ہمارے پاس بڑا مستعد گھوڑوں کا لشکر ہے جس کے قواعد و ضوابط سے ہم خوب واقف ہیں۔ (اُس زمانے میں یہ چیز بڑی قوت تسلیم کی جاتی تھی۔ $\frac{21}{49}$ ؛ $\frac{32}{10}$)۔

سامانِ زیست اور اسبابِ قوت و مدافعت کی یہ فراوانیاں، بالکل نمایاں ہیں اور نوازشہائے خداوندی کی کھلی کھلی نشانیاں۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

---

۱۷ سلیمانؑ کے لشکروں میں شہروں کے مہذب باشندے جنگلوں اور پہاڑوں کے دیوہیکل وحشی اور قبیلۂ طیر کے شاہسوار سب شامل تھے۔ انہیں (کیمپوں میں) روک کر رکھا جاتا تھا تاکہ مناسب تربیت اور ٹریننگ سے ان سے مفید کام لئے جائیں۔

۱۸ (ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلیمانؑ کو معلوم ہوا کہ سبا کی مملکت اس کے خلاف سرکشی کا ارادہ رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ بطور حفظِ ماتقدم اس کی طرف لشکر لے کر روانہ ہوا۔ راستے میں وادیٔ نمل پڑتی تھی۔ مملکِ سبا کی طرح اس مملکت کی سربراہ بھی ایک عورت تھی)۔ جب اس نے اس لشکر کی آمد کی خبر سنی تو اپنی رعایا کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر پناہ گزین ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لشکرِ جرار، اتنا معلوم کئے بغیر کہ تم اس کے دشمن کی قوم سے کسی قسم کا تعلق رکھتے ہو یا نہیں، تمہیں یونہی کچل ڈالے۔ (فوجیں یہی کچھ کیا کرتی ہیں۔ ان کے راستے سے ہٹ جانا ہی قرینِ مصلحت ہوتا ہے)۔

۱۹ سلیمانؑ نے یہ سنا تو مسکرایا۔ (کہ یہ بیچارے سچے ہیں۔ انہوں نے یہی دیکھا اور سنا ہے کہ جب شاہی لشکر کہیں سے گزرتا ہے تو وہ اندھا دھند تباہی مچاتے چلا جاتا ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ کسی بادشاہ کا لشکر نہیں۔ خدا کے ایک رسول کی سپاہ ہے جس کا مقصد بے گناہوں کو ستانا نہیں ان کی حفاظت کرنا ہے)۔ پھر اس نے اپنے خدا سے دعا مانگی کہ بارِ الٰہا! مجھے تو نے اس قدر عظیم مملکت عطا کی ہے تو اس کے ساتھ ایسا ضبط اور اپنے آپ پر کنٹرول بھی عنایت فرما کہ میں تیری اس نعمتِ عظمیٰ کو جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر ارزاں فرمائی ہے اس طرح صرف کروں کہ یہ نوعِ انسان کے لئے تباہی کا موجب بننے کے بجائے ان کے معاملات کو سنوارنے کا ذریعہ بنے۔ اور میرا ہر قدم تیرے قوانین سے ہم آہنگ ہو۔ اس طرح میں تیرے قانونِ ربوبیت و رحمت کی بنا پر تیرے ان بندوں کے زمرے میں شامل ہو جاؤں جن کی صلاحیتیں نشوونما پا لیتی ہیں اور جن کے ہاتھوں انسانیت کے معاملات سنورتے ہیں۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ
أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ
يَقِينٍ ﴿٢٢﴾ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ
لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ
الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾

۲۰ (آگے چل کر ایک مقام پر ایسا ہوا کہ) سلیمانؑ نے گھوڑ سوار ہرکاروں کو' جو اُس وقت وہاں موجود نہیں تھے' طلب کیا۔ جب وہ آئے تو انہوں نے کہا کہ ان کا سردار ہُدہُد کہاں ہے؟ کیا وہ یونہی کہیں اِدھر اُدھر گیا ہے یا اپنی ڈیوٹی سے غائب ہے؟

۲۱ اگر وہ اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہوگیا ہے تو (فوجی قوانین کے مطابق) میں اسے سخت سزا دوں گا۔ اور اگر اس نے' اس کے لئے کوئی واضح اتھارٹی (اجازت نامہ) یا وجہ جواز پیش نہ کی' تو ہوسکتا ہے کہ اسے سزائے موت دی جائے۔

۲۲ تھوڑے عرصہ کے بعد ہُدہُد آگیا۔ اس نے کہا کہ میں تفتیشِ حالات کے لئے' سبا کے ملک کے اندر چلا گیا تھا۔ وہاں سے میں نے ایسی معلومات فراہم کی ہیں جو اس سے پہلے آپ کے پاس نہیں تھیں۔ اور چونکہ یہ معلومات میں نے خود (براہ راست) حاصل کی ہیں اس لئے بالکل یقینی ہیں۔

۲۳ میں نے دیکھا کہ اس ملک پر ایک ملکہ حکمران ہے جس کے پاس سب کچھ موجود ہے (یعنی وہ اپنی مملکت میں خود مکتفی ہے اور اپنی ضروریات کے لئے' کسی بیرونی قوم کی محتاج نہیں)۔ اور اس کا اندرونی نظم ونسق اور کنٹرول بھی بڑا عظیم الشان ہے۔

۲۴ لیکن وہ ملکہ' اور اس کی قوم کے لوگ' سورج کی پرستش کرتے ہیں۔ خدا کی نہیں کرتے۔ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں اس قدر خوشنما بنا رکھا ہے کہ وہ اپنے مسلک کو بالکل صحیح اور درست سمجھتے ہیں۔ اُس نے انہیں' صحیح روشِ زندگی کی طرف آنے سے ایسے روک رکھا ہے کہ وہ اس کی طرف راہ نمائی نہیں حاصل کر پاتے۔

۲۵ (حیرت ہے کہ) وہ لوگ خدا کو اپنا معبود نہیں تسلیم کرتے — اُس خدا کو جو کائنات کے مخفی ذخیروں سے' ہر چیز کو عند الضرورت باہر لاتا ہے۔ اور (اس کا علم صرف خارجی کائنات تک ہی محدود نہیں بلکہ) وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اپنے دل میں کیا رکھتے ہو اور ظاہر کیا کرتے ہو۔

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ
هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾
اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا
اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ
اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

---

۲۶ وہ خدا جس کے علاوہ کائنات میں کسی کا اختیار و اقتدار نہیں۔ اس عظیم کارگہ فطرت کا مرکزی کنٹرول اسی کے ہاتھ میں ہے۔
(تعجب ہے کہ یہ لوگ اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہونے کے باوجود اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے اور ایسی صاحب اختیار و ارادہ ہستی کو چھوڑ کر سورج کو اپنا خدا مانتے ہیں جسے اپنے طلوع و غروب پر بھی کوئی اختیار نہیں)۔

۲۷ سلیمانؑ نے یہ سب کچھ سنا اور کہا کہ بہت اچھا۔ ہم ابھی معلوم کر لیتے ہیں کہ تمہارے بیان میں کہاں تک صداقت ہے۔ (خبر رساں ایجنسیوں کے بیانات کی تصدیق کر لینا ضروری ہوتا ہے)۔

۲۸ یہ ہمارا خط لو اور اسے سبا کے ارباب حل و عقد تک پہنچا دو۔ پھر ان کے پاس سے ہٹ کر وہیں انتظار کرو اور دیکھو کہ ان کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔

۲۹ ملکہ نے وہ خط پا کر اپنے مشیروں کی مجلس بلائی اور ان سے کہا کہ مجھے ایک ایسا خط ملا ہے جو بڑے ہی شریفانہ انداز میں لکھا گیا ہے۔

۳۰ یہ خط شاہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور اس کی غایت یہ بتائی گئی ہے کہ خدا کی صفت ربوبیت اور رحیمیت (یعنی سامان نشوونما کی بہم رسانی) انسانوں میں عام ہو جائے۔ (ع ۱/۲)۔

۳۱ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے اسکا ملخص یہ ہے کہ تم میرے خلاف سرکشی اختیار نہ کرو بلکہ قوانین خداوندی کی مطیع و فرمانبردار بن کر چلی آؤ۔

۳۲ خط کا مضمون سنا دینے کے بعد اس نے اپنے اہل دربار سے کہا کہ تم اس معاملہ پر غور کر کے مجھے بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سے مشورہ کئے بغیر کسی معاملہ کا آخری فیصلہ نہیں کیا کرتی۔

۳۳ انہوں نے کہا کہ اگر سلیمانؑ کے پاس بڑے بڑے جرار لشکر ہیں تو ہم نے بھی چوڑیاں نہیں

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۖ وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٣٤﴾ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ
إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ
مِّمَّا آتَاكُم ۖ بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿٣٦﴾ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُم

پہن رکھیں۔ ہم بڑی قوتوں کی مالک سخت جنگجو قوم ہیں۔ اس لئے اس بنا پر اس سے خوف کھانے کی کوئی بات نہیں۔ (لیکن یہ اس معاملہ کا صرف ایک پہلو ہے جس کی طرف سے ہم تمہیں اطمینان دلاتے ہیں۔ اس کے دوسرے پہلوؤں پر آپ غور کرلیں۔ اس کے بعد آخری فیصلہ کریں۔ اس لئے کہ) ایسے معاملات میں آخری فیصلہ آپ ہی کا ہوسکتا ہے۔ آپ جو فیصلہ بھی کریں گی' ہم اس کے مطابق عمل کریں گے۔ ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔

۳۴ (اس نے کہا کہ اس بات کا تو مجھے بھی یقین ہے کہ تم جنگ سے گریز نہیں کرو گے لیکن یہ حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ) جب بادشاہ دوسرے ملک پر چڑھائی کرتے ہیں تو اسے تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں' اور معاشرہ کا تختہ اس طرح الٹ دیتے ہیں کہ وہاں کے صاحبِ عزت اکابرین کو سب سے زیادہ ذلیل و خوار بنا دیتے ہیں۔ یہ بات کسی خاص بادشاہ سے متعلق نہیں۔ ملوکیت میں یہی کچھ ہوتا چلا آیا ہے' اور یہی کچھ ہوتا چلا جائے گا۔ (اس لئے ایسا باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں' کہ اس بادشاہ کی طرف سے ایسا نہیں ہوگا۔ لہذا' میں یہ سمجھتی ہوں کہ جہاں تک ہوسکے' ہمیں جنگ کی نوبت نہیں آنے دینی چاہیئے)۔

۳۵ میں (سردست) ان کی طرف کچھ تحائف بھیجتی ہوں اور پھر انتظار کرتی ہوں کہ اس کا ان کی طرف سے کیا ردعمل ہوتا ہے۔ (شاید وہ اس طرح' جنگ کا ارادہ ترک کردیں)۔

۳۶ جب ملکہ کا قاصد تحائف لے کر سلیمانؑ کے پاس آیا تو اُس نے تحائف وغیرہ دیکھ کر کہا کیا تم لوگ مال کا لالچ دے کر مجھے اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہو؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جس قدر مال و دولت مجھے اللہ نے دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ اور بہتر ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اس لئے تمہارا مال' میرے لئے وجہِ کشش نہیں ہوسکتا۔ جو تحائف تم لائے ہو' وہ تمہارے نزدیک بڑے قابلِ فخر ہوں گے (لیکن میرے نزدیک ان کی کچھ قیمت نہیں۔ میرے نزدیک قدر و قیمت صرف اس کی ہے کہ تم قوانین خداوندی کی اطاعت اختیار کرلو)۔

۳۷ تم اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ چونکہ تم نے ہماری شرائط کو تسلیم نہیں کیا' اس لئے اب ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ) ہم ایسے لشکروں کے ساتھ تم پر چڑھائی

مِنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ
عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ
مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ
لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

کریں جن کا تم مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ ہم تمہیں تمہارے ملک سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور اس کے بعد تم ہمیشہ محکومی کی زندگی بسر کرو گے۔

۳۸ (چنانچہ قاصد واپس چلا گیا اور سلیمانؑ نے چڑھائی کا ارادہ کر لیا۔ اور) اپنے اہل دربار سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ اہل سبا، باہر نکل کر جنگ کریں اور شکست کھا کر ہتھیار رکھ دیں، اُن کے پایہ تخت پر شدت کا حملہ کر کے اسے اپنے قبضہ میں لے آیا جائے۔ (ہو سکتا ہے کہ اس طرح وہ جنگ کئے بغیر ہی راہ راست پر آجائیں)۔ چنانچہ اس نے ان سے پوچھا کہ وہ کون ہے جو اس مہم کو جلد از جلد سر کر سکتا ہے۔

۳۹ اس پر وحشی قبائل کا ایک قوی ہیکل سردار، جو جسمانی قوت کے علاوہ معاملہ فہمی میں بھی ماہر تھا، بولا کہ یہ مہم میں سر کر دوں گا۔ اور اتنی جلدی کہ قبل اس کے کہ آپ اس مقام سے کوچ کر کے آگے بڑھیں، ملکہ اور اس کا تخت حکومت آپ کے قدموں میں ہو گا (آپ اس مہم کو میرے سپرد کیجئے) میں اسے سر کرنے کی قوت بھی رکھتا ہوں اور قابل اعتماد بھی ہوں۔

۴۰ ایک دوسرے سردار نے، جسے اس خط و کتابت کا پورا پورا علم تھا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، کہا کہ میں اس مہم کو اس سے بھی جلدی سر کر سکتا ہوں —— ایسی جلدی کہ ملکۂ سبا، چشم زدن میں، مفتوح و مغلوب یہاں آجائے۔

چنانچہ وہ مہم اس کے سپرد کی گئی، اور اس نے اسے نہایت حسن و خوبی سے سر کر لیا۔ جب سلیمانؑ نے مال غنیمت کو اپنے سامنے دیکھا تو بحضور رب العزت سجدہ ریز ہوا اور کہا کہ اس قوم کے خلاف، اس قسم کی کامیابی انہی اسباب و ذرائع سے ممکن تھی جو ہمیں خدا کی طرف سے عطا ہوئے ہیں۔ وہ ایسے مواقع اس لئے بہم پہنچاتا ہے کہ لوگوں پر اس حقیقت کو آشکارا کر دے کہ میں، اُس کی دی ہوئی قوت و حشمت، اور دولت و ثروت کو صحیح مصرف میں لاتا ہوں یا ان کا غلط استعمال کرتا ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو قوم بھی فطرت کی بخشائشوں کو صحیح مصرف میں لاتی ہے، اس کا

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ
قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ
مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۴۳﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ
صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۴﴾

۴ ۴۲ ۱۸

فائدہ اسی کو ہوتا ہے۔ اور جو لوگ ان کا غلط استعمال کرتے ہیں اس کا نقصان انہی کو ہوتا ہے۔ ــــ خدا کا نہ تو اُن مفادات سے کچھ سنورتا ہے اور نہ ہی ان نقصانات سے کچھ بگڑتا ہے۔ یہ سب انسان کے اپنے لئے ہے۔ خدا اس سے بے نیاز ہے کہ وہ انسانوں کی محنت کے ماحصل سے کچھ لے۔ اس کے پاس بہت کچھ ہے۔

۴۱ لیکن یہ فتح میدانِ جنگ میں ہوئی تھی۔ ان کے دارالسلطنت تک رسائی نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کے لئے سلیمانؑ نے اہل لشکر سے کہا کہ تم (دیگر مقامات کو زیادہ گزند نہ پہنچاؤ) ایوانِ حکومت پر اس شدت کا حملہ کرو کہ اس کا حلیہ بگڑ جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اربابِ حکومت اس سے راہ راست پہ آجائیں۔ اگر ایسا نہ ہوا (تو پھر دوسری تدابیر پر عمل کیا جائے گا)۔

۴۲ (چنانچہ یہ تدبیر کارگر ہوگئی۔ اور ملکۂ سبا نے شکست مان لی) جب وہ سلیمانؑ کے سامنے آئی تو اُس نے کہا کہ کیوں؟ یہی تھی وہ تیری قوت و ثروت جس کے بل بوتے پر تیری قوم اس قدر سرکش ہو رہی تھی؟ اس نے کہا کہ ہاں! وہ قوت و ثروت کچھ ایسی ہی تھی۔ ہمیں اس کا پہلے ہی سے احساس ہوگیا تھا۔ اب ہم آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔

۴۳ وہ فرماں پذیری تو اس سے بہت پہلے قبول کر لیتی، لیکن جو چیز اس کی راہ میں حائل ہو رہی تھی وہ اس قوم کا مذہب تھا ــــ یعنی وہ معبود جن کی وہ قوم، خدا کو چھوڑ کر پرستش کرتی تھی۔ (ان کا خیال تھا کہ وہ معبود ان کی ضرور مدد کریں گے اور وہ غالب رہیں گے۔ لیکن ان کا یہ خیالِ خام تھا)۔

۴۴ اب ان کے تعلقات خوشگوار ہوگئے اور سلیمانؑ نے اسے اپنے ہاں بطور شاہی مہمان مدعو کیا، اور شیش محل میں اس کے قیام کا بندوبست کیا۔ (اس نے اس سے پہلے کبھی شیش محل نہیں دیکھا تھا۔ جب اس نے بلوریں فرش میں در و دیوار کے عکس دیکھے تو) اسے گہرا پانی خیال کیا، اور اس سے گھبرا سی گئی۔ (سلیمانؑ نے اس کی گھبراہٹ کو بھانپ لیا اور کہا کہ اس میں ڈرنے کی

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ
بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۖ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَ ۚ قَالَ

کوئی بات نہیں۔ یہ پانی نہیں) شیشے کا فرش ہے جس میں عکس دکھائی دے رہے ہیں۔
(ملکہ سبا نے اس شان و شوکت کو دیکھ کر سلیمانؑ سے پوچھا کہ اُسے سامانِ آرائش و آسائش کی اس قدر فراوانیاں کس طرح حاصل ہو گئی ہیں۔ سلیمانؑ نے کہا کہ جس سرزمین پر خدا کا نظام ربوبیت قائم ہو جائے وہاں یہ سب کچھ میسر آجاتا ہے)۔ اس پر ملکہ نے کہا کہ اے میرے نشوونما دینے والے! میں نے اپنے آپ پر زیادتی کی تھی جو تجھے چھوڑ کر معبودانِ باطل کی عبودیت اختیار کر رکھی تھی۔ میں درحقیقت تاریکی میں تھی۔ اب مجھ پر انکشافِ حقیقت ہوا ہے۔ اس لئے اب میں بھی اُسی خدا کی محکومیت اختیار کرتی ہوں جو تمام نوعِ انسان کی نشوونما کا ضامن ہے۔ اس طرح میں سلیمانؑ کی مطیع و فرماں پذیر ہوں۔ ہم دونوں اس کے محکوم ہیں۔

۴۵ (یہ تھا سلیمان اور ملکہ سبا کا ماجرا۔ اس ملکہ کا جس نے قوانین خداوندی کی اطاعت اختیار کر کے اپنے آپ کو تباہیوں اور بربادیوں سے بچا لیا۔ اس کے برعکس، وہ اقوام تھیں جنہوں نے، رسولوں کی تنبیہ کے باوجود، اپنی غلط روش کو نہ چھوڑا اور تباہ و برباد ہو گئیں۔ انہی میں) قومِ ثمود تھی جس کی طرف ہم نے ان کے بھائی بندوں میں سے صالحؑ کو بھیجا تھا۔ اس نے ان سے کہا کہ تم قوانین خداوندی کی محکومیت اختیار کرو۔ اس پر ان میں دو پارٹیاں ہو گئیں۔ ایک وہ جو صالحؑ کے ساتھ قوانین خداوندی پر ایمان لے آئی۔ اور دوسری وہ جس نے اس سے سرکشی اختیار کی — یہ دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کی مخالف تھیں۔

۴۶ (صالحؑ نے انہیں بہتیرا سمجھایا لیکن وہ یہی کہتے رہے کہ تم جس تباہی کی دھمکی دیتے ہو اسے لے کیوں نہیں آتے؟)۔ اس پر صالحؑ ان سے کہتا کہ تم کس قدر اپنے آپ سے دشمنی کر رہے ہو کہ زندگی کی خوشگواریوں سے پہلے تباہیوں اور بربادیوں کے لئے جلدی مچا رہے ہو! تم ان تباہیوں کو آوازیں دے دے کر بلانے کی بجائے خدا سے ان سے محفوظ رہنے کا سامان کیوں نہیں طلب کرتے! اس سے نہ صرف یہ کہ تم ان تباہیوں سے محفوظ رہ جاؤ گے بلکہ تمہاری نشوونما کا سامان بھی بافراط مل جائے گا۔

۴۷ اس کے جواب میں وہ کہتے کہ جب سے تم اور تمہارے ساتھی پیدا ہوئے ہیں، ہمارے کانوں میں مسلسل تباہی اور بربادی کی آوازیں پڑنی شروع ہو گئی ہیں۔ (ورنہ اس سے پہلے، ہم ان الفاظ تک سے ناآشنا تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ بڑے منحوس ہو!

طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾
قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا
وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾
فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾

اس پر صالحؑ ان سے کہتا کہ تم پر یہ "نحوست" (تباہی اور بربادی) ہماری وجہ سے نہیں آ رہی۔ یہ تو تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے جو خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہو رہا ہے۔ (لیکن ایسا نظر آتا ہے کہ یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی جب تک) تمہیں عذاب کی کٹھالی میں تپایا نہیں جائے گا۔

۴۸ اس قوم میں تو بڑے بڑے منتخب سردار تھے جن کے فتے معاشرے کا نظم و نسق تھا۔ وہی ان تمام شرارتوں کی جڑ تھے۔ وہ ملک میں ناہمواریاں پیدا کرتے رہتے تھے اور قوم کو کبھی اصلاح کی طرف آنے نہیں دیتے تھے (حقیقت یہ ہے کہ قوم کا دار و مدار ان لوگوں پر ہوتا ہے جن کے ہاتھ میں اقتدار و اختیار اور نظم و نسق ہو۔ وہی عوام کو بگاڑتے ہیں اور انہی کے سنوارنے سے معاشرہ سنورتا ہے)۔

۴۹ (چونکہ جس نظامِ عدل کی طرف صالحؑ دعوت دیتے تھے اس سے ان اربابِ اقتدار کی مفاد پرستیوں پر زد پڑتی تھی' اس لئے وہی سب سے زیادہ اس کی مخالفت کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی میٹنگ بلائی اور) آپس میں کہا کہ قسم اٹھاؤ کہ ہم سب مل کر صالحؑ اور اس کے ساتھیوں پر رات کو حملہ کریں گے۔ اور ہم مقتولین کے ورثاء کے سامنے صاف مکر جائیں گے اور کہہ دیں گے کہ ہم نے انہیں ہلاک ہوتے دیکھا تک نہیں۔ اور ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔

۵۰ وہ ادھر یہ تدبیر سوچ رہے تھے۔ اور ہم اپنے قانونِ مکافات کی رو سے' ایک اور تدبیر کر رہے تھے جس کا انہیں شعور و احساس تک نہ تھا۔

۵۱ سو تم دیکھو کہ ان کی تدبیر کا انجام کیا ہوا اور خدا کی تدبیر نے کیا کیا؟ (صالحؑ اور اسکی جماعت تو صحیح و سلامت رہی) اور وہ مفسدین' اور ان کی قوم' سب تباہ و برباد ہو گئے۔

۵۲ یہ ہیں ان کی بستیاں جو آج تک ویران پڑی ہیں۔ اور یہ سب اس لئے ہوا کہ وہ لوگ ظلم کرتے تھے۔

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾
اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ
قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ
الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰي عِبَادِهِ الَّذِيْنَ

ع ۴ ۱۴ ۱۹

اس سرگزشت میں ان لوگوں کے لئے سامانِ عبرت ہے جو علم و بصیرت سے کام لیتے ہیں۔

۵۳ (وہ تباہ ہو گئے اور) وہ لوگ جو قوانین خداوندی کی صداقت پر ایمان لائے تھے' اور ان کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے' اُن کے شر سے محفوظ رہے۔

۵۴ اسی طرح لوطؑ کی سرگزشت ہے جس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم سب کچھ دیکھتے بھالتے' سمجھتے سوچتے' اس قدر کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کرتے ہو!

۵۵ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم' جنسی خواہش کی تسکین کے لئے' عورتوں کو چھوڑ کر' مردوں کی طرف آتے ہو۔ یہ کتنی بڑی جہالت کی بات ہے۔

۵۶ اس کی قوم کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا' بجز اس کے کہ انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ لوطؑ کی جماعت کے لوگوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کیا جائے۔ یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں! (ایسے "پاکبازوں" کا ہم جیسے "سیاہ کاروں" میں بھلا کیا کام!)۔

۵۷ لیکن ہم نے لوطؑ اور اس کے ساتھیوں کو' اُن کے دست تطاول سے محفوظ رکھا۔ بجز لوطؑ کی بیوی کے' جس کے خیالات کے پیش نظر' پہلے ہی سے اندازہ تھا کہ وہ لوطؑ کا ساتھ نہیں دے گی۔ بلکہ پیچھے رہ جانے والی جماعت میں شامل رہے گی۔

۵۸ چنانچہ اُس قوم پر' کوہ آتش فشاں سے پتھروں کی بارش ہوئی ——— کس قدر بری تھی وہ بارش جو ان لوگوں پر برسی' حالانکہ انہیں اس کے متعلق پہلے سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ (لیکن انہوں نے تو اپنا شیوہ بنا لیا تھا کہ لوطؑ کی ہر بات کی مخالفت اور تکذیب کرنی ہے)۔

۵۹ ان تاریخی شواہد کی روشنی میں' یہ حقیقت تمہارے سامنے بے نقاب ہو جائے گی کہ خدا کا قانون مکافات کس قدر درخور حمد و ستائش ہے جو ظلم کرنے والوں کو تباہ کر دیتا ہے' اور جو لوگ اُس کے قوانین کی محکومیت اختیار کرتے ہیں' انہیں' اِن ظالمین کے گروہ سے الگ

اصطفآٰ اللّٰہ خیر امّا یشرکون ﴿۵۹﴾

کر کے امن و سلامتی میں رکھتا ہے۔ (اگر خدا کا قانونِ مکافات نہ ہوتا تو جو گروہ ایک دفعہ کسی طرح قوت حاصل کر لیتا وہ دوسروں پر ظلم و استبداد کئے جاتا اور کوئی اُسے روکنے والا نہ ہوتا)۔

اس کے بعد سوچو کہ کیا خدا کے قانونِ مکافات) کا غلبہ اور اقتدار بہتر ہے یا ان قوتوں کا جنہیں یہ لوگ خدا کے ساتھ شریک کرتے ہیں!



اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ
فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾
اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ

---

۶۰ اس حقیقت کی شہادت کے لئے کہ کائنات میں قانون صرف خدا کا کارفرما ہے۔ کسی اور کا قانون اس میں شریک نہیں' ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے اس تمام سلسلۂ کائنات کو پیدا کیا ہے۔ جو تمہارے فائدہ کے لئے بادلوں سے بارش برساتا ہے۔ پھر اُس پانی سے نہایت خوشنما باغات اُگاتا ہے۔ تمہارے لئے تو یہ ممکن نہیں تھا کہ خدا کے ان عطیات (زمین - پانی - ہوا - روشنی - حرارت) کے بغیر ان درختوں کو اُگا سکتے۔

اب بتاؤ کہ کیا یہاں قانونِ خداوندی کے اختیار و اقتدار کے علاوہ' کسی اور کا اقتدار و اختیار بھی کارفرما ہے؟ کیا اس کے ساتھ کوئی اور الٰہ بھی ہے؟ (اگر یہ لوگ اس پر خالی الذہن ہو کر غور کریں تو اس حقیقت کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو کہ یہ سب کچھ خدا اور صرف خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے' اس لئے کائنات میں کوئی اور ہستی ایسی نہیں جسے الٰہ قرار دیا جا سکے) لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ لوگ' سیدھے راستہ پر چلنے کے بجائے' اپنے جذبات کے تابع' ایک طرف کو جھک جاتے ہیں اور یوں کجروی اختیار کر لیتے ہیں۔

۶۱ پھر ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے زمین کو (باوجود اس کی اس قدر تیز گردش کے) ایسا بنا دیا جس پر ہر شے نہایت عمدگی سے ٹھہر سکتی ہے۔ اور اس کے اندر دریا بہا دیئے۔ اور

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ
وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ
يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

بلند پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ اور دو دریاؤں کے درمیان روک کا سامان پیدا کر دیا۔ (۲۵/۵۳)۔

اب بتاؤ کہ کیا کوئی اور ہستی بھی ایسی ہے جس کا اقتدار اس تمام نظم و نسق میں شریک ہو؟ جب کوئی اور اس میں شریک نہیں تو خدا کے ساتھ کوئی اور الٰہ کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن یہ لوگ علم و بصیرت سے کام نہیں لیتے (اور محض توہم پرستی اور جہالت کی بنا پر غلط راستے اختیار کر لیتے ہیں)۔

۶۲ پھر ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے کہ جب کوئی محکوم اور مجبور قوم اپنی پریشانیوں میں اس کے قانون کو پکارتی ہے تو وہ اس کی پکار کا جواب دیتا ہے (اور کہتا ہے کہ اس کی پریشانیوں کا علاج اس کے پاس ہے)۔ اور جب وہ اس کے مطابق عمل کرتی ہے تو اس کی مشکلات کو دور کر دیتا ہے اور اس طرح تمہیں حکومت و مملکت عطا کر دیتا ہے (۲۴/۵۵—۵۴)۔

اب بتاؤ کہ کیا خدا کے قانون کے علاوہ کسی اور کا قانون بھی ہے جو یہ کچھ کر سکتا ہو؟ لیکن ان میں بہت تھوڑے ہیں جو اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہیں؟

۶۳ پھر ان سے پوچھو کہ جب تم رات کی تاریکیوں میں، صحراؤں یا سمندروں میں سفر کرتے ہو تو وہ کون ہے جو (ستاروں کی روشن قندیلوں سے) تمہاری راہ نمائی کرتا ہے (اور اس میں کبھی غلطی نہیں ہوتی)۔

اور وہ کون ہے جو اس بارش سے پہلے جو مخلوق کے لئے سامانِ پرورش اپنے دامن میں لاتی ہے، ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اس (بارش) کی آمد کا مژدہ جانفزا سناتی ہیں۔

بتاؤ کہ خدا کے علاوہ کوئی اور بھی ہے جس کا قانون یہ سب کچھ کرتا ہے؟ کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ خدا کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ اس کے ساتھ اور قوتوں کو بھی شریک کیا جائے!

۶۴ ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو ہر شے کی تخلیق کی ابتدا کرتا ہے، اور پھر اسے گردشیں دے کر، مختلف ارتقائی مراحل میں سے گزارتا ہوا اس کی منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ وہ کون ہے جس کا

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ
عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا
تُرٰبًا وَّاٰبَاۗؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۡ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

نظام ربوبیت' فضا کی بلندیوں اور زمین کی پستیوں کے باہمی تعاون سے' تمہارے لئے سامانِ رزق پیدا کرتا ہے۔

بتاؤ کہ خدائے واحد کے قانون کے علاوہ کسی اور کا قانون و نظام بھی یہ کچھ کر سکتا ہے! اگر تم سمجھتے ہو کہ ایسا ہو سکتا ہے تو اپنے دعوے کی تائید میں دلیل و برہان پیش کرو (اس لئے کہ ہمارا ہر دعوے دلیل و برہان پر مبنی ہے اس لئے اس کی تردید بھی دلیل و برہان ہی سے کرنی ہوگی ——— اور دلیل و برہان تم کوئی پیش نہیں کر سکتے۔ ۲۳/۱۱۷)۔

۶۵ (ان لوگوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ یہ' زندہ انسان تو ایکطرف' مُردوں تک کو کارِ خداوندی میں شریک سمجھتے ہیں)۔ ان سے کہو کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو امور پردۂ خفا میں ہیں' (اور ان کا تعلق عالم محسوسات سے نہیں) ان کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ اور مُردے تو خود اپنے متعلق بھی اتنا نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے' (چہ جائیکہ وہ علم خداوندی میں شریک ہوں۔ ۱۶/۲۲)۔

۶۶ جہاں تک آخرت کی زندگی کا تعلق ہے' اس کے متعلق نوعِ انسان کو' (وحی کے ذریعے) مسلسل اور پیہم علم حاصل ہوتا رہا ہے' لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اس باب میں شک کرتے ہیں۔ بلکہ اس کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کئے ہیں۔

۶۷ اور کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے آبا و اجداد' مر کر مٹی ہو جائیں گے' تو کیا ہم پھر زندہ کر کے اٹھا کھڑے کئے جائیں گے؟

۶۸ (اس کے بعد طنزاً کہتے ہیں کہ) ہمیں بھی ایسا ہی کہا جا رہا ہے' اور ہمارے آبا و اجداد سے بھی ایسا ہی کچھ کہا جاتا تھا۔ (نہ وہ ابھی تک زندہ ہوئے' نہ ہی ہم میں سے جو مر گیا اسے ہم نے زندہ ہوتے دیکھا) اس لئے یہ محض اگلے وقت کے لوگوں کی بیان کردہ کہانیاں ہیں' جو اس طرح دہرائی جا رہی ہیں۔ ان کی حقیقت کچھ نہیں۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ
فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ
رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
لَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٤﴾

---

۶۹ (اسی بنا پر یہ خدا کے قانونِ مکافات سے بھی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جو ہم سے کہا جارہا ہے کہ ہماری غلط روش کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا۔ یہ بھی یونہی دھمکی ہے) ان سے کہو کہ دنیا میں چلو پھرو اور (اقوام گذشتہ کی بستیوں کے کھنڈرات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بتاؤ کہ) جن اقوام نے انسانیت کے خلاف جرائم کی روش اختیار کر رکھی تھی ان کا انجام کیا ہوا؟ (کیا وہ کامیاب و کامران رہیں یا تباہ و برباد ہو گئیں؟)۔

۷۰ (اے رسول! تو ان لوگوں تک صحیح بات پہنچائے جا اور) اس سے افسردہ خاطر مت ہو کہ (یہ لوگ اس صحیح بات کو مانتے کیوں نہیں) نہ ہی تو ان کی ان تدابیر اور سازشوں کے احساس سے جو یہ لوگ تیرے اور تیرے مشن کے خلاف سوچتے اور کرتے ہیں، دل گرفتہ ہو۔ (یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ آخر الامر کامیابی تمہاری ہی ہوگی)۔

۷۱ یہ لوگ تجھ سے بار بار کہتے ہیں کہ جس آنے والی تباہی کی تم دھمکی دیتے ہو، اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ وہ تباہی کب آئے گی۔

۷۲ ان سے کہو کہ جن تباہیوں کے متعلق تم اس قدر جلدی مچا رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض، بالکل تمہارے ساتھ ہی پیچھے چلی آرہی ہوں۔

۷۳ (اعمال اور ان کے نتائج میں مہلت کا وقفہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ) خدا کا قانون، نوعِ انسان سے نرمی اور گنجائش برتنا چاہتا ہے۔ (اس کا منشا یہ ہے کہ اس دوران میں، یہ لوگ اپنی غلط روش کو چھوڑ کر، صحیح راستہ اختیار کر لیں اور اس طرح تباہی سے بچ جائیں) لیکن اکثر لوگ اس مہلت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (اپنی غلط روش چھوڑتے نہیں، اور اُلٹے خدا کے قانونِ مکافات کے خلاف اعتراضات کرنے لگ جاتے ہیں)۔

۷۴ (لیکن یہ باتیں بھی محض ان کے کہنے کی ہیں۔ ان کے دل میں کچھ اور ہی چور چھپا بیٹھا ہے۔ یہ اپنی مفاد پرستیوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔) تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ یہ لوگ اپنے

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ
بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى
وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾

دل میں کیا چھپاتے ہیں اور ظاہر کیا کرتے ہیں۔

۷۵ (انہی کے دل کے راز کیا؟) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کوئی بھی راز ایسا نہیں جو علمِ خداوندی سے چھپا ہوا ہو۔ سب کچھ قانونِ خداوندی کے نوشتے میں موجود ہے ——— اور وہ نوشتہ بڑا واضح ہے۔

۷۶ (اُسی نوشتۂ خداوندی کا ایک حصہ اس قرآن کے اندر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ (قرآن) اُن امور کو بھی وضاحت سے بیان کر دیتا ہے جن میں یہ 'بنی اسرائیل' (یہودی) ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔

۷۷ قرآن کا یہی مقام ہے جس کی وجہ سے یہ 'ہر اس قوم کے لئے' جو اس کی صداقت پر یقین رکھے صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے' اور اُسے ——— سامانِ نشوونما عطا کرتا ہے ——— انکی طبیعی زندگی اور انسانی صلاحیتوں' دونوں کی نشوونما کا سامان۔

۷۸ (لیکن اگر یہ لوگ اس کی صداقت پر ایمان نہیں لائیں گے' اور اپنی غلط روش پر اڑے رہیں گے تو) وہ اپنے قانونِ مکافات کی رُو سے ان کے معاملات کا فیصلہ کر دے گا۔ وہ اپنے قوانین کو نافذ کرنے کی پوری پوری قوت رکھتا ہے۔ اور اس کے فیصلے علم و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ یونہی اندھا دھند نہیں ہو جاتے۔

۷۹ لہٰذا' (اے رسول!) تو اپنے خدا کے محکم اور غیر متبدل قوانین پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہوئے آگے بڑھتا جا' اور اس پر یقین رکھ کہ تو ایسی راہ پر گامزن ہے جو واضح طور پر حق و صداقت کی راہ ہے۔

۸۰ (اور اس سے کبیدہ خاطر مت ہو کہ یہ لوگ تیری آواز پر جو سراسر حق و صداقت کی آواز ہے' کان کیوں نہیں دھرتے۔ تیری دعوت' علم و برہان پر مبنی ہے۔ اس پر وہی غور کر سکتا ہے جو عقل و بصیرت سے کام لے۔ جو اپنے جذبات کے طوفان میں غرق ہو کر سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھے' وہ تمہاری آواز کو کیسے سنے گا۔ لہٰذا' تم اس سے افسردہ خاطر مت ہو کہ یہ تمہاری آواز کو کیوں نہیں

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ
عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَاۗبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَيَوْمَ
نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ
بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

سنتے۔ تم زندہ انسانوں کو سنا سکتے ہو) مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ نہ ہی انہیں سنا سکتے ہو جو بہرے ہوں' اور اس پر کیفیت یہ ہو کہ جب انہیں بات سننے کے لئے بلایا جائے تو منہ پھیر کر چل دیں۔ ($\frac{۳۶}{۷}$)۔

۸۱ نہ ہی تو ان اندھوں کو سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے (جو آنکھیں کھول کر چلنا ہی نہ چاہیں)۔

تو صرف انہیں سنا سکتا ہے جو (سننے کے لئے آمادہ ہوں۔ اُن سے جو کچھ کہا جائے اُس پر غور و فکر کریں۔ اور اس طرح' علیٰ وجہ البصیرت) ہمارے قوانین کی صداقت پر ایمان لائیں اور انکے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔

۸۲ (ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ جو قوم ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین نہیں رکھتی اور غلط روش زندگی اختیار کر لیتی ہے' اور ان کے) اعمال کے ظہورِ نتائج کا وقت آجاتا ہے' تو ملک میں کوئی شخص' یا جماعت یا کوئی دوسری قوم' اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور آہنی نشتر سے ان کی فصد کھول دیتی ہے جس سے ان کی سرکشی کے سرسام کا علاج ہو جاتا ہے۔ (ہو سکتا ہے کہ یہ فصد کھولنے والی جماعت' نظامِ خداوندی کی علمبردار ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سرکش قوتوں کی باہمی جنگ سے ان کی فصدیں کھل جائیں $\frac{۶}{۶۵}$)۔

۸۳ اسی قاعدے کے مطابق' تاریخ میں ایسے ادوار اور مواقع بھی آئیں گے کہ کسی ایک قوم یا پارٹی کے اٹھنے کے بجائے' مختلف جماعتیں یا قومیں' ایک بار اٹھ کھڑی ہوں اور اس طرح ایک عالمگیر جنگ ہو جائے جس میں ان تمام قوموں کی قوتیں جو ہمارے قوانین کی تکذیب کرنے والی ہوں' حصہ لیں۔ اس باہمی ٹکراؤ سے وہ کمزور ہو جائیں اور اس طرح فساد انگیزی سے رُک جائیں۔

۸۴ چنانچہ جب اس طرح باہمی تصادم سے ان کی قوتیں کمزور ہو جائیں گی اور وہ اس حالت میں

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٨٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ
مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾ وَيَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ
وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ۚ وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ﴿٨٧﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ

سامنے آئیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم ہمارے قوانین کی اندھا دھند تکذیب کرتے رہے اور انہیں کبھی علم و بصیرت سے سمجھنے کی کوشش نہ کی (۱۰/۳۹)۔ اب (جبکہ تم نے ان قوانین سے سرکشی برتنے کا انجام خود دیکھ لیا ہے) ذرا سوچو کہ تم کیا کیا کرتے تھے؟

۸۵ الغرض ان کے ظلم و استبداد اور سرکشی اور خودسری کی بنا پر خدا کے قانون مکافات کا اٹل فیصلہ ان کے خلاف صادر ہو جائے گا اور وہ آگے سے کچھ بول ہی نہیں سکیں گے۔

۸۶ (حیرت ہے کہ خدا کے کائناتی قوانین کی کارفرمائی ان کے سامنے ہے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ ذرا غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ بڑے بڑے کائناتی قوانین کو چھوڑ دو۔ دن اور رات کی عام گردش تو ہر روز ان کے سامنے رونما ہوتی ہے) دن روشن ہوتا ہے اور اس کے بعد رات آجاتی ہے جو تمام سرگرمیوں کو خاموش اور ساکن کر دیتی ہے (یہ کچھ ٹھیک ایک قاعدے اور قانون کے مطابق واقع ہوتا رہتا ہے جس میں کبھی کوئی اختلاف یا تبدیلی نہیں ہوتی)۔ جو لوگ خدا کے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں، ان کے لئے اس ایک (بظاہر معمولی سی) بات میں حقیقت تک پہنچنے کی نشانیاں ہیں —— اس حقیقت تک پہنچنے کی کہ جس طرح کائنات میں رات اور دن کی گردش کے لئے ایک غیر متبدل قانون مقرر ہے اسی طرح قوموں کے عروج و زوال اور موت و حیات کے لئے بھی اٹل قوانین مقرر ہیں)۔

۸۷ (انہی قوانین کے مطابق وہ عالمگیر ٹکراؤ ہوگا جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اُس وقت) جنگ کے بگل بجیں گے۔ اور اس قدر دہشت طاری ہوگی کہ تمام اہل کائنات سراسیمہ ہو جائیں گے، بجز اُن کے جن کی روش زندگی خدا کے قانون مشیت کے مطابق ہوگی (۲۷/۸۹)۔ اُس وقت، تمام سرکش قومیں بے دست و پا ہو کر قانون خداوندی کے سامنے جھک جائیں گی[1] (۶/۷۳؛ ۱۸/۹۹؛ ۲۰/۱۰۲؛ ۳۹/۶۸)۔

۸۸ اور تم بڑے بڑے اکابرین روزگار کو دیکھو گے —— جن کے متعلق تمہارا گمان یہ تھا کہ ان کی قوت بڑی مستحکم ہے۔ انہیں اپنے مقام سے کون ہلا سکتا ہے —— وہ اس طرح کمزور و ناتوان ہو جائیں گے جس طرح بادلوں کو ہوا کے جھونکے اِدھر اُدھر لئے پھرتے ہیں۔ یہ سب کچھ

---

[1] آیات ۸۷-۹۰ کا تعلق حیات اُخروی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں ان کے مفہوم کا اطلاق اُس زندگی کے انقلاب پر ہوگا۔ (دیکھئے ۲۳/۱۰۰)۔

تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ
فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ
هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا
وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

خدا کے قانون مکافات کے مطابق ہوگا۔ اس خدا کے قانون کے مطابق جس نے ہر شے کو نہایت درست اور مستحکم انداز سے بنایا ہے۔ (لہٰذا انسانوں کے خود ساختہ قوانین و نظام حیات' خدا کے قوانین کے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گے)۔ وہ خوب جانتا ہے کہ تم لوگ کیا کرتے ہو' اور تمہارے ان اعمال کا نتیجہ کیا ہوگا۔

۸۹ اُس دور میں' جو قوم حسن کارانہ انداز سے' متوازن نظام خداوندی پر کاربند ہوگی' اُسے اُس کی کوششوں سے بھی زیادہ خوشگواریاں حاصل ہوں گی۔ اور وہ لوگ اس انقلاب کی ہولناک پریشانیوں سے امن میں رہیں گے۔ (۲۱/۱۰۳ ؛ ۲۷/۸۷)۔

۹۰ اور جو لوگ ناہمواریاں پیدا کرنے والے غلط نظام پر مصر رہیں گے' وہ اُس تباہی میں اوندھے منہ جھونک دیئے جائیں گے' جو انسان کی متاع حیات کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ اور ان سے کہا جائیگا کہ) یہ اُن اعمال کا فطری نتیجہ ہے جو تم کرتے تھے ——— تمہارے اعمال خود یہ تباہی بن کر تمہارے سامنے آ رہے ہیں۔

۹۱ (ان حقائق کی تبیین کے بعد' اے رسول! ان سے کہدو کہ) مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس خدا کے احکام و قوانین کی پوری پوری اطاعت کروں جس نے اس شہر (مکہ) کو تمام نوع انسان کے لئے واجب الاحترام بنایا ہے۔ (کیونکہ اس نے وجہ قیام انسانیت بننا ہے۔ ۵/۹۶)۔
حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے خدا کے تجویز کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اسی لئے مجھے بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں اُس کے قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کر کے' اُس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے تگ و تاز کروں۔

۹۲ یعنی میں اس قرآن کا اتباع کرتا جاؤں۔
(اے رسول! تم خود یہ کرو اور اس کے بعد' ان لوگوں سے کہدو کہ یاد رکھو) تم میں سے

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

جو شخص میرے پیچھے سیدھی راہ پر چلے گا اس کا فائدہ خود اُسی کو ہوگا۔ اور جو غلط راستے پر چلے گا (اس کا نقصان وہ خود اٹھائے گا)۔ میرا کام یہ ہے کہ میں تمہیں واضح طور پر بتادوں کہ تمہاری غلط رَوش کا نتیجہ کس قدر تباہ کن ہوگا۔

۹۳ اور ان سے کہدو کہ (تم جس قدر مخالفت کرنا چاہتے ہو کرلو۔ وہ نظام قائم ہو کر رہے گا جو) خدا کی حمد و ستائش کی جیتی جاگتی تصویر ہوگا۔ وہ اس طرح واضح طور پر اپنی نشانیاں تمہارے سامنے لے آئے گا جس سے تم پہچان لوگے (کہ ہاں یہ وہی معاشرہ ہے جس کی بابت تم سے کہا جاتا تھا۔ دوسری طرف جو تباہی تمہارے اوپر آئے گی وہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوگی۔ کیونکہ) خدا کا قانون مکافات تمہارے تمام اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ
وَيَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④

---

۱ خدائے ذی الطول سمیع وعلیم کا ارشاد ہے کہ

۲ یہ اُس ضابطۂ حیات کے قوانین ہیں جو نہایت واضح اور روشن ہے۔

۳ اس میں ہم تمہیں موسیٰؑ اور فرعون کی داستانِ آویزش کا کچھ حصہ سناتے ہیں جو حقیقت پر مبنی ہے اور جس میں اِن لوگوں کے لئے سامانِ بصیرت ہے جو ہمارے قوانین کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔

۴ واقعہ یہ تھا کہ فرعون نے اپنی مملکت میں بڑی سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔ اس نے اپنی قوت کو مستحکم رکھنے کے لئے ملک کے باشندوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور ان میں سے ایک پارٹی (بنی اسرائیل) کو کمزور سے کمزور تر کرتا چلا جاتا تھا۔ اس کے لئے اُس کی پالیسی یہ تھی کہ وہ اس قوم کے ان افراد کو جن میں اسے جوہر مردانگی نظر آتے ذلیل و خوار کر کے غیر مؤثر بنا دیتا اور جو ان جوہروں سے عاری ہوتے انہیں اُبھارتا اور آگے بڑھاتا رہتا۔ اس طرح وہ اس قوم کے اندر ناہمواریاں پیدا کر کے ان کی قوت کو توڑتا چلا جاتا (۴۰/۲۵ ؛ ۴۲/۱۴۱ ؛ ۴۰/۲۵)۔

وَنُرِيدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝٥
وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝٦ وَ
أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ
إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝٧ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا
وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ۝٨

اور یہ بات ایک فرعون پر ہی منحصر نہیں تھی۔ ملوکیت کا خاصہ ہی یہ ہوتا ہے (۲۷/۳۴)۔ اور فرعون بھی انہی میں سے تھا۔

۵ چنانچہ اس کی سرکشی اور فساد انگیزی کے پیش نظر ہمارے قانونِ مکافات کا فیصلہ یہ تھا کہ جس قوم کو وہ اس قدر کمزور کئے جا رہا تھا' اسے ہماری نعمتوں سے نوازا جائے۔ یعنی انہیں ملک کی سرداری عطا کر دی جائے اور ایک خطۂ زمین کا مالک بنا دیا جائے۔

۶ جہاں ان کی اپنی حکومت ہو۔ اور فرعون' اور اس کے مذہبی پیشواؤں کے سردار' ہامان' اور ان کے سب لاؤ لشکر کو وہ کچھ دکھا دیا جائے جسے دیکھنے سے وہ اس قدر خائف تھے اور جس سے بچنے کے لئے وہ اس قدر محکم تدابیر اختیار کیا کرتے تھے۔ یعنی ان کی تباہی اور بربادی۔

۷ اس مقصدِ عظیم کے لئے ہم نے ایک پروگرام مرتب کیا۔ اس کی پہلی کڑی یہ تھی کہ ہم نے (موسیٰؑ کی پیدائش کے بعد' اپنے ایک پیغامبر کی وساطت سے' موسیٰؑ کی ماں کی طرف یہ حکم بھیجا کہ بردست اس بچے کو دودھ پلائے جاؤ' لیکن جب اس کی بابت تمہیں کوئی خطرہ محسوس ہو' تو اسے دریا میں بہا دینا۔ اور اس خیال سے قطعاً خائف اور مغموم نہ ہونا کہ نامعلوم میرے بچے پر کیا گزرے)۔ ہم اس بچے کو پھر تیری طرف لوٹا دیں گے'۔ (یہ صحیح و سلامت رہے گا۔ اور اس قدر صاحبِ اقبال ہوگا کہ) ہم اسے اپنا رسول بنائیں گے۔

۸ (چنانچہ موسیٰؑ کی ماں نے' بچے کو ایک صندوق میں ڈال کر' دریا میں بہا دیا) اور ایسا ہوا کہ اس صندوق کو خود فرعون کے لوگوں نے دریا سے نکال لیا —— اور اس طرح اُسے محفوظ کر لیا' تاکہ وہ ان کا دشمن بن کر بڑا ہو' اور ان کے لئے غم و حزن کا باعث بنے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرعون اور ہامان' اور ان کے لاؤ لشکر سب مجرم اور خطاکار تھے (اس لئے ان کی تباہی تو خود ان کے جرائم کا فطری نتیجہ تھی۔ لیکن اسے برئے کار موسیٰؑ کے ہاتھوں آنا تھا۔ اگر وہ اس کی

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۭ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝۱۲

فہمائش پر اپنی غلط روش چھوڑ دیتے تو اس تباہی سے بچ جاتے۔ انہوں نے ایسا نہ کیا اور تباہ ہو گئے۔

۹ اِس طرح یہ بچہ فرعون کے محل میں پہنچ گیا۔ جب فرعون کی بیوی نے اسے دیکھا تو فرعون سے کہنے لگی کہ (یہ بچہ بڑا خوبصورت ہے)۔ میں اسے پالونگی تاکہ یہ تیرے اور میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ لہذا اسے یونہی ضائع نہ کیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے فائدہ کا موجب ہو۔ یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔

وہ آپس میں یہ مشورے کر رہے تھے اور نہیں سمجھتے تھے کہ جس بچے کی پرورش وہ اپنے آغوش میں کرنا چاہتے تھے، وہ بڑا ہو کر ان کے حق میں کیا ثابت ہوگا۔!

۱۰ (بچے کو فرعون کے محلات میں چھوڑ کر ذرا اُم موسیٰؑ کی طرف چلو) اُس نے بہانے کو تو بچے کو دریا میں بہا دیا لیکن اس کا دل صبر و سکون سے خالی ہو گیا۔ وہ اس قدر مضطرب و بے قرار ہو گئی کہ اگر ہم اس کے دِل کو ثبات و قرار عطا نہ کرتے، اور اس طرح اسے یقین نہ آجاتا کہ جو کچھ اس سے کہا گیا تھا، ویسے ہی ہوگا، تو بعید نہیں تھا کہ وہ سارا راز افشا کر دیتی۔

۱۱ (لیکن مامتا بہرحال مامتا ہوتی ہے۔ اس نے اسقدر تسلی تشفی کے باوجود) اپنی لڑکی سے کہا کہ ذرا اس صندوق کے پیچھے پیچھے چلی جا، اور اجنبیوں کی طرح، دُور سے دیکھتی رہ کہ اس پر کیا گذرتی ہے۔ چنانچہ وہ اُسے اسی طرح، دُور سے دیکھتی رہی، اور فرعون کے لوگوں کو اس کا احساس تک نہ ہونے دیا (کہ وہ صندوق کا پیچھا کر رہی ہے)۔

۱۲ اِدھر یہ ہو رہا تھا۔ اُدھر ہم نے ایسا کیا کہ بچے نے کسی کے دودھ کو مُنہ تک نہ لگایا۔ (چنانچہ ان کے لئے یہ مسئلہ مشکل بن گیا کہ اِن حالات میں بچے کی پرورش کا کیا انتظام کیا جائے! اتنے میں موسیٰؑ کی بہن وہاں پہنچ گئی)۔ اُس نے ان سے کہا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچے کی پرورش کریں، اور ہر طرح اس کے خیر خواہ رہیں؟

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾
وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۡ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا
مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۡ قَالَ
هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

---

۱۳ چنانچہ اس طرح ہم نے موسیٰؑ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کرے۔ اور دیکھ لے کہ اللہ کا وعدہ کس طرح پورا ہوا کرتا ہے۔ (حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے تو سب وعدے پورے ہوتے ہیں لیکن) اکثر لوگ علم و بصیرت سے کام لے کر اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

۱۴ (چنانچہ اس طرح موسیٰؑ فرعون کے پروردہ کی حیثیت سے بڑھنے پھولنے لگا) جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچا تو ہم نے اسے ہر اعتبار سے متناسب اور متوازن بنا دیا۔ اور اسے علم و دانش سے بھی بہرہ وافر عطا کیا اور معاملات میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے بھی نوازا۔
حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ بھی حسن کارانہ انداز سے اعتدال و توازن کی زندگی بسر کریں اس کا نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

۱۵ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ موسیٰؑ (جس کی جائے رہائش شہر سے باہر محلات میں تھی) کسی کام کے لئے شہر میں ایسے وقت میں آیا جب گلی کوچوں میں گہما گہمی نہیں تھی (علی الصبح۔ یا دوپہر کے قیلولہ کے وقت یا رات گئے)۔ اس نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں — ایک قوم موسیٰ (بنی اسرائیل) کا فرد اور دوسرا اس کی دشمن کی قوم (اہل فرعون) میں سے۔ بنی اسرائیل نے اپنے حریف کے خلاف موسیٰؑ سے مدد مانگی (موسیٰؑ نے دیکھا کہ وہ شخص اس پکارنے والے کے اوپر چڑھتا جا رہا ہے اور قریب ہے کہ اسے مار ہی ڈالے۔ اس لئے) اس نے اسے الگ ہٹانے کے لئے مکا مارا۔ مارا تو مکا ہی لیکن وہ اس پر کچھ اس طرح پڑ گیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ جب موسیٰؑ نے دیکھا کہ اس کے مکے نے کیا کر دیا ہے تو بڑا نادم ہوا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ افسوس! میں نے غصہ سے مغلوب ہو کر ایسا کام کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مغلوب الغضب آدمی اپنا آپ دشمن ہو جاتا ہے اور وہ صحیح راستے سے اس طرح دور ہٹ جاتا ہے کہ اگر وہ ذرا عقل و ہوش سے کام لے تو

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ
فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ
بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ
هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ
تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

تو اسے واضح طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ اسکا اقدام کس قدر غلط تھا۔

۱۶ موسیٰؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میں نے اپنے آپ پر بڑی زیادتی کی ہے۔ تو ایسا انتظام کر دے کہ میں اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہوں۔ (میری نیت اسے مار دینے کی نہیں تھی۔ میں نے تو ایک مظلوم کی مدد کرنی چاہی تھی۔ ایسا محض اتفاق سے ہو گیا ہے)۔ چنانچہ اس کے پروردگار نے ایسا کر دیا کہ اس کی ذات اس غلطی کے مضر اثر سے محفوظ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے قانونِ مکافات میں اس کی گنجائش ہے کہ اگر کسی سے غلطی سے کوئی قصور سرزد ہو جائے اور وہ اس کے احساس سے نادم ہو تو) اُس کے مضر اثرات کو زائل کر کے اس کی ذات کی نشوونما کا سلسلہ بدستور رکھا جائے۔

۱۷ موسیٰؑ نے اس اطمینان کے بعد بحضور رب العزت اظہارِ تشکر کیا اور کہا کہ اے میرے نشوونما دینے والے! تو دیکھے گا کہ میں کبھی مجرموں کی مدد نہیں کروں گا۔

۱۸ دوسرے دن موسیٰؑ پھر شہر میں آیا ـــــ ڈرتا ہوا اور دائیں بائیں دیکھ کر اپنی نگہداشت کرتا ہوا، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ شہر میں اس قتل کے متعلق کیا چرچا ہے۔ اس نے اچانک دیکھا کہ وہی شخص جس نے اس سے کل مدد مانگی تھی (کسی اور سے الجھ رہا ہے اور) موسیٰؑ کو پھر مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ موسیٰؑ نے اس سے کہا کہ (پہلے تو میں نہیں جانتا تھا لیکن) اب مجھے اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ تو بڑا ہی لڑاکا اور غلط کار ہے۔

۱۹ لیکن جب موسیٰؑ نے بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ دوسرا شخص پھر قومِ فرعون کا فرد ہے (اور اپنی حکومت کے زعم میں اس پر سراسر زیادتی کر رہا ہے ـــ حاکم قوم کے افراد ایسا ہی کرتے ہیں)۔ چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ اُس زیادتی کرنے والے کو پکڑ کر الگ کر دے۔

(موسیٰؑ نے جس طرح اس اسرائیلی کو ڈانٹا تھا اور اس میں کل کے واقعہ کا ذکر آ گیا تھا اس سے اُس فرعونی نے اندازہ لگا لیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے کل اُس فرعونی کو مار دیا تھا۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ
لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا
تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ

چنانچہ اس نے جو دیکھا کہ موسیٰؑ اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہا ہے تو وہ چلا اٹھا اور کہا کہ) اے موسیٰؑ! کیا تو چاہتا ہے کہ جس طرح تو نے کل ایک آدمی کو مار دیا تھا' آج مجھے بھی اسی طرح مار ڈالے! معلوم یہ ہوتا ہے کہ تو ملک میں اصلاح نہیں چاہتا' بلکہ اپنی توت کی دھاک بٹھانا چاہتا ہے۔ (اسکے نزدیک "اصلاح" کے معنی یہ تھے کہ حاکم قوم کے افراد جو کچھ کرنا چاہیں' اس میں مزاحمت نہ کی جائے' بلکہ ہر مقام پر محکوم قوم کے افراد کو دبایا اور ڈانٹا جائے' اور انہی کو مجرم قرار دیا جائے!)۔

۲۰ (معلوم ہوتا ہے کہ کل کے قتل کا چرچا عام ہو گیا' اور چونکہ معاملہ محض ایک فرد کے قتل کا نہیں تھا' بلکہ کچھ سیاسی نوعیت کا تھا' اس لئے اسے اہمیت حاصل ہو گئی۔ حتیٰ کہ سرداران شہر نے اسے اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا' اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ موسیٰؑ کو اس جرم کی پاداش میں سزائے موت دیدی جائے۔ ان میں ایک شخص' جو موسیٰؑ کا بہی خواہ تھا' شہر کے اس حصے سے جو آبادی سے دور واقع تھا (یعنی سول لائنز سے' جہاں اکابرین شہر اور ارباب حل وعقد کے مکانات ہوتے ہیں)۔ دوڑتا ہوا آیا اور موسیٰؑ سے کہا کہ امرائے دربارِ فرعون' تمہارے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں۔ تم یہاں سے فوراً بھاگ جاؤ۔ میں یہ بات محض تمہاری خیر خواہی کے لئے کہہ رہا ہوں۔

۲۱ چنانچہ موسیٰؑ یہ سن کر خائف ہوا' اور اپنی حفاظت اور نگرانی کرتا ہوا' وہاں سے نکل پڑا۔ وہ خدا سے دعائیں مانگتا تھا کہ بار الٰہا! مجھے اس ظالم قوم کی دراز دستی سے محفوظ رکھیو۔

۲۲ چنانچہ اس نے چلتے چلتے مدین کا رخ کیا' کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہاں پہنچ کر کوئی ایسا راستہ ضرور نکل آئے گا جس سے وہ فرعونیوں کی دستبرد سے محفوظ رہ سکے اور آئندہ زندگی امن وسلامتی سے گزار سکے۔

۲۳ جب وہ مدین کے پیاؤ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں لیکن' کچھ دور' دو لڑکیاں ہیں جو اپنی بکریوں کو روک رہی ہیں کہ وہ پیاؤ کی طرف بڑھنے نہ پائیں۔ موسیٰؑ نے ان لڑکیوں سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ دوسرے لوگ اپنی بکریوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ تمہاری بکریاں پیاس کی وجہ سے پانی کی طرف دوڑ دوڑ کر آنا چاہتی ہیں۔ لیکن تم انہیں روک رہی ہو کہ وہ پانی کی طرف نہ جانے پائیں!

أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۖ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ
يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ
مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ ۖ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ
مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۖ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥﴾

انہوں نے کہا کہ جب تک یہ چرواہے اپنی بکریوں کو پانی پلا کر لے نہ جائیں' ہم اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں۔ (اس لئے کہ یہ لوگ بڑے بڑے جتھوں کے مالک اور صاحب قوت ہیں' اور ہمارا کوئی آدمی نہیں) صرف ایک باپ ہے جو بہت بوڑھا ہے۔ (اس لئے ہماری کیا مجال ہے کہ جس وقت ان کی بکریاں پانی پی رہی ہوں' ہم اپنی بکریوں کو آگے بڑھنے دیں۔ ان کی بکریاں سیر ہو کر پانی پی لیں۔ اس کے بعد اگر کچھ پانی بچ رہے گا تو ہماری بکریوں کے حصے میں بھی آجائے گا!)۔

(موسیٰؑ نے دل میں کہا کہ — "ہر زمینے کہ رفتیم آسماں پیداست" — مصر سے بھاگا تھا کہ وہاں فرعونیوں کی بالادست قوم نے' اپنی قوت کے بل بوتے پر اسرائیلیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ یہاں پہنچا تو معاملہ وہاں سے بھی زیادہ تاسف انگیز نظر آیا۔ وہاں ایک قوم دوسری قوم کے افراد کو تنگ کرتی تھی۔ یہاں ایک ہی قوم کے افراد کی یہ حالت ہے کہ بالادست طبقہ کمزوروں کو رزق کے سرچشموں کے قریب نہیں آنے دیتا)۔

۲۴ موسیٰؑ بالادستوں کی اس دھاندلی اور کمزوروں کی بے بسی کو کس طرح برداشت کر سکتا تھا؟ وہ اٹھا۔ ان کی بکریوں کو ہانک کر گھاٹ پر لے گیا اور انہیں پانی پلا دیا۔ اس کے بعد پھر اسی درخت کے نیچے آبیٹھا جہاں پہلے بیٹھا تھا۔ اور اپنے خدا کے حضور عرض کیا کہ اے میرے نشوونما دینے والے! (میں وہاں سے نکلا تھا کہ کسی ایسے خطۂ زمین میں پناہ لوں جہاں کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہوتی ہو۔ لیکن اس دنیا میں تو ہر جگہ وہی کچھ ہو رہا ہے۔ اس لئے ان لوگوں سے بھی مجھے بھلائی کی کوئی امید نہیں ہو سکتی)۔ لہٰذا اب تیری طرف سے جو بھلائی بھی مجھے مل سکے' میں اس کا محتاج ہوں۔

۲۵ (وہ ان خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اس نے دیکھا کہ) ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک لڑکی' حیا سے سمٹتی سمٹاتی' اس کی طرف آرہی ہے۔ اس نے آکر موسیٰؑ سے کہا کہ میرے والد نے آپ کو بلایا ہے تاکہ ہماری بکریوں کو پانی پلانے کے سلسلہ میں جو کچھ آپ نے کیا ہے' اسکا کچھ معاوضہ دے۔ چنانچہ جب موسیٰؑ اس مرد بزرگ کے پاس پہنچا اور اپنی سرگزشت سنائی تو اس نے کہا کہ

قَالَتْ إِحْدٰىهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَـْٔجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَـْٔجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ
أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلٰٓى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۖ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۖ وَمَآ
أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِي إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿٢٧﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا
الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٢٨﴾ فَلَمَّا قَضٰى مُوسَى الْأَجَلَ

ڈرو نہیں۔ تم یہاں اس ظالم قوم کی گرفت سے بالکل محفوظ رہو گے۔

۲۶ اس کی لڑکیوں میں سے ایک نے کہا کہ اباجان! اس نوجوان کو اپنے ہاں کام کاج کے لئے ملازم کیوں نہ رکھ لیا جائے؟ اس قسم کے ملازموں میں دو بنیادی خوبیوں کا ہونا ضروری ہے —— یعنی یہ کہ وہ طاقتور ہو اور دیانتدار —— (اس میں دونوں خوبیاں دکھائی دیتی ہیں۔ طاقتور تو یہ نظر ہی آ رہا ہے۔ باقی رہی اس کی دیانتداری۔ سو جس بے غرضی سے اس نے ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے، وہ اس کی دیانتداری کی زندہ شہادت ہے)۔

۲۷ (اس شیخ بزرگ نے معاملہ پر غور کیا۔ موسیٰؑ کو اپنے پاس ٹھیرا کر، اچھی طرح اطمینان کر لیا۔ اس کے بعد موسیٰؑ کے سامنے ایک تجویز رکھ دی)۔ اس نے اس سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی لڑکیوں میں سے ایک کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں۔ لیکن اس شرط پر کہ تم کم از کم آٹھ سال تک یہیں رہو گے۔ اگر تم آٹھ کی بجائے دس سال تک رہ سکو تو یہ تمہاری طرف سے اضافہ ہو گا۔ اس دوران میں میں تمہارے کام کی اجرت بھی دوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم پر کسی قسم کی سختی کروں۔
یہ تو رہی معاملہ کی بات، جسے معاملہ کی طرح طے ہونا چاہئے، باقی رہا میرا سلوک، تو تو مجھے، انشاء اللہ، اچھے لوگوں میں سے پائے گا۔

۲۸ موسیٰؑ نے کہا کہ بہت اچھا۔ تمہارے اور میرے مابین یہ معاملہ طے ہوا۔ میں چاہوں تو دس سال کی مدت پوری کروں۔ لیکن اگر میں آٹھ سال کے بعد چلا جانا چاہوں، تو اس سے مجھ پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو گی۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر میرا خدا، شاہد اور ضامن ہے۔

۲۹ جب موسیٰؑ نے اپنی مدتِ ملازمت پوری کر لی تو اپنے لوگوں کو ساتھ لے کر مدین سے روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے (رات کے وقت) طور (پہاڑ) کی جانب، دور سے آگ دیکھی اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ تم ذرا یہیں ٹھیرو۔ میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں جاتا ہوں۔ شاید وہاں سے راستے کی کچھ خبر مل جائے۔ یا (کم از کم) میں تمہارے لئے آگ کا انگارہ ہی لے آؤں

وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا
بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي
الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ
فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾
اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ
بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

تاکہ تم لوگ اسے تاپ سکو۔ (اس سے رات تو کٹ جائے گی)۔

۳۰ جب وہ وہاں پہنچا تو' وادی کے دائیں کنارے اُس بابرکت زمین کے ایک درخت کی طرف سے آواز آئی کہ اے موسیٰؑ! یہ آواز تمہارے خدا کی طرف سے آرہی ہے جو تمام اقوام عالم کا نشوونما دینے والا ہے (۲۷/۸ — ۷)۔

۳۱ (پھر موسیٰؑ کو مختلف احکام و ہدایات دے کر کہا کہ) ان احکام کو' جو تیرے لئے زندگی کا محکم سہارا اور وجہ جامعیت ہیں' فرعون کے سامنے پیش کرو۔ موسیٰؑ نے جب پیش نظر مہم اور ان احکام و ہدایات پر غور کیا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ ایک مہم نہیں' جیتا جاگتا سانپ ہے جسے پکڑنے کا اسے حکم دیا جا رہا ہے۔ موسیٰؑ نے اپنے خیال میں اس مہم سے ہٹنا چاہا اور فرعون کی طرف جانے سے خائف ہوا۔ اس پر آواز آئی کہ اے موسیٰؑ! ڈرو نہیں۔ اس مہم کو نہایت اطمینان سے سنبھال لو۔ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ (۲۸/۳۵ ؛ ۲۶/۱۰۸ — ۱۰۷ ؛ ۲۰/۲۴ — ۱۷ ؛ ۲۶/۳۳ — ۳۲ ؛ ۲۷/۱۲ — ۱۰)۔

۳۲ پھر موسیٰؑ کو ایسے احکام دیئے جن میں حسن عمل کے خوشگوار نتائج کی خوشخبریاں تھیں۔ نیز ان تمام احکام کی تائید میں روشن اور تابناک دلائل و براہین۔ اُس سے کہا کہ ان دلائل کو نہایت دلجمعی سے پیش کرنا۔ لوگوں کے لئے یہ بہت خوش آیند ہوں گی۔ ان میں سے کوئی بات بھی اُن کے لئے ناگواری کا باعث نہیں ہوگی۔ اگر کہیں خوف کا مقام آئے تو وہاں پھڑپھڑانا نہیں' بلکہ اپنے بال و پر سمیٹ کر پوری جمعیت خاطر سے' مقابلہ کے لئے تیار رہنا۔ اور اپنی جماعت کی تنظیم اچھی طرح سے کرنا (۲۸/۱۵)۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ
مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا
سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی
بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ
مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

یہ دونوں قسم کے احکام (منذرات و مبشرات) تیرے پروردگار کی طرف سے، فرعون اور اس کے اہل دربار کے لئے واضح دلائل ہیں۔ (انہیں ان کے سامنے پیش کرو) وہ لوگ بڑے ہی غلط راستے پر چل رہے ہیں۔

۳۳ موسیٰؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میرے ہاتھوں ان کا ایک آدمی مر گیا تھا۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے گرفتار کر کے قتل کر دیں گے۔

۳۴ (دوسری بات یہ ہے کہ ایک عرصہ دراز تک شہری آبادی سے دور رہنے کی وجہ سے، میری زبان بھی ایسی صاف نہیں رہی کہ میں دربار فرعون کے لوگوں سے فصیح و بلیغ گفتگو کر سکوں)۔ میرا بھائی ہارونؑ مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے۔ اُسے میری امداد کے لئے میرے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ جو کچھ میں کروں یا کہوں وہ میری تائید و تصدیق کرتا جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ ضرور میری تکذیب کریں گے۔

۳۵ خدا نے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے بھائی کو تمہارے ساتھ بھیج کر اُسے تمہارا دست و بازو بنا دوں گا۔ اور تم دونوں کو ایسا غلبہ عطا کروں گا کہ ان لوگوں کا ہاتھ تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔ تم ان احکامات کو لے کر ان کی طرف جاؤ تو سہی۔ تم دونوں، اور جو لوگ تمہارا اتباع کریں گے یقیناً اہل فرعون پر غالب رہیں گے۔

۳۶ چنانچہ جب موسیٰؑ ہمارے قوانین کو لے کر ان کے پاس گیا تو انہوں نے چھوٹتے ہی کہدیا کہ یہ سب جھوٹ پر مبنی من گھڑت باتیں ہیں۔ ہم نے ایسی باتیں اپنے آبا و اجداد سے کبھی نہیں سنیں۔ (اس لئے ہم انہیں ماننے کے لئے تیار نہیں)۔

۳۷ موسیٰؑ نے کہا کہ (یہ بھلا کونسی دلیل ہے کہ چونکہ یہ باتیں تم نے اپنے آبا و اجداد سے

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

نہیں سنیں اس لئے یہ سب جھوٹ ہیں۔ باقی رہا تمہارا یہ اعتراض کہ میں نے یہ باتیں اپنی طرف سے خود وضع کی ہیں اور انہیں منسوب کر رہا ہوں خدا کی طرف۔ تو تم ان باتوں کو پرکھ کر دیکھو کہ یہ کیسی ہیں۔ جہاں تک ان کے منجانب اللہ ہونے کا تعلق ہے) میرا نشوونما دینے والا خوب جانتا ہے کہ کون فی الواقعہ اس کی طرف سے قوانین لے کر آتا ہے (اور کون اس کی طرف غلط باتیں منسوب کرتا ہے۔ نیز وہ یہ بھی جانتا ہے کہ) انجام کار کامیابی کس کی ہوگی۔ اس لئے کہ اس کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اسکے قوانین سے سرکشی برتیں (یا اس کی طرف غلط باتیں منسوب کریں) وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۳۸ فرعون نے اپنے اہل دربار سے کہا کہ (موسیٰؑ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ محض "مذہبی" گفتگو نہیں۔ یہ تو گہری سیاست ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اقتدار و اختیار، سروری اور حاکمیت سب خدا کے لئے ہے۔ کسی اور کے لئے نہیں۔ لیکن) میں اپنی مملکت میں، تم لوگوں کے لئے، اپنے اقتدار و اختیار کے علاوہ، اور کسی کا اقتدار نہیں جانتا۔

اس کے بعد اس نے ہامان سے استہزاءً کہا کہ یوں کرو کہ پزاوہ میں اینٹیں پکاؤ۔ پھر ان اینٹوں سے میرے لئے ایک بہت بلند محل تعمیر کراؤ، تاکہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰؑ کے خدا تک پہنچوں اور دیکھوں کہ وہ کیسا ہے!

بہرحال میں اسے، اس کے دعوے میں جھوٹا سمجھتا ہوں، اس لئے اس کی کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ (۴۰/۳۶)۔

۳۹ بہرحال فرعون نے موسیٰؑ کی کسی بات کو توجہ کے قابل نہ سمجھا اور اپنے لاؤ لشکر سمیت، ملک میں ظلم و استبداد کی روش پر بدستور قائم رہا۔ وہ لوگ اپنی قوت کے نشہ میں اس قدر بدمست تھے کہ انہیں اس کا خیال تک بھی نہیں آتا تھا کہ ان سے کوئی باز پرس کرنے والا ہے، حالانکہ ان کا ہر قدم ہمارے قانونِ مکافات کی طرف اٹھ رہا تھا (جس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے)۔

۴۰ چنانچہ ہم نے اپنے قانونِ مکافات کی رُو سے اُسے اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور انہیں

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا
الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ
الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ
الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

سمندر میں غرق کر دیا۔ سو تم دیکھو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے ظلم و ستم پر کمر باندھ رکھی تھی۔

۴۱ ظلم و ستم بھی ایسا کہ وہ اس باب میں ان لوگوں کے امام (لیڈر) تھے جو انسانیت کو تباہی اور بربادی کے جہنم کی طرف بلاتے رہتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ خود بھی جہنم میں جا گرتے ہیں۔ اور ظاہر نتائج کے وقت ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

۴۲ اس روش پر چلنے والوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں بھی محرومیاں ان کے پیچھے لگی رہتی ہیں (یعنی اگرچہ وہ مفاد عاجلہ حاصل کر لیتے ہیں لیکن آخر الامر وہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جاتے ہیں) اور قیامت میں بھی وہ زندگی کی شادابیوں سے دور رکھے جائیں گے اور ذلت و خواری کی زندگی بسر کریں گے۔

۴۳ (انسانی تاریخ میں یہ پہلی قوم نہیں تھی جو اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے تباہ ہوئی تھی)۔ ان سے پہلے بہت سی قومیں ہلاک ہو چکی تھیں، اور موسیٰ ان کے بعد قوم فرعون کی طرف آیا تھا۔ اسے ہم نے ایسا ضابطۂ حیات دیا تھا جس میں لوگوں کے لئے نہایت واضح اور روشن دلیلیں تھیں۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ وہ لوگ اسے اپنے سامنے رکھ کر زندگی کے صحیح راستے پر چلیں اور اس طرح ان کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی چلی جائے۔

۴۴ (اے رسول! یہ باتیں تمہیں وحی کے ذریعے بتائی جا رہی ہیں، ورنہ) جب ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی ہے تو تو اس وادی کے غربی جانب کھڑا، ان باتوں کو سن تھوڑا رہا تھا؟ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ تو اس وقت وہاں موجود ہوتا!

۴۵ اس لئے کہ موسیٰ کے زمانے اور تمہارے زمانے کے درمیان کئی نسلیں گزر چکی ہیں، اور ان میں سے ایک ایک کی مدت حیات طول طویل رہی ہے۔
نہ ہی تو اہل مدین کے ہاں موجود تھا کہ تو ان کے سامنے ہمارے ان احکام کو پیش کرتا

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۡ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

(جو ہم نے موسیٰؑ اور شعیبؑ کی وساطت سے بھیجے تھے)۔ اس لئے تمہیں ان امور کا علم ہو نہیں سکتا تھا جب تک ہم تمہیں ان امور سے بذریعہ وحی باخبر نہ کرتے' جس طرح ہم اپنے رسولوں پر وحی بھیجا کرتے ہیں۔

۴۶ نہ ہی تو اُس وقت طور کی طرف کھڑا تھا جب ہم نے موسیٰؑ کو آواز دی تھی لیکن یہ سب کچھ تجھے خدا کی طرف سے بطور رحمت ملا ہے' تاکہ اس کے ذریعے اس قوم کو' جس کی طرف اس سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا (۳۲/۳ ؛ ۳۶/۴)۔ غلط روشِ زندگی کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دے' اور وہ اسے اپنے سامنے رکھ کر (صحیح روشِ زندگی اختیار کر سکیں)۔

۴۷ اور ایسا نہ ہو کہ جب ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر کوئی تباہی آئے تو یہ کہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اگر تو نے ہماری طرف بھی کوئی رسول بھیجا ہوتا تو ہم اُس کی بات مانتے۔ اس کی پیش کردہ تعلیم پر ایمان لاتے اور تیرے قوانین کا اتباع کرتے۔

۴۸ (ہم نے اس مقصد کے لئے تمہیں' ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا)۔ لیکن جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق پہنچ گیا تو یہ (بجائے اس کے کہ اس پر غور و فکر کرتے) کہنے لگے کہ جس طرح موسیٰؑ پر ایمان نہ لانے سے قوم فرعون پر طرح طرح کی تباہیاں آئی تھیں' اسی طرح (اس رسول پر ایمان نہ لانے سے) ہم پر تباہیاں کیوں نہیں آتیں جن سے ہم پہچان لیں کہ یہ فی الواقعہ موسیٰؑ کی طرح خدا کا سچا رسول ہے۔

لیکن' ان کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ قوم فرعون' ان تباہیوں کے باوجود' موسیٰؑ پر ایمان نہیں لائی تھی۔ انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ موسیٰؑ اور اس کا بھائی ہارونؑ' دونوں فریبکار اور باطل پرست ہیں۔ انہوں نے' ان کی پیش کردہ تمام کی تمام تعلیم کو ٹھکرا دیا تھا۔

لہٰذا تباہیوں کو دیکھ کر یہ کیسے ایمان لے آئیں گے؟

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ
فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾

۴۹ (ان سے کہو کہ موسیٰؑ کا دعوٰے یہ تھا کہ اسے خدا کی طرف سے ایک ایسی کتاب ملی ہے جو زندگی کی صحیح راہ کی طرف راہ نمائی کرتی ہے (۲۸/۴۸)۔ اب یہی دعوٰے میرا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ کتاب ملی ہے جو اسی قسم کی خصوصیات کی حامل ہے۔ اب اگر تم کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو خدا کی طرف سے ہو اور قرآن سے بہتر راہ نمائی دینے والی ہو۔ جس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ کتاب موسیٰؑ سے بھی بہتر راہ نمائی دینے والی ہے۔ (۲۸/۵۱) —— تو میں اس کا اتباع کرنے لگ جاؤں گا۔ (اس میں گروہ بندانہ تعصب کی کوئی بات نہیں۔ مقصد تو قوانین خداوندی کے اتباع سے ہے۔ وہ جہاں بھی اپنی اصلی اور سچی شکل میں موجود ہوں، ان کا اتباع کرنا چاہیئے۔ لیکن وہ اب قرآن کے علاوہ اور کہیں نہیں)۔ تم اگر اپنے دعوٰے میں سچے ہو (تو اس جیسی کوئی اور کتاب لاکر دکھاؤ)۔

۵۰ اگر یہ لوگ تمہارے اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دیں (اور یہ جواب دے ہی کیا سکتے ہیں۔ ۲۴/۳ —— ۲۴) ۔ تو پھر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ لوگ (حقیقت کے متلاشی نہیں۔ محض) اپنے جذبات اور مفاد پرستیوں کا اتباع کرتے ہیں۔

(جذبات کوئی بری چیز نہیں ہیں جن کا اتباع جرم قرار پا جائے۔ لیکن جذبات کو ہمیشہ ہدایتِ خداوندی کے تابع رکھنا چاہیئے)۔ جو شخص خدا کی راہ نمائی کو چھوڑ کر اپنے جذبات کے پیچھے لگ جاتا ہے، اس سے زیادہ راہ گم کردہ اور کون ہو سکتا ہے؟ اس قسم کے لوگ، جذبات اور ہدایتِ خداوندی کو اپنے اپنے مقام پر نہیں رکھتے —— ہدایتِ خداوندی سے بے اعتنائی برت کر جذبات کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں —— ایسے لوگوں کو صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کیسے مل سکتی ہے؟

۵۱ (یہ جو اوپر کہا گیا ہے کہ کتاب موسیٰؑ بھی خدا کی طرف سے صحیح راہ نمائی دینے والی تھی، تو ہم نے شروع سے اخیر تک (نوحؑ کے زمانے سے لے کر اس وقت تک) وحی کی تعلیم میں ایک خاص ربط رکھا ہے۔ اس کی ہر اگلی کڑی، پچھلی کڑی سے ملتی چلی آ رہی ہے۔ (اسی طرح اس قرآن کی تعلیم میں بھی —— باوجود اس کے کہ یہ ایک لمبی مدت میں جا کر تکمیل تک پہنچا ہے —— ایک خاص ربط موجود ہے، اور اس کی ہر کڑی ایک دوسری سے ملتی چلی جاتی ہے)۔ یہ اس لئے کہ لوگ اسے سامنے رکھ کر زندگی کے صحیح راستے پر چلیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۲ (قرآن کی یہی خصوصیت ہے ——— یعنی یہ کہ اس کی تعلیم سابقہ آسمانی کتابوں کی، صحیح اور سچی تعلیم کی تائید کرتی ہے اور اس کے اپنے اندر بھی خاص نظم و ربط ہے ——— جس کی بنا پر) وہ لوگ جو اس سے پہلے کی آسمانی کتابوں کے ماننے والے ہیں، (جب اس پر غور و فکر کرتے ہیں تو) اس کی صداقت پر ایمان لے آتے ہیں۔ (اور اسی طرح ایمان لاتے رہیں گے)۔

۵۳ چنانچہ جب ان کے سامنے قرآن پیش کیا جاتا ہے تو یہ اس کی صداقت کا اقرار کرتے ہیں اور اس پر ایمان لے آتے ہیں کہ یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جو ہمارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ ہم چونکہ اس اصول کو پہلے ہی مانتے تھے کہ اتباع صرف خدا کی وحی کا ہونا چاہیئے (اور یہ حقیقت ہم پر روشن ہو گئی ہے کہ اب وحیِ خداوندی اپنی منزّہ شکل میں صرف اس کتاب کے اندر ہے) اس لئے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں)۔

۵۴ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دوہرا اجر ملا ہے۔ ایک اس لئے کہ جب تک قرآن نازل نہیں ہوا، یہ اپنی کتاب کی ان سچائیوں پر عمل کرتے رہے جو انسانی تحریف سے بچ رہی تھیں۔ اور دوسرا اس لئے کہ جب ان کے سامنے قرآن آیا تو انہوں نے، اس کشادہ بخشی سے اسے قبول کیا اور پھر پوری استقامت سے اس پر جم کر کھڑے ہو گئے۔ (یہ منزل بڑی کٹھن تھی اس لئے کہ جن لوگوں کے پاس پہلے سے کوئی کتاب نہ ہو ان کا کسی نئی کتاب پر ایمان لے آنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ پہلے سے کسی خاص مشرب کے پابند ہوں اور اسے منزل من اللہ سمجھتے ہوں، ان کے لئے نفسیاتی طور پر مشکل ہوتا ہے کہ وہ اس کتاب یا مشرب و مسلک کو چھوڑ کر جسے وہ سچے دل سے منزل من اللہ سمجھتے ہوں، کسی دوسری کتاب اور مشرب پر ایمان لے آئیں۔ ایسا وہی کر سکتا ہے جو تعصب سے ہٹ کر، پہلے اپنے اندر اتنی وسعتِ ظرف پیدا کرے کہ اس، دوسری کتاب کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر، علم و بصیرت کی روشنی میں کرے، اور جب یہ دیکھ لے کہ وہ کتاب واقعی صحیح راہ نمائی دیتی ہے، تو پوری جرأت کے ساتھ اس کی صداقت پر ایمان لے آئے۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی، اپنے سابقہ ہم مشربوں کی طرف سے سخت مخالفت ہو گی۔ اس لئے اُسے اس مخالفت کا نہایت استقامت سے مقابلہ کرنا ہو گا[1])۔ یہی وہ لوگ ہیں جو انسانوں کی خود ساختہ غلط تعلیم کی پیدا کردہ

[1] فٹ نوٹ صفحہ ۸۹۸ پر دیکھئے۔

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي
الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾
وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ
كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ناہمواریوں کو صحیح تعلیم کی رو سے نہایت حسن کارانہ انداز سے دور کرتے ہیں (۱۳/۲۲)۔ اور جو کچھ انہیں دیا جاتا ہے اسے نوع انسان کی عالمگیر پرورش کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔

۵۵ وہ ہر وقت اس کا خیال رکھتے ہیں کہ ان کا وقت اور توانائی لغو اور بیہودہ باتوں میں ضائع نہ ہو۔ اگر انہیں کبھی اتفاق سے ایسے مقام سے گزرنا پڑے جہاں لغو باتیں ہو رہی ہوں تو وہ ان سے اعراض برتیں گے اور وہاں سے نہایت شریفانہ انداز سے دامن بچا کر گزر جائیں گے (۲۵/۷۲)۔ اور ان لوگوں سے کہدیں گے کہ تمہارے کاموں کے نتائج تمہارے لئے ہیں۔ ہمارے کاموں کے ہمارے لئے۔ لہذا جو کچھ تم کرتے ہو ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ ہماری تمہارے لئے بھی یہی کوشش ہوگی کہ تمہیں ہر طرح سے سلامتی حاصل ہو جائے۔ لیکن ہم سب کچھ دیکھتے بھالتے خود جہالت کے زمرے میں شامل نہیں ہونا چاہتے۔

۵۶ (اے رسول! تمہارا فریضہ یہی ہے کہ تم صحیح بات لوگوں تک پہنچاتے جاؤ۔ باقی رہا لوگوں کو راہ راست پر چلا دینا۔ سو یہ تمہاری ذمہ داری نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات تمہارے بس کی ہے ہی نہیں کہ) ہر وہ شخص جس کے متعلق تم چاہتے ہو کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرلے بالضرور اس راستے کو اختیار کرے۔ (۲۸/۵۶)۔ صحیح راستے پر وہی چل سکتا ہے جو خود اس راستے پر چلنا چاہے (جو عقل و فکر سے کام نہ لے اور اندھوں کی طرح آنکھیں بند کئے ایک راستہ پر چلتا جائے وہ راہ راست پر کس طرح آسکتا ہے؟ ۱۰/۹۹)۔ خدا کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس طرح عقل و فکر سے کام لے کر صحیح راستہ کون لوگ اختیار کرتے ہیں۔

۵۷ یہ قریش یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم نے تمہارے ساتھ مل کر یہ نیا مسلک اختیار کرلیا تو لوگ

لہ سوال کسی نئی کتاب پر ایمان لانے ہی کا نہیں۔ اگر کوئی قوم اپنی منزل من اللہ کتاب کی تعلیم کو چھوڑ کر انسانوں کا خود ساختہ مسلک اختیار کرلے تو اس مسلک کو چھڑا کر اسے کتاب اللہ کی طرف لانا بھی سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسی کہ خود ہماری (مسلمانوں کی) مثال ہمارے سامنے ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا
نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵۸ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا
مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝۵۹ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا
عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰

ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور ہمیں اُچک کر لے جائیں گے۔

ان سے کہو کہ کیا ہم نے انہیں حرم کے پاس اس طرح نہیں بسا رکھا کہ یہاں ہر طرح کا امن بھی ہے اور چاروں طرف سے مختلف قسم کے پھل (وغیرہ) بھی کھنچے چلے آتے ہیں جو ہماری طرف سے ان کے لئے سامانِ رزق ہے۔ سو جس خدا نے تمہارے لئے اس وقت اس قسم کا انتظام کر رکھا ہے اگر تم اس کے نظام کا اتباع کرو گے تو کیا وہ تمہیں مصیبتوں اور خطروں میں ڈال دے گا؟ یہ کیسی واضح بات ہے لیکن اکثر لوگ ایسی واضح بات کو بھی نہیں سمجھتے!

۵۸ باقی رہا یہ خیال کہ (اس وقت جماعتِ مومنین کے مخالفین کا گروہ بڑی قوتوں اور ثروتوں کا مالک ہے اس لئے یہ ہمیں نقصان پہنچائے گا) تو ان سے کہو کہ تم ذرا اقوام سابقہ کی تاریخ کو سامنے لاؤ اور دیکھو کہ ہم نے اپنے قانون مکافات کی رُو سے کتنی ایسی قوموں کو تباہ کر دیا جنہیں سامانِ زیست کی بڑی فراوانی حاصل تھی اور وہ اس پر بہت اتراتی تھیں۔ سو دیکھو! یہ اُن کے مکانات ہیں جو معدودے چند کے علاوہ اُن کے بعد آج تک آباد ہی نہیں ہوئے۔ اور اُن کے وارث اور مالک ہم ہی ہو گئے۔ (لہٰذا اگر تمہارے مخالفین سامانِ زیست کی فراوانی کے گھمنڈ میں حق کی مخالفت کریں گے تو ان کا حشر بھی ویسا ہی ہوگا)۔

۵۹ (اس سلسلہ میں ہمارا یہ قاعدہ بھی سن لو کہ) ہم کسی قوم کو یونہی اندھا دُھند تباہ نہیں کر دیتے۔ ہم پہلے اس کے مرکزی مقام میں اپنا رسول بھیجتے ہیں جو ان کے سامنے ہمارے قوانین پیش کرتا ہے۔ پھر جب وہ لوگ ان قوانین سے سرکشی اختیار کرتے ہیں تو ہمارے قانونِ مکافات کی رُو سے تباہ ہو جاتے ہیں۔

ہم کسی قوم کو تباہ نہیں کرتے بجز اس کے کہ اُس نے ظلم و استبداد پر کمر باندھ رکھی ہو۔

۶۰ (ان لوگوں سے یہ بھی کہہ دو کہ) جو سامانِ زیست و آرائش تمہیں اس وقت حاصل ہے وہ صرف تمہاری طبیعی زندگی کی متاع ہے۔ وہ اس دنیا سے آگے نہیں جا سکتی۔ اس کے برعکس

أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾

جو متاعِ حیات' توانین خداوندی کے اتباع سے ملتی ہے وہ' تمہارے موجودہ ساز و سامان کے مقابلہ میں بہتر بھی ہوتی ہے' اور دیرپا بھی۔ دیرپا اس لئے کہ وہ' دنیاوی زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد بھی ساتھ جاتی ہے۔ (نظامِ خداوندی کے ماتحت زندگی بسر کرنے سے' دنیاوی ساز و یراق بھی بہتر سے بہتر ملتا ہے۔ اور اس کے ساتھ' انسانی ذات کی نشوونما بھی ہوتی ہے۔ دنیاوی سامان' طبیعی زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے' لیکن انسانی ذات کی نشوونما یافتہ صلاحیتیں' مرنے کے بعد کی زندگی کو فردوس بداماں بنا دیتی ہیں)۔ اگر تم ذرا عقل و فکر سے کام لو تو اس بات کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہ آئے کہ ان دونوں میں سے کونسا سودا زیادہ نفع بخش ہے۔

۶۱ بات بڑی واضح ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے ——— اور ہمارا یہ وعدہ حقیقت بن کر اس کے سامنے آنے والا ہے ——— کہ اُسے اس دنیا کی خوشگواریاں اور سرفرازیاں بھی حاصل ہوں گی (۲۸/۷۷) اور اس کے بعد کی زندگی کی سربلندیاں بھی — اور دوسرا گروہ وہ ہے جسے اس دنیا کا ساز و سامان تو مل جائے گا لیکن آخرت کی زندگی میں' وہ (مجرموں کی حیثیت سے ہماری عدالت میں) حاضر کیا جائے گا۔

(سوچو کہ ان دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ زیادہ خوش بخت ہے!)۔

۶۲ (وہ گروہ' مجرموں کی حیثیت سے' تنہا حاضر ہوگا۔ ان کا کوئی حمایتی ان کے ساتھ نہیں ہوگا۔ ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ وہ تمہارے لیڈر اور پیشوا کہاں ہیں جن کی تم' میرے قوانین کو چھوڑ کر' اطاعت کیا کرتے تھے' اور اس طرح انہیں' میری خدائی میں شریک سمجھا کرتے تھے۔

۶۳ دوسری طرف' وہ لیڈر اور مذہبی پیشوا ہوں گے جن کے خلاف' ہمارے قوانین سے سرکشی برتنے کا جرم ثابت ہو چکا ہوگا' وہ کہیں گے کہ بیشک یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا تھا۔ لیکن یہ اس لئے ہوا کہ ہم خود گمراہ تھے۔ یہاں تک تو ہم اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہیں۔ (باقی رہا یہ کہ یہ ہمارے کہنے سے' ہماری اطاعت کرتے تھے' تو یہ چیز نفسِ واقعہ کے خلاف ہے۔ یہ ہماری اطاعت اسلئے

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾
وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ
لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَرَبُّكَ
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

کرتے تھے کہ انہیں اس میں اپنا فائدہ نظر آتا تھا۔ یعنی یہ درحقیقت اپنی مفاد پرستیوں کی اطاعت کرتے تھے)۔ لہٰذا ان کے اس الزام سے ہم بری الذمہ ہیں کہ یہ ہماری اطاعت کیا کرتے تھے۔

۶۴ بہرحال ان متبعین سے کہا جائے گا کہ تم اپنے ان لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کو بلاؤ جنہیں تم شریک خدائی سمجھا کرتے تھے۔
وہ انہیں بلائیں گے لیکن وہ ان کی بات کا جواب ہی نہیں دیں گے ـــــ وہ جواب خاک دیں گے؟ انہیں خود اپنی تباہی سامنے نظر آ رہی ہوگی!
اے کاش! یہ لوگ راہ راست پر چلتے (تو آج ان کا یہ حشر کیوں ہوتا)۔

۶۵ پھر خدا ان سے کہے گا کہ (یہ معاملہ تو وہ ہوا جو تمہارے لیڈروں کے ساتھ پیش آیا۔ اب یہ بتاؤ کہ) جب ہمارے رسولوں نے خود تم تک ہماری دعوت پہنچائی تھی تو تم نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا تھا؟

۶۶ (لیکن وہ اس دن (ظہور نتائج) کی ہولناکی سے اس قدر بدحواس ہونگے کہ) انہیں کوئی بات صاف صاف سجھائی نہیں دے گی ـــــ اور یہ حالت کسی ایک کی نہیں ہوگی۔ سب اس پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔ اس لئے یہ بھی نہیں ہو سکے گا کہ ایک کو بات نہیں سوجھتی تو وہ کسی دوسرے سے پوچھ کر بتا دے۔

۶۷ (ان سے کہدو کہ جب ظہور نتائج کا وقت آگیا تو اس وقت تمہاری حالت یہ ہو جائے گی۔ لہٰذا تم اس موقعہ کو غنیمت سمجھو۔ ابھی وقت ہے کہ) تم میں سے جو شخص اپنی غلط روش کو چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کر لے اور خدا کے تجویز کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہو جائے تو اسے امید رکھنی چاہیئے کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن کی کھیتیاں پروان چڑھیں گی اور ان کی زندگی کامیاب رہے گی۔

۶۸ زندگی کی کامیابی اور ناکامی خدا کے اس قانون مشیت کے مطابق واقع ہوتی ہے جس کی

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي
الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٧٠﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ

رُو سے کائنات کی مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ (ان میں سے جو چیزیں اپنے اندر زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا کر لیتی ہیں انہیں (قانونِ انتخابِ طبیعی[1] کے مطابق' زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کے لئے) چن لیا جاتا ہے۔ یہ انتخاب' خدا کے مقرر کردہ قانونِ ارتقا کے مطابق ہوتا ہے۔ انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے نظریوں کے مطابق نہیں ہوتا۔ خدا کا قانونِ حیات اس سے بہت بلند ہے کہ انسانوں کے وضع کردہ نظریات بھی اس میں شریک ہو جائیں۔

(جس قسم کا قانونِ انتخابِ طبیعی' خارجی کائنات میں کارفرما ہے' اسی قسم کا قانون' خود انسانوں پر بھی نافذ ہے۔ اس قانون کے مطابق' مفلحین ـــــ کامیاب و کامران ـــــ وہ ہوتے ہیں جن کی انسانی صلاحیتیں نشوونما پا چکتی ہیں۔ جن کی یہ کیفیت نہیں ہوتی' وہ ناکام و نامراد رہتے ہیں)۔

۶۹ یہ قانون ایسا باریک ہے اور جز رس ہے کہ لوگ جو کچھ اپنے دل میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں' اس کے نزدیک سب برابر ہے۔ (خود طبیعی دنیا میں بھی دیکھئے۔ سنکھیا' بند کمرے کی تنہائی میں' چوری چوری کھایا جائے' یا کھلے بندوں' اس کا اثر ایک جیسا ہوگا!)۔

۷۰ یہ سب کچھ خدا کے اقتدار و اختیار کے مطابق ہوتا ہے۔ کائنات میں اس کے علاوہ' اور کوئی صاحب اقتدار نہیں۔ اس کے قوانین کے مطابق عمل پیرا ہونے سے' طبیعی زندگی کے قریبی مفاد بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور اخروی زندگی کی خوشگواریاں بھی۔ یہ سرفرازیاں اور خوشگواریاں ایسے حسن کارانہ انداز سے ملتی ہیں کہ انہیں دیکھ کر' ہر ایک کی زبان پر بے ساختہ زمزمۂ حمد و ستائش آجائے۔ اس مقصد کے لئے اس نے کائنات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی ہے ہر معاملہ کا فیصلہ اس کے قانونِ مکافات کی رُو سے ہوتا ہے' اور کوئی شے اس کے احاطہ سے باہر نہیں جا سکتی۔ ہر ایک کا قدم اُسی کی طرف اٹھ رہا ہے۔

۷۱ (اس بات کا ثبوت ـــــ کہ کائنات کی ہر شے کی نقل و حرکت خدا کے قانون کے مطابق ہو رہی ہے ـــــ بالکل واضح ہے۔ مثلاً) ان سے کہو کہ اگر خدا ایسا کر دیتا کہ رات پڑتی تو مسلسل رات ہی چلی جاتی دن چڑھتا ہی نہیں۔ تو کیا خدا کے علاوہ کوئی قوت ایسی تھی جو تمہارے لئے

[1] LAW OF NATURAL SELECTION

سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ
فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾
وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

دن کی روشنی مہیا کر دیتی؟

ان سے پوچھو کہ کیا تم سن رہے ہو کہ تم سے کیا کہا جا رہا ہے؟

۷۲ یا اگر ایسا ہوتا کہ دن چڑھتا تو مسلسل دن ہی چلا جاتا۔ رات پڑتی ہی نہیں۔ تو بتاؤ کہ کیا خدا کے علاوہ کوئی قوت ایسی تھی جو تمہارے لئے رات لے آتی تاکہ تم اس میں آرام کر سکتے۔

ان سے کہو کہ کیا تم ان مثالوں پر جو تمہارے سامنے لائی جا رہی ہیں' غور و فکر سے اس نتیجہ تک نہیں پہنچتے کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی کا قانون کارفرما ہے۔ اور وہ خدا کی ذات ہے۔

۷۳ یہ صرف خدا کے نظام رحمت و ربوبیت کا تصدق ہے کہ اس نے رات اور دن کی گردشیں قائم کر رکھی ہیں تاکہ تم رات کے وقت آرام اور دن کے وقت کاروبار کر سکو۔ اور اس طرح' محنت اور آرام' دونوں مل کر تمہاری کوششوں کو بھرپور نتائج کا حامل بنا دیں۔

۷۴ ان مثالوں کے بعد پھر اسی منظر کو سامنے لاؤ جس میں بتایا گیا تھا (۲۸/۶۲) کہ ظہور نتائج کے وقت خدا انہیں پکارے گا اور کہے گا کہ بتاؤ' تمہارے وہ لیڈر اور مذہبی پیشوا کہاں ہیں' جنہیں تم میری خدائی میں شریک سمجھا کرتے تھے؟

۷۵ اور ہم ہر گروہ میں سے ان کے سرغنوں کو باہر نکال لائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ تم اپنے مسلک اور دعوٰی کی تائید میں کوئی دلیل پیش کرو۔ اس وقت وہ جان لیں گے اور تسلیم کریں گے کہ ہاں! حق و صداقت پر مبنی صرف خدا کا قانون ہی تھا جس میں کوئی اور قوت شریک نہیں تھی۔ اور انہوں نے جو اصول اور نظریات خود وضع کر رکھے تھے' وہ سب باطل تھے اس لئے وہ کوئی ٹھوس نتیجہ مرتب نہیں کر سکے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ
بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا
آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ
الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۚ أَوَلَمْ
يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْأَلُ
عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾

---

۷۶ اس کی زندہ شہادت قارون کی سرگزشت ہے۔ وہ قوم موسیٰؑ ہی کا ایک فرد تھا' لیکن اپنی دولت کے بل بوتے پر خود اپنی قوم کے افراد پر بڑی زیادتی کرتا تھا۔ (ہر سرمایہ دار کی طرح' ان کا خون چوستا تھا)۔ چنانچہ اس طرح اس کے پاس اتنی دولت جمع ہو گئی کہ اس کے خزانوں کو ایک طاقتور جماعت بھی بمشکل اٹھا سکتی تھی۔ (یا اس کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط' زور آور جماعت کی ضرورت تھی)۔

(اس دولت کے نشہ نے اسے بدمست کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کی قوم (کے باہوش طبقہ) نے اس سے کہا کہ تم اس مال و دولت پر اس قدر اترایو نہیں۔ اس کا نتیجہ خراب ہوگا۔ یہ روش قانونِ خداوندی کی رُو سے پسندیدہ نہیں۔

۷۷ ہم یہ نہیں کہتے کہ تم مال و دولت کو تیاگ کر تارک الدنیا بن جاؤ۔ ہرگز نہیں۔ ہم کہتے یہ ہیں کہ تم اس سے بھی فائدہ اٹھاؤ' لیکن اسے نہ بھولو کہ زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی نہیں جس میں انسان کا منتہائے نگاہ مال و دولت جمع کرنا ہے۔ اور بس۔ زندگی اس کے بعد بھی ہے۔ اس مال و دولت سے تم اپنی اُس زندگی کو بھی خوشگوار بناؤ۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح خدا نے تمہاری ہر کمی کو پورا کر کے تمہاری زندگی کو حسین بنا دیا ہے' اسی طرح تم دوسروں کی کمی کو پورا کر کے' ان کی زندگی کو بھی حسین بنا دو۔ اور معاشرہ میں ناہمواریاں مت پیدا کرو — کہ تم امیر سے امیر تر بنتے جاؤ اور دوسرے لوگ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جائیں۔ اسی کو فساد کہتے ہیں۔ اور فساد پیدا کرنے والوں کو خدا کبھی پسند نہیں کرتا — اور یہ ظاہر ہے کہ جو روش' قانونِ خداوندی کی رُو سے پسندیدہ نہیں اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

۷۸ اُس نے ان سے کہا کہ تم لوگوں کو میرے معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ یہ دولت

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ
اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۭ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ

میں نے اپنی ہنرمندی اور چابک دستی سے کمائی ہے۔ اس لئے اسے جس طرح میرا جی چاہے صرف کروں۔ اس میں خدا کے قانون کا کیا عمل دخل ہے' اور کسی کو مجھ سے باز پرس کرنے کا کیا حق ہے؟

اے کاش! اُسے معلوم ہوتا کہ اسی قسم کی ذہنیت اور روش نے اس سے پہلے کتنی قوموں کو تباہ کر دیا تھا جو اُس سے زیادہ قوت و حشمت کی مالک تھیں اور انہوں نے مال و دولت بھی اس سے کہیں زیادہ جمع کر رکھا تھا! خدا کے قانونِ مکافات نے انہیں تباہ کر دیا۔ ان کے یہ جرائم اس قدر بدیہی اور نمایاں تھے کہ اس کی بھی ضرورت نہ پڑی کہ ان جرائم کے متعلق کچھ پوچھ گچھ کی جائے — (وہ تباہی ان جرائم کا فطری نتیجہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ داری کے نظام کی بنیادوں میں خرابی کی صورت پنہاں ہوتی ہے)۔

۷۹ ایک طرف یہ لوگ تھے جو قارون کو زندگی کی صحیح روش اختیار کرنے کی نصیحت کرتے تھے۔ دوسری طرف وہ لوگ بھی تھے جن کے پیش نظر صرف اسی دنیاوی زندگی کے مفاد تھے' ان کی کیفیت یہ تھی کہ جب قارون' کرّ و فر اور شان و شوکت سے باہر نکلتا تو وہ بڑی حسرت سے کہتے کہ اے کاش! جو کچھ قارون کو ملا ہے ہمیں بھی ایسا کچھ مل سکتا! یہ بڑا ہی خوش نصیب ہے۔

۸۰ لیکن جن لوگوں کو خدا نے حقیقت کا علم عطا کر رکھا تھا وہ ان سے کہتے کہ کمبختو! تم کس فریب میں مبتلا ہو۔ (اس کی شان و شوکت تو جھوٹے نگوں کی مینا کاری ہے)۔ حقیقی خیر و برکت کا موجب وہ مال و اسباب ہوتا ہے جو قانونِ خداوندی کے مطابق ملتا ہے۔ اور وہ ملتا ہے ان لوگوں کو جو اس کے قوانین کی صداقت پر یقینِ کامل رکھیں اور ایسے کام کریں جن سے معاشرہ کے بگڑے ہوئے حالات سنوریں اور اس طرح خود ان کی اپنی ذات میں بھی سنوار پیدا ہو۔ لیکن اس کے لئے بڑے استقلال اور استقامت کی ضرورت ہے۔ (انسان' آئین و ضوابط اور دیانت و امانت کے اصولوں کو چھوڑ کر دولت کمانا چاہے تو چند دنوں میں خزانے بھر سکتا ہے۔ لیکن قاعدے اور قانون کے مطابق کام کرنے سے' دولت حاصل ہونے میں وقت لگتا ہے' اس لئے یہ مرحلہ بڑا صبر آزما ہوتا ہے لیکن اُس کا نتیجہ تباہی اور اس کا انجام خوشگواری ہوتا ہے)۔

۸۱ چنانچہ جب قارون کی بدکرداریوں کے نتائج کے ظہور کا وقت آگیا' تو ہم نے اُسے اور اسکے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ
اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا
فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى
الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

(ع ۹ ۱۱)

مال و متاع سے بھرے ہوئے گھر کو تباہ کر دیا۔ اور اس وقت کوئی گروہ ایسا نہ نکلا جو قانون خداوندی کے مقابلہ میں اس کی مدد کر سکتا۔ نہ ہی اس سے خود ہی ایسا ہو سکا کہ وہ اس تباہی سے بچ نکلتا۔ (سرمایہ دار کی اقبال مندی کے زمانے میں ایسا نظر آتا ہے کہ ایک لشکر ہے جو اس کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دے گا۔ لیکن جب اس پر ادبار آتا ہے تو ایک شخص بھی اس کا ساتھ دینے والا نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کی ہنرمندی اسے اس تباہی سے بچا سکتی ہے)۔

۸۲ وہ تباہ ہو گیا۔ اور جو لوگ ابھی کل تک اس کے "مقام بلند" کی آرزو کیا کرتے تھے کہنے لگے کہ فی الواقعہ ہماری غلط نگہی تھی جو ہم قارون کے مال و دولت پر رشک کیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مال و دولت کی تنگی اور فراوانی خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ جو شخص جس قسم کی روش اختیار کرتا ہے اس کے مطابق نتیجہ سامنے آجاتا ہے۔ اگر ہم پر اللہ کا احسان نہ ہوتا اور ہم بھی وہی روش اختیار کر لیتے جسے قارون نے اختیار کیا تھا، تو آج ہم بھی اسی طرح تباہ و برباد ہو جاتے۔ اب ہم نے یہ بات علیٰ وجہ البصیرت دیکھ لی ہے کہ جو لوگ دولت کو دبا چھپا کر رکھتے ہیں اور اسے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کھلا نہیں رکھتے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۸۳ کامیاب وہی ہے جس کا مستقبل کامیاب ہو —— اس زندگی میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی —— اور یہ کامیابی انہی کو حاصل ہو سکتی ہے جو یہ نہیں چاہتے کہ سارا مال و دولت سمیٹ کر معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کریں اور پھر اس دولت کے بل بوتے پر اپنے لئے سوسائٹی میں ایسا مقام حاصل کر لیں جو قانون اور ضابطہ کی دسترس سے بالا ہو۔

یاد رکھو! انجام کار کامرانی اور خوشگواری صرف ان کے لئے ہے جو زندگی کے ہر معاملہ میں قانون خداوندی کی نگہداشت کرتے ہیں۔

۸۴ اور وہ قانون یہ ہے کہ جو قوم معاشرہ میں حسن کارانہ انداز سے توازن قائم رکھے گی انہیں

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي
ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ فَلَا
تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا
تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾

ان کی کوششوں سے بھی زیادہ صلہ ملے گا۔ لیکن جو قوم ناہمواریاں پیدا کرے گی' ان کے یہی اعمال تباہیاں اور بربادیاں بن کر ان کے سامنے آجائیں گے۔

۸۵ یہ ہیں ہمارے وہ غیر متبدل قوانین جو شروع سے اسی طرح چلے آرہے ہیں اور جنہیں' اب' اس قرآن میں' وضاحت سے بیان کر کے' ان کا اتباع تم پر لازم قرار دیدیا گیا ہے۔

(ان قوانین کے پیش نظر تمہیں' اے رسول!' اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے کہ قریش کے فرعونوں اور قارونوں نے تمہیں اور تمہاری جماعت کو اس قدر تنگ کیا ہے کہ تم حرم کعبہ تک کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہو۔ جس خدا کے قوانین ایسے محکم ہیں)۔ وہ تمہیں پھر اس مقام پر واپس لائے گا (اور نہایت شان و شوکت سے لائے گا۔ لہذا' تم خود بھی اطمینان اور سکون سے رہو اور اپنی جماعت کی بھی تسکین خاطر کرو' اور ان سے کہو کہ) میرے نشو و نما دینے والے کا قانونِ مکافات خوب جانتا ہے کہ کون زندگی کی صحیح روش پر چل رہا ہے اور کون غلط راستے پر جا رہا ہے۔ (نتائج' آخر الامر' اسی کے مطابق مرتب ہوں گے)۔

۸۶ (لہذا' تمہارے لئے افسردہ خاطر ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ تم ذرا سوچو کہ) تمہیں اس کی کب امید تھی کہ تم منصب رسالت پر فائز ہو گے اور تمہیں یہ کتاب دی جائے گی؟ یہ سب کچھ خدا کی رحمت سے ہوا ہے۔ اس لئے' موجودہ نامساعد حالات میں مایوسی کی کونسی ایسی بات ہے جس کی بنا پر تمہیں اس کی ضرورت لاحق ہو جائے کہ ان (مخالفین) سے مفاہمت کر کے' ان کے پروگرام میں ان کے مددگار بن جاؤ؟

۸۷ یاد رکھو! یہ مخالفین' اس نظام کے قیام کو کبھی روک نہیں سکتے جو ان قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہو گا جو تیری طرف نازل کئے گئے ہیں۔ یہ نظام قائم ہو کر رہے گا۔ تمہارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ تم لوگوں کو' خدا کے نظامِ ربوبیت کی طرف دعوت دیتے جاؤ اور ان لوگوں سے کسی قسم کے سمجھوتے اور مفاہمت کا خیال تک بھی دل میں نہ لاؤ' کیونکہ مفاہمت کے معنی یہ ہوتے ہیں

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۸ ع ۹ ۱۲

کہ کوئی ملا جلا سا نظام قائم کر لیا جائے جس میں کچھ قوانین خدا کے ہوں اور کچھ انسانوں کے۔ یہ شرک ہے۔ خدا کے قوانین کے ساتھ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کس طرح ملائے جا سکتے ہیں؟

۸۸ اس لئے تم کسی دنیاوی اقتدار کو اس کی دعوت نہ دو کہ وہ اقتدارِ خداوندی کے ساتھ شریک ہو جائے۔ اقتدار و اختیار صرف خدا کا ہے۔ تم نے اسی کے مطابق نظام قائم کرنا ہے۔ یاد رکھو! کائنات کی ہر دوسری اشیاء کی طرح ذہنِ انسانی کے وضع کردہ نظریات و تصورات بھی ہر آن تغیر پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ (۵۵/۲۹)۔ تغیر سے ماورا صرف وحی کا راستہ ہے جو خدا کی متعین کردہ منزل کی طرف لے جاتا ہے۔ لہٰذا حکومت صرف قوانین خداوندی کی ہوگی۔ سب فیصلے انہی کے مطابق ہوں گے۔ اور تمہاری ہر حرکت کو اس محور کے گرد گردش کرنا ہوگا۔ تمہارا ہر قدم اسی کی طرف اٹھنا چاہئے۔ اور یہ سمجھ رکھنا چاہئے کہ تم اپنے ہر کام کے لئے اُس کے سامنے جواب دہ ہو ——— یہی محکم نظامِ حیات ہے۔ (۱۲/۴۰)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾

۱ خدائے علیم و حکیم کا ارشاد ہے کہ

۲ (کفر و ایمان کی کشمکش اب اس مقام تک آ پہنچی ہے جہاں فریقین کو ان کے انجام و عواقب سے واضح طور پر آگاہ کر دینے کی ضرورت ہے۔ پہلے اُس گروہ کو لو جو ہمارے قوانین کی صداقت کا اقرار کرتا ہے)۔

کیا یہ لوگ ایسا سمجھے بیٹھے ہیں کہ محض اتنا کہہ دینے سے کہ ہم خدا پر ایمان لے آئے ہیں انہیں چھوڑ دیا جائے گا کہ اب جو جی میں آئے کرو۔ تم نے مطالبہ پورا کر دیا ہے! اگر یہ ایسا سمجھتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ تم نے بالکل غلط سمجھا ہے۔ (یہ تو انسانوں کی خود ساختہ عیسائیت کا عقیدہ ہے کہ تم مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان لے آؤ تو نجات ہو جائے گی۔ اس کے لئے اعمال کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ غلط ہے (۲/۲۱۴ ؛ ۳/۱۴۱ ؛ ۹/۱۲ ؛ ۳۳/۱۰)۔

۳ اِن سے پہلے جن لوگوں نے ہمارے قانون کی صداقت کا اقرار کیا' وہ محض زبانی اقرار سے چھوٹ نہیں گئے۔ انہیں کشمکش حق و باطل کی کٹھالی میں تپایا گیا تاکہ یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جائے کہ ان میں سے کون اپنے دعوائے ایمان میں سچا ہے اور کون یونہی زبان سے دعویٰ کرتا ہے اور عمل میں پورا نہیں اترتا۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٤﴾ مَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ
أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٥﴾ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ
عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ
الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٧﴾ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ
لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾

(ان لوگوں سے کہدو کہ کامیابی مسلسل جدوجہد سے ہوگی اور اس کے لئے بڑی قربانیوں کی ضرورت ہوگی)۔

۴ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو (ہمارے قوانین کو جھوٹا سمجھ کر) معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ یہ ہماری گرفت سے بچ کر آگے نکل جائیں گے؟ اگر یہ ایسا سمجھ رہے ہیں تو (ان سے کہدو کہ) تمہارا یہ فیصلہ بہت بُرا (اور خود فریبی پر مبنی) ہے۔

۵ پھر اُس پہلے گروہ میں سے ان لوگوں کو لو جو اس توقع پر (سختیاں جھیلتے اور مصیبتیں برداشت کرتے ہیں کہ) انہیں قانون مکافات کا سامنا کرنا ہے اور وہ اپنے ہر عمل کے لئے خدا کے حضور جوابدہ ہیں۔

ان سے کہدو کہ جس انقلاب کے لئے وہ یہ سب کچھ برداشت کر رہے ہیں وہ انقلاب آکر رہے گا۔ یہ خدا کا اٹل فیصلہ ہے' وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔

۶ ان سے یہ بھی کہدو کہ یہ جو اس قدر جدوجہد اور سعی و کاوش کر رہے ہیں' تو اس کا فائدہ خود انہی کی ذات کے لئے ہے۔ اس سے خدا کا کچھ نہیں سنورتا۔ وہ ساری کائنات سے مستغنی ہے۔ وہ اس کا محتاج ہی نہیں کہ کوئی شخص اُس کے لئے کچھ کرے۔

۷ جو لوگ ہمارے قوانین کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں اور پھر صلاحیت بخش کام کرتے ہیں' تو اس سے ان کی اپنی ذات' اور معاشرہ کی ناہمواریاں دور ہو جاتی ہیں' اور ان کے اعمال کا بدلہ نہایت حسن کارانہ انداز سے ملتا ہے۔

۸ (یہ ہے وہ بنیادی اصول جس کے مطابق ان دونوں گروہوں کی تفریق و تقسیم ہوگی۔ اس میں قبیلہ' خاندان یا رشتہ داری کا کوئی سوال نہیں ہوگا' انسان کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار اس کے ماں باپ ہوتے ہیں)۔ ہم نے ان کے متعلق بھی یہی حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝٩ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا
مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ ۝١١ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۡ وَمَا هُمْ
بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝١٢

لیکن اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تم خدا کے اقتدار و اختیار میں ان کو شریک سمجھو ——— ان کا ایسا کہنا جہالت پر مبنی ہے۔ کائنات میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس کی خدائی میں شریک ہو سکے ——— تو تم انکی بات بھی مت مانو (۱۵/۱۴ — ۳۱)۔ تم ہر معاملہ میں خدا کے سامنے جواب دِہ ہو۔ وہی تمہیں یہ بتائے گا کہ تم نے جو کچھ کیا ہے اس کا نتیجہ کیا ہے؟

۹ جو لوگ اس طرح بلا شرکتِ غیرے' قوانین خداوندی پر ایمان لائیں گے' اور صالحات بخش کام کریں گے' تو ہم انہیں ان لوگوں کے زمرے میں داخل کر لیں گے جن کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہو گئی ہے۔

۱۰ اب ایک اور گروہ سامنے آتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں' لیکن عملاً یہ حالت ہے کہ جب انہیں نظامِ خداوندی کے قیام کے سلسلہ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مخالفین کی طرف سے آئی ہوئی تکلیف کو یوں سمجھتے ہیں گویا وہ خدا کی طرف سے آیا ہوا عذاب ہے۔ (چنانچہ ہر جگہ اس کی شکایت کرتے پھرتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہم' ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر خواہ مخواہ مصیبت میں پھنس گئے)۔ لیکن' اگر تمہیں خدا کی طرف سے فتح و کامرانی حاصل ہو جائے' تو سب سے آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ ہم تو بجان و دل' تمہارے ساتھ ہیں۔
(یہ جو اس قسم کی فریب دہی کی کوشش کرتے ہیں تو) کیا انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ خدا' لوگوں کے دلوں کے اندر چھپی ہوئی باتوں سے بھی واقف ہے۔

۱۱ (اور پھر ان کا یہ فریب' چھپا ہوا کب تک رہ سکتا ہے؟ ابھی کوئی اور صبر آزما مرحلہ سامنے آجائے گا تو یہ حقیقت کھل جائے گی کہ) سچے ایمان والے کون ہیں' اور منافق کون!

۱۲ جو لوگ نظامِ خداوندی کی مخالفت کرتے ہیں وہ جماعتِ مومنین سے کہتے ہیں کہ اگر تم ہمارے راستے پر چلو تو تمہاری تمام فرد گزاشتوں اور کوتاہیوں کی ذمہ داری ہم اپنے سر پر لیتے ہیں۔

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣﴾ وَلَقَدْ
أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ۚ فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ
ظَالِمُونَ ﴿١٤﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٥﴾ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ

یہ سراسر جھوٹے ہیں۔ یہ ان کی کوتاہیوں اور فروگزاشتوں میں سے کسی کی ذمہ داری اپنے سر پر نہیں لیں گے۔

۱۳ یہ ان کی ذمہ داری اپنے اوپر کیا لیں گے؟ اِن کی حالت یہ ہے کہ ان کی پشت پر خود ان کی خطا کاریوں کا بوجھ بھی ہے اور اس کے ساتھ ان لوگوں کی خطا کاریوں کے بوجھ کا ایک حصہ بھی (جنہیں یہ بہکا کر غلط راستے پر لے جاتے ہیں ۱۶/۲۵)۔ ذرا ظہورِ نتائج کا وقت آنے دو۔ اُس وقت ان سے پوچھا جائے گا کہ جن باتوں کو یہ اپنے جی سے گھڑ کر لوگوں کو بہکاتے تھے ان کی حقیقت کیا تھی؟

۱۴ (یہ باتیں جو ان کی طرف سے ہو رہی ہیں کچھ نئی نہیں۔ کشمکشِ حق و باطل کا یہ سلسلہ شروع سے ایسا ہی چلا آ رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق کو الٹ کر دیکھو۔ اس میں تمہیں سب سے پہلے، نوحؑ کی سرگزشت ملے گی جسے ہم نے اُس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ اس کا دورِ ساڑھے نو سو برس تک رہا۔ اس کے بعد دورِ ابراہیمیؑ شروع ہو گیا۔

اُس کی قوم نے اُس کی دعوت کی سخت مخالفت کی۔ نتیجہ یہ کہ انہیں طوفان نے آ پکڑا۔ وہ بڑے ہی سرکش اور مستبد لوگ تھے۔

۱۵ وہ غرق ہو گئے۔ اور نوحؑ اور اس کے ساتھیوں کو، جو کشتی میں سوار ہو گئے تھے، ہم نے اس تباہی سے محفوظ رکھا۔

اس واقعہ میں اقوامِ عالم کے لئے ہمارے قانونِ مکافات کی صداقت کی نشانی ہے (جو یہ بتاتی ہے کہ سرکش اور ظالم اقوام کا حشر کیا ہوا کرتا ہے)۔

۱۶ اسی طرح ابراہیمؑ کی داستان بھی ہے جس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم قوانینِ خداوندی کی اطاعت

لہ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کی عمر دو سو سال کی تھی (سنۃ کے معنی سال کی چار فصلوں میں سے ایک فصل کے ہیں۔ اس اعتبار سے ایک ہزار فصلوں کے اڑھائی سو سال ہوئے۔ ان میں سے پچاس سال نکال دیجیے تو باقی دو سو سال رہ گئے۔ یا یہ معنی بھی کہ ان کی عمر اڑھائی سو سال کی تھی جن میں سے پچاس سال (زمانہ قبل از نبوت) آرام کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد سختیوں کا زمانہ شروع ہو گیا۔ یہ بہرحال قیاسات ہیں جب تاریخی تحقیقات کسی یقینی نقطہ تک پہنچیں گی تو اس کا حتمی مفہوم سامنے آ جائے گا۔

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا
وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ
الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ
وَمَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ

کرو اور ان کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے بچو۔ اگر علم و بصیرت سے کام لو تو تمہیں نظر آجائے گا کہ جس روش کی طرف میں تمہیں دعوت دیتا ہوں' وہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔

۱۷ تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہو (یہ کس قدر شرفِ انسانیت کے منافی ہے کہ انسان خود اپنے ہاتھوں کی تراشیدہ مورتیوں کو اپنا آقا تسلیم کرلے)۔ پھر ان کے متعلق جھوٹے افسانے وضع کرکے (انہیں عقیدتمندوں میں پھیلاتے رہتے ہو۔ حالانکہ) حقیقت یہ ہے کہ تم' خدا کو چھوڑ کر جنہیں اپنا معبود بناتے ہو' انہیں اس کی مقدرت ہی نہیں کہ تمہیں رزق پہنچا سکیں۔ تم (دیوتاؤں اور بتوں سے رزق مانگنے کے بجائے) رزق کی طلب اور تلاش' قوانین خداوندی کے مطابق کرو۔ ان کی اطاعت کرو اور جب تمہیں' ان کی رُو سے رزق ملے تو) بدرگاہ رب العزت سپاس گزار ہو (کہ اس نے تمہیں اس ذلت سے بچا لیا جو ان افسانوی دیوتاؤں اور خود تراشیدہ مورتیوں کے سامنے جھکنے اور گڑگڑانے سے' تم پر مسلط تھی)۔

یاد رکھو! دنیا میں تمام اعمال کے نتائج' قوانین خداوندی کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ کائنات کی کوئی شے اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔ تمہارا ہر قدم اس کی طرف اٹھ رہا ہے اور اسی کے سامنے تم جوابدہ ہو۔

۱۸ اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو (تو اس لئے نہیں کہ تم نے علم و بصیرت کی بنا پر' پرکھ کر دیکھ لیا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ غلط ہے۔ تم محض تقلیداً ایسا کر رہے ہو یعنی چونکہ تم سے پہلی قوموں نے ایسی رَوش اختیار کی تھی اس لئے تم بھی انہی کا اتباع کرتے ہو۔ (لیکن تمہاری تکذیب سے ڈر کر میں اپنے فریضۂ پیغام رسانی سے باز نہیں آسکتا)۔ رسول کا تو منصب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ واضح طور پر قوانین خداوندی کو دوسروں تک پہنچا دے۔

۱۹ (میں جو کچھ کہتا ہوں' اس کے سوا کیا ہے کہ کائنات میں تمام اختیار و اقتدار خدا کا ہے کسی اور کا نہیں۔ اگر تم تقلید کی روش چھوڑ کر غور و فکر سے کام لو تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اللہ

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ
النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَ
اِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٢٢﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۗىِٕهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٣﴾

(۲ ع ۱۴)

کس طرح' ایک چیز کی تخلیق کی ابتدا کرتا ہے۔ (اس کی اولیں شکل کیا ہوتی ہے)۔ پھر کس طرح' اُسے مختلف گردشیں دے کر' ارتقائی مراحل طے کراتا ہوا' آگے لیجاتا ہے (تا آنکہ وہ اپنی اس منزل تک پہنچ جاتی ہے جہاں تک پہنچانا اسے مقصود ہوتا ہے) اور یہ سب کچھ قوانین خداوندی کی رُو سے' نہایت آسانی سے ہوتا چلا جا رہا ہے۔

۲۰ (پھر ہم نے ابراہیمؑ سے کہا کہ) ان سے کہو کہ (اگر تم میری بات یوں نہیں مانتے تو) ذرا دنیا میں چل پھر کر دیکھو اور غور کرو کہ مختلف اشیائے کائنات کی پیدائش کی ابتدا کیسے ہوتی ہے۔ پھر وہ کس طرح (خدا کے قانونِ ربوبیت کے مطابق) نئی نئی زندگیاں اختیار کئے جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ خدا کے مقرر کردہ پیمانوں کے مطابق ہوتا ہے۔

۲۱ (یہی قانونِ نشوونما' انسانی زندگی پر بھی حاوی ہے' اس فرق کے ساتھ کہ اشیائے کائنات اس باب میں مجبور ہیں' اور انسان صاحب اختیار و ارادہ ہے۔ یہ اپنے لئے تعمیری راستہ بھی اختیار کر سکتا ہے اور تخریبی بھی۔ اس لئے) جو انسان چاہتا ہے کہ اس کی صلاحیتوں کی نشوونما ہو' وہ قانونِ خداوندی کے اتباع سے اپنی نشوونما کر سکتا ہے۔ اور جو ایسا نہیں چاہتا اور تخریبی راہ اختیار کر لیتا ہے' تو اس کی صلاحیتیں جل کر راکھ ہو جاتی ہیں' اور وہ اس طرح زندگی کی شیرینیوں سے محروم رہ جاتا ہے۔
یہ سب کچھ خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے ہوتا ہے' جس کی طرف تم' طوعاً و کرہاً' لوٹ کر جاتے ہو۔ اس سے کوئی مفر کی راہ نہیں۔

۲۲ نہ تو تم قانونِ خداوندی سے بھاگ کر کہیں جا سکتے ہو۔ نہ کائنات میں کسی مقام پر اس کے قانون کو شکست دے سکتے ہو۔ اور نہ ہی اس کے علاوہ' تمہارا کوئی چارہ ساز اور حامی و ناصر ہو سکتا ہے۔

۲۳ جو لوگ نہ ہمارے قانونِ نشوونما پر ایمان رکھتے ہیں' اور نہ ہی انہیں اس کا یقین ہے کہ

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۴ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۵

انہیں قانونِ مکافات کا سامنا کرنا ہے' (وہ اپنی من مانی کرتے ہیں' اور اس طرح) اس سامانِ نشوونما سے محروم رہ جاتے ہیں جو ہمارے تجویز کردہ راستے پر چلنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ انکی اس حرماں نصیبی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی تمام انسانی صلاحیتیں جل کر راکھ ہو جاتی ہیں۔ ان کا انجام بڑا ہی الم انگیز ہوتا ہے۔

۲۴ (ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو یہ سب کچھ نہایت دل نشیں انداز سے سمجھایا لیکن) اس کی قوم کی طرف سے' اس کا جواب' اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ "ابراہیمؑ کو پکڑ لو۔ اسے قتل کر دو۔ اسے زندہ آگ میں جلا دو"۔

(قوت کے نشہ میں بدمست لوگ' دلائل و براہین کا جواب اسی طرح دیا کرتے ہیں!)۔

ان کی طرف سے یہ خالی دھمکی نہیں تھی۔ وہ سچ مچ ایسا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی آتش انتقام سے محفوظ رکھا۔ (۲۱/۶۹ ؛ ۳۷/۹۷-۹۶)

اس واقعہ میں بھی ان لوگوں کے لئے سامانِ بصیرت ہے جو ہمارے قوانین کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔

۲۵ ابراہیمؑ نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش اختیار کر رکھی ہے تو اسلئے نہیں کہ تم انہیں سچ مچ خدا مانتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تم ان کے ساتھ جو چمٹے رہتے ہو تو محض اس لئے کہ ان کی عظمت کا عقیدہ تمہارے قومی اتحاد کا باعث ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جس سے تمہاری قوم کے افراد آپس میں بندھے ہوئے ہیں۔ اور اس قومی اتحاد کے ساتھ تمہارے دنیاوی مفاد وابستہ ہیں[1]۔

لیکن جب تمہاری غلط روش کے نتائج نکھر کر سامنے آجائیں گے تو تم ایک دوسرے کے مخالف ہو جاؤ گے۔ یہ رشتۂ اتحاد ٹوٹ جائے گا اور تم ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ گے۔ اس وقت تمہارا

[1] جس طرح ہندوستان کے ہندوؤں کے لئے گائے کی تعظیم' قومی اتحاد کی موجب ہے اس کے سوا ان کی وجہ جامعیت کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے لیڈر یہ جانتے ہوئے کہ ایک حیوان کی تعظیم کا عقیدہ کس قدر لغو ہے "گئو رکھشا" پر زور دیتے رہتے ہیں۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ
یَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ
لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ
اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ
الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾

حامی و ناصر کوئی نہیں ہوگا۔ اور جس آگ میں تم مجھے ڈالنا چاہتے تھے اس سے کہیں زیادہ تباہیوں کی آگ تمہیں جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دے گی۔

۲۶ ابراہیمؑ کی اس تمام تلقین و تنذیر کے باوجود اس قوم میں سے (اس وقت) صرف لوطؑ ان پر ایمان لایا۔ (اسے اس وقت ہنوز نبوت نہیں ملی تھی)۔ پھر جب ابراہیمؑ کو یقین ہو گیا کہ یہ قوم صحیح راستے پر آنے کے لئے تیار نہیں تو وہ وہاں سے دامن فشاں اٹھا اور یہ کہہ کر ان سے الگ ہو گیا کہ میں اس فضا کی تلاش میں نکل کر جا رہا ہوں جو میرے خدا کے نظام ربوبیت کے قیام کے لئے سازگار ہو۔ میرا خدا غلبہ اور تدبیر دونوں کا مالک ہے۔ (اگر یہاں کے حالات ایسے ہیں کہ مجھے سر دست یہاں غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا تو تقاضائے حکمت یہی ہے کہ میں اس سرزمین کی طرف چلا جاؤں جہاں حالات زیادہ مساعد ہوں۔ میرا مقصد تو نظام خداوندی کا قیام ہے اس کے لئے یہ سرزمین راس نہیں آتی تو کوئی دوسرا خطۂ ارض سہی ۲۹/۲۶)۔

۲۷ (چنانچہ وہ اپنی قوم کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا گیا جہاں اس نے معاشرہ کی تشکیل نظام خداوندی کے مطابق کی۔ وہاں) ہم نے اسے اسحٰق جیسا بیٹا اور یعقوبؑ جیسا پوتا عطا کیا۔ اور اس کی نسل میں نبوت اور حکومت (ضابطہ قوانین) کو جاری رکھا (۲۹/۲۷)۔

ہم نے اس کی مخلصانہ جدوجہد کا یہ اجر تو اس دنیا میں دیا۔ اور آخرت کی زندگی میں اس کا شمار صالحین کے زمرے میں ہوا۔ اس طرح اس کا حال اور مستقبل دونوں خوشگوار ہو گئے۔

۲۸ اور اسی طرح لوطؑ کی سرگزشت ہے۔ جب اس نے (نبوت ملنے کے بعد) اپنی قوم سے کہا کہ تم ایک ایسی بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو جسے اس سے پہلے دنیا جہان میں کسی نے اختیار نہیں کیا تھا۔

۲۹ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم جنسی جذبہ کی تسکین کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْٓا اِنَّا ع ۳ ۱۵
مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ
بِمَنْ فِيْهَا ۡ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا
لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۡ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا
امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

پاس جاتے ہو (۲۹:۲۹) اور اس طرح اس راستے کو منقطع کرتے ہو جسے فطرت نے افزائش نسل کے لئے تجویز کیا ہے[1]۔ نیز تم اپنی مجلسوں میں نازیبا حرکتیں کرتے ہو۔

اس کی قوم کے پاس' اس کی ان باتوں کا جواب کچھ نہیں تھا' بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ہماری اس روش سے خدا کا عذاب آجائے گا' تو اس عذاب کو لاکر دکھاؤ۔

۳۰ اس پر لوطؑ نے اپنے رب سے عرض کیا کہ بارالٰہا! مفسدین کی اس قوم کا مقابلہ کرنے میں تو میری مدد فرما۔

۳۱ (اسی واقعہ کی ایک کڑی اور بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ) جب ہمارے فرستادہ ابراہیمؑ کے پاس (بیٹے کی) خوشخبری لے کر پہنچے تو انہوں نے ابراہیمؑ سے کہا کہ ہم لوطؑ کی بستی کو تباہ کرنے کے لئے مامور ہیں۔ انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔

۳۲ ابراہیمؑ نے کہا کہ اس بستی میں تو خود لوطؑ بھی آباد ہے۔ (کیا بستی والوں کے ساتھ اسے بھی ہلاک کر دیا جائے گا؟)۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہاں کون کون آباد ہے۔ ہم لوطؑ اور اس کے ساتھیوں کو اس تباہی سے محفوظ رکھیں گے۔ البتہ اس کی بیوی اس سے محفوظ نہیں رہے گی کیونکہ وہ ان سرکش لوگوں کی پارٹی میں شامل ہے۔

۳۳ جب ہمارے فرستادہ لوطؑ کے پاس آئے تو وہ بستی والوں کی روش بد اور ان کے مقابلہ میں اپنی بے بسی کے خیال سے افسردہ خاطر ہوا (کہ نہ معلوم وہ کمبخت ان کے ساتھ کیسا سلوک کریں)۔ ان فرستادگان نے لوطؑ کی اس پریشانی کو محسوس کیا تو اس سے کہا کہ تمہیں ہمارے لئے خوف زدہ یا غمگین ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

[1] قطع السبیل کے معنی رہزنی کے بھی ہیں۔

إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٣٤﴾ وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا
آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا
الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي
دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَثَمُودَ وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَاكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ
أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿٣٨﴾

۳۴ ان بستی والوں پر (خدا کے قانون مکافات کی رو سے) فضائے آسمانی سے سخت تباہی نازل ہونے والی ہے اس لئے کہ وہ بڑی غلط راہوں پر چل رہے ہیں۔
لیکن اس تباہی سے تم اور تمہارے ساتھی محفوظ رہیں گے سوائے تیری بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے (۲۹/۳۲)۔

۳۵ (چنانچہ وہ قوم تباہ ہوگئی)۔ ان کی داستان میں بھی ہم نے عقل و فکر سے کام لینے والوں کے لئے قانونِ مکافاتِ عمل کی صداقت اور محکمیت کی واضح نشانی رکھی ہے۔

۳۶ اور (اسی طرح) اہلِ مدین کی طرف ان کے بھائی بندوں میں سے شعیبؑ کو رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے ان سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم قوانین خداوندی کی اطاعت کرو اور (اسی متاع و دولت کو مقصودِ حیات نہ سمجھ لو جسے تم 'جائز اور ناجائز' ہر طریقے سے اکٹھا کرتے رہتے ہو بلکہ) آخرت کی زندگی کی خوشگواریوں کی بھی آرزو کرو (اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ) ملک میں معاشی ناہمواریاں نہ پیدا کرتے پھرو۔

۳۷ انہوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تو (آخر الامر) انہیں زلزلہ کی تباہی نے اس طرح آپکڑا کہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے پائے گئے۔

۳۸ اسی طرح عاد و ثمود کے ساتھ بھی ہوا جن کی تباہی کی داستانیں ان کے مکانوں کے کھنڈرات سے ظاہر ہیں۔ ان کے سرکش جذبات اُن کی غلط روش کو نہایت خوشنما بنا کر دکھاتے تھے اور اس طرح انہیں صحیح راستے کی طرف آنے سے روکتے تھے۔ وہ لوگ اس قسم کے کام بربنائے جہالت نہیں کرتے تھے۔ وہ سب کچھ سمجھتے سوچتے اور دیکھتے بھالتے تھے۔ (لیکن مشکل یہ ہوتی ہے کہ جب انسان کے جذبات اس پر غالب آجائیں تو اس کی عقل و فکر ماؤف ہو جاتی ہے۔ یہ صرف وحی کی حد بندیاں ہیں جو انسانی جذبات کو بے راہ رو نہیں ہونے دیتیں۔ تنہا عقل کے بس کی یہ بات

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا
سٰبِقِيْنَ ۚ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ
الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ
الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

نہیں۔ کتنی قومیں ہیں جو علم و عقل کی بلندیوں پر ہونے کے باوجود خود تباہی کے جہنم کی طرف بڑھے چلی جاتی ہیں اور باقی دنیا کو بھی اس میں جھونک دیتی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وحی کی ضرورت پڑتی ہے[1]۔

۳۹ اور اسی طرح قارون، فرعون اور ہامان کی سرگزشت ہے (جو سرمایہ پرستی، ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کے انسانیت کش نظام کے نمائندے تھے) ان کی طرف موسیٰؑ واضح قوانین اور دلائل لے کر آیا لیکن وہ اپنی اس سرکشی سے باز نہ آئے جسے انہوں نے ملک میں عام کر رکھا تھا۔

وہ بھی اپنی تمام دولت اور قوت اور لاؤ لشکر کے باوجود ہمارے قانونِ مکافات کی گرفت سے بچ نہ سکے۔ اس نے انہیں آن دبوچا۔

۴۰ غرضیکہ اسی طرح ہم نے تمام اقوامِ سابقہ کو ان کی غلط روش زندگی کی پاداش میں پکڑ لیا — ان میں سے بعض پر آتش فشاں پہاڑوں سے، پتھروں کی بارش ہوئی۔ کسی کو زلزلے کی سخت مہیب آواز نے آپکڑا۔ بعض زمین میں دھنس کر نیست و نابود ہو گئے۔ کوئی سمندر میں ڈوب گئے۔ یہ سب کچھ ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خدا نے کسی پر کسی قسم کی زیادتی کی ہو۔ وہ خود اپنے آپ پر زیادتی کرتے تھے، اس لئے اُن کے اپنے اعمال تباہی کی شکل اختیار کر کے ان کے سامنے آجاتے تھے۔

۴۱ (حالانکہ ان کے پاس بڑی قوت اور ساز و سامان تھا۔ لیکن جو قوت، قانونِ خداوندی کے مطابق، کمزوروں اور مظلوموں کی حفاظت اور عمایت کے لئے نہیں بلکہ انہیں کچلنے کے لئے استعمال

[1] خود ہمارے زمانے میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ یورپ اور امریکہ کی قومیں تہذیب و تمدن اور علم و حکمت میں کس قدر آگے نکل گئی ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے معاشرہ کو کس قدر غلط خطوط پر متشکل کر رکھا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ خود بھی جہنم کے عذاب میں مبتلا ہیں اور ان کے ساتھ باقی دنیا بھی تباہ ہو رہی ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ یہ قومیں وحی کی روشنی سے کام نہیں لیتیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا
لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٤﴾

۴ ۴۴ ۱۴

کی جائے) اُس کی مثال یوں سمجھو جیسے مکڑی جالا تنتی ہے۔ وہ اپنے سے کمزور کو تو اس میں پھانس لیتی ہے لیکن جب مقابلہ اپنے سے زیادہ زور آور کے ساتھ آپڑے تو اس کا گھر سب سے زیادہ کمزور ثابت ہوتا ہے۔

اے کاش! ان لوگوں کو معلوم ہوتا کہ جو شخص (یا قوم) خدا کے علاوہ اوروں کو اپنا سرپرست تسلیم کرتی اور قوانین خداوندی کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ نظریات کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے ان کی قوت و حشمت تارِ عنکبوت کی حیثیت رکھتی ہے۔

۴۲ لہٰذا لوگ خدا کے سوا جس کسی کے قانون و اقتدار کو بھی تسلیم کرتے ہیں خدا کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قانون کے مقابلہ میں ان کے قوانین و اقتدار کی حیثیت کیا ہے۔ (جب ان دونوں میں ٹکراؤ ہوتا ہے تو خدا کا قانون غالب آتا ہے۔ کبھی براہِ راست قوت سے اور کبھی پُرحکمت طریقوں سے —— اس لئے کہ وہ قوت اور حکمت دونوں کا مالک ہے۔

۴۳ ہم لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس قسم کی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ لیکن ان مثالوں سے بھی بات وہی سمجھ سکتے ہیں جو عقل و فکر سے کام لیں۔

۴۴ (جو شخص عقل و فکر سے کام لے اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ) خدا نے اس کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر پیدا کیا ہے جس کا ایک خاص مقصد ہے۔ (یہ یونہی کھیل تماشے کے طور پر بلا مقصد و غایت پیدا نہیں کی گئی)۔

جو لوگ اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لئے اس میں زندگی کی صحیح روش پہچاننے کے لئے بڑی واضح نشانی ہے۔ (وہ اس سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ جب دیگر کائنات کی تخلیق بلا مقصد نہیں تو انسانی زندگی کس طرح بلا مقصد ہو سکتی ہے؟ کاروانِ انسانیت کی بھی ایک منزل ہے۔ اور اس دنیا کی زندگی اُس طویل سفر کا پہلا مرحلہ ہے)۔



اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ
الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْۤا
اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ
اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۵ (ایک قوانین خداوندی وہ ہیں جو خارجی کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں' اور جنہیں قوانینِ فطرت کہا جاتا ہے۔ دوسرے قوانینِ خداوندی وہ ہیں جو انسانوں کی راہ نمائی کے لئے بذریعہ وحی دیئے جاتے ہیں)۔
(اے رسول!) تم اُن قوانین کو جو تمہیں بذریعہ وحی دیئے گئے ہیں' لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہو۔ اور خود اُن کے مطابق نظامِ صلوٰۃ قائم کرو۔ یقیناً یہ نظام لوگوں کو ان کی اس روش سے روک دے گا جس کی رو سے' ہر فرد سب کچھ اپنے لئے سمیٹنے کی فکر میں لگا رہتا ہے' اور دوسروں کی پرورش کا خیال کسی کو نہیں آتا۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے' عقلِ خود بیں کی فریب کاریاں' انہیں عجیب عجیب طریقے سجھاتی رہتی ہیں۔ (۲۷ — ۲۱)۔ یہ نظام اُسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ انسانی معاشرہ میں اقتدارِ اعلیٰ خدا کے قانون کو حاصل ہو۔ اس کے مقابلہ میں تمہارے خود ساختہ نظام اور قوانین' کیا کرتے ہیں' خدا کو اس کا اچھی طرح علم ہے۔

۴۶ اس نظام کے قیام میں ایک بڑی رکاوٹ اہل کتاب کی طرف سے ہو گی۔ اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ جب قوانین خداوندی کا ضابطہ خود ان کے پاس موجود ہے تو انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی دوسرے نظام کی اطاعت کریں۔ (حالانکہ ان کے پاس قوانین خداوندی اپنی اصلی شکل میں

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

نہیں ہیں۔ ان میں بہت سی تحریف اور آمیزش ہو چکی ہے)۔ سو ان سے الجھو نہیں بلکہ نہایت حسن کار اور انداز سے بحث و تمحیص کرو۔ ہاں! ان میں سے جو کھلی ہوئی سرکشی پر اتر آئیں تو ان کا علاج کچھ اور ہے۔ ان سے کہدو کہ جو کچھ تمہارے انبیاءؑ کو خدا کی طرف سے ملا تھا (اور جو اپنی حقیقی شکل میں اب تمہارے پاس موجود نہیں۔ ۲/۲۹) قرآن میں وہ کچھ بھی آگیا ہے۔ اور اس سے زیادہ کچھ اور بھی۔ لہٰذا قرآن پر ایمان لانے سے ہم اس وحی پر بھی ایمان لے آتے ہیں جو تمہیں ملی تھی اور اس پر بھی جو ہمیں ملی ہے۔ لہٰذا تم بھی ایسا ہی کرو اور اس طرح ہمارے ساتھ اس حقیقت کا اقرار کرو کہ اطاعت اور محکومیت صرف خدائے واحد کی ہو سکتی ہے، جو تمہارا بھی خدا ہے اور ہمارا بھی۔ اسی کی طرف سے یہ ضابطۂ ہدایت ملا ہے، اس لئے ہم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

۴۷ یہ ہے، بہر حال، وہ انداز جس کے مطابق ہم نے تیری طرف اس کتاب کو نازل کیا ہے۔ (یعنی یہ تمام کتب سابقہ کی تعلیم کی بھی مہیمن ہے۔ ۵/۴۸۔ اور اس کے ساتھ مزید اضافوں سے تعلیم خداوندی کو مکمل بھی کر دیا گیا ہے، کیونکہ یہ خدا کی آخری کتاب ہے)۔ سو ان اہل کتاب میں سے جو اس حقیقت پر غور کریں گے وہ اس کی صداقت پر ایمان لے آئیں گے۔ ان کے علاوہ مشرکین عرب میں سے بھی اس پر ایمان لائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ بھی خالی الذہن ہو کر قرآن پر غور و فکر کریں گے، وہ اس کی صداقت کا اعتراف کریں گے۔ اس سے انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہوں کہ ہم نے اسے ماننا ہی نہیں۔ وہ یہی چاہتے ہیں کہ قرآنی تعلیم پر پردے پڑے رہیں، (کیونکہ اس تعلیم کے عام ہو جانے سے ان کی مفاد پرستیوں اور فریب کاریوں۔ فحشا و منکر ——— کا بھید کھل جاتا ہے)۔

۴۸ (باقی رہا یہ کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ قرآن خدا کی طرف سے ہے، تم نے اسے خود ہی وضع نہیں کر لیا۔ تو یہ بات بھی بڑی واضح ہے۔ ان میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ) اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تو نہ کوئی کتاب پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتا تھا۔[1] اگر

[1] اس سے ظاہر ہے کہ قرآن نازل ہونے کے بعد حضورؐ لکھنا پڑھنا سیکھ گئے تھے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۴۹
وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۵۰ اَوَ
لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۵۱ قُلْ
كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا
بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۵۲

تو نزولِ قرآن سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتا تو ان لوگوں کو جو اسے باطل قرار دے رہے ہیں شک گزر سکتا تھا کہ تم نے اسے خود ہی وضع کر لیا ہے (ذرا غور کرو کہ تم میں سے ایک ان پڑھ آدمی کہیں سے تعلیم حاصل کئے بغیر ایک ایسی کتاب پیش کر دیتا ہے جس کی مثال تمہارے بڑے بڑے عالم ادیب اور شاعر مل کر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ۲۳ - تو کیا یہ بات اس امر کی دلیل نہیں کہ اس کتاب کا سرچشمہ انسانی علم و عقل سے ماورا ہے؟)۔

۴۹ یہ تو رہی اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے کی خارجی شہادت۔ باقی رہی اس کی داخلی شہادت تو وہ خود اس کی تعلیم ہے۔ دنیا کے اربابِ علم و بصیرت جب بھی اس پر غور کریں گے ان کا دل اس کی گواہی دے گا کہ یہ قوانین فی الواقعہ بڑے واضح اور روشن ہیں۔ وہ محسوس کریں گے کہ قرآن خود ان کے دل کی بات کہہ رہا ہے۔ ان سے انکار صرف وہ لوگ کریں گے جو ضد اور سرکشی کی بنا پر جہالت اور توہم پرستی کی تاریکیوں میں رہنا چاہیں گے۔

۵۰ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآنی حقائق پر غور کرنے کے بجائے بدستور یہ مطالبہ کئے جاتے ہیں کہ اگر یہ خدا کا رسول ہے تو اسے حسی معجزات کیوں نہیں دیئے گئے؟ ان سے کہو کہ خدا کے ہاں معجزات کی کمی نہیں ——— کائنات کا ذرّہ ذرہ معجزہ ہے ——— لیکن جیسا کہ متعدد بار بتایا جا چکا ہے قرآن ایک دستورِ حیات ہے اور میرا فریضہ یہ ہے کہ میں تمہیں واضح طور پر بتا دوں کہ تم اس دستور کے مطابق چلو گے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا اور اس کی خلاف ورزی کا انجام کیا!

۵۱ ان سے کہو کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ خدا نے میری وساطت سے تمہاری طرف اس قسم کا ضابطہ زندگی بھیجا ہے۔ جو لوگ اس کی صداقتوں پر ایمان لائیں گے ان کے لئے اس میں سامانِ رحمت و ربوبیت ہوگا اور شاہراہِ حیات کے ہر موڑ پر اس امر کی یاددہانی کہ انہیں کس طرف جانا چاہیئے۔

۵۲ ان سے کہو کہ خدا کے اس ضابطۂ زندگی کے مشہود نتائج میرے اور تمہارے درمیان

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا
يَشْعُرُونَ ﴿٥٣﴾ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِن
فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٥﴾ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ
أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾

فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہوں گے (۶/۱۳۶)۔ وہ جانتا ہے کہ کائنات میں کیا کچھ ہو رہا ہے اور ہر شے کی نقل و حرکت کس طرح تعمیری نتائج پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا وہ لوگ جو قانون خداوندی سے انکار کرتے ہیں اور اپنی اسی رَوش کو صحیح سمجھتے ہیں جو تخریبی نتائج پیدا کرتی ہے، وہ عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ اُن کی یہ روش ان کے لئے کس قدر تباہ کن نقصانات کا موجب بنتی ہے۔

۵۳ ایسا کہنے سے یہ لوگ پھر شور مچانے لگ جاتے ہیں کہ لاؤ وہ عذاب جلدی سے لاؤ جس کی تم دھمکیاں دیتے ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمارے قانونِ مہلت و تدریج کی رُو سے اعمال اور ان کے نتائج کے محسوس طور پر سامنے آنے کا درمیانی وقفہ متعین نہ ہوتا، تو وہ عذاب ان پر کبھی کا آچکا ہوتا۔ وہ اس مہلت کے وقفہ کے بعد ہی آئے گا، لیکن آئے گا اس طرح اچانک کہ ان کی عقل و خرد اندازہ ہی نہیں کر سکے گی کہ وہ کہاں سے آگیا!

۵۴ ہاں! یہ جلدی مچاتے ہیں کہ وہ عذاب آ کیوں نہیں جاتا؟ اے کاش! ان کی آنکھیں ہوتیں تو یہ دیکھ لیتے کہ جس تباہی کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ وہ محض دھمکی ہے، وہ انہیں اس وقت بھی چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے (اور یہ اس کی نگاہوں سے کہیں چھپے ہوئے نہیں ۷۹/۳۴ ؛ ۵۲/۱۶۔ وہ عذاب، ان کے اپنے اعمال کے نتائج ہی کا پیکر ہوگا۔ اور وہ نتائج ساتھ کے ساتھ مرتب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اس وقت وہ ان کی نگاہوں سے مستور ہیں۔ اُس وقت محسوس شکل میں سامنے آجائیں گے ـــــ خواہ اس زندگی میں ـــــ خواہ اس کے بعد)۔

۵۵ جب وہ محسوس شکل میں سامنے آئے گا تو انہیں اوپر اور نیچے سے گھیر لے گا (۶/۶۵)۔ اور خدا ان سے کہے گا کہ یہ خود تمہارے اپنے ہی اعمال ہیں جو اس شکل میں تمہارے سامنے آرہے ہیں۔ سو تم ان کا مزہ چکھو۔

۵۶ (ان کا ایسا انجام ہو کر رہے گا۔ لیکن جس جماعت نے نظامِ خداوندی کو قائم کرنا ہے

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ
الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٥٨﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٥٩﴾ وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾

کیا اُن کا یہ عذر کافی ہے کہ مخالفین بڑے صاحبِ قوت ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہم اس غیر خداوندی فضا میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ قطعاً نہیں)۔ ان سے کہو کہ تم میرے قوانین کی صداقت پر ایمان لا کر ان کے مطابق زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔ لہٰذا اگر اس جگہ حالات اس کے لئے مساعد نہیں تو خدا کی زمین بڑی وسیع ہے۔ یہاں سے کسی ایسے مقام کی طرف چلے جاؤ جہاں حالات سازگار ہوں۔ تمہارا مقصد کسی خاص خطہ زمین سے پیوستگی نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تم کس طرح ایسی زندگی بسر کر سکتے ہو جس میں اطاعت و محکومیت صرف قوانینِ خداوندی کی ہو۔ کسی اور کی نہ ہو۔ سو جس مقام پر ایسی زندگی بسر کرنا ممکن ہو وہاں چلے جاؤ۔

۵۷ اس جدوجہد میں زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ تم جان دیدو گے۔ سو دنیا میں ہمیشہ کے لئے کس نے بیٹھے رہنا ہے؟ ہر ذی حیات موت کی طرف کشاں کشاں چلا جا رہا ہے۔ اُسے ایک نہ ایک دن مرنا اور اپنے اعمال کے لئے ہمارے حضور جواب دہ ہونا ہے ـــــ سو تمہارا ہر قدم ہماری مقرر کردہ منزل کی طرف اٹھنا چاہئے۔ (اعمال کی جواب دہی سے مفہوم یہ ہے کہ ان کے نتائج خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے مرتب ہوتے ہیں)۔

۵۸ ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم اُس جماعتِ مومنین کو جو ہمارے تجویز کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوگی عُسرت اور بدحالی کی زندگی سے نکال کر وہ زندگی عطا کر دیں گے جو ہر طرح کی بلندیوں، رعنائیوں اور فراوانیوں کی حامل ہوگی۔ اس کی خوشگواریوں اور شادابیوں میں کبھی کمی نہیں ہوگی۔ وہ سدا بہار رہیں گی۔ (۲۵/۷۴)۔

دیکھو! ہم کام کرنے والوں کو ان کے کاموں کا کتنا اچھا بدلہ دیتے ہیں۔

۵۹ یعنی اُن لوگوں کو جو اپنے پروگرام پر نہایت استقامت سے عمل پیرا رہتے ہیں۔ اور خدا کے قانون کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ (اور انہیں کبھی یہ تذبذب نہیں ہوتا کہ ہم گھر بار چھوڑ کر خدا کی راہ میں چل نکلیں تو ہمیں کھانے کو کہاں سے ملے گا۔ یا ہم اپنی محنت کی کمائی کو نوعِ انسان کی نشوونما کے لئے عام کر دیں، تو ہم خود کہاں سے کھائیں گے؟)۔

۶۰ (جنہیں اس قسم کا تذبذب ہو، ان سے کہو کہ ذرا کائنات میں غور کرو) کتنے ذی حیات

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾
اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ
نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾

ع ۱۴ / ۶ / ۲

ہیں جو اپنا رزق اپنی پیٹھ پر لادے لادے پھرتے ہیں یا اس کا ذخیرہ کرتے ہیں؟ ان سب کو خدا کے کائناتی قانونِ ربوبیت کے مطابق سامانِ زیست ملتا ہے۔ (۱۱/۶)۔ لہٰذا اگر تم بھی اپنے ہاں ویسا ہی نظام رائج کر لو ـــــ انفرادی لوٹ کھسوٹ اور ذخیرہ اندوزی چھوڑ دو ـــــ تو تم سب کو اسی طرح رزق ملتا جائے گا۔ (۶/۱۵۲) اس لئے کہ وہ سب کی سنتا اور ہر ایک کی ضروریات سے واقف ہے۔ اس کی نگاہوں سے کوئی بھی اوجھل نہیں رہ سکتا۔ (یہ تو تمہارا غلط نظام ہے جو اس قسم کی معاشی پریشانیاں اور ناہمواریاں پیدا کر دیتا ہے)۔

۶۱ (لیکن ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ یہ خارجی کائنات میں تو خدا کے قوانین کی محکمیت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن انسان کی دنیا کو اس سے باہر رکھنا چاہتے ہیں۔ مثلاً اگر ان سے پوچھو کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کس کے قانون کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں؟ تو یہ اقرار کریں گے کہ اللہ ہی نے ایسا کر رکھا ہے۔
ان سے کہو کہ پھر تم انسانی معاشرہ کی تشکیل بھی اسی کے قوانین کے مطابق کیوں نہیں کرتے۔ یہاں پہنچ کر تم کیوں الٹے پھر جاتے ہو؟ (۲۲/۲۰ ـــ ۲۱ ؛ ۸۴/۸۸ ـــ ۲۳ ؛ ۲۵/۳۱ ؛ ۳۸/۳۹ ؛ ۴۴/۴۳)۔

۶۲ (یاد رکھو! جس طرح خارجی کائنات میں خدا کا قانون کارفرما ہے، اسی انسانی دنیا میں بھی) رزق کی تنگی اور کشادگی کے لئے خدا کی طرف سے قانون مقرر ہے۔ لہٰذا جو شخص (یا قوم) چاہتی ہے کہ اسے رزق فراواں ملے اسے اُس قانون کے مطابق کام کرنا ہوگا۔ اور جو اپنا رزق تنگ رکھنا چاہے، وہ اس قانون کو چھوڑ دے۔ اس کا رزق تنگ ہو جائے گا۔ اللہ ہر بات کا علم رکھتا ہے (اس لئے کائنات یونہی اندھا دھند نہیں چل رہی۔ قاعدے اور قانون کے مطابق چل رہی ہے)۔

۶۳ یا مثلاً ان لوگوں سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو بادلوں سے مینہ برساتا، اور پھر اس سے زمین مردہ کو از سرِ نو زندگی عطا کرتا ہے، تو یہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ سب کچھ خدا ہی کرتا ہے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا
رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾
لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۙ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

(اور نہایت حسن و خوبی سے کرتا ہے)۔

ان سے کہو کہ جب تم اس کے معترف ہو کہ جہاں جہاں خدا کا قانون ربوبیت کارفرما ہے وہاں ہر طرف سے ستائش و نیائش کی آوازیں بلند ہوتی ہیں' تو پھر تم اپنے معاشرہ میں وہی قانون کیوں نہیں رائج کرتے؟ لیکن یہاں پہنچ کر ان کی مفاد پرستیوں کے جذبات اُن کی سوچنے کی قوت پر غالب آجائیں گے' اور یہ عقل و فکر سے کام نہیں لیں گے۔

۶۴ حالانکہ یہ اگر ذرا بھی عقل و شعور سے کام لیں تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ زندگی اگر محض سانس کی آمد و شد کا نام ہو' اور اس کے بند ہو جانے سے انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہو' تو پھر انسان کے سامنے کوئی بلند مقصد نہ رہے گا اور زندگی کا مفہوم' طبیعی تقاضوں کی تسکین سے زیادہ کچھ نہ ہوگا۔ یہ محض کھیل تماشا بن جائے گی۔

اگر یہ ذرا علم کی روشنی میں جائزہ لیں تو انہیں نظر آجائے کہ حقیقی زندگی اُسی کی ہے جو انسانی سطح پر زندگی بسر کرے۔ یہ وہ زندگی ہے جس کا خاتمہ موت کے ساتھ نہیں ہو جاتا۔ یہ اسکے بعد بھی آگے چلتی ہے۔ (موت سے تو محض حیوانی زندگی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ یعنی انسان کے طبیعی جسم کا)۔

۶۵ جب انسانی زندگی کا مقصود' محض جسم کی پرورش اور حفاظت رہ جائے' تو اس کے سامنے کسی بلند مقصد' مستقل قدر یا محکم اصول کی پابندی کا سوال ہی نہیں آتا۔ اس صورت میں اُس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اس کی زندگی ذرا خطرے میں پڑے تو اس سے جو جی میں آئے منوا لیجئے۔ جب اِدھر سے اطمینان ہو جائے تو وہ پھر سب کچھ بھلا کر اپنی سابقہ روش اختیار کر لے گا۔ یہ منظر دیکھنا ہو تو کسی کشتی کو دیکھو۔ جب لوگ اس میں سوار ہوں اور اسے کوئی طوفان گھیر لے تو کشتی کے مسافر اس عجز و نیاز سے خدا کو پکارتے ہیں گویا ان کی تمام اطاعتیں اور فرمانبرداریاں خالص اُسی کے لئے ہیں۔ لیکن جب انہیں اس سے نجات مل جاتی ہے' اور وہ بخیریت ساحل پر اتر آتے ہیں' تو پھر خدا کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرنے لگ جاتے ہیں۔

۶۶ اور یہ سب اس لئے کہ جو کچھ ہم نے انہیں ساز و سامانِ حیات دے رکھا ہے' اس پر پردے ڈال کر رکھیں' اور اس سے خود ہی فائدے اٹھائیں' کوئی اور اس میں شریک نہ ہو جائے

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ
يَكْفُرُونَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ
مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٩﴾

(خالص قوانین خداوندی کی اطاعت میں تو ایسا نہیں کیا جاسکتا)۔

اس ذہنیت اور نہج زندگی کا انجام عنقریب ان کے سامنے آجائے گا۔

۶۷ (اگر انہوں نے یہ دیکھنا ہو کہ جس سرزمین میں ہمارے قانون کا احترام کیا جاتا ہے' اس میں انسان کیسے امن سے زندگی گزارتا ہے' تو اس گئے گزرے زمانے میں بھی) اس کی مثال حرم کعبہ کی شکل میں ان کے سامنے ہے۔ جو شخص وہاں پہنچ جائے' وہ ہر خطرہ سے مامون ہو جاتا ہے' حالانکہ اس کے اردگرد بے امنی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ لوگ دن دھاڑے اچک لئے جاتے ہیں۔

ان سے پوچھو کہ کیا ایسی واضح شہادت کے بعد بھی یہ' اپنے خود ساختہ غلط نظام پر ایمان رکھنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ تخریب ہی تخریب ہے۔ اور ان خوشگواریوں سے منہ موڑنا چاہتے ہیں جو ہمارے قانون کے اتباع کا لازمی نتیجہ ہیں؟

۶۸ یہ سب کچھ واضح طور پر کہہ دینے کے بعد ان سے پوچھو کہ اس سے زیادہ سرکش اور مجرم اور کون ہو سکتا ہے جو اپنے ذہن سے باتیں وضع کرے اور انہیں خدا کی طرف منسوب کر دے۔ یا جس کے پاس' خدا کی طرف سے' حق کی بات آجائے اور وہ اس کی تکذیب کرے۔ کیا اس قسم کے منکرین حقیقت کا آخری ٹھکانہ وہ نہیں جہاں زندگی کی کھیتیاں جھلس کر راکھ کا ڈھیر ہو جایا کرتی ہیں؟

۶۹ ان کے برعکس' جو لوگ اُس مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے ہیں جو ہم نے ان کے لئے متعین کیا ہے' ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے سامنے زندگی کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں' جو ہر طرف سے آکر صراطِ مستقیم میں مل جاتی ہیں اور اس طرح انسانی سعی و کاوش کا رُخ ہمارے متعین کردہ پروگرام کی طرف پھیر دیتی ہیں۔

یاد رکھو! جو لوگ خدا کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق' حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں' انہیں خدا کی تائید و نصرت حاصل رہتی ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ③ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ④

---

۱ خدائے علیم وحکیم کا ارشاد ہے۔

۲ اس سرزمین میں جو عرب کی سرحد سے قریب واقع ہے (یعنی فلسطین اور شام میں)

۳ رومی (ایرانیوں سے) مغلوب ہو گئے۔ (اور یہ چیز مشرکین عرب کے لئے بڑی خوشی کا باعث ہوئی کہ اہل کتاب، مشرکین کے ہاتھوں شکست کھا گئے)۔

۴ لیکن، تم دیکھو گے کہ چند سال کے اندر اندر، یہی مغلوب رومی، اپنے دشمنوں پر غالب آجائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ماضی کے واقعات ہوں یا مستقبل کے سب قانونِ خداوندی کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔ (اور چونکہ علمِ خداوندی کی رُو سے ماضی اور مستقبل میں کوئی فرق نہیں، اس لئے اس نے مستقبل کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ اسی طرح واقع ہو کر رہے گا)۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب ادھر جماعتِ مومنین بھی، قوانین خداوندی کی تائید سے، اپنی موجودہ مغلوبیت کے بعد (بدر کے میدان میں، اپنے مخالفین پر) غالب آجائے گی۔ (چنانچہ ایک طرف بدر کی فتح اور دوسری طرف وحی کی اس پیش گوئی کا پورا ہونا، کہ رومی پھر غالب آجائیں گے، مومنین کے لئے بڑی خوشی کا موجب ہوگا۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۚ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝٥ وَعْدَ اللّٰهِ ۚ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٦ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝٧ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝٨

---

۵ یاد رکھو! خدا کی یہ تائید و نصرت (جس کی رو سے مومنین کو کامیابی ہوگی) اس کو مل سکتی ہے جو خدا کے قانون کے مطابق اسے حاصل کرنا چاہے۔ یہ تائید و نصرت' ایک طرف' اپنی قوت اور غلبہ سے مخالفین کو کمزور کر دیتی ہے' اور دوسری طرف جماعتِ مومنین کے لئے سامانِ رحمت و ربوبیت بہم پہنچا دیتی ہے۔

۶ یہ اللہ کا وعدہ ہے (کہ جماعتِ مومنین اپنے مخالفین پر غالب آکر رہے گی) اور اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (خدا کا وعدہ قانونِ خداوندی کے مطابق نتائج برآمد ہونے کا دوسرا نام ہے۔ اور چونکہ قوانین خداوندی اٹل ہیں' اس لئے ان کے خلاف کبھی کچھ ہو نہیں سکتا۔ یہی مطلب ہے ایسا کہنے سے کہ خدا کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا)۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

۷ حالانکہ بات بالکل واضح ہے۔ دو جماعتیں ہیں جن میں کشمکش جاری ہے۔ ایک جماعت کے افراد کے نزدیک زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی ہے؟ اس لئے ان کی تمام جدوجہد کا منتہیٰ اس دنیا کے ذاتی فوائد کا حصول ہے جو انہیں نمایاں طور پر اپنے سامنے نظر آتے ہیں۔ وہ نہ موت کے بعد زندگی کے قائل ہیں اور نہ ہی عالمگیر انسانیت کے مفاد کلی کا بلند اصول ان کے سامنے ہے۔ (دوسری طرف وہ جماعت ہے جس کے پیش نظر انفرادی مفاد نہیں بلکہ عالمگیر انسانیت کی ربوبیت ہے۔ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے دنیا سے ظلم اور سلب و نہب ختم کرنے کے لئے نہایت بے جگری سے لڑتے ہیں اور ان کا ایمان یہ ہے کہ اس کشمکش میں اگر ان کی جان بھی چلی جائے گی تو ان کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ انہیں مرنے کے بعد حیاتِ جاوید حاصل ہو جائے گی۔ اب سوچئے کہ جب ان دو جماعتوں میں ٹکراؤ ہوگا تو کامیابی کس کے حصے میں آئے گی؟ اوّل الذکر جماعت' ثانی الذکر کے مقابلہ میں ٹھہر ہی نہیں سکے گی)۔

۸ (اس جماعتِ مومنین کا یہ ایمان کہ زندگی کا ایک بلند مقصد ہے' اور انسان کے سامنے عالمگیر انسانیت کا مفاد کلی رہنا چاہئے' اندھی عقیدت پر مبنی نہیں۔ پورے غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ مخالفین

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا

بھی فکر و تدبر سے کام لیں تو اس حقیقت کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں)۔ یہ خود اپنی داخلی دنیا پر غور کریں اور (دیکھیں کہ ان کے جسم کی مشینری مفاد کلی کے قانون کے مطابق چل رہی ہے یا اس میں ہر عضو اپنے اپنے مفاد کی فکر میں ہے)۔ اس سے آگے بڑھ کر یہ خارجی کائنات پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس میں بھی ہر شے اپنے اپنے مفاد کے حصول میں سرگرداں ہے یا وہ کائنات کے کلی نظام کے اجزا کی حیثیت سے سرگرم عمل ہے۔ اگر یہ اس پر غور کریں گے تو یہ حقیقت ان کے سامنے آجائے گی کہ یہ تمام نظام ایک وقت معینہ تک تعمیری نتائج مرتب کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

لیکن اس قدر بیّن شہادات کے باوجود اکثر لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ وہ زندگی کو اپنے مفاد اور رجحانات کے مطابق بسر کرنا چاہتے ہیں اور اس پر یقین ہی نہیں رکھتے کہ انہیں قوانین خداوندی کا سامنا کرنا ہے اور ان کی ہر حرکت کا نتیجہ انہی قوانین کی رو سے مرتب ہوتا ہے۔

۹ اگر یہ لوگ اپنی ذات اور کائنات کے نظام پر غور کرنا نہیں چاہتے تو کم از کم تاریخی نوشتوں ہی کو دیکھیں کہ وہ انہیں کس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں؟ اس مقصد کے لئے اگر یہ لوگ آنکھیں کھول کر دنیا میں چلیں پھریں تو انہیں نظر آجائے گا کہ جن قوموں نے ان سے پہلے انہی جیسی روش اختیار کی تھی ان کا انجام کیا ہوا تھا۔ وہ تو میں قوت و شوکت میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں (۴۰/۲۱)۔ انہوں نے زمین کے سینے کو چیر کر اس میں چھپے ہوئے خزانوں (زرعی اور معدنی پیداوار) کو باہر نکالا۔ ملکوں کو آباد کیا —— اور ان کی آبادیاں ان مخاطبین کی آبادیوں سے کہیں زیادہ تھیں —— اُن کے رسول اُن کے پاس خدا کے واضح قوانین لے کر آئے۔ (قبل اس کے کہ یہ بتایا جائے کہ اس کے بعد کیا ہوا اس حقیقت کو اچھی طرح یاد رکھو کہ) ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خدا نے کسی قوم کو یونہی ظلم اور زیادتی سے تباہ کر دیا ہو۔ قومیں خود اپنے اوپر آپ ظلم کرتی ہیں اور تباہ ہو جاتی ہیں (۳۵/۴۴)۔

۱۰ ہاں! تو خدا کے رسول ان کے پاس آئے۔ لیکن انہوں نے انہیں جھٹلایا۔ ان کا تمسخر اڑایا۔ اور اپنی اسی روش پر قائم رہے جس سے معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہوتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ جنہوں نے اس قسم کی ناہمواریاں پیدا کرنے والا نظام قائم کر رکھا تھا ان کی اپنی زندگی

يَسْتَبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٢﴾ وَلَمْ يَكُن لَّهُم مِّن شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ﴿١٣﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ
يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ ﴿١٤﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ﴿١٥﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ
كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿١٦﴾ فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ
تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ﴿١٧﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ﴿١٨﴾

میں ناہمواریاں پیدا ہوگئیں۔ ان کا توازن بگڑ گیا (اور وہ تباہ و برباد ہو کر رہ گئے)۔

۱۱ یہ سب کچھ خدا کے قانون کے مطابق ہوتا رہا ——— وہ قانون جس کی رو سے خدا، ہر شے کی پیدائش کی ابتدا کرتا ہے (تو وہ غیر نشو و نما یافتہ حالت میں ہوتی ہے) پھر اسے اس طرح گردش دیتا ہے کہ ہر گردش، اس چیز کو اُس منزل کی طرف لے جاتی ہے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر رکھی ہے (یہی کچھ قوموں کے ساتھ ہوتا ہے)۔

۱۲ چنانچہ جو کچھ اقوام سابقہ کے ساتھ ہوا، وہی کچھ ان (مخالفین عرب) کے ساتھ ہوگا۔ (اس وقت تو یہ لوگ قوانین خداوندی کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کا مذاق بھی اڑاتے ہیں لیکن جس وقت آنیوالا انقلاب ان کے سامنے آکھڑا ہوگا، تو ان بڑے بڑے سرکش مجرموں پر ہر طرح کی مایوسیاں چھا جائیں گی۔

۱۳ اور جن لوگوں کے ساتھ مل کر انہوں نے اپنی مفاد پرستیوں کی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی، اُس وقت ان میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ کھڑا نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ اس سے بھی صاف مکر جائیں گے کہ وہ کبھی ان کے ساتھ شریک تھے۔

۱۴ اُس انقلاب کے وقت سب اپنی اپنی فکر میں غلطاں و پیچاں ہوں گے۔ ہر ایک کو نفسا نفسی پڑی ہوگی۔

۱۵ لیکن جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت پر ایمان لا کر صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا رہتے ہیں، ان کی حالت بالکل مختلف ہوگی۔ وہ زندگی کی شادابیوں اور خوشگواریوں سے بہرہ یاب (۴۲/۲۲) اور نعمات حیات آور سے لذت اندوز ہوں گے۔ (۴۳/۷۰)۔

۱۶ اور جو لوگ ہمارے قوانین کی صداقت سے انکار کرتے ہیں اور آئی اور مستقبل کی زندگی کی تکذیب کرتے ہیں، وہ اپنے آپ کو تباہیوں کے اندر موجود پائیں گے۔

۱۷ ۱۸ لہٰذا کسی قوم کی زندگی کے آغاز کا وقت ہو یا اس کے ختم ہونے کا زمانہ۔ اسکا آفتاب

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ﴿٢٠﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾

اقبال نصف النہار پر ہو یا زوال کے قریب۔ وہ کسی دور سے بھی گزر رہی ہو۔ جب اس کے سامنے قوانین خداوندی آئیں تو اسے ان قوانین کی مسلسل اور پیہم اطاعت کرنی چاہئے۔ وہ دیکھے گی کہ جس طرح قوانین خداوندی خارجی کائنات میں ایسے خوشگوار نتائج پیدا کرتے ہیں جنہیں دیکھ کر ہر ایک بے ساختہ واہ واہ پکار اٹھتا ہے جب یہ اپنے معاشرہ کو ان قوانین کے قالب میں ڈھال لے گی تو وہ بھی اسی قسم کے قابل تحسین ثمرات کی حامل بن جائے گی۔

۱۹ انہی قوانین کی اطاعت سے مردہ قوموں کو حیات تازہ مل جاتی ہے اور انہی کی خلاف ورزی سے زندہ قومیں موت کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ جب زمین مردہ کی قوانین فطرت کے مطابق آبیاری کی جائے تو اس میں سے کس طرح زندگی لہلہاتی ہوئی نمودار ہو جاتی ہے۔ اسی قانون کے مطابق تمہیں بھی زندگی مل جائے گی۔

۲۰ قانونِ خداوندی کی حیات بخشی کا اندازہ لگانا ہو تو تم خود اپنی پیدائش پر غور کرو۔ جامد مادہ (مٹی) میں زندگی کے کوئی آثار نہیں ہوتے۔ خدا نے اس جامد مادہ سے تمہاری تخلیق کی ابتدا کی۔ اور پھر اسے مختلف گردشیں دیتا ہوا اس مقام تک لے آیا جہاں تم پیکر بشریت اختیار کر کے ساری دنیا میں پھیل گئے۔

۲۱ جامد مادہ سے جب زندگی کی ابتدا ہوئی تو وہ ایک جرثومہ[1] کی شکل میں تھی۔ وہ جوش نمو سے پھٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تو اس کا ایک حصہ نر بن گیا اور دوسرا مادہ ـــــ اس طرح تم ـــ مرد اور عورت ـــــ ایک دوسرے کے زوج[2] (جوڑے) بن گئے۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ تم ایک دوسرے کی رفاقت سے سکون قلب حاصل کرو۔ اس نے تم میں ایک ایسا گہرا رشتہ پیدا کر دیا

---

[1] LIFE CELL

[2] COMPLEMENTARY TO EACH OTHER

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

جو تمہاری (مرد اور عورت دونوں کی) صلاحیتوں کی نشوونما کا موجب بن گیا۔

زندگی کے اس نقشے میں بھی ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں قانون خداوندی کی محکمیت اور حیات بخشی کی نشانیاں ہیں۔

۲۲ اس قانون کائنات سے ایک اور حقیقت کی طرف غور کرو۔ تم دیکھتے ہو کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کس قدر تنوع پایا جاتا ہے۔ لیکن اس تنوع کے باوجود ساری کائنات ایک مصرعہ موزوں کی طرح غیر منقسم اور متحدہ وحدت ہے۔ اسی طرح انسانوں میں رنگ اور زبان کا اختلاف ہے لیکن وہ اس اختلاف کے باوجود ایک امت واحدہ کے افراد ہیں۔ (۲/۲۱۳)۔

اس میں بھی ارباب علم و بصیرت کے لئے حقیقت تک پہنچنے کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

۲۳ اسی کی ایک مثال اور لو۔ تم رات کو سوتے ہو اور دن کو تلاش معاش کرتے ہو۔ لیکن سکون اور حرکت کے ان دو متضاد عناصر کی یک جہتی سے زندگی کی گاڑی آگے بڑھتی ہے۔ یقیناً اس میں بھی ان لوگوں کے لئے جو گوش ہوش سے کام لیتے ہیں ہمارے قانون وحدت کے سمجھنے کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

۲۴ اور اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک ہی گھٹا میں بادل اور بجلیاں دونوں موجود ہوتی ہیں۔ بجلیاں تمہارے لئے وجہ خوف بنتی ہیں اور بادل موجب مسرت (۲/۱۹)۔ اس لئے کہ بادل سے وہ مینہ برستا ہے جس سے زمین مردہ کو زندگی مل جاتی ہے۔

اس میں بھی ان لوگوں کے لئے جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں ہمارے قانون حیات کی کارفرمائی کو سمجھنے کی بڑی نشانیاں ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۡ اِذَآ اَنْتُمْ
تَخْرُجُوْنَ ۝۲۵ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝۲۶ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۷ ضَرَبَ لَكُمْ
مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ

۲۵ خدا کے کائناتی قانون کی کارفرمائی یہ بھی ہے کہ اس قدر عظیم الجثہ اجرام فلکی (کرّے) فضا کی پہنائیوں میں معلق قائم ہیں۔ ان میں سے ایک کرۂ ارض (تمہاری زمین) بھی ہے جس پر تم اس وقت بستے ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے تمہیں بلاوا آئے تو تم اس زمین سے نکل کھڑے ہو۔[1]

۲۶ یہ اس لئے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں خدا ہی کا قانون کارفرما ہے۔ یہاں کسی اور کا اقتدار نہیں۔ اور کائنات کی ہر شے اپنی تمام صلاحیتوں کو اُس کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے وقف کئے ہوئے ہے۔

۲۷ (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ ۳۰:۱۱) خدا اپنے قانون کی رو سے ہر شے کی تخلیق (پیدائش) کی ابتدا کرتا ہے۔ پھر اسے مختلف گردشیں دیتا ہوا، اس منزل کی طرف لے جاتا ہے جو اس کے لئے مقرر کر دی گئی ہے۔ اور یہ سب کچھ نہایت آسانی سے ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کے سب ڈھانچے قانونِ خداوندی کے قالب میں ڈھلے ہوتے ہیں، اس لئے وہ نہایت اعلیٰ درجے کے ہیں۔ (اگر انسان بھی اپنی سیرت و کردار کو قوانین خداوندی کے قالب میں ڈھالے تو اس میں بھی ایسا ہی حسن پیدا ہو جائے) حقیقت یہ ہے کہ قانونِ خداوندی عجیب قسم کا حسین امتزاج اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس میں غلبہ اور قوت بھی ہے، اور حکمت اور تدبیر بھی۔ (قوت بے تدبیر اندھا استبداد ہوتا ہے۔ اور تدبیر بے قوت، بیکار فلسفہ۔ ان دونوں کا متوازن امتزاج ہی حسین تعمیری نتائج پیدا کرتا ہے۔ اور یہ قوانین خداوندی کے تابع رہ کر ہی ہو سکتا ہے)۔

۲۸ (ان حقائق کی روشنی میں سوچو کہ کیا کائنات میں کوئی قوت بھی ایسی ہو سکتی ہے جسے خدا کی

---

[1] اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ تم مرنے کے بعد خدا کی آواز پر از سرِ نو زندہ ہو جاؤ۔ اور ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم اس زمین سے اُٹھ کر کسی دوسرے کرّے کی طرف چل نکلو جیسا کہ آجکل نظر آ رہا ہے۔ اس صورت میں "خدا کے بلاوے" سے مراد علم الفطرت کے مزید انکشافات ہوں گے۔ فطرت کا ہر اشارہ، خدا ہی کا بلاوا ہے۔

تُخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ
ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمَن يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ

ہمسری حاصل ہو سکے؟ سب کی قوتیں خدا کی عطا فرمودہ ہیں۔ تو کیا وہ جوان قوتوں کا عطا کرنے والا ہے اور وہ جنہیں یہ قوتیں عطا کی گئی ہیں' ایک دوسرے کے برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم اس کی ضرورت سمجھتے ہو تو) ہم اس کے لئے خود تمہاری اپنی مثال پیش کرتے ہیں۔ تمہارے ہاں وہ لوگ بھی ہیں جو تمہارے ماتحت کام کرتے ہیں ـــــ تمہارے ملازم وغیرہ ـــــ کیا تم ایسا کرتے ہو کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں انہیں اس طرح شریک کر لو کہ وہ اور تم ہر طرح سے برابر برابر ہو جاؤ' اور پھر تم ان سے اس طرح ڈرنے لگ جاؤ جس طرح تم اپنے برابر کے لوگوں سے ڈرتے ہو۔ (سو جب یہ لوگ جو تمہارے زیردست یا ماتحت کام کرتے ہیں' تمہارے جیسے انسان ہونے کے باوجود تمہارے ہمسر نہیں ہو سکتے اور تم ان سے کبھی خائف نہیں ہوتے' تو کائنات کی مخلوق' خواہ وہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو' اس خدا کے برابر کس طرح ہو سکتی ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے اور وہ اس کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہے)۔ ہم اس طرح اپنے قوانین و حقائق کو کھول کر بیان کرتے ہیں' لیکن اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو عقل و فکر سے کام لیں۔

(ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ تم اپنے ماتحتوں اور زیر دستوں کو' اس میں شریک کر کے جو ہم نے تمہیں دیا ہے' اپنا ہمسر نہیں بنا لیتے' تو اس سے یہ مراد نہیں کہ تمہیں اپنا فاضلہ رزق انہیں نہیں دینا چاہئے۔ ہم نے بات سمجھانے کے لئے' تمہاری روش کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ ورنہ صحیح معاشی نظام تو یہی ہے کہ جنہیں فاضلہ رزق حاصل ہو' وہ اسے ان لوگوں کو دیدیں جنہیں اس کی ضرورت ہو تاکہ سامان زیست سے پرورش پانے میں سب برابر کے حصہ دار ہو جائیں۔ ۱۶/۷۱)۔

۲۹ ان واضح حقائق کے بعد' ان لوگوں کی حالت پر غور کرو جو وحی (علم) کی روشنی کے بغیر اپنے جذبات کے تابع چلنا چاہتے ہیں' اور اس طرح اپنے جذبات ہی کو اپنا خدا بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ صحیح روش یہ ہے کہ انسانی جذبات کو وحیٔ خداوندی کے تابع رکھا جائے۔ ۲۵/۴۳)۔ ان کی اس غلط روش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر سعادتوں اور کامرانیوں کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ اور جس پر خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے' زندگی کی صحیح راہ اس طرح بند ہو جائے' اسے صحیح راستے پر کون لا سکتا ہے اور کون اس کی مدد کر سکتا ہے۔

۳۰ لہٰذا' صحیح روشِ زندگی یہ ہے کہ تو ان تمام غلط راہوں سے منہ موڑ کر' اپنی تمام توجہات کو

حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِينَ
فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۳۲﴾ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ
مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

اُس نظامِ زندگی پر مرکوز کردے جو خدا کے تخلیقی قانون کا تقاضا ہے اور جس قانون کے مطابق اس نے خود انسان کو پیدا کیا ہے۔ خدا کا یہ قانونِ تخلیق غیر متبدل ہے (اس لئے یہ نظامِ زندگی جو انسانی معاشرہ کے لئے بذریعہ وحی دیا گیا ہے' اسی طرح غیر متبدل ہے)۔ یہی وہ نظامِ زندگی ہے جو نہایت محکم اور تمام نوعِ انسان میں صحیح توازن قائم رکھنے کا موجب ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

۳۱ یہ نظام کیا ہے؟ یہ کہ سفرِ زندگی میں تمہارا ہر قدم اُس منزل کی طرف اٹھے جو خدا نے تمہارے لئے 'تجویز کی ہے تم اس کی پوری پوری نگہداشت کرو۔ اس کے لئے نظامِ صلوٰۃ قائم کرو جس میں ہر فرد بطیب خاطر قوانین خداوندی کا اتباع کئے چلا جاتا ہے۔ اس اتباع اور اطاعت میں کسی اور کے قانون اور فیصلے کو شریک نہ کرو۔ اس سے پہلے خود تمہارے اندر وحدتِ فکر و عمل پیدا ہو جائے گی' اور اس کے بعد پوری نوعِ انسانی' اپنے اختلافات کو چھوڑ کر امتِ واحدہ بن جائیگی (۲/۲۱۳)۔ یہی دین کا مقصود ہے۔

۳۲ لہٰذا' تم بڑی احتیاط برتنا کہ اس طرح توحید کے پیرو بن کر پھر سے مشرک نہ بن جاؤ' یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' اور اس طرح اُمتِ واحدہ رہنے کے بجائے' مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ فرقوں میں بٹ جانے کے بعد حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر فرقہ سمجھتا ہے کہ جس طریقے پر ہم چل رہے ہیں' وہی حق و صداقت کی راہ ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ میں مگن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ یاد رکھو۔ فرقہ پرستی اور گروہ بندی شرک ہے۔ تم اس شرک کے مرتکب نہ ہو جانا (۳/۱۰۴ ؛ ۶/۱۶۰ ؛ ۲۳/۵۲ ؛ ۴۲/۱۳)۔

۳۳ اور نہ ہی تم ان لوگوں کی روش اختیار کر لینا جن کی حالت یہ ہے کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنی تمام توجہات کو خدا کی طرف مرکوز کر کے اُس سے دعائیں مانگتے ہیں' اور جب اس کی طرف سے سامانِ کشائش مل جاتا ہے' تو ان میں سے ایک گروہ' اپنے

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ
يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ
يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٣٧﴾
فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٣٨﴾

نشو و نما دینے والے (خدا) کے اقتدار و اختیار میں دوسروں کو بھی شریک کرنے لگ جاتا ہے۔

۳۴ اور اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اسے دبا اور ڈھانپ کر اپنے لئے مختص کر لیں اور اس طرح کفرانِ نعمت کریں۔ سو ایسے لوگوں سے کہہ دو کہ تم اس سازو سامانِ زندگی سے کچھ وقت کے لئے فائدہ اٹھا لو۔ اس کے بعد تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ تمہاری اس غلط روش کا انجام کیا ہوتا ہے!

۳۵ (یاد رکھو! جو لوگ ہمارے قانون اور اقتدار میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتے ہیں وہ یہ کچھ اپنے خود ساختہ تصورات کے مطابق کرتے ہیں) ہم نے کوئی تائید اور سند ایسی نازل نہیں کی جو اُن کے حق میں دلالت کرتی ہو جنہیں یہ خدا کی قوتوں میں شریک قرار دیتے ہیں۔

۳۶ (حقیقت یہ ہے کہ جب لوگ وحی کا دامن چھوڑ دیں تو ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ جب انہیں سامانِ زندگی کی کشود حاصل ہوتی ہے تو وہ پھولے نہیں سماتے۔ اس پر اتراتے پھرتے ہیں۔ لیکن جب انہیں خود ان کے اپنے اعمال کی بدولت کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خود زندگی کی طرف سے ہی مایوس ہو جاتے ہیں (یعنی ان کی طبیعت میں توازن اور اعتدال رہتا ہی نہیں)۔

۳۷ کیا یہ لوگ کبھی اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ رزق کی کشائش اور تنگی خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ جو اپنے لئے جس قسم کی راہ اختیار کرتا ہے اسے اسی قسم کا نتیجہ مل جاتا ہے۔ اس حقیقت میں ان لوگوں کے لئے جو قوانین خداوندی کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں صحیح توازن بدوش رہنے کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

۳۸ (رزق کی کشائش اور تنگی کا قانون یہ ہے کہ جس معاشرہ میں رزق کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اس سے ہر ضرورتمند کی ضرورت پوری ہوتی رہے اس معاشرہ میں رزق کی فراوانی رہیگی اور جہاں اس کے خلاف ہوگا وہاں رزق کی تنگی ہوگی)۔ لہٰذا تم اپنے معاشرہ میں رزق کی

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ
مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾

تقسیم اس طرح کرو کہ ہر شخص اس کا اطمینان کرلے کہ اس کے قریب بسنے والوں (یا رشتے داروں) کو اور انہیں جو کسی وجہ سے کمانے سے معذور ہو جائیں۔ نیز اس اجنبی کو جو تمہارے ملک میں آنکلے اس کی ضرورت کے مطابق رزق مل جائے ——— اور یہ رزق انہیں بطور خیرات نہ ملے بلکہ ان کا حق سمجھ کر انہیں دیا جائے۔

یہ روش ان لوگوں کے لئے بہترین نتائج کی حامل ہوگی جو اس راستے پہ چلنا چاہتے ہیں جو انہیں خدا کی مقرر کردہ منزل کی طرف لیجائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی و عمل کی کھیتیاں پروان چڑھیں گی۔

۳۹ یاد رکھو! جو کچھ تم دوسروں کو اس لئے دو کہ اس کے بدلے میں تمہیں ان کے مال و دولت میں سے اس سے زیادہ ملے جو تم نے انہیں دیا ہے (تو ہو سکتا ہے کہ اس طرح تمہیں تمہارے حساب کے مطابق کچھ زیادہ مل جائے۔ لیکن) قانون خداوندی کی رو سے اس سے تمہارے مال و دولت میں کچھ اضافہ نہیں ہوگا۔ (یہ تمہیں اس لئے اضافہ نظر آتا ہے کہ تم انفرادی طور پہ حساب کرتے ہو۔ اگر تم پوری انسانیت کو سامنے رکھ کر غور کرو تو تم دیکھ لو گے کہ یہ اضافہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس، جو کچھ تم اس لئے دو کہ اس سے دوسروں کی نشوونما ہو جائے، اور اس میں تمہیں کسی قسم کے ذاتی معاوضہ کا خیال نہ ہو، بلکہ تم یہ اس لئے کرو کہ اس سے تمہاری زندگی قوانین خداوندی سے ہم آہنگ ہو جائے گی، تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے دیئے ہوئے مال میں فی الحقیقت اضافے ہوتے ہیں۔ ($\frac{۲}{۲۷۶-۲۷۵}$; $\frac{۳}{۱۲۹}$; $\frac{۷۴}{۶}$)۔

۴۰ یہ قانون اس خدا کا ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا اور سب کے لئے رزق (سامان زیست) مہیا کیا۔ (لہذا جب رزق سب کے لئے ہے تو اس کی تقسیم بھی اس طرح ہونی چاہئے کہ اس سے سب کی نشوونما ہوتی جائے)۔ اسی قانون کے مطابق تمہاری موت اور حیات کے بھی فیصلے ہوتے ہیں۔

تم بتاؤ کہ جن ہستیوں کو تم صاحب اقتدار سمجھتے ہو ان میں سے کوئی بھی ایسی ہے جو نظم کائنات سے متعلق ان امور میں سے کچھ بھی کر سکتی ہو؟ تم اس پر غور کرو گے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ خدا اس

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾
قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾ فَأَقِمْ
وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿٤٣﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ
كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ
فَضْلِهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٤٥﴾

بہت دور اور بلند ہے کہ اس کے اقتدار میں کسی اور کو شریک کیا جائے۔

۴۱ لیکن جب لوگوں نے غیر خدائی نظریات و تصورات کو قانون خداوندی کا ہمسر بنا دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی زندگی کے ہر گوشے میں ناہمواریاں پیدا ہو گئیں۔ یہ ناہمواریاں خود لوگوں کی اپنی پیدا کردہ ہیں — خدا کی طرف سے نہیں ہیں — ان کی خود پیدا کردہ ناہمواریوں کے بعض تباہ کن نتائج ان کے سامنے آ چکے ہیں۔ اگر یہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو یہی نتائج اس امر کے لئے کافی محرک ہو سکتے ہیں کہ یہ اپنے خود ساختہ نظام زندگی سے منہ موڑ کر نظام خداوندی کی طرف رجوع کر لیں۔

۴۲ اگر اس سے بھی ان کی سمجھ میں بات نہیں آتی تو ان سے کہو کہ ذرا دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جو قومیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں ان کا انجام کیا ہوا؟ ان میں اکثریت ان کی تھی جنہوں نے اپنے خود ساختہ قوانین کو قوانین خداوندی کا ہمسر بنا رکھا تھا۔ اور نوع انسان کو ایک عالمگیر برادری خیال کرنے کے بجائے فرقوں اور پارٹیوں میں بٹے ہوئے تھے کہ مشرک کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ (۳۰ — ۳۲ — ۳۱)۔

۴۳ بہرحال یہ لوگ جو روش بھی اختیار کرتے ہیں انہیں کرنے دو۔ تم اپنی تمام مساعی کو خدا کے محکم نظام کے قیام کے لئے وقف کر دو۔ (۳۰/۳۰) قبل اس کے کہ خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے ظہور نتائج (انقلاب) کی وہ گھڑی سامنے آ جائے جو کسی کے ٹالے نہ ٹلے گی نہیں۔ یہ وہ وقت ہو گا جب یہ دونوں پارٹیاں بکھر کر الگ الگ ہو جائیں گی اور ایک دوسرے کے مدمقابل آ کھڑی ہوں گی۔

۴۴ جن لوگوں نے قوانین خداوندی سے انکار (کفر) کی راہ اختیار کی ہو گی اس کا وبال ان پر پڑے گا۔ جن لوگوں نے بگاڑ کی جگہ سنوار پیدا کرنے والے کام کئے ہوں گے انہیں زندگی کی آسائشیں حاصل ہو جائیں گی۔

۴۵ یہ اس لئے کہ یہ حقیقت ابھر کر سامنے آ جائے کہ ایمان اور اعمال صالح کا بدلہ خدا کے فضل

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ
اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ
كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ
يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ
كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

وکرم سے کس قسم کا ملتا ہے۔ اور کفر کی راہ انسان کو کس طرف لیجاتی ہے —— وہ راہ جو خدا کے ہاں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی۔

۴۶ قانون خداوندی کے مطابق چلنے کے خوشگوار نتائج ایسے ہیں جیسے خدا ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بارش کی خوشخبری دیتی ہیں اور وہ بارش تمہارے لئے سامانِ زندگی کا موجب بنتی ہے —— خشکی میں یہ ہوتا ہے اور سمندروں میں یہی ہوائیں قانون خداوندی کے مطابق کشتیوں کو چلاتی ہیں، تاکہ تم تلاش معاش میں ادھر اُدھر نکلو اور اس طرح تمہاری کوششیں بھرپور نتائج کی حامل ہوں۔

۴۷ اسی قسم کے واضح قوانین ہم تم سے پہلے اپنے رسولوں کی معرفت بھیجتے رہے ہیں۔ وہ ان قوانین کو اپنی قوم کے سامنے پیش کرتے (لیکن وہ ان سے سرکشی برتتی۔ اور آخر الامر) انہیں ان کے جرائم کی وجہ سے پکڑ لیا جاتا۔ اس لئے کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم ان لوگوں کی مدد کریں جو ہمارے قوانین کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں —— اور اس مدد کا پہلا قدم یہ ہے کہ جو لوگ اس نظام حق و صداقت کی مزاحمت کریں انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے۔

۴۸ اس ضمن میں ہواؤں کی مثال کو ایک بار پھر سامنے لاؤ۔ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ سمندر کے بخارات میں ہیجان پیدا کر کے انہیں اوپر اٹھاتی ہیں۔ پھر وہ اپنے قانون فطرت کے مطابق ان بادلوں کو فضا کی پہنائیوں میں پھیلا دیتا ہے۔ پھر وہ مختلف حصوں میں بٹ کر الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ پھر تو دیکھتا ہے کہ ان بادلوں میں سے مینہ برستا ہے۔ اس طرح جب مینہ خدا کے قانون مشیت کے مطابق زمین میں بسنے والوں پر برستا ہے تو وہ اس سے کس قدر خوش ہوتے ہیں۔

۴۹ حالانکہ یہ لوگ اس سے پہلے اس بارش کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے ہوتے ہیں۔

۵۰ تم ذرا خدا کے اس قانون ربوبیت کے نتائج و اثرات پر نگاہ ڈالو اور دیکھو کہ اس کے ذریعے

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ
الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا
وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾

وہ کس طرح زمینِ مردہ کو حیاتِ تازہ عطا کر دیتا ہے۔

اسی طرح دُنیا میں مردہ قوموں کو بھی (آسمانی وحی کی بارش کے ذریعے) حیاتِ نو مل سکتی ہے۔ اور سب کچھ خدا کے ان اندازوں اور پیمانوں (قوانین) کے عطابق ہوتا ہے جن پر اسے پورا پورا کنٹرول حاصل ہے۔

۵۱ خدا کے انہی اندازوں (قوانین فطرت) کے مطابق وہی ہوا چلتی ہے تو بارش لانے کے بجائے، کھیتی کو پکا کر سونے کی طرح زرد کر دیتی ہے (اور اس کے بعد اناج پک کر لوگوں کے گھروں میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے قانونِ ربوبیت کے مطابق ہوتا ہے تاکہ اس سے تمام انسانوں کی پرورش ہو سکے۔ لیکن یہ لوگ اس کے باوجود) اس قانون سے برابر انکار کئے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ان کی اپنی ہنرمندی سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے اس کی تقسیم خدا کی ہدایت کے مطابق کیوں کی جائے۔ (۴۲ — ۵۶ — ۶۳)۔

۵۲ اب کہو کہ جو لوگ ایسے واضح حقائق کو یوں جھٹلاتے جائیں انہیں راہ راست پر کس طرح لایا جا سکتا ہے؟ تو زندہ انسانوں کو تو بات سنا سکتا ہے، مردوں کو نہیں سنا سکتا (۳۶)۔ نہ ہی بہروں کو سنا سکتا ہے جبکہ وہ سننا ہی نہ چاہیں، بلکہ منہ پھیر کر چل دیں۔

۵۳ نہ ہی تو اندھوں کو ان کے غلط راستے سے ہٹا کر سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے (جب وہ صحیح راستے پر چلنا ہی نہ چاہیں)۔ تو صرف انہیں سنا (اور دکھا) سکتا ہے جو عقل و شعور سے کام لے کر ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں اور ان کے تابع زندگی بسر کرنے کے لئے تیار ہوں۔

۵۴ اسی اصول میں قوموں کے عروج و زوال کا راز بھی پنہاں ہے۔ قوموں کی حالت بھی دراصل افراد کی سی ہوتی ہے۔ اس کی مثال بالکل واضح ہے۔ تم جب پیدا ہوتے ہو تو تمہاری حالت بڑی کمزور ہوتی ہے۔ پھر اگر تمہاری پرورش، قانون خداوندی کے مطابق ہو، تو وہ کمزوری قوت میں بدلتی جاتی ہے۔ پھر اس قوت کے بعد، تم پر کمزوری اور بڑھاپا چھا جاتا ہے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۚ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

اس کا تخلیقی پروگرام اِس طرح' اُس کے قانونِ مشیت کے مطابق جاری و ساری ہے۔ اور یہ سب کچھ ان قوانین کی رو سے ہوتا ہے جو بکسر علم پر مبنی ہے۔

۵۵ (جو قومیں اپنے ضعف اور کمزوری کے زمانے میں' اپنی زندگی کو خدا کے قانونِ ربوبیت کے قالب میں ڈھال لیں' ان کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے' اور وہ قوت و اقتدار کی بلندیوں پر پہنچ جاتی ہیں۔ وہاں پہنچ کر اگر وہ اپنی صلاحیتوں کی نشوونما کی طرف سے غافل ہو جائیں تو ان پر ضعف و انحطاط چھا جاتا ہے۔ اور پھر) جب ان کے سامنے وہ انقلاب نمودار ہو جاتا ہے جس نے ان کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے' تو اُس وقت یہ لوگ' جن کے اپنے جرائم کی وجہ سے ان پر یہ تباہی آتی ہے' قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہمیں زیادہ وقت ہی نہیں ملا جو ہم اپنی اصلاح کر سکتے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ وقت کی کمی کی وجہ سے اس حالت تک نہیں پہنچے' بلکہ اس لئے کہ یہ ہمارے قوانین سے الٹے پھر جاتے تھے۔

۵۶ چنانچہ جن لوگوں کو علم و بصیرت عطا ہوتی ہے اور وہ ہمارے قوانین کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں' ان سے کہتے ہیں کہ تمہیں خدا کے قانونِ مکافات نے اس وقت تک مہلت دی جب تک ظہورِ نتائج کی آخری گھڑی نہیں آگئی اور یہ فیصلہ نہیں ہو گیا کہ تمہیں زندگی کے راستے سے اٹھا کر الگ پھینک دیا جائے کیونکہ تم خواہ مخواہ دوسروں کے راستے میں روڑا بن کر اٹک رہے تھے۔ چنانچہ اب وہ وقت آپہنچا ہے۔ یہ سب کچھ تمہارے سامنے ہو رہا تھا' لیکن تم اپنی قوت کے نشہ میں اس قدر بدمست تھے کہ تمہیں اس کا علم ہی نہیں ہوا کہ تم کس طرح' آہستہ آہستہ' ہلاکت کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔[1]

۵۷ اُس وقت ـــــ جب اعمال کے نتائج سامنے آجائیں گے ـــــ ان لوگوں کے اس قسم کے عذر' جو حقیقتوں پر پردے ڈالنے کی ناکام کوششوں سے زیادہ کچھ نہیں ـــــ انہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ اور نہ ہی ان کا' ہماری چوکھٹ پر گر کر یہ التجا کرنا کہ ہم اپنی نوازشات کو ان کی طرف

[1] اگر ان آیات میں بعث سے مراد "موت کے بعد جی اٹھنا" لیا جائے تو پھر ان کا مفہوم اس کے مطابق متعین کیا جا سکتا ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝

لوٹا دیں' ان کے کسی کام آسکے گا ——— انہوں نے لوگوں پر مظالم کئے تو اس کا نتیجہ ان کے سامنے آگیا۔ (اگر وہ مہلت کے وقفہ میں اپنی حالت کی اصلاح کر کے اپنے حسن عمل سے سابقہ بدعملیوں کا کفارہ ادا کر دیتے تو بات اور تھی۔ ظہور نتائج کے وقت' اصلاح کا خیال کچھ فائدہ نہیں دے سکتا)۔

۵۸ ہم نے اس طرح اس قرآن میں مختلف طرق و اسالیب سے' حقائق کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود' جن لوگوں نے پہلے سے طے کر لیا ہے کہ وہ تمہاری دعوت کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے خدا کا کوئی قانون بھی جب ان کے سامنے پیش کیا جائے گا تو وہ یہ کہہ کر اس کی مخالفت کریں گے کہ یہ سب جھوٹ اور فریب کاری ہے۔

۵۹ جو لوگ' تعصب کی بنا پر' اس قسم کی روش اختیار کر لیتے ہیں' اور علم و بصیرت سے کام نہیں لیتے' ان کے دلوں پر ایسی مہریں لگ جاتی ہیں کہ پھر ان میں حقیقت کے سمجھنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔

۶۰ لہٰذا' جب معاملہ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ آپڑے تو پھر اس کے سوا چارہ کار نہیں ہوتا کہ تم ان سے اعراض برت کر اپنے پروگرام پر مستقل مزاجی سے جمے رہو۔ تم اس پر یقین رکھو کہ خدا کا ہر وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اس لئے تمہاری دعوت آخر الامر کامیاب ہو کر رہے گی۔ لیکن اس سلسلہ میں انتہائی احتیاط بڑی ضروری ہے کہ تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے تمہارے مخالفین یہ سمجھ لیں کہ تم اپنے دعوے میں ہلکے اور عزائم میں ڈھیلے ہو' اس لئے تمہیں' تمہارے مقام سے ہٹا کر اپنے ساتھ ملا لینا چنداں دشوار نہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ② هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ③ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

---

۱ خدائے علیم وحکیم کا ارشاد ہے کہ

۲ یہ اُس ضابطۂ حیات کے قوانین ہیں جو سرتا سر حکمت پر مبنی ہے۔

۳ اِس میں اُن لوگوں کے لئے جو حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرنے کے متمنی ہوں سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی اور ان کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کا سامان ہے۔

۴ یعنی ان لوگوں کے لئے جو ایسا نظام قائم کرتے ہیں جس میں تمام افراد معاشرہ قوانین خداوندی کی اطاعت کرتے چلے جائیں۔ اور جو تمام نوعِ انسان کی پرورش کا سامان بہم پہنچائے۔ ایسا نظام وہی لوگ قائم کرسکتے ہیں جنہیں اس حقیقت پر یقین ہو کہ زندگی اس دنیا کی زندگی نہیں۔ اس سے آگے بھی جاتی ہے۔ اور اُس زندگی میں مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو اِس زندگی میں قوانین خداوندی کا اتباع کرتے ہوئے نوعِ انسان کی پرورش کا انتظام کریں۔ (۴ — ۲ — ۴)۔

۵ یہی لوگ ہیں جو خدا کے بتائے ہوئے صحیح راستے پر چلتے ہیں۔ اور یہی ہیں جن کی کھیتیاں پروان چڑھتی ہیں۔ (۲ — ۵)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَ
هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا
مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝

---

۶ ان کے برعکس وہ لوگ ہیں جو زندگی کا کوئی بلند مقصد اپنے سامنے نہیں رکھتے' اور طبیعی زندگی کی عارضی لذتوں اور بے معنی مسرتوں ہی کو مقصودِ حیات سمجھ لیتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں' اور دوسروں کو بھی' بلا علم و دانش' صحیح راستے سے بہکاتے رہتے ہیں۔ یہ زندگی کے بلند مقاصد اور ان کی طرف لے جانے والے صحیح راستے کو مذاق سمجھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آخرالامر ذلت آمیز عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۷ ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے قوانین خداوندی پیش کئے جاتے ہیں' تو وہ نہایت متکبرانہ انداز سے منہ پھیر لیتا ہے گویا اس کے کانوں میں ڈاٹ لگ رہے ہیں' جن کی وجہ سے اس نے سنا ہی نہیں کہ اسے کیا کہا گیا ہے۔ ان لوگوں کو مطلع کر دو کہ ان کی یہ روش انہیں بڑے الم انگیز عذاب میں مبتلا کر دے گی۔

۸ ان کے برعکس' جو لوگ ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں' اور انسانی معاملات کو سنوارنے والے کام کرتے ہیں' ان کے لئے پُرآسائش زندگی ہو گی ——— یہاں بھی اور اس کے بعد بھی۔

۹ یہ خدا کا وعدہ ہے جو ٹھوس حقیقت بن کر سامنے آجائے گا۔ اس لئے کہ خدا بڑی قوتوں کا مالک ہے اور اس کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے — اس لئے کسی میں اس کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ اس کی بات پوری نہ ہونے دے یا اس کی تدبیر کو ناکام بنا دے۔

۱۰ اس کی قوتوں اور محکم تدبیروں کا اندازہ لگانا ہو تو کارگہ کائنات پر غور کرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح' فضا کی پہنائیوں میں اس قدر عظیم الجثہ کرّوں کو' بغیر ایسے ستونوں کے جو کسی کو نظر آسکیں' تھام رکھا ہے۔ (یعنی غیر مرئی کشش ثقل کے ذریعے) اور زمین میں اتنے اتنے بڑے پہاڑ کھڑے کر رکھے ہیں' لیکن اس کے باوجود' وہ اپنی رفتار کے مطابق گھومتی رہتی ہے اور

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ
الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ
لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾

تم اس پر اطمینان سے بیٹھے رہتے ہو (۱۶/۱۵)۔ اور اس نے سطح زمین پر انواع و اقسام کے ذی حیات پھیلا رکھے ہیں۔ اور وہ بادلوں سے مینہ برساتا ہے جس کے ذریعے زمین سے قسم قسم کی اعلیٰ درجہ کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

۱۱ ان سے کہو کہ یہ تو وہ کائنات ہے جسے خدا نے پیدا کیا ہے۔ اب اگر (تمہارے زعم باطل کے مطابق) کوئی اور بھی اتنی قوتوں کے مالک ہیں تو مجھے بتاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر نہیں رکھتے' وہ ایسی غلطی کرتے ہیں جسے غلط ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں (خالق کو اس کے اپنے مقام پر رکھو اور مخلوق کو اس کے مقام پر۔ پھر کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی)۔

۱۲ وحی کی روشنی میں' نظام کائنات پر غور و فکر سے' صحیح نتائج تک پہنچنے کی یہی دانش نورانی تھی جو ہم نے خصوصیت سے لقمان کو عطا کی تھی' تاکہ وہ نعمائے خداوندی کا صحیح سپاس گذار بنے ——— خدا کی نعمتوں کی سپاس گزاری یہ ہے کہ انہیں قوانین خداوندی کے مطابق صرف کیا جائے۔ جو ایسا کرتا ہے' اس کی ذات کی صلاحیتیں بھرپور انداز سے نشوونما پاتی ہیں۔ اور جو شخص اس کے خلاف جاتا ہے' اس کا نقصان اسی کو اٹھانا پڑتا ہے۔ خدا کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ اس کا قانون اپنی نتیجہ خیزیوں کے لئے کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ وہ از خود اس حسن و خوبی سے کارفرما رہتا ہے کہ اس کے نتائج' ہر دیدۂ بینا سے' بے ساختہ خراج تحسین وصول کر لیتے ہیں۔

۱۳ لقمان خود بھی احکام خداوندی کا اتباع کرتا تھا' اور اپنی اولاد کو بھی ان کے اتباع کی تلقین کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے سے' جسے وہ حکمت کے اصول سمجھاتا تھا' کہا کہ اے میرے بیٹے! سب سے پہلے اس بنیادی اصول کو سمجھ لو جس پر انسانی فکر کی ساری عمارت استوار ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ) خدا کے اقتدار و اختیار میں کسی اور کو شریک مت کرو۔ اطاعت اور محکومیت صرف خدا کی اختیار کرو۔ یاد رکھو خدائی اختیارات میں کسی اور کو شریک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ انسان خدا کو اس کے مقام بلند سے نیچے اتارتا ہے' اور غیر خدائی قوتوں کو ان کے مقام سے اونچا لے جاتا ہے۔ یہ بہت بڑی بے انصافی ہے' انسان جن قوتوں کو خدا کا درجہ دیدیتا ہے' وہ یا تو فطرت کے مظاہر

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ⑭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑮

ہیں اور یا خود دوسرے انسان۔ مظاہرِ فطرت سب انسان کے لئے مسخر کئے گئے ہیں۔ اور انسان انسان ہونے کی جہت سے سب برابر ہیں۔ اس لئے کسی انسان کا کسی دوسرے انسان۔ یا مظاہرِ فطرت میں سے کسی کے سامنے جھکنا اس کے شرفِ انسانیت کی تذلیل ہے۔ تم بیٹا! ایسا کبھی نہ کرنا)۔

۱۴ (اس سے آگے بڑھو تو انسانوں کے باہمی معاملات کا سوال سامنے آتا ہے۔ تم حیوانات کو دیکھو۔ وہ اپنے بچے کی پرورش کے لئے سب کچھ کرتے ہیں۔ لیکن کوئی حیوان بڑا ہو جانے کے بعد اپنے ماں باپ کو پہچانتا تک نہیں۔ انسانوں کی زندگی اس نہج کی نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے) خدا نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں بڑے تاکیدی احکام دیئے ہیں (کہ ان سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ)۔ اس کی ماں نے اس کی ایسی حالت میں (شکم میں) پرورش کی کہ وہ خود کمزور سے کمزور تر ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اس کے بعد وہ اسے دو سال تک دودھ پلاتی رہی۔ (۳۳/۲ ؛ ۴۶/۱۵)۔ بنا بریں انسان کا وجود جہاں ہماری موہبت کا رہینِ منت ہے، وہاں اس کی نشوونما میں اس کے والدین کا بھی کم حصہ نہیں۔ لہٰذا اسے خدا کا اور اپنے ماں باپ کا سپاس گزار ہونا چاہئے۔ اگرچہ یہ سب کچھ ہمارے ہی قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ (اسی کے مطابق جنین کی تخلیق ہوتی ہے، اور اسی کے مطابق اس کی پرورش۔ لیکن بایں ہمہ جو اس کی نشوونما کا ذریعہ ہوں، ان کی سپاس گذاری بھی ضروری ہے۔ انسانی تمدن کا یہی تقاضا ہے)۔

۱۵ لیکن ماں باپ سے حسنِ سلوک کی اس قدر تاکید کے ساتھ، ہم نے انسان سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر وہ تم پر زور دیں کہ تم شرک کے مرتکب ہو ـــــ ان کا ایسا کہنا جہالت پر مبنی ہے۔ کائنات میں کوئی ہستی ایسی نہیں جو خدا کی شریک ہو سکے ـــــ تو تم ان کی بات بھی نہ مانو (۲۹/۸)۔ تم بس ان سے دنیاوی معاملات میں نیک برتاؤ کرتے رہو۔ اور اتباع صرف اس کے راستے کی کرو جس کا ہر قدم خدا کی طرف اٹھتا ہے۔ یاد رکھو! تم اپنے ہر عمل کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہو۔ وہ تمہیں بتا دے گا کہ تمہارے اعمال تمہیں کس مقام پر لے آئے ہیں۔ (تمہارے اعمال کے نتائج خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ
يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي
الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ
اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

(ع ۲ ۱۱)

منعین ہوتے ہیں)۔

۱۶ پھر لقمٰن نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے میرے بیٹے! خدا کا قانونِ مکافات ایسا ہے کہ اگر تمہارا کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور وہ کسی پتھر کے اندر چھپا کر رکھا ہو۔ یا وہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کہیں بھی ہو۔ خدا کا قانون مکافات' اسے کھینچ کر سامنے لے آئے گا۔ یاد رکھو! وہ قانون بڑا باریک ہیں' اور ہر ایک کی حالت سے باخبر ہے۔

۱۷ لقمٰن نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا کہ تم نظام صلوٰۃ کو قائم کرو۔ جس بات کو وحیِ خداوندی جائز قرار دے اس کا حکم دو۔ جسے وہ معیوب کہے اس سے لوگوں کو روکو۔ اس نظام کے قیام اور بقا کی جدوجہد میں تمہیں جو مشکلات بھی پیش آئیں' ان میں ہمیشہ ثابت قدم رہو۔ یاد رکھو! مصائب اور مشکلات میں ثابت قدم رہنا' بڑی ہمت کا کام ہے' اور اس کے لئے بڑے مستحکم ارادے کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۸ اور لوگوں سے' نخوت اور تکبر کی بنا پر بے رخی مت برتو' اور معاملات میں ایسی روش اختیار نہ کرو جس سے اوچھاپن ظاہر ہو (۱۷/۳۷)۔ یاد رکھو! قانون خداوندی کی رو سے خود پسندی اور اوچھاپن' اچھے خصائل نہیں۔ (۵۷/۲۳)۔

۱۹ اور اپنی رفتار (و گفتار) میں ہمیشہ اعتدال اور میانہ روی کو ملحوظ رکھو۔ اور چلا چلا کر نہ بولا کرو۔ نرم اور ہلکی آواز سے بات کیا کرو۔ چیخ کر گدھے بولتے ہیں۔ اور یہ تم جانتے ہی ہو کہ گدھے کی آواز کس قدر مکروہ ہوتی ہے' اور سننے والوں پر کیسی گراں گزرتی ہے۔

۲۰ یہ تھے وہ حقائق جن تک لقمٰن' ہماری وحی کی روشنی میں عالم انفس و آفاق پر غور و فکر کے بعد پہنچا تھا۔ (اے رسول! تم اپنے مخاطبین سے کہو کہ نظامِ کائنات تمہارے سامنے بھی ایک واضح کتاب کی طرح کھلا ہے) کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ خدا نے کس طرح کائنات

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

کی ہر شے کو تمہارے فائدے کے لئے' قوانین کی زنجیروں میں جکڑ کر مختلف کاموں میں لگا رکھا ہے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ تمہاری نشوونما کے لئے جس قدر ساز و سامان کی ضرورت ہے —— خواہ وہ محسوس اور مرئی اشیا ہوں' یا کائنات کے پردوں میں چھپی ہوئی قوتیں —— اسے نہایت کشادگی اور فراوانی سے بہم پہنچائے اور اس طرح تمہاری نشوونما کی تکمیل ہو جائے۔ (تمہاری نشوونما صرف مادی سامانِ زیست سے نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے وحی کی راہ نمائی کی بھی ضرورت ہے۔ اس راہ نمائی کو بھی اُس نے اس قرآن میں مکمل شکل میں عطا کر دیا ہے)۔ لیکن لوگوں میں وہ بھی ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ (وہ کائنات کی معاشی سہولتوں سے تو آگے بڑھ بڑھ کر فائدے اٹھاتے ہیں' لیکن جب ان کے سامنے وحی کی راہ نمائی کو لایا جائے تو) اس باب میں جھگڑے بکھیڑے نکالنے لگ جاتے ہیں' وہ ایسا کرنے میں نہ علم و بصیرت سے کام لیتے ہیں۔ نہ ہی اس راہ نمائی سے جو نظام کائنات پر غور و فکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اور نہ ہی ان کے پاس وحیٔ خداوندی پر مبنی کوئی ضابطۂ حیات ہوتا ہے —— بس ایک اندھی تقلید ہے جس کی بنا پر وہ وحی کی راہ نمائی کی مخالفت کئے جاتے ہیں۔

۲۱ چنانچہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس ضابطۂ ہدایت کا اتباع کرو جسے خدا نے نازل کیا ہے' تو کہہ دیتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہم تو اسی ڈگر پہ چلتے جائیں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے —— خواہ یہ روش شیطان کی وضع کردہ ہو اور وہ انہیں ایسی تباہی کی طرف لیجا رہی ہو جس سے سب کچھ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جائے۔

۲۲ (یاد رکھو! زندگی کی صحیح روش یہ نہیں کہ تم آنکھیں بند کئے' اسلاف کی روش پر چلتے جاؤ۔ صحیح راستہ پر وہ ہے) جو اپنے تمام رجحانات اور تقاضوں کو قانونِ خداوندی کے تابع رکھتا ہے اور اس طرح حسن کارانہ انداز سے نہایت متوازن زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ وہ ہے جس نے اپنی زندگی میں ایک ایسے محکم سہارے کو تھام لیا جو اسے کبھی دغا نہیں دے گا۔ (۲/۲۵۶) اس لئے کہ کائنات میں ہر کام' قوانین خداوندی کے مطابق ہوتا ہے' (اور اس نے انہی قوانین کو اپنا راہ نما بنایا ہے —— اس لئے ہو نہیں سکتا کہ اس کا کوئی کام بگڑ جائے)۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ
قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي

---

۲۳ (یہ ہے زندگی کا صحیح راستہ۔ جو اس پر چلتا ہے وہ اپنی منزلِ مقصود تک جا پہنچتا ہے)۔ اور جو اس سے انکار کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) تجھے اُس کی اِس روش سے افسردہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ سب ہمارے قانونِ مکافات کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ان کے اعمال کے نتائج اسی قانون کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ لہٰذا ظہورِ نتائج کے وقت انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس قسم کے کام کرتے تھے۔ اللہ کا قانونِ مکافات تو سینے کے اندر چھپے ہوئے خیالات تک سے بھی واقف ہے۔

۲۴ (بات صرف اتنی ہے کہ اس قانون کی رو سے، عمل کے ارتکاب اور اس کے نتیجہ کے مرتب ہو کر سامنے آنے میں، مہلت کا وقفہ ہوتا ہے)۔ یہ لوگ، اس مہلت کے وقفہ میں، ساز و سامانِ زندگی سے فائدہ اٹھا لیں۔ اس کے بعد، ہم انہیں کشاں کشاں اس تباہی کی طرف لیجائیں گے جو بڑی ہی شدید ہوگی۔

۲۵ ان کی کیفیت یہ ہے کہ اگر ان سے پوچھو کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو کس نے پیدا کیا ہے، تو یہ کہدیں گے کہ اللہ نے۔ (لیکن اگر ان سے کہو کہ جب خارجی کائنات خدا کے قوانین کے تابع چلتی ہے تو تم اپنی معاشرتی زندگی میں وہی قانون کیوں رائج نہیں کرتے، تو یہ اس پر کبھی رضامند نہیں ہوں گے۔ ان سے کہو کہ خارجی کائنات ہو یا تمہارا داخلی نظام) ہر جگہ قابلِ حمد و ستائش صرف خدا کا قانون ہو سکتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ، عقل و بصیرت سے کام نہ لینے کی وجہ سے، اس حقیقت سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ (۲۹/۶۱)۔

۲۶ ان سے کہو کہ ارض و سمٰوٰت میں سب جگہ خدا کا قانون کارفرما ہے اور کائنات کی ہر شے اُسی کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے مصروفِ سعی و عمل ہے۔ (اس لئے، وہ اگر کہتا ہے کہ تم اپنے معاشرہ کو اس کے قوانین کے تابع رکھو، تو اس لئے نہیں کہ اُس کا کوئی اپنا کام رکا پڑا ہے۔ یہ تمہارے ہی فائدے کے لئے ہے)۔ وہ تمہارا محتاج نہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ کائنات کی ہر شے کس طرح اُس کے نظامِ ربوبیت کی حمد و ستائش کی زندہ شہادت ہے؟

۲۷ اس کائنات کی وسعتوں اور قوانینِ خداوندی کی حدود فراموشیوں کا یہ عالم ہے کہ اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور موجودہ سمندر سب روشنائی میں تبدیل ہو جائیں

الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾
مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ
النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

(۳ ع ۱۱ ۱۲)

——— اور ان کے ساتھ کئی اور سمندر بھی ملا دیئے جائیں ——— تو بھی ان قوانین کا احاطہ نہ ہو سکے (۱۸/۱۰۹)۔ اور یہ قوانین جہاں اتنی قوت رکھتے ہیں کہ اس قدر عظیم القدر نظام کائنات کو اپنے کنٹرول میں رکھ سکیں اس کے ساتھ ہی یہ علم و حکمت پر مبنی ہیں۔ یونہی اندھی قوت کی بنا پر نافذ العمل نہیں۔

۲۸ اس کے قانون کی نا پیدا کنار وسعتوں کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ جب سے انسان کی پیدائش کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس وقت سے آخری وقت تک تمام انسانوں کی تخلیق اور ان کی بعثت (دوبارہ اٹھنا) اس کے نزدیک ایسے ہے جیسے کسی ایک متنفس کی تخلیق و بعثت۔ اور صرف یہی نہیں کہ اس نے انسانوں کو پیدا کر دیا اور کام ختم ہو گیا، وہ ہر ایک کی سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (تم افراد کو الگ الگ دیکھتے ہو اس کی نگاہ عالمگیر انسانیت پر ہوتی ہے۔ تم اجزا پر نظر رکھتے ہو۔ وہ کل کو بھی دیکھتا ہے)۔

۲۹ جس طرح تمہاری محدود نگاہیں افراد کو دیکھتی ہیں عالمگیر انسانیت کو نہیں دیکھتیں اسی طرح تم ہر ایک واقعہ[۵۱] کو الگ الگ دیکھتے ہو نظام کائنات کو ایک کل[۵۲] کی حیثیت سے سامنے نہیں رکھتے۔ مثلاً تم رات کو ایک الگ وحدت[۵۳] سمجھتے ہو اور دن کو الگ۔ لیکن اس پر غور نہیں کرتے کہ خدا کا قانونِ گردش کس طرح رات کو دن کے اندر داخل کرتا ہے اور دن کو رات کے اندر۔ (اور اس طرح رات اور دن ایک ناقابل تقسیم وحدت بن جاتے ہیں)۔ اس نے رات اور دن کی اسی گردش کے لئے چاند اور سورج کو مسخر کر رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک ایک معیار مقررہ تک کے لئے برابر چلا جا رہا ہے۔ (۱۳/۲)۔

اسی طرح اس کا قانونِ مکافات ہے جو ہر وقت سرگرم عمل ہے اور خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کون کیا کرتا ہے۔

۳۰ یہ سب اس لئے ہے کہ خدا خود ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ اس لئے اس نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ بھی

---

۵۱ EVENT.　　۵۲ SINGLE, INDIVISIBLE WHOLE.　　۵۳ UNIT.

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾
وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ
وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ

مبنی بر حقیقت ہے اور ٹھوس تعمیری نتائج پیدا کرنے کا موجب۔ اس کے سوا تم جس کو بھی پکارو اور صاحب اختیار و اقتدار سمجھو وہ باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کا قانون اس قدر بلند اور عظیم المرتبت ہے کہ کوئی اور قانون اس تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔

۳۱ کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا کے اس قانون کی رُو سے کشتیاں (اور بڑے بڑے جہاز) کس طرح اس کے پیدا کردہ سامانِ زیست کو لئے سینۂ بحر پر رواں دواں چلے جاتے ہیں۔
قوانین خداوندی کی کارفرمائی کائنات کے ہر گوشے میں نظر آسکتی ہے۔ لیکن یہ نظر انہی کو آسکتی ہے جو نہایت مستقل مزاجی سے فطرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتے رہیں۔ اس طرح ان کی ان تھک محنت بھرپور نتائج مرتب کر سکتی ہے۔

۳۲ (ایک طرف یہ خارجی کائنات ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ قوانینِ خداوندی کے مطابق مسلسل اور متواتر ایک نہج پر چلی جا رہی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ وہ جب جی چاہے اپنی روش میں تبدیلی پیدا کرلے۔ اگر ایسا ہو تو نظامِ کائنات ایک دن کے لئے بھی چل نہ سکے۔ اور دوسری طرف انسان ہے جو ایک اصول پر قائم ہی نہیں رہتا۔ ہر آن بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً تم کشتی کی مثال کو لو۔ کشتی تو ایک اصول کے مطابق چلتی رہتی ہے اور اس میں بیٹھنے والوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جب کشتی طوفان کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور بڑی بڑی تند و تیز موجیں اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں تو اس کے مسافر اس اضطراری حالت میں) اس طرح خدا کو پکارنے لگتے ہیں گویا ان کی تمام اطاعت پذیریاں اسی کے لئے مختص ہیں۔ لیکن جب وہ بخیریت ساحل پر اُتر آتے ہیں تو ان میں سے بعض کی کیفیت تو خیر پھر بھی ایسی ہوتی ہے کہ وہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں (لیکن باقی کھلے بندوں ہمارے قانون سے سرکشی برتنے لگتے ہیں —— لیکن یہ کچھ وہی لوگ کرتے ہیں جو خفیہ طور سے جی چرائیں اور فریب کاری اور دغابازی پر ان کا گذارہ ہو اور اس طرح چاہیں کہ قوانین خداوندی پر پردے پڑے رہیں۔ وہ لوگوں کے سامنے آنے ہی نہ پائیں۔ (اس لئے کہ ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے میں بڑی دیانتداری اور جفاکشی کی ضرورت ہوتی ہے)۔

۳۳ اے نوعِ انسانی! (ایسی روش کبھی اختیار نہ کرو۔ تم) قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو

وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

اور ہمیشہ اپنے اعمال کے ظہورِ نتائج کے وقت سے ڈرتے رہو جب حالت یہ ہوگی کہ نہ تو باپ بیٹے کے کسی کام آسکے گا اور نہ ہی بیٹا باپ کا ہاتھ بٹا سکے گا۔ یاد رکھو! خدا کا یہ قانون مکافاتِ اٹل ہے۔ اس لئے طبیعی زندگی کے پیش پا افتادہ مفاد تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دیں — دھوکا دینے والے عجیب عجیب طریقوں سے دھوکا دینے کی کوشش کریں گے۔ ان کی چالوں پر کڑی نگاہ رکھنا کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے بہکا نہ دیں۔

۳۴ یہ ظہورِ نتائج کی گھڑی کب آئے گی اس کا علم خدا ہی کو ہو سکتا ہے اگرچہ اعمال کے نتائج مرتب ہونے کا عمل ہر وقت جاری رہتا ہے —— جس طرح بارش برستی تو ایک وقت پر جا کر ہے لیکن وہ بننی شروع ہو گئی ہوتی ہے ایک مدت پہلے سے۔ یا جس طرح بچہ پیدا تو ہوتا ہے ایک وقتِ خاص پر جا کر لیکن وہ رحمِ مادر میں بہت پہلے سے مختلف مراحل سے گزر رہا ہوتا ہے۔ خدا کو ان تمام مراحل کا علم ہوتا ہے۔

ان امور (یعنی بارش یا جنین کے مختلف مراحل میں سے گزرنے کا علم) تو تم بھی حاصل کر سکتے ہو لیکن خدا وہ کچھ بھی جانتا ہے جو تم نہیں جان سکتے۔ (مثلاً) کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کل (مستقبل میں) کیا کرے گا۔ اور نہ ہی یہ بتا سکتا ہے کہ اس کی موت کس جگہ واقع ہوگی۔ خدا سب کچھ جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے۔ (اس لئے خدا کو اس بات کا علم ہے کہ ظہورِ نتائج کی گھڑی کب آئے گی۔ تمہیں اس کا یقین رکھنا چاہیئے کہ وہ آکر ضرور رہے گی)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

---

۱ خدائے علیم و حکیم کا ارشاد ہے کہ

۲ یہ ضابطۂ قوانین جس میں نہ کوئی بات شک و شبہ پیدا کرنے والی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی نفسیاتی الجھن کا موجب اُس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جو تمام اقوام عالم را در کائنات) کا نشو و نما دینے والا ہے۔

۳ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اس (رسول) نے خود گھڑ لیا ہے؟ یہ کتاب سرتاسر حقیقت پر مبنی ہے اور اٹل ٹھوس نتائج مرتب کرنے کی ضامن۔ اس قسم کی کتاب کوئی انسان نہیں بنا سکتا۔ یہ تیرے رب کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ تو اس کے ذریعے (سب سے پہلے) اُس قوم کو اس کے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرے جس کی طرف تجھ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا نہیں آیا۔ (۲۸/۴۶ ; ۳۶/۶)۔ تاکہ یہ زندگی کی صحیح روش اختیار کرلیں۔

۴ یہ راہ نمائی اس خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے جس نے جملہ کائنات کو چھ مختلف ادوار و منازل میں سے گزار کر (وہ شکل عطا کی جو تمہارے سامنے ہے)۔ اور اس کے نظام کے مرکزی کنٹرول کو اپنے ہاتھ میں رکھا (۳۲/۵)۔ سو ظاہر ہے کہ جب ساری کائنات میں اقتدار و اختیار اسی کا ہے تو پھر اُس کے سوا تمہارا ہمدم و کارساز اور کون ہو سکتا ہے۔ کیا تم اِن شہادات سے اس حقیقت کو

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ۝

اپنے سامنے نہیں لاسکتے (کہ تمہاری زندگی کو بھی اسی کے قوانین کے تابع رہنا چاہیئے؟)۔

۵ (کائنات کو مختلف ادوار و منازل سے گزار کر پیدا کرنے سے مراد کیا ہے' اسے غور سے سنو۔ اس کا طریق تخلیق یہ ہے کہ) اس کے عالم مشیّت میں ایک اسکیم سامنے آتی ہے۔ وہ اس اسکیم کا آغاز اس کے پست ترین نقطہ سے کرتا ہے اور وہ (کائناتی عناصر کے باہمی تعاون سے نشوونما پاتی ہوئی) ارتقائی منازل طے کرتی جاتی ہے اور (اس طرح' آہستہ آہستہ اس نقطۂ تکمیل کی طرف اٹھتی اور بڑھتی چلی جاتی ہے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کیا تھا (۳۵/۱۰)۔ ان ارتقائی منازل کی مدت' تمہارے حساب و شمار کے مطابق' ہزار ہزار سال (۳۲/۵)۔ (بلکہ بعض اسکیموں کے سلسلہ میں پچاس پچاس ہزار سال (۷۰/۴) کی ہوتی ہے)۔

۶ یہ سلسلۂ تخلیق و ارتقاء اس خدا کی طرف سے کارفرما ہے جو ہر شے کی مضمر ممکنات سے بھی واقف ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ ان میں سے کیا کچھ مشہود ہو چکا ہے (اور کتنا کچھ ہنوز باقی ہے)۔ یہ سب کچھ اس وقانون خداوندی کی رو سے ہوتا ہے جو تمام اسکیموں کو مناسب نشوونما دے کر انہیں تکمیل تک پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے۔

۷ اس مقصد کے لئے' اس نے ہر شے کی تخلیق میں بہترین حسن و توازن رکھا ہے۔

اس کی انہی اسکیموں میں سے ایک اسکیم' انسان کی تخلیق بھی ہے۔ (خدا کے عالم امر میں اس اسکیم کے طے پا جانے کے بعد) اس کا آغاز اس بے جان مادہ[۵] سے ہوا جو تمہارے سامنے مٹی کی صورت میں بے حس و حرکت پڑا ہے۔

۸ (اس بے جان مادہ کے ساتھ پانی کی آمیزش ہوئی (۳۷/۱۱) تو اس میں زندگی کے اولین جرثومہ[۵۵] کی نمود ہوئی۔ اس کے بعد یہ کاروان حیات' مختلف مراحل طے کرتا ہوا اس وادی میں آپہنچا جہاں

---

۵ INORGANIC MATTER. ۵۵ LIFE-CELL.

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹
وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۭ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰ قُلْ
يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

افزائشِ نسل بذریعہ تولید[۸۱] (یعنی نر اور مادہ کے اختلاط) سے ہوتی ہے۔

۹ پھر خدا کا قانون اس پیدا ہونے والے بچے میں صحیح صحیح توازن و تناسب قائم کرتا ہے۔ (اس مرحلہ تک یہ طریقِ تخلیق حیوانات اور انسانوں میں مشترک چلا آتا ہے۔ اس کے بعد انسان کی صورت میں ایک انقلابی تبدیلی واقع ہوتی ہے[۸۲] جس سے اس کا تخلیقی سلسلہ حیوانات سے یکسر مختلف ہو جاتا ہے۔ یعنی) خدا انسان کو اپنی الوہیاتی توانائی[۸۳] کا ایک شمہ عطا کر دیتا ہے۔ (اسے انسانی ذات[۸۴] کہا جاتا ہے جو صاحب اختیار و ارادہ ہوتی ہے)۔

اور دیکھو! اس طرح وہ تمہیں سماعت و بصارت (یعنی علم بالحواس[۸۵] کے ذرائع) عطا کر دیتا ہے۔ اور ان کے ساتھ "دل" بھی[۸۶]۔

لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ان قوتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔

۱۰ حیرت ہے کہ جس انسان کو ہم نے اس طرح بے جان مادہ سے پیدا کیا ہے وہی یہ اعتراض کرتا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جب مرنے کے بعد ہمارے جسمانی اجزاء و عناصر خاک میں مل کر ضائع ہو جائیں گے تو ہمیں ایک نئی زندگی ملے گی؟

اصل یہ ہے کہ اس قسم کے اعتراضات وہ لوگ کرتے ہیں جو خدا کے قانون مکافات کا سامنا نہیں کرنا چاہتے۔ جو اپنے اعمال کی جواب دہی سے بچنا چاہتے ہیں۔

۱۱ ان سے کہو کہ ہماری کائناتی قوتیں جن کے تابع تمہارا جسمانی نظام کارفرما ہے تمہیں آہستہ آہستہ موت کی طرف لئے جا رہی ہیں۔ اس طرح ایک دن تمہاری طبعی مشین چلنے سے رک جائیگی۔

---

۸۱ PROCREATION

۸۲ EMERGENT EVOLUTION

۸۳ DIVINE ENERGY

۸۴ HUMAN PERSONALITY

۸۵ PERCEPTUAL KNOWLEDGE

۸۶ MIND

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝۱۲ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَــَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۳ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴

لیکن اس سے تمہارا جسم ہی ضائع ہوتا ہے۔ انسانی ذات فنا نہیں ہو جاتی' وہ آگے بھی جاتی ہے اور جو اعمال تم نے دنیا میں کئے تھے ان کے مطابق اس کا مستقبل مرتب ہوتا ہے۔

۱۲ ان اعمال کے مطابق' جن لوگوں پر تباہی مسلط ہونے والی ہوگی' اگر تم ذرا چشم تصور سے کام لو تو تم دیکھو گے کہ وہ مجرمین ـــــ جو یہاں اس طرح اکڑتے ہیں ـــــ کس طرح' سر جھکائے' خدا کے حضور کھڑے ہوں گے ـــ خاسر و شرمسار ـــــ اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! اب ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سن لیا ہے۔ اب ہمیں تیرے قانون مکافات پر پورا پورا یقین آگیا ہے۔ اب اگر تو ایک بار ان گردشوں کا رخ پچھلی طرف پھیر دے اور ہمیں سابقہ زندگی کی طرف لوٹا دے تو دیکھ ہم کس طرح اچھے کام کرتے ہیں۔ (۲۳/۱۰۰ ـــ ۹۹)۔

۱۳ لیکن انہیں اس کا علم نہیں کہ اگر اس طرح' عذاب کو سامنے لا کر انسانوں کو جبراً صحیح راستے پر چلانا مقصود ہوتا تو ہمارے لئے کیا مشکل تھا کہ ہم انہیں پیدا ہی اس طرح کرتے کہ یہ سب' خود بخود صحیح راستے پر چلے جاتے۔ ان میں غلط روی کی استطاعت ہی نہ ہوتی۔ لیکن یہ چیز ہمارے اس قانون کے خلاف ہوتی جس کی رو سے ہم نے انسان کو صاحب اختیار و ارادہ پیدا کیا ہے۔ ہم اس کے اختیار کو سلب کر کے اسے صحیح راستے پر چلانا نہیں چاہتے۔ اس طرح مجبوراً صحیح راستے پر چلنے میں کوئی خوبی نہیں۔

ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے ہیں (۹۰/۱۰)۔ تباہی کا بھی اور سلامتی کا بھی۔ اور یہ اس پر چھوڑ دیا ہے کہ یہ جو سا راستہ جی چاہے اختیار کر لے۔ لیکن مہذب دنیا کے رہنے والے ہوں' یا وحشی قبائل' یہ بالعموم غلط راستہ اختیار کرتے ہیں' اور تباہی اور بربادی کے جہنم میں جا گرتے ہیں' یوں ہمارا قانون مکافات ایک حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے۔

۱۴ ان سے کہا جائے گا کہ اب تم اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتو۔ تم نے سمجھ رکھا تھا کہ قانونِ مکافات کا ذکر یونہی دھمکی کے طور پر کیا جاتا ہے' اس لئے تم نے ظہور نتائج کے وقت کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿١٥﴾
تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ
نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾ أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ
فَاسِقًا ۚ لَّا يَسْتَوُونَ ﴿١٨﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾

اسے یکسر فراموش کر رکھا تھا۔ اب تمہیں اس عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا جو تمہارے اعمال کا لازمی نتیجہ ہے۔ ہم تمہیں اس سے محفوظ نہیں رکھیں گے۔

۱۵ لیکن ان تمام دلائل و براہین کے باوجود یہ لوگ ہمارے قانون پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب اسے ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس پر غور و فکر کرنے کے بعد (۲۵/۴۲) اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ اور پھر نظام خداوندی کو عملاً متشکل کرنے کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں تاکہ اس کے حسین اور خوشگوار نتائج کو دیکھ کر ہر شخص کی زبان سے بے ساختہ نکلے کہ یہ نظام فی الواقعہ ہزار تحسین و آفرین کا مستحق ہے۔ وہ اس جدوجہد میں مسلسل مصروف رہتے ہیں اور کسی حال میں بھی اس سے سرتابی نہیں کرتے۔

۱۶ ان کی مسلسل جدوجہد اور پیہم سعی و عمل کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ان کے پہلو بستر سے ناآشنا ہو جاتے ہیں (وہ دن رات اسی فکر میں منہمک رہتے ہیں)۔ وہ معاشرہ میں خوشگوار نتائج پیدا کرنے کی توقع اور اسے تباہ کن خطرات سے محفوظ رکھنے کے احساس سے ہر مقام پر قانون خداوندی کو پکارتے ہیں (تاکہ ان کا کوئی قدم غلط سمت کی طرف نہ اٹھ جائے) اس مقصد کے لئے وہ ہر اس شے کو جو ہم نے انہیں دے رکھی ہے ضرورتمندوں کی پرورش کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔ (یوں نظام خداوندی عملی شکل اختیار کر لیتا ہے)۔

۱۷ ان کی سعی و عمل کے یہ نتائج تو اسی دنیا میں سامنے آجاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد کی زندگی میں جو کچھ انہیں ان کے اعمال کے بدلے میں ملنے والا ہے اس کا نظارہ آج کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ وہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان آج انسانی آنکھوں سے مستور ہے۔

۱۸ ان حقائق پر غور کرنے کے بعد بتاؤ کہ کیا وہ جماعت جو خدا کی بتائی ہوئی صحیح راہ پر چلتی رہے اور وہ جو اس راہ کو چھوڑ کر اور راستہ اختیار کر لے اپنے اعمال کے نتائج کے اعتبار سے برابر ہو سکتی ہیں؟

۱۹ صحیح راستے پر چلنے والے لوگ —— یعنی جو قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھیں

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ
الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى
الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ

اور اس کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔ ان کا مستقر خوشگواریوں کی جنت ہوگی جس میں ان کی عزت اور تواضع ایسی ہوگی جیسی مہمان کی ہوتی ہے۔

۲۰ لیکن جو لوگ غلط راستے پر چلتے ہیں' ان کا ٹھکانہ تباہیوں کا جہنم ہوگا۔ وہ ہزار چاہیں گے کہ کسی طرح اس سے نکل بھاگیں' لیکن وہ جب بھی اس کا ارادہ کریں گے' انہیں پھر وہیں دھکیل دیا جائے گا' اور ان سے کہا جائے گا کہ تم جس عذاب کی تکذیب کیا کرتے تھے' اب اس کا مزہ چکھو۔

۲۱ ہم انہیں' اس بڑے تباہ کن عذاب سے پہلے' چھوٹے چھوٹے عذابوں میں مبتلا کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اس سے عبرت حاصل کر کے' صحیح راستے کی طرف رجوع کر لیں۔ (لیکن جب یہ ایسا نہیں کریں گے اور اپنی غلط روش میں آگے ہی بڑھتے جائیں گے' تو ان پر آخری تباہی آجائے گی جس سے کہیں مفر نہیں ہوگا)۔

۲۲ تم خود سوچو کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے کہ اس کے سامنے خدا کا قانون پیش کیا جائے تو وہ اس سے منہ پھیر لے۔ ہمارا قانون مکافات ان لوگوں کو' ان کے غلط اعمال کی سزا دے کر رہے گا۔

۲۳ ہم نے اس سے پہلے' موسےٰؑ کو بھی اس قسم کا ضابطۂ حیات دیا تھا' جس کی روشنی میں بنی اسرائیل کو صحیح راستے پر چلنا تھا۔ لیکن ان میں سے بعض نے اس سے سرکشی برتی تو انہیں اس کی سزا ملی۔ لہٰذا (اے مخاطب!) تمہیں اس باب میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ سزا تمہارے سامنے بھی آکر رہے گی۔

۲۴ ان لوگوں کے برعکس' ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین محکم رکھتے تھے اور نہایت استقامت سے ان کی پابندی کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے انہیں دیگر اقوام کی امامت (لیڈرشپ) عطا کی' اور وہ انہیں' ہمارے قانون کے مطابق' زندگی کے صحیح راستے پر چلاتے رہے۔

بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ط وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ ط اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ
اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ط اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾

---

۲۵ لیکن اس کے بعد انہوں نے ان قوانین میں اختلافات پیدا کرنے شروع کر دیئے (تو ان سے امامتِ اقوام چھن گئی اور اُن پر ذلت اور رسوائی کا عذاب مسلط ہو گیا)۔ اب ان کے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت میں ہو گا (کیونکہ وہ تو اس دنیا سے چلے گئے۔ البتہ اُن کے پس ماندگان جو اس وقت یہاں موجود ہیں، ان کے اختلافات کا فیصلہ اس انقلاب میں ہو جائے گا جو قرآن کی رو سے واقع ہونے والا ہے۔

۲۶ (ان دلائل و براہین کے بعد جو پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ اور ان تاریخی شواہد کے بعد جن کی طرف اب اشارہ کیا گیا ہے) کیا ان پر یہ حقیقت واضح نہیں ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو (ان کی غلط روشِ زندگی کی پاداش میں) تباہ کر دیا۔ یہ قومیں کہیں دور نہیں تھیں، ان کے اُجڑے ہوئے مکانوں کے کھنڈرات میں یہ لوگ چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ ضرا سی بات پر ہی غور کر لیں تو یہی ان کے لئے، ہمارے قوانین کی صداقت کی بیّن شہادت بن سکتی ہے۔
کیا یہ لوگ اس کے بعد بھی صحیح بات پر کان نہیں دھریں گے؟

۲۷ (غلط راستے پر چلنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، اسے تو یہ لوگ ان کھنڈرات سے دیکھ لیں۔ اور خدا کے نظامِ ربوبیت کی صحیح روش پر چلنے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے اگر اسے سمجھنا چاہیں، تو یہ چیز ان کے روزمرہ کے مشاہدہ کی ہے کہ) ہم پانی کو ہانکتے ہوئے اس سرزمین کی طرف لیجاتے ہیں جہاں سرسبزی اور روئیدگی کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ (لیکن زمین میں پیداوار کی صلاحیت ہوتی ہے تو) اس پانی سے ایسی ہری بھری کھیتی اُگتی ہے جسے یہ خود بھی کھاتے ہیں اور ان کے مویشی بھی۔ (۲۰/۵۴)
کیا یہ، اس سے بھی اتنی بصیرت حاصل نہیں کرتے (کہ جو معاشرہ خدا کے قانونِ ربوبیت کے مطابق متشکل ہو گا، وہ کس قسم کے خوشگوار نتائج کا حامل ہو گا)۔

۲۸ (لیکن یہ لوگ ان میں سے کسی بات پر بھی دھیان نہیں دیں گے۔ اس لئے کہ انہیں ہمارے قانونِ مکافات پر یقین ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہر وقت پوچھتے رہتے ہیں کہ اگر تم

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٢٩﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ ﴿٣٠﴾

(۳ ع ۸ ۱۶)

اپنی باتوں میں سچے ہو تو بتاؤ کہ وہ فیصلہ کن انقلاب (جس سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو) کب آئے گا؟

۲۹ (ان سے کہو کہ اس فیصلہ کن انقلاب کے لئے اس قدر جلدی کیوں مچاتے رہتے ہو؟ وہ جب آجائے گا تو اسے دیکھ کر) اگر تم ایمان بھی لانا چاہو گے تو تمہارا اس وقت کا ایمان تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اور نہ ہی تمہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔

۳۰ (بہرحال ان سے جو کچھ کہنا تھا کہا جا چکا)۔ اب تو ان کا خیال چھوڑ کر اپنے پروگرام کی تکمیل کی طرف لگ جا اور پھر اس کے نتائج کا انتظار کر۔ دوسری طرف یہ مخالفین اپنی روش کے نتائج کا انتظار کریں۔ (وہ فیصلہ کن انقلاب خود آکر بتا دے گا کہ کون سچا تھا)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ
مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۲ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۳ مَا جَعَلَ
اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰۗـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاۗءَكُمْ

۱ اے ہمارے نبی! تو قانونِ خداوندی کی پوری پوری نگہداشت کر (اور مفاہمت کے خیال سے) ان لوگوں کی بات نہ مان جو اس قانون سے کھلا ہوا انکار کرتے ہیں یا جو زبان سے تو اقرار کرتے ہیں اور دل سے اسے صحیح نہیں مانتے۔ یقیناً ہمارا قانون مکافاتِ ہر بات کا علم رکھتا ہے۔ اور ہماری ہر تدبیر حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔

۲ تو اس وحی کا اتباع کئے جا جو تیرے رب کی طرف سے تجھے ملتی ہے۔ (اور اسی کی تلقین اپنے متبعین سے بھی کرتا رہ۔ اور ان سے کہدے کہ) تمہارا خدا اچھی طرح جانتا ہے کہ تم کیا کرتے ہو!

۳ تو ہمارے ان قوانین کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھ۔ یہ تمہیں کبھی دغا نہیں دیں گے اور تمہاری ہر طرح کی کارسازی کے لئے کافی ہوں گے۔

۴ (منافقین تمہارے معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے کے لئے جس قسم کی باتیں اڑاتے رہتے ہیں ان سے متاثر نہ ہو۔ معاشرتی معاملات میں اس حقیقت کو ہمیشہ سامنے رکھو کہ قابلِ مواخذہ وہ بات ہوتی ہے جو دل کے فیصلے کے ساتھ کی جائے۔ اگر کبھی ایسا ہو جائے کہ بھول چوک سے یا شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر غصے میں تمہارے منہ سے کوئی غلط بات نکل جائے تو ہرچند

اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۗىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ
وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ

یہ حرکت معیوب ہوگی' لیکن وہ بات فیصلہ کن قرار نہیں دی جائے گی۔ اس لئے کہ) انسان کے سینے میں ایک ہی دل ہوتا ہے۔ دو نہیں ہوتے۔ (اس لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ بیک وقت اپنے دل سے دو متضاد فیصلے کرے۔ ایک فیصلہ اُس کے ایک دل کا ہو' اور اُسے وہ دل کے اندر رکھے۔ اور دوسرا فیصلہ اس کے دوسرے دل کا ہو' اور وہ اس کی زبان پر آجائے۔ لہٰذا اگر کبھی سہواً دل اور زبان میں موافقت نہ رہے' تو فیصلہ اُس پر ہوگا جو دل سے کیا گیا ہو۔ نہ اُس پر جو یونہی زبان سے نکل گیا ہو۔ مثلاً) اگر کوئی شخص غصے سے مغلوب ہو کر اپنی بیوی کو ماں کہدے' تو اس سے وہ بیوی ماں نہیں بن جاتی (۲۲۶/۲ ؛ ۵۸/۴)۔ اسی طرح' اگر کوئی فرطِ محبت سے کسی بچے کو بیٹا کہہ کر پکارے' تو اس سے وہ لڑکا' سچ مچ اس کا بیٹا نہیں بن جائے گا۔ یہ باتیں تمہاری زبان سے نکل جاتی ہیں' جو فیصلہ کن قرار نہیں پا سکتیں۔ خدا کا قانون ہمیشہ محکم بات کہتا ہے اور تمہارے رواج' یا زبانوں پر چڑھی ہوئی باتوں کے تابع نہیں چلتا۔ اِس لئے' اسی کی راہ نمائی تمہیں صحیح راستے کی طرف لیجا سکتی ہے۔

۵ جنہیں تم فرطِ محبت سے بیٹا کہہ دیتے ہو' بہتر یہی ہے کہ تم انہیں' اُن کے باپ کی طرف منسوب کر کے (ابن فلاں) کہہ کر بلاؤ۔ یہ بات' قانونِ خداوندی کی رو سے زیادہ قرینِ عدل ہے۔ اگر تمہیں اس کے باپ کا علم نہ ہو (مثلاً کوئی گم شدہ بچہ کہیں سے آگیا۔ اور تمہیں معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کا باپ کون ہے) تو ایسے بچے تمہارے دین کے بھائی ہیں اور دوست۔ اگر تم انہیں اس سے پہلے' بیٹا کہہ کر پکار چکے ہو' تو (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) جو بات سہواً ہو جائے اس پر مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ مؤاخذہ اس بات پر ہوتا ہے جو تم دل کے پورے پورے ارادے کے ساتھ کرو۔ یاد رکھو! قانونِ خداوندی میں اس کی گنجائش رکھ دی گئی ہے کہ بھول چوک پر مواخذہ نہ ہو' تاکہ ایسی باتیں تمہاری نشوونما کے راستے میں حائل نہ ہوں۔

۶ (تمہارے معاشرہ میں' ایک دوسرے کے ساتھ' ایک تعلق تو وہ ہے جو دین کے رشتے سے استوار ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ تعلق بڑا گہرا اور پائیدار ہے' لیکن' اس کے باوجود نسبی رشتہ داروں کے تعلقات اپنی جگہ پر باقی رہتے ہیں۔ مثلاً' معاشرہ کی بلند ترین مرکزی شخصیت' یعنی خود رسول کو

أُمَّهٰتُهُمْ ۗ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهٰجِرِينَ إِلَّآ أَن
تَفْعَلُوٓا إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِكُم مَّعْرُوفًا ۚ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُورًا ۝٦ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ
مِيثَٰقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرٰهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَٰقًا غَلِيظًا ۝٧ لِّيَسْـَٔلَ
الصّٰدِقِينَ عَن صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝٨ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

لو) رسول کی پوزیشن یہ ہے کہ جتنا کوئی شخص خود اپنی ذات پر حق رکھتا ہے رسول کا اُس پر اس سے بھی زیادہ حق ہوتا ہے۔ (اس لئے کہ تم نے اپنے مال اور جانیں خدا کے لئے اس کے ہاتھ بیچی ہوئی ہیں ۹/۱۱۱ ؛ ۴۸/۱۰)۔ اور رسول کی بیویاں امت کے لئے بمنزلہ ان کی ماؤں کے ہیں (جن کے ساتھ افرادِ اُمت کا نکاح کرنا جائز نہیں۔ ۳۳/۵۳)۔ بایں ہمہ قانون خداوندی کی رُو سے جو حقوق (وراثت وغیرہ) رشتے داروں کے مقرر ہوئے ہیں ان میں رشتے دار دوسرے مومنین اور مہاجرین کی نسبت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ تم اپنے دوستوں کے لئے قاعدے کے مطابق کچھ کرنا چاہو تو اس کے لئے بھی کتاب اللہ (قرآن) میں ضروری احکام دیدیئے گئے ہیں۔ (مثلاً وصیت کا حکم جس کی رو سے جسے مناسب سمجھا جائے اور جو مناسب سمجھا جائے دیدیا جائے۔ ۲/۱۸۰ ؛ ۴/۱۱)۔

۷ (نبی کا اپنی جماعت کے افراد کے ساتھ یہ قریبی تعلق اس مقصد عظیم کے حصول کے لئے لابُدّ ہے جس کے لئے اسے بھیجا جاتا ہے اور جس کے لئے اس سے عہد لیا جاتا ہے)۔ یہ عہد تمام انبیاء سے لیا گیا ـــــ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ ابن مریم سے ـــــ اور اسی قسم کا عہد اے رسول! تجھ سے بھی لیا گیا اور وہی فرائض تم پر بھی عائد کئے گئے۔ یہ فرائض بڑے اہم اور یہ عہد بڑا استوار ہے (۳۳/۷)۔

۸ (تفصیل ان فرائض کی تو طول طویل ہے لیکن دو لفظوں میں مقصود ان سے یہ ہے کہ) جو لوگ حق و صداقت کی حنا طرجینا اور مرنا چاہیں اُن کے اس جذبۂ صادقہ کو صحیح مصرف میں لایا جائے اور جو لوگ صداقت سے انکار کریں اور سرکشی برتیں انہیں ان کے اعمال کے نتائج میں الم انگیز انجام تک پہنچا دیا جائے۔ (یعنی ان انبیاء کا فریضہ یہ تھا کہ وہ ایسا نظام قائم کریں جس میں صحیح اور غلط روشِ زندگی کے ٹھیک ٹھیک نتائج سامنے آتے چلے جائیں)۔

۹ اے جماعتِ مومنین! اس مقصد کے حصول کے لئے بعض اوقات جنگ بھی کرنی پڑتی ہے۔ جیسا کہ تمہارے ساتھ ہوا۔ تمہیں بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ ان میں سے جنگِ احزاب کا

إِذْ جَآءُوكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝٩
إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ
الظُّنُونَا ۝١٠ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝١١ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم
مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝١٢ وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ
وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝١٣
وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝١٤

تذکرہ اس وقت پیش نظر ہے)۔ اس سلسلہ میں تم خدا کی اس نوازش کو سامنے لاؤ کہ جب مخالفین کے لشکر یک بارگی تم پر حملہ آور ہو گئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی کا طوفان بھیجا۔ یعنی ان کائناتی قوتوں کے لشکروں کو بھیجا جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر تھا۔

۱۰ وہ تم پر ایسا سختی کا وقت تھا کہ دشمن کے لشکر چاروں طرف سے امنڈ کر آ گئے تھے۔ خوف کے مارے تمہاری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اور دہشت سے تمہارے دل اس طرح دھک دھک کر رہے تھے گویا وہ اچھل کر حلق تک آ پہنچیں گے۔ اور (جو تم میں سے کمزور تھے ان کے دل میں) خدا کے وعدوں کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ (۲/۱۴۴ ؛ ۳/۱۴۷ ؛ ۹/۱۶ ؛ ۲۹/۲)۔

۱۱ اس لرزا دینے والی مصیبت کے وقت' مؤمنین کا جذبۂ صادقہ ابھر کر سامنے آ گیا اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ وہ کس پامردی سے مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں۔

۱۲ ان کے برعکس 'منافقین' اور وہ لوگ جن کے دلوں میں کھوٹ تھا' اعلانیہ کہنے لگ گئے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے ہم سے کئے تھے' وہ سب دھوکا تھا۔

۱۳ ان میں سے ایک گروہ تو یہاں تک کہنے لگ گیا کہ اے مدینہ والو! تمہارے پاؤں کسی صورت میں بھی یہاں ٹک نہیں سکتے۔ تم دشمن کے حملہ کی تاب لا ہی نہیں سکتے۔ اس لئے تم فوراً واپس چلے جاؤ —— اور ان میں ایک پارٹی نے تو رسول سے واپس جانے کی اجازت تک بھی مانگ لی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ فی الحقیقت غیر محفوظ نہیں تھے۔ وہ اس بہانہ سازی سے میدان جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔

۱۴ ان بہانہ سازوں کی حالت یہ ہے کہ اگر دشمن چاروں طرف سے شہر میں داخل ہو جاتا اور

وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ
اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ
بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ
الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَ لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾

ان سے کہتا کہ تم مسلمانوں کے خلاف فساد برپا کرنے کے لئے باہر نکلو تو یہ کبھی اس قسم کا عذر نہ کرتے کہ ہم کسطرح باہر نکلیں، ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ یہ بلا تامل باہر نکل آتے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے لگ جاتے۔ (اس لئے ان کا اب یہ کہنا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اس لئے ہم واپس جانا چاہتے ہیں، محض بہانہ سازی ہے)۔

۱۵ یہ اُن لوگوں کی حالت ہے جو لڑائی میں آنے سے پہلے اللہ سے وعدہ کر چکے تھے کہ ہم میدان سے پیٹھ دکھا کر نہیں بھاگیں گے۔ اس وعدہ کے پورا کرنے کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔

۱۶ چنانچہ ہم نے اپنے رسول سے کہہ دیا تھا کہ ان پر اس حقیقت کو واضح کر دو کہ میدانِ جنگ سے اس طرح بھاگ جانا تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ اگر تم موت یا قتل کے ڈر سے میدانِ جنگ سے بھاگتے ہو تو تم اس طرح بہت تھوڑے وقت کے لئے سامانِ زیست سے بہرہ یاب ہو سکتے ہو۔ تم نے ہمیشہ کے لئے تو جینا نہیں۔ اور جتنا عرصہ جینا ہے اس میں بھی تمہیں سکونِ قلب نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ عہد شکنی، اور اپنی جماعت کے ساتھ غداری کرنے والا، کبھی آسائش کی زندگی بسر نہیں کر سکتا)۔

۱۷ ہم نے کہا تھا کہ ان سے یہ بھی کہہ دو کہ تم نظامِ خداوندی کے ساتھ غداری کرتے ہو تو اتنا سوچ لو کہ اگر یہ نظام تمہیں اس کی سزا دینا چاہے تو وہ کونسی طاقت ہے جو تمہیں اس سے بچا سکے گی۔ اسی طرح تمہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اپنے نظام کے ساتھ رہ کر زندگی کی جو خوشگواریاں تمہیں میسر آ سکتی ہیں، کسی کی طاقت نہیں کہ انہیں تم سے چھین لے۔ یاد رکھو! اس نظام سے کٹ جاؤ گے تو نہ تمہارا کوئی کارساز ہو گا، نہ معین و مددگار۔

۱۸ ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ ان سے کہہ دو کہ خدا تم میں سے ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو دوسروں کو میدانِ جنگ میں آنے سے روکتے ہیں۔ یعنی وہ جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے پاس آرام چین سے رہو۔ کیوں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالتے ہو۔

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا
ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ
ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي
الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ

(۲ ع ۱۲ ۱۸)

یہ لوگ دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی میدانِ جنگ میں شاذ و نادر ہی آتے ہیں۔

۱۹ غرضیکہ یہ تمہارے معاملہ میں بڑی ہی تنگ دلی اور خود غرضی کا ثبوت دیتے ہیں۔ جب یہ کبھی طوعاً و کرہاً میدانِ جنگ میں آتے بھی ہیں تو تو نے دیکھا ہوگا کہ یہ تیری طرف بار بار عجیب انداز سے تکتے ہیں اور ان کی آنکھیں دہشت اور حیرت سے اس شخص کی طرح گردش کرتی ہیں جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ لیکن جب دشمنوں کا خوف جاتا رہتا ہے اور تمہیں فتح حاصل ہو جاتی ہے تو پھر یہ سب سے آگے ہوتے ہیں اور بڑھ چڑھ کر اپنے کارنامے بیان کرتے ہیں۔ ان کی زبان قینچی کی طرح چلتی ہے۔ اور اپنے کارنامے منانے میں تمہارے خلاف طعن آمیز باتیں کرتے ہیں۔ (کہ یہ تو میدان چھوڑ کر بھاگ ہی چلے تھے۔ ہم نے دشمنوں کو پسپا کیا۔ یہ سب اس لئے کہ) مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت سب کو پیچھے دھکیل کر انہیں آگے رکھا جائے۔

اس ٹائپ کے لوگ کبھی ایماندار نہیں ہو سکتے۔ میزانِ خداوندی میں ان کے منافقانہ اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ ان کا کیا کرایا سب رائگاں جاتا ہے۔ قانونِ خداوندی کے لئے ایسا کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔

۲۰ یہ باتیں تو اتنی بڑھ چڑھ کر کر رہے ہیں لیکن خوف کے مارے ان کی حالت یہ ہے کہ اگرچہ دشمن کی فوجیں شکست کھا کر کبھی کی بھاگ چکی ہیں لیکن انہیں ابھی تک یہی واہمہ ہے کہ وہ گئی نہیں۔ یہیں کہیں چھپی بیٹھی حملے کی تیاری کر رہی ہیں۔ اگر وہ کبھی دوبارہ حملہ کر دیں تو یہ منافقین پھر سر پیٹنے لگ جائیں گے کہ اے کاش! یہ بھی صحرا کے بدوؤں کی طرح کہیں دور دراز مقام پر جنگل میں ہوتے اور وہیں سے بیٹھے تمہارے متعلق خبریں حاصل کیا کرتے کہ تمہیں فتح ہوئی ہے یا شکست۔ اور اگر یہ تمہارے ساتھ رہتے تو بھی ان میں سے بجز معدودے چند کوئی جنگ میں شریک نہ ہوتا۔

۲۱ (بہرحال یہ تھا نقشہ جنگِ احزاب کے وقت جب مصائب اور مشکلات اپنی انتہا تک

أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ
قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ
رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾
لِّيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

پہنچ چکی تھیں۔ باہر سے دشمن کی مخالفت سیلاب بلا کی طرح اُمنڈ کر آ رہی تھی۔ اور اندر سے منافقین کی فریب کاریاں اور حیلہ سازیاں' قدم قدم پہ پریشانی کا موجب بن رہی تھیں۔ نامساعدت حالات کی اس شدت میں بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں لیکن تم نے دیکھا کہ اس طوفان بلاخیز میں تمہارا رسول کس طرح' روشنی کے مینار کی طرح جم کر کھڑا تھا اور اس کے پائے استقامت میں کہیں ذرا سی لغزش بھی آنے نہیں پائی تھی' رسول کی یہ استقامت تمہارے پریشان قلوب کے لئے' وجہ ہزار سکون واطمینان اور ہر اس شخص کیلئے بہترین نمونہ تھی (اور ہے) جو خدا کے قانون کی ہمہ گیری اور نتیجہ خیزی پہ یقین کامل رکھے۔ مستقبل کی زندگی کی خوشگوار یوں پر جس کی نگاہ ہو' اور جو ہر وقت' قانون خداوندی کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھے۔ (۶۰)

۲۲ اسی کا اثر تھا کہ جب مومنین صادقین نے دشمن کے لشکر جرار کو دیکھا تو' بجائے اس کے کہ ان پر خوف و ہراس طاری ہو' وہ پکار اٹھے کہ ہاں! خدا اور اس کے رسول (نظام خداوندی) نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا' اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ اب ہر شخص دیکھ لے گا کہ وہ کس طرح حرفاً حرفاً سچ ہو کر تمہارے سامنے آتا ہے ——— یعنی وہی لشکر جن سے منافقین پہ موت کی غشی طاری ہو رہی تھی' مومنین کے لئے ایمان کے استحکام کا موجب بن گئے' اور ان کے جذبات اطاعت شعاری میں مزید اضافہ ہو گیا۔

۲۳ یہ مومنین وہ مرد میدان ہیں جو اپنے اس دعوے کو سچ کر دکھاتے ہیں جو انہوں نے اپنے خدا کے ساتھ کیا تھا (۹/۱۱۱)۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنی جان دے کر ایفائے عہد کر چکے ہیں۔ اور باقی اس انتظار میں ہیں کہ کب حکم ہو اور وہ سرفروشی کے لئے میدان میں جا پہنچیں۔ یہ وہ تمام مخلص بندے ہیں جنہوں نے اپنے عہد و پیمان میں ذرا سی تبدیلی بھی نہیں کی۔

۲۴ اس طرح (جیسا کہ ۳۳ میں کہا جا چکا ہے) سچوں کی صداقت' نظام خداوندی کے قیام اور استحکام کے کام آتی ہے۔ اللہ کا قانون مکافات' ان کے حسن عمل کے پورے پورے

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٤﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَ
كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿٢٥﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ
فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿٢٦﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۭ وَكَانَ
اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢٧﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا

(ع ۳ ۱۹)

نتائج سامنے لے آئے گا۔ اور منافقین کو ان کے کئے کی سزا دے گا۔ ہاں! اگر یہ لوگ اپنے کئے پر نادم ہوں گے اور آئندہ کے لئے اصلاح کا وعدہ کریں گے' تو ان سے درگزر کیا جا سکے گا۔ اس لئے کہ قانونِ خداوندی میں سزا سے حفاظت اور رحمت کی بھی گنجائش ہے۔

۲۵ چنانچہ اس طرح اللہ نے (جماعتِ مومنین کے ذریعے) کفار کے لشکرِ عظیم کو شکست دی۔ اور وہ اپنے تمام غیظ و غضب کو اپنے سینوں میں دبائے واپس چلے گئے۔ اس حملہ میں اُن کے لئے کوئی بات بھی نفع مند ثابت نہ ہوئی۔ اور نتائج نے بتا دیا کہ جنگ کے معاملہ میں' مومنین کیلئے قانونِ خداوندی کس قدر کارساز ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہ قانون کتنی بڑی قوتوں اور غلبہ کا مالک ہے۔

۲۶ اور اہلِ کتاب (یہود مدینہ) میں سے جن لوگوں نے (اپنے معاہدہ کے علی الرغم) کفار کی مدد کی تھی' انہیں ان کے محکم قلعوں سے باہر نکال دیا گیا۔ اور ان کے دل میں تمہارا ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ تمہارے سامنے بھیڑ بکریوں کی طرح سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ چنانچہ تم نے ان میں سے بعض کو' (جو تمہارے مقابلہ میں میدانِ جنگ میں آ گئے تھے) قتل کر دیا اور باقیوں کو قید کر لیا۔

۲۷ اس طرح اللہ نے تمہیں ان کی زمینوں کا۔ ان کے گھر بار کا' اور ان کے مال و اسباب کا مالک بنا دیا۔ اسی طرح' خدا تمہیں ایسے ممالک کا بھی مالک بنا دے گا جن پر ابھی تک تمہارے پاؤں بھی نہیں پڑے۔

اس طرح قانون خداوندی کی رُو سے' ہر بات اُس کے مقرر کردہ اندازوں اور پیمانوں کے مطابق ظہور پذیر ہوتی ہے۔ (اور یوں خدا کے وعدے پورے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ۳۳/۵۵)۔

۲۸ (لیکن جنگ اور فتوحات تو' نظامِ خداوندی کے مخالفین کی مخالفت دور کرنے کا ذریعہ ہیں۔ مقصود بالذات' افرادِ معاشرہ کی صحیح تعلیم و تربیت ہے جس سے یہ اس قابل ہو سکیں کہ دنیا میں عدل و مساوات قائم کریں۔ اس باب میں' عورتوں کی ذمہ داریاں' مردوں سے کچھ

فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٢٨﴾ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ
أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ
ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

کم نہیں۔ اس لئے اے رسول! جہاں تم نے مردوں سے وہ کچھ کہا ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے وہاں عورتوں کی مناسب تربیت بھی کرنی ہوگی۔ اس تربیت کا آغاز خود رسول کے اپنے گھر سے ہونا چاہیئے جسے اس باب میں دوسروں کے لئے نمونہ بننا ہے)۔

اے رسول! تم سب سے پہلے اپنی بیویوں پر اس حقیقت کو واضح کر دو کہ اگر تمہیں میری رفاقت میں رہنا ہے تو تمہاری زندگی کا مقصد اس مشن کی تکمیل ہوگا جسے میں لے کر اٹھا ہوں لیکن اگر تمہارے پیش نظر محض طبیعی زندگی کے مفاد اور دنیاوی زیب و زینت کی زندگی بسر کرنا ہے تو پھر ہماری زندگی باہمی رفاقت کی نہیں ہو سکتی (رفاقت مقصد کی ہم آہنگی کا نام ہے۔ اگر مقصد ہی میں اشتراک نہیں تو پھر رفاقت کیسی؟ یہ لڑائیوں کی وجہ سے پیدا شدہ ہنگامی حالات میں تیرے ہاں آئی تھیں۔ اُس وقت اولیں مقصد ان کی حفاظت اور پناہ دہی تھا۔ اب جبکہ حالات اعتدال پر آ چکے ہیں، انہیں اپنے سابقہ فیصلہ پر نظر ثانی کی اجازت ہونی چاہئے۔ بنا بریں تم ان سے کہدو کہ میں تمہیں مجبور نہیں کرنا چاہتا کہ تم طوعاً و کرہاً میرے ساتھ رہو۔ اگر تمہاری منشا الگ ہو جانے کی ہو تو میں تمہیں ضروری سامان دیئے دیتا ہوں اور نہایت عمدگی سے رخصت کر دیتا ہوں (۲۸/۳۳)۔ (تم یہ نہ سمجھ لینا کہ اب ایک مملکت حاصل ہو گئی ہے اس لئے تمہاری زندگی شاہانہ ٹھاٹھ کی ہوگی۔ مملکت کے ساتھ جو ذمہ داریاں آتی ہیں، ان سے عہدہ برا ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ اس گھر کا معیار، مملکت کے غریب ترین فرد کی زندگی کا معیار ہو۔ اس لئے مجھے اور میرے ساتھ میرے متعلقین کو غریبوں کی سی زندگی بسر کرنی ہوگی)۔

۲۹ اگر تم نظام خداوندی کے لئے زندگی وقف کر دینا چاہو اور طبیعی زندگی کے قریبی مفاد پر مستقبل کی خوشگواریوں کو ترجیح دو تو تم میں سے جو بھی اس طرح حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرے گا، خدا کا قانون مکافات اسے اجر عظیم عطا کرے گا۔

۳۰ رسول کے ہاں رہنے کی صورت میں یہ بھی سوچ لو کہ چونکہ تمہاری زندگی کو دوسروں کے لئے نمونہ بننا ہے اس لئے تمہیں بہت ہی محتاط رہنا ہوگا۔ (مثلاً) تم میں سے اگر کسی سے کوئی نازیبا حرکت سرزد ہو گئی تو اسے بھی دگنی سزا ملیگی ـــــ قانون خداوندی کی رو سے ایسا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں ہوگا۔



وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ
اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا
تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا
تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا

---

۳۱ اِسی طرح جس نے تم میں سے خدا اور اس کے رسول (نظام خداوندی) کی پوری پوری فرمانبرداری کی اور زندگی کو سنوارنے والے کام کئے تو اُسے اِس کا اجر بھی دُہرا ملے گا۔ اور عزت و توقیر کے ساتھ سامانِ زیست عطا ہوگا۔

۳۲ یہ اس لئے کہ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو (جن کے اعمال کا اثر اُن کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ دوسرے اُن سے متاثر نہیں ہوتے۔ تمہاری زندگی کا اثر تو سارے معاشرے پر پڑے گا)۔ لہٰذا تمہیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ (مثلاً) اگر تمہیں کسی غیر محرم سے بات کرنی ہو تو اپنی آواز میں ایسی نرمی اور لوچ نہ پیدا ہونے دو کہ اُس سے ایسے شخص کے دل میں جو برے خیالات لئے ہو غلط آرزوئیں بیدار ہو جائیں۔ اُس سے قاعدے کے مطابق عمدہ انداز سے بات کرو۔

۳۳ اور تم نہایت سنجیدگی اور وقار سے اپنے گھروں میں رہو۔ تم سے کوئی پچھوڑے پن کی

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ
بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ
الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّاۗىِٕمِيْنَ وَالصّٰۗىِٕمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ
اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

بات سرزد نہ ہو۔ اور جب تم باہر جاؤ تو اپنی زینت کی نمود و نمائش نہ کرو، جیسا کہ قرآن سے پہلے عہدِ جاہلیت میں عورتیں کیا کرتی تھیں۔ اور کوئی حرکت ایسی نہ کرو جو مردوں کے جذبات میں اضطراب و تلاطم پیدا کرنے کا موجب بنے (۲۴/۳۰ — ۳۱) تم نظام صلوٰۃ کو قائم رکھو اور تعلیم و تربیت کے ذریعے افرادِ معاشرہ کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کا سامان کرو۔ اس مقصد کے لئے نظام خداوندی (خدا اور اس کے رسول) کی پوری پوری اطاعت کرو۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ نبی کا گھر، افرادِ معاشرہ کے لئے نمونہ بن جائے۔ اس لئے اس گھر کے افراد میں کسی قسم کی قلب و نظر کی آلودگی، اضطراب انگیز شکوک و شبہات، یا دوسری کوئی ایسی چیز نہیں رہنی چاہئے جو ان کی نشوونما کے راستے میں حائل ہو —— یہ گھر پاکیزہ اور بلند زندگی کا نمونہ ہونا چاہئے۔

۳۴ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم اُن احکام اور مصالح کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو جو اُن قرآنی آیات میں مذکور ہیں جن کی تلاوت تمہارے ہاں ہوتی رہتی ہے۔ اور کوئی خفیف سے خفیف حرکت بھی ایسی نہ کرو جو ان احکام کے خلاف جائے، یا اُس غرض و غایت کے منافی ہو جس کے لئے یہ احکام دیئے گئے ہیں۔ خدا بڑا باریک بیں، اور ہر ایک کے حالات سے باخبر ہے۔

۳۵ (اے رسول: تمہارے اہلِ خانہ کی اس قسم کی تعلیم و تربیت اس لئے ضروری ہے کہ اِن کی زندگی، معاشرہ کی دوسری عورتوں کے لئے نمونہ بن جائے۔ یاد رکھو! معاشرہ مردوں اور عورتوں، دونوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس لئے سفرِ زندگی میں، ان دونوں کو دوش بدوش چلنا چاہیئے۔ اگر اِن میں سے ایک صنف پیچھے رہ جائے تو، زندگی کی گاڑی آگے نہیں چل سکتی۔ اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اُن طبیعی خصوصیات[۱] کے علاوہ، جو افزائش و پرورشِ نسل

[۱] BIOLOGICAL DIFFERENCES.

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا ﴿٣٦﴾ وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ

کے لئے مرد اور عورت میں الگ الگ رکھی گئی ہیں' اِن دونوں کی صلاحیتوں میں کوئی فرق نہیں)۔ بنابریں' اسلامی معاشرہ کے مردوں اور عورتوں' دونوں کی خصوصیات یہ ہونی چاہئیں کہ وہ:۔

(۱) قوانین خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوں۔

(۲) ان قوانین کی محض میکانکی طور پر اطاعت نہ کریں' بلکہ دل کی گہرائیوں میں' ان کی صداقت اور نتیجہ خیزی پر ایمان رکھیں۔

(۳) اپنی صلاحیتوں کی نشوونما کرکے' انہیں صرف وہاں صَرف کریں جہاں صَرف کرنے کا حکم قوانین خداوندی کی رو سے ملے۔

(۴) وہ عہد جو اُنہوں نے اپنے خدا سے باندھا ہے (۹/۱۱۱)' اسے سچ کر دکھائیں۔

(۵) مشکلات اور مصائب کے مقابلہ میں ثابت قدم اور مستقل مزاج رہیں۔

(۶) نوعِ انسان کی خدمت کے لئے شاخِ ثمردار کی طرح جھکے رہیں۔

(۷) اپنی ہر متاع کو' نظام خداوندی پر سے نچھاور کر دینے کے لئے تیار رہیں۔

(۸) قوانین خداوندی نے جہاں جہاں سے رُکنے کا حکم دیا ہے' وہاں سے رکیں۔ ان پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں' ان کا پورا پورا خیال رکھیں۔

(۹) اپنی عفت و عصمت کی پوری پوری حفاظت کریں۔

(۱۰) غرضیکہ زندگی کے ہر قدم پر' قوانین خداوندی کو' اپنے سامنے رکھیں۔

یہ ہیں وہ لوگ جنہیں خدا کا قانون مکافات' زندگی کی ہر تباہی سے محفوظ رکھیگا اور انہیں' ان کی سعی و عمل کا اجرِ عظیم عطا کرے گا۔ اس باب میں' مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ (۳/۱۹۴ ؛ ۴/۱۲۴)۔

۳۶ (اے رسول! انہیں یہ بھی بتا دو کہ) جب کسی معاملہ میں خدا اور اس کا رسول (نظام خداوندی) کوئی فیصلہ دیدے' تو مومن مردوں اور عورتوں کو' اس میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا (۳۳/۶۵)۔ انہیں بطیب خاطر' اُس فیصلہ کا پابند رہنا ہوگا۔ جو اُس کی خلاف ورزی کرے' تو وہ' سیدھا راستہ چھوڑ کر' بہت ہی غلط راستے پر جا پڑے گا۔

۳۷ (لیکن اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ اطاعت' نظام خداوندی کی اطاعت ہے

أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾

اگرچہ اس نظام کے فیصلے رسول کی طرف سے صادر ہوتے ہیں۔ اس سے رسول کی ذاتی اطاعت مقصود نہیں (۳۳/۳۶)۔ رسول کی ذاتی رائے یا مشورہ سے تمہیں اختلاف کا حق حاصل ہے۔ اس اختلاف کا نام "معصیت خدا و رسول" نہیں ہوگا۔ اس باب میں زید کا واقعہ ایک بیّن مثال ہے جسے اس نکتہ کی وضاحت کے لئے یہاں بیان کیا جاتا ہے)۔

زید پر اللہ کے بھی بہت سے احسانات تھے اور اے رسول! تیرے ذاتی احسانات بھی بہت تھے۔ تو اُس سے کہہ رہا تھا کہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور اس طرح قانونِ خداوندی کی رو سے تمہارا جو رشتہ قائم ہوا ہے اس کی نگہداشت کرو۔ اگر تمہیں کوئی چھوٹی موٹی شکایت ہے تو اس سے درگذر کرو۔ اور اگر کوئی گہرا اختلاف ہے تو اسے بیان کرو (اسے دل میں چھپائے رکھنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اس لئے کہ اگر تم اُسے اِس وقت چھپائے بھی رکھو گے تو (طلاق دینے کی صورت میں) قانونِ خداوندی کی رُو سے اُسے تمہیں ظاہر کرنا پڑے گا (یونہی طلاق تو نہیں دیدی جائے گی) تم لوگوں سے مت ڈرو (کہ وہ کیا کہیں گے) ڈرنے کا حق تو صرف قانونِ خداوندی سے ہے کہ اُس کے خلاف کوئی بات نہ ہو جائے)۔

لیکن زید نے تیرے مشورے کو نہ مانا اور اپنی بیوی سے قطع تعلق کر لیا۔ اس کے بعد تم نے قانونِ خداوندی کے مطابق اس کی مطلقہ بیوی سے شادی کر لی (تاکہ اُسے اِس حادثہ سے جو صدمہ پہنچا ہے اس کی تلافی ہو جائے)۔ ہم نے اِس باب میں واضح ہدایت نازل کر دی تھی جب کہا تھا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا (۳۳/۴)۔ (نکاح حقیقی بیٹے کی بیوی سے جائز نہیں۔ (۴/۲۳)۔ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ کا یہ عمل قانونِ خداوندی کے عین مطابق تھا۔

(اس واقعہ سے دو باتیں واضح ہو گئیں۔ ایک یہ کہ اطاعت انہی فیصلوں کی لازم ہے جنہیں رسول نظامِ خداوندی کی طرف سے نافذ کرے۔ اُس کے ذاتی مشورہ یا رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ادعیاء ـــــ منہ بولے بیٹے ـــــ حقیقی بیٹے

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ
قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿٣٨﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ
حَسِيبًا ﴿٣٩﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمًا ﴿٤٠﴾

نہیں بن جاتے)۔

۳۸ جو بات قانون خداوندی نے جائز قرار دیدی ہو' اس کے کر لینے میں نبی کے لئے کوئی حرج نہیں ہوتا۔ یہ قانون' اس نبی کے لئے خصوصیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔ قانونِ خداوندی شروع سے ایسا ہی رہا ہے۔ اللہ کا قانون' اس کی مشیت کی رو سے مقرر شدہ پیمانوں کے مطابق' بنتا ہے۔ (ہنگامی حوادث سے متاثر ہو کر نہیں بنا کرتا۔ اسی لئے وہ غیر متبدل اور ابدی ہوتا ہے)۔

۳۹ تم سے پہلے جتنے رسول گزرے ہیں' ان کے لئے بھی اسی قسم کے قوانین خداوندی بھیجے گئے تھے۔ وہ صرف قوانین خداوندی (کی خلاف ورزی کے نتائج) سے ڈرتے تھے۔ لوگوں کی باتوں کا خیال نہیں کرتے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ہم اپنے اعمال کے لئے صرف خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اور کسی کے سامنے نہیں۔ اور اُسی کو وہ اپنا نگران سمجھتے تھے۔

۴۰ (تم لوگوں کو' جو زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح پر چہ میگوئیاں کرتے ہو' اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ) محمدؐ' تم میں سے کسی لڑکے کا باپ نہیں (اگر کسی کو محبت سے بیٹا کہہ دیا جائے تو وہ بیٹا نہیں بن جایا کرتا۔ نہ ہی یہ رسول اپنے خود ساختہ احکام وضع کرتا ہے) وہ خدا کے احکام تم تک پہنچاتا ہے (اور انہی احکام کی خود اطاعت کرتا ہے۔ یہ احکام ایسے ہیں جن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ نہ اس رسول کی زندگی میں۔ نہ اس کے بعد' کیونکہ اس کے بعد) نبوت (یعنی خدا کی طرف سے وحی ملنے کا سلسلہ) ختم ہو گئی۔ اور یہ سب کچھ اللہ کے لامحدود علم کی بنا پر ہوا (جو خوب جانتا ہے کہ نبوت کا سلسلہ کب تک جاری رکھنا چاہئے تھا' اور کب اُسے ختم کر دینا چاہئے۔ جو کچھ انسانوں کی راہ نمائی کیلئے دیا جانا مقصود تھا' وہ قرآن میں اپنی تکمیل تک پہنچ گیا۔ اور قرآن کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ اس لئے' اس کے بعد نبوت کی ضرورت ہی نہ رہی)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

---

۴۱ (نبوت تو ختم ہو گئی۔ باقی رہا فریضہ "رسالت" یعنی خدا کے احکام کو لوگوں تک پہنچانا اور ان کے مطابق ایک نظام قائم کرنا۔ سو اسے امتِ محمدیہ کے سپرد کر دیا ——— (۳/۱۰۹ ؛ ۳۵/۳۲)۔ سو اے جماعتِ مومنین! تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم قوانین خداوندی کو خود اپنے سامنے بھی رکھو اور ان کا چرچا بھی کرو۔

۴۲ اور ان کی عملی تنفیذ کے لئے دن رات سرگرداں رہو (۴۸/۹)۔

۴۳ اگر تم ایسا کرتے رہے تو قوانین خداوندی کی برکات' اور اس کی کائناتی قوتوں کی تائید و نصرت تمہارے ساتھ رہے گی (۳۳/۵۶)۔ ان کی طرف سے تم پر تبریک و تہنیت کے پھول برسیں گے۔ اس کا عملاً نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہیں' زندگی کی ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر' جگمگاتی روشنی میں لے آئے گا (۱۴/۱ ؛ ۱۴/۱۵)۔ اور تمہاری تمام صلاحیتوں کی نشوونما کرتا چلا جائے گا۔ (۲/۱۵۷ — ۲/۱۵۵ ؛ ۹/۱۰۳)۔

۴۴ (ان مومنین کی موجودہ زندگی بھی درخشندہ و تابناک ہوگی اور) اس کے بعد بھی جب وہ اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کریں گے' حقیقی زندگی اور سلامتی کی جانفزا اور روح پرور دعائیں ہر طرف سے ان کا استقبال کریں گی اور انہیں نہایت باعزت مقام عطا کیا جائیگا۔

۴۵ اے نبی! ہم نے تجھے اس لئے بھیجا ہے کہ تو' وحیِ خداوندی کے مطابق' ایسا نظام قائم کر دے جو تمام انسانوں (اقوام عالم) کے اعمال کی نگرانی کرے (۴/۱۴۳) اور لوگوں کو بتا دے کہ اس کے مطابق چلنے کا انجام کیسا خوشگوار ہوگا' اور اس کی خلاف ورزی کے عواقب کس قدر تباہ کن ہوں گے۔

۴۶ ہمارا یہ رسول' ہمارے ضابطہ کے مطابق' نوعِ انسان کو نظامِ خداوندی کی طرف دعوت دیتا ہے' اور انسانی زندگی کی تاریک راتوں میں' سورج کی طرح جگمگاتا ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ
تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ
وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً

---

۴۷ اے رسول! تو اس ضابطۂ ہدایت پر ایمان رکھنے والوں کو خوشخبری دے کہ انہیں خدا کی طرف سے، بڑی خوش حالیاں اور فارغ البالیاں نصیب ہوں گی۔

۴۸ تو اس پیغام کو عام کرتا جا، اور مخالفین — کافرین اور منافقین — کی کوئی بات نہ مان۔ (ان سے مفاہمت کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں)۔ ان کی طرف سے تجھے جو ایذا پہنچیں ان کی پرواہ نہ کر۔ نظام خداوندی کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھ۔ تو دیکھے گا کہ اس نظام پر بھروسہ، کس قدر کافی و وافی ثابت ہوتا ہے۔

۴۹ (جیسا کہ کہا جا چکا ہے۔ اس معاشرہ میں، عورتوں نے بھی مردوں کے ساتھ کام کرنا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ عائلی — مرد اور عورت کی گھر کی — زندگی کے متعلق نہایت واضح ہدایات اور احکام ان کے سامنے ہوں۔ اس سلسلہ میں بہت سے احکام پہلے بھی دیئے جا چکے ہیں۔ ۲۴۱ — ۲ — ۲۲۸ اب انہی کے تسلسل میں مزید احکام دیئے جاتے ہیں)۔
اے جماعتِ مومنین! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو۔ اور پھر انہیں (قانون کے مطابق) طلاق دیدو، قبل اس کے کہ تم نے انہیں چھوا ہو، تو تمہارے لئے ضروری نہیں کہ تم ان کی عدت کا شمار کرو جس میں اُن کا نان نفقہ تمہارے ذمہ ہوتا ہے اور جس میں وہ دوسری جگہ شادی نہیں کر سکتیں۔ تم انہیں مناسب سامان دے کر نہایت خوشگوار انداز سے رخصت کر دو۔ (نکاح ایک معاہدہ ہے۔ جب دیکھا جائے کہ وہ معاہدہ نبھ نہیں سکتا تو قاعدے اور قانون کے مطابق اسے فسخ کر دیا جائے۔ اس میں تلخی پیدا ہونے کی کونسی بات ہے؟ ۳۶ — ۲ — ۲۲۸ ؛ ۴ — ۶۵ — ۱)۔

۵۰ اے نبی! تیرے لئے تیری وہ بیویاں حلال ہیں جن کے مہر ادا کر کے تو نے ان سے نکاح کیا ہے۔ نیز وہ عورتیں جو کفار کی طرف سے لوٹ کر تمہاری طرف آئی ہیں (۶۰ — ۱۰)۔ نیز تیرے

اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰ تُرْجِيْ مَنْ تَشَاۗءُ مِنْهُنَّ وَتُــــْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝۵۱

چچا کی بیٹیاں۔ اور پھوپی کی بیٹیاں۔ اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور خالہ کی بیٹیاں' جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے۔ اور وہ مومن عورت بھی جو بلا مہر طلب کئے' تیرے نکاح میں آجانا چاہے' اور تو بھی اس سے نکاح کرنا پسند کرے۔ یہ دونوں احکام (کہ عم زادہ وغیرہ کے سلسلہ میں صرف وہ جو ہجرت کر کے آئیں' اور نکاح بلا مہر) صرف تیرے لئے مخصوص ہیں۔ عام مومنین کے لئے نہیں۔ عام مومنین کے لئے' ان کی بیویوں' اور لونڈیوں کے ضمن میں جو ان کے معاشرہ میں پہلے سے موجود تھیں' جو احکام دیئے جا چکے ہیں' ان کا ہمیں علم ہے۔ (وہ قرآن میں' دیگر مقامات پر موجود ہیں)۔ یہ تیرے لئے خصوصی احکام اس لئے دیئے گئے ہیں' تاکہ تجھے معاملات کے سلجھانے میں دقت نہ ہو ——— ضابطہ خداوندی میں اس قسم کے خصوصی احکام کی گنجائش اس لئے رکھی گئی ہے تاکہ ان سے' معاشرہ کی حفاظت ہو جائے' اور افراد کی نشو و نما میں فرق نہ آئے۔ یہ خدا کی عین مرحمت ہے۔

۵۱ (اس کے ساتھ ہی اے نبی! تجھ پر کچھ خاص پابندیاں بھی عائد کی جاتی ہیں' جو عام مومنین پر عائد نہیں کی گئیں)۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ اب' جبکہ معاشرہ کے ہنگامی حالات باقی نہیں رہے' تو اپنی بیویوں کو اجازت دیدے کہ جو تیرے ساتھ رہ کر تیرے جیسی عسرت کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں' وہ تیری زوجیت میں رہیں۔ جو ایسا نہیں چاہتیں' انہیں حسن کارانہ انداز سے الگ کر دے۔ (۳۳/۲۸)۔ جب انہیں اسکا اختیار دیا گیا ہے' تو تجھے بھی اس کا اختیار دیا جاتا ہے کہ ان میں سے جس کے متعلق تو سمجھتا ہے کہ وہ تمہاری صحیح رفیقہ حیات بن کر رہ سکتی ہے' اسے رکھ لے۔ جو ایسا نہیں کر سکتی' اسے الگ کر دے۔ (یہ' لڑائیوں کی وجہ سے پیدا شدہ ہنگامی حالات میں تیرے ہاں آئی تھیں۔ اس وقت اولیں مقصد ان کی حفاظت اور پناہ دہی تھی۔ اب جبکہ

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ
يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ
يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا
مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۗ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۖ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۗ وَ
اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۗ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۗ وَمَا كَانَ

حالاتِ اعتدال پر آگئے ہیں' ان امور پر نظرثانی کر لینی چاہیئے اور اپنے اپنے حالات کی روشنی میں مستقبل کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔

اگر تو ان میں سے کسی سے الگ ہو جائے اور دیکھے کہ تجھ سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ افسردہ خاطر ہو رہی ہے' اور تمہارے ہاں آجانا اس کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ہو گا' تو تمہیں اس کی بھی اجازت ہے کہ اسے دوبارہ اپنے حلقۂ زوجیت میں لے آؤ' بشرطیکہ وہ اس پر رضامند ہوں جو تو انہیں دے (اور انہیں اس کی شکایت نہ ہو کہ نبی کے گھر میں رہ کر ہمیں یہ نہیں ملتا۔ اور وہ نہیں ملتا)۔ یہ باتیں اس لئے واضح کر دی گئی ہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا کیا خیالات آسکتے ہیں۔ اللہ ہر بات کا علم رکھتا ہے اور اس کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

۵۲ اس کے بعد' تمہارے لئے کسی نئی عورت سے شادی کرنا جائز نہیں ہو گا۔ نہ ہی یہ کہ ان بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی اور عورت سے نکاح کر لے' خواہ اس کی خوبیاں تمہیں کتنی ہی اچھی کیوں نہ لگیں۔ اب تیری بیویاں وہی رہیں گی جو تیری بیویاں بن چکیں۔

(یہ پابندی خاص تیرے لئے ہے۔ دوسرے مسلمانوں کے لئے نہیں)۔ یاد رکھو! خدا کا قانون تمام امور کی نگہداشت کرتا ہے۔

۵۳ اسی سلسلہ میں' جماعتِ مومنین کے لئے' معاشرتی آداب سے متعلق کچھ ہدایات بھی ضروری ہیں۔ پہلی بات یہ کہ تم یونہی' بن بلائے اور بغیر اجازت لئے' رسول کے گھر نہ چلے جایا کرو۔ اس سے اس کی پرائیویسی میں خلل آتا ہے۔ اگر وہ تمہیں کھانے کے لئے بلائے تو اس کے ہاں جاؤ' لیکن وہ بھی اس طرح نہیں کہ تم کھانا پکنے سے پہلے ہی وہاں جا بیٹھو' اور

لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـــًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَاۗىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝

کھانے کا انتظار کرتے رہو۔ جب کھانا تیار ہو جائے' اور وہ تمہیں بلائے' تو پھر اندر جاؤ۔ اور جب کھانا کھا چکو تو وہاں سے چلے آؤ۔ وہیں بیٹھے باتوں میں نہ لگ جاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اُسے تکلیف ہوگی' لیکن وہ تمہیں' شرم کی وجہ سے' کہیگا نہیں۔ لیکن اللہ تو حق بات کہنے سے نہیں شرماتا (اس لئے اُس نے یہ بات صاف صاف کہدی ہے)۔

اور اگر تمہیں نبی کے گھر سے کوئی چیز لینی ہو تو اس کے لئے بھی یونہی بے محابا' اندر نہ چلے جایا کرو۔ قاعدے کے مطابق' پردے کے باہر سے' اسے مانگا کرو۔ یہ تمہارے لئے' اور رسول کے اہل خانہ' دونوں' کے لئے' پاکیزگیٔ قلب کا باعث ہے۔ تمہارے لئے قطعاً جائز نہیں کہ تم کوئی ایسی بات کرو جو رسول کے لئے اذیت رساں ہو۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ رسول کی بیویاں' مومنین کے لئے بمنزلہ ماں کے ہیں (۳۳/۶)۔ یہ یونہی رسمی عزت و احترام کے طور پر نہیں کہا گیا۔ ان سے اسی طرح تمہارا نکاح حرام ہے جس طرح حقیقی ماؤں سے۔ اس لئے' تم' رسول کی وفات کے بعد بھی ان سے نکاح مت کرو۔

معاشرتی امور کی یہ باتیں بظاہر چھوٹی چھوٹی نظر آتی ہیں' لیکن ان کا اثر بڑا دور رس ہے' اس لئے' قانون خداوندی کی رو سے' ان کی بڑی اہمیت ہے۔

۵۴ (ان معاشرتی آداب میں بھی اس بات کا خیال رکھو کہ ان سے مقصود تمہارے قلب و نگاہ کی تربیت ہے' اس لئے انہیں' یونہی' دکھاوے کے لئے' رسماً ادا نہ کر دیا کرو' بلکہ دل کے جھکاؤ کے ساتھ ضبطِ خویش کے لئے ان کی پابندی کرو۔ یاد رکھو) جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو' اور جو کچھ تمہارے دل میں ہوتا ہے' اللہ پر سب روشن ہے۔ اس سے کوئی شے چھپی نہیں رہتی۔

۵۵ دوسری طرف' رسول کی بیویوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اُن آدابِ معاشرت کو ملحوظ رکھیں جن کا حکم انہیں' اور عام مومن عورتوں کو' دیا گیا ہے۔ یعنی وہ اپنی زینت کو

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ إِنَّ
الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ
يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا
النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ

نمایاں نہ کیا کریں۔ ہاں اگر وہ اپنے باپ۔ بیٹوں۔ بھائیوں۔ بھتیجوں۔ بھانجوں کے سامنے ایسا کرلیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یا اپنے ملازموں کے سامنے — خواہ وہ لڑکے ہوں یا عورتیں۔ ان کے لئے بہرحال قوانین خداوندی کی نگہداشت ضروری ہے۔ انہیں اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ قانون خداوندی کی نگاہ ہر (چھوٹی بڑی) بات پر رہتی ہے۔ (اس کی مصلحت ۲۴/۳۱ میں بیان کی جاچکی ہے)۔

۵۶ (یہ قوانین وضوابط اس لئے دیئے گئے ہیں کہ تمہارا معاشرہ مثالی معاشرہ بن جائے اور نوع انسان کے لئے نمونہ۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے ان قوانین کی اطاعت سے تمہیں خدا کی نصرت اور اس کی کائناتی قوتوں کی تائید حاصل رہے گی۔ ۳۳/۴۳)۔ یہی تائید و نصرت تمہارے نظام کی مرکزی شخصیت خود رسول کو بھی حاصل ہے۔

لیکن تم اس اطمینان میں نہ رہو کہ جب خدا اور اس کے ملائکہ کی تائید و نصرت تمہارے رسول کے ساتھ شامل ہے تو تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اپنے عمل پیہم سے رسول کے مشن کی تقویت کا موجب اور اس کے دست و بازو بنو۔ اس کے پروگرام کو تکمیل تک پہنچاؤ۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ دل کے جھکاؤ کے ساتھ اس کی پوری پوری اطاعت کرو (۳۳/۴۳ ؛ ۴۷/۳۳ ؛ ۴/۶۵)۔

۵۷ اس کے برخلاف جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (یعنی نظام خداوندی) کے لئے کسی تکلیف یا ضعف کا موجب بنتے ہیں وہ دنیاوی زندگی کی خوشگواریوں سے بھی محروم رہتے ہیں اور آخرت کی سرفرازیوں سے بھی۔ وہ ذلت آمیز تباہی کے عذاب میں ماخوذ ہوں گے۔

۵۸ اور یہ بات صرف اس نظام خداوندی کی مرکزی شخصیت تک ہی محدود نہیں۔ جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے ایذا رسانی کا موجب بنتے ہیں اور ان پر ناکردہ گناہوں کا الزام دھرتے ہیں تو وہ بہت بڑے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں (انہیں بھی اس کی سزا مل کر رہے گی)۔

۵۹ اے نبی! تو اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے۔ اور مومنوں کی عورتوں سے کہدے کہ

اَدْنٰٓى اَنْ يَّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝
مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ
لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ

وہ باہر نکلیں تو اپنے کپڑوں کے اوپر ایسا کشادہ سا کپڑا پہن لیا کریں جس سے زینت نمایاں نہ ہو (۲۴/۳۱) یہ اس لئے ضروری ہے کہ وہ پہچانی جا سکیں (کہ شریف بیبیاں جا رہی ہیں) اور کوئی بدقماش انہیں تنگ نہ کرے۔ یہ چیز ان کے لئے قانون خداوندی کی رُو سے حفاظت اور تربیت کا موجب بن جائے گی۔

۶۰ تم اتنی احتیاط برتو۔ اگر اس کے بعد بھی منافقین یعنی وہ لوگ جن کے دل میں خباثتیں بھری ہوئی ہیں، اور وہ فتنہ پرور جن کا کام ہی معاشرہ میں شر انگیز خبریں پھیلانا ہے، اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے، تو پھر ان کے خلاف قوت کا استعمال کرنا پڑے گا۔ اس سے یہ لوگ، کچھ عرصہ بعد یہاں سے دور ہو جائیں گے۔

۶۱ اور اُن تمام مراعات سے محروم کر دیئے جائیں گے (جو انہیں اسلامی مملکت کے شہری ہونے کی حیثیت سے حاصل ہیں)۔ اگر یہ اس پر بھی اپنی سرکشی سے باز نہیں آئیں گے، تو جہاں کہیں بھی ہوں گے، انہیں گرفتار کیا جائے گا، اور سختی سے قتل کیا جائے گا۔

۶۲ ایسے لوگوں سے اس قسم کا سلوک کوئی نئی بات نہیں۔ خدا کا قانون شروع ہی سے ایسا چلا آ رہا ہے (کہ شریفوں کو تنگ کرنے والے، اور معاشرہ میں فساد برپا کرنیوالے، اگر اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہ آئیں، تو انہیں سخت سزا دی جائے)۔ اور تو، خدا کے قانون میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں پائے گا۔

۶۳ اس پر (یہ منافقین اور فتنہ پرداز) پوچھتے ہیں کہ (جس انقلابی دَور کے متعلق تم کہتے ہو کہ اس میں شریر النفس، بدقماش لوگوں کو ایسی سزا ملے گی) وہ دور کب آئیگا؟ ان سے کہو کہ اس کے ظہور کے ٹھیک وقت کے متعلق خدا ہی جانتا ہے (میں نہیں بتا سکتا)۔

اے پوچھنے والے! تجھے کیا معلوم کہ وہ انقلابی دور تیرے سر پر ہی کھڑا ہو؟

السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿٦٤﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ
لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا
الرَّسُولَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ
مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٦٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا
قَالُوا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾

(ع ۸ ۱۰ ۵)

---

۶۴ اس لئے کہ یہ مخالفین رفتہ رفتہ اُس مقام تک آپہنچے ہیں جہاں انہیں زندگی کی خوشگواریوں سے محروم کر دیا جائے۔ ان کے لئے ان کے اعمال نے بڑا تباہ کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۶۵ ایسا عذاب جس سے یہ کبھی نکل نہیں سکیں گے (نہ اِس دنیا میں نہ اس کے بعد۔ نہ ان کا کوئی کارساز و چارہ کار ہوگا۔ نہ کوئی معین و مددگار۔

۶۶ اُس وقت اِن کی حالت یہ ہوگی کہ یہ اُس تباہی کی آگ میں اوندھے منہ جھونک دیئے جائیں گے اور یہ بصد حسرت و یاس کہیں گے کہ اے کاش! ہم بھی اللہ اور رسول (نظامِ خداوندی) کی اطاعت کرتے (تو ہماری آج یہ حالت نہ ہوتی)۔

۶۷ اُس وقت اِن کے عوام کہیں گے کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہم نے اپنے اِن لیڈروں کی، جو ہم میں بڑے بنے ہوئے تھے، اِطاعت کی تو انہوں نے ہمیں زندگی کے صحیح راستے سے بہکا دیا۔

۶۸ لہٰذا، اے ہمارے پروردگار! تو انہیں دُہری سزا دے اور انہیں زندگی کی خوشگواریوں سے اس طرح محروم رکھ کہ ان تک کچھ بھی پہنچنے نہ پائے۔ (۱۴/۲۸ ؛ ۱۶/۲۵ ؛ ۳۴/۳۳ — ۳۱)۔

۶۹ لیکن اے جماعتِ مومنین! (یہ انقلاب اُس صورت میں برپا ہو سکے گا کہ تمہارا معاشرہ صحیح خطوط پر متشکل ہو جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اپنے رسول کی پوری پوری اطاعت کرو اور) اسے اس طرح تنگ نہ کرو (۳۳/۵۳) جس طرح، بنی اسرائیل قدم قدم پر اپنے رسول (موسیٰؑ) کو تنگ کرتے تھے۔ (اس کی تفاصیل مختلف مقامات پر آچکی ہیں، بالخصوص سورۂ بقرہ میں)۔ نتیجہ اِسکا یہ نکلا کہ، جہاں تک موسیٰؑ کا تعلق تھا، اُس کا تو اِس سے کچھ نہ بگڑا، اِس لئے کہ خدا کے ہاں اُس کا مقام بہت بلند تھا (لیکن بنی اسرائیل سے تمکن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ
وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ
فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ
الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ

فی الارض کا جو وعدہ کیا گیا تھا' اس کے پورا ہونے کا وقت بہت پیچھے جا پڑا' اور اس تمام مدت میں وہ تباہ حال' حیران و سرگرداں پھرتے رہے (۲۴/۵)۔

۷۰ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم ہمیشہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو' اور جو بات کرو' محکم اور استوار کرو۔

۷۱ ایسا کرو گے تو وہ تمہارے سب کام سنوار دے گا' اور تمہاری بھول چوک' یا چھوٹی موٹی لغزشوں کے مضر اثرات سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ (۵۳/۳۲ ؛ ۴۲/۳۷ ؛ ۴۷/۳۱)۔ یاد رکھو! جو قوم بھی اللہ اور اس کے رسول (نظام خداوندی) کی اطاعت کریگی' اسے عظیم الشان کامرانیاں نصیب ہوں گی۔

(تم بھی جب تک ایسا کرتے رہو گے' کامیابیاں تمہارے پاؤں چومیں گی۔ جب تم اس میں خیانت کرو گے' تو تم سے یہ برکات چھن جائیں گی۔ یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان کی کیفیت' اشیائے کائنات کی سی نہیں ہے)۔

۷۲ تم اشیائے کائنات پر غور کرو۔ یہ بڑے بڑے اجرام سماوی۔ خود تمہارا کرۂ ارضی۔ اور اس پر جمے ہوئے اتنے اتنے بڑے پہاڑ' (وغیرہ) ان کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے ذمے جو فرائض عائد کئے گئے ہیں' یہ سب' ان کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ کوئی اس میں ذرا سی خیانت نہیں کرتا۔ وہ اس کے تصور تک سے ڈرتے ہیں۔ لیکن انسان کی یہ حالت ہے کہ جو فرائض اس کے ذمے عائد کئے جاتے ہیں' یہ ان کی بجا آوری میں خیانت کرتا ہے' حالانکہ ایسا کرنے میں کسی اور کا کچھ نہیں بگڑتا۔ خود اسی کا نقصان ہوتا ہے ——— یہ اس کی کتنی بڑی جہالت ہے جس کی وجہ سے یہ خود اپنے آپ پر اس قدر زیادتی کرتا ہے (اگر یہ بھی اشیائے کائنات کی طرح' لیکن بطیب خاطر' وحی کے مقرر کردہ راستے پر چلتا جاتے تو اسے کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔

۷۳ (یہاں پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ انسان کو بھی' دیگر اشیائے کائنات کی طرح' ایسا کیوں

اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٤٣﴾

(۹ ع ۵ ۶)

نہ پیدا کر دیا گیا کہ یہ خود بخود وحی کا اتباع کرتا جائے۔ اس کا جواب واضح ہے۔ جیسا کہ متعدد مقامات پر بتایا جا چکا ہے' اگر انسان کو بھی مجبور پیدا کر دیا جاتا تو اس میں' اور حیوانات میں کوئی فرق نہ رہتا۔ انسان کو صاحب اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے تاکہ یہ اپنی مرضی سے جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ نیکی وہی نیکی ہے جسے انسان اپنے اختیار و ارادہ سے کرے نہ مجبوری کی نیکی' نیکی ہوتی ہے۔ نہ مجبوری کی بدی' بدی۔ اس کے صاحب اختیار و ارادہ ہونے میں ہی شرف انسانیت کا راز پنہاں ہے۔ اور اسی سے یہ اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ اور یہی وہ ذمہ داری ہے جس کی بنا پر منافق اور مشرک مردوں اور عورتوں کو ان کے غلط اعمال کی سزا ملتی ہے' اور مومن مردوں اور عورتوں پر انعامات خداوندی کا سحاب کرم جھوم کر آتا ہے۔ ہاں! ان سے' اگر سہو و خطا سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو اس کے مضر اثرات سے ان کی حفاظت کر دی جاتی ہے۔ اس طرح ان کی ذات کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے۔ (یہ بات اسی صورت میں ممکن تھی کہ انسان صاحب اختیار و ارادہ ہوتا)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ① یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ② وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ

---

۱ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے وہ خدا کے تخلیقی پروگرام میں سرگرم عمل ہے اور حسن و خوبی کے اعتبار سے اس کی حمد و ستائش کا زندہ پیکر۔ اور جب اس پورے سلسلۂ کائنات کے مجموعی پروگرام کے آخری نتائج پر غور کیا جائے تو وہ بھی اس کی حمد و ستائش کا آئینہ دار نظر آئے گا۔ اس لئے کہ اس کی ہر اسکیم حکمت پر مبنی ہے اور جو کچھ یہاں ہو رہا ہے، وہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔

۲ اُسے اچھی طرح معلوم ہے کہ زمین میں کیا داخل ہوتا ہے، اور اس کے بعد اس میں سے کیا بن کر نکلتا ہے۔ فضا کی بلندیوں سے کیا کچھ نیچے آتا ہے اور کیا کچھ اوپر چڑھتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ یہاں کی ہر شے کی نشوونما ہوتی جائے اور وہ تباہ کن عناصر اثرات سے محفوظ رہے۔

۳ اس کے باوجود یہ لوگ جو ہمارے قانون مکافات سے انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ جس انقلاب کی تم دھمکی دیتے ہو وہ ہم پر نہیں آئے گا۔ ان سے کہدو کہ وہ آئے گا، اور بالضرور

عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ
لَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۳ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
كَرِيْمٌ ۝۴ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۵ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۶ وَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۷

آئے گا۔ اس حقیقت پر میرا وہ پروردگار شاہد ہے جو ہونے والے واقعات تک کا اچھی طرح علم رکھتا ہے۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کسی کا کوئی عمل ہو —— خواہ وہ ایک ذرے کے برابر یا اس سے بڑا یا چھوٹا ہی کیوں نہ ہو —— اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ خدا کے قانون مکافات کے رجسٹر میں، جو ہر دیدۂ بینا کے سامنے کھلا ہے، اس کا اندراج ہو جاتا ہے۔

۴ تاکہ جو لوگ ہمارے قانون کی صداقت پر ایمان لا کر صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں، انہیں ان کے اعمال کا بدلہ مل جائے —— یعنی تمام تخریبی عناصر کے مضر اثرات سے سامانِ حفاظت اور آبرومندانہ رزق کی فراوانی۔

۵ ان کے برعکس، جو لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے قوانین کو شکست دے کر ان کے خلاف، اپنی مرضی کے مطابق نتائج مرتب کر لیں (وہ اپنی اس کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے)۔ یہ اپنی غلط روش کی وجہ سے تباہیوں اور بربادیوں کے ایسے الم انگیز عذاب میں مبتلا ہوں گے، جو ان کے لئے اضطراب پیہم کا موجب ہو گا۔

۶ جو لوگ علم و بصیرت سے کام لیتے ہیں، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ ٹھوس تعمیری نتائج کا حامل اور حقیقت ثابتہ ہے۔ اور کاروانِ انسانیت کی، اس منزل کی طرف، راہ نمائی کرتا ہے جو خدائے عزیز و حمید کی متعین کردہ ہے —— یعنی اس خدا کی جو ایک طرف انتہائی غلبہ اور قوت کا مالک ہے، اور دوسری طرف، اس کا پروگرام ایسے حسین اور خوشگوار نتائج پیدا کرتا ہے جسے دیکھ کر ہر چشم حقیقت بیں پیکر حمد و ستائش بن جاتی ہے۔

۷ لیکن، ان کے برعکس، جو لوگ علم و بصیرت سے کام نہیں لیتے اور محض اسلاف کی تقلید

اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ
الْبَعِیْدِ ۝ اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ
الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ
مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۝

اور تعصب کی بنا پر ہمارے قانونِ مکافات سے انکار کئے جاتے ہیں' ان کی ذہانت کا یہ عالم ہے کہ وہ ازرہِ تمسخر' ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ آؤ! تمہیں ایک ایسا آدمی بتائیں جو یہ کہتا ہے کہ جب مرنے کے بعد تم ریزہ ریزہ ہو کر پراگندہ ہو جاؤ گے' تو تمہیں' پھر نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا۔

۸ اور کہتا ہے کہ یہ کچھ اسے اللہ نے بتایا ہے! ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یا تو یہ شخص' جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے۔ یعنی اپنے جی سے باتیں گھڑتا ہے اور انہیں خدا کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ اور یا اس کا دماغ چل گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے' وہ بڑے ہی غلط راستے پر چلتے ہیں' جس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ ہو نہیں سکتا۔

۹ کیا یہ لوگ' اپنے گرد و پیش' خارجی کائنات پر غور نہیں کرتے (کہ اس میں موت اور حیاتِ نو کا سلسلہ کس طرح جاری و ساری ہے؟ کس طرح' ایک دانہ خاک میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد' حیاتِ تازہ حاصل کرتا اور ایک نیا لبادہ اوڑھ کر' نمودار ہو جاتا ہے۔ یا یہ خود انسان کی زندگی کی تاریخ پر غور کریں اور دیکھیں کہ یہ کس طرح' چاروں طرف سے' تباہ کن عناصر میں گھرے ہوتے ہونے کے باوجود' زندہ اور پایندہ آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے' حالانکہ) زمین میں' زلزلے کا ایک مہیب جھٹکا۔ یا آسمان سے شہاب ثاقب (ٹوٹنے والے تاروں) کا ایک عالمگیر چھینٹا' اس کی نسل کو ختم کر دینے کے لئے کافی تھا۔ ان بصائر میں' ان لوگوں کے لئے جو حقیقت کی طرف رجوع کرنے کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہوں' صداقت تک پہنچ جانے کی بہت بڑی نشانی ہے۔

۱۰ (جس قسم کی باتیں یہ لوگ کرتے ہیں' اسی قسم کی باتیں قومِ سبا کے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ وہ بھی سامانِ زیست کی فراوانی۔ تجارت کی وسعت اور اپنے جتھہ کی کثرت

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا
شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ یَّزِغْ
مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۱۲﴾ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ

بڑے نازاں تھے' اور قانون مکافات کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔اب سنو کہ ان کا انجام کیا ہوا؟
لیکن اس سے پہلے' ان کے ہم عصر پیغمبر داؤدؑ اور سلیمانؑ کا مختصر سا تذکرہ بھی ضروری ہے)۔

ہم نے داؤدؑ کو بڑی قوتوں اور فضیلتوں سے نوازا تھا۔ اس کی مملکت میں بڑے بڑے سرکش سردار' اور قبیلہ سبا کے اکابر تھے جن سے گھوڑوں کے رسالے ترتیب پاتے تھے۔(۲۱/۷۹ ؛ ۲۷/۱۶ — ۱۵)۔ ہم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ سب' داؤدؑ کے ساتھ مل کر' ہمارے قوانین کی اطاعت کریں۔

۱۱ اس نے' ہمارے قانون کے مطابق اسلحہ سازی کے کارخانے بنا رکھے تھے' جہاں لوہے کو گلا کر زرہیں تیار کی جاتی تھیں' اور ان کی کڑیاں ٹھیک ٹھیک انداز سے جوڑی جاتی تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی ہم نے ان تمام لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ یہ سب سامانِ جنگ' انسانوں کے کام سنوارنے کے لئے استعمال میں آنا چاہیئے' نہ کہ دنیا میں فساد برپا کرنے کے لئے۔ انہیں ہم نے اچھی طرح بتا دیا تھا کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اس پر ہماری نگاہ ہے۔

۱۲ (اسی طرح' اس کے بیٹے سلیمانؑ کو بھی ہم نے بڑی قوتوں اور فضیلتوں کا مالک بنایا تھا۔ اس کی کشتیاں (بحری بیڑہ) سمندروں میں چلتی تھیں)۔ اس سلسلہ میں اُسے' ہواؤں کے رُخ کا ایسا علم حاصل تھا کہ اُس کی کشتیاں' (ایک دن' بلکہ) دن کے اولیں حصہ میں اتنا سفر طے کر لیتیں' جتنا سفر دوسری کشتیاں مہینہ بھر میں طے کرتیں۔ اور اتنا ہی سفر دن کے دوسرے حصے میں۔ اور ہم نے اُس کے لئے تانبے (معدنیات) کا چشمہ بہا دیا تھا۔ اور وحشی قبائل اس کے تابعِ فرمان تھے' جو اُس کے نشوونما دینے والے کے قانون کے مطابق' اُس کے زیرِ ہدایت کام کرتے تھے۔(۲۱/۸۲ ؛ ۳۸/۳۷)۔ ان میں سے اگر کوئی سرکشی اختیار کرتا' تو ہمارے قانون کے مطابق' اسے سخت سزا ملتی تھی۔

۱۳ وہ' اُس کے پروگرام کے مطابق' بڑے بڑے قلعے' محلات اور ہیکل تعمیر کرتے۔ بڑے (نادر) مجسمے تراشتے اور تصاویر بناتے۔ اور اتنے اتنے بڑے لگن تیار کرتے' جیسے حوض ہوں۔ اور زمین میں گڑی ہوئی دیگیں۔

كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝۱۳ فَلَمَّا قَضَيْنَا
عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝۱۴ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۭ جَنَّتٰنِ عَنْ
يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۭ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝۱۵

ہم نے آلِ داؤدؑ سے کہہ رکھا تھا کہ ہم نے انہیں حصولِ نعمت کے جس قدر اسباب اور سامان عطا کر رکھے ہیں' ان سے صحیح صحیح فائدہ اٹھاؤ اور انہیں ہمارے قانون کے مطابق صرف میں لاؤ۔ (انہیں اس کی تاکید کرنے کی اس لئے ضرورت پڑی تھی کہ لوگوں میں سے بہت کم ایسے ہیں جنہیں اگر قوت اور سامانِ زیست کی فراوانی حاصل ہو تو وہ ان چیزوں کو صحیح مصرف میں لائیں۔ (چنانچہ سلیمانؑ کے بعد ایسا ہی ہوا)۔

۱۴ اس کی موت کے بعد اُس کا بیٹا' اس کا جانشین ہوا۔ لیکن وہ اپنے باپ' دادا کی طرح نہ تھا۔ وہ محض ایک انسان نما حیوان تھا۔ بس' آب و گل کا ایک متحرک پیکر۔ (۳۴/۳۹) چنانچہ اُس کے ہاتھوں' شوکتِ داؤدی اور سطوتِ سلیمانی سب ختم ہو گئی (بنی اسرائیل کے دس قبائل اُس سے سرکش ہو گئے[1]) چنانچہ جب اُن وحشی قبائل نے' جو سلیمانؑ کے عہد میں اس طرح اطاعت شعار اور فرماں پذیر تھے' اِس صورتِ حالات کو دیکھا تو وہ بھی سرکش ہو گئے' اور انہیں افسوس ہوا کہ وہ اپنے پرانے خیال کے مطابق' اتنا عرصہ کیوں یونہی' اِس جسدِ بے جان کی غلامی کرتے رہے۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس حکومت کا اب صرف نام ہی باقی ہے' اور اُس کے پیچھے تو تت کچھ نہیں رہی' تو وہ اتنا عرصہ اس ذلت آمیز عذاب میں کیوں مبتلا رہتے؟

۱۵ اس تمہیدی تعارف کے بعد' قومِ سبا کی طرف آؤ۔ وہ قوم ایک وادی میں آباد تھی جس کے دونوں طرف زمین اس قدر سرسبز و شاداب تھی گویا دو باغ ہیں جو دائیں' بائیں برابر چلے جا رہے ہیں۔ ان کی آبادی کی یہ نشانی دور دور تک مشہور تھی۔ ان کے شہروں کی آب و ہوا نہایت خوشگوار تھی۔ (پہاڑوں میں بند بنے ہوئے تھے جو پانی کو روک کر آبپاشی کا کام دیتے تھے غرضیکہ

[1] تورات۔ سلاطین (۱)

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

اُس زمانے میں معیشت کے سب سامان انہیں میسر تھے)۔ ہم نے ان سے کہا تھا کہ تم اس رزقِ فراواں سے، جو تمہیں فطرت کی طرف سے یوں بلامزد و معاوضہ ملا ہے خوب کھاؤ پیو۔ لیکن ان نعمتوں کو، قوانین خداوندی کے مطابق صرف کرو، یہی ان کی شکرگزاری اور قدرشناسی ہے۔ ایسا کرو گے تو تم تباہیوں سے محفوظ رہو گے۔

۱۶ لیکن انہوں نے اِس بات سے منہ پھیر لیا اور ملک میں فساد برپا کرنا شروع کر دیا تو، اُن کے حالات نے پلٹا لیا۔ چنانچہ وہاں ایسے زور کا سیلاب آیا جس سے وہ بند ٹوٹ گئے جن سے وہ پانی رُکا رہتا تھا۔ بند ٹوٹ جانے سے، وہ بستیاں خس و خاشاک کی طرح بہ گئیں۔ ان کے باغات تباہ و برباد ہو گئے، اور ان کی جگہ یہاں وہاں، جنگلی جھاڑیاں اُگ آئیں جن میں کڑوے کسیلے پھل لگتے تھے۔ یا کچھ جھاؤ کے درخت اور تھوڑی سی بیریاں —— یوں ان کی زندگی کی تمام خوشگواریاں، بدمزگیوں میں بدل گئیں۔ (اگر وہ اپنی معاشی اور معاشرتی زندگی کو قوانینِ خداوندی کے تابع رکھتے اور معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا نہ کرتے۔ تو اس قسم کے فطری حوادث کا مقابلہ ہمت اور استقامت سے ہو جاتا اور انہیں دوبارہ بسنے میں بھی چنداں دشواری نہ ہوتی۔ قوانینِ فطرت کو سامنے رکھ کر، حسنِ انتظام، اور معاشرہ میں عادلانہ نظام سے، طبیعی حوادث کا مقابلہ آسانی سے ہو جاتا ہے)۔

۱۷ لیکن انہوں نے ہمارے قوانین سے یکسر انکار کر رکھا تھا، اس لئے اس کا انہیں یوں بدلہ ملا۔

اور یہ بات کچھ اہل سبا سے ہی مخصوص نہ تھی۔ جو بھی ہمارے قوانین[1] سے انکار کریگا اس کا انجام ایسا ہی ہوگا۔

۱۸ (اس تباہی سے پہلے) اُن کے ملک (یمن) سے لے کر، شام اور فلسطین کے سرسبز و شاداب علاقوں تک، تمام راستے میں بڑے بڑے متمول اور بارونق، شہر آباد تھے جو اُنکی

[1] قوانین میں، قوانینِ فطرت اور انسانوں کی معاشرتی زندگی کے متعلق وحی پر مبنی قوانین، دونوں شامل ہیں۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾
وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾

تجارت کی منڈیاں تھیں۔ اور یہاں سے وہاں تک راستے میں پڑاؤ اور سرائیں بنی ہوئی تھیں۔ اور راستہ اس قدر پرامن اور آباد تھا کہ اس میں قافلے دن رات نہایت حفاظت سے آتے جاتے رہتے تھے۔

۱۹ لیکن انہوں نے ایسی حرکتیں شروع کر دیں جن سے راستے کی بارونق منڈیاں رفتہ رفتہ اجڑتی گئیں۔ ملک کا امن و امان، فتنوں کی نذر ہو گیا۔ اس قسم کے غلط اور مفسدانہ اقدامات سے انہوں نے اپنے آپ کو تباہ کر لیا۔ (اگر سیلاب نے انہیں طبیعی نقصان پہنچایا تھا تو ان کے غلط معاشی اور معاشرتی اقدامات نے، تمدنی نقصان پہنچایا)۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان کا شیرازہ بری طرح بکھر گیا اور اس کے بعد ان کی صرف کہانیاں باقی رہ گئیں۔

اہل سبا کی اس داستان میں، ہر اس قوم کے لئے، جو حوادث کا مقابلہ ہمت اور استقلال سے کرے، اور خدا کی عطا کردہ نعمتوں اور قوتوں کو صحیح مصرف میں لائے، عبرت اور بصیرت کی ہزار نشانیاں ہیں (جو یہ بتاتی ہیں کہ قوموں کے زندہ رہنے کے لئے دو باتیں نہایت ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ وہ قوم ملک کے طبیعی اور فطری نظم و نسق کی طرف سے غافل نہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے معاشرہ کو قوانین خداوندی کے تابع رکھے تاکہ اس میں ناہمواریاں پیدا نہ ہوں)۔

۲۰ حقیقت یہ ہے کہ ابلیس نے عام انسانوں کے متعلق جو خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ قوانین خداوندی کا اتباع نہیں کریں گے بلکہ اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلا کریں گے (۱۷/۶۲ — ۱۵/۳۸) تو اس قسم کی قوموں نے اسے بتا دیا کہ وہ اپنے خیال میں سچا تھا۔ (یعنی ان لوگوں نے اپنی روش سے ابلیس کے خیال کو سچ کر دکھایا)، کیونکہ ان میں سے، سوائے مومنین کے ایک گروہ کے، سب اس کے پیچھے چلے۔

۲۱ حقیقت یہ ہے کہ ابلیس کو ایسی قوت حاصل نہ تھی کہ وہ انسان پر غالب آجاتا (جب وہ کائنات کی کسی شے پر غالب نہیں آسکتا تو انسان پر، جو اشیائے کائنات کو مسخر کر سکتا ہے، کس طرح غالب آسکتا تھا؟ لیکن یہ ہمارے اس پروگرام کا نتیجہ ہے جس کی رو سے ہم نے

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ
فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ
عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا ۖ قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾

انسان کو اشیائے کائنات کی طرح' مجبور پیدا نہیں کیا' بلکہ صاحب اختیار و ارادہ پیدا کیا ہے کہ وہ جی چاہے تو وحیٔ خداوندی کا اتباع کرے اور جی چاہے تو اس راستے کو چھوڑ کر اپنے جذبات کے پیچھے لگ جائے۔ جب وہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ "ابلیس اُس پر غالب آ گیا۔" اور انسان کو صاحب ارادہ پیدا کرنے سے مقصد یہ تھا کہ وہ (اپنی مرضی سے) حیاتِ آخرت پر ایمان لا کر' ان لوگوں سے متمیز اور ممتاز زندگی بسر کرے جو اس بارے میں شک میں رہتے ہیں۔ (زندگی کی سرفرازیوں اور خوشگواریوں کا راز' خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان میں پوشیدہ ہے۔ اور اس قانون پر ایمان لایا نہیں جا سکتا جب تک حیاتِ اُخروی پر ایمان نہ ہو)۔

تیرا نشو و نما دینے والا' ہر شے پر نگاہ رکھتا ہے تاکہ ہر ایک کا عمل' اس کے قانون کے مطابق' نتیجہ مرتب کرے۔

۲۲ یہ ہے خدا کا قانونِ مکافات۔ اس کے خلاف' یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ نہیں! یہاں اور ہستیاں بھی ہیں جنہیں اقتدار اور اختیار حاصل ہے' تو (اے رسول!) ان سے کہو کہ ذرا ان ہستیوں کو بلاؤ تو سہی؟ تم دیکھو گے کہ وہ پوری کائنات میں ایک ذرّے کے برابر بھی قوت اور اقتدار نہیں رکھتیں۔ نہ ہی وہ خدا کے اختیار و اقتدار میں کسی طرح شریک ہیں۔ اور نہ ہی یہ صورت ہے کہ خدا کو کسی مددگار کی ضرورت ہے' اور یہ ہستیاں اُس کی مددگار ہیں۔

۲۳ اس کے قانونِ مکافات کی نتیجہ خیزی اور محکمیت کا یہ عالم ہے کہ کسی شخص کا' کسی دوسرے کے ساتھ مدد کے لئے کھڑے ہو جانا بھی اسے کچھ فائدہ نہیں دے سکتا' بجز اس کے کہ اُن کی باہمی رفاقت اور ایک دوسرے کی حمایت بھی' خدا ہی کے قانون کے مطابق ہو۔ جو لوگ اسطرح اس کے قانون کے مطابق' ایک دوسرے کے رفیق بن جائیں' تو اس جماعتی زندگی کے اندر' ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔ اور وہ بڑے اطمینان سے' ایک دوسرے سے قانونِ خداوندی کے متعلق دریافت کریں گے تو اُن پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ یہ قانون حق ہے ـــــ نہایت اٹل۔ محکم۔ استوار۔ غیر متبدل اور ٹھوس تعمیری نتائج مرتب کرنے کا ضامن

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰي هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۴ قُلْ لَّا تُسْـَٔـلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔـلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۲۵ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۝۲۶ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۷ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۸

—— اور اس قانون کا دینے والا خدا' بہت بلند و بالا' اور بڑی قوتوں کا مالک ہے۔

۲۴ ان سے پوچھو کہ (تم جو معاشرہ میں رزق کی تقسیم اپنے ہاتھوں میں رکھنا چاہتے ہو تو) زمین و آسمان سے جو کچھ تمہیں بطور رزق ملتا ہے' اسے کون عطا کرتا ہے؟ تم ان سے کہو کہ اسے خدا کے سوا کوئی نہیں دیتا۔ اس کے بعد ان سے کہو کہ بتاؤ! پھر ہم میں سے کون سیدھے راستے پر ہے اور کون کھلی ہوئی گمراہی میں؟

۲۵ ان سے کہو کہ اتنا کچھ بتا اور سمجھا دینے کے بعد بھی اگر تم صحیح راستے پر نہیں آنا چاہتے' تو تم جانو' تمہارا کام۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں اگر وہ جرم ہے تو اس جرم کے متعلق تم سے کچھ باز پرس نہیں ہوگی (ہم ہی سے ہوگی)۔ اور نہ ہی تمہارے اعمال کی باز پرس ہم سے ہوگی۔ (اس لئے تم اپنا کام کرو۔ ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ خواہ مخواہ جھگڑے نکالنے سے کیا فائدہ؟)۔

۲۶ اور اگر تم اس پر بھی اپنی مخالفت سے باز نہ آئے' تو پھر تمہارا اور ہمارا فیصلہ میدان جنگ میں ہوگا (اس کے سوا اور چارہ ہی کیا ہوگا؟) اور یہ فیصلہ اسی حق و صداقت کے قانون کے مطابق ہوگا جس کی طرف ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں —— یاد رکھو: خدا کا قانون ہمیشہ سچے فیصلے کرتا ہے کیونکہ اس کی ہر بات علم پر مبنی ہوتی ہے۔

۲۷ ان سے کہو کہ جن ہستیوں کو تم نے خدا کا شریک بنا کر اس کے ساتھ شامل کر رکھا ہے' ذرا بتاؤ تو سہی کہ ان کی حقیقت کیا ہے؟ یہ ہرگز نہیں بتا سکیں گے! (بتائیں بھی کیا' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ) ہر قسم کی قوتیں' اور تمام محکم تدبیریں' خدا اور صرف خدا کی ہیں۔ ان میں کوئی اور شریک ہو نہیں سکتا۔

۲۸ (جب کائنات کی یہ حالت ہے کہ اس میں تماماً و کماً لا خدا کا قانون چلتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کے ایک گوشے میں خدا کا قانون نافذ ہو اور دوسرے میں کسی اور کا۔ تو انسانی دنیا میں بھی یہی کیفیت ہونی چاہیئے کہ تمام انسان ایک ہی قانون کے تابع رہیں

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٩﴾ قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا
تَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٠﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ
الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ ۖ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ
اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ

یہ وجہ ہے کہ) ہم نے اے رسول! تمہیں تمام نوع انسان کی طرف اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ تم لوگوں کو بتاؤ کہ قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے نتائج کس قدر خوشگوار ہوں گے اور ان کی خلاف ورزی کرنے کے عواقب کس قدر الم انگیز نیز جو لوگ ان قوانین کی مخالفت میں آگے ہی آگے بڑھتے جائیں انہیں اس سے روکا جائے — یہ ہے وہ مقصد جس کے لئے حق و صداقت کے مسلک کے حاملین کو مجبوراً میدان جنگ میں آنا پڑتا ہے۔ (۳۴/۲۶)۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے (اور اعتراض کر دیتے ہیں کہ انبیاءؑ کرامؑ نے جنگ کیوں کی؟)۔

۲۹ اس کے بعد یہ تم سے پوچھیں گے کہ جس فیصلہ کن ٹکراؤ کی تم دھمکی دیتے ہو (۳۴/۲۶) اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ وہ کب واقع ہوگا؟

۳۰ ان سے کہدو کہ قانونِ خداوندی کی رُو سے اس کے لئے ایک مہلت کا وقفہ ہے جب وہ وقفہ پورا ہو جائے گا تو اس کے آنے میں ایک ثانیہ کا بھی آگا پیچھا نہیں ہوگا۔

۳۱ اس وقت ان مخالفین کی ہٹ دھرمی کی یہ حالت ہے کہ یہ نہایت منکرانہ انداز سے کہتے ہیں کہ ہم نہ اس قرآن کو مانتے ہیں اور نہ ہی اس تعلیم کو جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے خدا کی طرف سے آتی رہی ہے (اور جواب قرآن میں محفوظ کر دی گئی ہے) لیکن اگر تم ذرا چشمِ تصور کو کام میں لاکر اس منظر کو دیکھو جب یہ مخالفین گردن جھکائے اپنے خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے اور آپس میں جھگڑ رہے اور ایک دوسرے کی بات کی تردید کر رہے ہوں گے۔ عوام جو قوت میں کمزور تھے اپنے لیڈروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور اس دعوتِ حق و صداقت کو قبول کر لیتے۔

۳۲ اس کے جواب میں ان کے لیڈران سے کہیں گے کہ (تم خواہ مخواہ کی باتیں کیوں بنا رہے ہو؟) جب یہ ہدایت تمہارے سامنے آچکی تھی تو کیا ہم نے تمہیں اس کے قبول کرنے سے

عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ ۭ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ
وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۳۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ
مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۳۴ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ
وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝۳۵

روکا تھا' یا تم خود ہی مجرم تھے؟

۳۳ اس پر عوام ان لیڈروں سے کہیں گے کہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ تم نے ہمیں اس سے نہیں روکا تھا' اور ہم نے خود ہی اس سے انکار کیا تھا! تم رات دن اس قسم کی چالبازیاں اور فریب کاریاں کرتے رہتے تھے جن سے ہم اس صحیح راستے کے قریب تک نہ پھٹک سکیں۔ تم اس قسم کے قانون بناتے رہتے تھے جن سے ہم قوانین خداوندی سے انکار کرنے پر مجبور ہو جائیں اور اس کے احکام کے ساتھ دوسروں کے احکام کو شریک کریں (۳۲/۴۱)۔ (کیا اس کے بعد بھی تم یہی کہو گے کہ تم نے ہمیں اس راستے کی طرف آنے سے نہیں روکا تھا؟)۔

جب یہ لیڈر ایک طرف اپنے سامنے عذاب کو تیار دیکھیں گے اور دوسری طرف اپنے متبعین کی طرف سے اس قسم کی باتیں سنیں گے تو کوشش کریں گے کہ اپنی ندامت کو چھپائیں (لیکن ایسا کر نہیں سکیں گے)۔ ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر انہیں کشاں کشاں عذاب کی طرف لے جایا جائے گا) —— اور یہ سب کچھ ان کے اپنے اعمال کا بدلہ ہوگا۔

(یہ نقشہ اس دنیا میں بھی سامنے آئے گا جب یہ متکبرین' جنگ میں شکست خوردہ قیدیوں کی طرح کھڑے ہوں گے۔ اور اُخروی زندگی میں بھی)۔

۳۴ (یہ روش کچھ انہی اکابرین قریش سے مخصوص نہیں۔ یہ انداز شروع ہی سے چلا آرہا ہے) ہم نے جب بھی کسی قوم کی طرف اپنا پیغامبر بھیجا کہ وہ انہیں' ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرے' تو اس قوم کے دولتمند طبقہ نے' جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت اور تن آسانی کی زندگی بسر کرنے کا عادی تھا' اس (پیغامبر) سے صاف کہدیا کہ تم جو کچھ لیکر ہماری طرف آئے ہو' ہم اسے ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔

۳۵ ہمارے پاس اس قدر مال و دولت ہے۔ ہمارا جتھہ ایسا زبردست ہے۔ (جو کچھ ہمارے

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُم
بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي
الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿٣٨﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٣٩﴾

جی میں آئے ہم کریں) کس کی مجال ہے جو ہمارا بال تک بھی بیکا کر سکے؟

۳۶ یہی کچھ یہ لوگ بھی کہہ رہے ہیں۔ سو اے رسول! ان سے کہدو کہ تم مال و دولت کی اس فراوانی پر مت اتراؤ۔ رزق کی تنگی اور کشادگی' قانونِ خداوندی کے مطابق ہوتی ہے' لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے (اور سمجھتے ہیں کہ ہم جو نسی روش جی میں آئے اختیار کریں' ہمارے رزق میں کمی ہو نہیں سکتی)۔

۳۷ ان سے کہو کہ مال اور اولاد وہ سیڑھیاں نہیں جن پر چڑھ کر تم ہمارے ہاں بلند مراتب حاصل کر سکتے ہو۔ یہ تو اُسی کے حصّے میں آسکتے ہیں جو ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہوئے زندگی کو سنوارنے والے کام کرے۔ انہیں ان کے کاموں کا دوہرا اجر ملے گا ——— ایک معاشرہ کی خوشحالیاں۔ اور دوسرے ان کی اپنی ذات کی صلاحیتوں کی نشوونما ——— اسطرح یہ قوم' زندگی کی بھرپور خوشگواریوں کے ساتھ امن و سلامتی سے آگے بڑھتی' اور بلند ہوتی چلی جائے گی۔ (۲۵/۷۵)۔

۳۸ ان کے برعکس' جو لوگ اس کی کوشش کریں گے کہ اپنی مخالفت سے ہمارے قوانین کو بے بس کر دیں (تو یہ قوانین تو بے بس ہوں گے نہیں) وہ ضرور تباہ ہو جائیں گے۔

۳۹ ان سے ایک مرتبہ پھر کہہ دو کہ رزق کی تنگی اور کشادگی' خدا کے قانون سے وابستہ ہے۔ جو اُس قانون کا اتباع کرتا ہے' اسے وسعت اور کشادگی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو اس سے منہ موڑ لیتا ہے' اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے (۲۰/۱۲۴)۔

اور وہ قانون یہ ہے کہ جس قدر تم' نوعِ انسان کی عام پرورش اور نشوونما کے لئے کھلا چھوڑ دو گے اسی قدر تمہارے رزق میں وسعت اور کشادگی پیدا ہوتی جائیگی ——— جو سامانِ رزق دوسروں کی پرورش کے لئے دیدیا جائے' بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ وہ ہاتھ سے گیا۔ لیکن اس کا جانا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے خزاں کے موسم میں درختوں کے پتوں کا

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ
دُونِهِمْ ۖ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا
ضَرًّا ۚ وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ
قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ ۚ وَقَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ مُفْتَرًى ۚ وَ
قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٤٣﴾

جھڑ جانا' جس کے بعد ایک ایک پتے کی جگہ متعدد پتے' کونپلیں' اور شگوفے ابھرتے چلے آتے ہیں' اور سارے درخت پر نئی بہار آجاتی ہے (۳۶/۲)۔

اس سے تم نے اندازہ لگایا کہ جو رزق' قانونِ خداوندی کے مطابق ملتا ہے' وہ کس قدر بہتر ہوتا ہے؟

۴۰ جس وقت ان سب کو اکٹھا کیا جائے گا تو ملائکہ سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کیا کرتے تھے (اور تم نے ان سے ایسا کہا تھا؟)

۴۱ تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو اس سے بہت بلند ہے (کہ تیرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کیا جائے۔ باقی رہا یہ کہ ہم نے ان سے ایسا کہا ہو' تو یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟) ہمارا آقا اور سرپرست۔ کارساز و کارفرما' تو ہے' نہ کہ یہ۔ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ جنوں کی کرتے تھے' اور ان میں سے اکثر' انہی کو خدا بنائے ہوئے تھے[1]۔

۴۲ بہرحال اُس وقت تم میں سے کوئی بھی' ایک دوسرے کو نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھے گا۔ اور ہم ان لوگوں سے کہیں گے جو ہمارے قوانین سے سرکشی برتتے تھے کہ تم اس تباہی کے عذاب کا مزہ چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

۴۳ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے ہمارے قوانین پیش کئے جاتے ہیں

[1] جہالت کے زمانے میں انسان فطرت کی غیر مرئی قوتوں کی پرستش کرتا تھا۔ کوئی انہیں فرشتے کہتا۔ کوئی جنات سے تعبیر کرتا۔ انسانی علم نے اس قسم کی توہم پرستیوں کو تو دور کر دیا لیکن ان کی جگہ نئی قسم کی "توہم پرستیاں" آگئیں۔ آج کا مادہ پرست انسان خدا کو نہیں مانتا اور فطرت کی قوتوں کو اپنا "خدا" بنائے ہوئے ہے۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔ فطرت کی قوتوں کو اگر وحی کے قوانین کے تابع رکھا جائے تو وہ "ملائکہ" بن جاتی ہیں جو امن و سلامتی کے پیامبر ہیں۔ اگر انہیں سرکش اور آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ "جنات" ہو جاتی ہیں جو ہر طرف تباہی پھیلا دیتے ہیں۔ آج دنیا پر انہی "جنات" کا قبضہ ہے۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا
بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا
لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ
عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

جو بالکل واضح ہیں' تو یہ عوام کو یہ کہہ کر بھڑکاتے ہیں کہ یہ شخص چاہتا ہے کہ تمہیں اس مسلک پر چلنے سے روک دے جس پر تمہارے اسلاف چلتے آئے ہیں۔ (اور کہتا ہے کہ جس راستے کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں' وہ خدا کا مقرر کردہ ہے)۔ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں' جنہیں یہ شخص اپنے جی سے گھڑ لیتا ہے اور انہیں خدا کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔

یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے حق پیش کیا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ اور باطل ہے۔

۴۴ (ان سے پوچھو کہ تمہیں کس طرح معلوم ہو گیا کہ یہ وحی نہیں' میرا خود ساختہ جھوٹ ہے۔ اس لئے کہ نہ تم عقل و فکر سے کام لیتے ہو کہ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہو ——— تم تو اسلاف کی اندھی تقلید کرتے ہو ——— اور) نہ ہی' اس سے پہلے تمہاری طرف کوئی رسول آیا ہے جو خدا کی کتاب تمہیں دے گیا ہو اور تم اسے پڑھ کر اس نتیجہ تک پہنچے ہو کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ وحی نہیں۔ وحی کا انداز کچھ اور ہوتا ہے۔ پھر تم کس بنا پر کہتے ہو کہ یہ قرآن' منجانب اللہ نہیں)۔

۴۵ (اصل یہ ہے کہ یہ لوگ محض تعصب اور تقلید کی بنا پر اندھا دھند ایسا کہتے چلے جا رہے ہیں)۔ اسی طرح وہ لوگ بھی وحی کی تکذیب کرتے تھے جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ انہیں اس قدر سامانِ زندگی حاصل تھا جس کا عشر عشیر بھی انہیں حاصل نہیں۔ ان سے پوچھو کہ تمہیں معلوم ہے کہ اُن کا انجام کیا ہوا تھا؟ (جب وہ' اس قدر سامانِ زیست اور قوت و اقتدار کے باوجود' آخر الامر تباہ ہو گئے' تو تم کس طرح بچ جاؤ گے!)۔

۴۶ (اے رسول!) تم ان سے کہو کہ میں تم سے کوئی لمبی چوڑی بحث نہیں کرنا چاہتا' نہ ہی کوئی طول طویل لیکچر دینا چاہتا ہوں۔ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ

تم خدا کے لئے' ایک ایک' دو دو' کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ اور پھر سوچو!

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝

اگر تم نے ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا تو تمہیں نظر آجائے گا کہ یہ رسول (جو تمہیں دن رات اس قسم کی نصیحتیں کرتا رہتا ہے) کوئی پاگل نہیں۔ اس کی ہر بات علم و بصیرت پر مبنی ہے۔ اور اسی علم و بصیرت کی روشنی میں وہ تمہیں تمہاری غلط روش کے تباہ کن نتائج سے قبل از وقت متنبہ کر رہا ہے۔

۴۷ (وہ یہ سب کچھ محض تمہاری خیر خواہی کے لئے کر رہا ہے۔ اس میں اس کا اپنا کوئی مقصد پنہاں نہیں) وہ اس کے بدلے میں تم سے کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتا۔ اس کا معاوضہ اُسے اُسکے خدا کے ہاں سے ملے گا — وہ خدا جس کی چشم نگراں کے سامنے سب کچھ ہے۔

۴۸ ان سے کہدو کہ میرے پروردگار کا نظام ایسا ہے کہ اس میں حق اور باطل کا باہمی ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے (جس میں 'حق' باطل کا مر توڑ کر' فاتح و منصور آگے بڑھ جاتا ہے۔ (۲۱/۱۸)۔ اس لئے کہ خدا خوب جانتا ہے کہ حق میں کس قدر بے پناہ قوتیں پوشیدہ ہیں۔

۴۹ اب وہی حق نکھر کر میدان میں آگیا ہے۔ تمہاری باطل کی قوتیں اس کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکیں گی — وہ پہلے حملے میں بھی شکست کھائیں گی اور اس کے بعد بھی جب لوٹ کر آئیں گی' منہ کی کھائیں گی۔ اب باطل کا دور گیا (۱۷/۸۱)۔

۵۰ حق و باطل کے اس معرکہ میں' اگر مجھے کسی مقام پر کچھ نقصان اٹھانا پڑتا ہے (۳۹/۱۳) تو وہ میری (یا میرے ساتھیوں کی کسی) تدبیری غلطی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (یہ نہیں ہوتا کہ اُس وقت باطل حق پر غالب آجاتا ہے)۔ اور جب میں صحیح روش پر چلا جاتا ہوں' تو وہ اس وحی کی رو سے ہوتا ہے جو مجھے میرے نشو و نما دینے والے کی طرف سے ملتی ہے۔ وہ ہر بات کا سننے والا اور ہر ایک کے قریب ہے۔

لہ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ کے بالعموم یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ 'تم سمجھ رہے ہو کہ میں غلط راستے پر چل رہا ہوں' اگر بفرض محال یہ صحیح ہے تو اس کا خمیازہ مجھے ہی بھگتنا پڑے گا۔ تمہیں اس سے کچھ نقصان نہیں ہوگا'۔ لیکن اس مفہوم سے آیت کے اگلے حصے کے ساتھ کوئی ربط نہیں رہتا کیونکہ اس سے پوری آیت کا مفہوم یوں ہو جاتا ہے کہ

اگر' جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو' میں غلط راستے پر ہوں تو اس کا نقصان مجھے ہی اٹھانا پڑیگا۔

(بقیہ اگلے صفحے پر)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ
مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ
بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

(۶ ع ۹ ۱۲)

۵۱ (بہرحال' اگر اتنا کچھ کہنے سننے کے بعد بھی یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہیں آئیں گے تو پھر وہ فیصلہ کن انقلاب ان کے سامنے آجائے گا)۔ اُس وقت' یہ ہزار مضطرب و بیقرار ہوں' وہ ان سے ٹلیگا نہیں' بلکہ ان کے قریب آکر (خود مکہ کی گلیوں میں) انہیں پکڑ لے گا۔

۵۲ اسوقت یہ کہیں گے کہ ہم قوانین خداوندی پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن' اپنی غلط روش پر اسقدر دور نکل جانے کے بعد — جب اسکے نتائج سامنے آن کھڑے ہوں — ایمان کا پالینا کیسے ممکن ہوگا!

۵۳ اس لئے کہ یہ اس سے پہلے (جب ایمان کارآمد ہو سکتا تھا) انکار اور مخالفت کی راہ میں بغیر دیکھے بھالے اندھیرے میں تیر چلاتے رہے۔ اور اس طرح صحیح راستے سے دور ہٹتے چلے گئے۔

۵۴ اب ان کے اور ان کے اُن مقاصد کے درمیان' ایک روک حائل ہو جائے گی جن کی خاطر یہ اتنی مخالفت کیا کرتے تھے۔ یعنی وہ مقاصد انہیں حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ اسی طرح' جس طرح ان سے پہلے لوگوں کی صورت میں ہوا۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ' ہمارے قوانین کی صداقت کے متعلق شک و شبہ میں رہے' اور اس طرح ان کا سینہ اضطراب پیہم کی آماجگاہ بنا رہا۔ وہ یقین کی دولت سے مالا مال نہ ہوا۔ (اسی کا اب یہ انجام ہے)۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۰۰۱) تمہارا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا۔ لیکن اگر میں صحیح راستے پر ہوں تو یہ اس وحی کی بنا پر ہے جو خدا میری طرف بھیجتا ہے۔

علاوہ بریں حضورؐ کا ان لوگوں سے ارشاد یہ تھا کہ تم میرے راستے پر چلو۔ نقصان سے بچ جاؤ گے۔ وہ کہتے تھے کہ تم غلط راستے پر چل رہے ہو اس لئے ہم تمہارے ساتھ نہیں چلنا چاہتے۔ اب' ان سے یہ کہنا کہ اگر میں غلط راستے پر ہوں تو اس سے میرا ہی کچھ نقصان ہوگا' تمہارا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا' درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب وہ بھی اُسی غلط راستے پر چلیں گے تو اس سے ان کا بھی تو نقصان ہوگا۔

بنا بریں' وہ مفہوم زیادہ قابل قبول نظر آتا ہے جو اوپر (متن میں) بیان کیا گیا ہے۔ اس پر یہ اعتراض عائد ہو سکتا ہے کہ اس سے حضورؐ سے غلطی سرزد ہونے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ لیکن حضورؐ کے اس قسم کے معمولی سے تدبیری اسقام کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے (مثلاً ۹/۴۳)۔ اس لئے' اس سے حضورؐ کی شانِ اقدس پر کسی قسم کا حرف نہیں آتا۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲

---

۱ قابل حمد وستائش ہے وہ ذاتِ خداوندی (ج) جو تمام سلسلۂ کائنات کو عدم سے وجود میں لائی ہے۔ اس نے کائناتی قوتوں کو اپنی اسکیموں (تدبیروں) کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے۔ ان میں سے کئی قوتیں، دو دو، تین تین، چار چار خواص رکھتی ہیں۔ وہ سلسلۂ کائنات کو ایک بار وجود میں لاکر معطل ہو کر نہیں بیٹھ گیا۔ وہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق کائناتی تخلیق میں نت نئے اضافے کرتا رہتا ہے۔ اس نے ہر شے کے لئے پیمانے (قوانین) مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق وہ کام کرتی ہے۔ اسے ان پر پورا پورا کنٹرول حاصل ہے۔

۲ وہ اپنے اس کائناتی نظام کی رو سے، نوع انسان کی ربوبیت (پرورش اور نشوونما) کا بھی سامان مہیا کرتا ہے۔ وہ اس سامان میں سے جس چیز کا دروازہ کھول دے، تو کوئی قوت ایسی نہیں جو اسے بند کر سکے۔ اور جس چیز کا دروازہ بند کر دے تو کوئی ایسا نہیں جو اس کے بعد اسے انسانوں تک پہنچا سکے۔ وہ بڑی قوت اور غلبہ کا مالک ہے۔ لیکن وہ اپنی قوتوں کو اندھا دھند صرف میں نہیں لاتا۔ اس کی ہر تدبیر حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ
عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

۳ سو اے نوعِ انسان! تم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو یاد رکھو اور سوچو کہ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں زمین اور آسمان سے سامانِ رزق عطا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں کسی اور کا قانون اور اقتدار کارفرما نہیں۔ اس لئے اطاعت اور محکومیت اس کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔

ان سے پوچھو کہ تم ایسی واضح حقیقت کو چھوڑ کر کس طرف بھٹکے ہوئے جا رہے ہو؟

۴ لیکن یہ مخالفین، ایسے واضح دلائل کے باوجود تمہاری تکذیب کرتے ہیں، تو تمہیں اس پر افسردہ خاطر نہیں ہونا چاہئے۔ تم سے پہلے جتنے رسول گزرے ہیں ان کی بھی اسی طرح تکذیب ہوتی رہی ہے —— لیکن ان کی تکذیب سے کیا ہوتا ہے؟ یہاں ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے ہوتا ہے۔

۵ لہٰذا تم نوعِ انسان کو پکار کر کہہ دو کہ خدا کا قانونِ مکافات ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے، اسی طرح واقع ہو کر رہے گا۔ تمہیں طبیعی زندگی کے پیش پا افتادہ مفاد، فریب میں نہ رکھیں۔ اور نہ ہی مفاد پرست گروہ، اس قانون کے بارے میں، اپنی چالبازیوں سے دھوکا دے جائے۔ (تمہارے اپنے جذبات بھی تمہیں یہی کہیں گے کہ کہاں کا خدا، اور کونسا اس کا قانون۔ دنیا کا سلسلہ ایسے ہی چلا آ رہا ہے۔ تم، جس طریق سے بھی ہو سکے، اپنے مفاد حاصل کرو۔ اور اس کی تائید دوسرے مفاد پرست لوگ بھی کریں گے)۔

۶ لیکن یاد رکھو! وہ جذبات، جنہیں قانونِ خداوندی کے تابع نہ رکھا جائے، اور وہ لوگ جو تمہیں اس طرح مفاد حاصل کرنے کی ترغیب دیں، سب تمہارے دشمن ہیں۔ سو انہیں اپنا دشمن ہی سمجھو۔ یہ وہ شیاطین ہیں جو اپنی پارٹی کو تباہیوں کے جہنم کی طرف بلاتے رہتے ہیں۔

۷ تم اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرو کہ جو لوگ قوانین خداوندی سے انکار کرتے ہیں،

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ
نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٨﴾ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ
إِلَىٰ بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ النُّشُورُ ﴿٩﴾

ان کے لئے سخت تباہیاں ہوں گی۔ اور جو لوگ ان قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں گے اور خدا کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوں گے ان کے لئے سامانِ حفاظت ہوگا اور ان کی سعی و عمل کا بہت بڑا بدلہ۔

۸ سو جب ہمارا قانون یہ ٹھہرا — اور قانون بھی ایسا محکم جس میں کبھی ردوبدل ہو نہیں ہو سکتا تو وہ کہ غلط راستے پر چلنے والے کو محض اس لئے صحیح راستے پر سمجھ لیا جائے کہ اس کے مفاد پرستانہ جذبات اسے اس کی روش کو نہایت خوشنما بنا کر دکھاتے ہیں اور وہ ان کے فریب میں آکر یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ اس کی راہ فی الواقعہ بڑی حسین راہ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ صحیح راستے کا معیار یہ نہیں کہ اس راستے پر چلنے والا اسے بزعم خویش صحیح سمجھتا ہے۔ صحیح اور غلط راہ ہدایتِ خداوندی نے متمیز کر کے رکھ دی ہے)۔ اب جس کا جی چاہے صحیح راستہ اختیار کر لے۔ جو چاہے غلط راہ پر چل نکلے۔

(لہٰذا جب غلط راستے پر چلنے والے اس راہ کو اپنی مرضی سے اختیار کرتے ہیں بعد اس کے کہ صحیح اور غلط راستے ان کے سامنے نمایاں طور پر آچکے ہوتے ہیں) تو اے رسول! تم ان لوگوں کی خاطر اپنی جان کیوں گھلاتے ہو جو غلط راستے پر چل کر اپنے لئے تباہیاں مول لیتے ہیں۔ اللہ ان کے ساختہ پرداختہ سے خوب واقف ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ (ان کے خود وضع کردہ نظام سے انہیں زندگی نہیں مل سکتی)۔

۹ (زندگی خدا کے قانون کے مطابق چلنے ہی سے مل سکتی ہے۔ اس قانون کی کارفرمائیاں تم خارجی کائنات میں ملاحظہ کر سکتے ہو۔ مثلاً تم دیکھو کہ) وہ ہواؤں کو ایک رخ پر چلاتا ہے۔ وہ سمندر کے بخارات کو بادل کی شکل میں اوپر لے جاتی ہیں۔ پھر ہم اس بادل کو ان مقامات کی طرف ہانک کر لیجاتے ہیں جن میں زندگی کی نمود نہیں ہوتی۔ وہاں جب بارش ہوتی ہے تو زمینِ مُردہ ازسرِ نو زندہ ہو جاتی ہے۔

انسانوں کو حیاتِ تازہ بھی اسی قانون کے مطابق مل سکتی ہے (یعنی وحی کے سحابِ کرم سے سیراب ہونے کے بعد — اس دنیا میں بھی اور اُخروی زندگی میں بھی)۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

۱۰ لہٰذا' جو قوم' قوت اور غلبہ' عزت و تکریم کی حیات تازہ سے بہرہ اندوز ہونا چاہتی ہے' اسے سمجھ رکھنا چاہیے کہ غلبہ اور قوت سب' قوانینِ خداوندی کے اتباع سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اس بنیادی حقیقت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ عروج اور ارتقا — بلندیوں کی طرف جانے — کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں — ایک تو ایسا تصورِ حیات یا نظریۂ زندگی (آئیڈیالوجی) جس میں بڑھنے' پھولنے' پھلنے اور خوشگوار نتائج پیدا کرنے کی صلاحیت ہو۔ اور دوسرے وہ صلاحیت بخش اعمال جو اس نظریہ کو اوپر اٹھائیں۔ (خدا کی طرف سے عطا کردہ نظریۂ زندگی میں اس کی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ بغیر کسی خارجی سہارے کے' خود بخود بلند ہوتا چلا جائے۔ لیکن اس کی یہ رفتار انسانی حساب و شمار کی رو سے بہت سست ہوتی ہے۔ جب انسانی اعمال' اسے سہارا دیتے ہیں تو اس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے)۔

اس کے برعکس' جو لوگ غلط نظریۂ حیات اختیار کر کے ایسی تدابیر کرتے رہتے ہیں جن سے انسانی معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہوتی جائیں' ان کی یہ تدبیریں بھی ناکام رہ جاتی ہیں' اور وہ خود بھی تباہی کے جہنم میں جا گرتے ہیں۔

۱۱ صحیح نظریۂ حیات' صلاحیت بخش اعمال کے زور پر کس طرح اوپر کو اٹھتا ہے' اس کی جیتی جاگتی مثال خود تمہاری اپنی زندگی ہے۔ خدا نے' اپنے قانونِ تخلیق کے مطابق' تمہاری پیدائش کی ابتدا' جمادات سے کی۔ پھر وہ' ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی' اس منزل میں جا پہنچی جہاں پیدائش' بذریعہ توالد و تناسل ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ایک ہی نوع' دو حصوں (نر و مادہ) میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ان دونوں کے امتزاج سے' قانونِ خداوندی کے مطابق' رحم میں حمل قرار پاتا ہے' اور اسی کے مطابق جنین کی پیدائش ہوتی ہے۔ اس کے بعد کون کتنی لمبی عمر تک جیتا ہے' اور کس کی عمر میں کمی ہو جاتی ہے' یہ بھی خدا کے مقرر کردہ قانون طبیعی کے مطابق ہوتا ہے۔ (اگر قوانین طبیعی کے مطابق زندگی بسر کی جائے تو عمر بڑھ جاتی ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا
وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾
يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ
اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ

ان کی خلاف ورزی کی جائے تو عمر گھٹ جاتی ہے۔ (۳۵/۱۱)۔
اور یہ سب کچھ بلا وقت ہوتا چلا جاتا ہے۔ (اس لئے کہ خدا کے اس قانونِ ارتقاء (کلم) میں بڑھنے اور بلند ہونے کی استعداد ہے' اور صلاحیت بخش پروگرام اسے اوپر اٹھائے چلا جاتا ہے)۔

۱۲ ان کی زندگی سے باہر خارجی کائنات میں دیکھو' تو وہاں بھی اسی طرح مختلف اسکیمیں کارفرما نظر آئیں گی۔ زمین کے نیچے' پانی کی رویں چلتی ہیں۔ ایک جگہ کنواں کھودیئے تو اسکا پانی نہایت شیریں' اور خوشگوار ہوتا ہے۔ دوسرے کنویں کا پانی سخت کھاری اور کڑوا ہوتا ہے۔ دونوں کا پانی ایک جیسا نہیں ہوتا۔ (یا میٹھے اور کھارے پانی کے دریا ساتھ ساتھ بہے چلے جاتے ہیں۔ (۲۵/۵۳)۔ انہی میں سے زندہ اور تازہ مچھلیاں نکلتی ہیں جو تمہاری خوراک کا کام دیتی ہیں۔ اور انہی میں سے موتی نکلتے ہیں جنہیں تم زیبائش کے لئے پہنتے ہو۔
پھر تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ کس طرح سینۂ بحر کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم ان کے ذریعے تلاش معاش کر سکو' اور تمہاری کوششیں بھرپور نتائج کی حامل ہوں۔

۱۳ پھر تم ذرا دن اور رات کی گردش کو دیکھو کہ کس طرح رات کے پردے سے دن نمودار ہوتا ہے اور دن کے اندر چپکے ہی چپکے رات کی تاریکیاں گھس آتی ہیں۔ اور سورج اور چاند کو دیکھو کہ وہ کس طرح قانونِ خداوندی کی زنجیروں میں جکڑے' ایک مدتِ معیّنہ کے لئے رواں دواں چلے جا رہے ہیں۔
یہ ہے وہ اللہ جس کا قانون واقتدار تمام کائنات میں کارفرما ہے' اور اس نے تمہارے لئے سامانِ ربوبیت (پرورش کا سامان) عطا کر رکھا ہے۔ تم جن ہستیوں کو اس کے سوا صاحب اقتدار و اختیار سمجھتے ہو' وہ ذرہ بھر بھی اختیار و اقتدار نہیں رکھتیں۔

۱۴ وہ پتھر کے بت ہوں یا زمین میں دفن شدہ مُردے۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری

وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝۱۴ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ
اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۱۵ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۶ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۱۷ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا
قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى
اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸

پکار کو سن نہیں سکتے۔ اور اگر بفرض محال وہ اسے سن بھی لیں تو وہ اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ یہ (زندہ اور مردہ بزرگ، جنہیں تم خدائی اختیارات میں اس کا شریک سمجھتے ہو)۔ قیامت میں صاف کہدیں گے کہ انہوں نے کبھی نہیں کہا تھا کہ انہیں خدا کا شریک بنالیا جائے۔

اے رسول! اس قسم کی باتیں تمہیں صرف خدا کی طرف سے بذریعہ وحی معلوم ہو سکتی تھیں اس کے علاوہ کوئی ذریعہ ایسا نہ تھا جو تمہیں ایسی باتیں بتا سکتا۔

۱۵ تم ان لوگوں سے کہدو کہ تم تو اپنی پرورش اور زندگی کے لئے ایک ایک سانس میں خدا کی مدد کے محتاج ہو۔ لیکن خدا تمہارا محتاج نہیں۔ اس کا سلسلۂ کائنات، بلا کسی کی مدد کے، از خود، بایں حسن و خوبی چلا جا رہا ہے اور ایسے نتائج مرتب کرتا ہے جنہیں دیکھ کر ہر ایک کی زبان پر بے ساختہ، زمزمۂ تبریک و تحسین آجائے۔

۱۶ اس کا تم لوگوں کا محتاج ہونا تو ایک طرف، اس کی قوتوں اور تمہاری بے بسی کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمہارا (پوری نوع انسان کا) سلسلہ ختم کر دے اور تمہاری جگہ یہاں ایک نئی مخلوق پیدا کر دے۔

۱۷ اور یہ بات اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔

۱۸ (لہذا، تم ہمارے قانون مکافات کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو اور اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ جن، زندہ اور مردہ، انسانوں کو تم اپنا کارساز اور کارفرما سمجھتے ہو، وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ ہمارے قانونِ مکافات کے مطابق) کوئی بوجھ اٹھانے والا، کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر کوئی شخص اپنے اعمال کے بوجھ کے نیچے بری طرح دب رہا ہو اور کسی اور کو بلائے کہ وہ اس کا کچھ بار بٹالے، تو کوئی شخص ایسا نہیں کر سکے گا، خواہ وہ اس کا کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو۔ (یہ ہے ہمارا قانونِ مکافات۔ اب تم خود ہی سوچو کہ اگر تم غلط روش پر چلو گے تو تم

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسْتَوِي
الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾

اس کے تباہ کن نتائج سے کسی طرح بھی بچ سکو گے؟)۔
لیکن اس تنذیر سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو قانونِ مکافات کے اَن دیکھے نتائج' اور زندگی کی ان غیر مرئی حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہوں جن کی رُو سے اعمال کے نتائج سامنے آتے ہیں —— اس دنیا میں یا اس کے بعد کی زندگی میں —— اور اس طرح اپنے غلط اعمال کے عواقب سے ڈرتے ہیں۔ اس سے بچنے کے لئے وہ نظام صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں (اور نوعِ انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچاتے ہیں' اور یہ جانتے ہیں کہ) جو دوسروں کی نشوونما کرتا ہے اس سے خود اس کی اپنی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ اور ان کے تمام معاملات قانونِ خداوندی کے مطابق طے پاتے' اور تکمیل پذیر ہوتے ہیں' اور وہی ان کی آخری پناہ گاہ ہوتا ہے۔

۱۹ (اب یہ دونوں گروہ تمہارے سامنے آ گئے۔ ایک وہ جو وحیٔ خداوندی کی روشنی میں زندگی کے صحیح راستے پر چلتا ہے۔ اور دوسرا وہ جو اپنی مفاد پرستیوں کے لئے غلط راستہ اختیار کرتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ دونوں گروہ' مآل اور نتائج کے اعتبار سے' برابر ہوں گے؟ اس کا جواب دینے سے پہلے یہ بتاؤ کہ) کیا اندھا اور آنکھوں والا' دونوں برابر ہوتے ہیں؟

۲۰ کیا تاریکی اور روشنی ایک جیسی ہوتی ہے؟

۲۱ کیا دھوپ اور سایہ یکساں ہوتے ہیں؟

۲۲ یا' کیا مردہ اور زندہ برابر ہوتے ہیں؟
اگر یہ برابر نہیں ہوتے (اور کبھی نہیں ہوتے) تو وہ دونوں گروہ بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ (۱۱/۲۴ ؛ ۱۳/۱۶-۱۹)۔
(لیکن ایسے واضح دلائل کے بعد بھی یہ لوگ صحیح راستے پر نہیں آئیں گے۔ اس لئے کہ) خدا کا قانون یہ ہے کہ بات اس کو سنائی دیتی ہے جو اسے سننا چاہے۔ تو قبروں کے مردوں کو کسی طرح بھی نہیں سنا سکتا۔

۲۳ تو صرف غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر سکتا ہے۔ (لیکن تمہاری یہ تنبیہ اس لئے کارآمد ہو گی جس میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہو گی ۳۶/۷۰)۔ مردے اس سے کیا فائدہ اٹھائیں گے؟)۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۖ فَكَيْفَ كَانَ
نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ ع ۳ ۱۲ ۱۵
وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۗ اِنَّمَا
يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

---

۲۴ ہم نے تجھے اس حق و صداقت کی حامل کتاب کے ساتھ بھیجا ہی اس لئے ہے کہ تو لوگوں کو صحیح اور غلط روشِ زندگی کے خوشگوار اور تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دے —— اور یہ بات بھی کوئی نئی نہیں۔ دنیا میں کوئی قوم بھی ایسی نہیں گذری جس میں تمہارے جیسے آگاہ کرنیوالے نہ آئے ہوں۔

۲۵ اور اس کے ساتھ ہی کوئی قوم ایسی بھی نہیں گذری جس نے ان آگاہ کرنے والوں کو جھٹلایا نہ ہو۔ لہٰذا نہ تمہارا ان کی طرف آنا کوئی نئی بات ہے اور نہ ہی ان کا تمہیں جھٹلانا کوئی انوکھا واقعہ۔ اقوامِ سابقہ کے پاس ان کے رسول واضح دلائل۔ اخلاقی صحائف اور روشن اور تابناک قانون و ضوابط لے کر آئے۔ (لیکن انہوں نے ان کی ایک نہ مانی)۔

۲۶ انہوں نے نہ مانی تو ہمارے قانونِ مکافات نے انہیں پکڑ لیا —— پھر پوچھو تاریخ کے اوراق سے کہ ہماری یہ گرفت کیسی تھی!

۲۷ (سعادتمند اور صحیح الدماغ لوگوں کو اس سے تعجب ہوتا ہے کہ لوگ اس قسم کی منفعت بخش واضح اور بصیرت افروز تعلیم کی مخالفت کیوں کرتے تھے (اور کیوں کرتے ہیں)۔ لیکن یہ بات کچھ ایسی تعجب انگیز نہیں۔ لوگوں کی ذہنیتوں اور طبیعتوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ اور یہ اختلاف تمہیں ہر جگہ نظر آئے گا۔ لیکن وحی کے اتباع سے یہ اختلاف مٹ جاتا ہے)۔

ذرا غور کرو کہ بادلوں سے ایک جیسا پانی برستا ہے لیکن اس سے مختلف انواع و اقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ (یہ نہیں ہوتا کہ سب پھل اور فصلیں ایک جیسی ہوں)۔

اور پہاڑوں کو دیکھو کہ ان کا مادۂ تخلیق ایک ہی تھا لیکن ان میں مختلف رنگوں کے خطے ہیں —— کوئی سفید۔ کوئی سُرخ۔ کوئی کالا بھجنگ۔

۲۸ اسی طرح انسان، دیگر حیوان اور مویشی بھی مختلف قسموں کے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً
لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ
الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ

صحیفۂ فطرت کے یہ اوراق جو قوانینِ خداوندی کی زندہ شہادات ہیں سب کے سامنے کھلے رہتے ہیں لیکن ان قوانین کی عظمت کے سامنے وہی لوگ جھکتے ہیں جو ان شہادات پر علم و بصیرت سے غور و فکر کرتے ہیں۔ یہی لوگ "علماء" کہلانے کے مستحق ہیں اور یہی جان سکتے ہیں کہ خدا کا قانون کس قدر غلبہ کا مالک ہے اور جو اس کے مطابق چلتا ہے وہ اسے کس قدر سامانِ حفاظت عطا کرتا ہے۔

۲۹ (اشیائے کائنات میں اختلاف ان چیزوں کا خود پیدا کردہ نہیں۔ نظامِ فطرت کا پیدا کردہ ہے جس کے سامنے وہ اشیاء مجبور ہیں۔ لیکن انسانوں کا اختلاف اِن کا خود پیدا کردہ ہے۔ اس لئے ان پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور جو جس روش کو اختیار کرتا ہے اس کا نتیجہ اس کے سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ) جو لوگ قوانین خداوندی کا اتباع کرتے ہیں۔ نظامِ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ اور جو کچھ خدا نے انہیں عطا کیا ہو —— وہ ان کی مضمر صلاحیتیں ہوں یا محنت کا ساحصل —— اسے نوعِ انسان کی عام ربوبیت (نشوونما) کے لئے کھلا رکھتے ہیں —— سب کے سامنے بھی اور عند المصلحت پوشیدہ بھی —— یہ وہ لوگ ہیں جو ایسی تجارت کرتے ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہو سکتا۔ ($\frac{9}{111}$ ؛ $\frac{61}{10}$ ؛ $\frac{62}{11}$)۔

۳۰ اس تجارت میں انہیں، نہ صرف ان کی محنت کا پورا پورا معاوضہ ملتا ہے بلکہ بفضلِ ایزدی اس سے زیادہ اور بہت کچھ ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ قانونِ خداوندی کا اتباع کرتے ہیں، وہ ہر قسم کی تخریب سے محفوظ بھی رہتے ہیں اور انہیں ان کی محنت کے بھرپور نتائج بھی ملتے ہیں۔

۳۱ یہ وہ قانون ہے جسے ہم نے تیری طرف بذریعہ وحی بھیجا ہے۔ یہ سرتاپا حق و صداقت پر مبنی ہے اور اس تمام تعلیم کو عملاً سچ کر دکھانے والا ہے جو اس سے پہلے انبیاء سابقہؑ کی وساطت سے آتی رہی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ یہ قانون اُس خدا کی طرف سے آیا ہے جو اپنے بندوں کے تمام تقاضوں سے باخبر اور ان کے حالات سے واقف ہے۔

۳۲ (اس کتاب (قرآن) میں وہ سب کچھ آگیا ہے جو انسانوں کی راہ نمائی کے لئے ضروری ہے

اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ۖ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ
ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ
وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِي
أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ ۖ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ

اس لئے اب وحی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد کرنا صرف یہ ہوگا کہ انسانی معاشرہ کو اس تعلیم کے مطابق متشکل کیا جائے۔ اس کام کے لئے ایک جماعت (اُمّت) کی ضرورت ہوگی)۔ یہ امت منتخب کر لی گئی ہے (۴۳/۲ ؛ ۳۵/۹) اور اُس کے سپرد اس کتاب کو کر دیا گیا ہے۔

لیکن اس اُمّت کی یہ حالت ہوگی کہ ان میں سے کچھ تو' قرآن کے مطابق عمل کرنے میں آگے بڑھ جائیں گے۔ کچھ میانہ روی اختیار کریں گے۔ اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اسے چھوڑ کر اپنے آپ پر ظلم کریں گے۔ جو آگے بڑھ جائیں گے' وہ بلند مدارج کے مستحق ہوں گے۔

۳۳ وہ ایک ایسا معاشرہ قائم کریں گے جس میں ان کے لئے خوشگواریاں اور سرداریاں ہوں گی۔ ایسی سرداریاں جن کے نشان' سونے اور جواہرات کے کنگن اور حریر و اطلس کے ملبوسات ہوں گے۔ (۲۲/۲۳)۔

۳۴ وہ زندگی کی ان شادابیوں اور سرفرازیوں کو دیکھ کر والہانہ طور پر پکار اٹھیں گے کہ کس قدر درخورِ حمد و ستائش ہے خدا کا یہ نظام جس نے ہماری تمام پریشانیوں اور افسردگیوں کو دور کر دیا اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہ نظام' تخریبی عناصر سے حفاظت کا سامان بھی اپنے اندر رکھتا ہے اور محنتوں کے بھرپور نتائج بھی عطا کرتا ہے۔

۳۵ یہ اس نظام کی برکات ہیں کہ ہمیں ایسا معاشرہ نصیب ہو گیا جس میں نہ کوئی جگر پاش مشقت ہے' اور نہ ذہنی کاوش اور نفسیاتی افسردگی۔ (نہ اس میں ضروریاتِ زندگی کے لئے مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں (۲۰/۱۱۸)' اور نہ ہی باہمی معاملات میں ایسا الجھاؤ پیدا ہوتا ہے جس سے انسان خواہ مخواہ پریشان ہو جائے)۔

(یہ کیفیت اس دنیا کے قرآنی معاشرہ میں بھی ہوگی' اور اُخروی زندگی کی جنت میں بھی)۔

۳۶ ان کے برعکس' جو لوگ اس نظام کی مخالفت کرتے ہیں' ان کے لئے تباہ کن عذاب ہے۔

جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ
يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۚ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ
مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۚ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ

ایسا عذاب جس میں ان کی حالت یہ ہوگی کہ نہ تو ان کا کام تمام ہوگا کہ وہ مر کر عذاب سے چھٹکارا پا جائیں۔ اور نہ ہی ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی کہ انہیں کچھ چین مل جائے۔ (۱۴/۱۷ ؛ ۲۰/۷۴ ؛ ۸۷/۱۳)۔

اور یہ بات کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں۔ یہ ہمارا غیر متبدل قانون ہے کہ جو قوم بھی غلط راستہ اختیار کرتی ہے' اس کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔

۳۷ یہ وہاں مدد کے لئے چیخیں چلائیں گے' اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ایک بار یہاں سے نکال دے۔ پھر دیکھ کہ ہم کس طرح اپنی سابقہ روش کے خلاف' تیرے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اچھے کام کرتے ہیں۔

ان سے کہا جائے گا کہ کیا تمہیں اتنی عمر نہیں دی گئی تھی کہ تم میں سے جو ہمارے قانون کے مطابق' نصیحت حاصل کرنا چاہتا' وہ اس کے لئے کافی ہو جاتی؟ اور پھر تمہارے پاس وہ رسول بھی آ گیا تھا جو تمہیں پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ تمہاری روش تمہیں تباہی کے جہنم کی طرف لیجائیگی۔ لیکن تم نے اس کی ایک نہ مانی۔ سو اب تم اپنے اعمال کے نتائج بھگتو۔ اب کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا' اس لئے کہ ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔

(ان کی یہ حالت اس دنیا میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی)۔

۳۸ یہ اس لئے ہوگا کہ خدا کے قانونِ مکافات کی زد سے کوئی چیز باہر نہیں رہ سکتی۔ وہ جس طرح' کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں چھپی ہوئی ہر بات کا علم رکھتا ہے' اسی طرح انسانوں کے دل کی گہرائیوں میں پوشیدہ خیالات تک سے بھی واقف ہے۔

۳۹ وہ اسی قانونِ مکافات کی رُو سے' ایک قوم کو دوسری قوم کا جانشین بناتا ہے۔ (جس قوم میں زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں رہتی' اسے الگ کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ وہ قوم آجاتی ہے جو عمدہ صلاحیتوں کی مالک ہوتی ہے)۔ سو جو قوم' اس کے قوانین سے انکار

وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾ قُلْ
أَرَءَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ
فِي السَّمٰوٰتِ ۖ أَمْ ءَاتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ إِن يَعِدُ الظّٰلِمُونَ بَعْضُهُم بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾
إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَن تَزُولَا ۚ وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ
كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾

کر کے اپنی خود ساختہ روش پر چل نکلتی ہے اُسے اس کے تباہ کن نتائج بھگتنے پڑتے ہیں
یاد رکھو! صحیح روش سے انکار کا نتیجہ اس کے سوا کچھ اور ہو نہیں سکتا کہ وہ قوم انعاماتِ خداوندی سے محروم رہے۔ چنانچہ جوں جوں وہ قوم اس روش میں آگے بڑھتی جاتی ہے' اس کے نقصانات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

۴۰ ان غلط روش پر چلنے والوں سے کہو کہ تم لوگ اقتدارِ خداوندی کے ساتھ جن دوسری ہستیوں کے اقتدار و اختیار کو شریک کرتے ہو' ذرا بتاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے' یا آسمانوں میں وہ کونسا شعبہ ہے جس میں وہ خدا کے شریک کار ہیں؟ یا کیا ہم نے ان کی طرف کوئی ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ تم خدا کے ساتھ ان قوتوں کو شریک سمجھو۔
بات ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ حقوقِ انسانیت میں کمی کرنے والے مفاد پرست لوگ' ایک دوسرے سے کہتے رہتے ہیں کہ (تم ضابطۂ خداوندی کا خیال چھوڑو اور اپنی مصلحت کے مطابق کام کرو۔ تم یوں کرو گے تو یہ حاصل ہو گا اور وہ)۔ حالانکہ یہ سب دھوکا ہی دھوکا ہوتا ہے۔

۴۱ اس لئے کہ جو کچھ ہوتا ہے قانونِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور کسی میں اتنی قوت نہیں کہ اس کے قوانین کے نتائج میں ذرا سا بھی رد و بدل کر سکے۔ اس کے قوانین کے غلبہ و قدرت کو دیکھنا ہو تو خارجی کائنات پر نگاہ ڈالو' اور دیکھو کہ اس نے اس قدر عظیم الجثہ اجرامِ فلکی کو' جن میں خود زمین بھی شامل ہے' کس طرح اپنے قوانین کی زنجیروں میں یوں جکڑ رکھا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے مقام سے بال برابر اِدھر اُدھر نہیں ہٹتا۔ اگر ان میں سے کوئی اپنے مقام سے ہٹ جائے' تو کوئی قوت ایسی نہیں جو اسے پھر اس کے اصلی مقام پر لیجائے۔ اتنی بڑی قوتوں کا سالک ہے وہ خدا جو ساری کائنات کی حفاظت کر رہا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ
مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۚ
فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ
تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ
قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَىْءٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ۚ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ

---

۴۲ یہ لوگ جو اس وقت' قوانین خداوندی کی مخالفت کرتے ہیں' بڑھ بڑھ کر خدا کی قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اگر ان کی طرف خدا کا کوئی پیغامبر آجائے تو وہ اس طرح سیدھے راستے پر چل کر دکھائیں جس کی مثال دنیا کی کوئی اور قوم پیش نہ کر سکے —— لیکن جب ان کے پاس خدا کا پیامبر آیا تو وہ اس سے دور بھاگنے لگے۔

۴۳ اس لئے نہیں کہ وہ' اس کے دکھائے ہوئے راستے میں کوئی غلطی دیکھتے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ انہیں ملک میں جور و استبداد' اور سرکشی سے روکتا ہے' اور ایسی تدابیر سے منع کرتا ہے جو معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کریں —— اور یہ لوگ' اپنی اس روش کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔
لیکن انہیں اس کا علم نہیں کہ ناہمواریاں پیدا کرنے والی تدبیریں' خود ان تدبیر کرنیوالوں کو لے کر ڈوبا کرتی ہیں۔ سو اب یہ لوگ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ جیسا کچھ اقوام سابقہ کے ساتھ ہوا تھا' وہی کچھ ان کے ساتھ ہو۔ سو' ایسا ہو کر رہے گا۔ اس لئے کہ خدا کا قانون اٹل ہے۔ نہ اس کی نتیجہ خیزی میں کوئی تبدیلی ہوا کرتی ہے۔ اور نہ ہی ان نتائج کی سمت بدلا کرتی ہے' کہ کرے کوئی' بھرے کوئی۔

۴۴ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ اقوام سابقہ کی غلط روش کا نتیجہ کیا نکلا تھا؟ وہ قومیں' ان سے کہیں زیادہ طاقتور تھیں۔ لیکن انسان یا انسانوں کی کوئی جماعت تو ایک طرف' کائنات کی کسی شے میں بھی اتنی قوت نہیں کہ وہ خدا کے قانون پر غالب آجائے اور اسے بے بس کر دے کہ وہ غلط روش پر چلنے والوں کی گرفت نہ کر سکے۔ (اس لئے یہ تمہارے مخالفین بھی اس کی گرفت سے کیسے بچ سکتے ہیں؟)۔

۴۵ بس اتنی بات ہے کہ عمل اور اس کے نتیجہ کے سامنے آنے میں مہلت کا وقفہ ہوتا ہے' ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا' اور عمل کا نتیجہ فوراً سامنے آجایا کرتا' تو اس وقت' صفحہ ارض پر ان مخالفین کا

اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ
اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

(۵ ۴۴ ۱۷)

کوئی آدمی بھی باقی نہ رہتا۔ جب وہ مہلت کا وقفہ پورا ہو جائے گا تو ان کی بھی گرفت ہو جائے گی۔ اس تاخیر سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے جرائم خدا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ اسکی نظروں سے کچھ بھی اوجھل نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے بندوں کے تمام اعمال پر نگاہ رکھتا ہے۔ (۱۶/۶۱)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ④ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ⑤
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦

---

۱ اے وہ انسان! (جس کی طرف یہ وحی کی جاتی ہے۔ یعنی اے ہمارے رسول!)۔

۲ (یہ لوگ تم سے، تمہارے اس دعوے کا ثبوت مانگتے ہیں کہ تم خدا کی طرف سے رسول ہو۔ ان سے کہو)

۳ خود میرا یہ پیغام، یعنی قرآنِ حکیم اس پر شاہد ہے کہ میں خدا کے رسولوں میں سے ہوں۔ میرے دعوے کی صداقت کا ثبوت خود یہ قرآن ہے۔ اس پر غور و فکر کرو تو تم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ

۴ میں اس صحیح اور سیدھے، توازن بدوش، راستے پر چل رہا ہوں جو کارزانِ انسانیت کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

۵ (اے رسول! اگر انہوں نے اس قرآن پر غور کیا تو یہ خود انہیں بتا دے گا کہ یہ نہ تیرا خود ساختہ ہے، نہ کسی اور انسان کا وضع کردہ۔ یہ اس خدا کا نازل کردہ ہے جو بڑی قوتوں کا مالک ہے اور تمام کائنات اور نوعِ انسان کی نشوونما کا کفیل۔

۶ یہ قرآن تیری طرف اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ تو (ابتداءً) اس قوم کو، اس کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دے جن کے آباء و اجداد کی طرف کوئی آگاہ کرنے والا نہیں آیا (۲۸/۴۶ ؛ ۳۲/۳) اس لئے انہیں معلوم نہیں کہ صحیح روشِ زندگی کونسی ہے۔ (اور پھر اپنے دائرۂ تبلیغ کو وسیع کرتے ہوئے، رفتہ رفتہ اس پیغام کو مختلف اقوام تک پھیلا دے کیونکہ تجھے عالمگیر انسانیت کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے (۲۱/۱۰۷)۔

۷ (لیکن ان کی کیفیت یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ غور و فکر سے کام لیتے اور اس قرآن کو

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا
وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝۹ وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ
لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِیْمٍ ۝۱۱ اِنَّا نَحْنُ
نُحْیِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ؕ وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۲

سمجھنے کی کوشش کرتے) انہوں نے یہ کہہ کر اس سے انکار کر دیا (کہ چونکہ یہ اس راستے کی طرف دعوت دیتا ہے جو ہمارے آباواجداد کی روش کے خلاف ہے اس لئے ہم اس کی مخالفت کریں گے۔ اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کی روش اختیار کر لیں وہ حق و صداقت کو کبھی تسلیم نہیں کیا کرتے) یہی قاعدہ ان کی صورت میں بھی صحیح ثابت ہوگا۔

۸ جو لوگ اندھی تقلید کی روش اختیار کر لیتے ہیں ان کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کسی کی گردن میں ایسا طوق ڈال دیا جائے جس سے اس کا سر اوپر کی طرف اٹھا رہ جائے اور وہ اپنے سامنے کا راستہ دیکھ ہی نہ سکے۔

۹ لہٰذا ایسے لوگ نہ دلائل و براہین سے کام لیتے ہیں کہ آنے والے واقعات کا جائزہ لے کر صحیح راستہ اختیار کر لیں اور نہ ہی تاریخی شواہد کا مطالعہ کرتے ہیں کہ گذرے ہوئے واقعات ہی سے استنباطِ نتائج کر لیں۔ ان کے آگے بھی جہالت کی دیوار کھنچ جاتی ہے اور پیچھے بھی۔ اس طرح ان کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں اور وہ بصیرت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

۱۰ جن لوگوں کی یہ حالت ہو جائے ان کے لئے یکساں ہوتا ہے خواہ تو انہیں ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرے یا نہ کرے۔ وہ کبھی صداقت کو تسلیم نہیں کرتے۔ (۲/۶)۔

۱۱ غلط روش کے نتائج سے تنبیہ کا فائدہ تو اسے ہی پہنچ سکتا ہے جو عقل و فکر سے کام لے کر قانونِ خداوندی کا اتباع کرے اور اس کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے خائف ہو قبل اس کے کہ وہ نتائج اس کے سامنے آجائیں۔ اے رسول! تو ایسے شخص کو صحیح روشِ زندگی کے خوشگوار نتائج کی خوش خبری دے اور اسے بتا دے کہ زندگی کے تمام خطرات سے اس کی حفاظت ہوگی اور اسکی محنت کا بڑا باعزت بدلہ ملے گا۔

۱۲ اس طرح ہم مردہ قوموں کو حیاتِ نو عطا کر دیتے ہیں۔ پھر جو کچھ وہ اپنے مستقبل کیلئے کرتی ہیں اسے بھی ہمارا قانونِ مکافات اپنے رجسٹر میں درج کئے جاتا ہے اور جو نقوش وہ اپنے پیچھے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا أَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿١٣﴾ إِذْ أَرْسَلْنَآ إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا
بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا إِنَّآ إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿١٤﴾ قَالُوْا مَآ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ
أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿١٥﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿١٦﴾ وَمَا عَلَيْنَآ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٧﴾ قَالُوْٓا
إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿١٨﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ أَئِنْ
ذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿١٩﴾

نسلوں کے لئے چھوڑ جاتے ہیں' وہ بھی محفوظ رہتے ہیں۔ اس طرح ان کا ہر عمل اس کتاب میں منضبط ہو جاتا ہے جو غلط اور صحیح کے پرکھنے کے لئے ایک واضح معیار کا کام دیتی ہے ـــــ یعنی وہ ساتھ کے ساتھ' غلط اور صحیح اعمال کو چھانٹ کر الگ کرتی چلی جاتی ہے۔

۱۳ ان لوگوں کو یہ حقیقت ایک مثال کے ذریعے سمجھاؤ۔ ایک بستی تھی جس میں ہم نے اپنے رسول بھیجے۔

۱۴ پہلے ہم نے وہاں دو رسول بھیجے اور ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی۔ پھر ہم نے تیسرا رسول بھیجا کہ وہ پہلے دو رسولوں کی تائید و تقویت کا موجب بنے۔ اس نے بھی ان سے آکر کہا کہ میں خدا کا فرستادہ ہوں۔ میری بات سنو۔

۱۵ لیکن انہوں نے کہہ دیا کہ تم تو ہماری طرح انسان ہو۔ تم خدا کے فرستادہ کس طرح ہو سکتے ہو! تمہاری طرف خدا کی وحی وغیرہ کچھ نہیں آتی۔ تم اپنے دعوے میں بالکل جھوٹے ہو۔

۱۶ وہ رسول کہتے کہ ہمارا پروردگار اس پر شاہد ہے کہ ہم تمہاری طرف اُس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

۱۷ ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم تمہاری طرف اس کے واضح پیغامات پہنچا دیں ـــــ اس سے زیادہ ہم تم سے کچھ نہیں کہنا چاہتے۔

۱۸ وہ لوگ اُن سے کہتے کہ تم بہت ہی منحوس ہو۔ تم صبح شام یہی کہتے رہتے ہو کہ تم تباہ ہو جاؤ گے۔ برباد ہو جاؤ گے۔ تم پر یہ عذاب آئیگا' وہ عذاب آئے گا۔
یاد رکھو! اگر تم ان باتوں سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں گے (یا سنگسار کر دیں گے)۔ بہرحال ہم تمہیں اس کی الم انگیز سزا دیں گے۔

۱۹ وہ رسول اُن سے کہتے کہ جس چیز کو تم نحوست کہتے ہو' وہ سب تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے۔ باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ تم ہمیں بڑی سخت سزا دو گے' تو کیا یہ سزا ہمارے اِن جرم کی

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢١﴾

ہوگی کہ ہم تمہیں تباہی سے بچنے کی نصیحت کرتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ تم بڑی حد سے گزری ہوئی قوم ہو!

۲۰ انہوں نے تو ان رسولوں کی کوئی بات نہ مانی، لیکن بیرونِ شہر سے (جہاں اکابرین اور معززین بستے تھے) ایک (صاحبِ اثر) آدمی بھاگا بھاگا آیا (تاکہ وہ لوگ ان رسولوں کو کوئی اذیت نہ پہنچا دیں)، اس نے ان سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم ان رسولوں کا اتباع کرو۔

۲۱ ان رسولوں کا جو (تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں اور) اس کے بدلے میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اتباع کرو۔ یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ سیدھے راستے پر ہیں، اور اسی راستے پر چلنے کی تمہیں تلقین کر رہے ہیں۔



وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٢﴾
ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِ آلِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنقِذُونِ ﴿٢٣﴾ إِنِّي إِذًا
لَّفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾ إِنِّي آمَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ﴿٢٥﴾

---

۲۲ میں نہیں سمجھتا کہ اس قسم کے واضح حقائق کے بعد میرے پاس کونسا عذر باقی رہ جاتا ہے کہ میں اُس خدا کی محکومیت اختیار نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا' اور جس کے قانون مکافات کی طرف تمہارا ہر قدم اٹھ رہا ہے —— تم اُس کے احاطہ سے باہر جا نہیں سکتے۔ تم سب کشاں کشاں اسی کی طرف جا رہے ہو' اس سے کسی کو مفر نہیں۔

۲۳ کیا میں ایسے خدا کو چھوڑ کر اور ہستیوں کو اپنا آقا تسلیم کر لوں ؟ اُن ہستیوں کو جن کے عجز و ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ اگر خدائے رحمٰن کے قانونِ مکافات کی رُو سے' مجھے' میری کسی غلط رَوش کے نتیجہ کے طور پر' کوئی نقصان پہنچ رہا ہو' تو ان ہستیوں کا میرے ساتھ ہونا مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ وہ مجھے اس نقصان سے قطعاً نہ بچا سکیں۔

۲۴ سوچو کہ اگر میں' یہ سب کچھ جانتے بوجھتے' اِن ہستیوں کو اپنا خدا بنا لوں' تو مجھ سے زیادہ کھلی ہوئی گمراہی میں اور کون ہوگا ؟

۲۵ میں تو اس خدا پر ایمان لے آیا ہوں جو تم سب کا نشو و نما دینے والا ہے۔ تم بھی

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۚ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا
عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ
خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ
اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

میری بات پر کان دھرو اور اسی کو خدا مانو۔

۲۶ اُس نے 'اِدھر' اِس جرأت اور بے باکی سے اپنے ایمان کا اعلان کیا' اور اُدھر خدا کے قانونِ مکافات نے پکار کر کہہ دیا کہ تیرے لئے جنت کے دروازے کھل گئے — لیکن اُس کی قوم نے اس کی ایک نہ سنی' حالانکہ وہ بصد حسرت و یاس' کہتا رہا کہ

۲۷ اے کاش! میری قوم سمجھ سکتی کہ اس صحیح روش کے بدلے میں' جسے میں نے اختیار کیا ہے' اور جس کی طرف میں انہیں دعوت دے رہا ہوں' خدا نے کس طرح مجھے تباہیوں سے بچا لیا ہے اور کس قدر بلند مرتبت لوگوں کے زمرے میں' میرا شمار ہو گیا ہے۔

۲۸ اُس کی طرف سے اس اتمامِ حجت کے بعد' اس کی قوم کی تباہی کا وقت آ گیا۔ اس تباہی کے لئے ہمیں' آسمان سے' فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارنا پڑا — نہ ہی ہم قوموں کی تباہی کے لئے آسمان سے فرشتوں کے لشکر اتارا کرتے ہیں۔ اُن کے اعمال خود ان کی تباہی کا موجب بن جاتے ہیں۔

۲۹ اُس قوم پر بس ایک جھپٹ پڑی جس سے کہرام مچ گیا' اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے۔ ان میں زندگی اور حرارت کی رمق تک باقی نہ رہی۔

۳۰ اُف! کس قدر تاسف انگیز ہے انسانوں کی حالت کہ جو شخص بھی زندگی اور حرارت کا پیغامِ خداوندی اُن تک پہنچاتا ہے' یہ اُس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

۳۱ یہ تاریخی شواہد ہیں جنہیں ہم نے' اِس وقت مثال کے طور پر' بیان کیا ہے۔ (اے رسول!) کیا یہ (تمہارے مخاطب اس حقیقت پر) غور نہیں کرتے کہ ان سے پہلے کتنی قومیں تھیں جنہیں ہم نے تباہ کر دیا' اس لئے کہ وہ اُن لوگوں کی طرف رجوع نہیں کرتی تھیں جو انہیں قوانین خداوندی کی طرف دعوت دیتے تھے' بلکہ ان کی ہنسی اڑاتی تھیں۔

۳۲ لیکن' اگر یہ (تمہارے مخاطب) ان حقائق کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے تو اس کے یہ

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ
وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ
الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

معنی نہیں کہ یہ ہمارے قانونِ مکافات کی گرفت سے بچ جائیں گے۔ یہ بھی اپنے پیش روؤں کی طرح اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔ چنانچہ وہ وقت دور نہیں جب یہ سب کے سب صف بستہ حاضر کر دیئے جائیں گے کہ ہمارے قانونِ مکافات کے مطابق اپنے اعمال کے نتائج اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لیں۔

۳۳ ایسی باتیں سُن کر یہ لوگ مذاق کرتے ہیں کہ اس قدر کمزور اور ناتواں لوگوں کی یہ مٹھی بھر جماعت، اور دعویٰ یہ کہ انہیں اس قدر قوت حاصل ہو جائے گی کہ ہم ان کے حضور پا بہ زنجیر کھڑے ہوں گے! لیکن اگر ان کی آنکھیں ہوتیں تو یہ دیکھتے کہ ہمارا قانونِ فطرت کس طرح بے جان اشیاء کو بھرپور زندگی اور شادابی عطا کر دیتا ہے۔ اِن کے سامنے ایک بنجر زمین پڑی ہوتی ہے جس میں تازگی اور شگفتگی کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔ ہم اُسے بارش کے ایک چھینٹے سے، حیاتِ تازہ عطا کر دیتے ہیں۔ اُس میں فصلیں اُگتی ہیں جو خود اِن کے لئے سامانِ زیست بنتی ہیں۔

۳۴ اُس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات اُگتے ہیں۔ اُس میں سے آب رواں کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

۳۵ ان درختوں کے پھل بھی انہیں غذا کا کام دیتے ہیں۔ یہ کچھ اِن کے ہاتھوں کا خود ساختہ پرداختہ نہیں ہوتا۔ ہمارے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

(اسی طرح یہ مٹھی بھر جماعت ——جس میں اِس وقت ان لوگوں کو قوت اور اقتدار کا کوئی نشان دکھائی نہیں دیتا—— ہمارے قوانین کی اطاعت سے، زندگی اور اس کے ثمرات سے اس قدر بہرہ یاب ہوگی کہ اُن کی نفع بخشیوں سے نہ صرف یہ خود ہی متمتع ہوگی بلکہ دوسرے لوگ بھی اِس میں شریک ہوں گے)۔

ان سے پوچھو کہ کیا تم بھی چاہتے ہو کہ تمہاری کوششیں اِس طرح بارآور ہوں؟ (اگر تم ایسا چاہتے ہو تو تم بھی اِس جماعت کی طرح، ہمارے قانون سے فائدہ اُٹھاؤ جو قوموں کو حیاتِ نو عطا کرتا ہے)۔

۳۶ (اور اس کا یقین رکھو کہ اگر تم نے اس قانون کا اتباع کیا تو اس کے یہ نتائج مرتب ہو کر

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

رہیں گے۔ خدا کے متعلق کبھی ایسا وہم و گمان بھی نہ کرو کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے ویسا نہیں ہوگا۔ وہ اِس سے بہت بلند ہے کہ اس قسم کی باتیں کرے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اس کے قانونِ فطرت کی رُو سے کس طرح نباتات میں قسم قسم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں —— اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے مقرر کردہ قاعدہ اور قانون کے مطابق عمل کرو تو وہی نتیجہ برآمد نہ ہو۔ اور خود تمہاری افزائشِ نسل کا سلسلہ بھی اُس کے قانونِ فطرت کے مطابق جاری و ساری ہے۔ علاوہ بریں، اُن چیزوں کی تخلیق کا سلسلہ بھی جو ہنوز تمہارے حیطۂ علم میں نہیں آئیں۔

۳۷ پھر تم خارجی کائنات پر غور کرو اور دیکھو کہ (مثلاً) ہم کس طرح رات پر پڑے ہوئے دن کے روشن اور تابناک پردے کو کھینچ کر الگ کر دیتے ہیں، اور نیچے سے تاریکی ہی تاریکی نکل آتی ہے، اور یوں ہر جگہ گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے۔

۳۸ اور اس پر بھی غور کرو کہ سورج، کس طرح اپنے مستقر کی طرف رواں دواں چلا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اُس خدا کے ٹھہرائے ہوئے اندازوں کے مطابق ہو رہا ہے جو بڑی قوتوں کا مالک ہے اور جس کا ہر قانون علم پر مبنی ہے۔

۳۹ اور چاند کو دیکھو کہ اُس کے لئے ہم نے کتنی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ (وہ ایک حسین ناخن کی طرح نمودار ہوتا ہے۔ بڑھتا بڑھتا مہ کامل بن جاتا ہے۔ پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے اور گھٹتے گھٹتے) اس طرح ہو جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی سوکھی ہوئی ٹہنی۔

۴۰ یہ تمام عظیم الجثہ کُرّے، اپنی اپنی جگہ ساکت نہیں کھڑے بلکہ پیہم اور مسلسل حرکت کر رہے ہیں —— لیکن ان کی یہ حرکت اس طرح حساب اور قاعدے کے مطابق ہوتی ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ سورج اپنی رفتار کو تیز کر کے چاند کو جا پکڑے۔ یا کبھی ایسا ہو کہ جس نقطہ سے رات کا اختتام اور دن کا آغاز ہونا تھا، رات وہاں سے آگے بڑھ جائے —— یعنی کسی مقام پر سورج اپنے معینہ وقت کے بعد طلوع ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ اِن میں سے ہر کُرّہ، اپنے اپنے دائرے میں، اپنی اپنی رفتار سے ٹھیک، اپنے اپنے راستے پر تیرتا چلا جاتا ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾

---

۴۱ آسمان تو خیر، پھر بھی، دُور کی چیز ہے۔ تم ذرا اس پر غور کرو کہ تم کس بھروسے اور اعتماد سے اپنے بال بچوں — چھوٹے بڑے سب — کو کشتی میں سوار کرا دیتے ہو اور یہ کشتیاں اسقدر وزن لئے ہوئے کس طرح دریاؤں اور سمندروں میں تیرتی پھرتی ہیں۔

۴۲ اور کشتیوں جیسی اور بہت سی چیزیں ہیں جنہیں ہم نے ان کی سواری کے لئے پیدا کر دیا ہے۔

۴۳ اگر ہمارا قانونِ کائنات، ہر وقت اپنے اندازے کے مطابق، کارفرما نہ ہو، تو کبھی کشتی تیرتی رہے اور کبھی انہی حالات میں، ڈوب جایا کرے۔ تو اس صورت میں، نہ کوئی کشتی کے ان مسافروں کی داد فریاد کو پہنچ سکے اور نہ ہی یہ صحیح وسلامت ساحل تک پہنچ سکیں۔

۴۴ لیکن چونکہ، ہم نے ایک مدتِ معینہ تک نظامِ کائنات کو برقرار رکھنا ہے اس لئے ہم نے جس شے کے لئے جو قانون بنا دیا ہے، وہ ٹھیک اس کے مطابق چلتی رہتی ہے۔ ہمارے قانون میں کبھی ردوبدل نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ محکم اصول ہے جس کی بنا پر تم اسقدر اعتماد اور اطمینان سے زندگی بسر کرتے ہو۔

۴۵ (جس طرح اشیائے کائنات کے لئے غیر متبدل قوانین مقرر ہیں، اسی طرح خود انسانی زندگی کے لئے بھی ضوابط مقرر ہیں۔ اشیائے کائنات ان قوانین کی اطاعت پر مجبور ہیں لیکن انسان کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرے یا ان کے خلاف چلا جائے)۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر ان سے کہا جاتا ہے کہ تم قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کر کے اپنے حال کو بھی خوشگوار بنانے کی فکر کرو اور مستقبل پر بھی نگاہ رکھو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری طبیعی زندگی کی نشوونما بھی بطریقِ احسن ہو جائیگی اور انسانی ذات کی بھی — اسی کا نام حال اور مستقبل کا خوشگوار ہونا ہے۔

۴۶ لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ جب کبھی ان کے سامنے اس قسم کا قانونِ خداوندی پیش کیا جاتا

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ
إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً
وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾

ہے تو یہ اس سے منہ پھیر کر ایک طرف کو چل دیتے ہیں۔

۴۷ اور اس ضمن میں عجیب عجیب قسم کے اعتراضات پیش کرتے ہیں۔ (مثلاً) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو سامانِ زیست تمہیں خدا کے ہاں سے ملا ہے' اسے حاجتمندوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے کھلا رکھو' تو جو لوگ خدا کے نظامِ ربوبیت سے انکار کرتے ہیں' وہ ان لوگوں سے' جو اس نظام پر ایمان رکھتے ہیں' کہتے ہیں کہ اگر خدا کا یہی منشاء تھا کہ رزق کی تقسیم اس طرح ہو کہ دنیا میں کوئی بھوکا نہ رہے' تو اس نے خود ہی ایسا انتظام کیوں نہ کر دیا؟ انسانوں سے کیوں کہا کہ تم ایسا معاشرہ قائم کرو جس میں ہر ایک کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوتی رہیں!

انہیں کون بتائے کہ ایسا کہنے میں یہ کس قدر سخت غلطی کرتے ہیں۔ (انسانی معاشرہ میں' خدا اپنے نظام کو انسانی ہاتھوں ہی سے قائم کرایا کرتا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار و ارادہ کو صحیح طور پر استعمال کرے تاکہ اس کی ذات کی نشوونما ہوتی جائے۔ ورنہ اس (خدا) کے لئے کیا مشکل تھا کہ جس طرح اس نے اشیائے کائنات کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں' اسی طرح انسانوں کو بھی مجبور پیدا کر دیتا —— یہ کہہ کر کہ اگر خدا کو منظور ہوتا تو ایسا کیوں نہ ہو جاتا' انسان اپنے آپ کو اختیار و ارادہ کے شرف سے محروم کرنا' اور اپنی ذمہ داری سے بچنا چاہتا ہے۔ یہ اس کی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ (۶/۱۴۹ ؛ ۱۶/۳۵ ؛ ۴۳/۲۰)۔

۴۸ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے صحیح روش اختیار نہ کی تو اس کا نتیجہ تباہی ہوگا' تو یہ کہتے ہیں کہ اگر تم ایسا کہنے میں سچے ہو تو بتاؤ کہ وہ تباہی ہم پر کب آئے گی؟

۴۹ (ہمارے قانونِ مکافات کی رُو سے' عمل اور اس کے نتیجہ کے محسوس شکل میں سامنے آنے میں' ایک وقفہ ہوتا ہے۔ اسی وقفہ کی وجہ سے یہ اس قسم کے استفسارات نما' اعتراض کرتے ہیں۔ جب وہ وقفہ پورا ہو جاتا ہے تو پھر وہ (نتیجہ) ایک اچانک جھپٹ کی شکل میں سامنے آجاتا ہے جس سے ہر طرف کہرام مچ جاتا ہے۔

انہیں اسی جھپٹ کا انتظار ہے جو انہیں ایسے وقت میں' اچانک آپکڑے گی جب یہ

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ
يَنسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِن
كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا
كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ
مُتَّكِئُونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾

ایک دوسرے سے جھگڑنے میں مصروف ہوں گے۔

۵۰ اُس وقت اِنہیں اتنی مہلت بھی نہیں مل سکے گی کہ یہ کوئی وصیت کر سکیں' یا اپنے اہل وعیال تک ہی پہنچ جائیں۔

۵۱ یہ گرفت اِسی دنیا تک محدود نہیں ہوگی۔ اس کا سلسلہ اس کے بعد کی زندگی تک بھی جائے گا جب حیاتِ نو کے لئے بگل بجیگا۔ زندگی کو نئے پیکر عطا ہوں گے۔ اور یہ سب اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل کر دوڑتے ہوئے اپنے نشوونما دینے والے کی عدالت کی طرف جائیں گے۔

۵۲ اور تعجب سے کہیں گے کہ ہماری بدبختی۔ ہمیں کس نے ہماری خوابگاہوں سے اٹھا دیا۔ اِن سے کہا جائے گا کہ یہ وہ ظہورِ نتائج کی گھڑی ہے جس کا وعدہ خدائے رحمٰن نے کیا تھا اور جس کی تصدیق اس کے بھیجے ہوئے پیغامبر کیا کرتے تھے۔

۵۳ یہ وہ کہرام مچا دینے والی جھپٹ ہوگی جس سے یہ سب ہمارے قانونِ مکافات کے سامنے اکٹھے ہو جائیں گے۔

۵۴ اِن سے کہا جائے گا کہ آج کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔ خود تمہارے اعمال اپنا نتیجہ آپ بن کر تمہارے سامنے آجائیں گے۔

۵۵ جو لوگ اپنے اعمال کے بدلے میں جنت کے مستحق ہوں گے' وہ' زندگی کی اس نئی منزل کے پروگرام میں' نہایت جذب وانہماک سے مصروف ہوں گے۔ اور اُن کی یہ مصروفیت ان کے لئے بڑی ہی کیف آور اور نشاط انگیز ہوگی۔

۵۶ وہ' اور اُن کے ساتھی' آسائشوں کے سائے میں' شہ نشینوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔

۵۷ اُس میں اُن کے لئے (ان کے اعمال کے) پھل ہوں گے۔ اس میں وہ سب کچھ ہوگا

سَلٰمٌ ۚ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا
تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ
جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

جو وہ طلب کریں گے۔

۵۸ یہ اس لئے ہوگا کہ اُن کی ذات کی نشوونما اور صلاحیتوں کی تکمیل میں کسی قسم کی کمی نہ رہ جائے۔ نہ ہی اُنہیں' اِن کے چھن جانے کا کوئی خطرہ لاحق ہو۔ یہ سب کچھ اُس خدا کے قانونِ ربوبیت کے مطابق ہوگا جس نے تکمیلِ انسانیت کے لئے اِس قدر سامان مُہیّا کر رکھا ہے۔

۵۹ اُس زندگی میں معاشرہ مخلوط نہیں رہے گا۔ مجرم اور شریف' الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔ کوئی مجرم شریف بن کر دوسروں کو دھوکا نہیں دے سکے گا۔ نہ ہی اہلِ جہنّم' جنت کی آسائشوں میں شریک ہو سکیں گے۔

۶۰ اِن مجرمین سے کہا جائے گا کہ کیا میں نے تمہاری طرف یہ حکم نہیں بھیجا تھا کہ تم سرکش قوتوں اور اپنے مفاد پرستانہ' بے باک جذبات کا اتباع نہ کرنا۔ اس لئے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ وہ بھائی کو بھائی سے جدا کر دیں گے۔

۶۱ اور یہ کہ اطاعت صرف ہمارے قوانین کی کرنا۔ یہی وہ توازن بدوش سیدھی راہ ہے جو تمہیں منزلِ مقصود تک پہنچا سکے گی۔

۶۲ تم سے کہہ دیا گیا تھا کہ تمہارے مفاد پرستانہ جذبات' اور سرکش سرغنے' تمہاری بڑی بڑی جماعتوں کو غلط راستے پر ڈال دیں گے۔ اور اس طرح تمہاری اکثریت صحیح راستے سے بہک جائیگی۔ ہم نے یہ سب کچھ واضح طور پر بتا دیا تھا لیکن تم نے ذرا عقل و فکر سے کام نہ لیا۔

۶۳ اس کا نتیجہ یہ جہنم ہے جس سے تمہیں بار بار آگاہ کیا جاتا تھا۔

۶۴ اس میں داخل ہو جاؤ۔ یہی تمہاری زندگی ہوگی۔ پھر سن لو کہ یہ اس لئے ہے کہ تم نے صحیح روش پر چلنے سے انکار کر دیا تھا۔

۶۵ اُس دن اِس کی بھی ضرورت نہ ہوگی کہ ہم ان کے مُنہ سے اقبالِ جرم کرائیں۔ آنکھ

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى
مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾

ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے۔ اُن کے پاؤں اُن کے جرائم کی شہادت دیں گے۔ ان کے اعمال خود مُنہ سے بول اٹھیں گے۔ انسان اپنے خلاف خود آپ شہادت ہوگا۔ (۱۴/۱۳ : ۱۷/۱۴ ؛ ۵/۱۵)۔

۶۶ (یہ ہے ہمارا قانونِ مکافات جس کے مطابق قوموں کی موت اور حیات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی۔ اِسی قانون کے مطابق اے رسولؐ تمہارے اِن مخالفین کا انجام بھی تباہی ہوگا)۔ اگر ہمارا قانونِ مشیت ایسا نہ ہوتا کہ انسان اپنی مرضی سے جس راستے پر چلنا چاہے اُسے چلنے دیا جائے تو ہمارے لئے یہ کیا مشکل تھا کہ ہم (ان مخالفینِ نظامِ حق وصداقت) کی بینائی سلب کر لیتے اور یہ راستے کی تلاش میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے لیکن انہیں کچھ دکھائی نہ دیتا۔

۶۷ یا ہم اِن کی تمام قوتوں کے علی الرغم انہیں اس قدر کمزور اور ناتوان کر دیتے کہ یہ نہ آگے بڑھ سکتے نہ پیچھے لوٹ سکتے۔ (اس طرح ہم ان کی مخالفت کو روک سکتے تھے لیکن ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے)۔

۶۸ ہم اِس طرح قوتوں کو سلب نہیں کیا کرتے۔ ہوتا یہ ہے کہ جس طرح عمر کے آخری حصہ میں جا کر ایک فرد کی قوتیں قانونِ طبیعی کے ماتحت مضمحل ہو جاتی ہیں اور اس کی طبیعی صلاحیتیں آگے بڑھنے کے بجائے اوندھی ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اقوام کی حالت ہے۔ وہ جب زندگی کا صحیح راستہ چھوڑ دیتی ہیں تو اُن کی ہیئت تو ویسی ہی رہتی ہے لیکن اُن کی صلاحیتیں مضمحل ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور اُن کی ترقی رو بہ تنزل ہو جاتی ہے۔

کیا یہ لوگ ان حقائق پر غور نہیں کرتے!

۶۹ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اگرچہ تشبیہات و استعارات کے انداز میں کہہ رہے ہیں لیکن اِس کے یہ معنی نہیں کہ ہم یونہی شاعری کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے رسول کو شاعری نہیں سکھائی۔ نہ ہی شاعری ایسے شخص کے شایانِ شان ہے جو ایک انقلاب انگیز پیغامِ حیات لے کر آیا ہو۔ لہٰذا یہ شاعری نہیں (۲۶/۲۲۴)۔ یہ تو تاریخی حقائق ہیں اور ایک واضح اور محکم ضابطۂ حیات۔

لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا
فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا
يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ
جُندٌ مُّحْضَرُونَ ﴿٧٥﴾

---

۷۰ اور یہ ضابطۂ حیات تجھے' اے رسول! دیا اس لئے گیا ہے' تاکہ تو اس کے ذریعے' اُس قوم کو جس میں زندگی کی حرارت باقی ہو اور وہ زندہ رہنا چاہے' غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کردے۔ پھر اگر وہ قوم صحیح روش پر چلنے سے انکار کردے تو وہ دیکھ لے کہ ہم نے جو کچھ کہا تھا وہ کس طرح حقیقت ثابتہ تھا۔ شاعری نہیں تھا۔

۷۱ (زندہ قوموں کے مقابلہ میں مُردہ قوموں کی کیفیت وہی ہوتی ہے جو انسان کے مقابلہ میں حیوانات کی۔ حیوانات کی زندگی کا اپنا مقصد کچھ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے مالک کی خدمت گزاری کے لئے جیتے ہیں اور اُسی کی خاطر مرتے ہیں۔ وہ اِس کے مقاصد کے بروئے کار لانے کا ذریعہ ہوتے ہیں)

کیا یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ جو مویشی ہم نے پیدا کئے ہیں' یہ لوگ ان پر کس قدر قدرت اور تسلط رکھتے ہیں۔

۷۲ ان سے سواری کا کام لیتے ہیں۔ انہیں ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتے ہیں۔

۷۳ ان کا دودھ پیتے ہیں۔ اور ان سے سینکڑوں قسم کے اور فائدے اٹھاتے ہیں۔ (یہ سب حیوانات ان کے لئے جیتے اور انہی کے لئے مرتے ہیں۔ یہی حالت مردہ قوموں کی ہوتی ہے' وہ طاقتور قوموں کی خدمت کے لئے زندہ رکھی جاتی ہیں)۔

اتنا کچھ سمجھ لینے کے بعد بھی یہ لوگ صحیح روشِ زندگی اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے؟

۷۴ اور خدا کو چھوڑ کر اور ہستیوں کو اختیار و اقتدار کا مالک تصوّر کرتے ہیں تاکہ وہ اِن کی مدد کریں۔

۷۵ اِن سے کہدو کہ یہ ہستیاں قطعًا اس کی قدرت نہیں رکھتیں کہ ان کی کسی قسم کی مدد کرسکیں۔ ان کی مدد کرنا تو ایک طرف۔ یہ خود اپنی حفاظت تک نہیں کرسکتیں۔ اِن کی حفاظت کے لئے اِن کے پجاریوں اور مریدوں کے لشکر کے لشکر کو ہر وقت موجود رہنا پڑتا ہے اور

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا
هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا
الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم
مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ
الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾

تصادم کے وقت یہی لشکر فریق مقابل کے ہاتھوں گرفتار ہوتا ہے۔

۷۶ لہٰذا، یہ لوگ جس قسم کی باتیں کرتے ہیں، اے رسول! تو ان سے افسردہ خاطر مت ہو جو کچھ یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے دل میں ہے، ہم اس سے خوب واقف ہیں۔

۷۷ (انسان کی تو کچھ حالت ہی ایسی ہے کہ یہ اپنی حقیقت کو بھول جاتا ہے اور اپنے جذبات کی رَو میں سرکشی اختیار کر لیتا ہے)۔ وہ اس پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس کی تخلیق نطفہ آب سے کی (جس پر اسے کوئی مقدرت نہ تھی) اور یہ پھر ہمارے ہی خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

۷۸ اور ہمارے متعلق طرح طرح کی باتیں کرنے لگ جاتا ہے اور اپنی پیدائش کو قطعاً بھول جاتا ہے۔ نیز یہ کہنے لگ جاتا ہے کہ خدا جو یہ کہتا ہے کہ تم مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جاؤ گے، تو یہ سب غلط ہے۔ جب انسان کی ہڈیاں گل سڑ کر بوسیدہ ہو جائیں گی تو بھلا انہیں کون زندہ کرے گا؟ ($\frac{۳۶}{۱۶}$: $\frac{۷۳}{۳}$)۔

۷۹ ان سے کہو کہ انہیں وہی خدا زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ بنایا تھا۔ وہ خدا اپنی تمام مخلوق سے واقف ہے (کہ اسے کس کس منزل سے گزرنا ہے۔ اور ان مراحل کو کس طرح طے کرنا ہے)۔

۸۰ جس خدا کے قانونِ مشیت کی یہ کیفیت ہے کہ وہ درختوں کی سبز ٹہنیوں کی رگوں کے اندر رطوبت اور حرارت کو یکجا (یعنی رگِ خس میں شعلے کو پنہاں کر کے) رکھ سکتا ہے اور اس حرارت کا مشاہدہ تم اپنی آنکھوں سے کر لیتے ہو جب اس ٹہنی کو جلاتے ہو۔ (کیا وہ زندگی کی حرارت کو اسی طرح محفوظ نہیں رکھ سکتا؟)۔

۸۱ کیا وہ خدا جس نے اس سلسلۂ کائنات کو پیدا کر دیا (درآنحالیکہ پہلے کچھ بھی نہ تھا) وہ اس پر قادر نہیں کہ (موت کے بعد انسانوں کی) مثل پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں! وہ خدا ہر قسم کی تخلیق

إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحَٰنَ ٱلَّذِى بِيَدِهِۦ مَلَكُوتُ كُلِّ شَىْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

قادر ہے۔ اور ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

۸۲ اُسے تخلیق کے لئے، کہیں سے کوئی مسالہ مانگ کر لانا نہیں پڑتا۔ اُس کا قانونِ تخلیق یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے، تو اس ارادہ کے ساتھ ہی اس شے کی تخلیق کی ابتدا ہو جاتی ہے۔

۸۳ لہٰذا، وہ خدا جس کے قبضۂ قدرت میں تمام اشیائے کائنات کی حکمرانی ہے، اس تصور سے کس قدر دور اور بلند ہے کہ وہ انسان کی موت کے بعد زندگی کو جاری رکھنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔

یاد رکھو! جس طرح خدا کا اقتدار و اختیار تمام اشیائے کائنات کو محیط ہے، اسی طرح اس کا قانونِ مکافاتِ انسان کے اعمال کو بھی مہیمن (گھیرے ہوئے) ہے۔ اور تمہارا ہر قدم اسی کی طرف اٹھ رہا ہے —— اس زندگی میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی — تمہارا کوئی عمل بلا نتیجہ نہیں رہ سکتا۔ خواہ وہ نتیجہ اس زندگی میں سامنے آئے یا اس کے بعد حیاتِ اُخروی میں۔ یہی دین کی اصل ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝۱ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝۲ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝۳ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝۴ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝۵ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۝۶

---

۱ مجاہدین کی جماعتیں جو نظام خداوندی کی حفاظت کے لئے صف بستہ کھڑی رہتی ہیں۔

۲ اور حکومت خداوندی کے ارباب حل وعقد (صاحبان امر) جو مفسدین کو قانون شکنی سے روکتے ہیں۔

۳ اور عام مؤمنین جو قرآنی تعلیم کی پیروی کرتے ہیں۔

۴ ان سب کا وجود اس حقیقتِ کبریٰ کی عملی شہادت ہے کہ اقتدار و اختیار صرف ایک خدا کا ہے اور کسی کا نہیں۔ انسانوں کو صرف اُس کے قوانین کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اور کسی کی نہیں۔

۵ اس خدا کے قوانین کی اطاعت جس کا نظام ربوبیت تمام کائنات میں جاری وساری ہے۔ (۳۷:۵) اس کی ربوبیت صرف طبیعی نشوونما ہی کی کفیل نہیں بلکہ انسانی راہ نمائی کے لئے ہر قسم کی روشنی (انسانی علوم اور وحی) کے سرچشمے بھی اُسی سے متعلق ہیں۔

۶ لیکن [جیسا کہ $\frac{۱۵}{۱۸-۱۶}$ میں بتایا جا چکا ہے] ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ جس قسم کی باتیں رسول (منجانب اللہ) کرتا ہے، اس قسم کی باتیں ہمارے کاہن اور نجومی بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ علم النجوم کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ فضا کی یہ بلندی جو ہمیں قریب تر نظر آتی ہے،

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝٧ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝٨ دُحُوْرًا
وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝٩ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝١٠ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ
مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝١١

اس میں مختلف کرتے ہیں جو اپنی چمک کی وجہ سے نہیں نہایت خوشنما دکھائی دیتے ہیں۔

۷ اور ہم نے انہیں ہر قسم کے تخریبی عناصر سے محفوظ رکھا ہے (یہ ہے ان ستاروں کی حقیقت جن کے متعلق اِن کا دعوٰے ہے کہ انسانی تقدیر ان کے مطابق بنتی اور بگڑتی ہے' اور ان کے ذریعے' کاہن اور نجومی انسانی تصورات کے متعلق پیش گوئیاں کرتے ہیں۔ لہذا' ان کے علم اور رسول کی وحی کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یہ غلط ہے)۔

۸ ان کے کاہن اور نجومی محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ وہ عالم امر جہاں اشیائے کائنات کی تقدیرات (پیمانے۔ قوانین) بنتی ہیں' وہاں تک ان کی قطعاً رسائی نہیں ہو سکتی۔ انسانی

۹ قیاس آرائیوں کو وہاں ہر طرف سے دھکے پڑتے ہیں۔ وہ مقام' سرحد عقل انسانی سے ماوراء ہے۔ جو لوگ اِس قسم کی توہم پرستیوں میں مبتلا رہتے ہیں' وہ زندگی کے میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ان کے لئے ذلت و پستی کا مستقل عذاب ہوتا ہے۔ ($\frac{15}{18}$ ؛ $\frac{26}{212}$ ؛ $\frac{67}{5}$ ؛ $\frac{42}{8}$)۔

۱۰ رہا یہ کہ ان (نجومیوں) کی بتائی ہوئی باتیں' بعض اوقات' سچی بھی ثابت ہو جاتی ہیں تو یہ محض اتفاقی امر اور قیافہ کی رو سے ہوتا ہے۔ یہ باتیں' اُس زمانے میں تو ان کی "روحانی قوت" کی دلیل بن سکتی تھیں جب دنیا ہنوز علم کی روشنی سے محروم تھی۔ لیکن نزولِ قرآن کے بعد' اس کی گنجائش نہیں رہے گی۔ اب ہر ظن و تخمین کے پیچھے علم کا ایک چمکتا ہوا شعلہ موجود رہے گا جو اسے کہیں مکنے نہیں دے گا اور اس کی حقیقت کو بے نقاب کر دیگا۔

۱۱ یہ جو کہتے ہیں کہ انسانی تقدیر' ان ستاروں کے تابع ہوتی ہے' ان سے پوچھو کہ تخلیق کے اعتبار سے یہ جامد کرّے (جنہیں کوئی اختیار و ارادہ حاصل نہیں) زیادہ قوتوں کے مالک ہو سکتے ہیں' یا وہ مخلوق (انسان) جسے ہم نے صاحب عقل و ارادہ بنایا ہے۔ اِن کرّوں کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ہے کہ جامد مادّہ کے ذرّات ہیں جو ایک دوسرے سے پیوست ہیں (اور انسانی زندگی' مادی تخلیق کے اس دور سے' سینکڑوں منازل آگے بڑھ چکی ہے۔ ($\frac{32}{7}$)۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ
هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾
قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾
هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

۱۲ تجھے اِن کی اِس حماقت پر حیرت ہوتی ہے (کہ یہ انسان زندہ ہو کر اپنے آپ کو تابع ستارہ سمجھتے ہیں اور کاہنوں اور نجومیوں کے اوہام پر ایمان رکھتے ہیں)۔ اور یہ تمہاری اِن باتوں کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ (لہٰذا علم و بصیرت کی یہ باتیں انہیں کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں؟)۔

۱۳ یہی وجہ ہے کہ تو جب ان کے سامنے قرآن پیش کرتا ہے (جو سرتا پا علم و بصیرت ہے) تو یہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔

۱۴ بلکہ اس کی کسی ایک آیت کو لیتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ۔ اس کا تمسخر اڑائیں۔

۱۵ (اور جب تو ان سے کہتا ہے کہ یاد رکھو! زندگی اِس دنیا کی زندگی نہیں۔ اس کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری رہے گا' تو) یہ کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ صاف جھوٹ۔

۱۶ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب ہم مر جائیں' اور ہمارا گوشت پوست مٹی ہو جائے' اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچا باقی رہ جائے' تو اس کے بعد ہم پھر زندہ کئے جائیں —— ہم بھی

۱۷ اور ہمارے آباء و اجداد بھی' (جنہیں مرے ہوئے صدیاں گذر گئیں)۔ (۳۶:۷۸؛ ۵۶:۴۷)۔

۱۸ ان سے کہو کہ ہاں! بالکل ایسے ہی ہو گا۔
(لیکن تمہیں' اپنے اعمال کے نتائج دیکھنے کے لئے مرنے کے بعد' دوسری زندگی کے انتظار کی بھی ضرورت نہیں۔ ظہورِ نتائج کا یہ سلسلہ یہیں سے شروع ہو جائے گا) تم عنقریب

۱۹ دیکھ لو گے کہ (حق کی مخالفت کر کے) تم کس طرح ذلیل و خوار ہوتے ہو۔
اس کے لئے ایک ہی یورش کافی ہو گی جو ان کی بڑھتی ہوئی سرکشی کو روک دیگی'

۲۰ اور وہ اسے دیکھ کر سٹ پٹا جائیں گے۔
اور کہیں گے کہ ہماری تباہی آ گئی۔ یہی ظہورِ نتائج کا وہ وقت ہے جس کے متعلق ہم سے کہا جاتا تھا۔

۲۱ ان سے کہا جائے گا کہ ہاں! یہی وہ دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اس میں

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ
اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا
عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۚ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا
كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾

سب باتوں کے فیصلے ہو جائیں گے۔

۲۲ تم ان سب لوگوں کو اکٹھا کر کے (مقابلہ میں) لے آؤ جو ظلم اور زیادتی کیا کرتے تھے۔ انہیں اور ان کے تمام ساتھیوں (اور حمایتیوں) کو بھی۔ نیز انہیں بھی جن کی یہ خدا کو چھوڑ کر اطاعت کیا کرتے تھے اور انہیں اپنا آقا اور حاکم تسلیم کرتے تھے۔

۲۳ ان سب کو اکٹھا کر کے تباہی اور بربادی کے جہنم کی طرف لیجاؤ۔

۲۴ لیکن انہیں ذرا ٹھہراؤ تاکہ ان سے کچھ باتیں پوچھ لی جائیں۔

۲۵ ان سے پوچھا جائے گا کہ (تم باتیں تو اس قدر بڑھ چڑھ کر کیا کرتے تھے لیکن اب کیا ہو گیا کہ) تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔

۲۶ وہ اس سوال کا کچھ جواب نہیں دے سکیں گے۔ ان سب کی نظریں نیچی اور گردنیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

۲۷ البتہ وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں سوال جواب کریں گے۔

۲۸ ان میں سے متبعین (عوام) اپنے لیڈروں سے کہیں گے کہ تم ہمیں راہ راست سے روکنے کے لئے بڑے بڑے زبردست اسباب و ذرائع کے ساتھ آیا کرتے تھے۔

۲۹ وہ ان سے کہیں گے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ تم خود ہی سچی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔

۳۰ ہمارا تم پر کیا غلبہ و اختیار تھا جو ہم تمہیں مجبور کر کے راہ راست سے باز رکھتے۔ حق و صداقت سے سرکشی تم خود اختیار کرنا چاہتے تھے (اور اب الزام ہمارے سر دھر رہے ہو؟)

۳۱ ہمارا اتنا ہی قصور ہے کہ ہم نے جب دیکھا کہ تم راہ راست کو چھوڑ کر غلط راستے پر چلنا

۳۲ چاہتے ہو تو ہم نے تمہیں آواز دے کر اپنی طرف بلا لیا کیونکہ ہم خود غلط راستے پر جا رہے تھے

فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ
لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

(اور چاہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہمارے ساتھ ہولیں)۔ یوں ہم تمہیں غلط راستے پر لے گئے۔

اب ہم سب کے لئے خدا کا قانون مکافات زندہ حقیقت بن کر سامنے آگیا ہے۔ ہمیں اس عذاب کا مزہ چکھنا ہی ہوگا۔ (اس سے نہ ہمیں مفر ہے۔ نہ تمہیں)۔

۳۳ چنانچہ اس وقت متبعین اور ان کے لیڈر سب اس عذاب میں مشترکہ طور پر شریک ہوں گے۔ (۱۴/۲۱ ؛ ۳۳/۶۷ ؛ ۳۴/۳۲ ؛ ۴۰/۴۷)۔

۳۴ اور یہ بات کچھ انہی تک محدود نہیں۔ ہمارا قانونِ مکافات تمام مجرمین کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتا ہے۔

۳۵ یعنی ان لوگوں کے ساتھ کہ جن سے جب کہا جاتا کہ اقتدار و اختیار صرف ایک خدا کا ہے اس کے سوا کسی کی اطاعت و محکومیت جائز نہیں۔ تو وہ نہایت متکبرانہ انداز سے کہتے کہ—

۳۶ واہ! کیا ہم اپنے لیڈروں اور معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر چھوڑ دیں؟ (یہی کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں)۔

۳۷ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ رسول نہ شاعر ہے نہ دیوانہ۔ وہ خدا کی طرف سے ایک محکم ضابطۂ حیات لے کر آیا ہے جو سراسر حق و صداقت پر مبنی ہے۔ اور ان تمام باتوں کو سچ کر کے دکھانے والا ہے جو اس سے پہلے خدا کے رسول اپنے اپنے وقت میں کہا کرتے تھے۔ یہ اُن کی سچی تعلیم کی تصدیق کرتا ہے۔

۳۸ ان سے کہدو کہ تم ایک الم انگیز عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو۔

۳۹ اور یہ عذاب تم پر کہیں خارج سے عائد نہیں کیا جارہا۔ یہ تمہارے اپنے اعمال کا فطری نتیجہ ہے۔

۴۰ ان کے برعکس، ہمارے وہ بندے ہوں گے، جو ہمارے قانون کے مطابق زندگی

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ ۖ وَهُم مُّكْرَمُونَ ﴿٤٢﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٤٣﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٤﴾
يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ﴿٤٧﴾
وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿٤٨﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿٤٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥٠﴾
قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٥١﴾ يَقُولُ أَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿٥٢﴾

بسر کرنے کے لئے' ان سے کٹ کر الگ ہو گئے تھے۔

۴۱ ان کے لئے زندگی کی وہ خوشگواریاں اور آسائشیں ہوں گی جن کا ذکر قرآن میں جا بجا کیا گیا ہے۔

۴۲ یہ سب' ان کی محنت کے میٹھے پھل ہیں —— یہ لوگ بڑے ہی صاحب عزت و تکریم ہوں گے۔

۴۳ وہ خوشگواریوں کے باغات میں' ایک دوسرے کے سامنے شہ نشینوں پر بیٹھے

۴۴ ہوں گے۔ وہاں کسی قسم کی اونچ نیچ نہیں ہوگی۔

۴۵ ان کی مجلسوں میں ایسے پیالوں کا دور چلے گا جن میں ٹھنڈے اور جاری چشموں کا نہایت خوشگوار پانی ہوگا۔ (یعنی ایسا سامانِ حیات جسے روک کر نہ رکھا جائے بلکہ وہ سب کے لئے بلا روک ٹوک جاری ہو)۔

۴۶ ایسا مشروب جو دیکھنے میں برف کا سا سفید۔ اور پینے میں بیحد لذیذ۔

۴۷ اور تاثیر ایسی کہ نہ تو اس سے ہلاکت و سرگرانی ہو' اور نہ ہی مدہوشی و بدمستی۔ نہ ہی اس کے کیف و سرور اور لذت میں کمی ہوگی۔ (۵۶/۱۹)۔

۴۸ یہ زندگی مردوں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہوگی' عورتیں بھی اس میں برابر کی شریک

۴۹ ہوں گی —— بڑی خوبصورت آنکھوں والی۔ لیکن ایسی آنکھیں جنہوں نے کبھی کسی غیر کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا ہو۔ یعنی طبیعی حسن کے ساتھ عفت و پاکیزگی کی مجسمات اور شرم و حیا کی پیکر۔ یہ ہوگا وہ جنتی معاشرہ جس کی یہ لوگ تشکیل کریں گے۔

۵۰ وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہمی باتیں کریں گے۔

۵۱ ایک کہے گا کہ میرا ایک ساتھی ہوا کرتا تھا۔

۵۲ وہ مجھ سے کہا کرتا تھا کہ کیا تو بھی ان لوگوں کی باتوں کو سچا مانتا ہے جو کہتے ہیں کہ:-

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ
الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ
بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾
اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾

---

۵۳ جب ہم مرجائیں گے اور ہمارا جسم مٹی میں مل جائے گا اور ہم ہڈیوں کا ڈھانچا رہ جائینگے تو اس کے بعد ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ تاکہ اپنے اعمال کا بدلہ پائیں۔

۵۴ دوسرا اس سے کہے گا کہ تم ذرا ادھر جھانک کر دیکھو۔

۵۵ وہ اس طرف جھانکے گا تو دیکھے گا کہ اس کا وہی ساتھی جہنم کے درمیان عذاب میں ماخوذ ہے۔

۵۶ وہ اس سے کہے گا کہ خدا کی قسم! تو نے تو اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی کہ مجھے بھی (اپنے ساتھ) تباہ کر دیتا۔

۵۷ اگر مجھ پر خدا کا فضل نہ ہوتا اور میں سیدھی راہ اختیار نہ کر لیتا تو میں بھی آج انہی میں ہوتا جو جہنم کے عذاب میں ماخوذ ہیں۔

۵۸ اللہ کا شکر ہے کہ اب ہمیں مرنا نہیں ہوگا۔ جو موت آنی تھی وہ آچکی۔ اور نہ ہی اب

۵۹ عذاب دیا جائے گا۔

۶۰ یہ بہت بڑی کامیابی ہے جو ہمیں حاصل ہوگئی۔ ہمیں ہماری مراد مل گئی۔

۶۱ (اے رسول! ان لوگوں سے کہدو کہ) یہ ہیں وہ کامیابیاں اور کامرانیاں جنہیں حاصل کرنے کے لئے ہر کام کرنے والے کو کام کرنا چاہیئے۔

۶۲ ان سے پوچھو کہ اس قسم کا باعزت رزق اچھا ہے یا شجرۃ الزّقوم ——— یعنی ظلم و استبداد سے حاصل کردہ مال و دولت جو آخر کار انسان کے لئے وبالِ جان بن جائے۔ (۱۷/۴۰ ؛ ۴۴/۴۴ ؛ ۵۶/۴۵)۔

۶۳ یاد رکھو! ظلم و استبداد سے حاصل کردہ رزق، انسان کے لئے عذاب بن جایا کرتا ہے۔

۶۴ جو اُس شجرِ خبیث کی طرح ہوتا ہے جس میں کبھی پھل نہیں لگتا۔ جو جہنم (جحیم) کی جڑ میں سے اُگتا ہے۔ (یعنی اس کے کھانے سے تمام انسانی صلاحیتیں جل کر راکھ کا ڈھیر

طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿٦٥﴾ فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا
مِنْ حَمِيمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿٦٨﴾ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ
يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧١﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ ﴿٧٢﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿٧٣﴾

اور ارتقاء کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں)۔

۶۵ اس کا خوشہ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ناگ پھن کا سر (جس میں زہر ہی زہر بھرا ہوتا ہے) یا بڑے بڑے مستبد اور سرکش لوگوں کے سر (جن میں تکبر و نخوت کے سوا کچھ نہیں ہوتا)۔

۶۶ اس کے کھانے سے پیٹ تو بھر جاتا ہے (یعنی انسان کی طبیعی ضرورت پوری ہو جاتی ہے لیکن انسانی ذات کی نشوونما رک جاتی ہے۔ ۳۷/۶۶)۔

۶۷ اُس کے اوپر سے انہیں گرم آمیزہ دیا جائے گا (یعنی پانی ایسا گرم جس سے پیاس بجھنے کے بجائے اور بھڑک اٹھے۔ اور وہ بھی مصفا نہیں بلکہ کثافتوں سے بھرا ہوا پُر فریب زندگی کی کثافتیں)۔

۶۸ ان کی تمام سعی و عمل (فریب و استبداد سے بھری ہوئی زندگی) کا مآل یہ ہوتا ہے کہ ان کی ذات کی نشوونما رک جاتی ہے۔ اور وہ سخت عذاب میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

۶۹ یہ ہے اُن لوگوں کی رَوش جو حق و صداقت کی مخالفت کرتے ہیں — اور طرفہ تماشا یہ کہ اس رَوش کو بھی اُنہوں نے خود سوچ سمجھ کر اختیار نہیں کیا۔ جس راستے پر اپنے آباء و اجداد کو چلتے دیکھا، اسی پر خود چل پڑے۔

۷۰ چنانچہ اب یہ اُنہی کے نقوشِ قدم پر آنکھیں بند کئے، دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ (اتنا بھی نہیں کرتے کہ کسی مقام پر رُک کر دیکھ لیں کہ ہم جا کدھر رہے ہیں)۔

۷۱ ان کی یہ رَوش کچھ نئی روش نہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سی قومیں اسی طرح غلط راستے اختیار کرتی رہی ہیں۔

۷۲ ہم نے اُن کی طرف بھی اپنے فرستادگان کو بھیجا جو اُنہیں، اُن کی غلط رَوش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتے تھے۔

۷۳ سو تم دیکھو کہ ان لوگوں کا، جنہیں اس طرح متنبہ کیا گیا تھا (لیکن انہوں نے اس

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٧٤﴾ وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٧٩﴾
إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٨٢﴾ وَإِنَّ مِنْ
شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٨٣﴾

تنبیہ پر کان نہ دھرا) کیا انجام ہوا؟

۷۴ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھو کہ ہمارے جو مخلص بندے ان سے الگ رہ کر صحیح راستے پر چلتے رہے ان کا مآل کیسا خوشگوار تھا۔

۷۵ مثلاً نوحؑ کا واقعہ لو۔ اس نے (سرکش قوتوں کے ظلم و استبداد کے خلاف) ہمیں پکارا تو دنیا نے دیکھ لیا کہ ہم نے کس طرح اس کی پکار کا جواب دیا!

۷۶ ہم نے اُسے اور اس کے ساتھیوں کو اُس جانکاہ حادثہ سے محفوظ رکھا (جس نے باقی قوم کو غرق کر دیا تھا)۔

۷۷ اس کے مخالفین سب تباہ ہو گئے اور نوحؑ کی ذریت باقی رہی۔

۷۸ اور آنے والی نسلوں میں اس کا تذکرہ حسن و خوبی اور خیر و برکت سے جاری رہا۔

۷۹ اور (اس طرح) نوحؑ کو اقوام عالم میں امن و سلامتی کا پیامبر ہونے کا مقام حاصل ہوا۔

۸۰ اور یہ بات صرف نوحؑ ہی سے مخصوص نہیں۔ ہم ہر اس شخص کو جو ہمارے قوانین کے مطابق حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرے ایسا ہی مقام عطا کرتے ہیں۔ یہ اُس کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔

۸۱ پھر سن لو کہ نوحؑ اس لئے امن و سلامتی میں رہا کہ وہ ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتا تھا۔

۸۲ اور اس کے مخالفین اس لئے غرق ہو گئے کہ وہ اُسے جھٹلاتے تھے اور اس کی کسی بات کو سچا نہیں سمجھتے تھے (ورنہ وہ ان کے سامنے کشتی بنا رہا تھا۔ اگر وہ اس کی باتوں کو قابلِ اعتنا خیال کرتے تو وہ بآسانی سمجھ سکتے تھے کہ کوئی ایسا حادثہ رونما ہونے والا ہے جس سے محفوظ رہنے کے لئے اس قسم کے اسباب و ذرائع کی ضرورت پڑے گی۔ لیکن وہ اس کی ہر بات پر مذاق کرتے تھے۔

۸۳ اور نوحؑ کی روش پر چلنے والوں میں ابراہیمؑ بھی تھا۔

إِذْ جَآءَ رَبَّهُۥ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٤﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾ أَئِفْكًا ءَالِهَةً دُونَ ٱللَّهِ
تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى ٱلنُّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّى سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ
مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلَىٰٓ ءَالِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِٱلْيَمِينِ ﴿٩٣﴾

---

۸۴ وہ اپنے ماحول اور خاندان کے اثرات سے یکسر الگ رہتے ہوئے اپنے نشوونما دینے والے کی طرف قلب سلیم لیکر آیا — ایسا قلب جو حق و صداقت کے سامنے بلا تامل جھک جائے۔

۸۵ اس نے (ان کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر) اپنے باپ اور ساری قوم سے برملا کہہ دیا کہ یہ بُت اور اجرام سماوی جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ (حتیٰ کہ تمہارا بادشاہ جس کی تم اس طرح محکومیت اختیار کئے ہو) ان کی حقیقت کیا ہے؟

۸۶ یہ تمہارے خانہ ساز معبود ہیں جنہیں تم اپنا خدا سمجھ رہے ہو۔ اور حقیقی خدا کو چھوڑ کر ان کے سامنے جھکتے ہو۔

۸۷ اس سے تم نے اُس خدا کے متعلق کس قدر غلط اندازہ لگایا ہے جو تمام اقوام عالم کا نشوونما دینے والا ہے۔

۸۸ وہ قوم ستاروں کی بھی پرستش کرتی تھی۔ ابراہیمؑ نے ستاروں کی ماہیت پر غور و فکر کیا اور اپنی قوم کو بتایا کہ ان میں کیا کیا نقائص ہیں جن کی وجہ سے وہ معبود بن سکنے کے قابل نہیں۔

۸۹ اُس نے ان سے کہا کہ بھلا بتاؤ کہ میں انہیں کس طرح معبود مان سکتا ہوں؟ میں تمہاری روش سے سخت بیزار ہوں (۲۱/۶۶ ؛ ۲۶/۷۶)۔

۹۰ وہ لوگ ابراہیمؑ کے دلائل کا کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن وہ اپنے معبودوں کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس لئے وہ اس سے منہ پھیر کر چل دیتے۔

۹۱ وہ (اُن کے غلط عقائد کو بے نقاب کرنے کے لئے ایک اور انداز اختیار کرتا۔ وہ) اُن کے سامنے، ان کے بتوں سے تعریضاً کہتا کہ انہوں نے کھانے پینے کی اتنی چیزیں تمہارے سامنے لا رکھی ہیں، تم انہیں کھاتے کیوں نہیں؟

۹۲ اور یہ تم سے اپنی مرادیں مانگتے، اور تمہارے حضور التجائیں کرتے ہیں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان سے بات تک نہیں کرتے!

۹۳ ایک دفعہ اس نے موقع پاکر، ان کے بتوں پر بھرپور وار کیا اور انہیں توڑ ڈالا۔ (۲۱/۵۸)۔

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ
بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ
سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ

---

۹۴ جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو غصّے سے بھرے ہوئے اس کی طرف لپکے۔

۹۵ اس نے اُن کے غصّے سے متاثر ہوئے بغیر نہایت اطمینان اور سکون سے اُن سے کہا کہ ذرا سوچو کہ تم ان بتوں کی پرستش کرتے ہو جنہیں تم خود اپنے ہاتھ سے تراشتے ہو!

۹۶ ان کے برعکس خدائے حقیقی وہ ہے جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور ان پتھروں کو بھی جنہیں تراش کر تم یہ بت بناتے ہو۔

۹۷ اُن کے پاس اُس کے اِن دلائل کا جواب کچھ نہ تھا۔ اس لئے وہ اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے۔ (انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اس "فتنہ" کو ختم کرنے کا طریقہ ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ) ایک عمارت بناؤ اور اس کے اندر اسے آگ میں ڈال کر جلا دو۔ (لیکن یہ کچھ کھلے بندوں مت کرو۔ خفیہ تدبیر کے مطابق کرو)۔

۹۸ المختصر۔ اُنہوں نے اُس کے خلاف اس قسم کی چال چلنی چاہی۔ لیکن ہم نے اُن کی چال کو ناکام بنا کر انہیں نیچا دکھا دیا۔

۹۹ چنانچہ اُس نے وہاں سے یہ کہتے ہوئے ہجرت اختیار کر لی کہ میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ وہ یقیناً میری راہ نمائی ایسے ماحول کی طرف کر دے گا جو اس کے نظام کے قیام کے لئے سازگار ہو۔ (ہر نبی کی ہجرت اسی مقصد کے لئے ہوتی ہے اور یہی مفہوم ہوتا ہے اس کے یہ کہنے کا کہ "میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں"۔ ۲۹/۲۶)۔

۱۰۰ (چنانچہ ابراہیمؑ وہاں سے ہجرت کر کے شام کی طرف چلا گیا جہاں اس کے مشن کو بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ لیکن اس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ چنانچہ) اس نے دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار! مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو شرفِ انسانیت کی صلاحیتیں لئے ہو۔

۱۰۱ سو ہم نے اسے ایک ایسے لڑکے کی خوشخبری دی جو (علاوہ دیگر خوبیوں کے) بڑا متحمل مزاج اور بھرپور توانائیوں کا مالک تھا۔

۱۰۲ جب وہ بیٹا بڑا ہوا اور باپ کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گیا تو ایک دن باپ نے اُس سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ سو تم اس پر غور کر کے مجھے بتاؤ

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ
مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا
عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝

کہ تمہاری اس باب میں کیا رائے ہے۔

بیٹے نے باپ سے کہا کہ ابا جان! آپ کو ہر حکمِ خداوندی کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے تو مجھے ذبح کر دیجئے۔ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔ اس لئے کہ جب خدا ایسا چاہتا ہے تو پھر اس میں تذبذب و تامل کا کیا سوال ہے؟

۱۰۳ (ابراہیمؑ اپنے خواب کے متعلق یہی سمجھے ہوئے تھا کہ وہ خدا کا حکم ہے، اس لئے وہ بیٹے
۱۰۴ کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گیا)۔ چنانچہ جب باپ اور بیٹے، دونوں نے (اس خواب کو خدا کا حکم
۱۰۵ سمجھ کر) اس کے سامنے اپنا سر جھکا دیا، اور باپ نے بیٹے کو ایک اونچی جگہ، کن پٹی کے بل لٹا دیا،
تو ہم نے اُس وقت، اس خیال کو اس کے دل سے دور کر دیا اور اس سے کہا کہ ابراہیمؑ! تم نے اپنے خواب کو حقیقت سمجھ کر اپنے بیٹے کو سچ مچ ذبح کرنے کے لئے لٹا دیا! یہ ہمارا حکم نہیں تھا۔ یونہی تمہارا خواب تھا۔ اس لئے ہم نے تمہیں، اور تمہارے بیٹے کو اس سے بچا لیا۔ اس لئے کہ جو لوگ ہمارے قوانین کے مطابق حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں، ہم انہیں اس قسم کے نقصانات سے بچا لیا کرتے ہیں۔

۱۰۶ یہ خدا کی طرف سے ایک واضح انعام تھا جو ابراہیمؑ پر کیا گیا۔

۱۰۷ باقی رہا وہ بیٹا۔ سو اُسے ہم نے، ایک بہت بڑی قربانی کے لئے بچا لیا۔ (یہ "عظیم قربانی" یہ تھی کہ ملک شام کی سرداری کے بجائے ہم اس کے سپرد اپنے اس گھر کی پاسبانی کرنے والے تھے جو عرب کی بے برگ و گیاہ زمین میں واقع تھا۔ اور جسے دنیا بھر کے توحید پرستوں کا مرکز بننا تھا۔ (۱۴/۳۷))۔

۱۰۸ جو قربانی ابراہیمؑ دینا چاہتا تھا وہ تو اس کے بیٹے (اسمٰعیلؑ) کی ذات تک محدود رہی۔ لیکن جس "قربانی" کے لئے ہم نے اُسے زندہ رکھا (یعنی تولیت کعبہ) اس کا سلسلہ اس کی نسل میں بھی جاری رہے گا، جو، اسمٰعیلؑ کے بعد، اُس گھر کی نگران و پاسبان رہے گی۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ
نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾
وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ
اٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰي مُوْسٰى وَ
هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

۱۰۹ اس طرح ابراہیمؑ کو زندگی کے ہر مرحلے میں سلامتی نصیب ہوتی رہی۔
۱۱۰ اس لئے کہ وہ ہمارے قوانین کے مطابق حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتا تھا۔ اور جو بھی اس انداز سے زندگی بسر کرے اس کا نتیجہ یہی ہوا کرتا ہے۔
۱۱۱ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو ہمارے قوانین کی صداقت پر محکم یقین رکھتے ہیں۔
۱۱۲ اور ہم نے اُسے (اس کے دوسرے بیٹے) اسحٰقؑ نبی کی بھی خوشخبری دی جو صالحین کے زمرے میں سے تھا۔
۱۱۳ اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ کو اپنی برکات سے نوازا۔ اور ان کی نسل (یعنی ابراہیمؑ کے مختلف بیٹوں کی اولاد) کو آگے بڑھایا۔ ان میں وہ لوگ بھی ہوتے جو ہمارے قوانین کے مطابق حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتے تھے' اور ایسے بھی جو کھلے بندوں اپنے آپ پر زیادتی کرتے تھے۔
۱۱۴ اور بنی اسرائیل میں سے ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی اپنی نعمتوں سے نوازا (اور انہیں نبوت عطا کی)
۱۱۵ اور انہیں' اور ان کی قوم کو ایک جانکاہ مصیبت سے نجات دلائی۔
۱۱۶ انہیں ہم نے مدد دی اور وہ فرعون کی قوم پر غالب آ گئے۔
۱۱۷ اور ان دونوں (موسیٰؑ اور ہارونؑ) کو ہم نے واضح کتاب دی۔
۱۱۸ اور زندگی کی سیدھی اور توازن بدوش راہ کی طرف' ان کی راہ نمائی کی۔
۱۱۹ ان کی داستانِ حیات کو بھی ہم نے آنیوالوں کے لئے موعظت کا باعث بنایا۔
۱۲۰ موسیٰؑ اور ہارونؑ پر سلام ہو۔
۱۲۱ ہم اسی طرح ہر اس شخص کو امن و سلامتی کا مقام عطا کر دیتے ہیں جو ہمارے قوانین کے مطابق حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتا ہے۔
۱۲۲ وہ دونوں ہمارے مومن بندے تھے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾
اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا
عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾
وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا
الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

۱۲۳ اور یہ حقیقت ہے کہ الیاسؑ بھی ہمارے فرستادگان میں سے تھا۔
۱۲۴ جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم غلط روش زندگی کی تباہیوں سے بچنا نہیں چاہتے؟
۱۲۵ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم بعل (دیوتا) کی پرستش کرتے ہو اور اس خدا کو چھوڑ رہے ہو جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔
۱۲۶ یعنی اس خدا کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے آباواجداد کا بھی۔
۱۲۷ (اس نے اپنی قوم کو خدا کے راستے کی طرف دعوت دی) لیکن انہوں نے اسے جھٹلایا۔ اور اپنی غلط روش کے نتیجہ میں عذاب میں ماخوذ ہو گئے۔
۱۲۸ ان میں سے وہ لوگ محفوظ رکھے گئے جو ان سے الگ ہو کر الیاسؑ کی دعوت کے پیرو ہو گئے تھے۔
۱۲۹ الیاس کے تذکرہ کو بھی ہم نے آنیوالوں کے لئے موجب عبرت و موعظت بنایا۔
۱۳۰ وہ بھی امن و سلامتی کا پیامبر تھا۔
۱۳۱ ہم اسی طرح ان لوگوں کو ان کے حسن عمل کا بدلہ دیا کرتے ہیں جو ہمارے قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں۔
۱۳۲ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں۔
۱۳۳ اسی طرح لوطؑ بھی ہمارے فرستادگان میں سے تھا۔
۱۳۴ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو اس عذاب سے بچا لیا (جس میں اسکی قوم ماخوذ ہونیوالی تھی)۔
۱۳۵ باقی قوم تباہ ہو گئی۔ حتّٰی کہ اس کی بیوی بھی جو اس پارٹی سے متعلق تھی جو لوطؑ کے ساتھ چلی
۱۳۶ بلکہ پیچھے رہ گئی۔
۱۳۷ ۱۳۸ تم صبح شام ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات پر سے گذرتے ہو۔ کیا تم اس پر بھی

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ
الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ
بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا

عقل و فکر سے کام نہیں لیتے اور نہیں سوچتے کہ قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتنے کا نتیجہ کیا ہوا کرتا ہے۔

۱۳۹ اور یونسؑ بھی ہمارے فرستادگان میں سے تھا۔

۱۴۰ (لیکن اس سے ذرا سی اجتہادی غلطی ہوگئی۔ وہ قوم کی مخالفت سے سخت گھبرا گیا' اور بیشتر اس کے کہ اسے خدا کی طرف سے ہجرت کرنے کا حکم ملتا) وہ اپنے فرائض منصبی کو چھوڑ کر' وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اور دریا پار کرنے کے لئے' دوسری سواریوں کے ساتھ' ایک کشتی میں بیٹھ گیا۔ (۳۱/۳۲)۔

۱۴۱ (یہ اُس کی طرف سے ہمارے قانون کے خلاف دانستہ سرکشی نہیں تھی۔ لیکن) بہرحال تھا تو ہمارے قانون کے خلاف۔ یوں اس سے یہ لغزش سرزد ہوگئی۔

۱۴۲ کشتی میں بوجھ زیادہ تھا۔ وہ ڈوب گئی۔ اور یونسؑ کو ایک بہت بڑی مچھلی نے منہ میں دبوچ لیا۔ وہ اس مصیبت کو دیکھ کر اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا کہ وہ جو خدا کی اجازت کے بغیر قوم کو چھوڑ آیا ہے' یہ اس کی سزا ہے)۔

۱۴۳ لیکن اس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ انتہائی جدوجہد کی اور مچھلی کی گرفت سے اپنے آپ کو چھڑا لیا۔

۱۴۴ اگر وہ ایسا نہ کرتا اور بہت اچھا تیراک نہ ہوتا' تو مچھلی اسے نگل لیتی اور پھر وہ قیامت تک باہر نہ آسکتا۔ (یعنی کبھی باہر نہ آسکتا)۔

۱۴۵ ہم نے اسے' دریا کے کنارے' کھلے میدان میں ڈال دیا (۶۸/۴۹)۔ لیکن اس کشمکش اور دہشت کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہوگیا تھا۔

۱۴۶ اس نے ایک بڑے بڑے پتوں والے پودے کے سائے میں جا کر آرام کیا تو اس کی حالت سنبھلی۔

۱۴۷ اور ہم نے اسے پھر اس کی قوم کی طرف بھیج دیا۔ (وہ بہت بڑی قوم تھی) جس کی تعداد ایک لاکھ' بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی۔

۱۴۸ وہ لوگ ہمارے قانون پر ایمان لے آئے تو ہم نے اُسے' ایک مدتِ معینہ تک' زندگی کے

فَمَتِّعْهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ
شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى
الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ

سازوسامان سے نوازا۔ (اس قوم نے ایمان لے آنا تھا۔ یونسؑ نے جلدبازی سے کام لیا جوان سے مایوس ہوکر وہاں سے چلاگیا۔ خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم اس وقت ملا کرتا ہے جب اس قوم میں حق وصداقت کی قبولیت کا امکان باقی نہ رہے۔ اس سے پہلے وہاں سے چلے جانا گویا اپنے فرض منصبی کو چھوڑ دینا ہے۔ یہی یونسؑ کی اجتہادی غلطی تھی)۔

۱۴۹ ان قوموں کے انجام اور مآل کو اس طرح واضح کرنے کے بعد (اے رسول! تم اپنی قوم سے) پوچھو کہ کیا تم بھی انہی قوہم پرستیوں میں مبتلا رہنا چاہتے ہو جن میں سابقہ زمانے کے لوگ مبتلا تھے؟ یعنی کیا تم بھی اس قسم کے عقائد رکھنا چاہتے ہو کہ یہ دیویاں خدا کی بیٹیاں ہیں —— علاوہ اس کے کہ خدا کی اولاد کا عقیدہ ہی کس قدر جہالت پر مبنی ہے' ذرا اس ستم ظریفی کو ملاحظہ کرو کہ یہ لوگ خدا کے ہاں اولاد بھی بتاتے ہیں تو بیٹیاں' حالانکہ خود اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں' اور اگر انہیں اپنے ہاں بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع مل جائے تو شرم اور غصے کے مارے ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ (۱۶/۵۸)۔

۱۵۰ یا یہ عقیدہ کہ ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے —— ان سے پوچھو کہ کیا تم اُس وقت سامنے موجود تھے جب ہم فرشتوں کو بنا رہے تھے!

۱۵۱ انہیں پتہ تو کچھ ہے نہیں۔ بس یونہی اپنے دِل سے باتیں گھڑ لیتے ہیں۔ اور وہی ان کے عقائد بن جاتے ہیں۔

۱۵۲ اس سے بڑا جھوٹ کچھ اور بھی ہوسکتا ہے کہ خدا کی اولاد بھی ہے۔

۱۵۳ اور پھر' جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے' اس نے اپنے لئے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی ہے!

۱۵۴ کسقدر لغو ہیں یہ عقائد! ان سے پوچھو کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے جو اس قسم کے فیصلے کرتے رہتے ہو!

۱۵۵ کیا تم اس قدر واضح دلائل کے بعد بھی سوچتے سمجھتے نہیں؟

۱۵۶ یا تمہارے پاس ان بیہودہ عقائد کے لئے کوئی واضح سند ہے؟

۱۵۷ اگر ہے تو لاؤ۔ دکھاؤ وہ کونسی کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اپنے دعوے کو

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾
اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ
الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾
فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

ثابت کر کے دکھاؤ۔

۱۵۸ اور یہ لوگ خدا میں اور کائنات کی ان قوتوں میں جو ان کی آنکھوں سے اوجھل ہیں رشتے جوڑتے ہیں۔ (کبھی آسمانوں کی بجلی کو دیوی قرار دے کر اس کی بیوی بناتے ہیں، کبھی بادل کو دیوتا سمجھ کر اسکا ناطہ خدا سے جوڑتے ہیں۔ کبھی فرشتوں کو اس کی بیٹیاں ٹھہراتے ہیں)۔ حالانکہ یہ تمام کائناتی قوتیں خوب جانتی ہیں کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں تعمیلِ ارشاد کے لئے حاضر رہتی ہیں، اور اس کے توہین کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں۔

۱۵۹ بہرحال خدا کی ذات ان تو ہم پرستیوں سے بہت دور، اور بلند ہے، جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۱۶۰ ہاں! جو خدا کے مخلص بندے ہیں وہ اس قسم کے لغو اعتقادات نہیں رکھتے۔

۱۶۱ سولے جماعتِ مخالفین! تم سُن رکھو کہ تم، اور تمہارے یہ معبود، ان مخلص بندوں کو، خدا کی
۱۶۲ راہ سے منحرف نہیں کر سکتے۔

۱۶۳ اس راہ سے منحرف وہی ہوتا ہے جو اپنے آپ کو جہنم میں لے جانا چاہے۔

۱۶۴ ہمارے مخلص بندے اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے اس کے اعمال کے مطابق وہ مقام ہے جو قرآن کی رو سے متعین و معلوم ہے۔

۱۶۵ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے لئے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ ہم نظامِ خداوندی کے قیام کے لئے ہمیشہ صف بستہ کھڑے رہیں گے۔

۱۶۶ اور عمر بھر اس کے لئے سرگرم عمل رہیں گے ——— اِس کے لئے پوری تگ و تاز کریں گے۔

۱۶۷ اور یہ مخالفین اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر ہماری طرف بھی، اقوامِ سابقہ کی طرح کوئی کتاب
۱۶۸ ۱۶۹ آتی تو ہم بھی خدا کے مخلص بندے بن جاتے۔

۱۷۰ لیکن جب وہ کتاب آئی تو اسے ماننے سے انکار کر دیا ——— سو اس کا نتیجہ بہت جلد

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿١٧٢﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿١٧٣﴾
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٤﴾ وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٥﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٧٦﴾ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ
صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٨﴾ وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٩﴾ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ
عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿١٨١﴾

ان کے سامنے آجائے گا۔

۱۷۱ اور ہم نے پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر رکھا ہے ——— یہ ہمارا قانون ہے ——— کہ
۱۷۲ ہمارے مرسلین، جو ہمارا پیغام دوسروں تک پہنچائیں گے، انہیں ضرور ہماری تائید حاصل ہوگی۔
۱۷۳ اور وہ جماعتیں جو ہمارے دین کی حفاظت کریں گی اور اس کی تنفیذ کے لئے سینہ سپر ہوں گی، اپنے مخالفین پر غالب آکر رہیں گی۔
۱۷۴ سو، اے رسول! تو اس مہلت کے عرصہ میں، ان مخالفین کی طرف سے اعراض برت (اور اپنی جماعت کی تنظیم و تربیت کرتا رہ)۔
۱۷۵ اس کے ساتھ ہی ان مخالفین کے احوال و کوائف پر بھی نگاہ رکھ (کہ یہ کیا کرتے ہیں)۔
۱۷۶ یہ اپنی مخالفت کا انجام بہت جلد اپنے سامنے دیکھ لیں گے۔
۱۷۷ یہ لوگ، اس آخری تباہی کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ انہیں اس کا اندازہ ہی نہیں کہ وہ تباہی کس قسم کی ہوگی۔ جس دن وہ تباہی ان کے صحن میں آاُتری، تو ان لوگوں کے لئے جنہیں اس وقت اس سے آگاہ کیا جاتا ہے اور یہ اس پر کان نہیں دھرتے، وہ صبح بڑی ہی سخت ہوگی۔
۱۷۸ لہٰذا، تو اس وقت تک ان سے اعراض برت۔ لیکن ان پر کڑی نگاہ رکھ کہ یہ کیا
۱۷۹ کرتے ہیں۔ انہیں بہت جلد اپنی مخالفت کا انجام نظر آجائے گا۔
۱۸۰ اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ خدا جو ہر قسم کے غلبہ و اقتدار کا مالک ہے، ان کے بیہودہ اعتقادات سے (جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے) کس قدر دور اور بلند ہے۔
۱۸۱ اور اس کے فرستادگان، جو دوسروں تک اس کا پیغام پہنچاتے ہیں، کس طرح امن و سلامتی میں رہتے ہیں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲ اور ساری دنیا کس طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی ہے کہ خدا کا وہ نظام جو تمام اقوام عالم کی نشوونما کا ضامن ہے کس طرح سرتاپا سزاوار حمد وستائش ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۴﴾

---

۱ اس بات کی صداقت پر یہ عالی مرتبت قرآن جو شرفِ انسانیت کا ضامن ہے گواہ ہے۔

۲ —— اس کی بلند پایہ تعلیم اس پر شاہد ہے —— کہ یہ لوگ جو اس کی مخالفت کرتے ہیں، علم و بصیرت یا دلائل و براہین کی رو سے ایسا نہیں کرتے، بلکہ محض اپنی جھوٹی عزت، ضد، تکبر اور نخوت کی بنا پر کرتے ہیں۔ اگر یہ ضد اور تعصب کو چھوڑ کر اس کی طرف آئیں تو انہیں صاف نظر آجائے کہ اس کی تعلیم کس قدر حق و صداقت پر مبنی ہے۔

۳ یہ اس اندھی مخالفت میں اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ہم نے اپنے قانونِ مکافات کی رُو سے ان سے پہلے کتنی قوموں کو تباہ کر دیا۔ اُن کی حالت یہ تھی کہ وہ اندھا دھند مخالفت کرتے چلے جاتے تھے، لیکن جب تباہی ان کے سر پر آجاتی تھی تو پھر ہمیں پکارتے تھے۔ لیکن اُس وقت اُن کا ہمیں پکارنا، ان کے کسی کام نہیں آسکتا تھا۔ اُس وقت انہیں اس تباہی سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی۔

۴ اُسی جھوٹی عزت کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ انہیں زندگی کی غلط

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾ وَانطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ ۖ إِنَّ
هَٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ﴿٦﴾ مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ ۖ إِنْ هَٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿٧﴾ أَأُنزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِن بَيْنِنَا ۖ
بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّن ذِكْرِي ۖ بَل لَّمَّا يَذُوقُوا عَذَابِ ﴿٨﴾

رَوش سے آگاہ کرنے والا اور تباہیوں سے ڈرانے والا' انہی میں سے (انہی جیسا) ایک شخص کیسے ہوگیا؟ (انہیں اس بات کا حسد مارے جا رہا ہے کہ کل تک یہ شخص انہی میں سے ایک تھا اور آج' ان سے بڑا بن کر' ان سے کہتا ہے کہ تم بڑی غلط رَوش پر چل رہے ہو۔ اس سے باز آجاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ ان کے پاس' تمہاری بات کی تردید کے لئے دلیل تو کوئی ہے نہیں بس) یونہی شور مچائے چلے جاتے ہیں کہ یہ شخص بڑا جھوٹا ہے۔ باطل پرست ہے۔ خدا پر افترا باندھتا ہے۔ (اسکی بات کبھی نہ ماننا)۔

۵ یہ (ازراہِ تمسخر) کہتے ہیں کہ ذرا اس شخص کی طرف دیکھنا! یہ کہتا ہے کہ یہ سب دیوی' دیوتا جن کی ہم پرستش کرتے ہیں' باطل ہیں۔ اور الٰہ صرف ایک ہی ہے۔ اُس کے سوا کسی کو کوئی اقتدار اور اختیار حاصل نہیں۔ یہ کتنی اچنبھے کی بات ہے کہ ہمارے سب معبود ختم ہو جائیں' اور اس کا پیش کردہ ایک معبود باقی رہ جائے! (کبھی کوئی ایک ہستی اس قدر مختلف قوتوں کی حامل ہو سکتی ہے؟)۔

۶ یہ کہہ کر ان کے بڑے بڑے لیڈر اٹھ کر چل دیتے ہیں اور اپنے متبعین سے کہتے ہیں کہ تم اپنے معبودوں کی پرستش پر ثابت قدمی سے جمے رہو اور اس شخص کی بات مت سنو)۔ ایسا نظر آتا ہے کہ اس نے تہیہ کر رکھا ہے کہ یہ اپنی بات منوا کر رہے گا۔ اس میں اس کی کوئی بہت بڑی غرض مضمر نظر آتی ہے۔

۷ جو باتیں یہ پیش کرتا ہے' ہم نے انہیں اپنے اسلاف کے مسلک میں کہیں دیکھا سنا نہیں۔ یہ ایک بالکل نیا دین ہے جسے اس نے خود ہی گھڑ لیا ہے۔ (۳۸/۷)۔

۸ بھلا دیکھو تو سہی! اس شخص میں وہ کونسی خصوصیت تھی جس کی بنا پر ہم سب میں سے' اسی کو وحی کے لئے چن لیا گیا۔ اور کسی کو اس کے قابل سمجھا ہی نہیں گیا؟ (ان کے یہ کچھ کہنے کا جذبہ محرکہ بھی وہی جھوٹی عزت کا احساس ہے)۔

(اے رسول! تم ان کی باتوں سے افسردہ خاطر مت ہو۔ ان کی باتوں سے بظاہر یہی مترشح ہوتا ہے کہ یہ تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ نہیں۔ یہ تجھے جھوٹا نہیں سمجھتے بلکہ) ہمارے اس ضابطہ قوانین کے متعلق شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ جس آنے والی تباہی کے

أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾ أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوا فِي
الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾ جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ
ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ
عِقَابِ ﴿١٤﴾ وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾

متعلق انہیں آگاہ کیا گیا ہے' وہ ابھی تک ان کے سامنے آئی نہیں۔

۹ اِن سے پوچھو کہ تم نے جو اس طرح خدا کا مقابلہ کرنے کی ٹھان رکھی ہے تو کیا سامانِ دولت (رزق کے سرچشمے) جو تیرے نشوونما دینے والے نے اپنے غلبہ و اقتدار کی بنا پر اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں' اور جنہیں اُس نے تمام نوعِ انسان کی نشوونما کے لئے بلامزد و معاوضہ عطا کیا ہے' اُن سب پر تمہارا قبضہ و اقتدار ہو چکا ہے؟

۱۰ یا کیا کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں انہی کی حکومت ہے؟ اگر یہ لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں تو ان سے کہدو کہ بہت اچھا! تم اِن وسائل و ذرائع کو اور آگے بڑھالو۔ جتنا جی چاہے انہیں زیادہ کرلو۔ اور ان کے سہارے بلند سے بلند تر ہوتے جاؤ۔

۱۱ لیکن اس کے باوجود' تم آخر الامر دیکھو گے کہ یہ محض شکست خوردہ لوگوں کی بھیڑ ہے جو اُسی طرح تباہ ہونے والے ہیں جس طرح' اِن سے پہلے (اِسی قسم کے لوگ) تباہ و برباد ہوئے تھے۔

۱۲ اِن سے پہلے' قومِ نوحؑ اور عاد' اور فرعون نے ـــ جس کے کھونٹے دُور دُور تک گڑے ہوئے تھے ـــ ہمارے قوانین کو جھٹلا کر (اور یوں ہمارا مقابلہ کر کے) دیکھ لیا۔

۱۳ نیز قومِ ثمود۔ قومِ لوط اور اصحاب الایکہ (اہلِ مدین) نے بھی ـــ ان کا بڑا لاؤ لشکر تھا۔

۱۴ ان سب نے ہمارے بھیجے ہوئے رسولوں کی تکذیب کی۔ اور ان کے اعمال کے نتائج' حقیقتِ ثابتہ بن کر' تباہی کی شکل میں' اُن کے سامنے آگئے۔

۱۵ اب یہ لوگ بھی ایک ایسی آواز کے منتظر ہیں جو کہرام مچا دے گی۔ وہ تباہی مسلسل آتی چلی جائے گی اور بیچ میں دم تک نہ لے گی۔

۱۶ اور یہ لوگ شور مچاتے ہیں کہ تم ظہورِ نتائج کی جس گھڑی سے ہمیں ڈراتے رہتے ہو' ہم سے اُس کا اس قدر انتظار نہیں ہو سکتا۔ اگر تم سچے ہو تو اپنے رب سے کہو کہ وہ ہمارا حساب

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَ
الْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ
نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ
فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

جلد چکا دے اور ہمارے حصے کا عذاب ابھی لے آئے۔

۱۷ (اے رسول!) ان کی یہ باتیں بڑی جگر خراش ہیں لیکن تو ان کی پرواہ مت کر اور اپنے پروگرام پر ثابت قدمی سے جما رہ۔ اور اس باب میں (انبیائے سابقہ کے احوال کو الف اپنے سامنے رکھ۔ مثلاً) ہمارے بندے داؤدؑ کی سرگزشت۔ اسے ہم نے بڑی قوت عطا کی تھی اور وہ ہمارے قوانین کی اطاعت میں بڑا ہی تیز خرام تھا۔

۱۸ اُس کی قوتوں کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے سرکش پہاڑی قبائل اس کے محکوم تھے جو دن رات اس کے پروگرام کی تکمیل میں اُس کے ساتھ سرگرم عمل رہتے تھے۔

۱۹ اور قبیلہ طیر کے خانہ بدوش منتشر افراد سب اس کے ہاں جمع کر دیئے گئے تھے جن سے اس کے لشکر کا رسالہ مرتب ہوتا تھا اور وہ سب اُس کے زیر فرمان تھے۔ (۲۱/۷۹ ؛ ۲۷/۱۶ ؛ ۳۴/۱۰)۔

۲۰ اور اس طرح ہم نے اس کی مملکت کو بڑا محکم بنا دیا اور اسے وحی کی دانش نورانی عطا کی۔ نیز معاملات میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے کا فہم۔ (۱۷/۳۹ ؛ ۴۳/۶۳)۔

۲۱ (اُس کی قوم بڑی جاہل اور وحشی تھی — ایسی جاہل کہ عام آداب معاشرت تک سے بھی واقف نہیں تھی۔ وہ اپنے معاملات اُس کے سامنے پیش کرنے کے لئے آتے تو نہ وقت دیکھتے نہ راستہ۔ جب اور جدھر سے جی چاہا آ گھستے۔ وہ اس پر بھی برافروختہ نہ ہوتا اور ان سے منہ نہ موڑتا بلکہ نہایت سکون و ثبات سے ان کی اصلاح کی فکر کرتا رہتا۔ ایک مصلح کا یہی انداز ہونا چاہیے مثلاً) ایک دفعہ وہ اپنے گھر کے اندر کسی کام میں مصروف تھا کہ اس نے دیکھا کہ دو آدمی دیوار پھاند کر اندر گھس آئے ہیں۔

۲۲ وہ گھبرا گیا کہ نہ معلوم ان کی نیت کیا ہے جو یہ اس طرح دیوار پھاند کر اچانک اس کے مکان کے اندر داخل ہو گئے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہم ایک

إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾ قَالَ لَقَدْ
ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ﴿٢٤﴾

مقدمہ کے دو فریق ہیں۔ ہم میں باہمی جھگڑا ہو گیا ہے اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتا ہے۔ سو ہم میں حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ دیکھنا! تم ناانصافی نہ کرنا۔ ہمیں عدل و انصاف کی راہ پر لگا دینا۔

۲۳ (کوئی اور ہوتا تو انہیں ڈانٹ کر باہر نکال دیتا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ انہوں نے بر بنائے جہالت ایسا کیا ہے۔ اس لئے اس نے انہیں آرام سے سمجھایا۔ اور پھر کہا کہ اچھا! اب تم اپنا واقعہ بیان کرو۔ اس پر مستغیث نے کہا کہ لو سنو۔ یہ میرا بھائی ہے۔ (اب دیکھو کہ یہ بھائی ہو کر مجھ سے برتاؤ کیا کرتا ہے) اس کے پاس ننانوے (۹۹) دنبیاں ہیں۔ اس لئے بڑا خوش حال ہے۔ اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے جو میری معاش کا واحد سہارا ہے۔ (اب، بجائے اس کے کہ یہ اپنے غریب بھائی کی کچھ مدد کرے) مجھ سے کہتا ہے کہ اپنی ایک دنبی بھی مجھے دیدے۔ (چونکہ امیر آدمی ہے اور صاحب اثر۔ اس لئے) باتوں میں مجھے دبا لیتا ہے (اور دوسرے لوگ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں —— یہ ہے میرے اس بھائی کا رویہ! اب بتاؤ کہ اس کا یہ مطالبہ جائز ہے یا ناجائز)۔

۲۴ داؤدؑ نے کہا کہ اس شخص کا یہ مطالبہ کہ اپنی ننانوے دنبیوں کو سو بنا لے اور تیرے پاس ایک دنبی بھی نہ رہنے دے، سراسر ظلم اور زیادتی پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ جب بھی مل جل کر رہتے یا باہمی شراکت سے کاروبار کرتے ہیں، تو ان میں سے اکثر کی حالت یہ ہوتی ہے کہ دوسروں پر زیادتی کرتے رہتے ہیں۔ ایسا کچھ وہ لوگ نہیں کرتے جو قوانین خداوندی پر ایمان رکھتے ہیں اور معاشرہ کو سنوارنے والے کام کرتے ہیں —— لیکن ایسے لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔

(داؤدؑ نے جب اس معاملہ کی گہرائی پر غور کیا تو یہ حقیقت اس کی سمجھ میں آ گئی کہ معاملہ صرف ان دنبیوں کا نہیں۔ یہ اس غلط معاشی نظام کا سوال ہے جس میں بڑا سرمایہ، چھوٹے سرمایہ کو اپنی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جاتا ہے اور دن بدن، معاشرہ کے ان دو طبقات میں بُعد زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ
النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ
بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ
كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

چنانچہ اس نے محسوس کیا کہ یہ اُس کا فریضہ ہے کہ اس غلط معاشی نظام کو صحیح خطوط پر متشکل کرے۔ یہ بڑا مشکل کام تھا۔ اس کے لئے اس نے اپنے رب سے سامانِ حفاظت طلب کیا —— ایسی بلند ہمت جس سے وہ تمام مخالفتوں کا مقابلہ کر سکے —— اور اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ قوانینِ خداوندی کے مطابق معاشرہ کی اصلاح کر کے رہے گا۔

۲۵ ہم نے اُس کے لئے سامانِ حفاظت بہم پہنچا دیا —— وہ ہر معاملہ میں ہمارے قوانین سے قریب تر رہتا تھا اس لئے اس کے تمام معاملات کا مآل نہایت حسین اور خوشگوار ہوتا تھا۔

۲۶ چنانچہ ہم نے اس سے کہدیا کہ (تم بالکل اطمینان اور بے خوفی سے معاشرہ کی اصلاح کرو)۔ ہم نے تمہیں ملک میں حکومت عطا ہی اس لئے کی ہے کہ تم لوگوں کے معاملات کے فیصلے حق کے ساتھ کرو —— یعنی قوانین خداوندی کی رو سے' عدل و انصاف کے مطابق —— اور کسی کے خیالات اور جذبات کا اتباع (اور رعایت) مت کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ لوگ تمہیں صحیح راستے سے بہکا دیں گے —— یاد رکھو! لوگ صحیح راستے سے اس لئے بہک جاتے ہیں کہ وہ ہمارے قانونِ مکافات کو فراموش یا نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ سخت تباہی ہوتا ہے۔

۲۷ قانونِ مکافات سے انکار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ (یہ سمجھ لیا جائے کہ) ہم نے اس کائنات کو یونہی بیکار پیدا کر دیا ہے' حالانکہ یہ سلسلۂ کائنات' مکافاتِ عمل کے لئے وجود میں لایا گیا ہے۔ (۲۱/۱۶ ؛ ۱۱/۷ ؛ ۴۵/۲۲ ؛ ۵۳/۳۱) —— ایسا وہی لوگ خیال کرتے ہیں جو ہمارے قوانین کی صداقت سے انکار کرتے ہیں۔ اس نظریہ کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۲۸ کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں' ان لوگوں کو جو معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کرتے ہیں' ان کے برابر کر دیں گے جو ہمارے قوانین پر ایمان رکھتے اور معاشرہ کو سنوارنے اور ہمواریاں پیدا کرنے کے کام کرتے ہیں؟ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قوانین کی نگہداشت کرنے والے

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾
اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾
رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

اور انہیں توڑنے والے ایک جیسے ہو جائیں گے؟

۲۹ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ ہمارے قانونِ کائنات کے خلاف ہے۔ اور اسی قانون کو ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے جسے ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔ یہ بڑی بابرکت کتاب ہے۔ اس کے اتباع سے بڑی سرفرازیاں اور خوشگواریاں حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن یہ انہی کو حاصل ہو سکتی ہیں جو اس کے احکام پر غور و فکر کریں۔ عقل و فکر سے کام لیں۔ اور اس طرح' اس کے مضامین کو اچھی طرح سے سمجھیں۔

۳۰ اور ہم نے داؤدؑ کو ایک بیٹا بھی عطا کیا تھا ——— سلیمانؑ ——— وہ بھی بڑا اطاعت گزار بندہ تھا۔ ہر معاملہ میں ہمارے قوانین کی طرف رجوع کرتا تھا' اور حسنِ عمل میں بڑا تیز خرام تھا۔

۳۱ اس کے ہاں بھی عمدہ عمدہ سبک رفتار گھوڑے تھے۔ وہ پچھلے پہر ان کا معائنہ کیا کرتا تھا۔

۳۲ ایک دفعہ وہ' اسی طرح اُن گھوڑوں کا معائنہ کر رہا تھا تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں ان گھوڑوں سے اس قدر محبت کیوں کرتا ہوں؟ محض اس لئے کہ یہ نظامِ خداوندی کی مُدافعت کے لئے (جہاد میں) کام دیتے ہیں ——— وہ اپنے ساتھیوں سے اسی قسم کے حقائق بیان کرتا جاتا تھا اور ساتھ ہی گھوڑوں کا معائنہ بھی کرتا جاتا تھا' تا آنکہ وہ ایک ایک کر کے آگے بڑھتے اور اس کی نظروں سے اوجھل ہوتے گئے۔

۳۳ (لیکن جہاد سے متعلق گفتگو' اور ان گھوڑوں کے محافظِ آئینِ خداوندی ہونے کے جذبہ نے اس کے دل میں ایسا اثر پیدا کیا کہ) اس نے حکم دیا کہ انہیں پھر سے اُس کے سامنے لایا جائے۔ جب وہ اُس کے سامنے آئے تو اُس نے خود اپنے ہاتھوں سے ان کی پنڈلیوں اور گردن سے گرد و غبار جھاڑنا شروع کر دیا۔ (یہ جہاد فی سبیل اللہ سے عشق تھا جس کا مظاہرہ سلیمانؑ نے اس دارفتگی سے کیا' حالانکہ گھوڑوں کے سائیس یہ کام کرتے ہی تھے)۔

۳۴ سلیمانؑ اِن خصوصیات کا حامل تھا۔ لیکن اُسے اپنے بیٹے کی طرف سے' جو اُس کا

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ
بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾
هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

جانشین ہونے والا تھا' بڑی کوفت تھی ـــــ وہ ایک جسد تھا بے روح- ۳۴/۱۴ - اور ان صفات کا مالک نہیں تھا جو اس مملکت کے انتظام کے لئے ضروری تھیں[1]- لیکن' بجائے اس کے کہ وہ اس سے دِل برداشتہ ہو جاتا' وہ قوانین خداوندی کی طرف اور شدت سے رجوع کرتا تاکہ وہ نظام مملکت کو اور مستحکم کر دے)-

۳۵ اُس کی دعا یہ ہوتی تھی کہ اے میرے نشو ونما دینے والے! تو مجھے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھ- اور مجھے ایسی مملکت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو نہ ملے (تاکہ میں زیادہ سے زیادہ وسیع حدود تک تیرے قوانین کو نافذ کر سکوں)- تو سب کچھ عطا کر دینے کی قوت رکھتا ہے.

۳۶ اور ہم نے سلیمانؑ کو سمندر میں چلنے والی ہواؤں کا' اور بادبانوں کے ذریعے اُن سے کام لینے کا علم بھی دے رکھا تھا- اِسی بنا پر اُس نے اپنا بحری بیڑہ ایسا بنا لیا تھا کہ وہ جس طرف جانے کا ارادہ کرتا' موافق ہوائیں اسے بخیر و خوبی اُس طرف لیجاتیں- (۳۴/۱۲)-

۳۷ اور بڑے بڑے قوی ہیکل' سرکش قبائل کے لوگ اُس کے تابع فرمان تھے- کوئی ان میں سے معماروں کا کام کرتا تھا- کوئی غوطہ خوروں کا- (۲۱/۸۲ ؛ ۳۴/۱۳)-

۳۸ ان کے علاوہ اور بھی کئی سرکش قبائل تھے جو اس کے احکام کی زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے- وہ ان سب سے مناسب کام لیتا تھا-

۳۹ ہم نے سلیمانؑ سے کہہ دیا تھا کہ جو قوت و اقتدار تمہیں حاصل ہے' وہ ہماری طرف سے بے بہا عطیہ ہے- اس کے بل بوتے پر تم نے ان وحشی قبائل کو اپنا تابع فرمان بنا لیا ہے لیکن اس سے مقصد یہ نہیں کہ انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جائے- ان کی مناسب تربیت کرو پھر جو ان میں سے پر امن شہری کی حیثیت سے رہنے کے قابل ہو جائے' اُسے بلا معاوضہ رہا کر دو- جو ایسا نہ ہو' اُسے روک رکھو- (اس طرح یہ وحشی قبائل آہستہ آہستہ' پر امن اور مفید عنصر بنتے جائیں گے' اور جو خوئے سرکشی نہیں چھوڑیں گے' معاشرہ ان کے مفسدات سے

---

[1] اس زمانے میں 'حکومت' آلِ یعقوب (بنی اسرائیل) میں متوارث چلی آ رہی تھی-

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾
اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي
الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۗ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾

محفوظ رہے گا)۔

۴۰ سلیمانؑ اپنے آپ کو ہمارے قوانین کے بہت قریب رکھتا تھا اور ہر معاملہ میں انہی کی طرف رجوع کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے ہر کام کا مآل نہایت حسین اور خوشگوار ہوتا تھا۔

۴۱ اور ہمارے بندے 'ایوبؑ' کی سرگزشت کو بھی سامنے رکھو (۲۱/۸۳ — ۸۴)۔ وہ ایک سفر میں بڑی جانکاہ مصیبتوں میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے ساتھی اس سے بچھڑ گئے۔ پانی ختم ہو گیا۔ وہ سفر کی تکان اور پیاس کی شدت سے نڈھال ہو رہا تھا۔ اس پر اُسے سانپ نے ڈس لیا۔ اِس طرح اسے مصائب و تکالیف کے ہجوم نے گھیر لیا۔ (لیکن اس نے بڑے استقلال سے ان سب کا مقابلہ کیا)۔

۴۲ ہم نے اس کی راہ نمائی ایک ایسے مقام کی طرف کر دی جہاں ٹھنڈے پانی کا چشمہ تھا۔ وہ وہاں پہنچا۔ پانی پیا۔ نہایا۔ مارگزیدہ پاؤں کو پانی میں رکھ کر ہلاتا رہا جس سے حدت رفع ہوئی۔

۴۳ پھر اس کے ساتھی بھی اس کے ساتھ آملے۔ بلکہ ان کے ساتھ اتنی تعداد میں ایک اور جماعت بھی (ایمان لے آئی)۔ یہ سب کچھ ہماری طرف سے سامانِ رحمت و ربوبیت تھا۔ اس واقعہ میں صاحبانِ عقل و بصیرت کے لئے سامانِ موعظت ہے۔

۴۴ (سانپ کاٹے کے علاج کے لئے اُس سے لوگ کہتے رہے کہ وہ اُس زمانے کی عام توہم پرستی کے مطابق 'جھاڑ پھونک' جنتر منتر کرائے' لیکن چونکہ ان باتوں میں شرک کا شائبہ پایا جاتا تھا اس لئے وہ) ان کی طرف قطعاً مائل نہ ہوا' بلکہ جڑی بوٹیوں سے اپنا علاج کرتا رہا۔ اس طرح اسے شفا ہو گئی۔

اس نے اس تکلیف کو بڑی پامردی سے برداشت کیا اور کہیں بھی ہمارے قانون کی خلاف ورزی نہ کی۔ ہر معاملہ میں اُسی کی طرف رجوع کرتا رہا۔ (یوں اس نے توہم پرستی کی جڑ کاٹ دی جس میں لوگ مبتلا تھے)۔

۴۵ اسی طرح ہمارے بندے 'ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ بھی تھے۔ ان کی داستانِ حیات کو

إِنَّآ أَخْلَصْنَٰهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى ٱلدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ ٱلْمُصْطَفَيْنَ ٱلْأَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ وَٱذْكُرْ إِسْمَٰعِيلَ وَٱلْيَسَعَ
وَذَا ٱلْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ ٱلْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ هَٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَـَٔابٍ ﴿٤٩﴾ جَنَّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ ٱلْأَبْوَٰبُ ﴿٥٠﴾
مُتَّكِـِٔينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَٰكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِندَهُمْ قَٰصِرَٰتُ ٱلطَّرْفِ أَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ ٱلْحِسَابِ ﴿٥٣﴾

بھی اپنے سامنے رکھو۔ انہیں ہم نے قوت و اقتدار بھی عطا کیا تھا اور علم و بصیرت بھی۔

۴۶ ان کی خصوصیتِ کبریٰ یہ تھی کہ وہ ہر معاملہ میں مستقبل کی زندگی کو پیش نظر رکھتے تھے (اس لئے کبھی قوانین خداوندی سے الگ ہٹ کر کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے) اسی خصوصیت کی بنا پر ہم نے انہیں، باقی لوگوں سے الگ کر کے، ایک خاص جماعت بنا دیا تھا۔

۴۷ وہ ہمارے نزدیک، منتخب افراد انسانیہ تھے جو بھلائی کے کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔

۴۸ اسی طرح اسمٰعیلؑ۔ الیسعؑ۔ اور ذی الکفلؑ کی داستانِ حیات کو اپنے سامنے رکھو۔ یہ بھی دیگر انبیاءؑ کی طرح، نوعِ انسان کی منفعت بخشیوں میں سب سے آگے رہتے تھے۔

۴۹ یہ تاریخی یادداشتیں ہیں ان لوگوں (انبیاء) کی (جنہوں نے اس سے پہلے، قوانین خداوندی کی اطاعت اور نفاذ میں بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں لیکن ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی۔ ان کی سرگزشت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ) جو لوگ قوانین خداوندی کی پوری پوری نگہداشت کرتے ہیں، انہیں شروع میں کتنی ہی مصیبتیں کیوں نہ اٹھانی پڑیں، آخر الامر انہیں نہایت خوشگوار ٹھکانے مل جاتے ہیں۔ ان کا انجام بڑا حسین ہوتا ہے۔

۵۰ یعنی اس زندگی میں بھی جنتی معاشرہ، اور آخرت میں بھی جنتِ دوام، جس کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں۔

۵۱ (ایسا ہی جنتی معاشرہ تمہاری جماعت کے لئے ہوگا جو نظام خداوندی کی تشکیل کیلئے مصروفِ جدوجہد ہے) یہ لوگ آسائشوں کی جنت میں تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے اور ان کی طلب پر ہر جگہ سے بہترین پھل اور مشروبات ان کے لئے چلے آئیں گے۔

۵۲ (یہ جنتی آسائشیں صرف مردوں کے لئے ہی نہیں ہوں گی)۔ ان کے ساتھ انکی ہم عمر، یعنی انہی جیسی خصوصیات کی پیکر، عورتیں بھی ہوں گی ——— حیا کے مجسمے جن کی نگاہیں کبھی بیباک نہ ہوں۔

۵۳ یہ ہوگا نقشہ اس معاشرہ کا جو تمہارے اعمال کے ظہورِ نتائج کے وقت مرتب ہوگا۔

إِنَّ هَٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ هَٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطَّاغِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هَٰذَا فَلْيَذُوقُوهُ
حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَآخَرُ مِن شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هَٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُو النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوا بَلْ
أَنتُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۚ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوا رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هَٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾

---

۵۴ یہ ہمارا عطا کردہ سامانِ زیست ایسا ہوگا جس میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

۵۵ ایک طرف تو یہ ہوگا۔ اور دوسری طرف' ان لوگوں کے لئے جو ہمارے قوانین سے سرکشی برتتے ہیں' بہت برا ٹھکانہ ہوگا۔

۵۶ یعنی جہنم' جس میں وہ داخل ہوں گے اور جلتے بھنتے رہیں گے۔ وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہوگا۔

۵۷ یہ نتیجہ ہوگا ان کے اپنے اعمال کا —— وہاں سامانِ زیست تو ہوگا لیکن ایسا جس سے تسکین ہونے کے بجائے' اور اضطراب بڑھ جائے۔ جس سے نشو ونما نہ ہو سکے۔ (مثلاً) پانی ہوگا' لیکن یا تو کھولتا ہوا اور یا یخ بستہ۔ اِن دونوں سے کھیتی جل جاتی ہے۔ (۵۵/۴۴)۔

۵۸ اور اسی قسم کے دیگر انواع و اقسام کے عذاب۔

۵۹ اِن کے لیڈروں سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے متبعین کی فوج ہے جو تمہارے ساتھ جہنم میں داخل ہو رہی ہے۔ (اِس لئے کہ یہ اندھا دھند تمہارے پیچھے چلا کرتے تھی)۔ وہ جواب میں کہیں گے کہ ان کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ انہیں ذرا سی کشادا اور آسائش نہیں ملنی چاہئے۔ انہیں ہمیشہ جہنم میں جلتے بھنتے رہنا چاہیئے۔ (انہی کے ساتھ ہونے کی وجہ سے تو ہم بھی اس قدر سرکش ہو گئے تھے)۔

۶۰ وہ متبعین کہیں گے کہ آج تم ہمیں موردِ الزام ٹھہراتے ہو حالانکہ تم نے خود ہی سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔ اس لئے تمہارے لئے بھی کوئی آسائش اور کشادہ نہیں ہونی چاہیئے۔ تم ہی نے تو یہ جہنم ہمارے لئے تیار کرایا ہے۔ سو اب دیکھو کہ یہ کیسی بُری جگہ ہے رہنے کی! (۱۴/۲۱ ؛ ۳۳/۴۷ ؛ ۳۴/۳۲ ؛ ۳۷/۲۹ ؛ ۴۰/۴۷)۔

۶۱ پھر وہ خدا کو مخاطب کر کے کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ کمبخت جو ہمارے لئے یہ مصیبت لائے ہیں' تو اُن کے لئے عذاب جہنم کو دُگنا کر دے۔ (ایک ان کے اپنے جرائم کے بدلے میں' اور دوسرا اس لئے کہ انہوں نے ہمیں بھی گمراہ کیا تھا)۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ
اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ

۶۲ پھر وہ اپنے لیڈروں سے (طنزاً) کہیں گے کہ یہ کیا بات ہے کہ ہم یہاں جہنم میں ان لوگوں کو نہیں دیکھتے (یعنی مومنین کو) جنہیں ہم (تمہارے کہنے کے مطابق) بڑے مفسد اور شرارتی تصور کیا کرتے تھے؟

۶۳ اور انہیں ذلیل و خوار سمجھ کر ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔
اُن لوگوں کو کیا ہو گیا۔ وہ کہاں گئے؟ کیا وہ یہاں جہنم میں فی الواقعہ نہیں ہیں یا ہماری نگاہیں اُچٹ جاتی ہیں اور وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتے!

۶۴ جہنم والوں کے اس قسم کے باہمی جھگڑے ایک ٹھوس حقیقت ہے۔

۶۵ (اے رسول!) ان سے کہدو کہ میں تمہیں اس آنے والی تباہی سے آگاہ کر رہا ہوں اور تم سے بار بار کہہ رہا ہوں کہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ کائنات میں خدائے واحد القہار کے علاوہ اور کسی کا غلبہ و اقتدار نہیں۔ وہ اکیلا تمام قوتوں کا مالک ہے۔

۶۶ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے وہی ان سب کا آقا اور پروردگار ہے۔ وہ بڑے غلبہ کا مالک ہے۔ اور صرف اسی کے قانون کی رو سے انسان کو تمام خطرات سے سا با ن حفاظت مل سکتا ہے۔

۶۷ ان سے کہو کہ وہ آنے والا انقلاب جس کی میں تمہیں خبر دے رہا ہوں، ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔

۶۸ تم اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کرتے اور اس سے یونہی رُوگردانی کر رہے ہو۔ اس کا انجام بہت برا ہوگا۔

۶۹ (تم کہتے ہو کہ میں اس قسم کی باتیں اپنی طرف سے بنا کر کہتا ہوں۔ تم اس پر غور کرو کہ مستقبل کے متعلق تو تم کہہ سکتے ہو کہ نہ معلوم یہ وحی ہے یا میری خود ساختہ باتیں، لیکن ماضی کے جو واقعات میں بیان کرتا ہوں) ان کا تو مجھے اس سے پہلے کچھ علم نہیں تھا۔ وہ باتیں میں از خود کیسے بنا سکتا ہوں۔ مثلاً انبیائے سابقہ کے واقعات، اور ان کے مخالفین میں سے بڑے بڑے سرداروں کے باہمی جھگڑے اور بحث و تمحیص[1]۔

[1] فٹ نوٹ صفحہ ۱۰۶۴ پر دیکھئے۔

يَخْتَصِمُونَ ﴿٦٩﴾ إِن يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٧٠﴾ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا
سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ
وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿٧٥﴾

۷۰ سو جس وحی سے مجھے ماضی کی یہ باتیں معلوم ہوئیں وہی وحی مجھے یہ بتاتی ہے کہ تمہاری اس غلط روش کا نتیجہ کس قدر تباہ کن ہوگا۔ اس سے میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں۔

۷۱ (اسی وحی نے مجھے اس قسم کے عظیم حقائق بھی بتائے ہیں کہ انسان کی ممکنات کیا ہیں اور اس کی نفسیاتی کشمکش کیا۔ یہ حقائق مجھ پر قصۂ آدم کے تمثیلی انداز میں منکشف کئے گئے ہیں جسے اس سے پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے اور جسے مختصر الفاظ میں پھر دہرایا جاتا ہے —— اسکی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے) کہ جب تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا کہ میں انسان کی تخلیق کی ابتدا جامد مادہ سے کرنے والا ہوں۔ (۱۵/۲۶ — ۳۹)۔

۷۲ سو جب ایسا ہو کہ وہ زندگی کی مختلف ارتقائی منازل طے کر کے اس مقام تک پہنچ جائے جہاں اس میں ٹھیک ٹھیک تناسب اور توازن قائم ہو جائے اور میں اس میں اپنی توانائی کا ایک شمہ ڈال دوں اور یوں وہ صاحب اختیار و ارادہ انسانی ذات کا حامل بشر بن جائے تو تم اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا

۷۳ چنانچہ اس پروگرام کے مطابق تمام کائناتی قوتیں انسان کے سامنے جھک گئیں۔

۷۴ لیکن اس کے سرکش جذبات اس کے سامنے نہ جھکے۔ انہوں نے اس سے بغاوت کی اور جھکنے سے انکار کر دیا۔ (۲/۳۴)۔

۷۵ خدا نے ابلیس (انسان کے سرکش جذبات) سے پوچھا کہ تم اس کے سامنے کیوں نہیں جھکے (۷/۱۲)۔ تم نے کیوں سرکشی اختیار کر لی! تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے اسے کس حسن و خوبی

(فٹ نوٹ صفحہ ۱۰۶۳) لہ ہم نے (۳۷/۸) میں اَلْمَلَاِ الْاَعْلٰی سے مفہوم خدا کا امر لیا ہے جہاں کائناتی معاملات طے پاتے ہیں۔ لیکن اس مقام پر اس کے ساتھ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ آیا ہے جس کی وجہ سے وہ مفہوم لینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ عالم امر میں "باہمی جھگڑوں" کا کیا کام! اس لئے ہم نے یہاں اس سے مراد وہ بڑے بڑے سردار لئے ہیں جو انبیائے کرامؑ کی مخالفت کرتے تھے اور باہم گر جھگڑتے تھے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ اس اختصام (باہمی جھگڑنے) کا اشارہ تخلیق آدم کے وقت ملائکہ کا استفسار ہے (جس کا ذکر بقرہ میں آچکا ہے) لیکن اسے بھی اختصام نہیں کہا جا سکتا۔

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ
يَوْمِ الدِّينِ ﴿٧٨﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿٨٠﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٨١﴾ قَالَ
فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ
وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾

سے پیدا کیا۔ اور کس قدر صاحب اختیار بنایا ہے۔ کیا تو اس سے بڑا بننا چاہتا ہے یا اپنے آپ کو ملائکہ سے بھی اونچا سمجھتا ہے۔

۷۶ اس نے کہا کہ میں اپنے آپ کو آدم سے بہتر سمجھتا ہوں۔ تو نے مجھے نار سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ (انسان کا طبیعی جسم' اس کے تند و تیز جذبات کے تابع رہتا ہے۔ اسے غصہ آتا ہے تو اس کا ہاتھ خود بخود اٹھ کر فریق مقابل کے سینے میں خنجر گھونپ دیتا ہے)۔

۷۷ خدا نے کہا کہ تو اس حالت سے نکل جا۔ تو ہر قسم کی سعادت سے محروم ہو گیا۔ (اگر انسان اپنے جذبات سے مغلوب ہو جائے اور انہیں قوانین خداوندی کے تابع نہ رکھے تو یہ زندگی کی سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے)۔

۷۸ اور تیری یہ محرومی 'یَوْمِ الدِّیْنِ' تک ہو گی جب ظہور نتائج کا دور آئے گا۔

۷۹ اس نے کہا کہ اے میرے پروردگار! تو مجھے یوم البعث تک مہلت دیدے (۱۵/۳۶)۔

۸۰ خدا نے کہا کہ ہاں' تجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دیجاتی ہے۔ یعنی ایک

۸۱ "وقت معلوم" تک۔ (۱۵/۳۸ — ۳۷)۔

۸۲ اس نے کہا کہ تیرے غلبہ و تسلط کی قسم۔ تو دیکھ کہ میں ان انسانوں کو کس طرح تیرے صحیح راستے سے بہکاتا ہوں۔

۸۳ بجز تیرے ان بندوں کے جو اس ہجوم سے الگ ہٹ کر تیرے قانون کا اتباع کریں۔

۸۴ خدا نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے۔ اور جو میں کہتا ہوں وہ بھی حقیقت ہے۔

۸۵ یعنی یہ کہ میں تجھ سے' اور جو تیرا اتباع کریں گے ان سب سے' جہنم کو بھر دوں گا۔

۸۶ اے رسول! ان سے کہدو کہ یہ ہے تباہی کا وہ راستہ جس کی طرف جانے سے میں تمہیں روکتا ہوں۔ اور اس کے بدلے میں تم سے کچھ مانگتا نہیں۔ نہ ہی یہ کچھ محض دکھاوے کے لئے کر رہا ہوں۔ (میرا دل تمہاری تباہی کے تصور سے کڑھتا ہے' اور تمہاری ہمدردی اور

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿۸۸﴾

بہی خواہی کا تقاضا ہے کہ میں تمہیں حتی الامکان اس تباہی سے بچاؤں)۔

۸۷ (لیکن اگر تم میری تنذیر پر کان نہیں دھرو گے تو اس سے خدا کے اس ضابطۂ قوانین کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ یہ صرف تمہارے لئے ہی نہیں)۔ یہ تو تمام اقوامِ عالم کے لئے راہ نمائی کا ضابطہ ہے۔ (جو قوم بھی اسے اپنا لے گی' زندگی کی خوشگواریوں سے ہم کنار ہو جائے گی)۔

۸۸ اس کے اس دعوے کو تم ایک وقت کے بعد خود جان لو گے (جب تمہارے اعمال کے نتائج تمہارے سامنے آئیں گے ـــ یا مستقبل کی تاریخ بتا دے گی کہ اس کے تمام دعاوی کس قدر حقیقت پر مبنی ہیں)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ
الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

---

۱ یہ ضابطۂ قوانین اس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جو ہر شے پر غالب ہے اور تمام سلسلۂ کائنات کو اپنی تدبیر کے مطابق چلائے جا رہا ہے۔

۲ ہم نے (اے رسول!) اس ضابطۂ قوانین کو تیری طرف ٹھیک ٹھیک انداز سے نازل کیا ہے۔ اس سے صحیح تعمیری نتائج مرتب ہوں گے۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ تم ہر طرف سے منہ موڑ کر نہایت شد و مد سے اس کی اطاعت کئے جاؤ۔

۳ اور اس امر کا عام اعلان کر دو کہ اطاعت صرف قوانین خداوندی کی ہونی چاہئے۔ جو لوگ خدا کے علاوہ اوروں کو اپنا کارساز و کارفرما قرار دیتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ وہ ان کی اطاعت (پرستش) اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ان کا وسیلہ بن کر انہیں خدا کا مقرب بنا دیں۔ (یہ ان کی سخت بھول ہے۔ خدا کا مقرب بننے کے لئے کسی وسیلہ اور ذریعہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا طریق فقط یہ ہے کہ خدا کے اس ضابطہ قوانین کی اطاعت کی جائے۔ ۳۹/۵ ؛ ۵۷/۱۷)

لَوْ أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ
الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ
بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

بہرحال' اس باب میں یہ لوگ الگ الگ مسلک اختیار کرتے ہیں۔ اب اللہ (اس قرآن کے ذریعے) ان تمام اختلافی امور کا فیصلہ کردے گا اور یہ بتادے گا کہ) جو شخص ہماری طرف کسی قسم کی جھوٹی بات منسوب کرے' یا جو کچھ ہم نے نازل کیا ہے اس پر پردے ڈالے' وہ کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکے گا۔

۴ (خدا تک پہنچنے کے لئے انسانی وسیلہ کے باطل عقیدہ نے یہ خیال خام پیدا کر دیا کہ خدا کی اولاد بھی ہے۔ اس لئے' اُس تک پہنچنے کے لئے' اس کی اولاد سے بڑھ کر اور کونسا ذریعہ محکم تر ہوسکتا ہے۔ عیسائیوں کا ابنیتِ مسیح کا عقیدہ اسی تصور کا پیدا کردہ ہے)۔ ان سے کہو کہ اگر اللہ نے اپنا بیٹا ہی بنانا ہوتا تو اسے اِس تکلف کی کیا ضرورت تھی کہ اسے کسی عورت کے بطن سے پیدا کرتا)۔ وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا' براہ راست' اپنا بیٹا چن لیتا۔ لیکن خدا اس سے بہت بلند ہے کہ اسے اولاد کی احتیاج ہو۔ وہ خدائے واحد ہے۔ اور تمام قوتوں کا مالک

۵ اس نے اس تمام سلسلۂ کائنات کو' ٹھیک ٹھیک انداز سے' تعمیری نتائج مرتب کرنے کے لئے' پیدا کیا ہے۔ اس نے زمین کی گردش کو اس انداز سے متعین کیا ہے کہ رات کو' دن کے اوپر لپیٹا جاتا ہے' اور دن کو رات کے اوپر (گویا' دن اور رات زمانہ کی پگڑی کے پیچ ہیں جنہیں وہ مسلسل لپیٹتا چلا جارہا ہے)۔ اور اس نے سورج اور چاند کو اپنے قوانین کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ ان اجرامِ فلکی میں سے ہر ایک' ایک مدتِ معینہ تک کے لئے' اپنے اپنے راستے پر چلا جارہا ہے۔ یہ سب کچھ اُس خدا کے قوانین کے مطابق ہو رہا ہے جو پورے پورے غلبہ کا مالک ہے اور ہر شے کی حفاظت کا سامان رکھتا ہے۔ (اس لئے اسے اولاد کی کیا احتیاج ہے؟)

۶ اس نے تمہاری تخلیق کی ابتدا' ایک جرثومہ حیات سے کی (۶/۹۹)۔ پھر اسی ایک جرثومہ کو اس طرح دو حصّوں میں تقسیم کر دیا کہ اس میں سے ایک حصّہ نر بن گیا اور دوسرا مادہ۔ اور اس نے تمہارے لئے مویشیوں کی آٹھ قسمیں بنائیں (یعنی اونٹ' گائے' بھیڑ' بکری

إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ
ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٧﴾ وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ
دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ

کے نر اور مادہ جوڑے۔ ۱۴۶ ـــــ ۱۴۴)۔ جب تم رحمِ مادر میں ہوتے ہو تو وہ عجیب انداز سے تم میں تخلیقی تبدیلیاں پیدا کرتا رہتا ہے ـــــ کبھی ایک حالت۔ پھر اس کے بعد دوسری حالت ـــــ اور یہ سب کچھ (ایک' دو نہیں بلکہ) تین تین پردوں کے اندر ہوتا رہتا ہے[1]۔

یہ ہے تمہارا اللہ جس کے نظامِ ربوبیت کے مطابق تمہاری اس طرح نشوونما ہوتی رہتی ہے۔ کائنات میں تمام اقتدار و اختیار اُسی کا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو کوئی اقتدار حاصل نہیں۔

سو بتاؤ کہ تم (خدا کے قوانین سے منہ موڑ کر) کس طرف جا رہے ہو؟ (کوئی اور سمت جانے کی ہے بھی!)۔

۷ (ان حقائق کے پیشِ نظر' عقل و بصیرت کا تقاضا تو یہی ہونا چاہیئے کہ تم قوانینِ خداوندی ہی کی اطاعت کرو لیکن اگر تم ان قوانین سے سرکشی برتو گے تو اس سے خدا کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ تمہارا اپنا ہی نقصان ہوگا۔ وہ تمہاری اطاعتوں سے مستغنی ہے۔ اگر تم اس کے قوانین سے انکار کر کے اپنے خود ساختہ قوانین کے مطابق زندگی بسر کرو گے تو یہ روش وہ ہوگی جو اس نے انسانیت کی نشوونما کے لئے تجویز نہیں کی۔ اگر تم اس کے قوانین کے مطابق چلو گے تو یہ وہ طریق ہوگا جسے اس نے تمہاری نشوونما کے لئے تجویز کیا ہے۔ (لہٰذا اُس کے قوانین کا ماننا' نہ ماننا' تمہارے اپنے فائدے اور نقصان کے لئے ہے۔ اور اسے بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے قانونِ مکافات کی رُو سے) ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج خود بھگتتا ہے۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ تمہارا ہر قدم' اس کے قانونِ مکافات کی طرف اُٹھ رہا ہے۔ تم اس کے دائرہ سے باہر کہیں جا نہیں سکتے۔ اسلئے تمہارے ایک ایک عمل کا نتیجہ تمہارے سامنے آ کر رہے گا ـــــ صرف انہی اعمال کا نہیں جو محسوس طور پر نظر آتے ہیں۔ تمہارے اُن خیالات اور ارادوں تک کا بھی جو تمہارے دل میں گذرتے ہیں۔

۸ لیکن انسان کی حالت عجیب ہے۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ اپنے

---

[1] یعنی پیٹ۔ رحم اور وہ جھلی جس کے اندر جنین ہوتا ہے ـــ ویسے' اس جھلی کی بھی دو تہیں ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ دو جھلیاں اور رحم کی دیوار' تین پردے بن جاتے ہیں۔

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۣ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ
الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ۱۵
قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى
الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ۱۰

پروردگار کو دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ پکارتا ہے۔ لیکن جب اس کے بعد اسے آسائش مل جاتی ہے تو وہ اپنی اس تمام گریہ وزاری کو بھول جاتا ہے جس کے ساتھ وہ خدا کو پکارتا تھا' اور کہنے لگتا ہے کہ یہ مصیبت تو فلاں کی وجہ سے دور ہوئی۔ اور اس طرح (خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور) دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے گمراہ کرتا ہے۔

تم ان سے کہدو کہ تم 'توانین خداوندی سے انکار و سرکشی کر کے' جس قدر مفاد حاصل کرنا چاہتے ہو' کچھ وقت کے لئے حاصل کر لو۔ پھر آخر الامر یہ سب کچھ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔

۹ (ایک شخص وہ ہے جو اس قسم کی زندگی بسر کرتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس' دوسرا شخص ہے) جو توانین خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرتا ہے۔ اپنی جملہ صلاحیتوں کو نظام خداوندی کے لئے وقف کئے ہے (دن کی بھرپور مصروفیتوں میں تو ایک طرف۔ وہ عند الضرورت) راتوں کو بھی کھڑے اور جھکے ہوئے' اس کی اطاعت کوشی میں مصروف رہتا ہے۔ اور یہ سب اس لئے کہ اس کی نگاہ صرف مفادِ عاجلہ پر نہیں۔ وہ مستقبل پر بھی نگاہ رکھتا ہے اور بہت محتاط رہتا ہے کہ اس میں کوئی خرابی واقع نہ ہو جائے۔ وہ چاہتا یہ ہے کہ خدا کی رحمت و ربوبیت کا نظام عام ہو جائے۔

ان سے پوچھو کہ کیا یہ دونوں شخص کبھی ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ جو اس حقیقت کا علم رکھتے ہیں (کہ انسانی زندگی کا مقصود و منتہیٰ کیا ہے) اور وہ جو اس سے بے خبر ہیں' برابر ہو سکتے ہیں؟

لیکن ان تنبیہات سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو عقل و خرد سے کام لیں۔ (نہ وہ جو محض اپنے جذبات کے پیچھے لگے رہیں)۔

۱۰ ان سے کہو کہ (خدا کہتا ہے کہ) اے وہ لوگو جو ان حقائق پر یقین رکھتے ہو' تم اپنے

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ﴿١١﴾ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٢﴾ قُلْ إِنِّي
أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣﴾ قُلِ اللَّهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ﴿١٤﴾ فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِ ۗ
قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴿١٥﴾

نشوونما دینے والے کے توانین کی پوری پوری نگہداشت کرو۔ یاد رکھو! جو لوگ ان قوانین کے مطابق، حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لئے اس زندگی میں بھی خوشگواریاں ہیں (اور آخرت میں بھی سرفرازیاں ــــ لہٰذا تم اُس کے توانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ اگر اس کے لئے کوئی ایک خطۂ زمین راس نہیں آتا، تو کسی دوسری جگہ سازگار فضا تلاش کرلو) خدا کی زمین بڑی وسیع ہے۔ (یونہی ہمت ہار کر نہ بیٹھ جاؤ۔ استقامت سے کام لو)۔ خدا تمہاری اس استقامت کا اجر اس انداز سے دے گا جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔

۱۱ ان سے کہدو کہ (تم اپنے لئے جو فیصلہ جی چاہے کرو) مجھے تو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ میں توانین خداوندی کی اطاعت اس طرح سے کروں کہ اس میں کسی اور کی اطاعت اور فرماں پذیری کا شائبہ تک نہ ہو۔

۱۲ اور اس طرح، اس جماعت کا پہلا فرد بن جاؤں جس نے ان قوانین کے سامنے سرِتسلیم خم کرنا ہے۔ (یعنی میرا کام صرف دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنا ہی نہیں۔ میرا کام یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے خود ان توانین کی اطاعت کروں۔ اور اس کے بعد دوسروں کو اس کی دعوت دوں اور ایسے لوگوں کی ایک جماعت تیار کروں)۔

۱۳ ان سے کہدو کہ خدا کا قانونِ مکافات ایسا ہے کہ (اس کے نتائج میں کسی کی ذرہ برابر رعایت نہیں کی جاتی۔ اور تو اور) اگر میں بھی اس کے قوانین کی خلاف ورزی کروں، تو مجھے ڈر ہے کہ ظہورِ نتائج کے وقت اس کے عذاب سے کبھی نہ بچ سکوں۔ (اور جب میری اپنی حالت یہ ہے تو تم سوچو کہ میں کسی اور کو ان کے نتائج سے کیسے بچا سکتا ہوں۔ اس باب میں کسی کی کچھ نہیں چل سکتی)۔

۱۴ اس لئے، میں قوانینِ خداوندی کی اطاعت اس طرح کرتا ہوں کہ اس میں کسی اور کی اطاعت کا شائبہ تک نہ ہو۔ (تم بھی ایسا ہی کرو)۔

۱۵ میرا مسلک تو یہ ہے۔ تم اگر خدا کے سوا کسی اور کی اطاعت کرنا چاہتے ہو، تو تمہاری

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ
اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ
اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ
مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ

مرضی۔ تم جس کی جی چاہے اطاعت اختیار کرو۔ اس کا نقصان تم خود اٹھاؤ گے۔ یاد رکھو! اصل نقصان میں وہی لوگ رہیں گے جنہوں نے مستقبل کی زندگی میں' اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو نقصان میں رکھا۔ یہ ایسا نقصان ہے جس کے فی الواقعہ نقصان ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔

۱۶ اُس نقصان زدہ زندگی کی صورت یوں سمجھو کہ اوپر سے بھی' خاکستر کر دینے والے شعلے برسیں گے اور نیچے سے بھی ایسے ہی شعلے۔ یہ ہے وہ ہمہ گیر تباہی جس سے اللہ اپنے بندوں کو آگاہ کرتا ہے۔ اور ان سے کہتا ہے کہ تم اس سے بچنے کے لئے میرے قوانین کی پناہ میں آجاؤ۔

۱۷ یاد رکھو! جو لوگ غیر خداوندی قوتوں کی اطاعت سے محترز رہتے ہیں اور زندگی کے ہر قدم پر قوانینِ خداوندی کی طرف رجوع کرتے ہیں' ان کے لئے زندگی کی خوشگواریوں کی خوشخبری ہے۔

۱۸ یہ خوشخبری اُن لوگوں کے لئے ہے جو اس قرآن کو نہایت غور و خوض سے سنتے (اور سمجھتے) ہیں۔ اور پھر دیکھتے ہیں کہ جو معاملہ زیرِ نظر ہے' اُس کے لئے اس کا کونسا حکم سب سے زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔ اس حکم کا اتباع کرتے ہیں۔ (اسی کو تدبر فی القرآن کہا جاتا ہے۔ ۴/۸۲ ؛ ۳۹/۵۵)۔ یہ ہیں وہ لوگ جو خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں۔ انہی کو صحیح معنوں میں صاحبانِ عقل و بصیرت کہا جا سکتا ہے۔ (یعنی قرآن پر غور و فکر کرنے والے اور اس کی روشنی میں اپنی عقل سے کام لینے والے)۔

۱۹ جو شخص اس روش کے خلاف چلتا ہے' اس کا انجام' قانونِ خداوندی کے مطابق' تباہی ہے۔ ایسے شخص کو' اس تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

۲۰ لیکن جو لوگ اپنے نشوونما دینے والے کے قانونِ ربوبیت کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں' ان کے لئے زندگی کی کشادگیاں اور فراوانیاں۔ بلندیاں اور سرفرازیاں

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ
زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾
اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ
فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

ہیں۔ وہ جوں جوں ارتقائی منازل طے کرتے چلے جاتے ہیں' ان فراوانیوں اور سرفرازیوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان کی زندگی کی عمارت بڑی محکم بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ ان کے حسن عمل کی شادابیوں میں کبھی کمی اور افسردگی نہیں آتی۔ یہ خدا کے قانونِ ربوبیت کا حتمی اور اٹل نتیجہ ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔

۲۱ (اس کا مشاہدہ کہ خدا کا قانون ربوبیت کس طرح اپنے نتائج مرتب کرتا ہے' تم ہر روز کرتے رہتے ہو۔ مثلاً) تم دیکھتے ہو کہ اللہ بادلوں سے مینہہ برساتا ہے اور اس سے زمین میں' (ندی۔ نالے اور) چشمے بہتے ہیں۔ اس پانی سے رنگا رنگ کی کھیتیاں اُگتی ہیں۔ پھر فصلیں پک کر خشک ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ چورہ چورہ ہو جاتی ہیں (اور اس طرح اناج الگ ہو جاتا ہے اور بھوسہ الگ)۔

ربوبیت کے اس کائناتی نظام میں' صاحبانِ عقل و بصیرت کے لئے سوچنے اور سمجھنے کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں

۲۲ (ان امور پر غور کرنے سے انسان کا دل' خدا کے قانون کو قبول کرنے کے لئے کھل جاتا ہے) سو جس کا دل' اس طرح' اسلام کے لئے کھل جائے' اور وہ اپنے نشوونما دینے والے کی عطا کردہ روشنی (وحی) میں سفرِ زندگی طے کرے (کیا وہ اس کے برابر ہو گا) جس کا دل قانونِ خداوندی کی قبولیت کے لئے پتھر جیسا سخت اور جامد ہو جائے۔ یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں' اور ان کے لئے تباہی اور بربادی ہے۔

۲۳ اللہ نے اس وحی کو اس انداز سے نازل کیا ہے کہ یہ اپنے حسن و توازن میں کمال تک پہنچ گئی ہے۔ اس کی ہر ایک شق' دوسری سے ملتی ہے۔ کہیں کوئی اختلاف نہیں۔ تضاد نہیں۔ پھر اس کے مطالب کی وضاحت متضاد چیزوں کو سامنے لا کر کی گئی ہے ـــــ مثلاً نور کے مقابلہ میں ظلمات۔ حیات کے مقابلہ میں ممات وغیرہ۔ اس تقابل سے بات بڑی واضح ہو جاتی ہے

رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ أَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَأَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ
الْأٰخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

—— نیز (تصریف) آیات (بات کو دہرانے) سے بھی اس کے مطالب کو واضح کیا گیا ہے۔ اس طرح 'یہ کتاب' اپنی تفسیر آپ کر دیتی ہے۔ (۱۵/۱۰۷)۔

جو لوگ قرآن پر اس طرح غور و فکر کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی کے نتائج کس قدر تباہ کن ہیں' تو اس احساس سے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے —— لیکن اس سے ان کے حوصلے پست نہیں ہوتے۔ ان کے دل' قوانین خداوندی کی اطاعت کے لئے اور نرم ہو جاتے ہیں۔

یہ ہے وہ ضابطۂ ہدایت جس سے وہ' ہر اس شخص کی صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کر دیتا ہے جو اس سے راہ نمائی حاصل کرنا چاہے۔ لیکن جو شخص کوئی ایسا راستہ اختیار کرے جسے یہ وحی غلط قرار دیتی ہے' تو اسے منزلِ مقصود تک کوئی نہیں پہنچا سکتا (یاد رکھو —— غلط راستہ کبھی صحیح منزل تک نہیں پہنچایا کرتا)۔

۲۴ ذرا سوچو کہ جو شخص (قانونِ خداوندی کو سپر بنانے کے بجائے) خود اپنے آپ کو سپر بنائے اور اس طرح تباہی کے عذاب سے بچنا چاہے (وہ کبھی اس عذاب سے بچ سکتا ہے؟ یہ اس کی بھول ہے)۔ اُس وقت (ظہورِ نتائج کے وقت) اِن لوگوں سے جنہوں نے قانونِ خداوندی سے سرکشی برتی ہوگی' کہا جائے گا کہ تم اپنے اعمال کے نتائج کا مزہ چکھو۔ اس عذاب سے (ان میں سے) کوئی نہیں بچ سکے گا۔

۲۵ اِن سے پہلے بھی کئی قوموں نے قوانینِ خداوندی کو جھٹلایا تھا۔ سو اُن پر اُن اُن راستوں سے تباہی آئی جو اُن کے عقل و شعور میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔

۲۶ اُنہیں اِس دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی نصیب ہوئی —— باقی رہا اُخروی زندگی کا عذاب سو وہ اس سے کہیں بڑا ہوگا۔

اے کاش! یہ لوگ اس بات کو سمجھ لیتے (کہ جو کچھ اقوامِ سابقہ کے ساتھ ہوا' وہی کچھ

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ
لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾

ان کے ساتھ بھی ہوگا)۔

۲۷ ہم اس قرآن میں مختلف مثالوں، اور اقوام سابقہ کی تاریخی یادداشتوں سے مطالب کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھ سکیں۔

۲۸ اسی مقصد کے لئے ہم نے اس قرآن کو صاف اور غیر مبہم زبان (عربی) میں نازل کیا ہے۔ اس میں کسی قسم کا پیچ و خم نہیں۔ ابہام اور ایہام نہیں۔ تاکہ یہ لوگ (اسے سمجھ کر) زندگی کے خطرات سے بچ کر چلیں۔

(ایک خدا کے احکام و قوانین کی اطاعت سے کس قدر سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے) اس کا اندازہ ایک مثال سے لگاؤ۔

۲۹ ایک شخص بہت سے لوگوں کا مشترکہ ملازم ہے۔ اُس کے وہ آقا بڑے تنگ نظر بھی ہیں، اور تند خوئی کی وجہ سے جھگڑنے والے بھی —— (ذرا سوچو کہ ایسے آقاؤں کی ملازمت میں اس شخص کی حالت کیا ہوگی؟) اس کے برعکس، دوسرا شخص ہے جو صرف ایک ہی مالک کا ملازم ہے۔

کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہوگی؟ کبھی نہیں ہوسکتی (اس سے اندازہ لگاؤ کہ جو شخص دنیا میں مختلف قوتوں کے احکام، یا خود اپنے جذبات کے تابع چلے جن میں ہر وقت کشمکش جاری رہتی ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں ایک ایسا شخص جو صرف ضابطۂ خداوندی کا اتباع کرے، جس میں کوئی ریب و تشکیک نہیں۔ کوئی نفسیاتی کشمکش یا اضطراب انگیز بات نہیں، —— کہو کہ ان میں سے کون اطمینان کی زندگی بسر کرے گا! (۱۲/۴)۔

یہ ہے خدا کا ضابطۂ قوانین —— سو کس قدر درخور حمد و ستائش ہے اس قسم کا ضابطہ جس کی اطاعت میں زندگی کے ہر قسم کے تضادات خود بخود حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن اکثر لوگ (عقل و خرد سے کام نہیں لیتے اور) اس حقیقت کو نہیں سمجھتے (کہ حقیقی راحت و سکون ایک خدا کے قوانین کی اطاعت ہی سے مل سکتا ہے)۔

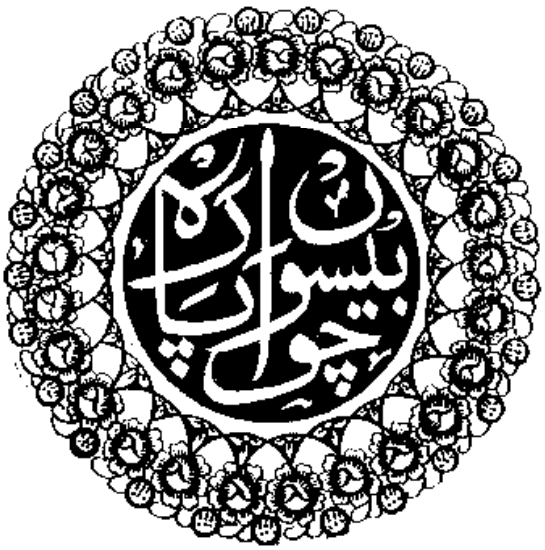
۳۰ بہرحال ان لوگوں سے جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو نے بھی مرنا ہے انہوں نے

ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿٣١﴾

بھی مرنا ہے۔

۳۱ اس کے بعد ظہورِ نتائج کے وقت یہ تمام معاملات سامنے آجائیں گے۔ وہاں ان تمام جھگڑوں کے فیصلے ہو جائیں گے۔ اعمال کے نتائج خود بتا دیں گے کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ (کسی دعوے کے غلط یا صحیح ہونے کا ثبوت اس کے نتائج سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے[۵]؟)

[۵] PRAGMATIC TEST.



فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ

اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

---

۳۲ وہاں یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کوئی نہ تھا جس نے اپنی طرف سے بات بنا کر اسے خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ اور نہ ہی اس سے زیادہ، جس نے سچائی کو جھٹلایا جب وہ اس کے سامنے آئی۔ وہاں یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ قوانین خداوندی سے انکار کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔

۳۳ اس کے برعکس، جس شخص نے سچائی کو پیش کیا، اور جس نے اس سچائی کی تصدیق کی، تو یہی لوگ ہیں جو غلط روش کے تباہ کن نتائج سے محفوظ رہیں گے۔

۳۴ وہ جو کچھ چاہیں گے انہیں اپنے نشوونما دینے والے کے قانونِ مکافات کی رو سے ملیگا —— یہ ظاہر ہے کہ وہ چاہیں گے ہی وہی جو قوانین خداوندی کے مطابق ہوگا —— جو لوگ بھی حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کریں گے ان کے اعمال کا ایسا ہی نتیجہ ہوگا۔

۳۵ ان کا حسن عمل، ان ناہمواریوں کو بھی دور کر دیتا ہے جو ان سے (سہو و خطا کی

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾ وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انتِقَامٍ ﴿٣٧﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٣٨﴾

بناپر) سرزد ہو جاتی ہیں اور مثبت طور پر ان کے لئے بہترین نتائج کا حامل بھی ہوتا ہے۔

۳۶ یہ لوگ تجھے ڈراتے ہیں کہ تو ان کے جن دیوتاؤں، مذہبی پیشواؤں یا سرغنوں کی مخالفت کرتا ہے وہ تجھے نقصان پہنچائیں گے۔ ان سے کہو کہ مجھے ان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ اپنے بندے کے لئے کافی محافظ ہے۔

(اصل یہ ہے کہ یہ لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لینا چاہتے، بلکہ اپنی مفاد پرستی کا اتباع، یا آباء و اجداد کی اندھی تقلید کرنا چاہتے ہیں۔ اور خدا کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کی روش اختیار کر لیں، اور ضد اور تعصب کو چھوڑنا نہ چاہیں، ان کے سامنے زندگی کا صحیح راستہ آ نہیں سکتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ) جو اس طرح غلط راستے پر چلا جائے اسے صحیح راستہ کون دکھا سکتا ہے؟

۳۷ اس کے برعکس، جو شخص اپنی عقل و بصیرت سے کام لے کر ضابطۂ خداوندی کا بتایا ہوا صحیح راستہ اختیار کر لے اسے کوئی غلط راستے پر نہیں لگا سکتا۔

(یہ سب کچھ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ اُس خدا کا قانون ہے جو) بڑی قوتوں اور غلبہ کا مالک ہے، اور اُس کی یہ قوت اور غلبہ اس مقصد کے لئے ہے کہ ہر ایک اپنے اعمال کا صحیح صحیح بدلہ پا سکے۔

۳۸ اگر تو ان سے پوچھے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو کس نے پیدا کیا ہے، تو یہ اقرار کریں گے کہ انہیں اللہ ہی نے پیدا کیا ہے (۲۹/۶۱)۔ ان سے کہو کہ جب ساری کائنات کا خالق اور مالک وہ ہے، تو پھر جن ہستیوں کو تم اس کے سوا، پکارتے ہو، ان میں اس قسم کی قوت کیسے ہو سکتی ہے کہ اگر خدا (اپنے قانونِ مکافات کے مطابق) مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو یہ اُس نقصان کو دور کر دیں۔ یا (اُسی قانون کے مطابق) وہ مجھ پر اپنی رحمت کی فوازش کرنا چاہے تو یہ اُسے روک لیں۔

ان سے کہو کہ جب واقعہ یہ ہے تو میرا یہ کہنا حقیقت پر مبنی ہے کہ میری حفاظت کیلئے

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا
يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

میرا خدا کافی ہے۔ (مجھے اُس کے قانون مکافات کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ ہے) اور ہر بھروسہ کرنے والا اسی پر بھروسہ کرتا ہے۔

۳۹ ان سے کہدو کہ (یہ دیکھنے کے لئے کہ خدا کا قانونِ مکافات کس طرح اپنے نتائج مرتب کرتا ہے)۔

۴۰ تم اپنی جگہ اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتے جاؤ۔ میں اپنی جگہ اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتا ہوں۔ نتائج خود بتادیں گے کہ کون ذلیل و خوار ہوتا ہے اور کس پر وہ تباہی آتی ہے جو آکر پھر جایا نہیں کرتی — یعنی ہلاکت انگیز تباہی — (۶/۱۳۶ ؛ ۱۱/۱۲۱—۹۳ ؛ ۲۰/۱۳۵ ؛ ۳۹/۳۹)۔

۴۱ (تو انہیں یہ چیلنج پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ دیدے۔ اس لئے کہ) ہم نے تیری طرف جو یہ ضابطۂ حیات نازل کیا ہے اس کا ہر دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے اور اس کا مقصد نوع انسان کی بھلائی ہے۔ جو شخص اس کے مطابق زندگی بسر کرے گا اس کا فائدہ خود اُسی کو ہوگا۔ اور جو اسے چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرلے گا تو اس کا نقصان بھی اسی کو ہوگا۔ (اب یہ ان کے اپنے فیصلہ پر منحصر ہے کہ یہ کونسا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں) تو ان پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا (کہ انہیں زبردستی سیدھی راہ پر چلائے)۔

۴۲ (لیکن اختیار و ارادہ بھی تو اُسی کا روبہ عمل آسکتا ہے جو اپنے شعور سے کام لے۔ شعور کے معطل یا سلب ہوجانے کی حالت میں انسان اپنے اختیار و ارادہ سے کام ہی نہیں لے سکتا۔ اس کا مشاہدہ تم اپنی طبیعی زندگی میں ہر روز کرتے ہو۔ مثلاً نیند کی حالت میں یا موت کی صورت میں انسانی شعور باقی نہیں رہتا — نیند کے بعد جب انسان بیدار ہوجاتا ہے تو اس کا شعور واپس آجاتا ہے۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ اس انسان کا شعور کچھ وقت کے لئے معطل ہوگیا تھا)۔ لیکن موت کی صورت میں وہ شعور اُس کے طبیعی جسم کی طرف لوٹ کر نہیں آتا۔ (یعنی جہانتک اُس کی اِس دنیا کی زندگی کا تعلق ہے وہ سلب ہوجاتا ہے)۔ اِن دونوں حالتوں میں جب شعور کارفرما نہیں ہوتا انسان اپنے اختیار و ارادہ کو کام میں نہیں لاسکتا۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾ قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ
لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٤٤﴾ وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ
لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٥﴾

(یہی شکل انسان کی اخلاقی دنیا میں بھی ہے۔ جب اُس پر اس کے جذبات غالب آجائیں یا اس نے اندھی تقلید کی روش اختیار کر رکھی ہو تو اس کا شعور بیکار ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اگر وہ ضد اور تعصب سے کام نہیں لیتا تو اس کے شعور کے کارفرما ہونے کا امکان ہوتا ہے جس سے وہ صحیح راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن اگر وہ ضد اور تعصب میں آگے ہی آگے بڑھتا جائے تو اسکی شعوری صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں اور ان کی بازیابی کا امکان ہی نہیں رہتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں۔ ۲؎)۔

ان حقائق میں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیں حقیقت تک پہنچنے کی واضح نشانیاں ہیں۔

۴۳ ان تصریحات کی روشنی میں سوچو کہ جن لوگوں کی جہالت اور توہم پرستی کا یہ عالم ہو کہ وہ خدا کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی مٹی کی مورتیوں یا اپنے قیاسات کے تراشیدہ دیوی دیوتاؤں کو اپنے مددگار اور مصیبتوں میں ساتھ کھڑے ہو جانے والے خیال کریں حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ انہیں نہ کسی قسم کی کوئی قوت حاصل ہے اور نہ ہی وہ عقل و خرد کے مالک ہیں (انہیں کس طرح صاحبِ فکر و شعور کہا جا سکتا ہے؟)

۴۴ ان سے کہو کہ یہ تمام خصوصیات کہ وہ آڑے وقت میں انسان کے کام آئے اور مشکلات میں اس کے ساتھ کھڑا ہو) صرف قانونِ خداوندی کو حاصل ہیں ——— اُس خدا کے قانون کو جس کے کنٹرول میں تمام کائنات کا نظم و نسق ہے۔ کوئی انسان اُس کے قانونِ مکافات کے احاطہ سے باہر نہیں رہ سکتا۔ ہر ایک کا قدم اُس کی طرف اُٹھ رہا ہے۔ ہر ایک کشاں کشاں اس کی طرف جا رہا ہے۔

۴۵ لیکن جو لوگ خدا کے قانونِ مکافات اور حیاتِ اُخروی پر یقین نہیں رکھتے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جملہ اقتدار اور اختیار صرف خدا کو حاصل ہے اس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں تو انہیں یہ بات سخت ناگوار گزرتی ہے۔ لیکن جب ان کے سامنے ان کا ذکر کیا جاتا ہے جنہیں وہ خدا کے سوا اپنا کارساز سمجھتے ہیں تو خوشی سے ان کی باچھیں کھل جاتی

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ
بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

ہیں ($\frac{۱۷}{۴۶}$ ؛ $\frac{۱۸}{۵۷}$ ؛ $\frac{۴۰}{۱۲}$)۔

۴۶ تو (ان کی اس مخالفت اور نفرت کے علی الرغم اپنی اس پکار کو دہرائے چلا جا کہ اے اللہ! تو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ تجھے حاضر و غائب (مشہود و نامشہود) سب کا علم ہے۔ اور جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں تو ان کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔ (اسلئے کہ انسانوں کا علم محدود ہوتا ہے اور تیرا علم لامحدود ہے)۔

۴۷ (تو اپنی اس دعوت کو عام کرتا جا اور اس کی فکر نہ کر کہ اس کے خلاف ان لوگوں کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ جب ظہور نتائج کا وقت آئے گا تو یہ لوگ اُس تباہی سے بچنے کے لئے جو ان کے اعمال کا نتیجہ ہو گی اگر (فرض کیجئے) ساری دنیا کی دولت بلکہ اس کے ساتھ اتنی ہی اور بطور فدیہ دینا چاہیں گے تو بھی اس تباہی سے چھٹکارا نہیں ہو سکے گا۔ خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے وہ کچھ ان کے سامنے آئے گا جس کا انہیں سان گمان بھی نہ تھا۔

۴۸ یعنی ان کے اپنے اعمال کی پیدا کردہ ناہمواریاں اُبھر کر ان کے سامنے آجائیں گی اور جس تباہی کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی۔ ($\frac{۵۹}{۳۹}$)۔

۴۹ انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ اور جب ہم اسے کسی نعمت سے نوازتے ہیں تو کہنے لگ جاتا ہے کہ یہ سب کچھ میری اپنی ہنرمندی کا نتیجہ ہے۔ (کہاں کا خدا اور کونسا اُس کا قانون؟)۔ حالانکہ یہ اس کی کھلی ہوئی حماقت اور گمراہی ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے (کہ جو کچھ انسان کو ملتا ہے اس میں کچھ حصہ اس کی محنت کا ہوتا ہے اور بہت سا ان اسباب و ذرائع کا جو خدا کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ ملتے ہیں۔ انسانوں کے خود ساختہ نظام زندگی کی بنیاد اس غلط تصور پر ہے کہ انسان کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ خالصتہً اس کی اپنی ہنرمندی کا نتیجہ ہوتا ہے اس لئے اس کے استعمال اور تصرف میں خدا کے

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۚ وَالَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَ
اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

ضابطہ کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہیئے)۔

۵۰ (یہ کوئی نئی بات نہیں جو اس وقت پہلی بار کہی گئی ہو)۔ اس قسم کی باتیں وہ لوگ بھی کیا کرتے تھے جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ (ہر دور کے سرمایہ پرست اپنے نظام کے جواز میں یہی دلیل دیا کرتے تھے ۲۸/۷۸)۔ لیکن جب ان کے غلط نظریہ کی پیدا کردہ تباہیاں ان کے سامنے آئیں تو ان کا کسب و ہنر ان کے کسی کام نہ آیا۔

۵۱ اُن کی غلط روش کی پیدا کردہ ناہمواریاں اُن کے سامنے آگئیں۔ (سو جو کچھ ان پہلے لوگوں کے ساتھ ہوا' وہی کچھ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جنہوں نے اس وقت ظلم اور زیادتی کی راہ اختیار کر رکھی ہے۔ ان کے اعمال کے تباہ کن نتائج بھی ان کے سامنے آکر رہیں گے۔ یہ ہمارے قانون مکافات کو شکست نہیں دے سکیں گے کہ اس سے بچ کر نکل جائیں۔

۵۲ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ رزق کی صحیح بست و کشاد خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ جو اس قانون کے مطابق چلے اس کا رزق کشادہ ہو جاتا ہے۔ جو اس کی خلاف ورزی کرے اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے۔ (۱۳/۲۶)۔ اس بات میں بھی حقیقت تک پہنچنے کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ لیکن ان نشانیوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اس کی صداقت کو تسلیم کریں۔

۵۳ لہٰذا' جو لوگ ہمارے قانون کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپ پر زیادتی کر بیٹھے ہیں' ان سے کہدو کہ ان کے لئے مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ان کے جو حالات ہمارے قوانین کے خلاف چلنے سے بگڑ گئے ہیں' وہ ہمارے قانون کے مطابق چلنے سے پھر سے سنور سکتے ہیں۔ یہ قانون ایسا ہے کہ اس کے اتباع سے سابقہ لغزشوں کے پیدا شدہ نقصانات کی تلافی بھی ہو جاتی ہے' اور مزید نشو و نما کا سامان بھی مل جاتا ہے — اس سے تخریبی عناصر سے حفاظت' اور تعمیر خویش کے مواقع دونوں حاصل ہو جاتے ہیں۔

۵۴ لہٰذا' تم خدا کے قانون کی طرف رجوع کرو اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دو۔ لیکن ایسا

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ
تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ
هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾
بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى
اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۚ لَا
يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾

دیر مت کرو۔ اس لئے کہ جب یہ مہلت کا وقفہ ختم ہو گیا اور ظہورِ نتائج کا وقت آ گیا' تو پھر تمہیں اس تباہی سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا۔

۵۵ لہٰذا۔ قبل اس کے کہ وہ آنے والی تباہی دفعتہً تمہارے سامنے نمودار ہو جائے' درآنحالیکہ تمہیں اس کی خبر تک نہ ہو' اس ضابطۂ خداوندی کا اتباع کرو۔ اس طرح کہ جو معاملہ سامنے آئے' یہ دیکھو کہ اُس پر اِس کے کون سے حکم کا ٹھیک ٹھیک اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے مطابق عمل کرو۔ (۳۹/۱۸)۔

۵۶ ہم اس تنذیر کو بار بار اس لئے دہرا رہے ہیں کہ اُس وقت کوئی یہ نہ کہے کہ کس قدر افسوس ہے کہ میں نے (بے خبری کے عالم میں) خدا کے قانونِ مکافات کے متعلق صحیح اندازہ لگانے میں کوتاہی کی' اور میں اسے یونہی مذاق سمجھتا رہا۔

۵۷ یا یہ کہے کہ اگر مجھے اللہ کی طرف سے راہ نمائی مل جاتی تو میں بھی متقین کی جماعت میں شامل ہو جاتا۔

۵۸ یا اُس تباہی کو دیکھ کر کہے کہ' اگر زندگی کا دھارا ایک مرتبہ پیچھے کو لوٹ جائے' تو میں بہت اچھے کام کر کے دکھاؤں۔

۵۹ (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ہم اس تنذیر کو بار بار اس لئے دہرا رہے ہیں کہ) اُس وقت ان سے کہا جا سکے کہ ہاں! تمہارے سامنے ہمارے قوانین پیش کئے جاتے رہے لیکن تم نے ان کی تکذیب کی۔ ان سے سرکشی برتی۔ اور ان کے ماننے سے انکار کر دیا۔

۶۰ ظہورِ نتائج کے وقت' تو دیکھے گا کہ جو لوگ خدا کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے تھے انہیں کس قدر ذلت اور روسیاہی نصیب ہوتی ہے۔ ان متکبرین کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔

۶۱ اور جن لوگوں نے قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کی تھی' انہیں وہ' بڑی

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾
وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَ
تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾

کامیابی اور کامرانی کے ساتھ اس ذلت و رسوائی کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ نہ انہیں کسی قسم کی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین اور افسردہ خاطر ہوں گے۔ (یعنی نہ صرف یہ کہ انہیں ذلت و رسوائی کے عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا ـــــ کہ یہ تو محض منفی پہلو ہے ـــــ بلکہ ایجابی طور پر کامیابیاں اور کامرانیاں بھی ان کے حصے میں آئیں گی ۳۹/۳۴)۔

۶۲ (یہ سب کچھ خدا کے قانونِ تخلیق و ارتقاء کے مطابق ہوگا۔ اس لئے کہ) وہ ہر شے کا خالق ہے (لہٰذا جانتا ہے کہ اُس میں کیا کچھ بننے کے امکانات ہیں) اور اس کا کفیل بھی کہ جو کچھ اس شے نے بننا ہے وہ، وہ کچھ بن جائے۔ اسی لئے وہ ہر شے کی نگرانی بھی کرتا ہے۔

۶۳ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں تمام اختیارات و اقتدارات اس کے قبضے میں ہیں۔ لہٰذا جو لوگ اس کے قوانین کے خلاف چلیں گے، وہ نقصان اٹھائیں گے۔ (یہ ہو نہیں سکتا کہ انسان اُس کے قوانین کی خلاف ورزی کر کے اپنے لئے خوشگوار نتائج پیدا کر لے۔ یہ تو خدا کو شکست دیدینے کے مترادف ہوگا، جو ناممکن ہے)۔

۶۴ ان سے پوچھو کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایسے خدا کے قانون کی اطاعت چھوڑ کر اوروں کی اطاعت کروں؟ تم بڑے ہی نادان ہو (جو مجھ سے ایسا مطالبہ کرتے یا توقع رکھتے ہو)۔

۶۵ ہم شروع سے ہر رسول کی معرفت یہ پیغام بھیجتے رہے ہیں۔ اور اسی کے مطابق اب تمہاری طرف یہ وحی بھیجی جاتی ہے کہ (اور تو اور) اگر تو بھی خدا کے ساتھ کسی اور کی اطاعت کرے گا تو تیرے تمام اعمال رائگاں چلے جائیں گے اور تو سخت نقصان اٹھائے گا۔ (۶/۱۵ ؛ ۱۰/۱۰۴)۔

۶۶ اس لئے تو صرف ایک خدا کے قوانین کی اطاعت کر۔ اس طرح تیرے اعمال بھرپور نتائج کے حامل ہوں گے۔

۶۷ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے خدا کے متعلق صحیح صحیح اندازہ ہی نہیں لگایا اور سمجھا ہی نہیں

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾

کہ اُس کا مقام کیا ہے۔ (۲۲/۷۴ ؛ ۲۲/۷۵) (اسی لئے یہ سمجھتے ہیں کہ خارجی کائنات میں تو خدا کا قانون کارفرما رہنا چاہیئے لیکن انسانی معاشرہ ان کے خود ساختہ قوانین کے مطابق متشکل ہونا چاہیئے۔ یہی وہ عملی شرک ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن کے انقلابی دور[۱] میں یہ صورت نہیں ہوگی۔ اس میں خارجی کائنات اور انسانی معاشرہ کی ثنویت باقی نہیں رہے گی۔ دونوں میں خدا ہی کے قوانین کارفرما ہوں گے —— اس کے ایک ہاتھ میں زمین ہوگی دوسرے میں آسمان —— اور یوں وہ عملی شرک ختم ہو جائے گا جس سے خدا بہت دور اور بلند ہے۔ (۲۳/۲۱ — ۲۰ ؛ ۴۳/۸۴)۔

۶۸ جب اس انقلاب کے لئے پہلا بگل بجے گا تو پستیوں اور بلندیوں (ارض و سما) میں سب حواس باختہ ہو جائیں گے سوائے اُن کے جو خدا کے قانون مشیت کے مطابق اپنے اوسان خطا نہ ہونے دیں[۲]۔ (۲۷/۸۷)۔

اس کے بعد جب پھر بگل بجے گا تو اُس وقت سب اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے اور خدا کی ربوبیت عامہ کو اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لیں گے۔ (۳۶/۵۳)۔

۶۹ اُس وقت زمین (انسانی معاشرہ) خدا کی عالمگیر ربوبیت کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور معاملہ

---

[۱] مرنے کے بعد کی زندگی۔ قیامت۔ جنت۔ جہنم ایسی حقیقتیں ہیں جن پر ہمارا ایمان ہے۔ اس ایمان کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ لیکن قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ مکافاتِ عمل کی ابتدا اسی دنیا سے ہو جاتی ہے۔ اور جو معاشرہ خدا کے قوانین کے مطابق متشکل ہو اس کا نقشہ اسی قسم کا ہوتا ہے جیسا مرنے کے بعد کی قیامت کا —— یعنی ہر بات کا فیصلہ عدل کے مطابق۔ ہر عمل کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ۔ اعمالِ حسنہ کے خوشگوار نتائج۔ غلط اعمال کے تباہ کن عواقب۔ اس حقیقت کے پیش نظر آیت (۳۹/۶۹) سے آخر سورت تک جو کچھ کہا گیا ہے اُس سے اِس دنیا میں قرآنی انقلاب بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور مرنے کے بعد کی قیامت بھی۔ ہم نے اول الذکر مفہوم لیا ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ آیت (۳۹/۷۴) میں وراثتِ ارض کا ذکر ہے اِس سے اِس دنیا کی فتوحات مراد لینا زیادہ صحیح ہے۔

[۲] اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سے مراد بلا استثناء بھی ہو سکتا ہے لیکن آیت (۲۷/۸۷) میں قرآن نے جو استثناء خود کی ہے اس کے پیش نظر [۱] مفہوم کو ترجیح دی گئی ہے۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٧٠﴾ وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ
إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ
لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا
جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾

خدا کے ضابطۂ قوانین کے مطابق طے ہوگا۔ اس طرح زندگی کا وہ نقشہ مرتب اور مکمل ہو کر سامنے آجائیگا جس کے لئے انبیاءؑ آتے رہے اور جماعتِ مومنین جس کی شہادت دیتی رہی۔ اُس دور میں لوگوں کے تمام معاملات کے فیصلے حق کے ساتھ ہوں گے اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔ نہ ہی کسی کے حق میں کوئی کمی کی جائے گی۔

۷۰ ہر شخص کو اس کے کام کا پورا پورا صلہ ملے گا۔ کسی کا کوئی کام نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے پائے گا۔

۷۱ قوانین خداوندی سے انکار و سرکشی برتنے والوں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف لے جایا جائیگا حتیٰ کہ جب وہ اس کے قریب پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس خدا کے رسول نہیں آئے تھے، جو تم میں سے ہی تھے اور جو تمہارے سامنے خدا کے قوانین پیش کرتے تھے اور تم سے کہتے تھے کہ یاد رکھو! تمہیں ایک دن اپنے ان اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ وہ نتائج تمہارے سامنے آکر رہیں گے ——— وہ کہیں گے کہ ہاں! یہ سب کچھ ہوا تھا۔ (۶/۱۳۱)۔

اس طرح خدا کا وہ قانون جس کے مطابق انسانوں پر ان کے اعمال کے بدلے میں تباہی آتی ہے ایک حقیقتِ ثابتہ بن کر سامنے آجائے گا اور جو لوگ اس سے انکار کیا کرتے تھے وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

۷۲ ان سے کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اور خود دیکھ لو کہ قوانین خداوندی سے سرکشی برتنے والوں کا ٹھکانہ کیسا بُرا ہے۔

۷۳ ان کے برعکس جو لوگ قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کریں گے انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ چنانچہ جب وہ اس کے قریب پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے

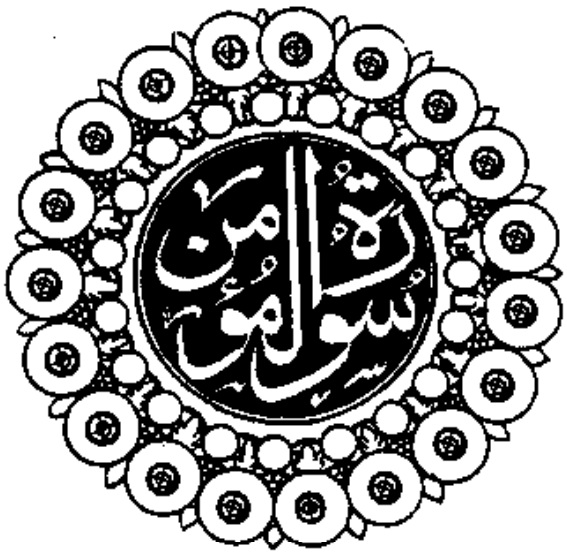
وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ
الْعٰمِلِیْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَی الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ
بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۵﴾

جائیں گے' اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے کہ تم پر ہر طرح کی سلامتی ہے۔ تم اس میں خوشگواریوں کی زندگی بسر کرو۔

۷۴ وہ اپنے اعمال کے ان درخشندہ نتائج کو دیکھ کر پکار اٹھیں گے کہ فی الحقیقت درخورِ ہزار حمد و ستائش ہے خدا کا قانونِ مکافات جس کے مطابق خدا کے تمام وعدے پورے ہوئے' اور ہمیں دنیا میں ملکت اور حکومت عطا ہو گئی (۲۴/۵۵ ؛ ۳۵/۳۹)۔ اور ہمیں اس میں ایسی آزادی مل گئی کہ ہم اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں۔

کام کرنے والوں کا یہ کیسا اچھا صلہ ہے!

۷۵ اور جملہ کائناتی قوتیں' اور مدبراتِ امورِ الٰہیہ' خدا کے تخت اجلال کے گرد احاطہ کئے ہوں گے؛ اور اس کے نظامِ ربوبیت کو درخورِ حمد و ستائش بنانے کے لئے نہایت مستعدی سے سرگرمِ عمل۔ اُس وقت تمام انسانی امور کے فیصلے حق کے ساتھ ہوں گے۔ اور خدا کی ربوبیتِ عالمین اس حسن و خوبی سے آشکارا ہو گی کہ ہر ایک کی زبان اُس کی حمد و ستائش میں زمزمہ بار اور نغمہ سنج ہو گی۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي
الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ

۱ خدائے حکیم وعلیم کا ارشاد ہے کہ

۲ یہ ضابطۂ قوانین اس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جو بڑے غلبہ واقتدار کا مالک اور ہر بات کا علم رکھتا ہے۔

۳ اس ضابطہ پر چلنے والوں سے اگر کہیں سہو وخطا ہو جائے تو یہ ایسا طریق بھی بتاتا ہے جس سے وہ اس لغزش کے مضر اثرات سے محفوظ رہ سکیں (۱۱/۱۱۴)۔ اگر کسی دوراہے پر ان کا قدم غلط سمت کی طرف اٹھ جائے اور وہ اپنی غلطی کو محسوس کر کے پلٹ آئیں تو انہیں بازآفرینی کا موقع دیتا ہے۔ دوسری طرف جو لوگ اس ضابطہ سے عمداً سرکشی برتیں ان کی سخت گرفت کرتا ہے۔ اس کا قانونِ مکافات بڑی قوتوں کا مالک ہے اس لئے اس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ کائنات میں اُس کے سوا کسی کا اختیار واقتدار نہیں اور ہر عمل کا نتیجہ اسی کے قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔

۴ اس کے قوانین کی صداقت کے بارے میں وہی لوگ جھگڑے کھیڑے نکالتے ہیں جو پہلے ہی

فِي الْبِلَادِ ۝٤ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ
وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝٥ وَكَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى
الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝٦ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَ
يَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝٧

یہ فیصلہ کرلیں کہ ہم نے انہیں ماننا ہی نہیں۔ ان لوگوں کو اس وقت بستیوں اور شہروں میں تصرف حاصل ہے (اور اسی کی بنا پر انہوں نے اس قسم کی دھاندلی کی روش اختیار کر رکھی ہے)۔ لیکن یہ بات تمہیں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ کردے۔ (ان کا انجام تباہی اور بربادی ہوگا۔ اس کا ثبوت اقوام سابقہ کی سرگزشتوں سے مل سکتا ہے)۔

۵ (مثلاً) ان سے پہلے قوم نوحؑ نے اور اس کے بعد اور مختلف جماعتوں اور گروہوں نے ان قوانین کی تکذیب کی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کا ارادہ بھی کرلیا کہ اُن رسولوں پر جو یہ پیغامات اُن تک پہنچاتے تھے ہاتھ ڈال دیں۔ وہ اس مقصد کے لئے جھوٹے جھگڑے پیدا کرتے۔ (غلط پروپیگنڈا کرتے۔ تہمت تراشیوں سے کام لیتے) تاکہ اس طرح حق کو اس کے مقام سے پھسلا کر اُسے نیچا دکھادیں۔ لیکن آخرالامر ہوا کیا؟ ہمارے قانون مکافات نے ان سب کو پکڑ لیا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ جس کا تعاقب ہمارا قانون کرتا ہے اس کا انجام کیا ہوا کرتا ہے؟

۶ اس طرح تیرے رب کی وہ بات جو ان سے کہی جاتی تھی (کہ ان قوانین کی خلاف ورزی کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا) حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آگئی۔ اور ان کی سعی وعمل کی کھیتیاں جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئیں (یہی کچھ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا)۔

۷ ان کے برعکس دوسرے لوگ وہ ہیں جو قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالتے ہیں۔ خدا کی کائناتی قوتیں ـــــ جو مدبرات امرالٰہیہ ہیں ـــــ ان کی تائید ونصرت کا باعث بنتی ہیں (۳۲/۳۳)۔ یہ وہ قوتیں ہیں جو کائنات میں خدا کے مرکزی کنٹرول اور اس کے تضمنات کو بروئے کار لانے کے پروگرام کی تکمیل کے لئے مامور ہیں تاکہ خدا کا نظام ربوبیت جو سرتاپا درخور حمد وستائش ہے بحسن وخوبی کارفرما رہے۔ اس پر ان کا ایمان ہے۔ وہ قوتیں جماعت مومنین کی تقویت کا موجب بھی بنتی ہیں اور تباہ کن خطرات سے ان کی حفاظت بھی طلب کرتی

رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِي وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٥ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۚ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ ۚ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝٦

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝١٠

قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ۝١١

ہیں۔ وہ زبانِ حال سے کہتی ہیں کہ اے ہمارے نشو ونما دینے والے! جس طرح تیرا نظام ربوبیت جملہ کائنات کو محیط ہے اور تو خوب جانتا ہے کہ مختلف اشیائے کائنات کی مضمر صلاحیتیں کیا ہیں اور وہ کس طرح نشو ونما پا سکتی ہیں' اسی طرح انسانی دنیا میں بھی ہونا چاہیئے۔ یہ جماعت مومنین اس مقصد کو لے کر اٹھی ہے۔ اس لئے' ان سے' اگر کہیں بھول چوک ہو جائے' اور وہ' اپنی غلطی کو محسوس کر کے' اس کی تلافی کرنا چاہیں' تو' تو ایسا انتظام کر دے کہ اس غلط روش کے مضر اثرات سے ان کی حفاظت ہو جائے' اور یہ تیرے راستے پر سیدھے چلتے جائیں۔ تو انہیں تباہیوں اور بربادیوں سے محفوظ رکھ۔

۸ اور انہیں زندگی کی وہ شادابیاں عطا کر دے جن کی بہار پر کبھی خزاں نہ آئے۔ یہ وہ زندگی ہے جس کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اس جنتی معاشرہ میں یہ خود بھی داخل ہو جائیں' اور ان کے ساتھ' ان کے آباء و اجداد۔ ازواج۔ اور اولاد میں سے وہ جن میں ایسے معاشرہ میں رہنے کی صلاحیت ہو۔

یہ سب تیرے قانونِ مکافات کے مطابق ہو گا جو بڑے ہی غلبہ کا مالک ہے۔ لیکن ایسا غلبہ جو سراسر حکمت پر مبنی ہے — دھاندلی پر نہیں۔

۹ اے ہمارے نشو ونما دینے والے! تو ان کے معاشرہ کو زندگی کی ناہمواریوں سے محفوظ رکھ۔ اس لئے کہ جو معاشرہ ناہمواریوں سے بچ گیا وہی تیری رحمت و ربوبیت سے بہرہ یاب ہو سکتا ہے — اور یہ بہت بڑی کامیابی و کامرانی ہے' جسے نصیب ہو جائے۔

۱۰ ظہورِ نتائج کے وقت' ان لوگوں سے' جو ان قوانین سے انکار کرتے تھے' پکار کر کہا جائے گا کہ تمہیں اس طرز زندگی کو اختیار کرنے کی دعوت دی جاتی تھی لیکن تم اس سے انکار اور سرکشی برتتے تھے۔ آج تم اپنی اس روش کا نتیجہ اپنے سامنے دیکھ لو۔ آج تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اپنی جان تک سے بیزار ہو — اور خوشگوار نتائج پیدا کرنے والے قانونِ خداوندی کی تم سے بیزاری' اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔

۱۱ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ زندگی عطا فرمائی —

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾ هُوَ الَّذِيْ
يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ
وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ
لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾

دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے ہم مردہ تھے۔ تو نے زندگی عطا کی۔ پھر ہمیں موت آئی تو اس کے بعد اب دوبارہ زندہ ہوئے۔ (۲/۲۸ ؛ ۳۷/۵۸ ؛ ۴۴/۵۶) —— لیکن یہ جہنم کی زندگی ایسی ہے جو موت سے بھی بدتر ہے (۱۴/۱۷ ؛ ۲۰/۷۴ ؛ ۳۵/۳۶ ؛ ۸۷/۱۳) —— ہم اپنے جرائم کا اقرار کرتے ہیں۔ تو کیا اس عذاب سے نکلنے کی کوئی راہ بھی ہے تاکہ ہم بھی حقیقی زندگی کی لذتوں سے بہرہ یاب ہو سکیں؟

۱۲ ان سے کہا جائے گا کہ جب تمہیں خدائے واحد کے قوانین کی اطاعت کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم اس سے انکار کرتے تھے۔ اور جب اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کیا جاتا تھا تو تم اس روش کو جھٹ اختیار کر لیتے تھے (۳۹/۴۵)۔ سو آج تم نے دیکھ لیا کہ تمام فیصلے خدا اور صرف خدا کے قوانین کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس میں کسی اور کا قانون شریک نہیں ہوتا۔ وہ بڑی کبریائی کا مالک اور سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس کی حکومت میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

۱۳ (اے رسول! تم اپنے ان مخاطبین کے سامنے یہ حقائق پیش کرو اور ان سے کہو کہ یہ دعوت اس خدا کی طرف سے دی جا رہی ہے جو انفس و آفاق میں تمہیں اپنے قانون کی کارفرمائیاں دکھائے چلا جاتا ہے تاکہ تم ان پر غور کر کے صحیح راستہ اختیار کر لو۔ مثلاً) وہ بادلوں سے مینہ برساتا ہے جو تمہارے لئے رزق پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ (تم اسی ایک چیز پر غور کرو تو بیسیوں حقیقتیں تمہارے سامنے آجائیں)۔ لیکن یہ سامنے اُسی کے آسکتی ہیں جو اس کی طرف متوجہ ہو۔

۱۴ بہرحال صحیح روش زندگی یہی ہے کہ تم اطاعت و فرماں پذیری خالصتہً قوانینِ خداوندی کی اختیار کرو۔ (اس میں کسی اور کو شریک مت کرو)۔ خواہ یہ بات ان لوگوں پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے جو ان قوانین کی صداقت سے انکار کرتے ہیں۔

۱۵ یہ قوانین اُس خدا کے ہیں جو بڑے بلند مراتب کا مالک ہے۔ اور وہ اس مقام تک بتدریج نہیں پہنچا۔ اُسے یہ مرتبہ ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد نہیں ملا۔ وہ اس مقام پر مستولی ہے۔ اور جو لوگ اس کے قوانین کا اتباع کرتے ہیں، انہیں بلند مراتب عطا کرتا ہے۔ کائنات کا

يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ
لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي
الصُّدُورُ ﴿١٩﴾

مرکزی کنٹرول اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنے ان قوانین کو انسانوں کی راہ نمائی کے لئے بذریعہ وحی نازل کرتا ہے۔ اس کے لئے اس کا طریق یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس منصب کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور اس کی طرف وحی بھیجتا ہے[1]۔ وہ رسول ان قوانین کو دوسرے لوگوں تک پہنچاتا ہے اور اس طرح انہیں اس حقیقت سے آگاہ کر دیتا ہے کہ ان کے ہر عمل کا نتیجہ ان کے سامنے آکر رہے گا۔

۱۶ ان کے ہر عمل کا نتیجہ مرتب تو عمل کے ساتھ ہی ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن وہ نمودار کچھ وقت کے بعد جا کر ہوتا ہے۔ انسان کا کوئی عمل خدا کے قانون مکافات کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ ہر ایک کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

جس دن ان کے اعمال کے نتائج نمودار ہو کر سامنے آئیں گے اُس دن ان سے پوچھا جائے گا کہ اب بتاؤ کہ اقتدارات اور اختیارات کلی کا مالک کون ہے؟ وہ زبانِ حال سے پکار رہے ہوں گے کہ سب اختیارات صرف خدائے واحد کے لئے ہیں جو ہر بات پر غلبہ رکھتا ہے۔ (یہ ہماری جہالت تھی جو ہم اس کے ساتھ اوروں کو بھی صاحب اقتدار مانا کرتے تھے)۔

۱۷ اس وقت ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔ اللہ کا قانونِ مکافات ہر ایک کے عمل کا بڑی تیزی سے حساب کر دیتا ہے۔ (یعنی جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے انسان کے ہر عمل کا نتیجہ اس کے ساتھ ہی مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے)۔

۱۸ اے رسول! تو ان لوگوں کو اس وحی کے ذریعے ان کے اعمال کے ظہور نتائج کے وقت سے آگاہ کرتا رہ جو زیادہ دور نہیں۔ اس دن نتائج کو اپنے سامنے دیکھ کر ان کی حالت یہ ہو جائے گی کہ ان کے دل اچھل کر حلق تک آ جائیں گے اور باہر نکلنے کے لئے بیتاب ہوں گے۔ ان کی جان پر بنی ہوگی۔ اس وقت ان ظلم و استبداد کرنے والوں کا کوئی دوست اور غمخوار نہیں ہوگا۔ نہ کوئی ایسا رفیق ہوگا جس کی بات مانی جا سکے۔

۱۹ اُس وقت تمام اعمال کے نتائج خدا کے قانون مکافات کے مطابق مرتب ہو کر سامنے

---

[1] نبی اکرمؐ کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب خدا کے یہ قوانین قرآن کریم میں محفوظ ہیں۔

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۲۰ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۲۱ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۲ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۳ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۲۴

آجائیں گے ـــــ اُس خدا کے قانون کے مطابق' جو ظاہر اعمال تو ایک طرف، نگاہ کی خیانتوں اور دل میں گزرنے والے خیالات تک سے واقف ہے۔

۲۰ وہ خدا ہر معاملہ کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک' حق کے مطابق کرتا ہے۔ اور یہ لوگ جن ہستیوں کا اختیار تسلیم کرتے ہیں' ان میں کسی معاملہ کے فیصلہ کرنے کی قوت نہیں ـــــ فیصلہ کرنے کی قوت کے معنی یہ ہیں کہ ہر معاملہ کا نتیجہ خدا کے متعین کردہ قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔ اس کے سوا' کائنات میں' کسی کا قانون' کارفرما نہیں ـــــ اور وہ خدا ایسا ہے جو ہر بات کا دیکھنے والا' اور سب کچھ سننے والا ہے۔ اس لئے کسی کا کوئی عمل اس کے قانون کے لحاظ سے باہر نہیں رہ سکتا۔

۲۱ خدا کے یہ فیصلے کس طرح' ٹھیک ٹھیک طور پر ہوتے ہیں' اور اس کا قانونِ مکافات کس طرح نتائج مرتب کرتا ہے' اس کی شہادت تاریخی شواہد سے مل سکتی ہے) کیا یہ لوگ ملک میں اِدھر اُدھر چلے پھرے نہیں جو انہیں نظر آجاتا کہ ان سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں ان کا انجام کیا ہوا؟ وہ قوت میں بھی ان سے بڑھ چڑھ کر تھیں' اور انہوں نے زمین سے پیدا ہونے والے سامانِ زیست پر بھی ان سے کہیں زیادہ تصرف کر رکھا تھا۔ (رکوع ۳)۔ لیکن جب انہوں نے غلط روش اختیار کی تو خدا کے قانون مکافات نے انہیں پکڑ لیا۔ اور پھر کوئی ایسا نہ ہوا جو انہیں اس کی گرفت سے بچا لیتا۔

۲۲ یہ اس لئے ہوا کہ ان کے رسول ان کے پاس واضح قوانین لے کر آئے' لیکن انہوں نے' ان کے ماننے سے انکار کیا۔ اس پر خدا کے قانونِ مکافات نے انہیں پکڑ لیا ـــــ حقیقت یہ ہے کہ خدا کا قانون بڑی قوتوں والا' اور مجرمین کا پیچھا کرنے میں بڑا ہی سخت واقع ہوا ہے۔

۲۳ (ان تاریخی شواہد میں سے' مثلاً' قومِ فرعون کا ساجرا سامنے لاؤ)۔ ہم نے موسیٰؑ کو اپنے
۲۴ قوانین اور واضح دلائل کے ساتھ (استبداد ملوکیت کے مجسمے) فرعون' اور (مذہبی پیشواؤں کے سرغنے) ہامان' اور (نظام سرمایہ داری کے نمائندہ) قارون کی طرف بھیجا۔ (جو قوانین' موسیٰؑ لے کر گئے تھے'

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ
اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۲۵ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي
الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝۲۶ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝۲۷ وَ
قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

ان کی زد براہ راست ان تینوں پر پڑتی تھی) اس لئے انہوں نے کہدیا کہ یہ جھوٹا اور باطل پرست ہے۔

۲۵ حالانکہ (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) وہ ان کی طرف حق لے کر آیا تھا۔ ان کے پاس اس کی باتوں کا کوئی معقول جواب نہیں تھا۔ اس لئے وہ انہی حربوں پر اتر آئے جو قوت کے نشے میں بدمست لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ یعنی انہوں نے فیصلہ کیا کہ (جو لوگ موسیٰ کے خدا پر ایمان لائیں اور اس طرح اس کے رفقاء کی جماعت میں شامل ہو جائیں' ان کے معزز افراد کو ذلیل و خوار کرو اور بنی اسرائیل میں سے جو لوگ جوہر مردانگی سے عاری ہوں' انہیں اپنے مکرم و مقرب بناؤ (اور ان حربوں سے ان کی اجتماعی قوت کو توڑ ڈالو۔ ۲/۴۹ ؛ ۷/۱۲۷)۔ لیکن (آخر الامر دنیا نے دیکھ لیا کہ) ان کا کوئی حربہ کارگر نہ ہوا۔

۲۶ (فرعون نے جب اپنے تمام حربے آزما دیکھے تو آخر الامر اپنے درباریوں سے کہا کہ) تم مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں۔ پھر یہ اپنے رب کو پکار کر دیکھ لے کہ وہ اسے کس طرح بچا سکتا ہے! مجھے ڈر یہ ہے کہ یہ تمہارے نظام حکومت کی جگہ ایک دوسرا نظام لے آئے گا۔ اور اگر ایسا نہ کر سکیگا تو کم از کم) موجودہ نظام کو تہس نہس کر کے ملک میں فساد ضرور برپا کر دیگا۔

۲۷ اس پر موسیٰ نے کہا کہ میں ہر اس سرکش و متکبر کی دست درازیوں سے' جو خدا کے قانون مکافات پر ایمان نہیں رکھتا' اس خدا کی پناہ میں جاتا ہوں جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔

۲۸ (جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو) قوم فرعون کا ایک مرد مومن' جو اس وقت تک اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا' اٹھا' اور اس نے بھرے دربار میں' کہا کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس جرم کی پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا نشوونما دینے والا اللہ ہے۔ اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہے (وہ اپنے

لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ
بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ
الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ
وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ
تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

دعوے کو علم و بصیرت کی بنا پر پیش کرتا اور عقل و برہان سے متوا تا ہے۔ اور تم اس کے مقابلہ میں دھاندلی سے کام لے کر اسے مار ڈالنا چاہتے ہو)۔ بات بالکل واضح ہے۔ اگر وہ اپنے دعوئ رسالت میں جھوٹا ہے تو اس کا وبال اس پر پڑے گا۔ لیکن اگر وہ سچا ہے تو یاد رکھو! جن تباہیوں کے متعلق وہ تمہیں آگاہ کر رہا ہے، وہ تم پر آکر رہیں گی۔ تم خدا کے اس اصول کو یاد رکھو کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو جھوٹے دعوے کرے اور قانون خداوندی سے سرکشی برتے، کبھی کامیابی کی راہ نہیں دکھاتا۔

۲۹ اے میری قوم کے لوگو! بیشک آج اس سرزمین پر تمہاری بادشاہت ہے اور ہر طرف تمہارا ہی غلبہ ہے۔ لیکن (یہ بتاؤ کہ) اگر ہم پر خدا کا عذاب آگیا تو اس سے ہمیں کون بچا سکے گا۔

فرعون نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ میں نے جس بات کو صحیح سمجھا اسے تمہارے سامنے پیش کر دیا۔ میرے نزدیک تو وہی طریق کار (یعنی موسیٰؑ کو قتل کر دینا) تمہارے لئے بہتر ہے۔ یاد رکھو! میں تمہیں ہمیشہ وہی راہ بتایا کرتا ہوں جو تمہارے بھلے کی ہوتی ہے۔

۳۰ (اس مرد مومن نے فرعون کی بات کو ان سنی کر دیا اور اپنے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ) اے میری قوم کے لوگو! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہارے ساتھ بھی وہی کچھ نہ ہو جو پہلی قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے۔

۳۱ یعنی تمہاری حالت بھی وہی نہ ہو جائے جو قوم نوح۔ عاد اور ثمود کی۔ یا جو قومیں ان کے بعد آئی تھیں، ان کی ہو چکی ہے۔ (ان کی تباہی اُن کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوئی تھی)۔ اللہ اپنے بندوں میں سے کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کیا کرتا۔

۳۲ (اس نے کہا کہ) اے میری قوم کے لوگو! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر ایسا وقت نہ آجائے (جب خدا کا عذاب تمہیں ہر طرف سے گھیر لے۔ اور ایسی بھاگڑ مچ جائے کہ) تم ایک دوسرے کو مدد کے لئے آوازیں دو (اور تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی آواز نہ سنے)۔

۳۳ جب تم اس تباہی سے بچنے کے لئے منہ پھیر کر بھاگ نکلو (لیکن وہ تباہی اس پر

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ
لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ۝ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ
فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ
قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ
السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ
عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝

بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑے)۔ اور تمہیں کہیں پناہ نہ مل سکے۔ (اور یہ حقیقت تمہارے سامنے کھڑکر آجائے کہ) جو لوگ خدا کا بتایا ہوا صحیح راستہ چھوڑ دیتے ہیں انہیں کوئی کامیابی کی راہ نہیں دکھا سکتا۔

۳۴ اور دیکھو! اس سے پہلے یوسفؑ بھی تمہاری طرف خدا کے واضح قوانین لے کر آیا تھا۔ لیکن تم نے اُن قوانین کے بارے میں بھی شک کرنا نہ چھوڑا۔ چنانچہ جب وہ فوت ہو گیا تو تم خوش ہو گئے کہ چلو! یہ قصہ ختم ہوا) اب اس کے بعد اللہ کسی رسول کو ہماری طرف نہیں بھیجے گا (اور کوئی ہمیں روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوگا)۔ یاد رکھو! جو لوگ حدود شکنی کرتے ہیں اور قوانین خداوندی کے بارے میں یوں شکوک و شبہات میں پڑے رہتے ہیں' وہ' قانون خداوندی کے مطابق' غلط راہوں پر چلتے ہیں۔

۳۵ یعنی وہ لوگ جو ہمیشہ قوانین خداوندی کے خلاف برسرپیکار رہتے ہیں —— حالانکہ انہیں ان کو اس کی قدرت ہی حاصل نہیں کہ وہ قوانین خداوندی کے خلاف جنگ کر کے کامیاب ہو سکے —— (۴۰/۵۶)۔ ان کی یہ روش قانون خداوندی کے نزدیک' اور خود ان لوگوں کے نزدیک جو اس قانون پر یقین رکھتے ہیں' بڑی بیزاری کی روش ہوتی ہے۔ یہ وہ روش ہے جس کی بدولت' خدا کے قانون مکافات کی رو سے' ان لوگوں کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں جو تکبر اور استبداد سے کام لیتے ہیں (اور پھر ان میں صحیح بات سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ ۴/۱۵۵)

۳۶ فرعون نے (اس مرد مومن کی ان باتوں کو ہنسی میں اڑا دینا چاہا۔ اور استہزاءً ہامان سے کہا

۳۷ کہ میرے لئے ایک بہت بلند عمارت بنواؤ جہاں سے میں آسمانوں کے ان راستوں پر جا پہنچوں' جو موسےٰ کے خدا کی طرف جاتے ہیں۔ اور پھر اس خدا کو ذرا جھانک کر دیکھوں!

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫ وَاِنَّ
الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ
مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ
اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾

میں اس شخص (موسیٰ) کو اس کے دعوے میں بالکل جھوٹا خیال کرتا ہوں۔
یہ تھی اس کی وہ ذہنیت جس کی وجہ سے فرعون کو ہر ہری بات' بھلی بن کر دکھائی دیتی تھی۔ اور اسے صحیح راستے کی طرف آنے ہی نہیں دیتی تھی۔
(چنانچہ فرعون نے موسیٰؑ کے خلاف کئی حربے استعمال کئے لیکن) ان کا نتیجہ سوائے اس کی اپنی تباہی اور بربادی کے کچھ نہ نکلا۔

۳۸ اس مردِ مومن نے (پھر فرعون کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور) قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو! تم فرعون کی باتوں پر نہ جاؤ۔ جو کچھ تمہیں میں کہتا ہوں' اس کے مطابق عمل کرو۔ میں تمہیں بھلائی کا راستہ دکھاتا ہوں۔ (یہ تمہیں تباہی کی طرف لے جانا چاہتا ہے)۔

۳۹ میرے بھائیو! (اس میں شبہ نہیں کہ دنیاوی سامانِ زیست بھی بڑی چیز ہے۔ لیکن جب اس قریبی مفاد اور مستقبل کی زندگی کے کسی مفاد میں تصادم ہو تو پھر اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے کہ) اس دنیا کا مفاد وقتی ہوتا ہے' اور مستقبل کی زندگی کا مفاد مستحکم اور پائیدار۔ اس لئے کہ دنیا راہ گزار ہے اور انسان کا حقیقی مستقر' حیاتِ اُخروی ہے۔

۴۰ (ان معاملات کے فیصلے کسی دنیاوی بادشاہ کے قوانین کے مطابق نہیں ہوتے۔ ان کے فیصلے خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے ہوتے ہیں۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ) جو شخص برے کام کرتا ہے' اسے ان کے مطابق بدلہ ملتا ہے۔ اس کے برعکس' جو شخص اُس کے ضابطۂ قوانین کے مطابق صلاحیت بخش کام کرتا ہے —— وہ مرد ہو یا عورت۔ کیسے باشد۔ جو بھی اُن قوانین کی صداقت پر ایمان رکھ کر صلاحیت بخش کام کرتا ہے —— اس کا مقام جنت ہوگا جس میں سامانِ زیست کی فراوانیاں ہی فراوانیاں ہوں گی۔ اُسے بے حد و حساب نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہوں گی۔

۴۱ اے میرے بھائیو! میرا اور تمہارا معاملہ بھی عجیب ہے! میں تمہیں ایسے راستے کی طرف

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۖ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ
اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾
فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ
سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

دعوت دیتا ہوں جو تمہیں ہر قسم کی مشکلات اور مصائب سے محفوظ رکھے گا۔ اور تم اس کے مقابلہ میں مجھے اس راستے کی طرف بلاتے ہو جو تباہی کے جہنم کی طرف لیجاتا ہے۔

۴۲ یعنی تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں اللہ کے قانون سے منکر ہو جاؤں اور اس کے ساتھ ان ہستیوں کو بھی صاحب اقتدار تسلیم کروں جن کے اقتدار و اختیار کے ثبوت میں میرے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں۔ اور میں اس کے برعکس تمہیں اس خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں جو ہر قسم کے غلبہ اور قوت کا مالک ہے۔ اور جو اس کی راہ پر چلتا ہے وہ اسے راستے کے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

۴۳ اس میں قطعاً کلام نہیں کہ تم مجھے جس بات کی دعوت دیتے ہو وہ نہ اس دنیا دی زندگی میں امن و سکون کی دعوت ہے اور نہ ہی حیاتِ آخرت میں خوشگواریوں کی دعوت۔ (یہ بات تو بنتے نہیں کہ ہم جس دعوت کو بھی فلاح و بہبود کی دعوت سمجھ لیں وہ فلاح و بہبود کی دعوت ہو جائے)۔ ہمارے تمام معاملات کے فیصلے خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہٰذا صحیح دعوت وہی ہے جو خوشگواریوں کے راستے کی طرف لے جائے۔ جو لوگ بھی اس راہ سے سرکشی اختیار کریں گے ان کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

۴۴ عزیزانِ من! میں نے جو کچھ تم سے کہنا تھا کہہ چکا۔ تم آج میری باتوں پر سنجیدگی سے غور نہیں کرتے۔ لیکن ایک وقت آئے گا کہ تم ان باتوں کو یاد کرو گے۔ (میں جانتا ہوں کہ تم میں سے اکثر پر میری باتیں بڑی ناگوار گذری ہوں گی۔ لیکن میں حق کہنے میں کسی کی ناگواری کی کوئی پرواہ نہیں کرتا)۔ میں اپنے تمام معاملات خدا کے سپرد کرتا ہوں —— اُس خدا کے سپرد جو اپنے بندوں کے تمام احوال و کوائف سے اچھی طرح واقف ہے۔

۴۵ (فرعون اور اس کے ہم نوا اس حق گوئی کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے؟ انہوں نے اس مردِ مومن کو، مخالفین کے ساتھ مل کر سازش کرنے والا قرار دے دیا اور اس کے درپئے آزار ہو گئے۔ لیکن) اللہ نے اُسے ان کے دامِ پیچ سے محفوظ رکھا۔ اس کے برعکس خود قوم فرعون کو

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۖ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ وَإِذْ
يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِنَ
النَّارِ ﴿٤٧﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا ۖ إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ
لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ قَالُوا
بَلَىٰ ۚ قَالُوا فَادْعُوا ۗ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٥٠﴾ إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ

سخت تباہی کے عذاب نے آگھیرا

۴۶ وہ اس دنیا میں بھی تباہی اور بربادی کے عذاب میں مبتلا ہے' جو ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ اور قیامت کے دن بھی' ان کے متعلق حکم دیا جائے گا کہ انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرو۔ (۱۳۳/۴ ؛ ۲۸/۴۲)۔

۴۷ اُس جہنم میں لوگ ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔ وہ کمزور لوگ (عوام) جنہیں بڑے بڑے لیڈروں نے اپنے پیچھے لگا رکھا تھا' ان سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے۔ کیا تم اس عذاب کا کچھ حصہ ہم سے دور نہیں کر سکتے؟ (۱۴/۲۱ ؛ ۳۳/۳۴ ؛ ۳۴/۳۳ ؛ ۳۷/۲۹ — ۳۸/۴۰)۔

۴۸ اُن کے لیڈر اُن سے کہیں گے کہ ہم سب کے سب' اس عذاب میں مبتلا ہیں یہ انسانوں کے (اعمال کے) متعلق خدا کا فیصلہ ہے۔ (اس میں ردوبدل کرنے کی کس کو مجال ہے؟ ہماری بڑائیاں سب ختم ہو چکی ہیں)۔

۴۹ اور اہل جہنم' اس کے محافظوں سے کہیں گے کہ اپنے پروردگار سے درخواست کرو کہ وہ اس عذاب میں' کچھ وقت کے لئے' ذرا کمی کر دے۔

۵۰ وہ ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس' تمہارے رسول' واضح دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہاں! آئے تھے۔ وہ ان سے کہیں گے کہ (جب تم نے دیدہ و دانستہ' خدا کے قوانین سے اعراض برتا تھا تو ہم تمہارے لئے خدا سے ایسی درخواست کس طرح کریں)۔ تم خود ہی اپنے لئے خدا سے درخواست کرو —— لیکن' ظاہر ہے کہ جو لوگ خدا کے قوانین سے سرکشی برتیں' اُن کی اس قسم کی درخواستیں انہیں کیا فائدہ دے سکتی ہیں؟

۵۱ (اے رسول! تم ان لوگوں سے کہدو کہ) ہماری مدد' ہمارے رسولوں کے شامل حال ہوتی ہے' اور ان لوگوں کے شامل حال جو ہمارے قوانین کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں —— ہم

الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ
الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي
الْأَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۵۵﴾
إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ
فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۵۶﴾

اُن کی' اِس دُنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں' اور اُس وقت بھی ان کی مدد ہوگی جب تمام اعمال کے نتائج مشہود ہو کر سامنے آجائیں گے۔

۵۲ اُس دن' اُن لوگوں کی معذرت' جنہوں نے ہمارے قوانین سے سرکشی برتی تھی' ان کے کسی کام نہیں آسکے گی۔ وہ زندگی کی تمام خوشگواریوں سے محروم رہیں گے۔ ان کا ٹھکانا بہت بُرا ہوگا۔

۵۳ (بہرحال' یہ تھی اہلِ فرعون کی داستان جن کی طرف ہم نے موسیٰؑ کو بھیجا تھا' اور اُسے ایک ضابطۂ ہدایت دیا تھا جس کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا تھا۔

۵۴ اُس ضابطہ قوانین میں' عقل و بصیرت سے کام لینے والوں کے لئے سامانِ ہدایت و موعظت تھا۔

۵۵ (موسیٰؑ نے' اس کشمکش میں بڑی استقامت سے کام لیا تھا۔ اسی طرح' اے رسول!) تو بھی اپنے مشن میں' نہایت استقامت اور استقلال سے مصروفِ عمل رہ۔ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے ویسا ہو کر رہے گا۔ تیرے مخالفین' جو جو باتیں تیرے خلاف کرتے' اور جو جو تہمتیں تیرے پیچھے لگاتے ہیں[1]' تو ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے' قانون خداوندی سے سامانِ حفاظت طلب کرتا رہ۔ اِس کا طریق یہ ہے کہ تو خدا کے نظامِ ربوبیت کو عملاً متشکل کرنے کے لئے دن رات سرگرمِ عمل رہ' تاکہ اس کے خوشگوار نتائج کو سامنے دیکھ کر' ہر ایک کی زبان پر کلماتِ حمد و ستائش زمزمہ بار ہوں۔ (۴۷/۱۹ ؛ ۴۸/۲)۔

۵۶ یہ تیرے مخالفین' جو قوانین خداوندی سے برسرِ پیکار رہتے ہیں —— حالانکہ ان کو

[1] اس سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں بھی ہو سکتی ہیں جو خدائی پروگرام کی تکمیل کے سلسلہ میں سرزد ہوں۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي
الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ
السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ

اس کی قدرت ہی حاصل نہیں کہ وہ ان قوانین کے خلاف جنگ کر کے کامیابی حاصل کر سکے۔ (۴۰/۳۵)۔ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں ملک میں اقتدار اعلیٰ حاصل ہو جائے۔ لیکن انہیں اس طرح وہ اقتدار حاصل ہو نہیں سکتا۔ (وہ تو قوانین خداوندی کے اتباع سے حاصل ہوتا ہے۔ بڑا بننے کی خواہش ان سے یہ سب کچھ کرا رہی ہے لیکن بڑائی حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں۔ (۴۰/۶۰)۔

(تم اے رسول! ان مخالفین کی ان باتوں کی پرواہ مت کرو۔ تم ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے) قوانین خداوندی کی سپر کے پیچھے پناہ لو۔ یہ اس خدا کے قوانین ہیں جو سب کچھ دیکھنے والا سننے والا ہے۔

۵۷ (ان لوگوں کا خیال ہے کہ کائناتی نظام تو خدا کے قوانین کے تابع چلتا ہے لیکن انسان کے اوپر کسی کا اقتدار نہیں۔ یہ جس طرح جی چاہے کرے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ لیکن یہ خیال غلط ہے (حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق کے مقابلہ میں کائنات کی تخلیق بہت بڑی بات ہے (اس لئے جب کائناتی نظام قوانین خداوندی کے تابع ہے تو انسان اس کے قانونِ مکافات کی گرفت سے باہر کس طرح رہ سکتا ہے؟)۔ لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ (۳۰/۲۹)۔

۵۸ (انسانی اعمال کے فیصلے بھی خدا کے قانون ہی کی رو سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس قانون کی رُو سے ایک اندھا اور آنکھوں والا ایک جیسے نہیں ہو سکتے اسی قانون کے مطابق یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ زندگی کی مستقل اقدار پر یقین رکھ کر ایسے کام کریں جو ان کی ذات اور معاشرہ کو سنوارنے والے ہوں وہ ان لوگوں جیسے ہو جائیں جو معاشرہ میں ناہمواریاں اور بگاڑ پیدا کریں۔ حیرت ہے کہ تم ایسی کھلی ہوئی حقیقت پر بھی غور و فکر نہیں کرتے!

۵۹ یاد رکھو! یہ انقلاب (جس سے یہ حقیقت نمایاں ہو جائے گی کہ مذکورہ بالا دونوں گروہ برابر نہیں ہو سکتے) واقع ہو کر رہے گا۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن اکثر لوگ

۶۰ ایسی بدیہی بات کو تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔

اس (انقلاب) کے لئے پروگرام یہ ہے کہ تم زندگی کے ہر دوراہے پر اپنی راہ نمائی کے لئے

لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ
لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦١﴾ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٦٢﴾ كَذَٰلِكَ
يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٦٣﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَ
صَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٤﴾

قانونِ خداوندی کو آواز دو۔ وہ قانون تمہاری پکار کا جواب دے گا اور تمہاری راہ نمائی کرے گا۔ (قانونِ خداوندی کو آواز دینے سے مطلب یہ ہے کہ تم معلوم کرو کہ پیشِ نظر معاملہ میں خدا کا قانون کیا ہے۔ پھر اس قانون کی اطاعت کرو۔ یاد رکھو جو لوگ قانونِ خداوندی کی اطاعت سے سرکشی برتتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہو کر تباہ کن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (۴۰/۶۰)۔

۶۱ خدا وہ ہے جس نے تمہاری طبیعی نشوونما کے لئے یہ انتظام کر دیا ہے کہ تم دن کی روشنی میں کاروبار کرو اور رات کے وقت آرام کرو تاکہ تمہارے اعصاب کو سکون حاصل ہو سکے اور دن کی تگ و تاز میں صرف شدہ توانائی کی بازیافت ہو جائے)۔ خدا نے انسانی جدوجہد کے لئے اس قدر آسانیاں بہم پہنچائی ہیں لیکن اکثر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے اور ان سے صحیح انداز سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

۶۲ یہ ہے وہ اللہ جس نے تمہاری نشوونما کے لئے ایسا عمدہ انتظام کر رکھا ہے۔ وہی ہر شے کا خالق ہے اس کے سوا کائنات میں کسی کا اقتدار و اختیار نہیں۔ (حیرت ہے کہ تم اس خدا کی طرف آنے کے بجائے) کسی اور ہی طرف الٹے پھر جاتے ہو! (۲۹/۶۱)۔

۶۳ جس طرح تم قوانین خداوندی کو چھوڑ کر دوسری راہیں اختیار کر رہے ہو اسی طرح (تم سے پہلے) ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان قوانین کے خلاف خواہ مخواہ جھگڑے بکھیڑے نکالتے تھے۔ (ان کا جو انجام ہوا اس کا تمہیں علم ہی ہے۔ وہی انجام تمہارا ہو گا)۔

۶۴ یہ اسکے نظامِ ربوبیت ہی کا کرشمہ ہے کہ اس نے اس کرۂ ارض کو (جو کسی زمانے میں ایک آتشیں گولہ تھا۔ آہستہ آہستہ) تمہارے رہنے کے قابل بنا دیا۔ اور اس کے اوپر ایسی فضا محیط کر دی جو تمہیں اوپر سے گرنے والے اجرام سے محفوظ رکھے۔ (۲۱/۳۲)۔ پھر تمہیں اس نے زندگی کا پیکر عطا کیا تو ایسا جو بہترین حسن و تناسب کا مظہر ہے۔ اور تمہاری نشوونما کے لئے

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ
اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَاۗءَنِىَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّىْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا
ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

نہایت خوشگوار سامانِ زیست مہیا کیا۔

یہ ہے تمہارا وہ اللہ جو تمہاری نشوونما کرتا ہے ـــــ صرف تمہاری ہی نشوونما نہیں بلکہ وہ تمام کائنات' اور جملہ اقوام عالم کی نشوونما کرتا ہے۔ وہ کسی خاص قوم' خاص گروہ' خاص جماعت کا رب نہیں۔ وہ رب العالمین ہے۔

سو تم سوچو کہ کس قدر بابرکت ہے وہ ذات جو ربوبیتِ عالمینی کی ذمہ دار ہے!

۶۵ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات ہے' اور ہر ایک کو اس سے زندگی ملتی ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کسی کا اقتدار و اختیار نہیں۔ لہذا' تم خالصتہً اسی کے قوانین کی اطاعت کرو۔ اس طرح' تمہارے معاشرہ میں وہ عالمگیر نظام ربوبیت قائم ہو جائے گا جسے دیکھ کر ہر شخص پکار اٹھے گا کہ فی الواقعہ وہ ذات' جس کے قوانین ایسے خوشگوار نتائج مرتب کرتے ہیں' درخور ہزار توصیف و ستائش ہے۔

۶۶ اے رسول! تم ان سے کہدو کہ میرے پاس اس نظام ربوبیت کا واضح ضابطہ آچکا ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اُس خدا کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دوں جو ربوبیتِ عالمینی کا ذمہ دار ہے۔ اس کے سوا تم جن ہستیوں کے اقتدار و اختیار کو تسلیم کرتے ہو' ان کی اطاعت سے مجھے روک دیا گیا ہے۔

۶۷ (اس خدا کے نظام ربوبیت کی زندہ شہادت تو خود تمہارا اپنا وجود ہے)۔ اس نے تمہاری تخلیق کی ابتدا بے جان مادہ سے کی۔ (پھر زندگی کو مختلف مراحل سے گزارتے ہوئے' اسے اس منزل میں لے آیا) جہاں پیدائش' نطفہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ پھر اس نطفہ کو (رحم مادر میں) ایک جونک کی قسم کا لوتھڑا بنایا۔ پھر وہ تمہیں انسانی بچہ کی شکل میں' دنیا میں لے آیا۔ پھر تم اپنی جوانی کی عمر تک پہنچتے ہو۔ پھر بوڑھے ہو جاتے ہو۔ تم میں سے بعض بچپن میں ہی وفات

هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ
فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۚ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾
اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ ۙ یُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِی الْحَمِیْمِ ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِیْلَ
لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْـًٔا ؕ
كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾

پاجاتے ہیں۔ اور بعض اس عمر و سن شعور تک پہنچتے ہیں جہاں انسان عقل و فکر سے کام لینے کے قابل ہوتا ہے۔

۶۸ اللہ وہ ہے جس کے قانون کے مطابق زندگی ملتی ہے۔ اور اسی کے قانون کے مطابق موت واقع ہوتی ہے۔ اس کی ہمہ گیر قوتوں کا یہ عالم ہے کہ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی وہ (اپنی ابتدائی صورت میں) وجود میں آجاتی ہے۔ (پھر وہ' اس کے قانونِ ربوبیت کے مطابق' نشوونما حاصل کرتی اپنی آخری شکل تک پہنچ جاتی ہے)۔

۶۹ یہ ہے خدا کا قانون جس کے حتمی اور یقینی ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں) لیکن تو نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جو توانین خداوندی کے بارے میں جھگڑے نکالتے ہیں۔ (ذرا ان سے پوچھو کہ) یہ لوگ' خدا کے قانون کو چھوڑ کر' کونسا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

۷۰ یہ وہ لوگ ہیں جو اس ضابطۂ حیات (قرآن) کو جھٹلاتے ہیں۔ (اور چونکہ قرآن' اس تمام تعلیم کا مبین ہے جو انبیاء سابقہ کی وساطت سے بھیجی گئی تھی' اس لئے قرآن کو جھٹلانے کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ، اس تمام تعلیم کو جھٹلا رہے ہیں جسے ہم رسولوں کی معرفت وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں۔

(لیکن ان کی اس تکذیب سے اس تعلیم کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ نقصان خود ان کا اپنا ہی ہوتا ہے)۔ سو یہ بہت جلد دیکھ لیں گے کہ اس تکذیب و انکار کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟

۷۱ جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے' اور یہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے کشاں کشاں' جہنم
۷۲ کے کھولتے ہوئے پانی میں ڈالے جائیں گے۔ اور پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

۷۳ ۷۴ پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم شریک خدائی سمجھا کرتے تھے' اور خدا کو

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ
قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا
جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾

چھوڑ کر ان کی معبودیت اختیار کرتے تھے۔ (انہیں اپنی مدد کے لئے بلاؤ)۔ وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے ایسے گم ہوئے کہ اب کہیں دکھائی ہی نہیں دیتے۔ ہم پر اب یہ راز کھلا ہے کہ ہم جنہیں اپنا معبود سمجھ کر پکارا کرتے تھے ان کی اصل وحقیقت ہی کچھ نہ تھی۔

اس طرح (خدا کا قانونِ مکافات) حق وصداقت سے انکار کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

۷۵ (ان سے کہا جائے گا کہ تمہارا یہ حشر اس لئے ہو رہا ہے کہ تم بغیر کوئی تعمیری کام کئے یونہی اتراتے تھے اور اپنی قوت کے نشہ میں اکڑتے پھرتے تھے۔ (اور یوں بڑائی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ۴۰/۵۶)

۷۶ اب تم مختلف دروازوں سے جہنم میں داخل ہو جاؤ اور اسی میں رہو —— ناحق تکبر کرنے والوں کا یہ ٹھکانہ کس قدر بُرا ہے!

۷۷ (اے رسول! تم ان سے یہ سب کچھ واضح طور پر کہہ دو۔ اور اس کے بعد) اپنے پروگرام پر نہایت مستقل مزاجی سے جمے رہو۔ خدا کے سب وعدے سچے ہیں۔ جو کچھ تم سے کہا جا رہا ہے وہ اسی طرح ہو کر رہے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے بعض باتیں تمہاری زندگی میں سامنے آجائیں یا تمہاری وفات کے بعد ظہور میں آئیں۔ (اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تمہارا کام اس آواز کو عام کئے جانا ہے۔ یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ اس کے نتائج کب سامنے آتے ہیں۔ ۴۳/۴۲ ؛ ۲۳/۹۵ ؛ ۱۰/۴۶)۔ ہمارا قانونِ مکافات ہر وقت سرگرمِ عمل رہتا ہے اور ان لوگوں کا ہر ایک قدم اسی کی طرف اٹھ رہا ہے۔ یہ اس کے احاطہ سے باہر جا نہیں سکتے۔

۷۸ (ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ اس موعودہ عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں اور تجھ سے کہتے ہیں کہ انہیں حتمی طور پر بتایا جائے کہ وہ کب واقع ہوگا اور اس کی علامات کیا ہوں گی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں)۔ ہم نے تجھ سے پہلے بھی کئی رسول، مختلف اقوام کی طرف بھیجے تھے —— ان میں سے بعض کے

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً
فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۫ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ
یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ
قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

حالات' ہم نے تجھ سے بیان کر دیئے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کئے۔ ان میں سے کسی کو بھی اس کا اختیار نہیں تھا کہ وہ اس تباہی کو' جس سے ان کے مخالفین کو آگاہ کیا جاتا تھا' اپنی مرضی کے مطابق سامنے لے آتا۔ یہ سب کچھ خدا کے قانونِ مکافات اور مہلت کے مطابق ہوتا تھا۔ جب' اس قانون کے مطابق ظہورِ نتائج کا وقت آجاتا تھا تو پھر ہر معاملہ کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ سامنے آجاتا تھا۔ اور جو لوگ تخریبی کوششیں کیا کرتے تھے' تباہ و برباد ہو جاتے تھے۔

(جس طرح پہلے ہوتا رہا ہے' اسی طرح اب بھی ہوگا)۔

۷۹ (باقی رہا ان کا یہ تقاضا کہ خدا کی طرف سے کوئی محسوس نشانی ان کے سامنے آنی چاہیئے سو خدا کی ہزاروں نشانیاں ان کے سامنے چلتی پھرتی موجود ہیں۔ لیکن جو انہیں دیکھنا ہی نہ چاہے اس کا کیا علاج؟ ان سے کہو کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے مویشی پیدا کئے ہیں۔ ان میں سے بعض پر تم سواری کرتے ہو اور بعض کا گوشت کھاتے ہو۔

۸۰ اور ان میں تمہارے لئے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ نیز تم ان پر سامان وغیرہ لاد کر اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہو۔

ان جانوروں کے علاوہ' تم کشتیوں پر سوار ہو کر بھی سفر کرتے ہو۔

۸۱ یہ سب خدا کی نشانیاں ہیں جو تمہارے سامنے چلتی پھرتی ہیں۔ تم اس کی کس کس نشانی سے انکار کرو گے؟

۸۲ (اور اگر یہ لوگ اس امر کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں کہ غلط اعمال کس طرح قوموں کو تباہ کیا کرتے ہیں' تو ان سے کہو کہ) ذرا دنیا میں ادھر اُدھر چلو پھرو' اور پھر دیکھو کہ جو قومیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں' ان کا انجام کیا ہوا۔ وہ تعداد میں بھی ان سے زیادہ تھے اور قوت میں بھی ان سے بڑھ چڑھ کر۔ انہوں نے زمین سے پیدا ہونے والے سامانِ زیست پر بھی ان سے کہیں زیادہ تصرف حاصل کر رکھا تھا۔ لیکن ان کا مال و دولت اور کسب و ہنر' انہیں' اُن کے غلط

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اعمال کے تباہ کن نتائج سے بالکل نہ بچا سکا۔ یہ سب دھرے کا دھرا رہ گیا۔

۸۳ جب ان کے پاس ان کے رسول واضح احکام خداوندی لے کر آئے (تو انہوں نے ان قوانین کی تکذیب کی اور) اپنے علم و ہنر پر نازاں رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے' اس نے انہیں آدبوچا۔

۸۴ جب انہوں نے اس تباہی کو اپنے سامنے کھڑے دیکھا تو چلا اٹھے اور لگے کہنے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لاتے ہیں' اور جن ہستیوں کو ہم اس کے ساتھ شریک سمجھتے تھے' ان سے انکار کرتے ہیں۔

۸۵ لیکن اس ایمان نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا جسے وہ عذاب کو سامنے دیکھ کر لائے تھے (ایمان وہی نفع بخش ہو سکتا ہے جو ظہور نتائج سے پہلے لایا جائے کیونکہ اس صورت میں ہنوز وقت ہوتا ہے کہ انسان صحیح اعمال سے سابقہ غلط اعمال کے مضر اثرات کا ازالہ کر سکے)۔

یہ خدا کا وہ اٹل قانون ہے جو انسانی دنیا میں شروع سے چلا آ رہا ہے۔ اور اس کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ قوانین خداوندی کے مطابق چلنے سے انکار کرتے ہیں' وہ ہمیشہ نقصان میں رہتے ہیں اور آخر الامر تباہ ہو جاتے ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳ بَشِيْرًا وَّ
نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۴ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ

۱ خدائے حمید و مجید کا ارشاد ہے کہ

۲ یہ ضابطہ قوانین اس خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو بلا مزد و معاوضہ تمام کائنات کو سامانِ نشو و نما بہم پہنچاتا ہے اور چونکہ انسانی ذات کی نشو و نما کے لئے وحی کی راہ نمائی کی ضرورت تھی اس لئے اس راہ نمائی کو بھی وہبی طور پر عطا کر دیا)۔

۳ اور ایک ایسی کتاب نازل کر دی جس کے احکام الگ الگ نکھار کر بیان کئے گئے ہیں تاکہ ان میں کسی قسم کا ابہام اور التباس نہ رہے۔ اس کی زبان بھی بڑی واضح اور صاف ہے تاکہ جو لوگ علم و بصیرت سے کام لے کر اسے سمجھنا چاہیں' ان کے سامنے اس کے مطالب واضح طور پر آجائیں۔

۴ اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے نتائج کس قدر خوشگوار ہوتے ہیں۔ اور ان کی خلاف ورزی کرنے سے کیسی تباہیاں آتی ہیں۔
(لیکن۔ اے رسول! جن لوگوں کے سامنے تو اس قرآن کو پیش کر رہا ہے) ان میں سے اکثر کی حالت یہ ہے کہ وہ اسے سنتے تک نہیں۔ اور یونہی منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

۵ اور کہتے ہیں کہ تو ہمیں جس بات کی طرف بلاتا ہے' اس کی طرف سے ہمارے دل پردوں میں

أَذَانَّا وَقْرٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝٥ قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى إِلَيَّ
أَنَّمَآ إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝٦ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝٧

پڑے ہوئے ہیں (اس لئے ان پر تمہاری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا)۔ اور ہمارے کانوں میں ثقل ہے۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ (ہمارے اور تمہارے درمیان ایک ایسی وسیع خلیج حائل ہے جو پاٹی ہی نہیں جا سکتی۔ اس لئے تم ہمیں نصیحتیں کر کے کیوں اپنا مغز تھکاتے ہو)۔ تم کچھ اور کام کرو۔ ہم جن کاموں میں لگے ہوئے ہیں، انہیں کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

۶ ان سے کہو کہ تم ذرا میری پوزیشن کو سمجھ لو۔ سب سے پہلے تو یہ کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں (اسلئے میرے جبلی تقاضے کچھ تم سے مختلف نہیں)۔ تم میں اور مجھ میں فرق یہ ہے کہ مجھ پر خدا کی طرف سے یہ وحی آئی ہے کہ تمہارے لئے اقتدار و اختیار صرف خدائے واحد کا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور ہستی ایسی نہیں جس کی اطاعت اور محکومیت اختیار کی جائے۔ (دوسرے یہ کہ جس پر خدا کی طرف سے وحی آئے اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس وحی کو دوسروں تک پہنچائے۔ یہ وجہ ہے کہ تمہارے اعراض و انکار کے باوجود، میں اس پیغام کو تم تک پہنچاتا ہوں۔ اور پہنچاتا رہوں گا، خواہ تمہارا ردعمل کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ میرا پیغام یہ ہے کہ) تم تمام راستوں کو چھوڑ کر، صرف خدا کی طرف لے جانے والی راہ اختیار کرو۔ وہ راہ بڑی سیدھی اور متوازن ہے۔ وہ تمہیں غلط روشِ زندگی کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھے گی۔ یاد رکھو! جو لوگ خدائی اقتدار و اختیار میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتے ہیں، وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ (شرک انسانیت کے لئے وجہ تذلیل ہے، اور شرفِ انسانیت سے محرومی سے بڑھ کر اور کونسی تباہی ہو سکتی ہے!)۔

۷ جو لوگ خدا کی تجویز کردہ راہ کو چھوڑ کر، اور راہیں اختیار کر لیتے ہیں، ان کی عملاً کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ (سب کچھ اپنے لئے ہی سمیٹتے چلے جاتے ہیں اور) نوع انسان کی نشوونما کی فکر نہیں کرتے۔ وہ درحقیقت مستقبل کی زندگی (حیاتِ اُخروی) سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک، زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے۔ (یاد رکھو! اپنی محنت کی کمائی کو نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے وہی وقف کر سکتا ہے جسے اس کا یقین ہو کہ اس سے اس کی ذات نشوونما پا کر، زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ کوئی جذبہ محرکہ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٨﴾ قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ ﴿٩﴾
وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٩﴾ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا
أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ۖ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴿١٠﴾ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ
لِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۚ قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١١﴾

ایسا نہیں جس سے انسان اپنی کمائی کو دوسروں کے لئے کھلا چھوڑ دے)۔

۸ ان کے برعکس، جو لوگ ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں، اور ہمارے تجویز کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں ان کے اعمال کا نتیجہ کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ اور نتیجہ انہیں بطور احسان نہیں ملتا بلکہ بطور استحقاق ملتا ہے۔

۹ ان سے پوچھو کہ کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو، اور اس کے ہمسر اوروں کو ٹھہراتے ہو، جس کی قوتوں کا یہ عالم ہے کہ اس نے زمین کو دو مراحل میں سے گزار کر (موجودہ شکل میں) پیدا کیا۔ (پہلا مرحلہ وہ تھا جس میں یہ آتش سیال کا ایک گولہ تھا جس پر زندگی ناممکن تھی اور دوسرا مرحلہ وہ آیا جس سے یہ اس قابل ہو گئی کہ تم اس میں رہ سکو اور اس سے سامان زیست حاصل کر سکو)۔
یہ ہے وہ اللہ جس نے تمام کائنات اور جملہ نوع انسان کی نشو و نما کا انتظام کر رکھا ہے۔

۱۰ اس مقصد کے لئے اس نے زمین میں، سطح کے اوپر پہاڑ بنا دیئے (جن سے آب رسانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے)۔ اور اس میں مختلف چیزوں کے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھ دی۔ اور چار موسموں کی تبدیلی سے اس کی فصلوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ مقرر کر دیا جس سے یہاں کے رہنے والوں کو خوراک مل جائے۔
زمین کی یہ پیداوار، ہر ضرورتمند کے لئے، اس کی ضرورت کے مطابق، یکساں طور پر کھلی رہنی چاہئے۔ کسی پر اس کے دروازے بند نہیں ہونے چاہئیں۔ (۴۱/۱۰ : ۵۶/۶۳ — ۴۳)۔

۱۱ اسی طرح خدا نے اپنی توجہ دیگر اجرام فلکی کی طرف منعطف کی — اس وقت وہ بالکل دھوئیں۔ گیس (NABULAE) کی شکل میں تھے۔ سو ہم نے انہیں، اور زمین کو کہا کہ تم ہمارے قوانین کے تابع چلو — طوعاً یا کرہاً — انہوں نے کہا کرہاً کیوں؟ ہم بطیب خاطر ان قوانین کی اطاعت کریں گے۔ (۴۱/۱۱ : ۱۳/۱۵)۔

لہ طوعاً و کرہاً کے الفاظ ۴۱/۱۱ : ۱۳/۱۵ میں بھی آئے ہیں لیکن وہاں لفظ مَنْ آیا ہے جس میں انسان بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ اس اشیاء
(باقی صفحہ ۱۱۱۱ پر)

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا
بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ
صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝

۱۲ (جیسا کہ ۴۱ میں کہا جا چکا ہے) خدا نے مختلف اجرامِ فلکی کو جیسا کہ انہیں ہونا چاہئے تھا' دو مراحل میں بنا دیا۔ اور جس قانون کے مطابق انہوں نے چلنا تھا' اس کی وحی ان کی طرف کر دی (یعنی اس قانون کو خود ان کی ساخت کے اندر رکھ دیا)۔ اور جو فضا تمہیں سب سے قریب نظر آتی ہے' اس میں اس قسم کے اجرام بکھیر دیئے جو تمہیں جگمگاتے چراغوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ اور انہیں ایسا محفوظ بنا دیا کہ یہ نہ آپس میں ٹکرائیں' نہ تمہارے اوپر گریں۔
یہ سب کچھ اُس خدا کے مقرر کردہ اندازوں کے مطابق طے پایا جو تمام قوتوں اور غلبہ کا مالک ہے' اور اس کے ساتھ ہی ہر شے کا علم بھی رکھتا ہے۔

۱۳ (جس طرح خدا نے خارجی کائنات کی ہر شے کے لئے وہ قانون مقرر کر دیا جس کے مطابق اس نے زندگی بسر کرنی تھی' اسی طرح اُس نے انسانوں کے لئے بھی قانونِ حیات مقرر کر دیا' اور اسے وحی کے ذریعے ان تک پہنچا دیا ہے)۔ اگر یہ لوگ اس قانون سے اعراض برتتے ہیں تو ان سے کہدو کہ میں تمہیں متنبہ کئے دیتا ہوں کہ اس کا نتیجہ تمہاری تباہی اور بربادی ہوگی

(بقیہ فٹ نوٹ ۱۱۱۰)

سے ہم نے (۴۱) میں مفہوم واضح کیا ہے۔ اسے ایک نظر دیکھ لیا جائے۔ لیکن یہاں صرف سماء اور ارض کا ذکر آیا ہے یعنی طبیعی کائنات کا۔ یہاں طوعاً سے بعض فلاسفرز نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ مادہ میں بھی قوتِ ارادی (WILL) موجود ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ طوعاً اور کرھاً کے الفاظ محاورہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں جیسے اطاع النخل کے معنی ہوتے ہیں کھجوریں پک گئیں اور اس قابل ہو گئیں کہ انہیں توڑ لیا جائے۔ یعنی فطرت نے انہیں جس مقصد کے لئے بنایا تھا وہ وہاں تک پہنچ گئیں۔ اس اعتبار سے ارض و سما کا یہ کہنا کہ ہم طوعاً اس طرف آتے ہیں' یہ بتانے کے لئے ہے کہ انہیں بنایا ہی اس طرح گیا ہے کہ قوانینِ خداوندی کی اطاعت ان کی جبلت میں داخل ہے۔ یہ نہیں کہ وہ ان قوانین کی اطاعت اپنے ارادے سے کرتے ہیں اور انہیں اس کا بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ ان کی اطاعت نہ کریں۔ قرآن کریم نے "روحِ خداوندی" (اختیار و ارادہ کی قوت) کا حامل صرف انسان کو کہا ہے اور کائناتی قوتوں کے متعلق واضح طور پر بتایا ہے کہ وہ قانونِ خداوندی سے سرتابی اختیار کر ہی نہیں سکتیں (یفعلون ما یؤمرون۔ وھم لا یستکبرون وغیرہ اس پر شاہد ہیں)۔

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ
رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ
كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ
فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا

——— اس قسم کی تباہی اور بربادی جیسی اقوام سابقہ عاد۔ ثمود پر آئی تھی ———

۱۴ جب ان کی طرف اُن کے آگے اور پیچھے سے اللہ کے رسول آئے اور انہوں نے ان سے کہا کہ خدا کے سوا کسی اور کی اطاعت اختیار نہ کرو تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر اللہ (ہماری طرف اپنی وحی بھیجنا) چاہتا تو وہ آسمان سے فرشتے نازل کرتا (جنہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے۔ تم تو ہمارے جیسے انسان ہو اس لئے) ہم تمہارے ان پیغامات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔

۱۵ قوم عاد کی یہ حالت تھی کہ انہوں نے ناحق تکبر اور سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔ انہیں اس کا زعم تھا کہ ان سے زیادہ طاقتور کوئی نہیں (اس لئے وہ جو جی میں آئے کر سکتے ہیں۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں) انہوں نے اس پر غور ہی نہ کیا کہ وہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے ان سے کہیں زیادہ قوتوں کا مالک ہے۔ ان کے اس عدم تدبر کا نتیجہ تھا کہ وہ قوانین خداوندی کا انکار کرتے تھے۔

۱۶ سو جب ان کی تباہی کا وقت آیا ——— جو ظاہر ہے کہ ان کے لئے بڑا ہی نامبارک تھا ——— تو ہم نے ان پر ایسے زور کی آندھی چلائی جس نے انہیں آتش خاموش کی طرح ختم کر کے رکھ دیا (۵۴/۱۹)۔ اس طرح انہیں اس دنیا کی زندگی ہی میں ذلت آمیز عذاب مل گیا۔ اور آخرت کی زندگی کا عذاب اس سے بھی زیادہ رسوا کن ہوگا۔ انہیں اس عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

۱۷ دوسری قوم ثمود تھی۔ ہم نے انہیں صحیح راستہ دکھایا، لیکن انہوں نے آنکھیں کھول کر

يَكْسِبُونَ ﴿۲۰﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ
يُوزَعُونَ ﴿۲۲﴾ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ
وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۴﴾

صحیح راستے پر چلنے کے بجائے اندھوں کی طرح آنکھیں بند کر کے غلط روش پر چلے جانے کو اپنے لئے زیادہ پسند کیا۔ سو ان کے اعمال کے نتیجہ میں ان پر زلزلہ کا ایسا عذاب آیا جس نے انہیں ذلیل و خوار کر دیا۔

۱۸ (ان کے رسول نے انہیں آنے والے زلزلہ سے قبل از وقت آگاہ کر دیا تھا' لیکن چونکہ وہ اس کی ہر بات کو جھٹلایا کرتے تھے اس لئے انہوں نے اس کی تنبیہ کو بھی مذاق میں اڑا دیا۔ اور تباہ ہو گئے)۔ لیکن جو لوگ اس کی باتوں کو سچا مانا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان خطرات سے محفوظ رہیں وہ قبل از وقت وہاں سے نکل گئے اور اس طرح اس تباہی سے بچ گئے۔

۱۹ (جو حشر ان اقوام سابقہ کا ہوا' وہی تمہارے ان مخالفین کا ہو گا)۔ جس دن ان دشمنان نظام خداوندی کو تباہی کے عذاب کے لئے اکٹھا کیا جائے گا' اور انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا جائے گا۔

۲۰ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے' اس کی شہادت کے لئے کہیں باہر سے گواہ بلانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ ان کے کان۔ ان کی آنکھیں۔ غرضیکہ ان کا پورا جسم' ان اعمال کی گواہی دے گا۔ ان کی ذات خود ان کے اعمال کا ریکارڈ ہو گی۔

۲۱ وہ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی؟ وہ کہیں گے کہ جس خدا نے ہر شے کو قوت گویائی عطا کی تھی' اسی نے ہمیں بھی بولنے کی طاقت دیدی۔ سو ہم نے سچی سچی گواہی دیدی۔ (انسان اپنے اعمال کا آپ محاسب اور اپنے خلاف خود آپ شہادت ہے۔ $\frac{17}{13}$: $\frac{45}{14}$)۔

(وہ ان سے کہیں گے کہ) جس خدا نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا' اسی کے قانون مکافات کے مطابق تمہارے اعمال نے یہ نتائج مرتب کئے ہیں۔ تمہارا کوئی عمل اس قانون کے احاطہ سے باہر رہ نہیں سکتا تھا۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ
ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ
الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ
الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

۲۲ ان مجرمین سے کہا جائے گا کہ تم غلط کام کرتے وقت اپنے آپ کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لیا کرتے تھے' لیکن) تم اپنے کانوں' آنکھوں اور دیگر اعضاء سے پردہ کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے کیونکہ تمہیں اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ چیزیں بھی تمہارے خلاف شہادت دے سکتی ہیں (اپنے اعمال کو سوسائٹی کی نظروں سے چھپا لینے کے بعد تم مطمئن ہو جاتے تھے کہ ان کا کسی کو علم نہیں ہو سکتا۔ گویا) تمہاری دانست میں ان اعمال کا علم خدا کو بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

۲۳ یہ وہ غلط خیال تھا جو تم نے خدا کے متعلق قائم کیا —— سو اسی غلط خیال نے تمہیں تباہ کر دیا اور تمہیں اس قدر نقصان پہنچ گیا۔

۲۴ سو اگر یہ لوگ اس عذاب کو خاموشی سے برداشت کریں' تو بھی یہ عذاب ان پر مسلط رہیگا' اور اگر یہ اس کی کوشش کریں کہ ان باتوں کو دور کر دیں جن کی وجہ سے یہ عذاب آیا تھا اور یوں خدا کی رضامندی حاصل کر لیں' تو ایسا نہیں ہو سکے گا —— (اس لئے کہ مہلت کا وقفہ ختم ہو جانے کے بعد بازآفرینی کا موقعہ نہیں رہتا) یہ عذاب بہرحال ان پر مسلط رہے گا۔ اس سے چھٹکارا نہیں ہو سکے گا۔ (۱۶/۸۴)۔

۲۵ (ان لوگوں کی سرکشی اور گمراہی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ) ان کے کچھ ساتھی ہیں جو ان کے تمام اعمال کو' جو انہوں نے پہلے کئے تھے' یا اب کرتے ہیں' انہیں نہایت خوشنما بنا کر دکھاتے ہیں۔ (ان کے یہ مصاحب' ان کی ہر حرکت پر مرحبا اور سبحان اللہ کہتے ہیں اور اس طرح انہیں غلط فہمیوں میں مبتلا رکھتے ہیں۔ ۴۱/۲۵)۔

یوں' ان لوگوں پر عذاب خداوندی کی بات ثبت ہو گئی' جس طرح ان سے پہلی قوموں پر عذاب ثبت ہوا تھا —— خواہ وہ مہذب شہری آبادیاں تھیں یا صحرائی لوگ —— وہ سب نقصان اٹھانے والے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾
فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾
ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

---

۲۶ اور جو لوگ قانون خداوندی سے انکار اور سرکشی برتتے ہیں' وہ اپنے لوگوں کو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ دیکھنا! تم کہیں قرآن کو نہ سننا لینا (اس سے تمہارے عقائد خراب ہو جائیں گے) بلکہ جہاں دیکھو کہ کوئی شخص قرآن کی بات پیش کرتا ہے' وہاں شور مچا دو۔ کائیں کائیں کرنے لگ جاؤ۔ اس طرح کچھ امید ہو سکتی ہے کہ تم ان لوگوں پر غالب آ سکو۔ (ورنہ یہ ناممکن ہے کہ لوگ قرآن کی باتیں سنیں اور اس سے متاثر نہ ہوں)۔

۲۷ (چنانچہ یہ قرآن کے پیغام کے خلاف اس قسم کے تمام حربے استعمال کرتے رہتے ہیں لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ قرآنی انقلاب غالب آ کر رہے گا) اور ہم ان لوگوں کو سخت عذاب میں مبتلا کریں گے ـــــ اور یہ ان کی اپنی بداعمالیوں ہی کا بدلہ ہوگا۔

۲۸ (اور یہ چیز' کچھ انہی سے مختص نہیں) جو لوگ بھی نظام خداوندی کی مخالفت کرتے ہیں انکا انجام تباہی اور بربادی کا جہنم ہوتا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہتے ہیں۔ یہ فطری نتیجہ ہے قوانین خداوندی سے انکار اور سرکشی کا (جس طرح سنکھیا کھانے کا فطری نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے)۔

۲۹ اور اس وقت وہ لوگ' جنہوں نے ہمارے قوانین سے انکار کیا تھا کہیں گے کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! اپنوں اور بیگانوں میں سے' جن لوگوں نے ہمیں غلط راستے پر ڈالا تھا' انہیں ہمیں دکھا' تاکہ ہم انہیں اپنے پاؤں تلے روندیں اور وہ سب سے زیادہ ذلیل و خوار ہوں۔ (اس طرح ہمارے انتقام کی آگ کچھ تو ٹھنڈی ہو)۔

۳۰ (یہ تو رہی حق و صداقت سے انکار کرنے والوں کی بات۔ ان کے برعکس) جو لوگ اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا نشوونما دینے والا' اللہ ہے۔ اور پھر اپنے اس اقرار اور ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں' اور دنیا کی کوئی قوت ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں پیدا کرتی۔ تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے (خدا کی کائناتی قوتیں ان کا ساتھ دیتی ہیں اور

اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ
تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ
اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا
مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ
وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ
حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾

ان کے لئے باعثِ تقویت بنتی ہیں ۳۳/۴۳) اور اس طرح ان سے کہتی ہیں کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ نہ ہی افسردہ خاطر ہو۔ تمہارے لئے اس جنتی معاشرہ کی خوشخبری ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (۱۲۵/۱۲۴ ؛ ۱۲/۱۰ ؛ ۴۶/۱۳)۔

۳۱ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہوں گے۔ (اس لئے تمہیں یہ جنتی زندگی' اس دنیا میں بھی نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی)۔ اس جنتی زندگی میں وہ سب کچھ ہوگا جسے تمہارا جی چاہے گا اور وہ سب کچھ ملے گا جسے تم طلب کرو گے۔ (جو چاہو گے' ہوگا۔ جو مانگو گے' ملیگا۔ یہ ہوگا نتیجہ تمہارے یقینِ محکم اور عملِ پیہم کا)۔

۳۲ اور یہ سب کچھ ایسی عزت و توقیر کے ساتھ ملے گا جیسے میزبان' اپنے مہمان کی تواضع کرتا ہے۔ اس میں' خدا کی طرف سے' زندگی کے خطرات سے حفاظت کا سامان بھی ہوگا' اور سامانِ نشوونما بھی۔

۳۳ اس کے بعد بتاؤ کہ اس شخص کی بات سے زیادہ حسین اور جاذب بات اور کس کی ہو سکتی ہے' جو لوگوں کو قانونِ خداوندی کی طرف دعوت دیتا ہے اور خدا کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اور (اس طرح اپنی عملی زندگی سے ثابت کر دیتا ہے کہ) وہ ان میں سے ہے جو قوانین خداوندی کے اطاعت گزار ہیں۔

۳۴ یاد رکھو! معاشرہ' اور انسانی ذات میں حسن پیدا کرنے والے کام' اور ایسے کام جن سے بگاڑ پیدا ہو' نتیجہ کے اعتبار سے کبھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ اگر معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہو جائیں تو ان کے ازالہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ حسن پیدا

وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ
الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَ
الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ
اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

کرنے والے کام کئے جائیں۔ (اس سے غلط کاموں کے مضر اثرات کا ازالہ بھی ہو جائے گا اور آئندہ کے لئے بگاڑ بھی رک جائے گا۔ نیز اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ) وہ شخص جس کی طرف سے بگاڑ پیدا کرنے والی حرکت سرزد ہوئی تھی' اس میں اور تم میں اگر سخت عداوت ہو گی' تو وہ تمہارا گرمجوش دوست بن جائے گا۔

(برائی کو بھلائی سے روکنے کا یہ طریقہ ہے۔ لیکن یہ طریق انہی کی صورت میں کارگر ہو سکتا ہے جن میں اصلاح کا امکان ہو۔ جو مخالفت کی آخری حد تک پہنچ چکے ہوں ان کے علاج کے لئے سختی کی ضرورت پڑے گی)۔

۳۵ لیکن یہ طریق کار ہے بڑا مشکل' اور اس پر عمل پیرا وہی ہو سکتا ہے جو نہایت مستقل مزاج ہو۔ بایں ہمہ' یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جس شخص کو اس طریق کار کی توفیق نصیب ہو جائے تو وہ بڑی کامیابیوں اور کامرانیوں کا مالک ہو گا۔

۳۶ یہ کام دشوار اس لئے ہے کہ سرکش قوتیں' اور خود تمہارے سطحی مفاد پر مبنی جذبات' اسکی کوشش کریں گے کہ تمہاری اس روش میں بگاڑ کی صورت پیدا کر دیں۔ ایسی صورت میں اس کا علاج یہ ہے کہ تم اور شدت سے قوانین خداوندی کی پیروی کرنے لگ جاؤ۔ اس سے تمہیں' ان تخریبی عناصر کی فساد انگیزیوں سے پناہ مل جائے گی۔ یاد رکھو! خدا ہر بات کا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

۳۷ اگر تم یہ سمجھنا چاہو کہ قوانین خداوندی کی اطاعت' اور اس اطاعت میں استقامت' زندگی میں کس طرح حسن اور استواری پیدا کرتی ہے تو ذرا اجرام فلکی کو دیکھو' اور غور کرو کہ چاند اور سورج کس طرح ایک مستقل روش کے مطابق گردش کرتے ہیں اور رات اور دن کس طرح' ایک بندھے قاعدے کے مطابق' ایک دوسرے کے بعد آتے رہتے ہیں۔ (تم دیکھو گے کہ کائناتی نظام میں کہیں بگاڑ اور ناہمواری نہیں۔ یہ نتیجہ ہے قوانین خداوندی کی اطاعت کا)۔

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ
لَا يَسْأَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ
يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَن يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ چاند یا سورج میں از خود کوئی ایسی قوت نہیں جس سے انسان انہیں دیوتا سمجھ کر سجدے کرنے لگ جائے۔ (یہ محض انسانوں کی توہم پرستی ہے)۔ چاند اور سورج کو خدا نے پیدا کیا ہے اور یہ اسی کے قوانین کی اطاعت کرتے ہیں' اس لئے تمہیں بھی خدا ہی کے قوانین کی اطاعت کرنی چاہیئے۔

۳۸ اگر یہ لوگ قوانین خداوندی سے سرکشی برتتے ہیں' تو اس سے خدا کے نظامِ کائنات پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ کائنات کی تمام قوتیں' دن رات' اُس کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرمِ عمل رہتی ہیں' اور اپنے اپنے فرائض کی سرانجامدہی میں کبھی غفلت نہیں برتتیں۔

۳۹ اگر تم یہ دیکھنا چاہو کہ قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی کس قدر حیات آفریں نتائج پیدا کرتی ہے' تو زمین کی طرف دیکھو۔ وہ کس قدر خشک اور پژمردہ سی ہوتی ہیں۔ پھر ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اور اس میں سے زندگی ابھرنے لگتی ہے۔

لہٰذا' وہ خدا جو اپنے کائناتی قانون کی رُو سے' زمین مردہ کو حیاتِ تازہ عطا کر دیتا ہے' اسی طرح اپنے قانونِ ربوبیت کے مُردہ اقوام کو زندہ کر دیتا ہے۔ اس کے قانون میں زندگی اور موت کے پیمانے موجود ہیں۔ اور وہ ان سب پر پورا پورا کنٹرول رکھتا ہے۔

۴۰ (ہم نظامِ کائنات کی مثال تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں تو اس لئے کہ تم اس سے سبق سیکھو اور اپنے معاشرہ کو بھی ہمارے قوانین کے مطابق متشکل کرو۔ لیکن) اگر کوئی شخص (یا قوم) نظامِ کائنات (طبیعی دنیا) میں غور و فکر ہی کو مقصود بالذات سمجھ لے' اور اس میں اس حد تک جذب ہو کر رہ جائے کہ وہ انسانیت کی بلند و بالا زندگی کی طرف سے غافل ہو جائے' تو اس کی یہ روش کبھی صحیح نتائج مرتب نہیں کر سکتی۔ (صحیح روش' افراط و تفریط کی نہیں' اعتدال کی ہے۔ طبیعی زندگی اور اس کے نظم و نسق پر غور و فکر سے کائناتی قوتوں کو مسخر کرو' اور ان قوتوں کے ماحصل کو قوانینِ خداوندی کے مطابق صرف کرو۔ یہ ہے اعتدال کی راہ۔ افراط و تفریط کی راہ ہمارے

الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ
لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ
خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ
اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾

قانونِ مکافات کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ اس کا انجام' انسانیت کی تباہی ہے)۔
ان سے پوچھو کہ جو شخص تباہ کر دینے والے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے' وہ اچھا ہے یا وہ جو ظہورِ نتائج کے وقت' ان تباہیوں سے محفوظ اور مامون رہے؟ اس فرق کو سامنے رکھو' اور پھر جو کچھ تمہارے جی میں آئے کرو۔ (جو نسی روش جی چاہے اختیار کر لو۔ تم پر کوئی زبردستی نہیں۔ بس اتنا سمجھ لو کہ) خدا کا قانونِ مکافات تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ تم جو نسی روش اختیار کرو گے' اس کے مطابق نتیجہ مرتب ہو جائے گا۔
(صحیح اور غلط راستے کو متمیز کر دینا' ہمارا کام ہے۔ پھر اپنے لئے غلط یا صحیح راستے کا انتخاب' تمہارے اپنے اختیار کی بات ہے۔ اس کے بعد' جو روش تم اختیار کرو' اس کے مطابق نتیجہ مرتب کرنا' ہمارے قانونِ مکافات کے ذمے ہے۔ اس پر تمہارا کوئی اختیار و اقتدار نہیں)۔

۴۱ جو لوگ اس قرآن سے انکار کریں' جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جائے (یعنی صحیح راستہ اختیار کرنے سے انکار کریں)' تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے اس انکار سے قرآن کے قوانین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے کہ آخر الامر اسی کو غالب آنا ہے۔

۴۲ باطل کی تخریبی قوتیں' اس کے آگے یا پیچھے سے آئیں (اس سے براہ راست ٹکراؤ پیدا کریں' یا در پردہ سازشیں کریں)' اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ باطل اس پر کسی سمت سے حملہ کر کے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ اس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جو بہترین تدابیر کا مالک ہے اور ہر قسم کی حمد و ستائش کا حامل (ہے)۔

۴۳ ہماری وحی کے متعلق جو کچھ یہ لوگ تجھ سے کہتے ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہی کچھ تجھ سے پہلے رسولوں سے بھی کہا جاتا تھا۔ تیرا نشو و نما دینے والا' ان کی مخالفت سے تیری حفاظت کرے گا۔ اور انہیں ان کے انکار و سرکشی کے نتیجہ میں الم انگیز عذاب میں مبتلا کرے گا۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ
يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾

۴۴ (ہم نے اس قرآن کو انہی کی زبان میں نازل کیا تاکہ اس کی ہر بات واضح طور پر سمجھ میں آجائے۔ لیکن انہیں اس پر اعتراض ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ ان کا کلام نہیں خدا کا ہے تو اسے جنتر منتر کی سی مبہم زبان میں ہونا چاہئے تھا جس طرح ان کے کاہن بولتے ہیں۔ لیکن اگر یہ قرآن مبہم زبان میں ہوتا تو یہ اعتراض کر دیتے کہ یہ واضح اور نکھری ہوئی زبان میں کیوں نہیں نازل ہوا؟ (حقیقت یہ ہے کہ خوئے بدرا بہانہ بسیار)۔ سوال اس قرآن کی زبان کا نہیں۔ (چونکہ ان کی نیت خراب ہے اس لئے انہیں اس قرآن میں ہزار نقص دکھائی دیتے ہیں)۔

ان سے کہدو کہ یہ قرآن ان لوگوں کے لئے جو اس کے منجانب اللہ ہونے پر یقین رکھتے ہیں صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کا ذریعہ ہے اور زندگی کی تمام بیماریوں کے لئے شفا۔ لیکن جو لوگ اس کی بنیادی صداقت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں میں (تعصب کی وجہ سے) ڈاٹ لگ جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے الفاظ (جو خود ان کی اپنی زبان کے فصیح الفاظ ہیں) انہیں اس طرح مبہم اور غیر واضح معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی دور کی آواز سن رہا ہو اور یہ واضح نہ ہو سکے کہ کہنے والا کیا کہتا ہے۔

۴۵ ہم نے اس سے پہلے موسےٰ کو بھی اسی قسم کی کتاب دی تھی (جو بنی اسرائیل کی زبان میں تھی اور اس پر وہ ایمان بھی لائے تھے۔ لیکن اس کے بعد) وہ اس میں اختلاف کرنے لگ گئے (اس لئے نہیں کہ اس کی زبان ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی بلکہ اس لئے کہ ان کی نیتوں میں فتور آگیا تھا۔ اسی طرح ان مخالفین عرب کی مخالفت بھی ان کی نیت کی خرابی کی وجہ سے ہے)۔ ان کا طرز عمل ایسا ہے کہ اس کے نتائج ان کے سامنے فوراً آجائیں۔ لیکن خدا نے ظہور نتائج کے لئے مہلت کا قانون مقرر کر رکھا ہے —— اور یہی چیز ان کے لئے ریب و شکوک کا باعث بن رہی ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

۴۶ بہرحال تو ان سے کہدے کہ جو شخص بھی اعمالِ صالح کرتا ہے اس کا فائدہ خود اس کی ذات کے لئے ہوتا ہے۔ اور جو بگاڑ پیدا کرنے والے کام کرتا ہے تو اس کا نتیجہ بھی وہ خود ہی بھگتتا ہے۔ تیرا نشوونما دینے والا نہ کسی کے اجر میں کمی کرتا ہے۔ نہ کسی پر ظلم اور زیادتی کرتا ہے۔ (اس نے اپنے بندوں پر زیادتی کرکے کیا لینا ہے؟)۔



اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ
مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ
مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾

---

۴۷ یہ انقلاب' یعنی ظہورِ نتائج کا وقت کب آئے گا' اور اس کے لئے مہلت کا وقفہ کسقدر ہے' اس کا علم خدا ہی کو ہے۔ یہ معاملات اُس کے قانونِ مکافات کے مطابق طے پاتے ہیں۔ ترتیب وظہورِ نتائج کا یہ وہی قانون ہے جس کی رُو سے درختوں کے پھل' اپنے غلافوں کے اندر پرورش پاتے اور پکتے ہیں۔ اور جس کے مطابق استقرار و وضع حمل ہوتا ہے۔ (جس طرح اِن امور میں ایک وقفہ ہوتا ہے' اسی طرح انسانی اعمال اور اُن کے نتائج کے محسوس شکل میں سامنے آنے میں بھی ایک وقفہ ہوتا ہے)۔

اس طرح یہ انقلاب' اپنے وقت پر آئے گا جس میں ان سے پوچھا جائے گا کہ بتاؤ وہ قوتیں کہاں ہیں جنہیں تم خدا کا شریک سمجھا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہم تیرے حضور اس کا اعلان کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی اُنہیں نہیں دیکھ رہا۔ معلوم نہیں وہ کہاں غائب ہو گئے۔

۴۸ یعنی اس انقلاب کے وقت' وہ سب جنہیں وہ (اپنی مدد کے لئے) پکارا کرتے تھے'

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ
بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ
لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَ
اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

ان سے غائب ٹلا ہو جائیں گے۔ اُس وقت انہیں احساس ہوگا کہ خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت سے بچ کر بھاگ جانے کا کوئی بھی مقام نہیں۔

۴۹ انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے لئے مال و دولت وغیرہ کی طلب سے کبھی تھکتا ہی نہیں ($\frac{۱۰۰}{۸}$; $\frac{۱۰۲}{۲}$)۔ لیکن جب اسے ذرا سا نقصان پہنچ جائے تو سخت شکستہ خاطر اور نا امید ہو جاتا ہے۔

۵۰ اور اگر نقصان کے بعد ہم اسے پھر فراوانیٔ رزق عطا کر دیتے ہیں (جس کے متعلق اس نے سمجھ لیا تھا کہ اب اس کے حصول کی کوئی امید نہیں) تو وہ کہنے لگ جاتا ہے کہ یہ سب کچھ میری اپنی تدبیر اور علم و ہنر کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اس پر میرا اکیلے کا حق ہے۔ کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ (میں اسے دوسروں کی پرورش کے لئے کیوں کھلا رکھوں؟ وہ درحقیقت قانونِ مکافات کو تسلیم نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ) میں نہیں سمجھتا کہ اس قسم کا انقلاب کبھی آئے گا۔ اور اگر بفرضِ محال ایسا ہوا بھی اور مجھے خدا کے سامنے جانا بھی پڑا تو وہاں بھی میرے لئے خوشگواریاں ہی خوشگواریاں ہوں گی۔ (اس لئے کہ اگر میں خدا کی نگاہوں میں ایسا ہی بُرا ہوتا تو مجھے دنیا میں یہ کچھ کیوں ملتا؟)۔ ($\frac{۱۸}{۳۶}$)۔

ان سے کہہ دو کہ جو لوگ ہمارے قانونِ مکافات سے انکار کرتے ہیں (اُن کے اس انکار سے، وہ قانون کالعدم نہیں ہو جاتا۔ وہ بدستور کارفرما رہتا ہے۔ اس لئے) ہم ان کے اعمال کے نتائج ان کے سامنے ضرور لائیں گے اور انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

۵۱ (بیشک انسان جب وحی کی راہ نمائی میں نہیں چلتا تو اس کی حالت یہی ہوتی ہے کہ) جب اسے زندگی کی آسائشیں نصیب ہوتی ہیں تو وہ راہ راست سے روگردانی اختیار کر لیتا اور اپنا رُخ ہی بدل لیتا ہے۔ اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگ جاتا ہے۔ ($\frac{۱۷}{۸۳}$)۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾
سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

۵۲ بہرحال اے رسول! تو ان لوگوں سے جو اُس قرآن کی صداقت سے انکار کرتے ہیں جو انہیں خدا کے قانونِ مکافات سے متنبہ کرتا ہے' کہدے کہ کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ اگر یہ کتاب خدا کی طرف سے ہو (جیسے یہ فی الواقعہ ہے) اور تم اس سے انکار کرتے رہو' اور اس کی مخالفت میں اتنی دور تک نکل جاؤ' تو تم سے زیادہ راہ گم کردہ اور تباہ حال اور کون ہوگا؟

۵۳ (یہ لوگ قرآن کی صداقت سے اِس وقت انکار کرتے ہیں تو کرنے دو) ہم ایسے حالات پیدا کرتے جائیں گے کہ ان لوگوں کو خود اپنی قوم میں' اور اپنے گرد و پیش کی اقوام میں' (جب یہ نظام مرکزِ عرب سے آگے بڑھ کر' اور علاقوں میں پھیل جائے گا) ہمارے قانون کی صداقت کی محسوس نشانیاں نظر آجائیں گی' حتّٰی کہ یہ حقیقت ان کے سامنے نکھر کر آجائے گی کہ قرآن نے جو کچھ ان سے کہا تھا وہ حق پر مبنی تھا' اور ٹھیک اسی طرح واقع ہو کر رہا۔

(اور یہ چیز صرف اُس زمانے کے مخاطبینِ عرب تک ہی محدود نہیں۔ جوں جوں علم انسانی بڑھتا جائے گا اور دنیا پر نئے نئے حقائق منکشف ہوتے جائیں گے —— وہ انسان کی داخلی دنیا سے متعلق ہوں' یا خارجی کائنات سے —— وہ سب قرآن کے دعاوی کی زندہ شہادتیں بنتے جائیں گے اور یوں دنیا رفتہ رفتہ دیکھ لے گی کہ قرآن کی ہر بات حقیقت پر مبنی ہے)۔

یہ اس لئے کہ یہ کتاب اُس خدا کی طرف سے ہے جو کائنات کی ہر شے پر نگران ہے۔ اس لئے اُسے خوب معلوم ہے کہ یہاں کیا ہونے والا ہے۔ لہٰذا اُس کا ایسا ہمہ گیر علم ہی اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ جو کچھ اس نے کہا ہے وہ حقیقتِ ثابتہ ہے۔

۵۴ لیکن اس کے باوجود' ذرا ان لوگوں کی حالت پر غور کرو جو خدا کے قانونِ مکافات کا سامنا کرنے کے متعلق شک کرتے ہیں —— اُس خدا کے قانون کے متعلق جو کائنات کی ہر شے کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اُس کے اِس گھیرے سے نکل کون سکتا ہے؟ (یہ لوگ حقیقت سے کتنی دور ہیں!)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ② كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑤

---

۱ ۲ خدائے حمید و مجید۔ اور علیم و سمیع و قدیر کا ارشاد ہے کہ

۳ یہ ہے وہ طریق جس کے مطابق وہ تیری طرف اس کتاب کو بذریعہ وحی نازل کر رہا ہے۔ اسی طرح' اس نے' انبیائے سابقہ کی طرف وحی نازل کی تھی —— اُس خدا نے جو حکمت اور حکومت کا مالک ہے۔ وہ بڑا صاحب غلبہ و تسلط ہے۔ لیکن اس کا غلبہ یکسر حکمت پر مبنی ہے۔ (دھاندلی کا تسلط نہیں)۔

۴ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اس کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ ہر طرح کی عظمت اور بلندی اس کے لئے ہے۔

۵ (اس کے برعکس' انسانوں نے اپنے معاشرہ کا' جو ان کے خود وضع کردہ آئین و دستور کے مطابق متشکل ہوتا اور چلتا ہے' ایسا حشر کر رکھا ہے اور اسے اس طرح فساد انگیزیوں و خوں ریزیوں کی آماجگاہ بنا رکھا ہے کہ) بعید نہ تھا کہ ان پر آسمان پھٹ پڑتا (۱۹/۹۰)۔ (لیکن انسان یہ تباہی اپنی دنیا میں ہی مچا سکتا ہے۔ کائناتی نظام اس کی دستبرد سے باہر ہے۔ وہ

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۫ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ
اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ تُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ
فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ
الظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ۝

اس کے حیطۂ اقتدار میں نہیں۔ اس لئے وہ محفوظ ہے۔ وہاں خدا کی کائناتی قوتیں اُس کے نظامِ ربوبیت کو موجب حمد و ستائش بنانے میں، ہر وقت سرگرم عمل رہتی ہیں، اور یوں اہلِ زمین کو قدرت کی طرف سے سامانِ حفاظت مل جاتا ہے ـــ حقیقت یہ ہے کہ یہ خدا کا پروگرام ہے جس کی رو سے انسان یوں تباہیوں سے محفوظ ہے اور اسے سامانِ نشو و نما مل رہا ہے۔ (ورنہ یہ تو اپنے آپ کو ختم کر کے چھوڑتا)۔

۶ (یہ سب اس لئے ہے کہ کائنات میں صرف ایک خدا کا اختیار و اقتدار ہے)۔ جو لوگ اس کے علاوہ، اوروں کو اپنا کارساز و کارفرما سمجھتے ہیں، وہ اس کی نگاہوں میں ہیں۔ ان سے خدا کا قانونِ مکافاتِ خود نپٹ لے گا۔ (اے رسول!) ان کا معاملہ تیرے سپرد نہیں کیا گیا۔

۷ تیری طرف یہ صاف اور واضح ضابطہ قوانین اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ تو، اس کے ذریعے، سب سے پہلے، اس مرکزی بستی (مکہ) اور اس کے اردگرد کی آبادیوں کو ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج و عواقب سے آگاہ کر دے۔ اور انہیں متنبہ کر دے کہ (اگر وہ اپنی اس روش سے باز نہ آئے، تو اس کشمکش کے آخری فیصلہ کے لئے، تمام لشکر میدان میں جمع ہوں گے۔ پھر ایک گروہ (فاتح و منصور حیثیت سے) جنتی معاشرہ میں داخل ہوگا۔ اور دوسرا فریق (خاسر و نامراد) تباہیوں کے جہنم میں جا گرے گا۔ ان سے کہدو کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں (یہ اس دنیا میں بھی ہوگا اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی)۔

۸ یہ ٹھیک ہے کہ اگر اللہ کی مشیت ایسی ہوتی تو وہ تمام انسانوں کو پیدا ہی اس طرح کرتا کہ وہ سب کے سب (حیوانات کی طرح) ایک ہی راستے پر چلنے پر مجبور ہوتے (اس لئے نہ ان میں اختلاف کی استعداد ہوتی نہ حق و باطل کی یہ کشمکش ہوتی۔ لیکن اس کی مشیت اس سے مختلف تھی۔ اس نے انسانوں کو صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا ہے، اور اس بات کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیا ہے کہ ان میں سے جو چاہے صحیح راستہ اختیار کر کے اپنے آپ کو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کا

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۹ وَمَا
ع ۱ ۲ ۲
اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝۱۰ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ
السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۲

مستحق بنالے (اور جو چاہے اس سے سرکشی اختیار کرلے۔ لیکن اسے اچھی طرح سمجھ لے) کہ اسطرح سرکشی اختیار کرنے والوں کا انجام تباہی اور بربادی ہوگا' اور ان کا کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہوگا جو انہیں اس تباہی سے بچالے۔

۹ (ان سے پوچھو کہ انہوں نے' جو) خدا کو چھوڑ کر اوروں کو اپنا کارساز قرار دے رکھا ہے (تو یہ کس دلیل وحجت کی رُو سے ہے؟)۔ کارساز صرف خدا ہی ہوسکتا ہے۔ وہی مُردوں کو زندگی عطا کرتا ہے۔ اس نے تمام چیزوں کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں جن پر اسے پورا پورا کنٹرول حاصل ہے۔

۱۰ یہ ٹھیک ہے کہ طبائع کے اختلاف' اور مختلف رجحانات ومیلانات کی وجہ سے تم میں مختلف امور میں' باہمی اختلاف ہوگا۔ ان اختلافات کے مٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے قانون کی رو سے کیا جائے (جو سب کے لئے حکم اور آخری سند ہے۔ (۴۲:۱۵)۔
یہ ہے وہ اللہ جو میرا نشوونما دینے والا ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے۔ اور میں ہر معاملہ میں اُسی کے قانون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

۱۱ اُسی نے اس تمام کائنات کو پیدا کیا ہے۔ تمہارے لئے' تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے ہیں جو ایک دوسرے کے رفیق بنتے ہیں۔ اسی طرح مویشیوں کے بھی جوڑے ہیں۔ اس طرح اس نے تمہاری نسل کو پھیلانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ خدا کی مانند کوئی اور نہیں ہوسکتا جو یہ کچھ کرسکے۔ اس کی مثل کوئی شے نہیں۔ (تم اس کی صفات کو تو سمجھ سکتے ہو' اس کی ذات کی کنہ و حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ کسی مثال سے بھی نہیں سمجھائی جاسکتی۔ اس لئے کہ اس کی مثل کوئی شے نہیں) وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

۱۲ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں تمام اختیارات واقتدارات اُسی کے ہیں۔ تمام خزانوں کی کنجیاں اسی کے قبضہ میں ہیں۔ یہاں کے تمام انتظامات اُس کے مقرر کردہ قوانین کے

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۴

مطابق سرانجام پاتے ہیں۔ انہی قوانین کے مطابق) جو قوم چاہے اسے رزق فراواں مل سکتا ہے۔ اور جو ایسا نہ چاہے (اور اس کے قوانین کی خلاف ورزی کرے) اسے نپا تُلا ملتا ہے۔ اُسے خوب علم ہے (کہ کون کس قسم کی کوشش کرتا ہے' اس لئے اُسے کیا کچھ ملنا چاہیئے)۔

۱۳ (جس طرح خارجی کائنات میں اُس کے قوانین کارفرما ہیں' اسی طرح اس نے انسانی زندگی کے لئے بھی قوانین مقرر کر رکھے ہیں۔ یہ قوانین' انبیاء کی وساطت سے بذریعہ وحی دیئے گئے ہیں' اور شروع سے اسی طرح چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ) اس نے جو نظام زندگی تمہارے لئے تجویز کیا ہے وہی ہے جسے اس نے نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ (اور دیگر انبیاءؑ) کی طرف وحی کیا تھا۔ ان سب سے یہی کہا گیا تھا کہ وہ خدا کے تجویز کردہ نظام کو عملاً قائم کریں' اور اس میں تفرقہ نہ پیدا کریں (کیونکہ نظام خداوندی سے مقصود یہ ہے کہ نوع انسانی' اپنے اختلافات اور تفرقات کو مٹا کر ایک عالمگیر برادری بن جائے۔ ۳/۱۰۴ ؛ ۶/۱۶۰ ؛ ۳/۳۲ ؛ ۴۵/۱۸ — ۱۷)۔

جو لوگ مختلف قوتوں کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں' اور قوانین خداوندی کے ساتھ اپنے خودساختہ قوانین بھی ملاتے ہیں' انہیں تمہاری یہ دعوت (جو صرف ایک خدا کے قوانین کی اطاعت' اور مختلف گروہوں اور فرقوں کو مٹا کر' وحدتِ انسانیت کی دعوت ہے) بہت ناگوار گذرتی ہے۔ (لہٰذا انہیں صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کیسے مل سکتی ہے۔ باقی رہا ان کا یہ اعتراض کہ منصب نبوت کے لئے اسی رسول کو منتخب کیوں کیا گیا' سو ان سے کہدو کہ) اس مقصدِ عظیم کے لئے خدا جسے موزوں سمجھتا ہے' چن لیتا ہے۔ یہ انتخاب تمہارے معیاروں کے مطابق نہیں ہوتا۔ تمہارا کام نبی کی وساطت سے دی ہوئی وحی سے راہ نمائی حاصل کرنا ہے۔ یہ راہ نمائی ہر اُس شخص کو مل سکتی ہے جو رضا و رغبت اسے حاصل کرنا چاہے۔ جو اسکی طرف رجوع نہیں کرتا اسے یہ راہ نمائی نہیں مل سکتی۔

۱۴ (اب رہا یہ سوال کہ جب دین شروع سے ایک ہی تھا تو پھر مختلف مذاہب کیسے وجود میں آگئے

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۚ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۚ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝١٥

اور لوگوں میں اس قدر اختلافات کیسے رونما ہو گئے؟ یہ اس لئے نہیں ہوا کہ خدا نے مختلف لوگوں کو مختلف مذاہب دیئے تھے' یا اس کی طرف سے نازل شدہ وحی ایسی تھی کہ اس سے اختلافات پیدا ہو سکتے تھے۔ بات یہ نہیں تھی۔ بات یہ تھی کہ ایک نبی' خدا کی وحی کی روشنی میں اختلافات مٹا کر چلا جاتا' تو اس کے بعد اُس کے پیرو' محض نفسانیت' اور باہمی ضد اور عداوت کی وجہ سے تفرقہ پیدا کر لیتے' اور یوں ایک ہی دین کے نام لیوا' مختلف فرقوں میں بٹ جاتے۔

اگر خدا چاہتا تو ان لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ فوراً ہو جایا کرتا' لیکن اس نے پہلے سے ہی یہ قانون مقرر کر رکھا ہے کہ عمل اور اس کے نتیجہ میں ایک وقفہ ہو گا۔ لہٰذا' یہ سب کچھ اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ (اب یہ کتاب انہی اختلافات کو مٹانے کے لئے آئی ہے)۔ جن لوگوں کی طرف اسے نازل کیا گیا ہے' (اگر وہ خلوص نیت سے اس پر غور و تدبر کرتے تو بآسانی اپنے اختلافات مٹا کر وحدت پیدا کر لیتے۔ لیکن ان کی ضد اور تعصب اور ذاتی مفادات' ان کے آڑے آ رہے ہیں جن کی وجہ سے) وہ اس کتاب کے متعلق شکوک و شبہات میں پڑے ہیں۔ اور یہ شکوک انہیں کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتے۔

۱۵ (لیکن ان لوگوں کی اس روش سے نہ گھبرانے کی ضرورت ہے' نہ افسردہ خاطر ہونے کی۔ تمہارا کام یہ ہے کہ) تم اس دعوت کو عام کرتے جاؤ اور' جس طرح تم سے کہا جاتا ہے' غیر متزلزل عزم کے ساتھ' اسی کے مطابق عمل کئے جاؤ۔ اور اس باب میں' ان لوگوں کے خیالات اور خواہشات کا اتباع مت کرو۔ اور انہیں واضح طور پر بتا دو کہ مجھ پر اللہ نے جو ضابطۂ قوانین نازل کیا ہے' میں اس کی صداقت پر یقینِ محکم رکھتا ہوں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (میں تمہاری مخالفت کے باوجود) تم میں ہمیشہ عدل کروں۔ اس لئے کہ (تم جو جی چاہے مانو۔ میرا ایمان یہی ہے' کہ) تمہارا اور میرا نشوونما دینے والا' وہی ایک خدا ہے۔ (اور میرا فریضہ یہ ہے کہ اس کے نظام ربوبیت کو' بلا تفریق عام کئے جاؤں۔ اگر تم اس کی مخالفت کرو گے' اور سرکشی کی راہ اختیار کرو گے تو) تمہاری روش کے نتائج تمہارے لئے ہوں گے۔ اور ہماری روش کے نتائج ہمارے لئے (۲۸/۵۵)۔ تمہارے اور ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں (بات بالکل صاف اور واضح ہے — تم اپنے

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾
يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾

طریق کے مطابق کام کئے جاؤ۔ ہم اپنے پروگرام کے مُطابق کام کرتے جائیں گے)۔ اگر تم اس کے باوجود جنگ پر اتر آؤ گے، تو ہمیں بھی، لامحالہ، تمہارے مقابلہ کے لئے باہر نکلنا پڑے گا۔ اور ان تمام معاملات کا آخری فیصلہ خدا کے قانون کے مطابق، سامنے آجائے گا۔

۱۶ (جن لوگوں کا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوگا، یہ) وہ ہوں گے جو نظامِ خداوندی کے بارے میں برابر جھگڑتے چلے جائیں گے، حالانکہ بہت سے لوگ اسے علیٰ وجہ البصیرت قبول کر چکے ہوں گے (اور یہ اس قدر وضاحت سے سامنے آچکا ہوگا کہ اس میں جھگڑے کی گنجائش ہی نہیں ہوگی)۔ ان کا یہ جھگڑا قانون خداوندی کی رُو سے بالکل باطل اور بیکار ہوگا۔ ان کی مخالفانہ کوششیں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جائیں گی۔ اور انہیں سخت تریں تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۱۷ اس لئے کہ خدا نے اس ضابطۂ قوانین کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس میزان (عملی نظام) کو جس میں ہر عمل ٹھیک ٹھیک تلتا اور اس کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے۔ (لہٰذا یہ مخالفین خود دیکھ لیں گے کہ ان کی مخالفت کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟) تجھے کیا خبر کہ نتائج سامنے آنے کا وقت، قریب ہی ہو!

۱۸ جو لوگ خدا کے قوانینِ مکافات پر ایمان نہیں رکھتے، شور مچاتے ہیں کہ وہ انقلاب (جس میں نتائج سامنے آجائیں گے) جلدی کیوں نہیں آجاتا۔ لیکن جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس انقلاب کا آنا ایک حقیقت ہے۔ لیکن، اس کے ساتھ ہی، وہ اس کا بھی احساس رکھتے ہیں کہ اس میں کس قدر صبر آزما مراحل میں سے گزرنا پڑے گا۔ اس لئے وہ اس سے خائف رہتے ہیں۔

یاد رکھو! جو لوگ اس کے واقع ہونے میں ذرا سا بھی شک و تردد رکھتے ہیں، وہ صحیح راستے سے بہت دور چلے جاتے ہیں۔ (صحیح راستے کا مدار ہی، قوانینِ مکافاتِ عمل کے ایمان پر ہے)۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ
حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا
شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

۱۹ (بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ مخالفین غلط راستے پر چل رہے ہیں تو انہیں اس قدر سامانِ زیست اور مال و دولت کیوں مل رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک رزق کا معاملہ ہے) خدا اپنے بندوں سے نرمی برتتا ہے۔ (اُس نے حصولِ رزق کے لئے قاعدے مقرر کر رکھے ہیں) جو لوگ بھی اس کے مقرر کردہ قاعدے کے مطابق کوشش کرتے ہیں، انہیں ان کی کوششوں کا پھل مل جاتا ہے۔ اس کا یہ قانون اس قدر محکم اور زبردست ہے کہ کسی کے جذبات و عواطف اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

۲۰ حصولِ رزق کے لئے کوشش کرنے والوں میں دو گروہ ہوں گے۔ ایک وہ جو دنیا اور آخرت، دونوں کی خوشگواریاں چاہتے ہیں۔ ہم ان کی کوششوں کے نتائج بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ انکا حال اور مستقبل دونوں روشن ہو جاتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جس کی نگاہ صرف اس دنیا کی طبیعی زندگی کے مفادات پر رہتی ہے۔ ہم انہیں، ان کی کوششوں کے نتیجہ میں، حال کی خوشگواریاں عطا کر دیتے ہیں، لیکن مستقبل کی زندگی کی خوشگواریوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (یہ وجہ ہے کہ ان مخالفین کو سامانِ زیست فراوانی سے ملتا جا رہا ہے۔ یہ اس کے لئے کوشش کرتے ہیں اور اس کے ثمرات سے متمتع ہوتے ہیں۔ لیکن مستقبل کی زندگی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ ۱۷/۲۱ = ۱۹)۔

۲۱ اِن لوگوں نے زندگی کا جو راستہ اپنے لئے اختیار کر رکھا ہے، اسے خدا نے مقرر نہیں کیا۔ انہوں نے اور ہستیوں (اپنے مذہبی راہ نماؤں) کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے جو ان کے لئے دین (نظامِ زندگی) میں مختلف راہیں (شریعتیں) وضع کرتے رہتے ہیں —— ایسی راہیں (شریعتیں)، جن کی، قوانین خداوندی کی رو سے، کبھی اجازت نہیں ہوتی۔ (خدا کا حکم کچھ ہوتا ہے اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی شریعت، کچھ اور کہتی ہے۔ یہ شرکِ عظیم ہے)۔
اگر خدا کا قانونِ مہلت کارفرما نہ ہوتا، تو زندگی کی ان غلط راہوں کے نتائج ان کے

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝

سامنے فوراً آجاتے' اور قصہ طے ہوجاتا۔ لیکن ظہورِ نتائج کا وقت مہلت کے بعد آتا ہے۔ اُس وقت ان ظالمین کے لئے دردانگیز عذاب ہوگا۔

۲۲ اُس وقت تو ان مجرمین کو دیکھے گا کہ اپنے اعمال کے نتائج سامنے دیکھکر کس قدر لرزہ براندام ہوتے ہیں (اے کاش! انہیں ابھی اس کا یقین ہوجاتا کہ) ایسا ہوکر رہے گا (تو یہ اپنی غلط روش سے باز آجاتے)۔

ان کے برعکس' جو لوگ' خدا کے قانون مکافات پر یقین رکھتے ہیں' اور اس کے مقرر کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا رہتے ہیں' وہ جنتی معاشرہ کے باغات میں ہوں گے (۳۰/۱۵)۔ وہ جو کچھ چاہیں گے' ان کا نشوونما دینے والا' انہیں دے گا۔ یہ بہت بڑی بات ہے (کہ انسان جو کچھ چاہے وہ اسے مل جائے)۔ اس سے بڑا خدا کا فضل اور کیا ہوگا؟

۲۳ یہ ہیں وہ خوشگواریاں اور مرفہ الحالیاں جن کی خوشخبری' خدا ان لوگوں کو دیتا ہے جو اس کے قانون کی صداقتوں پر ایمان رکھتے' اور سنوارنے والے کام کرتے ہیں۔

اے رسولؐ تو اس ضمن میں' ان مخالفین سے یہ بھی کہہ دے کہ میں جو تمہیں تباہیوں سے بچاکر' بھلائیوں کی طرف لانے کی کوشش کرتا ہوں تو اس میں میرا ذاتی فائدہ کچھ نہیں ہیں اس کے بدلے میں' تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ لیکن تم اپنی مخالفت میں اس حد تک تو نہ بڑھ جاؤ کہ عام رشتوں ناطوں کے تعلقات کی بنا پر جو باہمی مودت ہوتی ہے اسے بھی نظرانداز کرکے اس قدر ظلم اور زیادتی پر اتر آؤ[1] (۹/۱۰ ؛ ۲۵/۵۷ ؛ ۳۴/۴۷)۔ ہمارا قانون یہ ہے کہ جو شخص معاشرہ میں

[1] اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم' کم از کم آپس میں' ایک دوسرے کے ساتھ' رشتہ داری کے تعلقات اور صلہ رحمی کے تقاضوں کو تو نظرانداز نہ کرو۔ اس وقت تمہاری حالت یہ ہے کہ تم انفرادی مفاد کی خاطر رشتہ داری کے تعلقات تک کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ ایسا تو نہ کرو (۳۰/۲۶ ؛ ۳/۱۰۳)۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ فَإِن يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٤﴾ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٢٥﴾ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿٢٦﴾

حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتا ہے' ہم اس کے لئے' خوشگواریاں زیادہ کرتے جاتے ہیں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو دیکھو گے کہ خدا کس طرح تمہیں نقصانات سے محفوظ رکھتا ہے اور تمہاری کوششیں کس طرح بھرپور نتائج پیدا کرتی ہیں۔

۲۴ اس قسم کے ضابطہ قوانین کے متعلق بھی' (جس میں اے رسول! تیرے ذاتی مفاد کا شائبہ تک نہیں) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسے خود وضع کر لیا گیا ہے اور خدا کی طرف یونہی منسوب کر دیا گیا ہے۔

اگر یہ قرآن' خدا کی مشیت کے مطابق نازل نہ ہوتا' تو اللہ تیرے دل پر ایسی مہر لگا دیتا کہ اس کا کوئی خیال تک بھی اس میں گذرنے نہ پاتا۔ لیکن اس بات کا ثبوت (کہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہے) یہ ہے کہ باطل نظریات زندگی' اور ان پر قائم کردہ نظام کبھی باقی نہیں رہا کرتے مٹ جایا کرتے ہیں۔ اور حق پر مبنی نظام قائم رہتا ہے (۱۳/۱۷ ؛ ۱۳/۳۹)۔ لہذا' کچھ وقت کے بعد نتائج خود بخود بتا دیں گے کہ یہ نظام' جس کی طرف میں دعوت دیتا ہوں' حق پر مبنی ہے یا باطل پر۔ اور خدا کا قانونِ مکافات' دلوں کے حالات تک سے واقف ہوتا ہے' اس لئے نہ اسے کوئی دھوکا دے سکتا ہے' اور نہ ہی وہ نتائج مرتب کرنے میں غلطی کر سکتا ہے۔

۲۵ (ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اب بھی' جبکہ دلائل واضح طور پر تمہارے سامنے آ چکے ہیں' اپنی غلط روش کو چھوڑ کر' صحیح روش اختیار کر لو تو) تمہاری غلط روش سے جو خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں' خدا کا قانونِ مکافات ان کے مضر اثرات کو مٹا دے گا' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تم نے اس وقت تک کیا کیا ہے' اور اب کیا کرتے ہو' اور اس کے نتائج و عواقب کیا ہیں۔

۲۶ (اس کا قانون یہ ہے کہ غلط راستوں پر چلنے والے لوگ' جب بھی)' اس کے قوانین کی صداقت پر ایمان لے آئیں اور اس کے بعد' اس کے تجویز کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوں' تو وہ ان کی کوششوں کو ثمر بار کرتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے انہیں

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾
وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ
خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

بڑی فراوانیاں عطا کرتا ہے۔ لیکن جو لوگ ان قوانین سے بدستور انکار کیے جاتے ہیں اور اور اپنی غلط روش سے باز نہیں آتے' تو انہیں سخت تباہ کاریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۲۷ (یہ بھی خدا کا انتظام ہے کہ انسان اخلاقی اقدار سے تو سرکشی اختیار کر سکتا ہے لیکن خدا کے کائناتی قانون کو نہیں توڑ سکتا۔ اگر یہ ایسا کر سکتا تو سوچئے کہ یہ کیا کچھ نہ کر گذرتا۔ مثلاً) اُس کا کائناتی قانون یہ ہے کہ زمین سے پیداوار ایک اندازے کے مطابق باہر آتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا' اور زمین سے رزق بغیر اندازے اور پیمانے کے نکلتا چلا آتا' تو جو لوگ رزق کے سرچشموں پر قابض ہو جاتے وہ اس بے پایاں اور غیر مختتم فراوانی سے دنیا میں اودھم مچا دیتے ——— حقیقت یہ ہے کہ خدا' بندوں کی ہر بات سے باخبر ہے اور ان پر پوری پوری نگاہ رکھتا ہے (اس لئے اس نے انسان کے اختیارات کی بھی حدود قائم کر رکھی ہیں)۔

۲۸ اسی قانون کے مطابق یہ ہوتا ہے کہ خشک سالی ہو جاتی ہے تو لوگ پیداوار سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ پھر بارش ہوتی ہے تو اس سے سامانِ رزق بکھیر دیا جاتا ہے۔ اس طرح خدا کی وہ کارسازی بروئے کار آتی ہے جو ہر طرح درخورِ حمد و ستائش ہے۔

۲۹ (خدا کے قوانین فطرت' اسی زمین تک محدود نہیں۔ یہ ساری کائنات میں جاری و ساری ہیں۔ اسی لئے) زمین اور اجرامِ فلکی کی پیدائش' خدا کی نشانیوں میں سے ہے۔ نیز وہ ذی حیات (چلنے پھرنے والی آبادیاں) جو اس نے ان میں (زمین اور آسمانی کروں میں) پھیلا رکھی ہیں۔ یہ آبادیاں' اس وقت تو الگ الگ ہیں۔ لیکن وہ اس پر بھی قادر ہے کہ انہیں اکٹھا کر دے۔ (یعنی زمین اور اُن کروں میں بسنے والی آبادیاں' باہمی ربط پیدا کر لیں اور اور ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں[۱] ۱۶/۴۹)۔

---

[۱] اس آیت سے مترشح ہوتا ہے کہ بعض آسمانی کروں میں زندگی موجود ہے۔ اب انسان نے جس انداز سے اجرامِ فلکی سے سلسلۂ مواصلات شروع کیا ہے اس سے اس کا امکان پیدا ہو گیا ہے کہ کسی کرے کی آبادی میں اور ہم میں ربط پیدا ہو جائے اور یوں یہ آبادیاں اکٹھی ہو جائیں۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٣١﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ
فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ
عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾

---

۳۰ (یہ ہے خدا کا نظامِ ربوبیت جو ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ ہر ذی حیات کی پرورش اور نشوونما ہوتی رہے)۔ یہ جو تم دیکھتے ہو کہ تم پر مصیبتیں آتی ہیں، تو یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی پیدا کردہ ہیں ——— انفرادی غلطیوں کی وجہ سے، یا غلط اجتماعی نظام کی وجہ سے۔ (۴۲/۴۱) ——— (ورنہ خدا، خواہ مخواہ کسی پر مصیبتیں نہیں بھیجا کرتا۔ بلکہ اس کا قانون تو یہ ہے کہ اگر غلطی کی اصلاح کر لی جائے تو اس غلطی کی وجہ سے پیدا ہونے والی خرابیوں میں سے بھی) اکثر کی تلافی ہو جاتی ہے۔

۳۱ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم قوانین خداوندی کو توڑتے چلے جاؤ، اور پھر اپنے ان اعمال کے تباہ کن عواقب سے بچ جاؤ۔ تم خدا کے قانونِ مکافات کو شکست نہیں دے سکتے ——— یاد رکھو! تمہارے لئے اُس کے قانون کی پشت پناہی کے علاوہ، نہ کسی کی کارسازی کام آسکتی ہے، نہ یاوری اور مددگاری۔

۳۲ پھر اُس کے نظامِ ربوبیت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُس نے سمندروں کو ایسا بنا دیا کہ اس میں پہاڑوں جیسی بڑی بڑی کشتیاں، ہوا کے زور سے، تیرتی چلی جاتی ہیں۔

۳۳ اگر وہ چاہتا تو ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ ہوائیں چلا نہ کرتیں۔ ساکن رہا کرتیں۔ تو پھر یہ کشتیاں (جو بادبانوں سے چلتی ہیں) سطحِ آب پر ایک جگہ کھڑی رہ جاتیں۔

(یہ سارا نظامِ کائنات تمہیں کس نتیجہ پر پہنچاتا ہے؟ کیا اسی پر نہیں کہ خدا نے تمہیں پیدا کیا تو اس کے ساتھ ہی تمہاری ربوبیت کا ایسا عمدہ انتظام بھی کر دیا۔ لیکن انسانی دنیا میں اس نظامِ ربوبیت سے وہی قوم فائدہ اٹھا سکتی ہے جو، نہایت استقامت سے کام لے، اور ہر شے کو ٹھیک ٹھیک اس مقصد کے لئے کام میں لائے جس کے لئے اُسے بنایا گیا ہے۔

۳۴ جو لوگ ایسا نہیں کرتے، وہ اپنی غلط روش کی وجہ سے تباہ ہو جاتے ہیں ——— اگرچہ ان کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے اکثر درگذر کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر کے صحیح راستہ

وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا ۚ مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿٣٥﴾ فَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ
وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ
وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۖ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ
بَيْنَهُمْ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٨﴾

اختیار کرلیں۔

۳۵ اس سے ان لوگوں کو جو ہمارے قوانین کے برسرِ حق ہونے کے بارے میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں' اور ان سے سرکشی برتتے ہیں' آخر الامر پتہ چل جاتا ہے کہ ان کے لئے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ـــــ خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

۳۶ یہ اُس نظامِ ربوبیت کا ذکر ہے جس کا تعلق انسان کی طبیعی زندگی سے ہے۔ اسی طرح خدا کا وہ نظام بھی ہے جس سے انسان کی "انسانی زندگی" کی نشوونما ہوتی ہے (یہ نظام وحی کے ذریعے دیا گیا ہے)۔ طبیعی زندگی کی نشوونما کا سلسلہ' موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے' لیکن انسان کی "انسانی زندگی" کی نشوونما کا سلسلہ' جو طبیعی نشوونما سے کہیں بہتر ہے' آگے چلتا اور باقی رہتا ہے۔ اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے وہی لوگ بہرہ یاب ہوتے ہیں جو خدا کی عطا کردہ مستقل اقدار پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی محکمیت پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔

۳۷ یہ وہ لوگ ہیں جو ایسے جرائم سے مجتنب رہتے ہیں جن سے انسانی ذات میں ضعف اور اضمحلال پیدا ہو جائے۔ یا جن سے طبیعت میں بخل اور بے حیائی کے انسانیت سوز رجحانات بیدار ہو جائیں۔ (ہاں! کبھی بھول چوک سے کوئی چھوٹی موٹی لغزش ہو جائے' جس پر وہ بعد میں خود نادم ہوں' تو اور بات ہے۔ ۵۳/۳۲ ؛ ۴/۳۱)۔ اور جب آپس میں کسی سے سہواً ایسی بات ہو جائے جس سے طبیعت میں طیش آجائے' تو اُس شخص سے درگذر کر دیتے ہیں۔ اُسے نقصان نہیں پہنچاتے۔

۳۸ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے نظامِ ربوبیت کے قیام کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ اُس کے قوانین کی اطاعت کرتے ہیں۔ نظامِ صلوٰۃ پر کاربند رہتے ہیں جو انہیں یہ سکھاتا ہے کہ تمام امور کے فیصلے' قوانین خداوندی کی حدود میں رہتے ہوئے' باہمی مشاورت سے ہونے چاہئیں۔ اور جو سامانِ زیست انہیں حاصل ہو' (اس میں سے بقدر اپنی ضروریات

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ
عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ
عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ
وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ
لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾

کے رکھ کر باقی) نوع انسان کی ربوبیتِ عامہ کیلئے کھلا رہنا چاہیئے۔

۳۹ یہ لوگ اس طرح ایک برادری کے افراد بن کر زندگی بسر کرتے ہیں کہ جب ان پر کسی کی طرف سے زیادتی ہوتی ہے تو یہ سب مل کر اپنے بچاؤ کا انتظام کرتے ہیں اور زیادتی کرنیوالے سے بدلہ لیتے ہیں۔

۴۰ لیکن اس بدلہ لینے میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ 'سزا' جرم کے مطابق ہو۔ اس سے بڑھ نہ جائے۔ لیکن اگر وہ دیکھتے ہیں کہ زیادتی کرنے والا اپنے کئے پر نادم ہے اور اگر اسے معاف کر دیا جائے تو اس کی اصلاح ہو سکتی ہے' تو اس سے درگذر کرتے ہیں۔ ان کی یہ روش 'قانونِ خداوندی' کے مطابق بہترین نتائج پیدا کرتی ہے۔

وہ کسی پر ظلم اور زیادتی کسی حال میں بھی نہیں کرتے۔ اس لئے کہ وہ قوانین خداوندی کا اتباع کرتے ہیں' اور ظلم اور زیادتی قانونِ خداوندی کی رو سے بڑی ناپسندیدہ بات ہے۔

۴۱ (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) وہ ظلم اور زیادتی کا بدلہ لیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ 'قانونِ عدل' کے مطابق ایسا کرنا کوئی جرم نہیں۔ (بلکہ اس سے جرائم کی روک تھام ہوتی ہے)۔

۴۲ جرم یہ ہے کہ دوسروں پر ظلم اور زیادتی کی جائے' اور قوت کے نشے میں بدمست ہو کر ناحق' ملک میں اودھم مچا دیا جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو الم انگیز سزا کے مستحق ہیں۔

۴۳ لیکن جو لوگ (قوت و اقتدار حاصل ہو جانے کے باوجود' جادۂ حق و انصاف پر استقامت سے جمے رہیں' اور کمزوروں پر ظلم اور زیادتی کرنے کے بجائے' انہیں اپنی حفاظت میں لے آئیں' تو یہ بڑی ہمت اور عزیمت کے کام' اور بلند سیرت و کردار کے آئینہ دار ہیں۔

۴۴ لیکن جو شخص 'قانونِ خداوندی' کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کر لے' تو اس کے اس فیصلہ کے بعد اس کا کوئی کارساز اور سرپرست نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی سرکشی

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ
الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝ وَمَا
كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَاۗءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا
فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ

اِختیار کرنے والوں کا حال یہ ہوگا کہ جب وہ عذاب کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو جلّا اٹھیں گے کہ کیا اس کے واپس چلے جانے کی کوئی سبیل ہو سکتی ہے؟

۴۵ جب وہ اُس عذاب کے روبرو لائے جائیں گے تو اُس وقت ان کی سرکشی اور رعونت سب ختم ہو چکی ہوگی۔ وہ نہایت عاجزی اختیار کئے ہوں گے اور کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھیں گے کہ کیا ان پر کوئی ترس کھاتا ہے؟

اور ایمان والے اُن سے کہیں گے کہ تم نے دیکھ لیا کہ آخر الامر نقصان میں وہی لوگ رہے جنہوں نے پیش پا افتادہ مفاد پر نگاہ رکھی اور مستقبل کی زندگی کو نظر انداز کر دیا' اور اس طرح خود بھی تباہ ہوئے' اور اپنے ساتھ اپنے ہم نوا متعلقین کو بھی لے ڈوبے۔

یہ لوگ ایک مستقل عذاب میں رہیں گے۔

۴۶ اُس وقت کوئی سرپرست ایسا نہ ہوگا جو ان کی کچھ بھی مدد کر سکے۔ اس لئے کہ سرپرست اور کارساز تو صرف خدا کا قانون ہو سکتا تھا جسے انہوں نے چھوڑ رکھا تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو خدا کے قانون کو چھوڑ کر غلط راستے اختیار کرلے' اسے فلاح و بہبود کا راستہ مل ہی نہیں سکتا۔

۴۷ (لہٰذا' اے رسول! تم ان سے کہہ دو کہ) تم اپنے خدا کی اس دعوت پر لبیک کہو اور اس کے احکام و قوانین کی اطاعت کرو' قبل اس کے کہ خدا کی طرف سے وہ انقلاب آجائے جو آکر واپس نہیں جایا کرتا۔ اُس وقت نہ تو تمہیں کہیں پناہ مل سکے گی' اور نہ ہی تم اپنے جرائم سے انکار کر کے بچ سکو گے۔

۴۸ اگر یہ سب کچھ واضح کر دینے کے بعد بھی یہ لوگ اس دعوت سے اعراض کریں تو پھر' اے رسول! تمہارے ذمے اور کچھ نہیں) ہم نے تمہیں ان پر داروغہ مقرر نہیں کیا (کہ تو انہیں

تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنسَانَ كَفُورٌ ﴿٤٨﴾ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ
يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ
إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا
فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾

مار مار کر سیدھے راستے پر چلائے)۔ تیرے ذمے فقط یہ ہے کہ تو اس ضابطۂ ہدایت کو ان تک پہنچا دے (ان کا یہ اعراض و انکار اس لئے ہے کہ انہیں اس وقت سامانِ زیست کی فراوانیاں حاصل ہیں۔ اور) انسان کی کیفیت یہ ہے کہ جب اسے زندگی کی خوشگواریاں حاصل ہوتی ہیں تو یہ اکڑنے اور اترانے لگ جاتا ہے۔ اور جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کا سارا الزام خدا پر دھرتا ہے حالانکہ وہ مصیبت خود اس کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا واقع ہوا ہے۔

۴۹ (ان کے اس اعراض و انکار سے خدا کا کیا بگڑتا ہے) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں سارا اقتدار و اختیار اسی کا ہے۔ اور کائنات کا تمام نظم و نسق اسی کے قوانین کے تابع چلتا ہے حتیٰ کہ انسان کی طبیعی زندگی بھی اس کے قوانین کے احاطہ سے باہر نہیں۔ اس کے قوانین کے مطابق تخلیق کا یہ محیر العقول سلسلہ جاری ہے۔ اس میں خود انسانی تخلیق بھی شامل ہے جس کی رُو سے کسی کے ہاں صرف لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں اور کسی کے ہاں صرف لڑکے۔

۵۰ اور کسی کے ہاں لڑکیاں اور لڑکے دونوں۔ اور کسی کے ہاں اولاد ہی نہیں ہوتی۔
یہ سب کچھ اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہوتا ہے جن کی بنیاد علم خداوندی پر ہے۔

۵۱ (یہ قانونِ فطرت، جو کائنات میں اس طرح کارفرما ہے، انسانی معاشرہ کیلئے وحی کی رو سے ملتا ہے جو انبیاء کرامؑ کی وساطت سے بھیجی جاتی ہے۔ ہر فرد کی طرف انفرادی طور پر نہیں بھیجی جاتی۔ خدا ہر انسان سے براہ راست ہم کلام نہیں ہوتا)۔ اس کی ہم کلامی کے تین طریقے ہیں ——— دو طریقے انبیاءؑ سے مخصوص ہیں اور تیسرا طریق عام انسانوں کے لئے۔ انبیاءؑ سے خدا کی ہم کلامی کا طریق یہ ہے کہ کبھی خدا کی بات نبی کے دل میں ڈال دی جاتی ہے (۲/۹۷) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پس پردہ خدا کی باتیں ان کے کان تک پہنچ جاتی ہیں (جیسے موسیٰ کے ساتھ ہوا۔ ۲/۲۵۳ ؛ ۴/۱۶۴)۔ یہ دونوں طریقے انبیاءؑ کے ساتھ مخصوص ہیں[۱]۔

---

(۱) فٹ نوٹ صفحہ ۱۱۴۰ پر دیکھئے

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۵۲ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝۵۳

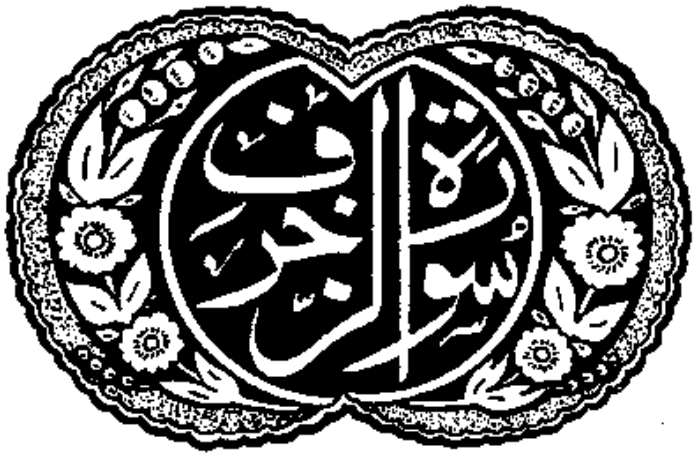
باقی رہے غیر از انبیاء (عام انسان) سو ان کی طرف رسول بھیجا جاتا ہے جو ان تک وہ وحی پہنچاتا ہے جسے خدا اپنے قانون مشیت کے مطابق اس رسول کو دیتا ہے۔ (کوئی غیر از نبی خدا سے براہ راست ہم کلام نہیں ہو سکتا)۔

یہ انتظام اُس خدا کی طرف سے ہوتا ہے جو علم کی انتہائی بلندیوں کا مالک ہے اور جسکا ہر فیصلہ اور انتظام حکمت پر مبنی ہے۔

۵۲ اسی طرح اے رسول! ہم نے اس قرآن کو تیری طرف وحی کیا ہے۔ یہ ہمارے عالم امر سے بڑی توانائیاں ساتھ لئے تیری طرف نازل ہوا ہے۔ (اسے تم نے اپنی محنت اور کسب و ہنر سے حاصل نہیں کیا۔ کسب و ہنر سے حاصل کرنا تو ایک طرف رہا) تجھے تو اس سے پہلے اس کا بھی علم نہیں تھا کہ خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب کیسی ہوتی ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں! ہم نے اس قرآن کو جگمگاتا ہوا نور بنا دیا ہے جس سے ہم اپنے بندوں کو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق زندگی کا صحیح راستہ دکھاتے ہیں۔ اور وہ قانونِ مشیت یہ ہے کہ جو شخص عقل و فکر سے کام لے کر اس کی طرف رجوع کرے وہ اس سے راہ نمائی حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طریق کے مطابق اے رسول! تو بھی لوگوں کو زندگی کی سیدھی اور متوازن راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

۵۳ اُس خدا کی طرف لیجانے والی راہ کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اسکے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اور تمام امور اُسی کے قانون کے مطابق سرانجام پاتے ہیں۔

لہ گزشتہ صفحہ کا فٹ نوٹ) وحی کی کنہ و حقیقت اور ماہیت کو کوئی غیر از نبی جان نہیں سکتا۔ اس لئے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ قلب نبوی پر اس کا القاء کیسے ہوتا تھا۔ جبریل امین اسے کس طرح لاتا تھا۔ یا جسے حضرت موسیٰ کے ضمن میں) "تکلم" سے تعبیر کیا گیا ہے اس کی صورت کیا تھی۔ جہاں تک غیر از انبیاء کا تعلق ہے ان کی طرف وحی، رسولوں کی وساطت سے پہنچتی ہے۔ وہ خود براہ راست خدا سے ہم کلام نہیں ہو سکتے۔ ختم نبوت کے بعد "خدا سے ہم کلامی" کا ذریعہ صرف قرآن کریم ہے۔ یعنی جب ہم قرآن پڑھتے ہیں تو خدا ہم سے ہم کلام ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ اس کے علاوہ کوئی شخص کسی طرح خدا سے ہم کلام نہیں ہو سکتا۔ جو ایسا کہتا ہے وہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ③ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ
حَكِيْمٌ ④ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ⑤ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ⑥
وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑦ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ

---

۱ خدائے حمید و مجید کا ارشاد ہے کہ

۲ اس کتابِ مبین کے قوانین و حقائق خود اس پر شاہد ہیں کہ ہم نے اسے کس قدر واضح اور غیر مبہم

۳ قرآن بنایا ہے تاکہ تم عقل و فکر سے کام لے کر اسے سمجھ سکو۔

۴ اس کا سرچشمہ ہمارا وہ علم ہے جو ہر قانون کی اصل بنیاد ہے۔ وہ بڑا ہی بلند مرتبہ اور مبنی بر حکمت ہے۔

۵ (ان مخالفین سے پوچھو کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ) تم حدود فراموش اور سرکش واقع ہوئے ہو، اس لئے ہم تم سے ڈر جائیں گے اور اس قرآن کے قوانین کو روک رکھیں گے۔ یا تمہاری خاطر تاریخی یادداشتوں کو تبدیل کر دیں گے (اور جو کچھ امم سابقہ کے ساتھ ہوا ہے، تمہارے ساتھ نہیں ہوگا؟)۔

۶ (وہ تاریخی یادداشتیں یہ ہیں کہ) ہم نے ان سے پہلی قوموں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے۔

۷ اور کوئی نبی ایسا نہ تھا جس کے ساتھ اس کی قوم نے استہزاء نہ کیا ہو۔

۸ سو ہمارے قانون مکافات نے اُن قوموں کو تباہ کر دیا، حالانکہ ان کے آہنی پنجوں کی گرفت اِن (مخاطبین) سے کہیں زیادہ مضبوط تھی۔ جو کچھ ان کے ساتھ ہوا، وہی ان کے ساتھ

الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ الَّذِيْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ
بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ
الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا
سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝

ہوگا۔

۹ اگر تو ان سے پوچھے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ یقیناً یہی کہیں گے کہ انہیں اس خدا نے پیدا کیا ہے جو غلبہ و اقتدار کا مالک اور ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ (یہ اس خدا کے تو قائل ہیں جس نے کائنات کو پیدا کیا' لیکن اس خدا کے قائل نہیں ہونا چاہتے جس کے قوانین کے مطابق انسانی معاشرہ متشکل ہونا چاہیئے۔ ۲۹/۶۱)

۱۰ (یہ ٹھیک ہے۔ کائنات کو اسی خدا نے پیدا کیا ہے) جس نے اس زمین کو تمہارے لئے آرامگاہ بنایا ہے۔ اور اس میں تمہارے لئے مختلف راستے رکھ دیئے ہیں تاکہ تم اپنی اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جایا کرو۔

۱۱ وہ خدا جو بادلوں سے ایک معینہ اندازے کے مطابق بارش برساتا ہے۔ پھر اس سے زمینِ مردہ کو زندگی عطا کرتا ہے۔

اسی طرح خدا نے یہ انتظام کیا ہے کہ اس قرآن کے ذریعے تمہیں حیاتِ نو عطا کر دے۔

۱۲ وہ خدا جس نے زمین میں انواع و اقسام کی چیزیں پیدا کی ہیں۔ اور تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی پیدا کر دیئے ہیں تاکہ تم ان پر سوار ہو کر (سفر کی منزلیں طے کر سکو)۔

۱۳ اور جب تم سواری کے لئے ان کی پشت پر جم کر بیٹھ جاؤ تو تم اپنے نشوونما دینے والے کی نعمتوں کو اپنی نگاہوں کے سامنے لاؤ اور بیساختہ پکار اٹھو کہ فی الواقعہ خدا کی ذات ہر قسم کے نقائص سے پاک ہے جس نے ان تمام چیزوں کو ہمارے تابع فرمان کر دیا' ورنہ (وہ اگر انہیں ایسا نہ بناتا تو) یہ ہمارے بس کی بات نہ تھی کہ ہم انہیں اس طرح مسخر کر لیتے۔

۱۴ اس کے بعد تمہاری روش یہ ہونی چاہیئے کہ تمہارا ہر قدم خدا کے بتائے ہوئے راستے کی طرف اٹھے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾
(۱) (ع ۱۵) (۷)

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي
الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾

۱۵ لیکن ان لوگوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف اس کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ساری کائنات خدا ہی کی پیدا کردہ ہے اور دوسری طرف یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ خدا کی اولاد بھی ہے حالانکہ علاوہ دیگر اعتراضات' یہ بنیادی حقیقت بھی قابلِ غور ہے کہ جب بھی پیدائش بہ سلسلۂ تولید ہو گی تو والد کا ایک حصہ اولاد میں منتقل ہو کر آجائے گا جس سے والد ناقص رہ جائے گا۔ اور خدا اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ ناقص رہ جائے[1]۔

۱۶ تم دیکھو کہ انسان کس طرح کھلی ہوئی حقیقتوں پر پردے ڈالتا اور ان سے انکار کرتا ہے۔ اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ دیویاں اور فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ (یعنی اوّل تو خدا کی اولاد کا عقیدہ ہی باطل تھا۔ پھر اولاد بھی اس قسم کی جسے یہ خود اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتے۔ یعنی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اس نے اپنے لئے بیٹیاں منتخب کی ہیں اور ان کے لئے بیٹے ۱۶/۵۸ ؁)

۱۷ (حالانکہ بیٹیوں کے متعلق ان کا تصور یہ ہے کہ وہ بڑی حقیر اور ذلیل ہوتی ہیں چنانچہ ان کی حالت یہ ہے کہ) جب ان میں سے کسی کو اطلاع ملتی ہے کہ اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس کے چہرے کی رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے اور وہ غم میں ڈوب جاتا ہے —— یہ ہے بیٹیوں کے متعلق ان کا تصور جنہیں یہ خدا کی اولاد قرار دیتے ہیں۔

۱۸ یعنی یہ ایک ایسی مخلوق کو خدا کی اولاد قرار دیتے ہیں جس کی حالت یہ ہے کہ وہ زیورات میں پرورش پاتی ہے۔ اپنی آرائش و زیبائش کے خیالات میں مستغرق رہتی ہے۔ اور شدتِ جذبات اور جہالت سے اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ خود اپنے معاملہ کو صاف اور واضح طور پر

---

[1] یہی وجہ ہے کہ خدا کا طریق پیدائش تخلیق (CREATION) ہے۔ تولید (PROCREATION) نہیں۔ یہی اعتراض اس عقیدہ پر بھی وارد ہوتا ہے جس کی رو سے کہا جاتا ہے کہ انسانی روح' روح خداوندی کا جزو ہے جو اپنی اصل سے الگ ہو کر مادہ کی دلدل میں پھنس گئی ہے' اور اس کا منتہیٰ یہ ہے کہ یہ پھر اپنی اصل سے مل جائے — (سُبْحَانَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ)۔ انسانی ذات' ذاتِ خداوندی کا جزو نہیں۔ اس کی عطا کردہ ہے۔ ذات (PERSONALITY) ناقابلِ تقسیم وحدت ہوتی ہے۔ یہ حصوں میں بٹ ہی نہیں سکتی۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ۝۱۹ وَقَالُوْا
لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۲۰ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ
فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝۲۱ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۲۲

بیان نہیں کر سکتی۔ (اس مخلوق کو یہ خدا کی اولاد قرار دیتے ہیں تاکہ وہ نظم و نسق کائنات میں اُس کا ہاتھ بٹا سکے)۔

۱۹ اور ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ملائکہ' جو خدا کی فرمانبردار مخلوق ہیں' مؤنث (دیویاں) ہیں۔ ان سے پوچھو کہ جب ہم نے ملائکہ کو بنایا ہے تو کیا یہ اُس وقت وہاں موجود تھے جو انہیں اس کا علم ہو گیا کہ وہ طبقۂ اناث سے تعلق رکھتے ہیں؟

بہرحال' ہم نے ان کی یہ بات بھی ان کے نامۂ اعمال میں لکھ لی ہے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ ان کے پاس اپنے اس دعوے کا ثبوت کیا ہے؟

۲۰ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ان چیزوں کی پرستش کیوں کرتے ہو' تو یہ تقدیر کا بہانہ بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (یہاں سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے۔ انسان مجبورِ محض ہے)۔ اگر خدا کی مرضی ایسی نہ ہوتی تو ہم کبھی ان کی پرستش نہ کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ انہیں اس کا علم ہی نہیں کہ تقدیر کسے کہتے ہیں اور خدا کی مشیت کا مفہوم کیا ہے۔ یہ یونہی قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ (اگر انہیں حقیقت کا علم ہوتا تو یہ کبھی یہ نہ کہتے کہ سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے۔ ہمارا اس میں کوئی اختیار نہیں۔ خدا نے انسان کو صاحبِ اختیار پیدا کیا ہے۔ یہ اپنے ہر عمل کا آپ ذمہ دار ہے۔ ۶/۱۴۹ ؛ ۳۶/۴۷)۔

۲۱ (ان کے پاس' اپنے اس دعوے کی نہ کوئی علمی اور عقلی دلیل ہے۔ اور نہ ہی یہ بات ہے کہ) ہم نے اس سے پہلے ان کی طرف کوئی ایسی کتاب بھیجی تھی جس میں یہ کچھ لکھا تھا۔ اور آج یہ اُس کتاب کے مطابق اپنے اس عقیدہ پر جمے بیٹھے ہیں۔ (لہٰذا' تقدیر کا یہ عقیدہ' انسانی علم و دانش' اور آسمانی وحی' دونوں کے خلاف ہے)۔

۲۲ ان کے پاس اپنے اس عقیدہ کی سند اور دلیل ہے تو بس اتنی کہ "ہم نے اپنے اسلاف کو

لہ قرآن کریم نے یہ' زمانہ جاہلیت کی غیر تربیت یافتہ عورت کے متعلق کہا ہے۔ یہ نہیں کہ اُس کے نزدیک عورت کی فطرت ہی ایسی ہوتی ہے۔ جنتی معاشرہ کی تربیت یافتہ عورت کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے (دیکھئے ۵۶/۳۷ تا ۳۵)۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ
وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ
اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ ع ۲۰ ۸
وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾

اس روش پر چلتے دیکھا ہے' اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلے جا رہے ہیں"۔ (یعنی یہ عقائد ہم نے اپنے اسلاف سے وراثت میں پائے ہیں اس لئے ہم انہیں صحیح سمجھتے ہیں! کس قدر کمزور ہے یہ دلیل' اور کس قدر باطل ہے یہ مسلک!)۔

۲۳ لیکن یہ "دلیل" کچھ انہی کی طرف سے پیش نہیں کی جا رہی۔ ہم نے تجھ سے پہلے' جس قوم کی طرف بھی کوئی رسول بھیجا' جو انہیں اُن کی غلط روش کے تباہ کن عواقب سے متنبہ کرتا تھا' تو وہاں کے سہل انگار اور آسودہ حال لوگوں نے (جو نہ علمی دنیا میں تحقیق و تدقیق سے کام لینا چاہتے تھے' اور نہ ہی اپنی محنت سے کما کر کھانے کے عادی تھے۔ وہ دوسروں کی کمائی پر عیش کرتے تھے۔ ان لوگوں نے) ہمیشہ یہ کہہ کر ان رسولوں کی مخالفت کی کہ ہم نے جس مسلک پر اپنے آباء و اجداد کو دیکھا ہے' ہم اس پر چلتے جائیں گے۔ اُسے کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ (ان کی "پیشوائیت" کا راز ہی اس میں تھا کہ لوگ عقل و فکر سے کام نہ لیں بلکہ جس راستے پر چلتے آ رہے ہیں' آنکھیں بند کر کے اس راستے پر چلتے جائیں)۔

۲۴ اس کے جواب میں ان کے رسول ان سے کہتے کہ جو تعلیم ہم پیش کرتے ہیں' اگر وہ تمہارے اسلاف کے مسلک سے زیادہ بہتر اور صحیح راستے پر لیجانے والی ہو' تو کیا تم پھر بھی' اسکے مقابلے میں' اپنے اِسی مسلک کو ترجیح دو گے؟

اس کے جواب میں وہ کہتے کہ ہم کچھ سننے کے لئے تیار نہیں۔ تم جو کچھ بھی کہتے ہو ہم اس سے انکار کرتے ہیں (ہم اپنے اسلاف کے مسلک کے خلاف نہ کچھ سننا چاہتے ہیں' اور نہ ہی اسے چھوڑنے کے لئے تیار ہیں)۔

۲۵ ان کی یہ روش عقل و علم اور وحیِ خداوندی دونوں کے خلاف تھی۔ لہٰذا ہمارے قانونِ مکافات نے انہیں پکڑ لیا۔ سو تم تاریخ کے اوراق سے پوچھو کہ ان تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟

۲۶ (ان تاریخی یادداشتوں میں ابراہیمؑ اور اس کی قوم کا واقعہ ایسا ہے جس سے یہ لوگ

اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ
هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾
وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا
بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا وَ
رَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

اچھی طرح واقف ہیں کیونکہ یہ اسی کی اولاد میں سے ہیں۔ ان سے پوچھو کہ کیا ابراہیمؑ نے بھی یہی کیا تھا کہ جو کچھ اس کے آباء و اجداد کرتے چلے آ رہے تھے وہ اسی روش پر چلتا رہا تھا؟) اس نے تو علانیہ اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہہ دیا تھا کہ تم جن چیزوں کی پرستش اور اطاعت کرتے ہو، میں ان سے متنفر اور بیزار ہوں۔ میرا ان سے کچھ واسطہ اور تعلق نہیں۔

۲۷ میں صرف اُس خدا کو اپنا حاکم اور معبود تسلیم کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا۔ اُسی کا بتایا ہوا راستہ وہ ہے جو مجھے منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا۔

۲۸ (وہ خود بھی آباء کی تقلید کو چھوڑ کر خدا کے راستے پر چلا) اور اسی مسلک کو اپنی اولاد کے لئے چھوڑ گیا تاکہ وہ غلط راستوں سے منہ موڑ کر اس راستے کی طرف رجوع کریں۔

۲۹ (ابراہیمؑ نے انہیں یہ تعلیم دی۔ اور) ہم نے انہیں، اور ان کے آباء و اجداد کو، سامانِ زیست فراوانی سے عطا کیا۔ (لیکن انہوں نے ابراہیمؑ کی صحیح اور سچی تعلیم کو پسِ پشت ڈال دیا) تاآنکہ اب ان کی طرف، ہمارا یہ رسول واضح حقائق لے کر آ گیا۔

۳۰ لیکن جب اس طرح حق ان کی طرف آیا، تو یہ کہنے لگے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔

۳۱ (اس کے خلاف ان کا اعتراض کیا ہے؟ یہ کہ) یہ قرآن، ہماری دو بستیوں (مکہ یا طائف) کے کسی بڑے آدمی کی طرف کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے بڑے بڑے سرداروں اور دولتمندوں کو چھوڑ کر منصبِ رسالت کے لئے ایک غریب اور یتیم کو چن لیا گیا ہو! ہم ایسے شخص کی اطاعت کیسے کر سکتے ہیں؟)۔

۳۲ اچھا! تو گویا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ نبوت جیسی چیز بھی، جو خالصتہً خدا کی رحمت اور موہبت ہے، ان کے معیار کے مطابق بانٹی جایا کرے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نبوت تو بہت بڑی چیز ہے

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ
عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ
قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

(۳ ع ۱۰ ۹)

دنیاوی زندگی کی معیشت بھی ان کے معیاروں کے مطابق تقسیم نہیں ہوتی. اکتساب رزق کی بنیادی استعداد اور صلاحیت' مختلف افراد میں مختلف ہوتی ہے. اور اسی لئے ہر ایک کی کمائی میں فرق ہوتا ہے. استعدادوں کا یہ فرق اس لئے رکھا گیا ہے کہ معاشرہ میں مختلف کام ہوتے ہیں جن کے لئے مختلف قسم کی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے. انسانی زندگی کا اجتماعی کاروبار اسی طریق سے چلتا ہے۔ (۱۶/۷۱ ؛ ۱۶/۵۳)۔ لیکن اس سے تکریم انسانیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سو جب' اکتساب رزق کی بنیادی صلاحیت و استعداد کی یہ کیفیت ہے کہ وہ افراد کی اپنی پیدا کردہ نہیں ہوتی' خدا کی عطا کردہ ہوتی ہے' تو نبوت جیسی موہبت عظمیٰ' جو دنیاوی مال و متاع سے کہیں زیادہ بلند مرتبت ہے' لوگوں کے معیار کے مطابق کس طرح مل سکتی ہے؟ یہ خدا کی موہبت ہے' جس کے لئے وہ اپنی مشیت کے پروگرام کے مطابق' مناسب شخصیت کا انتخاب کرتا ہے۔

۳۳ اگر ہمارے پروگرام میں یہ نہ ہوتا کہ تمام نوع انسان کو آخر الامر ایک عالمگیر برادری بننا ہے (۱۰/۱۹ ؛ ۲/۲۱۳)۔ تو ہم ان لوگوں کو جو ہمارے نظام ربوبیت سے انکار کر کے' سب کچھ اپنے لئے سمیٹ لینا چاہتے ہیں ایسا بے لگام چھوڑ دیتے کہ وہ بے حد و حساب دولت جمع کر لیتے جس سے ان کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں تک چاندی کی ہو جائیں۔

۳۴ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر یہ بیٹھتے ہیں' سونے کے ہو جاتے۔ (لیکن طبقات
۳۵ میں اس قدر تفاوت سے نوع انسان ایک برادری نہ بن سکتی۔ اس لئے ہم اس قسم کی تعلیم بھیجتے رہتے اور ایسی جماعتیں پیدا کرتے رہتے ہیں جو دولت کی اس غلط تقسیم کے خلاف آواز بلند کرتی ہیں اور اس حقیقت کو عام کرتی ہیں کہ) انسانی زندگی کا مقصود و منتہیٰ صرف اسی دنیا کی آسائش و آرائش نہیں. اس کی مستقبل کی زندگی کی فلاح و بہبود بھی ہے۔ یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ انسانی معاشرہ قوانین خداوندی کے تابع رہے۔ یہ ہے وہ طریق جس سے اکتساب رزق کی استعداد میں تفاوت کے باوجود نوع انسان ایک عالمگیر برادری کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔

۳۶ (لیکن اکثر لوگ اس بنیادی اصول حیات سے روگردانی کرتے ہیں۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ)

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ
بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾
اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ
مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾

جونہی کسی نے نظامِ ربوبیت کے تصور سے منہ موڑا' اُسی جیسے اور سرکش لوگ جھٹ سے اس کے ساتھ آملے اور اس پر بری طرح سے مسلط ہو گئے (۴۳/۳۶)۔

۳۷ یہ ساتھی' ایسے لوگوں کو' صحیح راستے کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ (اور فریب انگیزیوں کا ایسا جال بچھاتے ہیں کہ انہیں محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ صحیح راستے سے ہٹ چکے ہیں)، وہ یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم بالکل سیدھی راہ پر چل رہے ہیں۔

۳۸ تا آنکہ ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج ان کے سامنے آجاتے ہیں۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ کفِ حسرت مل کر کہتے ہیں کہ اے کاش! ہم میں' اور ہمارے ان ساتھیوں میں' بُعد المشرقین ہوتا —— یہ ساتھی کس قدر برے تھے جو' اپنے ساتھ' ہمیں بھی لے ڈوبے۔

۳۹ اُن سے کہا جائے گا کہ اب یہ باتیں تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتیں' اس لئے کہ تم سب مل کر ظلم اور زیادتی کیا کرتے تھے۔ لہٰذا اس تباہی اور بربادی کے عذاب میں تم سب برابر کے شریک ہو گے۔

۴۰ (یہ ہے ان لوگوں کی حالت؟ یہ خود بھی محض طبیعی زندگی کے مفاد کو مقصودِ حیات سمجھتے ہیں اور پھر انہیں ساتھی بھی ایسے مل جاتے ہیں جو انہیں' انہی مفاد پرستیوں کے لئے اکساتے رہتے ہیں)۔ لہٰذا اے رسول! کیا تو ان جیسے بہروں کو سنا سکتا ہے۔ اور ان جیسے اندھوں کو راستہ دکھا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو اس قسم کی کھلی ہوئی گمراہی میں رکھنا چاہیں اور اس پر مصر ہوں' انہیں کون راستہ دکھا سکتا ہے؟

۴۱ (یہ لوگ دل سے چاہتے ہیں کہ تو دنیا سے جلدی رخصت ہو جائے تو یہ امن میں رہیں۔ لیکن یہ ان کی بھول ہے۔ ان کی تباہی' جس سے تو انہیں متنبہ کرتا رہتا ہے' ان کے اعمال کا فطری نتیجہ ہو گی۔ اس کا تیری موت اور حیات سے کیا تعلق ہے؟) لہٰذا' اگر تو دنیا سے جلدی بھی چلا جائے' تو بھی یہ تباہی ان کے سامنے آکر رہے گی۔

أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ ﴿٤٢﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ إِنَّكَ
عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٤٣﴾ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿٤٤﴾ وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ
رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَ
مَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٦﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا
هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤٨﴾

۴۲ اور اگر یہ تیرے سامنے ہی واقع ہو جائے (تو بھی وہ ان کے اعمال ہی کا نتیجہ ہوگی)۔ یہ ہمارے قانونِ مکافات کی رو سے سامنے آئے گی۔ اور وہ قانون اپنی نتیجہ خیزی کے لئے پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ (۱۰/۴۶ ؛ ۱۳/۴۰ ؛ ۲۳/۹۵ ؛ ۴۰/۷۸)۔

۴۳ اس لئے تو ان کی کسی بات کی پرواہ نہ کر اور جو کچھ تیری طرف وحی کیا جاتا ہے اس کا اتباع کئے جا۔ تو بالکل سیدھے راستے پر جا رہا ہے۔ (اس لئے تو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ کر رہیگا)

۴۴ یہ قرآن جس کے متعین کردہ راستے پر تو چل رہا ہے تیرے اور تیری قوم (متبعین) کے لئے بڑے شرف اور عظمت کا موجب ہے (۲۱/۱۰ ؛ ۲۱/۲۴)۔ (تم اپنے مخالفین سے کہدو کہ) تم سے عنقریب پوچھا جائے گا (کہ تم نے اس قسم کے عزّ و شرف کے حامل ضابطہ حیات سے کس بنا پر انکار کیا تھا ؟ ان لوگوں کی عزّ و شرف سے محرومی خود یہ سوال بن جائیگی)۔

۴۵ ان لوگوں نے جو خدائے رحمان کے علاوہ اور ہستیوں کو اپنا الٰہ بنا رکھا ہے، تو یہ چیز کسی رسول کی تعلیم میں نہیں تھی۔ ان اہلِ کتاب کا یہ دعوےٰ غلط ہے کہ ان کے رسولوں نے انہیں اس قسم کی تعلیم دی تھی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا کا کوئی رسول شرک کی تعلیم دیتا ؟ رسول تو خالص توحید کی تعلیم دینے کے لئے آتے تھے۔

۴۶ (مثلاً) ہم نے موسیٰؑ کو اپنے قوانین دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔

۴۷ اس نے اُن سے کہا کہ مجھے خدائے ربّ العالمین نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔

۴۸ جب اس نے ان کے سامنے قوانین خداوندی کو پیش کیا تو وہ ان کا مذاق اڑانے لگے۔

۴۹ اور ہم انہیں مختلف قسموں کے عذاب میں بھی مبتلا کرتے رہے تاکہ وہ اپنی سرکشی سے باز آجائیں۔ (۳۲/۲۱) یہ عذاب پے در پے مختلف شکلوں میں ان پر اس طرح آتا رہا کہ بعد میں آنے والا

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا
هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا
تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ
اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾

عذاب' پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوتا۔

۴۹ جب ان پر عذاب آتا تو وہ موسٰے سے کہتے کہ ہم تجھے بہت بڑا مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں تیرے رب نے جو تجھ سے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم اگر صحیح راستہ اختیار کرلیں تو ہم سے عذاب ٹل جائے گا' تو تو اپنے رب سے دعا کر کہ یہ عذاب ہم سے ٹل جائے۔ اگر یہ ٹل گیا تو ہم ضرور سیدھی راہ اختیار کرلیں گے۔

۵۰ اور جب ان سے عذاب ٹل جاتا' تو وہ پھر عہد شکنی کرنے لگ جاتے۔

۵۱ (فرعون' اس انقلابی تحریک کے بڑھتے ہوئے اثرات سے اس قدر خائف تھا کہ) وہ ملک میں اس قسم کے اعلانات کرتا رہتا تھا کہ اے میری قوم! کیا میں مملکت مصر کا مالک نہیں ہوں؟ کیا یہ نہریں' جو میرے انتظام کے ماتحت جاری ہیں' اور جن پر تمہاری معیشت کا دارومدار ہے' میری نہیں ہیں؟ کیا تم ان باتوں پر غور نہیں کرتے؟

۵۲ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ میں اس شخص کے مقابلہ میں کس قدر بہتر اور برتر ہوں جو ہماری محکوم قوم کا ایک فرد ہے' اس لئے نہایت پست اور کمزور۔ پھر یہ ایسا دہقانی اور گنوار ہے کہ اسے کھل کر بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں آتا۔

۵۳ اگر اس کے خدا نے اسے اتنے بڑے اقتدار کا مالک بنانا تھا تو اسے' سرداری کے امتیازی نشان کے طور پر' سونے کے کنگن کیوں نہ دیئے گئے۔ یا اس کے جلو میں صف در صف فرشتے کیوں نہ بھیجے گئے۔

۵۴ چنانچہ وہ اس قسم کے پراپیگنڈہ سے اپنی قوم کو فریب میں مبتلا رکھنے کی کوشش کرتا رہا تاکہ وہ سمجھ سوچ سے کام نہ لے سکیں بلکہ اندھا دھند اس کی اطاعت کرتے رہیں — لیکن حق بات تو یہ ہے کہ وہ قوم خود ہی غلط راستوں پر چلنا چاہتی تھی۔ ورنہ اگر قوم صحیح راستے پر چلنا چاہے تو مستبد قوتوں کی طرف سے اس قسم کا پراپیگنڈہ اسے متاثر نہیں کرسکتا)۔

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ
مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ
خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً فِي
الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾

۵۵ سو جب ان کی سرکشی انتہا تک پہنچ گئی' اور ان کی تباہی کا وقت آگیا' تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

۵۶ اور وہ ایک زندہ قوم کے بجائے' داستانِ پارینہ بن گئے' جو آنے والوں کے لئے ایک عبرتناک نظیر کے طور پر بیان ہوتی ہے۔

۵۷ اور جب تو عیسےٰؑ ابن مریم کا ذکر عزت و تعظیم سے کرتا ہے تو تیری قوم چلا اٹھتی ہے' اور کہتی ہے

۵۸ کہ (جب تو شرک کی مخالفت کرتا ہے اور توحید کی تعلیم دیتا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے کہ ہمارے معبودوں کی اس قدر مخالفت کی جاتی ہے' اور عیسائیوں کے معبود کی تعریف کی جاتی ہے)۔ ان کا معبود' ہمارے معبودوں سے کس طرح بہتر ہے؟

لیکن ان کا یہ اعتراض محض جھگڑے کی خاطر ہے' بات کو بالوضاحت سمجھنے کے لئے نہیں۔ یہ لوگ ہیں ہی بڑے جھگڑالو۔ (ورنہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ تو عیسائیوں کے شرک کی بھی اسی طرح مذمت کرتا ہے جس طرح ان کے شرک کی۔ اور تعظیم' خدا کے رسول' عیسےٰؑ کی کرتا ہے جس نے توحید کی تعلیم دی تھی)۔

۵۹ عیسےٰؑ ہمارا ایسا بندہ تھا جسے ہم نے وحی کی نعمت سے نوازا تھا' اور اسے' بنی اسرائیل کے لئے سیرت و کردار کا مثالی نمونہ بنایا تھا۔

۶۰ (لیکن' مشرکینِ عرب کے اس اعتراض سے قطع نظر' عیسےٰؑ کے متعلق خود اس کے متبعین نے بھی تو کچھ کم قابلِ اعتراض اعتقادات وضع نہیں کر رکھے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت میں وہی شخص جا سکتا ہے جو فرشتوں کی طرح معصوم ہو۔ لیکن اپنے اعمال کے ذریعے کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ اسی طرح ممکن ہے کہ انسان مسیح کے کفارہ پر ایمان لائے۔ اس ایمان سے' انسان کے سب گناہ جھڑ جاتے ہیں اور وہ فرشتوں کی طرح معصوم ہو جاتا ہے[1]۔ ان سے

[1] یہ عیسائیت کا بنیادی عقیدہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔ عہدنامہ جدید میں سینٹ پال کے خطوط۔

وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ
مِن بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٦٥﴾

کہو کہ اگر انسانوں کو اس طرح "فرشتے" بنانا مقصود ہوتا تو ہم تمہاری جگہ زمین پر فرشتے ہی کیوں نہ بسا دیتے!

۶۱ (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، عیسیٰؑ خدا کا پیغمبر تھا اور) اس انقلابِ عظیم کی نشانی (کہ اب) سلسلۂ نبوت شاخِ اسرائیل سے منقطع ہو کر شاخِ اسمٰعیلؑ کی طرف منتقل ہو جائے گا[1] جس میں خدا کا آخری نبی، اس کا آخری پیغام لے کر آئے گا۔ چنانچہ وہ انقلاب اب آگیا ہے لہٰذا، تم بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ) تم اس کی بابت کسی قسم کا شک و شبہ مت کرو۔ اور میرا اتباع کرو۔ یہی زندگی کی سیدھی اور توازن بدوش راہ ہے۔

۶۲ دیکھنا! کہیں تمہاری مفاد پرستیوں کے غلط جذبات اور مذہبی پیشوا تمہیں اس راستے سے نہ روک دیں۔ یہ تمہارے سب سے بڑے اور کھلے ہوئے دشمن ہیں۔

۶۳ جب عیسیٰؑ آیا تھا تو وہ خدا کے قوانین اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس نے (بنی اسرائیل سے) کہا تھا کہ میں تمہاری طرف وہ ضابطہ ہدایت لایا ہوں جو سراسر علم و حکمت پر مبنی ہے بمقصد اس سے یہ ہے کہ دین کی جن باتوں میں تم باہمی اختلاف کرتے ہو، وہ تم پر ظاہر ہو جائیں۔ لہٰذا، تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اور میرے پیچھے پیچھے چلو۔ (میں بھی انہی قوانین کی اطاعت کرتا ہوں۔ تم بھی ایسا ہی کرو)۔

۶۴ یاد رکھو! میرا اور تمہارا نشو و نما دینے والا اللہ ہے۔ لہٰذا، تم صرف اس کی محکومیت اختیار کرو۔ یہی زندگی کا سیدھا اور توازن بدوش راستہ ہے۔

۶۵ (یہ تھی توحید کی وہ تعلیم جسے عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے سامنے پیش کیا تھا لیکن اس کے بعد، اس کے متبعین کے) مختلف فرقوں نے باہمی اختلاف کیا (اور مختلف عقائد کو عیسیٰؑ

---

[1] انجیل میں، حضرت عیسیٰؑ کی یہ شہادت موجود ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾ الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا
الْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ يَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٦٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾
ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ
الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾

کی طرف منسوب کر کے شرک میں مبتلا ہو گئے)۔ سو جن لوگوں نے اس باب میں اس قسم کی زیادتی سے کام لیا ہے' ان کے لئے الم انگیز عذاب کی تباہی ہے۔

۶۶ (یہ ہے ان کے اس اعتراض کی حقیقت کہ ان کے معبودوں کی مخالفت تو کی جاتی ہے اور عیسیٰؑ کی مخالفت نہیں کی جاتی! لیکن یہ لوگ دلائل و براہین سے ماننے والے نہیں) یہ تو اس آنے والے انقلاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ ان پر اس طرح اچانک آ جائے گا کہ انہیں خبر بھی نہیں ہو گی کہ وہ کیسے آ گیا۔

۶۷ اُس وقت تمام رشتے منقطع ہو جائیں گے۔ دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ البتہ متقین کے باہمی تعلقات بدستور رہیں گے' اس لئے کہ ان کے تعلقات کی بنیاد' ایمان (آئیڈیالوجی) کے اشتراک پر تھی' اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر حقیقی رشتے کی عمارت استوار ہوتی ہے۔

۶۸ ان (متقین) سے کہا جائے گا کہ تم اس انقلاب سے مت گھبراؤ۔ تمہارے لئے کسی قسم کا خوف و حزن نہیں۔

۶۹ یعنی ان لوگوں سے جو ہمارے قوانین کی صداقت پر ایمان لائے' اور ان کی پوری پوری اطاعت کی۔

۷۰ ان سے کہا جائے گا کہ تم اور تمہارے ساتھی' جنت میں داخل ہو جاؤ' جہاں تم خوشگوار زندگی بسر کرو گے اور نعمات حیات اور سے لطف اندوز ہو گے۔ (۳۰/۱۵)

۷۱ وہاں' سونے کی طشتریوں اور پیالوں میں' کھانے پینے کی چیزیں ان کے گرد گردش میں ہوں گی۔ اس میں وہ سب کچھ ملے گا جس کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہو گی' اور جو ان کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کا موجب ہو گا۔ ان سے کہا جائے گا کہ اب تم اس میں رہو گے۔

۷۲ اس لئے کہ یہ وہ جنت ہے جس کے تم' اپنے اعمال کے نتیجے میں' مالک بنائے گئے ہو۔ لہٰذا' اس کے چھن جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ
فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم
مَّاكِثُونَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنَاكُم بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾ أَمْ
يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُم ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾ قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ ۖ فَأَنَا

---

۷۳ اس میں تمہارے کھانے کے لئے بکثرت پھل موجود ہیں۔

۷۴ ان کے برعکس مجرمین جہنم کے عذاب میں ماخوذ ہوں گے۔

۷۵ اس عذاب کی شدت میں قطعاً تخفیف نہیں ہوگی۔ اور ان پر یکسر مایوسی چھا جائے گی۔ (یہ عذاب کی شدید ترین صورت ہے)۔

۷۶ یاد رہے کہ اس میں اُن پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔ یہ اُس ظلم اور زیادتی کا نتیجہ ہوگا جو انہوں نے خود اپنے اوپر کی تھی۔

۷۷ وہ عذاب کی شدت سے چلائیں گے اور جہنم کے نگہبان (ملائکہ) سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ ہمارا کام تمام کر دے تاکہ اس عذاب سے چھٹکارا مل جائے۔ لیکن ان سے کہا جائے گا کہ یہاں موت نہیں آسکتی۔ تمہیں یہیں رہنا ہوگا اور اسی طرح عذاب بھگتنا ہوگا۔

۷۸ (خدا ان سے کہے گا کہ) ہم نے تمہاری طرف اِس ضابطہ حیات کو بھیجا جو یکسر حق و صداقت پر مبنی تھا' لیکن تم میں سے اکثر نے اس حق کو ناپسند کیا اور اس کی مخالفت کی۔ یہ عذاب اسی کا فطری نتیجہ ہے)۔

۷۹ (اے رسول! ان مخالفین نے) تمہاری مخالفت کی تمام تدبیروں کو' اپنی طاقت کے مطابق' بہت مستحکم کر لیا ہے۔ اس کے جواب میں ہم نے بھی اپنی تدبیروں کو مستحکم بنا رکھا ہے۔

۸۰ ان کا خیال ہے کہ یہ جو خفیہ سازشیں کرتے ہیں' ہم ان سے بالکل بے خبر ہیں۔ ہم ان کے پوشیدہ مشوروں کو سن نہیں سکتے۔ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ ہمارے فرستادہ ہر وقت ان کے ساتھ رہتے ہیں' اور ان کی مسل مرتب کرتے جاتے ہیں۔ (۱۰/۲۱)۔

۸۱ ان سے کہدو کہ اگر (جیسا کہ ان کا خیال ہے) خدائے رحمٰن ایسا بھی ہو سکتا ہے جس کے

اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى
يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

بیٹے (بیٹیاں) ہوں' (تو' تم ایسے خدا کو خدا مان سکتے ہو)۔ میں تو سب سے پہلا شخص ہوں گا جو ایسے خدا سے بیزاری اور نفرت کا اعلان کر دے۔

۸۲ میں جس ہستی کو خدا مانتا ہوں وہ اس قسم کے باطل تصورات سے بہت دور ہے۔ وہ تمام کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کا رب اور آقا ہے۔ وہ ان سب کی نشوونما کرتا ہے۔ اور سب کا مرکزی کنٹرول اسی کے ہاتھ میں ہے۔

۸۳ (بہرحال' ان لوگوں کو اچھی طرح سے سمجھایا جا چکا ہے۔ اگر یہ اب بھی اپنے باطل خیالات سے باز نہیں آتے) تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو' کہ یہ اپنی اس قسم کی لغو باتوں اور بے معنی حرکتوں میں الجھے رہیں' تا آنکہ ظہور نتائج کا وہ وقت ان کے سامنے آجائے جس سے انہیں متنبہ کیا جاتا ہے۔

۸۴ یہ انتباہ اس خدا کی طرف سے ہے جس کا قانون خارجی کائنات میں بھی کارفرما ہے اور خود انسانی دنیا میں بھی۔ ساری کائنات کی زمام اقتدار اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ تمام نظم و نسق علم و حکمت کی بنا پر سرانجام پا رہا ہے۔

۸۵ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں' اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' اس میں کامل اقتدار و اختیار ایک خدا کا کارفرما ہے۔ کائنات کی ہر شئے اُس کے نظام ربوبیت کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ وہ عظیم انقلاب کب واقع ہوگا جس میں یہ عالمگیر ربوبیت انسانی دنیا میں بھی جاری و ساری ہو جائے گی) اس کا علم خدا ہی کو ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ تمہارا ہر قدم اسی کی طرف اٹھ رہا ہے۔

۸۶ یہ لوگ خدا کے سوا جن ہستیوں کو صاحب قوت و اقتدار سمجھتے ہیں اور اپنی مدد کے لئے انہیں پکارتے ہیں' انہیں اس کی استطاعت ہی نہیں کہ وہ ان کی مدد کے لئے ان کے ساتھ کھڑے ہو سکیں۔ عدالت خداوندی میں کوئی کسی کے ساتھ کھڑا نہیں ہو سکے گا' بجز

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾ وَقِيلِهِ يٰرَبِّ إِنَّ هٰؤُلَآءِ قَوْمٌ
لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾

(۷ ع ۲۲ ۱۳)

اس کے جو حق کے ساتھ شہادت دینے کے لئے آئے اور اُسے خدا اس کی اجازت دیدے (۲/۵۸۳)

۸۷ (پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ) اگر تم ان سے پوچھو کہ اس کائنات کو اور خود انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ اقرار کریں گے کہ ایسا خدا ہی نے (۴۳/۹)۔ تو ان سے پوچھو کہ پھر تم کدھر لئے جارہے ہو؟ (اسی خدا کے قانون کی طرف کیوں نہیں آتے؟)۔

۸۸ (اور جس طرح خدا کو اس بات کا علم ہے کہ یہ لوگ اُس آنے والے انقلاب میں تباہ و برباد ہو جائیں گے اُسی طرح اُسے اس کا بھی علم ہے کہ) یہ رسول کس درد بھری آواز سے کہتا ہے کہ اے میرے نشو و نما دینے والے! یہ لوگ ان صداقتوں پر ایمان لاکر اس عذاب سے کیوں نہیں بچ جاتے۔ (۱۵/۹؛ ۲۶/۳)۔

۸۹ (لیکن جو دیدہ و دانستہ خود کشی پر تُلا بیٹھا ہو اس کی حالت پر غم کھانے سے کیا حاصل؟ اس لئے اے رسول!) تو ان کا خیال چھوڑ دے اور ان سے کہدے کہ میں جو کچھ کہتا اور کرتا ہوں اس سے تمہاری سلامتی مقصود ہے۔

لیکن اگر یہ اس کے باوجود صحیح راستہ اختیار نہ کریں تو یہ عنقریب دیکھ لیں گے کہ انکی غلط روش کا نتیجہ کیا نکلا؟



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ④
اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ⑤ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑥ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

۱ خدائے حمید و مجید کا ارشاد ہے کہ
۲ یہ کتاب مبین یہ واضح ضابطۂ حیات اپنی صداقت پر آپ شاہد ہے۔
۳ اس کا آغاز نزول (رمضان کی) ایک ایسی رات میں ہوا جو ساری دنیا کے لئے صد ہزار برکات و سعادت کا موجب بن گئی (اور جس میں دنیا کو حق و باطل کے ماپنے کے پیمانے مل گئے۔ ۲/۱۸۵ ؛ ۹۷/۱)۔ یہ ہمارے اُسی پروگرام کے مطابق نازل ہوئی جس کی رُو سے ہم شروع ہی سے انسانوں کو ان کی غلط روش کے نتائج سے آگاہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ (یہ اسی سلسلۂ رشد و ہدایت کی آخری کڑی ہے)۔
۴ اس میں ان تمام امور کو جو آسمانی حکمت پر مبنی ہیں (غلط امور سے) الگ کر کے رکھ دیا گیا ہے۔
۵ یہ کتاب ہماری طرف سے بذریعہ وحی نازل ہوئی ہے۔ (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) ہم شروع سے اس وحی کو دیکر اپنے رسولوں کو بھیجتے رہے ہیں۔
۶ یہ خدا کی رحمت ہے (جو اس نے انسانوں کی راہ نمائی کے لئے وحی کا سلسلہ جاری کیا)۔ وہ سب کی سنتا ہے اور جانتا ہے (کہ انسان راہ نمائی کیلئے کس کس بات کی ضرورت ہے)۔
۷ یہ اُس خدا کے نظام ربوبیت کی ایک کڑی ہے جو کائنات کی ہر شے کی نشو و نما اس

وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ۝٧ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝٨ بَلْ هُمْ فِي
شَكٍّ يَلْعَبُونَ ۝٩ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝١٠ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝١١ رَبَّنَا اكْشِفْ
عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝١٢ أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝١٣

حسن و خوبی سے کر رہا ہے۔ (وہ جانتا ہے کہ جہاں تک انسان کا تعلق ہے' اس کی نشوونما کے لئے' طبیعی سامانِ زیست کے علاوہ' وحی کی راہ نمائی کی بھی ضرورت ہے جس کے بغیر اس کی ذات کی نشوونما نہیں ہو سکتی)۔ اگر تم عقل و بصیرت سے کام لو گے تو تمہیں اس حقیقت کا یقین آجائے گا (کہ انسان کو واقعی وحی کی راہ نمائی کی ضرورت ہے)۔

۸ اس لئے کہ نشوونما ہمیشہ ایک لگے بندھے قانون کے مطابق ہو سکتی ہے۔ اور کائنات میں خدا کے علاوہ اور کسی کا قانون کارفرما نہیں۔ حتیٰ کہ اشیائے کائنات' اور افراد کی طرح' قوموں کی موت اور حیات بھی اُسی کے قانون سے وابستہ ہے۔

یہ ہے وہ خدا جو تمہاری نشوونما کا بھی اسی طرح کفیل ہے جس طرح تمہارے آباؤ اجداد کی نشوونما کا کفیل تھا۔ اور اسی لئے' جس طرح اس نے تمہارے آباؤ اجداد — سابقہ اقوام — کی راہ نمائی کے لئے اپنی وحی بھیجی تھی' تمہاری راہ نمائی کے لئے بھی وحی بھیجی ہے۔

۹ لیکن یہ لوگ ایسی عظیم حقیقت کے متعلق شک و شبہ میں پڑے ہیں' اور زندگی کو محض ایک کھیل تماشہ سمجھ رہے ہیں۔

۱۰ (جب یہ لوگ اس قدر واضح دلائل کے باوجود' صداقت کو تسلیم نہیں کرتے اور اس دعوت کی برابر مخالفت کئے جا رہے ہیں تو اس کے بعد' اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ) تو اُس آنے والے انقلاب کا انتظار کرے جب ساری فضا میں گرد و غبار پھیل جائے گا۔ جب مصائب و آلام عام ہو جائیں گے۔ جب مصیبتوں کی وجہ سے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جائے گا۔

۱۱ یہ مشکلات و مصائب لوگوں کو ہر طرف سے گھیر لیں گی۔ وہ عذاب بڑا ہی دردناک اور الم انگیز ہو گا۔

۱۲ اُس وقت یہ لوگ پکار اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو اس تباہی کو ہم سے دور کر دے۔ ہم تیرے قوانین پر ایمان لاتے ہیں۔

۱۳ اُس وقت نصیحت حاصل کرنا انہیں کیا فائدہ دے گا؟ ان کے پاس ہمارا رسول واضح

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿۱۴﴾ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ
الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿۱۷﴾ أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ
رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۸﴾ وَأَن لَّا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي آتِيكُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۱۹﴾ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَن تَرْجُمُونِ ﴿۲۰﴾

دلائل و احکام لے کر آیا تھا۔

۱۴ انہوں نے اُس سے رُوگردانی کی۔ کسی نے کہا کہ اِسے کوئی شخص یہ باتیں سکھا جاتا ہے اور یہ پھر اُنہیں وحی خداوندی کہہ کر ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ کوئی بولا کہ یہ پاگل ہے اس کی باتیں مت سنو۔

۱۵ لہٰذا اب اس عذاب کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر ہم بفرضِ محال اسے تھوڑی دیر کے لئے ہٹا بھی دیں، تو یہ پھر وہی کچھ کرنے لگ جائیں گے۔

۱۶ اس لئے اُس وقت ہماری گرفت بڑی سخت ہوگی۔ ہمارا قانونِ مکافات انہیں ان کے کئے کا بدلہ دے کر رہے گا۔

۱۷ ان سے پہلے، قومِ فرعون کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو گزرا ہے۔ (ان پر ان کی سرکشی کی بنا پر، چھوٹی چھوٹی تباہیاں آتی رہیں۔ اس پر وہ ہر بار کہتے تھے کہ اگر اس تباہی سے نجات مل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ لیکن، اس کے بعد وہ پھر ویسی حرکتیں کرنے لگ جاتے۔ بات یوں ہوئی تھی کہ) ان کی طرف ہمارا ایک معزز رسول آیا۔

۱۸ اور ان سے کہا کہ تم ان اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو تاکہ میں انہیں آزادی کی فضا کی طرف لے جاؤں)۔ یہ خدا کا پیغام ہے جو میں تمہاری طرف پہنچا رہا ہوں۔ (اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا)۔ میں اس امانت (بنی اسرائیل) کا امین مقرر کیا گیا ہوں۔ مجھ پر اعتماد کرو اور یہ امانت میرے حوالے کر دو۔ اس سے ہر ایک کو امن نصیب ہو جائے گا۔

۱۹ میں تمہارے پاس خدا کی واضح سند (وحی پر مبنی دلائل) لے کر آیا ہوں۔ تم خدا کے احکام کے خلاف سرکشی مت اختیار کرو۔

۲۰ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو کہ مجھے سنگسار کر دو گے۔ میں، اس کے لئے اُس خدا سے سامانِ حفاظت طلب کروں گا جو تمہاری اور میری، دونوں کی نشوونما کا کفیل اور آقا ہے۔

وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾
وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ
كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾
وَلَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ﴿۳۰﴾

۲۱ (تم اگر ان احکامِ خداوندی پر ایمان لے آتے تو اس میں تمہاری بہتری تھی۔ لیکن) اگر تم انہیں نہیں مانتے تو خیر تمہاری مرضی۔ لیکن میں جو بنی اسرائیل کو یہاں سے لیجانا چاہتا ہوں تو تم میرا راستہ نہ روکو۔ اس باب میں مزاحمت نہ کرو۔

۲۲ (لیکن وہ لوگ نہ وحیٔ خداوندی پر ایمان لائے۔ اور نہ ہی اس پر راضی ہوئے کہ بنی اسرائیل کو وہاں سے جانے دیں)۔ اس پر موسیٰؑ نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ یہ لوگ تو بڑی ہی زیادتی پر اتر آئے ہیں۔ (ان مجرمین کا کیا علاج کیا جائے؟ — اور بنی اسرائیل کو ان کے چنگل سے کس طرح چھڑایا جائے؟)۔

۲۳ اس پر ہم نے موسیٰؑ سے کہا کہ یوں کرو کہ بنی اسرائیل کو لیکر راتوں رات یہاں سے نکلجاؤ۔ یہ لوگ تمہارا تعاقب ضرور کریں گے۔ (لیکن اس سے گھبرانے کی کوئی بات نہیں)۔

۲۴ جب تم سمندر (یا دریا) کے کنارے پہنچو گے تو اس کا پانی پیچھے ہٹا ہوگا۔ تم ساکن سمندر (یا دریا) کے خشک حصے سے پار چلے جانا۔ فرعون اور اس کے لشکر غرق ہو جائیں گے۔ (۲۰/۷۷ ؛ ۲۶/۶۳)۔

۲۵ (چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تو دیکھو) اہلِ فرعون نے کس قدر باغات اور چشمے۔

۲۶ اور فصلیں اور رفیع الشان محلات۔

۲۷ اور گوناگوں سامانِ آسائش جس میں وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کیا کرتے تھے پیچھے چھوڑے۔

۲۸ اس طرح وہ اپنا ساز و یراق چھوڑ کر تباہ ہو گئے' اور ہم نے دوسرے لوگوں کو اسکا وارث بنا دیا۔

۲۹ سو ان کی اس تباہی پر نہ آسمان رویا، نہ زمین۔ اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی (کیونکہ ظہورِ نتائج کے وقت مہلت نہیں ملا کرتی)۔

۳۰ اور اس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو' فرعون کے ذلت آمیز عذاب سے نجات دلائی۔

مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَآتَيْنَاهُم مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ
بَلَاءٌ مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَأْتُوا
بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾

---

۳۱ وہ بڑا ہی سرکش اور حد درجہ متکبر ہو چکا تھا۔ (اور یہی چیز اس کی تباہی کا موجب تھی)۔

۳۲ اس کے بعد جب بنی اسرائیل نے ہماری وحی (علم) کا اتباع کیا تو ہم نے انہیں انکی ہم عصر اقوام پر برگزیدگی عطا کی۔

۳۳ اور ہم نے انہیں اس قسم کا ضابطۂ قوانین عطا کیا جس پر عمل پیرا ہونے سے وہ انعاماتِ خداوندی کے مستحق قرار پا گئے۔ (سب سے پہلا انعام تو خود فرعون کے پنجۂ استبداد سے رستگاری تھا)۔

۳۴ یہ لوگ (مخالفینِ عرب) بھی اہلِ فرعون کی طرح' اسی نشہ میں بدمست ہیں کہ قانونِ

۳۵ مکافاتِ عمل کوئی شے نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے جس کا خاتمہ موت کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کس کا دوبارہ زندہ ہونا اور اعمال کی سزا بھگتنا؟

۳۶ (یہ کہتے ہیں کہ اگر مُردوں کو پھر سے زندگی مل جاتی ہے تو) ہمارے آباؤ اجداد کو ذرا زندہ کر کے دکھاؤ۔ پھر ہم مانیں گے کہ تم اپنے دعوے میں واقعی سچے ہو۔

۳۷ ان سے کہو کہ ذرا سوچو کہ کیا تم لوگ قوت و حشمت کے زیادہ مالک ہو یا وہ اقوام جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں ـــــ قومِ عاد و ثمود' بالخصوص قومِ تبع' جو تم سے بہت قریب تھی۔ انہوں نے جب اس قسم کی قانون شکنی کی روش اختیار کی تو ہمارے قانونِ مکافات نے انہیں تباہ کر دیا۔ (جب اتنی بڑی قوت کی مالک قومیں اس قانون کی گرفت سے نہ بچ سکیں تو تم اس کی زد سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہو؟

۳۸ ہم نے اس عظیم القدر کارگۂ کائنات کو یونہی ہنسی مذاق کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ یہ اس لئے سرگرمِ عمل ہے کہ ہر کام کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ مرتب ہو جائے (۲۱/۱۶ : ۴۵/۲۲)۔

۳۹ یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ اسے نہیں جانتے (اور سمجھتے ہیں کہ زندگی محض کھیل تماشا ہے جو موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے)۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ
اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ
الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾

۴۰ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ محض کھیل تماشا نہیں۔ یہ بالحق پیدا کی گئی ہے۔ انسان کا ہر عمل اپنا نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے۔ اور ان نتائج کے ظہور کا وقت معین ہے۔

۴۱ اُس وقت اِن نتائج سے بچنے کے لئے نہ کوئی دوست کسی دوست کے کام آسکے گا اور نہ ہی ان لوگوں کو کسی قسم کی مدد پہنچ سکے گی۔

۴۲ ہاں! جن لوگوں کی نشوونما قانونِ خداوندی کے مطابق ہوئی ہوگی انہیں اُس دن کوئی خوف و حزن نہیں ہوگا۔ خدا کا قانونِ ربوبیت بڑے غلبہ کا مالک ہے (۳۰/۵ ؛ ۲۷/۹)

۴۳ جن لوگوں کی نشوونما رک گئی ہے (کیونکہ وہ قانونِ ربوبیت کے خلاف زندگی بسر

۴۴ کرتے ہیں تو) وہ جو کچھ ہڑپ کر کے نگلتے جاتے ہیں' اس سے ان کی ذات مضمحل ہو کر رہ جاتی ہے (۱۷/۸۲ ؛ ۳۷/۶۵ — ۶۲)۔

۴۵ (یوں سمجھو کہ) ان کی غذا' بجائے اس کے کہ ان کا جزوِ بدن بنے' اِن کے معدے میں پگھلے ہوئے تانبے کی طرح کھولتی رہتی ہے۔

۴۶ اور پینے کے لئے کھولتا ہوا پانی' جس سے پیاس بجھنے کے بجائے اور زیادہ بھڑک اٹھے۔ (اِسی دنیا کے مفاد کو مقصودِ زندگی سمجھنے والوں کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ جس قدر مال و دولت جمع کرتے ہیں' ان کی ہوسِ زر اتنی ہی اور بڑھتی جاتی ہے۔ ۱۰۲/۱ — ۳)۔

۴۷ یہ بے پناہ ہوس' اس قسم کے انسان کو کشاں کشاں' جہنم کے عین وسط میں لے جاتی ہے (۱۰۴/۹ — ۱)۔

۴۸ وہاں اس کے سر پر جسے وہ اس طرح اٹھا کر چلتا تھا' کھولتا ہوا پانی ڈالا جائیگا' جس سے ساری سرکشی پگھل کر نکل جائے گی۔

۴۹ اور اس سے کہا جائے گا کہ تو اپنے آپ کو بڑا واجب التکریم اور صاحب غلبہ و اقتدار سمجھا کرتا تھا۔ اب اپنے اعمال کا مزہ چکھ۔ (۵۶/۵۲)۔

إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِۦ تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ ٱلْمُتَّقِينَ فِى مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِى جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ
مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَٰبِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَٰهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَٰكِهَةٍ
ءَامِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا ٱلْمَوْتَ إِلَّا ٱلْمَوْتَةَ ٱلْأُولَىٰ ۖ وَوَقَىٰهُمْ عَذَابَ ٱلْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّن
رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَٱرْتَقِبْ إِنَّهُم

---

۵۰ یہ ہے اُس قانونِ مکافات کا نتیجہ جس کے متعلق تم شک وشبہ میں رہتے تھے' اور جھگڑا کیا کرتے تھے۔

۵۱ ان کے برعکس' جو لوگ قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں' وہ نہایت پُرامن مقام میں ہوں گے۔

۵۲ سرسبز وشاداب باغات' اور ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے خوشگوار چشمے۔

۵۳ اُس جنتی زندگی میں' دنیا بھر کی آرائش وآسائش کا سامان ہوگا۔ دبیز اور باریک ریشم کے ملبوسات۔ نہایت خوش وخرم' ایک دوسرے کے آمنے سامنے مساوانہ حیثیت سے (بھائیوں کی طرح بیٹھے)۔

۵۴ اور ان کے ساتھی۔ سب کے سب' پاکیزہ عقل وفراست کے مالک' جس میں فریب کاری کی طرف میلان کا شائبہ تک نہ ہو۔

۵۵ کامل امن واطمینان کی زندگی۔ مسرت بخش سامانِ زیست کی فراوانی۔

۵۶ اس موت کے بعد جو ان کے طبیعی جسم پر دنیا میں واقع ہوئی تھی۔ انہیں پھر موت نہیں آئے گی۔ انہیں حیاتِ جاوداں مل جائے گی۔ اور ان تمام موانعات سے محفوظ رکھا جائے گا جو انسانی ذات کی نشوونما کے راستے میں روک بن جاتے ہیں۔ (۲/۲۵ ؛ ۴۰/۱۱)۔

۵۷ یہ سب کچھ خدا کے نظامِ ربوبیت کی رُو سے ہوگا جس میں نشوونما کی سہولتیں اس طرح مل جاتی ہیں۔ یہ زندگی کی بہت بڑی کامرانی ہے۔

۵۸ ہم نے ایسے اہم حقائق' اور بسیط کوائف کو (تشبیہات واستعارات کی) ایسی زبان میں بیان کر دیا ہے جسے یہ لوگ آسانی سے سمجھ سکیں اور یاد رکھیں۔

۵۹ (اب رہا یہ کہ اعمال کے یہ نتائج کب مرتب ہو کر سامنے آئیں گے۔ سو اس کے لئے)

مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

۳ ع ۱۶

تم بھی انتظار کرو، اور یہ بھی انتظار کریں۔ (تھوڑے ہی عرصہ میں یہ سب کچھ سامنے آجائے گا)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ
مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾

۱ خدائے حمید و مجید کا ارشاد ہے کہ

۲ یہ ضابطۂ ہدایت اس خدا کی طرف سے نازل ہو رہا ہے جو بڑے ہی غلبہ و اقتدار کا مالک اور اس کے ساتھ بڑا ہی صاحب حکمت و تدابیر ہے۔

۳ اس کے غلبہ و حکمت کی نشانیاں صحن کائنات میں ہر طرف بکھری پڑی ہیں۔ لیکن یہ انہی کو نظر آسکتی ہیں جو اس کے قوانین کی صداقت پر ایمان رکھیں۔

۴ (خارجی کائنات میں ہی نہیں۔ خود) تمہاری پیدائش میں، اور دیگر ذی حیات میں جو چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں، اس کی نشانیاں ہیں۔ لیکن صرف انہی کے لئے جو اس کے قوانین پر یقین رکھتے ہیں۔

۵ اور، دن اور رات کی گردش میں۔ اور اس بارش میں جو بادلوں سے برستی ہے، اور زمین مردہ کو از سر نو زندگی عطا کر دیتی ہے۔ اور ہوائیں جو مقررہ اوقات پر اپنی سمت

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝
يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا
اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مِّنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

بدلتی رہتی ہیں۔ ان سب میں خدا کے قوانین کی صداقت کی نشانیاں ہیں۔ لیکن صرف انہی کے لئے جو عقل و فکر سے کام لیں۔

۶ جس خدا کے قوانین خارجی کائنات میں اس حسن و خوبی سے کارفرما ہیں، اُسی نے انسانی معاشرہ کی تشکیل کے لئے اس کتاب میں قوانین دیئے ہیں جو تم پر بالحق نازل کئے جاتے ہیں۔ ان سے پوچھو کہ اگر وہ خدا کی طرف سے دیئے ہوئے اِن قوانین، اور اُس کی ان نشانیوں پر جو کائنات میں بکھری پڑی ہیں، غور و فکر کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے، تو پھر وہ کونسی ایسی بات ہوگی جس پر یہ ایمان لائیں گے؟

۷ (اس ضابطہ ہدایت کے اتباع سے کامرانیاں اور کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ اس کے برعکس) اس شخص کے لئے تباہی اور بربادی ہوگی جو اِسے، اِس لئے قبول نہیں کرتا کہ اس کی رُو سے جدوجہد کی زندگی بسر کرنی پڑے گی، اور اس کی مفاد پرستیوں نے اس میں سہل انگاری اور اضمحلال پیدا کر رکھا ہے۔ اس کے انکار کی اصلی وجہ تو یہ ہے لیکن وہ اسے مختلف دروغ بافیوں اور مکاریوں کے پردے میں چھپاتا ہے۔ (۲۶/۲۲۴)۔

۸ چنانچہ جب اس کے سامنے ان قوانین کو پیش کیا جاتا ہے، تو وہ انہیں سننے کے بعد محض ضد کی بنا پر، اس طرح متکبرانہ انداز سے مُنہ پھیر کر چل دیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں۔ سو اس کے اس انکار و سرکشی کا نتیجہ الم انگیز تباہی ہے۔

۹ اسی غرور کا نتیجہ ہے کہ جب ہمارے قوانین میں سے کوئی بات اس تک پہنچتی ہے تو وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ سو جس طرح یہ لوگ قوانین خداوندی کے ساتھ اہانت اور ذلت کا سلوک کرتے ہیں، اسی طرح انہیں ذلت آمیز عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

۱۰ جہنم کے شعلے ان کے سامنے بھڑک رہے ہیں۔ (اے کاش! یہ انہیں اِس وقت دیکھ سکتے۔ ۲۹/۲۴ ؛ ۶۹/۳۶ ؛ ۸۲/۱۴)۔ اُس وقت اِن کا مال و دولت اِن کے کسی کام نہیں آئے گا۔ اور نہ ہی

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ
فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

وہ لوگ ان کی کوئی مدد کر سکیں گے جنہیں انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنا کارساز و سرپرست بنا رکھا ہے۔ ان کے لئے بہت بڑی تباہی ہو گی۔

۱۱ یہ قرآن زندگی کی خوشگواریوں کے راستے سامنے لاتا ہے۔ سو جو لوگ اس قسم کے قوانینِ خداوندی سے انکار کرتے ہیں ان کے لئے الم انگیز تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

۱۲ خدا کے قوانین زندگی کی خوشگواریوں کے راستے کس طرح سامنے لاتے ہیں اس کا کچھ اندازہ اُس کے کائناتی قوانین پر غور و فکر سے لگ سکتا ہے۔ (مثلاً) تم دیکھو کہ اس نے اس قدر پُر خروش اور بے پایاں سمندر کو کس طرح تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے کہ اس میں اُس کے قانون کے مطابق کشتیاں چلتی رہتی ہیں تاکہ تم سامانِ معیشت کی تلاش میں ادھر اُدھر نکل سکو اور اس طرح تمہاری کوششیں بھرپور نتائج پیدا کریں۔

۱۳ ایک سمندر ہی پر کیا موقوف ہے۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے اس نے سب کو تمہارے لئے قوانین کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں (اس بات کی کہ جو لوگ ان قوانین کا علم حاصل کر لیں گے جن کے مطابق یہ کارگہِ کائنات سرگرمِ عمل ہے، وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں اپنے کام میں لا سکیں گے)۔

۱۴ اے جماعتِ مومنین! تم اپنی طرف سے کوشش کرتے رہو کہ یہ لوگ جو اُس خدائی انقلاب سے جس میں ہر قوم کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا، یوں بے فکر ہو رہے ہیں، آنے والی تباہی سے کسی طرح بچ جائیں۔

۱۵ تمہارے ذمے صرف اس کی کوشش کرنا ہے۔ تم ان کے اعمال کے نتائج کو بدل نہیں سکتے۔ ہمارا قانونِ مکافات یہ ہے کہ جو شخص صلاحیت بخش کام کرتا ہے، ان سے خود اسی ذات کو فائدہ ہوتا ہے۔ اور جو غلط روش پر چلتا ہے، اس کا وبال خود اس پر پڑتا ہے۔ تم اس قانون کے دائرے سے باہر نہیں رہ سکتے۔ تمہارا ہر قدم اسی کی طرف اٹھ رہا ہے۔ (خود

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾
وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۢ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾
هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

امم سابقہ کی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے)۔

۱۶ (چنانچہ) ہم نے اس سے پہلے بنی اسرائیل کو ضابطۂ ہدایت اور حکومت عطا کی۔ اور کتنے ہی پیغمبر ان میں پیدا کئے۔ (۳۲/۲۴ ؛ ۶/۸۹)۔ انہیں خوشگوار سامانِ زیست ملتا رہا' اور وہ اپنی ہمعصر اقوام میں بڑے ممتاز اور سربلند رہے۔

۱۷ جو ضابطہ قوانین انہیں دیا گیا تھا وہ بڑا واضح تھا' لیکن انہوں نے اس قسم کا علم (وحی) مل جانے کے بعد' محض باہمی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے آپس میں اختلافات پیدا کر لئے۔ (یعنی ان کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہیں جو تعلیم وحی کی رُو سے دی گئی تھی' اس میں کچھ ابہام اور التباس تھا۔ وہ تو بڑی واضح تھی۔ یہ اختلافات باہمی ضد اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے کے جذبہ کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے)۔ اُن کے ان اختلافات کا فیصلہ دورِ قیامت میں ہوگا۔

۱۸ اِن کے بعد' اب ہم نے (اے رسول!) تمہیں اپنی وحی کے واضح راستے پر چلایا ہے (۴۲/۱۳)۔ تو اس کی پیروی کئے جا' اور ان لوگوں کے خیالات کا اتباع مت کر جنہیں حقیقت کا علم نہیں۔

۱۹ یہ لوگ' قانونِ خداوندی کے مقابلہ میں' تیرے کچھ کام نہیں آسکیں گے۔ (یہ لوگ تمہارے خلاف جتھہ بندیاں بھی کر رہے ہیں' اس لئے کہ) قانونِ خداوندی سے سرکشی برتنے والے' حق کی مخالفت میں' سب ایک دوسرے کے دوست اور رفیق بن جاتے ہیں۔ (لیکن تمہیں ان سے خائف ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ) جو لوگ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرتے ہیں' ان کا کارساز اور سرپرست خود خدا ہو جاتا ہے۔

۲۰ یہ ضابطہ قوانین جو تمہیں دیا گیا ہے' تمام نوعِ انسان کے لئے' علم و بصیرت کی شمع نورانی ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے جو اس کی صداقت پر یقین رکھیں' زندگی کی صحیح منزل کی طرف راہ نمائی

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٣﴾

اور انسانیت کی نشوونما کا ذریعہ۔

۲۱ جو لوگ غلط روش پر چلتے اور زندگی میں ناہمواریاں پیدا کرتے ہیں کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں اُن لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ہمارے قانون کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ کیا ہم ان دونوں گروہوں کی زندگی اور موت کو ایک جیسا بنا دیں گے؟ کیسا غلط خیال ہے جو یہ لوگ اپنے دل میں لئے بیٹھے ہیں!

۲۲ انہیں یہ معلوم نہیں کہ خدا نے اس تمام کائنات کو بالحق پیدا کیا ہے (یونہی بیکار اور تخریبی نتائج مرتب کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ) ہر شخص کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ برآمد ہو جائے اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو۔ (یہ تمام کارگہ کائنات اس لئے سرگرم عمل ہے کہ انسان کا ہر عمل ٹھیک ٹھیک نتیجہ پیدا کرے)۔

۲۳ (یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب انسان کو عقل و فہم دے دیا گیا تو پھر اسے وحی کی راہ نمائی کی کیا ضرورت ہے)۔ لیکن کیا تو نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جو اپنے جذبات ہی کو اپنا معبود بنا لیتا ہے اور وہی کچھ کرتا ہے جو اس کی خواہشات کا تقاضا ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا کہ وہ علم و عقل رکھنے کے باوجود کس طرح غلط راستوں پر چلے جاتا ہے۔ اس پر جذبات اس بری طرح غالب آجاتے ہیں کہ یوں نظر آتا ہے گویا اس کے کانوں پر اور دل پر مہریں لگ چکی ہیں۔ اور اس کی آنکھوں پر پردے پڑ چکے ہیں۔ اسے نہ کچھ سنائی دیتا ہے۔ نہ دکھائی دیتا ہے۔ اور نہ ہی اس کی سمجھ بوجھ کچھ کام کرتی ہے۔ (۴۶/۲۶)۔

ذرا سوچو کہ جو شخص اس طرح اپنے جذبات سے مغلوب ہو جائے، تو وحیٔ خداوندی کے علاوہ وہ کونسی طاقت ہے جو اس کی راہ نمائی صحیح راستے کی طرف کر سکتی ہے؟ (انسان کے پاس سب سے بڑی قوت عقل ہی کی ہے۔ لیکن جب اس پر جذبات غالب آجائیں تو عقل خود ان جذبات کی لونڈی بن جاتی ہے، اور ان کے ہر روئے کار آنے کے لئے سامان و ذرائع

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا
تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

(۳ ۴۵ ۱۹)

بہم پہنچاتی' اور ان کے جواز کے لئے فریب آمیز دلیلیں وضع کرتی ہے۔ ان حالات میں کوئی ایسی قوت ہی اس کی راہ نمائی کر سکتی ہے جو عقل اور اس کے سطحی جذبات سے بلند ہو۔ اور یہ قوت' وحیِ خداوندی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی)۔

کیا تم اس حقیقت پر غور نہیں کرتے؟

۲۴ یہ لوگ (جو وحی کا انکار کرتے' اور اپنے جذبات کو اپنا الٰہ بنا لیتے ہیں) خیال کرتے ہیں کہ زندگی بس اس دنیا کی زندگی ہے۔ اسی دنیا میں مرنے والے مر جاتے ہیں' اور نئے بچے نئی زندگی لے کر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ زمانے کا چکر ہے جو یونہی چلتا رہتا ہے۔ (بچہ پیدا ہوتا ہے۔ طبیعی زندگی جیتا ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد اس کے قویٰ مضمحل ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور بالآخر وہ مر جاتا ہے۔ زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ طبیعی زندگی کے علاوہ' انسان کی کوئی اور زندگی نہیں)۔

ان لوگوں کو انسان کی اصل و حقیقت کا کچھ علم نہیں۔ بس سطحی سی معلومات ہیں جن کی بنا پر یہ اس قسم کی قیاسی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ (انسان صرف اس کے طبیعی جسم سے عبارت نہیں' جس کے ختم ہو جانے سے خود انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ محض حیوانی سطح زندگی ہے۔ ۴۷/۱۲ انسان میں ایک اور شے بھی ہے جسے اس کی "ذات" کہتے ہیں۔ یہ جسم کی موت کے ساتھ فنا نہیں ہو جاتی۔ اس کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ جس طرح جسم کی نشوونما کے لئے طبیعی قوانین کی ضرورت ہے اسی طرح انسانی ذات کی نشوونما کے لئے' وحی پر مبنی قوانین کی ضرورت ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وحی کی ضرورت پڑتی ہے)۔

۲۵ ان لوگوں کے سامنے (جو زندگی کو اسی دنیا تک محدود سمجھتے ہیں) جب وحی پر مبنی حقائق و قوانین پیش کئے جاتے ہیں' تو ان کے پاس اس کی مخالفت کے لئے کوئی معقول دلیل نہیں ہوتی۔ صرف ان کی کٹ حجتی ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر مُردوں کو کوئی الواقعہ زندگی مل سکتی ہے' تو ہمارے اسلاف کو' جو مر چکے ہیں' پھر سے واپس لا کر دکھاؤ۔ تب ہم جانیں گے کہ تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

۲۶ ان سے کہو کہ زندگی اور موت قانونِ خداوندی کے مطابق ملتی ہے۔ اور وہ قانون یہ ہے

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى
اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ
تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا
قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾

کہ موت کے بعد انسان اس دنیا میں واپس نہیں آسکتا۔ اُسے اگلی دنیا میں جاکر زندگی ملتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ لیکن اکثر لوگ اسے نہیں سمجھتے۔

۲۷ یہ سب کچھ اس خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے جس کا اقتدار تمام کائنات کو محیط ہے۔ جب وہ انقلاب عظیم واقع ہوگا' تو یہ لوگ جو باطل کی روش پر چل رہے ہیں' سخت نقصان اٹھائیں گے۔

۲۸ اُس وقت' ہر مخالف قوم کی قوت ٹوٹ چکی ہوگی۔ اور تو دیکھے گا کہ وہ گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی ہوگی۔ ہر قوم کو بلایا جائے گا کہ وہ اپنے اعمال نامہ کو دیکھ لے۔ اُس وقت ہر قوم کے اعمال کے نتائج اس کے سامنے آجائیں گے اور اسے ان کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ملے گا۔ (۱۹/۹۸)۔

۲۹ (ان سے کہا جائے گا کہ) جو کچھ تم کیا کرتے تھے وہ سب اس رجسٹر میں لکھ لیا جاتا تھا۔ اس لئے یہ جو کچھ کہے گا ٹھیک ٹھیک کہیگا ـــــ نہ کم نہ زیادہ۔ بالکل صحیح۔

۳۰ (اعمال نامہ کے مطابق ہر ایک کا فیصلہ ہوگا) جو لوگ ہمارے قوانین کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں' ان کا نشوونما دینے والا انہیں اپنی رحمتوں کے سائے میں جگہ دے گا۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

۳۱ اور جو لوگ ان قوانین سے انکار کرتے ہیں' ان سے کہا جائے گا کہ تمہارے سامنے میرے قوانین پیش کئے جاتے تھے' لیکن تم ان سے سرکشی برتتے تھے' اور ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے تھے۔

۳۲ اور جب تم سے کہا جاتا تھا کہ یاد رکھو! خدا کا وعدہ حق ہے۔ جو کچھ تم سے کہا جارہا ہے' اسی طرح واقع ہوکر رہے گا۔ اور یہ انقلاب آکر رہے گا۔ اس میں قطعاً کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ انقلاب کیا ہے۔ ہم اسے محض ایک واہمہ

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٣﴾ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا
وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٣٤﴾ ذَٰلِكُمْ بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ
لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٣٥﴾ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ
الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣٧﴾

سمجھتے ہیں۔ ہم اس پر یقین کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں۔

۳۳ اُس وقت اُن کی بدعملیوں کے نتائج کھل کر ان کے سامنے آجائیں گے۔ اور جن باتوں کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے، وہ انہیں ہر طرف سے گھیر لیں گی۔

۳۴ اور ان سے کہا جائے گا کہ جس طرح تم اس وقت کے سامنے آنے کی کوئی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے، آج تمہاری بھی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی۔ (جس طرح تم نے اس خیال کو پس پشت ڈال رکھا تھا کہ تمہارے اعمال نے ایک دن تمہارے سامنے آنا ہے، اسی طرح تمہیں بھی آج زندگی کی آسائشوں سے پیچھے دھکیل کر ان سے محروم کر دیا جائے گا)۔ تمہارا انجام تباہی اور بربادی کا جہنم ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں جو تمہیں اس عذاب سے چھڑا لے۔

۳۵ یہ اس لئے کہ تم نے خدا کے قوانین کو مذاق سمجھ رکھا تھا، اور طبیعی زندگی کے مفاد نے تمہیں دھوکے میں مبتلا کر رکھا تھا۔ سو اب نہ تم اس تباہی اور بربادی کے عذاب سے نکل سکتے ہو، اور نہ ہی تمہاری گریہ وزاری ہماری نوازشات کو تمہاری طرف لوٹا سکتی ہے۔ (کیونکہ ہماری نوازشات، تمہارے اعمال کے بدلے ہی میں مل سکتی تھیں۔ ۳۰/۵۱)۔

۳۶ اُس وقت زندگی کا وہ نقشہ مرتب ہوگا جس میں خدا کی وہ ربوبیت جو کائنات میں اس طرح پھیلی ہوئی ہے، عالمِ انسانیت میں بھی اُسی طرح جلوہ بار ہوگی، اور ہر ایک کی زبان سے بیساختہ داد تحسین لے لیگی۔ (۱/۱ ؛ ۹۳/۵)۔

۳۷ اور ہر ایک اس کا اعتراف کرے گا کہ فی الحقیقت ساری کائنات میں اقتدار و اختیار صرف ایک خدا کا ہے۔ ہر شے پر اُسی کا غلبہ ہے، اور یہ غلبہ حکمت پر مبنی ہے۔



سُوْرَۃُ الْاَحْقَاف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۱ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۲ مَا

خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۳

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَھُمْ شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اِیْتُوْنِیْ

---

۱ خدائے حمید و مجید کا ارشاد ہے کہ

۲ یہ ضابطۂ قوانین اس خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جو کائنات کی ہر شے پر غالب ہے لیکن اس کا غلبہ دھاندلی کا نہیں۔ عین حکمت پر مبنی ہے۔

۳ اس کا ارشاد ہے کہ ہم نے اس کارگہ کائنات (ارض و سموٰت' اور جو کچھ ان کے درمیان ہے 'سب) کو' ایک وقتِ معینہ تک چلنے کے لئے' حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (اور اس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ ہر عمل اپنا ٹھیک ٹھیک نتیجہ پیدا کرے۔ ۴۵/۲۲)۔ لیکن جو لوگ حقیقت سے انکار کرتے ہیں' ان سے جب کہا جاتا ہے کہ تمہاری غلط روش کی وجہ سے تم پر تباہی آجائے گی' تو وہ اس سے منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

۴ ان لوگوں سے کہو کہ جن ہستیوں کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو' کیا تم نے کبھی ان کے

بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝۵ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً
وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا
سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا
تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ

متعلق غور بھی کیا ہے' کیا تم بتا سکتے ہو کہ انہوں نے زمین میں کیا کچھ پیدا کیا ہے؟ یا کائناتی نظم ونسق میں ان کا کیا دخل ہے۔ اگر تم اپنے اس عقیدہ میں سچے ہو تو اس کی تائید میں کسی سابقہ آسمانی کتاب کی سند لاؤ۔ یا کوئی علمی دلیل پیش کرو۔

۵ (ان سے کہو کہ) اُس سے زیادہ راہ گم کردہ اور کون ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر اُن ہستیوں کو پکارے جو قیامت تک ان کی پکار کا جواب نہ دے سکیں۔ حتیٰ کہ انہیں اس کا بھی علم نہ ہو کہ انہیں کوئی پکار رہا ہے۔

۶ اور جب ظہور نتائج کے وقت' وہ ان کے سامنے آئیں تو (دوست کی حیثیت سے نہیں بلکہ) ان کے دشمن کی حیثیت سے آئیں' اور صاف کہدیں کہ ہم نے ان سے کبھی نہیں کہا تھا کہ ہماری پرستش کرو۔

۷ جب ان منکرینِ حق کے سامنے ہمارے واضح قوانین پیش کئے جاتے ہیں' تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

۸ بلکہ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اس (رسول) نے اسے خود ہی وضع کر لیا ہے اور اسے وحی کہہ کر خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر میں واقعی ایسا کرتا ہوں تو اس جرم کی پاداش میں خدا کی طرف سے جو وبال مجھ پر پڑے گا' تم میں سے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ مجھے اُس سے بچا سکے (اصل یہ ہے کہ تم اپنی مفاد پرستیوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے' اور اس قسم کی لغو اور دور از کار باتیں بناتے رہتے ہو۔ خدا پر یہ حقیقت اچھی طرح سے روشن ہے۔ وہ میرے دعوائے نبوت' اور تمہاری مخالفت اور انکار کے معاملہ میں' سب سے بڑا شاہد ہے۔ وہی سب کو حفاظت اور نشوونما کا سامان مرحمت کرتا ہے۔

۹ ان سے کہدو کہ میں کوئی نیا رسول نہیں۔ رسالت کی طرح میں نے نہیں ڈالی۔

اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۹ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ
کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَکَفَرْتُمْ بِہٖ وَشَہِدَ شَاہِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِہٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَکْبَرْتُمْ اِنَّ
اللّٰہَ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۰ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْہِ وَاِذْ
لَمْ یَہْتَدُوْا بِہٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ ہٰذَآ اِفْکٌ قَدِیْمٌ ۝۱۱

نہ ہی میں تم سے کوئی انوکھی بات کہہ رہا ہوں۔ (سلسلۂ رسالت شروع سے چلا آرہا ہے' اور ہر قوم میں خدا کے رسول آچکے ہیں۔ میں بھی انہی جیسا ایک رسول ہوں اور وہی پیغام لایا ہوں جو انبیائے سابقہ لاتے رہے ہیں۔ مجھے اس کا تو یقین ہے کہ جو نظام حق و صداقت میں پیش کر رہا ہوں' وہ باطل پر ضرور غالب آئے گا' لیکن) میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس تصادم اور ٹکراؤ میں' جو میرے اور تمہارے درمیان ہو رہا ہے' میرا ذاتی انجام کیا ہوگا' اور تمہارے ساتھ کیا بیتے گی۔ نہ ہی مجھے اس سے کچھ سروکار ہے۔ میرا کام یہ ہے کہ میں اس وحی کا اتباع کیے جاؤں جو میری طرف نازل ہوتی ہے۔ اور تمہیں' تمہاری غلط روش کے انجام و عواقب سے آگاہ کرتا رہوں۔ (میری ان کوششوں کے نتائج' خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق' اپنے وقت پر سامنے آئیں گے)۔

۱۰ ان مخالفت کرنے والوں (بالخصوص یہودیوں) سے کہو کہ کیا تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں' اگر وہ خدا کی طرف سے ہو' اور تم اس سے انکار کرتے رہو' تو تمہاری اس روش کا انجام کیا ہوگا؟ حیرت ہے کہ تم اس سے انکار کرتے ہو حالانکہ (ویسے تو تمام انبیائے بنی اسرائیل اسی قسم کی تعلیم پیش کرتے رہے ہیں لیکن) ان میں سے ایک —— موسیٰؑ —— کے متعلق تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کی انقلابی دعوت' اس رسول کی دعوت کی مثل تھی' اور اس نے اس آنے والے کی گواہی بھی دی تھی[1] (۴۶/۱۵)۔ تو کیا تم نے آپ کو اپنے پیغمبر سے بھی بڑا سمجھتے ہو کہ وہ تو اس حقیقت پر ایمان لایا تھا۔ اور تم اس سے سرکشی برت رہے ہو! غور کرو کہ جو لوگ اس طرح غلط راستے اختیار کر لیں' انہیں زندگی کے صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کس طرح مل سکے گی؟

۱۱ اور یہ لوگ (یہود) جو اس قرآن کی صداقت سے انکار کرتے ہیں' کہتے ہیں کہ اگر

[1] تورات (کتاب استثناء) میں' حضرت موسیٰؑ کی یہ شہادت اب تک موجود ہے۔ اس میں خدا نے اُن سے کہا تھا کہ "میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی پیدا کروں گا"۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ
وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ
حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ

ہم اس میں کوئی بہتر بات پاتے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ عرب کے یہ اُمّی تو اس پر ایمان لے آتے اور ہم ان سے پیچھے رہ جاتے! (علم و فضل کا کونسا میدان ہے جس میں یہ لوگ ہم سے آگے ہیں! لہٰذا' اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کوئی ایسی بلند اور بہتر تعلیم نہیں پیش کرتا جس پر ہم ایمان لائیں — لیکن اصل بات یہ ہے کہ) چونکہ یہ لوگ' اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے' قرآن سے ہدایت یاب نہیں ہو سکے اس لئے' اب محض اپنی بات کی پچ کیلئے کہتے ہیں کہ' یہ تو اسی قسم کا جھوٹ ہے جسے' اس سے پہلے بھی' لوگ یونہی تراشتے تھے (۴۶/۱۱)۔

۱۲ حالانکہ (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) ہم نے' اس سے پہلے' موسیٰؑ کی طرف جو کتاب نازل کی تھی' وہ بھی' اسی طرح' صحیح راہ نمائی کا ضابطہ تھی' اور انسانوں کی نشوونما کا موجب۔ (لیکن وہ اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہی)۔ اب یہ کتاب' انہی دعاوی کو سچ کر کے دکھانے کے لئے بھیجی گئی ہے جو اُس کتاب میں پیش کئے گئے تھے۔ اس کتاب کو نہایت واضح زبان (عربی) میں نازل کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے' ان لوگوں کو' جو حق و صداقت کی راہ چھوڑ کر' ظلم و استبداد کا راستہ اختیار کر لیں' ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا جائے' اور حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرنے والوں کو ان کے اعمال کے خوشگوار نتائج کی بشارت دی جائے۔

۱۳ یعنی ان لوگوں کو جو اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارا رب صرف (ایک) اللہ ہے' اور پھر اس ایمان پر نہایت استقامت سے جم کر کھڑے رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کسی قسم کا خوف اور حزن نہیں ہوگا۔ (۲/۶۲)۔

۱۴ یہ لوگ جنت کی زندگی بسر کریں گے جو ان کے اعمال کا نتیجہ ہوگی۔

۱۵ (یہ جنتی معاشرہ اس دنیا میں بھی قائم ہوگا۔ اس معاشرہ میں گھر کے بزرگ اور خورد سب قوانین خداوندی کے رنگ میں رنگے ہوں گے' اور' حیوانی سطح سے بلند ہو کر'

سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ
وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ

انسانی سطح پر زندگی بسر کریں گے۔ یہ انسانی سطح پر زندگی بسر کرنے کا تقاضا ہے جو) ہم نے انسان سے تاکیداً کہا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ (حیوانات میں' ماں باپ' بچے کی پرورش تو کرتے ہیں' لیکن بچہ بڑا ہو کر' اپنے ماں باپ کو پہچانتا تک نہیں۔ اسی لئے انسان سے یہ کہنا پڑا کہ وہ حیوانی سطح سے بلند ہو کر' انسانی سطح پر زندگی بسر کرے جس کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اپنے ماں باپ سے حسن سلوک سے پیش آئے)۔ اس کی ماں نے حمل' اور پھر وضع حمل کی تکلیف کو برداشت کیا اور اسے پالنے کے سلسلے میں دن کا چین اور رات کی نیند اپنے اوپر حرام کر لی۔ اور یہ کوئی ایک آدھ دن کی بات نہیں تھی)۔ حمل' اور دودھ پلانے کا عرصہ' کم از کم تیس ماہ میں جا کر پورا ہوتا ہے[1] (۲/۲۳۳ ؛ ۳۱/۱۴)۔

(اس جنتی گھرانے کا بچہ جب اس طرح پرورش پا کر' سن بلوغت کو پہنچ جاتا ہے' اور پھر عقل اور تجربہ کی پختگی کے بعد چالیس برس کا ہو جاتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ اے میرے نشوونما دینے والے! تو مجھے اس بات کی توفیق عطا فرما کہ میں اپنے آپ پر ایسا ضبط اور کنٹرول رکھوں کہ جن نعمتوں سے تو نے مجھے اور میرے والدین کو نوازا ہے' میں انہیں صحیح مصرف میں استعمال کروں۔ اور تیرے تجویز کردہ پروگرام کے مطابق صلاحیت بخش کام کروں۔ اور میں اپنی اولاد کی صحیح تربیت کر سکوں جس سے وہ بھی صلاحیت بخش کام کر سکنے کے قابل ہو جائے' میں ہر معاملہ کے فیصلے کے لئے' تیرے قوانین کی طرف رجوع کرتا ہوں اور جو فیصلہ وہاں سے ملے' اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

۱۶ یہ ہے وہ گھرانا جس کے افراد کی حسن کارانہ جدوجہد کو ہم شرف قبولیت عطا کرتے ہیں' اور ان سے اگر کوئی سہو و خطا ہو جاتی ہے تو اس کے مضر اثرات سے انہیں محفوظ رکھتے ہیں

---

[1] قانونی مقاصد کے لئے' قرآن کریم نے رضاعت کی مدت دو سال مقرر کی ہے۔ (۲/۲۳۳ ؛ ۳۱/۱۴) لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ حکم خداوندی ہے کہ نہ دو سال سے کم عمر میں بچے کا دودھ چھڑایا جائے' اور نہ ہی اسے دو سال سے زائد عمر تک دودھ پلایا جائے۔ باقی رہا حمل۔ سو عمومی طور پر اس کی مدت نو ماہ ہوتی ہے اگرچہ یہ مدت کم و بیش بھی ہو جاتی ہے۔ ابتدائی دو تین ماہ تک حمل خفیف ہوتا ہے پھر اس کے بعد اس کا بوجھ تکلیف دہ ہونا شروع ہوتا ہے (۳۱/۱۴) اس اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو چھ ماہ حمل ثقیل اور دو سال رضاعت کے ملا کر تیس ماہ ہوتے ہیں۔

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝۱۶ وَالَّذِيْ
قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ
اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۷ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ
اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۱۸ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ
اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۹

یہ ہیں جنتی معاشرہ کے افراد۔ ان کی آرام و آسائش کی یہ زندگی ان وعدوں کے عین مطابق ہوتی ہے جو اس قرآن میں ان سے کئے گئے ہیں۔ یعنی ان کے اعمال کا یہ نتیجہ خدا کے مقرر کردہ قانون مکافاتِ عمل کے مطابق ہوتا ہے۔

۱۷ (یہ سعادتمند اولاد کی کیفیت کا تذکرہ تھا۔ اس کے برعکس وہ اولاد ہوتی ہے جو) اپنے ماں باپ سے کہتی ہے کہ تف ہے تم پر جو مجھے اس قسم کی تعلیم دیتے ہو کہ انسان مرنے کے بعد بھی زندہ ہوگا' حالانکہ میں دیکھتا ہوں کہ مجھ سے پہلے کتنی ہی نسلیں مر مرا چکی ہیں (ان میں سے کسی کو زندہ ہوتے میں نے نہیں دیکھا)۔ وہ بچارے' کبھی اللہ سے فریاد کرتے ہیں (کہ تو اسے صحیح راستے پر آنے کی توفیق عطا فرما۔ اور کبھی) اس سے کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو کیوں تباہی میں ڈال رہا ہے۔ خدا کے قانونِ مکافات' اور حیاتِ آخرت پر ایمان رکھ۔ یاد رکھ! جو کچھ خدا نے کہا ہے وہ حرفاً حرفاً سچ ہے۔ وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ (مجھے سب معلوم ہے) یہ پہلے لوگوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں (جو تم تک متوارث پہنچے ہیں۔ مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں ہوتا)۔

۱۸ اس قسم کے ناخلف ہوتے ہیں جن کے حق میں خدا کے عذاب کی بات' حقیقت بن کر سامنے آجاتی ہے۔ اسی طرح' جس طرح ان سے پہلے اس قسم کی روش پر چلنے والے لوگوں کے حق میں اس کی بات پوری ہو کر رہی ـــــ اس میں مہذب اور غیر مہذب لوگوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ بڑی بڑی مہذب قومیں بھی' حیاتِ آخرت سے انکار کر کے غلط روش زندگی پر چلتی رہی ہیں ـــــ یہ سب تباہ و برباد ہو گئے۔

۱۹ اس حقیقت کو یاد رکھو کہ خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور ہر ایک کے مدارج' اس کے اعمال کے

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ
تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝۲۰ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ ع ۲
اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۲۱ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۲

مطابق متعین ہوتے ہیں۔ اس میں نہ کسی سے رعایت برتی جاتی ہے۔ نہ زیادتی کی جاتی ہے۔ یہ ہے خدا کا قانونِ مکافات۔

۲۰ ان لوگوں کو (جو ہمارے قانون مکافات سے انکار کرتے ہیں) جب تباہی کے جہنم کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے صرف دنیا کی طبیعی زندگی کی آسائشوں کو اپنا نصب العین بنایا۔ وہ تمہاری طبیعی موت کے ساتھ ختم ہوگئیں۔ تم انہی آسائشوں (مال و دولت) کے بل بوتے پر اکڑے پھرتے تھے اور چاہتے تھے کہ تم کام تو ایسے نہ کرو جو حق و انصاف کے مطابق ہوں، لیکن بڑائی تمہارے حصے میں آجائے۔ اسی لئے تم نے ہمارا تجویز کردہ سیدھا راستہ چھوڑ کر اور راہیں اختیار کر لی تھیں۔ سو اس کا نتیجہ یہ رسوا کن اور ذلت آمیز عذاب ہے جس کے سامنے تم کھڑے ہو۔

۲۱ جن قوموں نے اس قسم کی روش اختیار کی تھی (اے رسول! تو) ان میں سے قوم عاد کی سرگذشت انہیں سنا جن کی طرف ان کے بھائی بندوں میں سے ہود کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا —— وہ کوئی نیا پیغمبر نہیں تھا۔ اس سے پہلے مختلف قوموں کی طرف اور پیغمبر بھی آچکے تھے۔ اور اس کے بعد بھی آتے رہے۔ (اس وقت بالخصوص اس کا تذکرہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ تمہارے مخالفین کی روش اس قوم سے ملتی جلتی ہے۔ بہرحال) وہ احقاف کے علاقہ میں رہنے والوں کو ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کے سوا کسی اور کی اطاعت مت کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ جو روش تم نے اختیار کر رکھی ہے اس کا نتیجہ بہت بڑی تباہی ہوگا۔

۲۲ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ کیا تو ہماری طرف اس لئے آیا ہے کہ ہم اپنے معبودوں سے روگردانی کر لیں؟ اگر تو اپنی اس بات میں سچا ہے کہ ہماری روش کا نتیجہ تباہی ہے، تو

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا
مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾
وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۡ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ
اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع ۳

اس تباہی کو لے آ۔ اس میں دیر کیوں کر رہا ہے؟

۲۳ اس نے کہا کہ اس کا علم میرے خدا ہی کو ہے کہ وہ عذاب کب اور کس شکل میں آئے گا۔ میرا فریضہ صرف اتنا ہے کہ مجھے جو پیغامات دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے انہیں تم تک پہنچا دوں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم بڑی ہی بیوقوف قوم ہو (کہ میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں، تم اس پر غور و فکر کرتے نہیں، اور اس پر اصرار کیے جا رہے ہو کہ جس تباہی سے تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے وہ جلدی کیوں نہیں آتی)۔

۲۴ (اُس وقت طویل خشک سالی کی وجہ سے انہیں بارش کی بہت ضرورت تھی) انہوں نے دیکھا کہ کالی گھٹا اٹھی ہے جو ان کی وادیوں کی طرف بڑھے چلی آ رہی ہے۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ گھٹا ایسی بارش برسائے گی جس سے ہماری زمینیں سیراب ہو جائیں گی۔ لیکن وہ بارش برسانے والا بادل نہیں تھا۔ وہ اُس آندھی کا جھکڑ تھا جو ان کی اس تباہی کے لئے بڑھے چلا آ رہا تھا جس کے لئے وہ جلدی مچاتے تھے۔

۲۵ اس نے قانون خداوندی کے مطابق، ہر شے اکھاڑ پھینکی، اور چاروں طرف تباہی مچا دی۔ چنانچہ اس بستی کی حالت یہ ہو گئی کہ اُس کے مکانوں کے کھنڈرات باقی رہ گئے، اور مکین سب ہلاک ہو گئے۔

اس طرح ہم مجرمین کو ان کے غلط اعمال کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔ (ان سے کہدو کہ اگر تم نے بھی اپنی غلط روش کو نہ چھوڑا، تو تمہارا انجام بھی ویسا ہی ہو گا)۔

۲۶ (اور، وہ کوئی ایسی ویسی قوم نہیں تھی)۔ جس قدر جاہ و جلال اور غلبہ و اقتدار انہیں حاصل تھا، ویسا تمہیں بھی حاصل نہیں۔ نیز، وہ غیر مہذب اور وحشی قوم بھی نہیں تھی۔ انہیں علم و دانش کے تمام ذرائع ـــــ سماعت، بصارت اور قلب ـــــ حاصل تھے لیکن

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ
نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

چونکہ ان پر مفاد پرستی کے جذبات غالب تھے جس کی وجہ سے وہ قوانین خداوندی کی مخالفت کرتے تھے' اس لئے ان کی عقل و دانش اور فہم و فراست' ان کے کسی کام نہ آئے (۴۵/۲۳)۔ اور جن نتائج کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے انہوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ (جب عقل انسانی' وحی کی روشنی میں کام کرے تو اس کے نتائج بڑے خوشگوار ہوتے ہیں۔ لیکن جب انسان اپنے جذبات سے مغلوب ہو جائے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اور اس کی عقل و دانش ماؤف ہو جاتی ہے' جس طرح نشے کی حالت میں وہ ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے)۔

۲۷ (اور ایک قوم عاد ہی پر کیا موقوف ہے)۔ ہم نے تمہارے ملک (عرب) کے گرد و نواح کی بہت سی بستیوں کو اسی طرح تباہ و برباد کر دیا۔ ہم ان تاریخی یادداشتوں کو اس لئے بار بار دہراتے ہیں تاکہ یہ لوگ صحیح راستے کی طرف رجوع کریں۔

۲۸ (ان سے پوچھو کہ) ان قوموں کو' ان کے معبودوں نے تباہی سے کیوں نہ بچا لیا جنہیں' انہوں نے' خدا کو چھوڑ کر اس لئے معبود بنا رکھا تھا کہ وہ انہیں بلند مدارج عطا کر دیں گے اور خدا کا مقرب بنا دیں گے۔ جب ان پر تباہی آئی تو وہ معبود کہیں دکھائی ہی نہیں دیتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ ان کے ذہن کا تراشیدہ اور یکسر باطل تھا۔ اس کی حقیقت ہی کچھ نہ تھی۔

۲۹ (اے رسول! اگر یہ شہری آبادیاں تمہاری دعوت کی مخالفت کرتی ہیں' تو اس سے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہم نے تمہیں تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ۳۴/۲۸۔ جن میں شہری اور دیہاتی۔ مہذب اور غیر مہذب' صحرانشین سب شامل ہیں۔ دیہاتی اور صحرانشین بدو اس کی طرف متوجہ ہوتے جا رہے ہیں (تمہیں یاد ہو گا کہ) ہم نے تمہاری طرف' صحرانشینوں کی ایک جماعت کو متوجہ کیا تھا تاکہ وہ قرآن کو سنیں (۴۶/۲)۔ چنانچہ جب وہ تمہاری مجلس میں' جہاں قرآن کا بیان ہو رہا تھا' آئے' تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ وہ اسے نہایت خاموشی سے سنیں۔ جب وہ بیان ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے تاکہ انہیں ان کی غلط روش کے نتائج سے آگاہ کریں۔

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾
وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾

۳۰ انہوں نے جاکر اپنی قوم سے کہا کہ ہم ایک ایسی کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰؑ کے بعد (محمدؐ پر) نازل ہوئی ہے۔ وہ ان تمام باتوں کو سچ کر دکھانے والی ہے جو کتاب موسیٰؑ میں بیان ہوئی تھیں۔ وہ حق کی طرف راہ نمائی کرتی ہے اور انسان کو وہ راستہ دکھا دیتی ہے جو اسے سیدھا اس کی منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔

۳۱ (انہوں نے کہا کہ) اے ہماری قوم کے لوگو! تم اس داعی الی الحق کی دعوت کو قبول کرو اور (جس طرح وہ کہتا ہے اس کے مطابق) خدا پر ایمان لاؤ۔ وہ تمہاری لغزشوں کے مضر اثرات سے تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہیں الم انگیز تباہی سے بچا لے گا۔

۳۲ یاد رکھو! جو شخص اس کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا (اور غلط راستے پر چلتا رہیگا) خدا کے قانون مکافات کی رو سے اس کا انجام تباہی اور بربادی ہوگا)۔ روئے زمین پر کوئی قوت ایسی نہیں جو خدا کے قانون کو شکست دے سکے۔ (اس لئے اس کا ایسا انجام ہو کر رہے گا)۔ ایسے شخص کا خدا کے سوا کوئی کارساز اور سرپرست نہیں ہوگا۔ جو لوگ اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔

۳۳ (یہ بات اس وحشی قبیلہ کے افراد کی سمجھ میں تو آ گئی۔ لیکن یہ مکہ کے مہذب ترین قبیلہ قریش کے افراد ہیں کہ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی)۔ کیا انہوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے کائنات کے اس قدر محیر العقول سلسلہ کو پیدا کیا —— اور اس سے وہ ذرا بھی تھکا نہیں[۱] کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ کر سکے (ضرور ہے)۔ بیشک وہ

[۱] اس سے بائبل کے اس باطل عقیدہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ خدا نے زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا اور پھر ساتویں دن آرام کیا کیونکہ وہ اس کام سے تھک گیا تھا۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۴ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۳۵

اس پر قادر ہے۔ اس نے ہر بات کے لئے محکم قوانین مقرر کر رکھے ہیں جن پر اسے پورا پورا کنٹرول ہے۔ انہی قوانین کے مطابق مردوں کو زندگی مل جاتی ہے۔

۳۴ یہ لوگ جو اس قانون خداوندی سے انکار کرتے ہیں، جب انہیں تباہی کے جہنم کے سامنے لایا جائے گا تو ان سے پوچھا جائے گا کہ بتاؤ! جو کچھ تم سے کہا جاتا تھا، وہ مبنی بر حقیقت تھا یا نہیں؟ وہ کہیں گے کہ ہاں! ہمارا نشوونما دینے والا اس پر شاہد ہے کہ وہ سب کچھ حقیقت ثابتہ بن کر ہمارے سامنے آگیا ہے۔ ان سے کہا جائے گا کہ پھر تم اس عذاب کا مزہ چکھو جس سے تم انکار کیا کرتے تھے۔

۳۵ (بہرحال۔ اے رسول! تم ان لوگوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کرو، بلکہ) اپنے پروگرام پر نہایت ثبات و استقامت سے جمے رہو، اسی طرح جس طرح ہمارے دوسرے رسول جو بڑی ہمت اور عزیمت کے مالک تھے، اپنے پروگرام پر استقامت سے جمے رہے تھے۔ تم ان (مخالفین) کے انجام کے متعلق جلدی مت کرو۔ (یہ مہلت کا عرصہ زیادہ نہیں ہوگا) جس دن یہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے، تو یہ محسوس کریں گے کہ یہ مہلت کا عرصہ ایک دن بھی نہیں، بلکہ دن کی ایک گھڑی کے برابر تھا۔

تم ان تک ہمارا یہ پیغام پہنچا دو کہ جو لوگ بھی خدا کی راہ چھوڑ کر دوسری طرف نکل جائیں وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں —— اور جو ایسا نہ کریں، وہ تباہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا، اگر وہ تباہی سے بچنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ خدا کا تجویز کردہ راستہ اختیار کر لیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

---

① جن لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ خود بھی نظامِ خداوندی سے انکار کرتے ہیں' اور دوسرے لوگوں کو بھی اس طرف آنے سے روکتے ہیں' ان کی تمام کوششیں رائگاں جائیں گی (اور یہ نظام متشکل ہو کر رہے گا)۔

② ان کے برعکس' جو لوگ اس نظام کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں۔ یعنی وہ اُس ضابطہ زندگی (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے' اور جو ان کے نشوونما دینے والے کی طرف سے حقیقتِ ثابتہ ہے۔ اور خدا کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان کے اس یقینِ محکم اور عملِ پیہم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے معاشرہ کی ناہمواریاں دور ہو جائیں گی' اور ان کی صلاحیتیں نشوونما پا کر ان کی حالت سنوار دیں گی۔

③ یہ اسلئے کہ جو لوگ اس نظام کی مخالفت کرتے ہیں وہ باطل کے تخریبی پروگرام کے پیچھے چلتے ہیں اور جو اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے نشوونما دینے والے کے اُس پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶

جو حق پر مبنی اور ٹھوس تعمیری نتائج کا حامل ہے۔

اس طرح اللہ لوگوں سے ان کے احوال و کوائف بیان کرتا ہے۔

۴ (یہ لوگ اپنی مخالفت میں اس درجہ آگے بڑھ رہے ہیں کہ ان سے تصادم ناگزیر نظر آتا ہے)۔ سو جب میدانِ جنگ میں ان سے آمنا سامنا ہو تو تم بھی انہیں قتل کرو۔ جب اُن کی قوت ٹوٹ جائے اور تم غالب آجاؤ تو بقیہ السّیف کو مضبوطی سے باندھ کر جنگی قیدی بنالو (۴۷:۴)۔ پھر (جیسے حالات کا تقاضا ہو اس کے مطابق) انہیں یا تو معاوضہ لے کر رہا کردو (یعنی زرِ فدیہ لے کر یا اپنے قیدیوں کے مبادلہ کے طور پر) اور یا محض احسان رکھ کر (۴۷:۴)۔ تاآنکہ خود لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (یعنی ملک میں ہر طرح کا امن و امان ہو جائے۔ اسی مقصد کے لئے تمہیں جنگ کی اجازت دی گئی ہے)۔

یہ بھی یاد رکھو کہ اگر اللہ چاہتا تو ان مخالفین کو اور طرح سے بھی سزا دے سکتا تھا۔ لیکن وہ چاہتا یہ ہے کہ اس طرح باہمی مقابلہ سے یہ بات ابھر کر تمہارے سامنے آجائے کہ تم میں زندہ رہنے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کی کس قدر صلاحیت پیدا ہو چکی ہے۔ باقی رہے تم میں سے وہ جو اس جنگ و قتال میں دشمن کے ہاتھوں مارے جائیں، سو یاد رکھو! ان کے اعمال ضائع نہیں جائیں گے۔ (زندگی ایک جوئے رواں ہے جس کا خاتمہ موت سے نہیں ہو جاتا اس لئے)

۵ اللہ انہیں ان کی منزلِ مقصود تک پہنچائے گا۔ ان کی حالت سنور جائے گی۔

۶ وہ انہیں جنتی زندگی عطا کردے گا جسے نہایت خوشگوار بنایا گیا ہے اور جس کا تعارف (اس قرآن کے ذریعے پہلے ہی سے) کرا دیا گیا ہے۔

---

۴۷ عرب جنگ کے قیدیوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا کرتے تھے۔ قرآن نے یہ حکم دے کر غلامی کے دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ
اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲

(ع ۱۱/۵)

---

۷ ان حقائق کی روشنی میں، اے جماعتِ مومنین! تم اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم نے نظام خداوندی کے قیام میں مدد کی، تو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ یعنی وہ تمہارے پاؤں جما دے گا۔ (تمہاری اس ثابت قدمی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ)۔

۸ تمہارے مخالفین کو ایسی شکست ملے گی کہ وہ اٹھ نہیں سکیں گے، اور ان کی تمام کوششیں رائگاں چلی جائیں گی۔

۹ یہ اس لئے کہ یہ اُس نظام کو ناپسند کرتے ہیں جسے اللہ نے (نوع انسان کی بہبود کے لئے متعین فرما کر قرآن میں) نازل کیا ہے۔ لہٰذا، ان کے کام اکارت جائیں گے۔ (دنیا میں وہی کام ثمر بار ہو سکتے ہیں جو نوع انسان کی منفعت کے لئے ہوں۔ ۱۳/۱۷۔ جن کاموں سے انسانیت کی تخریب ہوتی ہو، وہ برومند نہیں ہو سکتے۔

۱۰ یہ وہ اٹل اصول ہے جس کی شہادت اقوام سابقہ کی سرگزشت سے مل سکتی ہے۔ اگر یہ لوگ زمین میں اِدھر اُدھر چلتے پھرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان اقوام کا حشر کیا ہوا تھا جو ان سے پہلے ہو گزری ہیں۔ انہوں نے خدا کی متعین کردہ صحیح روش پر چلنے سے انکار کیا تو تباہ و برباد ہو گئیں۔ لہٰذا، جو قوم بھی اس قسم کی رَوش اختیار کرے گی، تباہ و برباد ہو جائے گی۔ (تخریبی روش کا انجام ہر جگہ اور ہر زمانے میں ایک جیسا ہوتا ہے۔ اسی کو وحدتِ کائنات کا قانون کہتے ہیں)۔

۱۱ یہ اس لئے کہ جو لوگ خدا کے قوانین کا اتباع کرتے ہیں، خدا ان کا رفیق ہوتا ہے۔ اس کے قوانین ان لوگوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ان سے انکار کرتے ہیں، ان کا رفیق اور پشت پناہ کوئی نہیں ہوتا۔

۱۲ خدا کی اس رفاقت اور پشت پناہی کے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں کے ایمان اور

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ
مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ
غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ
وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ﴿۱۵﴾

اعمال صالح کے نتیجہ میں انہیں ایسی جنتی زندگی نصیب ہوجاتی ہے جس کی شادابیوں میں کبھی کمی نہیں آسکتی۔ لیکن جو لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں (اور سمجھتے ہیں کہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے) تو ان کی زندگی اور حیوانات کی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ انہی کی طرح کھاتے پیتے، سامانِ زیست سے فائدہ اٹھاتے (اور مرجاتے ہیں)۔ اس تصور زندگی کا نتیجہ (شرفِ انسانیت کی) تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا ——— حیوانوں کی طرح جیئے حیوانوں کی طرح مرگئے۔ انسانی سطح زندگی ان کے نصیب میں ہی نہ ہوئی۔

۱۳ (اس قسم کی حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے والی) کتنی ہی قومیں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کردیا اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں اس ہلاکت اور تباہی سے نہ بچاسکی۔ وہ قومیں تیری اس قوم کے مقابلہ میں، جس نے تجھے (اے رسول!) گھر تک سے نکال دیا ہے، قوت و حشمت میں کہیں بڑھ کر تھیں۔ (جب وہ تباہ ہوگئیں، تو یہ قوم کس طرح محفوظ رہ سکے گی؟)۔

۱۴ (بات بڑی صاف اور سیدھی ہے)۔ ایک شخص، خدا کی عطا کردہ بصیرت کی روشنی میں، زندگی کے صاف اور سیدھے راستے پر آنکھیں کھول کر چلا جارہا ہے۔ دوسرا شخص، محض اپنے جذبات کے پیچھے چلتا ہے جس سے اس کی سوجھ بوجھ کی قوتیں اس طرح ماؤف ہوجاتی ہیں کہ وہ بھلے اور برے میں تمیز ہی نہیں کرسکتا، حتیٰ کہ ہر برائی اُسے بھلائی بن کر دکھائی دیتی ہے۔ ——— کیا یہ دونوں شخص کبھی برابر ہوسکتے ہیں؟

۱۵ (یہ تو رہی راستے کی مثال۔ اب ان کی منزل کی طرف آؤ)۔ ایک شخص کا مقام وہ جنت ہے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ اس جنت کی مثال یوں سمجھو کہ اس میں ایسے صاف اور شیریں پانی کی ندیاں رواں ہیں جس میں کبھی بگاڑ پیدا نہیں ہوتا (پانی میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اس کے بند رکھنے سے۔ اور جنتی معاشرہ میں، سامانِ حیات روک کر نہیں رکھا جاتا۔ سب کے لئے کھلا رہتا ہے۔ اس لئے اس میں بگاڑ پیدا نہیں ہوتا۔ ۱۷/۱۰)۔ نیز، اس میں ایسے

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ۝۱۶ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝۱۷ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَاۗءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَاۗءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝۱۸

دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلتا۔ اور فشردہ انگور کی نہریں جن میں پینے والوں کے لئے بڑی لذت ہے (لیکن جس میں نشہ سرگرانی یا خمار نہیں۔ ۵۲/۲۳ ؛ ۵۶/۱۹)۔ اور مصفا شہد کی ندیاں۔ نیز ہر طرح کے پھل۔ اس قسم کا سامان نشوونما اور اس کے ساتھ ہر خطرہ سے حفاظت — یہ ہے اس جنت کا تمثیلی بیان —

اس کے برعکس، دوسرا شخص ہے جو اس جہنم میں زندگی بسر کرتا ہے جس میں پانی ملتا ہے تو کھولتا ہوا جو (نشوونما کا ذریعہ بننے کے بجائے، الٹا) ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے (۱۴/۱۶)۔

کہو، کہ ان دونوں کی حالت کبھی یکساں ہو سکتی ہے؟

۱۶ ان مخالفین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں (جو تمہاری مجلس میں آکر بیٹھتے ہیں، اور ایسا نظر آتا ہے کہ یہ) بڑے غور و خوض سے تمہاری باتیں سن رہے ہیں (۴۷/۱۶ ؛ ۶/۴۲)۔ لیکن جب وہ مجلس سے باہر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے جنہیں کتاب اللہ کی سمجھ بوجھ ہوتی ہے پوچھتے ہیں کہ اس (رسول) نے ابھی ابھی کیا کہا تھا۔ (یہ اس لئے نہیں کہ قرآن کی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ بلکہ اس لئے کہ یہ قرآن کی باتیں سننا اور ان پر عمل کرنا چاہتے ہی نہیں)، یہ محض اپنے مفاد اور خواہشات کا اتباع کرتے ہیں۔ (اور جن لوگوں کی یہ حالت ہو، ان کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ) ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی (۴۷/۱۵۵ ؛ ۶/۴۴ ؛ ۱۶/۱۰۶ ؛ ۱۷/۴۵ ؛ ۴۷/۲۴ ؛ ۵۳/۱۴)۔

۱۷ ان کے برعکس، جو لوگ قوانین خداوندی سے راہ نمائی حاصل کرتے ہیں، تو اللہ، اُن کی ہدایت حاصل کرنے کی استعداد کو اور بڑھاتا ہے جس سے وہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ ان قوانین کی پوری پوری نگہداشت کر سکیں اور ان کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

۱۸ (سو یہ لوگ جو تمہاری مخالفت میں اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ تمہیں تمہارے وطن تک سے نکال دیا ہے۔ اور اس کے بعد بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتے) تو انہیں اب صرف اس کا انتظار ہے کہ وہ آنے والا انقلاب اچانک ان کے سامنے آجائے۔ اس انقلاب کی

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۚ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۚ
فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾

ابتدائی علامات تو نمودار ہو چکی ہیں۔ (لہٰذا' اب اسے آنے ہی والا سمجھو)۔ جب وہ انقلاب آجائیگا تو اُس وقت ان کا سمجھ بوجھ سے کام لینا' انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکیگا۔

۱۹ تم اس حقیقت پر یقین رکھو کہ کائنات میں خدا کے سوا کسی کا غلبہ و اقتدار نہیں۔ اس لئے تمہارے مخالفین' خود تیرے اور جماعت مومنین کے مردوں اور عورتوں کے خلاف جو تہمتیں تراشتے اور بہتان باندھتے ہیں' تم ان سے افسردہ خاطر نہ ہو' بلکہ ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے' قانونِ خداوندی سے حفاظت طلب کرتے رہو[1] (۴۰/۵۵ ؛ ۴۸/۲)۔ وہ جانتا ہے کہ اس وقت تمہاری نقل و حرکت (مکہ سے مدینہ کی طرف) کس طرح ہو رہی ہے' اور بالآخر اسے کہاں جاکر ٹھیرنا ہے۔

۲۰ (اُس وقت حالات اِس درجہ صبر آزما ہو رہے تھے کہ) جماعتِ مومنین کے دل میں بار بار یہ سوال اٹھتا تھا کہ خدا کی طرف سے' جنگ کی اجازت دینے والے احکام کیوں نازل نہیں ہوتے؟ بالآخر انہیں جنگ کی اجازت دی گئی (اس سے سچے مومنین کے دلوں میں نئے ولولے بیدار ہو گئے۔ لیکن) جن لوگوں کے دل میں منافقت کا مرض ہے' وہ تیری طرف یوں دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو رہی ہو —— دیکھو! کہ یہ کس عذاب میں گرفتار ہیں؟

۲۱ (جونہی جہاد کا حکم آیا تھا' ان کی زبان پر بیساختہ آجانا چاہیئے تھا کہ) ہم اطاعت کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ اس کے بعد انہیں چاہیئے تھا کہ اس نظام کے منظور کردہ پروگرام کی باتیں کرتے اور جب جنگ کے متعلق آخری فیصلہ ہو جاتا' تو اس میں شریک ہو کر اپنے دعوئے ایمان کو سچ کر دکھاتے۔

[1] اس سے مراد وہ چھوٹی موٹی کوتاہیاں بھی ہو سکتی ہیں جو نظام خداوندی کے تشکل کرنے کے سلسلہ میں سرزد ہوں۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ
وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ
اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ

یہ تھی وہ مناسب روش جو انہیں اختیار کرنی چاہیئے تھی! (لیکن ان کے دل کا روگ انہیں ایسی روش کس طرح اختیار کرنے دیتا؟)۔

۲۲ (ان سے کہو کہ) اگر تم اس وقت اپنے عہد سے پھر گئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم بھی (کفار کے ساتھ مل کر) ملک میں فساد برپا کرتے پھرو گے' اور قطع رحم کرو گے (کیونکہ تمہاری رشتہ داریاں تو زیادہ تر مسلمانوں کے ساتھ ہیں)۔

۲۳ (کس قدر تاسف انگیز ہے یہ تلخ حقیقت کہ) یہ لوگ' اپنی اس روش کی وجہ سے' اس سعادت سے محروم رہ گئے جو انہیں جہاد میں شریک ہونے سے حاصل ہونی تھی۔ ان کی عقلوں پر پردے پڑ گئے۔ اب انہیں نہ کچھ سنائی دیتا ہے نہ دکھائی۔

۲۴ حیرت ہے کہ یہ لوگ قرآن میں غور و تدبر کیوں نہیں کرتے؟ ان کے دلوں پر کیوں ایسے تالے پڑ گئے کہ ان میں عقل و بصیرت کی کوئی بات جاتی ہی نہیں؟ (۴۷/۲۴)۔

۲۵ اصل یہ ہے کہ جو لوگ قرآنی راہ نمائی کے واضح طور پر سامنے آجانے کے بعد اس سے یوں پھر جائیں' تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے جذبات انہیں ان کی مفاد پرستیوں کو بڑا خوشنما بنا کر دکھاتے' اور انہیں طرح طرح کی فریب انگیز امیدیں دلاتے ہیں۔ (یوں یہ لوگ' اپنے انفرادی مفاد عاجلہ کو نوع انسانی کے مفاد کلی پر ترجیح دے کر' قرآن کا راستہ چھوڑ دیتے ہیں)۔

۲۶ اور اس کے بعد' یہ' خفیہ طور پر ان لوگوں سے مل جاتے ہیں' جو احکام خداوندی کو سخت ناپسند کرتے ہیں' اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کریں گے۔
ان سے کہدو کہ خدا تمہارے خفیہ منصوبوں سے اچھی طرح واقف ہے۔

۲۷ (اس وقت تو یہ لوگ اس قسم کی سازشیں کر کے بہت خوش ہوتے ہیں لیکن) اس وقت ان کی حالت کیا ہوگی جب موت ان کے سامنے آکھڑی ہوگی اور ان کی غلط روش کے تباہ کن

وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ أَمْ حَسِبَ
الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ
وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ ۙ
وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

نتائج' عذاب بن کران پر مسلط ہوجائیں گے اور ان کا کچومر نکال دیں گے۔

۲۸ یہ اس لئے کہ یہ لوگ ان راستوں پر چلتے ہیں جو قوانین خداوندی کے خلاف ہیں' اور ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا انہیں سخت ناگوار گزرتا ہے۔ (لیکن اس سے انہیں کامیابی نصیب نہیں ہوسکتی)۔ ان کا کیا کرایا سب اکارت جائے گا۔

۲۹ جن لوگوں کے دل میں منافقت کا روگ ہے کیا وہ یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ خدا ان کے دل میں چھپے ہوئے کینے کو ظاہر نہیں کرے گا۔ (اور یہ ہمیشہ منافقت کے نقاب میں چھپ کر زندگی بسر کئے جائیں گے؟)۔

۳۰ اگر ہم چاہیں تو ان لوگوں کو ایک ایک کر کے' تمہارے سامنے لے آئیں اور تو ان کی اچھی طرح شناخت کرلے۔ (لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے۔ یہ ہماری اس ہمہ گیر اسکیم کے خلاف ہے جس کی رُو سے ہم انسانی معاملات میں کسی خلاف عادت بات کو دخل انداز نہیں ہونے دینا چاہتے۔ البتہ، تو انہیں' اپنی فہم و فراست کی رُو سے' ان کے طرز کلام سے پہچان سکتا ہے۔ جہاں تک تمہارے (اور ان کے اعمال) کا تعلق ہے' وہ ہمارے قانونِ مکافات کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ ان کے نتائج سامنے آکر رہیں گے۔

۳۱ (اگر ہم نے خلافِ عادت طریق سے کام لینا ہوتا تو اس کشمکش کی ضرورت ہی نہ تھی۔ لیکن) ہم چاہتے ہیں کہ تمہارا ان سے ٹکراؤ ہو تاکہ یہ ظاہر ہوجائے کہ تم میں مجاہدین کون ہیں اور وہ کس حد تک مستقل مزاج ہیں۔ یعنی وہ کون ہیں جو اس نظام کے قیام کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنے کو تیار ہیں اور اس راہ میں آنے والی تمام مشکلات کا مقابلہ نہایت استقلال اور استقامت سے کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کے احوال و کوائف کھلے کھلے طور پر لوگوں کے سامنے آجائیں (اور دنیا دیکھ لے کہ ایمان کی وجہ سے تمہارے اندر کس قسم کی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے' اور تم کیا سے کیا بن گئے ہو)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا
اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا
اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَ
تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۚ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَ
اِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾

---

۳۲ یاد رکھو! جو لوگ قوانین خداوندی کا انکار کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس طرف آنے سے روکتے ہیں' اور اس کے بعد کہ صحیح راستہ ان کے سامنے نکھر کر آچکا ہے' رسول کی بدستور مخالفت کئے چلے جا رہے ہیں (ان سے کہدو کہ) وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ وہ ان کی تمام مخالفانہ جدوجہد کو بے نتیجہ کر کے رکھدے گا۔

۳۳ (لیکن' اے جماعتِ مومنین' تم یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ سب کچھ خدا خود ہی کر دے گا اور تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ) تم اس نظامِ خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرو جسے رسول نے متشکل کیا ہے۔ اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤ جس سے تمہارا کیا کرایا ضائع چلا جائے۔

۳۴ جو لوگ قوانین خداوندی سے انکار کرتے ہیں' اور دوسروں کو بھی اس طرف آنے سے روکتے ہیں' اگر وہ اپنی روش کو نہ بدلیں' اور اسی حالت میں مر جائیں' تو وہ اپنے غلط اعمال کے تباہ کن نتائج سے کبھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ (اس لئے اگر ان میں سے کسی کے سامنے یہ تباہی اس دنیا میں نہیں آتی تو' اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مکافاتِ عمل سے بچ گیا۔ یہ نتائج' مرنے کے بعد اس کے سامنے آجائیں گے)۔

۳۵ (اے جماعتِ مومنین!) اب جو ان مخالفین کے ساتھ جنگ تک کی نوبت آگئی ہے تو ایسا نہ ہو کہ تم (ان منافقین کی اس قسم کی حرکات سے) افسردہ خاطر ہو کر اپنی جدوجہد میں سست ہو جاؤ۔ یا اس خیال سے کہ تم کمزور ہو' ان سے دب کر صلح کی درخواست کرو۔ یقین رکھو! تم ان پر ضرور غالب آؤ گے۔ اس لئے کہ خدا کے قانون کی تائید و نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری کوششوں کے نتائج میں کبھی کمی نہیں کرے گا۔ وہ تمہیں گھاٹے میں نہیں رکھے گا۔

۳۶ (پھر اس حقیقت پر بھی نگاہ رکھو کہ) تمہارا منتہاء مقصود محض اس دنیا کے مفاد کا حصول

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا
يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

نہیں ہونا چاہیئے۔ تمہاری نگاہ' زندگی کی بلند مستقل اقدار پر رہنی چاہیئے۔ ان کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی اور اس کے لوازمات' کھیل تماشے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ اگر تم اس بات پر یقین محکم رکھو گے' اور (دنیاوی مفاد اور کسی مستقل قدر میں تصادم کی صورت میں) مستقل قدر کی نگہداشت کرو گے' تو خدا کا قانونِ مکافات' تمہیں تمہاری محنتوں کا پورا پورا معاوضہ دیگا' اور اس کے بدلے میں تم سے کچھ نہیں مانگے گا۔ (اس لئے' اس وقت تم اس نظام کے قیام کے لئے جو کچھ بن پڑے دے ڈالو۔ یہ سب تمہیں' دگنا چوگنا ہو کر واپس مل جائے گا)۔

۳۷ تم مالی قربانی سے اس صورت میں بچ سکتے ہو کہ یہ نظام تم سے اپنے لئے کچھ زبردستی مانگے۔ بھکاریوں کی طرح' ننگے پاؤں' تمہارے پیچھے پیچھے پھرے اور تمہیں اس سے جان چھڑانی مشکل ہو جائے اور تم تنگ آ کر وہ کچھ اگل دو جو تمہارے سینے میں ہے۔ (یہ نظام' یہ کچھ نہیں کرتا۔ وہ جو کچھ مانگتا ہے' تمہارے لئے ہی مانگتا ہے۔ اس لئے تم برضا و رغبت (دو)۔

۳۸ لیکن تم میں ایسے لوگ بھی ہیں' کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ اس نظام خداوندی کے قیام کے لئے' اپنا مال کھلا رکھیں' تو وہ بخل کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جو شخص اس معاملہ میں بخل سے کام لیتا ہے' تو وہ بخل خود اس کی اپنی ذات کے خلاف جاتا ہے۔ اللہ تمہارا محتاج نہیں (کہ تم اسے نہ دو گے تو اس کی ضرورت رکی رہ جائے گی)۔ تم اپنی نشوونما کے لئے اس کے نظام کے محتاج ہو۔ اگر تم اس نظام سے روگردانی کرو گے' اور اپنے عہد سے پھر جاؤ گے' تو وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا جو تمہارے جیسی نہیں ہو گی۔ (اس لئے کہ قوموں کی موت و حیات' اور استخلاف و استبدال کا قانون یہ ہے کہ جو قوم صحیح نظام زندگی کی حامل ہو' وہ باقی رہتی ہے۔ جو غلط نظام رائج کرے' وہ تباہ ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ وہ قوم لے لیتی ہے جو بہتر نظام کی حامل ہو۔ قوموں کی موت و حیات کے فیصلے زندگی کے متعلق اُن کے نظریات' اور عملی نظام کی رو سے ہوتے ہیں)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ

۱ ہم نے (اے رسول!) تیرے لئے کامیابی و کامرانی کی واضح راہ کشادہ کر دی ہے اور ایک فیصلہ کن انقلاب عنقریب آنے والا ہے۔

۲ اس سے مقصد یہ ہے کہ یہ مخالفین تیرے خلاف جس قدر الزامات تراشتے، بہتان باندھتے اور غلط باتیں تیری طرف منسوب کرتے ہیں (یا اس کے بعد کریں) ان کے مضر اثرات سے تیری حفاظت کا سامان ہو جائے۔ (یہ کامیابیاں تیرے دعوے کی صداقت کی زندہ شہادت بن جائیں گی) اور اس طرح ان کے سامنے ان تمام باتوں کا حتمی جواب آجائیگا جو یہ اس وقت تیرے خلاف کرتے ہیں[1]۔ (۴۰/۵۵ ؛ ۴۷/۱۹)۔ اسی سے خدا کی ان نعمتوں کا اتمام ہوگا جن کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے (۲۴/۵۵) اور یوں تو اپنے قافلے سمیت زندگی کی سیدھی اور متوازن راہ پر گامزن رہے گا۔

۳ یعنی خدا تجھے برتر زبردست غلبہ عطا کر دیگا۔ (اور اس طرح یہ سب دیکھ لیں گے کہ بالآخر حق غالب آتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے۔

۴ یہ اعلان اس خدا کی طرف سے ہے جس نے جماعت مومنین کے دلوں میں اطمینان اور

[1] اس سے مراد وہ چھوٹی موٹی ناداستہ کوتاہیاں بھی ہو سکتی ہیں جو نظام خداوندی کے متشکل کرنے کے سلسلہ میں سرزد ہوں۔

إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٤﴾ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٥﴾ وَيُعَذِّبَ
الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۖ وَغَضِبَ
اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٦﴾ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا ﴿٧﴾

سکون پیدا کر دیا تاکہ اس سے اُن کے ایمان میں مزید تقویت آجائے۔ یہ سب کچھ ان کائناتی قوتوں کے ذریعے ہوتا ہے جو اُس کے پروگرام کی تکمیل میں سرگرمِ عمل رہتی ہیں (۹/۲۶) تاکہ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ ٹھیک ٹھیک مرتب ہو (۴۵/۲۲ ؛ ۵۳/۳۱)۔ اور یہ سب کچھ خدا کے علم و حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

۵ اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ جماعتِ مومنین کو ان کے ایمان و اعمالِ صالح کے نتیجہ کے طور پر وہ جنتی معاشرہ عطا کر دے جس کی خوشگواریوں میں کبھی فرق نہیں آتا۔ اور ان کی معاشرتی ناہمواریوں کو دور کر دے (۱۱/۱۱۵)۔ اور یہ قانونِ خداوندی کی رُو سے بہت بڑی کامیابی اور کامرانی ہے۔

۶ حق کے غلبہ کا لازمی نتیجہ باطل کی شکست ہوگی۔ لہٰذا نظامِ خداوندی کے قیام کا دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان مخالفین ـــــ مشرکین اور منافقین ـــــ کو، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، ان کے کئے کی سزا مل جائے۔ یہ لوگ نظامِ خداوندی کے بارے میں بڑی بدگمانی سے کام لیتے رہے ہیں۔ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ تنہا خدا کا قانون کافی نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ اور قوتوں کا قانون بھی شامل ہونا چاہیئے۔ اور منافقین ڈھلمل یقین تھے ـــــ نہ اِدھر نہ اُدھر ـــــ اور ہمیشہ دو رُخی چالیں چلتے تھے۔ اب یہ اپنے ہاتھوں لائی ہوئی مصیبتوں کے چکر میں پھنسیں گے۔ یہ زندگی کی ان خوشگواریوں سے محروم رہ جائیں گے جو ایمان و اعمالِ صالح کا لازمی نتیجہ ہیں۔ ان کی مخالفانہ جدوجہد کی کھیتیاں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جائیں گی اور تباہیوں اور بربادیوں کا جہنم ان کے لئے تیار ہوگا۔ ان کا ٹھکانہ بہت برا ہوگا۔

(جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) یہ سب کچھ ان کائناتی قوتوں کی تائید و نصرت سے ہوگا جو قانونِ مکافات کو ایک زندہ حقیقت بنانے کے لئے سرگرمِ عمل رہتی ہیں (۴۵/۲۲)۔ اور اس طرح

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٨﴾ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً
وَأَصِيلًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ
نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾

ع ۱ ۱۰ ۹

یہ واضح ہو جائے گا کہ خدا کا قانون کس قدر غلبہ اور حکمت کا مالک ہے۔

۸ (لیکن' یہ عمل میں آئے گا' تیرے اور تیری جماعت کے ہاتھوں سے۔ اس مقصد کے لئے ہم نے ایک واضح پروگرام تمہارے سامنے رکھ دیا ہے جس پر تم عمل پیرا ہو۔ اس پروگرام کی رُو سے تیرا فریضہ یہ ہے کہ) تو اپنی جماعت کے افراد کے اعمال کی نگرانی کرتا رہے (۴۸/۲)۔ انہیں بتاتا رہے کہ صحیح اعمال کا نتیجہ کس قدر خوشگوار ہوتا ہے اور غلط روش کس طرح انسان کو تباہیوں کی طرف لیجاتی ہے۔

۹ اور جماعتِ مومنین' اس نظامِ خداوندی کی محکمیت پر یقین کامل رکھے جو اس کے رسول کی وساطت سے متشکل ہو رہا ہے۔ اور اس کے قیام و استحکام کے لئے اس (رسول) کی مدد کرے اور اس کی عظمت و توقیر کو بلند کرے (۴۸/۲)۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے' ہر وقت کوشاں اور سرگرداں رہے۔ (۳۳/۴۱ — ۴۲)۔

۱۰ (اس نظام کی صورت یہ ہے کہ یہ تجویز کردہ ہے خود خدا کا' جس نے اس کی وضاحت اپنی کتاب میں کر دی ہے' لیکن یہ عملی شکل اختیار کرتا ہے اس کے رسول کے ہاتھوں سے۔ رسول کے بعد اس کے جانشین یہی فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ لہٰذا' اس میں' جماعتِ مومنین' جو معاہدات خدا سے کرتی ہے وہ عملاً رسول کے ساتھ کئے جاتے ہیں' اور جو ذمہ داریاں خدا اپنے اوپر لیتا ہے' وہ بھی عملاً اس نظام کے ہاتھوں پوری ہوتی ہیں۔ مثلاً جماعتِ مومنین نے خدا سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ اپنی جان اور مال اس کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ (۹/۱۱۱)۔ اس کی عملی شکل یہ ہے کہ یہ لوگ یہ معاہدہ تیرے ساتھ کرتے ہیں۔ اور تیرے ساتھ کیا ہوا معاہدہ خدا کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ' اس عہد و پیمان کے وقت' ان کے ہاتھ کے اوپر تیرا ہاتھ نہیں ہوتا۔ یوں سمجھو کہ وہ خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ ہے اس نظام کی عملی شکل۔

اس کے بعد جو شخص اس معاہدہ کو توڑتا ہے تو اس کا نقصان خود اسی کو ہوگا (کیونکہ' اس کے اس عہد کو توڑنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو معاہدہ اس کے ساتھ خدا نے کیا تھا' وہ بھی

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ۝۱۱ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ
وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ۝۱۲ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝۱۳

ٹوٹ جائے گا اور یہ ان ثمرات سے محروم رہ جائے گا۔ جو نظام خداوندی کی طرف سے اسے حاصل ہونے تھے) لیکن جو اس عہد کو پورا کرے گا جو اس نے اس طرح اللہ سے کیا ہے' تو اللہ اُسے اجر عظیم عطا کرے گا۔ (یہ اجر عظیم' اس دنیا اور اگلی دنیا میں جنت کی وہ زندگی ہے جو اس معاہدہ کا دوسرا جزو ہے۔ ۹/۱۱۱)۔

۱۱ (اس تمہیدی وضاحت کے بعد' اس مہم کی طرف آؤ جو تمہارے پیش نظر ہے۔ اس جنگ میں) جو بدو تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوں گے ——— پیچھے رہ جائیں گے ——— وہ کہیں گے کہ یہ اس لئے ہوا کہ ہم اپنے مال مویشی' اور گھر بار والوں کے متعلق ضروری انتظامات میں مصروف رہے' اس لئے شریک جہاد نہیں ہو سکے۔ لہذا' اسے ہمارے خلاف جرم قرار نہ دیا جائے۔ لیکن یہ ان کی محض بہانہ سازیاں ہیں۔ ان کی نیت کچھ اور تھی۔ ان سے کہدو کہ تمہارے متعلق خدا کا قانون ہی کچھ فیصلہ کرے گا۔ اگر اس کی رو سے تمہیں کچھ فائدہ یا نقصان پہنچنا ہو گا تو کسی کو اس کا اختیار نہیں کہ اس کے خلاف کچھ کر سکے۔ خدا تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اسی کے قانون کی رُو سے تمہارا فیصلہ ہو گا (اس میں میری یا کسی اور کی ذاتی مرضی کا کوئی سوال نہیں)۔

۱۲ (ان سے کہدو کہ) تمہارا خیال تھا کہ رسول' اور اس کے ساتھ اس کی جماعت' سب اس جنگ میں ختم ہو جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی اپنے گھروں کو لوٹ کر نہیں آئے گا۔ اس خیال سے تم بہت خوش ہوئے (اور یہ فیصلہ کر لیا کہ ہمیں ان کے ساتھ جنگ میں نہیں جانا چاہیئے' حالانکہ یہ خیال بہت ہی برا تھا جو تمہارے دل میں پیدا ہوا۔ اور انہی باتوں نے تمہیں تباہ کر دیا۔

۱۳ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی اس بات پر یقین نہیں رکھے گا کہ یہ نظام خداوندی کامیاب ہو گا' وہ اسی قسم کی حرکات کرے گا۔ اور جو اس قسم کی حرکتیں کرے گا وہ تباہ و برباد ہو جائے گا' کیونکہ اس نظام نے تو کامیاب ہونا ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭ سَيَقُوْلُ
الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا
كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑮ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ
مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ

---

۱۴ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ساری کائنات میں اختیار و اقتدار خدا کا ہے۔ (اس لئے ہو نہیں سکتا کہ جو نظام خدا کے اقتدار کو قائم کرنے کے لئے عمل میں لایا جا رہا ہو وہ کامیاب نہ ہو)۔ جو شخص اس نظام کی حفاظت میں آجانا چاہے اسے حفاظت مل جاتی ہے۔ اور جو اس کے خلاف چل کر تباہ ہونا چاہے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ خدا کا قانون ہمیشہ تمہاری حفاظت اور ربوبیت چاہتا ہے۔ یہ اس کی خلاف ورزی ہے جس سے تباہی آتی ہے۔

۱۵ ان اعراب (بدوؤں) کی حالت یہ ہے کہ جب انہیں یقین ہو گا کہ تم کسی ایسی جنگ کیلئے نکل رہے ہو جہاں سے مال غنیمت ضرور ملے گا تو یہ تم سے کہیں گے کہ ہمیں بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں۔ بالفاظ دیگر خدا نے جو ان کے متعلق فیصلہ دیا ہے کہ یہ ان خوشگواریوں سے محروم رہیں گے جو نظام خداوندی کا لازمی نتیجہ ہیں' تو یہ چاہیں گے کہ اس فیصلے کو بدل دیا جائے۔ ان سے کہو کہ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ جیسا کہ خدا نے پہلے سے فیصلہ کر دیا ہے' تم ہمارے ساتھ بالکل نہیں جا سکو گے۔

اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو' اس لئے ایسا کہتے ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادہ سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے ورنہ بات کچھ ایسی مشکل نہیں جو سمجھ میں نہ آ سکے۔ بات یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں وہی لوگ شامل ہو سکتے ہیں جو نظام حق و صداقت کے قیام کی خاطر ہر قسم کی کوشش کریں' بلا لحاظ اس امر کے اس میں انہیں کوئی دنیاوی مفاد حاصل ہوتے ہیں یا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کی ذہنیت یہ ہو کہ جب کوئی فائدہ نظر آئے تو تمہارے ساتھ ہو لیں' اور جونہی کسی نقصان کا احتمال ہو بہانہ سازیاں شروع کر دیں' وہ تمہارے ساتھ چلنے کے قابل نہیں قرار پا سکتے۔ (اس میں حسد کی کونسی بات ہے؟)۔

۱۶ ان پیچھے رہ جانے والے اعراب سے کہو کہ تمہارے خلوص کا امتحان اس طرح ہو سکتا ہے

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ
وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ
يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾
وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً

کہ تمہیں کسی ایسی قوم کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بھیجا جائے جو بڑی طاقتور اور جنگجو ہو۔ اور تم سے کہا جائے کہ تم ان سے جنگ مسلسل جاری رکھو تا آنکہ وہ اپنے ہتھیار رکھ دیں۔

اگر تم نے اس حکم کی اطاعت کر لی تو سمجھا جائے گا کہ تم اپنے دعوے میں واقعی مخلص ہو۔ اس کا اجر تمہیں خدا کی طرف سے بڑا خوشگوار ملے گا۔ لیکن اگر تم اس سے پھر جاؤ گے جیسا کہ تم نے پہلے کیا تھا، تو تمہیں الم انگیز سزا ملے گی۔

۱۷ لیکن اس حکم سے اندھے۔ لنگڑے اور مریض مستثنیٰ ہیں۔ وہ جنگ میں شریک ہونے کے لئے مکلف نہیں۔ (۹/۹۱)۔

اصول یہ ہے کہ جو شخص بھی دل کے خلوص سے نظام خداوندی کی اطاعت کرے گا، اللہ اسے اس جنتی معاشرہ میں داخل کرے گا جس کی خوشگواریاں سدا بہار ہیں۔ اور جو کوئی اس سے روگردانی کرے گا، وہ سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔

۱۸ اس اصول کے مطابق، جب جماعت مومنین، مخالفین کے بے پناہ ہجوم، اور خطرات کے خوفناک سیلاب کے علی الرغم اس درخت کے نیچے تجھ سے عہد اطاعت کر رہے تھے (۴۸/۱۰)۔ تو ان کا یہ عمل قانونِ خداوندی کے عین مطابق تھا۔ وہ ٹھیک وہی کچھ کر رہے تھے، جو ایسے حالات میں قانونِ خداوندی کا تقاضا تھا۔ اور ان کا یہ عمل، محض رسمی یا میکانکی طور پر نہ تھا بلکہ دل کی پوری پوری رضامندی سے تھا جسے خدا اچھی طرح جانتا تھا۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ انہیں ایسے بیسیوں خطرات سامنے دکھائی دیر ہے تھے لیکن اس کے باوجود انہیں پورا پورا اطمینان حاصل تھا۔ چنانچہ خدا نے ان کے لئے مستقبل قریب میں، فتح و کامرانی کی راہیں کھول دیں۔

۱۹ اور بہت سا مال غنیمت بھی ان کے ہاتھ لگا — خدا کا قانونِ مکافات بڑا ہی غلبہ اور حکمت کا مالک ہے۔

۲۰ (اے جماعت مومنین! تمہارے حسن عمل کے نتیجہ میں) تمہیں بہت کچھ حاصل

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ
مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

ہونے والا ہے۔ یہ جو کچھ تمہیں فوری طور پر مل گیا ہے (یہ اس کا قلیل سا حصہ ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ) سرکش قوتوں کے ہاتھ تمہاری مخالفت سے رک گئے ہیں۔ (اور اس جنگ و قتال سے مقصد ہی یہ تھا کہ یہ لوگ نظامِ عدل و احسان کے قیام میں تمہاری مخالفت نہ کریں۔ مالِ غنیمت تو یونہی رونگے میں ہاتھ آجاتا ہے)۔

اس قسم کی فتوحات جماعتِ مومنین کے لئے اس امر کی نشانی بن جاتی ہیں کہ خدا کا یہ وعدہ کہ تمہارا نظام غالب آکر رہے گا' واقعی حقیقت پر مبنی ہے' اور جس راستے پر وہ انہیں چلا رہا ہے' وہ صحیح منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔

۲۱ اس قریبی کامیابی کے علاوہ' اور بھی بہت سی فتوحات ہیں جن پر تم نے ابھی قدرت حاصل نہیں کی لیکن خدا کے قانونِ مکافات نے انہیں اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے۔ ان کا وقوع بعد میں ہوگا۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے ہر شے کے اندازے (قوانین) مقرر کر رکھے ہیں' اور ہر بات اُن اندازوں کے مطابق واقع ہوتی ہے۔

۲۲ اگر یہ مخالفین تم سے جنگ کرتے تو شکست کھا کر بھاگ جاتے۔ پھر ان کا نہ کوئی حمایتی ہوتا نہ سرپرست۔

۲۳ یہ کچھ محض ہنگامی یا اتفاقی طور پر نہیں ہو رہا۔ خدا کے ان قوانین کے مطابق ہو رہا ہے جو شروع سے اسی طرح چلے آرہے ہیں اور وہ اٹل اور غیر متبدل ہیں۔ ان میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔

۲۴ اور یہ اُس اللہ کے قانون کے مطابق ہوا جس نے تمہارے مخالفین کو روک دیا کہ وہ تمہارے خلاف ہاتھ اٹھائیں اور تمہیں روک دیا کہ تم ان کے خلاف ہاتھ اٹھاؤ۔ اور اس طرح وادیٔ مکہ کشت و خون سے محفوظ رہی' حالانکہ تمہیں اُن پر کھلا ہوا غلبہ حاصل تھا۔ اللہ تم سب کے کاروبار پر نگاہ رکھتا ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ
وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَــــُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ
مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ
الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى
وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

۲۵ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے تمہاری ہر بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اور تمہیں کعبہ کا حج کرنے سے بھی روک دیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے تمہارے حج کے تحائف (جانور وغیرہ) کو بھی ان کی منزلِ مقصود (کعبہ) تک نہ جانے دیا۔ (لیکن اس کے باوجود' خدا نے تمہیں روک دیا کہ تم ان کے خلاف جنگ نہ کرو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ) مکہ میں ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں تھیں جن کے متعلق تمہیں معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کہاں ہیں۔ اگر تم شہر پر حملہ کرتے تو یہ مظلوم' ان مخالفین کے ساتھ ناحق روندے جاتے۔ یہ تمہارا اپنا ہی نقصان ہوتا جو تمہیں لاعلمی کی وجہ سے پہنچ جاتا (اس لئے ہم نے تمہیں لڑائی سے روک دیا اور امن کی ایسی صورت پیدا کر دی کہ) اہل مکہ میں سے جو چاہے تمہارے نظامِ رحمت و ربوبیت میں داخل ہو جائے۔ ورنہ اگر مکہ میں ایسی صورت ہوتی کہ وہاں کے مومن مرد اور عورتیں' ان کفار سے الگ ہو چکے ہوتے' تو پھر ہم ان مخالفین کو تمہارے ہاتھوں دردناک سزا کا مزہ چکھاتے۔

۲۶ (ہمیں اس کا بھی علم ہے کہ) ان مخالفین نے تمہارے خلاف' اپنے دل میں اس قسم کے سخت جذباتِ تعصب و نفرت بھڑکا رکھے تھے' جس طرح سخت جاہل اور وحشی لوگ اپنے اپنے دل میں نفرت و عداوت' اور ضد اور تعصب کے جذبات کی پرورش کرتے رہتے ہیں (اگر تم بھی پہلے کی طرح ہوتے تو تمہارے دل میں اس کا ردعمل سخت اضطراب اور ہیجان کی شکل میں ابھرتا۔ لیکن ایمان نے تمہارے اندر ایک عجیب نفسیاتی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ اس لئے) اللہ نے اپنے رسول اور جماعت مومنین کے دلوں میں تسکین و طمانیت کی ٹھنڈک پیدا کر دی اور انہیں قانون خداوندی کی نگہداشت میں اور بھی زیادہ محکم کر دیا —— حقیقت یہ ہے کہ یہ اسی کے اہل اور مستحق تھے۔ (جہلا کی طرح' جذباتِ ضد اور تعصب کا مشتعل رہنا ان کے شایانِ شان ہی نہ تھا)۔ خدا کا ہر فیصلہ علم پر مبنی ہوتا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ
مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ
رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ
اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ

---

۲۷ (اے رسول! تولیت کعبہ کے لئے تمہاری شدت آرزو (۲/۱۴۴)۔ کا نتیجہ تھا کہ تم نے خواب میں دیکھا کہ تم مکہ میں فاتح و منصور داخل ہو رہے ہو۔ (۱۷/۱)۔ چونکہ تمہاری یہ آرزو میں ہمارے وعدے کے مطابق تھیں' اس لئے ہم تمہارے خواب کو ضرور سچا کر دکھائیں گے[1] اور تم کشت و خون کے بغیر امن و عافیت سے کعبہ میں داخل ہو گے اور پورے سکون کے ساتھ حج کے مناسک ادا کرو گے ——— سر منڈوانا۔ بال ترشوانا وغیرہ ——— اور کسی کا خوف تم پر غالب نہیں ہو گا۔ خدا ان باتوں کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے۔ اس کے علاوہ' وہ تمہیں عنقریب ایک اور فتح بھی عطا کرے گا۔

۲۸ یہ اس لئے کہ اللہ نے اپنے رسول کو یہ ضابطۂ ہدایت' یعنی حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا ہی اسلئے ہے کہ یہ دنیا کے تمام خود ساختہ نظاہائے زندگی پر غالب آ کر رہے۔ (اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس جماعت کو اتنی قوت اور مقدرت حاصل ہو کہ یہ باطل کا نظام مٹا کر اپنا نظام قائم کر سکے)۔ اور خدا اس بات کی نگرانی کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایسا ہو کر رہے۔

۲۹ اور یہ ہو گا محمد رسول اللہ اور اس کے رفقاء کار کی جماعت کے ہاتھوں۔ یہ جماعت بھی کیا عجیب و غریب جماعت ہے! ان کی کیفیت یہ ہے کہ یہ حق کے مخالفین کے مقابلہ میں چٹان کی طرح سخت ہیں' لیکن باہم گرمجوشی سے ہی نرم دل اور ہمدرد (۵/۵۴)۔ تو انہیں دیکھتا ہے کہ وہ کس طرح ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے جھک جاتے ہیں' اور قوانین خداوندی کے سامنے پیکر تسلیم و رضا بن جاتے ہیں۔ (لیکن یہ تارک الدنیا راہبوں کی جماعت نہیں) یہ' قانونِ خداوندی کے مطابق' سامانِ زیست کی تلاش میں مصروفِ تگ و تاز رہتے ہیں۔ اور

---

[1] "لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ" میں ہم نے ماضی بمعنی مضارع لئے ہیں۔ اس کی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں (مثلاً ۱۴/۱)۔ لیکن اگر یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب مکہ فتح ہو گیا تھا تو اس کے معنی ہوں گے کہ "لو! اللہ نے تمہارا خواب سچ کر دکھایا۔"

مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ

فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

(۴ ع ۳ ۱۲)

اس کے ساتھ ہی اس کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا ہر عمل قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ اور ان کی سیرت صفاتِ خداوندی سے یکرنگ ہو جائے۔ اس سے انہیں جو سکونِ قلب اور حقیقی مسرت حاصل ہوتی ہے اس کے اثرات ان کے چہروں سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کی یہ علامات سابقہ کتب آسمانی — تورات و انجیل — میں بھی مذکور تھیں۔

انہوں نے اس نظامِ خداوندی کو جس طرح قائم کیا اور پروان چڑھایا ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ جب عمدہ بیج سے شگوفہ پھوٹتا ہے تو اس کی پہلی کونپل بڑی نرم و نازک ہوتی ہے۔ پھر جوں جوں اس کی جڑ مضبوط ہوتی جاتی ہے، اس کی نال موٹی ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ آپ مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے سہارے آپ محکم اور استوار طریق پر قائم ہو جاتی ہے۔ (اس میں خوشے لگتے ہیں اور خوشوں میں دانے پڑ کر سخت اور مضبوط ہو جاتے ہیں۔ یوں وہ ننھا سا بیج پکی ہوئی فصل میں تبدیل ہو جاتا ہے) جب کاشتکار اپنی محنت کو اس طرح ثمر بار ہوتے دیکھتا ہے تو وجد و مسرت سے جھوم اٹھتا ہے۔ لیکن یہی چیز اس کے مخالفین کے سینے پر سانپ بن کر لوٹنے لگ جاتی ہے۔

اسی طرح اللہ ہر اس جماعت کو جو اس کے قوانین کی صداقت پر ایمان لا کر اس کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا ہوتی ہے، اس امر کا وعدہ دیتا ہے (یعنی یہ اُس کا قانون ہے) کہ ان کی کوششوں کا ننھا سا بیج، تمام خطرات سے محفوظ رہے گا اور ان کی کھیتی پک کر بہترین ثمرات کی حامل ہو جائے گی۔ (۲۴/۵۵) لیکن اس کے لئے اس قسم کی محنت اور استقامت کی ضرورت ہو گی جس قسم کی محنت اور استقامت کا ثبوت کسان دیتا ہے ——— تخمِ صالح۔ قوانینِ فطرت سے مطابقت۔ مسلسل محنت اور استقلال و استقامت۔ کھیتی کی برومندی کے لئے یہ تمام شرائط لاینفک ہیں)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ②

---

① اے جماعتِ مومنین! (تم جس عالمگیر انقلاب کی داعی بن کر اٹھی ہو) اس کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ تم اپنی داخلی زندگی میں پورا نظم و ضبط رکھو۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس بات کو ملحوظ رکھو کہ جب تک کسی معاملہ کے متعلق مرکزِ نظامِ خداوندی کی طرف سے فیصلہ نہ ہو جائے، اس وقت تک، اس میں، از خود، کوئی قدم نہ اٹھاؤ۔ ہمیشہ انتظار کرو کہ وہاں سے کیا فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ ہر حال میں قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرو۔ یاد رکھو! اللہ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے (اس لئے، اس کے قانون کی رُو سے جو فیصلہ ہوگا، وہی بہترین ہو سکتا ہے)۔

② اور اپنی رائے کو ہمیشہ اس مرکز کے فیصلے کے تابع رکھو (اپنی آواز کو نبیؐ کی آواز سے اونچا نہ جانے دو)۔ اور نہ ہی مشاورت کے وقت ایسا کرو کہ یونہی شور غل مچا کر اپنی بات منوالی جائے، جیسا کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرنے میں کرتے ہو۔ اس طرح کرنے سے تمہارے تمام اعمال رائگاں چلے جائیں گے اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہونے پائے گی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم
مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ
صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ
بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿٦﴾ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ

(یعنی تمہاری اس روش کا غیر شعوری طور پر یہ نتیجہ نکلے گا)۔

۳ یقیناً جو لوگ اپنی آراء کو مرکز کے فیصلوں کے تابع رکھتے ہیں، تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا اپنے قوانین کی اطاعت کے لئے پاکیزہ اور خالص کر دیتا ہے۔ (وہ بخلوصِ قلب انکی اطاعت کرتے ہیں) اور ان کے لئے تباہیوں سے بچنے کا سامان پیدا کر دیتا ہے اور انہیں اجرِ عظیم عطا کرتا ہے۔

۴ اور بعض اس قسم کے نادان بھی آجاتے ہیں کہ وہ (اجتماعی نظم وضبط تو ایک طرف، عام آدابِ معاشرت تک کو بھی ملحوظ نہیں رکھتے۔ مثلاً وہ) تجھے تیرے مکان کے باہر ہی سے چلا چلا کر پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔

۵ انہیں چاہئے کہ انتظار کریں تا آنکہ تو گھر سے باہر آجائے (پھر جو بات کرنی ہے، آدابِ محفل کو ملحوظ رکھتے ہوئے کریں)۔ یہ طرزِ عمل ان کے حق میں بہتر ہے۔ بہرحال (چونکہ یہ لوگ ایسا کچھ محض نادانی اور جہالت سے کرتے ہیں، اس لئے) اللہ ان سے درگذر کرکے، ان کے لئے ایسے سامان پیدا کرتا ہے جن سے ان کی حفاظت بھی ہو جائے اور نشوونما بھی۔

۶ اے رسول! اپنی جماعت سے یہ بھی کہہ دو کہ جب کوئی مفسدہ پرداز تمہارے پاس کسی معاملہ کی خبر لائے تو فوراً اس کے پیچھے نہ لگ جایا کرو۔ بلکہ پہلے اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم بلا تحقیق کوئی ایسا قدم اٹھا لو جس سے کسی پارٹی کو محض تمہاری جہالت کی وجہ سے کوئی نقصان پہنچ جائے، اور اس کے بعد تمہیں اپنے کئے پر خود ہی پچھتانا پڑے۔

۷ (یاد رکھو! تم اب، پہلے کی طرح، انتشار اور لاقانونیت کی زندگی بسر نہیں کر رہے۔ اجتماعی نظم ونسق کی زندگی بسر کر رہے ہو۔ اب تمہارا ایک نظام ہے اور) اُس نظام کا مرکز (خدا کا رسول) تمہارے اندر موجود ہے۔ تم ہر معاملہ میں اس کی طرف رجوع کرو، اور جو فیصلہ وہاں سے ملے اس کے مطابق عمل کرو۔ یہ نہ چاہو کہ وہ تمہاری ہر بات مان لیا کرے۔

رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ
وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ طَاۗىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَي الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا
الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَاۗءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

(ع ۱ ۱۰ ۱۳)

اگر وہ ایسا کرنے لگے (یعنی تم میں سے ہر شخص کی بات ماننے لگ جائے تو اس سے ایسا انتشار واقع ہو جس سے تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ اللہ تمہارے لئے یہی پسند کرتا ہے کہ تم ایمان پر جمے رہو اور تمہارے دل اسی سے مزین ہوں (اسکا عملی ثبوت یہ ہوگا کہ تم اپنے خیالات و آرا کو احکام خداوندی کے تابع رکھو اور ان کی اطاعت بطیب خاطر کرو) وہ تمہارے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ تم ان قوانین سے انکار کرو۔ یا اپنے لئے کوئی الگ راہ تجویز کرو اور اپنے نظام سے سرکشی اختیار کر لو۔ یاد رکھو! جو لوگ ایمان اور اطاعت کی راہ اختیار کرتے اور کفر و عصیان کی راہ سے مجتنب رہتے ہیں تو یہ ہیں جو سیدھے راستے پر گامزن ہیں۔

۸ اس کا نتیجہ ہر قسم کی خوش حالیاں اور آسائشیں ہیں۔ یاد رکھو! خدا کا ہر فرمان علم اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

۹ اور اگر کبھی (سوء اتفاق سے) ایسا ہو کہ مومنین کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں فوراً صلح کرا دو۔ اگر اس کے بعد ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو (یہ نہیں کہ تم بیٹھے تماشا دیکھتے رہو)۔ تم سب مل کر اس زیادتی کرنے والے فریق کے خلاف اٹھ کھڑے ہو تا آنکہ وہ اس فیصلہ کی طرف پلٹ آئے جو قانون خداوندی کی رو سے کیا گیا تھا۔ سو اگر وہ لوگ اس فیصلہ کی طرف پلٹ آئیں تو ان میں عدل اور انصاف کے مطابق صلح کرا دو۔ اور ہمیشہ انصاف کو ملحوظ رکھو۔ یہ چیز قانون خداوندی کی رو سے بڑی مستحسن ہے۔

۱۰ (یاد رکھو! ایسے حالات میں تم یہ نہ سمجھ لو کہ تم کسی دشمن کے ساتھ معاملہ کر رہے ہو۔ اگر یہ فریق غلطی سے ایک دوسرے کے ساتھ الجھ پڑے ہیں تو یہ ایسے ہی ہے جیسے دو بھائیوں میں کبھی کسی بات پر اختلاف ہو جاتا ہے)۔ اس لئے تم انہیں بھائی بھائی تصور کرو ——— یاد رکھو! مومن سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں ——— اور ان میں صلح کراتے وقت بھی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫

اس حقیقت کو فراموش نہ کرو کہ یہ دونوں تمہارے بھائی ہیں۔ تمہارا فیصلہ بلا کسی رورعایت کے قانون خداوندی کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اس سے تمہاری جماعت مرحمت خداوندی کی مستحق رہے گی۔

⑪ (باہمی اختلاف کی صورت میں ہوتا یہ ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات مشتعل ہونے لگتے ہیں جن کا اظہار بڑی ناپسندیدہ حرکات سے کیا جاتا ہے۔ یاد رکھو! تم ایسے اتفاقی اختلاف کے وقت اس قسم کی حرکتیں نہ کرنے لگ جانا۔ مثلاً یہ نہ ہو کہ) تم میں کا ایک فریق، دوسرے فریق کا مذاق اڑانے لگ جائے اور اسے ذلیل اور حقیر کرنے کی کوشش کرے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ، تمہاری پارٹی کے لوگوں سے بہتر ہوں ——— نہ تمہارے مرد یہ کچھ کریں۔ نہ عورتیں۔ نہ ہی تم ایک دوسرے کے خلاف عیب لگاؤ۔ نہ طعن و تشنیع کرو۔ نہ ایک دوسرے کے الٹے پلٹے نام رکھو۔ جب تم ایمان لاکر بلند اخلاق کے حامل بننے کا تہیہ کر چکے ہو، تو پھر آپس میں ایک دوسرے کے برے نام رکھنے سے کیا مطلب؟ یہ بڑی بری بات ہے۔ اگر تم میں سے کسی نے ایسا کیا ہے تو اسے اپنے کئے پر نادم ہوکر فوراً اس روش کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ قانون خداوندی کی نگاہ میں مجرم قرار پائے گا۔

⑫ (جب باہمی اختلاف ہو جائے تو اس سے فتنہ پرور لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور فریقین میں لگائی بجھائی کی باتیں کرتے ہیں۔ تم اس باب میں بڑے محتاط رہو۔ تم ایک دوسرے کے متعلق ہمیشہ حسن ظن سے کام لو اور) بدگمانی سے اجتناب کرو۔ بعض بدگمانی تو ایسی ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کے متعلق خیر سگالی کے تمام جذبات مضمحل کر دیتی ہے (حالانکہ وہ محض بدگمانی ہوتی ہے، وہ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا)۔ نہ ہی تم خواہ مخواہ ایک دوسرے کے راز کی باتوں کی ٹوہ لگاؤ۔ اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کرو۔ کیا تم اسے پسند کرو گے کہ تم اپنے مردہ بھائی کا

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ
الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

گوشت کھاؤ۔ اس سے تو تمہیں سخت گھن آئے گی۔ (سو غیبت کی بھی ایسی ہی مثال ہے)۔
المختصر تم ہر معاملہ میں قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اور اگر کہیں غلطی کر بیٹھے ہو تو اس سے نادم ہو کر اپنی اصلاح کر لو۔ اس طرح قانون خداوندی تمہاری لغزش سے درگذر کرے گا اور تمہاری نشوونما میں کمی نہیں آنے دیگا۔

۱۳ (جن معاشرتی برائیوں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان کا جذبہ محرکہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھنے اور دوسرے کو حقیر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی جذبہ انسانی زندگی کے اور گوشوں میں بھی کارفرما ہوتا ہے۔ مثلاً مردوں نے یہ فرض کر رکھا ہے کہ وہ عورتوں سے افضل ہیں۔ یا بعض خاندان نسبی طور پر اپنے آپ کو دوسروں سے معزز تصور کرتے ہیں یہ دونوں تصورات غلط ہیں)۔ ہم نے انسانوں کو مرد اور عورت کے اختلاط سے پیدا کیا ہے (جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر انسانی بچے میں ـــــ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی ـــــ کچھ حصہ مرد کا ہوتا ہے اور کچھ عورت کا۔ اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں یا عورتیں مردوں سے الگ ہیں)۔ باقی رہے مختلف خاندان یا قبیلے تو اس سے مقصود صرف اس قدر ہے کہ تمہیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں آسانی ہو۔ ورنہ نہ کوئی قبیلہ دوسرے قبیلے سے افضل ہے۔ نہ کوئی خاندان کسی دوسرے خاندان سے معزز۔ میزان خداوندی کی رو سے عزت اور تکریم کا صرف ایک معیار ہے اور وہ یہ کہ تم میں سے کس کی زندگی قوانین خداوندی سے زیادہ مطابق ہے۔ کون ان کی زیادہ اطاعت کرتا ہے۔ جس کی زندگی زیادہ سے زیادہ اس معیار پر پوری اترتی ہے، وہی سب سے زیادہ واجب التکریم ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ یا کسی خاندان یا کسی قبیلے میں پیدا ہوا ہو۔ یہاں معیار فضیلت، حسب و نسب نہیں۔ ذاتی جوہر اور سیرت و کردار کی بلندی ہے۔ یہ بات وہ خدا کہہ رہا ہے جو اچھی طرح جانتا ہے کہ فضیلت کسے کہتے ہیں اور وہ کس طرح پیدا ہوتی ہے۔

۱۴ (خود اسلامی نظام میں داخل ہونے والوں کے مدارج کا تعین بھی اسی معیار کے مطابق ہوگا۔ مثلاً) یہ صحرانشین بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اس لئے ہم مومنین کے زمرہ میں

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ
أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ
أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾

شمار ہوں گے' ان سے کہو کہ تم ابھی مومن کے درجے پر نہیں پہنچے۔ تم نے صرف اسلامی حکومت کی فرماں پذیری اختیار کی ہے' اور مومن وہ ہے جس کے دل کی گہرائیوں میں اِس نظامِ خداوندی کی صداقت اتر جائے۔ تمہاری ابھی یہ حالت نہیں ہوئی۔ تم نے محض اس نظام کا غلبہ دیکھ کر اس کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ (لیکن اس سے تمہارے اعمال کے بدلے میں کچھ فرق نہیں آئے گا) اگر تم اس نظام کی اطاعت کرتے رہو گے جو اللہ کے قوانین کے مطابق اس کے رسول کے ہاتھوں متشکل ہوا ہے تو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ تمہیں ملتا جائے گا۔ اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہو گی۔ اور تمہیں بھی اس نظام کی طرف سے حفاظت اور ربوبیت کا سامان اسی طرح ملتا جائے گا جس طرح دوسروں کو ملتا ہے۔

۱۵ مومن انہیں کہتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (علیٰ وجہ البصیرت) ایمان لائیں۔ اس طرح کا ایمان کہ اس کے بعد ان کے دل میں ذرا سا بھی اضطراب اور شک باقی نہ رہے۔ اور وہ پھر اس نظام کے قیام اور استحکام کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہیں' اور اس کے لئے اپنا مال بھی خرچ کریں' اور ضرورت پڑے تو جان تک بھی دیدیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دعوئے ایمان میں سچے ہیں۔

۱۶ (ایمان کی صداقت کا معیار انسان کے اعمال ہیں۔ جو لوگ عمل نہیں کرتے' محض باتیں بناتے ہیں) ان سے کہو کہ کیا تم ان باتوں سے خدا پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ تم بڑے اطاعت گذار اور پکے دیندار ہو؟ یاد رکھو! کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے اللہ کو سب کا علم ہے۔ اسے ہر بات کی خبر ہوتی ہے۔

۱۷ پھر یہ لوگ (اے رسول!) تجھ پر احسان دھرتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ ان سے کہو کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ دھرو۔ بلکہ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی راہ دکھا دی ہے۔ لہٰذا' اگر تم واقعی اپنے دعوئے ایمان میں سچے ہو تو اس کا تقاضا یہ ہے

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

کہ تم خدا کے ممنونِ احسان ہو۔ نہ یہ کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان دھرو۔

۱۸ ان سے کہو کہ تمہارے کہنے اور جتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب اللہ پر تمام کائنات کی پوشیدہ باتیں روشن ہیں، تو تمہارے اعمال اس سے کس طرح چھپے رہ سکتے ہیں۔ وہ ان سب کو دیکھتا ہے۔ ہر عمل کا نتیجہ اس کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝۱ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝۲
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝۳ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ

---

۱ ذرا رکو (قف) اور جو کچھ کہا جاتا ہے اسے بغور سنو۔
اس قرآن کی تعلیم خود اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ کتاب کس قدر بڑی عظمتوں کی حامل ہے۔

۲ لیکن یہ لوگ (بجائے اس کے کہ قرآن کی تعلیم سے اس کا اندازہ لگائیں کہ یہ خدا کا کلام ہے یا کسی انسان کی تصنیف) اس پر متعجب ہیں کہ اس قرآن کا لانے والا' انہی میں سے' انہی جیسا انسان کیوں ہے۔ وحی سے انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جس پر وحی نازل ہو وہ بھی ہمارے جیسا ایک انسان ہو۔ ان کے خیال میں اُسے فوق البشر ہونا چاہیئے)۔

۳ (پھر انہیں' قرآن کے اس ارشاد پر بھی تعجب ہوتا ہے کہ زندگی اِس دنیا کی زندگی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ) کیا جب ہم مر جائیں گے اور گل سڑ کر' مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے' تو پھر زندہ ہوں گے؟ یہ تو بڑی بعید از عقل بات ہے کہ مردہ' زندہ ہو جائے!

۴ ان سے کہو کہ انسان کی جس چیز کو زمین کم کر دیتی ہے اس کا ہمیں علم ہے (یہ صرف انسانی جسم کو منتشر کرتی ہے۔ اس کی ذات پر اسے کچھ تصرف حاصل نہیں ہوتا۔ اور چونکہ اعمال کا

حَفِيظٌ ④ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِيجٍ ⑤ أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ
كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ ⑥ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا
مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ⑦ تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ⑧ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا
فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ⑨

تعلق' انسانی ذات سے ہے' نہ کہ جسم سے' اس لئے اس کی ذات کے محفوظ رہنے کا نتیجہ یہ ہے کہ) اس کے اعمال سب ہمارے ہاں محفوظ رہتے ہیں۔ (اسی سلسلہ کے آگے چلنے کا نام حیات اُخروی ہے)۔

۵ یہی — مکافاتِ عمل — وہ حقیقتِ ثابتہ ہے جس کی یہ تکذیب کرتے ہیں۔ (انکا جی ہی نہیں چاہتا کہ یہ تسلیم کریں کہ ان کے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ اور یہی وہ جذبہ ہے جو) انہیں اس طرح کشمکشِ پیہم اور اضطرابِ مسلسل میں مبتلا رکھتا ہے' اور یہ ہر وقت ایک عجیب قسم کے الجھاؤ میں پڑے رہتے ہیں۔

۶ ان سے کہو کہ (یہ اگر حیات بعد الممات' اور قانون مکافاتِ عمل جیسے غیر محسوس حقائق پر براہ راست غور نہیں کر سکتے تو اس محسوس کائنات پر غور و فکر کریں اور دیکھیں کہ یہ محیر العقول سلسلہ کس طرح خدا کے متعین قوانین کے مطابق سرگرمِ عمل ہے۔ یہاں کس طرح ہر گوشے میں قانون کی کارفرمائی ہے)۔ یہ اپنے اوپر' ناپیدا کنار فضائے سماوی' اور اس میں تیرنے والے اجرامِ فلکی کو دیکھیں کہ ہم نے انہیں کس طرح بنایا ہے' اور اس "چھت" پر کیسی حسین مینا کاری کر رکھی ہے۔ اس میں یہ' کہیں' کسی قسم کا خلل نہیں پائیں گے (۶۷/۳)۔

۷ اور پھر زمین کو دیکھیں کہ اسے ہم نے (گول ہونے کے باوجود) کس طرح پھیلا رکھا ہے۔ اور اس میں کتنے کتنے بڑے پہاڑ پیدا کر دیئے ہیں (جو علاوہ دیگر فوائد کے' نظامِ آبرسانی کی عجیب کڑی ہیں جس سے) زمین میں قسم قسم کی خوشنما چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

۸ یہ چیزیں' ہر اس شخص کی آنکھیں کھولنے' اور فراموش کردہ حقیقتوں کو سامنے لانے کے لئے کافی ہیں جو ان پر غور و فکر سے توجہ کرے۔

۹ اور ہم بادلوں سے مینہہ برساتے ہیں جو ہزار برکات اپنے آغوش میں رکھتا ہے۔ اس سے باغات میں پھل پیدا ہوتے ہیں اور کھیتوں میں فصلیں۔

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ
قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَ
قَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾

---

۱۰ اور بڑے بڑے اونچے کھجوروں کے درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہوتے ہیں۔

۱۱ یہ سب کچھ ہم نے انسانوں کے لئے بطور سامانِ زیست پیدا کیا ہے۔
خدا کے جس قانون کی رو سے بارش کے ذریعے زمین مردہ میں زندگی کی نمود ہو جاتی ہے اُسی قسم کے قانون کے مطابق مُردوں کو زندگی عطا ہو جائے گی۔ (خدا کے لئے اس میں مشکل کیا ہے؟)۔

۱۲ (قانون مکافاتِ عمل سے جی چرانے کا جو جذبہ ان لوگوں کو حیاتِ اُخروی سے انکار پر آمادہ کر رہا ہے اُسی جذبہ کے ماتحت) ان سے پہلے مختلف اقوام نے بھی اس حقیقت کی تکذیب کی تھی۔

۱۳ مثلاً قوم نوح۔ اصحاب الرس (۲۵/۳۸)۔ قوم ثمود۔
قوم عاد۔ قوم فرعون۔ قوم لوط۔ اصحاب الایکہ (بن کے رہنے والے)۔ قوم تبع۔ ان سب نے

۱۴ ہمارے رسولوں کی تکذیب کی۔ (لیکن ان کی تکذیب سے ہمارے قانونِ مکافات پر کچھ اثر نہ پڑا۔ اس کی رو سے ان سب کے اعمال کے نتائج مرتب ہو کر رہے۔ انہیں تباہی نے آگھیرا۔ اور یوں) ہمارا قانون ایک حقیقتِ ثابتہ بن کر ان کے سامنے آگیا۔

۱۵ ان سے پوچھو کہ یہ جو مرنے کے بعد حیاتِ نو کے متعلق شبہ میں پڑے ہیں، تو کیا (ان کا خیال ہے کہ) ہم پہلی بار کائنات اور انسان کو بنا کر تھک گئے ہیں (جو دوبارہ پیدا کرنے کی ہم میں سکت نہیں رہی؟ ۵۰/۱۵)۔

۱۶ (یا یہ سمجھتے ہیں کہ انسان جو کچھ چوری چھپے کرتا ہے اس کا ہمیں علم نہیں ہو سکتا اس لئے ایسے اعمال کا مؤاخذہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ ان کا یہ خیال بھی غلط ہے)۔ ہم انسان کے خالق ہیں (اور ظاہر ہے کہ خالق سے اپنی مخلوق کی کوئی بات پوشیدہ نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کے ظاہری اعمال تو ایک طرف) ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کے دل کی گہرائیوں میں کیا کیا خیالات اور وساوس گذرتے ہیں۔ (پھر یہ بھی نہیں کہ خالق اپنی مخلوق سے کہیں

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾
وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢٠﴾
وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ
الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾

الگ ہو کر بیٹھ گیا ہو) ہم انسان سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (اس لئے ہم سے اس کا کیا چھپا رہ سکتا ہے)۔

۱۷ ہمارا انتظام یہ ہے کہ یہ دائیں جائے یا بائیں' اس کے اعمال کو محفوظ رکھنے والی قوتیں ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔

۱۸ اِدھر اس کی زبان سے کوئی لفظ نکلا' اور اُدھر ایک محافظ اور نگہبان نے اسے ریکارڈ کر لیا۔

۱۹ اور موت کی غشی تو وہ ہے جو ایک حقیقت بن کر تمہارے سامنے آجاتی ہے' حالانکہ موت وہ ہے جس سے ہر شخص کنارہ کش رہنا چاہتا ہے۔

۲۰ (اس طرح تمہاری آنکھوں کے سامنے موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے اسے تم دیکھ نہیں سکتے۔ اس کے لئے تمہیں یقین کرنا ہوگا کہ) جب انسانی پیکروں کو از سرِ نو توانائی عطا کی جائے گی' تو یہ' وہ آخری زندگانی کا دور ہوگا جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

۲۱ اُس وقت' ہر شخص' اپنے اعمال کا نتیجہ سننے کے لئے اس طرح حاضرِ عدالت ہوگا کہ (اس کے اعمال کے محافظ اس کے ساتھ ہوں گے) ایک اسے پیچھے سے ہانک رہا ہوگا اور دوسرا اس کی نگرانی کر رہا ہوگا۔

۲۲ اس سے کہا جائے گا کہ تو اس زندگی کے متعلق غفلت میں پڑا رہا۔ سو آج ہم نے تیری آنکھوں پر پڑے ہوئے پردے اٹھا دیئے ہیں' اور تیری نگاہ اس قدر تیز کر دی گئی ہے (کہ وہ محسوسات کی تمام دیواروں کو چیر کر' سابقہ زندگی کے اعمال کے غیر محسوس اور غیر مرئی نتائج تک' بلا روک ٹوک' پہنچ رہی ہے۔ وہ سب تیرے سامنے بے نقاب ہیں)۔

۲۳ اس کا ریکارڈ کیپر' جو اس کے ساتھ آ رہا تھا (یعنی خود نفسِ انسانی) کہے گا کہ یہ ہے

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ
الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ
قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ (۲ ع ۱۴ ۱۶)

میرے پاس اس کا ریکارڈ' جو بالکل تیار اور ہر لحاظ سے مکمل ہے۔

۲۴ چنانچہ اس ریکارڈ کے مطابق ہر ایک کا فیصلہ ہوگا۔ اور جو لوگ ضد اور تعصّب کی بنا پر' قوانین خداوندی سے انکار کرتے اور سرکشی برتتے تھے' انہیں جہنم میں پہنچا دیا جائے گا۔

۲۵ یعنی اُن لوگوں کو جو مال و دولت کو روک کر رکھتے تھے (اور اسے نوع انسان کی نشوونما کے لئے عام نہیں کرتے تھے)۔ جو نظام خداوندی سے سرکشی برتتے تھے' اور قانونِ مکافات کے بارے میں شک اور اضطراب میں پڑے رہتے تھے۔

۲۶ اور جو خدا کے اقتدار اور اختیار کے ساتھ' اور قوتوں کا اختیار و اقتدار تسلیم کرتے اور ان کی محکومیت اور اطاعت اختیار کرتے تھے۔

ان سب کے متعلق فیصلہ ہوگا کہ انہیں جہنم کے سخت تباہ کن عذاب میں مبتلا کر دو۔

۲۷ (اور یہ لوگ اپنے ساتھیوں کے سر الزام دھریں گے کہ انہیں' انہوں نے غلط راستے پر ڈالا تھا۔ لیکن) ہر ایک کا ساتھی برملا کہدے گا کہ اے میرے نشوونما دینے والے! یہ غلط کہتا ہے۔ میں نے اسے تیرے قانون سے سرکشی اختیار کرنے کو نہیں کہا تھا۔ یہ خود ہی غلط راستے پر بہت دور نکل گیا تھا۔

۲۸ خدا کہے گا کہ اس جھگڑے سے کچھ حاصل نہیں۔ جب تم تک سچی بات پہنچ چکی تھی جب راستہ واضح طور پر سامنے آگیا تھا۔ (تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ تم خود غلط راستے پر چلے یا کسی اور نے تمہیں بہکا دیا)۔

۲۹ ہمارا قانون غیر متبدل ہے۔ سب فیصلے اس کے مطابق ہوتے ہیں۔ (لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم کسی مستبد حاکم کی طرح سختی برت رہے ہیں۔ بالکل نہیں)۔ ہم اپنے بندوں پر کسی قسم کا ظلم اور زیادتی نہیں کرتے۔ (ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ٹھیک ٹھیک دیتے ہیں)۔

۳۰ (یوں' ہر غلط راستے پر چلنے والا' جہنم میں جا پہنچے گا ——— اور جہنم کی وسعتوں کا کیا ٹھکانہ!) اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو مجرموں سے بھر گئی ہے' تو جواب ملے گا کہ نہیں!

هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ﴿٣٠﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿٣١﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ
أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿٣٢﴾ مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿٣٤﴾
لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿٣٥﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ
مِن مَّحِيصٍ ﴿٣٦﴾

ابھی بہت سی گنجائش ہے۔ (ہر جہنم میں جانے والا اپنا جہنم خود ہی تیار کرتا اور اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے)۔

۳۱ دوسری طرف جنّت کو متقیوں کے بالکل قریب کر دیا جائے گا ——— وہ ان سے دور نہیں رہے گی۔ (ہر ایک کی جنت اس کے اپنے اندر ہوتی ہے۔ اُس وقت اُس کا شعور نمایاں ہو جائے گا)۔

۳۲ ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ جنّت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ——— یعنی ہر اس شخص سے جو تمام معاملات میں ہمارے قانون کی طرف رجوع کرے اور اس کے خلاف جانے سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔ اور اس حقیقت کو ہر وقت اپنے سامنے رکھے۔

۳۳ جو خدا کے نظام رحمت و ربوبیت (کی صداقت پر یقین رکھے اور اس) کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے ڈرے۔ اور دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ اس کی طرف آجائے۔

۳۴ ان سے کہا جائے گا کہ تم امن و سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ جنتی زندگی کا دور ہے۔

۳۵ ان کے لئے اس جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی وہ آرزو کریں گے ——— بلکہ ان کی آرزوؤں سے بھی کہیں زیادہ۔ (انسانی آرزوئیں اس کے موجودہ شعور کے مطابق ہوتی ہیں۔ وہ زندگی کی اگلی ارتقائی منزل کا شعور نہیں رکھتا۔ اس لئے اس کے متعلق کوئی متعین آرزو اس کے سینے میں بیدار نہیں ہو سکتی۔ خدا کا علم لامحدود ہے۔ اس لئے وہ جانتا ہے کہ زندگی کے ارتقائی سفر کی ہر منزل میں انسان کی ضروریات کیا ہوں گی)۔

۳۶ (اے رسول! ان مخاطبین سے کہو کہ یہ ہے خدا کا قانون مکافات۔ لیکن اس کے لئے، مرنے کے بعد کی زندگی کا انتظار ضروری نہیں۔ قوموں کے اجتماعی اعمال کے نتائج تو اس دنیا میں بھی سامنے آجاتے ہیں۔ اس کے مطابق) ہم نے، ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ ﴿٣٨﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿٤٠﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٤١﴾
يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿٤٢﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿٤٣﴾

کر دیا جن کی قوت اور گرفت اِن سے کہیں بڑھ کر تھی۔
(جب اِن کے سامنے تباہی آئی تو) انہوں نے کئی شہروں کو چھان مارا کہ کہیں پناہ مل جائے۔ لیکن) انہیں' اس سے کہیں بھی پناہ نہ مل سکی۔

۳۷ ان تاریخی شواہد میں ہر اس شخص کے لئے سامانِ عبرت ہے جس کے سینے میں زندہ دل ہے (یعنی جو حقائق پر از خود غور کرنے سے صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے)۔ یا جو کم از کم دوسرے کی بات کو غور سے سنتا ہے اور پھر اس کی نگرانی کرتا ہے۔

۳۸ (ان لوگوں سے کہو کہ وہ اس عظیم حقیقت پر غور کریں کہ) خدا نے کس طرح اس محیر العقول کارگہ کائنات کو پیدا کیا۔ اور پھر اسے' چھ مختلف مراحل میں سے گذار کر اس مقام تک لے آیا۔ اور اس سے اُسے ذرا سی تکان بھی محسوس نہ ہوئی۔ (اس لئے' انسانی زندگی کو مزید ارتقائی مراحل سے گذارنے کے لئے اسے کونسی دقت ہو گی؟)۔

۳۹ بہر حال۔ یہ لوگ جو کچھ تمہارے خلاف کہتے ہیں' اس سے تم دل برداشتہ نہ ہو بلکہ نہایت
۴۰ استقامت سے اپنے پروگرام پر جمے رہو۔ اور اپنے نشوونما دینے والے کے نظام ربوبیت کو سپیکر حمد و ستائش ثابت کرنے (یعنی اسے عملاً متشکل کرنے) کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہو ——
صبح۔ شام۔ رات کی تنہائیوں میں' اور وقتِ سحر گاہی (۵۲/۴۹)۔

۴۱ (اس کے بعد ان مخالفین سے ٹکراؤ ہو گا) جس دن جنگ کے لئے آواز دینے والا بہت قریب سے آواز دے گا (یعنی یہ لوگ حملہ کرنے کے لئے مدینہ کے قریب آ پہنچیں گے)۔

۴۲ اُس دن جنگ کے لئے پکارنے والے بگل کی آوازیں حقیقت بن کر سامنے آجائیں گی۔
اُس وقت' ہر ایک کو باہر نکل کر' میدان میں آجانا ہو گا۔

۴۳ پھر میدانِ جنگ میں' موت اور حیات کا فیصلہ ہمارے قانونِ صلاحیت کے مطابق ہو گا۔
(یعنی وہی گروہ زندہ رہے گا جس میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہو گی۔ ۳۰/۴۰)۔ اور اس تصادم کا

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿٤٤﴾ نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ

بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ﴿٤٥﴾

ع ۳ ۱۶ ۱۷

آخری نتیجہ بھی کشمکش حق و باطل کے قانون کے مطابق نکلے گا۔

۴۴ اُس وقت زمین ان کے سامنے سے بڑی تیزی سے پھٹتی جائے گی۔ (یعنی وہ آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ پیچھے ہٹتے جائیں گے)۔

۴۵ اِن لشکروں کو میدان جنگ میں اکٹھا کر دینا ہمارے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہوگا۔ (لہٰذا تو ان کی باتوں کی طرف نہ جا) ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ کہتے ہیں۔ تو ان پر مستبد حاکم بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ انہیں زبردستی غلط راستے سے روک دے۔ تو ان کے سامنے قرآن پیش کرتا جا۔ اس سے وہ شخص نصیحت حاصل کرے گا جو ہمارے قانونِ مکافات کی کارفرمائی سے ڈرتا ہے (یعنی اُس قانون سے جس کے مطابق ہر غلط روش کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوتا ہے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝۱ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝۲ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝۳ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝۴ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝۵ وَّ

۱ تا ۴ وہ جماعتیں جو پیغام خداوندی کی نشر و اشاعت کرتی ہیں۔ اور نظام خداوندی کے قیام کی ذمہ داری کے عظیم بوجھ کو اپنے کندھوں پر اٹھائے آہستہ آہستہ آگے بڑھتے چلی جا رہی ہیں' اور یوں اس خدائی پروگرام کو عالم انسانیت میں تقسیم کر رہی ہیں[1]۔

۵ و ۶ یہ سب اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ جو کچھ ان مخالفین سے کہا جا رہا ہے' وہ بالکل سچ ہے۔ انہیں ان کے اعمال کی سزا مل کر رہے گی (اور انہی مومنین کی جماعتوں کے ہاتھ سے ملے گی)۔

[1] ان آیات کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے۔

وہ ہوائیں جو پھولوں کے مادۂ تولید کے خفیف ذرات (STAMEN & PISTIL) کو ایک پھول سے دوسرے پھول کی طرف منتقل کر کے سلسلۂ تخلیق کو آگے بڑھاتی ہیں۔ اور وہ ہوائیں جو بادلوں کے مشکیزوں کو اپنے کندھے پر لئے لئے اڑتی ہیں تاکہ بارش سے سامانِ رزق پیدا ہو۔ اور وہ ہوائیں جو ایک خاص موسم میں ایک طرف چلتی ہیں اور دوسرے میں دوسری سمت تاکہ ان سے کشتیاں آسانی سے ادھر ادھر چلتی رہیں۔ اور صرف ہوائیں ہی نہیں بلکہ تمام کائناتی قوتیں جو خدا کے تخلیقی پروگرام کے مختلف اجزا کو کائنات میں حسب ضرورت تقسیم کرتی ہیں۔ یہ سب تخلیقی نظام اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے کہ دنیا میں ہر عمل اپنا نتیجہ پیدا کر کے رہتا ہے۔ (۴۵)

إِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿٧﴾ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴿٩﴾ قُتِلَ
الْخَرَّاصُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ﴿١١﴾ يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٢﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ﴿١٣﴾
ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٤﴾

۷ پھر تم' انسانی دنیا سے نکل کر ذرا اس فضائے سماوی پر غور کرو اور دیکھو کہ اس میں' مختلف اجرام' اپنے اپنے مدار سے ٹوٹ کر کس طرح اپنے اپنے راستوں میں نہایت محکم طور پر مصروفِ گردش ہیں۔ یہ سب قانون کی زنجیر میں بندھے ہوئے' ایک منزل کی طرف رواں دواں جا رہے ہیں۔ (اس طرح اس حدود فراموش فضا میں ان اجرام کا ایک جال بچھا ہوا ہے جو ایک متعین پروگرام کے مطابق مصروفِ عمل ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کی حرکت کا رخ ایک ہی منزل کی طرف ہے)۔

۸ لیکن تم ہو کہ تمہارے خیالات بھی الگ الگ ہیں اور منزلیں بھی جدا جدا۔

۹ (یہ نہیں کہ تمہیں پیدا ہی اس طرح کیا گیا ہے کہ تم مختلف راستوں پر چلنے کے لئے مجبور ہو۔ بالکل نہیں۔ تمہیں اپنے لئے آپ راستہ منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا ہے)۔ جو تم میں سے' صحیح راستہ چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے' اسے وہ راستہ اختیار کرنے دیا جاتا ہے۔ نہ کسی کو زبردستی صحیح راستے پر چلایا جاتا ہے اور نہ ہی اسے زبردستی غلط راستے پر ڈالا جاتا ہے۔ (کائناتی نظام میں اور انسانوں میں یہی بنیادی فرق ہے)۔

۱۰ یہ بھی نہیں کہ غلط راستہ اختیار کرنے والوں کے پاس کوئی محکم علمی دلیل اور سند ہوتی ہے۔ وہ محض اٹکلیں دوڑاتے' اور قیاسات کی بنا پر فیصلے کر لیتے ہیں۔

۱۱ ان کے یہ فیصلے' جہالت پر مبنی ہوتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو حقیقت سے بے خبر رکھتے ہیں' حالانکہ حقیقت کا علم حاصل کرنے کے ان کے پاس ذرائع ہوتے ہیں (یعنی عقل کی آنکھ اور وحی کی روشنی) لیکن وہ کبھی سنجیدگی سے اس طرف آتے ہی نہیں۔

۱۲ (چنانچہ ان لوگوں کی اسی ذہنیت اور روش کا نتیجہ ہے کہ جب تو ان سے مکافاتِ عمل کی بات کرتا ہے تو بجائے اس کے کہ یہ اس اصول اور قانون کی صداقت کو تسلیم کریں' طنزاً) پوچھتے ہیں کہ وہ دن کب آئے گا جب انہیں' ان کے اعمال کی سزا ملے گی؟

۱۳ یعنی وہ دن جب یہ اس عذاب میں ماخوذ ہوں گے جو انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیگا۔

۱۴ اور ان سے کہا جائے گا کہ جو فتنے تم برپا کیا کرتے تھے' ان کے نتائج بھگتو۔ یہ ہے وہ

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾ كَانُوا
قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾
وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾

عذاب جس کی بابت تم اس قدر جلدی مچایا کرتے تھے۔

۱۵ ان کے برعکس، وہ لوگ جو قوانین خداوندی کی نگہداشت کرتے ہیں، باغ و بہار کی زندگی بسر کریں گے۔

۱۶ اور خدا کی ربوبیتِ عامّہ کی تمام نعمتوں اور آسائشوں سے بہرہ یاب ہوں گے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اس سے پہلے، نہایت حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کی تھی۔ یہ اُسی کا پھل ہوگا۔

۱۷ ان کی کیفیت یہ تھی کہ (یہ دن بھر خدائی پروگرام کی تکمیل میں سرگرم عمل رہتے تھے اور پھر) راتوں کو اس کے مختلف پہلوؤں پر باہمی مشاورت سے غور و خوض کرتے تھے، اس لئے بہت کم سوتے تھے۔

۱۸ اور اس کے بعد جب صبح کو اپنے پروگرام کی ابتدا کرتے تھے تو اس آرزو کے ساتھ کہ وہ ہر تخریبی قوت کی شر انگیزی سے محفوظ رہیں۔

۱۹ اور ان کی عملی زندگی یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی محنت کی کمائی کو صرف اپنی ذات کے لئے مخصوص نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس میں ہر اس شخص کا حق ہوتا تھا جس کے پاس اس کی ضرورت سے کم ہو یا جو بالکل کما سکنے کے قابل نہ ہو۔

۲۰ (اور انہوں نے یہ روش کسی اندھی عقیدت کی بنا پر اختیار نہیں کی تھی۔ وہ علم و بصیرت
۲۱ اور غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے ——— اور ہر وہ شخص جو غور و فکر سے کام لے گا
۲۲ اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔ مثلاً وہ زمین پر غور کرے گا تو اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ، وہ ذریعہ رزق ہے جو خالق کائنات کی طرف سے، بلا مزد و معاوضہ ملا ہے، اور اس سے غرض یہ ہے کہ تمام نوع انسان کی نشو و نما ہوتی رہے)۔ اسی طرح، جب وہ اُس بارش پر غور کرے گا جو رزق کی پیدائش کا دوسرا ذریعہ ہے (تو اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ انتظام، عالمگیر ربوبیت کے لئے ہے)۔ پھر جب وہ، خود اپنے جسم کی مشینری پر غور کرے گا تو اسے نظر آجائے گا کہ جس طرح انسان جو کچھ کھاتا ہے، اس میں سے، اس کے ہر حصۂ جسم کو ضرورت کے مطابق از خود مل جاتا ہے، اسی طرح انسانی برادری میں بھی رزق کی تقسیم کا انتظام ایسا ہونا چاہیئے

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا
عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا
تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِىْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ
وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾

جس سے ہر فرد کو اس کی ضرورت کے مطابق سامانِ زیست ملتا جائے)۔

اس غور و فکر کے بعد وہ علیٰ وجہ البصیرت اس یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ اس نظامِ زندگی کے جن خوشگوار نتائج کا خدا نے وعدہ کیا ہے، وہ بالضرور مرتب ہوں گے۔

۲۳ یوں وہ کائناتی نظام میں خدا کی ربوبیت کبریٰ کے مشاہدہ کے بعد پورے حتم و یقین سے پکار اٹھتا ہے کہ زبانِ وحی سے جو کچھ بیان ہو رہا ہے، وہ ایک حقیقت ہے —— ایسی حقیقت جیسے (اس کے متعلق) ہم خود بات کر رہے ہوں۔

۲۴ (اگر یہ لوگ ان کائناتی دلائل و شواہد سے بھی مطمئن نہیں ہوتے، تو ان کے سامنے تاریخی واقعات پیش کرو اور انہیں بتاؤ کہ امم سابقہ کی غلط روش کے کس قدر تباہ کن نتائج برآمد ہوتے تھے۔ مثلاً قومِ لوط کا ماجرا جس کی ابتدا، ان معزز مہمانوں کے تذکرہ سے ہوتی ہے جو ابراہیمؑ کے پاس آئے تھے۔

۲۵ جب وہ اس کے پاس آئے تو اسے سلام کیا۔ اس نے بھی سلام کا جواب سلام سے دیا لیکن وہ اس کی پہچان میں نہ آئے کہ کون لوگ ہیں۔ وہ اسے کچھ اوپرے سے معلوم ہوئے۔

۲۶ (لیکن وہ اوپرے ہی کیوں نہ ہوں، تھے تو مہمان۔ اس لئے مہمانوں کی تواضع ضروری تھی۔ چنانچہ) ابراہیمؑ گھر میں گیا اور ایک عمدہ بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت مہمانوں کے لئے لے آیا (۱۱/۶۹)۔

۲۷ اور ان کے سامنے پیش کر دیا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ وہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے۔ اس نے ان سے کہا کہ آپ کھاتے کیوں نہیں؟

۲۸ (اس پر بھی وہ کھانے کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو) ابراہیمؑ کو کچھ گھبراہٹ سی ہوئی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ ہم سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ (ہم دشمن نہیں۔ دوست ہیں۔ ہم خدا کے رسول ہیں، اور اس کی طرف سے) تمہیں ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جو بڑا صاحب علم ہوگا۔

۲۹ ابراہیمؑ کی بیوی نے یہ سنا تو انتہائی تعجب سے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا کہ کیا خوب؟

قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝۳۰

ایک بڑھیا بانجھ' جس کے ہاں جوانی کے زمانے میں اولاد نہ ہوئی' اب اس عمر میں' اُس کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا!

۳۰ انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا۔ یہ تیرے رب کا پیغام تھا جو ہم نے تم تک پہنچایا ہے۔ اور جب یہ خدا کا فیصلہ ہے' تو یقیناً ایسا ہو کر رہے گا۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تمہارے ہاں پہلے اولاد کیوں نہیں ہوئی تھی' اور اب تم میں یہ صلاحیت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔



قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا
إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ طِينٍ ﴿٣٣﴾ مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾ فَأَخْرَجْنَا
مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾

---

۳۱ (اب ابراہیمؑ سمجھ گیا کہ وہ خدا کے رسول ہیں اور کسی خاص مہم کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے) اس نے اُن سے پوچھا کہ وہ مشن کیا ہے جس کے لئے تم مامور ہو کر آئے ہو؟

۳۲ انہوں نے کہا کہ ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔ (وہ اپنی بدمستیوں میں اس قدر مدہوش ہیں کہ انہیں اس کا بھی احساس نہیں کہ ان کے سر پر کوہ آتش فشاں مرگ مفاجات کی طرح کھڑا ہے۔ اپنے لئے اس سے حفاظت کا کوئی سامان کرلیں! اگر وہ اسی طرح حدود فراموش رہے تو)

۳۳ ان پر عذاب خداوندی ان پتھروں کی شکل میں وارد ہوگا جن پر ان کی موت کا پیغام
۳۴ کندہ ہے۔ جو قوم بھی قانون شکنی میں حدود فراموش ہو جائے اس کی تباہی لازمی ہوتی ہے۔

۳۵ (چنانچہ وہ ابراہیمؑ سے رخصت ہو کر قوم لوطؑ کی طرف گئے)۔ وہاں لوطؑ کے گھر کے سوا کوئی

۳۶ گھرانہ ایسا نہ تھا جس نے قوانین خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہو۔ ہماری ہدایت کے مطابق اس گھرانے کے افراد (سوائے لوط کی بیوی کے) وہاں سے نکل کر بحفاظت دوسری جگہ منتقل ہو گئے اور باقی سب

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾ وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ
مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ
أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ
تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا

تباہ ہو گئے۔

۳۷ اس واقعہ میں جو اس بستی کے کھنڈرات پر منقوش چلا آ رہا ہے ان لوگوں کے لئے عبرت و موعظت کا سامان ہے جو غلط روشِ زندگی کے الم انگیز انجام سے ڈرتے ہیں۔

۳۸ اور اسی طرح موسیٰؑ کے قصہ میں بھی (ارباب بصیرت کے لئے حقیقت بینی کی) نشانیاں ہیں۔ جب ہم نے اسے فرعون کی طرف، واضح دلائل و قوانین دے کر بھیجا۔

۳۹ فرعون نے، اپنی قوت کے زعم میں، ان قوانین سے روگردانی کی، اور موسیٰؑ کے متعلق کہا کہ وہ یا تو بڑا چالاک اور جھوٹا ہے، اور یا پاگل ہو گیا ہے۔

۴۰ سو ہمارے قانون مکافات نے اسے اور اس کے لاؤ لشکر کو، اُن کے جُرم کی پاداش میں پکڑا۔ اور ان کا بیڑہ خود ان کے اپنے ہاتھوں غرق ہو گیا۔ وہ تھے ہی اسی کے مستحق۔

۴۱ اور اسی طرح قصۂ قوم عاد میں بھی (ہمارے قانونِ مکافات کی نشانیاں ہیں)، جب ہم نے ان پر ہلاکت انگیز آندھی کا عذاب بھیجا۔

۴۲ اس کی شدت کا عالم یہ تھا کہ جو چیز اس کی زد میں آتی تھی، چورا چورا ہو کر رہ جاتی تھی۔ وہ کسی کو صحیح و سالم چھوڑتی ہی نہیں تھی۔

۴۳ اور قوم ثمود کے واقعہ میں بھی (اسی طرح ہمارے قانونِ مکافات کی نشانیاں ہیں)۔ ہم نے انہیں مہلت دی اور کہا کہ اس مُدت میں وہ سامانِ زیست سے اچھی طرح فائدہ اٹھا لیں۔

۴۴ لیکن انہوں نے مہلت کے اس وقفے سے فائدہ نہ اٹھایا اور قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کر لی۔ چنانچہ

۴۵ (ظہورِ نتائج کا وقت آیا تو) دیکھتے ہی دیکھتے، انہیں ایک ہولناک زلزلے نے آ پکڑا۔ (ان کے متکبرانہ دعوے سب خاک میں مل گئے) اور ان میں اتنی سکت بھی نہ رہی کہ گرنے کے بعد

مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَالسَّمَاۗءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾
وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ
لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾

ایک بار پھر اُٹھ کھڑے ہوتے۔ یا اپنی مدد کے لئے کسی کو بلا سکتے ـــــ خدا کے قانونِ مکافات کے خلاف مدد کون دے سکتا ہے؟

۴۶ اور ان سب سے پہلے قوم نوحؑ تھی۔ اس نے بھی غلط رَوش اختیار کر رکھی تھی جس کے نتیجے میں وہ تباہ و برباد ہو گئی)۔

۴۷ (یہ ہے ہمارا قانون مکافات جس کی رُو سے اقوامِ سابقہ کا یہ انجام ہوا۔ یہ تمام سلسلہ کائنات اسی قانون کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے سرگرمِ عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس سماوی کائنات کو، جو فضا کی بلندیوں میں پھیلی ہوئی ہے، اپنی قوت و اقتدار سے بنایا ہے ـــــ اور ہماری قوت کی وسعت حدود نا آشنا ہے۔

۴۸ اور زمین کو ہم نے (اس کے گول ہونے کے باوجود اس طرح) بچھا دیا ہے کہ وہ مخلوق کے لئے وجہِ آسائش بنے ـــــ اور دیکھو! ہم کیسی لطیف و نفیس آسائشیں پیدا کرنے والے ہیں!

۴۹ اور ہم نے ہر شے کے ساتھ، دوسری شے اس طرح پیدا کی ہے کہ وہ دونوں مل کر ایک دوسرے کی تکمیل کا باعث بنتی ہیں۔

۵۰ ہم نے اِن امور کا بیان اس لئے کیا ہے کہ تم خدا کے اقتدار کی ہمہ گیری پر غور کر سکو۔ اور تمام غلط راستوں کو چھوڑ کر اُس کے راستے کی طرف تیزی سے چل نکلو۔

۵۱ میرا فریضۂ زندگی یہ ہے کہ میں تمہیں غلط رَوش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتا رہوں۔ اور تم کسی اور قوت کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ۔ اس کے سوا، کائنات میں کسی کا اختیار اور اقتدار نہیں۔

میں اُسی خدا کی طرف سے، اس بات کے لئے مامور ہوں کہ تمہیں تمہاری غلط رَوش کے نتائج سے آگاہ کرتا رہوں۔

۵۲ (اس کے جواب میں یہ لوگ تمہارے خلاف طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں لیکن

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ
الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ
ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾

جس طرح تو کوئی انوکھا رسول نہیں' اسی طرح' ان مخالفین کی یہ روش بھی نرالی نہیں)۔ ان سے پہلے بھی' جن اقوام کی طرف رسول بھیجے گئے انہوں نے یہی کہا تھا کہ وہ جھوٹے مکّار ہیں' یا دیوانے۔

۵۳ ان باتوں سے بظاہر ایسا نظر آتا ہے جیسے ہر جانے والی قوم' آنے والی قوم کو وصیت کر جاتی ہے کہ تم اس قسم کی دعوت انقلاب کا جواب ان باتوں سے دینا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ (ان لوگوں کی مفاد پرستیاں انہیں قانون خداوندی سے سرکشی اختیار کرنے پر آمادہ کرتی رہتی ہیں۔ (اور چونکہ ذہنیت ایک جیسی ہوتی ہے اس لئے اس کا مظاہرہ بھی ملتی جلتی صورتوں میں ہوتا رہتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اس دعوتِ انقلاب کے خلاف ردِّ عمل ایک جیسا ہوتا چلا آرہا ہے)

۵۴ لہٰذا' تم' ان کی اس قسم کی باتوں سے دل گرفتہ نہ ہو۔ اور ان سے الگ ہٹ کر اپنے پروگرام کی تکمیل میں منہمک رہو۔ اس سے تم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ (کیونکہ تم نے فریضۂ تبلیغ ادا کر دیا)۔

۵۵ اور ان تو انین کو جماعتِ مؤمنین کے سامنے پیہم اور مسلسل لاتے جا۔ اس سے ان کے عزم و کردار میں پختگی پیدا ہو جائے گی اور یوں یہ طریق کار ان کے لئے بڑا نفع بخش ثابت ہوگا۔

۵۶ اور اس حقیقت کو یاد رکھو کہ انسان —— خواہ وہ مہذب شہری ہوں' یا صحرا کے خانہ بدوش غیر مہذب قبائل —— ان کی تخلیق کی غرض و غایت اسی صورت میں پوری ہو سکے گی کہ یہ تو انین خداوندی کی اطاعت سے اپنی صلاحیتوں کی نشوونما کریں (اور انہیں نوعِ انسان کی پرورشِ عامہ کے لئے وقف کر کے عالمگیر نظامِ ربوبیت متشکل کر دیں)۔

۵۷ اس نظام کی تشکیل سے' خدا کا کچھ فائدہ نہیں۔ تمہارا ہی فائدہ ہے۔ خدا بندوں سے کچھ نہیں چاہتا۔ نہ اسبابِ زیست اور نہ سامانِ خورد و نوش۔

۵۸ وہ بندوں سے کیا چاہے گا؟ وہ تو خود ساری مخلوق کے لئے سامانِ رزق مہیا کرتا ہے۔

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ
يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور بڑی محکم قوتوں کا مالک ہے۔ (اسی طرح' جو نظام ربوبیت' اُس کے قوانین کے مطابق متشکل ہوگا' وہ بھی کسی سے اپنے فائدے کے لئے کچھ نہیں مانگے گا۔ اس سے نوع انسان ہی کا فائدہ مقصود و مطلوب ہوگا)۔

۵۹ (لیکن اگر یہ لوگ اپنی تخلیق کے اس مقصد کو پورا نہیں کرتے بلکہ) اس سے سرکشی برتتے ہیں تو ان کا انجام بھی ان ہی لوگوں جیسا ہوگا جنہوں نے ان سے پہلے اس قسم کی روش اختیار کی تھی۔

لیکن یہ بات اپنے وقت پر سامنے آئے گی۔ یہ لوگ اس کے لئے جلدی نہ مچائیں۔

ان کا ڈول (پیمانہ) بھر رہا ہے۔ جونہی وہ لبریز ہوا' یہ تباہ ہو گئے۔

۶۰ سو' جو لوگ اعمال کے ظہور نتائج کے وقت سے انکار کرتے ہیں اور خدا کے قانونِ مکافات پر یقین نہیں رکھتے' ان کے لئے کس قدر تباہی اور بربادی ہے!



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵ وَالْبَحْرِ
الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝۸

---

۱ آسمانی رشد و ہدایت کا سلسلہ، جس کی نمود کبھی طور سینا پر ہوئی (اور کبھی کوہ زیتون پر ۳ — ۱ ۹۵) - اور یہ کتاب (قرآن) جو تمہارے سامنے نرم جھلی پر لکھی ہوئی موجود ہے اور
۳ جس کی نشر و اشاعت دُور دُور تک ہو رہی ہے۔
۴ اور یہ خدا کا آباد گھر (خانہ کعبہ) جو اُس نظام خداوندی کا مرکز ہے جس کا ضابطہ یہ کتاب ہے
۵ اور اس کے ساتھ ہی (اربابِ فکر و نظر کے لئے) یہ آفاقی کائنات، اور فضائے بسیط جو تابحدِ نگاہ، بلندیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔
۶ اور نیچے، یہ بھرپور سمندر، جو اپنی پوری وسعتوں اور گہرائیوں کے ساتھ، ایک دوسرے سے ملے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔
۷ یہ سلسلۂ رشد و ہدایت، اور عظیم کارگہِ کائنات، اس پر شاہد ہیں کہ خدا کا قانونِ مکافات
۸ (جس کی رُو سے ہر عمل ایک متعین نتیجہ پیدا کرتا ہے ۴۵ ۲۲) - ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ اس کی رُو سے، ان مخالفین کی غلط روش زندگی ان کے لئے تباہ کن نتائج پیدا کر کے رہے گی۔ اور دنیا

يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ﴿٩﴾ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي
خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾ هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٤﴾
أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿١٥﴾ اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ
مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿١٧﴾

کی کوئی قوت اسے ٹلا نہیں سکے گی۔

۹ جب اس تباہی کا وقت آئے گا' تو یہ بڑے بڑے سرکش سردار' اس کی اضطراب انگیزی سے

۱۰ یوں بس جائیں گے جیسے پاؤں تلے روندا ہوا راستہ۔ اور یہ پہاڑوں جیسے اٹل اور محکم اکابر و جبابر سب اپنے اپنے مقام سے ہٹ جائیں گے۔[1]

۱۱ اُس وقت اُن لوگوں کے لئے تباہی اور بربادی ہوگی جو خدا کے قانونِ مکافات کو جھٹلاتے ہیں۔

۱۲ یعنی جو زندگی کو سنجیدگی سے نہیں لے رہے بلکہ اس سے کھیل کھیل رہے ہیں۔ ان کی تمام سعی و کاوش' پیش پا افتادہ طبیعی مفاد کے حصول کے لئے ہے اور اسی میں وہ منہمک رہتے ہیں (حالانکہ طبیعی مفاد کا حصول مقصود بالذات نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اسے بلند انسانی اقدار کے تحفظ کا ذریعہ بننا چاہیئے)۔

۱۳ جس دن ان سب کو گھیر کر تباہی کے جہنم کی طرف لایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا

۱۴ کہ یہ ہے وہ تباہ کر دینے والا عذاب جس کے متعلق تم کہا کرتے تھے کہ یونہی جھوٹی باتیں ہیں۔

۱۵ اب بتاؤ کہ کیا یہ جھوٹی بات تھی یا فی الواقعہ تمہارے سامنے موجود ہے؟ کیا یہ تباہی تمہیں اب بھی دکھائی نہیں دیتی ہے یا نہیں؟

۱۶ چلو اب اس تباہی کے اندر اسے ہمت سے برداشت کر دیا واویلا مچاؤ' اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ یاد رکھو! یہ کوئی باہر سے لائی ہوئی آگ نہیں۔ یہ خود تمہارے اپنے اعمال ہیں جو تم پر تباہی بن کر چھا رہے ہیں۔ یہ تباہی اُن اعمال کے اندر پوشیدہ تھی۔

۱۷ ان کے برعکس متقین جنتی معاشرہ میں ہوں گے جہاں انہیں ہر قسم کی خوشگواریاں اور

[1] نفس مضمون کے پیش نظر سماء اور جبال کا مجازی مفہوم لیا گیا ہے۔ ان کے حقیقی معنی "آسمان" اور "پہاڑ" ہیں۔

فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ
ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ
رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾

آسائشیں نصیب ہوں گی۔

۱۸ ان کے نشو ونما دینے والے کی طرف سے جو سامان ربوبیت انہیں ملے گا' وہ اس سے بہت خوش ہوں گے۔ وہ اس تباہی سے محفوظ رہیں گے جو انسانی ذات کی نشو ونما کے راستے میں روک بن جاتی ہے اور اس سے وہ اپنے ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل نہیں رہتی۔

۱۹ ان سے کہا جائے گا کہ تم نہایت خوشگواری سے کھاؤ پیو۔ (سامان زیست سے متمتع ہو)۔ یہ سب تمہاری اپنی ہی محنتوں کا ثمرہ ہے۔

۲۰ تمہارے لئے جاہ ومناصب کا سامان موجود ہے ——— برابر برابر بچھے ہوئے تخت جن پر تم متمکن ہو ——— اس جنتی زندگی میں تمہارے رفقاء وہ ہیں جو صاف اور پاکیزہ عقل وخرد کے مالک ہیں۔ ان کے دماغ میں حیلہ جوئی اور فریب کاری کا شائبہ تک نہیں۔

۲۱ یہ سلسلہ ان لوگوں کے لئے ہوگا جو ہمارے قانون کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ انکی اولاد میں سے بھی جو ان کی ایمانی روش پر کاربند ہوں گے وہ ان خوشگواریوں اور خوش حالیوں میں ان کے شریک ہوں گے (محض اُن کی اولاد ہونے کی حیثیت سے جنت میں داخل نہیں ہوجائیں گے بلکہ اپنی ایمانی روش کی بنا پر اس کے مستحق قرار پائیں گے)۔ اور ان کے اعمال کے اثرات میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ اس لئے کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ ہر شخص کی حالت کو اس کے اعمال متعین کرتے ہیں۔ جیسے اعمال ویسی اس کی حالت۔ (لہٰذا' اعمال میں کمی بیشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ مل جاتا ہے۔ ۵۳/۳۸)۔

۲۲ ان کے لئے کھانے پینے کا سامان ——— لذیذ پھل' نہایت عمدہ گوشت ——— بافراط موجود ہوگا۔ جس چیز کو ان کا جی چاہے' وہ مل جائے گی۔

۲۳ وہ ایک دوسرے سے (انسانی صلاحیتوں میں توانائی پیدا کرنے والی) مئے حیات بخش کے ایسے ساغر لپک جھپک کر لیں گے جن کا اثر خمر کا سا نہیں ہوگا جس میں انسان بے معنی

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾
قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ
نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ
نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿٣٠﴾

باتیں کرتا ہے اور اس کے خمار سے اضمحلال اور افسردگی پیدا ہوتی ہے۔ (وہاں کی ہر شے زندگی اور توانائی میں اضافہ کرنے کا موجب ہوگی)۔

۲۴ اور (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے — ۵۲/۲۱) ان کے لڑکے اِدھر اُدھر پیش پھرتے ہوں گے — نفاست اور نظافت کے اعتبار سے ایسے گویا غلافوں میں لپٹے ہوئے موتی۔ (۱۳/۲۳ ؛ ۵۲/۲۱ ؛ ۵۹/۱۷)۔

۲۵ یہ لوگ آگے بڑھ کر (نہایت خندہ پیشانی سے) ایک دوسرے کا استقبال اور مزاج پرسی کریں گے۔

۲۶ اور کہیں گے کہ ہم اس سے پہلے اپنے رفقاء اور متعلقین کے ساتھ بڑی ہمدردی کا سلوک
۲۷ کیا کرتے تھے، سو اس کی وجہ سے اللہ نے ہم پر یہ نوازشات ارزاں فرمائی ہیں اور ہمیں اس عذاب سے بچا لیا ہے جو تمام محنتوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے۔

۲۸ ہم اس سے پہلے ہر معاملہ کا فیصلہ کرنے کے لئے، قانونِ خداوندی کو پکارا کرتے تھے (اُس کی طرف رجوع کیا کرتے تھے) سو اس کی وجہ سے، اس نے ہمیں اس قدر کشائش اور فراخی عطا فرمائی ہے اور اپنی رحمتوں سے نوازا ہے۔

۲۹ (اے رسول! جس نظامِ خداوندی کی تشکیل کے لئے تم اس قدر جدوجہد کر رہے ہو، اس کا یہ نتیجہ مرتب ہو کر رہے گا — اِس زندگی میں بھی، اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی) سو تو، اِس قرآن کی تعلیم کو ان کے سامنے برابر پیش کئے جا۔ (اور جو کچھ یہ تیرے خلاف کہتے ہیں، اس سے قطعاً افسردہ خاطر نہ ہو)۔ تو، نہ تو کاہنوں کی طرح اٹکل کے تیر چلاتا ہے اور نہ ہی دیوانہ ہو گیا ہے۔ (تو خدا کی وحی پیش کرتا ہے جس کی ہر بات یقینی اور علم و بصیرت پر مبنی ہے)۔

۳۰ یہ لوگ تجھے کاہن اور مجنون ہی نہیں کہتے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے۔ تھوڑا سا انتظار کرو، زمانے کی گردشیں اسے خود بخود ختم کر دیں گی۔ (شاعری جذبات پر مبنی ہوتی ہے،

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ
تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ
الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور جذبات حقائق کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے شاعر کی بساط ہی کیا ہوتی ہے؟)۔

۳۱ ان سے کہو کہ بہت اچھا۔ تم بھی انتظار کرو' اور تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ (نتائج خود بخود بتا دیں گے کہ میں کیا ہوں' اور جو کچھ کہتا ہوں اس کی اصل و حقیقت کیا ہے۔ ۶/۱۳۶)۔

۳۲ یہ لوگ جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں' تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی عقل و فکر کا پیمانہ ہی اتنا ہے کہ یہ قرآنی تعلیم کو سمجھ نہیں سکتے۔ یہ سمجھ سکتے ہیں لیکن ان کی مفاد پرستیوں کے جذبات ان پر ایسے غالب آ چکے ہیں کہ وہ انہیں سمجھنے سوچنے کی طرف آنے ہی نہیں دیتے۔ اس لئے یہ سرکشی اختیار کر لیتے ہیں۔

۳۳ یہ لوگ یہاں تک بھی کہتے ہیں کہ (اس شخص پر وحی وغیرہ کچھ نہیں آتی) یہ سب کچھ اپنے جی سے گھڑ لیتا ہے اور پھر اسے خدا کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ ان کا جی ہی نہیں چاہتا (کہ اپنی مفاد پرستیوں کو چھوڑ کر) اس پر ایمان لے آئیں۔

۳۴ (ان سے کہو کہ اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو کہ یہ قرآن میرا خود ساختہ ہے' اور میں اسے یونہی خدا کی طرف منسوب کر رہا ہوں۔ یا یہ محض شاعری اور کہانت ہے' تو اس کا فیصلہ بہت آسان ہے) تم بھی اس جیسا کوئی قانون بنا کر لے آؤ۔ بات صاف ہو جائے گی۔ (تمہارے ہاں شاعر بھی ہیں اور کاہن بھی۔ ان سب کو اپنے ساتھ ملا لو اور قرآن کی مثل کوئی ضابطۂ حیات مرتب کر کے دکھاؤ۔ ۲/۲۳ ؛ ۱۰/۳۸ ؛ ۱۱/۱۳ ؛ ۱۷/۸۸)۔

۳۵ (ان سے پوچھو کہ اگر تمہیں وحی بھیجنے والے خدا کا انکار ہے تو یہ بتاؤ کہ) کیا تم یونہی از خود پیدا ہو گئے ہو یا تم اپنے خالق آپ ہو۔

۳۶ یا تم نے' اس کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو پیدا کیا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ ان کی کوئی بات بھی علم و بصیرت پر مبنی نہیں۔ یہ اپنے جذبات کی رَو میں بہے جا رہے ہیں اس لئے قرآن کے پیش کردہ حقائق پر یقین نہیں رکھتے۔

۳۷ کیا ان کے پاس' تیرے نشو و نما دینے والے کے خزانے ہیں' یا یہ کارگہ کائنات پر

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ
اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ
الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾

دار و غہ مقرر کئے گئے ہیں کہ یہاں کا نظام ان کی مرضی کے مطابق چلتا ہے اور کوئی اور اس میں دخل نہیں دے سکتا؟

۳۸ یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر یہ آسمان کی باتیں براہ راست سن لیتے ہیں؟[1] (اگر ان کا یہ دعویٰ ہے تو ان سے کہو کہ) یہ اس کے ثبوت میں کوئی سند اور حجت پیش کریں۔ بلا دلیل کوئی دعوے مانا نہیں جاسکتا۔ (جو کچھ اے رسول! تم پیش کر رہے ہو اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل' تمہارا یہ چیلنج ہے کہ اس کی مثل کوئی انسان بنا نہیں سکتا۔ اگر انہیں بھی اس قسم کا کوئی دعویٰ ہے تو اس دعوے کا ثبوت پیش کریں)۔

۳۹ (رہے تو ان کے یہ ہیں کہ یہ آسمان کی باتیں براہ راست سُن لیتے ہیں' اور عقل و فکر کا یہ عالم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ خدا کی اولاد بھی ہے' اور) اولاد بھی بیٹیاں —— حالانکہ یہ اپنے لئے کبھی بیٹیاں پسند نہیں کرتے۔ بیٹے ہی چاہتے ہیں۔

۴۰ یا یہ تمہاری بات اس لئے نہیں مانتے کہ تو ان سے (اپنی اس تبلیغ کا) کوئی معاوضہ مانگتا ہے اور وہ اسے جرمانہ کا بار گراں سمجھ کر تجھ سے کنارہ کش رہنا چاہتے ہیں؟ ($\frac{۶۸}{۴۶}$)

۴۱ یا انہیں' آنے والی باتوں کا پہلے ہی علم ہو چکا ہے' اس لئے یہ جانتے ہیں کہ جو کچھ تو ان سے کہتا ہے وہ کبھی واقع نہیں ہوگا' اس لئے یہ اس پر ایمان نہیں لاتے!

۴۲ (ان میں سے کوئی بات بھی نہیں۔ اصل یہ ہے کہ تیری اس دعوتِ انقلاب کی زد ان کے مفاد پر پڑتی ہے اس لئے یہ اس کی مخالفت کرتے ہیں' اور اتنی جرأت ان میں ہے نہیں کہ اسے علانیہ کہیں۔ یہ بظاہر اس قسم کی باتیں بنا رہے ہیں اور اندر ہی اندر) تمہارے خلاف تدبیروں کا

---

[1] وحی کی خصوصیت یہ ہے کہ کوئی انسان' کسی اپنے ذریعہ سے' اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ خدا کی طرف سے انسان پر نازل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس' ارباب تصوف کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اپنے کسب و ہنر سے جب چاہیں علم خداوندی حاصل کر سکتے ہیں۔ (اسے وہ کشف و الہام سے تعبیر کرتے ہیں)۔ یہ دعویٰ قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ کسی انسان کے پاس کوئی ایسی "سیڑھی" نہیں جس کے ذریعے وہ علم خداوندی تک پہنچ سکے۔ وہ علم' خدا جس پر چاہے نازل کرتا تھا۔ اور اس کا سلسلہ رسول اللہ کے بعد ختم ہو گیا۔

أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾ وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ
حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۶﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا
عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۴۸﴾

جال بچھا رہے ہیں۔ سو انہیں ایسا کرنے دو۔ ان کی تدبیروں کا وبال خود انہی پر پڑے گا۔ تیرا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔

۴۳ یہ سمجھتے ہیں کہ اس باب میں ان کے معبودانِ باطل (دیوی۔ دیوتا۔ پیر۔ فقیر) ان کی مدد کریں گے۔ یہ ان کے اوہام اور وساوس ہیں۔ کائنات میں' خدا کے سوا کسی کا اقتدار واختیار نہیں۔ وہ اس سے بہت بلند ہے کہ اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریکِ خدائی کیا جائے۔

۴۴ (ان کی اسی توہم پرستی اور خوش فہمی یا خود فریبی کا نتیجہ ہے کہ تباہیاں ان کے چاروں طرف منڈلا رہی ہیں اور یہ ان کا قطعاً احساس نہیں کرتے۔ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ان کے "خدا" ان تباہیوں کو بھی خوش حالیوں میں بدل دیں گے۔ اس خوش اعتقادی نے ان کی آنکھوں پر اس قدر گہرے پردے ڈال رکھے ہیں کہ (اگر مثلاً) یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ فضا میں کوئی بہت بڑا ٹکڑا ہے جو ان پر گرا چاہتا ہے' تو یہ' یہ کہہ کر مطمئن ہو جائیں کہ یہ ہماری تباہی کے لئے نہیں آ رہا۔ یہ تو ابرِ باراں ہے جو ہماری کھیتیوں کو سیراب کرنے کے لئے آ رہا ہے!

۴۵ (سو جن لوگوں کی ذہنیت یہاں تک مسخ ہو چکی ہو کہ انہیں عذاب بھی راحت بن کر دکھائی دے' ان کے راہ راست پر آنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ تو نے تبلیغ کا فریضہ پوری طرح ادا کر دیا۔ اب) انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو تا آنکہ ان کی ہلاکت برقِ خاطف بن کر ان پر آ گرے۔

۴۶ اُس وقت ان کی کوئی تدبیر ان کے کسی کام نہیں آ سکے گی۔ اور نہ کوئی انکی مدد کر سکے گا۔

۴۷ یہ عذاب تو اِس دنیا میں واقع ہوگا۔ اس کے علاوہ' ان کے لئے اُخروی زندگی میں' ایک اور عذاب ہوگا۔ لیکن یہ اس سے بالکل بے خبر ہیں۔

۴۸ (انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اور) نظامِ خداوندی کے قیام اور استحکام کے لئے نہایت

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۴۹﴾

ثابت قدمی سے مصروفِ جدّوجہد رہو۔ تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔ ہم تمہارے نگران ہیں۔

۴۹ تم صبح۔ شام۔ دن، رات۔ تاروں کے ڈوبنے کے وقت ـــــ گویا مسلسل اور پیہم ـــــ اس نظامِ ربوبیت کو پیکرِ حمد و ستائش بنانے میں سرگرمِ عمل رہو۔ (۵۰:۳۹)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲

۱ (ان لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ وحی کی جس راہ نمائی کی طرف انہیں دعوت دی جا رہی ہے، وہ کس حد تک قابلِ اعتماد ہے؟ وہ سفرِ زندگی میں کہیں دھوکا تو نہیں دے جائے گی؟ وہ غلط راستے پر تو نہیں ڈال دے گی؟ وہ کسی مقام پر جا کر ساتھ تو نہیں چھوڑ دے گی؟ ان سے کہو کہ تم جب راتوں کو صحرا میں سفر کرتے ہو جہاں کوئی پختہ راستے یا نشاناتِ راہ نہیں ہوتے، تو تم اپنی راہ نمائی کہاں سے حاصل کرتے ہو؟ تم ستاروں کو دیکھ کر اپنا رُخ متعین کرتے ہو۔ تم بتاؤ کہ ان کی راہ نمائی کے متعلق تمہارا تجربہ کیا ہے؟ کیا ان کی راہ نمائی قابلِ اعتماد ہے یا یہ اپنی رَوِش بدل کر دھوکا بھی دیدیتے ہیں؟ کیا یہ مستقلاً تمہاری راہبری کرتے ہیں یا کبھی ساتھ بھی چھوڑ دیتے ہیں؟ تمہارا جو جواب ستاروں کے متعلق ہے وہی جواب وحی کی راہ نمائی کے متعلق سمجھ لو، اس لئے کہ اس رسول کو وحی بھی وہیں سے ملتی ہے جہاں سے ستاروں کو اپنی محکم رَوِش پر چلے جانے کی وحی ملتی ہے۔ $\frac{6}{90}$; $\frac{56}{75}$; لہٰذا) ستارہ جو ایک خاص مقام سے طلوع ہو کر، اور خاص راستہ طے کر کے، ایک خاص مقام پر غروب ہو جاتا ہے (اور ہمیشہ ایسا ہی کرتا ہے) اس حقیقت پر شاہد ہے کہ

۲ تمہارا یہ رفیقِ سفر، جو شاہراہِ حیات پر تمہاری راہ نمائی کے لئے مامور کیا گیا ہے، نہ تو

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝٣ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝٤ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝٥ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝٦ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝٧ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝٨ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝٩

راستے کی تلاش میں سرگرداں پھرتا ہے اور نہ ہی راستہ پا جانے کے بعد بھٹک گیا ہے۔ (اسے اپنی منزل کا بھی علم ہے اور اس کی طرف لے جانیوالے راستے کا بھی پتہ)۔

۳ اس لئے کہ وہ جو کچھ تم سے بہ حیثیت رسول کہتا ہے' اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ وہ صرف اس وحی کو بیان کرتا ہے جو اسے خدا کی طرف سے ملتی ہے۔

۴ قرآن' وحیِ خداوندی کا مجموعہ ہے۔ اس میں رسول کے ذاتی خیالات اور جذبات کا کوئی دخل نہیں۔ (انسان کے ذاتی خیالات اور جذبات اس کی افتادِ طبیعت اور ماحول کے پیدا کردہ' فلہذا تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن وحی' جو اسے خارج سے ملتی ہے' ان اثرات سے منزّہ اور تغیرات سے ماورا رہتی ہے)۔

۵ یہ اسے' اُس خدا کی طرف سے ملتی ہے جو بڑی قوتوں کا مالک ہے۔ (اس کی قوتوں کا کچھ اندازہ تو تم' نظامِ کائنات' بالخصوص ستاروں کی دنیا سے کر سکتے ہو کہ یہ عظیم الجثہ آسمانی کُرے اس کے قوانین میں جکڑے ہوئے' کس نظم و ضبط سے اپنی اپنی راہ پر چلے جا رہے ہیں۔ اسی طرح' اُس نے جو قوانین وحی کے ذریعے' انسانی راہ نمائی کے لئے دیئے ہیں' وہ بھی اپنی نتیجہ خیزی میں سرمو اِدھر اُدھر نہیں ہوتے)۔

۶ وہ خدا صرف لامحدود قوتوں کا مالک ہی نہیں۔ وہ زندگی کی مختلف گذرگاہوں سے بھی اچھی طرح واقف' فلہذا' اس قابل ہے کہ ایسی ہمہ گیر راہ نمائی دے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی معاملات کے تمام شعبوں کو محیط ہو۔

(ظاہر ہے کہ جس شخصیت (رسول) کو اس قسم کی وحی کا حامل ہونا ہو' اسے حسنِ سیرت کی کن رعنائیوں اور علم کی کن بلندیوں کا پیکر ہونا چاہیئے؟ چنانچہ اس رسول کی ذات میں پورا پورا توازن پیدا ہوا اور پاکیزگیٔ سیرت اپنی انتہا تک پہنچ گئی۔

۷ اس کے ساتھ ہی وہ (وحی کی رُو سے) علم کی ان بلندیوں پر بھی جا پہنچا جہاں عقل انسانی کی رسائی ناممکن ہے۔ (۵۳/۱۴)۔

۸ وہاں پہنچ کر وہ حقائقِ کائنات سے قریب تر اور قوانینِ خداوندی کی گہرائیوں میں ڈوب کر ان سے ہم رنگ ہو گیا۔

۹ قوانینِ خداوندی سے اس درجہ ہم آہنگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انسانی دنیا میں' خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے خدا کا رفیق بن گیا (۱۷/۸۰)۔ جس طرح تم باہمی رفاقت اور معاہدہ کی

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً
اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾

پختگی کے لئے دو کمانوں کو اس طرح ملاتے ہو کہ وہ ایک ہی قاب (حلقہ) والی بن جاتی ہیں' اور دونوں مل کر اکٹھا تیر چلاتے ہو' خدا کے ساتھ' رسول کے عہد رفاقت کی یہی مثال ہے۔ بلکہ اس کی رفاقت اس سے بھی زیادہ محکم اور گہری ہوتی ہے۔

۱۰ اس طرح خدا نے اپنے بندے (رسول) کی طرف وہ کچھ وحی کر دیا' جسے انسانی راہنمائی کے لئے دینا مقصود تھا۔

۱۱ جو علم اسے وحی کے ذریعے دیا جاتا ہے' اس کی کیفیت یہ نہیں ہوتی کہ آنکھیں جو کچھ دیکھیں دل کو اس کا یقین نہ ہو کہ وہ حقیقت ہے یا فریب نگاہ۔ نبی کی آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اس کا دل اس کی تصدیق کرتا ہے۔ (اسی لئے 'نبی' سب سے پہلے' اپنی وحی کی صداقت پر ایمان لاتا ہے۔ ۲۰۵/۲ ؛ ۱۶۴/۶)۔

۱۲ اب بتاؤ کہ تم وحی کے حقائق کے متعلق رسول سے کس طرح جھگڑ سکتے ہو جبکہ صورت یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے آنکھوں دیکھا کہتا ہے' اور تم اس مقام کی کیفیت تک سے ناآشنا ہو۔

۱۳ (پھر وحی کی کیفیت خواب کی سی نہیں ـــــ خواب کی کیفیت یہ ہے کہ جو کچھ اس میں ایک بار دیکھا جاتا ہے' اُسے انہی تفاصیل' جزئیات' ربط اور تسلسل کے ساتھ' انسان کبھی دوبارہ نہیں دیکھ سکتا)۔ لیکن نبی کی آنکھ نے جن حقائق کو ایک بار دیکھا ہے' وہ اُسی طرح ان کا مشاہدہ بار بار بھی کرتی ہے۔ (اس لئے' اُس کا حقائق کو دیکھنا' خواب دیکھنا نہیں۔ وحی' خواب نہیں ہوتی۔ یہ حقیقت کا یقینی مشاہدہ ہوتا ہے)۔

۱۴ وحی کا سرچشمہ' علم الٰہی ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں عقل انسانی کے لئے حیرت اور بحیر حیرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ (وحی' انسانی فکر کی بڑھی ہوئی شکل کا نام نہیں۔ یہ ادراک کی تخلیق نہیں۔ اس کا سرچشمہ' عقل انسانی کی سرحد سے ماورا رہے۔ وہ مقام' عقل کے لئے انتہائی تحیر کا ہوتا ہے)۔

۱۵ (لیکن عقل انسانی' اگر مقام نبوت کی کیفیت اور ماہیت کو سمجھ نہیں سکتی' تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ وحی سے مستفید بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ وحی کی رُو سے عطا شدہ قوانین کو سمجھ کر ان پر ایمان لا سکتی ہے۔ اور پھر' ان کے مطابق عمل سے انسان کو حقیقی اطمینان و سکون کی جنتی زندگی مل سکتی ہے۔ (یعنی انسانی عقل اگر نبوت کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کرے

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ﴿١٨﴾
أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ﴿١٩﴾ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿٢٠﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ﴿٢١﴾

تو اس کے حصے میں حیرت کے سوا کچھ نہیں آسکتا۔ لیکن جب وہ وحی کی راہ نمائی میں سفرِ زندگی طے کرے تو سیدھی جنت تک پہنچ سکتی ہے۔ جنت اُس مقام تحیّر کے قریب ہی واقع ہے)۔

۱۶ (عام انسانوں کے مقابلہ میں) نبی کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جب ان تحیّر کی وادیوں میں

۱۷ علمِ الٰہی ہر طرف سے چھایا ہوا ہوتا ہے تو اُس مقام پر بھی اس کی آنکھ ذرا اِدھر اُدھر نہیں مڑتی کبھی غلطی نہیں کرتی۔ کہیں نہیں بھٹکتی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ اس حد سے آگے بھی نہیں بڑھ سکتی جس حد تک مشیتِ خداوندی اسے رکھنا چاہتی ہے۔ (علمِ خداوندی اور علمِ نبوی میں یہ نمایاں فرق ہے: علمِ خداوندی لامحدود ہوتا ہے لیکن نبی کو جو علم وحی کی رُو سے عطا ہوتا ہے وہ محدود ہوتا ہے۔ وہ اتنا ہی ہوتا ہے جتنا اسے خدا دینا چاہتا ہے۔ یوں کہئے کہ وہ علمِ الٰہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ کُل نہیں ہوتا۔ لہٰذا جہاں وحی کی رو سے عطا شدہ علم عقلِ انسانی کے مقابلہ میں بہت آگے ہوتا ہے علمِ خداوندی کے مقابلہ میں وہ بہرحال محدود ہوتا ہے۔ نبی کی آنکھ اُس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی)۔

۱۸ اس طرح اس رسول نے اپنے نشو و نما دینے والے کی انقلاب انگیز نشانیوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ انسانی معاشرہ میں کیسا عظیم آسمانی انقلاب آنیوالا ہے جس میں ملوکیت، سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت (دنیا کے ہر فرعون۔ قارون۔ اور ہامان) کی مستبد قوت سرنگوں ہو جائے گی اور انسان کو ان تمام زنجیروں سے حقیقی آزادی حاصل ہو جائے گی (۱۷/۱۰۱ : ۲۳/۲۴ ; ۷/۱۵۶)۔

۱۹ ۲۰ (ان سے کہو کہ ایک طرف یہ دین ہے جو اُس خدا کی طرف سے عطا ہوا ہے جس کا علم لامحدود ہے اور اسے اس کا وہ رسول پیش کر رہا ہے جو شرفِ انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ اور دوسری طرف تمہارا مسلک ہے جس کی رو سے تم اپنے ہاتھوں کے تراشیدہ پتھر کے بتوں کے سامنے جھکتے ہو؟) کیا تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ یہ لات اور عزّیٰ اور ان کا تیسرا ساتھی منات۔ ان کی حقیقت کیا ہے؟

۲۱ (پھر کیا تم نے اپنے اس عقیدہ پر بھی کبھی غور کیا ہے کہ یہ دیویاں خدا کی بیٹیاں ہیں۔ ذرا سوچو کہ اوّل تو خدا کی اولاد کا عقیدہ ہی کس قدر باطل ہے اس پر طرّہ یہ کہ) خدا کے ہاں اولاد بھی

تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿٢٢﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ
سُلْطَانٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾ أَمْ لِلْإِنْسَانِ
مَا تَمَنَّىٰ ﴿٢٤﴾ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ

بیٹیاں ہیں' اور تمہارے ہاں بیٹے!

۲۲ غور کرو کہ یہ تقسیم بجائے خویش کس قدر بھونڈی اور جہالت پر مبنی ہے۔

۲۳ یاد رکھو! ان دیوی دیوتاؤں اور بتوں کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے اسلاف نے رکھ چھوڑے ہیں (ہٹ)۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔ (نہ ہی انہیں علم و بصیرت کی رو سے) ان عقائد کے جواز میں کوئی دلیل مل سکتی ہے)۔ یہ لوگ محض اپنے قیاسات کی پیروی کرتے ہیں اور مقصد اس سے اپنے جذبات کی تسکین ہے۔ اس کے مقابلہ میں (جو کچھ اے رسول! تم پیش کرتے ہو) وہ ان کے نشوونما دینے والے کی طرف سے ایسا ضابطۂ ہدایت ہے (جو سرتاپا علم و حقیقت پر مبنی ہے)۔

۲۴ ۲۵ (تم میں سے ہر شخص اپنی اپنی مرادیں لے کر ان بتوں کے پاس آتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی ہر مراد پوری ہو جائے گی۔ ذرا سوچو تو سہی کہ) کیا یہ کسی طرح ممکن ہے کہ ہر شخص کی ہر مراد پوری ہو جائے (مثلاً جب دو شخص ایسی مرادیں لے کر آئیں جو ایک دوسرے سے متضاد ہوں تو ان دونوں کی مرادیں کس طرح پوری ہو جائیں گی! انفرادی زندگی میں ہمیشہ یہی ہوگا۔ افراد کے مفاد ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے۔ اس کے برعکس' خدا کا عطا کردہ نظام' ایسی اجتماعی زندگی کا تصور دیتا ہے جس میں ہر فرد کے پیش نظر نوع انسانی کا کلی مفاد ہوتا ہے' اس لئے اس میں انفرادی مفاد کا تصادم ہوتا ہی نہیں۔ اس اجتماعی نظام کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس میں انسان کو) قریبی مفاد بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور اس کا مستقبل بھی روشن اور تابناک ہو جاتا ہے۔

(انسانیت کا مفاد کلی اور حال اور مستقبل دونوں کی درخشندگی —— یہ ہے دین خداوندی کی بنیادی خصوصیت۔ "انفرادی مذہب" کی رُو سے ایسا ہو ہی نہیں سکتا)

۲۶ ان لوگوں نے کائنات کی مختلف قوتوں —— ہوا۔ پانی۔ آگ۔ بادل۔ بجلی۔ کڑک وغیرہ —— کو بھی اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ ان سے کہدو کہ ان کا معبود بنا لینا انہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اگر یہ اپنے خیال میں یہ بھی سمجھ لیں کہ یہ سب دیوی' دیوتا' ان کے ساتھ ہیں'

بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰٓى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ
الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ
عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ
بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

تو بھی انہیں کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان کا کسی کے ساتھ ہونا اسی صورت مفید ہو سکتا ہے کہ ان سے خدا کے قانونِ فطرت کے مطابق کام لیا جائے اور انہیں مشیت کے کلی پروگرام سے ہم آہنگ رکھا جائے۔

۲۷ (یہ وہ مسلک ہے جو علم و حقیقت پر مبنی ہے۔ اس کے برعکس' یہ لوگ ہیں کہ) ان مظاہرِ فطرت کو اپنا معبود بنا کر' ان کے عورتوں جیسے نام رکھ لیتے ہیں۔ ایسا کچھ وہی لوگ کرتے ہیں جو خدا کے قانونِ مکافات اور مستقبل کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے۔ (قانونِ علت و معلول پر یقین رکھنے والا اس قسم کے توہمات میں مبتلا ہو نہیں سکتا)۔

۲۸ ان کا یہ مسلک علم و حقیقت پر مبنی نہیں' محض قیاسات پر مبنی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حقیقت کے مقابلہ میں ظن و قیاس کچھ کام نہیں دے سکتے۔ (۱۰/۳۶)۔ ظن و قیاس' جہالت کے زمانے میں تو چل سکتے ہیں۔ لیکن جونہی انہیں علم و حقیقت کا سامنا کرنا پڑے' ان کا اثر و تسلط ختم ہو جاتا ہے۔

۲۹ سو جو لوگ طبیعی زندگی کے مفاد سے بلند کوئی نصب العین ہی اپنے سامنے نہ رکھیں اور اس لئے ہمارے اس ضابطۂ حیات سے روگردانی کریں' (اے رسول!) تو ان سے پہلو تہی کر لے (اور اپنے پروگرام کی تکمیل میں سرگرمِ عمل رہ)۔

۳۰ جن لوگوں کے علم کی آخری حد یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کی تراشیدہ پتھر کی مورتیوں کو اپنا خدا سمجھتے ہیں اور کائنات کی قوتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں' وہ اس دین کی صداقت کے معترف کیسے ہو جائیں گے جو سراسر علم و حقیقت پر مبنی ہے اور انسان کو کائنات میں بلند ترین مقام عطا کرتا ہے۔ تو ان کے اس طرزِ عمل سے افسردہ خاطر نہ ہو) تیرا نشوونما دینے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ کون راہ راست پر چلتا ہے اور کون اس راہ کو چھوڑ کر غلط راستے اختیار کر لیتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

۳۱ (جو شخص جو نسا راستہ اختیار کرے گا' اسی کے مطابق' اس کے اعمال کے نتائج مرتب ہوں گے) اس لئے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کی ساری مشینری' اس مقصد کے لئے سرگرم عمل ہے کہ جو لوگ زندگی میں ناہمواریاں پیدا کرتے ہیں' ان کے اعمال کا اس کے مطابق نتیجہ مرتب کرے' اور جو لوگ حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کریں' ان کے اعمال خوشگوار نتائج پیدا کریں۔ (۱۱/۷ : ۴۵/۲۲)۔

۳۲ یہ (آخر الذکر) وہ لوگ ہیں جو تمام ایسے بڑے بڑے جرائم سے بچتے ہیں جن سے انسانی ذات میں اضمحلال پیدا ہو جائے یا جن سے فواحش پھیلیں۔ ہاں البتہ اگر کبھی کسی کے دل میں یونہی کوئی غلط خیال گذرے لیکن وہ اس کی فوری اصلاح کر لے (۷/۲۰۱) یا اس سے نادانستہ کوئی معمولی سی لغزش ہو جائے (اور اس کے بعد وہ اس کی اصلاح کر لے) تو ایسی باتیں قابل گرفت نہیں ہوتیں۔ قابل گرفت نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کے حسن عمل کے نتائج ایسے وزنی ہوتے ہیں کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی لغزشوں کے نقصان رساں نتائج سے انسان کی حفاظت کر دیتے ہیں یہ خدا کے قانونِ مکافات کی کشادہ بینی اور وسیع النظری ہے۔ (۴/۳۱ ؛ ۴۲/۳۷)۔ یہ اس لئے کہ یہ اُس خدا کا قانون ہے جو انسان کی کمزوریوں سے بھی اچھی طرح واقف ہے' اور اس کی امکانی صلاحیتوں سے بھی پوری طرح باخبر۔ وہ جانتا ہے کہ 'زندگی' بے جان مادہ سے لے کر پیکرِ انسانیت تک پہنچنے میں کن کن منازل سے گذری۔ اور رحمِ مادر میں' انسانی بچہ کس کس قسم کی کیفیات کا حامل بنا۔ اس لئے اسے معلوم ہے کہ وہ کونسی باتیں ہیں جن سے انسانی ذات کی نشوونما رک جاتی ہے' اور وہ کون سے اعمال ہیں جن سے اس کی صلاحیتیں برومند ہوتی ہیں۔ یہی وہ معیار خداوندی ہے جس کے مطابق یہ جانچنا چاہیئے کہ انسان کس حد تک تقویٰ شعار ہو چکا ہے۔ اسے اپنے خود ساختہ معیاروں کے مطابق نہیں جانچنا چاہیئے (ان امور کے جانچنے اور ماپنے کا معیار اور پیمانہ' صرف خدا کی کتاب ہے نہ کہ انسانوں کے اپنے خود ساختہ

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ﴿٣٤﴾ أَعِندَهُۥ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ ﴿٣٥﴾ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي
صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَإِبْرَٰهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰٓ ﴿٣٧﴾ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٣٨﴾ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَٰنِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾
وَأَنَّ سَعْيَهُۥ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾

پیمانے ۔ ۹۱/۷۰ ؛ ۹۲/۱۸ — ۱۷)

۳۳ (یہ جانچنے کے لئے کہ انسانی ذات کی کس حد تک نشوونما ہو چکی ہے' بنیادی پیمانہ یہ ہے
۳۴ کہ انسان دوسروں کی نشوونما کے لئے کس قدر دیتا ہے۔ لیکن) تم ایسے لوگوں کو بھی دیکھو گے کہ وہ خدا کے اس وضع کردہ معیار سے روگردانی کرتے ہیں۔ وہ نوع انسان کی ربوبیتِ عامہ کے لئے تھوڑا سا دیتے ہیں اور پھر پتھر کی طرح سخت ہو جاتے ہیں۔ وہ' روش تو اس قسم کی اختیار کرتے ہیں' اور اپنے اعمال کو خود ساختہ معیاروں کے مطابق ماپ کر' بزعم خویش سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے "اللہ والے" بن چکے ہیں۔

۳۵ کیا ایسے لوگوں کے پاس کوئی غیب کا علم ہے جس سے انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ ان کا اختیار کردہ پیمانہ ہی صحیح پیمانہ ہے؟

۳۶ کیا انہیں اس کا علم نہیں کہ جو پیمانہ ہم نے اس قرآن میں دیا ہے' وہ وہی پیمانہ ہے جو مختلف انبیاء کی وساطت سے' شروع ہی سے انسانوں کو ملتا چلا آیا ہے ——— یہی کچھ اس کتاب میں بیان ہوا تھا جو موسیٰؑ کو ملی تھی۔ اور

۳۷ اس صحیفہ میں بھی جو اس سے پہلے ابراہیمؑ کو عطا ہوا تھا ——— اس ابراہیمؑ کو جو وفا کا پتلا اور اطاعت کا پیکر تھا۔ جس نے اپنے ہر قول کو پورا کر کے دکھا دیا تھا۔

۳۸ یہ اصول اور پیمانے کیا تھے جو انبیائے سابقہ کو دیئے گئے اور جنہیں اب قرآن میں دہرایا جا رہا ہے۔ یہ کہ

(i) کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر ایک کی اپنی اپنی ذمہ داری ہے۔ اور انسانی ذات کی نشوونما اس کے اپنے اعمال ہی سے ہو سکتی ہے۔

۳۹ (ii) انسان کو وہی نتائج مل سکیں گے جن کے لئے اس نے محنت اور کوشش کی ہو گی۔ جیسی جدوجہد' اسی قسم کے اس کے نتائج ——— خدائی پیمانہ کے مطابق' معاوضہ صرف محنت کا ہو گا۔

۴۰ (iii) کسی کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔ اس کا نتیجہ یقیناً سامنے آ کر رہے گا۔

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ
وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ
الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾

۴۱ (۱۷) کسی کی محنت کے ثمرہ میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

۴۲ (۷) انسانی زندگی کا منتہیٰ و مقصود یہ ہے کہ اجتماعی طور پر نظام ربوبیت کا قیام ہو جائے اور انفرادی طور پر ہر فرد کی ذات میں صفاتِ خداوندی کی نمود (علیٰ حد بشریت) ہوتی جائے۔ اور زندگی کے ہر معاملہ کا فیصلہ قوانین خداوندی کے مطابق ہو۔ (۵۳/۹)۔

۴۳ یہی وہ بنیادی اصول ہیں جن کے مطابق ایک قوم' زندگی کی قہقہہ بار فضاؤں میں مسرتوں کے جھولے جھولتی ہے' اور دوسری قوم' زوال و انحطاط کے ماتم کدہ میں سوگوار حیات بن کر خون کے آنسو روتی ہے۔

۴۴ یعنی قوموں کی موت اور حیات' انہی محکم قوانین سے وابستہ ہے۔ جو قوم ان قوانین کے مطابق عمل کرتی ہے زندہ رہتی ہے۔ جو ان کی خلاف ورزی کرتی ہے تباہ ہو جاتی ہے۔

۴۵ (اقوام کی موت اور حیات' اسی طرح قانونِ خداوندی کے تابع ہے جس طرح افراد کی
۴۶ پیدائش' پرورش اور موت)۔ اس قانون کے مطابق' انسان کی پیدائش مادۂ تولید کے امتزاج سے ہوتی ہے —— اسی سے نر پیدا ہوتا ہے' اسی سے مادہ۔

۴۷ پیدائش کے اس مرحلہ تک حیوان اور انسان سب مشترک ہیں۔ لیکن اس کے بعد وہ انسان کی اٹھان ایک اور ہی انداز سے اٹھاتا ہے۔ (وہ اس میں اپنی توانائی کا ایک حصہ ڈالتا ہے جس سے یہ صاحب اختیار و ارادہ ہستی بن جاتا ہے)۔

۴۸ اس کے بعد خدا کا نظامِ ربوبیت انسان کی جملہ ضروریات پوری کرنے کا انتظام اس طرح کرتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کا محتاج نہیں رہتا' اور اسے وہ کچھ دیتا ہے جس سے اسے سکون اور اطمینان حاصل ہو جائے۔

۴۹ اس حد تک سامانِ پرورش میں' حیوان اور انسان سب مشترک ہیں۔ لیکن انسان کو عقل و شعور عطا کیا گیا ہے۔ یہ بھی خدا ہی کی ربوبیت کا کرشمہ ہے[1]

[1] شعریٰ ایک ستارہ کا نام بھی ہے جس کی پرستش عربوں کا ایک قبیلہ کرتا تھا۔ لیکن اگر اسے شَعَرَ سے مصدر مانا جائے تو اس کے معنی عقل و شعور کے ہوں گے۔ ہم نے انہی معانی کو ترجیح دی ہے۔

وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ِۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَا فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ
وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ
النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾
وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾

---

۵۰ (یہی وہ عقل و شعور ہے جس کی بنا پر انسان اپنے تمام اعمال کا ذمہ دار قرار پاتا ہے' اور انہی کے نتائج کے مطابق' اس کی انسانی زندگی ترتیب پاتی ہے ——— افراد کی بھی اور اقوام کی بھی)۔ چنانچہ اسی قانونِ مکافات کے مطابق' اس نے عادِ اول کو تباہ کر دیا۔

۵۱ اور قومِ ثمود کو بھی ——— ان میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا۔

۵۲ اور ان سے بھی پہلے قومِ نوح کو ——— یہ اقوام' اس لئے تباہ ہو گئیں کہ وہ قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتتی اور کمزوروں پر ظلم و ستم روا رکھتی تھیں۔

۵۳ جن اقوام نے بھی اس قسم کی روش اختیار کی' وہ بُری طرح تباہ ہو گئیں' اور ان کی بستیاں ویران ہو گئیں۔

۵۴ یہ تباہی اس طرح ہوئی کہ ان کے اعمال کے نتائج' ان پر چاروں طرف سے چھا گئے اور انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

۵۵ ان تاریخی شواہد کی روشنی میں ان لوگوں سے پوچھو کہ تم قوانینِ خداوندی کی کون کونسی قوت کے متعلق جھگڑا کرو گے اور ان میں سے کس کس کو جھٹلاؤ گے!

۵۶ یہی ہیں تمہارے اعمال کے وہ تباہ کن نتائج جن سے یہ رسول تمہیں آگاہ کرتا ہے۔ اسی طرح آگاہ کرتا ہے جس طرح' اقوامِ سابقہ کے رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو آگاہ کیا تھا۔ (انہوں نے' اپنے رسولوں کی تنذیر کی پرواہ نہ کی' تو وہ ہلاک ہو گئیں۔ یہ پرواہ نہیں کریں گے تو یہ بھی اسی طرح ہلاک ہو جائیں گے)۔

۵۷ "ہلاک ہو جائیں گے" کیا؟ ان کی ہلاکت کی گھڑی تو ان کے سر پر آ پہنچی ہے۔

۵۸ اب اسے دنیا کی کوئی طاقت دور نہیں کر سکتی ——— ہاں! اگر یہ اب بھی قانونِ خداوندی کا اتباع کر لیں' تو یہ ان سے ٹل سکتی ہے۔

۵۹ ان سے پوچھو کہ کیا تم' اب بھی' ان باتوں پر جو تم سے کہی جا رہی ہیں' تعجب کرتے ہو' اور اس پر یقین نہیں کرتے کہ ایسا ہو کر رہے گا!

۶۰ اور ان پر ہنستے ہو ——— حالانکہ اگر ذرا بہ نظرِ تعمق دیکھو تو تم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے

وَأَنتُمْ سَٰمِدُونَ ﴿٦١﴾ فَٱسْجُدُوا۟ لِلَّهِ وَٱعْبُدُوا۟ ﴿٦٢﴾

کہ یہ مقام ہنسنے کا نہیں بلکہ رونے کا ہے۔ لیکن تم اس سوال پر سنجیدگی سے غور ہی نہیں کرتے۔

٦١ یہی وجہ ہے کہ تم بدستور سرکشی اختیار کئے جا رہے ہو اور اپنی روش میں تبدیلی نہیں کرتے۔ تم نے زندگی کو مذاق سمجھ رکھا ہے۔

٦٢ ایسا نہ کرو۔ اب بھی وقت ہے کہ تم قوانین خداوندی کے سامنے جھک جاؤ۔ ان کی اطاعت اختیار کرو۔ (اس سے تم آنے والی تباہی سے بچ جاؤ گے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَ
اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌ

---

۱ وہ انقلاب کی گھڑی (جس کے متعلق ان سے اتنی مدت سے کہا جا رہا تھا) بالکل قریب آ پہنچی ہے۔ اب ان مخالفینِ عرب کی قوت و شوکت ختم ہو جائے گی اور ان کا پرچم (جس پر قمر کا نشان ہے) ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

۲ اس آنے والے انقلاب کی کئی ایک علامات ان کے سامنے آ چکی ہیں۔ لیکن ان کی سرکشی اور مدہوشی کا یہ عالم ہے کہ یہ ان پر سنجیدگی سے غور ہی نہیں کرتے بلکہ الٹے منہ پھیر کر چل دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب وہی جھوٹے افسانے ہیں جنہیں ہم ایک عرصہ سے سنتے چلے آ رہے ہیں (۴۶/۱۱)۔

۳ یہ اس انقلاب سے متعلق ہر بات کو جھٹلاتے ہیں اور بدستور اپنی مفاد پرستیوں کے پیچھے چلے جاتے ہیں۔ (اور جب ان سے ذرا زور سے کہتے تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ جس تباہی کے متعلق یوں دھمکیاں دی جا رہی ہیں اُسے لے کیوں نہیں آتے۔ انہیں معلوم نہیں کہ) اعمال کے نتائج اپنے وقت پر محسوس شکل میں سامنے آتے ہیں۔

۴ ۵ (اس مہلت کے وقفے میں انہیں اس آنے والی تباہی کا یقین دلانے کی ایک ہی صورت

بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝۶ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ
مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۝۷ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ۝۹ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ ۝۱۰
فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝۱۱ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝۱۲

تھی کہ انہیں تاریخی شواہد سے بتایا جاتا۔ سو اس مقصد کے لئے) اقوامِ سابقہ کے متعدد واقعات ان کے سامنے لائے جا چکے ہیں جن میں سے ہر واقعہ ایسا ہے کہ اگر اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو بات سیدھی دل تک اتر جائے اور اس طرح یہ اپنی غلط روش سے رک جائیں۔ لیکن یہ عقل و فکر کی باتیں ان کے کسی کام نہ آئیں۔ نہ ہی انہوں نے ان تنذیرات سے کچھ فائدہ اٹھایا اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا۔

۶ لہٰذا اب تو ان کا خیال چھوڑ دے۔ اب ان کا فیصلہ اس دن ہوگا جب ایک بلانے والا انہیں ایک سخت مہیب (جنگ کے بعد قیدیوں کی حیثیت سے) بلائے گا۔

۷ اس بلاوے پر یہ اپنے اپنے ٹھکانوں سے اس طرح نکلیں گے گویا ایک منڈی دل تھا جسے منتشر کر دیا گیا اور یہ ان میں سے باقی رہ گئے۔ ان کی کیفیت یہ ہوگی کہ یہ مجرموں کی طرح، جھکی ہوئی

۸ نگاہوں سے، اس بلانے والے کی طرف تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے جائیں گے۔
یہ لوگ، جو اس وقت اس انقلاب سے انکار پر انکار کئے جا رہے ہیں، اُس وقت تسلیم کریں گے کہ یہ دن واقعی بڑی سختی اور مصیبت کا دن ہے۔

۹ لیکن ان کی یہ روش کوئی نئی بات نہیں۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں یہی کچھ ان سے پہلے اقوام گذشتہ نے کیا تھا۔ (مثلاً) جب ہمارے بندے نوحؑ نے اپنی قوم کو ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے متنبہ کیا، تو انہوں نے کہا کہ یہ جھوٹا ہے۔ دیوانہ ہے۔ (وغیرہ وغیرہ)۔ وہ اسے جھڑکیاں دے کر اپنی مجلس سے نکال دیا کرتے تھے!

۱۰ اس پر نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ یہ سرکش لوگ مجھ پر چڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ سو تو ان سے (مظلوموں کو ناحق ستانے کا) بدلہ لے۔

۱۱ چنانچہ ہم نے موسلا دھار بارش کے لئے بادلوں کے لئے دروازے کھول دیئے۔ اور زمین

۱۲ سے چشمے ابلنے لگے۔ اور اس طرح، زمین اور آسمان کا پانی، اُس مقصد کے لئے، جس کا ہمارے

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾
كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾
تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾

قانونِ مکافات کے مطابق' اندازہ ہو چکا تھا' یک جا جمع ہو کر سیلاب کی شکل اختیار کر گیا۔

۱۳ ہم نے نوحؑ (اور اس کے ساتھیوں کو) اس کشتی پر سوار کرا دیا' جو بڑے بڑے تختوں' لوہے کی میخوں (اور رسّوں سے باندھ کر تیار کی گئی تھی۔

۱۴ وہ اس طوفان بلاخیز میں' ہماری زیرِ نگرانی' بحفاظت تیرتی چلی جا رہی تھی۔ (چنانچہ وہ بچ گئے اور ان کے مخالفین ڈوب کر مر گئے)۔ یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ انہوں نے نوحؑ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ (وہ انہیں اس طوفان سے آگاہ کر رہا تھا اور یہ اسے مذاق سمجھ رہے تھے — حتیٰ کہ وہ ان کے سامنے کشتی بنا رہا تھا اور یہ اس پر بھی اس کی ہنسی اڑاتے تھے۔ جو لوگ سب کچھ دیکھتے بھالتے اپنی حفاظت کا سامان نہ کریں' وہ تباہ نہ ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟)۔

۱۵ اس واقعہ کو ہم نے عبرت و موعظت کے لئے محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔ سو کوئی ہے جو اس سے عبرت حاصل کرے' اور جان لے کہ ہماری طرف سے دی ہوئی تنذیرات کس طرح سچی ہوتی ہیں'

۱۶ اور ہمارا عذاب کس طرح حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آجایا کرتا ہے۔

۱۷ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے بڑا آسان بنا دیا ہے۔ سو ہے کوئی جو اس پر غور و فکر کر کے اس سے نصیحت حاصل کرلے؟

۱۸ اسی طرح قوم عادؑ نے بھی ہمارے قانونِ مکافات کو جھٹلایا۔ لیکن اس کے بعد دیکھ لیا کہ ہماری تنبیہ کس طرح سچی ہو کر رہتی ہے اور ہمارا عذاب کس طرح آیا کرتا ہے۔

۱۹ ہم نے ان پر تند و تیز آندھی کا عذاب بھیجا۔ سو وہ ان کے لئے کس قدر تباہی اور بربادی کا دن تھا؛ ایسی تباہی کا دن جو انہیں ہمیشہ کے لئے ختم کر گئی۔ (۴۱/۱۶)۔

۲۰ وہ آندھی لوگوں کو اس طرح پاؤں سے اکھیڑ کر دور دور پھینکتی تھی گویا وہ ایسی کھجوروں کے تنے ہیں جو اپنی مضبوط ترین جڑوں سے اکھڑ کر ادھر ادھر گرے پڑے ہیں (۶۹/۷)۔

۲۱ سو غور کرو کہ ہماری تنذیر کس قدر سچی اور ہمارا عذاب کیسا سخت تھا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا
نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُونَ
غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿٢٦﴾ إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ
قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾

---

۲۲ (ان تاریخی شواہد کو سامنے لاکر) ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے کس قدر آسان بنا دیا ہے سو ہے کوئی جو غور و فکر کے بعد اس سے نصیحت حاصل کرے؟

۲۳ اسی طرح قوم ثمود نے بھی ہماری تنبیہات کو جھٹلایا۔

۲۴ اور کہا کہ کیا ہم ایسے آدمی کے پیچھے لگ جائیں جو بالکل تنہا ہے اور کوئی جتھ اس کے ساتھ نہیں؟ اگر ہم نے ایسا کیا (اور اپنا جتھ چھوڑ کر اس کے پیچھے لگ گئے' تو یہ خواہ مخواہ تباہی اور بربادی کا مول لینا ہوگا) ایسا کام تو وہی کرے گا جسے سلامتی کی کوئی راہ سجھائی نہ دیتی ہو اور وہ اندھا بن کر کنویں میں جا گرے۔ یا وہ جو بالکل پاگل ہو' اور اپنا نفع نقصان ہی نہ پہچانے!

۲۵ بھلا سوچو کہ ہم سب' اتنے اتنے بڑے آدمی بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور خدا نے اپنی وحی کے لئے اسے (صالح کو) چن لیا! یہ تو ہمیں بالکل جھوٹا اور خود پسند نظر آتا ہے (جو بڑا بننے کے لئے اپنے آپ کو' خدا کا رسول کہتا ہے)۔

۲۶ (ہم نے صالح سے کہا کہ تو ان کی ان جگر پاش باتوں سے افسردہ خاطر نہ ہو) کل ہی انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور خود پسند کون ہے!

۲۷ تم ذرا ہمت سے کام لو' اور تھوڑا سا انتظار کرو۔ یہ اونٹنی' جس کے متعلق انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ اسے اپنی باری پر پانی پینے اور چراگاہ میں چرنے دیں گے' ان کا جھوٹ اور سچ نکھار کر رکھ دے گی' اور جب یہ عہد شکنی کریں گے تو ان کی تباہی کا موجب بن جائے گی۔

۲۸ تم انہیں واضح طور پر بتا دو کہ اس معاہدہ کی رو سے طے یہ پایا ہے کہ ہر ایک کے مویشی اپنی اپنی باری پر پانی پیا کریں گے۔ اور اسی طرح یہ اونٹنی بھی اپنی باری پر گھاٹ پر آیا کرے گی۔

۲۹ انہوں نے جا کر اپنے رفیق (قبیلہ کے سردار) کو ماجرا سنایا۔ (وہ سخت غصے میں آگیا اور کہا کہ ہیں! اس کی اونٹنی' ہمارے مویشیوں کے برابر ہو گئی؟)۔ اس نے بڑی جسارت سے اپنا ہاتھ بڑھایا' اور اس اونٹنی کو قتل کر دیا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ
نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾

---

۳۰ (یہ آخری علامت تھی اس بات کی کہ وہ اپنی سرکشی میں انتہا تک پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد ان کی تباہی کا وقت آگیا' اور انہوں نے دیکھ لیا کہ) ہماری تنذیر کس قدر سچی اور ہمارا عذاب کیسا تباہ کن ہوتا ہے۔

۳۱ ہم نے ان پر سخت زلزلہ کا عذاب بھیجا جس سے وہ اس طرح ملیامیٹ ہو گئے جس طرح بوسیدہ باڑ ہوا کے تیز جھونکوں سے چورا چورا ہو جاتی ہے۔ (باڑ کا کام' کمزور کھیتی کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ لیکن جب باڑ اتنی بوسیدہ ہو جائے کہ وہ ہوا کے تیز جھونکوں سے ریزہ ریزہ ہو جائے تو دوسروں کی حفاظت کرنا تو ایک طرف' وہ خود اپنے پاؤں پر بھی کھڑی نہیں رہ سکتی۔ غلط روش زندگی اختیار کرنے والی قوموں کی حالت ایسی ہی ہو جاتی ہے۔ وہ بظاہر زندہ نظر آتی ہیں لیکن اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہوتی ہیں' اور نامساعد حالات کا ایک دھچکا انہیں چورا چورا کر دیتا ہے)۔

۳۲ ہم نے ان تاریخی شواہد کو قرآن میں بیان کر کے بات کا سمجھنا بہت آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی ہے جو اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی زندگی کو صحیح راستے پر لے آئے؟

۳۳ اسی طرح قوم لوط نے بھی ہمارے مرسلین کی تکذیب کی جو انہیں' ان کی غلط روش کے تباہ کن عواقب سے آگاہ کرتے تھے۔

۳۴ اس پر ہم نے' ان پر آتش فشاں پہاڑ سے پتھراؤ کیا تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچا' بجز لوط اور اس کے ساتھیوں کے' جنہیں ہم' صبح سویرے بچا کر' وہاں سے لے گئے تھے۔ (۳۴ — ۳۷)

۳۵ (یہ چیز (لوط کے رفقاء کے لئے) ہماری طرف سے نعمت تھی۔ لیکن یہ نعمت یونہی مفت نہیں مل گئی تھی۔ یہ نتیجہ تھی ان کی اس روش کا جس کی رُو سے انہوں نے حق کو مانا اور اس طرح ہماری راہ نمائی کی قدر شناسی کی۔ جو لوگ بھی یہ روش اختیار کرتے ہیں' انہیں اسی قسم کا بدلہ ملا کرتا ہے۔ وہ تمام آفتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

۳۶ لوط نے اپنی قوم کو بار بار تنبیہ کی تھی کہ خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت سے ڈرو۔ لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی اور سمجھے کہ وہ یونہی خالی دھمکیاں دیتا ہے' اس لئے اُس سے الٹا جھگڑنے لگے۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ
مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ
فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ
فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

---

۳۷ جب لوطؑ کے پاس اس کے مہمان آئے تو وہ (قوم لوطؑ کے لوگ) اس کے مہمانوں کی طرف بری نیت سے آئے۔ وہ اپنے حیوانی جذبات کے جوش میں بالکل اندھے ہو رہے تھے (اور لوطؑ کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ سو ہم نے ان سے کہدیا کہ بہت اچھا!) تم اب اپنے اعمال کے نتائج کا مزہ چکھو اور دیکھو کہ جس بات سے تمہیں متنبہ کیا جاتا تھا' اور تم اسے جھوٹ سمجھتے تھے' وہ کس طرح واقع ہو کر رہتی ہے۔

۳۸ چنانچہ علی الصبح انہیں ایک ایسے عذاب نے آلیا جو آکر وہیں رہ جانے والا تھا۔

۳۹ (اور ان سے کہا گیا کہ لو) اب میرے عذاب کا مزہ چکھو اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ میری تنذیرات کس طرح صحیح ثابت ہوتی ہیں۔

۴۰ ہم نے ان واقعات کو قرآن میں بیان کر کے بات کا سمجھنا بہت آسان کر دیا ہے۔ تو کیا کوئی ہے جو اس پر غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کرے؟

۴۱ اسی طرح قوم فرعون کے پاس بھی ہمارے مرسلین پہنچے جو انہیں ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے متنبہ کرتے تھے۔

۴۲ انہوں نے ہمارے احکام کو ایک ایک کر کے جھٹلایا۔ اس پر ہمارے قانون مکافات کے آہنی پنجہ نے ان پر ایسی گرفت کی' جیسے کسی غالب' قوت والے ہاتھ کی گرفت ہوتی ہے۔

۴۳ (اے رسول! اقوام سابقہ کی ان داستانوں کو دہرا کر) تم اپنے زمانے کے منکرین اور مخالفین سے پوچھو کہ کیا تم قوت اور شوکت میں ان اقوام سے بڑھ چڑھ کر ہو جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے (کہ وہ تو تباہ ہو گئے اور تم محفوظ رہ جاؤ گے!) یا تمہارے لئے ہمارے صحیفوں میں معافی نامہ لکھا ہوا ہے!

۴۴ انہیں یہ زعم ہے کہ ان کے تمام قبائل' تمہاری مخالفت میں' ایک دوسرے کی مدد کے لئے اکٹھے ہو جائیں گے (اور اس طرح ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا)۔

۴۵ ان سے کہو کہ تم سب مل کر میرے مقابلہ میں متحدہ محاذ بنا لو اور میدان میں آجاؤ' پھر

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿۴۶﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ
عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ
بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ
صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿۵۴﴾

دیکھو کہ نہیں کس طرح شکست فاش ملتی ہے اور تم کیسے پیٹھ دکھا کر بھاگتے ہو۔

۴۶ (ہمارے قانون مکافات کے مطابق) اس فیصلہ کن انقلاب کے محسوس طور پر سامنے آنے کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ یہ ان پر اچانک اور حیرت انگیز طریق سے آئے گا اور ان کے لئے بڑا ہی تلخ ہو گا۔

۴۷ یہ مجرمین اس وقت سخت ہلاکت اور مصیبت میں ہوں گے، جب انہیں اُس

۴۸ تباہ کن عذاب میں مُنہ کے بل گھسیٹا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اب جہنم کا مزہ چکھو۔

۴۹ اس کے یوں سامنے آنے میں اتنی دیر اس لئے لگی ہے کہ ہم نے ہر شے کے اندازے مقرر کر رکھے ہیں، اس لئے ہر عمل کو نتیجہ خیز ہونے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ ہمارے قانونِ مکافات کا یہی انداز ہے۔

۵۰ ورنہ ہمارا فیصلہ تو ایک ہی بار ہو چکا ہوتا ہے اور اس کے نافذ کرنے میں آنکھ جھپکنے کا وقت بھی نہیں لگتا۔

۵۱ ان سے پھر کہدو کہ (اس فیصلہ کے مطابق) ہم تمہارے جیسے کئی سرکشوں اور مستبدوں کو اس سے پہلے ہلاک کر چکے ہیں۔ تو کیا تم میں کوئی ہے جو ان حقائق پر غور کر کے اس سے نصیحت حاصل کرلے؟

۵۲ یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، ہم اسے اپنے قانونِ مکافات کے رجسٹر میں محفوظ کئے جا رہے ہیں۔

۵۳ اس میں ہر چھوٹی اور بڑی بات درج ہوتی رہتی ہے۔

۵۴ (اسی کے مطابق، صحیح اور غلط روش پر چلنے والوں کے فیصلے ہوں گے۔ غلط روش پر چلنے والے تباہی اور بربادی کے جہنم میں — اور) صحیح روش پر چلنے والے متقین، سدا بہار فراخیوں اور خوش حالیوں کی جنت میں۔

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

۵۵ یہ وہ مقام ہے جس میں زندگی کی تمام خوشگواریاں موجود ہیں اور جس کی ممکنات بے کراں ہیں، اس لئے کہ یہ اس خدائی طرف سے عطا ہوا ہے جو تمام اختیارات اور اقتدار کا مالک ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵

۱ یہ قرآن کسی انسانی ذہن کی تخلیق نہیں' بلکہ اسے اس خدا نے تعلیم کیا ہے جس نے نوع
۲ انسان کی ربوبیت (نشوونما) کا سامان عطا فرمایا۔ (اور چونکہ انسانی ربوبیت جسم کی پرورش تک محدود نہیں' اس لئے اس کے لئے طبیعی ضروریات کے علاوہ ارتقائے ذات کے سامان کی بھی ضرورت تھی۔ قرآن' ان دونوں کے لئے راہ نمائی دیتا ہے)۔
۳ یہ اس خدا کی طرف سے ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے اظہار خیالات (قوتِ گویائی)
۴ عطا کی جو کسی اور نوع کو حاصل نہیں (اس لئے اس کی راہ نمائی کے لئے وحی کا وہ ذریعہ اختیار کیا گیا جس میں ایک فرد کو خدا کی طرف سے راہ نمائی ملتی ہے اور وہ اسے دوسرے افراد تک پہنچاتا ہے۔ رسالت[۱] انسان ہی کے لئے مختص ہے۔
۵ اس قرآن میں' انسانی زندگی کی راہ نمائی کے لئے ویسے ہی اٹل قوانین ہیں جیسے قوانین خارجی کائنات میں کارفرما ہیں' اور جن کی رو سے (مثلاً) سورج اور چاند جیسے عظیم کرّے ایک

[۱] COMMUNICABILITY

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴿۷﴾ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ﴿۸﴾ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ
بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿۹﴾ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿۱۱﴾ وَ
الْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۱۳﴾

مقررہ حساب اور اندازے کے مطابق چل رہے ہیں۔

۶ اور زمین پر بڑے بڑے تنا در درخت ہوں' یا چھوٹے چھوٹے پودے' سب اُس کے قوانین کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔

۷ اُس قانون کے سامنے جس کی رُو سے اس نے تمام اجرامِ فلکی کو' فضا کی پہنائیوں میں' اس انداز سے رکھا ہے کہ ان کے باہمی ربط وضبط کے لئے جس توازن کی ضرورت ہے اس میں ذرہ برابر فرق نہیں پیدا ہونے پاتا۔

۸ یہ قرآن' انسانوں کو بھی اسی غرض کے لئے دیا گیا ہے کہ ان کے معاشرے میں باہمی ربط وضبط کے لئے جس توازن کی ضرورت ہے' وہ بگڑنے نہ پائے۔

۹ یعنی تم اس توازن کو عدل وانصاف کے ساتھ قائم رکھ سکو' اور کسی کے حقوق وفرائض میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرو۔

۱۰ اس میزانِ عدل کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسانی پرورش کے لئے جن بنیادی
۱۱ چیزوں کی ضرورت ہے ——— یعنی زمینی پیداوار' مثلاً لذیذ پھل۔ خوشوں کے پردوں میں لپٹی ہوئی کھجوریں۔ بالوں کے اندر اناج۔ رنگا رنگ کے خوشبودار پھول ——— انہیں ہم نے
۱۲ ہر فرد کے لئے الگ الگ نہیں رکھا۔ اسے تمام مخلوق کے فائدے کے لئے مشترک طور پر دیا ہے۔ اس کی تقسیم کے لئے قرآن کی میزان دیدی گئی تاکہ ہر فرد کو اس کی ضروریات کے مطابق رزق ملتا رہے۔ (اگر مشترک سامانِ زیست کی تقسیم اور صرف کے لئے' خدا کی طرف سے مستقل اصول وقوانین نہ دیئے جاتے' اور اسے لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا کہ وہ جس طرح چاہیں اسے صرف میں لائیں' تو طاقتور انسان سب کچھ سمیٹ کر بیٹھ جاتے اور کمزور انسانوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ملتا ——— جیسا کہ ان قوانین کو نظر انداز کر دینے سے دنیا میں ہو رہا ہے)۔

۱۳ (یہ ہے خدا کا نظامِ ربوبیت جس کی رو سے اس نے تمام نوعِ انسان کے لئے سامانِ زیست بھی دیا اور اس کی تقسیم کے لئے راہ نمائی بھی۔ سو' اے گروہ جن وانس' یعنی شہری اور

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ﴿۱۹﴾
بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ﴿۲۰﴾

صحرائی آبادی کے لوگو!) تم سوچو کہ تم خدا کی کس کس قدرت کو جھٹلا کر (اپنی معاشی اور تمدنی زندگی کو غیر خدائی قوانین کے تابع رکھو گے؟)۔

۱۴ اس کی قدرتوں کا اندازہ کرنا ہو تو خود انسان کی تخلیق پر غور کرو۔ اس کی پیدائش کی ابتدا ایسی مٹی سے ہوئی جو سوکھ کر بجنے لگتی ہے۔ یعنی بے جان مادہ سے، جس میں کہیں زندگی کی نمود نہیں ہوئی۔

۱۵ اور انسانوں سے پہلے اس زمین پر ایسی مخلوق تھی جس میں حرارت برداشت کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ تھی کیونکہ زمین کی جو حالت اُس زمانے میں تھی، اس میں اِسی قسم کی مخلوق زندہ رہ سکتی تھی۔ وہ مخلوق اب ناپید ہو چکی ہے اور اس کی جگہ انسانوں نے لے لی ہے۔ (۲۷ — ۱۵/۲۶)۔

۱۶ سو غور کرو کہ تم خدا کی کس کس قدرت کو جھٹلاؤ گے۔

۱۷ اس کے قانون کے مطابق سورج اور زمین کی گردش اس طرح متعین ہے کہ سورج کے مقامات طلوع و غروب کے ساتھ موسم بدلتے رہتے ہیں۔ اور وہ طلوع و غروب کے دو انتہائی نقطوں (مشرقین و مغربین) کے درمیان پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس تمام نظام پر خدا کا کنٹرول ہے، اور مقصد اس سے ربوبیت عامہ۔

۱۸ کس قدر قوت والا ہے وہ قانون جس نے ایسے ایسے عظیم کروں کو اس طرح پابند ضوابط بنا رکھا ہے۔ سو تم خدا کی کس کس قدرت کو جھٹلا سکتے ہو!

۱۹ اب تم فضا کی پہنائیوں سے نیچے اتر کر، سطح زمین کی طرف آؤ اور ذرا، اس پر بہنے والے

۲۰ دریاؤں کو دیکھو۔ بعض مقامات پر دو مختلف پانیوں کے دریا، اکٹھے بہے چلے جاتے ہیں۔ (اور کہیں سمندر کے اندر ایک الگ رَو ندی کی طرح، رواں دواں چلی جاتی ہے)۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ ان کے پانی آپس میں مل جائیں۔ ان کے درمیان ایک غیر مرئی آڑ ہوتی ہے جو انہیں الگ الگ رکھتی ہے (۲۵/۵۳ : ۳۵/۱۲) لیکن مفاد پرست انسان، اپنی اپنی راہ چلنے کے بجائے، دوسروں کے حقوق میں دست اندازی کرتے رہتے ہیں۔ اسی کو روکنے کے لئے قرآنی

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾
وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

ضوابط دیئے گئے ہیں)۔

۲۱ سوغور کرو کہ تم خدا کی کس کس قدرت کو جھٹلاؤ گے؟

۲۲ ان دریاؤں (یا سمندر) کی تہ سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔ اور ان کی سطح پر پہاڑوں

۲۳ جیسے بڑے بڑے جہاز اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر تیرتے پھرتے ہیں۔ (یہ سب قانون خداوندی

۲۴ کی اطاعت کا نتیجہ ہے)۔

۲۵ سوچو کہ تم خدا کے قانونِ ربوبیت کی کس کس قدرت کو جھٹلاؤ گے؟

یہ تمام نظم و نسق کسی ایسی کائنات سے متعلق نہیں جو ایک دفعہ بنا دی گئی ہو اور پھر اس

۲۶ میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی ہو۔ کائنات کی ہر شے میں ہر آن 'تغیر' واقع ہوتا رہتا ہے' لیکن ان تغیرات

۲۷ کا خدا کے قوانین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ یہ قوانین اس خدا کے ہیں جو تغیرات سے ماورا ہے اور ہر قسم کی عظمت و تکریم کا مالک۔

اسی سے یہ بھی واضح ہے کہ ذہن انسانی کا وضع کردہ ہر نظام اور اس کی طرف جانیوالا راستہ تغیر پذیر ہے' لیکن وحی کا متعین کردہ راستہ جو خدا کی ربوبیتِ اعلیٰ کی طرف لے جاتا ہے تغیر پذیر نہیں ہوتا۔ (۲۸/۲۰)۔

۲۸ سوتم اس خدا کی کس کس قدرت کو جھٹلاؤ گے؟

۲۹ اس پر بھی غور کرو کہ کائنات کی ہر شے (انسانوں سمیت) اپنی نشوونما کے لئے خدا کی ربوبیت کی محتاج ہے۔ اور ان کی ربوبیت کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔ ہر دور میں ہی نہیں' بلکہ مختلف حالات' اور مختلف مراحل میں ہر شے کی نشوونما کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ خدا کا نظامِ ربوبیت یہ ہے کہ ہر شے کو اس کی حالت کے مطابق سامانِ نشوونما ملتا رہتا ہے۔ (۳۵/۱۵ ؛ ۱۴/۳۴)۔

۳۰ سوتم سوچو کہ تم قانون خداوندی کی کس کس شق کو جھٹلاؤ گے اور اپنی زندگی غیر خداوندی

سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ ﴿٣١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٢﴾ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ
أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۚ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ ﴿٣٣﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ ۙ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٦﴾

قوانین کے تابع رکھ کر کس طرح نشوونما حاصل کر سکو گے؟

۳۱ خدا کا یہی قانون جو کائنات میں اس طرح کارفرما ہے' اب (اس قرآن کی رو سے) نوع انسانی کی طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ اس میں بدوی اور حضری۔ شہری اور صحرائی۔ مہذب اور غیر مہذب' سب شامل ہیں۔

۳۲ سوغور کرو کہ تم قانون خداوندی کی کس کس قوت سے انکار کرو گے؟

۳۳ تم ان تمام انسانوں سے کہدو کہ خدا کے قانونِ مکافات کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ وہ ساری کائنات کو محیط ہے۔ اگر تم اس کی گرفت سے بچ جانے کا خیال کرو تو یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم کائنات کی حدوں سے باہر نکل جاؤ —— اگر تمہیں اس کا گمان ہے کہ تم ایسا کر سکتے ہو تو ذرا کوشش کر کے دیکھو! لیکن تم کبھی ایسا نہیں کر سکو گے۔ کائنات کی حدوں سے باہر جانے کے لئے خدا کے پروانۂ راہداری کی ضرورت ہو گی۔ اور وہ کسی کو مل نہیں سکتا۔ اس لئے تمہیں کائنات کے اندر ہی رہنا ہو گا۔ اور چونکہ کائنات میں ہر جگہ خدا کا قانون مکافات حاوی ہے اس لئے تم اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔[1]

۳۴ اس کے بعد سوچو کہ تم خدا کی کس کس قدرت کو جھٹلاؤ گے؟

۳۵ اگر تم نے خدا کے نظام ربوبیت کی مخالفت کی تو تم پر تباہیوں کی آگ کے شعلے اور دھوئیں کا غبار اس طرح چھا جائے گا کہ تم اس مصیبت سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکو گے۔

۳۶ اس کے بعد سوچو کہ تم خدا کی کس کس قدرت کو جھٹلاؤ گے؟

---

[1] اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ انسانی زندگی کی ممکنات (یعنی اس کی ذات کی ارتقائی وسعتوں) کا یہ عالم ہے کہ بشرطِ استطاعت' یہ مادی کائنات کی حدود سے آگے نکل سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے ایک خاص قوت کی ضرورت ہے' جس سے انسانی ذات کی صلاحیتوں کی نشوونما ہو جائے۔ یہ قوت' قوانین خداوندی کے اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان قوانین کے اتباع سے' انسانی ذات حیات جاوید حاصل کر سکتی ہے —— یعنی جنت اُخروی کی زندگی۔ یہی اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے آگے نکل جانا ہے۔ لیکن ہم نے' اگلی آیات کے مضمون کے پیش نظر' مذکورہ صدر مفہوم کو ترجیح دی ہے۔

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ
عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ
بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾
يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٥﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ﴿٤٦﴾
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٧﴾

۳۷ اُس تباہی کی آتش فشانیوں کا یہ عالم ہوگا کہ فضا کی بلندیوں سے پھٹنے والی چیزیں یوں گریں گی جیسے سُرخ پگھلا ہوا تانبا۔ یا تیل کی تلچھٹ۔ جو چمٹ کر چھوٹ ہی نہ سکے اور یوں ہر شے کو جلا اور پگھلا کر تباہ کر دے۔ (نبہ)۔

۳۸ سو بتاؤ کہ تم خدا کی کس کس قوت سے انکار کرو گے؟

۳۹ اُس دن اس کی ضرورت ہی نہیں ہوگی کہ کسی سے اس کے جرائم کے متعلق سوالات کئے جائیں۔ وہ شہری ہوں یا صحرائی۔ صورت یہ ہوگی کہ ہر ایک کا جرم اس کے ماتھے پر لکھا ہوا مل جائے گا۔ ہر مجرم اپنی پیشانی سے پہچانا جائے گا۔ اس کی نفسیاتی کیفیت اس کے چہرے سے عیاں ہوگی۔ اور ان کا' ایڑی سے چوٹی تک' بند بند گرفت میں ہوگا۔ ان مجرمین سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جہنم جسے تم جھٹلایا کرتے تھے —— ایک طرف آگ کا ایسا عذاب۔ دوسری طرف کھولتا ہوا پانی۔ ان دونوں کے درمیان' ان کی کشتِ عمل جھلس رہی ہوگی۔

۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ان حقائق پر غور کرو اور بتاؤ کہ تم خدا کے قانونِ مکافات کی کون کونسی قوت کو جھٹلاؤ گے

۴۵ یہ انجام ان کا ہوگا جو قوانین خداوندی سے سرکشی برتیں گے۔ ان کے برعکس' جن لوگوں کو اس کا احساس ہے کہ ہمارے ہر عمل کے متعلق ہم سے بازپرس ہوگی —— انسان کا کوئی عمل بلا نتیجہ نہیں رہے گا —— (اور یوں وہ خطرناک گھاٹیوں سے بچتے ہوئے زندگی بسر کریں گے) ان کے لئے دو جنتیں ہوں گی —— ایک جنت اِس دنیا میں؛ اور دوسری جنت' آخرت میں۔

۴۶ یہ آسائشیں اور نعمتیں بھی اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ سو بتاؤ کہ تم ان میں سے کس کس کو جھٹلاؤ گے؟

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾
فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ
اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ
اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾

---

۴۸ تا ۵۵ ان کا یہ جنتی معاشرہ (یہاں اور وہاں) مختلف علوم و فنون کا مرکز ہوگا۔ ان دونوں میں فیض کے چشمے جاری ہوں گے۔ رزق کی فراوانیاں اور وہ بہتے پانی کی طرح، ہر ایک کی ضروریات پورا کرنے کے لئے عام۔ انواع و اقسام کے پھل۔ وہاں کے رہنے والے اعلیٰ درجہ کے فرشوں پر ایسے تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے جن کے (برے تو ایک طرف) استر تک میں بھی دبیز ریشم لگا ہوگا۔

یاد رکھو! ان کی حال کی زندگی اور مستقبل کی زندگی (یہاں اور وہاں کی زندگی) میں کوئی بُعد اور فاصلہ نہیں ہوگا۔ دونوں کے ثمرات ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں گے۔ زندگی ایک جوئے رواں ہے، جو یہاں سے وہاں تک مسلسل جاری ہے۔ اس لئے اس کے حال اور مستقبل میں کچھ فرق نہیں ہو سکتا۔ نشوونما یافتہ ذات، یہاں بھی سکون و اطمینان سے رہتی ہے اور اس کی یہی کیفیت وہاں ہوگی۔ اس قسم کے افراد کی اجتماعی زندگی یہاں بھی آسائشوں اور فراوانیوں کی ہوگی، اور وہاں بھی۔ یہاں کی جنت کے گوشے مسلسل وہاں کی جنت سے جا ملتے ہیں)۔

ان حقائق کی روشنی میں تم غور کرو اور بتاؤ کہ تم خدا کے قانون مکافات کی کون کونسی نعمتوں اور قدرتوں کی تکذیب کرو گے!

۵۶ تا ۵۹ یہ معاشرہ مردوں کے لئے ہی مخصوص نہیں ہوگا۔ عورتیں بھی اس میں برابر کی شریک ہوں گی۔ ایسی عفت و عصمت کی مجسمہ عورتیں، جنہیں شادی سے قبل اپنوں یا بیگانوں میں سے کسی نے ناپاک ہاتھوں سے چھوا تک نہیں ہوگا اور نہ ہی انہوں نے کسی غیر مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا ہوگا۔ (۳۷/۴۸ ؛ ۳۸/۵۲ ؛ ۵۵/۷۲)۔ وہ عورتیں کیا ہوں گی؟ اپنی عفت کی آب و تاب اور پاکیزگی سیرت و کردار کے اعتبار سے، یوں سمجھو جیسے یاقوت و مرجان ہوں —— صاف، شفاف،

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ
حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی
رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾

محفوظ' گوہر آبدار۔

غور کرو کہ تم اپنے نشوونما دینے والے کی کون کونسی نعمت اور قدرت کو جھٹلاؤ گے؟

۶۰ اس زندگی میں' افراد کے باہمی تعاون کا یہ عالم ہوگا کہ جس میں کسی وجہ سے کسی قسم کی
۶۱ کمی آجائے گی' اور یوں اس کا توازن بگڑ جائے گا' دوسرے اُس کی اس کمی کو پورا کر کے اس کا توازن برقرار کر دیں گے' اور اس طرح اس کی ذات اور معاشرہ کا حسن قائم رہے گا۔ کوئی شخص اس کے لئے کسی قسم کا معاوضہ نہیں مانگے گا ——— جو حسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے' جب حسن پیدا ہو جاتا ہے تو یہی چیز اس کی کوششوں کا صلہ بن جاتی ہے (۱۰/۲۶ ؛ ۱۶/۳۰ ؛ ۷۶/۴)۔

سو بتاؤ کہ تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

۶۲ تا ۶۹ یہ ان کے لئے ہوگا جو اس نظام کے قیام میں "السابقون الاولون" کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ ان کے مدارج یقیناً بلند ہیں (۵۶/۱۰ ؛ ۵۷/۱۰)۔ ان کے علاوہ' اُن کے لئے بھی جنتی معاشرے ہوں گے جو اس نظام میں' ان کے بعد شامل ہوں گے۔ یہ معاشرے بھی بڑے سرسبز و شاداب ہوں گے۔ ان میں بھی ایسے چشمے ہوں گے جو اپنے زور دروں سے اوپر کی طرف اٹھ رہے ہوں گے (۳۵/۱۰)۔ ان میں تر و تازہ پھل۔ کھجوریں۔ انار۔ (یعنی ہر قسم کا تر و تازہ سامانِ زیست بافراط) ہوگا۔

سو تم سوچو اور بتاؤ کہ تم اپنے نشوونما دینے والے کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

۷۰ تا ۷۶ ان میں بھی مرد اور عورتیں' سب ہوں گے ——— ایسی عورتیں جو حسنِ صورت اور حسنِ سیرت دونوں سے مزین ہوں۔ وہ ایسی فہم و فراست کی مالک ہوں گی جو انسان کو

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾

کبھی فریب کاری کی طرف نہ لے جائے۔ نہ ہی ان کے مزاج میں آوارگی ہوگی۔ وہ عفت و عصمت کا پیکر ہوں گی۔ (صحیح اسلامی معاشرہ کی عورتیں انہی خصوصیات کی پیکر ہوں گی)۔

اس معاشرہ کے رہنے والے بھی سبز مسندوں اور نادر فرشوں پر متمکن ہوں گے۔ یعنی انہیں زندگی کی حسین اور جمیل آسائشیں میسر ہوں گی۔

سو بتاؤ کہ تم اپنے نشو و نما دینے والے کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

یہ ہے اس نظام ربوبیت کے خوشگوار اور حیات بخش نتائج کی ایک ہلکی سی جھلک جو تمہارے نشو و نما دینے والے کے قوانین کے اتباع سے متشکل ہوگا ——— اس دنیا میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی۔ وہ نشو و نما دینے والا جس کی ربوبیت بڑی بلند پایہ اور ہر قسم کی خوش حالیوں کی ضامن ہے۔

خدائے رحمٰن نے اس قرآن کو اسی مقصد کے لئے نازل کیا ہے۔ (۲ — ۵۵ / ۱)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴
وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝۶ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝۷

۱ ۲ جب وہ واقع ہونے والا انقلاب جس کے وقوع پذیر ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں، ظہور میں آئے گا۔
۳ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جنہیں آج پست اور کمزور سمجھا جاتا ہے، وہ بلند اور قوی ہو جائیں گے۔ اور جو آج اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں، وہ پست ہو جائیں گے۔
۴ تا ۶ یعنی اُس وقت، نیچے کے طبقے کے لوگ (عوام) جنہیں مستبد قوتوں نے اپنے پاؤں تلے روند رکھا ہے، حرکت میں آکر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور اوپر کے طبقہ کے بڑے بڑے لوگ یوں منتشر اور پریشان ہو جائیں گے جیسے تیز آندھی میں گرد و غبار اڑ رہا ہو۔[1] (۲۰/۱۰۵؛ ۷۷/۱۰؛ ۵۱/۳)۔
۷ اُس وقت تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔

[1] ہم نے ان آیات (اور انہی جیسی دیگر آیات) میں، ارض اور جبال وغیرہ الفاظ کو مجازی معنوں میں لیا ہے اگر انہیں حقیقی معنوں میں لیا جائے تو اس سے کوئی طبیعی تبدیلی مراد لی جائے گی جو کرۂ ارض میں واقع ہوگی۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝
اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ عَلٰى سُرُرٍ
مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَ
كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝

۸ ایک گروہ عام یمن و سعادت کا مالک ہوگا۔ ان کی زندگی کیسی بابرکت ہوگی! (۵۶/۸)۔
۹ دوسرا گروہ سوختہ بخت انسانوں پر مشتمل ہوگا۔ ان کی حالت کیسی ناگفتہ بہ ہوگی! (۵۶/۹)۔
۱۰ تیسرا گروہ ان کا ہوگا جو مصافِ زندگی میں سب سے آگے آگے تھے۔ وہ سب سے
تا زیادہ صفاتِ خداوندی کے رنگ میں رنگے ہوتے ہوں گے۔ (ان کی زندگی، قوانین خداوندی
۱۲ سے بہت زیادہ ہم آہنگ تھی۔ اس لئے ان کے مدارج بھی سب سے بلند ہوں گے)۔ یہ
لوگ آسائشوں اور سرفرازیوں کی جنت کے مالک ہوں گے۔ (۵۶/۱۰ ; ۵۶/۱۲ ; ۵۶/۲۳)۔
۱۳ اس تیسرے گروہ میں، بیشتر وہ لوگ ہوں گے جو شروع ہی میں (ہجرت سے پہلے)
۱۴ اس نظام میں شامل ہو گئے تھے۔ اور بقایا، تھوڑے سے لوگ وہ، جو (ہجرت کے بعد) اس
میں داخل ہوئے تھے۔ (تعینِ مدارج کے لئے، یہی اصول بعد میں بھی کارفرما رہے گا۔ یعنی جو
لوگ، سختیوں اور مصیبتوں کے زمانے میں، نظامِ خداوندی کی تشکیل اور استحکام کے لئے سرگرم
عمل رہیں گے، ان کا رتبہ بلند ہوگا، اس لئے کہ یہ لوگ اس نظام کے ان دیکھے نتائج پر ایمان لاکر
اس کی خاطر ہر قسم کی صعوبات برداشت کرتے رہے۔ ۵۷/۲۷)۔
۱۵ یہ زرنگار، مرصع تختوں پر متمکن ہوں گے۔ تکیہ لگائے، ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے۔
۱۶ (ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوگی)۔
۱۷ ان کے بچے بھی، زیورات سے مزین، ان کے اردگرد پھرتے ہوں گے (اس دنیا میں سب۔
اور اُس دنیا میں وہ جو ایمان و عمل کی رو سے اس کے مستحق ہوں گے (۵۶/۱۳ ; ۵۶/۲۱ ; ۵۶/۲۴ ; ۷۶/۱۹)۔
۱۸ وہ، عندالضرورت، آبخورے اور صراحیاں اور پیالے پیش کریں گے، جو نہایت عمدہ
مشروبات سے بھرے ہوں گے، اور ہر ایک کے لئے یکساں طور پر موجود رہیں گے۔
۱۹ ان مشروبات کے پینے سے، نہ تو سرگرانی ہوگی، نہ ہی کسی قسم کا نشہ۔ نہ ہی ان کی لذت و
سرور میں کمی ہوگی۔ (۳۷/۴۷)۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾ وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ
الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ﴿٢٥﴾ إِلَّا قِيلًا
سَلَامًا سَلَامًا ﴿٢٦﴾ وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٢٧﴾ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿٢٨﴾ وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ ﴿٢٩﴾
وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ﴿٣٠﴾ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ﴿٣١﴾ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَفُرُشٍ
مَّرْفُوعَةٍ ﴿٣٤﴾ إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾

---

۲۰ ۲۱ کھانے کے لئے منتخب پھل۔ اور ان کے حسب پسند پرندوں کا گوشت۔

یہ معاشرہ مردوں تک ہی محدود نہیں ہوگا۔ مومن عورتیں بھی اس میں برابر کی شریک ہوں گی۔

۲۲ نہایت پاکیزہ سیرت اور صاحب عقل و فراست۔ لیکن ایسی عقل و فراست نہیں جو انسان کو فریب کاری

۲۳ کی طرف لے جائے۔ ان کی پاک دامنی کی مثال یوں سمجھئے جیسے درمکنون (محفوظ موتی) ہوں۔

۲۴ یہ سب آسائشیں اور سرفرازیاں ان لوگوں کے اپنے اعمال کے نتائج ہوں گے۔

۲۵ اس معاشرہ میں نہ تو کسی قسم کی کوئی لغوبات ہوگی اور نہ ہی ایسا کام جس سے انسانی صلاحیتیں مضمحل ہو جائیں۔

۲۶ اس کے برعکس وہ فضا ایسی ہوگی جس میں ہر طرف سے سلامتی کی آوازیں آئیں گی۔ اس میں ہر فرد دوسرے کی سلامتی اور تکمیل ذات کا متمنی ہوگا ——— اس میں صحیح سکون و اطمینان اور امن و سلامتی نصیب ہوگی۔

۲۷ یہ کیفیت ہوگی السابقون الاولون کی۔ اب رہے اصحاب الیمین (۵۶/۲۷)۔ سو وہ بھی ایسے

۲۸ جنتی معاشرہ میں ہوں گے جس میں پھلوں سے لدے ہوئے بے خار درخت ہوں گے۔ (یعنی ایسی آسائشیں جن میں نہ کسی قسم کی خلش ہو نہ کانٹا)

۲۹ عمدہ قسم کے کیلے جو تہ بہ تہ لٹکے ہوں گے۔ (یعنی فراواں لذتیں)۔ اور وسیع گھنیرے درختوں

تا کے سائے۔ نہایت صاف اور شفاف آب رواں جسے کھود کر نکالنا نہ پڑے (یعنی ایسا سامان زندگی

۳۳ جسے حاصل کرنے کے لئے جگر پاش مشقتیں نہ اٹھانی پڑیں۔ ۲۰/۱۱۷)۔ اور بکثرت ایسے پھل کہ نہ تو ان کا موسم ختم ہو (۱۴/۲۵) اور نہ ہی انہیں کوئی روک کر رکھے (۱۰۷/۱)۔ یعنی اس معاشرہ میں ہر ایک کو سامان زیست بلا روک ٹوک فراوانی سے ملے گا۔

۳۴ تا ۳۶ اور عورتیں عالی مرتبت بیگمات کی طرح ہوں گی۔ ان کی تعلیم و تربیت اس انداز سے ہوئی

عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ
مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا
قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا
وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾

ہوگی جس سے وہ کچھ سے کچھ بن جائیں گی

۳۷ وہ (عہد جاہلیت کی عورتوں کی طرح) ایسی گونگی نہیں ہوں گی کہ اپنی بات بھی واضح طور پر بیان نہ کرسکیں۔ (۴۳/۱۸)۔ وہ صحیح تعلیم و تربیت سے نہایت فصیح البیان ہوں گی۔ نیز ان میں باہمی حسد اور رقابت کے جذبات نہیں ہوں گے۔ وہ ہم مزاج ہوں گی۔ ایک دوسرے سے مماثل اور یک گل ——— وہاں میاں بیوی کے تعلقات بھی ہم آہنگی اور یک گلی پر استوار ہوں گے۔ گویا دونوں ایک ہی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ (۳۰/۲۱)۔

۳۸ یہ ہوگا معاشرہ اصحاب الیمین کا۔ ان میں متقدمین کی بھی اچھی خاصی جماعت ہوگی اور

۳۹ متاخرین کی بھی ——— یعنی السابقون الاولون کا گروہ تو وہ ہوگا جو نظام خداوندی کی تشکیل

۴۰ کے زمانے میں مصروف سعی و عمل ہوگا۔ ان کا مقام سب سے بلند ہوگا' اس کے بعد جب یہ نظام متشکل ہو جائے گا تو پوری جماعت اصحاب الیمین پر مشتمل ہوگی۔ اس میں متقدمین بھی ہوں گے اور متاخرین بھی۔

۴۱ اب رہے وہ سوختہ بخت لوگ جنہیں اصحاب الشمال (بائیں ہاتھ والے) کہا گیا ہے۔ تو ان کی حالت بڑی خراب ہوگی۔ (۵۶/۹)۔

۴۲ تا ۴۴ ان کے لئے جھلسا دینے والی لُو' کھولتا ہوا پانی۔ اور سیاہ دھوئیں کے سائے ہوں گے۔ نہ ان کے لئے ٹھنڈک ہوگی نہ عزت۔ نہ ہی طبیعی زندگی کی آسائشیں اور نہ ہی عزت و توقیر)۔

۴۵ ان کی یہ حالت کیوں ہوگی؟ اس لئے کہ وہ اس سے پہلے دوسروں کی کمائی پر عیش پرستی اور تن آسانی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

۴۶ اور اگرچہ انہیں بار بار سمجھایا جاتا تھا لیکن وہ اس مجرمانہ روش زندگی پر بڑے اصرار سے جمے رہتے تھے۔ اسے کسی طرح بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔

۴۷ ۴۸ (جب ان سے کہا جاتا کہ زندگی اسی دنیا کی زندگی نہیں' جو تم سمجھ لو کہ اگر ہم نے یہاں

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا
الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ
عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا
تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

خوش حالی کی زندگی بسر کرلی' خواہ وہ خوش حالی کسی طریق سے ہی حاصل کیوں نہ کی گئی ہو' تو ہم کامیاب و کامران ہو گئے۔ زندگی اس کے بعد بھی مسلسل آگے چلے گی' اور وہاں کی خوش حالی اس کے حصے میں آئے گی جو یہاں قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے گا' تو اس کے جواب میں) وہ کہا کرتے تھے کہ تم نے کیا کہا؟ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہو جائیں گے اور صرف ہماری ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ جائے گا' تو کیا اس کے بعد ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ ——— ہم بھی اور ہمارے آباء و اجداد بھی (جو مدت ہوئی مر مٹ چکے ہیں!)۔

۴۹ (ہم اپنے رسولوں سے کہتے تھے کہ تم ان سے) کہدو کہ ہاں! پہلے اور پچھلے سب دوبارہ
۵۰ زندہ ہوں گے اور ایک مقررہ دن کے متعینہ وقت پر سب اکٹھے ہوں گے۔ (یہاں سے اپنے اپنے وقت پر جانے والے' وہاں والوں سے ملتے جائیں گے)۔

۵۱ پھر اے غلط راستہ پر چلنے والو' اور صحیح روشِ زندگی سے انکار کرنے والو! شجرۃ الزقوم تمہارا
۵۲ رزق ہوگا۔ (۳۷/۶۲ ؛ ۴۴/۴۳)۔

۵۳ تم اپنا پیٹ اس سے بھرو گے۔ پھر اوپر سے کھولتا ہوا پانی پیو گے۔ (اس سے تمہاری پیاس اور بھڑک اٹھے گی تو) تم اسے اندر انڈیلتے جاؤ گے جس طرح وہ اونٹ پانی پیئے چلا جاتا ہے جسے جھولی پیاس کا مرض لاحق ہو گیا ہو۔ (وہ پانی پیئے جاتا ہے لیکن اس کی پیاس بجھتی ہی
۵۵ نہیں۔ (۵۶/۹۲-۹۳)۔ ہوسِ زر پرستی سے مترفین کی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ ۱۰۲/۲—۱)۔

۵۶ ظہورِ نتائج کے وقت ان کی اس طرح "خاطر تواضع" ہو گی۔ (یعنی خود ان کے اعمال ان کی سزا بن کر ان کے سامنے آجائیں گے)۔

۵۷ (ان سے' اے رسول! کہو کہ یہ بات کہ تم دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے' تم سے) وہ خدا کہہ رہا ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ تمہیں اپنی پہلی بار کی پیدائش پر تعجب کیوں نہیں آتا' جو دوسری بار کی پیدائش کو ممکن تصور نہیں کرتے' اور اسے جھٹلا رہے ہو۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تُمْنُونَ ﴿٥٨﴾ ءَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلْخَٰلِقُونَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ ٱلْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ
بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾ عَلَىٰٓ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَٰلَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِى مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ ٱلنَّشْأَةَ ٱلْأُولَىٰ
فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَآءُ
لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾

---

۵۸ تم ذرا اس پر غور کرو کہ مرد اور عورت کے جنسی اختلاط سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ کس کے
۵۹ قانونِ تخلیق کے مطابق پیدا ہوتا ہے؟ وہ ہمارے ہی تخلیقی پروگرام کے مطابق پیدا ہوتا ہے۔ تمہارے نہیں۔

۶۰ پھر ہم اس بچے کو مختلف مراحل میں سے گذار کر بڑا کرتے ہیں۔ اسی قانون تخلیق و زندگی کے مطابق ہم نے تمہاری موت کے اندازے مقرر کر رکھے ہیں۔

۶۱ لہٰذا ہم قطعاً اس سے عاجز نہیں کہ تمہارے ان پیکروں کو بدل کر تمہیں ایک ایسی نئی شکل میں پیدا کر دیں جس کا تمہیں آج علم ہی نہیں۔

۶۲ ذرا سوچو کہ جب تم اپنی موجودہ زندگی کا یقینی علم رکھتے ہو ـــــ تمہیں اپنے زندہ اور موجود ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں ـــــ تو تم اپنی دوسری زندگی کے متعلق یقین کیوں نہیں کرتے؟ (ہم جانتے ہیں کہ تمہیں اُس زندگی کے تصور سے گھبراہٹ کیوں ہو رہی ہے۔ ہم تمہیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ زندگی کس طرح ایسی حسین بن سکتی ہے کہ تم اس سے بھاگنے کی بجائے اسے لپک کر گلے سے لگا لو۔ اسے غور سے سنو)۔

۶۳ ۶۴ (اس مقصد کے لئے تم ذرا اس نظام پر غور کرو جس کے مطابق تمہاری پرورش اور نشوونما ہوتی ہے اور سوچو کہ کیا یہ سب کچھ خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے یا تمہارے وضع کردہ قوانین کے مطابق۔ مثلاً) تم جو کھیتی باڑی کرتے ہو، تو غور کرو کہ اس میں تمہارا عمل دخل کتنا ہوتا ہے اور ہمارا قانون کیا کچھ کرتا ہے۔ تم زمین میں ہل چلا کر اس میں بیج ڈال دیتے ہو۔ اب بتاؤ کہ اس بیج سے فصل کون اُگاتا ہے؟ کیا یہ تم کرتے ہو یا ہمارے قانون کی رو سے ایسا ہوتا ہے۔ (۲۵ : ۳۰)۔

۶۵ تا ۶۷ پھر کھیتی کے اُگنے کے بعد اس کی حفاظت کون کرتا ہے؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی آفت آجائے جس سے اُگی ہوئی کھیتی تہس نہس ہو کر رہ جائے ـــــ اس طرح تہس نہس

أَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِى تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ
أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِى تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَآ أَمْ نَحْنُ
الْمُنشِـُٔونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَٰهَا تَذْكِرَةً وَمَتَٰعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

کہ تم سر پکڑ کر بیٹھ جاؤ اور ایک دوسرے سے کہنے لگو کہ ہم بالکل تباہ ہو گئے۔ ہم یکسر محروم اور بے نصیب رہ گئے۔ اس کھیتی سے غلہ ملنا تو ایک طرف، ہماری محنت اور بیج بھی بیگار میں گئے۔

۶۸ پھر تم ذرا اس پانی پر غور کرو جس پر تمہاری کھیتی ہی کا نہیں بلکہ خود تمہاری زندگی کا دارومدار ہے۔

۶۹ کیا اسے بادلوں سے تم برساتے ہو یا ہمارا قانون ربوبیت ایسا کرتا ہے؟

۷۰ (یہ بادل سمندر کے پانی سے ترتیب پاتے ہیں جو اس قدر کھاری ہوتا ہے کہ نہ پینے کے کام آسکتا ہے نہ کھیتی باڑی کے) ذرا سوچو کہ اگر بادلوں کا پانی (بارش) ویسے کا ویسا کھاری رہتا تو تم کیا کرتے؟ حیرت ہے کہ تم اس قدر صاف اور سیدھے معاملہ پر اس نہج سے غور کر کے صحیح نتیجے تک کیوں نہیں پہنچتے اور نشوونما کے متعلق خدا کے نظام کی قدر شناسی کیوں نہیں کرتے!

۷۱ اسی طرح تم اس آگ پر غور کرو جسے تم روشن کر کے اس سے اتنے کام لیتے ہو؛ کہو کہ سبز
۷۲ درختوں کی شاخوں میں حرارت کو یوں سمٹا کر رکھ دینا —— رگِ خس میں شعلے کو نہاں کر دینا۔ تمہاری کاریگری سے ہے یا ہمارا قانون ایسا کرتا ہے؟

۷۳ (رزق پیدا کرنے کی اس تمام کائناتی مشینری پر غور کرو اور سوچو کہ یہ کس کے قانون کی کارفرمائی ہے پھر اس پر بھی غور کرو کہ اس تمام پروگرام میں تمہارا حصہ کس قدر ہے اور نظام خداوندی کا کس قدر؟ تم کسی نہج سے بھی غور کرو بہرحال اسی نتیجہ پر پہنچو گے کہ اس کارگاہ میں تم صرف محنت کرتے ہو۔ باقی سب کچھ خدا کا نظام کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے ماحصل (سامانِ زیست) میں بھی تمہارا حصہ بقدر تمہاری محنت کے ہو سکتا ہے۔ تم پورے کے پورے مالک نہیں بن سکتے)۔ یہ تمام ذرائع پیداوار از خود موجود رہتے ہیں —— یہ نہ تمہارے بنائے ہوئے ہیں نہ خریدے ہوئے۔ یہ تمہیں اس حقیقت کی یاددہانی کراتے ہیں کہ انہیں خدا نے بھوکوں کے لئے سامانِ زندگی بنایا ہے۔ (۴۱/۱۰)۔

۷۴ لہٰذا صحیح روشِ زندگی یہ ہے کہ تم (اس سامانِ نشوونما کو اپنے حلقوں اور گروہوں میں محدود کر دینے کے بجائے اسے نوعِ انسانی کی عالمگیر ربوبیت کے لئے کھلا رکھو اور یوں

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾
لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾
وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾

دنیا میں) خدا کی ربوبیتِ عظمیٰ کے قیام کے لئے سرگرمِ عمل رہو۔ (یہ وہ طریق ہے جس سے تمہاری ذات کی نشوونما ہو جائے گی اور تمہاری اگلی زندگی جس کے تصور سے تمہیں اس وقت اس قدر گھبراہٹ ہو رہی ہے اور اس لئے تم اس سے انکار کر رہے ہو بڑی حسین بن جائے گی)۔

۷۵ (قرآن اسی نظامِ ربوبیت کا ضابطہ ہے جس میں زندگی کے محکم اور غیر متبدل اصول دیئے
۷۶ گئے ہیں)۔ اس دعوے کے ثبوت میں ہم ستاروں کے طلوع و غروب کے مقامات کو بطور شہادت پیش کرتے ہیں۔ (۵۶/۷۵ ؛ ۷۰/۴۰ ؛ ۱۵/۸۱) ——— اور اگر تمہیں رموز و اسرارِ کائنات کا علم ہو، تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ شہادت کس قدر عظیم ہے۔

۷۷ ستاروں کی گذرگاہوں کی یہ شہادت تم پر واضح کر دے گی کہ یہ قرآن نوعِ انسان کے لئے کس قدر منفعت بخش، اور زندگی کی خوش حالیوں اور فراوانیوں کا کیسا محکم کفیل ہے۔ یہ ضابطہ
۸۰ ایک محفوظ کتاب کے اندر رکھ دیا گیا ہے (۲۴/۸۵ ؛ ۲۱)۔ لیکن اس کے حقائق سے وہی لوگ صحیح معنوں میں مطلع ہو سکتے ہیں جنہیں قلب و دماغ کی پاکیزگی نصیب ہو۔ (اس سے بہرہ یاب ہونے کے لئے تطہیرِ فکر و نظر ضروری ہے۔ یعنی اگر انسان پہلے سے کچھ خیالات ذہن میں رکھ کر یا جذبات سے مغلوب ہو کر قرآن کا مطالعہ کرے تو وہ اس سے مستفیض نہیں ہو سکے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خالی الذہن ہو کر اور جذبات سے الگ ہٹ کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرے)۔ یہ اس خدا کی طرف سے بتدریج نازل ہوا ہے جو تمام نوعِ انسان کا نشوونما دینے والا ہے (اسلئے اس کا مقصود بھی نوعِ انسان کی نشوونما ہے)۔

۸۱ کیا تم ایسے ضابطۂ قوانین میں خیانت کرتے ہو؟ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس کی صحیح
۸۲ تعلیم میں کمی بیشی کرتے ہو! کیا تم اپنے خود ساختہ خیالات کو اس کتاب کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو صحیح مقام سے پھسلانا چاہتے ہو؟ اور یہ سب اس لئے کرتے ہو کہ تمہاری روٹی کا سامان بہم پہنچتا رہے۔ تم اس کی تکذیب کو اپنے لئے ذریعۂ معاش بناتے ہو؟ (کتنی بُری ہے یہ روش، اور کیسا پست ہے وہ مقصد جس کے لئے تم یہ سب کچھ کرتے ہو؟ اگر تم اس کے بجائے اس کے پیش کردہ نظامِ ربوبیت کو قائم کرو تو تمہیں اس دنیا میں بھی عزت کی روٹی ملے اور تمہاری اُخروی زندگی

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ
لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾
فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ

بھی درخشندہ ہو جائے)۔

۸۳ (تم اس نخوت اور تکبّر کی وجہ سے قرآن کے سامنے نہیں جھکتے کہ ہم کسی دوسرے کے قانون
۸۴ کی اطاعت کیوں کریں خواہ وہ خدا ہی کا قانون کیوں نہ ہو۔ لیکن تم اس پر کبھی غور نہیں کرتے
کہ تم تو زندگی کے ہر سانس میں قانون خداوندی کی اطاعت پر مجبور ہو۔ تم اپنے آپ کو اس کے
احاطہ سے باہر لے جا ہی نہیں سکتے۔ مثلاً) یہ تمہارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جب تم میں سے
کوئی مرنے کے قریب ہوتا ہے اور اس کی سانس اس کے حلق میں اٹک جاتی ہے' تو تم بے بس
ہو کر اس مرنے والے کو' اور ایک دوسرے کو تک رہے ہوتے ہو۔

۸۵ اس وقت' ہمارا قانون موت و حیات' تم سب کے مقابلہ میں' اُس مرنے والے کے قریب
ہوتا ہے۔ یعنی اس پر اس قانون کی گرفت محکم ہوتی ہے اور تم سب بے بس ہوتے ہو۔ اس وقت
۸۶ تمہاری نگاہ کبھی اس طرف نہیں جاتی کہ اگر تم فی الواقعہ خدا کے قانون کے تابع زندگی نہیں بسر
کر رہے اور خود مختار ہو' تو تم مرنے والے کی زندگی کو واپس کیوں نہیں لے آتے؟ اگر تم اپنے
اس دعوے میں سچے ہو کہ تم کسی کے تابع فرمان نہیں ہو' تو تمہاری یہ بیچارگی اور بے بسی کیوں ہوتی
ہے؟

۸۸ (یہ طبیعی توانین اپنے نتائج محسوس شکل میں سامنے لے آتے ہیں اس لئے انسان ان کے
۸۹ بارے میں شک و شبہ نہیں کرتا۔ لیکن خدا کا قانون مکافات چونکہ غیر مرئی اور غیر محسوس طور پر
کام کرتا ہے' اس لئے وہ اس کے متعلق یقین نہیں کرتا۔ حالانکہ اس کا قانونِ مکافات' اسی طرح
برحق ہے' جس طرح طبیعی قانون۔ حقیقت یہ ہے کہ طبیعی قانون بھی تو قانونِ مکافات ہی کی
ایک شکل ہے ـــــ اس میں بھی ہر عمل ایک متعین نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ یہی صورت اس قانون مکافات
کی ہے جس کی رُو سے انسان کی انسانی زندگی کے اعمال کے نتائج مرتب ہوتے ہیں)۔ چنانچہ
اگر یہ مرنے والا' اپنے اعمال کے لحاظ سے' خدا کے ہاں بلند مراتب کا مستحق ہوتا ہے تو اس کیلئے
ہر طرح کی آسائش و راحت اور آسودگی و خوش حالی کی زندگی ہوتی ہے۔ (۱۰ — ۵۶)۔

۹۰ ۹۱ اور اگر وہ' دوسرے درجے پر' اصحاب الیمین میں سے ہوتا ہے (۵۶/۹۰)۔ تو اس کے لئے بھی

الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾
فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ
الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

سلامتی اور عافیت ہوتی ہے۔

۹۲ لیکن اگر وہ ان میں سے ہوتا ہے جو غلط روش پر چلتے اور صحیح راستے کو جھٹلاتے ہیں۔

۹۳ ۹۴ تو اس کی تواضع کھولتے ہوئے پانی اور جھلسا دینے والی آگ سے ہوتی ہے۔ جس سے انسانی صلاحیتوں کی نشوونما رک جاتی ہے۔

۹۵ یہ سب کچھ (جسے اس وقت تمثیلی انداز میں بیان کیا جا رہا ہے) ایک حقیقت ہے جو واقع ہو کر رہے گی۔

۹۶ (سو جب واقعہ یہ ہے کہ) تو پھر تمہارے لئے اس کے سوا اور کونسی روش زندگی ہو سکتی ہے کہ تم اپنے نشوونما دینے والے کے ربوبیت عامہ کے پروگرام کو مشہود طور پر مستحق حمد و ستائش بنانے کے لئے سرگرم عمل رہو۔ یعنی اسے اس انداز سے متشکل کرو کہ ساری دنیا پکار اٹھے کہ فی الواقعہ قابل صد ہزار حمد و ستائش ہے وہ ذات جس کا نظام ایسے خوشگوار اور انسانیت ساز نتائج پیدا کرتا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳

---

۱ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے' سب خدا کے متعین فرمودہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ وہ بڑے ہی غلبہ کا مالک ہے۔ لیکن اس کا غلبہ اندھی قوت نہیں۔ وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے۔

۲ ساری کائنات میں صرف اسی کا قانون نافذ العمل ہے۔ یہاں اور کسی کی حکومت نہیں۔ حتیٰ کہ زندگی اور موت بھی اسی کے قانون کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس نے ہر شے کے اندازے مقرر کر رکھے ہیں۔ (انہی اندازوں کو اس کا قانون کہا جاتا ہے) اور ان پر اسے پورا پورا کنٹرول ہے۔

۳ اُس کی ذات' زمان و مکان کی نسبتوں سے ماورا ہے۔ سب سے اوّل بھی وہی ہے اور سب سے آخر بھی وہی۔ اس کے لئے نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ وہ ہر شے پر غالب ہے لیکن اس کا غلبہ غیر مرئی اور غیر محسوس طور پر کام کرتا ہے (قانون ہوتا ہی غیر مرئی اور غیر محسوس ہے' لیکن اس کے نتائج محسوس اور مرئی ہوتے ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ جملہ کائنات' اس کی صفتِ خالقیت و ربوبیت کی مظہر اور اس کی ہستی کی زندہ شہادت ہے' لیکن اس کی ذات' انسانی نگاہوں سے

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی
الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۴ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی
النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَهُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ
مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝۷

پنہاں اور مستور ہے۔ اس اعتبار سے وہ باہمہ بھی ہے اور بے ہمہ بھی[1]۔ اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔

۴ اس نے کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو' چھ مختلف ادوار میں' متنوع منازل سے گذار کر پیدا کیا' اور اس کا مرکزی کنٹرول اپنے دست قدرت میں رکھا۔ جو کچھ زمین سے نکلتا اور جو کچھ اس کے اندر داخل ہوتا ہے۔ جو کچھ فضا کی بلندیوں سے نیچے اترتا اور جو کچھ اوپر چڑھتا ہے۔ وہ ان سب کا علم رکھتا ہے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو' سب اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔

۵ کائنات میں سارا اقتدار و اختیار اسی کا ہے۔ ہر معاملہ اسی کے قانون کے گرد گردش کرتا ہے۔ ہر بات کا فیصلہ' اسی کے قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ کوئی اس کے احاطہ سے باہر نہیں جا سکتا۔

۶ یہ اسی کا قانون ہے جس کی رُو سے رات' آگے بڑھتی بڑھتی' دن کی حدوں میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور دن' سرکتا سرکتا' رات کے آغوش میں جا چھپتا ہے۔ وہ صرف خارجی کائنات کے رموز و اسرار سے ہی واقف نہیں' وہ انسانوں کے دل میں گذرنے والے خیالات تک سے باخبر ہے۔

۷ لہٰذا' تم اس خدا پر ایمان لاؤ اور اس کے اُس رسول پر' جس کی وساطت سے اس نے اپنا قانون انسانوں کی طرف بھیجا ہے۔ (اس ایمان کا عملی مظاہرہ یہ ہے کہ) تم رزق کے سرچشموں کو' جو دوسروں کی جانشینی سے اب تمہاری تحویل میں آئے ہیں' نوع انسان کی پرورش کے لئے کھلا رکھو۔

---

[1] الٰہیات کی اصطلاح میں یوں کہا جائے گا کہ وہ (TRANSCENDENT) بھی ہے اور (IMMANENT) بھی۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ ۝ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ
بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ
لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ
بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

(۱ ع ۱۰ ۱۷)

یاد رکھو! تم میں سے جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھیں گے اور اپنے مال اور رزق کے سرچشموں کو ربوبیت عامہ کے لئے کھلا رکھیں گے' تو ان کے لئے اس کے نتائج بڑے بلند اور ذی شان ہوں گے۔

۸ ان تصریحات کے بعد تم بتاؤ کہ وہ کونسی چیز ہے جو تمہیں خدا کے اس نظام پر ایمان لانے سے روکتی ہے' درانحالیکہ یہ نظام محض نظری حیثیت نہیں رکھتا بلکہ خدا کا رسول تمہیں اس کی طرف عملی دعوت دے رہا ہے۔ اور وہ تم سے اس کا پختہ عہد بھی لے چکا ہے۔ سو جب تم اس پر ایمان بھی لا چکے ہو' اور اس کا عہد بھی کر چکے ہو' تو اب اس کی عملی تشکیل میں کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے؟

۹ تمہیں معلوم ہے کہ رسول کی اس دعوت کا مقصد کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ تمہیں موت کی تاریکیوں سے نکال کر زندگی کی تابناک روشنی میں لے آئے۔ اس مقصد کے لئے خدا نے اسکی طرف یہ ضابطہ قوانین نازل کیا ہے۔ وہ چاہتا یہ ہے کہ تمہاری پوری پوری نشوونما ہو جائے۔ (اس نے تمہاری طبیعی نشوونما کے لئے' زمین کے دسترخوان پر رزق بکھیر دیا۔ اور تمہاری ذات کی نشوونما کے لئے یہ ضابطہ ہدایت نازل کر دیا)۔

۱۰ تم سوچو کہ جب حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کی ملکیت ہے' تو تمہارے لئے یہ کس طرح روا ہو سکتا ہے کہ تم رزق کے سرچشموں کو اپنی ملکیت سمجھ لو اور انہیں ربوبیت عامہ کے لئے کھلا نہ رکھو؟

یہ بھی یاد رکھو کہ (جو لوگ نظام خداوندی کے ان دیکھے نتائج پر یقین کر کے' اس کے قیام کے لئے عملی کوشش کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے) اپنا مال بھی کھلا رکھتے ہیں' اور عند الضرورت سربکف میدانِ جنگ میں بھی آجاتے ہیں' وہ السابقون الاولون ہوتے

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾ یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ
فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ
مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ
وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾

ہیں۔ ان کے مدارج 'یقیناً' اُن لوگوں سے بلند ہوتے ہیں جو اس نظام کے قیام کے بعد اسکے نتائج کو سامنے دیکھ کر اس میں شامل ہوتے ہیں۔ بنابریں 'تم میں سے جن لوگوں نے اپنے مال و دولت کو اس نظام کے غلبہ (سلسلۂ فتوحات) سے پہلے اس مقصد کے لئے عام کر رکھا تھا' اور جو اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لئے' مخالفین کے مقابلہ کے لئے میدانِ جنگ میں نکل آتے تھے' ان کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جنہوں نے اس کے بعد ایسا کیا۔ اوّل الذکر کے درجات بہت بلند ہیں۔ اگرچہ ان سب کے لئے خدا نے خوشگواریوں اور کامرانیوں کے وعدے کر رکھے ہیں (اور نظام خداوندی کے ثمرات میں ان سب کا حصہ ہے)۔ یہ اس لئے کہ خدا 'ہر ایک کے اعمال سے باخبر ہے' (اور اس کے ہاں مدارج کا تعین' اعمال کی نسبت سے ہوتا ہے۔ $\frac{۵۵}{۶۲}$: $\frac{۵۶}{۱۲ \text{ ــــ } ۸}$)۔

۱۱ نظام خداوندی کے قیام اور استحکام کے لئے جو شخص بھی اپنی دولت 'حسن کارانہ انداز سے' اس نظام کے حوالے کرے گا' تو اس کا دیا ہوا مال' دوگنا چوگنا ہو کر اس کی طرف واپس آجائیگا۔ یعنی اس سے ایسا معاشرہ قائم ہو جائے گا جس میں ہر طرح کی فراوانیاں اور خوشگواریاں ہونگی' اور اس کی اپنی ذات کی بھی ایسی نشوونما ہو جائے گی جس سے وہ بڑی عزت و تکریم کی حامل ہو جائیگی۔ (اس طرح' اس کا حال اور مستقبل ــــ دنیا اور آخرت ــــ دونوں روشن ہو جائیں گے)۔

۱۲ ایسے روشن کہ تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کی پیشانیوں کا نور' ان کے آگے آگے دائیں (رہائیں) چل رہا ہو گا تاکہ ان کی زندگی کی تمام راہیں جگمگا اٹھیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہارے لئے اس جنتی معاشرہ کی بشارتیں ہیں جس کی بہاروں پر کبھی خزاں نہیں آئے گی۔ جس کی شادابیاں ہمیشہ تر و تازہ رہیں گی ــــ اور یہ زندگی کی بہت بڑی کامرانی ہے' جس کے حصّے میں آجائے۔

۱۳ اور یہ لوگ جو آج تمہارے ساتھ منافقت برت رہے ہیں ــــ یعنی بظاہر تمہارے ساتھ

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوَاكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾

چل رہے ہیں لیکن درحقیقت تم سے الگ ہیں ـــــ اُس وقت مومنین سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو! ہم بھی تمہاری اس روشنی سے اکتسابِ ضیا کرلیں (کچھ فائدہ اٹھالیں)۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ (یہ روشنی دوسروں سے مانگے نہیں ملا کرتی۔ یہ شمع اپنے اپنے اعمال کے تیل سے روشن ہوا کرتی ہے' اس لئے' تم اگر جاسکتے ہو تو) پچھلی زندگی کی طرف لوٹ جاؤ اور وہیں سے اس روشنی کو تلاش کرو۔ (اس لئے کہ یہ روشنی ان اعمال کا نتیجہ ہے جو دنیاوی زندگی میں سرزد ہوئے تھے۔ اور چونکہ دنیاوی زندگی کی طرف کوئی لوٹ نہیں سکتا' اس لئے انہیں کہیں سے روشنی نہیں مل سکے گی ـــــ جس کا دِیا اس زندگی میں بجھ گیا وہ اُس زندگی میں بھی تاریکیوں ہی میں رہے گا۔ ۱۷/۳۲)۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی (۱۳/۲۵)۔ جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے اندر کی طرف (جہاں خلوص قلب والے مومن ہوں گے) رحمت ہی رحمت ہوگی۔ اور باہر کی طرف (جہاں منافقین ہوں گے) عذاب ہی عذاب ہوگا۔ (ایمان اور منافقت میں' ظاہری بُعد تو ایک اوٹ ہی کا ہوتا ہے' لیکن نتائج کے اعتبار سے وہ ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں)۔

۱۴ وہ منافقین' ان مومنین کو آواز دے کر کہیں گے' کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں ہوا کرتے تھے؟ (اس لئے اب تم' ہم سے الگ کیوں ہو رہے ہو!)۔ وہ کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے کہ تم (بظاہر) ہمارے ساتھ ہی ہوا کرتے تھے' لیکن تم نے اپنے آپ کو دھوکے میں رکھا تھا۔ تم ہمیشہ کنارے پر کھڑے' اس انتظار میں رہتے تھے کہ دیکھیں! پلڑا کس طرف جھکتا ہے تاکہ اُسی طرف تم بھی ہو لو۔ تم نظامِ خداوندی کی صداقت کے بارے میں ہمیشہ شک اور اضطراب میں رہتے تھے۔ تمہاری انفرادی مفاد پرستیاں تمہیں طرح طرح کا فریب دیا کرتی تھیں۔ تم اسی کشمکش اور دھوکے میں رہے تاآنکہ قانونِ خداوندی کی رُو سے فیصلہ کن انقلاب آگیا۔ (لہٰذا' تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ تم ہمارے ساتھ ہوا کرتے تھے!)۔

۱۵ (پھر تم نے اپنے آپ کو اس فریب میں بھی رکھا کہ اگر خدا کے ہاں گرفت ہوئی تو ہم کچھ دے دلا کر چھوٹ جائیں گے)۔ اب تم دیکھو گے کہ اس عذاب سے فدیہ دے کر نہ تم ہی چھوٹ سکو گے

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑯ اِعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑰ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ
وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ⑱

اور نہ ہی وہ لوگ جو کھلے بندوں' قانون خداوندی سے انکار اور سرکشی اختیار کرتے تھے۔ (تم دونوں ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہو)۔ لہٰذا' تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہی تمہارا کارساز و رفیق ہے۔ ——— اب تم دیکھ لوگے کہ تمہارا انجام کس قدر بُرا ہے۔

۱۶ یہ لوگ جو جماعت مومنین میں داخل ہو چکے ہیں لیکن ان میں ہنوز ایمان کی کمزوری ہے' (۴۹/۱۴) کیا ان کے لئے (حقائق کے اس طرح بے نقاب ہو جانے کے بعد بھی) پختگیِ ایمان کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل' قوانین خداوندی کے سامنے جھک جائیں ——— یعنی اس قانون کے سامنے جو ایک حقیقتِ ثابتہ کی طرح نازل ہوا ہے۔ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں اس سے پہلے' آسمانی کتابیں دی گئی تھیں لیکن' جب اس پر ایک لمبا عرصہ گذر گیا' تو ان کے دل سخت ہو گئے' اور ان میں سے اکثر' صحیح راستہ چھوڑ کر' دوسرے راستوں پر چل نکلے۔

۱۷ (ان لوگوں کے لئے جن کے ایمان میں ابھی تک پختگی پیدا نہیں ہوئی' مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ انہیں زندگی کا صحیح راستہ مل سکتا ہے؟) کیا یہ دیکھتے نہیں کہ خدا کا قانون زمین مردہ کو پھر سے زندگی عطا کر دیتا ہے؟ اسی طرح' اس ضابطۂ خداوندی کی رو سے' انہیں بھی حیات نو مل سکتی ہے۔

ہم نے تم سے' اپنی باتیں واضح طور پر بیان کر دی ہیں' تاکہ تم عقل و فکر سے کام لے کر صحیح نتیجہ تک پہنچ سکو۔

۱۸ یاد رکھو! جو لوگ ——— مرد ہوں یا عورتیں ——— اپنے دعوئے ایمان کو' اپنے اعمال سے سچا کر کے دکھاتے ہیں۔ یعنی حسن کارانہ انداز سے' اپنی دولت کو نظام خداوندی کے لئے "قرض" دیتے ہیں تو ان کا دیا ہوا' انہیں' بڑھ چڑھ کر واپس مل جاتا ہے' اور اس کے ساتھ انہیں نہایت عزت و تکریم کی زندگی عطا ہو جاتی ہے (اس دنیا میں بھی' اور آخرت میں بھی)۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۚ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ
وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۹ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ ۳ ۴۹ ۱۸
الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ
اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ
وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰

---

۱۹ جولوگ اس طرح خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں تو یہی لوگ ہیں جو اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہوتے ہیں اور اپنی عملی جدوجہد سے نظام ربوبیت کے شاہد (نگران) بن جاتے ہیں۔ (۴/۶۹)۔ ان کے لئے بلند مدارج ہیں اور وہ روشنی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے (۵۷/۱۲)۔ ان کے برعکس جو لوگ اس ضابطہ حیات سے انکار کرتے ہیں اور ہمارے قوانین کو جھٹلاتے ہیں تو یہ وہ لوگ ہیں (جن کی زندگی کی راہیں تاریک رہتی ہیں اور وہ) آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یہ اہل جہنم ہیں۔

۲۰ (ان کی نگاہیں صرف طبیعی زندگی کے پیش پا افتادہ مفاد پر ہوتی ہیں حالانکہ قرآن کے دیئے ہوئے بلند تصور کے مقابلہ میں 'طبیعی مفاد' کی حیثیت محض) کھیل تماشے کی سی ہوتی ہے جس سے کچھ وقت کے لئے دل بہلا لیا جائے۔ یا زیبائش و آرائش کر لی جائے۔ یا اس پر فخر کیا جائے کہ میرے پاس دوسروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ساز و سامان ہے۔ یا مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی دوڑ لگائی جائے۔ (یہ چیزیں بھی ضروری ہیں بشرطیکہ انہیں زندگی کے بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ سمجھا جائے۔ لیکن اگر انہیں مقصود بالذات سمجھ لیا جائے تو یہ تصور باطل ہے۔ اس طرح ان سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کی) مثال ایسی کھیتی کی سی ہے جو بارش کے ایک چھینٹے سے اگ کھڑی ہوا اور اسے دیکھ کر کسان بہت خوش ہو جائے۔ لیکن ایسی کھیتی دوسرے ہی دن خشک ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ ذرا سی دھوپ سے زرد پڑ جاتی ہے اور پھر چور چور ہو کر مرجھا جاتی ہے۔ اور آل کار اس کسان کے لئے انتہائی مصیبت کا باعث بن جاتی ہے۔ ان تباہیوں سے بچنے کی صورت ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان اپنی تمام جدوجہد کو قوانین خداوندی سے ہم آہنگ رکھے۔
پھر سمجھ لو کہ محض طبیعی زندگی کو مقصود حیات سمجھ لینے سے سامان زیست تو ضرور

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾

مل جاتا ہے لیکن وہ متاع بڑی ناپائیدار اور کم قیمت کی ہوتی ہے اور اس سے انسان دھوکا کھا جاتا ہے (۱۶/۹۲ ؛ ۸۳/۲۶ ؛ ۱۰۲/۱)۔

۲۱ (تفاخر و تکاثر یعنی ایک دوسرے سے بڑھ جانے کا جذبہ بیشک انسانوں میں ہوتا ہے[1]۔ لیکن تم نے اس جذبہ کی تسکین کے لئے میدان غلط منتخب کیا ہے۔ اس کے لئے صحیح میدان یہ ہے کہ تم قوانین خداوندی کے اتباع سے تخریبی قوتوں سے حفاظت طلب کرو۔ اور اُس جنت کو حاصل کرو جس کی آسائشیں اور مسرتیں ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔
—— وہ کسی خاص مقام میں محدود نہیں۔ اس کی وسعت زمین و آسمان کو محیط ہے (۳/۱۳۲)۔
—— وہ تیار رکھی ہے ان کے لئے جو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں۔ یہ آسائشیں اور خوش حالیاں، ہر اس شخص کو مل سکتی ہیں جو انہیں، قوانین خداوندی کے مطابق حاصل کرنا چاہے۔ خدا بڑی آسائشوں اور خوش حالیوں کا عطا کرنے والا ہے۔
ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہتے ہو تو اس میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

۲۲ (ہم نے قانون یہ بتایا ہے کہ معاشی خوش حالیاں اسے حاصل ہوتی ہیں جو انہیں خود حاصل کرنا چاہے۔ اس سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ رزق کمانے کی استعداد، مختلف افراد میں، پیدائشی طور پر مختلف ہوتی ہے۔ نیز، بعض خارجی حوادث کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے کہ ایک شخص میں کمائی کی استعداد کم ہو جائے، یا بالکل ہی جاتی رہے۔ تو، مندرجہ بالا قانون کے مطابق ایسے لوگ بڑے نقصان میں رہیں گے۔ یہ تمام امور ہماری نگاہ میں ہیں، اس لئے) ہم نے ان

---

[1] تحفظ خویش (PRESERVATION OF SELF) زندگی کا تقاضا ہے جو ہر جاندار کے اندر جبلی طور پر BY-INSTINCT) موجود ہے۔ دوسروں سے آگے بڑھ جانے کا جذبہ اسی تقاضے کا پیدا کردہ ہے۔ اگر انسان اس جذبہ کی تسکین اس طرح کرے کہ اس کی ذات کی نشوونما دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ ہو جائے، تو یہ چیز حیوانی سطح سے بلند ہو کر انسانی سطح کا تقاضا بن جائے گی۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٢٣﴾
الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۗ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ
أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنزَلْنَا

داخلی یا خارجی حوادث کے رونما ہونے سے پہلے ہی' اپنے ضابطہ قوانین میں' اس کی تلافی کا سامان رکھ دیا ہے۔ ہمارے نظام ربوبیت میں اس قسم کی شق کا رکھا جانا' کچھ بھی مشکل نہ تھا۔

۲۳ اس نظام میں تمام افراد کی محنت کا ماحصل' تمام انسانوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے کھلا رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کو اکتساب رزق کی استعداد کم ملی ہے۔ یا وہ کسی وجہ سے' کم یا سلب ہو گئی ہے' تو اس سے اس کی ضروریات پوری ہونے میں کچھ کمی نہیں واقع ہوتی۔ لہٰذا اس کی اکتسابی قوت میں کمی' اس کے لئے ذرا بھی باعث تاسف یا وجہ غم نہیں بنتی۔ دوسری طرف' اس سے یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو زیادہ استعداد حاصل ہوتی ہے' وہ اسے اپنی ذاتی ہنرمندی سمجھ کر' اس پر اتراتے نہیں کیونکہ وہ اس کی رُو سے حاصل شدہ فراواں رزق کو اپنی انفرادی ملکیت نہیں سمجھتے۔ وہ جانتے ہیں کہ ایسے لوگ جو خود پسند ہوں اور ایسی باتوں کی وجہ سے بڑا بننے کی کوشش کریں جو ان کی اپنی پیدا کردہ نہیں' قوانین خداوندی کی نگاہوں میں پسندیدہ نہیں قرار پاتے۔

۲۴ یعنی ایسے لوگ جو سب کچھ سمیٹ کر اپنے لئے مخصوص کر لیتے ہیں ——— حالانکہ اس میں بیشتر حصہ ان اسباب و ذرائع کا ہوتا ہے جو ان کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہوتے ——— اور اس خیال سے کہ ان کی یہ روش قابل اعتراض قرار نہ پائے' ایسا معاشرہ قائم کرتے ہیں اور اس میں ایسے قوانین نافذ کرتے ہیں جن کی رُو سے اس قسم کی رَوش معیوب ہی نہ سمجھی جاتے۔ یہ لوگ قوانین خداوندی سے علانیہ سرکشی اختیار نہیں کرتے (کہ علانیہ ایسا کرنے کی ان میں ہمت نہیں ہوتی' بلکہ) اس سے گریز کی راہیں نکالتے رہتے ہیں۔

ان سے کہدو کہ اللہ کا نظام ان سے مستغنی ہے۔ وہ اپنے بروئے کار آنے کے لئے ان کی مدد کا محتاج نہیں۔ وہ اپنے آپ کو قابل حمد و ستائش بنانے کے لئے اپنے اندر کافی قوت رکھتا ہے۔

۲۵ اس مقصد کے لئے خدا نے ایسا انتظام کیا ہے کہ وہ' مختلف اقوام کی طرف' اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجتا ہے۔ اور ہر رسول اپنے ساتھ ضابطہ قوانین بھی لاتا ہے۔ وہ اس

الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ
اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ
فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى
ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۚ
وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ
رِعَايَتِهَا ۖ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٧﴾

ضابطۂ قوانین کی رُو سے ایسا معاشرہ قائم کرتے ہیں جس میں ہر شخص کا عمل ٹھیک ٹھیک نتیجہ مرتب کرے اور یوں لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں۔ اس معاشرہ کے استحکام کے لئے اس نے ضابطۂ قوانین کے ساتھ، شمشیر خارہ شگاف (فولاد) بھی نازل کی ہے جس میں بڑی سختی ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ سختی عدل و انصاف کے نظام کے قیام، اور مظلوموں کی حفاظت کے کام آتی ہے اس لئے یہ نوع انسان کے لئے، مضرت رساں ہونے کے بجائے، بڑی منفعت بخش ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کون سے وفا شعار بندے ہیں جو اس نظام خداوندی کی مدد کرتے ہیں جو اس کے رسولوں کے ہاتھوں متشکل ہوتا ہے، حالانکہ اس کے درخشندہ نتائج ہنوز مرئی شکل میں ان کے سامنے نہیں آئے ہوتے، اور وہ اپنے یقینِ محکم کی بنا پر اس کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں کرتے ہیں۔ یوں خدا کا وہ نظام، جو اپنے اندر غلبہ اور قوت رکھتا ہے، ان لوگوں کے ہاتھوں متشکل ہوتا ہے۔

۲۶ یہ تھا وہ مقصدِ عظیم جس کے لئے ہم نے مختلف انبیاءؑ کو بھیجا تھا —— مثلاً نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا، اور ان کی نسل میں کتاب اور نبوت کو جاری رکھا —— ان کی نسل میں سے کچھ لوگ تو راہ راست پر آ گئے اور بہت سے غلط راستوں پر چلتے رہے۔

۲۷ پھر ہم نے ان کے بعد انہی کے نہج پر اور رسول بھی بھیجے۔ اور (سلسلۂ بنی اسرائیل میں) سب سے پیچھے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو بھیجا اور اسے انجیل دی۔ جو لوگ اس کی پیروی کرتے تھے ان کے دل میں خلق خدا کے لئے شفقت، اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیئے (یعنی عیسیٰؑ کی تعلیم کا یہ نتیجہ تھا)۔ باقی رہا مسلکِ رہبانیت (خانقاہیت) جسے تم اس وقت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۸ لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹

ان کے ہاں مروج دیکھتے ہو تو اسے انہوں نے از خود وضع کر لیا تھا۔ ہم نے ان کے لئے اسے مقرر نہیں کیا تھا (دین' ربانیت سکھانے کے لئے آتا ہی نہیں)۔ انہوں نے اسے بزعم خویش اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کیا تھا۔ لیکن اسے بھی جیسا نبا بنا چاہئے تھا نباہ نہ سکے۔ (یعنی ایک تو وہ مسلک ہی ان کا خود وضع کردہ تھا۔ خدا کا مقرر کردہ نہیں تھا۔ پھر اپنے وضع کردہ مسلک کو بھی نباہ نہ سکے ——— وہ مسلک ایسا تھا ہی نہیں جسے نباہا جا سکے)۔

سو ان میں سے جو لوگ اب (قرآن پر) ایمان لا چکے ہیں' ہم انہیں ان کا اجر عطا کریں گے لیکن ان میں سے اکثر غلط راہوں پر چل رہے ہیں۔

۲۸ (یہ ہے ہمارا وہ نظام جو شروع سے چلا آ رہا ہے۔ لہٰذا) اے جماعت مومنین! تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو' اور جو کچھ تم سے تمہارا رسول وحی کی رُو سے کہتا ہے' اس پر یقین رکھو اور اس کی اطاعت کرو۔ اس طرح وہ تمہیں سامان رحمت و ربوبیت کے دو حصے دے گا (ایک حصہ اس دنیا میں' اور دوسرا آخرت میں)۔ اور تمہیں (قرآنی بصیرت کی) ایسی شمع نورانی عطا کر دے گا کہ تم زندگی کی جن راہوں پر بھی چلو گے وہ روشن ہوتی جائیں گی۔ اور اس طرح تم ہر قسم کی تباہی اور بربادی سے محفوظ رہو گے۔ یاد رکھو! اللہ کے نظام میں تباہیوں سے حفاظت اور زندگی کی نشوونما کا سامان دونوں موجود ہیں۔

۲۹ تم نے یہ روش اختیار کی تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ اہل کتاب (یہود جو اس وقت اس دعوت کی اس طرح مخالفت کر رہے ہیں اور اپنی دولتمندی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ رزق کے خزانوں کی کنجیاں انہی کے ہاتھ میں ہیں) اچھی طرح جان لیں گے کہ خدا کی طرف سے ملنے والے سامان زیست پر انہی کی اجارہ داری نہیں۔ اسے قرآن پر ایمان رکھنے والے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ رزق کی بہت و کشاد قانون خداوندی سے وابستہ ہے۔ جو چاہے اسے اس کے قانون کے مطابق حاصل کر سکتا ہے۔ وہ صاحب فضل عظیم ہے' وہ کسی ایک نسل (بنی اسرائیل) کا خدا نہیں' عالمگیر انسانیت کا نشوونما دینے والا ہے۔ (ف)۔



سُورَۃُ المجادلۃ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ
اِلَى اللّٰہِ ۖ وَاللّٰہُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ
اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰہَ

---

۱ اللہ نے اس عورت کی بات سُن لی ہے۔ جو تجھ سے (اے رسولؐ!) اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اپنی مظلومیت کے متعلق خدا سے فریاد کر رہی تھی (اس نے عدالت خداوندی میں استغاثہ دائر کیا تھا)۔ اللہ تم دونوں کے سوال و جواب کو سُن رہا تھا۔ وہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (اب اِس بارے میں خدا کا فیصلہ سُن لو)۔

۲ بات یہ ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو (جہالت کی وجہ سے غصہ میں آکر) ماں کہہ دیں، وہ اس سے ان کی سچ مچ کی مائیں نہیں بن جاتیں۔ (اس لئے محض ایسا کہہ دینے سے انہیں ان پر حرام نہیں ہو جانا چاہیئے)۔ ان کی مائیں وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے (۳۳/۴)۔ جو لوگ غصہ میں آکر اس قسم کی بات کہہ دیتے ہیں، تو یہ بیہودگی اور لغویت ہوتی ہے، اور حقیقت کے بالکل خلاف۔ سو خدا کا قانون یہ ہے کہ اس قسم کی لغوبات سے درگذر کیا جائے (اسے حقیقت پر محمول کر کے

لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿۲﴾ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ
قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۳﴾ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَٰلِكَ
لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ
يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ

بیوی کو اس پر حرام نہ قرار دیدیا جائے)۔ اور اس طرح' اس لغویت کے تباہ کن نتائج سے انہیں محفوظ رکھا جائے۔

۳ (لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ معاشرہ میں اس قسم کی لغویتوں کو عام ہونے دیا جائے سنجیدہ لوگوں کا معاشرہ ایسا نہیں ہوا کرتا۔ لہذا) جو لوگ اپنی بیوی کو ماں (یا ایسے ہی کوئی اور الفاظ) کہہ بیٹھیں' اور اس کے بعد پشیمان ہو کر اپنی اس بیہودہ بات کو واپس لینا چاہیں' (تو انہیں کچھ جرمانہ ادا کرنا ہوگا تاکہ وہ اپنے آپ پر قابو رکھنا سیکھیں اور یونہی جو جی میں آئے منہ سے نہ نکال دیا کریں۔ وہ جرمانہ یہ ہے کہ) قبل اس کے کہ وہ بحیثیت میاں بیوی ایک دوسرے کے پاس جائیں' ایک غلام آزاد کریں۔ یہ اس لئے ہے کہ تم آئندہ کے لئے نصیحت پکڑو۔ اور اللہ تمہارے تمام معاملات سے باخبر ہے۔

۴ جس کے پاس غلام نہ ہو' یا غلام آزاد کرانے کی استطاعت نہ ہو (یا اس زمانے کے غلاموں کے ختم ہو جانے کے بعد' جب غلام باقی ہی نہ رہیں تو) اس صورت میں' وہ تعلقات زناشوئی سے پہلے' دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔ اور اگر اس کی طاقت نہ ہو' تو ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائے۔ یہ اس لئے کہ تم اس نظام خداوندی کی صداقت پر یقین محکم رکھو جو اس کے رسولؐ کے ہاتھوں متشکل ہوا ہے۔

یہ خدا کی مقرر کردہ حدود ہیں جن کے اندر رہنا ضروری ہے۔ (اگر اس باب میں سہواً غلطی ہو جائے' تو اس کے ازالہ کی شکل وہ کفارہ ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ لیکن جو لوگ سرے سے ان حدود ہی کا انکار کریں' تو وہ کافر ہیں) اور کافروں کے لئے الم انگیز تباہی ہے۔

۵ جو لوگ اس طرح' نظام خداوندی سے انکار' اور اس کی مخالفت کرتے ہیں' وہ آخر الامر ذلیل و خوار ہوں گے' جس طرح وہ لوگ ذلیل و خوار ہوئے جو ان سے پہلے' اسی طرح حق کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ ہم نے اپنے قوانین واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ ان کی مخالفت کرنے والوں کیلئے

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ
وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ
اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهَوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهَوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ

ذلت آمیز تباہی ہے۔

۶ جس دن خدا ان سب کو اٹھا کھڑا کرے گا' تو انہیں ان کے اعمال (کے نتائج) سے آگاہ کرے گا۔ لوگ تو بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے کیا کیا تھا' لیکن خدا کا قانونِ مکافاتِ ہر بات کو محفوظ رکھتا ہے۔ سب کچھ اس کے سامنے رہتا ہے۔

۷ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے' خدا کو اس کا علم ہے۔ اگر کہیں کوئی تین آدمی خفیہ مشورہ کرتے ہیں تو ان میں چوتھا خدا ہوتا ہے۔ اور اگر کہیں پانچ آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہوتی ہے تو ان میں چھٹا خدا ہوتا ہے۔ (یہ اعداد تو محض مثالاً بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ورنہ) ان سے کم ہوں یا زیادہ۔ جہاں کہیں' اور جتنے بھی وہ ہوں' خدا ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر وہ' ان اعمال کے نتائج کے ظہور کے وقت' انہیں ان سے باخبر کر دیتا ہے۔ یقیناً خدا کو ہر بات کا علم ہوتا ہے۔

۸ کیا تو نے ان لوگوں کے متعلق غور نہیں کیا جنہیں خفیہ مشوروں سے روکا گیا تھا' لیکن وہ پھر وہی کچھ کرتے ہیں۔ یعنی وہ مختلف قسم کے جرائم کے ارتکاب کے لئے خفیہ مشورے کرتے رہتے ہیں۔ ان میں ایسے جرائم بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق ان کی ذات تک محدود ہوتا ہے' اور وہ بھی جن کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے' حتیٰ کہ وہ نظامِ خداوندی کے خلاف بھی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ (یہ سب کچھ منافقت سے کرتے ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ) جب تیرے پاس آتے ہیں تو (ہلکی آواز میں' مبہم طور پر) ایسے الفاظ میں تجھ سے دعا سلام کرتے ہیں' جو الفاظ' سلام اور دعا کے لئے خدا نے تجویز نہیں کئے۔ پھر اپنے دل میں کہتے ہیں کہ (اگر اللہ سب کچھ جانتا ہے تو) جو کچھ ہم کہتے ہیں' اس پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ (انہیں کیا معلوم کہ خدا نے ان کے لئے) جو جہنم تیار کر رکھا ہے وہ ان کے عذاب کے لئے کافی ہے۔ وہ اس میں داخل کئے جائیں گے (اور دیکھ لیں گے

وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۖ وَإِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ
أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ
وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ إِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کہ) وہ کیسا بُرا ٹھکانہ ہے۔

۹ اے جماعتِ مومنین! جب تم نے باہمی مشورے کرنے ہوں تو جرائم کے ارتکاب اور نظامِ خداوندی کے خلاف سرکشی کے مشورے مت کرو۔ ہمیشہ بھلائی اور تقوے (قوانین خداوندی کی نگہداشت) سے متعلق امور میں مشورے کرو۔ مختصراً یہ کہ تم ہر معاملہ میں قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو، اس لئے کہ وہی تمہاری تمام سعی و عمل کا مرکز اور تگ و تاز کا منتہیٰ ہے۔ تمہاری گردش اسی محور کے گرد ہونی چاہیئے

۱۰ یاد رکھو! منافقین کے مشوروں کے محرک، ان کے مفاد پرستانہ جذبات ہوتے ہیں جو انہیں سرکشی پر اُبھارتے رہتے ہیں۔ مقصد ان کا یہ ہوتا ہے کہ اس سے جماعتِ مومنین افسردہ خاطر اور دل شکستہ ہو جائے۔ لیکن انہیں اس کا علم نہیں کہ وہ انہیں (جماعتِ مومنین کو) کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لئے کہ نفع یا نقصان قانونِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے اور جماعت مومنین ان قوانین کا پورا پورا خیال رکھتی ہے، اس لئے اس قسم کی حرکات ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ انہیں قوانین خداوندی کی محکمیت پر کامل اعتماد ہے۔

۱۱ (اے جماعتِ مومنین! یہ منافقین جب تمہاری مجلس میں آتے ہیں تو باہمی سرگوشیوں کے لئے، ایک دوسرے کے ساتھ جُڑ کر بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا) جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کشادہ ہو کر بیٹھو تو فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو کر بیٹھ جایا کرو۔ (اس طرح انہیں بھی ایک دوسرے سے ہٹ کر بیٹھنا پڑے گا۔ علاوہ ازیں، خود تمہاری جماعت میں بھی کسی کو یہ شبہ پیدا نہیں ہو گا کہ اس کے خلاف کوئی سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ مجلس میں بیٹھنے کا عام انداز ایسا ہی ہونا چاہیئے) اس سے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کشادگی کی راہیں کھول دے گا۔ اور جب کہا جائے کہ مجلس برخاست ہوتی ہے اس لئے تم اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو۔ (یہ باتیں بظاہر چھوٹی چھوٹی سی ہیں، لیکن ان کے اثرات بڑے دُور رس ہوتے ہیں، اس لئے ان کی پابندی سے) اللہ اُن کے درجات بلند کرے گا

اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ
فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ
فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ
خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬

جو دل سے ان باتوں کو صحیح اور سچا مانتے ہیں اور ان کی حکمت و غایت کا علم رکھتے ہیں۔ یاد رکھو! خدا کا قانون مکافات تمہارے تمام اعمال سے باخبر رہتا ہے۔

۱۲ اے جماعتِ مومنین! اگر تم نے رسولؐ سے علیحدگی میں کوئی بات کرنی ہو تو پہلے اپنی استطاعت کے مطابق منفعتِ عامہ کے لئے کچھ عطیہ دے دیا کرو۔ یہ چیز تمہارے لئے بڑی مفید رہے گی اور اس سے کئی غلط فہمیاں دُور ہو جائیں گی۔ (اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ یہ منافقین جو گھڑی گھڑی رسولؐ اللہ سے علیحدگی میں بات کرنے کا تقاضا کرتے ہیں اس سے رُک جائیں گے) لیکن اگر تمہارے پاس کسی وقت کچھ دینے کے لئے نہ ہو تو خیر۔ (تم رسولؐ سے یہ بات کہہ دیا کرو)۔ اللہ کے قانون میں ایسے مواقع کے لئے رعایت رکھ دی گئی ہے۔ کیونکہ اس سے مقصد تمہاری حفاظت اور تربیت ہے (تم پر سختی کرنا مقصود نہیں)۔

۱۳ تمہیں اس حکم سے کہ رسولؐ کے ساتھ علیحدگی میں بات کرنے سے پہلے کچھ عطیہ دے دیا کرو، گھبرانا نہیں چاہیئے۔ (اس سے تمہارے رسولؐ کا بہت سا قیمتی وقت، جسے لوگ فضول باتوں میں ضائع کر دیتے ہیں، بچ جائے گا۔ باقی رہے وہ لوگ جن میں کچھ ادا کرنے کی استطاعت نہیں، تو) ان کے لئے اس حکم میں پہلے ہی رعایت رکھ دی گئی ہے۔ ویسے بھی اس قسم کی تدابیر کی ضرورت تنظیم کے ابتدائی مراحل میں پڑتی ہے۔ تم نظام صلوٰۃ قائم کرنے کے لئے پوری پوری جدوجہد کرو ——— اس نظام میں باہمی مشوروں کا انداز ہی اور ہوتا ہے (۴۲/۳۸)۔ اور انسانیت کی نشوونما بہم پہنچانے کا اہتمام کرو۔ اس مقصد کے لئے تم نظامِ خداوندی کی پوری پوری اطاعت کرو۔ پھر اس قسم کی احتیاطی تدابیر کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یاد رکھو! خدا تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

---

۱۴ (اس وقت ان تدابیر کی ضرورت اس لئے ہے کہ تمہارے اندر منافقین آگھسے ہیں جو تمہارے نظام کے لئے بڑے خطرے کا موجب ہیں) ان کی حالت یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے ساتھ دوستی کے رشتے جوڑتے ہیں، جو نظام خداوندی کی مخالفت اور سرکشی کی وجہ سے مجرم اور سزا کے مستحق قرار پا چکے ہیں۔ یہ، نہ تو نیک نیتی سے تمہارے ساتھ شامل ہوتے ہیں، اور نہ ہی کھل کر تمہارے مخالفین کے ساتھ۔ وہ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر، تمہیں اپنے اخلاص اور صداقت کا یقین دلاتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ دیدہ و دانستہ کرتے ہیں۔

۱۵ ان کے لئے قانون خداوندی کی رُو سے، سخت سزا مقرر ہے۔ اس لئے کہ ان کی یہ رَوِش نہایت مذموم ہے۔

۱۶ یہ اپنی جھوٹی قسموں کو سپر بناتے ہیں، اور ان کے پیچھے پناہ لے کر، لوگوں کو نظام خداوندی کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ ان کے لئے ذلت آمیز سزا ہو گی۔

۱۷ یہ جس مال و دولت کے گھمنڈ، اور جن افراد خاندان کے برتے پر یہ کچھ کرتے ہیں، خدا کے قانون مکافات کے مقابلہ میں، یہ ان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ یہ تباہی اور بربادی کے جہنم میں داخل ہوں گے اور اسی میں رہیں گے۔

۱۸ جس دن اللہ، ان سب کو سامنے لا کر (بے نقاب) کھڑا کر دے گا، تو اس وقت بھی یہ، اس کے سامنے اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح آج تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ قسمیں ان کا اعتماد قائم رکھتی ہیں اور وہ اپنی فریب دہی میں بڑے کامیاب ہیں۔ (لیکن خدا کے سامنے یہ بات کیسے چل سکے گی۔ اس کا قانون مکافات دلوں کے راز تک سے واقف ہوتا ہے)۔ یاد رکھو! یہ لوگ اوّل درجے کے جھوٹے ہیں۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا
وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ
وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ

---

۱۹ بات یہ ہے کہ مفاد پرستیوں کے سرکش جذبات ان پر بری طرح مسلط ہو چکے ہیں۔ وہ انہیں ہانکتے چلے جاتے ہیں اور یہ اُن کے ڈنڈے کے زور پر اس روش پر چلے جا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے ضابطہ خداوندی کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ شیطانی پارٹی کے افراد ہیں — اور اسے اچھی طرح سمجھ رکھو کہ شیطانی پارٹی ہمیشہ خاسر و نامراد رہتی ہے۔

۲۰ سوچو تو سہی کہ جو لوگ اس قسم کے نظام خداوندی کی مخالفت کریں جو نوع انسان کی بہبود کے لئے قائم ہو رہا ہو وہ کبھی کامیاب ہو سکتے ہیں؟ وہ آخر الامر سخت ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔

۲۱ خدا کا فیصلہ (قانون) یہ ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں حق غالب آئے گا اور اس کے علمبردار یعنی خدا کے رسول آخر الامر مظفر و منصور ہوں گے۔ یہ اُس خدا کا فیصلہ ہے جو ہر قسم کی قوتوں اور غلبہ کا مالک ہے۔ اس لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے قانون کو شکست دے سکے۔

۲۲ (لہٰذا جب حقیقت یہ ہے کہ حق اور باطل ایک دوسرے کی ضد اور باہم دگر متخالف ہیں، تو) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ خدا کے قانون اور مستقبل کی زندگی پر ایمان رکھیں وہ ان لوگوں سے دوستداری کے تعلقات استوار کریں جو نظام خداوندی کے مخالف ہوں، خواہ وہ ان کے (ماں) باپ، یا بیٹے (بیٹیاں)، یا بھائی (بند) یا اُن کے خاندان کے دوسرے افراد ہی کیوں نہ ہوں۔ (۳/۱۱۸ ؛ ۶۰/۴) — یہ (افراد مومنین) وہ لوگ ہیں کہ ایمان انکے دل کی گہرائیوں میں راسخ ہو چکا ہے اور خدا کی وحی (قرآن) ان کی تائید و نصرت کا موجب بن رہی ہے۔ یہ (اس زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی) اُس جنتی معاشرہ میں داخل ہوں گے جس کی شادابیوں میں کبھی فرق نہیں آئے گا۔ جب انہوں نے اپنی زندگی کو قوانین خداوندی سے ہم آہنگ کر لیا تو قوانین خداوندی کے ثمرات و برکات یقیناً ان کے شامل حال

رَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾

رہیں گے۔

یہ ہے (شیطان کی پارٹی کے مقابلہ میں) خدا کی پارٹی —— یاد رکھو! آخر الامر کامیابی اور کامرانی، خدا کی پارٹی کے حصے میں ہی آنی ہے۔ حق غالب آکر رہتا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ
حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ

① کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے ——— اُس خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے جو بڑی قوتوں اور غلبہ کا مالک ہے۔ لیکن اُس کی قوت "اندھی فطرت" کی قوت نہیں۔ وہ یکسر حکمت پر مبنی ہے۔

② اُس کے قانونِ مکافات کی قوت اور غلبہ کے آثار میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو ان اہلِ کتاب (یہود) کے ساتھ پیش آیا ہے۔ ان لوگوں نے نظامِ خداوندی کے خلاف سرکشی اختیار کی اور جنگ تک کی نوبت آگئی۔ (انہیں اپنی قوت پر بڑا ناز تھا، لیکن ہوا یہ کہ) ابھی پہلا ہی لشکر ان کے مقابلہ کے لئے گیا تھا کہ انہوں نے میدان چھوڑ دیا۔ (اس پر انہیں ایک اور موقعہ دیا گیا کہ وہ فتنہ و فساد سے باز آکر اپنی اصلاح کرلیں۔ چنانچہ ان کے خلاف اور کوئی کارروائی نہ کی گئی، بجز اس کے کہ بطور حفظ ماتقدم) انہیں اُن کی اُس بستی سے نکال کر دوسری جگہ آباد کر دیا گیا۔

تمہیں اس کا خیال تک بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اس آسانی سے اپنے گھروں کو چھوڑ

بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِى الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ ۝۲ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶

دیں گے۔ خود انہیں بھی اپنے قلعوں کی مضبوطی پر بڑا ناز تھا۔ انہیں یقین تھا کہ وہ قلعے تمہارے حملہ سے اُن کی حفاظت کریں گے لیکن خدا کا قانون مکافات اُن پر ان راہوں سے آگیا جن کا انہیں سان گمان بھی نہ تھا۔ چنانچہ اُن کے دل میں تمہارا ایسا رُعب طاری ہوا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر ویران کرنے لگ گئے' اور (جنہوں نے کچھ مزاحمت کی) اُن کی خانہ ویرانی تمہارے ہاتھوں سے عمل میں آگئی۔

اے صاحبانِ عقل و بصیرت! تمہارے لئے اس واقعہ میں ہزار سامانِ عبرت ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ حق کی مخالفت کا نتیجہ کیا ہوا کرتا ہے۔

۳ اگر ان کے لئے اس جلاوطنی کا فیصلہ نہ کیا جاتا' تو انہیں بڑی ہی سخت سزا دی جاتی۔ یہ سزا انہیں اسی دنیا میں مل جاتی۔ باقی رہی اُخروی زندگی' سو اس میں ان کے لئے بڑا تباہ کن عذاب ہوگا۔

۴ یہ اس لئے کہ انہوں نے اس نظامِ خداوندی کے خلاف سرکشی اختیار کی جسے (نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے) اس کا رسول قائم کر رہا تھا۔ (ہر ایک کو سن رکھنا چاہیئے کہ) جو شخص بھی اس نظامِ حق و انصاف کے خلاف سرکشی اختیار کرے گا' خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے اس کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ یہ قانون مجرمین کا پیچھا نہیں چھوڑا کرتا۔

۵ تم نے (محاصرہ کے وقت' جنگی ضروریات کے تحت) ان کے جن کھجور کے درختوں کو کاٹ ڈالا یا جنہیں ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا' تو تم نے یہ سب کچھ قانونِ خداوندی کے مطابق کیا جس کی رُو سے اُس نے تمہیں ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت دی ہے (۲۲/۳۹)۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ جو لوگ غلط راہوں پر چلیں وہ دیکھ لیں کہ اس طرح انہیں کس قدر ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔

۶ اور اس لشکر کشائی میں' مخالفین کا جو ساز و سامان تمہارے ہاتھ آیا ہے' تو یہ بغیر

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا
نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا
مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

جنگ کئے تمہارے قبضے میں آگیا ہے۔ اس کے لئے نہ تمہیں گھوڑے دوڑانے پڑے نہ اونٹ — اللہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اس طرح بھی مخالفین پر غلبہ و تسلط عطا کر دیا کرتا ہے۔ اللہ نے ہر شے کے اندازے مقرر کر رکھے ہیں اور ان پر اسے پورا پورا کنٹرول حاصل ہے۔

۷ دشمن کا جو مال و اسباب اس طرح بغیر جنگ کئے ہاتھ آجائے اس کی نوعیت عام مال غنیمت سے مختلف ہوتی ہے (۸/۴۱)۔ یہ مال سب کا سب نظامِ خداوندی کی تحویل میں رہنا چاہیئے تاکہ اسے ضرورتمندوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے صرف کیا جائے — مثلاً جنگ میں شریک ہونے اور کام آجانے والوں کے اقرباء کے لئے یتیموں اور معاشرہ میں بے یار و مددگار تنہا رہ جانے والوں کے لئے ان کے لئے جن کا چلتا ہوا کاروبار رک گیا ہو یا جو کسی وجہ سے کام کاج کے قابل نہ رہے ہوں نیز ان مسافروں کے لئے جو مدد کے محتاج ہوں۔ اسے اس طرح نہیں بانٹنا چاہیئے کہ یہ دولتمندوں کے طبقہ میں ہی گردش کرتا رہے اور محتاج اور غریب اپنی ضروریاتِ زندگی تک سے بھی محروم رہ جائیں)۔ لہٰذا اس کی تقسیم میں جو کچھ تمہیں رسولؐ (مرکزِ نظامِ خداوندی) دے اسے بطیبِ خاطر قبول کرو اور جس مال سے تمہیں روکے اس سے برضا و رغبت رک جاؤ (۵۹/۷)۔ تم ہر حال میں قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو اور اس حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھو کہ ان قوانین کی خلاف ورزی پر سخت مواخذہ ہوتا ہے۔

۸ اس مال میں ان نادار مہاجرین کا بھی حصہ ہے جنہیں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا گیا اور جن کا مال و متاع اور ساز و سامان سب چھین لیا گیا۔ انہیں معاشی سہولتوں کی سخت ضرورت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کے دل میں قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ رہنے اور نظامِ خداوندی کی ہر ممکن مدد کرنے کی آرزو بھی موجزن ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا
بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

دعوئے ایمان کو' اپنی قربانیوں سے سچ کر دکھایا۔ (اور اسی "جرم" کی پاداش میں' مخالفین نے ان پر اس قدر سختیاں کیں) (۲۲/۴)۔

۹ دوسری طرف' وہ لوگ بھی اپنے دعوئے ایمان میں اسی طرح سچے ہیں جنہوں نے' ان لوگوں کی ہجرت سے پہلے ہی' اپنے ایمان کو مستحکم کر لیا تھا اور اپنے گھروں میں ان کے لئے جگہ بنا رکھی تھی۔ اِن (انصارِ مدینہ) کی کیفیت یہ ہے کہ جو مومن بھی ہجرت کر کے ان کے پاس آتا ہے' یہ اُس سے بڑی محبت سے پیش آتے ہیں' اور انہیں (مہاجرین کو) جو کچھ بھی دیا جائے' اس کے متعلق ان کے دل میں کبھی خیال تک بھی نہیں گذرتا کہ یہ انہیں ملنا چاہیئے تھا۔ یہ ہمیشہ' ان آنے والوں کی ضروریات کو' اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے ہیں' خواہ انہیں خود تنگی ہی سے گذارہ کیوں نہ کرنا پڑے۔ (یہی سچے مومنین کا شعار ہے)۔

یاد رکھو! جو لوگ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر لیں کہ اپنی پیاس بجھانے کے لئے دوسروں کو دھکا دے کر خود آگے نہ بڑھیں' بلکہ اگر دیکھیں کہ اُن کی پیاس کی شدت زیادہ ہے تو خود پیچھے ہٹ جائیں اور انہیں آگے بڑھ کر پیاس بجھا لینے دیں' تو یہی لوگ ہیں جن کی کھیتیاں سرسبز ہوں گی۔

۱۰ (اس میں شبہ نہیں کہ جو لوگ ایسے نامساعد حالات میں ہجرت کر کے آئے تھے' ان کے درجات بہت بلند ہیں۔ لیکن) جو لوگ ان کے بعد آئے ہیں' (ان کا ایمان بھی بڑا محکم ہے) انکی آرزو یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو ہمارے لئے بھی سامان حفاظت عطا فرما دے اور ہمارے ان بھائیوں کے لئے بھی' جو ایمان میں ہم پر سبقت لے گئے ہیں۔ اور ہمارے دل میں کسی مومن کے لئے' ذرہ بھر کدورت نہ پیدا ہونے دے۔ تو سب کے لئے حالات میں نرمی پیدا کرنے والا' اور سامان نشوونما عطا کرنے والا ہے۔

۱۱ (یہ تو سچے مومنین کی حالت ہے۔ ان کے برعکس) تو نے منافقین کی حالت پر بھی غور کیا ہے؟ وہ اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کو' جنہوں نے نظامِ خداوندی سے انکار اور سرکشی

نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا
نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا
لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾
لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا
اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ

اختیار کر رکھی ہے' اور جن کے ساتھ انہوں نے رشتۂ اخوت استوار کر رکھا ہے' کہتے ہیں کہ اگر تمہیں اپنے گھروں سے نکالا گیا' تو ہم بھی تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے' اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کے حکم اور فیصلہ کی پروا نہیں کریں گے۔ اور تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔
اور اللہ اس کی شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ اپنی ان باتوں میں بھی جھوٹے ہیں۔ (اگر یہ اپنے دعوائے ایمان میں مخلص نہیں' تو تمہارے مخالفین کے ساتھ دوستداری کے جن تعلقات کا اظہار کرتے ہیں' ان میں بھی سچے نہیں)۔

۱۲ اگر ان اہل کتاب کو گھروں سے نکالا گیا تو یہ کبھی اپنے گھروں کو چھوڑ کر ان کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ اور اگر ان کے ساتھ تمہاری جنگ ہوئی تو یہ کبھی ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر طوعاً و کرہاً ان کی مدد کے لئے جائیں گے بھی' تو عین لڑائی کے وقت' میدان سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ لہٰذا' یہ اُن کی مدد نہیں ہوگی (اُلٹی مخالفت ہوگی)۔

۱۳ ان (مخالفین' یہود) کو اتنے عرصہ تک خدا کے قانونِ مکافات سے ڈرایا گیا لیکن ان کے دل میں' اُس سے اتنا ڈر نہیں پیدا ہوا تھا جتنا ڈر اب (تمہاری جمعیت اور لشکر کو دیکھ کر) پیدا ہوا ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ (صرف محسوس اور مرئی قوت سے مرعوب ہوتے ہیں) قانون کی قوت کو نہیں سمجھتے۔

۱۴ (ان کے دل میں تمہارا رعب اس قدر ہے کہ) اگر یہ سب کے سب متحدہ محاذ بنا کر بھی تمہارے مقابلے کے لئے نکل کھڑے ہوں' تو بھی کھلے میدان میں تمہارے سامنے آکر مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کر پائیں گے۔ یہ یا تو اپنی بستیوں کے قلعوں میں بیٹھ کر' یا شہر کی فصیل کی اوٹ میں' لڑائی کریں گے۔ یہ اس لئے بھی کہ ان کی باہمی مخالفت بڑی سخت ہے۔ یہ اگرچہ سب اکٹھے دکھائی دیتے ہیں (اور معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بڑا اتحاد اور یگانگت ہے) لیکن ان کے دل

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ
اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ اگر یہ ذرا بھی عقل سے کام لیں (تو اس حقیقت کو بآسانی سمجھ لیں کہ اس قسم کا نمائشی اتحاد کبھی کامیابی کی راہ نہیں دکھایا کرتا۔ حقیقی اتحاد دلوں کا اتحاد ہے اور وہ صرف ایمان ـــــ نصب العین کی وحدت ـــــ سے پیدا ہو سکتا ہے اور اسی میں حقیقی قوت کا راز مضمر ہوتا ہے)۔

۱۵ ان کی کیفیت بھی انہی (یہود) کی سی ہے جنہیں ابھی ابھی ان کے کئے کی سزا ملی ہے (۵۹/۲)۔ سو جس طرح انہیں الم انگیز عذاب میں مبتلا ہونا پڑا تھا' اسی طرح ان کا بھی حشر ہوگا۔

۱۶ (باقی رہے ان کے یہ حمایتی' یعنی منافقین جو ان سے مدد کرنے کے دعوے کر رہے ہیں' تو) ان کی حالت اس شیطان کی سی ہے جو پہلے تو انسان سے کہہ دیتا ہے کہ حق کی مخالفت کرو' اور جب وہ اس کی مخالفت کرتا ہے اور (اس کے نتائج سامنے آتے ہیں تو) وہ الگ جا کھڑا ہوتا ہے اور صاف کہہ دیتا ہے کہ جو کچھ تم نے کیا ہے' میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ میں تو اپنے اللہ' رب العلمین سے ڈرتا ہوں۔ (منافقین کے وعدوں پر بھروسہ کرنے والوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے)۔

۱۷ سو ان دونوں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ جہنم دینے والے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ بھی ظلم اور زیادتی کرتے ہیں' ان کا یہی حشر ہوتا ہے۔

۱۸ اے جماعتِ مومنین! (دیکھنا کہیں تمہاری حالت بھی ایسی ہی نہ ہو جائے) تم ہر حالت میں قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو' اور (انفرادی مفادِ عاجلہ سے صرفِ نظر کر کے) ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ تم نے مستقبل کی خوشگواریوں کے لئے کیا کیا ہے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکے گا کہ تم ہر حال میں قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ یاد رکھو! خدا کا قانون مکافات تمہارے ہر کام سے باخبر ہے۔ (وہ کبھی کسی کے عمل کو رائیگاں نہیں جانے دیتا)۔

۱۹ (تم اس حقیقت کو یاد رکھو کہ مقصودِ حیات' صرف انسان کی طبیعی زندگی کی پرورش نہیں' اس

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ
اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ
الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾

کی ذات کا ارتقاء اور بالیدگی بھی مقصود ہے۔ بلکہ بنیادی مقصد یہی ہے۔ طبیعی زندگی تو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ یہ مقصد قوانین خداوندی کے اتباع ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا، تم کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے قوانین خداوندی کو پس پشت ڈال دیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود ان کی اپنی ذات ہی ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ (اور ان کی زندگی حیوانی سطح کی زندگی بن کر رہ گئی۔ وہ "میں" کو بھلا بیٹھے اور ان کا منتہائے مقصود "میرا" رہ گیا) یہی لوگ ہیں جو صحیح راستے سے ہٹ کر غلط راہوں پر جا پڑتے ہیں۔ خدا کو بھلا دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خود اپنی حقیقت سے ناآشنا ہو جاتا ہے۔ خدا فراموشی اور خود فراموشی لازم و ملزوم ہیں۔

۲۰ یاد رکھو! تربیت و استحکام ذات کا نام جنت کی زندگی ہے اور اسے فراموش کر دینا، جہنم ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جنت میں رہنے والے اور جہنمی، کبھی ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے۔ کامیابیاں اور کامرانیاں صرف اہلِ جنت کے حصے میں آتی ہیں۔

۲۱ (اور یہ جنت اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ قرآن تمہارے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ اس قرآن کی اثر انگیزیوں کا یہ عالم ہے کہ اگر مثال کے طور پر) ہم اسے قلبِ کوہ کے اندر رکھ دیتے (اور اسے احساس عطا کر دیتے) تو تو دیکھتا کہ اس کی خلاف ورزی کے احساس سے اس پر لرزہ طاری ہو جاتا، اور ذمہ داریوں کے خیال سے اس کا جگر شق ہو جاتا۔ اس قسم کی مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں کہ لوگ عقل و فکر سے کام لیں اور سوچیں کہ یہ قرآن کن عظمتوں کا مالک ہے، اور اس کی خلاف ورزی کے نتائج کیا ہوتے ہیں؟

۲۲ اور یہ ان عظمتوں کا مالک ہو کیوں نہ؟ یہ اس خدا کی کتاب ہے جس کے سوا کائنات میں کسی اور کا اختیار اور اقتدار نہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ حاضر و غائب، سب کا علم بھی رکھتا ہے۔ (وہ ہر شے کے متعلق جانتا ہے کہ اس کی موجودہ حالت کیا ہے اور اس کے مضمر ممکنات کیا کیا؟ وہ کیا کچھ بننے کی صلاحیتیں اپنے اندر رکھتی ہے۔ یاد رکھو! یہ "غیب و شہادت" کا امتیاز، انسانی نقطۂ نگاہ سے ہے۔ ورنہ خدا کے نزدیک سب مشہود ہی مشہود ہے) ان صلاحیتوں کی برومندی

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ
الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾

کے لئے جس قدر سامانِ نشوونما کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب خدا کی طرف سے بلامزد و معاوضہ ملتا ہے۔

۲۳ ہاں اس خدا کی طرف سے جس کے سوا کائنات میں کسی اور کا اقتدار اور اختیار نہیں ساری کائنات اسی کی مملکت ہے۔ اس میں اسکے سوا کسی کا قانون کارفرما نہیں۔ اسکے اقتدار اور علم کی وسعتیں لاانتہا ہیں۔ اسکی ذات مکمل ترین اور ہر نقص سے پاک ہے اور وہ ہر ایک کو تکمیلِ ذات کے سامان عطا کرتا ہے۔ وہ کائنات کو تخریبی قوتوں کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے اور کوئی شے اس کی نگہبانی کے دائرے سے باہر نہیں۔ اسے ہر قسم کا غلبہ اور تسلط حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے پروگرام کو تکمیل تک پہنچانے کی قوت رکھتا ہے اس نے ہر شے کو اس طرح اپنے قانون کی جبائر (کھڑپچوں[1]) میں باندھ رکھا ہے کہ وہ اپنے مقام سے ذرا اِدھر اُدھر نہیں ہٹ سکتیں اور اس طرح نظامِ کائنات میں ذرا خلل واقع نہیں ہوتا۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں عظمت و کبریائی سب اُسی کے لئے ہے۔ وہ اس سے بہت دُور ہے کہ اسکے ساتھ کسی اور کی قوت اور اقتدار کو بھی شریک سمجھا جائے۔

۲۴ وہ خدا ہر شے کا خالق ہے۔ اس کے عملِ تخلیق کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کی پیدائش اسکے نقطۂ آغاز سے کرتا ہے۔ پھر اسے مختلف ارتقائی مراحل سے اس طرح گزارتا ہے کہ خیر ضروری عناصر اس سے چھٹ کر الگ ہوتے جاتے ہیں تاآنکہ وہ ایک خاص صورت (FORM) اختیار کر لیتی ہے جو اسے دیگر اشیاء سے متمیز کر دیتی ہے (اس مرحلہ پر تم کہتے ہو کہ وہ شے وجود میں آگئی)۔

یہ چند ایک صفات ہیں ذاتِ خداوندی کی جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ تمام بلند صفات اپنی حسین ترین اور مکمل ترین شکل میں اس کی ذات میں مجتمع ہیں۔ پھر اس کا نظام ایسا ہے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب اس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے — وہ ہر قسم کے غلبہ کا مالک ہے، لیکن اس کا غلبہ سراسر حکمت پر مبنی ہے۔

(یہ ہے وہ خدا جس کی کتاب قرآن کریم ہے۔ ظاہر ہے کہ جو خدا ان صفات کا مالک ہو اس کی کتاب کن عظمتوں کی حامل ہوگی۔ اور جو قوم اس کتاب پر عمل کرے گی اس میں یہ صفاتِ خداوندی علیٰ حدِ بشریت کس حسن و زیبائی سے جلوہ فرما ہوں گی۔ اور وہ نوعِ انسانی کے لئے کس درجہ امن و سلامتی کی ضامن ہوگی!)

---

[1] (SPLINTS) جن سے ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو باندھا جاتا ہے تاکہ وہ جڑ جائیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا
بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ
جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ

---

۱ اے جماعت مومنین! تم نظام خداوندی کے دشمنوں کو، جو خود تمہارے بھی دشمن ہیں، کبھی دوست نہ بناؤ۔ (۳/۱۱۷)۔ یعنی ایسا کبھی نہ کرو کہ تم ان سے محبت اور یگانگت کے تعلقات قائم کرو، درآنحالیکہ وہ اس ضابطۂ دین کی مخالفت کر رہے ہیں جو تمہارے پاس خدا کی طرف سے آیا ہے۔ (تمہارے لئے معیار تعلقات دین ہونا چاہیئے نہ کہ ذاتی رجحانات یا رشتہ داریاں (۱۳/۹؛ ۶۰/۴)۔ ان کی دشمنی کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے تمہیں اور تمہارے رسول کو اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا، محض اس جرم کی بنا پر کہ تم اپنے نشو ونما دینے والے —— اللہ —— پر ایمان کیوں لائے ہو! تم سوچو کہ کیا یہ دو باتیں کبھی یک جا ہو سکتی ہیں کہ تم ایک طرف تو میرے قانون کا اتباع کرتے ہوئے، اس نظام کے قیام کے لئے جہاد کرنے کو نکلو اور دوسری طرف، ان دشمنوں سے درپردہ، دوستی کے تعلقات بھی استوار کرو؟ یاد رکھو! تم جو کچھ چھپاؤ یا ظاہر کرو، وہ سب ہماری

اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ①
اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاۗءً وَّيَبْسُطُوْٓا
اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ②
لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ
اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③
قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا

نگاہ میں ہے۔ سو تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا وہ زندگی کی سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔

② اگر یہ لوگ تم پر کبھی قابو پالیں تو پھر دیکھو کہ ان کی دشمنی کا کیا عالم ہے اور یہ تمہیں اپنی زبانوں سے اور ہاتھوں سے کس کس قسم کی اذیت پہنچاتے ہیں۔ ان کی دلی تمنا یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح تمہیں اس دین سے منحرف کرکے، پھر سے اپنے جیسا بنالیں۔

③ یہ ٹھیک ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ تمہارے خون کے رشتے ہیں، لیکن یاد رکھو! اعمال کے ظہور نتائج کے وقت تمہارے رشتے دار حتیٰ کہ تمہاری اولاد تک بھی تمہارے کسی کام نہیں آسکے گی۔ اُس وقت تم میں اور ان میں نمایاں بُعد ہوگا۔ تمہارے کام صرف تمہارے اعمال آئیں گے جنہیں خدا اچھی طرح دیکھتا ہے۔

④ یہ بات سمجھنے کے لئے (کہ دینِ خداوندی کے مقابلہ میں رشتہ داری کے تعلقات کی حیثیت کیا رہ جایا کرتی ہے) تمہارے لئے ابراہیمؑ اور اس کے رفقاء کا طرزِ عمل نہایت عمدہ نمونہ ہے جو تمہارے دلوں کی کشمکش دُور کرکے ان میں سکون اور اطمینان پیدا کردے گا۔ (۳۳/۲۱)۔ انہوں نے اپنی قوم سے (جن سے ان کے خون کے رشتے تھے) علانیہ کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کی تم نے خدا کو چھوڑ کر معبودیت اختیار کر رکھی ہے ان سے سخت بیزار ہیں (۶۰/۴ — ۴۳/۲۶) ہم تمہارے غلط مسلک کا یکسر انکار کرتے ہیں۔ ہم اسے باطل سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر تم میں اور ہم میں ہمیشہ کے لئے دشمنی اور عداوت رہے گی، تاآنکہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔ (اس صورت میں تم ہمارے دینی بھائی ہو جاؤ گے (۹/۱۱ ؛ ۵/۵۲))۔ ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے یہ ضرور کہا تھا کہ میں خدا سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں ایمان عطا کرکے تمہاری حفاظت کا سامان فراہم کردے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اس کی وضاحت بھی کر دی تھی کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو میں خدا کے قانونِ مکافات کے مقابلہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکوں گا کیونکہ مجھے یا کسی اور کو اس کی مقدرت ہی نہیں۔ (چنانچہ جب وہ ایمان نہ لایا تو ابراہیمؑ نے اسے بھی چھوڑ دیا (۹/۱۱۴ ؛ ۱۴/۴۱ ؛ ۱۹/۴۷))۔

بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ
لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ
الْمَصِيرُ ﴿٤﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥﴾
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ
هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦﴾ عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ ع ۲ ۷
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾ لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن

ان لوگوں نے، اپنی قوم کی قوت وسطوت کی پروا نہ کرتے ہوئے، ان سے اپنے تعلقات منقطع کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور اپنے نشو ونما دینے والے (اللہ) سے کہہ دیا کہ تیرے قانون کی صداقت اور محکمیت پر ہمارا پورا پورا بھروسہ ہے۔ ہم ان سب سے منہ موڑ کر خالصتہً تیرے قوانین کا اتباع کرتے ہیں اور سفرِ زندگی میں ہمارا ہر قدم تیری ہی طرف اٹھے گا۔ یہی ہمارا منتہیٰ ہے۔

۵ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے نشو ونما دینے والے سے یہ درخواست بھی کی کہ ایسا نہ ہو جائے کہ ہم ان لوگوں کا تختۂ مشق بن جائیں جو تیرے دین کا انکار کر رہے ہیں۔ اس لئے تو ہمیں سامانِ حفاظت عطا فرما۔ تو ہر ایک پر غالب اور بڑی حکمتوں کا مالک ہے۔

۶ یہ تھا ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں کا وہ طرزِ عمل جس میں ہر اس شخص کے لئے پیروی کا عمدہ نمونہ ہے جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہو۔ جو شخص اِس طرزِ عمل سے رُوگردانی اختیار کرے گا تو اس سے اس کا اپنا ہی نقصان ہوگا۔ خدا کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ اس سے بے نیاز ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔ وہ اپنی ذات میں جملہ ستودہ صفات کا مالک ہے۔

۷ تم جلدی نہ کرو۔ وہ ایسے حالات پیدا کر رہا ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ اس وقت تمہاری دشمنی ہے، ان میں اور تم میں محبت اور یگانگت کے تعلقات پیدا ہو جائیں۔ (یعنی وہ ایمان لے آئیں اور اس طرح تمہارے دینی بھائی بن جائیں)۔ یہ سب کچھ خدا کے مقرر کئے ہوئے اندازوں (قوانین) کے مطابق ہوتا ہے۔ انہی اندازوں کے مطابق تمہیں سامانِ حفاظت اور متاعِ نشو ونما ملتی ہے۔

۸ (اتنا اور واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ) خدا تمہیں اس بات سے ہرگز نہیں روکتا کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ، دین کے معاملہ میں، جنگ نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے تمہیں تمہارے

تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ
عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ
اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ

گھروں سے نکالا ہے تم ان سے (محض اس بنا پر کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے) کشادہ ظرفی کا سلوک کرو اور عدل و انصاف سے پیش آؤ۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے (۵/۸) عدل و انصاف تو ان دشمنوں تک سے بھی کیا جائے گا جو تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکل آئیں۔ اس لئے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (باقی رہے وہ جنہوں نے تمہارے خلاف جنگ نہیں کی تو ان سے عدل و انصاف سے آگے بڑھ کر حسن سلوک سے بھی پیش آؤ)۔

۹ قانونِ خداوندی تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے خلاف دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے، یا جنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے، یا ایسا کرنے والوں کی مدد کی ہے، تم ان لوگوں سے محبت اور یگانگت کے تعلقات مت قائم کرو۔ جو لوگ ان سے دوستانہ تعلقات قائم کریں گے، وہ مجرم قرار پائیں گے۔

۱۰ اب ایک اور شق کی طرف آؤ۔ اس وقت بہت سی مسلمان عورتیں، مکہ سے ہجرت کر کے تمہاری طرف آ رہی ہیں۔ جب یہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے حالات کی تحقیق کر لیا کرو۔ اللہ تو جانتا ہے کہ ان میں سے کون کون سچے ایمان کے ساتھ تمہاری طرف آ رہی ہیں (لیکن تم تو تحقیقات کے بغیر صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے اسے محض اللہ پر نہ چھوڑو، خود بھی تحقیق کر لو)۔ اس تحقیق کے بعد اگر تم دیکھو کہ وہ واقعی ایمان کی پختگی کے ساتھ آئی ہیں تو پھر انہیں کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔ اس لئے کہ یہ اسلام لے آئی ہیں اور ان کے شوہر کافر ہیں۔ اور ایک مومن عورت کافر مرد کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، جس طرح ایک مومن مرد کا نکاح کافر عورت سے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا نہ یہ عورتیں ان کفار شوہروں کے لئے حلال ہیں اور نہ ہی وہ کفار شوہر ان مومن عورتوں کے لئے حلال۔ اس لئے انہیں واپس کر دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان لوگوں نے جو کچھ ان عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کے سلسلہ میں خرچ کیا ہو، وہ انہیں لوٹا دیا جائے۔ اس کے بعد اس میں کوئی حرج نہیں

وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩
وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاۗءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓي اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ
بِاللّٰهِ شَيْـــًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ
اَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

کہ تم ان عورتوں سے ان کا مہر ادا کرنے کے بعد نکاح کر لو۔ (۴/۲۴)۔

اسی طرح تمہاری عورتوں میں سے جو اسلام نہیں لائیں انہیں اپنے عقدِ نکاح میں مت روکے رکھو۔ ان کے ساتھ تمہارا ازدواجی رشتہ ختم ہو گیا۔ اس معاملہ کو یوں طے کر دو کہ جو کچھ تم نے ان عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کے سلسلہ میں خرچ کیا تھا اس کا مطالبہ کفار سے کر لو۔ اور اُنکی جو عورتیں تمہاری طرف آ گئی ہیں ان کے سلسلہ میں جو کچھ واجب الادا ہو وہ انہیں دے دو۔

یہ تمہارے لئے خدا کا فیصلہ ہے —— اختلافی معاملات کا فیصلہ اُسی کے احکام کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس کے فیصلے علم اور حکمت پر مبنی ہوتے ہیں (اور جو فیصلے تم خود کرتے ہو ان میں تمہارے جذبات کی آمیزش کا بھی امکان ہوتا ہے)۔

۱۱ اگر ایسا ہو کہ تم میں سے جن لوگوں کی بیویاں کفار کے ہاں رہ گئی ہیں، وہ کفار ان کے سلسلہ میں واجب الادا رقم ادا نہ کریں، یا اس میں سے کچھ رکھ لیں۔ (تو اس کا حساب رکھو)۔ پھر جب تمہاری باری آئے، تو جو رقم تمہارے ذمے واجب الادا ہو، اس میں سے وہ بقایا رقم وضع کر کے ان عورتوں کے سابقہ (مسلمان) خاوندوں کو دے دو۔ اور اس طرح حساب صاف کر لو۔ (یاد رکھو! یہ کچھ انفرادی طور پر نہیں ہو گا بلکہ ایک اجتماعی نظام کے تابع ہو گا)۔

بہر حال، کفار کچھ ہی کیوں نہ کریں، تم ہمیشہ اُس خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ (یہی تو ایک کافر اور مومن میں فرق ہے۔ مومن، کسی حالت میں بھی قوانینِ خداوندی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتا)۔

۱۲ اے نبی! جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں، تو تم (بہ حیثیت مرکزِ نظامِ خداوندی) ان سے اطاعت کا عہد لیا کرو۔ اور وہ یہ کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی (اطاعت صرف احکامِ خداوندی کی کریں گی)، چوری نہیں کریں گی، زنا کی مرتکب نہیں

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿١٣﴾

ع ۲ ۷ ۹

ہوں گی' اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔ (۱۲) اور کسی پر کوئی ایسا بہتان نہیں باندھیں گی جسے انہوں نے جان بوجھ کر اپنے جی سے گھڑ لیا ہو۔ اور قانونی معاملات میں تیری نافرمانی نہیں کریں گی (یعنی تیری ذاتی رائے کی پابندی ان پر لازم نہیں ہوگی' بلکہ جو احکام تیری طرف سے' بہ حیثیت مرکز نظام خداوندی نافذ ہوں گے' ان کی اطاعت لازمی ہوگی)۔

تم ان امور کا ان سے عہد لے لیا کرو' اور پھر نظام خداوندی کی طرف سے ان کی حفاظت کا انتظام کرو۔ تمام افراد معاشرہ کی حفاظت اور نشوونما اُس کے ذمے ہے۔

۱۳ اے جماعت مومنین! کفار کے ساتھ تعلقات کے بارے میں ہم نے اپنے احکام کی وضاحت کر دی ہے۔ لہٰذا' جو لوگ نظام خداوندی سے مخالفت کی بنا پر مجرم قرار پا چکے ہیں' ان سے دوستداری کے تعلقات مت قائم کرو ـــــ کیا یہ عجیب بات نہیں ہوگی کہ تمہارے نظام کی نگاہ میں وہ مغضوب اور معتوب ہوں' اور تم ان سے دوستانہ تعلقات رکھو! یاد رکھو! کفر اور ایمان کا بنیادی خطِ امتیاز' خدا کا قانونِ مکافات اور حیاتِ آخرت کا تصور ہے۔ یہ لوگ ان بنیادی تصورات سے اسی طرح منکر ہو چکے ہیں جس طرح وہ کفار منکر ہو چکے تھے جو اسی حالت میں مرکھپ کر قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ (دین کے بنیادی تقاضوں سے اِن کا یہی انکار ہے جس کی وجہ سے' اِن سے دوستداری کے تعلقات منقطع کرنے کی تاکید کی گئی ہے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ②
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ

---

۱ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کیلئے سرگرم عمل ہے۔ اُس کا قانون بڑے غلبہ و تسلط کا مالک ہے۔ لیکن اس کا غلبہ بلند ترین حکمت پر مبنی ہے۔ قانون کا غلبہ ہوتا ہی پُرحکمت ہے۔

۲ اے جماعتِ مومنین! (جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس پر غور کرو اور دیکھو کہ کائنات کا یہ کارگہ عظیم تمہیں کس نتیجہ پر پہنچاتا ہے۔ کیا اس نتیجہ پر نہیں کہ اس میں ہر شئے اپنے اپنے عمل سے بتاتی ہے کہ اس کے فرائض کیا ہیں لہٰذا، تم بھی اپنے دعوائے ایمان کا ثبوت اپنے عمل سے پیش کرو۔ ایسا کبھی نہ کرو کہ) زبان سے بڑے بڑے دعوے کرتے رہو اور انہیں عملاً پورا کر کے نہ دکھاؤ۔ جو کچھ زبان سے کہو اسے عمل سے پورا کر کے دکھاؤ۔ قول و فعل میں ہم آہنگی دعوائے ایمان کی صداقت کا ثبوت ہے۔

۳ قانون خداوندی کی رُو سے یہ بات بڑی مذموم اور قابلِ گرفت ہے کہ ایسی باتیں کی جائیں جنہیں کر کے نہ دکھایا جائے۔

۴ خدا ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خالی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ وہ انہیں پسند کرتا ہے جو (عند الضرورت) نظامِ خداوندی کے قیام و استحکام کے لئے سربکف میدانِ جنگ میں نکل آتے

بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ﴿۴﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ ۖ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۵﴾ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۶﴾

ہیں اور پھر اس طرح صفوں میں جم کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک ایسی دیوار ہیں جسے سیسہ پلا کر مستحکم کر دیا گیا ہو۔

۵ (یہ حالت تو قوم موسیٰؑ کی تھی جو باتیں بہت بناتی تھی اور عمل کے وقت بہانہ سازیاں شروع کر دیتی تھی۔ اور اس طرح اپنے رسول کے لئے مصیبت بن جاتی تھی۔ چنانچہ یہی وہ حالات تھے جن میں) موسیٰؑ ان سے کہا کرتا تھا کہ تم میرے لئے مصیبت اور اذیت کا باعث کیوں بنے رہتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں (اس لئے میں تمہیں جس راستے پر چلاتا ہوں وہ خدا کا تجویز کردہ ہے اور تمہارے ہی فائدے کا ہے)۔ لیکن وہ اس کے باوجود اپنی غلط روش سے باز نہ آئے۔ چنانچہ جب وہ ٹیڑھے چلتے رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق ان کی سمجھ بوجھ ہی ٹیڑھی ہو گئی (۶۱/۵) خدا کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ جان بوجھ کر غلط راہوں کی طرف نکل جائیں، وہ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ (تم نے دیکھا کہ جب یہ کہا جائے کہ "خدا نے ان کے دل پھیر دیئے" تو اس سے مطلب کیا ہوتا ہے؟ یہ کہ یہ نتیجہ ہوتا ہے ان کے اعمال اور روش کا۔ جیسی روش، ویسا قانونِ خداوندی کے مطابق نتیجہ۔ اسی کو خدا کی مشیت کہتے ہیں)۔

۶ یہی وہ قوم بنی اسرائیل تھی جس سے ان کے آخری نبی عیسیٰؑ ابنِ مریم نے کہا تھا کہ میں تمہاری طرف خدا کا فرستادہ ہوں، اور جو کچھ تمہارے پاس تورات (کتب سابقہ) میں آیا تھا، اُسے سچ کر دکھانے کے لئے آیا ہوں۔ اور میں تمہیں اللہ کے ایک اور رسولؐ کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمدؐ ہوگا۔ (لیکن جو بنی اسرائیل خود موسیٰؑ کے لئے باعثِ مصیبت بنے رہے، اور جنہوں نے عیسیٰؑ کے ساتھ وہ کچھ کیا جس کا ہر ایک کو علم ہے، وہ اس آنے والے رسولؐ پر کس طرح آسانی سے ایمان لے آتے) چنانچہ اب جبکہ وہ آنے والا رسولؐ ان کے پاس آچکا ہے، اور اپنے ساتھ واضح قوانین لایا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ (یہ خدا کی وحی نہیں) کھلا ہوا

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ
عَلٰي تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

جھوٹ ہے (جسے اس نے خود ہی تراش لیا ہے)۔

۷ (اس رسولؐ کا ذکر خود ان کی کتابوں میں موجود ہے لیکن یہ اسے جھوٹا ثابت کرنے کے لئے' ان کتابوں میں تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے یوں نہیں کہا تھا' یوں کہا تھا اس لئے یہ وہ رسولؐ نہیں ہو سکتا جس کی بشارت عیسیٰؑ نے دی تھی)۔ ان سے کہو کہ تمہاری یہ حرکت کہ تم خود اپنے جی سے کچھ باتیں وضع کرتے ہو اور انہیں خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہو' عدالتِ خداوندی میں سنگین ترین جرم ہے (ذرا سوچو کہ تم جو اس رسولؐ کی اس طرح تکذیب کرتے ہو تو کس لئے؟ یہ تمہیں کون سی غلط بات کہتا ہے۔ یہ) تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے ـــــ یعنی اُس دین کی طرف جسے انبیاء بنی اسرائیلؑ پیش کرتے رہے لیکن جو اب تمہارے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں رہا۔

یاد رکھو! جن لوگوں کی روش یہ ہو کہ وہ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رہنے ہی نہ دیں' انکے سامنے زندگی کی صحیح راہ کبھی کشادہ نہیں ہوا کرتی۔

۸ تم سمجھتے ہو کہ تم اپنی ان حرکتوں سے' اس قندیلِ آسمانی (قرآن) کی روشنی کو بجھا دو گے؟ تم اپنے اس ارادے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ (ذرا سوچو کہ کسی کے پھونکیں مارنے سے سورج کا چراغ بھی گل ہو سکتا ہے)۔ خدا اپنے اس نور کو مکمل کر کے' ہر طرف پھیلا کر چھوڑے گا خواہ یہ بات (شیرہ چشم) کفار پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے۔ (۹/۳۲)۔

۹ خدا وہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ضابطۂ ہدایت دے کر بھیجا ہے۔ یعنی اُس نظامِ زندگی کو دے کر جو بکسر حقیقت پر مبنی ہے تاکہ یہ نظام' دنیا کے تمام باطل نظاموں پر غالب آئے' خواہ یہ بات ان لوگوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے جو ایک خدا کے قوانین کی اطاعت کے بجائے مختلف خداؤں کے احکام کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں۔ (۹/۳۳)

۱۰ اے جماعتِ مومنین! آؤ تمہیں زندگی کا ایک بلند اصول بتائیں۔
(دنیا میں ہر شخص ایسا کاروبار کرنا چاہتا ہے جس میں اسے فائدہ ہو۔ کوئی شخص اپنے

تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ
جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

مفاد کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ جو شخص اپنے نفع نقصان کا خیال نہ رکھے اُسے پاگل کہتے ہیں۔ ہوشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنے نفع کا خیال رکھے۔ یہ اچھی بات ہے۔ یہ انسان کے تحفظِ خویش کے جذبہ کا تقاضا ہے۔ لیکن تم یہ بھی دیکھتے ہو کہ انسان کئی سودے ایسے کر بیٹھتا ہے جس میں اُسے فائدے کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اُس کاروبار کے متعلق وہ صحیح اندازہ نہیں کر سکا تھا۔ اب سوچو کہ اگر تمہیں کسی ایسے کاروبار کا پتہ چل جائے جس میں کبھی نقصان نہ ہو تو یہ کتنی عمدہ بات ہوگی)۔ آؤ ہم تمہیں (ایک) ایسا کاروبار بتائیں جس میں کبھی نقصان کا احتمال نہ ہو اور اس طرح وہ تمہیں اس الم انگیز عذاب سے بچالے جو کاروبار کے نقصان کا نتیجہ ہوتا ہے۔

۱۱ وہ کاروبار یہ ہے کہ تم اس نظامِ خداوندی کی صداقت اور محکمیت پر پورا پورا یقین رکھو جو اس کے رسولؐ کے ہاتھوں متشکل ہو رہا ہے۔ اس نظام کے قیام اور استحکام کے لئے پوری پوری جدوجہد کرو۔ اس کے لئے اپنا مال و دولت بھی صرف کرو اور ضرورت پڑنے پر اپنی جانیں تک بھی لڑا دو۔ اگر تم علم و بصیرت سے کام لے کر غور کرو گے تو تمہیں نظر آجائے گا کہ اس کاروبار میں کس قدر منافع ہے (۹/۱۱۱)۔

۱۲ یہ نظام تمہارے لئے ایسا سامان مہیا کر دے گا جس سے تم ان تباہیوں سے بچ جاؤ گے جو تمہارے پیچھے لگی ہیں۔ اور تمہیں (اس دُنیا اور حیاتِ اُخروی میں) ایسی جنتی زندگی عطا کر دے گا جس کی تروتازگی میں کبھی کمی واقع نہیں ہوگی ـــــ (تمثیلاً) سدا بہار باغات کے اندر نہایت خوشگوار رہنے کے گھر۔ یہ بہت بڑی کامیابی اور کامرانی ہے، جسے نصیب ہو جائے۔

۱۳ ان کے علاوہ، ایک اور چیز بھی جسے تم بہت پسند کرتے ہو (یعنی دیارِ عرب ہی میں نہیں بلکہ اس سے باہر دیگر مقامات میں بھی تمہاری حکومت قائم ہو جائے گی۔ (۳۳/۲۷) اس کے لئے، تمہیں قانونِ خداوندی کی پوری پوری تائید و نصرت حاصل ہوگی جس سے کامیابی کی راہیں یکے بعد دیگرے تمہارے سامنے کھلتی جائیں گی۔

اے رسولؐ! تم اپنے رفقاء (جماعتِ مومنین) کو یہ مژدۂ جاں فزا سنا دو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ
قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝١٤

(۲ ع ۱۵ ۱۰)

۱۴ لیکن، یہ کچھ خدا خود بخود نہیں کر دے گا۔ انسانوں کی دنیا میں اُس کا پروگرام خود انسانوں کی رفاقت سے، انہی کے ہاتھوں پورا ہوتا ہے۔ اس لئے، اے جماعتِ مومنین! تم اس نظام کے قیام کے لئے خدا کے دست و بازو بن جاؤ —— اور یہ کوئی نیا مطالبہ نہیں جو تم سے کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے بھی جہاں جہاں ایسی کوششیں ہوئی ہیں، انسانوں کے ہاتھوں ہی سے ہوئی ہیں۔ مثلاً، عیسیٰؑ ابن مریم نے بھی اپنے مخلص رفقاء سے یہی کہا تھا کہ تم بتاؤ کہ تم میں کون ہے جو نظامِ خداوندی کے قیام میں میرا معاون و مددگار بنتا ہے؟ اس کے جواب میں، انہوں نے بیک زبان کہا تھا کہ ہم اس مقصد کے لئے خدا کے رفیق اور مددگار بنتے ہیں۔ ان کی ان کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ اس نظام کی صداقت پر ایمان لے آیا۔ لیکن دوسرا گروہ اس کا مخالف ہو گیا۔ (ان دونوں میں کشمکش ہوئی تو) ہم نے ان لوگوں کو جو اس دین پر ایمان لائے تھے، ان کے دشمنوں کے خلاف مدد دی۔ اور وہ ان پر غالب آ گئے۔

(یہی اُس وقت ہوا تھا۔ یہی اب ہوگا۔ خود اس قوم مخالفین کے اندر سے ایک ایسی جماعت نکل آئے گی جو اس دین کے مخالفین کا مقابلہ کر کے، خدا کے پروگرام کو کامیاب بنائے گی۔ قانونِ خداوندی کی تائید و نصرت اِس جماعت کے ساتھ ہوگی)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ②

---

① کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے —— اُس خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے جس کے اقتدار و اختیار کی وسعتیں لاانتہا ہیں۔ جسے ہر شے پر پورا پورا غلبہ حاصل ہے۔ اور یہ غلبہ یکسر حکمت پر مبنی ہے۔

② (جس قسم کا نظام کائنات میں چل رہا ہے —— یعنی ہر شے کا قانونِ خداوندی کے مطابق سرگرم عمل رہنا —— اسی قسم کا نظام انسانی دنیا میں قائم کرنے کے لئے اس نے آسمانی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا)۔ اُسی سلسلہ کی آخری کڑی یہ رسولؐ ہے جو اُن لوگوں کی طرف آیا ہے جنہیں اس سے پہلے آسمانی کتاب نہیں ملی تھی۔ یہ رسولؐ ان کے سامنے قوانینِ خداوندی کو پیش کرتا ہے۔ پھر انہیں سمجھاتا ہے کہ ان قوانین کی غرض و غایت کیا ہے۔ اسکے ساتھ ہی وہ ایسا عملی پروگرام دیتا ہے جس سے ان کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے چنانچہ اس رسولؐ کی تبلیغ و تعلیم و تربیت سے، وہ قوم جو اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھی (زندگی

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

کے صحیح راستے پر گامزن ہو گئی)۔

۳ (اس رسولؐ کی رسالت اس کی اوّلین مخاطب قوم تک محدود نہیں) - یہ اُن کی طرف بھی اسی طرح رسول ہے جو ان لوگوں کے بعد آنے والے ہیں ——— یعنی عالمگیر انسانیت کی طرف رسول، اور موجودہ اور آئندہ تمام نسلوں کے لئے رسول۔ (یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے اس قرآن کو ہمیشہ کیلئے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس رسولؐ کا سلسلۂ رسالت، اس کی امت کی وساطت سے قرآن کے ذریعے ابد تک باقی رہے گا) یہ سب کچھ خدا کے غلبہ اور حکمت کی بنا پر کیا گیا ہے۔

۴ خدا کی طرف سے وحی کا ملنا، اس کی موہبت ہے - اس منصب جلیلہ کے لئے خدا اپنی مشیت کے مطابق جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وحی کے ذریعے لوگوں کو رشد و ہدایت کا مل جانا بھی خدا کی عنایات میں سے ہے۔ اس کا دروازہ ہر اُس شخص کے لئے کھلا ہے جو اسے لینا چاہے (یعنی خدا کی طرف سے وحی تو صرف انبیاءؑ کو ملتی تھی لیکن اُس وحی کی رُو سے راہ نمائی ہر شخص حاصل کر سکتا تھا اور کر سکتا ہے) یہ خدا کی کتنی بڑی کرم گستری ہے کہ اُس نے (انسان کی طبیعی زندگی کی ضروریات کے لئے سامانِ رزق اس طرح فراہم کر دیا اور اس کی انسانی زندگی کی نشوونما کے لئے وحی کا سلسلہ یوں قائم کر دیا)۔ وہ واقعی صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔

۵ (لیکن خدا کی اس کتاب سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اسے سمجھ سوچ کر پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ کتاب کو مقدس غلافوں میں لپیٹ کر اٹھائے اٹھائے پھرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بنی اسرائیل نے خدا کی کتابوں کے ساتھ یہی کچھ کیا تھا، سو ان کی حالت تمہارے سامنے ہے)۔ انہیں تورات دی گئی اور ان سے کہا گیا کہ ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس پر عمل کریں۔ لیکن انہوں نے (کتاب کو تو اپنے سر آنکھوں پر اُٹھا لیا لیکن) اس کی عاید کردہ ذمہ داریوں کو نہ اٹھایا۔ ان کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی گدھے پر بڑی بڑی کتابیں لاد دی جائیں اور وہ انہیں اُٹھائے اُٹھائے پھرے۔ (ظاہر ہے کہ اس سے اُس گدھے کو کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا) یہی مثال اس قوم کی ہے جو قوانین خداوندی کی صداقت کا زبان سے اقرار کرے لیکن عملاً اس کی تکذیب کرے۔ اس قوم کی حالت جس قدر زبوں ہو سکتی ہے، ظاہر ہے۔ ایسے لوگوں کو، جو خدا کی کتاب کے ساتھ اس قسم

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝٦ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٧ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ
تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٨
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٩

کا سلوک کریں، کبھی راہنمائی نہیں مل سکتی۔ (کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک گدھا محض اس لئے صحیح راستے پر چلا جائے کہ جو کتاب اس کی پیٹھ پر لدی ہے اس میں صحیح اور غلط راستے کو تمیز کر کے دکھایا گیا ہے؟)۔

۶ (حالت تو ان بنی اسرائیل کی یہ تھی کہ خدا کی کتاب سے راہ نمائی حاصل کرنے کے بجائے، اسے محض اٹھائے اٹھائے پھرتے تھے۔ لیکن زعمِ باطل یہ کہ ساری خدائی میں صرف ہم ہی خدا کے پیارے ہیں)۔ ان سے کہو کہ اگر تم واقعی خدا کے عزیز ترین دوست ہو، تو اس کی راہ میں مرنے کی تمنا کرو۔ یہی تمہارے دعوے کی صداقت کی دلیل ہوگی۔ (۲/۹۴)۔

۷ لیکن تم دیکھو گے کہ یہ کبھی مرنے کی تمنا نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ یہ جانتے ہیں کہ ان کے اعمال کیسے ہیں جن کا نتیجہ انہیں مرنے کے بعد بھگتنا پڑے گا۔ اللہ اس قسم کے مجرمین کے دل کی حالت سے اچھی طرح واقف ہے۔

۸ ان سے کہو کہ وہ موت جس سے تم اس طرح بھاگ رہے ہو، ایک نہ ایک دن آ کر رہے گی۔ اور تمہیں، خدا کے قانونِ مکافات کی طرف لوٹنا ہوگا ——— اس خدا کے قانونِ مکافات کی طرف جو مخفی اور ظاہر، سب کا پورا پورا علم رکھتا ہے ——— وہ بتائے گا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، اس کا نتیجہ کیا ہے؟

۹ (یہودیوں کی ایسی حالت کیوں ہو گئی؟ اس لئے کہ انہوں نے دینِ خداوندی کو مذہب میں تبدیل کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اجتماعیت ختم ہو گئی اور دین نام رہ گیا خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق کا۔ اے جماعتِ مومنین! تم کہیں ایسا نہ کرنا۔ اپنی جماعتی زندگی کو زندہ و پائندہ رکھنا، کہ یہی دین کا تقاضا ہے۔ اس کے لئے، مثلاً، جب تمہیں ملی اجتماع صلوٰۃ کے لئے آواز دی جائے، تو سب کام کاج چھوڑ کر، اس کی طرف لپک کر آ جایا کرو تاکہ تم اپنے

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾
وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ
التِّجَارَةِ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿۱۱﴾

کانوں سے سن لو کہ وہ قوانین و ہدایات خداوندی کیا ہیں جن کے لئے تمہیں بلایا گیا ہے' اور جن کے مطابق تمہیں کام کرنا ہے۔ اگر تم ذرا بھی علم و بصیرت سے کام لو گے تو یہ حقیقت تمہارے سامنے آجائے گی کہ یہ اجتماعات تمہارے لئے کس قدر منفعت بخش ہیں۔

۱۰ جب یہ اجتماعِ صلوٰۃ ختم ہو جائے تو پھر جہاں جی چاہے جاؤ اور تلاشِ معاش میں لگ جاؤ۔ لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ قوانینِ خداوندی کا دائرہ صرف اُس اجتماع تک محدود تھا۔ یہ قوانین تمہیں سُنائے اور بتائے ہی اس لئے گئے تھے کہ تم اپنی عملی زندگی کے ہر گوشے میں ان پر کاربند رہو۔ لہٰذا، اب جو تم کاروبار کے لئے نکلے ہو' تو ان قوانین کو ہر وقت اپنے پیشِ نظر رکھو۔ اسی میں تمہاری کامیابی کا راز مضمر ہے۔ (دوسرے لوگ اپنی کامیابی کے لئے جو طریق چاہیں اختیار کریں لیکن تم اپنی کامیابی کے لئے' ہمیشہ قوانین خداوندی کا اتباع کرو۔ یہی کامیابی حقیقی کامیابی کہلا سکتی ہے)۔

۱۱ چونکہ یہ لوگ (جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں' ہنوز تربیت میں ناپختہ ہیں' اس لئے ان کی حالت یہ ہے کہ) جب دیکھتے ہیں کہ کسی اچھے کاروبار کا موقعہ ہے' یا کوئی کھیل تماشہ ہے' تو (اے رسولؐ!) تجھے کھڑے کا کھڑا چھوڑ کر اُس طرف اُٹھ دوڑتے ہیں۔ انہیں سمجھاؤ کہ تمہیں جو کچھ قوانین خداوندی کی رُو سے ملے گا وہ اس تمام کاروبار سے زیادہ نفع بخش' اور کھیل تماشے سے زیادہ جاذب ہے۔ یاد رکھو! جو سامانِ زیست' قوانینِ خداوندی کے مطابق ملتا ہے وہ بڑا ہی خوشگوار اور منفعت بخش ہوتا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳

---

۱ اے رسولؐ! جب یہ منافق تیرے پاس آتے ہیں تو قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ تو بے شک خدا کا رسول ہے۔ اللہ اس حقیقت سے باخبر ہے کہ تو اس کا رسول ہے۔ لیکن وہ یہ بتا دینا چاہتا ہے کہ یہ لوگ محض زبان سے یہ بات کہتے ہیں' دل سے تجھے رسُول نہیں مانتے۔ لہٰذا یہ جھوٹے ہیں۔ (جب کسی کا دل اور زبان ہم آہنگ نہ ہوں' تو وہ شخص اپنے قول میں جھوٹا ہوتا ہے' خواہ' جو بات وہ کہہ رہا ہے وہ واقعہ کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کی رُو سے کذب اسے کہتے ہیں جس میں دل اور زبان میں ہم آہنگی نہ ہو۔ اسی کا دوسرا نام منافقت ہے)۔

۲ انہوں نے اپنی قسموں کو اپنے لئے دھوکے کی ٹٹی بنا رکھا ہے' اس لئے یہ لوگوں کو نظامِ خداوندی کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ (ان کے حق میں) بہت بُرا ہے۔

۳ ان کی اس حالت کو ہم اس لئے بیان کر رہے ہیں کہ یہ لوگ ظاہر تو اپنے آپ کو مؤمن کرتے ہیں لیکن جب بھی موقعہ پاتے ہیں کفر کا شیوہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ درحقیقت' دل سے ایمان لاتے ہی نہیں۔ اس منافقانہ طرزِ عمل کا نفسیاتی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں پر اس طرح مُہریں لگ گئی

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ
صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ
لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ
اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ
لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

ہیں کہ اب ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔

۴ جب تو انہیں دیکھتا ہے تو ان کی ظاہری وضع قطع بڑی خوش آئند نظر آتی ہے اور وہ انسان کو حیرت میں ڈال دیتی ہے اور جب یہ باتیں کرتے ہیں تو ایسے معصومانہ انداز سے کہ ہر شخص انہیں کان لگا کر سنے اور سچ باور کرے لیکن ان کی اندرونی حالت ایسی ہے جیسے گھُن کھائی ہوئی لکڑیاں جنہیں دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا ہو۔ نہ خود اعتمادی، نہ زندگی کی توانائی —— بظاہر بڑے محکم اور پائیدار، بباطن بالکل کھوکھلے اور بے جان —— بزدل ایسے کہ کہیں ذرا سا کھٹکا ہو تو ان کی جان نکل جائے کہ ہم پر کوئی آفت آئی۔ دل میں ہر وقت دھڑکا کہ کہیں ہمارے خلاف کوئی سازش تو نہیں ہو رہی؟
یہ تمہارے دشمن ہیں سو تم ان سے بہت محتاط رہو۔ ان پر خدا کی مار۔ انہوں نے کس قسم کی اُلٹی روش اختیار کر رکھی ہے؟

۵ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم آؤ (اور اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کا اقرار کرو) تاکہ خدا کا رسولؐ تمہارے لئے نظامِ خداوندی سے سامانِ حفاظت طلب کرے، تو وہ اس سے اعراض برتتے ہیں۔ ذرا رُکتے ہیں اور پھر متکبرانہ انداز سے چل دیتے ہیں۔

۶ اے رسولؐ! (ہم جانتے ہیں کہ تیرا دلِ دردمند چاہتا ہے کہ یہ کسی طرح تباہی اور بربادی سے بچ جائیں —— لیکن) تیری آرزوئیں انہیں اس تباہی سے بچا نہیں سکتیں۔ ان کے لئے یکساں ہے کہ تو ان کے لئے ایسی آرزو کرے یا نہ کرے۔ یہ اپنی غلط روش میں اس حد تک آگے نکل چکے ہیں کہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق یہ تباہ ہو کر رہیں گے۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راستے اختیار کر لیں (اور اپنی روش بدلنا نہ چاہیں) اُنپر سلامتی کی راہیں کبھی نہیں کھلتیں

۷ ان کی حالت یہ ہے کہ (خود نظامِ خداوندی کی مدد کرنا تو ایک طرف) یہ دوسرے لوگوں

لَا يَفْقَهُونَ ۝٧ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ
وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝٨ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا
أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝٩ وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم
مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ
الصَّالِحِينَ ۝١٠ وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝١١

سے بھی کہتے رہتے ہیں کہ جو لوگ اس رسولؐ کے ساتھ ہیں، تم انہیں کوئی مالی مدد نہ دو۔ اس طرح (جب یہ بھوکے مریں گے تو) خود ہی اس کا ساتھ چھوڑ کر تتر بتر ہو جائیں گے اور اس طرح اس کا مشن ناکام رہ جائے گا۔

ان سے کہو کہ خدا کے ہاں، کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں، رزق کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ اسے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ منافق اس بات کو کیا جانیں!

۸ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں مدینہ واپس پہنچ لینے دو، پھر دیکھنا کہ وہاں کے زور آور لوگ، ان کمزور اور ذلیل انسانوں کو کس طرح وہاں سے نکال باہر نہیں کرتے؟

انہیں کیا معلوم کہ عزت اور غلبہ سب کا سب، نظامِ خداوندی کے ساتھ وابستگی میں ہے اسلئے وہ مومنین کے لئے مختص ہے۔ لیکن یہ منافق اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

۹ (بہرحال) یہ ہے ان منافقین کی حالت اور یہ ہیں ان کے عزائم۔ سو، اے جماعتِ مومنین! دیکھنا۔ تم ان کی باتوں میں نہ آجانا، جس سے تمہاری کیفیت یہ ہو جائے کہ (ان کی طرح) مال اور دولت اور اولاد کی محبت تمہیں قوانینِ خداوندی کے اتباع سے غافل کر دے۔ جو لوگ ایسا کریں گے وہ یاد رکھیں کہ اس سے انہیں سخت نقصان پہنچے گا۔

۱۰ جو کچھ تمہیں اللہ نے دیا ہے اُسے اس کے نظام کے قیام کیلئے کھلا رکھو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہو اور وہ حسرت و یاس سے کہے کہ اے میرے نشو و نما دینے والے! اگر تو مجھے تھوڑی سی مہلت بھی دے دیتا تو میں اپنے دعوائے ایمان کو اپنے عمل سے سچ کر دکھاتا اور اس طرح ان لوگوں میں شامل ہو جاتا جو تیرے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام کی تکمیل میں سرگرم عمل رہتے ہیں اور یوں انسانیت کو اور خود اپنی ذات کو سنوارتے ہیں۔

۱۱ لیکن خدا کا اٹل قانون یہ ہے کہ جب کسی کی موت آجائے تو پھر اُسے مہلت نہیں ملا کرتی (اس لئے جو کچھ تمہیں کرنا ہے اس میں تاخیر مت کرو)۔ اللہ تمہارے ہر کام سے باخبر ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِيْ
خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢﴾

---

۱ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے متعین فرمودہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ جلال اور جمال، قوت اور حمد، دونوں کا سرچشمہ اُسی کی ذات ہے۔ اسی کے مطابق اُس نے ہر شے کے پیمانے (قوانین) مقرر کر رکھے ہیں جن پر اُسے پورا پورا کنٹرول ہے۔
(۳۱ = ۷ × ۴ + ۳ ؛ ۳۶ = ۱۴ × ۲ + ۸ ؛ ۵ = ۱۶ × ۰ + ۵ ؛ ۶ = ۱۸ × ۰ + ۶ ؛ ۷ = ۱۸ × ۰ + ۷ ؛ ۵ = ۶۷ × ۰ + ۵)

۲ اس نے تمہیں انسانی پیکر عطا کیا (جس کی خصوصیتِ کبریٰ یہ ہے کہ تمہیں اختیار و ارادہ کی استعداد حاصل ہے۔ انسان کی اس استعداد کا نتیجہ یہ ہے کہ) تم میں سے بعض کافر (قوانینِ خداوندی کو تسلیم نہ کرنے والے) اور بعض مؤمن (ان قوانین کو ماننے والے) ہو جاتے ہیں۔ (کائنات میں کسی اور مخلوق کو اس کا اختیار نہیں کہ وہ چاہے تو قوانین خداوندی کی اطاعت کرے اور چاہے ان سے انکار کر دے۔ یہ خصوصیت انسان ہی کے لئے ہے اور اسی سے یہ اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار پاتا ہے (۱۸/۲۹)۔ پھر اس کا اختیار تو انسان کو دیا گیا ہے کہ یہ چاہے تو صحیح راستہ اختیار کرلے اور چاہے غلط راستے پر چل پڑے۔ لیکن اسے اس کا اختیار نہیں کہ چلے تو غلط راستے پر اور نتائج برآمد ہوں صحیح راستے کے)۔ اس کے اعمال کے نتائج خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہوتے ہیں جو سب کچھ دیکھتا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳ يَعْلَمُ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴ اَلَمْ يَاْتِكُمْ
نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۶

---

۳ اس نے کائنات کے اس عظیم کارگہ کو حقیقت کے طور پر پیدا کیا ہے۔ (یہ حلقۂ دام خیال یا منتر یا مایا' یا خواب نہیں)۔ اس کائنات میں اس نے تمہیں ایک ایسا پیکر عطا کیا ہے جس میں حسن ذات کے امکانات' سمٹا کر رکھ دیئے ہیں۔ ان امکانات کو مشہود کرنے اور یہ دیکھنے کے لئے کہ ایسا ہو رہا ہے' ایک خارجی معیار کی ضرورت ہے۔ یہ معیار' ذاتِ خداوندی ہے جو حسین ترین اور مکمل ترین صفات کی حامل ہے۔ تم اس معیار کو اپنے سامنے رکھو اور صفاتِ خداوندی کو (بحدِ بشریت) اپنی ذات میں منعکس کرتے جاؤ۔ یہی اس دُنیا میں زندگی کا منتہا ہے۔

۴ جو کچھ خارجی کائنات میں ہے' خدا اس سے بھی واقف ہے' اور جو کچھ تمہاری داخلی دُنیا میں ہوتا ہے اور جو کچھ تم سے ظہور میں آتا ہے' وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ وہ تمہارے دِل کے اندر گزرنے والے خیالات تک کا علم رکھتا ہے (اسلئے یہ ہو نہیں سکتا کہ تمہارا کوئی عمل' صحیح نتیجہ مرتب کئے بغیر رہ جائے۔ لیکن دُنیا میں یہ کچھ اجتماعی نظام کے تابع ہوگا)۔

۵ اِس کی شہادت تمہیں اقوامِ سابقہ کی سرگذشت میں بھی مل سکتی ہے۔ ان میں سے جن قوموں نے قوانینِ خداوندی کی صداقت سے انکار کیا اور غلط بنیادوں پر اپنا نظام قائم کیا' اس کا نتیجہ ان کے سامنے آگیا۔ یعنی وہ قومیں تباہی اور بربادی کے الم انگیز عذاب میں مبتلا ہوگئیں۔

۶ ان کی طرف' خدا کے رسول' واضح دلائل اور قوانین لے کر آئے لیکن انہوں نے نہایت حقارت سے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ کیا ہم (اپنے جیسے) انسانوں کی لیڈرشپ قبول کرلیں؟ (حالانکہ سوال یہ نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ اس بات کو پیش کرنے والا انہی جیسا انسان ہے' دیکھنے کی بات یہ تھی کہ جو کچھ وہ پیش کر رہا ہے وہ کیسا ہے؟ لیکن انہوں نے اس پر غور کئے بغیر' محض نخوت اور تکبر کی بنا پر) اس سے انکار کر دیا اور مُنہ پھیر کر دوسری طرف چل دیئے۔ (تو اس سے انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا' اللہ کا کچھ نہ بگاڑا)۔ اللہ اس کا محتاج نہیں کہ لوگ

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ
يَسِيْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ
الْجَمْعِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اُس کی اطاعت کریں تو اس کے کام سنوریں۔ اُس کے سب کام دوسروں کی مدد کے بغیر سنورے ہوئے ہیں۔

۷ یہ لوگ جو اس ضابطۂ ہدایت سے انکار اور سرکشی اختیار کر رہے ہیں (اپنے پیشروؤں کی طرح) اِس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ یہ بڑی قوتوں کے مالک ہیں' اس لئے انہیں راستے سے ہٹایا ہی نہیں جاسکتا۔ ان سے کہہ دو کہ تم اس بھول میں مت رہو۔ تم خدا کے نظامِ ربوبیت کے راستے میں یوں سنگِ گراں بن کر بیٹھے نہیں رہ سکتے۔ تمہیں راستے سے ہٹایا جائے گا تاکہ انسانیت آگے بڑھ سکے۔ اُس وقت تمہیں نظر آجائے گا کہ تمہارے اعمال نے کیا نتائج برآمد کئے ـــــ اور اللہ کے لئے ایسا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اُس کے قانونِ مکافات کی رُو سے' یہ کچھ آسانی سے ہو جائے گا۔

۸ (ان سے کہہ دو کہ تم اس تباہی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کے لئے ابھی وقت ہے)۔ تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ یعنی اُس ضابطۂ قوانین (قرآن) پر جسے اللہ نے تمہاری عقل کی راہ نمائی کے لئے اسی طرح روشنی بنا کر بھیجا ہے (جس طرح تمہاری آنکھ کے لئے سورج کی روشنی پیدا کی ہے)۔ تمہارے تمام کام' خدا کے قانونِ مکافات کی نگاہ میں رہتے ہیں۔

۹ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اس کشمکش کا آخری فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوگا جس میں تم جمع ہو جاؤ گے۔ وہ ہار جیت کا دن ہوگا۔ اس تصادم سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ کس میں کس قدر کمی رہ گئی تھی جس کی وجہ سے وہ ہار گیا۔ وہ جماعت جو قوانین خداوندی کی صداقت پر ایمان رکھتی ہے اور اس کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہے' انمیں جو تھوڑی بہت کمزوریاں رہ گئی ہوں گی' ان کے حسنِ عمل کی قوتوں سے ان کی مدافعت ہو جائے گی۔ اور اس طرح (وہ اپنے مخالفین پر کامیابی حاصل کر کے) ایسا جنتی معاشرہ قائم کرلیں گے جس کی شادابیوں میں کبھی کمی واقع نہیں ہوگی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یعنی جب تک

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ مَآ اَصَابَ مِنْ ع ۱۰ ۱۵
مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا
الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

وہ مَعاشرہ قائم رہے گا انہیں جنّت کی سی زندگی میسّر رہے گی) اور یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ (یہی کیفیت اُخروی زندگی میں بھی ہوگی)۔

۱۰ ان کے برعکس، جو لوگ اس نظام کی صداقت سے انکار کرتے اور ہمارے قوانین کو جھٹلاتے ہیں، ان کے حصّے میں تباہیاں اور بربادیاں ہوں گی ـــــ زندگی کا یہ مآل کتنا بُرا ہے!

۱۱ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ کائنات میں جو واقعہ بھی رُونما ہوتا ہے، خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ (یہاں کوئی بات یونہی اَلل ٹپ نہیں ہو جاتی۔ قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتی ہے)۔ اور یہ اس لئے کہ خدا کو ہر شے کا علم ہے۔

جو شخص ان قوانین کی صداقت پر یقین رکھتا ہے، اس کی عقل و فہم کو اس قسم کی روشنی مِل جاتی ہے جس سے وہ ان اسباب و عِلل کو سمجھ لیتا ہے جن کے مطابق حوادث کائنات رُونما ہوتے ہیں۔ (اب ظاہر ہے کہ جس قوم کو معلوم ہو جائے کہ کائنات میں مختلف حوادث کن قوانین کے مطابق واقع ہوتے ہیں، اور ان کی نفع بخشیوں سے بہرہ یاب ہونے اور ان کی مضرت رسانیوں سے محفوظ رہنے کے کیا طریقے ہیں، وہ قوم کس قدر کامیاب ہوگی)۔

۱۲ (اگر تم بھی اپنے اندر یہ کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ) تم اس نظامِ خداوندی کی اطاعت کرو جو اس کے رسولؐ کے ہاتھوں متشکل ہو رہا ہے۔ اگر تم اس سے رُوگردانی کرو گے تو (اس سے نہ خدا کا کچھ بگڑے گا نہ اس کے رسولؐ کا۔ اس سے تمہارا اپنا ہی نقصان ہوگا۔ اور اس نقصان کی ذمہ داری بھی تمہارے ہی اوپر ہوگی۔ اس لئے کہ) ہمارے رسولؐ کی ذمہ داری تو بس یہیں تک ہے کہ وہ ان قوانین کو واضح طور پر تم تک پہنچا دے۔ ان کے مطابق عمل کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔

۱۳ (یاد رکھو! تم اس نظام سے رُوگردانی کر کے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ) کائنات میں صرف اللہ کا قانون کارفرما ہے۔ اُس کے سوا کسی اور کا کوئی اقتدار اور اختیار نہیں۔ اور یہ نظام، خدا کے قوانین پر مبنی ہے ـــــ جو لوگ اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں انہیں ان قوانین کی محکمیت پر پورا پورا اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ
اَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۴ (اے جماعتِ مومنین! تم جو اس نظامِ ربوبیت کے قیام کے لئے کوشاں ہو تو اس سلسلہ میں ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا۔ اس نظام کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ تم پوری پوری محنت کرو لیکن اس محنت کی کمائی سے جو کچھ حاصل ہو اس میں سے اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی ضروریات کے بقدر لے کر باقی سب نوعِ انسانی کی ربوبیت عامہ کے لئے وقف کر دو۔ اگر تمہارے بیوی بچوں میں یہ اندازِ نگاہ پیدا نہیں ہوا تو ان کی تنگ نظری اس تصور کو قبول نہیں کرے گی اور اس طرح وہ تمہارے راستے میں حائل ہو جائیں گے) یوں بعض بیوی بچے انسان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ تم اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا۔ اگر تم ان کی تنگ نگہی سے آگے بڑھ گئے اور ربوبیت عالمینی کے تصور کو اپنے گھر کی چار دیواری سے آگے بڑھا کر پوری انسانیت پر پھیلا دیا تو اس سے وہ نظام قائم ہو جائے گا جس میں خود ان کی (یعنی تمہارے بیوی بچوں کی) اور دوسروں کی حفاظت اور نشوونما کا سامان بڑی فراوانی سے بہم پہنچتا رہے گا۔

۱۵ بنابریں تمہارے بیوی بچے اور مال و دولت وہ کٹھالی ہیں جس سے تم کندن بن کر بھی نکل سکتے ہو اور راکھ کا ڈھیر بھی ہو سکتے ہو۔ کندن اس طرح بن سکتے ہو کہ اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرو کہ تمہاری محنت کا وہی معاوضہ حقیقی اور نتیجہ خیز ہے جو تمہیں قوانین خداوندی کے مطابق ملے۔

(باقی رہا یہ کہ گھر کی زندگی میں اس قسم کی کشمکش کو دور کس طرح کیا جا سکتا ہے تو اس کے لئے تمہیں ہدایات دی جا چکی ہیں۔ اور وہ یہ کہ اپنے رفیقِ حیات کے انتخاب کے وقت اس کا خیال رکھو کہ تم دونوں میں نظریات اور خیالات کی ہم آہنگی ہو اور پھر اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت اس نہج سے کرو کہ وہ بھی انہی تصورات کی حامل بن کر پروان چڑھے۔ اس قسم کے گھر میں یہ کشمکش پیدا نہیں ہوگی۔ (۲/۲۲۱)۔

۱۶ لہٰذا تم امکان بھر قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ نظامِ خداوندی کے احکام کو اچھی طرح سے سنو اور ان کی اطاعت کرو اور اپنی کمائی کو ربوبیتِ عامہ کے لئے کھلا رکھو۔ اسی میں

إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

(ع ۲ ۱۶)

تمہاری بھلائی ہے۔ اس سے تمہاری نگاہ میں ایسی کشادہ پیدا ہو جائے گی جس سے تم اس کوشش میں نہیں لگے رہو گے کہ دوسروں کو پیچھے دھکیل کر خود آگے بڑھ جاؤ' اور اس طرح سب کچھ اپنے لئے سمیٹ لو ——— مفاد خویش کی تنگ نظری انسان کو یہی سکھاتی ہے کہ کھیتی اسی کی سرسبز ہوتی ہے جو' دوسروں کی پرواہ کئے بغیر' اپنے کھیت کو سیراب کرے۔ اور ہمارا قانون ربوبیت یہ ہے کہ کھیتیاں انہی کی پروان چڑھتی ہیں جو دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیں (۵۹/۹)۔

۱۷ وہی قانون تمہیں یہ بھی بتاتا ہے کہ جو کچھ تم دوسروں کی نشوونما کے لئے دیتے ہو وہ درحقیقت قرض ہے جو تم خدا کو دیتے ہو۔ اگر تم اس قسم کا قرض حسن کارانہ انداز سے نظام خداوندی کو دو گے تو وہ تمہیں اس سے کئی گنا زیادہ واپس دے گا' اور تمہارے لئے نقصانات سے بچنے کا سامان بھی پیدا کر دے گا۔

خدا' ہر ایک کو اس کی محنت کا بھرپور معاوضہ دیتا ہے اور اس کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں سے درگزر کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بڑا بردبار اور وسیع الظرف واقع ہوا ہے۔ یونہی ذرا ذرا سی بات پر بھڑک نہیں اٹھتا۔

۱۸ وہ غائب اور حاضر' پوشیدہ اور ظاہر ہر بات کا علم رکھتا ہے۔ اور اپنے قوانین پر اسے پورا پورا غلبہ حاصل ہے۔ وہ غلبہ جو حکمت پر مبنی ہے' دھاندلی پر نہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ

---

۱ اے رسولؐ! جب تم طلاق کے مقدمات کا فیصلہ کرو تو لوگوں سے کہہ دو کہ اس کے بعد عدت کا سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسے ضرور پورا کرنا چاہیئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اس کا حساب رکھو اور اس طرح اپنے نشوونما دینے والے کے احکام کی پوری پوری نگہداشت کرو۔ (۲۳۷ — ۲۲۸ ؛ ۳۳ — ۴۹) اور اس دوران میں ان مطلقہ بیویوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو (۶۵ — ۶) ۔ (عدت کے دوران یہ گھر ہنوز ان کے اپنے گھر ہیں۔ اس لئے نہ تم انہیں ان گھروں سے نکالو) نہ وہ خود ہی (بلا عذر) وہاں سے نکلیں۔ ہاں، اگر وہ کسی کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوں (تو پھر انہیں گھر سے نکالا جا سکتا ہے) یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود (قوانین) ہیں جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے تو (اس سے جو نقصان دوسروں کو پہنچتا ہے، وہ تو ایک طرف رہا) وہ خود اپنے آپ پر بھی زیادتی کرتا ہے۔

انہیں (عدت کے دوران) انہی گھروں میں رکھنا، اور ان کا وہیں رہنا اس لئے قرین مصلحت ہے کہ اگرچہ وہ زمانہ عدت میں میاں بیوی نہیں رہتے لیکن ہو سکتا ہے کہ اس

أَمْرًا ① فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ
عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ② وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا
يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ
لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ③

مفارقت کے عملی تجربہ سے ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ان میں باہمی موافقت کی شکل نکل آئے (بشرطیکہ یہ طلاق ایسی ہو جس میں پھر موافقت کی گنجائش ہوتی ہے)۔

۲ جب عدت کا زمانہ ختم ہونے کو آئے تو اُس وقت اس معاملہ پر پھر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ اگر نباہ کی صورت ممکن دکھائی دے تو خواہ مخواہ علیحدگی کیوں اختیار کرو۔ قاعدے اور قانون کے مطابق میاں بیوی کی زندگی بسر کرو۔ لیکن اگر نباہ کی کوئی صورت نہ رہے تو پھر قاعدے اور قانون کے مطابق علیحدہ ہو جاؤ۔ اور اس آخری فیصلہ پر اپنے میں سے دو گواہ مقرر کر لو جو کسی کی رُو رعایت نہ کریں، اور اسے فریضۂ خداوندی سمجھ کر گواہی پر حق و انصاف سے قائم رہیں۔ یہ تاکید اس شخص سے کی جا رہی ہے جو قوانین خداوندی اور مستقبل کی زندگی پر ایمان رکھتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ ان احکام کی پابندی میں تمہیں کوئی مشکل پیش آئے۔ لیکن ہمیشہ پیشِ نظر رکھو کہ قانون کی پابندی کی وجہ سے اگر کوئی مشکل پیش آتی ہو، تو نظامِ خداوندی اس مشکل کا کوئی نہ کوئی حل تجویز کر دے گا۔

۳ اس میں معاشی مشکلات بھی پیش آ سکتی ہیں، لیکن نظامِ خداوندی اس کا انتظام بھی ایسے طریق سے کر دے گا جس کی تمہیں توقع تک نہ ہو۔ یاد رکھو! جو شخص بھی نظامِ خداوندی پر بھروسہ کرتا ہے، تو وہ نظام اس کے اس بھروسے کو پوری طرح نباہتا ہے۔ اسے یونہی لٹکتا نہیں چھوڑ دیتا، بلکہ آخر تک اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے ہر بات کے لئے پیمانے اور اندازے (قوانین و ضوابط) مقرر کر رکھے ہیں (اور جو کام قاعدوں اور ضابطوں کے مطابق ہوں، ان میں نہ عدمِ یقین ہو سکتا ہے، نہ دشواری)۔

(طلاق کا فیصلہ دینے والی عدالت کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام متعلقہ امور کو پیشِ نظر رکھے اور اس فیصلہ سے پیدا ہونے والی دشواریوں اور پیچیدگیوں کا مناسب حل تجویز کر دے)۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ
لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝
ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ
حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَاۗرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ
حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ
فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝

۴ (جیسا کہ (۲۲۸) میں بتایا جا چکا ہے، عدت کی مدت عام حالات میں، تین حیض کا زمانہ ہے۔ لیکن) جن عورتوں کو حیض آنا بند ہو چکا ہو، اور اس وجہ سے یہ دشواری لاحق ہو کہ انکی عدت کا شمار کس طرح کیا جائے، تو ان کے لئے تین حیض کے بجائے، تین مہینے، عدت کے شمار کرو۔ یہی عدت اُن عورتوں کے ضمن میں شمار کرو جنہیں کسی عارضہ کی وجہ سے، حیض نہ آسکا ہو۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے ——— (بعض طبائع کو شاید عدت کی یہ مدت لمبی معلوم ہو کیونکہ اس مدت میں انہیں مطلقہ بیوی کے اخراجات کا تحمل ہونا پڑے گا۔ لیکن اس میں خائف ہونے کی کوئی بات نہیں)۔ جو شخص بھی قانون خداوندی کی نگہداشت کرے گا، نظام خداوندی اس کے لئے آسانیاں پیدا کر دے گا۔ (متعلقہ عدالت کو ایسی شکلیں بھی سامنے رکھنی چاہئیں اور ان کا حل تجویز کرنا چاہیئے)۔

۵ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ اور جو شخص قانون خداوندی کی نگہداشت کرتا ہے تو نظام خداوندی اس کی وہ دشواریاں دُور کر دیتا ہے جو اس قسم کی عائلی ناہمواریوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور اُس کے اِس عمل کا (کہ اس نے قانونِ خداوندی کی اطاعت میں کچھ دقتیں اٹھائیں) بہت بڑا اجر دیتا ہے۔

۶ تم اِن مطلقہ عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو، اور اسی طرح رکھو جس طرح تم خود رہتے ہو۔ اور انہیں تنگ کرنے کی غرض سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اور اگر وہ حمل سے ہیں تو وضعِ حمل تک تو تمہیں ان کا خرچ بہرحال برداشت کرنا ہے، اگر وضع حمل کے بعد وہ تمہاری خاطر بچے کو دودھ پلائیں (یعنی تم کوئی اور انتظام نہ کرو اور باہمی رضامندی سے یہ

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا
مَآ اٰتٰىهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا
حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ

طے پا جائے کہ وہی بچے کو دودھ پلائیں۔ تو) انہیں ان کی دُودھ پلائی کی اُجرت دو۔ ان امور کی تفاصیل کو باہمی مشورے سے قاعدے قانون کے مطابق طے کر لیا کرو۔ اور اگر تم میں سے کسی پر یہ انتظام گراں گزرے تو تم کسی دوسری عورت کا انتظام کر لو جو بچے کو دودھ پلائے۔

۷ مطلقہ کا خرچ یا دُودھ پلانے کی اُجرت کا معاملہ طے کرنے کے سلسلہ میں اس بات کو مدِ نظر رکھو کہ صاحبِ وسعت اپنی وسعت کے مطابق خرچ دے اور جس کا ہاتھ تنگ ہو تو جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے وہ اس کے مطابق دے۔ یاد رکھو! خدا کا قانون کسی پر اس کی حیثیت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اگر اس قانونِ خرچ سے اس پر کچھ تنگی آجائے تو قانونِ خداوندی کی رُو سے اس کی اس تنگی کو آسانی سے بدلا جا سکتا ہے۔ (عدالتِ مجاز اس بات کا بھی خیال رکھے)۔

۸ (یہ قوانین تمہاری عائلی زندگی سے متعلق ہیں۔ نظر بظاہر ایسا دکھائی دے گا کہ یہ شخصی قوانین ہیں جن کا تعلق افرادِ معاشرہ کی پرائیویٹ زندگی سے ہے۔ قوم کی اجتماعی زندگی پر ان کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ یہی وہ سطحی نگاہ ہے جس کی رُو سے سیکولر حکومتیں شخصی قوانین (پرسنل لاز) کو تمدنی قوانین (پبلک لاز) سے الگ رکھتی ہیں۔ لیکن یہ بڑی بھول ہے (زندگی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے جسے شخصی اور تمدنی دوائر میں اس طرح تقسیم نہیں کیا جا سکتا کہ ایک دائرے کا اثر دوسرے دائرے پر نہ پڑے) ان معاملات کا قوموں کی تمدنی زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں کہ کتنی ہی قومیں ایسی تھیں کہ انہوں نے خدا کے (اس قسم کے) قوانین سے سرکشی برتی، اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی تو ہمارے قانونِ مکافات نے ان کا سخت محاسبہ کیا، اور ان پر انہی کی وجہ سے تباہیاں اور بربادیاں آگئیں۔

۹ چنانچہ انہوں نے اپنے خود ساختہ قوانین و ضوابط کے تباہ کن نتائج کا مزہ چکھا — اور یہ ظاہر ہے کہ جب انسان، قوانین خداوندی کو چھوڑ کر، ان کی جگہ اپنے قوانین وضع کرنے لگ جائے تو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۱۰ چنانچہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق ایسی قوموں پر سخت تباہی آجاتی ہے۔ لہٰذا، اے عقل و خرد سے کام لینے والو! یعنی وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم ہمیشہ خدا کے

لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَسُولًا يَتْلُو
عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ
وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ﴿١١﴾ اللَّهُ الَّذِي
خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۖ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۙ وَّ
أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾

(۲) (۵) (۱۸)

قوانین کی نگہداشت کرو۔ اس مقصد کے لئے خدا نے تمہاری طرف یہ ضابطہ قوانین نازل کیا ہے'

۱۱ اس رسولؐ کی وساطت سے' جو تمہارے سامنے ان قوانینِ خداوندی کو پیش کرتا ہے جو اپنے مطالب میں بالکل واضح ہیں۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ وہ' ان لوگوں کو جو ان قوانین کی صداقت پر ایمان لائیں اور خدا کے مقرر کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوں' زندگی کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

یاد رکھو! جو شخص بھی قوانینِ خداوندی کی صداقت پر یقین رکھ کر اس کے متعین کردہ' صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتا ہے' خدا کا قانونِ مکافات اسے ایسے جنتی معاشرہ میں داخل کرتا ہے جس کی شادابیوں میں کبھی کمی نہیں آسکتی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس کے لئے خدا حسن کارانہ انداز سے سامانِ زیست مہیا کردے گا۔ (اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)۔

۱۲ یہ انتظامِ ربوبیت اس خدا کی طرف سے ہوتا ہے جس نے کائنات کی فضاؤں میں متعدد بلندیوں کو پیدا کیا اور ہر بلندی کے مقابلہ میں' اس جیسی پستی کو[1]۔ وہ ان تمام اجرامِ فلکی میں' اپنے پروگرام کو نافذ کرتا رہتا ہے (اور یہ اسی کے مطابق سرگرمِ عمل رہتے ہیں)۔

(اس نے ان تمام امور کو اس لئے بیان کیا ہے) تاکہ تم سمجھ لو کہ کائنات میں ہر شے اس کے مقرر کردہ اندازے اور پیمانے (قانون) کے مطابق چل رہی ہے' اور یہ کہ کائنات کی کوئی شے' علم خداوندی کے احاطہ سے باہر نہیں۔

---

[1] بلندی اور پستی' اضافی (RELATIVE) جہتیں ہیں۔ اگر تین چیزیں اوپر نیچے رکھی ہوں تو سب سے اوپر والی کے مقابلہ میں' درمیان والی چیز نیچے ہوگی اور سب سے نیچے والی کے مقابلہ میں وہی درمیان والی' اوپر ہوگی۔ اس طرح' ہر پستی کی ایک بلندی ہوتی ہے اور ہر بلندی کی ایک پستی۔ یہی صورت' فضا میں بکھرے ہوئے اجرامِ فلکی (کرّوں) کی ہے۔ ہر کرّہ اپنے سے نیچے والے کے مقابلہ میں بلند اور اپنے سے اوپر والے کے مقابلہ میں پست ہے۔ یہ مطلب ہے ہر "سماء" کے مقابلہ میں اس جیسی ایک "ارض" کا۔ سماء بلندی اور ارض پستی۔ سماء' اوپر والا کرہ۔ اور ارض اس سے نچلا کرہ۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ

تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ② وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا

---

① اے نبیؐ! جس چیز کو خدا نے تیرے لئے حلال قرار دیا ہے تو اُسے اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر اپنے اوپر حرام کیوں قرار دیتا ہے؟ (یہ تنبیہ اس لئے کی گئی ہے کہ) تم پر خدا کی طرف سے سامانِ حفاظت فراہم کیا جاتا ہے۔ (جو حلال چیزوں کو حرام قرار دے لینے کا لازمی نتیجہ ہے۔ اسکی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ تیرے کسی عمل کا اثر تیری اپنی ذات تک محدود نہیں رہتا۔ تم کسی چیز کو محض طبیعت کی ناپسندیدگی کی وجہ سے چھوڑ دو، اور تیرے متبعین یہ سمجھ لیں کہ یہ چیز فی ذاتہٖ بُری ہے اسلئے وہ بھی اسے اپنے اوپر حرام قرار دے لیں۔ تمہیں اسلئے بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے)۔

② (اگر تم نے اس بارے میں کوئی قسم کھالی ہے تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں) قانونِ خداوندی نے اس قسم کی قسموں کو توڑ دینے کے لئے کفارہ مقرر کر رکھا ہے۔ (۲/۲۲۵ ؛ ۵/۸۹)۔ اللہ تمہارا کارساز ہے (اس لئے اس نے اپنے قانون میں اس کی گنجائش رکھی ہے کہ جو باتیں سہو و خطا کی وجہ سے سرزد ہو جائیں ان کا تدارک آسانی سے ہو سکے۔ وہ انسان کی طبیعت کی کمزوریوں سے واقف ہے اس لئے اس نے اپنے قانون کو حکمت پر مبنی رکھا ہے۔

③ (یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ) ہمارے نبیؐ نے کوئی بات اپنی کسی بیوی سے پوشیدہ طور پر کہی تھی (میاں بیوی میں ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں)۔ اُس کی بیوی نے اُس بات کا کسی

نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۳ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝۴ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝۵

اور عورت سے ذکر کر دیا (حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا)۔ خدا نے اس بات کو (اس عورت کے ذریعے[۵۱]) نبیؐ پر ظاہر کر دیا، تو اُس نے اُس میں سے کچھ حصہ اپنی اُس بیوی کو جتا دیا اور کچھ حصہ سے اعراض برتا — (یعنی بات بتا دی اور یہ نہیں بتایا کہ اُسے کس سے معلوم ہوئی ہے) چنانچہ اس پر اُس بیوی نے نبیؐ سے پوچھا کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ بات اس عورت نے بتائی ہے جس پر تو نے اس راز کو افشا کیا تھا۔ اور وہ اس طرح اس سے باخبر ہو گئی تھی[۵۲]۔

۴ اس پر خدا نے حکم دیا کہ اگر تم دونوں عورتیں (جو اس راز میں شریک ہو) خدا سے معافی مانگ لو تو اچھی بات ہے، اس لئے کہ اس سے تمہارے دل جادۂ اعتدال سے ذرا ہٹ سے گئے تھے۔ لیکن اگر تم ایک دوسرے کی حلیف بن کر نبیؐ کی مخالفت کرو گی تو یاد رکھو! (تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی۔ وہ چونکہ حق پر ہے اس لئے) خدا، اس کا قانون جو جبریل کی وساطت سے نازل ہوتا ہے، مومنین صالحین کی جماعت، اور ملائکہ، اس کے ساتھ ہیں یہ سب اس کے مددگار ہوں گے۔

۵ (میاں بیوی کی زندگی، کامل ہم آہنگی، مودت اور سکون کی زندگی ہونی چاہیئے۔ اگر اس رشتہ میں یہ کیفیت باقی نہ رہے تو پھر انہیں علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ لہٰذا، اگر تم نے اس کی مخالفت جاری رکھی تو اس کے لئے اس کے سوا چارۂ کار نہیں ہوگا کہ وہ تمہیں علیحدہ کر دے۔ اس صورت میں تم اس بات کو پیش نظر رکھو کہ) اُسے، خدا، تم سے بہتر بیویاں دے دیگا — بہتر اس لحاظ سے کہ وہ ایسی عورتیں ہوں گی جو قوانین خداوندی کے سامنے جھک جائیں۔ ان کی صداقت پر پورا

---

۵۱ جو باتیں انسان کو عام طور پر معلوم ہو جاتی ہیں، یا جن کا علم وہ عام طریق کے مطابق حاصل کر سکتا ہے، انہیں بھی بعض اوقات خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ مثلاً (۲۶/۷۸) میں دیکھئے۔ شکاری کتوں کو سدھانے کے طریق کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ یہ عام علم انسانی کی چیز ہے جسے ہر شخص اُس سے سیکھ سکتا ہے جو اس فن کا ماہر ہو (نیز ۲/۲۸۲ ؛ ۹۶/۵—۴ ؛ ۵۵/۴)۔

۵۲ اگر العلیم الخبیر سے مراد اللہ تعالیٰ لیا جائے تو اس کا مطلب وہ ہوگا جسے حاشیہ ۱ میں بیان کیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا
يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ

پورا یقین رکھیں۔ اپنی جملہ صلاحیتوں کو اس مقصد کے لئے وقف کر دیں۔ اگر کبھی بھول چوک سے، کوئی قدم غلط اُٹھ جائے تو اس کی فوراً اصلاح کر لیں۔ جو ہر حال میں قوانینِ خداوندی کی اطاعت کریں، اور نبیؐ کے ساتھ سفر اور جہاد میں جائیں۔ (۹/۱۱۲)

ان خصوصیات کی حامل عورتیں اس کے عقد میں آنے کے لئے تیار ہوں گی۔ خواہ وہ مطلقہ یا بیوہ ہوں، اور خواہ ناکتخدا۔

۶ (اے جماعتِ مومنین! عائلی زندگی سے متعلق یہ امور اس لئے بیان کئے جا رہے ہیں کہ) تم خود بھی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے بچ جاؤ اور اپنے متعلقین کو بھی اس سے بچا سکو — اُس جہنم کے عذاب سے جس کا ایندھن خود وہ انسان ہوتے ہیں جو اس میں داخل ہوتے ہیں، کیونکہ وہ اپنی کے اعمال سے شعلہ خیز ہوتا ہے۔ یہ انسان نہیں، پتھر ہوتے ہیں کیونکہ یہ اپنی نشوونما کی صلاحیتیں ضائع کر دیتے ہیں[1] — یہ تباہی کبھی جنگ کی شکل میں سامنے آتی ہے اور کبھی غلط نظام کے تباہ کن نتائج کی صورت میں (۲/۲۴)۔ اس جہنم کی نگہداشت کے لئے بڑی بڑی شدید کائناتی قوتیں مقرر ہیں۔ انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اس سے ذرا بھی سرتابی نہیں برتتیں۔ وہ فوراً اس پر عمل کرتی ہیں۔

۷ (ظہورِ نتائج کے وقت) ان لوگوں سے، جو اس وقت صحیح روشِ زندگی پر چلنے سے انکار کرتے ہیں، کہا جائے گا کہ اب نقاب پوشیوں اور عذر تراشیوں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اب تمہارے اعمال، خود ہی اپنا بدلہ بن کر تمہارے سامنے آجائیں گے۔

۸ اے جماعتِ مومنین! تم بھی اس کی احتیاط رکھو کہ اگر سفرِ زندگی میں تمہارا کوئی قدم سہواً غلط سمت کی طرف اُٹھ جائے تو اس روش سے ہٹ کر، فوراً صحیح راستے کی طرف آجاؤ۔ اور پھر اس طرح اس راستے کے ساتھ متمسک ہو جاؤ کہ تمہارا قدم دوبارہ غلط سمت کی طرف نہ اٹھے۔ اس طرح خدا کا قانونِ مکافات تمہاری غلط روش کے مضر اثرات کو دُور کر دے گا، اور تمہیں ایسی جنتی زندگی عطا کر دے گا جس کی شادابیوں میں کبھی فرق نہ آئے۔ اُس وقت نبیؐ اور اسکے

[1] اس کے معنی "لیڈر" اور عوام بھی ہو سکتے ہیں۔

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ
بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ
وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ
وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـــًٔا وَّقِیْلَ
ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ

رفقاء کی جماعت کو کہیں بھی نیچا نہیں دیکھنا پڑے گا —— انہیں ہر قسم کی سرفرازیاں اور سربلندیاں نصیب ہوں گی۔ ان کا نورِ بصیرت ان کے آگے آگے اور دائیں (بائیں) چلتا ہوگا۔ اس طرح ان کی زندگی کی تمام راہیں روشن ہوتی جائیں گی اور وہ آگے ہی آگے بڑھتے جائیں گے۔ ان کی آرزو یہ ہوگی کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہمارے نورِ بصیرت کو مکمل کر دے اور زندگی کے ہر قسم کے خطرات سے ہمیں محفوظ رکھ۔ بیشک یہاں ہر بات تیرے مقرر کردہ پیمانوں (قوانین) کے مطابق واقع ہوتی ہے۔

۹ لیکن، اے نبیؐ! انہیں بتا دے کہ تمہاری ان آرزوؤں کے برآنے کا طریق یہ ہے کہ تم منافقین کی ریشہ دوانیوں اور کفار کی مزاحمتوں کے خلاف مصروفِ جدوجہد رہو اور ان کے مقابلہ میں اپنے آپ کو چٹان کی طرح مضبوط رکھو۔ ان پر پوری شدت سے غلبہ حاصل کرو۔ اس طرح یہ مخالفین تباہیوں کے جہنم میں پہنچ جائیں گے اور ان کا انجام بہت ہی برا ہوگا۔

۱۰ (قانون مکافات کے اٹل ہونے کے سلسلہ میں) اللہ ان لوگوں کے لئے جو ان قوانین سے انکار کرتے ہیں، نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کی مثال پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے نہایت صالح بندوں کے نکاح میں تھیں لیکن انہوں نے اُن سے خیانت کی (یعنی ایمان میں ان کا ساتھ نہ دیا) تو ان کے شوہر خدا کے قانونِ مکافات کے مقابلہ میں ان کے کسی کام نہ آسکے، اور وہ عورتیں تباہ ہونے والوں کے ساتھ تباہ ہوگئیں۔ (یعنی خاوند کا حسن عمل بیوی کے بھی کام نہ آسکا، حالانکہ ان دونوں کا رشتہ بڑا ہی قریب کا ہوتا ہے)۔

۱۱ ان کے برعکس، اللہ مومنین کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتی تھی کہ اے میرے نشوونما دینے والے! تو اپنی طرف سے میرے لئے جنت میں گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے غلط اعمال سے نجات دے۔ بلکہ اس پوری

عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْ
(۲) (ع ۵) (۲۰)
اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

کی پوری قوم سے جس نے اس طرح ظلم و ستم پر کمر باندھ رکھی ہے۔ (اس مثال میں خاوند کے بُرے اعمال بیوی کے ایمان پر اثر انداز نہیں ہوتے)۔

۱۲ اور تیسری مثال عمران کی بیٹی مریم کی ہے۔ اس نے خانقاہیت کے اُس گھناؤنے ماحول میں، جہاں ہر گرگ کو برّۂ معصوم کی تلاش رہتی ہے، اپنی عصمت کو محفوظ رکھا اور اپنے چاک گریباں تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچنے دیا۔ (اُس نے خانقاہیت کی خود تراشیدہ شریعت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، خدا کے مقرر کردہ قاعدے کے مطابق عائلی زندگی اختیار کی۔ اسے حمل قرار پایا)۔ پیدا ہونے والے بچے میں ہم نے اپنی توانائیوں کا شمہ ڈالا (جیسا کہ ہر انسانی بچے کی صورت میں ہوتا ہے)۔ اس طرح اس نے اپنے خدا کے احکام و ارشادات کی، یعنی اُس کی طرف سے بھیجے ہوئے قوانین کے برحق ہونے کی تصدیق کی۔ وہ خدا کے نہایت فرماں بردار بندوں میں سے تھی۔

(ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ رشتہ داری کی بندھنیں یا ماحول کے اثرات، انسان کے ایمان کے راستے میں روک بن کر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ انسان کو اتنی زبردست قوتِ ارادی دی گئی ہے کہ یہ ان تمام موانعات اور مؤثرات پر قابو پا سکتا ہے۔ اسی لئے خدا نے ابلیس سے کہا تھا کہ میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکے گا۔ (۱۷/۶۵ ؛ ۱۵/۴۰)۔

اٹھائیسواں پارہ
ختم ہوا



ضروری وضاحت

قرآن کریم کے سابقہ پاروں میں بالعموم اور آخری پاروں میں بالخصوص ایک عظیم انقلاب کا ذکر آتا ہے۔ قرآن نے خود متعین طور پر نہیں بتایا کہ اس سے کونسا انقلاب مقصود ہے لیکن متعلقہ آیات پر غور و تدبر سے ذہن تین قسم کے انقلابات کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ ایک خارجی کائنات میں انقلاب جس میں ایسے طبیعی حوادث ظہور میں آئیں گے جن سے یہ سارا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا۔ دوسرا انقلاب وہ ہے جو قوموں کی زندگی میں رونما ہوتا ہے۔ یہ انقلاب خود عہد رسالت مآب میں رونما ہوا اور اس کے بعد ہر اس دور میں رونما ہو سکتا ہے جس میں باطل کے نظام کی جگہ قرآنی نظام قائم کیا جائے۔ اس سے قوموں کی تمدنی، سیاسی، معاشی، معاشرتی زندگی کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ اور تیسرا انقلاب وہ ہے جس کا تعلق موت کے بعد کی زندگی سے ہے۔ اس زندگی میں انسانی شعور کی سطح بدل جائے گی اور زمان و مکان کا تصور اور سے اور ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں اگر ان کے لغوی معانی لئے جائیں تو ان کا اطلاق خارجی کائنات سے متعلق انقلاب پر ہوتا ہے، لیکن اگر ان کے مجازی معانی لئے جائیں تو ان سے قوموں کے داخلی انقلاب یا حیاتِ اُخروی کے کوائف کا تصور سامنے آتا ہے۔ مفہوم القرآن میں ان الفاظ کے مجازی معانی لئے گئے ہیں اور انہی کی روشنی میں متعلقہ آیات کے مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ان الفاظ کے لغوی معانی لینا چاہیں تو وہ قرآن مجید کا کوئی سا مروجہ ترجمہ سامنے رکھ لیں یا میری "لغات القرآن" دیکھ لیں جس میں الفاظِ قرآن کے لغوی اور مجازی دونوں معانی دیئے

گئے ہیں، اور اس طرح ان آیات کا مفہوم خود متعین کرلیں۔

۲ ـــــ قرآن کریم کی ترتیب کا انداز نصابی کتب کا سا ہے۔ ابتدائی پاروں میں حقائق کو بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ پھر جوں جوں طالب علم آگے بڑھتا ہے، حقائق زیادہ اور تفصیل کم ہوتی جاتی ہے تا آنکہ آخری پاروں (بالخصوص تیسویں پارہ) میں حقائق یوں اختصار میں سمٹ گئے ہیں جیسے آنکھ کے تل میں آسمان۔ دو دو تین تین لفظوں کی آیات لیکن گنجینۂ معانی۔ یہ ارتکاز، ان الفاظ کے مجازی معانی ہی سے کھل کر سامنے آسکتا ہے۔ مفہوم القرآن میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔

پرویز



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ۙ﴿۱﴾

الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ

---

۱ وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں تمام کائنات کا اقتدار ہے' کس قدر فراوانیوں اور خوشگواریوں کی مالک اور ثبات و استحکام اور نشوونما کا سلسلہ عطا کرنے کی ضامن ہے۔ اس مقصد کے لئے اس نے ہر شے کے اندازے اور پیمانے (قوانین) مقرر کر رکھے ہیں جن پر اسے پورا پورا کنٹرول ہے۔ (دنیا میں جو نظام اس کے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے قائم ہوگا اس کی خصوصیت بھی یہ ہوگی کہ اسکا اقتدار نوعِ انسانی کے لئے موجب خیر و برکت ہوگا۔ اور اس اقتدار کا نفاذ قوانین کی رُو سے ہوگا)۔

۲ اس نے کائنات کے ارتقاء کے لئے متضاد عناصر میں کشمکش کا اصول مقرر کر رکھا ہے۔ اور یہی قانون' خود انسانی دنیا میں بھی کارفرما ہے۔ جو فرد یا قوم کشمکشِ حیات میں تعمیری پہلوؤں کو غالب رکھتی ہے' وہ زندہ رہتی اور آگے بڑھتی ہے' جو اس کے خلاف چلتی ہے اس کی زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں اور آخر الامر اس پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ خود انسان کی طبیعی موت بھی اس کی ذات کی صلاحیتوں کے پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ (اگر اسکی ذات کی نشوونما ہو چکی ہے تو وہ زندگی کی اگلی ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہے۔ اسے جنت کی زندگی کہتے ہیں۔ اگر اس کی نشوونما نہیں ہوئی تو وہ آگے بڑھنے کے قابل نہیں ہوا' یہ جہنم کی زندگی ہے۔ لہٰذا مومن کے لئے موت مزید ترقیوں کے راستے کا دروازہ ہے نہ کہ کوئی ڈرنے کی چیز) یہ ہے وہ خدا جو اپنے تمام پروگرام پر غالب ہے اور اُسے ہر قسم کی تخریب سے محفوظ رکھتا ہے۔ ($\frac{11}{7}$; $\frac{15}{7}$)

۳ (اگر تم دیکھنا چاہو کہ اُس کا پروگرام کس حسن و خوبی سے چل رہا ہے اور اس کی صفات

طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِيَ

رحمت و قدرت کس حسن و خوبی سے بیک زمان کارفرما ہیں تو کائنات کی اس عظیم القدر مشینری پر غور کرو)۔ اس نے فضا کی پہنائیوں میں مختلف کرّوں کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں۔ (ان میں باہمی تصادم نہیں ہوتا)۔

تم یہاں سے وہاں تک دیکھ جاؤ۔ تمہیں خدائے رحمٰن کی تخلیق کردہ کائنات میں کہیں بے ترتیبی یا عدم تناسب نظر نہیں آئے گا۔ تم ایک بار نہیں بار بار نگاہ کو لوٹا کر دیکھو، خوب جانچ پڑتال کر کے غور کرو، تمہیں کہیں کوئی دراڑ یا درز دکھائی نہیں دے گی۔ کوئی شے بے جوڑ یا نامکمل نہیں ہو گی۔

۴ تم طائرِ نگاہ کو فضا کی پہنائیوں میں بار بار اذن بال کشائی دو اور اس سے کہو کہ وہ خوب اچھی طرح سے دیکھے کہ کائنات میں کہیں کوئی اختلال ہے۔ وہ ہر بار واماندہ و درماندہ کاشانۂ چشم میں لوٹ آئے گا، اور اسے کہیں اختلال و فطور دکھائی نہیں دے گا۔ (یہ ہے اس کائنات کا نقشہ جس میں ہر شے ہمارے قوانین کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ اب تم خود سوچ لو کہ اگر تم بھی اپنی دنیا میں ہمارا نظام قائم کر لو تو تمہارے معاشرہ میں کس طرح فساد کی جگہ اصلاح، اور اختلاف کی جگہ باہمی موافقت پیدا ہو جائے گی)۔

۵ اور ہم نے اس فضا کو، جو تمہیں قریب تر نظر آ رہی ہے، درخشندہ ستاروں سے مزین کر رکھا ہے۔ (یہ بھی تمہاری زمین کی طرح مختلف اجرام ہیں۔ لیکن) جو لوگ ہمارے قوانین کا علم نہیں رکھتے اور توہمات کی تاریکیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں، وہ ان ستاروں سے قیاس آرائیاں کر کے غیب کے حالات معلوم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن اب جو نزولِ قرآن کے بعد علم و تحقیق کا دور آ گیا ہے، تو یہ کاہن اور نجومی رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گے۔ ان کی اٹکلیں بے کار ہو کر رہ جائیں گی۔ اور ان کا انجام بڑا ہلاکت آمیز ہو گا۔ ($\frac{15}{17}$; $\frac{37}{9}$; $\frac{43}{8}$)۔

۶ اور ایک انہی پر موقوف نہیں۔ جو لوگ بھی زندگی کے کسی گوشے میں، قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کا انجام تباہی اور بربادی ہوتا ہے اور یہ بہت برا انجام ہے۔

۷ جب یہ لوگ تباہیوں کے جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس سے چیخ و پکار کی کرب انگیز

فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝٨ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ
اللَّهُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَٰلٍ كَبِيرٍ ۝٩ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ أَصْحَٰبِ
السَّعِيرِ ۝١٠ فَٱعْتَرَفُوا بِذَنۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحَٰبِ السَّعِيرِ ۝١١ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِٱلْغَيْبِ لَهُم
مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝١٢ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ ٱجْهَرُوا بِهِۦٓ إِنَّهُۥ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ۝١٣

آوازیں سنائی دیں گی۔ اور وہ (جہنم) بڑا پرجوش اور طوفان انگیز ہوگا۔

۸ ایسا طوفان انگیز کہ یوں دکھائی دے گا گویا وہ جوشِ غضب سے پھٹ جائے گا۔ جب کوئی قوم اس میں ڈالی جاتی ہے تو اُس سے جہنم کے چوکیدار پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نہیں آیا تھا جو تمہیں تمہاری غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتا؟

۹ وہ کہتے ہیں کہ ہاں! ہمارے پاس ایسا آگاہ کرنے والا آیا تھا لیکن (ہماری بدبختی کہ ہم نے اس کی بات کو سچ نہ مانا)۔ اس سے کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ تیری طرف خدا نے کوئی وحی وغیرہ نہیں بھیجی۔ (اور جو لوگ اس کا اتباع کرتے تھے) انہیں اُلٹا طعون کیا کہ تم بڑی گمراہی میں پڑے ہو۔ (ہم بالکل ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں)۔

۱۰ اصل یہ ہے کہ ہم نے عقل و فکر سے کام ہی نہ لیا۔ یونہی تعصب، ہٹ دھرمی اور اندھی تقلید کی بنا پر اُن کی مخالفت کرتے رہے۔ اگر ہم بگوش ہوش ان کی بات سنتے اور عقل و فکر سے کام لیتے، تو آج اس جہنم میں کیوں ہوتے؟ (جہنم میں جانا ہی وہ ہے جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتا۔ (۶۷/۱۰)

۱۱ وہ اس طرح عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر اپنے جرائم کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن اس سے کیا حاصل؟ جو شخص (مہلت کا وقفہ ختم ہو جانے کے بعد) اپنے اعمال کے نتائج کے اعتبار سے دوزخ میں چلا گیا، وہ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ گیا۔

۱۲ ان کے برعکس، جو لوگ خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے، اپنے اعمال کے اَن دیکھے نتائج کو اپنی نگاہوں میں رکھتے ہیں، اور غلط اعمال کے عواقب سے خائف رہتے ہیں، ان کے لئے ہر قسم کی تباہیوں سے بچنے کا سامان ہے، اور ان کی محنتوں کے نہایت شاندار نتائج ہیں۔

۱۳ لیکن یہ چیز اس طرح حاصل نہیں ہو سکتی کہ تم زبان سے ان قوانین کا اقرار کرتے رہو

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ

اور دل میں ان کے خلاف پروگرام بناتے رہو۔ اس طرح تم خدا کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ تم اپنے ارادوں کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو خدا کے نزدیک یکساں ہے۔ وہ تو دل کی گہرائیوں میں گزرنے والے خیالات تک سے واقف ہے۔

۱۴ ذرا سوچو کہ جس خدا نے تمہیں پیدا کیا ہے اگر وہ بھی تمہارے دل کی باتوں سے واقف نہیں تو اور کون واقف ہوگا؟ اس کی نگاہ بڑی باریک بیں ہے اور وہ ہر بات سے باخبر ہے۔

۱۵ (اُس خدا نے تمہاری نشوونما کے لئے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ رزق کے سرچشموں (زمین) کو تمہارے تابع تسخیر بنا دیا ہے۔ سو تم اس کے حصول کے مختلف راستے تلاش کرو اور اس طرح اس کے عطا کردہ رزق کو اپنے استعمال میں لاؤ۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لو کہ تم ان رزق کے سرچشموں کے واحد مالک ہو اس لئے انہیں جس طرح جی چاہے اپنے تصرف میں رکھ سکتے ہو۔ یہ امانتاً تمہاری تحویل میں دیئے گئے ہیں اس لئے تمہیں ہر وقت اس کا خیال رہنا چاہیئے کہ تمہیں خدا کو ان کا حساب دینا ہے۔ (یہی وہ انداز نگاہ ہے جس سے انسانیت کا شجر خزاں دیدہ از سر نو بہار سے ہمکنار ہو سکتا ہے)۔

۱۶ (تم جو رزق کے سرچشموں کے واحد مالک بن جاتے ہو اور جس مقصد کے لئے خدا نے انہیں پیدا کیا ہے، اسے نظر انداز کر دیتے ہو تو) کیا تم خدا کے قانون مکافات سے بالکل بے خوف ہو جاتے ہو؟ ذرا سوچو کہ اگر وہ ان معاشی سہولتوں کو ختم کر دے۔ زمین گرد و غبار (بنجر) بن کر رہ جائے۔ (۶۷/۲۱ ؛ ۶۷/۳۰ ؛ ۶۷/۲۵)۔ یا خود تمہیں زلزلہ کے جھٹکے سے زمین میں دھنسا دے تو تم کیا کر لو؟

۱۷ یا سوچو کہ اگر اوپر کے کسی کرنے میں ایسا اختلال واقع ہو جائے کہ وہاں سے پتھر برسنے شروع ہو جائیں تو تم اس تباہی سے کس طرح بچ سکو؟

اس وقت تم ان باتوں کو یونہی مذاق سمجھ رہے ہو لیکن تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ہماری ان تنبیہات کا مطلب کیا تھا؟ (قوموں کی تباہیاں طبیعی حوادث ہی سے نہیں ہوا کرتیں۔ یہ غلط نظام تمدن کا نتیجہ بھی ہوتی ہیں)۔

۱۸ تم سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح ہماری تنبیہات کو جھوٹا سمجھا تھا۔ سو تم تاریخ کے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۛ مَا يُمْسِكُهُنَّ
اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ
اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۭ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾
اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰي وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ

صفحات سے پوچھو کہ ان کی اس تکذیب کا نتیجہ کس طرح تباہی اور بربادی کی شکل میں سامنے آیا۔

۱۹ (تمہیں خدا کے کائناتی قانون کا اندازہ ہی نہیں کہ وہ کس قدر عظیم قوتوں کا مالک ہے۔ اس کے لئے بڑے وسیع علم اور تجربے کی ضرورت ہے لیکن اس کا سرسری سا اندازہ لگانا ہو تو) ذرا فضا کی پہنائیوں میں اڑنے والے پرندوں کو دیکھو۔ (اتنے وزن کی چیز ہوا میں معلق نہیں ٹھہر سکتی لیکن وہ ہیں کہ) اس میں اس تیزی سے اڑے چلے جاتے ہیں۔ سوچو کہ قانونِ خداوندی کے علاوہ کوئی اور شے بھی ایسی ہو سکتی ہے جو انہیں اس طرح فضا میں تھامے رکھے اور گرنے نہ دے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کا قانونِ نشوونما ہر شے کی ضروریات اور تقاضوں پر نگاہ رکھتا ہے۔

۲۰ تم بتاؤ کہ اگر خدا کے قانون کی تکذیب اور مخالفت سے تم پر تباہی آجائے تو وہ کون سا لشکر ہے جو اس کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ جو قانونِ خداوندی سے اس طرح انکار کرتے اور سرکشی برتتے ہیں، دھوکے اور خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ اس کے قانون کو کوئی قوت شکست نہیں دے سکتی۔

۲۱ ان سے پوچھو کہ اگر خدا زمین کی اس صلاحیت کو سلب کر لے جس کی رُو سے اس میں سے خوراک پیدا ہوتی ہے، تو وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے؟

لیکن ان کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آسکتیں، اس لئے کہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت کے جذبات کی طغیانیوں میں، موج در موج، بہے چلے جا رہے ہیں۔ (اور سمجھنے سوچنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان جذبات میں غرق نہ ہو)۔

۲۲ ان سے پوچھو کہ جو شخص اوندھی ڈال کر، عقل و فکر سے کام لئے بغیر، جذبات کی رَو میں بہے چلا جا رہا ہو، وہ کبھی اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو زندگی کے توازن بدوش راستے پر سیدھا چل رہا ہو؟

۲۳ ان سے کہو کہ خدا نے تمہیں پیدا کیا تھا تو (جانوروں کی طرح نہیں بنا دیا تھا۔ اس نے

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ
وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ
اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ
اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

تمہیں) سننے، دیکھنے اور سمجھنے سوچنے کی استعداد دی تھی تاکہ تم اس سے کام لے کر انسانوں کی طرح زندگی بسر کرو۔ لیکن تم سوچو کہ ان قوتوں کو تم کس حد تک ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے ہو؟

۲۴ اس خدا نے تمہیں زمین میں ہر طرف پھیلا دیا ہے (اور سامانِ معیشت فراوانی سے عطا کر دیا ہے۔ لیکن اس پھیلاؤ سے یہ مطلب نہیں کہ تم اس کے قانون کے دائرے سے باہر نکل گئے ہو۔ بالکل نہیں) تم ہر طرف سے ہنکا کر اس کے قانون مکافات کی طرف لائے جا رہے ہو۔ (تمہارا ہر قدم اسی کی طرف اُٹھ رہا ہے۔ ۲۳/۴۲)۔

۲۵ (ان کے سامنے جب بھی قانون مکافات کا ذکر آتا ہے تو) یہ کہتے ہیں کہ اگر تم واقعی سچ کہتے ہو تو یہ بتاؤ کہ وہ تباہی جس سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو کب آئے گی؟

۲۶ ان سے کہو کہ اس بات کا علم تو خدا ہی کو ہے کہ وہ تباہی کب آئے گی۔ لیکن میں تمہیں اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہاری غلط روش کا نتیجہ بُرا ہی تباہ کن ہوگا اور یہ تباہی آ کر رہے گی۔

۲۷ (اِس وقت تو یہ اس تباہی کے لئے اس قدر جلدی مچا رہے ہیں۔ لیکن) جب یہ اُسے اپنے قریب آتا دیکھیں گے، تو غم کے مارے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ اُس وقت اِن سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ تباہی جسے تم آوازیں دے دے کر بلایا کرتے تھے۔

۲۸ تم ان سے کہو کہ اس سوال کو چھوڑو کہ میرا اور میرے ساتھیوں کا انجام کیا ہوگا؟ ہم تباہ ہو جائیں گے یا خدا کی رحمت اور ربوبیت ہمارے شاملِ حال رہے گی۔ تم یہ بتاؤ کہ جب تمہارے انکار اور سرکشی کی وجہ سے تم پر تباہی آئے گی تو تمہیں اس سے کون پناہ دے گا؟ (تم ہماری فکر چھوڑو، اپنا خیال کرو)۔

۲۹ ان سے کہو کہ ہم جس خدا پر ایمان لائے ہیں وہ خدائے رحمٰن ہے۔ یعنی وہ جس نے کائنات کی نشوونما کا ذمہ لے رکھا ہے۔ اس کے قانونِ نشوونما پر ہمارا پورا پورا بھروسہ ہے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝

(اس لئے ہم پر کبھی تباہی نہیں آسکتی) تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون کھلی ہوئی گمراہی میں ہے (اور کون صحیح راستے پر چل رہا ہے)۔

۳۰ (بات چلی تھی اس سے کہ ہم نے جو رزق کے سرچشمے تمام انسانوں کی نشوونما کے لئے عطا کئے ہیں' انہیں اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر نہ بیٹھ جاؤ۔ اس سلسلہ میں آخر میں (انہیں پھر ایک بات سمجھاؤ۔ ان سے پوچھو کہ اس وقت' خدا کے قانونِ کائنات کے مطابق' پانی زمین سے اُبل کر' چشموں کے ذریعے' اوپر کو آتا ہے۔ اگر اس کا قانون یہ ہو جائے کہ پانی' اوپر کی طرف آنے کے بجائے' زمین میں نیچے ہی نیچے چلا جائے تو بتاؤ کہ یہ آبِ رواں (جس پر تمہاری زندگی کا دار و مدار ہے) تمہیں کون دے سکے گا؟ (۶۷ : ۳۰ — ۵۶)۔

(سوچنے والے کے لئے اتنی سی بات ہی کافی ہے کہ رزق' خدا کی موہبت ہے' اس لئے اسے خدا ہی کے قانون کے مطابق' تقسیم ہونا چاہیئے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴

۱ اے رسولؐ! یہ مخالفین کہتے ہیں کہ تو دیوانہ ہے۔
ان سے کہو کہ ذرا دوات اور قلم[1] اور جو کچھ اس سے لکھا جاتا ہے (یعنی علم کی بارگاہ) سے پوچھو کہ کیا دیوانے اسی قسم کے ہوتے ہیں اور ایسی ہی تعلیم پیش کیا کرتے ہیں جیسی تو اس کتاب عظیم میں پیش کر رہا ہے؟

۲،۳ توخدا کے فضل وکرم سے بیش بہا نعمت (نبوت اور مملکت) سے نوازا گیا ہے۔ اس لئے تیری سعی وکاوش کا صلہ ایسا ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

۴ اگر یہ لوگ ذرا عقل وہوش سے کام لیتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ جس شخص کا مزاج اس قدر اعتدال پر ہو جس کی سیرت اس قدر بلند ہو، جو حسن اخلاق کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کر رہا ہو وہ کبھی دیوانہ نہیں ہو سکتا۔ (اور جب علم اور تلوار کے ساتھ حسن اخلاق بھی شامل

---

[1] ن کے معنی تلوار بھی ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے "ن والقلم" سے مراد "شمشیر اور قرآن" بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی قانون خداوندی اور قوت نافذہ۔ یہی دو چیزیں ہیں جن سے اسلامی نظام مملکت قائم ہوتا ہے۔ قانون خداوندی مملکت کی قوت کی نگرانی کرنے والا کہ وہ بے جا صرف نہ کی جائے۔ اور قوت، قانون خداوندی کی نگرانی کرنے والی کہ وہ محض "وعظ" بن کر نہ رہ جائے۔

سَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝۵ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ ۝۶ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِينَ ۝۷ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝۸ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝۹ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝۱۰
هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝۱۱

ہوجائے تو معاشرہ کا نقشہ کیا ہوجائے گا؟)

۵ ۶ یہ تو رہی نظری شہادت۔ اس کی عملی شہادت کے لئے تھوڑا سا انتظار کرو۔ تمہارے قائم کردہ نظام کے درخشندہ نتائج خود بخود بتادیں گے کہ تم دونوں میں کون دیوانہ اور فریب خوردہ ہے!

۷ اس لئے کہ تیرے خدا پر اچھی طرح روشن ہے کہ کون صحیح راستے پر چل رہا ہے اور کون اس راستے سے بھٹک چکا ہے۔ (دونوں کو دن بھر چلنے دو شام کے وقت جب سفر ختم ہوجائے گا تو واضح ہوجائے گا کہ کون منزل پر پہنچ گیا اور کون راستے میں کھو گیا)۔

۸ ۹ یہ لوگ ان حربوں پر اس لئے اتر آئے ہیں کہ یہ چاہتے ہیں کہ تو اس قسم کے طعن و تشنیع سے تنگ آکر مفاہمت پر آمادہ ہوجائے۔ یعنی کچھ تو اپنے مقام سے ہٹے، کچھ یہ نرم پڑیں، اور اس طرح تم دونوں میں مفاہمت[a] کی شکل پیدا ہوجائے۔ لیکن تم ان کی بات بالکل نہ ماننا۔ (اس لئے کہ جو شخص حق پر ہو اس کے لئے اپنے مقام سے ذرا سا ہٹ جانا بھی اس کی شکست ہے۔ حق اپنے مقام سے ہٹا تو باطل ہوگیا۔ اس کے برعکس باطل، کوئی بھی مقام اختیار کرلے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ پہلے بھی باطل تھا پھر بھی باطل رہے گا۔ صحیح جواب ایک اور صرف ایک ہوتا ہے۔ غلط سینکڑوں ہوسکتے ہیں۔ $\frac{10}{15}$ ؛ $\frac{11}{113}$ ؛ $\frac{17}{47}$)۔

۱۰ (اے رسولؐ!) جماعتِ مخالفین کے اس نمائندہ کی (جو مفاہمت کی پیش کش لے کر آیا ہے) یہ حالت ہے کہ یہ بڑا دنی الطبع، پست ذہنیت کا مالک اور سخت جھوٹا ہے۔ اسی لئے اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لئے قسموں پر قسمیں کھائے چلا جاتا ہے۔

۱۱ یہ چاہتا ہے کہ اپنی دسیسہ کاریوں اور وسوسہ انگیزیوں سے تمہاری جماعت میں تفرقہ پیدا کردے۔ اس کی نگاہ کا زاویہ اس قدر بگڑ چکا ہے کہ اسے کہیں بھی حسن اور خیر نظر نہیں آتا۔ ہر جگہ شر، نقص، اور خرابی دکھائی دیتی ہے۔ ہر وقت لگائی بجھائی میں مصروف رہتا ہے۔ اِدھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی بات اِدھر کرتا پھرتا ہے اور اپنی باتوں میں جھوٹ سچ ملا کر ہر جگہ فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

[a] COMPROMISE.

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا
قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اِذْ اَقْسَمُوْا
لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ

---

۱۲ خود بھی کوئی بھلے کا کام نہیں کرتا اور لوگوں کو بھی بھلائی کے کاموں سے روکتا رہتا ہے۔ انسانیت کے صحیح قانونِ حیات سے سرکشی برتنے میں سب سے آگے اور منفعت بخش تعمیری کاموں میں سب سے پیچھے رہتا ہے۔

۱۳ شقی القلب' بے درد' سخت گیر' جھگڑالو' ہر وقت نیت یہ کہ لوگوں کا سب کچھ سمیٹ کر ہڑپ کر جائے۔ یہ زندگی کی سرسبزی اور شادابی سے یکسر محروم ہے' اس لئے بڑا ہی ذلیل اور کمینہ ہے۔

۱۴ یہ اس قسم کی سیرت و کردار کے باوجود لوگوں کا لیڈر اس لئے بنا ہوا ہے کہ یہ سرمایہ دار ہے' اور اس کے قبیلے (افراد خاندان) کا جتھہ بہت بڑا ہے۔

۱۵ دولت اور قوت کا یہی نشہ ہے جس سے اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب اس کے سامنے ہمارے قوانین پیش کئے جاتے ہیں تو یہ نہایت نفرت و حقارت اور غرور و تکبر سے کہتا ہے کہ یہ سب پہلے لوگوں کی فرسودہ کہانیاں ہیں۔ یہ محض افسانے ہیں۔

۱۶ تم عنقریب دیکھو گے کہ اس کا یہ زعم باطل کس طرح ٹوٹتا ہے' اور یہ جو اتنی بڑی "ناک" لئے پھرتا ہے' وہ کس طرح بیچ چوراہے کے کٹتی ہے۔

۱۷ ہم اسے ایسا پلٹا دیں گے جیسا (مشہور مثال میں) باغ والوں کو پلٹا دیا تھا[1]۔ ان کا بہت بڑا باغ تھا جس کے درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑے وثوق سے کہا کہ ہم صبح ہوتے ہی ان کا پھل توڑ لیں گے۔

۱۸ انہوں نے اس میں سے محتاجوں اور مسکینوں کے لئے ذرا سا حصہ بھی الگ کرنے کا ارادہ نہ کیا تھا۔

۱۹ تو ہوا یہ کہ وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ ایک ایسی بلائے ناگہانی (مثلاً آندی دل) آئی کہ وہ ساری فصل چٹ کر گئی۔

۲۰ اور وہاں سرسبز و شاداب باغ (اور کھیتیوں) کی جگہ چٹیل میدان رہ گیا۔

---

[1] اسی قسم کی مثال (۶۸ : ۲۸ — ۳۲) میں بھی آئی ہے۔

كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَانطَلَقُوا وَهُمْ
يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا
لَضَالُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا
إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ﴿٣١﴾ عَسَىٰ

۲۱ ۲۲ صبح اٹھ کر انہوں نے ایک دوسرے کو آواز دی کہ اٹھو، چلو سویرے سویرے پھل توڑ کر فارغ ہو جائیں۔

۲۳ ۲۴ چنانچہ وہ اس مقصد کے لئے اپنے گھروں سے روانہ ہو گئے۔ وہ چلتے جاتے تھے اور آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے تھے، کہ دیکھنا! آج کوئی محتاج اور مسکین تمہارے پاس پھٹکنے نہ پائے۔

۲۵ چنانچہ وہ اس طرح باغ کے قریب پہنچ گئے اور انہوں نے ایسا انتظام کر لیا کہ کوئی محتاج وہاں تک نہ آنے پائے۔

۲۶ جب وہ وہاں پہنچے تو (باغ اور کھیتوں کو دیکھ کر) کہنے لگے کہ ہم آج کہیں راستہ تو نہیں بھول گئے؟ یہ تو ہمارے باغات اور کھیت معلوم نہیں ہوتے۔

۲۷ (پھر جب ذرا آنکھیں مل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہی باغات اور کھیتوں کے کنارے کھڑے ہیں۔ اس پر) وہ سر پیٹ کر بیٹھ گئے اور چلا اٹھے کہ ہائے ہم مارے گئے۔ ہمارا سب کچھ لٹ گیا۔ ہم تباہ و برباد ہو گئے، ہماری قسمت پھوٹ گئی۔

۲۸ ان میں سے ایک شخص نے جس نے اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا، کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم اپنی تمام جدوجہد کو خدا کے قانون کے تابع رکھو۔ تم نے میری بات نہ مانی۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے۔

۲۹ انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم نے مسکینوں اور غریبوں کے حقوق کا قطعاً خیال نہیں رکھا تھا۔ یہ ظلم تھا۔ اور ظلم کا نتیجہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ (ورنہ خدا کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی کی محنت کو یونہی ضائع کر دے)۔

۳۰ ۳۱ پھر وہ ایک دوسرے کو لگے لعنت ملامت کرنے، کہ تم نے ہی ایسی پٹی پڑھائی تھی جس سے ہم قانون خداوندی سے سرکش ہو گئے۔

۳۲ اب ہم قانون خداوندی کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں۔ امید ہے کہ خدا ہمیں اس سے

رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ ۠ كَيْفَ
تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَاۗءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَاۗىِٕهِمْ

بہتر سامانِ رزق عطا کرے گا

۳۳ اے رسولؐ! تم ان مخالفت کرنے والوں کو بتا دو کہ قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتنے والوں پر اس طرح اس دنیا میں تباہی آیا کرتی ہے اور آخرت کی تباہی اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہوگی۔ اے کاش! یہ اس بات کو سمجھ لیتے۔

۳۴ اس کے برعکس، جو لوگ ہمارے قانونِ ربوبیت کی نگہداشت کرتے ہیں (اور اپنی کمائی میں محتاجوں اور مسکینوں کا حق سب سے پہلے سمجھتے ہیں)، انہیں ایسی جنتی زندگی نصیب ہوگی جس میں ہر قسم کی آسائشیں ہوں گی۔

۳۵ یہ اس لئے کہ، یہ ہو نہیں سکتا کہ جو لوگ ہمارے قوانین کی اطاعت کریں، وہ ان لوگوں جیسے ہو جائیں جو ان سے سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ (جب ان کے راستے مختلف سمتوں کو جاتے ہیں تو ان کی منزل ایک کیسے ہو سکتی ہے؟)

۳۶ (یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو جی میں آئے کرتے رہیں، ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں) ان سے کہو کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اس قسم کے فیصلے کرتے ہو؟

۳۷ کیا تمہارے پاس کوئی ایسا نوشتہ خداوندی ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ تم جو روش چاہو اختیار کر لو، نتائج تمہارے حسبِ پسند نکلتے آئیں گے؟

۳۹ یا تم نے خدا سے اس قسم کا کوئی عہد لے رکھا ہے کہ تم زندگی کے معاملات کے متعلق جس قسم کے فیصلے تمہارا جی چاہے کرتے جاؤ، تمہیں ہر حال میں فائدہ ہی فائدہ ہوگا — چت بھی تمہاری ہوگی اور پٹ بھی تمہاری — اور پھر خدا نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ وہ قیامت تک اپنے اس عہد کو پورا کرتا رہے گا!

۴۰ ان سے پوچھو کہ تم میں وہ کون ہے جو چھاتی پر ہاتھ رکھ کر کہے کہ میں نے خدا سے اس قسم کا عہد لے رکھا ہے اور اس کے پورا کرانے کا میں ذمہ دار ہوں۔

۴۱ یا اس معاملہ میں ان کے کوئی اور شریک ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ان سے کہو کہ وہ ان

إِن كَانُوا صَٰدِقِينَ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾
خَٰشِعَةً أَبْصَٰرُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَٰلِمُونَ ﴿٤٣﴾ فَذَرْنِي وَمَن
يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾
أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾

شرکار کو سامنے لائیں اور اس طرح اپنے دعویٰ کی صداقت کا ثبوت دیں۔

۴۲ (یہ سب ان کی من گھڑت باتیں ہیں۔ خدا کا قانونِ مکافات اٹل ہے۔ اس قانون کی رو سے ـــــ گندم از گندم بروید جوز جو ـــــ لہٰذا) اب وہ وقت بہت قریب آرہا ہے جب ان کی اس غلط روش کے تباہ کن نتائج ان کے سامنے آجائیں گے۔ بڑے گھمسان کا رن پڑے گا۔ چاروں طرف سے شدت کی سختیاں امنڈ کر آجائیں گی۔ اُس وقت ان میں سے بعض انہیں مشورہ دیں گے کہ وہ قانونِ خداوندی کے سامنے جھک جائیں لیکن اس کا وقت گزر چکا ہوگا۔ اُس وقت یہ بات اُن کے بس کی نہیں رہے گی کہ کسی طرح اس تباہی سے بچ جائیں۔ (ظہورِ نتائج کے وقت مہلت کا عرصہ ختم ہو جاتا ہے)۔

۴۳ اس وقت ذلت سے ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی اور رسوائی کی سیاہی ان کے چہروں پر ملی ہوگی۔ اس سے پہلے مہلت کے عرصہ کے دوران انہیں کہا جاتا تھا کہ وہ قانونِ خداوندی کے سامنے جھک جائیں۔ اُس وقت یہ بات ان کے بس میں تھی کہ اپنے آپ کو اس تباہی سے بچا لیتے۔ لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اب یہ تباہی سے کیسے بچ سکتے ہیں؟

۴۴ (سوائے رسولؐ! تم اپنے پروگرام کی تکمیل میں مصروفِ عمل رہو) اور ان لوگوں کو جو ہمارے قانون مکافات کی صداقت کو جھٹلاتے ہیں، ہمارے حوالے کر دو۔ ہم انہیں بتدریج، آہستہ آہستہ تباہی کی طرف لا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ انہیں اس مقام تک پہنچا دیں گے جہاں انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ وہ تباہی آ کہاں سے گئی!

۴۵ ہم انہیں اس وقت مہلت دے رہے ہیں۔ ہماری تدبیر بڑی محکم اور مضبوط ہوتی ہے اس لئے یہ اس کی گرفت سے باہر نہیں جا سکتے۔

۴۶ ذرا سوچو کہ یہ جو تجھ سے اس طرح گھبرا کر بھاگ جانا چاہتے ہیں تو کیا تو ان سے کچھ معاوضہ مانگ رہا ہے جسے یہ اپنے لئے ناقابلِ برداشت جرمانہ سمجھ رہے ہیں؟ (۵۲/۴۰)۔

۴۷ یا انہیں غیب سے پتہ چل گیا ہے (کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ کبھی واقع نہیں ہوگا) اور انہوں

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ
مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِنْ يَكَادُ
الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ
لِلْعَالَمِينَ ﴿٥٢﴾

(۲) (۶۹) (۴)

نے اس غیب کی خبر کو لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ (اور اس لئے ان کی جرأتیں بیباک ہو رہی ہیں)۔

۴۸ تو ان کی کسی بات کی پرواہ نہ کر' اور اپنے نشو و نما دینے والے کے تجویز کردہ پروگرام کی تکمیل میں ثابت قدم رہ۔ اور مچھلی والے پیغمبر (یونسؑ) کی طرح جلد بازی نہ کر (وہ اپنی قوم کی مخالفت سے گھبرا کر وقت سے پہلے ان سے ہجرت کر کے چلا گیا تھا۔ ۲۱/۸۷ ؛ ۳۷/۱۳۹)۔ اس سے وہ خود مشکل میں پھنس گیا' اور غم و الم کی اس حالت میں اس نے ہمیں مضطربانہ پکارا۔

۴۹ اگر اُسے' اس کے نشو و نما دینے والے کی طرف سے سامانِ آسائش میسر نہ آجاتا' تو وہ لبِ ساحل' چٹیل میدان میں پڑا رہ جاتا اور اس کی حالت بڑی خراب ہو جاتی۔ وہ وہاں سے نکل ہی نہ سکتا (۳۷/۱۴۶)

۵۰ (لیکن یہ ایک عارضی مصیبت تھی جو اس پر اس کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے آگئی۔ ورنہ) وہ خدا کے برگزیدہ اور صالح بندوں میں سے تھا' اور خدا کی نظروں میں ویسا ہی رہا۔ (لہٰذا' تم' اے رسولؐ! جلد بازی نہ کرنا' استقامت سے اپنے پروگرام پر جمے رہنا اور اسی کے مطابق ہر قدم اٹھانا۔ اس سے تم ہر خطرہ سے محفوظ رہو گے)۔

۵۱ ان کفار کی کوشش یہ رہتی ہے کہ جب وہ تم سے قرآن سنیں تو تمہیں (کبھی) دیوانہ کہہ دیں' (اور کبھی ساحر اور شاعر) اور تمہاری طرف گھور گھور کر دیکھیں' تاکہ تم ان سے زچ پڑ جاؤ' اور اس طرح اپنے مقام سے پھسل جاؤ۔

۵۲ (لیکن تم اس سے مت گھبراؤ۔ اگر تمہاری یہ قوم' اس ضابطۂ زندگی کو اختیار نہیں کرتی' تو نہ کرے' یہ صرف اسی قوم کیلئے نہیں آیا) ۔ یہ تو تمام اقوامِ عالم کے لئے ضابطۂ حیات ہے (یہ قوم اسے تسلیم نہیں کرے گی تو کوئی اور تسلیم کر لے گی اور اس سے صاحبِ شرف و مجد ہو جانے کی تکریم انسانیت اسی ضابطۂ حیات سے وابستہ ہونے سے حاصل ہو گی۔ جو قوم بھی چاہے' اسے حاصل کر لے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَآقَّةُ ۝١ مَا الْحَآقَّةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝٣ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝٤ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا
بِالطَّاغِيَةِ ۝٥ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝٦ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ
حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧

---

۱ ایک حقیقتِ ثابتہ بن کر سامنے آجانے والی تباہی۔

۲ ۳ یہ تباہی کیا ہے؟ اس کے متعلق تجھے خدا سے بہتر سمجھانے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ (اسلئے ہم بتاتے ہیں کہ یہ واقع ہو کر رہنے والی تباہی کیا ہے' اور وہ کیوں آئے گی)۔

۴ یہ اسی قسم کی تباہی ہے جو ہمارے قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے' اقوامِ سابقہ پر بھی آتی رہی (مثلاً) عاد اور ثمود کو تنبیہہ کی گئی تھی کہ اگر وہ اپنی غلط روش سے باز نہیں آئیں گے تو ان پر کھڑکھڑا دینے والی تباہی آجائے گی۔ انہوں نے اس تنذیر کو جھٹلایا تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟

۵ شدید کڑک کے ساتھ ایک ہیبت ناک زلزلہ آیا جس نے انہیں تباہ کر کے رکھ دیا۔

۶ اور عاد کو بے پناہ آندھی کے جھکڑ نے ختم کر دیا۔

۷ وہ آندھی' ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ اس نے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ تُو اگر وہاں ہوتا تو دیکھتا کہ وہ کس طرح اوندھے منہ گرے پڑے ہیں۔ یوں جیسے کھجور کے تناور درخت جڑوں سے اکھیڑ کر رکھ دیئے گئے ہوں۔ (۵۴/۲۰)۔

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝٨ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوْا رَسُوْلَ
رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝١٠ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝١١ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ
اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝١٢ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝١٣ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝١٤
فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١٥ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝١٦ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ

۸ کیا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے؟ وہ صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو گئے۔
۹ اسی طرح فرعون کا بھی حشر ہوا' اور اُن دیگر اقوام کا بھی جو اس سے پہلے ہو گزری تھیں۔ اور (قوم لوطؑ کے) خطا کاروں کا' جن کی بستیاں اُلٹ گئی تھیں۔
۱۰ انہوں نے اپنے نشوونما دینے والے خدا کے رسولوں کی نافرمانی کی تو اس کے قانونِ مکافات نے انہیں سختی سے اپنی گرفت میں لے لیا۔
۱۱ (رسولوں کی معصیت کرنے والے تو اس طرح تباہ و برباد ہو گئے لیکن جن لوگوں نے اُن (رسولوں) کا ساتھ دیا' انہیں ہم نے تباہیوں سے محفوظ رکھا۔ مثلاً جب طوفانِ نوحؑ کے (کے وقت) پانی کی طغیانیاں حد سے بڑھ گئیں تو ہم نے (اے جماعت مومنین! ان لوگوں کو جو تمہارے جیسا مسلک رکھتے تھے) کشتی میں سوار کرا لیا۔
۱۲ (ہم نے اقوام سابقہ کے یہ واقعات اس لئے بیان کئے ہیں) کہ یہ تمہارے لئے قانونِ مکافات کی تاریخی شہادتوں کا کام دیں۔ اور گوشِ نصیحت نیوش (معقول بات سننے والے) انہیں اچھی طرح سے یاد رکھیں۔ (۱۲/۱۱۱)
اسی طرح کی تباہی ان مخالفین پر بھی آنے والی ہے۔
۱۳ ۱۴ جب اعلانِ جنگ کا بگل پہلی بار بجایا جائے گا' اور بڑے بڑے لیڈر اور ان کا لاؤ لشکر سب تباہ کر دیئے جائیں گے۔ اور ایک ہی حملہ میں' (سردارانِ قوم) کی سرکشی اور تکبر کا بھرکس نکال کر رکھ دیا جائے گا۔
۱۵ اُس دن یہ آنے والی تباہی آئے گی۔
۱۶ اُس وقت ہر سربلند' متکبر کی قوت پاش پاش ہو جائے گی' اور ہر مستبد کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی۔
۱۷ اور کائناتی قوتیں اسے ہر طرف سے گھیرے ہوں گی۔ اور خدا کے نظامِ ربوبیت کا مرکزی کنٹرول آٹھ شعبوں میں بٹا ہو گا۔[1]

[1] فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے۔

عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ
كِتٰبَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ
رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾
وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتٰبَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يٰلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يٰلَيْتَهَا
كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَا أَغْنٰى عَنِّي مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾

۱۸ اُس دن تم سب بکھر کر سامنے آجاؤ گے۔ تمام راز فاش ہو جائیں گے۔ اور تمہاری کوئی بات چھپی نہیں رہے گی۔

۱۹ سو جس کے اعمال کا رجسٹر یمن و سعادت کے ہاتھوں میں ہوگا' وہ ہر ایک سے خوشی خوشی کہے گا کہ لو! میرا نامۂ اعمال پڑھو۔

۲۰ (وہ یہ بھی کہے گا کہ) میں نے اس کا خیال رکھا تھا کہ جو کچھ میں کرتا ہوں' اس کا حساب ضرور ہوگا ـــــ (اس احتیاط کا نتیجہ تھا کہ میں غلط روش سے بچتا رہا)۔

۲۱ سو اس کی زندگی حسب منشا خوشگواریوں کی ہوگی۔

۲۲ ۲۳ ایک بلند جنتی معاشرہ میں' جس کے پھل ہر وقت اُن کی دسترس میں ہوں گے۔

۲۴ اُن سے کہا جائے گا کہ تم نہایت اطمینان سے کھاؤ پیو۔ یہ سب ان اعمال کا نتیجہ ہے جو تم نے سابقہ ایام میں کئے تھے۔

۲۵ لیکن جس کا اعمالنامہ' نامساعدت (کے بائیں ہاتھ) میں دیا جائے گا' وہ (بصد حسرت و یاس) کہے گا کہ اے کاش! مجھے یہ رجسٹر نہ دیا جاتا۔

۲۶ اور نہ ہی مجھے معلوم ہوتا کہ میرے اعمال کا حساب کیا ہے۔

۲۷ اے کاش! کسی طرح موت میرا قصہ تمام کر دیتی۔

۲۸ افسوس کہ وہ مال (جس پر میں اس قدر اترا تا تھا) میرے کسی کام نہ آیا۔

(گذشتہ صفحہ کا فٹ نوٹ ۱۵) ان تمام آیات میں' الفاظ کے مجازی معانی لے کر انہیں اس تباہی پر منطبق کیا گیا ہے جو مخالفین قریش پر جماعت مومنین کے ہاتھوں آئی تھی۔ یہ اس لئے کہ اس سے پہلے جن اقوام سابقہ کا ذکر کیا گیا ہے ان سب پر تباہی اسی دنیا میں آگئی تھی۔ (لہذا' ان آیات میں' قریش کی بھی اسی تباہی کا ذکر ہونا چاہیئے جو ان پر اس دنیا میں آئی تھی) لیکن اگر ان الفاظ کے حقیقی معانی لئے جائیں تو ان آیات میں کسی ایسے کائناتی انقلاب کا ذکر ہے جسے ہم اس وقت نہیں سمجھ سکتے کہ اس کی شکل کیا ہوگی۔ اس سلسلہ میں' پارہ کے شروع میں درج کردہ "وضاحت" کو پیش نظر رکھئے۔

هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ
ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣٤﴾
فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ﴿٣٥﴾ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ﴿٣٦﴾ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴿٣٧﴾ فَلَا
أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٤٠﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا
مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

---

۲۹ اور میرا وہ غلبہ اور اقتدار (جس کے بل بوتے پر میں نے اس قدر سرکشی اختیار کر رکھی تھی) غت ربود ہو گیا۔

۳۰ کہا جائے گا کہ اسے پکڑو اور اس کی گردن میں طوق ڈالو۔

۳۱ پھر اسے دوزخ میں دھکیل دو۔

۳۲ اور وہاں اسے ایک لمبی زنجیر سے جکڑ دو۔

۳۳ یہ وہ ہے جو خدائے عظیم کے قانونِ مکافات پر یقین نہیں رکھتا تھا۔

۳۴ اور اسی لئے' اس کی کیفیت یہ تھی کہ یہ لوگوں کو اس کی ترغیب نہیں دیتا تھا کہ ایسا نظام قائم ہو جائے جس میں ہر اس شخص کو سامانِ رزق ملتا رہے جس میں کمانے کی سکت نہ رہی ہو۔

۳۵ (اس کی یہ کیفیت اس لئے تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ میرے پاس اس قدر مال و دولت ہے کہ مجھے کسی کی محتاجی نہیں ہوگی۔ اس لئے مجھے کسی ایسے نظام کی کیا ضرورت ہے جس میں ہر شخص دوسرے کا رفیق و دمساز ہوتا ہے۔ لیکن اُس وقت وہ خود دیکھ لے گا کہ انسان کو رفیق و غمخوار دوست کی کتنی ضرورت ہوتی ہے لیکن) اُس وقت اس کا کوئی دوست اور غمخوار نہیں ہو گا۔

۳۶ اور کھولتے ہوئے پانی کے سوا (جس سے پیاس اور بھڑک اٹھے) کچھ پینے کو نہیں ملے گا۔
—— یہ اُس کے اپنے ہی آنسوؤں کے گھونٹ ہوں گے۔

۳۷ یہ غذا صرف خطاکاروں کی ہوتی ہے۔

۳۸ ۳۹ (اے رسولؐ! تم ان سے کہدو کہ جو کچھ تم سے کہا جا رہا ہے' قیاسات نہیں۔ یہ اٹل حقائق ہیں جن پر) وہ واقعات جو محسوس شکل میں تمہارے سامنے آچکے ہیں' اور وہ جو ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں' شاہد ہیں۔

۴۰ ان باتوں کا کہنے والا (یعنی جس کی زبان سے یہ تم تک پہنچ رہی ہیں) ہمارا معزز پیغامبر ہے۔

۴۱ ۴۲ یہ ہمارے ہی ارشادات ہیں جنہیں یہ تم تک پہنچا رہا ہے۔
یہ کسی شاعر کے تخیلات نہیں' نہ ہی کسی کاہن کے قیاسات ہیں۔ (یہ خدا کی وحی ہے)۔

تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ
لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا
لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ
بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

لیکن بہت تھوڑے ہیں جو عقل و بصیرت سے کام لے کر ان حقائق پر غور کرتے اور اس طرح ان کی صداقت پر ایمان لا کر انہیں بطور ضابطۂ حیات اپنے سامنے رکھتے ہیں۔

۴۳ یہ اُس خدا کی طرف سے بھیجا ہوا قرآن ہے جو تمام اقوامِ عالم کا نشوونما دینے والا ہے (اور اس سے مقصد یہ ہے کہ لوگ ان قوانین کا اتباع کریں تاکہ ان کی ذات کی نشوونما ہو جائے)۔

۴۴-۴۶ اس وحیٔ خداوندی میں انسانی خیالات کی ذرہ بھر آمیزش نہیں۔ اگر یہ رسولؐ اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر اسے ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اسے دائیں ہاتھ کی محکم گرفت سے پکڑتے۔ اس کے پروگرام کو کبھی آگے نہ بڑھنے دیتے اور اس کے ثبات و استحکام کی قوتوں کو بے کار کر کے رکھ دیتے۔ اس کی اسکیموں کو بے جان کر دیتے۔

۴۷ اور تم میں کوئی ایسا نہ ہوتا جو ہمیں ایسا کرنے سے روک سکتا۔ (باطل پر مبنی پروگرام آخرالامر ناکام ہو کر رہتا ہے)۔

۴۸ (اس قدر واضح حقائق کے بعد بھی تم لوگ ان قوانین کی صداقت پر ایمان نہیں لاتے۔ یہ اس لئے کہ) ان باتوں سے وہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جو زندگی کی تباہیوں سے بچنا چاہتے ہیں۔

۴۹ اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں (جہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو غور و فکر کے بعد آں قرآن پر ایمان لے آئیں، وہاں) ایسے بھی ہیں جو اسے جھٹلائیں گے۔

۵۰ (لیکن تمہارے جھٹلانے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ آنے والا انقلاب آ کر رہے گا) اور جو لوگ اس سے انکار کرتے ہیں، وہ ان کے دل میں سوزِ حسرت بن کر انہیں جلاتا رہے گا۔

۵۱ یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے، جو سامنے آ کر رہے گی۔ یہ بالکل یقینی چیز ہے، ظن و قیاس نہیں —— یہ الحاقۃ ہے —— یعنی ٹھوس حقیقت۔

۵۲ اسلئے (اے رسولؐ! تم ان لوگوں کی اس قسم کی باتوں کی پرواہ نہ کرو۔ اور) اپنے خدا کی بوبیت عظیم کے پروگرام کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے سرگرمِ عمل رہو۔ (اسکے نتائج بتا دیں گے کہ تمہارا یہ دعویٰ کس طرح حقیقت پر مبنی ہے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۚ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ
الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾

۱ (اے رسولؐ!) تمہارے مخالفین، جو حق و صداقت کا انکار کرتے ہیں، بار بار تقاضا کرتے ہیں کہ جس عذاب کی انہیں دھمکی دی جاتی ہے وہ آتا کیوں نہیں؟ ان سے کہو کہ تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ تم جس چیز کے لئے یوں تقاضا پر تقاضا کر رہے ہو، وہ کوئی خوش آئند بات نہیں۔ وہ ایک آفت ہے جو تم پر آنے والی ہے۔

۲ اور جب وہ آئے گی تو دنیا کی کوئی طاقت اسے ہٹا نہیں سکے گی۔

۳ اس کے آنے میں دقت اس لئے لگ رہا ہے کہ اُسے اُس خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق واقع ہونا ہے جو اپنی ہر اسکیم کو ارتقائی مدارج (کی سیڑھیاں) چڑھا کر تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ وہ اُسے اُس کے نقطۂ آغاز سے تکمیل تک یک لخت نہیں لے جاتا۔ بتدریج ایسا کرتا ہے۔

۴ اُس کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنی اسکیم کا آغاز اُس کے پست ترین نقطہ سے کرتا ہے۔ پھر کائناتی قوتیں، (جو عالمِ خلق میں کارفرما ہیں) اور اُلوہیاتی توانائی (جو عالمِ امر میں رُو بعمل ہے) اُس اسکیم کو تکمیل تک لے جانے کے لئے اوپر اٹھتی ہیں۔ اور اس طرح اسے ارتقائی مدارج طے کراتی ہوئی، آگے بڑھاتی ہیں۔ یہ مراحل بڑے طویل المیعاد وقفوں

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ﴿٥﴾ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ﴿٦﴾ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ﴿٧﴾ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُونُ
الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ
يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ
يُنْجِيهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾

میں طے ہوتے ہیں جن کی مدت ہزار ہزار بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کی ہوتی ہے۔ ($\frac{22}{4}$; $\frac{32}{5}$; $\frac{35}{10}$; $\frac{50}{30}$; $\frac{94}{4}$)۔

۵ (لہٰذا، تمہیں اِن کے اِن تقاضوں سے مضطرب نہیں ہونا چاہیئے) تم اپنے پروگرام پر حسن کارانہ انداز سے ثابت قدم رہو۔ یہ اپنے وقت پر تکمیل تک پہنچے گا۔

۶ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تباہی کہیں بہت دُور ہے۔

۷ لیکن ہم اسے بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔

۸ اُس وقت اِن بڑے بڑے 'فلک نشین سرداروں کی قوتیں پگھل کر پانی ہو جائینگی۔ تمام سرفرازیاں اور سربلندیاں پست ہو جائیں گی۔ ان کی محکم گرفتیں ڈھیلی پڑ جائیں گی۔ ($\frac{35}{30}$)۔

۹ اور یہ جو اس وقت پہاڑ کی طرح جمے ہوئے نظر آتے ہیں' (دھنی ہوئی) اُون کی طرح فضا میں اڑتے دکھائی دیں گے۔ ($\frac{101}{5}$) اور شاخ شکستہ کی طرح خمیدہ ہو جائیں گے۔

۱۰ اور نفسا نفسی کا یہ عالم ہوگا کہ عزیز سے عزیز دوست بھی ایک دوسرے کو نہیں پوچھیں گے (کہ ان پر کیا بیت رہی ہے)۔

۱۱ حالانکہ وہ دیکھ رہے ہوں گے کہ وہ کس مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اور مجرمین اپنے ان دوستوں کو دیکھ رہے ہوں گے کہ وہ ان کی کوئی مدد نہیں کرتے۔

۱۲ ۱۳ ان میں سے ہر مجرم چاہے گا کہ وہ کسی اور کو اپنی جگہ فدیہ کے طور پر دے کر خود اُس عذاب سے چھوٹ جائے ——— اپنے بیٹے، بیوی، بھائی یا دیگر خویش قبیلے کے لوگوں کو جن کی خاطر اُس نے دیانت و امانت کے سب اصول بالائے طاق رکھ دیئے تھے اور وہ اس کی پشت پناہ بننے کے مدعی تھے۔

۱۴ حتّٰی کہ وہ ساری دنیا کا مال و دولت دے کر اس عذاب سے چھوٹ جانے کی خواہش کرے گا۔

۱۵ لیکن وہ اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے بچ نہیں سکے گا۔

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿١٦﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿١٨﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿١٩﴾ اِذَا
مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿٢٠﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿٢١﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿٢٢﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿٢٣﴾
وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿٢٥﴾

---

۱۶ وہ انسان کی تمام قوتوں کو کھینچ کر نکال باہر کرے گی اور اس طرح اُسے عضو معطل بنا کر رکھ دے گی۔

۱۷ وہ کچھ دُور نہیں۔ وہ تو آوازیں دے دے کر بلا رہی ہے ہر اس شخص کو جو اِس نظام کی طرف سے منہ موڑ کر بھاگتا اور گریز کی راہیں نکالتا ہے۔

۱۸ یعنی جو مال و دولت کو ربوبیتِ عامہ کے لئے کھلا نہیں رکھتا بلکہ اسے تھیلی میں جمع کرتا ہے اور پھر اس کا منہ اوپر سے کس کر باندھ دیتا ہے (۱۰۴/۲)۔ تجوریاں بھرتا چلا جاتا ہے۔

۱۹ (ذرا غور کرو کہ انسان جب وحی کی راہ نمائی کو چھوڑ کر حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتا ہے تو) وہ کس قدر تنگ دل۔ بھوکا اور بے صبرا ہو جاتا ہے۔

۲۰ بے صبری کا یہ عالم کہ ذرا سی تکلیف پہنچے تو واویلا مچانا شروع کر دیتا ہے۔ تنگ دل ایسا کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی "ہے نہیں۔ ہے نہیں" کی رٹ لگاتا رہتا ہے۔

۲۱ اور نیت کا بھوکا ایسا کہ جب مال و دولت ہاتھ آجائے، تو وہ اس کی ضرورت سے کتنا ہی وافر کیوں نہ ہو، اس میں سے ایک پائی بھی کسی ضرورت مند کو نہیں دیتا۔

۲۲ البتہ وہ لوگ ایسا نہیں کرتے جو مصلی ہیں۔

۲۳ یعنی وہ لوگ جو اپنے انفرادی مفاد کے پیچھے چلنے کے بجائے، خدا کے نظام ربوبیت کے پیچھے چلتے ہیں، اور اس روش پر نہایت ہمت اور استقلال اور التزام اور مداومت سے قائم رہتے ہیں۔

۲۴ اور اس طرح اپنی تنگ دلی کو کشادہ ظرفی سے بدل کر اس حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں کہ اُن کا مال صرف اُن کے انفرادی مفاد کے لئے نہیں۔

۲۵ بلکہ اس میں ان لوگوں کا، جن کی ضروریات ان کی کمائی سے پوری نہ ہوتی ہوں، یا جو کمانے کے قابل نہ رہیں اور اس طرح اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم رہ جائیں، حق ہے۔ اور حق بھی ایسا جس کا سب کو علم ہے۔ اس لئے وہ ان کا حق انہیں لوٹا دیتے ہیں، اور اپنی ضروریات سے زائد اپنے پاس کچھ رکھتے ہی نہیں۔ (۲۱۹/۲)

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ
مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ
مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾

۲۶ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے قانونِ مکافات پر محکم یقین رکھتے ہیں۔ اور اپنے اس ایمان کو اپنے عمل سے سچ کر دکھاتے ہیں۔

۲۷ اور اس کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے ہمیشہ خائف رہتے ہیں۔

۲۸ یہ نتائج فی الواقعہ ایسے ہوتے ہیں جن سے کسی انسان کو کبھی نڈر نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ ان سے کسی کو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اس قسم کا معاشرہ جس کا نظام مندرجہ بالا خطوط پر متشکل نہ ہو تباہ ہو کر رہتا ہے۔

۲۹ اس کے علاوہ ان لوگوں کی اور خصوصیات بھی ہیں۔ (مثلاً) یہ اپنی عصمت کی حفاظت کرتے ہیں۔ مرد، عورت، دونوں یکساں طور پر۔

۳۰ لیکن اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ تجرد کی راہبانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ جنسی تعلقات کو حدودِ خداوندی کے اندر رکھتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اپنی منکوحہ بیویوں کے پاس جاتے ہیں، یا ان لونڈیوں کے پاس جو اس سے پہلے (عرب کی عام معاشرت کے مطابق) ان کے ہاتھ لگ گئی تھیں۔ اور جنہیں اب بیویوں کا درجہ دے کر اُن سے جنسی تعلقات کو قانوناً جائز قرار دیدیا گیا ہے (۲۳/۶) البتہ اس کے بعد اس طرح لونڈیاں حاصل کرنے کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ (۲۴/۳۳)۔

۳۱ جو شخص، اس کے علاوہ، جنسی تعلق کی کوئی اور صورت تلاش کرے تو وہ حدود شکنی ہے۔ (اسے اس جرم کی سزا ملے گی)۔

(اگرچہ مومن عورتیں بھی اپنے قلب و نگاہ کی عفت کو محفوظ رکھیں گی لیکن جب مرد مندرجہ بالا پابندیوں کو ملحوظ رکھیں گے تو عورتوں کی عصمت خود بخود محفوظ ہو جائے گی۔ اسی لئے حفاظتِ عصمت کے لئے مردوں کو بالخصوص مخاطب کیا گیا ہے برعکس غلط معاشرہ کے جس میں تحفظ عصمت کی تاکید ہمیشہ عورتوں کو کی جاتی ہے اور انہی کی عصمت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے)۔

۳۲ (پھر ان لوگوں کی خصوصیت یہ ہے کہ) یہ اپنی امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنے وعدوں کا پورا پورا پاس رکھتے ہیں۔ (امانت میں ہر وہ چیز داخل ہے جسے انسان دوسرے کو سونپ کر اپنے آپ کو امن میں محسوس کرے۔ اور وعدوں میں انفرادی وعدوں سے لے کر

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ

يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾

عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾

بین الاقوامی معاہدات تک سب شامل ہیں۔ اور تمام ذمہ داریاں بھی)۔

۳۳ اور جب کبھی کسی معاملہ میں شہادت دیتے ہیں تو ہمیشہ حق و انصاف پر قائم رہتے ہیں۔ (ان شہادات کا دائرہ عدالت تک محدود نہیں۔ زندگی کے ہر گوشے میں انسانی شہادت سامنے آسکتی ہے)۔

۳۴ مختصراً یہ کہ یہ لوگ خدا کے متعین کردہ نظامِ صلوٰۃ کے محافظ ہوتے ہیں (خود اس پر التزاماً قائم رہتے ہیں اور اسے قائم اور مستحکم رکھنے کے لئے کوشاں و سرگرداں)۔

۳۵ یہ لوگ ہیں جو باعزت جنتی معاشرہ کے مستحق ہیں۔ (۲۳/۱۱)
(اس دنیا میں بھی اور اُخروی زندگی میں بھی)۔

۳۶ ۳۷ (یہ بات ہو رہی تھی مومنین کے متعلق۔ لیکن جب ان کفار نے اسے سنا تو یوں سمجھ بیٹھے گویا جنت مفت بٹ رہی ہے چلو ہم بھی اس لوٹ کے مال میں سے کچھ حصہ لے لیں۔ چنانچہ وہ اس خیال کے ماتحت) گروہ در گروہ، دائیں بائیں سے لپک کر تیری طرف چلے آرہے ہیں۔

۳۸ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ جن آسائشوں اور خوشگواریوں کا اہلِ جنت کے لئے ذکر کیا جاتا ہے، وہ اسے مل جائیں۔ یعنی وہ اپنی روش میں تو کوئی تبدیلی پیدا نہ کریں اور ویسے ہی چاہیں کہ انہیں وہ نعمائے حاصل ہو جائیں۔

۳۹ لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ جنتی زندگی اس طرح نہیں مل سکتی۔
انہیں اس کا اچھی طرح سے علم ہے کہ ان کی خلقت سے مقصود یہ تھا کہ یہ قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کریں (۵۱/۵۶)۔ سو جب یہ اس کے برعکس ان قوانین سے سرکشی اختیار کریں تو پھر زندگی کی خوشگواریوں کے امیدوار کیسے ہو سکتے ہیں؟ (یعنی یہ لوگ جنتی معاشرہ تشکیل کرنے والے نظام کے قیام کی راہ میں تو سنگِ گراں بن کر حائل ہوں اور توقع یہ رکھیں کہ اس کے آسائش بخش برگ و بار ان کی جھولیوں میں آپڑیں ــــ یہ بھلا کیسے ممکن ہے)۔

۴۰ ۴۱ خدا کی ربوبیتِ عامہ جو اس کائنات کے شارق و مغارب میں اس نظم و ضبط کے

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٤٢﴾ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ
سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلٰى نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِكَ الْيَوْمُ
الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٤٤﴾

سانحہ پھیلی ہوئی ہے' اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جو لوگ انسانی معاشرہ میں اس نظام ربوبیت کے راستے میں روک بن کر کھڑے ہو جائیں' ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آئیں جو ان سے بہتر ہوں ـــــ یہ مخالفین' نہ تو ہمارے حیطۂ اقتدار سے باہر جا سکتے ہیں' اور نہ ہی ہماری اسکیموں کو ناکام بنا سکتے ہیں۔

۴۲ سو تو ان کی پرواہ مت کر' انہیں ان کی بے معنی منصوبہ بندیوں اور بے مقصد کوششوں' بے منزل سفر اور نظری مباحثوں' بیکار گفتگوؤں اور کھیل تماشوں میں مشغول رہنے دے' یہاں تک کہ وہ انقلاب ان کے سامنے آ کھڑا ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے زندگی کو مذاق اور کاروانِ انسانیت کو بے منزل سمجھ رکھا ہے۔ اس روش اور ذہنیت کا نتیجہ تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۴۳ اُس وقت یہ اپنے اپنے ٹھکانوں سے اس تیزی سے نکل کھڑے ہوں گے جس طرح تیر اپنے نشانے کی طرف سیدھا جاتا ہے۔ اور یوں یہ کشاں کشاں اپنے تباہی کے مقام پر جمع ہو جائینگے۔ (جو قوم کوئی نصب العین متعین طور پر اپنے سامنے نہیں رکھتی اس کی کوششیں مختلف سمتوں میں بکھر کر رائگاں چلی جاتی ہیں۔ لیکن اس کارواں کے بکھرے ہوئے افراد' بالآخر اپنی تباہی کے گھاٹ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں)۔

۴۴ لیکن تاسف و ندامت سے اُس وقت اُن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نگاہیں زمین میں گڑی ہوئیں' اور ذلت و خواری کی کالک چہروں پر جمی ہوئی۔ یہ اس انقلاب کا دن ہوگا جس کے متعلق ان سے بار بار کہا جاتا ہے کہ وہ آنے والا ہے۔ (اور جس کی بابت یہ تقاضے پر تقاضا کر رہے ہیں کہ وہ جلدی کیوں نہیں آتا۔ (۷۰/۱)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

① ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ انہیں ان کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دے، قبل اس کے کہ دردناک تباہی کا عذاب ان کے سر پر آکھڑا ہو۔

② چنانچہ اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہیں کھلے کھلے الفاظ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہاری موجودہ رَوش تمہیں تباہی کی طرف لئے جا رہی ہے۔

③ اگر تم اس تباہی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ تم قوانینِ خداوندی کی محکومیت اختیار کرو۔ اس کے احکام کی پوری پوری نگہداشت کرو۔ اس کا عملی طریق یہ ہے کہ تم اس نظام کی اطاعت کرو جسے میں، اُن قوانین کے نفاذ کے لئے متشکل کر رہا ہوں۔ (اور جس کا اوّلین سربراہ میں ہوں)۔

④ اگر تم نے ایسا کر لیا تو خدا تمہاری سابقہ رَوش کے مضر نتائج سے تمہاری حفاظت کا سامان مہیا کر دے گا۔ اور یوں ایک مدت تک تم سامانِ زیست سے متمتع ہوتے رہو گے یعنی جب تک تم صحیح راستے پر چلتے رہو گے تباہی سے محفوظ رہو گے۔ لیکن اگر تم نے ایسا

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝۵ فَلَمْ يَزِدْهُمْ
دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝۶ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَ
اَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝۷ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝۸ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝۹
فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱

نہ کیا اور وہ عذاب تمہارے سر پر آگیا تو پھر اسے کوئی نہیں ٹال سکے گا۔ اے کاش! تم خدا کے اس قانونِ مکافات کو سمجھ سکتے۔

۵ (نوحؑ نے اپنی قوم کی اصلاح کی پوری پوری کوشش کی لیکن انہوں نے اس کی ایک نہ مانی۔ بالآخر) اس نے اپنے نشوونما دینے والے سے کہا کہ میں اس قوم کو دن رات تیرے راستے کی طرف دعوت دیتا رہا۔

۶ لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ میں جوں جوں انہیں اس طرف بلاتا ہوں یہ اس سے اور دُور بھاگتے ہیں۔

۷ میں انہیں امن وسلامتی کی طرف دعوت دیتا ہوں تاکہ یہ تباہی سے بچ جائیں لیکن ان کی کیفیت یہ ہے کہ اوّل تو یہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں تاکہ یہ میری بات سنیں ہی نہیں۔ اور اگر کبھی میری بات سنتے بھی ہیں تو بالکل منافقانہ انداز سے۔ بظاہر بات پر کان دھرے ہوئے لیکن دل کو یوں لپیٹے ہوئے کہ اس تک ایک لفظ بھی نہ پہنچنے پائے (۱۱/۵)۔ (انہیں ہزار سمجھاؤ) لیکن یہ اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں اور شدید سرکشی اختیار کرتے ہیں۔

۸ ۹ (نوحؑ نے کہا) میں نے ان کے عام مجمعوں سے بھی خطاب کیا (اور الگ الگ مجلسوں سے بھی)۔ انہیں اعلانیہ سمجھانے کی بھی کوشش کی اور علیحدگی میں بھی۔ (غرضیکہ میں نے نصیحت کرنے کا کوئی طریق نہیں چھوڑا۔ لیکن یہ ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے)۔

۱۰ میں نے ان سے بار بار کہا کہ تمہاری غلط روش بڑے تباہ کن نتائج پیدا کریگی۔ تم قوانینِ خداوندی کی اطاعت کے ذریعے اس تباہی سے بچنے کا سامان پیدا کرو۔ خدا کا قانون تمہیں اس سے بچالے گا۔

۱۱ (اور علاوہ اُخروی زندگی کی سرفرازیوں کے وہ تمہیں اس دنیا کی زندگی میں بھی خوش حالیاں اور خوش گواریاں عطا کرے گا)۔ وہ ایسی بابرکت بارش برسائے گا جس

وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ﴿١٢﴾ مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ
خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ
الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾

سے تمہاری بنجر زمینیں سیراب ہو جائیں۔

۱۲ اس طرح وہ تمہارے مال و دولت میں اضافہ کرے گا۔ تمہارے افراد خاندان میں کثرت ہوگی۔ تمہارے ہاں سرسبز باغات اگیں گے اور ان کی سیرابی کے لئے پانی کی ندیاں رواں ہوں گی۔ (جب معاشرہ صحیح خطوط پر متشکل ہو جائے تو اس کا حسن نظم و نسق ہر قسم کی فراوانیاں پیدا کر دیتا ہے)۔

۱۳ (میں حیران ہوں کہ) تمہیں کیا ہو گیا ہے جو اس قسم کی باوقار زندگی کی آرزو نہیں کرتے جو قوانین خداوندی کے اتباع سے مل سکتی ہے۔ یعنی ایسی زندگی جس میں ٹھہراؤ ہو، استحکام ہو، بخود خرید ان ہو، اپنے پاؤں پر جم کر کھڑے ہو جانا ہو، محکمیت ہو، ثبات ہو، توازن ہو، یونہی ایک جھٹکے سے بکھر یا پگھل جانا نہ ہو۔

(اور اس سے تمہاری ذات میں بھی ایسا استحکام پیدا ہو جائے کہ وہ موت کے بعد کی زندگی میں بھی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جائے)

۱۴ یہ زندگی کیسے حاصل ہوگی، اس کے لئے تم خدا کے قانون تخلیق کی کارفرمائی پر غور کرو جس کے مطابق تم مختلف تخلیقی مراحل طے کرتے ہوئے، انسانی پیکر تک پہنچے ہو۔ (ان تخلیقی مراحل میں تمہارا ہر قدم آگے کی طرف بڑھتا گیا، اور تم اوپر کی طرف اٹھتے گئے۔ یہ سب تمہارے اختیار و ارادہ کے بغیر ہوتا رہا۔ لیکن جونہی بات تمہارے اختیار تک پہنچی، تم نے غلط راستے اختیار کر لئے، جس سے تم پستی کی طرف گرتے چلے گئے)۔

۱۵ (تم ذرا غور کرو کہ قوانین خداوندی کے مطابق چلنے سے زندگی کا انداز کیسا متوازن اور حسین ہو جاتا ہے) تم دیکھو کہ اللہ نے فضا کی پہنائیوں میں ان مختلف کرّوں کو پیدا کیا ہے تو وہ کس طرح باہمد گر کامل موافقت اور ہم آہنگی سے چلتے رہتے ہیں۔ وہ اس قدر تیز گردش کے باوجود اپنے اپنے مقام پر محکم اور قائم رہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ انفرادی زندگی بسر نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک کی کشش دوسرے کے ثبات کا موجب بنتی ہے اور اس طرح یہ سارا نظام فلکی بغیر کسی تصادم کے مصروف عمل رہتا ہے۔ (ان کے برعکس تم اپنی زندگی کو دیکھو کہ اس میں قدم قدم پر ایک دوسرے سے تصادم ہوتا ہے)

۱۶ پھر دیکھو کہ اس نے (انہی کرّوں میں سے) چاند کو کس طرح نورانی قندیل،

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ

اور سورج کو جگمگاتا چراغ بنا دیا ہے (لیکن تم اپنی زندگی کو دیکھو کہ وہ کیسی بھیانک تاریکیوں میں گزر رہی ہے۔ اگر تم بھی قوانین خداوندی کا اتباع کرو تو نہ صرف یہ کہ تمہاری اپنی زندگی کی راہیں روشن ہو جائیں، تم دوسروں کے لئے بھی قندیلِ راہ بن جاؤ)۔

۱۷ (تمہارا باہمی ٹکراؤ اس لئے ہوتا ہے کہ تم سب اپنے آپ کو ایک دوسرے سے الگ سمجھتے ہو۔ انفرادی مفاد پرستی کی پٹیوں نے تمہیں جدا جدا کر رکھا ہے۔ (۲/۲۱۴)۔ حالانکہ) خدا نے تمہاری تخلیق نباتات کی طرح کی ہے، (کہ زمین سے ایک تنا اوپر کو ابھرتا ہے لیکن آگے جا کر اس کی بے شمار شاخیں ادھر اُدھر پھیل جاتی ہیں۔ اس کے باوجود، ان کا باہمی تعلق اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ جڑ زمین سے جو خوراک حاصل کرتی ہے، وہ اسے اپنے لئے سمیٹ کر نہیں رکھ لیتی۔ وہ اسے پتی پتی تک بقدرِ ضرورت پہنچاتی ہے۔ اور اگر پتیاں ہوا سے نمی اور حرارت جذب کرتی ہیں تو وہ انہیں درخت کی رگ رگ تک پہنچا دیتی ہیں۔ یوں پورے کا پورا درخت سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ پوری نوعِ انسانی کی تخلیق بھی ایک شجرِ طیّب کی طرح ہوئی ہے۔ اس کی سرسبزی و برومندی کا راز باہمی ربط و ضبط اور اشتراک و تعاون میں ہے۔ یہی ہے وہ نظام جس کی طرف میں تمہیں دعوت دیتا ہوں)۔

۱۸ یوں بھی انسان کی تخلیق کی ابتداء (نباتات کی طرح) بے جان مادہ سے ہوئی ہے۔ اس کے بعد زندگی مختلف مراحل میں سے گزرتی، گردشیں کرتی، انسانی پیکر تک آئی ہے۔ زندگی کا یہی ارتقائی پروگرام موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

۱۹ (اس نے تمہیں دنیا میں پیدا کیا تو اس کے ساتھ ہی تمہاری زیست کے عجیب و غریب سامان بھی پیدا کر دیئے۔ سب سے پہلے تو اس کرۂ ارض پر غور کرو کہ اس نے اسے، گول ہونے کے باوجود) ایسا بسیط قطعہ بنا دیا کہ تم اس کے کشادہ راستوں میں جہاں جی چاہے چل پھر سکتے ہو۔

۲۰

۲۱ (غرضیکہ نوحؑ نے انہیں مختلف انداز سے، مثالیں دے دے کر سمجھایا لیکن انہوں نے اس کی ایک نہ مانی۔ آخر، اس نے اپنے رب سے فریاد کی اور کہا کہ) اے میرے نشوونما دینے والے! تو دیکھتا ہے کہ میری تمام کوششوں کے باوجود، یہ لوگ برابر میری مخالفت کئے جا رہے ہیں، اور اس شخص کے پیچھے چل رہے ہیں جس میں اس کے سوا کوئی خصوصیت

الْاَخْسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا
يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا
نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾
اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

نہیں کہ اس کے پاس بہت سی دولت ہے اور افراد خاندان کی کثرت —— حالانکہ انہی چیزوں نے اُسے صحیح راستے کی طرف آنے سے روک رکھا ہے اور اس طرح یہ ' اس کے (اور اس کے متبعین) کے حق میں تباہی کا موجب بن رہی ہیں۔

۲۲ یہ (میری اس دعوت کے خلاف) بڑی بڑی سازشیں کر رہے ہیں۔

۲۳ اور لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ تم اپنے معبودوں کو بالکل نہ چھوڑنا —— نہ وَدّ کو' نہ سواع کو' نہ یغوث و یعوق کو اور نہ ہی نسر کو —— (یہ مٹی اور پتھر کے تراشے ہوئے بت' درحقیقت ان غیر محسوس بتوں کے محسوس پیکر ہیں جو ان کے قلب و دماغ کے بُت کدوں میں نصب ہیں)۔

۲۴ انہوں نے اس طرح ساری قوم کو غلط راستے پر ڈال رکھا ہے۔ اب تُو ان سرکشوں اور ظالموں کی ہلاکت اور بربادی کی رفتار کو تیز تر کر دے۔

۲۵ چنانچہ وہ اپنی غلط کاریوں اور خطا کوشیوں کی وجہ سے غرق ہو گئے' اور پھر جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ سو انہوں نے دیکھ لیا کہ خدا کے سوا اُن کا کوئی مددگار نہیں تھا۔ (وہ جن بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے' نہ تو وہ ہی ان کی مدد کو پہنچے' اور نہ ہی وہ لیڈر جن کا وہ اتباع کرتے تھے)۔

۲۶ (وہ پوری کی پوری قوم اس حد تک سرکشی میں آگے بڑھ چکی تھی' اور ان کے جرائم ایسے متعدی ہو رہے تھے' کہ دوسرے انسانوں کو ان کے اثرات سے بچانا نہایت ضروری تھا۔ اس مقصد کے پیش نظر) نوحؑ نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ان سرکشوں میں سے کسی ایک گھرانے کو بھی ملک میں بسنے کے لئے باقی نہ چھوڑ۔

۲۷ اس نے کہا کہ اگر تو نے انہیں باقی چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو بُری طرح گمراہ کریں گے' اور پھر ان کی اولاد بھی ان کے زیر تربیت پرورش پا کر انہی جیسی سرکش اور نافرماں بردار ہو گی۔ لہٰذا' ان کا سلسلہ ہی ختم کر دے تو اچھا ہے (تاکہ ان کی جگہ ان سے کوئی بہتر

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ

اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

(۲ ع ۱۰)

قوم لے لے۔ جس مریض کا مرض لاعلاج اور متعدی ہو اور اس کے جراثیم اس کی اولاد تک میں منتقل ہونے شروع ہو جائیں تو اس کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہوتا ہے)۔

۲۸ نوحؑ نے کہا۔ اے میرے نشوونما دینے والے! تو ان سرکشوں کی دراز دستی سے میری حفاظت فرما —— میری بھی اور میرے ماں باپ کی بھی (جو مومن ہیں) اور میرے اہل خانہ میں سے جو ایمان لائے اس کی بھی۔ اور دیگر مومن مردوں اور عورتوں کی بھی۔ باقی رہے یہ ظالم اور سرکش، تو ان کی تباہیوں اور بربادیوں میں اور اضافہ کیے جا۔ (یہی ایک طریق ہے جس سے انسانیت ان کے متعدی جرائم سے محفوظ رہ سکے گی)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾

---

۱ (اے رسولؐ!) ان سے کہہ دو کہ مجھے بذریعہ وحی بتایا گیا ہے کہ ایک غیر مانوس بادیہ نشین قبیلہ کی ایک جماعت نے دوسروں سے چھپ کر قرآن سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب و غریب چیز سنی ہے (۴۶/۲۹)۔

۲ جو کچھ ہم نے سنا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ بالکل سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کے بعد ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیں گے۔

۳ ہمارے تشو و نما دینے والے کی شان بہت بلند ہے۔ اس کی نہ کوئی بیوی ہے نہ اولاد۔ (ہمارے یہ عقاید تو ہم پرستی پر مبنی تھے جن سے ہم تائب ہوتے ہیں)۔

۴ یہ جہالت آمیز عقاید ہم میں سے کچھ بیوقوف لوگوں نے اپنے ذہن سے وضع کئے اور پھر انہیں خدا کی طرف منسوب کر دیا۔

۵ حالانکہ ہم (سادہ لوح) یہ خیال کیا کرتے تھے کہ انسان خواہ شہری ہوں یا

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝۶ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ
لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا
مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ
اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝۱۱

صحرائی' کم از کم خدا کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

۶ لیکن ہوتا یہ رہا کہ شہری آبادی کے لوگ ہمارے پاس آکر رہنے اور لوگوں کو اس قسم کی جہالت آمیز باتیں سکھاتے (یوں ان توہم پرستیوں کا ہم میں بھی رواج ہو گیا۔ اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا' ان میں اضافہ ہوتا چلا گیا)۔

۷ (وہ ہم سے کہا کرتے تھے کہ) یہ جو تمہارا عقیدہ ہے کہ اس علاقہ (عرب) میں کوئی رسول وغیرہ نہیں آئے گا' درست ہے۔ ہمارا خود یہی عقیدہ ہے۔ (اس لئے ہمارے کاہن ہی ہمارے مذہبی پیشوا ہو سکتے ہیں۔ جو کچھ یہ کہیں' اسے سچ ماننا چاہیئے)۔

۸ (اس قسم کے عقاید کی رُو سے ہم سمجھا کرتے تھے کہ ہم یعنی ہمارے کاہن' پروہت اور منتری' اپنی کہانت اور نجوم کے ذریعے) آسمانوں کی باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔ لیکن (اس قرآن کے سامنے آجانے کے بعد ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ آسمان کی خبریں لانا انسان کے بس کی بات نہیں)۔ وہاں بڑے بڑے پہرے دار ہاتھوں میں آتشیں کوڑے لئے بیٹھے ہیں (۱۵/۱۷-۱۸)۔

۹ اس سے پہلے ہم یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم گھات میں بیٹھ کر آسمانی باتیں سن لیتے ہیں۔ لیکن اب جو کوئی سننے کی کوشش کرتا ہے' اپنے سامنے (علم و برہان کے) شعلے دیکھتا ہے۔ (لہٰذا' اب کہانت کا دور ختم ہو گیا۔ قرآن نے یوں ہمارے عقاید بدل دیئے ہیں۔ ۳۷/۶-۹ ؛ ۶۷/۵)۔

۱۰ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس انقلاب کا جس کا پیامبر قرآن ہے' ردّ عمل کیا ہو گا۔ کیا لوگ اس کی مخالفت کر کے' تباہ و برباد ہوں گے' یا یہ صحیح راستے پر آکر' خیر و برکت سے ہم کنار ہوں گے۔

۱۱ ہم یہ اس لئے کہتے ہیں کہ سب لوگ ایک ہی خیال اور طریق کے نہیں ـــــ بعض ہم سے نیک ہیں اور بعض دوسرے انداز کے ہیں۔ مختلف لوگ مختلف طریقوں پر چلتے ہیں' اس لئے ان کا ردّ عمل بھی مختلف ہو گا۔ (اس سے باہمی تصادم کا بھی امکان ہے جس کا

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تُعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ
بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا
رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاۗءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾
لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ

نتیجہ خوں ریزی ہوگا)۔

۱۲ (ہم نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ خدا کا اقتدار اس قدر زبردست ہے کہ) ہم، نہ تو اسے اپنے ملک میں شکست دے سکتے ہیں، اور نہ ہی اس سے بھاگ کر کسی ایسی جگہ جا سکتے ہیں جو اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر ہو۔ اس کا قانونِ مکافات ہر جگہ موجود ہے۔

۱۳ یہ وجہ تھی کہ ہم نے جب اس ہدایت (قرآنی) کو سنا تو ہم اس کی صداقت پر ایمان لے آئے — اور ہمیں یقین ہے کہ جو کوئی بھی خدا پر ایمان لے آتا ہے، اسے نہ اپنے حقوق میں کمی یا سلب و نہب کا احتمال ہو سکتا ہے، اور نہ ہی کسی قسم کی ذلت و رسوائی کا خوف۔ اسے اس کے اعمال کا پورا پورا نتیجہ ملے گا، اور وہ عزت و سربلندی کی زندگی بسر کرے گا۔

۱۴ چنانچہ اب ہم میں سے بعض تو اس قانون کے سامنے سرِ تسلیم خم کر چکے ہیں، اور بعض ایسے ہیں جو ابھی تک بے انصافی کی راہ پر چلے جا رہے ہیں۔ جو لوگ اس کے سامنے جھکتے ہیں، تو یہی ہیں جو رشد و ہدایت کے حصول کے لئے عزیمت مندانہ قصد کرتے ہیں۔

۱۵ لیکن جو اس سے روگردانی کر کے، ظلم و سرکشی کی راہ اختیار کرتے ہیں، وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

۱۶ (یہ تھا جو ان بادیہ نشینوں نے جا کر اپنی قوم سے کہا تھا)۔ اس کے بعد (اے رسولؐ! تو اپنے مخاطبین سے کہہ دے کہ) اگر تم لوگ خدا کے بتائے ہوئے طریقہ پر استقامت سے چلتے رہے تو خدا تمہیں وسعت اور فراوانیوں کی سرسبز و شاداب زندگی عطا کرے گا۔

۱۷ یہ ہے وہ کھلا ہوا معیار جس کے مطابق یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خدا کے راستے پر چلنے والے کون ہیں۔ اس کے برعکس، جو شخص اپنے خدا کے قانونِ ربوبیت سے روگردانی کرتا ہے، وہ سخت مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (۲۰/۱۲۴)۔

۱۸ (ان سے واضح طور پر کہہ دو کہ دین کی اصل و بنیاد یہ ہے کہ) اطاعت و فرماں پذیری صرف قوانینِ خداوندی کی ہو سکتی ہے۔ جھکنا صرف انہی قوانین کے سامنے چاہیئے۔

اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ
اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ
دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

اس کے ساتھ کسی اور کے قانون کو شامل نہیں کرنا چاہیئے۔ کسی اور کی اطاعت اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔ (۹/۱۰)۔

۱۹ (ہونا تو یہ چاہیئے۔ لیکن ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ خود خدا کے قوانین کے سامنے جھکنا تو ایک طرف) جب خدا کا ایک بندہ (رسول اللہ) اس دعوت کو لے کر اٹھا تو یہ لوگ مخالفتوں کے ہجوم کے ساتھ اس پر یوں امنڈ پڑے گویا اسے کچل ہی ڈالیں گے۔ (۲۲/۲)

۲۰ ان سے کہہ دو کہ میرا "جرم" اس کے سوا کیا ہے کہ میں خود بھی خالص قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتا ہوں اور تمہیں بھی اسی کی دعوت دیتا ہوں' اور اس میں کسی دوسرے کے قانون اور فیصلے کو شریک نہیں کرتا۔

۲۱ (انسان اطاعت اسی کی اختیار کرتا ہے جس کے متعلق خیال ہو کہ وہ اسے نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے۔ اور یہاں یہ عالم ہے کہ اور تو اور میں خود بھی کوئی اختیار اور اقتدار نہیں رکھتا کہ تمہیں کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچا سکوں۔ (یہ سب خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے)۔

۲۲ (کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا تو ایک طرف' اگر میں خود بھی خدا کے قانون کی خلاف ورزی کروں تو) نہ تو دنیا میں کوئی قوت ایسی ہے جو مجھے اس کے خلاف پناہ دے سکے اور نہ ہی میں اپنی کوشش سے کوئی پناہ گاہ تلاش کر سکوں گا۔ اگر مجھے پناہ مل سکتی ہے تو صرف خدا کے قانون کے سائے میں مل سکتی ہے۔

۲۳ (لہٰذا میرا یہ دعوٰے نہیں کہ میں کسی قسم کی قوت اور اختیار رکھتا ہوں۔ میرا کام یہ ہے کہ) میں قوانینِ خداوندی کو ـــــ یعنی ان قوانین و احکام کو جو اس نے مجھے دیئے ہیں ـــــ تم تک پہنچا دوں۔ (اس کے بعد تمہیں اختیار ہے کہ تم انہیں مانو یا ان کی مخالفت کرو۔ لیکن اتنا سُن رکھو کہ) جو شخص بھی خدا کے اس نظام کی مخالفت کرے گا (جسے اس کا رسول' اس کے قوانین کے مطابق متشکل کرتا ہے تو) اس کے لئے جہنم

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی
غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعْلَمَ
اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

کا عذاب ہوگا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

۲۴ (اس وقت یہ مخالفین اس زعم میں ہیں کہ ان کا جتھہ بہت بڑا ہے اور اُن کے مقابلہ میں جماعتِ مومنین کی تعداد بھی کم ہے اور ان کے حمایتی بھی کمزور سے ہیں) لیکن جب وہ تباہی جس کے متعلق اوپر کہا گیا ہے' ان کے سامنے آجائے گی تو ان پر یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ کس کے حمایتی کمزور ہیں اور کس کی جماعت کی تعداد کم ہے؟

۲۵ (یہ تم سے پوچھتے ہیں کہ یہ عذاب ان پر آئے گا کب؟) ان سے کہہ دو کہ میں نہیں جانتا کہ وہ عذاب جلدی آئے گا یا میرا نشوونما دینے والا اس کی مدت کو لمبا کر دے گا (اور وہ دیر میں واقع ہوگا)۔

۲۶ مستقبل کا علم صرف خدا کو ہوتا ہے۔ وہ اس کے متعلق کسی کو خبر نہیں دیتا۔

۲۷ البتہ وہ جس شخص کو رسالت کے لئے منتخب کرتا ہے' اسے مستقبل کے متعلق جس قدر بتانا مقصود ہوتا ہے' وحی کے ذریعے بتا دیتا ہے۔ اور اس کی وحی کی حفاظت کے لئے اس کے آگے اور پیچھے محافظ مقرر کر دیتا ہے۔ (یہ وحی قرآن کے اندر ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے۔ ۱۵/۹)۔

۲۸ یہ محافظ اس لئے مقرر کئے جاتے ہیں تاکہ واضح ہوجائے کہ ان رسولوں نے خدا کے پیغامات بحفاظت لوگوں تک پہنچا دیئے ہیں۔ (رسولوں کی ذمہ داری اتنی ہی ہے۔ اس کے بعد اسے لوگوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ قوانین خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں یا اس سے سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ وہ جو نسا راستہ اختیار کریں گے اس کے مطابق نتیجہ مرتب ہوجائے گا)۔ اس کا قانونِ مکافات لوگوں کے تمام اعمال کو محیط ہے' اور اس نے ہر شے کو اچھی طرح سے محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔ (اس لئے کسی کا کوئی عمل اس کے قانونِ مکافات کے دائرے سے باہر نہیں رہ سکتا)۔

[یوں عرب کے صحرانشینوں تک نے قرآن کو سمجھا اور اس پر عمل کیا تھا]۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝٣ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝٤ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝٥

۱ اے رسولؐ! فریضۂ رسالت کی عظیم ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے بعد تیرے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ تو ایسے رفقائے سفر تیار کرے جن میں کامل ہم آہنگی اور یک رنگی ہو (تاکہ یہ کارواں شاداں و فرحاں منزلِ مقصود کی طرف قدم بڑھاتا چلا جائے۔ اس قسم کا عمل تزمیل سالارِ کارواں کا اولیں فریضہ ہوتا ہے)۔

۲ اس کے لئے ان کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔ (دن میں تجھے فرصت کم ہوگی اس لئے) اس مقصد کے لئے رات کو بھی جاگنا ہوگا۔ (۷۶/۲۶ و ۷۶/۲۵)

۳ لیکن ساری رات نہیں۔ آدھی رات تک' یا اس سے کچھ کم یا زیادہ۔

۴ راتوں کی ان مجالس میں تو انہیں قرآن کو اس طرح سمجھا کہ اس کا حسن ترتیب اور نظم و ربط' ابھر کر ان کے سامنے آجائے۔ پھر اسی ترتیب اور نظم و ضبط کے ساتھ اسے عمل میں لاتے چلے جاؤ۔ (ہم نے قرآن کو جس حسنِ ترتیب و تناسب کے ساتھ مربوط کیا ہے (۲۵/۳۲) اسی حسنِ نظم و ترتیب کے ساتھ تم اس پر عمل کرتے جاؤ)۔

۵ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اب ہم تجھ پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد کرنے والے

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝۷ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ
اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝۹ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ

ہیں۔ (اب قرآن کے ذریعے معاشرہ میں انقلاب برپا کر کے نظامِ خداوندی کی عملی تشکیل کا مرحلہ سامنے آتا ہے۔ یہ بڑا ہمت طلب اور صبر آزما مرحلہ ہے)۔

۶ (ہم نے جو کہا ہے کہ اپنے رفقاء کی تعلیم و تربیت کا کام رات کے وقت کیا کرو تو اسکی کئی وجوہات ہیں)۔ ایک تو یہ کہ رات کے قیام سے، انسان سہل انگاری کے جذبات پر قابو پالیتا ہے اور اس طرح اس کی قوتِ عمل میں پختگی آجاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ رات کے سکوت میں، انسانی معاملات پر غور و فکر بھی اچھی طرح ہو سکتا ہے، اور بات ابھر اور نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

۷ پھر یہ بھی کہ دن میں تجھے مخالفتوں کے ہجوم کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں تیرے سامنے اتنے کام ہوتے ہیں کہ تجھے سارا سارا دن سرگرداں رہنا پڑتا ہے۔ (لہٰذا، جن امور کے لئے قدرے سکون کی ضرورت ہو، ان کے لئے دن میں وقت ہی نہیں مل سکتا)۔

۸ اس طرح، دن رات، اپنے نشو و نما دینے والے کی صفات کو اپنے سامنے رکھ (کہ انہی صفات کو معاشرہ میں عملاً نافذ کرنا مقصود ہے)۔ اور اپنی تمام توجہات کو دوسری طرف سے ہٹا کر، اسی ایک نقطہ پر مرکوز کر دے، اور نہایت حسن کارانہ انداز سے اس مقصد کے حصول کے لئے مصروفِ عمل رہ۔

۹ تیرے سامنے ایک عالمگیر انقلاب کا پروگرام ہے ـــــ اور وہ انقلاب یہ ہے کہ ہر غیر خداوندی اقتدار و اختیار کو ختم کر کے، اس کی جگہ ایک خدا کی حکومت قائم کر دی جائے۔ انسان، قوانینِ خداوندی کے علاوہ کسی کا محکوم اور اطاعت گزار نہ ہو۔ اس کے لئے تو قانونِ خداوندی پر پورا پورا بھروسہ کر کے آگے بڑھتا چلا جا۔ (یہ نظام، خطۂ عرب سے آگے بڑھ کر اس کے مشرق و مغرب ـــــ ایران و روم ـــــ تک پھیل جائے گا۔ اور آخرالامر عالمگیر ہو جائے گا)۔

۱۰ اور اپنے مخالفین کی کسی بات سے اثر پذیر مت ہو، بلکہ ان کی طرف سے صرفِ نظر کر کے، اپنے پروگرام پر ثبات اور استقامت سے جمے رہو۔ اور اپنے دامن کو ان خاردار جھاڑیوں سے حسن کارانہ انداز سے بچاتے جاؤ۔ اور اس طرح ان لوگوں سے الگ ہٹتے چلے جاؤ جو

هَجْرًا جَمِيلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ﴿١١﴾ إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ وَ
طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾ إِنَّا
أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ

بات تک سننے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ (۵/۱۳ ؛ ۱۵/۸۵)۔

۱۱ یہ لوگ جو اپنی دولت کے نشے میں بدمست اندھا دھند ہمارے قوانین کی تکذیب کرتے چلے جاتے ہیں، انہیں ہمارے قانونِ مکافات کے حوالے کر دو۔ اور تھوڑی سی مہلت دے دو۔ ہمارا قانون ان سرمایہ داروں سے خود نپٹ لے گا۔

۱۲ ان کے لئے ہم نے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں تیار کر رکھی ہیں، جو ان کی بدلگامیوں کے لئے روک بن جائیں گی۔

۱۳ اور ایسا کھانا جو حلق میں جا کر اٹک جائے ——— یعنی نہایت دردناک سزا ——— (نظامِ سرمایہ داری کا انجام یہی ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی خود اپنی دولت انکے لئے عذاب بن جاتی ہے اور اس طرح ان کا نوالہ، جو دوسروں کی کمائی کو غصب کر کے حاصل کیا گیا تھا، حلق میں اٹک کر ان کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ اس نظام کی بنیاد میں تباہی کی صورت مضمر ہوتی ہے)۔

۱۴ اُس وقت، یہ تمام بڑے بڑے سردار اور ان کے متبع عوام (تمہاری قوت کے سامنے) کانپ اُٹھیں گے۔ ان کے سرغنوں کی ——— جو اس وقت پہاڑ کی طرح محکم نظر آ رہے ہیں ——— بالخصوص یہ حالت ہوگی گویا ریت کے تودے ہیں جو خود بخود پھسلتے چلے جا رہے ہیں۔

۱۵ اے رسولؐ! تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ نہ یہ مقصد جس کے لئے مجھے بھیجا گیا ہے کوئی نیا مقصد ہے، اور نہ ہی مخالفین کا ایسا انجام، جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، کوئی نرالا انجام۔ اسی قسم کی انقلاب آفرینی کے لئے سابقہ انبیاء کرامؑ آتے رہے، اور اسی قسم کا انجام ان کے مخالفین کا ہوا۔ ان میں، موسیٰؑ کے ہاتھوں لایا ہوا انقلاب، اور فرعون کا انجام بڑی نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ہم نے، اسی مقصد کے لئے تمہیں ان لوگوں کی طرف بھیجا ہے تاکہ تو ان کے اعمال کی نگرانی کرے، اور دیکھے کہ یہ کونسی روش اختیار کرتے ہیں۔

۱۶ فرعون نے موسیٰؑ کے پیش کردہ قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتی تو ہمارے قانونِ مکافات نے اسے ایسی سختی سے پکڑا کہ وہ اس کی گرفت سے نکل نہ سکا۔

فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ
(۱) (۱۶) (۱۱)
بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ
تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ
لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ
فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ

---

۱۷ ان سے کہو کہ (جب فرعون جیسا صاحب قوت وجبروت مستبد حکمران) ہماری گرفت سے نہ بچ سکا، تو تم ہمارے قوانین سے انکار اور سرکشی برت کر کیسے بچ جاؤ گے؟ تم پر وہ تباہی آئے گی جس کی شدت اور سختی، بچوں کو بوڑھا کر دیا کرتی ہے۔ (نام قانون کی رُو سے بچپن مائل بہ عروج ہو کر شباب تک پہنچتا ہے اور پھر زوال شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس انقلاب کی رُو سے، غلط نظام فوراً مائل بہ زوال ہو جائے گا۔ یہ جوان ہونے ہی نہیں پائے گا کہ اس پر بڑھاپا چھا جائے گا)۔

۱۸ ایسی سختی، جس سے آسمان پھٹ پڑے۔ یہ تباہی اٹل ہے، واقع ہو کر رہے گی۔

۱۹ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں ایک تاریخی حقیقت اور واضح بیان ہے جو عبرت و موعظت کے ہزار سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ جس کا جی چاہے اس سے عبرت حاصل کرے، خدا کے نظام ربوبیت کے طرف جانے والا راستہ اختیار کر لے۔

۲۰ (جہاں سے بات چلی تھی، ہم تیری توجہ پھر اسی نکتہ کی طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ) تیرا نشو و نما دینے والا جانتا ہے کہ تو کبھی دو تہائی رات گئے تک اس پروگرام میں مشغول رہتا ہے۔ کبھی آدھی رات تک۔ اور کبھی ایک تہائی شب تک۔ اور تیرے رفقاء کی ایک جماعت بھی تیرے ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن اللہ نے رات اور دن کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں۔ رات کے وقت آرام کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ (۱۱ — ۹۰) ۔ وہ جانتا ہے کہ (تمہاری بیتابی تمنا اور دفور شوق کا تقاضا ہے کہ یہ پروگرام جلد سے جلد تکمیل تک پہنچ جائے، اس لئے تم اپنی نیند اور آرام کا قطعاً خیال نہیں کرتے۔ لیکن) تم لوگ اس روش کو زیادہ دیر تک نباہ نہیں سکو گے، اس لئے وہ اس قدر ناقابل برداشت محنت اور مشقت کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہنگامی حالات کی بات اور ہے۔ ان میں زیادہ وقت

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ
خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰

بھی دیا جا سکتا ہے لیکن عام حالات میں حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔ خدا تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے' لہذا تم قرآنی تعلیم کے جتنے حصّے کی اپنی جماعت کے قلب کی زمین میں بآسانی تخم ریزی کر کے' اسے قابلِ نشوونما بنا سکو' اتنے ہی پر اکتفا کرو۔ وہ جانتا ہے کہ تم میں سے بعض کی صحت کمزور ہے اس لئے وہ اس طرح جلدی بیمار پڑ جائیں گے۔ بعض ایسے بھی ہیں جنہیں تلاشِ معاش کی خاطر' دوسرے مقامات کی طرف سفر کرنا پڑتا ہے۔ اور انہی میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں اس نظام کی حفاظت کے لئے میدانِ جنگ میں بھی جانا ہوگا جس کے لئے عمدہ صحت اور تنومندی نہایت ضروری ہے۔ اس لئے تم قرآن کے اتنے ہی حصہ کو اسطرح دل نشین کراؤ جتنا آسانی سے ہو سکے۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ نظامِ صلوٰۃ کو قائم کرتے جاؤ اور نوعِ انسانی کی نشوونما کا انتظام کرو۔ اور ان مقاصد کے حصول کے لئے' اپنی دولت اِس نظام کو بطور قرض دے دو' جو تمہیں کئی گنا ہو کر واپس مل جائے گا۔ مختصراً یوں سمجھو کہ (اس پروگرام کے ابتدائی دور میں) جو اچھا کام بھی تم کرو گے اسے ہم تمہارے کھاتے میں جمع کرتے جائیں گے۔ آخر الامر وہ سب کا سب تمہیں واپس مل جائے گا' اور اس کا اجر عظیم الگ ہوگا۔ (یہ نظام تمہاری پائی پائی واپس دے دیگا۔ اور تمہاری ذات کی نشوونما اس پر مستزاد ہوگی)۔ یہ ہے وہ طریق جس سے تم' اپنے خدا سے' ان مخالفین کی طرف سے پیدا کردہ خطرات سے حفاظت کا سامان طلب کرتے رہو۔ وہ تمہیں اِن خطرات سے محفوظ بھی رکھے گا' اور تمہاری نشوونما کے فراواں اسباب بھی عطا فرمائے گا۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝٦

۱ اے وہ کہ جس کے ذمے عالمِ انسانیت کو سنوار کر ایک جہانِ نو کو وجود میں لانے اور اس طرح حق کے نظام کو ہر نظامِ باطل پر غالب کرنے کا انقلابی پروگرام ہے۔

۲ اُٹھ! اور خود فراموش انسانوں کو ان کی غلط روشِ زندگی کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر۔

۳ اور خدا کے نظامِ ربوبیت کو اس طرح متمکن کر دے کہ کبریائی صرف اسی کے لئے ہو۔ (اس سے خود تمہیں بھی دنیا میں بڑائی حاصل ہو جائے گی۔ ۱۵۲/۲)۔

۴ اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی سیرت و کردار (شخصیت) کو نہایت پاکیزہ بنایا جائے اور اس دعوت و تحریک کو ہر قسم کے ناپسندیدہ عناصر سے پاک و صاف رکھا جائے۔ (اس لئے کہ یہ کوئی ایسا میکانکی نظام نہیں کہ جس نے چاہا اسے چلا لیا۔ اس کے لئے خود اس دعوت کا صاف اور شفاف رہنا، اور اس میں شامل ہونے والوں کے قلب و نگاہ کا پاکیزہ ہونا بنیادی شرط ہے)۔

۵ اس قسم کے رفقاء کو اپنے ساتھ لے (۴۳/۱) اور ان کی ایسی تربیت کر کہ ان کی سیرت میں پختگی پیدا ہو جائے، جس سے وہ اس بارِ عظیم کو آسانی سے اُٹھا سکیں، اور ان کے پائے استقلال میں کہیں لغزش نہ آنے پائے۔ وہ اس بوجھ کو لے کر اٹھیں تو ان کی ٹانگیں لڑکھڑا نہ جائیں۔

۶ اپنے رفقاء کو یہ بھی سمجھا دے کہ اس نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ تم اپنی محنت کے

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝٧ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝٨ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝٩ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝١٠ ذَرْنِي وَمَنْ
خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝١١ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ۝١٢ وَبَنِينَ شُهُودًا ۝١٣ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ۝١٤ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ

ما حصل کو دوسروں کی نشوونما کے لئے کھلا رکھو اور ضرورت مندوں کی امداد کرو تو اس نیت سے نہیں کہ یہ ان پر احسان ہے جس کے بدلے میں وہ تمہیں اس سے زیادہ لوٹا کر دیں گے۔ (۳۰/۳۹)۔

۷ یہ ہے وہ نظام ربوبیت جس کے قیام اور استحکام کے لئے تمہیں نہایت ثبات و استقامت سے سرگرم عمل رہنا اور اس سکون و طمانیت سے آمادہ بمنزل ہونا ہے کہ تمہاری کشتی کہیں ڈگمگائے نہیں۔

۸ (انہیں یہ بھی بتا دو کہ یہ دعوت، پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں بھری راہ ہے۔ ہر طرف سے اس کی مخالفت ہوگی ——— اور سخت مخالفت) حتیٰ کہ اس میں ایسا وقت بھی آئے گا جب دشمن ہر طرف سے تمہیں دھونگیں ماریں گے۔ لڑائی کا بگل بجے گا اور تمہیں میدان جنگ میں آنا پڑے گا۔

۹-۱۰ اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بھی بتا دو کہ اگرچہ اس تصادم میں سخت مشکلات کا سامنا ہوگا لیکن تمہارے لئے آخر الامر تمام مشکلات آسان ہو جائیں گی اور سختی تمہارے مخالفین ہی کے لئے ہوگی۔ تم کامیاب ہو گے اور انہیں شکست ہوگی۔

۱۱ (اس دوران میں تمہارے مخالفین کی پوری پوری کوشش یہ ہوگی کہ وہ تمہیں ادھر اُدھر کی باتوں میں الجھائے رکھیں اور اس طرح تمہیں اپنے تعمیری پروگرام میں آگے نہ بڑھنے دیں۔ لیکن تم ان سے اُلجھے بغیر اپنی راہ چلتے جانا) ان سے ہمارا قانون مکافات خود نپٹ لے گا۔ ان مفاد پرست، مخالفین کا سرغنہ وہ ہے جسے ہم نے بے سروسامان تنہا پیدا کیا تھا یعنی یہ پیدائش ہی سے اپنے ساتھ وہ دولت اور قوت نہیں لایا تھا جس کے بل بوتے پر اس قدر سرکشی برت رہا ہے۔

۱۲ پھر ہم نے اسے بڑی کثرت سے مال و دولت عطا کیا۔ (۷۴/۱۱)۔

۱۳ اور وہ بیٹے دیئے جو اب ہماری مخالفت میں اپنا سارا زور لگا رہے ہیں۔ (ان امیرزادوں کی حالت یہ ہے کہ یہ کام کاج کے لئے کہیں باہر نہیں جاتے۔ ہر وقت گھر میں بیکار بیٹھے اس قسم کی سازشیں کرتے رہتے ہیں)۔

۱۴ غرضیکہ ہم نے اسکے لئے زندگی کے راستے ہموار کر دیئے۔ اسے ہر طرح کا سامان آسائش عطا کیا۔

۱۵ لیکن اس پر بھی اس کی ہوس پوری نہ ہوئی۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اسے اور زیادہ قوت

أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ
قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا
إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾

اور دولت دیتے جائیں (اور وہ ان کے بل بوتے پر حق کی مخالفت میں آگے ہی آگے بڑھتا جائے)۔

۱۶ لیکن اب ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے کہ یہ ہمارے قوانین سے سرکشی برت رہا ہے۔

۱۷ (اب اُس انقلاب کا زمانہ آرہا ہے جس میں) اسے سخت مشکلات کا سامنا کرنا اور مصائب کی گھاٹی چڑھنا ہوگا۔

۱۸ (جب یہ تمہارے پاس آیا تو تم نے اسے اس کا نفع نقصان اچھی طرح سمجھا دیا۔ اسے بتا دیا کہ اس کی غلط روش کا نتیجہ کس قدر تباہ کن ہوگا۔ اور قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے کس قدر خوشگواریاں حاصل ہوں گی۔ چنانچہ) اس نے اس پر غور کیا۔ دونوں راستوں کا باہمی مقابلہ کیا اور پھر اس بات کا اندازہ لگایا کہ کون سی راہ اس کے لئے فائدہ مند ہے۔

۱۹ ۲۰ لیکن یہ غارت ہو! اس نے اپنے لئے کس قدر غلط اندازہ لگایا؟ ایسا غلط اندازہ جس سے تباہیوں اور بربادیوں کے سوا کچھ حاصل نہ ہو۔

۲۱ اس نے بار بار اس دعوت پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔

۲۲ (اس کے سینے کی کشمکش کے آثار اس کے چہرے پر نمودار ہو گئے)۔ اس نے تیوری چڑھائی منہ بسورا۔

۲۳ اور نہایت سرکشی اور تکبر کے ساتھ منہ موڑ کر یہ کہتا ہوا چل دیا کہ

۲۴ یہ غلط ہے (کہ یہ آسمانی وحی اور خدائی فیصلے ہیں)۔ یہ پرانے زمانے کی دقیانوسی باتیں ہیں۔ یہ وہی جھوٹ ہے جو صدیوں سے اسی طرح متواتر چلا آرہا ہے۔

۲۵ یہ سب باتیں اس شخص کی اپنی وضع کردہ ہیں (جنہیں یہ خدا کی وحی کہہ کر پیش کرتا ہے)۔

۲۶ (مفاد پرست گروہ کا یہ سرغنہ یہ کچھ کہہ کر چلا گیا۔ اور اس کے پیچھے خدا کے قانونِ مکافات نے پکار کر کہا کہ تم دیکھو گے کہ) عنقریب اس کی دولت و حشمت کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ اسے جھلسا دینے والی آگ میں جھونک دیا جائے گا جو اس کی ساری سختی کو پگھلا کر رکھ دے گی۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا
مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا ۙ وَّلَا يَرْتَابَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ
كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

۲۷ تم جانتے ہو کہ وہ جُلسا اور پگھلا دینے والی آگ کیا ہوتی ہے اور کیا کر دیا کرتی ہے؟

۲۸ وہ راکھ کا ڈھیر بنا دیا کرتی ہے۔ وہ کسی چیز کو نہیں چھوڑتی۔ اور جس تک پہنچ جائے اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہنے دیا کرتی۔ وہ نام و نشان تک مٹا دیا کرتی ہے۔

۲۹ وہ اس طرح حلیہ بگاڑ دیتی ہے کہ اس کے بعد انسان پہچانا تک نہیں جاتا۔ (وہ ساری بساط الٹ کر نقشہ بدل دیا کرتی ہے)۔

۳۰ اور یہ ایک ہی تباہی نہیں جسے بیان کیا گیا ہے۔ اس قسم کی بیسیوں تباہیاں ہیں (ایک یہ، اور انہیں اس پر قیاس)۔

۳۱ یہ تباہیاں ہماری متعین کردہ قوتیں ہی لاتی ہیں۔ اب رہا ان کی تعداد کا معاملہ تو ایسا محض تمثیلاً کہا گیا ہے۔ جو لوگ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اس تمثیلی بیان کو حقیقت پر محمول کر کے اس پر اعتراضات کریں گے اور طرح طرح کی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جائیں گے۔ لیکن جن لوگوں کو قرآن کا پختہ اور گہرا علم حاصل ہے، وہ سمجھ لیں گے کہ اس قسم کے تمثیلی بیانات سے خدا کا مقصود کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا انہیں اس سے یقین حاصل ہوگا (۳/۴) حتیٰ کہ جماعت مومنین کے وہ افراد جن کی علمی سطح ایسی بلند نہیں، اس سے ان کا بھی ایمان بڑھ جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے تمثیلی بیانات سے قرآن کا پختہ علم رکھنے والوں، یا عام مومنین کے دل میں کبھی شک اور اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جو لوگ نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں، یا قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا کھلے بندوں انکار کرتے ہیں، وہ جھٹ سے اعتراض کر دیتے ہیں کہ اس قسم کی مثالوں سے بالآخر خدا کا مقصود کیا ہے؟ (۲/۳۶)

اس طرح، جو شخص اپنے اندر کج نگہی پیدا کر لیتا ہے، اور خدا کے قانون

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَن شَاءَ
مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾

مکافات کے مطابق اپنے اعمال کی وجہ سے غلط راستے پر چل نکلتا ہے۔ اس کے سامنے صحیح راستہ آ نہیں سکتا۔ اور جو چاہتا ہے کہ وہ صحیح راستے پر چلے اس کی راہ نمائی صحیح راستے کی طرف ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں کس کس قسم کی قوتیں کارفرما ہیں اور خدا کے لشکر کس کس انداز سے اس کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں اس کا پورا پورا علم خدا ہی کو ہے۔ ان امور کا تمثیلی بیان اس لئے کر دیا جاتا ہے کہ انسان غور و تدبر سے کام لے اور قوانینِ خداوندی کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دے۔

۳۲ (یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ خدا کا قانونِ مکافات کوئی شے نہیں۔ اور جس انقلاب سے انہیں متنبہ کیا جاتا ہے وہ محض دھمکی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ وہ انقلاب ایک حقیقت ہے
۳۳ جو واقع ہو کر رہے گا۔ ان سے کہو کہ یہ ذرا کارگہ کائنات کے نظم و نسق پر اور جس قانونِ خداوندی
۳۴ کے ماتحت مظاہرِ فطرت مصروفِ نقل و حرکت ہیں اس پر غور کریں اور پھر سوچیں کہ جس خدا
۳۵ کی لامحدود قوت یہ کچھ کر رہی ہے اس کے لئے اس قسم کا انقلاب لانا کیا مشکل ہے؟) چاند کا اپنے وقت پر نمودار ہونا اور پھر مختلف منازل سے گزرنا رات کی تاریکی کا صبح کی سپیدی میں تبدیل ہونا اور پھر روز روشن کا سامنے آجانا ـــــ یہ تمام تغیرات خدا کے قانونِ قدرت کی زندہ شہادات ہیں۔ اس کے اسی قانونِ قدرت کے مطابق یہ انقلاب آئے گا جو تاریخ انسانی کے عظیم واقعات میں سے ہے۔ (یہ چاند کی طرح بتدریج بڑھے گا۔ اس کی ضوفشانیوں سے باطل کی تاریکیاں چھٹ جائیں گی اور حق کی سحر درخشندہ نمودار ہو جائے گی)۔

۳۶ ہم انہیں مطلع کئے دیتے ہیں کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ ہر شخص کو اس سے آگاہ رہنا چاہیئے۔

۳۷ یہاں ہر فیصلہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق ہوتا ہے۔ قوموں کی موت و
۳۸ حیات، افراد کا آگے بڑھنا اور پیچھے رہ جانا سب اُن کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ سو جس کا جی چاہے آگے بڑھ جائے اور جس کا جی چاہے پیچھے رہ جائے۔ (اس تمام رشد و ہدایت اور کشمکش حق و باطل سے مقصود یہ ہے کہ جو شخص چاہے اپنی کوشش سے زندگی کے ارتقائی منازل میں آگے بڑھ جائے جو پیچھے رہنا چاہے پیچھے رہ جائے)۔ یاد رکھو! ہر شخص اپنے ہی

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۙ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ
مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾
حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ
مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾

اعمال کے شکنجے میں جکڑا ہوتا ہے اور انہی کی وجہ سے اس پر مصیبتیں آتی ہیں۔ اسی طرح، یہ غلط کار لوگ بھی مصیبتوں میں گرفتار ہوں گے۔

۳۹ لیکن اصحابِ یمین و سعادت مصیبتوں میں گرفتار نہیں ہوں گے۔ وہ اپنے اعمالِ صالح کے بدلے جنت کی خوشگواریوں میں رہیں گے۔

۴۰-۴۲ وہ ان مجرمین سے، جو تباہیوں کے عذاب میں مبتلا ہوں گے، پوچھیں گے کہ کونسی چیز تمہیں اس جہنم میں کھینچ لائی ہے۔ وہ تمہارے کون سے جرائم تھے جن کی یہ سزا ہے۔

۴۳ وہ کہیں گے کہ ہمارا جرم یہ تھا کہ ہم ان لوگوں میں شامل نہ ہوئے جنہوں نے نظام صلوٰۃ قائم کیا۔

۴۴ اور ہم ان لوگوں کے رزق کا سامان نہیں کرتے تھے جو کمائی کرنے کے قابل نہیں رہتے تھے۔

۴۵ (اس کے برعکس) ہم ان لوگوں میں شامل تھے جو باتیں بڑی بڑی بناتے تھے لیکن عملاً کچھ نہیں کرتے تھے)۔

۴۶ اور یوں ہم خدا کے قانونِ مکافات کی تکذیب کرتے تھے اور اس بات کو جھٹلاتے تھے کہ ایک دن ہمارے اعمال کے نتائج تباہی بن کر ہمارے سامنے آئیں گے۔

۴۷ ہم اسی روش پر قائم رہے تا آنکہ یہ تباہی حقیقت بن کر ہمارے سامنے آگئی۔

۴۸ اس وقت (نہ خود اُن کی کوئی پیش جائے گی۔ اور) نہ ہی ان کے حمایتیوں کی حمایت ان کے کسی کام آئے گی۔

۴۹ معلوم نہیں کہ جب یہ تمام حقائق اس طرح واضح طور پر ان کے سامنے پیش کر دیئے جاتے ہیں تو پھر انہیں کیا ہو جاتا ہے کہ یہ اس سے یوں روگردانی کرتے ہیں؟

۵۰-۵۱ روگردانی ہی نہیں کرتے بلکہ اس طرح خوف زدہ ہو کر بھاگتے ہیں جس طرح بدکے

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ
تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهُ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ
الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

ہوئے گدھے شیر کو دیکھ کر بھاگ اٹھتے ہیں۔ (کہ وہ کہیں انہیں کھا نہ جائے)۔

۵۲ (بات یہ نہیں کہ یہ حقائق ان کی سمجھ میں نہیں آتے۔ سمجھ میں تو آجاتے ہیں لیکن ان کی انفرادی مفاد پرستیاں انہیں اس طرف آنے سے روکتی ہیں۔ نظامِ خداوندی اجتماعی زندگی چاہتا ہے جس میں تمام افراد کے مفاد مشترک ہوں۔ لیکن) ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی مفاد پرستی کا کاروباری پروگرام الگ الگ پھیلا ہوا ہو۔ ان کی خواہش یہ ہے کہ معاشرہ کسی اجتماعی نظم و نسق کے ماتحت نہ چلے، بلکہ جس کا جی چاہے اپنی من مانی کرتا جائے، اور اجتماعی مفادات انسانیت کے بجائے ہر شخص اپنے اپنے انفرادی مفاد کے پیچھے لگا رہے[1]۔

۵۳ یہ اس لئے کہ ان کی نگاہ صرف مفاد عاجلہ پر ہے۔ یہ نہ مستقبل کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کی تباہیوں سے خوف کھاتے ہیں۔

۵۴ (لیکن اب ایسا نہیں ہو سکے گا) یہ قرآن ایک کھلی ہوئی نصیحت اور تاریخی حقیقت ہے۔

۵۵ سو جس کا جی چاہے اسے اپنے سامنے رکھ کر اس کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۵۶ لیکن اسے اپنے سامنے وہی لوگ رکھ سکتے ہیں جو اپنے مقاصد اور ارادوں کو قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ کر لیں۔ یعنی جو اسی چیز کو اپنا مطلوب و مقصود قرار دیں جو خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہو۔ یہی لوگ ہیں جو قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرتے ہیں، اور یہی ہیں جو تباہیوں اور بربادیوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ (۷۶/۳۰ : ۸۱/۲۹)۔

---

[1] نظامِ سرمایہ داری کی بنیاد ہی (INDIVIDUAL ENTERPRISE) اور (LAISSEZ – FAIRE) پر ہوتی ہے۔ یعنی اس میں افراد کو کھلی چھٹی ہوتی ہے کہ وہ جس طرح چاہیں اور جس قدر چاہیں دولت سمیٹتے جائیں، اجتماعی نظام حکومت ان کے کاروبار میں دخل انداز نہیں ہوگا۔ آیاتِ بالا میں اسی نظام کی طرف اشارہ ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳

۱ ان سے کہو کہ نہیں' بات یوں نہیں جیسے تم خیال کئے بیٹھے ہو (کہ ہم جس طرح جی میں آئے کریں ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں)۔ میں دورِ قیامت کو شہادت میں پیش کرتا ہوں (جب اعمال کے ظہور نتائج کا وقت آئے گا)۔

۲ اور اس شخص کو اس پر شاہد ٹھہراتا ہوں جو اپنی غلطی کے احساس سے نادم ہو۔ (۱۲/۵۳) — کہ خدا کا قانون مکافات ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ برآمد کرتا ہے' خواہ وہ اس دنیا میں اس کے سامنے آجائے' خواہ مرنے کے بعد۔

۳ کیا انسان اپنے دل میں یہ خیال کئے بیٹھا ہے کہ جب وہ مر مرا کر ختم ہو جائے گا تو دوبارہ زندہ نہیں ہوگا؟ (۳۶/۷۸ ؛ ۳۷/۱۶)۔ (اور اس طرح وہ اپنے غلط اعمال کی باز پرس سے بچ جائیگا)۔

لہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ انسان کے اندر ایک قوت ہے جو حق اور باطل کی تمیز کر دیتی ہے (اسے ضمیر کی آواز کہتے ہیں) یہ غلط ہے۔ انسان کے اندر کوئی ایسی قوت نہیں جو مطلق حق اور باطل میں از خود تمیز کر دے۔ مطلق حق اور باطل کی تمیز وحیٔ خداوندی کی رُو سے ہوتی ہے۔ جب کسی شخص سے کسی ایسے فعل کا ارتکاب ہو جائے جو اُس بات کے خلاف ہو جسے وہ حق سمجھتا ہے تو اس سے اسے احساس ندامت ہوتا ہے۔ اسے آپ ضمیر کی آواز کہہ سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جسے وہ حق سمجھتا ہے وہ فی الواقعہ حق ہو اور جسے باطل سمجھتا ہے' فی الواقعہ باطل۔ (نیز دیکھئے ۱۲/۵۳)

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝۴ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷

کیا وہ سمجھتا ہے کہ جس بنیاد پر زندگی کی عمارت استوار ہوتی ہے' وہ موت سے منتشر ہو جاتی ہے اور پھر مجتمع نہیں ہو سکتی۔ یہ اس کا خیال خام ہے۔

۴ ہمارے لئے ایسا کرنا کیا دشوار ہے؟ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کے ان تمام قویٰ کو درست اور مکمل کر دیں جن سے اس کی زندگی قیام پذیر ہوتی ہے' اور اسے دوسری چیزوں کے تصرّف پر گرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

۵ اصل یہ ہے کہ انسان حیاتِ اُخروی سے اس لئے انکار نہیں کرتا کہ وہ اسے ناممکن سمجھتا ہے۔ حیاتِ اُخروی پر یقین کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنا ایک ایک قدم احتیاط سے اٹھائے۔ اپنی ذمّہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے کوئی غلط کام نہ کرے لیکن انسان ذمّہ داری کا بوجھ اٹھانے سے جی چراتا ہے۔ وہ چاہتا یہ ہے کہ جس طرح اس کی سابقہ زندگی (یعنی جتنی زندگی وہ گزار چکا ہے) غیر ذمہ دارانہ گزری ہے' اسی طرح باقی زندگی بھی بے راہ روی میں گزر جائے۔ اپنے غلط اعمال کے نتائج سے فرار کی خواہش لاشعوری طور پر حیاتِ اُخروی کے تصور اور امکان کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔

۶ اسی لئے جب اس سے قیامت کے متعلق کہا جاتا ہے تو اس کے دل میں جھٹ اعتراضات اُبھرنے لگتے ہیں' اور وہ پوچھتا ہے کہ یہ بتاؤ کہ قیامت کب آئے گی؟

(یہ کس قدر خود فریبی ہے؟ کیا انسان اپنے اعمال کے نتائج سے اس لئے بچ جائیگا کہ وہ خدا کے قانونِ مکافات پر ایمان نہیں رکھتا؟ وہ ایمان رکھے یا نہ رکھے' وہ قانون اپنا کام کرتا جائے گا۔ مرنے کے بعد زندگی ہوگی اور اس کے اعمال کے نتائج اسکے سامنے آکر رہیں گے' خواہ یہ اس حقیقت سے کتنا ہی انکار کیوں نہ کرے)۔

۷ (باقی رہا یہ کہ قیامت کب آئے گی' تو اس کا علم تو صرف خدا ہی کو ہے۔ لیکن جب وہ آئے گی تو حالت یہ ہوگی کہ مارے حیرت کے آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔

(یاد رہے کہ ایک قیامت اس دنیا میں بھی سامنے آجاتی ہے جب اعمال کے نتائج کا ظہور یہاں ہوتا ہے۔ اور ایک قیامت مرنے کے بعد واقع ہوتی ہے جس میں وہاں ظہورِ نتائج ہوتا ہے۔ یہاں کی قیامت بالعموم قوموں (یا مختلف نظامہائے حیات) کے باہمی تصادم کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ جب یہ تصادم یہاں ہوگا تو ان مخالفین کی نگاہیں خیرہ ہو جائینگی۔ اور)

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ
يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَلَوْ أَلْقَىٰ
مَعَاذِيرَهُ ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿۱۶﴾

۸ چاند تاریک ہو جائے گا۔ (جاہلیت عرب کا اقتدار ختم ہو جائے گا)۔
۹ چاند اور سورج اکٹھے ہو جائیں گے۔ (عرب اور ایران کی قوتیں مل کر ایک ہو جائیں گی)[1]۔
۱۰ (ظہور نتائج کے وقت خواہ وہ اس دنیا میں ہو یا آخرت میں) انسان انتہائی پریشانی کے عالم میں کہے گا کہ اب میں کدھر بھاگوں اور کہاں پناہ لوں؟
۱۱ اُس وقت کوئی ایسی جگہ نہیں ہو گی جہاں بھاگ کر پناہ لی جا سکے۔
۱۲ اُس وقت انسان کا ٹھکانہ صرف عدالتِ خداوندی ہو گا۔ اس کے کٹہرے سے بھاگ کر انسان کہیں نہیں جا سکے گا۔
۱۳ اُس دن انسان کے اگلے پچھلے تمام اعمال کے نتائج اس کے سامنے آجائیں گے۔
۱۴ اس کے لئے نہ کسی خارجی گواہ کی حاجت ہو گی، نہ بیرونی ثبوت کی ضرورت۔ انسان اپنے خلاف خود آپ دلیل ہو گا۔ (اس کی ذات، جس پر اس کے ہر عمل کا اثر منقوش ہوتا چلا جاتا ہے، اس کا اعمال نامہ ہو گی)۔
۱۵ اِس وقت تو اس کی عقل بہانہ ساز، اس کے غلط اعمال کے جواز میں ہزار دلائل پیش کر دیتی، اور اس طرح حقیقت پر پردے ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ لیکن اُس وقت اُس کے تمام اعمال بے نقاب ہو کر سامنے آجائیں گے اور کسی قسم کا کوئی بہانہ کام نہ دے گا۔
۱۶ اس قسم کی بہانہ سازی کرنے والے سے کہہ دیا جائے گا کہ قینچی کی طرح زبان چلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اِس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ تو چاہتا ہے کہ اس تیز کلامی سے معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ معاملہ اس طرح ختم نہیں ہو جائیگا۔

---

[1] جاہلیت عرب کے جھنڈے کا نشان قمر تھا اور ایرانی سلطنت کے جھنڈے کا نشان شمس۔ ان آیات میں اگر اس دنیا کی قیامتِ صغریٰ کی طرف اشارہ ہے تو اس سے مراد وہ انقلاب ہے جو ظہورِ اسلام سے عرب جاہلیت اور ایران کی سیاسی زندگی میں آنے والا تھا۔

[2] آیات ۱۹-۱۶ کو اگر سابقہ آیات کے ساتھ مسلسل لیا جائے تو مفہوم وہی ہو گا جو اوپر درج کیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ آیت ۱۷ سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے تو ان آیات کا مفہوم حسب ذیل ہو گا۔ (بقیہ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ
الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ أَن يُفْعَلَ بِهَا
فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾

۱۷ یہ کام خود ہم نے اپنے ذمے لے رکھا ہے کہ انسان کے اگلے پچھلے تمام اعمال کو اکٹھا کیا جائے اور پھر انہیں نہایت حفاظت سے رکھا جائے۔

۱۸ سو (اے انسان) جب ہم نے تیرے اعمال کو اسطرح جمع ثبت کر رکھا ہے تو تجھے اس طرح جمع شدہ کے پیچھے پیچھے چلتا ہوگا۔ یعنی جس طرف تمہارے اعمال کے نتائج لے جائیں تمہیں اُسی طرف جانا ہوگا۔

۱۹ اس طرح ہم تمہارے اعمال کے نتائج کو ظاہر کر کے تمہارے سامنے لے آئیں گے۔

۲۰ تم جو حیاتِ اُخروی سے اس طرح بدکتے ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم صرف مفادِ عاجلہ پر نگاہ رکھتے ہو۔ تم اسی دنیا کی طبیعی یا حیوانی زندگی کے مفاد حاصل کرنے کو مقصودِ حیات قرار دیئے ہوتے ہو۔

۲۱ اور مستقبل کی زندگی کا تمہیں کوئی خیال نہیں۔

۲۲ حالانکہ مستقبل کی خوشگواریاں' مفادِ عاجلہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ شگفتہ و شاداب ہیں۔ جن لوگوں کو وہ حاصل ہوں گی ان کے چہرے ہشاش بشاش اور تر و تازہ ہوں گے۔

۲۳ اور وہ اپنے نشو و نما دینے والے کی فیض گستری اور کرم فرمائی کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔

۲۴ ان کے برعکس جن لوگوں کو یہ کچھ میسر نہ ہوگا ان کے چہرے افسردہ اور پژمردہ ہوں گے۔

۲۵ اس لئے کہ انہیں یہ دھڑکا لگا ہوگا کہ اب وہ مصیبت آنے والی ہے جو ان کی کمر توڑ کر رکھ دیگی۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ فٹ نوٹ)

"اے رسولؐ! تم کسی معاملہ کے متعلق عملی قدم اٹھانے میں عجلت سے کام نہ لو۔ اس وقت تک انتظار کرو جب تک اس معاملہ کے متعلق پورا پورا پروگرام بذریعہ وحی نہ دے دیا جائے (۲۰/۱۱۴)۔ اگرچہ یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہو رہا ہے لیکن تمہیں اس کے متعلق فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا جمع کرنا اور بحفاظت رکھنا ہمارے ذمے ہے۔ تمہارے ذمے اس کے احکام و قوانین کا اتباع کرنا ہے۔ اتباع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مطالب نہایت وضاحت سے سامنے آجائیں۔ اس کا ذمہ بھی ہم نے خود ہی لے رکھا ہے۔ ہم ایک مضمون کو مختلف آیات میں بار بار لاتے ہیں اور اس طرح پوری پوری وضاحت کر دیتے ہیں۔ یہ ہے قرآن کے سمجھنے کا طریقہ۔"

كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ
يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ﴿٣١﴾ وَلَٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ﴿٣٣﴾ أَوْلَىٰ لَكَ
فَأَوْلَىٰ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٥﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾

۲۶ (لہٰذا انہیں مستقبل کی زندگی کے متعلق ہرگز شک و شبہ نہیں کرنا چاہیئے)۔ حقیقت یہ ہے کہ جس وقت انسان سکراتِ موت کی ہچکیاں لیتا ہے اور سانس گلے میں اٹک جاتی ہے۔

۲۷ اور ہر کہنے والا یہی کہتا ہے کہ اس وقت جو کچھ بھی بن پڑے کر لینا چاہیئے۔ (اگر دوا دارو سے فائدہ نہیں ہوتا تو) کسی جھاڑ پھونک والے کو بلا لو شاید وہی اس کی جان بچا لے۔

۲۸ اس سے مرنے والا سمجھ لیتا ہے کہ اب اُس کا آخری وقت آپہنچا ہے۔

۲۹ اُس وقت اس کی اور اس کے پسماندگان کی سختیاں اور مصیبتیں تو بر تو جمع ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ (ایک پر دوسری مصیبت چلی آتی ہے)۔

۳۰ اُس وقت انسان کو ہر طرف سے ہٹا سمٹا کر عدالتِ خداوندی کی طرف ہانک کر لایا جاتا ہے۔

۳۱ (ان حقائق کی روشنی میں تم اس شخص سے کہو) جو ہمارے قانونِ مکافات کی تصدیق نہیں کرتا اور سیدھے راستے پر نہیں چلتا۔

۳۲ بلکہ اُس کی تکذیب کرتا ہے اور اس سے گریز کی راہیں نکالتا ہے۔

۳۳ اور اپنی اس روش پر اتراتا ہوا اپنے رفقاء کی طرف جاتا ہے۔

۳۴ کہ اے بدنصیب! تیرے لئے کس قدر بہتر تھا کہ تو قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتا۔

۳۵ اے کاش! یہ بات تیری سمجھ میں آجاتی کہ وہ روش تیرے حق میں کس قدر مفید تھی۔

۳۶ انسان کی سب سے بڑی بھول یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ نہ انسانی زندگی کا کوئی مقصد ہے نہ اس کے سفر کی کوئی متعین منزل نہ مقررہ راستہ ہے نہ اس راستے پر چلنے کے قواعد و ضوابط۔ اسے شترِ بے مہار کی طرح چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جس طرح جی میں آئے کرے اور جس طرف جی چاہے منہ اٹھا کر چل دے۔ اس تصورِ حیات کا نتیجہ ہے کہ وہ طبیعی زندگی کی مفاد پرستیوں کا تانا تنتا رہتا ہے اور اس میں انسانی ذات کی نشوونما کا بانا نہیں ڈالتا۔ اس طرح اس کی ساری زندگی بلا مقصد دوڑ دھوپ میں ضائع ہو جاتی ہے۔ (حالانکہ زندگی مفادِ عاجلہ کے تانے اور مستقبل کے بانے سے کپڑا بننے کا نام ہے۔ بایں کہ زندگی عبارت ہے دنیا کے تانے میں دین کا بانا ڈالنے

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

سے۔ اگر دین اور دنیا' روح اور مادہ' مستقل اقدار اور امورِ تمدن و سیاست کا اس طرح امتزاج نہ ہو تو انسانی زندگی کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ قرآنی تعلیم انہی کا امتزاج سکھاتی ہے اور یوں انسانی کوششوں کو نتیجہ خیز بنا دیتی ہے)۔

۳۷ اسے سوچنا چاہیئے کہ حیاتِ انسانی کتنے ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد انسانی پیکر تک پہنچی ہے۔ وہ ایک قطرۂ آب تھا جو رحم میں گرایا گیا۔

۳۸ پھر اس نے 'رحمِ مادر میں' ایک معلق شے کی سی شکل اختیار کی۔ پھر اس میں قسم قسم کے ترکیبی امتزاجات ہوئے۔ اور ازاں بعد اس میں ٹھیک ٹھیک تناسب پیدا ہوا۔

۳۹ اور اس میں جنسی تفریق سے مرد اور عورت کے جوڑے بنے۔

۴۰ کیا وہ خدا جو یہ کچھ کرتا ہے' اس پر قادر نہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کر سکے؟ (جب مرنے کے بعد کی زندگی کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر قانونِ مکافات اور وحی کے پروگرام پر ایمان لانا مشکل نہیں ہوتا۔ یہ اس تمام پروگرام کی بنیادی اینٹ ہے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ
فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③

① یہ حقیقت ہے کہ انسان (جو اس وقت پیکر بشریت میں موجود ہے) اس پر ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب یہ کوئی ایسی شے نہ تھا جو از خود موجود ہوتی۔ (پھر ہم اسے' مختلف مراحل سے گزارتے ہوئے' آہستہ آہستہ اس مقام تک لے آئے)۔

② ان مراحل میں ایک مرحلہ وہ تھا جب اسے نطفہ سے پیدا کیا جو (دیکھنے میں تو ذرا سا قطرۂ آب تھا' لیکن درحقیقت) گوناگوں مخلوط ممکنات کا مجموعہ تھا۔ ہم نے ایسا انتظام کیا کہ ان مضمر صلاحیتوں کی رفتہ رفتہ نمود ہوتی جائے۔ اس کے لئے' رحم مادر میں' اس کے مختلف پہلو بدلے گئے' تا آنکہ یہ صاحب بصیرت و سماعت انسان بن گیا۔

③ (اس کے اسی صاحب بصیرت و سماعت (سوچنے سمجھنے کے قابل) ہونے کا نتیجہ ہے کہ اسے دیگر کائنات کی طرح ایک خاص راستے پر چلنے کے لئے مجبور نہیں پیدا کیا گیا' بلکہ اسے زندگی کے مختلف راستوں میں سے کسی ایک کے منتخب کر لینے کا اختیار دیا گیا ہے)۔ اس کی سماعت و بصارت اس کا فیصلہ تو کر سکتی ہے کہ وہ کونسا راستہ اختیار کرے لیکن صحیح راستے کا تعین ان کے بس کی بات نہیں۔ یہ صرف وحی خداوندی کر سکتی ہے۔ چنانچہ خدا نے

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ
بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ
مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝

اسے 'وحی کے ذریعے' صحیح راستہ بتا دیا' اور پھر اسے آزاد چھوڑ دیا کہ یہ چاہے تو اس صحیح راستے کو اختیار کر لے' اور چاہے اس سے انکار کر کے اپنے لئے دوسرا راستہ منتخب کر لے۔ اسی سے یہ اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار پاتا ہے' اور مستوجب جزا و سزا۔

۴ غلط راستے میں اس کے لئے قدم قدم پر طوق و سلاسل اور تباہیاں اور بربادیاں ہیں۔ (اندھی تقلید کی زنجیریں اور غیر اللہ کی محکومیت کے طوق' جنہیں دور کرنے کے لئے یہ رسولؐ آیا ہے۔ ۷/۱۵۷)۔

۵ اس کے برعکس' صحیح راستے پر چلنے کا نتیجہ' وسعت اور کشادہ ہوگا۔ یہ خصوصیت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ انسان اپنے جلد مشتعل ہو جانے والے جذبات کو وحی کے تابع رکھ کر' ان میں برودت (ٹھنڈک) اور سکون پیدا کرے۔ (مومن کی زندگی حدت اور برودت کے معتدلانہ امتزاج کا نام ہے)۔

۶ یہ مشروب اس چشمے سے ملتا ہے جسے خدا کے بندے' خود اپنے دل کی گہرائیوں سے نکال کر لاتے ہیں' اور یہ ان کے اختیار میں ہوتا ہے کہ اس چشمے کی نالیوں کا رخ جدھر جی چاہے کر دیں (یعنی ان صلاحیتوں کو اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کریں)۔

۷ یہ لوگ' نوعِ انسانی کی عالمگیر ربوبیت کی ذمہ داری' برضا و رغبت اپنے سر پر لیتے ہیں' اور پھر اسے نہایت خندہ پیشانی سے پورا کرتے ہیں۔ انہیں ہر وقت اس کا احساس رہتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو معاشرہ ایسی شکل اختیار کر لے گا جس میں چاروں طرف شر پھیل جائے گا۔ (ہر طرف فساد ہی فساد رونما ہو جائے گا۔ ساری فضا اس سے متاثر ہو جائے گی۔ اس کی چنگاریاں اُڑ کر دور دور تک پہنچ جائیں گی)۔

۸ وہ اس عالمگیر فساد کو روکنے کے لئے' خدا کے نظام ربوبیت کو عام کر دیتے ہیں۔ یعنی ایسا انتظام کرتے ہیں کہ جو لوگ کام کاج کے قابل نہ رہیں' یا جو معاشرہ میں تنہا (بے یار و مددگار) رہ جائیں' یا جو کسی اور مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ انہیں سامانِ رزق بہم پہنچا رہے' حالانکہ انفرادی مفاد پرستی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان سب کچھ سمیٹ کر اپنے ہی لئے رکھ لے۔

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾ فَوَقَاهُمُ
اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١١﴾ وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿١٢﴾ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ
لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿١٤﴾

وہ ان جذبات کے علی الرغم دوسروں کی پرورش کی فکر کرتے ہیں۔

۹ وہ جن کے لئے یہ کچھ کرتے ہیں ان سے کہدیتے ہیں کہ تم یہ نہ سمجھو کہ ایسا کرنے سے ہم تمہارے سر پر احسان دھرتے ہیں۔ قطعاً نہیں۔ ہم اس کے بدلے میں تم سے کچھ نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ ہم شکریہ تک کے بھی متمنی نہیں۔ ہم اسے اپنا فریضہ سمجھتے ہیں بلکہ یوں سمجھو کہ اس میں خود ہمارا اپنا فائدہ ہے۔ اس سے ہماری ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس میں صفات خداوندی کی نمود ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور یہی انسانی زندگی کا مقصود ہے۔

۱۰ (اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) ہم یہ انتظام اس لئے کرتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ایسی فضا پیدا ہو جائے گی جس میں زندگی کی شادابیاں جھلس کر رہ جائینگی اور شجر حیات افسردہ و پژمردہ ہو جائے گا اور ہر طرف ایسی مصیبتیں اور پریشانیاں پھیل جائیں گی جن سے لوگوں کے ماتھے پر شکنیں پڑ جائیں۔ اطمینان و مسرت کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔

۱۱ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا کا قانونِ ربوبیت انہیں اس قسم کے دور کی ہلاکت سامانیوں سے بچا لیتا ہے اور مسرتیں اور بشاشتیں انہیں گلے لگا لیتی ہیں۔

۱۲ یہ جنتی فضائیں ان کے استقلال و استقامت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس میں وہ بڑی آسائش و توانائی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ شادابیوں کے باغات اور حرارت بخش و حریت افزا فضائیں۔

۱۳ اس میں وہ اقتدار و اختیار کی مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں نہ سخت گرمی ہوگی نہ سخت سردی۔ (ہمیشہ بہار کا موسم رہے گا)۔

۱۴ چاروں طرف سے گھنے درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور ان کی شاخیں پھلوں سے لدی ہوں گی۔ سامانِ زیست و راحت کی کوئی شے ان کی دسترس سے باہر نہیں ہوگی۔ اسے حاصل کرنے کے لئے انہیں جاں کاہ مشقتیں نہیں اٹھانی پڑینگی بلکہ وہ خود ان کی طرف جھک کر آجائیں گی۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَّأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ﴿١٥﴾ قَوَارِيرَا مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا
كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ
لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾

---

۱۵ چاندی کے برتنوں میں کھانے بلوریں آبخوروں میں مشروبات۔ یہ سب کچھ ان کے گرد گردش کریں گے۔

۱۶ خود چاندی کی چمک بلور جیسی ہوگی اور یہ سب برتن اور آبخورے ٹھیک ٹھیک اندازے اور پیمانے کے مطابق بنائے گئے ہوں گے۔

۱۷ وہاں انہیں ایسا کچھ پینے کو ملے گا جو زندگی بخش توانائیوں اور حرارتوں سے بھرپور ہوگا۔ اس سے وہ اس قابل ہوسکیں گے کہ زندگی کی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اوپر چڑھتے اور آگے بڑھتے جائیں۔ (۷۶/۳) (یعنی ایک طرف یہ کیفیت کہ جذبات میں ذرا سا اشتعال پیدا ہونے لگے تو وحیِ خداوندی کی پابندی ان میں ٹھنڈک پیدا کرکے مزاج کو اعتدال پر لے آئے (۷۶/۵) اور دوسری طرف یہ حالت کہ حرکت و عمل میں ذرا سی سستی آنے لگے تو بھرپور حرارت و توانائی مل جائے)۔

۱۸ یہ زندگی بخش مشروب ایک ایسے چشمے سے ملے گا جو اپنا راستہ دریافت کرتا ہوا پیچھے سے چلا آتا ہے اور اسی طرح آگے بہے چلا جائے گا (۷۶/۱۲)۔ (یعنی اس سے انسان علمی تحقیقات کے بعد زندگی کی نئی نئی راہیں تراشنے کے قابل ہوجائے گا اور اس طرح زندگی کی کشتی نئے نئے انکشافات و ایجادات کی ندیوں میں تیرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جائے گی)۔

۱۹ ان کے بچے بھی زیورات سے مزین، ان کے اردگرد گھوم رہے ہوں گے (۵۶/۱۷) ایسے ہشاش بشاش، تر و تازہ، تندرست و توانا، گویا موتیوں کے دانے ہیں جو بکھرے پڑے ہیں۔ یعنی ان کی صحت بھی قابل رشک ہوگی اور صحیح تعلیم و تربیت سے ان کی سیرت بھی گہر آبدار کی طرح پاکیزہ لیکن انہیں صدف میں بند نہیں رکھا جائے گا بلکہ معاشرہ میں منتشر کردیا جائے گا اور اسکے باوجود وہ اپنی پاکیزگی کو ملوث نہیں ہونے دیں گے۔

۲۰ تو اس معاشرہ پر جب اور جدھر سے بھی نگاہ ڈالے گا، اس میں آسودگی اور آسائش بھی دکھائی دے گی اور قوت و اقتدار بھی۔ یہ معاشرہ جلال و جمال کا حسین ترین مجموعہ ہوگا۔ (جلال و جمال کا امتزاج انسانی ذات کو بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے)۔

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۖ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ
جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا
اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

۲۱ آسائشوں کی طرف جائیے تو وہ باریک اور دبیز ریشمی پارچات میں ملبوس ہوں گے۔ اور اقتدار کی طرف دیکھیے تو ان کے ہاتھوں میں سرداریوں کے کنگن ہوں گے۔ لیکن ان میں نہ تو اُن آسائشوں سے عیش پرستی کی خباثتیں پیدا ہوں گی' اور نہ ہی جاہ و اقتدار سے نشۂ قوت کی بدمستیاں۔ انہیں' ان کا نشو و نما دینے والا' وہ کچھ پینے کو دے گا جس سے ان کے قلب و نگاہ میں پاکیزگی پیدا ہو (یعنی وحی کی راہ نمائی)۔

۲۲ ان سے کہا جائے گا کہ یہ سب کچھ تمہاری اپنی جدوجہد کا نتیجہ ہے جو اب' ثمربار ہو کر' تمہارے سامنے آگیا ہے۔ تم نے دیکھا کہ تمہاری محنت کس طرح ٹھکانے لگی ہے؟

۲۳ (یہ ہے اے رسولؐ! وہ جنتی معاشرہ جس کی تشکیل کیلئے) ہم نے تجھ پر یہ ضابطۂ حیات بتدریج نازل کیا ہے تاکہ اس پر ساتھ کے ساتھ عمل ہوتا رہے۔

۲۴ لہٰذا' تو اس خدائی پروگرام پر نہایت استقامت سے گامزن رہ' اور ان میں سے کسی ایسے شخص کی بات نہ مان جو اس کے خلاف راستے پر گامزن ہو۔ ذاتی مفاد پرستی کے غلط راستے پر چلنے سے انسان کی قوتِ عمل مضمحل ہو جاتی ہے' یا اس کی صلاحیتیں دبی کی دبی رہ جاتی ہیں۔ جو شخص ایسے لوگوں کی بات پر کان دھرے گا' اس کی بھی یہی حالت ہو جائے گی (کہ یا تو اس کی انسانی صلاحیتوں کی نمود ہی نہیں ہو سکے گی' اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو وہ انہیں تخریبی کاموں میں ضائع کر کے' مضمحل ہو جائے گا' اور یوں کاروانِ انسانیت سے پیچھے رہ جائے گا)۔

۲۵ اس سے بچنے کا طریق یہ ہے کہ تو' صبح و شام' ہر وقت' خدا کی صفتِ ربوبیت کو اپنے سامنے رکھ اور اس کی روشنی میں نظامِ ربوبیت کی تشکیل میں سرگرمِ عمل رہ۔

۲۶ دن ہو یا رات' ہمیشہ' اسی کے قوانین کے سامنے جھک اور اپنے پروگرام کی تکمیل کی فکر میں' اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ منہمک رہ۔ (۱۳/۴۳)

۲۷ جو لوگ تیری مخالفت کر رہے ہیں' وہ اپنے اپنے پیش پا افتادہ مفاد کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصود و منتہیٰ ہی طبیعی زندگی کے مفاد ہیں' اس لئے وہ

يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ أَسْرَهُمْ ۖ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ أَمْثَالَهُمْ
تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾ إِنَّ هٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ اللّٰهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا
حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُدْخِلُ مَن يَشَآءُ فِى رَحْمَتِهِ ۚ وَالظّٰلِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣١﴾

ایسے عظیم الشان انقلاب کو نظر انداز کر رہے ہیں (جو حال اور مستقبل دونوں کی خوشگواریوں کا ضامن ہے)۔ (۷۵/۲۰)

۲۸ (انہیں اس پر بڑا ناز ہے کہ وہ بڑے صاحبِ قوت اور مضبوط لوگ ہیں۔ لیکن یہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ) ہم ہی نے انہیں پیدا کیا ہے اور ان کے پیکروں کا یہ استحکام اور مضبوطی بھی ہماری ہی عطا کردہ ہے۔ لہٰذا' اگر یہ ہمارے قوانین کی مخالفت کریں گے' تو ہمارے لئے کچھ بھی مشکل نہیں کہ ہم اپنے مشیت کے پروگرام کے مطابق' ان کی جگہ کوئی دوسری قوم لے آئیں۔

۲۹ یہ ایک واضح حقیقت ہے جسے ان کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس سے عبرت حاصل کر کے' وہ راستہ اختیار کر لے جو اسے خدا کے نظامِ ربوبیت کی طرف لیجائے۔

۳۰ ان سے کہدو کہ یہ اسی صورت میں ہو سکے گا کہ تم اپنے اختیار و ارادہ کو قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ کر لو (تم ویسا ہی چاہو جیسا قانون خداوندی کا منشاء ہے) اس لئے کہ خدا کا قانون علم و حکمت پر مبنی ہے۔ (۷۴/۵۶ ; ۸۱/۲۹)

۳۱ تم ایسا چاہو گے تو خدا تمہیں اپنی رحمتوں کے سائے تلے لے آئے گا۔ لیکن اگر تم نے وہ کچھ نہ چاہا جو قانون خداوندی کا منشاء ہے' تو یہ ظلم و سرکشی ہوگی۔ اور (یاد رکھو!) جو لوگ ظلم و سرکشی کا شیوہ اختیار کر لیتے ہیں' ان کے لئے' ہمارے قانون مکافات نے تباہیوں اور بربادیوں کا الم انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝١ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝٢ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝٣ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝٤ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝٥ عُذْرًا
اَوْ نُذْرًا ۝٦

اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

۱ وہ کائناتی قوتیں جنہیں پیہم اور متواتر بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ

۲ اِن نظریات، تصورات اور نظامہائے زندگی کو جن میں بڑھنے اور پھولنے پھلنے کی صلاحیت نہ ہو، خس و خاشاک کی طرح اُڑا کر زمگاہِ حیات سے دُور پھینک دیں، اور یوں، دانے کو بھوسے (حق کو باطل) سے الگ کر دیں،

۳ اور جس زمین (نظامِ زندگی) میں نشوونما کی صلاحیت ہے اس میں سرسبزی و شادابی کا سامان پیدا کر کے اسے دُور دُور تک پھیلا دیں، (کہ دنیا میں وہی نظام باقی رہ سکتا ہے جو تمام نوعِ انسان کے لئے منفعت بخش ہو۔ $\frac{۱۳}{۱۷}$)۔

۴ اور اس طرح تخریبی اور تعمیری نتائج پیدا کرنے والے عناصر کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتی جائیں،

۵ اور ان ٹھوس حقائق کو تاریخی شواہد کی حیثیت سے پیش کرتی جائیں، تاکہ نظامِ کائنات میں منفی اور مثبت قوتوں کی اس کارفرمائی کو دیکھ کر، اور یوں اتمامِ حجت ہو جانے کے بعد،

۶

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝۷ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝۸ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝۹ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝۱۰ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝۱۱
لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝۱۲ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۝۱۳ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ۝۱۴ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۝۱۵ اَلَمْ نُهْلِكِ
الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۶ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ۝۱۷

جو مٹنا چاہے مٹ جائے اور جو خطرات سے آگاہ ہو کر ان سے بچنا چاہے بچ جائے۔

۷ تدابیر الٰہیہ کا یہ تمام نظم و نسق اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جس انقلاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا (اور عام حالات میں جو کچھ کائناتی قوتیں تنہا کرتی ہیں اور اس طرح صدیوں میں جا کر کہیں ایک ارتقائی مرحلہ طے ہوتا ہے، جماعتِ مومنین کی رفقا سے وہ مراحل دنوں میں طے ہو جائیں)

۸ اُس وقت مخالفین کے چھوٹے چھوٹے گروہوں کی قوت ماند پڑ جائے گی۔

۹ اور بڑی بڑی بلندیوں کے حامل سرداروں کی رفعت و شوکت کے پرخچے اُڑ جائیں گے۔

۱۰ اور پہاڑوں جیسی محکم جماعتیں پرکاہ کی طرح اُڑ جائیں گی۔ یوں سمجھو گویا انہیں چھلنی میں چھان اور چھاج میں پھٹک دیا جائے گا۔ جو باقی رہنے کے قابل ہو گی وہ باقی رہ جائے گی۔ دوسری سب ضائع ہو جائیں گی۔ ($\frac{20}{105}$: $\frac{85}{5}$)۔

۱۱ جب تمام پیغام پہنچانے والوں کا وقت (پروگرام) مقرر کر دیا جائے گا (کہ ان میں سے کس نے کب اور کیا کام کرنا ہے)۔

۱۲ یہ انقلاب کس وقت تک کے لئے ملتوی کیا گیا ہے:

۱۳ اُس وقت تک جب ہر معاملہ کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ہر شے نکھر کر الگ الگ ہو جائیگی۔ یہ یوم الفصل ہو گا۔

۱۴ وحیٔ خداوندی سے بڑھ کر تجھے کون بتا سکے گا کہ "یوم الفصل" کیا ہو گا۔

۱۵ اُس دن (یعنی اس دور میں) ان لوگوں کے لئے تباہی ہو گی جو خدا کے قانونِ مکافات کی تکذیب کرتے ہیں۔

۱۶ (ان تکذیب کرنے والوں سے پوچھو کہ) کیا ہم نے ان سے پہلے گزری ہوئی قوموں کو، جنہوں نے اس طرح ہمارے قوانین کی تکذیب کی تھی، تباہ نہیں کیا۔

۱۷ پھر ان کے بعد، دوسری قومیں آئیں (اور جب انہوں نے بھی ویسا ہی طرزِ عمل اختیار کیا تو ان کا انجام بھی ویسا ہی ہوا)۔

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى
قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۟ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّ
اَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾

۱۸ (یہ بات نہ کسی خاص قوم سے متعلق ہے' نہ تاریخ کے کسی خاص دور تک محدود) ہم تمام مجرمین کے ساتھ یہی کچھ کرتے ہیں۔ (ہمارا قانونِ مکافات ہر مجرم قوم کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کرتا ہے)۔

۱۹ لہٰذا' اِس دور میں بھی ان لوگوں کے لئے تباہی ہوگی جو ہمارے قوانین کی تکذیب کریں گے۔

۲۰ (ان سے کہو کہ) ذرا تم اپنی پیدائش کے سلسلہ پر غور کرو اور دیکھو کہ تم کن کن تخلیقی مراحل میں سے گذرے ہو؟ ہم نے تمہیں اس مادہ تولید سے پیدا کیا جو بڑا حقیر سا تھا۔

۲۱ پھر اس مادہ تولید کو رحم کے اندر ٹھہرایا جو وہاں مادہ کے مبیضہ میں قرار گیر ہو گیا۔ ($\frac{۲۳}{۱۳}$)۔

۲۲ اور وہاں ایک مقررہ پیمانے کے مطابق نشوونما پاتا رہا۔

۲۳ اس طرح ہم نے تمام امور کے اندازے اور پیمانے مقرر کر رکھے ہیں' اور ہمارے مقرر کردہ پیمانے نہایت عمدگی سے اپنے نتائج مرتب کرتے رہتے ہیں۔

۲۴ انہی پیمانوں کے مطابق انسانی اعمال بھی اپنے نتائج مرتب کرتے ہیں۔ لہٰذا جب اعمال کے ظہور نتائج کا وقت آئے گا' تو یہ لوگ' جو ہمارے قوانین کی تکذیب کرتے ہیں' دیکھ لیں گے کہ ان کے لئے کس قدر تباہی ہے۔

۲۵ (پھر' ان سے کہو کہ اپنے آپ سے ہٹ کر' ذرا خارجی کائنات پر غور کریں اور دیکھیں
۲۶ کہ ہم نے' مثلاً) زمین کو کس طرح ایسا بنا دیا ہے کہ وہ جاندار اور بے جان اشیاء کو سمیٹے ہوئے کس تیزی سے چلی جا رہی ہے؟ (یہ زمین کی کششِ ثقل ہے جس سے ہر شے' اس کی اس قدر تیز گردش کے باوجود' اس سے الگ نہیں ہوتی)۔

۲۷ پھر اس میں ایک طرف اتنے اتنے اونچے پہاڑ ہیں جو اپنے اپنے مقام پر محکم کھڑے ہیں۔ دوسری طرف' اسی میں سے پانی کے شیریں اور خوشگوار چشمے نکال دیئے ہیں جو مسلسل بہتے رہتے ہیں۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٨﴾ انطَلِقُوا إِلَىٰ مَا كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢٩﴾ انطَلِقُوا إِلَىٰ ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ﴿٣٠﴾ لَّا ظَلِيلٍ
وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾ إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾ هَٰذَا
يَوْمُ لَا يَنطِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿٣٦﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾ هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنَاكُمْ
وَالْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ فَإِن كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ ﴿٣٩﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾

۲۸ دیکھو! یہ سب کچھ کس طرح ہمارے لگے بندھے قانون کے مطابق ہو رہا ہے۔ اسی طرح مکافاتِ عمل کا قانون بھی ہے۔ جو لوگ اس قانون کی تکذیب کرتے ہیں، ان کے لئے تباہی ہے۔

۲۹ جب ظہورِ نتائج کا وقت آئے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اُس تباہی کی طرف چلو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

۳۰ یعنی آتشیں دھوئیں کے اس سائبان کی طرف چلو جس کی تین بڑی بڑی شاخیں ہیں۔ (ایک شاخ سر کے اوپر چھائی ہوئی اور دو، انسان کو آگے اور پیچھے سے گھیرے ہوئے)۔

۳۱ وہ سائبان تو ہے لیکن ایسا نہیں جو دھوپ یا شعلوں کی تپش سے بچا سکے۔

۳۲ شعلوں کی تپش سے بچانا تو ایک طرف، وہ خود، بڑے بڑے گٹھوں جیسے شعلے پھینکتا ہے

۳۳ ایسا نظر آتا ہے گویا وہ شعلے نہیں، بڑے بڑے زرد اونٹ ہیں۔

۳۴ سوچو کہ اس دن ان تکذیب کرنے والوں کے لئے کس قدر تباہی ہوگی۔

۳۵ اس دن اس کی بھی ضرورت نہیں ہوگی کہ ملزم اپنی زبان سے اقرارِ جرم کرے تو اسے مجرم قرار دیا جائے۔ (اس وقت جرائم اور ان کے نتائج خود بخود بے نقاب ہو کر سامنے آجائیں گے)۔

۳۶ اور نہ ہی انہیں اس کی اجازت ہوگی کہ وہ کوئی عذر پیش کر سکیں (اس لئے کہ یہ نتائج اس خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے مرتب ہوں گے جو جانتا ہے کہ کسی جرم کے متعلق کس کی ذمہ داری کس حد تک ہے۔ اسی کے مطابق نتیجہ مرتب ہوتا ہے)۔

۳۷ اُس دن ان تکذیب کرنے والوں کے لئے بڑی تباہی ہوگی۔

۳۸ (ان سے کہا جائے گا کہ) یہ وہ فیصلہ کا دن ہے جس کے لئے ہم نے تم سب (اولین و آخرین) کو اکٹھا کیا ہے۔

۳۹ تم ہمارے پروگرام کے خلاف بڑی بڑی تدبیریں کیا کرتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی تدبیر باقی ہے، تو اسے بھی آزما دیکھو! (لیکن تدبیر باقی کہاں ہوگی؟)۔

۴۰ اس دن مکذّبین کے لئے بڑی تباہی ہوگی۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

۴۱ ان کے برعکس، وہ لوگ جو قوانین خداوندی کی نگہداشت کرتے تھے، ایسے باغات کے سائے میں ہوں گے جن کے نیچے چشمے رواں ہوں گے۔

۴۲ اور ان کے حسب پسند میوے۔

۴۳ ان سے کہا جائے گا کہ یہ سب تمہارے اعمال کے ثمرات ہیں۔ انہیں نہایت خوشگواری سے کھاؤ۔

۴۴ ہم ان لوگوں کو، جو حسن کارانہ انداز سے متوازن زندگی بسر کریں، ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

۴۵ (ان کے لئے کسی قسم کی تباہی نہیں ہوگی) ۔تباہی ہوگی ان کے لئے جو ہمارے قوانین کو جھٹلاتے تھے۔

۴۶ ان سے کہو کہ (تم طبیعی زندگی کے مفاد کے پیچھے پڑے ہو اور اسی کو منتہیٰ و مقصود سمجھ رہے ہو، سو) تم کچھ وقت کے لئے کھا پی لو، اور سامانِ زیست سے فائدہ اٹھالو۔ لیکن چونکہ تم ہمارے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہو (اس لئے تمہارا انجام بڑا خراب ہوگا ۔ طبیعی زندگی کو منتہیٰ و مقصود سمجھنے والے حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں جس میں کھانے پینے کے سوا کوئی مقصدِ حیات ہی نہیں ہوتا۔ ۴۷/۱۲)۔

۴۷ جو بھی ہمارے قوانین کی تکذیب کرتے ہیں ان کا انجام خراب ہوتا ہے۔

۴۸ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ تم ہمارے قوانین کے سامنے جھک جاؤ، تو یہ ان کے سامنے کبھی نہیں جھکتے۔

۴۹ بلکہ اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۵۰ ہم نے تمام امور نہایت وضاحت سے بیان کر دیئے ہیں۔ اگر یہ لوگ اس پر بھی ایمان نہیں لاتے تو ان سے پوچھو کہ، اس کے بعد، وہ کونسی بات ہوگی جس سے یہ ہمارے قوانین کی صداقت پر ایمان لائیں گے؟

انتیسواں پارہ ختم ہوا



سُوْرَةُ النَّبَاِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ
مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦

۱ (اے رسولؐ! تمہیں معلوم ہے کہ) یہ لوگ ایک دوسرے سے کس چیز کے متعلق دریافت کرتے ہیں؟

۲ ۳ یہ دریافت کرتے ہیں اُس عظیم واقعہ کے متعلق، جس کی بابت اُن کے خیالات مختلف ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔

۴ لیکن ان کی یہ تذبذب اور اختلاف کی کیفیت زیادہ عرصہ تک نہیں رہے گی۔ انہیں اسکے متعلق جلد معلوم ہو جائے گا۔

۵ پھر سُن لیجئے کہ یہ حتمی اور یقینی بات ہے کہ انہیں اس کے متعلق جلد معلوم ہو جائے گا۔

۶ ان سے کہو کہ (اُس آنے والے انقلاب کو سمجھنے کے لئے ذرا نظامِ کائنات پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس میں ہمارا قانون کس حسن و خوبی سے کارفرما ہے۔ سب سے پہلے یہ ذرا) اس زمین پر نگاہ ڈالیں جس میں یہ بستے ہیں۔ (یہ گول ہے اور نہایت تیزی سے گھوم رہی ہے لیکن اس کے باوجود)

وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ﴿٧﴾ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ﴿٨﴾ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ وَجَعَلْنَا
النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ﴿١٣﴾ وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً
ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا ﴿١٦﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿١٧﴾

ہم نے اسے' ان کے لئے گہوارہ آسائش بنادیا ہے۔

۷ اور پہاڑوں کو اس قدر محکم' گویا وہ میخیں گڑی ہوئی ہیں۔

۸ (پھر ان سے کہو کہ تم اس خارجی کائنات سے ہٹ کر' خود اپنی دنیا کی طرف آؤ اور دیکھو کہ) ہم نے تمہیں کس طرح جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے۔ یعنی نر اور مادہ' جن سے تمہاری نسل کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے۔ اور ایک سے دوسرے کی تکمیل ہوتی ہے۔

۹-۱۱ پھر رات اور دن کے تغیرات پر غور کرو۔ دن میں تم تلاش معاش (کاروبار) کرتے ہو۔ اس سے تھک جاتے ہو' تو رات کی تاریکی ایک بسیط چادر بن کر فضا پر چھا جاتی ہے' اور تم اس میں چین کی نیند سوتے ہو۔ اس طرح' تمہاری صرف شدہ توانائیاں لوٹ آتی ہیں اور تم' دوسرے دن پھر کام کاج کرنے کے قابل ہو جاتے ہو۔

۱۲ اور تمہارے سر پر' فضا کی پہنائیوں میں کیسے محکم اور مضبوط' کرّے پھیلا دیئے ہیں۔

۱۳ ان میں ذرا اُس جگمگاتے چراغ کو دیکھو جسے سورج کہا جاتا ہے۔ اسے ہم نے کس طرح' بیک وقت روشنی اور حرارت کا سرچشمہ بنا دیا ہے۔

۱۴ اور بادلوں کو دیکھو۔ ہم ان سے کس طرح موسلا دھار بارش برساتے ہیں۔

۱۵ تاکہ اس سے مختلف قسم کی فصلیں پیدا ہوں —— اناج کی فصلیں اور سبزیاں' ترکاریاں۔

۱۶ نیز گھنے باغات۔

۱۷ (جب تم دیکھ رہے ہو کہ خارجی کائنات میں ہمارے قوانین کس طرح ٹھیک ٹھیک کام کر رہے ہیں' اور کس طرح گیہوں سے گیہوں' اور جَو سے جَو پیدا ہوتا ہے' تو اس سے تمہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ خود تمہاری دنیا میں بھی ہمارا قانونِ مکافات اسی طرح کارفرما ہے۔ لہٰذا') یہ یقینی بات ہے کہ وہ انقلاب' جو کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر دے گا —— واقع ہو کر رہے گا۔ تم اسے اپنے اعمال کی فصل کاٹنے کا دن سمجھو۔ پھر جس طرح فصل کے پکنے کا ایک وقت معین ہوتا ہے' اسی طرح اس کی بھی ایک مدت مقرر ہے۔ وہ اپنے وقت پر ضرور آئیگا۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ
سَرَابًا ﴿۲۰﴾ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿۲۲﴾ لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا
بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَاءً وِفَاقًا ﴿۲۶﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿۲۹﴾

۱۸ جس دن (جنگ کا) بگل بجے گا۔ اور تم فوج در فوج میدانِ کارزار میں آؤ گے۔[1]

۱۹ اور ان جاہ و حشمت کی مالک جماعتوں کی سربلندیاں، کھلے ہوئے پھاٹک کی طرح چوپٹ ہو جائیں گی۔ (یا فضائی کرّے پھٹ جائیں گے)۔

۲۰ اور پہاڑوں جیسے مستحکم سرداران قوم کے پاؤں اکھڑ جائیں گے، اور وہ بالکل بے حقیقت ہو کر رہ جائیں گے۔ (یا پہاڑ اڑا دیئے جائیں گے) (۲۰/۱۰۵ ؛ ۵۶/۵ ؛ ۷۷/۱۰ ؛ ۸۱/۳)۔

۲۱ ۲۲ اور جہنم ان سرکشوں کی گھات میں ہے۔ وہی ان کا ٹھکانا ہوگا۔

۲۳ وہ اس میں زمانہ دراز تک رہیں گے۔

۲۴ وہ اس میں، راحت و آرام نہیں پائیں گے۔ حتیٰ کہ پینے کی بھی کوئی ایسی چیز نہیں ملے گی جس سے سکون حاصل ہو۔

۲۵ اس کے بجائے، انہیں یا تو کھولتا ہوا پانی ملے گا جو پیاس بجھانے کے بجائے، اسے اور بھڑکا دے، اور یا ایسا یخ بستہ، جس کی ٹھنڈک سُن کر دے۔ (یہ دونوں، انسانی امیدوں کی کھیتی کو جھلسا دیں گے۔ ۳۸/۵۷)۔

۲۶ اور یہ سب ان کے اپنے اعمال کا بدلہ ہوگا ——— ٹھیک ٹھیک بدلہ۔

۲۷ یہ لوگ ہمارے قانونِ مکافات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ انہیں توقع ہی نہیں تھی کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، انہیں اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

۲۸ اسی لئے وہ ہمارے قوانین کو بُری طرح جھٹلاتے تھے۔

۲۹ لیکن ہم ان کے ہر عمل کو محفوظ کئے جاتے تھے۔ (اور انہیں واضح طور پر متنبہ کر دیا گیا تھا

---

[1] یہاں سے آخر تک وہ انقلاب بھی مراد ہو سکتا ہے جسے رسول اللہؐ کے مخالفین نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا، اور وہ بھی جو مرنے کے بعد انسان کے سامنے آئے گا یا جب خارجی کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں انتیسویں پارہ کی ابتدائی "وضاحت" دیکھئے۔

فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا
دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَّا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ﴿٣٥﴾ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَّبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ

کہ ان اعمال کے نتائج ان کے سامنے آکر رہیں گے)۔

۳۰ اس لئے (ان سے کہا جائے گا کہ) تم آج اپنے اعمال کا مزہ چکھو۔ یہ عذاب کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی چلا جائے گا۔

۳۱ ان کے برعکس، جو لوگ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرتے ہیں، ان کے لئے ہر قسم کی کامیابی و کامرانی ہے۔

۳۲ باغات رہنے کو۔ انگوروں (جیسے پھل) کھانے کو۔

۳۳ اور خواتین، تندرست و توانا، شرف و مجد کی پیکر، ان میں حسد اور رقابت کے جذبات نہیں ہوں گے۔ وہ سب ہم مزاج اور ہم گل ہوں گی۔ اس معاشرہ میں میاں بیوی کے تعلقات بھی کامل ہم آہنگی اور یک گلی کے ہوں گے۔ (۵۶/۳۷)۔

۳۴ اور (حیات بخش توانائیوں کا) پاک اور صاف، لبالب، چھلکتا ہوا پیالہ (جو بھرپور اور پاکیزہ زندگی کا ضامن ہوگا)۔

۳۵ اس میں نہ کوئی بے معنی بات ہوگی، نہ غلط اور جھوٹی گفتگو۔

۳۶ یہ سب، تیرے نشوونما دینے والے کی طرف سے، ان کے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ اور ان کی ہر ضرورت کے لئے کافی۔

۳۷ اُس نشوونما دینے والے کی طرف سے، جس نے کائنات کی ہر شے کے لئے سامانِ زیست عطا کر رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ صاحبِ اقتدار ایسا ہے کہ کائنات کی کسی شے کو اس کی مجال نہیں کہ وہ اس کے کسی کام میں دخل دے سکے، یا اس سے بازپرس کر سکے۔

۳۸ اُس دور میں (یعنی ظہورِ نتائج کے وقت) اُلوہیاتی توانائی (جو عالمِ امر میں کارفرما ہے)، اور کائناتی قوتیں (جو عالمِ خلق میں سرگرمِ عمل ہیں) صف بستہ کھڑی ہوں گی (تاکہ وہ انسانی اعمال کے نتائج سامنے لائیں) اور کسی کو یارائے تکلم نہ ہوگا، (بات کرنے کی مجال نہیں ہوگی) بجز اُس کے جو خدائے رحمٰن کے مقرر کردہ قاعدے کے مطابق درست بات کہے۔

صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴿۳۹﴾ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا ۚ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ﴿۴۰﴾

۳۹ یہ دَور ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جس کے واقع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ لہٰذا (ابھی وقت ہے کہ) جس کا جی چاہے خدا کے نظامِ ربوبیت کو اپنا نصب العین قرار دے کر اس کی طرف قدم بڑھائے۔

۴۰ ہم تمہیں آگاہ کئے دیتے ہیں کہ (اگر تم نے یہ راہ اختیار نہ کی تو) تم پر بہت جلد تباہی آجائے گی۔ اُس وقت انسان اپنے اعمال کے نتائج اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لے گا۔ اور جو شخص اِس وقت اُس کے واقع ہونے سے انکار کرتا ہے، وہ (اس تباہی کو دیکھ کر) بیتابانہ چیخ اٹھے گا اور کہے گا کہ اے کاش! میں، زندگی اور شعورِ احساس اور ذمہ داری کا حامل انسان ہونے کے بجائے، مٹی کا تودہ ہوتا (تو اس عذاب سے بچ جاتا۔ لیکن اُس وقت اِس چیخ وپکار سے کیا ہوگا؟)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فَالْمُدَبِّرٰتِ
اَمْرًا ۝۵ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝۶ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝۷

---

۱ مستبد قوتیں، زیر دست طبقہ کو اس قدر کچلتی ہیں کہ ان کی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں دب کر رہ جاتی ہیں اور وہ بالکل بنجر زمین کی طرح نظر آتے ہیں جس میں زندگی کی کوئی علامت باقی نہ رہے۔ لیکن قوانینِ خداوندی کی اطاعت سے ایسی انقلابی جماعت پیدا ہو جاتی ہے جو اس مظلوم و مقہور طبقہ کی دبی ہوئی صلاحیتوں کو پورے زور سے کھینچ کر اوپر لے آتی ہے۔

۲ اور مستبد طبقہ نے، اِن کی راہ میں جس قدر رکاوٹیں ڈال رکھی ہوتی ہیں، وہ جماعت ان سب کو راستے سے ہٹا کر، کمزور طبقہ کی غلامی کی گرہیں کھول دیتی ہے کہ وہ آزادانہ سرگرمِ عمل ہوں۔

۳ اس طرح، وہ (کمزور طبقہ) حرکت و عمل کے سمندر میں تیزی سے تیرتا ہوا، آگے بڑھتا

۴ جاتا ہے۔ اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔

۵ تا آنکہ زمامِ اقتدار، مستبد قوتوں سے چھن کر، اِن کمزوروں کے ہاتھ میں آجاتی ہے، اور وہ اپنے تمام معاملات کی تدبیر، قوانینِ خداوندی کی روشنی میں، خود آپ کرتے ہیں۔

۶-۷ یہ انقلاب آفریں جماعتِ مومنین، جو زیر دستوں کو ابھار کر اوپر لا رہی ہے، اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ آنے والا انقلاب آکر رہے گا۔ اس انقلاب میں جھٹکے پر جھٹکا آئے گا، اور ہر جھٹکے

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝٨ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝١٠ ءَاِذَا
كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝١١ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝١٣ فَاِذَا هُمْ
بِالسَّاهِرَةِ ۝١٤ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝١٥ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝١٦

سے' نیچے کا طبقہ ابھر کر اوپر آجائے گا' اور اوپر والا طبقہ نیچے چلا جائے گا۔

۸ اس دن' ان سرکش اکابرین کے دل تیزی سے دھڑک رہے ہوں گے۔ یہ سخت اضطراب میں مبتلا ہوں گے۔

۹ اور (شکست و نامرادی کے احساس سے) ان کی نگاہیں ندامت سے جھکی ہوئی ہونگی۔

۱۰ (اِس وقت اِن کے غرور کا یہ عالم ہے کہ جب ان سے قانون مکافات کا ذکر کیا جاتا ہے' تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں' اور نہایت طنز آمیز انداز سے کہتے ہیں کہ ذرا ان کی سُنیئے! یہ کہہ رہے ہیں کہ) یہ تمام قوت و دولت اور جاہ و حشمت' جسے تم نے کمزوروں سے چھین رکھا ہے سلب کر لی جائے گی اور تم پھر اُسی حالت میں پہنچ جاؤ گے جہاں تم اس جاہ و حشمت سے پہلے تھے۔

۱۱ اور تم کھوکھلی ہڈیاں رہ جاؤ گے۔[1]

۱۲ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہو گیا' اور ہم پھر پہلی حالت کو پہنچ گئے' تو یہ گردش بہت بُری ہو گی' اس میں تو ہم سراسر نقصان میں رہیں گے۔ (وہ ایسی باتیں طنزاً کرتے ہیں)۔

۱۳ ان سے کہو کہ ایسا کرنا ہمارے لئے ذرا بھی مشکل نہیں۔ وہ ایک سخت آواز ہو گی اور اسکے

۱۴ بعد سب میدان میں ہوں گے۔ (اُسی میدانِ جنگ میں یہ سب فیصلے ہو جائیں گے)۔

۱۵ (یہ انقلاب کوئی نیا انقلاب نہیں ہو گا۔ یہ سلسلہ تو شروع سے چلا آرہا ہے۔ مستبد قوتیں کمزوروں کو دباتی رہی ہیں' اور انبیاء کرامؑ اور ان کے رفقاء کی جماعتیں' ان کمزوروں اور ناتوانوں کو ابھار کر اوپر لاتی رہی ہیں۔ مثلاً) موسیٰؑ اور فرعون کی کشمکش کو لو۔ اور

۱۶ اس داستان کا آغاز وہاں سے کرو جب موسیٰؑ' اس مقام میں پہنچ چکا تھا جہاں عقل کے

---

[1] ان آیات میں مرنے کے بعد' دوبارہ زندگی بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ لیکن چونکہ آیت نمبر ۱۵ سے اس انقلاب کا ذکر شروع ہوتا ہے جو حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی کشمکش کی صورت میں رُونما ہوا تھا' اس لئے ہم نے اسی دنیا میں سامنے آنیوالے انقلاب کے مفہوم کو ترجیح دی ہے۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾
فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ
الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾

تجرباتی طریق کی لمبی مسافتوں کو لپیٹ کر رکھ دیا گیا تھا' اور اس پر وحی کے ذریعے براہِ راست انکشافِ حقائق کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ (۲۰/۱۲)۔ یعنی جب موسیٰ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اُس وقت اس کے نشوونما دینے والے نے اسے پکارا' اور کہا کہ)

۱۷ تم فرعون کی طرف جاؤ۔ اس نے دھاندلی مچا رکھی ہے۔ وہ بڑا ہی سرکش ہو گیا ہے۔ اُس نے کمزوروں کو بری طرح دبا رکھا ہے۔

۱۸ اس کی طرف جاؤ اور اس سے کہو کہ (تم نے دولت اور قوت تو بہت جمع کر رکھی ہے لیکن اپنے مقامِ انسانیت کے متعلق تم نے کبھی کچھ سوچا ہی نہیں۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تیرے شرفِ انسانیت کی بھی نشوونما ہو جائے؟

اور میں تجھے وہ راستہ بتاؤں جو تمہیں خدا کی ربوبیت عامہ کی طرف لے جائے —— اُس سے یہ کچھ کہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے اس کا احساس بیدار ہو جائے اور وہ اپنی موجودہ رَوِش سے جو اسے تباہیوں کے جہنم کی طرف لئے جا رہی ہے' رُک جائے۔ (اس سے کم از کم اتمامِ حجت ہی ہو جائے گا)۔

۲۰ موسیٰؑ اس کی طرف گیا اور قوانینِ خداوندی کا وہ ضابطہ اس کے سامنے پیش کیا جس سے اس قسم کا انقلاب برپا ہونا تھا۔ (۲۰/۲۳)۔

۲۱ لیکن فرعون نے اس کی تکذیب کی اور بدستور اپنی سرکشی پر اڑا رہا۔

۲۲ اور موسیٰؑ کی طرف سے منہ پھیر کر الٹا اس کوشش میں لگ گیا کہ اُسے کسی طرح شکست دیدی جائے۔

۲۳ چنانچہ اس مقصد کے لئے اس نے اپنی مملکت کے عمایدار اراکین کو جمع کیا۔

۲۴ اور ان سے کہا کہ تمہاری پرورش میں کرتا ہوں (کھانے پینے کو میں دیتا ہوں۔ میں ہی تمہارا "ان داتا" ہوں) اس لئے تمہارا سب سے بڑا رب میں ہی ہوں۔ (یہ جو موسیٰؑ کہتا ہے کہ تمہارا نشوونما دینے والا خدا ہے' یہ غلط ہے)۔

۲۵ (جب اس نے اس طرح اپنی سرکشی میں انتہا کر دی تو خدا کے قانونِ مکافات نے اسے

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿٢٦﴾ ءَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا ﴿٢٨﴾
وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ﴿٢٩﴾ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا ﴿٣٠﴾ أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ
أَرْسَاهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

اس طرح پکڑا کہ اس کا حال بھی تباہ ہو گیا اور مستقبل بھی برباد ——— یہ نتیجہ تھا اس کے ان جرائم کا جو اس نے موسیٰؑ کی آمد سے پہلے کئے تھے اور جن کا مرتکب وہ اس کی آمد کے بعد بھی ہوتا رہا۔

۲۶ موسیٰؑ اور فرعون کی کشمکش کے اس تاریخی نوشتے میں ہر اس شخص اور قوم کے لئے سامانِ عبرت ہے جو خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت سے ڈرے۔

۲۷ (اے رسولؐ! تم اپنی قوم کے سامنے یہ تاریخی شہادتیں پیش کرنے کے بعد ایک دفعہ ان سے پھر کہو کہ تم سلسلۂ کائنات اور خود اپنی پیدائش پر غور کرو۔ اور بتاؤ کہ) پیدائش کے اعتبار سے تم زیادہ سخت اور مستحکم ہو یا یہ فضائی کرّے جنہیں ہم نے بنایا ہے۔

۲۸ خدا نے ان عظیم کرّوں کو فضا کی بلندیوں میں پیدا کیا۔ اور پھر ان میں ایسا اعتدال اور توازن رکھ دیا کہ وہ اپنے اپنے مقام میں نہایت استحکام کے ساتھ سرگرمِ عمل ہیں۔

۲۹ پھر اسی فضا میں رات کو تاریک بنایا اور دن کے وقت اُس کی روشنی کو نمودار کیا۔

۳۰ پھر اس زمین کو دیکھو۔ یہ اور دیگر اجرامِ[1] پہلے ایک ہی ہیولیٰ تھے۔ اُس نے اس ہیولیٰ سے ارض (زمین) کو الگ کر کے یوں دور پھینک دیا جس طرح گوپیئے سے پتھر پھینکا جاتا ہے۔ (۲۱/۳۲)۔

۳۱ اس کے بعد اس میں سے پانی کشید کر کے سمندروں کو الگ کیا (اور خشکی کے قطعات کو الگ)۔ پھر ان قطعات میں نباتات کی نمود ہوئی۔

۳۲ اور انہی میں بڑے بڑے محکم پہاڑوں کو اُبھارا۔

۳۳ اور اس تمام سلسلہ کو اس انداز سے استوار کیا کہ یہ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامانِ زیست پیدا کرے۔ (زمین) رزق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس سے تمتع، یعنی فائدہ

---

[1] آیت (۳۰) میں ثُمَّ ترتیب کے لئے نہیں۔ اجرامِ فلکی کی تخلیقی ترتیب یہی ہے جو یہاں بیان ہوئی ہے۔ عصرِ حاضر کا علمی انکشاف یہ ہے کہ اولین ہیولیٰ (NEBULA) کی تیز گردش سے جو چھینٹے اڑے وہ ان کرّوں کی شکل میں گردش کر رہے ہیں۔ اس سے قرآنی مثال کا مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ یعنی اس ہیولیٰ سے کرۂ ارض یوں اُڑ کر الگ ہوا جس طرح تیزی سے گھومنے والے گوپیئے سے نکل کر پتھر دور چلا جاتا اور گھومتا رہتا ہے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾ فَأَمَّا
مَن طَغَىٰ ﴿٣٧﴾ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ
عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٤١﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ﴿٤٢﴾ فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا ﴿٤٣﴾

حاصل کیا جاسکتا ہے' ملکیت نہیں بنائی جاسکتی)۔

۳۴ (لیکن اگر ایسا غلط معاشرہ قائم ہوجائے کہ اس میں زمین کی پیداوار انسانوں کے لئے زیست کا سامان بننے کے بجائے' کمزوروں اور ناتوانوں کو بالادستوں کے پنجۂ استبداد میں جکڑنے کا ذریعہ بن جائے' تو) پھر وہ انقلابِ عظیم آجائے گا (جس کا ذکر شروع کی آیات میں کیا گیا ہے)۔

۳۵ اس انقلاب سے ایسا معاشرہ قائم ہوجائے گا جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کی محنت کو غصب نہیں کرسکے گا۔ ہر شخص اپنی سعی و عمل کا ماحصل اپنے سامنے دیکھ لے گا۔ اس میں کسی کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔ ($\frac{۵۳}{۳۹}$; $\frac{۵۶}{۶۳ — ۷۳}$)۔

۳۶ اُس وقت جہنم اُبھر کر سامنے آجائے گا۔ لیکن صرف دیدۂ بینا کے لئے۔ یعنی اُس کے لئے جس میں حقائق کے مشاہدہ کی صلاحیت ہو۔ (جہنم تو آج بھی موجود ہے لیکن غیر مرئی ہے اُس وقت وہ ابھر کر سامنے آجائے گا)۔ ($\frac{۲۹}{۵۴}$; $\frac{۳۹}{۴۸}$; $\frac{۸۲}{۱۶}$)۔

۳۷ یاد رکھو! جو شخص ہمارے قوانین ربوبیت سے سرکشی برتتا ہے۔

۳۸ اور طبعی زندگی کے پیش پا افتادہ مفاد کو مستقبل کی خوشگواریوں پر ترجیح دیتا ہے۔

۳۹ تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا — وہ مقام جس میں انسانیت کی نشوونما رُک جاتی ہے۔

۴۰ لیکن جو شخص اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ اس نے ایک دن عدالتِ خداوندی میں کھڑے ہونا ہے۔ یعنی اس کے اعمال کے نتائج اس کے سامنے آنے ہیں' اور اس احساس کے ماتحت وہ اپنے ان جذبات اور خواہشات کو بیباک ہونے سے روکتا ہے جو قوانین خداوندی کے خلاف جائیں'

۴۱ تو یہ وہ ہے جس کا مقام جنت ہے — اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۴۲ (اس انقلاب کے متعلق' یہ کچھ سننے کے بعد) یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ یہ انقلاب بالآخر آئے گا کب؟

۴۳ اے رسولؐ! ان سے کہدو کہ یہ میرے حیطۂ علم کی بات نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کب واقع ہوگا۔ ($\frac{۷}{۱۸۷}$; $\frac{۳۳}{۶۳}$; $\frac{۴۲}{۱۷}$)۔

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا ﴿٤٤﴾ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا ﴿٤٥﴾ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿٤٦﴾

۴۴ اس کے وقت کا تعین، صرف خدا سے متعلق ہے۔ اُسی کو اس کا علم ہے۔ یہ تمام باتیں، انجام کار اُسی کے قانون مشیت کے مطابق طے ہوں گی۔ (۵۳/۴۲)۔

۴۵ میرا فریضہ صرف یہ ہے کہ جو شخص خدا کے قانون مکافات کا احساس رکھتا ہے اور زندگی کی تباہیوں سے ڈرتا ہے، اسے بتا دوں کہ غلط روش کا نتیجہ کیا ہوگا۔

۴۶ اِس وقت یہ اُس انقلاب کے لئے اس قدر جلدی مچا رہے ہیں، لیکن جب وہ سر پر آگیا تو یہ آہ و پکار کریں گے کہ ہمیں مہلت کا وقفہ بہت کم ملا —— یونہی ایک صبح یا ایک شام جتنا۔ (اگر زیادہ وقت ملتا تو ہم اپنی روش بدل لیتے! لیکن اُس وقت اس شکایت یا تاسف سے کیا حاصل ہوگا؟)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝٢ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝٣ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝٤ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝٥ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝٦

۱-۲ (نظامِ خداوندی کے قیام کے سلسلہ میں جس جماعتی تشکیل کے متعلق پہلے کہا گیا ہے' اس سلسلہ میں ایک اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اور وہ یہ کہ یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ اس میں شامل ہونے والے کس قدر دنیاوی وجاہت و مناصب کے مالک ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ اس کے لئے کس کے دل میں سچی تڑپ ہے۔ لہذا' اس نظام کی طرف دعوت دینے والا بھلا) کیوں تیوری چڑھائے اور منہ موڑے اس بات پر کہ اس کے پاس ایک غریب اور معذور اندھا' ہدایت حاصل کرنے کے لئے آگیا ہے؟ (۶/۵۲ ؛ ۸/۶۴ = ۹/۶۲ ؛ ۱۱/۷۲ ؛ ۱۰/۴۰ ؛ ۳۶/۱۱۴ = ۳۶/۱۱۱)

۳ تجھے کیا خبر کہ یہی اندھا' تمہاری تعلیم سے کس قدر پاکیزہ اخلاق کا حامل بن جائے اور اس طرح اس کی ذات کی اعلیٰ نشوونما ہو جائے۔

۴ یا وہ اس تعلیم کو سمجھ لے تو کم از کم اس سے بتدریج فائدہ حاصل کرتا چلا جائے۔

۵ اس کے برعکس' ایسا شخص جو اپنے آپ کو رشد و ہدایت سے مستغنی سمجھتا ہے — جو

۶ کہتا ہے کہ اسے اس قسم کی تعلیم کی نہ ضرورت ہے نہ پرواہ۔ تو تجھے کیا پڑی ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے اپنی جان کھپاتا پھرے۔

وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَىٰ ﴿٨﴾ وَهُوَ يَخْشَىٰ ﴿٩﴾ فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ﴿١٠﴾ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾
فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿١٢﴾ فِي صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ ﴿١٣﴾ مَرْفُوعَةٍ مُطَهَّرَةٍ ﴿١٤﴾ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ﴿١٥﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾
قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ﴿١٧﴾ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿١٨﴾ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ﴿١٩﴾ ثُمَّ السَّبِيلَ

---

۷ اگر ایسے شخص کی اصلاح نہ ہو سکے تو تجھ پر اس سے کچھ الزام نہیں آسکتا۔

۸-۱۰ الزام اس سے آتا ہے کہ ایک شخص 'قرآن سمجھنے کے لئے' بھاگتا ہوا تیرے پاس آئے اور اسے غلط روش زندگی کے تباہ کن نتائج کا خوف بھی ہو ——— وہ ان سے بچنا چاہے۔ اور تو اس سے بے رخی برتے۔ (۲/۴)۔

۱۱ (قرآن کے متعلق اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ) یہ ایک واضح صحیفہ اور کھلی ہوئی کتاب ہدایت ہے جس پر عمل کرنے سے انسان کو شرف و مجد حاصل ہو سکتا ہے۔
لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے جو اپنے دل کی مرضی سے اس کی طرف آئے۔
یہی وجہ ہے کہ ہم نے اسے چھپا کر نہیں رکھا' بلکہ نہایت باعزت اوراق میں لکھوا کر دے دیا ہے (کہ جس کا جی چاہے پڑھ لے اور اس سے فائدہ حاصل کرلے)۔

۱۴ اس میں بلندیٔ فکر اور پاکیزگیٔ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔

۱۵-۱۶ اس کے لکھنے والے' اور آگے پھیلانے والے' بھی نہایت اعلیٰ اخلاق کے حامل اور صداقت و شرافت کے بلند ترین معیار پر پورے اترنے والے ہیں ——— کریم النفس اور کشادہ ظرف۔

۱۷ اب سوچیئے کہ جو شخص اس قسم کی بلند اور پاکیزہ تعلیم کو ماننے سے انکار کرے ——— اور انکار کرے اس لئے کہ اس کے پاس بڑی دولت اور قوت ہے اس لئے اُسے کسی کی پرواہ نہیں ہو سکتی ——— اس سے زیادہ تباہ و برباد ہونے والا اور کون ہو سکتا ہے؟

۱۸ (اسے اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنی زندگی پر ہی غور کرنا چاہیئے کہ وہ کن کن مراحل میں سے گزرتی ہے اور ہم اس کے لئے کس کس قسم کا سامانِ زیست مہیا کرتے ہیں) ——— وہ دیکھے کہ اس کی تخلیق کا آغاز کس چیز سے ہوا۔

۱۹ ایک قطرۂ آب (مادہ تولید) سے۔ اس انداز کے آغاز کے بعد' ہم نے خاص انداز اور پیمانے کے مطابق اس کی تشکیل کی۔

۲۰ (پھر اسے ذرائع علم ——— بصارت و سماعت وغیرہ عطا کئے۔ نیز' اس کے لئے سامان

يَسَّرَهُ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿٢١﴾ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ ﴿٢٢﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿٢٣﴾ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ
طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾
وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

زیست مہیا کیا تاکہ) اُس پر زندگی کی راہیں آسان ہو جائیں۔

۲۱ لیکن ان میں سے اکثر کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بصارت و سماعت وغیرہ سے کام ہی نہیں لیتے اور مُردوں کی طرح قبرستانوں میں پڑے رہتے ہیں۔

۲۲ لیکن بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو قانونِ خداوندی کی راہ اختیار کر کے، زندگی کی توانائیاں حاصل کر لیتے ہیں اور ان قبرستانوں سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ (اسی طرح ان کی طبیعی موت اور موت کے بعد حیاتِ آخرت ہے)۔

۲۳ (اول الذکر گروہ ـــــ یعنی مُردوں کی سی زندگی بسر کرنے والوں) کی حالت یہ ہے کہ انہیں جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، وہ اسے کبھی پورا نہیں کرتے۔ (وہ اپنی انفرادی مفاد پرستیوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں، اور عالمگیر انسانیت کی ربوبیت کے متعلق کبھی سوچتے تک نہیں)۔

۲۴ حالانکہ وہ اگر (کم از کم) اپنی خوراک پر ہی غور کر لیں (تو اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ یہ سامانِ زیست تمام انسانوں کے لئے خدا کی طرف سے بے مزد و معاوضہ ملتا ہے۔ اس لئے اس میں حسبِ ضرورت سب کا حصہ ہے۔ وہ ذرا سوچیں کہ)

۲۵ بارش، جس پر پیداوار کا بنیادی انحصار ہے، انسان کی اپنی ہنرمندی سے نہیں برستی ہمارے قانون کے مطابق برستی ہے (۴۳ ـــ ۵۶ / ۶۳ ، ۶۷ / ۳۰)

۲۶ (انسان، زمین میں بیج ضرور ڈالتا ہے۔ لیکن) زمین کو پھاڑ کر اس میں سے کونپل ہمارے ہی قانون کے مطابق پھوٹتی ہے۔ (یہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ دانے کو کونپل میں تبدیل کر دے)۔

۲۷-۳۱ پھر یہ بھی ہمارے قانون کے مطابق ہوتا ہے کہ اناج والی فصل سے اناج پیدا ہو، اور دوسری فصلوں سے دوسری چیزیں۔ (مثلاً) انگور اور ترکاریاں ـــ زیتون اور کھجوریں۔ گھنے باغات ـــ اور دیگر قسم قسم کے پھل اور مویشیوں کے لئے چارہ۔

۳۲ یہ سب تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامانِ زیست کا کام دیتا ہے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ
مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا
غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

(اسے اسی مصرف کے لئے رہنا چاہیئے)۔

۳۳ (لیکن جو لوگ خدا کی اس موہبت کو ذاتی ملکیت بنا کر نوعِ انسان کو اس کی پرورش سے محروم کر دیں' اور سمجھانے سے سمجھیں ہی نہیں' تو ان کے ساتھ تصادم اور ٹکراؤ ناگزیر ہو جاتا ہے چنانچہ) جب وہ تصادم کا وقت آئے گا تو اسلحہ کی جھنکار سے کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دے گی۔

۳۴ اُس وقت ان کی نفسا نفسی کا یہ عالم ہوگا کہ بھائی' بھائی کو چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

۳۵-۳۶ اولاد' ماں باپ کو چھوڑ جائے گی۔ میاں اپنی بیوی تک کو بھول جائے گا اور ماں باپ اولاد کو چھوڑ جائیں گے۔

۳۷ غرضیکہ اس وقت' ہر شخص اپنی اپنی فکر میں اس قدر غلطاں و پیچاں ہوگا کہ اُسے کسی دوسرے کی طرف دھیان دینے کی فرصت ہی نہیں ہوگی۔

۳۸ جب اس تصادم کا فیصلہ ہوگا تو ایک گروہ (جس نے قوانین خداوندی کے مطابق روش
۳۹ اختیار کی تھی) کامیابی و کامرانی کی وجہ سے نہایت خوش و خرم ہوگا۔ ان کے چہرے شگفتگی و شادابی سے چمک رہے ہوں گے۔

۴۰ اور دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جن کے چہروں پر ذلت کا گرد و غبار اور رسوائیوں
۴۱ کی سیاہیاں چھا رہی ہوں گی۔ (ہ)۔

۴۲ یہ ہوگا ان لوگوں کا انجام جو اِس وقت خدا کے دیئے ہوئے سامانِ رزق پر (اپنی مفاد پرستیوں کے) پردے ڈالتے ہیں' اور یوں خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اس سے انسان طبقات میں بٹ جاتے ہیں اور نوعِ انسانی میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے جو عدالتِ خداوندی میں بہت بڑا جرم ہے (ہم چاہتے یہ ہیں کہ تمام انسان ایک عالمگیر برادری کی حیثیت سے رہیں۔ ان میں پھوٹ نہ پڑے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝٢ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٤ وَاِذَا

۱ (کسی آنیوالے دور میں جب انسانوں کے خود ساختہ نظامِ تمدن و معاشرت کی جگہ قرآنی نظام لے لیگا تو اُس وقت کی انقلابی کیفیات کے متعلق یوں سمجھو کہ) ملوکیت کا نظام لپیٹ کر رکھ دیا جائے گا۔[1]

۲ اور ان کے اہالی موالی (چھوٹی چھوٹی ریاستیں) سب جھڑ کر نیچے گر جائیں گے۔ ان کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ ان کی قوت ماند پڑ جائے گی۔

۳ اور پہاڑوں جیسے محکم امراء اور رؤسا اپنی اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔ (۲۰/۱۰۵ ؛ ۵۶/۵ ؛ ۷۸/۲۰)۔

۴ اور جن ذرائع رسل و رسائل (مثلاً اونٹوں) کو اس وقت اتنی اہمیت دی جا رہی ہے

---

[1] نزولِ قرآن کے وقت ملوکیت کی سب سے بڑی نمائندہ اور عربوں سے قریب تر، مملکت ایران کی تھی جس کے جھنڈے کا نشان "شمس" تھا۔ (جس طرح قبل از اسلام عربوں کے جھنڈے کا نشان "قمر" تھا) اس آیت میں نام تو 'شمس' کا لیا گیا ہے لیکن اس سے مراد ملوکیت کا نظام ہے جسے مٹانے کے لئے قرآن آیا تھا۔ اس نظام کو نبی اکرمؐ اور آپؐ کے رفقاءؓ نے مٹایا۔ لیکن وہ پھر قائم ہو گیا۔ ان آیات میں کسی ایسے آنے والے دور کا ذکر ہے جب ملوکیت کا نظام پھر مٹے گا۔ اس دور کی جو دوسری نشانیاں بتائی گئی ہیں اس سے ایسا مترشح ہوتا ہے جیسے یہ ہمارے ہی زمانے کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عصرِ حاضر کی بے پناہ تبدیلیاں قرآنی نظام کے قیام کا پیش خیمہ ہوں۔

الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَیِّ
ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲ وَاِذَا الْجَنَّةُ
اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۱۴ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝۱۵ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝۱۶ وَالَّیْلِ اِذَا
عَسْعَسَ ۝۱۷

وہ سب بیکار ہو جائیں گے

۵ اور وحشی اور نامانوس قومیں بھی اجتماعی زندگی کی طرف آتی جائیں گی۔

۶ اور سمندروں میں آمد و رفت کا سلسلہ اتنا وسیع ہو جائے گا کہ ہر وقت بھرے بھرے دکھائی دیں گے۔ اور ان کے کناروں کی بستیاں بھی بڑی آباد ہو جائیں گی۔

۷ اور اطراف و اکناف عالم کی آبادیاں ایک دوسرے کے ساتھ ملتی جائیں گی۔

۸ جب اُن لڑکیوں کے متعلق، جنہیں معاشرہ زندہ درگور کر دیتا ہے اور ان بیچاریوں کا پُرسانِ حال کوئی نہیں ہوتا، پوچھا جائے گا کہ انہیں بالآخر کس جرم کی پاداش میں ذبح کیا جاتا رہا ہے؟ (یعنی جب عورتوں کو ان کے حقوق دلائے جائیں گے)۔

۹ اور اخبارات و رسائل جگہ جگہ پھیل جائیں گے۔

۱۰ اور اجرام فلکی پر پڑے ہوئے پردے، ایک ایک کر کے اٹھتے چلے جائیں گے۔

۱۱ (اُن کے حالات دریافت کئے جائیں گے)۔

۱۲ (تو اُس وقت خدا کے قانونِ مکافات کا عمل بھی تیز تر ہو جائے گا۔ کیونکہ اُس وقت آخر الامر وہ نظام متشکل ہو جائے گا جس میں ہر معاملہ انصاف اور قانون کے مطابق طے پائے گا۔ لہٰذا، اس کی رُو سے) مجرمین کے لئے جہنم کے شعلے زیادہ تیزی سے بھڑک اٹھیں گے۔

۱۳ اور اُس نظام کی پابندی کرنے والوں کے لئے جنتی معاشرہ قریب تر لایا جائے گا۔

۱۴ یعنی اُس وقت ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے نتائج اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لے گا۔

۱۵ (ہم یہ باتیں یونہی نہیں کر رہے۔ اس حقیقت پر سارا نظام کائنات شاہد ہے) اس پر شاہد ہیں وہ ستارے جو طلوع ہونے کے بعد دبے پاؤں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے رہتے ہیں۔

۱۶ اور تیز خرام ستارے، جو اپنی اپنی منزل طے کر کے چھپ جاتے ہیں۔ (۵۳/۱ ؛ ۵۶/۷۵)۔

۱۷ اور رات، جو خاموشی سے آتی اور خاموشی سے چلی جاتی ہے۔

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۱۹﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿۲۱﴾
وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ
بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿۲۵﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲۶﴾

۱۸ اور صبح جب وہ نئی زندگی کا پیغام لے کر نمودار ہوتی ہے۔

۱۹ یہ سب مظاہر فطرت اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ جو شخص یہ باتیں تم سے کہہ رہا ہے وہ ہمارا بھیجا ہوا پیغامبر ہے' اور نہایت معزز پیغامبر۔
اسے اُس خدا کی طرف سے وحی کی تائید و قوت حاصل ہے جو کائنات کے مرکزی کنٹرول کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔ (یعنی جس طرح وہ قوانین جو خارجی کائنات میں کارفرما ہیں' اشیائے کائنات کے خود ساختہ نہیں' خدا کے وضع کردہ ہیں' اسی طرح' انسانی زندگی سے متعلق جو قوانین یہ رسولؐ پیش کر رہا ہے' یہ بھی اس کے اپنے وضع کردہ نہیں۔ خدا کے متعین فرمودہ ہیں)۔

۲۱ یہ رسولؐ بڑا قابلِ اعتماد ہے۔ وہ اس پیغام کے پہنچانے میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتا۔ پھر وہ صرف پیغام کو پہنچاتا ہی نہیں' اس کی عملی تشکیل کے لئے ایک نظام قائم کرتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جو لوگ اس نظام کی صداقت پر یقین رکھیں' وہ اس کی بات مانیں اور اس کے فیصلوں کی اطاعت کریں۔ (اس کے بغیر کوئی نظام قائم ہی نہیں رہ سکتا)۔

۲۲ یاد رکھو! تمہارا یہ رفیق پاگل پن کی باتیں نہیں کرتا۔ جو کچھ یہ کہہ رہا ہے' وہ ہو کر رہیگا۔

۲۳ اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو علم کے اس بلند ترین اور وسیع ترین مقام پر فائز پایا ہے جہاں انسان کو خدا کی طرف سے وحی ملتی ہے۔ (اس طرح یہ رسولؐ جو کچھ کہتا ہے' گویا آنکھوں دیکھا حال کہتا ہے۔ (۵۳/۷)۔

۲۴ پھر جو کچھ اسے وحی کے ذریعے ملتا ہے' اسے اپنی ذات تک محدود نہیں رکھتا۔ وہ اسے نہایت کشادہ ظرفی سے دوسروں تک بھی پہنچاتا ہے۔ سب کو اس میں شریک کرتا ہے۔

۲۵ یہ کسی کے سرکش جذبات کی باتیں نہیں جو محض قیاسات پر مبنی اور حقیقت سے بہت دُور ہوتی ہیں۔

۲۶ جب حقیقت یہ ہے تو پھر بتاؤ کہ تم اس قسم کے ضابطہ قوانین کو چھوڑ کر کدھر چلے جا رہے ہو؟

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾

۲۷ لیکن اگر تم اس سے بے رُخی برتتے رہو گے تو اِس سے اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس لئے کہ یہ کسی خاص قوم یا خاص ملک کے لئے ضابطۂ حیات نہیں۔ یہ تمام اقوام عالم کے لئے قوانین کا ضابطہ ہے۔

۲۸ اس لئے نوع انسان میں سے جو قوم بھی چاہے اس کے ذریعے زندگی کی متوازن اور سیدھی راہ پر چل سکتی ہے۔ (۱/۵)۔

۲۹ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اپنے ذاتی رجحانات اور انفرادی مفادات کو ایک طرف رکھ کر، وہی کچھ چاہو جو اُس خدا کے قانون کا تقاضا ہے جس نے تمام اقوام عالم کی نشو ونما کا ذمہ لے رکھا ہے۔ لہٰذا، اس سے وہی قوم مستفید ہو سکتی ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے عالمگیر نظامِ ربوبیت قائم کرنے کا تہیہ کرے اور اس طرح اپنی منشاء کو خدا کی مشیت کے ساتھ ہم آہنگ کر دے۔ (۴۷/۵۶ ؛ ۴۶/۳۰)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ ① وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ② وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ③ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ④
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ⑤ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ⑥ الَّذِي خَلَقَكَ

---

۱ (جس انقلاب کا ذکر پیچھے سے چلا آرہا ہے اس میں کیفیت یہ ہوگی کہ) فضا سین پھیلی ہوئی توانائیاں پھٹ جائیں گی۔

۲ اور ستارے منتشر ہو جائیں گے (یا چھوٹی چھوٹی جماعتیں بکھر جائیں گی اور صرف بڑی بڑی طاقتیں باقی رہ جائیں گی)۔

۳ اور سمندر (یا دریا) بہ نکلیں گے۔ یعنی ان میں آمد و رفت تیز تر ہو جائے گی۔

۴ اور زمین کے دفائن کو کھود کھود کر باہر نکالا جائے گا۔ (یعنی)

۵ اُس وقت (انسان کی تمدنی دنیا میں بھی ایسا نظام متشکل ہو جائے گا جس میں) ہر شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کے نتائج اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لے گا۔

۶ اے انسان! (تو جو خدا کے قانون سے اس طرح سرکشی اختیار کر رہا ہے تو) وہ کونسی چیز ہے جو تجھے خدا کی بھرپور، واجب التکریم ربوبیت کے متعلق دھوکے میں رکھ رہی ہے، اور اس کی خلاف ورزی کی جرأت دلا رہی ہے؟

۷ وہ خدا، جس نے (اپنے قانونِ تخلیق کے مطابق) تمہیں مختلف تخلیقی مراحل سے

فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۷ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۹ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ
لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝۱۳ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ
جَحِيْمٍ ۝۱۴ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝۱۵ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۝۱۶ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۷ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ
الدِّيْنِ ۝۱۸ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ

گذارا۔ ایک کے بعد دوسری گردش دے دیکر حشو و زوائد کو الگ کیا۔ اور تمہاری اخلاط و عناصر میں نہایت عمدہ توازن اور اعتدال پیدا کر دیا۔ (۹۵/۴)۔

۸ اور اس کے بعد اپنے قانونِ مشیت کے مطابق، تمہیں مناسب پیکر عطا کر دیا۔ (۵۹/۴۴)۔

۹ سوچو کہ تم اس خدا کے قانونِ مکافات کو جھٹلاتے ہو؟ (لیکن تمہارے جھٹلانے سے کیا ہوتا ہے؟)۔

۱۰-۱۲ اس نے تم پر محافظ مقرر کر رکھے ہیں ——— نہایت معزز اور امین ——— جو کچھ تم کرتے ہو انہیں اس سب کا علم ہوتا ہے۔ وہ اسے ریکارڈ کرتے رہتے ہیں۔ (اسے خدا کا قانون مکافاتِ عمل کہا جاتا ہے)۔

۱۳ اس قانون کے مطابق، جو لوگ انسانی زندگی میں وسعت اور کشادگی پیدا کرتے ہیں، آسائشوں میں رہیں گے۔

۱۴ اور جو عالمِ انسانیت اور خود اپنی ذات میں انتشار پیدا کرتے ہیں ان کی نشوونما رُک چکی ہوگی۔ (۳۲/۷)۔

۱۵ اور وہ ظہورِ نتائج کے دن اپنے آپ کو جہنم میں پڑا دیکھیں گے۔

۱۶ یاد رکھو! وہ اب بھی جہنم کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔ (۲۹/۵۴ ، ۵۹/۳۴)۔

۱۷ (جہنم انہیں اِس وقت بھی دیکھ رہا ہے۔ اُس وقت وہ بھی جہنم کو دیکھ لیں گے۔ یہ کچھ ہوگا یوم الدین میں۔ یعنی ظہورِ نتائج کے دور میں)۔ تجھے خدا کے سوا کون بتا سکتا ہے کہ یوم الدین (ظہورِ نتائج کا دور) کیسا ہوگا؟

۱۸ یقیناً خدا کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا کہ اُس دور کی کیفیت کیا ہوگی۔

۱۹ یہ وہ دور ہوگا جس میں ہر انسان اپنے اپنے اعمال کو اپنے سامنے دیکھے گا۔ کوئی کسی دوسرے کے لئے کچھ نہیں کر سکے گا۔ نہ ہی کسی انسان کو کسی دوسرے انسان

وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

کسی قسم کا اختیار و اقتدار ہوگا۔ اختیارات تمام کے تمام قوانینِ خداوندی کے لئے مختص ہونگے۔ حکومت صرف اُن قوانین کی ہوگی، کسی اور کی نہیں ہوگی۔ (یعنی وہ دَور جس میں نہ کوئی انسان کسی دوسرے کا محکوم ہوگا نہ محتاج۔ اور نہ ہی کوئی کسی مجرم کو اس کے جرم کی پاداش سے چھڑا سکے گا۔ یہ ہوگا یوم الدین۔ ۱/۲)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ① الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ② وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ③ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ④

① "تاجرانہ ذہنیت اور سرمایہ دارانہ نظام کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

② اس ذہنیت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ دوسروں سے اپنے واجبات پورے پورے لئے جائیں لیکن

③ جب اُن کے واجبات دینے کا وقت آئے تو ترازو میں ڈنڈی مار دی جائے۔ دوسروں سے کام پورا لیا جائے لیکن اس کا معاوضہ کبھی پورا نہ دیا جائے۔ محنت کرنے والوں کو کم از کم دیا جائے اور خود زیادہ سے زیادہ کمایا جائے۔ چیزوں ہی کی نہیں، بلکہ خود انسانوں کی قیمت متعین کرتے وقت بھی یہی خیال رہے، اور کوشش یہ کی جائے کہ ان کی صلاحیتیں دبی، سمٹی، سکڑی اور بندھی رہ جائیں۔ انہیں پوری جولانی کا موقعہ ہی نہ ملنے پائے۔ انہیں اتنا ہی اُبھرنے دیا جائے جتنا سرمایہ لگانے والے کے لئے مفید ہو۔ انہیں اس سے زیادہ آزادی دی ہی نہ جائے۔

④ کیا یہ لوگ اس زعم باطل میں مبتلا اور اس خیال خام میں مدہوش ہیں، کہ یہ نظام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا ہی رہے گا۔ اس کو کوئی بدل نہیں سکے گا؟ ان کا یہ فریبِ نفس ہے۔ وہ وقت آئے گا کہ جن لوگوں کو انہوں نے یوں اقتصادی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے وہ انہیں راستے سے ہٹا کر آزادی حاصل کر لیں گے۔

لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝٥ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝٦ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ۝٧ وَمَا
أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ۝٨ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ۝٩ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝١٠ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝١١
وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝١٢ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝١٣ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ

---

۵ ۶ اور اس طرح وہ انقلاب عظیم واقع ہوگا جس میں عالمگیر انسانیت خدا کا نظامِ ربوبیت قائم کرنے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوگی۔ (۱۳۹/۴۹ ؛ ۴۵/۳۶ ؛ ۴۴/۸ ؛ ۹/۲۲ ؛ ۹/۱۶)۔

۷ اُس وقت، اُن لوگوں کا اعمال نامہ، جنہوں نے انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے طبقات میں تقسیم کر رکھا ہے، خود انہیں جکڑ باندھ کر رکھ دے گا (اور یوں ان کا اپنا وضع کردہ نظام خود ان کی تباہی کا موجب بن جائے گا)۔

۸ (تم یقیناً یہ معلوم کرنے کے لئے بیتاب ہوگے کہ اُن کی یہ جکڑ بندیاں کس قسم کی ہوں گی)۔ تمہیں خدا کے سوا اس حقیقت سے کوئی آگاہ نہیں کرسکتا۔ سنئے

۹ یہ اُس قانونِ مکافات کے مطابق ہوں گی جو (ہر ایک کے مآل اور انجام کی) نشاندہی کئے جا رہا ہے۔

۱۰ ۱۱ یہ تباہی ان لوگوں کے لئے ہوگی جو اس قانونِ مکافات کی تکذیب کرتے ہیں۔

۱۲ اور یہ ظاہر ہے کہ اس قانون کی تکذیب وہی شخص کرسکتا ہے جو ہر قسم کے جرائم نہایت جرأت اور بے باکی سے کرتا چلا جائے ——— ایسے جرائم بھی جن کا اثر اس کی اپنی ذات تک محدود ہو اور ایسے بھی جو متعدی ہوں۔ وہ جرائم بھی جو سرکشی کے جذبات ابھاریں اور وہ بھی جن کا نتیجہ افسردگی اور اضمحلال ہو۔ (ایسا شخص یہ کہہ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتا ہے کہ ایسا کوئی قانون نہیں جس کی رُو سے مجھے میرے جرائم کی سزا مل سکے۔ یہی کیفیت خاصب اقوام کی ہوتی ہے)۔

۱۳ جب اس کے سامنے وہ تاریخی حقائق پیش کئے جائیں جن میں بتایا گیا ہو کہ سابقہ اقوام میں سے جنہوں نے اس قسم کے جرائم کئے وہ تباہ و برباد ہوگئیں، تو وہ، بجائے اسکے کہ ان شواہد سے عبرت حاصل کرے، یہ کہہ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتا ہے کہ یہ محض عہدِ پارینہ کی داستانیں ہیں (مجھ سے ان کا کیا تعلق؟)۔

۸ (ان سے کہو کہ) بات یہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ ان کے غلط اعمال اس طرح زنگ بن کر ان کے دلوں پر جم گئے ہیں کہ ان میں اب سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔

قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾
ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ
مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾
تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾

---

۱۵ یہ لوگ (اُس دور میں جب عالمگیر انسانیت خدا کی ربوبیت عامہ کے قیام کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی) اس کے ثمرات سے محروم رہ جائیں گے۔ ان کی مزرعِ ہستی زمینِ شور کی طرح بے برگ وگیاہ رہ جائے گی (اس دنیا میں بھی ان کی یہی حالت رہے گی اور اُخروی زندگی میں بھی)۔

۱۶ یعنی اُن کی نشوونما رک جائے گی (کیونکہ انسانی ذات کی نشوونما تو دوسروں کی ربوبیت سے ہوتی ہے نہ کہ ان کے حقوق تلف اور ان کی محنت سلب کر لینے سے)۔ یوں وہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔

۱۷ وہاں ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے ہمارے اُس قانونِ مکافات کی رُو سے تمہارے اعمال کا نتیجہ، جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

۱۸ ان کے برعکس ان لوگوں کا مقام، جو زندگی میں وسعت اور کشادہ پیدا کرتے ہیں، بلندیوں پر ہوگا۔ وہ زندگی کے ارتقا کی اگلی منزل میں ہوں گے۔

۱۹ تجھے خدا سے بہتر کون بتا سکے گا کہ یہ بلندیاں (ارتقائی منازل) کیا ہیں؟

۲۰ یہ بھی ہمارے اس قانونِ مکافات کے مطابق ہوگا جو ہر ایک کے اعمال کی نشان دہی کئے جا رہا ہے۔

۲۱ اور جسے یہ مقربین اپنے سامنے کھلا ہوا پائیں گے ——— یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے اندر صفاتِ خداوندی کو زیادہ سے زیادہ منعکس کر لیا ہوگا۔

۲۲ یہ ابرار ——— یعنی وسعتوں کے مالک ——— زندگی کی راحتوں اور آسائشوں سے بہرہ یاب ہوں گے۔

۲۳ اختیارات واقتدارات کے تختوں پر متمکن ——— ہر بات کو اپنی نگاہ میں رکھے ہوئے ——— یعنی جہاں بانی اور جہاں بینی، دونوں خصوصیات کے مالک۔

۲۴ ان آسائشوں اور طمانیتوں کی پیدا کردہ شگفتگی وشادابی کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوں گے۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾
عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ
يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾

۲۵ انہیں (زندگی کی توانائیوں کے لئے) بادۂ خالص پینے کو ملے گا جو ہر قسم کی آلائش و آمیزش سے پاک ہوگا۔ یعنی سربمہر آبگینوں میں بند۔

۲۶ ان آبگینوں کی مہریں بھی تقویت بخش عناصر (مشک) سے مرکب ہوں گی۔

یہ ہیں زندگی اور توانائی کو بڑھانے والے اسباب و عناصر جن کے حصول کے لئے تمہیں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ایک دوسرے سے مسابقت کا جذبہ ہر انسان کے اندر ہے۔ لیکن کوتاہ بیں انسان' اس کے لئے میدان غلط منتخب کرتا ہے۔ وہ محض طبیعی زندگی کے مفاد کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کرتا ہے۔ اس جذبہ کی تسکین کے لئے صحیح میدان یہ ہے کہ تم نوع انسان کی ربوبیت کی جدوجہد میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اس سے تمہیں زندگی بخش "بادۂ رحیق" ملے گا۔ (۵۷/۱۰۲)۔

۲۷ اس "بادۂ رحیق" میں اس چشمے کا آبِ خنک و شیریں ملایا جائے گا جو شرفِ انسانیت کے بلند ترین مقام سے پھوٹ کر نکلتا ہے۔ اور انسانی صلاحیتوں کی بھرپور نشوونما میں ممد و معاون ہوتا ہے (۷۶/۱۲)۔

۲۸ یہ وہ چشمہ ہے جس سے' وہ لوگ جو اپنے اندر صفاتِ خداوندی کو (علیٰ حدِ بشریت) منعکس کرلیں' زندگی اور اس کی توانائیاں حاصل کرتے ہیں۔

۲۹ جب وہ لوگ' جو دوسروں کی محنت کے پھل تو چ کھسوٹ کر اپنے ہاں لے آتے ہیں' ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو خدا کے نظامِ ربوبیت کی صداقت پر یقین رکھتے' اور اس کے قیام کے لئے کوشاں رہتے ہیں' تو ان پر ہنستے ہیں (کہ ان بیوقوفوں کو دیکھو جو جان مار کر محنت کرتے ہیں اور اس کے ماحصل میں سے بقدر اپنی ضروریات کے لے کر' باقی سب' حق کا بول بالا' اور دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دیدیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا فائدے کا سودا ہے!)

۳۰ یہ لوگ جب اِن (مومنین) کے پاس سے گزرتے ہیں تو ایک دوسرے کو کنکھیوں

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ
حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ
مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

سے اشارے کرتے ہیں (کہ یہ ہیں وہ جن کی عقلوں پر پردے پڑ گئے ہیں)۔

۳۱ اس کے بعد جب یہ لوٹ کر اپنے ہم خیال ٹولے کی طرف جاتے ہیں تو عجیب انداز سے اتراتے ہیں اور جماعتِ مومنین پر پھبتیاں کستے ہیں۔

۳۲ غرضیکہ وہ جب بھی اس جماعت کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دیکھو! یہ لوگ کس غلط راستے پر چلے جا رہے ہیں؟ یہ بالکل بہک گئے ہیں۔

۳۳ حالانکہ انہیں ان (مومنین) پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا (کہ یہ اُن کے اعمال کا محاسبہ کرتے رہیں)۔

۳۴ (اِس وقت جب یہ انقلابی پروگرام اپنے ابتدائی مراحل میں سے گزر رہا ہے ظاہر بین نگاہوں کو ایسا ہی نظر آتا ہے کہ یہ دیوانوں کی جماعت ہے جسے اپنے نفع نقصان کا کوئی خیال نہیں۔ اور یہی وجہ ہے جو یہ ان پر ہنستے ہیں۔ لیکن) جب یہ پروگرام اپنی تکمیل تک پہنچ جائے گا تو یہی ایمان والے ان لوگوں پر ہنسیں گے جو ہمارے قانونِ ربوبیت سے انکار کرتے ہیں۔

۳۵ یہ اختیارات و اقتدارات کی مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے (کہ ان لوگوں کا کیا حشر ہو رہا ہے جو ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے)۔

۳۶ ان کی یہ حالت خود ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کا عمل لوٹ کر اُس کی طرف آجاتا ہے (اسی سے اس کی جنت اور جہنم مرتب ہوتی ہے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۲ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴
وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶

۱-۲ جب فضا میں پھیلی ہوئی توانائیاں پھٹ جائیں گی —— اور یہ کچھ اس خدا کے قانون کے مطابق ہوگا جو تمام کائنات کو نشوونما دیتا ہے —— اسی کے قوانین کے تابع یہ تمام سلسلۂ کائنات سرگرمِ عمل ہے۔ اُس نے اسے بنایا ہی اس انداز سے ہے کہ ہر حادثہ اس کے پروگرام میں بالکل فٹ بیٹھتا ہے

۳-۵ اور زمین میں دُور دُور تک آبادیاں پھیل جائیں گی۔ اور وہ اپنی معدنیات اور دیگر ذخائر اُگل دے گی' اور اندر سے خالی ہوتی جائے گی۔ یہ بھی خدا کے قانون ہی کے مطابق ہوگا جس کی اطاعت ان اشیائے فطرت کا فریضہ ہے۔ وہ بنائی ہی اس طرح گئی ہیں۔

۶ اے انسان! اس میں شبہ نہیں کہ تو اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنا پر بھی آخرالامر اُس نظامِ خداوندی تک پہنچ جائے گا جو عالمگیر انسانیت کی ربوبیت کا ضامن ہے لیکن ایسا' بڑی جاں کاہ مشقتوں اور استخواں شکن ٹھوکروں کے بعد ہوگا۔ (اس کے برعکس' وحی کی راہ نمائی میں اُس منزل تک بلا مشقت اور بڑے کم وقت میں پہنچا جا سکتا ہے۔ وحی کی روشنی' ناکام تجارب کی تلخ کامیوں سے بھی محفوظ رکھتی ہے اور وقت کی طنابیں

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿٨﴾ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ
مَسْرُورًا ﴿٩﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ﴿١١﴾ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴿١٢﴾ إِنَّهُ كَانَ
فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾ إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ﴿١٤﴾ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾
وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾

بھی کھینچ دیتی ہے)۔

۷-۸ حقیقت یہ ہے کہ وحی کا اتباع کرنے والے کے اعمال یمن و سعادت کے حامل ہوتے ہیں اور اس کی زندگی کے معاملات بڑی آسانی سے طے پا جاتے ہیں۔

۹ اور وہ اپنے رفقاء کی طرف خوشی خوشی لوٹ کر آتا ہے (اسے اپنے ہم فکر و ہم آہنگ افراد کے ساتھ مل جانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی بلکہ یہ سب ایک دوسرے سے شاداں و فرحاں ملتے ہیں، اور یوں ایک حسین و شاداب عالمگیر برادری وجود میں آجاتی ہے)۔

۱۰-۱۲ لیکن جو شخص اسلاف پرستی کی اندھی تقلید کی روش اختیار کرتا ہے، جس سے اسے اپنا پچھلا راستہ (ماضی) تو روشن دکھائی دیتا ہے اور سامنے کا راستہ (مستقبل) تاریک۔ تو وہ تباہیوں کو بلا بلا کر اپنا گھر دکھاتا ہے اور یوں جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۱۳ وہ اس سے پہلے اپنے ہم خیال لوگوں میں خوش خوش رہتا تھا، اور اسے اس کا وہم و گمان تک بھی نہ تھا کہ اس کی حالت میں تبدیلی آئے گی۔ وہ سمجھتا تھا کہ اسی طرح اپنی من مانی

۱۴ کرتا رہے گا۔ اس کی قوت و شوکت میں کبھی کمی واقع نہیں ہوگی۔

۱۵ لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ خدا کا قانون مکافات اُس کی ہر نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے اور اُس کا مستقبل اس کے اعمال کے نتائج کی رُو سے مرتب ہوگا (غلط روش پر چلنے والے کو کچھ وقت کے لئے تو مفاد عاجلہ حاصل ہو جاتے ہیں، لیکن اس کا مستقبل تاریک ہوتا ہے)۔

۱۶ اس حقیقت پر تمام نظامِ کائنات شاہد ہے۔ مثلاً تم غور کرو کہ سورج غروب ہو جاتا ہے تو (اس طرف بسنے والوں کی نگاہوں سے اس کی روشنی اوجھل ہو جاتی ہے لیکن) شفق کی سرخی کچھ دیر تک باقی رہتی ہے۔

۱۷ پھر رفتہ رفتہ یہ سرخی بھی ختم ہو جاتی ہے اور رات کی تاریکی کی چادر فضا پر چھا جاتی ہے جس کے اندر تمام چیزیں سمٹ کر آجاتی ہیں (اسی تاریکی کی چادر سے روشن ستارے اور چمکتا ہوا چاند نمودار ہو جاتے ہیں)۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا
يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

۱۸ اور چاند آہستہ آہستہ اپنی منازل طے کرتا مہ کامل بن جاتا ہے۔

۱۹ یہ کائناتی مظاہر اس حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ تم بھی زندگی کی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے یوں بلندیوں کی طرف اٹھتے جاؤ گے کہ جب اس کی ایک منزل کے ساتھ مطابقت حاصل کر لو گے تو اس سے اگلی منزل میں پہنچنے کے قابل ہو جاؤ گے یوں تم منزل بمنزل آگے بڑھتے اور اوپر اٹھتے چلے جاؤ گے۔ (اور یہ سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری رہے گا)۔

۲۰ حیرت ہے کہ اس قدر واضح دلائل و شواہد کے باوجود یہ لوگ نہ خدا کے قانونِ مکافات پر ایمان لاتے ہیں نہ حیاتِ اُخروی پر جو زندگی کی مزید ارتقائی منازل کا دوسرا نام ہے۔

۲۱ اور جب ان کے سامنے قرآن پیش کیا جاتا ہے تو اس کے آگے اپنا سرِ تسلیم خم نہیں کرتے

۲۲ بلکہ اس کی صداقتوں سے انکار کرتے اور اس کے قوانین کو جھٹلاتے ہیں۔

۲۳ (اور یہ سب اس لئے کہ اس سے ان کے انفرادی مفادات پر زد پڑتی ہے۔ لیکن) یہ بات خدا پر خوب روشن ہے کہ یہ لوگ کیا جمع کرتے اور پھر کس طرح اُسے صرف اپنی ذات پر صرف کرنے کے لئے تجوریوں میں بند رکھتے ہیں۔ (۱۰۴/۱۰۲)۔ (۹/۱)

۲۴ (اے رسولؐ!) انہیں متنبہ کر دے کہ اس روشِ زندگی کا نتیجہ بڑا الم انگیز ہوتا ہے۔ (۹/۳۴-۳۵)۔

۲۵ اس تباہی سے وہی لوگ بچ سکیں گے جو خدا کے قوانین کی صداقت پر یقین رکھ کر بلا تغیر انسانیت اور خود اپنی ذات کو سنوارنے والے کام کریں گے۔ اس طرز زندگی کا نتیجہ ایسی آسائشیں اور راحتیں ہوں گی جن کا سلسلہ ختم ہی نہیں ہوگا (۴۱/۸ ؛ ۶۸/۳ ؛ ۱۴/۲۵-۲۴)۔ اور یہ کچھ انہیں بطور "احسان" (خیرات کے طور پر) نہیں ملے گا بلکہ وہ اسے بطور اپنے حق کے حاصل کریں گے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴
النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ وَمَا نَقَمُوْا

۱ اس حقیقت پر شاہد ہیں
فضا کی بلندیوں میں نمایاں ہونے والے ستاروں کے مواقع اور منازل۔
۲ اور وہ انقلاب جس کے آنے کا وعدہ (قرآن میں) بار بار مذکور ہے۔
۳ اور یہ رسولؐ جو اس انقلاب کی آمد کی شہادت دیتا ہے اور خود وہ نظام جس کے قیام و استحکام کی شہادت دی جاتی ہے۔
۴ کہ یہ لوگ جو اس نظام کی اس قدر مخالفت کرتے ہیں کہ اسے مٹانے کے لئے جنگ تک کی
۵ تیاریوں میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ اپنی تدبیروں کی خندقیں کھودتے اور ان میں فتنوں کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں۔
۶ اور اپنے اس پروگرام پر جم کر بیٹھے رہتے ہیں۔
۷ اور جو کچھ دوسرے لوگ جماعتِ مومنین کے خلاف کرتے ہیں یہ اسے بھی تماشا سمجھ کر دیکھتے رہتے ہیں۔
یہ تمام امور اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ مخالفین بالآخر تباہ ہو کر رہیں گے۔
۸ یہ لوگ جماعتِ مومنین سے محض اس بات کا انتقام لینا چاہتے ہیں کہ وہ خدائے

مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝٨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝١٠ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝١١ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝١٢ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝١٣ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝١٤ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝١٥ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝١٦

حمید و عزیز پر ایمان کیوں لے آئے ہیں۔ (۵۹/۵ ؛ ۴۰/۳۲)۔

۹ اُس خدا پر ایمان کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں سب اقتدار اور اختیار اُسی کا ہے۔ اور ہر شے اُسی کی نگرانی کے اندر ہے۔

۱۰ (ان سے کہدو کہ) جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو اس طرح ایذا دیتے ہیں اور اپنی اس روش سے باز نہیں آتے ان کے لئے سوزناک عذاب ہوگا —— یعنی وہ عذاب جو ان کا سب کچھ جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دے گا۔

۱۱ ان کے برعکس، جو لوگ قوانینِ خداوندی کی صداقت پر ایمان لا کر اُس کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ہیں، ان کے لئے (دنیا اور آخرت میں) اُس جنت کی زندگی ہے جس کی تازگی اور شادابی میں کبھی کمی نہیں آئے گی —— یہ بہت بڑی کامیابی و کامرانی ہے۔

۱۲ (ان مخالفین سے کہدو کہ تم مجبور نہیں) خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔

۱۳ وہ ہر شے کو اس کے نقطۂ آغاز سے پیدا کرتا اور پھر اسے گردشیں دیتا ہوا مختلف ارتقائی مراحل میں سے گزار کر نقطۂ تکمیل تک پہنچا دیتا ہے۔

۱۴ اسکے لئے وہ تخریبی عناصر سے اشیائے کائنات کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ بننا ہے بن جائیں (وہ اپنے پروگرام کو تکمیل تک پہنچاتا ہے)۔

۱۵ اس مقصد کے لئے اس نے کائنات کے مرکزی کنٹرول کو جو بڑی قوتوں اور عظمتوں کا حامل ہے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

۱۶ جملہ کائنات میں صرف اسی کا اختیار و ارادہ کارفرما ہے۔ اور اس کا یہی وہ اختیار و

هَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِن
وَرَائِهِم مُّحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

ارادہ ہے جس کے مطابق وہ اشیائے کائنات کے لئے ضروری قوانین مرتب کرتا ہے۔ اس میں کوئی اور دخل نہیں دے سکتا۔ کس چیز کے لئے کونسا قانون ہونا چاہیئے' اس کا فیصلہ وہ خود ہی کرتا ہے۔ (ان غیر متبدل قوانین کو جنہیں خدا' عالمِ امر میں' اپنے اختیارِ مطلق سے وضع کرتا ہے' خدا کی مشیت کہا جاتا ہے)۔

۱۷ (اُسی کا قانون انسانی دنیا میں' مکافاتِ عمل کی شکل میں کارفرما ہے۔ اس کی شہادت کے لئے قرآن میں) ان لوگوں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں جو بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ' قوانین خداوندی کی مخالفت کے لئے ہجوم کر کے آئے تھے۔

۱۸ یعنی قوم فرعون' اور قوم ثمود کے لوگ ——— (ان کا جو انجام ہوا وہ تاریخ کے اوراق پر ثبت ہے)۔

۱۹ (لہذا' اے رسولؐ) یہ لوگ جو اس وقت' ہمارے قوانین سے سرکشی برتتے اور اسے جھٹلاتے ہیں' ان سے کہہ دو کہ

۲۰ خدا کا وہی قانون انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

۲۱ انہیں معلوم نہیں کہ یہ جس ضابطۂ خداوندی (قرآن) کی مخالفت کر رہے ہیں' وہ کتنے بڑے شرف و مجد کا حامل ہے۔

۲۲ وہ ہر قسم کے خارجی اثرات سے محفوظ رہنے والی تختی پر کندہ ہے (وہ صحیفۂ کائنات میں بھی محفوظ ہے اور قرآن کے اوراق میں بھی۔ اس لئے اسے کوئی مٹا نہیں سکتا)۔ (۵۶/۷۸)۔ (خدا کے غیر متبدل قوانین' خواہ وہ نظامِ فطرت سے متعلق ہوں اور خواہ انسان کی تمدنی دنیا سے' کبھی مٹ نہیں سکتے۔ اول الذکر کو قوانینِ فطرت کہا جاتا ہے اور ثانی الذکر کو قرآن کا ضابطۂ حیات۔ وہ بھی محفوظ ہیں اور یہ بھی محفوظ۔ ۱۵/۹)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝۳ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝۴

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵

۱ فضا کی بلندیاں اور "طارق" ایک عظیم حقیقت پر شاہد ہیں۔

۲ تجھے خدا کے سوا کون بتا سکتا ہے کہ "طارق" کی شہادت سے کیا مقصود ہے یعنی

۳ اس نہایت روشن ستارے کی شہادت سے جو رات کی تاریکیوں میں قندیلِ نورانی بن کر آتا ہے۔

(وہ نظر تو آتا ہے رات ہی کو۔ لیکن دن کے وقت بھی وہ مٹ نہیں جاتا' موجود رہتا ہے۔ صرف اس کی روشنی ہماری نظروں سے پنہاں ہوتی ہے)۔

۴ (یہی کیفیت انسانی اعمال کی ہے۔ انسان اپنے آپ کو فریب دینے کے لئے سمجھتا ہے کہ اس کے جو اعمال دوسروں کی نگاہوں سے مخفی رہتے ہیں' ان کا وجود باقی نہیں رہتا' اس لئے ان پر گرفت کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ خیال خام ہے۔ اعمال' خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ' ہمیشہ موجود رہتے ہیں)۔ ہم نے ہر فرد کے اعمال کو محفوظ رکھنے کا انتظام کر رکھا ہے۔

۵ (وہ اسی طرح کبھی پنہاں ہوتے ہیں اور کبھی ظاہر' جس طرح زندگی' کبھی مضمر ہوتی ہے کبھی مشہود۔ اگر انسان اس ایک نکتہ پر غور کرے' تو اس کے لئے بات کا سمجھنا چنداں

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝۷ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝۸ يَوْمَ تُبْلَى
السَّرَآئِرُ ۝۹ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝۱۰ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝۱۱ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝۱۲
اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝۱۳

مشکل نہ رہے۔ مثلاً) وہ دیکھے کہ اس کی پیدائش کس طرح سے ہوئی ہے؟

۶ اس کی ابت! اس مادۂ تولید سے ہوئی ہے جو اچھل کر رحم میں گرتا ہے۔

۷ یہ مادہ' اپنے مقامِ تولید سے سیدھا عورت کے رحم میں نہیں جا گرتا۔ وہ مرد کی پیٹھ اور پیڑو کی ہڈیوں[a] کے درمیان سے گذرتا ہوا خارج ہوتا اور اپنے مستقر میں پہنچتا ہے۔ (اس مادۂ تولید میں زندگی مضمر شکل میں ہوتی ہے۔ اور پھر رحمِ مادر میں' مختلف منازل سے گذر کر' وہ مشہود شکل میں سامنے آجاتی ہے)۔

۸ (جو لوگ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا' ان سے پوچھو کہ اس میں ناممکن بات کون سی ہے؟ اس دنیا میں' زندگی مشہود ہوتی ہے۔ طبیعی موت سے اتنا ہی فرق پڑتا ہے کہ وہ پھر مضمر ہو جاتی ہے۔ تو کیا وہ خدا جس نے اسے' اس سے پہلے' مضمر سے مشہود بنایا تھا) اس پر قادر نہیں کہ ایک بار پھر مضمر کو مشہود کر دے؟ یقیناً وہ اس پر قادر ہے۔

۹ اُس وقت' جس طرح زندگی مضمر سے مشہود ہو جائے گی' اسی طرح انسانی اعمال کے پوشیدہ نتائج بھی بے نقاب ہو کر سامنے آجائیں گے۔

۱۰ اُس وقت کوئی قوت ایسی نہیں ہوگی جو ان مخفی نتائج کو بے نقاب ہونے سے باز رکھ سکے۔ اور نہ ہی انسان کا کوئی ایسا مددگار ہوگا جو اسے ان نتائج کی تباہیوں سے بچا سکے۔

۱۱ (یہ تو رہا اُخروی زندگی کا ماجرا۔ اس سے پہلے' یہاں بھی ایک عظیم انقلاب برپا ہونے والا ہے۔ اس کے لئے) اجرامِ فلکی کے نئے نئے پہلو جو ان کی گردش کی وجہ سے سامنے آتے ہیں'

۱۲ اور وہ زمین جو بیج کو پھاڑ کر اس میں سے کونپل نکالتی (اور اس طرح' بیج کے اندر مضمر زندگی کو مشہود بنانے کا ذریعہ بنتی ہے)

۱۳ غرضیکہ یہ تمام مظاہرِ فطرت جن میں تخریب و تعمیر کا یہ عمل' مسلسل جاری و ساری ہے'

a SACRUM AND PELVIC BONES.

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ﴿١٥﴾ وَأَكِيدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾ فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾

اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ انسان کی تمدنی زندگی میں بھی اس انقلاب کا آجانا (جس کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے) ایک طے شدہ بات ہے۔ (اس وقت اس کا پہلا تخریبی مرحلہ سامنے ہے۔ اس کے بعد یہ دانہ پھوٹ کر ایک نئے پودے کی شکل اختیار کرے گا اور وہ اپنے وقت پر لہلہاتی کھیتی بن جائے گی۔ (۴۸/۲۹)

۱۴ یہ ایک طے شدہ بات ہے۔ کوئی لغو دعویٰ یا دیوانے کی بڑ نہیں۔

۱۵ یہ مخالفین اس کو روکنے کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ (کہ وہ واقعہ نہ ہونے پائے)۔

۱۶ لیکن ہمارا قانون بھی اس سے غافل نہیں۔ وہ بھی اپنی تدابیر میں مصروف ہے۔

۱۷ بات صرف مہلت کے وقفہ کی ہے (یعنی وہ وقفہ جو بیج کے فصل بننے تک کے لئے ناگزیر ہوتا ہے) سو تو ان مخالفین کو سردست ان کے حال پر چھوڑ دے۔ ہمارے قانونِ مکافات کے مطابق انہیں تھوڑی سی مہلت مل رہی ہے۔ اس کے بعد ان کی گرفت ہوگی۔ اور وہ انقلاب آجائے گا۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣ وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝٤

۱ (اے رسولؐ!) تو اپنے نشوونما دینے والے کے بلند و بالا نظامِ ربوبیت کو متشکل کرنے کے لئے سرگرمِ عمل رہ۔ (۹۶/۱)۔

۲ اُس خدا کے نظامِ ربوبیت کو متشکل کرنے کے لئے جو—

۳ (i) ہر شے کو مختلف امتزاجات اور ترکیب سے ایک ہیئت عطا کرتا ہے۔

(ii) پھر اس کے حشو و زواید کو دور کر کے اس میں خاص تناسب اور اعتدال پیدا کر دیتا ہے۔

(iii) پھر اس میں ایک خاص اندازے اور پیمانے کے مطابق ایک حد تک بڑھنے، پھولنے، پھلنے کی صلاحیت رکھ دیتا ہے۔ (اسے اُس شے کی تقدیر کہتے ہیں)۔

(iv) اس کے بعد اُسے وہ راستہ دکھا دیتا ہے جس پر چلنے سے وہ شے اپنی تکمیل تک پہنچ سکتی ہے۔ (یہ راہنمائی کائنات کی ہر شے کے اندر رکھ دی جاتی ہے۔ اسے اس شے کی فطرت یا جبلت کہا جاتا ہے)۔

اس طرح کائنات کی ہر شے خدا کے قانون کے مطابق اپنے نقطۂ آغاز سے منزل بمنزل اپنی تکمیل تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی کو نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے۔

۴ (مثلاً) زمین میں تخم ریزی کی جاتی ہے تو وہ دانہ خدا کے قانونِ تخلیق کے مطابق ہرے بھرے چارہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس سے مویشیوں کی پرورش ہوتی ہے۔ لیکن

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ۝۵ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی ۝۶ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی ۝۷ وَ
نُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی ۝۸ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی ۝۹ سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ۝۱۰

۵ یہی چارہ جب حیات بخش عناصر سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتا ہے یا اُس پیمانے کی آخری حد تک پہنچ جاتا ہے جو اس کے لئے مقرر کیا گیا تھا تو وہ خشک ہو کر خس و خاشاک میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ (اس کی یہ زندگی، نمو اور پھر موت سب خدا کے قانون کے مطابق واقع ہوتی ہے جسے ہر شے کے اندر رکھ دیا گیا ہے)۔

۶ (زندگی، نشوونما اور موت کا یہی قانون خود انسانی دنیا میں بھی کارفرما ہے۔ لیکن اس قانون کا علم (اشیائے فطرت کی طرح) انسان کے اندر نہیں رکھ دیا گیا۔ یہ راہنمائی اُسے اس وحی کے ذریعے ملتی ہے جو انبیاءؑ کی وساطت سے انسانوں تک پہنچتی ہے۔ یہ وحی اے رسولؐ! ہم نے اس اہتمام سے تجھے دی ہے کہ) تو اس میں سے نہ کچھ بھول سکتا ہے نہ ترک کر سکتا ہے۔

۷ اگر خدا کی مشیت ہوتی تو تُو اس میں سے کچھ بھول سکتا (اور ترک کر سکتا) تھا۔ لیکن (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے (۱۷/۷۴))۔ اس کی مشیت ایسی نہیں تھی۔ اس لئے تو اس میں سے کچھ بھی ترک یا فراموش نہیں کر سکتا۔ یہ حتمی بات ہے۔

یہ وحی اس حق کی طرف سے دی گئی ہے جو جانتا ہے کہ انسان میں کیا کیا ممکنات زندگی مضمر ہیں، اور ان میں سے کس کس جوہر کی نمود کس انداز سے ہو سکتی ہے۔ (اس لئے ہماری یہ وحی ہر طرح سے مکمل اور اس مقصد کے لئے کافی ہے جس کے لئے دی گئی ہے، یعنی انسانی ذات کی نشوونما کے لئے)۔

۸ یہی نہیں کہ تجھے وحی بھولے گی نہیں اس کے مطابق ایک معاشرہ متشکل کرنے کے لئے ہم تیرے لئے آسانیاں بھی پیدا کر دیں گے۔ اور یوں تو، آہستہ آہستہ اس نظام کو تکمیل تک پہنچا دے گا۔

۹ سو تو اس وحی کو لوگوں کے سامنے پیش کئے جا۔ لیکن جب تو دیکھے کہ جس شخص یا گروہ کو تو نصیحت کر رہا ہے وہ اس سے مستفید ہونا ہی نہیں چاہتا، تو اُسے چھوڑ دے (اور یہی وقت اور توانائی ایسی جگہ صرف کر جہاں تیری تعلیم نتیجہ خیز ہو۔ (۱۵/۸۵) ؛ (۷۳/۱۰))۔

۱۰ اس لئے کہ اس سے وہی شخص فائدہ اٹھائے گا جو عاقبت اندیش ہو گا۔ جسے اپنے نفع نقصان کا خیال ہو گا۔ جو غلط روش کے تباہ کن نتائج سے بچنا چاہے گا۔ (۲/۲)۔

وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ﴿١١﴾ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿١٣﴾ قَدْ أَفْلَحَ مَن
تَزَكَّىٰ ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٧﴾ إِنَّ
هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿١٨﴾ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴿١٩﴾

۱۱ جو شخص اس سے کنارہ کش رہے گا وہ تیرا یا کسی اور کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ وہ خود ہی زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہے گا' اور یوں بڑا بدقسمت ہوگا۔

۱۲ وہ تباہیوں کے اس جہنم میں داخل ہوگا جو سب کچھ جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے۔

۱۳ اس میں انسان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نہ تو وہ مرتا ہی ہے (کہ یوں اس عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو جائے) اور نہ ہی اس کا شمار زندوں میں ہوتا ہے۔ (۱۴/۱۷ ؛ ۳۰/۷۴)۔

۱۴ (یاد رکھو!) کھیتی اسی کی پروان چڑھتی ہے جو (اپنے جسم کی پرورش ہی کو نصب العین حیات قرار نہ دے لے بلکہ اس کے ساتھ) اپنی ذات کی نشوونما بھی کرے۔

۱۵ اور ذات کی نشوونما اس کی ہوتی ہے جو خدا کی صفتِ ربوبیت کو عملاً متشکل کرتا' اور زندگی کے ہر گوشے میں اس کے قانون کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

۱۶ (اِن مخالفین سے کہو کہ' اس کے برعکس تمہاری یہ حالت ہے کہ) تم طبیعی زندگی کے
۱۷ مفاد کو ترجیح دیتے ہو' حالانکہ مستقبل کے مفادان سے کہیں بہتر بھی ہیں اور غیر متبدل بھی۔ (یعنی جب جسم کے تقاضوں اور مستقل اقدار میں تصادم ہو' تو صحیح روش یہ ہے کہ مستقل اقدار کے تحفظ کے لئے جسم کے تقاضوں کو قربان کر دیا جائے۔ اس سے انسانی ذات کی نشوونما ہوتی ہے' اور اُخروی زندگی کامیاب)۔

۱۸ یہ وہ حقیقت ہے جسے (قرآن میں) پہلی بار بیان نہیں کیا گیا' سابقہ آسمانی
۱۹ کتابوں میں بھی یہی پیغام دیا گیا تھا۔ (مثلاً) جو کتاب ابراہیمؑ کو دی گئی تھی اس میں بھی یہی تعلیم تھی۔ اور جو موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی اُس میں بھی یہی کچھ کہا گیا تھا۔ (۵۳/۳۷ — ۳۶)۔ (دین کی اصل و بنیاد شروع سے ایک ہی چلی آ رہی ہے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝٢ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝٣ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝٤
تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝٥ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝٦

۱ ہم تمہیں اُس عالمگیر انقلاب کے متعلق کچھ بتانا چاہتے ہیں جو ان تمام لوگوں پر چھا جائیگا (جو اسے ناکام بنانے کی تدبیریں کر رہے ہیں)۔

۲ اُس وقت لوگوں کے دو گروہ ہو جائیں گے۔ ایک گروہ ان کا جن پر افسردگی اور شرمندگی چھائی ہوئی ہو گی ——— ذلیل و خوار محبوب و شرمسار۔

۳ ان کی محنت و مشقت کا ما حصل سوائے تکان اور اضمحلال کے کچھ نہ ہو گا۔ (اس لئے کہ انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا تھا' اور غلط راستے پر چلنے والے کے حصے میں تکان اور اضمحلال کے سوا کچھ نہیں آسکتا۔ وہ تھکتا ہے' لیکن منزل تک نہیں پہنچتا)۔

۴ ان کی غلط روش انہیں تباہیوں کے جہنم میں لے جائے گی جس کے شعلے تیزی سے بھڑک رہے ہوں گے۔

۵ اس جہنمی زندگی میں انہیں پینے کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی ملے گا جس سے پیاس بجھنے کے بجائے' اور بھڑک اٹھے۔

۶ اور کھانے کو وہ بدبودار جھاڑیاں جنہیں سمندر کنارے پر پھینک دیتا ہے۔ (یعنی بڑی بڑی قوموں کا پس خوردہ جنہیں وہ بھیک کے ٹکڑوں کی طرح پس ماندہ اقوام کی طرف

لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝٧ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝٨ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝٩ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝١٠
لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ۝١١ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝١٢ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ۝١٣ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۝١٤ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ۝١٥ وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ۝١٦ أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝١٧ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝١٨ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝١٩ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝٢٠

پھینک دیتی ہیں۔ ایسی ذلت کی روٹی؟)۔

۷ جس سے جسم کا نشوونما حاصل کرنا تو ایک طرف، بھوک بھی نہ مٹے۔

۸ ان کے برعکس، دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جنہیں زندگی کی آسائشیں حاصل ہوں گی۔

۹ اور ان کی جدوجہد کے نتائج ان کی منشاء کے عین مطابق ہوں گے۔

۱۰ وہ ایک ایسے جنتی معاشرہ میں ہوں گے جو ان کے مقامِ بلند کا آئینہ دار ہوگا۔ اس میں انہیں آسائشوں کے ساتھ، ہر قسم کی سربلندیاں اور سرفرازیاں بھی حاصل ہوں گی۔

۱۱ اس میں وہ کوئی لغوبات سننے نہیں پائیں گے۔

۱۲ انہیں، زندگی کی جوئے رواں سے، آبِ حیات پینے کو ملے گا۔ (۱۷/۷۶ — ۱۶/۶۹)۔

۱۳ وہ اختیارات و اقتدارات کے بلند و بالا تختوں پر متمکن ہوں گے۔

۱۴-۱۶ پینے کے لئے نہایت عمدہ گلاس، قرینے سے رکھے ہوئے۔
بیٹھنے کے لئے اعلیٰ درجہ کے قالین، اور ان پر قطار در قطار تکیے۔

۱۷ (یہ بات، کہ جو معاشرہ قوانینِ خداوندی کے مطابق تشکّل ہوگا وہ کس حسن و خوبی سے اپنے زندگی بخش نتائج پیدا کرتا جائے گا، اس کی سمجھ میں آسکتی ہے جو یہ دیکھے کہ نظامِ کائنات ——— جو قوانینِ خداوندی کے مطابق سرگرمِ عمل ہے ——— کس عمدگی سے چل رہا ہے اور کیسے ٹھیک ٹھیک نتائج پیدا کر رہا ہے۔ اس مقصد کے لئے) انہیں چاہیئے کہ دیکھیں کہ

۱۸ (i) یہ پانی سے بھرے ہوئے بادل کس طرح ترکیب پاتے ہیں؟ سمندر کا تلخ پانی کس طرح، صاف، شفاف، میٹھے پانی کے مشکیزوں میں تبدیل ہو جاتا ہے جو دوشِ ہوا پر سوار اِدھر اُدھر تیرتے پھرتے ہیں، اور وجہِ سیرابیٔ عالم بنتے ہیں۔

۱۹ (ii) یہ عظیم الجثہ، اجرامِ فلکی کس طرح فضا کی بلندیوں میں معلق اور مصروفِ گردش ہیں۔

(iii) یہ اتنے اتنے بڑے پہاڑ کیسے مستحکم کھڑے ہیں (حالانکہ زمین اس تیزی سے گردش کر رہی ہے)۔

۲۰ (iv) اور خود یہ زمین کس حسن و خوبی سے بچھا دی گئی ہے (کہ تمہیں اس کے گول اور

فَذَكِّرْ ۖ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ
الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ﴿٢٦﴾

متحرک ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا)۔

۲۱ (ان مظاہرِ فطرت کی طرف توجہ دلانے کے بعد) تُو ان کے سامنے قرآن کی تعلیم پیش کر۔ اس لئے کہ تیرا منصب اس تعلیم کو پیش کرنا ہے'

۲۲ اِسے اِن سے زبردستی منوانا نہیں۔ تو ان پر داروغہ مقرر کر کے نہیں بھیجا گیا!

۲۳ تو اس قرآن کو ان کے سامنے پیش کر دے۔ اس کے بعد' جو شخص اس سے اعراض برتے گا اور اس کے مطابق چلنے سے انکار کرے گا'

۲۴ تو وہ (خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق) بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔

۲۵ (بیہ اِس قانون سے انکار کر دینے سے اُسکی زد سے بچ نہیں سکتے)۔ ان کا ہر قدم اُسی کی طرف اُٹھ رہا ہے۔ یہ کسی دوسری طرف جا ہی نہیں سکتے۔

۲۶ لہذا' ان کے تمام اعمال کا حساب اُسی قانون کے مطابق ہو گا۔ اور ایسا ہو کر رہے گا۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ۝١ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝٢ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝٣ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝٤ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝٥
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦

۱ (حج کا اجتماع' نوع انسان کے الجھے ہوئے معاملات کو سنوارنے کے لئے' ایک عظیم
۲ تقریب کے طور پر تجویز کیا گیا تھا۔ لیکن ان لوگوں (عرب جاہلیہ) کو دیکھو کہ انہوں نے اس تقریب
۳ کو کیا سے کیا بنا دیا ہے)۔ انہوں نے' اس اجتماع کی ابتدائی دس راتوں کو رنگ رلیاں منانے
۴ کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ان میں ہر قسم کی بدمستیاں کرتے ہیں' ہر طرف جوئے کا بازار گرم ہوتا
ہے' جو طاق اور جفت (پانسوں) سے کھیلا جاتا ہے۔ آخری رات ان کی عیش پرستیاں انتہا
تک پہنچ جاتی ہیں۔ اور پھر' صبح کو اُٹھ کر جس طریق سے یہ حج کی تقریب مناتے ہیں' وہ بھی انکی
بدمستی اور فحاشی کی چلتی پھرتی تصویر ہوتی ہے۔ قریش کے سرمایہ دار تاجر' اور کعبہ کے متولی' یہ سب
کچھ دولت اور قوت کے نشے میں بدمست ہو کر کرتے ہیں۔ (یہ دولت کو اس طرح لٹاتے ہیں' اور
ان کے اردگرد' غریب' روٹی کے ٹکڑے تک کو ترستے ہیں)۔

۵ جو شخص ذرا بھی عقل و فکر سے کام لے گا' وہ بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ ان لوگوں کا
انجام بھی ویسا ہی ہونے والا ہے' جیسا انجام' انہی جیسی اقوام سابقہ کا ہوا تھا۔

۶ (مثلاً) قوم عاد کا جو ارم کی اولاد میں سے تھے۔

إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝٧ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝٨ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝٩ وَفِرْعَوْنَ
ذِي الْأَوْتَادِ ۝١٠ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝١١ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝١٢ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ
عَذَابٍ ۝١٣ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝١٤ فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ
رَبِّي أَكْرَمَنِ ۝١٥

۷ انہیں قابلِ اعتماد سامانِ زیست بڑی فراوانی سے حاصل تھا۔ (۱۳۴ — ۲۶ / ۱۳۲)۔ وہ بڑی بڑی عمارات بناتے اور اپنی بلند یادگاریں تعمیر کرتے تھے۔ (۲۶/۱۲۸)۔

۸ انہیں اپنی ہم عصر اقوام میں بے نظیر مقام حاصل تھا۔

۹ اور قومِ ثمود کا، جو پہاڑوں کے گوشوں میں مستحکم قلعے بناتی تھی۔ (۷/۷۴ ؛ ۱۵/۸۲)۔

۱۰ اور بڑی محکم قوتوں کے مالک، فرعون کا انجام، جس کے مملکت میں کھونٹے گڑے ہوئے تھے۔

۱۱-۱۲ ان لوگوں نے ملک میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی، اور فساد انگیزی میں حدود فراموش ہو گئے تھے۔

۱۳ تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ تیرے نشوونما دینے والے کا قانونِ مکافات، ان پر طرح طرح کے عذاب لایا، اور وہ سب تباہ و برباد ہو گئے۔

۱۴ اس لئے کہ اس کا قانونِ مکافات، ہر ایک کی گھات میں لگا رہتا ہے۔ کسی کا کوئی عمل اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ (لہٰذا، جو انجام اُن لوگوں کا ہوا تھا، وہی ان سردارانِ عرب کا ہوگا جو اپنی بدمستیوں میں اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں)۔

۱۵ (اصل یہ ہے کہ جب انسان وحی کی روشنی سے مُنہ موڑ لیتا، اور عقل و فکر سے کام لینا چھوڑ دیتا ہے، تو قانون کا تصور ہی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے ——— قانون کے تصور سے مراد یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ پیش آتا ہے وہ اس کے کسی نہ کسی انفرادی یا اجتماعی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے ——— جس کے سامنے یہ حقیقت نہ ہو وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے یونہی اتفاقی طور پر واقع ہو جاتا ہے۔ اس کی اس غلط نگہی کا نتیجہ ہے کہ (مثلاً) جب کسی کی زندگی خوشگوار پہلو بدلتی ہے تو وہ، یہ نہیں دیکھتا کہ یہ خوشگواریاں کن اسباب کا نتیجہ ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ "یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت اور آسائش عطا کر دیتا ہے"۔ (یعنی اس کے ہاں کوئی قاعدہ قانون مقرر نہیں)۔

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾
وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّآ
اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾

۱۶ اور جب اس کی زندگی دوسرا پہلو بدلتی ہے اور اس پر رزق کی تنگی ہو جاتی ہے تو وہ یہ نہیں سوچتا کہ یہ اس کی کس غلط روش کا نتیجہ ہے۔ وہ چیخنے چلانے لگ جاتا ہے کہ خدا نے مجھے خواہ مخواہ' ناحق' بلاسبب ذلیل و خوار کر دیا۔

۱۷ ایسا سمجھنے والوں سے کہو کہ یہ غلط ہے۔ خدا کسی کو یونہی بلاوجہ ذلیل و خوار نہیں کیا کرتا۔ تم جو یوں ذلیل ہوئے ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے ایسا معاشرہ قائم کر رکھا تھا جس میں ان لوگوں کی عزت و توقیر نہیں ہوتی تھی جو تنہا رہ جائیں۔ وہی قابلِ عزت سمجھا جاتا تھا جس کی پارٹی زیادہ مضبوط ہو۔ جس کا جتھہ طاقتور ہو۔

۱۸ اور اُس معاشرہ میں یہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ جس کی چلتی گاڑی کسی حادثہ کی وجہ سے رُک جائے' وہ سامانِ زیست سے محروم نہ رہنے پائے۔ صاحبِ استطاعت لوگ' نہ خود اس کی مدد کرتے تھے' نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دلاتے تھے۔

۱۹ اس کے برعکس' تم کرتے یہ تھے کہ جو کچھ تمہارے باپ دادا سے تمہارے قبضے میں آجاتا' اسے بھی سمیٹ کر کھا جاتے۔

۲۰ اور اس کے ساتھ ایسی تدابیر کرتے رہتے کہ دوسروں کا مال بھی' اِدھر اُدھر سے سمٹ کر' اس طرح تمہاری طرف کھنچ کر چلا آئے' جس طرح وادی کا تمام پانی نشیب زمین کی طرف بہ کر آجاتا ہے۔ (یعنی ایسا نظامِ سرمایہ داری جس میں چھوٹے چھوٹے سرمائے' بڑے سرمایہ کے اندر جذب ہوتے چلے جائیں اور اس طرح دولت چند افراد کے پاس مرتکز ہو کر رہ جائے۔ اس قسم کا نظام کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ وجہ ہے کہ تم اس قدر ذلیل و خوار ہو گئے ہو۔ ہمارے ہاں سے عزت و تکریم نہ یونہی اندھا دھند ملتی ہے نہ اندھا دھند چھنتی ہے۔ وہ بھی انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے' اور یہ بھی اس کی اپنی کرتوتوں کا انجام)۔

۲۱ (لہٰذا' ان سردارانِ قریش سے کہہ دو کہ تمہارا یہ نظام بھی ہمیشہ ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتا۔ وہ دَور آئے گا) جب اس اونچ نیچ کو مٹا کر معاشی ہمواریاں پیدا کر دی جائیں گی۔

۲۲ اور تیرے خدا کا نظامِ ربوبیت' کائناتی قوتوں کو ضعف در ضعف' اپنے جلو میں لئے

وَجِایْٓءَ یَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ
قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ﴿۲۴﴾ فَیَوْمَىِٕذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ
الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾

زمین پر متمکن ہو جائے گا۔ (یعنی اس نظام میں فطرت کی قوتوں کا ماحصل کسی خاص گروہ یا خاص قوم کی قوت اور دولت میں اضافہ کرنے کے بجائے عالمگیر انسانیت کی نشوونما کے لئے وقف ہو گا)۔

۲۳ اور وہ جہنم جو غلط معاشی نظام کا فطری نتیجہ ہے اور جسے انہوں نے اس وقت اپنی فریب کاریوں اور چہرہ بازیوں سے عوام کی نگاہوں سے اوجھل کر رکھا ہے ابھر کر سامنے آجائے گا۔ (یعنی اس وقت صورت یہ ہے کہ عوام ان کی سلگائی ہوئی آگ میں تو جل رہے ہیں لیکن یہ لوگ انہیں معلوم نہیں ہونے دیتے کہ یہ آگ لگائی ہوئی کس کی ہے۔ اُس وقت ان کا یہ فریب بے نقاب ہو جائے گا)۔
اُس وقت یہ لوگ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے چاہیں گے کہ اپنی روش میں تبدیلی کر کے اس عذاب سے بچ جائیں۔ لیکن ان کی یہ آرزو انہیں کچھ فائدہ نہ دے سکے گی۔ جب نتائج محسوس شکل میں سامنے آجائیں تو پھر عبرت لا حاصل ہو جاتی ہے۔

۲۴ اُس وقت انسان بصد حسرت و یاس پکار اُٹھے گا کہ اے کاش! میں نے بھی اس سے پہلے وہ کچھ کیا ہوتا جو مجھے آج حقیقی زندگی عطا کر دیتا۔

۲۵ اُس دن اُسے خدا کی طرف سے ایسی سزا ملے گی جس کی مثل کوئی سزا نہیں۔

۲۶ اور اس کی طرف سے ایسی گرفت ہو گی جس کی نظیر کوئی گرفت نہیں۔

۲۷ اس کے برعکس وہ شخص جس نے قانونِ خداوندی کے اتباع سے سکونِ گہر کی طرح دل کا صحیح اطمینان حاصل کر لیا ہو گا (۱۳/۲۸) یعنی جس کی ذات میں صحیح نشوونما سے پورا پورا توازن پیدا ہو چکا ہو گا (۹۱/۷)۔ اُس سے کہا جائے گا کہ

۲۸ تیرا طریقِ زندگی قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ تھا اس لئے تیری زندگی پسندیدہ خوش گواریوں کی حامل ہو گی۔ تجھے تیرے نشوونما دینے والے کی طرف سے حسبِ منشا آسائشیں حاصل ہوں گی۔

۲۹ (لیکن اے رسولؐ! انہیں متنبہ کر دو کہ یہ چیز انفرادی طور پر حاصل نہیں ہو سکتی اجتماعی زندگی سے ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم ان لوگوں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ

وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿۳۰﴾

جنہوں نے خدا کی محکومیت اختیار کر رکھی ہے ـــــ یعنی جماعتِ مومنین میں
۳۰ اور اس طرح اس جنتی معاشرہ میں داخل ہو جاؤ جو اس کے قانون کے مطابق متشکل ہوا ہے۔ (۹/۱۱۹)۔ (اس دنیا میں بھی جنتی زندگی اور آخرت میں بھی جنتی زندگی)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾

۱ اے رسولؐ! تو ان مخالفین سے جو تجھے اس شہر مکہ میں اس قدر تکالیف پہنچا رہے
۲ ہیں اور اس کی حرمت کا بھی کچھ خیال نہیں کرتے کہدے کہ (تم جو میرے اور اس نظام کے متعلق خیال کئے بیٹھے ہو کہ یہ ناکام رہے گا) ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔
۳ میں خود اس شہر مکہ کی حرمت کو شہادت میں پیش کرتا ہوں۔ اور اس قانونِ تولید کو جس کی رُو سے پرانی زندگی (باپ) سے ایک نئی زندگی (بیٹے) کی نمود ہوتی رہتی ہے کہ یہی شہر آخرالامر تمہارے باطل نظام کی جگہ صحیح نظام خداوندی کا مرکز بن کر رہے گا۔
۴ بات یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا اس لئے کیا تھا کہ وہ (وحی کے تابع رہ کر) ایک متوازن زندگی بسر کرے اور اس طرح اپنی ذات میں توازن و تناسب پیدا کرے۔ (لیکن اس میں چونکہ مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے)
۵ اس لئے وہ بجائے اس کے کہ وحی کی عائد کردہ پابندیاں اپنے اوپر عائد کرے اس زعمِ باطل میں مبتلا رہتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی قوت ہے ہی نہیں جس کے قوانین کی اطاعت اُسے کرنی چاہیئے۔ وہ اپنے آپ کو اقتدارِ اعلیٰ کا مالک سمجھ لیتا ہے۔

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۞ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۞ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۞ وَلِسَانًا وَّ
شَفَتَيْنِ ۞ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۞ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۞ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۞ فَكُّ رَقَبَةٍ ۞

۶ (وہ اس فریبِ نفس میں مبتلا رہتا ہے اور ہمارے نظام کی مخالفت میں اپنی دولت صرف کرتا رہتا ہے۔ لیکن) آخر الامر دیکھ لیتا ہے کہ اُس کی تدبیریں کس طرح ناکام رہ گئیں۔ وہ اُس وقت کفِ افسوس ملتا ہوا کہتا ہے کہ میں نے خواہ مخواہ اس قدر مال ضائع کر دیا۔

۷ کیا ایسا انسان یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے' اس پر کسی کی نگاہ ہی نہیں ؟ کوئی اس سے پوچھنے والا ہی نہیں؟

۸ یہ اس کی غلط نگہی ہے۔ ہم نے اُسے ذرائع علم عطا کئے ہیں —— دو آنکھیں'

۹ زبان اور دو ہونٹ۔ کہ وہ دنیا جہان کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور بات چیت سے اپنے شکوک و شبہات رفع کر کے' صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرے۔

۱۰ اس کے ساتھ ہی ہم نے اسے وحی کے ذریعے صحیح اور غلط راستے' ابھار اور نکھار کر بتا دیئے ہیں۔ (انسانی ذرائع علم اور وحی کی روشنی —— دونوں)۔

اس سے' اس پر' اس کے اعمال کی ذمہ داری عاید ہو جاتی ہے۔ اور یہی مطلب ہے یہ کہنے کا کہ اسے کوئی دیکھنے والا بھی ہے' اور اس پر کسی کو قدرت بھی حاصل ہے۔

۱۱ ان دو راستوں میں سے ایک راستہ ذاتی مفاد پرستی کا ہے۔ یعنی جس طریق سے بھی ہو سکے' دوسروں کی محنت کا ماحصل غصب کر لینا اور یوں تن آسانی اور عیش پرستی کی زندگی بسر کرنا —— انسان کی عقلِ حیلہ جو اس سے کہتی ہے کہ یہ راستہ بڑا آسان ہے۔ اُسے اسی کو اختیار کرنا چاہیئے۔

اس کے مقابلہ میں دوسرا راستہ بڑا محنت طلب اور صبر آزما ہے۔ یوں سمجھو گویا یہ پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنا ہے جس میں قدم قدم پر انسان کی سانس پھول جاتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اس میں ہر قدم' انسان کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔

۱۲ یہ پہاڑ کی گھاٹی کا سا راستہ کیا ہے ؟ اسے تمہیں خدا سے بہتر کون سمجھا سکتا ہے۔ سنو!

۱۳ یہ راستہ یہ ہے کہ انسان صرف اپنی فکر ہی نہ کرے' بلکہ جہاں دیکھے کہ کوئی انسانی گردن کسی دوسرے کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے' اُسے اس سے آزاد کرائے۔ یعنی سب سے پہلا کرنے کا کام یہ ہے کہ ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں کوئی انسان کسی دوسرے کا محکوم'

أَوْ إِطْعَٰمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ
مِنَ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
بِـَٔايَٰتِنَا هُمْ أَصْحَٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

مطیع اور زیرِ دست نہ رہے۔ ہر ایک گردن اٹھا کر چلے ہر ایک کو جسمانی، ذہنی اور قلبی آزادی حاصل ہو۔ (اُس پر قوانین خداوندی کے سوا، کسی کی پابندی نہ ہو)۔

۱۴-۱۶ دوسرے یہ کہ جس دور میں مستبد قوتیں، رزق کے سرچشموں کو اپنی ملکیت میں لے کر، عوام کے لئے بھوک اور درماندگی کو عام کر دیں، وہ نظام اُن لوگوں کے رزق کی فکر کرے جو معاشرہ میں، ہزار ہا انسانوں کے قریب رہتے ہوئے بھی، اپنے آپ کو تنہا اور بے یار و مددگار پائیں۔ یا ان لوگوں کے رزق کی، جنہیں اس حالت تک پہنچا دیا گیا ہو کہ وہ محض روٹی کی خاطر مٹی میں رُلتے رہیں (یعنی سرمایہ داروں کے محتاج رہ کر اُن کے لئے محنت و مشقت کے کام کرتے رہیں)۔

۱۷ یہ راستہ بڑا دشوار گذار اور یہ منزل بڑی کٹھن ہے۔ لیکن اس پر چل کر انسان اُن لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جو خدا کے نظامِ ربوبیت پر یقین رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ وہ اس باب میں ثابت قدم رہیں اور خدا کے عطا کردہ سامانِ نشو و نما میں دوسروں کو بھی شریک کریں۔

۱۸ یہ اُن لوگوں کا گروہ ہے جو صاحبِ یُمن و سعادت ہیں۔ انہیں ہر قسم کی برکات حاصل ہوں گی۔

۱۹ ان کے برعکس، جو لوگ ہمارے قوانین سے انکار کر کے، تن آسانی کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اُن کے حصّے میں ناکامیاں اور محرومیاں آتی ہیں۔

۲۰ یہ اس جہنمی معاشرہ میں رہتے ہیں جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہوتی۔ (اس دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝١ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝٢ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝٣ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝٤ وَالسَّمَآءِ
وَمَا بَنٰهَا ۝٥ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝٦ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝٧ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝٨

۱ اس حقیقت پر شاہد ہے۔
آفتاب جہاں تاب اور اس کی ضیا باریاں۔
۲ چاند' اور اس کا روشنی مستعار لینے کے لئے سورج کے پیچھے پیچھے پھرنا۔
۳ دن' اور اس کی جلوہ فروشیاں۔
۴ رات' اور اس کی ظلمت انگیزیاں' جو ہر شے کو اپنی تاریکی کی چادر میں لپیٹ لیتی ہیں۔
۵ فضا کی بلندیوں میں اجرامِ فلکی اور جس انداز سے انہیں بنایا گیا ہے۔
۶ زمین' اور گول ہونے کے باوجود' اس کا اس طرح پھیلا ہوا اور کشادہ ہونا۔
۷ اور (خارجی کائنات سے نیچے اُتر کر) خود انسانی ذات' اور جس انداز سے اسے متوازن بنایا گیا ہے۔
۸ پھر اس کے اندر' جس انداز سے اس امر کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے کہ یہ چاہے تو (غلط روش پر چل کر) اپنے اندر انتشار[1] پیدا کر لے اور چاہے اس انتشار سے محفوظ رہ کر مستحکم

[1] DISINTEGRATION OF HUMAN PERSONALITY.

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝۱۱ اِذِ انْۢبَعَثَ
اَشْقٰىهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ۝۱۳ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۝۱۴ فَدَمْدَمَ
عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۵

سے مستحکم تر ہوتی چلی جائے۔

۹ (انفس و آفاق میں کارفرمایہ تمام پروگرام اس حقیقت پر شاہد ہے کہ) جس نے اپنی ذات کی نشوونما کرلی' وہ کامیاب و کامران ہوگیا۔ اس کی کھیتی پروان چڑھ گئی۔ اسے زندگی کا مقصد حاصل ہوگیا۔

۱۰ لیکن جس نے اسے مفاد پرستیوں کے بوجھ تلے دبائے رکھا اور ابھرنے نہ دیا' اس کی کشتِ حیات ویران ہوگئی۔ اس کا شعلۂ زندگی افسردہ ہوگیا۔ اس کی انسانی صلاحیتیں خوابیدہ کی خوابیدہ رہ گئیں۔ وہ اس چقماق کی طرح ہوگیا جس میں آتش افروزی کی صلاحیت تو ہو لیکن اس کی چنگاری کی نمود نہ ہوسکے' اور اس طرح وہ پتھر کا پتھر رہ جائے۔

۱۱ (اس حقیقت پر تاریخی واقعات بھی شاہد ہیں۔ مثلاً) قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے اس قانون کو جھٹلایا۔

۱۲ اور اس کی مخالفت کے لئے وہ شخص' ان کے لیڈر کی حیثیت سے سامنے آیا' جو ان میں سب سے زیادہ شقی القلب اور بدبخت تھا۔

۱۳ اُن کے رسول نے ان سے کہا تھا کہ خدا کے عطا کردہ رزق کے سرچشموں کو' ربوبیتِ عامہ کے لئے کھلا رہنے دو ـــــ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس اونٹنی کو ـــــ جس کے متعلق یوں سمجھو کہ یہ کسی فرد کی اونٹنی نہیں کہ اس کے مالک کی حیثیت سے اس کی حیثیت متعین کی جائے۔ یہ ـــــ "خدا کی زمین پر خدا کی اونٹنی ہے" ـــــ اسے آسکی باری پر پانی پینے دو۔ (۲۶/۱۵۵)؛ (۵۴/۲۸)۔

۱۴ انہوں نے اس بات کا وعدہ تو کرلیا لیکن پھر اپنے قول اقرار سے پھر گئے۔ اور اُس اونٹنی کو ہلاک کردیا۔ (اور یوں ثابت کردیا کہ وہ خدا کے نظامِ ربوبیت کی مخالفت سے باز نہیں آئیں گے)۔

۱۵ تو ان کی اس روش کے نتیجہ میں' خدا کے قانونِ مکافات کا دمدمہ آیا اور انہیں تہس نہس کرکے زمین کے ساتھ ہموار کرکے رکھ دیا۔ (انہیں پیس کر خاکِ راہ گذر بنادیا)۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

۱۵

اور ایسا کرتے وقت وہ اس بات کے احساس سے قطعاً نہیں گھبرایا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس لئے کہ یہ بات ظلم اور ناانصافی کی نہیں تھی بلکہ ان کے اعمال کا فطری نتیجہ تھا جو ان کے سامنے آگیا (لہذا قانونِ خداوندی کے لئے اس میں تذبذب، اضطراب یا تاسف کی کوئی بات نہیں تھی۔ قانونِ عدل اس قسم کے جذبات سے بلند ہوتا ہے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝١ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝٢ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝٣ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝٤ فَاَمَّا

۱ تم سلسلۂ کائنات پر غور کرو۔ بادی النظر میں یہ تمہیں متضاد عناصر کا مجموعہ نظر آئیگا۔
مثلاً ایک طرف رات ہے کہ اس کی تاریکی ہر شے پر پردے ڈال دیتی ہے۔ تو
۲ دوسری طرف دن ہے جس کا اُجالا ہر شے کو اُبھار کر سامنے لے آتا ہے۔
۳ جانداروں میں ایک طرف نر ہیں تو دوسری طرف مادہ جن کے طبیعی وظائفِ زندگی مختلف ہیں۔
۴ یہ سب تضاد تقسیمِ عمل کے لئے ہے۔ اسی تقسیمِ عمل کا نتیجہ ہے کہ تمہاری تمدنی زندگی میں تمہاری سعی و عمل کا رُخ بھی مختلف سمتوں کی طرف ہوتا ہے۔ اسی سے یہ مشینری بایں حسن و خوبی سرگرمِ کار رہتی ہے۔

(لیکن اگر تم یہ سمجھ لو کہ اس تقسیمِ عمل سے خود انسانیت مختلف طبقات میں بٹ جاتی ہے اور ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق نہیں رہتا تو یہ تمہاری نگاہ کا فریب ہے۔ اگر رات اور دن کے اختلاف اور نر اور مادہ کے امتیاز کو سطحی نظر سے دیکھو تو یہ الگ الگ چیزیں دکھائی دیں گی۔ لیکن اگر تم سطح سے ذرا نیچے اُتر کر مشاہدہ کرو تو تمہیں صاف نظر آجائے گا کہ یہ سب ایک دوسرے سے مربوط ہیں —— یہ ایک ہی اصل کی شاخیں اور ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔ اسی طرح تقسیمِ عمل کے باوجود تمام نوعِ انسان ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے)۔

مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝۸
وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝۱۰ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝۱۱ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝۱۲
وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝۱۳ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝۱۴

۵ لہٰذا' یاد رکھو۔ جو شخص تمام نوعِ انسان کو ایک وحدت سمجھ کر یہ روش اختیار کرتا ہے کہ اپنی محنت کے ماحصل کو دوسروں کی نشوونما کے لئے دے' اور اس طرح معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کرنے سے محتاط رہے۔ (۹۲/۱۹ — ۱۸)۔

۶ اور اس کے توازن کو حسن کارانہ انداز سے قائم رکھ کر اپنے اس دعوے کو عملاً سچ کر دکھائے (کہ تمام انسان اصل کے اعتبار سے ایک ہیں)۔

۷ تو ہمارا قانونِ ربوبیت' اُسے زندگی کے مراحل نہایت آسانی سے طے کرائے جاتا ہے۔

۸ لیکن' اس کے برعکس' جو شخص سب کچھ سمیٹ کر اپنے ہی لئے رکھ لیتا ہے' اور یہ خیال کر لیتا ہے کہ میں خود مکتفی اور دوسروں سے بے نیاز ہوں۔ مجھے کسی کی کیا پرواہ ہے۔ (۹۶/۷)۔

۹ اور اس طرح' معاشرہ کے توازن کی عملاً تکذیب کر کے اُسے بگاڑتا ہے۔

۱۰ تو ہمارا قانونِ مکافات' زندگی کی آسان راہوں کو اس کے لئے دشوار بنا دیتا ہے۔

۱۱ اور جب وہ اِس طرح' تباہیوں کے گڑھے میں گر جاتا ہے تو وہ مال و دولت' جس کے بل بوتے پر اس نے اپنے آپ کو دوسروں سے مستغنی سمجھ رکھا تھا' اس کے کسی کام نہیں آتا۔ (۶۹/۲۸ ؛ ۱۱۱/۲)۔

۱۲ (اس نے یہ راستہ تنہا عقل کی رو سے اختیار کیا تھا' لیکن عقل انسانی اسے پیش پا افتادہ انفرادی مفاد کا حصول اور تحفظ سکھاتی ہے۔ اس سے آگے وہ جا ہی نہیں سکتی)۔ اس باب میں صحیح راہ نمائی صرف وحی کی رُو سے مل سکتی ہے۔

۱۳ اس لئے کہ وحی کے سامنے' انسان کے پیش پا افتادہ مفاد عاجلہ بھی ہوتے ہیں' اور مستقبل کی خوشگواریاں بھی۔ (۹۳/۴)۔

۱۴ لہٰذا' جو لوگ ہماری وحی کی راہ نمائی قبول نہیں کرتے (اے رسولؐ!) تو انہیں آگاہ کر دے کہ ان کی رَوش انہیں ایسی تباہی کی طرف لئے جا رہی ہے جس کی شعلہ سامانیاں سب کچھ جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیں گی۔

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ
مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾
وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

۱۵ اس تباہی کے جہنم میں وہی گرتا ہے جو ہمارے قوانین سے سرکشی اختیار کرتا ہے۔
۱۶ یعنی جو ان کی تکذیب کر کے گریز کی راہیں نکالتا رہتا ہے۔
۱۷ لیکن جو ہمارے قوانین کی نگہداشت کرتا ہے وہ اس تباہی سے دُور رکھا جاتا ہے۔
۱۸ یعنی وہ جو عندالضرورت اپنا سب کچھ (ما - لہٗ) نوع انسان کی نشوونما کے لئے دیدیتا ہے اور اس طرح خود اس کی اپنی ذات کی بھی نشوونما ہو جاتی ہے۔ (۹/۱۱۱)۔
۱۹ وہ جو کچھ دوسروں کے لئے دیتا ہے تو اس لئے نہیں کہ اس پر کسی کا احسان تھا اور وہ اب اس احسان کا بدلہ اتار رہا ہے۔ بالکل نہیں۔ (۷۶/۹)۔
۲۰ وہ اسے صرف خدا کے متعین کردہ عالمگیر نظامِ ربوبیت کے قیام و استحکام کے لئے صرف کرتا ہے۔
۲۱ اس سے اس کی محنت اور کوشش صحیح نتائج سے ہم آغوش ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہی اس کا بہترین صلہ ہے جس سے اُسے حقیقی مسرت حاصل ہوتی ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝٤ وَلَسَوْفَ
يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝٥ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝٦ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝٧

۱-۳ (اس انقلاب کی آخری کامیابی میں جو تاخیر ہو رہی ہے تو اس سے' اے رسولؐ! تیرے دل میں اس قسم کے خیالات پیدا ہو رہے ہیں کہ مجھ سے شاید کوئی ایسی بات سرزد ہو گئی ہے جس کی وجہ سے میرے نشو و نما دینے والے نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔ یہ بات بالکل نہیں) کیا تو نہیں دیکھتا کہ دن کی روشنی نمودار ہونے سے پہلے رات کی تاریکی کس طرح ہر شے کو اپنے دامن میں لپیٹ کر فضا کو ساکت و صامت کر دیتی ہے۔ اور سکوت و ظلمت کا یہ عرصہ کتنا طویل ہوتا ہے؟ یہ حقائق اس پر شاہد ہیں کہ:-

۴ تیرے پروگرام کے ابتدائی مراحل دشوار گذار اور ہمت طلب ہوں گے۔ لیکن آخر الامر یہ تیرے لئے ہر قسم کے خیر و برکت کا موجب ثابت ہو گا۔

۵ اور زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ تیرے نشو و نما دینے والے کا قانون ربوبیت تجھے اتنا کچھ دے گا جس سے تیری تمام آرزوئیں پوری ہو جائیں گی۔

۶ اس ضمن میں 'تم' اے رسولؐ! ذرا خود اپنی زندگی پر غور کرو۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ تو بے یار و مددگار اور تنہا رہ گیا تھا' تو خدا نے تیرے لئے حفاظت اور پناہ کا سامان پیدا کر دیا؟

۷ پھر کیا یہ بھی واقعہ نہیں کہ تو تلاش حقیقت میں حیران و سرگرداں پھر رہا تھا' تو اس نے'

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ۝٨ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩ وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝١١

بذریعہ وحی زندگی کے صحیح راستے کی طرف تیری راہ نمائی کردی؟

۸ اور کیا یہ بھی واقعہ نہیں کہ خدا نے تجھے ضرورت مند پایا تو اتنا کچھ دیا جس سے تو کسی کی مدد کا محتاج نہ رہا۔

۹ (تم نے دیکھا کہ تمہاری زندگی میں ہر مشکل مرحلے کے بعد کس طرح کشادگی کا پہلو سامنے آجاتا رہا؟ یہی کچھ، تمہاری اس دعوتِ انقلاب کے ساتھ بھی ہوگا۔ لہٰذا، تم ثبات و استقلال کے ساتھ اس پروگرام پر چلتے جاؤ، تاکہ معاشرہ میں ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ) جو فرد بے یار و مددگار، تنہا رہ جائے، اسے کوئی دبا اور دھتکار نہ سکے۔

۱۰ اور نہ ہی کوئی ضرورت مند ایسا حقیر سمجھا جائے کہ اربابِ ثروت کی جھڑکیاں اسے قابلِ نفرت مقام تک پہنچا دیں۔ (ان کے اس حقارت آمیز سلوک سے، اسے خود اپنی ذات سے نفرت پیدا ہوجائے)۔

۱۱ اس مقصد کے لئے کہ معاشرہ میں ایسی تبدیلی پیدا ہوجائے، تم اس بات کا عام چرچا کرتے چلے جاؤ کہ خدا نے زندگی کی جو آسائشیں اور نعمتیں پیدا کی ہیں، وہ اس لئے نہیں کہ ان پر ایک گروہ قابض ہوکر بیٹھ جائے اور عام انسانیت ان سے محروم رہ جائے۔ ان کے دروازے ہر ضرورتمند کے لئے یکساں طور پر کھلے رہنے چاہئیں۔ (۴۱/۱۰)۔

(یہ اس پروگرام کی پہلی اور نہایت اہم کڑی ہے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝۲ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝۳ وَرَفَعْنَا لَكَ

۱ (اے رسولؐ! اس نظام کے قیام میں جن مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے' اور اس کی آخری کامیابی میں جو تاخیر واقع ہو رہی ہے' اس سے اشر پذیر اور ملولِ خاطر ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ تم ذرا سوچو کہ نبوت ملنے سے پہلے' اور اس کے بعد کے ابتدائی مراحل میں' تمہاری پریشانیوں اور تفکرات کا کیا عالم تھا۔ پہلے تم تلاشِ حقیقت میں سرگردان و پریشاں پھرتے تھے۔ تمہیں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی تھی' اور کشادگی کی کوئی راہ تمہارے سامنے نہیں کھلتی تھی) اس مقام پر ہم نے تمہیں وحی عطا کی جس سے زندگی کی تمام راہیں روشن ہو گئیں۔ تمہارے سینے میں اس قدر کشادگی پیدا ہو گئی کہ جو مہم پہلے ناقابلِ تسخیر نظر آتی تھی اس کا سر کرنا ممکن دکھائی دینے لگا۔ تمہاری ہمت بلند اور حوصلے وسیع ہو گئے۔ (۲۰/۲۵)۔

۲-۳ (پھر' اس پروگرام کے ابتدائی مراحل میں' سختیٔ منزل اور تنہائیٔ سفر کے احساس اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے تمہاری کمر ٹوٹ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ خدا نے تمہارے رفقاء کی ایک جماعت پیدا کر دی اور اس طرح تمہارا وہ بوجھ بھی ہلکا ہو گیا۔

۴ (شروع شروع میں کیفیت یہ تھی کہ' کوئی شخص سنجیدگی سے تمہاری بات سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا' اور ہر طرف سے طعن و تشنیع کی دل خراش آوازیں سوہانِ روح ہوتی تھیں۔ رفتہ رفتہ یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ) تیرا نام بڑی عزت و تکریم سے لیا جانے لگا۔ تیرا چرچا

ذِكْرَكَ ۝ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

دُور دُور تک پھیل گیا۔ تو شرف و مجد انسانیہ کی معراج کبریٰ تک پہنچ گیا۔ قرآن کا پیغام ابلند سے بلند تر ہوتا گیا۔

۵ مکہ کی زندگی میں ابتدائی مشکلات کے بعد ہجرت کا پروگرام سامنے آیا۔ اِس سے اُن مشکلات میں آسانیاں پیدا ہو گئیں جن کا سامنا مکی زندگی میں کرنا پڑا تھا۔

۶ اب مخالفین نے جنگ کا سلسلہ شروع کر دیا ہے جس سے نئی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔ تم دیکھو گے کہ ان مشکلات کے بعد بھی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی —— زندگی کا اصول یہ ہے کہ جو شخص مشکلات کو ہمت اور استقامت سے برداشت کر لیتا ہے' اس کے لئے آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۷ لیکن ایک بات ابھی سے سُن رکھو۔ تم یہ نہ سمجھ لو کہ جب تمہارا نظام یہاں قائم ہو جائیگا اور اس طرح موجودہ مشکلات کا دَور ختم ہو جائے گا' تو تم اپنے فرائض سے فارغ ہو جاؤ گے۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ اس کے بعد ایک نئی مہم شروع ہو گی۔ اس انقلاب کو قومی سے بین الاقوامی بننا ہے۔ اس لئے اس میں ساری دنیا کے ساتھ مقابلہ ہو گا۔ اس کے لئے بھی تمہیں جم کر کھڑا ہونا پڑے گا۔

۸ لہٰذا' جب تم پچھلی مہم سے فارغ ہو جاؤ تو پھر خدا کے نظامِ ربوبیت کو مزید وسعت دینے کے لئے ایک تازہ مہم کے لئے تیار ہو جاؤ۔

لیکن اس سارے پروگرام میں ایک بلند حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔ اور وہ یہ کہ' ایسا نہ ہو کہ کامیابیوں کے بعد' تمہاری توجہ کسی اور طرف منعطف ہو جائے۔ (عام ریفارمر یہی کیا کرتے ہیں۔ جب وہ اپنی دعوت کو لے کر اُٹھتے ہیں تو بڑے بلند آہنگ اصول پیش کرتے ہیں' لیکن جب انہیں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو ان اصولوں کو بالائے طاق رکھ کسی اور ہی طرف چل نکلتے ہیں۔ یہ بہت بڑی فریب دہی ہے)۔ مشکلات ہوں یا کامیابیاں' تمہارا ہر قدم خدا کے متعین کردہ پروگرام کی طرف اُٹھنا چاہیئے۔ اس راستے سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہٹنا چاہیئے۔ (۳ — ۱۱۰)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵

۱-۳ (حق و باطل کی یہ کشمکش، جو اے رسولؐ! تجھے اس وقت درپیش ہے، کوئی نئی بات نہیں۔ ـــــ شروع سے یہی کچھ ہوتا رہا ہے اور یہی کچھ ہوتا رہے گا۔ انقلاب خداوندی کی آواز جہاں اور جب بھی اٹھی، مفاد پرست توتوں ـــــ مستبد حکمرانوں، سرمایہ داروں اور مذہبی پیشواؤں ـــــ نے اس کی مخالفت کی۔ چنانچہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ) جب یہی آواز، نوحؑ کی زبان سے، کوہ تین سے بلند ہوئی تو اس کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ اور جب اسی آواز کو، کوہِ زیتون سے مسیحؑ نے پیش کیا تو وہاں بھی یہی کچھ پیش آیا۔ جب اس انقلاب کو طور کی وادیوں میں موسیٰؑ لے کر اٹھا تو اس کے ساتھ بھی یہی گذری۔ اور اب، جب یہی دعوت اس بلد امین (یعنی امن و سلامتی کا مرکز بننے والے، مکہ۔ ۱۲۶/۲) سے اٹھی ہے، تو اس کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔

۴ یہ کشمکش اس لئے ہوتی ہے کہ ہم نے انسان میں اس امر کی صلاحیت رکھ دی ہے کہ یہ اپنی ذات کی نشوونما کر کے حسن کارانہ انداز سے بہترین توازن کی زندگی بسر کرے۔

۵ لیکن اس کی انفرادی مفاد پرستیاں اسے حیوانی زندگی کی پست ترین سطح پر لے جاتی ہیں۔ (آسمانی انقلاب اسے اس پستی سے اٹھا کر انسانیت کی بلند سطح پر لانا چاہتا ہے لیکن

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝٦ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ۝٧
أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ۝٨

یہ بات مفاد پرستوں کی مصلحتوں کے خلاف جاتی ہے اس لئے ان دونوں میں تصادم ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ اس انقلاب کی رُو سے انسانوں کی ایک جماعت شرفِ انسانیت کے بلند ترین مقام پر پہنچ جاتی ہے' لیکن' ان کے بعد ان کی نسلیں' آہستہ آہستہ دین میں آمیزش کرنے لگ جاتی ہیں اور اس طرح پھر سے حیوانیت کی اسی پست ترین سطح پر پہنچ جاتی ہیں ـــــ یہی کیفیت اس وقت ان مخاطبینِ عرب کی ہے)۔

۶ حیوانی زندگی کے اس پست مقام سے' انسانیت کی بلند سطح پر آنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان' قوانینِ خداوندی کی صداقت پر ایمان لائے' اور اس کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہو۔ جب تک کوئی قوم اس پروگرام پر عمل پیرا رہے گی' وہ اس کے انسانیت ساز نتائج سے بہرہ مند ہوتی رہے گی۔ اور یہ کچھ انہیں بطور ان کے حق کے ملے گا۔ خیرات کے طور پر نہیں ملے گا۔ (۱۱/۱۰۸؛ ۸۴/۲۵)۔

۷ ان ابدی حقائق اور تاریخی شواہد کے بعد' وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر کوئی' ہمارے قانونِ مکافات کے بارے میں' تجھے جھٹلا سکتا ہے؟

۸ اور یہ قانونِ مکافات اس حقیقت پر شاہد ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ آخری فیصلہ اسی کے قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ (اس لئے قرآنی نظام سے مراد ایسا مملکتی نظام ہے جس میں اقتدارِ مطلق (SOVEREIGNTY) قوانینِ خداوندی ـــــ قرآن کریم ـــــ کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی سے شرفِ انسانیت قائم رہتا اور انسان' حیوانیت کی پست سطح پر گرنے سے بچ سکتا ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣ الَّذِيْ عَلَّمَ

۱ اے رسولؐ! تو اُس خدا کی صفتِ ربوبیت کا عام اعلان کر دے، جو تمام اشیائے کائنات کا خالق ہے ——— یہ اعلان کر دے کہ جس خدا نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اسی نے سامانِ نشوونما کی بھی تخلیق کر دی ہے۔

۲ لیکن اشیائے کائنات میں سے، انسان کی کیفیت سب سے الگ ہے۔ ایک طرف اس کی حالت یہ ہے کہ یہ مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ یعنی اس نے ایک دوسرے کے ساتھ مل جُل کر رہنا ہے۔ دوسری طرف اس کا یہ عالم ہے کہ اگر یہ وحی کی راہ نمائی اختیار نہ کرے تو ہر فرد کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ، وہ سامانِ رزق کے ساتھ جونک کی طرح چمٹ جائے، اور دوسروں کا خون چوستا رہے (۱۷/۱۱ ؛ ۴۰/۱۹)۔

۳ اس کشمکش کو دُور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام انسانوں کو اس نقطہ پر جمع کیا جائے کہ خدا نے اس قدر فراوانی سے سامانِ زیست پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ اس سے تمام افراد کی نشوونما ہو سکے۔ اس لئے تمہارا تمدنی اور معاشی نظام ایسا ہونا چاہیئے جو اس مقصد کو پورا کرے۔

۴ اس مقصد کے لئے خدا نے انسان کو اس کی استعداد بھی دی ہے کہ یہ تحریر کے ذریعے اپنے خیالات دُور دُور تک پہنچا کر، بُعدِ مکانی و زمانی کے باوجود، ایک دوسرے سے قریب

بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ
الرُّجْعَىٰ ۝ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝ أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۝ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۝
أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝

ہوتا جائے اور اس طرح وحدتِ انسانیت کے لئے راستے ہموار کرتا چلا جائے۔

۵ پھر اُس نے اسے (وحی کے ذریعے) اُن حقائق کا علم بھی دیا ہے جنہیں یہ نہیں جانتا تھا۔

۶-۷ لیکن انسان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو وحی کی راہ نمائی سے مستغنی سمجھ کر، انفرادی مفاد پرستیوں کا نظام وضع کر لیتا ہے، جس میں، ہر وہ فرد جو کسی طرح زیادہ سمیٹ لیتا ہے، اپنے آپ کو دوسروں سے مستغنی سمجھنے لگ جاتا ہے، اور اس طرح وہ نوعِ انسان کی عالمگیر ربوبیت کے تصور سے سرکشی اختیار کر لیتا ہے۔

۸ لیکن وہ کتنی ہی سرکشی اختیار کیوں نہ کرے، اسے آخر الامر اس نظام کی طرف آنا پڑے گا۔ اس لئے، کہ اس کے سوا اس کی مشکلات کا کوئی حل نہیں۔

۹ کیا تو نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ جو انسان وحی سے سرکشی اختیار کر لیتا ہے، اس کی

۱۰ کیفیت کیا ہو جاتی ہے؟ وہ نہ صرف، خود قوانین خداوندی سے بے راہ روی اختیار کرتا ہے بلکہ جو شخص اُن قوانین کے پیچھے چلتا ہے، اس کے راستے میں سنگِ گراں بن کر حائل ہو جاتا ہے۔

۱۱-۱۲ ذرا سوچو کہ اگر ایک شخص راہِ راست پر چل رہا ہے، اور دوسروں کو بھی اسی راستے پر چلنے کی تلقین کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ وہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کریں (اور اس طرح عدل و احسان کا نظام قائم کریں) تو کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ اُسے اس سے روکے

۱۳ اور لوگوں سے کہے کہ اس شخص کا، عالمگیر ربوبیت کا، دعوےٰ بالکل جھوٹا ہے۔ ایسا نہ کبھی ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے ـــــ لوگوں میں اس قسم کا پروپیگنڈہ کرے، اور انسانیت کی ترقی کی راہیں مسدود کر کے، انہیں رجعت پسندانہ مسلک اختیار کرنے کی تلقین کرے۔

۱۴ کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ خدا کا قانونِ مکافات اس کی ہر نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے!

۱۵ (کیا وہ یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ وہ اسی طرح کرتا چلا جائے گا اور کوئی اسے روکنے والا ہی

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾

نہیں ہوگا؟) ہرگز نہیں! ـــــ اگر وہ اپنی اس روش سے باز نہ آیا تو خواہ وہ کیسا ہی صاحبِ قوت کیوں نہ ہو، ہم اسے اس کی پیشانی کے بالوں سے اس طرح پکڑیں گے کہ وہ ہِل نہیں سکے گا۔

۱۶ یہ جھوٹ بولنے والا ـــــ نظامِ ربوبیت کے تصور کو جھٹلانے والا ـــــ ہمارے قوانین سے سرکشی اختیار کرنے والا، خطاکار مجرم۔ یہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہا ہے۔

۱۷ اس سے کہو کہ وہ (میدان میں آئے۔ اور اپنے ساتھ) اپنے حمائیتیوں کو بھی بلالے۔

۱۸ دوسری طرف، ہم بھی اُنہیں آواز دیں گے جو حق و صداقت کی مدافعت کے لئے ہر مخالفت کا مقابلہ کرنے کو تیار بیٹھے ہیں تاکہ وہ اِن مخالفین کو، دھکیل کر پیچھے ہٹادیں۔

۱۹ لہٰذا، اے رسولؐ! تجھے اس کی قطعاً ضرورت نہیں کہ تو ان لوگوں سے کسی قسم کی مفاہمت کرے۔ (متضاد نظریاتِ زندگی میں مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تیرے لئے کرنے کا کام یہی ہے کہ) تو قوانینِ خداوندی کی زیادہ سے زیادہ اطاعت کئے جا۔ اس طرح تیرا ہر قدم تجھے منزلِ مقصود سے قریب تر کرتا جائے گا۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴

۱ ہم نے اس قرآن کو اُس وقت جبکہ ساری دنیا وحی کی روشنی سے محروم ہو کر تیرہ تار ہو چکی تھی' نئی اقدار اور نئے پیمانے دے کر نازل کیا۔ لہٰذا' جس رات میں اس کے نزول کا آغاز ہوا' وہ ایک جہانِ نو کے نمود کی رات تھی۔ (۲/۱۸۵ ؛ ۱۴/۱ ؛ ۴۴/۳ ؛ ۹۷/۱)۔

۲ تجھے خدا سے بڑھ کر اور کون بتا سکتا ہے کہ یہ نئی اقدار اور نئے پیمانوں کی شب' جس میں یہ نازل ہوا ہے' کس قدر باعظمت ہے۔

۳ یہ ایک رات' اُس زمانے کے ہزارہا مہینوں سے بہتر اور افضل ہے' جس میں دنیا وحی کی روشنی سے محروم تھی۔

۴ یہ رات درحقیقت نقیب اور طائرِ پیش رس ہے اُس دَور کی جو نزولِ قرآن کے بعد آنے والا ہے۔ اُس دَور کی خصوصیت یہ ہوگی کہ رفتہ رفتہ' آہستہ آہستہ' بتدریج' قانونِ خداوندی کے مطابق' کائناتی قوتیں (فطرت کی قوتیں) اور وحیِ خداوندی[1] ہم آہنگ ہوتی چلی جائیں گی۔

---

[1] الرُّوح وہ الوہیاتی توانائی ہے جو عالمِ امر میں تدبیرِ امور کرتی ہے۔ یہی اُلوہیاتی توانائی' قلبِ نبویؐ پر وحی کا نزول کرتی تھی۔ اس اعتبار سے خود وحی کو بھی الرُّوح کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے' نفسِ مضمون کے پیشِ نظر' کسی جگہ الرُّوح سے الوہیاتی توانائی مراد لی ہے اور کسی جگہ خود وحیِ خداوندی۔ (دیکھئے۔ ۱۶/۲ ؛ ۴۲/۵۲ ؛ ۱۶/۸۶ ؛ ۲/۸۷ ؛ ۹۷ ؛ ۲۶/۱۹۳ ؛ ۷۰/۴ ؛ ۷۰/۴)۔

سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

انسان فطرت کی قوتوں کو مسخر کرتا جائے گا' اور رفتہ رفتہ ان کا استعمال وحی خداوندی کی روشنی میں انسانیت کی ربوبیت عامہ کے لئے ہونے لگے گا ——— اور اس طرح فساد انگیزیوں اور خوں ریزیوں کی جگہ زندگی کے ہر گوشے میں امن و سلامتی کی فضا عام ہوتی جائے گی۔

۵ یوں دنیا سے ہر قسم کی تاریکیاں چھٹ جائیں گی اور آخر الامر "زمین اپنے نشو و نما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی"۔ (۸۳/۶ ؛ ۳۹/۶۹)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

---

۱ یہ لوگ جو اپنے آپ کو اہلِ کتاب کہتے ہیں، لیکن درحقیقت خدا کے دین کے منکر اور اپنے خود ساختہ مذہب کے پیرو ہیں۔ اور یہ مشرکینِ عرب جو کسی آسمانی کتاب کے مدعی ہی نہیں، ان زنجیروں سے کبھی آزادی حاصل نہیں کر سکتے تھے جن میں یہ جکڑے چلے آرہے تھے، جب تک ان کی طرف واضح طور پر وحیٔ خداوندی نہ آجاتی۔ (یہ وحی اب قرآن کی شکل میں آگئی ہے اور اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ انہیں ان زنجیروں سے آزاد کرادے جن میں انہوں نے اپنے آپ کو جکڑ رکھا ہے۔) ۔ (۱۵/۷)۔

۲ انہیں یہ وحی اس رسولؐ کی وساطت سے ملی ہے جو اُن صحائف (قرآنی آیات و سُوَر) کو، جو ہر طرح کے نقائص اور عیوب سے پاک ہیں، لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔

۳ یعنی اس قرآن کو جس میں خدا کے غیر متبدل قوانین اور محکم اور مستقل اقدارِ زندگی درج ہیں۔

۴ لیکن ان اہلِ کتاب کی حالت یہ ہے کہ (بجائے اسکے کہ یہ) ایسے واضح حقائق کے آجانے کے بعد (قرآن پر ایمان لاکر وحدتِ انسانیہ کی راہیں ہموار کرتے) انہوں نے اُلٹی تفرقہ

فَجَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤ وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝٥ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا
الصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَوٰةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝٦ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ وَ
الْمُشْرِكِينَ فِى نَارِ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أُولَٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝٧ إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ أُولَٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ
الْبَرِيَّةِ ۝٨ جَزَآؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا رَّضِىَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ
ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ رَبَّهُۥ ۝٩

کی راہ اختیار کر لی۔

۵ حالانکہ قرآن میں اس کے سوا اور کیا تعلیم پیش کی گئی ہے کہ لوگ اطاعت اور محکومیت صرف قوانینِ خداوندی کی اختیار کریں۔ اس کے سوا کسی اور کو اپنا حاکم تسلیم نہ کریں۔ اور ہر طرف سے ہٹ کر اس ایک نقطہ پر جمع ہو جائیں۔ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں اور نوعِ انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچائیں۔ بس یہی وہ محکم نظامِ زندگی ہے جو انسانیت کے قیام کا ضامن ہو سکتا ہے۔

۶ لیکن اہلِ کتاب نے اس باب میں، مختلف راستے اختیار کر لئے۔ بعض نے اس دین کو قبول کر لیا، اور دوسروں نے اس سے انکار کر دیا۔ یہی صورت مشرکین نے بھی اختیار کی۔ سو ان میں سے جنہوں نے اس نظام کی صداقت سے انکار کیا ہے، ان کا انجام ایسی تباہی ہو گا جس میں سب کچھ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جائے گا۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یعنی اس تباہی کا سلسلہ، مرنے کے بعد بھی جاری رہے گا)۔
یہ زندگی بدترینِ خلائق کی زندگی ہے۔

۷ ان کے برعکس، جو لوگ اس نظام کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور خدا کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا رہتے ہیں، ان کی زندگی بہترینِ خلائق کی زندگی ہے۔

۸ ان کے حسنِ عمل کے نتائج، خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق، ان کے سامنے آجائیں گے۔ وہ ایسے جنتی معاشرہ میں رہیں گے جس کی شادابیوں میں کبھی کمی واقع نہیں ہو گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (کیونکہ اس کا سلسلہ موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جائے گا) یہ اس لئے کہ انہوں نے قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی اختیار کر لی تو ان کے اعمال کے نتائج ان وعدوں کے مطابق مرتب ہو گئے جو ان کے خدا نے ان سے کئے تھے۔
اور یہ سب اس لئے ہوا کہ یہ لوگ بڑے عاقبت اندیش تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر انہوں نے قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر نہ کی تو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ
تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۝۶ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۷ فَمَنْ
يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۸

۱ جب وہ انقلاب عظیم آئے گا جس میں انسان کا موجودہ غلط تمدنی نظام تہ و بالا ہو جائے گا۔
۲ وہ مستبد قوتیں جو اس وقت زمین کی چھاتی پر سنگ گراں بن کر بیٹھی ہیں نکال باہر کی جائیں گی۔
۳ اور وہ انسان، جس کے تصور میں بھی اس قسم کا انقلاب نہیں آسکتا اور وہ خیال بھی نہیں کرسکتا کہ ایسے صاحبِ قوت و ثروت مستبد لوگوں اور قوموں کا ایسا حشر ہوسکتا ہے، حیران و ششدر رہ جائے گا کہ ایسا تغیر کس طرح واقع ہوگیا!
۴ اُس وقت تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔ اقوامِ سابقہ کی سرگذشتیں، زندہ حقیقت بن کر سامنے آجائیں گی۔
۵ اور یہ سب کچھ خدا کے قانون کے عین مطابق ہوگا۔
۶ اُس وقت ایک نئے نظام عدل کی بساط بچھے گی۔ مجرم اور شریف انسان الگ الگ ہوجائیں گے۔ (۳۶/۵۹)۔ اور ہر گروہ کے اعمال کے نتائج نمایاں طور پر سامنے آجائیں گے۔
۷ جو ذرہ برابر بھی قانونِ خداوندی کا اتباع کرے گا، اس کے حسنِ عمل کا خوشگوار نتیجہ

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

اس کے سامنے آجائے گا۔

۸ اور جو ذرہ برابر قانون کی خلاف ورزی کرے گا' اس کی سزا پائے گا۔

یہ سب کچھ اس دنیا میں بھی ہوگا جب قرآنی نظام قائم ہوگا (جیسا کہ نبی اکرمؐ کے زمانہ میں ہوا تھا۔ اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہوگا)۔ اور آخرت میں بھی' جب انسان کا ہر عمل نتیجہ بن کر سامنے آجائے گا۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝١ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝٢ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝٣ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝٤

۱ ذرا اِن لوٹ مار کرنے والے ڈاکوؤں اور قزاقوں کو دیکھو۔ لوگ اطمینان سے گہری نیند سو رہے ہوتے ہیں کہ یہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ان پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔

۲ گھوڑوں کو اس تیزی سے دوڑاتے ہیں کہ ان کے سموں سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں۔

۳ معلوم نہیں یہ کتنی دُور سے آتے ہیں لیکن عین صبح کے وقت جب سونے والوں پر نیند کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے یہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے لئے آ پہنچتے ہیں۔

۴ اور ایسا گرد و غبار اڑاتے ہیں کہ اس سے وحشت طاری ہو جائے اور کوئی چیز صاف دکھائی نہ دے۔

(نوٹ) اس سورۃ کی پہلی پانچ آیات میں قرآن کریم نے اس کی تصریح نہیں کی کہ ان میں کن جماعتوں کا ذکر ہے۔ ہم نے آیت ۶ اور اس کے بعد کی آیات کے مضمون کی نسبت سے، ان سے مراد وہ جماعتیں لی ہیں جو لوٹ مار کرنے کے لئے یورشیں کیا کرتی تھیں ——— اور یہ جاہلیت عرب کے معاشرہ کا عام معمول تھا۔ لیکن اگر ان سے مراد مجاہدین کی جماعتیں ہوں جو مخالفین کی سرکوبی کے لئے یورشیں کرتی تھیں تو یہ آیات ان کی تگ و تاز کی تحسین کے لئے ہوں گی۔ اور آیاتِ مابعد سے ان کا ربط یوں ہوگا کہ انہیں یہ کچھ اس لئے کرنا پڑتا ہے کہ انسان کو اگر علیٰ حالہٖ بے باک چھوڑ دیا جائے تو وہ سب کچھ اپنے لئے سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے جس سے کمزور لوگ نانِ شبینہ تک کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ انہیں اس غلط روش سے روکنے کے لئے آخری

(بقیہ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ
لَشَهِيْدٌ ۝۷ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝۹
وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝۱۰ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝۱۱

۵ اور اس طرح ان سونے والوں کی جمعیت کے اندر گھس کر طوفان برپا کر دیتے ہیں۔

۶-۸ انسانوں کی لوٹ مار کی یہ عادت کس بات کی شہادت دیتی ہے؟ اس بات کی کہ یہ مال و دولت کی ہوس میں دیوانہ ہو کر انسانیت کے تمام آئین و ضوابط کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ یہ بجائے اس کے کہ اپنی قوتِ تخلیق سے سامانِ رزق میں اضافہ کرے، دوسروں کی محنت کی کمائی لوٹ کر سب کچھ اپنے لئے سمیٹ لینا چاہتا ہے اور اس طرح خدا کے نظامِ ربوبیت کی ناقدر شناسی کرتا ہے —— پھر تماشہ یہ کہ یہ اپنی اس ذہنیت کا کبھی اعتراف نہیں کرتا بلکہ اس لوٹ مار اور سلب و نہب کو اس رنگ میں پیش کرتا ہے گویا یہ کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے رہا ہے۔ حالانکہ اس کی زندگی خود اس کی شہادت دیتی ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ وہ ہوسِ زر کے لئے ایسا کرتا ہے —— وہ ہوس جس کی کوئی حد اور کنارہ ہی نہیں۔ (۱۰۲/۱)۔

۹ ۱۰ کیا اُسے اس کا علم نہیں کہ ہمارا قانونِ مکافات ہر چھپی ہوئی بات کو کرید کر نکال لیتا ہے۔ وہ انسان کے دل میں گزرنے والے خیالات تک کو پوست کندہ شکل میں سامنے لے آتا ہے۔ انسان لاکھ کہے کہ وہ یہ کچھ مال کی محبت کی وجہ سے نہیں کرتا تھا، بلکہ اس کا مقصد کچھ اور تھا، لیکن ہمارا قانونِ مکافات اس کے ہر مخفی ارادے کو بے نقاب کر دے گا۔

۱۱ یہ مخفی ارادے بے نقاب تو ہوں گے نتائجِ اعمال کے ظہور کے وقت، لیکن خدا کو ان کا آج بھی علم ہے۔ وہ اس وقت بھی جانتا ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہوتا ہے اور وہ ظاہر کیا کرتا ہے —— (کوئی زر پرست اس کا اعتراف نہیں کرے گا کہ وہ ہوس و حرص کی وجہ سے دولت اکٹھی کرتا ہے۔ وہ اس کے لئے ہزار خوش آیند وجوہِ جواز پیش کرے گا۔ لیکن یہ سب فریبِ نفس ہے۔ وہ وقت آئے گا جب یہ لوگ اپنے عزائم کو چھپا نہیں سکیں گے۔ دنیا ان سے اچھی طرح واقف ہو جائے گی)۔

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ نوٹ) صورت یہی ہے کہ جہاد (قتال) کے ذریعے ان کی قوت کو توڑ دیا جائے۔ مجاہدین کی جماعتیں، اور ان کے وفا کیش گھوڑے اسی مقصد کے لئے یورشیں کرتے اور اپنی جان تک لڑا دیتے ہیں —— گھوڑے "اپنے رزق دینے والے آقا" کے اس قدر وفا شعار اور انسان اس قدر ناشکر گذار! یا للعجب۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝٤ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٦ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧ وَاَمَّا مَنْ

---

۱ ہاں! وہ کھڑکھڑا دینے والا انقلاب' وہ ہنگامہ خیز تصادم (جو عنقریب رونما ہونے والا ہے)۔

۲ کس قسم کا لرزہ انگیز ہوگا وہ انقلاب؟ (۶۹-۴)

۳ اس کے متعلق تمہیں خدا سے بہتر اور کون بتا سکے گا کہ اس انقلاب میں کیا ہوگا۔

۴ اُس وقت عوام کی تو یہ حالت ہوگی جیسے منتشر پروانے۔

۵ اور اُن کے بڑے بڑے لیڈروں کا یہ عالم گویا وہ دُھنی ہوئی اُون یا روئی کے گالے ہیں جو فضا میں اُڑ رہے ہیں۔

۶-۷ لیکن یہ انقلاب محض ایک ہنگامہ یا فساد نہیں ہوگا۔ یہ' موجودہ باطل کے نظام کی جگہ' عدل و انصاف کا نظام قائم کرے گا جس میں ہر شخص کا مقام اس کے اعمال کے مطابق متعین ہوگا۔ جس شخص کے اچھے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا' اس کی زندگی اس کی حسین آرزوؤں کے مطابق خوش آئند ہوگی۔

۸-۹ لیکن جس کا وہ پلڑا ہلکا ہوگا' وہ ذلت کی پستیوں میں گر جائے گا' جہاں اس کی

خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝٨ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝٩ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١

یہ حالت ہوگی کہ اس کا دل و دماغ کچھ کام نہیں دے گا اور وہ پریشاں حال مارا مارا پھرے گا۔

۱۰ یہ ذلت کی پستیاں کیا ہوں گی ؟

۱۱ بس یوں سمجھو کہ شعلہ خیز آگ جو متاعِ انسانیت کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دے۔ انسان کے سرکش اور بیباک جذبات، جو وحی کے تابع نہ رہیں، ایسا ہی نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦

۱ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جو تمہیں انسانیت کی صحیح منزلِ مقصود کی طرف سے یکسر غافل کر دیتی ہے؟ وہ چیز ہے مال و دولت اور جاہ و منصب میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی ہوس۔ (۵۷/۲۰ ؛ ۸۳/۲۶)۔

۲ اگر تم اپنی طلب کو، اپنی ضروریات پورا کرنے تک محدود رکھو تو اس کی ایک حد ہوگی۔ لیکن جب جذبۂ محرکہ ایک دوسرے سے آگے نکل جانا ہو، تو اس کی کوئی حد ہی نہیں ہو سکتی۔ اس جذبہ کے ماتحت کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ جتنا حاصل کرتے جاؤ اتنی ہی ہوس بڑھتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ انسان قبر کے گڑھے تک جا پہنچتا ہے۔

۳ یہ بات ایسی نہیں جو سمجھ میں نہ آسکے۔ اگر جذبات سے ہٹ کر ذرا عقل و فہم سے کام لو، تو تم بہت جلد جان لو کہ یہ رَوش کس قدر تباہ کن ہے۔

۴ ہاں! تم اس طرح بہت جلد جان سکتے ہو کہ اس رَوش کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

۵-۶ اور اگر تم ذرا اور گہرائی میں اتر کر غور کرو تو تم، اُس جہنم کو جس کی طرف انسان کی یہ رَوش لے جاتی ہے، اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ سکتے ہو۔ (۲۹/۵۴ ؛ ۷۹/۳۶ ؛ ۹۲/۱۶)۔

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

۷ لیکن تمہارا انداز بتا رہا ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تم غور و فکر سے کام نہیں لو گے بلکہ لڈھا دھند اپنی موجودہ رَوش پر چلتے جاؤ گے تا آنکہ تم اس جہنم کے اندر جا گرو اور اس طرح اُسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو۔

۸ اُس وقت تم سے پوچھا جائے گا کہ خدا کی ان نعمتوں کو جنہیں اس نے تمام نوعِ انسان کی پرورش کے لئے عطا کیا تھا، تم محض اپنی ہوس کی تسکین کی خاطر سمیٹتے کیوں چلے جاتے تھے! تم سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے قصرِ تعیش کی رنگینیوں میں کس کس کے خون کی سُرخی شامل تھی۔ جو کچھ تم نے سمیٹا تھا، وہ کس کی محنت کا ماحصل تھا اور تمہیں اسے غصب کر لینے کا کیا حق حاصل تھا۔ (۲۱/۳)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا

۱ زمانہ ـــــ یعنی انسانیت کی تاریخ ـــــ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ
۲ انسان کی کوششیں ہمیشہ ناکام رہی ہیں۔ اس کی محنت اکارت گئی ہے۔ وہ ہر مقام پر خاسر و نامراد رہا ہے۔ وہ اپنے مقصد کو کبھی نہیں پا سکا۔
۳ لیکن اس میں ایک استثناء ہے، یعنی ایسے لوگ بھی ہیں جو کامیاب و کامران رہے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں؟
وہ لوگ جو خدا کی طرف سے عطا کردہ مستقل اقدار اور غیر متبدل اصولِ حیات کی محکمیت پر یقین رکھتے ہیں۔
لیکن صرف یقین ہی نہیں رکھتے ـــــ محض یقین رکھنا تو کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا ـــــ ان پر یقین رکھتے ہیں اور پھر ان کے مطابق ایسے کام کرتے ہیں جو انسانوں کے الجھے ہوئے معاملات کو سنوار دیں، اور معاشرہ میں ہمواریاں پیدا کر دیں۔ جس سے تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہو جائے۔
لیکن یہ کام انفرادی طور پر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اجتماعی طور پر ہی سرانجام پا سکتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ جماعتی زندگی بسر کرتے ہیں جس میں ہر فرد اپنا فریضہ اتنا ہی نہیں سمجھتا کہ جو کام اس کے ذمے لگا دیا گیا تھا، اس نے اسے پورا کر دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے بھی کہتا

بِالصَّبْرِ ۝۳

ہے کہ وہ بھی اپنا حق ادا کریں اور جس قدر مشکلات ان کے راستے میں آئیں' ان کا مقابلہ ثبات اور استقامت کے ساتھ کریں۔ ان کی ایک دوسرے کو حق اور استقامت کی تلقین' خود ان میں باہمی ربط و ضبط کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ وہ مسلسل و متواتر اس روش پر گامزن رہتے ہیں' اور اس طرح' آنے والی نسلوں کے لئے' زمانہ کی ریگ رواں پر اپنے نقوش قدم ثبت کرتے چلے جاتے ہیں۔

یہی وہ جماعت ہے جو کامیاب و کامران زندگی بسر کرتی ہے۔ دوسرے انسانوں کی زندگی ناکامیوں اور نامرادیوں کی حسرت انگیز داستانوں کے سوا کچھ نہیں۔ تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝١ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝٢ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝٣ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ
فِي الْحُطَمَةِ ۝٤ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝٦ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝٧

۱-۲ (اے رسولؐ! تم ان لوگوں سے برملا کہہ دو کہ) وہ شخص تباہ و برباد ہو کر رہے گا جس کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہو کہ دولت اکٹھی کرتا رہے اور پھر گنتا رہے کہ اب کتنا روپیہ جمع ہو گیا اور اب کتنا ـــــ یعنی وہ ننانوے کے پھیر میں پڑ جائے (۱۰۰/۱۰۰) ایسے شخص کی ذہنیت یہ ہو جاتی ہے کہ اگر قوم میں کوئی مصلح پیدا ہو جو سرمایہ داری کے نظام کے خلاف کچھ کہے تو یہ اس میں ہزار عیب نکالے گا، نکتہ چینی کرے گا، طعن و تشنیع تک اتر آئے گا، کوشش کرے گا کہ اس کے ساتھیوں میں پھوٹ پیدا کر دے۔

۳ اس سے پوچھو کہ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ مصیبتوں سے بچاتا رہیگا؟

۴ اگر وہ ایسا سمجھتا ہے تو یہ اس کا زعم باطل ہے۔ اس کے اس مال کو، ناکارہ شے کی طرح، اس تباہی کے جہنم میں جھونک دیا جائے گا جو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی اور یوں وہ کسی کام کا نہیں رہے گا۔ (۹۰/۳۵)۔

۵ تجھے خدا سے بڑھ کر اور کون بتا سکتا ہے کہ یہ تباہی کا جہنم کیا ہے؟

۶-۷ یہ خدا کے قانونِ مکافات کی بھڑکائی ہوئی وہ آگ ہے جس کے شعلے دلوں کو

إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾

اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

۸-۹ یہ آگ ان بڑے بڑے ستونوں میں بند کر کے رکھی ہوئی ہے جنہیں یہ لوگ (اپنی غلط فہمی اور خود فریبی سے) زندگی کے سہارے اور حیاتِ جاوید کے آسرے سمجھے بیٹھے ہیں۔ (یعنی ان کا مال و دولت، جس پر انہیں اس قدر بھروسہ ہے، خود ہی وہ آگ ہے جو ان کی متاعِ حیات کو جلا کر راکھ بنا دے گی۔ آسمانی انقلاب میں سرمایہ داروں کی تباہی ان کے اپنے مال و دولت کی وجہ سے ہو جاتی ہے جسے وہ چھوڑنا نہیں چاہتے۔ وہ اپنی آگ میں آپ جل کر بھسم ہو جاتے ہیں)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝١ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝٢ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝٣ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝٤ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝٥

۱ (اگر یہ مخالفین اس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ ان کی اتنی بڑی قوت کو کون شکست دے سکتا ہے، تو ان سے کہو کہ) کیا تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا کہ تمہارے نشوونما دینے والے نے اس لشکر کا کیا حشر کر دیا تھا جو تم پر ہاتھی لے کر حملہ آور ہوا تھا؟

۲ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ خدا نے ان کی خفیہ تدبیر کو کس طرح ناکام بنا کر رکھ دیا تھا۔

۳ (انہوں نے پہاڑ کے دوسری طرف ایک غیر مانوس خفیہ راستہ اختیار کیا تھا تاکہ وہ تم پر اچانک حملہ کر دیں۔ لیکن) چیلوں اور گدھوں کے جھنڈ (جو عام طور پر لشکر کے ساتھ ساتھ اڑتے چلے جاتے ہیں کیونکہ انہیں فطری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بہت سی لاشیں کھانے کو ملیں گی) ان کے سر پر منڈلاتے ہوئے آ گئے اور اس طرح تم نے دور سے بھانپ لیا کہ پہاڑ کے پیچھے کوئی لشکر آ رہا ہے (یوں ان کی خفیہ تدبیر طشت از بام ہو گئی)۔

۴-۵ چنانچہ تم نے پہاڑ پر چڑھ کر ان پر سخت پتھراؤ کیا اور اس طرح اس لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔ (یعنی ان کا کچومر نکال دیا)۔

(یہ سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔ جب اتنے بڑے لشکر کو یوں شکست مل گئی تھی تو تم کس گنتی شمار میں ہو۔ تمہاری خفیہ تدابیر بھی ناکام رہ جائیں گی)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝۲ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳ الَّذِيْٓ
اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴

۱-۲ قریش کعبے کے متولی ہیں اس لئے لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی عزت و عظمت ہے۔ اسی عظمت و احترام کا نتیجہ ہے کہ ہمسایہ قبائل اور ممالک نے ان سے عہد و پیمان کر رکھے ہیں کہ ان کے قافلوں کو کوئی نہیں لوٹے گا۔ چنانچہ یہ سردی اور گرمی سال بھر اپنے تجارتی قافلے مسلسل اِدھر اُدھر بھیجتے رہتے ہیں اور وہ ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں۔

۳-۴ کعبے کے متولی ہونے کی وجہ سے قریش کو اس قدر فوائد حاصل ہیں لیکن جس مقصد کے لئے انہیں اس کا متولی بنایا گیا تھا، انہوں نے اسے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ انہیں خدا نے بھوک اور خوف سے نجات دلائی تھی، تاکہ یہ اس طرح مامون اور مطمئن ہو کر کعبے کو نظام خداوندی کا مرکز بنائیں ـــــ (لیکن انہوں نے اسے یاترا کا تیرتھ بنا کر رکھ دیا اور خود اس کے مہنت بن گئے)۔

یہ غلط ہے۔ انہیں چاہیئے کہ یہ اُس گھر کے مالک (یعنی خدا) کے قوانین کی اطاعت کریں، جس گھر کے ساتھ نسبت نے انہیں یہ مقام عطا کر رکھا ہے۔ (یہ کام اب اس جماعت کے ہاتھوں سرانجام پائے گا جو اس مقصد کے لئے متشکل کی جا رہی ہے)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝١ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝٢ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝٣ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝٤

---

۱ کیا تم نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جو زبان سے تو اسلام کا اقرار کرتا ہے لیکن عملاً دین کی تکذیب کرتا ہے۔ یعنی اس کا طرز عمل اس امر کی دلیل ہے کہ اگر دین داری یہی ہے جس کا مظاہرہ اس کے اعمال سے ہوتا ہے' تو پھر دین کا ہر دعویٰ جھوٹا ہے۔ (۵۳/۳۲ ؛ ۹۵/۷۵ — ۳۳)۔

۲-۳ (دین کا مقصد یہ تھا کہ معاشرہ میں جو شخص بے یار و مددگار رہ جائے اسے محسوس تک نہ ہونے پائے کہ وہ تنہا اور بے کس ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے' کسی کی کوئی ضرورت رہ جائے تو اسے فوراً پورا کر دیا جائے۔ لیکن) اس دیندار کی حالت یہ ہے کہ جو شخص بے یار و مددگار رہ جائے' یہ اسے دھکے دیتا ہے' اور محتاجوں کی مدد نہ خود کرتا ہے' نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ (۸۹/۱۸ ؛ ۶۹/۳۴)۔

۴ کام تو ایسے کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو "دیندار" ظاہر کرنے کے لئے نمازیں بہت پڑھتا ہے۔ اسی قسم کے نمازی ہیں جن کی نمازیں ان کی تباہی کا باعث بن جاتی ہیں' اس لئے کہ یہ نمازیں پڑھ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتے ہیں (یا دوسروں کو فریب دیتے ہیں)

الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝٥ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝٦ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝٧

کہ یہ بڑے متقی، پرہیزگار ہیں۔

۵-۶ انہیں اس کا پتہ ہی نہیں کہ صلوٰۃ کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مقصد تھا ایک ایسے معاشرہ کا قیام جس میں تمام افراد، قوانین خداوندی کا اتباع کریں اور عالمگیر انسانیت کو سامانِ نشوونما بہم پہنچتا رہے۔ یہ اس کی اس غرض وغایت سے تو غافل رہتے ہیں اور اسکے محسوس ارکان (قیام، رکوع، سجود وغیرہ) کی ادائیگی کے بعد سمجھ لیتے ہیں کہ ہم فریضۂ خداوندی سے سبکدوش ہو گئے (۹/۴۴)۔

۷ ان کی اس خود فریبی کا نتیجہ ہے کہ یہ ایک طرف نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دوسری طرف رزق کے اُن سرچشموں پر، جنہیں بہتے پانی کی طرح ہر ایک کی ضروریات کے لئے چلتا رہنا چاہیئے، بند لگا کر ان پر اپنا قبضہ جما لیتے ہیں اور اس طرح ضرورتمندوں کو سامانِ زیست سے محروم کر دیتے ہیں۔ (یوں یہ تکذیب دین کرتے اور ننگِ اسلام بنتے ہیں)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢

۱ اے رسولؐ! ہم نے تجھے قرآن جیسی نعمت عطا کی ہے جو سرچشمہ ہے دنیا بھر کی بھلائیوں اور خوشگواریوں کا۔ اس میں حکمت اور بھلائی کی لامتناہی باتیں ہیں جو زمانے کے ساتھ ساتھ ابھرتی اور سامنے آتی چلی جائیں گی۔ اس خیر کثیر میں کبھی کمی واقع نہیں ہوگی۔ (۲۵ ـــــ ۱۴ = ۲۴۷) ؛ (۳۵ / ۱۳)۔

۲ اب تیرے لئے ضروری ہے کہ تو اس کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ پھیلائے۔ اس کے لئے تو اپنے پروگرام کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف رہ۔ خدا کے نظام ربوبیت کے قیام کے لئے اپنے فرائض منصبی کو پوری طرح ادا کر۔ ان پر علم و عقل، اور تجربہ اور مشاہدہ سے پوری طرح حاوی ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنی جماعت کے لوگوں کے کھانے پینے کا بھی انتظام کر۔[1]

---

[1] نحر اونٹ ذبح کرنے کو کہتے ہیں۔ عربوں کے ہاں کھانے پینے کا بہترین سامان یہی تھا۔ اس میں ایک اور نکتہ بھی پوشیدہ ہے۔ یہودیوں کے ہاں اونٹ حرام تھا۔ (جس طرح ہندوؤں کے ہاں گائے حرام ہے)۔ مدینہ میں یہودیوں کا بڑا زور تھا اور انہیں خیال تھا کہ مسلمان جو مکہ سے اس طرح کمزور حالت میں نکل کر آ رہے ہیں ان کے دبیل بن کر رہیں گے۔ مسلمانوں کو شروع ہی میں کہہ دیا گیا کہ تمہیں یہودیوں سے دبنے کی ضرورت نہیں * اونٹ ذبح کرنا " اس کی علامت ہوگی کہ تمہاری روش زندگی یہودیوں سے الگ بلکہ ان کے علی الرغم ہے اور تم ان کی خاطر اپنی روش میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔ حق باطل سے مفاہمت کر ہی نہیں سکتا۔

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝٣

۳ اِس وقت تو حالت یہ ہے کہ تیری جماعت کمزور سی ہے ؛ اور مخالفین بڑی قوت اور کثرت کے مالک - لیکن آخر الامر تو دیکھے گا کہ جو لوگ تیرے نظام کی مخالفت کر رہے ہیں ان کا نام و نشان تک مٹ جائے گا - اور یہی نظام، جو خیر کثیر کا سرچشمہ ہے، آگے چلے گا -



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵

۱ (اے رسولؐ! تم نے ان لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے کافی وقت صرف کر دیا۔ تم نے ہر ممکن کوشش کر دیکھی کہ یہ تباہی سے بچ جائیں۔ لیکن اب کوئی امید باقی نہیں کہ یہ اس طرح صحیح راستہ اختیار کر لیں گے۔ یہ ابھی تک اپنے دل میں یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ یا تو تم ہار تھک کر اپنی دعوت کو ختم کر دو گے' یا اُن سے مفاہمت کر لو گے۔ اس لئے یہ اس دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ لہٰذا' اب وقت آگیا ہے کہ ان سے دو ٹوک بات کر لی جائے۔ تو ان لوگوں سے' جو تمہاری دعوت کی اس طرح مخالفت کر رہے ہیں' برملا کہہ دے کہ:

۲-۳ تمہاری اور میری منزل بھی الگ الگ ہے اور راستے بھی جدا جدا۔ مقصود بھی الگ ہے اور اسے حاصل کرنے کے ذرائع بھی الگ۔ تمہارے معبود الگ ہیں' میرا معبود الگ۔ تم "عبادت" سے کچھ اور مفہوم لیتے ہو' میں کچھ اور۔ تمہارے معبود' تمہارے ذہن کے تراشیدہ ہیں' میرا معبود خالق کائنات ہے۔ تم اپنے معبودوں کی پرستش کرتے ہو' میں اپنے معبود کے احکام و قوانین کی اطاعت کو اس کی عبادت سمجھتا ہوں۔ لہٰذا' ہم دونوں ایک نقطہ پر جمع ہو ہی نہیں سکتے۔ اس میں مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴-۵ یہ بھی مت خیال کرو کہ ہمارا اور تمہارا اختلاف کوئی ہنگامی اور وقتی اختلاف ہے۔

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝٦

کچھ عرصہ کے بعد یہ خود بخود مٹ جائے گا۔ قطعاً نہیں۔ یہ اختلاف بنیادی اور اصولی ہے۔ یہ نہ اس وقت مٹ سکتا ہے، نہ اس کے بعد کبھی مٹے گا۔ تمہارے معبود الگ رہیں گے میرا معبود الگ۔ تمہاری عبادت، ان معبودوں کی پرستش ہوگی، میری عبادت خدا کے قوانین کی اطاعت اور محکومیت ——— لہٰذا، یہ اختلاف اَنمٹ ہے۔

٦ اس لئے تمہارا پروگرام الگ ہے، میرا پروگرام الگ۔ تم اپنے پروگرام پر عمل پیرا رہو مجھے اپنے پروگرام پر چلنے دو۔ نتائج خود بخود بتا دیں گے کہ آخر الامر کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے۔ ($\frac{۶}{۱۳۶}$; $\frac{۱۰}{۴۱}$; $\frac{۴۲}{۱۵}$; $\frac{۶۰}{۴}$; $\frac{۱۵}{۸۵}$; $\frac{۷۳}{۱۰}$)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ

---

۱ (اس اعلان کے بعد جس کا ذکر سابقہ سورۃ میں کیا گیا ہے' تم ان سے الگ ہو جاؤ اور اپنے پروگرام کے اگلے حصے پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اس کے بعد تم دیکھو گے کہ اس کے نتائج کتنی جلدی سامنے آجاتے ہیں۔ لیکن اس باب میں ایک بنیادی نقطہ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ اور وہ یہ کہ جب قانونِ خداوندی کے مطابق' تجھے غلبہ و نصرت حاصل ہو جائے' اور ان لوگوں کی مخالفت ختم ہو کر' دین کے دروازے ہر طرف سے کھل جائیں۔

۲ اور تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ لوگ کس طرح جوق در جوق' اس نظام میں داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ (۱۹/۹۴)۔

۳ (تو اس وقت یہ نہ سمجھ لینا کہ بس اب کام ختم ہو گیا۔ مقصد حاصل ہو گیا بالکل نہیں۔ اس سے تمہاری ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جائیں گی۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہو گا کہ تم) اپنے نشو و نما دینے والے کے نظامِ ربوبیت کو وجہ حمد و ستائش بنانے کے لئے اور بھی شدت سے سرگرم عمل رہو۔ (۱۵/۹۴)۔ اس وقت تخریبی قوتیں اس نظام میں خرابیاں پیدا کرنے کے لئے' بڑی بڑی سازشیں کریں گی۔ تمہیں' ان کی مدافعت کے لئے خدا سے

إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝٣

سامانِ حفاظت طلب کرنا ہوگا۔ تم یہ کرو گے تو خدا کی تائید و نصرت اور تیزی سے آگے بڑھ کر تمہاری طرف آئے گی۔

(یہ پیغام' تمہاری وساطت سے' تمہاری ساری امت کے لئے ہے —— موجودہ کے لئے بھی اور بعد میں آنے والی کے لئے بھی —— ان سے کہہ دو کہ انہیں اس پروگرام پر التزاماً کاربند رہنا پڑے گا۔ اگر اسے چھوڑ دیا' یا اس میں تساہل برتا' تو ان کی جگہ کوئی اور قوم لے لیگی جو ان جیسی نہیں ہوگی۔ ان سے بہتر ہوگی۔ جبھی تو وہ اِن کی جگہ لے گی۔ ۴۷/۳۸)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣

وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤

---

۱ وہ دیکھو! جماعتِ مخالفین کا سب سے بڑا نمایندہ۔ قریش کی معاشرتی اور اقتصادی خرابیوں کا سب سے بڑا ذمہ دار — کعبہ کا متولی — اِن کے غلط نظام کا سب سے بڑا حامی — ابولہب — اِس نظامِ خداوندی کے مقابلہ سے عاجز آگیا اور بُری طرح تباہ ہوگیا۔ (یہ تباہی کسی فرد کی تباہی نہیں۔ یہ درحقیقت اس نظامِ معاشرت و تمدّن کی شکست ہے جس کا یہ نمایندہ ہے)۔

۲ اور اس کا وہ مال و دولت، اور ساز و یراق، جس کے بل بوتے پر وہ اتنی سخت مخالفت کرتا تھا، اس کے کسی کام نہ آیا۔ (وہ اُسے اِس تباہی سے نہ بچا سکا۔ غلط نظام، دولت کے سہارے کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ اس کی بنیاد میں خرابی کی صورت مضمر ہوتی ہے۔ ($\frac{۶۹}{۲۸ — ۲۷}$; $\frac{۹۲}{۱۱}$; $\frac{۹۶}{۷}$)۔

۳ تم دیکھو گے کہ وہ کس طرح جہنم کی اُس آگ میں جا گرتا ہے جس کے شعلے بڑے تباہ کن ہیں۔

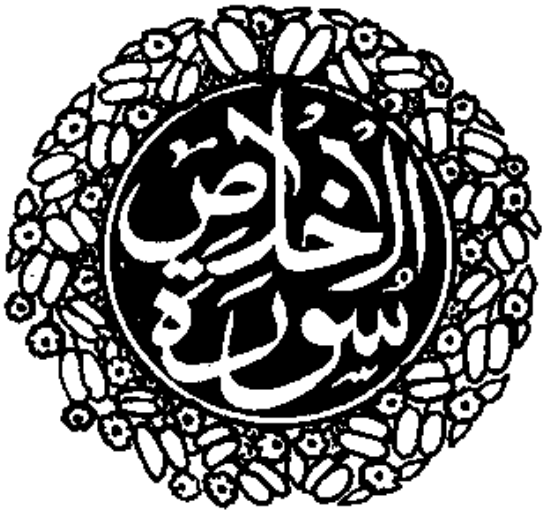
۴ اور اس کے ساتھ ہی اس کی بیوی بھی (جو اس کی سازشوں میں اس کی برابر کی شریک

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

تھی) اور جگہ جگہ لگائی بجھائی کر کے، اس جہنم کے ایندھن کو اپنی پشت پر لادے لادے پھرتی تھی۔

۵ تم دیکھو گے کہ اس کی وہ سرکش گردن، جو کسی کے سامنے نہیں جھکتی تھی، کس طرح ذلت و رسوائیوں کی رسیوں میں جکڑی جاتی ہے۔

(یوں باطل کے اس نظام کو شکست ہو گی اور تمہارا نظام غالب آجائے گا)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳

۱ (اس سلسلہ میں خود اپنے لوگوں پر بھی اس بنیادی حقیقت کو واضح کر دینا چاہیئے کہ تمہاری یہ فتح اور کامرانی، محض فوجی طاقت کے بل بوتے پر نہیں۔ یہ کامیابی دراصل اس تعلیم کا نتیجہ ہے جسے تم علم و بصیرت کی روشنی میں پیش کرتے اور دلائل و براہین کی رو سے منواتے ہو۔ اس تعلیم میں بنیادی نکتہ خدا کے تصور کا ہے۔ خدا کے جس تصور کو تم پیش کرتے ہو، ہو نہیں سکتا کہ انسان اس پر عقل و فکر سے غور کرے، اور اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ وہ تصور یہ ہے کہ)

(i) خدائے واحد اپنی ذات اور صفات میں یگانہ[1] ہے۔ ان میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ ساری کائنات میں اسی ایک کا قانون کارفرما ہے، اور اسی ایک کے قانون کے تابع تمام انسانوں کو بھی رہنا چاہیئے۔ اس طرح ان میں بھی وحدت پیدا ہو جائے گی۔ (وحدتِ خالق کے تصور کا لازمی نتیجہ وحدتِ قانون اور وحدتِ انسانیت ہے)۔

۲ (ii) وہ (خدا) خود مکتفی[2] ہے اور باقی سب، اپنی زندگی، بقا، نشوونما اور تکمیل کے لئے اس کے محتاج ہیں۔ وہ ایک بلند و بالا مستحکم چٹان کی طرح ہے جو خود ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہوتی ہے، اور سیلاب سے بچنے کے لئے ہر ایک اس کی طرف پناہ کے لئے جاتا ہے۔

۳ اس نے تمام ذی حیات کو عملِ تخلیق[3] سے پیدا کیا ہے نہ کہ تولید کے ذریعے[4] (عملِ تولید

[1] UNIQUE. [2] CREATION. [3] PROCREATION.

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

میں پیدا کرنے والے کا ایک حصہ مولود میں آجاتا ہے' اور اس طرح والد — پیدا کرنے والا — خود ناقص رہ جاتا ہے۔ تخلیق میں ایسا نہیں ہوتا)۔ نہ اس نے اس طرح کسی کو پیدا کیا ہے' نہ وہ خود کسی کے عمل تولید کا نتیجہ ہے۔ اور

۴ (iii) اُس کا ہمسر' مثیل اور نظیر کوئی نہیں۔ اس جیسا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

(دنیا میں چند دہریوں کو چھوڑ کر' باقی سب خدا کو ماننے کے مدعی ہیں۔ لیکن خدا کوئی محسوس شے نہیں کہ اسے دیکھ کر ہر ایک' ایک جیسا مانے۔ وہ غیر مرئی' غیر محسوس' ادراک و شعور سے بلند ذات ہے۔ اس لئے خدا کو ماننے سے مطلب یہ ہوگا کہ تم اس کے متعلق تصور کیا رکھتے ہو۔ ایک تصور کے مطابق اسے مانو' تو وہ خدا پر ایمان کہلائے گا۔ دوسرے تصور کے مطابق مانو تو وہ خدا پر ایمان کے دعوے کے باوجود' اس سے انکار ہوگا۔ خدا کا تصور وہی صحیح ہو سکتا ہے جسے خود خدا نے اپنے متعلق دیا ہو۔ اور یہ تصور قرآن کے علاوہ اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ لہٰذا' خدا کو اس تصور کے مطابق ماننا جو قرآن پیش کرتا ہے' خدا پر ایمان کہلائے گا۔ خدا کا یہی تصور ہے جو نہایت مختصر لیکن کمال جامع شکل میں یہاں پیش کیا گیا ہے۔ تم علم کی بارگاہ سے پوچھو کہ خدا کا اس قسم کا منزہ اور بلند تصور کہیں اور سے بھی مل سکتا ہے؟ اس خدا پر ایمان تمہاری کامیابی کا راز ہے۔ اسلئے کہ اس پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے اندر (علیٰ حد بشریت) اس جیسی صفات پیدا کرو۔ جو قوم اس قسم کی صفاتِ عالیہ کی حامل ہوگی' دنیا کی کونسی قوم اس کا مقابلہ کر سکے گی؟)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾

---

۱ (یہ انقلاب جس نئے مرحلہ میں داخل ہو رہا ہے ـــــ یعنی جس مرحلہ میں اب مخالف قوتوں سے تصادم ہوگا ـــــ اس میں تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اسطرح محتاط رہنے کی جس طرح ایک نوزائیدہ بچے کو ہر وقت اپنی ماں کے ساتھ ساتھ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا، تم اپنی جماعت سے کہہ دو کہ) میں اپنے نشوونما دینے والے کے اُس نظامِ ربوبیت کے آغوشِ حفاظت میں پناہ لیتا ہوں جس کا قانونِ تخلیق و ارتقاء یہ ہے کہ تخریبی اور تعمیری قوتوں کے تصادم سے، ایک نئی چیز کی نمود ہوتی ہے۔ دانہ پھٹتا ہے تو اس میں سے کونپل نکلتی ہے۔ (۹۶)

۲ اُس نے کائنات میں جو کچھ پیدا کیا ہے اُسے اس کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق صحیح میں لایا جائے تو وہ خیر ہی خیر ہے۔ لیکن اگر اس کا استعمال غلط طریق سے کیا جائے تو اس سے شر پیدا ہوتا ہے۔ لہذا، ہمیں اس طرح کے شر سے محتاط رہنے کی بڑی ضرورت ہے۔ یعنی اس احتیاط کی سخت ضرورت ہے کہ کائناتی قوتوں کا استعمال غلط (وحی کے خلاف) طریق سے نہ ہونے پائے۔

۳ نیز ہمیں ان چیزوں کے متعلق بھی خاص احتیاط برتنے کی ضرورت ہے جن کے نہ ہونے سے نشوونما رک جاتی ہے۔ (جیسے پانی کے معدوم ہو جانے سے پودے کی نشوونما رک جاتی ہے)۔

۴ اس نظام کی مخالف جماعتیں یہ بھی کریں گی کہ پروپیگنڈہ کی مہم شروع کر دیں، تاکہ

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝٥

نفسیاتی اثرات سے ہمارے پختہ ارادوں میں کمزوری پیدا ہو جائے' ہماری ہمتیں پست ہو جائیں' ہمارے دلوں میں ایسے شکوک و شبہات پیدا ہو جائیں جن سے ہمارے یقینِ محکم میں تزلزل واقع ہو جائے۔ ہمیں ایسی جماعتوں اور ان کی اس قسم کی حرکات سے بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہو گی۔

۵ پھر ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ہماری کامیابیوں سے جل بھُن جائیں اور ہم سے حسد کرنے لگیں۔ ہمیں ان حاسدوں سے بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

(یہ ہیں وہ تخریبی قوتیں جن سے ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہو گی۔ اور اس کی شکل یہ ہو گی کہ ہم زیادہ سے زیادہ قوانین خداوندی کی اطاعت کریں' اور اس طرح اس کی حفاظت کے آغوش میں آجائیں)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ﴿۴﴾

الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾

---

۱ (اس مقصد کے لئے جس کا ذکر سابقہ سورۃ میں کیا گیا ہے) ہمیں اس خدا کے قانون سے اور زیادہ قریب ہو جانا چاہیئے جس کے پیش نظر (کسی خاص گروہ' قبیلہ' جماعت' یا قوم کی نہیں بلکہ) پوری کی پوری انسانیت کی نشوونما ہے۔ وہ ربّ الناس ہے۔ (+)۔

۲ یعنی اس خدا کے قانون سے قریب تر جس کے سوا کسی کو حق حاصل نہیں کہ انسانوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ ساری کائنات میں غلبہ و اقتدار اُسی کا ہے اور اُسی کے قوانین کی محکومیت انسان کو اختیار کرنی چاہیئے۔ وہ ملک الناس ہے۔

۳ اور وہی ہے جس کا قانونِ حفاظت تمام نوع انسان کو پناہ دے سکتا ہے۔ اسی سے انسانیت تمام خطرات سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ وہ الٰہ الناس ہے۔

۴-۵ اس خدا کے قوانین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ متمسک رہ کر ہمیں محتاط رہنا ہوگا ان لوگوں کی وسوسہ انگیزیوں سے جو دبے پاؤں آتے ہیں اور چپکے ہی چپکے کانوں میں کچھ پھونک کر پچھلے پاؤں لوٹ جاتے ہیں' اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں وساوس پیدا کر کے ان کے عزمِ راسخ کو کمزور کر دیتے ہیں۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝٦

۶ یہ کچھ جانے پہچانے لوگوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کی طرف سے بھی، جو اجنبی اور بیگانے ہوتے ہیں۔ نیز ایسی مخفی قوتوں (غیر محسوس پراپیگنڈے کے نفسیاتی اثرات) کے ذریعے بھی جو بظاہر نظر نہیں آتیں۔

(اس نئی منزل میں داخل ہوتے وقت ان تمام تخریبی قوتوں کی شرانگیزیوں سے محتاط رہنا ہوگا۔ یہ احتیاط اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرو)۔

لِلّٰہِ الحَمْد

کہ مفہوم القرآن کی طباعت واشاعت کا سلسلۂ دراز' بہ حسن وخوبی تکمیل تک پہنچ گیا۔ میں خدائے بزرگ وبرتر کے اس کرم بے پایاں پر اس کی بارگاہِ صمدیت میں جس قدر سجدہ ہائے نیاز بھی پیش کروں' کم ہیں۔ قرآنی فکر کی نشر واشاعت میری زندگی کا مشن ہے' اور اس پروگرام میں' مفہوم القرآن کی حیثیت کعبۂ مقصود کی سی ہے۔ میں نے گذشتہ چالیس سال سے قرآن کریم پر جس قدر غور وفکر کیا' اور اس ضمن میں جو کچھ سمجھا اور سمجھایا' مفہوم القرآن کو اس کا ماحصل سمجھنا چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں (اور جن حضرات نے اس کا مطالعہ کیا ہے' وہ اس کی تائید کرتے ہیں) کہ اگر لغات القرآن کو سامنے رکھ کر' مفہوم القرآن کا بغائر مطالعہ کیا جائے' تو قرآن کریم کے سمجھنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔ اگر میری اس عمر بھر کی محنت سے' کسی ایک صاحبِ فکر نے قرآنی مطالب کو صحیح طور پر سمجھ لیا' تو مجھے میری کوہ کنی اور خارہ شگافی کا صلہ مل جائے گا۔ اور اگر (کبھی) ہماری قسمت نے یاوری کی' اور مفہوم القرآن' ہمارے کالجوں کی اعلیٰ کلاسوں میں بطور نصاب پڑھایا جانے لگا' تو ہمارے نوجوان طالب علموں کے قلب ودماغ میں ایسی تبدیلی پیدا ہو جائے گی جس سے وہ' حق اور باطل (کھرے اور کھوٹے) کے پہچاننے میں کوئی دقت محسوس نہیں کریں گے' اور اس طرح وہ نہ صرف کاروانِ انسانیت کے باشرف شریک کار بن سکنے کے قابل ہو جائیں گے بلکہ ان میں' خود سالارِ کارواں بننے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جائے گی ——— خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

۲ — آخر میں' میں اتنا گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ (میری دیگر تصانیف کی طرح) مفہوم القرآن بھی قرآنی مطالب کے سمجھنے اور سمجھانے کی ایک انسانی کوشش ہے جس میں (ہر انسانی کوشش کی طرح) سہو وخطا کا امکان' اور اصلاح وتصحیح کی گنجائش ہے۔ اگر احباب مجھے میری فروگزاشتوں سے مطلع فرمائیں گے تو میں ان کا شکر گزار ہوں گا۔

۳ — اور آخری دعا یہ ہے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ (۲/۱۲۷)

۲۵/بی - گلبرگ ۲ - لاہور
اکتوبر ۱۹۷۹ء

(غلام احمد) پرویز

محررہ سید احمد خوشنویس